جدید ایڈیشن

قرآن کریم کے معانی ومطالب سے واقف کرانے کیلئے
بامحاورہ اور لفظی ترجمہ کے ساتھ آسان تعلیمی

درسِ قرآن

پارہ ۱۶ تا ۲۰

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوذر! اگر تو صبح کو ایک آیت کلامِ پاک کی سیکھ لے تو نوافل کی سو رکعت سے افضل ہے، اور اگر عمل کا ایک باب سیکھ لے تو ہزار رکعتِ نفل پڑھنے سے افضل ہے

تسہیل شدہ ترجمہ

حضرت حکیمُ الاُمّت مُجدّدِ المِلّت جامع الکمالات
مولانا محمد اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

تفسیر ملخص از تفسیر ابنِ کثیر، معارف القرآن، بیان القرآن و دیگر تفاسیر

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

اگر آپ روزانہ
پندرہ میں منٹ "درسِ قرآن"
سے ایک درس پڑھیں تو ان شاء اللہ
آپ اس کے معانی ومطالب کو سمجھنے
میں کامیاب ہو جائیں گے

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ إِن سَأَلْتُكَ عَن شَيْءٍ بَعْدَهَا

اُن بزرگ نے فرمایا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی امر کے متعلق

فَلَا تُصَاحِبْنِي ۖ قَدْ بَلَغْتَ مِن لَّدُنِّي عُذْرًا ﴿٧٦﴾ فَانطَلَقَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ

کچھ پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھئے بیشک آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے ہیں۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا

اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَن يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ فَأَقَامَهُ ۖ

تو وہاں والوں سے کھانے کو مانگا سو انہوں نے اُن کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا اتنے میں اُن کو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی تو اُن بزرگ نے اس کو سیدھا کر دیا۔

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿٧٧﴾ قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ

موسیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اُجرت ہی لے لیتے۔ اُن بزرگ نے کہا کہ یہ وقت ہماری اور آپ کی علیحدگی کا ہے میں ان چیزوں کی

بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾

حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

قَالَ اس نے کہا	أَلَمْ کیا نہیں	أَقُلْ میں نے کہا	لَكَ تجھ سے	إِنَّكَ بیشک تو	لَن تَسْتَطِيعَ ہرگز نہ کر سکے گا	مَعِيَ میرے ساتھ	صَبْرًا صبر
قَالَ إِنْ اس (موسیٰ) نے کہا اگر	سَأَلْتُكَ میں تم سے پوچھوں	عَن شَيْءٍ کسی چیز سے	بَعْدَهَا اسکے بعد	فَلَا تُصَاحِبْنِي تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا			
قَدْ بَلَغْتَ البتہ تم پہنچ گئے	مِن لَّدُنِّي میری طرف سے	عُذْرًا عذر	فَانطَلَقَا پھر وہ دونوں چلے	حَتَّىٰ یہاں تک کہ	إِذَا أَتَيَا جب وہ دونوں آئے		
أَهْلَ قَرْيَةٍ ایک گاؤں والوں کے پاس	اسْتَطْعَمَا دونوں نے کھانا مانگا	أَهْلَهَا اس کے باشندے	فَأَبَوْا أَن تو انہوں نے انکار کر دیا کہ				
يُضَيِّفُوهُمَا وہ انکی ضیافت کریں	فَوَجَدَا پھر انہوں نے پائی (دیکھی)	فِيهَا جِدَارًا اسمیں (وہاں) ایک دیوار	يُرِيدُ وہ چاہتی تھی				
أَن يَنقَضَّ کہ وہ گر پڑے	فَأَقَامَهُ تو اس نے اسے سیدھا کر دیا	قَالَ اس نے کہا	لَوْ شِئْتَ اگر تم چاہتے	لَتَّخَذْتَ لے لیتے	عَلَيْهِ اس پر		
أَجْرًا اجرت	قَالَ اس نے کہا	هَٰذَا یہ	فِرَاقُ جدائی	بَيْنِي میرے درمیان	وَبَيْنِكَ اور تمہارے درمیان	سَأُنَبِّئُكَ اب تمہیں بتائے دیتا ہوں	
	بِتَأْوِيلِ تعبیر	مَا جو	لَمْ تَسْتَطِع تم نہ کر سکے	عَلَيْهِ اس پر	صَبْرًا صبر		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑنے اور عیب دار کر دینے کا واقعہ بیان ہوا تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے معذرت فرمائی کہ مجھ سے بھول سے غلطی ہوگئی معاف کیجئے اور چونکہ اول ہی مرتبہ کا اعتراض تھا اور خضر علیہ السلام بھی واقف تھے کہ بھول سے ایسا ہوا ہے اس لئے خضر علیہ السلام نے درگذر کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی میں سفر جاری رہا۔ لکھا ہے کہ کشتی نے ابھی تھوڑی ہی مسافت آگے کو طے کی تھی کہ ملک روم کے بادشاہ کی ایک بندرگاہ آ گئی۔ یہ ظالم بادشاہ یہاں سے گزرنے والی کشتیوں کو جبراً پکڑ کر چھین لیتا تھا جس سے کشتی کے مالک اور مسافر ناگہاں مصیبت میں مبتلا ہو کر پریشان ہوتے تھے بندرگاہ پر کشتی پہنچتے ہی بادشاہ

کے ملازم اور سپاہی آ چڑھے کہ مسافروں کو اُتار دیں اور کشتی پر قبضہ کرلیں۔ لیکن ٹوٹی ہوئی دیکھ کر اور بیکار سمجھ کر چھوڑ گئے۔ خضر علیہ السلام نے ملاح سے کہہ دیا کہ ہم نے تمہاری کشتی اسی ظالم کے ہاتھ سے بچانے کے لئے توڑ کر عیب دار کر دی تھی اب ہم اس کو درست کر دیں گے۔ کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کا بہت شکر ادا کیا اور بڑی دعائیں دیں کہ آپ نے بڑی مصیبت اور نقصان سے بچایا وہاں سے تھوڑی دور آگے چلنے کے بعد خضر علیہ السلام نے اُسی تختہ کو اپنی جگہ پر لگا کر درست کر دیا اور اہل کشتی دعائیں دیتے ہوئے اور خضر علیہ السلام کی جدائی پر افسوس کرتے ہوئے چھوڑ کر ان سے رخصت ہو گئے، کشتی سے اترنے کے بعد دو واقعات ان آیات زیر تفسیر میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ یہ حضرات کشتی سے اترنے کے بعد پیادہ چلتے ہوئے ایک بستی کے قریب پہنچے وہاں ایک جگہ چند لڑکے کھیل رہے تھے۔ خضر علیہ السلام نے ان میں سے ایک خوبصورت ہنستے کھیلتے ہوئے نوعمر نابالغ لڑکے کو پکڑ کر بلا تامل زمین پر لٹا دیا اور چاقو سے ذبح کر کے سر کو گردن سے جدا کر کے ڈال دیا۔ موسیٰ علیہ السلام میں شان نبوت اور نہی عن المنکر کا ظہور اور غلبہ تھا وہ اس واقعہ کو دیکھ کر جو بظاہر کشتی کے واقعہ سے بھی سخت ظلم تھا کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ فوراً گھبرا کر حضرت خضر علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ نے یہ کیا ظلم کیا۔ بلا قصور ایک ایسی جان کا خون کر دیا جس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ تو آپ نے بڑی بے جا حرکت کی۔ اس وعدہ خلافی کو دیکھ کر خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے آپ سے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ آپ سے میرے ہمراہ رہ کر خاموش نہ رہا جائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس مرتبہ وعدہ یاد تھا لیکن فرض منصبی ادا کرنے کا جو جوش اللہ تعالیٰ نے طبیعت میں رکھا تھا اس نے مجبور کر دیا اور خاموش نہ رہ سکے اس لئے اب کی دفعہ بھولنے کا عذر اور معافی کی درخواست نہیں کی بلکہ فرمایا کہ خیر اب تو غلطی ہو گئی۔ آپ پچھلی مرتبہ درگذر کر چکے ہیں کہ آئندہ معذور سمجھنے اور درگذر کرنے کی گنجائش نہیں۔ آئندہ اس قسم کا اعتراض کروں تو آپ اپنے سے مجھ کو جدا کر دیں۔ ایک حدیث میں جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خضر و موسیٰ علیہما السلام کا قصہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ کیا خوب ہوتا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی قدر اور صبر کرتے تاکہ ان دونوں کے پر حکمت حالات قرآن مجید میں ہم کو اس زیادہ سنائے جاتے لیکن بار بار خلاف وعدہ ہو جانے اور عذر کرنے سے اُن کو شرم آ گئی اس لئے جدائی کو تجویز کر لیا۔ بہر حال حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے کو قبول کیا اور اب بھی اپنی ہمراہی میں رکھا۔ خضر علیہ السلام کے ہمراہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع چلے جا رہے تھے۔ دو پہر کا وقت ہو گیا سب کو کھانے کی ضرورت ہوئی تو ایک بستی میں پہنچے جس کے رہنے والے اکثر خوشحال تھے۔ بہت مجمعوں میں گئے جہاں لوگ جمع تھے اور ظاہر کیا کہ ہم مسافر ہیں کھانا کھلاؤ۔ مگر وہاں کے باشندے کچھ ایسے بخیل تھے کہ خیال ہی نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے کھانے پینے اور ہر قسم کے سامان غیب سے مہیا کر سکتا تھا۔ لیکن اہل بستی کی حالت کا امتحان اور بخل کا اظہار منظور تھا۔ سب جگہ پھر پھرا کر واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں ایک نہایت پرانی اور اونچی دیوار کو دیکھا جو بالکل گرنے کے قریب تھی اور اس قدر جھک گئی تھی کہ لوگ اس کے پاس کو بہت ڈرتے ڈرتے راستہ چلتے تھے۔ خضر علیہ السلام نے دیوار کے پاس کھڑے ہو کر ایک ہاتھ دیوار کے اس طرف رکھا اور ایک دوسری طرف اور دیوار پر ہاتھ پھیر کر برابر کر کے سیدھا کر دیا جس سے وہ دیوار سیدھی مضبوط ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اگرچہ یہ کوئی ناجائز یا ممنوع کام نہ تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس

لئے ناگوار ہوا کہ اس بستی والوں نے بہت ہی سنگدلی اور بے مروتی سے ان حضرات کو کھانا تک نہیں کھلایا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس گاؤں کے باشندوں سے ہم نے کھانا مانگا تو ان بے مروت لوگوں نے کھانا نہ دیا۔ نہ کچھ مروت سے پیش آئے۔ پھر بھلا آپ نے بلا کسی کے کہنے سننے کے اس دیوار کو کیوں مفت درست کردیا۔ اس پر کچھ اجرت ٹھہرا لینی تھی۔ چونکہ یہ تیسرا اعتراض تھا اور موسیٰ علیہ السلام خود ہی فرما چکے تھے کہ آئندہ اگر کوئی اعتراض کروں تو جدا کردیا جاؤں اسلئے خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اب ہمارے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام وعدہ اور شرط کی پابندی سے کچھ عذر نہ فرما سکے۔ علیحدہ ہوتے وقت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ جو واقعات پیش آئے ہیں ان کے علم اور حقیقت سے مطلع فرماتے جائیے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ بہتر ہے جن باتوں کو آپ ناگوار سمجھ کر صبر نہ کرسکے ان کی حکمت سن لیجئے۔

حضرت خضر علیہ السلام کے ان کاموں میں جو راز واسرار تھے اور جو انہوں نے بامر خداوندی کئے تھے ان کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس پر یہ قصہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات کا ختم ہوتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔ اور ان مذکورہ واقعات میں جو اشکال پیدا ہوسکتا ہے اس کو بھی انشاء اللہ قصہ کے خاتمہ پر آئندہ درس میں بیان کیا جائے گا۔

الحمدللہ کہ آج پندرہویں پارہ سبحٰن الذی کا بیان ختم ہوکر سولہواں پارہ قال الم شروع ہوگیا اس طرح قران پاک کے نصف اول کا بیان حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے پورا ہوگیا۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ہر حال میں اپنی مرضیات پر ظاہر میں اور باطن میں قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور جو معاملہ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ فرمائیں اس میں اپنی رحمت وحکمت کا یقین ہم کو نصیب فرمائیں۔

یا اللہ بیشک آپ کے سب کام پُرحکمت ہوتے ہیں۔ خواہ ہماری سمجھ میں وہ حکمت آئے یا نہ آئے یا اللہ! ہم کو ہر حال میں اپنی ذات عالی کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ اور اپنی حکمت سے ہمارے ساتھ رحمت کا معاملہ فرما۔

یا اللہ! ہم کو آپ نے شریعت مطہرہ کے ظاہری وباطنی احکام کا جو مکلّف فرمایا ہے ہم کو ہر حال میں اس کی پابندی نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! آپ رحیم وکریم ہونے کے ساتھ حکیم بھی ہیں۔ اس لئے ہمیں جو ناگوار واقعات پیش آئیں ان میں...... ہم آپ کی رحیمی وکریمی کے ساتھ حکمت کا بھی یقین رکھیں۔

یا اللہ! ہم ایمان کے ضعیف اور کمزور ہیں کسی ابتلا اور امتحان کی سہار نہیں رکھتے اس لئے ہر حال میں آپ کے کرم ورحم فضل و احسان ہی کے ملتجی ہیں۔ ہمیں ہر حال میں صراط مستقیم پر اپنی مرضیات کے ساتھ قائم رکھئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ

وہ جو کشتی تھی سو چند آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور (وجہ اسکی یہ تھی کہ) ان لوگوں سے آگے کی طرف

مَّلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَأَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ أَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَآ أَنْ يُّرْهِقَهُمَا

ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا۔ اور رہا وہ لڑکا سو اس کے ماں باپ ایماندار تھے۔ سو ہم کو اندیشہ (یعنی تحقیق) ہوا کہ یہ ان دونوں پر سرکشی اور کفر کا اثر نہ ڈال دے۔

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَآ أَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَأَمَّا الْجِدَارُ

پس ہم کو یہ منظور ہوا کہ بجائے اس کے ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی (یعنی دین) میں اس سے بہتر ہو اور (ماں باپ کیساتھ) محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔

فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صٰلِحًا فَأَرَادَ

اور رہی دیوار سو وہ یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں (رہتے) ہیں اور اس دیوار کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا

رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَآ أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ

کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جاویں اور اپنا دفینہ نکال لیں اور کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔

أَمْرِي ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

لیجئے یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

أَمَّا رہی | السَّفِينَةُ کشتی | فَكَانَتْ سو وہ تھی | لِمَسٰكِينَ غریب لوگوں کی | يَعْمَلُونَ وہ کام کرتے تھے | فِي الْبَحْرِ دریا میں | فَأَرَدْتُّ سو میں نے چاہا | أَنْ کہ

أَعِيبَهَا میں اسے عیب دار کردوں | وَكَانَ اور تھا | وَرَآءَهُمْ انکے آگے | مَلِكٌ ایک بادشاہ | يَأْخُذُ وہ پکڑ لیتا | كُلَّ سَفِينَةٍ ہر کشتی | غَصْبًا زبردستی | وَ اور

أَمَّا رہا | الْغُلٰمُ لڑکا | فَكَانَ تو تھے | أَبَوٰهُ اسکے ماں باپ | مُؤْمِنَيْنِ دونوں مومن | فَخَشِينَا سو ہمیں اندیشہ ہوا | أَنْ يُّرْهِقَهُمَا کہ انہیں پھنسا دے | طُغْيَانًا سرکشی میں

وَكُفْرًا اور کفر میں | فَأَرَدْنَا پس ہم نے ارادہ کیا | أَنْ يُّبْدِلَ کہ بدلہ دے | لَهُمَا ان دونوں کو | رَبُّهُمَا ان کا رب | خَيْرًا بہتر | مِنْهُ اس سے | زَكٰوةً پاکیزگی

وَأَقْرَبَ اور زیادہ قریب | رُحْمًا شفقت | وَأَمَّا اور رہی | الْجِدَارُ دیوار | فَكَانَ سو وہ تھی | لِغُلٰمَيْنِ دو بچوں کی | يَتِيمَيْنِ دو یتیم | فِي الْمَدِينَةِ شہر میں۔ کے

وَكَانَ اور تھا | تَحْتَهُ اسکے نیچے | كَنْزٌ خزانہ | لَهُمَا ان دونو ں کیلئے | وَكَانَ اور تھا | أَبُوهُمَا ان کا باپ | صٰلِحًا نیک | فَأَرَادَ سو چاہا | رَبُّكَ تمہارا رب

أَنْ يَّبْلُغَا کہ وہ پہنچیں | أَشُدَّهُمَا اپنی جوانی | وَيَسْتَخْرِجَا اور وہ دونوں نکالیں | كَنْزَهُمَا اپنا خزانہ | رَحْمَةً مہربانی | مِّنْ رَّبِّكَ سے تمہارا رب

وَمَا فَعَلْتُهُ اور یہ میں نے نہیں کیا | عَنْ سے | أَمْرِي اپنا حکم (مرضی) | ذٰلِكَ یہ | تَأْوِيلُ تعبیر (حقیقت) | مَا جو | لَمْ تَسْطِعْ تم نہ کر سکے | عَلَيْهِ اس پر | صَبْرًا صبر

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں تین واقعات کا ذکر ہوا تھا جن کو حضرت خضر علیہ السلام کے کرنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر تعجب کا اظہار فرمایا تھا۔ ایک تو حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑ کر ناکارہ اور عیب دار بنا دینا۔ دوسرے ایک لڑکے کو قتل کر دینا اور تیسرے

ایک گرنے والی دیوار کو بغیر کہے سنے اور بغیر کسی اجرت کے سیدھا کر دینا۔ تیسرے واقعہ کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام میں جدائی کا وقت آ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر حضرت خضر علیہ السلام نے ان تینوں باتوں کی حقیقت اور ان کی حکمت کو ظاہر فرمایا جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ جس کشتی میں آپ سوار تھے اس کے مالک نہایت مفلس اور غریب لوگ تھے۔ آٹھ دس آدمیوں کی معاش اور روزی کا ذریعہ یہی کشتی تھی۔ راستہ میں ایسے بادشاہ کی سلطنت میں گزرنا تھا جو تمام کشتیوں کو ظلماً چھین کر ضبط کر لیتا تھا لیکن بیکار اور ٹوٹی پھوٹی کشتیوں کو نہ لیتا تھا۔ چونکہ یہ باتیں خدا تعالیٰ نے مجھ کو منکشف کرادی تھیں اس لئے پہلے سے میں نے کشتی کو توڑ دیا۔ اس تدبیر سے ان مسکینوں کی کشتی ظالم کے ہاتھ سے بچ گئی اور پھر آسانی سے درست ہوگئی۔ چنانچہ یہ باتیں آپ بچشم خود دیکھ چکے ہیں۔ دوسرے وہ لڑکا جس کو آپ نے بظاہر بے قصور مومن سمجھ کر اس کے قتل کو بہت ہی بڑا گناہ سمجھا تھا اس کی اصل طبیعت اور خلقت ہی میں مادۂ کفر کا غلبہ رکھ دیا گیا تھا وہ اگر زندہ رہ کر بالغ ہوتا تو کافر ہی ہوتا اور ایسے افعال کا مرتکب ہوتا جن سے خود گمراہ ہونے کے علاوہ اپنے مومن والدین کو بھی اپنا شریک کر کے آخر کافر بنا کر چھوڑتا خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس کے والدین کا ایمان بھی سلامت رہے اور اس لڑکے کی عوض میں اس سے بہت بہتر اولاد ان کو عطا کردے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ جو اس بیٹے سے بہت زیادہ اطاعت کے ساتھ ان کی خدمت و دلداری کر کے دل ٹھنڈا کرے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مطلع کر کے مجھ کو اس کے قتل کا حکم دیا تھا۔ تیسرے اس بخیل بستی والوں کی دیوار جن کی بے مروتی کے مقابلہ میں اس کا مفت درست کر دینا آپ کو ناپسند ہوا وہ دو یتیم بچوں کے مکان کی دیوار تھی جن کے دین دار اور مومن باپ نے حلال روزی اور پیشہ سے نہایت مشقت سے کچھ مال جمع کر کے بچوں کے لئے دیوار کے نیچے دفن کر دیا تھا۔ اگر اسی وقت ان کی صغر سنی میں دیوار گر کر مال ظاہر ہو جاتا تو ان کے عزیز و اقارب سب خرد برد کر جاتے۔ ان قابل رحم یتیموں کو کچھ بھی نہ ملتا۔ خدا تعالیٰ نے بچوں کے حال پر رحم فرما کر یہ چاہا کہ ہمارے سچے ایماندار بندے کی گاڑھی کمائی ضائع نہ ہو اور یہ یتیم بچے جوان ہو کر خود ہی اس کو نکالیں۔ لہٰذا دیوار کو درست اور مستحکم کرنے کے لئے مجھ کو مامور فرمایا۔ ان باتوں کو سننے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے رخصت ہوگئے۔ خضر علیہ السلام دریا کی طرف چلے گئے اور موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشع کو ہمراہ لے کر واپس آ گئے اور بدستور اپنی نبوت و رسالت کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے اور آپ کی زندگی ہی میں حضرت یوشع کو بھی خدا تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی جب موسیٰ علیہ السلام نے ۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی تو حضرت یوشع علیہ السلام نے ان کے قائم مقام ہو کر ہدایت خلق اللہ میں تمام عمر گزار دی جو انبیاء کا فرض منصبی اور اصلی کام ہے۔

اس قصہ سے متعلق اور بھی بہت سے مسائل و تنبیہات علمائے محققین نے لکھے ہیں جو بوجہ طوالت کے اس مختصر درس میں عرض نہیں کئے جاسکتے۔ الغرض یہ قصہ تو یہاں ختم ہوا۔ اب آگے ذوالقرنین کا قصہ بیان فرمایا جاتا ہے۔ یہ بھی ان تین سوالوں میں سے ایک تھا جو مشرکین مکہ نے یہود کے مشورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امتحاناً کئے تھے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہمیں بھی وہ ایمان و یقین نصیب فرمائیں کہ جو صورت حال بھی ہم کو پیش آئے ہم اس کو اپنے لئے رحمت اور خداوند قدوس کی حکمت پر یقین کر کے راضی برضا رہیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۭ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ

اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ میں اس کا ذکر ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ ہم نے اُن کو روئے زمین پر حکومت دی تھی

وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا

اور ہم نے اُن کو ہر قسم کا سامان دیا تھا۔ چنانچہ وہ ایک راہ پر ہو لئے۔ یہاں تک کہ جب غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب اُن کو ایک سیاہ رنگ کے

تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ

پانی میں ڈوبتا ہوا دکھلائی دیا اور اس موقع پر انہوں نے ایک قوم دیکھی ہم نے (الہاماً) یہ کہا اے ذوالقرنین خواہ سزا دو اور خواہ ان کے بارے میں

وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ

نرمی کا معاملہ اختیار کرو۔ ذوالقرنین نے عرض کیا (کہ اول دعوت ایمان ہی کروں گا) لیکن جو ظالم رہے گا سو اُس کو تو ہم لوگ سزا دیں گے پھر وہ اپنے مالک حقیقی

فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ

کے پاس پہنچایا جاوے گا پھر وہ اس کو (دوزخ کی) سخت سزا دے گا۔ اور جو شخص ایمان لے آوے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کیلئے بدلے میں بھلائی ملے گی

لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾

اور ہم اپنے برتاؤ میں اس کو آسان بات کہیں گے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ اور آپ سے پوچھتے ہیں	عَنْ سے (بابت)	ذِي الْقَرْنَيْنِ ذوالقرنین	قُلْ فرما دیں	سَاَتْلُوْا ابھی پڑھتا ہوں	عَلَيْكُمْ تم پر۔ سامنے			
مِّنْهُ اس سے۔ کا	ذِكْرًا کچھ حال	اِنَّا مَكَّنَّا بیشک ہم نے قدرت دی	لَهٗ اس کو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَاٰتَيْنٰهُ اور ہم نے اسے دیا	مِنْ سے	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	
سَبَبًا سامان	فَاَتْبَعَ سو وہ پیچھے پڑا	سَبَبًا ایک سامان	حَتّٰٓي یہاں تک کہ	اِذَا بَلَغَ جب وہ پہنچا	مَغْرِبَ غروب ہونے کا مقام	الشَّمْسِ سورج		
وَجَدَهَا اس نے پایا	تَغْرُبُ ڈوب رہا ہے	فِيْ میں	عَيْنٍ چشمہ۔ ندی	حَمِئَةٍ دلدل	وَّوَجَدَ اور اس نے پایا	عِنْدَهَا اس کے نزدیک	قَوْمًا ایک قوم	قُلْنَا ہم نے کہا
يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اے ذوالقرنین	اِمَّآ یا۔ چاہے	اَنْ یہ کہ	تُعَذِّبَ تو سزا دے	وَاِمَّآ اور یا۔ چاہے	اَنْ یہ کہ	تَتَّخِذَ تو اختیار کرے	فِيْهِمْ ان میں۔ سے	
حُسْنًا کوئی بھلائی	قَالَ اس نے کہا	اَمَّا اچھا	مَنْ ظَلَمَ جس نے ظلم کیا	فَسَوْفَ تو جلد	نُعَذِّبُهٗ ہم اسے سزا دیں گے	ثُمَّ پھر	يُرَدُّ وہ لوٹایا جائے گا	
اِلٰى رَبِّهٖ اپنے رب کی طرف	فَيُعَذِّبُهٗ تو وہ اسے عذاب دیگا	عَذَابًا عذاب	نُّكْرًا بڑا۔ سخت	وَاَمَّا اور اچھا	مَنْ جو	اٰمَنَ ایمان لایا	وَعَمِلَ اور اس نے عمل کیا	
صَالِحًا نیک	فَلَهٗ تو اس کے لئے	جَزَاۗءَ بدلہ	الْحُسْنٰى بھلائی	وَسَنَقُوْلُ اور عنقریب	لَهٗ اس کیلئے	مِنْ متعلق	اَمْرِنَا اپنا کام	يُسْرًا آسانی

تفسیر و تشریح:۔ اس سورۂ کہف کے سبب نزول کے سلسلہ میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مشرکین مکہ نے یہود کے کہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات بطور امتحان کے کئے تھے۔ ایک روح کے متعلق۔ دوسرا اصحاب کہف کے متعلق اور تیسرا ذوالقرنین کے متعلق۔ دو سوالوں کا جواب تو گذشتہ آیات میں گزر چکا یعنی روح اور اصحاب کہف کے متعلق۔

یہاں سے ذوالقرنین کے احوال کی تفصیل ہے۔قرآن پاک کوئی قصہ کہانیوں یا داستانوں اور افسانوں کی کتاب تو ہے نہیں۔ اسلئے حکایات وقصص کومکمل تفصیل کے ساتھ کہیں۔ بیان نہیں کیا گیا البتہ جس قدر حصہ وعظ وہدایت اور اصلاح خلق سے تعلق رکھتا ہے اور جو بات عبرت آفریں اور نصیحت آگیں ہوتی ہے اسکو حسب موقع بیان فرمایا گیا ہے۔ یہود ذوالقرنین کا نام اور بعض احوال جانتے تھے ان کو ذوالقرنین کے قصہ سے کچھ واقفیت تھی خواہ ان کی مذہبی کتابوں میں ہو یا سینہ بسینہ زبانی منقول ہو۔اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کے لئے یہ سوال منتخب کیا تھا۔ قرآن مجید نے ذوالقرنین کے متعلق صرف اتنا بتایا کہ وہ پرشوکت۔صاحب سطوت۔نیکوکار۔موحد۔خدا پرست صاحب حکومت تھے۔ہر قسم کا دنیوی سازوسامان ان کے پاس تھا۔انہوں نے تین سفر بھی کئے تھے ایک انتہائی مغرب کی طرف دوسرا انتہائی مشرق کی طرف اور تیسرا کسی اور سمت پر جہاں کے باشندے ذوالقرنین کی بولی سمجھ نہ سکتے تھے۔انہی لوگوں کے لئے قوم یاجوج ماجوج کی غارتگری سے بچنے کے لئے لوہے کی ایک دیوار پگھلا ہوا رانگ۔تانبا یا سیسہ ڈال کر قائم کردی اور اس طرح وہ قوم یاجوج ماجوج کی غارت گری سے محفوظ ہوگئی۔بس اتنا قصہ قران نے بیان کیا ہے۔رہی یہ بات کہ ان کو ذوالقرنین کیوں کہتے تھے؟ ان کے سفر کے آغاز وانتہا کی حدود کونسی تھیں؟ دیوار کہاں بنائی؟ دیوار کی درخواست کرنے والی قوم کون تھی؟ یاجوج ماجوج کس قوم کا نام ہے؟ یہ کہاں رہتی تھی؟ اب بھی ہے یا نہیں؟ اس کے احوال کیا ہیں؟ ان تمام امور اور تفصیلات کی طرف سے قران پاک خاموش ہے۔یہ کام تاریخ کا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ مجموعۂ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھے اور آپ کی دعاء کی برکت سے حق تعالیٰ نے خارق عادت سامان ووسائل عطا فرمائے تھے۔جن کے ذریعہ سے ذوالقرنین کو مشرق ومغرب کے سفر اور تعجب خیز فتوحات پر قدرت حاصل ہوئی۔لکھا ہے کہ حضرت خضرؑ ان کے وزیر تھے۔شاید اسی لئے قرآن پاک میں خضر علیہ السلام کے قصہ کے ساتھ ذوالقرنین کا قصہ بیان فرمایا۔اس بادشاہ کو ذوالقرنین اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے دونوں کناروں مشرق ومغرب پر پھر گیا تھا۔پہلا سفر مغرب کی طرف کیا جس کا بیان ان آیات میں کیا جارہا ہے۔

ان آیات سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کوئی مقبول بزرگ فرمانروا اور بادشاہ ہوئے ہیں خواہ نبی ہوں یا ولی ہوں یا کسی دوسرے نبی کے متبع ان کے تین سفر میں سے ایک سفر کا حال ان آیات میں بیان فرمایا گیا۔ دوسرے اور تیسرے سفر کے حالات اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کے درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو ایمان واسلام سے نوازا اور قرآن جیسی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اشرف الانبیاء والمرسلین عطا فرمائے۔

یا اللہ ہمیں اسلام وایمان کی برکت سے دنیا میں بھی خیروخوبی سے نوازیئے اور آخرت میں بھی اپنی مغفرت ورحمت سے نوازیئے۔

یا اللہ ہمیں سچی اسلامی حکومت نصیب فرمایئے اور بے دینی کی جو فضا پھیلی ہوئی ہے اس کو ملیامیٹ فرمایئے۔

یا اللہ ہم کو بھی کوئی مومن اور مجاہد فرمانروا عطا فرما۔اور بے دین صاحب اقتدار لوگوں سے اس ملک کو بچا۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ

پھر ایک راہ پر ہولئے۔ یہاں تک جب طلوع آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کیلئے ہم نے آفتاب کے ادھر کوئی

مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰٓی اِذَا

آڑنہیں رکھی۔ یہ قصہ اسی طرح ہے اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا ہم کو اس کی پوری خبر ہے۔ پھر ایک اور راہ پر ہولئے۔ یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں

بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا

کے درمیان میں پہنچے تو ان پہاڑوں سے اسطرف ایک قوم کو دیکھا جو کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے۔ انہوں نے عرض کیا

يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا

کہ اے ذوالقرنین قوم یاجوج و ماجوج اس سرزمین میں بڑا فساد مچاتے ہیں، سو کیا ہم لوگ آپ کیلئے کچھ چندہ جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے

عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ

اور ان کے درمیان میں کوئی روک بنا دیں۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھ کو اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓی اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ

سو ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو میں تمہارے اور انکے درمیان میں خوب مضبوط دیوار بنا دوں گا۔ تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ یہاں تک کہ جب ان کے دونوں سروں کے بیچ (کے خلا) کو

انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ

برابر کر دیا تو حکم دیا کہ دھونکو یہاں تک کہ جب اس کو لال انگارا کر دیا تو اس وقت حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ لاؤ کہ اس پر ڈال دوں۔ سو نہ تو یاجوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے

وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ۚ

اور نہ اس میں نقب دے سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے، پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آویگا تو اس کو ڈھا کر برابر کر دے گا،

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ ۭ

اور میرے رب کا ہر وعدہ برحق ہے۔

ثُمَّ پھر	اَتْبَعَ وہ پیچھے پڑا	سَبَبًا ایک سامان	حَتّٰی یہانتک کہ	اِذَا بَلَغَ جب وہ پہنچا	مَطْلِعَ طلوع ہونے کا مقام	الشَّمْسِ سورج
وَجَدَهَا اس نے اس کو پایا	تَطْلُعُ طلوع کر رہا ہے	عَلٰی قَوْمٍ ایک قوم پر	لَمْ نَجْعَلْ ہم نے نہیں بنایا	لَهُمْ ان کیلئے	مِنْ دُوْنِهَا اس کے آگے	
سِتْرًا کوئی پردہ	كَذٰلِكَ یہی	وَقَدْ اَحَطْنَا اور ہمارے احاطہ میں ہے	بِمَا لَدَيْهِ جو کچھ اسکے پاس	خُبْرًا از روئے خبر	ثُمَّ پھر	اَتْبَعَ وہ پیچھے پڑا
سَبَبًا ایک سامان	حَتّٰی یہانتک کہ	اِذَا بَلَغَ جب وہ پہنچا	بَيْنَ درمیان	السَّدَّيْنِ دو دیواریں (پہاڑ)	وَجَدَ اس نے پایا	مِنْ دُوْنِهِمَا اور دونوں کے ورے

قَوْمًا ایک قوم	لَّا یَکَادُوْنَ نہیں لگتے ہیں	یَفْقَهُوْنَ وہ سمجھیں	قَوْلًا کوئی بات	قَالُوْا انہوں نے کہا	یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اے ذوالقرنین	اِنَّ بیشک		
یَاْجُوْجَ یاجوج	وَ اور	مَاْجُوْجَ ماجوج	مُفْسِدُوْنَ فساد کرنیوالے	فِی الْاَرْضِ زمین میں	فَهَلْ تو کیا	نَجْعَلُ ہم کردیں	لَکَ تیرے لئے	
خَرْجًا کچھ مال	عَلٰٓی پر۔تا کہ	اَنْ تَجْعَلَ کہ تو بنادے	بَیْنَنَا ہمارے درمیان	وَبَیْنَهُمْ اور انکے درمیان	سَدًّا ایک دیوار	قَالَ اس نے کہا		
مَا مَکَّنِّیْ جس پر قدرت دی مجھے	فِیْهِ اس میں	رَبِّیْ میرا رب	خَیْرٌ بہتر	فَاَعِیْنُوْنِیْ پس تم میری مدد کرو	بِقُوَّةٍ قوت سے	اَجْعَلْ میں بنادوں گا		
بَیْنَکُمْ تمہارے درمیان	وَبَیْنَهُمْ اوران کے درمیان	رَدْمًا مضبوط آڑ	اٰتُوْنِیْ مجھے لادو تم	زُبَرَ الْحَدِیْدِ لوہے کے تختے	حَتّٰٓی یہاں تک کہ	اِذَا جب		
سَاوٰی اس نے برابر کردیا	بَیْنَ درمیان	الصَّدَفَیْنِ دونوں پہاڑ	قَالَ اس نے کہا	انْفُخُوْا دھونکو	حَتّٰٓی یہاں تک کہ	اِذَا جَعَلَهٗ جب اسے کردیا		
نَارًا آگ	قَالَ اس نے کہا	اٰتُوْنِیْٓ لے آؤ میرے پاس	اُفْرِغْ میں ڈالوں	عَلَیْهِ اس پر	قِطْرًا پگھلا ہوا تانبہ	فَمَا اسْطَاعُوْٓا پھر نہ کرسکیں گے		
اَنْ کہ	یَّظْهَرُوْهُ اس پر چڑھیں	وَ اور	مَا اسْتَطَاعُوْا وہ نہ لگا سکیں گے	لَهٗ اس میں	نَقْبًا نقب	قَالَ اس نے کہا	هٰذَا یہ	رَحْمَةٌ رحمت
مِّنْ رَّبِّیْ میرے رب سے	فَاِذَا پس جب	جَآءَ آئے گا	وَعْدُ وعدہ	رَبِّیْ میرا رب	جَعَلَهٗ اس کو کردیگا	دَکَّآءَ ہموار	وَکَانَ اور ہے	
وَعْدُ وعدہ	رَبِّیْ میرا رب	حَقًّا سچا						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذوالقرنین کے پہلے سفر کا حال بیان ہوا تھا جوانہوں نے مغرب کی طرف منتہائے آبادی تک کیا تھا۔ اب ان آیات میں دوسرے اور تیسرے سفر کا حال بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ مغربی سفر سے فارغ ہوکر ذوالقرنین مشرقی سفر کا سامان درست کرنے لگے۔ قرآن و حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ ذوالقرنین کے یہ سب سفر فتوحات اور ملک گیری کے لئے تھے یا ممکن ہے محض سیر وسیاحت کے طور پر ہوں۔ جب انتہائے مشرق میں پہنچے تو ایک ایسی قوم دیکھی جن کو آفتاب کی شعاعیں بے روک ٹوک پہنچتی تھیں۔ غالباً یہ لوگ وحشی جنگلی ہوں گے۔ مکان وغیرہ بنانے کا ان میں دستور نہ ہوگا۔ جیسے گذشتہ دور میں بہت سی خانہ بدوش وحشی اقوام میں رواج نہیں رہا ہے۔ آگے تاکید کے لئے فرمایا کہ ذوالقرنین کے سفر مغرب و مشرق کی جو کیفیت بیان کی گئی واقع میں اسی طرح ہے اور جو وسائل ان کے پاس تھے اور جو حالات وہاں پیش آئے ان سب پر اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے۔ پھر تیسرا سفر۔ مغرب و مشرق کے سوا کسی تیسری جہت میں تھا۔ مفسرین اس کو عموماً شمالی سفر کہتے ہیں مگر قران و حدیث میں یہ تصریح نہیں۔ اس تیسرے سفر میں ذوالقرنین ایسی جگہ پہنچے جہاں کے لوگ ذوالقرنین اور ان کے ساتھیوں کی بولی سمجھ نہیں سکتے تھے آگے جو گفتگو نقل کی گئی ہے غالباً کسی ترجمان کے ذریعہ سے ہوئی ہوگی۔ اس قوم اور یاجوج ماجوج کے ملک میں دو پہاڑ حائل تھے جن پر چڑھائی ممکن نہ تھی البتہ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں درہ کھلا ہوا تھا اسی سے یاجوج ماجوج آتے اور ان لوگوں کو لوٹ مار کر چلے جاتے تھے۔ ذوالقرنین کے غیر معمولی اسباب ووسائل اور قوت وحشمت دیکھ کرانہیں خیال ہوا کہ ہماری تکالیف ومصائب کا سدباب ان سے ہوسکے گا۔ اس لئے اس قوم نے ذوالقرنین سے گزارش کی کہ یاجوج ماجوج نے ہمارے ملک میں ادھم مچا رکھا ہے۔ یہاں آکر قتل غارت اور لوٹ مار کرتے رہتے ہیں۔ آپ اگر ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مضبوط روک قائم کردیں جس سے ہماری حفاظت ہوجائے تو جو کچھ اس پر خرچ آئے گا ہم ادا کرنے کو تیار ہیں۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ مال میرے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت ہے مگر ہاتھ پاؤں سے تم بھی ہمارے ساتھ محنت کرو۔ چنانچہ اول لوہے کے بڑے بڑے تختوں کی اوپر نیچے تہیں جمائیں۔ جب ان کی بلندی دونوں پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ گئی۔ لوگوں کو حکم دیا کہ خوب آگ دھونکو۔ جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہوکر تپنے لگا اس وقت پگھلا ہوا تانبہ اوپر سے ڈالا جو

لوہے کی درزوں میں بالکل پیوست ہوکر جم گیا اور سب مل کر پہاڑ سا بن گیا۔ یہ سب کام اس زمانہ میں بظاہر خرق عادت طریقہ پر انجام پائے ہوں گے جسے ذوالقرنین کی کرامت سمجھنا چاہئے یا ممکن ہے اس وقت اس قسم کے آلات و اسباب پائے جاتے ہوں۔ الغرض یاجوج ماجوج کا راستہ روک دیا گیا اور حق تعالیٰ نے ان کو فی الحال یہ قدرت نہیں دی کہ دیوار پھاند کر یا توڑ کر ادھر نکل آئیں۔ ذوالقرنین نے کہا کہ یہ روک محض خدا کی مہربانی سے قائم ہوگئی ہے اور میعاد معین تک قائم رہے گی۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور قتل دجال کے بعد قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت ہے اس وقت یہ روک ہٹا دی جائے گی اور دیوار توڑ کر یاجوج ماجوج اپنی کثیر تعداد میں نکل پڑیں گے جس کا شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ دنیا ان کے مقابلہ سے عاجز ہوگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم خداوندی ہوگا کہ میرے خاص بندوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیں۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ احدیت کی طرف دست دعا دراز کریں گے اس کے بعد یاجوج ماجوج پر ایک غیبی وبا مسلط ہوگی۔ سب ایک دم مر جائیں گے۔ قوم یاجوج ماجوج کے متعلق مزید تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درس میں آئے گی۔

یہاں آیت میں جو حضرت ذوالقرنین نے یہ پیشینگوئی فرمائی کہ ایک وقت میں دیوار فنا ہوگی تو یا تو یہ اس بنا پر فرمادیا کہ ہر شے دنیا کی فانی ہے اور یا ممکن ہے کہ آپ کو وحی سے اگر وہ نبی ہوں یا الہام سے اس کے انہدام کا وقت کہ قرب قیامت ہے معلوم ہوگیا ہو جیسا کہ احادیث میں بھی ظاہر فرمایا گیا ہے اور یہ بات حضرت ذوالقرنین نے شاید اس لئے فرمادی ہو کہ آدمی کسی حال میں حق تعالیٰ سے غافل اور کسی سامان پر مغرور نہ ہو بلکہ نعمت پر شکر کرے اور فنا کو پیش نظر رکھے۔

یہاں ذوالقرنین کا قصہ ختم ہوجاتا ہے۔ تو یہ قصہ اگرچہ کفار مکہ کے امتحانی سوال پر سنایا گیا مگر قصہ اصحاب کہف اور قصہ موسیٰ وخضر علیہما السلام کی طرح اس کو بھی قران پاک نے اپنے قاعدے کے مطابق اپنے مدعا کے لئے پوری طرح استعمال کیا ہے۔ جس میں کفار مکہ کو جتلایا گیا ہے کہ ذوالقرنین جس کی عظمت کا حال تم نے سنا وہ محض ایک زبردست صاحب سلطنت وحکومت ہی نہ تھا بلکہ توحید و آخرت کا قائل تھا۔ عدل و انصاف اور فیاضی کے اصولوں پر عامل تھا اور تم لوگوں کی طرح کم ظرف نہ تھا کہ تم اپنی ذرا ذرا سی سرداریوں پر پھول رہے ہو اور اپنی حماقت سے توحید وآخرت کے منکر ہو رہے ہو۔ اور ایسے رسول برحق کی مخالفت کررہے ہو۔ ذوالقرنین اتنا بڑا فرمانروا اور اس قدر عظیم الشان ذرائع کا مالک ہوکر بھی اپنی حقیقت کو نہ بھولا تھا اور اپنے خالق کے آگے ہمیشہ سر تسلیم خم رکھتا تھا۔ اس طرح کفار کے امتحانی سوالات کو انہی پر پوری طرح الٹ دیا گیا۔ پھر ان قصوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تائید بھی فرمادی گئی کہ کس طرح عرصہ دراز کی گذشتہ خبروں۔ واقعات وحالات کو ٹھیک ٹھیک بیان کیا گیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان واقعات کی خبر بذریعۂ وحی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دی اور انہوں نے عرصہ دراز کے گذشتہ واقعات سنا دیئے اب چونکہ یہاں ذوالقرنین کی دیوار کا ذکر آگیا اس لئے اگلی آیات میں اس دیوار کے گر جانے اور یاجوج ماجوج کے خروج اور پھر قیامت آجانے کا ذکر فرمایا گیا جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی تسلیم و رضا کی صفات محمودہ عطا فرمائیں۔ اور اپنے خالق و مالک کو ہم بھی کسی حال میں بھولنے والے نہ ہوں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾

اور ہم اُس روز اُن کی یہ حالت کریں گے کہ ایک میں ایک گڈمڈ ہو جاویں گے اور صور پھونکا جاوے گا پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کرلیں گے۔

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾ الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَن

اور دوزخ کو اُس روز کافروں کے سامنے پیش کردیں گے۔جن کی آنکھوں پر (دنیا میں) ہماری یاد سے

ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾

پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ سُن بھی نہ سکتے تھے۔

وَتَرَكْنَا اور ہم چھوڑ دیں گے	بَعْضَهُمْ انکے بعض	يَوْمَئِذٍ اس دن	يَمُوجُ ریلا مارتے	فِي بَعْضٍ بعض (دوسرے) کے اندر
وَنُفِخَ فِي الصُّورِ اور پھونکا جائے گا صور	فَجَمَعْنَاهُمْ پھر ہم انہیں جمع کرینگے	جَمْعًا سب کو	وَعَرَضْنَا اور ہم سامنے کردینگے	جَهَنَّمَ جہنم / يَوْمَئِذٍ اس دن
لِّلْكَافِرِينَ کافروں کے	عَرْضًا بالکل سامنے	الَّذِينَ وہ جو کہ / كَانَتْ تھیں	أَعْيُنُهُمْ ان کی آنکھیں / فِي غِطَاءٍ پردہ میں	عَن سے / ذِكْرِي میرا ذکر
	وَ اور	كَانُوا وہ تھے	لَا يَسْتَطِيعُونَ نہ طاقت رکھتے	سَمْعًا سُننا

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بادشاہ ذوالقرنین کے تین سفر کے حالات بیان ہوئے تھے اور تیسرے سفر کے متعلق حضرت ذوالقرنین کا دو پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط اور مستحکم دیوار بنانے کا ذکر تھا کہ جس کو قوم یاجوج و ماجوج نہ توڑ سکتی تھی اور نہ اس پر چڑھ سکتی تھی۔ چنانچہ جب یہ دیوار تیار ہوگئی تو حضرت ذوالقرنین نے اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنی رحمت سے مجھ سے اپنے بندوں کے آرام پہنچانے کا کام لیا ورنہ میں تو وہی ایک مُشت خاک ہوں۔ میرے پاس اپنا کیا ہے جو کچھ ہے اسی کا دیا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ دنیا ایک دن فنا ہو کر رہے گی اور جو کچھ اس میں ہے سب مٹ جائے گا۔ اس وقت یہ دیوار بھی جو اس وقت لوہا لاٹھ بنی ہوئی ہے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور یہ وقت کبھی نہ کبھی ضرور آ کر رہے گا کیونکہ میرے رب کا وعدہ بالکل سچ ہے۔ یہ حضرت ذوالقرنین کا بیان تھا جو اوپر نقل فرمایا گیا تھا اب آگے ان آیات میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نے ٹھیک کہا واقعی ایک روز ہم اس دیوار کو ریزہ ریزہ کردیں گے۔ یعنی جب اس دیوار کے انہدام کا وقت آئے گا اور یاجوج و ماجوج کا خروج ہوگا تو اس روز وہ اس حالت میں ایک دم نکلیں گے کہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوں گے اور ٹڈی دل کی طرح نکلیں گے اور یہ قیامت کے قریب زمانہ میں ہوگا۔ جس کے بعد قیامت کا سامان شروع ہوگا۔ حتیٰ کہ ایک بار اول صور پھونکا جائے گا جس سے تمام عالم فنا ہو جائے گا اور پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جاویں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ سب کو ایک ایک کر کے میدان حشر میں جمع کرلیں گے۔ اس وقت ان لوگوں کے سامنے جو اللہ عزوجل کو نہیں مانتے تھے اور قیامت اور حشر و نشر کا انکار کرتے تھے۔ جہنم ظاہر کردی جائے گی۔ اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے دل کی آنکھوں پر دنیا میں پردہ پڑا ہوا تھا اور انہوں نے دنیا میں دین حق کو نہ دیکھا نہ سمجھا۔ اور جس طرح حق کو دیکھتے نہ تھے اسی طرح وہ اس کو سن بھی نہ سکتے تھے۔ اس روز وہ دوزخ کو

اپنے منہ کے سامنے موجود پائیں گے یعنی اسمیں داخل ہونے سے پہلے اس کی ہیبت اور ہول انگیزی کو آنکھوں سے دیکھیں گے صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ دوزخ کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے کھینچیں گے۔

یہاں آیت میں یاجوج و ماجوج کے خروج کی طرف اشارہ ہے۔اور سترہویں پارہ سورۂ انبیاء میں بھی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں۔تو قیامت کے قریب نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سدِ ذوالقرنین توڑ کر یاجوج و ماجوج کالشکر دنیاوالوں پر ٹوٹ پڑے گا اور یہ لوگ اپنی کثرت و ازدحام کی وجہ سے تمام بلندی اور پستی پر چھا جائیں گے۔ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور تیز رفتاری سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی۔یاجوج وماجوج کے متعلق حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "میرا خیال یہ ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ یاجوج و ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جمہور علماء نے نقل کیا ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حضرت حوا تک نہیں پہنچتا۔گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔کیا عجب ہے کہ دجال اکبر جسے ایک صحابی تمیم داری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا جس کا ذکر تفصیلاً ایک حدیث میں آیا ہے اسی قوم میں کا ہو۔" علمائے محققین نے لکھا ہے کہ یاجوج و ماجوج کے حالات اور صفات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج اگرچہ نسل آدم سے ہیں اور ظاہری صورت اور شکل کے اعتبار سے انسان ہیں لیکن طبعی اور مزاجی کیفیت کے لحاظ سے وحشی درندے اور حیوان ہیں اور افعال و اعمال کے اعتبار سے جنات سے ملتے جلتے ہیں۔گویا کہ قوم یاجوج ماجوج تمام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے جو فتنہ اور فساد پھیلانے میں جنات کا نمونہ ہے۔عام انسان ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں یاجوج ماجوج کے خروج کا وقت حضرت امام مہدی کے وصال کے بعد ہوگا جبکہ تمام انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوں گے۔حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث ومفسر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قیامت نامہ جس کے مضامین کی بنیاد آیات قرآنیہ اور احادیث پر ہے اس میں لکھا ہے کہ "حضرت امام مہدی کی خلافت کی میعاد سات آٹھ یا نو سال ہوگی سات سال عیسائیوں کے فتنہ سے نمٹنے اور ملک کے انتظام میں۔آٹھواں سال دجال کے ساتھ جنگ و جدال میں اور نواں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں گزرے گا۔ اس حساب سے حضرت امام مہدی کی عمر ۴۹ سال کی ہوگی۔ بعدازاں حضرت امام مہدی کا وصال ہوجائے گا۔حضرت عیسیٰؑ آپکے جنازہ کی نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آجائیں گے تمام مخلوق نہایت امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوگی کہ میں اپنی مخلوق میں سے ایسے طاقتور بندوں کو ظاہر کرنے والا ہوں کہ کسی شخص کو ان کے مقابلہ کی تاب نہ ہوگی پس میرے خاص بندوں کو کوہ طور پر لے جا تاکہ وہاں پناہ گزیں ہوجائیں۔باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہوجاویں گے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوہ طور کے قلعہ میں جو آج کل موجود ہے نزول فرما کر اسباب حرب وسامان رسد

مہیا کرنے میں سرگرم ہوں گے کہ اس اثناء میں قوم یاجوج و ماجوج سد ذوالقرنین کو توڑ کر ٹڈی دل کی طرح چاروں طرف پھیل جائیں گے۔ سوائے مضبوط قلعہ کے کہیں ان سے خلاصی کی صورت نہ ہوگی۔ لوگوں کے قتل و غارت کرنے میں بالکل دریغ نہ کریں گے۔ ان کا ملک انتہائے بلاد شمال و مشرق بیرون ہفت اقلیم میں ہے جہاں پانی شدت برودت کی وجہ سے اس قدر غلیظ و منجمد ہے کہ جس میں جہاز رانی ناممکن ہے ان کے شرقی اور غربی اطراف میں دیواروں کی مانند دو بڑے پہاڑ واقع ہیں جن میں آمد و رفت کا راستہ نہیں۔ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی تھی جس میں سے یاجوج ماجوج نکل کر ادھر کے لوگوں کو لوٹ لیا کرتے تھے کہ جس کو ذوالقرنین نے ایک ایسی آہنی دیوار سے کہ جس کی بلندی ان دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچتی ہے اور مٹائی ۶۰ گز کی ہے بند کر دیا پس وہ دن بھر نقب زنی اور توڑنے میں مصروف رہتے ہیں مگر رات کو خداوند کریم اپنی قدرت کاملہ سے ویسا ہی کر دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں (جیسا کہ احادیث میں آتا ہے) اسمیں اتنا سوراخ ہو گیا تھا جتنا انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی کے درمیان حلقہ سے پیدا ہوتا ہے مگر ابھی تک اس قدر نہیں کہ اس میں سے کوئی نکل سکے۔ جب قرب قیامت میں دجال کے فتنہ اور قتل کے بعد ان کے خروج کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور وہ وہاں سے نکلیں گے اور قتل۔ قید۔ اور غارت گری میں مشغول ہو جائیں گے اسی کیفیت سے چلتے ہوئے جب ملک شام میں آئیں گے تو کہیں گے کہ اب ہم نے زمین والوں کو تو نیست و نابود کر دیا۔ چلو آسمان والوں کا بھی خاتمہ کر دیں۔ پس آسمان پر تیر پھینکیں گے۔ خداوند کریم اپنی قدرت سے ان کو خون آلود کر کے لوٹا دے گا۔ یہ دیکھ کر وہ خوش ہوں گے کہ اب ہمارے سوا کوئی نہیں رہا۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کے لئے کھڑے ہوں گے پس خداوند کریم ایک قسم کی بیماری کہ جس کو عربی میں نغف کہتے ہیں نازل کرے گا۔ یہ ایک قسم کا دانہ ہے جو بھیڑ یا بکری کی ناک و گردن میں نکلتا ہے اور طاعون کی طرح تھوڑی سی دیر میں ہلاک کر دیتا ہے۔ پس قوم یاجوج ماجوج اس مہلک مرض سے ایک ہی رات میں تباہ ہو جائے گی۔ یہ سب واقعات حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں ہوں گے۔ دنیا میں آپ کا قیام ۴۰ سال رہے گا آپ کا نکاح ہوگا۔ اولاد پیدا ہوگی۔ پھر آپ انتقال فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ میں مدفون ہوں گے۔"

الغرض قیامت قائم ہونے سے پہلے سدِ ذوالقرنین کا ٹوٹنا اور پھر یاجوج و ماجوج کا خروج ہونا قرب قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے۔

گذشتہ اور ان آیات سے متعلق ایک نہایت مفید تنبیہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں یہ لکھی ہے کہ "بعض مصنفین اور مؤلفین نے اس سد یاجوج ماجوج کے تعین کے متعلق اپنے اپنے مقالات و خیالات جمع کئے ہیں اور اس کے مصداق میں اپنی اپنی کہی ہے لیکن قران و حدیث میں جو اس سد ذوالقرنین کے چند اوصاف معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:۔ ایک یہ کہ اس کا بانی کوئی بندۂ مقبول ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ جلیل القدر بادشاہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ دیوار آہنی ہے۔ چوتھے یہ کہ اس کے دونوں سرے دو پہاڑوں سے ملے ہیں۔ پانچویں یہ کہ اس دیوار کے اس طرف جو یاجوج ماجوج ہیں وہ ابھی باہر نہیں نکل سکے۔ چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس میں تھوڑا سا سوراخ ہو گیا ہے۔ ساتویں یہ کہ وہ لوگ یعنی یاجوج و ماجوج ہر روز اس کو چھیلتے ہیں اور پھر وہ باذنہٖ تعالیٰ ویسی ہی دبیز ہو جاتی ہے اور قرب قیامت میں جب چھیل چکیں

گے تو کہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ کل بالکل آر پار کردیں گے چنانچہ اس روز پھر وہ دیوار دبیز نہ ہوگی اور اگلے روز اس کو توڑ کر نکل پڑیں گے۔ آٹھویں یہ کہ یاجوج ماجوج کی قوت انسانوں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور تعداد میں بھی بہت زیادہ ہیں۔ نویں یہ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں نکلیں گے اور اس وقت عیسیٰ علیہ السلام بوحی الٰہی خاص خاص لوگوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جاویں گے باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جاویں گے دسویں یہ کہ یاجوج ماجوج دفعتہً غیر معمولی موت سے سب مرجائیں گے تو اول کے پانچ اوصاف قرآن سے اور اخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتے ہیں پس جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا اس کو معلوم ہوگا کہ جتنی دیواروں کا لوگوں نے اپنی رائے سے پتہ دیا ہے یہ مجموعۂ اوصاف ایک میں بھی نہیں پایا جاتا پس وہ خیالات صحیح نہیں معلوم ہوتے اور حدیثوں کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ خود دین کے خلاف ہے۔ رہا یہ شبہ مخالفین کا کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اس کا پتہ نہ ملا اور اسی شبہ کے جواب کے لئے ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے لیکن اس کا صحیح جواب وہ ہے جس کو علامہ سید محمود آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اختیار کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم کو اس کا یعنی سد ذوالقرنین کا موقع معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی وتری کو محیط ہو چکے ہیں واجب التسلیم نہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی حصہ زمین کا ایسا ہو جہاں اب تک رسائی نہ ہوئی ہو اور عدم وجدان سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔ اور جب مخبر صادق نے جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی ہے تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کریں جس طرح اور امور ممکنہ کی خبر دی ہے اور ان کی تصدیق ضروری ہے اور شک وشبہ کرنے والوں کے کلام فضول کی طرف التفات کرنے کا منشا محض ضعف دین اور قلت یقین ہے۔"

بہرحال چونکہ ایسی دیوار کی اور اس کے ٹوٹنے اور یاجوج ماجوج کے خروج کی قرآن وحدیث نے ہم کو خبر دی ہے اس لئے ہمارا تو اس پر ایمان ویقین ہے کہ ایسی دیوار دنیا میں کہیں ضرور موجود ہے اور قرب قیامت میں اس کو توڑ کر یاجوج ماجوج کا خروج ہونا ضرور ہے۔ جو قیامت کی اہم نشانیوں میں سے ایک ہے اب چونکہ یہ سورۂ کہف خاتمہ کے قریب ہے اس لئے آگے اصل مضمون یعنی توحید وآخرت کے حق ہونے پر زور دیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو تمام قرآن وحدیث کی بتلائی ہوئی باتوں پر ایمان کامل اور یقین صادق نصیب فرمائیں۔ اور قرب قیامت کے تمام ظاہری وباطنی فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ اسلام وایمان پر ہم کو زندہ رکھیں اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیں۔ اور قیامت میں اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیں۔ اور اس کے ساتھ ہمیں ابدی آرام گاہ جنت میں جانا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! جن امور کی خبر قرآن وحدیث میں دی گئی ہے ہم کو ان میں شک وشبہ کے وسوسہ شیطانی سے بچا کر ان پر ایمان کامل اور یقین صادق نصیب فرمائیے۔ یا اللہ! آج اس دنیا میں ہمارے دلوں اور آنکھوں پر سے غفلت کے پردے جو آخرت وقیامت کی طرف سے پڑ گئے ہیں ان کو دور فرما دیجئے اور ہمہ وقت ہمیں آخرت کی تیاری کا فکر نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ

سو کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز قرار دیں، ہم نے کافروں کی دعوت کیلئے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے۔

لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝۱۰۲ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝۱۰۳ۭ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ

آپ کہیئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝۱۰۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ

اور وہ اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی آیتوں کا اور اُس سے ملنے کا (یعنی قیامت کا) انکار کر رہے ہیں

رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝۱۰۵ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ

سو اُن کے سارے کام غارت ہوگئے تو قیامت کے روز ہم اُن کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے۔ اُن کی سزا وہی ہوگی یعنی دوزخ

جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝۱۰۶

اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا، اور میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔

اَفَحَسِبَ کیا گمان کرتے ہیں	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ جنہوں نے کفر کیا	اَنْ يَّتَّخِذُوْا کہ وہ بنالیںگے	عِبَادِيْ میرے بندے	مِنْ دُوْنِيْٓ میرے سوا			
اَوْلِيَآءَ کارساز	اِنَّآ بیشک ہم	اَعْتَدْنَا ہم نے تیار کیا	جَهَنَّمَ جہنم	لِلْكٰفِرِيْنَ کافروں کیلئے	نُزُلًا ضیافت	قُلْ فرمادیں	هَلْ کیا
نُنَبِّئُكُمْ ہم تمہیں بتلائیں	بِالْاَخْسَرِيْنَ بدترین گھاٹے میں	اَعْمَالًا اعمال کے لحاظ سے	اَلَّذِيْنَ وہ لوگ	ضَلَّ برباد ہوگئی	سَعْيُهُمْ ان کی کوشش		
فِيْ میں	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	وَهُمْ اور وہ	يَحْسَبُوْنَ خیال کرتے ہیں	اَنَّهُمْ کہ وہ	يُحْسِنُوْنَ اچھے کر رہے ہیں وہ	صُنْعًا کام	
اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے انکار کیا	بِاٰيٰتِ آیتوں کو	رَبِّهِمْ اپنا رب	وَلِقَآئِهٖ اور اسکی ملاقات	فَحَبِطَتْ پس اکارت ہوگئے		
اَعْمَالُهُمْ انکے عمل	فَلَا نُقِيْمُ پس ہم قائم نہ کرینگے	لَهُمْ ان کیلئے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	وَزْنًا کوئی وزن	ذٰلِكَ یہ	جَزَآؤُهُمْ انکا بدلہ	
جَهَنَّمُ جہنم	بِمَا اس لئے	كَفَرُوْا انہوں نے کفر کیا	وَاتَّخَذُوْٓا اور ٹھہرایا	اٰيٰتِيْ میری آیات	وَرُسُلِيْ اور میرے رسول	هُزُوًا ہنسی مذاق	

تفسیر و تشریح: یہاں سے اس سورۃ کا آخری رکوع شروع ہوتا ہے۔ جس میں پوری سورۃ کا خاتمۂ کلام ہے۔ جس مضمون و مدعا سے سورۃ کا آغاز فرمایا گیا تھا اسی مضمون پر سورۃ کو ختم فرمایا جا رہا ہے۔ اس سورۃ کا مجموعی مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو شرک و بت پرستی چھوڑنے اور توحید اختیار کرنے اور دنیا پرستی چھوڑ کر آخرت پر یقین لانے کی دعوت دے رہے تھے مگر بعض بڑے بڑے سرداران قریش اپنی دولت و حشمت اور عزت و جاہ کے زعم میں نہ صرف آپ کی دعوت کو رد کر رہے تھے بلکہ ان حق پرست مومنین کو بھی جنہوں نے یہ دعوت قبول کر لی تھی ظلم و ستم اور تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنا رہے تھے۔

گذشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار جو آج دین حق کو دیکھنے سے اندھے بنے ہوئے ہیں اور اس کے متعلق کچھ سننے کو تیار نہیں ہیں قیامت کے دن جب میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے تو جہنم ان کے سامنے لائی جائے گی اور اسکی ہیبت اور ہول انگیزی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تمام باتیں قرآن پاک میں اچھی طرح سے سمجھا دی گئی ہیں۔ اس کے بعد منکرین سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا اب بھی مشرکین و منکرین کا یہ خیال ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر

اس کے مملوک اور محکوم بندوں سے اپنے کام درست کرالیں گے مثلاً مسیح علیہ السلام یا عزیر علیہ السلام یا روح القدس یا فرشتے وغیرہ جن کو اپنا کارساز اور معبود یا حاجت روا قرار دے رکھا ہے کیا قیامت کے دن اللہ کے غضب سے بچنے کے لئے ان کے دامن میں آ چھپ لیں گے۔ اگر اس قدر صاف صاف اصل حقیقت کو سمجھا دینے کے بعد بھی اسی وہم و گمان میں ہیں کہ اللہ اور اس کے پیغمبر اور اس کی کتاب کو ماننا ضروری نہیں اور مرنے کے بعد قیامت اور حشر ونشر کچھ ہونے والا نہیں اور اگر بالفرض ہوا بھی تو ہمارے حمایتی ہمیں بچالیں گے تو وہ سن رکھیں کہ یہ سب ان کی خام خیالی ہے وہ اس دھوکہ میں نہ رہیں۔ وہاں ان کو کوئی نہیں پوچھے گا اور فقط اللہ عزوجل سے واسطہ پڑے گا۔ جو لوگ دنیا میں اسے نہیں مانتے مرنے کے بعد انہیں سوائے دوزخ کے اور کہیں ٹھکانا نہیں ملے گا۔ ان کا استقبال اللہ کے غضب سے کیا جائے گا اور دوزخ کی آگ وانگاروں سے ان کی ضیافت اور مہمانی کی جائے گی۔

آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں اصل حقیقت سمجھا دوں اور بتاؤں کہ سب سے بڑے خسارے میں مرنے کے بعد کون لوگ رہیں گے؟ پھر خود ہی اس کا جواب ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد تگ ودو۔ دوڑ دھوپ اور کوشش اولاً بھی اور آخراً بھی یہی دنیا اور اس کے عیش وعشرت ہیں۔ رات ودن دنیا ہی کے مشغلوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اچھے کھانے اچھے پہننے کا خبط۔ نام ونمود کی تمنا مال و دولت کمانے کی دھن۔ اونچی اونچی کوٹھیاں۔ بڑے بڑے عہدے اور خطابات۔ شہرت اور اعزاز بس ساری کوششیں اسی دنیا کے پیچھے ختم ہوئی ہیں۔ رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کا کبھی خیال بھی نہیں آتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اعمال کے لحاظ سے آخرت میں بالکل ہی گھاٹے میں ہیں۔ اور اس پر اپنے پندار باطل اور ہوائے نفس سے گمان یہ کہ اپنے مسلک اور روش کو بہتر سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم دنیا میں بڑے بڑے کام کر رہے ہیں۔ عقلمندی میں۔ انتظام میں۔ دولت کمانے میں ہماری دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ مگر ان کو بتلایا جاتا ہے کہ یاد رکھو کہ مرنے کے بعد ان کاموں کی نہ کوئی قیمت ہے نہ کوئی وزن۔

چنانچہ ایسے لوگوں کو سوائے دوزخ کے عذاب کے اور کچھ نہ ملے گا۔ انہوں نے دنیا میں کفر اختیار کیا اور اللہ کی آیتوں کی اور اس کے رسولوں کی ہنسی اڑائی اور آخرت میں اپنے رب سے ملنے کا یقین نہ کیا اس لئے انہیں مرنے کے بعد اس کا بدلہ جہنم کے عذاب ہی سے ملے گا۔

خلاصہ یہ کہ کفر وشرک اور دنیا پرستی سے یہاں ڈرایا گیا ہے اور دوزخ کو اس کا انجام بتلایا گیا ہے۔ یہاں اس آخری آیت میں جو فرمایا گیا **ذٰلک جزآء ھم جھنم بما کفروا واتخذوا آیتی ورسلی ھزوا٥** یعنی ان کی سزا جہنم ہوگی اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق اڑایا تھا۔ لوگو یہاں صاف صاف یہ سزا کفار مشرکین کے لئے بیان کی گئی ہے۔ مگر صد افسوس کہ وہ وقت بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جو اسلام کا لیبل لگا کر قرآن کو معاذ اللہ فرسودہ کتاب کہا۔ قرآن اور سنت میں اپنے اقتصادی۔ معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل نہ موجود ہونا بتایا۔ کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کے نظریہ کو اللہ اور رسول کے عطا کردہ دین کے مقابلہ میں افضل و برتر سمجھا اور اس میں اپنے روٹی اور کپڑے اور مکان کا حل تلاش کیا۔ یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین اور نیچریوں اور دھریوں کے اقوال وافعال میں جن کو اپنے مسائل حل ہوتے نظر آئے اور جنہوں نے علی الاعلان یہ کہا کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات نہیں۔ اگر اسلام اقتصادی مسائل کا مکمل حل پیش کرتا تو ہم سوشلزم کا نعرہ نہ لگاتے تو کیا یہ اللہ کی آیات کا کفر اور اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذاق اڑانا نہیں ہے۔ بلکہ ان کا جرم تو ان کھلے ہوئے دشمنانِ اسلام کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ سے بھی بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اسلام کے مار آستینوں کو اگر ان کے لئے ہدایت مقدر ہے تو ہدایت بخش دیں اور ان کی آنکھیں کھول دیں ورنہ ان کے اوپر اپنے عذاب کا کوڑا برسا کر ان کو ہلاکت سے ہمکنار فرمائیں۔ اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بنائیں۔

الغرض یہاں آیات میں دنیا پرستی اور کفر وشرک کا انجام جہنم بتلایا گیا۔ اب آگے ان کے مقابلہ میں اہل ایمان کا حال اور ان کا انجام بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت سے نوازا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

2

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اُن کی مہمانی کیلئے فردوس کے باغ ہوں گے۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ وہ

یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ

وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کیلئے سمندر روشنائی (کی جگہ) ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جاوے

كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰٓى اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

اگرچہ اس سمندر کی مثل ایک دوسرا سمندر مدد کیلئے ہم لے آویں۔(اور) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (برحق)

وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿١١٠﴾ ع

ایک ہی معبود ہے، سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

اِنَّ بیشک	اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	وَ اور	عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے نیک عمل کئے	كَانَتْ ہیں	لَهُمْ ان کیلئے	جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ فردوس کے باغات		
نُزُلًا ضیافت	خٰلِدِیْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِیْهَا اس میں	لَا یَبْغُوْنَ وہ نہ چاہیں گے	عَنْهَا وہاں سے	حِوَلًا جگہ بدلنا	قُلْ فرمادیں	لَوْ اگر	كَانَ ہو
اَلْبَحْرُ سمندر	مِدَادًا روشنائی	لِكَلِمٰتِ باتوں کیلئے	رَبِّیْ میرا رب	لَنَفِدَ الْبَحْرُ تو ختم ہو جائے سمندر	قَبْلَ پہلے	اَنْ تَنْفَدَ کہ ختم ہوں		
كَلِمٰتُ رَبِّیْ میرے رب کی باتیں	وَلَوْ اور اگرچہ جِئْنَا ہم لے آئیں بِمِثْلِهٖ اس جیسا مَدَدًا مدد کو قُلْ فرمادیں اِنَّمَآ اَنَا اسکے سوا نہیں میں							
بَشَرٌ بشر	مِّثْلُكُمْ تم جیسا	یُوْحٰٓى وحی کی جاتی ہے	اِلَیَّ میری طرف	اَنَّمَآ فقط	اِلٰهُكُمْ تمہارا معبود	اِلٰهٌ معبود	وَّاحِدٌ واحد	فَمَنْ سو جو
كَانَ ہو	یَرْجُوْا امید رکھتا ہے	لِقَآءَ ملاقات	رَبِّهٖ اپنا رب	فَلْیَعْمَلْ تو اسے چاہیے کہ وہ عمل کرے	عَمَلًا عمل	صَالِحًا اچھے	وَّ اور	
	لَا یُشْرِكْ وہ شریک نہ کرے	بِعِبَادَةِ عبادت	رَبِّهٖ اپنا رب	اَحَدًا کسی کو				

تفسیر و تشریح:۔ یہ اس سورۃ کی آخری آیات ہیں اور یہاں سورۂ کہف ختم ہو جاتی ہے۔ گذشتہ آیات میں کفار اور مشرکین کا حال اور انجام بیان فرمایا گیا تھا اور توحید و رسالت کے انکار پر عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی تھی۔ اب ان کے مقابلہ میں اہل ایمان کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور ان کی تصدیق و اطاعت پر ثواب اور جزائے آخرت کا وعدہ فرمایا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنے والے اور اس کے رسولوں کو سچا ماننے والے۔ ان کی باتوں پر عمل کرنے والے بہترین جنتوں میں ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ جنت کی ان لازوال اور نت نئی نعمتوں میں رہنے والوں کو نہ کوئی بے دخل کر سکے گا اور نہ وہ از خود وہاں سے نکلنے کی کبھی خواہش کریں گے یعنی اہل جنت وہاں کا عیش و آرام دیکھ کر ایسے مانوس ہو جائیں گے کہ تبدیلی حالت کی ان کو خواہش ہی نہ ہوگی۔ انسان کی طبعی خاصیت ہے کہ دوامی آسائش سے بھی گھبرا جاتا ہے۔ لذیذ کھانا۔ بیش بہا لباس اور راحت بخش مسکن سے بھی نیرنگی طبع کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے تغیر کا خواستگار ہو جاتا ہے۔ مگر اہل جنت کی یہ حالت نہ ہوگی اور جنت میں ہمیشہ رہنے سے کبھی اکتائیں گے نہیں ہر دم تازہ بتازہ نعمتیں ملیں گی اور جنت

اپنی ان گنت نعمتوں۔ راحتوں اور لذتوں کے ساتھ ان کے لئے ہر لمحہ اور ہر آن ایک نئی کشش رکھے گی اس لئے جنتیوں کو اپنی تبدیلی حالت کی کبھی خواہش نہ ہوگی۔ آگے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی سمجھانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کی باتیں بے انتہا ہیں اگر روئے زمین کے سمندروں کی سیاہی بن جائے اور پھر خدائی کلمات۔ خدائی قدرتوں کے اظہار میں خدائی باتیں۔ اور خدائی حکمتیں لکھنی شروع کی جائیں تو یہ تمام سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن خدا کی باتیں خدا کی قدرتیں۔ اس کی حکمتیں اس کی دلیلیں ختم نہ ہوں گی پھر ایسے ہی سمندر لائے جائیں۔ اور پھر لائے جائیں اور پھر لائے جائیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن اور دوسری کتب سماویہ کے ذریعہ سے خواہ کتنا ہی وسیع علم بڑی سے بڑی مقدار میں کسی کو دے دیا جائے مگر علم الٰہی کے سامنے وہ بھی قلیل ہے۔ یہ تو توحید کے متعلق گفتگو تھی۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اپنی رسالت کے متعلق کہہ دیجئے کہ میں نہ خدائی کا دعویدار ہوں نہ فرشتہ ہونے کا بلکہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں یعنی صفات بشریہ میں تم سے الگ نہیں۔ امتیازی چیز میرے پاس صرف یہ ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے جو دوسروں کے پاس نہیں آتی اس طرح وصف رسالت میں دوسروں سے ممتاز ہوں۔ اللہ تعالیٰ علوم حقہ اور معارف قدسیہ میری طرف وحی کرتا ہے جن میں اصل اصول علم توحید ہے اسی کی طرف میں سب کو دعوت دیتا ہوں کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔ تو میرا پیام۔ پیام توحید ہے پس جبکہ توحید و رسالت دونوں باتیں معلوم ہو گئیں تو اب جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی توقع رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ ہمیں مر کر زندہ ہونا اور خدا کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے تو اسے چاہئے کہ اس دنیا کی زندگی میں عمل صالح یعنی نیک کام شریعت کے احکام ظاہری اور باطنی کے موافق کرجائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ظاہراً و باطناً کسی کو کسی درجہ میں بھی شریک نہ کرے تاکہ اسے اپنے مالک کے سامنے شرمندہ ہونا اور اپنے اعمال کی سزا بھگتنا نہ پڑے۔ اور جو کوئی اپنی نادانی سے اسی کو تسلیم نہیں کرتا کہ ہمیں خدا کے سامنے جانا ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے قیامت میں اسے خود اس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔

یہاں جو جنت فردوس کی مہمانی کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ ایمان اور عمل صالح دو شرطوں کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ قران پاک میں اور بھی متعدد جگہ ایمان اور عمل صالح پر دائمی جنت کی بشارت دی گئی۔ اور ایمان اور عمل صالح کی تعریف اور حقیقت کو اسی سورۃ میں عرض کیا جا چکا ہے۔

دوسری ایک اہم بات جو مفسرین نے ان آیات کے تحت لکھی ہے وہ یہ کہ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبولیت عمل کے لئے دو رکن ہیں۔ جب تک یہ دونوں نہ پائے جائیں تب تک عمل قبول نہیں ہوتا۔ ایک خالص ہونا واسطے اللہ تعالیٰ کے کہ کسی طرح کا لگاؤ غیر اللہ کا ظاہراً و باطناً قولاً وعملاً نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے مگر اس کو مال کا لالچ ہوتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس کے لئے کوئی ثواب نہیں لوگوں پر یہ حکم شاق گزرا۔ واپس آ کر اس شخص نے دوبارہ دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی قول فرمایا۔ اور دوسرا رکن یہ کہ وہ عمل سنت مطہرہ کے مطابق ہو تو قبولیت اعمال کے لئے ان دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک اخلاص دوسرے مطابقت کتاب وسنت اگر ان دونوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ عمل صالح نہیں ہے۔

احادیث میں ریا کاری کو شرک خفی فرمایا گیا ہے تو یہاں شرک جلی اور شرک خفی دونوں کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت شداد بن اوسؓ جو ایک صحابی ہیں ایک دن رونے لگے۔لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ کیوں رو رہے ہیں۔ فرمانے لگے کہ ایک حدیث یاد آ گئی اور اس نے رلا دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ ڈر شرک اور پوشیدہ شہوت کا ہے تو میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرے گی۔آپ نے فرمایا ہاں سنو۔وہ سورج چاند، پتھر، بت کو نہ پوجے گی بلکہ اپنے اعمال میں ریا کاری کرے گی۔اور پوشیدہ شہوت یہ ہے کہ صبح روزے سے ہے اور کوئی خواہش سامنے آئی روزہ چھوڑ دیا۔اس حدیث کی تصدیق کھلم کھلا امت اب اپنے اعمالوں سے کر رہی ہے۔آج ہمارے کتنے کام دنیا کے نہیں دین کے نام نمود۔دکھاوا۔شہرت اور لوگوں سے خراج وعقیدت وصول کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔اور حدیث میں جو خواہش نفس کے لئے روزہ چھوڑنا مثالاً فرمایا گیا تو یہ بھی بالکل عیاں ہے۔ رمضان المبارک جیسے مہینہ میں فرض روزوں کو جو حرمت دری علانیہ اس ملک میں ہوتی رہی ہے وہ آپ سب جانتے اور دیکھتے رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائیں اور ہماری ہدایت کا سامان فرمائیں۔آمین۔

الحمدللہ سورۂ کہف کا بیان جس میں ۱۲ رکوع تھے اس درس پر ختم ہو گیا۔اس کے بعد انشاءاللہ سورۂ مریم کا بیان شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ جہاں آپ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو کفر وشرک سے بچا کر اسلام وایمان عطا فرمایا ہے تو اپنی رحمت سے وہ ایمان صادق اور عمل صالح کی توفیق عطا فرما کہ جو ہمیں ان آیات میں دی ہوئی بشارت کا مصداق بنا دے اور جنت الفردوس میں ہمیں آپ کی مہمانی نصیب ہو جائے۔

اے اللہ! ہمیں ہر چھوٹے بڑے شرک سے بچایئے گا اور شہرت نام ونمود اور ریا سے ہمارے اعمال کو پاک رکھئے گا۔

اے اللہ ہم کو ظاہر میں اور باطن میں شریعت مطہرہ اور کتاب وسنت کی پابندی نصیب فرما اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرما۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ وَّ ھِیَ ثَمَانٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تِسْعُوْنَ اٰیَۃً وَّ سِتُّ رُکُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

کٓھٰیٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا ﴿۲﴾

کٓھٰیٰعٓصٓ۔ یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کے مہربانی فرمانے کا اپنے بندہ زکریا پر۔

کٓھٰیٰعٓصٓ کاف۔ہا۔یا۔عین۔صاد	ذِکْرُ تذکرہ	رَحْمَتِ رحمت	رَبِّکَ تیرا رب	عَبْدَہٗ اپنا بندہ	زَکَرِیَّا زکریا	

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ کہ اب سولھویں پارہ کی سورۂ مریم کا بیان شروع ہورہا ہے اس وقت اس سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت تلاوت کی گئی ہے۔

اس سورۃ کے آغاز کے قریب ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آپ کی والدہ حضرت مریم کے واقعہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے اس لئے اس سورۃ کا نام مریم رکھا گیا۔ حضرت مریم کا نام بقول مفسر ابن کثیر قرآن پاک میں ۳۰ جگہ آیا ہے اور سوائے حضرت مریم کے اور کسی عورت کا نام بصراحت قرآن میں نہیں آیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور اس کا زمانۂ نزول ہجرت حبشہ سے پہلے کا ہے کیونکہ معتبر روایات میں ہے کہ مہاجرین اسلام جب نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں بلائے گئے تھے تو اس وقت حضرت جعفرؓ نے بھرے دربار میں یہی سورۃ تلاوت کی تھی۔

اس سورۃ میں چند انبیاء اور صلحا کا تذکرہ ہے جس کو پڑھنے سے غیبی لامحدود قدرت کی ہمہ گیریاں اور کرشمہ سازیاں معلوم ہوتی ہیں۔ نیک لوگوں پر عنایت ونوازش اور بدشعاروں پر نزول عذاب کی کیفیت معلوم ہوکر ایمان اور عمل صالح کی رغبت اور کفر وعصیان سے نفرت پیدا ہوتی ہے جس دور میں یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے اس وقت کے حالات اور تاریخی پس منظر بھی مختصراً عرض کئے جاتے ہیں۔ سرداران قریش جب ہنسی مذاق، استہزاء، لالچ ڈراؤ دھمکاؤ وغیرہ سے اسلام کو دبانے میں ناکام ہوگئے تو انہوں نے ظلم وستم۔ مار پیٹ۔ قید وبند اور معاشی دباؤ کے ہتھیار استعمال کرنے شروع کئے۔ ہر قبیلے کے لوگوں نے اپنے اپنے قبیلے کے نومسلموں کو طرح طرح سے ستا کر۔ قید کرکے۔ بھوک و پیاس کی تکلیفیں دے کر حتیٰ کہ سخت جسمانی اذیتیں دے دے کر انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ غربا اور وہ غلام جو قریش کے تحت زیردست کی حیثیت سے رہتے تھے بری طرح پیسے گئے۔ جیسے حضرت بلال۔ حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والدین۔ حضرت خباب وغیرہ۔ ان لوگوں کو مار مار کر ادھ موا کردیا جاتا۔ بھوکا وپیاسا بند رکھا جاتا۔ مکے کی تپتی ہوئی ریت پر سخت دھوپ میں لٹا دیا جاتا۔ سینہ پر بھاری بھاری پتھر رکھ کر گھنٹوں تڑپایا جاتا۔ جولوگ پیشہ ور تھے ان سے کام لیا جاتا اور اُجرت ادا کرنے میں پریشان کیا جاتا۔ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت خباب کی یہ روایت موجود ہے کہ میں مکے میں لوہار کا کام کرتا تھا مجھ سے عاص بن وائل نے کام لیا پھر جب میں اس سے اُجرت لینے گیا تو اس نے کہا کہ میں تیری اجرت نہ دوں گا جب تک تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کرے۔ اسی طرح جو لوگ تجارت کرتے تھے اور اسلام لے آئے تھے ان کے کاروبار کو برباد کرنے کی کوششیں کی جاتیں۔ اسی زمانہ کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت خباب کہتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ کی

خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے۔ آپ خدا سے دعا نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک تمتما اٹھا اور آپ نے فرمایا تم سے پہلے جو اہل ایمان تھے ان پر اس سے زیادہ مظالم ہو چکے ہیں۔ ان کی ہڈیوں پر لوہے کی کنگھیاں گھسی جاتی تھیں۔ ان کے سروں پر رکھ کر آرے چلائے جاتے تھے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے۔ یقین جانو کہ اللہ اس کام کو پورا کر کے رہے گا یہاں تک کہ ایک وقت وہ آئے گا کہ ایک آدمی صنعا سے حضر موت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۔ یہ حالات جب مکہ میں بہت ہی تکلیف دہ حد تک پہنچ گئے تو سال ۵ نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اچھا ہو کہ تم لوگ مکہ سے نکل کر حبش چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو۔ اس ارشاد کی بنا پر پہلے گیارہ مسلمان مردوں اور چار خواتین نے حبش کی راہ لی۔ پھر چند مہینے کے اندر مزید مسلمانوں نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۸۳ مرد ۱۱ عورتیں اور ۷ غیر قریشی مسلمان حبشہ میں جمع ہو گئے اور مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً صرف ۴۰ نفوس رہ گئے۔ قریش کے بڑے اور چھوٹے خاندانوں میں سے شاید ہی کوئی گھر ایسا بچا تھا کہ جس کا کوئی نفس ان مہاجرین میں شامل نہ ہو۔

کٓھٰیٰعٓصٓ۔ یہ پانچ حروف مقطعات میں سے ہیں جن کا اصل مفہوم اور معنے تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ ان پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہئے۔ حروف مقطعات کے متعلق ضروری تشریح ابتداء قرآن جلد اول درس نمبر ے میں ہو چکی ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ "جو آئندہ قصہ آتا ہے وہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کے مہربانی فرمانے کا اپنے مقبول بندہ حضرت زکریا علیہ السلام کے حال پر۔" جس سے چند باتیں معلوم ہوں گی اول یہ کہ حق تعالیٰ کو کوئی کام کرنا مشکل نہیں ہے اور جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں پر بڑی رحمت کرنے والے ہیں اور وہ ان کی خاطر وہ کام بھی کر دیتے ہیں جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے ناممکن معلوم ہوتے ہیں۔ تو مقصد یہ ہے کہ اس لحاظ سے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ تعلق پیدا کریں تاکہ وہ مورد رحمت خاصہ بنیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام جن کے ذکر سے یہ سورۃ شروع ہوئی ہے بنی اسرائیل کے جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آپ نجاری یعنی بڑھئی کا پیشہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔ آپ کا قصہ پہلے سورۂ آل عمران تیسرے پارہ میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ آپ اپنے زمانہ میں تمام بنی اسرائیل کے پیشوا اور بیت المقدس کے متولی تھے۔ آپ کے زمانہ میں یہودی برسر حکومت نہ تھے بلکہ عیسائی سلطنت روم کے محکوم تھے۔ لکھا ہے کہ آپ کی عمر ۱۲۰ سال کی ہو گئی تھی مگر اس وقت تک آپ لاولد تھے۔ اس آیت میں زکریا علیہ السلام پر رحمت فرمانے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کی تفصیلات اگلی آیات میں ظاہر فرمائی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ کی بے انتہا رحمتیں ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کے طفیل میں دنیا کو دین اسلام نصیب ہوا۔ یا اللہ اس ملک میں اسلامی حکومت قائم فرمادے۔ اسلام کو غلبہ وشوکت عطا فرمادے اور مخالفین کو تباہ و برباد فرمادے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُۥ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّى وَهَنَ ٱلْعَظْمُ مِنِّى وَٱشْتَعَلَ ٱلرَّأْسُ شَيْبًا

جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا۔عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی

وَلَمْ أَكُنۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾ وَإِنِّى خِفْتُ ٱلْمَوَٰلِىَ مِن وَرَآءِى وَكَانَتِ ٱمْرَأَتِى

اور (اسکے قبل کبھی میں) آپ سے مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں۔اور میں اپنے بعد رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے سو آپ مجھ کو خاص

عَاقِرًا فَهَبْ لِى مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾ يَرِثُنِى وَيَرِثُ مِنْ ءَالِ يَعْقُوبَ ۖ وَٱجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾

اپنے پاس سے ایک ایسا وارث دید یجئے کہ وہ میرا وارث بنے۔اور یعقوبؑ کے خاندان کا وارث بنے،اور اس کو اے میرے رب (اپنا پسندیدہ بنائیے۔

اِذْ جب	نَادٰی اس نے پکارا	رَبَّهٗ اپنا رب	نِدَآءً پکارنا	خَفِيًّا آہستہ سے	قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّیْ بیشک میں	
وَهَنَ کمزور ہوگئی	الْعَظْمُ ہڈیاں	مِنِّیْ میری	وَاشْتَعَلَ اور شعلہ مارنے لگا	الرَّاْسُ سر	شَيْبًا سفید بال	وَ اور	لَمْ اَكُنْ میں نہیں رہا	
بِدُعَآئِكَ تجھ سے مانگ کر	رَبِّ اے میرے رب	شَقِيًّا محروم	وَاِنِّیْ اور البتہ میں	خِفْتُ ڈرتا ہوں	الْمَوَالِیَ اپنے رشتے دار			
مِنْ وَّرَآءِیْ اپنے بعد	وَكَانَتِ اور ہے	امْرَاَتِیْ میری بیوی	عَاقِرًا بانجھ	فَهَبْ لِیْ تو مجھے عطا کر	مِنْ لَّدُنْكَ اپنے پاس سے	وَلِيًّا ایک وارث		
يَرِثُنِیْ میرا وارث ہو	وَ اور	يَرِثُ وارث	مِنْ سے۔کا	اٰلِ يَعْقُوْبَ اولاد یعقوبؑ	وَاجْعَلْهُ اور اسے بنادے	رَبِّ اے میرے رب	رَضِيًّا پسندیدہ	

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ درس میں سورۃ کی ابتدا حضرت زکریا علیہ السلام کے تذکرہ سے فرمائی گئی تھی جو بنی اسرائیل کے ایک نبی تھے۔جب حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ سال کی ہوگئی تو لاولد ہونے کیوجہ سے آپ کو اندیشہ ہوا کہ قوم کی حالت ویسے ہی ابتر ہو رہی ہے۔اور میرے بعد قوم کا کیا حال ہوگا۔عزیزوں اور رشتہ داروں میں کسی کے اندر امامت کی صلاحیت نہیں۔اگر کوئی خودغرض دنیا پرست امام ہوگیا تو اسرائیلیوں کی حالت اور تباہ ہوجائے گی۔انتہائی فکر کے بعد جب عالم اسباب میں کوئی سازوسامان درست ہونے کی امید نہ رہی تھی تو ایک رات کو تاریکی اور خلوت میں پست آواز سے بارگاہ الٰہی میں مناجات و دعا کی جیسا کہ دعا کا اصل قاعدہ ہے اور عرض کیا کہ الٰہی میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔بظاہر موت کا وقت قریب ہے۔سر کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی چمک رہی ہے اور ہڈیاں تک سوکھنے لگیں۔قوت نے جواب دے دیا اور آج تک آپ نے اپنے فضل و رحمت سے ہمیشہ میری دعائیں قبول کیں اور مخصوص مہربانیوں کا خوگر بنائے رکھا۔اب اس آخری وقت۔ضعف اور پیرانہ سالی میں کیسے گمان کروں کہ میری دعا رد کر کے مہربانی سے محروم رکھیں گے۔مجھے اعزا و اقارب کی طرف سے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اپنی نااہلی کی وجہ سے ملت کا انتظام درست نہ رکھ سکیں گے اور جو دینی اور روحانی دولت یعقوب علیہ السلام کے گھرانے میں منتقل ہوتی ہوئی مجھ تک پہنچی ہے۔اسے یہ نااہل اپنی شرارت اور بدتمیزی سے ضائع کر دیں گے۔میں بوڑھا ہوں۔بیوی بانجھ ہے۔ظاہری سامان اولاد ملنے کا کچھ نہیں لیکن آپ اپنی لامحدود قدرت و رحمت سے مجھے ایک فرزند عطا فرمائیے جو دینی خدمات کو سنبھالے اور آپ کی مقدس امانت کا بوجھ اٹھا سکے اور میری امامت و نبوت کا وارث ہو۔میں اس ضعف اور پیری میں

کیا کرسکتا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ کوئی بیٹا اس لائق ہو جو اپنے باپ دادوں کی پاک گدی پر بیٹھ سکے۔ ان کے علم و حکمت کے خزانوں کا مالک اور کمالات نبوت کا وارث بنے۔ اور نسل یعقوب سے سلسلہ علم منقطع نہ ہو اور ایسا لڑکا دیجئے جو اپنے اخلاق و اعمال کے لحاظ سے آپ کی اور میری اور لوگوں کی پسند کا ہو۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ دعا خالص دینی غرض کے لئے تھی۔ کسی دنیوی غرض کے لئے نہ تھی کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے وارث رشتہ دار دین کی حفاظت اور اس کے قائم رکھنے میں سستی کریں یا دنیا میں پھنس کر دین کو خراب کریں اور دین کی خاطر خواہ خدمت نہ بجالاسکیں۔ تو دین کی حفاظت اور خدمت کے خیال نے آپ کو اس دعا پر آمادہ کیا۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ نیک بخت خوش اعمال مومن لڑکا اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اگر اللہ سے اولاد کی تمنا کی جائے تو اولاد صالح کی کی جائے۔ نیز دعا کے آداب بھی معلوم ہوئے کہ بندہ کو چاہئے کہ سچے دل سے انتہائی زاری اور عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کرے اور دعا کے وقت لازم ہے کہ سب سے پہلے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرے۔ پھر اپنی کمزوری بے بسی اور ظاہری اسباب کا مفقود ہونا بیان کرے۔ کیونکہ بارگاہِ خداوندی میں ضعف اور لاچارگی کا اظہار اجابت دعا کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ آخر میں اپنا مطلب کہے۔ نیز معلوم ہوا کہ دعا کا آہستہ اور خفیہ کرنا افضل ہے۔ اور دعاء کا ادب یہی ہے کہ وہ پست آواز سے دردمندی اور عاجزی سے معمور ہو۔ نیز یہاں سے دو مسئلے یہ معلوم ہوئے کہ اولاد کا طلب کرنا زہد اور نبوت کے منافی نہیں اور دوسرے یہ کہ کسی ایسی چیز کا مانگنا جو اسباب بعیدہ سے مسبب ہو ادب کے خلاف نہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی اس دعا کا جواب فرشتہ کے ذریعہ سے جو حق تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوا وہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ''دعا'' کی حقیقت نصیب فرماویں۔ اور اپنی ہر حاجت کو حق تعالیٰ سے طلب کرنے میں کتاب و سنت کے طریقہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اپنے فضل و کرم رحمت و عنایت سے ہماری جملہ حاجات کو پورا فرمائیں۔

یا اللہ! اولاد صالح کی نعمت سے ہم سب کو اپنی رحمت سے نوازیئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝۷ قَالَ رَبِّ اَنّٰى

اے زکریا ہم تم کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا کہ اس کے قبل ہم نے کسی کو اس کا ہم صفت نہ بنایا ہوگا۔ زکریاؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝۸ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ

میرے اولاد کس طور پر ہوگی حالانکہ میری بی بی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ حالت یونہی رہے گی (اور پھر اولاد ہوگی اے زکریا)

رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْــًٔا ۝۹ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ

تمہارے رب کا قول ہے کہ یہ مجھ کو آسان ہے اور میں نے تم کو پیدا کیا حالانکہ تم (پیدائش کے قبل) کچھ بھی نہ تھے۔ زکریاؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے لئے کوئی علامت مقرر فرمادیجئے،

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝۱۰ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى

ارشاد ہوا کہ تمہاری علامت یہ ہے تم تین رات آدمیوں سے بات نہ کرسکو گے (حالانکہ تندرست ہوگے) پس حجرے میں سے اپنی قوم کے پاس برآمد ہوئے اور اُن کو اشارہ سے فرمایا

اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝۱۱ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝۱۲ ۙ

کہ تم لوگ صبح اور شام خدا کی پاکی بیان کیا کرو۔ اے یحییٰ کتاب کو مضبوط ہو کر لو، اور ہم نے اُن کو لڑکپن ہی میں (دین کی) سمجھ اور خاص اپنے پاس سے رقتِ قلب

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝۱۳ ۙ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝۱۴ وَسَلٰمٌ

اور پاکیزگی (اخلاق کی) عطا فرمائی تھی۔ اور وہ بڑے پرہیزگار اور اپنے والدین کے خدمت گذار تھے اور وہ سرکشی کرنیوالے نافرمانی کرنے والے نہ تھے۔ اور اُن کو سلام پہنچے

عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۵ ۧ

جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ انتقال کریں گے اور جس دن (قیامت میں) زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے۔

يٰزَكَرِيَّا اے زکریا	اِنَّا بیشک ہم	نُبَشِّرُكَ تجھے بشارت دیتے ہیں	بِغُلٰمٍ ایک لڑکا	اسْمُهٗ اسکا نام	يَحْيٰى یحییٰ	لَمْ نَجْعَلْ نہیں بنایا ہم نے	لَهٗ اس کا	
مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	سَمِيًّا کوئی ہم نام	قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اَنّٰى کیسے	يَكُوْنُ ہوگا وہ	لِيْ غُلٰمٌ میرے لئے۔ میرا لڑکا		
وَكَانَتْ جبکہ وہ ہے	امْرَاَتِيْ میری بیوی	عَاقِرًا بانجھ	وَقَدْ بَلَغْتُ اور میں پہنچ چکا ہوں	مِنَ سے۔ کی	الْكِبَرِ بڑھاپا	عِتِيًّا انتہائی حد	قَالَ اس نے کہا	
كَذٰلِكَ اسی طرح	قَالَ فرمایا	رَبُّكَ تیرا رب	هُوَ وہ (یہ)	عَلَيَّ مجھ پر	هَيِّنٌ آسان	وَ اور	قَدْ خَلَقْتُكَ میں نے تجھے پیدا کیا	مِنْ قَبْلُ اس سے
وَ جبکہ	لَمْ تَكُ تو نہ تھا	شَيْئًا کوئی چیز۔ کچھ بھی	قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اجْعَلْ کردے	لِيْ میرے لئے	اٰيَةً کوئی نشانی	
قَالَ فرمایا	اٰيَتُكَ تیری نشانی	اَلَّا تُكَلِّمَ تو نہ بات کریگا	النَّاسَ لوگ	ثَلٰثَ تین	لَيَالٍ رات	سَوِيًّا ٹھیک	فَخَرَجَ پھر وہ نکلا	عَلٰى پاس
قَوْمِهٖ اپنی قوم	مِنَ سے	الْمِحْرَابِ محراب	فَاَوْحٰى تو اس نے اشارہ کیا	اِلَيْهِمْ ان کی طرف	اَنْ سَبِّحُوْا کہ اسکی پاکیزگی بیان کرو	بُكْرَةً صبح		
وَ اور	عَشِيًّا شام	يٰيَحْيٰى اے یحییٰ	خُذِ پکڑو (تھام لو)	الْكِتٰبَ کتاب	بِقُوَّةٍ مضبوطی سے	وَاٰتَيْنٰهُ اور ہم نے اسے دی	الْحُكْمَ نبوت۔ دانائی	
صَبِيًّا بچپن سے	وَ اور	حَنَانًا شفقت	مِنْ لَّدُنَّا اپنے پاس سے	وَزَكٰوةً اور پاکیزگی	وَكَانَ اور وہ تھا	تَقِيًّا پرہیزگار		
وَبَرًّا اور اچھا سلوک کرنیوالا	بِوَالِدَيْهِ اپنے ماں باپ سے	وَلَمْ يَكُنْ اور نہ تھا	جَبَّارًا گردن کش	عَصِيًّا نافرمان	وَسَلٰمٌ اور سلام	عَلَيْهِ اس پر		
يَوْمَ جس دن	وُلِدَ وہ پیدا ہوا	وَيَوْمَ اور جس دن	يَمُوْتُ وہ فوت ہوگا	وَيَوْمَ اور جس دن	يُبْعَثُ اٹھایا جائیگا	حَيًّا زندہ ہوکر		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر تھا جس میں حق تعالیٰ سے ایک بیٹے کی درخواست کی گئی تھی اور وہ اس بنا پر کہ بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کی خدمت انجام دے سکے۔ نبی کی دعاء اور دعاء بھی صرف ذات کے لئے نہیں بلکہ قوم کی رشد وہدایت کی خاطر فوراً مستجاب ہوئی اور جب زکریا علیہ السلام ہیکل یعنی عبادت خانہ میں مشغول عبادت تھے تو خدا کا فرشتہ ان پر ظاہر ہوا اور اس نے بشارت دی کہ آپ کے بیٹا پیدا ہوگا اور اس کا نام یحییٰ رکھنا۔ گویا قبل از ولادت نام بھی حق تعالیٰ کی طرف سے تجویز کر دیا گیا۔ اور نام بھی ایسا انوکھا رکھا گیا کہ ان سے پہلے کسی کا نہ رکھا گیا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ سن کر بے حد مسرت ہوئی اور تعجب سے دریافت فرمانے لگے کہ یہ بشارت کس طرح پوری ہوگی یعنی مجھ کو جوانی عطا کی جائے گی یا میری بی بی کا مرض بانجھ پن دور کر دیا جائے گا یا دوسرا نکاح کرنے کا حکم ہوگا۔ فرشتہ نے جواب دیا میں اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ حالات کچھ بھی ہوں آپ کے بیٹا ضرور ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے۔ اور یہ تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ان ہی حالات میں اولاد مل جائے گی اور مشیت ایزدی پوری ہو کر رہے گی۔ پھر فرشتہ نے مزید یہ کہا کہ آپ کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے ایک چیز مشکل ہو لیکن خداوند قدوس کے یہاں تو مشکل نہیں۔ اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے۔ انسان اپنی ہی ہستی کو دیکھ لے۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ کوئی چیز نہ تھی۔ اس کا نام ونشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ حق تعالیٰ اس کو پردۂ عدم سے وجود میں لائے۔ پھر جو قادر مطلق لاشے محض کو شے بنادے کیا وہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اب زکریا علیہ السلام نے درگاہ الٰہی میں عرض کیا خدایا ایسا کوئی نشان بتا دیا جائے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ بشارت نے وجود کی شکل اختیار کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا علامت یہ ہے کہ باوجود تندرست ہونے کے جب کامل تین رات دن لوگوں کے ساتھ زبان سے بات چیت نہ کر سکو اور صرف اشاروں ہی سے اپنا مطلب ادا کر سکو تو سمجھ لینا کہ بشارت نے وجود اختیار کر لیا یعنی اس وقت سمجھ لینا کہ حمل قرار پا گیا ہے اور ان دنوں میں تم خدا کی تسبیح وتہلیل میں زیادہ مشغول رہنا۔ چنانچہ جب وہ وقت آپہنچا تو زبان گفتگو کرنے سے رک گئی۔ البتہ نماز و تسبیح وغیرہ پڑھتے رہے۔ دعا واستغفار اور تسبیح وتہلیل سے زبان بند نہ ہوئی تھی۔ حجرہ سے باہر نکل کر حضرت زکریاؑ نے لوگوں کو اشارہ سے کہا کہ صبح وشام اللہ کو یاد کیا کرو۔ نمازیں پڑھو۔ تسبیح وتہلیل میں مشغول رہو اور زیادہ سے زیادہ اللہ کو یاد کرو اور یہ اس لئے کہا گیا کہ جس طرح یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت حضرت زکریا علیہ السلام کے لئے باعث صد ہزار مسرت تھی۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے لئے بھی کم خوشی کا باعث نہ تھی کہ زکریاؑ کا ایک صحیح جانشین اور علم وحکمت ونبوت کا سچا وارث عالم وجود میں آنیوالا ہے۔ چنانچہ بشارت کے موافق حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ ولادت باسعادت کے بعد قرآن پاک نے یحییٰ علیہ السلام کے بچپن کے ان واقعات کو نظر انداز کر کے جو قرآنی مقصد سے غیر متعلق تھے۔

آگے یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو جب وہ سن شعور کو پہنچے حکم دیا کہ توراۃ پر جو اس وقت کتاب شریعت تھی مضبوطی سے عمل کریں اور اسی کے مطابق لوگوں کو ہدایت دیں اسلئے کہ یحییٰ علیہ السلام نبی تھے رسول نہ تھے اور توراۃ ہی کی شریعت کے پابند تھے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو عام بچوں کی زندگی سے جدا ان کو بچپن ہی میں علم و فضیلت بخش دیئے تھے تا کہ وہ جلد ہی نبوت کے منصب پر فائز ہو سکیں۔ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بچپن میں جب بچے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کھیلنے پر اصرار کرتے تو آپ جواب دے دیتے کہ خدا نے مجھ کو لہو لعب کیلئے نہیں پیدا کیا ہے۔ تو حق تعالیٰ نے لڑکپن ہی میں آپ کو فہم ودانش۔ علم وحکمت۔ احکام کتاب اور آداب عبودیت کی معرفت عطا فرمادی تھی آگے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مزید صفات بیان کی جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شوق وذوق رحمت وشفقت۔ رقت ونرم دلی۔ محبت اور محبوبیت عطا فرمائی تھی اور صاف ستھرا پاکیزہ رُو۔ پاکیزہ خُو۔ مبارک وسعید متقی و پرہیز گار بنایا۔ حدیث میں ہے کہ یحییٰ علیہ السلام نے نہ کبھی گناہ کیا اور نہ گناہ کا ارادہ کیا۔ مگر خدا کے خوف سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کی نالیاں سی بن گئی تھیں۔ ایک روایت میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے والد حضرت زکریا علیہ السلام نے جب آپ کو جنگل میں تلاش کر کے پایا تو ان سے فرمایا۔ بیٹا

ہم تو تیری یاد میں مضطرب تجھ کو تلاش کر رہے ہیں اور تو یہاں گریہ زاری میں مشغول ہے تو یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا اے میرے باپ آپ نے مجھ کو بتایا ہے کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک ایسا لق ودق میدان ہے جو خدا کی خشیت میں بغیر آنسو بہائے طے نہیں ہوتا اور جنت تک رسائی نہیں ہوتی۔ یہ سن کر زکریا علیہ السلام بھی رونے لگے۔ اے اللہ اپنے ان مقبولین کے خوف وخشیت کا کوئی ذرہ ہمارے دلوں میں بھی ڈال دے کہ ہم کو آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے۔ اور آپ کی اطاعت پر آمادہ کر دے۔

آگے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مزید صفات بیان فرمائے گئے کہ وہ اپنے والدین کے بڑے خدمت گزار تھے اور خلق کے ساتھ سرکشی کرنے والے یا حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے نہ تھے۔ اور عنداللہ! ایسے وجیہ اور مکرم تھے کہ ان کے حق میں منجانب اللہ یہ ارشاد ہوا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ انتقال کریں گے اور جس دن قیامت میں زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو جس سلامتی کی دعا دی گئی ہے وہ تین اوقات کی تخصیص کے ساتھ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کے لئے یہی تین اوقات سب سے زیادہ نازک اور اہم ہیں۔ وقت ولادت جس میں رحم مادر سے جدا ہو۔ عالم دنیا میں آتا ہے اور وقت موت کہ جس میں عالم دنیا سے وداع ہو کر عالم برزخ میں پہنچتا ہے اور وقت حشر ونشر کہ جس میں عالم قبر سے عالم آخرت میں اعمال کی جزا وسزا کے لئے پیش ہوتا ہے۔ لہٰذا جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے ان تین اوقات کے لئے سلامتی کی بشارت مل گئی اسکو سعادت دارین کا کل ذخیرہ مل گیا۔

مسند احمد۔ ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت حارث اشعریؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو پانچ باتوں کا خصوصیت کے ساتھ حکم فرمایا کہ وہ خود بھی ان پر عامل ہوں اور بنی اسرائیل کو بھی ان کی تلقین فرمائیں۔ وہ پانچ احکام یہ تھے۔ پہلا حکم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور نہ کسی کو اس کا شریک وسہیم ٹھہراؤ کیونکہ مشرک کی مثال اس غلام کی سی ہے جس کو اس کے مالک نے اپنے روپیہ سے خریدا مگر غلام نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ جو کچھ کماتا ہے وہ مالک کے سوا ایک دوسرے شخص کو دے دیتا ہے تو اب بتاؤ کہ تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ لہٰذا سمجھ لو کہ جب خدا ہی نے تم کو پیدا کیا اور وہی تم کو رزق دیتا ہے تو تم بھی صرف اسی کی پرستش کرو اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ دوسرا حکم یہ کہ تم خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرو کیونکہ جب تم نماز میں کسی دوسری جانب متوجہ نہ ہو گے خدا تعالیٰ برابر تمہاری جانب رضا و رحمت کے ساتھ متوجہ رہے گا۔ تیسرا حکم یہ کہ روزہ رکھو اس لئے کہ روزہ دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک جماعت میں بیٹھا ہو اور اس کے پاس مشک کی تھیلی ہو چنانچہ مشک اس کو بھی اور اس کے رفقا کو بھی اپنی خوشبو سے معطر کرتا رہے گا اور روزہ دار کی منہ کی بو کا خیال نہ کرو اس لئے کہ اللہ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بو جو خالی معدہ سے اٹھتی ہے مشک کی خوشبو سے زیادہ پاک ہے چوتھا حکم یہ کہ مال میں سے صدقہ نکالا کرو کیونکہ صدقہ کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کو اس کے دشمنوں نے اچانک آ پکڑا ہو اور اس کے ہاتھوں کو گردن سے باندھ کر مقتل کی جانب لے چلے ہوں اور اس ناامیدی کی حالت میں وہ یہ کہے کہ کیا میں مال دے کر اپنی جان چھڑا لوں اور اثبات میں جواب پا کر اپنی جان کے بدلے سب دھن دولت قربان کر دے۔ اور پانچواں حکم یہ کہ دن رات میں کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے رہو کیونکہ ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دشمن سے بھاگ رہا ہو اور دشمن تیزی کے ساتھ اس کا تعاقب کر رہا ہو اور بھاگ کر وہ کسی مضبوط قلعہ میں پناہ گزین ہو کر دشمن سے محفوظ ہو جاوے۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جانب متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا میں بھی تم کو ایسی پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا خدا تعالیٰ نے مجھ کو حکم کیا ہے۔ یعنی لزوم جماعت۔ سمع۔ وطاعت۔ ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پس جو شخص جماعت سے ایک بالشت باہر نکل گیا اس نے بلاشبہ اپنی گردن سے اسلام کی رسی کو نکال دیا مگر یہ کہ جماعت کا لزوم اختیار کرے اور جس شخص نے جاہلیت کے دور کی باتوں کی طرف دعوت دی تو اس نے جہنم کو ٹھکانا بنایا۔ حضرت حارث اشعریؓ کہتے ہیں ایک کہنے والے نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وہ شخص نماز روزہ کا پابند ہی ہو تب بھی جہنم کا سزاوار ہے؟ فرمایا ہاں اگرچہ وہ نماز روزہ کا پابند بھی ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ میں مسلمان ہوں تب بھی سزاوار جہنم ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ

اور اے نبیؐ اس کتاب میں مریمؑ کا بھی ذکر کیجئے، جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ایک ایسے مکان میں جو شرق کی جانب میں تھا (غسل کیلئے) گئیں پھر اُن لوگوں کے سامنے سے

حِجَابًا ۪ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ

انہوں نے پردہ ڈال لیا پس ہم نے اُن کے پاس اپنے فرشتہ کو بھیجا اور وہ اُن کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ کہنے لگیں کہ میں تجھ سے (اپنے خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں

مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ

اگر تو (کچھ) خدا ترس ہے۔ فرشتہ نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تا کہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ وہ کہنے لگیں کہ میرے لڑکا کس طرح ہو جاوے گا

لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ

حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتہ نے کہا کہ یونہی (اولاد) ہو جاوے گی تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات مجھ کو آسان ہے،

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

اور اس طور پر اس لئے پیدا کریں گے، تا کہ ہم اُس فرزند کو لوگوں کیلئے ایک نشانی بنا دیں، اور باعث رحمت بنائیں۔

وَاذْكُرْ اور ذکر کرو	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	مَرْيَمَ مریم	اِذِ انْتَبَذَتْ جب وہ یکسو ہوگئی	مِنْ اَهْلِهَا اپنے گھر والوں سے	مَكَانًا مکان	شَرْقِيًّا مشرقی
فَاتَّخَذَتْ پھر ڈال لیا	مِنْ سے	دُوْنِهِمْ ان کی طرف	حِجَابًا پردہ	فَاَرْسَلْنَا پھر ہم نے بھیجا	اِلَيْهَا اس کی طرف	رُوْحَنَا اپنی روح (فرشتہ)
فَتَمَثَّلَ شکل بن گیا	لَهَا اس کیلئے	بَشَرًا ایک آدمی	سَوِيًّا ٹھیک	قَالَتْ وہ بولی	اِنِّيْ بیشک میں	اَعُوْذُ پناہ میں آتی ہوں	بِالرَّحْمٰنِ رحمٰن اللہ (کی)
مِنْكَ تجھ سے	اِنْ كُنْتَ اگر تو ہے	تَقِيًّا پرہیزگار	قَالَ اس نے کہا	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	اَنَا کہ میں	رَسُوْلُ بھیجا ہوا	رَبِّكِ تیرے رب کا
لِاَهَبَ تا کہ عطا کروں	لَكِ تجھ سے	غُلٰمًا ایک لڑکا	زَكِيًّا پاکیزہ	قَالَتْ وہ بولی	اَنّٰى کیسے	يَكُوْنُ ہوگا	لِيْ میرے	غُلٰمٌ لڑکا	وَ جبکہ
لَمْ يَمْسَسْنِيْ مجھے چھوا نہیں	بَشَرٌ کسی بشر نے	وَ اور	لَمْ اَكُ میں نہیں ہوں	بَغِيًّا بدکار	قَالَ اس نے کہا	كَذٰلِكِ یونہی	قَالَ فرمایا
رَبُّكِ تیرا رب	هُوَ وہ۔ یہ	عَلَيَّ مجھ پر	هَيِّنٌ آسان	وَلِنَجْعَلَهٗ اور تا کہ ہم اسے بنائیں	اٰيَةً ایک نشانی	لِّلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَ اور
رَحْمَةً رحمت	مِّنَّا اپنی طرف سے	وَكَانَ اور ہے	اَمْرًا ایک	مَّقْضِيًّا طے شدہ		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کی نشانیاں موجود تھیں۔ اب اس سے بھی عجیب تر قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا بیان فرمایا جاتا ہے۔

تخلیق انسانی چار طور پر ہوئی ہے اور ہر ایک میں قدرت الٰہی کا واضح نشان موجود ہے۔

ایک مرد و عورت کے قریب سے جیسے عام انسان پیدا ہوتے ہیں۔

دوسرے بغیر مرد و عورت کے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ تیسرے بغیر عورت کے جس طرح حضرت حوا کی تخلیق ہوئی۔ چوتھے بغیر مرد کے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم سے پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی پیدائش ظاہر کر دی تا کہ انسان کو اس کی ہر طرح کی قدرت پر ایمان ہو اور ان قصوں کو اللہ تعالیٰ اسی لئے بیان فرما رہے ہیں تا کہ اس کے بندے اس سے اس کی قدرت پر دلیل لیں اور اس کی عظمت و بڑائی معلوم کریں اور جانیں کہ حق تعالیٰ جو چاہیں وہ کر سکتے ہیں۔ نیز حضرت زکریا علیہ السلام کے قصہ سے جو پہلے بیان ہوا اور حضرت مریمؑ کے قصہ سے جو اس اور اگلی آیات میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔

دونوں قصوں کے مجموعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سوال اور طلب سے بھی دیتے ہیں۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام دیئے۔ اور بلا سوال اور طلب بھی دیتے ہیں جیسے حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیئے۔ اس سے یہ بات بھی نکلی کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ہر شخص کے ساتھ جدا جدا معاملہ فرماتے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے خاندان ہی میں اس زمانہ میں ایک بزرگ عابد زاہد کاہن تھے جن کا نام عمران تھا اور ان کی بیوی کا نام حنہ تھا جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ کی حقیقی بہن تھیں۔ اس طرح حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے خالو تھے۔ عمران صاحب اولاد نہ تھے اور ان کی بیوی حنہ بہت زیادہ متمنی تھیں کہ ان کے اولاد ہو اس لئے وہ درگاہ الٰہی میں اولاد کے لئے دعا کیا کرتی تھیں اور قبولیت دعاء کے لئے ہر وقت منتظر رہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو قبولیت بخشی اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ حاملہ ہیں ان کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ انہوں نے نذر مان لی کہ جو بچہ پیدا ہوگا اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردوں گی۔ بنی اسرائیل میں یہ رسم بہت مقدس سمجھی جاتی تھی اور اس طرح جو اولاد خانہ خدا کے لئے وقف ہو جاتی تھی اس کو شب وروز عبادت الٰہی اور عبادت خانہ کی خدمت کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہوتا تھا۔ حنہ ابھی حاملہ ہی تھیں کہ ان کے شوہر عمران کا انتقال ہوگیا جب وضع حمل کا وقت ہوا تو لڑکی پیدا ہوئی جس کا حنہ کو افسوس ہوا کیونکہ لڑکی وقف کرنے کا دستور نہ تھا لیکن نذر مان چکی تھیں اس لئے حضرت مریم کو حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد کردیا گیا جو بیت المقدس کے متولی اور امام تھے۔ حضرت مریم بچپن ہی سے نہایت پاکیزہ صفات اور عابدہ زاہدہ تھیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کے لئے ایک حجرہ مخصوص کردیا تھا وہ دن میں وہاں رہ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتیں اور جب رات آتی تو ان کو حضرت زکریا اپنے مکان پر حضرت مریم کی خالہ کے پاس لے جاتے اور وہیں شب بسر کرتیں غرض اس طرح زہد وتقویٰ وعبادت کے ساتھ حضرت مریم کی عمر تیرہ یا پندرہ سال کے قریب ہوگئی۔

اب یہاں سے آگے کے حالات ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں اور بتلایا گیا کہ ایک روز بیت المقدس سے مشرق کی طرف سب سے علیحدہ ہوکر کسی مکان میں گئیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت مریم غسل کے لئے اس جگہ آئی تھیں اور لوگوں سے آڑ کے لئے آپ نے درمیان میں پردہ ڈال لیا تھا جب آپ غسل کرچکیں اور کپڑے پہن لئے تو اچانک خدا کا فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں ظاہر ہوئے اور جیسا کہ فرشتوں کی عادت ہے کہ عموماً خوش منظر صورتوں میں متمثل ہوتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نہایت خوبصورت انسانی شکل میں آئے۔ حضرت مریم نے ایک اجنبی شخص کو اس طرح بے حجاب سامنے دیکھا تو گھبرا گئیں اور قدرتی طور پر خوف زدہ ہوئیں اور اپنی حفاظت کی فکر کرنے لگیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے چہرہ پر تقویٰ وطہارت کے انوار چمکتے دیکھ کر اسی قدر کہنا کافی سمجھا کہ میں تیری طرف سے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں اگر تیرے دل میں خدا کا ڈر ہوگا تو میرے پاس سے چلا جائے گا اور مجھ سے کچھ تعرض نہ کرے گا۔ اس وقت جبرئیل امین نے اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا اور کہا کہ گھبراؤ نہیں میری نسبت کوئی ڈر یا خوف آیا ہو تو دل سے نکال دو میں انسان نہیں بلکہ خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ خداوند قدوس کی طرف سے تم کو ایک پاکیزہ۔ صاف ستھرا اور مبارک ومسعود لڑکے کی بشارت دوں۔ حضرت مریم کے دل میں خدا نے یقین ڈال دیا کہ بیشک یہ فرشتہ ہے مگر تعجب ہوا کہ جو عفیفہ مرد سے ناواقف ہو اس کے لڑکا کیسے ہوگا اس لئے حضرت مریم از راہ تعجب فرمانے لگیں میرے لڑکا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ مجھ کو آج تک کسی شخص نے بھی ہاتھ نہیں لگایا اس لئے کہ نہ تو میں نے نکاح کیا ہے اور نہ میں کوئی بدکار ہوں۔ فرشتہ نے جواب دیا میں تو تمہارے پروردگار کا قاصد ہوں اس نے مجھ سے اسی طرح کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ میں اس لئے کروں گا کہ تم کو اور تمہارے بیٹے کو کائنات کے لئے اپنی قدرت کاملہ کے اعجاز کا نشان بنادوں اور لڑکا میری جانب سے رحمت ثابت ہوگا میرا یہ فیصلہ اٹل ہے اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

اِس گفتگو کے بعد جبرئیل امین حضرت مریم کے قریب آئے اور اُن کے منہ یا گریبان میں پھونک ماری جس سے حضرت مریمؑ بشان ایزدی حاملہ ہوگئیں۔ اب آگے حضرت مریمؑ کو کیا صورت حال اور واقعات پیش آئے یہ اگلی آیات میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ

پھر اُن کے پیٹ میں لڑکا رہ گیا پھر اس حمل کو لئے ہوئے کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں۔ پھر دردزہ کے مارے کھجور کے درخت کی طرف آئیں،

قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ

کہنے لگیں کاش میں اس (حالت) سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور ایسی نیست و نابود ہوجاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی۔ پھر جبرئیل نے اُن کے پائیں سے اُن کو پکارا کہ تم مغموم مت ہو

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾

تمہارے رب نے تمہارے پائین (مکان) میں ایک نہر پیدا کر دی ہے اور اس کھجور کے تنہ کو اپنی طرف کو ہلاؤ اس سے تم پر خرمائے تر و تازہ جھڑیں گے۔

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ

پھر کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو، پھر اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو بھی (اعتراض کرتا) دیکھو تو کہہ دینا میں نے تو اللہ کے واسطے روزہ کی منت مان رکھی ہے

لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ ۚ

سو آج میں کسی آدمی سے نہیں بولوں گی۔

فَحَمَلَتْهُ پھر اسے حمل رہ گیا	فَانْتَبَذَتْ پس وہ چلی گئی	بِهٖ اسے لے کر	مَكَانًا ایک جگہ	قَصِيًّا دور	فَاَجَآءَهَا پھر اسے لے آیا			
الْمَخَاضُ دردزہ	اِلٰى طرف	جِذْعِ جڑ	النَّخْلَةِ کھجور کا درخت	قَالَتْ وہ بولی	يٰلَيْتَنِيْ اے کاش میں	مِتُّ مرچکی ہوتی		
قَبْلَ هٰذَا اس سے قبل	وَكُنْتُ اور میں ہوجاتی	نَسْيًا مَّنْسِيًّا بھولی بسری	فَنَادٰىهَا پس اسے آواز دی	مِنْ سے	تَحْتِهَآ اسکے نیچے			
اَلَّا تَحْزَنِيْ کہ نہ گھبرا تو	قَدْ جَعَلَ کر دیا ہے	رَبُّكِ تیرا رب	تَحْتَكِ تیرے نیچے	سَرِيًّا ایک چشمہ	وَهُزِّيْٓ اور ہلا	اِلَيْكِ اپنی طرف		
بِجِذْعِ تنے کو	النَّخْلَةِ کھجور	تُسٰقِطْ جھڑ پڑیں گی	عَلَيْكِ تجھ پر	رُطَبًا تازہ تازہ	جَنِيًّا کھجوریں	فَكُلِيْ تو کھا	وَاشْرَبِيْ اور پی	وَ اور
قَرِّيْ ٹھنڈی کر	عَيْنًا آنکھیں	فَاِمَّا تَرَيِنَّ پھر اگر تو دیکھے	مِنَ سے	الْبَشَرِ آدمی	اَحَدًا کوئی	فَقُوْلِيْٓ تو کہدے		
اِنِّيْ نَذَرْتُ کہ میں نے نذر مانی ہے	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کے لئے	صَوْمًا روزہ	فَلَنْ اُكَلِّمَ پس میں ہرگز کلام نہ کرونگی	الْيَوْمَ آج	اِنْسِيًّا کسی آدمی			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت مریم کو جبرئیل علیہ السلام کا ایک فرزند کی بشارت دینے کا ذکر ہوا تھا اور جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا تھا کہ پروردگار کا ارشاد ہے کہ اس بچہ کو ایک نشان قدرت لوگوں کے لئے بنانا اور باعث رحمت بنانا مشیت ایزدی میں طے ہو چکا ہے۔ غرض حضرت مریم بشان ایزدی حاملہ ہوگئیں۔ اب جب آثار حمل نمودار ہوئے تو بنی اسرائیل کی بدگوئی کا خوف ہوا اس لئے سب سے یکسوئی اختیار کر لی اور کہیں دور تنہا مکان میں گوشہ گیر ہوگئیں۔ مدت حمل جب پوری ہوئی اور وضع حمل کا وقت قریب آیا تو شرم کے مارے گھر سے کسی دور جگہ جنگل میں الگ چلی گئیں۔ جب دردزہ کی تکلیف سے بے چین ہوئیں تو ایک کھجور کے درخت کی طرف آئیں کہ اس کے سہارے بیٹھیں اٹھیں اور اس کی جڑ سے سہارا لیں۔ اب حالت یہ تھی کہ نہ کوئی انیس نہ جلیس۔ درد سے بے چین۔ ایسے وقت جو سامان راحت و ضرورت کا ہونا چاہئے وہ ندارد اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بچہ ہونے پر آئندہ بدنامی و رسوائی کا تصور۔ اسی کرب و اضطراب کے غلبہ میں حضرت مریم کہہ اٹھیں کہ کاش میں اس

وقت کے آنے سے پہلے ہی مرچکی ہوتی کہ دنیا میں میرا نام ونشان نہ رہتا اور کسی کو بھولے سے بھی یاد نہ آتی۔ شدت کرب واضطراب میں گذشتہ بشارات جوفرشتہ سے سنی تھیں یاد نہ آئیں۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام پہنچے اور حضرت مریم کے احترام کی وجہ سے سامنے نہیں گئے بلکہ جس مقام پر حضرت مریم تھیں اس سے ایک نیچی جگہ میں آڑ میں آئے اور حضرت مریم کو پکارا جس کو حضرت مریم نے پہچانا کہ یہ اسی فرشتہ کی آواز ہے جو اول ظاہر ہوا تھا۔ اور کہا کہ غمگین اور پریشان مت ہو۔ خدا کی قدرت سے ہر قسم کا ظاہری و باطنی اطمینان حاصل کرو۔ نیچے کی طرف دیکھو اللہ تعالیٰ نے کیسا چشمہ یا نہر جاری کر دی ہے۔ یہ تو پینے کے لئے ہوا۔ کھانے کے لئے اسی کھجور کے پیڑ کو ہلاؤ تو پکی اور تازہ کھجوریں ٹوٹ کر گریں گی۔ تازہ کھجوریں کھا کر چشمہ کے پانی سے سیراب ہو اور پاکیزہ بیٹے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ آگے کا غم نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ سب مشکلات کو دور کرنے والا ہے۔ رہا بدنامی کا اندیشہ تو جب تمہارے سامنے کوئی آئے اور لڑکے کی بابت دریافت کرے تو تم اشارہ سے کہہ دینا کہ میں نے تو ایسے روزہ کی منت مان رکھی ہے جس میں بولنے کی بندش ہے۔ ان کی شریعت میں یہ نیت درست تھی کہ نہ بولنے کا بھی روزہ رکھتے تھے ہماری شریعت اسلامیہ میں ایسی نیت اور روزہ درست نہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم نے درد کی شدت سے بیتاب ہو کر جو موت کو یاد کیا اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ہر انسان اقتضائے بشریت سے مجبور ہے۔ مصائب اور تکلیف کا احساس ہر ایک کو ہوتا ہے اور احساس حوادث سے متاثر بھی ہوتا ہے اور یہ ولایت یا نبوت کے منافی نہیں حضرت مریم کی تسکین۔ آسائش اور دفع تکلیف کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتہ کو بھیجا۔ چشمہ جاری کیا۔ خشک درخت کو بارآور کیا اور پکے پکائے لذیذ شیریں پھل دیئے۔ ان واقعات کے اظہار سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کی ہر وقت اور ہر حال میں کارسازی فرماتے ہیں اور اہل تقرب کو نظام عام کے خلاف مخصوص عنایات سے بھی سرفراز فرماتے ہیں۔

یہاں آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو کھجور کے درخت کی شاخ ہلانے کا جو حکم دیا تو اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ بغیر حضرت مریم کے شاخ ہلانے کے خود ہی کھجوریں ان کی گود میں گر جاتیں اور وہ ان کو کھا لیتیں مگر اس ہلانے کے حکم میں حکمت یہ ہے کہ اس میں تحصیل رزق کے لئے کوشش کرنے کا سبق ملتا ہے اور یہ بھی بتلانا ہے کہ رزق کے حاصل کرنے میں کوشش اور محنت کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ نیز یہاں جو حضرت مریم علیہا السلام کے واسطے کھجور کا استعمال من جانب اللہ تجویز کیا گیا تو معلوم ہوا کہ زچہ کے لئے سب سے زیادہ مفید تر کھجور ہے اور اطبا نے بھی لکھا ہے کہ عورت کے لئے ایام نفاس میں رطب یعنی تازہ کھجور سے بہتر کوئی غذا نہیں نیز یہاں آیت میں جو حضرت مریم نے اپنی موت کی تمنا کی تھی تو اس کے متعلق حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ تمنائے موت اگر غم دنیا سے تھی تب تو غلبۂ حال کو اس کا عذر کہا جاوے گا جس میں انسان من کل الوجوہ مکلف نہیں رہتا اور اگر یہ تمنا دین کی وجہ سے تھی کہ لوگ بدنام کریں گے اور شاید مجھ سے اس پر صبر نہ ہو سکے تو بے صبری کی معصیت میں ابتلا ہوگا اور موت سے اس معصیت سے حفاظت رہے گی تو ایسی تمنا موت ممنوع نہیں ہے۔

غرض کہ فرشتے کے کلام سے حضرت مریم کی تسلی ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اب جب حضرت مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر بستی میں آئیں تو قوم نے آپ کی گود میں بچہ دیکھ کر کیا کہا سنا اور بجائے حضرت مریم کے بچہ نے جو قوم کو جواب دیا وہ اگلی آیات میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! اپنے مقبولین کے طفیل سے ہم کو بھی اپنی عنایات سے سرفراز فرمائیے اور ہر لمحہ و آن ہماری کارسازی فرمائیے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ

پھر وہ اُن کو گود میں لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائیں لوگوں نے کہا اے مریم تم نے بڑے غضب کا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن تمہارے باپ کوئی بُرے آدمی نہ تھے

امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ

اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں۔ پس مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کردیا، وہ لوگ کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسے شخص سے کیونکر باتیں کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔

صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا

وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اُس نے مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی اور اُس نے مجھ کو نبی بنایا۔ اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں،

كُنْتُ وَاَوْصٰنِىْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِىْ وَلَمْ يَجْعَلْنِىْ جَبَّارًا

اور اُس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔ اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گذار بنایا اور اُس نے مجھ کو سرکش بد بخت نہیں بنایا۔

شَقِيًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَىَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾

اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز رحلت کروں گا اور جس روز (قیامت میں) زندہ کرکے اٹھایا جاؤں گا۔

فَاَتَتْ بِهٖ پھر وہ اسے لیکر آئی	قَوْمَهَا اپنی قوم	تَحْمِلُهٗ اسے اٹھائے ہوئے	قَالُوْا وہ بولے	يٰمَرْيَمُ اے مریم	لَقَدْ جِئْتِ تو لائی ہے	شَيْـًٔا شے	
فَرِيًّا پُرغضب کی	يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ اے ہارون کی بہن	مَا نہ كَانَ تھا	اَبُوْكِ تیرا باپ	امْرَاَ آدمی	سَوْءٍ بُرا	وَ اور	مَا كَانَتْ نہ تھی
اُمُّكِ تیری ماں	بَغِيًّا بدکار	فَاَشَارَتْ تو مریم نے اشارہ کیا	اِلَيْهِ اس کی طرف	قَالُوْا وہ بولے	كَيْفَ نُكَلِّمُ کیسے ہم بات کریں	مَنْ كَانَ جو ہے	
فِى الْمَهْدِ گہوارہ میں	صَبِيًّا بچہ	قَالَ بچہ نے کہا	اِنِّىْ بیشک میں	عَبْدُ اللّٰهِ اللہ کا بندہ	اٰتٰنِىَ اس نے مجھے دی ہے	الْكِتٰبَ کتاب	
وَجَعَلَنِىْ اور مجھے بنایا ہے	نَبِيًّا نبی	وَجَعَلَنِىْ اور مجھے بنایا ہے	مُبٰرَكًا بابرکت	اَيْنَ مَا جہاں کہیں	كُنْتُ میں ہوں	وَ اور	
اَوْصٰنِىْ مجھے حکم دیا ہے اس نے	بِالصَّلٰوةِ نماز کا	وَالزَّكٰوةِ اور زکوٰۃ کا	مَا دُمْتُ جب تک میں رہوں	حَيًّا زندہ	وَبَرًّا اور اچھا سلوک کرنیوالا		
بِوَالِدَتِىْ اپنی ماں سے	وَ اور	لَمْ يَجْعَلْنِىْ اس نے مجھے نہیں بنایا	جَبَّارًا سرکش	شَقِيًّا بدنصیب	وَالسَّلٰمُ اور سلامتی	عَلَىَّ مجھ پر	يَوْمَ جس دن
وُلِدْتُّ میں پیدا ہوا	وَيَوْمَ اور جس دن	اَمُوْتُ میں مروں گا	وَيَوْمَ اور جس دن	اُبْعَثُ اٹھایا جاؤں گا	حَيًّا زندہ ہوکر		

تفسیر و تشریح:- گذشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا حال بیان فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام پیغامات الٰہیہ پر مطمئن ہوکر جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے پہنچے تھے بچہ کو گود میں لے کر بیت المقدس کو روانہ ہوئیں جب بستی میں پہنچیں اور قوم کے سامنے آئیں تو لوگ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہنے لگے مریم تم نے تو غضب کردیا۔ یہ بناوٹ کی چیز کہاں سے لے آئیں۔ اس سے زیادہ جھوٹ طوفان کیا ہوگا کہ ایک لڑکی کنواری رہتے ہوئے دعویٰ کرے کہ میرے بچہ پیدا ہوا ہے۔ سب بدگمان ہوکر کہنے لگے کہ تمہارے ماں باپ اور خاندان والے ہمیشہ سے نیک رہے ہیں۔ تم میں یہ بری خصلت کدھر سے آئی۔

غرض حاصل کلامِ قوم کا حضرت مریم سے یہ ہوا کہ تمہارے باپ پاکباز تھے تمہاری ماں پارسا تھیں۔ بھائی ایسا نیک ہے۔

اوپر جا کر تمہارا حسب حضرت ہارون پر منتہی ہوتا ہے پھر یہ حرکت تم سے کیونکر سرزد ہوئی کہ شادی تو ہوئی نہیں ۔ یہ بچہ کیسا؟ حضرت مریم نے اپنی صفائی میں کوئی بات نہیں کہی اور فرشتہ کی ہدایت کے موافق پس بچہ کی طرف اشارہ کردیا مطلب یہ تھا کہ اس بچہ سے دریافت کرو۔ یہ جواب دے گا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر انتہائی تعجب کے ساتھ کہا کہ بھلا اس گود کے شیرخوار بچہ سے ہم کیسے سوال جواب کرسکتے ہیں یہ ابھی بچہ ہے اور بات چیت پر قادر نہیں اس سے کیا بات کریں۔ ابھی قوم کی طرف سے یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ خود بچہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے گویا کردیا۔ آپ فوراً بول اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے اپنے فیصلہ تقدیر میں مجھ کو کتاب یعنی انجیل دی ہے اور نبی بنایا ہے اور اس نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے خواہ میں کسی حال اور کسی جگہ بھی ہوں یعنی مجھ سے خلق کو دین کا نفع پہنچے گا اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں یہی میرا شعار ہو اور اُس نے مجھ کو اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا اور خودسر اور نافرمان نہیں بنایا کہ ادائے حق خالق یا ادائے حق والدہ سے سرکشی کروں۔ چونکہ آپ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لئے والدہ کی تخصیص کی اور اس کی جانب سے مجھ کو سلامتی کا پیغام ہے جس دن کہ میں پیدا ہوا۔ اور جس دن کہ میں مروں گا اور جس دن کہ پھر قیامت میں زندہ کرکے اٹھایا جاؤں گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت ماں کی گود میں جو کچھ فرمایا اس میں تمام غلط اور فاسد خیالات کا رد تھا جو آئندہ ان کی نسبت قائم ہونے والے تھے سب سے پہلے کہا کہ میں بندہ ہوں اللہ کا یعنی نعوذ باللہ خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے چنانچہ اسی عقیدہ کی تردید کے لئے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت وغیرہ کے تفصیلی حالات بیان فرمائے اور ان آیات کی ابتداء اس جملہ سے فرمائی گئی **فاتت به قومها تحمله** ۔ پس مریم اس لڑکے کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائیں۔ تو **فاتت** کا لفظ بتارہا ہے کہ حضرت مریم خود اپنے بچہ کو لے کر آئی تھیں۔ اس میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ وہ عیسیٰ جو حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد اتنے مجبور تھے کہ خود چل پھر بھی نہیں سکتے تھے۔ ماں گود میں اٹھائے پھرتی تھیں۔ تو ایسا مجبور اور بے بس کس طرح مستحق الوہیت ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔

یہاں شیرخوارگی کی حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذات کے لئے آٹھ صفتیں بیان فرمائیں جن میں تمام خیالات فاسدہ کا رد ہوگیا۔

پہلی صفت اپنی عبدیت کی بیان کی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں بطور خرق عادت کے بغیر والد کے پیدا ہوا ہوں۔ معاذ اللہ ولد الزنا نہیں اور میری ولادت اس بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کا مخلوق بندہ ہوں معاذ اللہ خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں۔

دوسری صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو کتاب یعنی انجیل دی ہے یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ مجھ کو کتاب انجیل عطا کرے گا جو میری نبوت کی دلیل ہوگی اور نبوت الوہیت سے منافی ہے۔

تیسری صفت یہ فرمائی کہ اللہ نے مجھ کو نبی بنایا ہے۔ یعنی اللہ نے ازل میں یہ فیصلہ کردیا ہے کہ وہ مجھ کو نبی بنائے گا اور چونکہ یہ فیصلہ قطعی ہے ضرور اپنے وقت پر واقع ہوگا۔

چوتھی صفت یہ بیان کی اللہ نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے۔ جس جگہ بھی ہوں۔ جہاں بھی رہوں یا جاؤں خیر و برکت میرے ساتھ ہوگی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں خدا کا مبارک بندہ ہوں۔

پانچویں صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں اور ظاہر ہے کہ نماز اور

3

زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے اور عبادت دلیل عبدیت کی ہے اور عبدیت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔

چھٹی صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا۔ اس میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ میں بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں اور میری یہ والدہ عفیفہ اور طاہرہ اور مطہرہ ہیں۔ مجھ پر ان کی تعظیم و تکریم واجب ہے۔ اور اپنی والدہ کی خدمت اور اطاعت دلیل عبدیت کی ہے۔

ساتویں صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو سرکش اور بدبخت نہیں بنایا کہ اللہ کا حکم نہ مانوں معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا یا زکوٰۃ نہیں دیتا یا اپنی ماں کا نافرمان ہے وہ متکبر اور بدبخت ہے۔

آٹھویں صفت یہ بیان کی کہ سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ صفت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خداوند قدوس کے برگزیدہ بندہ تھے کیونکہ خدا ولادت اور موت سے منزہ ہے اور کسی کی سلامتی اور حفاظت سے بے نیاز ہے۔ حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد چند سال بعد مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روضۂ اقدس میں مدفون ہوں گے۔

اب قوم نے جب ایک شیر خوار بچہ کی زبان سے ایسا حکیمانہ اور معجزانہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئی اور اس کو یقین ہو گیا کہ حضرت مریم کا دامن بلاشبہ ہر قسم کی برائی اور تلویث سے پاک ہے اور اس بچہ کی پیدائش کا معاملہ یقیناً منجانب اللہ ایک نشانی ہے۔ بہرحال یہ خبر ایسی نہ تھی کہ پوشیدہ رہ جاتی قریب اور بعید سب جگہ اس حیرت کن واقعہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کے چرچے ہونے لگے اور طبائع انسانی نے اس مقدس ہستی کے متعلق شروع ہی سے مختلف کروٹیں بدلنی شروع کر دیں۔ اصحاب خیر نے آپ کے وجود کو یمن و سعادت کا ماہتاب سمجھا تو اصحاب شر نے اس ہستی کو اپنے لئے فال بد جانا اور بغض و حسد کے شعلے اندر ہی اندر سلگنے لگے۔

قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے حالات میں سے صرف اسی اہم واقعہ کا ذکر کیا ہے باقی بچپن کے دوسرے حالات کو جن کا ذکر قرآن کے مقصد تذکیر و موعظت سے خاص تعلق نہیں رکھتا تھا نظر انداز کر دیا ہے۔ اس لئے آگے اس قصہ سے جو اصل مقصود ہے اس کو بیان کیا گیا ہے پھر مضمون توحید۔ اور اس کے ساتھ ذکر قیامت اور منکرین توحید کا حال بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: جو عقائد قران پاک نے تعلیم فرمائے ہیں۔ اور جو خبریں دی گئی ہیں ان پر حقیقی ایمان ہم کو نصیب ہو۔ اور قران پاک کی ہر تعلیم و نصیحت کے موافق ہم کو اپنی زندگی گزارنا نصیب ہو۔ یا اللہ! ہمیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم و ہدایات دی ہیں ان کا اتباع ہم کو نصیب ہو۔

یا اللہ! ہم کو اپنے والدین کا خدمت گزار اولادھونا نصیب فرما۔ اور ہر طرح کی سرکشی۔ نافرمانی اور بدبختی سے ہم کو محفوظ فرما۔

یا اللہ! سب سے بڑی بدبختی اور سرکشی بندہ کی یہی ہے کہ وہ آپ کی نافرمانی کرے اور آپ کے احکام نہ مانے اور آپ کی عبادت اور بندگی نہ کرے۔ یا اللہ! اس بدبختی سے ہمیں اور ہماری نسلوں کو محفوظ فرمائیے۔ ہمیں اپنا اطاعت گزار اور فرمانبردار بندہ بن کر زندہ رہنا اور فرمانبردار ہی ہو کر مرنا نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِىْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ

یہ ہیں عیسیٰ بن مریمؑ میں (بالکل) سچی بات کہہ رہا ہوں جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے

سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ

وہ (بالکل) پاک ہے، وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اُس کو اتنا فرما دیتا ہے کہ ہوجا سو وہ ہوجاتا ہے۔ اور بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو اسی کی عبادت کرو

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ

یہی (دین کا) سیدھا راستہ ہے۔ سو (پھر بھی) مختلف گروہوں نے (اس بارہ میں) باہم اختلاف ڈال لیا، سو ان کافروں کیلئے ایک بڑے دن کے آنے سے بڑی خرابی ہے۔

عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

جس روز یہ لوگ ہمارے پاس آویں کیسے کچھ شنوا اور بینا ہوجاویں گے لیکن یہ ظالم آج صریح غلطی میں ہیں۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِىَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِىْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا

اور آپ ان لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرائیے جب کہ اخیر فیصلہ کردیا جائے گا اور وہ لوگ غفلت میں ہیں اور وہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ (لیکن

نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾

آخر ایک دن مریں گے اور) تمام زمین کے رہنے والوں کے ہم ہی وارث (یعنی آخر مالک) رہ جاویں گے اور یہ سب ہمارے پاس ہی لوٹائے جاویں گے۔

ذٰلِكَ یہ	عِيْسَى عیسیٰ	ابْنُ مَرْيَمَ ابن مریم	قَوْلَ بات	الْحَقِّ سچی	الَّذِىْ فِيْهِ وہ جس میں	يَمْتَرُوْنَ وہ شک کرتے ہیں	مَا كَانَ نہیں ہے
لِلّٰهِ اللہ کیلئے	اَنْ کہ	يَّتَّخِذَ وہ بنائے	مِنْ کوئی	وَّلَدٍ بیٹا	سُبْحٰنَهٗ وہ پاک ہے	اِذَا قَضٰى جب وہ فیصلہ کرتا ہے	اَمْرًا کسی کام
فَاِنَّمَا تو اسکے سوانہیں	يَقُوْلُ وہ کہتا ہے	لَهٗ اس کو	كُنْ ہوجا	فَيَكُوْنُ پس وہ ہوجاتا ہے	وَاِنَّ اور بیشک	اللّٰهَ اللہ	رَبِّىْ میرا رب
وَرَبُّكُمْ اور تمہارا رب	فَاعْبُدُوْهُ پس اسکی عبادت کرو	هٰذَا یہ	صِرَاطٌ راستہ	مُّسْتَقِيْمٌ سیدھا	فَاخْتَلَفَ پھر اختلاف کیا	الْاَحْزَابُ فرقے	
مِنْ بَيْنِهِمْ آپس میں	فَوَيْلٌ پس خرابی	لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا کافروں کیلئے	مِنْ سے	مَّشْهَدِ حاضری	يَوْمٍ عَظِيْمٍ بڑا دن	اَسْمِعْ سنیں گے	
بِهِمْ کیا کچھ	وَاَبْصِرْ اور دیکھیں گے	يَوْمَ جس دن	يَاْتُوْنَنَا وہ ہمارے سامنے آئینگے	لٰكِنِ لیکن	الظّٰلِمُوْنَ ظالم	الْيَوْمَ آج کے دن	
فِىْ میں	ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کھلی گمراہی	وَاَنْذِرْهُمْ اور ان کو ڈراویں آپ	يَوْمَ الْحَسْرَةِ حسرت کا دن	اِذْ جب	قُضِىَ فیصلہ کردیا جائیگا		
الْاَمْرُ کام	وَهُمْ لیکن وہ	فِىْ غَفْلَةٍ غفلت میں ہیں	وَهُمْ اور وہ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ایمان نہیں لاتے	اِنَّا نَحْنُ بیشک ہم		
نَرِثُ وارث ہونگے	الْاَرْضَ زمین	وَمَنْ اور جو	عَلَيْهَا اس پر	وَاِلَيْنَا اور ہماری طرف	يُرْجَعُوْنَ وہ لوٹائے جائیں گے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کا قصہ بیان فرمایا گیا تھا۔ اب جو اس سے مقصد و مقصود تھا اس کو واضح کیا جارہا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو درجۂ نبوت سے بلند اور عبدیت وانسانیت سے بالاتر جانتے۔ ان میں کوئی فرقہ حضرت عیسیٰ

کو (نعوذ باللہ) خدا کا بیٹا کہتا۔ کوئی خدا۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ تخم انسانی کی پیداوار اور ناجائز طریقۂ تولید کا نتیجہ جانتے۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو العیاذ باللہ یوسف نجار کا بیٹا کہتے تھے۔ بہرحال یہ دونوں گروہ افراط وتفریط اور مبالغہ وتنقیص میں مبتلا ہو کر گمراہ ہوئے۔ قرآن پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح واقعہ۔ طریقۂ پیدائش۔ غرض ولادت بیان کر کے ناطق فیصلہ فرما دیا اور صاف اعلان کر دیا کہ بس یہی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی حقیقت ہے۔ چنانچہ یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان وصفت یہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ایک سچی اور کھلی ہوئی بات میں لوگوں نے خواہ مخواہ جھگڑے ڈال لئے اور طرح طرح کے اختلافات کھڑے کر دیئے کسی نے ان کو خدا بنا دیا۔ کسی نے خدا کا بیٹا یہ نصاریٰ کے عقائد کی طرف اشارہ ہے۔ اور کسی نے آپ کے نسب وغیرہ پر طعن کیا اور نعوذ باللہ کذاب ومفتری اور ولد الزنا کہا یہ یہود کے عقائد کی طرف اشارہ ہے۔ سچی بات وہی ہے جو ظاہر کر دی گئی کہ خدا نہیں خدا کے مقرب بندے ہیں۔ جھوٹے اور مفتری نہیں خدا کے سچے پیغمبر ہیں ان کا حسب نسب سب پاک صاف ہے۔ اب آگے توحید کا مضمون بیان فرمایا جاتا ہے جس میں نصاریٰ کے عقائد کی تردید ہے کہ جو نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اور بتلایا جاتا ہے کہ جس ذات کے ایک کن یعنی ہو جا کہنے میں ہر چیز موجود ہو اسے اولاد کی کیا ضرورت ہوگی اللہ کمزور نہیں۔ عاجز نہیں۔ فانی نہیں۔ تغیر پذیر نہیں۔ حادث نہیں پھر اس کو ولد کی کیا ضرورت۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے بیٹے نہیں ہو سکتے بلکہ وہ حضرت عیسیٰ کا خالق ہے اور بغیر باپ کے خالق ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب میں عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کا جو حال مذکور ہوا ہے وہ سنا کر کہہ دیجئے کہ میرا اور تمہارا سب کا رب اللہ ہے۔ تنہا اسی کی بندگی وعبادت کرو بیٹے پوتے مت بناؤ۔ سیدھی راہ توحید خالص کی ہے جس میں کچھ اینچ پیچ نہیں سب انبیاء علیہم السلام اسی کی طرف ہدایت کرتے آئے ہیں لیکن لوگوں نے بہت سے فرقہ بنا لئے اور جدا اور جدا راہیں نکال لیں۔ سو جو لوگ توحید کا انکار کر رہے ہیں۔ انہیں بڑے ہولناک دن یعنی روز قیامت کی تباہی سے خبردار رہنا چاہئے جو یقیناً پیش آنے والی ہے۔ آگے ان منکرین توحید کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ آج تو دنیا میں جبکہ سننا اور دیکھنا مفید تھا تو یہ منکرین بالکل اندھے اور بہرے بنے ہوئے ہیں اور قیامت کے دن جب دیکھنا سننا کچھ فائدہ نہ دے گا اس وقت ان کی آنکھیں اور کان خوب کھل جائیں گے۔ اس وقت وہ بات سنیں گے جن سے جگر پھٹ جائیں اور وہ منظر دیکھیں گے جس سے چہرے سیاہ ہو جائیں۔ نعوذ باللہ منہ۔ آگے بتایا جاتا ہے کہ قیامت میں کافروں کو پچھتانے کے بہت مواقع پیش آئیں گے اور آخری موقع وہ ہوگا جب موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر بہشت اور دوزخ کے درمیان سب کو دکھا کر ذبح کر دیا جائیگا اور ندا آئیگی کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ کے لئے اب رہ پڑے اس کے بعد کسی کو موت آنے والی نہیں۔

یہاں اس سورۂ مریم میں اور دوسرے متعدد مواضع میں قرآن کریم نے حضرت مسیح علیہ السلام بن مریم کی ولادت کے قصہ کو اس درجہ تفصیل اور صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا کہ نہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی احتمال کی گنجائش۔ تمام اہل اسلام اور عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوئے لیکن ملعون یہود بے بہبود کہتے ہیں کہ وہ عام انسانوں کی طرح مرد وعورت سے پیدا ہوئے تھے اور ان کا تولد ناجائز تھا۔

یہاں موقع کی مناسبت سے آپ کے یہ بھی گوش گزار کر دیا جائے کہ مرزائی اور قادیانی جن کو پاکستان اور عالم اسلام نے کافر اور غیر مسلم صاف صاف قرار دے رکھا ہے وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ عام انسانوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی مرد کے نطفہ سے

پیدا ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مریم کا یوسف نجار سے نکاح تو ہو گیا تھا۔ مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی اور ایسی حالت میں میاں بیوی کا جمع ہونا شرعاً ممنوع نہ تھا۔ ایسے وقت میں اگر اولاد پیدا ہو تو وہ جائز اولاد متصور ہو گی بحوالہ (معارف القرآن) از حضرت کاندھلویؒ) گویا معاذ اللہ یہود ملعون نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا بتلایا مگر یہود کے شاگرد قادیانیوں نے جائز اولاد بتلائی۔ **استغفر اللہ و العیاذ باللہ من ھذہ الکفریات۔**

غرضیکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں تمام اختلافات کا فیصلہ آیات قرآنیہ نے صراحۃً فرما دیا۔ اور جس طرح لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں اختلاف کیا اسی طرح لوگوں نے حضرت مسیح کی وفات کے بارہ میں اختلاف کیا۔ یہود کہتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب ہی پر مر گئے اور معاذ اللہ لعنتی ہوئے۔

نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب پر مرے اور تین دن کے واسطے تمام انسانوں کے گناہوں کا عذاب اٹھایا تاکہ سب کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور اس کے بعد وہ زندہ ہوئے اور جی اٹھے اور آسمان پر چلے گئے اور اپنے باپ کے پاس جا بیٹھے۔ اور تمام اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے اور نہ وہ مقتول ہوئے نہ مصلوب ہوئے بلکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور ایک شخص حضرت مسیح کے مشابہ اور ہم شکل بنا دیا گیا اور وہ ان کی جگہ ان کے شبہ میں مصلوب ہوا۔ قرآن کریم نے یہاں صاف فرما دیا **ذٰلک عیسیٰ ابن مریم قول الحق الذی فیہ یمترون** (یہ ہیں عیسیٰ بن مریم جن کے اقوال و احوال مذکور ہوئے جس سے ان کا بندۂ مقبول ہونا معلوم ہوا نہ کہ جیسا عیسائیوں نے ان کو بندوں کی فہرست سے خارج کر کے خدا تک پہنچا دیا اور نہ ویسے جیسا کہ یہودیوں نے ان کو مقبولیت سے خارج کر کے طرح طرح کی تہمتیں لگائیں۔ میں بالکل سچی بات کہہ رہا ہوں جس میں یہ افراط و تفریط کرنے والے جھگڑ رہے ہیں)۔

یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان ختم ہوا اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو اسلام اور ایمان سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ اس دولت عظمیٰ کی قدر شناسی کی توفیق ہم سب کو عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہم کو آخرت کی طرف سے غفلت برتنے سے کامل طور پر بچائیں۔ اور اپنی رحمت سے ہم سے دنیا میں وہ کام کرالیں کہ جو کل قیامت کے دن ہمارے نجات و مغفرت کا ذریعہ بنیں۔ یا اللہ! قیامت کی رسوائیوں اور شرمندگیوں سے ہم سب کو بچایئے گا۔ اور ہم کو اپنے جملہ عقائد اور احوال و اعمال قرآن پاک کے موافق رکھنے کی توفیق عطا فرمایئے گا۔ یا اللہ! یہود و نصاریٰ جو دونوں افراط و تفریط میں پڑ کر گمراہ ہوئے اس سے ہم اہل اسلام کو عبرت و سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ افراط و تفریط کی گمراہیوں سے بچا کر ہم کو صراط مستقیم پر استقامت عطا فرما۔ یا اللہ! آج دنیا میں ہمارے کان اور آنکھیں کھول دے تاکہ ہم حق کو سن سکیں اور دیکھ سکیں۔ اور ناحق و باطل سے بچ سکیں۔ اور اختلافات میں نہ پڑیں۔ یا اللہ اب امت مسلمہ میں بھی دین میں اختلاف و افتراق کا فتنہ گھس آیا ہے۔ یا اللہ! ہمیں حق پر قائم رکھئے اور ناحق سے بچایئے جو آپ ہی کی توفیق۔ تائید ہدایت اور نصرت سے ممکن ہے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا

اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا (قصہ) ذکر کیجئے وہ بڑے راستی والے اور پیغمبر تھے۔ جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ

يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ﴿٤٢﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ

کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے۔اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا

فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ

تو تم میرے کہنے پر چلو تم کو سیدھا راستہ بتلاؤں گا۔اے میرے باپ تم شیطان کی پرستش مت کرو بیشک شیطان رحمٰن کا نافرمانی کرنے والا ہے۔

عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾

اے میرے باپ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تم پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آپڑے پھر تم (عذاب میں) شیطان کے ساتھی ہوجاؤ۔

وَاذْكُرْ اور یاد کرو	فِي الْكِتَابِ کتاب میں	إِبْرَاهِيمَ ابراہیم	إِنَّهُ كَانَ بیشک وہ تھے	صِدِّيقًا سچے	نَبِيًّا نبی	إِذْ قَالَ جب اس نے کہا	
لِأَبِيهِ اپنے باپ کو	يَا أَبَتِ اے میرے ابا	لِمَ تَعْبُدُ تم کیوں پرستش کرتے ہو	مَا لَا يَسْمَعُ جو نہ سُنے	وَلَا يُبْصِرُ اور نہ دیکھے	وَ اور		
لَا يُغْنِي نہ کام آئے	عَنكَ تمہارے	شَيْئًا کچھ	يَا أَبَتِ اے میرے ابا	إِنِّي بیشک میں	قَدْ جَاءَنِي بیشک میرے پاس آیا ہے		
مِنَ الْعِلْمِ وہ علم	مَا جو	لَمْ يَأْتِكَ تمہارے پاس نہیں آیا	فَاتَّبِعْنِي پس میری بات مانو	أَهْدِكَ میں تمہیں دکھاؤں گا	صِرَاطًا راستہ		
سَوِيًّا سیدھا	يَا أَبَتِ اے میرے ابا	لَا تَعْبُدِ پرستش نہ کر	الشَّيْطَانَ شیطان	إِنَّ بیشک	الشَّيْطَانَ شیطان	كَانَ ہے	لِلرَّحْمَٰنِ رحمٰن کا
عَصِيًّا نافرمان	يَا أَبَتِ اے میرے ابا	إِنِّي بیشک میں	أَخَافُ ڈرتا ہوں	أَن کہ	يَمَسَّكَ تجھے آپکڑے	عَذَابٌ عذاب	مِّنَ سے
	الرَّحْمَٰنِ رحمٰن	فَتَكُونَ پھر تو ہوجائے	لِلشَّيْطَانِ شیطان کا	وَلِيًّا ساتھی			

تفسیر وتشریح:۔شروع سورۃ سے پہلے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام اور پھر حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے واقعات ذکر فرمائے گئے تھے۔اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آغاز شباب کا واقعہ ذکر فرمایا جاتا ہے کہ کس طرح باپ کے دین کو چھوڑ کر آپ نے سچائی وحقانیت کے ساتھ دین الٰہی کی طرف رجوع کیا تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان واقعات کو یہاں بیان فرمانے میں مفسرین نے متعدد وجوہ واغراض لکھی ہیں۔

ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کے دو گروہ تھے ایک گروہ تو علی الاعلان توحید الوہیت کا منکر تھا۔ایک خدا کو چھوڑ کر متعدد معبودوں کی پرستش کرتا تھا۔دوسرا گروہ وہ تھا جو کہنے کو تو توحید کا مدعی تھا مگر اس کی توحید شرک آمیز تھی۔پہلا گروہ بت پرستوں کا تھا جو سینکڑوں پتھروں کے سامنے سر جھکاتے تھے اور دوسرا گروہ اہل کتاب کا تھا جو بظاہر توحید کا مدعی تھا مگر واقع میں وہ بھی دو یا تین خدا کو مانتا تھا۔گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے عقائد کی تردید عقلاً ونقلاً بیان فرمادی تو اب اہل شرک اور بت پرستوں کے موروثی عقیدہ کا استیصال فرمایا جاتا ہے جس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ گونا گوں سامان عبرت و نصیحت رکھتا تھا اس لئے واقعہ ابراہیمی بیان فرمایا۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عرب کے جد اعلیٰ تھے۔عرب آپ کی عظمت اور علوشان کے مقر بھی تھے اور آپ کے دین کو حق بھی سمجھتے تھے مگر اپنی جہالت کے سبب بت پرستی اور بیہودگی رسم و رواج کو دین ابراہیمی کی طرف منسوب کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کو توحید کی تعلیم دینے کے لئے انہی کے مورث اعلیٰ کا قصہ بیان فرمایا گویا یہ ظاہر فرمایا کہ اگر تم محض باپ دادا کی تقلید ہی کے شیفتہ ہو تو اپنے جدِ اعلیٰ کی تقلید کرو جو موحد تھے مشرک نہ تھے۔اور اگر دلائل کی روشنی میں مذہب اختیار کرنا چاہتے ہو تو ان دلائل پر غور کرو جو تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے شرک کے خلاف قائم کی تھیں۔

تیسرے یہ کہ دین اسلام کی تعلیم کے مقابلہ میں اکثر مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم اپنے اسلاف کے دین و مذہب کو کیسے چھوڑ دیں اور کس طرح ان کے رسم و رواج سے منہ موڑ لیں۔وہ بیوقوف نہ تھے۔ہم ان سے زیادہ عقلمند نہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرما کر یہ تعلیم دی کہ دیکھو تمہارے جد اعلیٰ نے کس طرح دلائل کی روشنی میں اپنے باپ کا دین چھوڑا بلکہ اپنے باپ کو بھی چھوڑا۔پھر کیا وجہ کہ جب تم باپ دادا کی تقلید کے مدعی ہو تو کیوں حضرت ابراہیم کی تقلید نہیں کرتے۔حضرت ابراہیم بھی تو تمہارے مورث اعلیٰ تھے۔ان کی پیروی کرنے سے کیوں گریز کرتے ہو اور ان کی تقلید میں کیوں راہ توحید پر نہیں چلتے۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا جاتا ہے کہ اے ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کتاب سے ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ پڑھ کر اپنی قوم کو سنایئے جو صدیق بھی تھے اور نبی بھی تھے۔صدیق کے معنی ہیں بہت زیادہ سچ کہنے والا جو اپنی بات کو عمل سے سچا کر دکھائے یا وہ راست باز پاک طینت جس کے قلب میں سچائی کو قبول کرنے کی نہایت اعلیٰ اور اکمل استعداد موجود ہو۔جو بات خدا کی طرف سے پہنچے بلا توقف اس کے دل میں اتر جائے۔شک و تردد کی گنجائش ہی نہ رہے ابراہیم علیہ السلام ہر ایک معنی سے صدیق تھے اور چونکہ صدیقیت کے ساتھ نبوت لازم نہیں اس لئے صدیقا کے ساتھ نبیا فرما کر حضرت ابراہیمؑ کے نبوت کی بھی تصریح فرمادی۔آپ نے جب دیکھا کہ آپ کی قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی میں اس قدر منہمک ہے کہ خدائے برتر کی قدرت مطلقہ اور اس کی احدیت اور صمدیت کا تصور بھی ان کے قلوب میں باقی نہیں رہا اور ان کے لئے خدا کی وحدانیت کے عقیدہ سے زیادہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں رہی تو آپ نے ان کے سامنے دین حق کا پیغام رکھا۔اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو مخاطب کیا اور دعوت حق کو خاندان ہی سے شروع کیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو چار طور پر خطاب کیا اور ہر خطاب ایک خاص مضمون کا حامل ہے۔ہر خطاب کے وقت میرے باپ کہہ کر کلام کیا ہے سب سے پہلے آپ نے باپ کو بت پرستی سے روگرداں ہونے اور توحید کی طرف آنے کی دعوت دلائل کی روشنی میں دی اور فرمایا اے میرے باپ یہ بت نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں پھر آپ ان کی پرستش کیوں کرتے ہیں۔مطلب یہ کہ قابل پرستش تو وہی ہوسکتا ہے جو عالم کل اور قادر مطلق ہو۔بت نہ عالم ہیں نہ قادر بلکہ ان کے تو ظاہری حواس بھی نہیں پھر وہ کس طرح معبود قرار پاسکتے ہیں۔مزید براں معبود کی عبادت کرنے کا حاصل یہی ہوسکتا ہے کہ وہ عابد کی دعاء کو سنتا۔اس کی حالت عبادت کو دیکھتا اور کارسازی کرسکتا ہو۔جو معبود دیکھنے سننے اور کارسازی کرنے سے عاری ہو وہ کیا مستحق الوہیت ہوسکتا ہے۔دوسرے خطاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی برتری دانائی اور بلند نظری کو پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے باپ جو علم مجھے عطا کیا گیا ہے اس سے آپ محروم ہیں۔یعنی وجہ

فضیلت صرف علم ہوسکتا ہے۔ میرے دل میں فطرۃً اور الہاماً جو نور علمی جگمگا رہا ہے وہ آپ کے دل میں نہیں ہے لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ میرا کہنا مانیں۔ میں آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلوں گا۔

حضرت ابراہیمؑ کے باپ بت پرستی کو حق سمجھے ہوئے تھا۔ آبائی طریقہ پر پابند ہونے کو صداقت جانتا تھا۔ اور اپنے باپ دادا کے طریق سے روگردانی کو نفس کا فریب یقین کئے ہوئے تھا۔ اس لئے تیسرے خطاب میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا اے میرے باپ شیطان کی پرستش نہ کرو۔ شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔ یعنی بتوں کی پرستش اور باپ دادا کے طریقہ پر بلا دلیل قائم رہنا شیطانی اغوا ہے۔ یہ بتوں کی پرستش کیا ہے شیطان کی پرستش ہے اور ظاہر ہے کہ شیطان رحمٰن کا مخالف ہے۔ اللہ اپنی رحمت سے بندوں کو سرفراز کرنا چاہتا ہے اور شیطان شیطنت کر کے ابدی ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے لہٰذا دشمن کی پرستش اور مہربان آقا و مالک سے روگردانی کسی طرح درست نہیں ۔ چوتھے خطاب میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اے میرے باپ اگر رحمٰن کی طرف سے تم پر تھوڑا سا بھی عذاب آیا تو شیطان تمہاری حمایت نہ کر سکے گا۔ بلکہ وہ خود مبتلائے عذاب ہوگا۔ اسلئے تم کو بھی اس کے ساتھ عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔ اس طرح تم شیطان کے ساتھ ہو جاؤ گے۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی طاقت کی ہمہ گیری اور شیطان کی کمزوری و بے بسی کو ظاہر فرما کر باپ کے سامنے سربستہ حقیقت کا انکشاف کیا اور وہ طرز گفتگو اختیار کیا جس سے دشمن و دوست اور مجبور و قادر کا امتیاز ہو جائے۔

یہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خطاب اپنے والد سے فرمایا اور جو تقریر کی تو مفسرین لکھتے ہیں کہ اعتدال مزاج اور رعایت اضداد کی بے نظیر تقریر ہے ایک طرف باپ کو کفر و شرک اور کھلی گمراہی میں نہ صرف مبتلا بلکہ اس کا داعی دیکھ رہے ہیں جس کے مٹانے ہی کے لئے حضرت خلیل اللہ پیدا کئے گئے ہیں۔ دوسری طرف باپ کا ادب و عظمت و محبت ہے ان سب امور کو حضرت خلیل اللہ نے پیغمبرانہ صفات کے ساتھ جمع فرمایا۔ ہر جملہ کے شروع میں لفظ یابت سے خطاب کیا جو باپ کی تعظیم و محبت کا خطاب ہے۔ پھر کسی جملہ میں باپ کی طرف کوئی لفظ ایسا منسوب نہیں کیا جس سے اس کی توہین یا دل آزاری ہو کہ اس کو گمراہ یا کافر کہتے بلکہ حکمت پیغمبرانہ کے ساتھ صرف ان کے بتوں کی بے بسی اور بے حسی کا اظہار فرمایا کہ ان کو خود اپنی غلط روش کی طرف توجہ ہو جائے۔

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان تمام نصائح کو سن کر آپ کے مشرک باپ نے جو جواب دیا وہ اگلی آیات میں نقل کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو اسلام و ایمان سے نوازا۔ اور کفر و شرک سے بچایا۔

یا اللہ! اس نعمت اسلام کی قدر دانی کی ہم کو توفیق عطا فرما۔ اور ہم کو شریعت مطہرہ کا ظاہر میں اور باطن میں کامل اتباع نصیب فرما۔

حق کو سوچنے سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے اور باطل سے گریز اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! حق کے معاملہ میں ہمیں بھی دوستی اور قرابتداری سے مرعوب نہ ہونے اور حق پر ہر حال میں جمے رہنے کی ہمت اور توفیق عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰاِبْرٰهِیْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ

باپ نے جواب دیا کہ کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو اے ابراہیم اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تم کو مار پتھروں کے سنگسار کردوں گا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے مجھ سے برکنار ہو۔ (ابراہیمؑ نے) کہا

سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ

میرا اسلام لو اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا، بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اور میں تم لوگوں سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کررہے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰٓی اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا

اُن سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے رب کی عبادت کروں گا، امید ہے کہ اپنے رب کی عبادت کرکے محروم نہ رہوں گا۔ پس جب اُن لوگوں سے اور جن کی

یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا

وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اُن سے علیحدہ ہوگئے (تو) ہم نے اُن کو اسحاقؑ (بیٹا) اور یعقوبؑ (پوتا) عطا فرمایا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔

لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾

اور اُن سب کو ہم نے اپنی رحمت کا حصہ دیا اور ہم نے اُن کا نام نیک اور بلند کیا۔

قَالَ اس نے کہا	اَرَاغِبٌ کیا روگرداں	اَنْتَ تو	عَنْ سے	اٰلِهَتِیْ میرے معبود	یٰاِبْرٰهِیْمُ اے ابراہیمؑ	لَئِنْ اگر	لَمْ تَنْتَهِ تو باز نہ آیا
لَاَرْجُمَنَّكَ تو میں تجھے ضرور سنگسار کروں گا	وَاهْجُرْنِیْ اور مجھے چھوڑ دے	مَلِیًّا ایک مدت کیلئے	قَالَ اس نے کہا	سَلٰمٌ سلام	عَلَیْكَ تجھ پر		
سَاَسْتَغْفِرُ میں ابھی بخشش مانگوں گا	لَكَ تیرے لئے	رَبِّیْ اپنا رب	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ ہے	بِیْ مجھ پر	حَفِیًّا مہربان	
وَاَعْتَزِلُكُمْ اور کنارہ کشی کرتا ہوں تم سے	وَمَا اور جو	تَدْعُوْنَ تم پرستش کرتے ہو	مِنْ دُوْنِ سوائے	اللّٰهِ اللہ	وَاَدْعُوْا اور میں عبادت کرونگا		
رَبِّیْ اپنا رب	عَسٰی امید ہے	اَلَّآ اَكُوْنَ کہ نہ رہوں گا	بِدُعَآءِ عبادت سے	رَبِّیْ اپنا رب	شَقِیًّا محروم	فَلَمَّا پھر جب	
اعْتَزَلَهُمْ وہ کنارہ کش ہوگئے ان سے	وَمَا اور جو	یَعْبُدُوْنَ وہ پرستش کرتے تھے	مِنْ دُوْنِ سوائے	اللّٰهِ اللہ	وَهَبْنَا ہم نے عطا کیا		
لَهٗ اس کو	اِسْحٰقَ اسحٰقؑ	وَیَعْقُوْبَ اور یعقوبؑ	وَكُلًّا اور سب کو	جَعَلْنَا ہم نے بنایا	نَبِیًّا نبی	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لَهُمْ انہیں
مِنْ سے	رَحْمَتِنَا اپنی رحمت	وَجَعَلْنَا اور ہم نے کیا	لَهُمْ ان کا	لِسَانَ ذکر	صِدْقٍ سچا	عَلِیًّا نہایت بلند	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصائح و دلائل کا ذکر فرمایا گیا تھا جو انہوں نے اپنے مشرک والد کو دعوت حق پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔ باپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر سن کر جو جاہلانہ جواب دیا وہ ان آیات میں نقل فرمایا گیا ہے اور بتلایا گیا کہ باپ پر حضرت ابراہیمؑ کی دلائل و نصائح کا مطلق اثر نہ ہوا اور اس نے جواباً حضرت ابراہیمؑ سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تو ہمارے معبودوں سے بدعقیدہ ہے۔ بس اپنی بداعتقادی اور وعظ و نصیحت کو رہنے دے ورنہ تجھ کو کچھ اور سننا پڑے گا بلکہ میرے ہاتھوں سنگسار ہونا پڑے گا۔ اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے پاس سے دور ہوجا۔ اس سے پہلے کہ میں تجھ پر ہاتھ اٹھاؤں یہاں سے روانہ ہوجا۔" آپ نے

دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ کے دلائل کے جواب میں مشرک باپ نے کیا کہا۔ جب جاہل آدمی دلائل کا مقابلہ نہیں کرسکتا تو جاہلانہ دھمکیوں پر اُتر آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ معاملہ حد سے بڑھ گیا ایک جانب باپ کے احترام کا مسئلہ ہے دوسری جانب ادائے فرض۔ حمایت حق اور اطاعت امر الٰہی کا سوال ہے انہوں نے سوچا اور آخر وہی کیا جو ایسے برگزیدہ انسان اور اللہ کے جلیل المرتبت پیغمبر کے شایان شان تھا۔ انہوں نے باپ کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا۔ تحقیر و تذلیل کا رویہ نہیں برتا بلکہ نرمی ملاطفت اور اخلاق کریمانہ کے ساتھ یہ جواب دیا۔ اے باپ اگر میری بات کا یہی جواب ہے تو آج سے میرا تمہارا اسلام ہے۔ میں خدا کے سچے دین اور اس کے پیغام حق کو نہیں چھوڑ سکتا اور کسی حال بتوں کی پرستش نہیں کرسکتا۔ میں آج سے تم سے جدا ہوں۔ مگر غائبانہ تمہارے لئے بارگاہِ الٰہی میں بخشش طلب کرتا رہوں گا تاکہ ہدایت نصیب ہو اور تم خدا کے عذاب سے بچ جاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے استغفار کا وعدہ ابتداءً کیا تھا چنانچہ استغفار کرتے رہے جب اللہ کی مرضی نہ دیکھی تب موقوف کیا۔ سورۂ توبہ گیارہویں پارہ میں ایک آیت کے تحت استغفار ابراہیمی کی تفصیل گزر چکی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استغفار کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ایک مشرک کی حالت شرک پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے۔ نہیں غرض یہ تھی کہ اس کو توفیق مل جائے کہ حالت شرک سے نکل کر ایمان و اسلام قبول کرے اور قبول اسلام اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہ کے دلوں میں خیال آیا تھا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں جس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک میں سورۂ توبہ میں دیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ کی بنا پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لئے استغفار کیا جب تک یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر و شرک اور خدا کی دشمنی پر مرنا ہے کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ توبہ کر کے ایمان لے آوے اور بخشا جائے پھر جب کفر و شرک پر خاتمہ ہونے سے صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا تو ابراہیم علیہ السلام اس سے بالکلیہ بیزار ہو گئے اور دعاء و استغفار وغیرہ ترک کردیا۔ پہلے نرم دلی اور شفقت سے دعا کرتے تھے جب باپ کی توبہ اور رجوع کے احتمالات ختم ہو گئے تو آپ نے اس کی خیر خواہی سے ہاتھ اٹھالیا اور اس حادثہ کو پیغمبرانہ صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ حدیث میں صحیح بخاری کی روایت ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے اس حال میں کہ آزر کا چہرہ رنج و غم سے سیاہ ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے کیا میں تم سے یہ نہیں کہا کرتا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو۔ آزر ابراہیم علیہ السلام سے کہے گا آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے اے پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھ کو اس روز رسوا نہ کرے گا جس روز کہ لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ پس اس سے زیادہ اور کون سی رسوائی ہے کہ میرا باپ خدا کی رحمت سے دور ہے۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کردیا ہے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ سے کہا جائے گا کہ اس چیز کو دیکھو جو تمہارے پاؤں کے نیچے ہے۔ حضرت ابراہیمؑ دیکھیں گے تو ان کے باپ کو مسخ کر کے بجو کی صورت میں جو مٹی اور غلاظت میں لتھڑا ہوا ہوگا تبدیل کردیا جائے گا۔ فرشتہ اس کے پاؤں پکڑ کر جہنم میں پھینک دے گا۔ یہ آزر کی صورت کا مسخ ہو جانا اس لئے ہوا کہ لوگ محشر میں اسے پہچان نہ سکیں۔ کیونکہ رسوائی کا دارومدار شناخت پر ہے۔ جب شناخت نہ رہے گی کہ کیا چیز دوزخ میں پھینکی گئی پھر بیٹے کی رسوائی کا کچھ مطلب نہیں۔ یہ مضمون بیچ میں حضرت ابراہیمؑ کی استغفار کے متعلق آ گیا تھا۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا کہ میری نصیحت کا جب تم پر کوئی اثر نہیں بلکہ الٹا مجھے سنگسار اور قتل کردیئے جانے کی دھمکی دیتے ہو تو میں خود تمہاری بستی میں رہنا

نہیں چاہتا تم کو اور تمہارے جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر وطن سے ہجرت کرتا ہوں تاکہ یکسو ہو کر اطمینان سے خدائے واحد کی عبادت کر سکوں۔ حق تعالیٰ کے فضل و رحمت سے کامل امید ہے کہ اس کی بندگی کر کے میں محروم و ناکام نہیں رہوں گا۔ غربت و بے کسی میں جب اسے پکاروں گا۔ ادھر سے ضرور اجابت ہوگی۔ میرا خدا کوئی پتھر کی مورتی نہیں کہ کتنا ہی چیخو چلاؤ سن ہی نہ سکے۔ الغرض ابراہیم علیہ السلام نے ماں باپ کو رشتہ کنبے کو قوم و ملک کو دین خدا پر قربان کر دیا اور سب سے یکسو ہو گئے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ابراہیمؑ نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور اپنوں سے دور جا پڑے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر اپنے دیئے تاکہ غریب الوطنی کی وحشت دور ہو اور اُنس و سکون حاصل کریں۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلیل القدر بیٹا حضرت اسحاق علیہ السلام عنایت کیا اور پھر عالی مرتبہ پوتا حضرت یعقوب علیہ السلام عطا کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی ہی میں حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب یعنی بیٹے اور پوتے کی نبوت کو دیکھ لیا۔ ان ہی حضرات سے سلسلہ بنی اسرائیل کا چلا جن میں سینکڑوں نبی ہوئے۔ یہاں حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا گیا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس نہیں رہے۔ بچپن ہی میں جدا کر دیئے گئے تھے اور بحکم الٰہی جہاں اس وقت خانہ کعبہ ہے لا کر چھوڑ دیا تھا اور نیز حضرت اسمٰعیلؑ کا مستقل تذکرہ آگے آنے والا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر صرف حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کا ذکر فرمایا جو آپ کے ساتھ رہے اور آپ کے سامنے نبی ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس تذکرہ کو اس آیت پر ختم کیا جاتا ہے کہ ہم نے اپنی رحمت خاصہ سے حضرت ابراہیمؑ اور آپ کی اولاد کو بڑا حصہ عنایت فرمایا اور بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اور دنیا میں آپ کا نام بلند فرمایا اور ہمیشہ کے لئے ان کا ذکر خیر جاری رکھا۔ چنانچہ تمام مذاہب وملل ان کی تعظیم وتوصی کرتے ہیں یہود و نصاریٰ بھی اب تک عظمت سے ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور اہل اسلام تو پنج وقت اپنی نمازوں میں دائماً اپنے نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ ان پر درود بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں **اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد. اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد.**

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ان آیات پر ختم فرما دیا گیا۔ علاوہ ان اغراض و مقاصد کے کہ جو گزشتہ درس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس تذکرہ سے متعلق بیان کئے گئے تھے اس واقعہ میں تسلی ہے ان حضرات مہاجرین صحابہؓ کے لئے جو اس سورۃ کے نزول کے وقت مکہ میں اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن اور گھر اور ماں باپ سے کٹ کر بربادی میں نہ پڑے بلکہ الٹے سربلند اور سرفراز ہو کر رہے اسی طرح تم بھی برباد نہ ہو گے بلکہ وہ عزت اور سربلندی پاؤ گے جس کا تصور بھی جاہلیت میں پڑے ہوئے کفار مکہ نہیں کر سکتے۔ آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی دین حق پر مضبوطی سے قائم رہنے کی توفیق عطا فرماویں۔ اور ہم کو وہ ہمت و عزم عطا فرماویں کہ دین اور راہ حق کی مخالفت میں اگر گھربار دوست احباب۔ اعزا و اقارب۔ وطن و شہر۔ مال دولت کوئی بھی آڑے آئے تو ہم اس کی پرواہ کرنے والے نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کل دنیا کے تعلقات کو توڑ دینا ہمارے لئے آسان ہو۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ

اور اس کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کیجئے وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے خاص کئے ہوئے (بندہ) تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے۔ اور ہم نے اُن کو کوہ طور کی

الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

داہنی جانب سے آواز دی اور ہم نے اُن کو راز کی باتیں کرنے کیلئے مقرب بنایا۔ اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت سے اُن کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا کر عطا کیا۔

وَاذْكُرْ اور یاد کرو	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	مُوْسٰٓى موسیٰ	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھا	مُخْلَصًا برگزیدہ	وَكَانَ اور تھا	رَسُوْلًا رسول
نَّبِيًّا نبی	وَنَادَيْنٰهُ اور ہم نے اسے پکارا	مِنْ سے	جَانِبِ جانب	الطُّوْرِ کوہ طور	الْاَيْمَنِ داہنی	وَقَرَّبْنٰهُ اور اسے نزدیک بلایا	
نَجِيًّا راز بتانے کو	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لَهٗ اسے	مِنْ رَّحْمَتِنَآ اپنی رحمت سے	اَخَاهُ اس کا بھائی	هٰرُوْنَ ہارون	نَبِيًّا نبی	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کا تذکرہ بھی آیا تھا۔ حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی نسل سے اسرائیلی سلسلہ کے اولوالعزم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام گزرے ہیں جن کا اب ذکر فرمایا جاتا ہے۔ جس طرح حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے تذکرہ میں خصوصیت کے ساتھ نصاریٰ کی اصلاح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں مشرکین مکہ کو تنبیہ کرنا مقصود تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ سے شاید یہود کو بتانا ہو کہ قرآن کس طرح کشادہ دلی سے ان کے مقتدائے اعظم کے واقعی کمالات و محاسن کا اعلان کرتا ہے تو یہود کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کی صریح پیشینگوئی کے موافق اسمٰعیلی نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا کھلے دل سے اعتراف کریں غالباً اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہاں تین اوصاف بیان کئے گئے مخلص ہونا۔ رسول ہونا۔ نبی ہونا۔ مخلص کا ترجمہ ہے منتخب چنا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام سے سرفراز فرمایا اور نبی و رسول بنا کر فرعون کے مقابلہ میں

مامور فرمایا یہی انتخاب و برگزیدگی تھی جس کو ظاہر کرنے کے لئے لفظ مخلص استعمال کیا گیا چونکہ آپ کے پاس وحی الٰہی آتی تھی اس لئے آپ نبی تھے۔ اور چونکہ آپ کو کتاب بھی ملی تھی اور صاحب امامت بھی تھے اس لئے آپ رسول بھی تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس سے مدین سے مصر کے ارادہ سے واپس آرہے تھے تو دوران سفر وادیٔ سینا میں آپ ٹھہرے۔ حاملہ بی بی ساتھ تھیں رات اندھیری تھی اور سردی کا موسم تھا۔ اندھیرے میں آپ پریشان تھے۔ سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی۔ دفعتہً دور سے ایک آگ نظر آئی جو حقیقت میں دنیوی آگ نہ تھی اللہ کا نور جلال تھا یا حجاب ناری تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری آگ سمجھ کر گھر میں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں شاید اس آگ کا ایک شعلہ لاسکوں یہ واقعات تفصیلاً اگلی سورۃ طٰہٰ میں انشاء اللہ آئیں گے یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب آگ کی چمک محسوس کر کے طور پہاڑ کی اس مبارک جانب میں پہنچ گئے جو ان کے داہنے ہاتھ مغرب کی طرف واقع تھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا۔ لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اس وقت ہر جہت اور بن مو سے کلام الٰہی سن رہے تھے جو بدوں توسط

فرشتہ کے ہو رہا تھا اور روحانی طور پر اس قدر قرب اور علو حاصل تھا کہ غیبی قلموں کی آواز سنتے تھے جن سے توراۃ نقل کی جا رہی تھی۔ اس قرب خاص میں غیبی اسرار کا انکشاف ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے مناجات کی جس کے جواب سے سرفراز کیا گیا۔ تبلیغ احکام پر مامور ہوئے فرعون کو ہدایت کرنے کا حکم ملا۔ تنہا تھے مصر میں کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ عرض کیا کہ پروردگار اس کام میں ہارون کو میرے ساتھ کر دے۔ چنانچہ درخواست قبول ہوئی۔

حضرت ہارون علیہ السلام جو آپ کے بڑے بھائی تھے اور مصر میں مقیم تھے۔ ان کو بھی نبوت عطا ہوئی اور آپ کی اعانت وتقویت کے لئے مقرر فرمایا اسی کو یہاں آیت میں بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وعنایت سے موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے مطابق آپ کے بھائی حضرت ہارون کو نبوت عطا کی تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معین و مددگار بنیں۔

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتنا ہی تذکرہ فرمایا گیا ہے جس سے یہود کو ایمان۔ عمل خیر۔ اور اطاعت وفرمانبرداری کی تلقین کرنا مقصود ہے۔ اور ضمناً اس بات کا بھی اظہار ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور اطاعت شعار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا ہی میں اپنے انعام سے سرفراز فرماتا ہے۔ اب آگے حضرت اسماعیلؑ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! اپنے مقربین۔ مخلصین۔ اور محبوبین کے طفیل میں ہم کو بھی اپنی ذات پاک سے صحیح تعلق اطاعت وفرمانبرداری کا نصیب فرمائیے۔

یا اللہ آپ کی رحمت وعنایت نصرت وحمایت ہر حال میں ہمارے شامل حال ہو۔

یا اللہ اپنے مخلص بندوں کی جس طرح آپ امداد واعانت فرماتے ہیں ہم جو ان مخلصین کے نام لیوا ہیں اسی نسبت سے ہم کو بھی اپنی رحمت وعنایت سے نواز دیجئے۔ اور اپنی مرضیات کے موافق زندگی کا ہر لحہ گزارنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

یا اللہ اپنے مخلص اور مقرب بندوں سے ہم کو سچا تعلق محبت کا نصیب فرما تا کہ ہم آپ کی رحمت وشفقت وعنایت کے مورد بنیں۔

یا اللہ ہماری تقویت واعانت کے لئے اپنے مخلصین ومقربین کی نظر عنایت ہم پر متوجہ فرما اور ان کی اعانت سے آپ کی رحمت ہماری کارسازی فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۚ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ

اور اس کتاب میں اسمٰعیلؑ کا بھی ذکر کیجئے بلا شبہ وہ وعدہ کے (بڑے) سچے تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے۔اور اپنے متعلقین کو

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا

نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے رہتے تھے اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

وَاذْكُرْ اور یاد کرو	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	اِسْمٰعِيْلَ اسمٰعیل	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھے	صَادِقَ الْوَعْدِ وعدہ کا سچا	وَكَانَ اور تھے
رَسُوْلًا رسول	نَّبِيًّا نبی	وَكَانَ يَاْمُرُ اور حکم دیتے تھے	اَهْلَهٗ اپنے گھر والے	بِالصَّلٰوةِ نماز کا	وَالزَّكٰوةِ اور زکوٰۃ	وَكَانَ اور وہ تھے
			عِنْدَ رَبِّهٖ اپنے رب کے ہاں	مَرْضِيًّا پسندیدہ		

تفسیر و تشریح:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے جن کا اب ذکر فرمایا جاتا ہے۔اس آیت سے حضرت اسماعیلؑ کی فضیلت اپنے بھائی حضرت اسحاقؑ پر ثابت ہوتی ہے کیونکہ اوپر حضرت اسحاق علیہ السلام کو صرف نبی فرمایا گیا اور یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نبی و رسول فرمایا گیا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب حجاز کے مورث اعلیٰ اور ہمارے پیغمبر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔آپ کا صادق الوعد ہونا مشہور تھا۔خدا سے یا بندوں سے جو وعدہ کیا ہمیشہ پورا کر کے دکھلایا۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے وعدہ کی انتہائی سچائی اس وقت ظاہر ہوئی جب کہ حضرت اسمٰعیلؑ نے اس حکم کی تعمیل کے لئے جو آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ملا تھا اپنی جان کو راہ خدا میں قربان ہونے کے لئے پیش کرنے کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کر لیا اور اسی طرح کر کے دکھایا۔سورۂ صافات ۲۳ ویں پارہ میں اس کا تفصیلاً ذکر فرمایا گیا ہے۔لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابراہیم تم ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی پیش کرو۔انبیاء علیہم السلام کا خواب رویاء صادقہ اور وحی الٰہی ہوتا

ہے اس لئے ابراہیم علیہ السلام رضا و تسلیم کا پیکر بن کر تیار ہو گئے کہ خدا کے حکم کی جلد سے جلد تعمیل کریں مگر چونکہ یہ معاملہ تنہا اپنی ذات سے وابستہ نہ تھا بلکہ اس آزمائش کا دوسرا جزو وہ بیٹا تھا جس کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو اپنا خواب اور خدا کا حکم سنایا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ سن کر فوراً سر تسلیم خم کر دیا اور کہنے لگے کہ اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔اس گفتگو کے بعد باپ بیٹے کی قربانی پیش کرنے کو آبادی سے دور روانہ ہو گئے اور جہاں آج کل منیٰ ہے اور جہاں حجاج قربانیاں کرتے ہیں یہاں آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مرضی پا کر جانوروں کی طرح ہاتھ پیر باندھے۔چھری کو تیز کیا اور بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا کر ذبح کرنے لگے جس پر فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ پر وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اب بیٹے کو چھوڑو اور تمہارے پاس جو مینڈھا کھڑا ہے اس کو بیٹے کے بدلے ذبح کرو چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مینڈھے کو ذبح کیا۔یہی وہ قربانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار کے ہمیشہ کے لئے ملت

ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو تمام دنیائے اسلام میں یہ شعار اسی طرح منایا جاتا ہے۔ الغرض یہاں آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صادق الوعد ہونے سے اسی اپنی قربانی پیش کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا والد سے کہا اسی طرح کر کے دکھایا۔ ویسے تو سب ہی حضرات انبیاء علیہم السلام وعدہ کے سچے ہوتے ہیں مگر یہ صفت خصوصیت کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام میں غالب تھی کہ ایسا سخت وعدہ اپنے ذبح کے متعلق پورا کر دکھایا۔

آگے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ایک مدحیہ وصف یہ بیان فرمایا کہ آپ اپنے اہل کو صلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک یہاں صلوٰۃ سے وہ طریقہ عبادت مراد ہے جو اس وقت مقرر تھا اور زکوٰۃ سے عام خیرات وصدقات مراد ہیں گویا عبادت جسمانی اور عبادت مالی دونوں باتوں کی ہدایت حضرت اسمٰعیلؑ کیا کرتے تھے۔ یہاں مفسرین نے ایک سوال کیا ہے کہ ہر نبی نماز وصدقات کا حکم دیتا اور آغاز تبلیغ اپنے گھر والوں ہی سے کرتا ہے پھر حضرت اسمٰعیلؑ کے ان اوصاف کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیوں فرمایا؟ پھر اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ نماز نام ہے انتہائی عاجزی۔ خاکساری۔ کمزوری۔ تذلل اور خضوع وخشوع کا جس کو بندہ اپنے پروردگار کے سامنے کرتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں سرنیاز جھکا دیتا ہے۔ پھر سجدہ میں بغرض نذر اپنا سر پیش کرتا ہے۔ اللہ کے سوا ہر خیال سے دل کو خالی کر لیتا ہے حقیقت نماز کی یہی انتہا ہو سکتی ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سجدہ میں اپنی خوشی سے گردن پر چھری پھروا دے۔ اسی جذبہ کو کسی شاعر نے ایک شعر میں کیا خوب ادا کیا ہے

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

الغرض حضرت اسمٰعیل علیہ السلام میں یہ دونوں اوصاف یعنی جانی و مالی قربانی کے بدرجہ اکمل موجود تھے اسی لئے آپ ہر وقت چاہتے تھے کہ گھر والوں میں یا عام قوم والوں میں ایثار مالی اور قربانئ نفسی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ ہر وقت جان ومال کی بازی لگا دینے کا حکم دیتے تھے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پسند کر لیا چن لیا۔ انتخاب کر لیا جیسا کہ ان آیات کے آخیر میں فرمایا وکان عند ربہ مرضیا اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے یعنی آپ اللہ کے مقبول و برگزیدہ بندے تھے۔ نہ کہ عیاذ باللہ جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے عناد کی بنا پر آپ کو غیر مقبول و مردود گھڑ لیا ہے۔

ان آیات میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر ختم فرمایا گیا۔ آگے حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ان مقبولین کے طفیل میں ہم کو بھی تسلیم ورضا کا کوئی حصہ عطا فرماویں۔ ہمیں بھی اپنی رضا وخوشنودی کے لئے جان ومال کی قربانی پیش کرنے کی دائمی توفیق نصیب فرماویں۔

یا اللہ ہمیں بھی وعدہ کو سچائی کے ساتھ پورا کرنے کا عزم وہمت عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ

اور اس کتاب میں ادریسؑ کا بھی ذکر کیجئے بے شک وہ بڑے راستی والے نبی تھے۔اور ہم نے اُن کو بلند رتبہ تک پہنچایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے (خاص) انعام فرمایا ہے

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ

منجملہ (دیگر) انبیاء کے آدمؑ کی نسل سے اور ان لوگوں کی نسل سے جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی نسل سے اور یہ سب اُن لوگوں میں سے ہیں

وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾

جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور اُن کو مقبول بنایا۔ جب اُن کے سامنے (حضرت) رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے (زمین پر) گر جاتے تھے۔

وَاذْكُرْ اور یاد کرو	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	اِدْرِيْسَ ادریس	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھے	صِدِّيْقًا سچے	نَّبِيًّا نبی	وَرَفَعْنٰهُ اور ہم نے اسے اٹھالیا	
مَكَانًا ایک مقام	عَلِيًّا بلند	اُولٰٓئِكَ یہ وہ لوگ	الَّذِيْنَ وہ جنہیں	اَنْعَمَ اللّٰهُ اللہ نے انعام کیا	عَلَيْهِمْ ان پر	مِنَ سے	النَّبِيّٖنَ نبی	مِنْ سے
ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ اولادِ آدم	وَمِمَّنْ اور اُن سے جنہیں	حَمَلْنَا سوار کیا ہم نے	مَعَ ساتھ	نُوْحٍ نوحؑ	وَ اور	مِنْ سے	ذُرِّيَّةِ اولاد	
اِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ	وَاِسْرَآءِيْلَ اور یعقوبؑ	وَمِمَّنْ اور ان سے جنہیں	هَدَيْنَا ہم نے ہدایت دی	وَاجْتَبَيْنَا اور ہم نے چُنا	اِذَا تُتْلٰى جب پڑھی جاتیں			
عَلَيْهِمْ اُن پر	اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ رحمٰن کی آیتیں	خَرُّوْا وہ گر پڑتے	سُجَّدًا سجدہ کرتے ہوئے	وَ اور	بُكِيًّا روتے ہوئے			

تفسیر وتشریح:۔ اس سورۃ میں شروع سے جو سلسلہ تذکرہ حضرات انبیاء علیہم السلام فرمایا گیا تھا وہ سلسلہ اب حضرت ادریس علیہ السلام کے ذکر پر ختم فرمایا جاتا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں صرف دو جگہ آیا ہے ایک اس سورۂ مریم میں دوسرے سترہویں پارہ سورۂ انبیاء میں۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے نام۔ نسب اور زمانہ اور وطن کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ لیکن اکثر علمائے مفسرین کے نزدیک راجح یہی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیانی عرصہ میں گزرے ہیں۔ سلسلۂ نسب کے متعلق اکثر علماء کے نزدیک آپ حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت شیث علیہ السلام کے بیٹے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں علم حکمت۔ علم نجوم۔ علم حساب۔ علم کتابت۔ یعنی قلم سے لکھنا۔ کپڑا سینا۔ ناپ تول کے آلات اور بعض اسلحہ کا بنانا یہ آپ ہی کی ایجاد ہیں اور اول یہ علوم آپ ہی سے چلے۔ معراج کی صحیح احادیث میں صرف اسی قدر ذکر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ادریس علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ بھی آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے اور اب تک زندہ ہیں۔ قرآن کریم نے اپنے مقصد رشد وہدایت کے پیش نظر تاریخی بحث سے جدا ہو کر صرف آپ کی نبوت۔ صدیقیت اور رفعت مرتبت کا ذکر کیا ہے کہ قرب وعرفان الٰہی کے اونچے مرتبہ پر پہنچایا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے ذکر کے بعد بتلایا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا تمام انبیاء یعنی جن کا تذکرہ اب تک سورۃ میں ہوا یعنی حضرت زکریا۔ حضرت یحییٰ۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم حضرت ابراہیم۔ حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت اسمٰعیل اور ادریس علیہم السلام۔ یہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی

اولاد میں سے تھے اور حضرت ادریس علیہ السلام کے سوا باقی سب ان کی اولاد بھی ہیں جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے اور بعض حضرات ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں اور بعض اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں ان سب کو خدا تعالیٰ نے طریق حق کی ہدایت فرمائی تھی۔ اور منصب نبوت ورسالت کے لئے پسند کر لیا یہ سب کے سب اللہ کے فرمانبردار اور نیکوکار بندے تھے اور باوجود اس قدر علو مقام اور معراج کمال پر پہنچنے کے سب کے سب شان عبودیت و بندگی میں کامل ہیں۔ ان سب حضرات کی یہ حالت تھی کہ اللہ کا کلام سن کر اور اس کے مضامین سے متاثر ہو کر نہایت عاجزی خشوع و خضوع کے ساتھ سجدے میں اللہ کے آگے گر پڑتے اور اس کے آگے روتے۔ علمائے دین کا اجماع ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہئے تاکہ ان مقربین کے طرز عمل کو یاد کر کے ایک طرح کی ان سے مشابہت ہو جائے۔

روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ مریم پڑھ کر سجدہ کیا اور فرمایا **ھٰذا السجود فاین البکی**۔ یہ تو سجدہ ہوا آگے بکا یعنی رونا کہاں ہے؟ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی صورت بنالو۔

خلاصہ ان تمام حضرات انبیاء کرام کی شان کا جن کا ذکر فرمایا دو باتیں ہوئیں۔ ایک تو ان حضرات کا مقبول اور ذی کمال ہونا دوسرے ان سب حضرت کا منکسر اور مفتقر ہونا اور عبدیت و بندگی میں کامل ہونا۔ یہاں ان حضرات انبیاء کے تذکرہ سے ان لوگوں کی بھی اصلاح ہو گئی جو نعوذ باللہ ان میں سے کسی کی جانب فسق اور فحش باتیں منسوب کرتے ہیں۔ اور کفار مکہ کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ کی طرف سے دین حق لے کر آئے تھے اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین حق لے کر آئے ہیں جس کا تمہیں اتباع کرنا چاہئے۔ یہاں تک تو گزشتہ انبیاء اور صلحاء کا تذکرہ فرمایا گیا۔ اب ان کے بعد میں آنے والوں کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ بعد میں کیسے ناخلف پیدا ہوئے کہ جو عبادت و بندگی چھوڑ کر خواہش نفسانی کے درپے ہو گئے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

اس وقت چونکہ قرآن پاک کی آیت سجدہ تلاوت کی گئی ہے اس لئے دور و نزدیک سب حضرات سننے والوں پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہو گیا ہے۔ دعاء کے بعد سب حضرات ایک سجدۂ تلاوت ادا کرلیں۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے ہم کو اسلام سے نوازا اور اس طرح ہم کو اپنے تمام مقبولین انبیاء کا نام لیوا بنایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان حضرات انبیاء کرام کی مقبولیت کے طفیل میں ہم کو بھی اپنی ذات پاک سے صحیح بندگی کا تعلق نصیب فرماویں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے کلام پاک سے عشق و محبت نصیب فرمائیں۔ اور اس کی تلاوت ہم کو شب و روز نصیب فرمائیں اور تلاوت کے ساتھ اس کا اتباع کامل بھی نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا

پھر اُنکے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور (نفسانی ناجائز) خواہشوں کی پیروی کی سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے۔ ہاں مگر

مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ

جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا۔ سو یہ لوگ جنت میں جاویں گے اور اُن کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا۔ اُن ہمیشہ رہنے کے

عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا

باغوں میں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے اس کے وعدہ کی ہوئی چیز کو یہ لوگ ضرور پہنچیں گے۔ اس میں وہ لوگ کوئی فضول بات نہ سننے پاویں گے بجز

سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

سلام کے، اور اُن کو اُن کا کھانا صبح و شام ملا کرے گا۔ یہ جنت (جس کا ذکر ہوا) ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا مالک ایسے لوگوں کو بنادیں گے جو کہ خدا سے ڈرنے والا ہو۔

فَخَلَفَ پھر جانشین ہوئے	مِنْ بَعْدِهِمْ ان کے بعد	خَلْفٌ چند جانشین	اَضَاعُوا انہوں نے گنوادی	الصَّلٰوةَ نماز	وَاتَّبَعُوا اور پیروی کی		
الشَّهَوٰتِ خواہشات	فَسَوْفَ پس عنقریب	يَلْقَوْنَ انہیں ملے گی	غَيًّا گمراہی	اِلَّا مگر	مَنْ جو	تَابَ توبہ کی	وَاٰمَنَ وہ ایمان لایا
وَعَمِلَ اور عمل کئے	صَالِحًا نیک	فَاُولٰٓئِكَ پس یہی لوگ	يَدْخُلُوْنَ وہ داخل ہوں گے	الْجَنَّةَ جنت	وَلَا يُظْلَمُوْنَ اور ان کا نہ نقصان کیا جائیگا		
شَيْئًا کچھ	جَنّٰتِ عَدْنِ ہمیشگی کے باغات	الَّتِيْ وہ جو	وَعَدَ وعدہ کیا	الرَّحْمٰنُ رحمٰن	عِبَادَهٗ اپنے بندے	بِالْغَيْبِ غائبانہ	اِنَّهٗ بیشک وہ
كَانَ ہے	وَعْدُهٗ اس کا وعدہ	مَاْتِيًّا آنے والا	لَا يَسْمَعُوْنَ وہ نہ سنیں گے	فِيْهَا اس میں	لَغْوًا بے ہودہ	اِلَّا سَلٰمًا سوائے سلام	
وَلَهُمْ اور ان کیلئے	رِزْقُهُمْ ان کا رزق	فِيْهَا اس میں	بُكْرَةً صبح	وَعَشِيًّا اور شام	تِلْكَ یہ	الْجَنَّةُ جنت	الَّتِيْ وہ جو کہ
	نُوْرِثُ ہم وارث بنائینگے	مِنْ سے	عِبَادِنَا اپنے بندے	مَنْ جو	كَانَ ہوں گے	تَقِيًّا پرہیزگار	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ اس سورۃ میں اب تک جن حضرات انبیاء کرام کا تذکرہ ہوا وہ سب کے سب اللہ کے فرمانبردار اور نیکوکار مقبول بندے تھے اور باوجود اس قدر علو مقام اور منصب نبوت و رسالت کے سب کے سب شان عبودیت اور بندگی میں کامل تھے۔ یہ تو ان مقبولین کا حال تھا اس کے بعد ان آیات میں ان حضرات انبیاء و رسل کے پیچھے دنیا میں جو لوگ آئے ان کی حالت کا اظہار ہو رہا ہے کہ جو دنیا کے مزدون اور نفسانی خواہشات میں پڑ کر خدائے تعالیٰ کی عبادت و بندگی سے اور انبیاء کے بتلائے ہوئے طریقہ اور راستہ سے غافل ہو گئے اور ان حضرات نے جو اللہ کی عبادت کا طریقہ نماز وغیرہ مقرر کیا تھا اس کو ضائع و برباد کیا اور چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ گئے اور اس کی بجائے اپنی بے جا خواہشوں کے پورا کرنے میں لگ گئے۔ یہاں آیت میں صرف دو لفظ **اضاعوا الصلوٰۃ** فرمائے گئے ہیں جس کا لفظی ترجمہ ہوا کہ نماز کھو بیٹھے یا نماز کو ضائع و برباد کیا۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عبادت و بندگی کا تعلق توڑ ڈالا۔ یہاں یہ بات اللہ تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمادی کہ پچھلے تمام انبیاء و رسل کی امتوں کا بگاڑ اور ان کی بدراہی کا سبب **اضاعوا الصلوٰۃ** یعنی نماز کے ضائع کرنے سے شروع ہوا پھر **اضاعوا الصلوٰۃ** کا جو لازمی نتیجہ ہے اس کو بھی دو لفظ

واتبعوا الشھوات میں بیان فرمادیا یعنی خواہشات نفس کی پیروی کی اور دنیا کے مزون اور لذتوں کے پیچھے پڑ گئے۔ معلوم ہوا کہ اضاعوا الصلوٰۃ یعنی تعلق باللہ اور خدا کی یاد کی کمی اور فقدان کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان اتباع شہوات یعنی خواہشات نفس کی بندگی میں پڑے اور احکام الٰہیہ کے بجائے اپنے من مانے طریقوں کا پابند ہوکر رہے۔ آگے اس کی سزا بھی دو لفظوں میں بیان فرمائی جاتی ہے یعنی یلقون غیا۔ یہ لوگ غی دیکھ لیں گے۔ غی کے لفظی معنی خسران۔ نقصان۔ خرابی۔ برائی کے ہیں یعنی آخرت میں یہ لوگ اس کا انجام اور خرابی دیکھ لیں گے اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جہنم کے اندر غی ایک وادی کا نام ہے جو بہت گہری ہے اور نہایت سخت عذابوں والی ہے۔ اس میں خون پیپ بھرا ہوا ہے۔ تو گویا اضاعوا الصلوٰۃ اور اتباع شہوات کی یہ سزا بتلائی گئی کہ جہنم کی بدترین وادی میں ان کو دھکیل دیا جائے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسے مجرموں کے لئے بھی ابھی توبہ کے دروازے بند نہیں ہیں جو سچے دل سے توبہ کر کے ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کرلے اور اپنا چال چلن درست رکھے یعنی اوامر شرعیہ کے مطابق عمل کرے اور احکام الٰہیہ پر کاربند رہے تو بہشت کے دروازے اس کے لئے کھلے ہوئے ہیں توبہ کے بعد جو نیک اعمال کرے گا سابق جرائم کی بنا پر اس کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی نہ کسی قسم کا حق ضائع ہوگا۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے التائب من الذنب کمن لاذنب له۔ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔ تو جو بندے ان دیکھی چیزوں پر پیغمبروں کے فرمانے سے ایمان لائے۔ بن دیکھے خدا کی عبادت کی تو اللہ نے ان سے جنت کی ان دیکھی نعمتوں کا وعدہ فرمایا جو ضرور بالضرور پورا ہوکر رہے گا کیونکہ خدا کے وعدے بالکل حتمی اور اٹل ہوتے ہیں۔

آگے اس جنت کی ایک کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے کہ جس جنت کا وعدہ کیا جارہا ہے وہاں لغو اور بے کار باتیں اور بیہودہ شور و شغب بالکل نہ ہوگا ہاں فرشتوں اور مومنین کی طرف سے سلامتی کی دعائیں اور آوازیں بلند ہوں گی اور صبح وشام دائماً جنت کی روزی پہنچے گی ایک لحہ کے لئے بھی بھوک پیاس کی تکلیف نہیں ستائے گی۔ یہاں آیت میں جنتیوں کو صبح وشام روزی پہنچنے کا جو ذکر فرمایا گیا ہے اس پر مفسر ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صبح وشام باعتبار دنیا کے ہے کیونکہ جنت میں ظلمت اور رات نہیں ہر وقت نور کا سماں ہے۔ پردے گر جانے اور دروازے بند ہوجانے سے اہل جنت وقت شام کو اور اسی طرح پردوں کے ہٹ جانے اور دروازوں کے کھل جانے سے صبح کے وقت کو جان لیں گے۔ ان دروازوں کا کھلنا بند ہونا بھی جنتیوں کے اشاروں اور حکموں پر ہوگا۔ چونکہ دنیا میں دن رات کی عادت تھی اس لئے جو وقت جب چاہیں گے پائیں گے۔ چونکہ اہل عرب صبح وشام ہی کھانا کھانے کے عادی تھے اس لئے جنتی رزق کا وقت بھی وہی بتلایا گیا ہے ورنہ جنتی جو چاہیں جب چاہیں موجود پائیں گے۔ تو یہ جنت جس کا ذکر ہوا اس کے مالک وہ بندے بنائے جاویں گے جو ظاہر و باطن میں خدا سے ڈرنے والے اور اس کے فرمانبردار تھے۔

یہاں جو اضاعت صلوٰۃ اور اتباع شہوات کی مذمت اور نفس پرست بندگان ہوا وہوس کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے یہ صرف گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں ہی کے لئے نہیں بلکہ عام ہے یعنی ہر نبی کے امتی جو نفس پرست۔ ناجائز خواہشات کے پرستار فرائض الٰہیہ میں کاہل اور غافل اور قوانین الٰہیہ کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں سب اس آیت کے تحت میں داخل ہیں۔

علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہی آیت فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا تلاوت کرکے فرمایا کہ اس سے مراد سرے سے نماز چھوڑ دینا نہیں بلکہ نماز کے وقت کو ضائع کردینا ہے۔ اس

طرح مفسرین کے نزدیک اس وعید کے تحت نہ صرف نمازوں کی فرضیت کے منکر آتے ہیں بلکہ جنہوں نے فرض جان کر نہ پڑھے یا پڑھے مگر جماعت اور وقت وغیرہ شرائط و آداب و حقوق کی رعایت نہ کی درجہ بدرجہ ہر ایک اس غی کی وعید میں داخل ہے حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز کے آداب اور تعدیل ارکان میں کوتاہی کرتا ہے تو اس سے دریافت کیا تم کب سے ایسی نماز پڑھتے ہو اس نے کہا کہ ۴۰ سال سے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ تم نے ایک بھی نماز نہیں پڑھی اور اگر تم اسی طرح کی نمازیں پڑھتے ہوئے مر گئے تو یاد رکھو کہ فطرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرو گے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابوللیث سمرقندیؒ نے قرۃ العیون میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک فرض نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے اس کا نام جہنم کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو اس میں جانا ضروری ہے۔ ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کردے وہ اگر چہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اور حقب کی مقدار ۸۰ برس کی ہوتی ہے اور ایک برس ۳۶۰ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔ اس حساب سے ایک حقب کی مقدار دنیا کے دو کروڑ ۸۸ لاکھ برس ہوئی۔ یہی مضمون حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس بھروسہ پر نہیں رہنا چاہئے کہ ایمان کی بدولت جہنم سے آخر نکل جائیں گے۔ اتنے سال یعنی ۲ کروڑ ۸۸ لاکھ برس جلنے کے بعد نکلنا ہوگا وہ بھی جب ہی کہ کوئی اور وجہ زیادہ پڑے رہنے کی نہ ہو۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز چھوڑنا آدمی کو کفر سے ملا دیتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ ایمان اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ بندہ کو اور کفر کو ملانے والی چیز صرف نماز چھوڑنا ہے۔ بڑے بڑے صحابہ جیسا کہ حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابودرداؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف وغیرہ کا مذہب یہی ہے کہ بلا عذر جان کر نماز چھوڑنے والا کافر ہے۔ مشہور ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا مگر قتل کیا جاوے اور ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفر اور قتل کا حکم نہیں کیا جاتا مگر قید شدید میں رکھنا چاہئے اور خوب سزا دینا چاہئے اور اس قدر ماریں کہ بدن سے خون بہنے لگے یہاں تک کہ توبہ کرے یا اسی حالت میں مر جائے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرے اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا نہ اس کے پاس کوئی حجت ہوگی اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ۔ اس کا حشر فرعون۔ ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ فرعون کو تو ہر شخص جانتا ہے کہ کس درجہ کا کافر تھا۔ حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ اور ہامان اس کے وزیر کا نام تھا۔ اور اُبی بن خلف مکہ کے مشرکین میں بڑا سخت دشمن اسلام تھا۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلام میں کوئی بھی حصہ نہیں اس شخص کا جو نماز نہ پڑھتا ہو اور بے وضو کی نماز نہیں ہوتی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ دین بغیر نماز کے نہیں۔ نماز دین کے لئے ایسی ہے جیسا کہ آدمی کے بدن کے لئے سر ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سراسر ظلم ہے اور کفر ہے اور نفاق ہے اس شخص کا فعل جو اللہ کے منادی (یعنی موذن) کی آواز سنے اور نماز کو نہ جائے۔ ایک حدیث میں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ چند جوانوں سے کہوں کہ بہت سا ایندھن اکٹھا کر کے لائیں پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بلا عذر کے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور جا کران کے گھروں کو جلادوں۔

ذرا مسلمان غور تو کریں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود امت کے حال پر انتہائی شفقت ورحمت کے۔ان لوگوں پر جو گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔اور جماعت کے لئے مسجد میں نہیں آتے اس قدر غصہ اور غضب ہے کہ ان کے گھروں کو آگ لگادینے پر آپ آمادہ نظر آتے ہیں۔اور ایک روایت میں ہے کہ اگر مجھے چھوٹے بچوں اور عورتوں کا خیال نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز میں مشغول ہوتا اور خادموں کو حکم دیتا کہ ان کے گھروں کے مال واسباب کو مع ان کے جلادیویں۔

حضرت علیؓ سے بسند صحیح روایت ہے کہ آخریں لحہ حیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام یہ تھا الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم نماز کا اہتمام رکھو نماز کا اہتمام رکھو اور ان لوگوں کے حقوق کا بڑا خیال رکھو جو تمہارے قبضہ میں ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا دعویٰ کرنے والے ذرا غور تو کریں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصتی اور روانگی کے وقت بھی نماز کے اہتمام کی وصیت فرمارہے ہیں۔

بہرحال قرآن وحدیث میں اَضاعو ا الصلوٰۃ یعنی نماز کو ضائع اور برباد کرنے پر خواہ وہ اعتقاداً ہو یا عملاً بڑی سخت وعیدیں ہیں۔اب غور کیجئے کہ ایسی سخت وعیدوں کے باوجود آج اضاعت نماز کس درجہ پر ہے؟ کتنے فی صدی ہیں کہ جو سرے سے نماز کی پرواہی نہیں کرتے پھر جو پڑھ بھی لیتے ہیں تو کتنے فیصدی جماعت کا اہتمام کرتے ہیں؟ پھر کتنے فیصدی ہیں کہ جو جماعت میں بھی شامل ہوجاتے ہیں مگر نماز کے آداب وشرائط کی پوری رعایت کرتے ہیں؟ یعنی نماز کو تمام واجبات سنن ومستحبات اور باطنی خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔اور جملہ مکروہات ومفسدات نماز سے بچتے ہیں؟ اوراب تو وہ وقت آگیا کہ نماز اور جماعت کی پابندی اور احکام شرعیہ کا اتباع ولزوم کرنے والے کی تحقیر کی جاتی ہے اور ملاپن اور دقیانوسی خیالات رکھنے والا سمجھا جاتا ہے۔جب من حیث القوم ہمارا یہ حال ہو اور ہم خواب دیکھیں قوم کی عزت وشوکت اور رفعت وعظمت کے۔

ایں خیال است ومحال است وجنوں

یہ بھی مقام شکر ہے کہ ہمارا وجود روئے زمین پر قائم ہے ورنہ ہم نے تو دین سے اور اللہ رسول سے بغاوت کر کے اپنے کو اس لائق بھی نہیں چھوڑا کہ اللہ کی زمین پر سانس بھی لے سکیں۔

الغرض یہاں انسانوں کو نصیحت کی گئی کہ اگر وہ کفر ومعصیت سے سچی اور پکی توبہ کرلیں اور ایمان کے ساتھ عمل صالح اختیار کرلیں اور اللہ سے ڈر کر اس کے مطیع وفرمانبردار بندے بن جائیں تو عذاب جہنم سے بچ کر ابدی راحت ونعمتوں کی جگہ جنت میں پہنچ جائیں گے۔

ابھی آگے بھی مضمون اسی بات کی تائید میں فرمایا گیا ہے کہ اگر انسان جنت کی میراث لینا چاہتا ہے تو فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کا تابع مطیع اور فرمانبردار بن جائے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ امت مسلمہ پر رحم وکرم فرمائیں اور ہمارے اصلاح کی صورتیں غیب سے پیدا فرمائیں۔یا اللہ ہم کو تمام گناہوں سے عموماً اور اضاعت صلوٰۃ سے خصوصاً بچنے کی توفیق عطا فرما۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

اور ہم (یعنی فرشتے) بدوں آپ کے رب کے حکم کے وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے، اسی کی (ملک) ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں اور ہمارے پیچھے کی سب چیزیں اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں اور آپکا رب

نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ ۚ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۗ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ ع

بھولنے والا نہیں۔ وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور اُن سب چیزوں کا جو ان دونوں کے درمیان میں ہیں سو (اے مخاطب) تو اس کی عبادت کیا کر اور اُس کی عبادت پر قائم رہ، بھلا تو کسی کو اُس کا ہم صفت جانتا ہے؟

وَمَا اور ہم	نَتَنَزَّلُ نہیں اُترتے	اِلَّا مگر	بِاَمْرِ حکم سے	رَبِّكَ تمہارا رب	لَهٗ اس کیلئے	مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا جو ہمارے ہاتھوں میں	
وَمَا اور جو	خَلْفَنَا ہمارے پیچھے	وَمَا اور جو	بَيْنَ ذٰلِكَ اس کے درمیان	وَمَا اور نہیں	كَانَ ہے	رَبُّكَ تمہارا رب	نَسِيًّا بھولنے والا
رَبُّ السَّمٰوٰتِ آسمانوں کا رب	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان کے درمیان	فَاعْبُدْهُ پس اسکی عبادت کرو	وَاصْطَبِرْ اور ثابت قدم رہو		
لِعِبَادَتِهٖ اسکی عبادت پر	هَلْ کیا	تَعْلَمُ تو جانتا ہے	لَهٗ اس کا	سَمِيًّا ہم نام کوئی			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں عام انسانوں کی حالت کا اظہار فرمایا گیا تھا کہ دنیا میں انبیاء کے پیچھے جو لوگ آئے انہوں نے اپنے نبی کا بتلایا ہوا راستہ چھوڑ دیا۔ اللہ کی عبادت وبندگی کا جو طریقہ مقرر کیا تھا اس سے اعراض کیا اور اس کی بجائے اپنی بے جا خواہشات کے پورا کرنے میں لگ گئے جس کا انجام آخرت میں عذاب جہنم ہوگا۔ ایسے انسانوں کو نصیحت کی گئی تھی کہ اگر وہ اپنے کفر ومعصیت سے سچی اور پکی توبہ کرلیں اور ایمان کے ساتھ عمل صالح اختیار کرلیں تو پھر آخرت میں عذاب سے بچ جائیں گے اور بجائے جہنم کے جنت میں داخل کئے جائیں گے جو ابدی راحت اور نعمتوں کی جگہ ہے اور جس میں وہی بندے رہیں گے جو دنیا میں اللہ سے ڈر کر اس کے مطیع وفرمانبردار بندے بن کر رہے۔ اسی کی تائید میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ انسان اگر جنت میں اپنا ٹھکانہ بنانا چاہتا ہے تو پھر اس کو فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کا مطیع وفرمانبرار بن جانا چاہئے اور طاعت خداوندی میں لگ جانا چاہئے اور اسی خدا سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے جس کے قبضہ میں تمام زمان ومکان ہیں اور جس کے حکم اور اجازت کے بدوں بڑے سے بڑا فرشتہ بھی پر نہیں ہلا سکتا اور اپنا قدم نہیں اٹھا سکتا۔

ان آیات کے شان نزول کے سلسلہ میں احادیث میں یہ روایت آئی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کئی روز تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئے اور آپ منتظر رہے۔ بعض کفار نے عناداً کہنا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے خفا ہو کر چھوڑ دیا ہے۔ اس طعن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور زیادہ دلگیر ہوئے آخر جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ نے اتنے روز تک نہ آنے کا سبب پوچھا اور ایک حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا جتنا تم آتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو تلقین فرمایا کہ جواب میں یوں کہو یعنی یہی آیات جو زیر تفسیر ہیں۔ تو یہ کلام ہوا اللہ تعالیٰ کا جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے یہ اسی طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو کہنا سکھلایا ہے۔ **ایاک نعبد وایاک نستعین۔**

تو حاصل جواب جو ان آیات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سکھایا گیا یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم خالص عبد مامور ہیں۔ بدوں حکم الٰہی پر بھی نہیں ہلا سکتے۔ ہمارا چڑھنا اترنا سب اس کے حکم اور اذن کے تابع ہے۔ حق تعالیٰ جس وقت اپنی حکمت کاملہ سے مناسب جانتے ہیں ہم کو نیچے اترنے کا حکم فرماتے ہیں کیونکہ ہر زمانہ (یعنی ماضی۔ حال۔ مستقبل) اور

ہر مکان یعنی آسمان و زمین۔ اور ان کے درمیان کا علم اسی کو ہے۔ وہی ہر چیز کا مالک اور قابض ہے۔ وہی جانتا ہے کہ فرشتہ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کب بھیجنا چاہئے۔ تو معلوم ہوا کہ مقرب ترین فرشتہ کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے اسی طرح معظم و مقبول ترین پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہیں فرشتہ کو اپنے پاس بلا لیں۔ خداوند قدوس کا ہر کام برمحل اور بروقت ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کا جلد یا دیر میں آنا بھی اس کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے۔ بھول چوک یا نسیان و غفلت کی اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں۔

آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قول نقل فرمایا جاتا ہے کہ آپ کسی کے کہنے سننے کی پرواہ مت کیجئے۔ اپنے دل کو خداوند قدوس کی بندگی پر جمائے رکھئے جو کل کائنات کا پروردگار ہے اور ربوبیت بغیر کمال علمی کے ہو نہیں سکتی تو جب کل عالم کو اس کا علم محیط ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ آپ کو یا وحی بھیجنے کو بھول جائے لہٰذا ہمارے نزول کی تاخیر سے آپ ملول نہ ہوں بلکہ اللہ کی عبادت پر بدستور قائم رہیں اور صبر رکھیں کیونکہ وہ یکتا ہے اس کا کوئی ہم نام بھی نہیں۔ ذات کی طرح صفات میں بھی کوئی شریک نہیں اور یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ مشرکین عرب اور بت پرستوں نے اگرچہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت سے انسانوں۔ فرشتوں بتوں اور پتھروں وغیرہ کو شریک کر ڈالا تھا اور اب سب کو اِلٰہ یعنی معبود کہتے تھے مگر کسی نے کبھی لفظ اللہ معبود باطل کا نام نہیں رکھا گویا یہ ایک تکوینی اور تقدیری امر تھا کہ دنیا میں اللہ کے نام سے کوئی معبود باطل کبھی موسوم نہیں ہوا پس صفات میں تو کیا نام میں بھی کوئی حق تعالیٰ کا مثیل نہیں ہوا۔ اور یہ فقرہ **وماکان ربک نسیا**۔ اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے نازل ہوا۔

تو گذشتہ آیات کے مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے یہاں انسان کو یہ تعلیم ملی کہ اگر وہ جنت کی میراث لینا چاہتا ہے تو فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کا مطیع و فرمانبردار بن جائے کہ جب فرشتوں کی باوجود عظمت کے یہ کیفیت ہے کہ امر الٰہی کے خلاف پر نہیں ہلاتے تو پھر انسان کیوں اس کی اطاعت نہ کرے۔

یہاں **فاعبده و اصطبر لعبادته** یعنی اس کی عبادت کیا کرو اور اس کی عبادت پر قائم رہو دو باتوں کا حکم دیا گیا اول حق تعالیٰ کی عبادت کا اور پھر اس پر صبر و استقامت کا گویا پہلا حکم عبدیت یعنی غلام بننے کا ہے اور دوسرا حکم عبدیت یعنی غلامی پر قائم رہنے کا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک آدھ مرتبہ نماز پڑھ لینا کافی نہیں۔ یا عیدین اور جمعہ میں جماعت میں شرکت کافی نہیں بلکہ اس کی عبدیت اور عبودیت پر مداومت ضروری ہے ایک لمحہ کے لئے بھی جادۂ عبودیت سے قدم نہ ہٹنا چاہئے۔ اور یہاں **وماکان ربک نسیا** اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں اس میں اس طرف بھی لطیف اشارہ ہو گیا کہ جو خدا اپنے مخلص بندوں کو یہاں دنیا میں نہیں بھولتا۔ وہاں آخرت میں بھی نہیں بھولے گا۔ ضرور جنت میں پہنچا کر چھوڑے گا۔ ہاں ہر چیز کا ایک وقت ہے۔ جنت میں لوگوں کا نزول بھی اپنے اپنے وقت پر ہوگا۔ اب مشرکین عرب جو قیامت ہی کے منکر تھے اور آخرت میں مر کر دوبارہ زندہ ہونے ہی کو محال اور ناممکن خیال کرتے تھے آگے ان کے شبہ کو زائل فرمایا جاتا ہے اور ان کے یقین دلانے کو قسم کھا کر فرمایا جاتا ہے کہ یہ منکرین ضرور بالضرور سب میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے۔ اور پھر اپنے اس کفر و انکار کی بدولت جہنم میں جھونکے جائیں گے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کے فضل و کرم نے جب دنیا میں ہمارا ساتھ نہ چھوڑا تو آخرت میں بھی اس کا فضل و کرم ہمارے شامل حال رہے۔ یا اللہ آپ نے اپنے مخلص بندوں کے لئے جس جنت کا وعدہ فرمایا ہے اس میں اپنے کرم سے ہم کو بھی داخل ہونا نصیب فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ ءَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَٰهُ

اور انسان (منکر بعث) یوں کہتا ہے کہ میں جب مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔ کیا انسان اس بات کو نہیں سمجھتا کہ ہم اُس کے قبل (عدم سے) وجود میں لا چکے ہیں

مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَٰطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

اور یہ (اُس وقت) کچھ بھی نہ تھا۔ سو قسم ہے آپکے رب کی ہم اُنکو جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی، پھر اُنکو دوزخ کے گرداگرد اس حالت میں حاضر کریں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے

ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ

پھر (ان کفار کے) ہر گروہ میں سے اُن لوگوں کو جدا کریں گے جو اُن میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی کیا کرتے تھے۔ پھر ہم ایسے لوگوں کو خوب جانتے ہیں

هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي

جو دوزخ میں جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اُس پر سے گزر نہ ہو، یہ آپکے رب کے اعتبار سے لازم ہے جو (ضرور) پورا ہو کر رہے گا۔ پھر ہم اُن لوگوں کو نجات

الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾

دیدیں گے جو خدا سے ڈر کر ایمان لاتے تھے، اور ظالموں کو اُس میں اس حالت میں رہنے دیں گے کہ گھٹنوں کے بل گر گر پڑیں گے۔

وَيَقُوْلُ اور کہتا ہے	اَلْاِنْسَانُ انسان	ءَاِذَا کیا جب	مَا مِتُّ میں مرگیا	لَسَوْفَ تو پھر	اُخْرَجُ میں نکالا جاؤں گا	حَيًّا زندہ	اَوَ کیا
لَا يَذْكُرُ یاد نہیں کرتا	اَلْاِنْسَانُ انسان	اَنَّا بیشک ہم	خَلَقْنٰهُ ہم نے اسے پیدا کیا	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	وَلَمْ يَكُ جبکہ وہ نہ تھا	شَيْئًا کچھ بھی	
فَوَرَبِّكَ سو تمہارے رب کی قسم	لَنَحْشُرَنَّهُمْ ہم انہیں ضرور جمع کریں گے	وَالشَّيٰطِيْنَ اور شیطان	ثُمَّ پھر	لَنُحْضِرَنَّهُمْ ہم انہیں ضرور حاضر کریں گے			
حَوْلَ اردگرد	جَهَنَّمَ جہنم	جِثِيًّا گھٹنوں کے بل گرے ہوئے	ثُمَّ پھر	لَنَنْزِعَنَّ ضرور کھینچ نکالیں گے	مِنْ سے	كُلِّ ہر	شِيْعَةٍ گروہ
اَيُّهُمْ جو اُن میں سے	اَشَدُّ بہت زیادہ	عَلَى الرَّحْمٰنِ اللہ رحمٰن سے	عِتِيًّا سرکشی کرنے والا	ثُمَّ پھر	لَنَحْنُ البتہ	اَعْلَمُ خوب واقف	
بِالَّذِيْنَ ان سے جو	هُمْ وہ	اَوْلٰى بِهَا زیادہ مستحق اس میں	صِلِيًّا داخل ہونا	وَاِنْ اور نہیں	مِنْكُمْ تم میں سے	اِلَّا مگر	
وَارِدُهَا یہاں سے گزرنا	كَانَ ہے	عَلٰى پر	رَبِّكَ تمہارا رب	حَتْمًا لازم	مَقْضِيًّا مقرر کیا ہوا	ثُمَّ پھر	نُنَجِّي ہم نجات دینگے
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وہ جنہوں نے پرہیزگاری کی	وَنَذَرُ اور ہم چھوڑ دینگے	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	فِيْهَا اس میں	جِثِيًّا گھٹنوں کے بل گرے ہوئے			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں اول عبادت کا اور پھر اس پر صبر و استقامت کا حکم دیا گیا تھا اب یہاں ان آیات میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ صبر و اطاعت کا پھل قیامت کے دن ملے گا۔ نیز گذشتہ رکوع میں اہل طاعت اور اہل معصیت یعنی نیکوں اور بدوں کا انجام ذکر فرمایا گیا تھا کہ مرنے کے بعد ان کا کیا حال ہوگا۔ اب ان آیات میں ان منکرین قیامت کے شبہ کا جواب دیا جاتا ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو محال و ناممکن سمجھتے تھے۔ کفار منکرین قیامت کے شبہ کا اس طرح جواب دیا گیا کہ جو آدمی حشر و نشر کا منکر ہے۔ اور انکار اور تعجب کی راہ سے کہتا ہے کہ مر گل کر جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئیں اور مٹی میں مل کر مٹی بن گئے کیا اس کے بعد پھر ہم قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے۔ اس کا

جواب حق تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ انسان ہوکر اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتا کہ کچھ عرصہ پہلے وہ خودکوئی چیز نہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے نیست سے ہست بنایا۔کیا وہ ذات جولاشے کو شے اور معدوم محض کو موجود کردے اس پر قادر نہیں کہ ایک چیز کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کر سکے۔آدمی کو اپنی پہلی ہستی کی کیفیت یاد نہیں رہی جو دوسری ہستی کا مذاق اڑاتا ہے یہ تو منکرین کے شبہ کا جواب تھا آگے حقیقت حال کو قسم کھا کر بیان فرمایا جاتا ہے کہ یہ منکرین ان شیاطین کی معیت میں قیامت کے دن خدا کے سامنے حاضر کئے جائیں گے جو اغوا کر کے انہیں گمراہ کرتے تھے۔ہر مجرم کا شیطان اس کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا۔اور حالت یہ ہوگی کہ مارے دہشت کے کھڑے سے گر پڑیں گے اور چین سے بیٹھ بھی نہ سکیں گے آگے بتلایا جاتا ہے کہ منکرین کے ہر فرقہ میں جو زیادہ بدمعاش سرکش اور اکڑباز تھے اور سرغنہ اور مقتدا بنتے تھے انہیں عام مجرموں سے علیحدہ کرلیا جائے گا۔پھر ان میں بھی جو بہت زیادہ سزا کے لائق اور دوزخ کا حقدار ہوگا وہ خدا کے علم میں ہے اسکو دوسرے مجرموں سے پہلے جہنم میں جھونکا جائے گا۔پھر ایک اور حقیقتِ حال کو بیان کیا جاتا ہے کہ نیک وبد۔مجرم وبری۔مومن وکافر کے لئے حق تعالیٰ قسم کھا چکے اور فیصلہ فرما چکے ہیں کہ ضرور بالضرور دوزخ پر اس کا گزر ہوگا۔کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ ہی دوزخ کے اوپر سے رکھا گیا ہے جسے عام محاورہ میں ''پلصراط'' کہتے ہیں۔اس پر لامحالہ سب کا گزر ہوگا۔خدا سے ڈرنے والے مومنین اپنے اپنے درجہ کے موافق وہاں سے صحیح سلامت گزر جائیں گے۔احادیث میں آیا ہے کہ بعض مومنین تو پلصراط پر سے بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔بعض ہوا کی طرح۔بعض پرندں کی طرح۔بعض تیز رفتار گھوڑوں کی طرح۔بعض تیز رفتار اونٹوں کی طرح۔بعض تیز چال والے پیدل انسان کی طرح۔یہاں تک کہ سب سے آخر جو مسلمان اس سے پار ہوگا یہ وہ ہوگا جس کے صرف پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا اور گرتا پڑتا نجات پائے گا گناہ گار اور کفار ومشرکین الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے (العیاذ باللہ تعالیٰ) پھر کچھ مدت کے بعد

اپنے اپنے عمل کے موافق نیز انبیاء وملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے اور آخر میں براہ راست ارحم الراحمین کی عنایت سے وہ سب گنہگار جنہوں نے زندگی میں سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ پڑھا تھا دوزخ سے نکالے جائیں گے صرف کافر وہاں باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کردیا جائے گا۔

یہاں ان آیات میں جو ہر ایک انسان کا پل صراط پر سے گزرنا لازمی بتلایا گیا اور پھر مومنین کو نجات اور کفار مشرکین کا جہنم میں ہمیشہ کو رہنا بیان فرمایا گیا اس کی مزید تشریح اور تفصیل قرآن کی دوسری آیات اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث ومفسر دہلویؒ نے جو اپنی کتاب قیامت نامہ میں لکھی ہے وہ موقع کی مناسبت سے جاننے کے لائق ہے جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔'' جب تمام مخلوق کے اعمال کا حساب کتاب میدان حشر میں ہوجائے گا۔اور تمام چھوٹی بڑی نیکیاں میزان میں داخل کر کے ان کو تولا جائے گا اور نیکی یا بدی کا پلڑا بھاری ہوجانے پر جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہوجائے گا تو قبل اس کے کہ میدان محشر سے پلصراط پر گزرنے کا حکم ہو تمام میدان محشر میں اندھیرا چھا جائے گا۔پس ہر امت کو اپنے اپنے پیغمبروں کے ساتھ چلنے کا حکم ہوگا اہل ایمان کو نور کی دودو مشعلیں عنایت ہوں گی۔ایک آگے چلے گی دوسری دائیں جانب۔اور جو ان سے کم تر ہوں گے ان کو ایک مشعل دی جائے گی اور جو ان سے کم ہوں گے ان کو صرف پاؤں کے انگوٹھے کے آس پاس خفیف روشنی ہوگی اور ان سے بھی جو گئے گزرے ہوں گے ان کو ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح دی جائے گی جو کبھی بجھے گی اور کبھی روشن ہوگی جو منافق ہوں گے وہ ذاتی نور سے بالکل خالی ہوں گے بلکہ دوسروں کے نور کی مدد سے چلیں گے یہاں تک کہ جس وقت یہ سب لوگ دوزخ کے کنارے کے قریب جا پہنچیں گے تو دیکھیں گے کہ دوزخ کے اوپر پل صراط ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے حکم ہوگا کہ اس پر ہوکر جنت میں چلو وہ پندرہ ہزار سال کی مسافت میں ہے جن

میں سے ۵ ہزار سال تو اوپر چڑھنے کے اور ۵ ہزار سال بیچ میں چلنے کے اور ۵ ہزار سال اترنے کے ہیں حاصل کلام جب میدان محشر سے پل صراط پر پہنچیں گے تو آواز ہوگی کہ اے لوگو اپنی آنکھیں بند کرلو تا کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پل پر سے گزر جائیں اس کے بعد بعض لوگ تو بجلی کی چمک کی طرح بعض ہوا بعض گھوڑے بعض اونٹ بعض معمولی رفتار کی مانند پل صراط سے گزر جائیں گے۔ بعض لوگ نہایت محنت و مشقت کے ساتھ پل پر چلیں گے اس وقت دوزخ میں سے بڑے بڑے آنکس نکلیں گے جو بعض کو تو چھوڑ دیں گے۔ بعض کو کچھ کچھ کاٹیں گے اور بعض کو کھینچ کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔ اس وقت اعمال صالحہ مثلاً نماز روزہ درود وظائف وغیرہ لوگوں کے دستگیر ہوں گے اور خیرات ان کے اور آگ کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ قربانی سواری کا کام دے گی اور اس مقام کے ہول کی وجہ سے کسی کی آواز تک نہ نکلے گی مگر پیغمبران امتیوں کے حق میں رب سلم رب سلم کہیں گے۔ جب مسلمان پل صراط پر چڑھ جائیں گے تو منافقین اندھیرے میں گرفتار ہو کر فریاد کریں گے۔ بھائیو! ذرا ٹھہرنا تا کہ تمہارے نور کے طفیل ہم بھی چلے چلیں۔ وہ جواب دیں گے ذرا پیچھے چلے جاؤ جہاں سے ہم نور لائے ہیں تم بھی وہیں سے لے آؤ۔ پس جب پیچھے جائیں گے تو وہاں بے انتہا تاریکی اور ہول دیکھیں گے آخر نہایت بے قرار ہو کر لوٹیں گے اور دیکھیں گے کہ پل صراط کے سرے پر ایک بہت بڑی دیوار قائم ہے اور دروازہ بند ہو گیا ہے پس نہایت ہی گڑگڑا کر مسلمانوں کو پکاریں گے کہ کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے جواب ہمیں چھوڑے چلے جاتے ہو وہ جواب دیں گے بیشک تم ہمارے ساتھ تو تھے لیکن بظاہر اور دل میں شک وشبہ کرتے ہوئے ہمارے حق میں برائیاں اور کفار کی بھلائیاں چاہتے تھے لہٰذا مناسب ہے کہ جن کا ساتھ دیتے تھے انہی سے جاملو اسی اثناء میں آگ کے شعلے ان کو گھیر کر جہنم کے سب سے نیچے کے درجہ میں پہنچادیں گے۔ وہ مسلمان جو بجلی وہوا کی رفتار کے موافق پل صراط پر سے گزریں گے وہ پل کو عبور کر کے کہیں گے کہ ہم نے تو سنا تھا کہ راستہ میں دوزخ آئے گی لیکن ہم نے تو دیکھا بھی نہیں اور وہ لوگ جو سلامتی کے ساتھ گزریں گے وہ بھی پل صراط سے اتر کر میدان میں ان سے جا ملیں گے۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جنت کا قفل کھول کر لوگوں کو داخل فرمائیں گے۔ یہاں پہنچ کر آپ اپنی امت کی تفتیش حال کریں گے اس وقت آپ کی امت تمام اہل جنت کا چہارم حصہ ہوگی۔ دریافت حال کے بعد جب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ابھی میری امت میں سے ہزار ہا آدمی دوزخ میں پڑے ہیں تو بوجہ اس کے کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں غمگین ہو کر درگاہ الٰہی میں عرض کریں گے اے خدا میری امت کو دوزخ سے خلاصی دے۔ یہ شفاعت بھی شفاعت کبریٰ کے مانند ہوگی یعنی ۷ روز تک سربسجود رہ کر عجیب وغریب حمد وثناء بیان فرمائیں گے تب بارگاہ الٰہی سے حکم ہوگا کہ جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لاؤ۔ آپ کو دیکھ کر دوسرے پیغمبر بھی اپنی اپنی امتوں کی شفاعت کریں گے۔ پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم الٰہی فرشتوں کو اپنے ساتھ لے کر بمعیت امت دوزخ کے کنارہ پہنچیں گے اور فرمائیں گے اپنے اپنے رشتہ داروں اور واقف کاروں کو یاد کر کے ان کی نشانی بتاؤ تا کہ یہ فرشتے ان کو دوزخ سے نکال لیں چنانچہ ایسا ہی ہوگا علاوہ ازیں شہداء کو ۷۰ حافظوں کو ۱۰ علماء کو حسب مراتب لوگوں کی شفاعت کا حق ہوگا۔ جب آپ ان کو لے کر جنت میں تشریف لائیں گے تو آپ کی امت اس وقت تمام اہل جنت کا تیسرا حصہ ہوگی پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تفتیش فرمائیں گے کہ اب میری امت میں سے کس قدر دوزخ میں باقی ہیں جواب ہوگا کہ حضور ابھی تو ہزار ہا دوزخ میں موجود ہیں آپ پھر بدستور سابق بارگاہ ایزدی میں شفاعت کریں گے حکم ہوگا کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لاؤ۔ بس آپ بدستور سابق علماء، اولیاء، شہداء وغیرہ کو دوزخ کے کنارہ لے جا کر فرمائیں گے کہ اپنے اپنے رشتہ داروں واقف کاروں کو یاد اور پہچان

کر کے دوزخ سے نکلواؤ اس وقت بھی ہزار ہا امتی دوزخ سے رہا ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں گے اب آپ کی امت تمام اہل جنت کا نصف حصہ ہوگی۔ اس شفاعت کے بعد آپ پھر دریافت فرما کر بدستور ہائے سابق شفاعت کریں گے ارشاد باری ہوگا کہ جس کے دل میں آدھے ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو پس بدستور سابق ایک بہت بڑی تعداد جہنم سے برآمد ہو کر جنت میں داخل ہوگی اس وقت آپ کی امت اہل جنت سے دو چند ہو جائے گی اور موحدین میں سے کوئی شخص دوزخ میں نہیں رہے گا۔ جب تمام لوگ دوزخ و جنت میں داخل ہو چکیں گے تو دوزخ و جنت کے درمیان منادی ہوگی کہ اے اہل جنت جنت کے کناروں پر آ جاؤ اور اے اہل دوزخ دوزخ کے کناروں پر آ جاؤ۔ اہل جنت کہیں گے ہم کو تو ابدالآباد کا وعدہ دلا کر جنت میں داخل کیا ہے اب کیوں طلب کرتے ہو اور اہل دوزخ نہایت خوش ہو کر کناروں کی طرف دوڑیں گے اور کہیں گے کہ شاید ہماری مغفرت کا حکم ہوگا پس جس وقت سب کناروں پر آ جائیں گے تو ان کے مابین موت کو چتکبری مینڈھے کی شکل میں حاضر کیا جائے گا اور لوگوں سے کہا جاوے گا کیا اس کو پہچانتے ہو۔ سب کہیں گے ہاں جانتے ہیں کیونکہ کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس نے موت کا پیالہ نہ پیا ہو اس کے بعد اس کو ذبح کر دیا جائے گا کہتے ہیں کہ اس کو حضرت یحییٰ علیہ السلام ذبح کریں گے۔ پھر وہ منادی آواز دے گا کہ اے اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو کہ اب موت نہیں اور اے اہل دوزخ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو کہ اب موت نہیں۔ اہل جنت اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو یہ شادی مرگ ہو جاتی اور اہل دوزخ اس قدر رنجیدہ ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو غم کے مارے مر جاتے اس کے بعد حکم ہوگا کہ دوزخ کے دروازوں کو بند کر کے اس کے پیچھے بڑے بڑے آتشی شہتیر بطور پشتیاں لگا دو تا کہ دوزخیوں کو نکلنے کا خیال بھی نہ رہے اور اہل جنت کو جنت میں ابدالآباد تک رہنے کا یقین و اطمینان ہو جائے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں برہانی اور خطابی طور پر ثبوت قیامت کا اظہار فرمایا گیا اور یہ صراحت فرمائی گئی کہ کفار اور شیاطین جہنم میں اکٹھے رکھے جائیں گے۔ نیز جہنم کے اوپر پل صراط سے ہر کسی کو گزرنا لازمی ہے جس کے نتیجہ میں مومنین کاملین تو صاف گزر کر جنت میں پہنچ جائیں گے اور گنہگار و کفار و مشرکین جہنم میں گر پڑیں گے۔ مگر مومنین کلمہ کی برکت و اعتقاد سے بالآخر دیر یا سویر جہنم سے بالکل نکال لئے جائیں گے اور صرف کفار و مشرکین جہنم میں ابدالآباد کے لئے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ ابھی آگے انہی کفار و مشرکین کے متعلق مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اس دنیا میں وہ ایمان و اسلام نصیب فرماویں کہ جو قیامت میں ہماری نجات و مغفرت کا ذریعہ بنے۔ اور پل صراط پر سے امن و سلامتی کے ساتھ گزر کر جنت میں پہنچنا نصیب ہو۔

یا اللہ قیامت میں ہر چھوٹے بڑے عذاب سے اپنے پناہ میں رکھئے۔ اور ہمہ وقت ہم کو آخرت کی تیاری کا فکر عطا فرما دیجئے۔ اور اس زندگی میں ان اعمال صالحہ کی توفیق نصیب فرما دیجئے کہ جو میدان حشر میں آپ کا کرم و عنایت ہماری طرف متوجہ رہے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا

اور جب ان (منکر) لوگوں کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے مکان کس کا زیادہ اچھا ہے

وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْیًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ

اور محفل کس کی اچھی ہے۔ اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے ایسے ایسے گروہ ہلاک کئے ہیں جو سامان اور نمود میں ان سے بھی (کہیں) اچھے تھے۔ آپ فرما دیجئے کہ جو لوگ

فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ

گمراہی میں ہیں رحمٰن اُن کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے، یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اس کو دیکھ لیں گے خواہ عذاب کو (دنیا میں) خواہ قیامت کو

فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًی ؕ

سو (اُس وقت) اُن کو معلوم ہو جاوے گا کہ بُرا مکان کس کا ہے اور کمزور مددگار کس کے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو ہدایت بڑھاتا ہے

وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

اور جو نیک کام ہمیشہ کیلئے باقی رہنے والے ہیں وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر ہیں۔

وَاِذَا اور جب	تُتْلٰی پڑھی جاتی ہیں	عَلَیْهِمْ ان پر	اٰیٰتُنَا ہماری آیتیں	بَیِّنٰتٍ واضح	قَالَ کہتے ہیں	الَّذِیْنَ وہ جنہوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا
لِلَّذِیْنَ ان سے جو	اٰمَنُوْا وہ ایمان لائے	اَیُّ کون سا	الْفَرِیْقَیْنِ دونوں فریق	خَیْرٌ مَّقَامًا بہتر مقام	وَّاَحْسَنُ اور اچھی	نَدِیًّا مجلس	
وَكَمْ اور کتنے ہی	اَهْلَكْنَا ہم ہلاک کر چکے	قَبْلَهُمْ ان سے پہلے	مِنْ قَرْنٍ گروہوں میں سے	هُمْ وہ	اَحْسَنُ بہت اچھے	اَثَاثًا سامان	
وَرِءْیًا اور نمود	قُلْ کہہ دیجئے	مَنْ كَانَ جو ہے	فِی الضَّلٰلَةِ گمراہی میں	فَلْیَمْدُدْ تو ڈھیل دے رہا ہے	لَهُ اس کو	الرَّحْمٰنُ اللہ	
مَدًّا خوب ڈھیل	حَتّٰی یہاں تک کہ	اِذَا جب	رَاَوْا وہ دیکھیں گے	مَا یُوْعَدُوْنَ جس کا وعدہ کیا جاتا ہے	اِمَّا خواہ	الْعَذَابَ عذاب	
وَاِمَّا اور خواہ	السَّاعَةَ قیامت	فَسَیَعْلَمُوْنَ پس اب وہ جان لینگے	مَنْ کون	هُوَ وہ	شَرٌّ مَّكَانًا بدتر مقام	وَّاَضْعَفُ اور کمزور تر	
جُنْدًا لشکر	وَیَزِیْدُ اور زیادہ دیتا ہے	اللّٰهُ اللہ	الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا جن لوگوں نے ہدایت حاصل کی	هُدًی ہدایت	وَ اور	الْبٰقِیٰتُ باقی رہنے والی	
الصّٰلِحٰتُ نیکیاں	خَیْرٌ بہتر	عِنْدَ رَبِّكَ تمہارے رب کے نزدیک	ثَوَابًا باعتبار ثواب	وَّخَیْرٌ اور بہتر	مَّرَدًّا باعتبار انجام		

تفسیر و تشریح:۔ ظاہر میں محسوس پرست انسان چونکہ کوتاہ نظر ہوتا ہے اس لئے اس کی نظر ہمیشہ دنیوی ساز و سامان اور عیش و طرب پر ہوتی ہے اس کو محسوسات خارجی سے باہر کوئی چیز نظر نہیں آتی اور اس مادی عالم کے پیچھے روحانی نعمت و دولت دکھائی نہیں دیتی اس بنا پر کفار عرب اور مشرکین مکہ جب ان آیات قرآنیہ کو سنتے جن میں اہل اسلام کا برحق اور کافروں کا باطل پرست ہونا ظاہر کیا گیا اور انجام کے لحاظ سے آخرت میں ایمان والوں کو جنت کی دائمی نعمتوں اور کافروں کے لئے جہنم کے دردناک عذابوں میں گرفتار ہونا بتلایا گیا تو غریب اہل ایمان کو چھیڑتے اور انکا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ تمہارے زعم کے موافق آخرت میں جو کچھ پیش آئے گا دونوں فریق کی موجودہ حالت اور دنیوی پوزیشن پر منطبق نہیں ہوتا۔ کیا آج ہمارے مکانات۔ اسباب معیشت اور ساز و سامان تم سے بہتر و اعلیٰ نہیں اور ہماری مجلس و سوسائٹی تمہارے مجمع سے معزز و بلند نہیں؟ تم جو اپنے کو اہل حق اور ہم کو اہل باطل بتلاتے ہو تو ذرا اپنا حال تو دیکھو۔ نہ رہنے کو گوشہ نہ کھانے کو توشہ۔ ہمارے مجمع میں کس قدر عالی قدر سردار اور اشراف عرب داخل ہیں اور کس

شان کے ساتھ ان کا اجتماع ہوتا ہے۔اس کے مقابلہ میں تم اپنی مجلس کو دیکھو۔ چند بے بس اور بے کس شکستہ اور خستہ حال فقیر وذلیل اور بے نوا غلام مفلس ونادار لوگوں کے سوا اور کون تمہارے پاس آتا جاتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ یہ سورۂ مریم مکی عہد کی تنزیلات میں سے ہے اس وقت پیروان اسلام کمزور اور بے سروسامان تھے اور کفار کو ہر طرح کی دنیوی خوش حالیاں حاصل تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے ساتھ بیٹھتے تو فقرا اور غربا کی مجلس ہوتی اور منکرین حق دارالندوہ میں جمع ہوتے تو سرداروں اور امیروں کا مجمع ہوتا اسی صورت حال پر کفار مکہ اہل ایمان کے لئے قرآنی بشارتیں سنتے تو ان کا مذاق اڑاتے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے اس بیوقوف کوتاہ بین طبقہ کے خیال کی تردید فرمائی جاتی ہے اور ان کی باتوں کا جواب دیا جاتا ہے کہ پہلے ایسی بہت سی قومیں گزر چکی ہیں جو دنیا کے ساز وسامان شان ونمود میں تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں لیکن جب انہوں نے انبیاء کے مقابلہ میں سرکشی کی اور تکبر وتفاخر کو اپنا شعار بنایا تو خدا تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹ دی اور دنیا کے نقشہ میں ان کا نشان بھی باقی نہ رہا تو حاصل ارشاد یہ نکلا کہ انسان کو چاہئے کہ دنیا کی فانی ٹیپ ٹاپ اور عارضی بہار سے دھوکہ نہ کھائے عموماً متکبر دولت مند ہی حق کو ٹھکرا کر ہلاکت کا لقمہ بنا کرتے ہیں۔ مال واولاد یا دنیوی خوشحالی مقبولیت اور حسن انجام کی دلیل نہیں۔ یہ تو تھا استدلال طرز بیان کہ نظیر کو نظیر پر قیاس کر کے گذشتہ کافروں کا نتیجہ موجودہ کافروں کی عبرت کے لئے ظاہر فرمایا۔ آگے زاجرانہ طرز میں طریق بیان بدل کر فرمایا جاتا ہے کہ اس وقت اپنے مجمع کی کثرت اور مکانات کی سربلندی پر کیا ناز وگھمنڈ کرتے ہو جب مرنے کے بعد یا مرنے سے پہلے اپنے کرتوت کی سزا پاؤ گے یا قیامت کے دن عذاب الٰہی کو دیکھو گے اس وقت معلوم ہوگا کہ مسکن اور مددگاروں کے اعتبار سے کون گروہ برا ہے۔ خدا نے ابھی تمہاری باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے جس وقت گلا دبایا جائے گا خواہ دنیوی عذاب کی صورت میں یا عذاب آخرت کی شکل میں تب پتہ لگے گا کہ مکان کس کا برا ہے اور کس کی جمعیت کمزور ہے اس وقت تمہارے ساز وسامان کچھ کام نہ آئیں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ گمراہوں کو گمراہی میں لمبا چھوڑ دیتا ہے۔ ان کے بالمقابل جو سوچ سمجھ کر راہ ہدایت اختیار کرلیں ان کی سوجھ بوجھ اور فہم وبصیرت کو اور زیادہ تیز کر دیتا ہے جس سے وہ حق تعالیٰ کی خوشنودی کے راستوں پر بڑھے چلے جاتے ہیں۔ تو یہاں اہل ایمان کو استقامت اور استقلال اختیار کرنے اور عمل صالح پر قائم رہنے کی ترغیب دی گئی اور بتلایا گیا کہ جو راہ ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اور راہ یاب ہونے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے اس میں اہل ایمان کو تسلی بھی ہے کہ کافروں کے نزدیک اہل ایمان کتنے ہی خوار وذلیل ہوں خدا کے نزدیک وہ معزز ومکرم ہیں کیونکہ کافروں کا سرمایۂ ناز فانی ہے۔ مرنے کے بعد اس کا کوئی نام ونشان نہ رہیگا البتہ اہل ایمان کی نیکیاں باقی رہیں گی اور انہی کا حال اور انجام اچھا ہوگا۔

یہاں آیت میں مشرکین مکہ کے جس جاہل استدلال کی تردید فرمائی گئی ہے آج بھی بددین اور کم فہم اسے زور شور سے پیش کرتے ہیں۔ اور صرف اہل باطل ہی نہیں بلکہ ان سے مرعوب اسلام کے دعویدار بھی مشرک ولامذہب اور فرنگی مغربی قوموں کی مثالیں پیش کر کے پکار پکار کر مسلمانوں سے کہتے ہین کہ ان کی ترقیاں دیکھو۔ ان کی دولت وحکومت۔ عزت وعظمت اور جاہ وثروت دیکھو۔ ان کی اقبال مندی پر نظر کرو۔ تم اگر اپنی ترقی اور رفاہ چاہتے ہو تو انہی کے طریقے اختیار کرو۔ انہی کی روش پر چلو جو یہ نام نہاد ترقی یافتہ قومیں کر رہی ہیں۔ گویا اب ترقی وفلاح انہی دنیا پرست قوموں کی تقلید کا نام رہ گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قرآنی تعلیم یہ ہے کہ اصل کامیابی اور ناکامی آخرت کی ہے اور کفر وعصیان اور سرکشی و نافرمانی کے باوجود دنیا میں عیش وآرام کی فراوانی اور مال ودولت کی کثرت یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور ڈھیل ہے۔ لیکن انجام کار ایسی گرفت ہوگی کہ پھر رہائی ناممکن ہے۔

ابھی آگے کفار ومشرکین ہی کے متعلق مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٧٧﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ

بھلا آپ نے اُس شخص (کی حالت) کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو (آخرت میں) مال اور اولاد ملیں گے کیا یہ شخص غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا کیا اس نے

الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ

اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے۔ ہرگز نہیں ہم اس کا کہا ہوا ابھی لکھے لیتے ہیں اور اُس کیلئے عذاب بڑھاتے چلے جائینگے۔ اور اُس کی کہی ہوئی چیزوں کے ہم وارث

وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ

رہ جائیں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا ہو کر آوے گا۔ اور اُن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود تجویز کر رکھے ہیں تا کہ اُن کیلئے وہ باعث عزت ہوں۔ (ایسا) ہرگز نہیں (ہوگا بلکہ)

بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

وہ تو اُن کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے اور اُن کے مخالف ہو جاویں گے۔

أَفَرَءَيْتَ پس کیا تو نے دیکھا	الَّذِي وہ جس نے	كَفَرَ انکار کیا	بِآيَاتِنَا ہمارے حکموں کا	وَقَالَ اور اس نے کہا	لَأُوتَيَنَّ میں ضرور دیا جاؤں گا	
مَالًا مال	وَوَلَدًا اور اولاد	أَطَّلَعَ کیا وہ مطلع ہو گیا ہے	الْغَيْبَ غیب	أَمِ یا	اتَّخَذَ اس نے لے لیا	عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ اللہ رحمٰن سے
عَهْدًا کوئی عہد	كَلَّا ہرگز نہیں	سَنَكْتُبُ اب ہم لکھ لیں گے	مَا يَقُولُ وہ جو کہتا ہے	وَنَمُدُّ اور ہم بڑھادینگے	لَهُ اس کو	مِنَ الْعَذَابِ عذاب سے
مَدًّا اور لمبا	وَنَرِثُهُ اور ہم وارث ہوں گے	مَا يَقُولُ جو وہ کہتا ہے	وَيَأْتِينَا اور وہ ہمارے پاس آئیگا	فَرْدًا اکیلا	وَاتَّخَذُوا اور انہوں نے بنالیا	
مِنْ دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوا	آلِهَةً معبود	لِيَكُونُوا تا کہ وہ ہوں	لَهُمْ ان کیلئے	عِزًّا موجب عزت	كَلَّا ہرگز نہیں	
سَيَكْفُرُونَ جلد ہی وہ انکار کرینگے	بِعِبَادَتِهِمْ ان کی بندگی سے	وَيَكُونُونَ اور ہو جائیں گے	عَلَيْهِمْ ان کے	ضِدًّا مخالف		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں ظاہر بین محسوس پرست کافروں کی کوتاہی نظر کی مذمت فرمائی گئی تھی اور اس امر کی صراحت فرمائی گئی تھی کہ دنیوی ساز و سامان قابل تفاخر نہیں۔ یہ سب فانی ہے اور فانی نا قابل اعتبار ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد یہ دنیوی ساز و سامان کچھ کام نہ آئے گا البتہ اہل ایمان کی نیکیاں باقی رہیں گی اور انہی کا انجام بہتر اور اچھا ہوگا۔

اب آگے اسی سلسلہ میں منکرین کے بعض دیگر اقوال کا رد فرمایا جاتا ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ میں ان آیات کے شان نزول کے متعلق مذکور ہے کہ مکہ میں ایک صحابی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ لوہار کا کام کرتے اور ہتھیار بنایا کرتے تھے۔ عاص بن وائل مشرکین مکہ میں سے ایک شخص تھا جس نے کچھ کام حضرت خبابؓ سے کرایا تھا اور کچھ ہتھیار خریدے تھے۔ جب اجرت اور قیمت وصول کرنے کے لئے یہ صحابی عاص بن وائل مشرک کے پاس گئے تو عاص نے جواب دیا کہ جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا انکار نہ کرو گے میں کچھ نہیں دوں گا حضرت خبابؓ نے جواب دیا کہ اگر تو مر کر بھی دوبارہ زندہ ہو تب بھی مجھ سے یہ حرکت سرزد نہیں ہو سکتی۔ اس پر عاص نے کہا کہ کیا میں مر کر بھی دوبارہ زندہ ہوں گا۔ حضرت خباب نے جواب دیا اس میں شک ہی کیا ہے۔ سب کو مرنے کے بعد ایک دن زندہ ہونا ہے اور اپنے کئے کی جزا و سزا پانا ہے۔ خدا کے روبرو سب کے حقوق کا فیصلہ ہوگا عاص بولا اچھا جب یہ بات ہے کہ میں مر کر پھر

زندہ ہونے والا ہوں تو میرے پاس جبھی آنا میرے پاس اس وقت بھی مال واولاد سب کچھ ہوگا تیرے دام بھگتادوں گا۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں حضرت خباب اور مشرک عاص بن وائل کے مذکورہ بالا واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ کس قدر حیرت انگیز اور قابل تعجب ہے اس شخص کی حالت جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتا ہے اور نہ فقط انکار بلکہ عقیدہ آخرت کا مذاق اڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ مرنے کے بعد جب میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا تو مجھے مال و اولاد بھی ضرور ملیں گے۔اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو کہہ رہا ہے اور دعویٰ کر رہا ہے کہ جب میں زندہ کیا جاؤں گا تو یہی مال ودولت اور گھر بار پھر مجھے ملے گا تو کیا اسے یہ بات براہ راست عالم غیب سے معلوم ہوگئی؟ یا خدائے تعالیٰ سے کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات ہرگز نہیں اس کا خیال خام ہے۔ہم اس کے گناہ لکھتے جاتے ہیں اور اس کا یہ قول بھی شامل مسل کرلیا جائے گا۔ تمام مال ودولت اور نسل واولاد سب چھوڑ کر اس کو تنہا ہمارے پاس آنا ہوگا اور چونکہ وہ کافر بھی ہے اس لئے اس کو گونا گوں عذاب دیا جائیگا۔

آگے عام کافروں اور مشرکوں کی ناکامی انجام کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ یہ قیامت میں مال واولاد سے بڑھ کر اپنے جھوٹے معبودوں کی مدد کے امیدوار ہیں کہ وہ ان کو خدا کے ہاں عزت اور بڑے بڑے درجے دلائیں گے حالانکہ ہرگز ایسا ہونے والا نہیں۔ محض سودائے خام ہے جو اپنے دماغوں میں پکا رہے ہیں۔وہ وقت جب آئے گا یعنی یوم قیامت تو ان کے باطل معبود خودان کی مخالفت کریں گے اور وہ خودان کی پرستش کا انکار کریں گے۔اور وہ معبودان کی مدد تو کیا کریں گے خودان سے بیزار ہوں گے اور ان کے مدمقابل بن کر بجائے عزت دلانے کے اور زیادہ ذلت اور رسوائی کا سبب بنیں گے۔

یہاں اس بات کی صراحت ہے کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے وقت مال ودولت دوست احباب اعزہ واقارب کچھ کام نہ آئیں گے۔ ہر شخص کو تنہا خداوند قدوس کے سامنے جواب دینا ہوگا۔اور دنیا میں انسان آج جس مال ودولت پر اتراتا ہے یہ سب مرنے کے بعد یہیں چھوٹ جائے گا۔ایک حدیث میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ کو جہنم کی آگ یاد آگئی اور میں رو پڑی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیوں روتی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جہنم کی آگ یاد آگئی اور میں رو پڑی۔ کیا قیامت کے دن آپ اہل وعیال کو یاد رکھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مقامات ایسے ہیں جہاں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا ایک تو میزان اعمال پر جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ نامۂ اعمال کا پلہ بھاری رہا یا ہلکا دوسرے اعمال نامہ ہاتھوں میں حوالہ کئے جانے کے وقت جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا گیا یا بائیں ہاتھ میں پیٹھ کے پیچھے سے اور جبکہ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ پانے والا خوشی سے یہ نہ کہہ اٹھے کہ آؤ میرا اعمال نامہ پڑھو۔ تیسرے پل صراط کے قریب جبکہ پل صراط کو جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا۔ گویا یہ تین مقامات تو وہ ہوں گے جہاں نہ شفاعت ہوگی نہ سفارش۔ یہ تین امور تو ہر انسان پر تنہا تنہا گزرنے ہیں۔ اس کے بعد اہل اسلام کے لئے شفاعت و سفارش سے گنہگار مسلمانوں کو جہنم سے نجات ملے گی۔ جیسا کہ آپ گذشتہ سے گذشتہ درس میں پڑھ چکے ہیں۔

ابھی مضمون کفار مشرکین کے متعلق اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو اسلام وایمان سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور ایمان پر ہم کو قائم رکھیں۔ اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمادیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر (ابتلاء) چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اُن کو خوب ابھارتے رہتے ہیں۔ سو آپ اُن کیلئے جلدی نہ کیجئے ہم اُن کی باتیں خود شمار کررہے ہیں۔

عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا

جس روز ہم متقیوں کو رحمٰن (کے دارالنعیم) کی طرف مہمان بناکر جمع کریں گے۔ اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔ (وہاں)

يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾

کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لی ہے۔

أَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	أَنَّا أَرْسَلْنَا بیشک ہم نے بھیجے	الشَّيَاطِينَ شیطان	عَلَى پر	الْكَافِرِينَ کافر	تَؤُزُّهُمْ اکساتے ہیں انہیں	
أَزًّا خوب اکسانا	فَلَا تَعْجَلْ سو تم جلدی نہ کرو	عَلَيْهِمْ ان پر	إِنَّمَا صرف	نَعُدُّ ہم گنتی پوری کررہے ہیں	لَهُمْ اُن کی	عَدًّا گنتی
يَوْمَ جس دن	نَحْشُرُ ہم جمع کریں گے	الْمُتَّقِينَ پرہیزگار	إِلَى الرَّحْمَٰنِ رحمٰن کی طرف	وَفْدًا مہمان بناکر	وَنَسُوقُ اور ہانک کرلے جائینگے	
الْمُجْرِمِينَ گنہ گار	إِلَىٰ طرف	جَهَنَّمَ جہنم	وِرْدًا پیاسے	لَا يَمْلِكُونَ وہ اختیار نہیں رکھتے	الشَّفَاعَةَ شفاعت	إِلَّا سوائے
مَنِ اتَّخَذَ جس نے لیا ہو	عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ رحمٰن کے پاس	عَهْدًا اقرار				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ سے کفار ومشرکین کا ذکر ہوتا چلا آرہا ہے گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جس مال ودولت پر کافر اتراتا ہے اور گھمنڈ کرتا ہے وہ مرنے کے بعد سب یہیں چھوٹ جائے گا اور قیامت میں تن تنہا جواب دہی کے لئے حاضر ہوگا۔ نہ مال کام آئے گا نہ اولاد ساتھ دے گی اور مال واولاد سے بڑھ کر بعض مشرکین جو اپنے جھوٹے معبودوں کی مدد کے امیدوار ہیں کہ وہ ان کو خدا کے ہاں بڑے درجہ دلائیں گے اس کی تردید میں بتلایا گیا تھا کہ ان کے معبود ان کی مدد تو کیا کرتے خود ان کی بندگی سے بیزار ہوں گے اور بجائے عزت دلانے کے اور زیادہ ذلت ورسوائی کا سبب بنیں گے۔ انہی کفار ومشرکین کے متعلق مزید حقیقت حال کو ان آیات میں ظاہر فرمایا جارہا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ شیاطین کا کفار ومشرکین پر پورا تسلط ہوتا ہے اور وہ انہیں انگلیوں پر نچاتے رہتے ہیں۔ نافرمانیوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں اور دین اسلام کے خلاف اکساتے رہتے ہیں آرزوئیں بڑھاتے رہتے ہیں اور طغیان وسرکشی میں آگے کرتے رہتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا جاتا ہے کہ آپ ان کفار کی سزادہی کے متعلق جلدی نہ کریں اللہ تعالیٰ نے انہیں فی الحال ڈھیل دے رکھی ہے اور ان کی باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے تاکہ ان کی زندگی کے گنے ہوئے دن پورے ہوجائیں۔ ان کا ایک ایک سانس۔ ایک ایک لمحہ اور ایک ایک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں گنا جارہا ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت بھی اللہ کے احاطہ علمی اور دفاتر اعمال سے باہر نہیں تمام عمر کے اعمال ایک ایک کرکے ان کے سامنے کردیئے جائیں گے اور قیامت کے دن یہ اپنے اعمال کی پوری سزا بھگتیں گے۔ اب چونکہ قیامت کا ذکر آگیا تو اس کا کچھ حال بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایسا دن ہوگا کہ جو لوگ اللہ کی ذات پر اور اس کی باتوں پر ایمان لائے اللہ کے پیغمبروں کی تصدیق کی گناہوں سے بچتے رہے۔ اللہ کے

فرمانبردار رہے۔ پروردگار کا خوف دل میں رکھا اور اللہ کے خوف سے بچ بچ کر دنیا میں چلتے رہے وہ اس دن خدا کے ہاں بطور معزز مہمانوں کے جمع ہوں گے۔ نورانی سواریوں پر عزت وشوکت کے ساتھ سوار ہو کر آئیں گے اور خداوند قدوس کے مہمان خانہ میں بعزت داخل کئے جائیں گے۔ **اللھم اجعلنا منھم**

حشر کے دن اہل ایمان کے اعزاز و اکرام جو حسب مراتب ہوں گے اس کی تفصیل حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلویؒ نے اس طرح لکھی ہے کہ ”میدان حشر میں مسلمانوں کی حالت حسب مراتب گوناگوں ہوگی ایک جماعت جو خالصاً لوجہ اللہ ایک دوسرے سے ملاقات ومحبت وجدائی وفراق کرتی تھی خداوند قدوس کے عرش کے دائیں طرف نور کے ممبروں پر ہوگی۔ اور بعض کو جو توکل سے آراستہ تھے اور مہمات دین ودنیا کو نہایت راستی سے انجام دیتے تھے چودھویں رات کے چاند کے مانند بنا کر بے حساب و کتاب جنت کے لئے جدا کر دیا جائے گا اور وہ لوگ بھی جو اعلائے کلمۂ توحید میں شب و روز کوشاں تھے بے حساب و کتاب جنت کے لئے علیحدہ کر دیئے جائیں گے اور ان لوگوں کو بھی جو راتوں میں نہایت ادب وحضور قلب سے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے سادات الناس کا خطاب دے کر بے حساب وکتاب جنت کے لئے جدا کر دیا جائے گا اس کے بعد وہ جماعت جو ظاہراً و باطناً ہمیشہ ذکر واطاعت الٰہی میں مصرف رہتی تھی اور سختی اور آسائش کی حالت میں یکساں حمد الٰہی کرتی تھی اشرف الناس کے خطاب سے ملقب کی جائے گی۔ باقی ماندہ مسلمان ومنافقین مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے مثلاً نمازی نمازیوں میں۔ روزہ دار روزہ داروں میں۔ حاجی حاجیوں میں۔ سخی سخیوں میں۔ مجاہد مجاہدین میں۔ منکسر المزاج اہل تواضع میں۔ محسنین وخوش اخلاق اپنے جنس میں۔ اہل ذکر وظیفہ گزار اہل خوف وترحم۔ عادل ومنصف۔ اہل شہادت۔ اہل وصدق ووفا۔ علمائے راسخین۔ زہاد وغیرہ وغیرہ گنہگار مسلمانوں میں حکام ظالم۔ خونی وقاتل زانی۔ دروغ گو۔ چور۔ رہزن۔ ماں باپ کو تکلیف دینے والے۔ سود خوار۔ رشوت خوار۔ حقوق العباد کے تلف کرنے والے۔ شراب خوار یتیموں اور بے کسوں کے مال کھانے والے زکوٰۃ نہ دینے والے۔ نماز نہ پڑھنے والے۔ امانت میں خیانت کرنے والے عہد کے توڑنے والے وغیرہ وغیرہ مختلف گروہوں میں منقسم ہو کر اپنی جنس میں جا ملیں گے۔ پھر ان گروہوں میں سے وہ لوگ جو مذکورہ صفات میں سے دو تین یا چار یا اس سے زیادہ صفات رکھتے ہوں گے جدا کر کے الگ گروہوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ مویشیوں کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کو میدان حشر میں پشت کے بل لٹا کر جانوروں کو حکم ہوگا کہ ان پر سے گزر کر کا پائمال کرو پس وہ بار بار گزر کر ان کو روندتے رہیں گے۔ سود خواروں کے پیٹوں کو پھلا کر ان میں سانپ اور بچھو بھر دیئے جائیں گے اور آسیب زدہ حالت میں ہوں گے۔ مصوروں یعنی تصویر بنانے والوں کو حکم دیا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں روح ڈالیں۔ جھوٹا خواب بیان کرنے والوں کو مجبور کیا جائے گا کہ دو جو کے دانوں میں گرہ لگائیں۔ چغلخوروں کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔ اسی طرح بعض فاسقین پر سرزنش و مواخذہ ہوگا۔ **اللھم لاتجعلنا منھم**۔ اہل ایمان کے برخلاف کفار ومشرکین۔ رسولوں کے دشمن خدا سے نہ ڈرنے والے گنہگار دھکے کھا کھا کر اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے پیاس کے مارے زبان نکالے ہوئے۔ جبراً وقہراً جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے اور جس طرح ڈھور ڈنگر پیاس کی حالت میں گھاٹ کی طرف جاتے ہیں۔

اسی طرح مجرموں کو دوزخ کے گھاٹ اتارا جائے گا۔ یہ بسبب شدت پیاس پانی طلب کریں گے اس پر ان کے لئے سراب یعنی چمکتا ہوا ریتا نمودار ہوگا وہ اس کو پانی سمجھ کر دوڑیں گے پہنچنے پر ان کو معلوم ہوگا کہ وہ تو آگ ہے جو بڑی لپٹوں سے ان کو اپنی طرف کھینچتی ہے اس وقت جہنم میں سے لمبی لمبی گردنیں نکلیں گی جو دانوں کی طرح چن چن کر ان کو جہنم میں ڈال دیں گی۔ اور پھر کوئی ان کی شفاعت کرنے والا ان کے حق میں ایک لفظ بھلا نکالنے والا نہ ہوگا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ سفارش کی اجازت فقط اللہ کے مقبول بندوں مثلاً انبیاء۔ ملائکہ۔ صالحین وغیرہ کو دی جائے گی وہی درجہ بدرجہ سفارش کریں گے۔ بدون اجازت کسی کو زبان ہلانے کی طاقت نہ ہوگی اور سفارش بھی ان ہی لوگوں کی کرسکیں گے جن کے حق میں سفارش کئے جانے کا وعدہ دے چکے ہیں۔ کافروں کے لئے شفاعت نہ ہوگی۔

یہ آیات بتا رہی ہیں کہ کتنا ہی بڑا کافر و مشرک ہو مقررہ مدت ختم ہونے سے پہلے کسی پر عذاب نہیں آتا۔ اس لئے نزول عذاب حق تعالیٰ کی حکمت و مشیت پر منحصر ہے۔ نیز ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیاطین کو قوت صرف اکسانے۔ ابھارنے اور برائیوں پر ترغیب دینے کی ہے کسی کو مجبور کر دینے کی نہیں۔ یہ ان کافروں کا بالکل اختیاری فعل ہے کہ اپنی قوت تمیز اور عقل سلیم سے کام نہ لے کر اپنے بدخواہ ازلی کے کہے میں آجاتے ہیں۔

اب آگے کفار و مشرکین کے باطل عقیدہ کا رد فرما کر اہل ایمان کو بشارت اور اہل طغیان کو وعید سنائی گئی ہے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ شیطان کے تسلط اور وساوس سے ہماری حفاظت فرماویں اور ایمان و اسلام پر ہم کو اپنی فرمانبرداری کے ساتھ زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرماویں۔

یا اللہ ہم کو بھی قیامت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ شامل فرمالیجئے جن کو معزز مہمان بنا کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اور مجرموں کے گروہ میں شامل ہونے سے بچالیجئے جنہیں جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔

یا اللہ قیامت کی رسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھئے اور اس دنیا میں ہم کو ان اعمال صالحہ کی توفیق نصیب فرمائیے کہ میدان حشر میں آپ کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ

اور یہ (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کر رکھی ہے۔ تم نے یہ ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اُس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں

الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ

اور زمین کے ٹکڑے اُڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے۔

وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ

جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام ہو کر حاضر ہوتے ہیں۔ اُس نے سب کو (اپنی قدرت میں) احاطہ کر رکھا ہے

عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور سب کو شمار کر رکھا ہے۔ اور قیامت کے روز سب کے سب اس کے پاس تنہا تنہا حاضر ہوں گے۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ

اللہ تعالیٰ اُن کیلئے محبت پیدا کر دے گا سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں اس لئے آسان کیا ہے کہ آپ اس سے متقیوں کو خوشخبری سنا دیں

بِهِ قَوْمًا لُدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ

اور اس سے جھگڑالو آدمیوں کو خوف دلا دیں۔ اور ہم نے ان کے قبل بہت سے گروہوں کو (عذاب وقہر سے) ہلاک کر دیا ہے، کیا آپ اُن میں سے کسی کو دیکھتے ہیں

تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

یا اُن کی کوئی آہستہ آواز سنتے ہیں۔

وَقَالُوا اور وہ کہتے ہیں	اتَّخَذَ بنالیا ہے	الرَّحْمٰنُ رحمٰن	وَلَدًا بیٹا	لَقَدْ جِئْتُمْ تحقیق تم لائے ہو	شَيْئًا ایک بات	إِدًّا بری	تَكَادُ قریب ہے
السَّمٰوٰتُ آسمان	يَتَفَطَّرْنَ پھٹ پڑیں	مِنْهُ اس سے	وَتَنْشَقُّ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے	الْأَرْضُ زمین	وَتَخِرُّ اور گر پڑیں	الْجِبَالُ پہاڑ	
هَدًّا پارہ پارہ	أَنْ دَعَوْا کہ انہوں نے پکارا	لِلرَّحْمٰنِ اللہ کیلئے	وَلَدًا بیٹا	وَمَا جبکہ نہیں	يَنْبَغِي شایان	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کیلئے	
أَنْ يَتَّخِذَ کہ وہ بنائے	وَلَدًا بیٹا	إِنْ كُلُّ نہیں تمام	مَنْ جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْأَرْضِ اور زمین	إِلَّا آتِي مگر آتا ہے	
الرَّحْمٰنِ رحمٰن	عَبْدًا بندہ	لَقَدْ أَحْصٰهُمْ اس نے ان کو گھیر لیا ہے	وَعَدَّهُمْ اور انکا شمار کر لیا ہے	عَدًّا گن کر	وَكُلُّهُمْ اور ان میں سے ہر ایک		
آتِيهِ آئیگا اسکے سامنے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	فَرْدًا اکیلا	إِنَّ بیشک	الَّذِينَ آمَنُوا جو لوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوا اور انہوں نے عمل کئے		
الصّٰلِحٰتِ نیک	سَيَجْعَلُ پیدا کر دے گا	لَهُمْ ان کے لئے	الرَّحْمٰنُ رحمٰن	وُدًّا محبت	فَإِنَّمَا پس اس کے سوا نہیں		
يَسَّرْنٰهُ ہم نے اسے آسان کر دیا ہے	بِلِسَانِكَ آپ کی زبان پر	لِتُبَشِّرَ بِهِ تاکہ آپ کے خوشخبری دیں	الْمُتَّقِينَ پرہیزگاروں				
وَتُنْذِرَ بِهِ اور ڈرائیں اس سے	قَوْمًا لُدًّا جھگڑالو لوگ	وَكَمْ اور کتنے ہی	أَهْلَكْنَا ہم نے ہلاک کر دیئے	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	مِنْ سے		
قَرْنٍ گروہ	هَلْ کیا	تُحِسُّ تم دیکھتے ہو	مِنْهُمْ ان سے	مِنْ أَحَدٍ کوئی۔ کسی کو	أَوْ تَسْمَعُ یا تم سنتے ہو	لَهُمْ انکی	رِكْزًا آہٹ

تفسیر وتشریح:- یہ سورۂ مریم کی آخری آیات ہیں۔ اس سورۃ کے شروع میں حضرت مریم کے تذکرہ میں اس بات کا ثبوت گزر چکا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے اپنے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا فرمایا۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کی بنا پر آپ کو نعوذ باللہ خدا کا بیٹا ٹھہرایا۔ علاوہ نصاریٰ کے یہود و مشرکین عرب نے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر رکھی تھی۔ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا اور مشرکین عرب کے بعض فرقوں نے ملائکہ کو نعوذ باللہ خدا کی بیٹیاں قرار دے رکھا تھا اس باطل عقیدہ کی رد میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ انسانوں میں ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے کفر وشرک کی ایک قسم یہ اختیار کی کہ انہوں نے نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کی۔ مثلاً نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کو اور بعض یہود نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور بعض مشرکین عرب نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا العیاذ باللہ۔ ان باطل عقائد کی تردید میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایسی بھاری بات منہ سے کہی گئی اور ایسا گستاخانہ کلمہ زبان سے نکالا گیا جسے سن کر اگر آسمان۔ زمین اور پہاڑ مارے ہول کے پھٹ پڑیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو کچھ بعید نہیں اس گستاخی پر اگر غضب الٰہی بھڑک اٹھے تو عالم تہ و بالا ہو جائے اور آسمان و زمین تک کے پرخچے اڑ جائیں یہ تو حق تعالیٰ کا محض حلم وعفو و کرم ہے کہ انسانوں کی ان بیہودگیوں کو دیکھ کر دنیا کو ایک دم تباہ نہیں کر دیتا جس خداوند قدوس کی توحید پر آسمان زمین۔ پہاڑ۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ اور ہر چیز شہادت دے رہی ہے انسان کی یہ جسارت کہ اس کے لئے اولاد کی احتیاج ثابت کرنے لگے۔ العیاذ باللہ۔ انسانوں نے خدا کی ذات پر یہ تہمت باندھی ہے۔ نہ اس کی جنس کا کوئی۔ نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد۔ نہ اس کا کوئی شریک وساتھی۔ نہ اس جیسا کوئی۔ اس کی عظمت وشان۔

بڑائی اور پاکی کے منافی ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔ سب خدا کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں اور بندے ہی بن کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔ تو جس کے سب محکوم ومحتاج ہوں اسے بیٹا بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے زمین وآسمان میں جو ہیں سب اس کے زیر فرمان اور غلام ہیں۔ وہ سب کا آقا۔ سب کا پالنے والا اور سب کا خبر گیر ہے۔ ایک ایک انسان اور مخلوق کی گنتی اور شمار اس کے پاس لکھی ہوئی ہے اور سب کو اس پروردگار عالم کے علم نے گھیر رکھا ہے۔ سب اس کی قدرت کے احاطہ میں ہیں لیکن فرد و بشر بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اور سب کو خدا کے سامنے ایک دن حاضر ہونا ہے۔ اس وقت تمام تعلقات۔ اور ساز وسامان علیحدہ کر لئے جائیں گے اور فرضی معبود اور بیٹے پوتے کچھ کام نہ دیں گے۔ انسان کے اپنے گھڑے ہوئے بے بنیاد عقیدوں اور غلط خیالات کا قلع قمع کرنے کے بعد آگے اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے صحیح عقیدہ رکھنے والوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جنہوں نے اللہ اور رسول اور قرآن کو مانا اور اس پر ایمان لائے اور ان کی باتوں پر یقین کیا اور اعمال صالحہ اختیار کرے تو اللہ عز وجل ان سے محبت کرے گا۔ فرشتوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا اور آپس میں ان کے درمیان شفقت ومحبت پیدا کر دے گا اور لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت ومحبت قائم کر دے گا۔ بخاری ومسلم کی صحیح حدیث ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو۔ خدا کا یہ امین فرشتہ بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر وہ آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتے ہیں اے فرشتو تم بھی اس سے محبت رکھو چنانچہ کل آسمان کے فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کی مقبولیت زمین پر اتاری جاتی ہے اور زمین والوں میں اس بندہ کو حسن قبول حاصل ہوتا ہے یعنی بے تعلق

لوگ جن کا کوئی خاص نفع نقصان اس کی ذات سے وابستہ نہ ہو اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ آیات مکی ہیں اور مکہ میں جن مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا گیا تھا تھوڑے ہی عرصہ بعد اس طرح پورا ہوا کہ دنیا حیرت زدہ ہوگی۔ حق تعالیٰ نے ان کی وہ محبت والفت اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کردی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ آج بھی تمام دنیا کے انسانوں میں اہل ایمان کو اہل عرب سے جو الفت و محبت ہے وہ ہر مومن مسلم جانتا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی اپنی زبان ہی میں اتار کر آسان کردیا ہے جو کھول کھول کر صاف زبان میں متقی پرہیزگار جو اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتے ہوں ان کو بشارت خوشخبری سناتا ہے اور منکرین۔ معاند اور جھگڑالو لوگوں کو بدعملیوں اور بدکرداریوں کے خراب نتائج سے خبردار کرتا ہے۔ آخری اور خاتمہ کی آیت میں ڈرایا جاتا ہے کہ کتنی ہی بدبخت قومیں اپنے جرائم کی پاداش میں ہلاک کی جاچکی ہیں جن کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا آج ان کے پاؤں کی آہٹ یا ان کی بھنک کی ذراسی بھنک بھی سنائی نہیں دیتی۔ اس طرح مخالفین ومنکرین کو یہ تنبیہ فرمائی جارہی ہے کہ جو لوگ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برسر مقابلہ ہو کر آیات اللہ کا انکار واستہزا کررہے ہیں وہ بے فکر نہ ہوں ممکن ہے ان کو بھی کوئی ایسا ہی تباہ کن عذاب آگھیرے کہا جو ان کو تہس نہس کرڈالے۔

اس سورۂ مریم میں مادہ رحمت کا ذکر متعدد بار لایا گیا ہے چنانچہ لفظ رحمٰن اس سورۃ میں سولہ جگہ آیا ہے۔ لفظ رحمت شروع سورۃ میں آیا ہے اور درمیان میں بھی اور چونکہ اس سورۃ میں کفار ومومنین کا حال زیادہ بیان کیا گیا ہے پس جہاں ذکر مومنین میں یہ لفظ آیا ہے تو اشارہ اس طرف ہے کہ ان پر بڑی رحمت ہوگی جیسا کہ لفظ رحمٰن کا مقتضا ہے اور جہان ذکر کفار میں یہ لفظ آیا ہے وہاں اشارہ اس طرف ہے کہ کفار ایسے بڑے رحمت والے کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے احسانات و انعامات سے بھی نہیں شرماتے۔

الحمدللہ سورۂ مریم کا بیان ختم ہوا جس میں ۶ رکوع تھے اب اس کے بعد اگلی سورۃ طٰہٰ کا بیان انشاءاللہ شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم کو بھی دونوں جہاں میں نوازیں دنیا میں بھی اپنی رحمت فرمائیں اور آخرت میں بھی رحمت کا معاملہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہم کو دنیا میں سچی اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرمائیں اور قرآن کریم کی بشارات کا اپنی رحمت سے ہم کو بھی مصداق بنادیں۔ امت مسلمہ میں آپس میں ایک دوسرے کے لئے محبت پیدا فرماویں۔ اور آپس میں شقاق ونفاق کی لعنتوں کو دور فرماویں۔ یا اللہ ہم کو اپنے جملہ عقائد قرآن کریم کی تلاوت وہدایات کے موافق رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ ہم بیشک قیامت میں سب آپ کے دربار میں حاضر ہوں گے۔ یا اللہ ہم کو ایمان اور اعمال صالح کے ساتھ حاضر ہونا نصیب فرمایئے تاکہ آپ کی خوشنودی اور رضا کے حاصل کرنے والے ہوں۔ یا اللہ ہم سے جو تقصیرات اور کوتاہیاں اب تک زندگی میں سرزد ہوچکی ہیں ان پر سچی توبہ ندامت کیساتھ نصیب فرمایئے تاکہ ہم کو قیامت میں شرمندگی سے واسطے نہ پڑے۔

یا اللہ اپنے ان مقبول بندوں کی ہم کو بھی محبت عطا فرما جن سے آپ اور آپ کے فرشتے محبت فرماتے ہیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانُ رُكُوْعَاتٍ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

طٰهٰ ۞۱ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۞۲ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۞۳

طٰہٰ (کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں) ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نہیں اُتارا کہ آپ تکلیف اُٹھائیں۔ بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کیلئے (اتارا ہے) جو اللہ سے ڈرتا ہو۔

طٰهٰ	طٰہٰ	مَآ اَنْزَلْنَا	ہم نے نازل نہیں کیا	عَلَيْكَ	تم پر	الْقُرْاٰنَ	قرآن	لِتَشْقٰٓى	تا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ	اِلَّا	مگر	تَذْكِرَةً	یاددہانی
لِّمَنْ	اس کیلئے جو	يَّخْشٰى	ڈرتا ہے										

تفسیر و تشریح:۔ الحمدللہ کہ سولہویں پارہ کے نصف پر سورۂ مریم ختم ہوگئی تھی اور اب سورۃ طٰہٰ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت صرف ابتدائی دو آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ طٰہٰ کا مقام و زمانہ نزول۔ وجہ تسمیہ۔ موضوع و مباحث تعداد آیات رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کی ابتدا لفظ طٰہٰ سے ہوئی ہے اس کو بطور علامت کے سورۃ کا نام دے دیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی بیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۵۵ لکھا ہے یعنی مکہ معظمہ میں ۵۴ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۳۵ سورتیں اس کے بعد مکہ ہی میں نازل ہوئیں اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ۲۴ سورتیں نازل ہوئیں۔ اس سورۂ طٰہٰ میں ۱۳۵ آیات ۸ رکوعات ۱۳۵۱ کلمات اور ۵۴۲۶ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کا زمانۂ نزول بھی سورۂ مریم کے زمانہ سے قریب ہی کا ہے ممکن ہے کہ یہ ہجرت حبشہ کے زمانہ میں یا اس کے بعد نازل ہوئی ہو مگر یہ امر یقینی ہے کہ یہ سورۂ طٰہٰ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہو چکی تھی کیونکہ مکہ میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ میں سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کا ذکر معتبر روایات میں موجود ہے یہاں موقع کی مناسبت سے مناسب معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کر دیا جائے ۔حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کی مشہور اور معتبر روایت یہ ہے کہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر گردن میں تلوار لٹکا کر گھر سے نکلے راستہ میں بنی زہرہ کے ایک آدمی نے پوچھا کہ عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دوں۔ اس آدمی نے کہا کہ اگر تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا تو بنی زہرہ اور بنی ہاشم سے کس طرح بچو گے؟ حضرت عمر نے اس پر اس شخص سے یہ کہا کہ میرا خیال ہے کہ تو بھی بے دین ہو چکا ہے اور جس دین پر تو تھا اسے چھوڑ چکا ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ میں تمہیں اس سے بھی عجیب بات بتاؤں۔ حضرت عمر نے پوچھا وہ کیا بات ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ تمہاری بہن اور بہنوئی بھی بے دین ہو گئے اور جس دین پر تم ہو اسے چھوڑ بیٹھے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر غصہ سے بھڑک گئے اور اپنی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی حضرت سعید بن زید کے پاس پہنچے۔ ان دونوں کے پاس مہاجرین میں سے حضرت خباب بیٹھے قرآن پڑھا رہے تھے اور اسی سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضرت خباب نے حضرت عمر کے آنے کی آہٹ سنی تو گھر کے اندر ایک جگہ چھپ گئے۔ حضرت عمر نے گھر میں داخل ہوتے ہی کچھ پڑھنے کی آواز سن لی تھی اس لئے پوچھا کہ ابھی جو آواز میں نے تم لوگوں کے پاس سنی کیا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ ہم بات کر رہے تھے۔ حضرت عمر نے کہا کہ شاید تم دونوں بے دین ہو چکے ہو۔ ان کے بہنوئی نے کہا کہ اے عمر تم ہی بتاؤ کہ اگر حق تمہارے دین کے علاوہ میں ہو تو کیا کیا جائے۔ حضرت عمر جھپٹے اور بہنوئی پر پل پڑے اور مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ بہن نے بچانا چاہا تو انہیں بھی مارا اور بہن کا

چہرہ بھی خون آلود ہوگیا۔ اللہ اللہ! یہ ان مبارک سابقین اولین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) ہستیوں کا خون تھا جس سے اسلام کا پودا سینچا گیا اور ایک آج اسلام کے دعویدار ہیں کہ جو اس لگے لگائے باغ کو اجاڑنے پر کمر بستہ ہیں اور اسلام کا لیبل لگا کر اس کی جڑیں کاٹنے کو تیار ہیں۔ اللہ اپنی قدرت سے ان بے دینوں۔ بدخواہوں کی جڑیں کاٹ دے جو دین اسلام میں طرح طرح کے نئے نئے فتنے آئے دن کھڑے کرتے رہتے ہیں آخر کار بہن اور بہنوئی دونوں نے کہا کہ ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں تم سے جو کچھ ہو سکے کرلو۔ یہ سن کر اور اپنی بہن کا خون بہتا دیکھ کر کچھ حضرت عمر پشیمان سے ہوگئے اور کہنے لگے کہ اچھا مجھے بھی وہ چیز دکھاؤ جو تم لوگ پڑھ رہے تھے۔ بہن نے پہلے قسم لی کہ اسے پھاڑ نہ دیں گے پھر کہا کہ جب تک تم غسل نہ کرلو اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور پھر وہ صحیفہ لے کر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں یہی سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ حضرت عمر لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ چنانچہ جب سورۂ طٰہٰ یہاں تک پڑھی انني انا الله لا اله الا انا فاعبدني واقم الصلوٰة لذكري (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کرو) حضرت عمر نے کہا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے چلو۔ یہ سن کر حضرت خباب بھی کوٹھری سے باہر نکل آئے اور کہا کہ اے عمر! بشارت حاصل کرو۔ مجھے پوری امید ہے کہ جمعرات کی رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا مانگی تھی وہ تمہارے حق میں قبول ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ عمر بن خطاب یا ابوالحکم بن ہشام یعنی (ابوجہل) ان دونوں میں سے کسی کو اسلام کا حامی بنادے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مکان میں تشریف فرما ہیں جو صفا پہاڑی کے دامن میں ہے۔ حضرت عمر وہاں سے چل کر دار ارقم میں پہنچے۔ دروازہ پر حضرت حمزہؓ اور حضرت طلحہؓ اور چند دیگر صحابہ حاضر تھے۔ حضرت عمر کی آمد سے لوگوں نے خطرہ محسوس کیا۔ حضرت حمزہؓ نے یہ دیکھ کر فرمایا ہاں یہ عمر ہی آرہے ہیں اگر اللہ پاک نے عمر کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے تو اسلام لے آئیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرلیں گے اور اس کے علاوہ اگر ان کا کوئی اور ارادہ ہے تو ہمارے لئے ان کا قتل کردینا کوئی بڑی بات نہیں۔ آسان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکان کے اندر تھے آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور حضرت عمر کے پاس پہنچ کر فرمایا کہ اے عمر کیا تم باز آنے والے نہیں جب تک اللہ تمہارے اوپر ذلت وعذاب نہ نازل کردے جیسا کہ ولید بن مغیرہ پر نازل کیا۔ اے میرے اللہ یہ عمر بن خطاب ہے۔ اے میرے اللہ عمر بن خطاب کے ذریعہ دین کو عزت دے یہ سنتے ہی حضرت عمر نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اسلام لے آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ کھلم کھلا تبلیغ کیجئے۔ خیر یہ تو اضطراراً درمیان میں حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ آگیا تھا۔ الغرض یہ سورہ طٰہٰ مکہ میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اس سورۃ کا آغاز قرآن پاک کے ذکر اور پھر توحید سے فرمایا جاتا ہے اور اس کے بعد یکایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیلاً بیان ہوتا ہے۔ جس سے یہ بتانا مقصود ہے (۱) کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو منصب نبوت کے لئے منتخب فرماتے ہیں تو اس کے لئے کوئی عام اعلان نہیں کیا جاتا۔ نبوت اسی طرح اچانک خاموشی کے ساتھ عطا کردی جاتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی تو اب اس پر اچنبھا کیوں ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکایک نبی بن کر تمہارے سامنے آگئے اور اس کا اعلان نہ آسمان سے ہوا نہ زمین پر فرشتوں نے اعلان کیا۔ تو ایسے اعلانات پہلے نبیوں کے تقرر پر کب ہوئے تھے کہ جو اہل مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایسے اعلان کی ضرورت خیال میں لاتے ہیں۔ (۲) جو دین آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں۔ ٹھیک وہی بات منصب نبوت پر مقرر کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سکھلائی تھی۔ (۳) آج جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی دنیوی ساز وسامان اور لاؤ لشکر کے تن تنہا قریش کے مقابلہ میں دعوت حق کا علم لے کر کھڑے ہوئے ہیں ٹھیک اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی فرعون جیسے جابر بادشاہ اور اس کی زبردست حکومت کے مقابلے میں کھڑے ہوئے تھے۔ (۴) جو اعتراضات اور شبہات اور الزامات اور

مکر وظلم کے جو طریقے کفار مکہ استعمال کر رہے ہیں پہلے بھی سب کچھ فرعون اور اس کے ہمنواؤں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں استعمال کیا تھا۔ (۵) فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں باوجود اپنے ساز وسامان کے ساری تدبیروں میں ناکام رہا اسی طرح مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ اپنی بے سروسامانی اور کفار مکہ کے ساز وسامان پر نہ جائیں آخر کار کامیاب اہل ایمان ہی ہوں گے اور کفار مکہ ناکام اور مغلوب ہو کر رہیں گے۔

پھر اس سورۃ میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ بھی بیان ہوا ہے۔ جس سے یہ بات سمجھانی مقصود ہے کہ جس روش پر منکرین قرآن جارہے ہیں یہ دراصل شیطان کی پیروی ہے۔ اتفاقاً شیطان کے بہکانے میں آجانا تو خیر ایک وقتی کمزوری ہے۔ جس کا علاج فوری توبہ اور رجوع الی اللہ ہے اور یہ روش انسانیت اور بشریت کی ہے۔ اور غلطی پر اصرار اور ہٹ دھرمی حق کے مقابلہ پر تکبر وغرور شیطنت ہے اور خدائی لعنت کی مستوجب ہے۔ پھر اخیر سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو تسلی دی گئی ہے کہ منکرین حق کے معاملہ میں جلدی اور بے صبری نہ کریں۔ سنت اللہ یہی ہے کہ کفر وانکار پر فوراً گرفت نہیں ہوتی۔ مہلت دی جاتی ہے۔ مہلت سے منکرین فائدہ نہ اٹھائیں گے تو ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو پہلے منکرین حق کا ہوا ہے۔ اہل ایمان کو صبر واستقلال کے سبق کے سلسلہ میں نماز کی تاکید کی گئی ہے تاکہ ان میں صبر وتحمل۔ قناعت اور رضائے الٰہی کی خاطر جدوجہد میں ثبات کی صفات پیدا اور پختہ ہوں۔ خلاصہ یہ کہ اس سورۃ شریفہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کریمہ بیان کر کے رسالت کو ثابت کیا ہے اور پھر انسانوں کو رسولوں کی مخالفت کا انجام دکھایا اور دنیا میں آخرت کے لئے ذخیرہ جمع کرنے کی ترغیب دی ہے جس کا تفصیلی بیان آئندہ درسوں میں ان شاء اللہ تعالیٰ ہوگا۔ اب آیات زیر تفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو۔

یہ سورۃ بھی بعض گذشتہ سورتوں کی طرح حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہے۔ حروف مقطعات کے متعلق گذشتہ سورتوں میں بتایا جاچکا ہے کہ ان کا حقیقی اور صحیح مطلب حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں یا پھر حق تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا حروف مقطعات اسرار الٰہیہ میں سے ہیں اور ان پر اسی طرح ایمان لانا چاہئے۔ چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے۔

”طٰہٰ۔ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے اتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔“

یعنی قرآن کریم اس لئے اتارا گیا ہے کہ جن کے دل نرم ہوں اور خدا سے ڈرتے ہوں وہ اس کے بیانات سے نصیحت حاصل کریں اور روحانی فیوض وبرکات سے محروم نہ رہیں۔ یہ غرض نہیں کہ قرآن نازل کر کے خواہ مخواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی محنت شاقہ اور تکلیف شدیدہ میں مبتلا کیا جائے۔ روایت میں ہے کہ ابتداء مکہ میں نزول قران کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں بہت زیادہ قرآن تلاوت فرماتے تھے۔ اور کبھی اس پاؤں اور کبھی اس پاؤں پر کھڑے ہو کر اس قدر طویل قیام فرماتے تھے کہ قدم مبارک ورم کر آتے تھے جس کو دیکھ کر کفار قریش کہتے تھے کہ ان پر قرآن کیا نازل ہوا زحمت میں پڑ گئے۔ اس کا جواب ان آیات میں دیا گیا کہ فی الحقیقت قرآن محنت وشقاوت نہیں بلکہ رحمت ونور ہے۔ جس کو جتنا آسان ہو اسی قدر نشاط کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ اس سے یہ غرض نہیں کہ قرآن نازل کر کے آپ کو کسی محنت شاقہ میں مبتلا کیا جائے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن مجید سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعب ومشقت اٹھانے کی دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ آپ کافروں کے رد وانکار پر غم وحزن بہت زیادہ کرتے تھے دوسرے یہ کہ شب میں آپ قرأت قرآن کے وقت بہت زائد طویل قیام فرماتے تھے تو آپ کو یہ تعلیم ہورہی ہے کہ آپ کا کام تو تبلیغ وتذکیر ہے جسے ماننا ہوگا مانے گا۔ نہ ماننا ہوگا نہ مانے گا آپ اتنے فکرمند نہ رہیں علی ہٰذا رات کی نماز میں بھی اس درجہ مشقت نہ اٹھائیں۔ جس قدر بآسانی تحمل ہوسکے بس اسی قدر پڑھیں۔ اب اس کے بعد مضمون توحید بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ۝۴ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۝۵ لَهٗ مَا

یہ اُس (ذات) کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔(اور) وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے۔اُسی کی ملک ہیں

فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ۝۶ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ

جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان میں ہیں اور جو چیزیں تحت الثریٰ میں ہیں۔اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ تو چپکے سے کہی ہوئی

یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ۝۷ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۝۸

بات کو اور اس سے بھی زیادہ خفی بات کو جانتا ہے۔اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں،اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔

تَنْزِیْلًا نازل کیا ہوا	مِمَّنْ سے۔جس	خَلَقَ بنایا	الْاَرْضَ زمین	وَالسَّمٰوٰتِ اور آسمان	الْعُلٰی اونچے	اَلرَّحْمٰنُ رحمٰن	عَلَی الْعَرْشِ عرش پر	
اسْتَوٰی قائم	لَهٗ مَا اس کیلئے	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِی الْاَرْضِ زمین میں	وَمَا اور جو	بَیْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان		
وَمَا اور جو	تَحْتَ نیچے	الثَّرٰی گیلی	وَاِنْ اور اگر	تَجْهَرْ تو پکار کر کہے	بِالْقَوْلِ بات	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	یَعْلَمُ جانتا ہے	السِّرَّ بھید
وَاَخْفٰی اور نہایت پوشیدہ	اَللّٰهُ اللہ	لَآ اِلٰهَ نہیں کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اسکے سوا	لَهٗ اسی کیلئے	الْاَسْمَآءُ سب نام	الْحُسْنٰی اچھے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں سورۃ کی ابتدا قرآن پاک کے ذکر سے فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ قرآن کریم اس لئے اتارا گیا ہے کہ جن کے دل نرم ہوں اور خدا سے ڈرتے ہوں وہ اس کے بیانات سے نصیحت حاصل کریں اور روحانی فیوض وبرکات سے اپنے قلوب منور کریں۔آگے اب ان آیات میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ قرآن پاک اس ذات عالی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔جس کی ایک صفت یہ ہے کہ جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ قرآن پاک میں کئی جگہ تصریح فرمائی گئی ہے کہ سات آسمان اوپر تلے پیدا فرمائے گئے ہیں۔ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی راہ ہے۔اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ بھی پانچ سو سال کا ہے تو جو آسمانوں جیسی بلند اور زبردست مخلوق کا خالق ہے اسی کی طرف سے یہ کلام نازل کیا گیا ہے۔یہ پہلی صفت حق تعالیٰ نے اپنی بیان فرمائی۔

دوسری صفت آگے بیان فرمائی الرحمٰن علی العرش استوٰی۔یعنی وہ بڑی رحمت والا عرش پر جلوہ فرما ہے۔تو چونکہ وہ رحمٰن ہے اس کی رحمت کا مقتضٰی یہ بھی ہوا کہ اس نے اپنے بندوں کی اصلاح آخرت اور تزکیہ نفس کے لئے قرآن نازل کیا۔عرش پر جلوہ فرما ہونا یا قائم ہونا حق تعالیٰ نے اپنی یہ صفت قرآن پاک میں حسب موقع ۷ جگہ ذکر فرمائی ہے۔

(۱) سورۂ اعراف میں۔(۲) سورۂ یونس میں (۳) سورۂ رعد میں (۴) یہاں آیت یعنی سورہ طٰہٰ میں۔(۵) سورۂ فرقان میں۔(۶) سورۂ سجدہ میں (۷) سورۂ حدید میں۔عرش جس کے معنی تخت شاہی کے ہیں اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم مخلوق ہے۔عرش کے متعلق نصوص سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس کے پائے ہیں اور خاص فرشتے اٹھانے والے ہیں اور آسمانوں کے اوپر قبہ کی طرح ہے۔مفسرین کے ایک گروہ نے لکھا ہے کہ عرش فلک اعلیٰ ہے اور کرسی فلک ثوابت یعنی ساتویں آسمان کے اوپر کرسی (یعنی آسمان ہشتم) اور کرسی کے اوپر عرش (یعنی آسمان نہم) اور یہ استدلال اس روایت سے کیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے منقول ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے جنگل بیابان میں کوئی انگوٹھی پڑی ہو اور یہی حال کرسی کا عرش کے مقابلہ میں ہے۔ الغرض عرش کی حقیقت بجز نام انسانوں کو کچھ نہیں معلوم۔ مفسرین کے اقوال یہی ہیں کہ عرش سے مراد تخت ہی ہے اور یہ ایک جسم مجسم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اسے اٹھائے رکھیں اور اس کی تعظیم اور طواف کے ذریعہ عبادت کو بجالائیں جس طرح سے کہ زمین میں اس نے ایک گھر بیت اللہ پیدا فرمایا اور بنی آدم کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں۔ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک تصنیف میں لکھا ہے کہ اگر تم یہ سوال کرو کہ قرآن مجید میں عرش کو عظیم۔ کریم اور مجید تین ناموں سے موسوم کرنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا یہ الفاظ مترادف ہیں یا نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ مترادف نہیں ہیں بلکہ عرش کو اگر اس کے احاطہ کی حیثیت سے دیکھو تو وہ "عظیم" ہے کیونکہ سب اجسام سے بڑا ہے اور اس حیثیت سے کہ اس کو ان سب پر فوقیت دی گئی ہے کہ جن کا وہ احاطہ کئے ہوئے ہے وہ "کریم" ہے اور اس حیثیت سے کہ کوئی اور جسم اس کا احاطہ کر سکے اس سے وہ بالا ہے اس بنا پر وہ "مجید" ہے اور کبھی عرش عزت غلبہ اور سلطنت سے بھی کنایہ ہوتا ہے۔ عربی زبان میں ایک محاورہ ہے ثل عرشہ جس کا اردو میں مفہوم ہے کہ عزت خاک میں مل گئی۔ لکھا ہے کہ کسی نے حضرت عمرؓ کو خواب میں دیکھا تو آپ سے پوچھا کہ خدا کا آپ سے کیا معاملہ رہا۔ تو آپ نے جواب دیا لولا ان تدارکنی اللہ برحمتہ لثل عرشی یعنی اگر خدا اپنی رحمت سے میری دستگیری نہ فرماتا تو بس میری عزت ختم تھی۔ تو یہاں لفظ عرش بمعنے عزت استعمال ہوا ہے۔ الغرض الرحمٰن علی العرش استوٰی کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ عرش حق تعالیٰ کی ایک مخلوق عظیم کریم اور مجید ہے جس پر حق تعالیٰ جلوہ فرما ہے۔ استوٰی علی العرش کی تحقیق اور اس کا قدرے تفصیلی بیان سورۂ اعراف آٹھویں پارہ میں ہو چکا ہے۔ جس کا خلاصہ مفسر قرآن شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے الفاظ میں یہی ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا مکان اور بلا جہت کے اور بلا حد اور بلا کیفیت کے عرش پر جلوہ فرما ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ عرش عظیم باری تعالیٰ کا جلوہ گاہ ہے عرش اس کا مستقر اور جائے قرار نہیں اس لئے کہ وہ نہ مکان کا محتاج ہے اور نہ کسی تخت و جہت کا محتاج ہے اور نہ عرش اس کو اٹھائے ہوئے ہے اور تھامے ہوئے ہے بلکہ اللہ کی قدرت عرش عظیم کو تھامے اور اٹھائے ہوئے ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور پیدا کردہ ایک جسم ہے جو محدود اور متناہی ہے اور یہ ناممکن اور محال ہے کہ کوئی شے خالق کو اٹھا سکے اور تھام سکے عرش اور مکان کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ جس شان سے تھا۔ عرش و مکان کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی شان سے ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کوئی جسم نہیں جو کسی دوسرے جسم پر مستقر اور متمکن ہو سکے۔ (معارف القرآن حضرت کاندھلویؒ)

الغرض حق تعالیٰ جو اس قرآن مجید کو نازل فرمانے والے ہیں یہاں اپنی ذات پاک کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ بڑی رحمت والا عرش جیسی عظیم مخلوق پر جلوہ فرما ہے۔ آگے تیسری صفت بیان فرمائی کہ وہی ایک خدا بلا شرکت غیرے آسمانوں سے زمین تک اور زمین سے تحت الثریٰ تک تمام کائنات کا مالک و خالق ہے۔ اسی کی تدبیر و انتظام سے کل سلسلے قائم ہیں۔ یہ صفات تو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت و سلطنت کی بیان فرمائیں۔ آگے چوتھی صفت میں علم الٰہی کی وسعت کا ذکر

ہے کہ جو بات زور سے پکار کر کہی جائے وہ اس ذات عالی سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے جس کو ہر کھلی چھپی بلکہ چھپی سے زیادہ چھپی ہوئی باتوں کی بھی خبر ہے۔ جو بات تنہائی میں آہستہ کہی جائے اور جو دل میں گزرے ابھی زبان تک نہ آئی ہو اور جو ابھی دل میں بھی نہیں گزری آئندہ گزرنے والی ہو حق تعالیٰ کا علم ان سب کو محیط ہے۔ تو جو صفات حق تعالیٰ کی یہاں بیان ہوئی ہیں یعنی اس کا خالق اور مالک الکل ہونا۔ رحمٰن قادر مطلق اور صاحب علم محیط ہونا۔ ان کا اقتضا یہ ہے کہ الوہیت بھی تنہا اسی کا خاصہ ہو۔ بجز اس کے کسی دوسرے کے آگے سر عبودیت نہ جھکایا جائے کیونکہ نہ صرف صفات مذکورۂ بالا بلکہ کل عمدہ صفات اور اچھے نام اسی کی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ کوئی دوسری ہستی اس شان و صفت کی موجود نہیں جو معبود بن سکے۔ تو مقصود یہ نکلا کہ جس قدرت اور کمال والے کی طرف سے یہ کلام نازل ہوا ہے مخلوق کو نہایت خوشی کے ساتھ اس کو اپنے سر آنکھوں پر رکھنا چاہئے۔ اور شہنشاہانہ احکام کی خلاف ورزی نہ کرنی چاہئے۔

خلاصہ ان ابتدائی آیات کا یہ ہوا کہ یہ قرآن پاک اللہ عز وجل نے نازل کیا کیونکہ آسمانوں و زمین کا وہی خالق ہے۔ اور فقط خالق ہی نہیں بلکہ سب کا مالک اور مربی بھی ہے اور فقط مربی ہی نہیں۔ بلکہ صاحب رحمت اور فیاض بھی ہے کل عالم کا مدبر بھی ہے اور اسی کو قانون بھیجنے کا حق ہے پس اس نے قرآن نازل کیا اور اس لئے نازل ہوا کہ اہل بصیرت اس سے فائدہ اندوز ہوں اور جن کے دلوں میں خدا ترسی ہے ان کو ہدایت ہو جائے۔ اب اگلی آیات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ اے آسمانوں اور زمینوں کے خالق۔ اے عرش کریم کے مالک یہ آپ کا نازل کیا ہوا کلام جو ہم تک پہنچا ہے اور جس کو آپ نے اپنی رحمت سے ہماری ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔

اے خداوند قدوس تو اپنے اس کلام پاک سے ہمارے قلوب بھی منور فرما دے۔ اس کے فیوض و برکات سے تو ہم کو بھی مالا مال فرما دے۔

اے اللہ آپ اپنے کرم و عنایت سے ہم کو توفیق نصیب فرما دیں کہ دنیا میں آپ کے اس کلام پاک سے ہم کو سچی محبت اور تعلق اور اس کا اتباع کامل نصیب ہو۔ اور آخرت میں آپ کے دربار میں جب پیشی ہو تو یہ کلام پاک ہمارا سفارشی ہو۔

اے اللہ تو اپنی رحمت سے ہمارے ملک میں قرآنی حکومت قائم فرما دے۔ اور جو اس کے لئے کوشاں ہیں ان کی کوششوں کو اپنی رحمت سے بار آور فرما دے اور ان کو کامیابی نصیب فرما دے اور مخالفین کو ناکام و خاسر فرما کر ان کے عزائم کو ملیامیٹ فرما دے۔

یا اللہ اپنی رحمت سے جیسے آپ نے یہ پاکستان بنا دیا ایسے ہی اپنی قدرت سے یہاں قرآنی اور اسلامی حکومت و قوانین کا نفاذ فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝٩ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ

اور کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام کے قصہ) کی خبر بھی پہنچی ہے۔ جبکہ اُنہوں نے ایک آگ دیکھی سو اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ تم ٹھیرے رہو میں نے آگ دیکھی ہے

اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝١٠

شاید اس میں سے تمہارے پاس کوئی شعلہ لاؤں یا (وہاں) آگ کے پاس راستہ کا پتہ مجھ کو مل جاوے۔

وَهَلْ اور کیا	اَتٰىكَ تمہارے پاس	حَدِيْثُ بات۔خبر	مُوْسٰى موسیٰ	اِذْ رَاٰ جب اس نے دیکھی	نَارًا آگ	فَقَالَ تو کہا
لِاَهْلِهِ اپنے گھر والوں کو	امْكُثُوْٓا تم ٹھہرو	اِنِّيْٓ بیشک میں نے	اٰنَسْتُ دیکھی ہے	نَارًا آگ	لَعَلِّيْٓ شاید میں	اٰتِيْكُمْ تمہارے پاس لاؤں
	مِنْهَا اس سے	بِقَبَسٍ چنگاری	اَوْ یا	اَجِدُ میں پاؤں	عَلَى النَّارِ آگ پر۔کے	هُدًى راستہ

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں قرآن پاک کے نازل کرنے کی غرض و غایت بیان کر کے ساتھ ہی قرآن نازل کرنے والی ذات عالی یعنی اللہ عزوجل کی چند صفات بیان فرمائی گئی تھیں۔ جن سے مقصود یہ بتلانا تھا کہ جب یہ کلام ایسے قادر مطلق۔ اور ایسی صفات اعلیٰ رکھنے والی ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تو مخلوق کو نہایت خوشی کے ساتھ اس کو سر آنکھوں پر رکھنا چاہئے اور اس کے انکار یا خلاف ورزی سے بچنا چاہئے۔ اس کے بعد ان آیات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو ایک قصہ کی شکل میں بیان فرمایا ہے جس میں بظاہر اس وقت کے حالات کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں۔ مگر جس وقت اور جس ماحول میں یہ قصہ سنایا گیا ہے اس سے اہل مکہ کو کئی باتیں جتلانی مقصود ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ سامعین سمجھ جائیں کہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اللہ تعالیٰ کا قرآن کی وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں۔ جس طرح پیشتر موسیٰ علیہ السلام کو وحی مل چکی ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملی۔

(۲) دوسرے یہ کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی وحی توحید و آخرت کی تعلیم پر مشتمل تھی آپ کی وحی میں بھی انہیں اصول پر زور دیا گیا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام اتنے بڑے کام پر مامور کر دیئے گئے تھے کہ جا کر فرعون جیسے جبار بادشاہ کو سرکشی سے باز آنے کی تلقین کریں اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی ساز و سامان اور لاؤ لشکر کے تن تنہا قریش کے مقابلہ میں دعوت حق کا علمبردار بنا کر کھڑا کر دیا۔

(۴) چوتھے جو اعتراضات۔ الزامات اور شبہات اور مکر و ظلم کے ہتھکنڈے کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں استعمال کر رہے ہیں۔ ان سے بڑھ چڑھ کر وہی سب ہتھیار فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں استعمال کئے تھے پھر دیکھو کہ کس طرح وہ اپنی ساری تدبیروں میں ناکام رہا اور اللہ کا بے سروسامان اور بے لاؤ لشکر والا نبی کس طرح غالب ہو کر رہا۔

موسیٰ علیہ السلام کے اس قصہ میں نہ صرف کفار مکہ کو اوپر کی باتیں جتلانا مقصود ہیں بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو بھی یہ تسلی اور تعلیم دینی مقصود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ حق میں جو صعوبت اور شدائد برداشت کیں آپ کو بھی برداشت کرنی پڑیں گی اور جس طرح آخر کار ان کو کامیابی اور غلبہ نصیب ہوا اور دشمن مغلوب اور ذلیل و خوار ہوا اسی طرح آپ بھی یقیناً غالب و

منصور ہوں گے اور آپ کے دشمن تباہ وذلیل کئے جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور آپ کے قصہ کے مختلف اجزا مختلف سورتوں میں حسب موقع بیان فرمائے گئے ہیں یہاں اس سورۃ میں مدین سے مصر کی طرف واپسی کا قصہ مذکور ہے۔ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوگیا تھا حسب وعدہ دس سال وہاں مقیم رہنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر جانے کا ارادہ کیا۔ سفر بہت لمبا۔ حاملہ بیوی ہمراہ تھیں۔ رات اندھیری تھی سردی کا موسم تھا بکریوں کا گلہ بھی ساتھ لے کر چلے تھے۔ اس حالت میں راستہ بھول گئے۔ اور لکھا ہے کہ بیوی صاحبہ کو دردزہ شروع ہوگیا۔ اندھیرے میں سخت پریشان تھے۔ سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی۔ ان مصائب کی تاریکیوں میں دفعتہً دور سے ایک آگ نظر آئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو دور سے ایک آگ سی نظر تھی وہ کوئی دنیوی آگ نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کا نور جلال تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری آگ سمجھ کر گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں شاید اس آگ کا ایک شعلہ لاسکوں یا وہاں پہنچ کر کوئی راستہ کا پتہ بتلانے والا مل جائے بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ آگ لینے کے لئے گئے اور وہاں عجیب نظارہ دیکھا۔

یہاں آیت میں فقال لاہلہ کے الفاظ آئے ہیں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس وقت آپ کی بیوی تھیں اور چونکہ اہل کا اطلاق ایک پر نہیں ہوتا اس لئے اہل تحقیق نے جواب دیا کہ صرف بی بی کو اہل کہنا بطور تہذیب ہے۔ جمع کا صیغہ واحد کے لئے بطور تہذیب وتکریم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اہل تاریخ کا قول ہے کہ بی بی خادمہ اور ایک بچہ موجود تھے اس لئے سب کو اہل کہا گیا ہے واللہ اعلم۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ پہنچے پھر وہاں کیا دیکھا اور کیا واقعات پیش آئے یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حضرت موسیٰؑ کا یہ قصہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بھی باعث تسکین وتعلیم بنادیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ظاہری پریشان کن حالات میں جو نعم البدل یعنی منصب نبوت عطا ہوا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسی طرح ہمارے ہر ظاہری وباطنی تکلیف وپریشانی کا نعم البدل ہم کو عطا فرماویں۔

اللہ جل شانہٗ دین حق کی نصرت فرماویں اور دنیا میں دشمنان دین کو مقہور ومغلوب وذلیل وخوار فرماویں۔ امت مسلمہ کو قرآن تھامنے اور اس کی برکت سے دین ودنیا کی صلاح وفلاح پانے والا بنادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿١١﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾

سو وہ جب اُس (آگ) کے پاس پہنچے تو (اُن کو منجانب اللہ) آواز دی گئی کہ اے موسیٰ۔ میں تمہارا رب ہوں پس تم اپنی جوتیاں اُتار ڈالو، (کیونکہ) تم ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں ہو

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿١٣﴾ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

اور میں نے تم کو منتخب فرمایا ہے سو (اس وقت) جو کچھ وحی کی جارہی ہے اُس کو سن لو (وہ یہ ہے کہ) میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی

لِذِكْرِيْ ﴿١٤﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ﴿١٥﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ

نماز پڑھا کرو۔ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اُس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ مل جاوے۔ سو تم کو قیامت سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پاوے

عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿١٦﴾

جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشوں پر چلتا ہے کہیں تم تباہ نہ ہو جاؤ۔

فَلَمَّا پس جب	اَتٰىهَا وہ وہاں آئے	نُوْدِيَ آواز آئی	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	اِنِّيْٓ بیشک میں	اَنَا میں	رَبُّكَ تمہارا رب	فَاخْلَعْ سو اُتار لو
نَعْلَيْكَ اپنی جوتیاں	اِنَّكَ بیشک تم	بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ میدانِ پاک	طُوًى طویٰ	وَاَنَا اور میں	اخْتَرْتُكَ تمہیں پسند کیا		
فَاسْتَمِعْ پس کان لگا کر سنو	لِمَا يُوْحٰى اسکی طرف جو وحی کی جائے	اِنَّنِيْٓ بیشک میں	اَنَا میں	اللّٰهُ الله	لَآ اِلٰهَ نہیں کوئی معبود	اِلَّآ اَنَا میرے سوا	
فَاعْبُدْنِيْ پس میری عبادت کرو	وَاَقِمِ اور قائم کرو	الصَّلٰوةَ نماز	لِذِكْرِيْ میری یاد کے لئے	اِنَّ بیشک	السَّاعَةَ قیامت	اٰتِيَةٌ آنیوالی	
اَكَادُ میں چاہتا ہوں	اُخْفِيْهَا میں اسے پوشیدہ رکھوں گا	لِتُجْزٰى تا کہ بدلہ دیا جائے	كُلُّ نَفْسٍ ہر شخص	بِمَا تَسْعٰى اس کا جو وہ کوشش کرے			
فَلَا يَصُدَّنَّكَ پس تجھے روک نہ دے	عَنْهَا اس سے	مَنْ جو	لَا يُؤْمِنُ ایمان نہیں رکھتا	بِهَا اس پر	وَاتَّبَعَ اور وہ پیچھے پڑا		
هَوٰىهُ اپنی خواہش	فَتَرْدٰى پھر تو ہلاک ہو جائے						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے مصر کی طرف واپسی کے سفر کا حال شروع ہوا تھا جس میں بتلایا گیا تھا کہ آپ کی بیوی صاحبہ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی آپ کے ہمراہ تھیں۔ سفر میں ایک جگہ راستہ بھول گئے۔ سردی کا زمانہ تھا۔ رات اندھیری تھی۔ اور اہلیہ محترمہ کو دردزہ بھی شروع ہوگیا۔ اندھیرے میں سخت پریشان تھے۔ سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی۔ اس حال میں دفعتہً تاریکی میں دور سے ایک آگ کی چمک نظر آئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ظاہری دنیوی آگ سمجھ کر اہلیہ سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھرو میں آگ لے آؤں۔ تاپنے کا بھی انتظام ہو جائے گا اور اگر وہاں کوئی رہبر مل گیا تو بھٹکی ہوئی راہ کا بھی پتہ مل جائے گا۔ یہاں تک کا گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے لئے اس پاک میدان میں پہنچے تو عجیب نظارہ دیکھا۔ دیکھتے ہیں کہ ایک درخت ہے جس میں زور شور سے آگ لگ رہی ہے اور آگ جس قدر زور سے بھڑکتی ہے درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی وشادابی بڑھتی ہے آگ کا اشتعال تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آگ سے قریب جانے کا قصد کیا کہ درخت کی کوئی

شاخ جل کر گرے تو اٹھالائیں لیکن جتنا وہ آگ سے نزدیک ہونا چاہتے آگ دور ہٹتی جاتی یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو کچھ خوف سا پیدا ہوا اور انہوں نے ارادہ کیا کہ واپس ہو جائیں جوں ہی وہ پلٹنے لگے آگ قریب آ گئی اور قریب ہوئے تو سنا کہ یہ آواز آ رہی ہے **یٰموسیٰ انی انا ربک فاخلع نعلیک**...... گویا وہ درخت بلا تشبیہ اس وقت غیبی ٹیلی فون کا کام دے رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یا موسیٰ سنا تو کئی بار لبیک کہا اور تفسیر روح المعانی میں بحوالہ مسند احمد یہ روایت لکھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جب ندا یا موسیٰ کے لفظ سے دی گئی تو انہوں نے لبیک کہہ کر جواب دیا اور عرض کیا کہ میں آواز سن رہا ہوں مگر آواز دینے والے کی جگہ معلوم نہیں آپ کہاں ہیں تو جواب آیا کہ میں تمہارے اوپر۔ سامنے پیچھے اور تمہارے ساتھ ہوں۔ پھر عرض کیا کہ میں یہ کلام خود آپ کا سن رہا ہوں۔ یا آپ کے بھیجے ہوئے کسی فرشتہ کا تو جواب آیا کہ میں خود ہی تم سے کلام کر رہا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو جان لیا اور یقین کر لیا کہ پکارنے والے اللہ عزوجل سبحانہ تعالیٰ ہیں کیونکہ یہ صفات مذکورہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور میں نہیں۔ نیز روایت کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام جمیع جہات سے اور تمام اجزائے بدن سے سنا گویا کہ تمام اعضائے بدن کان ہی کان تھے اس لئے بدیہی طور پر جان لیا کہ یہ شان اللہ تعالیٰ ہی کے کلام کی ہو سکتی ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں لکھا ہے کہ اس نداء کی کیفیت وصفت نہ کہیں منصوص ہے نہ قیاس سے ادراک کی جا سکتی ہے البتہ یہ امر یقینی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یقین کے ساتھ یہ امر معلوم ہو گیا کہ یہ نداء من جانب اللہ ہے۔

ندا یہ آئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو۔ تم اس وقت ایک پاک میدان میں جس کا نام طویٰ ہے کھڑے ہو۔ یہاں جو جوتے اتار دینے کی ہدایت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اس سے مقامات مقدسہ کا ادب ثابت ہوتا ہے۔ اور یا یہ جوتے اتار دینے کی ہدایت اس لئے ہو کہ مقام متبرک سے قدم بھی مس کرے کہ اس کی برکت زائد پہنچے حق تعالیٰ نے زمین کے خاص خاص حصوں کو اپنی حکمت سے خاص امتیاز اور شرف بخشا ہے جیسے بیت اللہ۔ مسجد نبوی۔ مسجد اقصیٰ۔ حرم محترم۔ اسی طرح وادیٔ طویٰ بھی جو کوہ طور کے دامن میں ہے انہی مقامات مقدسہ میں ہے۔ تو جوتا اتارنے کی مصلحت یہ بتائی گئی تا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قدم اس مبارک وادی کی زمین سے لگ کر اُس کی برکت حاصل کریں اور بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ حکم خشوع اور تواضع کی صورت بنانے کے لئے ہوا۔ الغرض ندا کے بعد ارشاد ہوا کہ میں نے تمہیں اپنا رسول بنانے کے لئے چن لیا ہے اس لئے جو کچھ تم سے کہا جائے اسے غور و توجہ سے سن لو۔ اسی واقعہ کے حسب حال کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

خدا کے فضل کا موسیٰؑ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

یہاں سب سے پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور جب میں ہی معبود ہوں تو تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کیلئے نماز پڑھا کرو۔ گویا خالص توحید اور ہر قسم کی عبادت کا حکم دیا گیا پھر یہ فرمایا گیا کہ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے اور میں اس کے آنے کا وقت سب سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں اور قیامت کا آنا اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کو اس کے نیک و بد کا بدلہ ملے۔ پھر فرمایا گیا کہ جب قیامت کا آنا ضروری ہے تو اس کی تیاری سے بے فکر نہ ہونا چاہئے کچھ لوگ قیامت کا یقین نہیں کرتے خبردار ان کی باتوں اور بہکاوے میں نہ آنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں قیامت کی طرف سے غافل کر دیں۔ اور قیامت سے غافل ہونا

بربادی کا باعث ہے۔ اگر ان لوگوں کا کہنا سنا جو قیامت کو نہیں مانتے تو تباہی و بربادی کا خوف ہے۔

یہاں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو توحید کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندوں پر سب سے اول واجب اور فرض اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید ہے۔ جس حقیقت کی ہر زمانے میں تمام انبیاء علیہم السلام تعلیم دینے پر مامور کئے گئے۔ اس کے بعد فاعبدنی میں عبادت کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ توحید کے بعد اللہ کی عبادت فرض ہے پھر تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے جس کا واقم الصلوٰة لذکری میں حکم دیا تو اگرچہ فاعبدنی میں نماز کا حکم بھی داخل ہے لیکن اس کو جداگانہ اس لئے بیان فرمایا کہ نماز تمام عبادات میں افضل اور اعلیٰ بھی ہے اور حدیث شریف کی تصریح کے مطابق دین کا عمود۔ ایمان کا نور ہے اور ترک نماز کافروں کی علامت ہے۔ اس کے بعد قیامت اور ایمان بالآخرة کا ذکر فرمایا اور سب سے آخر میں آخرت کی تیاری کا حکم دیا اور آخرت سے غفلت اور بے فکری کی ممانعت فرمائی اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتلا دیا گیا کہ آخرت سے غفلت اور ہوائے نفسانی اور لذات دنیاوی کا اتباع موجب ہلاکت ہے اور تمام اخلاق رذیلہ کی جڑ ہے۔

اب یہاں اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ آپ بے دینوں اور بے ایمانوں کے کہنے سننے سے قیامت و آخرت کے معاملہ میں غفلت برتنے لگیں اور وہ آپ کی ہلاکت کا سبب بن جائے تو ظاہر ہے کہ کسی نبی اور رسول سے جو معصوم ہوتے ہیں یہ غفلت نہیں ہو سکتی اس کے باوجود ایسا خطاب کرنا دراصل نبی کی امت اور عام مخلوق کو سنانا ہے کہ جب اللہ کے پیغمبروں کو بھی ایسی تاکید کی جاتی ہے تو اور تو کس شمار میں ہیں اور دوسروں کو آخرت کے لئے کتنا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور کتنا اس کے لئے مستعد ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی قیامت و آخرت کا صحیح فکر نصیب فرمائیں اور وہاں کی تیاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے حق تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان جو مزید کلام ہوا اس کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں بھی توحید کامل اور اپنی ذات پاک کی صحیح معرفت نصیب فرمائیں۔ اور شب و روز آخرت کے سنوارنے کی فکر عطا فرمائیں۔

یا اللہ ہمیں اپنے ذکر و فکر کے لئے نماز قائم کرنے اور اس عبادت اعلیٰ کے حقوق ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔

یا اللہ آخرت کی طرف سے غفلت سے ہمیں بچائیے اور اپنے مخلصین عابدین و ذاکرین بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمائیے اور انہی کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ

اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے

وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿١٩﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ

اور بھی کام (نکلتے) ہیں۔ارشاد ہوا کہ اس کو (زمین پر) ڈال دو اے موسیٰ۔ سو اُنہوں نے اس کو ڈال دیا یکا یک وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ارشاد ہوا

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ

کہ اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں، ہم ابھی اس کو اُس کی پہلی حالت پر کر دیں گے۔اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دے لو وہ بلا کسی عیب کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا

غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٢٤﴾

یہ دوسری نشانی ہوگی۔تاکہ ہم تم کو اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھلائیں۔تم فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت حد سے نکل گیا ہے۔

وَمَا اور کیا	تِلْكَ یہ	بِيَمِيْنِكَ تیرے داہنے ہاتھ میں	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	قَالَ اس نے کہا	هِيَ یہ	عَصَايَ میرا عصا	
اَتَوَكَّؤُا میں ٹیک لگاتا ہوں	عَلَيْهَا اس پر	وَاَهُشُّ اور میں پتے جھاڑتا ہوں	بِهَا اس سے	عَلٰى پر	غَنَمِيْ اپنی بکریاں	وَلِيَ اور میرے لئے	
فِيْهَا اس میں	مَاٰرِبُ ضرورتیں	اُخْرٰى اور بھی	قَالَ اس نے کہا	اَلْقِهَا اسے ڈال دے	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	فَاَلْقٰىهَا پس اس نے اسے ڈال دیا	
فَاِذَا هِيَ تو ناگاہ وہ	حَيَّةٌ سانپ	تَسْعٰى دوڑتا ہوا	قَالَ فرمایا	خُذْهَا اسے پکڑ لے	وَ اور	لَا تَخَفْ نہ ڈر	
سَنُعِيْدُهَا ہم جلد اسے لوٹا دیں گے	سِيْرَتَهَا اس کی حالت	الْاُوْلٰى پہلی	وَ اور	اضْمُمْ ملا	يَدَكَ اپنا ہاتھ	اِلٰى تک	جَنَاحِكَ اپنی بغل
تَخْرُجْ وہ نکلے گا	بَيْضَآءَ سفید	مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ بغیر کسی عیب	اٰيَةً نشانی	اُخْرٰى دوسری	لِنُرِيَكَ تاکہ ہم تجھے دکھائیں	مِنْ سے	
اٰيٰتِنَا اپنی نشانیاں	الْكُبْرٰى بڑی	اِذْهَبْ تو جا	اِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون	اِنَّهٗ بیشک وہ	طَغٰى سرکش ہوگیا	

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب رسالت کے لئے منتخب کرنا اور آپ کو توحید وآخرت کی تعلیم دینا مذکور ہوا تھا۔اب یہاں سے منصب رسالت کی تمہید شروع ہوتی ہے چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزات دیکر فرعون کی طرف بھیجے جانے والے تھے اس لئے اولاً معجزۂ عصا کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور حق تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ اب یہ تو حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ موسیٰؑ کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔سوال سے مقصود یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لاٹھی کا لاٹھی ہونا اچھی طرح متحضر ہو جائے اور پھر وہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ دیکھیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ میری لاٹھی ہے میں کبھی اس پر سہارا لگاتا ہوں اور کبھی اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں اور بھی میرے کام نکلتے ہیں مثلاً کندھے پر رکھ کر اسباب وغیرہ لٹکا لینا اور موذی جانوروں کو دفع کرنا وغیرہ وغیرہ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اگرچہ جواب میں صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ حضور یہ لاٹھی ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سوال کا جو لمبا جواب دیا وہ آپ کی اس وقت کی قلبی کیفیت کا نقشہ پیش کرتا ہے۔محبوب حقیقی کے ساتھ ہم کلامی کے شرف کو طول دے کر جذبہ شوق پورا کرنا تھا۔قاعدے کی بات ہے کہ جب آدمی کو کسی بہت بڑی شخصیت سے بات کرنے کا موقع مل جاتا ہے تو وہ اپنی بات کو

طول دینے کی کوشش کرتا ہے تا کہ اسے زیادہ سے زیادہ دیر تک ہمکلامی کا شرف حاصل رہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب پر حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس ارشاد عالی کی تعمیل کی اور لاٹھی کا زمین پر ڈالنا تھا کہ لاٹھی کی جگہ ایک اژدھا نظر آیا جو تیزی سے ادھر ادھر دوڑتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام ناگہاں یہ انقلاب دیکھ کر بمقتضائے بشریت خوف زدہ ہو گئے۔ لکھا ہے کہ وہ اتنا خوفناک اژدھا بن گیا تھا کہ اس سے پہلے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ اس کی یہ حالت تھی کہ ایک درخت سامنے آ گیا تو اسے ہضم کر گیا۔ ایک چٹان پتھر کی سامنے آ گئی تو اسے لقمہ بنا گیا۔ یہ حال دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام الٹے پاؤں بھاگنے لگے کہ فوراً حق تعالیٰ کی ندا آئی کہ موسیٰ اس کو پکڑ لو اور خوف نہ کھاؤ۔ ہم اس کو اس کی اصل حالت پر لوٹا دیں گے۔

لکھا ہے کہ ابتدا میں موسیٰ علیہ السلام کو اس کے پکڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی آخر کپڑا ہاتھ میں لپیٹ کر پکڑنے لگے تو فرشتہ نے کہا کہ موسیٰ کیا خدا اگر بچانا نہ چاہے تو یہ چیتھڑا تمہیں بچا سکتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا نہیں۔ لیکن میں کمزور مخلوق ہوں اور ضعف سے پیدا کیا گیا ہوں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ سے کپڑا ہٹا کر اژدھے پر ہاتھ ڈال دیا۔ ہاتھ ڈالنا تھا کہ وہی لاٹھی ہاتھ میں تھی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ڈر جانا طبعی تھا جو کسی طرح جلالت شان نبوت کے منافی نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو اس میں تو نہ ڈرنا کمال ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام آتش نمرودی سے نہیں ڈرے لیکن جو امر خالق کی طرف سے ہو اس میں ڈرنا ہی کمال ہے کہ وہ فی الحقیقت حق تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔ جیسے آندھی اور تیز طوفانی ہوا ہونے کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرا جانا احادیث میں آیا ہے سو چونکہ اس تبدل میں مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس سے ڈر گئے کہ یہ کوئی قہر الٰہی نہ ہو۔ تو ایک معجزہ تو "عصا" کا موسیٰ علیہ السلام کو یہ عطا ہوا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھ میں "عصا" رکھنا سنت انبیاء ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی سنت تھی۔ دوسرے معجزہ کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد باری ہوتا ہے کہ آپ ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل سے ملا کر نکالو گے تو نہایت روشن سفید چمکتا ہوا نکلے گا اور سفیدی کسی مرض وغیرہ کی نہ ہوگی کہ جو عیب ہو اور یہ عصا اور ید بیضا کے معجزے ان بڑی نشانیوں میں سے دو ہیں جن کا دکھلانا آپ کو منظور ہے۔ یہ ہماری جانب سے آپ کی نبوت ورسالت کے دو بڑے نشان ہیں۔ جس طرح ہم نے آپ کو نبوت ورسالت سے نوازا اسی طرح آپ کو یہ دو عظیم الشان معجزے بھی عطا کئے۔ اخیر میں ارشاد ہوا کہ اب جاؤ اور فرعون اور اس کی قوم کو راہ ہدایت دکھاؤ انہوں نے بہت سرکشی اور نافرمانی اختیار کر رکھی ہے اور اپنے غرور وتکبر اور انتہائے ظلم کے ساتھ انہوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے سو ان کو غلامی سے چھٹکارا دلاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا بچپن کا زمانہ فرعون ہی کے محل میں گزارا تھا اور جوانی تک ملک مصر میں اسی کی بادشاہت میں ٹھہرے رہے تھے ایک موقع پر ایک فرعونی بے ارادہ آپ کے ہاتھ سے مر گیا تھا جس پر فرعون نے آپ کی گرفتاری اور قتل کا حکم صادر کیا تھا اس وقت حضرت موسیٰ مصر سے باہر نکلے تھے۔ جانتے تھے کہ فرعون ایک سخت دل۔ بدخلق۔ اکھڑ مزاج اور ظالم انسان ہے۔ غرور اور تکبر اس کا اتنا بڑھا ہوا تھا کہ کہتا تھا کہ میں خدا کو جانتا ہی نہیں۔ اپنی رعایا سے کہتا تھا کہ نعوذ باللہ تمہارا خدا میں ہی ہوں۔ ملک ومال میں دولت ومتاع میں لاؤ لشکر اور کروفر میں کوئی اس وقت اس کے مقابل نہ تھا۔ اس لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ملا کہ فرعون کی طرف ہدایت کے لئے جاؤ تو آپ نے حق تعالیٰ سے دعا فرمائی اور کچھ درخواستیں حق تعالیٰ کے دربار عالی میں پیش کیں۔ جو اگلی آیات میں ظاہر فرمائی گئی ہیں جن کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝٢٥ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝٢٦ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝٢٧ يَفْقَهُوا

عرض کیا اے میرے رب میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے۔ اور میرا کام آسان فرما دیجئے۔ اور میری زبان پر سے بستگی ہٹا دیجئے۔ تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔

قَوْلِي ۝٢٨ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝٢٩ هَارُونَ أَخِي ۝٣٠ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝٣١ وَأَشْرِكْهُ فِي

اور میرے واسطے میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے۔ یعنی ہارونؑ کو کہ میرے بھائی ہیں۔ اُن کے ذریعہ سے میری قوت کو مستحکم کر دیجئے۔ اور اُن کو میرے کام میں

أَمْرِي ۝٣٢ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝٣٣ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝٣٤ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ۝٣٥

شریک کر دیجئے۔ تا کہ ہم دونوں آپ کی کثرت سے پاکی بیان کریں۔ اور آپ کا خوب کثرت سے ذکر کریں۔ بیشک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اشْرَحْ کشادہ کر دے	لِي میرے لئے	صَدْرِي میرا سینہ	وَيَسِّرْ لِي اور میرے لئے آسان کر دے		
أَمْرِي میرا کام	وَاحْلُلْ اور کھول دے	عُقْدَةً گرہ	مِّن سے	لِّسَانِي میری زبان	يَفْقَهُوا وہ سمجھ لیں	قَوْلِي میری بات	وَاجْعَل اور بنا دے
لِي میرے لئے	وَزِيرًا وزیر	مِّنْ سے	أَهْلِي میرا خاندان	هَارُونَ ہارونؑ	أَخِي میرا بھائی	اشْدُدْ بِهِ مضبوط کرو اس سے	
أَزْرِي میری قوت	وَأَشْرِكْهُ اور شریک کر دے اسے	فِي أَمْرِي میرے کام میں	كَيْ تا کہ	نُسَبِّحَكَ ہم تیری تسبیح کریں	كَثِيرًا کثرت سے		
	وَنَذْكُرَكَ اور تجھے یاد کریں	كَثِيرًا کثرت سے	إِنَّكَ بیشک تو	كُنتَ تو ہے	بِنَا بَصِيرًا ہمیں خوب دیکھتا ہے		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ منصب رسالت عطا کرنے کے بعد حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزات عطا فرمائے۔ ایک تو عصا کا کہ لاٹھی کو زمین پر ڈال دینے سے اژدھا بن جاتی تھی۔ اور پھر جب اس پر ہاتھ ڈالتے تو پھر لاٹھی ہو جاتی۔ دوسرا معجزہ ید بیضا یعنی جب آپ اپنا ہاتھ بغل میں لے جا کر نکالتے تو نہایت چمکدار روشن ہو کر نکلتا۔ تو یہ دو معجزات عطا کر کے حکم ہوا تھا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو تبلیغ توحید کرو کہ وہ اور اس کی قوم بہت ہی سرکش ہو گئے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ مجھ کو پیغمبر بنا کر فرعون کی فہمائش کے لئے بھیجا جاتا ہے تو اس وقت اس منصب عظیم کی مشکلات آپ کے ذہن میں آئیں اور آپ فرعون کی متکبرانہ حالت سے پہلے سے واقف تھے اس لئے اس منصب عظیم کی مشکلات کی آسانی کے لئے حق تعالیٰ سے درخواست کی۔ اس درخواست میں آپ نے کیا عرض کیا یہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی درخواست میں پہلی بات تو یہ فرمائی **رب اشرح لی صدری** کہ اے میرے رب میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے یعنی مجھے حلیم۔ بردبار اور حوصلہ مند بنا دیجئے کہ خلاف طبع باتوں پر جلد خفا نہ ہوں۔ اور تبلیغ میں انقباض یا تکذیب و مخالفت میں ضیق نہ ہو اور ادائے رسالت میں جو سختیاں پیش آئیں ان سے نہ گھبراؤں بلکہ کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے برداشت کروں۔ دوسری بات فرمائی **ویسرلی امری**۔ اور میرا کام آسان فرما دیجئے یعنی ایسے سامان فراہم کر دیجئے کہ یہ عظیم الشان کام آسان ہو جائے کہ اسباب کامیابی جمع اور اسباب ناکامی رفع ہوتے جائیں تیسری بات یہ فرمائی **واحلل عقدة من لسانی۔ یفقھوا قولی** اور میری زبان پر سے بستگی لکنت کی ہٹا دیجئے تا کہ لوگ

میری بات سمجھ سکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی جس کی وجہ سے صاف بول نہ سکتے تھے اور مخاطب کو مطلب سمجھنے میں دشواری ہوتی تھی بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ آپ کی زبان میں پیدائشی لکنت تھی۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ بچپن میں جب آپ فرعون کے محل میں پرورش پا رہے تھے جس کا ذکر قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے اور اس سورۃ میں بھی اگلی آیات میں جس کا بیان انشاء اللہ اگلے درس میں ہوگا آپ کا فرعون کے ہاں پالے جانے کا ذکر موجود ہے۔ تو ایک بار بچپن میں آپ نے فرعون کی ڈاڑھی پکڑ لی تھی جس پر فرعون سخت غصہ ہوا اور بدلہ لینا چاہا اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا تو فرعون کی بیوی نے سفارش کی کہ بچہ ہے اس کو کیا سمجھ ہے چنانچہ آپ کے امتحان کے واسطے ایک طشت میں سرخ یاقوت اور آگ کے انگارے سامنے لائے گئے اس وقت آپ نے ایک چنگاری اٹھا کر منہ میں رکھ لی تھی جس سے زبان جل گئی تھی اور زبان کی روانی کم ہوگئی تھی۔ اس طرح فرعون نے معاملہ کو درگزر کیا۔ یہاں اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کے بھی داڑھی تھی اور وہ بھی اتنی بڑی کہ جو پکڑی جاسکتی ہو۔ گویا پہلے کفار بھی داڑھی رکھتے تھے جس سے کہ اس دور کے اکثر مسلمانوں کو ضد ہے کہ صبح اٹھتے ہی داڑھی صاف کرنے کا اہتمام ہوتا ہے اس پر ایک روایت یاد آئی جو مولانا عاشق الٰہی صاحب مرحوم میرٹھی نے اپنی کتاب داڑھی کی قدر و قیمت میں لکھی ہے کہ میدان حشر میں جہاں سب اولین و آخرین جمع ہوں گے تو پچھلی امتوں کے کفار جو داڑھیاں رکھتے تھے وہ امت محمدیہ کے ایسے افراد کہ جن کے چہروں پر داڑھیاں ندارد ہوں گی دیکھ کر تعجب کریں گے کہ یہ امت محمدیہ کے افراد ہیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ للعالمین اور تمام انبیاء و مرسلین اور تمام صلحاو متقین کی اس سنت کی قدر کی توفیق عطا فرماویں۔ یہ مضمون بیچ میں اضطراراً آ گیا۔ تو تیسری بات جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی درخواست میں پیش کی وہ یہ تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دیجئے تاکہ لوگوں کو میری بات سمجھنے میں آسانی ہو۔ چوتھی بات موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمائی کہ میرے کنبہ میں سے میرا ایک معاون مقرر کر دیجئے۔ میرے بھائی ہارون کو بھی میرے اس تبلیغ کے کام میں شریک فرما دیجئے یعنی ان کو بھی نبی بنا کر مامور بالتبلیغ کیجئے کہ ہم دونوں مل کر تبلیغ کریں اور میرے قلب کو قوت پہنچے۔ حضرت ہارون علیہ السلام جو موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے اور بنی اسرائیلیوں کے ساتھ مصر ہی میں مقیم تھے ان کے لئے بھی نبوت عطا فرمانے کی درخواست موسیٰ علیہ السلام نے کی۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عمرہ کے لئے جاتے ہوئے کسی اعرابی کے ہاں مقیم تھیں سنا ایک شخص پوچھتا ہے کہ دنیا میں کس بھائی نے بھائی کو سب سے زیادہ نفع پہنچایا ہے؟ اس سوال پر سب خاموش ہو گئے اور کہہ دیا کہ ہمیں اس کا علم نہیں۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے اس کا علم ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے اپنے دل میں کہا دیکھو یہ شخص کتنی بے جا جسارت کرتا ہے کہ بغیر انشاء اللہ کے قسم کھا رہا ہے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اچھا بتلاؤ۔ اس نے جواب دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ اپنے بھائی کو اپنی دعا سے نبوت دلوائی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں بھی یہ سن کر دنگ رہ گئی اور دل میں کہنے لگی کہ بات تو سچ کہی فی الواقع اس سے زیادہ کوئی بھائی اپنے بھائی کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت

عطا ہونے کی درخواست کس بنا پر کی اس کو بھی ظاہر فرما دیا اور عرض کیا کہ ہم دونوں مل کر دعوت وتبلیغ کے موقع پر بہت زور شور سے تیری پاکی اور کمالات بیان کریں اور ہر ایک کو دوسرے کی معیت سے تقویت قلب حاصل ہوگی تو اپنی خلوتوں میں نشاط اور طمانیت کے ساتھ تیراذکر بکثرت کرسکیں گے۔ اپنی اس درخواست کے اخیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انک کنت بنا بصیرا بے شک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں یعنی ہمارے تمام احوال کو آپ خوب دیکھ رہے ہیں اور جو دعا میں کر رہا ہوں یہ بھی آپ کو خوب معلوم ہے کہ اس کا قبول فرمانا ہمارے لئے کہاں تک مفید ہوگا۔

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دعا واجعل لی وزیرا من اھلی مانگی یعنی میرا ایک وزیر میرے ہی خاندان میں سے بنادے تو یہ دعا اعمال رسالت کو انجام دینے کے لئے اسباب جمع کرنے سے متعلق ہے اور ان اسباب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے اور اہم اس کو قرار دیا کہ ان کا کوئی نائب اور وزیر ہو جو ان کی مدد کر سکے۔ وزیر کے معنی ہی لغت میں بوجھ اٹھانے والے کے ہیں۔ وزیر سلطنت چونکہ اپنے امیر و بادشاہ کا بار ذمہ داری سے اٹھاتا ہے اس لئے اس کو وزیر کہتے ہیں۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کمال عقل معلوم ہوا کہ کسی کام یا تحریک کے چلانے کے لئے سب سے پہلی چیز انسان کے اعوان و انصار ہیں۔ وہ منشاء کے مطابق مل جائیں تو آگے سب کام آسان ہو جاتے ہیں اور وہ غلط ہوں تو سارے اسباب و سامان بھی بیکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آج کل کی سلطنتوں اور حکومتوں میں جتنی خرابیاں مشاہدہ میں آئی ہیں غور کریں تو ان سب کا اصلی سبب امیر ریاست کے اعوان و انصار اور وزراء و امراء کی خرابی۔ بے عملی یا بدعملی یا عدم صلاحیت ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ جب کسی شخص کو کوئی حکومت یا امارت سپرد فرماتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ اچھے کام کرے۔ حکومت کو اچھی طرح چلائے تو اس کو نیک وزیر دے دیتے ہیں جو اس کی مدد کرتے ہیں۔ اگر یہ کسی ضروری کام کو بھول جائے تو وزیر یاد دلا دیتا ہے اور جس کام کا وہ ارادہ کرے وزیر اس میں اس کی مدد کرتا ہے (نسائی) اپنی اس دعا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو وزیر طلب فرمایا اس کے ساتھ ایک قید من اھلی کی بھی لگا دی کہ یہ وزیر میرے خاندان اور اقارب میں سے ہو کیونکہ اپنے خاندان کے آدمی کے عادات و اخلاق دیکھے بھالے اور طبائع میں باہم الفت و مناسبت ہوتی ہے جس سے اس کام میں مدد ملتی ہے بشرطیکہ اس کو کام کی صلاحیت میں دوسروں سے فائق دیکھ کر لیا گیا ہو۔ محض اقربا پروری کا داعیہ نہ ہو۔ اس زمانہ میں چونکہ عام طور پر دیانت و اخلاص مفقود اور اصل کام کی فکر غائب نظر آتی ہے اس لئے کسی امیر کے ساتھ اس کے خویش وعزیز وزیر یا نائب بنانے کو مذموم سمجھا جاتا ہے اور جہاں دیانت داری پر بھروسہ پورا ہو تو کسی صالح واصلح خویش وعزیز کو کوئی عہدہ سپرد کر دینا کوئی عیب نہیں۔ بلکہ مہمات امور کی تکمیل کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفائے راشدینؓ عموماً وہی حضرات ہوئے جو بیت نبوت کے ساتھ ساتھ رشتہ داریوں کے تعلقات بھی رکھتے تھے۔ (معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۷۸)

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست اور دعاؤں کا جو جواب حق تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا وہ اگلی آیات میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿٣٧﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى

ارشاد ہوا کہ تمہاری درخواست منظور کی گئی اے موسیٰ۔ اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی تم پر احسان کر چکے ہیں۔ جبکہ ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام سے بتائی

اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿٣٨﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ

جو الہام سے بتلانے کی تھی۔ یہ کہ موسیٰ کو ایک صندوق میں رکھو پھر اُن کو دریا میں ڈال دو پھر ان کو دریا کنارے تک لے آوے گا کہ ان کو ایک شخص پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن

يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ڬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ﴿٣٩﴾ اِذْ تَمْشِىْٓ

ہے اور ان کا بھی دشمن ہے اور میں نے تمہارے اُوپر اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈالدیا، اور تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ جبکہ تمہاری

اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ڛ

بہن چلتی ہوئی آئیں پھر کہنے لگیں کیا تم لوگوں کو ایسے شخص کا پتہ دوں جو اس کی پرورش کرے پھر ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پھر پہنچادیا تاکہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اُن کو غم نہ رہے،

قَالَ اللہ نے فرمایا	قَدْ اُوْتِيْتَ تحقیق تجھے دیدیا گیا	سُؤْلَكَ جو تو نے مانگا	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	وَلَقَدْ مَنَنَّا اور تحقیق ہم نے احسان کیا			
عَلَيْكَ تجھ پر	مَرَّةً ایک بار	اُخْرٰى اور بھی	اِذْ جب	اَوْحَيْنَا ہم نے الہام کیا	اِلٰى طرف	اُمِّكَ تیری والدہ	مَا يُوْحٰى جو الہام کرتا تھا
اَنِ اقْذِفِيْهِ کہ تو اسے ڈال	فِى التَّابُوْتِ صندوق میں	فَاقْذِفِيْهِ پھر اسے ڈالدے	فِى الْيَمِّ دریا میں	فَلْيُلْقِهِ پھر اُسے ڈالدے گا			
الْيَمُّ دریا	بِالسَّاحِلِ ساحل	يَاْخُذْهُ اسے لے لے گا	عَدُوٌّ لِّىْ میرا دشمن	وَعَدُوٌّ لَّهٗ اور اس کا دشمن	وَاَلْقَيْتُ اور میں نے ڈالدی		
عَلَيْكَ تجھ پر	مَحَبَّةً محبت	مِّنِّىْ اپنی طرف سے	وَلِتُصْنَعَ تاکہ تو پرورش پائے	عَلٰى عَيْنِىْ میری آنکھوں پر	اِذْ جب	تَمْشِىْٓ جارہی تھی	
اُخْتُكَ تیری بہن	فَتَقُوْلُ تو وہ کہہ رہی تھی	هَلْ اَدُلُّكُمْ کیا میں تمہیں بتاؤں	عَلٰى پر	مَنْ جو	يَّكْفُلُهٗ اس کی پرورش کرے		
فَرَجَعْنٰكَ پس ہم نے تجھے لوٹادیا	اِلٰى طرف	اُمِّكَ تیری ماں	كَىْ تَقَرَّ تاکہ ٹھنڈی ہو	عَيْنُهَا اس کی آنکھ	وَلَا تَحْزَنَ اور وہ غم نہ کرے		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست و دعاؤں کا ذکر تھا کہ جو منصب رسالت عطا ہونے اور فرعون کے پاس بغرض تبلیغ جانے کا حکم ملنے پر آپ نے دربار خداوندی میں پیش کی تھیں جس میں کئی باتیں عرض کی تھیں۔ ایک تو یہ کہ میرا حوصلہ اور زیادہ فراخ کردیا جائے دوسرے یہ کہ تبلیغ کا کام میرے لئے آسان کردیا جائے۔ تیسرے یہ کہ میری زبان کی گرہ کھول دی جائے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں چوتھے یہ کہ میرے بھائی ہارون کو بھی میرا تبلیغ میں شریک کار بنادیجئے یعنی ان کو بھی نبوت عطا کر کے مامور بالتبلیغ فرمادیا جائے۔ اب حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست کا جو جواب مرحمت فرمایا گیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اے موسیٰ جو کچھ تم نے درخواست کی وہ منظور کی گئی اور جو کچھ تم نے مانگا وہ سب دیا گیا اور ہم تو پہلے بھی بے مانگے تم پر بڑے احسانات کر چکے ہیں اب جب تم مناسب درخواست کر رہے ہو تو کیوں نہ دیں گے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایک کر کے وہ احسانات یاد دلاتے ہیں جو پیدائش کے وقت سے لے کر اس وقت تک حق تعالیٰ نے ان پر کئے تھے۔ ان واقعات کی تفصیل بیسویں پارہ سورۂ قصص میں

بیان ہوئی ہے یہاں صرف اشارات کئے گئے ہیں۔ جس زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے فرعون بادشاہ مصر نے نجومیوں کے کہنے سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تجھ کو اور تیری سلطنت کو غارت کرے گا حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی خبر پائیں گے تو بچہ کو مار ڈالیں گے اور والدین کو بھی ستائیں گے کہ ظاہر کیوں نہیں کیا۔ اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں آرام سے لٹا کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ اس دریا کی ایک شاخ خاص فرعون کے محل میں سے گزرتی تھی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اسی طرح کیا اور صندوق دریا میں ڈال دیا۔ صندوق بہہ کر فرعون کے محل کے نیچے جا پہنچا۔ وہاں وہ صندوق پکڑ کر کھولا گیا تو ایک حسین و جمیل بچہ موجود تھا۔ فرعون کے کوئی اولاد نہ تھی۔ فرعون کی بیوی نے بچہ اٹھا کر فرعون کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔ فرعون کو بھی دیکھ کر محبت آ گئی گو اس نے بیٹا بنانے سے انکار کیا مگر اپنی بیوی کی خاطر اور اصرار سے بیٹوں کی طرح پرورش کا حکم دے دیا اور اس طرح حق تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرت کا ظہور رہا کہ دشمن کے ہاتھوں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا انتظام فرمایا۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ صندوق دریا میں چھوڑنے کے بعد بمقتضائے بشریت بہت غمگین اور پریشان تھیں کہ بچہ کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا جانوروں نے کھا لیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو انہوں نے کہا کہ تو خفیہ طور پر پتہ لگا۔ ادھر مشیت ایزدی سے یہ سامان ہوا حضرت موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ بہت سی دودھ پلانے والی انائیں بلائی گئیں مگر کامیابی نہ ہوئی حضرت موسیٰ کی بہن جو تاک میں لگی ہوئی تھیں اور اجنبی بن کر وہاں پہنچیں اور بولیں کہ میں ایک عورت کو لا سکتی ہوں۔ امید ہے کہ وہ کسی طرح دودھ پلا کر بچہ کو پال سکے گی۔ حکم ہوا بلاؤ۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ یعنی اپنی ہی والدہ کو لے کر پہنچیں۔ چھاتی سے لگاتے ہی بچہ نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے محل میں بڑی خوشیاں منائی جانے لگیں کہ بچے نے ایک انا کا دودھ تو پیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ پرورش ہوتی رہی۔ ان آیات میں اجمال کے ساتھ انہیں واقعات کا اظہار کیا گیا ہے۔

یہ احسانات جو ان آیات میں یاد دلائے گئے وہ تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بوقت پیدائش اور بچپن میں فرمائے گئے اور پھر جوانی میں اور اس کے بعد کیا احسانات فرمائے یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمائے گئے ہیں جن کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! آپ اپنے بندوں کی درخواست اور دعائیں سننے والے ہیں۔ ہماری دعاؤں کو بھی شرف قبولیت بخشیں اور ہماری درخواستوں کو منظور فرمائیں۔ یا اللہ آپ اپنی قدرت سے دشمن سے دوست کا کام لے لیتے ہیں یا اللہ! اپنی رحمت سے ہمارے تمام دین دنیا کے کاموں کو درست و دراست فرما دیں اور جس میں ہماری صلاح و فلاح ہو وہ صورتیں غیب سے ظاہر فرما دیں وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ

اور تم نے ایک شخص کو جان سے مارڈالا پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے تم کو خوب خوب محنتوں میں ڈالا، پھر مدین والوں میں کئی برس رہے

ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ

پھر ایک خاص وقت پر تم آئے اے موسیٰ۔ اور میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا۔ تم اور تمہارے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ

وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾

اور میری یادگاری میں سستی مت کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت نکل چکا ہے۔ پھر اُس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جاوے۔

وَقَتَلْتَ اور وہ غم نہ کرے	نَفْسًا ایک شخص	فَنَجَّيْنٰكَ تو ہم نے تجھے نجات دی	مِنَ الْغَمِّ غم سے	وَفَتَنّٰكَ اور تجھے آزمایا	فُتُوْنًا کئی آزمائش			
فَلَبِثْتَ پھر تو ٹھہرا رہا	سِنِيْنَ کئی سال	فِيْٓ میں	اَهْلِ مَدْيَنَ مدین والے	ثُمَّ پھر	جِئْتَ تو آیا	عَلٰى قَدَرٍ وقت مقرر پر		
يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	وَاصْطَنَعْتُكَ اور میں نے تجھے بنایا	لِنَفْسِيْ خاص اپنے لئے	اِذْهَبْ تو جا	اَنْتَ تو	وَاَخُوْكَ اور تیرا بھائی			
بِاٰيٰتِيْ میری نشانیوں کے ساتھ	وَلَا تَنِيَا اور سستی نہ کرنا	فِيْ ذِكْرِيْ میری یاد میں	اِذْهَبَآ تم دونوں جاؤ	اِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون			
اِنَّهٗ بیشک وہ	طَغٰى سرکش ہوگیا	فَقُوْلَا تم کہو	لَهٗ اس کو	قَوْلًا لَّيِّنًا نرم بات	لَعَلَّهٗ شاید	يَتَذَكَّرُ نصیحت پکڑے	اَوْ یا	يَخْشٰى وہ ڈر جائے

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو احسانات حق تعالیٰ نے بچپن میں فرمائے تھے ان کا ذکر ہوا تھا اور حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کو قبول کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ ہم تو اس سے پہلے بھی تم پر احسان کر چکے ہیں جب تم کو شعور بھی نہ تھا۔ ہم نے تم کو فرعون کی گرفت سے بچانے کے لئے تمہاری والدہ کے دل میں یہ خیال پیدا کیا کہ تم کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا جائے۔ اور وہ صندوق بہتے بہتے فرعون کے محل کے کنارے آلگا اور فرعون جو میرا اور تمہارا دونوں کا دشمن تھا اس نے صندوق کو پکڑ لیا اور چونکہ ہم نے تم پر محبت کا اثر ڈال دیا تھا اس لئے جو تم کو دیکھتا تھا پیار کرتا تھا بالآخر تمہاری والدہ کو تمہارے پاس پہنچا دیا۔ تو یہ متعدد احسانات تھے جو بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرمائے گئے تھے۔

اب آگے ان آیات میں جوان ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر جو احسانات فرمائے گئے تھے وہ ذکر فرمائے گئے ہیں چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ بڑے ہونے کے بعد تم پر یہ احسان کیا کہ تم سے لاعلمی میں ایک فرعونی مصری جان سے مارا گیا تھا اور اس سے تم کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی کہ پکڑا گیا تو سزا ملے گی اور آخرت میں بھی ماخوذ ہوں گا۔ دونوں قسم کی پریشانی سے ہم نے تم کو نجات دی۔ اخروی پریشانی سے اس طرح کہ توبہ کی توفیق بخشی جو قبول ہوگئی اور دنیوی پکڑ سے اس طرح کہ مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا اور مدین پہنچنے تک تم کو جو مشقتیں اور سختیاں جھیلنا پڑیں پھر ان سے خلاصی دی۔ مدین پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے ہوگئی تھی۔ اور دس سال وہاں رہ کر پھر مدین سے مصر کی طرف چلے تو راستہ بھولے اور پھر تقدیر سے وادیٔ طویٰ میں پہنچے تو منصب نبوت عطا کیا گیا اور اپنی وحی و رسالت کے لئے تیار کر کے اپنے خواص و مقربین میں داخل کیا۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ

علیہ السلام کو ایک ایک کر کے وہ احسانات یاد دلائے جو پیدائش کے وقت سے لے کر اس وقت تک یعنی منصب نبوت ملنے تک ان پر فرمائے تھے۔ ان واقعات کی تفصیل سورۂ قصص میں بیان فرمائی گئی ہے یہاں صرف اشارات کئے گئے ہیں جن سے مقصود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس دلانا ہے کہ جس کام کے لئے تمہیں تیار کیا گیا تھا اب اس کا وقت آ گیا ہے چنانچہ آگے ارشاد ہے کہ تم اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے کر اس کام کے لئے نکل کھڑے ہو اور جو دلائل و معجزات تم کو دیئے گئے ہیں ضرورت کے وقت ان کو ظاہر کرو۔ آگے مزید ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ اللہ کے نام کی تبلیغ میں مستعدی دکھلاؤ اور تمام احوال و واقعات میں عموماً اور دعوت و تبلیغ کے وقت خصوصاً اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے اور سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔ اخیر میں یہ ہدایت دی گئی کہ دعوت و تبلیغ وعظ و نصیحت کے وقت اس کو آہستگی اور نرمی سے سمجھانا۔ متکبر اور مغرور لوگ سختی سے قابو میں نہیں آتے ہاں نرم گفتگو اور سلیقہ کے ساتھ سمجھانے سے ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچ سمجھے یا کچھ اللہ عزوجل کا خوف اس کے دل میں پیدا ہو۔

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ گفتگو نرمی سے کرنے کی جو ہدایت دی گئی اس کے متعلق بعض محققین نے لکھا ہے کہ آیت کے اندر اخلاق کا بہت بڑا سبق موجود ہے کہ باوجود اس کے کہ فرعون کے طغیان و تمرد کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس پر بھی حضرت موسیٰ جیسے مقبول و برگزیدہ نبی کو حکم اسی کا ملتا ہے کہ اس سے لطف و ملائمت ہی سے پیش آئیں۔

مفسرین نے یہاں ایک شبہ نقل کیا ہے اور پھر اس کا جواب بھی دیا ہے۔ شبہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم تھا کہ فرعون ایمان نہ لائے گا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کا کیوں حکم دیا اور کیوں نرم گفتگو کرنے کی ہدایت فرمائی اور یہ کہنا کہ تم دونوں جا کر اس سے نرم کلامی کرو شاید وہ نصیحت قبول کر لے اور ڈر کر فرمانبردار بن جائے کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو تو بیشک ہر شخص کی حالت کا علم پہلے سے ہوتا ہے مگر وعظ و نصیحت اور ارشاد و ہدایت کا حکم محض اتمام حجت اور دفع عذر کے لئے دیا جاتا ہے۔ انبیاء کو مبعوث فرمانا۔ کتابیں نازل کرنا اور تبلیغ کی ہدایت کرنا ان سب کا مقصد ادائے فرض ہوتا ہے۔ جن کے نصیب میں ازلی سعادت ہوتی ہے وہ راہ راست پر آ جاتے ہیں اور جو ازلاً محروم ہوتے ہیں ان کو کوئی ہدایت فائدہ نہیں پہنچاتی رہا لفظ لعل کا استعمال یعنی شاید وہ نصیحت قبول کر لے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں فرض تبلیغ ادا کرو اور یہ امید رکھتے ہوئے ادا کرو کہ فرعون شاید راہ راست پر آ جائے تو لعل یعنی شاید کا لفظ باعتبار حضرت موسیٰ و ہارون کے فرمایا نہ باعتبار علم الٰہی کے۔ اسی لئے کو حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فرعون ماننے والا نہیں ہے لیکن یہ موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اگر اس امر کو موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر کر دیا جاتا تو طبعی طور پر موسیٰ علیہ السلام کی ہمت پست ہو جاتی اور وہ ایسی طرح تبلیغ نہ کر سکتے جس طرح سے کوئی ہدایت کی توقع کی حالت میں کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کا صریح حکم مل چکا اور آپ کو فرعون کی ستم شعاری اور جباری معلوم تھی تو مزید اللہ تعالیٰ سے امداد کی درخواست و دعا کی جس پر حق تعالیٰ نے تسلی اور حفاظت اور نصرت کا وعدہ فرمایا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ آپ اپنے مخلصین و مقبولین کے ساتھ جو رحمت اور احسان کا معاملہ فرماتے ہیں اسی رحمت و احسان سے ہم کو بھی نواز دے۔ اور اپنی نصرت و تائید کو ہر حال میں ہر آن میں ہمارے شامل حال فرمادے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِىْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿٤٦﴾ فَاْتِيٰهُ

دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ زیادہ شرارت نہ کرنے لگے۔ ارشاد ہوا کہ تم اندیشہ نہ کرو میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سب سنتا دیکھتا ہوں۔

فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ

سو تم اُس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے فرستادے ہیں سو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے اور ان کو تکلیف مت پہنچا، ہم تیرے پاس تیرے رب کی

وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِىَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾

طرف سے نشان لائے ہیں، اور ایسے شخص کیلئے سلامتی ہے جو راہ پر چلے۔ ہمارے پاس یہ حکم پہنچا ہے کہ عذاب اُس شخص پر ہوگا جو جھٹلا دے اور رُوگردانی کرے۔

قَالَا دونوں بولے	رَبَّنَآ اے ہمارے رب	اِنَّنَا نَخَافُ بیشک ہم ڈرتے ہیں	اَنْ يَّفْرُطَ کہ وہ زیادتی کرے	عَلَيْنَآ ہم پر	اَوْ یا		
اَنْ يَّطْغٰى وہ حد سے بڑھے	قَالَ اس نے فرمایا	لَا تَخَافَآ تم ڈرو نہیں	اِنَّنِىْ بیشک میں	مَعَكُمَآ تمہارے ساتھ ہوں	اَسْمَعُ میں سنتا ہوں		
وَاَرٰى اور میں دیکھتا ہوں	فَاْتِيٰهُ پس جاؤ اسکے پاس	فَقُوْلَآ اور تم کہو	اِنَّا رَسُوْلَا بیشک ہم دونوں بھیجے ہوئے	رَبِّكَ تیرا رب	فَاَرْسِلْ پس بھیج دے		
مَعَنَا ہمارے ساتھ	بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل	وَلَا تُعَذِّبْهُمْ اور انہیں سزا نہ دے	قَدْ جِئْنٰكَ ہم تیرے پاس آئے ہیں	بِاٰيَةٍ نشانی کیساتھ			
مِّنْ سے	رَبِّكَ تیرا رب	وَالسَّلٰمُ اور سلام	عَلٰى پر	مَنِ جو	اتَّبَعَ اس نے پیروی کی	الْهُدٰى ہدایت	اِنَّا بیشک
قَدْ اُوْحِىَ وحی کی گئی	اِلَيْنَآ ہماری طرف	اَنَّ کہ	الْعَذَابَ عذاب	عَلٰى پر	مَنْ كَذَّبَ جس نے جھٹلایا	وَتَوَلّٰى اور منہ پھیرا	

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ اپنے بھائی کے ساتھ فرعون کے پاس تبلیغ اور دعوت حق کے لئے جاؤ اور اس سے گفتگو نرمی اور ملائمت سے کرو اور یہ خیال کر کے تبلیغ کرو کہ ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچ سمجھ کر نصیحت حاصل کرے یا اللہ کے جلال و غضب سے ڈر جائے اور فرمانبرداری کی طرف جھک پڑے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی حالت۔ اس کا ظلم و زیادتی اور ستم شعاری اور جباری معلوم تھی اس لئے اپنی بے سروسامانی اور اس کے دبدبہ و شوکت پر نظر کرتے ہوئے اندیشہ کیا کہ فرعون ہماری بات سننے کے لئے آمادہ بھی ہوگا یا نہیں۔ ممکن ہے کہ ہماری بات سننے سے پہلے ہی بھبک پڑے یا سننے کے بعد غصہ میں بھر جائے اور ایسا نہ ہو کہ ہم کو مار ڈالے یا کوئی ناقابل برداشت ایذا و تکلیف پہنچائے جس سے تبلیغ ہی رہ جائے یا یہ کہ عین تبلیغ کے وقت اپنے کفر میں وہ اور زیادہ شرارت نہ کرنے لگے۔ چنانچہ حق تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اور اپنے بھائی کی طرف سے اس اندیشہ کا اظہار کیا جس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے مرحمت ہوا کہ اس سے مطلق اندیشہ نہ کرو جو باتیں تمہارے اور اس کے درمیان ہوں گی یا جو معاملات پیش آئیں گے وہ سب میں سنتا اور دیکھتا ہوں۔ میں اس وقت تم سے جدا نہیں میری حمایت اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ گھبرانے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں تمہاری حفاظت کروں گا اور اس کو مرعوب کردوں گا جس سے پوری تبلیغ کرسکو گے اس لئے تم بے خوف و خطر اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے فرستادہ ہیں کہ ہم کو نبی بنا کر بھیجا ہے اس لئے تو ہماری اطاعت کر عقیدہ میں بھی کہ توحید کی تصدیق کر اور اخلاق وغیرہ میں بھی کہ ظلم وغیرہ سے باز آ اور بنی اسرائیل کو جن پر تو ناحق ظلم کرتا ہے اپنے پنجہ ظلم سے رہا کر کے ہمارے ساتھ جانے دے۔ جہاں چاہیں آزادی کے ساتھ رہیں اور فرعون سے یوں بھی کہنا کہ ہم جو دعویٰ نبوت کرتے ہیں تو بے دلیل نہیں بلکہ اپنی صداقت پر خدائی نشان لے کر آئے ہیں۔ یعنی معجزۂ عصا و ید بیضا اور اس کو بتلا دو کہ جو ہماری بات مان کر سیدھی راہ چلے گا اس کے لئے دونوں جہان میں سلامتی ہے اور جو تکذیب یا اعراض کرے گا اس کے لئے عذاب یقینی ہے خواہ صرف

آخرت میں یا دنیا میں بھی غرض یہ سارا مضمون اس سے جا کر کہو۔

اب آگے فرعون کے دربار تک حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے پہنچنے کے حالات یہاں بیان نہیں ہوئے جس کو مفسرین نے اس طرح لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام منصب نبوت سے سرفراز ہوکر۔ کلام ربانی سے فیضیاب بن کر اور دعوت و تبلیغ حق میں کامیابی و کامرانی کا مژدہ پا کر وادی مقدس سے واپس آئے تو تعمیل حکم الٰہی کے لئے مصر گھر والوں کو لے کر روانہ ہوگئے۔ منزلیں طے کرتے ہوئے جب مصر پہنچے تو رات کا وقت تھا خاموشی کے ساتھ مصر میں داخل ہوکر اپنے مکان پہنچے مگر اندر داخل نہ ہوئے اور والدہ کے سامنے ایک مسافر کی حیثیت میں ظاہر ہوئے۔ بنی اسرائیل میں یہ بڑا مہمان نواز گھر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوب خاطر مدارت کی گئی۔ اسی دوران میں آپ کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام آپہنچے حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت عطا ہو چکا تھا اس لئے ان کو بذریعۂ وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سارا قصہ بتا دیا گیا تھا وہ بھائی سے آکر لپٹ گئے اور پھر ان کے اہل وعیال کو گھر کے اندر لے گئے اور والدہ کو سارا حال سنایا۔ تب سب خاندان آپس میں گلے ملا اور بچھڑے ہوئے بھائیوں نے ایک دوسرے کی گذشتہ زندگی سے تعارف پیدا کیا اور اپنی والدہ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی۔ بہرحال حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان جب ملاقات اور گفتگو کا سلسلہ ختم ہوا تو اب دونوں نے طے کیا کہ خدائے تعالیٰ کے امتثال حکم کے لئے فرعون کے پاس چلنا اور اس کو پیغام الٰہی سنانا چاہئے۔ لکھا ہے کہ جب دونوں بھائی فرعون کے دربار میں جانے لگے تو والدہ نے غایت شفقت کی بنا پر روکنا چاہا کہ تم ایسے شخص کے پاس جانا چاہتے ہو جو صاحب تخت و تاج بھی ہے اور ظالم اور مغرور بھی۔ وہاں نہ جاؤ وہاں جانا بے سود ہوگا۔ مگر دونوں نے والدہ کو سمجھایا کہ خدا تعالیٰ کا حکم ٹالا نہیں جاسکتا اور اس کا وعدہ ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے اور وہ ہماری حفاظت فرمائے گا۔ غرض کہ دونوں بھائی اور خدا کے سچے پیغمبر اور نبی فرعون کے دربار میں پہنچے اور بغیر خوف و خطر اندر داخل ہوگئے جب فرعون کے تخت کے قریب پہنچے تو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی اور

انہوں نے فرمایا۔ ہم کو خدا نے اپنا پیغمبر اور رسول بنا کر تیرے پاس بھیجا ہے، ہم تجھ سے دو اہم باتیں چاہتے ہیں ایک یہ کہ خدا پر یقین لا اور کسی کو اس کا شریک و ساجھی نہ بنا دوسرے یہ کہ ظلم سے باز آ اور بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے نجات دے، ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں یقین رکھ کہ یہ بناوٹ اور تصنع نہیں ہے اور نہ ہم کو یہ جرأت ہوسکتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ذمہ غلط باتیں لگائیں۔ ہماری صداقت کے لئے خدا تعالیٰ نے ہم کو اپنی دو زبردست نشانیاں یعنی معجزات بھی عطا فرمائے ہیں لہٰذا تیرے لئے مناسب یہی ہے کہ صداقت اور حق کے اس پیغام کو قبول کر اور بنی اسرائیل کو چھٹکارا دے کر ہمارے ساتھ کردے تاکہ ہم پیغمبروں کی اس سرزمین میں انہیں لے جائیں جہاں بجز ذات واحد کے یہ کسی اور کی پرستش نہ کریں۔ فرعون نے جب یہ سنا تو جیسا کہ سورۂ شعراء ۱۹ ویں پارہ میں آیا ہے کہنے لگا کہ اے موسیٰ آج تو پیغمبر بن کر میرے سامنے بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کرتا ہے وہ دن بھول گیا جب تو نے میرے ہی گھر میں پرورش پائی اور بچپن کی زندگی گزاری اور کیا تو یہ بھی بھول گیا کہ تو نے ایک مصری کو قتل کیا اور یہاں سے بھاگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ صحیح ہے کہ میں نے تیرے گھر میں پرورش پائی اور ایک مدت تک شاہی محل میں رہا اور مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ غلطی کی بنا پر مجھ سے نادانستہ ایک شخص قتل ہوگیا اور میں اس خوف سے چلا گیا تھا لیکن یہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا کرشمہ ہے کہ اس نے تمام بیکسانہ مجبوریوں کی حالت میں تیرے ہی گھرانے میں میری پرورش کرائی اور پھر مجھ کو اپنی سب سے بڑی نعمت نبوت و رسالت سے سرفراز کیا۔ کیا یہ طریقہ عدل و انصاف کا طریقہ ہوگا کہ مجھ ایک اسرائیلی کی پرورش کا بدلہ یہ ٹھہرے کہ بنی اسرائیل کی تمام قوم کو تو غلام بنائے رکھے۔ فرعون جب اس خاموش کن دلیل پر لاجواب ہوا تو اس نے گفتگو کا پہلو بدل دیا اور کہنے لگا موسیٰ یہ نئی بات تو کیا سناتا ہے کیا میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو اس کی حقیقت بیان کرو۔ اس سورۃ میں اب اگلی آیات میں یہیں سے مضمون شروع ہوا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوسٰى ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ

وہ کہنے لگا تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ۔ موسیٰ نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی پھر رہنمائی فرمائی۔ فرعون نے کہا کہ اچھا

الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾

تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں ہے، میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

قَالَ اس نے کہا	فَمَنْ پس کون	رَبُّكُمَا تمہارا رب	يٰمُوسٰى اے موسیٰ	قَالَ اس نے کہا	رَبُّنَا ہمارا رب	الَّذِىْ جس نے	اَعْطٰى عطا کی
كُلَّ شَىْءٍ ہر چیز	خَلْقَهٗ اس کی شکل وصورت	ثُمَّ پھر	هَدٰى رہنمائی کی	قَالَ اس نے کہا	فَمَا پھر کیا	بَالُ حال	الْقُرُوْنِ جماعتیں
الْاُوْلٰى پہلی	قَالَ اس نے کہا	عِلْمُهَا اس کا علم	عِنْدَ پاس	رَبِّىْ میرا رب	فِىْ كِتٰبٍ کتاب میں	لَا يَضِلُّ وہ نہ غلطی کرتا ہے	رَبِّىْ میرا رب
	وَ اور	لَا يَنْسٰى نہ وہ بھولتا ہے					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پاس پہنچنے تک کا ذکر ہو چکا تھا فرعون کے پاس پہنچ کر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے جو دعوت حق پیش کی اس کا بیان بھی اوپر آ چکا۔ نیز فرعون نے اپنی مغرورانہ سرشت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیغمبر خدا ہونے کا استخفاف کیا اور مذاق وتحقیر کرتے ہوئے اپنے گھرانے کے احسانات جتائے اور مصری کے قتل والا معاملہ یاد دلا کر خوفزدہ کرنے کی سعی کی مگر موسیٰ علیہ السلام چونکہ ان سب مراحل کے متعلق خدائے برحق سے ہر قسم کا اطمینان حاصل کر چکے تھے اس لئے آپ پر مطلق نہ خوف کا اثر ہوا اور نہ آپ کو غصہ آیا اور نہایت جرأت سے فرعون کی ربوبیت کا انکار اور اللہ کی ربوبیت کا اعلان کیا۔ اس پر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناظرہ کے لئے تیار ہو گیا اور کہنے لگا کہ کیا میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے جس کو تم رب العالمین کہتے ہو؟ اگر یہ صحیح ہے تو تمہارا رب کون ہے؟ اور کیسا ہے جس کا بھیجا ہوا تم اپنے کو بتلاتے ہو۔ لکھا ہے کہ فرون دھری عقیدہ کا تھا۔ منکر خدا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ یہ کارخانۂ عالم خود رو کارخانہ ہے۔ قدیم سے اسی طرح چل رہا ہے اور اس طرح چلتا رہے گا لوگ خود بخود پیدا ہوئے ہیں اور پھر مر کر گل سڑ جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ سارے عالم کو وہ خود رو گھاس کی طرح جانتا تھا اور اس کا گمان یہ تھا کہ جو شخص جس خطۂ زمین کا فرمانروا ہو گیا وہی اس کا رب ہے اس لئے از راہ تکبر اپنی خدائی اور ربوبیت کا مدعی تھا۔ اسی لئے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ میں اپنے سوا اور کوئی رب نہیں جانتا۔ پھر وہ کون رب ہے جس کا تم اپنے کو پیغامبر اور رسول بتاتے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کا بے نظیر اور جامع جواب ایک مختصر جملے میں دیا اور فرمایا **ربنا الذی اعطٰی کل شئی خلقه ثم هدٰی**۔ یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کے مناسب وجود عطا کیا اور اس کو اس کی خاص صورت اور خاص شکل دی جو اس کے لائق اور مناسب تھی اور پھر وجود عطا کرنے کے بعد ہر شے کو اس کے اسباب بقا کی طرف رہنمائی کی تو غور کیجئے کہ ہر چیز پیدا ہوتے ہی اپنی بقاء کا ذریعہ ڈھونڈنے لگتی ہے۔ مرغی کا بچہ زمین پر چونچ مارتا ہے۔ انسان کا بچہ ماں کے پستان کو ڈھونڈنے لگتا ہے پیدا ہوتے ہی کھانے پینے کا ہوش آ جاتا ہے۔ یہ ہوش کہاں سے آیا اور کس نے سکھایا اور جانوروں کا تو یہ حال ہے کہ ہر جانور کو ابتدائے پیدائش ہی سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ

جنگل کی کونسی گھاس پات اور کس درخت کے پتے میرے لئے مفید ہیں اور کون سے مضر اور نقصان دہ ہیں مفید کو کھاتا ہے اور مضر سے بچتا ہے۔ اسی طرح مچھلی کو تیرنا۔ چڑیا کو اُڑنا۔ درخت کو پھل پھول دینا اور زمین کو نباتات اگانے کی ہدایت اسی خالق نے بخشی۔ غرض کہ اس مختصر سے جملہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ خدا وہ ہے کہ جو ہر چیز کو اس کا خاص وجود عطا کرنے کے بعد اس کو اپنے نفع نقصان کا القا اور الہام کرے۔ تو یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف یہی نہیں بتایا کہ ان کا رب کون ہے بلکہ یہ بھی بتادیا کہ وہ کیوں رب ہے اور اس کے سوا کسی اور کو رب نہیں مانا جاسکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب فرعون سن کر ایسا حیران ششدر اور مبہوت رہ گیا کہ اس کی تردید میں کچھ بول ہی نہ سکا۔ ایسا بلیغ کلام اس نے کبھی نہیں سنا تھا اس لئے طرز سخن بدل کر دوسرا سوال کیا کہ اچھا بتاؤ گذشتہ اقوام کا کیا حال ہوگا؟ یعنی جب تمہارے قول کے مطابق الوہیت اور ربوبیت کا مرکز ایک ہی غیبی ہستی ہے اور نجات وسعادت کے لئے تم توحید کو ضروری بتلاتے ہو تو ہمارے باپ دادا اور گذشتہ قومیں جو صدہا برس سے نسل در نسل تمہارے ان دلائل سے غافل اور بے خبر تھے اور حشر ونشر و جزاوسزا کے منکر تھے تو کیا وہ سب کے سب بیوقوف وجاہل تھے؟ کیا کل کے کل گمراہ و بے دین تھے؟ اس سوال سے فرعون کا مطلب ایک یہ بھی تھا کہ کروڑوں افراد واشخاص جواب تک گزر چکے ہیں ان کے عقائد و اعمال کا احاطہ کیونکر ممکن ہے۔ سزاوجزا۔ عذاب وثواب تو اسی وقت ممکن ہے جب عقائد واعمال کا علم اور احاطہ ممکن ہو۔ کروڑوں انسانوں کے لامحدود حرکات وسکنات اور اقوال و اعمال کا احاطہ ناممکن ہے پھر کس طرح ان کو سزا و جزا دی جاسکتی ہے اور کیونکر تم تکذیب کرنے والے کو مستحق عذاب اور ہدایت قبول کرنے والے کو مستوجب سلامتی ونجات کہتے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا نہایت حکیمانہ جواب دیا اور فرمایا گذشتہ اقوام کا علم میرے رب ہی کو ہے۔ اس نے اپنے دفتر میں سب کچھ مندرج کررکھا ہے ان کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک بات کا پورا ریکارڈ اللہ کے پاس محفوظ ہے اس کے علم میں غلطی اور نسیان ناممکن ہے۔ نہ خدا کی نگاہ سے کوئی چیز بچی رہ گئی ہے اور نہ اس کے حافظہ اور علم سے کوئی شے محو ہوئی ہے۔ ان سب کے اعمال نامے اللہ کے پاس موجود ہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزاوسزا دے گا اور اس میں کوئی غلطی ممکن نہیں کیونکہ غلطی کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو معاذ اللہ اللہ کو ان کا صحیح علم نہ ہو یا خدا بھول جائے تو یہ دونوں صورتیں محال ہیں۔ میرا رب بھول چوک اور غلطی سے پاک ومنزہ ہے تو جب یہ دونوں چیزیں ذات الٰہی میں ممکن نہیں اور اس کا علم سب کو محیط ہے تو پھر سزاوجزا کچھ دشوار نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جوابات کا خلاصہ یہ نکلا کہ اللہ کی خلاقی۔ ربوبیت اور عالم کل ہونے کو ثابت فرما کر اس کی الوہیت ویکتائی پر استدلال فرمایا اور عالم آخرت میں جزاوسزا کے عقیدہ کی صداقت کا اظہار فرمایا۔ یہاں تک موسیٰ علیہ السلام کی تقریر ہوچکی آگے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی شان ربوبیت کی کچھ تفصیل خود بیان فرماتے ہیں جس کا ذکر اجمالاً موسیٰ علیہ السلام کے ان جوابات میں تھا جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو اپنے ان بندوں میں شامل فرمایا کہ جو اس کی ربوبیت والوہیت کے مقر ہیں۔ اے اللہ ہم کو اس توحید پر قائم رکھ اور اسی پر موت نصیب فرما۔

یا اللہ ہمارے عقیدۂ عالم آخرت کو ایسا مضبوط بنادے کہ ہم ہر حال میں آخرت کی جزاوسزا کو پیش نظر رکھیں اور ہر طرح کی نافرمانی سے رک جائیں۔ اور آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگ جائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا

وہ ایسا ہے جس نے تم لوگوں کیلئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے واسطے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے

بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۵۴﴾

اقسام مختلفہ کے نباتات پیدا۔خود (بھی) کھاؤ اور اپنے مواشی کو (بھی) چراؤ۔ان سب چیزوں میں اہل عقل کے واسطے (قدرت الٰہیہ کی) نشانیاں ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا

ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تم کو لے جائیں گے اور پھر دوبارہ اسی سے ہم تم کو نکالیں گے۔اور ہم نے اس (فرعون) کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھلائیں

كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾

سو وہ جھٹلایا ہی کیا اور انکار ہی کرتا رہا۔

الَّذِیْ وہ جس نے	جَعَلَ بنایا	لَكُمْ تمہارے	الْاَرْضَ زمین	مَهْدًا بچھونا	وَّسَلَكَ اور چلائیں	لَكُمْ تمہارے لئے	فِیْهَا اس میں
سُبُلًا راہیں	وَّاَنْزَلَ اور اتارا	مِنَ سے	السَّمَآءِ آسمان	مَآءً پانی	فَاَخْرَجْنَا پھر ہم نے نکالے	بِهٖ اس سے	اَزْوَاجًا جوڑے
مِنْ سے	نَّبَاتٍ سبزی	شَتّٰى مختلف	كُلُوْا تم کھاؤ	وَارْعَوْا اور چراؤ	اَنْعَامَكُمْ اپنے مویشی	اِنَّ بیشک	فِیْ ذٰلِكَ اس میں
لَاٰیٰتٍ نشانیاں	لِّاُولِی النُّهٰى عقل والوں کیلئے	مِنْهَا اس سے	خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تمہیں پیدا کیا	وَفِیْهَا اور اس میں			
نُعِیْدُكُمْ ہم لوٹا دیں گے تمہیں	وَمِنْهَا اور اس سے	نُخْرِجُكُمْ ہم نکالیں گے تمہیں	تَارَةً اُخْرٰى دوسری بار	وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اور ہم نے اسے دکھائیں			
	اٰیٰتِنَا اپنی نشانیاں	كُلَّهَا تمام	فَكَذَّبَ تو اس نے جھٹلایا	وَاَبٰى اور انکار کیا			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ جواب نقل فرمائے گئے تھے جو آپ نے فرعون کے دو سوالات کے جواب میں دیئے تھے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شرارت سے یا جہالت سے ایک سوال یہ کیا تھا کہ تم دونوں کا رب کون ہے جس کا تم اپنے آپ کو پیغمبر بتلاتے ہو اور دوسرا سوال یہ کیا تھا کہ جو نسلیں اور قومیں گذشتہ میں گزر چکیں اور جو توحید کو نہیں مانتی تھیں تو ان کا اس نہ ماننے کی بنا پر کیا حال ہوا؟ ان دونوں سوالات کے جو حکیمانہ جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دیئے تھے وہ گذشتہ آیات میں بیان ہوئے تھے۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مکالمہ کو روک کر حق تعالیٰ اپنی شان الوہیت و ربوبیت کی کچھ تفصیل خود بیان فرماتے ہیں جن کا ذکر اجمالاً موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں آیا تھا۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کے بعد یہ آیات بطور شرح و تذکیر ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ اور ان آیات کے بعد پھر وہی مناظرانہ مکالمہ مابین فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اور اس طرح کی مثالیں قرآن پاک میں متعدد جگہ موجود ہیں۔ الغرض گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کر کے اب حق تعالیٰ بطور جملہ معترضہ کے براہ راست نوع انسانی سے خطاب فرماتے ہیں کہ تمہارا رب وہ ہے کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو مثل فرش کے بنایا کہ تم اس پر آرام کر سکو اور مزے کے ساتھ اس پر چل پھر سکو۔ اور زمین عجب فرش ہے کہ جو نہ لوہے کی مانند سخت ہے اور نہ روئی اور گارے کی طرح نرم

ہے۔ پھر اسی رب نے تمہارے چلنے کے لئے اس زمین میں راستے بنا دیئے۔ زمین پر میدانوں۔ وادیوں۔ پہاڑوں کے بیچ میں سے راستے نکال دیئے جن پر چل کر تم ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچ سکتے ہو پھر اسی رب نے آسمان سے پانی برسایا تا کہ تم اس سے زندہ رہ سکو اور اسی پانی کے ذریعہ سے طرح طرح کے غلے میوے۔ سبزیاں۔ پھل پھول پیدا کئے جن سے تم عمدہ غذائیں کھاتے ہو اور باوجودیکہ زمین ایک ہے۔ پانی ایک ہے۔ ہوا اور روشنی ایک ہے مگر ہر ایک نباتات کا مزہ۔ رنگ اور بو مختلف ہے۔ پھر جو اشیاء تمہارے کام کی نہیں وہ اپنے مویشیوں کو کھلاتے ہو اس طرح تمہاری اور تمہارے مویشیوں کی حیات اور زندگی کا سامان ہوا۔ آگے دہریوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے فرمایا کہ اس رب کی قدرت اور شان ربوبیت کی یہ سب نشانیاں ہیں۔ اگر عقل ہے تو سمجھ لو گے کہ یہ مضبوط اور محکم انتظامات یونہی محض اتفاق سے قائم نہیں ہو سکتے۔ یہ قدرت الٰہیہ کے نشانات تم کو بتا دیں گے کہ اس کائنات کا رب ایک ہی رب ہے اور ربوبیت ساری کی ساری اسی کی ہے۔ گویا یہاں وجود باری تعالیٰ اور توحید کی طرف توجہ دلائی گئی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اے انسانو اسی زمین سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے یعنی تمہاری ابتدا اسی سے ہے اس لئے کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی پیدائش اسی زمین کی مٹی سے ہوئی۔ پھر جن غذاؤں سے آدمی کا بدن پرورش پاتا ہے وہ بھی مٹی ہی سے نکلتی ہیں اور پھر مرنے کے بعد بھی عام آدمیوں کو بھی جلد یا بدیر اسی مٹی میں مل جانا ہے۔ اور قیامت کے دن دوبارہ پھر اسی زمین سے تم کو حساب کتاب کے لئے نکالا جائے گا۔ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت کے دفن کے بعد ان کی قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے پہلی بار فرمایا **منھا خلقنکم** دوسری لپ ڈالتے ہوئے فرمایا **وفیھا نعیدکم** تیسری بار مٹی ڈالتے ہوئے فرمایا **ومنھا نخرجکم تارۃ اخری**۔ اسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و تعلیم میں مسلمان اپنی میت کی قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے یہی کلمات قرآنی پڑھتے ہیں۔ ان آیات کے اخیر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فرعون کو اپنی جو نشانیاں دکھلانا منظور تھیں سب دکھلا دیں۔ مثلاً عصا اور ید بیضا کے معجزات وغیرہ اور جن کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کسی عذر کی اس کے لئے گنجائش باقی نہ رہی مگر پھر بھی وہ بدبخت نہ مانا اور انکار و تکذیب ہی پر اڑا رہا۔

بیچ میں یہ حق تعالیٰ کا ارشاد بطور جملہ معترضہ آیا تھا۔ اب آگے پھر وہی مضمون یعنی فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ جاری ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی شان ربوبیت والوہیت کی معرفت کاملہ ہم کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہر حال میں ہم کو حق سے وابستہ رہنے اور باطل سے علیحدہ رہنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ روئے زمین پر اس وقت جہاں جہاں حق و باطل میں مقابلہ اور معرکہ آرائی ہے یا اللہ اپنی قدرت سے حق کو غلبہ عطا فرما اور باطل کو مغلوب فرما۔ یا اللہ آپ ہی نے ہم کو زندگی عطا کی ہے آپ ہی ہم کو موت دیں گے اور آپ ہی قیامت میں ہم کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے۔ یا اللہ ہم کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھئے اور اسی حالت اسلام و ایمان پر موت دیجئے اور اپنے مخلص مومن بندوں کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ

کہنے لگا کہ اے موسٰیؑ تم ہمارے پاس اس واسطے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے اپنے جادو سے نکال باہر کرو۔ سو اب ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لاتے ہیں تو ہمارے

بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ

اور اپنے درمیان میں ایک وعدہ مقرر کرلو جس کو نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم خلاف کرو کسی ہموار میدان میں۔ موسٰیؑ نے فرمایا تمہارے وعدہ کا وقت

وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾

وہ دن ہے جس میں میلہ ہوتا ہے اور دن چڑھے لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔ غرض فرعون لوٹ گیا پھر اپنے مکر کا سامان جمع کرنا شروع کیا پھر آیا۔

قَالَ اس نے کہا	اَجِئْتَنَا کیا تو آیا ہے ہمارے پاس	لِتُخْرِجَنَا کہ تو نکال دے ہمیں	مِنْ اَرْضِنَا ہماری زمین سے	بِسِحْرِكَ اپنے جادو کے ذریعہ			
يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	فَلَنَاْتِيَنَّكَ پس ضرور ہم تیرے مقابل لائیں گے	بِسِحْرٍ ایک جادو	مِّثْلِهٖ اس جیسا	فَاجْعَلْ پس مقرر کر	بَيْنَنَا ہمارے درمیان		
وَبَيْنَكَ اور اپنے درمیان	مَوْعِدًا ایک وعدہ	لَّا نُخْلِفُهٗ ہم اسکے خلاف نہ کریں	نَحْنُ ہم	وَلَآ اور نہ	اَنْتَ تو	مَكَانًا سُوًى ایک ہموار میدان	
قَالَ اس نے کہا	مَوْعِدُكُمْ تمہارا وعدہ	يَوْمُ الزِّيْنَةِ زینت کا دن	وَاَنْ اور یہ کہ	يُّحْشَرَ جمع کئے جائیں	النَّاسُ لوگ	ضُحًى دن چڑھے	
	فَتَوَلّٰى پھر لوٹ گیا	فِرْعَوْنُ فرعون	فَجَمَعَ اس نے جمع	كَيْدَهٗ اپنا داؤ	ثُمَّ پھر	اَتٰى وہ آیا	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں "الوہیت و ربوبیت خداوندی کا ذکر ہوا تھا اور وہ حق تعالیٰ کا ارشاد درمیان میں بطور جملہ معترضہ آیا تھا اور اخیر میں بتلایا گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی فرعون کے سامنے حق تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت اور وحدانیت کے دلائل بیان فرمادیئے اور اپنی نبوت و رسالت کے اثبات میں فرعون کو اپنی لاٹھی اور چمکتے ہوئے روشن ہاتھ کے معجزہ بھی دکھلائے مگر فرعون نے ان کو سحر اور جادو بتلایا اور کوئی بات مان کر نہ دی۔ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو اور مکالمہ کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے جو مختلف مجالس میں ہوتی رہیں۔ فرعون حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کے روشن اور پُر از صداقت دلائل سن سن کر اگرچہ پیچ و تاب کھاتا تھا مگر لاجواب ہوجانے کی وجہ سے کوئی صورت نہیں بنتی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام سے چھٹکارا حاصل کرے۔ وہ جانتا تھا کہ میری ربوبیت اور الوہیت کی بنیاد اتنی کمزور ہے کہ دلائل موسیٰ کی صداقت کے سامنے مکڑی کے جالے کی طرح ٹوٹ کر تار تار ہو جاتی ہے اور اس کے درباری بھی اس کو اچھی طرح سمجھتے تھے اس لئے فرعون کے لئے یہ بات سخت ناقابل برداشت تھی کہ جس قلمرو میں اس کے رعب شاہی اور دبدبۂ حکومت کے ساتھ اس کی ربوبیت کا جاہ و جلال بھی مانا جاتا ہو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی یہ جرأتِ حق اندر ہی اندر اس کو خائف اور پریشان کر رہی تھی۔

سب سے پہلے اپنی قوت و جبروت اور دبدبہ و جلال سے ڈراتی ہے۔ قید و بند کے عذاب اور ہلاکت سے خوف دلاتی ہے اور اپنی گرفت سے مرعوب کرنا چاہتی ہے۔ جب یہ حربہ کارگر نہیں ہوتا اور حامل صداقت بغیر کسی خوف کے بے باکانہ حق و صداقت کا اعلان کرتا ہے تو دوسرے درجہ پر اہل باطل بھی دلائل و براہین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دیکھنے والوں کی آنکھ میں خاک جھونکتے اور

سننے والوں کے کانوں پر مکروفریب کا پردہ ڈالنے کے لئے دلائل کی روشنی میں مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنی شکست کو چھپانے کے لئے پرفریب الفاظ سے حاضرین وسامعین کو اپنے مکر کے جال میں پھنسائے رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب حق کی طاقت ان کے فریب کا تار تار بکھیر کر رکھ دیتی ہے۔ عقل کی روشنی میں دلائل کی حقانیت سے حق و باطل اور صحیح وغلط کو جدا جدا کر دیتی ہے اور کوئی فریب نہیں چلتا تو اہل باطل پرستاران نفس حاملین صداقت کو طرح طرح سے متہم کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ شخص انقلاب پیدا کر کے حکومت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہر دل عزیزی پیدا کر کے شہرت وجاہ کا حصول اس کے پیش نظر ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ ساحر جادوگر اور دھوکہ باز ہے لیکن جب ارباب حق مادی مقابلہ کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہیں اور حق و باطل کا فرق کھل جاتا ہے اور وہ لوگ جن کی فطرت میں حق تعالیٰ نے سعادت کا نور ودیعت رکھا ہے سچائی کو دیکھ کر حقانیت کے معترف ہو جاتے ہیں اور اہل حق کی تعداد بڑھنے لگتی ہے تو قصر طاغوتی میں لرزہ پڑ جاتا ہے۔ بنیادیں ہلنے لگتی ہیں اور انجام کار اہل حق کو ڈرانے اور مغلوب کرنے کے لئے ان کے متبعین اور ساتھیوں کو طرح طرح کی تکلیفیں اور جسمانی سزائیں دی جاتی ہیں۔ قتل وغارت کیا جاتا ہے۔ اور بہتیروں کو نذر شمشیر کیا جاتا ہے۔ اس وقت غیرت حق جوش میں آتی ہے اور قوت قہاری برسرعمل آ کر اہل باطل کے تمام دبدبہ وجلال کو غارت کر دیتی ہے۔ ان کے اموال و املاک خاک میں ملا دیئے جاتے ہیں۔ طاغوتی لشکر کو ہلاکت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ فرعون کی بھی ٹھیک یہی حالت ہوئی۔ شروع میں تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرا دھمکا کر مرعوب کرنا چاہا۔ پھر مناظرانہ انداز میں سوال و جواب کئے۔ جب آپ کے دلائل قاہرہ نے فرعون کو متحیر اور مبہوت کر دیا

اور کوئی جواب بن نہ پڑا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تہمت والزام لگانے لگا اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا کہ تم جادوگر ہو اور جادو کے زور سے ہمارا ملک چھیننا چاہتے ہو اور اس پر قابض ہونا چاہتے ہو لہٰذا اب تمہارے جادو کا مقابلہ جادو سے کیا جائے گا۔ تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ شخص پیغمبر نہیں جادوگر ہے۔ جو زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے اپنی قوم کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نفرت اور اشتعال دلانے کے لئے کہی تھی کیونکہ جب قوم کے لوگ یہ سنیں گے تو ان کے دل میں یہ بات جم جائے گی کہ اگر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی بات مان لی تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہم کو اپنے گھربار سے نکلنا پڑے گا۔ تو ان کی بات کو قبول نہ کریں گے اور نہ ان کے معجزوں میں غوروفکر کریں گے اور یہی سمجھیں گے کہ جو کچھ موسیٰ نے لاٹھی وغیرہ کا معجزہ دکھایا ہے وہ بھی ایک قسم کا جادو ہے۔ بالآخر فرعون اور فرعونیوں کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ فی الحال تو موسیٰ اور ہارون کو مہلت دو اور اس دوران میں تمام قلمرو سے ماہر جادوگروں کو دارالسلطنت میں جمع کرو اور پھر ان سے موسیٰ کا مقابلہ کراؤ۔ بلاشبہ یہ شکست کھا جائے گا اور اس کے تمام ارادے خاک میں مل جائیں گے۔ اس مشورہ کے بعد فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم خوب سمجھ گئے کہ تو ہم کو اس سرزمین مصر سے بے دخل کرنا چاہتا ہے لہٰذا اب تمہارا علاج اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو جمع کر کے تم کو شکست دی جائے۔ اب تمہارے اور ہمارے درمیان مقابلہ کے دن کا معاہدہ ہو جانا چاہئے اور پھر نہ اس سے ہم ٹلیں گے اور نہ تم وعدہ خلاف کرنا کھلے میدان میں سب کے سامنے ہار جیت کا فیصلہ ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے منظور ہے اور اس کام کے لئے سب سے بہتر دن یوم الزینۃ یعنی تمہاری عید اور

7 جشن کا دن ہے۔ اس دن سورج بلند ہونے پر ہم سب کو میدان میں جمع ہو جانا چاہئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کو اس لئے غنیمت جانا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے جو معجزات فرعون اور قوم فرعون کو دکھا چکے تھے انہوں نے ان کو یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ یہ تو جادو اور سحر ہے لہٰذا اب جبکہ ساحروں اور جادوگروں سے مقابلہ کے بعد بھی خدا کا معجزہ غالب رہے گا تو ناچار ان کو صداقت اور حق کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ پس اگر ان کی عید اور جشن کے روز خواص وعوام کے مجمع میں ساحر اور جادوگر عاجز ہو کر میری صداقت کا اقرار کر لیں تو پھر کسی فرعونی کو لب کشائی کا موقع نہ رہے گا اور برسر عام حق کا مظاہرہ اور تبلیغ حق کے لئے بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔ اور سارے ملک میں اس کی خبر پھیل جائے گی۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے غلبہ کا یقین کامل تھا اس لئے بے دھڑک یہ دن اور وقت مقابلہ کے لئے مقرر کر لیا۔

جب مقابلہ کے لئے مکان وزمان اور وقت سب طے پا گیا تو فرعون اپنے دربار سے واپس ہوا اور اپنے مکر وفریب کا سامان جمع کرنا شروع کیا اور ساحروں کی ایک بڑی جمعیت کو جمع کرنا شروع کیا۔

بہرحال مقررہ دن یوم جشن آ پہنچا۔ میدان جشن میں تمام شاہانہ کروفر کے ساتھ فرعون تخت نشین ہوا۔ اور درباری وزراء وامرا بھی حسب مراتب قرینے سے بیٹھے اور لاکھوں عوام حق وباطل کے معرکہ کا نظارہ کرنے کو جمع ہوئے۔ ایک جانب مصر کے مشہور جادوگروں کا گروہ اپنے سازوسامان سحر سے لیس کھڑا ہے اور دوسری جانب خدا کے رسول حق کے پیغمبر۔ سچائی وراستی کے پیکر حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کھڑے ہیں۔ چونکہ یہ مجمع رسول برحق کے مقابلہ میں صرف عناد کے تحت اکٹھا کیا گیا تھا اور رسول کا کام اتمام حجت اور نصیحت خلق ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو چیلنج کریں حق تبلیغ ادا فرماتے ہوئے فرعون کے جمع کردہ ساحروں کو خطاب فرمایا۔ اور کیا ارشاد فرمایا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ حق وباطل میں اس وقت روئے زمین پر جہاں جہاں مقابلہ ومقاتلہ ہو رہا ہے۔ اے اللہ اپنی قوت قہاری وجباری سے باطل کی قوتوں کو پاش پاش فرما دے۔ اور حق کو غلبہ عطا فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ

(اُس وقت) موسیٰ نے اُن (جادوگر) لوگوں سے فرمایا کہ اے کم بختی مارو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افتراء مت کرو، کبھی خدا تعالیٰ تم کو کسی قسم کی سزا سے بالکل نیست و نابود ہی کردے

افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ

اور جو جھوٹ باندھتا ہے وہ ناکام رہتا ہے۔ پس جادوگر باہم اپنی رائے میں اختلاف کرنے لگے اور خفیہ گفتگو کرتے رہے۔ (فرعونی) کہنے لگے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں ان کا مطلب یہ ہے

اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ

کہ اپنے جادو سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے عمدہ طریقہ کا دفتر ہی اٹھادیں۔ سو اب تم مل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو اور صفیں آراستہ کرکے (مقابلہ میں) آؤ

وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِمَّا اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ

اور آج وہی کامیاب ہے جو غالب ہو۔ پھر انہوں نے کہا اے موسیٰ آپ اپنا (عصا) پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔

مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا

آپ نے فرمایا نہیں تم ہی پہلے ڈالو پس یکا یک اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کی نظر بندی سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے چلتی دوڑتی ہوں۔

تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾

سو موسیٰ کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا۔

قَالَ اس نے کہا	لَهُمْ اُن سے	مُوْسٰى موسیٰ	وَيْلَكُمْ خرابی تم پر	لَا تَفْتَرُوْا نہ گھڑو	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	كَذِبًا جھوٹ		
فَيُسْحِتَكُمْ کہ وہ ہلاک کردے تمہیں	بِعَذَابٍ عذاب سے	وَقَدْ خَابَ اور وہ نامراد ہوا	مَنِ افْتَرٰى جس نے جھوٹ باندھا					
فَتَنَازَعُوْا تو وہ جھگڑنے لگے	اَمْرَهُمْ اپنے کام میں	بَيْنَهُمْ باہم	وَاَسَرُّوا اور انہوں نے چھپ کر کیا	النَّجْوٰى مشورہ	قَالُوْا وہ کہنے لگے			
اِنْ تحقیق	هٰذٰنِ یہ دونوں	لَسٰحِرٰنِ البتہ جادوگر	يُرِيْدٰنِ یہ چاہتے ہیں	اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ کہ تمہیں نکال دیں	مِنْ سے	اَرْضِكُمْ تمہاری سرزمین		
بِسِحْرِهِمَا اپنے جادو کے ذریعہ	وَيَذْهَبَا اور وہ لے جائیں	بِطَرِيْقَتِكُمُ تمہارا طریقہ	الْمُثْلٰى اچھا	فَاَجْمِعُوْا لہٰذا اکٹھا کرلو تم	كَيْدَكُمْ اپنے داؤ			
ثُمَّ ائْتُوْا پھر تم آؤ	صَفًّا صف باندھ کر	وَقَدْ اَفْلَحَ اور تحقیق کامیاب ہوگا	الْيَوْمَ آج	مَنِ جو	اسْتَعْلٰى غالب رہا	قَالُوْا وہ بولے		
يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	اِمَّا یا تو	اَنْ تُلْقِيَ یہ کہ تو ڈالے	وَاِمَّا اور یا	اَنْ نَّكُوْنَ یہ کہ ہم ہوں	اَوَّلَ پہلے	مَنْ جو	اَلْقٰى ڈالیں	قَالَ اسنے کہا
بَلْ بلکہ	اَلْقُوْا تم ڈالو	فَاِذَا تو ناگہاں	حِبَالُهُمْ ان کی رسیاں	وَعِصِيُّهُمْ اور ان کی لاٹھیاں	يُخَيَّلُ خیال میں آئیں	اِلَيْهِ اسکے		
مِنْ سے	سِحْرِهِمْ ان کا جادو	اَنَّهَا کہ وہ	تَسْعٰى دوڑ رہی ہیں	فَاَوْجَسَ تو پایا	فِيْ نَفْسِهٖ اپنے دل میں	خِيْفَةً کچھ خوف	مُوْسٰى موسیٰ	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ فرعونیوں کے عید یا جشن کے دن جو مقابلہ کے لئے مقرر ہوا تھا صبح ہی سے عوام وخواص سب اس میدان میں جمع ہوگئے کہ آج دیکھیں کون غالب آتا ہے۔ فرعونی کہتے تھے کہ ہم تو جادوگروں کے کمال کے قائل ہیں

وہی غالب آئیں گے۔ الغرض جب سب جمع ہو گئے فرعون تخت سلطنت پر بیٹھا وزرا امرا اور ارکان دولت اپنی کرسیوں پر بیٹھے۔ دائیں بائیں عام رعایا صف بستہ کھڑی ہوگئی۔ ساحروں کی جماعت فرعون کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ دوسری طرف صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ کھڑے تھے۔ فرعون نے جادوگروں سے کہا کہ اپنا کرتب کامل طور پر دکھانا۔ کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا۔ میں تم کو اپنا مقرب بنالوں گا اور مالا مال کردوں گا۔ غرض جب مقابلہ کی تیاری ہوگئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تبلیغ ادا فرماتے ہوئے مجمع میں ہر شخص کو اس کے حسب حال نصیحت فرمائی۔ چونکہ جادوگر حق کا مقابلہ جادو سے کرنے والے تھے ان کو تنبیہ فرمائی جیسا ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ تمہاری حالت پر سخت افسوس ہے۔ تم کیا کر رہے ہو۔ دیکھو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ تم ہم کو جادوگر کہہ کر خدا پر جھوٹا الزام نہ لگاؤ۔ خدا کے نشانوں اور انبیاء کے معجزات کو سحر بتلانا اور بے حقیقت چیزوں کو ثابت شدہ حقائق کے مقابلہ میں پیش کرنا گویا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ اور جھوٹ باندھنے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں اس بہتان طرازی کی سزا میں تم پر کوئی آسمانی آفت نہ آپڑے اور جڑ سے تم کو نہ اکھاڑ پھینکے۔ کیونکہ جس کسی نے حق پر بہتان باندھا وہ نامراد ہی رہا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر نے ساحروں کی جماعت میں کھلبلی ڈال دی۔ آپس میں ردوکد شروع کردی اور سرگوشیاں کرنے لگے کہ اس شخص کو کیا سمجھا جائے۔ اس کی باتیں ساحروں جیسی تو معلوم نہیں ہوتیں۔ درباریوں نے یہ حال دیکھا تو جادوگروں کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ یہ دونوں بلاشبہ جادوگر ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ جادو کے زور سے تم کو تمہارے وطن سے نکال دیں اور تم پر غلبہ

کرلیں اور تمہارا جو دین اور رسوم پہلے سے چلی آتی ہیں ان کو مٹا کر اپنا طور وطریق رائج کردیں اور جادو کے فن کو بھی جس سے ملک میں تمہاری عزت اور کمائی ہے دونوں بھائی چاہتے ہیں کہ تم سے لے اڑیں اور تن تنہا خود اس پر قابض ہو جائیں۔ لہٰذا تم موقع کی اہمیت کو سمجھو۔ وقت کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ پوری ہمت اور قوت سے سب مل کر ان کے گرانے کی تدبیر کرو اور دفعتہً ایسا متفقہ حملہ کرو کہ پہلے ہی وار میں ان کے قدم اکھڑ جائیں اس لئے کہ آج کا معرکہ فیصلہ کن معرکہ ہے۔ آج کی کامیابی دائمی کامیابی ہے جو فریق آج غالب رہے گا وہی کامیاب ثابت ہوگا۔ اس پر جادوگروں نے آگے بڑھ کر موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اس گفت وشنید کے قصہ کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ ابتدا تمہاری جانب سے ہوگی یا ہماری جانب سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان پر اس کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو آپ نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ پہلے تم ہی اپنے حوصلے نکال لو اور اپنے کمال فن کی پوری حسرت نکال لو اور اپنے کرتب دکھالو۔ چنانچہ ساحروں نے اپنی رسیاں بان۔ اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں جو سانپ اور اژدھے کی شکل میں دوڑتی نظر آنے لگیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دیکھا تو دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ یہاں آیت میں الفاظ یہ آئے ہیں فاوجس فی نفسه خیفة موسیٰ۔ سو موسیٰؑ کے دل میں کچھ خوف سا ہوا۔ اب یہاں مفسرین کے دو قول ہیں کہ یہ خوف کس بات کا ہوا؟ مفسرین کے ایک گروہ نے تو یہ لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو ساحروں کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ اور اژدھے کی شکل میں دوڑتی نظر آنے لگیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دل میں یہ خوف محسوس کیا کہ کہیں لوگ اس مظاہرہ سے متاثر نہ ہو جائیں اور ساحروں کے سحر کو حقیقت نہ سمجھ لیں کیونکہ اگر ایسا ہوا

تو یہ تاثیر اور رعب قبول حق کے لئے سد راہ بنے گا اور جادوگروں کا یہ سوانگ دیکھ کر کہیں بے وقوف لوگ دھوکہ میں نہ پڑ جائیں اور سحر و معجزہ میں فرق نہ کر سکیں اور ایسی صورت میں حق کا غلبہ واضح نہ ہو سکے گا۔ اس بنا پر موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کچھ اندیشہ اور خوف پیدا ہوا۔ ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے تو اس کے تمام نشیب و فراز کا بھی انتظام فرما دے گا اور اپنے مرسل کی مدد فرمائے گا۔ اور ایسا خوف طبعی جو درجہ وسوسہ میں تھا شان و کمال نبوت کے منافی نہیں۔ دوسرے مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ جب جادوگروں نے یکبارگی اپنی لاٹھیاں اور رسیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف پھینکیں اور اچانک آپ کو یہ نظر آیا کہ سینکڑوں سانپ اور اژدھے آپ کی طرف دوڑتے چلے آ رہے ہیں تو اس منظر سے فوری طور پر آپ نے ایک خوف و دہشت محسوس کیا۔ آگے انہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ انسانیت اور بشریت کے تقاضہ سے ایسا خوف محسوس ہونا کوئی عجیب بات بھی نہیں۔ اس مقام پر یہ بات لائق ذکر ہے کہ عام انسانوں کی طرح پیغمبر بھی جادو و سحر سے متاثر ہو سکتا ہے۔ اگرچہ جادوگر پیغمبر کی نبوت سلب کر لینے یا اس کے اوپر نازل ہونے والی وحی میں خلل ڈال دینے یا جادو کے اثر سے اس کو گمراہ کر دینے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن کچھ دیر کے لئے پیغمبر کے قویٰ اور جسم پر یک گونہ اثر ضرور ڈال سکتا ہے اور اس کی تصدیق و تائید احادیث سے ہوتی ہے کہ کئی صحابہ مثلاً حضرت ابن عباس۔ زید بن ارقم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض یہود نے سحر کیا جس کے اثر سے ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک کو لاحق ہو گیا۔ اس دوران میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ ایک کام کر چکے ہیں مگر خیال گزرتا تھا کہ نہیں کیا یا ایک کام نہیں کیا اور خیال گزرتا تھا کہ کر چکے ہیں۔ اس سحر کے علاج کے واسطے حق تعالیٰ نے دو سورتیں سورۂ فلق اور سورۃ الناس نازل فرمائیں اور ان کی تاثیر سے وہ اثر باذن اللہ زائل ہو گیا۔ بہر حال وجہ جو بھی ہو آیت میں یہ صاف فرمایا گیا ہے۔ کہ اس مظاہرہ سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ اندیشہ محسوس کیا۔

جیسا اوپر بیان ہوا یہ خوف طبعی۔ شان کمال اور شان نبوت کے منافی نہیں۔ الغرض جس وقت قدرے خوف موسیٰ علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوا اسی وقت وحی نازل ہوئی اور وحی میں حق تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو کیا ارشاد فرمایا۔ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق و باطل کی کشمکش جو اس دنیا میں ہمیشہ سے قائم رہی ہے حق تعالیٰ ہم کو حق کے ساتھ وابستہ رکھیں۔ اور ہماری زندگی حق کی اعانت اور نصرت میں گزاریں۔ اور حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرماویں۔ اور حق کے مقابلہ میں جو باطل کھڑا ہو اس کی پوری طرح سر کوبی فرماویں۔

یا اللہ اس وقت روئے زمین پر جہاں جہاں حق و باطل کا مقابلہ ہے حق تعالیٰ اپنی قدرت سے حق کو غالب اور منصور فرمائیں اور باطل کو مغلوب و سرنگوں فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ

ہم نے کہا کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔ اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں جو (عصا) ہے اس کو ڈال دو ان لوگوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ (عصا) سب کو نگل جاوے گا

سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ

یہ جو کچھ بنایا ہے جادوگروں کا سانگ ہے اور جادوگر کہیں جاوے کامیاب نہیں ہوتا۔ سو جادوگر سجدہ میں گر گئے کہا کہ ہم تو ایمان لے آئے ہارونؑ اور موسیٰؑ کے پروردگار پر۔

وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ

فرعون نے کہا کہ بدوں اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں تم موسیٰؑ پر ایمان لے آئے واقعی وہ (سحر میں) تمہارے بھی بڑے ہیں کہ انہوں نے تم کو سحر سکھلایا ہے سو میں تم سب کے

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ

ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں ایک طرف کا ہاتھ اور ایک طرف کا پاؤں اور تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر ٹنگواتا ہوں اور یہ بھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے

اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾

کہ ہم دونوں میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے

قُلْنَا ہم نے کہا	لَا تَخَفْ تم ڈرو نہیں	اِنَّكَ بیشک تم	اَنْتَ تم	الْاَعْلٰى غالب	وَاَلْقِ اور ڈالو	مَا جو	فِيْ يَمِيْنِكَ تمہارے دائیں ہاتھ میں
تَلْقَفْ وہ نگل جائے گا	مَا صَنَعُوْا جو انہوں نے بنایا	اِنَّمَا بیشک	صَنَعُوْا انہوں نے بنایا	كَيْدُ فریب	سٰحِرٍ جادوگر	وَلَا يُفْلِحُ اور کامیاب نہیں ہوگا	
السّٰحِرُ جادوگر	حَيْثُ جہاں	اَتٰى وہ آئے	فَاُلْقِيَ پس ڈال دیئے گئے	السَّحَرَةُ جادوگر	سُجَّدًا سجدہ میں	قَالُوْا وہ بولے	
اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِرَبِّ رب پر	هٰرُوْنَ ہارونؑ	وَمُوْسٰى اور موسیٰؑ	قَالَ اس نے کہا	اٰمَنْتُمْ تم ایمان لائے	لَهٗ اس پر	قَبْلَ پہلے
اَنْ اٰذَنَ کہ میں اجازت دوں	لَكُمْ تمہیں	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَكَبِيْرُكُمْ تمہارا رب	الَّذِيْ وہ جس نے	عَلَّمَكُمْ تمہیں سکھایا	السِّحْرَ جادو	
فَلَاُقَطِّعَنَّ پس میں ضرور کاٹوں گا	اَيْدِيَكُمْ تمہارے ہاتھ	وَاَرْجُلَكُمْ اور تمہارے پاؤں	مِّنْ خِلَافٍ دوسری طرف سے	وَ اور			
لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ میں تمہیں ضرور سولی دوں گا	فِيْ میں	جُذُوْعِ النَّخْلِ کھجور کے تنے	وَلَتَعْلَمُنَّ اور تم خوب جان لوگے	اَيُّنَا ہم میں کون			
	اَشَدُّ زیادہ سخت	عَذَابًا عذاب میں	وَاَبْقٰى اور تادیر رہنے والا				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ جب فرعون کے جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور نظر بندی کر دی تو یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے سانپ اور اژدھے چلتے اور دوڑتے ہوں تو موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کچھ خوف سا ہوا کہ جب دیکھنے میں یہ رسیاں اور لاٹھیاں بھی سانپ معلوم ہوتی ہیں اور میرا عصا بھی بہت سے بہت سانپ بن جاوے گا تو دیکھنے والے تو دونوں چیزوں کو ایک ہی سا سمجھیں گے تو حق و باطل میں امتیاز کس طرح کریں گے اور یہ خوف باقتضائے طبع تھا ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی مدد ضرور فرمائے گا اور ایسا خوف طبعی جو درجہ وسوسہ میں تھا شان کمال کے منافی نہیں۔ الغرض جب یہ

خوف ہوا تو جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا اسی وقت جناب باری تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور معاً تسکین غیب سے دی گئی کہ تم کچھ پروانہ کرو فتح تمہاری اور حق ہی کی ہوگی۔ ہمارا وعدہ ہے کہ تم ہی غالب رہو گے۔ یہ تمہارے مقابل جو کچھ ہے اس کی بساط ہی کیا ہے۔ حق کے مقابلہ میں یہ کہیں ٹھہر سکتا ہے اور پھر ارشاد ہوا کہ اپنے داہنے ہاتھ والی لاٹھی کو میدان میں ڈال دو۔ جو ان کے بنائے ہوئے سوانگ کا یکدم لقمہ کر جائے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد کی۔ خدا کے حکم سے وہ لاٹھی ایک زبردست بے مثال اژدھا بن گئی جس کے پیر بھی تھے سر بھی تھا کچلیاں اور دانت بھی تھے اس نے سب کے دیکھتے دیکھتے سارے میدان کو صاف کر دیا۔ جادوگروں کے جتنے کرتب تھے سب کو ہڑپ کر لیا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ لوگ ہیبت کے مارے بھاگے۔ ایک کے اوپر ایک گرا یہاں تک کہ ۲۵ ہزار آدمی کچل کر مر گئے۔ منظر بہت ہی ہیبت انگیز تھا ہر شخص جان بچانی چاہتا تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو اژدھا بنا ہوا تھا فرعون کی طرف متوجہ ہوا کہ فرعون کو نگل جائے۔ فرعون چلایا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا پھر وہ پہلے ہی جیسا عصا ہو گیا۔ لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ایک عرصہ تک فرعون اپنے محل سے باہر نہیں نکلا۔ اب سب پر حق واضح ہو گیا۔ حق و باطل اور سحر و معجزہ میں تمیز ہو گئی اور ساحر اپنے سحر میں ناکام رہے۔ اب جادوگروں نے جو اپنے فن کے ماہر اور کامل تھے اور سحر کی حقیقت سے واقف تھے۔ جب عصاء موسیٰ کا یہ کرشمہ دیکھا تو وہ حقیقت حال سمجھ گئے اور انہیں یقین کامل ہو گیا کہ یہ کام انسانی طاقت سے خارج ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل جادو سے بالاتر ہے اور اس کا سحر سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ واقعی اسی خدا کا کام ہے۔ جس کے موسیٰ و ہارون پیغمبر ہیں اس کا اتنا کامل یقین انہیں ہو گیا کہ وہ اسی میدان میں سب کے سامنے فرعون کی موجودگی میں خدا کے سامنے سر بسجود ہو گئے سبحان اللہ!

کیا عجیب ماجرا ہے کہ انہی جادوگروں نے ابتدا میں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو زمین پر ڈالا تھا۔ پھر جب حق واضح ہو گیا تو اپنے سروں کو زمین پر ڈال دیا اور یہ سجدہ سجدۂ شکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔ اور اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے۔ وہی رب العالمین ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ سبحان اللہ صبح کے وقت کافر اور جادوگر تھے اور شام کو پاکباز مومن اور راہ خدا کے شہید تھے۔ ان کی تعداد میں کئی ہزار ہونے کی بھی روایات ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ یہ ستر تھے اور لکھا ہے کہ جب یہ سجدے میں گرے ہیں تو حق تعالیٰ نے انہیں جنت دکھا دی اور انہوں نے اپنی منزلیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے الطاف ہیں کہ جس بندہ کو چاہیں غایت کفر وعناد سے نہایت ایمان تک پہنچا دیں۔ پھر شان خدا دیکھئے چاہئے تو یہ تھا کہ فرعون اب راہ راست پر آ جاتا۔ جن کو اس نے مقابلہ کے لئے بلوایا تھا وہ مجمع عام میں ہارے اور اپنی ہار مان لی۔ اپنے کرتب کو جادو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو خدا کی طرف سے عطا کردہ معجزہ تسلیم کر لیا۔ اور ایمان لے آئے اور مجمع عام میں سب کے سامنے بے جھجک انہوں نے دین برحق قبول کر لیا لیکن یہ فرعون اپنی شیطنت میں اور بڑھ گیا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ میرا تمام دام فریب تار تار ہو گیا اور موسیٰ کو شکست دینے کی جو آخری پناہ تھی وہ بھی منہدم ہو گئی اب کہیں ایسا نہ ہو کہ مصری عوام بھی ہاتھ سے جائیں اور موسیٰ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے تو اس نے مکر وفریب کا ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا اور ساحروں سے کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ تم سب کا جادو میں استاد ہے اور تم سب نے آپس میں سازش اور ملی بھگت کر رکھی تھی۔ تب ہی تو میری رعایا ہوتے ہوئے میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ کے خدا پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ اچھا میں تم کو ایسی عبرتناک سزا

دوں گا تا کہ آئندہ کسی کو ایسی غداری کی جرأت نہ ہو پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں گا یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں بایاں ہاتھ داہنا پاؤں اور پھر سب کو سولی پر چڑھاؤں گا تا کہ تمہارا حال دیکھ کر سب عبرت حاصل کریں اور تمہیں پتہ چل جائے کہ میرا عذاب سخت ہے یا موسیٰ کے خدا کا۔

امام المفسرین امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ فرعون کا جادوگروں سے یہ کہنا کہ موسیٰ تمہارا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ یہ صریح جھوٹ تھا اور لوگوں کو دھوکہ دینے اور شبہ میں ڈالنے کے لئے اس نے یہ جھوٹ بولا ورنہ خوب جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کبھی ان جادوگروں سے ملے بھی نہیں۔ نہ وہ ان کی ان سے کوئی جان پہچان ہے نہ تعلق۔ اگر موسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ ان جادوگروں کے استاد ہوتے اور یہ ان کے شاگرد ہوتے تو تعلق استادی شاگردی کا سب کو معلوم ہوتا۔ یہ جھوٹ اس کے اندرونی خوف کی دلیل ہے۔

یہاں امام رازیؒ ہی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ابھی تو یہ گزرا ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے جب وہ اژدھا ہو گیا اور وہ فرعون کی طرف متوجہ ہوا تو فرعون مارے ڈر کے چیخیں مارنے لگا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو پکڑا اور ہاتھ میں لیا تو وہ اژدھا پھر بدستور پہلے ہی جیسا عصا ہو گیا تو فرعون کے ہوش وحواس درست ہوئے تو شبہ یہ ہوسکتا ہے کہ پہلے تو فرعون کے خوف کا یہ حال تھا جو بیان ہوا اور اب یہ دلیری اور بہادری کہ سب کو ڈرا دھمکا رہا ہے تو خوف وہراس کے بعد یہ دلیری کہاں سے آئی۔ تو خود امام صاحبؒ کہتے ہیں کہ جواب یہ ہے کہ وہ دل سے نہایت خوف زدہ تھا مگر بے حیائی اور ڈھٹائی سے اپنی دلیری ظاہر کرتا تھا تا کہ اس کی بات بنی رہے اور ظالم وبدکار لوگوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں جس کی حقیقت اکڑ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔

غور کیجئے کہ سچا ایمان جب کسی کو نصیب ہو جاتا ہے خواہ وہ ایک لحہ کا ہی کیوں نہ ہو وہ ایسی بے پناہ روحانی قوت پیدا کر دیتا ہے کہ کائنات کی کوئی زبردست سے زبردست مادی طاقت بھی اس کو مرعوب نہیں کر سکتی۔ دیکھئے وہی جادوگر جو فرعون سے تھوڑی دیر پہلے انعام واکرام اور عزت وجاہ کی آرزوئیں اور التجائیں کر رہے تھے ایمان لانے کے بعد ایسے نڈر اور بے خوف ہو گئے کہ ان کے سامنے سخت سے سخت مصیبت اور دردناک سے دردناک عذاب بھی ہیچ ہو کر رہ گیا اور کوئی دہشت بھی ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکی اور انہوں نے فرعون کی موجودگی ہی میں بے دھڑک اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور جب انہوں نے فرعون کی جابرانہ دھمکیوں کو سنا تو اس کو کیا جواب دیا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی وہ سچا اور پکا ایمان واسلام نصیب فرماویں کہ جو کوئی باطل قوت اس کو متزلزل نہ کر سکے۔ ایمان اور اسلام کی دولت ہم کو تمام مادی عزت وجاہ سے بے نیاز کر دے۔ یا اللہ آپ کی رضا وخوشنودی کے آگے بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی ہماری نظروں میں ہیچ ہو۔ یا اللہ ایمان کامل اور یقین صادق سے ہمارے قلوب کو منور فرما دیجئے۔ اور اس پر استقامت اور اسی پر موت نصیب فرمائیے۔ یا اللہ اس وقت اس ملک میں اسلامی نظریہ کے مقابل جو باطل پرست ملحدانہ نظریہ لے کر کھڑے ہوئے ہیں۔ اے اللہ آپ اپنی قدرت سے حق کو غالب فرمائیں۔ باطل کو مغلوب فرمائیں۔ اسلام پسندوں کو کامیابی نصیب فرمائیں۔ باطل پرستوں کو ذلت وخواری نصیب فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ

اُن لوگوں نے صاف جواب دے دیا کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے بمقابلہ اُن دلائل کے جو ہم کو ملے ہیں اور بمقابلہ اُس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے تجھ کو جو کچھ کرنا ہو کر ڈال تو بجز اسکے

هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۭ ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ

کہ اس دنیاوی زندگی میں کچھ کرلے اور کر ہی کیا سکتا ہے۔ بس اب تو ہم اپنے پروردگار پر ایمان لاچکے تاکہ ہمارے گناہ معاف کردیں اور تُو نے جو جادو میں ہم پر زور ڈالا اُس کو بھی معاف کردیں اور اللہ تعالیٰ

خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ وَمَنْ

بدرجہا اچھے ہیں اور زیادہ بقاوالے ہیں۔ جو شخص مجرم ہو کر اپنے رب کے پاس حاضر ہوگا سو اُس کیلئے دوزخ ہے اُس میں نہ مَرے ہی گا اور نہ جئے ہی گا۔ اور جو شخص

يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ

رب کے پاس مومن ہو کر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں سو ایسوں کیلئے بڑے اُونچے درجے ہیں۔ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾

جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے، اور جو شخص پاک ہو اس کا یہی انعام ہے۔

قَالُوْا انہوں نے کہا	لَنْ نُّؤْثِرَكَ ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے	عَلٰی پر	مَا جَآءَنَا جو ہمارے پاس آئے	مِنَ الْبَيِّنٰتِ واضح دلائل سے			
وَالَّذِيْ فَطَرَنَا اور وہ جس نے ہمیں پیدا کیا	فَاقْضِ پس تو کر گزر	مَا جو	اَنْتَ تو	قَاضٍ کرنیوالا	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	تَقْضِيْ تو کریگا	
هٰذِهِ اس	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	اِنَّآ اٰمَنَّا بیشک ہم ایمان لائے	بِرَبِّنَا اپنے رب پر	لِيَغْفِرَ لَنَا کہ وہ بخشدے	خَطٰيٰنَا ہماری خطائیں		
وَمَا اور جو	اَكْرَهْتَنَا تو نے ہمیں مجبور کیا	عَلَيْهِ اس پر	مِنَ سے	السِّحْرِ جادو	وَاللّٰهُ اور اللہ	خَيْرٌ بہتر	وَاَبْقٰى اور ہمیشہ باقی رہنے والا
اِنَّهٗ بیشک وہ	مَنْ يَّاْتِ جو آیا	رَبَّهٗ اپنے رب کے سامنے	مُجْرِمًا مجرم بن کر	فَاِنَّ تو بیشک	لَهٗ اس کیلئے	جَهَنَّمَ جہنم	لَا يَمُوْتُ نہ وہ مرے گا
فِيْهَا اس میں	وَ اور	لَا يَحْيٰى نہ جئے گا	وَمَنْ اور جو	يَّاْتِهٖ اسکے پاس آیا	مُؤْمِنًا مومن بن کر	قَدْ عَمِلَ اس نے کئے عمل	الصّٰلِحٰتِ اچھے
فَاُولٰۗىِٕكَ پس یہی لوگ	لَهُمُ ان کیلئے	الدَّرَجٰتُ درجے	الْعُلٰى بلند	جَنّٰتُ باغات	عَدْنٍ ہمیشہ رہنے والے	تَجْرِيْ جاری ہیں	
مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهَا اس میں	وَذٰلِكَ اور یہ	جَزٰۗؤُا جزا ہے	مَنْ تَزَكّٰى جو پاک ہوا	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ ساحرین جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے فرعون نے جمع کئے تھے کس طرح اپنے سحر میں ناکام رہے اور چونکہ وہ ساحرین اپنے فن کے ماہر اور کامل تھے اس لئے وہ حقیقت حال کو بھی سمجھ گئے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عمل سحر نہیں بلکہ سحر سے بالاتر خدا کا معجزہ ہے اور اس حقیقت کو سمجھتے ہی انہوں نے فوراً اپنے ایمان کا اعلان کردیا تھا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے جس پر فرعون نے ان کو جابرانہ دھمکی دی تھی کہ تم میری رعایا ہوتے ہوئے میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ کے رب پر ایمان لانے کا اعلان کردیا جس کی سزا تم کو یہ دی جائے گی کہ پہلے تمہارے ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری

طرف کا پاؤں کاٹا جائے گا اور پھر تم کو سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ تا کہ تم تڑپ تڑپ کر مرجاؤ اور تم کو معلوم ہو جائے کہ میری طاقت کس قدر قہار اور پر جبروت ہے۔ فرعون اگرچہ ان جادوگروں پر جواب ایمان سے مشرف ہو چکے تھے اپنے انتہائی غیض وغضب کا اظہار کرتا رہا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روحانی قوت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر بے حد مرعوب ہو گیا تھا اور اس کی ہمت نہ پڑی کہ موسیٰ علیہ السلام سے اس وقت کچھ کہتا۔ درباریوں اور ارکان سلطنت نے جیسا کہ سورۂ اعراف میں بیان فرمایا گیا فرعون سے احتجاج کیا کہ تو موسیٰ کو قتل کیوں نہیں کرا دیتا۔ کیا اس کو اور اس کی قوم کو یہ موقع دیا جارہا ہے کہ وہ مصر میں فساد پھیلائیں اور تجھ کو اور تیرے دیوتاؤں کو ٹھکراتے رہیں۔ تو فرعون کہنے لگا کہ گھبراتے کیوں ہو۔ میں اسرائیلیوں کی طاقت کو بڑھنے نہ دوں گا اور مقابلہ کے قابل ہی نہ رکھوں گا۔ ابھی یہ حکم جاری کرتا ہوں کہ ان کے بیٹوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا کرو اور صرف لڑکیوں کو باندی بنانے اور خدمت گزاری کے لئے زندہ رہنے دو۔ گویا فرعون کا یہ دوسرا اعلان تھا جو بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل سے متعلق کیا گیا۔ الغرض فرعون یہ سمجھتا تھا کہ میری حکمرانی اہل مصر کے نہ فقط جسموں اور بدنوں پر ہے بلکہ دماغوں اور روحوں پر بھی ہے۔ کسی کو حق نہیں ہے کہ میری اجازت کے بغیر عقیدہ بھی تبدیل کر سکے الحاصل فرعون نے ان جادوگروں کو جواب ایمان لا چکے تھے ہر طرح کی جابرانہ دھمکیوں سے ڈرانا اور مرعوب کرنا چاہا تو انہوں نے فرعون کو کیسا دوٹوک اور منہ توڑ جواب دیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ان قتل کی دھمکیوں کے جواب میں انہوں نے فرعون سے کہا کہ ہم ایسے صاف دلائل کو تیری خاطر سے اب نہیں چھوڑ سکتے اور اپنے مالک اور خالق حقیقی کی خوشنودی کے مقابلہ میں تیری کچھ پروا نہیں کر سکتے۔ اب جو تو کر سکتا ہے کر گزر۔ تیرا بڑا زور یہی چل سکتا ہے کہ ہماری اس فانی زندگی کو ختم کر دے۔ سو کچھ مضائقہ نہیں ہم پہلے ہی دار الفنا کے مقابلہ میں دار البقاء کو اختیار کر چکے ہیں۔ ہم کو اب یہاں کے رنج و راحت کی فکر نہیں تمنا ہماری اب صرف یہ ہے کہ ہمارا مالک ہم سے راضی ہو جاوے اور ہمارے عام گناہوں کو خصوصاً اس گناہ کو جو تیری وجہ سے کرنا پڑا۔ یعنی حق کا مقابلہ جادو سے کیا۔ معاف فرما دے۔ اور جو انعام و اکرام تو ہم کو دیتا اس سے کہیں بہتر اور پائیدار اجر مومنین کو خدا کے ہاں ملتا ہے۔ لہٰذا نہ تیرا نفع خدا کے نفع کے برابر ہو سکتا ہے اور نہ اس نفع کی پائیداری خدا کے نفع کے برابر ہو سکتی ہے پھر ہم تجھے اس خدا کے مقابلہ میں کیسے ترجیح دے سکتے ہیں تو یہ جواب تھا جو ان ساحرین مومنین نے فرعون کو دیا۔ اب اس جواب پر حق تعالیٰ اپنے قول کا اضافہ فرماتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ فرعون کی سزا کو حق تعالیٰ کی سزا سے اور فرعون کے انعام کو حق تعالیٰ کے انعام سے کیا نسبت کیونکہ بلاشبہ جو کوئی اپنے رب کے سامنے مجرمانہ حالت میں آئے گا اس کے لئے دوزخ ہے اسمیں نہ وہ مرے گا کیونکہ وہاں موت بھی نہیں اور نہ جئے گا کیونکہ ان کا جینا موت سے بدتر ہوگا۔ بھلا یہ سزا فرعون کے قبضہ میں کب ہے اور جو کوئی اپنے رب کے پاس ایسا مومن ہونے کی حالت میں آئے گا کہ اس نے عمل صالح بھی کئے تھے تو ایسے لوگوں کے لئے بڑے درجے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے کے وہ باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور عارضی طور پر نہیں بلکہ وہ لوگ ان میں ہمیشہ کو رہیں گے۔ اور فرعون اپنے اوپر ایمان لانے والوں کو یہ معاوضہ کب دے سکتا ہے پس اس کے انعام کو حق تعالیٰ کے انعام سے کیا نسبت لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کے عذاب سے ڈریں اور اس کے انعام کے حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس کے سوا کسی کی جزا وسزا کی طرف التفات نہ کریں۔

اب فرعون نے جوان ایمان لے آنے والوں کو دھمکی دی تھی تو ان کو قتل کیا یا نہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن کثیرؒ نے صراحت کی ہے کہ فرعون نے ان کو قتل کر دینے کا مصمم ارادہ کرلیا اور وہ ایسا کر بھی گزرا اور یہ فی الحقیقت ان جادوگروں پر اللہ کی رحمت تھی اسی لئے حضرت ابن عباسؓ وغیرہؓ اکابر نے فرمایا کہ صبح کو وہ ساحر تھے اور شام کو شہید ہوئے۔ لیکن امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ فرعون نے جوان مومنوں کو دھمکی دی تھی اس کا پورا کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں اس لئے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ نے ان مومنین کو فرعون کے پنجہ سے محفوظ رکھا اور اس مضمون کی تائید میں وہ سورۂ قصص ۲۰ ویں پارہ کی یہ آیت پیش کرتے ہیں انتما ومن اتبعکما الغالبون۔ تم دونوں اور جو تمہارا پیرو ہوگا غالب رہوگے۔ تو چونکہ وہ ساحر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور آپ کی پیروی انہوں نے کی تھی اس لئے وہ سالم و غالب رہے واللہ اعلم بحقیقت حال۔ غرض حق و باطل کی اس کشمکش میں فرعون اور اس کے حامی و ارکان سلطنت کو سخت ذلت اٹھانی پڑی اور وہ برسر عام رسوا و ذلیل ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خدا کا وعدہ پورا ہوا اور کامیابی کا سہرا انہی کے سر رہا۔ مگر فرعون اس پر بھی باز نہ آیا اور برابر سرکشی ہی کرتا رہا۔ اور بنی اسرائیل کو اپنے پنجہ سے رہا کرنے کے لئے تیار نہ ہوا اور ایک عرصہ تک مختلف حالات و واقعات ہوتے رہے۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ بنی اسرائیل کو رات کے وقت چپکے سے لے کر مصر سے چل دیں جس کو اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق و باطل کی کشمکش جو دنیا میں ہمیشہ سے قائم رہی ہے حق تعالیٰ ہم کو حق کے ساتھ وابستہ رکھیں اور حق کو اپنی تائید و نصرت سے غالب اور باطل کو مغلوب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ایمان و اسلام اور عمل صالح کے ساتھ ہم کو قیامت میں حاضر ہونا نصیب فرماویں۔ اور اپنے ان بندوں میں شامل فرماویں کہ جو جنت کی دائمی نعمتوں سے سرفراز فرمائے جائیں گے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ

اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ پھر اُن کیلئے سمندر میں خشک راستہ بنادینا

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾

نہ تم کو کسی کے تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ اور کسی قسم کا خوف ہوگا۔ پس فرعون اپنے لشکر کو لے کر اُن کے پیچھے چلا، تو سمندر اُن پر جیسے ملنے کو تھا آملا۔

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿٧٩﴾

اور فرعون اپنی قوم کو بُری راہ لایا اور نیک راہ اُن کو نہ بتلائی۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا اور تحقیق ہم نے وحی کی	اِلٰى طرف	مُوْسٰى موسیٰ	اَنْ اَسْرِ کہ راتوں رات لے جا	بِعِبَادِيْ میرے بندے			
فَاضْرِبْ پس بنالینا	لَهُمْ ان کیلئے	طَرِيْقًا راستہ	فِي الْبَحْرِ دریا میں	يَبَسًا خشک	لَا نہ	تَخٰفُ خوف ہوگا	دَرَكًا پکڑنا
وَلَا تَخْشٰى اور نہ ڈر	فَاَتْبَعَهُمْ پھر ان کا پیچھا کیا	فِرْعَوْنُ فرعون	بِجُنُوْدِهٖ اپنے لشکر کے ساتھ	فَغَشِيَهُمْ انہیں ڈھانپ لیا	مِنَ الْيَمِّ دریا سے		
مَا غَشِيَهُمْ جیسا کہ ان کو ڈھانپ لیا	وَاَضَلَّ اور گمراہ کیا	فِرْعَوْنُ فرعون	قَوْمَهٗ اپنی قوم	وَمَا هَدٰى اور نہ ہدایت دی			

تفسیر وتشریح:۔ جادوگروں کے ایمان لے آنے کے واقعہ کے بعد جس کا ذکر گذشتہ آیات میں ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مدت تک مصر میں رہے اور تبلیغ حق برابر کرتے رہے۔ فرعون نے بھی انتہائی ظلم پر کمر باندھ لی اور بنی اسرائیل کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہوگیا۔ یہاں اس سورۃ میں ان حالات کی تفصیل چھوڑ دی گئی ہے جو مصر میں اس طویل زمانۂ قیام میں پیش آئے ان کی تفصیلات حسب موقع سورۂ اعراف۔ سورۂ یونس۔ سورۂ مومن وغیرہ میں آئی ہیں۔ مختصراً یہ کہ بنی اسرائیل کے بے گناہ معصوم بچوں کو نذر شمشیر کرنا شروع کردیا۔ مختلف اوقات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعاء سے قوم فرعون مختلف غیبی عذابوں میں مبتلا ہوئی جیسے طوفان کا آنا۔ ٹڈیوں کا تمام سبزی کھا جانا۔ تمام فرعونیوں کے لئے پانی کا خون بن جانا ہر برتن کھانے اور کپڑے میں مینڈکوں کا پھیل جانا اس قسم کی غیبی تنبیہات ظاہر ہوتی رہیں تاکہ فرعون اور اس کی قوم بیدار ہوجائے۔ لکھا ہے کہ جب کوئی پکڑ آتی تو فرعون گھبرا کر بلکہ گڑ گڑا کر موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرتا کہ اچھا اس مصیبت کے ہٹ جانے پر میں بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کردوں گا۔ لیکن جب عذاب ہٹ جاتا پھر منکر بن کر سرکشی پر آجاتا اور کہتا کہ اے موسیٰ تیرا رب اس کے سوا کچھ اور بھی کرسکتا ہے۔ غرض ایک عرصہ تک موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں بہت سے نشانات ظاہر ہوئے۔ ہر طرح کی حجت تمام کردی اس پر بھی فرعون حق کو قبول کرنے اور بنی اسرائیل کو رہائی دینے پر آمادہ نہ ہوا تب حق تعالیٰ نے جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ سب بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات کے وقت مصر سے ہجرت کر جاؤ۔ اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو۔ راستہ میں سمندر یعنی بحر قلزم حائل ہوگا۔ سمندر کی موجیں تمہارے راستہ میں حائل نہ ہوں گی۔ ان ہی کے اندر سے اپنے لئے خشک راستہ نکال لو اور اس سے گزرتے ہوئے نہ غرق ہونے کا اندیشہ کرو اور نہ اس بات کا کہ شاید دشمن پیچھے تعاقب کرتا ہوا آ پکڑے لکھا

ہے کہ مصر کے اندر بنی اسرائیل کی آبادی قبطیوں یعنی فرعونی مصریوں سے بالکل جدا تھی۔ وہ حکمراں قوم تھی۔ کمزور اسرائیلیوں کے ساتھ رہنا اپنے لئے باعث ذلت سمجھتی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس سے فائدہ پہنچا۔ رات ہی کو سب کو اکٹھا کیا اور سب کو لے کر بحر قلزم کے انتہائی سرے پر جا پہنچے جب فرعون کو یہ اطلاع پہنچی کہ بنی اسرائیل مصر سے فرار ہونے کے لئے شہروں سے نکل گئے فرعون نے اسی وقت ایک زبردست فوج کو ساتھ لیا اور بنی اسرائیل کا تعاقب کیا۔ پیچھے پیچھے تمام لشکری تھے اور اگلے دستہ میں فرعون تھا اور صبح ہونے سے پہلے ان کے سر پر جا پہنچا۔ گروہ بنی اسرائیل کا پچھلا حصہ اور لشکر فرعون کا اگلا دستہ جب قریب ہو گئے تو اسرائیلیوں کو اندیشہ ہوا کہ اب ہماری گرفت ہو جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ سمندر میں لاٹھی مارو۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی فوراً پانی پھٹ گیا اور ۱۲ راستہ خشک نمودار ہو گئے کیونکہ بنی اسرائیل کے ۱۲ قبائل تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک جدا راستہ بن گیا۔ بنی اسرائیل اس پر سے بے تکلف گزر گئے۔ پیچھے سے فرعون اپنے عظیم الشان لشکر کو لئے تعاقب کرتا سمندر کے کنارے تک پہنچا اور متحیر کھڑا دیکھتا رہا کہ بنی اسرائیل کس طرح سمندر میں خشکی کے راستہ پر بے تکلف گزر رہے ہیں۔ مشیروں نے فرعون کو ابھارا کہ آپ ہی کے رعب سے تو سمندر خشک ہو گیا۔ پھر اس میں داخل ہونے میں کیا تامل ہے۔ فرعون نے بادل ناخواستہ سمندر میں گھوڑا ڈال دیا۔ پیچھے سے سب لشکر بھی داخل ہو گیا جس وقت بنی اسرائیل عبور کر گئے اور فرعونی لشکر راستہ کے بیچوں بیچ پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو ہر طرف سے مل جانے کا حکم دیا۔ پھر کیا تھا سمندر کی موجوں نے سب کو ڈھانپ لیا اور تمام فرعونی پانی کی راہ سے آگ میں پہنچ گئے۔ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس فرعون نے اپنی قوم کو کیسا برا راستہ بتلایا۔ یہ تو حال دنیا میں ہوا کہ سب کو لے کر سمندر میں ڈوبا اور ایسے ہی آخرت میں سب کو لے کر جہنم میں گریگا۔

بڑے لطیف انداز میں یہاں کفار مکہ کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے سردار اور پیشوا بھی تم کو اسی راستہ پر لئے جا رہے ہیں جس پر فرعون اپنی قوم کو لے گیا تھا اور جس راستہ پر چل کر وہ خود بھی تباہ ہوا اور ساتھ ہی قوم کو ڈبویا۔ بنی اسرائیل کے سمندر کو عبور کرنے سے لے کر کوہ سینا کے دامن میں پہنچنے تک کے واقعات و حالات یہاں چھوڑ دیئے گئے ہیں جن کی تفصیلات سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ اب یہاں آگے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ اپنے احسانات یاد دلا کر نصیحت فرماتے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو دین اسلام کا راستہ دکھلایا ہے تو ہم کو اس پر استقامت نصیب فرماویں۔ اسی دین حق کے راستہ پر ہم کو چلنا اور اس پر مرنا نصیب ہوتا کہ دین و دنیا دونوں لحاظ سے انجام کی خیر وخوبی حاصل ہو ہم کو اپنے رسول پاک کا اتباع کامل نصیب ہو۔ اور ہر کجی و گمراہی سے حق تعالیٰ ہماری حفاظت فرماویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا

اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے کوہ طور کی داہنی جانب آنے کا وعدہ کیا اور ہم نے تم پر

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ

من وسلویٰ نازل فرمایا۔ہم نے جو نفیس چیزیں تم کو دی ہیں اُن کو کھاؤ اور اس میں حد سے مت گزرو کہیں میرا غضب تم پر

غَضَبِيْ ج وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

واقع ہو جائے،اور جس شخص پر میرا غضب واقع ہوتا ہے وہ بالکل گیا گزرا ہوا۔اور میں ایسے لوگوں کیلئے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آویں

وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾

اور نیک عمل کریں پھر (اسی) راہ پر قائم رہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اے بنی اسرائیل	قَدْ تحقیق	اَنْجَيْنٰكُمْ ہم نے تمہیں نجات دی	مِنْ سے	عَدُوِّكُمْ تمہارا دشمن		
وَوٰعَدْنٰكُمْ اور ہم نے تم سے وعدہ کیا	جَانِبَ جانب	الطُّوْرِ کوہ طور	الْاَيْمَنَ دائیں	وَنَزَّلْنَا اور ہم نے اتارا	عَلَيْكُمُ تم پر	الْمَنَّ من
وَالسَّلْوٰى اور سلویٰ	كُلُوْا تم کھاؤ	مِنْ سے	طَيِّبٰتِ پاکیزہ چیزیں	مَا رَزَقْنٰكُمْ جو ہم نے تمہیں دیا	وَ اور	لَا تَطْغَوْا نہ سرکشی کرو
فِيْهِ اس میں	فَيَحِلَّ کہ اترے گا	عَلَيْكُمْ تم پر	غَضَبِيْ میرا غضب	وَمَنْ اور جو	يَحْلِلْ اُترا	عَلَيْهِ اس پر
غَضَبِيْ میرا غضب						
فَقَدْ هَوٰى تو وہ گرا	وَاِنِّيْ اور بیشک میں	لَغَفَّارٌ بڑا بخشنے والا	لِمَنْ اس کو	تَابَ توبہ کی	وَاٰمَنَ اور وہ ایمان لایا	وَعَمِلَ اور اس نے عمل کیا
صَالِحًا نیک	ثُمَّ پھر	اهْتَدٰى ہدایت				

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ کس طرح فرعون بمع اپنے سارے لاؤلشکر کے سمندر میں غرق ہوا اور بنی اسرائیل وعدہ الٰہیہ کے مطابق سمندر سے پار ہوگئے۔اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے وہ نعمتیں یاد دلاتے ہیں جو فرعون کو غرق کرنے کے بعد ان کو عطا کی گئی تھیں۔

اہل تفسیر کی رائے اس امر میں مختلف ہے کہ کس زمانہ کے بنی اسرائیل کو یہاں خطاب کیا گیا ہے بعض مفسرین نے صراحت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہود تھے خدا تعالیٰ نے ان کو وہ نعمتیں یاد دلائی ہیں جو ان کے آباء واجداد کو عطا کی گئی تھیں کیونکہ اسلاف پر جو انعامات کئے گئے ہوں ان کا احسان اولاد پر ہوا کرتا ہے مگر بعض مفسرین کا میلان اس طرف ہے کہ یہ خطاب انہی بنی اسرائیل کو ہے جو فرعون کے مقابلہ میں فتح یاب ہوئے تھے اور جن کو فرعون کے ڈوبنے کے بعد طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز کیا گیا تھا۔بہرحال یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر تین عظیم الشان احسان بیان فرمائے ہیں۔

اول یہ کہ ان کے ظالم دشمن کو ان کی نظروں کے سامنے تباہ و برباد کیا۔یہ ایسا احسان تھا کہ جس سے بنی اسرائیل زندہ ہوگئے۔ ہر وقت کی تکلیف۔ذلت۔مشقت اور مصیبت سے چھوٹ گئے۔

دوسرا احسان یہ بیان فرمایا کہ جب بنی اسرائیل بھی دنیا میں ایک باوقعت قوم شمار ہونے لگی تو ان کی دینی ہدایت کے لئے کوہ طور پر توراۃ دینے کا وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا گیا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور مقررہ ایام میں عبادت و

ریاضت کی اوران کو کتاب ہدایت یعنی توراۃ عطا کی گئی۔

تیسرا احسان یہ بیان فرمایا کہ جب بنی اسرائیل اپنی نافرمانیوں کے سبب وادی تیہ میں پھنس گئے اور رہائی کی کوئی شکل نظر نہ آئی اور تمام زادراہ ختم ہوگیا۔ سوائے موت کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا تو ایسے آڑے وقت میں اللہ تعالیٰ نے غیب سے ان کو لذیذ پاکیزہ اور حلال روزی عطا فرمائی۔ من اور سلویٰ ان کو بلا مشقت بقدر ضرورت ملنے لگا۔ من ایک میٹھی چیز تھی جوان کے لئے آسمان سے اترتی تھی اور سلویٰ ایک قسم کے پرند تھے جوان کے پاس آجاتے تھے اور بنی اسرائیل بقدر ایک دن کی خوراک کے انہیں لے لیتے تھے جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں ہو چکا ہے۔

بنی اسرائیل کو خدا تعالیٰ نے پہلے ہی تنبیہ فرمادی تھی کہ راہ مستقیم پر قائم رہنا۔ اعتدال سے نہ ہٹنا۔ مقررہ حدود سے تجاوز نہ کرنا۔ حلال کو چھوڑ کر حرام اور جائز کو چھوڑ کر ناجائز کی طرف قدم نہ اٹھانا۔ آرام سے رہو۔ کھاؤ پیو ناشکری اور نافرمانی مت کرو اور راحت و آرام میں پڑ کر گناہوں میں نہ پڑو ورنہ غضب خداوندی تم پر لازم ہوجائے گا۔ آخرت کے عذاب میں بھی مبتلا ہوگے اور دنیا میں بھی ذلت و محکومی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف یہود کے حق میں پوری ہوئی۔ جب یہود اپنی شریعت کے احکام سے بیزار ہوگئے۔ انبیاء وصلحا کو قتل کرنے لگے۔ سودخواری شروع کردی۔ رشوت۔ خیانت۔ فریب۔ دغا اور جھوٹ میں مبتلا ہوگئے تو غضب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ حکومت و سلطنت سے محروم کیے گئے۔ ظالم و جابر بادشاہوں کو ان پر مسلط کیا گیا اور ذلت و مسکنت میں یہ پڑے۔ اور محکوم بنے۔ تو حق تعالیٰ نے یہ قانون بیان فرما کر کہ جس کسی پر میرا غضب نازل ہوا تو جانو کہ وہ غارت ہی ہوگیا پھر بھی کسی کو مایوس نہیں رکھا اور ارشاد ہوا کہ میں تو غفار یعنی بڑا بخشنے والا ہوں۔ امام رازیؒ نے یہاں یہ نکتہ تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح بندہ کے لئے اس کی کثرت ذنوب کی بنا پر تین درجہ ہوسکتے ہیں۔ ایک ظالم۔ دوسرے ظلوم۔ تیسرے ظلام۔ حق تعالیٰ نے بھی اس کے مقابل اپنے تین نام رکھے ہیں۔ ایک غافر۔ دوسرے غفور۔ تیسرے غفار مگر اپنی مغفرت کے لئے چار شرطیں فرمائی ہیں۔ اول تاب یعنی توبہ۔ سرکشی۔ نافرمانی۔ شرک۔ کفر سے باز آجانا۔ دوسرے امن یعنی ایمان۔ اللہ اور رسول۔ اور کتاب اور آخرت کو صدق دل سے مان لینا۔ تیسرے عمل صالحا یعنی عمل صالح۔ اللہ اور رسول کی ہدایت کے مطابق نیک کام کرنا اور چوتھے اہتدیٰ یعنی راہ راست پر ثابت قدم رہنا اور پھر غلط راستہ پر نہ جا پڑنا۔ تو جہاں طغیان یعنی سرکشی کرنا۔ حد سے نکلنا قانون اور قاعدہ کے باہر جانا اس پر اپنے غضب نازل ہونے کی وعید بیان فرمائی وہیں اپنی بخشش و رحمت اور بڑی سے بڑی خطا و قصور جرم کا درگزر کرنا اور معاف کردینا بھی ظاہر فرمایا جس کے لئے چار شرطیں ہیں۔ توبہ۔ ایمان۔ عمل صالح اور ہدایت پر قائم رہنا۔

یہاں خطاب اگرچہ قوم بنی اسرائیل سے ہے۔ مگر جو کچھ یہاں فرمایا گیا ہے اس پر امت مسلمہ کو بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ اس وقت ہم نے ہر طرح کی معصیت اور نافرمانی کرکے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہے۔ مگر حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ابھی توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ اور توبہ۔ ایمان اور عمل صالح پر اپنی بخشش و رحمت سے درگزر فرمانے کا وعدہ بھی فرما رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو انعامات و احسانات امت مسلمہ پر فرمائے ہیں وہ تمام دنیا کی دوسری قوموں سے زیادہ ہیں۔ اس لئے امت مسلمہ پر ان احسانات کی شکرگزاری بھی زیادہ ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ و فہم عطا فرمائیں۔ اور کفران نعمت کے وبال سے بچائیں۔ اب آگے موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانا۔ وہاں توراۃ کا عطا ہونا۔ اور آپ کے پیچھے قوم کا گمراہ ہوکر گوسالہ پرستی شروع کردینے کا احوال اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾

اور اے موسیٰ آپ کو اپنی قوم سے آگے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ لوگ یہیں تو ہیں میرے پیچھے پیچھے اور میں آپ کے پاس جلدی سے اس لئے چلا آیا کہ آپ خوش ہوں گے

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ

ارشاد ہوا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے بعد ایک بلا میں مبتلا کر دیا اور اُن کو سامری نے گمراہ کر دیا۔ غرض موسیٰ غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف

غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۗ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ

واپس آئے۔ فرمانے لگے کہ اے میری قوم کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا کیا تم پر زیادہ زمانہ گزر گیا تھا یا تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر

اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ﴿۸۶﴾

تمہارے رب کا غضب واقع ہو اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اُس کے خلاف کیا۔

وَمَا اور کیا	اَعْجَلَكَ تجھے جلد لائی	عَنْ قَوْمِكَ اپنی قوم سے	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	قَالَ اس نے کہا	هُمْ وہ	اُولَآءِ یہ ہیں	عَلٰٓى اَثَرِىْ میرے پیچھے
وَعَجِلْتُ اور میں نے جلدی کی	اِلَيْكَ تیری طرف	رَبِّ اے میرے رب	لِتَرْضٰى تا کہ تو راضی ہو	قَالَ اس نے کہا	فَاِنَّا پس ہم نے	قَدْ تحقیق	
فَتَنَّا آزمائش میں ڈالا	قَوْمَكَ تیری قوم	مِنْۢ بَعْدِكَ تیرے بعد	وَاَضَلَّهُمُ اور انہیں گمراہ کیا	السَّامِرِىُّ سامری	فَرَجَعَ پس لوٹا	مُوْسٰى موسیٰ	
اِلٰى قَوْمِهٖ اپنی قوم کی طرف	غَضْبَانَ غصہ میں بھرا ہوا	اَسِفًا افسوس کرتا	قَالَ اس نے کہا	يٰقَوْمِ اے میری قوم	اَلَمْ يَعِدْكُمْ کیا تم سے وعدہ نہیں کیا تھا		
رَبُّكُمْ تمہارا رب	وَعْدًا حَسَنًا اچھا وعدہ	اَفَطَالَ کیا طویل ہوگئی	عَلَيْكُمُ تم پر	الْعَهْدُ مدت	اَمْ اَرَدْتُّمْ یا تم نے چاہا	اَنْ يَّحِلَّ کہ اترے	
عَلَيْكُمْ تم پر	غَضَبٌ غضب	مِنْ سے	رَبِّكُمْ تمہارا رب	فَاَخْلَفْتُمْ پھر تم نے خلاف کیا	مَّوْعِدِىْ میرا وعدہ		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ جب فرعون غرق ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر ملک شام کی طرف چلے تو راستہ میں بنی اسرائیل کی سرکشی کے سبب ایک لق ودق بیابان میں جس کو وادی سینا یا وادی تیہ کہا جاتا ہے۔ تمام بنی اسرائیل پھنس گئے جہاں کھانے پینے کو کچھ نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور غیب سے روزانہ من و سلویٰ ملنے لگا جس سے بلا مشقت روزانہ کھانے کا انتظام ہوگیا۔ پینے کے لئے وہاں پانی نہ تھا۔ بنی اسرائیل گھبرا اٹھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگے کہ ہم پانی کہاں سے پئیں۔ یہاں تو پانی پینے کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درگاہ الٰہی میں التجا کی اور وحی الٰہی نے ان کو حکم دیا کہ اپنا عصا زمین پر مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد کیا اور فوراً ۱۲ چشمے زمین سے ابل پڑے۔ بنی اسرائیل کے ۱۲ قبائل تھے ہر ایک کے لئے جدا جدا چشمہ جاری ہوگیا۔ جب کھانے اور پینے کی ضروریات سے اطمینان ہوگیا تو بنی اسرائیل نے تیسرا مطالبہ کیا کہ گرمی کی شدت اور سایہ دار درخت۔ و مکان وغیرہ کی راحت میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہم پریشان ہیں ایسا نہ ہو کہ گرمی اور تپش ہماری زندگی کا خاتمہ کردے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اس سخت تکلیف سے بھی ان کو نجات عطا فرما۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سنی گئی اور آسمان پر بادلوں

کے پرے کے پرے بنی اسرائیل پر سایہ فگن ہو گئے اور بنی اسرائیل جہاں بھی سفر کرتے بادلوں کا یہ سایہ ان کے سروں پر رہتا۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طفیل بنی اسرائیل پر خدائے تعالیٰ کے احسانات کی مسلسل بارش ہوتی رہی مگر یہ عجیب الفطرت قوم ایک نہ ایک بوالعجبی کا نیا مظاہرہ پیش کرتی رہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ جب بنی اسرائیل مصری حکومت کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے تو تم کو شریعت دی جائے گی تاکہ اسرائیلی قوم کے پاس اپنا دستور العمل اور قانون اصلاح ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں حصول کتاب کی دعا کی۔ جس پر حکم ہوا کہ ستر بنی اسرائیل کو منتخب کر کے سب کو لے کر کوہ طور پر آؤ اور ایک ماہ کے روزے رکھو اور پھر بعد میں اس میں دس روز کا اضافہ کر دیا گیا تھا کل ۴۰ روزوں کا حکم ہوا تھا حکم الٰہی کے موافق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے ۷۰ آدمی منتخب کئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم پر اپنا خلیفہ بنادیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مناجات اور قرب کے شوق نے زیادہ بے قرار کیا تو آپ نے قوم کے سرداروں سے کہہ دیا کہ میں آگے چلتا ہوں تم بھی میرے پیچھے آجانا۔ طور پر پہنچ کر آپ صوم و ریاضت وعبادت میں مشغول گئے۔ اور وہاں تیس دن کی بجائے جس کا آپ قوم سے وعدہ کر کے گئے تھے ۴۰ روز لگ گئے۔ ادھر قوم کے جن لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام نے منتخب کیا تھا وہ اپنی جگہ ہی رہ گئے طور کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی میں دس روز کی تاخیر سے لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ کسی نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ خدا کے عتاب میں ماخوذ ہو کر محبوس کر لئے گئے۔ بنی اسرائیل کے ساتھ ایک شخص سامری بھی تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھانا چاہا اور قوم سے بولا میں تمہارا معبود تم کو دکھاؤں جو تمکو مصر سے نکال کر لایا ہے۔ سامری کے متعلق جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ یہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا منافق تھا اور منافقین کی طرح فریب و چالبازی سے سیدھے سادے بنی اسرائیلیوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔ سامری نے بنی اسرائیلیوں سے کہا کہ مصریوں کے جو تمہارے پاس زیورات ہیں وہ میرے پاس لاؤ۔ فرعونیوں کے یہ زیورات کس طرح بنی اسرائیل کے ساتھ آئے تھے؟ یا ان سے مستعار لئے تھے؟ یا مال غنیمت کے طور پر ملے یا اور کوئی صورت ہوئی اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بہر حال کوئی بھی صورت ہو۔ بنی اسرائیل اس کا استعمال اپنے لئے جائز نہ سمجھتے تھے کیونکہ اس کا حکم شریعت موسوی میں اب تک معلوم نہ ہوا تھا۔ اس لئے سامری نے اس کے جمع کرنے کی رائے دی اور اسرائیلیوں نے ایسا کر دیا۔ سامری نے سب زیور گلا کر بچھڑے کی شکل کا ایک ایسا بت بنایا کہ جس سے آواز نکلتی تھی۔ بنی اسرائیل گائے سے بہت زیادہ مانوس تھے اپنے قیام مصر کے زمانہ میں مصریوں کو گائے بیل پوجتے دیکھا کرتے تھے۔ مصر سے نکلنے کے بعد بھی ایک قوم کی طرف سے گزرے تھے جو گاؤ پرست تھے۔ گائے کی پرستش ہوتے دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزارش کرنے لگے تھے کہ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی معبود مقرر کر دیجئے جیسا کہ اس قوم کا ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بہت سختی سے ڈانٹا اور تنبیہ کی۔ اب جب انہوں نے سونے کا بچھڑا بولتے دیکھا تو اب سامری کے اغوا سے اس بچھڑے کے گرویدہ ہو گئے قربانیاں چڑھانے لگے۔ اس کے سامنے سجدہ کرتے۔ اس کے چاروں طرف گھومتے گھنٹیاں اور ڈھول بجاتے۔ حضرت ہارونؑ موسیٰ علیہ

8 السلام کے جانشین تھے۔انہوں نے ہر چند سمجھایا لیکن کسی نے نہ مانا بلکہ آپ کے مارنے کے درپے ہوگئے۔اب جب کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حق تعالیٰ سے مکالمت ومخاطبت ہوئی تو جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ ایسی جلدی کیوں کی کہ قوم کو پیچھے چھوڑ آئے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ اے پروردگار تیری خوشنودی کے لئے جلد حاضر ہوگیا کیونکہ امتثال امر میں پیش دستی کرنا زیادہ موجب خوشنودی ہے اس لئے سب سے پہلے میں وعدہ مکالمت اور مخاطبت کی جگہ چلا آیا کہ آپ زیادہ خوش ہوں گے اور قوم کے لوگ بھی کچھ زیادہ دور نہیں۔میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔اس سے مراد وہی ۷۰ منتخب سردار تھے۔یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گمان کے موافق عرض کیا۔اس پر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تمہارے چلے آنے کے بعد تو تمہاری قوم ایک بلا میں گرفتار ہوگئی اور ان کو سامری نے گمراہ کردیا۔انہوں نے تو بچھڑا پوجنا شروع کردیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سنا تو ان کو سخت رنج ہوا اور غصہ اور ندامت کے ساتھ قوم کی طرف توراۃ کی تختیاں لے کر واپس ہوئے واپس آکر دیکھا کہ سونے کا ایک بچھڑا ہے جس کے منہ سے آواز نکل رہی ہے اور لوگ اس کی پرستش میں مصروف ہیں۔یہ دیکھ کر پہلے قوم سے مخاطب ہوکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ میرے آنے میں کونسی ایسی تاخیر ہوگئی تھی جو تم نے یہ آفت برپا کی؟ یہ فرماتے جاتے تھے اور غیض وغضب میں کانپ رہے تھے حتیٰ کہ ہاتھ سے توراۃ کی الواح بھی گر گئیں۔

اب قوم نے جو جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا وہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو ہر طرح کی گمراہی۔اور بے دینی کے فتنوں سے محفوظ فرماویں۔اور دین اسلام پر ہم کو سختی سے قائم رکھیں اور اس پر استقامت نصیب فرماویں۔ہم نے جو وعدہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر کیا ہے اس وعدہ کو پوری طرح اپنی حقیقت کے ساتھ ایفا کرنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرماویں۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ

وہ کہنے لگے کہ ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا تھا اُس کو اپنے اختیار سے خلاف نہیں کیا ولیکن قوم کے زیور میں سے ہم پر بوجھ لدر ہا تھا سو ہم نے اُس کو ڈال دیا پھر اسی طرح

اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۵

سامری نے ڈال دیا۔ پھر اُس (سامری) نے اُن لوگوں کیلئے ایک بچھڑا (بنا کر) ظاہر کیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی سو وہ لوگ کہنے لگے کہ تمہارا

فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ قَالَ

اور موسیٰ کا بھی معبود تو یہ ہے موسیٰ تو بھول گئے۔ کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ وہ نہ تو اُن کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ اُن کے کسی ضرر یا نفع پر قدرت رکھتا ہے۔ اور اُن لوگوں سے

لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾

ہارونؑ نے پہلے بھی کہا تھا کہ اے میری قوم تم اس (گوسالہ) کے سبب گمراہی میں پھنس گئے ہو اور تمہارا رب (حقیقی) رحمٰن ہے سو تم میری راہ پر چلو اور میرا کہا مانو۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾

انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس آئیں اسی (کی عبادت) پر برابر جمے بیٹھے رہیں گے۔

قَالُوْا وہ بولے	مَآ اَخْلَفْنَا ہم نے خلاف نہیں کیا	مَوْعِدَكَ تمہارا وعدہ	بِمَلْكِنَا اپنے اختیار سے	وَلٰكِنَّا اور لیکن	حُمِّلْنَا ہم پر لادا گیا		
اَوْزَارًا بوجھ	مِنْ سے	زِيْنَةِ الْقَوْمِ قوم کا زیور	فَقَذَفْنٰهَا تو ہم نے اسے ڈال دیا	فَكَذٰلِكَ پھر اسی طرح	اَلْقَى ڈالا		
السَّامِرِيُّ سامری	فَاَخْرَجَ پھر اس نے نکالا	لَهُمْ ان کیلئے	عِجْلًا ایک بچھڑا	جَسَدًا ایک قالب	لَّهٗ اس کیلئے	خُوَارٌ گائے کی آواز	
فَقَالُوْا پھر انہوں نے کہا	هٰذَا یہ	اِلٰهُكُمْ تمہارا معبود	وَاِلٰهُ اور معبود	مُوْسٰى موسیٰ	فَنَسِيَ پھر وہ بھول گیا	اَفَلَا يَرَوْنَ پس کیا وہ نہیں دیکھتے	
اَلَّا يَرْجِعُ کہ وہ نہیں پھیرتا	اِلَيْهِمْ ان کی طرف	قَوْلًا بات	وَلَا يَمْلِكُ اور اختیار نہیں رکھتا	لَهُمْ ان کے	ضَرًّا نقصان	وَ اور	
لَا نَفْعًا نہ نفع	وَ اور	لَقَدْ قَالَ تحقیق	لَهُمْ ان سے	هٰرُوْنُ ہارونؑ	مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے	يٰقَوْمِ اے میری قوم	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں
فُتِنْتُمْ تم آزمائے گئے	بِهٖ اس سے	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكُمُ تمہارا رب	الرَّحْمٰنُ رحمٰن ہے	فَاتَّبِعُوْنِيْ سو میری پیروی کرو		
وَاَطِيْعُوْا اور اطاعت کرو	اَمْرِيْ میری بات	قَالُوْا انہوں نے کہا	لَنْ نَّبْرَحَ ہم ہرگز جدا نہ ہونگے	عَلَيْهِ اس پر	عٰكِفِيْنَ جمے ہوئے		
حَتّٰى یہانتک کہ	يَرْجِعَ لوٹے	اِلَيْنَا ہماری طرف	مُوْسٰى موسیٰ				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کوہ طور پر حق تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ تمہارے پیچھے تمہاری قوم گمراہی میں مبتلا ہوگئی اور ایک بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حالت کو سن کر قوم کی طرف سے سخت رنجیدہ اور غصہ میں بھرے ہوئے کوہ طور سے واپس آئے اور قوم سے خطاب فرمایا کہ تم نے میرے پیچھے یہ کیا خلاف وعدہ بات کی کیا اس حرکت سے تم یہ چاہتے تھے کہ تمہارے رب کا غضب تم پر نازل ہو جاوے۔ ایسی کوئی زیادہ مدت بھی انتظار کرتے کرتے نہیں گزری تھی کہ تھک گئے اور پھر گوسالہ پرستی اختیار کر لی۔ قوم سے جو سختی سے باز پرس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی تو انہوں

نے جواب دیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کے وعدہ کے خلاف اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ یہ حرکت ہم سے سامری نے کرائی۔ مصریوں کے زیورات کا جو بوجھ ہم ساتھ لئے پھر رہے تھے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسے کیا کریں وہ ہم نے باہمی مشورہ کے بعد اپنے سے اتار پھینکا۔ اس کو آگ میں پگھلا کر سامری نے ڈھال لیا اور بچھڑے کی صورت بنا کر کھڑی کر دی اور ہم کو گمراہ کر دیا اور سب کہنے لگے کہ موسیٰ سے بھول ہوئی کہ وہ اپنے خدا سے ہم کلام ہونے کے لئے طور پر گئے۔ خدا تو یہاں موجود ہے یعنی یہی بچھڑا۔ العیاذ باللہ۔ یہ قول بنی اسرائیل میں سے سخت جاہلوں اور غالیوں کا ہوگا۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان اندھوں کو اتنی موٹی بات بھی نہیں سوجھتی تھی کہ جو مورتی نہ کسی سے بات کر سکے نہ کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچانے کا اختیار رکھے وہ معبود یا خدا کس طرح بن سکتی ہے۔ اور اس سے بڑی جہالت یہ کہ ہارون علیہ السلام کی نصیحت کو بھی نہیں مانا چنانچہ ہارون علیہ السلام ان سے نرمی سے زبانی فہمائش کر چکے تھے کہ جس بچھڑے پر تم مفتون ہو رہے ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ تمہارا پروردگار تو صرف ایک رحمٰن ہے جس نے اب تک خیال کرو کس قدر رحمتوں کی بارش تم پر کی ہے۔ اسے چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو۔ میں حضرت موسیٰ کا جانشین ہوں اور خود نبی ہوں۔ اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو لازم ہے کہ میری راہ چلو اور میری بات مانو اور سامری نے گمراہی میں مت آؤ۔ جس پر قوم کے اکثر لوگوں نے کہا کہ موسیٰ کے واپس آنے تک تو ہم اس سے ٹلتے نہیں۔ ان کے آنے پر دیکھا جائے گا۔ جو ہونا ہوگا اس وقت ہوگا اس وقت ہم اپنے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ کریں گے۔

غرض اسرائیلیوں نے ہارون علیہ السلام کا کہنا نہیں مانا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ انسان کی بہت بڑی گمراہی ہے کہ انسان کو جب حق کی بدولت کامرانی و کامیابی حاصل ہو جائے تو خدا کے شکر و سپاس اور عبودیت و نیاز کی جگہ مخالفین حق کی طرح غفلت اور سرکشی اور عصیان و نافرمانی میں مبتلا ہو جائے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ حصہ جو فرعون سے نجات پا کر بحر قلزم عبور کرنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے وہ اسی گمراہی سے معمور ہے۔ اسی لئے دیدہ دانستہ حق کو حق جانتے ہوئے بھی سرکشی کرنے پر خدا تعالیٰ کی سزا بھی سخت ہوئی۔ جس کی کچھ تفصیلات سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں۔

اب یہاں بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کے پاکستان کی اب تک گذشتہ ۳۰ سالہ تاریخ بھی یہی بتلائی ہے تقسیم ہند جن کی آنکھوں کے سامنے ہوئی ہے اور پاکستان بننے سے پہلے جو موجود تھے وہ سب جانتے ہیں کہ اس وقت ہر ایک لیڈر اور رہنما جو پاکستان کا حامی تھا یہی کہتا تھا کہ پاکستان ایک اسلامی حکومت ہوگی جہاں ہم اسلامی شریعت کی روشنی میں اپنا رہنا سہنا کریں گے اور جہاں قرآنی احکام کا نفاذ ہوگا اور جہاں ہم قرآن و سنت کے موافق معاشرہ قائم کر سکیں گے۔ دوسرے الفاظ میں پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسے سامان کر دیئے کہ پاکستان بن گیا۔ اور بالکلیہ اقتدار آپ کے ہاتھوں میں آ گیا۔ تو جب اللہ نے آپ کو ایک دنیوی سلطنت و حکومت کے اعزاز سے نوازا اور پاکستان بنانے میں کامیابی اور کامرانی عطا فرمائی اور فرنگیوں کے تسلط سے نجات بخشی تو چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ کے اس نعمت کی بڑی قدر دانی کی جاتی اور اس کی نافرمانی سے ہر طرح بچا جاتا مگر افسوس صد افسوس کہ جس اسلام کے نام پر یہ حکومت مانگی گئی تھی اور جس اسلام کے نام پر یہ حکومت قائم ہوئی اسی اسلام کو ہر طرح سے ذبح کر کے بے دم کرنے کی کوشش کی گئی اور لطف یہ کہ اسلام کا لیبل لگا کر یہ سب کچھ کیا گیا۔ اس ملک میں اب تک زنا۔ شراب۔ جوا۔ قمار۔ سود۔ اغوا۔ چوری۔ ڈکیتی۔ قتل۔ رشوت۔

محاشی - عریانی۔ بے شرمی بے حیائی۔ کا منّا تو در کنار اور اضافہ روز افزوں ہے۔ اور ایک ایک شعائر اسلام کو جس بے دردی سے گذشتہ دور میں مٹانے کی کوشش کی گئی وہ بھی ظاہر ہے کہ گذشتہ میں حج پر پابندی ہونے کی وجہ سے کتنے اس تمنا میں مر گئے مگر حج نصیب نہ ہوا۔ رمضان میں کھلے بندوں ہوٹلوں میں کھانا پینا جو ہوتا رہا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ الغرض یہ داستان اس پاکستانی تاریخ کی نہایت دردناک ہے اور بڑی عبرتناک ہے کہ آدھا ملک ہاتھ سے جانے کے بعد بھی ہوش نہیں آیا۔

نوٹ۔ واضح ہو کہ یہ درس ابتداء اب سے تقریباً دس بارہ سال پہلے اور نظر ثانی کے لئے تقریباً ۷۔۸ سال پہلے لکھا گیا تھا۔ اب جو کچھ ملک میں اسلامی نظام کے لئے کوشش اور وعدہ ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطا فرمائیں اور اس ملک کی بدبختی کو خوش قسمتی سے پلٹ دیں اور ہم کو اس ملک کو حقیقی معنی میں پاکستان دیکھنا اپنی رحمت سے نصیب فرمائیں۔

یہ ذکر اس پر آ گیا تھا کہ حق تعالیٰ جب کوئی نعمت عطا فرمائیں اور اس نعمت کا حقیقی شکر نہ ادا کیا جائے بلکہ الٹی نافرمانی اور سرکشی اختیار کی جائے تو پھر قانون خداوندی سب کے لئے ایک ہے بنی اسرائیل کی گمراہیوں اور ان کی نافرمانیوں پر جو سزا ان کو ملیں ان سے ہم کو سبق لینے کی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ اور ہم کو جو یہ حکومت وسلطنت عطا فرمائی ہے اس کی حقیقی شکر گزاری کی توفیق اہل اقتدار حکام اور عوام سب کو عطا فرمائیں۔ آمین۔

الغرض کوہ طور سے واپسی پر پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے باز پرس کی۔ اب آگے حضرت ہارون علیہ السلام سے مخاطبت ہے اور ان سے باز پرس فرمائی جاتی ہے اور پھر سامری سے اس حرکت پر باز پرس فرمائی گئی جس کا بیان اگلی آیات میں ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو راہ حق دکھلا کر غفلت و نافرمانی سے بچائیں اور گذشتہ قوموں کے حالات سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرماویں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پورا متبع و فرمانبردار بنا کر زندہ رکھیں اور ہر طرح کے فتنہ و گمراہی سے ظاہراً و باطناً بچاویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ

(موسیٰ نے) کہا کہ اے ہارونؑ جب تم نے (اُن کو) دیکھا تھا کہ یہ (بالکل) گمراہ ہوگئے تو تم کو میرے پاس چلے آنے سے کون امر مانع ہوا تھا سو کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا۔ ہارونؑ نے کہا کہ اے میرے ماں جائے

لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ

تم میری داڑھی مت پکڑو اور نہ سر (کے بال) پکڑو مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ تم کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میں تفریق ڈال دی اور تم نے

تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً

میری بات کا پاس نہ کیا۔ کہا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ اُس نے کہا کہ مجھ کو ایسی چیز نظر آئی تھی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی پھر میں نے اُس فرستادہ کے نقش قدم سے

مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾

ایک مٹھی (بھر خاک) اُٹھالی تھی سو میں نے وہ مٹھی (اس قالب کے اندر) ڈال دی اور میرے جی کو یہی بات پسند آئی۔

قَالَ اس نے کہا	يٰهٰرُوْنُ اے ہارونؑ	مَا مَنَعَكَ تجھے کس چیز نے روکا	اِذْ جب	رَاَيْتَهُمْ تو نے دیکھا انہیں	ضَلُّوْا وہ گمراہ ہوگئے
اَلَّا تَتَّبِعَنِ کہ تو نہ میری پیروی کرے	اَفَعَصَيْتَ تو کیا تو نے نافرمانی کی	اَمْرِيْ میرا یہ حکم	قَالَ اس نے کہا	يَبْنَؤُمَّ اے میرے ماں جائے	
لَا تَاْخُذْ نہ پکڑیں	بِلِحْيَتِيْ مجھے داڑھی سے	وَلَا بِرَاْسِيْ اور نہ سر سے	اِنِّىْ بیشک میں	خَشِيْتُ ڈرا	اَنْ تَقُوْلَ کہ تم کہو گے
فَرَّقْتَ تو نے تفرقہ ڈال دیا	بَيْنَ درمیان	بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ بنی اسرائیل	وَ اور	لَمْ تَرْقُبْ نہ خیال رکھا	قَوْلِيْ میری بات
قَالَ اس نے کہا	فَمَا پس کیا	خَطْبُكَ تیرا حال	يٰسَامِرِيُّ اے سامری	قَالَ وہ بولا	بَصُرْتُ میں نے دیکھا
بِمَا وہ جو کہ	لَمْ يَبْصُرُوْا انہوں نے نہ دیکھا	بِهٖ اس کو	فَقَبَضْتُ پس میں نے مٹھی بھرلی	قَبْضَةً ایک مٹھی	مِنْ سے
اَثَرِ الرَّسُوْلِ فرشتہ کا نقشِ قدم	فَنَبَذْتُهَا تو میں نے وہ ڈال دی	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	سَوَّلَتْ پھسلایا	لِيْ مجھے	نَفْسِيْ میرا نفس

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے بڑی سختی کے ساتھ باز پرس کی جس کے جواب میں قوم نے اپنے کو بری الذمہ ثابت کرنے کی کوشش کی اور سامری کو گمراہ کرنے کا مجرم قرار دیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف مخاطب ہوئے جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ میں تم کو اپنا خلیفہ بنا کر اور حکم کر کے گیا تھا کہ میرے پیچھے ان کی اصلاح کرنا پھر تم نے کیا اصلاح کی؟۔ کیوں اپنے موافقین کو ساتھ لے کر ان گوسالہ پرستوں کا سختی سے مقابلہ نہ کیا؟ اگر یہ نہ ہو سکتا تھا تو ان سے منقطع ہو کر میرے پاس طور پر کیوں نہ چلے آئے؟ اور فرطِ جوش میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بال اور داڑھی پکڑ لی تھی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی معذرت پیش کی اور فرمایا کہ اے میرے بھائی۔ میری مطلق خطا نہیں ہے۔ میں نے ان کو ہر چند سمجھایا مگر انہوں نے کسی طرح نہیں مانا اور کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ علیہ السلام نہ آجائیں ہم تمہاری بات سننے والے نہیں بلکہ انہوں نے مجھ کو کمزور پا کر میرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا جب میں نے یہ حالت دیکھی تو خیال کیا کہ اب اگر ان سے لڑائی کی جاوے اور مومنین اور گوسالہ پرستوں کے درمیان جنگ برپا ہو تو مجھ پر یہ الزام نہ لگایا جائے کہ میرے پیچھے قوم میں تفرقہ ڈال دیا اس لئے میری سمجھ میں یہی آیا کہ آپ کے آنے کا انتظار کروں

بہ نسبت اس کے کہ پیچھے ایسا کوئی کام کروں جس سے بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑے۔ کیونکہ ظاہر ہے اگر مقابلہ ہوتا تو کچھ لوگ میرے ساتھ ہوتے کچھ مخالف ہوتے تو مجھے ڈر ہوا کہ پھر یہ الزام مجھ پر لگتا کہ میرا انتظار کیوں نہ کیا۔ قوم میں تفرقہ کیوں ڈالا۔

یہاں اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ دو پیغمبروں میں بھی اختلاف رائے ہوسکتا ہے اور دونوں طرف صواب کے پہلو ہوسکتے ہیں۔ اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رائے ازروئے اجتہاد یہ تھی کہ اس حالت میں ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اس مشرک قوم کے ساتھ نہیں رہنا چاہئے تھا۔ ان کو چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ جاتے جس سے ان کے عمل سے مکمل بیزاری کا اظہار ہوجاتا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی رائے ازروئے اجتہاد یہ تھی کہ اگر ایسا کیا گیا تو ہمیشہ کے لئے بنی اسرائیل کے ٹکڑے ہوجائیں گے اور تفرقہ قائم ہوجائے گا۔ اور چونکہ ان کی اصلاح کا یہ احتمال موجود تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد ان کے اثر سے پھر یہ سب ایمان اور توحید کی طرف لوٹ آویں اس لئے کچھ دنوں کے لئے ان کے ساتھ مساہلت اور مساکنت کو ان کی اصلاح کی توقع تک گوارا کیا جائے۔ دونوں حضرات کا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل۔ ایمان و توحید پر لوگوں کو قائم کرنا تھا مگر ایک نے مفارقت اور مقاطعہ کو اس کی تدبیر سمجھا۔ دوسرے نے اصلاح حال کی ابتداء تک ان کے ساتھ مساہلت اور نرمی کے معاملہ کو اس مقصد کے لئے نافع سمجھا۔ دونوں جانبین اہل عقل وفہم اور فکر ونظر کے لئے محل غور وفکر ہیں۔ کسی کو خطا کہنا آسان نہیں۔ مجتہدین امت کے اجتہادی اختلافات عموماً اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ ان میں کسی کو گنہگار یا نافرمان نہیں کہا جاسکتا۔ رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کے بال پکڑنے کا معاملہ تو یہ دین کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے شدت وغضب کا اثر تھا کہ تحقیق حال سے پہلے انہوں نے ہارون علیہ السلام کو ایک واضح غلطی پر سمجھا اور جب ان کا عذر معلوم ہوگیا تو پھر اپنے لئے اور ان کے لئے دعاء مغفرت فرمائی۔ (معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۱۴۴)

الغرض ہارون علیہ السلام کی معقول بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ان کی جانب سے فرو ہوا تو اب آپ سامری کی جانب مخاطب ہوئے اس کو ڈانٹ بتلائی اور فرمایا کہ اب تو اپنی حقیقت بیان کر۔ یہ حرکت تو نے کس وجہ سے کی؟ اور کیا اسباب پیش آئے کہ بنی اسرائیل تیری طرف جھک پڑے؟ سامری نے جواب دیا کہ مجھ کو ایک ایسی چیز نظر پڑی تھی جو ان اسرائیلیوں میں سے کسی نے نہیں دیکھی تھی اور وہ یہ کہ غرق فرعون کے وقت جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار اسرائیلیوں اور فرعونیوں کے درمیان حائل تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے گھوڑے کے سم کی خاک میں اثر حیات پیدا ہوجاتا ہے اور جہاں ان کے گھوڑے کے قدم پڑتے ہیں خشک زمین پر سبزہ اگ آتا ہے تو میں نے جبرئیل کے گھوڑے کے قدموں کی خاک سے ایک مٹھی بھر لی اور اس خاک کو اس بچھڑے میں ڈال دیا اور اس میں زندگی کے آثار پیدا ہوگئے اور یہ بھاں بھاں کرنے لگا۔ سامری نے یہ کسی محسوس دلیل سے یا وجدان سے یا کسی قسم کے تعارف سابق کی بنا پر سمجھ لیا ہوگا کہ یہ جبرئیلؑ ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب مصر میں فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کراتا تھا تو سامری کی ماں اس کو ایک غار میں چھپا کر ڈال آئی کہ فرعونیوں کے ہاتھوں سے ذبح سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام سے اس کی پرورش کرائی۔ اس لئے سامری حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس صورت سے پہچانتا تھا۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

سامری کی یہ سخن سازی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبول نہیں کی اور اس کا یہ جواب سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بددعا دی۔ اور وہ بددعا کیا تھی اور اس کا کیا اثر ہوا اور پھر اس گوسالہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ وَانْظُرْ

آپ نے فرمایا تو بس تیرے لئے (دُنیوی) زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو یہ کہتا پھرا کرے گا کہ مجھ کو کوئی ہاتھ نہ لگانا، اور (اسکے علاوہ) تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں

اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝۹۷ اِنَّمَآ

اور تو اپنے اس معبود (باطل) کو دیکھ جس پر تو جما ہوا بیٹھا تھا ہم اس کو جلا دیں گے پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے۔ بس تمہارا

اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝۹۸

(حقیقی) معبود صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، وہ (اپنے) علم سے تمام چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

قَالَ اس نے کہا	فَاذْهَبْ پس تو جا	فَاِنَّ لَكَ بیشک تیرے لئے	فِي الْحَيٰوةِ زندگی میں	اَنْ کہ	تَقُوْلَ تو کہے	لَا نہ	مِسَاسَ چھونا
وَاِنَّ اور بیشک	لَكَ تیرے لئے	مَوْعِدًا ایک وقتِ مقرر	لَّنْ تُخْلَفَهٗ ہرگز تجھ سے خلاف نہ ہوگا	وَانْظُرْ اور دیکھ	اِلٰٓى طرف		
اِلٰهِكَ اپنے معبود	الَّذِيْ وہ جس	ظَلْتَ تو رہتا تھا	عَلَيْهِ اس پر	عَاكِفًا جما ہوا	لَنُحَرِّقَنَّهٗ ہم اسے البتہ جلائیں گے		
ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ پھر البتہ اسے بکھیر دیں گے	فِي الْيَمِّ دریا میں	نَسْفًا اُڑا کر	اِنَّمَآ اس کے سوا نہیں	اِلٰهُكُمُ تمہارا معبود	اللّٰهُ اللہ		
الَّذِيْ وہ جو	لَآ نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	وَسِعَ وسیع	كُلَّ شَيْءٍ ہر شے	عِلْمًا علم	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باز پرس میں سامری نے جو جواب دیا تھا وہ بیان ہوا تھا چونکہ بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب سامری کا فعل تھا اس لئے سامری کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں سزا کی وعید سنائی۔ اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا کہ اس حرکت کی سزا دنیوی زندگی میں تو تیرے لئے یہ ہے کہ تو کہتا پھرے گا کہ مجھ کو کوئی ہاتھ نہ لگانا۔ یعنی سب سے بالکل علیحدہ ہو کر رہے گا چونکہ سامری نے بچھڑے کا ڈھونگ بنایا تھا کہ جاہ اور ریاست حاصل ہو لوگ اس کے ساتھ ہوں اور سردار مانیں لہٰذا اس کے مناسب سزا ملی کہ کوئی اس کے پاس نہ پھٹکے۔ جو قریب جائے تو وہ خود دور رہنے کی ہدایت کرے۔ اور دنیا میں ایک بالکل ذلیل اچھوت اور وحشی جانور کی طرح زندگی گزارے۔ لکھا ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے بالکل الگ رہتا اگر وہ کسی سے ملتا یا کوئی اس سے ملتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا اس ڈر سے لوگوں سے دور دور بھاگا پھرتا تھا کسی کو دور سے دیکھتا تو کہتا لا مساس مجھے کوئی ہاتھ نہ لگانا۔ بعض نے کہا ہے کہ اسے جنون ہو گیا تھا اور اس وحشت جنون میں لوگوں سے بھاگتا بھی تھا اور یہ لفظ لا مساس کہتا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کو جذام یعنی کوڑھ ہو گیا تھا اس لئے لوگ اس کی ہوا سے بھی بچتے تھے۔ بہر حال یہ تو اس کی دنیا میں سزا ہوئی کہ نہ وہ کسی کو ہاتھ لگا سکے اور نہ کوئی اسے ہاتھ لگا سکے اور اس سزا کے علاوہ قیامت میں حق تعالیٰ کے عذاب کا جو وعدہ ہے وہ جدا رہا کہ جو کسی طرح ٹالا نہیں جا سکتا۔ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو اس کی سزا سنائی اور آگے ارشاد فرمایا کہ تیری سزا تو یہ ہوئی اب تیرے جھوٹے معبود کی قلعی بھی کھولے دیتا ہوں۔ جس بچھڑے کو تو نے خدا بنایا اور دن بھر وہاں دل جمائے بیٹھا رہتا تھا۔ ابھی تیری

آنکھوں کے سامنے توڑ پھوڑ کر اور جلا کر راکھ کر دوں گا اور پھر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دوں گا تا کہ اس کے پجاریوں کو خوب واضح ہو جائے کہ وہ دوسروں کو تو کیا نفع و نقصان پہنچا سکتا خود اپنے وجود کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا۔ باطل کو مٹانے کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو حق کی طرف بلاتے جاتے ہیں کہ یہ بچھڑا تو کیا چیز ہے۔ کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی معبود نہیں بن سکتی۔ سچا معبود تو بس وہی ایک اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی عقلاً و نقلاً روا نہیں اور جس کا لامحدود علم ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔

حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے قتل کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے سخی ہونے کے سبب قتل سے منع فرما دیا۔ غرض کہ سامری کو جو سزا دی گئی ممکن ہے کہ وہ وحیاً ہو یا اجتہاداً سامری کو سزا سنانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کو ریزہ ریزہ کر کے جلا کر دریا میں بہا دیا جس سے اس امر پر تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ جن اسباب و ذرائع سے شرک پیدا ہو یا اس کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو ان کی بالکل بیخ کنی کر دینی چاہئے لکھا ہے کہ جب اس بچھڑے کے ذرات کو دریا میں بہا دیا گیا اور جب سب لوگوں نے اس دریا کا پانی پیا تو جن لوگوں نے گوسالہ کی پرستش کی تھی ان کے چہرے زرد پڑ گئے اور اس طرح سارے گوسالہ پرست معلوم ہو گئے۔ تو اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدائے تعالیٰ کی جناب میں رجوع کیا کہ اب ان کے اس ارتداد اور بے دینی کی سزا آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو جیسا کہ سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکا حق تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ جن لوگوں نے یہ شرک کیا ہے ان کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ نہ کیا تھا وہ سجدہ کرنے والوں کو قتل کریں اور وہ بھی اس طرح کہ جو شخص رشتہ میں جس سے زیادہ قریب ہو وہ اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے یعنی باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو اور بھائی بھائی کو۔ آخر بنی اسرائیل کو اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ یہودیوں کی توراۃ میں ہے کہ اس طرح تین ہزار بنی اسرائیل قتل ہوئے لیکن بعض اسلامی روایات میں اس سے بھی زیادہ تعداد مذکور ہے اور ۷۰ ہزار کا قتل کیا جانا نقل ہوا ہے۔ غرض جب نوبت یہاں تک پہنچی تو موسیٰ علیہ السلام درگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے اور عرض کیا کہ بارالٰہا! اب ان پر رحم فرما اور ان کی خطا کو بخش دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا اور جو زندہ ہیں اور قصوروار تھے ان کی بھی خطا معاف کر دی۔ اب ان کو سمجھا دو کہ آئندہ شرک کے قریب بھی نہ جائیں۔

اب یہاں اس سورۃ میں ان آیات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ختم ہوتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بعد اگلی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے اور اصل موضوع جس سے اس سورۃ کی ابتدا ہوئی تھی یعنی قرآن کا ذکر اسی موضوع پر یعنی قرآن پاک کے اتباع اور فرمانبرداری اور اس کا انجام اور اگر اس سے منہ موڑا اور اعراض اور انکار کیا تو اس کا بھی انجام بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک و تعالیٰ نے جن مقاصد سے گذشتہ انبیاء کے واقعات و حالات قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں ہمیں ان سے نصیحت و عبرت حاصل کرنے والا بنائیں۔ اور ہم سے جو گذشتہ میں اس باب میں تقصیرات ہو چکی ہیں اسے اپنی رحمت سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے معاف فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ

اسی طرح ہم آپ سے اور واقعات گزشتہ کی خبریں بھی بیان کرتے رہتے ہیں، اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے۔ جو لوگ

اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ

اس سے روگردانی کریں گے سو وہ قیامت کے روز بڑا بھاری بوجھ لادے ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بوجھ قیامت کے روز اُن کیلئے بُرا (بوجھ) ہوگا۔

الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ

جس روز صور میں پھونک ماری جاوے گی اور ہم اُس روز مجرم لوگوں کو قیامت میں اس حالت سے جمع کریں گے کہ (آنکھوں سے) کرنجے ہوں گے۔ چپکے چپکے آپس میں باتیں

بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ

کرتے ہوں گے کہ تم لوگ (قبروں میں) صرف دس روز رہے ہوگے۔ جس مدت کی نسبت وہ بات چیت کریں گے اُس کو ہم خوب جانتے ہیں جبکہ اُن سب میں کا زیادہ صائب الرائے یوں کہتا ہوگا

لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾

کہ نہیں تم تو ایک ہی روز (قبر میں) رہے ہو۔

كَذٰلِكَ اسی طرح	نَقُصُّ ہم بیان کرتے ہیں	عَلَيْكَ تجھ پر	مِنْ سے	اَنْۢبَآءِ خبریں	مَا جو	قَدْ سَبَقَ گزر چکا	
وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ اور تحقیق ہم نے تمہیں دیا	مِنْ لَّدُنَّا اپنے پاس سے	ذِكْرًا نصیحت	مَنْ جس	اَعْرَضَ منہ پھیرا	عَنْهُ اس سے	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	
يَحْمِلُ لادے گا	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	وِزْرًا بوجھ	خٰلِدِيْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهِ اس میں	وَسَآءَ اور برا ہے	لَهُمْ ان کیلئے	
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	حِمْلًا بوجھ	يَوْمَ جس دن	يُنْفَخُ پھونک ماری جائیگی	فِي الصُّوْرِ صور میں	وَنَحْشُرُ اور ہم اکٹھا کرینگے		
الْمُجْرِمِيْنَ مجرموں کو	يَوْمَىِٕذٍ اس دن	زُرْقًا نیلی آنکھیں	يَتَخَافَتُوْنَ آہستہ آہستہ کہیں گے	بَيْنَهُمْ آپس میں	اِنْ نہیں	لَبِثْتُمْ تم رہے	
اِلَّا مگر	عَشْرًا دس دن	نَحْنُ ہم	اَعْلَمُ خوب جانتے ہیں	بِمَا وہ جو	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	اِذْ يَقُوْلُ جب کہے گا	اَمْثَلُهُمْ سب سے اچھی
طَرِيْقَةً راہ	اِنْ نہیں	لَبِثْتُمْ رہے تم	اِلَّا مگر	يَوْمًا ایک دن			

تفسیر و تشریح:۔ قرآن پاک میں مختلف قصص اور گذشتہ تاریخی واقعات حسب موقع جو بیان فرمائے گئے ہیں ان کے متعدد فوائد ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گذشتہ واقعات کا علم ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت کی عظمت میں اضافہ ہو جائے۔ کفار عرب خصوصاً قریش کے انکار و سرتابی سے جو رنج و ملال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارکہ کو ہوتا تھا وہ دور ہو جائے اور آپ کو تسلی ہو جائے کہ فقط میری قوم ہی میرا انکار نہیں کر رہی ہے بلکہ گذشتہ اقوام نے انبیاء کے طرح طرح کے معجزات دیکھ کر بھی ہمیشہ سرتابی کی ہے۔ پھر گذشتہ واقعات و حالات کو باوجود امی ہونے کے آپ کا بیان کرنا یہ کھلا ہوا ثبوت ہے کہ بغیر وحی الٰہی کے یہ تمام واقعات ماضیہ کا علم کس طرح ہو سکتا ہے۔ پھر منکرین کو بھی عبرت ہو کہ انکار کا نتیجہ جو پہلی

قوموں کو اٹھانا پڑا وہی ہم کو اٹھانا پڑے گا۔ مومنین کے ایمان میں پختگی پیدا ہو کہ گذشتہ امتوں میں بھی اہل ایمان نے منکرین کے ہاتھوں ابتداء کیسی سختیاں برداشت کیں مگر انجام کار اللہ نے حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرمایا۔ تو گذشتہ انبیاء کے واقعات و قصے بیان کرنے میں یہ متعدد فوائد ہیں۔

ان آیات میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ ہم جو انبیائے سابقین اور گذشتہ اقوام کے واقعات آپ کو اور آپ کے ذریعہ سے تمام دنیا کو سناتے رہتے ہیں ان سے مقصود صرف نصیحت کرنا ہے اور جس طرح ہم نے گذشتہ انبیاء کو مختلف معجزات عطا کئے تھے اسی طرح ایک عظیم الشان نصیحت نامہ یعنی قرآن پاک آپ کو عطا کیا ہے جس میں دین و دنیا کے تمام ضروری مسائل اور عقیدہ و عمل کے تمام اصلاحی قوانین کا تذکرہ ہے۔ علوم ظاہری و اسرار باطنی کا بیان ہے۔ روحانی کمالات کے حصول اور دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہونے کے طریقوں کا اظہار ہے۔ تو اب جو شخص اس قرآن کی صداقت کا انکار کرے گا اور اس کے مضامین و قوانین ماننے سے روگردانی کرے گا تو وہ دوامی عذاب کا مستحق ہوگا اور اس قرآن کے اعراض و تکذیب سے جو گناہوں کا بوجھ قیامت کے دن ان پر لادا جائے گا وہ کبھی ہلکا نہ ہوگا ہمیشہ اس کے نیچے دبے رہیں گے پھر اس بوجھ کا اٹھانا کوئی ہنسی کھیل نہیں۔ جب اٹھائیں تو پتہ چلے گا کہ کیسے برے اور سخت بوجھ کے نیچے دبائے گئے ہیں۔ اب چونکہ منکرین قرآن کا ذکر آ گیا اس لئے قیامت میں ان کا کیا حال اور کیسا انجام ہوگا کچھ اسکا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو سب مر جائیں گے اور پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو جائیں گے۔ یہاں آیت میں دوبارہ صور پھونکا جانا مراد ہے کہ جس دن یہ صور پھونکا جائے گا تو مجرمین جن سے مراد کفار ہیں محشر میں اس طرح لائے جائیں گے کہ ان کی آنکھیں ازرق ہوں گی۔ ازرق کے ترجمہ میں اہل تفسیر کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ قیامت کے ہولناک امور دیکھنے کے سبب کافروں کی آنکھیں کرنجی سبزی مائل بلی کی آنکھوں کی طرح ہوں گی۔ اہل عرب کے نزدیک ایسی آنکھیں منحوس اور معیوب سمجھی جاتی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ آنکھوں کے ازرق ہونے سے مراد نابینا ہونا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ خوف و دہشت کی وجہ سے آنکھوں کی پتلیاں پھٹ جائیں گی یا کثرت نور سے کافروں کی آنکھیں اندھی ہو جائیں گی کیونکہ کفر کے سبب ان کی آنکھوں میں نور کو دیکھنے کی طاقت نہ ہوگی۔ بعض مفسرین نے حیرت واستعجاب سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کو آنکھوں کو ازرق ہونا کہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قیامت کے مقامات واحوال متعدد ہیں کہ بوقت حشر کافروں کی آنکھیں اچھی خاصی ہوں گی۔ پھر قیامت کی ہولناکی دیکھ کر آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی پھر نیلی ہو جائیں گی اور آخر میں سب نابینا ہو جائیں گے پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی تا کہ دوزخ وغیرہ کو دیکھ سکیں۔ پھر آخرت کے طول اور وہاں کے ہولناک احوال کی شدت کو دیکھ کر دنیا میں یا قبر میں رہنا اتنا کم نظر آئے گا کہ گویا ہفتہ عشرہ سے زیادہ نہیں رہے۔ بڑی جلدی دنیا ختم ہوگئی یہاں کے مزے اور لمبی چوڑی امیدیں سب بھول جائیں گے۔ بیہودہ عمر ضائع کرنے پر ندامت ہوگی اور جوان منکرین میں زیادہ ہوشیار ہوگا وہ کہے گا کہ عشرہ یعنی دس دن بھی کہاں تمہاری دنیا کی زندگی بس ایک دن کی تھی۔

یہاں پہلی بات یہ بتائی گئی کہ جو شخص اس نصیحت نامہ یعنی قرآن سے منہ موڑے گا اور اس کی ہدایت اور رہنمائی قبول کرنے سے انکار کر دے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اللہ اور اس کے رسول کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ اس کی یہ حماقت خود اپنے ساتھ دشمنی ہوگی۔

دوسری بات یہ بتائی گئی کہ کوئی شخص جس کو قرآنی احکام ونصائح پہنچیں اور پھر وہ اسے قبول کرنے سے انکار کرے یا پہلوتہی کرے آخرت میں سزا پانے سے نہیں بچ سکتا۔ آیت کے الفاظ عام ہیں۔ کسی قوم۔ کسی ملک۔ کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں۔

بلکہ یہ حکم ہر شخص کے لئے عام ہے۔ خواہ مغرب کا باشندہ ہو یا مشرق کا افریقہ کا سیاہ فام غلام ہو۔ یا امریکہ کا سفید فام عیار ہو۔ یورپین ہو یا ایشیائی چینی ہو یا جاپانی۔ ہندی ہو یا پاکستانی۔ جب تک یہ قرآن دنیا میں موجود ہے اور جہاں جہاں جس جس ملک اور قوم کے جس شخص کو بھی یہ پہنچے گا اس کے لئے دو ہی راستہ ہوں گے یا تو اس کو مانے اور اس کی پیروی اختیار کرے۔ یا اس کو نہ مانے اور اس سے اعراض اور روگردانی برتے جس کا انجام بھی ان آیات میں بتا دیا گیا **من اعرض عنہ فانہ یحمل یوم القیمۃ وزرا** یعنی جو شخص قرآن سے اعراض اور روگردانی کرے گا قیامت کے روز اس پر بڑا بوجھ عذاب کا لدا ہو گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے" کہ قرآن سے اعراض کی مختلف صورتیں ہیں۔ اس کی تلاوت کی طرف کوئی دھیان ہی نہ کرے۔ نہ کبھی قرآن پڑھنے اور سیکھنے کی فکر کرے یا قرآن کو پڑھے مگر غلط سلط پڑھے۔ تصحیح حروف کی فکر نہ کرے یا صحیح بھی پڑھے مگر بے توجہی اور بے دلی سے پڑھے۔ اسی طرح قرآن کے احکام کو سمجھنے کی طرف توجہ نہ دینا بھی قرآن سے اعراض ہے اور سمجھنے کے بعد ان پر عمل کرنے میں کوتاہی یا اس کے احکام کی خلاف ورزی یا تو اعراض کا انتہائی درجہ ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) غرض قرآن کے حقوق سے بے پروائی کرنے کا بڑا وبال ہے جو قیامت کے روز بار گراں بن کر اس کی گردن پر لاد دیا جائے گا جیسا کہ روایات حدیث میں بھی ہے کہ انسان کے برے اعمال اور گناہ قیامت کے روز ایک بار گراں بن کر اس کے اوپر لادا جائے گا۔" (معارف القرآن جلد ۶)

اب یہاں ہم اس پاکستان میں جو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت کہلاتی تھی ان بدنصیب اور بدبخت افراد کا ذکر کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ جنہوں نے معاذ اللہ معاذ اللہ قرآن کو فرسودہ کتاب بتلایا۔ اور جنہوں نے یہ کہا کہ اگر قرآن اور اسلام اقتصادی مسائل کا مکمل حل پیش کرتا تو ہم سوشلزم کا نعرہ نہ لگاتے لیکن چونکہ سوشلزم ہی غربت اور افلاس کا حل ہے اس لئے ہم نے پیروں اور ملاؤں کی مخالفت کے باوجود اس کے لئے کام کرنا شروع کیا۔ اب بتائیے کیا یہ کھلم کھلا قرآن سے اعراض اور روگردانی نہیں ہے کیا قرآن کو ماننے اور اس پر ایمان رکھنے کے یہی معنی ہیں کہ بس ہم اسلام کا لیبل لگا کر جو چاہیں قرآن کو کہیں اور جو چاہیں اس کے قوانین اور احکام کو خیال کریں! قرآن کے ساتھ یہ منافقانہ رویہ اور یہ اعراض اور روگردانی کھلے ہوئے مخالف اور دشمن اسلام کے اعراض اور روگردانی سے زیادہ خطرناک ہے اللہ تعالیٰ اپنی ڈھیل کی رسی کو ان ظالموں پر کھینچ لیں اور ان کی شرارتوں اور در پردہ مخالفتوں کا خاتمہ فرماویں۔ (نوٹ: جس وقت یہ درس لکھا گیا تھا ملک میں ایسے ہی حالات تھے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اب ملک میں فضا بدلی ہوئی ہے۔ اور دینی فضا لانے کی کوشش ہو رہی ہے) یہ اپنے قوم اور ملک کا ذکر قرآن سے اعراض اور روگردانی پر بالاضطرار آ گیا۔ الغرض کہ اس کلامِ الٰہی کی آواز پر دنیا میں لبیک نہ کہنے والے اور اس مالک الملک ذوالجلال والاکرام کے فرمان سے اعراض اور روگردانی کرنے والے اور بڑے سے بڑے سرکش اور متکبر جو خدائی قانون کے سامنے اپنی گردن جھکانے کو تیار نہ ہوئے تھے وہ قیامت کے روز اسی حی قیوم کے سامنے کس طرح ذلیل اور مجرم قیدیوں کی طرح گردن جھکائے چلے آئیں گے اور ان کا کیا حال ہو گا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کو اور ہماری نسلوں کو اور ہمارے ملک کو اور ہماری قوم کو اور تمام عالم اسلام کو دنیا میں قرآن پاک کا متبع بنا کر زندہ رکھیں اور دل و جان سے اس کے احکام اور قوانین کو قبول کرنے والا اور ان پر عمل پیرا ہونے والا مسلمان بنا کر زندہ رکھیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا

اور لوگ آپ سے پہاڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں (کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا) سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دیگا۔ پھر زمین کو ایک میدان ہموار کردے گا۔

تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ

کہ جس میں تو (اے مخاطب) نہ ہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی دیکھے گا۔ اس روز سب کے سب بلانے والے کے کہنے پر ہولیں گے اسکے سامنے کوئی ٹیڑھا پن نہ رہے گا اور تمام آوازیں

لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ

اللہ تعالیٰ کے سامنے دب جاویں گی۔ سو تو (اے مخاطب) بجز پاؤں کی آہٹ کے اور کچھ نہ سنے گا اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو کہ جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو

وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ

اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کرلیا ہو۔ وہ (اللہ تعالیٰ) ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کرسکتا اور اس روز تمام چہرے

الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ

اُس حی وقیوم کے سامنے جھکے ہونگے۔ اور ایسا شخص تو ناکام رہے گا جو ظلم (یعنی شرک) لیکر آیا ہوگا۔ اور جس نے نیک کام کئے ہوں گے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾

سو اس کو نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کمی کا۔

وَيَسْــَٔلُوْنَكَ اور وہ آپ سے دریافت کرینگے	عَنِ الْجِبَالِ پہاڑ کے متعلق	فَقُلْ تو کہدیں	يَنْسِفُهَا انہیں بکھیر دیگا	رَبِّيْ میرا رب	نَسْفًا اُڑا کر			
فَيَذَرُهَا پھر اسے چھوڑ دیگا	قَاعًا میدان	صَفْصَفًا ایک ہموار	لَا تَرٰى نہ دیکھے گا تو	فِيْهَا اس میں	عِوَجًا کوئی کجی	وَّلَآ اور نہ	اَمْتًا کوئی بلندی	
يَوْمَىِٕذٍ اس دن	يَّتَّبِعُوْنَ وہ سب پیچھے چلیں گے	الدَّاعِيَ ایک پکارنے والا	لَا عِوَجَ نہیں کوئی کجی	لَهٗ اس کیلئے	وَخَشَعَتِ اور پست ہوجائیں گی			
الْاَصْوَاتُ آوازیں	لِلرَّحْمٰنِ اللہ کیلئے	فَلَا تَسْمَعُ پس تو نہ سنے گا	اِلَّا مگر	هَمْسًا آہستہ آواز	يَوْمَىِٕذٍ اس دن	لَّا تَنْفَعُ نہ نفع دے گی		
الشَّفَاعَةُ کوئی شفاعت	اِلَّا مگر	مَنْ جس	اَذِنَ لَهُ اجازت دے اس کو	الرَّحْمٰنُ اللہ	وَرَضِيَ اور پسند کرے	لَهٗ اس کی	قَوْلًا بات	
يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھوں کے درمیان	وَمَا اور جو	خَلْفَهُمْ ان کے پیچھے	وَلَا يُحِيْطُوْنَ اور وہ احاطہ نہیں کرسکتے			
بِهٖ اس کا	عِلْمًا علم کے اندر	وَعَنَتِ جھک جائیں گے	الْوُجُوْهُ چہرے	لِلْحَيِّ سامنے	الْقَيُّوْمِ "قیوم"	وَقَدْ خَابَ اور نامراد ہوا	مَنْ جو	
حَمَلَ بوجھ اٹھایا	ظُلْمًا ظلم	وَمَنْ اور جو	يَّعْمَلْ کرے	مِنَ سے	الصّٰلِحٰتِ نیکی	وَ اور	هُوَ وہ	مُؤْمِنٌ مومن
فَلَا يَخٰفُ تو نہ اسے خوف ہوگا	ظُلْمًا کسی ظلم کا	وَّلَا هَضْمًا اور نہ کسی نقصان کا						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں منکرین قرآن کا ذکر ہوا تھا کہ جو دنیا میں اس قرآن سے اعراض اور روگردانی کریں گے وہ قیامت کے روز بڑا بھاری بوجھ عذاب کا لادے ہوں گے اور پھر قیامت کے بعض احوال کا مجملاً تذکرہ فرمایا گیا تھا کہ عالم دنیا اور عالم

قبر کا زمانہ حشر میں ایسا معلوم ہوگا جیسے دنیا کا ایک دن تو منکرین حشر جو قیامت کو مانتے ہی نہ تھے اور طرح طرح کے شبہات نکالتے اور کہتے کہ ایسے ایسے سخت اور عظیم الشان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا؟ کیا یہ بھی ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ اس کا جواب ان آیات میں دیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کے سامنے پہاڑوں کی کیا حقیقت ہے۔ ان سب کو ذرا سی دیر میں کوٹ پیس کر ریت کے ذرات اور دھنی ہوئی روئی کی طرح ہوا میں اڑا دیا جائے گا اور زمین بالکل صاف اور ہموار کردی جائے گی جس میں کچھ ایچ پیچ اور اونچ نیچ نہ رہے گی۔ پہاڑوں کی رکاوٹیں ایک دم میں صاف کردی جائیں گی اور زمین چٹیل میدان ہوجائے گی۔ اس روز اسرافیل علیہ السلام بلند آواز سے محشر کی طرف بلائیں گے اور ان کی ندا سن کر سب کے سب اپنی اپنی قبروں سے نکل کر ادھر ادھر مڑے بغیر سیدھے آواز کی طرف دوڑیں گے اور میدان حشر میں جمع ہوجائیں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں آیت میں داعی یعنی بلانے والے سے مراد حضرات اسرافیل علیہ السلام ہیں جو بیت المقدس کی جگہ پر کھڑے ہوکر صور لے کر پکاریں گے۔ **ایتها العظام البالیه. والجلود المتفرقة واللحوم المتمزقة. هلمی الی عرض الرحمٰن.** اے گلی ہوئی ہڈیو! اور پراگندہ کھالو! اور ریزہ ریزہ شدہ گوشت کے ٹکڑو رحمٰن کے حضور میں چلو۔ تو یہ ندائے اسرافیل سن کر ہڈی گوشت کھال بال سب کچھ مل جل کر انسانی شکل بن کر قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور ہر شخص آواز کی طرف لپکے گا۔ کاش یہ منکرین لوگ دنیا میں اللہ کے داعی کی آواز پر اسی طرح سیدھے جھپٹتے تو وہاں کام آتا پر یہاں اپنی بدبختی اور کجروی سے ہمیشہ ٹیڑھی چال چلتے رہے۔ اور اس روز حق تعالیٰ کے خوف اور ہیبت کے مارے کسی کی اونچی آواز نہ نکل سکے گی سب کی آوازیں پست ہوں گی اور کوئی کچھ بولے گا بھی تو اس قدر آہستہ جیسے کانا پھوسی کرتے ہوں اور اس روز کسی کو کسی کی سفارش نفع نہ دے گی۔ بجز ایسے شخص کو کہ جس کی سفارش کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے شافعین کو اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے شافع کا بولنا پسند کرلیا ہو۔ اہل سنت کا اجماع ہے کہ قیامت کے دن فرشتے انبیاء اولیاء اور صلحائے امت شفاعت کریں گے مگر ان کی شفاعت بغیر اذن الٰہی کے نہ ہوگی اور یہ اجازت صرف کلمہ گو مومنین کے بارے میں ہوگی۔ کفار کے لئے سفارش کی کسی کو اجازت ہی نہ ہوگی۔ گویا منکرین کو یہ سنایا جارہا ہے کہ تم شفاعت اور سفارش سے بھی محروم رہو گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے سب اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ کس کو کس کے لئے شفاعت کا موقع دینا چاہئے۔ اگر کوئی مومن ابتدا ہی میں شفاعت کے لائق ہے تو اس کے لئے ابتدا ہی میں شفاعت کی اجازت ہوگی۔ اور اگر جہنم میں داخل ہونے کے بعد قابل شفاعت ہوگا تو دخول جہنم کے بعد اس کی شفاعت ہوگی اور اگر کسی کے دل میں ایمان ہی نہیں اور وہ قابل شفاعت ہی نہیں تو اس کی شفاعت مطلقاً نہ ہوگی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس روز بڑے بڑے سرکش متکبروں کے سر بھی علانیہ اسی حیی و قیوم کے سامنے ذلیل قیدیوں کی طرح جھکے ہوں گے جنہوں نے کبھی خدا کے آگے پیشانی نہ ٹیکی تھی۔ اس وقت بڑی عاجزی سے گردن جھکائے چلے آئیں گے۔ اخیر میں تمام اہل محشر کے فرق اور انجام کو ظاہر فرمایا جاتا ہے کہ ایسا شخص تو ہر طرح ناکام رہے گا جو ظلم یعنی شرک و کفر اور نافرمانی لے کر آیا ہوگا اور جس نے نیک کام کئے ہوں گے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا یعنی مومن ہوگا اور ساتھ ہی عمل صالح بھی ہوں گے تو اس کو کامل اجر و ثواب ملے گا نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا نہ کمی کا یعنی اس کی کوئی نیکی نہ تو ضائع کی جائے گی اور نہ کسی نیکی کے اجر میں کمی کی جائے گی۔

یہاں بھی ظالموں اور مجرموں کے مقابلہ میں جو بشارت دی گئی ہے وہ نہ محض عمل صالح پر ہے اور نہ محض ایمان پر بلکہ دونوں کے مجموعہ پر یعنی اعمال صالحہ بھی ہوں اور ایمان بھی ہو ان کے لئے بشارت ہے کہ ان کو آخرت میں نہ بے انصافی کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔

میرے عزیزو اور بھائیو۔ آج اس دنیا کی زندگی میں ہم کو موقع حاصل ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذخیرہ بھی جمع کرلیں کہ جو کل قیامت میں ہم کو اس بشارت کا مصداق بنادے اس لئے ہم کو اس زندگی کی قدر کرنا چاہئے اور اسکو اصل مقصد میں لگانا چاہئے۔ کہ قیامت کی ناکامی نصیب نہ ہو۔ اور یہ بھی سمجھ لیجئے بلکہ یقین کر لیجئے کہ اعمال صالحہ کسی سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق وتائید ہی سے ممکن ہیں۔ اس لئے ہماری اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ عاجزانہ درخواست و دعا ہونی چاہئے کہ یا اللہ اپنی توفیق حسن ہمارے شامل حال فرمادے اور ہم کو اس دنیا کی زندگی میں اپنی مرضیات والے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمادے۔ یا اللہ ہم کو میدان حشر میں اپنے مطیعین اور مخلصین بندوں میں شامل ہوکر اپنے سامنے حاضر ہونا نصیب فرما۔ آمین۔

اب آگے نزول قرآن کی ایک اور حکمت بیان کی گئی ہے اور نزول وحی کے سلسلہ میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہدایت تلقین فرمائی جاتی ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی رحمت سے ایمان و اسلام کے ساتھ ہم کو اعمال صالحہ کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اپنے فضل سے قیامت کے دن ہم کو اپنے ان بندوں میں شامل فرمائیں کہ جن کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ ڈر۔ یا اللہ ہمیں شافع محشر شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین۔ سیدالانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شفاعت نصیب فرمایئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر بے حساب وکتاب جنت میں داخلہ نصیب فرمایئے۔

یا اللہ ہم کو آج اس زندگی میں آخرت کا فکر اور وہاں کی تیاری کی توفیق نصیب فرمادیجئے اور ہم سے اپنی مرضیات کے وہ اعمال صالحہ کرالیجئے کہ کل میدان حشر میں ہم کو عزت والی کامیابی وکامرانی نصیب ہوجائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ

اور ہم نے اسی طرح اس کو عربی قرآن کر کے نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ لوگ ڈر جاویں یا یہ قرآن اُن کیلئے

يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى

کسی قدر سمجھ پیدا کردے۔ سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے بڑا عالی شان ہے اور قرآن (پڑھنے) میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے عجلت نہ کیا کیجئے

اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾

اور آپ یہ دُعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجئے۔

وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اس پر نازل کیا	قُرْاٰنًا قرآن	عَرَبِيًّا عربی	وَ اور	صَرَّفْنَا فِيْهِ ہم نے طرح طرح سے بیان کئے اس میں		
مِنَ سے	الْوَعِيْدِ ڈراوے	لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	يَتَّقُوْنَ پرہیزگار ہوجائیں	اَوْ يُحْدِثُ یا وہ پیدا کردے	لَهُمْ ان کیلئے	ذِكْرًا کوئی نصیحت	
فَتَعٰلَى اللّٰهُ سو بلند و برتر ہے اللہ	الْمَلِكُ بادشاہ	الْحَقُّ سچا	وَلَا اور نہ	تَعْجَلْ جلدی کرو	بِالْقُرْاٰنِ قرآن میں	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ کہ
يُّقْضٰى پوری کی جائے	اِلَيْكَ تمہاری طرف	وَحْيُهٗ اس کی وحی	وَقُلْ اور کہیئے	رَّبِّ اے میرے رب	زِدْنِيْ زیادہ دے مجھے	عِلْمًا علم	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ قرآن کامل ضابطہ اصلاح۔ قانون ہدایت اور مکمل دستور العمل ہے۔ اس کے اندر فلاح دارین کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ یہ محض تذکرہ قصص نہیں ہے نہ تاریخ اقوام بیان کرنا اس کی غرض ہے۔ لیکن چونکہ اسلاف کے ہدایت آمیز یا عبرت انگیز واقعات بیان کرنے سے انسان کے خیالات و اعمال کی فطرۃً اصلاح ہوتی ہے۔ ہر شخص طبعاً خوگر ہے کہ نظیر ومثال اس کے سامنے پیش کی جائے اس لئے قرآن میں جا بجا قصے و تاریخی واقعات مذکور ہیں۔ تو جس طرح گذشتہ تاریخی واقعات بیان کرنے سے اصل غرض ہدایت و اصلاح ہے اسی طرح قرآن کو عربی میں نازل کرنے اور آیات وعید کو بار بار لانے سے بھی مقصود ہدایات ہے چونکہ قرآن کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں اس لئے قرآن صاف زبان عربی میں نازل کیا گیا تاکہ وہ اس کو پڑھ کر خدا سے ڈریں اور بار بار آیات وعید لانے اور عذاب آخرت کا منظر پیش کرنے اور گذشتہ نافرمان قوموں کی تباہی کا تذکرہ کرنے سے اصل مدعا

یہی ہے کہ قرآن سن کر لوگوں میں سمجھ پیدا ہو۔ نصیحت و عبرت حاصل کریں۔ طاعت کی طرف راغب ہوں اور معاصی کو ترک کریں اور انجام کاران میں گناہوں سے بچنے کا ملکہ پیدا ہوجائے اور وہ متقی بن جائیں۔ اور اتنا نہ ہو تو کم از کم لوگوں کے دلوں میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ سوچ تو پیدا ہوجائے ممکن ہے یہی سوچ اور غور وفکر آگے بڑھتے بڑھتے ہدایت پر لے آئے اور ان کے ذریعہ سے دوسروں کو بھی ہدایت ہو۔ سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے اور عالی شان ہے اس نے ایسا عظیم الشان قرآن اور نافع کلام نازل فرمایا اور اپنے بندوں کو ایسی سچی اور اچھی باتیں ان کے فائدے کے لئے بتائیں۔ اب چونکہ یہاں نزول قرآن کا ذکر ہو رہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت زبان مبارک سے کلمات وحی کی تکرار فرماتے جاتے تھے اور اس سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ کہیں آیات وحی آپ بھول نہ جائیں اور جو حکم الٰہی نازل ہو اس میں فراموشی کے سبب اس کی تعمیل و تبلیغ سے قاصر نہ رہ جائیں اس لئے یہاں ایک ادب قرآن کی تنزیل سے

متعلق جس کا تعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے ہے ارشاد فرمایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ جس وقت فرشتہ یعنی جبرئیل علیہ السلام وحی الٰہی پڑھ کر سنائیں تو آپ عجلت کر کے ان کے ساتھ ساتھ نہ پڑھنے لگا کریں کیونکہ اس میں آپ کو تکلیف ہوتی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام سے سننا اور ساتھ ساتھ اس کو پڑھنا۔ سو ایسا نہ کیجئے بلکہ پوری وحی نازل ہو چکے تو پھر اس کو پڑھئے اور اس بات کا اندیشہ نہ کیجئے کہ شاید یاد نہ رہے۔ یاد کرانا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور آپ بھی یاد ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دے اور قرآن کی اور زیادہ سمجھ اور بیش از بیش علوم و معارف عطا فرمائیے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث و مفسر دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں لکھا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام جب قرآن لاتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پڑھنے کے ساتھ آپ بھی پڑھنے لگتے کہ بھول نہ جاؤں۔ اس کے متعلق پہلے سورۂ قیامہ جو ۲۹ پارہ میں ہے ہدایت فرمائی گئی تھی۔ **لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه وقرانه فاذا قرانه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه** اسے یاد کرنے کی جلدی میں اپنی زبان کو بار بار حرکت نہ دیجئے۔ اسے یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے لہٰذا جب ہم اسے سنا رہے ہوں تو غور سے سنتے رہئے پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ اس طرح آپ کی تسلی کر دی گئی تھی کہ اس قرآن کو یاد رکھوانا اور لوگوں تک پہنچوانا ہمارے ذمہ ہے لیکن شاید آپ بھول گئے اس لئے پھر اس آیت میں تاکید فرمائی اور بھولنے پر آگے حضرت آدم علیہ السلام کی مثل بیان فرمائی اور رب زدنی علما کی دعا تلقین فرمائی۔

اب آگے حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی وہ دل عطا فرمادیں کہ جو قرآنی وعیدیں سن کر خوف الٰہی سے کانپ جائے۔ اور یہ خوف خداوندی ہمارے لئے تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے۔

یا اللہ ہم کو بھی دین کی سمجھ عطا فرما۔ اور قرآن پاک کا علم ذوق شوق اور فہم نصیب فرما۔

اور اس کے جملہ احکام پر ہم کو عمل پیرا ہونے کی ہدایت و توفیق نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

9

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟

اوراس سے پہلے ہم آدمؑ کو ایک حکم دے چکے تھے سو اُن سے غفلت ہوگئی ہم نے اُن میں پختگی نہ پائی۔ اور وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا

لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰ ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا

کہ آدمؑ کے سامنے سجدہ (تحیت) کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے اُس نے انکار کیا۔ پھر ہم نے کہا کہ اے آدمؑ (یاد رکھو) یہ بلاشبہ تمہارا اور تمہاری بی بی کا دشمن ہے سو کہیں تم دونوں کو

مِنَ ٱلْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰٓ ﴿۱۱۷﴾ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ﴿۱۱۸﴾ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا۟ فِيهَا وَلَا

جنت سے نہ نکلوادے پھر تم مصیبت میں پڑجاؤ۔ یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ ہے کہ تم نہ بھوکے رہو گے اور نہ ننگے ہو گے۔ اور نہ یہاں پیاسے ہوگے اور نہ

تَضْحَىٰ ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ ٱلشَّيْطَٰنُ قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ ٱلْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ﴿۱۲۰﴾

دھوپ میں تپو گے۔ پھر اُن کو شیطان نے بہکایا کہنے لگا اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی کا درخت بتلاؤں اور ایسی بادشاہی کہ جس میں کبھی ضعف نہ آوے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا اور ہم نے حکم بھیجا	اِلٰی طرف	اٰدَمَ آدمؑ	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	فَنَسِیَ تو وہ بھول گیا	وَلَمْ نَجِدْ اور ہم نے نہ پایا	لَہٗ اس میں		
عَزْمًا پختہ ارادہ	وَاِذْ اور جب	قُلْنَا ہم نے کہا	لِلْمَلٰٓئِکَةِ فرشتوں کو	اسْجُدُوْا تم سجدہ کرو	لِاٰدَمَ آدمؑ کو	فَسَجَدُوْٓا تو سب نے سجدہ کیا		
اِلَّا سوائے	اِبْلِیْسَ ابلیس	اَبٰی اس نے انکار کیا	فَقُلْنَا پس ہم نے کہا	یٰٓاٰدَمُ اے آدمؑ	اِنَّ بیشک	ھٰذَا یہ	عَدُوٌّ دشمن	لَکَ تمہارا
وَلِزَوْجِکَ اور تمہاری بیوی کا	فَلَا سو تمہیں	یُخْرِجَنَّکُمَا نہ نکلوادے	مِنَ الْجَنَّةِ جنت سے	فَتَشْقٰی پھر تم مصیبت میں پڑجاؤ	اِنَّ بیشک			
لَکَ تمہارے لئے	اَلَّا تَجُوْعَ یہ کہ نہ بھوکے رہو	فِیْھَا اس میں	وَلَا اور نہ	تَعْرٰی ننگے	وَاَنَّکَ اور یہ کہ تم	لَا نہ	تَظْمَؤُا پیاسے رہوگے	
فِیْھَا اس میں	وَلَا تَضْحٰی اور نہ دھوپ میں رہوگے	فَوَسْوَسَ پھر وسوسہ ڈالا	اِلَیْہِ اسکی طرف	الشَّیْطٰنُ شیطان	قَالَ اسنے کہا	یٰٓاٰدَمُ اے آدمؑ		
ھَلْ کیا	اَدُلُّکَ میں تیری رہنمائی کروں	عَلٰی پر	شَجَرَةِ درخت	الْخُلْدِ ہمیشگی	وَمُلْکٍ اور بادشاہت	لَا یَبْلٰی نہ پرانی ہو		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائی گئی تھی کہ بوقت نزول وحی آپ جو ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسی عجلت نہ کیا کریں بلکہ جس وقت تک وحی نازل ہوتی رہے اس وقت تک آپ صرف غور سے سنا کریں۔ اور اس کے بعد اسے پڑھا کریں اور آپ حق تعالیٰ سے مزید علم کی درخواست کرتے رہیں اور یہ کہتے رہیں کہ اے اللہ میرا علم اور بڑھا۔ تو اس دعا میں علم قرآن کی تحصیل۔ حفظ فہم سب ہی کچھ آ گیا۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس درخواست ودعاء کی اس وجہ سے ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک امر کی ہدایت کی تھی۔ اور وہ ہدایت یہ تھی کہ جنت میں ایک درخت کو معین کر کے بتلا دیا تھا کہ اس کے پھل کو نہ کھانا اور اس کے قریب بھی نہ جانا۔ باقی اور ساری جنت کی نعمتیں تمہارے لئے کھلی ہوئی ہیں۔ ان کو کھاتے پیتے رہو اور یہ بھی بتلا دیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس کے بہکانے میں نہ آ جانا مگر آدم علیہ السلام اس عہد کو بھول گئے اور شیطان کے قسم کھانے سے دھوکہ کھا گئے۔ اور ابلیس کے وسوسہ سے ان کا عزم سست پڑ گیا اور عہد کی پوری حفاظت نہ کر سکے اور ان سے غفلت اور بے احتیاطی ہوگئی۔

یہاں سے ثابت ہوا کہ علم بڑی ضروری چیز ہے کہ اس کے حصول کے

بعد اس کا نسیان بھی مضر ہے۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انسان خواہ کتنے ہی بڑے مرتبہ کا ہو اسے ہر وقت حق تعالیٰ کی مدد کی ضرورت ہے۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے ان مصالح کی بنا پر جو حضرت آدم علیہ السلام کے خروج از جنت سے وابستہ تھیں اور نیز دوسری حکمتوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اس لغزش سے حفاظت نہیں کی اور وہ اس میں مبتلا ہو گئے اور حق تعالیٰ اگر انہیں فوراً تنبیہ کر دیتے تو ضرور بچ جاتے اس لئے اوپر جو دعا تعلیم فرمائی گئی تھی۔ یعنی رب زدنی علما اس میں دونوں باتیں داخل ہیں یعنی جو علم حاصل نہ ہو وہ علم دینا بھی اور دیئے ہوئے علم میں سے اگر کسی بات سے بھول یا غفلت ہو جائے تو اس پر تنبیہ کر دینا بھی تو مقصود یہ ہوا کہ آپ اس دعا سے ایسی لغزش سے بھی محفوظ رہیں گے جیسے آدم علیہ السلام سے ہو گئی تھی آگے وہ قصہ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش کا مع اس کے نتائج کے بیان فرمایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو سب فرشتوں نے ایسا کیا اور حکم الٰہی فوراً بجالائے۔ یہاں یہ سمجھ لیا جائے کہ فرشتوں کا یہ سجدہ کرنا سجدہ عبادت نہ تھا بلکہ سجدۂ تعظیم وتحیت تھا جو انبیائے سابقین کی شریعت میں جائز رہا۔ سجدۂ عبادت تو سوائے اللہ رب العزت کے کسی کے لئے بھی جائز نہیں۔ مگر خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں سجدۂ تعظیمی بھی منسوخ ہو گیا جیسے بہن بھائی کا نکاح حضرت آدمؑ کی شریعت میں جائز تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا۔ پس تمام ملائکہ نے حق تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں آدم علیہ السلام کو سجدۂ تعظیمی کیا بجز ابلیس کے کہ جو جنات میں سے تھا اور اپنی عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں شامل کر لیا گیا تھا اس نے سجدہ نہیں کیا اور صاف انکار کر دیا۔ جس پر وہ مردود ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہہ دیا کہ اے آدم یاد رکھو یہ بلاشبہ تمہارا اور تمہاری بی بی کا دشمن اس وجہ سے ہے کہ یہ تمہارے معاملہ میں مردود ہوا لہٰذا تم کو آئندہ اس سے ہوشیار رہنا چاہئے اور اس کے کسی مشورہ پر عمل نہ کرنا چاہئے تو دیکھو خبردار اس کے کہنے سے کوئی ایسا کام مت کر بیٹھنا کہ جنت سے باہر کئے جاؤ اور پھر مصیبت میں پڑو۔ یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ آرام ہے کہ نہ تم کبھی بھوکے ہو گے کہ اس سے تکلیف ہو یا اس کی تدبیر میں پریشانی ہو اور نہ ننگے ہو گے کہ کبھی کپڑا نہ ملے اور نہ پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ اور گرمی میں تپو گے۔ بخلاف اس حالت کے کہ اگر یہاں سے نکلے تو یہ ساری مصیبتیں ہوں گی اس لئے ان امور کو پیش نظر رکھ کر خوب ہی ہوشیاری اور بیداری سے رہنا۔ اس کے بعد شیطان نے ان کو جھانسہ دیا اور بہکایا اور کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی کی خاصیت کا درخت بتلا دوں کہ اس کے کھانے سے ہمیشہ شاد و آباد رہو اور ایسی بادشاہی حاصل رہے کہ جس میں کبھی ضعف نہ آئے۔

آدم علیہ السلام کا قصہ اس سے پہلے سورۂ بقرہ۔ سورۂ اعراف۔ سورۂ حجر۔ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف میں گزر چکا ہے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے پھر دہرایا گیا ہے ہر جگہ موقع اور سلسلہ بیان کی مناسبت کے لحاظ سے قصہ کی تفصیلات مختلف طریقہ سے بیان کی گئی ہیں۔ قصہ کے جو اجزا موضوع بحث سے مناسبت رکھتے ہیں وہ اسی جگہ بیان ہوئے ہیں۔ غرض کہ آدم علیہ السلام کو آگاہ کر دیا گیا تھا کہ ابلیس جو تمہاری وجہ سے راندہ درگاہ ہوا ہے یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تم اس سے ہوشیار رہنا یہ تمہارے جنت سے نکالنے کی فکر میں لگا رہے گا پس ایسا کام نہ کرنا جس سے جنت سے تمہیں نکلنا پڑے اور پھر دنیا کی مشقتوں میں پڑ جاؤ اور بیوی بھی تمہارے ساتھ ہے اس کا بوجھ بھی تم پر پڑے گا۔ یہاں جنت میں تو کھانے پینے۔ غذا۔ قیام طعام لباس کے سب آرام تم کو حاصل ہیں۔ اگر یہاں سے نکالے گئے تو دنیاوی رزق اور غذا کے حصول کے لئے تم کو بڑی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ مگر شیطان ابلیس لعین تو ان حضرات کی گھات میں لگا ہوا تھا چنانچہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشہ جنت میں رہنے کا ذریعہ نہ بتلا دوں جس سے نہ تم کو کبھی موت آئے اور نہ تمہاری بادشاہت کو کبھی زوال ہو گا اور خدا کی جھوٹی قسم کھائی کہ خدا کی قسم اگر تم نے اس درخت سے کھا لیا تو تم کو جنت کا دوام اور ہمیشگی کا خلود حاصل ہو جائے گا۔ جب شیطان نے خدا کی قسم کھا کر حضرت آدم علیہ السلام سے یہ کہا تو ان کو شبہ بھی نہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کا نام لے کر کوئی جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کے قرب اور جنت کے دائمی عیش وعشرت کے شوق و رغبت نے اس ممانعت کو بھلا دیا اور ابلیس کے بہکانے سے اس ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا۔ پھر اس کا کیا انجام اور نتیجہ ہوا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؗ وَعَصٰۤى

سو دونوں نے اس درخت سے کھالیا تو اُن دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے اور آدمؑ سے اپنے رب کا قصور ہو گیا

اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا

سو غلطی میں پڑ گئے۔ پھر اُن کو اُن کے رب نے مقبول بنالیا سو اُن پر توجہ فرمائی اور راہ پر قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں کے دونوں جنت سے اُترو (اور دنیا میں) ایسی حالت سے جاؤ

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾

کہ ایک کا دشمن ایک ہوگا، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو شخص میری اس ہدایت کا اتباع کرے گا تو وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) شقی ہوگا۔

فَاَكَلَا پس دونوں نے کھایا	مِنْهَا اس سے	فَبَدَتْ تو ظاہر ہوگئیں	لَهُمَا ان پر	سَوْاٰتُهُمَا ان کی شرم گاہیں	وَ اور	طَفِقَا يَخْصِفٰنِ وہ دونوں لگے جوڑنے	
عَلَيْهِمَا اپنے اوپر	مِنْ سے	وَرَقِ الْجَنَّةِ جنت کے پتے	وَعَصٰى اور نافرمانی کی	اٰدَمُ آدم	رَبَّهٗ اپنا رب	فَغَوٰى تو وہ بہک گیا	ثُمَّ پھر
اجْتَبٰهُ اس کو چن لیا	رَبُّهٗ اس کا رب	فَتَابَ توجہ فرمائی	عَلَيْهِ اس پر	وَهَدٰى اور اسے راہ دکھائی	قَالَ فرمایا	اهْبِطَا تم دونوں اتر جاؤ	
مِنْهَا یہاں سے	جَمِيْعًا سب	بَعْضُكُمْ تم میں سے بعض	لِبَعْضٍ بعض کے	عَدُوٌّ دشمن	فَاِمَّا پس اگر	يَاْتِيَنَّكُمْ تمہارے پاس آئے	
مِّنِّيْ میری طرف سے	هُدًى ہدایت	فَمَنِ تو جس نے	اتَّبَعَ پیروی کی	هُدَايَ میری ہدایت	فَلَا يَضِلُّ تو نہ وہ گمراہ ہوگا	وَ اور	لَا يَشْقٰى نہ بدبخت ہوگا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اس فہمائش کا ذکر تھا کہ جو حق تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام کو دی گئی تھی اور بتلا دیا گیا تھا کہ یہ ابلیس تمہارا اور تمہاری بیوی دونوں کا دشمن ہے۔ اس سے خبردار رہنا۔ کہیں اس کے کہنے میں آ کر مصیبت میں نہ پڑ جانا کہ جنت سے نکالے جاؤ۔ ابلیس جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی نہ کرنے کی وجہ سے مردود و ملعون قرار دیا گیا تھا حضرت آدم علیہ السلام کا دشمن اور حاسد بنا ہوا تھا اور اسی فکر اور داؤ گھات میں لگا رہتا کہ کسی طرح حضرت آدم سے یہ دائمی عزت وراحت جو انہیں جنت میں حاصل تھی چھن جائے۔ شیطان آخر شیطان ہی تھا۔ اس نے آدم علیہ السلام کو بہکانا چاہا۔ اغوا کی اور کوئی صورت اسے نظر نہ آئی کیونکہ لالچ یا خوف دو ہی چیزیں ہیں جو اغوا کا سبب بن سکتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ہر طرح راحت حاصل تھی اس لئے لالچ نہیں دیا جا سکتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی عزت بھی تھی اس لئے کسی قسم کا ڈر اور بھی ناممکن تھا اس لئے ابلیس نے لالچ اور خوف دلانے کی بجائے ایک اور تدبیر نکالی۔ کوئی نعمت کتنی ہی بڑی ہو لیکن اس کے زوال اور فنا کا خیال آ جاتا ہے تو لطف کرکرا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کا ناصح اور خیر خواہ بن کر آیا اور اللہ کے نام کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں آپ کو ایسے درخت کا پتہ بتائے دیتا ہوں کہ جس کے پھل میں یہ تاثیر ہے کہ آپ غیر فانی ہو جائیں گے اور ہمیشہ جنت میں مقیم رہیں گے۔ آپ کو دوامی زندگی۔ سرمدی عیش اور لازوال حکومت حاصل ہوگی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے بڑھ کر مقام قرب حق میں قیام کا حریص اور کون ہو سکتا تھا اور اس کا تو آپ تصور ہی نہیں فرما سکتے تھے کہ جھوٹی قسم کھا کر کوئی اللہ کے نام کی بے وقعتی بھی کر سکتا ہے اس لئے آپ اس کے کہے میں آ گئے اور اس کے مشورہ کو اپنے اجتہاد میں رضائے حق ہی کی راہ کا ایک مشورہ سمجھے۔ اور حق تعالیٰ نے اس شجر ممنوعہ کی جو ممانعت فرمائی تھی اس کی تاویل کر لی ہوگی۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ امر و نہی کبھی تو تشریعاً ہوتے ہیں اور کبھی شفقۃً اور اس کو یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک تو ریل میں بدون ٹکٹ سفر کرنے کی ممانعت ہے یہ تو قانونی حیثیت رکھتی ہے اور ایک جو ریل کے ڈبوں میں لکھا ہوتا ہے کہ "تھوکو مت۔ اس سے بیماری پھیلتی ہے" یہ نہی شفقۃً ہے۔ اسی طرح خدا کے اوامر و نواہی بعض تشریعی ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والا قانونی مجرم سمجھا جاتا ہے۔ دوسرے وہ اوامر و نواہی ہیں جن کا منشا تشریع نہیں محض

شفقت ہے جیسا کہ طب نبوی وغیرہ کی بہت ہی احادیث میں علماء نے تصریح کی ہے۔ تو شاید حضرت آدم علیہ السلام نے اس ممنوعہ شجر سے پھل کھانے کی ممانعت کو نہی شفقت سمجھا اسی لئے ابلیس کی وسوسہ اندازی کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنے کو زیادہ بھاری خیال نہ کیا۔ مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کی چھوٹی سی لغزش بھی ان کے مرتبہ قرب کے لحاظ سے عظیم وثقیل بن جاتی ہے اسی لئے اپنی اس اجتہادی غلطی کا ظاہری نقصان اٹھانے کے علاوہ مدت دراز تک توبہ واستغفار میں مشغول گریہ وبکا رہے۔

الغرض ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس کے بہکانے سے دونوں یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نے اس درخت سے کھالیا جس سے ممانعت ہوئی تھی اور شیطان نے اس کو شجرۃ الخلد بتلایا تھا تو اس کے کھاتے ہی لباس بہشتی ان کے بدن سے اتر گیا تو اب جنت کے درختوں کے پتے اپنے جسم پر چپکانے لگے اور بدن کو ڈھانکنے لگے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے حکم الٰہی کے امتثال میں غفلت وکوتاہی ہوئی اور اپنی شان کے موافق عزم واستقامت کی راہ پر ثابت قدم نہ رہے۔ بہرحال حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے اور جیسا کہ سورۂ اعراف میں ذکر ہوا ہے دونوں نے عرض کیا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق بخشی اور پھر قبولیت سے نوازا اور بیش از بیش مہربانی سے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی خوشنودی کے راستہ پر قائم کردیا۔ اس طرح حق تعالیٰ نے نہ صرف اس غلطی کو معاف ہی کیا بلکہ آئندہ کے لئے راہ راست بھی بتائی اور اس پر چلنے کا طریقہ بھی سکھایا مگر ساتھ ہی یہ حکم ہوا کہ تم دونوں کے دونوں جنت سے نیچے اترو اور دنیا میں ایسی حالت سے جاؤ کہ تمہارے فرزندوں میں ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔ میں وہاں بھی تمہارے پاس یعنی بنی آدم میں احکام بھیجوں گا یعنی نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ سے دنیا میں اپنے احکام بھیجتا رہوں گا پس جو میری رہنمائی کا اتباع کرے گا تو وہ نہ جنت کے راستہ سے بھٹکے گا۔ نہ اس سے محروم ہو کر تکلیف اٹھائے گا جس وطن اصلی سے نکل کر آیا تھا بے کھٹکے پھر وہیں جا پہنچے گا۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام کا واقعہ بھی عجیب واقعہ ہے۔ ایک طرف خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو دوام راحت اور بقائے عیش وعزت کی ترغیب دی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ ابلیس تمہارا اور تمہاری بی بی کا دشمن ہے تو کہیں تم کو جنت سے نہ نکلوا دے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ دوسری طرف ابلیس نے بھی لازوال راحت اور غیر فانی عیش کا لالچ دیا۔ خدا تعالیٰ نے دوام عیش کو مقررہ درخت کا پھول نہ کھانے سے وابستہ کیا تھا اور شیطان نے بھی اسی شجر ممنوعہ کے پھل کھانے کو دائمی راحت ولازوال زندگی کے حصول کا سبب قرار دیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو یہ بھی بتادیا تھا کہ ابلیس تمہارا قطعی دشمن ہے مگر آدمؑ اغوائے شیطانی میں آگئے۔ آدم علیہ السلام کا شیطان کی طرف جھک جانا اور حکم خدا کو بھول جانا دلالت کررہا ہے کہ تقدیر الٰہی تمام عالم میں جاری وساری ہے۔ کوئی مقدرات کو ٹالنے والا نہیں۔ علم کیسا ہی روشن ہو اور دلیل کیسی ہی واضح ہو لیکن اس سے کچھ نفع نہ ہوگا جب کہ اللہ نے اس کے خلاف مقدر کیا ہے اور ہر دانا کی دانائی اسی وقت مفید ہوگی جب تقدیر الٰہی میں نفع آفرینی موجود ہو۔" (تفسیر بیان السبحان)

یہی وجہ ہے کہ عارفین اور اولیاء اللہ مقدرات خداوندی سے لرزاں وترساں رہتے ہیں اور انجام کی کامیابی کے لئے عجز ونیاز سے درگاہ الٰہی میں دعا گو رہتے ہیں۔

الغرض حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کو حکم ہوا کہ اب جنت سے اتر کر نیچے دنیا میں جاؤ اور وہاں آباد ہو۔ اور اللہ کے جو احکام وہدایات دنیا میں پہنچیں ان کا اتباع کیا جائے۔ جو ایسا کرے گا وہ پھر اسی جنت میں آ پہنچے گا۔ اب آگے ان کا حال اور انجام بیان فرمایا گیا ہے کہ جو دنیا میں احکام خداوندی کا اتباع نہیں کریں گے اور اس سے اعراض وانکار برتیں گے ان کا انجام دنیا اور آخرت میں کیسا ہوگا۔ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ

اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اُس کیلئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اُس کو اندھا کر کے (قبر) سے اُٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ اے میرے رب

لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ

آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو آنکھوں والا تھا۔ ارشاد ہوگا کہ ایسا ہی تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے تھے، پھر تو نے اُن کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسا ہی آج

تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ

تیرا کچھ خیال نہ کیا جاوے گا۔ اور اسی طرح اُس شخص کو ہم سزا دیں گے جو حد سے گذر جاوے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لاوے، اور واقعی آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت

وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِىْ

اور بڑا دیرپا۔ کیا ان لوگوں کو اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی کہ ہم اُن سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر چکے ہیں کہ ان کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ بھی چلتے (پھرتے) ہیں،

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾

اس میں تو اہل فہم کیلئے دلائل موجود ہیں۔

وَمَنْ اور جس	اَعْرَضَ منہ موڑا	عَنْ سے	ذِكْرِىْ میرے ذکر	فَاِنَّ تو بیشک	لَهٗ اس کیلئے	مَعِيْشَةً گزران	ضَنْكًا تنگ	
وَنَحْشُرُهٗ اور ہم اسے اٹھائیں گے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	اَعْمٰى اندھا	قَالَ وہ کہے گا	رَبِّ اے میرے رب	لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ تو نے مجھے کیوں اٹھایا			
اَعْمٰى اندھا	وَ اور	قَدْ كُنْتُ میں تو تھا	بَصِيْرًا دیکھتا	قَالَ وہ فرمائے گا	كَذٰلِكَ اسی طرح	اَتَتْكَ تیرے پاس آئیں	اٰيٰتُنَا ہماری آیات	
فَنَسِيْتَهَا تو تو نے انہیں بھلا دیا	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	الْيَوْمَ آج	تُنْسٰى ہم تجھے بھلا دیں گے	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	نَجْزِىْ ہم بدلہ دیتے ہیں			
مَنْ جو	اَسْرَفَ حد سے نکل جائے	وَلَمْ يُؤْمِنْ اور نہ ایمان لائے	بِاٰيٰتِ آیتوں پر	رَبِّهٖ اپنا رب	وَلَعَذَابُ اور البتہ عذاب	الْاٰخِرَةِ آخرت		
اَشَدُّ شدید ترین	وَ اور	اَبْقٰى زیادہ دیر تک رہنے والا ہے	اَفَلَمْ يَهْدِ کیا ہدایت نہ دی	لَهُمْ انہیں	كَمْ کتنی ہی	اَهْلَكْنَا ہم نے ہلاک کر دیں		
قَبْلَهُمْ ان سے قبل	مِّنَ الْقُرُوْنِ قومیں	يَمْشُوْنَ وہ چلتے پھرتے ہیں	فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ان کے مساکن میں	اِنَّ بیشک	فِىْ میں	ذٰلِكَ اس		
لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں ہیں	لِّاُولِى النُّهٰى عقل والوں کیلئے							

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام جب اپنی غلطی پر ندامت اور شرمساری کے ساتھ توبہ استغفار کرتے ہوئے عفو و درگزر کے خواستگار ہوئے تو حق تعالیٰ نے ان کے عذر کو قبول فرمالیا اور معاف فرما دیا مگر تقاضائے حکمت یہ فیصلہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو سنایا گیا کہ تم کو اور تمہاری اولاد کو ایک معین وقت تک اب دنیا میں قیام کرنا ہوگا لہٰذا جنت سے نیچے دنیا میں جاؤ اور تمہارا دشمن ابلیس بھی اپنے تمام سامان عداوت کے ساتھ وہیں رہے گا۔ میں دنیا میں اپنے احکام بھیجتا رہوں گا پس جو میری رہنمائی کا اتباع کرے گا تو پھر وہ اپنے اصلی وطن یعنی جنت میں جا پہنچے گا اور اس سے محروم نہ ہوگا۔ اب آگے ان آیات میں پہلے گروہ کے مقابل احکام خداوندی سے اعراض اور انکار کرنے والوں کا حال اور انجام بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو شخص دنیا میں احکام خداوندی

سے اعراض وانکار کرے گا اور اللہ کی یاد سے غافل ہو کر محض دنیا ہی کی فانی زندگی کو قبلہ مقصود بنا بیٹھے گا تو دنیا میں اس کو معیشۃ ضنکا یعنی تنگی کا جینا نصیب ہوگا۔ یعنی اس کی زندگی مکدر اور قلبی سکون اور حقیقی اطمینان سے خالی ہوگی گو دیکھنے میں اس کے پاس بہت کچھ مال و دولت اور سامان عیش وعشرت نظر آئیں مگر اس کا دل قناعت وتوکل سے خالی ہونے کی بنا پر ہر وقت دنیا کی مزید حرص اور دنیا کی ترقی کی فکر اور کمی کے اندیشہ میں بے آرام رہتا ہے۔ کسی وقت ۹۹ کے پھیر سے قدم باہر نہیں نکلتا۔ موت اور زوال دولت کے خطرات الگ سو ہان روح رہتے ہیں بڑے بڑے دولت مندوں اور سرمایہ داروں کی خودکشی کر لینے کی خبریں جو آئے دن اخباروں میں چھپتی رہتی ہیں۔ سب اسی تنگی معیشت کے مظاہرہ ہیں۔ نصوص اور تجربہ اس پر شاہد ہیں کہ اس دنیا میں قلبی سکون اور حقیقی اطمینان کسی کو بدون یاد الٰہی اور ذکر الٰہی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بعض مفسرین نے یہاں آیت میں معیشۃ ضنکا کے معنی لئے ہیں وہ زندگی جس میں خیر داخل نہ ہو سکے گویا خیر کو اپنے اندر لینے سے تنگ ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ ایک کافر جو دنیا کے نشہ میں بدمست ہے اس کا سارا مال و دولت اور سامان عیش و عشرت آخر کار اس کے حق میں وبال بننے والا ہے۔ تو جس خوشحالی کا انجام چند روز کے بعد دائمی تباہی ہو اسے خوشحالی کہنا کہاں زیبا ہے۔ بعض مفسرین نے معیشۃ ضنکا سے قبر کی برزخی زندگی مراد لی ہے یعنی قیامت سے پہلے اس پر سخت تنگی کا دور آئے گا جب کہ قبر کی زمین بھی اس پر تنگ کر دی جائے گی۔ بہر حال معیشۃ ضنکا کے تحت میں یہ سب صورتیں داخل ہو سکتی ہیں۔ یہ تو انکار یا اعراض کا نتیجہ و حال قیامت سے پہلے دنیا یا برزخ میں ہوگا۔ اور قیامت میں آنکھوں سے اندھا کر کے محشر کی طرف لایا جائے گا اور دل کا بھی اندھا ہوگا کہ جہنم کے راستہ کے سوا کوئی راستہ اس کو نہ سوجھے گا۔ یہ ابتدائے حشر کا ذکر ہے پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی تاکہ جہنم اور اہوال محشر کا معائنہ کرے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکر اور کافر جو دنیا میں ظاہری آنکھیں رکھتا تھا تعجب سے سوال کرے گا کہ دنیا میں تو میں بینا تھا اب مجھ سے یہ آنکھیں کیوں چھین لی گئیں اس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے یہ دیا جائے گا کہ دنیا میں ہماری آیات دیکھ کر اور سن کر یقین نہ لایا۔ نہ ان پر عمل کیا۔ ایسا بھولا رہا کہ سب سنی ان سنی کر دی۔ آج اسی طرح تجھ کو بھلایا جا رہا ہے۔ جیسے وہاں حق سے اندھا بنا رہا تھا یہاں اسی کے مناسب سزا ملنے اور اندھا کر کے اٹھائے جانے پر تعجب کیوں ہے؟ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اسی طرح ہر مجرم کو اس کے مناسب حال سزا دی جائے گی اس لئے بڑی حماقت ہوگی کہ یہاں کی تکلیف سے گھبرائیں اور وہاں کے عذاب سے بچنے کی فکر نہ کریں۔ آگے اس وقت کے کفار مکہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر آخرت میں جو سزا انکار اور اعراض پر ملے گی اس پر یقین نہیں آتا تو کیا تاریخی واقعات سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے۔ انہی مکہ والوں کے آس پاس کتنی قومیں اپنے کفر وطغیان کی بدولت تباہ کی جا چکی ہیں جن کے افسانے لوگوں کی زبان پر باقی ہیں اور جن میں سے بعض کے کھنڈرات پر سفر کرتے ہوئے ان کا گزر بھی ہوتا ہے جنہیں دیکھ کر ان غارت شدہ قوموں کی یاد تازہ ہو جانا چاہئے کہ کس طرح وہ چلتے پھرتے اپنی جگہوں میں ہلاک کر دیئے گئے۔ اہل دانش کے لئے تو ان علامات کے اندر عبرت اندوزی کا کافی ذخیرہ ہے اس لئے عقلمند تو انجام کے عذاب سے ڈرتے اور راحت آخرت کی فکر کرتے ہیں اور آیات الٰہیہ سے منہ موڑ کر حماقت سے اس بات کے منتظر نہیں رہتے کہ عذاب آئے گا۔ آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب مانیں گے۔

اب جو کفار ومشرکین باوجود ہر طرح کے فہمائش اور دلائل قطعیہ کے اعراض اور انکار پر مصر رہتے ہیں اور عذاب الٰہی سے فوراً ہلاک نہیں کر دیئے جاتے تو اس کی وجہ وحکمت اور ان اعراض اور انکار کرنے والوں کے قول وفعل سے جو ایذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو پہنچتی تھی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اگلی آیات میں فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

اور اگر آپکے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے فرمائی ہوئی نہ ہوتی اور ایک میعاد معین نہ ہوتی تو عذاب لازمی طور پر ہوتا۔ سو آپ اُنکی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کیساتھ

رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۖ وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ

(اس کی) تسبیح کیجئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے اور اوقات شب میں (بھی) تسبیح کیا کیجئے اور دن کے اول و آخر میں تا کہ

لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

آپ (اُس سے) خوش ہوں۔ اور ہرگز اُن چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو اُن کی آزمائش کیلئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ (محض) دنیوی زندگی

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾

کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ بدرجہا بہتر ہے اور دیرپا ہے۔

وَلَوْ اور اگر	لَا كَلِمَةٌ نہ ہوتی ایک بات	سَبَقَتْ ہو چکی	مِنْ سے	رَبِّكَ تمہارا رب	لَكَانَ تو ضرور آجاتا	لِزَامًا عذاب	وَأَجَلٌ اور میعاد	
مُسَمًّى مقرر	فَاصْبِرْ پس صبر کریں	عَلَىٰ پر	مَا يَقُولُونَ جو وہ کہتے ہیں	وَسَبِّحْ اور تسبیح کریں	بِحَمْدِ تعریف کیساتھ	رَبِّكَ اپنا رب	قَبْلَ پہلے	
طُلُوعِ الشَّمْسِ طلوع آفتاب	وَقَبْلَ اور پہلے	غُرُوبِهَا اس کے غروب	وَمِنْ اور کچھ	آنَاءِ اللَّيْلِ رات کی گھڑیاں	فَسَبِّحْ پس تسبیح کریں			
وَ اور	أَطْرَافَ کنارے	النَّهَارِ دن	لَعَلَّكَ تا کہ تم	تَرْضَىٰ خوش ہو جاؤ	وَ اور	لَا تَمُدَّنَّ نہ پھیلانا	عَيْنَيْكَ اپنی آنکھیں	إِلَىٰ طرف
مَا مَتَّعْنَا جو ہم نے برتنے کو دیا	بِهِ اس سے	أَزْوَاجًا جوڑے	مِنْهُمْ اُن سے	زَهْرَةَ آرائش	الْحَيَاةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی			
لِنَفْتِنَهُمْ تا کہ ہم انہیں آزمائیں	فِيهِ اس میں	وَرِزْقُ اور عطیہ	رَبِّكَ تیرا رب	خَيْرٌ بہتر	وَأَبْقَىٰ اور تادیر رہنے والا			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ یا اس وقت کے منکرین قرآن کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ آخرت میں جو سزا انکار و اعراض پر ملے گی اگر ان کو اس پر یقین نہیں آتا تو کیا تاریخی واقعات سے بھی یہ سبق حاصل نہیں کرتے۔ انہیں مکہ والوں کے آس پاس کتنی قومیں اپنے کفر و طغیان کی بدولت ہلاک کی جا چکی ہیں جن کی تباہی و بربادی کے قصے یہ کفار مکہ سن چکے ہیں اور ان تباہ شدہ قوموں کی بستیوں کے کھنڈرات پر سے سفر میں آتے جاتے رہتے ہیں پھر بھی ان کے انجام سے یہ عبرت حاصل نہیں کرتے۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان کے کفر و شرک۔ اعراض و انکار کا اقتضاء تو یہی ہے کہ ان پر عذاب فی الفور آجائے لیکن اللہ تعالیٰ کی بعض حکمتوں اور مصلحتوں سے اس کے لئے ایک خاص وقت مقرر ہو چکا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو ابھی ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے اس کی دی ہوئی مہلت کے دوران میں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار اور منکرین جو کچھ بھی کہیں یا آپ کے ساتھ کریں اس کو آپ صبر کے ساتھ برداشت کریں اور ان کی تمام تلخ اور ترش باتیں سنتے ہوئے اپنا فریضہ تبلیغ و تذکیر انجام دیتے رہیں۔

واضح رہے کہ اس سورۃ کا زمانہ نزول وہ وقت ہے جبکہ مکہ میں کفار مکہ اسلام کو دبانے اور ناکام بنانے میں ہر حربہ استعمال کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو ڈرانا۔ دھمکانا ہر ممکن طرح سے تنگ کرنا اور ظلم و ستم مار پیٹ کسی طرح سے بھی گریز نہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برے برے کلمات سے یاد کرتے تھے۔ کوئی آپ کو معاذ اللہ ساحر کہتا۔ کوئی شاعر کہتا۔ کوئی مجنون کہتا اور کوئی

کاہن کہتا۔اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین اہل ایمان کو سمجھایا جاتا ہے کہ ان منکرین حق کے معاملہ میں صبرو استقامت سے کام لیں۔ خدا کا قاعدہ ہے کہ وہ کسی قوم کو اس کے کفروانکار پر فوراً نہیں پکڑ لیتا بلکہ سوچنے اور سمجھنے کے لئے کافی مہلت اور موقع دیتا ہے لہٰذا گھبرائیں نہیں۔ صبر کے ساتھ ان منکرین کی زیادتیاں برداشت کئے چلے جائیں اور نصیحت کا حق ادا کرتے رہیں اور صبروسکون سے آخری نتیجہ کا انتظار کرتے رہیں۔

آگے ہدایت دی جاتی ہے کہ تحمل اور برداشت اور صبر کی طاقت آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو نماز سے ملے گی جن کو اپنے اوقات میں پابندی سے ادا کرنا چاہئے۔ پھر نماز کے اوقات کی طرف اشارہ فرمایا گیا یعنی سورج نکلنے سے پہلے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے۔ اور رات کے اوقات میں اور دن کے کناروں پر بھی۔ دن کے کنارہ تین ہی ہوسکتے ہیں ایک کنارہ صبح ہے۔ دوسرا کنارہ زوال آفتاب اور تیسرا کنارہ شام تو مطلب یہ کہ آپ اپنی توجہ معبود حقیقی کی طرف رکھئے۔ ان منکرین کی طرف سے فکر نہ کیجئے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جو آرائش حیاۃ اور دنیوی سازوسامان ہم نے ان طرح طرح کے کافروں کو مثلاً یہود۔ نصاریٰ۔ مشرکین۔ مجوس وغیرہ وغیرہ کو دیئے ہیں ان کی طرف آپ کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جیسے اب تک نہیں دیکھا۔ یہ محض چند روزہ بہار ہے جس کے ذریعہ سے ہم ان کا امتحان کرتے ہیں کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو عظیم الشان دولت حق تعالیٰ نے آپ کو عنایت کی ہے مثلاً قرآن کریم منصب نبوت و رسالت۔ اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب اس کے سامنے ان فانی اور حقیر سامانوں کی کیا حقیقت ہے۔ آپ کے حصہ میں جو دولت آئی وہ ان دولتوں سے کہیں بہتر ہے اور وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ بہرحال آپ نہ ان کی تکذیب واعراض سے مضطرب ہوں نہ ان کے سازوسامان مال ودولت کی طرف نظر التفات اٹھائیں۔

یہاں ان آیات میں ایک عام تعلیم دشمنوں کی ایذاؤں سے بچنے کی دی گئی ہے یعنی قرآن کریم نے اس جگہ مخالفوں کی ایذاؤں کا علاج دو چیزوں سے بتلایا۔

اول **فاصبر علی مایقولون** سے یعنی ان کے کہنے کی طرف التفات نہ کیا جائے بلکہ صبر و برداشت سے کام لیا جائے

دوسری چیز **وسبح بحمد ربک** میں فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوجانا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ "دشمنوں سے تو اس دنیا میں کسی چھوٹے بڑے اچھے برے انسان کو نجات نہیں۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ہوتا ہے۔ اور دشمن کتنا ہی حقیر وضعیف ہو اپنے مخالف کو کچھ نہ کچھ ایذا پہنچا دیتا ہے۔ زبانی گالی گلوچ ہی سہی۔ سامنے ہمت نہ ہو تو پیچھے ہی سہی اس لئے دشمن کی ایذاؤں سے بچنے کی فکر ہر شخص کو ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس کا بہترین اور کامیاب نسخہ دو چیزوں سے مرکب بیان فرمایا ہے اول صبر یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور انتقام کی فکر میں نہ پڑنا دوسرے اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت میں مشغول ہوجانا۔ تجربہ شاہد ہے کہ صرف یہی نسخہ ہے جس سے مخالفین کی ایذاؤں سے نجات مل سکتی ہے ورنہ انتقام کی فکر میں پڑنے والا کتنا ہی قوی۔ بڑا اور صاحب اقتدار ہو بسا اوقات مخالف سے انتقام لینے پر قادر نہیں ہوتا اور یہ فکر انتقام ایک مستقل عذاب اس کے لئے بن جاتا ہے۔ اور جب انسان کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہوجائے اور وہ دھیان یہ کرے کہ اس دنیا میں کوئی کسی کو کسی طرح کا نقصان یا ایذا بغیر مشیت خداوندی کے نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تعالیٰ کے اعمال وافعال سب حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے جو صورت پیش آئی ہے اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی تو مخالف کی ایذاؤں سے پیدا ہونے والا غیض وغضب خود بخود کافور ہوجاتا ہے اسی لئے آیت کے آخر میں فرمایا **لعلک ترضیٰ** یعنی اس تدبیر سے آپ راضی خوشی بسر کرسکیں گے۔" (معارف القرآن)

اللہ تعالیٰ ان قرآنی تعلیمات پر ہم کو بھی عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب چونکہ یہ یہ سورۃ خاتمہ کے قریب ہے اس لئے آگے بعض ہدایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جاتی ہیں اور کفار ومشرکین مخالفین کو آخری فیصلہ کی بات سنائی جاتی ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْــَٔـلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾

اور اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے، ہم آپ سے معاش (کموانا) نہیں چاہتے معاش تو آپ کو ہم دیں گے، اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّآ

اور وہ لوگ (عناداً) یوں کہتے ہیں کہ یہ (رسول) ہمارے پاس کوئی نشانی (اپنی نبوت کی) کیوں نہیں لاتے (جواب یہ ہے کہ) کیا اُن کے پاس پہلی کتابوں کے مضامین کا ظہور نہیں پہنچا۔ اور اگر ہم

اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ

اُن کو قبل قرآن آنے کے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ یوں کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم آپ کے احکام پر چلتے قبل اسکے

اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ

کہ ہم بے قدر ہوں اور رُسوا ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ (ہم) سب انتظار کر رہے ہیں سو (چندے) اور انتظار کر لو اب عنقریب تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ راہ راست والے کون ہیں

وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع

اور وہ کون ہے جو (منزل) مقصود تک پہنچا۔

وَاْمُرْ اور حکم دو تم	اَهْلَكَ اپنے گھر والے	بِالصَّلٰوةِ نماز کا	وَاصْطَبِرْ اور قائم رہو	عَلَيْهَا اس پر	لَا نَسْــَٔـلُكَ ہم تجھ سے نہیں مانگتے		
رِزْقًا رزق	نَحْنُ ہم	نَرْزُقُكَ تجھے رزق دیتے ہیں	وَالْعَاقِبَةُ اور انجام	لِلتَّقْوٰى اہل تقوی کیلئے	وَقَالُوْا اور وہ کہتے ہیں		
لَوْ کیوں	لَا يَاْتِيْنَا نہیں لاتے	بِاٰيَةٍ کوئی نشانی	مِنْ سے	رَبِّهٖ اپنا رب	اَوَ کیا	لَمْ تَاْتِهِمْ انکے پاس نہیں آئی	بَيِّنَةُ واضح نشانی
مَا جو	فِي میں	الصُّحُفِ صحیفے	الْاُوْلٰى پہلے	وَلَوْ اور اگر	اَنَّا ہم	اَهْلَكْنٰهُمْ انہیں ہلاک کردیتے	بِعَذَابٍ کسی عذاب سے
مِنْ قَبْلِهٖ اس سے قبل	لَقَالُوْا تو وہ کہتے	رَبَّنَا لَوْ اے ہمارے رب کیوں	لَآ اَرْسَلْتَ تو نے نہ بھیجا	اِلَيْنَا ہماری طرف	رَسُوْلًا کوئی رسول		
فَنَتَّبِعَ تو ہم پیروی کرتے	اٰيٰتِكَ تیرے احکام	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ نَّذِلَّ کہ ہم ذلیل ہوں	وَنَخْزٰى اور ہم رسوا ہوں	قُلْ آپ کہدیں		
كُلٌّ سب	مُتَرَبِّصٌ منتظر ہیں	فَتَرَبَّصُوْا پس تم انتظار کرو	فَسَتَعْلَمُوْنَ سو عنقریب تم جان لوگے	مَنْ کون	اَصْحٰبُ والے	الصِّرَاطِ راستہ	
السَّوِيِّ سیدھا	وَمَنِ اور کون	اهْتَدٰى اس نے ہدایت پائی					

تفسیر و تشریح:۔ یہ سورۃ طٰہٰ کی آخری آیات ہیں جس پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے۔ گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرین کی کفر آمیز باتوں پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی گئی تھی اور صبر و سکون حاصل کرنے کے لئے شب و روز معبود حقیقی کی حمد و ثنا تسبیح و تقدیس جس میں نماز بھی آ گئی کی تاکید فرمائی گئی تھی۔ اب آگے ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ اپنے متعلقین یعنی اہل خانہ و خاندان اور اپنے متبعین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے چنانچہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے آپ نے فرمایا کہ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو عادت ڈالنے کے لئے نماز پڑھواؤ اور جب دس برس کا ہو تو مار کر پڑھواؤ۔ غرض کہ اللہ عزوجل کی یاد تازہ رکھنے کے لئے مقررہ اوقات پر اس کے دربار میں بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق حاضر ہو جانے کی ہدایت [illegible]م خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ آپ کے گھر والوں کو اور آپ [illegible]ام متبعین کو فرمائی گئی۔ اب دربار خداوندی میں اس بار بار کی

حاضری اور جملہ مقررہ اوقات میں عبادت کے التزام سے ہوسکتا تھا کہ ایک انسان جو طلب معاش میں سرگرداں ہو اس کو ضیق پیش آئے کہ نماز پڑھے۔ دینی ہدایت پر عمل کرے یا اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے روزی کمائے جیسا کہ آج کل بھی بعض لوگ ظہر کی نماز خصوصاً جماعت کے لئے۔ دفتر یا ملازمت کا عذر اور عصر۔ مغرب وعشا کے لئے دوسری مشغولیتوں کا عذر پیش کر دیا کرتے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ رزاق تم نہیں۔ ہم ہیں تم سے کسی کے لئے رزق کی طلب ہم نہیں کرتے۔ اس لئے طلب معاش میں سرگرداں رہ کر ضروری عبادات یعنی فرائض وواجبات کو ترک کرنا کسی طرح روا نہیں۔

یہاں آیت میں لانسئلک رزقا ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے کے تحت حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''مقصود اصلی اکتساب یعنی کسب معاش نہیں بلکہ دین اور طاعت ہیں۔ اکتساب کی اسی حالت میں اجازت یا امر ہے کہ ضروری طاعات میں وہ مخل نہ ہو۔'' تو دنیا میں جیسا کہ مالک اپنے غلاموں سے روزی کمواتے ہیں حق تعالیٰ اپنے بندوں سے اپنی بندگی چاہتے ہیں اور وہ بندوں کو روزی وہ خود دیتے ہیں اسی لئے اگر فرض نماز اور کسب معاش میں تعارض ہو تو اللہ تعالیٰ اجازت نہیں دیتے کہ کسب معاش کے مقابلہ میں نماز کو ترک کرو۔ نماز بہر حال ادا کرنی ہے۔ روزی پہنچانے والا وہی خدا ہے جس کی نماز پڑھتے ہو۔ تم اس کے حکم کی تعمیل میں سرگرم رہو گے وہ تم کو رزق دے گا۔ اور اگر بالفرض شب وروز کی سرگردانی اور ہمہ وقت کی دوڑ دھوپ کے بعد بکثرت مال جمع بھی کر لیا تو بیکار ہے۔ انجام میں کسی کام نہ آئے گا کیونکہ دنیا اور دین کی پائیدار فلاح تو تقویٰ اور پرہیز گاری سے وابستہ ہے نہ کہ مال ودولت سے اہل تقویٰ ہی کا انجام بخیر اور بہتر ہوتا ہے۔ تو اوپر بھی منکرین حق اور قرآن اور رسول سے انکار اور اعراض کرنے والوں سے متعلق مضمون بیان ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین وتسلی دی گئی تھی اب اخیر میں خاتمہ سورۃ پر کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایک اعتراض نقل فرما کر اس کا جواب دیا جاتا ہے اور اسی پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی خود معجزہ تھی اور نشان قدرت تھی مگر کور بصیرت کافروں کو حق نظر نہ آتا تھا اس لئے آپ سے مزید معجزہ کے طلبگار ہوتے اور کہتے کہ آپ کوئی کھلی نشانی اپنے رسول ہونے کی کیوں نہیں دکھلاتے جس کے بعد ہم کو انکار کی گنجائش ہی نہ رہے ورنہ اس روز کے ڈراوے دھمکاوے سے کیا فائدہ۔ اس کا جواب حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا اور سینکڑوں نشانات کے علاوہ سب سے بڑا عظیم الشان نشان یہ قرآن ان کے پاس نہیں آچکا جو اگلی کتابوں کے ضروری مضامین کا محافظ اور ان کی صداقت کے لئے بطور حجت اور گواہ کے ہے اور جس کا معجزہ ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہے تو قرآن جیسا عظیم الشان نشان دیکھنے کے بعد تو یہ کفار کہتے ہیں کہ اور کوئی نشان کیوں نہیں لاتے اور فرض کرو ہم یہ نشان نہ دکھاتے یعنی قرآن نازل نہ کرتے اور ان کفار کے کفر وشرک پر کتاب اور رسول بھیجنے سے پہلے ہی ان کو سزا میں پکڑ لیتے تو پھر یہ کہتے کہ سزا دینے سے پیشتر ہمارے پاس کوئی کتاب اور سمجھانے والا تو بھیجنا تھا کہ ہم کو ذلت اور رسوائی اٹھانے سے قبل آگاہ کر دیتا اور ہم اس کے کہنے پر خوب چلتے۔ غرض قرآن نہ آتا تو یہ کفار یوں کہتے اور اب آیا تو اسے چھوڑ کر دوسری من گھڑت نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ ان کا مقصود ہدایت حاصل کرنا ہی نہیں فضول حیلے بہانے تراشتے رہتے ہیں سو خیر ان سے کہہ دیجئے کہ ہم اور تم دونوں انتظار کرتے ہیں کہ عنقریب پردۂ غیب سے کیسا مستقبل سامنے آتا ہے۔ اس وقت سب حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ کس جماعت کا راستہ سیدھا ہے اور کون اس راستہ پر ٹھیک چل رہا ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے اور اس کا نزول ایسے وقت میں ہوا تھا جبکہ سرزمین عرب میں کفار ومشرکین کا تسلط تھا۔ اور اسلام اور متبعین اسلام کے لئے نہایت سخت اور کٹھن صبر آزما زمانہ تھا۔ کفار مکہ نے اہل اسلام پر ہر طرح کے ظلم وستم روا کر رکھے تھے اور اسلام کے مٹانے اور ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ مگر چند سال ہی کے عرصہ کے بعد دنیا نے حق وباطل کے فیصلہ کا انجام دیکھ لیا کہ کفر وشرک اور بت پرستی نہ صرف مکہ بلکہ جزیرۂ نما عرب سے ہمیشہ کے لئے کس طرح مٹ گئی اور اسلام کو سرزمین عرب میں کیسا غلبہ نصیب ہوا۔ الحمد للہ کہ سورۃ طٰہٰ کا بیان اس درس پر ختم ہو گیا اور ساتھ ہی سولہواں پارہ قال الم بھی پورا ہوا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَاثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱

ان لوگوں سے اُن کا حساب نزدیک آپہنچا اور یہ غفلت میں ہیں اعراض کئے ہوئے ہیں۔

اِقْتَرَبَ	لِلنَّاسِ	حِسَابُهُمْ	وَهُمْ	فِيْ غَفْلَةٍ	مُّعْرِضُوْنَ
قریب آگیا	لوگوں کیلئے	ان کا حساب	اور وہ	غفلت میں	مُنہ پھیر رہے ہیں

الحمدللہ اب سترہویں پارہ کی ابتداء سے سورۃ الانبیاء کا بیان شروع ہورہا ہے۔ اِس وقت اِس سورۃ کی صرف ایک آیت کی تشریح کی جائے گی۔ تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ مقامِ نزول۔ خلاصہ مضامین۔ تعداد آیات۔ رکوعات۔ کلمات و حروف وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں مسلسل متعدد انبیاء کا ذکر آیا ہے اس لئے اس کا نام بطور علامت سورۃ الانبیاء رکھ دیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور مکہ کے درمیانی زمانہ میں نازل ہوئی۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی اکیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۶۵ لکھا ہے یعنی ۶۴ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہوچکی تھیں اور ۲۵ سورتیں اس کے بعد ہجرت سے قبل نازل ہوئیں۔ اور پھر ۲۴ سورتیں ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۷ رکوعات ۱۱۲ آیات ۱۱۸۷ کلمات اور ۵۱۵۴ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ مثل دیگر مکی سورتوں کے اس میں بیشتر توحید۔ نبوت اور عالم آخرت کے دلائل اور ثبوت اور ۱۷ انبیاء علیہم السلام کے عبرت انگیز تذکرے فرمائے گئے ہیں کہ اُنہوں نے کس طرح دین حق کی تبلیغ کی اور اس کی دعوت دی اور منکرین کفار نے ان کو کس طرح ایذائیں دیں اور اُنہوں نے کافروں کی ایذاؤں پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اُن کو کامیاب فرمایا اور اُن کے دشمنوں کا کیسا عبرت خیز انجام ہوا۔

اِس سورۃ میں خاص طور پر حسب ذیل امور زیر بحث آئے ہیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار مکہ اور مشرکین عرب کو جو غلط فہمیاں تھیں ان کا بڑی تفصیل سے رد کیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم پر کفار جو اعتراضات کیا کرتے تھے اس کا جواب دیا گیا ہے۔

۳۔ مکذبین و منکرین دین حق کی تباہی و بربادی کے عبرتناک واقعات سے کفار مکہ کو ڈرایا گیا ہے۔

۴۔ شرک کی تردید میں اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کے غلط عقیدہ کا پرزور رد فرمایا گیا ہے۔

۵۔ انسانی جبلت کا بیان کہ آدمی جلدی کا بنا ہوا ہے اس لئے وہ یوں چاہتا ہے کہ جو کچھ ہونا ہے ابھی ہوجائے۔ اس پر منکرین کو تنبیہ کہ جلدی نہ مچاؤ۔ ذرا وقت آنے دو پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔

۶۔ انبیاء کے ساتھ منکرین کے استہزاء کا انجام کہ عذابِ الٰہی سے بچنا ممکن نہیں۔

۷۔ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات و حالات کا تذکرہ جس سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ سارے انبیاء کرام انسان ہی تھے۔ فرشتے نہ تھے اور تمام انبیاء کی اصل دین یہی اسلام تھا جو اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کررہے ہیں۔ اخیر میں بتلایا گیا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کے لئے رحمت ہیں اور اب انسانوں کی نجات کا انحصار آپ کی پیروی اختیار کرنے پر ہے۔ جو اسے پوری طرح قبول کریں گے وہی خدا کی آخری عدالت سے کامیاب نکلیں گے۔ اور جو لوگ اسے رد کر دیں گے وہ آخرت میں بدترین انجام سے دوچار ہوں گے۔ ان امور کی تفصیلات انشاءاللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

خلاصہ یہ کہ اس سورت میں انسان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے مضامین ہیں۔

انسان دنیا کے دھندوں میں اس طرح پھنسا ہوا ہے کہ گویا اُسے ہمیشہ یہیں رہنا ہے وہ دوسروں کو مرتے دیکھتا ہے تو شاید اسے کچھ خیال آتا ہو کہ ایک دن اسے بھی مرنا پڑے گا مگر واہ رے غفلت کہ دنیا کے مزے۔ مال ودولت۔ قوت وطاقت۔ یار دوست اور سامانِ عیش وعشرت کے سامنے اسے یہ سوجھتا ہی نہیں کہ جو سیکنڈ بھی گزرتا ہے اسے موت کے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس سورۃ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ، لوگوں کو متنبہ فرما رہے ہیں کہ قیامت قریب آ گئی ہے حساب کتاب کی گھڑی سر پر کھڑی ہے لیکن لوگ یعنی کفار ومشرکین سخت غفلت اور جہالت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کوئی تیاری قیامت کی جواب دہی کے لئے نہیں کرتے اور جب آیات اللہ سنا کر خوابِ غفلت سے چونکائے جاتے ہیں تو نصیحت سنکر نہایت لاپروائی کے ساتھ ٹال دیتے ہیں گویا اُن کو کبھی خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہونا اور حساب دینا ہی نہیں۔

اِسی مضمون کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اپنی دو انگلیاں کھڑی کر کے ارشاد فرمایا کہ میں ایسے وقت پر مبعوث کیا گیا ہوں کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں۔ یعنی میرے بعد قیامت ہی ہے۔ کوئی اور نبی آنے والا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور قیامت کی سب سے پہلی نشانی ہے تو معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس بات کی علامت ہے کہ نوعِ انسانی کی تاریخ اب اپنے آخری دَور میں داخل ہو چکی ہے۔ آغاز اور وسط کے مرحلے گزر چکے ہیں اور اب آخری مرحلہ شروع ہو چکا ہے، جس کا خاتمہ قیامت ہی پر ہونا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں منکرین کی حالت بیان فرمائی گئی کہ اعمال کے حساب کا وقت نزدیک آ لگا ہے مگر یہ کسی تنبیہ کی طرف توجہ نہیں کرتے نہ خود سوچتے ہیں کہ ہمارا انجام کیا ہونا ہے اور نہ پیغمبر آخرالزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنتے ہیں جو انہیں بار بار خبردار کر رہے ہیں اور واضح کر رہے ہیں کہ جو شخص مر گیا اسکی قیامت تو ابھی قائم ہو گئی اور اس معنی کے اعتبار سے حساب کا وقت قریب ہونا تو بالکل ہی واضح ہے۔ حاصل کلام یہ کہ موت سر پر کھڑی ہے حساب کا وقت قریب آ لگا ہے مگر لوگ خواب غفلت میں سرشار ہیں۔ اُس وقت کی کوئی تیاری نہیں کر رہے۔

آگے کفار مکہ اور منکرین اسلام کے متعلق مزید اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں پر سے غفلت کے پردے دور فرماویں اور ہمہ وقت ہم کو آخرت کا فکر اور وہاں کی تیاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایات پر ہم کو دل وجان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور نصیحت کو سن کر لاپروائی سے ٹال دینا جو منکرین کی خصلت ہے اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں کامل طور پر بچاویں اور ہماری دنیا کی زندگی کا ہر لمحہ آخرت کی تیاری میں خرچ ہونا نصیب فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝٢ لَاهِيَةً

اُن کے پاس اُن کے رب کی طرف سے جونصیحت تازہ آتی ہے یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہیں۔اُن کے دِل متوجہ نہیں ہوتے۔

قُلُوبُهُمْ ۗ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ أَفَتَأْتُونَ

اور یہ لوگ یعنی ظالم لوگ چپکے چپکے سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ(یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم)محض تم جیسے ایک آدمی ہیں تو کیا تم پھر بھی

السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ۝٣ قَالَ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

جادو کی بات سننے کو جاؤ گے حالانکہ تم جانتے ہو۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو آسمان میں اور زمین میں جانتا ہے

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝٤

اور وہ خوب سُننے والا خوب جاننے والا ہے۔

مَا يَأْتِيهِم انکے پاس نہیں آتی	مِّن ذِكْرٍ کوئی نصیحت	مِّن رَّبِّهِم ان کے رب سے	مُّحْدَثٍ نئی	إِلَّا مگر	اسْتَمَعُوهُ وہ اسے سنتے ہیں	
وَهُمْ اور وہ	يَلْعَبُونَ کھیلتے ہیں کھیلتے ہوئے	لَاهِيَةً غفلت میں ہیں	قُلُوبُهُمْ ان کے دل	وَأَسَرُّوا اور چپکے چپکے بات کی	النَّجْوَى سرگوشی	
الَّذِينَ ظَلَمُوا اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا	هَلْ کیا	هَٰذَا یہ	إِلَّا مگر	بَشَرٌ ایک بشر	مِّثْلُكُمْ تم ہی جیسا	أَفَتَأْتُونَ کیا پس تم آ ؤ گے
السِّحْرَ جادو	وَأَنتُمْ اور تم	تُبْصِرُونَ دیکھتے ہو	قَالَ آپ نے فرمایا	رَبِّي میرا رب	يَعْلَمُ جانتا ہے	الْقَوْلَ بات
	فِي السَّمَاءِ آسمان میں	وَالْأَرْضِ اور زمین	وَهُوَ اور وہ	السَّمِيعُ سننے والے	الْعَلِيمُ جاننے والے	

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ ابتدائی آیت میں حق تعالیٰ نے منکرین کی حالت کو ظاہر فرمایا تھا کہ حساب کتاب کی گھڑی یعنی قیامت کا دن نزدیک آ گیا لیکن یہ لوگ سخت غفلت وجہالت میں پھنسے ہوئے ہیں۔کوئی تیاری قیامت کی جوابدہی کے لئے نہیں کرتے اور جب خدائی پیغام اور آیات اللہ سنا کر غفلت سے چونکائے جاتے ہیں تو نصیحت سن کر نہایت لاپروائی کے ساتھ ٹال دیتے ہیں۔انہی منکرین کی حالت اب ان آیات میں بھی بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ قرآن کی بڑی بیش قیمت نصیحتوں کو محض ایک کھیل تماشہ کی حیثیت سے سنتے ہیں۔اگر سچائی کے ساتھ غور کرتے تو دین ودنیا کی ہر طرح کی ہدایت ملتی لیکن جب دل ہی ادھر سے غافل ہیں اور کھیل تماشہ میں پڑے ہیں تو غور کرنے کی نوبت کہاں سے آئے

اور جب قرآنی نصیحتیں سنتے سنتے تنگ آ گئے تو ان ظالموں نے خفیہ میٹنگ کر کے قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہنا شروع کیا کہ یہ پیغمبر تو ہمارے جیسے ایک آدمی ہیں۔نہ فرشتہ ہیں اور نہ ہم سے زیادہ کوئی ظاہری امتیاز رکھتے ہیں۔البتہ ان کو جادو آتا ہے۔جو کلام پڑھ کر سناتے ہیں ہو نہ ہو وہ جادو کا کلام ہو۔پھر آپس میں کہتے ہیں کہ تم کو کیا مصیبت نے گھیرا کہ آنکھوں دیکھتے اُن کے جادو میں پھنستے ہو لازم ہے کہ ان کے قریب نہ جاؤ۔

کفار قرآن کریم کی حیرت انگیز تاثیر کو دیکھ کر اس کو جادو کا کلام کہتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر معاذ اللہ "سحر" کرنے کا الزام لگاتے۔کتب سیرۃ النبی میں متعدد ایسے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں جس بنا پر کفار ایسے اتہامات اور الزامات لگاتے

تھے۔ بطور مثال چند واقعات سیرۃ النبی کامل مرتبہ ابن ھشام سے نقل کئے جاتے ہیں۔

واقعہ ۱:۔ عتبہ بن ربیعہ جو ایک قریشی سردار تھا ایک روز قریش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حرم میں تنہا تشریف رکھتے تھے۔ عتبہ نے کہا اے گروہ قریش! میں اُٹھ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گفتگو کیوں نہ کروں اور ان کے سامنے بعض ایسی باتیں پیش کیوں نہ کروں جن میں سے وہ کچھ نہ کچھ قبول کرلیں۔ وہ جو رعایتیں ہم سے چاہیں اُنہیں دے دیں اور ہم سے باز رہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ حضرت حمزہ نے اسلام قبول کرلیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی زیادہ ہورہے ہیں اور بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ قریش نے کہا کہ اے ابوالولید! تم اٹھو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جاکر گفتگو کرو چنانچہ عتبہ اٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا بیٹھا اور کہا۔ بھتیجے! تمہیں معلوم ہے کہ تم ہماری نظروں میں باعتبار خاندان بڑے رتبہ والے ہو اور نسب کے لحاظ سے بھی اعلیٰ ہو۔ تم اپنی قوم کے پاس بڑی اہمیت رکھنے والا مسئلہ لائے جس کے ذریعہ سے تم نے قوم کو تتر بتر کردیا ہے۔ ان کے عقلمندوں کو بیوقوف بنایا۔ ان کے معبودوں اور دین کو عیب دار کردیا اور ان کے اگلے بڑوں کو کافر قرار دیا۔ میری گفتگو سنو! میں چند باتیں تمہارے غور وفکر کے لئے پیش کرتا ہوں شاید تم ان میں سے کچھ نہ کچھ قبول کرلو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو الولید کہو میں سنتا ہوں۔ اس نے کہا۔ اگر تم اس مسئلے کے ذریعے سے جسے تم لائے صرف مال چاہتے ہو تو ہم تمہارے لئے اس قدر مال جمع کردیں گے کہ تم ہم سب میں زیادہ مالدار ہوجاؤ۔ اگر تم اس کے ذریعہ سے ہم پر حکومت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں۔ اگر تمہارے پاس کوئی جن وغیرہ آتا ہے جسے تم اپنے پاس سے دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو ہم تمہارے لئے جھاڑ پھونک کا انتظام کریں گے اور ہم مال خرچ کرکے تمہیں اس سے نجات دلائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی باتیں سنتے رہے اور جب عتبہ اپنی گفتگو ختم کرچکا تو آپ نے ارشاد فرمایا اب مجھ سے سُن لو۔ اس نے کہا سنائیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۂ حٰم سجدہ تلاوت فرمانا شروع کی اور سورۃ پڑھتے چلے گئے۔ عتبہ خاموش سنتا رہا۔ اس نے ہاتھ پیچھے رکھ لئے اور ان سے سہارا لئے ہوئے تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ تک پہنچے تو آپ نے سجدہ فرمایا اور پھر فرمایا۔ اے ابوالولید! جو تم نے سنا وہ تو سن ہی لیا۔ اب تم جانو اور وہ۔ اس کے بعد عتبہ اٹھا اور اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا تو بعض نے کہا۔ واللہ ابوالولید کا تمہارے پاس آنا اس طرح کا نہیں جس طرح کا جانا تھا۔ جب وہ ان کے پاس جاکر بیٹھا تو انہوں نے کہا ابوالولید! وہاں کی کیا خبر ہے؟ اس نے کہا وہاں کی خبر یہ ہے کہ میں نے ایسی بات سنی ہے کہ واللہ کبھی نہیں سنی۔ واللہ وہ نہ شعر ہے۔ نہ جادو اور نہ کہانت۔ اے گروہ قریش! میری بات سنو اور اس کام کو میری رائے کے موافق کرو۔ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو اور ان سے الگ رہو کیونکہ واللہ! ان کی جو بات میں نے سنی ہے اس کو ایک بڑی اہمیت حاصل ہوگی۔ اگر عربوں نے ان کا خاتمہ کردیا تو سمجھ لینا انہوں نے تمہیں ان سے بے نیاز کردیا اور اگر انہوں نے عربوں پر غلبہ حاصل کرلیا تو ان کی حکومت تمہاری حکومت اور ان کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔ تم ان کے طفیل تمام لوگوں میں سے خوش حال ہوجاؤ گے۔ ان لوگوں نے کہا اے ابوالولید! واللہ اس نے تجھ پر اپنی زبان کا جادو کردیا۔ عتبہ نے جواب دیا میری رائے تو ان کے متعلق یہی ہے۔ اب تمہیں جو مناسب معلوم ہو

کرو۔ (سیرۃ النبی ابن ہشام۔جلد اول صفحہ ۲۸۳ ۔ ۲۸۵)

واقعہ نمبر ۲: طفیل بن عمرو الدوسیؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ مکہ میں ایسے وقت آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف فرما تھے۔ ان کی یعنی طفیل دوسی کی جانب قریش کے بہت سے لوگ گئے اور طفیل بلند پایہ لوگوں میں سے تھے۔ شاعر اور عقلمند تھے۔ قریش کے لوگوں نے ان سے کہا کہ اے طفیل! تم ہماری بستیوں میں آئے تو ہو لیکن دیکھو اس شخص نے جو ہمیں میں سے ہے ہمیں سخت مشکل میں ڈال رکھا ہے۔ ہماری جماعت کو اس نے پراگندہ کر دیا ہے اور ہمارے معاملہ کو پریشان کر ڈالا ہے۔ اس کی بات جادو کی سی ہوتی ہے۔ بیٹے کو باپ سے۔ بھائی کو بھائی سے۔ شوہر کو بیوی سے جدا کر دیتا ہے۔ ہمارے دل میں تمہارے لئے اس فتنے کا خوف ہے جو ہم میں داخل ہو چکا ہے اس لئے نہ تو تم ان سے بات کرو اور نہ ان کی کوئی بات سنو۔ طفیل نے کہا کہ وہ لوگ یہاں تک میرے ساتھ لگے رہے کہ میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ اس شخص کی نہ کوئی بات سنوں گا اور نہ ان سے بات کروں گا جب سویرے میں مسجد کی طرف گیا تو اپنے کانوں میں روئی ٹھوس لی کہ مبادا اس کی باتوں میں سے کوئی بات میرے کان تک پہنچ جائے اگر اس کے سننے کا ارادہ بھی نہ کروں۔ سویرے میں مسجد میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں آپ کے قریب ہی جا کھڑا ہوا۔ میں نے اچھا کلام سنا اور اپنے دل میں کہا۔ میری ماں مجھ پر روئے۔ واللہ میں عقلمند ہوں اور شاعر ہوں۔ اچھا برا مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ پھر کون سی چیز اس سے روکتی ہے کہ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے اسے سنوں جو بات وہ پیش کرتا ہے اگر اچھی ہو تو اسے قبول کروں اور بری ہو تو اسے چھوڑ دوں۔ پھر میں کچھ دیر ٹھہر گیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ کو تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو گیا یہاں تک کہ جب آپ دولت خانہ کے اندر تشریف لے گئے تو میں بھی اندر چلا گیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم نے مجھ سے ایسا ایسا کہا ہے اور وہ سب باتیں بیان کیں جو انہوں نے کہی تھیں۔ واللہ وہ آپ کے معاملہ میں اس قدر ڈراتے رہے کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھوس لی تاکہ آپ کی بات نہ سنوں مگر اللہ نے تو یہ چاہا کہ آپ کی بات مجھے سنائے۔ میں نے سنی اور اچھی بات سنی۔ پس آپ اپنے اصول مجھے بتائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اسلام پیش فرمایا اور میرے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی تو واللہ! اس سے بہتر بات میں نے کبھی نہیں سنی۔ اور نہ ایسے معتدل اصول سنے پس میں نے اسلام اختیار کر لیا سچی بات کی گواہی دی۔

(سیرۃ النبی کامل مرتبہ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۳۸۶ ۔ ۳۸۷)

واقعہ نمبر ۳: قبیلہ اراش (بعض نے اراشتہ کہا ہے) میں سے ایک شخص مکہ آیا اور وہ مکہ میں چند اونٹ لایا تو ابوجہل نے وہ اونٹ اس سے خرید لئے۔ لیکن ان کی قیمت ادا کرنے کی مدت بڑھاتا رہا۔ وہ اراشی قریش کی مجلس میں آ کھڑا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسجد کے ایک طرف تشریف فرما تھے۔ اراشی نے کہا۔ اے گروہ قریش۔ ابوالحکم بن ہشام (یعنی ابوجہل) کے خلاف کوئی شخص میری مدد اور دادرسی کرنے والا ہے؟ میں تو ایک مسافر پردیسی ہوں اور اس نے (یعنی ابوجہل نے) میرا حق دبا رکھا ہے۔ اس مجلس والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اشارہ کر کے کہا کیا تجھے وہ شخص نظر آ رہا ہے؟ اس کے پاس جا۔ وہ تیری دادرسی اور مدد کرے گا (ان لوگوں کی غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اڑانا تھی کیونکہ آپ میں اور ابوجہل میں جو عداوت تھی اسے سب جانتے تھے) اراشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا۔ اے بندۂ خدا! ابوالحکم بن ہشام نے میرا ایک حق دبا رکھا ہے اور میں ایک مسافر راہ گیر ہوں۔ میں نے ان

10 لوگوں سے کسی ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا جو اس کے مقابل میری دادرسی اور مدد کرے اور میرا حق اس سے دلائے انہوں نے مجھے آپ کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔ اللہ آپ پر رحم کرے مجھے اس سے میرا حق دلا دیجئے آپ نے فرمایا چلو اس کے پاس چلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور ساتھ ہو گئے جب قریشیوں نے دیکھا کہ آپ اس کے ساتھ جانے کے لئے کھڑے ہو گئے تو ایک شخص سے انہوں نے کہا۔ پیچھے پیچھے جا اور دیکھ کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے پوچھا کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ باہر آ۔ وہ نکل آیا اور حالت اس کی یہ تھی کہ چہرہ میں خون کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔ رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ آپ نے فرمایا اس شخص کا حق اسے دے دے۔ اس نے کہا بہت خوب۔ غرض ابوجہل گھر میں گیا۔ اس کا جو کچھ حق تھا وہ لے کر باہر آیا اور اس کے حوالہ کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ آئے اور اس اراشی سے فرمایا جا اور اپنا کام کر پھر وہ اراشی اسی مجلس والوں کے پاس آ کھڑا ہوا اور کہا۔ اللہ اس شخص کو جزائے خیر دے اس نے میرا حق دلایا۔ جب وہ شخص بھی آیا جسے انہوں نے آپ کے ساتھ بھجوایا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا کہ میں نے تو ایک عجیب چیز دیکھی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو کچھ نہ کیا۔ بس اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور وہ جب نکلا تو اس کی یہ حالت تھی کہ گویا جان اس میں نہ تھی۔ جب اس سے کہا گیا اس کا حق دے دے تو اس نے کہا بہت خوب وہ اندر گیا۔

اراشی کا حق لے کر باہر آیا اور اس کے حوالہ کر دیا۔ پھر جب تھوڑی دیر میں ابوجہل آیا تو لوگو! نے کہا ارے کمبخت تجھے کیا ہو گیا۔ واللہ ہم نے تو کبھی ایسا نہیں دیکھا جیسا تو نے کیا۔ ابوجہل نے جواب دیا کم بختو وہاں کا قصہ تو یہ تھا کہ اس نے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے اس کی آواز سنی تو رعب سے میری حالت ایک پتلے کی سی ہو گئی۔ میں اس کی جانب چلا تو دیکھا کہ اس کے سر کے اوپر ایک نرا اونٹ کھڑا ہے۔ میں نے ایسا سر۔ ایسے کندھے۔ اور ایسے دانت کبھی کسی اونٹ کے نہیں دیکھے۔ واللہ! اگر میں انکار کرتا تو وہ مجھے کھا جاتا۔ (سیرۃ النبی کامل مرتبہ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۳۹۳۔۳۹۵)

الغرض مذکورہ بالا واقعات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا اثر اور کلام اللہ کو سننے کے اثر ونتیجہ سے کفار مکہ باہر سے آنے والے ناواقف لوگوں کو یہ کہہ کر خوف دلاتے تھے کہ دیکھو ان کے پاس یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جانا ورنہ جادو کے اثر سے تم مسحور ہو جاؤ گے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

آگے بتلایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جھوٹے الزامات اور بیہودہ پروپیگنڈے کا جواب بس یہی دیا کہ تم لوگ جو کہتے ہو وہ میرا پروردگار سب سنتا اور جانتا ہے کیونکہ وہ سمیع اور علیم ہے تمہارے کفریہ اقوال کو بھی سنتا اور جانتا ہے پس وہ تم کو خود سزا دے گا۔

ابھی آگے منکرین کے بعض دیگر اقوال واحوال کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو قرآن پاک کی بیش بہا نصیحتوں پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور کافروں کی یہ خصلت کہ نصیحت کو سن کر ٹال دینا اس سے ہم سب کو بچائیں۔ جو قرآنی احکام ونصائح ہم کو پہنچیں ان کی کامل فرمانبرداری اور اتباع ہم کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ان آیات میں یہ شکایت تو آپ نے کفار کی بیان فرمائی کہ وہ قرآنی احکام نہ غور سے سنتے ہیں اور نہ ان کے دل اس طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یا اللہ! اب ہم اس بدحالی پر کتنے خون کے آنسو بہائیں کہ جواب اس قرآن کریم پر ایمان کے دعویداروں ہی نے، الا ماشاء اللہ، اس آسمانی کتاب پر غور کرنا اور اس کے احکامات کو جاننا اور سمجھنا اور ان پر دل وجان سے عمل کرنا چھوڑ رکھا ہے۔ یا اللہ! قرآن کریم کی طرف سے امت مسلمہ کے افراد کی یہ غفلت اور لاپروائی کا جرم عظیم معاف فرما دے اور ہماری آنکھیں قرآن کی طرف سے کھول دے۔ اس کے علم اور عمل کا شوق عطا فرما دے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا

بلکہ یُوں کہا کہ یہ پریشان خیالات ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس کو تراش لیا ہے بلکہ یہ تو ایک شاعر شخص ہیں تو ان کو چاہیئے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی نشانی لاویں جیسا

أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ۝٥ مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ۝٦

پہلے لوگ رسول بنائے گئے۔ ان سے پہلے کوئی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے ایمان نہیں لائے سو کیا یہ لوگ ایمان لے آویں گے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا

اور ہم نے آپ سے قبل صرف آدمیوں ہی کو پیغمبر بنایا جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے تھے سو (اے منکرو) اگر تم کو معلوم نہ ہو تو اہلِ کتاب سے دریافت کرلو۔

تَعْلَمُونَ ۝٧ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ۝٨

اور ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور وہ حضرات ہمیشہ رہنے والے نہیں ہوئے۔

ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ۝٩

پھر ہم نے جو اُن سے وعدہ کیا تھا اس کو سچا کیا یعنی ان کو اور جن جن کو منظور ہوا ہم نے نجات دی اور حد سے گذرنے والوں کو ہلاک کیا۔

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝١٠

ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں کہ اس میں تمہاری نصیحت موجود ہے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے

بَلْ بلکہ	قَالُوا انہوں نے کہا	أَضْغَاثُ پریشان	أَحْلَامٍ خواب	بَلِ بلکہ	افْتَرَاهُ اسنے گھڑ لیا اسے	بَلْ هُوَ بلکہ وہ
شَاعِرٌ ایک شاعر	فَلْيَأْتِنَا پس وہ ہمارے پاس لے آئے	بِآيَةٍ کوئی نشانی	كَمَا جیسے	أُرْسِلَ بھیجے گئے	الْأَوَّلُونَ پہلے	
مَا آمَنَتْ نہ ایمان لائی	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	مِنْ قَرْيَةٍ کوئی بستی	أَهْلَكْنَاهَا ہم نے اسے ہلاک کیا	أَفَهُمْ اور کیا وہ		
يُؤْمِنُونَ ایمان لائیں گے	وَمَا اور نہیں	أَرْسَلْنَا بھیجے ہم نے	قَبْلَكَ تم سے پہلے	إِلَّا مگر	رِجَالًا مرد	نُوحِي ہم وحی بھیجتے تھے
إِلَيْهِمْ اُن کی طرف	فَاسْأَلُوا پس پوچھ لو	أَهْلَ الذِّكْرِ یاد رکھنے والے	إِنْ مگر	كُنْتُمْ تم ہو	لَا تَعْلَمُونَ تم نہیں جانتے	وَ اور
مَا جَعَلْنَاهُمْ ہم نے نہیں بنائے ان کے	جَسَدًا ایسے جسم	لَا يَأْكُلُونَ نہ کھاتے ہوں	الطَّعَامَ کھانا	وَ اور	مَا كَانُوا وہ نہ تھے	
خَالِدِينَ ہمیشہ رہنے والے	ثُمَّ پھر	صَدَقْنَاهُمُ ہم نے سچا کردیا ان سے	الْوَعْدَ وعدہ	فَأَنْجَيْنَاهُمْ پس ہم نے بچالیا انہیں		
وَمَنْ نَشَاءُ اور جس کو ہم نے چاہا	وَأَهْلَكْنَا اور ہم نے ہلاک کردیا	الْمُسْرِفِينَ حد سے بڑھنے والے	لَقَدْ أَنْزَلْنَا تحقیق ہم نے نازل کی			
إِلَيْكُمْ تمہاری طرف	كِتَابًا ایک کتاب	فِيهِ اس میں	ذِكْرُكُمْ تمہارا ذکر	أَفَلَا تَعْقِلُونَ تو کیا تم سمجھتے نہیں؟		

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں کفار مکہ کا اعتراض بیان فرمایا گیا تھا جو کہتے کہ یہ رسول تو تم ہی جیسے آدمی ہیں اور ان کے کافرانہ اقوال و الزام کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جادوگر ہیں اور اپنے جادو سے لوگوں پر اثر ڈالتے ہیں، نقل فرمایا گیا تھا۔ تو کفار نے صرف یہی نہیں کہ سحر کا الزام لگایا بلکہ اور بھی الزامات تراشے جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا۔ معاندین و منکرین قرآن سن کر ضد اور ہٹ دھرمی سے ایسے

بدحواس ہوجاتے کہ کسی ایک رائے پران کو قرار نہ تھا کبھی اسے جادو بتاتے۔ کبھی پریشان خواب وخیال کہتے۔ کبھی دعویٰ کرتے کہ آپ اپنے جی سے نعوذ باللہ کچھ باتیں گھڑ لائے ہیں جن کا نام قرآن رکھ دیا ہے۔ کبھی کہتے کہ آپ ایک عمدہ شاعر ہیں اور شاعروں کی طرح تخیل کی بلند پروازی سے کچھ مضامین مؤثر اور مسجع عبارت میں پیش کردیتے ہیں۔ تو ان آیات کا بلکہ اس سورة کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا اثر جب پھیلنے لگا تو مکہ کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں پروپیگنڈہ کی ایک مہم شروع کی جائے اور ہر شخص کو جو خصوصاً باہر سے مکہ میں آئے آپ کے خلاف اس کو اتنا بدگمان کردیا جائے کہ وہ آپ کی بات سننے کیلئے آمادہ ہی نہ ہو۔ یہ مہم خاص طور سے حج کے زمانہ میں زوروں سے جاری رہتی اور کثرت سے آدمی پھیلا دیئے جاتے جو تمام بیرونی زائرین کے خیموں میں پہنچ کر ان کو خبردار کرتے تھے کہ یہاں ایک ایسا آدمی ہے اس سے ہوشیار رہنا۔ ان گفتگوؤں میں طرح طرح کی باتیں بنائی جاتی تھیں۔ کبھی کہا جاتا تھا کہ یہ شخص (نعوذ باللہ) جادوگر ہے۔ کبھی کہا جاتا کہ انہوں نے ایک کلام خود گھڑ رکھا ہے۔ اور وہ کلام کیا ہے پراگندہ خیالات کا مجموعہ ہے۔ کبھی کہا جاتا کہ شاعرانہ خیالات اور تک بندیاں ہیں جن کا نام کلامِ الٰہی رکھا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کو بہکایا جائے۔

تو منکرین ومعاندین قرآن کے اثرات پھیلتے ہوئے دیکھ کر بدحواس تھے اور کبھی کچھ الزام لگاتے اور کبھی کچھ۔ ان اعتراضات اور الزامات کے علاوہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ اگر واقع میں آپ اللہ کے پیغمبر ہیں تو پھر آپ کوئی ایسا کھلا معجزہ دکھلائیں جیسے معجزات پہلے پیغمبروں نے دکھلائے تھے۔ یہ کہنا بھی مکہ کے جاہل مشرکین کا محض عناد کی بنا پر تھا کیونکہ اول تو یہ جاہل مشرکین پہلے پیغمبروں اور ان کے معجزات کو کیا جانتے تھے دوسرے آپ کے بیسیوں کھلے کھلے نشان دیکھ چکے تھے جو انبیائے سابقین کے نشانات سے کسی طرح کم نہ تھے جن میں سب سے بڑھ کر یہ قرآن ہی کا معجزہ تھا۔ تو الحاصل کفار نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق تین شبہات ظاہر کئے۔

(۱) ایک یہ کہ یہ آدمی ہیں اور آدمی رسول نہیں ہوسکتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ ساحر یا تک بند شاعر ہیں۔

(۳) تیسرے یہ کہ گزشتہ پیغمبروں کی طرح ان کے پاس کوئی معجزہ نہیں۔ ان تینوں شبہات کے جوابات حق تعالیٰ کی طرف سے دیئے جاتے ہیں۔ پہلے تیسرے شبہ کا جواب دیا گیا کہ پہلی قوموں کو فرمائشی نشانات دکھلائے گئے اور وہ انہیں دیکھ کر بھی نہ مانے آخر سنت اللہ کے موافق ہلاک کئے گئے۔ اگر ان مشرکین مکہ کی فرمائشیں پوری کی جاتیں تو ظاہر ہے یہ ماننے والے تو ہیں نہیں لامحالہ حق تعالیٰ کی عام عادت کے موافق تباہ کئے جائیں گے اور حکمتِ الٰہی میں ان کی بالکلیہ تباہی مقصود نہیں۔ روایات میں ہے کہ اہلِ مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ضد کی اور کہا کہ اگر آپ کا قول سچ ہے اور آپ اللہ کے پیغمبر ہیں تو کوہِ صفا کو سونے کا کردیجئے اور مکہ کی سرزمین سرسبز شاداب بنادیجئے۔ اگر ایسا کردیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ کفار کی درخواست پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو ہم ان کا سوال پورا کردیں لیکن اگر یہ ایمان نہ لائے تو پھر عذاب میں تاخیر نہ ہوگی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اپنی قوم کے لئے تدریج ومہلت کا خواستگار ہوں تا کہ ان کی نسل سے اہلِ ایمان پیدا ہوں۔ اس کے بعد کفار کے پہلے شبہ کا جواب ہے کہ پہلے بھی جو پیغمبر آئے وہ سب نبی آخر الزمان کی طرح بشر ہی تھے فرشتے نہ تھے۔ اگر اتنی مشہور بات کی بھی تم کو اپنی جہالت کی وجہ سے خبر نہیں تو خبر رکھنے والوں سے دریافت

کرلو۔ آخر یہود ونصاریٰ اہل کتاب سے تمہارے تعلقات ہیں اتنی موٹی بات انہی سے پوچھ لو کہ پہلے زمانہ میں انبیاء ورسل جو تشریف لائے وہ بشر تھے یا آسمان کے فرشتے۔

پھر آگے حق تعالیٰ خود ہی ظاہر فرماتے ہیں کہ جتنے انبیاء دنیا میں آئے۔ بشری خصائص ان میں موجود تھے۔ نہ فرشتوں کی طرح ان کا بدن ایسا تھا کہ کبھی کھانا نہ کھاتے۔ نہ وہ ایسے تھے کہ کبھی موت اور فنا نہ آئے۔ ان کا امتیاز دوسرے بندوں سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لئے کھڑے کئے گئے تھے۔ خدا ان کی طرف وحی بھیجتا اور باوجود بے سروسامانی کے مخالفین کے مقابلہ میں ان کی حمایت اور نصرت کے وعدے کرتا تھا چنانچہ اللہ نے اپنے وعدے سچے کر دکھائے۔ ان کو مع ان کے رفقا کے محفوظ رکھا اور بڑے بڑے متکبر دشمن جو ان سے ٹکرائے تباہ وغارت کر دیئے گئے۔

یہاں آیت میں بشر کے بجائے رجالاً کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی ہم نے صرف مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں ہی کو ملی ہے نہ کہ عورتوں کو۔ حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے یہاں لکھا ہے کہ اسی اصل کی بنا پر اہلِ طریق بھی خلافت مردوں ہی کو دیتے ہیں۔

اخیر میں منکرین ومعاندین کے دوسرے شبہ کا جواب ہے کہ اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو ہر قسم کی نصیحت وفہمائش کردی گئی اور سب برا بھلا انجام سمجھا دیا گیا۔ اب اگر کچھ بھی عقل ہوگی تو عذابِ الٰہی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو گے اور قرآن کی قدر پہچانو گے جو فی الحقیقت تمہارے لئے ایک عظیم الشان ہدایت نامہ اور جلیل القدر یادداشت ہے یہ کوئی سحر اور شاعری نہیں نہ تک بندیاں اور پریشان خیالات ہیں اس کے اندر تو ہدایت وسعادت کے ضوابط ہیں۔ شاعری یا سحر یا اور کوئی چیز ایسی کہاں ہوسکتی ہے؟

خلاصہ یہ کہ کفار مکہ کو کتنے مؤثر اور دلنشین پیرایہ میں جتلایا جا رہا ہے کہ اگر تم ایسے محسن کو نہ مانو گے تو دنیا میں ذلیل ہوگے اور آخرت کا عذاب الگ رہا۔ آگے ان قوموں کا دنیوی انجام بیان فرماتے ہیں جنہوں نے انبیاء سے دشمنی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کئے تھے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا۔ اور قرآن پاک پر ایمان نصیب فرمایا۔ اور اسلام جیسا دین کامل عطا فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان نعمتوں کی قدر اور ان کی حقیقی شکرگزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پکا وسچا امتی اور تابعدار بناویں اور قرآنی ہدایات سے ہمارے دلوں کو منور فرماویں۔ یا اللہ! اب ہم کفار ومشرکین کی کیا حکایت وشکایت کریں کہ جنہوں نے قرآنی نصیحتوں کو نہ مانا نہ سمجھا۔ اور آپ کے احکام پر ایمان نہ لا کر اپنے کو مستحق عذاب بنایا۔ اب تو ہمیں رونا ان اہلِ اسلام ہی کے لئے ہے کہ جو باوجود اس قرآن پر دعوئے ایمان کے نہ تو اس کی نصیحتوں کو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ نہ اس کے احکام کی پروا کرتے ہیں اور سننا اور سمجھنا تو درکنار اب تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسلامی احکام سے نہ صرف اعراض وانحراف ہے بلکہ ان پر اعتراض بھی ہے۔ یا اللہ! ایسے ناقدروں کو اسلام کی قدر اور عظمت عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿١١﴾ فَلَمَّا

اور ہم نے بہت سی بستیاں جہاں کے رہنے والے ظالم تھے غارت کردیں اور اُن کے بعد دوسری قوم پیدا کردی۔ سو جب

أَحَسُّوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُونَ ﴿١٢﴾ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ

ان ظالموں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو اس بستی سے بھاگنا شروع کیا۔ بھاگو مت اور اپنے سامانِ عیش کی طرف اور اپنے مکانوں کی طرف واپس چلو

وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ﴿١٣﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ

شاید تم سے کوئی پوچھے پاچھے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہائے ہماری کم بختی بیشک ہم لوگ ظالم تھے۔ سواُن کی یہی غل پکار رہی حتی کہ ہم نے اُن کو ایسا کردیا

حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ ﴿١٥﴾

جس طرح کھیتی کٹ گئی ہو اور آگ ٹھنڈی ہوگئی ہو۔

وَكَمْ قَصَمْنَا اور ہم نے کتنی ہلاک کردیں	مِنْ سے	قَرْيَةٍ بستیاں	كَانَتْ وہ تھیں	ظَالِمَةً ظالم	وَأَنْشَأْنَا اور پیدا کئے ہم نے	
بَعْدَهَا ان کے بعد	قَوْمًا گروہ۔ لوگ	آخَرِينَ دوسرے	فَلَمَّا پھر جب	أَحَسُّوا انہوں نے آہٹ پائی	بَأْسَنَا ہمارا۔ عذاب	
إِذَا هُمْ اس وقت وہ	مِنْهَا اس سے	يَرْكُضُونَ بھاگنے لگے	لَا تَرْكُضُوا تم مت بھاگو	وَارْجِعُوا اور لوٹ جاؤ	إِلَىٰ طرف	
مَا جو	أُتْرِفْتُمْ تم آسائش دیئے گئے	فِيهِ اس میں	وَمَسَاكِنِكُمْ اور اپنے گھر	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تُسْأَلُونَ تمہاری پوچھ گچھ ہو	
قَالُوا وہ کہنے لگے	يَا وَيْلَنَا ہائے ہماری شامت	إِنَّا كُنَّا ہم بیشک تھے	ظَالِمِينَ ظالم	فَمَا زَالَتْ پس رہی	تِلْكَ یہ	دَعْوَاهُمْ ان کی پکار
	حَتَّىٰ یہاںتک کہ	جَعَلْنَاهُمْ ہم نے انہیں کردیا	حَصِيدًا کٹی ہوئی کھیتی	خَامِدِينَ بجھی ہوئی آگ		

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں کفار ومشرکین کے الزامات اور اعتراضات کے جواب میں یہ بتایا گیا تھا کہ پہلے لوگوں کو سمجھانے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے تھے اور وہ سب انسان ہی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام لوگوں کے پاس پہنچانے کے لئے انہیں پسند فرمالیا تھا اور وقت پر ان کی مدد نصرت وحمایت کا وعدہ کیا تھا چنانچہ جب نافرمانوں پر عذاب آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور ان کے متبعین کو بچالیا اور نافرمانی وسرکشی اور حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو ہلاک وتباہ کردیا۔

اب آگے ان آیات میں اسی کو قدرے تفصیل سے بیان فرمایا جارہا ہے کہ ایسا واقعہ صرف ایک یا دو مرتبہ ہی نہیں ہوا بلکہ یہ تو عام ضابطۂ قدرت ہے اور قانونِ خداوندی ہے۔ ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا چلا آیا ہے اس لئے کوئی قوم اس سے مستثنیٰ نہیں۔ افراد واقوام حکومت وطاقت۔ عزت وراحت۔ قوت وصحت کے نشہ میں سرشار ہوتی ہیں۔ عیش وآرام کے تمام سامان مہیا ہوتے ہیں۔ جو چاہتے ہیں من مانی کرتے ہیں۔ بالآخر جب ان کی نافرمانی وسرکشی ناحق پرستی اور ستم گاری بڑھ جاتی ہے تو معمولی اسباب ہلاکت کے علاوہ غیر معمولی محسوس عذاب ان پر نازل کیا جاتا ہے اور پھر چاروں طرف سے ان کو تباہی گھیر لیتی ہے۔ اس وقت جب وہ مصائب سے گھر جاتے ہیں تو ایسے وقت میں تمام اسباب عیش وراحت پر خاک ڈال کر عزت وحکومت پر لات مار کر اور راحت آفرین مسکن ومحل چھوڑ کر جان بچانے کے لئے غیبی مصائب سے بھاگتے ہیں۔ لیکن پھر نجات کا وقت نہیں

رہتا۔ موقع نکل چکتا ہے اس وقت ان کو پشیمانی ہوتی ہے اور اسبابِ ہلاکت پر غور کرتے ہیں تو بالآخر اقرار کرتے ہیں کہ واقعی ہم نے بڑی بیجا حرکتیں کی تھیں۔ یہ انہی کا نتیجہ ہے۔ واقعی ہم نے بڑا ظلم کیا جو پیغمبروں کی بات نہ سنی۔ غرض اسی طرح وہ ہائے واویلا مچاتے رہتے ہیں لیکن عذاب ان پر آچکا ہوتا ہے اس وقت کی چیخ و پکار بیکار۔ غرض اس طرح ان کی عزت وشوکت اور جاہ وجلال کی روشن آگ ٹھنڈی کردی جاتی ہے اور وہ بستیاں جو سرسبز وشاداب کھیتی کی طرح خوش عیشی سے زندگی گزارتی تھیں یک دم ان کو برباد کر کے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح پژمردہ کر کے بھوسہ کی طرح ریزہ ریزہ کردیا جاتا ہے۔ تو کفار مکہ کو یہ جتلایا جارہا ہے کہ یہ واقعات ہیں جو صرف ممکن ہی نہیں واقع بھی ہو چکے ہیں پس تم ان سے عبرت حاصل کرو اور سرکشی اور نافرمانی سے باز آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ گزشتہ قوموں کی طرح تم کو بھی ایسے وقت پچھتانا پڑے جبکہ پچھتانا بالکل سودمند نہ ہوگا۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ علاقہ یمن میں ایک بستی کا ہے جہاں کے رہنے والے بہت مالدار مرفہ حال اور خوش عیش تھے۔ انہوں نے ایک شفیق اور ناصح پیغمبر کو قتل کردیا تھا اس لئے ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ کسی خاص قریہ کی تعیین ضروری نہیں۔ ہر ملک اور ہر دیس میں اجاڑ بستیوں کے کھنڈر موجود ہیں اور شہر کے شہر صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں کوئی زلزلہ سے تباہ ہوا کوئی آسمانی سنگ باری یا سیلاب یا وبا یا آتش فشاں پہاڑوں کے نمودار ہونے سے برباد ہوا۔ کہیں ظالم بادشاہوں کی لشکرکشی نے قتلِ عام کیا تو کہیں آپس کے نفاق سے خون کی ندیاں بہادیں یہ سب عذابِ الٰہی کے نمونہ ہیں اور اہل بصیرت کے لئے اپنے اندر عبرت انگیز درس نصیحت رکھتی ہیں۔

مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ جہاں ان آیات میں اقوام پارینہ کی تمثیل دے کر کفار مکہ کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور ضابطۂ قدرت کا بیان کہ کفر ومعصیت سے بربادی آتی ہے بتلایا گیا ہے وہیں دور حاضر کے مسلمانوں کو بھی عبرت آفرین سبق اس سے لینا چاہئے اور خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اعداء کا تسلط ظالموں کی ستم کاریاں۔ طوفان بادوباراں کی تباہ کاریاں۔ زلزلوں کی قیامت خیزیاں۔ اور وباء قحط کی ہلاکت انگیزیاں یہ سب معصیت اور بد اعمالیوں کا خمیازہ ہیں مسلمانوں کے لئے ترقی کی کوئی سکیم اور عروج کا کوئی لائحہ عمل مفید نہیں ہوسکتا جب تک احکامِ الٰہیہ اور قوانین قرآنیہ کی پابندی نہ کی جائے گی۔ اصلاح نفس سے اصلاح افراد ہوتی ہے۔ اور اصلاح افراد سے اصلاح قوم اور اصلاح قوم سے اصلاحِ عالم۔ اس لئے اپنی ذات اور نفس کی اصلاح سب سے مقدم ہے۔ اور ہر شخص کو اس کی فکر میں لگنا چاہئے اور اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنے والی زندگی اپنانا چاہئے اور قوانین و احکامِ خداوندی کی نافرمانی وسرکشی سے بچنا چاہئے۔ ورنہ قانونِ خداوندی سے کوئی قوم مستثنٰی نہیں۔ شروع سورۃ سے یہاں تک مضمون نبوت و رسالت کے متعلق تھا اب آگے توحید کے متعلق بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی عبرت ونصیحت حاصل کرنے والا دل اور دماغ عطا فرماویں۔ اور اپنے نفس کی اصلاح کی فکر نصیب فرمائیں۔ مرنے سے پہلے ہمیں اس زندگی میں آخرت کی تیاری کر لینے کا عزم عطا فرمائیں اور اللہ اور رسول کو راضی کرنے والی زندگی گزارنا نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو قرآن پاک کا علم اس کی سمجھ اور اس کا اتباع نصیب فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اُس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔ اگر ہم کو مشغلہ ہی بنانا منظور ہوتا

مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ

تو ہم خاص اپنے پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا۔ بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے سو وہ دفعتہً جاتا

زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا

رہتا ہے۔ اور تمہارے لئے اس بات سے بڑی خرابی ہوگی جو تم گھڑتے ہو۔ اور جتنے کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کے ہیں۔ اور جو اللہ کے نزدیک ہیں

يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾

وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔ شب و روز تسبیح کرتے ہیں (کسی وقت) موقوف نہیں کرتے

وَمَا خَلَقْنَا اور ہم نے نہیں پیدا کیا	السَّمَآءَ آسمان	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	لٰعِبِيْنَ کھیلتے ہوئے	
لَوْ اَرَدْنَا اگر ہم چاہتے	اَنْ کہ	نَّتَّخِذَ ہم بنائیں	لَهْوًا کوئی کھلونا	لَّاتَّخَذْنٰهُ تو ہم اس کو بنا لیتے	مِنْ لَّدُنَّا اپنے پاس سے	
اِنْ كُنَّا اگر ہم ہوتے	فٰعِلِيْنَ کرنے والے	بَلْ بلکہ	نَقْذِفُ ہم پھینک مارتے ہیں	بِالْحَقِّ حق کو	عَلَى پر	الْبَاطِلِ باطل
فَيَدْمَغُهٗ پس وہ اسکا بھیجا نکال دیتا ہے	فَاِذَا تو اس وقت	هُوَ وہ	زَاهِقٌ نابود ہوجاتا ہے	وَلَكُمُ اور تمہارے لئے	الْوَيْلُ خرابی	
مِمَّا اس سے جو	تَصِفُوْنَ تم بناتے ہو	وَلَهٗ اور اسی کیلئے	مَنْ جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین میں	وَمَنْ اور جو
عِنْدَهٗ اس کے پاس	لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ وہ تکبر سرکشی	نہیں کرتے	عَنْ سے	عِبَادَتِهٖ اس کی عبادت	وَ اور	لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ نہ وہ تھکتے ہیں
	يُسَبِّحُوْنَ وہ تسبیح کرتے ہیں	الَّيْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن	لَا يَفْتُرُوْنَ وہ سستی نہیں کرتے		

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں بعض بستیوں کو عذابِ خداوندی سے ہلاک اور تباہ و برباد کرنے کا ذکر ہوا تھا۔ مشرکین و کفار مکہ جن کا ذکر گزشتہ سے ہوتا چلا آ رہا ہے ان کا یہ خیال تھا جیسا کہ اب بھی دہریوں کا خیال ہے کہ انسان اور دیگر چیزیں آپ ہی آپ پیدا ہوتی ہیں اور آپ ہی مٹ جاتی ہیں۔ ان کی بقاء کی بھی ایک خاص حد ہے اور فنا کی بھی ایک مدت ہے۔ آبادی و بربادی اور بقاء فنا میں اطاعت و معصیت اور فرمانبرداری و نافرمانی کو کیا دخل ہے۔ اسباب کے معمولی تغیرات کے یہ سب نتائج ہوتے ہیں۔ نیکی اور بدی۔ ایمان اور کفر سے ان میں تغیر نہیں ہوا کرتا۔ کوئی قوم یا شہر برباد ہوا یا ہوتا ہے اس میں ان کے گناہ و ثواب کو کیا دخل؟ یہ سب اسباب ارضی و سماوی سے ہے۔ کفار اور مشرکین کے ان خیالات کا ان آیات میں استیصال فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ توحید اور رسالت کے منکرین کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نمایاں نشانیوں کو جو زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور ان کے درمیان تمام مخلوقات کو بنانے میں مشاہدہ کی جاسکتی ہیں دیکھتے اور سمجھتے نہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب چیزیں فضول محض بطور کھیل تماشہ کے پیدا کی ہیں۔ یہ بلند آسمان اور اس کا سامانِ آرائش اور یہ فرش زمین اور اس کی زینت کے تمام اسباب اور یہ درمیانی فضا اور اس کی کائنات اللہ نے اس طرح پیدا نہیں کی کہ جس میں کوئی معتدبہ حکمت اور غرض صحیح نہ ہو۔ یہ کھیل کے لئے نہیں پیدا کی گئی اور نہ اس سے تفریح مقصود ہے۔ اس

لئے عقلمند کو چاہئے کہ آفرینش عالم کی غرض کو سمجھے اور دنیا کو محض کھیل تماشہ سمجھ کر انجام سے غافل نہ ہو بلکہ خوب سمجھ لے کہ دنیا آخرت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اس دنیا کے ہر نیک و بد فعل کی جزا اور سزا ملنا اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا ہے۔

گزشتہ بستیوں کو جو ہلاک اور برباد کیا گیا تھا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان منکرین توحید و رسالت نے دنیا کو کھیل و تماشہ سمجھا اور جس غرض کے لئے دنیا پیدا کی گئی اس سے غفلت اور اعراض برتا اور آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی مخلوقات میں غور و فکر سے ان کے صانع اور خالق کو پتہ نہ لگایا اور انبیاء اور رسل نے جب ان کو خبردار کیا اور سمجھایا اور بتلایا تو ان کی تکذیب و تحقیر کی۔ حق تعالیٰ نے اس تکذیب و تحقیر کی پاداش میں ان پر عذاب نازل کیا۔ اللہ نے اپنے علم و حکمت سے اس آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو عبث اور بیکار پیدا نہیں کیا ہے کہ یونہی بطور مشغلہ اور کھیل و تماشہ کے یہ سب بنا کر کھڑا کر دیا۔ گزشتہ اور ہلاک شدہ بستی والوں کی طرح کوئی نادان یہ گمان نہ کرے کہ یہ سارا عالم کھیل و تماشہ ہے اور انسان دنیا میں کھیل تماشہ اور مزے اڑانے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ بہت سے آزاد منشوں کا اب بھی خیال ہے کہ انسان طبعاً آزاد پیدا ہوا ہے جو اس کا جی چاہے کرے۔ مرنے کے بعد یہ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ نہ ثواب ہے نہ عقاب ہے۔ نہ جزا ہے نہ سزا ہے سو یہ گمان بالکل غلط ہے بلکہ انسان خدا کا بندہ ہے اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ بندہ کا خدا سے آزاد ہو جانا ناممکن اور محال ہے۔

خدا نے بندہ کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ آسمان اور زمین کی عجائب صنعت میں غور و فکر سے اس کے خالق کی معرفت حاصل کرے اور عالم کی اس ظاہری آرائش اور رونق و ٹیپ ٹاپ سے دھوکا نہ کھائے اور خوب سمجھ لے کہ اس عالم کی پیدائش عبث اور بے فائدہ نہیں۔ اور معرفت صانع کے بعد اپنے خالق اور پروردگار کی عبادت اور اطاعت کریں اور یقین کریں کہ یہ دنیا آخرت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ وہاں پہنچ کر بندہ کو ہر نیک و بد کی پوری جزا و سزا ملنی ہے۔ اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔

غرضیکہ اللہ جل شانہٗ نے یہ زمین و آسمان کی عجیب و غریب کائنات کھیل کے لئے نہیں بلکہ بڑی حکمتوں پر مبنی کر کے بنائی ہے اور ان حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ حق و باطل کا امتیاز ہوتا ہے یہ دنیا میدان کارزار ہے جہاں حق و باطل کا مقابلہ اور جنگ ہوتی ہے اور حق حملہ آور ہو کر باطل کا سر کچل ڈالتا ہے۔

اسی سے منکرین! تم اپنی مشرکانہ اور کافرانہ باتوں کا انجام سمجھ لو کہ حق و صداقت کا حملہ جب پوری طاقت سے تم پر ہوگا اس وقت کیسی خرابی اور بربادی تمہارے لئے ہوگی اور کون سی طاقت بچانے آئیگی۔

نزول قرآن کے وقت عرب میں یہود بھی تھے جو حضرت عزیر علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) خدا کا بیٹا کہتے۔ عیسائی بھی تھے جو عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کے قائل تھے اور مشرکین کا ایک گروہ تھا جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں جانتا تھا اس لئے آگے توحید خداوندی کو بیان کیا جاتا ہے کہ کل عالم اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کی وہ شان ہے کہ جتنے کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کے مملوک اور مسخر ہیں اور جو مقربین بارگاہ ہیں ان کو بھی سرتابی کی مجال نہیں اور سرتابی کا تو کیا ذکر ان کی یہ کیفیت ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی کرنا ان کے لئے باعث شرف و عزت ہے اور شبانہ روز وہ اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ ہر وقت اس کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو عام مخلوق تو کس شمار میں ہے۔ پس لائق عبادت و بندگی کے صرف ذات الٰہی ہے اور جب کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے تو پھر اس کا شریک سمجھنا کتنی بے عقلی ہے۔

گویا یہاں توحید کے دلائل کے ساتھ مشرکین کی جہالت کو بھی ظاہر کیا گیا۔ ابھی آگے بھی انہیں مشرکین کی جہالت کو اور کئی طرح سے ظاہر فرمایا گیا ہے اور توحید باری تعالیٰ کے مزید دلائل دیئے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ

کیاان لوگوں نے خدا کے سوااور معبود بنار کھے ہیں زمین کی چیزوں میں سے جوکسی کوزندہ کرتے ہوں۔زمین وآسمان میں اگراللہ تعالیٰ کے سوااور معبود ہوتا

لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ

تو دونوں درہم برہم ہوجاتے۔سواللہ تعالیٰ ان امور سے پاک ہے جوکہ مالک ہے عرش کا۔جو کچھ یہ لوگ بیان کرر ہے ہیں۔وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا

يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ

اوراوروں سے باز پرس کی جاسکتی ہے۔کیا خدا کو چھوڑ کرانہوں نے اور معبود بنار کھے ہیں۔کہیئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب

مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾

اور مجھ سے پہلے لوگوں کی کتابیں موجود ہیں۔بلکہ ان میں زیادہ وہی ہیں جو امرِ حق کا یقین نہیں کرتے سو وہ اعراض کرر ہے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری عبادت کیا کرو۔

اَمِ کیا	اتَّخَذُوْٓا انہوں نے بنالیا	اٰلِهَةً کوئی معبود	مِّنَ الْاَرْضِ زمین سے	هُمْ وہ	يُنْشِرُوْنَ انہیں اٹھا کھڑا کریں گے	لَوْ كَانَ اگر ہوتے
فِيْهِمَآ ان دونوں میں	اٰلِهَةٌ اور معبود	اِلَّا سوائے	اللّٰهُ اللہ	لَفَسَدَتَا البتہ دونوں درہم برہم ہوجاتے	فَسُبْحٰنَ پس پاک ہے	اللّٰهِ اللہ
رَبِّ رب	الْعَرْشِ عرش	عَمَّا اس سے جو	يَصِفُوْنَ وہ بیان کرتے ہیں	لَا يُسْـَٔلُ اس سے باز پرس نہیں کرتے	عَمَّا اس سے جو	يَفْعَلُ وہ کرتا ہے
وَهُمْ اور بلکہ (وہ)	يُسْـَٔلُوْنَ باز پرس کئے جائیں گے	اَمِ کیا	اتَّخَذُوْا انہوں نے بنالئے ہیں	مِنْ دُوْنِهٖٓ اللہ کے سوائے	اٰلِهَةً اور معبود	قُلْ فرمادیں
هَاتُوْا لاؤ پیش کرو	بُرْهَانَكُمْ اپنی دلیل	هٰذَا ذِكْرُ یہ کتاب	مَنْ جو	مَّعِيَ میرے ساتھ	وَذِكْرُ اور کتاب	مَنْ قَبْلِيْ جو مجھ سے پہلے
بَلْ بلکہ البتہ	اَكْثَرُهُمْ ان میں اکثر	لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے ہیں	الْحَقَّ حق	فَهُمْ پس وہ	مُّعْرِضُوْنَ روگردانی کرتے ہیں	وَ اور
مَآ اَرْسَلْنَا نہیں بھیجا ہم نے	مِنْ قَبْلِكَ تم سے پہلے	مِنْ رَّسُوْلٍ کوئی رسول	اِلَّا مگر	نُوْحِيْٓ ہم نے وحی بھیجی	اِلَيْهِ اس کی طرف	اَنَّهٗ کہ بیشک وہ
	لَآ نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّآ اَنَا میرے سوا	فَاعْبُدُوْنِ پس میری عبادت کرو		

تفسیر وتشریح: دین اسلام کا سنگ بنیاد توحید ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو وحدہٗ لاشریک یقین کرنا۔گزشتہ سے توحید باری تعالیٰ کا اثبات اور ردِ شرک کا مضمون بیان ہوتا چلا آرہا ہے ان آیات میں بھی اثبات توحید کے بعض دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

پہلی دلیل یہ دی گئی کہ اہلِ شرک نے جو بت اور دیوتا بنا رکھے ہیں جن کی ساخت چاندی یا سونے یا پتھر۔لکڑی، مٹی وغیرہ یعنی زمین کی موجودات میں سے کسی خاص چیز کی ہے کہ ان کو خود ہی بناتے ہیں اور خود ہی ان کو دیوتا مانتے ہیں تو جن ہستیوں کو انہوں نے خدا قرار دے رکھا ہے اور اپنا معبود بنایا ہے کیا ان میں سے کوئی ایسا ہے جو مادہ غیر ذی حیات میں زندگی پیدا کرتا ہو۔اگر ایک اللہ کے سوا کسی میں یہ طاقت نہیں کہ کسی میں جان ڈال سکے تو پھر ان کو الوہیت کا استحقاق کیسے ہوگیا اور ان کو خدا اور معبود کس لئے یہ کفار قرار دیتے ہیں۔

دوسری دلیل یہ دی گئی کہ اگر عالم میں دو الٰہ یعنی دو معبود یا دو خدا ہوتے تو نظم عالم کبھی کا درہم برہم ہوجاتا۔یہ دلیل نہایت سادہ بھی ہے اور گہری

بھی۔سادی سی بات جس کو ایک موٹی سی عقل کا آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے یہ ہے کہ ایک معمولی گھر کا نظام یا ایک کارخانہ کا انتظام چار دن بھی بخیریت نہیں چل سکتا اگر اس کے دو خود مختار مالک ہوں۔لامحالہ دونوں کے اختلاف رائے سے تصادم لازم آئے گا۔آپس میں رسہ کشی اور تصادم سے گھر یا کارخانہ کا نظام درہم برہم ہونا لازمی ہے۔گہری بات یہ ہے کہ کائنات کا پورا نظام زمین کی تہوں اور گہرائیوں سے لے کر بعید ترین سیاروں تک ایک ہمہ گیر قانون پر چل رہا ہے۔یہ نظام ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہیں رہ سکتا اگر اس کی بے شمار مختلف قوتوں اور بے حد وحساب چیزوں کے درمیان تناسب اور توازن اور ہم آہنگی اور تعاون نہ ہو۔اور یہ سب کچھ جبھی ممکن ہے کہ کوئی اٹل اور غالب اور قاہر قوت ان بے شمار اشیاء اور قوتوں کو پوری مناسبت کے ساتھ آپس میں تعاون کرنے پر مجبور کر رہا ہو۔یہ کس طرح تصور کیا جا سکتا ہے کہ بہت سے مطلق العنان فرمانرواؤں کی حکومت میں ایک ضابطہ اس باقاعدگی سے چل سکے۔ایک ملک اور حکومت میں جب دو خود مختار بادشاہ نہیں سما سکتے تو دو مختار کل اور قادر مطلق خدا اس کائنات میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں؟اس آسمان وزمین اور تمام کائنات کا نظام قائم رہنا خود ہی اس بات کی دلالت ہے کہ احکم الحاکمین۔مختار کل اور قادر مطلق ایک ہی ذات اعلیٰ ہے اور وہی الٰہ کہلانے اور معبود بننے کا مستحق ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ تمام عالم کا مدبر اور متصرف صرف ایک ہی خدا ہے جس کے حکم سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے۔کسی دوسرے کے ارادہ اور تصرف کو ذرہ برابر اس میں دخل نہیں۔اگر اللہ کے سوا آسمان وزمین کی تخلیق اور تدبیر میں اور کوئی خدا شریک ہوتا تو باہمی اختلافات اور کشمکش کی وجہ سے آسمان وزمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔لیکن جب آسمان وزمین کا نظام باحسن وجوہ سب کے سامنے ہے اور یہ سارا کارخانہ عالم ایک ہی طریقہ اور ایک ہی وطیرہ پر چل رہا ہے تو لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ دو خدا کا وجود ناممکن اور باطل ہے پس اگر کسی کو ذرا بھی سمجھ ہے تو دنیا کے اس نظم ونسق کو دیکھ کر خداوند قدوس کی وحدانیت کا قائل ہو جائے گا۔

یہ دلائل دے کر آگے حق تعالیٰ خود اپنی ذات پاک کی بڑائی بیان فرماتے ہیں کہ ان تقریرات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو کہ عرش کا مالک ہے ان امور سے پاک ہے جو یہ مشرکین کہتے ہیں۔وہ معبود تو ایسا قادر مطلق اور مختار کل ہے کہ اس کی قدرت اور مشیت کو روکنا تو کجا کوئی پوچھ پاچھ بھی نہیں کر سکتا کہ آپ نے فلاں کام اس طرح کیوں کیا اور کیوں نہ کیا۔ہاں اس ذات عالی کو حق ہے کہ وہ ہر شخص سے مواخذہ اور باز پرس کر سکتا ہے بس جب کوئی اس کی عظمت میں شریک نہ ہوا تو پھر معبودیت میں کیسے شریک ہو سکتا ہے۔اس طرح توحید پر دلائل عقلی قائم کئے گئے۔ اب مشرکین سے ان کے دعوے پر دلیل صحیح کا مطالبہ ہے یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے تجویز کئے ہیں کیا اس کا ثبوت کسی دلیل عقلی یا نقلی سے ہے؟اگر کوئی دلیل ہو تو پیش کرو۔ظاہر ہے کہ مشرکین کے پاس شرک کے جواز میں بجز اوہام وظنون اور باپ دادوں کی کورانہ تقلید کے اور کیا رکھا تھا۔شرک کی تائید میں نہ کوئی دلیل عقلی مل سکتی تھی نہ نقلی جسے پیش کر سکتے ہیں۔

توحید باری تعالیٰ پر دلیل عقلی دینے کے بعد اب آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ایک نقلی دلیل پیش کرنے میں تلقین کی جارہی ہے اور وہ یہ کہ آج تک جتنی کتابیں خدا کی طرف سے دنیا کے کسی حصہ میں اور کسی قوم کے پیغمبر پر نازل ہوئی ہیں سب ہی میں یہی ایک بات ہے کہ اس رب العرش کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔تو اے منکرین اور مشرکین مکہ اگر تمہارے پاس تمام ملل سماویہ کے اس اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی دلیل ہو تو پیش کرو۔اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین کا اجماع عقیدۂ توحید پر رہا ہے۔کسی پیغمبر نے بھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا۔سب ہمیشہ یہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔تو جس طرح عقل اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے اور شرک کا رد ہوتا ہے ایسے ہی نقلی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کا اجماع دعوئے توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے۔

خلاصہ یہ کہ انبیاء کا ہدایت خلق کے لئے مبعوث ہونا متواتر ہے اور یہ بات بھی تواتر سے ثابت ہے کہ ہر پیغمبر نے خالص توحید کی تعلیم دی اور شرک سے منع کیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ متواتر کا انکار سوائے بیوقوف معاند اور ناواقف جاہل کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔

لہٰذا توحید کا انکار قطعی جہالت ہے۔اور خلاف عقل ونقل ہے۔ابھی یہی مضمون توحید اور شرک کا ابطال اگلی آیات میں مزید جاری ہے جس کا بیان ان شاءاللہ تعالیٰ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝٢٦ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھی ہے وہ پاک ہے بلکہ (وہ فرشتے) بندے ہیں معزز۔ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے

وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝٢٧ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ

اور وہ اُسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور وہ بجز اُس کے جس کیلئے خداتعالیٰ کی مرضی ہو

اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝٢٨ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ

اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور اُن میں سے جو یوں کہے کہ میں علاوہ خدا کے معبود ہوں

اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝٢٩

سو ہم اُس کو سزائے جہنم دیں گے۔ ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں

وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	اتَّخَذَ بنالیا	الرَّحْمٰنُ اللہ	وَلَدًا ایک بیٹا	سُبْحٰنَهٗ وہ پاک ہے	بَلْ بلکہ	عِبَادٌ بندے	مُّكْرَمُوْنَ معزز
لَا يَسْبِقُوْنَهٗ وہ اس سے سبقت نہیں کرتے	بِالْقَوْلِ بات میں	وَهُمْ اور وہ	بِاَمْرِهٖ اس کے حکم پر	يَعْمَلُوْنَ عمل کرتے ہیں			
يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھوں میں	وَ اور	مَا خَلْفَهُمْ جو انکے پیچھے	وَ اور	لَا يَشْفَعُوْنَ وہ سفارش نہیں کرتے	
اِلَّا مگر	لِمَنِ جس کیلئے	ارْتَضٰى اسکی رضا ہو	وَهُمْ اور وہ	مِنْ خَشْيَتِهٖ اسکے خوف سے	مُشْفِقُوْنَ ڈرتے رہتے ہیں		
وَمَنْ اور جو	يَّقُلْ کہے	مِنْهُمْ ان میں سے	اِنِّىْ بیشک میں	اِلٰهٌ معبود	مِنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا	فَذٰلِكَ پس وہ شخص	
نَجْزِيْهِ ہم اسے سزا دیں گے	جَهَنَّمَ جہنم	كَذٰلِكَ اسی طرح	نَجْزِي ہم سزا دیتے ہیں	الظّٰلِمِيْنَ ظالم			

تفسیر وتشریح: گزشتہ سے مضمون اثبات توحید اور ابطال شرک کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ایام جاہلیت میں عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو (نعوذ باللہ) خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور مشرکین فرشتوں کو دو وجوہ سے معبود بناتے تھے ایک یہ کہ ان کے نزدیک وہ خدا کی اولاد تھے۔ (نعوذ باللہ) دوسرے یہ کہ وہ ان کی پرستش اور خوشامد کر کے انہیں خدا کے ہاں اپنا سفارشی بنانا چاہتے تھے۔ ان آیات میں دونوں وجوہ کی تردید کر دی گئی اور بتلایا گیا کہ خدا کے شانِ رفیع کے لائق نہیں کہ وہ اپنے بیٹے اور بیٹیاں بنائے۔ اس میں نصاریٰ کا بھی رد ہو گیا۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ نیز یہود کے اس فرقہ کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن برگزیدہ فرشتوں کو اے مشرکین تم خدا کی اولاد بتلاتے ہو وہ اولاد نہیں ہاں اس کے معزز بندے ہیں اور باوجود انتہائی معزز اور مقرب ہونے کے ان کے ادب اور اطاعت کا حال یہ ہے کہ جب تک اللہ کی مرضی اور اجازت نہ پائیں اس کے سامنے خود آگے بڑھ کر لب نہیں ہلا سکتے اور نہ کوئی کام اس کے حکم کے بدوں کر سکتے ہیں۔ گویا کمال عبودیت اور بندگی ہی ان کا طغرائے امتیاز ہے۔ اور حق تعالیٰ کا علم ان فرشتوں کے تمام احوال ظاہری و باطنی کو محیط ہے۔ ان کی کوئی حرکت اور کوئی قول و فعل اس سے پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ وہ مقرب

بندے اسی حقیقت کو سمجھ کر ہمہ وقت اپنے احوال کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں کہ کوئی حالت اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور ان کی کمال عبودیت کی یہ حالت ہے کہ حق تعالیٰ کی مرضی معلوم کئے بغیر کسی کی سفارش بھی نہیں کرتے۔ چونکہ مومنین موحدین سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اس لئے ان کے حق میں دنیا اور آخرت میں استغفار کرنا ان کا وظیفہ ہے۔ اور وہ حق تعالیٰ کی ہیبت سے ہمہ وقت ڈرتے اور خوف کھاتے رہتے ہیں۔ تو جب ملائکہ کی یہ حالت ہے تو ان کو معبود کیسے کہا جاسکتا ہے جیسا کہ یہ مشرکین کہتے ہیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اے مشرکین جن کو تم خدا کی اولاد یا خدا بنا رہے ہو اگر بفرضِ محال ان میں سے کوئی اپنی نسبت معاذ اللہ ایسی بات کہہ گزرے تو وہی دوزخ کی سزا جو حد سے گزرنے والوں ظالموں کو ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے لامحدود اقتدار و جبروت سے وہ بھی باہر نہیں جاسکتے پھر بھلا خدا کیسے ہوسکتے ہیں؟

خلاصہ یہ کہ یہاں حق تعالیٰ کے صاحب اولاد ہونے کی تردید اور اولاد پرستوں کے عقیدہ کا استیصال فرمایا گیا۔ اور اس بات کی صراحت فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ اور فرشتے خدا کے معزز و مکرم بندے ہیں۔ جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اجازت یا خطاب نہ ہو فرشتے خود کچھ بولنے کی جرأت نہیں کرتے۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک اس قدر بڑا جرم ہے کہ اگر بالفرض کسی مقرب فرشتے سے بھی سرزد ہو جائے تو وہ بھی راندۂ بارگاہ ہو جائے۔

توحید کے مزید دلائل اور قدرت کے کھلے نشان جن کو دیکھ کر اللہ کی وحدانیت کا یقین آجائے اگلی آیات میں جاری ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو توحید کا کمال نصیب فرمائیں اور ہر طرح کے مخفی سے مخفی شرک سے ہمیں کامل طور پر بچائیں۔ قرآن پاک کے بتلائے ہوئے عقیدہ اور عمل ہم کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی ظاہراً و باطناً گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب میں بھی اپنی ذاتِ عالی کی معرفت کے سبب وہ خوف اور خشیت پیدا فرمائیں کہ ہم سے کسی حال میں کوئی چھوٹی یا بڑی نافرمانی سرزد نہ ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ

کیا اُن کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے دونوں کو (اپنی قدرت سے) کھول دیا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ

اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے۔کیا پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ بنائے

رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾

کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کشادہ راستے بنائے تاکہ وہ لوگ منزل (مقصود) کو پہنچ جائیں۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ

اور ہم نے (اپنی قدرت سے) آسمان کو ایک چھت بنایا جو محفوظ ہے۔اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔اور وہ ایسا ہے

الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾

کہ اُس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے۔ ہر ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

أَوَ کیا	لَمْ يَرَ نہیں دیکھا	الَّذِينَ وہ لوگ جو	كَفَرُوٓا انہوں نے کفر کیا	أَنَّ کہ	السَّمٰوٰتِ آسمان	وَالْأَرْضَ اور زمین
كَانَتَا دونوں تھے	رَتْقًا بند	فَفَتَقْنٰهُمَا پس ہم نے دونوں کو کھول دیا	وَجَعَلْنَا اور ہم نے کیا	مِنَ الْمَآءِ پانی سے	كُلَّ شَيْءٍ ہر شے	
حَيٍّ زندہ	أَفَلَا يُؤْمِنُونَ کیا پس وہ ایمان نہیں لاتے	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنائے	فِي الْأَرْضِ زمین میں	رَوَاسِيَ پہاڑ		
أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ کہ جھک نہ پڑے ان کے ساتھ	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنائے	فِيهَا اس میں	فِجَاجًا کشادہ	سُبُلًا راستے		
لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	يَهْتَدُونَ وہ راہ پائیں	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	السَّمَآءَ آسمان	سَقْفًا ایک چھت	مَّحْفُوظًا محفوظ	
وَهُمْ اور وہ	عَنْ سے	اٰيٰتِهَا اس کی نشانیاں	مُعْرِضُونَ روگردانی کرتے ہیں	وَهُوَ اور وہ	الَّذِي جس نے	خَلَقَ پیدا کیا
اللَّيْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن	وَالشَّمْسَ اور سورج	وَالْقَمَرَ اور چاند	كُلٌّ سب	فِي فَلَكٍ دائرہ مدار (میں)	يَسْبَحُونَ تیر رہے ہیں

تفسیر اور تشریح: گزشتہ سے شرک کی تردید اور توحید کے ثبوت کے دلائل بیان ہوتے چلے آرہے ہیں۔اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی عام خلاقی اور ہمہ گیر قہار طاقت کا اظہار فرما کر گزشتہ مضمون کی تائید فرمائی گئی ہے تاکہ قدرت کے کھلے نشان اور محکم انتظامات کو دیکھ کر خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت پر یقین آجائے۔چنانچہ ان آیات میں کائنات کی پیدائش کا حال بیان فرمایا جاتا ہے تاکہ اس کو دیکھ کر اس کے پیدا کرنے والے کی قدرت کا اندازہ ہو اور اس کی معرفت کا دروازہ کھلے۔ابتداء زمین و آسمان دونوں ظلمت عدم میں ایک دوسرے سے غیر متمیز پڑے تھے۔ان میں باہم کوئی امتیاز اور فرق نہ تھا۔سب کی حقیقت ایک تھی۔اللہ کی قدرت دیکھو کہ اس نے ایک ہی مادہ سے مختلف انواع کی تخلیق کی۔قدرت نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا اور ہر ایک کے طبقات الگ الگ بنائے۔اس پر بھی منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے روئیدگی۔حق تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے دونوں

کے منہ کھول دیئے۔اوپر سے پانی کا دہانہ کھلا۔ نیچے سے زمین کے مسام کھل گئے۔اسی زمین سے حق تعالیٰ نے نہریں اور کانیں اور طرح طرح کے سبزے نکالے۔آسمان کو کتنے بے شمار ستاروں سے مزین کردیا جن میں سے ہر ایک کا گھر جدا اور چال جدا رکھی۔ پھر جانداروں کو پانی سے پیدا کیا یعنی عموماً جاندار چیزیں جو ہم کو نظر آتی ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ پانی سے بنائی گئیں۔ پانی ہی ان کا مادہ ہے۔ نباتات حیوانات۔ جمادات میں سے ہر ایک کو اس کے تناسب زندگی عطا کی۔ پھر زمین جو ابتداء نرم اور قرار نہ پکڑنے والی چیز تھی اور زمین پر آبادی کرنی منظور تھی۔ اس لئے زمین میں ثقل پیدا کر کے اس کو قرار دیا۔اور پہاڑوں کو ٹھوس اور اونچی دیواروں کی طرح زمین پر گاڑ دیا۔ تا کہ ان کے وزن اور گرانی سے زمین اپنی جگہ پر قائم رہے۔ پھر ان کے درمیان چوڑے چوڑے راستہ اور درے بھی بنا دیئے تا کہ ایک جگہ کے لوگ دوسری جگہ کے لوگوں سے مل سکیں۔ آسمان کو مضبوط اور محکم چھت کی طرح بے سہارے سر پر پھیلا دیا۔ جس کے ٹوٹ پھوٹ اور گرنے کا خطرہ نہیں۔کیسی مضبوط۔ وسیع۔ محکم اور بلند چھت اتنی مدت سے بلاستون اور کھمبے کے کھڑی ہے۔ آسمان کے اندر اللہ عزوجل کی قدرت اور حکمت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔لیکن لوگ ان کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں ورنہ ہر چیز بتا رہی ہے کہ اسے کسی بڑے ماہر اور کامل صناع اور بڑی قدرت و حکمت والے کاریگر نے بنایا ہے۔ پھر اسی نے رات دن چاند سورج بنائے۔ رات اور دن برابر ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں۔ اسی طرح چاند وسورج ایک معین نظام کے ماتحت نکلتے اور چھپتے رہتے ہیں اور یہ چاند وسورج بلکہ ہر سیارہ اپنے اپنے مدار پر چکر کھا رہا ہے۔ یہ سب باتیں اللہ عزوجل کی ہستی پر دلالت کرتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہاں یہ بتلایا گیا کہ یہ نظامِ کائنات جو تمہاری نظروں کے سامنے ہے کیا اس میں کہیں ایک اللہ رب العلمین کے سوا کسی اور کی بھی کاریگری اور صناعی تمہیں نظر آتی ہے؟ زمین وآسمان کی ایک ایک چیز اللہ کی ہمہ گیر قدرت بے مثال خلاقی اور بے نظیر وحدانیت کو ثابت کر رہی ہے۔لیکن کور بصیرت انسان ان پر غور نہیں کرتا ورنہ عبرت اندوز اہلِ نظر کے لئے آسمان وزمین کی خلقت۔ شبانہ روز کی پیدائش وانقلاب۔ چاند وسورج کی حرکات اور ان کی حرکات کے آثار سب ایک صانع کی صنعت۔ اور ایک حکیم کی حکمت اور ایک قادر کی قدرتِ کاملہ کو ظاہر کر رہی ہیں۔

الغرض حق تعالیٰ نے مضمونِ توحید کو نہایت پرمغز دلائل کے ساتھ یہاں بیان فرمایا اب آگے مضمون متعلق رسالت ہے۔ کفار مکہ اور معاندین اسلام اس بات کو خیال کر کے اپنے دل میں خوش ہو لیتے تھے کہ بس یہ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک ہے۔ آپ کے انتقال اور وفات کے بعد یہ دین بھی ختم ہو جائے گا۔ کفار مکہ کے اس خیال خام کا رد اگلی آیات میں فرمایا جاتا ہے۔جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو کائنات کے ایک ایک ذرہ سے اپنی معرفت کا سبق حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرمائیں۔ اور اپنی شانِ الوہیت وربوبیت کا یقین کامل نصیب فرمائیں۔ تا کہ ہم کو احکامِ الٰہیہ کی کامل پابندی نصیب ہو۔ یا اللہ! اپنی قدرتِ کاملہ کی ہم کو معرفتِ کاملہ عطا فرما تا کہ حقیقت توحید ہم کو نصیب ہو۔ اور ہم آپ کے مطیع اور فرمانبردار بندے بن کر زندہ رہیں اور اسی پر ہم کو موت نصیب ہو۔ یا اللہ! یہ زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی کائنات اور مخلوقات کو آپ ہی نے اپنی قدرت سے پیدا فرمایا ہے اور یہ آپ ہی کی قدرت سے قائم ہیں اور اسی وقت تک قائم رہیں گے جب تک آپ کی مشیت قائم رکھنا چاہے۔ یہ دن اور رات کا نظام آپ کی قدرتِ کاملہ کی کھلی نشانی ہے۔ اور آپ کی بے نظیر وحدانیت کو ثابت کرتی ہے۔ یا اللہ! ہم آپ کی بے مثال خلاقی اور ہمہ گیر قدرت پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ مرتے دم تک ہم کو اسی ایمان پر قائم رکھیے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کیلئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا۔ پھر اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ ہر جاندار

ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾

موت کا مزہ چکھے گا۔ اور ہم تم کو بُری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں۔ اور پھر تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے۔

وَ اور	مَا جَعَلْنَا ہم نے نہیں کیا	لِبَشَرٍ کسی بشر کیلئے	مِنْ قَبْلِكَ آپ سے قبل	الْخُلْدَ ہمیشہ رہنا	أَفَإِن کیا پس اگر	
مِتَّ آپ نے انتقال کرلیا	فَهُمُ پس وہ	الْخَالِدُونَ ہمیشہ رہیں گے	كُلُّ نَفْسٍ ہر جی	ذَائِقَةُ چکھنا	الْمَوْتِ موت	وَ اور
نَبْلُوكُم اور ہم تمہیں مبتلا کریں گے	بِالشَّرِّ برائی سے	وَالْخَيْرِ اور بھلائی	فِتْنَةً آزمائش	وَإِلَيْنَا اور ہماری ہی طرف	تُرْجَعُونَ تم لوٹ کر آؤ گے	

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی ابتداء ہی میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ کفار مکہ نے قرآن کی صداقت اور اسلام کی حقانیت سے عاجز ہو کر طرح طرح کی تہمت تراشی اور افتراپردازی سے کام لینا چاہا۔ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ ساحر و کاہن کہا۔ کبھی شاعر بتلایا۔ اور کبھی مجنوں و دیوانہ کا خطاب دیا مگر اسلام دن بدن بڑھتا ہی رہا۔ واضح رہے کہ اس سورۃ کا زمانۂ نزول وہ وقت تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی اور آپ کے ساتھ آپ کے متبعین کو چاروں طرف سے طعن و تشنیع اور طرح طرح کی سازشوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ایک طرف سردارانِ قریش تھے جو آئے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ حق پر خوفناک نتائج کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے اور ان میں سے بعض پرجوشِ مخالفین و معاندین بیٹھ بیٹھ کر یہ تک سوچا کرتے تھے کہ کسی طرح آپ کا نعوذ باللہ کام تمام کر دیں۔ دوسری طرف ہر وہ گھر جس کا کوئی فرد اسلام قبول کر لیتا آپ کا دشمن بن جاتا تھا۔ اور عام انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ جب انسان کسی کے بغض و عناد میں کھو جاتا ہے تو پھر اپنی زندگی کا اتنا خواہش مند نہیں رہتا جتنا اس کی موت کا آرزومند ہو جاتا ہے۔ دعوتِ حق کے معاندین کا بھی یہی حال تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے خیال سے اپنے جی خوش کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رحلت کر جائیں گے تو اسلام کا زور بھی ٹوٹ جائے گا۔ یہ جس قدر دھوم دھام ہے یہ انہی کے دم سے ہے۔

منکرین کے اس خیال کے رد میں حق تعالیٰ ان آیات میں فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ آپ کی موت کا انتظار کرتے ہیں لیکن آپ انتقال کر جائیں گے تو یہ ہمیشہ نہیں بیٹھے رہیں گے۔ موت ان کو بھی فنا کر دے گی۔ کوئی شخص پنجہ موت سے بچنے والا نہیں اور آپ کے انتقال سے اسلام کیوں نابود ہونے لگا۔ وہ آپ کی ذات سے وابستہ نہیں ہے کہ جب تک آپ کی حیات ہو تب تک اس کی ہستی ہو۔ وہ ہمیشہ رہے گا اور کبھی فنا نہیں ہوگا۔ چنانچہ حقیقت میں اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد گھٹا نہیں بلکہ روز بروز بڑھتا گیا اور تمام عالم میں پھیل گیا اور انشاء اللہ قیامت تک قائم رہے گا۔ مگر انسانی تاریخ بتلاتی ہے کہ باطل کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ جب حق کی روشنی سامنے آئی اور چاروں طرف پھیل کر ظلمت کو دور کرنا شروع کیا تو باطل پرستوں کے لئے باطل کا مٹنا اور حق کا پھیلنا بڑا شاق گزرا۔ اور بس یہی تدبیر ان کی اوندھی عقل میں ہمیشہ آئی کہ حق کو دنیا سے ختم کرنے کے لئے حق کی دعوت دینے والے کو ختم کر دیا جائے، گویا ان کے زعم باطل میں نہ بانس رہے گا نہ بانسری بجے گی۔ مگر حق کی تائید اور نصرت کرنے والے قادرِ مطلق کی قدرت ہمیشہ حق اور اہل حق کے ساتھ ہوتی ہے اور حق داعیٔ حق کی موت سے ختم نہیں ہو جاتا۔

تو یہاں آیت کے جملہ کل نفس ذائقة الموت میں بتلایا گیا کہ موت کا مزہ تو ہر نفس کو دنیا میں چکھنا ہے ایک نہ ایک دن ہر ایک کو مرنا ہے۔ دوسرے جملہ میں اس دنیا میں جس کو بھی جتنی زندگی اور زمانۂ حیات ملا ہے اس کا فلسفہ بتلایا گیا ہے کہ یہ زمانہ حیات صرف اس لئے ہے کہ اس میں برائی اور بھلائی سے تم سب کا امتحان کیا جائے یعنی اس دنیوی زندگی میں سختی و نرمی۔ تندرستی و بیماری، تنگی و فراخی مصیبت وعیش وغیرہ مختلف احوال بھیج کر تم کو جانچا جاتا ہے تا کہ کھرا کھوٹا الگ ہو جائے اور علانیہ ظاہر ہو جائے کہ کون سختی پر صبر اور نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے اور کون شکوہ شکایت، مایوسی اور کفر ناشکری اور معصیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ کون اچھے حالات میں متکبر ظالم۔ خدا فراموش۔ بندۂ نفس بن جاتا ہے۔ اور کون برے حالات میں پست وذلیل اور ناجائز راستے اختیار کر لیتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہر صاحب عقل انسان کو زندگی کے ان مختلف حالات کو حق تعالیٰ کے اس قرآنی ارشاد ونبلوكم بالشر والخير فتنة یعنی ہم شر اور خیر دونوں کے ذریعہ انسان کی آزمائش کرتے ہیں کے تحت سمجھنا چاہئے اور جو حالت بھی اسے پیش آئے اس کے امتحانی اور آزمائشی پہلو کو نگاہ میں رکھنا چاہئے اور اس سے بخیریت قرآن وسنت کے بتلائے ہوئے طریقہ اور ہدایات کے موافق گذرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ حالات اچھے آئے تو فرعون بن گئے اور حالات برے پیش آئے تو مایوس ہو گئے۔

بہادر شاہ ظفر جو شاہانِ مغلیہ کی ہندوستان میں آخری نشانی تھی انہوں نے ایک شعر میں اسی مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو کیسا ہی صاحبِ فہم وذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ انسان کو تکلیف پر صبر کرنا اتنا بھاری اور مشکل نہیں ہوتا جتنا عیش وعشرت اور آرام وراحت میں اس کے حق شکر ادا کرنے پر ثابت قدمی مشکل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دنیا میں جس حال میں رکھیں اس حال کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

آگے آیت کے تیسرے جملہ میں وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ یعنی تم سب کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے فرما کر یہ جتلا دیا گیا کہ دنیا کی زندگی کے امتحان اور آزمائش کے بعد پھر قیامت کے دن سب انسان بدنی جامہ پہن کر ہمارے ہی پاس آئیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس دنیا کے امتحان میں کون کامیاب رہا اور کون ناکام۔

یا اللہ! اب ہم اس دنیا میں آ کر اس آزمائش اور امتحان میں مبتلا ہو چکے ہیں آپ ہماری مدد فرمائیں اور ہمیں کامیابی کے ساتھ اس دنیا کی زندگی سے گزار کر ایمان و اسلام کے ساتھ ساتھ اپنی بارگاہ میں حاضر ہونا نصیب فرمائیں۔ آمین۔

ایک یہ کہ ہر ذی حیات کے لئے موت لازمی ہے خواہ جلد خواہ طویل ترین مدت کے بعد۔

دوسرے انسان جب تک زندہ رہے گا اس کا امتحان برابر ہوتا رہے گا کہ کن کن حالات میں وہ ایمان واطاعت کی طرف متوجہ رہتا ہے اور کن کن حالات میں کفر ومعصیت کی طرف جھک جاتا ہے۔

تیسرے یہ کہ ہر انسان کو اللہ ہی کے حضور میں واپس جا کر اپنے اعمالِ دنیوی کی جواب دہی کرنا ہے۔

خلاصہ یہ کہ معاندین ومنکرین کی خام خیالیوں کا رد فرماتے ہوئے جتلا دیا گیا کہ اصل سوال مرنے کا نہیں ہے۔ سوال تو اصل یہ ہے کہ اس زندگی کی آزمائشوں سے کون کس طرح عہدہ برآ ہوتا ہے؟ ایمان وخیر کا سرمایہ جمع کرتا ہے یا کفر وشر کا؟ تو یہ معاندین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال وموت کے خیال سے اپنا جی خوش کرتے ہیں ان کو اپنی زندگی کی خبر لینا چاہئے اور مرنے کے بعد کی زندگی کی فکر کرنا چاہئے۔ ابھی آگے بھی کفار ومنکرین کی حالت عناد کا ذکر اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ 1

اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے ہنسی کرنے لگتے ہیں (اور آپس میں کہتے ہیں) کہ کیا یہی ہیں جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتے ہیں۔

وَهُم بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ الْإِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُرِيكُمْ آيَاتِي

اور یہ لوگ رحمٰن کے ذکر پر انکار کیا کرتے ہیں۔ انسان جلدی ہی کا بنا ہوا ہے۔ ہم عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے دیتے ہیں۔

فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿٣٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ

پس تم جلدی مت مچاؤ۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت آوے گا اگر تم سچے ہو۔ کاش ان کافروں کو اُس وقت کی خبر ہوتی

كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَن وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَن ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٣٩﴾

جبکہ یہ لوگ آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں گے اور نہ اپنے پیچھے سے اور نہ اُن کی کوئی حمایت کرے گا۔

بَلْ تَأْتِيهِم بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٤٠﴾

بلکہ وہ آگ اُن کو ایک دم سے آلے گی سو ان کو بدحواس کر دیگی پھر نہ اُس کے ہٹانے کی اُن کو قدرت ہوگی اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی۔

وَ اِذَا اور جب	رَاٰكَ تمہیں دیکھتے ہیں	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وہ جنہوں نے کفر کیا	اِنْ نہیں	یَتَّخِذُوْنَكَ ٹھہراتے تمہیں	اِلَّا مگر		
هُزُوًا ایک ہنسی مذاق	اَهٰذَا کیا یہ ہے	الَّذِیْ وہ جو	یَذْكُرُ یاد کرتا ہے	اٰلِهَتَكُمْ تمہارے معبود	وَهُمْ اور وہ	بِذِكْرِ ذکر سے	
الرَّحْمٰنِ رحمٰن اللہ	هُمْ وہ	كٰفِرُوْنَ منکر	خُلِقَ پیدا کیا گیا	الْاِنْسَانُ انسان	مِنْ سے	عَجَلٍ جلدی	
سَاُورِیْكُمْ عنقریب میں دکھاتا ہوں تمہیں	اٰیٰتِیْ اپنی نشانیاں	فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ تم جلدی نہ کرو	وَیَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے ہیں	مَتٰی کب	هٰذَا یہ		
الْوَعْدُ وعدہ	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِیْنَ سچے	لَوْ یَعْلَمُ کاش وہ جان لیتے	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا	حِیْنَ وہ گھڑی	
لَا یَكُفُّوْنَ وہ نہ روک سکیں گے	عَنْ سے	وُجُوْهِهِمُ اپنے چہرے	النَّارَ آگ	وَلَا اور نہ	عَنْ سے	ظُهُوْرِهِمْ ان کی پیٹھ	وَ اور
لَا هُمْ نہ وہ	یُنْصَرُوْنَ مدد کئے جائیں گے	بَلْ بلکہ	تَاْتِیْهِمْ آئے گی ان پر	بَغْتَةً اچانک	فَتَبْهَتُهُمْ تو حیران کردے گی انہیں		
فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ پس نہ انہیں سکت ہوگی	رَدَّهَا اس کو لوٹانا	وَ اور	لَا هُمْ نہ انہیں	یُنْظَرُوْنَ مہلت دی جائے گی			

تفسیر و تشریح: شرک کے رَد کے سلسلہ میں گزشتہ سے کفار و مشرکین کا تذکرہ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ قیام مکہ کے زمانہ میں ابوجہل وغیرہ کفار قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی عناد میں مذاق شروع کر دیتے اور آپ کی شان میں بے ادبی کرنے لگتے۔ اسی کو یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار و منکرین انجام سے بالکل بے فکر ہو کر پیغمبر علیہ السلام کی ہنسی اڑاتے ہیں اور آپ سے مذاق کرتے ہیں۔ چنانچہ استہزاء اور تحقیر سے کفار کہتے کہ کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرتا ہے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان منکرین کو شرم نہیں آتی کہ خود حقیقی معبود کے ذکر اور اس کے نام "رحمٰن" تک سے چڑتے ہیں۔ اس کی سچی کتاب کے منکر ہیں اور جھوٹے معبودوں کی برائی سن کر چیں بجبیں ہوتے ہیں۔ ہنسی

کے لائق تو ان کفار کی حالت ہوئی نہ کہ آپ کی۔ پھر کفار بطور استہزاء جلدی مچایا کرتے تھے کہ اگر واقعی ہم تمہارے نزدیک مستحق عذاب ہیں تو وہ عذاب فوراً کیوں نہیں لے آتے۔ اس پر حق تعالیٰ انسان کی خصلت بیان فرماتے ہیں کہ انسان بڑا جلد باز ہے۔ گویا اس کے خمیر میں جلدی پڑی ہوئی ہے اس واسطے یہ لوگ عذاب جلدی مانگتے ہیں۔ اس پر ان منکرین کو خطاب کیا جاتا ہے کہ اے منکرو تھوڑا صبر کرو عنقریب خدا اپنے قہر اور انتقام کی نشانیاں تم کو دکھلاوے گا۔ پھر جب کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت اور اس میں کفار کا ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جلنا سنتے تو بطور استہزاء کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ اگر سچے ہو تو قیامت اور جہنم کو ابھی کیوں نہیں بلا لیتے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ان منکرین پر حقیقت منکشف ہو جائے اور اس ہولناک گھڑی کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیں تو کبھی ایسی درخواست نہ کریں۔ یہ باتیں اس وقت بے فکری میں سوجھ رہی ہیں جب وہ وقت سامنے آجائے گا کہ آگے پیچھے ہر طرف سے آگ گھیرے ہوگی تو نہ کسی طرف سے اس کو دفع کر سکیں گے۔ نہ کہیں سے مدد پہنچے گی۔ نہ مہلت ملے گی۔ نہ پہلے سے اس کا اندازہ ہوگا۔ اس کے اچانک سامنے آجانے سے ہوش باختہ ہو جائیں گے۔ تب پتہ چلے گا کہ جس چیز کی ہنسی کرتے تھے وہ حقیقت ثابت ہوئی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اہلِ حق کا مذاق اڑانا کافروں کا شیوہ ہے۔ اور باطل پرست طبقہ ہمیشہ سے اہلِ حق کا مذاق اڑاتا چلا آیا ہے لیکن اس کو کبھی حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہوئی انجام کار غلبہ اہلِ حق ہی کو رہا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عجلت انسان کی سرشت میں داخل ہے لیکن نیکوکار طبقہ ہدایت حاصل کرنے میں عجلت سے کام لیتا ہے اور بدکار طبقہ اسباب ضلالت کی طرف جلد جلد دوڑتا ہے۔ اور جو بے وقوف انسان اللہ کے اُخروی عذاب کو جلد مانگتا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ عذاب اس کی نظر کے سامنے نہیں ہوتا لیکن جب سامنے آجائے گا تو پھر کسی طرح ٹالے نہیں ٹلے گا۔ ابھی مضمون انہیں کفار و منکرین کے متعلق اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر کافرانہ اور مشرکانہ خصلت و عادت سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں ہم کو حق پر آخری لمحہ تک قائم رکھیں اور باطل سے ہر طرح بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے ہر طرح محفوظ رکھئے۔ اور قیامت کی رسوائیوں سے مامون فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

اور آپ سے پہلے جو پیغمبر ہو گذرے ہیں اُن کے ساتھ بھی تمسخر کیا گیا تھا سو جن لوگوں نے اُن سے تمسخر کیا تھا اُن پر وہ عذاب واقع ہو گیا جس کے ساتھ وہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ

استہزاء کرتے تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو رات اور دن میں رحمٰن سے تمہاری حفاظت کرتا ہو۔ بلکہ وہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے

رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ

روگرداں ہیں۔ کیا اُن کے پاس ہمارے سوا اور ایسے معبود ہیں کہ اُن کی حفاظت کر لیتے ہوں۔ وہ خود اپنی حفاظت کی قدرت نہیں رکھتے

اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى طَالَ

اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی اور ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔ بلکہ ہم نے اُن کو اُن کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ اُن پر

عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

ایک عرصہ دراز گذر گیا۔ کیا اُن کو یہ نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو ہر چہار طرف سے برابر گھٹاتے چلے جاتے ہیں سو کیا یہ لوگ غالب آویں گے۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ڮ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاۗءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف وحی کے ذریعہ سے تم کو ڈراتا ہوں۔ اور یہ بہرے جس وقت ڈرائے جاتے ہیں سنتے ہی نہیں۔ اور اگر اُن کو آپ کے رب کے عذاب کا

نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ

ایک جھونکا بھی ذرا لگ جاوے تو یوں کہنے لگیں کہ ہائے ہماری کم بختی واقعی ہم خطاوار تھے۔ اور قیامت کے روز

الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـــًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ

ہم میزانِ عدل قائم کریں گے سو کسی پر اصلاً ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا

اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

تو ہم اس کو حاضر کر دیں گے۔ اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

وَ اور	لَقَدِ اسْتُهْزِئَ البتہ مذاق اُڑائی گئی	بِرُسُلٍ رسولوں کی	مِنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے	فَحَاقَ آگھیرا پکڑ لیا	بِالَّذِيْنَ ان کو جنہوں نے		
سَخِرُوْا مذاق اُڑایا	مِنْهُمْ ان میں سے	مَا جو	كَانُوْا تھے	بِهٖ اس کے ساتھ	يَسْتَهْزِءُوْنَ مذاق اڑاتے تھے	قُلْ فرما دیں	مَنْ کون
يَكْلَؤُكُمْ تمہاری نگہبانی کرتا ہے	بِالَّيْلِ رات میں	وَالنَّهَارِ اور دن	مِنَ الرَّحْمٰنِ رحمٰن سے	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	عَنْ ذِكْرِ یاد سے		
رَبِّهِمْ اپنا رب	مُّعْرِضُوْنَ روگردانی کرتے ہیں	اَمْ کیا	لَهُمْ ان کیلئے	اٰلِهَةٌ کچھ معبود	تَمْنَعُهُمْ انہیں بچاتے ہیں		

مِنْ دُوْنِنَا ہمارے سوا	لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ وہ سکت نہیں رکھتے	نَصْرَ مدد	اَنْفُسِهِمْ اپنے آپ	وَ اور	لَا هُمْ نہ وہ	مِّنَّا ہم سے
یُصْحَبُوْنَ وہ ساتھی پائیں گے	بَلْ بلکہ	مَتَّعْنَا ہم نے سازوسامان دیا	هٰٓؤُلَآءِ ان کو	وَ اٰبَآءَهُمْ اوران کے باپ دادا	حَتّٰی یہاں تک کہ	
طَالَ دراز ہوگئی	عَلَیْهِمُ ان پر	الْعُمُرُ عمر	اَفَلَا یَرَوْنَ کیا پس وہ نہیں دیکھتے	اَنَّا نَاْتِی کہ ہم آرہے ہیں	الْاَرْضَ زمین	
نَنْقُصُهَا اس کو گھٹاتے ہوئے	مِنْ سے	اَطْرَافِهَا اس کے کنارے	اَفَهُمُ کیا پھر وہ	الْغٰلِبُوْنَ غالب آنے والے	قُلْ فرمادیں	
اِنَّمَآ اسکے سوانہیں کہ	اُنْذِرُكُمْ میں تمہیں ڈراتا ہوں	بِالْوَحْیِ وحی سے	وَ اور	لَا یَسْمَعُ نہیں سنتے ہیں	الصُّمُّ بہرے	الدُّعَآءَ پکار
اِذَا جب	مَا بھی	یُنْذَرُوْنَ انہیں ڈرایا جائے	وَلَئِنْ اوراگر	مَّسَّتْهُمْ انہیں چھوئے	نَفْحَةٌ ایک لپٹ	مِّنْ عَذَابِ عذاب سے
رَبِّكَ تیرارب	لَیَقُوْلُنَّ وہ ضرور کہیں گے	یٰوَیْلَنَآ ہائے ہماری شامت	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	ظٰلِمِیْنَ ظالم	وَنَضَعُ اورہم رکھیں گے	
الْمَوَازِیْنَ ترازو	الْقِسْطَ انصاف	لِیَوْمِ دن	الْقِیٰمَةِ قیامت	فَلَا تُظْلَمُ تو نہ ظلم کیا جائے گا	نَفْسٌ کسی شخص پر	شَیْـًٔا کچھ بھی
وَ اِنْ اوراگر	كَانَ ہوگا	مِثْقَالَ وزن۔ برابر	حَبَّةٍ ایک دانہ	مِّنْ خَرْدَلٍ رائی سے۔کا	اَتَیْنَا بِهَا ہم اسے لے آئیں گے	
وَكَفٰی اورکافی	بِنَا ہم	حٰسِبِیْنَ حساب لینے والے				

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں کفار ومشرکین کے استہزاء ہنسی، مذاق اور تمسخر کا ذکر تھا جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کے ساتھ برتتے تھے۔اس پر معاندین ومنکرین کو عذابِ جہنم کی وعید سنائی گئی تھی۔اب آگے ان آیات میں پہلے حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہیں کہ آپ کو جو ستایا جارہا ہے۔ مذاق اڑایا جاتا ہے اور کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو اس پر آپ پریشان نہ ہوں۔ کافروں کی یہ پرانی عادت ہے۔اگلے نبیوں کے ساتھ بھی ان کافروں نے ایسا ہی کیا ہے بالآخر جس چیز سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے اس کی سزا نے گھیر لیا اور ان کی ہنسی ان ہی پر الٹ دی گئی اور وہ گرفتارِ عذاب ہوئے۔آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ آپ ان کافروں سے یہ پوچھئے کہ رحمٰن جل شانہٗ کے غصہ اور عذاب سے اے منکرو تمہاری حفاظت کرنے والا دوسرا کون ہے۔ یہ محض اس کی رحمت واسعہ ہے کہ جو فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔ لیکن ایسے رحمت والے۔ حلیم، بردبار کے غصہ سے ڈرنا بھی بہت چاہئے (نعوذ باللہ من عذاب العلیم) آگے بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی حفاظت کا ان منکرین کو احساس نہیں۔ عیش وتنعم اور پرامن زندگی نے پروردگار حقیقی کی یاد سے غافل کر رکھا ہے اسی لئے حق تعالیٰ عزوجل کی طرف سے جب کوئی نصیحت کی جاتی ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں کہ کہاں کی باتیں شروع کردیں۔حق تعالیٰ ان کفار ومشرکین سے سوال فرماتے ہیں کہ اے منکرو کیا اپنے فرضی معبودوں کی نسبت تمہارا خیال ہے کہ وہ تمہاری حفاظت کرتے ہیں اور موقع آنے پر خدا تعالیٰ کے غضب سے بچالیں گے؟ پھر اس کا جواب بھی خود حق تعالیٰ مرحمت فرماتے ہیں کہ ان کے معبود مسکین ان کی حفاظت تو کیا کرتے وہ تو خود اپنے وجود کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے۔اگر ان کو کوئی توڑنے پھوڑنے لگے یا کوئی چیز ان کے پاس سے چھین کر لے جائے تو اتنی قدرت بھی نہیں کہ مدافعانہ تحفظ کے لئے خود ہاتھ پاؤں ہلا سکیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ باوجود ایسے دلائل قاطعہ کے جو حق کو قبول نہیں کرتے تو یہ وجہ نہیں کہ دلائل میں کچھ خلل ہے بلکہ اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ پشتہا پشت سے یہ لوگ بے فکری کی زندگی گزار رہے ہیں۔کوئی جھٹکا عذابِ الٰہی کا نہیں لگا۔اس لئے مغرور ہوگئے اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر حق تعالیٰ کا پیغام اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصیحت قبول کرنے سے منہ موڑ لیا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ سرزمین عرب میں اسلام پھیلنے لگا ہے۔ اور کفر گھٹنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہاں کی زمین کافروں پر تنگ ہوتی جارہی ہے۔ اور زمین سے کفر کم ہوتا جارہا ہے۔ کیا ایسے کھلے ہوئے آثار وقرائن کو دیکھ کر بھی انہیں اپنا انجام نظر نہیں آتا اور کیا اس مشاہدہ کے باوجود اس کے امیدوار ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں پر غالب آجائیں گے۔ اگر چشمِ عبرت ہے تو چاہئے کہ عقل سے کام لیں اور قرائن واحوال سے مستقبل کا اندازہ کریں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کے گردوپیش کی بستیاں انبیاء کی تکذیب وعداوت کی سزا میں تباہ کی جاچکی ہیں اور ہمیشہ آخر کار خدا کے وفاداروں کا مشن کامیاب رہا ہے۔ پھر سید المرسلین اور مومنین کاملین کے مقابلہ میں غالب آنے کی ان کو کیا توقع ہوسکتی ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد ہوتا ہے کہ آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ میرا کام وحی الٰہی کے موافق نصیحت سنا دینا اور انجام سے آگاہ کردینا ہے۔ دل کے بہرے اگر میری پکار نہ سنیں تو میرا قصور نہیں وہ خود اپنے بہرے پن کا خمیازہ بھگتیں گے۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو بہرے بنے ہوئے ہیں۔ صرف اس وقت تک ہے کہ ذرا زور سے کھٹکھٹائے نہ جائیں۔ اگر عذاب الٰہی کی ذرا سی بھنک کان میں پڑ گئی یا خدا کے انتقام وقہر کی ادنیٰ بھاپ بھی ان کو چھوگئی تو آنکھ کان سب کھل جائیں گے۔ اس وقت بدحواس ہوکر چلائیں گے کہ بیشک ہم بڑے بھاری مجرم تھے جو ایسی گھڑی آئی۔ اور قیامت کے دن رائی کے دانہ کے برابر کسی کا عمل ہوگا وہ بھی میزان میں تلے گا۔ ادھر ادھر ضائع نہ ہوگا۔ نہ کسی پر ظلم و زیادتی کی جائے گی۔ رتی رتی کا حساب برابر کردیا جائے گا۔ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارا حساب آخری اور فیصلہ کن ہوگا جس کے بعد کوئی دوسرا حساب نہیں۔ نہ ہم کو ساری مخلوق کا حساب لینے میں کسی مددگار کی ضرورت ہے۔

شروع سورت سے یہاں تک توحید و رسالت کا زیادہ مضمون بیان ہوا اور اس کے ضمن میں مخالفین حق اور منکرین کا آخرت میں معذب ہونا اور بعض کا دنیا میں ہلاک ہونا بیان ہوا تھا آگے بعض حضرات انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرمائے گئے ہیں جن سے ان ہی مضامین کی تائید فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمارے قلوب کو غفلت و بے فکری سے محفوظ فرمائیں اور دنیا و آخرت میں اپنے عذاب سے مامون فرماویں اور دنیا میں جو کچھ ہمیں عطا فرماویں آخرت بنانے کے لئے عطا فرماویں۔ یا اللہ! قیامت میں ہمارا حساب کتاب آسان فرما۔ اور اتنا آسان فرما کہ اپنی رحمت سے بلاحساب جنت میں داخل ہونا نصیب فرما۔

یا اللہ! جن کو آپ نے ہدایت سے نوازا وہ آپ پر اور آپ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی آخری کتاب قرآن کریم پر ایمان لائے یا اللہ! شکر ہے کہ ہم کو بھی آپ نے ہدایت نصیب فرمائی اور توحید کی دولت سے نوازا۔

یا اللہ! مرتے دم تک ہم کو توحید پر قائم رکھئے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمایئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو ایک فیصلہ کی اور روشنی کی اور متقیوں کیلئے نصیحت کی چیز عطا فرمائی تھی۔جو اپنے رب سے

رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ

بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ لوگ قیامت سے ڈرتے ہیں۔اور یہ (قرآن بھی) ایک کثیر الفائدہ نصیحت (کی کتاب) ہے جس کو ہم نے نازل کیا۔

اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

تو کیا پھر بھی اس کے منکر ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور البتہ ہم نے عطا کی	مُوْسٰى موسیٰؑ	وَهٰرُوْنَ اور ہارونؑ	الْفُرْقَانَ فرق کرنیوالی کتاب	وَضِيَآءً اور روشنی	وَذِكْرًا اور نصیحت	
لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	الَّذِيْنَ جو لوگ	يَخْشَوْنَ وہ ڈرتے ہیں	رَبَّهُمْ اپنا رب	بِالْغَيْبِ بغیر دیکھے	وَهُمْ اور وہ	مِنَ سے
السَّاعَةِ قیامت	مُشْفِقُوْنَ خوف کھاتے ہیں	وَهٰذَا اور یہ	ذِكْرٌ نصیحت	مُبٰرَكٌ بابرکت	اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اسے نازل کیا	
اَفَاَنْتُمْ تو کیاتم	لَهٗ اس کے	مُنْكِرُوْنَ منکر				

تفسیر وتشریح: شروع سورت سے گزشتہ آیات تک مضمون زیادہ تر توحید ورسالت کے متعلق تھا اور اس کے ضمن میں مخالفین اور مکذبین انبیاء کا آخرت میں معذب ہونا اور بعض کا دنیا میں بھی ہلاک ہونا مذکور ہوا تھا۔ان ہی مضامین کی تائید میں اب یہاں سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر شروع ہوتا ہے اور پے در پے سترہ انبیاء علیہم السلام یعنی حضرت موسیٰؑ ، حضرت ہارونؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت اسحاقؑ ، حضرت یعقوبؑ ، حضرت لوطؑ ، حضرت نوحؑ ، حضرت داؤدؑ ، حضرت سلیمانؑ ، حضرت ایوبؑ ، حضرت اسماعیلؑ ، حضرت ادریسؑ ، حضرت ذالکفلؑ ، حضرت یونسؑ ، حضرت زکریاؑ ، حضرت یحییٰؑ ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کئے گئے ہیں۔

یہاں ان مختلف انبیاء کرام کا تذکرہ کرنے سے دو باتوں کے بیان کا خاص طور پر مقصد معلوم ہوتا ہے۔ایک تو یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو جائے۔کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف دیتے اور معاندانہ مخالفتیں کرتے تھے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو کفار کو گویا پکڑ پکڑ کر دوزخ سے کھینچتے تھے اور وہ پتنگوں کی طرح آگ میں گرے جاتے تھے۔اس سے سرور دو عالم۔رحمۃ للعلمین کو روحانی تکلیف پہنچتی تھی پھر جسمانی مصائب پہنچانے سے بھی کفار حتی الوسع دریغ نہ کرتے تھے۔سابق انبیائے کرام کا تذکرہ کرکے اس بات کی صراحت فرمادی کہ کفار کی معاندت ومخالفت صرف آپ ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ہر زمانہ کے کافر ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ہر پیغمبر کو تکلیفیں پہنچی ہیں لیکن انہوں نے صبر وتحمل فرمایا اور آخر کار اللہ کی نصرت وتائید ان کو حاصل ہوئی۔اس نے اپنے فضل ورحمت سے انہیں نوازا۔ان کی دعاؤں کو قبول کیا۔ان کی تکلیفوں کو رفع کیا۔ان کے مخالفین کو نیچا دکھایا اور معجزانہ طریقوں پر ان کی مدد کی بالآخر ان کو فتح ہوئی اور کفار مغلوب ہوئے۔دوسری بات منکرین انبیاء اور مخالفین اسلام کے سامنے پیش کرنا مقصود ہے کہ انبیاء کا مبعوث ہونا اور آسمانی کتابوں کا نازل ہونا اور حق وباطل کا فیصلہ کرنے کے لئے پیامِ الٰہی کا آنا اور صداقت کے نور کو پھیلانے کے لئے اللہ کے

نیک و صالح بندوں کا پند و نصیحت کرنا یہ کفار و مشرکین عرب ہی کے لئے مخصوص نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئے نبی نہیں۔ نہ قرآن کوئی اچنبھے کی کتاب ہے بلکہ موسیٰ ہارون، ابراہیم علیہما السلام وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے انبیاء پہلے بھی بھیجے جا چکے ہیں۔ کتابیں بھی نازل ہو چکی ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم قرآن کا انکار کرو اور اللہ کے بھیجے ہوئے نصیحت نامہ کو نہ مانو۔

ان مقاصد کے ماتحت یہاں سے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اور سب سے پہلے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو بھی کتاب یعنی توراۃ عطا کی گئی تھی جس کی صفات یہ تھیں کہ وہ حق و باطل، ہدایت و ضلالت۔ حلال و حرام کے قضیئے چکانے والی اور جہل و غفلت کے اندھیروں میں روشنی پہنچانے والی اور خدا سے ڈرنے والوں کو نصیحت سنانے والی کتاب تھی، واضح رہے کہ قرآن کریم کی ابتداء میں بھی ہدی للمتقین فرمایا گیا ہے یعنی جو بندے خدا سے ڈرتے ہیں ان کو یہ کتاب راستہ بتلاتی ہے۔ آگے پھر ان متقین کی دو صفات بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ اپنے خدا سے غائبانہ ڈرتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ قیامت کا خوف رکھتے ہیں اس کی ہولناکیوں سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ ان کے دل میں ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے کہ دیکھئے وہاں کیا صورت پیش آئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب توراۃ اور متقین کا ذکر فرما کر پھر قرآن پاک کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ اے اہل مکہ یہ ایک نصیحت کی کتاب تمہارے سامنے موجود ہے جس کا جلیل القدر۔ عظیم النفع اور کثیر الخیر ہونا توراۃ سے بھی زیادہ روشن ہے۔ تو کیا ایسی واضح اور روشن کتاب کے تم منکر ہوتے ہو جہاں انکار کی گنجائش ہی نہیں۔

یہاں قرآنِ کریم کی تعریف میں فرمایا گیا **ذکر مبارک** یعنی ایسا ہدایت نامہ جس پر عمل کرنے سے دین و دنیا کی برکات حاصل ہوتی ہیں۔ دنیا میں بھی فلاح میسر ہوتا ہے اور آخرت کی بھی بھلائی و سعادت حاصل ہوتی ہے۔ یہ بتلا کر خطاب یہاں کفار سے ہے کہ ایسے مبارک نصیحت نامہ سے تم انکار کرتے ہو۔ اور اللہ کے بھیجے ہوئے پند نامہ کو نہیں مانتے۔ اس کے بعد اگلی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تقویٰ کی صفت عطا فرمائیں تاکہ خوفِ خداوندی کے باعث ہم ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچیں۔ اور قرآن پاک کی جو دولت ہم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس پر ہمیں حقیقی شکر گزاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور اس مبارک نصیحت نامہ پر عمل پیرا ہونے کی سعادت عطا فرمائیں۔

یا اللہ! ہماری زندگی سراسر قرآن پاک کے احکام کے مطابق گزرے اور اس کی برکتوں و سعادتوں سے ہمیں پورا پورا حصہ نصیب فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

اور ہم نے اس سے پہلے ابراہیمؑ کو خوش فہمی عطا فرمائی تھی اور ہم اُن کو خوب جانتے تھے جبکہ اُنہوں نے اپنے باپ سے

وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

اور اپنی برادری سے فرمایا کہ یہ کیا مُورتیں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو

لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٤﴾ قَالُوْٓا

ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ بیشک تم اور تمہارے باپ دادا صریح غلطی میں ہو۔ وہ کہنے لگے

اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کہ کیا تم سچی بات ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو۔ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ نہیں (دل لگی نہیں) بلکہ تمہارا رب (حقیقی جو لائق عبادت ہے) وہ ہے

الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٦﴾

جو تمام آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے اِن سب کو پیدا (بھی) کیا اور میں اس (دعوے) پر دلیل بھی رکھتا ہوں۔

وَ اور	لَقَدْ اٰتَيْنَا تحقیق البتہ ہم نے دی	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم	رُشْدَهٗ ہدایت یابی	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	وَكُنَّا اور ہم تھے	بِهٖ اسکے	
عٰلِمِيْنَ جاننے والے	اِذْ قَالَ جب اس نے کہا	لِاَبِيْهِ اپنے باپ سے	وَقَوْمِهٖ اور اپنی قوم	مَا هٰذِهِ کیا ہیں یہ	التَّمَاثِيْلُ مورتیاں		
الَّتِيْٓ جو کہ	اَنْتُمْ تم	لَهَا ان کیلئے	عٰكِفُوْنَ جمے بیٹھے ہو	قَالُوْا وہ بولے	وَجَدْنَا ہم نے پایا	اٰبَآءَنَا اپنے باپ دادا	لَهَا ان کیلئے۔ کی
عٰبِدِيْنَ پوجا کرنے والے	قَالَ اس نے کہا	لَقَدْ كُنْتُمْ تحقیق تم رہے	اَنْتُمْ تم	وَاٰبَآؤُكُمْ اور تمہارے باپ دادا			
فِيْ ضَلٰلٍ گمراہی میں	مُّبِيْنٍ صریح	قَالُوْٓا وہ بولے	اَجِئْتَنَا کیا تم لائے ہو ہمارے پاس	بِالْحَقِّ حق کو	اَمْ یا	اَنْتَ تم	مِنَ سے
اللّٰعِبِيْنَ کھیلنے والیدل لگی کرنیوالے	قَالَ اس نے کہا	بَلْ بلکہ	رَبُّكُمْ تمہارا رب	رَبُّ رب	السَّمٰوٰتِ آسمان	وَالْاَرْضِ اور زمین	
الَّذِيْ وہ جس نے	فَطَرَهُنَّ انہیں پیدا کیا	وَاَنَا اور میں	عَلٰى ذٰلِكُمْ اس بات پر	مِنَ سے	الشّٰهِدِيْنَ گواہ		

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ علیہما السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی اور صحیح راستہ دکھانے والی کتاب یعنی توریت عطا فرمائی تھی جو متقین یعنی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی کتاب تھی اور اسی طرح یہ قرآن بھی ایک کثیر الفوائد نصیحت کی کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمایا ہے۔ تو اس سے منکرین کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ قرآن سے پہلے بھی آسمانی کتابیں نازل ہوتی رہی ہیں لہٰذا تمہاری یہ بڑی غلطی ہے کہ تم اس قرآن کو کوئی نئی اور اوپری چیز سمجھتے ہو۔ نہ یہ نئی ہے اور نہ اوپری بلکہ اس قسم کی نصیحتیں پہلے سے نازل ہوتی چلی آئی ہیں پھر کیا وجہ کہ قرآن کا انکار کیا جائے۔

حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام سے پہلے مشہور انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام گزرے تھے اب یہاں سے حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کو بیان فرمایا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات کو کسی جگہ اختصار کے ساتھ اور کسی جگہ تفصیل کے ساتھ موقع کی مناسبت سے متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وجاہت، شخصیت، ہدایت اور امامت کا عرب کے بیشتر گروہوں کو اعتراف تھا۔ یہودی، عیسائی۔ بت پرست سب ہی اپنے مذہب کو ابراہیمی مذہب کہتے۔ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا واقعہ نقل کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے اور آپ کو شرک سے اس قدر تنفر اور بیزاری تھی کہ اپنے اقارب و برادری یہاں تک کہ باپ سے بھی علیحدہ ہو گئے تھے۔ آپ کے نزدیک غیر اللہ کی عبادت اس قدر عظیم جرم تھا کہ باوجود سخت ترین جانی و مالی مصائب برداشت کرنے کے آپ نے شرک کی طرف میلان نہ کیا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو قومیں مشرک ہیں یا شرک آمیز توحید کے قائل ہیں وہ دینِ ابراہیمی پر کبھی نہیں ہو سکتیں اور ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہاں ان آیات میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے پیشتر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شروع ہی سے حق کی بصیرت اور رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی۔ اور وہ یہ یقین رکھتے تھے کہ بت نہ سن سکتے ہیں۔ نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی کی پکار کا جواب دے سکتے ہیں اور نہ نفع و نقصان کا ان سے کوئی واسطہ ہے وہ صبح و شام آنکھ سے دیکھتے تھے کہ ان بے جان مورتوں کو میرا باپ اپنے ہاتھ سے بناتا اور گھڑتا رہتا ہے اور جس طرح اس کا جی چاہتا ہے ناک، کان، آنکھیں اور جسم تراش لیتا اور پھر خریدنے والوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے کیا یہ خدا ہو سکتے ہیں یا خدا کے مثل و ہمسر کہے جا سکتے ہیں؟ حاشا و کلا ہرگز نہیں پس نبوت سے سرفراز ہو کر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرف توجہ فرمائی اور قوم کو جب مورتی پوجا کرتے دیکھا تو اعتراض کیا اور فرمایا کہ ذرا ان کی اصلیت و حقیقت تو بیان کرو۔ آخر پتھر کی خود تراشیدہ مورتیاں خدا کس طرح بن گئیں؟ قوم کے پاس کوئی معقول جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ اوپر سے ہمارے باپ دادا انہی کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم بھی ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس دلیل سے تو تمہاری حقانیت اور عقلمندی ثابت نہ ہوئی ہاں یہ ثابت ہوا کہ تمہارے باپ دادا بھی تمہاری طرح گمراہ اور بے وقوف تھے جن کی کورانہ تقلید میں تم تباہ ہو رہے ہو۔ تمام قوم کے عقیدہ کے خلاف ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو سن کر ان میں اضطراب پیدا ہو گیا اور متعجب ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ کیا سچ مچ تمہارا عقیدہ اور خیال یہی ہے یا محض ہنسی اور دل لگی کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرا عقیدہ ہی یہ ہے اور میں پورے یقین و بصیرت سے اس کی شہادت دیتا ہوں کہ میرا تمہارا سب کا رب وہی ایک خدا ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور ان کی دیکھ بھال رکھی۔ کوئی دوسرا اس کی خدائی میں شریک نہیں ہو سکتا۔

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کو ہر طرح بت پرستی کے عیوب ظاہر کر کے باز رکھنے کی سعی کر لی لیکن قوم نے دعوتِ اسلام کو قبول نہ کیا اور صنم پرستی اور کواکب پرستی میں اسی طرح مبتلا رہی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دن جذبۂ توحید میں آ کر قسم کھا کر ایک اعلان کر دیا۔ وہ اعلان کیا تھا یہ ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں بیان ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو رشد و ہدایت ہم کو عطا فرمائی ہے اس پر ہم کو تازیست قائم رکھیں اور توحید کی دولت سے ہمیشہ مالا مال رکھیں۔ آمین   وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۵۷ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا

اور خدا کی قسم میں تمہارے بتوں کی گت بناؤں گا جب تم چلے جاؤ گے۔ تو انہوں نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا بجز اُن کے ایک بڑے بت کے

لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝۵۸ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۹

کہ شاید وہ لوگ اُس کی طرف (دریافت کرنے کیلئے) رجوع کریں۔ کہنے لگے کہ یہ ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس نے بڑا ہی غضب کیا۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝۶۰ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ

بعضوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان آدمی کو جس کو ابراہیمؑ کر کے پکارا جاتا ہے ان بتوں کا تذکرہ کرتے سُنا ہے۔ وہ لوگ بولے کہ تو اچھا اُس کو سب آدمیوں کے سامنے حاضر کرو

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝۶۱ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝۶۲ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ

تاکہ وہ لوگ گواہ ہو جاویں۔ اُن لوگوں نے کہا کہ ہمارے بتوں کے ساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے اے ابراہیمؑ۔ انہوں نے فرمایا بلکہ اُن کے

كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْــَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝۶۳

اس بڑے نے کی سو اُن (ہی) سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔

وَتَاللّٰهِ اور اللہ کی قسم	لَاَكِيْدَنَّ البتہ میں ضرور چال چلوں گا	اَصْنَامَكُمْ تمہارے بت	بَعْدَ بعد	اَنْ کہ	تُوَلُّوْا تم جاؤ گے	مُدْبِرِيْنَ پیٹھ پھیر کر			
فَجَعَلَهُمْ پس اس نے انہیں کر ڈالا	جُذٰذًا ریزہ ریزہ	اِلَّا سوائے	كَبِيْرًا ایک بڑا	لَّهُمْ ان کا	لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	اِلَيْهِ اس کی طرف			
يَرْجِعُوْنَ رجوع کریں	قَالُوْا کہنے لگے	مَنْ کون۔ کس	فَعَلَ کیا	هٰذَا یہ	بِاٰلِهَتِنَا ہمارے معبودوں کے ساتھ	اِنَّهٗ بیشک وہ			
لَمِنَ البتہ۔ سے	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	قَالُوْا وہ بولے	سَمِعْنَا ہم نے سُنا ہے	فَتًى ایک جوان	يَذْكُرُهُمْ وہ انکے بارے میں باتیں کرتا ہے				
يُقَالُ کہا جاتا ہے	لَهٗ اس کو	اِبْرٰهِيْمُ ابراہیمؑ	قَالُوْا بولے	فَاْتُوْا تم لے آؤ	بِهٖ اسے	عَلٰى سامنے	اَعْيُنِ آنکھیں	النَّاسِ لوگ	
لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	يَشْهَدُوْنَ وہ دیکھیں	قَالُوْا انہوں نے کہا	ءَاَنْتَ کیا تو	فَعَلْتَ تو نے کیا	هٰذَا یہ	بِاٰلِهَتِنَا ہمارے معبودوں کے ساتھ			
يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اے ابراہیمؑ	قَالَ اس نے کہا	بَلْ بلکہ	فَعَلَهٗ اس نے کیا ہے	كَبِيْرُهُمْ ان کا بڑا	هٰذَا یہ	فَسْــَٔلُوْهُمْ تو اُن سے پوچھ لو			
اِنْ اگر	كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ وہ بولتے ہیں								

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بت پرست قوم کو جن میں ان کا باپ بھی شامل ہے ہر طرح سمجھایا کہ یہ مٹی، پتھر اور لکڑی وغیرہ کے بت جنہیں تم نے خود اپنے ہاتھوں سے گھڑا ہے یہ کس طرح معبود ہو سکتے ہیں اور ان کے آگے عبادت کے لئے تم سر کیوں جھکاتے ہو۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر طرح قوم کو بت پرستی سے باز رکھنے کی سعی کر لی اور ہر قسم کے پند و نصائح و دلائل و براہین کے ذریعہ یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان جس کا ان پر مطلق اثر نہ ہوا تو جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جذبۂ توحید میں قسم کھا کر کہا کہ خدا کی قسم میں تمہاری عدم موجودگی میں ان بتوں کی گت بناؤں گا تاکہ ان کا عاجز اور درماندہ ہونا اور زیادہ مشاہدہ میں آ جائے اور تم دیکھ لو کہ واقعی

تمہارے دیوتا صرف لکڑی اور پتھروں کی مورتیاں ہیں جو گونگی بھی ہیں اور بہری بھی۔ اور اندھی بھی۔ جو اپنی آئی ہوئی مصیبت کو بھی نہیں ٹال سکتیں۔ دوسروں کو نفع نقصان پہنچانے کا تو کیا سوال۔ ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ اکیلے ہمارے مخالف کیا کارروائی کر سکتے ہیں اور تنہا ایک نوجوان ساری قوم کے معبودوں کا کیا بگاڑ سکتا ہے کچھ التفات نہ کیا اور بے پروائی سے ٹال دیا۔ ایک روز کسی تہوار کے موقع پر جب قوم کے لوگ شہر سے باہر میلہ میں گئے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت خانہ میں جا کر ایک کلہاڑی سے بتوں کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ صرف ایک بت کو باقی رہنے دیا جو باعتبار جثہ کے یا تعظیم و تکریم کے قوم کے نزدیک سب سے بڑا تھا اور جس کلہاڑی سے توڑا تھا وہ اس بڑے بت کے گلے میں لٹکا دی تا کہ وہ لوگ جب واپس آ کر یہ صورت حال دیکھیں تو قدرتی طور پر ان کا خیال اس بڑے بت کی طرف ہو۔ جب لوگ میلے سے واپس آئے تو دیکھا ادھر سے ادھر تک سارے بت ٹوٹے پڑے ہیں صرف بڑا بت باقی ہے اور اس کے کندھے پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔ یہ حال دیکھ کر وہ لوگ سخت برہم ہوئے اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا ہوا؟ اور کس نے یہ گستاخی اور بے ادبی کی حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ کی ہے۔ یقیناً جس نے یہ کام کیا وہ بڑا ظالم اور شریر ہے۔ (استغفر اللہ) ایسا ظالم ہمارے اندر کون ہو سکتا تھا۔ تو جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کہتے سنا تھا کہ تمہاری عدم موجودگی میں ان بتوں کی درگت بناؤں گا وہ فوراً بولے کہ یہ اس شخص کا کام ہے جس کا نام ابراہیم ہے۔ وہی ایک شخص ہے جو ہمارے معبودوں کا ذکر برائی سے کیا کرتا ہے یقیناً یہ کام اسی نے کیا ہوگا۔ اس پر قوم کے لوگ مشورہ کرتے ہیں کہ اس کو یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر برملا مجمع عام میں بیان لیا جائے تا کہ معاملہ کو سب لوگ دیکھ کر اور خود ان کی باتیں سن کر سب گواہ رہیں اور جو سزا ان کو قوم کی جانب سے دی جائے وہ اس کے مستحق سمجھے جائیں۔ یہ تو قوم کی غرض تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود بھی یہی تھا کہ مجمع عام میں ان کو موقع ملے کہ مشرکین کو عاجز اور مبہوت کریں اور کھلم کھلا بتوں کی بے بسی اور بے کسی کا اظہار کر سکیں۔ چنانچہ مجمع ہوا سب چھوٹے بڑے آ گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ملزم کی حیثیت سے موجود ہوئے اور آپ سے سوال ہوا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ لغو حرکت تم نے کی ہے؟

اس پر آپ نے انہیں قائل و معقول کرنے کے لئے کہا کہ مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اس بڑے بت کی طرف اشارہ کر کے جسے آپ نے توڑا نہ تھا فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس بڑے گورو گھنٹال نے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا آلہ بھی اس کے پاس موجود ہے یہ کام کیا ہو؟ کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں کہ بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو۔ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے۔ اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں اس لئے بہترین صورت میرے تمہارے درمیان فیصلہ کی یہ ہے کہ تم خود اپنے ان معبودوں ہی سے دریافت کرو کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا؟ اگر یہ کچھ بول سکتے ہیں تو کیا ایسے اہم معاملہ میں بول کر میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ نہ کر دیں گے؟ لہٰذا تم اپنے ان معبودوں ہی سے کیوں دریافت نہیں کرتے کہ تمہارا ٹکڑے اڑا دینے والا کون ہے؟

تو مقصود اس جواب سے حضرت ابراہیم کا یہ تھا کہ یہ لوگ خود بخود ہی سمجھ لیں کہ یہ پتھر کیا بولیں گے؟ اور جب وہ اتنے عاجز ہیں کہ اپنے سے بھی ضرر کو دفع نہیں کر سکتے تو لائق عبادت کیسے ٹھہر سکتے ہیں؟ اس پر قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا سوال جواب کیا یہ انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں بیان ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ

اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے پھر کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی لوگ ناحق پر ہو۔ پھر اپنے سروں کو جھکا لیا۔ اے ابراہیم تم کو تو

عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا

معلوم ہی ہے کہ یہ بُت (کچھ) بولتے نہیں۔ ابراہیمؑ نے فرمایا تو کیا خدا کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے

وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ

اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم خدا کے سوا پُوجتے ہو۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ان کو آگ میں جلا دو۔

وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾

اور اپنے معبودوں کا بدلہ لو اگر تم کو کچھ کرنا ہے۔ ہم نے (آگ کو) حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیمؑ کے حق میں۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾

اور ان لوگوں نے اُنکے ساتھ بُرائی کرنا چاہا تھا سو ہم نے اُن ہی لوگوں کو ناکام کر دیا۔

فَرَجَعُوْٓا پس وہ لوٹے سوچ میں پڑ گئے	اِلٰٓى طرف۔ میں	اَنْفُسِهِمْ اپنے دل	فَقَالُوْٓا پھر انہوں نے کہا	اِنَّكُمْ بیشک تم	اَنْتُمْ تم ہی	الظّٰلِمُوْنَ ظالم	
ثُمَّ نُكِسُوْا پھر وہ اوندھے کیے گئے	عَلٰى رُءُوْسِهِمْ اپنے سروں پر	لَقَدْ عَلِمْتَ تو خوب جانتا ہے	مَا جو	هٰٓؤُلَآءِ یہ	يَنْطِقُوْنَ بولتے ہیں		
قَالَ اس نے کہا	اَفَتَعْبُدُوْنَ کیا پھر تم پرستش کرتے ہو	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مَا جو بت	لَا يَنْفَعُكُمْ نہ تمہیں نفع پہنچا سکیں	شَيْـًٔا کچھ		
وَ اور	لَا يَضُرُّكُمْ نہ نقصان پہنچا سکیں تمہیں	اُفٍّ تف	لَّكُمْ تم پر	وَلِمَا اور اس پر جسے	تَعْبُدُوْنَ پرستش کرتے ہو تم	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	
اَ کیا	فَلَا تَعْقِلُوْنَ پھر تم نہیں سمجھتے	قَالُوْا وہ کہنے لگے	حَرِّقُوْهُ تم اسے جلا ڈالو	وَانْصُرُوْٓا اور تم مدد کرو	اٰلِهَتَكُمْ اپنے معبودوں کو	اِنْ اگر	
كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ تم ہو کرنیوالے کچھ کرنا ہے	قُلْنَا ہم نے حکم دیا	يٰنَارُ كُوْنِيْ اے آگ تو ہو جا	بَرْدًا ٹھنڈی	وَّسَلٰمًا اور سلامتی	عَلٰٓى پر	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم	
وَاَرَادُوْا اور انہوں نے ارادہ کیا	بِهٖ اسکے ساتھ	كَيْدًا فریب	فَجَعَلْنٰهُمُ تو ہم نے انہیں کر دیا	الْاَخْسَرِيْنَ بہت خسارہ پانیوالے (زیاں کار)			

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا صرف ایک بڑے بت کو چھوڑ دیا اور قوم والے جب بت خانہ میں آئے اور اپنے معبودوں کی یہ خستہ حالی دیکھی تو بڑے برہم ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو بڑا ظلم ہو گیا یہ حرکت کس نے کی ہے؟ اس پر بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شبہ ظاہر کیا کہ وہی ایک جوان ہے جس سے بتوں کی برائی کا تذکرہ سنا تھا۔ غالباً یہ اسی کی حرکت ہے۔

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجمع عام میں طلب کیا گیا تا کہ لوگ شہادت دیں اور جرم ثابت ہونے پر سزا دی جائے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس سب سے بڑے بت نے جلال میں آ کر چھوٹوں کو تہ تیغ کر دیا ہو لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ان زخمی بتوں سے پوچھ لو۔ یہ صاف صاف حال بتلا دیں گے۔ یہاں تک

مضمون گزشتہ درس میں بیان ہوا تھا۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں۔ اس وقت دانشمند طبقہ کو اپنی غلطی اور کجراہی کا احساس بھی کچھ ہوا اور دل میں کہنے لگے کہ واقعی تم ہی ظالم ہو کہ ایسی بے جان کمزور اور بے حس مورتیوں کی عبادت کرنا حقیقتاً حماقت ہے بعض مفسرین نے ان کے اس قول کا مطلب کہ واقعی ظالم تو تم ہی ہو یہ لیا ہے کہ وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے بڑی غلطی کی کہ باوجود ابراہیم کی دھمکی سننے کے یونہی لاپروائی سے بت خانہ کھلا چھوڑ کر چلے گئے اور اپنے معبودوں کی حفاظت کا کوئی سامان کر کے نہ گئے۔ غرض وہ کھسیانے ہو کر سرنگوں ہوئے۔ شرمندگی کے مارے آنکھ نہ ملا سکے پھر غور و فکر کر کے بات بنائی کہ تم جو ہم سے کہتے ہو کہ ان سے ہم پوچھ لیں کہ تمہیں کس نے توڑا پھوڑا ہے تو جان بوجھ کر تم ہم سے ایسی ناممکن بات کا مطالبہ کیوں کرتے ہو۔ کہیں پتھر بھی بولتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں تو جانتا ہوں کہ پتھر کیا خاک بولیں گے لیکن تم پر بھی حقیقت واضح کرنا چاہتا ہوں کہ تم جان بوجھ کر یہ کیا نادانی کر رہے ہو کہ ان بہرے گونگے بے جان اور بے بس مورتیوں کے آگے سر جھکاتے ہو۔ تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر۔ یہ تو پتھر تھے ہی تمہاری سمجھ پر بھی پتھر پڑ گئے کہ جو مورتی ایک لفظ نہ بول سکے کسی اڑے وقت کام نہ آ سکے۔ ذرہ برابر نفع نقصان اس کے اختیار میں نہ ہو اسے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ کیا اتنی موٹی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے کس قدر ظلم و جہل ہے کہ ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے اور خدائے واحد کو چھوڑ دیا جائے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جب جاہل جواب نہ رکھتا ہو اور قدرت رکھتا ہو تو برسرِ پیکار آ جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کھری اور لاجواب باتیں سن کر قوم والے جھلا کر چلائے کہ اس نڈر اور دلیر شخص نے تو ہم پر خوب ہاتھ صاف کیا۔ ادھر تو ہمارے معبودوں کی گت بنائی اور ادھر اپنی بے دھڑک لعن طعن سے ہمارے دل جلا کر خاک سیاہ کر دیئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی دانست میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سخت سزا دینے کا مشورہ کیا۔ اور سب نے متفقہ فیصلہ کر دیا کہ ان کے دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے دین کی مخالفت میں ابراہیم کو دہکتی ہوئی آگ میں جلا دینا چاہئے کیونکہ ایسے سخت مجرم کی سزا یہی ہو سکتی ہے اور دیوتاؤں کی تحقیر کا انتقام اسی طرح لیا جا سکتا ہے۔ بہر حال جیسا کہ جہل و تعصب کا قاعدہ ہے وہ ظلم اور تشدد پر اتر آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ آگ میں جلا کر ختم کر دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سزا کے لئے ایک مخصوص جگہ بنوائی۔ ایک بہت بڑا اور بہت گہرا گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے اسے پر کیا اور انبار کھڑا کر کے اس میں آگ لگائی اور کئی روز مسلسل وہ آگ دہکائی گئی۔ لکھا ہے کہ روئے زمین پر اتنی بڑی آگ کبھی نہیں دیکھی گئی۔ جب آگ کے شعلوں سے قرب و جوار کی اشیاء جھلسنے لگیں اور اس طرح قوم کو کامل اطمینان ہو گیا کہ اب ابراہیم کے اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تب ابراہیم علیہ السلام کو ایک گوپھن میں بٹھا کر دہکتی آگ میں پھینکنے کی تیاری ہوئی۔ اس مرحلہ پر اور ایسے نازک وقت میں جب تمام مادی سہارے ختم۔ دنیاوی اسباب ناپید۔ حمایت و نصرت کے ظاہری اسباب مفقود، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت ایک ایسا بڑا زبردست سہارا حاصل تھا جو تمام سہاروں کا سہارا اور تمام نصرتوں کا ناصر کہا جاتا ہے اور وہ خدائے واحد ذوالجلال کا سہارا تھا۔ اس نے اپنے جلیل القدر پیغمبر اور قوم کے عظیم المرتبت ہادی اور رہنما کو بے یار و مددگار نہ رہنے دیا۔ اور دشمنوں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاتھ پیر باندھ کر گوپھن میں بٹھا کر آگ میں پھینکا تو ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوا میں راستہ ہی

میں تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ اس وقت آپ کو کوئی حاجت اور غرض ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں حاجت اور غرض تو ہے مگر تم سے نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ پھر جس سے ہے اسی سے کہیے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جانتا ہے اور دیکھتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا قصد کر رہے تھے تو جو فرشتہ مینہ برسانے پر تعینات ہے اس کو گمان تھا کہ اس آگ کے بجھانے کا حکم مجھے ہی ہوگا۔ وہ کان لگائے تیار تھا کہ کب خداوند ذوالجلال کا حکم ہو اور میں پانی برسا کر اس آگ کو ٹھنڈا کردوں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم کسی ذریعہ کا محتاج نہیں۔ ادھر ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جاتا ہے ادھر براہِ راست حکم خداوندی آگ ہی کو پہنچا کہ میرے خلیل پر تو سلامتی اور ٹھنڈک بن جا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کے ساتھ ہی روئے زمین کی آگ کچھ دیر کے لئے ٹھنڈی ہوگئی اور اس وقت دنیا بھر میں کوئی آگ سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسیاں جس سے باندھ کر آپ کو آگ کے شعلوں میں جھونکا گیا تھا وہ تو آگ نے جلا دیں لیکن آپ کے ایک رونگٹے کو بھی آگ نہ لگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر آگ کو صرف ٹھنڈا ہونے ہی کا حکم ہوتا تو پھر ٹھنڈک بھی آپ کو ضرر پہنچاتی اس لئے ارشاد ہوا۔

ینار کونی بردا وسلماً علیٰ ابراھیم O

اے آگ تو ٹھنڈی اور آرام دہ ہو جا ابراہیمؑ کے حق میں یعنی ”ایسی معتدل ٹھنڈک ہو جو جسم وجان کو خوشگوار معلوم ہونے لگے۔“

چنانچہ آگ اسی وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد پڑ گئی۔ لکھا ہے کہ آپ اس آگ میں ۷ روز رہے اور ۴۰-۵۰ دن رہنے کی روایات بھی ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس زمانہ میں جو راحت اور سرور حاصل تھا ویسا اس سے نکلنے کے بعد حاصل نہیں ہوا کیا اچھا ہوتا کہ میری ساری زندگی اسی میں گزرتی۔ سبحان اللہ! قدرت کے بعد جب آگ فرو ہوئی اور کوئلے الگ کیے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے صحیح سلامت برآمد ہوئے۔ اور دشمن انکو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے سچ ہے۔

دشمن اگر قویست نگہبان قوی ترست

اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو برا چاہتے تھے وہ خود ناکامی، ذلت اور خسارہ میں پڑ گئے۔ کفار نے حق کو مغلوب کرنے اور صداقت وحقانیت کو مٹانے کے لئے جو تدبیر کی تھی وہ انہی پر لوٹ پڑی۔ حق اور نمایاں ہوگیا صداقت اور برملا واضح ہوگئی۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ اگرچہ دنیا عالمِ اسباب ہے لیکن بظاہر کبھی کبھی خلافِ عادت بھی ہوجاتا ہے اور ایک چیز واقع ہوجاتی ہے لیکن بظاہر اس کے اسباب کچھ نظر نہیں آتے۔ قرآن کریم اسے یوں سمجھاتا ہے کہ اسباب پر ایک قادر مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ پوری پوری قدرت رکھتے ہیں۔ تمام ظاہری اسباب جمع ہوجانے کے بعد بھی اللہ کا ارادہ اور حکم اصل ہے۔ اگر کسی چیز کے ہونے کا وہ حکم نہ دے تو سارے اسباب رکھے رہ جاتے ہیں اور وہ چیز نہیں ہوتی اور اگر وہ اس کے ہونے کا حکم دے دے تو بظاہر اسباب کتنے ہی غائب ہوں وہ چیز ہوجاتی ہے۔

اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کا مزید جو فضل وانعام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوا اس کو ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اور لوطؑ کو ایسے ملک کی طرف بھیج کر بچالیا جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کیلئے (خیرو) برکت رکھی ہے اور ہم نے ان کو اسحٰقؑ

وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ

اور یعقوبؑ پوتا عطا کیا۔ اور ہم نے اُن سب کو نیک کیا۔ اور ہم نے ان کو مقتدا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور ہم نے اُن کے

اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَلُوْطًا

پاس نیک کاموں کے کرنے کا اور نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا۔ اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔ اور لوطؑ کو

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَـبٰۗىِٕثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا

ہم نے حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نے اُن کو اُس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے گندے کام کیا کرتے تھے۔ بلاشبہ وہ لوگ

قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

بڑے بدذات بدکار تھے۔ اور ہم نے لوطؑ کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ (کیونکہ) بلاشبہ وہ بڑے نیکوں میں سے تھے۔

وَنَجَّيْنٰهُ اور ہم نے اسے بچالیا	وَلُوْطًا اور لوطؑ	اِلَى طرف	الْاَرْضِ سرزمین	الَّتِيْ بٰرَكْنَا وہ جس میں ہم نے برکت رکھی	
فِيْهَا اس میں	لِلْعٰلَمِيْنَ جہانوں کیلئے	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لَهٗ اس کو	اِسْحٰقَ اسحٰقؑ	وَيَعْقُوْبَ اور یعقوبؑ	نَافِلَةً پوتا
وَكُلًّا اور سب	جَعَلْنَا ہم نے بنایا	صٰلِحِيْنَ صالح	وَ اور	جَعَلْنٰهُمْ ہم نے انہیں بنایا	اَىِٕمَّةً امام پیشوا	يَّهْدُوْنَ وہ ہدایت دیتے تھے
بِاَمْرِنَا ہمارے حکم سے	وَاَوْحَيْنَآ اور ہم نے وحی بھیجی	اِلَيْهِمْ ان کی طرف	فِعْلَ الْخَيْرٰتِ نیک کام کرنا	وَ اور	اِقَامَ قائم کرنا	
الصَّلٰوةِ نماز	وَاِيْتَاۗءَ اور ادا کرنا	الزَّكٰوةِ زکوٰۃ	وَكَانُوْا اور وہ تھے	لَنَا ہمارے ہی	عٰبِدِيْنَ عبادت کرنے والے	وَلُوْطًا اور لوط
اٰتَيْنٰهُ ہم نے اسے دیا	حُكْمًا حکم	وَّعِلْمًا اور علم	وَّنَجَّيْنٰهُ اور ہم نے اسے بچالیا	مِنَ الْقَرْيَةِ بستی سے	الَّتِيْ جو	
كَانَتْ تَّعْمَلُ کرتی تھی	الْخَـبٰۗىِٕثَ گندے کام	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا وہ تھے	قَوْمَ سَوْءٍ برے لوگ	فٰسِقِيْنَ بدکار	
وَاَدْخَلْنٰهُ اور ہم نے داخل کیا اسے	فِيْ رَحْمَتِنَا اپنی رحمت میں	اِنَّهٗ بیشک وہ	مِنَ سے	الصّٰلِحِيْنَ صالح نیکوکار		

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دشمنوں سے بچایا اور مخالفوں کو ان کے ارادوں میں ناکام اور ذلیل وخوار کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں آگ کو گلزار بَرْدًا وَّسَلٰمًا بنادیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہدایت کے لئے ہر طرح کے دلائل و براہین پیش کئے مگر بدبخت قوم نے کچھ نہ سنا اور کسی طرح رشد وہدایت کو قبول نہ کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے علاوہ کوئی ایک تیسرا بھی ایمان نہ لایا تو اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ کسی دوسری جگہ جا کر پیغام الٰہی سنائیں اور دعوت حق پہنچائیں۔ اب غور کیجئے کہ باوجود ایسے کھلے ہوئے معجزہ کے دیکھ لینے کے کہ اتنی زبردست دہکتی ہوئی آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم نے ڈالا اور آپ اس میں صحیح سلامت

رہے پھر بھی قوم نے بت پرستی نہ چھوڑی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کہنا نہ مانا۔ اور جیسا کہ حضرت ابراہیم کے تذکرہ میں ابتدا میں ذکر ہو چکا ہے۔ قوم کی دلیل بت پرستی کی محض یہ تھی کہ انہوں نے اپنے باپ دادوں کو بتوں کی عبادت کرتے دیکھا ہے اس لئے وہ اس رسم و رواج کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے تو یہ باپ دادا کے رسم و رواج کی اندھی تقلید کیسی زہر قاتل ہے لیکن آج بھی یہ اسی طرح کارفرما ہے جیسے پہلے رہی ہے۔ آج بھی باوجود دین اسلام اور قرآن و حدیث کی روشنی عام ہونے کے جو غیر شرعی اور ناجائز رسم و رواج باپ دادوں کے وقت سے چلے آ رہے ہیں جہلا ان کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں اور دلیل یہی کہ ہم باپ دادا کی ریت کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔

الغرض جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھ لیا کہ قوم کسی طرح دعوت حق کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو بحکم الٰہی آپ نے اپنے وطن عراق سے ملک شام کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی حضرت سارہ اور آپ کے بھتیجے حضرت لوطؑ نے بھی ہمراہی میں ہجرت فرمائی۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو مع حضرت لوط کے صحیح سالم ملک شام پہنچایا جس سرزمین میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی برکات رکھی ہیں اور جہاں دنیا والوں کے لئے بڑی خیر و خوبی کا سامان جمع کر دیا ہے۔ ملک شام میں پہنچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے اور آپ کی نسل خوب پھلی پھولی۔ بڑے بڑے انبیاء صلحاء اور اولیاء پیدا ہوئے۔ یہ سب کے سب نیک بخت نیکوکار عالم باعمل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کا مقتدا اور پیشوا بنایا کہ بحکم خدا خلق خدا کو راہِ خدا کی دعوت دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بوجہ نبی ہونے کے اپنی وحی سے ان حضرات کو سرفراز فرمایا اور جو علم و حکمت، دانش و فہم ان کو عطا کیا گیا تھا انہوں نے اس کے مطابق عمل بھی کیا۔ کسی حکم کی تعمیل کو نہیں چھوڑا چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات کو نیکیاں کرنے اور خصوصاً نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس لئے وہ ان فرائض کو اچھی طرح بجالاتے اور خوب اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ شب و روز وہ اللہ کی بندگی و طاعت میں لگے رہتے تھے تو اس میں عرب کے اس وقت کے مشرکین کی طرف تعریض بھی ہے اور تنبیہ بھی کہ تم کیسے ملتِ ابراہیم کے دعویدار ہو۔ انہوں نے تو بت پرستی کو یوں مٹایا اور تم خود بت پرستی میں مشغول ہو اگر باپ دادا ہی کی تقلید کرنی ہے تو اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقلید کرو۔

آگے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر اجمالاً فرمایا جا رہا ہے جس میں صالحین و فاسقین یعنی نیکوں اور بدوں کا انجام الگ، الگ ہونا ظاہر فرمایا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور عراق کے قدیم شہر اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی مولد ہے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت لوط کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ گزرا اسی لئے وہ اور حضرت سارہ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ملت ابراہیمی کے اولین مسلم ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت فرمائی تو حضرت لوط بھی ان کے ہمراہ ترک وطن کر کے چلے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب شام سے مصر کا سفر اختیار کیا تو اس وقت بھی حضرت لوط آپ کے ساتھ تھے۔ لکھا ہے کہ مصر سے واپسی پر آپ منصب نبوت پر فائز ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کو سدوم کے شہر میں بھیج دیا۔ موجودہ اردن کی وہ جانب جہاں آج بحرمیت یا بحر لوطؑ جس کو انگریزی میں Dead Sea کہتے ہیں واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں سدوم اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں۔ مشہور یہ ہے کہ پہلے یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے اور بحرمیت یا بحر لوط یعنی Dead Sea کہلاتا ہے یہ خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے۔ سدوم کی آبادی بھی اسی مقام پر تھی۔ یہ مقام شروع سے بحر نہ تھا جب قوم لوطؑ پر عذاب آیا اور اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا تب یہ زمین تقریباً 400 میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا جس کا نام اس وقت

جغرافیہ میں بحر لوط یا بحر میت ہے۔ 1

حضرت لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آ کر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا ہیں کہ الامان الحفیظ۔ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہ تھی جو ان میں موجود نہ ہو۔ دنیا کی سرکش، بد اطوار اور بد اخلاق اقوام کے عیوب و فواحش کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث عمل کی موجد تھی یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے وہ عورتوں کی بجائے مرد ولڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے۔ دنیا کی قوموں میں اس وقت تک اس عمل کا قطعاً کوئی رواج نہ تھا۔ یہی بد بخت قوم تھی جس نے اس ناپاک عمل کی ایجاد کی۔ اور یہ غیر فطری اور اخلاق سوز حرکت اس قوم میں شخصی اور انفرادی حدود سے بڑھ کر قومی حیثیت اختیار کر چکی تھی اور اس بد کرداری کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور علی الاعلان فخر و مباہات کے ساتھ اس کے مرتکب ہوتے تھے۔ ان حالات میں حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان کی بے حیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی اور شرافت و طہارت کی زندگی کی رغبت دلائی اور جس حسنِ خطابت، لطافت کے ساتھ جو ممکن طریقے سمجھانے کے ہو سکتے تھے ان کو سمجھایا اور نصیحت کی اور گزشتہ اقوام کی بد اعمالیوں کے نتائج، ثمرات بتا کر عبرت دلائی مگر ان بد بختوں پر مطلق اثر نہ ہوا بلکہ الٹا اثر یہ ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے خاندان پر طنز کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے اور ٹھٹھا کرتے کہ یہ بڑے پاکباز ہیں تو ان کا ہماری بستی میں کیا کام۔ ان کو یہاں سے نکالو۔ اخیر میں جب حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو خدا کے عذاب اس کی پکڑ اور غضب سے ڈرایا تو اس پر بھی یہ بد نصیب قوم نہ سنبھلی اور جیسا کہ قرآن پاک میں دوسرے مواقع میں بتلایا گیا ہے، قوم نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ بس یہ نصیحتیں اور عبرتیں ختم کرو۔ اگر ہمارے ان اعمال سے تمہارا خدا ناراض ہے تو وہ عذاب لا کر دکھا دو جس کا ذکر کر کے بار بار ہم کو ڈراتے ہو اگر واقعی تم اپنے قول میں سچے ہو تو بس اب ہمارا تمہارا فیصلہ ہو جانا ضروری ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس قوم پر عذاب آ کر رہے گا کیونکہ ان کی فطرت اس قدر مسخ ہو چکی ہے کہ خوف خدا کا کوئی شائبہ بھی ان کے دلوں میں باقی نہیں عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور پیغمبر کے مقابلہ پر آمادہ ہیں، قوم کی ہلاکت کے یہ آثار دیکھ کر آپ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔ غالباً آپ بھی حضرت نوح علیہ السلام کی طرح قوم کی آئندہ نسلوں کی طرف سے بھی مایوس ہو گئے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ ان کی درستی کی بھی کوئی امید نہیں وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلیں گی۔ چنانچہ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے دعا کی تھی حضرت لوط علیہ السلام نے بھی نصرتِ الٰہی سے مدد طلب کی۔ آخر عذابِ الٰہی کا وقت آ پہنچا۔ ابتدائے شب ہوئی تو ملائکہ کے اشارہ پر حضرت لوط علیہ السلام اپنے خاندان سمیت دوسری جانب سے نکل کر سدوم کی بستی سے رخصت ہو گئے اور آپ کی بیوی نے آپ کی رفاقت سے انکار کر دیا۔ اور راستہ سے لوٹ کر سدوم واپس آ گئی۔ آخر شب ہوئی تو اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا اور وہی ہوا جو گزشتہ قوموں کی نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہو چکا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والے بچا لئے گئے لیکن آپ کی بیوی عذاب سے ہلاک ہوئی۔ وہاں اس ساری بستی میں صرف یہی ایک گھرانہ ایمان والوں کا تھا۔ یہ ہے تفصیل اس اجمال کی جو ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔

قوم لوط علیہ السلام کی ہلاک شدہ بستیوں کے نشانات اللہ تعالیٰ نے دنیا کی عبرت کے لئے چھوڑ دیئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک باقی تھے اور اس مشہور تجارتی شاہراہ پر واقع تھے جو حجاز سے شام جاتے ہوئے عربوں کی رہگذر تھی۔ اس وجہ سے عرب ان سے واقف تھے مشرکین عرب کو حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی نافرمانی کا حال سنا کر ڈرایا جا رہا ہے اور پیغمبر وقت کی نافرمانی کا جو انجام ہوتا ہے وہ جتلایا جا رہا ہے۔ اسی طرح اگلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا حال بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾

اور نوحؑ کا تذکرہ کیجئے جبکہ اس سے (بھی) پہلے انہوں نے دعا کی سو ہم نے اُن کی دعا قبول کی اور اُن کو اور اُن کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی۔

وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٧٧﴾

اور ہم نے ایسے لوگوں سے اُن کا بدلا لیا جنہوں نے ہمارے حکموں کو جھوٹا بتایا تھا۔ بلاشبہ وہ لوگ بہت بُرے تھے اِس لئے ان سب کو ہم نے غرق کر دیا۔

وَنُوحًا اور نوح	إِذْ نَادَىٰ جب پکارا	مِن قَبْلُ اس سے پہلے	فَاسْتَجَبْنَا تو ہم نے قبول کر لی	لَهُ اس کی	فَنَجَّيْنَاهُ پھر ہم نے اسے نجات دی		
وَأَهْلَهُ اور اسکے لوگ	مِنَ سے	الْكَرْبِ بے چینی	الْعَظِيمِ بڑی	وَنَصَرْنَاهُ اور ہم نے اس کو مدد دی	مِنَ سے	الْقَوْمِ لوگ	الَّذِينَ جنہوں نے
كَذَّبُوا جھٹلایا	بِآيَاتِنَا ہماری آیتوں کو	إِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوا وہ تھے	قَوْمَ لوگ	سَوْءٍ بُرے	فَأَغْرَقْنَاهُمْ ہم نے غرق کردیا انہیں	أَجْمَعِينَ سب

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارونؑ، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب حضرت نوح علیہ السلام کا اجمالی تذکرہ فرمایا جاتا ہے جس سے کفار کو یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ انبیاء کے مخالفین دنیا میں کامیاب و کامران نہیں ہوتے۔ انجام کار تباہ و برباد ہوتے ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا تحمل ہے جو کچھ مدت کے لئے آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ جب ڈھیل کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے تو مخالفت کرنے والوں کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً متعدد سورتوں میں ۴۳ جگہ فرمایا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کے معجز نما کلام کی یہ سنت ہے کہ وہ تاریخی واقعات میں سے جب کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اپنے مقصدِ وعظ و نصیحت کے پیش نظر واقعہ کی اسی قدر جزئیات کو نقل کرتا ہے جو مقصد کے لئے اس جگہ ضروری ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی اہم تفصیلات سورۂ اعراف۔ سورۂ ہود۔ سورۂ مومن۔ سورۂ مؤمنون۔ سورۂ شعراء سورۂ قمر اور سورۂ نوح میں بیان ہوئی ہیں۔ یہاں اس سورۃ میں ان آیات میں اجمالی تذکرہ فرمایا گیا ہے جس کی قدرے تفصیل دوسرے مقامات کو مدنظر رکھتے ہوئے بیان کی جاتی ہے۔

اکثر مؤرخین کے بیان کے مطابق حضرت نوحؑ کا نسب نامہ دسویں پشت میں حضرت آدم علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ امام حدیث ابن عسا کر نے دنیا کی مجمل تاریخ اس طرح لکھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار دو سو برس کا فاصلہ ہوا اور نوح علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ۱۱۴۲ سال کا اور حضرت ابراہیمؑ سے موسیٰ علیہ السلام تک ۵۶۵ سال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے داؤدؑ تک ۵۶۹ برس اور داؤدؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک ۱۳۵۶ سال اور حضرت عیسیٰؑ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ۶۰۰ سال کا فاصلہ گزرا ہے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ۴۲۳۲ سال کا فصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ ۹۵۰ برس دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے۔ پھر طوفان آیا اور طوفان کے ۶۰ سال بعد تک زندہ رہے۔ اس طرح کل عمر ۱۰۵۰ سال کی ہوئی۔ آپ کا مسکن دریائے دجلہ و فرات کا دوآبہ یعنی موجودہ عراق تھا۔ حدیث شریف میں حضرت نوح علیہ السلام کے لئے اول المرسل کا لفظ آیا ہے۔ آپ دنیا میں پہلے رسول تھے۔ آپ سے پہلے نبی ہوئے ہیں اور نبی اور رسول میں فرق یہ

ہے کہ نبی ہر صاحبِ وحی کو کہتے ہیں لیکن رسول کے لئے صاحبِ وحی ہونے کے ساتھ صاحبِ شریعت ہونا بھی ضروری ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے تمام قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر نا آشنا ہو چکی تھی اور حقیقی خداوند قدوس کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق اس وقت بت پرستی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ بعض صالحین کا انتقال ہو گیا جن کے نام ود۔ سواع۔ یعوق یغوث۔ نسر تھے لوگوں نے ان کی تصاویر بنالیں تاکہ ان کے احوال وعبادت وغیرہ کی یاد تازہ رہے۔ کچھ مدت کے بعد ان صورتوں کے مجسمے تیار کر لئے، حتیٰ کہ کچھ دنوں بعد ان کی پرستش ہونے لگی۔ یہ بت ان ہی بزرگوں کے نام سے موسوم کئے گئے بعد میں یہ بت عرب میں بھی آئے۔ سنت اللہ کے موافق ان کے رشد وہدایت کے لئے انہی میں سے ایک ہادی اور خدا کے سچے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ آپ نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور راہِ حق کی طرف پکارا لیکن قوم نے نہ مانا۔ نفرت اور حقارت کے ساتھ انکار پر اصرار کیا اور جیسا کہ سورۂ مؤمنوں ۱۸ ویں پارہ میں بتلایا گیا بدبخت قوم نے آپ کی نصیحت قبول نہ کی اور وہی جواب دیا جو بعد میں آنے والی ہر گمراہ اور سرکش قوم نے اپنے پیغمبر کو دیا یعنی بولے کہ تم تو ہم ہی جیسے انسان ہو۔ پھر تم ہی کو پیغمبری کے لئے یوں منتخب کیا گیا کیا خدا کے پاس فرشتے نہ تھے جو وہ نازل کر دیتا۔ تم یقیناً یہ ڈھونگ رچا کر ہم میں عظمت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کیا ہم اپنے باپ دادا کے مسلک کو چھوڑ دیں؟ معلوم ہوتا ہے تم دیوانے ہو گئے ہو۔ غرض قوم نے آپ کی تکذیب وتحقیر کا کوئی پہلو نہ چھوڑا۔ ہر قسم کی تذلیل وتوہین کے طریقوں کو حضرت نوح علیہ السلام پر آزمایا حضرت نوح علیہ السلام نے انتہائی کوشش کی کہ بدبخت قوم سمجھ جائے اور رحمتِ الٰہی کے آغوش میں آجائے مگر جس قدر اس جانب سے تبلیغ حق میں جدوجہد ہوئی اسی قدر قوم کی جانب سے بغض وعناد میں سرگرمی کا اظہار ہوا اور ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے تمام وسائل کا استعمال کیا گیا اور آخر میں زچ ہو کر جیسا کہ سورۂ ہود میں بیان ہوا۔ کہنے لگے کہ اے نوح! بس اب یہ شب و روز کی جنگ وجدال اور روک ٹوک ختم کرو۔ بہت ہم سے جھگڑا کیا۔ اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو وہ فوراً لے آؤ۔ بہرحال جب قوم کی ہدایت سے حضرت نوح علیہ السلام بالکل مایوس ہو گئے اور آپ نے قرآنی تصریح کے مطابق ساڑھے نو سو سال کی پیہم دعوت وتبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہ دیکھا تو سخت ملول اور پریشان خاطر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں یہ دعا فرمائی جیسا کہ سورۂ نوح میں آیا ہے کہ اے پروردگار تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ۔ اگر آپ ان کو یونہی چھوڑ دیں گے تو یہ آپ کے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور ان کی نسل بھی انہی کی طرح نافرمان پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ جو ایمان لے آئے ہیں بس وہ لے آئے اب ان میں سے کوئی اور ایمان لانے والا نہیں ہے پس ان کی حرکات پر آپ غم نہ کیجئے اب ان کی سرکشی کے نتیجہ میں ان کی ہلاکت کا وقت نزدیک آگیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ ایک کشتی تیار کریں تاکہ اسبابِ ظاہری کے اعتبار سے وہ اور مؤمنین اس عذاب سے محفوظ رہیں جو خدا کے نافرمانوں پر نازل ہونے والا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جب حکمِ ربانی کے مطابق کشتی بنانی شروع کی تو کفار نے ہنسی اڑائی اور مذاق بنانا شروع کر دیا کہ خشک زمین پر پانی سے بچاؤ کی تدبیر ہو رہی ہے! حضرت نوح علیہ السلام فرماتے کہ آج تم ہمارے اس فعل کو احمقانہ سمجھ کر ہنس رہے ہو اور اپنی

جہالت سے بے خبر ہو اب وہ وقت دور نہیں کہ جب خدا کا عذاب نازل ہوگا اور ہم تمہاری رسوائی پر ہنسیں گے۔ آخر سفینہ نوح علیہ السلام بن کر تیار ہوگیا اور حسب الارشاد حضرت نوح علیہ السلام اپنے اہل و عیال و مؤمنین کی مختصر جماعت جس کی تعداد تقریباً چالیس نفر تھی۔ اور بعض روایات میں ۸۰ کی تعداد لکھی ہے جانوروں میں سے ہر ایک کا ایک جوڑا لے کر کشتی پر سوار ہوگئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا نافرمان بیٹا ''یام'' کشتی میں نہیں بیٹھا۔ آخر کار طوفان پوری تیزی کے ساتھ آ گیا، آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسنا شروع ہو اور زمین کے چشموں کو حکم ہوا کہ وہ پوری طرح ابل پڑیں۔ خدا کے حکم سے جب یہ سب کچھ ہوتا رہا تو کشتی بھی اس کی حفاظت میں پانی پر ایک مدت تک محفوظ تیرتی رہی تا آنکہ منکرین و معاندین غرق آب ہوگئے اور خدا تعالیٰ کے قانون جزائے اعمال کے مطابق اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ چنانچہ یہ سرکش قوم اپنی نافرمانی کی بنا پر ڈوب کر مری اور مرنے کے بعد نذر دوزخ کردی گئی۔ غرض جب حکمِ الٰہی سے عذاب ختم ہوا اور پانی آہستہ آہستہ خشک ہونا شروع ہوگیا تو ساکنانِ کشتی نے دوسری بار امن و سلامتی کے ساتھ خدا کی سرزمین پر قدم رکھا اس بنا پر حضرت نوح علیہ السلام کا لقب ابوالبشر ثانی یا آدمِ ثانی یعنی انسانوں کے دوسرے باپ مشہور ہوا۔ یہ ہے اس اجمالی واقعہ کی تفصیل جو یہاں ان آیات میں بیان ہوا ہے۔

نوح علیہ السلام کی دعاء کے مطابق روئے زمین پر ایک کافر نہ بچا سب ڈبو دیئے گئے۔ آگے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں اور اس پوری امت مسلمہ کو اپنے رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری تابعداری اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ اور ہم سے جو کوتاہیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں سرزد ہوئی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرمائیں اور اس پر ہماری گرفت نہ فرماویں۔ سرکش اور نافرمان قوموں کی خصلت اور اطوار سے اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام امتِ مسلمہ کو بچاویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْہِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَکُنَّا

اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام کے قِصہ) کا تذکرہ کیجئے جبکہ دونوں کسی کھیت کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے جبکہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں۔ اسکو چر گئیں اور ہم

لِحُکْمِھِمْ شٰھِدِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَھَّمْنٰھَا سُلَیْمٰنَ وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّعِلْمًا وَّسَخَّرْنَا مَعَ

اُس فیصلہ کو جو لوگوں کے متعلق ہوا تھا دیکھ رہے تھے۔ سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمانؑ کو دیدی۔ اور یوں ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا۔ اور ہم نے

دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ وَکُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰہُ صَنْعَۃَ لَبُوْسٍ لَّکُمْ

داؤدؑ کیساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی اور کرنے والے ہم تھے۔ اور ہم نے اُن کو زرہ کی صنعت تم لوگوں کے واسطے سکھلائی

لِتُحْصِنَکُمْ مِّنْ بَاْسِکُمْ فَھَلْ اَنْتُمْ شٰکِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

تا کہ وہ تم کو (لڑائی میں) ایک دوسرے کی زد سے بچائے۔ سو تم شکر کرو گے بھی (یا نہیں)

وَدَاوٗدَ اور داؤدؑ	وَسُلَیْمٰنَ اور سلیمانؑ	اِذْ جب	یَحْکُمٰنِ فیصلہ کر رہے تھے	فِی الْحَرْثِ کھیتی کے بارہ میں	اِذْ جب	
نَفَشَتْ رات میں چر گئیں	فِیْہِ اس میں	غَنَمُ الْقَوْمِ ایک قوم کی بکریاں	وَکُنَّا اور ہم تھے	لِحُکْمِھِمْ انکے فیصلے کے وقت		
شٰھِدِیْنَ موجود	فَفَھَّمْنٰھَا پس ہم نے اس کو فہم دی	سُلَیْمٰنَ سلیمانؑ	وَکُلًّا اور ہر ایک	اٰتَیْنَا ہم نے دیا	حُکْمًا حکم	وَعِلْمًا اور علم
وَسَخَّرْنَا اور ہم نے مسخر کر دیا	مَعَ ساتھ۔کا	دَاوٗدَ داؤدؑ	الْجِبَالَ پہاڑ	یُسَبِّحْنَ وہ تسبیح کرتے تھے	وَالطَّیْرَ اور پرندے	وَکُنَّا اور ہم تھے
فٰعِلِیْنَ کرنے والے	وَعَلَّمْنٰہُ اور ہم نے اسے سکھائی	صَنْعَۃَ صنعتکاریگری	لَبُوْسٍ ایک لباس	لَّکُمْ تمہارے لئے		
لِتُحْصِنَکُمْ تا کہ وہ تمہیں بچائے	مِّنْ سے	بَاْسِکُمْ تمہاری لڑائی	فَھَلْ پس کیا	اَنْتُمْ تم	شٰکِرُوْنَ شکر کرنے والے	

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت لوط اور حضرت نوح علیہما السلام اور ان کی نافرمان قوموں کا بیان ہوا تھا جس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ پہلی اُمتوں نے اپنے انبیاء کو کیسی کیسی تکلیفیں دیں اور کس قدر مخالفت وسرکشی کی بالآخر نافرمانی کے وبال میں پکڑے گئے اور ہلاک کئے گئے۔ اب آگے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جس سے ایک بات تو بتلانی یہ مقصود معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم کی نسل میں ایسے جلیل القدر پیغمبر اور صاحب تخت وتاج پیدا ہوئے جن کی ظاہری شان وشوکت تمام بادشاہوں سے بڑھ کر اور دائرہ حکومت تمام سلاطین سے زیادہ وسیع تھا اور یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیکی اور خداپرستی کا پھل تھا۔ دوسرے کفار قریش کو یہ بتلانا ہے کہ اپنی طاقت ودولت اور معمولی آسودگی پر نازاں نہ ہوں اور غرور وسرکشی سے باز آئیں۔ اس فانی دنیا پر ریجھنا اور غرور کرنا یہ کم حوصلہ اور کم ظرفوں کا کام ہے ورنہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام جیسوں کو دیکھو کہ کس قدر زبردست قوت وطاقت کے مالک تھے جن کی حکومت چرند پرند یہاں تک کہ ہوا اور جنات پر بھی تھی مگر کیسے منکسر المزاج، خداپرست اور خداترس باانصاف اور اللہ کے فرمانبردار تھے۔ ان آیات میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ بکریوں کے ایک کھیت چر لینے کے فیصلہ سے متعلق ابتداء کی جاتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد

علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اور یہ بھی نبی ہوئے ہیں۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے حکومت۔ قوت اور علم وحکمت عنایت فرمائے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بچپن ہی میں اس قدر غیر معمولی سمجھ کی باتیں کرتے تھے کہ سننے والے حیران رہ جائیں۔ یہاں اس آیت میں جس کھیتی کے جھگڑے کے فیصلہ کا بیان ہے اس کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا ایک رات کسی چرواہے کی بے خبری سے اس کی بکریاں کسی شخص کے انگور کے کھیت میں جا پڑیں بکریوں نے انگور کی کونپلیں اور پتیاں کھا ڈالیں اور خوشے خراب کر ڈالے۔ صبح کو یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ صاحب باغ نے استغاثہ دائر کیا اور مدعا علیہ نے اقرار کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کے نقصان کا اندازہ لگایا تو اس قدر قیمت ہوئی جتنی بکریوں کی مالیت تھی۔ اس لئے آپ نے فیصلہ کیا کہ تاوان میں کل بکریاں باغ والے کو دے دی جائیں۔ فریقین باہر آئے تو ان سے سلیمانؑ نے پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا ان لوگوں نے بیان کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ فریقین کے حق میں اس سے بہتر فیصلہ ہوسکتا تھا۔ یہ خبر حضرت داؤد علیہ السلام کو پہنچی۔ آپ نے حضرت سلیمان کو بلا کر پوچھا کہ اس سے بہتر اور کیا فیصلہ ہوسکتا تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ بکریاں باغ والے کو عارضاً دید یجئے اور چرواہے کو کہئے کہ انگوروں کی بیلوں کی خدمت کرے اور جتنے زمانہ میں بیلیں اپنی اصلی حالت میں آجائیں اتنے زمانہ تک تمام بکریاں باغ والے کے قبضہ میں رہیں اور وہ دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھائے جب کھیت اصلی حالت پر آجائے تو بکریاں چرواہے کو اور کھیت اس کے مالک کے سپرد کر دیا جائے۔ اس پر فریقین راضی ہو گئے اور داؤد علیہ السلام نے بھی اس فیصلہ کو پسند فرما کر اپنے گزشتہ فیصلہ سے رجوع فرمالیا۔

یہاں آیت میں آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ باپ اور بیٹے دونوں نے جو فیصلہ شرکائے مقدمہ کے حق میں کیا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تھا اور دونوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے فیصلہ کرنے کی قوت اور سمجھ عطا فرمائی تھی لیکن اس معاملہ میں اصل گر کی بات اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دی کہ جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی۔ آگے حضرت داؤد علیہ السلام کی دو خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ بے انتہا خوش آواز تھے اس پر پیغمبرانہ تاثیر۔ آپ کی آواز سے انسان تو انسان پرندے اور پہاڑ بھی از خود رفتہ ہوجاتے۔ آپ جب زبور پڑھتے یا خدا کی تسبیح وتحمید کرتے تو پہاڑ اور پرند جانور بھی ہوا سے اتر کر آپ کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگتے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اس پر تعجب نہ کرو کہ پتھر اور جانور کیسے بولتے اور تسبیح پڑھتے ہوں گے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا تھا۔ بھلا اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کے سامنے یہ باتیں کیا بعید سمجھی جاسکتی ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ کہ حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کو مثل موم کے نرم کر دیا تھا اسے موڑ توڑ کر لوہے کی زرہ آپ ہاتھ سے بنالیتے۔ لوہے کو تپانے اور گرم کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے لوگ پتھروں کی زرہ بناتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ہی نے سب سے پہلے لوہے کی زرہ بنائی تو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں کڑی دار زرہ کا بننا ایک نعمت عظیم تھی جو اپنے بدن کے بچاؤ کے لئے لڑائی میں استعمال ہوتی۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے فائدہ کے لئے ہم نے داؤد علیہ السلام کے ذریعہ سے ایسی عجیب صنعت نکال دی۔ سوچو کہ تم اس قسم کی نعمتوں کا کچھ شکر ادا کرتے ہو۔

آگے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ

اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کا زور کی ہوا کو تابع بنادیا تھا کہ وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف کو چلتی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور ہم ہر چیز

شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿٨١﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ

کو جانتے ہیں اور بعضے شیطان ایسے تھے کہ سلیمانؑ کیلئے غوطہ لگاتے تھے اور وہ اور کام بھی اس کے علاوہ کیا کرتے تھے۔

ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٨٢﴾

اور اُن کے سنبھالنے والے ہم تھے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ اور سلیمانؑ کیلئے	الرِّيْحَ ہوا	عَاصِفَةً تیز چلنے والی	تَجْرِيْ چلتی	بِاَمْرِهٖ اس کے حکم سے	اِلٰى طرف	الْاَرْضِ سرزمین
الَّتِيْ بٰرَكْنَا جس کو ہم نے برکت دی ہے	فِيْهَا اس میں	وَكُنَّا اور ہم ہیں	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے	عٰلِمِيْنَ جاننے والے	وَ اور	
مِنَ سے	الشَّيٰطِيْنِ شیطان	مَنْ يَّغُوْصُوْنَ جو غوطہ لگاتے تھے	لَهٗ اس کیلئے	وَيَعْمَلُوْنَ اور کرتے تھے وہ	عَمَلًا کام	
دُوْنَ ذٰلِكَ اسکے سوا	وَكُنَّا اور ہم تھے	لَهُمْ ان کیلئے	حٰفِظِيْنَ سنبھالنے والے			

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر بھی ہوا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اس لئے آپ کا نسب بھی حضرت یعقوبؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر سولہ جگہ آتا ہے۔ ان میں سے چند جگہ کچھ تفصیل کے ساتھ ذکر آیا ہے اور اکثر جگہ مختصر طور پر ان انعامات اور فضل وکرم کا تذکرہ ہے جو حق تعالیٰ کی جانب سے آپ پر اور آپ کے والد حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام میں ذہانت اور ذکاوت اور فصل مقدمات میں اصابت رائے کا کمال بچپن ہی سے ودیعت کر دیا تھا چنانچہ آپ کے بچپن کا بکریوں کے مقدمہ کا واقعہ جو گزشتہ آیات میں قرآن پاک میں کیا جا چکا ہے اس کی ایک مثال ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری شریف میں ایک دوسرا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں دو عورتیں ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھیں اور دونوں کے ساتھ ان کے شیر خوار بچے بھی تھے۔ راہ میں ایک عورت کے بچہ کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا اور جو بچہ باقی رہا دونوں عورتیں اس کے لئے آپس میں جھگڑا کرنے لگیں۔ دونوں کا دعویٰ تھا کہ یہ بچہ میرا ہے اور دوسری کا بچہ بھیڑیا لے گیا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس یہ معاملہ پہنچا تو آپ نے مقدمہ کی روئیداد سن کر بڑی کے حق میں فیصلہ دیا اس لئے کہ بظاہر بچہ بڑی کے قبضہ میں تھا اور چھوٹی اس کے قبضہ کے خلاف گواہ نہ پیش کر سکی۔ جب عورتیں واپس ہو کر حضرت سلیمان کے پاس سے گزریں تو آپ نے ان کے قضیہ کی تفصیل دریافت فرمائی اور سن کر حکم دیا کہ ایک چھری لائی جائے اور اس بچہ کے دو ٹکڑے کر کے ایک بڑی کو اور ایک چھوٹی کو دے دیا جائے۔ بڑی یہ سن کر خاموش رہی مگر چھوٹی یہ فیصلہ سن کر شور وغوغا کرنے لگی کہ خدارا اس بچہ کے دو ٹکڑے نہ کیجئے میں بڑی کے حق میں دستبردار ہوتی ہوں۔ اس وقت سب کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ بچہ چھوٹی کا ہے اور بڑی جھوٹا دعویٰ کرتی ہے۔ لہٰذا بچہ چھوٹی کے حوالہ کر دیا گیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس جوہر کو حضرت داؤد علیہ السلام نے پہچان لیا تھا اس لئے بچپن ہی سے آپ کو امور سلطنت میں شریک کار رکھتے خصوصاً فصل مقدمات میں آپ سے ضرور مشورہ فرمالیا کرتے تھے۔ مورخین کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سن رشد کو پہنچ چکے تھے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت وحکومت دونوں میں داؤد علیہ السلام کا جانشین بنادیا اور اس طرح فیضانِ نبوت کے ساتھ ساتھ اسرائیلی حکومت بھی آپ کے قبضہ میں آ گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی بعض خصوصیات اور امتیازات سے نوازا اور اپنی نعمتوں میں سے بعض ایسی نعمتیں عطا فرمائیں جو آپ کی زندگی مبارک کا طغرائے امتیاز ہیں۔ علاوہ دیگر خصوصیات کے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دو خصوصیات کا اجمالاً ذکر فرمایا ہے۔ ایک تسخیر ریاح یعنی ہوا کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے حکم کا تابع بنادیا تھا۔ اس شرف کے متعلق قرآن کریم نے بتلایا کہ ہوا آپ کے حکم کے اس طرح تابع تھی کہ شدید اور تیز وتند ہونے کے باوجود آپ کے حکم سے نرم اور آہستہ روی کے باعث راحت ہوجاتی تھی اور اس نرم رفتاری کے باوجود اس کی تیز روی کا یہ عالم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا صبح وشام کا جدا جدا سفر ایک شہسوار کی مسلسل ایک ماہ کی رفتار مسافت کے مساوی ہوتا تھا گویا تخت سلیمانی انجن اور مشین جیسے اسباب ظاہر سے بالاتر صرف خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک بہت تیز رفتار ہوائی جہاز سے بھی زیادہ تیز ہوا کے کاندھے پر اڑا چلا جاتا تھا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے تعجب ہے کہ آج عجیب وغریب ہوائی جہازوں کے زمانہ میں بھی بہت سے زائغین اس قسم کے واقعات کا انکار کرتے ہیں۔ کیا یورپ جو کام اسٹیم اور الیکٹرک سے کرسکتا ہے خدا تعالیٰ ایک پیغمبر کی خاطر اپنی قدرت سے نہیں کرسکتا۔

دوسری خصوصیت حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ بیان فرمائی کہ ان کے زیرنگیں صرف انسان ہی نہ تھے بلکہ جن اور حیوانات بھی تابع فرمان تھے۔ جنات جن میں کافر ومسلم دونوں ہوتے ہیں سب آپ کے مسخر تھے آپ کے حکم سے سمندروں میں غوطہ مار کر موتی نکال کر لاتے اور بڑے بڑے مشکل اور سخت کام انجام دیتے اور کسی طرح حکم سلیمانی سے سرتابی نہ کرسکتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایسے عظیم الشان احسانات کئے اور پھر یہاں تک فرمایا کہ اس بے انتہا دولت وثروت کے صرف و خرچ دادودہش اور روک کر رکھنے میں تم سے کوئی بازپرس بھی نہیں ہے مگر ان تمام باتوں کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام اس دولت وحکومت کو مخلوق خدا کی خدمت کے لئے امانت الٰہی سمجھ کر ایک حبہ اپنی ذات پر صرف نہیں فرماتے بلکہ اپنی روزی ٹوکریاں بنا کر حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح لکھا ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام شاہی اور شہنشاہی کے باوجود سلطنت و مملکت کے مالیہ سے ایک حبہ بھی نہیں لیتے تھے اور اپنا اور اہل و عیال کے معاش کا بار بیت المال پر نہیں ڈالتے تھے بلکہ اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی حاصل کرتے اور اسی کو ذریعہ معاش بناتے تھے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس وصف کو بخاری شریف کی ایک حدیث صحیح میں ان الفاظ کے ساتھ سراہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بے شبہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے روزی کماتے تھے۔ غرض کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا کہ ان کی حکومت انسانوں کے

علاوہ جنات اور حیوانات اور ہوا پر بھی تھی اور یہ سب بحکمِ خدا آپ کے تابع اور مطیع تھے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے بخاری شریف کی ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا گزشتہ شب ایک سرکش جن نے اچانک یہ کوشش کی کہ میری نماز میں خلل ڈالے۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قابو دے دیا اور میں نے اس کو پکڑ لیا۔ اس کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب دن میں اس کو دیکھ سکو مگر اس وقت مجھ کو اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آ گئی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا۔ رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ۔ یہ یاد آتے ہی میں نے اس سرکش جن کو ذلیل کر کے چھوڑ دیا۔

محدثین نے اس حدیث کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اگرچہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کل انبیاء و رسل کے خصائص و امتیاز جمع کر دیئے تھے اس لئے تسخیر جنات پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت حاصل تھی لیکن جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس اختصاص کو اپنا طغرائے امتیاز قرار دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ کا مظاہرہ مناسب نہ سمجھا۔

ان آیات کے اخیر میں وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ فرما کر حق تعالیٰ نے جتلا دیا کہ گو وہ جن بڑے سرکش اور شریر تھے مگر ان کے سنبھالنے والے ہم تھے اس لئے وہ چوں نہیں کر سکتے تھے۔ ہم نے اپنے اقتدار کامل سے ان شیاطین یعنی کافر جنات کو سلیمانؑ کی قید میں اسطرح تھام رکھا تھا کہ جو چاہتے ان سے بیگار لیتے اور وہ کوئی ضرر سلیمانؑ کو نہیں پہنچا سکتے تھے ورنہ آدمی کی کیا بساط ہے کہ ایسی مخلوق کو اپنے قبضہ میں کر لے اور زنجیر میں جکڑ کر رکھ چھوڑے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بعض خصوصیات بیان فرما کر حق تعالیٰ اپنی قدرت و اقتدار کامل کا اظہار فرما رہے ہیں در پردہ جس سے مقصود توحید اور اپنی شانِ معبودیت کا جتلانا ہے۔ اب آ گئے حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کی معرفت اور یقین ہم کو بھی عطا فرماویں۔ اور ان انبیائے کرام کے واقعات سے ہمارے دلوں میں نور ایمان پیدا فرماویں۔ یا اللہ آپ کے انعامات اور احسانات جو ہم پر شب و روز بارش کی طرح برس رہے ہیں ان نعمتوں کا ہم کو قدر دان اور شکر گزار بندہ بنا کر زندہ رکھئے اور اس حالت پر موت نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! سرکش شیاطین و جنات سب آپ کی قدرت وطاقت کے آگے مسخر ہیں اور آپ کی مشیت کے خلاف چوں نہیں کر سکتے۔ یا اللہ! ہمارے دین و ایمان کی حفاظت اور ہمارے جان و مال کی حفاظت شریر جنات و انسان و شیاطین سب سے فرمائیے اور ہمیں اپنی مرضیات پر اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَ اَیُّوۡبَ اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿ۚۖ۸۳﴾ فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ

اور ایوبؑ کا تذکرہ کیجئے جبکہ اُنہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔ سو ہم نے اُن کی دُعا قبول کی

فَکَشَفۡنَا مَا بِہٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّ اٰتَیۡنٰہُ اَہۡلَہٗ وَ مِثۡلَہُمۡ مَّعَہُمۡ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا

اور اُن کو جو تکلیف تھی اُسکو دُور کر دیا اور ہم نے اُن کو اُن کا کنبہ عطا فرمایا اور اُن کے ساتھ اُن کے برابر اور بھی اپنی رحمتِ خاصہ کے سبب سے اور عبادت کرنے والوں کیلئے

وَ ذِکۡرٰی لِلۡعٰبِدِیۡنَ ﴿۸۴﴾

یادگار رہنے کے سبب سے عطا فرمائے۔

وَ اور	اَیُّوۡبَ ایوبؑ	اِذۡ نَادٰی جب اس نے پکارا	رَبَّہٗۤ اپنا رب	اَنِّیۡ کہ میں	مَسَّنِیَ مجھے پہنچی ہے	الضُّرُّ تکلیف
اَرۡحَمُ سب سے بڑا رحم کرنیوالا	الرّٰحِمِیۡنَ رحم کرنے والے	فَاسۡتَجَبۡنَا تو ہم نے قبول کرلی	لَہٗ اس کی	فَکَشَفۡنَا پس ہم نے کھول دی		
مَا جو	بِہٖ اس کو	مِنۡ ضُرٍّ تکلیف	وَّ اٰتَیۡنٰہُ اور ہم نے دیئے اسے	اَہۡلَہٗ اسکے گھر والے	وَ مِثۡلَہُمۡ اور ان جیسے	مَّعَہُمۡ انکے ساتھ
رَحۡمَۃً رحمت فرماکر	مِّنۡ سے	عِنۡدِنَا اپنے پاس	وَ ذِکۡرٰی اور نصیحت	لِلۡعٰبِدِیۡنَ عبادت کرنے والوں کیلئے		

وَ اَنۡتَ اور تو

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا اب ان کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر چار سورتوں میں آیا ہے۔ سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں تو فقط انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں آپ کا نام مذکور ہے۔ موجودہ سورۂ انبیاء اور ۲۳ ویں پارہ میں سورۂ ص میں مجملاً تذکرہ فرمایا گیا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ آپ پر امتحان و آزمائش کا ایک سخت وقت آیا اور بلایا و مصائب نے چہار جانب سے آپ کو گھیر لیا مگر صبر و ضبط۔ استقلال و استقامت اور صبر و شکر کے ماسوا ایک حرف شکایت زبان پر کبھی نہیں لائے۔ آخر کار خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا اور مصائب کے بادل دور کر کے فضل و عطا سے مالا مال کر دیا۔ بندگانِ خدا میں سے جس کو خدا تعالیٰ کے ساتھ جس قدر تقرب حاصل ہوتا ہے اسی نسبت سے وہ بلایا اور مصائب کی بھٹی میں تپایا جاتا ہے اور جب وہ ان کے پیش آنے پر صبر و استقامت سے کام لیتا ہے تو وہی مصائب اس کے درجات تقرب کی رفعت اور بلندی کے سبب بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مصائب میں سب سے زیادہ سخت امتحان انبیاء کا ہوتا ہے اس کے بعد صلحاء کا اور پھر حسب مراتب و درجات۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ انسان اپنے دین کے درجات کے مناسب آزمایا جاتا ہے پس اگر اس کے دین میں پختگی اور مضبوطی ہے تو وہ مصیبت کی آزمائش میں بھی دوسروں سے زیادہ ہوگا۔

مصیبت و بلا، رنج و غم اور عسرت و تنگ حالی میں رضا بالقضاء رہ کر صبر و استقامت پر قائم رہنا کٹھن ہے اس لئے جب کوئی خدا کا نیک بندہ شدت و سختی میں صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور صبر و شکر کا مسلسل مظاہرہ کرتا رہتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی جوش میں آجاتی ہے اور اس پر فضل و کرم کی بارش ہونے لگتی ہے اور وہ غیر متوقع طور پر افضال و اکرام الٰہی سے

نوازا جاتا ہے اور دین و دنیا دونوں جہان کی کامرانی کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام کی مثال اس کے لئے ایک روشن شہادت ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا سلسلۂ نسب اکثر مورخین کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل جاتا ہے اور آپ کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت اسحٰق و یعقوب علیہما السلام کے زمانہ کے درمیان ہونا بتلایا گیا ہے۔ مختصراً صحیح روایات کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے دنیا میں ہر طرح آسودہ اور خوش حال رکھا تھا۔ مویشی۔ باغات، کھیتیاں، کوٹھیاں، زمینیں۔ لونڈیاں، غلام اولاد صالح وغیرہ سب کچھ مرضی کے موافق عطا کئے تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام بڑے شکر گزار اللہ کے نبی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈالا۔ بحکمِ الٰہی چند ہی روز میں تمام اولاد مرگئی۔ کوئی ڈوبا۔ کوئی مکان کے نیچے دب گیا کوئی کسی مرض سے ختم ہوگیا۔ تمام جانور، گھوڑے۔ اونٹ، بھینس، گائے، بکریاں وغیرہ سب مر گئے۔ کھیتیاں اور باغات جل گئیں اور اجڑ گئیں۔ مکانات گر پڑے۔ تمام سونا چاندی تلف ہوگیا۔ لیکن حضرت ایوبؑ برابر صبر کے ساتھ شکر کرتے رہے۔ مصائب کا اس پر بھی خاتمہ نہ ہوا۔ خود بیمار پڑ گئے۔ اور سخت جسمانی اذیت و تکلیف میں مبتلا ہوگئے۔ شہر کے باہر ایک جھونپڑی میں جا کر پڑ گئے لیکن صبر و شکر سے کسی وقت اور کسی حال میں بھی غافل نہ رہے۔ آپ کے ساتھ ایک بیوی رفیق رہ گئیں جو آپ کی خدمت کرتیں اور محنت و کام کاج کر کے پیٹ پالنے کو بھی لایا کرتی تھیں۔ مدتوں تک آپ ان بلاؤں اور مصائب میں گرفتار رہے۔ ایک قول میں ہے کہ آپ ۱۸ برس مصائب میں مبتلا رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ تیرہ سال اور ایک روایت میں ہے کہ سات سال اور چند ماہ آپ کے مصائب کا زمانہ رہا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ لکھا ہے کہ جب آپ کی آزمائش شروع ہوئی، اہل و عیال مر گئے۔ مال فنا ہوگیا۔ کوئی چیز ہاتھ میں باقی نہ رہی تو آپ ذکر خدا میں اور بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ اے تمام پالنے والوں کے پالنے والے تو نے مجھ پر بڑے بڑے احسان کئے مال دیا۔ اولاد دی اس وقت میرا دل بہت مشغول تھا اب تو نے سب کچھ لے کر میرے دل کو فارغ کر دیا۔ اب میرے دل میں اور تجھ میں کوئی حائل نہ رہا۔ آپ کی دعاؤں میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ خدایا تو نے جب مجھے تونگر اور اہل و عیال والا بنا رکھا تھا تو خوب جانتا ہے کہ اس وقت میں نے نہ کبھی غرور و تکبر کیا۔ نہ کبھی کسی پر ظلم و ستم کیا۔ میرے پروردگار تجھ پر روشن ہے کہ میرا نرم و گرم بستر تیار ہوتا اور میں راتوں کو تیری عبادت و بندگی میں گزارتا اور اپنے نفس کو اس طرح ڈانٹ دیتا کہ تو آرام کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ تیری رضا مندی کی طلب میں اپنے راحت و آرام کو ترک کر دیا کرتا تھا۔

غرض کہ مدتوں آپ بلاؤں میں مبتلا رہے جب تکلیف و اذیت اور دشمنوں کے طعن و تشنیع حد سے گزر گئے بلکہ دوست بھی کہنے لگے کہ یقیناً ایوب نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی ہی سخت ہو سکتی تھی تو آپ بہت بے چین اور مضطرب ہوتے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں سربسجود ہو کر دعا گو ہوئے اور مصائب کے دور ہونے کی دعا کی۔ رب کو اس طرح پکارنا تھا کہ دریائے رحمت امنڈ پڑا۔ خدائے ذوالجلال نے پھر پہلا سا مال و منال دے دیا۔ نئی اولاد بھی پہلے سے زائد ہوگئی۔ زمین سے چشمہ نکالا اس سے پانی پی کر اور نہا کر تندرست ہوگئے۔ آن کی آن میں سارا مرض جاتا رہا اور سب طرح درست ہوگئے۔ امام بخاریؒ

نے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام ایک مرتبہ غسل فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سونے کی ٹڈیاں ان پر برسائیں۔ ایوب علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو مٹھی بھر کر کپڑے میں رکھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو پکارا۔ ایوب! کیا ہم نے تم کو دھن دولت دے کر غنی نہیں بنا دیا؟ پھر یہ کیا؟ ایوب علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار یہ صحیح اور درست ہے مگر تیری نعمتوں اور برکتوں سے کب کوئی بے پروا ہو سکتا ہے۔

ان آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔

یہاں آیت میں ایوب علیہ السلام کو انتہائی آزمائش و تکالیف کے بعد تندرستی اولاد و اموال عطا کرنے میں دو مصلحتیں حق تعالیٰ نے بیان فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ ایوب علیہ السلام کی حالت قابل رحم ہوگئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے رحمت نازل کی۔ دوسرے یہ کہ تمام عبادت اور بندگی کرنے والوں کے لئے ایک نصیحت اور یادگار قائم ہوگئی کہ جب کسی نیک بندے پر دنیا میں سخت اور برا وقت آئے تو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کرنا اور استقلال دکھلانا اور صرف اپنے پروردگار سے فریاد کرنا چاہئے خواہ کتنے ہی مصائب کا ہجوم ہو اللہ سے منہ نہ موڑیں اور مرکز توجہ ذاتِ الٰہی ہی کو سمجھتا رہے۔ حق تعالیٰ اس پر نظر عنایت فرمائے گا۔ ان آیات اور حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ انسان کو چاہئے کہ کسی حالت میں بھی خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس لئے کہ مایوسی اور ناامیدی کفر کا شیوہ ہے۔ عیش و راحت میں تواضع و شکر اور رنج و مصیبت میں ضبط و صبر دو ایسی بیش بہا نعمتیں ہیں کہ جس کو یہ نصیب ہو جائیں وہ دین و دنیا میں کبھی ناکام نہیں رہ سکتا اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہر حال میں اس کی رفیق رہتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مصیبت اور بلا محض گناہوں کی پاداش ہی میں وجود پذیر نہیں ہوتی بلکہ کبھی آزمائش اور امتحان بھی بن کر آتی ہے اور انبیاء و صالحین و متقین، صابرین و شاکرین کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت ہوا کرتی ہے اس لئے ہر کسی کو ابتلاء میں دیکھ کر یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اللہ کی پکڑ اور گناہوں کی سزا میں گرفتار ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ جو آج کی آیات میں آئی ہے اس کے متعلق حضرت تھانویؒ نے اپنی کتاب اعمالِ قرآنی میں لکھا ہے کہ یہ دعا بلا، مصیبت اور تکلیف کے وقت ورد کرے تو انشاءاللہ تعالیٰ نجات ہوگی۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ راحت و آرام میں ہم کو تواضع و شکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور رنج و غم میں تحمل و ضبط و صبر کی توفیق نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہر حال میں آپ اپنا صابر۔ شاکر و ذاکر بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔

یا اللہ آپ کی نصرت و حمایت و عنایت و کرم و توجہ ہر آن ہمارے ساتھ ہو۔ اے اللہ! ہم ضعیف و کمزور ہیں ہم کسی آزمائش و ابتلا کے لائق نہیں، یا اللہ اپنی رحمت کرم و فضل سے ہماری ہر مشکل کو آسان فرما دیجئے۔ یا اللہ امت مسلمہ پر اس وقت جہاں جہاں مصائب کے بادل چھائے ہوئے ہیں ان پر رحم و کرم کی نظر فرمایئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِدۡرِیۡسَ وَذَا الۡکِفۡلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدۡخَلۡنٰہُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ

اور اسمٰعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفل کا تذکرہ کیجئے۔ سب ثابت قدم رہنے والے بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا تھا۔

اِنَّہُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۶﴾

بے شک یہ کمال صلاحیت والوں میں تھے۔

وَاِسۡمٰعِیۡلَ اور اسمٰعیل	وَاِدۡرِیۡسَ اور ادریس	وَذَا الۡکِفۡلِ اور ذوالکفل	کُلٌّ یہ سب	مِّنَ سے	الصّٰبِرِیۡنَ صبر کرنے والے	وَ اور
اَدۡخَلۡنٰہُمۡ ہم نے داخل کیا انہیں	فِیۡ رَحۡمَتِنَا اپنی رحمت میں	اِنَّہُمۡ بیشک وہ	مِّنَ سے	الصّٰلِحِیۡنَ نیکوکار		

تفسیر و تشریح: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ۔ حضرت ادریسؑ اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا اجمالاً ذکر فرمایا ہے کہ ہر ایک ان میں سے صابر تھا۔ ان پر بھی دنیا میں بڑی بڑی تکلیفیں نازل ہوئیں۔ بالآخر ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا اور بلاشبہ یہ صالحین اور اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور جو حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ ذکر فرمایا گیا ہے۔ نیز احادیث میں بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق طویل روایات موجود ہیں۔ صحیح روایات کے مطابق مختصر حال حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا اس طرح پر ہے کہ بحکم الٰہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور آپ کے شیر خوار بچہ اسمٰعیل کو حجاز میں جہاں آج خانہ کعبہ ہے جو اس وقت ایک جنگل سنسان ریگستان ویران اور غیر آباد جگہ تھی جہاں پانی کا نام و نشان بھی نہ تھا لا کر چھوڑ دیا۔ ایک مشکیزہ پانی کا اور ایک تھیلی کھجور بھی ان کے پاس چھوڑ دیں اور منہ پھیر کر چلنے لگے۔ حضرت ہاجرہ پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں کہ آپ ہم کو ایسی وادی میں چھوڑ کر کہاں چلے جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس نہ غم خوار مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر حضرت ہاجرہ نے دریافت کیا۔ کیا خدا نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہاں یہ خدا کے حکم سے ہے۔ حضرت ہاجرہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں۔ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا اور پھر واپس لوٹ آئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے۔ حضرت ہاجرہ چند روز تک مشکیزہ سے پانی اور تھیلی سے کھجوریں کھاتی اور اسمٰعیل کو دودھ پلاتی رہیں۔ لیکن وہ وقت بھی آ گیا کہ پانی رہا نہ کھجوریں۔ چونکہ وہ بھوکی پیاسی تھیں اس لئے دودھ بھی نہ اترتا تھا اور بچہ بھی بھوکا پیاسا رہا۔ جب حالت دگرگوں ہونے لگی اور بچہ بیتاب ہونے لگا تو حضرت ہاجرہ اسمٰعیل کو چھوڑ کر دور جا بیٹھیں تاکہ بچہ کی حالت زار اپنی آنکھ سے نہ دیکھیں۔ پھر مضطرب اور بے چین ہو کر قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آ جائے یا پانی نظر آ جائے۔ پھر بچہ کی محبت میں دوڑ کر وادی میں آ گئیں اس کے بعد دوسری جانب کی پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں۔ اور وہاں بھی جب کچھ نظر نہ آیا تو پھر تیزی سے لوٹ کر وادی میں بچہ کے پاس آ گئیں اور اس طرح سات مرتبہ کیا۔ حضرت ہاجرہؓ کی اس دوڑ دھوپ کی یادگار وہ سعی بین الصفا والمروہ ہے جو حج اور عمرہ میں لوگ کرتے ہیں۔ آخر میں جب حضرت ہاجرہ مروہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی۔ چونکیں اور دل میں کہنے لگیں کہ کوئی پکارتا ہے۔ کان لگایا تو پھر آواز آئی حضرت ہاجرہ کہنے لگیں اگر تم مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ تمہاری آواز سن لی گئی۔ دیکھا تو خدا کا فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ فرشتہ نے اپنا پیر یا ایڑی اس جگہ ماری جہاں آب زمزم کا کنواں ہے۔ اس جگہ سے پانی ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ نے پانی کو منتشر ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے پانی کے چاروں طرف مٹی کی باڑ بنانے لگیں اور فرمایا زم زم یعنی اے پانی ٹھہر۔ اے پانی ٹھہر۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اُم اسمٰعیل پر رحم کرے اگر وہ زم زم کو اس طرح نہ روکتیں اور اس کے چار

جانب بارٹ نہ لگاتیں تو وہ ایک موجزن دریا بن جاتا۔
الغرض حضرت ہاجرہ نے پانی پیا اور پھر اسمٰعیل کو دودھ پلایا۔ پھر قدرت نے اس ویران اور غیر آباد جگہ میں آبادی کا انتظام فرمایا اور حضرت اسمٰعیل یہیں رہ کر جوان ہوئے اور اپنے والد حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ جب خانہ کعبہ تیار ہو چکا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابراہیم تم ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی پیش کرو۔ انبیاء علیہم السلام کا خواب چونکہ وحی الٰہی ہوتا ہے اس لئے فوراً تعمیل کے لئے تیار ہو گئے مگر چونکہ یہ معاملہ تنہا اپنی ذات سے وابستہ نہ تھا اس لئے خواب اور خدا کا حکم حضرت اسمٰعیل کو سنایا اور بیٹے کی مرضی معلوم کی۔ حضرت اسمٰعیل نے بلا پس و پیش فوراً اپنی جان قربان ہونے کے لئے پیش کر دی۔ چنانچہ باپ بیٹے اپنی قربانی پیش کرنے کے لئے جنگل روانہ ہو گئے اور اس وقت جہاں منیٰ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل کو پیشانی کے بل لٹا کر چھری تیز کر کے ذبح کرنا شروع کیا کہ فوراً اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیمؑ تم نے اپنا خواب سچا کر دکھلایا۔ بیشک یہ بہت سخت امتحان تھا اب بیٹے کو چھوڑو اور پاس جو مینڈھا کھڑا ہے اس کو بیٹے کے بدلہ میں ذبح کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مینڈھے کو ذبح کیا۔ یہی وہ قربانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار کے ہمیشہ کے لئے ملتِ ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی ذوالحجہ کی دس۔ گیارہ۔ بارہ تاریخ کو تمام دنیائے اسلام میں یہ شعار اسی طرح منایا جاتا ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر جب ۱۳۶ سال کی ہوئی تو آپ کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی اولاد اور نسل کا سلسلہ حجاز، شام، عراق، فلسطین اور مصر تک پھیل گیا تھا۔ عرب مورخین کا کہنا ہے کہ آپ اور آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ بیت اللہ کے قریب حرم کے اندر مدفون ہیں۔

یہاں آیت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ حضرت ادریس علیہ السلام کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے ایک سورۂ مریم سولہویں پارہ میں اور ایک موجودہ سورۂ انبیاء کی اس آیت میں۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے نام و نسب اور زمانہ کے متعلق مورخین میں سخت اختلاف ہے۔ قرآن کریم نے اپنے مقصد رشد و ہدایت کے پیش نظر تاریخی بحث سے ہٹ کر صرف آپ کی نبوت اور صفات عالیہ کا ذکر فرمایا ہے اور آپ کے صبر و رضا کی تحسین فرمائی گئی ہے۔ آپ پر اللہ کی رحمتوں کے نزول کا ذکر ہے اور آپ کی پاکیزگی اور پرہیزگاری اور سیرت باصفا کی تعریف و توصیف فرمائی گئی ہے۔ آپ کے زمانہ کے متعلق علمائے محققین کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیانی زمانہ میں گزرے ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملنا بیان کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں علم نجوم علم حکمت، علم ریاضی، فن کتابت، ناپ تول کے آلات اور اسلحہ کا بنانا اول اول آپ نے شروع کیا۔ احادیث میں مروی ہے کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ سورۂ مریم کی آیت **ورفعنه مكانا عليا** اور اٹھالیا ہم نے ان کو ایک اونچے مکان پر اس کی تشریح میں بعض علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے اور وہیں آپ کی روح قبض ہوئی، اس آیت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے ساتھ حضرت ذوالکفل کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر صرف دو جگہ ایک موجودہ سورۂ انبیاء اور دوسرے سورۂ ص ۲۳ ویں پارہ میں فرمایا گیا ہے۔ دونوں جگہ صرف دوسرے انبیائے کرام کے ساتھ آپ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ امام طبریؒ نے آپ کو حضرت ایوب علیہ السلام کا بیٹا بتایا ہے اور لکھا ہے کہ کسی شخص کی ضمانت محض اللہ واسطے کر لی تھی جس کی پاداش میں ان کو کئی برس کی قید کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ نے بھی اس روایت کو اختیار کیا ہے۔ آگے اس کے بعد حضرت یونسؑ کا قصہ ذکر فرمایا گیا ہے، جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ

اور مچھلی والے (پیغمبر) کا تذکرہ کیجئے جبکہ وہ اپنی قوم سے خفا ہو کر چل دیئے اور اُنہوں نے یہ سمجھا کہ ہم اُن پر کوئی دارو گیر نہ کریں گے پس اُنہوں نے اندھیروں میں پکارا

اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ

کہ (الٰہی) آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں میں بے شک قصور وار ہوں۔ سو ہم نے اُن کی دُعا قبول کی اور اُن کو اس گھٹن سے نجات دی

وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

اور ہم اسی طرح (اور) ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

وَ اور	ذَا النُّوْنِ ذوالنون مچھلی والا	اِذْ جب	ذَّهَبَ چلا وہ	مُغَاضِبًا غصہ میں بھر کر	فَظَنَّ پس گمان کیا اس نے	اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ کہ ہم ہرگز تنگی نہ کرینگے
عَلَيْهِ اس پر	فَنَادٰى تو اس نے پکارا	فِي الظُّلُمٰتِ اندھیروں میں	اَنْ لَّآ کہ نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّآ اَنْتَ تیرے سوا	سُبْحٰنَكَ تو پاک ہے
اِنِّيْ بیشک میں	كُنْتُ میں تھا	مِنَ سے	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	فَاسْتَجَبْنَا پھر ہم نے قبول کرلی	لَهٗ اس کی	وَنَجَّيْنٰهُ اور ہم نے اسے نجات دی
مِنَ الْغَمِّ غم سے	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	نُنْجِي ہم نجات دیتے ہیں	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن			

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت اسمٰعیل۔ حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب ان آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر چھ سورتوں میں فرمایا گیا ہے۔ سورۃ النساء۔ سورۃ انعام۔ سورۃ یونس۔ سورۃ الصافات۔ سورۃ الانبیاء۔ سورۃ القلم ان میں سے پہلی چار سورتوں میں نام مذکور ہے اور دو آخری سورتوں میں ذوالنون اور صاحب الحوت یعنی مچھلی والا کہہ کر صفت کا اظہار کیا گیا۔ نون مچھلی کو کہتے ہیں اور حوت بھی مچھلی ہی کو کہتے ہیں۔ چونکہ آپ پر مچھلی کا حادثہ گزرا تھا اس لئے مچھلی والا یعنی ذالنون یا صاحب الحوت آپ کا لقب ہوا۔

قرآنی آیات کی روشنی میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر سرفراز فرما کر اہل نینوا جو موصل کے پاس ہے ان کی ہدایت کے لئے مامور کیا۔ یونس علیہ السلام ایک عرصہ تک ان کو تبلیغ فرماتے اور توحید کی دعوت دیتے رہے مگر اہل نینوا نے اعلانِ حق پر کان نہ دھرا اور اپنے کفر وشرک پر جمے رہے۔ گزشتہ نافرمان قوموں کی طرح خدا کے سچے پیغمبر کی دعوتِ حق کا ٹھٹھا کرتے اور مذاق اڑاتے رہے، مسلسل اور پیہم مخالفت و معاندت سے متاثر ہو کر یونس علیہ السلام قوم سے خفا ہو گئے اور ان کو عذابِ الٰہی کی بددعا دے کر غصہ میں بھرے ہوئے ان کے درمیان سے چلے گئے۔

شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اپنی تفسیر "معارف القرآن" میں لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا قوم سے ناخوش ہو کر ان کے درمیان سے چلے جانا یہ ایک قسم کی ہجرت تھی کہ جب کافروں کے ایمان سے ناامید ہوئے تو ناراض ہو کر ان کے درمیان سے چلے گئے اور ان کا یہ غصہ اپنی وجہ سے نہ تھا بلکہ خدائے عزوجل کی نافرمانی کی وجہ سے تھا اور یہ غصہ اگرچہ حق اور درست تھا مگر چونکہ آپ کا بستی سے نکل جانا بدوں حکم الٰہی کے تھا اس لئے آپ کا یہ چلا جانا باعثِ عتاب ہوا کہ آپ کو اس بارہ میں وحی اور حکمِ الٰہی کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔ الغرض جب آپ بستی سے نکل کر دریائے فرات کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی کو مسافروں سے بھرا ہوا تیار پایا۔ حضرت یونس علیہ السلام بھی کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی نے لنگر اٹھا دیا۔ اب کشتی چلی تو

طوفانی ہواؤں نے کشتی کو آگھیرا۔ جب کشتی ڈگمگانے لگی اور اہل کشتی کو غرق ہونے کا یقین ہونے لگا تو وہ اپنے عقیدہ کے مطابق کہنے لگے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے۔ جب تک اس کو کشتی سے جدا نہ کیا جائے گا نجات مشکل ہے۔ یونس علیہ السلام نے یہ سنا تو آپ کو تنبہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو میرا نینوا سے وحی کا انتظار کئے بغیر اس طرح چلا آنا پسند نہیں آیا اور یہ میری آزمائش کے آثار ہیں۔ یہ سوچ کر آپ نے اہلِ کشتی سے فرمایا۔ وہ غلام میں ہوں جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے۔ مجھ کو کشتی سے باہر پھینک دو مگر ملاح اور اہلِ کشتی نے ایسا کرنے سے انکار کیا اور آپس میں طے کیا کہ قرعہ اندازی کی جائے۔ چنانچہ تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی اور ہر مرتبہ یونس علیہ السلام کے نام پر قرعہ نکلا۔ تب مجبور ہو کر انہوں نے یونس علیہ السلام کو دریا میں ڈال دیا یا یونسؑ خود دریا میں کود پڑے۔ اسی وقت خدائے تعالیٰ کے حکم سے آپ کو ایک مچھلی نے نگل لیا جس کو حکم تھا کہ صرف نگل لینے کی اجازت ہے۔ یہ تیری غذا نہیں ہیں بلکہ تیرا پیٹ ان کا قید خانہ، حفاظت خانہ یا عبادت خانہ ہے۔

یونس علیہ السلام نے جب خود کو مچھلی کے پیٹ میں زندہ پایا تو درگاہِ الٰہی میں اپنی اس ندامت کا اظہار کیا کہ کیوں وہ وحی الٰہی کا انتظار کئے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر قوم سے ناراض ہو کر نینوی سے نکل آئے اور عفوِ تقصیر کے لئے بارگاہ خداوندی میں اس طرح دعا گو ہوئے **لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین** الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ہی یکتا ہے۔ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔ بے شبہ میں اپنے نفس پر خود ہی ظلم کرنے والا ہوں۔ میں اپنی خطا کا اعتراف کرتا ہوں کہ بیشک میں نے جلدی کی کہ تیرے حکم کا انتظار کئے بغیر بستی والوں کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ چالیس دن آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے اور یہی تسبیح پڑھتے رہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کی دعا کو سنا اور قبول فرمایا مچھلی کو حکم ہوا کہ وہ یونسؑ کو اگل دے چنانچہ مچھلی نے ساحل پر یونس علیہ السلام کو اگل دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے ان کا جسم ایسا ہو گیا تھا جیسے کہ کسی پرندہ کا پیدا شدہ بچہ، کہ جس کا جسم بے حد نرم ہوتا ہے اور اس پر پَر وغیرہ نہیں ہوتے۔ غرض یونس علیہ السلام بہت نحیف و ناتواں حالت میں خشکی پر ڈال دیئے گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آپ کے لئے ایک بیلدار درخت اگا دیا جس کے سایہ میں حضرت یونس علیہ السلام رہنے لگے۔ ادھر یونسؑ کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوا۔ ادھر اہل نینویٰ کو یونس علیہ السلام کے بستی سے چلے جانے کے بعد گمان ہوا کہ نبی کی بد دعا خالی نہیں جائے گی اور انہوں نے عذاب کے کچھ آثار بھی محسوس کئے۔ اب ان کو یقین ہو گیا کہ وہ ضرور خدا کے سچے پیغمبر تھے اور اب ہماری ہلاکت یقینی ہے تب ہی تو یونس ہم سے جدا ہو گئے۔ یہ سوچ کر فوراً بادشاہ سے لے کر رعایا تک سب کے دل خوف و دہشت سے کانپ اٹھے اور حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے لگے تاکہ ان کی تصدیق کریں اور ان پر ایمان لائیں۔ ساتھ ہی تمام بستی والوں نے سچی توبہ کی۔ بت توڑ ڈالے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ واستغفار کرنے کے لئے آبادی سے باہر عورتوں، بچوں اور جانوروں سمیت میدان میں آکر سب نے گریہ وزاری اور رونا چلانا شروع کیا۔ بچے اور مائیں۔ آدمی اور جانور سب شور مچا رہے تھے۔ تمام قوم نے متفقہ آواز سے یہ اقرار کیا۔ **ربنا امنا بما جآء به یونس**۔ پروردگار، یونس جو تیرا پیغام ہمارے پاس لے کر آئے تھے ہم اس کی تصدیق کرتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔” آخر کار حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ ان کو دولتِ ایمان سے نوازا اور ان کو عذاب سے محفوظ کر دیا۔ تمام گزشتہ اقوام میں سے صرف قوم حضرت یونس علیہ السلام کی ایک مثال ایسی ہے جس نے آثار عذاب دیکھ کر عذاب آنے سے قبل ایمان کو قبول کر لیا اور خدا کی درگاہ میں توبہ کر کے عذابِ الٰہی سے محفوظ ہو گئی۔

بالآخر حضرت یونس علیہ السلام کو اب دوبارہ حکم خداوندی ہوا کہ وہ نینویٰ جائیں اور قوم میں رہ کر ان کی رہنمائی کریں تاکہ خدا

13 کی اس قدر کثیر مخلوق ان کے فیض سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام نے اس حکم کا امتثال کیا اور نینویٰ میں واپس تشریف لائے۔ قوم نے جب ان کو دیکھا تو بے حد مسرت اور خوشی کا اظہار کیا اور ان کی رہنمائی میں دین و دنیا کی کامرانی حاصل کرتی رہی۔ یہ ہے حضرت ذوالنون یونس علیہ السلام کے واقعہ کی ترتیب جس کا ذکر یہاں ان آیات میں فرمایا گیا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ سے متعلق اکثر مفسرین نے ایک ضروری تنبیہ یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ انبیاء و مرسلین کے ساتھ عوام وخواص سے بالکل جدا رہا ہے۔ جو بات عوام وخواص اور صالحین کے حق میں معمولی اور قابل نظر انداز سمجھی جاتی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں گرفت اور مواخذہ کا باعث ہو جاتی ہے اور اس بنا پر اگر انبیاء کرام سے معمولی سی لغزش بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت سخت پیرایہ میں ادا کرتے ہیں تا کہ وہ یہ محسوس کریں کہ اتنے بڑے ہو کر ایسی چھوٹی سی فروگذاشت بھی کیوں کرتے ہیں۔ تو چونکہ انبیاء کی شان اس قدر رفیع اور خدائے قدوس کے ہاں اس درجہ بلند ہے کہ معمولی سے معمولی لغزش بھی ان کی شان کے نامناسب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ مواخذہ فرماتے ہیں، مگر ساتھ ہی حق تعالیٰ کی عنایت بھی ان کے شامل حال رہتی ہے اور وہ فوراً متنبہ ہو کر اعتراف ندامت کے ساتھ عفوِ تقصیر کے لئے دست بہ دعا ہو جاتے ہیں اور انابت اور توبہ کو وسیلہ کار بنا لیتے ہیں جو بہت جلد خدائے تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو جاتی ہے اور ان کی عزت واحترام کے ازدیاد کا باعث بن جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام۔ حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات قرآنی اس کے شاہد ہیں۔ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ یونس علیہ السلام چونکہ نبی تھے اور وحی الٰہی کے مخاطب رہتے تھے اس لئے بدوں انتظار وحی الٰہی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے پر داروگیر ہوئی مگر ساتھ ہی آپ کی عظمت وشان اور رفعت مرتبہ کو قرآن پاک نے بیان فرما دیا تا کہ کسی کو مغالطہ نہ ہونے پائے اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس خاص معاملہ سے کسی کج فہم کو کجروی کا موقع ہاتھ نہ آئے۔ احادیث صحیحہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر خیر فرماتے ہوئے آپ کی عظمت وفضیلت کا خصوصی اظہار فرمایا۔ چنانچہ بخاری میں منقول ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) بہتر ہوں یونس علیہ السلام سے محدثین نے لکھا ہے کہ یونس علیہ السلام کا ذکر خصوصیت سے حدیث میں اس لئے فرمایا گیا کہ جو شخص یونس علیہ السلام کے واقعات کا مطالعہ کرے اس کے دل میں ان کی ذات اقدس سے متعلق کوئی تنقیص کا پہلو ہرگز پیدا نہ ہونے پائے۔ لہٰذا سد ذرائع کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت یونسؑ کی عظمت وشان کو اس طرح نمایاں کرنا ضروری سمجھا۔

ان آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کے بعد حق تعالیٰ کا یہ فرمانا **وکذلک ننجی المؤمنین**۔ اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔ اسکے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ فقرہ عام اہلِ ایمان کو گناہوں سے استغفار کی رغبت دلانے کیلئے فرمایا کہ ہماری معافی یونس علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں تھی جو ایماندار لوگ ہم کو اسی طرح پکاریں گے ہم ان کو بلاؤں سے نجات دینگے۔

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی تسبیح یعنی **لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین** اس دعا واستغفار کی یہ تعلیم ہے کہ پہلے توحیدِ الٰہی بیان کرے پھر اس کی پاکی پھر گناہوں کا اعتراف، پھر مغفرت کی دعا۔ احادیث میں اس دعا کی بہت فضیلت آئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو مسلمان دعا میں یہ الفاظ کہے یعنی **لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین**۔ اور دعا کرے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔ اسی بناء پر امت میں اس آیت کریمہ کے ورد کا معمول رہا ہے اور شدائد و مصائب میں ہمیشہ اس کو مجرب پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کے ورد کی توفیق اور اس کی برکت عطا فرمائیں۔ آمین

اب آگے حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَزَكَرِيَّآ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُۥ رَبِّ لَا تَذَرْنِى فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ ٱلْوَٰرِثِينَ ﴿٨٩﴾ فَٱسْتَجَبْنَا لَهُۥ

اور زکریاؑ کا تذکرہ کیجئے جبکہ اُنہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب! مجھکو لاوارث مت رکھیو اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں۔ سو ہم نے اُن کی دُعا قبول کرلی

وَوَهَبْنَا لَهُۥ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُۥ زَوْجَهُۥٓ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ وَيَدْعُونَنَا

اور ہم نے اُن کو یحییٰ عطا فرمایا اور اُن کی خاطر سے اُن کی بی بی کو اولاد کے قابل کردیا یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور اُمید وبیم کیساتھ

رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا۟ لَنَا خَٰشِعِينَ ﴿٩٠﴾

ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔ اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے۔

وَزَكَرِيَّا اور زکریاؑ	اِذْ نَادٰى جب اس نے پکارا	رَبَّهٗ اپنا رب	رَبِّ اے میرے رب	لَا تَذَرْنِىْ نہ چھوڑ مجھے	فَرْدًا اکیلا	وَاَنْتَ اور تو
خَيْرُ بہتر	الْوٰرِثِيْنَ وارث	فَاسْتَجَبْنَا پھر ہم نے قبول کرلی	لَهٗ اس کی	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لَهٗ اسے	يَحْيٰى یحییٰ
وَاَصْلَحْنَا اور ہم نے درست کردیا	لَهٗ اس کیلئے	زَوْجَهٗ اس کی بیوی	اِنَّهُمْ بیشک وہ سب	كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ وہ جلدی کرتے تھے	فِىْ میں	
الْخَيْرٰتِ نیک کام	وَ اور	يَدْعُوْنَنَا وہ ہمیں پکارتے تھے	رَغَبًا اُمید	وَرَهَبًا اور خوف	وَكَانُوْا اور وہ تھے	لَنَا ہمارے لئے (سامنے)
خٰشِعِيْنَ عاجزی کرنیوالے						

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اس کے بعد ان آیات میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل میں ایک جلیل القدر پیغمبر ہوئے ہیں۔ آپ کا تذکرہ قدرے تفصیلی تیسرے پارہ سورۂ آلِ عمران اور سولھویں پارہ سورۂ مریم میں بیان ہو چکا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ دروس میں ذکر آچکا ہے اکثر انبیاء علیہم السلام خواہ وہ بادشاہ اور صاحب حکومت ہی کیوں نہ ہوں اپنی روزی ہاتھ کی محنت سے پیدا کرتے اور کسی کے لئے بارِ دوش نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ زکریا علیہ السلام بھی اپنی روزی کے لئے نجاری یعنی بڑھئی کا کام کرتے تھے جیسا کہ مسلم کی ایک حدیث میں بصراحت مذکور ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زکریا علیہ السلام نجاری کرتے تھے یعنی بڑھئی کا کام۔ زکریا علیہ السلام کے کوئی اولاد نہ تھی اور آپ یہ محسوس کرتے تھے کہ اس بات کے علاوہ کہ میں اولاد کی دولت سے محروم ہوں زیادہ فکر اس امر کا ہے کہ خاندان میں کوئی اس کے اہل نہیں کہ میرے بعد بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کی خدمت انجام دے سکے پس اگر اللہ تعالیٰ میرے کوئی نیک سرشت لڑکا پیدا کردیتا تو مجھ کو یہ اطمینان ہوجاتا کہ بنی اسرائیل کی راہنمائی کا خدمت گزار میرے بعد موجود ہے مگر چونکہ آپ کی عمر بعض قول کی بنا پر ۷۰ سال اور بعض کی بنا پر ۹۰، ۹۲ یا ۱۲۰ سال ہو چکی تھی اور آپ کی بیوی بانجھ تھیں اس لئے اسبابِ ظاہر سے آپ مایوس تھے کہ اب اولاد ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ لیکن جب آپ نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جو آپ کے زیر کفالت تھیں بے موسم پھل دیکھے اور آپ کو معلوم ہوا کہ مریم پر یہ خدا کا فضل واحسان ہے تو آپ کے دل میں ایک جوش پیدا ہوا کہ جو ذاتِ اقدس اس طرح مریم کو بے موسم پھل بخشتی ہے کیا وہ مجھ کو موجودہ نا امیدی کی حالت میں ثمرِ حیات یعنی بیٹا نہیں بخش سکتی۔ پس ظاہراً اسباب کی بنا پر مایوسی سرتاسر غلط ہے بلاشبہ جس ذاتِ پاک نے مریم پر اپنا انعام واکرام کیا ہے وہ ضرور ہم پر بھی فضل وکرم کرے گا۔

چنانچہ آپ نے ایک روز درگاہِ الٰہی میں تہجد کے بعد دعا کی" خدایا میں تنہا ہوں اور وارث کا محتاج۔ میں بوڑھا ہوں اور بیوی بانجھ ہے۔ ظاہری سامان سے اولاد ملنے کا کچھ نہیں لیکن تو اپنی لامحدود قدرت و رحمت سے اولاد عطا فرما جو دینی خدمات کو سنبھالے اور تیری مقدس امانت کا بوجھ اٹھا سکے میں اس ضعف و پیری میں کیا کر سکتا ہوں جی یہ چاہتا ہے کہ کوئی بیٹا اس لائق ہو جو اپنے باپ دادوں کی پاک گدی پر بیٹھ سکے اور ان کے علم و حکمت کے خزانوں کا مالک اور کمالاتِ نبوت کا وارث بنے۔ نبی کی دعا اور دعا بھی صرف اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ قوم کی رشد و ہدایت کی خاطر فوراً مستجاب ہوئی اور جب زکریا علیہ السلام ہیکل میں مشغول عبادت تھے تو خدا کا فرشتہ آپ پر ظاہر ہوا اور بشارت دی کہ آپ کے بیٹا پیدا ہوگا اور آپ اس کا نام یحییٰ رکھیں۔ زکریا علیہ السلام کو یہ سن کر بے حد مسرت ہوئی اور تعجب سے دریافت کرنے لگے کہ یہ بشارت کس طرح پوری ہوگی؟ یعنی مجھ کو جوانی عطا ہوگی یا میری بیوی کا مرض بانجھ پن دور کر دیا جائے گا یا کیا صورت ہوگی؟ فرشتہ نے جواب دیا میں اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ حالات کچھ بھی ہوں تمہارے بیٹا ضرور ہوگا کیونکہ خدا کا فیصلہ اٹل ہے۔ اور تمہارے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے ایک چیز مشکل ہو مگر خدا کے یہاں تو مشکل نہیں۔ اس کی قدرتِ عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے۔ انسان اپنی ہستی ہی کو دیکھ لے ایک زمانہ تھا یہ کوئی چیز نہ تھی۔ اس کا نام و نشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ حق تعالیٰ اس کو پردۂ عدم سے وجود میں لائے۔ پھر جو قادرِ مطلق لاشے محض کو شے بنا دے کیا وہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا نہیں کر سکتا۔ غرض کہ بشارت کے موافق حضرت زکریا علیہ السلام کے یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں علم و حکمت سے معمور کر دیا تھا اور زہد و ورع میں ایسے بے مثال تھے۔ نہ انہوں نے شادی کی اور نہ ان کے قلب میں کبھی گناہ کا خطرہ پیدا ہوا اور اپنے والد ماجد کی طرح یہ بھی خدا کے برگزیدہ نبی بنے۔ آگے آیت میں ان حضرات کی توصیف اور بعض حالات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ سب حضرات نیکیوں کی طرف اور خدا کی فرمانبرداری کی طرف بھاگ دوڑ کرنے والے تھے۔ اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے غضب سے خوف زدہ رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی، تواضع اور انکساری کرنے والے تھے۔ ان آیات میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے ایک خطبہ میں فرمایا لوگوں میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کی پوری ثنا و صفت بیان کرتے رہنے کی اور امید و خوف سے دعائیں مانگنے کی اور دعاؤں میں خشوع و خضوع کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ دیکھو اللہ عز و جل نے حضرت زکریا علیہ السلام کے گھرانے کی یہی فضیلت بیان فرمائی ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ **انهم كانوا يسارعون في الخيرات ويدعوننا رغبا ورهبا وكانوا لنا خشعين.**

حضرت زکریا علیہ السلام کی قرآنی دعا **رب لا تذرني فردا وانت خير الوارثين** کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اعمالِ قرآنی میں لکھا ہے کہ جس کو اولاد سے مایوسی ہو ہر نماز کے بعد تین مرتبہ یہ دعا پڑھا کرے انشاء اللہ تعالیٰ صاحبِ اولاد ہو جائے گا۔

آگے حضرت مریم علیہا السلام اور آپ کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! اپنی لامحدود قدرت کا یقین کامل ہم کو بھی نصیب فرما۔ بے شک آپ کی ذات اعلیٰ سے مایوسی اور ناامیدی کسی حال میں روا نہیں۔ آپ کی ذات کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔ ظاہری اسباب کے اعتبار سے کوئی کام کیسا ہی مشکل ہو مگر آپ کے لئے سب آسان ہے۔ آپ قادرِ مطلق ہیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّتِىٓ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِيۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَجَعَلۡنٰهَا وَابۡنَهَاۤ اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۱﴾

اور اُن بی بی (مریمؑ) کا تذکرہ کیجئے جنہوں نے اپنے ناموس کو بچایا پھر ہم نے اُن میں اپنی روح پھونک دی اور ہم نے اُن کو اور اُن کے فرزند کو دنیا جہان والوں کیلئے نشانی بنادی۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡؕ

یہ ہے تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب (حقیقی) ہوں سو تم میری عبادت کیا کرو۔ اور ان لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کرلیا۔

كُلٌّ اِلَيۡنَا رٰجِعُوۡنَ ﴿۹۳﴾ ع

سب ہمارے پاس آنے والے ہیں۔

وَالَّتِىٓ اور عورت جو	اَحۡصَنَتۡ اس نے حفاظت کی	فَرۡجَهَا اپنی شرمگاہ عفت کی	فَنَفَخۡنَا پھر ہم نے پھونک دی	فِيۡهَا اس میں
مِنۡ رُّوۡحِنَا اپنی رُوح سے	وَجَعَلۡنٰهَا اور ہم نے اسے بنایا	وَابۡنَهَا اور اس کا بیٹا	اٰيَةً نشانی	لِّلۡعٰلَمِيۡنَ جہانوں کیلئے / اِنَّ بیشک
هٰذِهٖ یہ ہے	اُمَّتُكُمۡ تمہاری امت	اُمَّةً امت / وَّاحِدَةً ایک	وَّاَنَا اور میں / رَبُّكُمۡ تمہارا رب	فَاعۡبُدُوۡنِ پس میری عبادت کرو
وَتَقَطَّعُوۡۤا اور ٹکڑے ٹکڑے کرلیا انہوں نے	اَمۡرَهُمۡ اپنا کام دین	بَيۡنَهُمۡ باہم	كُلٌّ سب / اِلَيۡنَا ہماری طرف	رٰجِعُوۡنَ رجوع کرنے والے

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب یہاں ان آیات میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ قرآن کریم میں عموماً حضرت زکریا و حضرت یحییٰ علیہما السلام کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا بیان ہوتا رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم کا تذکرہ قدرے تفصیل سے سورۂ مریم سولہویں پارہ اور سورۂ آلِ عمران تیسرے پارہ میں ہوچکا ہے۔ یہاں ان آیات میں حضرت مریم کا نام نہیں لیا گیا ہے بلکہ پاک دامن اور عصمت والی عورت جنہوں نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا کہہ کر ذکر کیا گیا ہے جس سے مراد حضرت مریم علیہا السلام ہیں۔ اور وابنھا یعنی آپ کے بیٹے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یہاں آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو اور ان کے بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام دنیا جہان والوں کے لئے اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانی بنادی تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کی قدرت اسبابِ مادیہ کی پابند نہیں وہ جو چاہتے ہیں صرف اپنے حکم سے کرتے ہیں۔ حضرت مریم تو قدرت کی نشانی اس طرح ہوئیں کہ بدوں اتصال مرد آپ کے بطن مبارک سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس لئے نشانی ہوئے کہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ گویا آپ کی ولادت ایک معجزہ الٰہی تھی جو عام قوانین فطرت کے خلاف ظہور میں آئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا معاملہ یہودیوں اور عیسائیوں میں زبردست اختلاف اور نزاع کا باعث رہا ہے۔ عیسائی بغیر باپ کے آپ کی پیدائش کو تو مانتے ہیں مگر بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے آپ کو الوہیت اور ابن اللہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کے برخلاف یہود آپ کی پیدائش کو (العیاذ باللہ) ناجائز تعلقات کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ قرآن کریم نے حضرت مریم کی عفت وعصمت وپاکیزگی کردار کا اعلان فرمایا

اور آپ کو صدیقہ کا لقب عطا فرمایا جو مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں "بہت زیادہ سچ بولنے والی" ظاہر ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ صدیقہ کہیں اس سے کذب و دروغ کا صدور ممکن نہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے متعلق یہود ونصاریٰ دونوں متضاد سمتوں میں چلے گئے نصاریٰ کہتے ہیں کہ وہ خدا۔ خدا کے بیٹے یا ثالث ثلثہ تھے۔ یہود کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ مفتری اور کاذب اور شعبدہ باز تھے۔ قرآن کریم نے ان اوہام وظنون کے خلاف علم ویقین کی راہ دکھاتے ہوئے فیصلہ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے پیغمبر اور راہ حق کے داعی صادق تھے اور آپ کی پیدائش بلاشبہ بغیر باپ کے ہوئی مگر اس سے یہ کیسے لازم آ سکتا ہے کہ وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہوگئے۔ کیا جو پیدائش کا محتاج ہو اور پیدائش میں بھی ماں کے پیٹ کا محتاج اور جو بشری لوازم کھانے پینے کا محتاج ہو وہ عبد اور بشر کے سوا خدا یا معبود ہوسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ قران پاک نے یہود ونصاریٰ کے تمام باطل عقائد کی واضح الفاظ میں تردید کر کے حقیقت حال کا اظہار فرمایا ہے۔

قرآن کریم نے انسانی پیدائش کی چار صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

ایک آدم علیہ السلام کی پیدائش کہ بغیر مرد وزن اور بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔

دوسرے حضرت حوا یعنی آدم علیہ السلام کی بی بی کہ صرف مرد کے وجود سے بغیر عورت کے ان کو پیدا کیا گیا۔

تیسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ بغیر مرد کے صرف عورت کے وجود سے آپ کا ظہور ہوا۔ چوتھی عام صورت عورت ومرد کے اتصال سے پیدائش۔

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے توسط سے عام سلسلہ اسباب کے خلاف محض خدا کے حکم سے ہوئی اسی وجہ سے آپ کو دنیا کے لئے اللہ کی آیت یا نشانی فرمایا گیا۔

یہاں تک متعدد حضرات انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ در قصص کا بیان ہوا اس لئے آگے بطور نتیجہ قصص مذکورہ کے توحید کے اثبات اور شرک کی مذمت میں بتلایا جاتا ہے کہ خدا بھی ایک ہے اور تمہارا اصل دین بھی ایک ہے۔ تمام انبیاء اصول میں متحد ہوتے ہیں جو ایک کی تعلیم ہے وہی دوسروں کی ہے۔ رہا فروع کا اختلاف وہ مصالح زمانہ کے مطابق جزئیات کا اختلاف ہے پس لازم ہے کہ سب مل کر ایک خدا کی بندگی کریں۔ اللہ نے تو اصول کے اعتبار سے ایک دین دیا تھا مگر لوگوں نے خود اختلاف ڈال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے اور آپس میں پھوٹ ڈال دی۔ کوئی یہودیت پر اڑ گیا۔ کوئی عیسائیت پر جما رہا کوئی صابی بنا رہا۔ کوئی بت پرست، اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ آنا سب کو ہمارے پاس ہی ہے اس وقت تمام اختلافات کا فیصلہ ہوجائے گا جب ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا ملے گی۔

اب آگے اس جزا کی تفصیل ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو صراطِ مستقیم اور دین حق پر قائم رکھیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کا ظاہر میں اور باطن میں اتباع نصیب فرمائیں۔ حق تعالیٰ اپنی عبادت کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ اور دین میں اختلافات سے ہم سب کو بچاویں۔ اور قیامت میں جب ہمارا حشر اور حاضری ہو تو اپنی رحمت خاصہ سے ہم سب کو اور پوری امت مسلمہ کو نوازیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ

سو جو شخص نیک کام کرتا ہوگا اور وہ ایمان والا بھی ہوگا سو اُس کی محنت اکارت جانے والی نہیں۔ اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔ اور ہم جن بستیوں کو

عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ

فنا کر چکے ہیں اُن کیلئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ (دنیا میں) پھر لوٹ کر آویں۔ یہاں تک کہ جب یاجوج وماجوج کھول دیئے جاویں گے اور وہ

كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ہر بلندی سے نکلتے ہوں گے۔

فَمَنْ پس جو	يَّعْمَلْ کرے	مِنَ کچھ	الصّٰلِحٰتِ نیک کام	وَهُوَ اور وہ	مُؤْمِنٌ ایمان والا	فَلَا كُفْرَانَ ناقدری (اکارت) نہیں
لِسَعْيِهٖ اس کی کوشش	وَاِنَّا اور بیشک ہم	لَهٗ اس کے	كٰتِبُوْنَ لکھ لینے والے	وَحَرٰمٌ اور حرام	عَلٰى قَرْيَةٍ بستی پر	
اَهْلَكْنٰهَآ جسے ہم نے ہلاک کردیا	اَنَّهُمْ کہ وہ	لَا يَرْجِعُوْنَ لوٹ کر نہیں آئیں گے	حَتّٰٓى یہاں تک کہ	اِذَا جب	فُتِحَتْ کھول دیئے جائیں گے	
يَاْجُوْجُ یاجوج	وَمَاْجُوْجُ اور ماجوج	وَهُمْ اور وہ	مِّنْ سے	كُلِّ ہر	حَدَبٍ بلندٹیلہ	يَّنْسِلُوْنَ پھیلتے (دوڑتے) آئیں گے

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ اصول کے اعتبار سے تمام نوعِ انسانی کے لئے ایک ہی دین مقرر ہے اور تمام انبیاء اسی دین کو واضح کرنے کے لئے آئے لوگوں نے خود اختلاف ڈال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے اور اپنی حرص و ہوا اور خود غرضیوں میں پھنس کر آپس میں پھوٹ ڈال لی۔ نیز بتلایا گیا تھا کہ انجام کار تمام اختلافات کا فیصلہ ہوجائے گا جب ہر ایک قیامت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوگا اور ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا ملے گی۔ اب آگے ان آیات میں پہلے اس جزا کی تفصیل ہے اور پھر قربِ قیامت کی اہم نشانیوں میں سے یاجوج و ماجوج کے ظاہر ہونے کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ قیامت میں جزاوسزا اور بدلہ دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں کوئی نیک کام کیا ہوگا اور بشرطیکہ وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا تو اس کی کوئی کوشش اور عمل رائگاں نہ جائے گا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی مومن کی ضائع نہ جائے گی۔ اور اسکا میٹھا پھل مل کر رہے گا۔ ہر چھوٹا بڑا عمل اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کے اعمال نامہ میں ثبت ہوجاتا ہے جو قیامت میں کھول دیئے جائیں گے۔

مؤمنین کے ذکر کے بعد ان کے مقابل ہلاک ہونے والے کافروں کا بیان ہے یعنی جن کے لئے ہلاک ہونا مقدر ہوچکا ہے وہ کبھی اپنے کفر وعصیاں کو چھوڑ کر اور توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع ہونے والے نہیں۔ نہ وہ کبھی دنیا میں اس غرض سے واپس کئے جاسکتے ہیں کہ دوبارہ یہاں آ کر گزشتہ زندگی کی تقصیرات کی تلافی کر لیں۔ پھر ان کی نجات وفلاح کی توقع کدھر سے ہوسکتی ہے۔ ان کے لئے تو صرف ایک ہی وقت ہے جب وہ دوبارہ زندہ ہوکر خدا کی طرف رجوع کریں گے اور اپنی زیادتیوں کے معترف ہوکر پشیمان ہوں گے مگر اس وقت پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی وہ وقت قیامت کا ہے اور اسی قیامت کی اہم اور قریبی نشانیوں میں سے یاجوج و ماجوج کا نکلنا ہے۔ آگے کچھ قوم یاجوج و ماجوج کے متعلق بتلایا جاتا ہے۔ سولھویں پارہ سورۂ کہف کے خاتمہ کے قریب ذوالقرنین اور یاجوج وماجوج کا ذکر ہوچکا ہے۔ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہونے سے پہلے دجال ظاہر ہوگا جو قوم یہود سے ہوگا اور عوام میں اس کا لقب

مسیح ہوگا اولاً اس کا ظہور ملک عراق وشام کے درمیان ہوگا جہاں نبوت ورسالت کا دعویٰ کرتا ہوگا پھر اصفہان چلا جائے گا۔ یہاں اس کے ہمراہ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ اور یہیں سے خدائی کا دعویٰ کر کے چاروں طرف فساد کرے گا اور زمین کے اکثر مقامات پر گشت کر کے لوگوں سے اپنے تئیں خدا کہلوائے گا۔ فتنہ دجال کتنا سخت ہوگا اور روئے زمین پر دجال کیا شرارتیں کرے گا ان کی تفصیلات احادیث میں موجود ہیں۔

الغرض دجال کے شر وفساد کو ختم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق کی جامع مسجد پر اتریں گے اور اسلامی فوج لے کر آپ دجال کے لشکر سے مقابلہ کریں گے اور اس کو قتل کریں گے۔ دجال اور اس کے لشکر کے قتل وغارت کے بعد یاجوج ماجوج کا لشکر دنیا والوں پر ٹوٹ پڑے گا قوم یاجوج و ماجوج اپنی کثرت کی وجہ سے تمام بلندی و پستی پر چھا جائیں گے۔ جدھر دیکھو ان ہی کا ہجوم نظر آئے گا۔ ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور تیز رفتاری سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی۔ یہ معلوم ہوگا کہ ہر ایک ٹیلہ اور پہاڑ سے ان کی فوجیں پھسلتی اور لڑھکتی چلی آرہی ہیں یہ بھی لوگوں کو قتل وغارت گری کرنے میں بالکل دریغ نہ کریں گے اور سوائے مضبوط قلعہ کے کہیں ان سے خلاصی کی صورت نہ ہوگی۔ قوم یاجوج و ماجوج کے متعلق علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ واللہ اعلم کہ یاجوج و ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جیسا کہ جمہور علماء سے نقل کیا گیا ہے ان کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حضرت حوا تک نہیں پہنچتا۔ یاجوج و ماجوج کا فتنہ بھی بڑا سخت ہوگا جیسا کہ احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تفصیل سے بتلایا گیا ہے۔ بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ قوم طاعون کے مہلک مرض سے ایک ہی رات میں تباہ و ہلاک ہوجائے گی۔ قوم یاجوج و ماجوج کی ہلاکت کے بعد کچھ عرصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہد بڑی خیر وبرکت کا ہوگا بالآخر حضرت عیسیٰؑ انتقال فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ میں مدفون ہوں گے اور پھر قیامت کی بعض دوسری بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی حتیٰ کہ جب تمام اہل ایمان اس جہان سے کوچ کر جائیں گے تو اہل حبش کا غلبہ ہوگا۔ اکثر ممالک میں ان کی سلطنت پھیل جائے گی۔ حبشی خانۂ کعبہ کو ڈھادیں گے۔ حج موقوف ہوجائے گا۔ خداترسی، حق شناسی اور خوفِ آخرت دلوں سے معدوم ہوجائے گا۔ روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا۔ اہل ایمان دنیا سے سب اٹھ چکے ہوں گے کہ جمعہ کے دن جو یوم عاشورہ بھی ہوگا صبح ہوتے ہی نفخ صور ہوگا جس کی آواز رفتہ رفتہ سخت اور بلند ہوتے مانند کڑک بجلی کے ہوجائے گی۔ خوف وہیبت سے لوگ مرنے شروع ہوجائیں گے۔ زمین میں زلزلہ آئے گا۔ اور زمین جابجا شق ہوجائے گی۔ بڑے بڑے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ریت کے موافق اڑیں گے آسمان پھٹ جائیں گے۔ ستارے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔ اور سب کے سب نیست ونابود ہوجائیں گے حتیٰ کہ فرشتے بھی مرجائیں گے۔ سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے کوئی اور باقی نہ رہے گا۔ پھر کچھ مدت کے بعد جس کی مقدار سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اس کے بعد ازسرِ نو حکمِ خداوندی سے سلسلۂ پیدائش کی بنیاد قائم ہوگی اور حشر ونشر کے لئے سب زندہ کئے جائیں گے۔ اور ہر ایک کو اپنے اس دنیا میں کئے ہوئے کاموں کی جزا وسزا ملے گی۔

اب آگے وقوعِ قیامت اور پھر کفار کا قیامت میں جو حال ہوگا اس کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي

اور سچا وعدہ نزدیک آپہنچے گا تو بس پھر ایک دم سے یہ قصہ ہوگا کہ منکروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ کہ ہائے کم بختی ہماری ہم اس سے

غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ

غفلت میں تھے بلکہ ہم ہی قصوروار تھے۔ بلاشبہ تم اور جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوج رہے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے۔

أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ

تم سب اس میں داخل ہوگے۔ اگر یہ (تمہارے معبود) واقعی معبود ہوتے تو اس (جہنم) میں کیوں جاتے۔ اور سب اس میں ہمیشہ کو رہیں گے۔ اُن کا

فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ

اس میں شور ہوگا اور وہاں کوئی بات سنیں گے بھی نہیں۔ جن کیلئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہوچکی ہے۔ وہ اس سے (اس قدر)

عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾

دُور کئے جاویں گے (کہ) اُس کی آہٹ بھی نہ سُنیں گے۔ اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾

اُن کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی اور فرشتے اُن کا استقبال کریں گے یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے جس روز

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ

ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے۔ ہم نے جس طرح اول بار پیدا کرنے کے وقت ابتدا کی تھی اس طرح اسکو دوبارہ پیدا کردینگے۔

إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا

یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے (اور) ہم ضرور (اس کو پورا) کریں گے۔ اور ہم کتابوں میں لوحِ محفوظ کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین (جنت) کے مالک

عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾

میرے نیک بندے ہوں گے۔

وَ اور	اقْتَرَبَ قریب آجائے گا	الْوَعْدُ وعدہ	الْحَقُّ سچا	فَإِذَا تو اچانک	هِيَ وہ	شَاخِصَةٌ اوپر لگی "پھٹی" رہ جائیگی	أَبْصَارُ آنکھیں
الَّذِينَ كَفَرُوا جنہوں نے کفر کیا	يَا وَيْلَنَا ہائے ہماری شامت	قَدْ كُنَّا تحقیق ہم تھے	فِي غَفْلَةٍ غفلت میں	مِنْ هَٰذَا اس سے			
بَلْ كُنَّا بلکہ ہم تھے	ظَالِمِينَ ظالم	إِنَّكُمْ بیشک تم	وَمَا اور جو	تَعْبُدُونَ تم پرستش کرتے ہو	مِنْ سے	دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوا	
حَصَبُ ایندھن	جَهَنَّمَ جہنم	أَنتُمْ لَهَا تم اس میں	وَارِدُونَ داخل ہونے والے	لَوْ كَانَ اگر ہوتے	هَٰؤُلَاءِ یہ	آلِهَةً معبود	

مَاوَرَدُوْهَا اس میں داخل نہ ہوتے	وَكُلٌّ اورسب	فِيْهَا اس میں	خٰلِدُوْنَ سدا رہیں گے	لَهُمْ ان کیلئے	فِيْهَا وہاں	زَفِيْرٌ چیخ وپکار
وَهُمْ اور وہ	فِيْهَا اس میں	لَا يَسْمَعُوْنَ کچھ نہ سن سکیں گے	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ	سَبَقَتْ پہلے ٹھہر چکی	لَهُمْ ان کیلئے
مِنَّا ہماری "طرف" سے	الْحُسْنٰى بھلائی	اُولٰٓئِكَ وہ لوگ	عَنْهَا اس سے	مُبْعَدُوْنَ دور رکھے جائیں گے	لَا يَسْمَعُوْنَ وہ نہ سنیں گے	
حَسِيْسَهَا اس کی آہٹ	وَهُمْ اور وہ	فِيْ میں	مَا اشْتَهَتْ جو چاہیں گے	اَنْفُسُهُمْ ان کے دل	خٰلِدُوْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	
لَا يَحْزُنُهُمُ غمگین نہ کرے گی انہیں	الْفَزَعُ گھبراہٹ	الْاَكْبَرُ بڑی	وَتَتَلَقّٰهُمُ اور لینے آئیں گے انہیں	الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے	هٰذَا یہ ہے	
يَوْمُكُمُ تمہارا دن	الَّذِيْ وہ جو	كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ تم تھے وعدہ کئے گئے "وعدہ کیا گیا تھا"	يَوْمَ جس دن	نَطْوِي ہم لپیٹ لینگے	السَّمَآءَ آسمان	
كَطَيِّ جیسے لپیٹا جاتا ہے	السِّجِلِّ طومار	لِلْكُتُبِ تحریر کا کاغذ	كَمَا بَدَاْنَآ جیسے ہم نے ابتدا کی	اَوَّلَ پہلی	خَلْقٍ پیدائش	نُّعِيْدُهٗ ہم اسے لوٹا دینگے
وَعْدًا وعدہ	عَلَيْنَا ہم پر	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم ہیں	فٰعِلِيْنَ "پورا" کرنے والے	وَلَقَدْ كَتَبْنَا اور تحقیق ہم نے لکھا	فِي الزَّبُوْرِ زبور میں	
مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ نصیحت کے بعد	اَنَّ کہ	الْاَرْضَ زمین	يَرِثُهَا اس کے وارث	عِبَادِيَ میرے بندے	الصّٰلِحُوْنَ نیک	

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ آیات میں قرب قیامت کی ایک اہم نشانی یعنی قوم یاجوج و ماجوج کے خروج کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ قیامت کے قریب ان کا بے پناہ لشکر ایسی شدت اور تیز رفتار سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت میں جزا سزا کا وعدہ نزدیک آ لگے گا اس وقت منکروں کی آنکھیں مارے شدت ہول سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور اپنی غفلت پر دستِ حسرت ملیں گے کہ افسوس آج کے دن سے ہم کیسے بے خبر رہے جو ایسی کم بختی آئی۔ کاش ہم دنیا میں اس آفت اور سخت وقت سے بچنے کی فکر کرتے۔ اور بے خبری بھی کیسے کہیں۔ آخر انبیاء علیہم السلام نے تو کھول کھول کر آگاہ کردیا تھا لیکن ہم نے خود ہی اپنے جانوں پر ظلم کیا کہ ان کا کہا نہ مانا اور برابر شرارتوں اور گناہوں پر اصرار کرتے رہے۔ آگے مشرکین مکہ کو خطاب ہے جو بت پرستی کرتے تھے کہ اس پچھتاوے سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش چھوڑ دو۔ اگر تم ان کے پوجنے سے باز نہ آئے تو دوزخ میں جاؤ گے اور یہ تمہارے معبود بت بھی سارے کے سارے دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے تاکہ ان کی ذلت اور بے بسی کا حال تم پر خوب واضح ہوجائے اور تمہاری حسرت وندامت اور بڑھ جائے۔ اس وقت تمہارا چیخنا چلانا کچھ کام نہ آئے گا اور سب عابد و معبود دوزخ میں پڑے رہیں گے۔ اور شدت ہول اور عذاب کی سخت تکلیف اور اپنے چیخنے چلانے کے شور سے کچھ سنائی نہ دے گا۔

حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ ایک وقت جہنمیوں پر ایسا آئے گا جب ہر دوزخی کو ایک لوہے کے صندوق میں بند کرکے اوپر سے کیلیں ٹھوک دی جائیں گی اور جہنم کی تہہ میں چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک کو یہی گمان ہوگا کہ جہنم میں اس کے سوا کوئی نہیں۔ تو شاید جہنمیوں کا کچھ نہ سن سکنا اسی وقت کا حال ہو۔ العیاذ باللہ۔

یہ تو کفار و مشرکین کا انجام اور ان کا قیامت میں جو حال ہوگا وہ بیان فرمایا گیا اور انہیں متنبہ کیا گیا کہ تم اور تمہارے معبود سب جہنم کا ایندھن بنیں گے اور وہاں سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ گویا دائمی عذاب کی وعید سنائی گئی۔ اب آگے ان کے مقابلہ میں اہل ایمان و صالحین کی حالت جو قیامت میں ہوگی وہ بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھلائی کے مستحق ٹھہر چکے ہیں یعنی جو اہل ایمان اور اہل سعادت ہیں وہ دوزخ سے اس قدر دور رکھے جائیں گے کہ اس کی آہٹ تک محسوس نہ کریں گے اور نہایت عیش و آرام کے ساتھ جنت کی دائمی اور ابدی راحتوں اور لذتوں میں سدا رہیں گے۔ قیامت

کے دن جب خلقت کو سخت گھبراہٹ ہوگی اللہ تعالیٰ ان کو رنج وغم سے محفوظ رکھے گا۔ فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ جس دائمی مسرت وراحت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا آج اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت آئے گی آسمانوں کی صفیں لپیٹ دی جائیں گی جس طرح دستاویز کا لکھا ہوا کاغذ لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے مراد یہ ساری چیزیں فنا ہو جائیں گی اس کے بعد پھر نئے سرے سے عالم کو بنایا جائے گا اور جس طرح دنیا کو پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کر دی جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اہلِ ایمان اور صلحا سے جو یہ وعدۂ ثواب ونعمت کا ہوا ہے یہ بہت قدیم اور مؤکد وعدہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تمام آسمانی کتابوں میں اور لوح محفوظ میں لکھ چکے ہیں کہ اس زمین جنت کے مالک میرے صالح اور نیک بندے ہوں گے تو قدامت اس وعدہ کی اس سے ظاہر ہے کہ اول لوحِ محفوظ میں یہ وعدہ لکھا گیا اور تاکید اس سے ظاہر ہے کہ کوئی کتاب الٰہی اس مضمون سے خالی نہیں۔

الغرض خلاصہ یہ کہ قیامت یقیناً آنے والی ہے اور اس روز جنت انہی کو ملے گی جو خدا کے نیک وصالح بندے ہوں گے۔ کفار کا اس میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اب یہ سورت خاتمہ کے قریب آ گئی۔ یہاں تک سورت کے بڑے حصہ میں توحید ونبوت کی تحقیق۔ ایمان اور عمل صالح کی فضیلت وآثار وبرکات اور منکرین کے لئے وعید وتنبیہ مذکور ہوئی آگے کی خاتمہ کی آیات میں تمام سورت کا لب لباب و خلاصہ اور فیصلہ کن پیغام بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان خاتمہ کی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان بندوں میں شامل فرمالیں جن کے لئے بھلائی مقدر ہو چکی ہے۔

یا اللہ! دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہم کو اپنے حفظ وامان میں رکھئے۔ اور اس زندگی میں ہم کو ان اعمال کی توفیق عطا فرمایئے جو آخرت میں ہماری کامیابی وکامرانی کا باعث ہوں۔

یا اللہ! قیامت کی ہول ودہشت اور رسوائی وذلت سے ہم کو پناہ بخشئے اور اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں کے ساتھ ہمیں جنت کی دائمی راحت نصیب فرمایئے۔

یا اللہ! قیامت اور آخرت تو ضرور آنے والی ہے اور وہ روزِ جزا وسزا یاد کرنے کے قابل ہے مگر ہم دنیا کے مشغلوں میں پھنس کر آخرت سے غافل ہو گئے ہیں۔

یا اللہ! ہماری غفلت کو دور فرمادے اور ہمیں آخرت کی طرف سے بیدار فرمادے۔ اور دنیوی زندگی کی جو فرصت ہم کو نصیب ہے اس میں اپنی مرضیات کے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾

بلاشبہ اس (قرآن) میں (ہدایت کا) کافی مضمون ہے ان لوگوں کیلئے جو بندگی کرنیوالے ہیں، اور ہم نے آپکو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

آپ فرمادیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اب بھی تم مانتے ہو (یا نہیں) پھر اگر یہ لوگ سرتابی کریں

فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ

تو آپ فرمادیجئے کہ میں تم کو نہایت صاف اطلاع کر چکا ہوں اور میں یہ جانتا نہیں کہ جس (سزا) کا تم سے وعدہ ہوا ہے آیا وہ قریب ہے یا دُور دراز ہے۔ اللہ کو (تمہاری)

یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ

پُکار کر کہی ہوئی بات کی بھی خبر ہے اور جو (بات) تم دِل میں رکھتے ہو اُس کی بھی خبر ہے۔ اور میں نہیں جانتا شاید وہ (تاخیر عذاب) تمہارے لئے (صورۃً) امتحان

لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ

ہو اور ایک وقت (یعنی موت) تک (زندگی سے) فائدہ پہنچانا ہو۔ پیغمبرؐ نے کہا کہ اے میرے رب فیصلہ کردیجئے حق کے موافق اور (پیغمبر نے کفار سے یہ بھی فرمایا کہ)

الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

ہمارا رب ہم پر بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد چاہی جاتی ہے جو تم بنایا کرتے ہو۔

اِنَّ بیشک	فِیْ هٰذَا اس میں	لَبَلٰغًا پہنچادینا	لِّقَوْمٍ لوگوں کیلئے	عٰبِدِیْنَ عبادت گزار	وَ اور	مَا نہیں	اَرْسَلْنٰكَ ہم نے بھیجا آپ کو
اِلَّا مگر	رَحْمَةً رحمت	لِّلْعٰلَمِیْنَ تمام جہانوں کیلئے	قُلْ فرمادیں	اِنَّمَا اسکے سوانہیں	یُوْحٰی وحی کی گئی	اِلَیَّ میری طرف	
اَنَّمَا کہ بس	اِلٰهُكُمْ تمہارا معبود	اِلٰهٌ معبود	وَّاحِدٌ واحد	فَهَلْ پس کیا	اَنْتُمْ تم	مُّسْلِمُوْنَ حکم بردار	فَاِنْ پھر اگر
تَوَلَّوْا وہ روگردانی کریں	فَقُلْ تو کہہ دو	اٰذَنْتُكُمْ میں نے تمہیں خبردار کردیا	عَلٰی سَوَآءٍ برابری پر	وَاِنْ اور نہیں	اَدْرِیْ جانتا میں		
اَقَرِیْبٌ کیا قریب؟	اَمْ بَعِیْدٌ یا دُور	مَّا تُوْعَدُوْنَ جو تم سے وعدہ کیا گیا	اِنَّهٗ بیشک وہ	یَعْلَمُ وہ جانتا ہے	الْجَهْرَ پکارنا	مِنَ الْقَوْلِ بات کو	
وَیَعْلَمُ اور جانتا ہے	مَا تَكْتُمُوْنَ جو تم چھپاتے ہو	وَاِنْ اَدْرِیْ اور میں نہیں جانتا	لَعَلَّهٗ شاید وہ	فِتْنَةٌ آزمائش	لَّكُمْ تمہارے لئے		
وَمَتَاعٌ اور فائدہ پہنچانا	اِلٰی حِیْنٍ ایک مدت تک	قٰلَ اس "نبی" نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	احْكُمْ تو فیصلہ فرما	بِالْحَقِّ حق کیساتھ		
وَرَبُّنَا اور ہمارا رب	الرَّحْمٰنُ نہایت مہربان	الْمُسْتَعَانُ جس سے مدد طلب کی جاتی ہے	عَلٰی پر	مَا تَصِفُوْنَ جو تم بیان کرتے ہو			

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ انبیاء کی آخری آیات ہیں اور تمام سورۂ کا خلاصہ اور لب لباب یعنی مضامین توحید ونبوت کی تحقیق اور منکرین کے لئے وعید۔ اسلام کی دعوت اور اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر سورۃ کو ختم کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اب تک جو مضامین اس سورت میں مذکور ہوئے۔ جو عظیم بشارات وہدایات پر مشتمل ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو بندگی کرنے والے ہیں کافی مضمون منفعت وکامیابی موجود ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر کوئی بدبخت اس رحمتِ

عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے۔ آفتاب عالمتاب سے روشنی وگرمی کا فیض ہر جگہ اور ہر طرف پہنچتا ہے لیکن کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کرلے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی آفتاب کے فیض عام میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے رحمت تھے یعنی آپ نے دنیا کو ایسا درس ہدایت دیا اور تمام اہلِ عالم کے سامنے ایسا قانون پیش کیا کہ جو بھی اس کو مانے اور اس کی ہدایت پر چلے وہ کامران و بامراد ہوسکتا ہے۔ عربی ہو یا عجمی۔ مغربی ہو یا مشرقی۔ گورا ہو یا کالا۔ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ۔ امیر ہو یا غریب ہر کسی کو قرآن کریم سے یکساں فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین فرمایا۔ دوسرے انبیاء چونکہ اپنی اپنی قوم کے لئے ہادی تھے اس لئے وہ صرف اپنی قوم کے لئے رحمت تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والا قرآن اور آپ کی لائی ہوئی شریعت جس میں یہ صلاحیت ہے کہ قیامت تک کی تمام ضروریات کو پورا کرسکے اور جوں کا توں اپنی اصلی شکل پر قائم رہتے ہوئے تمام دنیا کے لئے پیام ہدایت اور درسِ نصیحت اور ضابطۂ عمل بن سکے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ آپ تمام لوگوں سے صاف طور پر کہہ دیں کہ جو رحمتِ عظیمہ لے کر آپ تشریف لائے ہیں اس کا لب لباب توحید کامل ہے اور یہ ایسا صاف اور واضح مضمون ہے جس کے قبول کرنے میں آدمی کو کچھ پس و پیش نہ ہونا چاہئے۔ پس اے منکرین کیا تم حکم ماننے اور حق کے سامنے گردن جھکانے کو تیار ہو تو فبہا ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو تبلیغ کر کے بری الذمہ ہو چکے۔ تم اپنا انجام سوچ لو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ اگر اتنا صاف سمجھانے اور اتمام حجت کے بعد بھی یہ منکرین نہ مانیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم کو خبردار کر چکا اور تم کو سب بھلائی برائی اور ان کے نتیجوں سے پوری طرح آگاہ کرچکا۔ نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے اور ہمیشہ کے دردناک عذاب میں مبتلا ہوگے۔ انکار پر جو سزا مرتب ہوگی اس کی اطلاع کرچکا سو اب نہ مجھ پر کوئی بار رہا اور نہ تم کو کوئی عذر رہا۔ تمہارے نہ ماننے پر جو عذاب کا وعدہ ہے وقوع تو اس کا ضرور بالضرور ہو کر رہے گا لیکن اللہ تعالیٰ ہر چھپی کھلی بات کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کس بات کی کیا جزا سزا ملنی چاہئے اور کب ملنی چاہئے۔ قریب زمانہ میں یا دور دراز وقت میں اور تاخیر عذاب سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ عذاب واقع ہی نہ ہوگا۔ تاخیر عذاب میں ممکن ہے تم کو جانچنا ہو اور تمہاری آزمائش منظور ہو کہ اس مدت میں سمجھ کر شرارت و انکار چھوڑ دو یا محض ڈھیل دینا ہو کہ ایک مدت تک دنیا میں پھنس کر شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز کرلو۔ یہ سارا پیغام پہنچا کر سورۃ کی بالکل آخری آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب باری تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کیا کہ اے میرے رب ہمارے اور ان سرکشوں و کافروں کے درمیان حق کے موافق فیصلہ فرما دیجئے تاکہ حجت اور زیادہ تام ہوجاوے اور یہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے فرمایا کہ ہمارا رب ہم پر بڑا مہربان ہے ہم اسی کے آگے فریاد کرتے ہیں۔ اور اے مشرکین یہ جو تم ڈینگیں مارتے پھرتے ہو اور دھمکیاں دیتے ہو تو تمہاری خرافات کے مقابلہ میں اسی سے مدد مانگتے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو یہی دعا پڑھتے جس پر یہ سورۃ ختم ہوئی ہے یعنی رَبِّ احْکُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ (یعنی اے رب حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما۔ ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو اے کفار تم بیان کیا کرتے ہو)

اس سورۃ کی ابتداء میں بھی قرب قیامت اور حسابِ آخرت کا ذکر تھا اور سورۃ کے اخیر میں بھی یہی مضمون ذکر فرمایا اور اسی مضمون پر سورۃ کو ختم فرمایا اس طرح خاتمہ سورت کو ابتداء سورۃ کے ساتھ نہایت درجہ مناسبت ہوگئی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَۃُ الْحَجِّ مَدَنِيَّۃٌ وَّھِیَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّعَشْرُ رُکُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ① یَوْمَ تَرَوْنَھَا تَذْھَلُ

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو یقیناً قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی۔جس روز تم لوگ اس (زلزلہ) کو دیکھو گے

کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَھَا وَتَرَی النَّاسَ

اُس روز تمام دُودھ پلانے والیاں اپنے دُودھ پیتے بچہ کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی اور (اے مخاطب) تجھ کو لوگ

سُکٰرٰی وَمَا ھُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ ②

نشہ کی سی حالت میں دکھائی دینگے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہونگے ولیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اے لوگو!	اتَّقُوْا ڈرو	رَبَّکُمْ اپنا رب	اِنَّ بیشک	زَلْزَلَۃَ زلزلہ	السَّاعَۃِ قیامت	شَیْءٌ چیز	عَظِیْمٌ بڑی بھاری
یَوْمَ جس دن	تَرَوْنَھَا تم دیکھو گے اسے	تَذْھَلُ بھول جائے گی	کُلُّ مُرْضِعَۃٍ ہر دودھ پلانے والی	عَمَّا جس کو	اَرْضَعَتْ وہ دودھ پلاتی ہے		
وَتَضَعُ اور گرادے گی	کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ ہر حمل والی حاملہ	حَمْلَھَا اپنا حمل	وَتَرَی اور تو دیکھے گا	النَّاسَ لوگ	سُکٰرٰی نشہ میں		
وَمَا ھُمْ اور حالانکہ نہیں	بِسُکٰرٰی نشہ میں	وَلٰکِنَّ اور لیکن	عَذَابَ اللّٰہِ اللہ کا عذاب	شَدِیْدٌ سخت			

تفسیر وتشریح:۔ الحمد للہ اب سترہویں پارہ کی سورۃ الحج کا بیان شروع ہورہا ہے۔اس سورۃ کا ابتدائی حصہ عمدہ روزی یعنی نعمائے جنت کا وعدہ فرمایا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور تصرفات کا اظہار فرما کر بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو انسان کا خادم بنایا۔ یہ حق تعالیٰ کی یقیناً مخلوق پر بڑی مہربانی اور رحمت ہے۔کہ بلا ان کی درخواست کے ان کی راحت کا اس قدر اہتمام فرمایا۔اس سے انسانوں کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ جس خدا کی مہربانی اور رحمت کی یہ حالت ہو اسی کی مخالفت کرنا یہ کونسی عقل تجویز کرسکتی ہے پس لوگوں کو چاہئے کہ اس کی مخالفت سے باز آجائیں۔اور غیر اللہ کی پرستش کو ترک کردیں۔ غیر اللہ کی پرستش اور بندگی تو ایسا ظلم اور ناانصافی ہے کہ جس کی حد نہیں جس پر جہنم کی وعید سنائی گئی۔ پھر غیر اللہ کی بیکسی کا حال بیان کیا گیا کہ مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے کہ وہ ایک مکھی تک تو پیدا نہیں کرسکتے اور پیدا کرنا تو بڑی بات ہے وہ تو ایسے عاجز ہیں کہ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ بتوں کی بے کسی اور بے بسی بتلا کر توحید کی دعوت دی گئی۔ پھر اسی طرح مسئلہ رسالت کو سمجھایا گیا اور اخیر میں اہلِ ایمان و اہلِ اسلام کو ہدایت کی گئی کہ اگر یہ منکر کافر نہیں مانتے تو نہ سہی تم تو برابر اطاعت وعبادتِ خداوندی میں لگے رہو اور اعمالِ صالحہ کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔تم حق تعالیٰ کی اطاعت میں ایسی کوشش کرو جیسی کرنی چاہئے۔ تمہیں حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے لئے منتخب کیا ہے۔اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی اور اللہ

نے تمہارا نام یعنی لقب مسلم رکھا پس تم دنیا میں خصوصیت کے ساتھ نماز کی پابندی رکھو۔ اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو۔ اسی کا سہارا ڈھونڈو۔ وہی سارے کام بنانے والا ہے اور وہ اپنے بندوں کا سب سے اچھا رفیق اور سب سے اچھا مددگار ہے۔ یہ ہے خلاصہ مضامین اس پوری سورت کا۔

الحاصل اس پوری سورت میں جگہ جگہ مناسب مواقع پر تذکیر و نصیحت بھی ہے اور شرک کے خلاف اور توحید و آخرت کے حق میں مؤثر دلائل بھی ہیں۔

بعض مفسرین نے صراحت کی ہے کہ یہ عجیب سورت ہے۔ اس کا کچھ حصہ رات میں کچھ حصہ دن میں نازل ہوا۔ کچھ سفر میں اور کچھ حضر میں اُترا۔ کچھ مکی ہے اور کچھ مدنی کسی آیت کا صلح کے متعلق نزول ہوا کسی کا جنگ کے متعلق۔ کوئی ناسخ ہے کوئی منسوخ۔ کوئی محکم ہے کوئی متشابہ۔

اب ان ابتدائی آیات کی تشریح ملاحظہ ہو:۔

سورت کی ابتداء احوال قیامت کے دہشتناک ذکر سے کی گئی ہے کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور یہ اس لئے تاکہ انسانوں کو پرہیزگاری اور خداترسی اور عبادت کی طرف کامل رغبت ہو اور دل میں خوف رہے۔ یہاں ابتدائی آیات میں سب سے پہلے اپنے رب سے ڈرنے اور تقویٰ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور پھر آنے والے دہشت ناک امور سے ڈرایا جارہا ہے خصوصاً قیامت کے زلزلہ سے۔

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں آیت میں جس زلزلہ کا ذکر ہے یہ قیامت سے پہلے ہوگا اور قیامت کی طرف اس کی اضافت بوجہ قرب اور نزدیکی کے ہے۔ جب حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا تو وہ صور پھونکیں گے جس سے کل زمین اور آسمان والے گھبرا اٹھیں گے زمین کپکپانے اور لرزنے لگے گی۔ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر اڑتے پھریں گے۔ لوگ ادھر ادھر پریشان حیران بھاگنے دوڑنے لگیں گے۔ اس روز حاملہ عورتوں کے خوف ودہشت سے حمل گر جائیں گے اور دودھ پلانے والیاں باوجود اس کے کہ بچہ سے بڑی محبت ہوتی ہے بچہ کو بھی اس پریشانی اور بدحواسی میں بھول جاویں گی اور اس دہشت سے لوگ متوالے کی طرح بدحواس ہوں گے اور وہ بدحواسی کسی نشہ کی وجہ سے نہ ہوگی بلکہ عذابِ الٰہی کی بدحواسی ہوگی۔ جیسا کہ احادیث میں روایات آئی ہیں اہلِ ایمان سے اس وقت روئے زمین پر ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ سب پہلے ہی اٹھ جائیں گے۔ کفار۔ اشرار اور بدکردار رہ جائیں گے جو اس وقت کو دیکھیں گے۔ پھر تمام دنیا نیست و نابود ہوکر پھر دوبارہ ایک اور عالم پیدا ہوگا۔ نیا آسمان نئی زمین قائم ہوگی۔ لوگ زندہ ہوجائیں گے۔ اور حشر برپا ہوگا۔

اب آگے جو قیامت اور حشر نشر کے منکرین ہیں ان پر رد فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو تقویٰ کی دولت عطا فرمائیں کہ جو ہم ہر آن آخرت کی تیاری میں مشغول رہیں۔ یا اللہ! ہمارے قلوب میں اپنا وہ خوف وخشیت عطا فرما کہ جو ہم کو آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے۔ اور قیامت کی ہولناکیوں، ذلت اور رسوائیوں سے بچالے۔ یا اللہ! ہم کو اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرما۔ اور اسی پر جینا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔ یا اللہ! قیامت کے زلزلہ سے ہم کفار مشرکین اور منکرین قیامت کو کیا خوف دلائیں۔ ہم جو قیامت پر ایمان رکھتے ہیں ہم ہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور دنیا کے مزوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور آپ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کررہے ہیں۔

یا اللہ! آخرت کی طرف سے ہمارے دلوں سے غفلت کو دور فرمادے۔ اور اس دنیا میں اپنی مرضیات والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمادے تاکہ ہم آخرت میں آپ کے عذاب سے بچ جائیں اور آپ کی رحمت عنایت اور مغفرت کے مورد بن جائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳ كُتِبَ عَلَيْهِ

اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے جانے بُوجھے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ جس کی نسبت یہ بات لکھی

اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ

جا چکی ہے کہ جو شخص اُس سے تعلق رکھے گا تو اُس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اسکو بے راہ کر دیگا اور اس کو عذاب دوزخ کا راستہ دکھلا دے گا۔ اے لوگو اگر تم

فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ

دوبارہ زندہ ہونے سے شک میں ہو تو ہم نے (اول) تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر

مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى

بوٹی سے کہ (بعضی) پوری ہوتی ہے اور (بعضی) ادھوری بھی تا کہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں اور ہم رحم میں جس (نطفہ) کو چاہتے ہیں

اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ

ایک مدت معین تک ٹھیرائے رکھتے ہیں پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں پھر تا کہ اپنی بھری ہوئی جوانی تک پہنچ جاؤ اور بعضے تم میں وہ بھی ہیں جو (جوانی سے پہلے ہی)

يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــــًٔا ۭ

مَر جاتے ہیں اور بعضے تم میں وہ ہیں جو نکمی عمر تک پہنچا دیئے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتے ہیں۔

وَ اور	مِنَ النَّاسِ کچھ لوگ جو	مَنْ جو	يُّجَادِلُ جھگڑا کرتے ہیں	فِي اللّٰهِ اللہ کے بارہ	میں	بِغَيْرِ عِلْمٍ بے جانے بوجھے	
وَيَتَّبِعُ اور پیروی کرتے ہیں	كُلَّ شَيْطٰنٍ ہر شیطان	مَّرِيْدٍ سرکش	كُتِبَ عَلَيْهِ اس پر اسکی نسبت	لکھ دیا گیا	اَنَّهٗ کہ وہ		
مَنْ تَوَلَّاهُ جو دوستی کریگا اس سے	فَاَنَّهٗ تو وہ بیشک	يُضِلُّهٗ اسے گمراہ کرے گا	وَيَهْدِيْهِ اور راہ دکھائے گا اسے	اِلٰى طرف	عَذَابِ عذاب		
السَّعِيْرِ دوزخ	يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو!	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	فِيْ رَيْبٍ شک میں	مِّنَ سے	الْبَعْثِ جی اٹھنا	فَاِنَّا تو بیشک ہم	
خَلَقْنٰكُمْ ہم نے پیدا کیا تمہیں	مِّنْ تُرَابٍ مٹی سے	ثُمَّ پھر	مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ سے	ثُمَّ پھر	مِنْ عَلَقَةٍ جمے ہوئے خون سے	ثُمَّ پھر	
مِنْ مُّضْغَةٍ گوشت کی بوٹی سے	مُّخَلَّقَةٍ صورت بنی ہوئی	وَّ اور	غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ بغیر صورت بنی	لِّنُبَيِّنَ تا کہ ہم ظاہر کر دیں	لَكُمْ تمہارے لئے		
وَنُقِرُّ اور ہم ٹھہراتے ہیں	فِي الْاَرْحَامِ رحموں میں	مَا نَشَاۗءُ جو ہم چاہیں	اِلٰٓى تک	اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک مدت مقررہ	ثُمَّ پھر		
نُخْرِجُكُمْ ہم نکالتے ہیں تمہیں	طِفْلًا بچہ	ثُمَّ پھر	لِتَبْلُغُوْٓا تا کہ تم پہنچو	اَشُدَّكُمْ اپنی جوانی	وَمِنْكُمْ اور تم میں سے	مَّنْ کوئی	
يُّتَوَفّٰى فوت ہو جاتا ہے	وَمِنْكُمْ اور تم میں سے	مَّنْ کوئی	يُّرَدُّ پہنچتا ہے	اِلٰٓى تک	اَرْذَلِ الْعُمُرِ نکمی عمر	لِكَيْلَا يَعْلَمَ تا کہ وہ نہ جانے	
مِنْۢ بَعْدِ بعد	عِلْمٍ علم جاننا	شَيْــــًٔا کچھ					

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ ابتدائی آیات میں تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا گیا تھا اور بعض احوال قیامت کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ چونکہ بعض کفار اور مشرکین امکان و وقوع قیامت اور بعث بعد الموت یعنی مَر کر دوبارہ زندہ ہونے اور حشر ونشر، جزا وسزا کے منکر تھے اس لئے آگے منکرین پر رد فرمایا جاتا ہے اور بعث بعد الموت یعنی موت کے بعد پھر زندہ ہونا اس پر دو دلیلیں بیان فرمائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن باتوں کی خبر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی کتاب کے ذریعہ دیتے ہیں ان میں یہ کفار ومشرکین جھگڑتے اور کج بحثیاں کرتے ہیں اور جہل و بے خبری سے عجیب احمقانہ شبہات پھیلاتے ہیں۔ چنانچہ قیامت اور حشر ونشر اور جزا وسزا پر ان کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ جب آدمی مر کر گل سڑ گیا اور ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہوگئیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ پھر زندہ ہو کر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے گا۔ حق تعالیٰ اس کی تردید فرماتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی صحیح علم نہیں۔ یہ فرمانِ خدا سے ہٹ کر اور نبی کی تابعداری چھوڑ کر سرکش انسانوں اور جنات کی ماتحتی کر رہے ہیں اور یہ جس کی مانتے ہیں وہ شیطان ازلی مردود ہے جو اپنی تقلید کرنے والوں کو بہکاتا رہتا ہے اور آخر عذابِ جہنم میں پھانس دیتا ہے۔ شیطان مردود کے متعلق تو یہ طے شدہ امر ہے کہ جو اس کی رفاقت اور پیروی کرے وہ اپنے ساتھ اسے بھی لے ڈوبتا ہے اور گمراہ کر کے دوزخ سے ورے نہیں چھوڑتا۔ اب آگے دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اگر تم کو قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہونے میں شک ہو اور یہ دھوکا لگ رہا ہو کہ ریزہ ریزہ ہو کر دوبارہ کیسے جی اٹھیں گے تو تم خود اپنی پیدائش میں غور کرو کہ کس طرح ہوئی ہے۔ تم اپنی اصلیت پر غور کر کے دیکھو کہ اللہ نے تمہیں اول مٹی سے پیدا کیا۔ یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو جو سب انسانوں کی اصل ہیں اور جن کی نسل تم سب ہو مٹی) سے پیدا ہوئے پھر تم کو قطرہ منی سے بنایا۔ اور کس طرح بنایا اور کیسے تمہاری تشکیل وتخلیق ہوئی اس کو بیان فرمایا جاتا ہے کہ نطفہ کو جو پانی کا سا ایک قطرہ ہے جما ہوا خون بنا دیتے ہیں۔ پھر خون سے گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے پھر لوتھڑے سے جسم انسانی کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے اور اعضا ہاتھ پاؤں آنکھ، کان، ناک بنا دیئے جاتے ہیں اور یہ تغیر وتبدل مقررہ قاعدوں کے مطابق ہوتا ہے اور جتنی مدت رحم مادر میں ٹھہرانا مناسب ہوتا ہے ٹھہراتے ہیں اور جسے ٹھہرانا نہیں چاہتے وہ حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ حمل کی مدت مقرر ہے جو کم سے کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال اور بعض کے نزدیک ۴ سال ہے۔

رحمِ مادر میں انسان کی تخلیق کا حال جو یہاں آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے اس کی تفصیل صحیح بخاری میں ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس طرح روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا مادہ ۴۰ روز تک رحم میں جمع رہتا ہے۔ پھر چالیس دن کے بعد علقہ یعنی جما ہوا خون بن جاتا ہے۔ پھر ۴۰ ہی دن میں مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کے متعلق چار باتیں اسی فرشتہ کو لکھوا دی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ اس کی عمر کتنی ہے۔ دوسرے اس کا رزق کتنا ہے۔ تیسرے وہ کیا کیا عمل کرے گا چوتھے یہ کہ انجام کار یہ شقی وبدبخت ہوگا یا سعید ونیک بخت۔ غرض ماں کے پیٹ میں نطفہ کی تربیت ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ جیتا جاگتا بچہ بن جاتا ہے اور پھر مکمل شکل میں ماں کے پیٹ سے باہر نکالا جاتا ہے۔ پھر باہر آ کر اس کی نشو ونما وتربیت جاری رہتی ہے اور بتدریج بہت سے منازل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایک بچپن کا زمانہ ہے جب آدمی بالکل کمزور ناتواں ہوتا ہے اور اس کی تمام قوتیں چھپی رہتی ہیں اور

1 انتہائی ضعیف اور کمزور ہوتی ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس کی اندرونی اور بیرونی قوتیں جوانی کے وقت پورے کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔ پھر بعض تو جوانی ہی میں مرجاتے ہیں اور بعض بڑھاپے تک زندہ رہتے ہیں۔ بعض یہاں تک پہنچتے ہیں کہ آدمی کے اعضاء و قویٰ جواب دے دیتے ہیں۔ وہ سمجھدار بننے کے بعد ناسمجھ اور کارآمد ہونے کے بعد نکمے ہوجاتے ہیں۔ سمجھ اور حافظہ کمزور ہوجاتا ہے اور جو کچھ سیکھا تھا بھول بھال جاتا ہے۔ علم و دانش جان کر پھر نادان بچوں جیسا ہوجاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارذل العمر یعنی ایسی عمر جس میں انسان کے عقل و شعور اور ہوش و حواس میں خلل آجائے پناہ مانگی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسی ناکارہ عمر سے کہ جس میں ہوش و حواس اور عقل و شعور قائم نہ رہے، ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور مرتے دم تک ہوش و حواس۔ بینائی و سماعت و طاقت قائم رکھے۔ آمین

پس جو خدا ایک انسان پر اس قدر مختلف حالتیں طاری کرسکتا ہے اور اخیر میں انتہا کے بعد پھر ابتداء کی طرف لوٹا سکتا ہے تو کیا وہ گلی سڑی ہڈیوں سے دوبارہ انسان کو پیدا نہیں کرسکتا۔ بیشک کرسکتا ہے اور ضرور کرے گا پس قیامت کو نہ ماننا اور دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان نہ لانا حماقت اور بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے؟

بعث بعد الموت یعنی مر کر قیامت میں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کی ایک دلیل جو کائناتِ انسانی سے متعلق تھی ان آیات میں دی گئی اب کائنات انسانی سے ہٹ کر دوسری دلیل بے حس و بے عقل زمین کی حالت سے آگے دی جاتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ اور تروتازہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ مردوں کو بھی زندہ کرنے پر قادر ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو یقین صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں تا کہ ہم کو حق تعالیٰ کے احکامات جو آپ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی کتاب قرآن پاک کے ذریعہ سے پہنچے ہیں ان کا اتباع کامل اور پوری تابعداری نصیب ہو۔

یا اللہ شیطان کی کجروی اور گمراہی اور اس کے شر و وساوس سے ہماری حفاظت فرما۔

یا اللہ آخرت و قیامت پر یقین و ایمان کے ساتھ اس دن کے لئے ہمہ وقت تیاری کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ دنیا میں ہم کو جو زندگی اور عمر آپ نے عطا کی ہے اس کو اپنی رضا میں صرف کرنے کی ہمت اور توفیق و سعادت نصیب فرما۔

یا اللہ دین کی باتوں میں شک اور شبہات سے ہمارے قلوب کو پاک رکھئے اور مرتے دم تک ہم کو صراط مستقیم پر استقامت عطا فرمائیے۔ یا اللہ! ایسی نکمی عمر تک پہنچ جانے سے کہ جب عقل و شعور، ہوش و حواس قوت و طاقت، بینائی و سماعت قائم نہ رہے ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں یا اللہ! مرتے دم تک اپنی طاعت و عبادت میں لگائے رکھئے اور خاتمہ بالخیر نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ

اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک ہے۔پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝٥ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ

نباتات اُگاتی ہے۔یہ(سب) اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہی ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝٦ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝٧

قادر ہے۔اور قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شبہ نہیں۔اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دوبارہ پیدا کردیگا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ۝٨ ثَانِيَ عِطْفِهِ

اور بعضے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدوں واقفیت اور بدوں دلیل اور بدوں کسی روشن کتاب کے تکبر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ

اللہ کی راہ سے بے راہ کردیں۔ایسے شخص کیلئے دُنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھا دیں گے۔

الْحَرِيقِ ۝٩ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۝١٠

کہ یہ تیرے ہاتھ کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے۔اور یہ بات ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

وَتَرَى اور تو دیکھتا ہے	الْأَرْضَ زمین	هَامِدَةً خشک پڑی ہوئی	فَإِذَا پھر جب	أَنْزَلْنَا ہم نے اتارا	عَلَيْهَا اس پر	الْمَاءَ پانی	
اهْتَزَّتْ وہ تروتازہ ہوگئی	وَرَبَتْ اور اُبھر آئی	وَأَنْبَتَتْ اور اُگا لائی	مِنْ سے	كُلِّ زَوْجٍ ہر جوڑا	بَهِيجٍ رونق دار	ذَٰلِكَ یہ	
بِأَنَّ اس لئے کہ	اللَّهَ اللہ	هُوَ الْحَقُّ وہی برحق	وَأَنَّهُ اور یہ کہ وہ	يُحْيِي زندہ کرتا ہے	الْمَوْتَىٰ مُردوں	وَأَنَّهُ اور یہ کہ وہ	عَلَىٰ پر
كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيرٌ قدرت رکھنے والا	وَأَنَّ اور یہ کہ	السَّاعَةَ گھڑی (قیامت)	آتِيَةٌ آنے والی	لَا رَيْبَ فِيهَا نہیں شک		
وَأَنَّ اور یہ کہ	اللَّهَ اللہ	يَبْعَثُ اٹھائے گا	مَنْ جو	فِي الْقُبُورِ قبروں میں	وَ اور	مِنَ النَّاسِ لوگوں میں سے	مَنْ جو
يُجَادِلُ جھگڑتا ہے							
فِي اللَّهِ اللہ (کے بارے) میں	بِغَيْرِ عِلْمٍ بغیر کسی علم	وَ اور	لَا هُدًى بغیر کسی دلیل	وَلَا اور بغیر کسی	كِتَابٍ کتاب	مُنِيرٍ روشن	
ثَانِيَ عِطْفِهِ موڑے ہوئے اپنی گردن	لِيُضِلَّ تاکہ گمراہ کرے	عَنْ سے	سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کا راستہ	لَهُ اس کیلئے	فِي الدُّنْيَا دنیا میں		
خِزْيٌ رسوائی	وَ اور	نُذِيقُهُ ہم اسے چکھائیں گے	يَوْمَ الْقِيَامَةِ روزِ قیامت	عَذَابَ عذاب	الْحَرِيقِ جلتی آگ	ذَٰلِكَ بِمَا یہ اس سبب جو	
قَدَّمَتْ آگے بھیجا	يَدَاكَ تیرے ہاتھ	وَ اور	أَنَّ اللَّهَ یہ کہ اللہ	لَيْسَ نہیں	بِظَلَّامٍ ظلم کرنے والا	لِلْعَبِيدِ اپنے بندوں پر	

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ آیات میں قیامت اور مر کر پھر دوبارہ زندہ ہونے پر منکرین کو ایک دلیل پیش کی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا اور پھر عام انسانوں کو قطرۂ منی سے بنایا جاتا ہے اس طرح پر کہ رحم مادر میں نطفہ کچھ ایام میں تبدیل ہو کر جما ہوا خون بن جاتا ہے اور پھر خون سے گوشت کا لوتھڑا اور پھر جیتا جاگتا انسان تو انسان اگر خود اپنی

پیدائش پر غور کرے کہ اس کی اصل کیا تھی اور کتنا عرصہ گزرنے کے بعد یہ آدمی بنا تو اسی کو سمجھ کر بعث بعد الموت کا امکان بھی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ جو خدا ان باتوں پر قادر ہے کہ ایک قطرہ منی سے جیتا جاگتا انسان پیدا کر سکتا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ انسان کو مار کر دوبارہ پھر اسے زندہ کر دے؟

تو ایک دلیل خود کائناتِ انسانی سے متعلق گزشتہ آیات میں پیش کی گئی تھی اب آگے ان آیات میں دوسری دلیل پیش کی گئی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ انسان اس زمین ہی کو دیکھے جو ہر وقت اس کے قدموں کے نیچے ہے کہ کیسی خشک اور چٹیل میدان پڑی تھی۔ ابرِ رحمت سے پانی برستا ہے۔ بے جان مٹی میں جان پڑ جاتی ہے۔ خشک زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔ سبزہ بڑھتا ہے اور قسم قسم کے خوش منظر۔ فرحت بخش اور نشاط افزا پودے اگتے ہیں۔ اللہ کی اس قدرتِ کاملہ کو اکثر انسان دیکھتے ہیں۔ تو مردہ اور خشک زمین جب بارش کے پانی سے زندہ ہو کر لہلہانے لگتی ہے تو ماء الحیات برسا کر انسان کو نباتات کی طرح دوسری بار کیا خدا نہیں پیدا کر سکتا؟

غور کرنے کی بات ہے کہ جس قادرِ مطلق اور صانعِ حقیقی نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرتِ کاملہ سے انسان کو ایسی عجیب وغریب صنعت کے ساتھ پیدا کیا۔ کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اس کی زندگی بیکار بلا کسی مقصد کے بنائی ہوگی۔ اتنی بڑی دنیا اتنے سروسامان اور اس قدر اختیارات کے ساتھ انسان کے سپرد کر کے وہ اس کا حساب کبھی نہ لے گا؟ کیا کسی صحیح الدماغ آدمی کی عقل یہ گواہی دے سکتی ہے کہ انسان کے نیک وبد، اچھے برے اعمال کی جانچ اور بازپرس کے لئے کبھی عدالت قائم نہ ہوگی؟ یقیناً ایسا ہونا چاہئے اور ہوگا۔ قیامت اور زندگی مابعد موت خدائے حکیم کی حکمت کا ایک لازمی تقاضہ ہے جہاں سعید وشقی، نیک و بد، مجرم و وفادار صاف صاف طور پر الگ الگ ہوں اور اپنی اپنی جزا وسزا پائیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسے واضح دلائل وشواہد سننے کے بعد بھی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایسی کھلی ہوئی نشانیاں دیکھ کر بھی بعض کجرو اور ضدی لوگ اللہ عزوجل کی کامل ہستی کو نہیں مانتے اور اس کے رسول کی قدر نہیں کرتے اور اس کی کتاب کو نہیں مانتے اور اللہ کی باتوں میں یونہی بے سند شک وشبہات اور جھگڑے کرتے رہتے ہیں ان کے پاس نہ کوئی علم ضروری ہے اور نہ دلیل۔ محض اپنے اوہام وظنون کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور پھر ساتھ ہی اعراض وتکبر اور رعونت وغرور برتتے ہیں اور غرض اس سے ان کی یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی ایمان اور یقین کی راہ سے ہٹا دیں اور خود تو گمراہ ہیں ہی دوسروں کو بھی گمراہ کریں۔ ایسے لوگوں کے متعلق بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی ذلیل ورسوا کرے گا اور آخرت کا عذاب رہا سو الگ۔ جب قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگوں کو عذابِ جہنم کی سزا دی جائے گی تو کہا جائے گا کہ خدا کی طرف سے کسی پر ظلم وزیادتی نہیں۔ یہ خود اپنے ہاتھوں کی کمائی اور کرتوت ہے جس کا مزہ آج تو اے انسان چکھ رہا ہے۔

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیات نضر بن حارث اور ابو جہل جیسے سردارانِ کفار مکہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں جو محض معاند تھے۔ انکار حشر ونشر ثابت کرنے کے لئے ان کے پاس نہ کوئی علم بدیہی تھا۔ نہ نظری ہدایت نہ الہام ووحی اور مقصود ان کا اس عناد اور بغض راہِ حق سے صرف یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق پر دوسروں کو لبیک نہ کہنے دیں اور اسلام وایمان قبول کرنے سے باز رکھیں۔ ان کے اس کبر وغرور کی سزا بیان فرمائی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی خوار وذلیل کرے گا اور آخرت میں عذاب الیم میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ چنانچہ نضر بن حارث اور ابوجہل کیسی ذلت اور رسوائی کے ساتھ بدر کی لڑائی

میں اہل اسلام کے ہاتھوں قتل کئے گئے اور کتوں کی طرح سے ان کی لاشیں گھسیٹ کر ایک کنوئیں میں ڈال دی گئیں۔ یہ تو رہی دنیا کی ذلت اور رسوائی اور قیامت کے روز جہنم کا عذاب علیحدہ بھگتنا ہوگا۔ بعض مفسرین نے ان آیات کو تمام منکرین اور کفار مکہ سے متعلق رکھا ہے۔ ان آیات میں یہی مضمون فرمایا گیا ہے۔

تو گذشتہ اور ان آیات میں انسان کی پیدائش اور زمین سے نباتات کی پیداوار کی دو مثالیں بیان فرما کر یہاں حق تعالیٰ خود ان پانچ حقیقتوں کو بیان فرماتے ہیں جو ان دو مثالوں سے ثابت ہوتی ہیں۔ وہ پانچ حقیقتیں یہ ہیں۔

ایک یہ کہ یقیناً بالتحقیق اللہ موجود ہے جو اپنی ہستی میں کامل ہے ورنہ ایسی منظم اور حکیمانہ صنعتیں کہاں سے ظاہر ہوئیں۔

دوسرے یہ کہ وہ ہی مردہ اور بے جان چیزوں کو زندہ اور جان دار بنا دیتا ہے اور بے جانوں میں جان ڈالتا ہے چنانچہ مشتِ خاک یا قطرہ آب سے انسان بنا دینا اور خشک زمین میں روح نباتاتی پھونک کر اس کو سرسبز بنا دینا اس پر شاہد ہے۔

تیسرے یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر ہر چیز اس کی قدرت کے ماتحت اور نیچے نہ ہوتی تو ہرگز یہ کام یعنی مشتِ خاک یا قطرۂ حقیر سے جیتا جاگتا انسان بنا دینا یا مردہ خشک زمین سے پانی پڑتے ہی سبزہ کا اگا دینا نہ ہو سکتے تھے۔

چوتھے یہ کہ قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں ذرا شبہ نہیں۔

پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں قبر والوں کو دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ یعنی جتنے لوگ مر چکے ہوں گے ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور اس زندگی میں دنیا کی زندگی کی جزا و سزا واقع ہونی ہے۔

گزشتہ آیت میں پہلے ان منکرین کا ذکر ہوا جو خود گمراہ تھے اور ان آیات میں ان منکرین کا ذکر ہے جو خود ہی گمراہ نہیں بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر کمربستہ رہتے تھے۔ اب اگلی آیات میں ایک تیسرے گروہ یعنی منافقین یا مذبذبین یا مرتدین کا حال بیان فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں اسی پر زندہ رہنا اور اسی پر مرنا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! دین اسلام اور قرآن وسنت کی باتوں میں شک وشبہ اور وساوس شیطانیہ سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرمائیے۔ اور صحیح علم اور عمل کی اپنے احکام کے مطابق توفیق عطا فرمائیے۔

یا اللہ! مخالفین اسلام اور منکرین ایمان کو دنیا میں بھی ذلت اور رسوائی نصیب فرما اور آخرت کا عذاب تو ان کے لئے مقدر ہی ہے جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

یا اللہ! ہمیں ہدایت نصیب فرمائیے اور دوسروں کو بھی ہدایت کی راہ بتلانے والا بنائیے، اور دنیا میں بھی عزت اور غلبہ نصیب فرمائیے۔ اور آخرت میں اپنی مغفرت ورحمت سے نوازیئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ

اور بعض آدمی اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارہ پر پھر اگر اس کو کوئی نفع پہنچ گیا تو اُسکی وجہ سے قرار پالیا۔اور اگر اُس پر کچھ

فِتْنَةُ ِۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا

آزمائش ہوگئی تو منہ اُٹھا کر چل دیا دنیا اور آخرت دونوں کو کھو بیٹھا۔یہی کھلا نقصان ہے۔خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرنے لگا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا

جو نہ اُس کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ اُس کو نفع پہنچا سکتا ہے یہ انتہا درجہ کی گمراہی ہے۔وہ ایسے کی عبادت کررہا ہے کہ

لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

کہ اُس کا ضرر بہ نسبت اُس کے نفع سے زیادہ قریب الوقوع ہے۔ایسا کارساز بھی بُرا اور ایسا رفیق بھی بُرا۔

وَ اور	مِنَ سے	النَّاسِ لوگ	مَنْ جو	يَعْبُدُ بندگی کرتا ہے	اللّٰهَ اللہ	عَلٰى پر	حَرْفٍ ایک کنارہ	فَاِنْ پھر اگر	اَصَابَهٗ اسے پہنچ گئی
خَيْرُ بھلائی	اطْمَاَنَّ تو اطمینان پالیا	بِهٖ اس سے	وَاِنْ اور اگر	اَصَابَتْهُ اسے پہنچی	فِتْنَةُ کوئی آزمائش	انْقَلَبَ تو پلٹ گیا	عَلٰى پر۔بل		
وَجْهِهٖ اپنا منہ	خَسِرَ الدُّنْيَا دنیا کا فساد	وَالْاٰخِرَةَ اور آخرت	ذٰلِكَ یہ ہے	هُوَ الْخُسْرَانُ وہ گھاٹا	الْمُبِيْنُ کھلا	يَدْعُوْا پکارتا ہے وہ			
مِنْ سے	دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مَا جو	لَا يَضُرُّهٗ نہ اسے نقصان پہنچائے	وَمَا اور جو	لَا يَنْفَعُهٗ نہ اسے نفع پہنچائے	ذٰلِكَ یہ ہے			
هُوَ وہ	الضَّلٰلُ گمراہی	الْبَعِيْدُ دور۔انتہادرجہ	يَدْعُوْا وہ پکارتا ہے	لَمَنْ اس کو جو	ضَرُّهٗٓ اس کا ضرر	اَقْرَبُ زیادہ قریب			
مِنْ نَّفْعِهٖ اس کے نفع سے	لَبِئْسَ بیشک برا	الْمَوْلٰى دوست	وَلَبِئْسَ اور بیشک برا	الْعَشِيْرُ رفیق					

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ آیات میں کفار ومشرکین کو جو قیامت اور حشر ونشر کے منکر تھے ان کی مذمت فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ قیامت ضرور آنی ہے اور سب کو دوبارہ زندہ ہوکر اپنے کیئے کی جزا سزا ملنا یقینی ہے۔اس طرح مشرکین مکہ کو متنبہ کیا گیا تھا کہ تم نے اگر ضد وہٹ دھرمی سے اپنے جاہلانہ اور باطل خیالات پر اصرار کیا اور دین حق کو جھٹلاتے رہے تو تمہارے لئے دنیا میں بھی رسوائی وذلت آنی ہے اور قیامت میں عذاب جہنم چکھنا ہوگا۔

اب آگے ان آیات میں ایک دوسرے گروہ کی مذمت فرمائی گئی ہے جو باوجود ظاہری اسلام لانے کے دل سے اخلاص نہ رکھتے تھے اور بعض احوال میں کفروشرک کی طرف واپس ہوجاتے۔

ان آیات کے سبب نزول کے متعلق مختلف روایات منقول ہیں لیکن حاصل سب کا تقریباً ایک ہی ہے۔حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول ہے کہ بعض بدوی دیہاتی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوجاتے اور پھر اپنے وطن کو واپس جاتے تو اگر اس سال خوب بارش ہوتی۔مال میں وسعت اور اولاد کی بہتری ہوتی تو کہتے یہ بڑا اچھا دین ہے اور اگر اس سال قحط پڑ جاتا اور اولاد کی بیماری یا موت کا صدمہ پہنچتا تو کہتے (نعوذ باللہ) اس دین میں کوئی خوبی نہیں ہے اور پھر جاتے۔

حضرت ابن عباسؓ کا ہی دوسرا قول ہے کہ جب بعض دیہاتی مدینہ میں آتے اور آکر تندرست ہوجاتے اور اس کی گھوڑی کے خوبصورت بچہ پیدا ہوتا اور اس کی اپنی اولاد بھی نرینہ پیدا ہوتی تو دین اسلام سے راضی ہوتا اور کہتا کہ جب سے میں اس دین میں

آیا ہوں مجھے فائدہ ہی ہورہا ہے اور اگر مدینہ میں آکر بیمار ہوجاتا یا اس کی بیوی کے لڑکی پیدا ہوتی یا آمدنی میں کچھ تاخیر ہوتی تو شیطانی وسوسہ میں آکر کہتا کہ جب سے میں اس مذہب میں آیا ہوں مجھے برائی ہی پہنچی ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی مسلمان ہوا۔ پھر اس کی آنکھیں جاتی رہیں۔ مال بھی برباد ہوگیا اور اولاد کا بھی صدمہ پہنچا۔ ان حوادث کی وجہ سے اس نے اسلام کو نعوذ باللہ منحوس جانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ آپ اپنا اسلام واپس کر لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام واپس نہیں ہوتا۔ یہودی بولا میں نے اس دین میں کوئی بھلائی نہیں پائی۔ آنکھیں جاتی رہیں۔ مال گیا، اولاد مری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح چاندی سونے کا میل آگ کے ذریعہ سے صاف ہوجاتا ہے۔ اسی طرح آدمیوں کی تمام کثافتوں کو اسلام دور کردیتا ہے۔ بہرحال سبب نزولِ آیات کا کچھ بھی ہو مطلب صاف ہے۔ اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ بعض آدمی محض دنیا کی غرض سے دین کو اختیار کرتا ہے اور اسکا دل مذبذب رہتا ہے۔ اگر دین میں داخل ہوکر دنیا کی بھلائی دیکھے تو بظاہر اللہ کی بندگی پر قائم رہے اور تکلیف پائے تو دین حق کو چھوڑ دے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین و دنیا دونوں برباد ہوتے ہیں۔ آنے والی مصیبت تو آتی ہے۔ ادھر نجاتِ آخرت سے محرومی ہوجاتی ہے۔ گویا ایسا آدمی مکان کے کنارے کھڑا ہے کہ جب چاہے نکل بھاگے۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی خستہ وخوار ہوں گے تو اس سے بڑھ کر اور کیا خسارہ ہوگا۔ دنیا کی بھلائی نہ ملنے کی وجہ سے خدا کی بندگی چھوڑی اور جب اللہ عزوجل کو چھوڑا تو ضرورت کے وقت اپنی مدد کے لئے کسی اور کو بلائے گا۔ اب وہ اللہ کے سوا جسے بھی پکارے گا وہ کمزور ضعیف اور ناتواں ہی ہوگا جس میں نہ نفع پہنچانے کی طاقت ہوگی اور نہ ضرر پہنچانے کا بل بوتہ ہوگا تو ذرا سوچنا چاہئے کہ یہ کتنی بڑی گمراہی ہے اور اس کا یہ احمقانہ فعل اسے سچائی اور حقیقت سے کتنی دور لے جاکر پھینکے گا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کھلی ہوئی حماقت ہوگی۔ بتوں وغیرہ یعنی غیر اللہ سے نفع کی امید تو موہوم ہے لیکن ان کی بندگی کا جو ضرر ہے وہ قطعی اور یقینی ہے اس لئے فائدہ کا سوال تو بعد میں دیکھا جائے گا نقصان ابھی ہاتھوں ہاتھ پہنچ گیا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت میں بت پرستی کے نتائج سامنے آئیں گے تو بت پرست بھی یہ کہیں گے۔ **لبئس المولٰی ولبئس العشیر** یعنی جن سے بڑی امداد اور رفاقت کی توقع تھی وہ بہت ہی برے رفیق اور مددگار ثابت ہوئے کہ نفع تو کیا پہنچاتے الٹا ان کے سبب سے نقصان پہنچ گیا۔

یہاں ایسے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو محض دنیاوی طمع پر اسلام لے آتے ہیں اور ان کے دل میں حقانیت اسلام کی طرف سے تردد رہتا ہے۔ گویا ایسے لوگوں کے نزدیک حقانیت کا معیار دنیاوی منفعت ہے اور جو اسلام محض دنیوی منفعت پر مبنی ہو وہ اسلامی شریعت میں معتبر نہیں۔ اگر اس کو کوئی دنیاوی بھلائی پہنچ گئی جیسے صحت و مالداری وغیرہ تو اس بھلائی کی وجہ سے اس کو دین پر کچھ ٹھہراؤ ہوگیا اور اگر اس کو کوئی دنیاوی تکلیف پہنچ گئی جیسے بیماری اور تنگدستی تو پھر وہ دین سے پلٹ جاتا ہے تو ایسے شخص کا انجام یہ بتلایا گیا کہ اس نے دنیا بھی گنوائی اور آخرت بھی گنوائی۔ دنیا بھی گئی اور دین بھی گیا۔ دنیا کا نقصان تو یہ ہوا کہ مراد کو نہ پہنچا اور آخرت کا نقصان یہ ہوا کہ سارے اعمال نیست ونابود ہوگئے۔

حاصل مطلب یہ کہ دین اسلام کو اخلاص کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے نہ کہ دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لئے۔ دنیا کا نفع ونقصان تو ہر کسی کے ساتھ لگا ہوا ہے جو مشیت الٰہی کے تحت پہنچتا ہے۔

اب آگے ان دونوں گروہوں کے مقابلہ میں جن کی مذمت فرمائی گئی مؤمنین صادقین کی فضیلت کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل فرماویں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿١٤﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔ جو شخص اس بات کا خیال رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ رسول کی دنیا اور آخرت میں مدد نہ کرے گا

فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿١٥﴾

تو اس کو چاہیے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے پھر اس وحی کو موقوف کرادے تو پھر غور کرنا چاہیے آیا اُسکی تدبیر اُسکی ناگواری کی چیز کو موقوف کرسکتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

اور ہم نے اس قرآن کو اسی طرح اُتارا جس میں کھلی کھلی دلیلیں ہیں اور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔اس میں

هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ

کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان میں

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١٧﴾

قیامت کے روز (عملی) فیصلہ کردے گا۔ بے شک خدا تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	يُدْخِلُ داخل کرے گا	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ جو لوگ ایمان لائے	عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے درست عمل کئے	جَنّٰتٍ باغات		
تَجْرِيْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے سے	الْاَنْهٰرُ نہریں	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	يَفْعَلُ کرتا ہے	مَا يُرِيْدُ جو وہ چاہتا ہے	
مَنْ جو	كَانَ يَظُنُّ گمان کرتا ہے	اَنْ کہ	لَّنْ يَّنْصُرَهُ ہرگز اس کی مدد نہ کرے گا	اللّٰهُ اللہ	فِي الدُّنْيَا دنیا میں	وَ اور	الْاٰخِرَةِ آخرت
فَلْيَمْدُدْ تو اسے چاہیے کہ تانے	بِسَبَبٍ ایک رسی	اِلَى السَّمَاءِ آسمان کی طرف	ثُمَّ پھر	لْيَقْطَعْ اسے کاٹ ڈالے	فَلْيَنْظُرْ پھر دیکھے		
هَلْ کیا	يُذْهِبَنَّ دور کردیتی ہے	كَيْدُهٗ اس کی تدبیر	مَا يَغِيْظُ جو غصہ دلا رہی ہے	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اس کو نازل کیا		
اٰيٰتٍ آیتیں	بَيِّنٰتٍ روشن	وَ اور	اَنَّ اللّٰهَ یہ کہ اللہ	يَهْدِيْ ہدایت دیتا ہے	مَنْ جس کو	يُّرِيْدُ وہ چاہتا ہے	اِنَّ بیشک
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	وَالَّذِيْنَ اور جو	هَادُوْا یہودی ہوئے	وَ اور	الصّٰبِـِٕيْنَ صابی ستارہ پرست	وَالنَّصٰرٰى اور نصاریٰ مسیحی		
وَالْمَجُوْسَ اور آتش پرست	وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اور وہ جنہوں نے شرک کیا (مشرک)	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	يَفْصِلُ فیصلہ کردے گا			
بَيْنَهُمْ ان کے درمیان	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَلٰي پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	شَهِيْدٌ مطلع		

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں منکرین۔ مجادلین و مذبذبین و مرتدین کی مذمت فرمائی گئی تھی اور ان کی باطل پرستی کا نتیجہ بہ ظاہر فرمایا گیا تھا۔ اب کفار کے مقابلہ میں اہل ایمان کا حال اور ان کی نیک انجامی بیان فرمائی جاتی ہے تا کہ اگر کفر سے نفرت پیدا ہو تو

ساتھ ہی اسلام و ایمان سے رغبت بھی پیدا ہو سکے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ ہر بات کی وضاحت اس کی ضد کو بیان کرنے سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ کفر کی ضد اسلام ہے۔ اسلام ہی کی طرف طبائع کا میلان کرانا مقصود تھا لیکن جب تک کفر کی طرف سے قلوب میں نفرت نہ پیدا کی جائے اسلام کی طرف میلان نہیں ہوسکتا۔ جب کفار اور ان کے کفر کی حالت شنیعہ اور نتائج قبیحہ کا بیان ہو گیا تو اب رغبت کے لئے مؤمنین، صادقین کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو اہلِ ایمان ہیں اور ساتھ ہی عمل صالح بھی کرتے ہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق اپنا عقیدہ رکھتے ہیں اور شریعت اسلامیہ کے مطابق جو نیک کام کرنے کے لئے بتلائے گئے ہیں وہ کرتے ہیں اور جن کاموں سے روکا گیا ہے ان سے باز رہتے ہیں تو ایسے لوگوں کو قیامت کے دن جنت کے باغات میں داخل کیا جائے گا۔ یہاں ان آیات میں بھی اور قرآن پاک میں متعدد جگہ جنت میں داخلہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ گزشتہ آیات میں کفار کی سزا اور یہاں مومنین کی جزا کا جو بیان ہوا تو اس کے وقوع میں ذرا شبہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا۔

اس سورۃ کے ابتدائی درس میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اس سورۃ کا ابتدائی حصہ مکہ معظمہ میں بالکل آخری مکی دور میں یعنی ہجرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ہی قبل نازل ہوا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار مکہ کی عداوت و مخالفت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی حتیٰ کہ کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے کر رہے تھے تاکہ اس طرح وہ دین اسلام کو ختم کر سکیں۔ چونکہ کفار و مشرکین کی دلی منشا اور غرض یہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دین اسلام کو مغلوب و ضعیف کر کے ختم کیا جائے اسلئے آگے اس غرض والوں کی ناکامی بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے رسول سے دنیوی اور اخروی فتح و نصرت کے جو وعدے کر چکا ہے وہ ضرور پورے ہو کر رہیں گے خواہ کفار و حاسدین کتنا ہی غیظ کھائیں اور نصرت ربانی کے روکنے کی کیسی ہی تدبیر کر لیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و کامیابی کسی طرح رک نہیں سکتی یقیناً آ کر رہے گی۔
اگر ان کفار و حاسدین کو اس پر زیادہ غصہ ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کسی کوشش سے خدا کی مشیت کو روک سکیں گے تو اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے دیکھ لیں اور ہو سکتا ہو تو آسمان میں رسی تان کر اوپر چڑھیں اور وہاں سے آسمانی امداد کو منقطع کر آئیں۔ پھر دیکھیں کہ ان تدبیروں سے وہ چیز آنی بند ہو جاتی ہے جس پر انہیں اس قدر غصہ اور پیچ و تاب ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ قرآن پاک کی آیات تو بالکل واضح اور روشن ہیں اور اس کی باتیں اور مثالیں کتنی صاف اور کھلی ہیں۔ جو شخص ان میں غور کرے اس پر صاف صاف حق واضح ہو جائے مگر سمجھتا وہی ہے جسے خدا سمجھ دے۔ ہدایت یاب ہونا ہر شخص کا کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں البتہ انسان کی سعی اور طلب کے بعد اللہ تعالیٰ ارادہ ہدایت کا فرما ہی لیتے ہیں۔
اب تمام گروہوں کا بیان کرنے کے بعد تمام گروہوں کے متعلق ایک قطعی فیصلہ صادر فرما دیا کہ قیامت کے دن تمام مذاہب کے نزاعات کا عملی اور دوٹوک فیصلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہوگا اور اہلِ اسلام ۔ یہود ۔ نصاریٰ آتش پرست ۔ صابی ۔ مشرکین سب کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا نتیجہ اچھا ہے اور کس کا برا، کون کامیاب رہا کون ناکام، کون ناجی ہے کون ناری۔ سب جدا جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پہنچا دیئے جائیں گے۔ سب

کے اقوال وافعال۔ظاہر وباطن سب اللہ تعالیٰ پر عیاں ہیں۔

عام طور پر دنیا میں مذہب کے لحاظ سے چھ فریق رہے ہیں۔ایک اہل ایمان یا اہل اسلام جن کو یہاں آیت میں "اللذین امنوا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔دوسرے یہود۔تیسرے نصاریٰ۔چوتھے مجوسی یعنی آتش پرست۔پانچویں مشرکین یعنی بت پرست وغیرہ۔چھٹے صائبین۔ صائبین کے بارہ میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔بعض کا کہنا ہے کہ یہ کواکب پرستوں کا گروہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔بعض کا کہنا ہے کہ صائبین مجوس اور نصاریٰ کے درمیان ایک قوم ہے اور ان کا کوئی دین نہیں اور نہ وہ کسی پیغمبر کو مانتے ہیں۔نہ کسی ملت کی جانب منسوب ہیں۔نہ ان کی کوئی شریعت ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ صائبین اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے جو فرشتوں کو پوجتا تھا۔بہر حال یہ چھ دین ہیں جن میں سے پانچ دین اب شیطان کے ہیں اور صرف ایک دین رحمٰن کا ہے۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان جملہ ادیان مختلفہ کا فیصلہ فرمائیں گے۔اہلِ ایمان واہلِ اسلام کو جنت میں جو اللہ کی رضا کا مقام ہے داخل فرمائیں گے۔اور ان کے سوا سب کفار ومشرکین کو خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا مجوسی یا صابی یا مشرک سب جہنم میں جھونکے جائیں گے اور یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے علم کی بنا پر ہوگا۔

نیز ان اللہ یھدی من یرید یعنی اللہ تعالیٰ حق کی ہدایت فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے سے واضح ہوا کہ قرآن کریم کی تعلیم و ہدایت تو بالکل واضح،روشن اور ناقابل شک وشبہ ہے مگر فائدہ اور ہدایت اسی کو نصیب ہوتا ہے جس کے شاملِ حال اللہ کی توفیق ہو۔اور جس کو حق تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔اسی مناسبت سے آگے اللہ عزوجل کی قدرت وجبروت کو ثابت فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ قرآنی ہدایات کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے قلوب منور فرمائیں اور ہمارے سینوں کو کشادہ فرمائیں۔

یا اللہ! ہم کو ایمان کامل اور اسلام صادق نصیب فرما۔اور اسی پر ہمارا جینا اور مرنا مقدر فرما۔

یا اللہ! قیامت میں مؤمنین صادقین کے ساتھ ہی ہمارا حشر ونشر ہو اور انہی کے ساتھ جنت میں پہنچنا نصیب ہو۔

یا اللہ! ہم کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اپنی توفیق حسن کو ہمارے شاملِ حال فرما۔یا اللہ! ہم کو ان اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرما جو آپ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ بنیں اور ان اعمال سے بچنا نصیب فرما جو آپ کی ناراضگی کا سبب ہوں۔

یا اللہ! آپ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدۂ نصرت وامداد کے فرمائے تھے وہ سب آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم سے پورے فرمائے۔

یا اللہ! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مسلمہ بھی اس وقت آپ کی امداد ونصرت کی بہت ہی حاجت مند ہے۔

یا اللہ! دشمنانِ دین اور اعدائے اسلام کے مقابلہ میں اُمتِ مسلمہ کی مدد فرمادے اور اسلام اور اہلِ اسلام کو مٹانے والوں کے عزائم کو ملیامیٹ فرمادے اور ان کے اوپر اپنے قہر وعذاب کی بجلیاں گرا کر خاسر ونا کام بنادے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

اے مخاطب کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند

وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی۔اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہوگیا ہے۔

الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾ السجدة

اور جس کو خدا ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں اللہ تعالیٰ (کو اختیار ہے) جو چاہے کرے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا؟	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يَسْجُدُ لَهٗ سجدہ کرتا ہے اس کیلئے	مَنْ جو	فِى السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَنْ اور جو	
فِى الْاَرْضِ زمین میں	وَالشَّمْسُ اور سورج	وَالْقَمَرُ اور چاند	وَ اور	النُّجُوْمُ ستارے	وَالْجِبَالُ اور پہاڑ	وَالشَّجَرُ اور درخت
وَالدَّوَآبُّ اور چوپائے	وَكَثِيْرٌ اور بہت	مِنَ سے	النَّاسِ انسان	وَكَثِيْرٌ اور بہت سے	حَقَّ ثابت ہوگیا	عَلَيْهِ اس پر
الْعَذَابُ عذاب	وَ اور	مَنْ جسے	يُّهِنِ اللّٰهُ ذلیل کرے اللہ	فَمَا لَهٗ تو نہیں اس کیلئے	مِنْ مُّكْرِمٍ کوئی عزت دینے والا	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
	يَفْعَلُ کرتا ہے	مَا يَشَآءُ جو وہ چاہتا ہے				

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں حق تعالیٰ قیامت کے روز تمام مذاہب کے انسانوں میں عملی فیصلہ فرمادیں گے یعنی اہلِ ایمان کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور منکرین و کافرین کو جہنم میں پھینکا جائے گا اور ہر شخص کے کفر و ایمان کی اطلاع حق تعالیٰ کو ہے پس ہر ایک کو مناسب جزاو سزا دے گا۔ تو گزشتہ آیت میں یہ فرمانے سے کہ بیشک حق تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے اور ہر چیز جانتا ہے اللہ تعالیٰ کا علم و ادراک کامل ثابت ہوا تھا جو قیامت میں فیصلہ کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اب آگے اس آیت میں اللہ عزوجل کی قدرت اور جبروت کو ثابت فرمایا جاتا ہے کہ اس کے آگے تمام کائنات سرنگوں ہے۔ آسمان اور زمین میں جتنی بھی مخلوق ہے سب اس قدرت والے کے آگے سربسجود ہے۔ کوئی اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا وہ جس کو ذلت دیتا ہے کوئی اس کو عزت نہیں دے سکتا اور وہ جو چاہے کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ کو رد کرسکے اور قیامت میں فیصلہ کرنے کے لئے بھی دو وصف ضروری ہیں۔ علم کامل اور قدرتِ کامل۔ تو جو تمام عالم کا مسجود ہے۔ کائنات کی ہر چیز اسی کے حکم کی مطیع اور اس کی مشیت کے مسخر ہے۔ ہر شے اسی طریق سے اس کو سجدہ کرتی ہے جو اس کی حالت کے سزاوار ہے۔ انسان بھی سجدہ کرتا ہے۔ ستارے بھی سجدہ کرتے ہیں۔ درختوں کی پتیاں۔ ریگستان کے ذرے، سمندر اور دریاؤں کے قطرے۔ اور پہاڑوں کے پتھر سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ لیکن ہر ایک کا سجدہ جدا نوعیت اور جدا کیفیت رکھتا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ کل کائنات کے سجدہ کرنے کے دو معنی ہیں۔

اول یہ کہ ہر شے اپنے مناسب حال سجدہ کرتی ہے۔ آدمی کا سجدہ ہے پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھنا۔ درختوں کا سجدہ کرنا اور نوعیت رکھتا ہے۔ پہاڑوں، ستاروں چاند اور سورج ان کا سجدہ کسی اور خاص کیفیت و ہیئت کا حامل ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ تمام مخلوق فطرۃ اللہ کی فرمانبردار اور مسخر

ہے۔قانونِ قدرت سے کوئی سرتابی نہیں کرسکتا۔ چار و ناچار سب کو ضابطہ فطرت پر چلنا پڑتا ہے۔ زمین اور آسمان کی ہر مخلوق اس کے قانون کی مطیع ہے۔ یہاں آیت میں بعض چیزوں کے سجدہ کرنے کی تخصیص بھی کی گئی ہے مثلاً سورج، چاند اور ستارے۔ پہاڑ، درخت، چار پائے۔ عرب میں بعض قبیلے آفتاب کی پرستش کرتے تھے۔ عرب کے علاوہ بعض دوسری قومیں بھی ان کی پوجا کرتی تھیں۔ بعض قومیں چاند، سورج کی طرح پہاڑوں، درختوں اور کچھ جانوروں کی بھی اتنی تعظیم کرتے کہ وہ حد عبادت تک پہنچ جاتی۔ تو ان سب چیزوں کی پرستش کرنیوالوں کو جتلایا جاتا ہے کہ یہ سب چیزیں تو اللہ کے آگے جھک رہی ہیں۔ اسکے حکم کے آگے مسخر ہیں۔ تو ان کے مالک و خالق کو چھوڑ کر ان کو پوجنا کونسی عقلمندی ہے؟ با خدا انسان تو بالاختیار اللہ کو سجدہ کرتے ہیں مگر انسانوں میں ایسے بھی بدبخت اور بے عقل اور ذلیل ہیں کہ باختیار خود اس مالک و خالق حقیقی کے آگے نہیں جھکتے۔ ان ذلیل انسانوں پر عذابِ الٰہی ثابت ہو چکا ہے۔ اور انسانوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ عزوجل جسے عذاب دے کر ذلیل کرنا چاہے تو کوئی اس کو بچا کر عزت دینے والا نہیں۔

اس آیت میں یہ دو جملے جو آئے ہیں۔ " ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم ان اللہ یفعل مایشآء " اور جسے اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔ ان دو جملوں سے متعلق بغداد کے ایک مشہور و معروف بزرگ جو شیخ ابو عبداللہ اندلسی کے نام سے ۲۰۰ھ میں گزرے ہیں ان کا عجیب و غریب اور نہایت عبرت انگیز واقعہ یاد آیا جو ایک مشہور عربی کتاب سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اردو میں ترجمہ فرمایا ہے اور جو درس عبرت کے نام سے طبع ہوا ہے۔ حضرت شیخ اکثر اہلِ عراق کے پیر و مرشد اور استاد و محدث تھے آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک تھی جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رحمہما اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں اور علاوہ زاہد و عابد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث و تفسیر میں ایک جلیل القدر امام تھے۔ لکھا ہے کہ تیس ہزار احادیث آپ کو حفظ یاد تھیں اور قرآن کریم کے تمام روایات قرأت کے ساتھ حافظ تھے مگر ایک ابتلا میں گرفتار ہو جانے پر کس طرح سارا قرآن شریف بھول گئے۔ اور سوا دو آیتوں کے کچھ یاد نہ رہا۔ ایک تو یہی " ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم ان اللہ یفعل مایشآء" (جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے)۔ اور دوسری یہ "ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سوآء السبیل" (جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا) اور تیس ہزار احادیث میں سے صرف ایک حدیث یاد رہ گئی تھی من بدل دینہ فاقتلوہ (اور جو اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کردو) چونکہ واقعہ نہایت عبرت انگیز اور نصیحت آمیز ہے اور اس آیت سے ایک مناسبت رکھتا ہے اس لئے پورا واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں پیش کیا جائے گا۔ اور یہ واقعہ اتنا عبرتناک اور نصیحت آموز ہے کہ حضرت اقدس شیخ الحدیث و محدثِ کبیر مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ایک تالیف "شریعت و طریقت کا تلازم" میں صفحہ ۲۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابو عبداللہ اندلسی کا واقعہ تو میرے دل میں ایسا جما ہوا ہے اور چھا ہوا ہے کہ اکثر بے اختیار زبان قلم پر آجاتا ہے میں سالکین اور تصوف سے ذرا سا تعلق رکھنے والوں کے متعلق بھی یہ چاہتا ہوں کہ یہ واقعہ ہر ایک کے دل میں اترا ہوا ہو۔"

یہ آیت جو تلاوت کی گئی ہے یہ آیت سجدہ ہے اس کے پڑھنے اور سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے قارئین و سامعین سجدۂ تلاوت کر لیں۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کی معرفت اور یقین کامل ہم کو بھی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! عزت و ذلت کے خزانے آپ کے دست قدرت میں ہیں۔ آپ جسے چاہیں عزت بخشیں اور جسے چاہیں ذلت دیں۔ آپ کے ارادہ اور حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

اے مخاطب کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے اپنی اپنی حالت کے مناسب سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند

وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی۔اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہوگیا ہے۔

الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾ السجدۃ

اور جس کو خدا ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں اللہ تعالیٰ (کو اختیار ہے) جو چاہے کرے۔

أَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا؟	أَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يَسْجُدُ لَهٗ سجدہ کرتا ہے اس کیلئے	مَنْ جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَنْ اور جو	
فِي الْأَرْضِ زمین میں	وَالشَّمْسُ اور سورج	وَالْقَمَرُ اور چاند	وَ اور	النُّجُوْمُ ستارے	وَالْجِبَالُ اور پہاڑ	وَالشَّجَرُ اور درخت
وَالدَّوَآبُّ اور چوپائے	وَكَثِيْرٌ اور بہت	مِّنَ سے	النَّاسِ انسان	وَكَثِيْرٌ اور بہت سے	حَقَّ ثابت ہوگیا	عَلَيْهِ اس پر
الْعَذَابُ عذاب	وَ اور	مَنْ جسے	يُّهِنِ اللّٰهُ ذلیل کرے اللہ	فَمَا لَهٗ تو نہیں اس کیلئے	مِنْ مُّكْرِمٍ کوئی عزت دینے والا	إِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
	يَفْعَلُ کرتا ہے	مَا يَشَآءُ جو وہ چاہتا ہے				

تفسیر وتشریح:۔ اس آیت کا بیان گزشتہ درس میں ہو چکا ہے۔ آیت کے آخری دو جملوں یعنی " ومن یھن اللہ فماله من مکرم ان اللہ یفعل مایشآء" (اور جسے اللہ ذلیل کرے اس کو عزت دینے والا کوئی نہیں بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے) سے متعلق گزشتہ درس میں عراق (بغداد) کے ایک مشہور بزرگ شیخ ابوعبداللہ اندلسی رحمتہ اللہ علیہ کے عجیب وغریب اور نہایت عبرت انگیز اور نصیحت آمیز واقعہ کو بیان کرنے کا جو وعدہ کیا گیا تھا وہ اس درس میں پورا کیا جاتا ہے۔ یہ عبرت آموز واقعہ علامہ دمیری کی کتاب "حیٰوۃ الحیوان مطبوعہ مصر سے نقل کیا گیا ہے اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جو "درس عبرت" کے نام سے قریب ۶۰ سال ہوئے شائع ہوا تھا۔ اور اب بھی غالباً دارالاشاعت بندر روڈ بالمقابل مولوی مسافر خانہ کراچی سے دستیاب ہوسکتا ہے۔"

درسِ عبرت" میں حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

سن ہجری کی دوسری صدی ختم پر ہے۔ آفتاب نبوت غروب ہوئے ابھی بہت زیادہ مدت نہیں گزری۔ لوگوں میں امانت دیانت اور تدین وتقویٰ کا عنصر غالب ہے۔ اسلام کے ہونہار فرزند جن کے ہاتھ پر اس کو فروغ ہونے والا ہے کچھ برسرِ پیکار ہیں اور کچھ ابھی تربیت پا رہے ہیں۔ ائمہ دین کا زمانہ ہے۔ ہر ایک شہر علماء دین وصلحا متقین سے آباد نظر آتا ہے خصوصاً مدینۃ الاسلام بغداد جو اس وقت مسلمانوں کا دار السلطنت ہے اپنی ظاہری اور باطنی آرائشوں سے آراستہ ہو کر گلزار بنا ہوا ہے ایک طرف اگر اس کی دلفریب عمارتیں اور ان میں گزرنے والی نہریں دل لبھانے والی ہیں تو دوسری طرف علماء وصلحاء کی مجلسیں درس وتدریس کے حلقے ذکر وتلاوت کی دلکش آوازیں خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی دلجمعی کا کافی سامان ہے۔ فقہا ومحدثین اور عباد وزہاد کا ایک عجیب وغریب مجمع ہے۔ اس مبارک مجمع میں ایک بزرگ حضرت شیخ ابوعبداللہ اندلسی کے نام سے مشہور ہیں جو اکثر اہلِ عراق کے پیر ومرشد اور استاد ومحدث ہیں آپ کے

مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ چکی ہے جن کا ایک عبرت ناک واقعہ ہمیں اس وقت ہدیہ ناظرین کرنا ہے۔

یہ بزرگ علاوہ زاہد و عابد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث وتفسیر میں بھی ایک جلیل القدر امام ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں اور قرآن شریف کو تمام روایاتِ قرأت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے سفر کا ارادہ کیا۔ تلامذہ اور مریدین کی جماعت میں سے بہت سے آپ کے ساتھ ہولئے جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رحمہما اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ حضرت شبلی قدس اللہ سرہ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ خدا کے فضل وکرم سے نہایت امن وامان اور آرام و اطمینان کے ساتھ منزل بہ منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ہمارا گزر ایک عیسائیوں کی بستی پر ہوا۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا لیکن پانی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اب تک ادا نہ کر سکے تھے۔ بستی میں پہنچ کر پانی کی تلاش ہوئی ہم نے بستی کا چکر لگایا۔ اس دوران میں ہم چند مندروں اور گرجا گھروں پر پہنچے جن میں آفتاب پرستوں اور صلیب پرست نصرانیوں کے رہبان اور پادریوں کا مجمع تھا جن میں ہر شخص اپنے خبط میں مبتلا تھا۔ کوئی آفتاب کو پوجتا تھا۔ کوئی آگ کو ڈنڈوت کرتا تھا۔ کوئی صلیب کو اپنا قبلہ حاجات بنائے ہوئے تھا۔ ہم یہ دیکھ کر متعجب ہوئے۔ اور ان لوگوں کی کم عقلی اور گمراہی پر حیرت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ آخر گھومتے گھومتے بستی کے کنارہ پر ایک کنوئیں پر پہنچے جس پر چند نوجوان لڑکیاں پانی پلا رہی تھیں۔ اتفاق سے شیخ مرشد ابو عبداللہ اندلسی کی نظر ان میں سے ایک لڑکی پر پڑی جو اپنے خداداد حسن و جمال میں سب ہمجولیوں سے ممتاز ہونے کے ساتھ زیور اور لباس سے آراستہ تھی۔ شیخ کی اس پر نظر پڑتے ہی حالت دگرگوں ہونے لگی۔ چہرہ بدلنے لگا۔ اسی انتشار طبع کی حالت میں شیخ اس کی ہمجولیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے یہ کس کی لڑکی ہے؟ لڑکیوں نے جواب دیا کہ یہ اسی بستی کے سردار کی بیٹی ہے۔ شیخ نے کہا کہ پھر اس کے باپ نے اس کو اتنا ذلیل کیوں بنا رکھا ہے کہ کنوئیں سے خود ہی پانی بھرتی ہے کیا وہ اس کے لئے کوئی ماما نوکر نہیں رکھ سکتا جو اس کی خدمت کرے لڑکیوں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ مگر اس کا باپ نہایت عقیل اور فہیم آدمی ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ لڑکی اپنے باپ کے مال و متاع حشم و خدم پر غرہ ہو کر کہیں اپنے فطری اخلاق خراب نہ کر بیٹھے اور نکاح کے بعد شوہر کے یہاں جا کر اس کی خدمت میں کوئی قصور نہ کرے۔

حضرت شبلی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے اور تین دن کامل اس پر گزر گئے کہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ کسی سے کلام کرتے ہیں البتہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو نماز ادا کر لیتے ہیں۔ مریدین اور تلامذہ کی کثیر التعداد جماعت ان کے ساتھ ہے لیکن سخت ضیق میں ہے کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔

حضرت شبلی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ تیسرے دن میں نے یہ حالت دیکھ کر پیش قدمی کی اور عرض کیا اے شیخ! آپ کے مریدین آپ کے اس مستمر سکوت سے متعجب اور پریشان ہیں۔ کچھ تو فرمائیے کیا حال ہے۔ حضرت شیخ نے قوم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میرے عزیزو میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ میرے تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلط ہے اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں۔ حضرت شبلی نے عرض کیا اے ہمارے آقا۔ آپ اہلِ عراق کے پیر و مرشد۔ علم وفضل اور زہد و عبادت میں شہرۂ آفاق ہیں آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو گئی ہے۔ بطفیل قرآن عزیز ہمیں اور ان سب کو رسوا نہ کیجئے۔

حضرت شیخ نے فرمایا میرے عزیزو۔ میرا اور تمہارا نصیب۔ تقدیر خداوندی ظاہر ہو چکی ہے۔ مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا اور ہدایت کی علامات اٹھالی گئیں یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا "اے میری قوم۔ قضا و قدر نافذ ہو چکی ہے۔ اب کام

میرے بس کا نہیں ہے۔"

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حیرت سے رونا شروع کیا۔ شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے یہاں تک کہ زمین آنسوؤں کے امنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہوگئی اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے۔ لوگ ہمارے آنے کی خبر سن کر حضرت شیخ کی زیارت کے لئے شہر سے باہر آئے اور حضرت شیخ کو ہمارے ساتھ نہ دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ ہم نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ واقعہ سن کر لوگوں میں کہرام مچ گیا۔ شیخ کے مریدوں میں سے کثیر التعداد جماعت تو اسی غم وحسرت میں اسی وقت عالمِ آخرت کو سدھار گئی اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدائے بے نیاز ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ میں دعائیں کرنے لگے کہ مقلب القلوب شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہوگئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے ایک سال کے بعد جب ہم مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر پھر شیخ کی خبر لیں کہ کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا اور اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا۔ گاؤں والوں نے بتلایا کہ وہ جنگل میں خنزیر چرا رہا ہے۔ اس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی۔ اس کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا اور وہ جنگل میں سور چرانے کی خدمت پر مامور رہے۔ حضرت شبلیؒ کہتے ہیں کہ یہ سن کر ہم ششدر رہ گئے اور غم سے ہمارے کلیجے پھٹنے لگے کہ خدا کی پناہ یہ کیا ہوا؟ آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان امنڈنے لگا۔ بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے جہاں وہ سور چرا رہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی ہے اور کمر میں زنار باندھی ہوئی ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ہم نے قریب پہنچ کر السلام علیکم کہا۔ شیخ نے کسی قدر دبی زبان سے وعلیکم السلام کہا۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے کہا اے شیخ! اس علم وفضل اور حدیث وتفسیر کے ہوتے ہوئے آج آپ کا کیا حال ہے؟ حضرت شیخ نے جواب دیا۔ میرے بھائیو۔ میں اپنے اختیار میں نہیں۔ میرے مولا نے جس طرح چاہا مجھ میں تصرف کیا اور اس قدر تقرب کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا تھا۔ اے عزیزو خدائے بے نیاز کے قہر سے ڈرو۔ اپنے علم وفضل پر مغرور نہ ہو۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا۔ اے میرے مولا! میرا گمان تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل وخوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دے گا۔ یہ کہہ کر خدا تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور فریاد کرنا شروع کر دیا اور آواز دی کہ اے شبلی اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر۔ حضرت شبلی رونے کی وجہ سے لکنت کرتی ہوئی آواز سے نہایت دردناک لہجہ میں فریاد کرنے لگے اے ہمارے پروردگار ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں۔ ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے۔ ہم سے یہ مصیبت دفع کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفعہ کرنے والا نہیں۔

خنزیران سب کا رونا اور ان کی دردناک آوازیں سنتے ہی سب کے سب وہیں جمع ہو گئے اور زمین پر مرغِ بسمل کی طرح لوٹنا اور چلانا شروع کیا اور اس زور سے چیخے کہ ان کی آواز سے جنگل اور پہاڑ گونج اٹھے۔ یہ میدان میدانِ حشر کا نمونہ بن گیا۔ ادھر حضرت شیخ حسرت کے عالم میں زاروزار رو رہے تھے۔ حضرت شبلی نے عرض کیا اے شیخ آپ حافظ قرآن تھے اور قرآن کریم کو ساتوں قرأت سے پڑھا کرتے تھے۔ اب بھی اس کی کوئی آیت یاد ہے؟

حضرت شیخ نے جواب دیا اے عزیز! مجھے تمام قرآن مجید میں دو آیتوں کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔

حضرت شبلی نے پوچھا وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟ تو شیخ نے کہا ایک تو یہ ہے۔ "ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم ان اللہ یفعل مایشآء" (جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے) اور دوسری یہ ہے۔ "ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سوآء السبیل" (جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا۔ تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا)

حضرت شبلیؒ نے پھر پوچھا کہ اے شیخ آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے برزبان یاد تھیں اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے؟ کہنے لگے کہ صرف ایک حدیث یاد ہے۔ "من بدل دینہ فاقتلوہ" (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر ڈالو)

پھر حضرت شبلی کہتے ہیں کہ ہم یہ حال دیکھ کر بصد حسرت ویاس شیخ کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے اور بغداد کا قصد کیا۔ ابھی تین ہی منزل طے کر پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور باآواز بلند شہادتین "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ" پڑھتے جاتے تھے۔

اسی وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت اور حسرت ویاس کا اندازہ ہو۔ ان کے قریب پہنچ کر شیخ نے کہا کہ مجھے ایک پاک کپڑا دو اور کپڑا لے کر سب سے پہلے نماز کی نیت باندھی۔ ہم منتظر تھے کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو مفصل واقعہ سنیں۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے کہا اس خدائے علیم وقدیر کا ہزار ہزار شکر واحسان ہے کہ جس نے آپ کو پھر ہم سے ملایا اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد پھر درست فرمایا۔ مگر اے شیخ ذرا بیان فرمائیے کہ انکار شدید کے بعد پھر آپ کا آنا کیسے ہوا؟

حضرت شیخ نے فرمایا۔ میرے دوستو جب تم مجھے چھوڑ کر واپس ہوئے میں نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ خداوندا مجھے اس جنجال سے نجات دے۔ میں تیرا خطاکار بندہ ہوں اس سمیع الدعا نے بایں ہمہ میری آواز سن لی اور میرے سارے گناہ محو کر دیئے۔

پھر حضرت شبلی نے دریافت کیا اے شیخ آپ کے ابتلاء کا کوئی سبب تھا؟ حضرت شیخ نے فرمایا ہاں جب ہم اس گاؤں میں اترے اور بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گزر ہوا۔ آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مومن موحد ہیں اور یہ کم بخت کیسے جاہل اور احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان وتوحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں، بلکہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلادیں۔ بس مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا کوئی پرندہ میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا ہے جو درحقیقت ایمان تھا۔

حضرت شبلی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہمارا قافلہ نہایت خوشی اور کامیابی کے ساتھ بغداد پہنچا۔ سب مریدین شیخ کی زیارت اور ان کے دوبارہ قبول اسلام سے خوشیاں منارہے ہیں۔ خانقاہیں اور حجرے کھول دیئے گئے۔ بادشاہ وقت حضرت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور کچھ ہدایا پیش کئے۔ شیخ پھر اپنے قدیم شغل میں مشغول ہوگئے اور پھر وہی حدیث وتفسیر وعظ و تذکیر تعلیم وتربیت کا دور شروع ہوگیا۔ خداوند عالم نے شیخ کا بھولا ہوا علم پھر ان کو عطا فرمادیا بلکہ اب نسبتاً پہلے سے ہر علم وفن میں ترقی ہے۔ تلامذہ کی تعداد چالیس ہزار تک ہوگئی۔ اور اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی۔ ایک روز ہم صبح کی نماز پڑھ کر حضرت شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کسی شخص نے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں دروازہ پر گیا تو دیکھا کہ ایک شخص سیاہ کپڑوں میں لپٹا کھڑا ہے۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور کیا مقصود ہے؟

اس آنے والے نے کہا کہ اپنے شیخ سے کہہ دو کہ وہ لڑکی جس کو

آپ فلاں گاؤں میں چھوڑ آئے تھے اس گاؤں کا نام لیا جس میں حضرت شیخ مبتلا ہوئے تھے) آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ میں شیخ کے پاس گیا۔ واقعہ بیان کیا۔ شیخ سنتے ہی زرد پڑ گئے اور خوف سے کانپنے لگے اس کے بعد اس کو اندر آنے کی اجازت دی۔

لڑکی شیخ کو دیکھتے ہی زار و قطار رو رہی ہے۔ شدت گریہ دم لینے کی اجازت نہیں دیتا کہ کچھ کلام کرے۔

حضرت شیخ نے لڑکی سے خطاب کیا کہ تمہارا آنا یہاں کیسے ہوا اور یہاں تک تمہیں کس نے پہنچایا؟

لڑکی نے جواب دیا کہ اے میرے سردار جب آپ ہمارے گاؤں سے رخصت ہوئے اور مجھے خبر ملی تو میری بے چینی اور بے قراری جس حد کو پہنچی اس کو میرا ہی دل جانتا ہے نہ بھوک رہی نہ پیاس۔ نیند کہاں آتی۔ رات بھر اسی اضطراب میں رہ کر صبح کے قریب ذرا لیٹ گئی اور اس وقت مجھ پر کچھ غنودگی سی غالب ہوئی اس غنودگی میں میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تو مومنات میں داخل ہونا چاہتی ہے تو بتوں کی عبادت چھوڑ دے اور شیخ کا اتباع کر اور اپنے دین سے توبہ کر کے شیخ کے دین میں داخل ہو جا۔ لڑکی نے کہا کہ میں نے اسی خواب کے عالم میں اس شخص کو خطاب کر کے پوچھا کہ شیخ کا دین کیا ہے؟ اس نے خواب میں جواب دیا کہ ان کا دین اسلام ہے۔ میں نے خواب ہی میں اس سے پوچھا اسلام کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس بات کا دل و زبان سے گواہی دینا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برحق رسول اور پیغمبر ہیں۔ پھر میں نے خواب ہی میں پوچھا کہ اچھا میں شیخ کے پاس کس طرح پہنچ سکتی ہوں۔ انہوں نے خواب ہی میں مجھ سے کہا کہ ذرا آنکھیں بند کر لو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو میں نے خواب ہی میں کہا۔ ''بہت اچھا اور کھڑی ہو گئی اور ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے خواب ہی میں دیکھا کہ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھوڑی دور چل کر کہا لو بس آنکھیں کھول دو۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو میں نے اپنے آپ کو دجلہ کے کنارہ پایا۔ اب میں متحیر تھی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی کہ میں چند منٹوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ اس شخص نے آپ کے حجرہ کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ سامنے شیخ کا حجرہ ہے وہاں چلی جاؤ اور شیخ سے کہہ دو کہ آپ کا بھائی خضر آپ کو سلام کہتا ہے۔ میں اس شخص کے اشارہ کے موافق یہاں پہنچ گئی۔ اور اب آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ مجھے مسلمان کر لیجئے۔

شیخ نے اس کو اسلام میں داخل کر کے اپنے پڑوس کے ایک حجرہ میں ٹھہرا دیا کہ یہاں عبادت کرتی رہو۔ لڑکی عبادت میں مشغول ہو گئی اور زہد و عبادت میں اپنے اکثر اقران سے سبقت لے گئی۔ دن بھر روزہ رکھتی ہے۔ رات بھر اپنے مالک بے نیاز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے۔ محنت سے بدن ڈھل گیا۔ ہڈی اور چمڑے کے سوا کچھ نہ رہا آخر اسی میں مریض ہو گئی اور مرض اتنا بڑھ گیا کہ موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور اب اس مسافرِ آخرت کے دل میں اس کے سوا کوئی حسرت نہ تھی کہ ایک مرتبہ شیخ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لے کیونکہ جس وقت سے یہ اس حجرے میں مقیم ہے نہ شیخ نے اس کو دیکھا ہے اور نہ یہ ہی شیخ کی زیارت کر سکی۔ آخر شیخ کو کہلا بھیجا کہ موت سے پہلے ایک مرتبہ آپ میرے پاس ہو جائیں۔ شیخ یہ سن کر فوراً تشریف لائے۔ جان بلب لڑکی حسرت بھری نگاہوں سے شیخ کی طرف دیکھنا چاہتی ہے مگر آنسوؤں میں ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اسے ایک نظر بھر کر دیکھنے کی مہلت نہیں دیتیں۔ آنسوؤں کا ایک تار بندھا ہوا ہے۔ مگر ضعف سے بولنے کی سکت نہیں۔

آخر لڑکھڑاتی ہوئی زبان اور بیٹھی ہوئی آواز سے اتنا لفظ کہا ''السلام علیکم'' حضرت شیخ نے شفقت آمیز آواز سے کہا تم گھبراؤ نہیں انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہماری ملاقات جنت میں ہونے والی ہے۔ لڑکی یہ کلمات سن کر خاموش ہو گئی اور اس پر کچھ دیر نہ گزری کہ مسافرِ آخرت نے اس دار فانی کو خیر باد کہا۔

شیخ اس وفات پر آبدیدہ ہیں مگر ان کی حیات بھی دنیا میں چند روز سے زائد نہیں رہی۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ چند

ہی روز بعد شیخ بھی عالمِ فانی سے رخصت ہوئے۔ کچھ دنوں بعد میں نے شیخ کوخواب میں دیکھا کہ جنت کے ایک پرفضا باغ میں مقیم ہیں اور ستر حوروں سے آپ کا نکاح ہوا ہے جن میں پہلی وہ عورت جس کے ساتھ نکاح ہوا یہی لڑکی ہے۔ اور اب وہ دونوں ابدالآباد کے لئے جنت کی بیش قیمت نعمتوں میں خوش وخرم ہیں۔

ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم

اب ذرا غور کیجئے کہ کس قدر عبرت انگیز اور نصیحت آمیز یہ واقعہ ہے۔ اس واقعہ سے خاص عبرت ونصیحت جو حاصل ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تصرفات سے لرزاں وترساں رہنا چاہئے۔ اور حسن خاتمہ کے لئے فکر مند رہنا چاہئے۔ اور ہماری اور آپ کی کیا حیثیت ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا حدیث میں آتی ہے۔

اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک ط

اس سلسلے میں بخاری ومسلم کی ایک صحیح حدیث اور سن لیجئے جو دل لرزا دینے والی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر نوشتۂ تقدیر آگے آجاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور انجام کار دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر نوشتۂ تقدیر آگے آجاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کا خاص سبق یہ ہے کہ کسی کو بداعمالیوں میں مبتلا دیکھ کر اس کے قطعی دوزخی ہونے کا حکم نہ لگانا چاہئے کیا معلوم زندگی کے باقی حصہ میں اس کا رخ اور رویہ کیا ہونے والا ہے اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو آج اعمال خیر کی توفیق مل رہی ہے تو اس کو اس پر مطمئن نہ ہونا چاہئے بلکہ برابر حسنِ خاتمہ کے لئے فکر مند رہنا چاہئے اور اس کے لئے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں برابر دعا کرتے رہنا چاہئے۔ چونکہ یہ آیت سجدہ ہے اس لئے سب قارئین وسامعین سجدۂ تلاوت کرلیں۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمارے لئے اپنی رحمت سے نیک بختی مقدر فرمائیں۔

یا اللہ! اپنی رحمت سے ہم کو حسنِ خاتمہ کی دولت عطا فرمایئے۔ یا اللہ جو عمل خیر ہم سے ہوجاتا ہے وہ آپ ہی کی تائید وتوفیق سے ہے۔ اس کو اپنی رحمت سے قبول فرمالیجئے۔ اور یا اللہ! ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنے کی توفیق بھی آپ ہی کی طرف سے ہے۔ یا اللہ ہمیں ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچالیجئے۔ اور ایمان واسلام پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمایئے۔ یا اللہ! جن کے بڑے درجات ہیں ان کا امتحان اور ابتلا بھی سخت ہوتا ہے۔ ہم ضعیف الایمان ہیں ہم میں کسی ابتلاء اور امتحان کی سکت نہیں۔ یا اللہ! ہمیں اپنے محض فضل وکرم سے دونوں جہان کی سلامتی اور عافیت عطا فرمایئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ

یہ دو فریق جنہوں نے دوبارہ اپنے رب کے باہم اختلاف کیا۔ سو جو لوگ کافر تھے اُن کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے جاویں گے

یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ۱۹ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ۲۰ وَ لَهُمْ

اُن کے سَر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جاوے گا۔ اس سے اُن کے پیٹ میں کی چیزیں اور کھالیں سب گل جاویں گی۔ اور اُن کیلئے

مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ۲۱ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا وَ ذُوْقُوْا

لوہے کے گُرز ہوں گے۔ وہ لوگ جب گھٹے گھٹے اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اُسی میں ڈھکیل دیئے جاویں گے۔ اور کہا جاوے گا کہ

عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۲۲ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

جلنے کا عذاب چکھتے رہو۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ؕ وَ لِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ۲۳

نہریں جاری ہوں گی اُن کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور پوشاک اُن کی وہاں ریشم کی ہوگی۔

وَ هُدُوْۤا اِلَى الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَ هُدُوْۤا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِیْدِ ۲۴

اور ان کو کلمہ طیب کی ہدایت ہوگئی تھی۔ اور اُن کو (خدا) کے راستہ کی ہدایت ہوگئی تھی جو لائق حمد ہے

هٰذٰنِ یہ دو	خَصْمٰنِ دو فریق	اخْتَصَمُوْا وہ جھگڑے	فِیْ رَبِّهِمْ اپنے رب (کے بارے) میں	فَالَّذِیْنَ پس وہ جنہوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا	
قُطِّعَتْ قطع کئے گئے	لَهُمْ ان کیلئے	ثِیَابٌ کپڑے	مِنْ نَّارٍ آگ کے	یُصَبُّ ڈالا جائے گا	مِنْ فَوْقِ اوپر	رُءُوْسِهِمْ انکے سر
الْحَمِیْمُ کھولتا ہوا پانی	یُصْهَرُ پگھل جائے گا	بِهٖ اس سے	مَا جو	فِیْ بُطُوْنِهِمْ ان کے پیٹوں میں	وَ الْجُلُوْدُ اور جلدیں (کھالیں)	
وَ لَهُمْ اور ان کیلئے	مَقَامِعُ گرز	مِنْ حَدِیْدٍ لوہے کے	كُلَّمَا جب بھی	اَرَادُوْا وہ ارادہ کریں گے	اَنْ یَّخْرُجُوْا کہ وہ نکلیں	مِنْهَا اس سے
مِنْ غَمٍّ غم سے غم کے مارے	اُعِیْدُوْا لوٹا دیئے جائیں گے	فِیْهَا اس میں	وَ ذُوْقُوْا اور چکھو	عَذَابَ الْحَرِیْقِ جلنے کا عذاب		
اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	یُدْخِلُ داخل کریگا	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	وَ عَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ صالح نیک		
جَنّٰتٍ باغات	تَجْرِیْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	یُحَلَّوْنَ فِیْهَا وہ پہنائے جائیں گے اس میں	مِنْ اَسَاوِرَ کنگن	
مِنْ ذَهَبٍ سونے کے	وَ لُؤْلُؤًا اور موتی	وَ لِبَاسُهُمْ اور ان کا لباس	فِیْهَا اس میں	حَرِیْرٌ ریشم	وَ هُدُوْا اور انہیں ہدایت کی گئی	اِلٰی طرف
الطَّیِّبِ پاکیزہ	مِنَ سے۔ کی	الْقَوْلِ بات	وَ هُدُوْا اور انہیں ہدایت کی گئی	اِلٰی طرف	صِرَاطِ راہ	الْحَمِیْدِ تعریفوں کالائق

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ انسانوں میں ایک فریق وہ ہے کہ جو اللہ کے سامنے سرنیاز جھکاتا ہے اور اس کو سجدہ کرتا ہے اور دوسرا فریق وہ ہے کہ جو اللہ رب العزت کو سجدہ نہیں کرتا۔ اس طرح اہلِ ایمان اور اہلِ کفر دو فریق ہوئے۔ نیز یہ بھی گزشتہ آیات میں

ذکر فرمایا گیا تھا کہ تمام مذاہب کے فرقوں میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عملی فیصلہ فرمادیں گے یعنی اہلِ ایمان کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور منکرین کو جہنم میں جھونکا جائے گا۔ اور منکرین میں یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس۔ مشرک۔ بت پرست سب آ گئے تو اس طرح تمام انسانوں کوحق و باطل پر ہونے کی حیثیت سے دو فریق کہہ سکتے ہیں۔ ایک مؤمنین کا گروہ جو اپنے رب کی سب باتوں کو من وعن تسلیم کرتا اور اس کے احکام کے آگے سربسجود رہتا ہے۔ دوسرے کفار کا گروہ جو ربانی ہدایات کو قبول نہیں کرتا اور اس کی اطاعت کے لئے سرنہیں جھکاتا۔ یہ دونوں فریق اپنے اپنے عقائد واعمال میں، نیز بحث۔ مناظرہ، جہاد وقتال کے مواقع میں ایک دوسرے کے مدمقابل رہتے ہیں۔ انہی دو فریقوں یعنی مؤمنین و کافرین کے اُخروی ثواب وعذاب کا بیان انتہائی ترہیب وترغیب کے ساتھ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔

ان آیات کے سبب نزول کے متعلق بعض مخصوص روایات بھی نقل کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک روایت یہ ہے کہ ایک بار اہلِ کتاب نے اہلِ اسلام سے مناظرہ کیا اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کے ساتھ تم سے یعنی مسلمانوں سے زیادہ تعلق ہے۔ ہمارا پیغمبر تمہارے پیغمبر سے مقدم ہے۔ ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے نازل ہوئی۔ مسلمانوں نے جواب دیا ہم تو تمہارے پیغمبر اور اپنے پیغمبر دونوں کو سچا کہتے ہیں اور اپنے قرآن اور تمہارے پیغمبر کی کتاب دونوں پر ایمان رکھتے ہیں اور تم باوجودیکہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت اور قرآن کی سچائی سے آگاہ ہو چکے ہو مگر پھر بھی حسد کے مارے ایمان نہیں لاتے۔ اور خود ہی غور کرلو کہ حق ہماری جانب ہے یا تمہاری جانب۔ اس پر دونوں فریقوں کا حال بیان کرنے کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں۔ جس میں دونوں فریقوں کا انجام ظاہر فرمایا گیا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ایک مومن اور دوسرا کافر یہ دونوں فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے دین کے بارہ میں اختلاف کیا سو اس اختلاف کا عملی فیصلہ قیامت میں اس طرح ہوگا کہ

جو لوگ کافر تھے ان کو جہنم کی آگ اس طرح چاروں طرف سے محیط ہوگی جس طرح لباس آدمی کے بدن کو ڈھانپ لیتا ہے اور ان اہلِ جہنم کے سر کو ہتھوڑوں سے کچل کر کھولتا ہوا پانی اوپر سے ڈالا جائے گا جو دماغ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچے گا جس سے سب پیٹ کی انتڑیاں کٹ کٹ کر نکل پڑیں گی اور بدن کی بالائی سطح کو جب پانی چھوئے گا تو بدن کا چمڑہ گل کر گر پڑے گا اور پھر اصل حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے اور بار بار یہی عمل ہوتا رہے گا۔ اور دوزخی گھٹ گھٹ کر چاہیں گے کہ کہیں کو نکل بھاگیں۔ مگر آگ کے شعلے ان کو اوپر کی طرف اٹھائیں گے اور فرشتے آہنی گرز مار کر نیچے دھکیل دیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دائمی عذاب کا مزہ چکھتے رہو جس سے نکلنا تمہیں کبھی نصیب نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

احادیث میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان ہتھوڑوں میں سے جن سے دوزخیوں کی کٹائی ہوگی۔ اگر ایک زمین پر لاکر رکھ دیا جائے تو تمام انسان و جنات مل کر بھی اسے اٹھا نہیں سکتے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ کسی بڑے پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ جہنمی بھی ان ہتھوڑوں کی مار سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر پھر جیسے تھے ویسے ہی کر دیے جائیں گے اور حدیث میں بتلایا گیا کہ اگر غساق کا جو جہنمیوں کی غذا ہے ایک ڈول دنیا میں اس کا بہا دیا جائے تو تمام اہل دنیا بدبو کے مارے ہلاک ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمت سے جہنم کے عذاب سے محفوظ فرمائیں اور اپنے حفظ وامان میں رکھیں۔

یہ تو کافروں کا حال اور انجام بیان ہوا آگے مومنین کی جزا کا بیان ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے بدلے ان کو جنت عطا کی جائے گی جہاں کے محلات وباغات کے چوطرف پانی کی نہریں لہریں مار رہی ہوں گی۔ جنتی جہاں چاہیں گے وہیں خود بخود ان کا رخ ہو جایا کرے گا بڑی آرائش اور زیب وزینت سے رہیں گے۔ سونے کے زیوروں سے سجے ہوئے ہوں گے موتیوں میں تل رہے ہوں

گے۔ایک حدیث میں ہے کہ مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔لکھا ہے کہ جنتی کے زیورات میں سے ایک کنگن بھی دنیا میں ظاہر ہو جائے تو سورج کی روشنی اس طرح جاتی رہے جس طرح سورج کے نکلنے سے چاند کی روشنی جاتی رہتی ہے۔ ان کے لباس نرم چمکیلے ریشمی کپڑوں کے ہوں گے۔

صحیح حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم دنیا میں ریشم نہ پہنو جو اسے دنیا میں پہن لے گا وہ آخرت کے دن اس سے محروم رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں۔ جو اس دن ریشمی لباس سے محروم رہا وہ جنت میں نہ جائے گا کیونکہ جنت والوں کا یہی لباس ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے جنتیوں کا یہ سب اکرام اس لئے ہوگا کہ دنیا میں ان کو کلمہ طیب لا الہ الا اللہ کے اعتقاد کی ہدایت ہوگئی تھی اور خدا کے راستہ کی یعنی اسلام کی ہدایت ہوگئی تھی۔ انہوں نے دنیا میں قرآن کو پڑھا۔ خدا کی تسبیح وتحمید کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا۔ فرشتے جنتیوں کو ہر طرف سے سلام کریں گے اور جنتی آپس میں ایک دوسرے سے پاک وستھری باتیں کرتے ہوں گے۔ بک بک جھک جھک نہ ہوگی۔ نعمائے جنت پر شکر خداوندی بجا لائیں گے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جیسے بے قصد وبے تکلف دنیا میں سانس آتا جاتا رہتا ہے اسی طرح جنتیوں کو اللہ کی تسبیح وحمد کا الہام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی ان نعمتوں سے ہم کو بھی اپنی رحمت سے نوازیں۔

قرآن پاک میں جیسا کہ متعدد دوسری جگہوں پر ایمان اور عمل صالح کو جنت کے دخول کا ذریعہ بیان فرمایا ہے یہاں بھی ان ہی لوگوں کو جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی گئی ہے کہ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے۔

یہاں ان آیات میں اہلِ جنت کو کنگن پہنانے کا جو ذکر فرمایا گیا ہے تو اس پر کسی کو شبہ ہوسکتا ہے کہ کنگن ہاتھوں میں پہننا تو عورتوں کا کام ہے اور یہ انہیں کا زیور ہے۔ مردوں کے لئے تو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ تو اس شبہ کے جواب میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

"دنیا کے قدیمی بادشاہوں میں یہ امتیازی شان رہی ہے کہ سر پر تاج اور ہاتھوں میں کنگن استعمال کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک کو جبکہ وہ مسلمان نہیں تھے اور سفر ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے کے لئے تعاقب میں نکلے تھے اس وقت ان کا گھوڑا باذن خداوندی زمین میں دھنس گیا تھا جس پر سراقہ بن مالک نے توبہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے گھوڑا زمین میں سے نکل گیا اس وقت سراقہ بن مالک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ کسریٰ شاہ فارس کے کنگن مالِ غنیمت میں مسلمانوں کے پاس آئیں گے اور وہ تمہیں دے دیئے جائیں گے۔ جب حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں فارس کا ملک فتح ہوا اور ایران سے یہ کنگن دوسرے اموالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ آئے تو سراقہ بن مالک نے مطالبہ کیا اور ان کو دے دیئے گئے۔ خلاصہ یہ کہ جیسے سر پر تاج پہننا عام مردوں کا رواج نہیں۔ شاہی اعزاز ہے اسی طرح ہاتھوں میں کنگن بھی شاہی اعزاز سمجھے جاتے ہیں اس لئے اہلِ جنت کو کنگن پہنائے جائیں گے۔ کنگن کے متعلق اس آیت میں اور سورۂ فاطر میں تو یہ ہے کہ وہ سونے کے ہوں گے اور سورۂ نساء میں یہ کنگن چاندی کے بتلائے گئے ہیں اس لئے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اہل جنت کے ہاتھوں میں تین طرح کے کنگن پہنائے جائیں گے ایک سونے کا دوسرا چاندی کا، تیسرا موتیوں کا جیسا کہ ان آیات میں موتیوں کا بھی ذکر موجود ہے۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی جنت کی نعمتوں سے ہم سب کو نوازیں۔ آگے کفار مکہ کی مذمت ایک دوسرے طرز پر بیان کی گئی ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ

بیشک جولوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام آدمیوں کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں اس میں رہنے والا بھی

سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٥﴾

اور باہر سے آنیوالا بھی یہ (روکنے والے) لوگ معذب ہوں گے اور جو شخص اس میں (یعنی حرم میں) کوئی خلاف دین کام قصداً ظلم کیساتھ کرے گا تو ہم اس کو عذاب دردناک چکھائیں گے۔

اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	وَيَصُدُّوْنَ اور وہ روکتے ہیں	عَنْ سے	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور مسجد حرام بیت اللہ	الَّذِيْ وہ جسے	جَعَلْنٰهُ ہم نے مقرر کیا	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	سَوَآءَ برابر
الْعَاكِفُ رہنے والا	فِيْهِ اس میں	وَالْبَادِ اور پردیسی	وَمَنْ اور جو	يُّرِدْ ارادہ کرے
فِيْهِ اس میں	بِاِلْحَادٍ گمراہی کا	بِظُلْمٍ ظلم سے	نُّذِقْهُ ہم اسے چکھائیں گے	مِنْ سے
عَذَابٍ عذاب	اَلِيْمٍ دردناک			

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں کفار، منکرین اور مؤمنین صادقین دونوں کے انجام آخرت کو بیان فرمایا گیا تھا کہ کفار ومنکرین کوطرح طرح کے عذاب جہنم بھگتنے ہوں گے اوران کے برخلاف مؤمنین کو جنت کی دائمی نعمتیں اور عیش و آرام حاصل ہوں گے اب اس آیت میں منکرین کی ایک حالت اور بیان کی جاتی ہے خصوصاً ان کفار مکہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے جوخودتو حق کی طرف مائل ہوتے ہی نہ تھے بلکہ دوسروں کو بھی روکتے تھے۔ مسلمانوں پر بڑے ظلم وستم توڑتے اور جہاں تک قدرت ہوتی اسلام کی بیخ کنی کے درپے رہتے تھے چنانچہ لوگوں کو کعبہ کا حج کرنا بھی انہوں نے دوبھر کردیا تھا اور مسلمان قبائل کوتو مکہ میں آنے سے روک دیا تھا انہی کی مذمت اس آیت میں فرمائی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول ابوسفیان وغیرہ کے حق میں ہوا تھا جبکہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں کو حدیبیہ میں عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اگر حدیبیہ کا واقعہ اس آیت کے نزول کے بعد ہے تب تو آیت کا مطلب صاف ہے ورنہ جب اسلام پھیلنے لگاتو کفار مکہ نے مسلمان قبائل کوتو حج سے روک ہی دیا تھا چنانچہ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ جو کفار مسلمانوں کو راہ خدا سے بہکاتے اور مسجد حرام میں آنے سے روکتے ہیں حالانکہ مسجدِ حرام یا حرم شریف کا وہ حصہ جس سے لوگوں کی عبادات ومناسک حج کا تعلق ہے سب کے لئے یکساں ہے۔ دیسی ہو یا پردیسی مکہ میں رہنے والا ہو یا باہر سے آنے والا ہو۔ مقیم ہو یا مسافر، سب کے لئے یکساں ہے اور سب کو عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں تو جو شخص حرم شریف میں جان بوجھ کر بالارادہ بے دینی اور شرارت کی کوئی بات کرے گا اس کو اس سے زیادہ سخت سزا دی جائے گی جو دوسری جگہ ایسا کام کرنے پر ملتی۔ اسی سے ان کا حال معلوم کرلو۔ جو ظلم وشرارت سے مومنین کو مسجد حرام میں آنے سے روکتے ہیں۔ جو شخص مسجد حرام یا مکہ کے اندر گناہ کرے گا اس کو سزا سخت ملے گی۔ یہاں آیت کا دوسرا جملہ "**ومن یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم**" (اور جو شخص اس میں یعنی حرم مکہ میں کوئی خلاف دین کام قصداً ظلم کے ساتھ کرے گا تو ہم اس کو عذاب دردناک چکھادیں گے) اگرچہ یہ کفار مکہ کے سلسلہ میں کہ جو مسلمانوں کو حرم مکہ میں داخل ہونے سے روکتے تھے فرمایا گیا مگر علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت کے دونوں جزو کا حکم عام ہے یعنی اللہ کے راستہ اور مسجد حرام پہنچنے سے روکنے والے کوئی بھی ہوں معذب ہوں

گے اور حرم مکہ میں قصداً بے دینی اور ظلم کرنے والے کو بھی خواہ وہ کوئی ہو عذاب دردناک ہوگا۔

اسی وجہ سے مکہ مکرمہ میں مستقل قیام کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک مستحب ہے مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ مکہ مکرمہ میں مستقل قیام مکروہ فرماتے ہیں کیونکہ مکہ میں رہ کر جیسی تعظیم وتکریم وہاں کی ہونی چاہئے ویسی نہیں کرسکتا اور یوں تو گناہ اور بے دینی کا کام ہر مقام پر برا ہے لیکن حرمِ مکہ میں نہایت ہی قبیح ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے اکابر نے طائف میں قیام کیا اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں طائف میں رہ کر ۵۰ گناہ کروں وہ مکہ میں ایک گناہ کرنے سے میرے نزدیک اچھے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کسی شہر میں صرف ارادہ پر عمل کرنے سے پہلے مواخذہ نہیں لیکن مکہ میں ارادہ پر بھی مواخذہ ہوجاتا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم

اور جو شخص اس میں یعنی حرم مکہ میں کجروی کرنے کا ارادہ کرے شرارت سے تو ہم چکھائیں گے اس کو دردناک عذاب۔

اس لئے مکہ کا مستقل قیام گو برکاتِ کثیرہ اور تضاعف حسنات کا سبب ہے لیکن جب ایسے بڑے بڑے اکابر اس کے آداب کی رعایت سے گھبراتے تھے تو آج ہم جیسوں کا تو کہنا ہی کیا ہاں جو شخص وہاں رہ کر پورا احترام کرسکتا ہو اس کے لئے ضرور قیام مکہ افضل ہے (معلم الحجاج) اور وہاں کی افضلیت کا اندازہ صرف ایک اسی بات سے لگالینا چاہئے کہ مسجد حرام کی صرف ایک دن کی پانچ نمازوں کا جماعت کے ساتھ کا ثواب کا اگر حساب لگایا جائے تو ایک کروڑ ۳۵ لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے۔ کیونکہ مسجد حرام کی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے اور جماعت سے نماز ۲۷ درجہ زیادہ افضل ہوتی ہے۔ تنہا نماز سے۔ تو اس طرح ایک دن کی نماز باجماعت کا ثواب مسجد حرام میں ایک کروڑ ۳۵ لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ اب اگر ایک سال کے ۳۶۰ دن بھی مانے جائیں تو سال بھر کی تنہا نمازیں ایک ہزار آٹھ سو ہوتی ہیں اور سو برس کی ایک لاکھ اسی ہزار اور ہزار برس کی ۱۸ لاکھ نمازیں ہوتی ہیں تو اگر کسی کی عمر نوح علیہ السلام کے برابر بھی ہو تو مسجد حرام کی صرف ایک باجماعت نماز اس کی تمام عمری نمازوں سے افضل ہوگی۔ اللہ اکبر۔ زاد اللہ تعظیما وتشریفا وتکریما۔

تو خلاصہ یہ کہ دین کے خلاف کام کرنا ہر جگہ موجب عذاب ہے لیکن حرمِ مکہ کے اندر اور زیادہ موجب عذاب ہے۔ حتیٰ کہ ارادہ کا جو مرتبہ دوسری جگہ موجب تعذیب نہ ہو تو وہاں موجب تعذیب ہوجاتا ہے۔

یہاں اس آیت میں مسجد حرام میں عبادت کرنے کی عام اجازت ہے اور اس امر کی صراحت ہے کہ مسجد میں کسی کا ترجیحی حق نہیں۔ ہر مسلم کعبہ کا حج کرسکتا ہے۔ یہاں اس طرف بھی لطیف تنبیہ ہے کہ خدا کے ہاں ذات پات، دولت وفقر، حکومت ومحکومی، عزت وذلت وغیرہ کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں، اس کے گھر میں سب کا مرتبہ برابر ہے۔ جو بھی عبادت کرنا چاہئے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ حرم شریف صرف باشندگان مکہ ہی کے لئے نہیں بنایا گیا ہے بلکہ تمام عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے لئے بنایا گیا ہے کسی کو حق نہیں کہ عبادت گزاروں پر اس کا دروازہ بند کردے۔ اسی آیت کے ماتحت اب بھی جو غیر ملکی لوگ موجودہ حکومت سعودی عربیہ کے قوانین کے خلاف مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں مقیم ہوجاتے ہیں ان سے مسجد حرام یا مسجد نبوی کے اندر کوئی تعرض نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر پوچھ گچھ ہوتی ہے تو ہمیشہ مسجد سے باہر شہر میں ادھر ادھر پھرتے ہوئے۔

اب چونکہ یہاں آیت میں مسجد حرام کا ذکر آ گیا لہٰذا اسکی مناسبت سے کعبہ کی بنا کا حال اور اس کے متعلق بعض احکام اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ

اور جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا۔ اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور

الْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ

قیام و رکوع وسجدہ کرنے والوں کیلئے پاک رکھنا۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو لوگ تمہارے پاس (حج کو) چلے آویں گے پیادہ بھی اور دُبلی اونٹنیوں پر بھی

يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾

جو کہ دُور دراز کے راستوں سے پہنچتی ہوں گی

	وَاِذْ اور جب	بَوَّاْنَا ہم نے ٹھیک کردی	لِاِبْرٰهِيْمَ ابراہیم کیلئے	مَكَانَ الْبَيْتِ خانہ کعبہ کی جگہ	اَنْ کہ	لَا تُشْرِكْ نہ شریک کرنا
	بِيْ میرے ساتھ	شَيْـًٔا کسی شے	وَطَهِّرْ اور پاک رکھنا	بَيْتِيَ میرا گھر	لِلطَّآئِفِيْنَ طواف کرنیوالوں کیلئے	وَالْقَآئِمِيْنَ اور قیام کرنیوالے
	وَالرُّكَّعِ اور رکوع کرنیوالے	السُّجُوْدِ سجدہ کرنیوالے	وَاَذِّنْ اور اعلان کردو	فِي النَّاسِ لوگوں میں	بِالْحَجِّ حج کا	يَاْتُوْكَ وہ تیرے پاس آئیں
رِجَالًا پیدل	وَعَلٰى اور پر	كُلِّ ضَامِرٍ ہر دُبلی اونٹنی	يَّاْتِيْنَ وہ آتی ہیں	مِنْ سے	كُلِّ فَجٍّ ہر راستہ	عَمِيْقٍ دُور دراز

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیت میں مشرکین مکہ کے اس فعل کی مذمت فرمائی گئی تھی جو وہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے تھے اور وہاں انہیں عبادت اور احکام حج کے ادا کرنے سے باز رکھتے تھے۔ مشرکین کی اس زیادتی پر ان کو عذابِ الیم کی دھمکی دی گئی تھی۔ اب آگے ان آیات میں یہاں مشرکین مکہ کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ گھر جس کی بنیاد اول دن سے خدا کی توحید پر رکھی گئی ہے تم نے اس میں شرک جاری کردیا۔

خانہ کعبہ کی حرمت ظاہر کرنے کے لئے ان آیات میں بتایا جاتا ہے کہ جب مدتوں کے بعد خانہ کعبہ کا نشان نہ رہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بیت اللہ تعمیر کرو اور حضرت ابراہیمؑ کو اس معظم گھر کا نشان دکھلا دیا گیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ اس گھر کی بنیاد خالص توحید پر رکھو۔ کوئی شخص یہاں آ کر اللہ کی عبادت کے سوا کوئی مشرکانہ رسوم نہ بجالائے۔ کفار مکہ نے اس کے خلاف ایسا عمل کیا کہ خانہ کعبہ میں لا کر ۳۶۰ بت کھڑے کردیئے (العیاذ باللہ) جن کی گندگی سے خدا کے گھر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لئے پاک کیا۔ فتح مکہ کے دن یعنی ۲۰ رمضان ۸ھ یوم جمعہ کو جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے اور آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا تو اس وقت تک کعبہ کے گرد قریش مکہ و مشرکین عرب کے ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ جب آپ کسی بت کے پاس سے گزرتے تو اس چھڑی سے اشارہ فرمادیتے اور بت منہ کے بل اوندھا گر پڑتا تھا۔ اور یہ آیت مبارکہ آپ کی زبان مبارک پر تھی۔ "وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا" (آپ کہہ دیجئے کہ حق بس اب آ ہی گیا اور باطل مٹ گیا۔ بیشک باطل تھا ہی مٹنے والا)۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم خداوندی ہوا کہ یہ عبادت خانہ اللہ کا گھر اس لئے بناؤ کہ لوگ اس کا طواف کریں۔ خدا پرست اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔

رکوع اور سجدہ کرنے والے اللہ رب البیت کو سجدہ کریں اور فقط خدائے واحد کی عبادت کریں اور اللہ کے سوا وہاں کسی اور کی پرستش نہ ہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدمؑ

کو جنت سے اتارا تو ان کے ساتھ اپنے گھر کو بھی اتارا اور فرمایا کہ اے آدم میں تیرے ساتھ اپنا گھر بھی اتارتا ہوں۔ اس کا طواف اسی طرح کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کا طواف کیا جاتا ہے اور اس کی طرف نماز اسی طرح پڑھی جائے گی جس طرح میرے عرش کی طرف نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد طوفان نوح کے زمانہ میں یہ مکان اٹھالیا گیا۔ اس کے بعد انبیائے کرام اس جگہ کا طواف کرتے تھے۔ مکان نہ تھا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو اللہ جل شانہٗ نے اسی جگہ مکان بنانے کا حکم فرمایا اور جگہ کا تعین خود فرمادیا۔ (ترغیب منذری فضائل حج) لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو بنائے بیت اللہ کا حکم ملا تو شام سے حجاز میں تشریف لائے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۰۰ سال کی تھی اور آپ کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ ۳۶ سال کے تھے۔ حجاز میں پہنچ کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں اس کے گھر کو تیار کروں۔ حضرت اسمٰعیل نے عرض کیا کہ بیت اللہ کہاں ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے سرخ ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔ غرض دونوں باپ بیٹے کھدائی کے کام میں لگ گئے اور قدیم بنیادوں کو نکال لیا۔ بنیاد نکل آئی تو دونوں نے تعمیر شروع کی۔ اسمٰعیلؑ اپنی گردن پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ نصب کرتے جاتے تھے۔ جب دیواریں اونچی ہوگئیں اور پتھروں کا رکھنا دشوار ہوگیا تو حضرت اسمٰعیلؑ نے ایک پتھر لاکر زمین پر رکھ دیا اور حضرت ابراہیمؑ نے اس پر کھڑے ہوکر دیوار کو بنایا۔ یہی وہ پتھر ہے جس کو مقام ابراہیمؑ کہا جاتا ہے اور جو آج تک محفوظ ہے (تسہیل الفرقان) جب خانۂ کعبہ تیار ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اعلان عام کردو کہ لوگ چاروں طرف سے حج کرنے آئیں اور مراسم خدا پرستی بجالائیں ساتھ ہی یہ بھی پیشین گوئی کردی گئی اے ابراہیم علیہ السلام آپ اگر اعلان عام کردیں گے تو لوگ دور دراز کے ملکوں تک سے لبیک کہتے ہوئے یہاں آئیں گے۔ جن کے پاس سواریاں ہوں گی وہ سوار ہوکر آئیں گے ورنہ پیادہ پا ہوکر پہنچیں گے۔ اس حکم کی تعمیل میں ایک پہاڑ پر کھڑے ہوکر حضرت ابراہیمؑ نے پکارا۔ کہ لوگوں تم پر اللہ نے حج فرض کیا ہے۔ حج کو آؤ۔ حق تعالیٰ نے یہ آواز ہر طرف ہر ایک روح کو پہنچادی۔ جس کے لئے حج مقدر تھا اس کی روح نے لبیک کہا۔ وہی شوق کی دبی ہوئی چنگاری ہے کہ ہزاروں لاکھوں نفوس تکلیفیں اٹھاتے ہوئے حج بیت اللہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے بھی خواہ وہ پیدا ہوچکا تھا یا ابھی تک عالم ارواح میں تھا اس وقت لبیک کہا وہ ضرور حج کرتا ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جس نے ایک مرتبہ لبیک کہا وہ ایک حج کرتا ہے اور جس نے دو مرتبہ لبیک کہا وہ دو مرتبہ حج کرتا ہے اور اسی طرح جس نے اس سے زیادہ جتنی مرتبہ لبیک کہا اتنے ہی حج اس کو نصیب ہوتے ہیں (فضائل حج)

اللہ اکبر کتنی خوش نصیب ہیں وہ روحیں جنہوں نے اس وقت دمادم لبیک کہا کہ بیسیوں اور پچاسوں حج ان کو نصیب ہوئے یا ہوں گے۔ چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے۔

حج کو آنے کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں پیادہ یا سوار۔ اس وقت عموماً عرب میں اونٹ کی سواری تھی۔ موجودہ دنیا کی سواریاں اس وقت مستعمل نہ تھیں اس لئے یہاں آیت میں اونٹ کی سواری کا تذکرہ فرمایا گیا۔ دوسری سواریوں کا ذکر نہیں مگر مراد یہ ہے کہ جس طرح ممکن ہوگا لوگ حج کو آئیں گے۔ پیدل بھی اور سوار ہوکر بھی۔

صحیح بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر دس بار ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ ملائکہ نے بنایا۔ دوبارہ حضرت آدم علیہ السلام نے۔ تیسری بار حضرت شیث علیہ السلام نے۔ چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے۔ پانچویں بار عمالقہ نے۔ چھٹی بار حارث جرہمی نے۔ ساتویں بار قریش کے مورث اعلیٰ قصی نے۔ آٹھویں بار قریش مکہ نے۔ نویں بار ۶۴ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر نے۔ دسویں بار حجاج ثقفی نے ۷۴ھ میں۔

اب اس وقت موجودہ تعمیر جو بیت اللہ کی ہے یہ گیارہویں بار گیارہویں صدی کے وسط میں ہوئی تھی۔ جس کا حال تاریخ حرمین مؤلفہ حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ کے اس طرح لکھا ہے۔

"ماہ شعبان ۱۰۳۹ھ میں برسنے والی بارش کی نظیر قدیم تاریخ عرب میں نہیں ملتی۔ بارش کا پانی حرم میں داخل ہوا یہاں تک کہ بیت اللہ کی دیواریں کئی کئی گز پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے خانہ کعبہ کی ایک دیوار گر گئی جو شامی رکن والی تھی اور غربی دیوار بھی دونوں جانبوں سے شکستہ ہوگئی تو سلطان مراد رحمتہ اللہ علیہ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کا حکم دیا۔

۱۰۳۹ھ قبل از رمضان یہ تعمیر شروع ہوکر رمضان المبارک ۱۰۴۰ھ میں اس کی تکمیل ہوئی اور یہ عمارت آج تک قائم ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک (یعنی ۱۳۹۷ھ) اس تعمیر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی (زاداللہ تشریفاو تعظیما و تکریما) (تاریخ حرمین صفحہ ۱۵)

ملت اسلامیہ میں حج کی فرضیت قرآن و حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے اور حج بھی مثلِ نماز روزہ اور زکوٰۃ اسلام کا ایک رکن اور فرض عین ہے اور تمام عمر میں ایک مرتبہ ہر اس مسلمان پر فرض ہے جس کو حق تعالیٰ نے اتنا مال دیا ہو کہ اپنے وطن سے مکہ معظمہ تک آنے جانے پر قادر ہو اور اپنے اہل و عیال کے مصارف جو اس کے ذمہ ہوں واپسی تک برداشت کر سکتا ہو اور جو دوسرے شرعی شرائط حج کی ہیں وہ سب اس میں موجود ہوں۔

چونکہ حج دین اسلام کا پانچواں رکن ہے اور اعاظم طاعت اور رب العالمین جل شانہٗ کی عظیم عبادت ہے اور ثابت ہوا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء نے خانہ کعبہ کا حج کیا ہے اس لئے جو شخص باوجود قدرت واستطاعت اور دیگر شرائط کے پائے جانے کے حج نہ کرے اس کے لئے نہایت سخت وعید آئی ہے۔

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے لئے کوئی واقعی مجبوری حج سے مانع نہ ہو، ظالم بادشاہ کی طرف سے روک نہ ہو۔ یا ایسا شدید مرض نہ ہو جو حج سے روک دے۔ پھر وہ بغیر حج کئے مر جائے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی مرے۔ (العیاذ باللہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ ایسا شخص یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ خدا کی پناہ کس قدر سخت وعید ہے۔ اب دین کے معاملہ میں سستی و کاہلی اور ٹال مٹول کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اب حج کے لئے قریب ۲۰ ہزار روپیہ کی رقم درکار ہے اور جن پر پہلے حج فرض ہو چکا تھا اور انہوں نے اس وقت نہیں کیا اور اب اتنی رقم پاس نہیں تو حج کی فرضیت اپنی جگہ قائم ہے اور یہ باران کے کندھوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ جو اس مشکل میں پھنسے ہوں ان کی مشکل آسان فرمائے اور انہیں اس فرض کی بجا آوری کی توفیق عطا فرمائے۔

اب آگے حج کے بعض منافع اور بعض احکام و شعائر بیان کئے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے گھر کی حاضری کی سعادت نصیب فرمائے اور جن کو یہ سعادت حاصل ہو چکی ہے ان کو پھر مکرر سہ مکرر وہاں کی حاضری نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہمارے قلوب میں حج بیت اللہ کا ذوق و شوق عطا فرما اور اپنے مقدس گھر تک پہنچنے کے لئے راستہ آسان فرما۔

یا اللہ! اپنے گھر بیت اللہ کی عزت وعظمت و بزرگی کو بلند فرما اور اس کی عزت کرنے والوں کو بھی عزت عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ

تا کہ اپنے فوائد کیلئے لوگ آموجود ہوں اور تا کہ ایام مقررہ میں ان مخصوص چوپایوں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو عطا کئے ہیں۔

الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا

سوان (قربانی کے) جانوروں میں سے تم بھی کھایا کرو اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو۔ پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنا میل کچیل دُور کردیں اور اپنے

نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

واجبات کو پورا کریں اور اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ کا) طواف کریں۔

لِيَشْهَدُوْا تا کہ وہ آموجود ہوں	مَنَافِعَ فائدوں کی جگہ	لَهُمْ اپنے	وَيَذْكُرُوا وہ یاد کریں (لیں)	اسْمَ اللّٰهِ اللہ کا نام	فِيْ میں				
اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ جانے پہچانے (مقررہ)	دن	عَلٰى پر	مَا جو	رَزَقَهُمْ ہم نے انہیں دیا	مِنْ سے	بَهِيْمَةِ چوپائے	الْاَنْعَامِ مویشی		
فَكُلُوْا پس تم کھاؤ	مِنْهَا اس سے	وَاَطْعِمُوا اور کھلاؤ	الْبَآئِسَ بدحال	الْفَقِيْرَ محتاج	ثُمَّ پھر	لْيَقْضُوْا چاہیے کہ دُور کریں			
تَفَثَهُمْ اپنا میل کچیل	وَلْيُوْفُوْا اور پوری کریں	نُذُوْرَهُمْ اپنی نذریں	وَلْيَطَّوَّفُوْا اور طواف کریں	بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ قدیم گھر					

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ خانۂ کعبہ کے تعمیر کے بعد لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا اعلان کردیں اور ساتھ ہی یہ پیشین گوئی بھی فرمادی گئی تھی کہ اس علان سے لوگ اس عمارتِ مقدسہ کے پاس پیدل اور سوار دور دراز فاصلوں سے پہنچیں گے۔ اس کے بعد حج کے فوائد اور قربانی کے طریقہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اصل مقصد تو دینی واُخروی فوائد کی تحصیل ہے مثلاً حج وعمرہ اور دوسری عبادات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا اور روحانی ترقیات کے بلند مقامات پر فائز ہونا لیکن اس عظیم الشان اجتماع کے ضمن میں بہت سی دنیوی۔ سیاسی۔ تمدنی اور اقتصادی فوائد بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

اس آیت کے ماتحت علمائے محققین نے حج کے منافع کی بہت کچھ تفصیلات لکھی ہیں۔ مختصراً حج کے منافع دو قسم کے ہیں۔ ایک منافع دنیا مثلاً روئے زمین کے تمام اطراف کے مسلمان ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور باہم میل جول ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے طور طریق خو بو اور معاملات سے واقف ہوتے ہیں۔ دور دراز ملکوں کے صحیح حالات معلوم ہوتے ہیں۔ تجارتی فوائد اور تجربے حاصل ہوتے ہیں۔ قوت اجتماعیہ اور قوت دینیہ اور مساواتِ مذہبی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ جس بات پر کل دنیا کے مسلمانوں کو اتفاق کرنا ہے۔ حج کے زمانہ میں اس متبرک مقام میں یہ اتفاق باآسانی ہوسکتا ہے۔ اس طرح حج باہمی تعاون اتفاق واتحاد کے لئے ایک بہترین ذریعہ ہے۔

سفر کی عادت۔ ریاضت ومشقت برداشت کرنے کا ملکہ وتجربہ ہوتا ہے۔ ایک قوم دوسری قوم سے علم وہنر کا استفادہ کرسکتی ہے۔

دوسرے فوائد دینیہ ہیں مثلاً لاکھوں خدا پرستوں کا ایک جگہ جمع ہوکر آسمانی سلطنت کا نمونہ دکھانا۔ ایک پر دوسرے کے انوار وبرکات کا منعکس ہونا۔ تمام دنیا کو یہ دکھا دینا کہ اس روئے زمین پر ایک جماعت موحدین کی بھی ہے جو باہم مساوات کا عملی حامل ہے جو ایک

خدا کی پرستار اور ایک نبی کی پیروکار ہے۔جن کا لباس۔ ہیئت۔طور طریق اور طرز زندگی بھی ایک ہی ہے۔علاوہ ازیں حج موت وآخرت کا بھی صحیح نمونہ ہے۔گھر سے چلنا اور اولاد و مال کو چھوڑنا گویا دنیا سے گزرنے کو یاد دلاتا ہے۔پھر حرم کے قریب پہنچ کر احرام باندھنا گویا کفن میں لپٹنے کا نمونہ ہے۔ پھر احرام میں شکار و جماع وغیرہ مرغوبات سے رکنا۔مرنے کے بعد تمام لذائذ سے مجبور رہنے کا نمونہ ہے پھر زادراہ اور راحلہ کا ہمراہ ہونا اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ مرنے کے بعد اعمال ہی کا نوشتہ ساتھ رہے گا۔پھر عرفات میں جمع ہونا حشر میں جمع ہونے کا نمونہ ہے۔ پھر قربانی کر کے نہانا۔دھونا۔صاف ہونا گناہوں سے بری ہونے پر دلالت کرتا ہے پھر طواف زیارت کرنا۔ حرم مکہ میں جانا اور تمام ممنوعہ چیزوں کا جائز ہوجانا جنت میں جا کر وہاں کی نعمت سے فیض یاب ہونے کو یاد دلاتا ہے۔

حج کرنے والے درحقیقت سچے عاشقوں کی زندہ تصویر ہوتے ہیں۔ عاشق کے بال دراز، ناخن بڑھے ہوئے، سر کھلا ہوا، ایک دھن اور ایک لو لگی ہوتی ہے۔ ہر وقت ایک ہی خیال پیش نظر ہوتا ہے۔گھر بار دھن دولت، راحت و آرام، حکومت عزت سب کو چھوڑ کر کوئے محبوب کی راہ لیتا ہے۔بجنسہٖ یہی حال حاجی کا ہوتا ہے یاد الٰہی میں سرمست ہوتے ہیں۔سر کھلا ہوا ہوتا ہے۔ناخن بڑھے ہوئے اور بال کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔بغیر سلا ہوا لباس ہوتا ہے۔خوشبو اور رنگ متروک ہوتا ہے۔کوچۂ محبوب کی راہ لیتا ہے۔دیوانوں کی طرح صفا مروہ کے درمیان دوڑتا ہے۔ پاگلوں کی طرح وصال محبوب سے روکنے والے رقیب شیطان کے پتھریاں مارتا ہے۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اپنے محبوب کو پکارتا ہے۔روتا ہے گڑگڑاتا ہے، خانہ محبوب کے چکر لگاتا ہے۔اس کے دروازہ کے پتھر کو چومتا چاٹتا ہے (یعنی حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے) اور در محبوب میں مر جانے کو حاصل زندگی سمجھتا ہے۔

حج کی برکت سے جنت کی جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں وہ تو انشاء اللہ پوری آخرت میں ملیں گی لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی گاہ اور اس کے انوار کے خاص مرکز بیت اللہ شریف کو دیکھ کر اور مکہ معظمہ کے ان خاص مقامات پر پہنچ کر جہاں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی اور ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص یادگاریں اب تک موجود ہیں۔ایمان والوں کو جو لذت اور دولت حاصل ہوتی ہے وہ بھی اس دنیا میں جنت ہی کی نعمت ہے۔ پھر مدینہ طیبہ میں روضۂ اقدس کی زیارت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں نماز پڑھنا اور براہِ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا۔مدینہ طیبہ کی گلیوں میں اور وہاں کے جنگلوں میں پھرنا وہاں کی ہوا میں سانس لینا اور وہاں کی مقدس زمین میں اور ہوا میں بسی ہوئی خوشبو سے دل و دماغ کا معطر ہونا اور دیارِ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ کر شوق و محبت میں کبھی خوش ہونا اور کبھی رونا یہ وہ لذتیں ہیں جو حج کرنے والوں کو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ پہنچ کر نقد حاصل ہوتی ہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ اس قابل بنادے کہ ان لذتوں کو بندہ محسوس کر سکے۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے گھر کی حاضری اور اپنے رسول پاک کے در پر حاضری کی یہ لذتیں اور دولتیں ہم سب کو نصیب فرمائے۔آمین۔

یہاں آیت میں حج کے لئے آنے والوں کو آخرت کے منافع اور دنیوی فوائد ملنے کا ذکر کرنے کے بعد قربانی کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ اس لئے لوگ آویں گے تا کہ ایام مقررہ میں یعنی ۱۰،۱۱،۱۲ ذی الحجہ کو جو ایام قربانی ہیں ان میں قربانی کے جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لیا جائے یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہیں۔ ان دنوں میں بہترین عمل یہی ہے کہ اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔

قربانی دورِ جاہلیت میں بھی ہوتی تھی، بعض کفار کا خیال تھا کہ قربانی کا گوشت خود قربانی کرنے والے کو نہ کھانا چاہئے اس کی اصلاح فرمائی جاتی ہے اور امت محمد یہ کو حکم ہوتا ہے کہ تم اپنی قربانی کے گوشت شوق سے کھاؤ۔ دوستوں اور عزیزوں کو دو اور مصیبت زدہ محتاجوں کو کھلاؤ۔ پھر حج میں قربانی کے بعد کے کچھ احکام بتائے جاتے ہیں۔ حاجی جب سے احرام باندھ کر لبیک کہنا شروع کرتے ہیں تو حجامت نہیں بنواتے، ناخن نہیں تراشتے۔ بالوں میں تیل نہیں ڈالتے، کوئی خوشبودار چیز نہیں استعمال کرتے۔ بدن پر میل اور گرد وغبار چڑھ جاتا ہے۔ مگر زیادہ مل دل کر غسل نہیں کرتے۔ ایک عجیب عاشقانہ اور مستانہ حالت ہوتی ہے۔ دسویں ذی الحجہ کو سب قصہ تمام کرتے ہیں۔ منیٰ میں قربانی کے بعد حجامت بنوا کر غسل کر کے سلے ہوئے پاک صاف نئے کپڑے پہن کر طواف زیارۃ کو منیٰ سے مکہ معظمہ جاتے ہیں۔

یہاں خانہ کعبہ کے لئے لفظ بیتِ عتیق استعمال ہوا ہے۔ عتیق عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک قدیم۔ دوسرے آزاد جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو۔ تیسرے مکرم و معزز بیت اللہ پر یہ تینوں ہی معنے صادق آتے ہیں۔

چونکہ اس سے قدیم کوئی عبادت خانہ دنیا میں نہیں ہے۔ اس لئے اس کو عتیق کہا جاتا ہے۔ پھر کوئی بیرونی بادشاہ کعبہ پر تسلط نہ کرسکا اور آج تک یہ عبادت خانہ آزاد رہا اور جس نے برائی کا ارادہ کیا خدا نے اس کو تباہ کر دیا جیسے اصحابِ فیل کا واقعہ، اس لئے بھی عتیق ہے۔ اور اس کے اعزاز و اکرام کا حال تو یہ ہے کہ روئے زمین پر مسلمان کہیں بھی نماز پڑھتا ہے تو اسی جانب منہ کرتا ہے۔

ابھی یہ سلسلہ مضامین اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی عزت وکرامت۔ بزرگی اور بڑائی کو اور زیادہ بڑھاویں۔ اور اس گھر پر حاضر ہونے والوں کو عزت وکرامت نصیب فرماویں۔

اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی حاضری کا شرف ہم سب کو نصیب فرماویں اور حج بیت اللہ کی دولت ہم سب کو عطا فرماویں۔ جن بھائیوں نے حج بیت اللہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے حج کو حجِ مقبول اور حجِ مبرور بنائیں۔ اور جن پر یہ فریضۂ حج عائد ہے ان کو اس فرض کو ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! حج بیت اللہ کے دینی و دنیوی فوائد سے امت مسلمہ کو مالا مال فرما۔ اور اس اجتماع کی برکت سے عالم اسلام کو صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی سعادت عطا فرما۔

یا اللہ! اپنے خاص تجلیات وانوار کے مرکز بیت اللہ شریف پر حاضری دینے والوں کی دعاؤں کی برکت سے عالم اسلام کے جملہ مسائل کو حل فرما۔ امت مسلمہ میں اتحاد واتفاق عطا فرما۔ دشمنانِ دین اسلام سے جہاد کا عزم حقیقی نصیب فرما۔ اعلائے کلمۃ اللہ کا سچا جذبہ عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ

یہ بات تو ہو چکی۔اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا،سو یہ اُس کے حق میں اُس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔اوران مخصوص چوپایوں کو باستثناءان کے

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿٣٠﴾ حُنَفَآءَ

جوتم کو پڑھ کر سُنا دیئے گئے ہیں تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔اس طور سے

لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ

کہ اللہ ہی کی طرف جھکے رہو اسکے ساتھ شریک مت ٹھیراؤ۔اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اسکی بوٹیاں نوچ لیں۔

اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿٣١﴾

یا اُس کو ہوا نے کسی دُور دراز جگہ میں لے جا پٹکا۔

ذٰلِكَ یہ	وَمَنْ اور جو	يُّعَظِّمْ تعظیم کرے	حُرُمٰتِ اللّٰهِ شعائر اللہ (اللہ کی نشانیاں)	فَهُوَ پس وہ	خَيْرٌ بہتر	لَّهٗ اس کیلئے		
عِنْدَ رَبِّهٖ اس کے رب کے نزدیک	وَاُحِلَّتْ اور حلال قرار دیئے گئے	لَكُمُ تمہارے لئے	الْاَنْعَامُ مویشی	اِلَّا سوا				
مَا يُتْلٰى جو پڑھ دیئے گئے	عَلَيْكُمْ تم پر۔تم کو	فَاجْتَنِبُوا پس تم بچو	الرِّجْسَ گندگی	مِنَ سے	الْاَوْثَانِ بت	وَاجْتَنِبُوْا اور بچو		
قَوْلَ بات	الزُّوْرِ جھوٹی	حُنَفَآءَ لِلّٰهِ اللہ کیلئے یک رُخ ہو کر	غَيْرَ نہ	مُشْرِكِيْنَ شریک کرنے والے	بِهٖ اسکے ساتھ	وَمَنْ اور جو		
يُّشْرِكْ شریک کرے گا	بِاللّٰهِ اللہ کا	فَكَاَنَّمَا تو گویا	خَرَّ وہ گرا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	فَتَخْطَفُهُ پس اسے اچک لے جاتے ہیں			
الطَّيْرُ پرندے	اَوْ یا	تَهْوِيْ پھینک دیتی ہے	بِهِ اس کو	الرِّيْحُ ہوا	فِيْ میں	مَكَانٍ کسی جگہ	سَحِيْقٍ دُور دراز	

تفسیر و تشریح:۔گذشتہ آیات میں حج کے منافع اور مناسک حج اور قربانی کے بعض احکام ذکر فرمائے گئے تھے۔اب آگے ایک عام نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ کی قائم کی ہوئی تمام حرمتوں کا احترام کرنے کے لئے فرمائی گئی ہے۔حرمات اللہ یعنی جن چیزوں کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنے کی ہدایت دی جاتی ہے۔یوں تو حرمات اللہ یعنی محترم چیزوں میں بیت اللہ۔صفا۔مروہ۔منیٰ۔عرفات۔مساجد۔قرآن کریم۔بلکہ تمام احکامِ الٰہیہ آجاتے ہیں۔مگر یہاں خصوصیت سے مسجد حرام اور ہدی کے جانور کی تعظیم پر زور دینا ہے۔ہدی اس جانور کو کہتے ہیں کہ جو حاجی حرم میں قربانی کرنے کو ساتھ لے جاتا ہے۔پہلے عرب قربانی کے جانور کو اپنے ساتھ کعبہ میں لایا کرتے تھے یا پہلے بھیج دیتے تھے جس میں بیشتر اونٹ ہوتے تھے۔

یہاں اللہ کی قائم کی ہوئی تمام حرمتوں کا احترام و تعظیم کرنے کی جو نصیحت فرمائی گئی ہے اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ قریش نے حرم سے مسلمانوں کو نکال کر اور ان پر حج کا راستہ بند کر کے اور مناسک حج میں مشرکانہ و جاہلانہ رسمیں شامل کر کے اور بیت اللہ کو شرک کی گندگی سے ملوث کر کے حرمات اللہ کی ہتک و بے تعظیمی کر رکھی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے قائم کر دی گئی تھیں۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ نے جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنا بڑی خوبی اور نیکی کی بات ہے۔جس کا انجام نہایت اچھا ہوگا۔

جیسا کہ گزشتہ درس میں کہا گیا تھا مشرکین اپنی قربانیوں کی کوئی چیز نہ کھاتے تھے جس کی تردید گزشتہ درس میں مجمل طور پر فرمادی گئی تھی مگر یہاں حلت کی صراحت کردی اور فرمادیا کہ تمام چوپائے ذبح کے بعد تمہارے لئے حلال ہیں اور ان کے ذبح کا حکم تعظیم حرمات اللہ کے خلاف نہیں کیونکہ جس مالک نے ایک چیز کی حرمت بتلائی تھی اسی کی اجازت سے اور اسی کے نام پر وہ قربانی کی جاتی ہے۔ البتہ جن جانوروں کا حرام ہونا وقتاً فوقتاً تم کو سنایا جاتا رہا ہے وہ حلال نہیں جیسا کہ سورۂ انعام آٹھویں پارہ میں تفصیلاً گزر چکا ہے تو جو جانور اللہ کی اجازت سے اس کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں وہ حلال ہیں اور جو جانور کسی بت یا دیوی دیوتا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو جیسا کہ مشرکین عرب میں دستور تھا وہ حرام اور مردار ہوا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسی شرکیات جو بتوں کی پرستش سے آتی ہیں ان سے اس طرح بچو جیسے غلاظت سے آدمی گھن کھاتا ہے اور دور ہٹتا ہے۔ گویا کہ بت نجاست سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کے قریب جاتے ہیں آدمی ان سے نجس اور پلید ہوجاتا ہے۔ مشرکوں نے اپنی طرف سے جو تحلیل وتحریک قائم کر رکھی تھی اور بلادلیل شرعی کسی شے کو حلال اور کسی کو حرام کہتے تھے تو اس قول سے اجتناب رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ جھوٹی بات سے بچتے رہو۔ اگرچہ یہاں آیت میں واجتنبوا قول الزور (یعنی جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو) الفاظ عام ہیں اور اس میں ہر جھوٹی بات زبان سے نکالنا یا جھوٹی شہادت دینا داخل ہے۔ لیکن جن سلسلۂ کلام میں یہ فرمایا گیا ہے اس سے خاص طور پر اشارہ مشرکین کے ان باطل عقائد اور احکام ورسوم کی طرف ہے جن پر کفروشرک کی بنیاد ہے۔ یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا اور اس کی ذات۔ صفات۔ اختیارات اور حقوق میں کسی کو حصہ دار بنانا وہ سب سے بڑا جھوٹ ہے جس سے یہاں منع فرمایا گیا ہے۔ اب چونکہ مشرکین کے شرک کا ذکر آ گیا تھا اس لئے ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک اللہ کے بندے بن کر رہو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔ آگے شرک کی برائی ایک مثال سے سمجھائی جاتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی پہاڑ کی چوٹی یا کسی اور بلند مقام سے گرنے کے بعد آدمی کی ہڈی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔ بند بند جدا ہوجاتا ہے اور جب مردہ لاش میدان میں پڑی رہے تو مردار خوار پرندے اس کا تکا بوٹی کر لیتے ہیں۔ سب نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ یہی حالت مشرک کی ہوتی ہے۔ جب ایمان کے پہاڑ کی چوٹی سے گرا اور کفروشرک کی وادی میں پہنچا تو تمام روحانی اور عقلی قوتیں چور چور ہوجاتی ہیں۔ بصیرت وفہم کا ستیاناس ہوجاتا ہے۔ ہواؤ ہوس اور قہر وظلم کے مردار خوار پرندے اس کی عقل کی لاش کو تکا بوٹی کر کے کھا جاتے ہیں اور اس طرح وہ حقیقی توحید کی زندگی سے محروم ہوجاتا ہے یا یوں کہا جائے کہ جس طرح کسی اچھے خاصے آدمی کو آندھی اڑا کر کہیں کا کہیں پھینک دیتی ہے اسی طرح مشرک وکافر کی تمام باطنی اور روحانی طاقتیں ہواؤ ہوس کی ہوائیں اور خواہشاتِ نفسانی کی آندھیاں اڑا کر حیوانیت کے میدان میں پھینک دیتی ہیں اور مشرک آدمی روحانیت واخلاقِ باطنی تباہ ہونے کے بعد انسانیت سے دور گر جاتا ہے۔ صورت انسانوں کی ہوتی ہے مگر حقیقت میں وہ شیطان یا درندہ حیوان ہوتا ہے۔

اس مثال سے یہاں شرک کی برائی سمجھانا مقصود ہے کہ مشرک درحقیقت مردہ ہوتا ہے اس کی عقل فطری فنا ہوجاتی ہے اس کی اخلاقی اور اصلاحی قوتیں تباہ ہوجاتی ہیں۔ شہوت وغضب کے مردار خوار پرندے اس کی تمام اندرونی بیرونی صلاحیتوں کو کھا لیتے ہیں چونکہ اس کا اعتماد اور رجوع اللہ کی طرف نہیں ہوتا اس لئے سکون قلب اور اطمینان اس کو نصیب نہیں ہوتا اور درحقیقت سکون واطمینان قلبی ہی زندگی ہے۔

قرآن پاک کی فصاحت وبلاغت اور معجزانہ کلام کو دیکھئے کہ شرک کے مقابلہ میں حنفآء للہ ایک اللہ کے ہو کر رہو فرما کر یہ تعلیم دی گئی کہ مسلمان کے پیش نظر محض ذاتِ الٰہی اور اس کی خوشنودی کا حصول ہونا چاہئے اور اللہ کے معاملہ میں اس کو تمام باطل تعلقات توڑ کر اور سب سے منہ موڑ کر صرف خدائے ذوالجلال سے رشتہ جوڑنا چاہئے۔

ابھی یہی سلسلہ مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى

یہ بات بھی ہو چکی۔اور جو شخص دین خداوندی کے ان یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔تم کو اُن سے ایک معین وقت تک

اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ

فوائد حاصل کرنا جائز ہے پھر اُس کے ذبح حلال ہونے کا موقع بیتِ عتیق کے قریب ہے۔اور ہم نے ہر اُمت کیلئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر

عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾

اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔سو تمہارا معبود ایک ہی خدا ہے تو تم ہمہ تن اُسی کے ہو کر رہو۔اور آپ گردن جھکا دینے والوں کو خوشخبری سُنا دیجئے۔

ذٰلِكَ یہ	وَمَنْ اور جو	يُعَظِّمْ تعظیم کرے گا	شَعَآئِرَ اللّٰهِ شعائر اللہ	فَاِنَّهَا تو بیشک یہ	مِنْ سے	تَقْوَى پرہیزگاری	
الْقُلُوْبِ جمع قلب دل	لَكُمْ تمہارے لئے	فِيْهَا اس میں	مَنَافِعُ جمع نفع فائدے	اِلٰى تک	اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک مدتِ مقرر	ثُمَّ پھر	
مَحِلُّهَا انکے پہنچنے کا مقام	اِلٰى تک	الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ بیتِ قدیم (بیت اللہ)	وَ اور	لِكُلِّ اُمَّةٍ ہر امت کیلئے	جَعَلْنَا ہم نے مقرر کی	مَنْسَكًا قربانی	
لِيَذْكُرُوا تا کہ وہ لیں	اسْمَ اللّٰهِ اللہ کا نام	عَلٰى پر	مَا رَزَقَهُمْ جو ہم نے دیئے انہیں	مِنْ سے	بَهِيْمَةِ چوپائے	الْاَنْعَامِ مویشی	فَاِلٰهُكُمْ پس تمہارا معبود
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ معبودِ یکتا	فَلَهٗ پس اُس کے	اَسْلِمُوْا فرمانبردار	وَبَشِّرِ اور خوشخبری دیں	الْمُخْبِتِيْنَ عاجزی سے گردن جھکانے والے			

تفسیر و تشریح:۔گزشتہ آیات میں مناسکِ حج کے سلسلہ میں احکام قربانی وغیرہ کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے اس ضمن میں گزشتہ آیات میں حرمات اللہ یعنی اللہ نے جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنے کی فضیلت بیان کی گئی تھی اور مثال کے ذریعہ شرک کی برائی سمجھائی گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں۔جس کے دل میں پرہیزگاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہوگا وہ اس کے نام لگی چیزوں کا ادب کرے گا۔ یہ ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے کہ خدا کا عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جو بالخصوص اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جائے۔

قربانی کے جانوروں کو عرب اپنے ساتھ کعبہ میں لایا کرتے تھے اور ایسے جانوروں کو ہدی کہا جاتا تھا۔ان جانوروں کی نسبت فرمایا جاتا ہے کہ تم ان سے فوائد حاصل کر سکتے ہو مثلاً سواری کرو۔ دودھ پیو۔نسل چلاؤ۔اون وغیرہ کام میں لاؤ مگر یہ اس وقت تک کہ ان کو ہدی نہ بنائیں۔ ہدی بننے کے بعد اس قسم کا انتفاع ان جانوروں سے بدوں شدید ضرورت کے نہیں کر سکتے۔مثلاً اونٹ کو ہدی بنا کر ساتھ لیا اور خود پیدل چل رہا ہے اور سواری کے لئے کوئی دوسرا جانور موجود نہیں اور پیدل چلنا اس کے لئے مشکل ہو جاوے تو ایسی مجبوری اور ضرورت کی بنا پر اس وقت سوار ہونے کی اجازت ہے۔

جب ان کو قربانی کا جانور بنا لیا تو اس کا عظیم الشان اُخروی فائدہ یہی ہے کہ کعبہ کے پاس جس سے مراد سارا حرم ہے لے جا کر خدا تعالیٰ کے نام پر قربان کر دو۔

بعض کوتاہ عقل اعتراض کیا کرتے ہیں جیسا کہ اب بھی ہنود و عیسائی قربانی پر اعتراض کرتے ہیں کہ کسی جانور کے ذبح کرنے

سے کیا خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے؟ ناحق جانوروں کو مارتے ہیں۔ یہ رسم جاہلیت ہے۔ اس کا الزامی جواب پہلے عنایت فرمایا گیا اور بتلایا گیا کہ تم سے پیشتر بھی اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لئے رسم قربانی اللہ کا نام یاد کرنے کے لئے جاری کی ہے۔ امت محمدیہ کے لئے یہ کچھ نئی بات نہیں۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کی شریعتوں میں بھی قربانی کا دستور خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے تھا جیسا کہ اب تک اہل کتاب کی کتب میں پایا جاتا ہے اور اسی طرح ہنود کے ہاں بھی قربانیاں ہیں قدیم سے ان میں بلدان کی رسم چلی آتی ہے۔ تو یہاں بتلایا گیا کہ قربانی کا حکم جو اس امت مسلمہ کے لوگوں کو دیا گیا ہے یہ کوئی نیا حکم نہیں پچھلی سب امتوں کے ذمہ بھی قربانی کی عبادت لگائی گئی تھی پس خداوند قدوس ہی خدا ہے جس نے ان کو حکم دیا تھا اسی نے تم کو بھی حکم دیا پس اس کا کہا مانو اور قربانی کرو اور اس پر خاص اللہ ہی کا نام لو اور اسی طرح اس کی سب باتوں میں فرمانبرداری کرو۔ اس کے بعد اس کی پوری فرمانبرداری کرنے والوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مژدہ وخوشخبری دینے کا حکم دیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو رضائے الٰہی کی بشارت سنا دیجئے جو صرف اسی ایک خدا کا حکم مانتے ہیں اسی کے سامنے جھکتے ہیں۔ اسی پر ان کا دل جمتا ہے اور اسی کے جلال وجبروت سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اب چونکہ یہاں مخبتین یعنی اللہ کے احکام کے سامنے گردن جھکا دینے والوں کا ذکر آ گیا اس لئے آگے ان مخبتین کی بعض صفات بیان کی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مخبتین بندوں میں شامل فرمالیں اور اپنے احکام کے سامنے ہماری اطاعت سے گردنیں جھکی رہیں۔

یا اللہ اپنے احکام کی وقعت ہمارے دلوں میں پیدا فرما دیجئے۔ اور ہم کو ہر چھوٹے بڑے امر میں شریعت مطہرہ کی پابندی ظاہراً و باطناً نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! ہمیں بھی تقویٰ کی دولت عطا فرما اور شعائر اللہ کی حرمت وتعظیم نصیب فرما۔ یا اللہ اپنے جملہ احکام کی ہمیں فرمانبرداری نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُہُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَہُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ

جو ایسے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دِل ڈر جاتے ہیں اور جو اُن مصیبتوں پر کہ اُن پر پڑتی ہیں صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں

وَمِمَّا رَزَقْنٰہُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰہَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ لَکُمْ فِیْہَا خَیْرٌ

اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے۔ ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں۔

فَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُہَا فَکُلُوْا مِنْہَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ

سو تم اُن پر کھڑا کر کے اللہ کا نام لیا کرو۔ پس جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں تو تم بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی کو بھی کھانے کو دو۔

کَذٰلِکَ سَخَّرْنٰہَا لَکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُہَا وَلَا دِمَآؤُہَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ

ہم نے اِن جانوروں کو اس طرح تمہارے زیرِ حکم کر دیا تا کہ تم شکر کرو۔ اللہ تعالیٰ کے پاس نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ اُن کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

التَّقْوٰی مِنْکُمْ کَذٰلِکَ سَخَّرَہَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ہَدٰىکُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۷﴾

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا زیرِ حکم کر دیا تا کہ تم اس بات پر اللہ کی بڑائی (بیان) کرو کہ اُس نے تم کو توفیق دی۔ اور اے نبیؐ اخلاص والوں کو خوشخبری سُنا دیجئے۔

الَّذِیْنَ وہ جو	اِذَا جب	ذُکِرَ اللّٰہُ اللہ کا نام لیا جائے	وَجِلَتْ ڈر جاتے ہیں	قُلُوْبُہُمْ انکے دل	وَالصّٰبِرِیْنَ اور صبر کرنیوالے	عَلٰی پر
مَآ اَصَابَہُمْ جو انہیں پہنچے	وَالْمُقِیْمِی اور قائم کرنیوالے	الصَّلٰوۃِ نماز	وَمِمَّا اور اس سے جو	رَزَقْنٰہُمْ ہم نے انہیں دیا		
یُنْفِقُوْنَ وہ خرچ کرتے ہیں	وَ اور	الْبُدْنَ قربانی کے اونٹ	جَعَلْنٰہَا ہم نے مقرر کئے	لَکُمْ تمہارے لئے	مِنْ سے	
شَعَآئِرِ اللّٰہِ شعائر اللہ	لَکُمْ تمہارے لئے	فِیْہَا اس میں	خَیْرٌ بھلائی	فَاذْکُرُوْا پس لو تم	اسْمَ اللّٰہِ اللہ کا نام	عَلَیْہَا ان پر
صَوَآفَّ قطار باندھ کر	فَاِذَا پھر جب	وَجَبَتْ گر جائیں	جُنُوْبُہَا انکے پہلو	فَکُلُوْا تو کھاؤ	مِنْہَا ان سے	وَاَطْعِمُوْا اور کھلاؤ
الْقَانِعَ سوال نہ کرنیوالے	وَالْمُعْتَرَّ اور سوال کرنیوالے	کَذٰلِکَ اسی طرح	سَخَّرْنٰہَا ہم نے انہیں مسخر کیا	لَکُمْ تمہارے لئے	لَعَلَّکُمْ تا کہ تم	
تَشْکُرُوْنَ شکر کرو	لَنْ یَّنَالَ ہرگز نہیں پہنچتا	اللّٰہَ اللہ کو	لُحُوْمُہَا انکا گوشت	وَلَا اور نہ	دِمَآؤُہَا ان کا خون	وَلٰکِنْ اور لیکن بلکہ
یَنَالُہُ اس کو پہنچتا ہے	التَّقْوٰی تقویٰ	مِنْکُمْ تم سے	کَذٰلِکَ اسی طرح	سَخَّرَہَا ہم نے انہیں مسخر کیا	لَکُمْ تمہارے لئے	
لِتُکَبِّرُوْا تا کہ تم بڑائی سے یاد کرو	اللّٰہَ اللہ	عَلٰی پر	مَا ہَدٰىکُمْ جو اس نے ہدایت دی تمہیں	وَبَشِّرْ اور خوشخبری دیں	الْمُحْسِنِیْنَ نیکی کرنیوالے	

تفسیر و تشریح:- گزشتہ آیت مخبتین کو بشارت دینے پر ختم ہوئی تھی۔ مخبتین کے معنی ہیں عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر گردن جھکانے والے۔ گزشتہ آیت میں وبشر المخبتین فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا تھا کہ آپ ایسے لوگوں کو جو احکامِ الٰہیہ کے سامنے گردن جھکا دینے والے ہوں جنت وغیرہ کی خوشخبری سنا دیجئے۔ اب آگے مخبتین کی بعض صفات بیان کی جاتی ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ اللہ عزوجل کا ذکر سنتے ہی اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان کے دل اس کی عظمت وجلال کے تصور سے کانپ اٹھتے ہیں اور یہ اس کے سارے احکام بجالاتے ہیں۔

دوسری صفت بتلائی جاتی ہے کہ یہ لوگ مصائب وشدائد کو صبر واستقلال سے برداشت کرتے ہیں۔ کوئی سختی اٹھا کر راہِ حق سے قدم نہیں ڈگمگاتا۔

تیسری صفت بتلائی گئی کہ نماز کو پابندی اور اس کے حقوق و آداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اس میں ذرا سستی نہیں کرتے۔

چوتھی صفت بیان فرمائی کہ جو کچھ مال و دولت اللہ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اس میں سے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ایک حصہ خرچ کرتے ہیں۔ اس میں صدقہ خیرات۔ زکوٰۃ حج وقربانی اور دوسرے انفاق سب آ گئے۔

مضمون اوپر سے حج کے متعلق چل رہا تھا اور چونکہ بیت اللہ تک پہنچنے میں مصائب وشدائد بھی پیش آتے ہیں۔ سفر میں اکثر نمازوں کے قضا یا فوت ہو جانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ مال بھی کافی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے انہی اوصاف و خصائل کا یہاں ذکر فرمایا گیا۔ گزشتہ آیات میں مطلق شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہوا تھا۔ اب تصریحاً بتلایا جاتا ہے کہ اونٹ وغیرہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ ان کی ذات میں تمہارے لئے دنیا کے بھی فائدے ہیں اور اللہ نے انہیں اپنی یاد کا ذریعہ بھی بنایا ہے۔ ان کو اللہ کا پاک نام لے کر نحر یا ذبح کرو۔

یہاں آیت میں صرف اونٹوں کے نحر کا ذکر فرمایا ہے۔ اونٹ کی قربانی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کو لٹا کر ذبح نہیں کرتے بلکہ قبلہ رخ کھڑا کر کے اس کا ایک پاؤں زمین سے اٹھا کر گھٹنے سے ملا کر باندھ دیتے ہیں اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر نیزہ اونٹ کے سینہ سے ذرا اوپر مارتے ہیں۔ جب خون نکل جاتا ہے تو وہ کسی کروٹ گر پڑتا ہے۔ اس وقت اس کا گوشت کھال سے علیحدہ کرتے ہیں اور اسے نحر کہتے ہیں۔ تو اونٹ کو نحر کیا جاتا ہے اور گائے بکری بھیڑ کو لٹا کر ذبح کیا جاتا ہے۔ قربانی کے گوشت کے متعلق حکم دیا کہ خود بھی کھاؤ اور حاجت مندوں محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ یہاں محتاج کی دو قسمیں بیان فرمائیں، ایک جو صبر سے بیٹھا ہے۔ سوال نہیں کرتا۔ تھوڑا مل جائے تو اسی پر قناعت کرتا ہے۔ دوسرا جو بیقرار ہو کر سوال کرتا پھرتا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اونٹ و گائے وغیرہ ایسے بڑے جانور جو تم سے جثہ اور قوت میں کہیں زیادہ ہیں تمہارے قبضہ میں کر دیئے اور تمہارے لئے اس طرح مسخر کر دیئے کہ تم ان سے طرح طرح کی خدمات لیتے رہو اور کیسے آسانی سے ذبح بھی کر لیتے ہو۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا احسان ہے جس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ نہ یہ کہ شرک کر کے الٹی ناشکری کرو۔

اب آگے قربانی کی حقیقت اور اس کا اصل فلسفہ بیان کیا جاتا ہے۔ اسلام سے پہلے بھی حج اور قربانی کی رسم تھی مگر اس میں بہت سی بیہودہ باتیں اور شرک کے گندے طریقے داخل کر لئے تھے۔ مثلاً ایام جاہلیت میں جب قربانی کرتے تو بیت اللہ پر گوشت لتھیڑتے اور خون لیپتے تھے۔ ابتدا میں جب بعض مسلمانوں نے طریقۂ جاہلیت کے مطابق خانۂ کعبہ کو گوشت اور خون سے نجس کرنا چاہا تو ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی اور سمجھایا گیا کہ قربانی کا یہ گوشت پوست اور خون سب یہیں رہ جاتا ہے۔ اللہ تک اس کی رسائی نہیں۔ وہاں تو تمہاری نیتوں کا خلوص اور دل کا تقویٰ اور ادب پہنچتا ہے کہ کیسی خوشدلی اور جوشِ محبت کے ساتھ ایک قیمتی اور نفیس چیز اس کی اجازت سے اس کے نام پر اس کے گھر کے پاس لے جا کر قربان کی۔ گویا اس قربانی کے ذریعہ سے ظاہر کر دیا کہ ہم خود بھی تیری راہ میں اسی طرح قربان ہونے کے لئے تیار ہیں۔ بس یہی وہ تقویٰ ہے۔ جس کی بدولت خدا کا عاشق اپنے محبوبِ حقیقی کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔

اخیر میں بتلایا گیا کہ اللہ نے جانوروں کو تمہارا حکم بردار بنا دیا اس کے بدلہ میں تمہیں چاہئے کہ تم اللہ کے فرمانبردار بنو اور اس کے حکم سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر انہیں ذبح کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس

نے اپنی محبت اور عبودیت کے اظہار کی کیسی اچھی راہ بتادی اور ایک جانور کی قربانی کو گویا خود تمہاری جان قربان کرنے کے قائم مقام بنادیا۔

گزشتہ آیات کے خاتمہ پر وبشر المخبتین فرمایا گیا تھا۔ یہاں وبشر المحسنین فرمایا گیا۔ یعنی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ لوگوں کو کامیابی کی بشارت دے دیں جو ایمان واخلاص کے ساتھ نیک عمل کرتے ہیں۔ جن کے دلوں میں سچائی۔ نیتوں میں مرضی الٰہی کی طلب اور اعمال میں پاکیزگی ہو۔ ہر کام بوجہ اللہ کرتے ہوں۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ قربانی بھی شعائر الٰہیہ میں سے ہے مگر افسوس ہے کہ اب ایسے بھی نام کے مسلمان موجود ہیں کہ جو قربانی کا انکار کرتے ہیں اور قربانی سے روکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ ایک شعائر اسلامیہ کے منکر ہیں اور انکا قربانی سے روکنا کھلے طور پر دین اسلام میں مداخلت کرنا ہے۔ طرح طرح کے اشکالات اور اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان آیات میں قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے وہ صرف حاجیوں ہی کے لئے نہیں ہے اور صرف مکہ میں حج ہی کے موقع پر ادا کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام ذی استطاعت مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ جہاں بھی وہ ہوں۔ یہ تصریح متعدد صحیح احادیث میں بھی وارد ہوئی ہے اور معتبر روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے دس سالہ قیام میں ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی فرماتے رہے اور تنبیہ ووعید کے طور پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص استطاعت رکھتا ہو پھر قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ قرآن پاک بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ جملہ عبادات کو خواہ وہ نماز روزہ ہو یا صدقہ وزکوٰۃ ہو یا حج وقربانی ہو۔ انہیں انہی شرائط کے ساتھ پورا کرنا چاہئے جو مقرر کردی گئی ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان سے کیا فائدہ ہے؟ نہ ان کی بابت تغیر وتبدل کا وہم پیدا کرسکتا ہے جملہ عبادات بندگی کی نشانیاں ہیں اور منعم حقیقی کے بتائے ہوئے طریقہ سے ان کو بجالانا چاہئے۔ ہمیں یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ قربانی میں کیا فائدہ ہے؟ کیا یہ فائدہ تھوڑا ہے کہ ہمارا مولا ہم سے اپنی بے چوں وچرا فرمانبرداری کرتے دیکھ کر خوش ہو جائے اور ہم کو اپنے مخبتین اور محسنین بندوں میں شمار فرمالے۔ بندہ کا کام تو یہی ہے کہ اپنے آقا کو خوش رکھے۔

اب جس وقت ان آیات کا نزول ہوا اور مخبتین اور محسنین کو احکامِ الٰہیہ اور شعائر اسلامیہ بجالانے پر بشارت سنائی گئی اس وقت کفار مکہ کا غلبہ تھا جو حسد وعناد میں اہل اسلام کو حج وعمرہ کے لئے مکہ میں آنے سے بھی روک دیتے تھے۔ خود آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہی صحابہ کرام کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور حدیبیہ سے واپس ہونا پڑا تھا۔ تو یہ احکام حج وقربانی وغیرہ کو سن کر مسلمانوں کو خیال ہوسکتا تھا کہ ہم کو حالت موجودہ میں ان احکام پر کہاں عمل نصیب ہوگا۔ ہم کو خانۂ کعبہ اور حرم تک رسائی تو ہے ہی نہیں۔ اس لئے آگے اہلِ اسلام سے بطور پیشین گوئی کے ایک تسلی آمیز وعدہ فرمایا جاتا ہے۔ جس میں کفار کے لئے وعید بھی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور جملہ عبادات کو اپنے مقرر کردہ طریقوں پر ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! تقویٰ اور اخلاص کی دولت ہم کو عطا فرما اور اپنے مخبتین اور محسنین بندوں میں شامل ہونا ہم کو نصیب فرما۔ یا اللہ! اپنے مخبتین بندوں کی صفات ہم کو بھی عطا فرمادے۔ اور ہمارے قلوب میں اپنی عظمت وجلال کا وہ خوف وخشیت جمادے جو ہم کو آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے۔ اور آپ کے سارے احکام بجالانے پر مستعد کردے۔ یا اللہ ہم کو ہر حال میں دین پر استقامت نصیب فرما اور ہم کو اپنی نمازوں کو جملہ حقوق وآداب کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اور جو آپ نے دنیا میں ہمیں عطا فرمایا ہے اس میں سے اپنی رضا کے لئے خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرکین کے غلبہ کو) ایمان والوں سے ہٹادے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغاباز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا۔ لڑنے کی ان لوگوں کو

يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ ﴿۳۹﴾

اجازت دے دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُن کے غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	يُدٰفِعُ دُور کرتا ہے	عَنِ سے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جولوگ ایمان لائے مومن		اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا
كُلَّ کسی۔تمام	خَوَّانٍ دغاباز	كَفُوْرٍ ناشکرا	اُذِنَ اذن دیا گیا	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کو	يُقٰتَلُوْنَ جن سے لڑتے ہیں	بِاَنَّهُمْ کیونکہ وہ
	ظُلِمُوْا ان پر ظلم کیا گیا	وَاِنَّ اور بیشک	اللّٰهَ اللہ	عَلٰى نَصْرِهِمْ ان کی مدد پر	لَقَدِيْرُ ضرور قدرت رکھتا ہے	

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ چند آیتوں میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ کفار مکہ نے عناد وحسد میں مسلمان قبائل کو مکہ میں حج کے لئے آنے سے روک دیا تھا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہی صحابۂ کرام کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور حدیبیہ سے واپس ہونا پڑا تھا۔ جب تک مسلمان مکہ میں رہے کفار مکہ کی طرف سے ایذارسانی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ مسلمانوں پر آوازے کستے طعنے دیتے۔ سخت سست کہتے۔ جہاں موقع ملتا انتہائی بے رحمی اور سنگدلی کے ساتھ مار پیٹ کرتے اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے کسی کا مال چھین لیتے مسلمان سے مزدوری کراتے تو اُجرت نہ دیتے مگر راسخ الاعتقاد مسلمانوں کا ایمان لوہے کی چٹان سے زیادہ مضبوط تھا۔ بڑی سے بڑی مصیبت اور ایذا سے ان کے یقین میں تزلزل نہ پیدا ہوتا مگر جب مار پیٹ اور زخمی کرنے کی تکلیفیں حد سے بڑھ گئیں تو مسلمانوں نے مختلف اوقات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہو کر مدافعانہ قدم اٹھانے کی درخواست پیش کرنا شروع کر دی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برابر صبر وضبط کی تلقین فرماتے رہے اور قتال وجدال کی اجازت نہ دی۔ جب بحکم وحی مکہ سے مدینہ کو ہجرت ہوگئی اور مسلمانوں کو مدینہ میں کچھ استقلال نصیب ہوا تاہم کفار کی دراز دستیاں کم نہ ہوئیں۔ جس پر موقع اور قابو چلتا اکیلے دکیلے مسلمان کو مار لیتے۔ جو لوگ مکہ میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے رہ گئے تھے ان کو ایسی دکھ کی مار دیتے کہ بعض مسلمان شدت آلام کی وجہ سے جانبر نہ ہو سکے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور جہاد کا حکم دے دیا گیا۔ اجازت جہاد کے متعلق یہ پہلی آیت ہے۔ اس کے بعد پھر دوسری آیتیں جہاد کے حکم میں نازل ہوئیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکالا ہے۔ اب یہ ضرور ہلاک ہوں گے۔ چنانچہ مدینہ میں پہنچ کر سب سے اول جہاد کی اجازت کے متعلق جب آیت مذکورہ نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے پہچان لیا تھا کہ عنقریب قتال کا حکم ہوگا۔

ان آیات میں سب سے پہلے مسلمانوں سے بطور پیشین گوئی کے ایک تسلی آمیز وعدہ فرمایا جاتا ہے جس میں کفار کے لئے وعید بھی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ مسلمان مطمئن رہیں اللہ تعالیٰ عنقریب

دشمنوں سے ان کا راستہ صاف کردے گا۔ مسجد حرام تک پہنچنے اور اس کے متعلق احکام کی تعمیل کرنے میں کوئی مخالفانہ رکاوٹ باقی نہ رہے گی۔ بے خوف وخطر حج وعمرہ ادا کریں گے۔ گویا گزشتہ آیت میں وبشر المحسنین میں جو بشارت دینے کا امر تھا اس کی ایک فرد یہ خوشخبری بھی ہوئی۔ الحمدللہ جو پیشین گوئی یہاں فرمائی گئی وہ بجنسہ پوری ہوئی اور ان آیات کے چند سال بعد یعنی ۸ھ میں جب مکہ معظمہ فتح ہوگیا تو مسلمانوں کو حج وعمرہ کے ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ اگر کفار مکہ کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ دغاباز اور ناشکر گزاروں کو ایک خاص میعاد تک مہلت دی جائے تو یہ مت خیال کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو خوش آتے ہیں۔ یہ مہلت بعض مصالح اور حکمتوں کی بنا پر ہے۔ آخری انجام یہی ہونا ہے کہ اہلِ حق غالب ہوں گے اور باطل پرستوں کو راستہ سے چھانٹ دیا جائے گا۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین اور قرآنی احکام کے مطابق کامل تیرہ سال تک سخت مظالم کے مقابلہ میں بے مثال صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا اور جب مدینہ دارالاسلام بن گیا اور مسلمانوں کی ایک قلیل سی جماعت ایک مستقل مرکز پر جمع ہوگئی تو مظلوم مسلمانوں کو جن سے کفار برابر لڑتے رہتے تھے اجازت ہوئی بلکہ حکم ہوا کہ ظالموں کے مقابلہ میں اب تلوار اٹھائیں اور اپنی جماعت اور دین کی حفاظت کریں اور اطمینان دلایا گیا کہ اپنی قلت اور بے سروسامانی سے نہ گھبرائیں اللہ تعالیٰ مٹھی بھر فاقہ مستوں کو دنیا کی فوجوں اور سلطنتوں پر غالب کرسکتا ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک شہنشاہانہ طرز میں مسلمانوں کی نصرت وامداد کا وعدہ تھا۔ جیسے دنیا میں بادشاہ اور بڑے لوگ وعدہ کے موقع پر اپنی شان ووقار اور استغنا دکھلانے کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہاں تمہارا فلاں کام ہم کرسکتے ہیں اسی طرح یہاں "ان اللہ علی نصرھم لقدیر" یعنی اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے فرما کر یہ عنوان اختیار کیا گیا تا کہ مخاطب سمجھ لے کہ ہم ایسا کرنے میں کسی سے مجبور نہیں ہیں جو کچھ کریں گے اپنی قدرت اور اختیار سے کریں گے۔

آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے کہ جس بنا پر جہاد کی اجازت دی گئی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے ان وعدوں پر ہم کو بھی ایمان ویقین نصیب فرمائیں۔ اور اس وقت کفار نے جہاں جہاں اہلِ اسلام کو مظلوم بنا رکھا ہے اللہ پاک اپنی قدرت سے ان کی مدد فرمائیں اور کفار کے غلبہ کو اہل ایمان سے دور فرمائیں اور جہاد پر جو نصرت اور کامیابی کے وعدے اہل ایمان سے کئے ہیں وہ اس وقت بھی امت مسلمہ کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! جیسے آپ نے ابتداء میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد فرمائی اور مشرکین مکہ کے غلبہ اور ایذ رسانی سے اہل ایمان کو نجات عطا فرمائی۔

یا اللہ! اسی طرح اب بھی اپنی اسی قدرت سے اہلِ اسلام کی مدد فرمادے اور اعدائے دین کی طاقت کو ملیامیٹ فرمادے یا اللہ آپ اپنی قدرت واختیار سے جو چاہیں کرسکتے ہیں۔ یا اللہ اہل اسلام کو اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے سچا عزم جہاد نصیب فرما اور اپنی نصرت وتائید سے ان کو اعدائے دین پر غلبہ عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

جواپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے سے

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا

زور نہ گھٹواتا رہتا تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہوگئے ہوتے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾

اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے۔

الَّذِيْنَ جولوگ	اُخْرِجُوْا نکالے گئے	مِنْ سے	دِيَارِهِمْ اپنے گھر (شہروں)	بِغَيْرِ حَقٍّ ناحق	اِلَّآ مگر	اَنْ یہ کہ	يَّقُوْلُوْا وہ کہتے ہیں
رَبُّنَا اللّٰهُ ہمارا رب اللہ	وَلَوْ اور اگر	لَا دَفْعُ دفع نہ کرتا	اللّٰهِ اللہ	النَّاسَ لوگ	بَعْضَهُمْ اُن کے بعض (ایک کو)		
بِبَعْضٍ بعض سے (دوسرے)	لَّهُدِّمَتْ تو ڈھادیئے جاتے	صَوَامِعُ صومعے	وَبِيَعٌ اور گرجے	وَصَلَوٰتٌ اور عبادت خانے			
وَمَسٰجِدُ اور مسجدیں	يُذْكَرُ ذکر کیا جاتا (لیا جاتا ہے)	فِيْهَا ان میں	اسْمُ اللّٰهِ اللہ کا نام	كَثِيْرًا بہت۔ بکثرت	وَلَيَنْصُرَنَّ اور البتہ ضرور مدد کریگا		
اللّٰهُ اللہ	مَنْ جو	يَّنْصُرُهٗ اس کی مدد کرتا ہے	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَقَوِيٌّ طاقت والا تو انا	عَزِيْزٌ غالب	

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات کے سلسلہ میں بیان ہوا تھا کہ مکہ کے تیرہ سالہ دور میں اہل اسلام کو کفار سے جنگ اور قتل وقتال کی ممانعت تھی۔ لیکن ہجرت کے بعد جہاد کی اجازت کا حکم نازل ہوگیا اور ان کفار سے جو مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے جنگ کی اجازت ہوگئی اور ساتھ ہی غلبہ کی بشارت بھی اہل اسلام کو سنادی گئی۔

اب آگے اہل اسلام کی مظلومیت اور جہاد کی حکمت اور اخلاص فی الجہاد پر غلبہ کی بشارت کو بیان کیا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مسلمان مہاجرین جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ان کا کوئی جرم نہ تھا۔ نہ ان پر کسی کا کوئی دعویٰ تھا بجز اس کے وہ اکیلے ایک خدا کو اپنا رب کیوں کہتے ہیں۔ اینٹ اور پتھروں کو کیوں نہیں پوجتے۔ گویا ان پر سب سے بڑا سنگین الزام اگر لگایا جاسکتا ہے تو یہی کہ وہ ایک خدا کے ماننے والے کیوں بنے۔ جس ظلم کے ساتھ ان اسلام کے شیدائی مہاجرین کو اپنے گھروں سے مکہ سے نکالا گیا اس کا اندازہ کرنے کے لئے چند واقعات سنئے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ رومی جب ہجرت کرنے لگے تو کفار مکہ نے ان سے کہا کہ تم یہاں خالی ہاتھ آئے تھے اور اب مالدار ہوگئے ہو۔ تم جانا چاہو تو خالی ہاتھ ہی جاسکتے ہو اپنا مال نہیں لے جاسکتے حالانکہ انہوں نے جو کچھ کمایا تھا وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا تھا۔ کسی کا دیا نہیں کھاتے تھے آخر وہ دامن جھاڑ کر کھڑے ہوگئے اور سب کچھ ظالموں کے حوالہ کرکے اس حال میں مدینہ پہنچے کہ تن کے کپڑوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔

۲۔ حضرت ام سلمہ اور ان کے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دودھ پیتے بچہ کو لے کر ہجرت کے لئے نکلے تو حضرت ام سلمہ کے خاندان والوں نے راستہ روک لیا اور ابوسلمہ سے کہا کہ تمہارا جہاں جی چاہے پھرتے رہو مگر ہماری لڑکی کو لے کر نہیں جاسکتے مجبوراً بیچارے بیوی کو چھوڑ کر مدینہ چلنے لگے پھر ابوسلمہ

کے خاندان والے آگے بڑھے اور انہوں نے کہا بچہ ہمارے قبیلہ کا ہے اسے ہمارے حوالہ کرو۔ اس طرح بچہ بھی ماں اور باپ دونوں سے چھین لیا گیا۔ تقریباً ایک سال تک حضرت ام سلمہ بچے اور شوہر کے غم میں تڑپتی رہیں اور آخر کار بڑی مصیبت سے اپنے بچہ کو حاصل کر کے مکہ سے اس حال میں نکلیں کہ اکیلی عورت گود میں بچہ لئے اونٹ پر سوار تھیں اور ان راستوں پر جا رہی تھیں جن سے مسلح قافلے بھی گزرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

۳۔ حضرت عیاش بن ربیعہ ابو جہل کے ماں جائے بھائی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ پیچھے پیچھے ابو جہل اپنے ایک بھائی کو ساتھ لے کر جا پہنچا اور بات بنائی کہ اماں جان نے قسم کھالی ہے کہ جب تک عیاش کی صورت نہ دیکھ لوں گی نہ دھوپ سے سایہ میں جاؤں گی نہ سر میں کنگھی کروں گی۔ اس لئے بس تم چل کر انہیں صورت دکھا دو پھر واپس آجانا۔ وہ بیچارے ماں کی محبت میں ساتھ ہو لئے۔ راستہ میں دونوں بھائیوں نے انہیں قید کر لیا اور مکہ میں انہیں لے کر اس طرح داخل ہوئے کہ وہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور دونوں بھائی پکارتے جا رہے تھے کہ اے اہلِ مکہ اپنے اپنے نالائق بیٹوں کو یوں سیدھا کرو جس طرح ہم نے کیا ہے۔ کافی مدت تک یہ بیچارے قید رہے۔ آخر کار ایک جانباز مسلمان ان کو نکال لانے میں کامیاب ہوئے۔

اس طرح کے مظالم سے قریب قریب ہر اس شخص کو سابقہ پیش آیا جس نے اپنے ایمان اور اسلام کیلئے مکہ سے مدینہ کی ہجرت کی۔ ظالموں نے گھر بار چھوڑتے وقت بھی ان غریبوں اور مظلوموں کو خیریت سے نہ نکلنے دیا۔ اور کفار کا یہ تمام تر غیظ و غضب صرف توحید پر تھا جس کی وجہ سے مظلوموں کو وطن چھوڑنا پڑا۔

آگے جہاد کی حکمت بیان فرمائی جاتی ہے کہ اگر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ایک جماعت کو دوسری جماعت سے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ہوگی۔ اس نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا جماعت کے مقابلہ میں اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لئے جنگ کرتی رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لے کر بدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہ رہتا۔ بد دین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات اور یادگاریں صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے۔ کوئی عبادت گاہ۔ تکیہ۔ خانقاہ۔ مسجد۔ مدرسہ محفوظ نہ رہ سکتا۔ اس بنا پر ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہو جائیں قدرت کی طرف سے ایک وقت آئے جب نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے۔ بہرحال اس وقت مسلمانوں کو ظالم کافروں کے مقابلہ میں جہاد و قتال کی اجازت دینا اسی قانونِ قدرت کے ماتحت تھا اور یہ وہ عام قانون ہے جس کا انکار کوئی عقلمند نہیں کر سکتا۔ اگر مدافعت و حفاظت کا یہ قانون نہ ہوتا تو اپنے اپنے زمانہ میں نہ عیسائی راہبوں کی خانقاہیں قائم رہتیں۔ نہ نصاریٰ کے گرجے۔ نہ یہود کے عبادت خانے نہ مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے ہوتا ہے۔ یہ سب عبادت گاہیں گرا کر برابر کر دی جاتیں۔ بس اسی عام قانون کے ماتحت کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کو ایک وقتِ مناسب پر اپنے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔

اب آگے مجاہدین کی نصرت و مدد کا وعدہ فرمایا جاتا ہے مگر ایک شرط کے ساتھ۔ وعدہ تو ان تاکیدی الفاظ میں ہے کہ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا۔ آگے وہ شرط ہے یعنی جو اللہ کے دین کی مدد کریں گے۔ یہ مضمون قرآن پاک میں متعدد جگہ پر بیان ہوا ہے

کہ جو لوگ خلقِ خدا کو توحید کی طرف بلانے اور دین حق کو قائم کرنے اور شر کو مٹانے اور خیر کو فروغ دینے کی سعی وجدوجہد کرتے ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں تو یہاں اور قرآن پاک میں دوسرے مقامات پر نصرت و امداد کا صریح وعدہ ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ طلبگاران نصرت کو دین الٰہی کی مدد کرنی چاہئے یعنی جہاں تک ممکن ہو جان و دل سے کوشش کریں کافروں کا مقابلہ جفاکشی اور تندہی سے کریں اور کافروں کے مقابلہ کا مقصد حصول زر یا مال۔ حکومت وشہرت نہ ہو بلکہ دین کا غلبہ اور اسلام کی حمایت مدِ نظر ہو۔ آخر میں شک وشبہ اور وہم کو دفع کرنے کے لئے ان اللہ لقوی عزیز فرما دیا۔ ہوسکتا تھا کہ مسلمان اپنی کمزوری کو دیکھتے ہوئے کہتے کہ ہم تمام عرب کے کفار ومشرکین کے مقابلہ میں دین کی حمایت کیا کرسکتے ہیں۔ تعداد کم، سامان ابتر، اسلحۂ جنگ شکستہ۔ اُوپر سے فقر وفاقہ، اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ اللہ قوی اور غالب ہے۔ تم اس وقت کمزور ہو تو کیا ہے۔ تمہارا خدا تو قوی ہے۔ تم مغلوب ہو تو کوئی حرج نہیں تمہارا رب تو غالب ہے۔ اسی پر بھروسہ رکھو وہ تمہاری مدد کرے گا۔

اب یہ ظاہر ہے کہ یہ قرآنی وعدے جو نزول قرآن کے وقت تھے وہ اب بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ نے ایمان ویقین کے ساتھ اس پر عمل فرمایا۔ اور اللہ کے دین کی مدد کی شرط کو دل و جان سے پورا کیا۔ اللہ کی نصرت وحمایت ان کے شامل حال رہی۔ پھر دنیا پر ان کا وہ رعب داب اور غلبہ رہا اور غیب سے ایسی امداد ان کی فرمائی گئی کہ اسلامی تاریخ آج بھی گواہ ہے۔ اے کاش کہ اس وقت بھی امت مسلمہ کو ہوش آجائے اور اپنے کو ان قرآنی وعدوں کا مصداق بنالے اور اللہ کے دین کی مدد کے لئے دل و جان سے کھڑی ہوجائے۔ پھر اللہ کی نصرت بھی یقینی ہے۔

اب آگے مکہ کے ان مظلوم مہاجرین کی مخصوص صفات بیان کی گئی ہیں جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہم کو دین کی سچی سمجھ اور فہم عطا فرما اور دین حق کے لئے اپنے جان و مال کی قربانی دینے کا جذبہ صادق عطا فرما۔

اے اللہ! ان مہاجرین اولین کے صدق اور اخلاص کے طفیل میں جنہوں نے دین کے لئے سب کچھ قربان کر دکھایا۔ ہم کو بھی دین حق کی حمایت کی توفیق عطا فرما۔ دین کے لئے جینے اور مرنے کی سعادت نصیب فرما۔ اے اللہ! دین کی طرف سے آج امتِ مسلمہ جس غفلت میں پڑگئی ہے اس غفلت کو دور فرما۔ اور پوری امت کو دین کی مدد کے لئے دل و جان سے کھڑا ہوجانے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم اُن کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور بُرے

عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱

کاموں سے منع کریں۔ اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے

اَلَّذِيْنَ وہ لوگ جو	اِنْ اگر	مَّكَّنّٰهُمْ ہم دسترس دیں انہیں	فِي الْاَرْضِ زمین (ملک) میں	اَقَامُوا وہ قائم کریں	الصَّلٰوةَ نماز
وَ اور	اٰتَوُا الزَّكٰوةَ زکوٰۃ ادا کریں	وَاَمَرُوْا اور حکم دیں	بِالْمَعْرُوْفِ نیک کاموں کا	وَنَهَوْا اور وہ روکیں	عَنِ الْمُنْكَرِ بُرائی سے
	وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	عَاقِبَةُ انجام کار	الْاُمُوْرِ تمام کام		

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیات میں مہاجرین اولین کی مظلومیت کا ذکر تھا کہ مسلمانوں کو ناحق مکہ سے جلاوطن کیا گیا۔ ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ اگر قصور تھا تو صرف یہ کہ وہ اللہ کی ربوبیت کے قائل تھے اور دوسروں کی ربوبیت کا انکار کرتے تھے۔ پھر جہاد کی حکمت و فائدہ بتلایا گیا تھا کہ اگر حق کے ذریعہ سے باطل کو شکست نہ ہوتی اور ظلم کی جگہ انصاف نہ لیتا تو تمام عبادت گاہیں یعنی حق پرستی کے مرکز تباہ ہو جاتے۔ نہ یہودیوں کے دور میں ان کی خانقاہیں قائم رہتیں نہ نصاریٰ کے زمانہ میں ان کے عبادت خانے اور نہ مسلمانوں کے زمانہ میں ان کی مسجدیں۔ غرض حق پرستی دنیا سے معدوم ہو جاتی۔ اگر انبیاء اور ان کی امتوں پر جہاد فرض نہ کیا جاتا اور تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی جاتی تو اہلِ کفر اللہ کی پرستش نہ کرنے دیتے۔ حضرت موسیٰؑ اگر فرعون اور عمالقہ کا مقابلہ نہ کرتے تو یہودیوں کے معبد برباد ہو جاتے اور شریعتِ موسوی قائم نہ رہتی۔ اگر عیسائیوں کو تلوار اٹھانے اور مقابلہ کرنے کا حکم نہ ہوتا تو یہودی ان کو کھا جاتے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کو جہاد کی اجازت نہ ہوتی تو کفار مکہ اور مشرکین عرب اور دنیا کی تمام غیر مسلم اقوام ان کو تباہ و برباد کر ڈالتے تو اقامتِ حق اور ابقاء صداقت کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ ظالموں اور جابروں کا مقابلہ کیا جائے اور قوت کے ساتھ ان کی دراز دستیوں کو روکا جائے۔

پھر اس کے بعد اخلاص فی الجہاد کو بتلایا گیا تھا یعنی کفار سے لڑنے میں خالص نیت اعلاء کلمۃ اللہ کی ہو جس پر غلبہ کی بشارت دی گئی تھی۔ اب آگے ان مہاجرین کی جو علمبردارِ حق تھے اور اعلان صداقت کی پاداش میں گھروں سے نکالے گئے تھے ان کے چند خصوصی اوصاف کا بیان ہے اور اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ مظلوم مسلمان جنہیں اپنے گھروں سے نکالا گیا ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں حکومت اور زمین کی سلطنت دے دیں تب بھی خدا سے غافل نہ ہوں۔ بذاتِ خود بدنی اور مالی نیکیوں میں لگے رہیں اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں۔ خود بھی نماز کی پابندی کریں۔ اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین کی حکومت عطا کی اور جو پیشین گوئی کی گئی تھی بحمداللہ وہ حرف بحرف پوری اور سچی ثابت ہوئی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفائے اربعہ اور خلافتِ راشدہ کے زمانہ کے اکثر عمال و حکام انصاف اور عدل کے علمبردار تھے۔ نیکی اور خدا پرستی ان کا شعار تھی۔ ارکانِ دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں اُتری ہے۔ ہم بے سبب خارج از وطن کئے گئے تھے پھر ہمیں خدا نے سلطنت دی۔ ہم نے نماز روزہ کی پابندی کی۔ نیکیوں کے احکام دیئے اور برائی سے روک جاری کی پس یہ آیت ہمارے اور ہمارے ساتھیوں کے بارے میں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے خطبہ میں اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا اس میں صرف بادشاہوں کا بیان ہی نہیں بلکہ بادشاہ ورعایا دونوں کا بیان ہے۔ بادشاہ پر تو یہ ہے کہ حقوقِ خداوندی تم سے برابر لے۔ خدا کے حق میں کوتاہی کے بارہ میں تمہیں پکڑے اور ایک کا حق دوسرے سے دلوائے اور جہاں تک ممکن ہو تمہیں صراطِ مستقیم سمجھاتا رہے۔ تم پر اس کا یہ حق ہے کہ ظاہر و باطن خوشی خوشی اس کی اطاعت گزاری کرو۔ یہاں آیت میں اگرچہ چاروں حکم بحرفِ شرط بیان کئے گئے ہیں مگر فی الحقیقت طلبگارانِ حق اور داعیان جہاد کے لئے یہ حتمی حکم ہے کہ جب تم کو خدا تعالیٰ حکومت وتسلط عطا فرمائے تو نماز کی طرف سے غافل نہ ہونا۔ زکوٰۃ شرعی کو نہ چھوڑ دینا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں حکومت کے نشہ میں سرشار ہو کر فرض الٰہی کی ادائیگی سے غفلت ہو جائے۔ پھر ہر کارِ خیر کی اشاعت اور کارِ بد کی ممانعت سے بھی غافل نہ رہنا۔

یہ چاروں اوصاف جو اس آیت میں بیان فرمائے گئے اہلِ حق کے امتیازی اوصاف ہیں آگے **وللہ عاقبۃ الامور** اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے فرما کر یہ متنبہ کر دیا کہ گو آج مسلمان کمزور اور کافر غالب اور قوی نظر آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے کہ آخر کاران ضعفاء کو منصور و غالب کردے اور مغرور وسرکش جو اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ وہ اپنے اقتدار میں بسنے والوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والے ہیں اور جن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ بھلا ان کی کرسی کا پایہ کون ہلا سکتا ہے اور ان کو نیچا کون دکھا سکتا ہے۔ اور جن کے دبدبے کے ڈنکے بج رہے ہوں وہ ایسے گرائے جاتے ہیں کہ دنیا کے لئے نمونۂ عبرت بن جاتے ہیں۔ اور اس کی مثالیں دیکھنے کے لئے آپ کو دور جانے کی ضرورت نہیں آپ اپنے ہی ملک کے گزشتہ فرمانرواؤں کو دیکھ لیجئے۔ الغرض قوت واقتدار کا بخشنا اور اس کو قائم رکھنا یا ختم کر کے کسی اور کو اقتدار بخش دینا یہ سب دستِ قدرت میں ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت نے واضح کر دیا کہ قرآن کریم کے نزدیک مسلمانوں کے اقتدار اور حکومت کا اصلی مقصد کیا ہے۔ یہاں صاف وضاحت فرمائی گئی۔ کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار اور اس کی تائید اور نصرت کے مستحق لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ اگر دنیا میں انہیں حکومت اور فرمانروائی بخشی جائے تو بجائے فسق و فجور اور کبر وغرور کے انکا کردار اقامتِ صلوٰۃ اور احیائے دین ہو۔ ان کی دولت اپنے عیش وعشرت اور نفس پرستی کی بجائے ایتائے زکوٰۃ اور مستحقین کی امداد و خدمت میں صرف ہو۔ ان کی حکومت نیکی کو فروغ دینے کی خدمت انجام دے اور ان کی طاقت بدیوں کو دبانے میں استعمال ہو۔

غور کیجئے کہ اس آیت میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے کارکنوں اور کارفرماؤں کی صفات وخصوصیات کا جوہر نکال کر رکھ دیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت فی الحقیقت کس چیز کا نام ہے اور اسلامی احکام اور فرمانروا کیسے ہونے چاہئیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادی اپنی تقریر ماجدی میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

"کہ گورنمنٹ اگر مسلمانوں اور سچے مسلمانوں کی قائم ہو جائے تو مسجدیں آباد پر رونق ہو جائیں۔ ہر طرف سے صدائیں تکبیر وتہلیل کی گونجا کریں۔ بیت المال کے بعد کوئی ننگا

بھوکا نہ رہ جانے پائے۔ عدالتوں میں انصاف بکنے کی بجائے ملنے لگے۔ رشوت، جعلسازی، دروغ حلفی کا بازار سرد پڑ جائے۔ امیر کو کوئی حق۔ کوئی موقع غریب کی تحقیر کا، ایذا کا باقی نہ رہ جائے۔ غیبتیں ۔ بدکاریاں چوریاں، ڈاکے خواب و خیال ہو جائیں۔ آبکاری کے محکمہ کو کوئی پانی دینے والا بھی نہ رہے۔ مہاجنی کوٹھیوں، سود خوار ساہوکاروں اور بینکوں کے ٹاٹ اُلٹ جائیں۔ گویئے نچیے اگر تائب نہ ہوں شہر بدر کر دیئے جائیں سینما، تھیٹر تمام شہوانی تماشہ گاہوں کے پردوں کو آگ لگا دی جائے گندہ، فحش، افسانہ و شاعری کی جگہ صالح و پاکیزہ ادبیات لے لیں۔ غرض یہ کہ دنیا دنیا رہ کر بھی نمونہ جنت بن جائے۔"

قرآن کریم جو آسمانی رحمت ۔ سرچشمۂ ہدایت اور ذریعہ سعادت دارین ہے وہ بیشک ہم میں موجود تو اب بھی ہے۔ مگر اس لئے نہیں کہ ہمارے عقائد اور ہمارے اعمال و افعال سب اس کے مطابق اور ماتحت ہوں۔ قرآنی تعلیمات و ہدایات کو چھوڑنے اور ان سے منہ موڑنے کا نتیجہ یہی ہوا کہ امت میں نہ وہ وحدت باقی رہی نہ قوت۔ نہ وہ ایمان باقی رہا نہ یقین۔ کہیں ذلت کہیں محکومی اور مظلومیت، کہیں بے کسی اور لاچاری اور کہیں اعدائے دین کا تسلط، اور کہیں آپس ہی میں اختلاف اور افتراق یہ چیزیں ہمارے حصہ میں رہ گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قرآن کا تو وعدہ ہے۔ وا نتم الا علون ان کنتم مؤمنین (آل عمران ۱۴/۴) "تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن رہے۔" مگر افسوس ہے اور رونا ہے تو یہی ہے کہ اس بات کو کس کس سے کہا جائے؟ اور کس طرح کہا جائے؟ اور اب تو (یعنی بوقتِ نظرِ ثانی جب یہ درس لکھا جارہا ہے) نوبت بانیجا رسید کہ ایسے منافقین پیدا ہو گئے ہیں کہ قرآن کریم ہی کو فرسودہ کتاب بتلانے لگے۔ اور جن کو اپنے مسائل کا حل اس چودہ سو سالہ پرانی کتاب میں نظر نہیں آتا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بس ان کے نزدیک روٹی، کپڑا اور مکان یہی سارا دین و اسلام رہ گیا ہے اسی کے لئے ان کو اقتدار اور قوت اور دولت و حکومت اور سلطنت چاہیئے۔

مگر یہ واضح رہے اور روٹی کپڑے اور مکان کے طالب کان کھول کر سن لیں کہ ایک طرف اسلام کا لیبل لگا کر دوسری طرف دین اسلام کی در پردہ جڑیں کاٹنے کی فکر رکھ کر کبھی بھی جو ان کے روٹی کپڑے اور مکان کے مسئلہ حل ہوں، اسی طرح روٹی کپڑے اور مکان کے لئے ہائے ہائے کرتے اور سر ٹپکتے مرجائیں گے۔ اور خسر الدنیا والاخرۃ کے مصداق بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ ہدایت نصیب فرمائیں اور قرآن کریم سے ہمیں سچا اور پکا وفاداری کا تعلق نصیب فرمائیں۔

الغرض اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اگر کسی کو زمین میں حکومت اور سلطنت و اقتدار عطا کریں تو وہ صاحب حکومت اور صاحب اقتدار سے چار باتیں چاہتے ہیں۔

۱۔ایک اقاموا الصلوٰۃ یعنی نماز قائم کرنا۔

۲۔دوسرے واتواالزکٰوۃ زکوٰۃ کا ادا کرنا۔ان دو باتوں میں تمام شعائر اسلام کے قائم کرنے کا اشارہ ہے۔

۳۔تیسرے وامر وابالمعروف یعنی نیکیوں اور بھلے کاموں کا حکم کرنا۔

۴۔چوتھے ونھوا عن المنکر یعنی منکرات اور برائیوں سے روکنا۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت و سلطنت کا اولین مقصد اقامت دین اور قوانین شریعت کا اجراء اور نفاذ ہے گویا اصل مقصود دین ہے اور حکومت اس کی خادم ہے۔

اس زیر تفسیر آیت جس کو آیت تمکین کہتے ہیں یہ ہجرت مدینہ

کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب کہ مسلمانوں کو کسی بھی زمین کی حکومت واقتدار حاصل نہیں تھا مگر حق تعالیٰ نے یہ خبر بطور پیشین گوئی کے دے دی کہ وہ لوگ جن کو ان کے گھروں سے ظلماً بغیر کسی حق کے نکال دیا گیا یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو زمین میں حکومت واقتدار دے دیا جائے تو یہ لوگ اپنے اقتدار کو ان مذکورہ چار کاموں میں صرف کریں گے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عمل کے وجود میں آنے سے پہلے اس کے عمل کرنے والوں کی مدح وثنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی اس خبر کا جس کا وقوع یقینی تھا اس دنیا میں وقوع اس طرح ہوا کہ چاروں خلفائے راشدین مہاجرین اولین میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے وعدہ کے بموجب ان کو زمین کی تمکین عطا فرمائی اور قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق ان خلفائے راشدین کے اعمال وکردار اور کارناموں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ انہوں نے اپنے اقتدار کو اسی کام میں استعمال کیا کہ نمازیں قائم کیں۔ زکوٰۃ کا نظام مضبوط کیا۔ اچھے کاموں کو رواج دیا اور برے کاموں کا راستہ بند کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اسی لئے علمائے مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ خلفائے راشدین سب کے سب اسی بشارت کے مصداق ہیں اور یہ آیت چاروں خلفاء کے حق ہونے کی دلیل ہے اور اس آیت میں ان لوگوں کے لئے ہدایت بھی ہے جن کو اللہ تعالیٰ ملک وسلطنت عطا فرمائیں کہ وہ اپنے اقتدار میں یہ کام انجام دیں جو خلفائے راشدین نے اپنے وقت میں انجام دیئے تھے۔

اللہ تعالیٰ اس ملک پاکستان کو جو اسلام کے پاک نام سے وجود میں آیا، ایسے ہی صفات کے صاحب اقتدار نصیب فرمائیں، جو قرآن کریم کو مطلوب ہیں آمین۔

اب ان آیات کے نزول کے وقت کفار کی تکذیب اور جدال و قتال اور مسلمانوں پر اگلے ظلم وستم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رنج وغم طبعاً ہوتا تھا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو جو اسلام وایمان اور قرآن کی دولت عطا فرمائی ہے تو ان نعمتوں کی قدر اور سچی شکر گزاری کی توفیق بھی ہم کو عطا فرمائیں یا اللہ! اس ملک پاکستان کو جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا صحیح معنوں میں اسلامی حکومت بنادے اور یہاں قرآنی احکام کا نفاذ فرمادے۔

یا اللہ! یہ اسلام آپ کا دین ہے اور آپ کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں لایا ہوا ہے۔ یا اللہ! جس طرح آپ نے اس دین کی ابتدا میں مدد فرمائی اور کفار ومشرکین کے غلبہ کو ہٹا کر اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا۔

اے اللہ! اے قدیر رب! اب بھی اپنی اسی قدرت سے اسی طرح اسلام کی مدد فرمادے۔ اور اس ملک میں حقیقی اسلام کو غلبہ اور فروغ عطا فرمادے۔ اور مخالفین اسلام کی جڑیں کاٹ دے۔ ان کے عزائم ناکام بنادے۔ ان کے فتنہ وفساد سے اس ملک کو پاک کردے۔ اے اللہ! جو اس ملک میں اسلامی اور قرآنی حکومت قائم کرنے کے کوشاں ہیں۔ ان کی کوششوں کو بار آور فرمادے۔ اور منافقین ومخالفین کو ناکام، خاسر اور ذلیل فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ

اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو ان لوگوں سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم

وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ

اور قوم لوط اور اہلِ مدین بھی تکذیب کر چکے ہیں۔اور موسیٰ کو بھی کاذب قرار دیا گیا سو میں نے کافروں کو مہلت دی پھر میں نے اُن کو پکڑ لیا سو میرا

كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

عذاب کیسا ہوا۔غرض کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا جن کی یہ حالت تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ

اور بہت سے بیکار کنویں اور بہت سے قلعی چونے کے محل۔سو کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں جس سے ان کے دل ایسے ہوجاویں

يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى

کہ اُس سے سمجھنے لگیں۔بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ دِل جو سینوں میں ہیں

الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔

وَاِنْ اور اگر	يُكَذِّبُوْكَ تمہیں جھٹلائیں	فَقَدْ كَذَّبَتْ تو جھٹلایا	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	قَوْمُ نُوْحٍ نوح کی قوم	وَعَادٌ اور عاد		
وَثَمُوْدُ اور ثمود	وَ اور	قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم کی قوم	وَ اور	قَوْمُ لُوْطٍ قوم لوط	وَ اور	اَصْحٰبُ مَدْيَنَ مدین والے	
وَكُذِّبَ اور جھٹلایا گیا	مُوْسٰى موسیٰ	فَاَمْلَيْتُ پس میں نے ڈھیل دی	لِلْكٰفِرِيْنَ کافروں کو	ثُمَّ پھر	اَخَذْتُهُمْ میں نے انہیں پکڑ لیا		
فَكَيْفَ تو کیسا	كَانَ ہوا	نَكِيْرِ میرا انکار	فَكَاَيِّنْ تو کتنی	مِنْ قَرْيَةٍ بستیاں	اَهْلَكْنٰهَا ہم نے ہلاک کیا انہیں	وَهِيَ اور یہ۔وہ	
ظَالِمَةٌ ظالم	فَهِيَ کہ وہ۔یہ	خَاوِيَةٌ گری پڑی	عَلٰى پر	عُرُوْشِهَا اپنی چھتیں	وَبِئْرٍ اور کنوئیں	مُعَطَّلَةٍ بے کار	
وَقَصْرٍ اور بہت محل	مَشِيْدٍ گچ کاری کے	اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا پس کیا وہ چلتے پھرتے نہیں	فِى الْاَرْضِ زمین میں	فَتَكُوْنَ جو ہوجاتے			
لَهُمْ ان کے	قُلُوْبٌ دل	يَعْقِلُوْنَ وہ سمجھنے لگتے	بِهَا ان سے	اَوْ یا	اٰذَانٌ کان	يَسْمَعُوْنَ سننے لگتے	بِهَا ان سے
فَاِنَّهَا کیونکہ درحقیقت	لَا تَعْمَى اندھی نہیں ہوتیں	الْاَبْصَارُ آنکھیں	وَلٰكِنْ اور لیکن بلکہ	تَعْمَى اندھے ہوجاتے ہیں			
الْقُلُوْبُ دل	الَّتِىْ وہ جو	فِى الصُّدُوْرِ سینوں میں					

تفسیر وتشریح:۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم میں مبعوث ہوئے تھے ابتداء اسی قوم کے اکثر افراد نے آپ کی سخت مخالفت کی۔کفار قریش آپ کی تکذیب اور اسلام دشمنی میں سب سے آگے تھے آپ نے قوم کو ہر طرح کی امکانی تبلیغ کی مگر اکثر اپنے

کفروشرک پر جمے رہے۔ قوم کی اس سرکشی و نافرمانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعاً رنج وغم ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے ان آیات کا نزول ہوا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بتلایا گیا کہ کفار کی یہ سرکشی اور سرتابی اور یہ تمرد اور انکار یہ سب کچھ صرف آپ ہی کی قوم کا شیوہ نہیں بلکہ گزشتہ انبیاء کی امتوں کی بھی یہی کیفیت رہی ہے۔ قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی مخالفت کی۔ ثمود نے صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ بابل والوں نے ابراہیم علیہ السلام سے سرتابی کی۔ مدین والوں نے شعیب علیہ السلام کا انکار کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اگرچہ بنی اسرائیل نے نہ کی مگر فرعون اور اس کی قوم نے آپ کو نہ مانا، غرض یہ کہ سب انبیاء سلف کی امتوں نے اپنے اپنے پیغمبر کے ساتھ یہی کفر و تکذیب کا معاملہ کیا۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منکروں کا انکار آپ کے ساتھ کوئی نئی چیز نہیں۔ تمام انبیاء کے ساتھ ان کی قوم کے کفار یہی معاملہ برابر کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خدا نے ان کی فوری گرفت کر لی ہو بلکہ ایک وقت خاص تک کافروں کو مہلت دی اور جب مدت مہلت مقررہ گزر گئی تو پھر ان کی رسی کھینچ لی گئی۔ آخر تباہ و ہلاک ہوئے۔ گزشتہ میں کتنی ہی بستیاں اپنی نافرمانی و سرکشی اور بدکرداریوں کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔ ان کی آبادیاں مسمار پڑی ہیں۔ مکانات برباد ہیں اور دیواروں کے نیچے چھتیں دبی ہوئی ہیں۔ وہ کنوئیں جن پر پانی کھینچنے والوں کی بھیڑ رہتی تھی آج ان میں کوئی ڈول پھانسنے والا نہ رہا۔ کنوؤں کو قدیم تمدن و معاشرت میں بڑی اہمیت حاصل ہوتی تھی۔ اس لئے یہاں کنوؤں کا ذکر فرمایا گیا۔ وہ بڑے بڑے پختہ بلند عالی شان قلعی چونے کے محل ویران کھنڈر بن کر رہ گئے جن میں کوئی بسنے والا نہیں۔ ان تباہ شدہ مقامات کے کھنڈر دیکھ کر ان کفار نے کبھی غور وفکر نہ کیا جو ان کو عبرت حاصل ہوتی۔ ان کے دل انہیں نہیں سمجھاتے کہ گزشتہ قوموں نے کیا عمل کئے اور ان کا کیا انجام ہوا۔ کاش ان کو بصارت کے ساتھ بصیرت بھی ہوتی۔ گوش کے ساتھ ہوش بھی ہوتا۔ سیر کے ساتھ عبرت بھی ہوتی اور سیاحت کے ساتھ تدبر اور تفکر بھی ہوتا مگر دل کے اندھوں کو بینائی کیسے نصیب ہو۔ عقل کے مدہوش کو ہوش کہاں سے آئے اور غافل روح والوں کو فکر و ذکر کا حصہ کیسے ملے۔ گو ان کفار کی ظاہری آنکھیں کھلی ہوں۔ پر دل کی آنکھیں اندھی ہیں اور حقیقت میں زیادہ خطرناک اندھا پن وہی ہے جس میں دل اندھے ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) یہ کفار ظاہری آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہیں اور گزشتہ برباد شدہ قوموں کے حالات اور ان کی تہذیب و تمدن اور طور و طریق بھی جانتے ہیں لیکن سبق ان سے کچھ حاصل نہیں کرتے یہی دلوں کا اندھا پن ہے۔

الغرض یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ کی قوم جو آپ کے پیام کی اور آپ کی پیامبری کی تکذیب کر رہی ہے یہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں گزشتہ یعنی سارے پیغمبروں کو یہی معاملہ اپنی قوم کی طرف سے پیش آتا رہا۔ مگر ایسی نافرمان اور اپنے پیغمبر کی تکذیب کرنے والی قوم کو دنیا میں سزا بھی ملتی رہی ہے اور ان کی تباہی و بربادی کے نشان موجود ہیں مگر یہ منکرین اس سے کوئی عبرت اور سبق حاصل نہیں کرتے اور آپ کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں۔ اب ان منکرین میں سے بعض اہلِ عناد ایسے بھی تھے جو ان عذاب کی آیاتِ وعید کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں کہتے کہ جس عذاب سے ہم کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے اس کو کیوں نہیں جلدی برپا کر دیا جاتا۔ اس لئے آگے معاندین کے اس استہزاء اور استعجال کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ

اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن برابر ایک ہزار سال کے ہے

سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٤٧﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ

تم لوگوں کے شمار کے موافق۔اور بہت سی بستیاں ہیں جن کو میں نے مہلت دی تھی اور وہ نافرمانی کرتی تھیں پھر میں نے اُن کو پکڑ لیا

وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿٤٨﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٩﴾ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہوگا۔آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تو صرف تمہارے لئے ایک آشکارا ڈرانے والا ہوں۔سو جو لوگ ایمان لے آئے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا

اور اچھے کام کرنے لگے اُن کیلئے مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق کوشش کرتے رہتے ہیں

مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾

ہرانے کے لئے۔ایسے لوگ دوزخ والے ہیں۔

وَ اور	يَسْتَعْجِلُوْنَكَ وہ تم سے جلدی مانگتے ہیں	بِالْعَذَابِ عذاب	وَلَنْ اور ہرگز نہیں	يُّخْلِفَ خلاف کرے گا	اللّٰهُ اللہ	وَعْدَهٗ اپنا وعدہ	
وَاِنَّ اور بیشک	يَوْمًا ایک دن	عِنْدَ رَبِّكَ تمہارے رب کے ہاں	كَاَلْفِ سَنَةٍ ہزار سال کے مانند	مِّمَّا اس سے جو	تَعُدُّوْنَ تم گنتے ہو		
وَ اور	كَاَيِّنْ کتنی ہی	مِّنْ قَرْيَةٍ بستیاں	اَمْلَيْتُ میں نے ڈھیل کی	لَهَا ان کو	وَهِيَ اور وہ	ظَالِمَةٌ ظالم	ثُمَّ پھر
اَخَذْتُهَا میں نے پکڑا انہیں	وَاِلَيَّ اور میری طرف	الْمَصِيْرُ لوٹ کر آنا	قُلْ فرمادیں	يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو!	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں		
اَنَا میں	لَكُمْ تمہارے لئے	نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ڈرانے والا آشکارا	فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پس جو لوگ ایمان لائے	وَ اور			
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے عمل کئے اچھے	لَهُمْ ان کیلئے	مَّغْفِرَةٌ بخشش	وَّرِزْقٌ اور رزق	كَرِيْمٌ باعزت	وَ اور		
الَّذِيْنَ سَعَوْا جن لوگوں نے کوشش کی	فِيْ میں	اٰيٰتِنَا ہماری آیات	مُعٰجِزِيْنَ عاجز کرنیہرانے	اُولٰٓئِكَ وہی ہیں	اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ دوزخ والے		

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ آیات میں کفار مکہ اور مشرکین عرب کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ اگرچہ دنیا میں گزشتہ کفار کی متعدد امتیں کفر و نافرمانی اور اپنے پیغمبر کی تکذیب کے باعث ہلاک و برباد کی جاچکی ہیں جس سے ان موجودہ کفار کو سبق لینا چاہئے تھا مگر چونکہ ان کے دل اندھے ہورہے ہیں اس لئے ان کو اپنے کفر و نافرمانی کی سزا کا ملنا ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر یوں تو عام مشرکین

آیاتِ وحی کا انکار کرتے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے۔روزِ قیامت اور حساب کتاب اور جزا و سزا کو غلط بتاتے مگر بعض اہلِ عناد اپنے انکار میں اس قدر مستحکم تھے کہ وہ آیاتِ وعید کو سن کر کہتے کہ جس عذاب سے ہمیں بار بار ڈرایا دھمکایا جاتا ہے اس کو کیوں نہیں جلد برپا کردیا جاتا؟ انہی کے متعلق ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اس کو لے آنے کی جلدی مچاتے ہیں۔اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا گیا کہ ان منکرین کو جواب دے دیا جائے کہ عذاب اپنے وقت پر یقیناً آ کر رہے گا۔ استہزاء اور تکذیب کی راہ سے جلدی مچانا فضول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان منکرین کو اپنے عذاب میں مبتلا کرنے کا وعدہ کرلیا ہے اور اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا اس لئے وعدے کے وقت عذاب ضرور واقع ہوگا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جس دن یعنی قیامت میں اصل عذاب واقع ہوگا اس کا ایک دن دنیا والوں کے شمار کے ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔ پھر ایسی مصیبت کو بلانے کے لئے یہ منکرین کیوں بیتاب ہیں۔ آگے بطور خلاصہ جواب کا ارشاد ہوتا ہے کہ سن لو بہت سی بستیوں کے لوگ ظلم پر کمر کسے ہوئے تھے اللہ نے بھی ان سے چشم پوشی کر رکھی تھی۔ جب اپنی نافرمانیوں میں خوب مست ہوگئے تو اچانک گرفت کرلی گئی اور عذاب میں پکڑ لئے گئے تو ان منکرین کو کتنی ہی مہلت مل جائے اور گو کتنی ہی ان کی رسی ڈھیل کی دراز ہوجائے مگر سب مجبور ہیں کہ سب کو حاضر ہونا اللہ ہی کے سامنے ہے۔اس وقت کفر کی پوری سزا ہوگی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین ہوتی ہے کہ منکرین کے اس عذاب طلبی کے تقاضہ میں فرما دیجئے کہ میرا کام آگاہ کردینا، ہوشیار کردینا ہے۔عذاب کا لے آنا میرے قبضہ میں نہیں۔ خدا ہی کے قبضہ میں ہے کہ سب مطیع و عاصی کا فیصلہ کرے اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جگہ پر پہنچائے۔سو اب جو لوگ ایمان لے آئیں اور عمل صالح کرنے لگیں ان کے لئے مغفرت اور جنت کی نعمتیں ہیں اور جو لوگ اللہ کی آیات اور کلام کے متعلق بطلان کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کے رسول اور اہلِ ایمان کو ہرانے اور عاجز کرنے کے لئے ایسے لوگ جہنم میں رہنے والے ہیں پس عذاب سے ڈرانا میرا فرض منصبی ہے باقی اس کا وقوع یہ اپنے وقت پر باختیار خداوندی ہوگا۔ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں جو مجھ سے درخواست کیا کرتے ہو۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا کہ تمہارے رب کے نزدیک ایک دن قیامت میں تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے۔ اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ قیامت میں ایک دن شدت اور سختی کی بنا پر ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔ یا درازی مدت کے لحاظ سے ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔ ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فقراء مسلمان مالدار مسلمانوں سے آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے یعنی ۵۰۰ برس پہلے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے پوچھا۔ آدھے دن کی مقدار کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: کہ تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا۔ جی ہاں پڑھا ہے اور یہی آیت وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون۔ سنائی (اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن برابر ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے موافق۔

ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے۔ ساتھ ہی کفار کو وعید عذاب جہنم کی سنائی گئی ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! آپ کی نافرمانی کا وبال یقیناً بڑا سخت ہے ہمیں اس وبال سے بچا لیجئے۔ اور ہر طرح کی نافرمانی سے سچی توبہ کرکے کامل فرمانبرداری اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما دیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ 1

اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اُس نے کچھ پڑھا شیطان نے اُس کے پڑھنے میں شبہ ڈالا

اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾

پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کر دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا حکمت والا ہے۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ

تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کیلئے آزمائش (کا ذریعہ) بنا دے جن کے دل میں مرض ہے اور جن کے دِل بہت سخت ہیں۔

الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

اور واقعی ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں۔ اور تاکہ جن لوگوں کو فہم عطا ہوا ہے وہ اس امر کا زیادہ یقین کر لیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے

فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

سو ایمان پر زیادہ قائم ہو جاویں پھر اسکی اُن کے دِل اور بھی جھک جائیں۔ اور واقعی ان ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی راہِ راست دکھاتا ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ

اور کافر لوگ ہمیشہ اس کی طرف سے شک ہی میں رہیں گے یہاں تک کہ اُن پر دفعتہً قیامت آجاوے یا اُن پر کسی بے برکت دن کا

يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

عذاب آپہنچے۔ بادشاہی اُس روز اللہ ہی کی ہوگی۔ وہ ان سب کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔ سو جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور اچھے کام کیے ہوں گے

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع

وہ چین کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا۔ تو اُن کیلئے ذلت کا عذاب ہوگا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا اور نہیں بھیجا ہم نے	مِنْ قَبْلِكَ تم سے پہلے	مِنْ سے	رَسُوْلٍ رسول	وَّلَا اور نہ	نَّبِيٍّ نبی	اِلَّآ مگر	اِذَا جب
تَمَنّٰٓى اس نے آرزو کی	اَلْقَى ڈالا	الشَّيْطٰنُ شیطان	فِيْٓ میں	اُمْنِيَّتِهٖ اس کی آرزو	فَيَنْسَخُ پس ہٹا دیتا ہے	اللّٰهُ اللہ	مَا يُلْقِي جو ڈالتا ہے
الشَّيْطٰنُ شیطان	ثُمَّ پھر	يُحْكِمُ اللّٰهُ اللہ مضبوط کر دیتا ہے	اٰيٰتِهٖ اپنی آیات	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	حَكِيْمٌ حکمت والا	
لِيَجْعَلَ تاکہ بنائے وہ	مَا يُلْقِي جو ڈالا	الشَّيْطٰنُ شیطان	فِتْنَةً ایک آزمائش	لِّلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے	فِيْ قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں میں		
مَّرَضٌ مرض	وَّ اور	الْقَاسِيَةِ سخت	قُلُوْبُهُمْ انکے دل	وَاِنَّ اور بیشک	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	لَفِيْ شِقَاقٍ البتہ سخت ضد میں	بَعِيْدٍ دور۔ بڑی
وَلِيَعْلَمَ اور تاکہ جان لیں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	اُوْتُوا الْعِلْمَ علم دیا گیا	اَنَّهُ کہ یہ	الْحَقُّ حق	مِنْ رَّبِّكَ تمہارے رب سے		

فَيُؤْمِنُوْا تو وہ ایمان لے آئیں	بِهٖ اس پر	فَتُخْبِتَ تو جھک جائیں	لَهٗ اس کیلئے	قُلُوْبُهُمْ ان کے دل	وَاِنَّ اور بیشک	اللّٰهَ اللہ
لَهَادِ ہدایت دینے والا	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا وہ لوگ جو ایمان لائے	اِلٰى طرف	صِرَاطٍ راستہ	مُّسْتَقِيْمٍ سیدھا	وَلَا يَزَالُ اور ہمیشہ رہیں گے	
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	فِيْ میں	مِرْيَةٍ شک	مِّنْهُ اس سے	حَتّٰى یہاں تک	تَاْتِيَهُمُ آئے ان پر	السَّاعَةُ قیامت
بَغْتَةً اچانک	اَوْ يَاْتِيَهُمْ یا آجائے ان پر	عَذَابُ عذاب	يَوْمٍ عَقِيْمٍ منحوس دن	اَلْمُلْكُ بادشاہی	يَوْمَئِذٍ اس دن	لِّلّٰهِ اللہ کیلئے
يَحْكُمُ فیصلہ کرے گا	بَيْنَهُمْ اُن کے درمیان	فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پس جو لوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے		
فِيْ میں	جَنّٰتِ النَّعِيْمِ نعمتوں کے باغات	وَ اور	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	وَكَذَّبُوْا اور جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیات کو	
فَاُولٰٓئِكَ پس وہی لوگ	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ مُّهِيْنٌ عذاب ذلت				

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ آیات سے کفار ومشرکین کا حال بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ کفار مکہ قرآنی آیات اور احکامِ الٰہیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ان میں طرح طرح کے شبہات واعتراضات پیش کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کفار کی ضلالت انگیزیوں سے دکھ ہوتا۔ آپ کے حزن و ملال کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور صاف صراحت کردی کہ ایسی حرکت کفار مکہ ہی آپ کے ساتھ نہیں کر رہے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء کو ایسے ہی بے دینوں سے واسطہ پڑا ہے جتنے انبیاء پہلے گزر چکے ہیں سبھی نے احکامِ الٰہیہ کو اپنی اپنی قوم کے سامنے بیان کیا اور پیامِ وحی پڑھ کر سنایا مگر شیطان کفار کے قلوب میں شبہ اور اعتراضات ڈالتا اور کفار ان ہی اعتراضات کو پیش کر کے انبیاء سے مجادلہ کرتے رہے ہیں شیطان نے ہمیشہ کافروں کے دلوں سے قول پیغمبر کے اثرات کو دور کرنے کی کوشش کی اور اپنی طرف سے طرح طرح کے خرافات ان کے دلوں میں ڈالتا رہا لیکن انجام کار اللہ کی آیات محکم اور دائم البقا ثابت ہوئیں۔ خدا کے احکام کو کوئی نہ مٹا سکا اور شیطانی وساوس والقاء چونکہ کمزور تھا اس لئے مٹ گیا حق کی فتح ہوئی اور باطل کو شکست۔ آگے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا تصرف جو دیا گیا اس کی حکمت بتلائی جاتی ہے کہ

اس حق و باطل کی کشاکش اور وحی ربانی اور القائے شیطانی کے مقابلہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ صحیح الایمان اور پختہ عقیدت رکھنے والے نمایاں ہوجائیں اور جو ناقص الفہم شکی مزاج اور اہلِ نفاق ہیں ان کی حقیقت بھی کھل جائے۔ جو حق پرست مومن ہیں ان کے دلوں میں تو القاء شیطانی کی وجہ سے صداقت وحی میں شک و شبہ پیدا نہیں ہوتا لیکن جن کے دل روگی اور بیمار ہیں اور حق سے متاثر ہونے کا مادہ نہیں ہے۔ وہ القاء شیطانی کی وجہ سے وحی کی حقانیت کو شک کی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ پیامِ الٰہی کے خلاف ان کے دماغوں میں طرح طرح کے وسوسے گھومتے ہیں۔ تو جو لوگ توہمات کے خارزار میں نہیں پھنستے اللہ تعالیٰ انکو خود راہ مستقیم بتا دیتا ہے البتہ جن لوگوں کے دلوں میں شک ونفاق کا گندہ مواد جمع ہوتا ہے ان کو مرتے دم تک ہدایت نہیں ہوتی اور وہ بدوں مشاہدہ عذاب کفر سے باز آنے والے نہیں اور قیامت کے دن جس روز بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی ان سب مذکورین کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیا جائے گا اور وہ فیصلہ یہ ہوگا کہ جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور عمل صالح کئے ہوں گے وہ تو جنت کی نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا تو ان کے لئے جہنم میں ذلت کا عذاب ہوگا۔

یہاں ان آیات میں دل کے امراض اور دل کی سختی ان دو

چیزوں کی مذمت کی گئی اور یہ گویا کفار اور منکرین میں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ راہِ حق سے بھٹکتے رہتے ہیں اور ان کے مقابل علم وفہم کی تعریف فرمائی گئی جس کی وجہ سے ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت نصیب ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ دل کے امراض اور دل کی سختی سخت بری چیزیں ہیں اور ہلاک کرنے والی ہیں اور ان سے نجات کی فکر ہونی چاہئے۔ انہی دل کے امراض سے نجات کے لئے اہل اللہ اور بزرگانِ دین تزکیۂ نفس کراتے ہیں اور یہ امراض بغیر کسی معالج و طبیب روحانی کے دور نہیں ہو سکتے۔ اور اہل اللہ طبیب روحانی ہیں اس لئے اہل اللہ سے تعلق اور ان سے اپنے دل کا علاج بہت ضروری ہوا۔ پھر دین کی فہم اور دین کا علم یہ وہ لازوال دولتیں ہیں کہ جس کو حق تعالیٰ عطا فرمائیں تو اسی کو نصیب ہوتی ہیں۔

اب آگے اللہ کی راہ میں ہجرت و جہاد کرنے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے وسوسوں سے ہمارے قلوب کو محفوظ رکھیں۔ اور ہم کو دین کی حقیقی فہم اور سمجھ عطا فرمائیں اور صراط مستقیم پر قائم رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس زندگی میں ایمان کے ساتھ ان اعمال صالح کی بھی توفیق عطا فرمائیں کہ جو خوشنودی رب العزت اور جنت نعیم میں ہمارے داخلہ کا ذریعہ بن جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا پھر وہ لوگ قتل کئے گئے یا مرگئے اللہ تعالیٰ ضرور اُن کو ایک عمدہ رزق دے گا

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ

اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے اچھا دینے والا ہے۔اللہ تعالیٰ اُن کو ایسی جگہ لے جا کر داخل کرے گا جس کو وہ پسند کریں گے۔اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا

حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِىَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ

بہت حلم والا ہے۔یہ (مضمون تو) ہو چکا اور جو شخص اسی قدر تکلیف پہنچاوے جس قدر اس کو تکلیف پہنچائی گئی تھی پھر اس شخص پر زیادتی کی جاوے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ضرور امداد کرے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ

اللہ تعالیٰ کثیر العفو کثیر المغفرت ہے۔یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کردیتا ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

اور اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کررہے ہیں

هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

وہ بالکل لچر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی عالی شان سب سے بڑا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا اور جن لوگوں نے ہجرت کی	فِىْ میں	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	ثُمَّ پھر	قُتِلُوْا مارے گئے	اَوْ یا	مَاتُوْا وہ مرگئے	
لَيَرْزُقَنَّهُمُ البتہ وہ انہیں رزق دے گا	اللّٰهُ اللہ	رِزْقًا رزق	حَسَنًا اچھا	وَ اور	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَهُوَ البتہ وہ	
خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ سب سے بہتر رزق دینے والے	لَيُدْخِلَنَّهُمْ وہ البتہ انہیں ضرور داخل کرے گا	مُّدْخَلًا ایسے مقام میں					
يَّرْضَوْنَهٗ وہ اسے پسند کریں گے	وَاِنَّ اور بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَعَلِيْمٌ البتہ علم والا	حَلِيْمٌ حلم والا	ذٰلِكَ یہ	وَمَنْ اور جو۔جس	
عَاقَبَ ستایا	بِمِثْلِ جیسے	مَا عُوْقِبَ اسے ستایا گیا	بِهٖ اس سے	ثُمَّ پھر	بُغِىَ عَلَيْهِ زیادتی کی گئی اس پر	لَيَنْصُرَنَّهٗ ضرور مدد کریگا اسکی	
اللّٰهُ اللہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَعَفُوٌّ البتہ معاف کرنے والا	غَفُوْرٌ بخشنے والا	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّ اس لئے کہ	اللّٰهَ اللہ	يُوْلِجُ داخل کرتا ہے
الَّيْلَ رات	فِى النَّهَارِ دن میں	وَيُوْلِجُ اور داخل کرتا ہے	النَّهَارَ دن	فِى الَّيْلِ رات میں	وَاَنَّ اور یہ کہ	اللّٰهَ اللہ	سَمِيْعٌ سننے والا
بَصِيْرٌ دیکھنے والا	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّ اس لئے کہ	اللّٰهَ اللہ	هُوَ الْحَقُّ وہی حق	وَاَنَّ اور یہ کہ	مَا جو۔جیسے	يَدْعُوْنَ وہ پکارتے ہیں
مِنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا	هُوَ وہ	الْبَاطِلُ باطل	وَاَنَّ اور یہ کہ	اللّٰهَ اللہ	هُوَ وہ	الْعَلِىُّ بلند مرتبہ	الْكَبِيْرُ بڑا

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ پر ایمان لاکر نیک کام کرنے والوں کو نعمتوں سے بھری ہوئی دائمی جنت ملے گی اور اللہ کے نہ ماننے والوں کو اور اس کی آیتوں کو جھٹلانے والوں کو ایسا دائمی عذاب پہنچے گا کہ اس سے نجات نہ مل سکے گی۔اب یہاں

ان آیات میں مومنین میں سے ایک ممتاز جماعت کا خصوصی ذکر فرمایا گیا ہے اور وہ مہاجرین کی جماعت ہے۔ جو اللہ کے راستہ میں گھربار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے، مسلمان جب تک مکہ میں رہے صبر وتحمل سے مصیبتیں جھیلتے رہے انہیں اس وقت یہی حکم تھا کہ لڑیں نہیں اور صبر سے برداشت کرتے رہیں چنانچہ وہ اس حکم کی تعمیل دل وجان سے کرتے رہے۔اس کے بعد انہیں، حکم ہوا کہ وطن کو چھوڑ کر مدینہ چلے جاؤ تو وہ بلاچوں وچرا کمر باندھ کر اس کے لئے تیار ہو گئے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہجرت کر گئے اور یہ سب کچھ اللہ کے لئے کیا۔ ان کی یہ حکم برداری اللہ عز وجل کو بہت پسند آئی اس لئے انہیں خوشخبری دی جاتی ہے کہ جو لوگ خدا کے راستہ میں گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے خواہ وہ جہاد میں شہید ہوں یا ویسے ہی طبعی موت سے دنیا سے رخصت ہوں دونوں صورتوں میں اللہ کے ہاں ان کی خاص مہمانی ہوگی اور اللہ تعالیٰ انہیں خاص جزا دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیت اور عمل دونوں سے خوب واقف ہے۔ وہ ان کی کوتاہیوں اور فروگذاشتوں سے درگزر کرے گا کیونکہ وہ علیم وحلیم ہے اور ان کو ایسی جگہ پہنچادے گا جو انہیں پسند ہوگی۔اور یہ بھی اس کے علم میں ہے کہ انہیں کیسی جگہ پسند ہوگی اور اس نے پہلے ہی سے ان کی پسند کی جگہ تیار کر رکھی ہے جو انہیں عطا کی جائے گی۔

مہاجرین مکہ کی مظلومیت کا بیان گزشتہ دروس میں بھی ہو چکا ہے جہاں اللہ کی نصرت وحمایت کا وعدہ اور غلبہ کی بشارت بھی دی جاچکی ہے۔ مظلوم پر دو طرح کا ظلم ہوا کرتا ہے ایک یہ کہ ابتداء ظلم کیا جاوے دوسرے یہ کہ وہ مظلوم اس ابتدائی ظلم کا انتقام لے لے اور اس انتقام کی وجہ سے پھر اس کو ایذا پہنچائی جائے قسم اول کی مظلومیت پر وعدۂ نصرت گزشتہ آیات میں بیان ہو چکا، قسم دوم پر وعدۂ نصرت کی تصریح یہاں فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ مظلوم اگر ظالم سے واجبی بدلہ لے لے پھر از سر نو ظالم اس پر زیادتی کرے تو وہ پھر مظلوم ٹھہر گیا اس حالت میں حق تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور امداد فرمائے گا۔ یہاں اگرچہ بدلہ لینے کی اجازت دی ہے مگر اجازت کے بعد **ان اللہ لعفو غفور** (بیشک اللہ تعالیٰ کثیر العفو اور کثیر المغفرت ہے) فرما کر ترغیب عفوو درگذر کی دی گئی ہے کہ بندوں کو بھی چاہئے کہ اپنے ذاتی اور معاشرتی معاملات میں عفوو درگذر کی عادت سیکھیں۔ ہر وقت بدلہ لینے کے درپے نہ ہوں۔ اس وقت جب کہ ان آیات کا نزول ہوا ہے مسلمانوں کی حالت بے سروسامانی کی تھی اور کفار کی کثرتِ تعداد کے ساتھ مالی فراوانی کی حالت تھی۔ اس لئے ایسے حالات پر نظر کر کے مومنین کو غالب کر دینے کی قدرت جتلائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ اتنی بڑی قدرت والا ہے کہ رات دن کا اُلٹ پلٹ کرنا اور گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اُسی کے تصرف اور حکم سے کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ تو جو یہ انقلاب رات دن کا لاسکتا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ایک مظلوم قوم یا شخص کو امداد دے کر ظالموں کے پنجہ سے نکال دے بلکہ ان پر غالب اور مسلط کر دے۔ اوپر مسلمان مہاجرین کے ذکر کے بعد رات دن کے انقلاب لانے میں یہ اشارہ بھی فرمادیا کہ عنقریب حالات رات دن کی طرح پلٹا کھانے والے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ رات کو دن میں لے لیتا ہے اسی طرح کفر کی سرزمین کو اسلام کی آغوش میں داخل کر دے گا۔ اور بحمد اللہ ایسا ہی ہوا۔ آگے **و ان اللہ سمیع بصیر** (اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے) فرما کر یہ جتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی مظلومیت اور کفار کی ظالمیت کو سنتا اور دیکھتا ہے۔ چونکہ جہلائے کفار کو اس مقام پر اپنے معبودین کے ناصر ہونے کا وہم ہوسکتا تھا اس لئے ان کا ناکارہ ہونا ارشاد فرماتے ہیں کہ واقع میں صحیح اور سچا خدا تو وہی ایک ہے باقی اس کو

چھوڑ کر خدائی کے جو دوسرے پاکھنڈ پھیلائے گئے ہیں سب غلط۔ جھوٹ اور باطل ہیں پس اسی کو خدا کہنا اور معبود بنانا چاہئے جو سب سے اوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالاتفاق اسی ایک اللہ معبود حقیقی کی ہے۔

یہاں مہاجر فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان فرمائی گئی اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو بشارت سنائی گئی اور اس بات کی صراحت فرمائی گئی کہ مہاجر فی سبیل اللہ خواہ اپنی طبعی موت سے مرے یا دشمن کے مقابلہ میں مارا جائے بہر حال وہ شہید ہے اور انعام شہادت اس کو ملے گا۔ اب یہاں آیت میں جن مہاجرین فی سبیل اللہ کا ذکر فرمایا گیا اور ان کی فضیلت بیان کی گئی بعض مفسرین کے نزدیک وہی مہاجرین اولین مراد ہیں جنہوں نے مکہ کی سکونت کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ بعض مفسرین نے ہجرتِ حبشہ اور حجرتِ مدینہ دونوں کو شامل فرمایا ہے لیکن بعض محقق مفسرین نے عام ہجرتِ اسلامی مراد لی ہے خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں کی گئی ہو یا قیامت تک کسی وقت میں بھی ہو۔ دین کے لئے راہِ خدا میں وطن اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر جانا ہجرت ہے۔ اگر چہ وہ ثواب اور درجہ اس ہجرت کا نہیں جو فتح مکہ سے پہلے وطن چھوڑنے والوں کے لئے تھا۔ تاہم ہجرت ضرور ہے۔ اور لفظ فی سبیل اللہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ خوشنودئ خدا حاصل کرنے اور دین کو بچانے اور اس پر آزادی سے عمل کرنے اور اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے ہجرت ہونی چاہئے۔ اگر نیت کا خلوص نہ ہوگا اور کوئی دنیوی طمع شامل ہوگی تو ہجرت کا ثواب نہ ملے گا۔ بخاری و مسلم کی مشہور حدیث ہے کہ اعمال نیت سے وابستہ ہیں۔ جو نیت وہی نتیجہ جس کسی کی ہجرت اللہ ورسول اور دین اسلام کے لئے ہوگی وہی ہجرت خدا اور رسول کے لئے کہلائے گی تو معلوم ہوا کہ ہجرت میں صدق نیت شرط ہے۔

الغرض یہاں توحید باری تعالیٰ کا بھی ذکر فرمایا گیا کہ وہی اپنی ہستی میں کامل ہے اور اسی کی عبادت و بندگی ہونی چاہئے۔

اب آگے اللہ تعالیٰ کے اور کمالات اور نعمتیں بیان فرمائی گئی ہیں جس سے توحید کی حقیقت اور شرک کا بطلان سمجھا جا سکتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے جیسے ابتداء میں مومنین کی مدد فرمائی اور ان کو کفار پر غلبہ عطا کیا۔ اسی طرح اب بھی اہلِ ایمان کی اور امت مسلمہ کے مہاجرین کی مدد فرمائیں اور غلبہ و کامیابی عطا فرمائیں۔ یا اللہ! آپ خیر الرازقین ہیں اپنی رحمت سے ہم کو دونوں جہان میں رزق حسن عطا فرمائیے یا اللہ! اپنی شان لعفوغفور کے طفیل سے ہمارے سب کے جملہ چھوٹے بڑے صغیرہ کبیرہ گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے۔ اور اپنی جنت میں خوش وخرم داخلہ نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! اپنی قدرتِ کاملہ کا ہم کو یقین کامل عطا فرما، اور اس وقت روئے زمین پر جہاں جہاں اہلِ اسلام مظلوم ہیں ان کو ظالموں کے پنجہ سے نجات عطا فرما۔ ظالموں کے عزائم کو ملیامیٹ فرما کر اور ان کو خاسر ونا کام فرما۔

یا اللہ! مظلوم اہلِ اسلام کی حمایت و نصرت فرمانے والے آپ ہی ہیں۔ آپ کی توحید پر وہ ایمان رکھتے ہیں، اپنی قدرت سے ظالموں کی گردن توڑ دے۔ اور مظلوم مسلمانوں کو غلبہ و اقتدار نصیب فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ

(اے مخاطب) کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین سرسبز ہوگئی۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت مہربان سب باتوں کی

خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾ أَلَمْ تَرَ

خبر رکھنے والا ہے۔ سب اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بیشک اللہ ہی ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے۔

أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ

کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے کام میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں کو اور کشتی کو کہ وہ دریا میں اُس کے حکم سے چلتی ہے۔ اور وہی آسمان کو

أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِي

زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے ہاں مگر اُسی کا حکم ہوجائے تو خیر بالیقین اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے۔ اور وہی ہے جس نے تم کو

أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾

زندگی دی پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو زندہ کرے گا۔ واقعی انسان ہے بڑا بے قدر۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	اَنَّ اللّٰہَ کہ اللہ	اَنْزَلَ اُتارا	مِنَ سے	السَّمَآءِ آسمان	مَآءً پانی	فَتُصْبِحُ تو ہوگئی	الْاَرْضُ زمین
مُخْضَرَّةً سرسبز	اِنَّ بیشک	اللّٰہَ اللہ	لَطِیْفٌ نہایت مہربان	خَبِیْرٌ خبر رکھنے والا	لَهٗ اسی کیلئے	مَا جو کچھ	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں
وَمَا اور جو کچھ	فِی الْاَرْضِ زمین میں	وَاِنَّ اور بیشک	اللّٰہَ اللہ	لَهُوَ البتہ وہی	الْغَنِیُّ بے نیاز	الْحَمِیْدُ تمام خوبیوں والا	
اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	اَنَّ اللّٰہَ کہ اللہ	سَخَّرَ مسخر کیا	لَکُمْ تمہارے لئے	مَا جو	فِی الْاَرْضِ زمین میں	وَالْفُلْکَ اور کشتی	
تَجْرِیْ چلتی ہے	فِی الْبَحْرِ دریا میں	بِاَمْرِهٖ اسکے حکم سے	وَیُمْسِکُ اور وہ روکے ہوئے ہے	السَّمَآءَ آسمان	اَنْ تَقَعَ کہ وہ گر پڑے		
عَلَی الْاَرْضِ زمین پر	اِلَّا مگر	بِاِذْنِهٖ اسکے حکم سے	اِنَّ اللّٰہَ بیشک اللہ	بِالنَّاسِ لوگوں پر	لَرَءُوْفٌ بڑا شفقت کرنیوالا		
رَحِیْمٌ نہایت مہربان	وَهُوَ اور وہی	الَّذِیْ جس نے	اَحْیَاکُمْ زندہ کیا تمہیں	ثُمَّ پھر	یُمِیْتُکُمْ مارے گا تمہیں	ثُمَّ پھر	
	یُحْیِیْکُمْ زندہ کرے گا تمہیں	اِنَّ الْاِنْسَانَ بیشک انسان	لَکَفُوْرٌ بڑا ناشکرا				

تفسیر وتشریح:۔ قرآن پاک کا دستور ہے اور یہ طریقہ بلیغ اور مؤثر بھی ہے کہ چند احکام وعقائد کی تعلیم دے کر اس کے مقصد یعنی توحید ذاتِ باری تعالیٰ کی تلقین کرتا ہے کیونکہ توحید ہی دائرہ اسلامی کا مرکز اور دینی محور کا وسطی نقطہ ہے اسی سے اصول واحکام کے تمام خطوط مستقیم نکلتے ہیں۔

گزشتہ آیات میں کچھ حج کے احکام بیان ہوئے تھے۔ پھر ان کی کچھ تفصیل کی گئی تھی۔ اہل ایمان کے خصوصی اوصاف بھی بیان ہوئے تھے پھر ہجرت کرنے والوں کا ثواب بیان کیا اور کفار سے مقابلہ کرنے کی اجازت وتعلیم بھی دی۔ اب پھر اصل مدعا کی طرف رجوع فرمایا جاتا ہے۔

انسان کے فوائد دنیا میں تین طور پر ہیں (۱) ایک آسمان اور کائنات فضائی سے۔ (۲) دوسرے موجودات ارضی سے۔ اور (۳) تیسرے سمندروں اور دریاؤں کے پانی سے۔ انہی تینوں کا بیان ان آیات میں فرمایا گیا ہے۔ جس سے مقصود اپنی قدرت کی وسعت کو ظاہر فرماتا ہے۔ آخر میں انسان کی پیدائش اور موت کی قدرت دکھا کر حشرِ جسمانی اور وجود قیامت کو ثابت فرمایا گیا ہے۔ اس طرح ان آیات میں ربوبیت عامہ کو بتلا کر الوہیت کو ثابت کیا گیا اور الوہیت کو وحدانیت کے ثبوت کا ذریعہ قرار دیا۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ اگر زمین خشک رہتی۔ پانی نہ برستا۔ فضائی کائنات میں انقلاب و حرکت نہ پیدا ہوتی تو کس طرح انسان اس زمین پر زندہ رہ سکتا۔ یہ اللہ ہی کا احاطہ علمی ہے کہ انسانی زندگی کے قائم رکھنے کے لئے اس نے مختلف اسباب کو مرتب کر کے اور ایک دوسرے سے مربوط فرما کر پانی اتارا جس سے زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ پانی کے برسنے میں اس باب فضائی وارضی سب کو دخل ہے۔ آفتاب کی حرارت سے سمندروں سے بخارات اٹھتے ہیں درمیانی فضا میں ان کا پانی بن جاتا ہے پھر برس کر زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا کی قدرت ہمہ گیر ہے اور تمام عالم اسی کے دست قدرت میں ہے بلکہ اسی کی مملوک و مخلوق ہے۔ پھر آگے اپنی شانِ ربوبیت اور مخلوق پر شفقت و مہربانی کو جتلایا جاتا ہے کہ کس طرح زمین کی موجودات اور خشکی و تری کی چیزوں کو انسان کے قابو میں کر دیا کہ ہر چیز انسان کی خادم ہے۔ بہت سی چیزیں تو انسان کے ظاہری تصرف میں آتی ہیں مثلاً جانوروں کا گوشت و پوست۔ اون، چربی، دودھ وغیرہ انسان اپنے کام میں لاتا ہے۔ پھر بہت سے غلے۔ میوے، پھل، جڑی بوٹیاں، سبزیاں ترکاریاں، پھر قسم قسم کے پتھر وہ معدنیات سب انسان کے تصرف میں آتے ہیں۔ ان کے علاوہ غیر معروف چیزیں بھی انسانی ہستی کی فطری طور پر خادم ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت عامہ اور ربوبیت تامہ کی کھلی ہوئی دلیل ہے پھر پانی بھی انسان کا مسخر ہے۔ علاوہ دیگر وجوہ تسخیر کے انسان کے سفر کرنے کا ذریعہ ہے۔ انسانی تدبیروں سے کشتیاں اور جہاز پانی کی سطح پر چلتے ہیں۔ اس سے بھی اللہ کا احسان عظیم ثابت ہوتا ہے۔ یہ تو حصولِ فوائد کے ذرائع کا بیان ہوا۔ رہا دفع ضرر تو اس کی بھی بہت سی صورتیں ہی اور ایک باطل واضح بات یہ ہے کہ آسمان زمین پر نہیں گرتا اسی نے اپنے دست قدرت سے آسمان، چاند، سورج، ستاروں کو اس فضائے ہوائی میں بدوں کسی ظاہری کھمبے یا ستون کے تھام رکھا ہے جو اپنی جگہ سے نیچے نہیں سرکتے۔ ورنہ گر کر اور ٹکرا کر اس زمین کو پاش پاش کر دیتے۔ یہ بھی اسی کی مہربانی اور شفقت ہے ورنہ اگر آسمان گر پڑتا تو تمام دنیا تباہ ہو جاتی اور جب وقتِ مقررہ پر بحکم الٰہی آسمان ٹوٹے گا تو یقیناً دنیا تباہ ہو جائے گی۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو زندگی دی پھر وقت موعود پر تم کو موت دے گا اور پھر قیامت میں دوبارہ تم کو زندہ کرے گا تو ان تمام احسانات و انعامات کا اقتضا تو یہ تھا کہ لوگ توحید اور شکر ربانی اختیار کرتے مگر انسان ہے بڑا ناقدرا کہ اس پر بھی کفر و شرک سے باز نہیں آتا اور منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے جھکنے لگتا ہے۔

یہاں آیت کے آخری جملہ **ان الانسان لکفورٌ** میں انسان سے کفار و مشرکین لوگ مراد ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ظاہر مفہوم کے پیچھے ایک لطیف اشارہ بھی چھپا ہوا ہے۔ ظاہر مفہوم تو محض اللہ کی قدرت کا بیان ہے مگر لطیف اشارہ آسمان سے پانی برسا کر زمین کو سرسبز کر دینے میں یہ ہے کہ جس طرح بارش سے سوکھی زمین یکا یک لہلہا اٹھتی ہے اسی طرح وحی الٰہی کا جو بارانِ

رحمت آج ہو رہا ہے عنقریب تم کو یہ منظر دکھلانے والا ہے کہ یہی عرب کا بنجر ریگستان علم وعمل۔ اخلاق وتہذیب صالح کا وہ گلزار بن جائے گا کہ جو کبھی دیکھا نہ ہوگا اور اس طرح کفر وجہل سے جو قوم روحانی موت مر چکی تھی ایمان ومعرفت کی روح سے اس کو زندہ فرمادے گا۔ پھر جس طرح پانی ایک ہی ہوتا ہے لیکن زمین کے اختلاف کی وجہ سے اثرات مختلف پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگرچہ کتابِ الٰہی کی ہدایت ایک ہی ہے پیغمبر پیام برحق ایک ہی پہنچاتا ہے مگر دلوں کے استعداد کے تفاوت سے کہیں معرفت و صداقت کے خوشبودار پھول اور لذیذ وحسین پھل نمودار ہوتے ہیں اور کہیں خبثِ باطن اور عناد وضد کے مضرت رساں خاردار جھاڑ جھنکاڑ پیدا ہوتے ہیں۔ پروردگار عالم اپنی رحمت سے احکام مثل بادِ باراں نازل فرماتا ہے جن کے دلوں میں فطری صلاحیت اور استعداد ہوتی ہے وہ اس کا اثر قبول کرتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے معرفتِ الٰہیہ حاصل کر کے زندہ ہو جاتے ہیں لیکن جو محروم ازلی ہیں جن کے دلوں کی زمین شور وبنجر ہے یا پتھروں کی طرح سخت ہے ان پر فیضانِ رحمت کا کوئی اثر نہیں ہوتا جس طرح وہ پہلے خشک تھے ویسے ہی باقی رہتے ہیں۔ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی ہدایات اور اللہ کی کتاب کے فرامین واحکام کا یہ بنجر اور سخت دل والے کوئی اثر نہیں لیتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسی طرح کفر وشرک پر قائم رہتے ہیں اور دین اسلام کی ہر بات پر معترض ہوتے ہیں۔ اس پر آگے مشرکین کو زجر وتنبیہ کی جاتی ہے اور شرک کا رد فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے قلوب کو اپنے فیضانِ رحمت سے سیراب فرمادیں۔ اور ایمان ویقین اور عمل صالح والی زندگی عطا فرمائیں۔

یا اللہ! آپ کے اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جو احکامات وہدایات ہم کو پہنچیں ہم دل وجان سے ان کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے والے ہوں اے اللہ! دنیا کی کائنات کا ذرہ ذرہ ہمارے لئے آپ کی معرفت کا ذریعہ ہو اور ہم آپ کے احسانات اور انعامات پر آپ کے شکر گزار اور فرمانبردار بندے ہوں۔ اے اللہ! آپ نے جو زندگی ہم کو عطا فرمائی ہے اس کا لمحہ لمحہ اپنی مرضیات میں صرف کرنے کی توفیق عطا فرما اور حقیقی شکر گزاری کی سعادت عطا فرما۔

یا اللہ جب ہماری موت آئے تو ایمان اور اسلام کی موت نصیب ہو۔ اور مومنین مخلصین کے ساتھ ہمارا حشر ہو اور انہی کے ساتھ آپ کی جنت میں جانا نصیب ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ط

ہم نے ہر اُمت کے واسطے عبادت کا ایک طریق مقرر کیا کہ وہ اسی طریق پر عبادت کیا کرتے تھے سو ان لوگوں کو چاہیئے کہ آپ سے اس امر میں جھگڑا نہ کریں اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیئے

إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِن جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾ اللَّهُ

کیونکہ آپ یقیناً صحیح راستہ پر ہیں۔ اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا نکالتے رہیں تو آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ

تمہارے درمیان قیامت کے روز فیصلہ دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے تھے۔ اے مخاطب کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جانتا ہے

مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ط إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ط إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾

جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ یقینی بات ہے کہ یہ سب نامۂ اعمال میں (بھی محفوظ) ہے۔ یقیناً یہ (فیصلہ کرنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسان ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ ط

اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی حجت نہیں بھیجی اور نہ اُن کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے۔

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿٧١﴾

اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ ہر امت کیلئے	جَعَلْنَا ہم نے مقرر کیا	مَنسَكًا ایک طریق عبادت	هُمْ وہ	نَاسِكُوهُ اُس پر بندگی کرتے ہیں			
فَلَا يُنَازِعُنَّكَ سو چاہیے کہ تم سے نہ جھگڑا کریں	فِي الْأَمْرِ اس معاملہ میں	وَادْعُ اور بلاؤ	إِلَىٰ رَبِّكَ اپنے رب کی طرف	إِنَّكَ بیشک تم	لَعَلَىٰ پر		
هُدًى راہ	مُّسْتَقِيمٍ سیدھی	وَإِن اور اگر	جَادَلُوكَ وہ تم سے جھگڑیں	فَقُلِ تو آپ کہدیں	اللَّهُ اللہ	أَعْلَمُ خوب جانتا ہے	
بِمَا تَعْمَلُونَ جو تم کرتے ہو	اللَّهُ اللہ	يَحْكُمُ فیصلہ کرے گا	بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	يَوْمَ الْقِيَامَةِ روزِ قیامت	فِيمَا جن میں	كُنتُمْ تم تھے	
فِيهِ اس میں	تَخْتَلِفُونَ اختلاف کرتے	أَلَمْ تَعْلَمْ کیا تجھے معلوم نہیں؟	أَنَّ اللَّهَ کہ اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مَا جو	فِي السَّمَاءِ آسمانوں میں	
وَالْأَرْضِ اور زمین	إِنَّ بیشک	ذَٰلِكَ یہ	فِي كِتَابٍ کتاب میں	إِنَّ بیشک	ذَٰلِكَ یہ	عَلَى اللَّهِ اللہ پر	يَسِيرٌ آسان
وَيَعْبُدُونَ اور وہ بندگی کرتے ہیں	مِن دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوا	مَا جو	لَمْ يُنَزِّلْ نہیں اُتاری اس نے	بِهِ اس کی	سُلْطَانًا کوئی سند		
وَمَا اور جو۔جس	لَيْسَ نہیں	لَهُم ان کیلئے	بِهِ اس کا	عِلْمٌ کوئی علم	وَمَا اور نہیں	لِلظَّالِمِينَ ظالموں کیلئے	مِن نَّصِيرٍ کوئی مددگار

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیات کا مضمون اس بات پر ختم ہوا تھا کہ انسان جن سے مراد یہاں کفار و مشرکین ہیں اتنے عظیم احسانات و انعامات باری تعالیٰ دیکھ کر بھی اس کا حق نہیں مانتے اور منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں منکرین اسلام جو شریعتِ اسلامیہ کے احکام و جزئیات اور اصول و کلیات سب پر معترض رہا کرتے اور دین اسلام کی ہر بات میں جھگڑے نکالتے اس پر مشرکین کو زجر و تنبیہ کی جاتی ہے اور شرک کا رد فرمایا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جتنی امتیں پہلے گزریں ان کے لئے اللہ نے اپنی عبادت و بندگی کا ایک طریقہ مقرر کر دیا

تھا۔ ہر زمانہ میں ہر قوم کے لئے جدا جدا شریعت نازل فرمائی گئی اور الگ الگ نبی آئے اور انہوں نے اپنی اپنی قوم کی رہنمائی کی۔ اسی طرح اس امت محمدیہ کے لئے بھی ایک خاص شریعت بھیجی گئی۔ اب یہ زمانہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ہے۔ آپ کی شریعت پر عمل کرنے کا ہے۔ آپ کے لائے ہوئے قوانین واحکام کو ماننے کا ہے۔ آپ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کا ہے۔ پھر اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے کبھی کسی دوسری چیز کی عبادت مقرر نہیں کی گئی اس لئے توحید وغیرہ میں جھگڑا کرنا کسی کو کسی حال زیبا نہیں آ گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ جب توحید جیسی کھلی ہوئی چیز میں بھی حجتیں نکالی جائیں تو آپ کچھ پروانہ کیجئے آپ جس سیدھی راہ پر قائم ہیں لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہئے اور خواہ مخواہ کے جھگڑے نکالنے والوں کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے وہ خود ان کی تمام حرکات سے واقف ہے قیامت کے دن ان کے تمام اختلافات اور جھگڑوں کا عملی فیصلہ کر دے گا۔

انسان کو معلوم ہونا چاہئے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس کے ذرہ ذرہ کا حال اللہ عزوجل کو معلوم ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ہر انسان کا عمل اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے اور یہی اعمال نامہ قیامت کے دن ہر ایک کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور اسی کے مطابق اس کو جزا سزا ملے گی۔ اور اتنی بے شمار چیزوں کا ٹھیک ٹھیک جاننا اور لکھ دینا اور اسی کے مطابق ہر ایک کا فیصلہ کرنا۔ ان میں سے کوئی بات اللہ کے ہاں مشکل نہیں جس میں کوئی تکلیف یا دقت اٹھانی پڑے۔ آخیر میں شرک کا رد فرمایا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا غیروں کی مشرکین جو بندگی و پرستش کرتے ہیں۔ یہ محض باپ دادوں کی کورانہ تقلید میں ایسا کرتے ہیں ورنہ کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں رکھتے۔ کسی عقیدہ یا عمل کی صداقت وحقانیت ثابت کرنے کے لئے دو ہی ذرائع ہیں نقلی یا عقلی۔ نقلی یہ کہ خدا تعالیٰ اپنے نبی کی معرفت اپنے کلام میں کسی عقیدہ وعمل کا حکم دے دے۔ عقلی یہ کہ عقل اور فطرت سلیمہ اس کی حقانیت کی شہادت دے۔ لیکن غیر اللہ کی پرستش کی اجازت تو کسی طرح ثابت نہیں۔ شرک فی العبادت کی اجازت نہ تو خدا نے اپنی کسی کتاب میں دی نہ عقل سلیم اس کی شہادت دیتی ہے تو سب سے بڑا ظلم اور بے انصافی یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔ ایسے ظالم اور بے انصاف لوگ خوب یاد رکھیں کہ ان کے باطل معبود مصیبت پڑنے پر کچھ کام نہ آئیں گے۔ نہ اور کوئی اس وقت مدد کر سکے گا۔

یہاں ان آیات سے ایک تعلیم تو یہ ملی کہ نزاع وجدال کی ممانعت ہے مگر نزاع وجدال اور چیز ہے اور مناظرہ اور چیز ہے۔ مناظرہ کی ممانعت نہیں۔ یہاں اسلام کے خلاف مجادلہ کرنے والوں کو اشارۃً تنبیہ کی گئی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حرکتوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ اس کی سزا دے گا تاہم دعوتِ الی الحق اور تبلیغ اسلام کا کام برابر جاری رکھا جائے گا جیسا کہ وادع الی ربک میں حکم دیا گیا ہے۔

پھر ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کو اس کے وقت میں ایک خاص شریعت اور کتاب دی جس کا اتباع اس امت پر اس وقت تک درست تھا جب تک کوئی دوسری امت اور دوسری شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ آ گئی اور جب دوسری شریعت آ گئی تو اتباع اس جدید شریعت کا کرنا ہے اگر اس جدید شریعت کا کوئی حکم پہلی شریعت کے خلاف ہے تو پہلے حکم کو منسوخ اور جدید حکم کو ناسخ سمجھا جائے گا۔ جدید صاحب شریعت سے کسی کو مجادلہ اور منازعت کی اجازت نہیں۔ موجودہ زمانہ میں جب کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مستقل شریعت لے کر آ گئے تو کسی سابق شریعت والے کو حق نہیں کہ آپ کی شریعت میں جدال ونزاع کرے۔ لہٰذا کسی نصرانی یا یہودی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ ہر شریعت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ لہٰذا زمانۂ اسلام میں بھی ہم شریعت موسویہ یا شریعت عیسویہ پر عمل کرتے رہیں تو مسلمانوں کو ہم سے اختلاف نہ کرنا چاہئے۔ تو یہ بات نہیں۔ اب تو پوری دنیا کے لوگوں کو یہ حکم ہے کہ شریعتِ محمدیہ کے قائم ہو جانے کے بعد کوئی اس شریعت کی مخالفت نہ کرے۔

ابھی مشرکین کی مذمت اور ردِ شرک کا مضمون اگلی آیات میں جاری ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ یَكَادُوْنَ

اور جب اُن لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو کہ خوب واضح ہیں پڑھ کر سُنائی جاتی ہیں تو تم ان کافروں کے چہروں میں بُرے آثار دیکھتے ہو۔قریب ہے کہ یہ ان

یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ

لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھ رہے ہیں۔آپ کہئے کہ کیا میں تم کو اس (قرآن) سے بھی زیادہ ناگوار چیز بتلادوں۔وہ دوزخ ہے

وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۷۲﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ

اس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے۔اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے

فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا

اُس کو کان لگا کر سُنو۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ ایک مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے گو سب کے سب بھی جمع ہوجاویں۔

لَهٗ ؕ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

اور اگر اُن سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو اُس سے چھڑا نہیں سکتے۔ایسا طالب بھی لچر اور ایسا مطلوب بھی لچر۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

ان لوگوں نے اللہ کی جیسی تعظیم کرنی چاہیئے تھی وہ نہ کی اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے۔اللہ تعالیٰ منتخب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے

رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ

احکام پہنچانے والے اور (اسی طرح) آدمیوں میں سے یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔وہ ان کی آئندہ اور گذشتہ حالتوں کو خوب جانتا ہے۔

وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

اور تمام کاموں کا مدار اللہ ہی پر ہے۔

وَاِذَا اور جب	تُتْلٰی پڑھی جاتی ہیں	عَلَیْهِمْ ان پر	اٰیٰتُنَا ہماری آیات	بَیِّنٰتٍ واضح	تَعْرِفُ تم پہچانوگے	فِیْ میں۔پر	وُجُوْهِ چہرے
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر)	الْمُنْكَرَ ناخوشی	یَكَادُوْنَ قریب ہے	یَسْطُوْنَ وہ حملہ کردیں	بِالَّذِیْنَ ان پر جو	یَتْلُوْنَ پڑھتے ہیں		
عَلَیْهِمْ ان پر	اٰیٰتِنَا ہماری آیتیں	قُلْ فرمادیں	اَفَاُنَبِّئُكُمْ کیا میں تمہیں بتلادوں؟	بِشَرٍّ بدتر	مِّنْ سے	ذٰلِكُمْ اس	اَلنَّارُ وہ دوزخ
وَعَدَهَا جس کا وعدہ کیا	اللّٰهُ اللہ	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	وَبِئْسَ اور برا	الْمَصِیْرُ ٹھکانا	یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو!		
ضُرِبَ بیان کی جاتی ہے	مَثَلٌ ایک مثال	فَاسْتَمِعُوْا پس تم سنو	لَهٗ اس کو	اِنَّ بیشک	الَّذِیْنَ وہ جنہیں	تَدْعُوْنَ تم پکارتے ہو	
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	لَنْ یَّخْلُقُوْا ہرگز نہ پیدا کرسکیں گے	ذُبَابًا ایک مثال	وَلَوِ خواہ	اجْتَمَعُوْا وہ جمع ہوجائیں	لَهٗ اس کیلئے	وَاِنْ اور اگر	

یَسْلُبْھُمُ ان سے چھین لے	الذُّبَابُ مکھی	شَیْئًا کچھ	لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ نہ چھڑا سکیں گے اسے	مِنْہُ اس سے	ضَعُفَ کمزور ہوا ہے	الطَّالِبُ چاہنے والا
وَالْمَطْلُوْبُ اور جس کو چاہا	مَا قَدَرُوا نہ قدر جانی انہوں نے	اللّٰہَ اللہ	حَقَّ قَدْرِہٖ اس کے قدر کرنے کا حق	اِنَّ اللّٰہَ بیشک اللہ	لَقَوِیٌّ قوت والا	
عَزِیْزٌ غالب	اَللّٰہُ اللہ	یَصْطَفِیْ چن لیتا ہے	مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ فرشتوں میں سے	رُسُلًا پیغام پہنچانے والے	وَ اور	مِنَ النَّاسِ آدمیوں میں سے
اِنَّ اللّٰہَ بیشک اللہ	سَمِیْعٌ سننے والا	بَصِیْرٌ دیکھنے والا	یَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ انکے ہاتھوں کے درمیان آگے	وَمَا اور جو
خَلْفَھُمْ ان کے پیچھے	وَ اور	اِلَی اللّٰہِ اللہ کی طرف	تُرْجَعُ لوٹنا باز گشت	الْاُمُوْرُ سارے کام		

تفسیر و تشریح:۔ مشرکین کی مذمت اور ردِ شرک کا مضمون گزشتہ سے بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اب آگے منکرین اسلام اور اہل حق سے عناد رکھنے والوں کی ایک حالت بیان کی جاتی ہے۔ یہ ایک عام بات ہے کہ اہلِ عناد باطل پرست جاہل آدمیوں کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ جب ان کی جہالت پر ان کو متنبہ کیا جائے تو چونکہ ان کے پاس اپنے عقیدہ و عمل کا ثبوت پیش کرنے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہوتی اس لئے جہالت پر اتر آتے ہیں اور اہل حق سے سب وشتم اور ہاتھا پائی کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہی حالت مشرکین مکہ کی بھی تھی کہ جب ان کے سامنے قرآنی آیات تلاوت کی جاتیں جن میں توحید وغیرہ کا بیان ہوتا تو ان کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے اور چہرہ کا حلیہ بگڑنا شروع ہو جاتا۔ حتیٰ کہ شدتِ غیض و غضب سے پاگل ہو کر چاہتے کہ آیات سنانے والے پر حملہ کردیں۔ چنانچہ کفار مکہ بعض اوقات ایسا کر بھی گزرتے۔

مشرکین کی تنبیہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ جو قرآن کی آیات سننے سے تمہیں کوفت اور جلن ہو رہی ہے تو اس سے کہیں بڑھ کر کوفت اور جلن ایک اور چیز سے تم کو ہوگی جس پر کسی طرح صبر ہی نہ کر سکو گے اور وہ سخت بری اور ناگوار چیز دوزخ کی آگ ہے جس کا وعدہ کافروں سے کیا جا چکا ہے۔ اب دونوں کا موازنہ کر کے فیصلہ کر لو کہ کونسا تلخ گھونٹ پینا تم کو نسبتاً آسان ہوگا۔

آگے بت پرستوں کی جہالت و حماقت ظاہر کرنے کے لئے اور توحید کے مقابلہ میں شرک کی برائی و قباحت جتلانے کے لئے ایک مثال بیان کی جاتی ہے جسے کان لگا کر غور سے سننے اور سمجھنے کی تاکید کی جاتی ہے تاکہ ایسی رکیک اور ذلیل حرکت سے مشرکین باز رہیں۔ بتوں کی بے بسی اور بے کسی اس طرح سمجھائی جاتی ہے کہ اللہ عزوجل نے اس ساری کائنات کو عجیب شان سے بنا کھڑا کیا لیکن ان بتوں کو تو ایک مکھی جو بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے وہ بھی بنانی نہیں آتی۔ یہ اکیلے اکیلے تو کیا اگر سب مل کر سر جوڑ کر بھی بیٹھ جائیں تب بھی ان میں اتنی قدرت نہیں کہ ایک مکھی کو پیدا کر دیں۔ اور پیدا کرنا تو در کنار یہ تو ایسے بے بس اور بے کس ہیں کہ جو مٹھائی ان بتوں پر چڑھائی جاتی ہے اس میں سے مکھیاں اپنی خوراک لے کر اور ان سے چھین کر جب اڑ جاتی ہیں یا بیٹھ کر مزے سے کھا جاتی ہیں تو ان میں اتنی طاقت نہیں کہ انہیں کھانے سے منع کر دیں یا جو کچھ وہ اٹھا کر لے جا رہی ہیں ان سے چھین لیں۔ تو ایسے مجبور اور بے بس اور بے کس بتوں کو خالق السمٰوٰت والارض کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی حماقت اور شرمناک گستاخی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور۔ مکھی سے زیادہ ان کے بت عاجز اور کمزور اور بتوں سے بڑھ کر ان کا پوجنے والا کمزور ہے۔ جس نے ایسی حقیر اور کمزور چیز کو اپنا معبود اور حاجت روا بنا لیا۔

اگر عقل سے سمجھتے تو ایسی گستاخی کیوں کرتے۔ کیا اللہ کی شان رفیع اور قدر و منزلت اتنی ہے کہ ایسی کمزور چیزوں کو اس کا ہمسر بنا دیا جائے؟

یہ تو توحید کی تحقیق تھی آگے رسالت کے متعلق کلام ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے رسالت کے لئے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ فرشتوں میں سے جن فرشتوں کو چاہے احکام الٰہیہ نبیوں کے پاس پہنچانے والے مقرر کر دیتا ہے اور اسی طرح انسانوں میں سے جس کو چاہے احکام پہنچانے کے لئے مقرر کر دیتا ہے یعنی رسالت کا مدار انتخاب خداوندی پر ہے رہا یہ کہ انتخاب کسی ایک خاص کے ساتھ کیوں واقع ہوا تو اس کا ایک جواب تو **ان اللہ سمیع بصیر** کہہ کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں جس کو خدا اس منصب کے لئے انتخاب فرماتا ہے ان کی تمام باتوں کو اور ان کے ماضی و مستقبل کے تمام احوال کو دیکھتا ہے اس لئے وہی حق رکھتا ہے کہ جس کے احوال و استعداد پر نظر کر کے منصب رسالت پر فائز کرنا چاہے فائز کر دے اور دوسرا جواب **والی اللہ ترجع الامور** یعنی تمام کاموں کا مدار اللہ ہی پر ہے فرما کر دیا گیا یعنی وہ مالک مستقل بالذات اور فاعل مختار ہے اس کے ارادہ کے لئے کسی مرجع کی ضرورت نہیں پس سبب حقیقی ارادۂ خداوندی ہے جس کو چاہے نبوت سے سرفراز فرمائے۔

یہاں کفر و شرک کی مذمت کے ساتھ کافروں کے جاہلانہ سلوک کا اظہار فرمایا گیا کہ ان کو کلمۂ حق سننا بھی گوارا نہیں۔ ساتھ ہی مشرکوں کے عقیدہ کو باطل کرنے کے لئے بتوں کی انتہائی کمزوری، بے بسی اور لاچاری ظاہر کر کے بت پرستی کا استیصال فرمایا گیا اور ساتھ ہی معیار الوہیت **لقوی عزیز** فرما کر بتلایا گیا کہ مستحق الوہیت وہ ذات ہے جو قادر اور غالب ہو اور چونکہ کمال قدرت اور غلبۂ کامل سوائے خداوند قدوس کے کسی میں نہیں اس لئے خدا کے سوا کوئی معبود ہونے کا سزاوار بھی نہیں۔

یہاں سے ایک بات یہ ثابت ہوئی کہ نبوت و رسالت کسبی نہیں محض وہبی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے نبوت کے تاج سے سرفراز فرماتا ہے چونکہ یہاں آیت میں صرف انسانوں اور فرشتوں کی پیامبری کا تذکرہ ہے جنات کا کوئی ذکر نہیں اس لئے بعض مفسرین نے یہاں سے نکالا ہے کہ جنات نبی نہیں ہوئے نہ اپنی قوم کی اصلاح کے لئے نہ دوسروں کی ہدایت کے لئے۔

اب یہاں تک آیات میں اہل کتاب کفار و مشرکین کے عقائد و اعمال کا رد و بطلان خوب طرح واضح کر دیا تو اب خاتمہ پر روئے سخن مسلمانوں کی طرف فرمایا گیا اور امت اسلامیہ کی برتری ظاہر فرماتے ہوئے کچھ ہدایات دی گئیں جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔ اور اسی پر سورت کو ختم فرمایا گیا ہے۔

دعا کیجئے

قرآن پاک کی جو آیات ہمارے پڑھنے اور سننے میں آئیں ان سے ہمارے ایمان و یقین میں زیادتی ہو اور ان پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی ہم کو توفیق نصیب ہو۔ یا اللہ! توحید حقیقی کی دولت ہم کو اس زندگی میں نصیب فرما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ہدایات و احکامات ہم تک پہنچیں ان کا اتباع و فرمانبرداری ہمیں نصیب فرما ظاہراً و باطناً۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو اُمید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے

تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي

اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے۔اُس نے تم کو ممتاز فرمایا اور تم پر

الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ

دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔تم اپنے باپ ابراہیم کی مِلّت پر قائم رہو۔اُس (اللہ) نے تمہارا لقب مُسلم رکھا ہے

وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ

(نزولِ قرآن سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ تمہارے لئے رسُول گواہ ہو۔

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾

سوتم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو۔وہ تمہارا کارساز ہے سو کیا اچھا کارساز ہے اور کیا اچھا مددگار ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وہ لوگ جو ایمان لائے	ارْكَعُوْا تم رکوع کرو	وَاسْجُدُوْا اور سجدہ کرو	وَ اور	اعْبُدُوْا عبادت کرو	رَبَّكُمْ اپنا رب	
وَافْعَلُوْا اور کرو	الْخَيْرَ اچھے کام	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تُفْلِحُوْنَ فلاح (دوجہان میں کامیابی) میں	وَجَاهِدُوْا اور کوشش کرو	فِي اللّٰهِ اللہ میں		
حَقَّ حق	جِهَادِهٖ اس کی کوشش کرنا	هُوَ وہ	اجْتَبٰىكُمْ اس نے تمہیں چنا	وَمَا اور نہ	جَعَلَ ڈالی	عَلَيْكُمْ تم پر	فِي الدِّيْنِ دین میں
مِنْ حَرَجٍ کوئی تنگی	مِلَّةَ دین	اَبِيْكُمْ تمہارے باپ	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم	هُوَ وہ	سَمّٰىكُمْ تمہارا نام کیا	الْمُسْلِمِيْنَ مسلم	
مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	وَ اور	فِيْ هٰذَا اس میں	لِيَكُوْنَ تاکہ ہو	الرَّسُوْلُ رسول	شَهِيْدًا تمہارا گواہ	عَلَيْكُمْ تم پر	وَتَكُوْنُوْا اور تم ہو
شُهَدَآءَ گواہ	عَلَى النَّاسِ لوگوں پر	فَاَقِيْمُوا پس قائم کرو	الصَّلٰوةَ نماز	وَاٰتُوا اور ادا کرو	الزَّكٰوةَ زکوٰۃ	وَ اور	اعْتَصِمُوْا مضبوطی سے تھام لو
بِاللّٰهِ اللہ کو	هُوَ وہ	مَوْلٰىكُمْ تمہارا مولیٰ (کارساز)	فَنِعْمَ سو اچھا ہے	الْمَوْلٰى مولیٰ	وَنِعْمَ اور اچھا ہے	النَّصِيْرُ مددگار	

تفسیر وتشریح:۔ یہ اس سورت کی آخری آیات ہیں۔گزشتہ آیات میں اس سورۃ میں ایمان و اسلام کے بڑے اور خصوصی اصول یعنی توحید ورسالت کا اثبات۔قیامت وحشر ونشر کا واقع ہونا اس زندگی کے اعمال کے مطابق آخرت میں جزاوسزا کا ملنا۔پھر ہر ایک کے متعلق منکرین کے شبہات ومجادلات کا جواب مذکور ہو چکا تو اب خاتمہ پر اہلِ ایمان سے خطاب ہوتا ہے اور شریعت اسلامیہ کی برتری ظاہر فرما کر اہل اسلام کو ضروری ہدایات وتعلیم دی جاتی ہے۔اس امت کے فرائض یاد دلائے جاتے ہیں اور اخیر میں اہلِ ایمان کو ذاتِ باری تعالیٰ پر بھروسہ کرنے اور اس کی نصرت واعانت طلب کرنے کی ترغیب وتعلیم دے کر سورت کو ختم فرمایا گیا ہے۔

گزشتہ آیات سے جو مضمون بیان ہوتا آ رہا تھا اس کا لب لباب اور خلاصہ یہی تھا کہ اللہ عزوجل سے بڑھ کر انسان کا مربی اور

ہادی کون ہوسکتا ہے؟ اسی کی ذات کو کمال علم۔ کمال قوت اور کمال قدرت حاصل ہے اس لئے اس کی ذات کو پہچاننے اس پر ایمان لانے۔ اور دل وجان سے اسی کی طرف جھکنے کی ہدایت فرمائی گئی تھی اور منکرین ومشرکین کو تنبیہ کی گئی تھی کہ اگر وہ سرکشی اور شرک وکفر پر قائم رہے تو اپنا ہی کچھ بگاڑیں گے اور دائمی عذاب سے واسطہ پڑے گا جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ مشرکین کے عقائد واعمال کا اچھی طرح رد وبطلان فرما کر اب اخیر میں مومنین کو مخاطب فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ تم اکیلے اپنے رب کی بندگی پر لگے رہو۔ اسی کے آگے جھکو۔ اسی کے آگے پیشانی ٹیکو اور اسی کے لئے دوسرے بھلائی کے کام کرو تا کہ دنیا اور آخرت میں تمہیں فلاح نصیب ہو۔ تو قبولِ اسلام کے بعد یہاں سب سے پہلے نماز اور پھر دوسری عبادتیں اور پھر اور نیکیاں کرنے کا حکم دیا گیا اور اس پر وعدہ دین ودنیا کی بھلائی کا فرمایا گیا۔ اور چونکہ **تفلحون** بغیر کسی تصریح اور قید کے فرمایا گیا ہے، اسلئے مفسرین نے اس سے دنیا وآخرت دونوں جہان کی بھلائی اور فلاح مراد لیا ہے۔ آگے ہدایت کی جاتی ہے کہ اللہ کے احکام بجالانے اور دین کے کاموں میں سستی اور بے دلی کو دخل نہ دو بلکہ ہر کام اللہ کا کام سمجھ کر پوری مستعدی۔ توجہ اور استحضار قلب اور اخلاص نیت کے ساتھ ہو۔

یہاں آیت میں **جاھدوا** کا لفظ آیا ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں کوشش کرو تو بعض مفسرین نے اس سے جہاد یعنی اعدائے اسلام سے جنگ کرنا اور ان کے مقابلہ میں تلوار اٹھانا مراد لئے ہیں لیکن بعض مفسرین نے اس کو عام معنی میں لیا ہے اس طرح مجاہدہ میں ہر قسم کی زبانی، قلمی، مالی، بدنی کوشش شامل ہے گویا مجاہدۂ نفس، مجاہدۂ قلب۔ مجاہدہ روح سب اس میں شامل ہیں اس طرح جہاد کی تمام قسمیں یعنی کفار سے جہاد۔ نفس سے جہاد۔ شیطان سے جہاد۔ باغیوں سے جہاد۔ ظالموں سے جہاد۔ بے دینوں سے جہاد۔ وغیرہ وغیرہ سب اس حکم میں شامل ہیں کہ اللہ کے دین کے لئے اور اللہ کے احکام بجالانے کے لئے اپنی جان ومال سب کچھ لگادو اور کیوں لگادو اس کی وجہ اور سبب بھی **ھو اجتبکم** فرما کر بتلا دی یعنی اللہ نے تم کو پسند کیا اور ممتاز فرمایا تو جس کو کوئی خاص ترجیح دی جاتی ہے وہ خدمت کے لئے زیادہ دوڑتا ہے۔

ھوا جتبکم کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو سب سے اعلیٰ اور افضل پیغمبر دیا۔ اور تمام شریعتوں سے اکمل شریعت عنایت کی۔ اور تمام دنیا میں خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے اس قوم کو چھانٹ لیا اور سب امتوں پر فضیلت بخشی تو گویا اللہ عزوجل کی بڑی عنایت ہے کہ اس نے دنیا بھر کے لوگوں میں اپنے کام کے لئے امت محمدیہ کو انتخاب کیا۔ یہ اہلِ اسلام کے لئے نہ مٹنے والا امتیاز یا نشان ہے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو دین اور طریق کار ایمان والوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ بالکل آسان ہے۔ دین میں کوئی ایسی مشکل نہیں رکھی کہ جس کا اٹھانا کٹھن ہو۔ احکام میں ہر طرح رخصتوں اور سہولتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ پھر طریقہ اور دین بھی کوئی اجنبی نہیں ہے۔ وہی طریقہ ہے جو تمہارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنیا میں رائج کیا۔ اس طریقہ پر چلنے والوں کا نام انہوں نے اللہ کے حکم سے مسلم رکھا اور یہی نام تمہارے لئے قرآن مجید نے بھی برقرار رکھا ہے اس لئے یہی وہ قدیم دین ہے جس پر تمہیں چلنا ہے۔ مسلم جس کے لفظی معنی ہیں حکم بردار اور وفا شعار یہ اس امت کا نام رکھا گیا۔ گو اور امتیں بھی مسلم تھیں مگر لقب یہ اسی امت کا ٹھہرا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہیں اس لئے ساری امت کے باپ ہوئے اسی لئے **ملت ابیکم ابراھیم** فرمایا گیا۔ کہ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو۔ تو اللہ عزوجل

18 نے اس امتِ مسلمہ کو جو یہ شرفِ انتخاب اور پسندیدگی عطا فرمایا اور آسان دین دیا یہ اس لئے کہ اس امت سے اس دنیا میں ایک بہت اہم کام لینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس امت کے پاس قرآن بھیجا اور فرمایا کہ تم اسلام کے علمبردار ہو تمہارا کام یہ ہے کہ اپنے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن پر عمل کرنا سیکھو اور اس کے بعد اپنا طریقہ دنیا بھر کے لوگوں کو سکھا دو اور اس پر چلنے کا راستہ بتا دو۔ یہ امت مسلمہ دنیا میں ہدایت کرنے والی آخری امت ہے۔ اس امت کے بعد کوئی اور ہدایت کرنے والی امت پیدا نہ ہوگی اس لئے کہ اس امت کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ قرآن کے بعد وحی کے ذریعہ کوئی اور کتاب نازل کی جائے گی پس ظاہر ہے کہ اللہ کی بہترین مخلوق یعنی انسان کی ہدایت کا کام اس امت مسلمہ ہی کو سنبھالنا پڑے گا۔

یہاں آیت میں لفظ شہیداً اور شہداء کا آیا ہے جس کے ایک معنی نگران کے ہیں اور اسی بنا پر مفسرین نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے جو اوپر بیان ہوئی بعض مفسرین نے شہید اور شہداء کو بمعنی گواہ لیا ہے۔ قیامت کے دن جب دوسری اُمتیں انکار کریں گی کہ پیغمبروں نے ہم کو تبلیغ نہیں کی اور پیغمبروں سے حق تعالیٰ گواہ طلب فرمائیں گے تو پیغمبر الٰہی امت محمدیہ کو بطور گواہ پیش فرمائیں گے۔ یہ امت گواہی دے کہ بے شک پیغمبروں نے دعوت و تبلیغ کر کے خدا کی حجت قائم کر دی تھی جب سوال ہوگا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا تو امت محمدیہ جواب دے گی کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع کی جس کی صداقت پر خدا کی کتاب قرآن کریم گواہ ہے۔ چنانچہ یہ گواہی قبول کی جائے گی اور کفار کو ملزم و مجرم ٹھہرایا جائے گا تو جن مفسرین نے شہید و شہداء بمعنی گواہ لئے ہیں انہوں نے یہ تفسیر کی کہ یہ فضل و شرف جو اس امت کو عطا ہوا اس لئے دیا گیا کہ اس امت کو ایک بڑے عظیم الشان مقدمہ میں بطور معزز گواہ کے کھڑا ہونا ہے۔

یا یھا الذین اٰمنوا کا خطاب جو اوپر شروع ہوا تھا وہ اس پر ختم ہوتا ہے کہ دیکھو انعام الٰہی کی قدر کرو۔ اپنے نام و لقب فضل و شرف کی لاج رکھو اور سمجھو کہ تم بہت بڑے اور خاص کام کے لئے کھڑے کئے گئے ہو۔ ذرا بھی قدم جادۂ حق سے ادھر ادھر نہ ہو۔ مولائے کریم کے فضل و رحمت پر اعتماد رکھو۔ تمام کمزور سہارے چھوڑ دو۔ تنہا اسی کو اپنا مولا اور مالک سمجھو اس سے اچھا مالک اور مددگار اور کون ملے گا۔

خلاصہ یہ کہ ان آیات میں اہلِ اسلام کو اعمالِ خیر کی ترغیب اور دین اسلام پر مضبوطی کے ساتھ جم جانے اور قائم رہنے کی تاکید فرمائی جاتی ہے جو نجات اور فلاح کا ذریعہ ہیں اور اعمالِ خیر میں تمام عبادات تمام خیرات و صدقات اور مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال سب داخل ہیں۔ یہاں ایمان کے بعد رکوع و سجود کا حکم دینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ نماز کے خصوصی ارکان ہیں تو ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز کا حکم دینے سے نماز کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا۔ جو اعمالِ خیر میں ایک بہترین عمل خیر ہے اور ساتھ ہی یہ بتلا دیا کہ دین اسلام بہت آسان دین ہے۔ اس پر عمل کرنا کسی حال میں مشکل اور دشوار نہیں لہٰذا اہل اسلام اور اہلِ ایمان کو چاہئے کہ دن رات سرگرم عبادت رہیں اور ملت ابراہیمی پر قائم و دائم رہیں اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہیں تاکہ مولائے برحق کی حمایت اور نصرت ان کے ساتھ رہے۔

اب یہاں یہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس امت کو کیا شرف اور کیا فضل عطا ہوا؟ اور کیا اس کے فرائض بتائے گئے؟ اور کس امر کی اس کو تعلیم و ہدایت دی گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ اس

خطاب کے صحیح اور سچے مخاطب حضرات صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین اور سلف صالحین ہی تھے جنہوں نے کہ اس شرف وفضل کا حق ادا فرمایا ایک اس چودہویں صدی کے ہم بھی مسلمان ہیں کہ کیا خوب اپنے نام، لقب فضل وشرف کی لاج رکھی کہ من حیث القوم نہ صرف فرائض وعبادات اور اہم احکامِ الٰہیہ اور شرائع اسلامیہ کو ''ملاپن'' کہہ کر اکثریت نے منہ موڑا۔ اور جملہ محرمات شرعیہ مثل سود۔ شراب، جوا، زنا، فسق وفجور، ناچ گانا، بے پردگی، بے حیائی، تھیٹر، سینما، بائیسکوپ اسکو لوازمات زندگی اور ترقی کا زینہ ٹھہرایا۔ اور کچھ منافقین نے تو حد کردی اور قرآن کریم ہی کو پرانی اور فرسودہ کتاب بتایا۔ استغفر اللہ۔

اس کے علاوہ ایک ہزار سال پہلے کے سلف صالحین۔ اور مومنین صادقین، سرفروش مجاہدین کو دیوانہ ووحشی قرار دیا۔ یہ داستان تو خون کے آنسو رلانے والی بہت طویل ہے۔ (یہاں یہ واضح کردینا بھی ضروری ہے کہ یہ درس اب سے تقریباً ۱۹ سال پہلے کا تحریر کیا ہوا ہے۔) بس انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے سوا اور کیا کہا جائے۔

افسوس صد افسوس ہماری مثال تو اس فوجی سپاہی کی سی ہے کہ جس کے ذمہ ملک اور قوم کی حفاظت ونگرانی سونپی گئی تھی مگر وہ اپنے فرائض اور ڈیوٹی کو تو بالکل بھول گیا اور غفلت کی نیند پڑ کر سوگیا۔ اس کی بلا سے ملک اور قوم پر جو بھی گزرے۔ مگر سمجھ لیجئے کہ ایسے غافل سپاہی کی گرفت اور پکڑ حاکم اور بادشاہ وقت کے ہاں کس طرح ہوگی اور کس درجہ کا وہ مجرم گردانا جائے گا اور کس سزا کا وہ مستحق ٹھہرایا جائے گا؟

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور اسلام جیسی نعمت کی قدر اور شکرِ نعمت کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

الحمدللہ کہ اس درس پر سورہ حج کا بیان ختم ہوگیا۔ اور اس طرح حق تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے آج سترہواں پارہ بھی ختم ہوا۔

دعا کیجئے: اے اللہ! آپ نے تو ہم کو امت مسلمہ میں پیدا فرما کر ہم پر بڑا احسان اور انعام فرمایا۔ ہم کو قرآن جیسی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نبی اور شریعتِ اسلامیہ جیسی شریعت عطا فرمائی۔ مگر ہم نے ان انعامات کی خاطر خواہ قدر نہ کی۔ اے اللہ! ہماری گزشتہ تقصیرات کو اپنی رحمت سے معاف فرمادے اور آئندہ کے لئے ہم کو عزم وہمت عطا فرمادے کہ ہم نمازوں کے قائم کرنے والے ہوں اور آپ کی بندگی وعبادت کے بجا لانے والے ہوں۔ اے اللہ! ہم سے وہ اعمال کرالیجئے جن کا مطالبہ ہمارا لقب ''مسلم'' کرتا ہے۔ اور اے اللہ ہم سے دین کی وہ خدمت لے لیجئے جس کا مطالبہ قرآن پاک کرتا ہے۔ اے اللہ آپ ہی ہمارے مولا ہیں آپ ہی ہمارے حافظ وناصر ہیں۔ اے اللہ! اس امت مسلمہ پر رحم فرما اور اس کو اپنے نام ولقب کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! اس ملک میں اسلام کو فروغ وبرتری عطا فرما۔ اور اس ملک کو صحیح معنی میں اسلامی ملک بنادے۔ مخالفین اسلام اور منافقین کی گردن توڑ دے۔ ان کے عزائم ناکام فرمادے اور ان کی فتنہ پردازیوں کا خاتمہ فرمادے۔ اے اللہ! آپ ہی ہمارے حقیقی کارساز اور مددگار ہیں۔ آپ ہی کی اعانت اور نصرت سے ہماری دین ودنیا درست رہ سکتی ہے۔ یا اللہ! اب ہماری غفلتوں کو دور فرمادے اور ہم کو اپنا سچا بندہ بنالے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار امتی ہونا نصیب فرمادے۔ اور آپ کی رسی کو مضبوط پکڑنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ

قَدۡ اَفۡلَحَ

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَّثَمَانَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝۲

بالتحقیق اُن مسلمانوں نے فلاح پائی۔ جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ فلاح پائی (کامیاب ہوئے)	الْمُؤْمِنُوْنَ مومن	الَّذِيْنَ اور جو	هُمْ وہ	فِيْ صَلَاتِهِمْ اپنی نمازوں میں	خَاشِعُوْنَ خشوع (عاجزی) کرنیوالے

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اٹھارہویں پارہ کی ابتداء سے سورۂ مومنون کا بیان شروع ہورہا ہے۔ اس درس میں صرف دو ابتدائی آیات کی تشریح کی گئی ہے۔ پہلے سورۃ کا مقام، نزول، وجہ تسمیہ، موضوع ومباحث، تعداد آیات، رکوعات، کلمات وحروف بیان کئے جاتے ہیں۔ مؤمنون ایمان والوں کو کہتے ہیں چونکہ یہ لفظ اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں آیا ہے اور اس سورۃ میں ایمان والوں کی صفتیں بیان کی گئی ہیں اوران کے اطوار وعادات بتلائے گئے ہیں اس لئے اس سورۃ کا نام المؤمنون ہے۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور مکی دور کے متوسط زمانہ میں اس کا نزول روایت کیا گیا ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۲۳ویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۶۴ لکھا ہے یعنی ۶۳ سورتیں مکہ معظمہ میں اس سورت سے قبل نازل ہوچکی تھیں اور ۲۶ سورتیں اس کے بعد مکہ میں نازل ہوئیں اور پھر ۲۴ سورتیں ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۱۱۸ آیات اور ۶ رکوعات اور ۱۰۷۰ کلمات اور ۴۵۳۸ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

اس سورۃ کی ابتداء میں مؤمنین کی چند صفات بیان کی گئی ہیں کہ اللہ ورسول پر ایمان لانے والوں میں یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت میں فلاح کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انسان کی پیدائش اور دوسرے آثارِ کائنات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جس سے مقصود یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ توحید اور معرفت الٰہی کی جس حقیقت کو تسلیم کرنے کا سبق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں اس کے برحق ہونے پر تمہارا اپنا وجود اور یہ پورا نظام عالم گواہ ہے۔ اللہ کی عبادت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی معرفت حاصل کی جائے اور یہ معرفت اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر جو دنیا میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں ہر عقلمند اور ذی ہوش حاصل کرسکتا ہے۔ پھر انبیائے سابقین اور ان کی اُمتوں کے قصے ذکر فرمائے گئے ہیں۔ جن سے کئی باتیں بتانی مقصود ہیں ایک یہ کہ آج دعوت نبوی پر جو شبہات واعتراضات کئے جارہے ہیں یہ باتیں پہلے بھی انبیاء پر جہلا کرچکے ہیں اور اسی طرح کے اعتراضات ان احمقوں نے بھی اپنے اپنے پیغمبروں پر کئے تھے۔ دوسرے یہ کہ توحید وآخرت کی تعلیم ایسی نہیں کہ جو بالکل نئی ہو اور جو دنیا نے کبھی سنی نہ ہو۔ یہ کوئی نرالی تعلیم نہیں۔ ہر زمانہ میں یہ صدائے حق اٹھتی رہی ہے۔ تیسرے یہ کہ حق کا انکار کرکے باطل پر اصرار کرنے والے اور انبیاء کی تکذیب پر جمے رہنے کا انجام آخرکار تباہی وہلاکت ہوتا ہے۔ چوتھے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اول دین اسلام اس وقت سے دین الٰہی ہے جب سے انسان کے قدم زمین پر پہنچے ہیں۔ پھر انبیاء کے تذکروں کے بعد بتایا گیا ہے کہ دنیاوی خوشحالی مال ودولت۔ قوت اور اقتدار وغیرہ وہ چیزیں نہیں جو کسی شخص یا گروہ کے راہِ راست پر ہونے کی یقینی علامت ہو اور اس بات کی دلیل قرار دی جائیں کہ خدا اس پر مہربان ہے اور اس کا رویہ خدا کو پسندیدہ ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس کسی کا غریب اور خستہ حال ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ خدا اس سے اور اس کے رویہ سے ناراض ہے۔ اصل چیز جس پر خدا کے ہاں محبوب یا مغضوب ہونے کا مدار ہے وہ ایمان۔

خدا پرستی اور تقویٰ وراست بازی ہے۔ پھر بتلایا کہ جو اللہ اور رسول اور موت کے بعد زندگی۔ حساب کتاب۔ جنت ودوزخ، جزاء وسزا پر ایمان نہ لائے گا وہ مرنے کے بعد آخرت میں بہت پچھتائے گا۔ آخر میں انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ اس کی دنیا کی زندگی کوئی کھیل نہیں ہے۔ اس کو بیکار اور فضول باتوں میں نہ گنوانا چاہئے۔ قرآن مجید کی باتوں کو سچا مان کران پر عمل کرنا چاہئے اور اللہ عزوجل سے مغفرت و رحمت کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورت کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ اگلے درسوں میں آئیں گی۔

اس سورۃ کی ابتداء **قد افلح المومنون** کے جملہ سے فرمائی گئی ہے یعنی یقیناً فلاح پائی یا کامیاب ہوئے ایمان والے۔ جس ماحول اور وقت میں اس سورۃ کا نزول ہوا ہے اور یہ کلام فرمایا جارہا ہے اس کو ذہن نشین رکھئے۔ اس وقت ایک طرف دعوت اسلام اور ایمان کے مخالف سرداران مکہ تھے جن کی تجارتیں چمک رہی تھیں جن کے پاس دولت کی فراوانی تھی جن کو اس وقت کے لحاظ سے دنیوی خوشحالی کے سارے لوازمات میسر تھے اور دوسری طرف اسلام کے پیروکار تھے جن میں سے اکثر تو پہلے ہی غریب اور خستہ حال تھے اور بعض جو اچھے کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے یا اپنے کاروبار میں پہلے کامیاب تھے ان کو بھی اسلام قبول کرنے کے بعد اب قوم کی مخالفت اور دشمنی اور مقاطعہ نے بدحال کردیا تھا۔ اس صورتِ حال میں یہ کلام فرمایا گیا **قد افلح المومنون**. یقیناً فلاح پائی ہے ایمان والوں نے۔ فلاح عربی میں بڑے ہی وسیع معنی میں آتا ہے۔ دنیا وآخرت کی ساری ہی خوبیوں کا جامع ہے۔ یہ لفظ خسران کی ضد ہے جو ٹوٹے اور گھاٹے اور نامرادی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ تو جس ماحول میں یہ کلام فرمایا گیا اس سے کفار ومشرکین کے حق میں تو مطلب نکلا کہ تمہارا معیار فلاح غلط ہے۔ تم اپنی جس عارضی اور محدود خوشحالی کو فلاح سمجھ رہے ہیں وہ فلاح نہیں خسران ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو جو تم ناکام ونامراد سمجھ رہے ہو وہ

دراصل کامیاب وبامراد ہیں۔ اس دعوت حق کو مان کر انہوں نے خسارہ کا سودا نہیں کیا ہے بلکہ وہ چیز پائی ہے جو دنیا وآخرت دونوں میں ان کو پائیدار وخوشحال اور کامیابی سے ہمکنار کرے گی۔

تو یہاں فلاح کی پہلی شرط مومن ہونا بیان کی گئی اب آگے ان مومنین کی شان کیا ہے اور ان کی صفات کیا ہیں یہ بیان فرمائی گئی ہے۔ سب سے اول اور سب سے بڑی اور سب سے اہم صفت بیان فرمائی گئی۔

الذین هم فی صلاتهم خاشعون. جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے یعنی انتہائی فلاح اور اعلیٰ کامیابی انہیں مؤمنین کو حاصل ہوگی جو خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ خشوع کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف وہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا۔ قرآن پاک کی ایک دوسری آیت میں خشوع کو قلب کی صفت بتلائی ہے تو معلوم ہوا کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضائے بدن کا خشوع اس کے تابع ہے۔ جب نماز میں قلب خاشع وخائف ساکن اور پست ہوگا تو خیالات ادھر ادھر بھٹکتے نہیں پھریں گے۔ ایک ہی مقصود پر جم جائیں گے پھر خوف وہیبت اور سکون اور خضوع کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہوں گے مثلاً نگاہ پست رکھنا۔ ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا۔ ادھر ادھر نہ تاکنا۔ کپڑے یا داڑھی وغیرہ سے نہ کھیلنا وغیرہ وغیرہ اسی قسم کے افعال و احوال لوازم خشوع میں سے ہیں۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز بدوں خشوع کے صحیح ومقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ حضرت تھانویؒ نے اس جگہ یہ تحقیق لکھی ہے اور فرماتے ہیں ''خشوع کی حقیقت ہے سکون یعنی قلب کا بھی کہ خیالات غیر کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور جوارح کا بھی کہ عبث حرکتیں نہ کرے اور اس کی فرضیت میں کلام ہے مگر حق یہ ہے کہ صحت صلوٰۃ کا تو موقوف علیہ نہیں۔ اور اس مرتبہ میں فرض نہیں۔ اور قبول صلوٰۃ کا موقوف علیہ ہے اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔''

بہرحال یہاں فلاح پانے والے مومنین کی سب سے اول اور

پہلی صفت خشوع اور خضوع سے نمازیں پڑھنا بیان فرمائی گئی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کا حق تعالیٰ کے ہاں کیا درجہ ہے اور ایمان کے بعد اعمال میں کس قدر مہتم بالشان چیز ہے۔اور کون سی نماز حق تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ قرآن پاک میں خدائے تعالیٰ نے جا بجا نصیحتیں کی ہیں بعض جگہ پیار کے الفاظ میں خطاب فرمایا ہے۔بعض جگہ رغبت اور شوق دلانے کا طریقہ اختیار کیا ہے بعض جگہ بندوں کو ڈرانے دھمکانے کی باتیں کیں ہیں لیکن کلام الٰہی میں ۷۰۰ جگہ صرف یہی نصیحت ہے کہ نماز قائم کرو۔یہ تو قرآن کی تاکید رہی اب احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات اس سلسلہ میں سن لیجئے۔ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادات میں سب سے پہلے نماز کو فرض فرمایا ہے اور سب سے پہلے اعمال میں سے نماز ہی پیش کی جاتی ہے اور سب سے پہلے قیامت میں نماز ہی کا حساب ہوگا اگر فرض نمازوں میں کچھ کمی رہ گئی تو نفلوں سے اسے پورا کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد اسی طرح روزوں کا حساب کیا جائے گا اور فرض روزوں میں جو کمی ہوگی وہ نفل روزوں سے پوری کی جائے گی پھر زکوٰۃ کا حساب اسی طریقہ پر ہوگا۔ان سب چیزوں میں نوافل کو ملا کر بھی اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگیا تو وہ شخص خوشی خوشی جنت میں داخل ہو جائے گا ورنہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا کہ جو شخص مسلمان ہوتا سب سے اول اس کو نماز سکھائی جاتی،ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھے، وضو بھی اچھی طرح کرے، خشوع وخضوع سے بھی پڑھے۔کھڑا بھی پورے وقار سے ہو پھر اسی طرح رکوع سجدہ بھی اچھی طرح سے اطمینان سے کرے۔غرض ہر چیز کو نہایت اچھی طرح ادا کرے تو وہ نماز نہایت روشن چمکدار بن کر جاتی ہے اور نمازی کو دعا دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ تیری بھی ایسی ہی حفاظت کرے جیسی تو نے میری حفاظت کی اور جو شخص نماز کو بری طرح پڑھے۔وقت کو بھی ٹال دے۔وضو بھی اچھی طرح نہ کرے تو وہ نماز بری صورت سے سیاہ رنگ میں بددعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسے تو نے مجھے ضائع کیا اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔اب یہاں ہم اپنی حالت پر غور کرلیں کہ اول تو اس زمانہ میں کتنے فیصدی مسلمان نمازی ہیں پھر ان میں سے کے فیصدی جماعت کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں۔پھر ان میں کے فیصدی وہ خوش نصیب ہیں جو خشوع وخضوع وآداب شرائط کے ساتھ اللہ کی اس اہم ترین عبادت کو ادا کرتے ہیں جوان کے لئے دعا کرتی ہے۔**اللّٰھم اجعلنا منھم.**

ایک حدیث میں جس کو حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اس امت سے اٹھ جائے گی یعنی سلب کرلی جائے گی وہ خشوع ہے۔یہاں تک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہ آئے گا۔اللہ تعالیٰ یہ وقت ہمیں نہ دکھائے۔

یہ تو ایک صفت بیان ہوئی بقیہ صفات اگلی آیات میں بتلائی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ پاک ہماری نمازوں کو دین و دنیا کی صلاح وفلاح کا ذریعہ بنادیں۔اور جو اس فرض سے غفلت میں ہیں اللہ پاک ان کو ہدایت فرمائیں کہ وہ نماز کے ادا کرنے والے بن جائیں۔

یا اللہ! نماز کی جو اہمیت اور فرضیت ہے اس کو اہلِ اسلام کے دلوں میں بٹھادے اور نماز سے جو غفلت عام ہورہی ہے اس کو دور فرمادے۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ

اور جو لغو باتوں سے برکنار رہنے والے ہیں۔اور جو (اعمال و اخلاق میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔اور جو

هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ

اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھنے والے ہیں۔لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے کیونکہ اُن پر کوئی الزام نہیں۔

غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ

ہاں جو اس کے علاوہ طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں۔اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھنے والے ہوں۔

رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ

اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے۔ وہ اس میں

الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	عَنِ اللَّغْوِ لغو بیہودہ باتوں سے	مُعْرِضُوْنَ منہ پھیرنے والے	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ		
لِلزَّكٰوةِ زکوٰۃ کو	فٰعِلُوْنَ ادا کرنے والے	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	لِفُرُوْجِهِمْ اپنی شرمگاہوں کی	حٰفِظُوْنَ حفاظت کرنیوالے		
اِلَّا مگر	عَلٰى پر سے	اَزْوَاجِهِمْ اپنی بیویاں	اَوْ یا	مَا مَلَكَتْ جو مالک ہوئے	اَيْمَانُهُمْ ان کے دائیں ہاتھ	فَاِنَّهُمْ پس بیشک وہ	
غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ کوئی ملامت نہیں	فَمَنِ پس جو	ابْتَغٰى چاہے	وَرَآءَ سوا	ذٰلِكَ اس	فَاُولٰٓئِكَ تو وہی	هُمُ وہ	الْعٰدُوْنَ حد سے بڑھنے والے
وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	لِاَمٰنٰتِهِمْ اپنی امانتیں	وَعَهْدِهِمْ اور اپنے عہد	رٰعُوْنَ رعایت کرنیوالے	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	عَلٰى پر
صَلَوٰتِهِمْ اپنی نمازیں	يُحَافِظُوْنَ حفاظت کرنیوالے ہیں	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	هُمْ وہ	الْوٰرِثُوْنَ وارث	الَّذِيْنَ جو	يَرِثُوْنَ وارث ہونگے	
الْفِرْدَوْسَ جنت	هُمْ وہ	فِيْهَا اس میں	خٰلِدُوْنَ ہمیشہ رہیں گے				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ درس میں سورۃ کی ابتدا اس کلام سے ہوئی تھی کہ بالتحقیق۔ یقیناً بلاشک و شبہ ایمانداروں نے فلاح حاصل کرلی۔ یعنی فلاح پانے اور سعادت حاصل کرنے کی پہلی لازمی شرط تو ایمان ہوئی جو سب نیکیوں کی جڑ ہے۔ بغیر ایمان یا صحتِ اعتقاد کے کوئی عمل بھی مقبول نہیں اس کے بعد ایمان داروں کی صفات بیان کی گئیں جن میں پہلی صفت گذشتہ آیت میں یہ بیان ہوئی تھی کہ وہ اپنی نماز میں خشوع وخضوع کرنے والے ہیں۔

اب آگے ان آیات میں مومنین کی مزید صفات بیان کی گئی ہیں۔

یعنی دوسری صفت یہ کہ وہ فضول اور بیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہ کرتے۔ کوئی دوسرا لغو اور نکمی بات کہے تو ادھر سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ان کو اپنے مالک کی بندگی سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں اور مشغلوں میں اپنے کو

پھنسائیں۔آیت میں لغو کا لفظ آیا ہے لغو ہر اس بات اور اس کام کو کہتے ہیں جو فضول لا یعنی اور لا حاصل ہو۔ جن باتوں یا کاموں کا کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہ ہو۔ جن کی کوئی حقیقی ضرورت نہ ہو۔ جن سے کوئی اچھا مقصد اور غرض حاصل نہ ہو وہ سب لغویات میں ہیں۔تو نماز کے بعد مومنین کی لغویات سے دور رہنے کی جو صفت بیان کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ بھی مومن کی اہم ترین صفات میں سے ہے۔اسی لئے حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا اسلام جب اچھا ہوسکتا ہے جبکہ وہ لایعنی اور بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے اور مومن حقیقی کا لغویات سے دور رہنے کا راز یہ ہے کہ وہ یہ اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے کہ یہ دنیا ایک آزمائش اور امتحان گاہ ہے اور جو زندگی اسے ملی ہے یہ امتحان ہی کے لئے ملی ہے۔تو جس طرح ایک مدرسہ کا طالب علم اپنے امتحان کے کمرہ میں بیٹھ کر اپنا پرچہ حل کر رہا ہو تو اس کو یہ فکر لگی رہتی ہے کہ کوئی منٹ بے کار اور ضائع نہ جائے اور وہ امتحان کے پورے وقت کے ایک ایک لمحہ کو اپنے پرچہ کو صحیح طریقہ سے حل کرنے کی کوشش میں صرف کر ڈالنا چاہتا ہے اور کوئی سیکنڈ فضول ضائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا ٹھیک اسی طرح مومن بھی دنیا کی اس زندگی کو انہیں کاموں میں صرف کرتا ہے جو انجام کار کے لحاظ سے مفید اور ضروری ہوں امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ ہر لغویات سے بچنے کا ذکر جو خشوع صلوٰۃ کے معاً بعد لایا گیا ہے اس کا راز یہ ہے کہ لغویات سے اجتناب صلوٰۃ کی عین تکمیل کرنے والا ہے۔

آگے تیسری صفت مومنین کی بیان کی گئی ہے کہ جو اعمال و اخلاق میں اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں یہاں آیت میں للزکوٰۃ فاعلون آیا ہے۔تو لفظ زکوٰۃ کے معنی لغت میں پاک کرنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں مال کا ایک حصہ کچھ ضابطہ اور شرائط کے ساتھ صدقہ کرنے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔اور قرآن کریم میں عام طور پر یہ لفظ اسی اصطلاحی معنے میں استعمال ہوا ہے مگر بعض مفسرین نے اور حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے اس جگہ لفظ زکوٰۃ کو عام لغوی معنے میں اپنے نفس کو پاک کرنا قرار دیا ہے اور وجہ اس کی یہ لکھی ہے کہ یہ آیت مکیہ ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی۔تو یہاں مراد زکوٰۃ سے تزکیہ نفس ہے یعنی اپنے نفس کو رذائل سے پاک کرنا۔کیونکہ شرک۔ریا۔تکبر۔حسد۔بغض۔کینہ۔حرص۔بخل وغیرہ جن سے نفس کو پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے یہ سب چیزیں حرام اور گناہ کبیرہ ہیں۔نفس کو اس سے پاک کرنا فرض ہے۔

آگے چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھتے ہیں سوائے اپنی بیبیوں اور شرعی باندیوں کے۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں اس زمانے میں باندیوں کی خرید وفروخت کا عام رواج تھا۔لیکن اب لونڈی غلاموں کی خرید وفروخت قریب قریب دنیا کے ہر حصہ میں بند ہو چکی ہے اس لئے اب سوائے جائز شادی کے اور کوئی صورت قضائے شہوت کے لئے حلال نہیں۔اس طرح خواہش نفس پوری کرنے کی تمام صورتوں کو حرام کر دیا گیا خواہ وہ زنا ہو یا متعہ ہو یا کچھ اور۔ زنا کاری سے اخلاق برباد۔ معاشرت تباہ۔ نظام امن غارت ہو جاتا ہے۔زوجین میں محبت نہیں رہتی۔نسل کا اعتبار نہیں رہتا۔ بے حیائی پھیلتی ہے۔ متعدی امراض کی کثرت ہو جاتی ہے۔ جسمانی قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔ جو ہر انسانی بے فائدہ تضیع ہوتا ہے اس لئے آیت مذکورہ میں زنا وغیرہ سے انتہائی اجتناب کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی شرمگاہ کا اظہار اور کشف بھی سوائے جائز اور حلال صورت کے نہ ہونا چاہئے۔

پانچویں صفت یہ بیان فرمائی گئی کہ وہ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں یعنی امانات اور قول وقرار کی حفاظت کرتے ہیں۔خیانت اور بدعہدی نہیں کرتے۔امانات کا لفظ جامع

ہے ان تمام امانتوں کے لئے جو خداوندِ عالم نے یا معاشرے نے یا قوم نے یا افراد نے کسی مومن کے سپرد کی ہوں اور عہد و پیمان میں وہ سارے معاہدے داخل ہیں جو انسان اور خدا کے درمیان یا انسان اور انسان کے درمیان یا قوم اور قوم کے درمیان کئے گئے ہوں تو مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ کبھی امانت میں خیانت نہ کرے گا اور کبھی اپنے قول و قرار سے نہ پھرے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو امانت کی صفت نہیں رکھتا وہ ایمان نہیں رکھتا اور جو عہد کا پاس نہیں رکھتا وہ دین نہیں رکھتا۔

چھٹی صفت۔ بیان فرمائی کہ جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں یعنی پانچوں نمازیں اپنے اوقات پر آداب وحقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ بندوں کے معاملات میں پڑ کر یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔ یہ چھ صفات مومنین کی بتلائی گئیں جو نماز ہی سے شروع ہوئی تھیں اور نماز ہی پر ختم ہوگئیں۔ اوپر خشوع کے ذکر میں نماز بصیغۂ واحد فرمایا تھا یہاں نماز کو بصیغۂ جمع فرمایا ہے تو دونوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں جنس نماز مراد تھی اور یہاں پانچوں وقت کی نماز فرداً فرداً مراد ہے تو نمازوں کی محافظت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اوقاتِ نماز، آدابِ نماز، ارکان واجزائے نماز، غرض نماز سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کی پوری نگہداشت کرتے ہیں۔

یہاں مومنین مفلحین کی صفاتِ حسنہ کا آغاز خشوع نماز کے ذکر سے کیا تھا اور اختتام بھی نماز ہی کی محافظت و مداومت پر کیا۔ اب یہاں کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جس امت کو انفرادی و اجتماعی ہر حیثیت سے فلاح کے لئے نماز کی اس قدر تاکید ہورہی ہے وہ نماز ہی کی طرف سے کس درجہ غفلت میں پڑگئی۔ اخیر میں ان سب صفات کے بیان فرمانے کے بعد بتلایا گیا کہ بس یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہونے والے ہیں یعنی جنت پر قابض ومتصرف ہوں گے اور گویا اس کے مالک ہوجائیں گے۔ اور ہم فیہا خٰلدون فرما کر یہ مژدہ بھی دیا کہ اس میں یعنی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے یعنی نہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے نہ مریں گے۔

خلاصہ یہ کہ مومنین مفلحین کی چھ صفات وخصال یہاں بیان کی گئیں۔

۱۔ خشوع وخضوع سے نماز پڑھنا۔
۲۔ باطل، لغو اور لایعنی باتوں سے علیحدہ رہنا۔
۳۔ اپنے بدن نفس اور جان کو پاک رکھنا۔
۴۔ شہوتِ نفسانی کو قابو میں رکھنا۔
۵۔ امانت وعہد کی حفاظت کرنا۔
۶۔ نمازوں کی پوری حفاظت کرنا۔

جس پر جنت الفردوس میں داخلہ کی بشارت دی گئی ہے۔ تو یہاں بعض عبادات مہمہ کی فضیلت مذکور تھی آگے مستحق عبادت اللہ جل شانہٗ کے بعض آثار وتصرفات کا بیان ہے تاکہ ان سے اس کی قدرت وعظمت و وحدت کو جان کر پورا حق عبادت ادا کیا جائے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! یہ ملک پاکستان اسلامی ملک کہلایا جاتا ہے۔ اور یہاں کی اکثریت مومن اور مسلم ہونے کی دعوے دار ہے۔ مگر حقیقی مومن اور مسلم تو وہی ہے جو ان قرآنی صفات سے متصف ہیں۔ آپ کا وعدہ جنت الفردوس کا تو انہی کے لئے ہے جو ان قرآنی صفات کے حامل ہیں۔

یا اللہ! ہم نے قرآنی ہدایات وتعلیمات کو چھوڑ کر ظلم عظیم اپنے اوپر کیا ہے۔ یا اللہ! ہماری حالتوں پر رحم وکرم فرمادے اور ہماری اصلاح کی صورتیں غیب سے پیدا فرمادے اور من حیث القوم ہم کو قرآنی ہدایات کو اپنانے کی توفیق حسن عطا فرمادے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔ پھر ہم نے اُس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک محفوظ مقام میں رہا

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ

پھر ہم نے اُس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنادیا پھر ہم نے اُس خون کے لوتھڑے کو بوٹی بنادیا پھر ہم نے اُس بوٹی کو ہڈیاں بنادیا

لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ

پھر ہم نے اُن ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا پھر ہم نے اُس کوایک دوسری ہی مخلوق بنادیا۔سوکیسی بڑی شان ہےاللہ کی جوتمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔پھرتم بعداس کے

لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

ضرور ہی مرنے والے ہو۔پھرتم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔

وَ اور	لَقَدْ خَلَقْنَا البتہ ہم نے پیدا کیا	الْاِنْسَانَ انسان	مِنْ سے	سُلٰلَةٍ خلاصہ چنی ہوئی	مِنْ طِيْنٍ مٹی سے	ثُمَّ پھر
جَعَلْنٰهُ ہم نے اسے ٹھہرایا	نُطْفَةً نطفہ	فِيْ میں	قَرَارٍ مَّكِيْنٍ مضبوط جگہ	ثُمَّ پھر	خَلَقْنَا ہم نے بنایا	النُّطْفَةَ نطفہ
عَلَقَةً جما ہوا خون	فَخَلَقْنَا پس ہم نے بنایا	الْعَلَقَةَ جما ہوا خون	مُضْغَةً بوٹی	فَخَلَقْنَا پھر ہم نے بنایا	الْمُضْغَةَ بوٹی	عِظٰمًا ہڈیاں
فَكَسَوْنَا پھر ہم نے پہنایا	الْعِظٰمَ ہڈیاں	لَحْمًا گوشت	ثُمَّ پھر	اَنْشَاْنٰهُ ہم نے اسے اٹھایا	خَلْقًا صورت	اٰخَرَ نئی
فَتَبٰرَكَ پس برکت والا	اللّٰهُ اللہ	اَحْسَنُ بہترین	الْخٰلِقِيْنَ پیدا کرنے والا	ثُمَّ پھر	اِنَّكُمْ بیشک تم	بَعْدَ ذٰلِكَ اس کے بعد
لَمَيِّتُوْنَ ضرور مرنے والے	ثُمَّ پھر	اِنَّكُمْ بیشک تم	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	تُبْعَثُوْنَ اٹھائے جاؤگے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اہلِ ایمان اوران کی بعض صفات کا ذکر فرما کر بتلایا گیا تھا کہ یہی لوگ آخرت میں جنت الفردوس کے مالک ہونے والے ہیں جس میں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔اب آخرت کی اچھائی برائی اورعذاب ثواب کا انحصار اس امر پر ہے کہ آدمی مرکر دوبارہ زندہ ہواور قیامت کے میدان میں عذاب وثواب کے لئے اس کو پیش کیا جائے۔منکرین کوتاہ نظر رکھنے والے قیامت ہی کے منکر تھے۔مشرکین عرب کا عام طبقہ دوبارہ زندہ ہونے کا قائل نہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تخلیق انسان کی ابتداء اور درمیانی درجاتِ آفرینش کو بیان کرکے حشر ونشر پر استدلال فرمایا ہے۔کیونکہ جب خدا تعالیٰ نے بے جان مٹی کو جاندار بنایا۔ایک کثیف مادہ کوانسانی صورت کا جامہ پہنا کر ہوش مند کیا اوران کا نام آدم رکھا اور پھر نسلِ انسانی کو برقرار رکھنے کے لئے جو ہرانسانی کا خلاصہ باپ کی پشت سے کھینچ کر ماں کے رحم میں ایک خاص وقت تک امانت رکھا اوراس نطفہ کو تمام درجاتِ تغیر طے کرا کے مختلف صورتوں میں نمودار کرکے جیتا جاگتا آدمی بنا کر پیدا کیا۔پھرمدتِ زندگانی ختم کرا کے ایک وقت خاص پراس کے لئے موت بھیجی تو ایسا قادرِ مطلق خلاق کامل خدا کیا دوبارہ قیامت کے دن حشر انسانی نہیں کرسکتا؟ ضرور کرسکتا ہے اورضرور کریگا۔چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ سب انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کومٹی کے خلاصہ سے

بنایا گیا پھر نسلِ انسانی قائم رکھنے کے لئے بنی آدم کا نطفہ سے پیدا ہونا بتلایا گیا کہ جو رحمِ مادر میں ایسے محفوظ مقام میں رکھا کہ جہاں ضائع ہوجانے اور بگڑ جانے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ نطفہ کے رحمِ مادر میں قرار پانے کے بعد پھر اس کی مختلف صورتیں جو بدلتی ہیں ان کو بیان فرمایا گیا اور بتلایا گیا کہ نطفہ ماں کے رحم میں کچھ دن کے بعد جمے ہوئے خون کی شکل میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ پھر کچھ دنوں بعد یہ جما ہوا خون گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے۔ پھر اس بوٹی سے ہڈیوں کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ پھر ان ہڈیوں کے اوپر گوشت چڑھتا ہے۔ اب انسان کا بدن تیار ہوگیا اس کے بعد روح حیات پھونک کر اسے جیتا جاگتا انسان بنا دیا جاتا ہے۔ پھر جب رحمِ مادر سے باہر آتا ہے تو بچپن سے لے کر بڑھاپے تک بہت سے احوال اور ادوار اس پر گزرتے ہیں۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک نت نئی صورتیں اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک مدت تک انسان ترقی کرتا ہے۔ پھر زوال کا زمانہ شروع ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ عمر تمام ہوجاتی ہے اور انسانی وجود کا جو ذاتی اور خانہ زاد نہیں بلکہ مستعار اور دوسرے کا عطیہ ہے موت آ کر سب نقشہ بگاڑ دیتی ہے۔ اس وقت کوئی انسان اپنی ہستی کو موت کے پنجہ سے بچا نہیں سکتا۔ کبھی نہ کبھی ہر ایک کو مرنا ہے اس کے بعد کچھ مدت اس موت کی حالت میں گزرے گی۔ پھر قیامت کا دن آ جائے گا اور سب کے سب پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ اور دنیا میں جو کام کئے تھے ان کا پھل ضرور ملے گا۔

ان آیات میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔ ”اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا پھر ہم نے اُس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک مدتِ معیّنہ تک ایک محفوظ مقام یعنی رحمِ مادر میں رہا۔ پھر ہم نے اُس نُطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنادیا۔ پھر ہم نے اس بوٹی کے بعض اجزاء کو ہڈیاں بنادیا۔ پھر ہم نے اُن ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اس کو ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنادیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔ پھر تم بعد اس تمام قصّہ عجیبہ کے ضرور ہی مرنے والے ہو۔ پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے (تو جس طرح ہم نے تم کو ابتداً وجود عطا فرمایا اسی طرح قیامت میں دوبارہ وجود عطا کیا جائے گا۔“

حشرِ جسمانی کا انکار کرنے والوں کو خاموش کرنے کیلئے خدا کی ہمہ گیر قدرت اور کمال صناعی کو بتلا کر یہ برہان قاطع پیش کی گئی تاکہ انسان یقین کرلے کہ جو خدا ایک زندہ انسان بنانے پر قادر ہے تو اس انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کر دینا کیا مشکل ہے۔ اب یہاں تک تو ثبوت قیامت حشر ونشر کے لئے دلائل النفس کا بیان تھا۔ یعنی خود انسان کی اپنی ذات سے اب اس کے آگے دلائل آفاقی یعنی آسمان وزمین وتخلیق کائنات کا بیان ہے۔ جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو وجود انسانی عطا فرمایا۔ اور پھر اپنے کرم سے ایمان واسلام کی دولت عطا فرمائی۔ یا اللہ دنیا میں انسانی وجود میں ہم کو لانے کا جو مقصد ہے اس مقصد کو پورا کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! اپنی قدرتِ کاملہ اور کمال صناعی کی معرفت ہم کو نصیب فرما تا کہ ہم کو کامل تابعداری نصیب ہو۔

یا اللہ! قیامت کے دن ہمارا حشر ونشر اپنے مومنین کاملین کے ساتھ فرمایئے۔ اور اس دن کے لئے تیاری کی توفیق اس دنیا میں نصیب فرمایئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

اور ہم نے تمہارے اُوپر سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق سے بے خبر نہ تھے۔اور ہم نے آسمان سے مقدار کے ساتھ پانی برسایا

مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ

پھر ہم نے اُس کو زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس (پانی) کے معدوم کردینے پر قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے

جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ

کھجوروں کے اور انگوروں کے۔ تمہارے واسطے ان میں بکثرت میوے بھی ہیں اور اُن میں سے کھاتے بھی ہو اور ایک درخت بھی

مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ

جو کہ طورسیناء میں پیدا ہوتا ہے جو کہ اُگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کیلئے سالن لئے ہوئے اور تمہارے لئے مواشی میں (بھی) غور کرنے کا موقع ہے

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى

کہ ہم تم کو اُن کے پیٹ میں کی چیز پینے کو دیتے ہیں۔اور تمہارے لئے اُن میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔اور اُن میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو۔

الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

اور اُن پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے ہو

وَ اور	لَقَدْ خَلَقْنَا تحقیق ہم نے بنائے	فَوْقَكُمْ تمہارے اوپر	سَبْعَ سات	طَرَآئِقَ راستے	وَمَا كُنَّا اور ہم نہیں	عَنِ سے	
الْخَلْقِ خلق پیدائش	غٰفِلِيْنَ غافل	وَاَنْزَلْنَا اور ہم نے اتارا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	مَآءً پانی	بِقَدَرٍ اندازہ کے ساتھ		
فَاَسْكَنّٰهُ ہم نے اسے ٹھہرایا	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَاِنَّا اور بیشک ہم	عَلٰى پر	ذَهَابٍ لے جانا	بِهٖ اس کا	لَقٰدِرُوْنَ البتہ قادر	
فَاَنْشَاْنَا پس ہم نے پیدا کئے	لَكُمْ تمہارے لئے	بِهٖ اس سے	جَنّٰتٍ باغات	مِنْ سے۔کے	نَخِيْلٍ کھجور	وَاَعْنَابٍ اور انگور	
لَكُمْ تمہارے لئے	فِيْهَا اس میں	فَوَاكِهُ میوے	كَثِيْرَةٌ بہت	وَمِنْهَا اور اس سے	تَاْكُلُوْنَ تم کھاتے ہو	وَشَجَرَةً اور درخت	
تَخْرُجُ نکلتا ہے	مِنْ سے	طُوْرِ سَيْنَآءَ طور سینا	تَنْۢبُتُ اُگتا ہے	بِالدُّهْنِ تیل کے ساتھ۔لئے	وَصِبْغٍ اور سالن		
لِلْاٰكِلِيْنَ کھانے والوں کیلئے	وَاِنَّ اور بیشک	لَكُمْ تمہارے لئے	فِي الْاَنْعَامِ چوپایوں میں	لَعِبْرَةً عبرت۔غور کا مقام			
نُسْقِيْكُمْ ہم تمہیں پلاتے ہیں	مِمَّا اس سے جو	فِيْ بُطُوْنِهَا ان کے پیٹوں میں	وَلَكُمْ اور تمہارے لئے	فِيْهَا ان میں	مَنَافِعُ فائدے		
كَثِيْرَةٌ بہت	وَمِنْهَا اور ان سے	تَاْكُلُوْنَ تم کھاتے ہو	وَ اور	عَلَيْهَا ان پر	وَ اور	عَلَى الْفُلْكِ کشتی پر	تُحْمَلُوْنَ سوار کئے جاتے ہو

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ جس سے قادرِ ذوالجلال کی قدرت اور اس کی صنعت وحکمت کھلم کھلا ظاہر ہے اور جس سے آخرت اور قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے پر استدلال فرمایا گیا تھا۔تو صرف یہ انسان ہی نہیں بلکہ یہی حال تمام عالم کا ہے کہ دنیا کے ذرہ ذرہ۔پتہ پتہ اور قطرے قطرے میں شواہد قدرت موجود ہیں جو خدائے ذوالجلال کی صنعت۔حکمت۔معرفت۔ربوبیت اور الوہیت ووحدانیت کو

ثابت کر رہے ہیں۔ان آیات میں اسی سلسلہ کی چند کڑیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔اول آسمانوں کی پیدائش کا ذکر فرمایا کہ جن کی بناوٹ انسانی بناوٹ سے بہت بڑی اور بہت بھاری اور بڑی صنعت والی ہے۔ بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان تہ بتہ تمہارے اوپر بنائے۔اب مقامِ غور ہے کہ آسمان میں نہ کوئی شگاف ہے۔نہ سوراخ۔نہ دروازہ۔نہ کھڑکی نہ آنکھوں سے کوئی راستہ دکھائی دیتا ہے پھر بھی فرشتوں اور غیبی مخلوق کی آمدورفت برابر جاری ہے پس کس قدر تعجب انگیز ہے آسمانوں کی ساخت کہ بغیر کسی سوراخ اور راستہ کے یہ اتار چڑھاؤ کا سلسلہ ان میں جاری ہے۔ پھر یہ کہ آسمانوں کو بنا کر یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان کا نظام اور بقا اور حفاظت سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت میں رکھا۔ اسی کا دستِ قدرت ہے کہ آسمان نیچے نہیں گرتا۔ پھر آسمان سے نیچے اتر کر فضائی کائنات میں سے صرف بارش کو دیکھئے۔فضا میں پانی بنتا ہے اور نیچے اترتا ہے۔ پھر پانی اندازہ کے موافق زمین پر اترتا ہے اور زمین کے اندر قرار پکڑتا ہے۔ اگر بارش کا نزول خاص اندازہ کے تحت نہ ہوتا اور یونہی بادلوں کے دہانہ کھول دیئے جاتے تو زمین اور زمین کی تمام کائنات غرق ہو جاتی یا خلاف موسم پانی برستا تب بھی مخلوق تباہ ہو جاتی۔ پھر مینہ برستا ہے تو بارش کا پانی زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے جس کو ہم کنواں وغیرہ کھود کر نکالتے ہیں جو بوقتِ ضرورت کام آتا ہے۔قدرتِ خداوندی اگر پانی زمین کے اندر نہ اتارنا چاہے تو نہ اترے یا اگر پانی اتارنے کے بعد تم کو اس میں سے منتفع ہونے کی دسترس نہ دیں مثلاً اس قدر گہرا کر دیں کہ تم نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکو یا خشک کر کے ہوا میں اڑا دیں یا کھاری اور کڑوا کر دیں تو قدرت یہ سب بھی کر سکتی ہے۔ پھر اس پانی سے طرح طرح کے درخت پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔درختوں کی روئیدگی بھی قابلِ غور ہے۔سرزمین عرب میں کھجور اور انگور کی پیداوار بکثرت ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کا تذکرہ فرمایا۔ پھر درخت میں زیتون کا ذکر فرمایا کہ جس میں سے روغن نکلتا ہے جو مالش وغیرہ کے کام آتا ہے اور عرب کے لوگ سالن کی جگہ اس کا استعمال کرتے ہیں۔اس درخت کا ذکر خصوصیت سے فرمایا کیونکہ اس کے فوائد کثیر ہیں اور خاص فضل و شرف رکھتا ہے اسی لئے تیسویں پارہ سورۂ والتین میں اس کی قسم کھائی گئی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ زیتون کے درخت کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ تمام درختوں سے اس کی عمر زیادہ ہوتی ہے یہاں تک کہ بعض اہلِ تحقیق کا قول نقل کیا ہے کہ اس کی عمر تین ہزار برس تک کی ہوتی ہے۔ فلسطین کے بعض زیتون کے درختوں کا قد وقامت اور پھیلاؤ دیکھ کر اندازہ کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک چلے آ رہے ہیں۔طور سینا کی طرف اس کو منسوب کرنے کی وجہ اس کی فضیلت و برکت ظاہر کرنے کی ہے۔وہاں اس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور اس درخت کا وطن اصلی اور نمایاں ترین مقام بھی طور سینا ہی ہے۔تو پانی سے درخت۔کھیتی۔میوہ۔اناج پھل پھول جڑی بوٹیاں، سبزیاں پیدا ہوتی ہیں جن سے کہ انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان فراہم ہوتا ہے۔جانور بھی کھاتے ہیں آدمی بھی۔

پھر نباتات کے بعد حیوانات کا ذکر فرمایا گیا کہ یہی سبزہ اور گھاس پات جانور کھاتا ہے پھر اسی سے اس کے بدن میں کیا کیا چیزیں بنتی ہیں۔ پھر ان کے پیٹ کے اندر سے ایک ایسی چیز برآمد ہوتی ہے جس میں اندرون شکم کی نجاست۔ بو۔ رنگ۔ کثافت کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ یعنی سفید شیریں پاک صاف دودھ پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی سبزہ ہی کی پیداوار ہے۔ پھر جانوروں سے انسانوں کو یہی فوائد حاصل نہیں ہوتے بلکہ سواری۔ باربرداری اور دیگر ضروریات کو بھی پورا کرنے میں کام آتے ہیں۔حتیٰ کہ بعض جانوروں کا گوشت کھانا بھی حلال کر دیا۔ پھر خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر کہیں سے کہیں نکل جاتے ہیں اور بڑے بڑے وزنی سامان ان پر لادتے ہیں۔تو یہ سب اللہ کے انعامات واحسانات انسانوں پر ہیں ان کے باوجود بھی بہت سے بے عقل انسان اللہ کی ربوبیت۔الوہیت اور وحدانیت کو نہیں مانتے اور روزِ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تخلیق کائنات اور ترتیب کائنات دکھا کر حق تعالیٰ نے اپنی الوہیت ووحدانیت اور کمال قدرت پر استدلال فرمایا جس میں ضمناً مر کر دوبارہ پیدا کرنے کا ثبوت بھی آ گیا۔اور علاوہ دلائل ہونے کے چونکہ یہ انعامات بھی ہیں اس لئے وہ مقتضی شکر بھی ہیں اور حق تعالیٰ کا شکر یہی ہے کہ اس کی باتوں کو عقلاً وعملاً مانا جاوے۔ اس لئے انسانوں کو چاہئے کہ اس منعم حقیقی پر ایمان لائیں اور اس کی ہدایات کے مطابق عمل صالح کریں جس میں تصدیق آخرت وقیامت بھی آ گئی۔

اب آگے انبیائے سابقین کے تذکرے مختلف اغراض کے لئے فرمائے گئے ہیں۔ جیسا کہ اس سورۃ کے ابتدائی درس میں ذکر کیا جا چکا ہے۔جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا

اور ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف پیغمبر کر کے بھیجا تو اُنہوں نے فرمایا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اُسکے سوا تمہارے لئے کوئی معبود بنانے کے لائق نہیں پھر کیا تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ

ڈرتے نہیں ہو۔ پس اُن کی قوم میں جو کافر رئیس تھے کہنے لگے کہ یہ شخص بجز اس کے کہ تمہاری طرح کا ایک آدمی ہے اور کچھ نہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے۔

عَلَیْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا

اور اللہ کو منظور ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔ ہم نے یہ بات اپنے پہلے بڑوں میں نہیں سنی۔ بس یہ ایک آدمی ہے

رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾

جس کو جنون ہو گیا ہے سو ایک خاص وقت تک اس کا اور انتظار کر لو۔ نوحؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے بوجہ اسکے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ہے۔

وَ اور	لَقَدْ اَرْسَلْنَا البتہ ہم نے بھیجا	نُوْحًا نوحؑ	اِلٰی قَوْمِهٖ اسکی قوم کی طرف	فَقَالَ پس اس نے کہا	یٰقَوْمِ اے میری قوم		
اُعْبُدُوا تم عبادت کرو	اللّٰهَ اللہ	مَا لَكُمْ تمہارے لئے نہیں	مِّنْ اِلٰهٍ کوئی معبود	غَیْرُهٗ اسکے سوا	اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم ڈرتے نہیں؟		
فَقَالَ تو وہ بولے	الْمَلَؤُا سردار	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا	مِنْ سے۔کے	قَوْمِهٖ اس کی قوم	مَا هٰذَا یہ نہیں	اِلَّا مگر	
بَشَرٌ ایک بشر	مِّثْلُكُمْ تم جیسا	یُرِیْدُ وہ چاہتا ہے	اَنْ یَّتَفَضَّلَ کہ بڑا بن بیٹھے وہ	عَلَیْكُمْ تم پر	وَلَوْ اور اگر	شَآءَ اللّٰهُ اللہ چاہتا	
لَاَنْزَلَ تو اتارتا	مَلٰٓئِكَةً فرشتے	مَّا سَمِعْنَا نہیں سنا ہم نے	بِهٰذَا یہ	فِیْۤ اٰبَآئِنَا اپنے باپ دادا سے	الْاَوَّلِیْنَ پہلے	اِنْ هُوَ نہیں وہ۔یہ	
اِلَّا مگر	رَجُلٌ ایک آدمی	بِهٖ جس کو	جِنَّةٌ جنون	فَتَرَبَّصُوْا سو تم انتظار کرو	بِهٖ اس کا	حَتّٰی حِیْنٍ ایک مدت تک	قَالَ اس نے کہا
رَبِّ اے میرے رب	انْصُرْنِیْ میری مدد فرما	بِمَا اس پر	كَذَّبُوْنِ انہوں نے مجھے جھٹلایا				

تفسیر وتشریح:۔ قرآن کریم میں انبیائے کرام کے تذکرے مختلف آیات اور سورتوں میں مختلف اغراض و مقاصد کے لئے کئے گئے ہیں۔ ہر جگہ جدا مقصود ہے۔ اس جگہ بھی چند پیغمبروں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جس سے چند امور کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور گروہِ اہلِ ایمان کو تسلی اور کافروں کی ایذارسانی پر ثابت قدم رہنے کی ضمنی تلقین اور کفار کے بیہودہ شبہات اور لغو کلام سے رنجیدہ نہ ہونے کی درپردہ ہدایت اور اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ انبیائے سابقین اور ان کی کافر قوموں کا بھی باہم اسی طرح معاملہ رہا ہے۔

دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کوئی نئی چیز نہیں۔ ہمیشہ سے انسان ہی نبی ہوتے چلے آئے ہیں اور سب ہی نے اعلانِ توحید کیا ہے مگر کفار کی مخالفت اور مقدس رسولوں پر تہمت تراشی اور ان کو دیوانہ اور پاگل کہنا بھی کوئی نئی بات نہیں آدمِ ثانی یعنی نوح علیہ السلام کو بھی آپ کی قوم نے دیوانہ کہا تھا۔

تیسرے یہ جتلانا مقصود ہے کہ کفار کی سرکشی جب انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور تبلیغ دین کا کوئی اثر نہیں لیتے اور ہدایت یاب ہونے کی کوئی امید نہیں رہتی تو مقدس انبیاء کے ہاتھوں سے بغیر ظاہری اسباب کے غیبی معجزات ظاہر کرائے جاتے ہیں جن سے مجرم تباہ

و برباد ہوتے ہیں۔ اور اہلِ حق کو بچالیا جاتا ہے۔ یہ خدا کا عام دستور ہے۔ کفار مکہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔

یہاں سب سے پہلے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور اس میں کلام سابق کے ساتھ یہ ربط ہے کہ اوپر فرمایا تھا کہ ہم آسمان سے پانی ایک خاص اندازہ کے ساتھ تمہارے فائدے کیلئے نازل کرتے ہیں مگر جب بندے سرکشی پر اصرار کرتے ہیں اور انبیاء کے مقابلہ سے باز نہیں آتے تو اسی رحمت کو زحمت بنادیا جاتا ہے جیسا کہ قومِ نوح کے لئے ہوا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی ہدایت کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود بننے کے لائق نہیں۔ اگر شرک کروگے تو عذابِ اُخروی کے علاوہ عذابِ دنیوی میں بھی مبتلا ہوگے۔ کسی مصلح کی نصیحت ماننے اور صداقت کو قبول کرنے سے جو امور مانع ہوتے ہیں ان کا وجود اکثر و بیشتر امرا اور اہلِ ثروت میں ہوتا ہے۔ اسی لئے انبیائے حق اور مصلحین و مرشدین کی مخالفت یہی سب سے پہلے کرتے ہیں چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب توحید کا وعظ و نصیحت فرمایا تو امراء اور سرداران قوم۔ نے سب سے پہلے آپ کی مخالفت کی اور قوم کے بڑے بڑے لوگوں نے عوام سے کہا کہ نوح کی بات مت سنو اور مندرجہ ذیل شکوک واوہام پیش کیے۔ (۱) اول انہوں نے کہا کہ یہ تم جیسا آدمی ہے۔ لوازم زندگی کی ضروریات۔ اور خواص بشری میں تمام لوگوں سے کوئی ممتاز حیثیت نہیں۔ چلتا ہے پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، سوتا جاگتا ہے۔ تمام ضروریات انسانی کا محتاج ہے۔ صورت شکل میں بھی آدمی ہی ہے پھر خدا کا پیامبر ہونا کیسے ممکن ہے۔ گویا ان کے جاہلانہ اور گمراہانہ خیال میں بشر نبی اور رسول نہیں ہوسکتا تھا۔ قرآن کریم نے اس جاہلانہ تصور کا ذکر کر کے بار باراس کی تردید کی ہے اور اس بات کو پورے زور کے ساتھ صاف صاف بیان کیا ہے کہ تمام انبیاء انسان ہی تھے اور انسانوں کے لئے انسان ہی نبی ہونا چاہئے۔ تو حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ و تعلیم کے مقابلہ میں اور آپ کی ہدایات کو رد کرنے کے لئے سرداران قوم نے پہلا اعتراض تو یہ پیش کیا کہ یہ تم جیسا آدمی ہے اس میں فضیلت کی کیا بات ہے۔

دوسرا اعتراض حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر یہ پیش کیا کہ یہ شخص کوئی ممتاز حیثیت اور پوزیشن نہیں رکھتا۔ طاقت۔ دولت۔ ثروت۔ خاندانی وجاہت۔ حکومت۔ سرداری کچھ بھی اس کے قبضہ میں نہیں اس لئے یہ برتری کا خواستگار ہے اور بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے اس لئے یہ سب ڈھونگ بنایا ہے۔ اور مصلح اور پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

تیسرا شبہ اور اعتراض یہ پیش کیا کہ اگر ہماری ہدایت کے لئے پیامبر کا آنا ضروری تھا تو فرشتہ پیامبر ہوکر آتا۔ اس کو امتیازی شان حاصل ہے۔ اس معمولی انسان کی رسائی خدا تک کیسے ہوسکتی ہے اور اس کے پاس اللہ کا پیام کیسے آسکتا ہے۔

چوتھا اعتراض یہ پیش کیا تم ہم کو تمام دیوتاؤں سے ہٹا کر ایک خدا کی حکومت منواتے ہو اور قدیم مذہب کو چھوڑنے کی تلقین کرتے ہو حالانکہ ہمارے باپ دادا کوئی بھی ایک خدا کی پرستش نہ کرتا تھا ہم نے تو توحید کا پیام اپنے بڑوں سے نہیں سنا۔

پانچواں اعتراض یہ پیش کیا کہ معلوم ہوتا ہے تم دیوانہ ہوگئے ہو تم کو جنون ہوگیا ہے۔ جو ساری قوم کے خلاف اور اپنے باپ دادا کے خلاف ایسی نئی باتیں کہتے ہو۔ چنانچہ وہ سردارِ قوم کی طرف خطاب کر کے کہنے لگے کہ نوح کو تو (العیاذ باللہ) جنون ہوگیا ہے۔ بہتر ہے چند روز صبر کرو اور انتظار کرو شاید کچھ دنوں کے بعد اسے ہوش آجائے اور جنون کے دورہ سے افاقہ ہو یا یوں ہی مرمرا کر قصہ ختم ہوجائے۔ (العیاذ باللہ)

جب نوح علیہ السلام کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں اور ساڑھے نوسو برس سختیاں جھیل کر بھی ان کو راہِ راست پر نہ آتے دیکھا اور سوائے چند نفر کے کوئی ان پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے فریاد کی کہ اے میرے رب ان اشقیاء کے مقابلہ میں میری مدد فرمائیے کیونکہ بظاہر یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنے والے نہیں خود بھی گمراہ رہیں گے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اب جناب باری تعالیٰ کی طرف سے اس کا کیا جواب نوح علیہ السلام کو ملا۔ اس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

فَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَآءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ فَاسْلُكْ

پس ہم نے اُن کے پاس حکم بھیجا کہ تم کشتی تیار کرلو ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے پھر جس وقت ہمارا حکم آپہنچے اور زمین سے پانی اُبلنا شروع ہو تو

فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِي

ہر قسم (کے جانوروں) میں سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو دو عدد اس میں داخل کرلو اور اپنے گھر والوں کو بھی باستثنا اسکے جس پر اُن میں سے (غرق ہونے کا) حکم نافذ ہو چکا ہے

فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنتَ وَمَن مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ

اور مجھ سے کافروں کے بارے میں کچھ گفتگو مت کرنا۔ وہ سب غرق کئے جائیں گے۔ پھر جس وقت تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ چکو تو یوں کہنا شکر ہے خدا کا

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾ وَقُل رَّبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا

جس نے ہم کو کافر لوگوں سے نجات دی۔ اور یوں کہنا کہ اے میرے رب مجھ کو برکت کا اتارنا اُتاریو

وَأَنتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿٣٠﴾

اور آپ سب اُتارنے والوں سے اچھے ہیں۔ اس (واقعہ مذکورہ) میں بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم بندوں کو آزماتے ہیں۔

فَأَوْحَيْنَآ تو ہم نے وحی بھیجی	إِلَيْهِ اس کی طرف	أَنِ کہ	اصْنَعِ تم بناؤ	الْفُلْكَ کشتی	بِأَعْيُنِنَا ہماری آنکھوں کے سامنے		
وَوَحْيِنَا اور ہمارا حکم	فَإِذَا پھر جب	جَآءَ آجائے	أَمْرُنَا ہمارا حکم	وَفَارَ التَّنُّورُ اور تنور اُبلنے لگے	فَاسْلُكْ تو چلا لے (رکھ لے)		
فِيهَا اس میں	مِنْ سے	كُلٍّ ہر (قسم)	زَوْجَيْنِ جوڑا	اثْنَيْنِ دو	وَأَهْلَكَ اور اپنے گھر والے	إِلَّا سوا	مَنْ جو۔جس
سَبَقَ پہلے ہو چکا	عَلَيْهِ اس پر	الْقَوْلُ حکم	مِنْهُمْ ان میں سے	وَ اور	لَا تُخَاطِبْنِي نہ کرنا مجھ سے بات	فِي میں۔بارہ میں	
الَّذِينَ ظَلَمُوا وہ جنھوں نے ظلم کیا	إِنَّهُمْ بیشک وہ	مُّغْرَقُونَ غرق کئے جانے والے ہیں	فَإِذَا پھر جب	اسْتَوَيْتَ تم بیٹھ جاؤ	أَنتَ تم		
وَمَنْ اور جو	مَّعَكَ تیرے ساتھ ساتھی	عَلَى پر	الْفُلْكِ کشتی	فَقُلِ تو کہنا	الْحَمْدُ تمام تعریفیں	لِلَّهِ اللہ کیلئے	الَّذِي وہ جس نے
نَجَّانَا ہمیں نجات دی	مِنَ سے	الْقَوْمِ قوم	الظَّالِمِينَ ظالم	وَقُلْ اور کہو	رَبِّ اے میرے رب	أَنزِلْنِي مجھے اتار	
مُنزَلًا منزل	مُّبَارَكًا مبارک	وَأَنتَ اور تو	خَيْرُ بہترین	الْمُنزِلِينَ اتارنے والے	إِنَّ بیشک	فِي ذَٰلِكَ اس میں	لَآيَاتٍ البتہ نشانیاں
وَإِن كُنَّا اور بیشک ہم ہیں	لَمُبْتَلِينَ آزمائش کرنے والے						

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کا ذکر تھا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے قرآنی تصریح کے مطابق ساڑھے نوسو سال کی پیہم دعوت و تبلیغ کا قوم پر کوئی اثر نہ دیکھا اور جتنا تبلیغ حق میں جدوجہد ہوئی اسی قدر قوم کی جانب سے بغض وعناد میں سرگرمی کا اظہار ہوا تو نوح علیہ السلام سخت ملول اور رنجیدہ خاطر ہوئے اور قوم کی بداعمالی سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ اے میرے رب ان ظالموں کے مقابلہ میں میری مدد فرمائیے۔ یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنے والے نہیں۔ یہ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ تو ہی میری مدد کر کہ میں ان سے نجات پاؤں۔ نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور بارگاہِ خداوندی سے جو جواب ملا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ ایک کشتی تیار کرو۔ ہم تمہاری نگرانی کرتے رہیں گے اور موقع بموقعہ

حسبِ ضرورت تمہیں وحی کے ذریعہ سے سمجھاتے جائیں گے کہ کشتی کتنی لمبی چوڑی ہو اور کون سی چیز کہاں بنائی جائے۔ عنقریب ایک سخت طوفان آنے والا ہے جبکہ پانی ہر طرف سے زمین پر ٹوٹ پڑے گا۔ آسمان سے لگاتار مینہ برسے گا۔ زمین سے بے تحاشا پانی ابلے گا اور کوئی جاندار ہلاک ہونے سے نہ بچے گا مگر وہی کہ جو تمہاری بنائی ہوئی کشتی میں سوار ہو جائیں گے۔ اور طوفان کے ابتدا کی نشانی یہ ہوگی کہ تنور سے پانی جوش مار کر نکلنا شروع ہو جائے گا۔ یہ نشانی دیکھتے ہی ہر جانور کا ایک جوڑہ نر و مادہ کشتی پر چڑھا لینا اور جو نہ بیٹھے اسے چھوڑ دینا۔

یہ طوفانِ نوح کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے تا کہ انسانوں کے کان میں بار بار پڑتا رہے اور ہر سمجھدار کے دل میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی مخالفت کرنے والے ہر زمانہ میں بری طرح تباہ ہوئے اگرچہ انہیں مہلت ملتی رہی۔ تو حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جب پانی زمین پر ابلنے لگے تو کشتی میں ہر قسم کے جانوروں میں سے جو پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے ایک ایک جوڑا اٹھا لیا جائے اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لیا جائے۔ مگر جو نہ بیٹھے اسے چھوڑ دیا جائے اور کوئی کشتی میں بیٹھے بغیر ڈوبنے اور ہلاک ہونے سے بچ نہیں سکتا۔ اور یہ خیال رہے کہ ظالموں یعنی کافروں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا۔ ان کی بابت فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ اپنی بداعمالی کا خمیازہ بھگتیں گے اور ڈوب کر ہلاک ہوں گے۔ آگے نوح علیہ السلام کو ہدایت ہوئی کہ جب آپ اور آپ کے ماننے والے کشتی میں سوار ہو جائیں تو پھر سب اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں اور اس کا شکر ادا کریں اور اس طرح کہیں کہ اے اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں ظالموں سے بچا لیا اور غرق ہونے کے عذاب سے محفوظ کر دیا۔ اے اللہ! اس کشتی سے ہمیں خشکی میں بخیر و عافیت اتارنا اور آپ سے بہتر ہماری بہبودی کا انتظام کرنے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آپ ہی ہمیں جب تک کشتی میں رکھنا ہو آرام و آسائش سے رکھئے گا اور جب اترنے کا وقت آئے تو اس طرح اتاریئے گا کہ ہمیں کوئی زحمت اور تکلیف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو یہ دعا تعلیم فرمائی گئی اور پھر اپنی رحمت سے اسے قبول بھی فرمایا چنانچہ اہل کشتی کو نہ کشتی میں کوئی تکلیف نہ اترنے پر کوئی دقت محسوس ہوئی۔ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اہلِ عقل کے لئے اس واقعہ میں ہماری قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم یہ نشانیاں معلوم کرا کر اپنے بندوں کو آزماتے ہیں کہ دیکھیں کون اُن سے سمجھ اور نفع حاصل کرتا ہے۔ وہ کون سی نشانیاں ہیں جن کی طرف یہاں اشارہ فرمایا گیا۔ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ خشکی میں طوفانِ عظیم کا آنا اور کافروں کی تمام بستیوں کا غرق ہو جانا اور اہلِ ایمان کا نجات پانا اور اس طرح سے انسانی سلسلہ کا باقی رکھنا کافروں کو ایک مدت دراز تک ڈھیل دینا اور آخر میں اہلِ حق اور اہلِ ایمان کو فتح و کامیابی عطا فرمانا۔ ان تمام امور میں آیاتِ قدرت اور علاماتِ حکمت ہیں تا کہ غور کرنے والے غور کریں اور سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش بہت طویل ہوتی ہے۔ خدا بہت ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ دنیوی آسائش و راحت کی فراوانی۔ مال و اولاد کی کثرت۔ صحت و قوت۔ عزت و حکومت کسی چیز پر نازاں نہ ہونا چاہئے۔ حق سے عدول حکمی کرنے اور صداقت سے منہ پھیرنے کا انجام تباہی ہے۔ آج نہیں تو کل تباہی آئے گی۔ یہ عیش و عشرت اور ناز و نعمت کے اسباب سب ختم ہو جائیں گے۔ نبی کی نافرمانی بلاخیز اور عذاب آفرین ہے۔ آن کی آن میں طوفانِ عظیم برپا کر دیتی ہے اور اللہ کی قدرت قاہرہ بھی غیر متناہی ہے اس کو ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں۔

یہاں ان آیات کا اخیر جملہ و ان کنا لمبتلین اور آزمائش تو ہم کرتے ہی رہتے ہیں یا آزمائش تو ہم کر کے ہی رہتے ہیں اس حقیقت پر خبردار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو بھی اپنی زمین اور اس کی بے شمار چیزوں پر اقتدار عطا کر کے بس یوں ہی نہیں اس کے حال پر چھوڑ دیتا بلکہ اس کی آزمائش کرتا ہے اور دیکھتا رہتا ہے کہ وہ اپنے اقتدار کو کس طرح استعمال کر رہی ہے۔ قوم نوح کے ساتھ جو کچھ ہوا اسی قانون کے مطابق ہوا اور دوسری کوئی قوم بھی ایسی نہیں کہ آزاد چھوڑ دی جائے اس آزمائش کے معاملہ سے ہر ایک کو لازماً سابقہ پیش آنا ہے۔ اب قوم نوح کے بعد آگے دوسری قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٣١﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا

پھر ہم نے قوم نوحؑ کے بعد دوسرا گروہ پیدا کیا پھر ہم نے اُن میں ایک پیغمبر کو بھیجا جو اُن میں ہی کے تھے (ان پیغمبر نے کہا) کہ تم لوگ اللہ ہی کی عبادت کرو

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

اُس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں ہو اور اُن کی قوم میں جو رئیس تھے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا تھا

بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ

اور ہم نے اُن کو دُنیوی زندگی میں عیش بھی دیا تھا کہنے لگے کہ بس یہ تو تمہاری طرح ایک آدمی ہیں یہ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو

مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿٣٣﴾ ۙ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٣٤﴾ ۙ اَيَعِدُكُمْ

اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم اپنے جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بیشک تم (عقل کے) گھاٹے میں ہو۔ کیا یہ شخص تم سے کہتا ہے

اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿٣٥﴾ ۠ۙ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٦﴾ ۠ۙ اِنْ

کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے تو (دوبارہ زندہ کرکے) نکالے جاؤ گے بہت ہی بعید بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے پس زندگی

هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٣٧﴾ ۠ۙ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى

تو یہی ہماری دنیوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ کیے جاویں گے۔ بس یہ ایک ایسا شخص ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٣٩﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ

اور ہم تو ہرگز اسکو سچا نہ سمجھیں گے۔ پیغمبر نے دعا کی کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے اسوجہ سے کہ انہوں نے مجھکو جھٹلایا ارشاد ہوا کہ یہ لوگ عنقریب

لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ ۚ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾

پشیمان ہوں گے۔ چنانچہ ان کو ایک سخت آواز نے موافق وعدۂ برحق کے آ پکڑا پھر ہم نے اُنکو خس وخاشاک کی طرح پامال کردیا۔ سو خدا کی مار کافر لوگوں پر

ثُمَّ پھر	اَنْشَاْنَا ہم نے پیدا کیا	مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان کے بعد	قَرْنًا گروہ	اٰخَرِيْنَ دوسرا	فَاَرْسَلْنَا پھر بھیجے ہم نے		
فِيْهِمْ انکے درمیان	رَسُوْلًا رسول	مِّنْهُمْ ان میں سے	اَنِ کہ	اعْبُدُوا تم عبادت کرو	اللّٰهَ اللہ	مَا لَكُمْ نہیں تمہارے لئے	
مِّنْ اِلٰهٍ کوئی معبود	غَيْرُهٗ اسکے سوا	اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کیا پھر تم ڈرتے نہیں؟	وَقَالَ اور کہا	الْمَلَاُ سرداروں	مِنْ قَوْمِهِ اکی قوم کے		
الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا	وَكَذَّبُوْا اور جھٹلایا	بِلِقَآءِ حاضری کو	الْاٰخِرَةِ آخرت	وَاَتْرَفْنٰهُمْ اور ہم نے انہیں عیش دیا		
فِي میں	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	مَا هٰذَآ یہ نہیں	اِلَّا مگر	بَشَرٌ ایک بشر	مِّثْلُكُمْ تمہیں جیسا	يَاْكُلُ وہ کھاتا ہے	مِمَّا اس سے جو
تَاْكُلُوْنَ تم کھاتے ہو	مِنْهُ اس سے	وَيَشْرَبُ اور پیتا ہے	مِمَّا اس سے جو	تَشْرَبُوْنَ تم پیتے ہو	وَلَئِنْ اور اگر	اَطَعْتُمْ تم نے اطاعت کی	
بَشَرًا ایک بشر	مِّثْلَكُمْ اپنے جیسا	اِنَّكُمْ بیشک تم	اِذًا اسوقت	لَّخٰسِرُوْنَ گھاٹے میں رہوگے	اَيَعِدُكُمْ کیا وہ وعدہ دیتا ہے تمہیں		
اَنَّكُمْ کہ تم	اِذَا جب	مِتُّمْ مرگئے	وَكُنْتُمْ اور تم ہوگئے	تُرَابًا مٹی	وَّعِظَامًا اور ہڈیاں	اَنَّكُمْ تو تم	مُّخْرَجُوْنَ نکالے جاؤگے

هَيْهَاتَ بعید ہے	هَيْهَاتَ بعید ہے	لِمَا وہ جو	تُوْعَدُوْنَ تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے	اِنْ هِيَ نہیں	اِلَّا مگر	حَيَاتُنَا ہماری زندگی	
الدُّنْيَا دنیا	نَمُوْتُ اور ہم مرتے ہیں	وَنَحْيَا اور ہم جیتے ہیں	وَمَا اور نہیں	نَحْنُ ہم	بِمَبْعُوْثِيْنَ پھر اٹھائے جانے والے	اِنْ نہیں	
هُوَ وہ	اِلَّا مگر	رَجُلُ ایک آدمی	افْتَرٰى اس نے جھوٹ باندھا	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	كَذِبًا جھوٹ	وَمَا اور نہیں	نَحْنُ ہم
لَهٗ اس پر	بِمُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	قَالَ اس نے عرض کیا	رَبِّ میرے رب	انْصُرْنِيْ میری مدد فرما	بِمَا اس پر جو		
كَذَّبُوْنِ انہوں نے مجھے جھٹلایا	قَالَ اس نے فرمایا	عَمَّا قَلِيْلٍ بہت جلد	لَيُصْبِحُنَّ وہ ضرور رہ جائیں گے	نٰدِمِيْنَ پچھتانے والے			
فَاَخَذَتْهُمُ پس انہیں آ پکڑا	الصَّيْحَةُ چنگھاڑ	بِالْحَقِّ وعدہ حق کے مطابق	فَجَعَلْنٰهُمْ سو ہم نے انہیں کردیا	غُثَآءً خس و خاشاک			
فَبُعْدًا دوری مار	لِلْقَوْمِ قوم کیلئے	الظّٰلِمِيْنَ ظالم					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہوا تھا۔اب آگے ان آیات میں یہ تذکرہ کسی اور قوم کا ہے۔ آیات میں کسی قوم کی تخصیص اور تعیین نہیں کی گئی مگر اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے قوم ثمود یا قوم عاد مراد ہے۔ اس طرح ان کے پیغمبر سے مراد حضرت صالح علیہ السلام یا حضرت ہود علیہ السلام ہیں۔ بہر حال آیت میں کوئی تعیین نہیں۔ ممکن ہے کہ عاد اور ثمود کے علاوہ کوئی اور قوم مراد ہو۔ واللہ اعلم۔ حضرت نوحؑ کی وفات کے بعد کچھ زمانہ تک تو لوگ توحید پر قائم ہے جب طویل زمانہ کے بعد پھر حالت بگڑ گئی تو ہدایت کیلئے نبی کو بھیجا گیا۔ نبی نے شرک کی مخالفت کی۔ توحید کا حکم دیا اور عذابِ قیامت سے ڈرایا اور نیک عمل کی ہدایت کی۔ وہ لوگ جو مال و دولت کے نشہ میں سرشار تھے اور جنہیں قوم کی سرداری حاصل تھی وہ پیغمبر کی مخالفت میں آگے بڑھے اور وہی بیہودہ کفر اور بے بنیاد شبہات واعتراضات پیش کئے جو پہلے گمراہ اپنے پیغمبر کی مخالفت میں پیش کیا کرتے تھے۔ وہ آخرت کے معتقد نہ تھے کہ مرنے کے بعد ایک دن دربارِ خداوندی میں حاضر ہونا ہے۔ بس دنیا کی زندگی اور اس کا عیش وآرام ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اس بنا پر نبی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے خود تو گمراہ تھے ہی عوام اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی گمراہی میں اپنے ساتھ رکھتے چنانچہ انہوں نے پہلے تو نبی کی ذات پر حملہ کیا اور اپنی قوم کے عوام سے کہا کہ یہ تمہیں جیسے ایک بشر ہیں۔ کھانا پینا۔ سونا جاگنا سب بشری خواص تمہاری طرح ان میں موجود ہیں۔ بظاہر کوئی بات ان میں تم سے سوا نہیں (گویا وہی جاہلانہ خیال کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا) تو اس سے بڑی خرابی اور ذلت کیا ہوگی کہ اپنے جیسے ایک معمولی آدمی کو خواہ مخواہ مخدوم پر مطاع ٹھہرالیا جائے۔ تو اپنی قوم کی سیادت کو قائم رکھنے کے لئے عوام کو یہ بتلایا کہ اگر ان کو ہادی و مرشد تسلیم کرلیا تو یہ سب کے آقا اور مقتدا بن جائیں گے ہمارا قومی وقار خاک میں مل جائے گا۔ پھر نبی کی مخالفت میں ان سرداران نے ایک دلیل یہ دی کہ کس قدر بعید از عقل بات یہ کہنا ہے کہ مرنے کے بعد ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہوجانے اور مٹی کے ذرات میں مل جانے کے بعد پھر قبروں سے آدمی بن کر اٹھیں گے۔ ایسی مہمل بات ماننے کو کون تیار ہوگا۔ یہ جو آخرت آخرت اور حساب کتاب سے ڈراتے ہیں تو کہاں کی آخرت اور کہاں کا حساب کتاب۔ ہم تو جانیں یہی ایک دنیا کا سلسلہ اور یہی ایک مرنا جینا ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ کوئی پیدا ہوا کوئی فنا ہوگیا۔ آگے بس کچھ نہیں۔ اور یہ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرکے عذاب وثواب دے گا تو یہ دونوں دعوے ایسے ہیں جن کو ہم کبھی تسلیم نہیں کرسکتے۔ خواہ مخواہ جھگڑنے اور دردِ سری سے کیا فائدہ۔

آخر پیغمبر نے کفار کی طرف سے ناامید ہو کر دعا کی کہ اے میرے رب میری مدد فرما کہ یہ منکرین برابر مجھ کو جھٹلا رہے ہیں۔ چنانچہ جواباً حق تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ ان پر اب عذاب آیا چاہتا ہے۔ جس کے بعد پچھتائیں گے اور وہ پچھتانا نفع نہ دے گا۔ پھر نتیجہ نافرمانی اور سرکشی کا وہی ہوا جو اس سے پہلے منکرین کا ہو چکا تھا۔ ایک غیبی دھماکے یا چیخ سے کافروں کا ستیاناس ہوگیا۔ اور جس طرح سیلاب خس وخاشاک کو بہالے جاتا ہے اسی طرح عذابِ الٰہی کے سیل میں بہے چلے گئے۔ اور اللہ کی پھٹکار کے مستحق بنے اور اس کی رحمت سے دور ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں بھی یہی جتلانا اور عبرت دلانا مقصود ہے کہ دولت، حکومت، عزت وسیادت یہ سب عارضی آزمائشی چیزیں ہیں۔ اللہ ڈھیل دیتا رہتا ہے مگر اللہ کی ڈھیل امتحانی ہوتی ہے بالآخر سخت ترین گرفت کرلی جاتی ہے۔ باطل وحق کے مقابلہ میں انجام کار حق کا غلبہ اور باطل کی شکست، انبیاء کی فتح اور ان کے حریفوں کی تباہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد آگے دوسری اقوام کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٤٢﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿٤٣﴾

پھر اُن کے ہلاک ہونے کے بعد ہم نے اور اُمتوں کو پیدا کیا کوئی اُمت اپنی مدت معینہ سے نہ پیش دستی کر سکتی تھی اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا

پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجا جب کبھی کسی امت کے پاس اُس امت کا رسول آیا اُنہوں نے اسکو جھٹلایا سو ہم نے ایک کے بعد ایک کا نمبر لگا دیا

وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ

اور ہم نے اُن کی کہانیاں بنا دیں۔ سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہ لاتے تھے۔ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارونؑ کو اپنے احکام اور کھلی دلیلیں دے کر

بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٥﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَقَالُوْٓا

فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی متکبر چنانچہ وہ کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿٤٧﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿٤٨﴾

آدمی ہیں ایمان لے آئیں حالانکہ اُن کی قوم کے لوگ ہمارے زیر حکم ہیں۔ غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے پس ہلاک کیے گئے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تاکہ وہ لوگ ہدایت پاویں۔ اور ہم نے مریمؑ کے بیٹے کو اور ان کی ماں کو بڑی نشانی بنایا

وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿٥٠﴾

اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو ٹھیرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی

ثُمَّ پھر	اَنْشَاْنَا ہم نے پیدا کیا	مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان کے بعد	قُرُوْنًا اُمتیں	اٰخَرِيْنَ دوسری۔ اور	مَا تَسْبِقُ نہیں سبقت کرتی ہے	
مِنْ اُمَّةٍ کوئی اُمت	اَجَلَهَا اپنی میعاد	وَمَا اور نہ	يَسْتَاْخِرُوْنَ پیچھے رہ جاتی ہے	ثُمَّ پھر	اَرْسَلْنَا ہم نے بھیجے	رُسُلَنَا رسول
تَتْرَا پے در پے	كُلَّمَا جب بھی	جَآءَ آیا	اُمَّةً کسی امت میں	رَسُوْلُهَا اس کا رسول	كَذَّبُوْهُ انہوں نے اسے جھٹلایا	
فَاَتْبَعْنَا تو ہم پیچھے لائے	بَعْضَهُمْ ان میں سے ایک	بَعْضًا دوسرے	وَجَعَلْنٰهُمْ اور اُنہیں بنا دیا ہم نے	اَحَادِيْثَ افسانے		
فَبُعْدًا سو دُوری (مار)	لِقَوْمٍ لوگوں کیلئے	لَا يُؤْمِنُوْنَ جو ایمان نہیں لائے	ثُمَّ پھر	اَرْسَلْنَا ہم نے بھیجا	مُوْسٰى موسیٰ	
وَاَخَاهُ اور ان کا بھائی	هٰرُوْنَ ہارونؑ	بِاٰيٰتِنَا ساتھ (ہماری) اپنی نشانیاں	وَسُلْطٰنٍ اور دلائل	مُّبِيْنٍ کھلے	اِلٰى طرف	
فِرْعَوْنَ فرعون	وَمَلَا۟ئِهٖ اور اس کے سردار	فَاسْتَكْبَرُوْا تو انہوں نے تکبر کیا	وَكَانُوْا اور وہ تھے	قَوْمًا لوگ	عَالِيْنَ سرکش	
فَقَالُوْٓا پس انہوں نے کہا	اَنُؤْمِنُ کیا ہم ایمان لے آئیں	لِبَشَرَيْنِ دو آدمیوں پر	مِثْلِنَا اپنے جیسے	وَقَوْمُهُمَا اور ان کی قوم		
لَنَا ہماری	عٰبِدُوْنَ بندگی (خدمت) کرنے والے	فَكَذَّبُوْهُمَا پس انہوں نے جھٹلایا دونوں کو	فَكَانُوْا تو وہ ہوگئے	مِنَ سے		

الْمُهْلَكِيْنَ ہلاک ہونے والے	وَ اور	لَقَدْ اٰتَيْنَا تحقیق ہم نے دی	مُوْسَى موسیٰ	الْكِتٰبَ کتاب	لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ لوگ
يَهْتَدُوْنَ ہدایت پالیں	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	ابْنَ مَرْيَمَ مریم کے بیٹا (عیسیٰ) کو	وَاُمَّهٗ اور ان کی ماں	اٰيَةً ایک نشانی	
وَاٰوَيْنٰهُمَآ اور ہم نے انہیں ٹھکانہ دیا	اِلٰى طرف۔ پر	رَبْوَةٍ ایک بلند ٹیلہ	ذَاتِ قَرَارٍ ٹھہرنے کا مقام	وَّمَعِيْنٍ اور جاری پانی	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہوا تھا اس کے بعد قوم عاد یا ثمود میں سے کسی ایک کا ذکر ہوا تھا۔ اب اجمالاً بعض دوسری اُمتوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ ان امتوں میں سے بعض کا ذکر قدرے تفصیلاً سورۂ اعراف وغیرہ میں گزر چکا ہے جہاں عاد کے بعد ثمود اور ثمود کے بعد قوم لوط اور قوم لوط کے بعد اہل مدین کا ذکر آیا ہے۔

یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ہر ایک قوم جس نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی ٹھیک اپنے اپنے وعدہ پر ہلاک کی جاتی رہی۔ جو میعاد کسی قوم کی تھی ایک منٹ اس سے آگے پیچھے نہ ہوئی۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کا تانتا باندھ دیا کہ یکے بعد دیگرے پیغمبر آتے رہے اور مکذبین کو بھی ایک کے پیچھے دوسرے کو چلتا کرتے رہے۔ ادھر پیغمبروں کی بعثت کا ادھر ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگادیا چنانچہ بہت قومیں ایسی تباہ وبرباد کردی گئیں جن کے قصہ کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ آج ان کی داستانیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ تو انبیاء کی تکذیب ومخالفت کا دور چلتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عظیم الشان دور آیا۔ آپ بڑے جلیل القدر نبی تھے۔ چونکہ آپ کو مستقل کتاب عطا کی گئی تھی اور ایک کثیر التعداد قوم کی نجات کے لئے مامور ومبعوث کیا گیا تھا اس لئے پیغمبروں کے مجمل تذکرہ کے بعد آپ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ صراحۃً کیا گیا اور بتلایا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام ہمارا پیغام لے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس پہنچے مگر فرعون اور اس کے درباریوں نے ایک نہ سنی انہیں اپنی حکومت و ریاست اور قوت و دولت پر گھمنڈ تھا اور ان کے دماغ میں اپنی برتری اور بالادستی کا بھوت سمایا ہوا تھا اسلئے خدائی پیغام کو خاطر میں نہ لائے اور کہنے لگے کہ ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے آدمی ہیں ایمان لے آویں اور ان کے مطیع بن جاویں حالانکہ ان کی قوم کے لوگ یعنی بنی اسرائیل تو خود ہمارے غلام۔ خدمت گار اور زیر حکومت ہیں۔ ہم ان کی بات کیسے مان لیں اور ان کو اپنا سردار کیسے بنالیں۔ غرض انہوں نے دونوں کو جھوٹا بتلایا۔ آخر جب وقت آیا تو وہ بھی اور نافرمانوں کی طرح تباہ ہوئے اور بنی اسرائیل کو نجات مل گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی پیغمبر آتے رہے مگر توریت پر سب کے سب عمل کرتے رہے۔ چھوٹے بڑے صحیفے نازل ہوتے رہے مگر کوئی مستقل شریعت نازل نہیں ہوئی بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اسرائیلی نبوت کا سلسلہ ختم ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بڑی شان کے ساتھ تبلیغ شروع کی مگر منکرین نے باوجود واضح معجزات کے مخالفت کی اور آپ ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا واقعہ ہے۔ اس وقت شام کے ظالم بادشاہ ہیر دوس نے نجومیوں سے یہ سن کر کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سرداری ملے گی بچپن ہی سے آپ کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام آپ کی والدہ ماجدہ الہام ربانی سے آپ کو لے کر ملک مصر میں چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام میں واپس چلی آئیں۔ یہاں آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت وتوحید پر دلالت کے لئے اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو قدرت کی ایک

بڑی نشانی بنادیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے اور چونکہ آپ کو نبی بنانا منظور تھا اور اس وقت ظالم بادشاہ آپ کے بچپن ہی میں درپے قتل ہوگیا تھا اس لئے اس سے بچا کر ان دونوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو سرسبز و شاداب تھی جس سے مراد اکثر مفسرین کے قول کے موافق مصر کی زمین مراد ہے۔ جہاں رہ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے۔ اور نبوت عطا ہوئی اور توحید و دعویٰ رسالت میں آپ کی تصدیق ضروری تھی مگر بعض نے مانا اور بعض نے نہ مانا۔

خلاصہ یہ کہ ہر پیغمبر کی امت میں ایسے لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ قریش یا اہلِ مکہ یا عرب کے باشندے جو آپ کی تکذیب کررہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ باطل پرست گروہ ہمیشہ سے حاملانِ صداقت کی مخالفت کرتا چلا آرہا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین وملت ایک ہے اور سب کا خدا بھی ایک ہے لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کردیا ہے اور جدا جدا راہیں نکال لیں۔ اگلی آیات میں اسی مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو توحید اور ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا۔ حق تعالیٰ ان نعمتوں کا ہم کو حقیقی شکرگزار بنادیں اور اپنے مطیع اور فرمانبردار بندوں میں شامل فرمادیں۔ گذشتہ نافرمان امتوں کے واقعات سے ہم کو عبرت حاصل کرنے اور اپنے رسول پاک کی ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ وَإِنَّ

اے پیغمبرو تم نفیس (پاکیزہ) چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو میں تم سب کے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں۔اور یہ ہے تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے

هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ ﴿٥٢﴾ فَتَقَطَّعُوٓا۟ أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ

اور (حاصل اس طریقہ کا یہ ہے) کہ میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرتے رہو سو ان لوگوں نے اپنے دین میں اپنا طریقہ الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کرلیا۔

حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٥٣﴾ فَذَرْهُمْ فِى غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٥٤﴾ أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم

ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ اُسی سے خوش ہے۔سو آپ اُن کو اُن کی جہالت میں ایک خاص وقت تک رہنے دیجئے کیا یہ لوگ یوں گمان کررہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ

بِهِۦ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ ﴿٥٥﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ ۚ بَل لَّا يَشْعُرُونَ ﴿٥٦﴾

مال واولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں۔بلکہ یہ لوگ نہیں جانتے۔

يَا أَيُّهَا اے	الرُّسُلُ رسول	كُلُوا کھاؤ	مِنَ سے	الطَّيِّبَاتِ پاکیزہ چیزیں	وَاعْمَلُوا اور عمل کرو	صَالِحًا نیک	إِنِّي بیشک میں
بِمَا اسے جو	تَعْمَلُونَ تم کرتے ہو	عَلِيمٌ جاننے والے	وَإِنَّ اور بیشک	هَٰذِهِ یہ	أُمَّتُكُمْ تمہاری اُمت		
أُمَّةً وَاحِدَةً ایک امت، اُمتِ واحدہ	وَأَنَا اور میں	رَبُّكُمْ تمہارا رب	فَاتَّقُونِ پس مجھ سے ڈرو	فَتَقَطَّعُوا پھر انہوں نے کاٹ لیا			
أَمْرَهُمْ اپنا کام	بَيْنَهُمْ آپس میں	زُبُرًا ٹکڑے ٹکڑے	كُلُّ حِزْبٍ ہر گروہ	بِمَا اس پر جو	لَدَيْهِمْ ان کے پاس	فَرِحُونَ خوش	
فَذَرْهُمْ پس چھوڑ دے انہیں	فِي غَمْرَتِهِمْ ان کی غفلت میں	حَتَّىٰ تک	حِينٍ ایک مدت مقررہ	أَيَحْسَبُونَ کیا وہ گمان کرتے ہیں			
أَنَّمَا کہ جو کچھ	نُمِدُّهُمْ ہم مدد کررہے ہیں انکی	بِهِ اس کے ساتھ	مِنْ سے	مَالٍ مال	وَبَنِينَ اور اولاد	نُسَارِعُ ہم جلدی کررہے ہیں	
لَهُمْ ان کیلئے	فِي الْخَيْرَاتِ بھلائی میں	بَلْ بلکہ	لَا يَشْعُرُونَ وہ شعور (سمجھ) نہیں رکھتے				

تفسیر و تشریح:۔ پچھلے دو رکوع میں متعدد انبیائے کرام کا ذکر فرمایا گیا ہے اس کے بعد یٰایھا الرسل کہہ کر تمام پیغمبروں کو خطاب فرمایا جاتا ہے۔تو اس خطاب سے یہ مطلب نہیں کہ کہیں سارے پیغمبر یکجا موجود تھے اور ان سب کو خطاب کر کے یہ مضمون ارشاد فرمایا گیا بلکہ اس خطاب سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہر زمانے میں مختلف قوموں اور مختلف جگہوں میں آنے والے انبیاء کو یہی ہدایت کی گئی تھی اور سب کے سب اختلاف زمانہ اور مقام کے باوجود ایک ہی حکم کے مخاطب تھے۔

اوپر بتلایا گیا تھا کہ تمام منکرین انبیاء یہی شبہ اور اعتراض پیش کرتے رہے کہ ہم میں اور ان میں جو پیغمبری کا دعویٰ کرتے ہیں فرق کیا ہے؟ جو ہم کھاتے پیتے ہیں یہ بھی وہی کھاتے پیتے ہیں۔یہ ملائکہ یا ان کی مانند کیوں نہیں کہ بشریت اور انسانیت کے تقاضوں سے بالاتر ہوتے۔گویا بشر کا خدا کا رسول یا پیغمبر ہونا ان کے جاہلانہ خیال میں ممکن نہ تھا تو یہاں تمام انبیاء کا ذکر فرما کر ان کے اس شبہ کے جواب میں فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں سے کہہ دیا تھا کہ طیب یعنی حلال اور پاک چیزیں کھاؤ پیو تمہارے ہی لئے یہ نعمتیں اللہ نے پیدا کی ہیں۔ہاں حرام اور گندی چیزیں نہ کھاؤ نہ پیو۔تو بزرگی یا نبوت و رسالت کا مدار پاک اور حلال چیزوں کے ترک کردینے پر نہیں جیسا یہ منکرین جہلا سمجھے ہوئے ہیں۔

آگے چونکہ تمام انبیاء کو ایک امت ایک جماعت ایک گروہ

قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے طرز بیان یہاں ایسا اختیار کیا گیا کہ تمام انبیاء کے ایک گروہ ہونے کا نقشہ سامنے آجائے گویا کہ سارے کے سارے انبیاء ایک جگہ جمع ہیں اور سب کو ایک ہی ہدایت دی جارہی ہے۔ یہاں پر یہ تذکرہ کردینا باعث دلچسپی ہوگا کہ یا یھا الرسل کے اس خطاب اور طرزِ کلام کی لطافت و بلاغت بعض اس چودھویں صدی کے گمراہوں کے سمجھ میں نہ آئی اور وہ اس سے یہ نتیجہ نکال بیٹھے کہ یہ خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے انبیاء کی طرف ہے اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی سلسلۂ نبوت کے جاری ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ استغفر اللہ۔ اہلِ اسلام کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہے۔ اس کے خلاف عقیدہ کفر ہے۔ مگر خود ساختہ نبوت اور اس کے گمراہ متبعین کو کچھ نہ کچھ دلیل تو پیش کرنا ہی ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

تو یہاں اللہ تعالیٰ اپنے تمام انبیاء علیہم السلام کو حکم فرماتے ہیں کہ وہ پاک اور حلال چیزیں حلال طریقوں سے حاصل کی ہوئی کھائیں اور نیک اعمال بجالایا کریں۔ یہاں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ عمل صالح سے پہلے طیبات کھانے کی ہدایت سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اعمالِ صالحہ کے لئے یہ شرط اول ہے کہ آدمی رزق حلال کھائے۔ حرام خوری کے ساتھ عمل صالحہ کے کوئی معنی نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو اللہ خود پاک ہے اس لئے پاک ہی چیز کو پسند کرتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائی اور اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص لمبا سفر کرکے غبار آلود اور پراگندہ حال آتا ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتا ہے یا رب یا رب مگر حال یہ ہوتا ہے کہ رزق اس کا حرام لباس اس کا حرام اور جسم اس حرام کے رزق سے پلا ہوا اب کس طرح ایسے شخص کی دعا قبول ہو۔ تو حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کا کھانا پینا پہننا حرام کا ہوا سے اپنی دعا کی قبولیت کی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔ اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو گوشت حرام سے اگا ہو۔ دوزخ کی آگ اس کی زیادہ حقدار ہے۔ (العیاذ باللہ)

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ حلال کھانے اور نیک کام کرنے والوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام کھلے اور چھپے احوال و افعال سے باخبر ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین و ملت ایک اور سب کا خدا بھی ایک ہے جس کی نافرمانی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا اور جدا جدا راہیں نکال لیں۔ اس طرح سینکڑوں مذہب فرقہ بن گئے۔ یہ تفریق انبیاء نے نہیں سکھلائی۔ ان کے ہاں صرف فروعی اختلاف تھا۔ اصولِ دین میں سب بالکلیہ متفق رہے ہیں۔ اور پھر ہر فرقہ اور ہر گروہ یہی سمجھتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور ہماری ہی راہ سیدھی ہے۔ تو یہاں اصل دین حق کی وحدت اور بعد کے ایجاد کردہ مذاہب کی حقیقت بیان فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ہدایت کی جاتی ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء کی متفقہ ہدایات میں رخنے ڈال کر الگ الگ فرقے اور ملتیں قائم کردیں ہر فرقہ اپنے ہی عقائد و خیالات پر دل جمائے بیٹھا ہے کسی طرح اس سے ہٹنا نہیں چاہتا خواہ آپ کتنی ہی نصیحت فرمائیں تو آپ بھی ان کے غم میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ ان کو تھوڑی سی مہلت دیجئے یہ اپنی جہالت اور غفلت کے نشہ میں ڈوبے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آپہنچے جب کہ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں یعنی موت یا عذابِ الٰہی ان کے سروں پر منڈلانے لگے۔

پھر کفار کا خیال تھا کہ ان کے پاس کثرت مال و اولاد ان کے مذہب کی صداقت کی بنا پر ہے جیسا کہ آج بھی ظاہر بین طبقہ کے لئے کفار کے مال و ثروت کی فراوانی اور اولاد کی کثرت نظر فریب اور دلکش ہوتی ہے تو کفار عرب کہتے کہ اگر یہ اہلِ

ایمان حق پر ہوتے تو افلاس اور خستہ حالی میں کیوں مبتلا ہوتے۔ دنیوی عیش و دولت ان کو کیوں حاصل نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ یہ منکرین سمجھتے نہیں کہ مال و اولاد کی یہ افراط ان کی فضیلت و کرامت کی وجہ سے نہیں بلکہ امہال اور استدراج کی بنا پر ہے۔ جتنی ڈھیل دی جا رہی ہے اسی قدر ان کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے۔

تو یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص یا قوم یا جماعت ایک طرف تو حق سے منکر و منحرف اور فسق و فجور اور ظلم و طغیان میں مبتلا ہو اور دوسری طرف اس پر دنیوی نعمتوں کی بارش ہو رہی ہو تو قرآن و حدیث دونوں کی رُو سے یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شدید ترین آزمائش میں ڈال دیا ہے اور اس پر یہ خدا کی رحمت نہیں بلکہ اس کی پکڑ اور سزا کا فیصلہ کرلیا گیا ہے۔ جیسا کہ ساتویں پارہ سورۂ انعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **فلما نسوا ماذكروا به فتحنا عليهم ابواب كل شيء حتى اذا فرحوا بما اوتوا اخذنهم بغتة فاذاهم مبلسونo** (پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے۔ یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا۔ پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے)۔ اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو باقی رکھنا اور ترقی دینا چاہتے ہیں تو دو وصف ان میں پیدا کر دیتے ہیں۔ ایک ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی۔ دوسرے عفت و عصمت۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنا رشتہ توڑ لینا چاہتے ہیں تو اسے کشائش رزق عطا فرمائی جاتی ہے۔ اور ان پر خیانت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور جب وہ مغرور ہو جاتے ہیں تو ناگہاں انہیں پکڑ لیتا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کے معاصی کے باوجود دنیاوی عیش و تنعم اللہ نے اسے دے رکھا ہے۔ یعنی باوجود گناہوں اور نافرمانیوں پر جمے رہنے کے نعمت اور دولت اس پر برس رہی ہے تو یقین کرلو کہ یہ خدا کی ڈھیل کا وقت گزر رہا ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سورۂ انعام والی آیات پڑھیں۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس پر رزق وسیع ہوتا ہے وہ اس بات پر غور ہی نہیں کرتا کہ یہ بھی خدا کی ایک سیاست ہے اور جس کو تنگ حالی ہو وہ بھی غور نہیں کرتا کہ اس کی آزمائش کی گئی ہے، رب کعبہ کی قسم جب گناہ گاروں کو پکڑنا مقصود ہوتا ہے تو دنیا میں انہیں سرسبز رکھا جاتا ہے۔

قرآنِ کریم نے اس حقیقت کو مختلف جگہوں پر مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے تاکہ اصل حقیقت خوب واضح ہو جائے اور یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ اصل صلاح و فلاح اور کامیابی کیا ہے؟ اور کن امور میں ہے؟ اسی کو اگلی آیات میں واضح فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی دین کی سمجھ عطا فرمائیں۔ اور حقیقی صلاح و فلاح حاصل کرنے کے لئے ہم کو توفیق حسن عطا فرمائیں۔ اور دنیا میں اپنی ہی عطا کردہ نعمتوں کی شکر گزاری کی توفیق نصیب فرمائیں تاکہ ان نعمتوں کا استعمال کر کے ہم کو مالکِ حقیقی اور معبودِ حقیقی کی اطاعت و فرمانبرداری نصیب ہو، حق تعالیٰ ہم کو اکلِ حلال نصیب فرمائیں۔ اور اس کو ذریعۂ اعمال صالح کا بنا دیں اور دین حقیقی یعنی اسلام جو تمام انبیاء کا دین ہمیشہ رہا ہے اس پر ہم کو قائم رکھیں اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیں۔ دین میں آپس میں اختلاف اور تفرقہ بندی کی لعنت سے امت مسلمہ کو بچائیں اور جن پر یہ تفرقہ بندی کی لعنت مسلط ہے اللہ تعالیٰ ان کو بصیرت و ہدایت عطا فرمائیں اور اس لعنت کو ان سے دور فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ (۵۷) وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ (۵۸)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ (۵۹) وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ

اور جولوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے ہیں اور جولوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور اُن کے دل اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں

اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (۶۰) اُولٰٓئِكَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ (۶۱) وَلَا نُكَلِّفُ

کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔ یہ لوگ (البتہ) اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کررہے ہیں اور وہ اُن کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ اور ہم کسی کو

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَیْنَا كِتٰبٌ یَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (۶۲)

اس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے کو نہیں کہتے اور ہمارے پاس ایک دفتر نامۂ اعمال کا محفوظ ہے جو ٹھیک ٹھیک بتادیگا اور لوگوں پر ذرا ظلم نہ ہوگا۔

اِنَّ بیشک	الَّذِیْنَ جولوگ	هُمْ وہ	مِنْ سے	خَشْیَةِ ڈر	رَبِّهِمْ اپنارب	مُشْفِقُوْنَ ڈرنے والے سہمے ہوئے	وَالَّذِیْنَ اور جولوگ
هُمْ وہ	بِاٰیٰتِ آیتوں پر	رَبِّهِمْ اپنارب	یُؤْمِنُوْنَ ایمان رکھتے ہیں	وَالَّذِیْنَ اور جولوگ	هُمْ وہ	بِرَبِّهِمْ اپنے رب کے ساتھ	
لَا یُشْرِكُوْنَ شریک نہیں کرتے	وَالَّذِیْنَ اور جولوگ	یُؤْتُوْنَ دیتے ہیں	مَآ اٰتَوْا جو وہ دیتے ہیں	وَقُلُوْبُهُمْ اور ان کے دل			
وَجِلَةٌ ڈرتے ہیں	اَنَّهُمْ کہ وہ	اِلٰی طرف	رَبِّهِمْ اپنارب	رٰجِعُوْنَ لوٹنے والے	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	یُسٰرِعُوْنَ جلدی کرتے ہیں	
فِی الْخَیْرٰتِ بھلائیوں میں	وَهُمْ اور وہ	لَهَا ان کی طرف	سٰبِقُوْنَ سبقت لے جانیوالے ہیں	وَلَا نُكَلِّفُ اور ہم تکلیف نہیں دیتے			
نَفْسًا کسی کو	اِلَّا مگر	وُسْعَهَا اسکی طاقت کے مطابق	وَلَدَیْنَا اور ہمارے پاس	كِتٰبٌ ایک کتاب (رجسٹر)	یَنْطِقُ وہ بتلاتا ہے		
بِالْحَقِّ ٹھیک ٹھیک	وَهُمْ اور وہ (اُن)	لَا یُظْلَمُوْنَ ظلم نہ کئے جائیں گے (ظلم نہ ہوگا)					

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار و منکرین کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ جو یہ سمجھتے تھے کہ ان کے پاس دنیا اور مال و دولت کی کثرت ان کے عقائد و مذہب کی صداقت کی بنا پر ہے اور اسی بناء پر کفار عرب یہ کہتے کہ اگر یہ اہل ایمان حق پر ہوتے تو افلاس اور خستہ حالی میں کیوں مبتلا ہوتے۔ یہ دھوکا عام اور عالمگیر ہے۔ آج بھی بہت سے مذہب والے اسی خیال میں مبتلا ہیں کہ جو دنیوی عیش و راحت کو اپنی حقانیت اور مقبولیت کی دلیل سمجھ رہے ہیں حالانکہ قدرت کے نظام میں قانونِ ربوبیت کے ماتحت تو سانپوں اور بچھوؤں تک کی پرورش و کفالت ہوتی رہتی ہے۔ تو کفار و منکرین کے مذکورہ بالا خیال کا گذشتہ آیات میں رد فرمایا گیا تھا کہ حقیقتِ حال یہ نہیں کہ جو یہ منکرین مادی تصور رکھنے والے سمجھ رہے ہیں جن کے نزدیک جس کو اچھا کھانا پینا۔ اچھا لباس۔ اچھی رہائش مل گئی اور جن کو مال و دولت سے نواز دیا گیا اور جسے معاشرے میں بڑائی اور سرداری حاصل ہوگئی بس اس نے فلاح پالی اور جو اس سے محروم رہا وہ ان کے خیال میں ناکام و نامراد رہا۔ اس غلط فہمی کی اوپر تردید فرمادی گئی تھی۔ اب اس کے بعد ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ صلاح و فلاح۔ خیرات و برکات کے حصول کی اصلی راہ کیا ہے اور وہ کون ہیں جو حقیقی

دولت کے خزانے جمع کرتے چلے جارہے ہیں اور جن کی کامرانیاں کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ درحقیقت اہلِ صدق اور اصحابِ خیر و برکات وہ لوگ ہیں جن کے اندر یہ چار صفات پائی جاتی ہیں۔

ایک: جو اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں یعنی وہ دنیا میں خدا سے بے خوف اور بے فکر ہو کر نہیں رہتے کہ جو دل چاہے کرتے رہیں اور کبھی نہ سوچیں کہ اوپر کوئی خدا بھی ہے جو ظلم وزیادتی پر پکڑنے والا ہے۔

دوسرے: وہ جو اللہ کے احکام اور اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

تیسرے: وہ کہ جو اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے یعنی وہ اللہ کے ساتھ ربوبیت۔ الوہیت اور عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے یعنی نہ کسی کو اپنا حاجت روا جانتے ہیں۔ نہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش کرتے ہیں نہ ان اوصاف میں جو باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں کسی کو اس کا ساتھی اور شریک خیال کرتے ہیں۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اللہ کے احکام اور آیات پر ایمان رکھنا جس کا اوپر ذکر ہوا اس سے خود یہ لازم آتا ہے کہ انسان توحید کا قائل اور معتقد ہو لیکن اس کے باوجود شرک نہ کرنے کا ذکر الگ کیا گیا کہ بسا اوقات انسان آیات کو مان کر بھی کسی نہ کسی طرح شرک میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ مثلاً ریا کہ کوئی عبادت یا عمل صالح دوسروں کے دکھانے اور سنانے کیلئے کرنا یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے۔ یا انبیاء یا اولیاء کی تعظیم میں ایسا مبالغہ کرنا کہ جو شرک تک پہنچادے یا غیر اللہ سے دعائے استعانت کرنا۔ یا احکامِ الٰہیہ کے مقابلہ میں غیر الٰہی قوانین کا برضا و رغبت اتباع کرنا اس کے علاوہ شرک جلی اور خفی کے اور بھی بہت سے اقسام ہیں جو علمائے محققین نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جمع فرمائے ہیں تو ایمان بایاتِ اللہ کے بعد شرک کی نفی کا الگ ذکر کرنے کے مطلب یہ ہوئے کہ وہ اللہ کے لئے اپنی بندگی۔ اطاعت اور عبودیت کو بالکل خالص کر لیتے ہیں۔ ہر ایک عمل صدق واخلاق سے ادا کرتے ہیں اور شرک کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتے۔

چوتھے: جو لوگ ایسے ہیں کہ وہ جو کچھ خیر خیرات، صدقہ وزکوٰۃ وغیرہ دیتے ہیں۔ یا اللہ کی فرمانبرداری میں جو کچھ بھی نیکیاں یا اعمال صالحہ کرتے ہیں وہ ایسی حالت میں کرتے ہیں کہ ان کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں کہ دیکھئے یہ ہمارا دیا ہوا مال یا کیا ہوا عمل قبول ہوتا ہے یا نہیں۔ وہ اپنے مقدور بھر سب کچھ کر کے بھی ڈرتے ہیں کہ خدا جانے یہ قبول ہو یا نہ ہو۔ ہمارے گناہوں کے مقابلہ میں یہ عمل وزنی ثابت ہو یا نہ ہو۔ ہمارے رب کے ہاں ہماری مغفرت واجر وثواب کے لئے یہ کافی ہو یا نہ ہو گویا انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کر کے یا کوئی نیکی اور عمل کر کے اپنے عمل پر غرور و پندار نہیں ہوتا۔ نیکی کرنے کے باوجود ڈرتے ہیں۔

ترمذی شریف اور ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ کام کر کے ڈرنے والے کیا وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں یا چوری کرتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی یہ بات نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں اس کے باوجود اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل اللہ کے نزدیک ہماری کسی کوتاہی کے سبب قبول نہ ہوں تو معلوم ہوا کہ ایک مومن مخلص کس کیفیت قلبی کے ساتھ اعمال صالحہ اور اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ حضرت حسن

بصریؒ کا مقولہ ہے کہ مومن نیکی کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے اور منافق بدی کرتا ہے اور پھر بھی بے فکر رہتا ہے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنا ڈرتے تھے کہ تم برے عمل کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود عمر بھر کی بے نظیر دینی خدمات اور ذخیرۂ اعمال صالحہ کے اور عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کے جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو خدا کے محاسبہ سے ڈرتے ہوئے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر آخرت میں میں برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں تو غنیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضراتِ کاملین کی خوف وخشیت کا کوئی ذرہ ہمارے قلوب میں بھی ڈال دیں۔ آمین۔

یہ چار صفات بیان فرما کر بتلایا جاتا ہے کہ جن میں یہ صفات ہوں درحقیقت ایسے ہی لوگ اصلی بھلائی، خیر اور فلاح کو تیزی سے حاصل کر رہے ہیں اور حقیقی دولت کے خزانے جمع کرتے چلے جا رہے ہیں نہ کہ اموال واولاد کی کثرت اور دنیوی عیش وراحت کی بہتات معیار ہیں خیر وصلاح وفلاح کے جیسا کہ یہ کفار منکرین گمان کرتے ہیں پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ جو اوپر بھلائیاں لوٹنے والوں اور سبقت کر کے انہیں حاصل کرنے والوں کی صفات اور اعمال وخصال بتلائے گئے تو یہ کوئی ایسے مشکل کام نہیں جن کا اٹھانا انسانی طاقت سے باہر ہو۔ اللہ کے اوامر ونواہی ناقابلِ برداشت نہیں۔ شریعت کے احکام کی پابندی غیر معمولی بار نہیں کہ جو اٹھ نہ سکے یہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہی نہیں کہ انسان کو ایسے احکام کی تکلیف دیں کہ جو ان کی طاقت سے باہر ہوں۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جن کو اگر توجہ کرو تو بخوبی حاصل کر سکتے ہو۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ ہر ایک شخص کا الگ الگ نامۂ اعمال مرتب ہو رہا ہے جس میں اس کی ایک ایک بات ایک ایک حرکت حتیٰ کہ دلی عزم اور ارادوں تک کی ایک ایک حالت ثبت کی جا رہی ہے اور یہ اعمال نامہ قیامت کے دن سب کے سامنے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے اور ان ہی کے موافق جزا وسزا دی جائے گی جس میں رتی برابر ظلم نہ ہوگا نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی نہ کسی کا اجر کم کیا جائے گا نہ بے وجہ بے قصور کسی پر کوئی الزام ڈالا جائے گا۔ نہ کسی کو بے جا سزا دی جائے گی نہ کسی کو حق کے مطابق بے جا انعام سے محروم کیا جائے گا۔

یہ تو مؤمنین، مخلصین صادقین کی حالت بیان ہوئی اب ان کے برعکس کفار کا حال آگے بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنے خوف وخشیت کا وہ حصہ عطا فرمائیں کہ جو ہم کو احکامِ الٰہیہ کی پوری تابعداری نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو وہ ایمان اور اسلام نصیب فرمائیں جس میں شرک کا شائبہ نہ ہو۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہمارا حساب آسان فرماویں اور اپنی مغفرت ورحمت سے ہم سب کو نوازیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ حَتّٰۤی

بلکہ اُن کفار کے قلوب اس دین کی طرف سے جہالت میں ہیں اور اس کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی عمل ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم

اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾

جب ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں دھر پکڑیں گے تو فوراً چلا اُٹھیں گے اب مت چلاؤ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی

قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤی اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِیْنَ بِهٖ سٰمِرًا

میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سُنائی جایا کرتی تھیں تو تم اُلٹے پاؤں بھاگتے تھے۔ تکبر کرتے تھے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے بیہودہ بکتے تھے

تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿٦٨﴾ اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا

تو کیا ان لوگوں نے اس کلام میں غور نہیں کیا یا اُن کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو اُن کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی۔ یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہ تھے

رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ

اس وجہ سے اُن کے منکر ہوئے یا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں۔ بلکہ یہ رسول اُن کے پاس حق بات لیکر آئے ہیں

وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٠﴾

اور ان میں اکثر لوگ حق سے نفرت رکھتے ہیں۔

بَلْ بلکہ	قُلُوْبُهُمْ ان کے دل	فِیْ غَمْرَةٍ غفلت میں	مِّنْ هٰذَا اس سے	وَلَهُمْ اور انکے	اَعْمَالٌ اعمال	مِّنْ دُوْنِ علاوہ	
ذٰلِكَ اس	هُمْ لَهَا وہ انہیں	عٰمِلُوْنَ کرتے رہتے ہیں	حَتّٰۤی اِذَا یہاں تک کہ جب	اَخَذْنَا ہم نے پکڑا	مُتْرَفِیْهِمْ انکے خوشحال لوگ		
بِالْعَذَابِ عذاب میں	اِذَا هُمْ اس وقت وہ	یَجْـَٔرُوْنَ فریاد کرنے لگے	لَا تَجْـَٔرُوا تم فریاد نہ کرو	الْیَوْمَ آج	اِنَّكُمْ بیشک تم		
مِّنَّا ہم سے	لَا تُنْصَرُوْنَ تم مدد نہ دیئے جاؤ گے	قَدْ كَانَتْ البتہ تمہیں	اٰیٰتِیْ میری آیتیں	تُتْلٰی پڑھی جاتی تھیں	عَلَیْكُمْ تم پر		
فَكُنْتُمْ تو تم تھے	عَلٰۤی اَعْقَابِكُمْ اپنی ایڑیوں کے بل	تَنْكِصُوْنَ پھر جاتے	مُسْتَكْبِرِیْنَ تکبر کرتے ہوئے	بِهٖ اسکے ساتھ			
سٰمِرًا افسانہ گوئی کرتے ہوئے	تَهْجُرُوْنَ بیہودہ بکواس کرتے ہوئے	اَ کیا	فَلَمْ یَدَّبَّرُوا پس انہوں نے غور نہیں کیا	الْقَوْلَ کلام			
اَمْ یا	جَآءَهُمْ انکے پاس آیا	مَا جو	لَمْ یَاْتِ نہیں آیا	اٰبَآءَهُمُ ان کے باپ دادا	الْاَوَّلِیْنَ پہلے	اَمْ یا	لَمْ یَعْرِفُوْا انہوں نے نہیں پہچانا
رَسُوْلَهُمْ اپنے رسول	فَهُمْ تو وہ	لَهٗ اس کے	مُنْكِرُوْنَ منکر ہیں	اَمْ یا	یَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	بِهٖ اس کو	جِنَّةٌ دیوانگی
بَلْ بلکہ	جَآءَهُمْ وہ آیا انکے پاس	بِالْحَقِّ ساتھ حق بات	وَاَكْثَرُهُمْ اوران میں سے اکثر	لِلْحَقِّ حق سے	كٰرِهُوْنَ نفرت رکھنے والے		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں مؤمنین ومخلصین کی حالت اوران کے اعمال وخصائل کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب ان کے مقابل اور برعکس کفار منکرین کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین تو شک وتردد۔ غفلت وجہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بڑا گناہ تو انکا یہ ہوا لیکن اس کے علاوہ اور بہت سے گناہ ہیں جن کو وہ دن رات سمیٹ رہے ہیں لیکن جب یہ دنیوی یا اخروی عذاب میں پکڑے جائیں گے تو پھر چلائیں گے اور شور

مچائیں گے کہ ہمیں اس آفت سے بچاؤ۔ یہاں آیت میں کفار و دولت مندوں اور مالداروں کے گرفتار عذاب ہونے اور چلا اٹھنے کی صراحت ہے جس سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ جب ان کے خوشحال جن کے پاس خدم، حشم، مال، دولت، حکومت، سلطنت سب کچھ ہے جب ان پر عذاب نازل ہوگا اور یہ چلا اٹھیں گے اور ان کا سارا انکار و تکبر کافور ہو جائے گا تو ان کے متبعین اور حامی غریب غربا تو کس شمار میں ہیں اور وہ تو عذاب سے کیا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ تو جب دولت مند کافروں کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تو وہ دہائی دینے لگیں گے اور چلائیں گے اور شور مچائیں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ چلاؤ مت۔ یہ سب چیخ و پکار بیکار ہے۔ آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اللہ کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے کیونکہ یہ دارالجزاء ہے۔ دارالعمل نہیں کہ چلانا اور رونا پیٹنا اور عاجزی کرنا مفید ہو۔ اب کیوں شور مچاتے ہو وہ وقت یاد کرو کہ جب خدا کے پیغمبر آیاتِ الٰہیہ پڑھ کر سناتے تھے تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے۔ سننا بھی گوارا نہ تھا۔ تمہاری شیخی اور تکبر اجازت نہ دیتا تھا کہ حق کو قبول کرو اور پیغمبر کی بات پر کان دھرو۔ پیغمبر کی مجلس سے ایسے بھاگتے تھے گویا کسی فضول قصہ کو چھوڑ کر چلے گئے اور پیغمبر علیہ السلام اور قرآنِ کریم کی نسبت باتیں بناتے تھے کہ کوئی اسکو سحر کہتا کوئی شاعری کہتا۔ کوئی کہانت کہتا۔ اور کوئی کچھ اور۔ اس طرح کی بکواس کیا کرتے تھے آج اسی کا مزہ چکھو۔ چیخنے چلانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جیسا تم نے دارالعمل میں کیا آج ویسا دارالجزا میں بھگتو۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین جو قرآن کی اور صاحبِ قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اس کلام الٰہی میں غور و فکر نہیں کیا ورنہ حقیقت حال منکشف ہو جاتی کہ بلاشبہ یہ کلام اللہ جل شانہ کا ہے جس میں ان کی بیماریوں کا صحیح علاج بتایا گیا ہے۔ آگے منکرین کے اعراض و تکذیب کی دوسری وجوہات پر روشنی ڈال کر ان کی بھی تردید فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ کیا یہ منکرین اعراض و تکذیب پر اس لئے تلے ہوئے ہیں کہ ان کے پاس یہ کوئی انوکھی چیز آ گئی ہے۔ نصیحت کرنے والے ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ پیغمبر ہوئے یا پیغمبر کے تابع ہوئے۔ آسمانی کتابیں بھی برابر اترتی رہی ہیں کبھی کہیں اور کبھی کہیں، سو یہ قرآن کا نازل ہونا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبر خدا ہونا کوئی انوکھی بات نہیں جس کی نظیر اور نمونہ بیشتر سے موجود نہ ہو۔ ہاں جو اکمل ترین اور اشرف ترین کتاب اب آئی تو اس کا مقتضا یہ تھا کہ اور زیادہ اس نعمت کی قدر کرتے اور آگے بڑھ کر اس کی آواز پر لبیک کہتے نہ کہ اعراض و انکار۔ آگے منکرین کے اعراض و روگردانی کی تیسری وجہ بیان فرما کر اس کی تردید بھی فرمائی جاتی ہے یعنی کیا یہ منکرین اللہ کے رسول کی اس لئے تکذیب و انکار کر رہے ہیں کہ ان کو پیغمبر خدا کے احوال سے آگاہی اور واقفیت نہیں؟ حالانکہ سارا عرب جانتا ہے کہ آپ بچپن سے صادق و امین اور عفیف و پاکباز تھے۔ آپ کی صداقت و امانت و ایفائے عہد اور حسنِ سلوک سے تمام لوگ واقف تھے۔ اس لئے نبوت سے قبل ہی تمام قوم کی طرف سے صادق و امین کا لقب پا چکے تھے تو ایسے مشہور و معروف راستباز بندے کی نسبت کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگے اور نبی ہونے کا غلط دعویٰ کرنے لگے۔ جو شخص لوگوں کا امین ہو وہ خدا کی امانت میں کس طرح خیانت کر سکتا ہے۔ جو شخص مخلوق سے وعدہ کر کے خلاف ورزی نہ کرے وہ اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کیونکر کر سکتا ہے؟ لہٰذا رسولِ پاک کو نہ ماننے اور قرآنی ہدایت سے منہ موڑنے کی یہ وجہ بھی نہیں ہو سکتی۔ آگے چوتھی وجہ ظاہر فرما کر اس کی تردید بھی فرمائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ یہ منکرین نعوذ باللہ رسول خدا کے متعلق جنون اور دیوانگی کے قائل ہیں کہ مجنون کی بات کو کون مانتا ہے اور کون اس کی پیروی کرتا ہے تو سودائیوں اور دیوانوں کی باتیں کہیں ایسی کھری اور سچی ہوتی ہیں۔ آپ کا تو اعلیٰ درجہ کا صائب الرائے ہونا بھی ظاہر ہے۔ آپ کی عقل و فہم اور خوش تدبیری کی تو نبوت سے پہلے کی زندگی بھی شاہد ہے تو پھر آپ کے قول اور ہدایت سے نفرت و انکار کے کیا معنی؟ اخیر میں حقیقت حال کا اظہار فرمایا جاتا ہے کہ واقع میں ان میں سے کوئی وجہ بھی معقول نہیں، بلکہ اصلی وجہ اور حقیقت یہ ہے کہ بیشک آپ جو کچھ لائے ہیں حق ہے مگر حق بات چونکہ ان کی اغراض و خواہشات کے موافق نہ تھی اس لئے بری لگتی تھی اور وہ قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ ابھی آگے ان ہی منکرین کے متعلق مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ

اور اگر دین حق اُن کے خیالات کے تابع ہوجاتا تو تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب تباہ ہوجاتے۔ بلکہ ہم نے اُن کے پاس انکی نصیحت کی بات بھیجی

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧١﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ڰ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَ

سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔ یا آپ اُن سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو آمدنی تو آپ کے رب کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے اچھا ہے۔

اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٣﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ

اور آپ تو ان کو سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یہ حالت ہے کہ اس (سیدھے) راستہ سے ہٹتے جاتے ہیں۔

لَنٰكِبُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٥﴾

اور اگر ہم ان پر مہربانی فرمادیں اور ان پر جو تکلیف ہے اس کو ہم دُور بھی کردیں تو وہ لوگ (پھر) اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٧٦﴾ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا

اور ہم نے ان کو گرفتارِ عذاب بھی کیا ہے سو ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے فروتنی کی اور نہ عاجزی اختیار کی۔ یہاں تک کہ ہم جب

عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٧﴾ ع

اُن پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت بالکل حیرت زدہ رہ جائیں گے۔

وَلَوِ اور اگر	اتَّبَعَ پیروی کرتا	الْحَقُّ حق اللہ	اَهْوَآءَهُمْ انکی خواہشات	لَفَسَدَتِ البتہ درہم برہم ہوجاتا	السَّمٰوٰتُ آسمان	وَالْاَرْضُ اور زمین
وَمَنْ اور جو	فِيْهِنَّ ان کے درمیان	بَلْ بلکہ	اَتَيْنٰهُمْ ہم لائے ہیں انکے پاس	بِذِكْرِهِمْ ان کی نصیحت	فَهُمْ پھر وہ	
عَنْ ذِكْرِهِمْ اپنی نصیحت سے	مُعْرِضُوْنَ روگردانی کرنیوالے ہیں	اَمْ تَسْئَلُهُمْ کیا تم ان سے مانگتے ہو	خَرْجًا اجر	فَخَرَاجُ تو اجر		
رَبِّكَ تمہارا رب	خَيْرٌ بہتر	وَهُوَ اور وہ	خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ بہترین روزی دہندہ ہے	وَاِنَّكَ اور بیشک تم	لَتَدْعُوْهُمْ انہیں بلاتے ہو	
اِلٰى طرف	صِرَاطٍ راہ۔راستہ	مُّسْتَقِيْمٍ سیدھا۔راستہ	وَاِنَّ اور بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ایمان نہیں لاتے	بِالْاٰخِرَةِ آخرت پر
عَنِ سے	الصِّرَاطِ راہِ حق	لَنٰكِبُوْنَ البتہ ہٹے ہوئے ہیں	وَلَوْ اور اگر	رَحِمْنٰهُمْ ہم ان پر رحم کریں	وَكَشَفْنَا اور ہم دور کردیں	
مَا بِهِمْ جو ان پر	مِنْ ضُرٍّ جو تکلیف	لَلَجُّوْا اڑے رہیں	فِيْ میں۔پر	طُغْيَانِهِمْ اپنی سرکشی	يَعْمَهُوْنَ بھٹکتے رہیں	وَ اور
لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ البتہ ہم نے انہیں پکڑا	بِالْعَذَابِ عذاب میں	فَمَا اسْتَكَانُوْا پھر انہوں نے عاجزی نہ کی	لِرَبِّهِمْ اپنے رب کے سامنے			
وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ اور وہ نہ گڑگڑائے	حَتّٰى یہاں تک کہ	اِذَا جب	فَتَحْنَا ہم نے کھول دیئے	عَلَيْهِمْ ان پر	بَابًا دروازے	
	ذَا عَذَابٍ عذاب والا	شَدِيْدٍ سخت	اِذَا هُمْ تو اس وقت وہ	فِيْهِ اس میں	مُبْلِسُوْنَ مایوس ہوئے	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں منکرین کے خیال میں جو وجوہات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے نہ ماننے کی ہوسکتی تھیں وہ بیان فرما کر ان کی تردید فرمائی گئی تھی اور حقیقت حال کو واضح کیا گیا تھا کہ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

برحق ہیں مگر چونکہ یہ برحق باتیں ان منکرین کی اغراض و خواہشات کے موافق نہیں۔ اس لئے یہ انہیں بری لگتی ہیں اور ان کو قبول کرنے کو وہ تیار نہیں ہوتے۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اگر سچی بات ان منکرین کو بری لگتی ہے تو لگے۔ صداقت وحقانیت ان کی خوشی اور خواہش کے تابع نہیں ہوسکتی۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی قلبی خواہشات کے مطابق شریعت کو ان کے موافق نازل کردے تو نظم عالم تباہ ہوجائے کیونکہ مشرکوں کی قلبی خواہشات میں سے شرک بھی ہے اور شرک تمام تباہیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ عزوجل نے جو قرآن نازل فرمایا وہ عین حق ہے اور جو شریعت بھیجی وہ عین صواب ہے۔ آدمی اس دنیا میں راہِ آخرت کا مسافر ہے۔ اس کی منزل اخروی زندگانی ہے۔ اگر اس دنیا کی اندھیری میں خواہشِ نفس کے مطابق چلے گا اور صاحبِ بصیرت تجربہ کار رہنما کی پیروی نہ کرے گا تو ظاہر ہے کہ کسی خندق وکھائی میں گر کر ہلاک ہوگا۔ تو ان منکرین میں یہی ایک عیب نہیں کہ حق سے کراہت و نفرت ہے بلکہ اس سے بڑھ کر دوسرا عیب بھی ہے کہ اپنے لئے جو امر نافع ہے اس سے بھی اعراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان کے پاس ان کے نفع کے لئے اس قرآن کو اپنے رسول پر نازل فرمایا اور یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ اس دعوتِ حق تبلیغ ونصیحت وخیر خواہی پر ان سے کسی معاوضہ کے بھی طلب گار نہیں۔ خدا تعالیٰ نے دارین کی جو دولت آپ کو عطا فرمائی ہے وہ اس معاوضہ سے کہیں بہتر ہے۔ آپ کی صدق امانت کا حال سب کو معلوم ہے۔ جو کلام آپ لائے ہیں اس کی خوبیاں اظہر من الشمس ہیں۔ آپ ان سے کسی معاوضہ کے طالب نہیں جس راستہ کی طرف آپ بلاتے ہیں بالکل سیدھا اور صاف راستہ

ہے جس کو ہر سیدھی عقل والا بسہولت سمجھ سکتا ہے۔ کوئی اینچ پیچ نہیں۔ ٹیڑھا ترچھا نہیں ہاں اس پر چلنا انہی کا حصہ ہے جو موت کے بعد دوسری زندگی مانتے ہوں اور اپنی بدانجامی سے ڈرتے ہوں۔ جسے انجام کا ڈر اور فکر عاقبت ہی نہیں وہ کب سیدھے راستے پر چلے گا۔ یقیناً ٹیڑھا رہے گا اور سیدھی سی بات کو بھی اپنی کجروی سے کج بنالے گا۔ اور ان کی قساوت وعناد کی تو یہ حالت ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ان پر رحم فرمادیں اور وہ تکلیف جس میں آج کل وہ مبتلا ہیں دور کردیں تو بھی یہ اپنے کفر وعناد اور سرکشی وتکبر سے نہ ہٹیں گے۔ یہاں اشارہ ہے اس تکلیف اور مصیبت کی طرف جب کہ مکہ والوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ایک مرتبہ شدید قحط پڑا تھا۔ صحیحین کی روایت ہے کہ جب قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے سے پیہم انکار کیا اور سخت مزاحمت شروع کردی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

اللھم اعنی علیھم بسبع کسبع یوسف

"اے اللہ! ان کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ یوسف کے ہفت سالہ قحط جیسے سات برسوں سے۔"

چنانچہ ایسا سخت قحط شروع ہوا کہ اہل مکہ کو مردار جانور کتے اور ہڈیاں تک کھانے کی نوبت آگئی اور کفار سات برس تک اس قحط میں مبتلا رہے۔ بالآخر اس مصیبت سے تنگ آکر ابوسفیان جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم کو اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ہم لوگ خون اور اونٹوں کا اون بھی کھا گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحم آگیا اور رفع قحط کی دعا فرمائی، چنانچہ وہ قحط دور ہوگیا۔ تو یہاں آیت میں اسی قحط کی تکلیف کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی

قساوت وعناد کی تو یہ حالت ہے کہ یہ مصائب وبلیات سے بھی متاثر نہیں ہوتے اور قحط وغیرہ آفات مسلط ہوئیں تب بھی عاجزی کر کے خدا کی بات نہ مانی اور اس عذابِ قلیل سے بھی یہ لوگ خدا کی طرف نہ جھکے اور بارگاہِ الٰہی میں تضرع وزاری نہ کی اب جب عذابِ شدید یعنی عذاب بعدالموت کا دروازہ ان پر کھول دیا جائے گا تو اس وقت یہ بالکل ناامید اور حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ یہ کیا ہوگیا اور سب نشہ ہرن ہو جاویگا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بلیات ومصائب مثل قحط وغیرہ یہ سب قہر الٰہی کی نشانیاں ہیں اور مقصد ان سے یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کو دیکھ کر حق تعالیٰ کے آگے فروتنی اور عاجزی اختیار کریں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر سخت عذاب کو دعوت دینا ہے خواہ وہ دنیا ہی میں ہو یا بعدالموت۔

اب کفار ومشرکین بعث بعدالموت یعنی مر کر دوبارہ زندہ کئے جانے اور حشر ونشر اور جزا وسزا اور قیامت وآخرت ان کے قائل ہی نہ تھے اس لئے آگے اللہ تعالیٰ اپنے کمال وتصرفات کے آثار کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ منکرین قیامت وجزا وسزا پر ایمان لے آئیں اور مردوں کے دوبارہ زندہ کئے جانے میں شک وتردد نہ کریں۔ اس سلسلہ میں چند دلائل اگلی آیات میں ذکر فرمائے گئے ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ان قرآنی نصائح کو اپنانے کی توفیق ہم کو عطا فرمائیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی ہم کو ظاہراً وباطناً کامل پابندی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! ہم کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہر طرح کے مصائب وبلیات سے محفوظ ومامون فرما۔ اور اس عالم میں بھی اور اس عالم میں بھی اپنے کرم ورحم کا معاملہ ہمارے ساتھ فرما۔

یا اللہ! قرآن کریم تو کفار ومنکرین کی شکایت فرما رہا ہے کہ یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں اور صراط مستقیم سے ہٹے جاتے ہیں اور اپنی گمراہی پر اصرار کرتے ہیں مگر یہ کس قدر رنج والم کی بات ہے کہ اب یہ امور اکثر امت مسلمہ کے افراد پر بھی صادق آ رہے ہیں۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون

یا اللہ! نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور واسطہ سے ہماری فریاد ہے کہ آپ امتِ مسلمہ پر رحم وکرم فرمائیں اور ان کو جو صراط مستقیم دکھائی گئی ہے اسی پر قائم رہنے کی توفیق اور استقامت عطا فرمائیں۔

یا اللہ! قرآن کریم کی عظمت اور وقعت پھر امت مسلمہ کو عطا فرما دے تاکہ اتباع قرآنی ان کو نصیب ہو اور آپ کے کرم ورحم کے مستحق بنیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔اور وہ ایسا ہے

ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ

جس نے تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم سب اُسی کے پاس لائے جاؤ گے اور وہ ایسا ہے جو جلاتا اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا گھٹنا بڑھنا۔

وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا

سو کیا تم (اتنی بات) نہیں سمجھتے۔ بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے (کافر) لوگ کہتے چلے آئے ہیں۔یوں کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی

تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ

اور ہڈیاں رہ جاویں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے۔اس کا تو ہم سے اور پہلے ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ کچھ نہیں محض یہ بے سند باتیں ہیں

اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں۔

وَهُوَ اور وہ	الَّذِيْ جس نے	اَنْشَاَ لَكُمُ بنائے تمہارے لئے	السَّمْعَ کان	وَالْاَبْصَارَ اور آنکھیں	وَالْاَفْـِٕدَةَ اور دل	
قَلِيْلًا بہت ہی کم	مَا تَشْكُرُوْنَ جو تم شکر کرتے ہو	وَهُوَ اور وہ	الَّذِيْ وہی جس نے	ذَرَاَ پھیلایا	كُمْ تمہیں	فِي الْاَرْضِ زمین میں
وَاِلَيْهِ اور اس کی طرف	تُحْشَرُوْنَ تم جمع ہو کر جاؤ گے	وَهُوَ اور وہ	الَّذِيْ وہی جو	يُحْيٖ زندہ کرتا ہے	وَيُمِيْتُ اور مارتا ہے	
وَلَهٗ اور اُسی کیلئے	اخْتِلَافُ آنا جانا	الَّيْلِ رات	وَالنَّهَارِ اور دن	اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا پس تم سمجھتے نہیں؟	بَلْ قَالُوْا بلکہ انہوں نے کہا	
مِثْلَ جیسے	مَا قَالَ جو کہا	الْاَوَّلُوْنَ پہلوں نے	قَالُوْا وہ بولے	ءَاِذَا کیا جب	مِتْنَا ہم مرگئے	وَكُنَّا تُرَابًا اور ہم ہوگئے مٹی
وَعِظَامًا اور ہڈیاں	ءَاِنَّا کیا ہم	لَمَبْعُوْثُوْنَ پھر اٹھائے جائیں گے	لَقَدْ وُعِدْنَا البتہ ہم سے وعدہ کیا گیا	نَحْنُ ہم		
وَاٰبَآؤُنَا اور ہمارے باپ دادا	هٰذَا یہ	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	اِنْ هٰذَا یہ نہیں	اِلَّا مگر	اَسَاطِيْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِيْنَ پہلے لوگ

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار ومنکرین کی حالت بیان فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ یہ لوگ مصائب اور بلیات سے بھی متاثر نہیں ہوتے اور کفر پر برابر اصرار ہے۔جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا جائے خواہ دنیا میں کہ کوئی غیبی قہر آپڑے یا بعد الموت کہ جب تو عذاب سے انہیں ضرور ہی دوچار ہونا ہے۔اس وقت ان منکرین کے انکار وتکبر کا نشہ سب ہرن ہوجائے گا۔تو چونکہ منکرین کو عذاب آخرت کی دھمکی سنائی گئی تھی جو مبنی ہے مر کر دوبارہ زندہ ہونے پر اور وہ لوگ اس کے منکر تھے اس لئے آگے حشر ونشر اور مر کر دوبارہ زندہ کئے جانے کا اثبات اور ان کے انکار کا جواب دیا جاتا ہے اور چونکہ انسان کا دوبارہ زندہ ہونا مبنی ہے کمال قدرت پر اس لئے تصرفاتِ قدرت کا بھی بیان فرمایا ہے۔چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کا یہ عظیم الشان احسان انسانوں پر ہے کہ اس نے تمہیں سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی قوت عطا فرمائی۔تو ان نعمتوں کا شکریہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو صحیح طور پر کام میں

لاتے۔ احکامِ الٰہیہ کو سننا اور اس کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھنا اور دل میں اس کی معرفت حاصل کرنا اور اللہ کی وحدت، عظمت وجلالت پر ایمان لانا یہی ان قوتوں کا ٹھیک اور صحیح استعمال تھا لیکن اکثر انسانوں نے اکثر اوقات میں ان قوتوں کو بیجا خرچ کیا۔ گویا یہاں تنبیہ ہے اس امر پر کہ جس شخص نے آلات وفہم وعقل سے فائدہ نہ اٹھایا۔ ہوش کے کانوں سے احکام الٰہی کو نہ سنا۔ عبرت کی آنکھوں سے قدرت کی نشانیوں کو نہ دیکھا۔ دل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ کی تو اس نے انسانی امتیازی خصوصیات کو کھودیا جو اللہ نے اس کو عطا کی تھیں۔

علم ومعرفت کے ذرائع انسان کو تین ہی قسم کے عطا کئے گئے ہیں۔ کان، آنکھ اور دل، انہی قوتوں سے کسی چیز کا یقینی علم ہوسکتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک اللہ کی توحید اور وقوع قیامت یعنی یوم آخرت کے اثبات میں جابجا دیکھنے، سننے اور سوچنے سمجھنے کی دعوت دیتا ہے کہ اللہ عزوجل کی باتیں سنو۔ اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھو اور اس کی معرفت حاصل کرو۔ یہی اصل شکریہ اور حقیقی شکر گزاری ہے اس منعم کی ان نعمتوں کی۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ ہی نے دنیا میں تمہیں ہر جگہ پھیلایا ہے۔ پھر وہی سمیٹ کر سب کو اپنے پاس بلالے گا اور تم سب اسی کے سامنے اکٹھے ہو کر پیش کئے جاؤ گے۔ وہاں ہر ایک کو شکر گزاری اور ناشکری کا بدلہ مل جائے گا۔ اس وقت کوئی شخص یا کوئی عمل غیر حاضر نہ ہوسکے گا۔ تو جس نے دانوں کی طرح سے اس سطح زمین پر انسانوں کو پھیلایا اس کو ان کا سمیٹنا اور اکٹھا کرنا کیا مشکل ہے؟ پھر ظاہر ہے کہ انسان کو اللہ ہی پیدا کرتا ہے۔ ماں کے پیٹ کے اندر نطفہ جیسی حقیر چیز میں کیسی کیسی تبدیلیاں اور تغیرات ہوتے ہیں اور کیسے کیسے انقلابات کے بعد جیتا جاگتا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر زندگی کی مقررہ میعاد پوری کرنے کے بعد اللہ اس سے اپنی دی ہوئی امانت واپس لے لیتا ہے اور وہ مرجاتا ہے۔ تو جو خدا امانت کا مالک ہے اور اول بار پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے کیا وہ خدا دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا؟

پھر ایک نمایاں اس کی قدرت کی نشانی یہ ہے کہ زمانہ کو دن اور رات دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کا لانا بھی اس کی قدرت کی نشانی کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ تو زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ یا اندھیرے سے اجالا اور اجالے سے اندھیرا کردینا جس کے قبضہ میں ہے اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے کیا مشکل ہے کہ تم کو دوبارہ قیامت میں زندہ کردے۔

یہ کفار مکہ جو مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کررہے ہیں تو یہ عقل وفہم کی بات کچھ نہیں محض پرانے لوگوں کی اندھی تقلید کئے جارہے ہیں اور وہی دقیانوسی شکوک پیش کرتے ہیں جو ان کے پیش رو کیا کرتے تھے یعنی مٹی میں مل کر اور ریزہ ریزہ ہو کر ہم کیسے زندہ کئے جائیں گے؟ یہ منکرین کہتے ہیں کہ ایسی دوراز عقل باتیں جو ہم کو سنائی جارہی ہیں پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی یہی کہی گئی تھیں لیکن ہم نے تو آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو دوبارہ آدمی بنتے نہ دیکھا۔ ہو نہ ہو یہ سب من گھڑت قصے کہانیاں ہیں جو پہلے لوگ گھڑ گئے تھے اور انہی کی نقل کی جارہی ہے۔

استغفر اللہ نقل کفر کفر نہ باشد

تو ان کفار مکہ کی جہالت فقط اتنی ہی نہ تھی کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ عقائد کی صحت کا انکار کرتے بلکہ انہوں نے بڑھ کر تمام انبیائے سابقین جو وجود قیامت کی حقانیت کو واضح طور پر ظاہر فرماتے رہے ان سب کے اقوال پر بھی نکتہ چینی شروع کردی اور ان بدبختوں نے گذشتہ انبیاء و مرسلین کی باتوں کو پرانے بے سند قصے کہانیاں قرار دیا۔ گویا اثباتِ قیامت کی دلیل کو انکار کی دلیل بنالیا۔

چونکہ کفار کے ان اقوال سے انکار قدرت باری تعالیٰ لازم آتا ہے اور اس سے انکار قیامت اور بعث بعد الموت یعنی مرکر پھر دوبارہ زندہ ہونے کا بھی انکار ہوتا ہے اس لئے ان اقوال کے جواب میں آگے اثباتِ قدرت الٰہیہ اور اثبات توحید کے متعلق مزید ارشاد فرمایا گیا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

آپ کہہ دیجئے کہ یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ کس کے ہیں اگر تم کو کچھ خبر ہے۔ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کے ہیں (تو) اُن سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا

آپ یہ بھی کہیے کہ ان سات آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟ وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے۔ آپ کہیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔

تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

آپ یہ بھی کہئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو کچھ خبر ہے۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا

وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفتیں بھی اللہ ہی کی ہیں آپ کہئے کہ پھر تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے۔ بلکہ ہم نے اُن کو سچی بات پہنچائی ہے اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔

اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا

اللہ نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اسکے ساتھ کوئی اور خدا ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جُدا کر لیتا۔ اور ایک دوسرے پر

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

چڑھائی کرتا۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا

فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

غرض ان لوگوں کے شرک سے وہ بالاتر اور منزہ ہے۔

قُلْ فرمادیں	لِمَنْ کس کیلئے	الْاَرْضُ زمین	وَمَنْ اور جو	فِيْهَا اس میں	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے ہو
سَيَقُوْلُوْنَ جلد (یعنی ضرور) وہ کہیں گے	لِلّٰهِ اللہ کا	قُلْ فرمادیں	اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا پس تم غور نہیں کرتے؟	قُلْ فرمادیں		
مَنْ کون	رَبُّ رب	السَّمٰوٰتِ آسمان	السَّبْعِ سات	وَرَبُّ اور رب	الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ عرش عظیم	سَيَقُوْلُوْنَ جلد ضرور
وہ کہیں گے	لِلّٰهِ اللہ کا	قُلْ فرمادیں	اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کیا پس تم نہیں ڈرتے؟	قُلْ فرمادیں	مَنْ کون	بِيَدِهٖ اس کے ہاتھ میں
مَلَكُوْتُ بادشاہت "اختیار"	كُلِّ شَيْءٍ ہر چیز	وَهُوَ اور وہ	يُجِيْرُ پناہ دیتا ہے	وَلَا يُجَارُ اور پناہ نہیں دیا جاتا	عَلَيْهِ اسکے خلاف	
اِنْ اگر	كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے ہو	سَيَقُوْلُوْنَ جلد "ضرور" وہ کہیں گے	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	قُلْ فرمادیں	فَاَنّٰى پھر کہاں سے	
تُسْحَرُوْنَ تم جادو میں پھنس گئے ہو	بَلْ بلکہ	اَتَيْنٰهُمْ ہم لائے ہیں اُن کے پاس	بِالْحَقِّ سچی بات	وَاِنَّهُمْ اور بیشک وہ		
لَكٰذِبُوْنَ البتہ جھوٹے ہیں	مَا اتَّخَذَ نہیں بنایا	اللّٰهُ اللہ	مِنْ وَّلَدٍ کسی کو بیٹا	وَمَا كَانَ اور نہیں ہے	مَعَهٗ اسکے ساتھ	
مِنْ اِلٰهٍ کوئی اور معبود	اِذًا اس صورت میں	لَّذَهَبَ لے جاتا	كُلُّ ہر	اِلٰهٍ معبود	بِمَا خَلَقَ جو اس نے پیدا کیا	وَلَعَلَا اور چڑھائی کرتا
بَعْضُهُمْ انکا ایک	عَلٰى بَعْضٍ دوسرے پر	سُبْحٰنَ اللّٰهِ پاک ہے اللہ	عَمَّا اس سے جو	يَصِفُوْنَ وہ بیان کرتے ہیں	عٰلِمِ الْغَيْبِ جاننے والا پوشیدہ	
وَالشَّهَادَةِ اور آشکارا	فَتَعٰلٰى پس برتر	عَمَّا اس سے جو	يُشْرِكُوْنَ وہ شریک سمجھتے ہیں			

تفسیر وتشریح:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب میں چار قسم کے مشرک رہتے تھے کچھ تو خدا کو صاحب اولاد کہتے تھے (نعوذ باللہ) جیسے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو ابن اللہ اور ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ یہ گروہ تو یہود و نصاریٰ اور صابیوں کا تھا۔ کچھ لوگ آسمانی ستاروں کی اور آگ کی پرستش کرتے تھے۔ انہی کو مظہر انوارِ الوہیت جانتے تھے۔ یہ گروہ مجوسیوں کا تھا۔ ایک گروہ بت پرست تھا۔ لات۔ عزیٰ۔ منات۔ نائلہ۔ ہبل اور بعض دوسرے بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کو مظہر الوہیت جانتے اور سمجھتے تھے۔ اللہ یعنی ایک رب الارباب کے وجود کا بھی اقرار تھا اور دوسری طرف کائنات کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر کے ایک ایک شعبہ کا ایک ایک مستقل خدا یا دیوتا مانا جاتا تھا جیسا کہ ہنود میں زمین کا دیوتا الگ۔ آسمان کا الگ۔ ہوا کا دیوتا الگ۔ پانی کا الگ۔ لیکن بایں ہمہ ان کو ایشر یعنی خلاق عالم نہیں کہتے۔ اسی طرح عرب کے بت پرست مورتیوں سے طرح طرح کی مرادیں مانگتے۔ ان کو اپنا حاجت روا سمجھتے۔ ان پر بھینٹ چڑھاتے۔ مگر خلاق عالم خدا ہی کو کہتے تھے۔ ایسے لوگ جو خدا کے وجود ہی کے منکر ہوں بہت ہی کم تھے۔ گذشتہ آیات میں کفار و منکرین کے بعض اقوال بیان فرمائے گئے تھے جس سے انکار قدرت لازم آتا اور اس طرح انکار بعث بعد الموت کے ساتھ انکار توحید بھی ہوتا۔ اس لئے ان اقوال کے جواب میں اثبات قدرت کے ساتھ اثبات توحید بھی ارشاد ہوتا ہے اور مشرکین کے سامنے ان کے مسلمات بیان فرما کر توحید خالص اور بعث بعد الموت کو ثابت فرمایا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو خطاب فرما کر ہدایت کی جاتی ہے کہ آپ ان مشرکین و منکرین سے پوچھئے کہ یہ تو بتاؤ یہ زمین کس کی ہے؟ اور اس کا اور اس پر رہنے والوں کا مالک کون ہے ظاہر بات ہے کہ اس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہ دے سکیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ تو اس کے بعد ان سے کہئے کہ اتنا جاننے کے بعد کیا تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ جو ساری زمین اور زمین والوں کا مالک ہے تو وہ اس کے اجزاء سے تمہیں دوبارہ بھی بنا سکتا ہے جیسے پہلے بنایا جس کا قبضہ ساری زمین اور زمینی چیزوں پر ہے تو کیا تمہاری مشتِ خاک اس کے قبضہ سے باہر ہوگی؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مشرکین سے پوچھئے کہ سات آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ اس کا جواب بھی اس کے سوا کچھ نہ بن پڑے گا کہ شہنشاہ مطلق اللہ ہی ہے۔ تو پھر آپ ان سے کہئے کہ تعجب ہے کہ تم اتنے بڑے زبردست احکم الحاکمین کی نافرمانی کرتے ہوئے ڈرتے نہیں۔ اتنی بڑی گستاخی کرتے ہو کہ اس شہنشاہ مطلق کو ایک ذرہ بے مقدار سے عاجز قرار دینے لگے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے یہ بھی پوچھئے کہ ہر چیز کی حکومت کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور ہر چیز اپنے اپنے ڈھنگ پر کس کے حکم سے چل رہی ہے؟ ہر چیز پر کس کا اختیار چلتا ہے کہ جس کو وہ چاہے اپنی پناہ میں لے لے اور جس کو وہ پناہ دے دے اس کو کون مٹا سکتا ہے؟ اور جس کو وہ مجرم قرار دے دے اسے کون اس کے عذاب سے بچا سکتا ہے۔ تو اس سوال کے جواب میں بھی اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکیں گے کہ حکم تو سب اللہ ہی کا چلتا ہے۔ جب اس کے سوا کوئی جواب نہیں تو پھر ان سے آپ کہئے کہ تمہاری عقل پر پردہ کیوں پڑ گیا کہ اتنا

سمجھنے کے بعد پھر ایسی باتیں کرتے ہو کہ مرنے کے بعد جینا نہیں ہوسکتا اور قیامت کے دن اعمال کا حساب کتاب جزا و سزا بالکل من گھڑت ہے۔ جب تمام زمین و آسمان کا مالک وہی ہوا اور ہر چیز اسی کے زیر تصرف اور اقتدار ہوئی تو آخر تمہارے بدن کی ہڈیاں اور ریزے اس کے قبضۂ اقتدار سے نکل کر کہاں چلے جائیں گے کہ ان پر وہ قادرِ مطلق اپنی مشیت نافذ نہ کر سکے گا؟ اس کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے اپنے رسول کی معرفت ان کے پاس پیغام بھیجا ہے وہ بالکل حق اور صحیح ہے اور دلائل و شواہد سے ظاہر کر دیا گیا کہ جو کچھ ان سے کہا جا رہا ہے وہ بالکل صحیح اور حق ہے اور مشرکین جو کہہ رہے ہیں یہ واقعہ کے خلاف ہے اور وہ محض جھوٹے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں اور منجملہ ان کی غلط اور جھوٹ باتوں سے یہ بات بھی ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ کے اولاد ہے۔ زمین و آسمان اور ذرہ ذرہ کا تنہا مالک و مختار وہی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں جو اس دنیا کے بنانے اور اس کے نظام میں دخیل ہو۔ نہ اسے بیٹے کی ضرورت نہ مددگار کی۔ نہ کوئی دوسرا اس کے ساتھ دنیا کی حکومت میں شریک ہے۔ اگر دنیا کو بنانے اور اس کی حکومت میں اس کے ساتھ اور بھی شریک ہوتے تو سب کا آپس میں کبھی نہ کبھی ضرور ٹکراؤ ہوتا اور ہر ایک اپنی اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور اپنی طاقت اکٹھی کر کے دوسرے پر حملہ بول دیتا اور تمام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ اولاد اور شرک سے پاک ہے۔ نہ کسی میں اس کی سی قدرت اور قوت ہے اور نہ اس کا سا علم وہ ظاہر و باطن حاضر و غائب سب سے بخوبی واقف ہے اور حق تعالیٰ منزہ ہے ان باتوں سے جو یہ مشرکین کہتے ہیں اور برتر و بالا ہے ان کے شرک سے۔

مشرکین و منکرین کے اقوال و احوال جو اوپر بیان ہوئے اور جن کی تردید فرمائی گئی تو اس قسم کے اقوال اور اصرار علی الکفر و شرک کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ دنیا ہی میں اللہ کا غضب آتا ہے اس لئے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ذریعہ آپ کے فرمانبرداروں کو ہدایت کی گئی کہ ہر ایک اللہ کے غضب سے پناہ مانگا کرے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر طرح کے شرک سے ہمیں بچا کر اسلام کامل اور ایمان صادق نصیب فرمادیں۔ اور آخرت کی زندگی پر یقین کامل عطا فرمائیں۔ اس زندگی کے لحہ لحہ میں آخرت کی تیاری اور وہاں کے فکر کی توفیق عطا فرمادیں۔ اور توحید پر قائم رکھ کر اسی پر موت نصیب فرمادیں۔ یا اللہ! تمام اختیار دین و دنیا کے آپ ہی کے دستِ قدرت میں ہیں، آپ ہی جس کو پناہ دیں وہی پناہ پاسکتا ہے اور آپ جس کو پناہ نہ دیں اس کو پناہ دینے والا کوئی نہیں۔ یا اللہ! ہمیں بھی یہ اعتقاد کامل نصیب فرما۔ اور ہر طرح کی کجی و گمراہی سے، ہر طرح کی آفات و بلیات سے، ہر طرح کے سانحات و مصائب سے ہم آپ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی حفاظت اور پناہ میں لے لیجئے اور ہر معاملہ میں اپنی ہی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور غیر اللہ کی طرف نظریں کرنے سے بچا لیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ

آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جارہا ہے اگر آپ مجھ کو دکھادیں تو اے میرے رب مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے۔ اور ہم اس بات پر کہ

نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا

جو ان سے وعدہ کررہے ہیں آپ کو بھی دکھلادیں قادر ہیں آپ ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کردیا کیجئے جو بہت ہی اچھا ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو جو کچھ

يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

یہ کہا کرتے ہیں۔ اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے۔ اور اے میرے رب آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آویں

حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ

یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی پر موت آکھڑی ہوتی ہے اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو پھر واپس بھیج دیجئے۔ تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں پھر جاکر نیک کام کروں۔

كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ہرگز نہیں یہ (اُس کی) ایک بات ہی بات ہے جس کو یہ کہے جارہا ہے۔ اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک۔

قُلْ فرمادیں	رَبِّ اے میرے رب	اِمَّا تُرِيَنِّيْ اگر تو مجھے دکھادے	مَا يُوْعَدُوْنَ جو ان سے وعدہ کیا جاتا ہے	رَبِّ اے میرے رب			
فَلَا تَجْعَلْنِيْ پس تو مجھے نہ کرنا	فِي میں	الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ظالم لوگ	وَاِنَّا اور بیشک ہم	عَلٰٓى پر	اَنْ نُّرِيَكَ کہ ہم تمہیں دکھادیں		
مَا نَعِدُهُمْ جو ہم وعدہ کررہے ہیں اُن سے	لَقٰدِرُوْنَ البتہ قادر ہیں	اِدْفَعْ دفع کرو	بِالَّتِيْ اس سے جو	هِيَ وہ	اَحْسَنُ سب سے اچھی بھلائی		
السَّيِّئَةَ برائی	نَحْنُ ہم	اَعْلَمُ خوب جانتے ہیں	بِمَا اس کو جو	يَصِفُوْنَ وہ بیان کرتے ہیں	وَقُلْ اور آپ فرمادیں	رَبِّ اے میرے رب	
اَعُوْذُ میں پناہ چاہتا ہوں	بِكَ تیری	مِنْ سے	هَمَزٰتِ وسوسے	الشَّيٰطِيْنِ شیطان	وَاَعُوْذُ اور میں پناہ چاہتا ہوں	بِكَ تیری	
رَبِّ اے میرے رب	اَنْ يَّحْضُرُوْنِ کہ وہ آئیں میرے پاس	حَتّٰٓى یہاں تک کہ	اِذَا جَاۗءَ جب آئے	اَحَدَهُمُ ان میں کسی کو	الْمَوْتُ موت		
قَالَ کہتا ہے	رَبِّ اے میرے رب	ارْجِعُوْنِ مجھے واپس بھیج دے	لَعَلِّيْٓ شاید میں	اَعْمَلُ کام کرلوں	صَالِحًا کوئی اچھا کام		
فِيْمَا اس میں	تَرَكْتُ میں چھوڑ آیا ہوں	كَلَّا ہرگز نہیں	اِنَّهَا یہ تو	كَلِمَةٌ ایک بات	هُوَ وہ	قَاۗىِٕلُهَا کہہ رہا ہے	وَ اور
مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ اُن کے آگے	بَرْزَخٌ ایک برزخ	اِلٰى يَوْمِ اس دن تک	يُبْعَثُوْنَ وہ اٹھائے جائیں گے				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ کفار ومنکرین نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے بلکہ قرآن کی نسبت بھی طرح طرح کی بکواس کرتے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کرتے۔ کوئی کہتا کہ بس یہی دنیا کی زندگی ہے ہم جو چاہے کریں کوئی ہمارا کچھ نہیں کرسکتا کوئی کہتا کہ موت کے بعد پھر زندہ ہونا کیسا؟ اور کیسی جزا سزا؟ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ کوئی کہتا کہ اعمال کی بھلائی برائی کیسی؟ جسے ہم اچھا کہیں وہ اچھا جسے ہم برا کہیں وہ برا۔ ہماری باتوں میں دخل دینے والا کون ہوتا ہے۔ پھر کفار کی سرکشی پر جو عذاب آنے کے وعدے ہوتے اور انہیں وعیدیں سنائی جاتیں تو وہ ان کو سن کر مذاق اڑاتے اور ازراہ تمسخر کہتے کہ اگر وعدہ

وعید سچ ہیں تو عذاب آتا کیوں نہیں؟ منکرین کی ان شرارتوں اور خباثتوں کا مقتضا یہی تھا کہ ان پر کوئی سخت عذاب آوے۔اس لئے آگے ان آیات میں ہر مومن کو ہدایت کی جاتی ہے کہ خدا کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔وہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کا مطالبہ کیا جاوے۔ درحقیقت وہ ایسی خوفناک چیز ہے کہ سرکشوں اور گناہگاروں ہی کو نہیں نیکوکاروں کو بھی اپنی ساری نیکیوں کے باوجود اس سے ڈرنا اور پناہ مانگنا چاہئے اور اللہ سے ڈر کر یہ دعا کرنی چاہئے کہ جب ظالموں پر عذاب آئے تو الٰہی مجھے اس کے ذیل میں شامل نہ کرنا یعنی ہم کو ایمان کی راہ پر مستقیم رکھنا اور کوئی تقصیر ہم سے ایسی سرزد نہ ہو کہ العیاذ باللہ عذاب کے لپیٹ میں آجائیں۔

تو اگرچہ یہاں آیت میں خطاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم اور عذابِ الٰہی سے محفوظ ہونا اگرچہ آپ کے لئے یقینی تھا اور اللہ کے رسول کا ظالموں کے ساتھ عذاب میں شامل ہونا قطعاً ناممکن تھا لیکن اظہار عبودیت کے لئے ایسی دعا تلقین فرمائی گئی اور درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے آپ کے فرمانبرداروں کو ہدایت دینی مقصود ہے کہ ہر ایک اللہ کے غضب وعذاب سے پناہ مانگا کرے اور یوں کہے کہ اے رب اگر میری زندگی میں آپ کا عذاب ان نافرمانوں پر آنے والا ہو تو مجھے ان کے ساتھ عذاب میں شریک نہ کرنا اور اپنی رحمت سے تمام آفتوں سے محفوظ رکھنا۔ یہاں ایک پہلو تعلیم کا یہ بھی نکلتا ہے کہ ظلم کی نحوست اور اجتماعی گناہوں کی پاداش میں جب سزا کا کوڑا برستا ہے اور عذاب کی آگ برستی ہے تو صرف برے ہی اس میں نہیں جلتے بلکہ ان کے ساتھ بعض اوقات بھلے بھی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اور دنیاوی تکالیف سے متاثر ہوتے ہیں۔ گو آخرت میں ان کو کوئی عذاب نہ ہو بلکہ اس دنیا کی تکلیف پر جو ان کو پہنچتی ہے اجر بھی ملے۔قران کریم نویں پارہ سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔**واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة واعلموا ان الله شديد العقاب** ○ اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے کہ اے پروردگار جب آپ کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کریں تو مجھ کو فتنہ سے محفوظ رکھنا اور مجھ کو ایسی حالت میں اپنے پاس بلا لینا کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔غرض یہ کہ اس دعا کی تلقین سے اظہار عبودیت اور تواضع اور کسر نفسی کی تلقین ہے کہ بندہ کو چاہئے کہ ہر وقت اللہ کے عذاب سے ڈرتا رہے تو معلوم ہوا کہ ایک غیر صالح اور بدکار معاشرہ میں رہنے والے ہر صالح آدمی کو ہر وقت خدا کی پناہ مانگتے رہنا چاہئے کچھ خبر نہیں کہ کب اور کس صورت میں ظالموں پر عذابِ الٰہی کی آگ برسنے لگے اور پھر نہ معلوم اس عذاب کی چنگاریاں کہاں تک پہنچیں اور کون اس کی زد میں آجائے (العیاذ باللہ) آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے دنیا ہی میں ان کفار ومنکرین کو سزا دے دیں اور جس عذاب سے انہیں ڈرایا جارہا ہے ابھی ابھی آپ کے سامنے ہی بھیج دیں لیکن انہیں ابھی مہلت دی جارہی ہے تاکہ جس کو سیدھا ہونا ہے وہ ہو جائے اس لئے آپ ان کے ساتھ برائی کے بدلہ بھلائی کریں۔آپ کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضا یہی ہے کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہوسکتی ہو اور آپ ان کی بیہودہ بکواس اور بے تکی باتوں سے مشتعل نہ ہوں۔اس کو ہم خوب جانتے ہیں۔وقت پر ان کو کافی سزا دی جائے گی۔

پھر نبی وقت اور اہلِ ایمان کے لئے یہی ایک افتاد نہیں کہ شریر اور سرکش انسانوں سے نمٹنا پڑتا ہے۔ مگر وہ چونکہ ظاہر میں دکھائی دینے والے دشمن ہیں اس لئے انہیں دفع بھی کیا جاسکتا ہے اور ان کے ضرر سے بچا جاسکتا ہے لیکن ان کے علاوہ ایسے دشمن بھی ہیں جو دکھائی نہیں دیتے اور چھپ کر وار کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ شریر انسانوں کو بھی وہ شرارت پر اکساتے ہیں اور یہ ہیں شیاطین جو جنات کی نوع سے ہیں تو منکرین و مفسدین جو شیاطین الانس ہوئے ان کے ساتھ برتاؤ کرنے کا طریقہ اوپر تعلیم فرمایا گیا تھا کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کیا جائے۔ لیکن شیاطین الجن اس طریقہ سے متاثر نہیں ہوسکتے۔ کوئی تدبیر یا نرمی ان کو رام نہیں کرسکتی اس لئے اس کا علاج جو صرف استعاذہ ہے تعلیم فرمایا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجانا تاکہ وہ قادر مطلق ان کی چھیڑ خانی اور شر سے محفوظ رکھے اس لئے یہ دعا تعلیم فرمائی گئی کہ اے رب مجھے ان شیاطین کی نوک چوک اور چھیڑ چھاڑ سے بچائیے اور اپنی عنایت سے ایسا کیجئے کہ وہ مجھ تک آنے ہی نہ پائیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ شریر منکرین اپنی شرارت سے باز نہ آئیں گے اور جو باتیں یہ بناتے ہیں ان کو ہمارے حوالہ کیجئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کی موت کا وقت آپہنچے اور نزع کی حالت میں عذاب کا معائنہ کرکے پچھتاوا شروع ہو۔ اس وقت تمنا کریں گے کہ اے پروردگار قبر کی طرف لے جانے کی بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کردے تاکہ گذشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے ان کی تلافی کرسکیں آئندہ ہم ایسی خطائیں ہرگز نہیں کریں گے۔ اس کا جواب ان کو ملے گا کہ اجل آجانے کے بعد اس کام کے لئے ہرگز واپس نہیں کیا جاسکتا اور بالفرض واپس کردیا جائے تو ہرگز نیک کام نہ کرے گا وہی شرارتیں پھر سوجھیں گی۔ یہ محض اس کی بات ہے جو زبان سے بنا رہا ہے۔ یہ کہتا رہے ہمارے ہاں شنوائی نہیں ہوگی۔ اور ابھی کیا دیکھا ہے موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا۔ آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے جہاں عذابِ آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک پڑا چکھتا رہے گا۔ برزخ کے معنی آڑ یا پردہ یعنی جو چیز دو چیزوں کی بیچ میں آکر انہیں باہم ملنے سے روک دے وہ برزخ ہے۔ اصطلاح شرع میں وہ عالم ہے جو دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور آخرت کی زندگی شروع ہونے پر ختم ہوجائے گا۔ اس کو عالم قبر بھی کہتے ہیں۔ موت کے بعد روح انسانی عالم برزخ میں رہتی ہے اور حشر تک رہے گی جب کہ عالم آخرت شروع ہوجائے گا۔ تو مرنے کے بعد ہر کسی کی روح کو عالم برزخ میں جانا ہے نہ کہ واپس دنیا میں۔

الغرض یہ مصیبت تو ان کو مرنے کے وقت پیش آئے گی۔ پھر جب قیامت کا روز ہوگا اور صور پھونکا جائے گا تو کیا حال ہوگا یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اپنے اور اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبرداروں میں شامل فرمائیں اور ظالمین کے گروہ میں شامل ہونے سے بچائیں۔ یا اللہ نفس و شیطان کی شرارت اور وسوسوں سے ہماری حفاظت فرمائیے اور ایمان و اسلام کی موت ہم کو نصیب فرمائیے۔ یا اللہ موت کے وقت ہمیں حسرت و افسوس سے بچائیے اور عالم برزخ میں ہماری روحوں کو چین و سکون عطا فرمائیے۔ اے اللہ! اس وقت ہمارے معاشرہ میں جو برائیاں پھیل گئی ہیں ہم ان برائیوں کے وبال سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔ یا اللہ آپ ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھیں اور مرتے دم تک ہم کو صراط مستقیم پر قائم رکھیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿١٠١﴾ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ

پھر جب صور پھونکا جاوے گا تو ان میں باہمی رشتے ناتے اس روز نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔سو جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي

سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا اور جہنم میں ہمیشہ کیلئے رہیں گے۔

جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿١٠٤﴾ أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي

اُن کے چہروں کو آگ جھلستی ہوگی اور اس میں ان کے منہ بگڑے ہوں گے۔کیوں کیا تم کو میری آیتیں پڑھکر سُنائی نہیں جایا کرتی تھیں

تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَا

اور تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے۔وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا تھا اور ہم گمراہ لوگ تھے۔اے ہمارے رب ہم کو اس (جہنم)

أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿١٠٨﴾

سے (اب) نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو ہم بیشک پورے قصوروار ہیں ارشاد ہوگا کہ اسی میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔

فَإِذَا پھر جب	نُفِخَ پھونکا جائے گا	فِي الصُّورِ صور میں	فَلَا أَنسَابَ تو نہ رشتے	بَيْنَهُمْ ان کے درمیان	يَوْمَئِذٍ اس میں	
وَلَا يَتَسَاءَلُونَ اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے	فَمَنْ پس۔جو۔جس	ثَقُلَتْ بھاری ہوئی	مَوَازِينُهُ اس کا تولپلہ	فَأُولَٰئِكَ پس وہ لوگ		
هُمْ وہ	الْمُفْلِحُونَ فلاح پانے والے	وَمَنْ اور جو۔جس	خَفَّتْ ہلکی ہوئی	مَوَازِينُهُ اس کے تولپلہ	فَأُولَٰئِكَ تو وہی لوگ	
الَّذِينَ وہ جنہوں نے	خَسِرُوا خسارہ میں ڈالا	أَنفُسَهُمْ اپنی جانیں	فِي جَهَنَّمَ جہنم میں	خَالِدُونَ ہمیشہ رہیں گے	تَلْفَحُ جھلس دیگی	
وُجُوهَهُمْ ان کے چہرے	النَّارُ آگ	وَهُمْ اور وہ	فِيهَا اس میں	كَالِحُونَ تیوری چڑھائے ہوئے	أَلَمْ تَكُنْ کیا نہ تھیں	
آيَاتِي میری آیتیں	تُتْلَىٰ پڑھی جاتیں	عَلَيْكُمْ تم پر	فَكُنتُمْ پس تم تھے	بِهَا انہیں	تُكَذِّبُونَ تم جھٹلاتے تھے	قَالُوا وہ کہیں گے
رَبَّنَا اے ہمارے رب	غَلَبَتْ غالب آگئی	عَلَيْنَا ہم پر	شِقْوَتُنَا ہماری بدبختی	وَكُنَّا اور ہم تھے	قَوْمًا لوگ	ضَالِّينَ راستہ سے بھٹکتے ہوئے
رَبَّنَا اے ہمارے رب	أَخْرِجْنَا ہمیں نکال لے	مِنْهَا اس سے	فَإِنْ پھر اگر	عُدْنَا دوبارہ کیا ہم نے	فَإِنَّا تو بیشک ہم	ظَالِمُونَ ظالم
	قَالَ فرمائے گا	اخْسَئُوا پھٹکارے ہوئے پڑے رہو	فِيهَا اس میں	وَلَا تُكَلِّمُونِ اور کلام نہ کرو مجھ سے		

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جب کفار ومنکرین کے سر پر موت آ کھڑی ہوتی ہے اور دوسرے عالم کا معائنہ ہونے لگتا ہے اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور اپنے جہل وکفر پر سخت ندامت اور افسوس ہوتا ہے اور پھر اس وقت دنیا میں لوٹا دیئے کی درخواست کرتا ہے تاکہ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے مگر اس وقت اس کی درخواست کو رد کردیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اب تو دوبارہ دنیا میں واپس نہیں جاسکتا اور جب تک قیامت قائم ہو اسی مصیبت میں پڑا رہ۔تو مرنے ہی کے وقت جو مصیبت کفار کو پیش آتی

ہے اس کا بیان اور فرمانے کے بعد اب جو قیامت میں ان کو پیش آئے گا وہ آگے ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو عالم برزخ ختم ہو کر عالم آخرت شروع ہوگا اور تمام مخلوق زندہ کر کے ایک میدان میں جمع کر دی جائے گی اور اس وقت ہر ایک شخص اپنی فکر میں مشغول ہوگا۔ اولاد ماں باپ سے۔ بھائی بھائی سے۔ اور میاں بیوی سے سروکار نہ رکھے گا ایک دوسرے سے بے تعلق ہوں گے کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا۔

یہاں آیت میں جو فرمایا گیا کہ قیامت کے روز کفار میں باہمی رشتے ناتے نہ رہیں گے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باپ باپ نہ رہے گا اور بیٹا بیٹا نہ رہے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وقت نہ باپ بیٹے کے کام آئے گا نہ بیٹا باپ کے ہر ایک اپنے حال میں کچھ اس طرح گرفتار ہوگا کہ دوسرے کو پوچھنے کا ہوش نہ رہے گا۔ پھر آج انسان کے لئے اس بات کا سمجھنا کس قدر دشوار ہو گیا ہے کہ وہ جو کچھ اس دنیا میں کر رہا ہے۔ وہ سب برابر لکھا جا رہا ہے۔ مرنے کے بعد جب قیامت میں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اس کے سامنے ساری زندگی بھر کے کرتوتوں کا کچا چٹھا رکھ دیا جائے گا۔ پھر اس کے سامنے اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ جس کا اعمال کچھ وزن رکھتے ہوں گے اور نیکیوں کا پلہ بدیوں کے مقابلہ میں جھکا ہوا ہوگا اس کو نجات و مغفرت نصیب ہو جائے گی اور دائمی خوش نصیبی اس کو حاصل ہو جائے گی اس کے برخلاف جس کے اعمال ہلکے اور بے وزن ثابت ہوں گے۔ اس کی شامت آ جائے گی اور جہنم کے عذاب میں ڈال دیا جائے گا جہاں آگ سے بدن جلتے جلتے سوج جائے گا۔ اور ان کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جہنمیوں کا نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک اور اوپر کا پھول کر کھوپڑی تک پہنچ جائے گا اور زبان باہر نکل کر زمین پر لٹکتی ہوگی جسے دوزخی پاؤں سے روندیں گے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جہنم اور وہاں کے آزاروں سے ہم سب کو بالکلیہ محفوظ و مامون فرمائیں۔ آمین) اس وقت ان منکرین سے یوں کہا جائے گا کہ جن باتوں کو دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اب آنکھوں سے دیکھ لو سچی تھیں یا جھوٹی؟ کیا دنیا میں اللہ کا کلام تم کو سنایا نہ گیا تھا اور دوزخ اور اس کے عذاب سے ڈرایا نہ گیا تھا؟ یہ بتاؤ تم نے ان سب کو جھوٹ کیوں جانا؟ کفار اعتراف کریں گے کہ بیشک ہماری بدبختی نے دھوکا دیا جو ایمان و اسلام کے سیدھے راستہ سے بھٹک کر کفر و شرک کو اختیار کیا اور اس ابدی ہلاکت کے گڑھے میں آ پڑے۔ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا۔ اب از راہ کرم ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکال دیجئے۔ پھر کبھی ایسا کریں تو گناہ گار جو سزا چاہے دیجئے گا۔ اللہ عزوجل کی طرف سے جواب ملے گا کہ خاموش رہو اور اس دوزخ میں چپ چاپ پڑے رہو۔ بک بک مت کرو جو کیا تھا اب اس کی سزا بھگتو۔

الغرض ان کفار کی ندامت و معذرت پر کوئی رحم نہ کیا جائے گا اور مزید باری تعالیٰ کی طرف سے جو ان کو خطاب ہوگا اور کفار جو جواب دیں گے یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ قیامت کے روز ہمارا حشر و نشر اپنے مومنین و مخلصین بندوں کے ساتھ فرماویں اور بلا حساب کتاب محض اپنے فضل سے ہم سب کی مغفرت فرماویں۔ یا اللہ! میزان میں ہماری نیکیوں کا پلہ بھاری فرما دیجئے گا اور جنت کی دائمی نعمتوں کو نصیب فرمایئے گا۔

یا اللہ جہنم کے دکھ اور آزار سے کامل طور پر ہم کو محفوظ فرمایئے گا۔ یا اللہ! ہماری غفلت کو دور فرما دے ہمارے دلوں میں قیامت کے حساب کتاب، جزا و سزا کا دھیان بٹھا دے۔ ہمیں اپنے احکام کا متبع بنا کر زندہ رکھئے اور اسی حالت میں موت نصیب فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۞۱۰۹

میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو (ہم سے) عرض کیا کرتے تھے کہ اے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمائیے اور آپ سب رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنیوالے ہیں

فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ۞۱۱۰ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ

سو تم نے اُن کا مذاق مقرر کیا تھا یہاں تک کہ اُنکے مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم اُن سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ میں نے اُن کو آج اُن کے صبر کا یہ بدلہ دیا ہے

الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ۞۱۱۱ قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ۞۱۱۲ قَالُوا

کہ وہی کامیاب ہوئے۔ارشاد ہوگا کہ تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین پر رہے ہوگے وہ جواب دیں گے کہ ہم

لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ ۞۱۱۳ قَالَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۞۱۱۴

ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے۔ارشاد ہوگا کہ تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے کیا خوب ہوتا کہ تم سمجھے ہوتے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۞۱۱۵ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ

ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یوں ہی مہمل پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے سو اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے جو کہ بادشاہِ حقیقی ہے

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۞۱۱۶ وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ

اسکے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔عرشِ عظیم کا مالک ہے۔اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس پر اُس کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں۔

بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۞۱۱۷ وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ

سو اُس کا حساب اُس کے رب کے ہاں ہوگا۔یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہوگی۔اور آپ یوں کہا کریں کہ اے میرے رب میری خطائیں معاف کر اور رحم کر اور تو سب

خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۞۱۱۸

رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے۔

إِنَّهُ بیشک وہ	كَانَ تھا	فَرِيقٌ ایک گروہ	مِّنْ عِبَادِي میرے بندوں کا	يَقُولُونَ وہ کہتے تھے	رَبَّنَا اے ہمارے رب	آمَنَّا ہم ایمان لائے	
فَاغْفِرْ لَنَا سو ہمیں بخش دے	وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما	وَأَنتَ اور تو	خَيْرُ بہترین	الرَّاحِمِينَ رحم کرنے والے	فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ پس تم نے انہیں بنالیا		
سِخْرِيًّا ٹھٹھا	حَتَّىٰ یہاں تک کہ	أَنسَوْكُمْ انہوں نے بھلا دیا تمہیں	ذِكْرِي میری یاد	وَكُنتُمْ اور تم تھے	مِّنْهُمْ ان سے		
تَضْحَكُونَ ہنسی کیا کرتے تھے	إِنِّي بیشک میں	جَزَيْتُهُمُ میں نے جزا دی انہیں	الْيَوْمَ آج	بِمَا اس کے بدلے	صَبَرُوا انہوں نے صبر کیا		
أَنَّهُمْ بیشک وہ	هُمُ وہی	الْفَائِزُونَ مراد کو پہنچنے والے	قَالَ فرمائے گا	كَمْ لَبِثْتُمْ کتنی مدت رہے تم	فِي الْأَرْضِ زمین (دنیا) میں		
عَدَدَ شمار حساب	سِنِينَ سال	قَالُوا وہ کہیں گے	لَبِثْنَا ہم رہے	يَوْمًا ایک دن	أَوْ یا	بَعْضَ يَوْمٍ ایک دن کا کچھ حصہ	فَاسْأَلِ پس پوچھ لے
الْعَادِّينَ شمار کرنے والے	قَالَ فرمائے گا	إِن لَّبِثْتُمْ نہیں تم رہے	إِلَّا مگر صرف	قَلِيلًا تھوڑا عرصہ	لَّوْ أَنَّكُمْ کاش کہ تم		

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ جانتے ہوئے	اَفَحَسِبْتُمْ کیا تم خیال کرتے ہو؟	اَنَّمَا کہ	خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تمہیں پیدا کیا	عَبَثًا عبث بیکار	وَاَنَّكُمْ اور یہ کہ تم		
اِلَيْنَا ہماری طرف	لَا تُرْجَعُوْنَ نہیں لوٹائے جاؤ گے	فَتَعٰلَى پس بلندتر	اللّٰهُ اللہ	الْمَلِكُ بادشاہ	الْحَقُّ حقیقی	لَا نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود
اِلَّا هُوَ اس کے سوا	رَبُّ مالک	الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ عزت والا عرش	وَ اور	مَنْ يَّدْعُ جو پکارے	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ		
اِلٰهًا اٰخَرَ کوئی اور معبود	لَا بُرْهَانَ نہیں کوئی سند	لَهٗ اسکے پاس	بِهٖ اس کیلئے	فَاِنَّمَا سو تحقیق	حِسَابُهٗ اس کا حساب		
عِنْدَ رَبِّهٖ اسکے رب کے پاس	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَا يُفْلِحُ فلاح کامیابی	نہیں پائینگے	الْكٰفِرُوْنَ کافر	وَقُلْ اور آپ کہیں	رَبِّ اے میرے رب	
	اغْفِرْ بخش دے	وَارْحَمْ اور رحم فرما	وَاَنْتَ اور تو	خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ بہترین رحم کرنیوالا ہے			

تفسیر وتشریح:۔یہ اس سورۂ مومنون کے خاتمہ کی آیات ہیں۔

گزشتہ آیات میں کفار ومنکرین کا حال بروز قیامت بیان کیا گیا تھا کہ اپنے کفر کی وجہ سے ان کو دائمی عذاب جہنم ہوگا۔اس وقت کفار اپنے جرم کا اقرار کر کے عذر معذرت کریں گے اور درخواست کریں گے کہ اس مرتبہ ان کو جہنم سے آزاد کر دیا جائے اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے۔آئندہ وہ کفر نہ کریں گے۔اس پر ان کو جواب ملے گا کہ بک بک مت کرو۔اب خاموشی کے ساتھ جہنم میں پڑے رہو۔جیسا دنیا میں کیا تھا ویسا اب بھگتو،تم پر اب کوئی رحم وکرم نہ ہوگا۔حق تعالیٰ کی طرف سے ان کفار کو مزید شرمندہ اور پشیمان کرنے کے لئے ان کا ایک زبردست گناہ پیش کیا جائے گا جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے اور ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں میرے بندے اہل ایمان جب اپنے رب کے آگے دعا واستغفار کرتے تھے تو تم کو ان کے ساتھ ہنسی اور مذاق سوجھتا تھا۔اور ان کی ان خصلتوں کا اتنا مذاق اڑاتے تھے اور ان کے اتنا پیچھے پڑتے تھے گویا کہ تمہارے سر پر کوئی حاکم ہی نہ تھا کہ جو تمہاری ان شرارتوں کی سزا دے سکے۔

اس آیت میں کیسی صحیح اور عبرتناک تصویر پیش کی ہے۔آج کتنے ہی منکر اور کافر نہیں بلکہ نام کے مسلمان بھی اپنی "روشن خیالی" کے زعم میں اسی طرح کا مضحکہ سیدھے سادے دیندار مسلمانوں کا اڑاتے ہیں۔آیت یہ بتلا رہی ہے کہ اللہ کے مخلص دیندار بندوں سے مضحکہ وتمسخر کا انجام نار جہنم ہے۔آگے ان کفار سے خطاب جاری رکھتے ہوئے مزید کہا جائے گا کہ اہل ایمان نے تمہاری زبانی اور عملی ایذاؤں پر صبر کیا تھا۔آج دیکھو کہ تمہارے بالمقابل ان کو کیا پھل ملا۔ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا گیا جہاں وہ ہر طرح کامیاب وکامران اور ہر قسم کی لذتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہیں اور تم اپنی روشن خیالی پر گھمنڈ رکھنے والے اس ناکامی اور نامرادی کے عذاب میں گرفتار نکلے۔پھر منکرین قیامت وآخرت سے بطور زجر وتوبیخ کے یہ سوال ہوگا کہ تم جو کہتے تھے کہ مر کر جینا نہیں اور زندگی ہے تو بس دنیا ہی کی زندگی ہے۔اور وہاں کی زندگی اور اس کے لذات اور مال وجاہ پر تم ریجھے ہوئے تھے۔اور اب یہاں اپنے گمان کے خلاف مر کر دوبارہ زندہ ہونا اور اپنے کئے کی سزا پانا اور عذاب ابدی میں مبتلا ہونا دیکھ لیا اب بتاؤ کہ تم دنیا میں کس قدر ٹھہرے تھے؟منکرین تو اس وقت دکھ اور درد کے مارے حواس باختہ ہو رہے ہوں گے۔جواب میں کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں ایک روز یا اس سے بھی کم رہے ہوں گے اور سچ تو یہ ہے کہ ہم کو یاد نہیں کہ ہم دنیا میں کتنی مدت رہے۔فرشتوں سے کہ جو اعمال اور عمر کا حساب رکھتے تھے ان سے پوچھ لیا جائے۔جواباً ارشاد ہوگا کہ اب تو تمہیں بھی اقرار ہے کہ دنیا میں تھوڑی ہی مدت رہے۔اگر یہ بات تم اس وقت سمجھ لیتے کہ دنیا کی بقا ناقابل اعتبار ہے اور اس کے سوا کوئی اور دارالقرار ہے تو آج یہ گت تمہاری کیوں بنتی مگر وہاں تو بس بقا دنیا ہی میں منحصر سمجھا اور اس عالم آخرت کی نفی کرتے رہے اور اب اگر سمجھے تو بالکل بیکار ہے۔اگر دنیا ہی میں سمجھ لیتے کہ دنیا تھوڑے دن کی ہے اور ہمارے رسولوں اور کتابوں ہی کے کہنے سے مان جاتے تو آج اس قدر حسرت اور ندامت میں مبتلا نہ ہوتے اور نہ جہنم کی آگ میں جلتے۔

اب آگے انسانوں کو خواب غفلت سے چونکانے کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ لوگو!یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ تمہیں ہم نے کھیل کے طور پر

بنایا ہے کہ تم جو چاہے کرو۔ سنو اور غور کرو کہ تمہیں یقیناً ایک دن ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے اور تمہارے دنیا کے اعمال کا زبردست نتیجہ نکلنا ہے۔ یا تو جنت میں داخل ہو کر ابدی راحت میں رہو گے یا دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں نہ جانے کب تک جلو گے۔

اب چونکہ سورۃ خاتمہ پر آرہی ہے اس لئے تمام سورت کا خلاصہ اور نتیجہ ارشاد ہوتا ہے کہ یاد رکھو حقیقی بادشاہ اللہ ہی ہے جو بہت ہی عالیشان ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی عرش عظیم کا مالک ہے جو کوئی اللہ کے ساتھ اور کسی کو بھی معبود سمجھے گا وہ ہٹ دھرم ہے اور نا سمجھ ہے۔ اس کے پاس کوئی دلیل اور کوئی سند اس بات کی نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔ حقیقی رب اللہ عز وجل اس سے اس کے اعمال کا حساب لے گا۔ جو لوگ دنیا میں اس کا انکار کئے بیٹھے ہیں۔ یقیناً وہ آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے۔ ان کو نجات اور فلاح ہرگز میسر نہ ہوگی۔

سورۃ کی ابتداء قد افلح المومنون سے فرمائی گئی تھی کہ بالتحقیق مومن ہی فلاح یاب ہوں گے اور خاتمہ پر مقابلہ میں انہ لایفلح الکافرون فرمایا گیا کہ یقینی بات ہے کہ کافر فلاح یاب نہ ہوں گے اس طرح کس خوبی سے کلام کو تمام فرمایا گیا۔

آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا جاتا ہے کہ یہ گفتگو تو کفار سے متعلق تھی اگر یہ لوگ طالب مغفرت ورحمت نہیں ہیں تو نہ ہوں، آپ اور آپ کے متبعین اس کو طلب کیجئے اور یوں کہا کیجئے کہ اے میرے رب مغفرت فرمائیے اور رحم فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔

اس سورۃ کے اخیر کی چار آیات میں یعنی افحسبتم سے سورہ ختم تک بہت بڑی فضیلت اور تاثیر رکھتی ہیں جس کا ثبوت بعض احادیث سے ہوتا ہے اور علماء ومشائخ نے تجربہ کیا ہے اس لئے ان اخیر کی چار آیات کا ورد اکثر رکھنا چاہئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک سریہ یعنی چھوٹا لشکر روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ صبح اور شام یہ آیتیں پڑھا کریں۔ یعنی افحسبتم سے وانت خیر الرّحمین تک۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ان کا گذر ایک ایسے بیمار پر ہوا جو سخت امراض میں مبتلا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے کان میں سورۂ مومنون کی یہی آیتیں افحسبتم سے آخر سورۃ تک پڑھ دیں وہ اسی وقت اچھا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو ان سے دریافت کیا کہ تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ آیتیں پڑھی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذاتِ پاک کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی آدمی جو یقین رکھنے والا ہو یہ آیتیں پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔ (معارف القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو دعا تلقین فرمائی تھی اور جو آج تک اہل ایمان اپنی نمازیں اکثر پڑھتے ہیں یعنی اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا. وانہ لایغفر الذنوب الا انت فغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم o

یہ دعا اس آخری آیت وقل رب اغفرو ارحم وانت خیر الرّحمین o کے امتثال امر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے دل کی گہرائیوں سے اس دعا کو اپنی نمازوں میں مانگنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

الحمدللہ اس درس پر اس سورۃ کا بیان ختم ہوا جس میں چھ رکوع تھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَۃُ النُّوْرِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ اَرْبَعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰیَۃً وَّتِسْعُ رُکُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا وَفَرَضْنٰھَا وَاَنْزَلْنَا فِیْھَآ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ①

یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اسکو ہم (ہی) نے مقرر کیا ہے اور ہم نے اس سورۃ میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو

سُوْرَۃٌ ایک سورۃ	اَنْزَلْنٰھَا جو ہم نے نازل کی	وَفَرَضْنٰھَا اور لازم کیا اس کو	وَاَنْزَلْنَا اور ہم نے نازل کیں	فِیْھَآ اس میں
اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ واضح آیتیں	لَعَلَّکُمْ تاکہ تم	تَذَکَّرُوْنَ تم یاد رکھو		

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اب اٹھارویں پارہ کی سورۃ النور کا بیان شروع ہورہا ہے اس وقت اس درس میں سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت کی انشاء اللہ تشریح کی جائے گی۔ جس سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام و زمانۂ نزول۔ تاریخی پس منظر۔ موضوع ومباحث۔ تعداد رکوعات و آیات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے پانچویں رکوع کی پہلی آیت میں اللہ نورالسموت والارض کا جملہ آیا ہے یعنی اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ تو چونکہ اس سورۃ میں اللہ کے نور کا ذکر ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۃ النور ہوا۔ یہ مدنی سورۃ ہے اور ۶ ہجری کے آخری نصف میں اس کا مدینہ منورہ میں نزول ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی چوبیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۱۰۵ لکھا ہے یعنی قرآن پاک کی کل ۱۱۴ سورتوں میں سے ۱۰۴ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۹ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۶۴ آیات اور ۹ رکوعات ۱۴۲۰ کلمات اور ۶۴۱۰ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

تاریخی پس منظر یعنی جن حالات میں اس سورۃ کا نزول ہوا مختصراً اس طرح ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہود سے مصالحت کا معاہدہ فرمایا تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ وفا فرماتے رہے لیکن اس وقت یہود چونکہ مدینہ کے رئیس اور بڑے مانے جاتے تھے آپ کے تشریف لانے کے بعد اسلام کی روزافزوں شوکت کو دیکھ کر ان کو سخت غیظ ہوتا تھا اور اسی لئے وہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے درپے آزار رہتے تھے۔ غزوہ بدر ۲ھ میں جب کفار مکہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کو حیرت انگیز فتح ہوئی تو یہود مدینہ کے غیظ وغضب کی انتہا نہ رہی۔ بالآخر انہوں نے علانیہ عہد شکنی شروع کر دی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے مختلف قبائل سے جنگ کی تیاری شروع کی۔ مقابلہ ہوا تو کچھ قبائل جلاوطن ہو کر شام چلے گئے اور کچھ خیبر وغیرہ چلے گئے۔ ادھر قریش مکہ پہلے سے مدینہ کے یہود اور منافقین کو خط لکھ کر نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت پر اکسا رہے تھے بلکہ یہ دھمکی بھی ساتھ دی تھی کہ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نہ نکال دو گے تو ہم تمہارے ساتھ بھی جنگ کریں گے۔ گویا قریش مکہ۔ یہود مدینہ اور منافقین سب کی مجموعی طاقت اسلام کے خلاف کھڑی ہوگئی۔ بالآخر ذی قعدہ ۵ھ میں سب نے اپنی پوری پوری قوتیں جمع کر کے یکبارگی مدینہ طیبہ پر حملہ کی ٹھہرائی اور اس طرح دس ہزار آدمیوں کا لشکر جرار مسلمانوں کو مٹانے کے لئے مدینہ کی طرف بڑھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر جنگ کرنا مناسب نہیں بلکہ جس طرف سے مدینہ کے اندر ان کے گھسنے کا احتمال ہے اس طرف خندق کھودی جائے چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور تین ہزار صحابہ کرام کو لے کر خندق کھودنے کے لئے خود بھی کمربستہ ہوگئے چھ دن میں یہ پانچ گز گہری خندق اس طرح تیار ہوئی کہ اس کے کھودنے میں خود سید المرسل صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے دستِ مبارک کا ایک بڑا حصہ تھا۔ ایک مرتبہ خندق

کھودتے ہوئے ایک پتھر کی چٹان نکل آئی جس کی وجہ سے سب کے سب عاجز ہوگئے تو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے ایک کدال مارا تو اس کے ٹکڑے اڑ گئے غرض خندق تیار ہوگئی ادھر کفار کا لشکر آ پہنچا اور مدینہ کا محاصرہ کرلیا تقریباً ایک ماہ تک مدینہ میں مسلمان محصور رہے۔ محاصرہ کی وجہ سے مدینہ میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ رسد کی قلت سے صحابۂ کرام پر تین تین فاقہ گزر گئے۔ ایک روز مضطر ہو کر صحابہؓ نے اپنے پیٹ کھول کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلائے کہ سب نے پیٹ سے پتھر باندھ رکھے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کیلئے اپنا شکم مبارک کھول کر دکھایا جس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) ادھر محاصرین جب خندق عبور نہ کر سکے تو وہیں سے تیر اور پتھر برسانے شروع کئے۔ جانبین سے مسلسل تیر اندازی ہوتی رہی اسی سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوئیں بالآخر خداوند قدوس نے اس بے سروسامان جماعت کی مدد فرمائی اور لشکر کفار پر ہوا کا ایک ایسا طوفان مسلط فرمایا جس نے ان کی فوج کے حواس معطل کر دیئے غرضیکہ ایک مہینہ تک سر مارنے کے بعد آخر کارنا کام اور خاسر ہو کر واپس چلے گئے اور ان کے جاتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاعلان صحابہ سے فرمادیا کہ اس سال کے بعد اب قریش تم پر چڑھائی نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر چڑھائی کرو گے۔ یہ گویا اس امر کا اعلان تھا کہ اب اسلام بچاؤ کی نہیں بلکہ اقدام کی لڑائی لڑے گا اور کفر کو اقدام کے بجائے بچاؤ کی لڑائی لڑنی پڑے گی۔ مشرکین۔ منافقین۔ یہود اب سبھی یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ مسلمانوں کو محض ہتھیاروں اور فوجوں کے بل پر شکست نہیں دی جا سکتی۔ اس لئے اب دشمنان اسلام کی سرگرمیوں کا رخ جنگی کارروائیوں سے ہٹ کر رذیلانہ حملوں اور داخلی فتنہ انگیزیوں کی طرف پھر گیا اور چونکہ یہ خدمت باہر کے دشمنوں کی بہ نسبت خود مسلمانوں کے اندر گھسے ہوئے منافقین زیادہ اچھی طرح انجام دے سکتے تھے اس لئے مخالفین اسلام کی اب یہ سازش قرار پائی کہ مدینہ کے منافقین اندر سے فتنہ اٹھائیں اور یہود و مشرکین باہر سے ان کا زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ مدینہ کے منافقین جو بظاہر مسلمان بن کر اہل اسلام میں گھلے ملے تھے ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے کہ جس سے وہ مسلمانوں میں آپس میں بدگمانی پھیلا سکیں تاکہ مسلمانوں کے اتحاد اور نظم اور ان کی اجتماعی قوت میں رخنہ پڑے۔ چنانچہ منافقین کئی موقعوں پر افتراپردازی کا طوفان عظیم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی طرح کا ایک حملہ منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے سلسلہ میں کھڑا کیا مگر مخالفین کے تمام اعتراضات کا دندان شکن جواب وحی الٰہی نے سورۂ احزاب میں دیا اور منافقین کی اس مہم پر سخت زجر و توبیخ کی گئی جس کی تفصیلات انشاءاللہ اکیسویں پارہ سورۂ احزاب میں بیان ہونگی۔

دوسرا حملہ منافقین نے ہجرت کے چھٹے سال غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر کھڑا کیا جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بابت غلط اور بے بنیاد بدگمانی پھیلانی شروع کی اور آپ پر تہمت لگا کر بیہودہ خبریں اور افواہیں مسلمانوں میں پھیلائیں۔ شیطانی وسوسوں نے کام کیا اور کچھ سادہ دل مخلص مسلمان بھی اس بے بنیاد جھوٹی افواہ کے سننے اور دوسروں سے ذکر کرنے میں شامل ہوگئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعۂ تہمت کی وہی شان ہے جو حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے قصہ کی شان ہے جس کی تفصیل سورۂ مریم سولہویں پارہ میں گزری اور جس طرح حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کی عفت و عصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور آپ کی عصمت ونزاہت میں شک کرنا کفر ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت و عصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور آپ کی عصمت ونزاہت میں شک کرنا کفر ہے۔ دونوں کی عفت و عصمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور نص قرآنی کا انکار کفر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا شوشہ چھوڑ کر منافقین نے بیک وقت کئی شکار کرنے کی کوشش کی۔ ایک طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عزت پر حملہ کیا۔ دوسری طرف اسلامی وقار کو گرانے کی کوشش کی اور تیسری طرف مسلمانوں کے اندر کمال درجے کے اتحاد اور نظم و

ضبط میں رخنہ پیدا کرنے کی اسکیم بنائی۔ یہ تھے وہ حالات کہ جس میں یہ سورۂ نور نازل ہوئی۔ اس پس منظر کو سمجھ لینے سے آئندہ دورانِ سورۃ تشریحات سمجھنے میں انشاءاللہ سہولت اور آسانی ہوگی اس لئے یہ پس منظر بیان کرنا ضروری تھا۔

اس سورۃ کے مرکزی مطالب عورت کی عفت سے متعلق ہیں۔ اس لئے حدیث صحیح میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آیا ہے کہ اپنی عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دو۔ اس سورۃ میں زیادہ تر گھریلو اور اجتماعی زندگی کے پاک صاف رکھنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ ناجائز تعلقات جنسی کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ پاکیزہ گھرانوں کی مستورات کے متعلق وہم و گمان کی بنا پر برے خیالات پھیلانے والوں کی سزا کا قانون بیان فرمایا گیا ہے۔ بیوی پر ناپاکی کا الزام لگانے والے خاوند کے لئے لعان کا قانون بتایا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت اور پاکدامنی کی شہادت دی گئی اور آپ کے متعلق بدگمانی پھیلانے والوں کو سرزنش کی گئی اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ اللہ کے برگزیدہ بندں کی بابت بدگمانیوں سے بچیں ورنہ سخت سزا کے سزاوار ہوں گے۔ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ہدایت کی گئی کہ پاکیزہ زندگی اختیار کریں اور اس کا طریقہ بتایا گیا۔ بیوہ عورتوں کی دوبارہ شادی کردینے کی مصلحت سمجھائی گئی۔ اسلامی معاشرہ کو بیہودہ باتوں۔ خرابیوں اور بدگمانیوں سے پاک وصاف رکھنے کے لئے معاشرتی اور تمدنی قوانین کی تعلیم دی گئی۔ اس سورت میں مسلمانوں کو بشارت دی گئی کہ انہیں زمین میں حکومت وسلطنت دی جائے گی تاکہ انہیں اسلام کی خوبیاں اور برکتیں تمام دنیا میں پھیلانے کا موقع مل جائے۔ پھر آپس میں مل جل کر رہنے کی تعلیم دی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و تعظیم کی ہدایت کی گئی اور بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمہارا برتاؤ کیسا ہونا چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ اس سورۃ میں بڑے بڑے اور اہم قوانین و ہدایات کے علاوہ منافقین اور مؤمنین کی علامتیں بتائی ہیں تاکہ معاشرہ میں پتہ چل جائے کہ مخلص اہل ایمان کون ہیں اور منافق کون؟ ان جملہ امور کی تفصیلات انشاءاللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

اس تمہیدی تشریح کے بعد اب آیت زیر تفسیر کی تشریح سنیئے۔

سورۃ کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے کہ لفظ لفظ سے اہمیت ٹپکتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

''یہ ایک سورۃ ہے کہ جس کے الفاظ کو بھی ہم نے نازل کیا ہے اور اس کے احکام کو بھی ہم نے مقرر کیا ہے اور ہم نے اس سورۃ میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو اور عمل کرو۔''

اب یوں تو سارا ہی قرآن اور تمام سورتیں حق تعالیٰ ہی کی نازل کی ہوئی ہیں مگر اس سورۃ کے احکام کو خاص اہمیت دینے کے لئے فرمایا گیا کہ اس کا نازل کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہیں اس لئے اسے کسی اور ناصح کے کلام کی طرح ہلکی چیز نہ سمجھ بیٹھنا۔ خوب جان لو کہ اس کا نازل کرنے والا وہ ہے جس کے قبضہ میں تمہاری جانیں ہیں اور جس کی گرفت سے تم مر کر بھی نہیں چھوٹ سکتے اس لئے مخاطبین سمجھ لیں کہ اس کے مضامین و احکام ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ جو صاف صاف نصیحتیں اور کھری کھری باتیں اس سورۃ میں بیان کی گئی ہیں اس لائق ہیں کہ ہر مسلمان ان کو حرزِ جان بنائے اور ایک منٹ کے لئے ان سے غفلت نہ کرے لفظ فرضنھا اور اسے ہم نے فرض کیا ہے۔ یہ صاف ظاہر کررہا ہے کہ یہ قطعی احکام ہیں جس کی پیروی کرنا لازم ہے۔ یہ نہیں کہ یہ کوئی ''سفارشات'' ہیں کہ آپ کا جی چاہے تو مانیں ورنہ جو چاہے عمل کرتے رہیں اور جیسے چاہیں عائلی اور خانگی قوانین بناتے رہیں پھر آیاتِ بینتٍ یعنی صاف صاف کھلی آیات کہہ کر یہ واضح کردیا کہ جو ہدایات و احکام اس سورۃ میں دیئے جارہے ہیں ان میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ صاف صاف اور کھلی ہدایات ہیں جس کے متعلق تم یہ عذر نہیں کرسکتے کہ فلاں حکم ہماری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے ہم کیسے عمل کرتے۔ اس پرشوکت تمہید کے بعد احکام شروع ہوجاتے ہیں اور سب سے پہلا حکم زانی اور زانیہ کی سزا کے متعلق ہے جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد سو ان میں سے ہر ایک کے سو درے مارو۔ اور تم لوگوں کو اُن دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں

فِي دِينِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ

ذرا رحم نہ آنا چاہئے اگر اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو

مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢﴾

حاضر رہنا چاہیے۔

اَلزَّانِيَةُ بدکار عورت	وَالزَّانِي اور بدکار مرد	فَاجْلِدُوا تو تم کوڑے مارو	كُلَّ وَاحِدٍ ہر ایک کو	مِّنْهُمَا ان دونوں میں سے	مِائَةَ سو
جَلْدَةٍ کوڑے	وَّلَا تَأْخُذْكُمْ اور نہ پکڑو (نہ کھاؤ)	بِهِمَا ان پر	رَأْفَةٌ مہربانی (ترس)	فِي میں	دِينِ اللّٰهِ اللہ کا حکم	إِنْ اگر
كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ تم ایمان رکھتے ہو	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور یوم آخرت	وَلْيَشْهَدْ اور چاہئے کہ موجود ہو	عَذَابَهُمَا ان کی سزا	
طَآئِفَةٌ ایک جماعت	مِّنَ سے۔ کی	الْمُؤْمِنِينَ مومن (مسلمان)			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ تمہیدی آیت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا تھا کہ یہ عظیم الشان جلیل القدر سورۃ ہم نے نازل کی ہے اور ہم نے خود اس میں احکام مقرر کئے ہیں جن کی اطاعت لوگوں پر فرض ہے۔ اس تمہید کا انداز بیان خود بتا رہا ہے کہ سورۂ نور کے احکام کو اللہ تعالیٰ کتنی اہمیت دے کر پیش فرما رہے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ کے نازل ہونے سے پہلے تہمت تراشی کا ایک ایسا افسوسناک واقعہ پیش آیا تھا جس سے اجتماعی زندگی کے آرام وسکون میں سخت خلل واقع ہونے کا اندیشہ تھا۔ مراد اس سے واقعۂ افک ہے جبکہ منافقین نے محض اسلام دشمنی میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا کر غلط اور بے بنیاد بدگمانی پھیلانی شروع کر رکھی تھی جس کی تفصیلات اگلے رکوع میں ظاہر فرمائی گئی ہیں۔ اس لئے تمہید کے الفاظ اتنی شان وشوکت کے ہیں تاکہ لوگ اس سورۃ کے احکام کو ہمیشہ یاد رکھیں اور برائیوں سے بچیں۔ چونکہ منافقین نے معاذ اللہ، معاذ اللہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا سے متعلق تہمت لگائی تھی مگر آپ کی برأت اور پاک دامنی پر قرآن پاک نے شہادت دی اور اگلے دو رکوع مستقل آپ کی صدیقیت پر نازل ہوئے۔ اس لئے اس سورۃ میں احکام کی ابتداء زنا کی سزا سے ہوتی ہے اور پہلا حکم اس آیت میں یہ دیا جاتا ہے کہ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کو ۱۰۰ درے مارے جائیں۔ یہاں یہ سمجھ لیا جائے کہ شریعت اسلامیہ میں یہ ۱۰۰ دُرے کی سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل اور بالغ ہو اور نکاح کئے ہوئے نہ ہو یا نکاح اگر ہو چکا ہے تو ہم بستری نہ ہو سکی ہو۔ اور اگر آزاد، بالغ اور عاقل مرد وعورت نکاح سے فائدہ اٹھا چکے ہوں اور ہم بستری ہو چکی ہو تو ایسے مرد وعورت کو زنا کی سزا رجم یعنی سنگساری ہے یعنی اتنے پتھر اس کے مارے جائیں کہ وہ مر جائے۔ یہ سزا رجم کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے حیاتِ مبارکہ میں جاری فرمائی اور آپ کے بعد خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل برابر اسی قانون پر رہا۔ اگر شادی شدہ آزاد مرد یا عورت سے زنا سرزد ہوا تو سنگسار کیا گیا اور غیر شادی شدہ آزاد مرد وعورت کے ۱۰۰ کوڑے مارے گئے۔ (نوٹ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ بینات کراچی اشاعت خاص "رجم کی شرعی حیثیت"

بابت ماہ رجب وشعبان ۱۴۰۱ھ مطابق جون جولائی ۱۹۸۱ء)

زنا کا عام مفہوم جس سے ہر شخص واقف ہے یہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت بغیر اس کے کہ ان کے درمیان جائز رشتہ زن وشو ہر ہو باہم مباشرت کا ارتکاب کریں۔ اس لئے اس جرم کی سزا بھی ایسی ہی رکھی گئی ہے۔ اس فعل بد کی شامت سے دنیا میں بھی انسانوں پر بہت سی بلائیں نازل ہوتی ہیں جیسے دشمن کا غلبہ۔ رزق کی تنگی۔ عزت کی بربادی۔ عمر میں بے برکتی۔ ملک و دولت کی بربادی۔ سینکڑوں بیماریوں کا آنا اور روح پر بھی ایسی تاریکی پیدا ہوتی ہے جو مرنے کے بعد اندھیری اور عذابِ آتش بن کر سامنے آتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی نظر میں بھی ایسا شخص مقہور ہو جاتا ہے اور نیک لوگ بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ زنا سے فقط دونوں زنا کار مرد و عورت ہی اپنی شخصیت۔ وقار۔ عزت اور تہذیب کو برباد نہیں کرتے بلکہ اگر یہ سلسلہ قائم رہے تو خاندان کے خاندان اور قومیں کی قومیں مختلف مصائب کا شکار ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جتنی سخت سزا زنا کی مقرر کی ہے کسی دوسرے اخلاقی یا مالی جرم کی ایسی سنگین تعزیر مقرر نہیں کی۔ آج بھی جن ملکوں میں مثلاً حجاز۔ نجد۔ یمن جہاں زنا کی حد شرعی جاری ہے وہاں جرم زنا آج بھی گویا عنقا ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کی تجویز کی ہوئی یہ سزا جاری نہیں ہے وہاں زنا کے بازار عام ہیں جن میں افسوس صد افسوس آپ کا ملک پاکستان بھی شامل ہے۔ اہل ملک۔ ملک کی اس حالت سے خوب واقف ہیں۔ مجھے تشریح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک اسلامی ملک میں ہم صاحب اختیار ہو کر قرآنی تعزیرات اور شرعی سزائیں جاری نہ کر کے جہاں ہم ایک طرف قرآن کے نافرمان بلکہ باغی ہونے کے مجرم ہیں وہیں دوسری طرف معاشرہ میں دن دگنی رات چوگنی برائیاں، فسق و فجور، بدکرداری، بے حیائی اور طرح طرح کے جرائم کی کثرت اور پیداوار کے بھی ذمہ دار ہیں۔ اگر آج آپ شرعی سزائیں یہاں جاری کردیں۔ چور کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ شادی شدہ زانی یا زانیہ کو سنگسار کیا جائے۔ غیر شادی شدہ کے سو کوڑے مارے جائیں۔ ڈکیتی۔ راہزنی اور لوٹ مار کرنے والوں کو قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے یا ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں کے کاٹے جائیں۔ یا جلاوطن کردیا جائے۔ شرابی کو اسی کوڑوں کی پٹائی کی سزا دی جائے وغیرہ وغیرہ تو آپ دیکھ لیں کہ پاکستان حقیقی معنی میں پاکستان بن جائے۔ زنا، شراب، جواء، قمار، سٹہ رشوت، قتل، اغوا، لوٹ مار، چوری، ڈکیتی کس طرح عنقا ہو جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارا ذہن اتنا مفلوج ہو گیا ہے کہ ہماری اپنی کوئی رائے باقی ہی نہیں رہی۔ جسے یورپ اچھا کہتا ہے بس اسے ہم بھی اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ جسے یورپ برا قرار دیتا ہے اسے ہم بھی برا تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر وہاں سے سند جواز مل گئی تو پھر کسی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ اگر وہاں سے کسی بات کے غلط اور ناجائز ہونے کا فتویٰ صادر ہو گیا تو ہماری زبانیں گنگ ہو گئیں، ہمارے دلوں پر تالے پڑ گئے۔ ہمارے دماغوں کے سوتے خشک ہو گئے۔ انا لِلّٰہِ وانا الیہ رجعون

جس قوم کے پاس قرآن کریم جیسی کتاب اور سید الانبیاء فخر رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ذات عالی مرتبت کی تعلیمات موجود ہوں اسے یورپ کے دہریوں اور مغرب کے فسق نوازوں کی تقلید اور دریوزہ گری سے کیا کام۔ اے اللہ! آپ اپنے کرم سے پھر ہم کو مومنانہ فراست۔ قلندرانہ جرأت فقیہانہ دانش و حکمت۔ داعیانہ بے باکی اور ہمت عطا فرمادے اور اپنے آسمانی دین اور کتاب کا سچا وفادار بنادے اور جس اسلام کے نام پر یہ ملک پاکستان بنا تھا اسی اسلام کی یہاں حقیقی حکومت ہم کو عطا فرمادے آمین۔ یہ مضمون یہاں بیچ میں اضطراری طور پر آ گیا۔

اس آیت کے مخاطب کہ زانیہ اور زانی ہر ایک کے سو سو دُرے مارو۔ صاحبِ حکومت اور امرائے اسلام ہیں۔ یا ان کے مقرر کئے ہوئے قاضی وحاکم۔ اسلامی قانون حکومت کے سوا کسی کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ زانی کے اور زانیہ کے خلاف کارروائی کرے اور عدالت کے سوا کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ زنا پر سزا دے اس پر تمام امت کے فقہا کا اتفاق ہے کہ آیت میں لفظ فاجلدوا یعنی ان کے کوڑے مارو کے مخاطب عوام نہیں بلکہ اسلامی حکومت کے حکام اور قاضی ہیں۔

زانیہ عورت اور زانی مرد کی سزا کا حکم بیان کرنے کے بعد آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ان پر ترس کھانے اور رحم کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملہ میں تم پر دامنگیر نہ ہو۔ یہاں آیت میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ زنا کی اس حد شرعی کو ''دین اللہ'' فرمایا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہی دین نہیں ہیں بلکہ شرعی سزاؤں کا جاری کرنا بھی عین دین ہے۔ اس طرح دین کو قائم کرنے کا مطلب صرف نماز، روزہ ہی کا قائم کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جملہ قانون اور نظام شریعت قائم کرنا دین ہے۔ اب اسی سے اس کا خلاف بھی سمجھ لیا جائے کہ جہاں اللہ کے قانون کو چھوڑ کر اور رد کر کے کوئی دوسرا قانون اختیار کیا جائے تو گویا دین اللہ کو رد کر دیا گیا۔ تو یہاں آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف تنبیہ فرما دی کہ زانی اور زانیہ پر میری تجویز کردہ سزا نافذ کرنے میں مجرم کے لئے رحم و شفقت کا جذبہ تمہارا ہاتھ نہ پکڑے۔ اسی بات کو اور زیادہ کھول کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے روز ایک حاکم لایا جائے گا جس نے حد میں ایک کوڑا کم کر دیا تھا۔ پوچھا جائے گا کہ یہ حرکت تو نے کیوں کی تھی؟ وہ عرض کرے گا کہ آپ کے بندوں پر رحم کھا کر۔ ارشاد ہوگا کہ اچھا تو ان کے حق میں مجھ سے زیادہ رحیم تھا؟ پھر حکم ہوگا کہ لے جاؤ اسے جہنم میں۔ ایک اور حاکم لایا جائے گا جس نے حد پر ایک کوڑے کا اضافہ کر دیا تھا۔ پوچھا جائے گا کہ تو نے یہ کس لئے کیا تھا۔ وہ عرض کرے گا تا کہ لوگ آپ کی نافرمانیوں سے باز رہیں۔ ارشاد ہوگا کیا تو ان کے معاملہ میں مجھ سے یادہ حکیم تھا۔ پھر حکم ہوگا لے جاؤ اسے دوزخ کی طرف (تفسیر کبیر) یہ نتیجہ تو اس صورت میں ہے جبکہ حد شرعی میں کچھ کمی بیشی کا عمل رحم یا مصلحت کی بنا پر ہو لیکن اگر قانون الٰہی میں ایک سرے سے رد بدل ہی کر دیا جائے یا اس کو بالکل ہی رد کر دیا جائے تو یہ اور بھی سنگین جرم ہے۔ پھر آگے اس حد کو جاری کرنے کی تاکید میں یہ بھی فرمایا ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر یعنی اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور آخرت پر یقین رکھتے ہو تو اس کے احکام وحدود جاری کرنے میں کچھ پس وپیش نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا بالکل روک لو یا اس میں کمی کرنے لگو یا سزا دینے کی ایسی ہلکی اور غیر مؤثر طرز اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق اور تم سے زیادہ اپنے بندوں پر شفیق ومہربان ہے۔ اس کا کوئی حکم سخت ہو یا نرم حکمت و رحمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اگر صاحب اقتدار اس کے احکام وحدود کے اجراء میں کوتاہی کریں گے تو قیامت میں ان کی پکڑ ہوگی۔ اس لئے دنیا میں اللہ کی مقرر کی ہوئی سزائیں بلا رورعایت اور بغیر کسی قسم کے پس وپیش کے مجرموں کو دینی چاہئے۔ آگے یہ بھی بتلا دیا گیا کہ یہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ یہ سزا چپکے سے سب سے چھپا کر دے دی جائے۔ نہیں بلکہ دوسروں کی عبرت کے لئے ضروری ہے کہ ایسے حیا سوز کام کرنے والوں کو برملا سب کے سامنے سزا دی جائے تا کہ ان کی سزا اور رسوائی دیکھ کر دوسرے عبرت پکڑیں اور ایسے کاموں سے بچیں۔ آیت کے اس جملہ ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین یعنی سزائے زنا کے جاری کرنے کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے

تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سزاؤں اور خصوصاً حدود کو منظر عام پر جاری کرنے کا طریقہ رائج ہے تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو مگر ایک جماعت کو اس میں حاضر رہنے کا حکم یہ بھی سزائے زنا کی خصوصیت ہے۔ فواحش اور بے حیائی کی روک تھام کے لئے شریعت اسلام نے دور دور تک پہرے بٹھائے ہیں عورتوں پر پردہ لازم کردیا گیا۔ مردوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ زیور کی آواز یا عورت کے گانے کی آواز کو ممنوع قرار دیا گیا کہ وہ بے حیائی کے لئے محرک ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جس شخص سے ان معاملات میں کوتاہی دیکھی جائے اس کو خلوت میں تو سمجھانے کا حکم ہے مگر اس کو رسوا کرنے کی اجازت نہیں۔ لیکن جو شخص ان تمام شرعی احتیاطوں کو توڑ کر اس درجہ میں پہنچ گیا کہ اس کا جرم شرعی شہادت سے ثابت ہوگیا تو اب اس کی پردہ پوشی دوسرے لوگوں کی جرأت بڑھانے کا موجب ہوسکتی ہے۔ اس لئے اب تک جتنا اہتمام پردہ پوشی کا شریعت نے کیا اب اتنا ہی اہتمام اس کی تفضیح اور رسوائی کا کیا جاتا ہے۔ اسی لئے زنا کی سزا کو صرف منظرِ عام پر جاری کرنے پر کفایت نہیں فرمائی بلکہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو اس میں حاضر اور شریک رہنے کا حکم دیا گیا۔ (معارف القرآن)

اب رہے وہ امور کہ جن سے ثبوت زنا ہوسکے اور جس پر حد شرعی جاری ہوسکے۔ ان کی تفصیلات فقہا نے کتب فقہ میں لکھی ہیں۔ مثلاً ثبوت زنا یا تو چار مردوں کی عینی گواہیوں سے ہوتا ہے یا زنا کرنے والے کے خود چار مرتبہ اقرار کرلینے سے۔ پھر بھی امام۔ قاضی یا حاکم عدالت بار بار سوال کرے گا اور دریافت کرے گا کہ زنا سے کیا مراد ہے؟ کہاں کیا؟ کس سے کیا؟ کب کیا؟ اگر ان سب کو بیان کردیا تو زنا ثابت ہوگا اور گواہوں کو صراحۃً اپنا معائنہ بیان کرنا ہوگا۔ اور یہ مسائل کہ کوڑا کیسا ہو؟ کس طرح مارا جائے؟ بدن کے کس حصہ پر مارا جائے اور کہاں نہ مارا جائے؟ یہ جزئیات بھی فقہاء نے کتب فقہ میں جمع کردی ہیں مثلاً مرد کو کوڑا لگانے کے وقت کھڑا کیا جائے اور اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جائیں سوائے تہ بند کے اور اس کے تمام بدن پر کوڑے لگائے جائیں سوائے منہ، چہرے اور شرمگاہ کے۔ اور عورت کو کوڑا لگاتے وقت کھڑا نہ کیا جائے۔ نہ اس کے کپڑے اتارے جائیں، البتہ پوستین یا روئی دار کپڑے پہنے ہوئے ہو تو وہ اتار دیئے جائیں وغیرہ وغیرہ۔

آگے بے حیائی کی روک تھام کے لئے دوسرا حکم اگلی آیت میں دیا گیا اور پھر زنا کی تہمت کسی پاکباز عورت یا مرد پر لگانے کی سزا اور اس کا قانون بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

نوٹ: یہ درس ابتداء ۱۹۶۷ء میں لکھا گیا تھا۔ اب ۸۴-۱۹۸۳ء میں بوقت کتابت و طباعت الحمدللہ حالات پاکستان میں بدلے ہوئے ہیں موجودہ حکومت کی طرف سے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء نافذ کردیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کامل نفاذ شرعی نظام کی اس ملک میں صورتیں ظاہر فرمائیں۔ (احقر مؤلف)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر طرح کے ممنوعاتِ شرعیہ کے ارتکاب سے ہم کو بچائیں اور دین کو پوری طرح قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ! اس ملک کے حکام اور اصحاب حکومت کو توفیق عطا فرما کہ آپ کے قانون اور شرعی سزاؤں کو ملک میں نافذ کریں۔ اور اس ملک کو صحیح معنی میں اسلامی حکومت بناویں۔ یا اللہ! قرآنی احکام کی نافرمانی اور بغاوت کا ماحول اس ملک سے یکسر مٹادے اور قرآنی احکام کے نفاذ کی صورتیں غیب سے ظاہر فرمادے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ١ۚ

زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے۔اور یہ مسلمانوں پر

وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ۝۳ وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ

حرا م کیا گیا ہے۔اور جو لوگ، (زنا کی) تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے) پر نہ لاسکیں

شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا١ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ

تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ اور اُن کی کوئی گواہی کبھی مت قبول کرو۔ اور یہ لوگ فاسق ہیں۔

الْفٰسِقُوْنَ۝۴ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا١ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝۵

لیکن جولوگ اس (تہمت لگانے) کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں سو اس حالت میں اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا رحمت کرنیوالا ہے

اَلزَّانِیْ بدکار مرد	لَا یَنْكِحُ نکاح نہیں کرتا	اِلَّا سوا	زَانِیَةً بدکار عورت	اَوْ مُشْرِكَةً یا مشرکہ	وَّ الزَّانِیَةُ اور بدکار عورت		
لَا یَنْكِحُهَاۤ نکاح نہیں کرتی	اِلَّا زَانٍ سوا بدکار مرد	اَوْ مُشْرِكٌ یا شرک کرنیوالا مرد	وَ حُرِّمَ اور حرام کیا گیا	ذٰلِكَ یہ	عَلَى پر		
الْمُؤْمِنِیْنَ مومن	وَ اور	الَّذِیْنَ جولوگ	یَرْمُوْنَ تہمت لگائیں	الْمُحْصَنٰتِ پاکدامن عورتیں	ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا پھر وہ نہ لائیں		
بِاَرْبَعَةِ چار	شُهَدَآءَ گواہ	فَاجْلِدُوْهُمْ تو تم انہیں کوڑے مارو	ثَمٰنِیْنَ اسی	جَلْدَةً کوڑے	وَّ لَا تَقْبَلُوْا اور تم نہ قبول کرو		
لَهُمْ ان کی	شَهَادَةً گواہی	اَبَدًا کبھی	وَ اُولٰٓىِٕكَ یہی لوگ	هُمُ وہ	الْفٰسِقُوْنَ نافرمان	اِلَّا مگر	الَّذِیْنَ تَابُوْا جن لوگوں نے توبہ کرلی
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد	وَ اَصْلَحُوْا اور انہوں نے اصلاح کرلی	فَاِنَّ تو بیشک	اللّٰهَ اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِیْمٌ نہایت مہربان		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں غیر شادی شدہ مرد وعورت سے اگر زنا سرزد ہوتو اس کی سزا بیان فرمائی گئی تھی کہ ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ مرد وعورت سے اگر زنا سرزد ہوتو قرآن وسنت صحیحہ متواترہ سے اس کی سزا رجم ثابت ہے۔یعنی پتھروں سے مارتے مارتے جان سے مار ڈالنا۔ زنا کی سزا ذکر فرمانے کے بعد آگے ان آیات میں اس فعل کی غایت برائی فرمائی جاتی ہے اور اس حیا سوز کام کی روک تھام کے لئے قانون بیان فرمایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو مرد یا عورت اس عادت شنیع میں مبتلا ہیں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے ان کا تعلق نکاح وازدواج قائم کیا جائے۔ ان کی یعنی زانی اور زانیہ کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار تباہ حال مرد عورت سے یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک ومشرکہ سے ان کا تعلق ہو۔

عرب میں ایامِ جاہلیت میں جس طرح شراب کی کثرت تھی اس طرح زنا کی بھی کثرت تھی۔ چنانچہ ایام جاہلیت میں بعض نادار مرد افلاس سے تنگ آ کر مالدار فاحشہ عورت سے نکاح کرلیتے تھے تاکہ اس کی زنا کی کمائی سے اس کا بھی خرچ چلے اس بے حیائی اور بے غیرتی کی اسلام نے قطعی روک تھام کردی اور زانیہ سے نکاح کرنا پاکباز مردوں پر حرام کردیا گیا۔ غیرت مند مرد کبھی پسند اور گوارا نہ کرے گا کہ اس کی منکوحہ کا کسی غیر مرد سے تعلق ہو اسی طرح نہ غیرت مند عورت

اس کو گوارا کرے گی کہ اس کا خاوند کسی اور عورت سے ناجائز تعلق رکھے۔

یہاں آیت میں مشرکہ اور زانیہ جن سے اہل ایمان کو نکاح کرنا حرام ہے وہ مشرک عورت ہے جو حالت شرک میں ہو نہ کہ وہ جو کسی زمانہ میں مشرک رہ چکی ہو اور اب تائب ہو کر مسلمان ہو چکی ہو۔ ایسی عورت کے ساتھ نکاح بالکل درست ہے اسی طرح زانیہ سے بھی وہ زانیہ مراد ہے جو فی الحال زنا میں مبتلا ہو نہ کہ وہ جس سے کسی زمانہ میں یہ معصیت صادر ہوئی اور اب وہ تائب ہو کر پاکبازی کی زندگی بسر کر رہی ہو۔

تائبہ سے نکاح کے عدم جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہاں ممانعت نکاح کی صرف ان سے ہو رہی ہے جو فی الحال مشرکہ اور زانیہ ہیں۔ اس آیت کی بنا پر مشرکہ اور زانیہ دونوں سے نکاح معصیت اور گناہ ہے۔ مشرکہ سے تو جواز نکاح ہی کی صورت نہیں اور زانیہ سے نکاح قانونی حیثیت سے نافذ تو ہو جائے گا لیکن عنداللہ معصیت تو بہر حال رہے گا۔ تو زانیہ اور مشرکہ سے پاکباز مومن کے نکاح کی ممانعت کا یہ دوسرا قانون اس سورۃ میں بیان فرمایا گیا۔

آگے ایک تیسرا قانون یعنی زنا کی تہمت کسی پاک دامن عورت پر لگانا اور اسی طرح پاکباز مرد پر بہتان لگانا اس کا قانون اور سزا بیان فرمائی جاتی ہے کہ جو کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور چار چشم دید گواہ نہ لا سکے تو اس کے اسی کوڑے مارے جائیں۔ یہاں بھی اسی کوڑے مارنے کا اختیار صاحب حکومت امراء اسلام یا ان کے نائبین کو ہے اور سزا کی معافی یا تخفیف ان کے اختیار میں بھی نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کو مسلمان مرد اور مسلمان عورت کی عزت کے تحفظ کا کس درجہ اہتمام ہے کہ گواہ ایک نہیں دو نہیں اکٹھے چار گواہ اور وہ بھی چشم دید گواہ ہونے چاہئیں اگر اس تعداد میں ایک کی بھی کمی رہ جائے گی تو حد جاری نہ ہو سکے گی اور یہ چار گواہ مرد ہونا چاہئیں۔ تو جو شخص کسی پاکدامن اور عفیف عورت پر تہمت زنا کی رکھے اور پھر چار چشم دید گواہ نہ لا سکے تو ایک سزا تو اس کو یہ ملے گی کہ اسی کوڑے لگائے جائیں گے اور دوسری سزا یہ کہ آئندہ کسی معاملہ میں اس کی گواہی معتبر نہ رہے گی اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اس کی شہادت معاملات میں قبول نہیں کی جا سکتی۔ دیکھئے یہ ہیں شرعی اور قرآنی سزائیں کہ اسلامی حکومتیں اگر ان پر عمل کرنے لگیں تو برائیوں کا کیسا قلع قمع ہو جائے۔ اسلام میں بہر حال توبہ اور اصلاح حال کا دروازہ بھی ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ اس لئے آگے بتلایا جاتا ہے کہ اگر ایسا شخص سچی توبہ اور اصلاح کر لے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندوں میں اس کا شمار نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں۔ سچے تائب کی توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں۔

یہ تین قانون اب تک بیان ہوئے اب چوتھا قانون لعان کا یعنی جو لوگ اپنی ہی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے دعوے کے اور کوئی گواہ نہ ہوں تو اس حالت میں کیا قانون ہے اس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمیں پوری طرح اسلام اور ایمان کی زندگی نصیب فرما دیں اور تمام ممنوعات شرعیہ سے بچا دیں۔ اور قرآن پاک کے جملہ احکامات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! اس ملک میں شرعی سزائیں جاری فرما دے تا کہ اس کی برکت سے یہ ملک جرائم اور بدکاریوں سے پاک ہو جائے۔ یا اللہ! زنا کی لعنت سے اس اسلامی ملک کو پاک فرما دے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ جب اس ملک میں قرآنی اور شرعی سزائیں جاری ہوں۔ یا اللہ! اسلام کی برکات اس ملک میں ہم کو کامل طور پر دیکھنا نصیب فرما اور فسق و فجور کی فضاؤں کو یکسر مٹنا نصیب فرما۔ یا اللہ! اس ملک خداداد میں جو اسلامی اور شرعی نظام کے داعی ہیں ان کو ایسی جرأت اور ہمت نصیب فرما کہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں۔ اور جو بدباطن اس راہ میں رکاوٹ پیدا کر کے روڑا اٹکانے والے ہیں ان کو خاسر و ناکام فرما کر ان کے عزائم کو ملیا میٹ فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ

اور جو لوگ اپنی بیبیوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے دعویٰ کے اور کوئی گواہ نہ ہوں تو اُن کی شہادت یہی ہے

اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ

کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بے شک میں سچا ہوں۔اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں

كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ

جھوٹا ہوں۔اور (اس کے بعد) اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ

اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۸﴾ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۹﴾

بے شک یہ مرد جھوٹا ہے۔اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو۔اور اے مرد واور عورتو!

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اسکا کرم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	يَرْمُوْنَ تہمت لگائیں	اَزْوَاجَهُمْ اپنی بیویاں	وَلَمْ يَكُنْ اور نہ ہوں	لَّهُمْ ان کے	شُهَدَآءُ گواہ	اِلَّآ سوا		
اَنْفُسُهُمْ ان کی جانیں خود	فَشَهَادَةُ پس گواہی	اَحَدِهِمْ ان میں سے ایک	اَرْبَعُ چار	شَهٰدٰتٍ گواہیاں	بِاللّٰهِ اللہ کی قسم			
اِنَّهٗ لَمِنَ کہ وہ بیشک سے	الصّٰدِقِيْنَ سچ بولنے والے	وَالْخَامِسَةُ اور پانچویں	اَنَّ یہ کہ	لَعْنَتَ اللّٰهِ اللہ کی لعنت	عَلَيْهِ اس پر			
اِنْ كَانَ اگر ہے وہ	مِنَ سے	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹ بولنے والے	وَيَدْرَؤُا اور ٹل جائے گی	عَنْهَا اس عورت سے	الْعَذَابَ سزا	اَنْ اگر		
تَشْهَدَ گواہی دے	اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ چار بار گواہی	بِاللّٰهِ اللہ کی قسم	اِنَّهٗ کہ وہ	لَمِنَ البتہ۔سے	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹے لوگ	وَ اور		
الْخَامِسَةَ پانچویں بار	اَنَّ یہ کہ	غَضَبَ اللّٰهِ اللہ کا غضب	عَلَيْهَآ اس پر	اِنْ اگر	كَانَ وہ ہے	مِنَ سے	الصّٰدِقِيْنَ سچے لوگ	وَلَوْلَا اور اگر نہ
فَضْلُ اللّٰهِ اللہ کا فضل	عَلَيْكُمْ تم پر	وَرَحْمَتُهٗ اور اس کی رحمت	وَاَنَّ اور یہ کہ	اللّٰهَ اللہ	تَوَّابٌ توبہ قبول کرنےوالا	حَكِيْمٌ حکمت والا		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں پہلا حکم حد زنا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے متعلق بیان ہوا تھا اور دوسرا حکم زانیہ ومشرکہ سے نکاح حرام ہونے کے متعلق بیان ہوا۔اور تیسرا حکم کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانے اور پھر چار گواہ نہ لانے پر تہمت لگانے والے کو ۸۰ کوڑوں کی سزا کا حکم بیان ہوا۔

اب یہ چوتھا حکم اپنی بیوی کی بابت زنا کی تہمت لگانے کا بیان فرمایا جارہا ہے گذشتہ بیان کئے ہوئے تیسرے حکم کے مطابق تو عام قاعدہ اور قانون یہی تھا کہ کوئی مرد اگر کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور پھر چار گواہ نہ لا سکے تو اس تہمت لگانے والے کو ۸۰ کوڑوں کی سزا دی جائے گی مگر عادۃً غیر عورت پر تہمت لگانا اور عداوت یا رسوائی کے لئے ایک معمولی بات ہے لیکن اپنی بیوی پر تہمت لگانے میں شوہر کی بھی بے عزتی ہے اس لئے بغیر سبب قوی اور اپنے معائنہ کے کوئی سلیم الفطرۃ اپنی بیوی پر ایسا الزام نہیں لگا سکتا۔اور ایسے موقع پر چار گواہوں کا بہم پہنچانا بھی مشکل بات

ہے اس لئے اس بارہ میں دونوں میاں بیوی کی رعایت رکھ کر ایک حکم جداگانہ دیا گیا جس کو شریعت کی اصطلاح میں لعان کہا جاتا ہے اور جو ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اولاً اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں گے۔ اگر شوہر چار معتبر گواہ پیش کردے تو عورت پر حد زنا یعنی سنگساری جاری کردی جائے گی۔ اگر گواہ نہ لاسکا تو شوہر کو کہا جائے گا کہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے یعنی جو تہمت اپنی بیوی پر لگائی ہے اس میں جھوٹ نہیں بولا۔ گویا چار گواہوں کی جگہ خود اس کی یہ چار حلفیہ شہادتیں ہوئیں اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہنے ہوں گے کہ اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار۔ اگر تہمت لگانے والا شوہر ان الفاظ مذکورہ بالا کے کہنے سے انکار کرے تو قید کیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے اور یا پانچویں مرتبہ وہی الفاظ کہے جو اوپر مذکور ہوئے۔ اگر شوہر نے اپنے جھوٹے ہونے کا خود اقرار کرلیا تو پھر اسی کوڑوں کی سزا اس پر جاری کی جائے گی۔ اور اگر اس نے پانچ مرتبہ مذکورہ بالا الفاظ کہہ لئے تو پھر عورت سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر بیان کرے کہ یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ یہ الفاظ کہے کہ اللہ کا غضب آوے مجھ پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہے اگر عورت یہ الفاظ کہنے سے گریز کرے تو اسے قید میں رکھا جائے گا اور حاکم مجبور کرے گا کہ یا صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے تب تو حد زنا یعنی سنگساری اس پر جاری ہوگی اور یا بالفاظ مذکورہ بالا اس کی تکذیب کرے اگر عورت نے بھی مرد کی طرح مذکورہ بالا الفاظ ۵ مرتبہ کہہ دیئے اور لعان یعنی اس قسما قسمی سے فراغت ہوئی تو اس مرد کو اس عورت سے تعلقات زن وشو حرام ہوگئے۔ اب اگر مرد نے طلاق دے دی تو فبہا ورنہ حاکم یا قاضی ان میں تفریق کردے یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے ان میں تفریق کی اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔

لعان کرانے اور قسمیہ بیان مرد عورت سے لینے سے پہلے سنت ہے کہ قسم کھانے والے کو نصیحت کی جائے اور اس کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جائے۔ لعان کے واقعات خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش ہوئے اور آپ نے اسی قرآنی قانون کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

اس قانون لعان کو بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا فضل ورحمت ہے جو یہ قانون مقرر فرمادیا کیونکہ اگر یہ حکم لعان مشروع نہ ہوتا تو عام قاعدہ کے موافق یا تو شوہر پر اسی کوڑوں کی سزا جاری ہوتی اگر وہ چار گواہ اپنے بیان کی تصدیق میں پیش نہ کرسکتا اور یا پھر ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا کیونکہ ممکن ہے کہ شوہر سچا ہو۔ دوسری طرف اگر محض خاوند کے قسمیں کھانے پر زنا کا ثبوت ہوجایا کرتا تو عورت کی سخت مصیبت تھی حالانکہ ممکن ہے کہ عورت ہی سچی ہو۔ اسی طرح اگر عورت کو قسمیں کھانے پر یقیناً بری سمجھ لیا جاتا تو مرد کے اوپر ۸۰ کوڑوں کی سزا واجب ہوجاتی اگرچہ مرد کے بھی سچے ہونے کا احتمال موجود ہے تو ایسے طور پر لعان کا مشروع کرنا کہ دونوں عورت ومرد کی رعایت رہے یہ حق تعالیٰ کے فضل و رحمت اور حکمت ہی کی وجہ سے ہے کہ فریقین میں جو سچا ہو وہ بے محل سزا سے بچ گیا۔ اور جھوٹے کی دنیا میں پردہ پوشی کرکے مہلت دی گئی کہ شاید توبہ کرلے اور حق تعالیٰ اپنی شان توابی سے اس کی توبہ قبول کرلے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ لعان صرف میاں بیوی کے معاملہ میں ہوسکتا ہے اور دوسروں کا وہی حکم ہے جو گذشتہ آیات میں گزر چکا۔

اب لعان کے متعلق چند ضروری مسائل سن لیجئے۔

مسئلہ (۱): جب دو میاں بیوی کے درمیان حاکم کے سامنے لعان ہوجاوے تو یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے لیکن عورت کو دوسرے شخص سے بعد عدت یعنی تین حیض

پورے ہونے کے نکاح کرنا امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے۔

مسئلہ (۲): جب لعان ہو چکا اس کے بعد اس حمل سے جو عورت کے بچہ پیدا ہوگا وہ اس کے شوہر کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ اس کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جائے گی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو معاملات میں یہی فیصلہ فرمایا۔

مسئلہ (۳): لعان کے بعد اگرچہ میاں بیوی میں جو جھوٹا ہے اس کا عذاب آخرت پہلے سے زیادہ بڑھ گیا مگر دنیا کی سزا اس سے ساقط ہوگئی۔ اسی طرح دنیا میں اس عورت کو زانیہ اور بچہ کو ولد الزنا کہنا بھی جائز نہ ہوگا (معارف القرآن جلد ششم مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

اب جو خطاب یہاں آخری آیت میں فرمایا گیا: **ولو لا فضل الله عليكم ورحمته وان الله تواب حكيم٥** اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے کہ ایسے ایسے احکام مقرر کئے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے۔

یہ خطاب جو ساری امت مسلمہ کے مردوں اور عورتوں کو ہے یہ بتاتا ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کیسا جامع اور کیسا پر حکمت قانون دے دیا گیا ہے کہ جو سب کی مصلحتوں کی رعایت کرنے والا ہے۔ اتنا مکمل قانون صرف خدائی قانون ہی ہوسکتا ہے۔ تو غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ پر حکمت قوانین دے کر اپنا فضل و رحمت جتلائیں اور آج ہم یہود و نصاریٰ کے رائج کئے ہوئے قوانین کو اپنا کر یہ کہیں کہ اب چودہ سو سال پرانے قانون اس ترقی و تہذیب کے زمانہ میں کیسے ساتھ دے سکتے ہیں۔ چور کا ہاتھ کیسے کاٹا جاسکتا ہے۔ زنا کی سزا سنگساری کیسے دی جاسکتی ہے۔

انا لله وانا اليه راجعون

اس ملک میں قرآنی احکام کے ساتھ یہ معاملۂ تغافل کتنا المناک حادثہ ہے کہ جس کے ثمرات دنیا میں کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ قتل، چوری، ڈاکہ، زنا، دھوکا، فریب، رشوت، لڑائی جھگڑا عام وبا کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ اور آخرت میں جو باز پرس اور سزا ہونے والی ہے وہ علیحدہ رہی جو اپنے وقت پر معلوم ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم کو قرآن کریم پر سچا ایمان رکھنے اور اس کا وفادار بن کر زندہ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہاں تک پہلے پورے ایک رکوع میں زنا، تہمت تراشی اور لعان کے احکام بیان ہوئے اب آگے پورے دو رکوع میں اس واقعہ پر کلام شروع ہوتا ہے جو اس سورت کے نزول کا اصل سبب تھا یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تراشی اور آپ کی اس سے برأت جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات سے آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو قرآن مجید کی دولت عطا فرمائی ہے تو اپنی رحمت سے ہم کو یہ توفیق بھی عطا فرمادیں کہ ہم اس کے تمام قوانین و احکام کو رائج کر کے ان پر عمل کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے ملک میں قرآنی احکام اور اس کے مطابق سزائیں جاری ہونے کی صورتیں ظاہر فرمادیں تاکہ ہم بھی اس کی برکتیں دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور آخرت میں بھی سرخروئی اور قرآن کریم کی سفارش و شفاعت سے مغفرت حاصل کرنے والے بن جائیں۔

یا اللہ! ہم سے اور ہماری قوم اور ملک اور حکومت سے اب تک جو کوتاہیاں قرآن کریم کے حقوق کی ادائیگی میں سرزد ہوئی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرمادیجئے اور ہماری آنکھیں قرآن کریم کی طرف سے کھول دیجئے۔ اور اس کے جملہ احکام کا نفاذ اپنے ملک میں جاری ہونا ہم کو دیکھنا نصیب فرمادیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ ؕ لَا تَحۡسَبُوۡہُ شَرًّا لَّکُمۡ ؕ بَلۡ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ لِکُلِّ

جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ تمہارے میں کا ایک گروہ ہے۔تم اس (طوفان بندی) کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو۔ بلکہ یہ (باعتبار انجام کے) تمہارے حق میں

امۡرِیًٔ مِّنۡہُمۡ مَّا اکۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ ۚ وَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۱﴾

بہتر ہی بہتر ہے اُن میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوا۔اور ان میں جس نے اس (طوفان) میں سب سے بڑا حصہ لیا اُس کو سخت سزا ہوگی۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ بیشک جو لوگ	جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ بڑا بہتان لائے	عُصۡبَۃٌ ایک جماعت	مِّنۡکُمۡ تم میں سے	لَا تَحۡسَبُوۡہُ تم اسے گمان نہ کرو	
شَرًّا برا	لَّکُمۡ اپنے لئے	بَلۡ ہُوَ بلکہ وہ	خَیۡرٌ لَّکُمۡ بہتر ہے تمہارے لئے	لِکُلِّ امۡرِیًٔ ہر ایک آدمی کیلئے	مِّنۡہُمۡ ان میں سے
مَّا اکۡتَسَبَ جو اس نے کمایا کیا	مِنَ الۡاِثۡمِ گناہ سے	وَ الَّذِیۡ اور وہ جس	تَوَلّٰی اٹھایا	کِبۡرَہٗ بڑا اس کا	مِنۡہُمۡ اُن میں سے
	لَہٗ اس کیلئے	عَذَابٌ عذاب	عَظِیۡمٌ بڑا		

(حصہ اول)

تفسیر وتشریح:۔ یہاں سے اس طوفان کا ذکر ہے جو واقعۂ افک کے نام سے مشہور ہے اور جو اس سورۂ نور کے نزول کا اصل سبب تھا۔ تمام مفسرین ومحدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ جس طوفان کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق ہے اور اشارہ اس الزام کی طرف ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لگایا گیا تھا۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو افک کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ لفظ افک کے معنی ہیں بات کو الٹ دینا۔ حقیقت کے خلاف کچھ سے کچھ بنا دینا۔ مفہوم کے لحاظ سے یہ لفظ قطعی جھوٹ اور افترا و بہتان کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اس واقعہ افک کو تمام محدثین نے روایت کیا ہے اور اگلی قرآنی آیات کی تفسیر وتشریح سمجھنے کے لئے اس واقعہ کی قدرے تفصیل معلوم ہونا ضروری ہے۔ اس لئے پہلے اس قصہ کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے اس کے بعد اس آیت کی انشاءاللہ تفسیر وتشریح بیان کی جائے گی۔

صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی مصطلق سے جو کہ ۶ھ میں ہوا مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے ہمراہ تھیں اور آپ کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا جس پر ہودج تھا۔ آپ ہودج میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ جمال اس ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیتے۔ دوران سفر ایک روز ایک منزل پر مقام ہوا۔ کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی جس کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں واپسی میں آپ کے گلے میں جو ہار تھا وہ آپ کو نظر نہ آیا کہیں اتفاقاً ٹوٹ کر گر گیا۔ یہ ہار آپ کی بڑی بہن حضرت اسماء کا تھا جس کو آپ عاریتاً مانگ کر لائی تھیں۔ چنانچہ اس کو ڈھونڈنے کے لئے پھر واپس گئیں اور اس کی تلاش میں دیر لگ گئی جائے قیام پر واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ جمال حسب معمول ہودج باندھنے آئے اور اسکے پردے پڑے ہونے سے گمان کیا کہ حضرت صدیقہ اس میں موجود ہیں۔ اور اٹھاتے وقت بھی کچھ شبہ نہ ہوا کیونکہ بدن میں آپ بہت ہلکی پھلکی نحیف تھیں۔ غرض جمالوں نے ہودج اونٹ پر باندھ کر اونٹ چلتا کر دیا۔ اب جب آپ واپس آئیں تو وہاں کوئی موجود نہ تھا قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ نہایت استقلال سے آپ نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے جانا اب خلاف مصلحت ہے۔ جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ رات کا وقت تھا۔ نیند کا غلبہ ہوا۔ وہیں لیٹ گئیں۔ قافلہ کے پیچھے ایک آدمی لشکر کی گری پڑی چیز اٹھانے کی غرض سے ذرا فاصلہ پر رہا کرتا تھا۔ اس سفر میں حضرت صفوان ایک صحابی جو نہایت نیک طینت اور پاکدامن صحابی تھے اس خدمت پر مامور تھے۔ وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کہ ایک آدمی پڑا سوتا ہے۔ قریب آ کر پہچانا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ کیونکہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے آپ کو دیکھا تھا۔ دیکھ کر گھبرا گئے اور نہایت تاسف سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھ کھل گئی۔ فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان نے بغیر کسی گفتگو کے اونٹ آپ کے

پاس لاکر بٹھلا دیا۔ آپ اس پر پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑ کر چلنا شروع کیا اور دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملے۔ بس یہ واقعہ تھا اور بات کچھ بھی نہ تھی مگر مدینہ اس وقت منافقوں کا گڑھ تھا۔ عبداللہ بن ابی جو منافقین کا سردار تھا اور باطن میں بڑا ہی خبیث اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا اس کو ایک شگوفہ ہاتھ آ گیا اور کم بخت ملعون نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت تراشی اور بہتان بندی کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ بعض روایات میں اس ملعون عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کو نقل کرتے ہوئے دل لرزتا ہے۔ الغرض منافقین نے اس واقعہ کو خوب نمک مرچ لگا کر چرچا شروع کیا اور مدینہ میں ایک ماہ تک شہر میں یہی چرچا ہوتا رہا۔ بعض سیدھے سادے ناواقف مسلمان بھی سنی سنائی باتوں کا تذکرہ کرنے لگے۔ عام طور پر سب مسلمانوں کو اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شہرت کا سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہی قصہ رہا آخر یہ آیتیں برأۃ میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں جو یہاں سے شروع ہو کر پورے دو رکوع میں ختم ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ واقعہ اپنی نوعیت، عظمت افادیت اور مصلحت کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ تاریخ اسلامی بلکہ تمام عالم کی تاریخ نبوت ایسے واقعہ سے خالی ہے کہ کسی نبی کی بیوی پر ایسا اتہام نہیں لگایا گیا جیسا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لگایا گیا اس لئے اس واقعہ کی مزید تفصیلات مدینہ پہنچنے کے بعد خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبانی بھی سن لیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جیسا کہ احادیث میں مروی ہے کہ اس سفر سے ہم مدینہ آئے اور مدینہ آتے ہی میں بیمار پڑ گئی اور مہینہ بھر تک بیماری میں گھر ہی میں رہی۔ نہ میں نے کچھ سنا نہ کسی نے مجھ سے کہا۔ جو کچھ غل غپاڑہ لوگوں میں ہو رہا تھا میں اس سے بالکل بے خبر تھی البتہ میرے جی میں یہ خیال بسا اوقات گزرتا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر و محبت میں کمی کی کیا وجہ ہے۔ بیماری میں عام طور پر جو شفقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے ساتھ ہوتی تھی اس بیماری میں وہ بات نہ پاتی تھی۔ اس لئے مجھے رنج تو بہت تھا مگر کوئی وجہ معلوم نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے۔ سلام کرتے اور دریافت فرماتے طبیعت کیسی ہے؟ اور کوئی بات نہ فرماتے اس سے مجھے بڑا صدمہ ہوتا مگر بہتان بازوں کی تہمت سے میں بالکل بے خبر تھی۔ اس وقت تک گھروں میں رفع حاجت کے لئے کوئی انتظام نہ ہوتا تھا اور عرب کی قدیم عادت کے مطابق ہم لوگ میدان میں رفع حاجت کے لئے جایا کرتے تھے۔ عورتیں عموماً رات کو جایا کرتی تھیں۔ حسب عادت میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے چلی اس وقت میں بہت ہی کمزور ہو رہی تھی۔ یہ ام مسطح میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں ان کے لڑکے کا نام مسطح تھا۔ جب ہم واپس آنے لگے تو ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھا اور ان کو ٹھوکر لگی اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا مسطح غارت ہو۔ میں نے کہا اچھی ماں ہو کہ بیٹے کو کوستی ہو اور بیٹا بھی وہ جس نے جنگ بدر میں حصہ لیا ہے۔ وہ بولیں کہ بھولی بی بی آپ کو کیا معلوم۔ میں نے کہا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ بھی ان لوگوں میں ہے جو تم کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی اور ان کے سر ہو گئی کہ کم از کم مجھ سے سارا واقعہ تو کہو۔ اب انہوں نے بہتان بازوں کی ساری کارستانیاں مجھے سنائیں۔ میرے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ رنج و غم کا مجھ پر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بیمار تو میں پہلے ہی تھی اس خبر نے تو بالکل نڈھال کر دیا۔ جوں توں کر کے گھر پہنچی۔ اب صرف یہ خیال تھا کہ میں اپنے والدین کے گھر جا کر اور اچھی طرح معلوم تو کر لوں کہ کیا واقعی میری نسبت ایسی افواہ پھیلائی گئی ہے۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ اگر آپ اجازت بخشیں تو میں اپنے میکہ چلی جاؤں۔ آپ نے اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے گھر چلی گئی۔ وہاں میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ لوگوں میں کیا باتیں پھیل رہی ہیں اور لوگ میری بابت کیا کہتے ہیں۔ ماں نے کہا کہ اے بیٹی تم رنج نہ کرو۔ کوئی ایسی بڑی بات نہیں دنیا کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ جو عورت خوبصورت اور خوب سیرت اور اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبت ہوتی ہے تو حسد کرنے والے اس کے ضرر کے درپے ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا لوگوں میں اس کا چرچا ہے اور کیا میرے والد صاحب کو بھی اس کا علم ہے۔ ماں نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا علم ہے؟ ماں نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا اے ماں اللہ تمہاری مغفرت کرے۔ لوگوں میں تو اس کا چرچا ہے اور تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔ یہ کہہ کر میری چیخیں نکل گئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالاخانہ پر قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے میری چیخ سن کر نیچے آئے اور والدہ سے دریافت کیا۔ ماں نے کہا کہ اس کو قصہ کی خبر ہو گئی۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں بھی بہہ پڑیں اور مجھ کو اس شدت سے لرزہ آیا کہ میری والدہ نے تمام گھر کے کپڑے مجھ پر ڈال دیئے۔ اب تو مجھے رنج و غم نے اس قدر گھیرا کہ بیان سے باہر ہے اس وقت سے جو رونا شروع ہوا واللہ ایک دم بھر

کے لئے میرے آنسو نہیں تھمے میں سر ڈال کر روتی رہی اور ساری رات اسی حالت میں گزری کہ آنسوؤں کی لڑی نہ تھمی۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آنے میں جب تاخیر ہوئی تو آپ نے حضرت علی اور حضرت اسامہ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ آپ کے اہل ہیں جو آپ کی شایان شان اور منصب نبوت ورسالت کے مناسب ہیں۔ ان کی عصمت اور عفت کا تو پوچھنا ہی کیا۔ آپ کے حرم محترم کی طہارت ونزاہت تو اظہر من الشمس ہے اس میں رائے اور مشورہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا ہی خیال معلوم فرمانا ہے تو یہ عرض ہے کہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے آپ کے اہل اور ازواج مطہرات میں ہم نے کبھی سوائے خیر وخوبی کے اور نیکی اور بھلائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج وغم اور حزن وملال کے خیال سے یہ عرض کیا۔ یارسول اللہ۔ اللہ نے آپ پر تنگی نہیں کی عورتیں ان کے سوا بہت ہیں۔ اگر گھر کی لونڈی بریرہ سے دریافت فرمائیں گے تو وہ سچ سچ بیان کر دے گی۔ آپ نے اسی وقت بریرہ کو بلا کر دریافت کیا کہ عائشہ کی شک وشبہ والی کوئی بات کبھی دیکھی ہو تو بتاؤ۔ تو اس نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی کہ اس کا ان پر عیب لگاؤں ہاں صرف یہ بات ہے کہ کم عمری کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے کہ کبھی کبھی گندھا ہوا آٹا یونہی رکھا رہتا ہے اور وہ سو جاتی ہیں تو بکری آ کر کھا جاتی ہے۔ اس کے سوا میں نے ان کا کوئی قصور کبھی نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریرہ سے یہ جواب سن کر مسجد میں تشریف لائے۔ آپ خطبہ دینے کو منبر پر تشریف لے گئے اور مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے گروہ مسلمین کون ہے جو مجھے اس شخص کی ایذاؤں سے بچائے جس نے مجھے ایذائیں پہنچاتے پہنچاتے اب تو میری اہل بیت کو بھی ایذائیں پہنچانا شروع کر دی ہیں۔ واللہ میں جہاں تک جانتا ہوں مجھے اپنے اہل بیت میں سوائے بھلائی کے کوئی چیز معلوم نہیں اور جس شخص کا یہ لوگ نام لے رہے ہیں میری دانست تو اس کے متعلق بھی سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں۔ یہ سنتے ہی قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ میں آپ کی اعانت اور مدد کے لئے حاضر ہوں۔ اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن ماردیں گے اور اگر ہمارے بھائیوں قبیلہ خزرج سے ہے تو آپ جو ارشاد فرمائیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ پھر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے یہ قبیلہ خزرج کے

سردار تھے اور حضرت سعد بن معاذ سے کہنے لگے کہ تم نے غلط کہا خدا کی قسم نہ تم اس کو قتل کرو گے نہ اس کے قتل کرنے پر قادر ہو سکو گے (مطلب یہ تھا کہ اگر وہ شخص ہمارے قبیلہ خزرج کا ہوا تو ہم خود اس کو قتل کرنے کی سعادت حاصل کریں گے) حضرت سعد بن معاذ کے چچا زاد بھائی کھڑے ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ سردار قبیلہ خزرج کو مخاطب بنا کر کہا تم غلط کہتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو قتل کا حکم دیں گے تو ہم ضرور قتل کریں گے اگر چہ وہ شخص قبیلہ خزرج کا ہو یا کسی قبیلہ کا ہو ہم کو کوئی روک نہیں سکتا اور تم کیا منافق ہو جو منافقوں کی طرف سے مجادلہ اور جواب دہی کرتے ہو۔ اس طرح گفتگو تیز ہو گئی۔ اور قریب تھا کہ ان میں تکرار بڑھ جائے۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوش کو فرو کر دیا اور دونوں طرف خاموشی ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی چپکے ہو رہے۔ یہ تو تھا وہاں کا واقعہ، میرا یہ حال تھا کہ سارا دن بھی رونے ہی میں گزرا۔ ایک منٹ کو آنسو نہ تھمتا تھا۔ میرے اس رونے نے میرے ماں باپ کو بھی غمزدہ کر دیا تھا اور وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ میرا یہ رونا کلیجہ پھاڑ دے گا۔ دونوں حیرت زدہ مغموم بیٹھے ہوئے تھے اور مجھے تو رونے کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا کہ اچانک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ مہینہ بھر گزر گیا تھا کہ حضور کی یہی حالت تھی کوئی وحی نہیں آئی تھی کہ فیصلہ ہو سکے آپ نے بیٹھتے ہی اول تو تشہد پڑھا پھر امابعد فرما کر کہا کہ اے عائشہ تمہاری نسبت مجھے یہ خبر پہنچی ہے اگر واقعہ تم پاکدامن ہو تو تمہاری پاکیزگی اللہ تعالیٰ ظاہر فرما دیں گے اور اگر فی الحقیقت تم سے کوئی لغزش ہو گئی ہو تو اللہ سے توبہ واستغفار کرو۔ بندہ جب گناہ کر کے اپنے گناہ کے اقرار کے ساتھ خدا کی طرف جھکتا ہے اور اس سے معافی طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے آپ اتنا فرما کر خاموش ہو گئے۔ یہ سنتے ہی میرا رونا دھونا سب جاتا رہا۔ آنسو تھم گئے۔ میں نے اول تو اپنے والد سے درخواست کی کہ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ہی جواب دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ واللہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں۔ اب میں نے اپنی والدہ کی طرف دیکھا اور ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیجئے لیکن انہوں نے بھی یہی کہا کہ میں نہیں سمجھ سکتی کہ کیا جواب دوں۔ آخر میں نے خود ہی جواب دینا شروع کیا اور میں نے کہا کہ آپ سب نے ایک بات سنی اور اسے اپنے دل میں بٹھالی اور گویا سچ سمجھ لیا اب اگر میں کہوں گی کہ میں اس سے بالکل بری ہوں اور خدا خوب جانتا ہے کہ میں واقع میں اس سے بالکل بری ہوں تو آپ اس

کو سچ نہیں سمجھیں گے اور اگر اس کا اقرار کرلوں حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ اس کو مان لیں گے۔ سو خدا کی قسم میں وہی بات کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے والد نے کہی تھی **فصبر جمیل و اللہ المستعان علی ماتصفون**۔ اتنا کہہ کر میں وہاں سے اٹھ کر اپنے بستر پر آلیتی اور میں یقین کرتی تھی کہ چونکہ میں پاک ہوں اللہ تعالیٰ میری برأت اپنے رسول کو ضرور معلوم کرادے گا لیکن یہ تو میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ میرے بارہ میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوں گی میں اپنے آپ کو اس سے بہت کمتر جانتی تھی کہ میرے بارہ میں خدا کے کلام کی آیتیں اتریں۔ ہاں مجھے زیادہ سے زیادہ یہ خیال ہوتا تھا کہ ممکن ہے خواب میں اللہ تعالیٰ میری برأت حضور کو دکھادے۔ سو خدا کی قسم ابھی نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے ہٹے تھے اور نہ گھر والوں میں سے کوئی گھر کے باہر نکلا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونی شروع ہوگئی اور نزول وحی کے وقت جس طرح آپ پسینہ پسینہ ہوجاتے تھے اسی طرح اس وقت آپ کے بدن اطہر سے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔ اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ خدا کی قسم میں بالکل نہیں گھبرائی کیونکہ میں جانتی تھی کہ میں بالکل بری ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ پر ظلم نہیں فرمائیں گے لیکن میرے ماں باپ کا خوف سے یہ حال تھا کہ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کی جان نہ نکل جائے۔ ان کو یہ خوف تھا کہ مبادا وحی اس کے موافق نہ نازل ہوجائے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں۔ میرے والد حضرت ابوبکر کا یہ حال تھا کہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے اور کبھی میری طرف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر کرتے تو یہ اندیشہ ہوتا کہ نہ معلوم آسمان سے حق جل وعلیٰ کا کیا حکم نازل ہوتا ہے جو پھر قیامت تک ٹل نہیں سکے گا اور جب میری طرف دیکھتے تو میرے سکون واطمینان کو دیکھ کر ان کو ایک گونہ امید ہوتی۔ الغرض سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سارا گھر اسی خوف و رجا اور امید وبیم میں تھا کہ وحی آسمانی کا نزول ختم ہوا تو چہرۂ انور پر مسرت وبشاشت کے آثار نمودار ہوئے اور دست مبارک سے جبین منور کے پسینہ کو پونچھتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلا کلمہ جو زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا **ابشری یا عائشہ فقد انزل اللہ براء تک**۔ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم کو بشارت ہو تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری برأت نازل کردی اور اسکے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آیتیں سنائیں یعنی یہ پورا رکوع جو اس آیت سے شروع ہوتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ نے کہا کہ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کر۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا "خدا کی قسم میں سوائے اللہ رب العزت کے کہ جس نے میری برأت نازل کی اور کسی کا شکر نہ کروں گی" علماء نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس جواب کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس صدمۂ جانکاہ کے عالم میں جب قرآن کریم کی دس آیتیں آپ کی کمال برأت اور طہارت کے بیان میں نازل ہوئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایسے سکر اور بیخودی کی کیفیت طاری ہوگئی کہ جمیع ماسوائے اللہ سے نظر اٹھ گئی۔ ورنہ یہ انعام یزدانی اور وحی آسمانی سب کچھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے وسیلہ اور طفیل سے تھی اور واسطہ اور وسیلہ کا شکریہ بھی واجب ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ جواب نازِ محبوبی کے مقام سے تھا اور ناز کی حقیقت یہ ہے کہ دل عشق ومحبت سے لبریز ہو اور ظاہر میں اس کے خلاف اظہار ہو۔ تو دراصل یہ ایک ناز تھا لیکن صد ہزار نیاز اس میں مستور تھے۔ **اللھم صل وسلم علی رسول اللہ وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وسلم تسلیما کثیرا**۔

اب چونکہ یہ درس خلاف معمول طویل ہوگیا لہٰذا اس کو یہیں ختم کیا جاتا ہے۔ اس آیت کی مزید تفسیر ان تشریحات کی روشنی میں انشاء اللہ آئندہ درس میں بیان ہوگی۔

دعا کیجئے

یا اللہ! اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کا بول بالا فرما اور منافقین کا منہ کالا فرما۔ یا اللہ! اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی ہمیں سچی محبت عطا فرما اور ان کی محبت کے ساتھ ان کی اطاعت اور اتباع بھی نصیب فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(حصہ دوم)

لفظی ترجمہ:۔ جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ تم میں سے ایک گروہ ہے۔ تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو۔ بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے ان میں سے ہر شخص کو جتنا کچھ کسی نے کیا تھا گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کو سخت سزا ہوگی۔

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ درس میں اسی آیت کے تحت قصہ افک یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جو تہمت لگائی گئی تھی اس کو جیسا کہ احادیث میں مروی ہے بیان کیا جاچکا ہے۔ جس کو ذہن میں رکھنے سے ان آیات کی تفسیر و تشریح جو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براۃ میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں اور جو اس آیت سے شروع ہوتی ہیں۔ بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ عبداللہ بن ابی جو منافقین کا سردار تھا مگر بظاہر مسلمان بنا ہوا تھا در پردہ بڑا ہی خبیث اور باطن میں دشمن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ وہی اس تہمت کا اختراع کرنے والا تھا۔ منافقین مدینہ جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے مگر دل سے دشمن اسلام و مسلمین تھے انہوں نے اس کا چرچا کرنا شروع کیا اور بعض سیدھے سادے مسلمان بھی سنی سنائی باتوں کا تذکرہ کرنے لگے۔ مسلمانوں میں سے صرف تین نام احادیث و سیرت کی کتابوں میں ذکر کئے گئے ہیں جو اس تذکرہ تہمت اور چرچے میں اپنی سادہ لوحی اور بھولے پن سے شامل ہوگئے تھے۔ دو مرد اور ایک عورت۔ یعنی حضرت حسان بن ثابت انصاری جو مشہور شاعر اسلام ہیں۔ حضرت مسطح جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور بدری صحابی تھے اور حضرت حمنہ بنت جحش۔

چنانچہ ایک ماہ تک یہ قصہ رہا۔ آخر یہ آیات یعنی پورے دو رکوع نازل ہوئے جن میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت اور پاکدامنی بیان فرمائی گئی۔ جب یہ آیات برأت نازل ہوگئیں تو مسلمانوں میں سے صرف ان تین کو تہمت لگانے کی شرعی سزا یعنی ۸۰ کوڑوں کی ماردی گئی اور وہ اپنی غلطی سے تائب ہوئے۔ عبداللہ بن اُبی کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس کو سزا نہیں دی گئی اس لئے کہ وہ منافق تھا۔ اس معاملہ میں منافقین سے کچھ نہیں کہا گیا۔ مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عبداللہ بن اُبی پر بھی حد جاری کی گئی اور اس کو کوڑے مارے گئے اور طبرانی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر عبداللہ بن اُبی منافق جس نے اصل تہمت گھڑی تھی اس پر دہری حد جاری فرمائی۔

الغرض اس قصہ اِفک کی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے۔ جس میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ طوفان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جو اسلام کا نام لیتے ہیں اور اپنے کو مسلمان بتلاتے ہیں۔ ان میں سے چند آدمیوں نے مل کر یہ سازش کی اور کچھ نادانستہ ان کی عیاری کا شکار ہوگئے۔ آگے جن کو اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا ان کی تسلی فرمائی جاتی ہے کہ گو بظاہر یہ چرچا نہایت مکروہ۔ رنج دہ اور ناخوشگوار تھا لیکن فی الحقیقت اس کی تہہ میں بڑی بہتری چھپی ہوئی تھی۔

آخر اتنی مدت تک ایسے جگر خراش حملوں اور ایذاؤں پر صبر کرنا کیا خالی جاسکتا تھا اور اس ایک ماہ کی تاخیر میں جو نزول وحی میں ہوئی ایک حکمت یہ تھی کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مقامِ عبودیت کی تکمیل ہوجائے کہ جب مظلومانہ گریہ وزاری اور عاجزانہ بےتابی و اضطراری بارگاہِ ذوالجلال میں فقیرانہ تذلل مضطربانہ تضرع و ابتہال حد کمال کو پہنچ جائے اور سوائے خدائے واحد قدوس کے کسی سے کوئی امید باقی نہ رہے اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے والوں کے قلوب وحی الٰہی کے انتظار میں ماہئی بے آب کی طرح تڑپنے لگیں اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ باران وحی سے محبین و مخلصین کے مردہ دلوں کو حیات بخشے اور حضرت صدیقہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا کو برأت ونزاہت کے بیش بہا خلعت سے سرفراز فرمائے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ من جانب اللہ تعالیٰ ابتلا اور امتحان تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مومنین ومخلصین کا ایمان و استقامت میں اور منافقین کے نفاق اور شقاوت میں اضافہ اور زیادتی ہو۔ نیز یہ امر واضح اور منکشف ہو جائے کہ کون شخص اللہ اور اس کے رسول اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور کون سوئے ظن (سیرۃ المصطفیٰ)

آیت میں اس جملہ کے تحت **لا تحسبوہ شرا لکم بل ھو خیر لکم**o ''تم اس طوفان کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے) مفسرین نے بہت سی حکمتیں اور خیر کے پہلو اور بہتری کے انجام جو اس فتنہ میں پوشیدہ رکھے گئے تھے بیان کئے ہیں۔ مثلاً لکھا ہے۔

ا۔ یہ واقعہ گو آغاز کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت سخت ایذا کا باعث ہوا اور اہل بیت کو اس نے بے حد پریشان خاطر بنایا۔ بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے گھرانے کو لیکن انجام کے پیش نظر اہل بیت کے لئے یہ سرتاسر خیر ثابت ہوا کیونکہ اس سے ایک جانب منافقوں کی منافقت کا راز فاش ہو گیا اور دوسری جانب حضرت عائشہ اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا بے نظیر مظاہرہ عمل میں آ گیا کہ خود قرآن کی آیات نے نازل ہو کر ان کی عصمت اور عظمت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور قیامت تک کے لئے ان کا ذکر خیر قرآن کریم پڑھنے والوں کی زبان پر جاری کر دیا۔ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے بچے کو قوت گویائی دے کر اس کی شہادت سے ان کی برأت ظاہر فرمائی۔ اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے شیر خوار فرزند عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت سے ان کو بری کیا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دس آیات نازل کر کے ان کی برأت کا اعلان فرمایا جس نے ان کے فضل وعزت کو اور بڑھا دیا۔

۲۔ منافقین نے یہ شوشہ اس لئے چھوڑا تھا کہ اہل اسلام کے بلند اخلاق حسنہ اور پاکیزگی کردار پر ایک ضرب کاری لگا کر اسلامی معاشرہ کو بدنام اور ذلیل کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو سبب خیر بنا دیا اور مسلمانوں کی اخلاقی برتری پہلے سے زیادہ نمایاں ہو گئی۔ اس موقع پر ایک طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گھر والوں نے اور تیسری طرف عام اہل ایمان نے جو طرز عمل اختیار کیا اس سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو گئی کہ یہ برائی سے کس قدر پاک۔ کیسے ضابطہ اور متحمل کیسے انصاف پسند اور کس درجہ کریم النفس واقع ہوئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اشارہ ان لوگوں کی گردنیں اڑا دینے کے لئے کافی تھا جنہوں نے آپ کی عزت پر حملہ کیا تھا مگر مہینہ بھر تک آپ سب کچھ صبر سے برداشت کرتے رہے اور جب اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا تو ان کو شرعی سزا دی گئی جن پر تہمت لگانے اور پھیلانے کا جرم ثابت تھا۔ منافقین درپردہ اس تہمت بازی کے پیچھے جو کچھ چاہتے تھے نتیجہ بالکل اس کے برعکس نکلا۔

۳۔ اس واقعہ میں خیر کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ یہ واقعہ افک سورۂ نور کے نازل ہونے کا سبب بنا اور اس کی بدولت مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہم اسلامی ہدایات۔ معاشرتی قوانین واحکام اور تمدنی ضوابط حاصل ہوئے جن پر عمل کر کے مسلم معاشرہ کو ہمیشہ کے لئے برائیوں کی پیداوار اور ان کی اشاعت وترویج سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور اگر پیدا ہو جائیں تو ان کا بروقت تدارک کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اس واقعہ سے امت کی پارسا اور نیک بیبیوں کو جن پر کیسی کیسی بے جا تہمتیں لگتی رہتی ہیں کتنا بڑا صبر وتسکین کا سہارا ہاتھ آ گیا

اور جب محترم و معظم رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی عفیفہ بیوی پر لوگ اتہام لگانے سے نہ رکے تو پھر اس دنیا میں اور کسی شریف صالح نیکوکار عورت کی عزت وآبرو پر اتہام کیا حقیقت رکھتا ہے۔

۵۔ اس واقعہ میں ایک خیر کا پہلو یہ بھی تھا کہ تمام مسلمانوں کو قیامت تک کے لئے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اشرف الانبیاء وافضل المرسلین ہونے کے جو کچھ اللہ تعالیٰ بتاتے اور جب غیب کی باتوں کا علم دیتے وہی اور تب ہی آپ کو علم ہوتا۔ ایک مہینہ تک آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے معاملہ میں پریشان خاطر رہے کبھی خادمہ سے پوچھتے تھے۔ کبھی ازواج مطہرات سے۔ کبھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ فرماتے۔ اور آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم سے لغزش ہوگئی ہے تو توبہ کرلو اور نہیں تو امید ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری بے گناہی اور پاکدامنی ثابت کردے گا۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو یہ پریشانی۔ اور یہ پوچھ گچھ اور مشورہ اور یہ تلقین توبہ کیوں ہوتی؟ البتہ جب وحی خداوندی نے حقیقت معاملہ کی بتادی تو آپ کو معاملہ کی حقیقت کا یقینی علم حاصل ہوگیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے تجربے اور مشاہدے کے ذریعہ سے قیامت تک مسلمانوں کو اس غلو اور مبالغے سے بچانے کا انتظام فرمایا جس میں آج بھی کچھ لوگ مبتلا ہیں جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ کیا عجب ہے کہ مہینہ بھر تک وحی نہ بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کی یہ بھی ایک مصلحت رہی ہو۔

اول ہی روز اگر وحی آجاتی تو یہ فائدہ عظیمہ حاصل نہ ہوسکتا اور بھی واللہ اعلم کتنے چھوٹے بڑے خیر کے پہلو اس واقعہ میں پوشیدہ تھے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جس شخص نے اس فتنہ میں جس قدر حصہ لیا اسی قدر گناہ سمیٹا اور سزا کا مستحق ہوا مثلاً بعض منافقین خوش ہوکر اور خوب مزے لے کر ان واہیات باتوں کا تذکرہ کرتے تھے۔ بعض اظہار افسوس کے طرز میں بعض چھیڑ کر مجلس میں تذکرہ اٹھادیتے اور آپ خود چپکے سنا کرتے بعض سن کر تردد میں پڑجاتے بعض خاموش تھے۔ اور بہت سے سن کر صاف جھٹلا دیتے۔ صرف اس پچھلے گروہ یعنی صریح رد کرنے والوں کو پسند فرمایا گیا۔ اور سب کو درجہ بدرجہ کم وبیش الزام دیا گیا اور جس نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا۔ مراد منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ جیسا کہ روایات کثیرہ میں تصریح ہے کہ یہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا اور ابھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا۔ اس کے لئے آخرت میں سخت عذاب کی سزا ہوہی گی۔ دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل ورسوا ہوا اور قیامت تک اسی ذلت وخواری سے یاد کیا جائے گا۔

اب آگے ان مومنین کو نصیحت فرمائی جاتی ہے کہ جو نادانستہ طور پر منافقین کی اس سازش کا شکار ہوگئے تھے کہ جب تم نے اس ناپاک بات کو سنا تو اپنے مومنین مردوں اور عورتوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا اور سنتے ہی فوراً زبان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ کھلا جھوٹ ہے۔ اگر خدا کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو جس لایعنی بات میں تم مشغول ہوگئے تھے اس پر سخت عذاب واقع ہوتا جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! جیسا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافقین کو ذلیل وخوار فرمایا، اسی طرح اب بھی اس قوم اور ملک میں جو منافقین گھسے ہوئے ہیں کہ جن کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ ہے اور جو در پردہ اسلام اور دین کے بدخواہ ہیں۔

یا اللہ! ان کو ذلیل وخوار فرما اور ان کی شرارتوں سے اس ملک کو محفوظ فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ

جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ گمان نیک کیوں نہ کیا اور یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔

مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ

یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔سو جس صورت میں یہ گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔

هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ

اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل نہ ہوتا دُنیا میں اور آخرت میں تو جس شغل میں تم پڑے تھے

فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا

اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا۔جبکہ تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں سے نقل درنقل کررہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی

لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

تم کو مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے۔حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات ہے۔

لَوْلَآ کیوں نہ	اِذْ جب	سَمِعْتُمُوْهُ تم نے وہ سنا	ظَنَّ گمان کیا	الْمُؤْمِنُوْنَ مومن مردوں	وَالْمُؤْمِنٰتُ اور مومن عورتوں		
بِاَنْفُسِهِمْ (اپنوں کے) بارہ میں	خَيْرًا نیک	وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	هٰذَا یہ	اِفْكٌ بہتان	مُّبِيْنٌ صریح	لَوْلَا کیوں نہ	
جَآءُوْ وہ لائے	عَلَيْهِ اس پر	بِاَرْبَعَةِ چار	شُهَدَآءَ گواہ	فَاِذْ پس جب	لَمْ يَاْتُوْا وہ نہ لائے	بِالشُّهَدَآءِ گواہ	فَاُولٰٓئِكَ تو وہی لوگ
عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	هُمُ الْكٰذِبُوْنَ وہی جھوٹے	وَلَوْلَا اور اگر نہ	فَضْلُ اللّٰهِ اللہ کا فضل	عَلَيْكُمْ تم پر	وَرَحْمَتُهٗ اور اسکی رحمت		
فِى الدُّنْيَا دنیا میں	وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت	لَمَسَّكُمْ ضرور تم پر پڑتا	فِىْ مَآ اس میں جو	اَفَضْتُمْ تم پڑے	فِيْهِ اس میں		
عَذَابٌ عذاب	عَظِيْمٌ بڑا	اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ جب تم لاتے تھے اسے	بِاَلْسِنَتِكُمْ اپنی زبانوں پر	وَتَقُوْلُوْنَ اور تم کہتے تھے	بِاَفْوَاهِكُمْ اپنے منہ سے		
مَّا لَيْسَ جو نہیں	لَكُمْ تمہیں	بِهٖ اس کا	عِلْمٌ کوئی علم	وَّتَحْسَبُوْنَهٗ اور تم اسے گمان کرتے تھے	هَيِّنًا ہلکی بات	وَّهُوَ حالانکہ وہ	
	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	عَظِيْمٌ بہت بڑی بات					

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ سے مضمون واقعہ اِفک کے متعلق بیان ہورہا ہے یعنی یہ آیات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جب کہ منافقین نے آپ پر بہتان باندھا تھا۔گذشتہ آیت میں اشارۃً یہ ظاہر فرمادیا گیا تھا کہ یہ کام منافقین کی پارٹی کا ہے۔چونکہ اس بہتان تراشی میں بعض مسلمانوں کی بھی زبان کھلنے لگی تھی کسی نے کچھ کہا۔کسی نے صرف سنا اور خاموش رہا۔اس لئے گذشتہ درس میں یہ بھی بتلادیا گیا تھا کہ اس فتنہ میں جس نے جس قدر حصہ تھوڑا یا بہت لیا اسی قدر وہ قابل الزام اور گناہ گار ہوا۔

اب آگے ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو ادب سکھاتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں جو کلمات منہ سے نکالے وہ ان کی شایان شان نہ تھے بلکہ انہیں چاہئے تھا کہ ام المومنین اور اپنے ایک مسلمان بھائی کے ساتھ حسن ظن رکھتے اور

صرف یہی نہیں کہ حسن ظن رکھتے بلکہ زبان سے بھی ایسے بہتان کی تردید وتکذیب کردینی چاہئے تھی اس لئے جو کچھ واقعہ گزرا اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش بھی نہ تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھلم کھلا سواری پر سوار دن دوپہر کو بھرے لشکر میں پہنچتی ہیں جہاں خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ اگر خدانخواستہ خاکم بدہن کوئی بھی بات ہوتی تو اس طرح کھلے بندوں مجمع عام میں نہ آتے بلکہ خفیہ اور پوشیدہ طور پر شامل ہو جاتے جو کسی کو کانوں کان خبر تک نہ پہنچے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ بہتان بازوں نے جو افترا پردازی کی ہے وہ محض جھوٹ۔ افترا اور بہتان ہے اور یہ لوگ اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کے موافق جھوٹے قرار دیئے گئے ہیں جو کسی پر بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کرسکیں۔ اور بدوں کافی ثبوت کے زبان سے ایسی بات بکتے پھریں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن مسلمانوں نے اس واقعہ میں زبان کو بری حرکت دی اگر خدائے تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا کہ وہ دنیا میں توبہ قبول کرلیتا ہے اور آخرت میں ایمان کی وجہ سے معاف فرمادیتا ہے تو جس بہتان میں لوگوں نے اپنی زبانیں چلائیں اس میں انہیں بڑا بھاری عذاب ہوتا۔ یہ مضمون ان مسلمانوں کے حق میں ہے جن کے دلوں میں ایمان تھا اور سچے مسلمان تھے مگر رواروی میں کچھ کہہ گئے تھے۔ آگے انہی مسلمانوں کو خطاب کرکے ارشاد ہے کہ عذاب عظیم کیوں نہ ہوتا جب کہ تم ایسی بے تحقیق اور ظاہر البطلان بات کو ایک دوسرے کی طرف چلتا کررہے تھے اور زبان سے وہ اٹکل پچو باتیں نکال رہے تھے جن کی واقعیت کی تمہیں کچھ بھی خبر نہ تھی پھر طرفہ یہ کہ ایسی سخت بات سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ اور مومنین کی روحانی ماں کو متہم کرنا جو اللہ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے۔ اس کو محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا اصل جرم سے بھی بڑھ کر جرم تھا۔

ان آیات میں یہاں یہ تعلیم دی گئی کہ مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اپنے کسی دیندار بھائی مسلمان کے متعلق کوئی بری بات سنے تو یقین نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ نیک گمان رکھے۔ کسی دیندار مسلمان پر تہمت سن کر خاموش رہنا بھی جرم ہے۔ فوراً تکذیب کرنی لازم ہے بشرطیکہ تہمت کا جھوٹ ہونا عقل اور قرائن کا لحاظ کرتے ہوئے واضح ہو۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کسی مسلمان پر کوئی الزام قائم کرے اور شرعی شہادت نہ پیش کرسکے تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی جھوٹا ہے بغیر سمجھے اور یقین حاصل کئے کوئی بات منہ سے نہ نکالنی چاہئے یعنی ہر بات کو سن کر نقل کردینا ٹھیک نہیں تاوقتیکہ اس کی صحت نہ کرلی جائے۔ خصوصاً فاسق وفاجر یا بدباطن انسانوں کی دی ہوئی خبر وہ بھی جبکہ وہ خبر کسی باعصمت وعفت اور صاحب تقویٰ وخیر کے بارہ میں ہو تو وہ ہرگز قابل توجہ نہیں اور اس کے لئے اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ یہ محض افتراء ہے تاوقتیکہ خبر دینے والا اس پر روشن دلیل اور شرعی حجت نہ قائم کردے۔

بے گناہ پر الزام وتہمت لگانا شریعت اسلامیہ میں بہت بڑا گناہ ہے۔ اور چونکہ اس گناہ کا مرتکب حق العباد میں سے ایک اہم حق ضائع کرتا ہے۔ اس لئے نہ صرف اخلاق کی نگاہ میں بلکہ اجتماعی قانون کی نظر میں بھی بڑا مجرم ہے۔ قرآن عزیز کی نصوص نے بے گناہ پر تہمت لگانے کی سزا کے لئے ۸۰ کوڑے کی سخت سزا اسی لئے تجویز کی ہے تاکہ کسی کو بھی یہ جرأت نہ ہوسکے کہ وہ ایک پاکباز انسان پر بہتان لگائے یا بغیر شہادت کے اس کی تشہیر کرے۔ بعض مرتبہ اشرار اور خبیث النفس لوگوں کی بے بنیاد باتیں اس درجہ آب ورنگ رکھتی ہیں کہ سادہ لوح مسلمان اور نکوکار انسان بھی مغالطے اور دھوکہ میں آجاتے ہیں اس لئے مسلمان کا فرض ہے کہ سنی سنائی بات پر اس وقت تک ہرگز یقین نہ کرے جب تک کہ اسلامی اصول شہادت کے مطابق شنیدہ خبر کی تصدیق نہ ہوجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ سوئے ظن سے بچو اس لئے کہ بعض بدگمانیاں گناہ کا مرتکب بنادیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان بیش بہا قرآنی ہدایات ونصائح کو اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق کاملہ نصیب فرمائے۔

ابھی آگے بھی اس سلسلہ میں مسلمانوں کو بعض ہدایات دی جارہی ہیں جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ

اورتم نے جب اس بات کو سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذاللہ یہ تو بڑا بہتان ہے

عَظِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷﴾ وَیُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا اگر تم ایمان والے ہو۔اور اللہ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے۔

الْاٰیٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ

اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا بڑا حکمت والا ہے۔جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو اُن کیلئے

اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ

دنیا اور آخرت میں سزائے دردناک ہے۔اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل وکرم ہے

اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾ ع

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے۔تو تم بھی (اس وعید سے) نہ بچتے۔

وَلَوْلَآ اور کیوں نہ	اِذْ جب	سَمِعْتُمُوْهُ تم نے وہ سنا	قُلْتُمْ تم نے کہا	مَّا يَكُوْنُ نہیں ہے	لَنَآ ہمارے لئے	اَنْ نَّتَكَلَّمَ کہ ہم کہیں	
بِهٰذَا ایسی بات	سُبْحٰنَكَ تو پاک ہے	هٰذَا یہ	بُهْتَانٌ بہتان	عَظِیْمٌ بڑا	یَعِظُكُمُ تمہیں نصیحت کرتا ہے	اللّٰهُ اللہ	اَنْ کہ
تَعُوْدُوْا تم پھر کرو	لِمِثْلِهٖٓ ایسا کام	اَبَدًا کبھی بھی	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	مُّؤْمِنِیْنَ ایمان والے	وَیُبَیِّنُ اور بیان کرتا ہے	اللّٰهُ اللہ	
لَكُمُ تمہارے لئے	الْاٰیٰتِ آیتیں احکام	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِیْمٌ بڑا جاننے والا	حَكِیْمٌ حکمت والا	اِنَّ بیشک	الَّذِیْنَ جو لوگ	
یُحِبُّوْنَ پسند کرتے ہیں	اَنْ کہ	تَشِیْعَ پھیلے	الْفَاحِشَةُ بے حیائی	فِی الَّذِیْنَ میں جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے مومن	لَهُمْ ان کیلئے	
عَذَابٌ عذاب	اَلِیْمٌ دردناک	فِی الدُّنْیَا دنیا میں	وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت میں	وَاللّٰهُ اور اللہ	یَعْلَمُ جانتا ہے	وَاَنْتُمْ اور تم	
لَا تَعْلَمُوْنَ تم نہیں جانتے	وَلَوْلَا اور اگر نہ	فَضْلُ اللّٰهِ اللہ کا فضل	عَلَیْكُمْ تم پر	وَرَحْمَتُهٗ اور اس کی رحمت	وَاَنَّ اور یہ کہ		
اللّٰهَ اللہ	رَءُوْفٌ شفقت کرنیوالا	رَّحِیْمٌ نہایت مہربان ہے					

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں ان مسلمانوں کو تنبیہ وناصحانہ ملامت کے ساتھ نیک گمانی کا حکم دیا گیا تھا جنہوں نے اس واقعۂ اِفک کے افترا اور بہتان میں اپنی زبانیں کھولی تھیں اور اس جھوٹ بات کے نقل کرنے میں حصہ لیا تھا۔

اب ان آیات میں انہیں مسلمانوں کو دوسرا حکم دیا جارہا ہے کہ بھلے اور نیک آدمیوں کی شان میں کوئی برائی کا کلمہ بے تحقیق ہرگز نہ نکالنا چاہئے۔ برے خیالات، گندے الزامات اور شیطانی وسوسوں سے دور رہنا چاہئے کبھی ایسے کلمات زبان سے نہ نکالنے چاہئیں۔ اگر دل میں کوئی ایسا وسوسہ شیطانی پیدا بھی ہو تو زبان قابو میں رکھنی چاہئے۔ مسلمانوں کو تو چاہئے تھا کہ ایسے واہی تباہی کلام کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ

ہم ایسی لغوبات سے اپنی زبان کونہیں بگاڑتے۔ہم سے یہ بے ادبی نہیں ہوسکتی کہ خدا کے پیغمبر کی زوجہ مطہرہ کی نسبت کوئی ایسی لغوبات کہیں۔ پھر ہدایت کی جاتی ہے کہ دیکھو خبردار آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ ہوورنہ ایمان کے ضبط ہونے کا اندیشہ ہے ہمیشہ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے اہل کی عظمت کو ملحوظ رکھیں اور بدباطن منافقین کے چکموں میں کبھی نہ آئیں۔اللہ تعالیٰ اپنے احکام تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔یعنی اصول کے علاوہ تم کو جزئیات اور فروعات کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ ادب۔ اخلاق۔عقیدہ اور تہذیب سکھاتا ہے۔جن باتوں سے خرابیاں پیدا ہونے والی ہیں۔ نفاق۔ رنجش اور اخلاق کی بربادی۔ امن اور انتظام کی تباہی پیدا ہونے والی ہے ان سے وہی خوب واقف ہے۔ اس لئے جو احکام تم کو دیئے اور جن باتوں سے تم کو منع کیا ان کے مصالح کو وہ جانتا ہے اس لئے تمام اوامر ونواہی کی پابندی تم پر لازم ہے۔ہاں اگر کوئی شخص ایمان ہی سے کورا ہو اور جس کی سرشت ہی خراب ہو وہ تو بے ادب، گستاخ اور بھلے لوگوں کی اہانت کرنے والا ہوتا ہی ہے۔ایسے لوگ تو ناپاک باتیں پھیلانے کی دھن میں ہروقت لگے رہتے ہیں۔

یہاں تک تو نزول برأۃ سے قبل تذکرہ کرنے والوں کا ذکر تھا آگے ان کا ذکر ہے جو بعد نزول ان آیات برأت کے بھی باز نہ آویں اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص بے ایمان ہی ہوگا۔ان کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ بعد نزول ان آیات کے بھی چاہتے ہیں یعنی اس کی کوشش عملی کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اس بے حیائی کی بات کا چرچا ہو تو انہیں دنیوی سزا یعنی ۸۰ کوڑوں کی حد شرعی بھی لگے گی اور اُخروی سزا یعنی عذاب جہنم بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسے فتنہ پردازوں کو خوب جانتا ہے گو عام مسلمان نہ جانتے ہوں۔اور یہ بھی اس کے علم میں ہے کہ کس کا جرم کتنا ہے اور کس کی کیا غرض ہے۔ یہ طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس کی نظر ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل ورحمت سے اور شفقت ومہربانی سے مسلمانوں میں سے تائبین کی توبہ کو قبول فرمایا اور بعض کو حد شرعی جاری کر کے پاک کیا۔

ان آیات سے یہ چند مسائل معلوم ہوئے۔

۱۔کسی مومن کی آبروریزی اور عزت کو برباد کرنے کی کوشش کرنی حرام ہے۔اور موجب عذاب الیم ہے۔

۲۔تہمت تراشی کرنا یا سن کر تصدیق کرنا بھی جرم عظیم ہے۔

۳۔غیر مومن اور غیر مسلم طبقہ ہر حیلہ بہانہ سے مسلمانوں میں فحش پرستی اور بے حیائی کو رواج دینا چاہتا ہے اور اسلامی کلچر و تہذیب کو برباد کرنے کا خواستگار رہتا ہے۔اس لئے مسلمانوں کو ہروقت متنبہ رہنا اور اسلامی قوانین کو مضبوط پکڑنا چاہئے۔ابھی حق تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلہ میں احکام ونصائح کا سلسلہ جاری ہے۔جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان جملہ قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم سے گذشتہ زندگی میں جو تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں اپنی رحمت اور فضل وکرم سے معاف فرمائیں اور آئندہ ہم کو جملہ فحش اور بے حیائی کی باتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ اکرام مسلم کی ہم کو توفیق نصیب فرما۔اور کسی مسلمان کی آبروریزی کے جرم عظیم میں مبتلا ہونے سے ہماری حفاظت فرما۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

اے ایمان والو تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو اور جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو وہ تو

فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ

بے حیائی اور نامعقول ہی کام کرنے کو کہے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی (توبہ کرکے) پاک و صاف نہ ہوتا

مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ

ولیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک صاف کردیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے اور جولوگ تم میں بزرگی اور دنیوی وسعت والے ہیں

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا

وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنیوالوں کو دینے سے قسم نہ کھابیٹھیں۔ اور چاہئے کہ وہ معاف کردیں

وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾

اور درگزر کریں۔ کیاتم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

يَا يُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جو ایمان لائے	لَا تَتَّبِعُوْا تم نہ پیروی کرو	خُطُوٰتِ قدم	الشَّيْطٰنِ شیطان	وَمَنْ اور جو	
يَتَّبِعْ پیروی کرتا ہے	خُطُوٰتِ قدم	الشَّيْطٰنِ شیطان	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	يَاْمُرُ حکم دیتا ہے	بِالْفَحْشَآءِ بے حیائی کا	وَالْمُنْكَرِ اور بری بات
وَلَوْلَا اور اگر نہ	فَضْلُ اللّٰهِ اللہ کا فضل	عَلَيْكُمْ تم پر	وَرَحْمَتُهٗ اور اسکی رحمت	مَا زَكٰى نہ پاک ہوتا	مِنْكُمْ تم سے	مِنْ اَحَدٍ کوئی آدمی
اَبَدًا کبھی بھی	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اللّٰهَ اللہ	يُزَكِّىْ پاک کرتا ہے	مَنْ يَّشَآءُ جسے وہ چاہتا ہے	وَاللّٰهُ اور اللہ	سَمِيْعٌ سننے والا	عَلِيْمٌ جاننے والا
وَلَا يَاْتَلِ اور قسم نہ کھائیں	اُولُوا الْفَضْلِ فضیلت والے	مِنْكُمْ تم میں سے	وَالسَّعَةِ اور وسعت والے	اَنْ يُّؤْتُوْٓا کہ (نہ) دیں		
اُولِى الْقُرْبٰى قرابت دار	وَالْمَسٰكِيْنَ اور مسکینوں	وَالْمُهٰجِرِيْنَ اور ہجرت کرنیوالے	فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کی راہ میں			
وَلْيَعْفُوْا اور چاہئے کہ وہ معاف کردیں	وَلْيَصْفَحُوْا اور وہ درگذر کریں	اَلَا تُحِبُّوْنَ کیاتم نہیں چاہتے؟	اَنْ کہ	يَغْفِرَ اللّٰهُ اللہ بخش دے		
لَكُمْ تمہیں	وَاللّٰهُ اور اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَحِيْمٌ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ان مسلمانوں کوخطاب فرما کراللہ تعالیٰ کی نصائح واحکام سنائے گئے تھے جو کسی نہ کسی درجہ میں منافقین کے اس اٹھائے ہوئے طوفانِ تہمت میں شریک ہوگئے تھے اوران کو بتلایا گیا تھا کہ اگر اللہ کا فضل وکرم اور لطف ورحم نہ ہوتا تو تم بھی اس وقت قہرالٰہی سے نہ بچتے۔ مگراس نے توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرمائی اور بعض کو حد شرعی سے پاک کردیا۔ اب آگے ان آیات میں تمام مسلمانوں کوخطاب کرکے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ شیطان کی چالوں سے ہوشیار رہا کریں مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہئے کہ شیاطین الانس والجن کے قدم بقدم چلنے لگے۔ ان ملعونوں کا کام تو یہی ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں۔ تم جان بوجھ کر کیوں ان کے بھرے میں آتے ہو۔ دیکھ لو شیطان نے ذرا ساچرکہ لگا کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کردیا۔ اس لئے مسلمانوں کو ہر قول وفعل اور طریق زندگانی میں شیطان کی پیروی سے اجتناب ضروری ہے۔ شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ہے۔ ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا مگر یہ تو خدا کا فضل اوراس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر

بہتیروں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہو جانے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر درست کر دیتا ہے۔ یہ بات اسی خدائے واحد کے اختیار میں ہے اور وہی اپنے علم محیط اور حکمت کاملہ سے جانتا ہے کہ کون بندہ سنوارے جانے کے قابل ہے اور کس کی توبہ قبول ہونی چاہئے۔ وہ سب کی توبہ وغیرہ کو سنتا اور ان کی قلبی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی رواروی یا بھولے پن سے شریک ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت مسطح تھے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ انہوں نے جنگ بدر میں بھی شرکت کی تھی۔ مسلمانوں کے ساتھ ہجرت بھی کی تھی۔ مخلص مسلمان تھے لیکن اپنے بھولے پن کے سبب سے منافقوں کے پروپیگنڈے کے شکار ہو گئے تھے۔ چونکہ مفلس تھے اس لئے قصہ افک سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے تھے۔ جب یہ قصہ افک ختم ہوا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہ کروں گا بعض دوسرے صحابہ نے بھی قسم کھائی کہ جس نے اس بہتان سے کچھ بھی لگاؤ رکھا ہے ہم اس سے تعلق اور رشتہ داری قائم نہ رکھیں گے۔ اس پر مسلمانوں کو مسکین مہاجر قرابتداروں سے سلوک منقطع نہ کرنے کی ہدایت کی گئی اور عفوودرگزر کا حکم دیا گیا اور حکم ہوا کہ تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ انہیں زیبا یہی ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے۔ محتاج رشتہ داروں اور فی سبیل اللہ وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دستکش ہو جانا بزرگوں اور بلند اخلاق نیک کرداروں کا کام نہیں۔ اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو اس کا کفارہ ادا کر دو۔ تمہاری شان یہ ہونی چاہئے کہ خطا کاروں کی خطا سے درگزر کرو۔ ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری تقصیرات سے درگزر کرے گا۔ تم میں سے کون ہے جو اللہ تعالیٰ کا قصوروار نہیں پھر کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ اللہ تمہاری گرفت کرے اور قصور معاف نہ کرے۔ تم یہ بات ہرگز پسند نہ کرو گے تو جب تم کو خود اپنے قصور کی گرفت پسند نہیں تو لازمی طور پر آپس میں بھی ایک دوسرے کے قصور سے درگزر کرنی چاہئے۔

احادیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ سنا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے تو فوراً بول اٹھے بلیٰ یا ربنا انا نحب۔ بیشک اے پروردگار ہم ضرور چاہتے ہیں یہ کہہ کر مسطح کی جو امداد کرتے تھے جاری فرمادی اور قسم کھائی کہ واللہ مسطح کا خرچ کبھی بند نہ کروں گا بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے امداد دگنی کر دی۔ سبحان اللہ! کیا عجب جذبات تھے اور کیا عجیب احساسات تھے ان حضرات کے روح کے گوشہ گوشہ میں دین کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ کس طرح نفس اور جذبات نفس کو قابو کیا ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے جو شخص تہمت تراشی کے چرچہ میں شرکت کی وجہ سے مبغوض تھا آن کی آن میں اس کو دوست اور محبوب بنالیا جاتا ہے اور تمام گذشتہ قصوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اسی کا نام ہے الحب للہ و البغض فی اللہ۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیت ولا یاتل اولوا الفضل منکم۔ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کی صریح دلیل ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ حق تعالیٰ خود ان کو اولوا الفضل یعنی صاحب فضل فرمائے۔

حضرت مسطح کا وظیفہ اگرچہ ان کی غلطی اور خطا کی بنا پر بند کر لینا جائز تھا مگر مقام صدیقیت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے۔ اس لئے اس آیت کو نازل کر کے حق تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنبیہ فرمائی اور بحق بدریت حضرت مسطح کے حق میں سفارش فرمائی کہ اے ابوبکر! تم اہل فضل میں سے ہو اور مسطح اہل بدر میں سے ہے لہٰذا تم اس کی امداد و اعانت میں کمی نہ کرنا اور مسطح سے جو غلطی ہو گئی ہے اس کو معاف کر دینا چاہئے اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو معاف کرے گا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح حق تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل فرمائی کہ نہ صرف حضرت مسطح کی غلطی کو معاف کر دیا بلکہ گذشتہ کے اعتبار سے امداد و اعانت میں دگنا وظیفہ کر دیا۔ اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ نے کیا اخلاق کریمہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں چودہ طریقہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اس ایک آیت سے ثابت کی ہے۔

ان آیات میں باہم کدورت اور کبیدگی دور کرنے کے لئے حلم اور عفو سے کام لینے کی ہدایت فرمائی اور ترغیب کے لئے صراحت فرمائی کہ آپس کے تعلقات کو قائم رکھنا اور خطاواروں کے جرم سے درگزر کرنا مغفرت الٰہیہ کے حصول کا باعث ہے۔ اب آگے اسی سلسلہ میں منافقین کو وعید سنائی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ

جولوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاکدامن ہیں (اور) ایسی باتوں سے (بالکل) بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں ہیں اُن پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور اُن کو

عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

(آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا۔ جس روز اُن کے خلاف اُن کی زبانیں گواہی دیں گی اور اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں بھی (گواہی دیں گے) ان کاموں کی جو کہ یہ لوگ کرتے تھے۔

یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِیْثٰتُ

اس روز اللہ تعالیٰ ان کو واجبی بدلہ پورا پورا دیگا اور (اُس روز ٹھیک ٹھیک) ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنیوالا (اور) بات (کی حقیقت) کو کھول دینے والا ہے۔ گندی عورتیں

لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ

گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھرے عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔

مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۶﴾

یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق) بکتے پھرتے ہیں۔ ان (حضرات) کیلئے (آخرت میں) مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔

اِنَّ بیشک	الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ جولوگ تہمت لگاتے ہیں	الْمُحْصَنٰتِ پاک دامن	الْغٰفِلٰتِ بھولی بھالی انجان	الْمُؤْمِنٰتِ مومن عورتیں	لُعِنُوْا لعنت ہے ان پر		
فِی الدُّنْیَا دنیا میں	وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب	عَظِیْمٌ بڑا	یَوْمَ دن	تَشْهَدُ گواہی دیں گی	عَلَیْهِمْ ان پر خلاف
اَلْسِنَتُهُمْ انکی زبانیں	وَاَیْدِیْهِمْ اور اُن کے ہاتھ	وَاَرْجُلُهُمْ اور انکے پاؤں	بِمَا اسکی جو	كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے	یَوْمَئِذٍ اس دن		
یُوَفِّیْهِمُ پورا دے گا انہیں	اللّٰهُ اللہ	دِیْنَهُمُ ان کا بدلہ	الْحَقَّ سچ ٹھیک ٹھیک	وَیَعْلَمُوْنَ اور وہ جان لیں گے	اَنَّ کہ	اللّٰهَ اللہ	هُوَ وہی
الْحَقُّ برحق	الْمُبِیْنُ ظاہر کرنیوالا	اَلْخَبِیْثٰتُ ناپاک گندی عورتیں	لِلْخَبِیْثِیْنَ گندے مردوں کیلئے	وَالْخَبِیْثُوْنَ اور گندے مرد	لِلْخَبِیْثٰتِ گندی عورتوں کیلئے		
وَالطَّیِّبٰتُ اور پاک عورتیں	لِلطَّیِّبِیْنَ پاک مردوں کیلئے	وَالطَّیِّبُوْنَ اور پاک مرد	لِلطَّیِّبٰتِ پاک عورتوں کیلئے	اُولٰٓئِكَ یہ لوگ	مُبَرَّءُوْنَ مبرا ہیں		
مِمَّا اس سے جو	یَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	لَهُمْ ان کیلئے	مَغْفِرَةٌ مغفرت	وَرِزْقٌ اور روزی	كَرِیْمٌ عزت کی		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں واقعۂ اِفک کے سلسلے میں مسلمانوں کو مختلف احکام وہدایات دی گئی تھیں۔ اخیر میں تلقین فرمائی گئی تھی کہ جس طرح تم چاہتے ہو کہ ہماری تقصیریں اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں تمہیں بھی چاہئے کہ دوسروں کی خطا اور قصوروں سے درگزر کیا کرو۔

اب تہمت لگانے والوں پر وعید بیان کی جاتی ہے اور مکرر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکدامنی پر دلیل دے کر اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ بعد نزول ان آیات کے تہمت لگاتے ہیں تو ایسے موذی بہتان پرداز دنیا اور آخرت میں لعنت خدا کے مستحق ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگ جو ایسی مطہرات کو متہم کریں کافر اور منافق ہی ہوسکتے ہیں۔ علماء نے تصریح کی ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ یا ازواج مطہرات میں سے کسی کو متہم کرے وہ کافر۔ مکذب

قرآن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔تو یہاں اتہام رکھنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی کہ ان پر دنیا اور آخرت دونوں کے اندر خدا کی مار پڑے گی دنیا میں بھی ذلت اور رسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی سخت عذاب جہنم ہوگا اور کوئی اس گمان میں نہ رہے کہ قیامت کے دن وہ مکر سکتا ہے خود ان کی زبان اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔مجرم منہ سے بولنا اور ظاہر کرنا نہ چاہے گا مگر خود زبان اور ہاتھ پاؤں بولیں گے اور ان میں سے ہر ایک عضو اس عمل کو ظاہر کرے گا جو اس کے ذریعہ سے کیا گیا تھا۔یوم قیامت میں اللہ تعالیٰ انہیں پوری سزا دے گا اور وہ یقین کرلیں گے کہ اللہ عزوجل واقعی موجود ہے۔ برحق ہے۔اور سارے اعمال کا ٹھیک ٹھیک حساب جانتا ہے۔اور ہر عمل کی اس کے بالکل مناسب سزا دے گا۔

اب آگے ایک قاعدہ کلیہ بیان کردیا کہ نیک مردوں کو نیک عورتوں سے اور بدکار مردوں کو بدکار عورتوں سے لگاؤ ہوتا ہے۔ اسی طرح نیک عورتوں کو نیک مردوں سے اور بدعورتوں کو بدمردوں سے انس ہوتا ہے اور چونکہ رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام طیب، طاہر اور مجسم طہارت ہیں۔اس لئے آپ کو تعلق بھی پاک اور طیب عورت ہی سے ہوگا۔ حاصل یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاکدامن۔نکوکار ہیں۔ طبعاً اور فطرۃً پاکباز ہیں۔تو جن پر یہ تہمت لگائی گئی ہے وہ اس سے بالکل بری ہیں کہ جو یہ منافق بکتے پھرتے ہیں۔ ان حضرات کے لئے آخرت میں مغفرت اور عزت کی روزی یعنی جنت ہے۔

یہاں جو عام ضابطہ اور قاعدہ کلیہ بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے طبائع میں طبعی طور پر یہ جوڑ رکھا ہے کہ گندی اور بدکار عورتیں بدکار مردوں کی طرف اور گندے اور بدکار مرد گندی بدکار عورتوں کی طرف رغبت کیا کرتے ہیں۔اسی طرح پاک صاف عورتوں کی رغبت پاک صاف مردوں کی طرف ہوتی ہے اور پاک صاف مردوں کی رغبت پاک صاف عورتوں کی طرف ہوتی ہے۔تو اس عادت کلیہ اور ضابطہ سے واضح ہوگیا کہ انبیاء علیہم السلام جو دنیا میں پاکی وصفائی ظاہری و باطنی میں مثالی شخصیت ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام انبیاء کے سردار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ازواج مطہرات بھی پاکی و صفائی، ظاہری و اخلاقی برتری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مناسب شان عطا فرمائی ہیں۔اور حضرت نوح اور لوط علیہما السلام کی بیبیوں کے بارہ میں جو قرآن کریم میں ان کا کافرہ ہونا مذکور ہے تو ان کے متعلق بھی یہ ثابت ہے کہ وہ کافر ہونے کے باوجود فسق وفجور میں مبتلا نہ تھیں۔تو معلوم ہوا کہ کسی نبی کی بیوی کافر ہوجائے اس کا تو امکان ہے مگر بدکار فاحشہ ہوجائے یہ ممکن نہیں۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو عورتوں میں ممتاز ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسری عورت کو نصیب نہیں ہوئیں اور خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بطور تحدیث بالنعمۃ ان خصوصیات کو فخر کے ساتھ بیان فرمایا کرتی تھیں۔

۱۔ پہلی خصوصیت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت جبرئیل امین ایک ریشمی کپڑے میں میری تصویر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا یہ تمہاری زوجہ ہے۔(رواہ الترمذی)

۲۔ دوسری خصوصیت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔

۳۔ تیسری خصوصیت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات آپ کی گود میں ہوئی۔

۴۔ چوتھی یہ کہ بیت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہوئے۔

۵۔ پانچویں یہ کہ آپ پر اس وقت بھی وحی نازل ہوئی تھی

جبکہ آپ حضرت صدیقہ کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے تھے۔ دوسری کسی بی بی کو یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔

۶۔چھٹی یہ کہ آسمان سے آپ کی برأت نازل ہوئی۔

۷۔ساتویں یہ کہ وہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اور صدیقہ ہیں اور ان میں سے ہیں جن سے دنیا ہی میں مغفرت اور رزق کریم کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے۔

الغرض سورۃ کے ابتدائی رکوع میں جو احکام اور شرعی سزاؤں کا بیان ہوا تھا وہ اس لئے تھے کہ اگر معاشرہ میں برائی رونما ہو جائے اور کسی سے اس جرم کا ارتکاب ہو جائے تو اس کا تدارک کیسے کیا جائے۔اس کے بعد دو رکوع حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت کے متعلق بیان ہوئے۔اور یہاں ان آیات پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت ونزاہت کا بیان ختم ہوا اور یہ بیان اس شان سے ختم فرمایا گیا کہ اب اس کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہا۔قرآن کریم کی آیات سے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عنداللہ قدر و منزلت ثابت ہوئی وہ روز روشن سے زیادہ واضح ہے۔اور حق تعالیٰ جل شانہ کی اس شہادت کے بعد بھی اگر کوئی بدباطن خبیث حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائے تو بالاتفاق علمائے امت وہ کافر ہے۔اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے والے کا وہی حکم ہے جو حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام پر تہمت لگانے والے کا ہے۔

اب اس کے بعد وہ احکام دیئے جارہے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں سرے سے برائیاں اور بدکاریاں پیدا ہی نہ ہونے پائیں۔ان ہدایات و احکامات کا سلسلہ اگلی آیات سے شروع ہوتا ہے۔جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قرآنی ہدایات اور احکامات کے موافق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔جن برائیوں سے قرآن پاک نے روکا ہے ان سے ہمیں کامل طور پر رکنے اور جن بھلائیوں کی قرآن پاک نے تلقین فرمائی ہے۔ان بھلائیوں کو حاصل کرنے کی توفیق کاملہ عطا فرمائیں۔یوم آخرت کی رسوائیوں اور وہاں کے عذابوں سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچادیں اور اپنی مغفرت اور عزت کی روزی ہم سب کو نصیب فرمائیں۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ

اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ (اُن سے) اجازت حاصل نہ کرلو اور اُن کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہی

خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ

تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو۔ پھر اگر اُن گھروں میں تم کو کوئی نہ معلوم ہو تو (بھی) اُن گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو اجازت نہ دی جائے۔ اور اگر تم سے کہہ دیا جائے

لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

کہ (اسوقت) لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے۔ تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا

اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

گناہ نہ ہوگا جن میں کوئی نہ رہتا ہو اُن میں تمہاری کچھ برت ہو۔ اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	لَا تَدْخُلُوْا تم نہ داخل ہو	بُيُوْتًا گھر	غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ اپنے گھروں کے سوا	حَتّٰى یہاں تک کہ	
تَسْتَاْنِسُوْا تم اجازت لے لو	وَتُسَلِّمُوْا اور تم سلام کرلو	عَلٰٓى پر۔کو	اَهْلِهَا ان کے رہنے والے	ذٰلِكُمْ یہ	خَيْرٌ بہتر ہے	لَكُمْ تمہارے لئے	
لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تَذَكَّرُوْنَ تم نصیحت پکڑو	فَاِنْ پھر اگر	لَّمْ تَجِدُوْا تم نہ پاؤ	فِيْهَآ اس میں	اَحَدًا کسی کو	فَلَا تَدْخُلُوْهَا تو تم نہ داخل ہو اس میں	
حَتّٰى یہاں تک کہ	يُؤْذَنَ اجازت دی جائے	لَكُمْ تمہیں	وَاِنْ اور اگر	قِيْلَ لَكُمْ تمہیں کہا جائے	ارْجِعُوْا تم لوٹ جاؤ	فَارْجِعُوْا تو تم لوٹ جایا کرو	
هُوَ یہی	اَزْكٰى زیادہ پاکیزہ	لَكُمْ تمہارے لئے	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِمَا وہ جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	عَلِيْمٌ جاننے والا	لَيْسَ نہیں
عَلَيْكُمْ تم پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ	اَنْ اگر	تَدْخُلُوْا تم داخل ہو	بُيُوْتًا ان گھروں میں	غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ جہاں کسی کی سکونت نہیں	فِيْهَا جن میں	
مَتَاعٌ کوئی چیز	لَّكُمْ تمہاری	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مَا تُبْدُوْنَ جو تم ظاہر کرتے ہو	وَمَا اور جو	تَكْتُمُوْنَ تم چھپاتے ہو	

تفسیر و تشریح:۔ اس سورۂ نور میں شروع میں حد زنا۔ سزائے تہمت۔ احکام لعان وغیرہ بیان ہوئے تھے۔ اب یہاں سے وہ ہدایات و احکامات بیان فرمائے جاتے ہیں کہ جس سے بے حیائی اور فتنۂ زنا وغیرہ پیدا ہی نہ ہو۔ کسی خرابی اور برائی کے انسداد کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب اس کے تمام اسباب و ذرائع وسائل کی بیخ کنی کردی جائے۔ مثلاً شراب خوری سے باز رکھنا اسی وقت کامل طور پر ممکن ہے جب شراب کشی کی ممانعت کردی جائے۔ شراب خوروں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے روک دیا جائے۔ شراب پینے کی سخت سزا مقرر کردی جائے۔ اسی لئے

حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کے بنانے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کے بنوانے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کے بیچنے والے پر لعنت کی ہے۔ خریدنے والے پر لعنت کی ہے۔ لاد کر لے جانے والے پر لعنت کی ہے جس کے پاس لے جائی جائے اس پر لعنت کی ہے۔ اس کے پلانے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کو بیچ کر اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت کی ہے۔ گویا جتنے ذرائع و وسائل شراب خوری کے ہو سکتے ہیں سب کو ملعون و ممنوع قرار دیا۔ اسی طرح زنا کے تمام مبادی و مقدمات کو بھی مثل زنا قرار دے کر ان

کی ممانعت فرمائی گئی۔ چنانچہ حدیث شریف میں یہ مضمون صراحۃً موجود ہے کہ نامحرم عورت کو بری نیت سے دیکھنا آنکھ کا زنا ہے۔ اس سے باتیں کرنا زبان کا زنا ہے۔ اس کی باتوں کو سننا کان کا زنا ہے۔ اس کی طرف قلب کا میلان بدل کا زنا ہے۔ اس کو ہاتھ لگانا ہاتھ کا زنا ہے۔ اس کی طرف چل کر جانا پاؤں کا زنا ہے۔ اور پھر جو فعل بد میں مبتلا ہو تو وہ اصل زنا ہے۔ تو زنا بھی ایک اخلاقی و معاشرتی تباہی ہے۔ اس سے باز رکھنے کی تکمیل کے لئے پہلے اس کی سزا کو بیان فرمادیا۔ اب یہاں سے زنا اور بے حیائی میں مبتلا کرنے والے اسباب اور موجبات کی روک تھام کے لئے ہدایات وقوانین بیان فرمائے جاتے ہیں۔

اسلام چونکہ حکیمانہ اور مصلحانہ دین ہے۔ تمام اخلاقی معاشرتی اور اجتماعی اصلاحات کے مکمل اور جامع قوانین کی تعلیم اس نے دی ہے۔ پہلے زنا۔ تہمت۔ بدگمانی وغیرہ کی سخت ممانعت فرمائی اب جو چیزیں بدگمانی۔ تہمت اور زنا کے اسباب ہیں ان سے بھی روکا جاتا ہے۔ منجملہ ان اسباب کے کسی کے گھر میں بغیر اذن واطلاع کے چلا جانا بھی ہے۔ اس لئے پہلی ہدایت یہاں یہ دی گئی کہ خاص اپنے رہنے کا جو گھر ہو اس کے علاوہ کسی دوسرے کے رہنے کے گھر میں یونہی بے خبر نہ گھس جائے۔ کیا جانے صاحب خانہ کس حال میں ہو اور اس وقت کسی کا اندر آنا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اندر جانے سے پہلے آواز دے کر اجازت حاصل کرے۔

حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ تک سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی لے اگر تین بار کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ اجازت طلب کرنے میں بے جا اصرار کرنا یا اجازت نہ ملنے کی صورت میں دروازے پر جم کر کھڑے ہو جانا جائز نہیں ہے۔ اگر تین دفعہ کے استیذان کے بعد صاحب خانہ کی طرف سے اجازت نہ ملے یا وہ ملنے سے انکار کردے تو واپس چلے جانا چاہئے۔

آگے ایک دوسری صورت بیان ہوتی ہے کہ اگر یہ معلوم ہو کہ گھر میں کوئی موجود نہیں ہے تب بھی دوسرے کے گھر میں بدوں مالک ومختار کی اجازت کے مت جاؤ۔ یعنی کسی کے خالی گھر میں بھی بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر صاحبِ خانہ نے خود اس بات کی اجازت صراحۃً یا دلالۃً دی ہو تو اس اجازت کے موافق جانے میں کوئی حرج نہیں مثلاً صاحبِ خانہ نے آپ سے یہ کہہ دیا ہو کہ اگر میں موجود نہ ہوں تو آپ میرے کمرہ میں آکر بیٹھ جائیں یا صاحبِ خانہ کسی اور جگہ موجود ہے اور آپ کے آنے کی اطلاع پر وہ کہلا بھیجے کہ آپ بیٹھئے میں ابھی آتا ہوں تو یہ اجازت ہی کی شکل ہے اور اس صورت میں مکان میں داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

تیسری ہدایت یہ دی جاتی ہے کہ اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس ہو جاؤ۔ اور اس پر برا نہ ماننا چاہئے۔ بسا اوقات آدمی کی طبیعت کسی سے ملنے کو نہیں چاہتی یا حرج ہوتا ہے یا کوئی ایسی بات کر رہا ہے جس پر غیر کو مطلع کرنا پسند نہیں تو تم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اس پر بوجھ ڈالو کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے کو ملاقات کرنے پر مجبور کرے۔ اس طرح بار خاطر بننے سے تعلقات صاف نہیں رہتے اور دل میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ آگے تاکید کے لئے فرمایا کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں یعنی جیسا کچھ تم کروگے اور جس نیت سے کروگے حق تعالیٰ اس کے مناسب جزا دے گا۔

پھر چوتھی ہدایت دی جاتی ہے کہ جن مکانوں میں کوئی خاص آدمی نہیں رہتا۔ نہ کوئی روک ٹوک ہے مثلاً مسجد۔ مدرسہ۔ سرائے۔ مسافر خانہ۔ ہوٹل۔ دکانیں وغیرہ اگر وہاں تمہاری کوئی چیز ہے یا تم کو اس کو چندے برتنے کی ضرورت ہے تو بیشک وہاں

جا سکتے ہو اس کے لئے استیذان کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے تمام چھپے اور کھلے حالات کی رعایت سے یہ احکام مشروع کئے ہیں جن سے مقصود فتنہ وفساد کے دروازوں کو بند کرنا ہے۔ مؤمن کو چاہئے کہ اپنے دل میں اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر ان پر عمل کرے۔

اگر چہ یہاں ان آیات میں خطاب مردوں کو ہے مگر عورتوں کا حکم بھی یہی ہے مردانہ میں بھی اور زنانہ میں بھی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجازت لینے کا حکم صرف دوسروں کے گھر جانے کی صورت ہی میں نہیں ہے بلکہ خود اپنی ماں بہنوں کے پاس جانے کی صورت میں بھی ہے۔ ایک صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں اپنی ماں کے پاس جاتے وقت اجازت طلب کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے سوا ان کی خدمت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔ کیا ہر بار جب میں ان کے پاس جاؤں تو اجازت مانگوں۔ آپ نے فرمایا کیا تو پسند کرتا ہے کہ اپنی ماں کو برہنہ دیکھے؟ یعنی اجازت نہ لینے میں یہ احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کسی وقت وہ ایسی حالت میں ہو کہ تم کو دیکھنا پسند نہ ہو اور تم یکا یک پہنچ جاؤ۔ احادیث میں ہے کہ اگر گھر میں صرف بی بی ہے تو بھی پردیس یا سفر سے واپسی پر اچانک گھر میں نہ گھس جائے۔ کچھ پہلے سے اطلاع کردے یا خبر بھجوادے۔ اسی طرح احادیثِ صحیحہ میں دوسرے کے گھر میں جھانکنے کی بھی سخت ممانعت آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص تیرے گھر میں جھانکے اور تو ایک کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو کچھ گناہ نہیں۔

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں تحریر فرمایا ہے۔

"افسوس کہ شریعتِ اسلام نے جس قدر اس معاملہ کا اہتمام فرمایا کہ قرآن حکیم میں اس کے مفصل احکام نازل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے اس کی بڑی تاکید فرمائی۔ اتنا ہی مسلمان اس سے غافل ہوگئے۔ لکھے پڑھے نیک لوگ بھی نہ اس کو کوئی گناہ سمجھتے ہیں۔ نہ اس پر عمل کی فکر کرتے ہیں۔ دنیا کی دوسری مہذب قوموں نے اس کو اختیار کر کے اپنے معاشرہ کو درست کرلیا مگر مسلمان ہی اس میں سب سے پیچھے نظر آتے ہیں۔ اسلامی احکام میں سب سے پہلے سستی اسی حکم میں شروع ہوئی۔ بہرحال استیذان قرآن کریم کا وہ واجب التعمیل حکم ہے کہ اس میں ذرا سی سستی اور تبدیلی کو بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انکار آیتِ قرآن کے شدید الفاظ سے تعبیر فرمارہے ہیں۔ اور اب تو لوگوں نے واقعی ان احکام کو ایسا نظر انداز کردیا ہے کہ گویا ان کے نزدیک یہ قرآن کے احکام ہی نہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حق تعالیٰ جل شانہٗ نے ہر انسان کو جو اس کے رہنے کی جگہ عطا فرمائی خواہ مالکانہ ہو یا کرایہ وغیرہ پر بہرحال اس کا گھر اس کا مسکن ہے اور مسکن کی اصل غرض سکون و راحت ہے۔ قرآن عزیز نے جہاں اپنی اس نعمت گرانمایہ کا ذکر فرمایا ہے اس میں بھی اس طرف اشارہ فرمایا **واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا** یعنی اللہ نے تمہارے گھروں سے تمہارے لئے سکون وراحت کا سامان دیا۔ اور یہ سکون و راحت جبھی باقی رہ سکتا ہے کہ انسان کسی دوسرے شخص کی مداخلت کے بغیر اپنے گھر میں اپنی ضرورت کے مطابق آزادی سے کام اور آرام کرسکے۔ اس کی آزادی میں خلل ڈالنا گھر کی اصل مصلحت کو فوت کرنا ہے جو بڑی ایذاء اور تکلیف ہے۔ اسلام نے کسی کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا ہے۔ استیذان کے احکام میں ایک بڑی مصلحت لوگوں کی آزادی میں خلل ڈالنے اور انکی ایذا رسانی

سے بچنا ہے جو ہر شریف انسان کا عقلی فریضہ بھی ہے۔ دوسری مصلحت خود اس شخص کی ہے جو کسی کی ملاقات کے لئے اس کے پاس گیا ہے کہ جب وہ اجازت لے کر شائستہ انسان کی طرح ملے گا تو مخاطب بھی اس کی بات قدر و منزلت سے سنے گا۔ اور اگر اس کی کوئی حاجت ہے تو اس کے پورا کرنے کا داعیہ اس کے دل میں پیدا ہوگا۔ بخلاف اس کے کہ وحشیانہ طرز سے کسی شخص پر بغیر اس کی اجازت کے مسلط ہوگیا تو مخاطب اس کو ایک بلائے ناگہانی سمجھ کر دفع الوقتی سے کام لے گا۔ خیر خواہی کا داعیہ اگر ہوا بھی تو مضمحل ہو جائے گا اور اس کو ایذاء مسلم کا گناہ الگ ہوگا۔

تیسری مصلحت فواحش اور بے حیائی کا انسداد ہے کہ بلا اجازت کسی کے مکان میں داخل ہو جانے سے یہ بھی احتمال ہے کہ غیر محرم عورتوں پر نظر پڑے اور شیطان دل میں کوئی مرض پیدا کردے اور اسی مصلحت سے احکام استیذان کو قرآن کریم میں حد زنا، حد قذف وغیرہ احکام کے متصل لایا گیا ہے۔

چوتھی مصلحت یہ ہے کہ انسان بعض اوقات اپنے گھر کی تنہائی میں کوئی ایسا کام کر رہا ہوتا ہے جس پر دوسروں کو مطلع کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اگر کوئی شخص بغیر اجازت کے گھر میں آجائے تو وہ جس چیز کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا اس پر مطلع ہو جائے گا کسی کے پوشیدہ راز کو زبردستی معلوم کرنے کی فکر بھی گناہ ہے اور دوسروں کے لئے موجب ایذا ہے۔" (معارف القرآن جلد ششم)

اس سلسلہ میں مزید ہدایات و احکام ابھی اگلی آیات میں جاری ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ان جملہ قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنی زندگی شریعت مطہرہ کے احکام کے مطابق گزارنے کی توفیق نصیب فرماویں اور ہر طرح کے فتنہ و فساد ظاہری و باطنی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔

یا اللہ جملہ ممنوعات شرعیہ سے ہم کو کامل طور پر بچنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور ہماری حکومت کو صحیح معنی میں اسلامی حکومت بنادیجئے جو اس امر میں کوشاں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب فرمادیں اور ان کی کوششوں کو بار آور فرمائیں۔ اور جو منافقین، بد باطن در پردہ اسلام کے بدخواہ ہیں ان کے فتنہ سے اس سرزمین کو پاک فرمادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ اُن کیلئے زیادہ صفائی کی بات ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو

بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

قُلْ آپ فرمادیں	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ مومن مردوں کو	يَغُضُّوْا وہ نیچی رکھیں	مِنْ سے	اَبْصَارِهِمْ اپنی نگاہیں	وَيَحْفَظُوْا اور وہ حفاظت کریں
فُرُوْجَهُمْ اپنی شرمگاہیں	ذٰلِكَ یہ	اَزْكٰى زیادہ ستھرا	لَهُمْ ان کیلئے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	خَبِيْرٌ باخبر ہے
بِمَا اس سے جو	يَصْنَعُوْنَ وہ کرتے ہیں				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں برائیوں اور بے حیائیوں کے انسداد کے سلسلہ میں یہ حکم ہوا تھا کہ بغیر اجازت دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا جائے۔ اسی سلسلہ میں مزید احکامات مردوں کو اس آیت میں دیئے جاتے ہیں۔

اول مسلمان مردوں کو ہدایت کی گئی کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں یعنی جس طرف مطلقاً دیکھنا ناجائز ہے اس کو بالکل نہ دیکھیں اور جس کو فی نفسہ دیکھنا جائز ہے مگر شہوت سے جائز نہیں۔ اس کو شہوت سے نہ دیکھیں۔ بدنظری سے عموماً فواحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ ناجائز نظر دیباچہ زنا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے حکم دیا کہ بدنظری سے مرد اپنے کو بچائیں۔ اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادہ سے اس کی طرف نظر نہ کرے کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگر آدمی نگاہ نیچے رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار اور ارادے سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہوسکتا ہے۔ چونکہ پہلی مرتبہ جو بیساختہ دفعتہً نظر پڑتی ہے از راہ شہوت ونفسانیت نہیں ہوتی اس لئے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے اس کو معاف رکھا گیا ہے۔ دوبارہ قصداً دیکھنا البتہ گناہ ہوگا۔

دوسری ہدایت مردوں کو یہ دی گئی کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یعنی حرامکاری سے بچیں اور ستر کسی کے سامنے نہ کھولیں سوائے ان مواقع کے جہاں شریعت نے اجازت دی ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم چھ باتوں کے ضامن ہوجاؤ اور ان کی ذمہ داری لے لو تو میں تمہارے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ وہ چھ باتیں یہ ہیں۔

۱۔ جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو۔

۲۔ جب کسی سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو۔

۳۔ جب تم کو کوئی امانت سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ادا کرو۔

۴۔ حرامکاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

۵۔ جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ان کی طرف سے آنکھیں بند کرو یعنی ان پر نظر نہ پڑے۔

۶۔ جہاں ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روکو یعنی ناحق کسی کو نہ مارو۔ نہ ستاؤ نہ ہاتھ سے ایذا دو۔ نہ کوئی چیز چھینو وغیرہ وغیرہ۔

اس آیت میں مردوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے کا حکم ہے۔ مگر اس جگہ کوئی تفصیل نہیں کہ کس عورت کو نہ دیکھا جائے اور کس سے شرمگاہ کو محفوظ رکھا جائے اور چونکہ تمام عورتوں کو نہ دیکھنا اور سب سے الگ رہنے کا حکم تو ہو ہی نہیں سکتا اس لئے علمائے محققین نے قرآن کی دوسری آیات اور احادیث کی ہدایات کے موافق اس کی تشریح کی ہے۔ اور اس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ایک مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی یا محرم خواتین کے سوا کسی دوسری عورت کو نگاہ بھر کر دیکھے۔ ایک دفعہ اچانک نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے۔ لیکن یہ معاف نہیں کہ آدمی نے جہاں کشش محسوس کی اور وہاں پھر نظر دوڑائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی بدنظری کو آنکھوں کا زنا اور بدکاری سے تعبیر فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنے تمام حواس سے زنا کرتا ہے۔ ناجائز طور پر دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے۔ اس کی آواز سے لذت لینا کانوں کا زنا ہے۔ ہاتھ لگانا اور ناجائز مقصد کے لئے چلنا ہاتھ اور پاؤں کا زنا ہے۔ بدکاری کی یہ ساری تمہیدیں جب پوری ہو چکتی ہیں تب شرمگاہیں یا تو اس کی تکمیل کر دیتی ہیں یا تکمیل کرنے سے رہ جاتی ہیں۔

۲۔ چونکہ غیر محرم پر ناجائز طور پر نظر ڈالنی حرام ہے اس لئے مومن پر لازم ہے کہ ایسے مقامات اور مواقع پر بھی نہ جائے جہاں نظر بد سے حفاظت مشکل ہے۔

۳۔ اجنبی عورت کا چہرہ اور ہاتھ بضرورت دیکھنا جائز ہے۔ باقی اعضا پر نظر کرنی حرام ہے اور بغیر ضرورت اجنبی عورت کا چہرہ اور ہاتھ بھی دیکھنا حرام ہے۔ حقیقی ضرورت کی صورتیں مثلاً یہ ہوسکتی ہیں کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو۔ اس غرض کے لئے عورت کو دیکھ لینے کی اجازت ہے۔ اور نہ صرف اجازت بلکہ حدیث میں اسکی ترغیب دی گئی ہے۔ بضرورت دیکھنے کی دوسری صورتیں یہ بھی ہیں علاج کے لئے طبیب یا ڈاکٹر کا مریضہ کو دیکھنا۔ عدالت میں گواہی کے موقع پر قاضی کا کسی گواہ عورت کو دیکھنا۔ یا تفتیش جرائم کے سلسلہ میں کسی مشتبہ عورت کو دیکھنا۔

۴۔ علمائے سلف نے باجماع لکھا ہے کہ امرد لڑکوں کا حکم بھی عورتوں کی طرح ہے کسی لڑکے کو نظر جما کر بدنیتی سے دیکھنا حرام ہے۔

۵۔ اگر اجنبی عورت نہ ہو بلکہ محرم ہو یعنی ایسی عورت جس سے شرعاً نکاح جائز نہیں تو ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف وہی اعضا دیکھنے درست ہیں جو کام کاج میں کھل جاتے ہیں مثلاً ہاتھ بازو گردن۔ سر پاؤں وغیرہ۔

۶۔ باہم مردوں کو بھی ایک دوسرے کے ستر پر بغیر ضرورت خاص نظر ڈالنا حرام ہے۔ ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ مرد کے لئے ستر ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جدید فرنگی تہذیب کے ماتحت اب تو اکثر مسلمان اس کو کوئی گناہ اور جرم ہی نہیں سمجھتے۔ اور عام دین سے بے بہرہ مسلمانوں کا تو یہ کہنا۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ بعض نمازی جو بوڑھے بھی ہو گئے ہیں وہ بھی اکثر مسجد کے سامنے گراؤنڈ میں ہاکی یا فٹ بال کے میچ بڑے شوق سے کھڑے دیکھا کرتے ہیں۔ جبکہ کھلاڑیوں کے ستر پر جانگیہ پہننے کی وجہ سے نظر بھی پڑتی ہے۔ جس پر بغیر شرعی ضرورت کے نظر ڈالنا حرام ہے۔ مرد کے لئے ستر کو یعنی ناف سے گھٹنوں تک ہر وقت مستور رکھنا واجب ہے۔ اس کے علاوہ مرد کے لئے تمام بدن کا کھلا رکھنا جائز ہے۔

یہاں آیت میں مردوں کو غض بصر اور حفاظت فروج یعنی نگاہوں کو نیچی رکھنا اور شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد تاکیداً ارشاد ہوتا ہے کہ ان امور میں تمہارے لئے زیادہ صفائی اور پاکیزگی کی بات ہے اور اس کے خلاف میں آلودگی ہے اور انسان کی نیت کا حال۔ آنکھ کی چوری اور دل کا بھید سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے لہٰذا اس کا خیال کر کے بدنگاہی اور ہر قسم کی بدکاری سے بچو ورنہ وہ اپنے علم کے موافق تم کو سزا دے گا۔

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے مسلمان مردوں کے لئے احکام بیان ہوئے آگے عورتوں کے لئے احکام ہیں جو مردوں کی بہ نسبت زیادہ تفصیل سے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! سینما، تھیٹر، بائیسکوپ، وی سی آر وغیرہ جو فحاشی اور فسق و فجور کے اڈے ہیں اور جہاں پر بدنظری اور بدنگاہی سے بچنا مشکل ہے ان خرافات سے ہمارے اسلامی ملک کو پاک فرما دیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا 2

اور مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے

مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ

کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر

اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ

یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر

اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ

یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا اُن مردوں پر جو طفیلی ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا

یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی باتوں سے ابھی ناواقف ہوں اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہوجائے۔

يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

وَقُلْ اور فرمادیں	لِلْمُؤْمِنٰتِ مومن عورتوں کو	يَغْضُضْنَ وہ نیچی رکھیں	مِنْ سے	اَبْصَارِهِنَّ اپنی نگاہیں	وَيَحْفَظْنَ اور وہ حفاظت کریں	
فُرُوْجَهُنَّ اپنی شرمگاہیں	وَلَا يُبْدِيْنَ اور وہ ظاہر نہ کریں	زِيْنَتَهُنَّ اپنی زینت	اِلَّا مگر	مَا جو	ظَهَرَ مِنْهَا اس میں سے ظاہر ہوا	
وَلْيَضْرِبْنَ اور ڈالے رہیں	بِخُمُرِهِنَّ اپنی اوڑھنیاں	عَلٰى پر	جُيُوْبِهِنَّ اپنے سینے (گریبان)	وَلَا يُبْدِيْنَ اور وہ ظاہر نہ کریں		
زِيْنَتَهُنَّ اپنی زینت	اِلَّا سوائے	لِبُعُوْلَتِهِنَّ اپنے خاوندوں پر	اَوْ یا	اٰبَآئِهِنَّ اپنے باپ	اَوْ یا	اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اپنے شوہروں کے باپ (خسر)
اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ یا اپنے بیٹے	اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ یا اپنے شوہروں کے بیٹے	اَوْ اِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھائی	اَوْ یا	بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اپنے بھائی کے بیٹے (بھتیجے)		
اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ یا اپنی بہنوں کے بیٹے بھانجے	اَوْ نِسَآئِهِنَّ یا اپنی (مسلمان) عورتیں	اَوْ مَا مَلَكَتْ یا جن کے مالک ہوئے اَيْمَانُهُنَّ انکے دائیں ہاتھ (کنیزیں)				
اَوِ التّٰبِعِيْنَ یا خدمتگار مرد	غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ نہ غرض رکھنے والے	مِنَ سے	الرِّجَالِ مرد	اَوِ الطِّفْلِ یا لڑکے	الَّذِيْنَ وہ جو کہ	
لَمْ يَظْهَرُوْا وہ واقف نہیں ہوئے	عَلٰى پر	عَوْرٰتِ النِّسَآءِ عورتوں کے پردے	وَلَا يَضْرِبْنَ اور وہ نہ ماریں	بِاَرْجُلِهِنَّ اپنے پاؤں		
لِيُعْلَمَ کہ جان "پہچان" لیا جائے	مَا يُخْفِيْنَ جو چھپائے ہوئے ہیں	مِنْ سے	زِيْنَتِهِنَّ اپنی زینت	وَتُوْبُوْٓا اور تم توبہ کرو		
اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف "آگے"	جَمِيْعًا سب	اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ اے ایمان والو	لَعَلَّكُمْ تا کہ تم	تُفْلِحُوْنَ فلاح دوجہان کی کامیابی پاؤ		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مسلمان مردوں کو بے حیائی اور اخلاقی آلودگی سے بچنے کے لئے حکم ہوا تھا کہ جب نامحرم عورتوں کا

سامنا ہو تو اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ آگے اس آیت میں اسی طرح کا حکم مسلمان عورتوں کو ہوتا ہے کہ انہیں بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھنی چاہئیں اور اپنے چھپے ہوئے اعضا کی حفاظت کرنی چاہئے مزید عورتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان کو اپنی پیدائشی زیبائش یا لباس اور زیور کی آرائش کا اظہار کسی کے سامنے جائز نہیں بجز ان محارم اور رشتہ داروں کے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اور اس کا چھپانا دشوار ہے اور وہ مجبوری یا ضرورت کی وجہ سے عموماً کھلا ہی رکھنا پڑتا ہے تو اس کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں۔ (بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو) حدیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ ہتھیلیاں اور قدم یہ اعضا چھپانے سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ بہت سی ضروریات دینی و دنیوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ان کے چھپانے اور ڈھانکنے کا مطلقاً حکم دیا جائے تو عورتوں کے لئے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔ تو جب یہ اعضاء مستثنیٰ ہوئے تو ان کے متعلقات۔ مثلاً انگوٹھی۔ چھلا۔ مہندی۔ یا کاجل۔ سرمہ وغیرہ کو بھی استثناء میں داخل ماننا پڑے گا۔ اس کے کھلا رکھنے کی اجازت عورتوں کو بضرورت دی گئی ہے۔ نامحرم مردوں کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ ان اعضاء کو دیکھا کریں۔ مردوں اور عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم پہلے ہی سنا دیا گیا۔ اور پھر کسی عضو کے کھولنے کی اجازت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو دیکھنا بھی جائز ہو اور یہ واضح رہے کہ یہاں اس آیت میں محض ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے خواہ عورت اپنے گھر کے اندر ہو یا باہر۔ باقی حجاب یعنی پردہ کا مسئلہ کہ شریعت نے عورت کو کن حالات میں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی اور کس طرح اس کی تفصیل انشاء اللہ سورۂ احزاب بائیسویں پارہ میں آئے گی۔ (فوائد حضرت علامہ عثمانیؒ)

آگے عورتوں کو سر اور سینہ ڈھکنے کے اہتمام کی ہدایت کی جاتی ہے اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بتلائی جاتی ہے۔

ایام جاہلیت میں عورتیں اپنے دوپٹہ یا اوڑھنی سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر لٹکا لیتی تھیں اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی یہ گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔ قرآن کریم نے حکم دیا کہ اوڑھنی یا دوپٹہ کو سر پر سے لاکر گریبان پر ڈالنا چاہئے تا کہ اس طرح کان، گردن اور سینہ پوری طرح ڈھکے رہیں۔ اس کے بعد عام اعضاء کے لئے ہدایت ہے کہ ان کی بناوٹ اور زیبائش کسی پر ظاہر نہ کریں اور کسی کے سامنے نہ کھولیں بجز اپنے شوہر یا باپ یا سسر یا بیٹا یا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا بھتیجہ یا بھانجہ کے یا دوسری نیک چلن مسلمان عورتوں کے جو اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والی ہیں یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو محض کھانے پینے کے واسطے طفیلی کے طور پر رہتے ہیں اور ان کو بوجہ حواس درست نہ ہونے کے عورتوں کی طرف ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے بچوں پر جو ابھی عورتوں کے پردہ کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے۔ ان سب کے سامنے زینت کے مواقع کا ظاہر کرنا جائز ہے۔ آگے مزید ایک حکم ہے کہ پردے کا یہاں تک اہتمام رکھیں کہ چلنے میں اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ زیور کی جھنکار سنائی دے اور ڈھکی ہوئی زیب و زینت آواز سے ظاہر ہو جائے یعنی چال ڈھال ایسی نہ ہونی چاہئے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے غیروں کو ادھر میلان اور توجہ ہو۔ اور پہلے جو کچھ حرکات ہو چکیں ان سے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے ہر مرد و عورت کو خدا سے ڈر کر اپنی تمام حرکات و سکنات اور چال چلن میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کرنا چاہئے۔ اس میں دارین کی بھلائی اور کامیابی ہے۔

اب غور کیجئے کہ حیا اور عفت کا کس درجہ اہتمام شریعت مطہرہ میں ہے اور فتنہ کے کیسے کیسے دروازوں اور چھپے ہوئے سوراخوں کو ہماری شریعت نے بند کیا ہے۔ ایک طرف تو یہ احتیاطیں اور پابندیاں ہیں اور ان کے مقابل اب موجودہ حالت پر نظر ڈالئے

کہ جہاں مرد وعورت کے مشترک ناچ وگانے تک کی آزادیاں ہیں۔ جس کے نتائج بھی پھر بالکل ظاہر ہیں۔ اور پھر ہم شور مچائیں اور ہائے واویلا کریں کہ معاشرہ تباہ ہورہا ہے۔ جرائم بڑھ رہے ہیں۔ عفت وعصمت بچانی مشکل ہورہی ہے اغوااور زنا کی وارداتیں عام ہوتی جاتی ہیں۔ حرامی بچوں کی پیدائش اور ان کو سڑکوں اور کوڑیوں پر پھینکے جانے کے واقعات بھی ہوتے جارہے ہیں۔ اگر مسلمانوں کی یہود ونصاریٰ کے اتباع کی یہی حالت رہی اور دین وقرآن سے یہی انحراف رہا تو پھر اور جو کچھ بدحالی اور فسق وفجور کی زیادتی، جرائم کی کثرت اور برائیوں کی پیداوار دن دگنی رات چوگنی اور دین ودنیا کی تباہی ہونی ہے اس کا انتظار کریں اور اگر ملک کو اور قوم کو اس سے بچنے اور سنبھلنے کی ضرورت ہے تو اتباع قرآن اور اتباع دین کے سوا چارہ اور علاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ عطا فرمائے۔

اس آیت کے آخری جملہ میں یعنی **وتوبوآ الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون**o اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ اگرچہ حق تعالیٰ کا خطاب تمام روئے زمین کے مسلمانوں سے ہے مگر میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآنی جملہ کو اہل پاکستان کو مخاطب کر کے خاص طور پر سنایا جبکہ پاکستانی ایک بدترین ذلت میں گرفتار تھے یعنی مشرقی پاکستان کو جبکہ کفار ہند نے فوجی حملہ کر کے ۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء کو فتح کرلیا تھا اور قریب ایک لاکھ پاکستانی فوج گرفتار ہو کر کفار کے قید میں تھی اور ان کا آدھے سے زیادہ ملک کفار کے چنگل میں چلا گیا تھا۔ اس وقت ایک بزرگ کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر پاکستانیوں کو اسی قرآنی جملہ سے مخاطب فرما کر ایک خاص تنبیہ و ہدایت فرمائی تھی جس کو کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ (مہتمم جامعہ عربیہ اسلامیہ۔ نیوٹاؤن کراچی) نے اپنے ماہنامہ رسالہ بینات۔ کراچی بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۷۲ء میں ''بصائر وعبر'' کے تحت شائع فرمایا تھا۔ جس کو میں یہاں نقل کرتا ہوں۔

یہ خواب کسی بزرگ نے لاہور سے لکھ کر حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا تھا اور ۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جبکہ ڈھاکہ میں ہندوستانی فوجیں فاتح بن کر داخل ہوئی تھیں اور ایک لاکھ پاکستانیوں کو ذلت کے ساتھ قیدی بنالیا تھا۔ اس کے چند یوم بعد یعنی ۹۔۱۰ جنوری ۱۹۷۲ء کی درمیانی شب میں یہ خواب دیکھا گیا تھا۔ حضرت علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ ''بینات'' مذکورہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''کچھ دن ہوئے لاہور سے ایک صاحب کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ ہم اس مکتوب اور اس کے ساتھ منسلک خواب کو بصائر وعبر کی مناسبت سے یہاں پیش کرتے ہیں۔

''..........السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۹۔۱۰ جنوری کی درمیانی شب کو میں نے ایک خواب دیکھا جس کی کاپی جناب کو روانہ کررہا ہوں۔ اس خواب میں میں نے کچھ علماء کو جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں بیٹھے دیکھا ہے۔ جس میں ایک آپ بھی ہیں پہلی صف میں مولانا مفتی محمد حسنؒ۔ مولانا محمد یوسف دہلویؒ۔ مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ۔ مولانا عنایت اللہ شاہ بخاریؒ اور جناب (مولانا محمد یوسف بنوریؒ) تشریف فرما ہیں......اب اس خواب کے بعد جو یہاں نقل کیا جارہا ہے طبیعت خاصی پریشان ہے۔ سوچتا ہوں کہ اس پیغام کا حق کیسے ادا ہو۔ امید ہے آپ کوئی تسلی بخش جواب دیں گے۔ والسلام''

خواب اور پیغام

''جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان میں مشرق کی

جانب رخ کئے ایک منبر پر تشریف فرما ہیں۔ میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہوں اور ایک دبلے پتلے گورے چٹے بزرگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب کھڑے ہیں، علماء کا ایک گروہ بھی حاضر خدمت ہے، ایک عالم دین کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پاکستان کے حالات بیان کر رہے ہیں، واقعات سناتے ہوئے جب وہ یہ کہتے ہیں! "پھر یا رسول اللہ! ہندوستان کی فوجیں فاتحانہ انداز سے ہمارے ملک میں داخل ہو گئیں۔" تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی پیشانی تھام لیتے ہیں اور آپ کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہنے لگتے ہیں۔ یہ دیکھ کر تمام محفل پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور بعض حضرات تو چیخیں مار مار کر رونے لگتے ہیں۔

کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم علماء کی جماعت کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرماتے ہیں۔ "اس حادثۂ عظیم پر ملائکہ بھی غمزدہ ہیں، مگر ان کو تمہارے اعمال کی بدولت تمہاری مدد کے لئے نہیں بھیجا گیا۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"تمہیں معلوم ہے تمہاری اس مملکت میں میری نبوت کا مذاق اڑایا گیا، میرے صحابہ کو گالیاں دی گئیں اور میری سنت کی تضحیک واہانت کی گئی۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے جماعت علماء! امت کو میرا پیغام پہنچا دو کہ جب تک حکام عیاشی، ظلم اور تکبر نہیں چھوڑیں گے۔ اغنیاء جب تک بخل، حق تلفی اور بے حیائی ترک نہیں کریں گے۔ علماء جب تک کتمانِ حق۔ حرصِ دنیا اور ریاکاری و خودنمائی سے باز نہیں آئیں گے۔ عورتیں جب تک بدکاری، ناچ رنگ، فحش گانے، شوہروں کی نافرمانی اور عریانی و بے پردگی نہیں چھوڑیں گی اور پوری قوم جب تک جھوٹی گواہی، غیبت، زنا، لواطت، شراب نوشی، سودخوری اور اعمال شرک سے توبہ نہیں کرے گی خوب یاد رکھو اس وقت تک عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم مجھے ان باتوں کے ترک کر دینے کی ضمانت دو، میں تمہیں دنیا و آخرت کی بھلائی کی ضمانت اور دشمن پر غلبہ کی بشارت دیتا ہوں۔ لیکن اگر تم اب بھی ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہو تو خوب یاد رکھو عنقریب ایک سخت ترین عذاب بصورت نفاق آنے والا ہے، جس سے تم کو اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔" (العیاذ باللہ۔ العیاذ باللہ)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

واتقوا فتنة لاتصيبن الذين ظلموا منكم خآصة واعلموآ ان الله شديد العقاب (پ۹۔ سورۂ انفال)

اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہیں لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں (بیان القرآن)

اس آیت کے سنتے ہی ہم سب پر گریہ طاری ہو گیا، ہم رو رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ آیت دہرا رہے تھے۔

وتوبوآ الى الله جميعا ايها المؤمنون لعلكم تفلحون (پ۱۸۔ سورۂ النور آیت ۳۱)

اور اے مسلمانو! تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہو گئی تو) تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ" (بیان القرآن)

حضرت مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں کہ "اس پر مزید تبصرے کی ضرورت نہیں۔" "عذاب بصورت نفاق" کی تعبیر صوبائی عصبیت اور گروہی مفادات کا وہ طوفان ہے جو ملک کے در و دیوار سے ٹکرا رہا ہے، جس میں علماء و صلحاء اور عوام و حکام سب بہے جا رہے

ہیں، اور جسے برپا کرنے میں اوپر سے نیچے تمام نفاق پیشہ عناصر اپنی پوری قوتیں صرف کررہے ہیں، پورا ملک ''آتش نفاق'' کے مہیب شعلوں کی لپیٹ میں ہے جس پر توبہ واستغفار، تضرع و ابتہال اور دعوت الی اللہ کے ذریعہ آج تو قابو پایا جاسکتا ہے۔ مگر کچھ دن بعد یہ تدبیر بھی کارگر نہیں ہوگی۔ اور پھر خدا ہی جانتا ہے کہ کیا حالات ہوں گے، کون رہے گا، اور کس کی حکومت ہوگی اور کون محکوموں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں، ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں، اور پوری امت کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں۔''

یہ خواب کا تذکرہ تو یہاں ضمناً درمیان میں آگیا جس سے اللہ تعالیٰ ہم کو تنبیہ وہدایت نصیب فرمائیں۔

اصل مضمون کے متعلق یہاں آیت میں عورت کے لئے آٹھ قسم کے مردوں کا اور چار دوسری اقسام کا پردہ سے استثناء کیا گیا ہے۔ مردوں میں سب سے پہلے شوہر ہے جس سے بیوی کے کسی عضو کا پردہ نہیں۔ دوسرے اپنے باپ ہیں جس میں دادا پردادا، نانا پرنانا سب شامل ہیں، تیسرے خسر یعنی شوہر کا باپ ہے، اس میں خسر کے باپ دادا، نانا سب شامل ہیں۔ چوتھے اپنے لڑکے جو اپنی اولاد میں ہیں۔ اس میں پوتے نواسے شامل ہیں۔ پانچویں شوہر کے لڑکے جو کسی دوسری بیوی سے ہوں یعنی سوتیلے بیٹے، پوتے، چھٹے اپنے بھائی۔ اس میں حقیقی بھائی بھی شامل ہیں اور باپ شریک اور ماں شریک بھائی بھی، لیکن ماموں، خالہ یا چچا، تایا اور پھوپھی کے لڑکے جن کو عام عرف میں بھائی کہا جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں وہ غیر محرم ہیں۔ ساتویں بھائیوں کے لڑکے۔ یہاں بھی صرف حقیقی یا ماں شریک یا باپ شریک بھائی کے لڑکے مراد ہیں۔ دوسرے عرفی بھائیوں یعنی ماموں، خالہ، چچا، تایا اور پھوپی زاد بھائیوں کے لڑکے شامل نہیں ہیں۔ آٹھویں بہنوں کے لڑکے، اس میں بھی حقیقی اور ماں شریک یا باپ شریک بہنوں کے لڑکے مراد ہیں۔ ماموں زاد چچا زاد وغیرہ بہنوں کے لڑکے داخل نہیں۔ یہ آٹھ قسم تو مردوں کی ہیں جو احکام حجاب اور پردہ سے مستثنیٰ ہیں مگر یہ واضح رہے کہ ستر عورت سے استثناء نہیں۔ عورت کا جو بدن ستر میں داخل ہے جس کا کھولنا نماز میں بھی جائز نہیں اس کا دیکھنا محارم یعنی باپ، بیٹے، بھائی، وغیرہ کو بھی جائز نہیں۔

چار دوسری قسم جن سے عورتوں کو پردہ کا حکم نہیں ان میں ایک نسآئِهِن کو فرمایا گیا یعنی اپنی عورتیں جس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں کہ ان کے سامنے بھی وہ تمام اعضاء کھولنا جائز ہے جو اپنے باپ بیٹوں کے سامنے کھولے جاسکتے ہیں اس لئے جو اعضاء ایک عورت اپنے باپ بیٹوں کے سامنے نہیں کھول سکتی ان کا کھولنا کسی مسلمان عورت کے سامنے بھی جائز نہیں۔ علاج معالجہ کی ضرورتیں مستثنیٰ ہیں۔ مسلمان عورتوں کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ کافر مشرک عورتوں سے بھی پردہ ہے۔ مگر حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں یہاں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ کیونکہ احادیث میں ایسی روایات موجود ہیں جن میں کافر عورتوں کا ازواج مطہراتؓ کے پاس جانا ثابت ہے اس لئے اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ نے کافر عورتوں کو مثل غیر محرم مردوں کے قرار دیا ہے بعض نے اس معاملہ میں مسلمان اور کافر دونوں قسم کی عورتوں کا ایک ہی حکم رکھا ہے کہ ان سے پردہ نہیں۔ امام رازیؒ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ لفظ نساء ھن میں تو سبھی عورتیں مسلم اور کافر داخل ہیں اور سلف صالحین سے جو کافر عورتوں سے پردہ کرنے کی روایات منقول ہیں وہ استحباب پر مبنی ہیں۔ تفسیر روح المعانی میں مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسیؒ نے اسی قول کو اختیار فرما کر کہا ہے کہ

یہی قول آج کل لوگوں کے مناسب حال ہے کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں کا کافر عورتوں سے پردہ تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

دوسری قسم جن سے عورتوں کو پردہ کا حکم نہیں وہ **او ما ملکت ایمانھن** ہے یعنی وہ جوان عورتوں کے مملوک ہوں اس میں بظاہر شرعی غلام اور لونڈیاں دونوں داخل معلوم ہوتی ہیں لیکن اکثر ائمہ فقہاء کے نزدیک اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے مراد صرف لونڈیاں ہیں۔ غلام مرد اس میں داخل نہیں۔

تیسری قسم جن سے عورتوں کو پردہ کا حکم نہیں وہ **او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال** ہے اس سے مراد وہ بدحواس قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت اور دلچسپی نہ ہو اور جو محض کھانے پینے کے واسطے طفیلی کے طور پر رہتے ہوں۔ اس کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس وقت اس قسم کے کچھ بدحواس مرد ایسے ہی تھے جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں آتے جاتے تھے۔

چوتھی قسم جس سے عورتوں کو پردہ کا حکم نہیں وہ **او الطفل الذین لم یظھروا علی عورت النسآء** ہے یعنی ایسے نابالغ بچے جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات و صفات و حرکات و سکنات سے بالکل بے خبر ہوں اور جو لڑکا ان امور سے دلچسپی لیتا ہو اور قریب البلوغ ہو اس سے پردہ واجب ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ عورت کو سوائے چند مخصوص مواقع کے زینت کا اظہار ممنوع ہے اور موجب فتنہ ہے۔ اسی طرح زینت یعنی زیور وغیرہ کی آواز کے اظہار کی بھی ممانعت فرمائی جو موجب فتنہ ہے اور ظاہر ہے کہ خود عورت کی آواز زیور کی آواز سے زیادہ موجب فتنہ ہے۔ لہٰذا عورت کی آواز زینت کی آواز سے زیادہ حرام ہوگی جیسا کہ سورۂ احزاب میں اس بارہ میں نص صریح ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے اور عورت کی اذان و اقامت بالاجماع ناجائز ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے جس کا پردہ واجب ہے۔ جب عورت کی اذان و اقامت ناجائز ہے تو جلسۂ عام میں عورت کا کھلے منہ آنا اور تقریر کرنا اور مردوں کی پارٹیوں میں کھلے منہ زیب و زینت سے شرکت کرنا اور اپنی تصویر اتروانا اور پھر اس کا اخباروں میں چھپوانا بلاشبہ حرام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو پکا اور سچا اسلام نصیب فرمائیں۔ اور قرآن و سنت کے اتباع کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں اپنی کوتاہیوں اور تقصیرات پر سچی توبہ اور رجوع الی اللہ کی ہدایت نصیب فرمائیں کہ اسی میں ہماری دین و دنیا کی کامیابی و کامرانی ہے۔

ابھی مزید ہدایات کا سلسلہ اگلی آیات میں جاری ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! جس قوم سے اور امت کے جن افراد سے رحمۃ اللعالمین، نبی کریم، سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ناخوش ہوں تو ان کو دین و دنیا کی صلاح و فلاح کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تنبیہات پر کان نہ دھرنے والے آپ کی ناراضگی اور عذاب سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ یا اللہ! ہماری بدحالی اب انتہائی قابل رحم و کرم ہے۔ نبی الرحمتہ کے طفیل میں اب امت مسلمہ پر رحم فرما کر ان کی اصلاح کی صورتیں غیب سے فرما دے۔ ہمارے علماء و صلحاء حکام اور عوام۔ مردوں اور عورتوں سب ہی کو اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت و عظمت عطا فرما دے اور آپ کے اتباع کی توفیق نصیب فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ

اورتم میں جو بے نکاح ہوں تم اُن کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو اس کا بھی۔ اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ اُن کو

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى

اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو جن کو نکاح کا مقدور نہیں اُن کو چاہیے کہ (اپنے نفس کو) ضبط کریں

يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے (پھر نکاح کر لیں)

وَاَنْكِحُوا اور تم نکاح کرو	الْاَيَامٰى بیوہ عورتیں	مِنْكُمْ اپنے میں سے اپنی	وَالصّٰلِحِيْنَ اور نیک	مِنْ سے	عِبَادِكُمْ اپنے غلام	
وَاِمَآئِكُمْ اور اپنی کنیزیں	اِنْ يَّكُوْنُوْا اگر وہ ہوں	فُقَرَآءَ تنگدست	يُغْنِهِمُ انہیں غنی کردیگا	اللّٰهُ اللہ	مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے	وَاللّٰهُ اور اللہ
وَاسِعٌ وسعت والا	عَلِيْمٌ علم والا	وَلْيَسْتَعْفِفِ اور چاہیے کہ بچے رہیں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	لَا يَجِدُوْنَ نہیں پاتے	نِكَاحًا نکاح	
حَتّٰى یہاںتک کہ	يُغْنِيَهُمُ انہیں غنی کردے	اللّٰهُ اللہ	مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو متعدد احکام حیا۔ عفت اور عصمت کی حفاظت کے لئے دیئے گئے تھے۔ اسی سلسلہ میں مزید احکام اس آیت میں دیئے جاتے ہیں۔ چونکہ بے نکاح اور مجرد رہنے میں عفت وعصمت کو بڑا خطرہ ہے اس لئے یہاں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا ہو کر بیوہ یا رنڈوے ہو گئے تو موقع مناسب ملنے پر ان کا نکاح کر دیا جائے۔

حدیث میں بھی نکاح کی بڑی فضیلت اور ترغیب آئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ''کہ اے علی تین کاموں میں دیر نہ کرو۔ نماز فرض کا جب وقت آ جائے۔ جنازہ جب موجود ہو۔ اور رانڈ عورت جب اس کا کفول جائے۔'' ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔ ''کہ جو میری فطرت چاہے وہ میری سنت اختیار کرے اور میری سنت نکاح ہے۔'' ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔ ''کہ جس کے پاس نکاح کے لئے مال ہو اور وہ نکاح نہ کرے تو ہم میں سے نہیں ہے۔'' ایک اور صحیح حدیث میں ارشاد ہے۔ ''لوگو ایسی عورتوں سے نکاح کرو جن میں کثیر النسل ہونے کی قابلیت ہو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تمہاری کثرت سے گذشتہ امتوں پر فخر کروں گا''

اب ذرا غور کیجئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ نسل بڑھاؤ تا کہ امت مسلمہ کی کثرت سے گذشتہ امتوں پر فخر کا موقع حاصل ہو اور امتی یہود ونصاریٰ کے مشورہ اور حکم پر یہ کہیں کہ ملک اور قوم میں منصوبہ بندی کا پرچار کرو تا کہ بچے کم پیدا ہوں اور جب بچے کم پیدا ہوں گے تو کھانے والے کم ہوں گے اور اناج کی اس طرح فراوانی ہوگی اور ملک کو ترقی حاصل ہوگی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اے گروہ جوانان! تم میں سے جس میں نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح سے حرام نظر کی بندش اور شرمگاہ کی حفاظت بخوبی ہو جاتی ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔ جب تم سے وہ شخص جس کے دین اور خلق کو تم پسند کرتے ہو نکاح کی درخواست کرے تو نکاح کر دو ورنہ زمین پر بڑا فتنہ وفساد ہوگا۔ بہرحال قرآن و حدیث دونوں میں نکاح کی ترغیب دی گئی ہے۔ ہمارے امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ۔ امام مالکؒ اور اکثر علماء کے نزدیک نکاح سنتِ مؤکدہ اور قریب بوجوب ہے لیکن قدرت اور طاقت شرط ہے اور اگر مغلوب الشہوت ہوکر زنا وغیرہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو واجب ہے۔

تو یہاں آیت میں جو بھی بے نکاح ہوں خواہ مرد خواہ عورت اور خواہ ابھی نکاح نہ ہوا ہو یا بیوی کی وفات یا طلاق سے اب تجرد ہوگیا ہو۔ اور حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق ہوں تو ہدایت ہے کہ تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔

گذشتہ زمانہ میں غلام اور لونڈیوں کا دستور تھا اس لئے آگے ان کے لئے بھی ہدایت ہے کہ تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو نکاح کے لائق ہوں یعنی حقوق زوجیت کو ادا کر سکے اس کا بھی نکاح کر دیا کرو۔ بعض لوگ نکاح میں اس لئے پس و پیش کیا کرتے ہیں کہ ان کا نکاح ہو جانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اٹھے گا؟ جیسے منصوبہ بندی والے کہتے ہیں کہ بچے زیادہ ہو گئے اور آبادی بڑھ گئی تو کھانے کو کہاں سے آئے گا؟ انہیں بتلایا جاتا ہے کہ ایسے موہوم خطرات سے نکاح سے مت رکو۔ روزی تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مگر اس کو تو وہ سچ جانے گا اور اس پر یقین کرے گا جس کا سچا ایمان خدا کی ذات اور اس کی کتاب پر ہو۔ کیا معلوم کہ خدا چاہے تو ان بیوی بچوں ہی کی قسمت سے تمہارے رزق میں کشائش کر دے۔ تو نہ مجرد رہنا غنا کا موجب ہے اور نہ نکاح کرنا فقر وافلاس لاتا ہے۔ یہ باتیں حق تعالیٰ کی مشیت پر ہیں۔ الغرض روزی کی تنگی یا وسعت نکاح یا تجرد پر موقوف نہیں پھر یہ خیال نکاح سے کیوں مانع ہو۔ اس لئے صاف ارساد ہوا کہ اگر بے نکاح مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ اگر چاہے گا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے جس کو چاہے غنی کر دے اور سب کا حال خوب جاننے والا ہے۔ یعنی جس کو غنا کا اہل جانے غنی کر دے اور جس کو فقر کا اہل جانے فقیر کر دے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن کو فی الحال اتنا بھی مقدور نہیں کہ کسی عورت کو نکاح میں لاسکیں تو جب تک خدا تعالیٰ مقدور دے، چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں اور عفیف رہنے کی کوشش کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ اسی ضبطِ نفس اور عفیف رہنے کی برکت سے حق تعالیٰ ان کو غنی کر دے اور نکاح کے مواقع مہیا فرما دے۔ گویا ایسے مرد اور عورتوں کو کہ جن کے نکاح کی صورت بن ہی نہ پڑے ہدایت فرمائی گئی کہ اپنی پاک دامنی کو ضائع نہ کریں۔ کوشش کے ساتھ عفت کو برقرار رکھیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے موانع کو دور کر کے کام پورا نہ کر دے یعنی اگر بالفعل نکاح کی کوئی صورت نمودار نہیں ہوتی تو یہ نہ یقین کر لینا کہ کبھی نکاح ہو ہی نہ سکے گا۔ اس لئے حرام کی نیت نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو موانع دور کر دیں گے اور اپنے فضل سے کام پورا کر دیں گے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس کا بھی نکاح ہو جائے گا اللہ اس کو غنی اور مالدار بنا دے گا بلکہ مدعا یہ ہے کہ جب دوسرے حالات موافق میسر ہوں تو محض فقر وافلاس کو مانع نکاح قرار نہ دو۔ اس میں لڑکی والوں کے لئے بھی ہدایت ہے کہ نیک اور شریف آدمی اگر ان کے ہاں پیغام دے تو محض اس کی غربت دیکھ کر انکار نہ کر دیں۔ لڑکے والوں کو بھی تلقین ہے کہ کسی بالغ نوجوان کو محض اس لئے نہ بٹھا رکھیں کہ ابھی زیادہ کمائی نہیں کر رہا ہے۔ اور نوجوانوں کو بھی نصیحت ہے کہ زیادہ غنا اور مالداری

کے انتظار میں اپنی شادی کو خواہ مخواہ نہ ٹالتے رہیں۔ تھوڑی آمدنی بھی ہو تو اللہ کے بھروسے پر نکاح شادی کر لینا چاہئے۔ مستقبل میں کس کے لئے کیا لکھا ہے اسے کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ برے حالات اچھے حالات میں تبدیل ہو سکتے ہیں اور اچھے حالات بھی برے حالات میں بدل سکتے ہیں۔ یہ سب مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ جسے چاہے غنی کر سکتا ہے۔ خوشحالی سے نواز سکتا ہے۔ اس کے ہاں کوئی تنگی اور کمی تو ہے نہیں۔ مگر اب اس وقت ہماری کم فہمی نے مسائل معاش کو ربوبیت الٰہی کے عام قانون سے عملاً خارج سمجھ رکھا ہے۔ اسی لئے ضبط تولید اور منصوبہ بندی اور اولاد نہ پیدا ہونے اور آبادی نہ بڑھانے کی مہمل سکیمیں بروئے کار لائی جارہی ہیں اور ملک سے فقر وافلاس کو دور کرنے اور غنا حاصل ہونے کا ذریعہ سمجھی جارہی ہیں۔ قران پاک نے بار بار اس کم فہمی کو دور کیا ہے اور اس گمراہ خیال پر ضرب لگائی ہے اور بار بار اعلان کیا ہے کہ جسمانیات و روحانیات کے سارے دوسرے مسائل کی طرح معاشیات بھی اسی خالق اکبر رب العالمین کی مشیت کے تابع ہے اور رزق اور روزی کی تقسیم اسی رزاق کے دست قدرت میں ہے۔

تو خلاصہ اور حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں اور مردوں کے بن بیاہے بیٹھے رہنے کا طریقہ ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ غیر شادی شدہ لوگوں کے نکاح کئے جائیں، حتیٰ کہ غلاموں اور باندیوں کو جن کا وجود اب دنیا میں قریب قریب مفقود ہے۔ ان کو بھی بن بیاہا نہ رکھا جائے۔ اور فقر وغنا کو، افلاس اور خوشحالی کو نکاح اور عدم نکاح سے کوئی تعلق نہیں۔ حیا اور عفت اور عصمت کی حفاظت کے لئے جہاں اور احکام و ہدایات گذشتہ آیات میں دیئے گئے ہیں وہیں نکاح کی بھی ترغیب، تعلیم اور تلقین فرمائی گئی ہے۔ معاشرہ میں حیا اور عفت پیدا ہونے اور اس کے قائم رکھنے میں باندی اور غلاموں سے متعلق بعض احکام اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور قران پاک کے احکامات پر ایمان و یقین کامل نصیب فرمائیں، قرآن کریم نے جن باتوں کو پسندیدہ قرار دیا ہے وہ ہمیں بھی محبوب ہوں اور جن امور کو ناجائز قرار دیا ہے وہ مبغوض ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شریعتِ مطہرہ کے موافق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں اور خلاف شرع باتوں کو اپنانے سے کامل گریز نصیب فرمائیں۔

یا اللہ اس ملک سے جو غیر شرع قوانین رائج ہیں ان کے یکسر مٹنے اور قرآن کے احکام نافذ ہونے کی صورت غیب سے ظاہر فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ

اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو (بہتر ہے کہ) اُن کو مکاتب بنا دیا کرو اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ۔ اور اللہ کے

مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا

(دیئے ہوئے) اُس مال میں سے اُن کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے۔ اور اپنی (مملوکہ) لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور مت کرو جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں

عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ

محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ (یعنی مال) تم کو حاصل ہو جائے۔ اور جو شخص اُن کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُن کے مجبور کئے جانے کے بعد (اُن کیلئے) بخشنے والا مہربان ہے

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع

اور ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے ہو گذرے ہیں اُن کی بعض حکایات بھی اور خدا سے ڈرنے والوں کیلئے نصیحت کی باتیں (بھیجی ہیں)

وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	يَبْتَغُوْنَ چاہتے ہوں	الْكِتٰبَ مکاتبت	مِمَّا ان میں سے جو	مَلَكَتْ مالک ہوں	اَيْمَانُكُمْ تمہارے دائیں ہاتھ (غلام)
فَكَاتِبُوْهُمْ تو تم ان سے مکاتبت (آزادی کی تحریر) کرلو	اِنْ عَلِمْتُمْ اگر تم جانو (پاؤ)	فِيْهِمْ ان میں	خَيْرًا بہتری	وَّاٰتُوْهُمْ اور تم ان کو دو	
مِّنْ سے	مَّالِ اللّٰهِ اللہ کا مال	الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ جو اس نے تمہیں دیا	وَلَا تُكْرِهُوْا اور تم نہ مجبور کرو	فَتَيٰتِكُمْ اپنی کنیزیں	عَلَى الْبِغَآءِ بدکاری پر
اِنْ اَرَدْنَ اگر وہ چاہیں	تَحَصُّنًا پاکدامن رہنا	لِّتَبْتَغُوْا تاکہ تم حاصل کرلو	عَرَضَ سامان	الْحَيٰوةِ زندگی	الدُّنْيَا دنیا
وَمَنْ اور جو	يُّكْرِهْهُّنَّ انہیں مجبور کرے گا	فَاِنَّ تو بیشک	اللّٰهَ اللہ	مِنْۢ بَعْدِ بعد	اِكْرَاهِهِنَّ ان کے مجبوری
غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ نہایت مہربان	وَلَقَدْ اور تحقیق	اَنْزَلْنَآ ہم نے نازل کئے	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	اٰيٰتٍ احکام
مُّبَيِّنٰتٍ واضح	وَّمَثَلًا اور مثالیں	مِّنَ سے	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	خَلَوْا گزرے	مِنْ قَبْلِكُمْ تم سے پہلے
وَمَوْعِظَةً اور نصیحت	لِّلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے				

تفسیر و تشریح:۔ اس رکوع کے شروع سے برابر ان احکام و ہدایات کا سلسلہ چل رہا ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں سرے سے برائی، بے حیائی، بدکاری وغیرہ پیدا ہی نہ ہوں اور معاشرتی و تمدنی طور طریقوں کی پوری طرح اصلاح ہو کر شرم و حیا۔ عفت و پاکدامنی والے اخلاق رونما ہوں۔ یہ احکامات و ہدایات ان آیات پر یہاں ختم ہو رہے ہیں۔ گذشتہ آیات میں نکاح کی تلقین فرمائی گئی تھی اور ہدایت دی گئی تھی کہ نہ صرف آزاد بلکہ جو لونڈی اور غلام بھی اس لائق ہوں کہ حقوقِ زوجیت ادا کرسکیں تو ان کا بھی نکاح کر دیا کرو تا کہ بدکاری و بے حیائی سے وہ بھی دور رہیں۔

اب آگے اس آیت میں غلام و باندیوں سے مکاتبت کا حکم بیان فرمایا جاتا ہے اور زمانۂ جاہلیت کی قبیح رسم جو بدکاری کی لونڈیوں میں پائی جاتی تھی اس کی ممانعت فرمائی جاتی ہے۔ پہلے حکم غلام یا باندیوں کے متعلق مکاتبت کا دیا جاتا ہے۔ مکاتبت کے لفظی معنی ہیں لکھا پڑھی کے مگر اصلاح شریعت میں یہ لفظ غلام اور آقا کے درمیان ایک معاہدہ کا نام ہے جس میں غلام آقا سے یہ کہے کہ میں کما کر اتنا مال تجھے دے دوں گا تو آزاد ہو جاؤں گا اور مالک اسے منظور کرلے۔ اور یہ مکاتب اگرچہ ابھی غلام رہے گا لیکن کمائی۔ پیشہ یا تجارت وغیرہ کے باب میں خود مختار

ہو جائے گا۔ پھر اگر شرط پوری ہو گئی تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ نہ پوری ہو سکنے کی حالت میں غلام یا تو خود ہی مکاتبت کو فسخ کرالے ورنہ قاضی یا حاکم فسخ کرا دے گا۔

اسلام میں غلاموں کی آزادی کے لئے جو صورتیں رکھی گئی ہیں یہ مکاتبت ان میں سے ایک اہم صورت ہے۔ یہ معاہدہ ہو جانے کے بعد آقا کو یہ حق نہیں رہتا کہ غلام کی آزادی میں بے جا رکاوٹیں ڈالے۔ مدت مقررہ کے اندر جب بھی غلام اپنے ذمہ کی رقم ادا کر دے گا وہ آزاد ہو جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک غلام نے اپنی مالکہ سے مکاتبت کی اور مدت مقررہ سے پہلے ہی مال کتابت جمع کر کے مالکہ کے پاس لے گیا۔ مالکہ نے کہا کہ میں یکمشت رقم نہ لوں گی بلکہ سال بسال اور ماہ بماہ قسطوں کی شکل میں لوں گی۔ غلام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ رقم بیت المال میں داخل کر دے اور جا تو آزاد ہے۔ پھر مالکہ کو کہلا بھیجا کہ تیری رقم یہاں جمع ہو چکی ہے۔ اب تو چاہے یکمشت لے لے ورنہ ہم تجھے سال بسال اور ماہ بماہ دیتے رہیں گے۔ سبحان اللہ! یہ تھی اسلامی حکومت۔ اس زمانہ میں غلام اور باندیوں کا وجود دنیا کے اکثر ملکوں میں نہیں۔ قدیم زمانہ میں جب اسلام آیا تو عرب اور بیرون عرب سب جگہ غلام و کنیز بکثرت پائے جاتے تھے۔ اسلام نے غلاموں کی آزادی کی تلقین و ترغیب دی جس کی ایک صورت مکاتبت ہے۔ جس کا ذکر یہاں آیت میں فرمایا جاتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ کسی کا غلام یا باندی مکاتبت کے ذریعہ آزادی چاہے تو مالک و آقا کو یہ معاملہ قبول کر لینا چاہئے جبکہ وہ یہ سمجھے کہ واقعی اس غلام یا لونڈی کے حق میں آزادی بہتر ہو گی۔ قید غلامی سے چھوٹ کر چوری یا بدکاری یا اور طرح کی بدمعاشیاں کرتا نہ پھرے گا اگر یہ اطمینان ہو تو بے شک اس کو آزادی کا موقع دینا چاہئے۔ تاکہ وہ آزاد ہو کر اپنی فلاح کے میدان میں ترقی کر سکے اور کہیں نکاح کرنا چاہے تو باختیار خود نکاح کر لے اور عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کرے۔ آگے دولت مند مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ ایسے باندی اور غلام کی امداد کرو خواہ زکوٰۃ سے یا عام صدقات و خیرات سے تاکہ وہ جلدی آزادی حاصل کر سکیں اور اگر مالک و آقا خود کتابت کا کوئی حصہ معاف کر دے تو یہ بھی بڑی امداد ہے۔

عرب میں جاہلیت کے بدترین رسوم میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ وہ اپنی لونڈیوں کو زنا کاری کے لئے مجبور کرتے تھے تاکہ وہ رقم حاصل کر کے اپنے مالکوں کو دیں۔ اسلام نے آ کر صرف نکاح کے معروف طریقہ کو جائز قرار دیا اور باقی تمام صورتیں زنا میں شمار ہو کر جرم ہو گئیں۔ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانا طے کر چکے تھے اس کے پاس کئی لونڈیاں تھیں جن سے بدکاری کرا کر روپیہ حاصل کرتا تھا ان میں سے بعض مسلمان ہو گئیں تو اس فعل شنیع سے انکار کیا۔ عبداللہ بن اُبی نے ان پر تشدد کیا۔ انہوں نے جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی انہوں نے معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اور سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ لونڈی اس ظالم کے قبضہ سے نکال لی جائے۔ یہی زمانہ تھا کہ جب بارگاہِ خداوندی سے یہ آیت نازل ہوئی جس میں لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور کرنے کی ممانعت فرمائی گئی۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اس آیت کے منشاء کے مطابق بدکاری کی ان تمام صورتوں کو مذہباً ناجائز اور قانوناً ممنوع قرار دے دیا۔

شروع سورت سے تمام احکامات کو تفصیل وار بیان کر دینے کے بعد فرمان ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے پاک کلام قران کریم کی یہ

واضح اور روشن آیات تمہارے سامنے بیان فرمادیں۔ خدا سے ڈر کر سیدھی راہ اختیار کرنے والوں کو جس طرح تعلیم دی جاتی ہے وہ تو ہم نے دے دی ہے۔ اب اگر تم اس تعلیم کے خلاف چلو گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ان قوموں کا سا انجام دیکھنا چاہتے ہو جن کی عبرتناک مثالیں اس قرآن میں ہم تمہارے سامنے پیش کر چکے ہیں۔

اس سورۃ میں یہاں تک نفس کو رذائل اور خباثت سے پاک کرنے اور پاک رکھنے کے لئے دس خاص احکام بیان فرمائے گئے۔

۱۔ پہلا حکم حدِ زنا کے متعلق۔

۲۔ دوسرا حکم نکاح زانی وزانیہ کے متعلق۔

۳۔ تیسرا حکم حدِ قذف یعنی کسی پر زنا کی تہمت بغیر ثبوت کے لگانے کی سزا کے متعلق۔

۴۔ چوتھا حکم لعان یعنی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے کے متعلق۔

۵۔ پانچواں حکم استیذان یعنی کسی کے گھر میں بغیر اطلاع اور بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت کے متعلق۔

۶۔ چھٹا حکم مردوں اور عورتوں کو اپنی نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کے متعلق۔

۷۔ ساتواں حکم غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کو نکاح کے متعلق۔

۸۔ آٹھواں حکم صبر اور ضبطِ نفس کا جن کو فی الحال اسباب نکاح میسر نہ ہو۔

۹۔ نواں حکم غلاموں اور باندیوں کو مکاتب بنانے کے متعلق۔

۱۰۔ دسواں حکم باندیوں کو زنا پر مجبور کرنے کی ممانعت کے متعلق۔

ان کے خاتمہ پر حق تعالیٰ بندوں پر اظہار احسان فرماتے ہیں کہ اللہ نے تمہاری ہدایت و نصیحت کے لئے یہ احکام نازل کئے تاکہ تم گندگیوں اور خبائث سے پاک رہو اور تمہارے دل منور اور روشن ہو جائیں اور تم عفیف اور پاک دامن بن جاؤ اور دین و دنیا کی فلاح کے مستحق بن جاؤ۔ غور کیجئے کہ خاتمہ احکام پر اس سے زیادہ مؤثر تنبیہ کے الفاظ اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اگر تم ان کے خلاف چلو گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ان قوموں کا سا انجام دیکھنا چاہتے ہو جن کے عبرتناک واقعات قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں اور جن کو احکام الٰہی سے منہ موڑنے اور برے کاموں میں پھنسے رہنے کی کیسی سزائیں ملیں کہ نہ نور ہدایت میسر ہوا، نہ راہِ ہدایت نصیب ہوئی۔ آگے اسی نور ہدایت کا ذکر ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور اس ملک اور قوم اور تمام امت مسلمہ کو اتباع قرآن کی دولت عطا فرمائیں۔

یا اللہ! جیسا آپ نے اپنے کرم سے ابتداء میں مسلمانوں کو نور ہدایت سے نوازا اب بھی امت مسلمہ کو نور ہدایت سے نواز دے۔

اور امت مسلمہ کو راہِ ہدایت پر چلنا نصیب فرمادے اور ان میں حیاء شرم، پاکدامنی عفت و عصمت کے اخلاق رونما فرمادے۔

یا اللہ! اپنا وہ خوف وخشیت ہم کو عطا فرمادے کہ جو ہم آپ کے فرمانبردار بندے بن جائیں۔ آپ کے قرآن پاک کے متبع ہو جائیں اور آپ کے نبی الرحمۃ کے پکے اور سچے امتی ہو جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ

اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اس کے نُور (ہدایت) کی حالتِ عجیبہ ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک قندیل میں ہے

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ

وہ قندیل ایسا (صاف شفاف) ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو۔ وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون ہے جو نہ پورب رُخ ہے اور نہ پچھم رُخ ہے

يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اُس کا تیل اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اُٹھے گا (اور جب آگ بھی لگ گئی تب تو) نُور علیٰ نُور ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے (اس) نور (ہدایت) تک جسکو چاہتا ہے راہ دے دیتا ہے۔

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ﴿۳۵﴾

اور اللہ تعالیٰ لوگوں (کی ہدایت) کیلئے (یہ) مثالیں بیان فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے

اَللّٰهُ اللہ	نُوْرُ نور	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	مَثَلُ مثال	نُوْرِهٖ اس کا نور	كَمِشْكٰوةٍ جیسے ایک طاق	فِيْهَا اس میں
مِصْبَاحٌ ایک چراغ	اَلْمِصْبَاحُ چراغ	فِيْ زُجَاجَةٍ ایک شیشہ میں	اَلزُّجَاجَةُ وہ شیشہ	كَاَنَّهَا گویا وہ	كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ ایک ستارہ چمکدار		
يُوْقَدُ روشن کیا جاتا ہے	مِنْ سے	شَجَرَةٍ درخت	مُبٰرَكَةٍ مبارک	زَيْتُوْنَةٍ زیتون	لَا شَرْقِيَّةٍ نہ مشرق کا	وَّلَا غَرْبِيَّةٍ اور نہ مغرب کا	
يَكَادُ قریب ہے	زَيْتُهَا اس کا تیل	يُضِيْٓءُ روشن ہوجائے	وَلَوْ خواہ	لَمْ تَمْسَسْهُ اسے نہ چھوئے	نَارٌ آگ	نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ روشنی پر روشنی	
يَهْدِي اللّٰهُ رہنمائی کرتا ہے اللہ	لِنُوْرِهٖ اپنے نور کی طرف	مَنْ يَّشَآءُ وہ جس کو چاہتا ہے	وَيَضْرِبُ اور بیان کرتا ہے	اللّٰهُ اللہ	الْاَمْثَالَ مثالیں		
	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے کو	عَلِيْمٌ جاننے والا			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ پورے رکوع میں معاشرہ کو فحش باتوں سے پاک صاف رکھنے اور بدکاری و بے حیائی کی باتوں سے بچنے کے احکامات وہدایات دے کر گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ انسان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت صاف اور روشن احکام نازل کئے ہیں۔ ان میں انسان کے لئے نصیحت ہی نصیحت ہے اور ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی ان احکام پر عمل نہ کرے تو اس کا نتیجہ اس کے حق میں برا ہوگا اور اس بات کو پچھلی قوموں کا ذکر فرما کر واضح کر دیا گیا تھا کہ ان کو احکامِ الٰہی سے منہ موڑنے اور برے کاموں میں پھنسے رہنے کی کیسی سزائیں ملیں۔ باقی نور ہدایت ہے تو اللہ ہی کے قبضہ میں وہی جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اسی مضمون کی تائید اس آیت سے ایک مثال دے کر بیان فرمائی جاتی ہے۔

اس آیت میں اور اس میں بھی ایک چھوٹا سا جملہ اللہ نور السمٰوٰت والارض بڑا دقیق ہے اور اس پر علمائے مفسرین نے بڑی طویل فلسفیانہ تقریریں اور عالمانہ تحریریں سپرد قلم فرمائی ہیں۔ نور سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس کی حقیقت وکیفیت کیا ہے؟ اور اس مثال میں مشکوٰۃ یعنی طاق اور چراغ اور قندیل سے کون اور کس طرح مراد ہے؟ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں پوری ایک کتاب مشکوٰۃ الانوار کے نام سے لکھی ہے اس میں امام صاحب نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقۃً آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور اس پر اس لفظ کا اطلاق حقیقۃً ہے نہ کہ مجازاً جبکہ بعض مفسرین اور علمائے اسلام نے یہ تصریح کی ہے کہ نور کا

اطلاق خدا تعالیٰ پر حقیقۃً نہیں ہوسکتا بلکہ مجازاً ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع بصر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی ایسی ہی حق تعالیٰ کی صفت نور بھی ہے۔ بعض مفسرین نے تو بہت کچھ لکھ کر آخیر میں کہا کہ یہ پوری آیت ایسی دقیق ہے کہ عقل بشری کما حقہ اس کی تفسیر سمجھنے سے قاصر ہے۔ بہرحال اس آیت کا اردو ترجمہ جو یہاں اختیار کیا گیا ہے وہ حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا ہے اور حضرتؒ ہی کی فرمائی ہوئی تفسیر کو یہاں اختیار کیا گیا ہے جو جمہور اہل کلام کے مطابق ہے جن کے نزدیک نور سے مراد یہاں نور ہدایت ہے یعنی اللہ کی ہدایت ظاہر و مظہر ہونے میں صاف شفاف چراغ کی روشنی کی طرح ہے۔ یعنی حقائق کا علم اور راہ راست کی ہدایت کا نور اور روشنی اگر مل سکتی ہے تو اسی پاک ذات سے مل سکتی ہے اور اس کے برعکس اس سے فیض حاصل کئے بغیر جہل، ظلمت، تاریکی اور نتیجتاً ضلالت و گمراہی کے سوا اور کچھ ممکن نہیں۔ چونکہ گذشتہ آیت میں یہ بتلایا گیا تھا کہ حق تعالیٰ نے اس قرآن میں سب کچھ نصیحتیں اور احکام اور ہدایات کی تلقین فرمادی ہے تاکہ ہدایت کے حاصل کرنے والے اس سے نصیحت و عبرت حاصل کریں۔ اب آگے اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ مومنین و مہتدین کو نور الٰہی سے ہدایت و عرفان کا جو حصہ ملتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو گویا مومن متقی کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ستارہ کی طرح چمکدار شیشہ کا قندیل رکھا ہوا اور اس قندیل میں معرفت و ہدایت کا چراغ روشن ہے اور یہ روشنی ایسے صاف و شفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت یعنی زیتون سے نکل کر آیا ہے اور زیتون بھی وہ جو نہ شرقی ہو نہ غربی

یعنی نہ اس کی شرقی جانب میں کسی درخت یا پہاڑ وغیرہ کی آڑ ہے کہ جو دن کے اول حصہ میں اس پر دھوپ نہ پڑے اور نہ اس کی جانب غربی میں کوئی آڑ ہے کہ دن کے آخری حصہ میں اس پر دھوپ نہ پڑے بلکہ کھلے میدان میں ہے جہاں تمام دن دھوپ رہتی ہے۔ واضح رہے کہ ایسے درخت کا روغن بہت لطیف اور صاف اور روشن ہوتا ہے۔ غرض اس کا تیل اس قدر صاف اور چمکدار ہے کہ بدوں آگ دکھلائے ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود روشن ہوجائے گا اور جب اس میں آگ لگ گئی تب تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ قدیم زمانہ میں زیادہ سے زیادہ روشنی روغن زیتون کے چراغوں سے حاصل کی جاتی تھی اس لئے مثال میں اسی کا ذکر فرمایا گیا۔ تو یہاں جو مثال دی گئی اسی طرح مومن کے قلب میں جب اللہ تعالیٰ نور ہدایت ڈالتا ہے تو لحہ بہ لحہ اس کو قبول حق کے لئے انشراح قلب بڑھتا جاتا ہے اور ہر وقت احکام الٰہیہ پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ غرض نور ہدایت الٰہیہ کی یہ مثال ہے۔ باقی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جس کو چاہے اپنے نور ہدایت سے منور فرمائے اور وہی یہ جانتا ہے کہ کس کو یہ روشنی ملنی چاہئے اور کون اس نعمت کا مستحق ہے جو شخص نور حق اور نور ہدایت کا طالب ہی نہ ہو اور جو اس فکر اور جستجو ہی میں نہ پڑے تو اسے زبردستی نور حق دکھانے کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے اس نعمت کا مستحق تو وہی ہے جسے اللہ جانتا ہے کہ وہ اس کا طالب اور مخلص طالب ہے۔ اور ہدایت کی جو یہ مثال دی گئی اسی طرح قرآن میں حق تعالیٰ نے بہت سی مثالیں بیان فرمائی ہیں تاکہ استعداد حق رکھنے والوں کو بصیرت و ہدایت کی روشنی حاصل ہو۔

یہ تو بیان ہوا نور ہدایت کا اب آگے اہل ہدایت کا حال ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! نور ہدایت کی روشنی اگر مل سکتی ہے تو آپ ہی کی عطا سے مل سکتی ہے۔ اور جس کو آپ یہ روشنی عطا نہ فرمائیں تو جہل ظلمت، تاریکی، ضلالت اور گمراہی کے سوا اسے کیا نصیب ہوسکتا ہے۔ یا اللہ! اپنے نور ہدایت سے ہم میں سے کسی کو تازیست محروم نہ فرمایئے۔ یا اللہ! قبول حق کی صلاحیت و نعمت سے ہم سب کو مالا مال فرمایئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝٣٦ رِجَالٌ ۙ

وہ ایسے گھروں میں (عبادت کرتے) ہیں جن کی نسبت اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ اُن میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ

جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت۔ وہ ایسے دن (کی داروگیر) سے ڈرتے رہتے ہیں

يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝٣٧ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ

جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ جاویں گی۔ انجام یہ ہوگا کہ اللہ اُن کو اُن کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) اُنکو

مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝٣٨

اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دیگا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار رزق دے دیتا ہے۔

فِيْ بُيُوْتٍ ان گھروں میں	اَذِنَ حکم دیا	اللّٰهُ اللہ	اَنْ تُرْفَعَ کہ بلند کیا جائے	وَيُذْكَرَ اور لیا جائے	فِيْهَا اُن میں	اسْمُهٗ اسکا نام
يُسَبِّحُ تسبیح کرتے ہیں	لَهٗ اس کی	فِيْهَا ان میں	بِالْغُدُوِّ صبح	وَالْاٰصَالِ اور شام	رِجَالٌ وہ لوگ	لَا تُلْهِيْهِمْ انہیں غافل نہیں کرتی
تِجَارَةٌ تجارت	وَّلَا بَيْعٌ اور نہ خرید وفروخت	عَنْ سے	ذِكْرِ اللّٰهِ اللہ کی یاد	وَاِقَامِ اور قائم رکھنا	الصَّلٰوةِ نماز	وَاِيْتَاۗءِ اور ادا کرنا
الزَّكٰوةِ زکوۃ	يَخَافُوْنَ وہ ڈرتے ہیں	يَوْمًا اس دن سے	تَتَقَلَّبُ الٹ جائیں گے	فِيْهِ اس میں	الْقُلُوْبُ دل	وَالْاَبْصَارُ اور آنکھیں
لِيَجْزِيَهُمُ تاکہ انہیں جزا دے	اللّٰهُ اللہ	اَحْسَنَ بہتر سے بہتر	مَا عَمِلُوْا جو انہوں نے کیا اعمال	وَيَزِيْدَهُمْ اور وہ انہیں زیادہ ہے		
مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَرْزُقُ رزق دیتا ہے	مَنْ يَّشَاۗءُ جسے چاہتا ہے	بِغَيْرِ حِسَابٍ بے حساب		

(حصہ اول)

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت کی ایک مثال بیان فرمائی گئی تھی جس سے اہل ہدایت کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ وہ اللہ کا احسان مانیں کہ اسی کی توفیق سے ہدایت پائی نیز اس میں اشارہ اس طرف بھی تھا کہ حق تعالیٰ سے نور ہدایت کے ملتجی رہیں۔ اب وہ نور ہدایت کہاں اور کس جگہ پایا جاتا ہے اور اہل ہدایت جو اس نور سے حسب استعداد منور ہوتے ہیں تو ان کا کیا حال ہوتا ہے اور ان کو کیسا انجام نصیب ہوتا ہے یہ ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اس نور ہدایت کے ظہور کے خاص مقامات مسجدیں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انہیں بنانے اور تعمیر کرنے کے بعد احترام کے ساتھ قائم رکھا جائے اور ان کی پوری طرح خبر گیری کی جائے کہ غلاظت، گندگی اور کثافت سے پاک صاف رہیں۔ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ چنانچہ ان مساجد میں اللہ کے وہ بندے جو رضائے مولا کے طالب ہیں اس کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اس کی حمد وثنا کرتے ہیں اور ان کے جمع ہونے کا وقت ایک تو صبح کا وقت ہے پھر ظہر سے لے کر دوسرے دن صبح صادق تک کے سب اوقات ہیں۔ غدو سے صبح کی نماز مراد ہے اور آصال میں باقی چار نمازیں داخل ہیں۔ اللہ کے بندے ان اوقات میں اپنے کاروبار اور شغل اشغال چھوڑ چھاڑ کر فرض نمازوں کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ معاش کے دھندے ان کو اللہ کی یاد اور احکام الٰہیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے اور وہ اس وقت کو یاد کر کے ڈرتے رہتے ہیں جب اللہ عزوجل کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اس دن لوگوں کے دل بدل جائیں گے اور ان کے سارے شک وشبہ مٹ جائیں گے اور یقین ہو جائے گا کہ اللہ عزوجل کی

ذات عالی برحق ہے اور اس کے سوا کوئی حاکم نہیں ہے۔ اس روز دل وہ باتیں سمجھ لیں گے جو ابھی تک نہ سمجھے تھے اور آنکھیں وہ ہولناک واقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے۔ یہ اللہ کے بندے جو اس پر ایمان لا کر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے اندر دنیا میں زندگی بسر کرتے تھے اس روز اپنے اچھے کاموں کی جزا دیئے جائیں گے اور علاوہ جزا کے حق تعالیٰ اپنے فضل سے اور بہت کچھ دے گا۔ اس کے ہاں کسی چیز کی کیا کمی ہے۔ اگر جنتیوں کو بے حد حساب عنایت فرمائے تو اس کے ہاں کیا مشکل ہے۔

یہاں آیت میں رجال کا لفظ آیا ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد میں حاضر ہونا مردوں کیلئے ہے۔ اسلیئے جمعہ اور جماعت مردوں ہی پر واجب ہے نہ کہ عورتوں پر۔ حدیث میں عورتوں کی نماز کے لئے گھروں کا افضل ہونا ثابت ہے اسلیئے ان کیلئے وہی بجائے مسجد کے ہیں۔ ان آیات میں ایک حکم تو مسلمان مردوں کے لئے یہ معلوم ہوا اور جس کو اہل ہدایت کا نشان بتلایا گیا کہ وہ پانچوں وقت کی فرض نمازیں اللہ کے گھر یعنی مساجد میں حاضر ہو کر ادا کرتے ہیں۔ اب اسی سے اس کی ضد بھی سمجھ لی جائے یعنی جو بغیر شرعی عذر کے ایسا نہیں کرتے وہ قرآن کی رو سے اہل ہدایت سے نہیں۔

دوسرا حکم ان آیات میں یہ دیا گیا کہ ان اللہ کے گھروں کی یعنی مساجد کا ادب کیا جائے۔ مساجد کے آداب کی کچھ تفصیلات جو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ارشاد فرمائی گئی ہیں وہ انشاء اگلے درس میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ ان گھروں میں یعنی مساجد میں اللہ کا ذکر اور اس کی تسبیح کی جائے جس سے مراد پنج وقتہ فرائض کی ادائیگی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو فرض نمازیں بغیر کسی شرعی عذر کے مسجدوں میں نہیں ادا کرتے اور گھروں ہی میں نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔ وہ اس قرآن حکیم کے حکم اور منشاء کے صریحاً خلاف کر رہے ہیں۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرض نمازوں کا مسجد میں جماعت سے ادا کرنے کی نہایت سخت تاکید فرمائی ہے اور ایسا نہ کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین کی تو یہ حالت تھی کہ اگر ایک لوہار ہتھوڑا اوپر اٹھائے ہوئے کسی لوہے پر مارنا چاہتا ہے مگر درمیان میں اذان کی آواز کان میں پڑ گئی تو فوراً ہتھوڑے کو ہاتھ سے رکھ کر فوراً خدا کے گھر کی طرف روانہ ہو جاتے اور یہ بھی گوارا نہ ہوتا کہ اٹھائے ہوئے ہتھوڑے سے ضرب کا کام لے لیا جائے۔ ان کا یہ حال تھا کہ اذان کی آواز ان کے بازاروں میں سناٹا ڈال دیتی تھی۔ فوراً خرید و فروخت کو چھوڑ کر اور دکانیں بند کر کے مساجد کی طرف چل دیتے۔ ایسے ہی حضرات کی شان میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں کہ جن کو کوئی دنیاوی تجارت اور کوئی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی یعنی یہ لوگ اگرچہ بظاہر دنیوی تجارت میں مشغول ہیں لیکن درحقیقت یہ لوگ ایسے باہمت اور مردان شجاعت ہیں کہ اصل مقصود ان کا آخرت کی تجارت ہے۔ دنیا کی تجارت ان کو آخرت سے غافل نہیں ہونے دیتی۔ ان کا اصل مقصود دین ہے اور دنیا اس کی تابع ہے۔

تو ان آیات سے معلوم ہوا کہ عبادت اور تجارت دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں اور دین دنیا کے منافی نہیں۔ لہٰذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دین کا کام کرنے سے دنیا سے جاتا رہتا ہے بالکل غلط خیال ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت وزراعت اور صنعت وحرفت کو فرض قرار دیا جس پر دنیا کا دارومدار ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ کسب حلال فرض ہے۔ تو شریعت نے حلال طریقہ سے ضروریات معاش کی تحصیل کو فرض قرار دیا البتہ اس کے احکام بتلائے ہیں اور عقلاً یہ بالکل درست ہے۔ دنیا کی کونسی حکومت ہے جس میں تجارت وزراعت یا صنعت وحرفت وغیرہ کے متعلق احکام وقوانین موجود نہ ہوں۔ اسی طرح شریعت میں بھی تجارت وزراعت کے احکام موجود ہیں اور یہ احکام دنیا کی متمدن اور مہذب حکومتوں کے احکام سے ہزار درجہ بڑھ کر آسان ہیں۔ شریعت نے یہ کہیں نہیں کہا کہ تم دنیا کو بالکل چھوڑ دو بلکہ شریعت تو یہ کہتی ہے کہ حلال طریقہ سے دنیا کماؤ اور اس کے حقوق ادا کرو اور کسی حالت میں شریعت کے دائرہ سے باہر مت نکلو۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

غرضیکہ مومنین وصالحین کی یہ صفت بیان کی گئی کہ ان کو تجارت اور بیع وغیرہ کا مشغلہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔

اب یہاں آیات میں چونکہ مساجد میں ذکر اللہ اور ان کے ادب و احترام کا حکم ہوا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں ضروری احادیث مساجد کے فضائل و آداب و احکام کے متعلق بیان کردی جائیں جو انشاء اللہ علیحدہ آئندہ درس میں بیان کی جائیں گی۔

(حصہ دوم)

لفظی ترجمہ:۔ وہ (یعنی اہل ہدایت) ایسے گھروں میں ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ ان میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت۔ وہ ایسے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جن میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی۔ انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار دے دیتا ہے۔"

تفسیر وتشریح:۔ ان آیات سے متعلق بیان گذشتہ درس میں ہو چکا ہے جس میں اہل ہدایت کا حال بیان فرماتے ہوئے بتلایا گیا تھا کہ وہ ایسے گھروں میں جا کر عبادت کرتے ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب واحترام کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ یہاں مفسرین نے گھروں سے مراد مسجدیں لی ہیں جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان کیا جا چکا ہے۔ تو چونکہ مساجد کا ادب اور ان میں ذکر اللہ کی تاکید اللہ تعالیٰ نے حکماً فرمائی ہے اس لئے مفسرین نے یہاں ان آیات کے تحت اجمالاً یا تفصیلاً احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد کے فضائل وضروری آداب واحکام بھی بیان فرمائے ہیں جو مختصراً اس درس میں بیان کئے جاتے ہیں۔

مساجد کے فضائل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیشک زمین میں اللہ کے گھر مساجد ہیں اور اللہ نے ذمہ لیا ہے کہ اس شخص کا اکرام کرے گا جو اس کی زیارت کے لئے مساجد میں آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مساجد کی عظمت درحقیقت خداوند قدوس کی عظمت ہے اسی طرح ان کی بے ادبی العیاذ باللہ خداوند کبریا کی بے ادبی ہے۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدیں بازار ہیں آخرت کے بازاروں میں سے جو شخص ان میں داخل ہو گیا وہ اللہ کا مہمان ہے۔ اس کی مہمانی مغفرت ہے اور اس کے لئے تحفۂ تکریم وتعظیم ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ دنیا کی تمام جگہوں میں سب سے پیاری جگہ اللہ کے نزدیک اس کی مساجد ہیں اور تمام جگہوں میں بدترین جگہ بازار ہیں۔ (اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پیدائش عالم کا مقصد بحکم قرآن کریم صرف ذکر اللہ اور اس کی اطاعت ہے۔ اس لئے جو جگہیں اس مقصد کو زیادہ ادا کرتی ہیں وہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہیں اور جن جگہوں میں ذکر اللہ کے بجائے غفلت اور طاعت کے بجائے معصیت ہوتی ہے وہ اللہ کے نزدیک بدترین ہیں۔ مساجد چونکہ ذکر اللہ کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے وہ بہترین جگہیں ہیں اور بازار چونکہ عموماً غفلت، معاصی، جھوٹ، شوروشغب اور جھگڑے قصوں کی جگہ ہے اس لئے اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ہیں۔ اس لئے سنت ہے کہ جب بازار میں داخل ہو تو یہ کلمہ پڑھے **لا اله الا الله وحده لاشريک له له الملک وله الحمد يحيى ويميت وهو حى لايموت وهو على کل شیء قدير**)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بازار میں داخل ہونے کے وقت یہ کلمہ پڑھے اس کے لئے ایک لاکھ ثواب لکھے جاتے ہیں اور ایک لاکھ گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور ایک لاکھ درجات بلند کئے جاتے ہیں اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنایا جاتا ہے۔ بعض صحابۂ کرام سے روایت کیا جاتا ہے کہ وہ کبھی صرف اس کلمہ کو پڑھنے اور اس کا ثواب عظیم حاصل کرنے کے لئے ہی بازار جایا کرتے تھے۔

عورتوں کے لئے مسجد کی نماز سے افضل گھر کی نماز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورتوں کی بہترین مسجد گھر کے اندر کا کونہ ہے۔ حتیٰ کہ خانۂ کعبہ میں بھی عورتوں کے لئے گھر کی نماز حرم شریف کی نماز سے افضل ہے۔ اسی لئے سنت ہے کہ اپنے گھر میں کوئی جگہ خاص نماز کے لئے کر لی جائے اور اس کو پاک صاف رکھا جائے اور اس میں خوشبو لگائی جائے۔ حدیث میں اس جگہ کے لئے مسجد ہی کا لفظ بولا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجدیں بنانے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ان کو صاف رکھا جائے اور ان میں خوشبو لگائی جائے۔ اگر چہ ان جگہوں میں نماز پڑھنے کی عام اجازت نہ ہونے کی وجہ سے یہ بالکل مسجد کے حکم میں نہیں لیکن تاہم حدیث میں ان کو بھی مسجد کہا گیا ہے۔ عورتیں اگر اعتکاف کرنا چاہیں تو اسی گھر کی مسجد میں کرسکتی ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے مستحب ہے کہ اپنے گھر میں ایک مسجد بنالے جن میں سنتیں اور نوافل پڑھا کرے لیکن اس کے واسطے بالکل مسجد کا حکم نہیں مثلاً عورتیں بحالتِ حیض اس میں داخل ہوسکتی ہیں بخلاف مساجد کے کہ ان میں حائضہ کا داخل ہونا جائز نہیں۔

مساجد کی صفائی سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مسجدوں کو صاف رکھا جائے اور ان میں خوشبوئیں لگائی جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے غبار کو کھجور کی ٹہنی سے صاف کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے اعمال کے ثواب سب میرے سامنے پیش کئے گئے یہاں تک کہ ایک تنکا جس کو کہ کسی شخص نے مسجد سے نکال دیا ہو اس کا ثواب بھی پیش کیا گیا اور میرے سامنے امت کے گناہ بھی سب پیش کئے گئے پس میں نے کوئی گناہ اس سے بڑا نہیں دیکھا کہ ایک آدمی قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت یاد کرکے پھر بھول جائے۔ حدیث میں ہے کہ ایک عورت نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی جب اس کا انتقال ہوا تو چونکہ رات کا وقت تھا صحابۂ کرام نے یہ سمجھ کر کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی گئی تو آپ تشریف لائیں گے اور اندھیرے میں آپ کو تکلیف ہوگی۔ اس میت کو خود ہی نماز پڑھ کر دفن کردیا اور آپ کو اس وقت اطلاع نہیں کی، جب صبح کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو تو مجھے خبر کردیا کرو۔ میں نے اس عورت کو جنت میں دیکھا ہے اس لئے کہ وہ مسجد سے کوڑا کباڑ اٹھادیتی تھی۔ مگر واضح رہے کہ صفائی اور چیز ہے اور زیب وزینت، گلکاری، رنگارنگ کے نقش ونقوش اور بیل بوٹے اور شے ہے۔ مسجد کی صفائی ضروری اور باعث اجر وثواب ہے لیکن بے حد زینت اور گلکاریاں مکروہ اور مذموم ہے۔

حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم کا کام بگڑتا ہے تو وہ اپنی مسجدوں کو نقش ونگار اور بیل بوٹوں سے آراستہ کرنے لگتے ہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنی مساجد کو مزین کرنے لگو جو کہ نماز میں مخل ہو اور اپنے قرآنوں کو ایسا آراستہ کرو جو کہ حضور قلب میں خلل انداز ہو تو سمجھ لو کہ یہ تمہاری ہلاکت کا وقت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مساجد کی سجاوٹ اور زیب وزینت یہود ونصاریٰ کا دستور فرماتے تھے اور اس سے ناراضگی کے لہجہ میں پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ تم مساجد کو مزین کروگے جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے کیا۔''

مگر افسوس کہ ہم باوجود ان تنبیہات کے ان مکروہات سے نہ بچ سکے۔ دیکھ لیجئے بعض مساجد میں شب برأت اور شبِ معراج وغیرہ راتوں میں مسجد جو عبادت گاہ ہے اس کو کثرتِ چراغاں اور جھالروں کی روشنی وغیرہ سے تماشہ گاہ بنایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائیں۔ مسجد میں لوبان، عود وغیرہ کی دھونی دینا۔ اگر کی بتیاں جلانا سنت ہے اور صحابۂ کرام کا ہمیشہ یہ دستور رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنی مسجدوں سے ناسمجھ بچوں، پاگلوں کو علیحدہ رکھو اور ان کو اپنی خرید وفروخت اور شور وشغب سے پاک رکھو اور سزا دینے اور تلوار کھینچنے سے پاک رکھو اور ان کے دروازوں پر وضو خانہ بناؤ۔ اور ان کو ہر جمعہ کے دن خوشبو کی دھونی دیا کرو۔ اس ارشاد کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعہ کے روز مسجد میں دھونی دیا کرتے تھے۔ افسوس کہ لوگ مساجد کے اندر طرح طرح کے مکروہ تکلفات کرتے ہیں مگر اس سنت کی طرف توجہ نہیں۔ جہاں

مسجد کو خوشبو وغیرہ کی دھوتی دینے کا حکم ہے وہیں بدبودار چیز سے بچانے اور مسجدوں میں نہ لانے کا بھی حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص بدبودار درخت یعنی کچی پیاز کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے اس لئے کہ فرشتوں کو بھی ان تمام چیزوں سے ایذا پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو ایذا ہوتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب تک اس کی بدبو منہ سے نہ جائے اس وقت تک مسجد میں نہ داخل ہو۔ اور یہی حکم ہر بدبودار چیز کا ہے جیسے حقہ، سگریٹ، بیڑی، کچی مولی، لہسن، پیاز وغیرہ، حقہ سگریٹ پینے والے کثرت سے اس میں غفلت کرتے ہیں۔ جس شخص کو غسل کی حاجت ہو اس کو مسجد میں داخل ہونا حرام ہے اسی طرح حائضہ اور نفاس والی عورت کو بھی مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔ اگر مسجد کے دو دروازے ہوں تو ایک سے داخل ہو کر دوسرے سے گزر جانا اور مسجد کو گزر گاہ یعنی راستہ بنانا نا جائز ہے۔ البتہ اگر کسی عذر سے کبھی اتفاقاً مسجد سے گزر گیا تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس کی عادت ڈالنا نا جائز ہے۔ اور وہ شخص جو ایسا کرے فقہاء نے اسے فاسق قرار دیا ہے۔

جب مسجد میں داخل ہو تو مستحب ہے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے جس کو تحیۃ المسجد کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم فرمائی ہے لیکن یہ تحیۃ المسجد صرف ظہر، عصر اور عشاء میں مستحب ہے۔ فجر کی نماز فرض سے پہلے سوائے سنت فجر کے اور کوئی نوافل نہ پڑھنا چاہئے۔ اور مغرب کی نماز سے پہلے بھی حنفیہ کے ہاں کوئی نفل پڑھنا مستحب نہیں۔ جو شخص کثرت سے مسجد میں آتا جاتا رہتا ہے تو اس کے لئے ہر روز صرف ایک مرتبہ دو رکعتیں پڑھ لینا تحیۃ المسجد کے لئے کافی ہے۔

گم شدہ چیز کے لئے مسجد میں اعلان کر کے تلاش کرنا بھی نا جائز ہے البتہ اگر مسجد میں کوئی چیز گم ہوئی ہو تو اس کو وہاں لوگوں سے دریافت کر سکتا ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ سنے کہ کوئی آدمی اپنی گمشدہ چیز کو مسجد میں ڈھونڈ رہا ہے تو اس کو چاہئے کہ یہ کہے کہ خدا اس کی چیز اس کو واپس نہ دے اس لئے کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں۔ مسجد میں کھانا کھانا اور سونا جائز نہیں سوائے مسافر اور معتکف کے کہ اس کو مسجد میں کھانا اور سونا جائز ہے۔ مسجد میں ذکر جہر کرنا اور ایسی بلند آواز سے تلاوت قرآن کرنا جس سے کسی کی نماز و تسبیح میں خلل ہو نا جائز ہیں البتہ اگر مسجد میں کوئی آدمی نماز یا تسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہو تو پھر بعض علماء نے اجازت دی ہے۔ جو دنیا کی باتیں خارج مسجد جائز اور مباح ہیں مسجد میں وہ بھی نا جائز ہیں اور جو خارج مسجد بھی نا جائز ہوں وہ مسجد میں سخت حرام ہیں۔ لکھا ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں نیکیوں کو اس طرح کھا لیتی ہیں جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا لیتی ہے اور لکھا ہے کہ جو شخص مسجد میں دنیا کی باتیں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس دن کے نیک عمل حبط کر دیتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر باتیں کرنے کی غرض سے نہ بیٹھے بلکہ اتفاقی طور سے کوئی دنیا کی ضروری بات آہستہ سے کہہ دے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ اس سے بھی بچے جیسا کہ صحابۂ کرام اور سلف صالحین کے عمل سے ظاہر ہے۔

علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ مسجد میں دنیا کی باتیں نیکیوں کا اس طرح صفایا کر دیتی ہیں جیسے چوپائے گھاس کھا جاتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی مسجد میں دنیا کی باتیں شروع کرتا ہے تو فرشتے پہلے کہتے ہیں اسکت یاولی اللہ اے اللہ کے ولی چپ رہ پھر اگر وہ چپ نہیں ہوتا اور باتوں میں لگا رہتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں **اسکت یا بغیض اللہ** اے اللہ کے دشمن چپ رہ پھر اگر اس پر بھی خاموش نہیں ہوتا اور باتیں کرتا چلا جاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں **اسکت لعنت اللہ علیک** تجھ پر خدا کی لعنت چپ رہ۔ تم مسجد میں آئے تھے کہ ثواب لے کر جائیں اور نور ہدایت سے قلب منور کریں اس کی بجائے فرشتوں کی بددعائیں لے کر لوٹتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مساجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن (جلد ۶ ص ۴۴۸) میں لکھا ہے کہ امام قرطبیؒ نے آداب مساجد میں پندرہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اول یہ کہ مسجد میں پہنچنے پر اگر کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو ان کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ مسجد کے حاضرین نفلی نماز یا تلاوت و تسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہوں ورنہ ان کو سلام کرنا درست نہیں۔

دوسرے یہ کہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھے یہ بھی جب ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ نہ ہو۔ مثلاً عین آفتاب کے طلوع یا غروب یا استواء النصف النہار کا وقت نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ مسجد میں خرید و فروخت نہ کرے۔

چوتھے یہ کہ وہاں تیر و تلوار نہ نکالے۔

پانچویں یہ کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کرنے کا اعلان نہ کرے۔

چھٹے یہ کہ مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔

ساتویں یہ کہ وہاں دنیا کی باتیں نہ کرے۔

آٹھویں یہ کہ مسجد میں بیٹھنے کی جگہ میں کسی سے جھگڑا نہ کرے۔

نویں یہ کہ جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو وہاں گھس کر لوگوں میں تنگی پیدا نہ کرے۔

دسویں یہ کہ کسی نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گزرے۔

گیارہویں یہ کہ مسجد میں تھوکنے اور ناک صاف کرنے سے پرہیز کرے۔

بارہویں یہ کہ اپنی انگلیاں نہ چٹخائے۔

تیرہویں یہ کہ اپنے بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرے۔

چودہویں یہ کہ نجاسات سے پاک صاف رہے اور کسی چھوٹے بچہ یا مجنون کو ساتھ نہ لے جائے۔

پندرہویں یہ کہ وہاں کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔

امام قرطبیؒ نے یہ پندرہ آداب لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کر لئے اس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لئے حرز و امان کی جگہ بن گئی۔

خلاصہ یہ کہ تمام دنیا کے شاہی درباروں اور عدالتوں کے خاص خاص آداب مقرر ہوئے ہیں۔ چونکہ مسجد تمام بادشاہوں کے پیدا کرنے والے کا عظیم الشان دربار ہے اس لئے اس کے بھی کچھ آداب ہیں جو اس دربار کے ناظم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سکھلائے اور بتلائے ہیں اور مسلمانوں پر ضروری ہے کہ ان کو معلوم کرے اور ان کے موافق چلنے کی کوشش کرے اور سب سے بڑا حق ان مساجد کا یہی ہے کہ پانچوں وقت کی نماز کے لئے یہاں حاضری دی جائے اور جماعت سے فرض نماز ادا کی جائے۔

الغرض نور ہدایت کے سلسلہ میں اہل ہدایت کے اجر و ثواب کا بیان ہوا اب ان کے مقابل اہل ضلالت کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! آخرت کی طرف سے ہمارے دلوں پر جو غفلت چھائی ہوئی ہے اس کو دور فرما دیجئے۔ اور ہمیں اپنے ذاکر فرمانبردار بندوں میں شامل کرنا نصیب فرما دیجئے۔

یا اللہ! ہمیں ایسی نمازوں کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما دے جو آپ کی رضا اور قرب کا ذریعہ ہوں۔ اور ہم اپنی مساجد کو بازار کا نمونہ نہ بنائیں۔ بلکہ بازاروں میں بھی جا کر ہم آپ کی رضا اور قرب حاصل کرنے والے بن جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ

اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا (آدمی) اسکو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اسکو کچھ بھی

شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۳۹ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ

نہ پایا اور قضائے الٰہی کو پایا سو اللہ تعالیٰ نے اس (کی عمر) کا حساب اسکو برابر سرابر چکا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ دم بھر میں حساب (فیصل) کردیتا ہے یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر میں

لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ

اندرونی اندھیرے کہ اسکو ایک بڑی لہر نے ڈھانک لیا ہو اس کے اوپر دوسری لہر اسکے اوپر بادل (ہے غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں۔

اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝۴۰

کہ اگر اپنا ہاتھ نکالے (اور دیکھنا چاہے) تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کو (کہیں سے بھی) نور نہیں میسر ہوسکتا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اور جن لوگوں نے کفر کیا	اَعْمَالُهُمْ ان کے عمل	كَسَرَابٍ سراب کی طرح	بِقِيْعَةٍ چٹیل میدان میں	يَّحْسَبُهُ گمان کرتا ہے		
الظَّمْاٰنُ پیاسا	مَاۗءً پانی	حَتّٰٓي یہاں تک کہ	اِذَا جَاۗءَهٗ جب وہ وہاں آتا ہے	لَمْ يَجِدْهُ اس کو نہیں پاتا	شَيْـــًٔا کچھ بھی	وَّوَجَدَ اور اس نے پایا
اللّٰهَ اللہ	عِنْدَهٗ اپنے پاس	فَوَفّٰىهُ تو اس (اللہ) نے اسے پورا کردیا	حِسَابَهٗ اس کا حساب	وَاللّٰهُ اور اللہ	سَرِيْعُ الْحِسَابِ جلد حساب کرنیوالا	
اَوْ كَظُلُمٰتٍ یا جیسے اندھیرے	فِيْ بَحْرٍ دریا میں	لُّجِّيٍّ گہرا پانی	يَّغْشٰىهُ اسے ڈھانپ لیتی ہے	مَوْجٌ موج	مِّنْ فَوْقِهٖ اس کے اوپر سے	
مَوْجٌ ایک دوسری موج	مِّنْ فَوْقِهٖ اسکے اوپر سے	سَحَابٌ بادل	ظُلُمٰتٌ اندھیرے	بَعْضُهَا اسکے بعض (ایک)	فَوْقَ بَعْضٍ بعض (دوسرے) کے اوپر	
اِذَا جب	اَخْرَجَ وہ نکالے	يَدَهٗ اپنا ہاتھ	لَمْ يَكَدْ نزدیک نہیں (توقع نہیں)	يَرٰىهَا تو وہ اسے دیکھے	وَمَنْ اور جسے	لَّمْ يَجْعَلِ نہ بنائے نہ دے
اللّٰهُ اللہ	لَهٗ اس کیلئے	نُوْرًا نور	فَمَا لَهٗ تو نہیں اس کیلئے	مِنْ نُّوْرٍ کوئی نور		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں نور ہدایت اور اہل ہدایت کا بیان ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت کے ظہور کے مقامات مسجدیں ہیں جہاں اہل ہدایت اور اللہ کے عبادت گزار بندے دن اور رات کے اوقات میں حاضر ہو کر اس کا نام لیتے ہیں اور دنیا کے دھندوں میں پھنس کر اللہ عزوجل کو نہیں بھولتے۔ اس کے تمام احکام بجالاتے ہیں اور پھر بھی روز جزا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ پھر ان اہل ہدایت کا انجام بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے روز ان کے اعمال کی بہت اچھی جزا دیں گے اور اس کے علاوہ اپنے فضل سے اور بہت کچھ عطا فرمائیں گے۔

اب ان اہل ہدایت کے مقابلہ میں ان آیات میں اہل ضلالت کا ذکر فرمایا جاتا ہے جو نور ہدایت سے دور ہیں اور ان کا انجام بتلایا جاتا ہے کفار یعنی اہل ضلالت دو قسم کے ہیں اس لئے یہاں دو مثالیں بیان فرمائی گئیں۔ کفار کی ایک قسم تو یہود و نصاریٰ اور منافقین کی ہے کہ یہ گروہ برائے نام خدا اور روز قیامت کے قائل ہیں۔ عذاب ثواب کو مانتے ہیں اور اسی بنا پر بظاہر عبادت مذہبی اور کار خیر بھی کرنے کے مدعی ہیں مگر ان کا ایمان بے حقیقت ہے۔ ان کی توحید خالص نہیں۔ اس لئے ان کے اعمال آخرت میں سودمند نہ ہوں گے۔ پہلی مثال تو یہاں آیت میں اس قسم کے کفار کی دی گئی ہے۔ دوسری قسم کفار کی وہ ہے جو بت پرست اور غیر اللہ کی پرستش

کرنے والے ہیں۔ دوسری مثال میں ایسے کفار کی مثال دے کر ان کے اعمال کی حقیقت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ پہلی قسم کے کفار جو اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے۔ حالانکہ اگر بظاہر کوئی کام ان کا اچھا بھی ہو تو کفر کی شامت سے وہ عند اللہ مقبول اور معتبر نہیں ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی بتلائی گئی کہ جیسے دوپہر کے وقت جنگل بیابان میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی۔ پیاسا شدت تشنگی سے بے تاب ہو کر جب وہاں پہنچا، تو معلوم ہوا کہ پانی وانی کچھ نہ تھا۔ یہ تو ریت ہی ریت ہے اب ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے موجود تھا چنانچہ اسی اضطراب وحسرت کے وقت اللہ نے اس کا سب حساب ایک دم میں چکا دیا کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ عمر بھر کی شرارتوں اور غفلتوں کا بھگتان کر دیا۔ تو حاصل اس مثال کا یہ ہوا کہ جیسا یہ پیاسا ریت کو ظاہری چمک سے پانی سمجھا اسی طرح یہ کافر اپنے اعمال کو ظاہری صورت سے مقبول اور آخرت میں نفع بخش اور بار آور سمجھا مگر جیسا کہ وہ ریت پانی نہیں اسی طرح اس کے اعمال نافع نہیں اور جیسا وہاں جا کر اس پیاسے کو حقیقت معلوم ہوئی اسی طرح اس کافر کو آخرت میں پہنچ کر حقیقت معلوم ہوگی اور جس طرح یہ پیاسا اپنی توقع کے غلط ہونے سے ناکام و نامراد ہو کر مر گیا اسی طرح یہ کافر بھی اپنی توقع کے غلط ہونے سے ناکام و نامراد ہوگا اور ہلاکت ابدی یعنی عذاب جہنم میں مبتلا ہوگا۔ ایک قسم کی مثال تو یہ ہوئی۔ آگے دوسری قسم کے کفار کے اعمال کی مثال ہے کہ جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل و کفر اور ظلم و عصیان کی اندھیریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں کہ جیسے گہرا سمندر کہ جس میں ایک پانی کی گہرائی کا اندھیرا۔ پھر موجوں کے طوفان کا اندھیرا، جو ایک پر ایک چڑھی چلی آتی ہیں۔ پھر اس کے اوپر گھٹا بادل کا اندھیرا، پھر رات کا وقت، غرض اندھیرے پر اندھیرا ہر طرف سے چھایا ہوا ہے کہ اپنا ہاتھ اٹھا کر آنکھوں کے قریب لا کر دیکھے تو اندھیرے کی وجہ سے نظر نہ آئے کہ ہاتھ کہاں ہے۔ غرض اسے روشنی کی کہیں سے ذرا سی جھلک بھی نہیں ملتی۔ اس مثال کا حاصل یہ ہے کہ اس شخص کے پاس اپنے اعمال کے باب میں کوئی بھی امید افزا اور دل خوش کن بات نہیں ظلمت ہی ظلمت ہے کہ اول تو سمندر گہرا پھر جب امواج کا تلاطم ہو تو اور اندھیرا بڑھے گا۔ پھر اوپر سے بادل کی گھٹا بھی ہو تو اندھیرے کا کچھ ٹھکانا ہی نہ رہے گا، خصوصاً اس شخص کے لئے جو سمندر کی تہ میں ہو۔ تو جس طرح اس مثال میں ظلمت ہی ظلمت ہے، اسی طرح ان کفار کے اعمال میں سراسر تاریکی ہی تاریکی ہے۔ اور سچ ہے روشنی اور نور کا منبع تو اللہ عزوجل کی ذات ہے جو اس کی طرف سے غافل ہو گیا اس کے پاس روشنی کا کیا کام۔

پس مقصود یہ جتلانا ہے کہ ان کفار کو چاہئے کہ اتباع احکام الٰہیہ کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو نور ہدایت دیتا مگر انہوں نے اعراض کیا تو تاریکیوں میں رہ گئے اور کہیں سے بھی سہارا نہ لگا۔ اور اس میں قصور اور کوتاہی سراسر کفار کی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی توحید اور الوہیت اور اس کے نور کی طرف رہنمائی کرنے والے بے شمار نمونے دنیا میں پھیلے ہیں چنانچہ اس کی قدرت کے کچھ نمونے اگلی آیات میں ظاہر فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے کرم سے ہم کو اسلام وایمان کی دولت سے نوازا، حق تعالیٰ ہم کو دنیا میں نور ہدایت سے منور فرمائیں اور آخرت میں بھی ہم کو نور ہدایت کے ثمرات عطا فرمائیں۔ یا اللہ! آج ہم جو نور ہدایت سے غافل ہیں اور دنیا کے ظلمت میں پھنس گئے ہیں تو ہماری اس غفلت کو دور فرما دیجئے اور آخرت کی طرف سے ہماری آنکھیں کھول دیجئے۔ اور اسلام صادق اور ایمان کامل کے ساتھ اس دنیا سے ہمیں کوچ کرنا نصیب فرمائیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ

(اے مخاطب) کیا تجھ کو معلوم نہیں ہوا کہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور پرند جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سب کو اپنی اپنی دُعا

وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

اور اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو اُن لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے۔ اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يُسَبِّحُ پاکیزگی بیان کرتا ہے	لَهٗ اسکی	مَنْ جو	فِى السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین
وَالطَّيْرُ اور پرندے	صٰٓفّٰتٍ پر پھیلائے ہوئے	كُلٌّ ہر ایک	قَدْ عَلِمَ جان لی	صَلَاتَهٗ اپنی دعا	وَ اور	تَسْبِيْحَهٗ اپنی تسبیح	وَاللّٰهُ اور اللہ
عَلِيْمٌ جانتا ہے	بِمَا وہ جو	يَفْعَلُوْنَ وہ کرتے ہیں	وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	مُلْكُ بادشاہت	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین
وَ اور	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	الْمَصِيْرُ لوٹ کر جانا				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں پہلے نور ہدایت اور اہل ہدایت کا ذکر ہوا تھا اور پھر ان کے مقابلہ میں ظلمت اور اہل ضلالت کا ذکر ہوا تھا۔ اب جملہ غافل انسانوں کو جس میں نادان کفار بھی شامل ہیں مخاطب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ جو ظلمات اور تاریکیوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ان کو حق تعالیٰ کا نور ہدایت باوجود غایت ظہور کے نظر نہیں آتا۔ حق تعالیٰ کے نور کی طرف رہنمائی کرنے والے بے شمار نشانات زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں سے صرف چند کو بطور نمونہ ان آیات میں پیش کیا جا رہا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ عالم کی ہر ہر چیز اور ہر ہر مخلوق اپنی اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس وعظمت ظاہر کر رہی ہے اور اس کی حمد وثنا میں مشغول ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ہر ہر مخلوق اور ہر ہر چیز زبان سے ہی خدا کی پاکی بیان کرتی ہے مگر ہر چیز کی زبان مخصوص ہے اس لئے تسبیح بھی جدا جدا ہے۔ عام انسان ان کی زبان نہیں سمجھتے لیکن خاص خاص روشن ضمیر رکھنے والے کبھی ان کی بولی سمجھ بھی لیتے ہیں چنانچہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کنکریوں کی تسبیح سنی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کھانا کھایا جاتا تھا اور ہم اس کی تسبیح سنتے تھے مسجد نبوی میں کھجور کا ایک ستون تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سہارا لے کر وعظ وخطبہ فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر بن کر تیار ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے اور ستون کو چھوڑ دیا تو وہ رو دیا اور حاضرین نے اس کے رونے کی آواز سنی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سینہ سے چمٹا لیا تو اس کا رونا بند ہوا۔ ہم جن کو بے جان اور بے حس سمجھتے ہیں ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عشق ومحبت تھا۔ ایک موقع پر اونٹ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مالک کی شکایت کرنا کہ کام بہت لیتا ہے اور کھانے کو کم دیتا ہے۔ احادیث میں مشہور ہے۔ بہرحال ہر چیز اپنی زبان میں اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے مگر اس کو سننے کے لئے دل کے کان اور دیکھنے کے لئے عقل کی آنکھ اور سمجھنے کے لئے بصیرت کی ضرورت ہے۔ ہر شخص کائنات کی بولی سمجھ نہیں سکتا اسی لئے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ یہاں آیت میں بالخصوص پرندوں کا ذکر علیحدہ فرمایا اس لئے کہ وہ اڑتے ہوئے آسمان اور زمین میں معلق ہوتے ہیں اور ان کا اس طرح ہوا میں اڑتے رہنا قدرت کی ایک نشانی ہے۔ تو حق تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اس کے حال کے مناسب جو طریقہ انابت وبندگی اور تسبیح خوانی کا الہام

فرمایا اس کے مطابق وہ اپنا وظیفۂ بندگی ادا کرتی رہتی ہے لیکن افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے انسان کہلانے والے غرور و غفلت اور ظلمت و جہالت میں پھنس کر مالک حقیقی کی یاد اور اس کی بندگی سے بے بہرہ ہیں۔ مگر ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے تمام افعال و اعمال کا پورا علم ہے اس انکار اور اعراض پر ان کو سزا دے گا۔ وہ بچ کر کہیں جا نہیں سکتے کیونکہ آسمان اور زمین میں اللہ کی حکومت ہے اور آخر میں لوٹ کر ہر ایک کو اسی کے پاس جانا ہے۔

خلاصہ یہ کہ تمام کائنات اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور اپنی زبان اور اپنے طریقہ میں اس کی تسبیح و تقدیس بیان کرتی ہے۔ پس افسوس غافل اور جاہل انسان پر جو خدا کی بندگی سے اعراض وانکار کرتا ہے۔

ابھی مزید دلائل توحید اور قدرت کی نشانیاں اگلی آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنا تسبیح خواں بندہ بنا کر زندہ رکھیں۔ اور شب و روز ہم کو اپنی بندگی اور اطاعت کی توفیق عطا فرماویں۔

یا اللہ! غفلت و جہالت سے ہمارے قلوب کو محفوظ فرمایئے۔ اور یا اللہ! آپ ہی کے پاس لوٹ کر جانے کا یقین کامل عطا فرمایئے۔

یا اللہ! ہمارا پہنچنا آپ کے پاس اس طرح ہو کہ آپ ہم سے راضی اور خوش ہوں۔

یا اللہ! ہم کو آخرت کی طرف سے وہ بصیرت عطا فرمادے کہ جو ہم کسی آن آپ کے سامنے حاضر ہونے سے غافل نہ ہوں۔

یا اللہ! ہم آپ کی اطاعت۔ بندگی اور فرمانبرداری میں کوتاہی کر کے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں ہم کیا منہ لے کر آپ کے سامنے حاضر ہوں گے۔

یا اللہ! جب آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو انسانیت کا جامہ عطا فرمایا ہے اور پھر کرم پر کرم کہ ہم کو اسلام سے نوازا ہے۔ تو ہم کو اسلام صادق اور ایمان کامل بھی عطا فرمایئے۔ تاکہ جب ہم آپ کے پاس حاضر ہوں تو سرخروئی نصیب ہو اور آپ کی مغفرت و رحمت کے مورد ہوں۔ اور آپ کے غصہ اور غضب سے بچ جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُکَامًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ

کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ (ایک) بادل کو (دوسرے بادل کی طرف) چلتا کرتا ہے (اور) پھر اس بادل (کے مجموعہ) کو باہم ملا دیتا ہے پھر اس کو تہ بتہ کرتا ہے

خِلٰلِهٖ ۚ وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَصْرِفُهٗ عَنْ

پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس (بادل) کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے

مَّنْ یَّشَآءُ ۖ یَکَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ

اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے اس بادل کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُس نے اب بینائی لی۔ اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے اس (سب مجموعہ) میں

لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ

اہل دانش کیلئے استدلال (کا موقع) ہے۔ اور اللہ تعالیٰ (ہی) نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر ان میں سے بعضے تو وہ جانور ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعضے ان میں

مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤی اَرْبَعٍ ؕ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ

وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾

قادر ہے۔ ہم نے (حق کے) سمجھانے والے دلائل نازل فرمائے ہیں اور جس کو اللہ چاہتا ہے راہِ راست کی طرف فرماتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	اَنَّ کہ	اللّٰهَ اللہ	یُزْجِیْ چلاتا ہے	سَحَابًا بادل	ثُمَّ پھر	یُؤَلِّفُ ملاتا ہے وہ	بَیْنَهٗ آپس میں
ثُمَّ پھر	یَجْعَلُهٗ وہ اسکو کرتا ہے	رُکَامًا تہہ بہ تہہ	فَتَرَی پھر تو دیکھے	الْوَدْقَ بارش	یَخْرُجُ نکلتی ہے	مِنْ خِلٰلِهٖ اس کے درمیان سے	
وَیُنَزِّلُ اور وہ اتارتا ہے	مِنَ السَّمَآءِ آسمانوں سے	مِنْ سے	جِبَالٍ پہاڑ	فِیْهَا اس میں	مِنْ سے	بَرَدٍ اولے	فَیُصِیْبُ پھر وہ ڈال دیتا ہے
بِهٖ اسے	مَنْ یَّشَآءُ جس پر چاہے	وَیَصْرِفُهٗ اور اسے پھیر دیتا ہے	عَنْ سے	مَنْ یَّشَآءُ جس سے چاہے	یَکَادُ قریب ہے	سَنَا چمک	
بَرْقِهٖ اس کی بجلی	یَذْهَبُ لے جائے	بِالْاَبْصَارِ آنکھوں کو	یُقَلِّبُ اللّٰهُ بدلتا ہے اللہ	الَّیْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن	اِنَّ بیشک	
فِیْ ذٰلِکَ اس میں	لَعِبْرَةً عبرت ہے	لِّاُولِی الْاَبْصَارِ آنکھوں والے عقلمند	وَاللّٰهُ اور اللہ	خَلَقَ پیدا کیا	کُلَّ دَآبَّةٍ ہر جاندار	مِّنْ مَّآءٍ پانی سے	
فَمِنْهُمْ پس ان میں سے	مَّنْ یَّمْشِیْ جو کوئی چلتا ہے	عَلٰی بَطْنِهٖ اپنے پیٹ پر	وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَّنْ یَّمْشِیْ کوئی چلتا ہے			
عَلٰی رِجْلَیْنِ دو پاؤں پر	وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَّنْ یَّمْشِیْ کوئی چلتا ہے	عَلٰی پر	اَرْبَعٍ چار	یَخْلُقُ اللّٰهُ اللہ پیدا کرتا ہے	مَا یَشَآءُ جو وہ چاہتا ہے	
اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَلٰی پر	کُلِّ شَیْءٍ ہر شے	قَدِیْرٌ قدرت رکھنے والا	لَقَدْ اَنْزَلْنَا تحقیق ہم نے نازل کیں	اٰیٰتٍ آیتیں	مُّبَیِّنٰتٍ واضح	
وَ اور	اللّٰهُ اللہ	یَهْدِیْ ہدایت دیتا ہے	مَنْ یَّشَآءُ جسے وہ چاہتا ہے	اِلٰی طرف	صِرَاطٍ راستہ	مُّسْتَقِیْمٍ سیدھا	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں غافل انسانوں کو مخاطب کرکے بتلایا گیا تھا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا۔ کیا تمہیں نہیں سوجھتا کہ عالم

کی ہر چیز اپنی اپنی زبان میں اللہ کی عظمت ظاہر کررہی ہے اور اس کی حمد وثنا میں مشغول ہے۔ اللہ عزوجل کی قدرت کی نشانیاں دنیا بھر میں بھری پڑی ہیں، چنانچہ بعض واضح نشانیوں کی طرف توجہ ان آیات میں دلائی جارہی ہے۔ مینہ برستا ہر ایک دیکھتا ہے۔ کبھی یہ بھی خیال کیا کہ اس کے لئے کیا کیا سامان کئے جاتے ہیں۔ بادلوں کو ہر طرف سے گھیر گھار کر اکٹھا کیا جاتا ہے۔ پھر ان کو باہم ملایا جاتا ہے پھر ان کو تہ بتہ ایک دوسرے پر جمایا جاتا ہے اس کے بعد تم دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے مینہ برسنا شروع ہوتا ہے۔ یہ اللہ عزوجل ہی کی قدرت کے کارنامے ہیں اسی کے حکم سے بادل سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر باہم مل جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک گہری گھٹا بن جاتی ہے پھر بوندیں پڑنا شروع ہوتی ہیں اس کے بعد موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر بادلوں سے جو کثیف اور بھاری ہونے میں پہاڑوں کی طرح ہیں اولے برساتا ہے جس سے بہتوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اور بہت سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ پھر اس بادل میں بجلی بھی ہوتی ہے جس کی چمک اتنی تیز ہوتی ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اب بجلی کی چمک سے آنکھوں کی بینائی گئی۔ پھر یہ بھی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ وہ ہی کبھی رات کو کبھی دن کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے۔ تو انسان کو چاہئے کہ قدرت کے ایسے عظیم الشان نشانات دیکھ کر بصیرت اور عبرت حاصل کرے اور اس شہنشاہِ حقیقی کی طرف دل سے رجوع ہو جس کے قبضہ میں ان تمام تصرفات کی باگ ڈور ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک ہی پانی سے طرح طرح کی مخلوق پیدا کردی ہے ہر چلنے والا جاندار خواہ بری ہو یا بحری، سب کی اصل پانی ہے۔ فلسفہ بھی بتاتا ہے کہ تمام کائنات کی اصل ایک سیال مادہ ہے۔ کوئی اس کو گیس کہتا ہے کوئی کچھ۔ قرآن نے اس کو پانی کہا ہے۔ تو مختلف جنس، مختلف نوع، مختلف حیثیت رکھنے والے جانداروں کی پیدائش یہ بھی اللہ کی قدرت پر دلالت کرتی ہے۔ ان جانداروں میں کوئی تو پیٹ کے بل چلتا ہے جیسے سانپ مچھلی وغیرہ اور اکثر کیڑے اور پانی کے جانور، کوئی دو پاؤں سے چلتا ہے جیسے انسان اور پرندہ، کوئی چار پاؤں پر چلتا پھرتا ہے جیسے مویشی اور پھر اسکی قدرت اسی پر محدود نہیں وہ جس کو جیسا چاہے بنادے تو یہ صنعت عجیبہ خدا کے سوا کوئی اور بھی کرسکتا ہے؟ جب کوئی نہیں تو اسی کی قدرت وحکومت اور الوہیت مسلم ہوئی پھر اس کو کیوں نہیں مانا جاتا؟ غرض کہ اللہ تعالیٰ نے ہر طرف اپنی قدرت کی نشانیاں دنیا میں پھیلا دی ہیں تاکہ انسان ان نشانیوں کو دیکھے اور ان سے اللہ کو پہچانے اور اس کے آگے جھکے پھر حق کے سمجھانے کے لئے اور ہدایت عام کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صاف صاف آیتیں بھی اپنے رسول پر نازل کر کے انسانوں کو پہنچا دیں جو حقیقت کو بالکل واضح کردیتی ہیں، جنہیں سن کر چاہئے تو یہ تھا کہ کوئی آدمی بھی نہ بھٹکتا، لیکن ہدایت اور سیدھی راہ پر چلتا وہی ہے جسے خدا تعالیٰ نے ہدایت کی توفیق دی ہو۔ لاکھوں انسان یہ کھلی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں، لیکن نتیجہ کے اعتبار سے ان کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔ جس انسان کی عقل کو اللہ تعالیٰ ہی اپنے نور ہدایت سے منور کردیتا ہے اس کی عقل سیدھا راستہ اس کو سمجھا دیتی ہے کہ وہ الوہیت کے حقوق اور احکام الٰہیہ کو بجالاتا ہے۔ ورنہ بہت سے تو محروم ہی رہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اَبر کا اٹھنا اور ان کا اکٹھا ہو کر گہری گھٹا کا بن جانا۔ پھر اس سے مینہ کا برسنا، اولوں کا گرنا، بجلی کا کوندنا اور شبانہ روز کا ادل بدل ہونا یہ سب اللہ کی قدرت کے نمایاں آثار

ہیں۔ جنہیں دیکھ کر انسان کو اللہ کی معرفت حاصل کرنی چاہیئے اور ایمان و اطاعت کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اسی طرح مختلف جنس۔ اور مختلف نوع اور مختلف اقسام کے جانوروں کی پیدائش بھی اللہ کی قدرت پر دلالت کرتی ہے اگر انسان عقل کی روشنی سے کام لے۔ پھر دماغوں کو بیدار کرنے اور جہالت کو دور کرنے اور علمی روشنی پیدا کرنے کے لئے اللہ پاک نے قرآنی آیات نازل فرمائیں جن سے علمی و عملی حقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔ صحیح غلط میں امتیاز اور خیر و شر میں فرق ہو جاتا ہے مگر اس کے باوجود اکثر لوگ جہالت کی وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ کوئی نشانی، کوئی دلیل۔ کوئی تذکیر ان کے دماغوں میں روشنی اور اعمال میں اصلاح پیدا نہیں کرتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہادی برحق اللہ پاک ہی کی ذات ہے وہ جس کو چاہتا ہے علم و عمل کا سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اسباب کی تدبیر بھی دستِ قدرت کی محتاج ہے۔ خالی عقل، یا فطرت یا نزول احکام کسی کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی نہ ہو۔

اسی بات کی تائید میں ایک گمراہ فرقہ یعنی منافقوں کا آگے تذکرہ فرمایا جاتا ہے کہ جن کو باوجود ہر طرح سے حق کے سمجھانے والے دلائل اور عام احکام ہدایت نازل ہونے کے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی قدرت سے ہماری بھی ہدایت کے سامان عطا فرمائیں اور قرآن پاک کے نور ہدایت سے ہمارے دلوں کو منور فرمائیں اور اپنی قدرت کی نشانیوں کو ہمارے لئے اپنی معرفت کا ذریعہ بنادیں تا کہ احکام الٰہیہ کی طاعت و بجا آوری ہمارے لئے آسان ہو اور غفلت و جہالت کے پردے ہمارے دلوں سے چاک فرمادیں تا کہ کسی آن ہم سے چھوٹی یا بڑی کوئی نافرمانی سرزد نہ ہو۔

یا اللہ! یہ آپ ہی کی قدرت اور مشیت ہے کہ بادلوں سے پانی برستا ہے اور پھر وہ آپ ہی کی مشیت سے کسی کے لئے رحمت ہے اور کسی کے لئے زحمت ہے۔ جس کو آپ چاہیں فائدہ پہنچاتا ہے اور جس کو آپ چاہیں نقصان دیتا ہے۔

یا اللہ! آپ نے اپنی معرفت کے لئے دنیا میں اپنی قدرت کی بے شمار نشانیاں پھیلا رکھی ہیں تا کہ انسان انہیں دیکھے اور آپ کی وحدانیت الوہیت اور ربوبیت کا معترف ہو کر آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرے۔

یا اللہ! آپ نے اپنے فضل و کرم سے انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآن کریم نازل فرما کر ہر ایک کی ہدایت کا سامان فرمادیا۔ مگر ہم نے اپنی غفلت اور جہالت سے آپ کی اس نعمت عظیم قرآن کریم کی قدر نہ پہچانی۔

یا اللہ! ہادی برحق آپ ہی کی ذات عالی ہے۔ ہم آپ ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ آپ ہی سے التجا اور فریاد کرتے ہیں کہ ہمارے لئے ہدایت کے راستہ پر چلنا آسان کردے اور اپنی رضا کا حصول ہمارے لئے سہل فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَقُولُونَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۗ وَمَآ

اور (یہ منافق) لوگ (زبان سے) دعوے کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے اور حکم مانا پھر اس کے بعد ان میں کا ایک گروہ سرتابی کرتا ہے اور یہ لوگ

اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

(دل میں) اصلاً ایمان نہیں رکھتے۔ اور جب یہ لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان میں کا ایک گروہ

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا

پہلوتہی کرتا ہے۔ اور اگر ان کا حق (کسی کی طرف واجب) ہو تو سر تسلیم خم کئے ہوئے آپ کے پاس چلے آتے ہیں۔ آیا اُن کے دلوں میں (کفر جازم کا) مرض ہے یا یہ (نبوت کی طرف سے) شک میں پڑے ہیں

اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

یا اُن کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں (سو ان میں سے کوئی سبب) نہیں بلکہ (اصلی سبب یہ ہے کہ) یہ لوگ بر سر ظلم (ہوئے) ہیں

وَيَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے ہیں	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَبِالرَّسُوْلِ اور رسول پر	وَاَطَعْنَا اور ہم نے حکم مانا	ثُمَّ يَتَوَلّٰى پھر پھر گیا	
فَرِيْقٌ ایک فریق	مِّنْهُمْ ان میں سے	مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد	وَمَآ اُولٰٓئِكَ اور وہ نہیں	بِالْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والے	وَاِذَا اور جب	
دُعُوْٓا وہ بلائے جاتے ہیں	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	وَرَسُوْلِهٖ اور اس کا رسول	لِيَحْكُمَ تاکہ وہ فیصلہ کردیں	بَيْنَهُمْ ان کے درمیان	اِذَا ناگہاں	
فَرِيْقٌ ایک فریق	مِّنْهُمْ ان میں سے	مُّعْرِضُوْنَ منہ پھیر لیتا ہے	وَاِنْ اور اگر	يَّكُنْ ہو	لَّهُمُ ان کیلئے	الْحَقُّ حق	يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ وہ آتے ہیں اسکی طرف
مُذْعِنِيْنَ گردن جھکائے	اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ کیا ان کے دلوں میں	مَّرَضٌ کوئی روگ	اَمِ یا	ارْتَابُوْٓا وہ شک میں پڑے ہیں	اَمْ یا	
يَخَافُوْنَ وہ ڈرتے ہیں	اَنْ کہ	يَّحِيْفَ اللّٰهُ ظلم کرے گا اللہ	عَلَيْهِمْ اُن پر	وَرَسُوْلُهٗ اور اسکا رسول	بَلْ بلکہ	اُولٰٓئِكَ وہ	هُمُ وہی	الظّٰلِمُوْنَ ظالم

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو حق کے سمجھانے والے دلائل عام ہدایت کے لئے نازل فرمائے ہیں مگر ان سے فائدہ انہی لوگوں کو پہنچتا ہے جن کو فائدہ پہنچانا ہادیٔ برحق کو منظور ہو۔ اب آگے ان آیات میں اس گمراہ طبقہ میں سے ایک خاص گروہ کا بیان ہے جن کو شمع ہدایت کے ہوتے ہوئے راہِ حق نہ ملی۔ یہ طبقہ منافقوں کا تھا جو منہ سے تو اسلام کا دعویٰ اور فرمانبرداری کا اقرار کرتے تھے مگر دل سے اسلام کے منکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے۔ مسلمانوں کے سامنے آتے تو اسلام دوستی کی باتیں کرتے اور جب تخلیہ میں اپنے ہم نواؤں سے ملتے تو وہی کور باطنی ظہور میں آتی۔ اسی طبقہ میں سے بعض کے متعلق ان آیات کا نزول ہوا۔

مفسرین نے ان آیات کے نزول کے متعلق بعض خاص واقعات بھی بیان کئے ہیں لکھا ہے کہ بشر ایک منافق تھا۔ کچھ زمین کے متعلق کسی یہودی سے اس کا جھگڑا ہو گیا یہودی نے کہا کہ تم اپنے پیغمبر کے پاس چلو۔ ان کے فیصلہ کو میں تسلیم کرلوں گا۔ تو منافق بولا وہاں نہیں۔ کعب بن اشرف یہودی کے پاس چلو۔ اس سے فیصلہ کرائیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل و انصاف اور صدق و امانت تو مخالفین کے نزدیک بھی مسلم تھا۔ یہودی سمجھتا تھا کہ اگر مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

اجلاس میں جائے گا اور میرا حق ثابت ہو جائے گا تو آپ اسی کے موافق فیصلہ فرما دیں گے مگر منافق باوجودیکہ دعویٰ ایمان اور اطاعتِ رسول کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے سے کتراتا اور اپنے جھگڑے کے فیصلہ کے واسطے یہ سمجھ کر کہ وہاں تو فیصلہ تمام تر حق و انصاف ہی کے مطابق ہوگا اور کوئی خیانت اور چالاکی چلنے نہ پائے گی ٹال مٹول کرتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فیصلہ کے لئے مقدمہ لانے سے پہلو بچاتا کہ وہاں تو قلعی کھل جائے گی۔ ہاں جب ان کا حق کسی اور کے ذمہ نکلتا ہوتا اور یہ منافق خود مظلوم ہوتے تو پھر بے تکلف اپنے مقدمہ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اس اطمینان پر کہ وہاں تو حق رسی ہی ہوگی۔

الغرض ان آیات میں منافقین کے متعلق ذکر ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافقین زبان سے تو دعویٰ ایمان اور اطاعت رسول کا کرتے ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو پھر جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں شروع ہی سے ایمان موجود ہی نہ تھا۔ جو کچھ زبانی جمع خرچ تھا۔ امتحان اور آزمائش کے وقت اس کی بھی قلعی کھل جاتی تھی۔ اگر ان منافقین کا جھگڑا کسی سے ہو گیا اور یہ سمجھتے ہوں کہ ہم ناحق پر ہیں۔ اس وقت اگر دوسرا فریق کہتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل کر اس معاملہ کو طے کرالو تو یہ منافق رضامند نہیں ہوتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً بلارورعایت حق کے موافق فیصلہ کریں گے جو ان کے مفاد کے خلاف پڑے گا۔ حالانکہ پہلے سے یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ان کا حکم ماننے کو تیار ہیں۔ اب وہ دعویٰ کہاں گیا؟ ہاں اگر کسی معاملہ میں حق ان کی جانب ہو تو اس وقت بہت جلدی سے گردن جھکا کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو جائیں اور فیصلہ کا انحصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر کر دیں گے۔ کیونکہ سمجھتے ہیں کہ عدالتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا۔ تو یہ ایمان اور اسلام کیا ہوا؟ محض نفس و ہوا پرستی ہوئی۔ اس کے متعلق صاف فرمایا گیا **وما اولٓئک بالمؤمنین**۔ اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں۔ کیونکہ ان کے عمل سے ثابت ہوا کہ ان کے دلوں میں شریعت کی صداقت کا یقین نہیں۔ رسول کی رسالت اور قرآن کی حقانیت سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ یہ تو خواہش نفس کے بندے ہیں جہاں اپنے مطلب کو پورا ہوتے دیکھا تو متوجہ ہو جاتے۔ ورنہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ منافقین کے اس طرز عمل کی دو ہی وجہ ممکن ہیں یعنی خدا اور رسول کی بابت انہیں کوئی دھوکا لگا ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت یا اللہ کے وعدہ وعید میں کوئی شک و شبہ ہے یا ان کو یہ گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے معاملات کے خلاف انصاف فیصلہ کریں گے؟ اس لئے حضور کی عدالت میں مقدمہ لے جاتے ہوئے کتراتے ہیں۔ سو یاد رکھو وہاں تو ظلم اور بے انصافی کا امکان ہی نہیں، ہاں خود ان ہی لوگوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے اس لئے اپنے معاملات کو خدائی عدالت میں لانے سے گھبراتے ہیں۔ جہاں یہ سمجھتے ہیں کہ رسول کا منصفانہ فیصلہ ہمارے مطلب کے خلاف ہوگا۔

مفسرین نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ یہ معاملہ صرف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی کے لئے نہ تھا بلکہ آپ کے بعد بھی جو اسلامی حکومت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اس کی عدالت میں طلبی دراصل اللہ اور رسول کی عدالت میں طلبی ہے اور اس سے منہ موڑنے والا درحقیقت اللہ اور رسول سے منہ موڑنے والا ہے۔ انہی آیات سے فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ حاکم شریعت جب کسی مقدمہ کے تصفیہ کے لئے بلائے تو حاضری لازمی ہے خود ایک حدیث میں جسے حسن بصریؒ

نے روایت کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے حکام عدالت میں سے کسی حاکم کی طرف بلایا جائے اور وہ حاضر نہ ہو تو وہ ظالم ہے اس کا کوئی حق نہیں ہے یعنی ایسا شخص سزا کا بھی مستحق ہے اور مزید برآں اس کا بھی مستحق ہے کہ اس کے خلاف یک طرفہ فیصلہ دے دیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ یہ آیات اس حقیقت کو صاف صاف کھول کر بیان کر رہی ہیں کہ شریعتِ الٰہی کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرنا اور کرانا عین لازمۂ ایمان ہے۔ جو شخص شریعت کے احکام جو اپنے مطلب کے موافق ہوں ان کو تو لپک کر خوشی خوشی لے لے مگر جو شریعت الٰہیہ میں اس کی اغراض وخواہشات کے خلاف ہو اسے رد کر دے اور اس کے مقابلہ میں دوسرے دنیوی احکام و قوانین کو ترجیح دے اور قبول کرے تو ان آیات کے مطابق وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے سورۂ اعراف کی ایک آیت کے تشریح کے ضمن میں لکھا ہے کہ جیسے قلب سے نبی کی تکذیب کرنا کفر ہے اسی طرح زبان سے تکذیب کرنا بھی کفر ہے اور برتاؤ میں مخالفت وعداوت انبیاء سے کرنا بھی کفر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جو لوگ شرعی احکام واصول کی توہین کرتے ہیں اور ان کو نا قابلِ التفات سمجھ کر ہنسی اڑاتے ہیں وہ ایمان سے خارج ہو جاتے ہیں گو وہ زبانی کیسا ہی اسلام کا دعویٰ کرتے رہیں۔

یہاں ان آیات میں تو بیان منافقین کے متعلق ہوا جو بظاہر مسلمان بنے ہوتے ہیں مگر در پردہ اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ہیں اور جو حقیقی مسلمان ہیں ان کا رویہ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اسلام اور ایمان کے زبانی اقرار کے ساتھ دل سے بھی شریعت الٰہیہ کا مطیع وفرمانبردار بنا کر زندہ رکھیں قرآنی احکام اور شرعی قوانین کے آگے ہماری گردنیں ہمیشہ جھکی رہیں اللہ تعالیٰ شریعتِ مطہرہ کی مخالفت سے علماً و عملاً ہم سب کو محفوظ رکھیں اور ظاہر میں وباطن میں دل وجان سے کامل اتباع شریعت الٰہیہ کا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! منافقین کا گروہ ابتدا ہی سے اہل اسلام میں گھسا ہوا ہے۔ اور طرح طرح کی فتنہ پردازیاں کرتا رہا ہے۔

یا اللہ! اس ملک میں بھی منافقین کی خصلتوں کے حامل لوگ موجود ہیں اور جو اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔

یا اللہ! ایسے لوگوں کے شر سے اس ملک کو اور اہل اسلام کو بچا لیجئے۔ اگر ان مفسدوں کے لئے ہدایت مقدر ہے تو ان کو اسلام کا سچا پیرو بنا دیجئے ورنہ ان کے وجود سے اہل ملک کو پاک کر دیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا

مسلمانوں کا قول تو جبکہ اُن کو اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بُلایا جاتا ہے تاکہ اُن کے درمیان فیصلہ کردیں یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم نے سُن لیا

وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ

اور مان لیا۔اور ایسے لوگ فلاح پائیں گے۔اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے بس ایسے ہی لوگ بامراد ہونگے۔

هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۵۲﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُلْ لَا تُقْسِمُوا ۖ

اور وہ لوگ بڑا زور لگا کر قسمیں کھایا کرتے ہیں کہ واللہ (ہم ایسے فرمانبردار ہیں کہ) اگر آپ اُنکو (یعنی ہم کو) حکم دیں تو وہ ابھی نکل کھڑے ہوں۔(آپ اُن سے) کہہ دیجئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ

طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِنْ

(تمہاری) فرمانبرداری (کی حقیقت) معلوم ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔آپ کہیئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم لوگ

تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا

روگردانی کروگے تو سمجھ رکھو کہ رسولؐ کے ذمہ وہی ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم نے اُن کی اطاعت کرلی تو راہ پر جالگو گے۔

الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۵۴﴾

اور رسولؐ کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچادینا ہے۔

إِنَّمَا اسکے سوانہیں	كَانَ ہے	قَوْلَ بات	الْمُؤْمِنِينَ مومن	إِذَا جب	دُعُوا وہ بلائے جاتے ہیں	إِلَى اللَّهِ اللہ کی طرف	وَرَسُولِهِ اور اسکا رسول
لِيَحْكُمَ تاکہ وہ فیصلہ کردیں	بَيْنَهُمْ انکے درمیان	أَنْ کہ۔تو	يَقُولُوا وہ کہتے ہیں	سَمِعْنَا ہم نے سُنا	وَأَطَعْنَا اور ہم نے اطاعت کی		
وَأُولَٰئِكَ اور وہ	هُمُ وہی	الْمُفْلِحُونَ فلاح پانے والے	وَمَنْ اور جو	يُطِعِ اللَّهَ اطاعت کرے اللہ کی	وَرَسُولَهُ اور اسکا رسول	وَيَخْشَ اور ڈرے	
اللَّهَ اللہ	وَيَتَّقْهِ اور پرہیزگاری کرے	فَأُولَٰئِكَ پس وہ	هُمُ وہی	الْفَائِزُونَ کامیاب ہونیوالے	وَأَقْسَمُوا اور انہوں نے قسم کھائی	بِاللَّهِ اللہ کی	
جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ اپنی زوردار قسمیں	لَئِنْ البتہ اگر	أَمَرْتَهُمْ آپ حکم دیں انہیں	لَيَخْرُجُنَّ تو وہ ضرور نکل کھڑے ہوں گے	قُلْ فرمادیں			
لَا تُقْسِمُوا تم قسمیں نہ کھاؤ	طَاعَةٌ اطاعت	مَعْرُوفَةٌ پسندیدہ	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	خَبِيرٌ خبر رکھتا ہے	بِمَا وہ جو	تَعْمَلُونَ تم کرتے ہو	
قُلْ فرمادیں	أَطِيعُوا اللَّهَ تم اطاعت کرو اللہ کی	وَأَطِيعُوا اور اطاعت کرو	الرَّسُولَ رسول کی	فَإِنْ تَوَلَّوْا پھر اگر تم پھر گئے	فَإِنَّمَا تو اسکے سوانہیں		
عَلَيْهِ اس پر	مَا جو حُمِّلَ بوجھ ڈالا گیا (ذمے)	وَعَلَيْكُمْ اور تم پر	مَا حُمِّلْتُمْ جو بوجھ ڈالا گیا تم پر (ذمے)	وَإِنْ اور اگر	تُطِيعُوهُ تم اطاعت کروگے		
	تَهْتَدُوا تم ہدایت پالوگے	وَمَا اور نہیں	عَلَى پر	الرَّسُولِ رسول	إِلَّا مگر۔صرف	الْبَلَاغُ پہنچادینا	الْمُبِينُ صاف صاف

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں منافقین کا حال بیان ہوا تھا کہ یہ لوگ زبان سے تو ایمان اور رسول کی فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں مگر

آزمائش کے موقع پر منہ موڑ جاتے ہیں۔ جب کسی فیصلہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں۔تو حاضر ہونے سے ٹال مٹول کرتے ہیں اور اگر ان کو یہ معلوم ہو جاوے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا تو دربار رسالت میں دوڑے چلے آتے ہیں گویا خواہش نفس کے بندے ہیں کہ جہاں اپنا مطلب اور ہوا و ہوس کو پورا ہوتا دیکھا تو اللہ اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں ورنہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں ایسے منافقین کے متعلق کہا گیا تھا کہ یہ لوگ بالکل مومن نہیں۔اور ان کا شمار ایمانداروں میں نہیں ہو سکتا۔

اب ان منافقین کے مقابل میں مخلص مومنین اور سچے اور پکے مسلمانوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے تاکہ نفاق اور ایمان کی کسوٹی نمایاں ہو جائے اور مخلص و منافق کو جانچنے کا ایک ضابطہ معلوم ہو جائے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مومن یعنی سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہئے کہ جب کسی معاملہ میں ان کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جائے خواہ اس میں بظاہر ان کا نفع ہو یا نقصان۔بغیر توقف اور کسی پس و پیش کے فی الفور سمعنا واطعنا کہہ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہو جاویں۔اسی میں ان کی اصل بھلائی اور حقیقی فلاح کا راز مضمر ہے اور ایسے ہی لوگ آخرت میں فلاح پائیں گے۔ آگے ایک عام ضابطہ اور قاعدہ کلیہ بیان فرمایا جاتا ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور احکامِ الٰہیہ کی مخالفت سے بچے تو اس کے لئے دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے نیز ان منافقین کی جن کا ذکر گذشتہ آیت میں ہوا یہ حالت ہے کہ وہ بڑی زور دار تاکیدی قسمیں کھا کر آپ کو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ واللہ آپ ہم کو حکم دیں تو ہم سب گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکلنے کے لئے تیار ہیں اور حضور ذرا اشارہ فرمائیں تو سب مال و دولت اللہ کے راستہ میں لگا دیں۔حق تعالیٰ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منافقین سے کہہ دیجئے کہ ایسی لمبی چوڑی قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت سب کو معلوم ہو چکی کہ زبان سے دعویٰ بہت کچھ کیا کرتے ہو اور عمل کا وقت آئے تو چپکے سے کھسک جاتے ہو۔فرض کرو کہ قسمیں کھا کر بندوں کو اپنی بات کا یقین بھی دلا دو لیکن اللہ تعالیٰ کے آگے کسی کا فریب اور چالاکی نہیں چل سکتی وہ تو تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کی خبر رکھتا ہے۔پس باتیں بنانے سے کام نہیں چلتا۔کام کرو یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرو۔آگے حق تعالیٰ اسی مضمون کی تاکید میں خود ان لوگوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کا بوجھ رکھا گیا ہے جس کو آپ نے پوری طرح کماحقہ ادا کر دیا اور تم پر جو بوجھ ڈالا گیا ہے وہ تصدیق اور قبول حق کا ہے اور اس کے موافق عمل کرنے کا۔اگر تم اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل دل سے کرو گے تو دارین کی کامیابی اور صلاح و فلاح پاؤ گے اور دنیا و آخرت میں خوش رہو گے۔ ورنہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کچھ نقصان نہیں۔تمہاری شرارت اور سرکشی کا خمیازہ تم کو ہی بھگتنا پڑے گا۔پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا فرض ادا کر کے عنداللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے اب آگے تم سے باز پرس ہوگی کہ قبول کیا یا نہیں اور اطاعت اختیار کی یا نہیں؟

اطاعت کا کام ہے کس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اگر تم نے روگردانی نہ کی اور رسول کی اطاعت کر لی تو راہِ ہدایت پر جالگو گے۔بہرحال رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر احکام پہنچا دینا ہے (آگے تم سے باز پرس ہوگی کہ قبول کیا یا نہیں۔"

خلاصہ یہ کہ اخلاص کا ثبوت عمل سے ہوتا ہے محض زبانی اقرار عملی مخالفت کے ساتھ مومن ہونے کے لئے کافی نہیں۔مومن کے لئے لازم ہے کہ فرائض الٰہیہ کو ادا کرے۔سنن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے، گذشتہ گناہوں کے مواخذہ سے ڈرتا رہے اور آئندہ کے لئے نافرمانیوں اور گناہوں سے اجتناب کرے۔ایسے لوگوں کے لئے اُخروی کامیابی اور بامراد ہونے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔اور علاوہ آخرت کی کامیابی کے ایسے لوگوں کو دنیوی انعامات بھی ملنے والے ہیں جیسا کہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ 25

تم میں جولوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں اُن سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا اُن سے پہلے (اہل ہدایت)

الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۪ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ وَ لَیُبَدِّلَنَّہُمۡ مِّنۡۢ

لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور جس دین کو اُن کیلئے پسند فرمایا ہے (یعنی اسلام) اسکو اُن کیلئے قوت دیگا اور اُن کے اس خوف کے بعد اُس کو مبدل بامن کردے گا

بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا ؕ یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا ؕ وَ مَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ

بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔ اور جو شخص بعد (ظہور) اس (وعدہ) کے ناشکری کرے گا تو یہ لوگ بے حکم ہیں۔

الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحۡسَبَنَّ

اور (اے مسلمانو!) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (باقی احکام میں بھی) رسول کی اطاعت کیا کرو تا کہ تم پر (کامل) رحم کیا جاوے۔ (اے مخاطب)

الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ مَاۡوٰىہُمُ النَّارُ ؕ وَ لَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۵۷﴾

کافروں کی نسبت خیال مت کرنا کہ زمین میں (بھاگ کر ہم کو) ہرا دیں گے اور (آخرت میں) اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ اللہ نے وعدہ کیا	الَّذِیۡنَ ان لوگوں سے	اٰمَنُوۡا جو ایمان لائے	مِنۡکُمۡ تم میں سے	وَعَمِلُوا اور کام کئے	الصّٰلِحٰتِ نیک		
لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ وہ ضرور انہیں خلافت دے گا	فِی الۡاَرۡضِ زمین میں	کَمَا جیسے	اسۡتَخۡلَفَ اس نے خلافت دی	الَّذِیۡنَ وہ لوگ جو			
مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ان سے پہلے	وَلَیُمَکِّنَنَّ اور ضرور قوت دے گا	لَہُمۡ ان کیلئے	دِیۡنَہُمُ ان کا دین	الَّذِی جو	ارۡتَضٰی اس نے پسند کیا		
لَہُمۡ ان کیلئے	وَلَیُبَدِّلَنَّہُمۡ اور البتہ ضرور بدل دیگا ان کیلئے	مِنۡۢ بَعۡدِ بعد	خَوۡفِہِمۡ انکا خوف	اَمۡنًا امن	یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ وہ میری عبادت کرینگے		
لَا یُشۡرِکُوۡنَ وہ شریک نہ کریں گے	بِیۡ میرا	شَیۡئًا کوئی شے	وَمَنۡ اور جس	کَفَرَ ناشکری	بَعۡدَ ذٰلِکَ اس کے بعد	فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ پس وہی لوگ	
الۡفٰسِقُوۡنَ نافرمان	وَاَقِیۡمُوا اور تم قائم کرو	الصَّلٰوۃَ نماز	وَاٰتُوا اور ادا کرو تم	الزَّکٰوۃَ زکوٰۃ	وَاَطِیۡعُوا اور اطاعت کرو	الرَّسُوۡلَ رسول	
لَعَلَّکُمۡ تا کہ تم پر	تُرۡحَمُوۡنَ رحم کیا جائے	لَا تَحۡسَبَنَّ ہرگز گمان نہ کریں	الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وہ جنہوں نے کفر کیا (کافر)	مُعۡجِزِیۡنَ عاجز کرنیوالے ہیں			
	فِی الۡاَرۡضِ زمین میں	وَمَاۡوٰىہُمُ اور ان کا ٹھکانہ	النَّارُ دوزخ	وَلَبِئۡسَ اور البتہ بُرا	الۡمَصِیۡرُ ٹھکانہ		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مخلص مؤمنین کا حال بیان فرما کر بتلایا گیا تھا کہ یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تو بلا پس وپیش بسروچشم کہہ کر حاضر ہوجاتے ہیں ایسے ہی مؤمنین کے متعلق فرمایا گیا تھا کہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ پھر اوپر بطور قاعدہ کلیہ کے یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ آخرت میں وہی بامراد اور پورے کامیاب ہوں گے جو دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانیں گے۔ دل میں ہر وقت اللہ کا خوف رکھیں گے اور اس کے احکام کی مخالفت سے بچیں گے۔ پھر یہ بھی کھلی ہوئی نصیحت اور ہدایت فرمادی گئی تھی کہ پیغمبر علیہ السلام کا جو کام تھا یعنی تبلیغ دین وہ پورا فرما چکے اب یہ تمہارا کام ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے پیغام کو سنو اور سمجھو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ اگر تم اللہ کے رسول کا کہنا مانو گے اور ان کے احکام کی اتباع وپیروی کرو گے تو دنیا اور آخرت دونوں جہان میں

سرخرو اور بامراد ہو گے۔ کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور سارے مقاصد حاصل کرنے کا سیدھا راستہ تمہیں مل جائے گا۔

اب آگے ان آیات میں صاف بتلا دیا گیا کہ پیغمبر علیہ السلام کے فرمانبردار کو کیا کچھ اسی دنیا میں ملنے والا ہے۔ یہاں ضروری ہے کہ آپ اس وقت اور اس حالت کو ذہن میں رکھیں جب کہ ان آیات کا نزول تھا۔ تیرہ سال تک کفار مکہ کے مظالم خاموشی اور استقلال کے ساتھ سہتے سہتے مسلمان اللہ کے حکم سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے۔ مگر یہاں بھی شروع میں کافروں نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار اور مطیع صحابہ کرام جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور انصار مدینہ جوان کے مددگار اور ساتھی ہو گئے تھے۔ ابتداء میں ان سب حضرات کو بڑی مصیبتوں سے سابقہ پڑا۔ کفار مکہ کی دشمنی کے علاوہ خود یہود مدینہ مخالفت پر کمربستہ تھے۔ تمام جزیرۂ عرب بلکہ حدود شام کے رہنے والے عیسائی بھی دشمن ہو گئے۔ ان کے علاوہ ایک گروہ منافقوں کا پیدا ہو گیا جو ظاہر میں مسلمانوں سے ملے رہتے تھے مگر باطن میں دشمنوں کے ساتھی تھے۔ اہل اسلام کو ہر وقت دشمنوں کی یورش کا خطرہ رہتا تھا۔ شبانہ روز خوف کی حالت تھی۔ مسلمان ہر وقت ہتھیار بندر ہتے تھے۔ اسی حالت میں ایک بار ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارے لئے ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا کہ ہتھیار کھول کر امن کے ساتھ رہیں اور اللہ کے سوا ہم کو کسی کا خوف نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی قدر اسی حالت پر صبر کرنا پڑے گا لیکن پھر ایسی حالت ہو جائے گی کہ تم امن کے ساتھ جلسوں میں چادریں اوڑھے بیٹھے رہو گے اور ہتھیار کا نام بھی نہ ہو گا۔ اس وقت میں ان آیات کا نزول ہوا جس میں ایک عظیم الشان پیشین گوئی فرمائی گئی اور صحابۂ کرام کو بشارات سنائی گئیں کہ آج یہ مخالفین سے لرزاں و ترساں ہیں لیکن عنقریب ان کو زمین کی حکومت اور سلطنت دی جائے گی۔ یہ پیغمبر علیہ السلام کے جانشین ہو کر دین حق کی بنیادیں جمائیں گے اور خشکی و تری میں اس دین الٰہی کا سکہ بٹھا دیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا۔ وہ کامل امن و اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوں گے اور دنیا میں امن وامان کا دور دورہ ہو گا۔

ان مقبول و معزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہو گی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہو گی صرف ایک خدا کے غلام ہوں گے۔ اسی سے ڈریں گے اسی سے امید رکھیں گے اسی پر بھروسہ کریں گے۔ اسی کی رضا میں ان کا جینا اور مرنا ہو گا۔ کسی دوسری ہستی کا خوف و ہراس ان کے پاس نہ پھٹکے گا۔ نہ کسی دوسرے کی خوشی ناخوشی کی پروا کریں گے۔ الحمدللہ کہ حق تعالیٰ کا یہ وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاتھوں پورا ہوا اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشین گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ مکہ، خیبر، بحرین، جزیرۂ عرب اور یمن تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فتح ہو گیا تھا۔ پھر جب آپ کی خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنبھالی تو جزیرۂ نما عرب کی حکومت کو مضبوط اور مستقل بنایا۔ ایک لشکر جرار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپہ سالاری میں بلاد فارس کی طرف بھیجا اور وہاں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ شام کے ممالک کی طرف حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں اسلام کے جانبازوں کو روانہ فرمایا جہاں صلیبی نشان گرا کر اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ پھر مصر کی طرف مجاہدین کا ایک لشکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرداری میں روانہ فرمایا۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا دور آیا تو تمام ملک شام، پورا علاقہ مصر اور اکثر ملک فارس کا آپ کی خلافت کے زمانہ میں فتح ہوا۔ سلطنتِ کسریٰ کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ گئے۔ قیصر کو فنا کر دیا۔ ان سلطنتوں کی صدیوں کی دولت اور جمع کئے ہوئے بے شمار خزانہ بندگانِ خدا پر خرچ کئے گئے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا دور آتا ہے تو مشرق و مغرب تک خدا کا دین پھیل جاتا ہے۔ مجاہدین کی تلواریں خدا کے دین کو دنیا کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں پہنچا دیتی ہیں، اُندلس، قبرص یہاں تک کہ چین تک آپ کے زمانہ میں فتح ہوئے، دوسری طرف مدائن، عراق، خراسان سب فتح ہو گئے۔ سلطنت خاقان خاک میں مل گئی۔ عالم میں سب

سے بڑا اقتدار اہل اسلام کا ہو گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۳۰ سال بہت ہی قوت اور شوکت کے رہے۔ غرض کہ حق تعالیٰ نے جو وعدہ ان آیات میں فرمایا تھا کہ دنیا کی سلطنت وحکومت ان کو عطا فرمائے گا وہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں پورا ہوا۔ پھر حکومت عطا کرنے کا منشا بھی ظاہر فرمادیا کہ دنیوی سلطنت دینے کا اصل منشاء دین کو بلند اور مستحکم کرنا ہے۔ نہ کہ محض دنیا طلبی۔ یہی سبب ہے کہ جب مسلمانوں نے بھی حکومت اور سلطنت کی اصل غرض کو فراموش کر دیا اور سلطنت کو صرف ظاہری برتری اور نام ونمود کا ذریعہ بنالیا اور دین کی حمایت اور اشاعت کو پس پشت ڈال دیا تو اللہ نے ان سے ظاہری شوکت وجلال بھی چھین لیا کیونکہ اس وقت اہل حق کی سلطنت اور اہل باطل کی حکومت میں کوئی فرق نہ رہا اور امتیاز دینی فوت ہو گیا اس لئے آگے صاف فرمادیا گیا کہ اگر اس انعام باری تعالیٰ سے کسی نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور عطائے سلطنت کی اصل غرض کو فوت کر دیا اور عدل کو چھوڑ کر ظلم کی طرف میلان کیا اور توحید وعبادت کے جذبہ کو پس پشت ڈال کر دنیوی کامرانی اور عیش پرستی کو مطمع نظر بنالیا اور اس طرح کفرانِ نعمت کیا تو ایسے لوگ فاسق ہیں۔ حکم الٰہی سے سرتابی کرنے والے ہیں۔ ان سے نہ وعدۂ نصرت ہے نہ غلبہ وتسلط عطا کرنے یا قائم رکھنے کی صراحت ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب خلفائے راشدین کے بعد خلافت اسلامیہ کسریٰ اور ہرقل کے طریق پر چلنے لگی اور دنیاوی نام ونمود اور ظاہری بہبود کے جال میں پھنس گئی اور بیت المال رعایا کا نہ رہا بلکہ سلطنت کا خزانہ ہو گیا اور بادشاہ کا موروثی مال سمجھا جانے لگا اور فسق وفجور پھیل گیا تو مسلمانوں کے اقبال کے ستارہ کو گہن لگنا شروع ہو گیا۔ ترقی کے بجائے تنزل اور سعادت کے بجائے نحوست آ گئی اور اصولِ قرآنی کی خلاف ورزی نے حکومت اسلامیہ کی جڑ کو گھن کی طرح کھانا شروع کر دیا اور انجام کار یہ روز بد تک دیکھنا نصیب ہوا جو آج ہماری نظروں کے سامنے ہے کہ مسلمانوں کا قبلۂ اول یعنی بیت المقدس بھی کفار کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

آیت میں اسی لئے حق تعالیٰ نے آگے ہدایت فرمادی کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اللہ کے فرمانوں پر کاربند رہیں۔ خصوصاً نماز کی پابندی رکھیں، شرعی زکوٰۃ دیں اور ہر قول وعمل میں اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقشِ قدم پر چلیں تا کہ اللہ ان پر رحم فرمائے اور اپنی رحمت سے ان کو سرفراز کرے۔

چونکہ ان آیات کے نزول کے وقت عرب کی کفر پرستی اور شرک انگیزی کے علاوہ دنیا کی دوسری ممتاز سلطنتیں بھی کافر تھیں ایران، عراق، شام وروم میں بھی کافروں ہی کی حکومتیں تھیں۔ یہ تو بیرونی حالت تھی۔ خیبر، فدک اور مدینہ کے یہودی بغل گھونسہ بنے ہوئے تھے۔ منافق آستین کا سانپ تھے۔ اس صورت میں اقتضائے بشریت کے موافق مسلمانوں کو اپنے مذہب، جان، مال اور عزت آبرو کا خطرہ ہونا طبعی بات تھی اس لئے بطور تسلی کے فرمایا گیا کہ یہ تمام کفار خدا کو ہرا نہیں سکتے۔ یعنی کفار کی ظاہری طاقت، مال کی فراوانی، لشکر کی کثرت، جاہ وجلال کی سطوت کوئی چیز بھی خدا پر غالب نہیں آ سکتی۔ مسلمانوں میں اگرچہ مادی قوت نہیں، ہتھیاروں اور فوجوں کی کثرت نہیں، ملک کی وسعت نہیں مگر خدائی طاقت ان کے ساتھ ہے جو تمام عالم پر غالب ہے۔ وہی کافروں پر مسلمانوں کو غالب کر دے گا اور وہی ان کفار کی قوتوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دے گا اس لئے مسلمانوں کو خوف وہراس نہ کرنا چاہئے۔ یہ کافر ادھر ادھر بھاگ کر کہیں بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے اور ان کا اصلی ٹھکانا تو جہنم میں مقرر ہو چکا ہے جو نہایت بری جگہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت وفرمانبرداری پر دین ودنیا کی کامیابی وکامرانی کی بشارت سنائی گئی۔ جس کے اولین مصداق صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ ان کے حق میں یہ بشارت بحمد اللہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ اب جو عفت وعصمت اور آدابِ معاشرت کے احکام وہدایات کا سلسلہ ابتدائے سورۃ سے شروع ہوا تھا وہ پھر آگے جاری ہوتا ہے اور بعض خانگی احکام کی تلقین فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ

اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے اُن کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے

ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ

(ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب (سونے لیٹنے کیلئے) دوپہر کو اپنے (بعض) کپڑے اُتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے)

صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڟ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ

نمازعشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردوں کے ہیں۔ان اوقات کے سوانہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ اُن پر کچھ الزام ہے (کیونکہ) وہ بکثرت تمہارے پاس آتے رہتے ہیں

عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا

کوئی کسی کے پاس کوئی کسی کے پاس اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے۔اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے اور جس وقت

بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ

تم میں کے وہ لڑکے حد بلوغ کو پہنچیں تو اُن کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیے جیسا کہ اُن سے اگلے (یعنی اُن سے بڑی عمر کے) لوگ اجازت لیتے ہیں

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	لِيَسْتَاْذِنْكُمُ چاہیے کہ اجازت لیں تم سے	الَّذِيْنَ وہ جو کہ	مَلَكَتْ مالک ہوئے		
اَيْمَانُكُمْ تمہارے دائیں ہاتھ غلام	وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ جو	لَمْ يَبْلُغُوا نہیں پہنچے	الْحُلُمَ احتلام۔شعور	مِنْكُمْ تم میں سے	ثَلٰثَ تین	
مَرّٰتٍ بار۔وقت	مِنْ قَبْلِ پہلے	صَلٰوةِ الْفَجْرِ نماز فجر	وَحِيْنَ اور جب	تَضَعُوْنَ اتار کررکھ دیتے ہو	ثِيَابَكُمْ اپنے کپڑے	مِنَ سے۔کو
الظَّهِيْرَةِ دوپہر	وَمِنْۢ بَعْدِ اور بعد	صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ نماز عشاء	ثَلٰثُ تین	عَوْرٰتٍ پردہ	لَكُمْ تمہارے لئے	لَيْسَ عَلَيْكُمْ نہیں تم پر
وَلَا عَلَيْهِمْ اور نہ اُن پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ	بَعْدَهُنَّ انکے بعد۔علاوہ	طَوّٰفُوْنَ پھیرا کرنیوالے	عَلَيْكُمْ تمہارے پاس	بَعْضُكُمْ تم میں سے بعض (ایک)	
عَلٰي پر۔پاس	بَعْضٍ بعض (دوسرے)	كَذٰلِكَ اسی طرح	يُبَيِّنُ اللّٰهُ واضح کرتا ہے اللہ	لَكُمْ تمہارے لئے	الْاٰيٰتِ احکام	وَاللّٰهُ اور اللہ
عَلِيْمٌ جاننے والا	حَكِيْمٌ حکمت والا	وَاِذَا اور جب	بَلَغَ پہنچیں	الْاَطْفَالُ لڑکے	مِنْكُمْ تم میں سے	الْحُلُمَ (حد) شعور کو
فَلْيَسْتَاْذِنُوْا پس چاہیے کہ وہ اجازت لیں	كَمَا جیسے	اسْتَاْذَنَ اجازت لیتے تھے	الَّذِيْنَ وہ جو	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے		
كَذٰلِكَ اسی طرح	يُبَيِّنُ اللّٰهُ اللہ واضح کرتا ہے	لَكُمْ تمہارے لئے	اٰيٰتِهٖ اپنے احکام	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ جاننے والا،حکمت والا	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ میں شروع سورۃ سے چوتھے رکوع کے آخر تک متعدد احکام بیان فرمائے گئے تھے یعنی غیر شادی شدہ کے لئے زنا کی سزا۔ پھر زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کی ممانعت۔ پھر پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا۔ پھر حکم لعان یعنی اپنی منکوحہ

بیبیوں کو زنا کی تہمت لگانے پر فیصلہ کا طریقہ اور حکم۔ پھر واقعۂ اِفک یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقین نے جو تہمت کا طوفان اٹھایا تھا اس کی برأت کا بیان ہوا تھا۔ پھر اس سلسلہ میں منافقین کو وعید اور مومنین کو نصیحت فرمائی گئی تھی۔ پھر اس کے بعد دوسرے کے گھروں میں داخل ہونے سے پہلے اجازت کا حکم۔ پھر مسلمان مردوں کو غیر محرم عورتوں کو نہ دیکھنے اور اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم فرمایا گیا۔ اسی طرح مسلمان عورتوں کو غیر محرم مردوں کی طرف نہ دیکھنے کا حکم اور اپنی زینت کے حصوں کو غیر محرموں پر ظاہر نہ ہونے دینے کی ہدایت فرمائی گئی۔ پھر بے نکاحوں کو جو حقوق زوجیت ادا کر سکیں۔ ان کے نکاح کر دینے کی ترغیب۔ اسی طرح غلام اور باندیوں کو جن کا وجود اس وقت موجود تھا ان کے آپس میں نکاح کر دینے کی ہدایت دی گئی۔ پھر غلام اور باندیوں کے مکاتبت کا حکم بیان فرمایا گیا۔ پھر ایامِ جاہلیت کے اس دستور کی ممانعت فرمائی گئی کہ جو اپنی باندیوں اور لونڈیوں کو زنا پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اسی سلسلہ میں درمیان میں اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت اور مہتدین اور غیر مہتدین کے احوال کا ذکر فرمایا گیا اور مومنین مخلصین کی صفات اور کفار کے اعمال کی مثالیں بیان فرمائی گئیں پھر اتباع ہدایت و ضلالت پر بعضے وعدے و بشارت دینا اور آخرت کے متعلق مذکور ہوئے۔

اب پھر مزید سلسلہ احکام یہاں سے شروع ہوتے ہیں اور آدابِ خانہ داری اور تہذیب خانگی کے متعلق ایک مفید ترین قاعدے کی تعلیم ان آیات میں دی جاتی ہے۔ انسان کو اپنے رہنے کے لئے ایک علیحدہ گھر اور ٹھکانا چاہئے۔ عموماً اس کے ساتھ اس کی بیوی، بچے، خدمت گزار، جن کے اندر پہلے زمانہ میں لونڈی اور غلام بھی شامل ہوتے تھے۔ سب مل جل کر رہتے ہیں۔ ان آیات میں ایک گھر میں رہنے والوں کو رہنے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ ہر وقت تو ایک گھر میں ملے جلے بغیر رہنا عام لوگوں کے لئے دشواری کا باعث ہے مگر تین وقت ایسے ہیں کہ جن میں خلوت مطلوب ہوتی ہے اور ان اوقات میں آدمی دوسرے کا اپنے پاس آنا پسند نہیں کرتا۔ فجر کی نماز سے پہلے اور عشاء کی نماز کے بعد اور دن میں دوپہر کو جس وقت آدمی زائد کپڑے اتار کر کچھ دیر آرام کرتا ہے۔ پس ان تینوں وقتوں میں جبکہ انسان بے فکری سے اپنے گھر میں نہ معلوم کس حالت میں ہو۔ گھر کے باندی اور غلام اور ایسے بچے جو حد بلوغ تک نہیں پہنچے اور جن سے عادتاً پردہ نہیں کیا جاتا چاہے وہ اپنے گھر کے ہوں یا بیگانہ۔ چپ چاپ بے اطلاع ان وقتوں میں گھر میں نہ گھس آئیں۔ ان خاص وقتوں کے علاوہ گھر کے باندی غلام اور چھوٹے بچے انہیں گھر میں آنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ گھریلو ضروریات کے لئے ان کا آنا جانا گھر میں ضروری ہے اور بار بار کے آنے جانے میں ہر وقت کی اجازت طلبی میں دشواری ہے۔ مگر یہاں ایک بات یہ سمجھ لینے کی ہے۔ جس کو مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ آیت مذکورہ میں الذین ملکت ایمانکم جو آیا ہے جس کے معنی مملوک غلام اور لونڈی دونوں پر حاوی ہیں۔ ان میں مملوک غلام جو بالغ ہو وہ تو شرعاً اجنبی غیر محرم کے حکم میں ہے۔ اس کی آقا اور مالک عورت کو بھی اس سے پردہ کرنا واجب ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس لئے یہاں اس لفظ مملوک سے لونڈیاں یا مملوک غلام جو بالغ نہ ہو وہ مراد ہے جو ہر وقت گھر میں آنے جانے کے عادی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اب اس حکم پر عمل چھوڑ رکھا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس آیت پر عمل کے ترک کی ایک بڑی وجہ مال داری اور فراخی ہے۔ پہلے تو لوگوں کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ اپنے دروازوں پر پردہ لٹکا لیتے یا کشادہ گھر الگ الگ کمروں والے ہوتے تو بسا اوقات لونڈی، غلام بے

خبری میں چلے آتے جو گھر والوں پر شاق گزرتا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کشادگی دی۔ گھر میں کمرے جدا گانہ بن گئے۔ دروازے باقاعدہ لگ گئے، دروازوں پر پردے پڑ گئے اور محفوظ ہو گئے اور لوگوں نے یوں سمجھ لیا کہ اس طرح حکم خدا کی مصلحت پوری ہو گئی اس لئے اجازت کی پابندی واجب نہ رہی اور لوگوں نے اس میں سستی اور غفلت شروع کر دی۔

ان آیات کے شان نزول کے متعلق بعض مخصوص روایات بھی آئی ہیں۔ ایک واقعہ جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے نقل کیا ہے۔ اس طرح گزرا کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی انصاری لڑکے کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بلانے کے لئے بھیجا۔ دوپہر کا وقت تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سو رہے تھے۔ لڑکا گھر میں گھس آیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیدار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کپڑا کچھ بدن سے کھسک گیا تھا۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ کاش ان کے آنے جانے کی بابت بھی کوئی حکم خداوند تعالیٰ نازل فرما دیتا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت سنائی۔

شاید اس آیت کے سنانے کے لئے ہی طلب فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔ تو ان آیات میں ایمان والوں کو مخاطب کر کے حکم دیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔

''اے ایمان والو! تمہارے پاس آنے کے لئے تمہارے مملوکوں یعنی غلام اور باندیوں کو اور تم میں جو حدِ بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے، ایک تو نماز صبح سے پہلے اور دوسرے جب سونے لیٹنے کے لئے دوپہر کو اپنے بعضے کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردہ کے وقت ہیں یعنی یہ اوقات چونکہ عادتاً اور غالباً تخلیہ اور استراحت کے ہیں ان میں اکثر آدمی بے تکلفی سے رہتے ہیں اس لئے اپنے مملوکین اور نابالغ بچوں کو سمجھا دو کہ بے اطلاع اور اجازت لئے ہوئے تمہارے پاس نہ آیا کریں اور ان اوقات کے سوا نہ تو بلا اجازت آنے دینے میں اور منع نہ کرنے میں تم پر کوئی الزام ہے اور نہ بلا اجازت چلے آنے میں ان پر کچھ الزام ہے کیونکہ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تم سے اپنے صاف صاف احکام بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والے اور حکمت والے ہیں (پس سب مصالح اور حکمتوں پر اس کی نظر ہے اور احکام میں ان کی رعایت فرماتا ہے)''

اوپر نابالغ اور ایسے لڑکے جو سیانے نہ ہوئے ہوں ان کا حکم تھا کہ وہ مذکورہ تین وقتوں کے علاوہ باقی اوقات میں بلا اجازت لئے گھر میں آ جا سکتے ہیں۔

آگے حکم بالغ لڑکے کا ہے کہ جب لڑکا حد بلوغ کو پہنچ جائے تو پھر اس کا حکم مردوں جیسا ہو گیا کہ جس طرح بڑوں پر اندر آنے کے لئے اجازت کی ضرورت ہے ان پر بھی اجازت لینا نہ صرف ان تین اوقات میں بلکہ ہر وقت واجب ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ غیر مردوں اور اجنبیوں کا حکم تو پہلے ہی گذشتہ آیات میں آ چکا تھا کہ دوسرے کے گھر میں داخل نہ ہوں تاوقتیکہ اجازت نہ لے لیں۔ اب رہے بچے جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے اور گھر کے باندی غلام، ان کے لئے تین اوقات میں اجازت لے کر اندر آنے کا حکم ہوا باقی اوقات میں اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہر وقت کے آنے جانے والے ہیں اور جب بچے بالغ ہو جائیں تو پھر ان کو بھی اسی طرح اندر آنے کی اجازت لینا چاہئے جیسے بڑے اور بالغ مردوں کو اجازت طلب کرنے کا حکم ہے۔ اسی سلسلہ میں مزید احکامات اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو نکاح (میں آنے) کی کچھ اُمید نہ رہی ہو اُن کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اُتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں

غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۞ ۶۰

اور (ہر چند کہ بڑی بوڑھیوں کو منہ کھولنے کی اجازت ہے لیکن اگر) اس سے بھی احتیاط رکھیں تو اُن کیلئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا ہے (سب کچھ) جانتا ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ اور خانہ نشین بوڑھی	مِنَ النِّسَآءِ عورتوں میں سے	الّٰتِیْ وہ جو	لَا یَرْجُوْنَ آرزو نہیں رکھتی ہیں	نِکَاحًا نکاح	فَلَیْسَ تو نہیں
عَلَیْهِنَّ ان پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ	اَنْ یَّضَعْنَ کہ وہ اتار رکھیں	ثِیَابَهُنَّ اپنے کپڑے	غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ نہ ظاہر کرتے ہوئے	بِزِیْنَةٍ زینت کو
وَاَنْ اور اگر	یَّسْتَعْفِفْنَ وہ بچیں	خَیْرٌ بہتر	لَّهُنَّ ان کیلئے	وَاللّٰهُ اور اللہ	سَمِیْعٌ سننے والا
عَلِیْمٌ جاننے والا					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ چوتھے رکوع میں یہ وجوبی حکم تمام مسلمان عورتوں کے لئے گزرا تھا کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں یعنی جس طرف مطلقاً دیکھنا ناجائز ہوا اس طرف نہ دیکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مواقع کو ظاہر نہ کریں بجز اپنے شوہروں اور محارم پر جیسے باپ بیٹے بھائی بہن وغیرہ تو یہ حکم عمومی تمام مسلمان عورتوں کے لئے تھا اس میں کوئی لفظ ایسا مذکور نہ تھا جس سے جوان یا بوڑھی ہونے کی تخصیص ہو سکتی۔ یہاں اس آیت میں بعض عورتوں کے لئے پردہ کے حکم میں بطور استثنا تخفیف فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ ایسی بوڑھی اور سن رسیدہ عورتیں جن کو کسی کے نکاح میں آنے کی کوئی امید نہ رہی ہو اور مردوں کو ان کی طرف کوئی رغبت نہ رہی ہو تو ان کو جائز ہے کہ وہ گھر کے اندر یا باہر جاتے وقت اپنے زائد کپڑے یعنی اوپر کی چادر یا برقعہ وغیرہ اتار دیں بشرطیکہ اس سے بدن کی بناوٹ یا اپنے سنگار اور زیب و زینت کا دکھانا مقصود نہ ہو۔ تو یہ حکم جواز بھی اس وقت ہے جب کہ اظہار زینت بالکل مقصود نہ ہو۔ مگر اس حکم جواز کے ہوتے ہوئے بھی آگے یہ ترغیب دی جاتی ہے۔ وان یستعففن خیر لھن اور اس سے بھی بچیں تو ان کے لئے بہتر ہے یعنی اگر ایسی بڑی بوڑھی عورتیں بھی پورا ہی پردہ رکھیں تو ان کے لئے بہتر ہے اور اس کا انجام ان کے حق میں زیادہ اچھا ہوگا۔ آگے **واللہ سمیع علیم**۔ فرما کر یہ تنبیہ کردی کہ ظاہری انتظامات پردہ اور حجاب کے فتنہ کی روک تھام کے لئے ہیں۔ باقی پردہ کے اندر جو باتیں کی جاتی ہیں یا فتنے اٹھائے جاتے ہیں ان سب کو بھی خدا تعالیٰ خوب سنتا اور جانتا ہے۔ اسی کے موافق اللہ تعالیٰ معاملہ فرمائے گا۔

اس آیت سے پردہ کی اہمیت صاف ظاہر ہے کہ جب بوڑھی عورتوں کو اتنی تاکید ہے تو جوانوں کو تو کہنا ہی کیا۔ یہاں آیت میں بڑی بوڑھی عورتوں کے متعلق جو یہ فرمایا گیا: ان یضعن ثیابھن وہ اپنے کپڑے اتار رکھیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سے کپڑے اتارے جائیں اور کون سے نہ اتارے جائیں۔ تو اس کے متعلق تمام مفسرین و محققین کا بالاتفاق قول ہے کہ یہاں اوپر کی چادر دلائی وغیرہ کا اتارنا مراد ہے۔ پھر یہ جواز بھی اس وقت ہے جب اظہار زینت مقصود نہ ہو۔ کیونکہ زینت کا اظہار تو غیر مرد کے سامنے جائز ہی نہیں۔ عورتوں نے جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیور اور کپڑے کا حکم پوچھا تو آپ نے فرمایا: عورتو! اللہ نے تمہارے واسطے زینت حلال کردی ہے بشرطیکہ غیر محرم اس کو تم سے نہ دیکھے۔ تو قرآن وحدیث کا جو منشا عورتوں کے پردہ کے متعلق ہے وہ علاوہ

دوسری آیات کے اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ سن رسیدہ اور بوڑھی عورتوں کو جو پردہ میں تخفیف کا جواز ہے وہ دو شرطوں کے ساتھ ہے ایک تو یہ کہ وہ ایسے سن کو پہنچ گئی ہوں کہ حدِ نکاح سے گزر چکی ہوں۔ یعنی اب بالکل محل رغبت نہ رہیں اور ان کے بے پردگی سے احتمال فتنہ کا باقی نہ رہے اور دوسری شرط یہ فرمائی کہ ان کو قدرتی یا مصنوعی زینت وسنگار کے موقعوں کو غیر مردوں اور نامحرموں کو دکھلانا مقصود نہ ہو۔ پھر ان دو شرطوں کے ساتھ بھی فرمایا گیا کہ حجاب کی جو پابندیاں بوڑھیوں پر واجب نہیں بہتر وہ بھی ان کے حق میں ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جوان یا ادھیڑ عمر کی عورتوں کو اپنے جسم کے اخفا میں کتنا اہتمام چاہئے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اب یہ قرآنی احکام وہدایات غریب غربا کے لئے یا کسی مخصوص طبقہ کے لئے ہوں تو ہوں ورنہ اغنیاء اور امراء الا ماشاء اللہ حجاب اور ستر کی ان پابندیوں کو ''دقیانوسی خیالات'' کا ٹائیٹل دے کر نہ صرف خیر باد کہہ چکے ہیں بلکہ اسلامی اور شرعی پردہ کو بزعم خود اپنی نام نہاد ترقی کی راہ میں رکاوٹ اور روڑا سمجھتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جب قرآنی احکام کے ساتھ ہمارا یہ معاملہ ہو تو اس کا جو انجام دنیا میں دیکھ رہے ہیں وہ تو آنکھوں کے سامنے ہے اور آخرت میں جو معاملہ ہوگا۔ وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

الغرض یہاں پردہ کے متعلق احکام ومسائل بیان ہوئے آگے معاشرت کے بعض احکام بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اے اللہ! آپ نے ہم کو قرآن اور اسلام جیسی نعمتوں سے نوازا مگر ہم نے ان نعمتوں کا حق ادا نہ کیا۔

اے اللہ ہم نے قرآنی احکام کو خیر باد کہہ کر جو ظلم اپنی جانوں پر کیا ہے اس کو اپنی رحمت سے معاف فرمادے اور آئندہ کے لئے ہم کو قرآنی ہدایات کے موافق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمادے۔ اور قرآن پاک کے ہر چھوٹے بڑے حکم پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کا عزم اس بھٹکی ہوئی امت مسلمہ کے ہر فرد کو نصیب فرمادے۔ بے پردگی کی اس وقت جو عام وبا پھیل رہی ہے اے اللہ اس کے فتنہ اور وبال سے ہم کو اور ہماری عورتوں کو محفوظ فرمادے اے اللہ! آپ کے یہ قرآنی احکام جو رئیس وغریب اور چھوٹے وبڑے سب کے لئے ہیں، ہمارے حکام اور صاحب اقتدار وحکومت کے دلوں میں بھی اتار دے۔ اور اس ملک میں قرآنی احکام کے نفاذ کی صورتیں ظاہر فرمادے۔

اے اللہ! جو بے دینی کے فتنے وبا کی طرح اس ملک اور امت مسلمہ میں پھیل گئے ہیں ان کے مٹنے اور ختم ہو جانے کی صورتیں غیب سے ظاہر فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى

نہ تو اندھے آدمی کیلئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کیلئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ بیمار آدمی کیلئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے اس بات میں

اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھالو یا اپنے باپ کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے

اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ

اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اُن گھروں سے جنکی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں

مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا

یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ (کھاؤ)۔ پھر (یہ بھی معلوم کر رکھو کہ) جب تم اپنے گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو

عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع

(جو کہ) دُعا کے طور پر (ہے اور) جو خدا کی طرف سے مقرر ہے برکت والی عمدہ چیز ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو (اور عمل کرو)

لَيْسَ نہیں	عَلَى الْاَعْمٰى نابینا پر	حَرَجٌ کوئی گناہ	وَلَا اور نہ	عَلَى الْاَعْرَجِ لنگڑے پر	حَرَجٌ کوئی گناہ	وَلَا اور نہ	عَلَى الْمَرِيْضِ بیمار پر
حَرَجٌ کوئی گناہ	وَلَا اور نہ	عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ خود تم پر	اَنْ تَاْكُلُوْا کہ تم کھاؤ	مِنْ بُيُوْتِكُمْ اپنے گھروں سے	اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ یا اپنے باپوں کے گھروں سے		
اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے	اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے	اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ یا اپنی بہنوں کے گھروں سے					
اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ یا اپنے تائے چچاؤں کے گھروں سے	اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے	اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ یا اپنے خالو، ماموؤں کے گھروں سے					
اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے	اَوْ یا	مَا مَلَكْتُمْ جس گھر کی تمہارے قبضہ میں ہوں	مَفَاتِحَهٗ اسکی کنجیاں				
اَوْ صَدِيْقِكُمْ یا اپنے دوست (کے گھر سے)	لَيْسَ نہیں	عَلَيْكُمْ تم پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ	اَنْ کہ	تَاْكُلُوْا تم کھاؤ	جَمِيْعًا اکٹھے مل کر	اَوْ یا
اَشْتَاتًا جدا جدا	فَاِذَا پھر جب	دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا تم داخل ہو گھروں میں	فَسَلِّمُوْا تو سلام کرو	عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اپنے لوگوں کو	تَحِيَّةً دعائے خیر	مِنْ سے	
عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کے ہاں	مُبٰرَكَةً بابرکت	طَيِّبَةً پاکیزہ	كَذٰلِكَ اسی طرح	يُبَيِّنُ اللّٰهُ اللہ واضح کرتا ہے	لَكُمُ تمہارے لئے	الْاٰيٰتِ احکام	لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم سمجھو

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیت میں سن رسیدہ اور بوڑھی عورتوں کے متعلق بعض احکام و مسائل بیان ہوئے تھے۔ اب معاشرت کے بعض احکام بیان فرمائے جاتے ہیں۔

ایام جاہلیت میں عرب میں کھانے پینے کے متعلق مختلف دستور رائج تھے بعض قبیلے کی تہذیب یہ تھی کہ ہر ایک الگ الگ کھانا لے کر بیٹھے اور کھائے وہ مل کر ایک ہی جگہ کھانا برا سمجھتے تھے جیسا کہ ہندوستان میں ہندوؤں کے ہاں اب بھی الگ الگ کھانے کا دستور ہے۔ بعض قبیلہ اس کے برعکس تنہا کھانے کو برا جانتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی ساتھ کھانے والا نہ ملتا تو فاقہ کر جاتے تھے۔ اہل مدینہ میں پہلے کھانے پینے کے بارہ میں بہت بے تکلفی تھی کہ میں نے تمہارے گھر کھالیا۔ تم نے میرے گھر کھالیا بلکہ کبھی محتاج غریبوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے اور کسی عزیز

قریب یا دوست کے گھر اس کو بھی کھلا دیتے۔ چونکہ اس بے تکلفی میں افراط زیادہ ہوگیا تھا اس لئے مستحقین پر اکثر نوبت ظلم اور حقوق کے اتلاف کی آنے لگی تھی کہ گھر والے اکثر گھاٹے میں رہ جاتے۔ چنانچہ اسلام میں اس کی روک تھام کے لئے پانچویں پارہ سورۂ نسآ کی آیت یاایھا الذین امنو الا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (یعنی اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق اور ناجائز طور پر مت کھاؤ نازل ہوئی تو قرآن اور اسلامی تعلیمات نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ذہنیت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کردیا تھا اس وجہ سے وہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے معاملہ میں بہت ہی مبالغہ کے ساتھ احتیاط فرمانے لگے اور دوسروں کے ہاں جہاں یقینی طور پر ان کی رضامندی معلوم تھی کھانے پینے سے پرہیز کرنے لگے۔ اس طرح ساتھ میں اندھوں، لنگڑوں، بیماروں اور معذوروں کا لے جانا تو بالکل ہی رک گیا، پھر اندھے، لنگڑے اور بیمار کسی کے ساتھ ناخواندہ مہمان کی صورت میں جاکر اس کے کسی عزیز یا دوست کے گھر کھانا کھانے کو خلاف دیانت سمجھنے لگے۔ تو اس شدت احتیاط کو توڑنے اور اعتدال قائم کرنے۔ نیز قدیم زمانہ کے بعض اہل عرب کے دستور کی اصلاح کے لئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں بعض گھروں کی تفصیل بیان کی جارہی ہے جہاں خود کھالینے یا اپنے ساتھ معذورین کو کھلا دینے میں جب کہ صاحبِ خانہ کی اجازت و رضا کا یقین ہو کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تنہا کھانے کی رخصت نازل فرما کر جاہلیت کی اس رسم کو مٹادیا گیا کہ اگرچہ بھوکے ہوتے لیکن جب تک ساتھ کھانے والا کوئی نہ ہوتا کھانا نہ کھاتے اور سواری پر سوار ہوکر ساتھ کھانے والے کی تلاش میں نکلتے تھے۔

مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ اس آیت میں گو تنہا کھانے کی رخصت ہے لیکن اگر دوسرے کھانے والے موجود ہوں تو لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا افضل ہے اور زیادہ برکت بھی اسی میں ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کھاتے تو ہیں لیکن آسودگی حاصل نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہوگے۔ جمع ہوکر ایک ساتھ بیٹھ کر اللہ کا نام لے کر کھاؤ تو تمہیں برکت دی جائے گی۔

یہاں یہ تعلیم دی گئی کہ گھروں میں جب بھی داخل ہو خواہ وہ اپنا گھر ہو یا غیر کا تو سلام کرکے جاؤ۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مشہور صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ جب تم گھروں میں جاؤ تو خدا کا سکھایا ہوا بابرکت سلام کہا کرو میں نے تو آزمایا ہے کہ یہ سراسر برکت ہے۔ حضرت عطا سے پوچھا گیا کہ کیا یہ سلام کرنا واجب ہے۔ فرمایا مجھے تو یاد نہیں کہ اس کے وجوب کا کوئی قائل ہو لیکن ہاں مجھے یہ بہت ہی پسند ہے کہ جب بھی گھر میں جاؤ سلام کرکے جاؤ میں تو اسے کبھی نہیں چھوڑتا ہاں یہ اور بات ہے کہ کبھی بھول جاؤں۔ حتیٰ کہ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ جب ایسے گھر میں جاؤ جو غیر آباد ہو اور جہاں کوئی اندر موجود نہ ہو تو اس وقت بھی سلام کیا جائے مگر اس طرح کہ السلام علینا وعلیٰ عباداللہ الصالحین تو ایسے سلام کا جواب خدا کے فرشتے دیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ باتوں کی وصیت کی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کامل وضو کرو۔ تمہاری عمر بڑھے گی۔ میرا امتی ملے سلام کرو نیکیاں بڑھیں گی۔ گھر میں سلام کرکے جایا کرو، گھر کی خیریت بڑھے گی۔ ضحیٰ کی نماز پڑھتے رہو تم سے اگلے لوگ جو خدا والے بن گئے تھے ان کا یہی طریقہ تھا۔ صلوٰۃ الضحیٰ سے مراد اشراق یا چاشت ہے۔ اے انس! چھوٹوں پر رحم کرو۔ بڑوں کی عزت اور توقیر کرو۔ تو قیامت کے دن میرا ساتھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آیت کے اخیر میں بتایا گیا:۔

"اس طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ

تم سمجھو اور عمل کرو۔''

یعنی یہ احکام مجالست و معاشرت جو تعلیم فرمائے گئے ان کے سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے اس میں بہت فضائل و برکات ہیں یہ میل محبت اور انس بڑھانے والی تعلیم ہے۔ یہ تہذیب و شائستگی کی تلقین ہے۔ یہ قومی نظم کو درست رکھنے کی ہدایت ہے۔ یہ باہمی تعاون و تناصر کا ذریعہ ہے۔ یہ دعائے رحمت ہے۔ طلب برکت ہے۔ اور یہ تعلیم باہمی منافرت اور مخالفت کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دینے والی ہے۔ اب یہیں سے اس کی ضد بھی سمجھ لیجئے کہ جب ہم ربانی احکامات اور آسمانی ہدایات اور قرآنی تعلیمات کو چھوڑ دیں گے اور ان سے منہ موڑ لیں گے تو ظاہر ہے کہ بجائے آپس کے اُنس و محبت کے باہمی منافرت و مخالفت آئے گی۔ معاشرہ میں طرح طرح کے مفاسد و فتنہ پیدا ہوں گے۔ بدکرداری اور بدعملی بڑھے گی اور قوم و ملک گھروں اور خاندانوں میں بجائے خیر و برکت و رحمت کے طرح طرح کے مصائب، بلیات و پریشانیاں نازل ہوں گی۔

آج قوم و ملک کی بدحالی کو دور کرنے کا ہر ذریعہ ہمارے صاحب اقتدار حکومت اور دردمندانِ قوم و ملک کی سمجھ میں آتا ہے مگر نہیں آتا تو قرآنی ہدایات نافذ کر کے رحمت و برکت حاصل کرنے کا نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ و فہم عطا فرمائیں۔

الغرض شروع سورت سے یہاں تک متعدد احکام اوامر و نواہی بیان کئے گئے اب آگے خاتمۂ سورت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جس پر دین و دنیا کی تمام سعادتوں کا انحصار ہے اور اطاعت کرنے والے مومنین کی مدح اور اطاعت سے جان چرانے والے منافقین کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قرآن کریم کے ادب و احترام کے ساتھ اس کا اتباع بھی نصیب فرمائیں اور جملہ قرآنی ہدایات و تعلیمات پر ہم کو دل و جان سے عمل پیرا ہونے کا عزم نصیب فرمائیں۔ اے اللہ! اس امت مسلمہ نے جس چیز سے اس کو ہدایت و عظمت اور برتری حاصل ہوئی تھی یعنی قرآن و سنت اسی سے اب کنارہ کش ہو کر طرح طرح کی گمراہیوں اور نافرمانیوں کا شکار ہوگئی ہے۔

اے اللہ! اس امت کی اصلاح کی پھر غیب سے صورتیں ظاہر فرما دے اور پھر ہم کو اپنا بھولا ہوا سبق یاد کر لینے کا عزم و جذبہ عطا فرما دے ہم کو قرآن کی تلاوت کے ساتھ اس کے احکام کا پابند بنا دے اور ہم کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کے ساتھ ان کا اتباع اور فرمانبردار امتی بننا نصیب فرما دے۔ امین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا

بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسولؐ کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کیلئے مجمع کیا گیا ہے (اور اتفاقاً وہاں سے

حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ

جانے کی ضرورت پڑتی ہے) تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے۔ (اے پیغمبر) جو لوگ آپ سے (ایسے مواقع پر) اجازت لیتے ہیں بس وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ

تو جب یہ (اہل ایمان لوگ) ایسے مواقع پر اپنے کسی (ضروری) کام کیلئے آپ سے (جانیکی) اجازت طلب کریں تو اُن میں سے جسکے لئے آپ چاہیں اجازت دے دیا کریں اور آپ اُن کیلئے

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ

اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے تم لوگ رسولؐ کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (خوب) جانتا ہے

يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ

جو (دوسرے کی) آڑ میں تم میں سے (مجلس نبویؐ سے) کھسک جاتے ہیں۔ سو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اُن کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ اُن پر (دنیا میں) کوئی آفت (نہ) آپڑے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ

یا اُن پر (آخرت میں) کوئی دردناک عذاب نازل (نہ) ہو جائے۔ یاد رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (موجود) ہے سب خدا ہی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم (اب) ہو

إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾ ع

اور اس دن کو جس میں سب اُس کے پاس (زندہ کر کے) لائے جائیں گے پھر وہ سب کو جتلا دیگا جو کچھ انہوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

اِنَّمَا اس کے سوا نہیں	اَلْمُؤْمِنُوْنَ مومن	اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو ایمان لائے (یقین کیا)	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرَسُوْلِهٖ اور اس کے رسول پر	وَاِذَا اور جب	
كَانُوْا وہ ہوتے ہیں	مَعَهٗ اسکے ساتھ	عَلٰى پر۔ ہیں	اَمْرٍ جَامِعٍ جمع ہونے کا کام	لَمْ يَذْهَبُوْا وہ نہیں جاتے	حَتّٰى جب تک	
يَسْتَاْذِنُوْهُ وہ اس سے اجازت لیں	اِنَّ بیشک	اَلَّذِيْنَ جو لوگ	يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اجازت مانگتے ہیں آپؐ سے	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ		
اَلَّذِيْنَ وہ جو	يُؤْمِنُوْنَ ایمان لاتے ہیں	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرَسُوْلِهٖ اور اس کے رسول پر	فَاِذَا پس جب	اسْتَاْذَنُوْكَ وہ تم سے اجازت مانگیں	
لِبَعْضِ کسی کیلئے	شَاْنِهِمْ اپنے کام	فَاْذَنْ تو اجازت دیدیں	لِّمَنْ جس کو	شِئْتَ آپ چاہیں	مِنْهُمْ ان میں سے	وَاسْتَغْفِرْ اور بخشش مانگیں
لَهُمُ اللّٰهَ ان کیلئے اللہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ نہایت مہربان	لَا تَجْعَلُوْا تم نہ بنالو	دُعَآءَ بلانا	الرَّسُوْلِ رسول کو
بَيْنَكُمْ اپنے درمیان	كَدُعَآءِ جیسے بلانا	بَعْضِكُمْ اپنے بعض ایک	بَعْضًا بعض (دوسرے) کو	قَدْ يَعْلَمُ تحقیق جانتا ہے	اللّٰهُ اللہ	الَّذِيْنَ جو لوگ
يَتَسَلَّلُوْنَ چپکے سے کھسک جاتے ہیں	مِنْكُمْ تم میں سے	لِوَاذًا نظر بچا کر	فَلْيَحْذَرِ پس چاہیے کہ وہ ڈریں	الَّذِيْنَ جو لوگ	يُخَالِفُوْنَ خلاف کرتے ہیں	
عَنْ اَمْرِهٖ اس کے حکم سے	اَنْ کہ	تُصِيْبَهُمْ پہنچے اُن پر	فِتْنَةٌ کوئی آفت	اَوْ يُصِيْبَهُمْ یا پہنچے ان کو	عَذَابٌ عذاب	اَلِيْمٌ دردناک

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ یادرکھو بیشک اللہ کیلئے	مَا جو	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	قَدْ یَعْلَمُ تحقیق وہ جانتا ہے	مَآ جو۔جس	اَنْتُمْ تم
عَلَیْهِ اس پر	وَیَوْمَ اور جس دن	یُرْجَعُوْنَ وہ لوٹائے جائیں گے	اِلَیْهِ اس کی طرف	فَیُنَبِّئُهُمْ پھر وہ انہیں بتائے گا	بِمَا اس سے	
عَمِلُوْا انہوں نے کیا	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِكُلِّ شَیْءٍ ہر شے کو	عَلِیْمٌ جاننے والا			

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ نور کا آخری رکوع ہے ان آیات پر یہ سورۂ ختم فرمائی جاتی ہے۔شروع سورۃ سے بہت سے اوامر ونواہی یعنی بعض کرنیوالے احکام اور بعض نہ کرنیوالے احکام ارشاد فرمائے گئے۔

اب خاتمۂ سورۃ میں ایک حکم خاص اس وقت کے مناسب ارشاد فرمایا جاتا ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت اطاعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے جس پر انحصار ہے جمیع سعادات دنیویہ واُخرویہ، ظاہرہ وباطنہ کا۔ ساتھ ہی اللہ و رسول کے احکام کی مخالفت کی ممانعت مع وعید کے بیان فرمادی گئی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیات کے سبب نزول دو امر ہیں ایک یہ کہ غزوۂ احزاب میں جب مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تو مسلمان نہایت جفاکشی ومحنت سے خندق کھودنے میں مشغول تھے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کام میں شریک تھے۔اگر خندق کھودنے کے دوران کسی مسلمان کو کوئی ضرورت پیش آجاتی یا مدینہ جانے کا کوئی کام لگتا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر جاتے اور کام پورا کرنے کے بعد واپس آجاتے۔ دوسرے یہ کہ منافقین جو مسلمانوں میں ملے ہوئے تھے اور بظاہر اسلام کے دعویدار تھے اول تو کام سے جی چراتے اور خندق کھودتے کسمساتے تھے اور جب کسی مسلمان کو جاتا ہوا دیکھتے تو اس کی آڑ میں لگے لگے خود بھی بے اطلاع کھسک جاتے۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جس میں مومنوں کی مدح فرمائی گئی اور ضمناً منافقوں کی مذمت بھی ہے۔اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں ایک گروہ ایسا بھی رہا ہے کہ جو محض دنیا کو دکھانے کے لئے زبانوں سے اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور مسلمانوں کے گروہ میں ملے جلے رہتے ہیں لیکن واقع میں ان کے دل منکر ہوتے ہیں اور ان کے ضمیر اسلامی عقائد وتعلیم کو دل سے تسلیم نہیں کرتے مگر مصلحت وقتی ان کو ظاہری مسلمان بننے پر مجبور کرتی ہے۔اور ان کے مسلمان بننے سے مقاصد مختلف ہوتے ہیں۔یا تو ان کے پیش نظر کوئی دنیوی لالچ ہوتا ہے یا مسلمانوں میں اپنا وقار پیدا کرنا غرض ہوتا ہے۔ یا کافروں کی طرف سے مسلمانوں کے اندرونی احوال کی جستجو مقصود ہوتی ہے۔ یا مسلمانوں کے اندر پھوٹ پیدا کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ یا اسی قسم کا کوئی مقصد ہوتا ہے جس کو وہ مسلمان بن کر پورا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ گروہ منافقوں کا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ایسے لوگ تھے اور اس زمانہ میں بھی ہیں اور ہر دور میں ہوتے ہیں۔

یہاں ان آیات میں پہلے حقیقی مسلمان کی شناخت اور علامت ظاہر فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔مناسب ہوگا کہ یہاں ایمان کے معنی اور اس کی حقیقت کو مختصراً عرض کردیا جائے تا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے کی حقیقت معلوم ہوجائے۔''ایمان'' کے اصل معنی کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات ادراک کے حدود سے بالا ہوں جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم و ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں آپ کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کرلیں۔تو اس طرح شرعی ایمان کا تعلق اصولاً امور غیب سے ہوتا ہے جن کا ہم احساس اور ادراک نہیں کرسکتے۔مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کے احکام کی آمد بذریعہ وحی، قیامت، حشر ونشر، جنت ودوزخ وغیرہ وغیرہ اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں ان سب کو آپ کی صداقت، دیانت اور امانت کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی

اس کی تکذیب ہے جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کر دیتی ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مقدسہ میں براہ راست آپ کی زبان سے آپ کی ہدایات اور تعلیمات سنیں ان کے لئے تو آپ کی ہر اس بات کی تصدیق شرط ایمان تھی جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے سامنے اللہ کی طرف سے بیان کیں اگر وہ آپ کی ایک بات کا بھی انکار کریں گے تو مومن نہ رہیں گے۔ لیکن جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں بظاہر نہ رہے تو ان باتوں کی تصدیق کرنا شرط ایمان ہے جن کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے یقینی اور قطعی طریقہ سے ہو جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔ دین کی ایسی تعلیمات کو شرعی اصطلاح میں ضروریات دین کہتے ہیں جن سب پر ایمان لانا شرط ایمان ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کا بھی کوئی انکار کرے تو مومن نہیں رہے گا اور اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اسلام سے اس کا رشتہ کٹ جائے گا۔ پس آدمی کے مومن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کو جو اللہ کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی طرف سے لائے تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے۔ بخاری شریف کی ایک روایت ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ اس حدیث کی شرح میں حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ترجمان السنہ میں لکھا ہے کہ حدیث مذکور میں سوال سب سے افضل عمل کی بابت ہے اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کو افضل اعمال فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان محض علم اور جاننے کا نام نہیں بلکہ عمل کا نام ہے۔ وہ انسان کے باطن کے اختیاری انقیاد کا نام ہے اور احکام اسلامیہ کی پابندی اس انقیاد باطن کی دلیل ہوتی ہے پس ایمان کامل یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع بن جائے۔ اسی لئے محدثین کہتے ہیں کہ ایمان قول و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔

الغرض ان آیات کا حاصل ارشاد یہ ہے کہ کامل مومن وہی لوگ ہیں جن کا ایمان اللہ اور اس کے رسول پر ہو۔ اور اگر کوئی ایسا امر مسلمانوں کے سامنے ہو جس میں سب کا اجتماع ضروری ہو تو وہ جمع ہو جائیں جیسے غزوۂ احزاب میں خندق کا کھودنا اور بغیر اجازت لئے کوئی غیر حاضر نہ ہو۔ اجازت لے کر اپنے کسی دوسرے کام کو جانا ایمان کی علامت ہے لیکن طلب اجازت کے بعد بھی یہ ضروری نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اجازت دیدیں بلکہ اجازت دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے۔ مناسب سمجھیں تو اجازت عطا کریں نہ مناسب سمجھیں نہ دیں۔ علماء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو اپنا قائم مقام کر دیا ہو۔ یا شرعی شروط کے ساتھ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہو اس کے حکم سے سرتابی کرنی بھی ویسی ہی حرام ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے گویا شرعی امیر کا حکم ماننا فرض ہے اور جب تک امیر اجازت نہ دے مجمع کو چھوڑنا کسی ضرورت سے بھی جائز نہیں خواہ وہ ضرورت دینی ہو یا دنیوی۔ دینی ضرورت کی ایک مثال یہ ہے کہ جنگ تبوک کو جاتے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمرہ کرنے کی ضرورت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر آپ عمرہ کرنے مکہ کی طرف چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کے وقت فرمایا بھائی ہم کو اپنی نیک دعاؤں میں نہ بھولنا۔ الغرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرہ کر کے آ گئے اور مسلمانوں کے ساتھ مل گئے۔ تو ایسی دینی ضرورت بھی اجازت کی محتاج ہے اور اگر کوئی دنیوی ضرورت ہو مثلاً کوئی خانگی کاروبار ہو یا گھر والوں کی مجبوری یا حوائج بشریہ کو پوری کرنے کی احتیاج بہرحال ایسی ضروریات دنیوی کو بھی پورا کرنے کے لئے اور مجمع سے علیحدہ ہونے کے لئے حصولِ اجازت کی ضرورت ہے۔ تاہم اجازت لے کر بھی کسی دنیوی کام کے لئے جانا بظاہر مناسب نہیں۔ کیونکہ اس وقت دنیوی کام کو دینی کام پر ترجیح دینا لازم آتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی گئی کہ آپ اجازت دے کر بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجئے۔ اس موقع پر ایسے صاحبان کے لئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار یعنی مغفرت کی دعا کرنے کی وجہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ لکھی ہے کہ۔

''یہ اجازت لینا گو کسی قوی عذر کی وجہ سے ہو لیکن تاہم اس میں دنیا کی تقدیم دین پر تو لازم آئی اور اس میں ایک نقص کا شائبہ ہے اس کی تلافی کے لئے استغفار کا امر ہوا۔ پس استغفار جیسے تلافی ذنوب کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح تلافی نقص کے لئے بھی مفید ہے۔ نیز ممکن ہے کہ وہ عذر واقع میں قوی نہ ہو اور اس کے قوی سمجھنے میں اجازت لینے والے سے خطائے اجتہادی ہوئی ہو اور وہ خطا ایسی ہو کہ تامل اور غور و خوض سے رفع ہو سکتی تھی مگر غور و خوض اور تامل نہ کیا۔ یہ ترک تامل باوجود قدرت کے ایک خفیف سا امر مکروہ ہے اور امر مکروہ ممنوع ہوتا ہے اور ممنوعات سے استغفار ظاہر ہے۔ بہر حال چونکہ اجازت لینے والوں کی نیت اچھی تھی اس لئے ایسے حقائق پر مواخذہ نہیں فرمایا کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (بیان القرآن)''

آگے ارشاد فرمایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جس کام کے لئے بلائیں اور کسی خدمت پر مامور کریں تو امر رسول کو ایسا نہ سمجھو جیسا کہ تم میں سے ایک دوسرے کو بلاتا ہے اور کسی کام کا حکم دیتا ہے کہ دل چاہا تو چلے گئے اور وہ کام کر لیا اور نہ دل چاہا تو نہ گئے نہ وہ کام کیا۔ حکم رسول کی اطاعت واجب ہے۔ پھر نافرمان منافقوں کو دھمکی دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے اگر بچ بھی نکلے تو خدا کے علم سے بچنا تو ممکن نہیں۔ چپکے سے سرک کر نکل جانے والوں کو خدا خوب جانتا ہے۔ امر رسول کی مخالفت کرنے والوں اور حکم نہ ماننے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں دردناک عذاب اس مخالفت کی وبال میں نہ آ جائے اور کوئی غیبی تباہی نہ آ پڑے۔ یہاں آیت میں فتنہ اور عذاب الیم کے لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ فتنہ سے مراد مفسرین نے دنیوی عذاب جیسے بیماری، قحط، تنگدستی، ناگہانی موت۔ دشمنوں کی دراز دستی، زلزلہ، طوفان بادوباراں، آپس کے تفرقہ، خانہ جنگیاں وغیرہ وغیرہ لئے ہیں اور بعض حضرات مفسرین نے فتنہ کا مطلب ''ظالموں'' کا تسلط لیا ہے یعنی اگر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو ان پر جابر و ظالم حکمران مسلط کر دیئے جائیں گے اور عذاب الیم سے مراد ہے آخرت کا عذاب تو یہاں یہ وعید اور دھمکی سنائی گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ورزی کی پاداش میں دونوں جہان برباد ہوں۔ خاتمہ پر اخیر میں یہ واضح فرما دیا گیا کہ تمام عالم خدا کے قبضہ میں ہے۔ وہ مختار مطلق ہے۔ ہر طرح سے عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے پھر آخرت میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہی ہے اور اللہ ہر شے سے خوب واقف ہی ہے۔ قیامت کے دن سب کیا کرایا سامنے آ جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں اطاعت و تعظیم و تکریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا گیا۔ امر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خلاف ورزی کی ممانعت فرمائی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے پر اور حکم نہ ماننے والوں کو ڈرایا گیا اور دھمکی دی گئی کہ کہیں ان پر کوئی غیبی تباہی اور دنیوی عذاب نہ آ پڑے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دنیا و آخرت میں برباد ہو جاویں۔ اب بتائیے کہ حق تعالیٰ کی اس سے زیادہ مؤثر تنبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و تعلیمات و ہدایات کی مخالفت کرنے والوں کو یا نافرمانی کرنے والوں کو اور کیا ہو سکتی ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آج ہماری اکثریت کا یہ عالم ہے اور بے حسی اور بددینی کا زہر اتنا اثر کر چکا ہے کہ نہ حق تعالیٰ کی قرآنی تنبیہات کا ہم اثر لیتے ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہمائشات کارگر ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم مردہ دلوں کو نور حق سے پھر زندہ فرما دے اور ہمارے دلوں میں اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سچی عزت و عظمت پیدا فرما دے۔ آمین۔

الحمد للہ کہ اس درس پر سورۂ نور کا بیان پورا ہو گیا۔ جس میں نو رکوع تھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُورَۃُ الْفُرْقَانِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ سَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتُّ رُکُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ﴿۱﴾ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ

بڑی عالیشان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب (یعنی قرآن) اپنے بندۂ خاص (محمدؐ) پر نازل فرمائی تاکہ وہ (بندہ) تمام جہان والوں کیلئے ڈرانے والا ہو۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ

ایسی ذات جس کیلئے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اُس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ کوئی اس کا شریک ہے حکومت میں اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا

فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾

پھر سب کا الگ الگ انداز رکھا

تَبٰرَکَ بڑی برکت والا	الَّذِیْ وہ جو۔جس	نَزَّلَ الْفُرْقَانَ نازل کیا فرق کرنیوالی کتاب (قرآن)	عَلٰی عَبْدِہٖ اپنے بندہ پر	لِیَکُوْنَ تاکہ وہ ہو	
لِلْعٰلَمِیْنَ سارے جہانوں کیلئے	نَذِیْرًا ڈرانے والا	الَّذِیْ لَہٗ وہ جس کیلئے	مُلْکُ بادشاہت	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین
وَلَمْ یَتَّخِذْ اور اس نے نہیں بنایا	وَلَدًا کوئی بیٹا	وَلَمْ یَکُنْ اور نہیں ہے	لَّہٗ اس کا	شَرِیْکٌ کوئی شریک	فِی الْمُلْکِ سلطنت میں
	وَخَلَقَ اور اس نے پیدا کیا	کُلَّ شَیْءٍ ہر شے	فَقَدَّرَہٗ پھر اس کا اندازہ ٹھہرایا	تَقْدِیْرًا ایک اندازہ	

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اب اٹھارویں پارہ کی سورۃ الفرقان کا بیان شروع ہورہا ہے۔اس وقت اس سورۃ کی صرف دو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں جن کی تفسیر وتشریح سے پہلے اس سورۃ کا مقام، زمانہ نزول، وجہ تسمیہ، موضوع و مباحث، تعداد آیات، رکوعات وکلمات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں یہاں پہلی ہی آیت تبرک الذی نزل الفرقان میں لفظ فرقان آیا ہے جو قرآن مجید کا ایک نام ہے اس لئے اس سورۃ کا نام الفرقان مقرر کیا گیا۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اپنی کتاب کے ۵۵ نام رکھے ہیں جن میں سے ایک نام فرقان بھی ہے۔فرقان کے لفظی معنی ہیں ہر وہ چیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جاسکے۔تو چونکہ قرآن کریم فرق کرنے والا ہے حق و باطل میں۔خیر وشر میں۔ہدایت وضلالت میں۔حرام وحلال میں، عدل وظلم میں۔علم وجہل میں۔نور وظلمت میں۔مفید ومضر میں۔مفسد اور مصلح میں۔صدق وکذب میں۔راستی اور کجی میں، صواب وخطا میں، اسی مناسبت سے قرآن پاک کا ایک نام الفرقان بھی ہے جو اس سورۃ کا نام مقرر ہوا۔یہ سورۃ مکی ہے اور قیام مکہ کا متوسط دور اس سورۃ کا زمانۂ نزول ہے۔ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۱۱۴ سورتوں میں ۶۵ ویں سورت ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۶ لکھا ہے یعنی ۵ سورتیں اس سورۃ سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھیں اور ۲۴ سورتیں اس کے بعد مکہ معظمہ میں ہجرت سے قبل نازل ہوئیں اور پھر ۲۴ سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔اس سورۃ میں ۷۷ آیات۔۶ رکوعات۔۹۰۶ کلمات اور ۳۹۱۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

مثل دیگر مکی سورتوں کے اس سورۃ میں بھی عقائد یعنی اثباتِ توحید۔اثباتِ رسالت۔حشر ونشر۔قیامت وآخرت۔جزا وسزا۔شرک کی برائی۔مشرکین کی مذمت کے مضامین ہیں۔اور مضمون کی مناسبت سے بعض گذشتہ پیغمبروں اور ان کی قوم کے واقعات بیان کئے گئے ہیں اور توجہ دلائی گئی ہے کہ جن قوموں نے اپنے زمانہ میں اپنے رسولوں کو جھٹلایا وہ دنیا میں ناکام اور آخرت میں عذاب کے مستحق ہوئے۔قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی ذات عالی پر کفار و مشرکین مکہ کے اعتراضات و شبہات میں سے ایک ایک کو نقل کر کے ان کے جواب دیئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی دعوت حق سے اعراض کے برے نتائج بھی صاف صاف بتائے گئے ہیں۔ پھر دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان کی کھلی نشانیاں بتائی گئی ہیں جن سے توحید کی تعلیم دی گئی۔ اخیر میں اہل ایمان کے بلند اخلاق و کردار اور ان کے اعمال و خصال کا ذکر فرمایا تا کہ ان کو دیکھ کر مشرکین اپنے برے اعمال سے تائب ہو جائیں اور اپنے اعمال و خصال کا مومنین کے اعمال و خصال سے مقابلہ و موازنہ کریں تا کہ ہدایت و ضلالت اور سعادت و شقاوت کا فرق ان کی نظروں کے سامنے آ جائے۔ یہ ہے اسی پوری سورۃ کے مضامین کا خلاصہ جس کی تفصیلات انشاء اللہ اگلے درسوں میں اپنے اپنے مواقع پر آپ کے سامنے آئیں گی۔

سورۃ کی ابتدا تلاوت کردہ عظیم الشان آیات سے ہوتی ہے جن میں پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی تعریف فرمائی کہ ساری خیر و خوبیاں اور تمام عظمت و جلال اور بزرگی و بڑائی اور قوت و قدرت اور کمال و جمال کا منبع و مرکز اس کی ذات پاک ہے۔ یہ سارا مفہوم اور اس سے کہیں زیادہ ایک لفظ تبارک میں موجود ہے۔ حقیقت میں نہ ہمارے پاس ایسے الفاظ ہیں کہ جو اس کی شان کا بیان کر سکیں اور نہ ایسی کوئی چیز ہے کہ جس کو اس کے مشابہ ٹھہرا سکیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسی پاک۔ بلند اور رفعت اور بزرگی والی ذات نے قرآن حکیم جیسی عظیم الشان کتاب اتاری جس میں انسان کے لئے تمام مفید چیزیں کھول کر رکھ دی ہیں تا کہ وہ انہیں حاصل کرے اور بری چیزیں بھی واضح کر دی ہیں تا کہ وہ ان سے بچے۔ انسان اس عظیم الشان کتاب کے ذریعہ حق و باطل۔ سچ و جھوٹ اور برے اور بھلے میں کھلم کھلا فرق سمجھ سکتا ہے۔ پھر اس قرآن کریم کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے اور اسے اچھی طرح سمجھانے کے لئے اپنے خاص برگزیدہ بندے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا تھا تا کہ آپ تمام جہان کے انسانوں کو حق بتلائیں اور اس کے اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنائیں اور باطل کو بھی واضح کر دیں اور اس کے اختیار کرنے والوں کو ڈرائیں۔ یہاں آیت میں للعلمین نذیرا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں یعنی تمام جہان والوں کے لئے آپ نذیر ہیں تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ قرآن کی دعوت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کسی ایک قوم یا کسی ایک ملک کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے ہے اور اپنے ہی زمانہ کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے تمام زمانوں کے لئے ہے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اور بھی متعدد جگہ آیا ہے مثلاً سورۂ اعراف نویں پارہ میں فرمایا۔

قل یآ یھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا

''آپ کہہ دیجئے اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

۲۲ویں پارہ سورۂ سبا میں فرمایا گیا: **وما ارسلنک الا کافة للناس بشیرا و نذیرا** ''ہم نے آپ کو سارے ہی انسانوں کے لئے بشارت دینے والا اور خبر دار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

آگے یہاں بتلایا جاتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کا حاکم مطلق اور اکیلا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لئے نہ اس کے اولاد ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ اس نے تنہا اپنی قدرت سے ہر چیز کو پیدا کیا اور تنہا اس کا انتظام کرتا ہے۔ ہر چیز کے لئے اس کی خصوصیتیں مقرر فرمائیں اور ٹھیک اندازہ سے ہر چیز کا ایک دائرہ معین کر دیا اور ہر ایک کو ایسے قاعدہ اور قانون میں جکڑ دیا جس سے باہر جانے کی کسی کو مجال نہیں۔ اس لئے وہی **وحدہ لاشریک لہ** معبود برحق ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ قدرت خداوندی نے کائنات کی ہر چیز کو ایسا ناپ تول کر پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی یا انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بڑے بڑے سائنسدان حکمت کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور آخر کار ان کو یہی کہنا پڑتا ہے۔ **تبارک اللہ احسن الخالقین**۔ غرضیکہ مخلوقات میں سے اس خلاق عظیم نے جس چیز کو بھی پیدا فرمایا اس کی شکل، صورت، اجزاء، آثار و خواص میں خاص خاص حکمتیں رکھی ہیں اور ایک ایک مخلوق اس کی قدرت اور حکمت کا شاہکار ہے۔

امام غزالیؒ نے ایک مستقل کتاب اسی موضوع پر لکھی ہے۔ غرضیکہ یہ قرآن کریم کی ان عظیم الشان جامع آیات میں سے ہیں جس میں توحید کی پوری تعلیم سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

الغرض سورۃ کی ابتداء توحید کے مضمون سے فرمائی گئی۔ آگے مشرکین کی جہالت و ضلالت کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا

اوران مشرکین نے خدا کو چھوڑ کر اور ایسے معبود قرار دیئے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں اور (بلکہ) وہ خود مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی (دفع) نقصان کا اختیار رکھتے ہیں

وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ

اور نہ کسی (حصول) نفع کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کے جینے کا اور نہ کسی کو (قیامت میں) دوبارہ جلانے اور کافر (یعنی مشرک) لوگ (قرآن کے بارے میں) یوں کہتے ہیں

اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾ وَقَالُوْٓا

کہ یہ تو کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے جس کو ایک شخص (یعنی پیغمبرؐ) نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس (گھڑت) میں اُسکی امداد کی ہے۔ سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے۔ اور یہ (کافر) لوگ

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۵﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ

یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں جن کو اس شخص (یعنی پیغمبرؐ) نے لکھوالیا ہے پھر وہی (مضامین) اسکو صبح وشام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔

يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۶﴾

آپ (اسکے جواب میں) کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو تو اس ذات نے اُتارا ہے جس کو سب چھپی باتوں کو خواہ وہ آسمانوں میں ہوں یا زمین میں خبر ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

وَاتَّخَذُوْا اور انہوں نے بنالئے	مِنْ دُوْنِهٖ اس کے علاوہ	اٰلِهَةً اور معبود	لَا يَخْلُقُوْنَ وہ نہیں پیدا کرتے	شَيْئًا کچھ	وَهُمْ بلکہ وہ		
يُخْلَقُوْنَ پیدا کئے گئے ہیں	وَلَا يَمْلِكُوْنَ اور وہ اختیار نہیں رکھتے	لِاَنْفُسِهِمْ اپنے لئے	ضَرًّا کسی نقصان کا	وَلَا نَفْعًا اور نہ کسی نفع کا			
وَلَا يَمْلِكُوْنَ اور نہ وہ اختیار رکھتے ہیں	مَوْتًا کسی موت کا	وَلَا حَيٰوةً اور نہ کسی زندگی کا	وَلَا نُشُوْرًا اور نہ پھر اٹھنے کا	وَقَالَ اور کہا			
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کافر	اِنْ هٰذَآ نہیں یہ	اِلَّا مگر۔صرف	اِفْكُ بہتان۔من گھڑت	افْتَرٰىهُ اس نے اسے گھڑ لیا ہے			
وَاَعَانَهٗ اس کی مدد کی	عَلَيْهِ اس پر	قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ دوسرے لوگ	فَقَدْ جَآءُوْ تحقیق وہ آگئے	ظُلْمًا ظلم	وَّزُوْرًا اور جھوٹ		
وَقَالُوْٓا اور انہوں نے کہا	اَسَاطِيْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِيْنَ پہلے لوگ	اكْتَتَبَهَا اس نے انہیں لکھ لیا ہے	فَهِيَ تُمْلٰى پس وہ پڑھی جاتی ہیں			
عَلَيْهِ اس پر	بُكْرَةً صبح	وَّاَصِيْلًا اور شام	قُلْ فرمادیں	اَنْزَلَهُ اسکو نازل کیا ہے	الَّذِيْ وہ جو	يَعْلَمُ جانتا ہے	السِّرَّ راز
فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	اِنَّهٗ كَانَ بیشک وہ ہے	غَفُوْرًا بخشنے والا	رَحِيْمًا نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں سورۃ کی ابتداء مضمونِ توحید سے اس طرح ہوئی تھی کہ سارے کمالات اور خوبیوں کا منبع اور مرکز وہ ذات پاک ہے جس نے حق و باطل کی تمیز کے لئے قرآن کریم نازل فرمایا اور پھر اس کو انسانوں تک پہنچانے اور اچھی طرح سمجھانے کے لئے اپنے ایک برگزیدہ رسول یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا تا کہ انسانوں کو معلوم ہوجائے کہ آسمانوں اور زمین کا حاکم مطلق اور اکیلا مالک اللہ تبارک وتعالیٰ ہے جس کے نہ کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کی حکومت میں اس کا ساتھی اور شریک اور مددگار ہے۔ تنہا اس قادر مطلق نے یہ سب کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ سب کچھ بنایا ہے اور ہر چیز کو اس کو مناسب سامانِ زندگی اور سازگار قوتیں عطا فرمائی ہیں اور ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں رکھا کہ اس سے وہی خواص اور افعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لئے وہ

چیز پیدا کی گئی ہے۔ غرض ہر چیز کو ایسا جانچ اور ناپ تول کر پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی نہیں چھوڑی۔

اب آگے ان آیات میں پہلے مشرکین کی جہالت اور مذمت بیان فرمائی جاتی ہے کہ کس قدر ظلم، تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ ایسے خالق، مالک۔ قادر اور مختار اور حکیم زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر مشرکین نے دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے جو گویا خدا کی حکومت میں حصہ دار ہیں حالانکہ وہ ایسے مجبور ہیں کہ نہ وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ نہ مارنا جلانا ان کے قبضہ میں ہے۔ نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی اور کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ خود اپنی ذات کے لئے بھی ذرہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ایسی عاجز اور مجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر کم عقلی اور بے حیائی ہے۔

مشرکین کی یہ جہالت وضلالت تو ذاتِ خداوندی کی نسبت تھی اب آگے دوسری جہالت بیان ہوئی جو ذاتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ہے کہ یہ مشرکین کہتے ہیں کہ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ (معاذ اللہ) یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اوروں کی مدد سے یوں ہی جھوٹ موٹ گھڑ لیا ہے اور اس کو خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر ان کے ساتھی لگے اس کی اشاعت کرنے۔ (معاذ اللہ) حق تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کے ان اقوال کا جواب دیا جاتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم اور جھوٹ کیا ہوگا کہ ایسے کلام معجز اور کتاب حکیم کو جس کی عظمت وصداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کذب وافترا کہا جائے۔ کیا اہل کتاب یا غیروں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جا سکتا ہے جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کے فصیح وبلیغ بلکہ جن وانس ہمیشہ کے لئے عاجز رہ جائیں۔ مشرکین یہ بھی کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اہل کتاب سے کچھ پرانے زمانہ کے قصہ کہانیاں سن کر لکھ رکھی ہیں یا کسی سے لکھوا رکھی ہیں۔ وہی شب وروز پڑھی اور رَٹی جاتی ہیں۔ مشرکین کا یہ بھی کھلا ہوا جھوٹ اور بہتان تھا اس لئے کہ صرف اہل مکہ ہی نہیں بلکہ تمام اہل عرب جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اُمی تھے۔ آپ نے کبھی نہ کسی سے لکھنا سیکھا نہ پڑھنا۔ نبوت سے قبل چالیس سال کی زندگی آپ نے انہیں اہل مکہ میں گزاری تھی اور وہ بھی اس طرح کہ اتنی مدت میں ایک واقعہ بھی اور آپ کی زندگی کا ایک لمحہ بھی ایسا نہ تھا جس پر کوئی انگلی اٹھا سکے۔ ایک ایک وصف آپ کا وہ تھا کہ جس پر اہل مکہ شیدا تھے اور رشک کرتے تھے۔ آپ کی عام مقبولیت اور محبوبیت صداقت، دیانت، امانت۔ بلند اخلاقی اور خوش معاملگی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ آپ کو امین کے پیارے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ پھر جبکہ آپ رسالت سے سرفراز فرمائے گئے اور وحی آسمانی کے امین بنائے گئے تو کفار مکہ صرف باپ دادوں کی روش کو پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر آپ کی عیب جوئی کرنے لگے۔ لیکن جھوٹ کے پاؤں کہاں۔ کبھی آپ کو شاعر کہتے، کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی مجنون (نعوذ باللہ) حیران تھے کہ کس طرح اپنی جاہلانہ روش کو باقی رکھیں اور اپنے معبودان باطل کے جھنڈے اوندھے نہ ہونے دیں اور ظلمت کدۂ دنیا کو نور خدا سے جگمگانے نہ دیں۔ مشرکین کے اس بہتان بندی کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ آپ ان کو جواب میں کہہ دیجئے کہ اس قرآن کو تو اس ذات پاک نے اتارا ہے جس کو سب پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتوں کی خواہ وہ آسمانوں میں ہوں یا زمین میں سب خبر ہے اور جس کے احاطۂ علمی سے زمین وآسمان کی کوئی چیز باہر نہیں۔ اس کلام کی معجزانہ فصاحت وبلاغت۔ علوم ومعارف۔ اخبار غیبیہ۔ احکام وقوانین صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا جماعت کا کلام نہیں۔ اس کے بعد حق تعالیٰ اپنی شان غفاریت اور شان رحیمی کو بیان فرماتے ہیں کہ مقتضا تو ایسے کفریات کا یہ تھا کہ ان کو فوراً سزا ہو جاوے لیکن چونکہ واقعی اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں اس لئے فوراً سزا نہیں دیتے تاکہ بدبھی اس کی ذات سے مایوس نہ ہوں اور کچھ بھی کیا ہو یا کہا ہو اب بھی اس کی طرف جھک جائیں توبہ کریں اپنے کئے پر پچھتائیں۔ نادم ہوں اور اس کی مغفرت طلب کریں۔ قربان جائیے اس کی شان رحیمی کے کہ ایسے سرکش اور دشمنانِ خدا ورسول۔ ایسے بہتان باز اور اس قدر ایذائیں دینے والے لوگوں کو بھی حق تعالیٰ اپنی عام رحمت کی دعوت دیتے ہیں اور اپنے کرم کی طرف انہیں بلاتے ہیں۔

ابھی کفار کے مزید اعتراض اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں اور ان کے جوابات دیئے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ

اور یہ (کافر) لوگ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ (ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔اس کے ساتھ

مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝۷ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ

کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا۔یا اُس کے پاس (غیب سے) کوئی خزانہ آ پڑتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھایا کرتا۔اور ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۸ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹

مسلوب العقل آدمی کی راہ پر چل رہے ہو۔اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے تو یہ لوگ آپ کیلئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کر رہے ہیں سو وہ گمراہ ہو گئے پھر وہ راہ نہیں پا سکتے۔

وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	مَالِ کیسا ہے	هٰذَا الرَّسُوْلِ یہ رسول	يَاْكُلُ وہ کھاتا ہے	الطَّعَامَ کھاتا	وَيَمْشِيْ چلتا پھرتا ہے	فِي میں
الْاَسْوَاقِ بازار	لَوْلَآ کیوں نہیں	اُنْزِلَ اُتارا گیا	اِلَيْهِ اسکے ساتھ	مَلَكٌ کوئی فرشتہ	فَيَكُوْنَ کہ ہوتا وہ	مَعَهٗ اس کے ساتھ	نَذِيْرًا ڈرانے والا
اَوْ يُلْقٰٓى یا ڈالا (اتارا) جاتا	اِلَيْهِ اس کی طرف	كَنْزٌ کوئی خزانہ	اَوْ تَكُوْنُ یا ہوتا	لَهٗ جَنَّةٌ اس کیلئے کوئی باغ	يَاْكُلُ وہ کھاتا	مِنْهَا اس سے
وَقَالَ اور کہا	الظّٰلِمُوْنَ ظالم	اِنْ تَتَّبِعُوْنَ نہیں تم پیروی کرتے	اِلَّا مگر۔صرف	رَجُلًا ایک آدمی	مَّسْحُوْرًا جادو کا مارا ہوا	اُنْظُرْ دیکھو	كَيْفَ کیسی
ضَرَبُوْا انہوں نے بیان کیں	لَكَ تمہارے لئے	الْاَمْثَالَ مثالیں (باتیں)	فَضَلُّوْا سو وہ بہک گئے	فَلَا لہٰذا نہ	يَسْتَطِيْعُوْنَ پا سکتے ہیں	سَبِيْلًا کوئی راستہ

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ کے بعض اقوال بیان فرما کر ان کے جواب دیئے گئے تھے اب آگے مزید انہیں کفار مکہ کے بعض دیگر اقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نقل فرما کر ان کی تردید فرمائی جاتی ہے۔

بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار سرداران قریش جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلا کر جو کچھ کہنا سننا اور فیصلہ کرنا ہے کرلو تا کہ ہماری جانب سے مصالحت کی تحریک میں کوئی کمی نہ رہ جائے اس کے بعد جو کچھ کرنا ہے کیا جائے گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا۔ آپ تشریف لائے تو حاضرین سرداران مکہ نے کہا کہ ہم نے چند باتیں کرنے کے لئے اس وقت بلایا ہے۔ ہم یہ دریافت کرتے ہیں کہ تم نے جو یہ جدید تحریک پیدا کی ہے اس کی غرض اور اس کے پیچھے تمہارا مقصد کیا ہے؟

اگر اس کا مقصد حصول مال ہے تو ہم چندہ کر کے تمہارے لئے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں کہ مکہ میں تم سے زیادہ مالدار کوئی نہ ہوگا۔ اگر تم سرداری کے خواستگار ہو تو ہم باتفاق رائے تم کو اپنا سردار بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر حکومت کے طالب ہو تو یہ بات بھی دشوار نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مجھے ان باتوں میں سے کسی کی خواہش نہیں۔ میں نہ مال و دولت چاہتا ہوں۔ نہ سرداری کا خواستگار ہوں۔ نہ امارت و بادشاہی کا طالب ہوں۔ حق بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اپنی کتاب مجھ پر نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں جنت کی بشارت اور دوزخ کا عذاب بتا دوں۔ میں نے تم کو پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ اب اگر تم نے میرے قول کو مان لیا تو دنیا و آخرت میں تمہارے لئے کامیابی ہے اور اگر نہ مانا تو میں صبر کئے رہوں گا یہاں تک کہ خدا میرا اور

تمہارا فیصلہ فرمادے۔ سردارانِ کفر بولے۔ ہم نے جو امور تمہارے سامنے پیش کیئے اگر تم ان میں سے کسی کو قبول نہیں کرتے تو اچھا اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ کوئی فرشتہ آسمان سے اتار دے جو تمہارے ساتھ رہے اور تمہارے قول کی تصدیق کرے اور ہمارے اعتراضات کا جواب دے۔ یا یہ دعا کرو کہ خدا تمہارے لئے سرسبز باغ۔ شاندار کوٹھیاں اور سونے چاندی کے محلات بنادے تا کہ تمہاری حالت ایسی شکستہ نہ رہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ تمہارے پاس ایک غیبی خزانہ بھی ہونا چاہیئے تا کہ دوسرے کم مایہ لوگوں کی طرح تم کو بازار میں طلب معاش وغیرہ کے سلسلہ میں نہ جانا پڑے۔ تمہارے غیبی خزانہ کو دیکھ کر ہم کو یقین ہوگا کہ واقعی تم کو کوئی خاص شرف حاصل ہے اور تم مرتبۂ پیغمبری کے لائق ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس قسم کی کوئی درخواست خدائے تعالیٰ سے نہیں کروں گا۔ میرے بعثت کی یہ غرض ہی نہیں ہے۔ مجھے تو صرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔

قرآن پاک کفار کے انہیں اقوال کو ان آیات میں نقل فرماتا ہے اور مختصر طور پر ان کے شبہات کو دور کر کے ان کے اقوال کی تردید بھی فرماتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار یوں کہتے ہیں کہ رسول کی کیا یہ حیثیت ہوسکتی ہے کہ معمولی انسانوں کی طرح کھانا کھائے اور بازاروں میں سودا سلف اپنی ضروریات کے لئے خریدتا پھرے۔ جب یہ ہماری طرح کھانے پینے کے محتاج اور انتظام معاش و رزق کے لئے بازار میں چلنے پھرنے کے حاجت مند ہیں تو پھر ہم پر فوقیت کیا ہوئی اور ہم میں ان میں فرق کیا رہا۔ گویا ان کو ردماغ کفار کے دماغوں میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ انسان نبی نہیں ہوسکتا۔ وہ نبوت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے اس لئے کہتے کہ اگر واقعی رسول ہوتے تو چاہیئے تھا کہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے اور طلب معاش کے بکھیڑوں سے فارغ ہوتے۔ اور کفار یہ بھی کہتے کہ یہ اگر واقعی رسول ہیں تو آسمان کے فرشتے قطار در قطار ان کے آگے پیچھے ہوتے اور اگر فرشتوں کی فوج نہیں تو کم از کم ایک فرشتہ تو ضرور ہی ساتھ ہونا چاہیئے تھا جو ڈرانے دھمکانے میں ان کا ساتھ دیتا اور جس کا لوگوں پر رعب پڑتا یہ کیا کہ کس مپرسی کی حالت میں اکیلے دعویٰ کرتے پھر رہے ہیں، یا پھر اگر فرشتے بھی ساتھ نہ ہوں تو کم از کم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ مل جاتا کہ لوگوں کو بے دریغ مال خرچ کر کے اپنی طرف مائل کرلیا کرتے اور خیر یہ بھی نہ سہی تو معمولی رئیس اور زمیندار کی طرح انگور کھجور وغیرہ کا ایک باغ تو ان کی ملک میں ہوتا جس سے دوسروں کو نہ دیتے تو کم از کم خود بے فکری سے کھایا پیا کرتے۔ جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ نے پیغمبری کے لئے ایسے معمولی حیثیت کے انسان کو مامور کیا ہو۔ میاں کی یہ پوزیشن اور اتنا اونچا دعویٰ۔ اس پر بجز اس کے کیا کہا جائے کہ ان کے عقل کے فتور کا نتیجہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے سحر کر دیا ہے کہ عقل جاتی رہی۔ (معاذ اللہ معاذ اللہ)۔

ان اقوال کی تردید میں حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی عجیب باتیں کہہ رہے ہیں۔ کبھی آپ کو مسحور بناتے ہیں، کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی مجنون، ان کا یہ اضطراب کہ ان کو الزام لگانے میں کسی ایک بات پر قرار نہیں خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی آپ پر منطبق نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان خرافات کی وجہ سے یہ بالکل گمراہ ہو گئے اور اس جہالت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ سیدھی راہ کیسے پا سکتے ہیں۔

یہ تو تھا مختصرا اور اجمالی جواب آگے تفصیلاً جواب مذکور ہوتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ

وہ ذات بڑی عالیشان ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے اچھی چیز دیدے یعنی بہت سے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپکو بہت سے محل دے دے

وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا

بلکہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اور ہم نے ایسے شخص کیلئے جو کہ قیامت کو جھوٹ سمجھے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ وہ ان کو دور سے دیکھے گی

رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا ﴿۱۲﴾ وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ

تو وہ لوگ اس کا جوش وخروش سنیں گے۔ اور جب وہ اس کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جاویں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ

ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ آپ کہیئے کہ کیا یہ (مصیبت کی) حالت اچھی ہے یا وہ ہمیشہ رہنے کی جنت اچھی ہے

اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ

جس کا خدا سے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ کہ وہ ان کیلئے صلہ ہے اور ان کا ٹھکانا ان کو وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو کچھ وہ چاہیں گے وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے۔

خٰلِدِیْنَ ؕ كَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾

یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کے رب کے ذمہ ہے اور قابلِ درخواست ہے

تَبٰرَكَ بڑی برکت والا	الَّذِیْ وہ جو	اِنْ شَآءَ اگر چاہے	جَعَلَ وہ بنادے	لَكَ تمہارے لئے	خَیْرًا بہتر	مِّنْ ذٰلِكَ اس سے	جَنّٰتٍ باغات
تَجْرِیْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا جن کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	وَ یَجْعَلْ اور بنادے	لَكَ تمہارے لئے	قُصُوْرًا محل	بَلْ بلکہ	كَذَّبُوْا انہوں نے جھٹلایا
بِالسَّاعَةِ قیامت کو	وَ اَعْتَدْنَا اور ہم نے تیار کیا	لِمَنْ كَذَّبَ اسکے لئے جس نے جھٹلایا	بِالسَّاعَةِ قیامت کو	سَعِیْرًا دوزخ	اِذَا جب		
رَاَتْهُمْ وہ دیکھے گی انہیں	مِّنْ سے	مَّكَانٍ جگہ	بَعِیْدٍ دور	سَمِعُوْا وہ سنیں گے	لَهَا اسے	تَغَیُّظًا جوش مارتا	وَّ زَفِیْرًا اور چنگھاڑتا	وَ اِذَا اور جب
اُلْقُوْا وہ ڈالے جائینگے	مِنْهَا اس سے۔کی	مَكَانًا کسی جگہ	ضَیِّقًا تنگ	مُّقَرَّنِیْنَ جکڑے ہوئے	دَعَوْا وہ پکاریں گے	هُنَالِكَ وہاں	ثُبُوْرًا موت
لَا تَدْعُوا تم نہ پکارو	الْیَوْمَ آج	ثُبُوْرًا موت کو	وَّاحِدًا ایک	وَّ ادْعُوْا بلکہ پکارو	ثُبُوْرًا موتیں	كَثِیْرًا بہت سی	قُلْ فرمادیں	اَذٰلِكَ کیا یہ
خَیْرٌ بہتر	اَمْ یا	جَنَّةُ الْخُلْدِ ہمیشگی کے باغ	الَّتِیْ جو۔جس	وُعِدَ وعدہ کیا گیا	الْمُتَّقُوْنَ پرہیزگار	كَانَتْ وہ ہے	لَهُمْ ان کیلئے
جَزَآءً جزا (بدلہ)	وَّ مَصِیْرًا لوٹ کر جانے کی جگہ	لَهُمْ ان کیلئے	فِیْهَا اس میں	مَا یَشَآءُوْنَ جو وہ چاہیں گے	خٰلِدِیْنَ ہمیشہ رہیں گے		
كَانَ ہے	عَلٰی رَبِّكَ تمہارے رب کے ذمے	وَعْدًا ایک وعدہ	مَّسْـُٔوْلًا مانگا ہوا				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار ومشرکین مکہ کے شبہات اور اعتراضات بیان فرمائے گئے تھے جو کہتے تھے کہ رسول کو تو

فرشتہ خصلت ہونا چاہئے کہ جو نہ کھائے پیئے اور نہ کسی ضرورت کے لئے بازاروں میں آئے جائے۔ رسول کے ساتھ کوئی آسمانی خزانہ ہونا چاہئے یا کوئی ایسا باغ ہو کہ طرح طرح کے میوے اور پھل وہاں سے کھائے جاسکیں۔ تو ان خرافات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہوئے گذشتہ آیات میں مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ یہ بد بخت آپ کو کیا کہتے ہیں۔ یہ بیہودہ بکتے ہیں۔ گمراہ ہیں اور راہِ راست نہیں پاسکتے۔ آگے اسی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید مخاطبت ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے خزانہ میں کیا کمی ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ چاہے تو ایک باغ کیا بہت سے باغات عطا فرما دے بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغ و نہریں۔ اور حور و قصور اور عالی شان محلات ملنے والے ہیں وہ سب ابھی آپ کو دنیا میں عطا کردے۔ جن چیزوں کو کفار عجیب و غریب سمجھتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے اعتبار سے بہت حقیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بھی کچھ مشکل نہ تھا کہ وہ اپنے رسول کو دولت کے خزانے دے دیتے۔ یا بڑی سے بڑی حکومت و سلطنت کا مالک بنا دیتے جیسا کہ پہلے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو ایسی دولت اور بے مثال حکومت عطا فرما کر اپنی اس قدرت کاملہ کا اظہار بھی کیا جاچکا ہے۔ مگر خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیری کو امیری پر ترجیح دی اور اپنے لئے مسکینی ہی کی حالت کو پسند فرمایا۔ احادیث میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے لئے پورے بطحائے مکہ اور اس کے پہاڑوں کو سونا بنائے دیتا ہوں۔ تو میں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں یہ نہیں چاہتا مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے ایک روز پیٹ بھر کر کھانا ملے اور ایک دن بھوکا رہوں۔ اور جب بھوکا رہوں تو تیری طرف رجوع کروں اور گڑگڑاؤں اور تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھروں تو تیری حمد و ثنا بیان کروں اور تیرا شکر کروں۔ اور ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ پھرا کرتے۔ اور اس قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیری کو امیری پر ترجیح دی اور ان سب سے مقصود امت کی تعلیم و تفہیم تھی کہ دنیاوی ثروت فتنہ ہے اس میں نہ پڑیں بلکہ آخرت کی فکر کریں۔ اور انبیاء علیہم السلام کا عام طور پر فقر و فاقہ میں رہنا اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتوں اور عام انسانوں کی مصالح کی بنا پر تھا۔ اور اس فقر و فاقہ میں بھی وہ مجبور نہیں تھے اگر وہ چاہتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بڑا مالدار اور صاحب ثروت اور صاحبِ جائیداد بنا دیتے مگر حق تعالیٰ نے ان حضرات کی طبیعت ہی کو ایسا بنایا کہ وہ مال و دولت سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رکھتے تھے۔ غرضیکہ بتلایا جارہا ہے کہ ان کفار و معاندین کے اگر سارے مطالبات اور فرمائشیں بھی پوری کردی جاتیں تب بھی یہ حق و صداقت کو قبول کرنے والے نہ تھے اور وہ جن باتوں یا چیزوں کا مطالبہ کرتے تھے وہ فی الحقیقت طلبِ حق کی نیت سے نہیں۔ محض شرارت اور عناد سے یہ بک رہے ہیں۔ اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انہیں ابھی تک قیامت اور سزا و جزا پر یقین نہیں آیا۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے جھٹلانے سے کچھ نہیں بنتا۔ قیامت آکر رہے گی اور ان مکذبین کے لئے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں انہیں ضرور رہنا پڑے گا۔ اور اس دوزخ کا یہ حال ہوگا کہ جب محشر میں لائی جائے گی تو جہنمیوں کو دور سے دیکھ کر جوش میں بھر جائے گی اور اس کی غضبناک آوازوں اور خوفناک پھنکاروں سے بڑے بڑے دلیروں کے پتے پانی ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں ایک قسم کی حیات اور ایک قسم کا شعور رکھا ہے۔ قیامت کے دن جب کافروں کو دیکھے گی تو غیظ و غضب سے بھڑک اٹھے گی۔ جیسے شیر دھاڑتا ہے اور غصہ میں مزید غضبناک ہوجاتا ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ جب میدان حشر میں حساب کتاب کے لئے سب جمع ہو جائیں گے تو جنت اور دوزخ کے حاضر ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ کو اس جگہ سے جہاں اس کو خدا نے پیدا کیا ہے لایا جائے گا اس طرح کہ اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ ۷۰ ہزار فرشتوں کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ فرشتے اس کو کھینچتے ہوئے لائیں گے اس حالت میں کہ اس میں سے آگ کے شعلے چنگاریاں بڑے بڑے محلوں کی مقدار میں اونٹوں کی قطار کے مانند پے در پے اٹھتی ہوں گی اور نہایت مہیب آوازوں کے ساتھ تسبیح کرتی ہوں گی۔ اور جن و انس اور بتوں کو اپنے لئے بطور غذا طلب کرتی۔ ہوگی جس کو سن کر لوگ لرز جائیں گے اور مارے ڈر کے زانو کے بل گر پڑیں گے۔ دوزخ کی گرمی اور بدبو اس قدر ہوگی کہ ستر سال کی مسافت تک پہنچتی ہوگی۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کی آگ کو ایک ہزار برس دہکایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی۔ پھر اس کو ایک ہزار برس اور دہکایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی۔ پھر ایک ہزار برس اور جلایا گیا یہاں تک وہ سیاہ ہوگئی۔ اب وہ سیاہ اور تاریک ہے۔ (العیاذ باللہ)۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دوزخ میں ہر مجرم کے لئے خاص جگہ ہوگی جہاں سے ہل نہ سکے گا اور ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے اس وقت مصیبت سے گھبرا کر موت کو پکاریں گے کہ کاش موت آ کر ہماری ان دردناک مصائب کا خاتمہ کر دے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو کیونکہ ایک موت کے پکارنے سے تمہاری مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ جہنم میں تو انواع و اقسام عذاب کا کوئی شمار نہیں جو ایک موت اور ایک ہلاکت سے ختم ہو جائیں۔ لہٰذا تم ہزار ہا بار موت کو پکارتے رہو کتنا ہی پکارو تمہاری سب پکار بے فائدہ اور بے کار ہے آگے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ ان منکرین کو یہ مصیبت سنا کر کہئے کہ یہ بتلاؤ کہ کیا یہ مصیبت کی حالت اچھی ہے جو کہ مقتضا ہے تمہارے کفر و انکار کا یا وہ ہمیشہ کے رہنے کی جنت اچھی ہے جس کا خدا نے اہل ایمان سے وعدہ کیا ہے اور جہاں ان کو ہر وہ چیز ملے گی جس کو ان کا دل چاہے گا اور پھر یہ کہ ان ابدی راحتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ من مانی نعمتیں۔ ابدی لذتیں۔ اور دائمی مسرتیں ان کے لئے موجود ہیں۔ عمدہ کھانے۔ اچھے بچھونے۔ بہترین سواریاں، پرتکلف لباس۔ بڑے بڑے محلات۔ پاکیزہ حوریں۔ پھر کسی نعمت کے خراب ہو جانے کم ہو جانے یا ختم ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔ ہمیشگی کی دولت انہیں حاصل ہوگی۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا انعام واحسان ہے جو اہل جنت پر ہوگا۔ یہ رب کریم کا وعدہ ہے جو اس نے اپنے ذمہ کر لیا ہے جو ہو کر رہنے والا ہے اور یقیناً پورا کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں کفار ومشرکین کو ترہیب اور وعید کے بعد ترغیب ایمان بھی دے دی گئی۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر کفار کے شبہات واعتراضات کے جواب دیتے ہوئے بل کذبوا بالساعۃ جو فرمایا یعنی یہ کفار منکرین قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ انکار رسالت کا اصل سبب انکار قیامت ہے۔ اور تکذیب نبوت کی حقیقی وجہ تکذیب حشر وحساب کتاب ہے۔ اقرار قیامت کے بعد ضرورت نبوت بالکل ظاہر ہے۔ اس لئے آگے مشرکوں اور کافروں کو قیامت کے دن کی ملامت وندامت کا حال ان کو سنایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ

اور جس روز اللہ تعالیٰ ان (کافر) لوگوں کو اور جن کو وہ لوگ خدا کے سوا پوجتے تھے اُن کو جمع کرے گا پھر فرماوے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا

اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ

یا یہ خود ہی راہ سے گمراہ ہوگئے تھے وہ عرض کریں گے کہ معاذ اللہ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارسازوں کو تجویز کرتے ولیکن آپ نے ان کو

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا

اور ان کے بڑوں کو آسودگی دی یہانتک کہ وہ آپکی یاد کو بھلا بیٹھے اور یہ لوگ خود ہی برباد ہوئے۔لو تمہارے ان معبودوں نے تو تم کو تمہاری باتوں میں جھوٹا ٹھہرادیا

تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

سو تم نہ تو خود (عذاب کو) ٹال سکتے ہو اور نہ مدد دیئے جاسکتے ہو۔اور تم میں جو ظالم ہوگا ہم اُس کو بڑا عذاب چکھائیں گے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے۔اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً اَتَصْبِرُوْنَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾

اور ہم نے تم میں ایک کو دوسرے کیلئے آزمائش بنایا ہے۔کیا تم صبر کروگے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے۔

وَيَوْمَ اور جس دن	يَحْشُرُهُمْ وہ انہیں جمع کریگا	وَمَا اور جنہیں	يَعْبُدُوْنَ وہ پرستش کرتے ہیں	مِنْ سے	دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوائے		
فَيَقُوْلُ تو وہ کہے گا	ءَاَنْتُمْ کیا تم	اَضْلَلْتُمْ تم نے گمراہ کیا	عِبَادِيْ میرے بندے	هٰٓؤُلَآءِ یہ ہیں۔ان	اَمْ هُمْ یا وہ	ضَلُّوا بھٹک گئے	
السَّبِيْلَ راستہ	قَالُوْا وہ کہیں گے	سُبْحٰنَكَ تو پاک ہے	مَا كَانَ نہ تھا	يَنْۢبَغِيْ سزاوار۔لائق	لَنَآ ہمارے لئے	اَنْ کہ	نَّتَّخِذَ ہم بنائیں
مِنْ دُوْنِكَ تیرے سوا	مِنْ کوئی	اَوْلِيَآءَ مددگار	وَلٰكِنْ اور لیکن	مَتَّعْتَهُمْ تو نے آسودگی دی انہیں	وَاٰبَآءَهُمْ اور انکے باپ دادا		
حَتّٰى یہانتک کہ	نَسُوا وہ بھول گئے	الذِّكْرَ یاد	وَكَانُوْا اور وہ تھے	قَوْمًۢا بُوْرًا ہلاک ہونیوالے لوگ	فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ پس انہوں نے تمہیں جھٹلادیا		
بِمَا تَقُوْلُوْنَ وہ جو تم کہتے تھے تمہاری بات	فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ پس اب تم نہیں کرسکتے ہو	صَرْفًا پھیرنا	وَّلَا نَصْرًا اور نہ مدد کرنا	وَمَنْ اور جو			
يَّظْلِمْ وہ ظلم کرے گا	مِّنْكُمْ تم میں سے	نُذِقْهُ ہم چکھائیں گے اسے	عَذَابًا عذاب	كَبِيْرًا بڑا	وَمَا اور نہیں	اَرْسَلْنَا بھیجے ہم نے	
قَبْلَكَ تم سے پہلے	مِنَ سے	الْمُرْسَلِيْنَ رسول	اِلَّآ مگر	اِنَّهُمْ وہ یقیناً	لَيَاْكُلُوْنَ البتہ کھاتے تھے	الطَّعَامَ کھانا	وَيَمْشُوْنَ اور چلتے پھرتے تھے
فِي الْاَسْوَاقِ بازاروں میں	وَجَعَلْنَا اور ہم نے کیا۔بنایا	بَعْضَكُمْ تم میں سے بعض کو (کسی کو)	لِبَعْضٍ بعض (دوسروں کیلئے)				
	فِتْنَةً آزمائش	اَتَصْبِرُوْنَ کیا تم صبر کروگے	وَكَانَ اور ہے	رَبُّكَ تمہارا رب	بَصِيْرًا دیکھنے والا		

تفسیر وتشریح:۔ کفار ومشرکین جو کہ قیامت اور حشر ونشر۔ جزاوسزا۔ جنت اور دوزخ کے منکر تھے ان کے متعلق گذشتہ آیات میں

بتلایا گیا تھا کہ آج تو یہ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں لیکن قیامت میں ان کے لئے جہنم تیار رکھی ہے۔ جس میں یہ اپنے انکار اور کفر کی وجہ سے ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر وہاں کے عذاب و مصائب کی وجہ سے موت ہی موت پکاریں گے۔ مگر پھر موت بھی وہاں کہاں۔ وہ تو عذابِ دائمی ہوگا۔

الٰہی کفار و مشرکین کے متعلق مزید ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن جب سب کا حشر نشر ہوگا اور سب کو خداوند قدوس کے سامنے جمع کیا جائے گا تو کفار و مشرکین کی حسرت میں اضافہ کرنے اور ان کے غم و اندوہ کو بڑھانے کے لئے خداوند تعالیٰ مشرکوں کے مواجہ میں ان کے معبودوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے سوا اپنی پرستش کے لئے ان جاہلوں کو حکم دیا تھا یا یہ خود تمہاری دعوت کے بغیر تمہاری بندگی و پرستش کر کے گمراہ ہوئے؟ مشرکوں کے معبود جواباً عرض کریں گے۔ پروردگار تو ہر طرح کے شرک سے پاک ہے ہم کو یہ اختیار ہی کہاں تھا کہ ہم اپنے پرستار بناتے اس لئے ہم ان کو اپنا پرستار کیسے بنا سکتے تھے کہ آپ کو چھوڑ کر ہم کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھیں۔ ان کی گمراہی کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ عیش و آرام میں پڑ کر اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر آپ کی یاد کو بھلا بیٹھے۔ کسی نصیحت پر کان نہ دھرا۔ پیغمبروں کی ہدایت و ارشادات کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کرلیں اور دنیوی تمتع پر مغرور ہو گئے۔ آپ نے اپنی نوازش سے جس قدر ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کے فائدے پہنچائے یہ اسی قدر غفلت اور نسیان میں ترقی کرتے گئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ انعامات الٰہیہ کو دیکھ کر منعم حقیقی کی بندگی اور شکر گزاری اختیار کرتے الٹے مغرور اور کفر و عصیاں پر تل گئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتے وغیرہ کہیں گے جن کو دنیا والوں نے اپنا معبود بنایا تھا۔ حاصل جواب کا یہ ہے کہ ان کفار و مشرکین کو ہم نے گمراہ نہیں کیا اور نہ ان کو گمراہی کی دعوت دی بلکہ یہ لوگ خود گمراہ ہوئے۔ اس پر حق تعالیٰ مشرکوں سے فرمائیں گے۔ لو! جن کی اعانت پر تم کو بڑا بھروسہ تھا اور جن کو تم اپنا کارساز اور دین دنیا میں اپنا مددگار جانتے اور اپنا حامی کہتے تھے وہ خود تمہارے دعوے کو جھٹلا رہے ہیں اور تمہاری حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں جس سے تمہارا اجرم پوری طرح واضح ہوگیا۔ اب عذابِ الٰہی کو نہ تم پھیر سکتے ہو نہ بات کو پلٹ سکتے ہو۔ نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو۔ اب جو سزا ملنے والی ہے اس کا پڑے ہوئے مزہ چکھتے رہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کفار و مشرکین کا اعتراض یہ گذشتہ آیات میں نقل ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بازاروں میں آمد و رفت اور ضروریات کی تکمیل کو کفار نبوت کے خلاف سمجھتے تھے۔ آپ کا کھانا پینا بھی ان کی نظروں میں شان نبوت کے خلاف تھا۔ پھر افلاس اور فقر کو بھی وہ مانع نبوت جانتے تھے۔ ان اعتراضات کو دفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں دو جواب دیئے۔ ایک الزامی دوسرا برہانی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور انبیاء و مرسلین بھی گزرے ہیں لیکن لوازمِ بشریت سب میں موجود تھے۔ کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ اور کسی کے پاس غیبی خزانہ نہ تھا۔ نہ فرشتہ ساتھ ساتھ ندا کرتا پھرتا تھا۔ تو جب قدرت کا یہی دستور العمل ہے تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر نئی بات پیدا ہونے کی تم کیوں خواستگاری کرتے ہو۔ آگے برہانی جواب ہے کہ اگر خدا چاہتا تو کفار کے درخواست کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دولت مند اور خزانہ غیب کا حامل بنا دیتا۔ نیز یہ بھی ممکن تھا کہ فرشتہ ہر وقت تصدیق رسول کے لئے آپ کے

ساتھ رہتا۔ غرض ہر فرمائش کو پورا کرنا ممکن تھا مگر امتحان انسانی جو اصل مقصد تھا وہ فوت ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہے کہ بندوں کی آزمائش کرے اور انبیاء کی تصدیق و تکذیب کو معیار امتحان قرار دے۔ یہ دنیا دارِ امتحان ہے۔ یہاں انسانوں میں سے ہر گروہ اور ہر شخص دوسرے کے لئے سبب آزمائش ہے امیروں کی آزمائش غریبوں سے ہے۔ غریبوں کی آزمائش امیروں سے ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے اسی دنیا دارِ امتحان میں کسی کو مالدار بنایا کسی کو غریب و مفلس کسی کو حاکم بنایا۔ کسی کو محکوم۔ کسی کو تندرست بنایا۔ کسی کو بیمار۔ کسی کو قوی بنایا کسی کو ضعیف۔ اس اختلاف و تفاوت میں ہر طبقے کا امتحان اور آزمائش ہے۔ غنی کے شکر کا اور غریب کے صبر کا امتحان ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہدایت یہ ہے کہ جب تمہاری نظر کسی ایسے شخص پر پڑے جو مال و دولت میں تم سے زیادہ ہے یا صحت و قوت اور عزت و جاہ میں تم سے بڑا ہے تو تم فوراً ایسے لوگوں پر نظر کرو جو ان چیزوں میں تم سے کم حیثیت رکھتے ہیں تا کہ تم حسد کے گناہ سے بھی بچ جاؤ اور اپنی موجودہ حالت میں اللہ تعالیٰ کے شکر کرنے کی توفیق ہو۔ اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو صبر و استقلال کی تلقین فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ کافروں کا کفر اور ایذا دہی اور صابروں کا صبر و تحمل سب حق تعالیٰ کی نظر میں ہے۔ ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل ملے گا۔

الغرض یہاں تک منکرین نبوت کے بعض شبہات و اعتراضات کے جواب دیئے گئے اب ان ہی منکرین نبوت کا ایک شبہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتے کیوں نہیں نازل کئے جو ہمارے سامنے آکر نبوت و رسالت کی شہادت دیتے کہ یہ شخص دعوائے نبوت میں صادق ہے یا ہم بلا واسطہ اللہ کو دیکھتے اور بلا واسطہ خود اللہ تعالیٰ سے ان کی نبوت کی بابت پوچھ لیتے اور اللہ تعالیٰ ہم کو خود بتلا دیتے کہ یہ شخص میرا نبی ہے۔ تو اس جاہلانہ اور احمقانہ اور گستاخانہ اور مغرورانہ اعتراض و شبہ کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے اگلی آیات میں دیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں 19 ویں پارہ کی ابتداء سے ہوگا۔ الحمدللہ کہ ان آیات پر ۱۸ ویں پارہ کا بیان پورا ہو گیا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ایمان اور اسلام کی برکت سے حشر میں ہم سب کو سرخروئی اور کامرانی نصیب فرمائیں۔ اور میدانِ حشر کی ذلت اور رسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھیں۔

یا اللہ! ہم کو دنیا میں جو کچھ آپ عطا فرمائیں اس کو اپنے ذکر و فکر کا ذریعہ بنائیں۔ اور اس دنیا دار آزمائش سے ہم کو کامیابی کے ساتھ دار آخرت میں جانا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! میدانِ حشر میں ہم کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے مومنین مخلصین کے ساتھ کھڑا ہونا نصیب فرمائیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین کے ساتھ اپنے انعام و اکرام سے ہم سب کو نواز دیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ

وَقَالَ الَّذِیْنَ

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ

اور جولوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے۔یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں یہ لوگ

اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ

اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد سے بہت دُور نکل گئے ہیں۔جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے۔اُس روز مجرموں کیلئے

لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور کہیں گے کہ پناہ ہے پناہ ہے۔اور ہم ان کے اُن کاموں کی طرف جو کہ وہ (دنیا میں) کر چکے تھے متوجہ ہوں گے

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ

سو ان کو ایسا کردیں گے جیسے پریشان غبار۔اہل جنت اُس روز قیام گاہ میں بھی اچھے رہیں گے اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ہوں گے۔اور جس روز آسمان ایک بدلی

السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۣ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى

پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے بکثرت اُتارے جاویں گے۔اُس روز حقیقی حکومت (حضرت) رحمٰن کی ہوگی۔اور وہ کافروں پر بڑا سخت دن ہوگا۔

الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ

اور جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاویگا۔کہے گا کیا اچھا ہوتا میں رسولؐ کے ساتھ راہ پر لگ لیتا۔

سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ

ہائے میری شامت کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا اُس نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے اس سے بہکا دیا

جَآءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا

اور شیطان تو انسان کو امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے۔اور رسولؐ کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! میری قوم نے اِس قرآن

هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔اور ہم اسی طرح مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے ہیں۔اور ہدایت کرنے کو

هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

اور مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے۔

وَقَالَ اور کہا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	لَا يَرْجُوْنَ وہ امید نہیں رکھتے	لِقَآءَنَا ہم سے ملنا	لَوْلَا کیوں نہ	اُنْزِلَ اتارے گئے	عَلَيْنَا ہم پر	
الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے	اَوْ نَرٰى یا ہم دیکھ لیتے	رَبَّنَا اپنا رب	لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا تحقیق انہوں نے بڑا کیا	فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ اپنے دلوں میں			
وَعَتَوْ اور انہوں نے سرکشی کی	عُتُوًّا كَبِيْرًا بڑی سرکشی	يَوْمَ جس دن	يَرَوْنَ وہ دیکھیں گے	الْمَلٰٓئِكَةَ فرشتے	لَا بُشْرٰى نہیں خوشخبری		
يَوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُجْرِمِيْنَ مجرموں کیلئے	وَيَقُوْلُوْنَ اور وہ کہیں گے	حِجْرًا کوئی آڑ ہو	مَّحْجُوْرًا روکی ہوئی	وَقَدِمْنَآ اور ہم آئے متوجہ ہونگے		
اِلٰى طرف	مَا عَمِلُوْا جو انہوں نے کئے	مِنْ عَمَلٍ کوئی کام	فَجَعَلْنٰهُ تو ہم کردینگے انہیں	هَبَآءً غبار	مَّنْثُوْرًا بکھرا ہوا (پراگندہ)		
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ بہشت والے	يَوْمَئِذٍ اس دن	خَيْرٌ بہت اچھا	مُّسْتَقَرًّا ٹھکانہ	وَّاَحْسَنُ اور بہترین	مَقِيْلًا آرام گاہ	وَيَوْمَ اور جس دن	
تَشَقَّقُ پھٹ جائیگا	السَّمَآءُ آسمان	بِالْغَمَامِ بادل سے	وَنُزِّلَ اور اتارے جائینگے	الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے	تَنْزِيْلًا بکثرت اترنا	اَلْمُلْكُ بادشاہت	
يَوْمَئِذِ اس دن	الْحَقُّ سچی	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کیلئے	وَكَانَ اور ہے۔ ہوگا	يَوْمًا وہ دن	عَلَى الْكٰفِرِيْنَ کافروں پر	عَسِيْرًا سخت	وَيَوْمَ اور جس دن
يَعَضُّ کاٹ کھائے گا	الظَّالِمُ ظالم	عَلٰى يَدَيْهِ اپنے ہاتھوں کو	يَقُوْلُ وہ کہے گا	يٰلَيْتَنِيْ اے کاش! میں	اتَّخَذْتُ پکڑ لیتا	مَعَ الرَّسُوْلِ رسول کیساتھ	
سَبِيْلًا راستہ	يٰوَيْلَتٰى ہائے میری شامت	لَيْتَنِيْ کاش میں	لَمْ اَتَّخِذْ نہ بناتا	فُلَانًا فلاں کو	خَلِيْلًا دوست	لَقَدْ اَضَلَّنِيْ البتہ اس نے مجھے بہکایا	
عَنِ الذِّكْرِ نصیحت سے	بَعْدَ اِذْ اسکے بعد جب	جَآءَنِيْ میرے پاس پہنچ گئی	وَكَانَ اور ہے	الشَّيْطٰنُ شیطان	لِلْاِنْسَانِ انسان کو		
خَذُوْلًا کھلا چھوڑ جانے والا	وَقَالَ اور کہے گا	الرَّسُوْلُ رسول	يٰرَبِّ اے میرے رب	اِنَّ بیشک	قَوْمِي میری قوم	اتَّخَذُوْا ٹھہرالیا انہوں نے	
هٰذَا الْقُرْاٰنَ اس قرآن کو	مَهْجُوْرًا متروک (چھوڑنے کے قابل)	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	جَعَلْنَا ہم نے بنائے	لِكُلِّ نَبِيٍّ ہر نبی کیلئے	عَدُوًّا دشمن		
مِنَ سے	الْمُجْرِمِيْنَ مجرموں گنہگاروں	وَكَفٰى اور کافی ہے	بِرَبِّكَ تمہارا رب	هَادِيًا ہدایت کرنیوالا	وَّنَصِيْرًا اور مددگار		

تفسیر وتشریح:۔ الحمد للہ گذشتہ درس پر اٹھارویں پارہ کا بیان پورا ہوگیا تھا اب انیسواں پارہ شروع ہورہا ہے۔ گذشتہ سے مضمون کفار ومشرکین کے اعتراضات اور اس کی تردید کا بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔ اسی سلسلہ میں ان آیات میں بعض مزید اعتراضات اور ان کے جوابات ارشاد فرمائے جاتے ہیں۔ اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار ومشرکین جن کو یہ امید نہیں کہ ایک روز خداوند قدوس کے روبرو حاضر ہوکر حساب کتاب دینا ہے۔ وہ سزا کے خوف سے بالکل بے فکر ہوکر معاندانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے بکتے ہیں مثلاً یہ کفار کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اترے یا فرشتہ آ کر ہم سے تصدیق کرے کہ یہ خدا کے رسول ہیں۔ یا خدا تعالیٰ سامنے آ کر ہم سے ہم کلام ہو اور ہم خدا کو دیکھیں اور خود خدا ان کے دعویٰ رسالت کی تائید و تصدیق کردے۔ کفار کے ان اعتراضات کے جواب میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے گمان میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے جو وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا رکھتے ہیں اور شرارت اور سرکشی کی حد ہوگئی کہ باوجود ایسی سیہ کاریوں کے دنیا میں ان آنکھوں سے خداوند قدوس کو دیکھنے اور شرف ہم کلامی سے مشرف ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ گھبراؤ نہیں ایک دن آنے والا ہے جب فرشتے تم کو نظر آئیں گے لیکن ان کے دیکھنے سے تم جیسے مجرموں کو کچھ خوشی حاصل نہ ہوگی بلکہ سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہوگا حتیٰ کہ جو لوگ اس وقت فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ہیں اس وقت پناہ طلب کریں گے اور چاہیں گے کہ ان کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی آڑ یا روک قائم

ہو جائے کہ وہ ان تک نہ پہنچ سکیں۔ لیکن خدا کا فیصلہ کب رک سکتا ہے۔ اور دنیا میں ان کفار و مشرکین نے جو بھلے کام اپنے زعم کے موافق کئے ہیں اور جن پر انہیں بڑا بھروسہ ہے ہم قیامت میں قطعاً انہیں ملیامیٹ کر دیں گے اور اس طرح بے حقیقت کر کے اڑا دیں گے جیسے خاک کے حقیر ذرات ہوا میں ادھر ادھر اڑ جایا کرتے ہیں یعنی ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ یہ لوگ تو اس روز مصیبت میں گرفتار ہوں گے اور جن اہل ایمان کی دنیا میں ہنسی اڑاتے ہیں وہ جنت کی آرام گاہ میں خوب مزے کے ساتھ ہوں گے اور وہاں کی راحت و عیش و آرام اٹھا رہے ہوں گے۔ آگے قیامت کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن آسمانوں کے پھٹنے کے بعد اوپر سے بادل کی طرح ایک چیز اترتی نظر آئے گی جس میں حق تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ہوگی اور اس کے ساتھ بے شمار فرشتوں کا ہجوم ہوگا اور آسمانوں کے فرشتے اس روز لگا تار مقام محشر کی طرف نزول فرمائیں گے۔ اس دن لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اصلی بادشاہت کس چیز کا نام ہے۔ یہ اصلی بادشاہت ایسی ہوگی کہ اس میں کسی کا حکم نہ چلے گا۔ اور ظاہراً و باطناً صورۃً و معنیً صرف حضرت رحمٰن یعنی اللہ عزوجل کی بادشاہت ہوگی اور اسی کا حکم چلے گا۔ پھر جب حضرت رحمٰن کی حکومت ہوئی تو جو مستحق رحمت ہیں ان کے لئے رحمت کی کیا کمی۔ بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے مگر باوجود ایسی لامحدود رحمت کے کافروں کے لئے وہ دن بڑی مشکل اور مصیبت کا ہوگا اور باوجود اللہ کے رحمٰن ہونے کے منکرین اس کی رحمت سے محروم ہوں گے۔ آگے اللہ اور اس کے رسول پر دنیا میں ایمان نہ لانے والوں کی حسرت و ندامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جو قیامت کے دن ان کو حاصل ہوگی۔ کافر اس دن مارے حسرت و ندامت کے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور افسوس کرے گا کہ میں نے کیوں دنیا میں خدا کے رسول کا بتلایا ہوا راستہ اختیار نہ کیا۔ اور کیوں میں دنیا میں ان کا ساتھی بنا رہا جو اپنی خواہش پوری کرنے کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے اور کیوں میں شیاطین الانس والجن کے بہکائے میں آ گیا جو آج یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ افسوس ایسوں کو میں نے دوست کیوں سمجھا۔ کاش میرے اور ان کے درمیان دنیا میں کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوئی ہوتی پیغمبر کی نصیحت مجھ کو پہنچ چکی تھی جو ہدایت کے لئے کافی تھی اور امکان تھا کہ میرے دل میں گھر کرے مگر اس کم بخت کی دوستی نے تباہ کیا اور دل کو ادھر متوجہ نہ ہونے دیا۔ بیشک شیطان بڑا دغاباز ہے۔ آدمی کو عین وقت پر دھوکا دیتا اور رسوا کرتا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے کافروں کی شکایت کے طور پر کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری اس قوم نے اس قرآن کو جو کہ واجب العمل تھا بالکل نظر انداز کر رکھا تھا اور التفات ہی نہ کرتے تھے۔ انہوں نے قرآن جیسی کتاب کو العیاذ باللہ لغو اور بےہودہ سمجھ رکھا تھا کبھی اس کو سحر کہتے اور کبھی پرانے قصہ و کہانیاں۔ اس طرح ان اشقیا نے قرآن جیسی کتاب کو بالکل متروک اور مہجور کر چھوڑا تھا۔

یہاں ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک تنبیہ لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے۔ تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا۔ اس میں تدبر نہ کرنا۔ اس پر عمل نہ کرنا۔ اس کی تلاوت نہ کرنا۔ اس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا۔ اس کے احکام سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ:

"آیت سے ظاہر یہ ہے کہ قرآن کو مہجور اور متروک کر دینے سے مراد قرآن کا انکار ہے جو کفار ہی کا کام ہے۔ مگر بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جو مسلمان قرآن پر ایمان تو رکھتے

ہیں مگر نہ اس کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرنے کی۔ وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا کہ نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی نہ اس کے احکام میں غور کیا۔ قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندے نے مجھے چھوڑ دیا۔ اب اس کے اور میرے معاملہ کا فیصلہ فرمائیں۔''

تو غور کا مقام ہے کہ حشر کے میدان میں جب شافع محشر دربار خداوندی میں یہ شکایت فرمائیں گے کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا اور قرآن کریم فریاد کرے گا کہ مجھے چھوڑ دیا گیا تھا تو اس وقت کیا تدارک اور کیا تدبیر ہو سکے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس الزام اور قرآن کریم کی اس شکایت سے بچنے کی اور کیا صورت ہوگی خداوند قدوس ذوالجلال والاکرام کی گرفت سے بچنے کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس قرآن کریم کی طرف سے ہماری آنکھیں اس دنیا میں کھول دے اور اس کے حقوق کو پہچاننے اور ان کے ادا کرنے کی توفیق اور سمجھ عطا فرمادے اور قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی اور ندامت سے بچالے۔ آمین۔ یہاں ان آیات کے اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی جاتی ہے کہ جس طرح یہ منکرین آپ سے عداوت کرتے ہیں ایسے ہی مجرم ہر نبی سے عداوت کرتے رہے ہیں یعنی یہ سنت قدیمہ ہے کہ کفار انبیاء کے ساتھ عداوت کرتے رہے ہیں۔ سو یہ کوئی نئی بات نہیں کہ جس کا غم کیا جائے۔ قوم کی دشمنی اور سرتابی فقط آپ ہی کے ساتھ نہیں۔ آپ سے پہلے بھی ہر نبی کا کوئی نہ کوئی کافر ضرور دشمن رہا ہے اس لئے قوم کی دشمنی پر صبر کریں جیسا کہ دوسرے انبیاء نے صبر کیا۔ ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ جس کو چاہے گا ہدایت کر دے گا اور جن کو ہدایت نصیب نہ ہوگی ان سب کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرے گا۔

یہاں ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ غلط کار اور بے دین دوستوں کی دوستی قیامت کے روز حسرت و ندامت کا باعث ہوگی۔ ان آیات میں یہ بتلایا ہے کہ جو دو دوست کسی معصیت اور گناہ پر جمع ہوں اور خلاف شرع امور میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے ہوں ان سب کا یہی حکم ہے کہ قیامت کے روز اس گہرے دوست کی دوستی پر روئیں گے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر انسان (عادۃً) اپنے دوست کے دین اور طریقہ پر چلا کرتا ہے اس لئے دوست بنانے سے پہلے خوب غور کر لیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک موقع پر دریافت کیا گیا کہ ہمارے مجلسی دوستوں میں کون لوگ بہتر ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا ''وہ شخص جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارا علم بڑھے اور جس کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو۔'' غور کیجئے! یہ ہے دوستی کا معیار۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں برے ساتھیوں سے ہمیں بچائیں اور صالح ومتقی ساتھی اور دوست عطا فرمائیں۔ آمین۔

ابھی آگے بعض دیگر اعتراض کفار کے نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اے اللہ قیامت کے روز ہم کو اپنے رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہونا نصیب فرمائیے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

27

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ

اور کافرلوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر یہ قرآن دفعتہً واحدۃً کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اِس طرح (تدریجاً) اسلئے ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے

فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝ اَلَّذِيْنَ

آپکے دل کوقوی رکھیں اور ہم نے اسکو بہت ٹھیرا (ٹھیرا) کرا تارا ہے۔ اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپکے سامنے پیش کریں مگر ہم ٹھیک جواب اور وضاحت میں بڑھا ہوا

يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

آپ کوعنایت کردیتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جواپنے مونہوں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جاویں گے یہ لوگ جگہ میں بھی بدتر ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں۔

وَقَالَ اور کہا	اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفرکیا کافر	لَوْلَا کیوں نہ	نُزِّلَ نازل کیا گیا	عَلَيْهِ اس پر	الْقُرْاٰنُ قرآن	جُمْلَةً وَّاحِدَةً ایک ہی بار
كَذٰلِكَ اسی طرح	لِنُثَبِّتَ تاکہ ہم قوی کریں	بِهٖ اس سے	فُؤَادَكَ تمہارا دل	وَرَتَّلْنٰهُ اور ہم نے اسکو پڑھا	تَرْتِيْلًا ٹھہر ٹھہر کر	
وَلَا يَاْتُوْنَكَ اور وہ نہیں لاتے تمہارے پاس	بِمَثَلٍ کوئی بات	اِلَّا مگر	جِئْنٰكَ ہم پہنچادیتے ہیں تمہیں	بِالْحَقِّ ٹھیک (جواب)	وَاَحْسَنَ اور بہترین	
تَفْسِيْرًا وضاحت	اَلَّذِيْنَ جولوگ	يُحْشَرُوْنَ جمع کئے جائیں گے	عَلٰى پر۔ بل	وُجُوْهِهِمْ اپنے منہ	اِلٰى جَهَنَّمَ جہنم کی طرف	اُولٰٓئِكَ وہی لوگ
شَرٌّ بدترین	مَّكَانًا مقام	وَّاَضَلُّ اور بہت بہکے ہوئے	سَبِيْلًا راستے سے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات سے یہی سلسلۂ مضمون چل رہا ہے کہ کفار کے اعتراضات نقل فرما کران کا ردفرمادیا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں کفار کا ایک مزید اعتراض ان آیات میں نقل فرما کر اس کا جواب بھی دیا جاتا ہے۔ کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جونبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو اگر واقعی میں نبی ہیں تو دوسری کتابوں جیسے توریت۔ انجیل وغیرہ کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اُتارا گیا۔ برسوں میں جوتھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا تو کیا اللہ میاں کو کچھ سوچنا پڑتا تھا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سوچ سوچ کر بناتے ہیں۔ پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں اور خدا کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ کفار کے اس اعتراض کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں یہ واقعی متفرق طور پر اترا ہے اور اس کو ہم نے ٹھہرا ٹھہرا کر نازل کیا ہے۔ تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کے دل کوقوی رکھیں۔ یہ مختصر چند الفاظ میں جواب ہے مگر مفسرین نے اس کی بہت کچھ تشریح فرمائی ہے۔ قرآن پاک کا نزول ۲۳ سال میں پورا ہوا ہے جیسی جیسی ضرورت پڑتی گئی۔ جو جو واقعات ہوتے رہے۔ اسی کے مطابق احکام وغیرہ نازل ہوتے رہے اگر غور کیا جائے تو اس طرح تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں بہت سے فوائد ہیں جو دفعتہً نازل کرنے کی صورت میں پوری طرح حاصل نہ ہوتے۔ مثلاً اس صورت میں قرآن کا حفظ کرنا زیادہ آسان ہوا۔ سمجھنے میں سہولت رہی۔ کلام پوری طرح منضبط ہوتا رہا۔ اور موقع بموقع جو احکام واوامر ونواہی آتے رہے اہل ایمان ان کی تفاصیل پر مطلع ہوتے رہے۔ ہر آیت وسورت کی جداگانہ شان نزول کو دیکھ کر اس کا صحیح مطلب متعین کرنے میں مدد ملی۔ ہر ضرورت کے وقت ہر بات کا بروقت جواب ملتے رہنے

سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کے قلوب تسکین پاتے رہے۔ اس سلسلہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بار بار آنا جانا ہوا جو مستقل ایک برکت تھی۔ نیز قرآن کریم کی بہت سی آیتیں مشرکین کے اعتراضات کے جوابات میں نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ جواب۔ سوال اور اعتراض کے بعد ہوتا ہے اور اعتراض کے بعد شافی جواب کامل جانا خاص بصیرت اور معرفت کا سبب ہوتا ہے۔ نیز بہت سی آیتیں نئے واقعات کے فیصلہ کے متعلق نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ فیصلہ تو واقعہ کے وقوع کے بعد ہی ہوگا۔ نیز قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا اور آپ کفار سے یہ کہتے کہ اگر تم کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شبہ ہے تو ایک ہی سورت اس کے مثل بنالاؤ۔ جب کوئی سورۃ نازل ہوتی تو ہر بار قرآن کا اعجاز اور ان کا عجز ظاہر ہوتا اور اس طرح قرآن کی حقانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا بار بار اظہار ہوتا۔ پھر جب کفار کوئی اعتراض یا ناگوار معاملہ کرتے تب ہی آپ کی تسلی نازل ہوجاتی۔ اس میں زیادہ تقویت قلب کی ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک کتاب آدمی کے پاس ہو اور وقت پر اس میں سے مضمون تلاش کر کے کام میں لاوے۔ پھر تعلیم کا کمال یہ ہے کہ متعلم پر بار نہ ہو اور رفتہ رفتہ اس کی جہالت دور ہوجائے یہی وجہ ہے کہ ماہرین تعلیم بچوں کو ایسی تدریجی تعلیم دیتے ہیں کہ بچوں کی دلچسپی باقی رہے۔ اور شوق میں اضافہ ہوتا رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ علم میں بھی ترقی ہو۔ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قوموں کو آہستہ آہستہ سدھارنے کی کوشش کی اور تدریجی وحی کے ذریعہ ان کے احوال واعمال کی اصلاح کی۔

بعض خاص حالات میں قوم کی انتہائی سرکشی کے پیش نظر بعض آسمانی کتابیں یکدم بھی نازل ہوگئیں اور چونکہ لوگوں پر یکدم پوری کتاب کو ماننا اور اس پر بتمامہ عمل کرنا شاق گزرا اس لئے انہوں نے کتاب الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ بنی اسرائیل کے توریت سے سرتابی کرنے کی یہی وجہ تھی جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے وہ شدید گمراہی اور تاریکی کا دور تھا۔ روئے زمین پر خدائے تعالیٰ کو حقیقی طور پر واحد و یکتا جاننے والے بالکل نہ تھے۔ اور اگر کوئی تھا بھی تو وہ کہیں گوشۂ گمنامی میں چھپا ہوا تھا۔ مشرق سے مغرب تک لوگ کفر وشرک اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے اور بدکاریوں کے اتنے خوگر ہوگئے تھے کہ برائی ان کی نظر میں برائی نہ رہی تھی بلکہ قابل فخر چیز بن گئی تھی۔ یہ خرابی اور برائی کی انتہا ہوتی ہے کہ وہ خوبی کا جامہ پہن لیتی ہے۔ ایام جاہلیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عوام وخواص کا یہی حال تھا کہ یہ رفتار ایک دو سال کی نہ تھی بلکہ قرن ہا قرن سے اسی اخلاقی بربادی اور وجدانی تباہی کی حکومت تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت اور ایسے ماحول میں یکدم انقلابات لانا۔ نظریات اور مسلمات کو بیک وقت بدلنا ناممکن نہیں تو دشوار ترین ضرور تھا۔ یہی سبب تھا کہ قرآن یکدم نازل نہ کیا گیا بلکہ رفتہ رفتہ احکام اتارے گئے کلیات اور اصول کو تدریجاً بدلا گیا۔ خرابیوں پر آہستہ آہستہ تنبیہ کی گئی۔ اور خوبیوں کی بھی تعلیم تدریجاً دی گئی مگر کوتاہ اندیش اور کج فہم معترضین اور معاندین کو یہ حقائق اور فوائد کس طرح سمجھ میں آسکتے تھے وہ لگے الٹے اعتراض کرنے کہ قرآن بتمامہ یکدم کیوں نہ اتارا گیا۔

مفسر ابن کثیرؒ نے ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ لطیفہ یہ ہے کہ قرآن کو دونوں بزرگیاں ملیں یہ ایک ساتھ پورے کا پورا قرآن لوح محفوظ سے آسمان دنیا تک پہنچا۔ پھر وہاں سے حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ آیت میں آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر کہا جاتا ہے کہ یہ کفار

جب کوئی اعتراض قرآن پر یا کوئی مثال آپ پر چسپاں کرتے ہیں تو ہماری طرف سے اس کا ٹھیک ٹھیک جواب قرآن بتلا دیتا ہے جس میں کسی قسم کا ہیر پھیر نہیں ہوتا بلکہ صاف اور واضح ہوتا ہے مگر جن کی عقل اوندھی ہوگئی ہو وہ سیدھی اور صاف بات کو بھی ٹیڑھی سمجھتے ہیں۔ پھر ایسوں کا انجام بھی آگے بتلا دیا گیا کہ قیامت کے دن ان کافروں کو اوندھے منہ جہنم کی طرف ہنکایا جائے گا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ قیامت کے دن کس طرح کافر کو منہ کے بل ہنکایا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس پاک قدرت والے نے اس کو پاؤں کے بل چلایا ہے وہ قادر ہے کہ قیامت کے دن اس کو منہ کے بل چلا دے۔ غرض یہ کہ آخرت میں ان کا ٹھکانا کفر و انکار کی وجہ سے بدترین ہوگا اور ان کی یہ گمراہی ان کو بدترین مقام یعنی جہنم میں پہنچا دے گی۔

یہاں تک مضمون توحید و رسالت کے انکار پر وعید کا تھا اب اسی توحید و رسالت کی تائید کے لئے آگے بعض گذشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کے قصص اجمالاً بیان فرمائے گئے ہیں تاکہ کفار کو تنبیہ ہو جائے کہ منکرین نبوت کس ذلت اور خواری کے ساتھ ہلاک ہوئے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو امت مسلمہ میں پیدا فرمایا اور قرآن جیسی نعمت ہم کو عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نعمت کی قدردانی اور شکرگزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور ہر طرح کی کجی و گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى

اور بتحقیق ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تھی اور ہم نے اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو معین بنایا تھا۔ پھر ہم نے حکم دیا کہ دونوں اُن لوگوں

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ

کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری دلیلوں کو جھٹلایا ہے۔ سو ہم نے اُن کو بالکل ہی غارت کر دیا۔ اور قوم نوح کو بھی ہم ہلاک کر چکے ہیں جب اُنہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا

اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟

تو ہم نے اُن کو غرق کر دیا اور ہم نے اُن کو لوگوں کیلئے ایک نشان بنا دیا اور ہم نے ظالموں کیلئے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔ اور ہم نے عاد اور ثمود

وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا

اور اصحاب الرس اور اُن کے بیچ بیچ میں بہت سی اُمتوں کو ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے ہر ایک کے واسطے عجیب عجیب مضامین بیان کئے اور ہم نے سب کو بالکل برباد ہی کر دیا۔

تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ

اور یہ اُس بستی پر ہو کر گزرے ہیں جس پر بُری طرح پتھر برسائے گئے تھے۔ سو کیا یہ لوگ اس کو دیکھتے نہیں رہتے۔ بلکہ یہ لوگ

كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾

مر کر جی اُٹھنے کا احتمال ہی نہیں رکھتے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور البتہ ہم نے دی	مُوْسٰى موسیٰ	الْكِتٰبَ کتاب	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	مَعَهٗٓ اس کے ساتھ	اَخَاهُ اس کا بھائی	هٰرُوْنَ ہارون
وَزِيْرًا وزیر معاون	فَقُلْنَا پس ہم نے کہا	اذْهَبَآ تم دونوں جاؤ	اِلَى الْقَوْمِ قوم کی طرف	الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا جنہوں نے جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتیں	
فَدَمَّرْنٰهُمْ تو ہم نے تباہ کر دیا انہیں	تَدْمِيْرًا بری طرح ہلاک	وَ اور	قَوْمَ نُوْحٍ قوم نوح	لَّمَّا كَذَّبُوا جب انہوں نے جھٹلایا	الرُّسُلَ رسول	
اَغْرَقْنٰهُمْ ہم نے غرق کر دیا انہیں	وَجَعَلْنٰهُمْ اور ہم نے بنایا انہیں	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	اٰيَةً ایک نشانی	وَاَعْتَدْنَا اور تیار کیا ہم نے	لِلظّٰلِمِيْنَ ظالموں کیلئے	
عَذَابًا ایک عذاب	اَلِيْمًا دردناک	وَّعَادًا اور عاد	وَّثَمُوْدَا۟ اور ثمود	وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ اور کنویں والے	وَقُرُوْنًا اور جماعتیں	
بَيْنَ ذٰلِكَ ان کے درمیان	كَثِيْرًا بہت سی	وَكُلًّا اور ہر ایک کو	ضَرَبْنَا ہم نے بیان کیں	لَهُ اس کیلئے	الْاَمْثَالَ مثالیں	وَكُلًّا اور ہر ایک کو
تَبَّرْنَا ہم نے مٹا دیا	تَتْبِيْرًا تباہ کر کے	وَلَقَدْ اَتَوْا اور تحقیق وہ آئے	عَلَى پر	الْقَرْيَةِ بستی	الَّتِيْٓ وہ جس پر	اُمْطِرَتْ برسائی گئی
مَطَرَ السَّوْءِ بری بارش	اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا تو کیا وہ نہ تھے	يَرَوْنَهَا اس کو دیکھتے	بَلْ بلکہ	كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ وہ امید نہیں رکھتے	نُشُوْرًا جی اٹھنا	

تفسیر و تشریح:۔ قرآن پاک نے اپنی تعلیمات اور ہدایات کو مؤثر بنانے کے لئے کہیں تو ترہیب اور ترغیب کا طریقہ اختیار کیا۔ کہیں تشبیہ اور تمثیل سے ذہن پر اثر ڈالنے کی کوشش کی، کہیں عذاب جہنم کی ہولناکیوں اور ثواب جنت کی راحتوں کا نقشہ سامنے کھینچا تا کہ ثواب کی رغبت اور عذاب کا خوف پیدا ہو کر عقائد و اعمال کی درستی ہو جائے۔ اسی طرح گذشتہ انبیاء کرام کے واقعات و حالات اور ان

کے اقوام کی فرمانبرداری اور نافرمانی بیان کی اور پھر دونوں کے نتائج بھی ظاہر کئے تاکہ قرآن کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو اور نافرمانی کی صورت میں تباہی کی تصویر نظروں کے سامنے آجائے۔اسی بناء پر توحید و رسالت۔ قیامت و آخرت۔ عذاب وثواب۔ جہنم اور جنت پر دلائل بیان کر کے نصیحت کا مواد پیش فرمایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بھی چند پیغمبروں کی نافرمان قوموں کا عبرت انگیز نتیجہ بیان کر کے ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا سامان فراہم کیا کہ قوم کی سرکشی کچھ آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ گذشتہ انبیاء کی قوموں نے بھی اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی لیکن انجام کار تکذیب کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ دوسری طرف منکرین کے لئے یہ درس عبرت ہے کہ وہ اپنی سرتابی اور سرکشی چھوڑ دیں ورنہ برباد ہونے کے لئے تیار ہو جاویں۔

سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ آپ کی نبوت اور کتاب اہل کتاب میں بہت مشہور تھی اور بتلایا جاتا ہے کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعونیوں نے کیا کیا۔ان کو کس قدر معجزات دکھلائے گئے اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا کر کے حضرت موسیٰ کا ہاتھ بٹانے کے لئے ساتھ کر دیا گیا تھا۔ پہلا کام ان دونوں حضرات کے یہ سپرد ہوا کہ فرعون اور اس کی قوم کو جا کر سمجھائیں کہ سرکشی چھوڑیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کریں۔لیکن اس قوم نے ان کی نہ سنی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو نیست و نابود کر دیا۔ جس کا تفصیلاً قران پاک میں متعدد جگہ بیان ہو چکا ہے۔اور ان سے پیشتر قوم نوح کو دیکھ کر انہوں نے نہ صرف نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی بلکہ عموماً رسولوں کے منکر تھے۔ جب وہ کسی طرح نہ مانے تو اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست طوفان بھیجا اور تمام منکرین و مکذبین کو غرق کر کے ہلاک کر دیا گیا۔اسی طرح قوم عاد و ثمود کو دیکھو کہ حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کے انکار اور مقابلہ سے ان پر کیا ماجرا گزرا۔ پھر اصحاب الرس پر غور کرو۔ مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کس نبی کی امت تھی۔ اکثر یہی کہتے ہیں کہ یہ ایک بت پرست قوم تھی جن کے بہت سے کنوئیں تھے۔ رس کنوئیں کو کہتے ہیں۔اسی نسبت سے یہ اصحاب الرس کہلاتے تھے۔ یہ ان کنوؤں سے زراعت کرتے اور جانوروں کو پالتے تھے۔ ان کی ہدایت کو حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے مگر انہوں نے بڑی سرکشی کی اور اپنے پیغمبر کو ایذائیں دیں آخر قہر آسمانی سے یہ بھی ہلاک ہوئے۔اور بھی بہت سے سرکش لوگ جوان قوموں کے درمیانی زمانہ میں آئے سب کو اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک کیا۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ قوم لوط کی بستیاں جن کے کھنڈرات پر مکہ والے شام کے سفر میں گزرتے تھے۔ یہ بستیاں بحیرۂ لوط کے کنارے الٹی پڑی ہیں جن کو یہ مکہ والے آتے جاتے دیکھتے ہیں مگر عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور عبرت ہوتی کہاں سے جب ان کے نزدیک یہ احتمال ہی نہیں کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر اٹھنا ہے اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔عبرت تو وہی حاصل کر سکتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو اور انجام کی طرف سے بالکل بے فکر نہ ہو۔ جب یہ وجود قیامت ہی کے قائل نہیں تو پھر دنیا میں اپنے کردار کی پاداش کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں۔

بعض مفسرین نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ اس میں جہاں کافروں کے لئے درس عبرت موجود ہے کہ پیغمبر خدا کی تکذیب و سرتابی چھوڑ دیں۔ورنہ انجام کار تباہی و بربادی کے لئے تیار رہیں وہیں دور حاضر کے مدعیان اسلام کو بھی اس خزانۂ موعظت سے نصیحت حاصل کرنا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب سے منہ موڑنے کا نتیجہ خسران و تباہی کے سوا کچھ نہیں مسلمان کی موجودہ حالت و ذلت ان کی خود

آوردہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہادیٔ برحق کی تعلیم سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ قوانین اسلام پر نہ چلنے کا خمیازہ ہے۔

آپ نے گذشتہ درسوں میں سنا کہ کفار و منکرین قرآن پر کیا کیا اعتراض کیا کرتے تھے مگر افسوس ہماری شامتِ اعمال کہ ہم کو ایسے روز بد بھی دیکھنے پڑے کہ جو اسلام کا لیبل لگا کر قرآن پر معترض ہوئے کہ یہ چودہ سو سال پرانی کتاب ہوگئی اب اس میں ہمارے مسائل کا حل نہیں۔ اور پاکستان میں گذشتہ دس بارہ سال کے زمانہ (سوشلزم) کو جانے دیجئے۔ ابھی گذشتہ تھوڑے عرصہ ہی کی بات ہے جبکہ ملک میں "اسلامی نظام" کی باتیں ہو رہی ہیں اور الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے اس کی ابتداء کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ ایسے اسلام دشمن منافقین بھی ملک میں موجود ہیں کہ جو علی الاعلان بے باکی کے ساتھ قرآن کریم کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس کے خدائی قوانین کو نامکمل اور ناقص اور قابل اصلاح کہتے ہیں۔ ۷ جولائی ۱۹۷۸ء کے ڈان اخبار کو دیکھ لیجئے یا ماہنامہ بینات بابت ماہ نومبر ۱۹۷۸ء جو جامعۃ العلوم الاسلامیہ۔ کراچی سے شائع ہوتا ہے اس کا اداریہ بصائر و عبر کے عنوان کے تحت پڑھ لیجئے۔ ایسے معترضین کے لئے چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کی بات ہے کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں دنیا کے انصاف پسند غیر مسلم مشاہیر، فضلا اور دانشوروں کو بھی قرآن کی حقانیت۔ اس کو الہامی کتاب اور آسمانی نصیحت نامہ تسلیم کرنے پر مجبور کیا ہے۔ الغرض الحمدللہ ہمارا تو ایمان ہے کہ قرآن تمام دنیا کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ خالق کائنات کی آخری آسمانی کتاب ہے۔ جس پر ہمیں تو کسی کی شہادت اور گواہی کی ضرورت نہیں۔ کاش کہ اب بھی امت مسلمہ قرآن اور تعلیم نبوی پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جائے تو پھر نصرتِ خداوندی ان کی ذلت کو عزت سے۔ ان کی پستی کو بلندی سے۔ ان کی غلامی کو حکومت سے اور ان کے افلاس و بدحالی کو خوشحالی سے بدل دے مگر یہ بات اس کی سمجھ میں آ سکتی ہے جس کو اسلام اور ایمان سے حقیقی تعلق ہو۔ باقی جو محض مردم شماری کے مسلمان ہوں اور نفاق کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوں۔ جو اتباع قرآن و سنت کو "دقیانوسیت" اور "ملاپن" کے تحقیر آمیز القاب سے یاد کرتے ہوں جن کے نزدیک ہر بے دینی ترقی کا راستہ ہے۔ اور ہر کفریات بکنے والا روشن خیال ہے اور اس پر جو نکیر کرے وہ کٹھ ملا۔ ضروریات زمانہ سے بے خبر ترقی کا دشمن ہے تو ایسوں کی سمجھ میں یہ بات کہاں آ سکتی ہے کہ ایک مسلمان کی دین و دنیا دونوں جہان کی صلاح و فلاح صرف اور صرف قرآن اور سنت ہی کے اتباع میں ہے اور ایک مسلمان کے لئے دونوں جہان کا خسران اور ناکامی اور تباہی و بربادی قرآن و سنت سے منہ موڑنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کی حقیقی وقعت و عظمت اور دین کی سمجھ اور قرآن کا فہم عطا فرمائیں۔ آمین۔ غرض کہ خدائی قانون تو اٹل ہیں اس لئے ان آیات کا پیغام جن کی سمجھ میں نہیں آتا اور جو اپنی خواہشاتِ نفس کے سامنے قرآن اور سنت کے اتباع کی طرف جھکنے کے لئے تیار نہیں تو وہ اپنا مقام اور انجام قرآن اور سنت کی روشنی میں سن لیں۔ جو اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: قرآن پاک نے جو واقعات نافرمان امتوں کے بیان کئے ہیں وہ ہمارے لئے بھی باعثِ عبرت و نصیحت ہوں۔

یااللہ ہم کو اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پکا اور سچا اور وفادار امتی اور اپنی آسمانی کتاب قرآن حکیم کا مطیع و فرمانبردار بنا کر زندہ رکھئے اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیے۔ یااللہ! اس ملک کو جو اسلام کے نام سے وجود میں آیا ہے اس کو صحیح معنی میں اسلامی ملک بنا دے اور یہاں اسلام کو وہ غلبہ اور شوکت نصیب فرما دے کہ اس سرزمین سے سارے عالم میں ایمان و اسلام کی روشنی پھیل جائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ

اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟۔اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے

اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ

ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم اُن پر قائم نہ رہتے۔اور جلدی ہی ان کو معلوم ہوجائیگا جب عذاب کا معائنہ کریں گے کہ کون شخص گمراہ تھا۔

سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ

اے نبی آپ نے اُس شخص کی بھی حالت دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے۔سو کیا آپ اُس کی نگرانی کر سکتے ہیں۔یا آپ خیال کرتے ہیں

اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ ع

کہ اُن میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں۔یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ اُن سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔

وَاِذَا اور جب	رَاَوْكَ دیکھتے ہیں تمہیں وہ	اِنْ نہیں	يَتَّخِذُوْنَكَ وہ نہیں بناتے تمہیں	اِلَّا مگر۔صرف	هُزُوًا تمسخر (ٹھٹھا)	اَهٰذَا کیا یہ
الَّذِيْ بَعَثَ وہ جسے بھیجا	اللّٰهُ اللہ	رَسُوْلًا رسول	اِنْ قریب تھا	كَادَ لَيُضِلُّنَا کہ وہ ہمیں بہکا دیتا	عَنْ اٰلِهَتِنَا ہمارے معبودوں سے	
لَوْلَآ اگر نہ	اَنْ صَبَرْنَا ہم جمے رہتے	عَلَيْهَا اس پر	وَسَوْفَ اور جلد	يَعْلَمُوْنَ وہ جان لیں گے	حِيْنَ جس وقت	يَرَوْنَ وہ دیکھیں گے
الْعَذَابَ عذاب	مَنْ اَضَلُّ کون بدترین گمراہ	سَبِيْلًا راستہ سے	اَرَءَيْتَ کیا تم نے دیکھا؟	مَنِ اتَّخَذَ جس نے بنایا	اِلٰهَهٗ اپنا معبود	
هَوٰىهُ اپنی خواہش	اَفَاَنْتَ تو کیا تم	تَكُوْنُ ہوجائے گا	عَلَيْهِ اس پر	وَكِيْلًا نگہبان	اَمْ تَحْسَبُ کیا تم سمجھتے ہو؟	اَنَّ کہ
اَكْثَرَهُمْ ان کے اکثر	يَسْمَعُوْنَ سنتے ہیں	اَوْ يَعْقِلُوْنَ یا عقل سے کام لیتے ہیں	اِنْ هُمْ نہیں وہ	اِلَّا مگر	كَالْاَنْعَامِ چوپایوں جیسے	
بَلْ هُمْ بلکہ وہ	اَضَلُّ بدترین گمراہ	سَبِيْلًا راہ سے				

تفسیر وتشریح: گذشتہ سے مضمون کفار مکہ کے اعتراضات اور ان کے حالات کے متعلق بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ یہ کفار مکہ قوم لوط کی بستیوں کے کھنڈرات شام وغیرہ کو سفر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں مگر اس سے کوئی عبرت اور نصیحت حاصل نہیں کرتے کہ پیغمبر کی نافرمانی کرنے والی قوم کا کیا انجام کار ہوا؟ انہی کفار مکہ کے متعلق ابھی مضمون جاری ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ نافرمان قوموں کے حالات سن کر اور ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات دیکھ کر بجائے عبرت حاصل کرنے کے ان کا مشغلہ تو یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔چنانچہ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بطور استہزاء اور مذاق کے کہتے کہ کیا یہی ہیں جن کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ کیا تو ان کی یہ ظاہری مالی حیثیت اور کہاں منصب رسالت؟ کیا ساری خدائی میں بس یہی رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے؟ ان کی یہ باتیں جو جادو کا سا اثر رکھتی ہیں اس نے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ ہم میں سے بڑے بڑوں کے قدم پھسل گئے ہوتے۔اور قریب تھا کہ ان کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں اور دیوتاؤں سے برگشتہ کر دیتیں۔وہ تو ہم ایسے پکے تھے کہ برابر اپنے دین پر جمے رہے اور ان کی باتوں کا اثر قبول نہ

کیا۔ ورنہ یہ ہم سب کو کبھی کا گمراہ کر کے چھوڑتے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) دیکھا آپ نے کہ کفار خود کفر و شرک کی گمراہی میں مبتلا ہونے کے باوجود الزام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھتے تھے کہ اگر بت پرستی چھوڑ دی تو گویا یہ ان کے یعنی کفار کے نزدیک گمراہی تھی۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ایک جملہ میں اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد ہی فوراً ان کو معلوم ہو جاوے گا جب عذاب کا معائنہ کریں گے کہ کون گمراہ تھا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس آیت کا نزول ابوجہل کے متعلق ہوا یہ کم بخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کرتا تھا کہ کیا ایسے کم حیثیت اور بے مایہ شخص کو خدا نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے ہم نے بڑا دھوکا کھایا تھا کہ ان کی باتیں سنی تھیں۔ قریب تھا کہ ہم اپنے معبودوں اور دیوتاؤں کو چھوڑ دیں اور گمراہ ہو جاویں مگر خیر ہو گئی ہم اپنے دیوتاؤں کی پرستش پر جمے رہے اور ان کے بہکائے سے بچ گئے (العیاذ باللہ) جب ابوجہل اور اس کے ساتھی جنگ بدر میں مارے گئے تو اختتام جنگ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ملعونوں کی لاشوں کو ایک کنوئیں میں جمع کرا کے خطاب فرمایا کہ ہم سے جو کچھ ہمارے پروردگار نے وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے پالیا کیا تم نے بھی وہ عذاب پالیا جس کی وعید تمہارے رب نے دی تھی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعلمین تھے آپ کوشش فرماتے تھے اور دل و جان سے چاہتے تھے کہ بے دین کافروں کو دوزخ سے کھینچیں۔ جو لوگ جان و مال اور عزت و آبرو کے دشمن تھے ان کے ساتھ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفقت فرماتے تھے اور ان کے انکار اور کفر پر ملول ہوتے تھے لیکن وہ کم بخت نفس پرست تھے۔ حق پرست نہ تھے۔ صداقت کی ان کو جستجو ہی نہ تھی پھر کس طرح ہدایت یاب ہو سکتے تھے اس لئے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جو خواہش پرست اور نفس کے بندے ہیں آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہِ راست پر لے آنے کی کیا ذمہ داری کر سکتے ہیں۔ جن کا معبود ہی محض خواہش ہو کہ جدھر خواہش لے گئی ادھر ہی جھک پڑے۔ جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی۔ جو مخالف ہوئی رد کر دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں مشرکوں کا عجیب حال تھا ایک زمانہ تک ایک پتھر کی پوجا کرتے تھے پھر جب اس سے زیادہ خوبصورت پتھر ان کو مل جاتا تو پہلے معبود کو چھوڑ کر دوسرے کی پرستش شروع کر دیتے تھے۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیسی ہی نصیحتیں ان کو سنایئے یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ۔ چوپائے تو بہرحال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں۔ نافع و مضر کی کچھ شناخت بھی رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پر پہنچ جاتے ہیں لیکن ان منکرین اور کم فہموں کا یہ حال ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچانا۔ نہ اس کے احسانات کو سمجھا۔ نہ بھلے برے کی تمیز کی۔ نہ دوست دشمن میں فرق کیا۔ نہ غذائے روحانی اور چشمۂ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ اس سے کوسوں دور بھاگے اور جو قوتیں سوچنے اور سمجھنے کی خدا تعالیٰ نے عطا کی تھیں ان کو معطل کئے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا اگر ذرا بھی عقل و فہم سے کام لیتے تو اس کارخانۂ قدرت میں بے شمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور دین حق کی صداقت و حقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ کفار کے پیش نظر خواہشاتِ نفس کی پیروی رہتی ہے۔ ہر چند کہ حقانیت قرآن اور صداقت رسول کے عقلی و فطری شواہد موجود ہیں مگر چونکہ کافروں کا جی نہیں چاہتا اس لئے وہ نہیں مانتے۔ مطلق العنان رہنا چاہتے ہیں۔ حلت و حرمت کے قیود کو ان کے نفس برداشت نہیں

کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی نفسانی خواہش اس دین وقرآن کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ پھر سورۂ نازعات ۳۰ ویں پارہ میں بالکل صاف اور صریح الفاظ ارشاد ربانی فرمایا گیا:

فاما من طغیٰ وآثر الحیوٰة الدنیا فان الجحیم ھی الماویٰ ο واما من خاف مقام ربه ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنة ھی الماویٰο

تو جس کسی نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہو گی تو ایسے کا ٹھکانہ بس دوزخ ہی ہوگا۔ اور جو کوئی ڈرا ہوگا اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے اور نفس کو خواہش سے روکا ہو گا تو ایسے کا ٹھکانہ جنت ہی ہے"۔

الغرض ان آیات میں کفار کے لئے وعید وتنبیہ تو ظاہر ہی ہے مگر اس میں درس عبرت دورِ حاضر کے مسلمانوں کے لئے بھی ہے کہ جن پر خواہش نفس کا سکہ جما ہوا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ خواہش نفس کی پرستش کے معنی ہیں کہ آدمی ہر دینی اور دنیوی امور میں اپنے نفس کا فرمانبردار ہوجائے جس کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً جاہ پرستی، عزت پرستی، شہرت پرستی، حکومت پرستی، زر پرستی، زن پرستی، اولاد پرستی وغیرہ وغیرہ یعنی احکام الٰہیہ کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز یا دوسرے شخص کی اتنی اطاعت کرنی کہ حکم الٰہی کی کوئی پروانہ ہو یا مخالفت ہو، یہی نفس پرستی ہے۔ آج کا وہ نام نہاد مغرب زدہ طبقہ جو اسلامی لیبل لگا کر احکام شریعت کو صرف اس لئے نہیں مانتا کہ اس کا دل نہیں چاہتا اس کی عیش پرستی میں فرق آتا ہے۔ جو قرآنی احکام کو ٹھکراتا ہے محض اس لئے کہ حکم قرآنی کو مان کر اس کی شیطانی اغراض حاصل نہیں ہوسکتیں اور من چاہی زندگی نہیں بسر کرسکتا وہ مذکورہ بالا قرآنی آیات وحدیث کی روشنی میں اپنا مقام اور اپنا انجام غور کرلے آگے توحید باری تعالیٰ سمجھانے کے لئے کچھ قدرت کی نشانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو اپنا وہ خوف نصیب فرمائیں جو ہم کو نفسانی خواہشات کے اتباع سے روک دے۔ اے اللہ! نفس وشیطان کی شرارت سے ہماری کامل حفاظت فرمائیے۔ اور ظاہراً وباطناً ہم کو شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرمائیے۔ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام اور ایمان اور قرآن کی جو دولت عطا فرمائی ہے اس کی حقیقی شکر گزاری کی بھی توفیق عطا فرمادے۔ اور دین کے معاملہ میں ہم کو نفس پرستی جو کافرانہ خصلت ہے اس سے کامل طور پر بچائیے۔ یا اللہ! جانور کو بھی اتنی تمیز اور سلیقہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مالک اور محسن اور دانہ پانی دینے والے کو جانتا اور پہچانتا ہے لیکن اس غافل انسان کو نفس اور شیطان نے کیسا دھوکے میں ڈالا ہے کہ یہ اپنے خالق۔ رازق اور منعم ومحسن حقیقی کو بھول کر دنیا کی من چاہی لذات اور خواہشات میں پھنسا ہوا ہے اور خالق کائنات کی نافرمانی اور اس کے احکام سے سرکشی برت رہا ہے۔ اور عاقبت اور انجام سے بے فکر بنا ہوا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾

(اے مخاطب) کیا تونے اپنے پروردگار (کی قدرت) پر نظر نہیں کی اُس نے سایہ کو کیونکر پھیلایا ہے۔اور اگر وہ چاہتا تو اُس کو ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا

پھر ہم نے اُس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو راحت کی چیز بنایا

وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ وَاَنْزَلْنَا

اور دن کو زندہ ہونے کا وقت بنایا۔اور وہ ایسا ہے کہ اپنی بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کردیتی ہیں۔اور ہم آسمان سے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾

پانی برساتے ہیں جو پاک صاف کرنے کی چیز ہے۔تاکہ اس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں جان ڈال دیں اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چارپایوں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کردیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

اور ہم اس کو اُن لوگوں کے درمیان تقسیم کردیتے ہیں تاکہ لوگ غور کریں سو اکثر لوگ بغیر ناشکری کئے نہ رہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	اِلٰى طرف	رَبِّكَ اپنا رب	كَيْفَ کیسے	مَدَّ الظِّلَّ دراز کیا سایہ	وَلَوْ شَآءَ اور اگر وہ چاہتا	لَجَعَلَهٗ تو اسے بنادیتا	
سَاكِنًا ساکن	ثُمَّ پھر	جَعَلْنَا ہم نے بنایا	الشَّمْسَ سورج	عَلَيْهِ اس پر	دَلِيْلًا ایک دلیل	ثُمَّ پھر	قَبَضْنٰهُ ہم نے سمیٹا اس کو
اِلَيْنَا اپنی طرف	قَبْضًا کھینچنا	يَّسِيْرًا آہستہ آہستہ	وَهُوَ اور وہ	الَّذِيْ جَعَلَ جس نے بنایا	لَكُمْ تمہارے لئے	الَّيْلَ رات	
لِبَاسًا پردہ	وَّالنَّوْمَ اور نیند	سُبَاتًا راحت	وَّجَعَلَ اور بنایا	النَّهَارَ دن	نُشُوْرًا اٹھنے کا وقت	وَهُوَ اور وہی	الَّذِيْ جس نے
اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بھیجیں ہوائیں اس نے	بُشْرًا خوشخبری	بَيْنَ يَدَيْ آگے	رَحْمَتِهٖ اپنی رحمت	وَاَنْزَلْنَا اور ہم نے اتارا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے		
مَآءً طَهُوْرًا پانی پاک	لِّنُحْيِۦَ بِهٖ تاکہ ہم زندہ کردیں اس سے	بَلْدَةً مَّيْتًا شہر مردہ	وَّنُسْقِيَهٗ اور ہم پلائیں اسے	مِمَّا اس سے جو	خَلَقْنَآ ہم نے پیدا کیا		
اَنْعَامًا چوپائے	وَّاَنَاسِيَّ اور آدمی	كَثِيْرًا بہت سے	وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ اور تحقیق ہم نے اسے تقسیم کیا	بَيْنَهُمْ ان کے درمیان			
لِيَذَّكَّرُوْا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں	فَاَبٰى پس قبول نہ کیا	اَكْثَرُ النَّاسِ اکثر لوگ	اِلَّا مگر	كُفُوْرًا ناشکری			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ انہیں حق کے سوچنے اور سمجھنے سے کوئی واسطہ ہی نہیں ورنہ اگر یہ ذرا بھی عقل وفہم سے کام لیتے تو اس کارخانہ قدرت میں بے شمار نشانیاں موجود ہیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید۔ بڑائی اور بزرگی اور دین کی صداقت وحقانیت کی طرف رہبری کرتی ہیں۔اب آگے ان آیات میں قدرت کی بعض نشانیوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے جن سے معرفت خداوندی حاصل ہوسکتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔

سب سے پہلے سایہ کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ صبح سورج نکلنے تک سب جگہ سایہ ہی رہتا ہے۔اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیں تو یہی سایہ قائم رہتا۔مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج

ایک طرف کو سمٹنے لگا۔ پھر زوال کے بعد سے ایک طرف سے دھوپ سمٹنا شروع ہوتی ہے دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ آخر دن میں دھوپ غائب ہو جاتی ہے۔ تو گویا سایہ کے پیچھے دھوپ اور دھوپ کے پیچھے سایہ یہ بھی قدرت کا نظام ہے۔ پھر اس قادر مطلق نے رات کو تمہارے لئے پردہ کی چیز بنایا یعنی رات کو تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط اور طاری ہو جاتی ہے جس میں لوگ کاروبار چھوڑ کر آرام کرتے ہیں۔ نیند کو اسی قادر مطلق نے سبب راحت وسکون بنایا کہ اس وقت حرکت موقوف ہو جاتی ہے اور دن بھر کے کام کاج سے جو تھکن چڑھ جاتی ہے وہ اس رات کے سونے سے اتر جاتی ہے اور بدن وروح کو راحت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر وہی اپنی قدرت سے دن کا اجالا کرتا ہے تو نیند سے اٹھ کر ادھر ادھر چلنے پھرنے کام کاج کرنے لگ جاتے ہیں اور روزی کی تلاش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ پھر وہی قادر مطلق ہے کہ جس کے حکم سے اول برساتی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں۔ پھر آسمان سے پانی برستا ہے جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے۔ پانی پڑتے ہی مردہ خشک زمینوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ جہاں خاک اڑ رہی تھی وہاں سبزہ زار بن جاتا ہے اور کتنے انسان اور جانور بارش کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی اسی کی قدرت ہے کہ بارش کا پانی تمام زمینوں اور آدمیوں کو یکساں نہیں پہنچتا۔ بلکہ کہیں کم کہیں زیادہ۔ کہیں جلد کہیں بدیر۔ جس طرح اللہ کی حکمت مقتضی ہو پہنچتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی تقسیم کسی قادر مختار وحکیم کے ہاتھ میں ہے۔ پس چاہئے تو یہ تھا کہ ان نشانات کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی زبردست حکمتوں اور قدرتوں کو سامنے رکھ کر اس کے مطیع اور فرمانبردار بنتے اور اس کی بات کو بھی مان لیتے کہ بیشک ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے مگر بہت سے لوگ سمجھتے ہی نہیں۔ نعمت الٰہی کا شکر ہی نہیں ادا کرتے بلکہ الٹا کفرانِ نعمت اور ناشکری پر اتر آتے ہیں۔ احادیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ایک مرتبہ کہا کہ میں بادل کی نسبت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ بادلوں پر جو فرشتہ مقرر ہے وہ حاضر ہے آپ ان سے جو چاہیں دریافت فرمالیں۔ چنانچہ اس فرشتہ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تو خدا کا حکم آتا ہے کہ فلاں فلاں بستی میں اتنے اتنے قطرے برساؤ، ہم تعمیل ارشاد کرتے ہیں۔ تو بارش جیسی نعمت کے وقت اکثر لوگوں کے کفر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارش برسی۔ ایامِ جاہلیت میں عرب کے باشندے عقیدہ رکھتے تھے کہ بارش کا سبب چند مخصوص ستاروں کا طلوع وغروب ہے۔ ہندوستان کے ہندوؤں کا بھی کچھ ایسا ہی عقیدہ ہے۔ اسی کے متعلق آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ اکثر لوگ بارانِ رحمت کی ناشکری کرتے ہیں یعنی ستاروں کو بارش کا حقیقی سبب جانتے ہیں۔ حدیث میں ایک روایت ہے کہ حدیبیہ میں ایک رات بارش ہوئی صبح کو حسبِ معمول حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حاضرین سے فرمایا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے اس رات کیا فرمایا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں نے ایسی حالت میں صبح کی کہ بعض کا مجھ پر ایمان ہے بعض کافر ہیں جنہوں نے کہا کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی۔ ان کا ایمان ستاروں پر ہوا اور اللہ کا انہوں نے انکار کیا اور جنہوں نے کہا کہ اللہ کے فضل ورحمت سے ہم پر بارش ہوئی تو ان کا ایمان مجھ پر ہوا اور ستاروں کا انہوں نے انکار کیا۔

ابھی یہی سلسلۂ مضمون توحید باری تعالیٰ کے متعلق اگلی آیات میں جاری ہے جن کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿٥٢﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ایک پیغمبر بھیج دیتے۔ سو آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے اور قرآن سے اُن کا زور شور سے مقابلہ کیجئے۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو صورۃً ملایا جن میں ایک تو شریں تسکین بخش ہے اور ایک شور تلخ ہے، اور اُن کے درمیان میں ایک حجاب

وَّحِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٥٣﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ

اور ایک مانع رکھ دیا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پھر اُس کو خاندان والا سُسرال والا بنایا، اور (اے مخاطب) تیرا پروردگار

قَدِيرًا ﴿٥٤﴾ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿٥٥﴾

بڑی قدرت والا ہے۔ اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ اُن کو کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ اُن کو کچھ ضرر پہنچا سکتی ہیں، اور کافر تو اپنے رب کا مخالف ہے۔

وَلَوْ اور اگر	شِئْنَا ہم چاہتے	لَبَعَثْنَا تو ہم بھیج دیتے	فِي كُلِّ قَرْيَةٍ ہر بستی میں	نَّذِيرًا ایک ڈرانے والا	فَلَا تُطِعِ پس نہ کہا مانیں آپ	
الْكٰفِرِينَ کافروں	وَجَاهِدْهُم اور جہاد کریں اُن سے	بِهِ اسکے ساتھ	جِهَادًا كَبِيرًا بڑا جہاد	وَهُوَ اور وہی	الَّذِي جس نے	مَرَجَ ملایا
الْبَحْرَيْنِ دو دریا	هٰذَا یہ	عَذْبٌ شیریں	فُرَاتٌ خوشگوار	وَهٰذَا اور یہ	مِلْحٌ أُجَاجٌ تلخ بدمزہ	وَجَعَلَ اور اس نے بنایا
بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	بَرْزَخًا ایک پردہ	وَحِجْرًا اور آڑ	مَّحْجُورًا مضبوط آڑ	وَهُوَ اور وہی	الَّذِي جس نے	خَلَقَ پیدا کیا
مِنَ الْمَاءِ پانی سے	بَشَرًا بشر	فَجَعَلَهُ پھر بنائے اس کے	نَسَبًا نسب	وَصِهْرًا اور سُسرال	وَكَانَ اور ہے	رَبُّكَ تیرا رب
قَدِيرًا قدرت والا	وَيَعْبُدُونَ اور وہ بندگی کرتے ہیں	مِن دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوا	مَا جو	لَا يَنفَعُهُمْ نہ انہیں نفع پہنچائے		
وَلَا يَضُرُّهُمْ اور نہ ان کا نقصان کر سکے	وَكَانَ اور ہے	الْكَافِرُ کافر	عَلَىٰ پر۔ خلاف	رَبِّهِ اپنا رب	ظَهِيرًا پشت پناہی کرنیوالا	۔

تفسیر وتشریح:- گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بعض نشانیاں بیان فرمائی تھیں اور بتلایا تھا کہ قدرت کی ان نشانیوں کو دیکھ کر مقتضا تو ان کا یہ تھا کہ منکرین ان کو نعمت الٰہی سمجھ کر اس کا شکر ادا کرتے نہ کہ الٹا کفر اور ناشکری پر جمے رہنا۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین کے لئے نبی کا آنا بڑے تعجب کی چیز ہے۔ حالانکہ یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں۔ اور اللہ چاہے تو نبیوں کی اتنی کثرت کردے کہ ہر بستی میں علیحدہ نبی ہو مگر اس کو اب منظور یہی ہوا کہ آخر میں سارے جہان کے لئے اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر تلقین کی جاتی ہے کہ آپ ان کافروں کے احمقانہ طعن و تشنیع اور جاہلانہ نکتہ چینیوں اور اعتراضات پر التفات نہ فرمائیں اپنا کام یعنی تبلیغ دین پوری قوت اور جوش سے انجام دیتے رہیں اور قرآن کے ذریعہ ان منکرین کا مقابلہ زور وشور سے کرتے رہیں اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔ تو گذشتہ سے سلسلہ قدرت کی ایسی واضح نشانیوں کے بیان کا چل رہا تھا کہ جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ اب آگے پھر خدا کی قدرت اور بعض نشانیوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ دیکھو اللہ ہی کی قدرت ہے کہ اس رب نے پانی کو دو طرح کا کر دیا۔

میٹھا اور کھاری۔ نہروں چشموں اور کنوؤں کا پانی عموماً میٹھا صاف اور خوش ذائقہ ہوتا ہے اور سمندروں کا پانی کھاری اور بدمزہ ہوتا ہے یا کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں محققین علمائے کرام نے بہت سی مثالیں بیان کی ہیں کہ کھاری اور میٹھے پانی ملنے کے باوجود بھی ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ بیان القرآن میں حضرت مولانا تھانویؒ نے دو معتبر بنگال کے علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبین بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں۔ ایک طرف کا پانی سفید ہے ایک طرف کا سیاہ۔ سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم رہتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے۔ کشتیاں سفید پانی میں چلتی ہیں اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ پانی کڑوا ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ مجھ سے باریسال کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ایک ہی دریا سے نکلتی ہیں ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ۔ جس زمانہ میں حضرت عثمانیؒ ڈابھیل ہندوستان کے ضلع سورت صوبہ گجرات میں مقیم تھے تو فرماتے ہیں کہ وہاں سے سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے تو ادھر کی ندیوں میں مدوجزر یعنی جوار بھاٹا ہوتا رہتا ہے۔ بکثرت معتبر لوگوں نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں ملتے نہیں اوپر کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا۔ جزر یعنی اتار کے وقت کھاری پانی اتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں پانی باقی رہ جاتا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ آگرہ کے تمام کنویں تلخ ہیں لیکن شہر کے قریب جو دریا جمنا بہہ رہا ہے وہ شیریں ہے جمنا کی شیرینی سے شہر کے اندرونی کنویں اثر پذیر نہیں ہیں بلکہ بہت مقامات پر دو کنویں باوجود قریب ہونے کے شیرینی اور تلخی کا نمایاں فرق رکھتے ہیں

حالانکہ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ زمین کے اندر مسام ہیں پانی ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے پھر بھی خدا کی قدرت کہ قریب کے دو پانی زمین کے مسامات میں نفوذ کر کے باہم ایک دوسرے کو متاثر نہیں کرتے۔ پھر اس کے علاوہ سمندر میں بھی مختلف مقامات پر میٹھے پانی کے چشمہ پائے جاتے ہیں جن کا پانی سمندر کے نہایت تلخ پانی کے درمیان بھی اپنی مٹھاس پر قائم رہتا ہے۔ کچھ ہی عرصہ کی بات ہے کہ جب امریکن کمپنی نے سعودی عرب میں تیل نکالنے کا کام شروع کیا تو ابتداء خلیج فارس کے ایسے چشموں سے شیریں پانی حاصل کرتے تھے جن میں شیرینی تھی۔ بعد میں ظہران کے پاس کنویں کھودے گئے اور ان سے حاصل کرنے لگے۔ تو غرض کہ یہ اللہ ہی کی قدرت ہے۔ جس میں اہل بصیرت کے لئے دعوت فکر ہے کہ ایک طرف شیریں پانی ہے اور اسی کے برابر دوسری طرف تلخ اور شور پانی ہے دونوں کے درمیان نہ کوئی دیوار ہے نہ پردہ دونوں اگر متصل ہیں تو اس کے باوجود دونوں مخلوط ہونے نہیں پاتے تو مقام بصیرت ہے کہ پانی باوجود سیال اور رقیق ہونے کے اپنے قطرات کو دوسرے پانی کے قطرات سے جدا رکھتا ہے یہ ان دونوں پانیوں کو باہم اثر اندازی سے روکنے والا کون ہے؟ محض قدرت خداوندی۔

پھر آگے ایک دوسری قدرت کی نشانی بیان کی جاتی ہے کہ دیکھ لو کس طرح اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک ناچیز قطرۂ آب کو عاقل و کامل آدمی بنا دیا۔ پھر آگے اس سے نسلیں چلائیں اور دامادی اور سسرال کے رشتہ قائم کئے۔ ایک ناچیز قطرہ کو کیا سے کیا کر دیا اور کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ لیکن یہ منکرین اپنی اصل کو بھول گئے اور اس رب قدیر کو چھوڑ کر عاجز مخلوق اور خودساختہ دیوتاؤں کو معبود کہنے لگے۔ یہ اپنے پروردگار خالق و رزاق کا حق تو کیا پہچانتے۔ اس سے تو منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر شیطان کی فوج میں جا شامل ہوئے تا کہ مخلوق کو گمراہ کرنے میں شیطان ملعون کا ہاتھ بٹائیں۔

اب کفار کی مخالفت اور ایمان نہ لانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حزن و ملال ہوتا تھا اس پر آپ کی تسلی فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٥٦﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ

اور ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں۔آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہاں جو شخص یوں چاہے

اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٥٧﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ

کہ اپنے رب تک (پہنچنے کا) راستہ اختیار کرلے۔اور اس حی لایموت پر توکل رکھیئے اور اُس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیئے، اور وہ

عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٨﴾

اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے۔

وَمَا اور نہیں	اَرْسَلْنٰكَ بھیجا ہم نے آپ کو	اِلَّا مُبَشِّرًا مگر خوشخبری دینے والا	وَّنَذِيْرًا اور ڈرانے والا	قُلْ فرمادیں	مَآ اَسْـَٔلُكُمْ نہیں مانگتا تم سے		
عَلَيْهِ اس پر	مِنْ کوئی	اَجْرٍ کوئی اجر	اِلَّا مگر	مَنْ شَآءَ جو چاہے	اَنْ يَّتَّخِذَ کہ اختیار کرلے	اِلٰى رَبِّهٖ اپنے رب تک	سَبِيْلًا راستہ
وَتَوَكَّلْ اور بھروسہ کر	عَلَى الْحَيِّ پر ہمیشہ زندہ رہنے والے	الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ جسے موت نہیں	وَسَبِّحْ اور پاکیزگی بیان کر	بِحَمْدِهٖ اسکی تعریف کے ساتھ			
وَكَفٰى بِهٖ اور کافی ہے وہ	بِذُنُوْبِ گناہوں سے	عِبَادِهٖ اپنے بندے	خَبِيْرًا خبر رکھنے والا				

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات سے اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیوں کا بیان ہوتا چلا آرہا ہے جن پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت صاف نظر آتی ہے مگر ان کفار ومشرکین نے اللہ تعالیٰ کا حق نہ پہچانا اور بجائے قدرت والے رب کے ایسوں کو اپنا معبود قرار دے لیا جنہیں کسی کو نہ نفع پہنچانے کا مقدور ہے اور نہ نقصان پہنچانے کی طاقت ہے۔تو ان کفار ومشرکین کی مخالفت اور انکار سے اور ایمان نہ لانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی گئی جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کام صرف یہ ہے کہ آپ ان منکرین کو کفر پر قائم رہنے پر ابدی ہلاکت سے ڈرائیں اور ایمان لے آنے پر دوامی نجات کی بشارت سنادیں۔آگے یہ مانیں یا نہ مانیں آپ کا کوئی نقصان نہیں نہ آپ پر کوئی الزام۔کسی کے ہدایت یاب ہونے پر نہ ہونے کی باز پرس آپ سے نہ ہوگی۔آپ نے اپنا کام یعنی پیغام حق ان کو پہنچادیا۔اب بطور اتمام حجت کے ان منکرین سے یہ کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ دین۔اور دعوت حق۔اور موعظت و نصیحت پر تم سے کوئی معاوضہ یا اجرت تو نہیں طلب کرتا میں تو بس یہی چاہتا ہوں کہ جس کو توفیق ہو وہ اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرلے۔میری طلب صرف یہی ہے کہ تم اللہ کے راستہ پر چلو۔یہ فقرہ کیسی شفقت سے بھرا ہوا ہے۔جس طرح کوئی استاد اپنے شاگرد کو بڑی شفقت ومحبت سے پڑھا کر عالم بنادے اور یہ کہے کہ عزیز من! میں اپنی کارگزاری کی کوئی اجرت تم سے نہیں چاہتا میری اجرت یہی ہے کہ تم اپنے علم کو یاد رکھو اور اس پر عمل کرو۔منشا یہ ہے کہ پڑھے ہوئے کو یاد رکھنا تمہارے ہی نفع کا سبب ہے اور مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ تمہارے فائدہ کو اپنا فائدہ سمجھتا ہوں اس لئے مجھے اس سے ایسی ہی مسرت ہوگی جو اجرت لینے سے بھی زیادہ ہوگی۔یا اس پیغمبرانہ شفقت کو یوں سمجھے کہ جیسے کوئی بوڑھا ضعیف باپ اولاد کو کہے کہ تم کھاؤ پیو اور

خوش رہو۔ یہی میرا کھانا پینا اور خوش رہنا ہے۔ اور یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ کسی شخص کا اللہ کے راستہ کو اختیار کر لینے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنا فائدہ قرار دیا تو ممکن ہے یہ اس لحاظ سے فرمایا ہو کہ اس کا ثواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو نیک کاموں کی ہدایت کرتا ہے اور وہ اس کے کہنے کے مطابق نیک عمل کرے تو اس کے عمل کا ثواب خود کرنے والے کو بھی پورا پورا ملے گا اور اتنا ہی ثواب ہدایت کرنے والے شخص کو بھی ملے گا۔

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اس طرح کے ارشادات جیسے وما ارسلنک الا مبشرا ونذیراً یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو تو ہم نے بس ایک مبشر و نذیر بنا کر بھیجا ہے قرآن مجید میں جہاں بھی آئے ہیں ان کا اصل روئے سخن کفار و مشرکین کی طرف ہے اور مقصد اس سے دراصل ان کو یہ بتانا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک خیر خواہ بے غرض مصلح ہیں جو خلق خدا کی بھلائی کے لئے خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں اور ان کے انجام کا نیک و بد بتا دیتے ہیں وہ تمہیں زبردستی تو اس پیغام کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ تم مانو گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے نہ مانو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ وہ پیغام پہنچا کر سبکدوش ہو چکے۔ اب اس کے بعد تمہارا معاملہ تمہارے خالق اور مالک سے ہے۔ اس لئے یہاں کسی کو اس غلط فہمی میں نہ رہنا چاہئے کہ اہل ایمان اور مسلمانوں کے معاملہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بس خدا کا پیغام پہنچا دینے اور انجام نیک و بد کا مژدہ سنا دینے تک محدود ہے قرآن پاک نے جگہ جگہ اور بار بار تصریح کی ہے کہ مسلمانوں کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف مبشر و نذیر ہی نہیں ہیں بلکہ معلم کتاب و حکمت۔ اور مزکی۔ اور نمونۂ عمل بھی ہیں۔ حاکم۔ قاضی اور امیر مطاع بھی ہیں اور آپ کی زبان سے نکلا ہوا ہر فرمان اہل ایمان کے حق میں قانون کا حکم رکھتا ہے جس کے آگے ان کو دل و جان کی رضامندی سے سر تسلیم خم کرنا چاہئے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ ان کفار کی مخالفت کی کوئی پروا نہ کریں آپ تنہا خدا پر بھروسہ کر کے اپنا فرض تبلیغ و دعوت وغیرہ ادا کرتے جائیے دنیا کی فانی چیزوں کا کیا سہارا۔ اصل سہارا تو اسی کا ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا جس کو کبھی موت نہیں پس آپ اللہ پر توکل رکھئے اور اسی کی عبادت و حمد و ثنا کرتے رہئے۔ ان منکروں اور مجرموں سے وہ خود نبٹ لے گا کیونکہ وہ ان کے گناہوں سے پوری طرح واقف اور خبردار ہے۔

ان آیات کے تحت علماء نے لکھا ہے کہ تبلیغ دین کا معاوضہ طلب کرنے کی ممانعت ہے۔ تبلیغ دین کی اجرت قطعاً ناجائز ہے۔ یہ دین فروشی ہے۔ جو صراحۃً حرام ہے۔ اس سے خصوصاً ان دین فروش واعظوں کو نصیحت پکڑنی چاہئے جو وعظ کی فیس مقرر کرتے ہیں یا بغیر مقرر کئے معاوضہ لینے کے درپے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے واعظین کے فتنوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھیں۔

ابھی سلسلۂ مضمون توحید اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یااللہ! ہم کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت و عظمت نصیب فرما اور آپ کی محبت کے ساتھ آپ کے دین کا اتباع کامل نصیب فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ

وہ ایسا ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے سب چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا، وہ بڑا مہربان ہے

فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا

سواُس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہیے، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے، کیا ہم اُس کو سجدہ کرنے لگیں

وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾

گے جس کو تم سجدہ کرنے کیلئے ہم کو کہو گے اور اُس سے اُن کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔

الَّذِي اور جس نے	خَلَقَ پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمان	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو ان دونوں کے درمیان	فِي میں	سِتَّةِ اَيَّامٍ چھ دن
ثُمَّ اسْتَوٰى پھر قائم ہوا	عَلَى الْعَرْشِ عرش پر	اَلرَّحْمٰنُ جو رحم کرنے والا	فَسْئَلْ تو پوچھو	بِهٖ اسکے متعلق	خَبِيْرًا کسی باخبر	وَاِذَا اور جب
قِيْلَ کہا جائے	لَهُمْ ان سے	اسْجُدُوْا تم سجدہ کرو	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کو	قَالُوْا وہ کہتے ہیں	وَمَا اور کیا ہے	الرَّحْمٰنُ رحمٰن
	اَنَسْجُدُ کیا ہم سجدہ کریں	لِمَا تَاْمُرُنَا جسے تو سجدہ کرنے کو کہے	وَزَادَهُمْ اس نے بڑھا دیا اُن کا	نُفُوْرًا بدکنا		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور صنعت کی بعض نشانیوں کا ذکر فرمایا گیا تھا جن میں غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی توحید۔ بڑائی و بزرگی واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے اور جن سے معرفت خداوندی حاصل ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت پر صاف دلالت کرتی ہیں تو حق تعالیٰ کے اوپر ذکر کئے ہوئے بے شمار انعامات وکمالات کا مقتضا تو یہ تھا کہ انسان حق تعالیٰ کی پرستش کریں اور اسی کو اپنا معبود حقیقی سمجھیں مگر برخلاف اس کے گذشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ یہ کفار ومشرکین خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو کوئی نفع پہنچاتی ہیں اور نہ نقصان۔ اور چونکہ ان کفار ومشرکین کی مخالفت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اس لئے آپ کی تسلی فرمائی گئی تھی کہ آپ ان کفار کی مخالفت کی پروا نہ کریں۔ اپنا فرض یعنی تبلیغ دین اور دعوت حق ادا کئے جائیں اور حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور اسی کی عبادت وحمد وثنا کرتے رہیں۔ وہ ان منکروں اور مجرموں سے خود نبٹ لیگا کیونکہ وہ ان کی ایک ایک حرکت اور عمل سے پوری طرح واقف اور خبردار ہے۔

اب آگے ان آیات میں مزید مضمون توحید بیان فرمایا جاتا ہے کہ یہ ساری کائنات یعنی آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہیں یہ اسی ایک خالق اور مالک کے بنائے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ یونہی آپ ہی آپ نہیں ہوگیا بلکہ اس ساری کائنات اور اسکی ہر چیز کو بنانے والا اور ان کو ایک نظام کے تحت قائم رکھنے والا ان کو رفتہ رفتہ کمال کو پہنچانے والا ایک اللہ ہی ہے جس کو ہم اس جسمانی آنکھ سے دیکھ تو نہیں سکتے مگر اس کی نشانیوں کو دیکھ کر عقل سے ضرور پہچان سکتے ہیں کہ وہ ہے اور ضرور ہے اور یہ سارے آسمان وزمین اسی کے بنانے سے ایک مدت میں بنے اور اپنی اپنی جگہ قائم ہوئے۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ بھی اور ان آیات میں بھی بتلایا جاتا ہے کہ یہ سب آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے حق تعالیٰ نے سب چھ روز کی مقدار میں پیدا فرمایا۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ چھ دن سے دنیا کی مقدار کے چھ دن مراد ہیں یا عالم غیب کے چھ دن مراد ہیں جہاں کہ ایک دن ایک ہزار برس کا ہے جیسا کہ سورۂ حج سترہویں پارہ میں ارشاد ہوا۔ اس طرح دنیا کے حساب کے چھ دن عالم آخرت کے چھ ہزار سال بنے۔ واللہ اعلم بالصواب مفسرین نے

لکھا ہے کہ یہاں اس امر کو ذکر کرنے سے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیانی کائنات کو چھ دن کے دور میں پیدا کیا اس سے منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام کائنات کا پورا انتظام تدریجی ہے۔ عام قانون قدرت یہی ہے کہ ہر کام کی تکمیل آہستہ آہستہ ہوتی ہے یہاں تک کہ عالم کی پیدائش بھی دفعتہً ایک دم سے نہیں ہوئی اگرچہ اس کی قدرت بہت وسیع ہے وہ اگر چاہتا تو آن کی آن میں پورے عالم و مافیہا کو پیدا کر دیتا۔ لیکن حق تعالیٰ نے بتدریج پیدا فرمایا جیسا کہ آج بھی انسان۔ اور حیوانات اور نباتات وغیرہ کی پیدائش کا سلسلہ تدریجی طور ہی پر جاری ہے۔

یہاں ایک نکتہ مفسرین نے اور بھی لکھا ہے کہ یہ سورۂ فرقان جس وقت مکہ میں نازل ہوئی اس وقت کفار کا غلبہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے برسر پیکار تھے اور دین حق کو مٹانے اور اہل حق کو ستانے اور ہر طرح کی ایذائیں دینے کو ہر وقت تیار رہتے کفار کے اس طرز عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا جس پر آپ کی تسلی فرمائی جاتی تو یہاں یہ قانونِ قدرت بیان فرما کر کہ ہر کام کی تکمیل تدریجاً اور آہستہ آہستہ ہوتی ہے یہ ظاہر کرنا بھی مقصود ہے کہ اگرچہ خدا کی قدرت میں ہے کہ وہ تمام کافروں کو ایک دم میں مسلمان کر دیتا یا دفعتہً تمام منکرین کو غارت کر دیتا مگر اس کی حکمت نے کفار کو ڈھیل دے رکھی ہے اور دین کی اشاعت اور اسلام کا غلبہ آہستہ آہستہ کرنا چاہتا ہے۔ پس کفار کی ایذا رسانی سے مسلمانوں کو تنگ دل نہ ہونا چاہئے۔ اسلام کا نشو و نما تدریجی ہوگا کہ قانون قدرت کے مطابق ہر چیز کی تکمیل آہستہ اور تدریجاً ہوتی ہے۔ دفعتہً کسی کام کا ہو جانا گو ممکن ہے مگر عمومی ضابطۂ قدرت کے خلاف ہے۔

آگے آیت میں بتلایا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان و زمین اور تمام کائنات کو پیدا فرما چکا تو خلق عالم کے بعد اللہ تعالیٰ عرش پر جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح قائم اور جلوہ فرما ہوا جو اس کی شان کے لائق ہے۔ یہ جملہ **ثم استوی علی العرش** یعنی پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا یا جا ٹھہرا یہ قرآن پاک میں سات جگہ آیا ہے جس کا تفصیلی بیان سورۂ اعراف آٹھویں پارہ میں ہو چکا ہے چونکہ یہ جملہ متشابہات میں سے ہے اور عقیدہ کے لحاظ سے نہایت اہم ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ اس جملہ کی جو تشریح سورۂ اعراف میں بیان کی گئی ہے اس کو پھر دیکھ لیا جائے۔

الغرض توحید باری تعالیٰ کے ضمن میں یہاں مشرکوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ وہ بت پرستی کرتے ہیں اور خدا کے سوا اوروں کو سجدہ کرتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو مشرکین کہتے ہیں کہ ہم رحمان کو نہیں جانتے کہ رحمان کون ہے۔ جس کو ہم سے سجدہ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ جہل و عناد اور بے حیائی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ محض تمہارے کہہ دینے سے ہم ایسی بات مان لیں؟ بس تم نے ایک نام لے دیا اور ہم سجدہ میں گر پڑیں۔ الغرض جس قدر انہیں رحمٰن کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف توجہ دلائی جاتی اسی قدر وہ اور زیادہ بدکتے اور بھاگتے اور کفار میں نفرت اور سرکشی کا اضافہ ہوتا۔

تمام علماء و مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس جگہ سجدہ تلاوت مشروع ہے۔ اس آیت کے ہر پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ تلاوت کرنا لازم ہے۔ اور یہ بھی مسنون ہے کہ اہل ایمان جب اس آیت کو سنیں تو جواب میں کہیں **زادنا اللہ خضوعاً ما زاد للاعداء نفوراً** اللہ کرے ہمارے خضوع اتنا ہی بڑھے جتنا دشمنوں کا نفور بڑھتا ہے۔

ابھی آگے بھی توحید کا مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہمیں ظاہر میں و باطن میں توحید کی حقیقت نصیب فرماویں اور اپنی معرفت الٰہیہ کے انوار سے ہمارے قلوب اور سینوں کو منور فرماویں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِیْ

وہ ذات بہت عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اُس میں ایک چراغ اور نورانی چاند بنایا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے

جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ

رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے اُس شخص کیلئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔ اور (حضرت) رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو

یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جہلا اُن سے بات کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں۔

تَبٰرَكَ بڑی برکت والا ہے	الَّذِیْ جَعَلَ وہ جس نے بنائے	فِی السَّمَآءِ آسمان میں	بُرُوْجًا برج	وَجَعَلَ اور بنایا	فِیْهَا اس میں	
سِرٰجًا چراغ سورج	وَقَمَرًا اور چاند	مُّنِیْرًا روشن	وَهُوَ اور وہی	الَّذِیْ جَعَلَ جس نے بنایا	الَّیْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن
خِلْفَةً ایکدوسرے کے پیچھے آنیوالا	لِّمَنْ اَرَادَ اس کے لئے جو چاہے	اَنْ یَّذَّكَّرَ کہ وہ نصیحت پکڑے	اَوْ اَرَادَ یا چاہے	شُكُوْرًا شکرگزار بننا		
وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ اور رحمٰن کے بندے	الَّذِیْنَ وہ جو کہ	یَمْشُوْنَ چلتے ہیں	عَلَی الْاَرْضِ زمین پر	هَوْنًا آہستہ آہستہ	وَاِذَا اور جب	
خَاطَبَهُمْ ان سے بات کرتے ہیں	الْجٰهِلُوْنَ جاہل	قَالُوْا کہتے ہیں وہ	سَلٰمًا سلام			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں دلائل توحید کے ساتھ ساتھ کفار ومشرکین کا کفران اور ان کا حق سے تنفر مع ان کی مذمت کے مذکور تھا۔ اللہ تعالیٰ کی لامتناہی حکمت وقدرت کی بہت سی نشانیاں مذکور ہوئیں۔ جیسے آسمانوں کا بنانا۔ ان میں ستارے پیدا کرنا۔ پھر ستاروں کو رواں رکھنا۔ ان کے طلوع وغروب اور ٹھہرنے کے مقامات مقرر کرنا۔ رات ودن کو پیدا کرنا اور باہم ان کا تبادلہ کرنا۔ ہواؤں کی روانی۔ دریاؤں کی طغیانی۔ ابرباراں کی بارانی۔ شیریں اور تلخ پانی کو جمع کرنا اور ہر ایک کو اس کے راستہ پر چلانا۔ سمندروں سے بخارات کو اٹھانا اور ہوا کا ان کو ضرورت کی جگہ پر لے جانا اور پانی کی شکل دے کر تشنہ زمین پر برسانا پھر اس سے سبزہ پھل پھول غلہ میوے پیدا کرنا اور اس طرح انسانوں اور حیوانوں کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا۔ اس ساری کائنات کو ایک خاص نظام کے زیر اثر چلانا اور قانون فطرت کو مسخر رکھنا۔ تو یہ سب اس کی ہمہ گیر رحمت ہے کہ جو کائنات کے ذرہ ذرہ پر چھائی ہوئی ہے اور اس رحمت رحمانی اور احسان ربانی اور انعامات الٰہیہ کا اقتضا تو یہ تھا کہ عقل اور فہم رکھنے والا انسان اس کارگاہ قدرت میں کسی کو اللہ کا شریک نہ قرار دیتا اور اس کے سوا کسی کو کارساز اور قادر مطلق نہ جانتا۔ مخلوق کے سامنے سر نہ جھکاتا۔ ماسوا اللہ کے کسی کو سجدہ نہ کرتا مگر جیسا کہ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا کہ جب ان کفار ومشرکین کو کہا جاتا کہ وہ رحمٰن جو بڑی رحمت والا ہے اس کو سجدہ کرو اور اس کو اپنا معبود حقیقی تسلیم کرو تو ان کفار کو بوجہ جہل وعناد کے حق سے اور زیادہ نفرت ہوتی اور ان کی مخالفت اور بڑھتی۔ اللہ عزوجل کی ہستی کو پہچاننے کے لئے سب سے زیادہ واضح نشانی رات اور دن کا لگاتار ایک دوسرے کی جگہ باقاعدہ آنا جانا ہے۔ انسان سوچتا ہی نہیں ورنہ دن رات کو بار بار ایک ہی طریقہ سے ہوتے

دیکھ کر معمولی عقل والا انسان اتنا تو سمجھ ہی سکتا ہے کہ اس نظام اور طریقہ کا ان کے لئے مقرر کرنے والا کوئی ضرور ہے۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ وہ ذات بڑی عالی شان اور بابرکت ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے۔ اندھیری رات میں جب ہم آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں بے شمار چمکتے ہوئے اجسام نظر آتے ہیں ان میں کچھ چھوٹے ہیں کچھ بڑے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ چھوٹے نظر آنے والے اجسام درحقیقت چھوٹے ہوں کیونکہ ان کے ظاہری حجم کا دارومدار تو ان کے فاصلہ پر ہے۔ جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا اتنے ہی وہ چھوٹے نظر آئیں گے۔ ان چمکدار اجسام جن کو ہم ستارے کہتے ہیں ان کی تعداد کا اندازہ لگانا بھی بے حد مشکل ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ان کی تعداد اتنی ہے جتنے روئے زمین پر ریت کے ذرے یا دنیا بھر کے سمندروں میں پانی کے قطرے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ چمکدار اجسام تقریباً سب کے سب مثل ہمارے دنیا کے سورج کے ہیں۔ اور کچھ تو ہمارے سورج سے بھی ہزاروں لاکھوں گنا بڑے ہیں۔ ماہرین علم ہیئت نے جوان ستاروں کے ایک دوسرے کے فاصلہ۔ ان کی فضا میں گھومنے کی تیز رفتاری ان کا ایک دوسرے کے راستہ میں نہ آنا وغیرہ وغیرہ کا انکشاف کیا ہے اس کو دیکھ کر کائنات کی وسعت پر حیرت ہوتی ہے۔ اور خدا کی زبردست قدرت کے سوا انسانی عقل عجائبات کائنات کو سمجھ بھی نہیں سکتی۔ قرآن حکیم نے اس جگہ بڑے بڑے ستاروں اور سیاروں اور چاند وسورج کا ذکر کرنے کے بعد یہ بھی بتلایا کہ قرآن کریم ان چیزوں کا ذکر بار بار اس لئے کرتا ہے کہ انسان ان کی تخلیق اور ان کی حرکات اور ان سے پیدا ہونے والے اثرات میں غور وفکر کر کے ان کے پیدا کرنے والے اور ان کو چلانے والے اور ان کو قائم رکھنے والے کو پہچانے اور شکر گزاری کے ساتھ اس کی عبادت بندگی اور فرمانبرداری میں لگا رہے۔ قرآن اور سنت کا اصل اور مقصود حقیقی کائنات عالم میں غور وفکر اور تدبر کی دعوت دینے سے یہی ہے کہ ان آثار عجیبہ کو دیکھ کر انسان اس غیر محسوس قوت کا یقین کرلے کہ جو اس سارے نظام کائنات کو چلا رہی ہے۔ اسی کا نام خدا ہے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس آسمان میں ایک چراغ یعنی آفتاب اور نورانی چاند خدا نے بنایا جن کی وجہ سے ہماری اس دنیا میں دن اور رات کا ظہور ہوتا ہے اور یہ سب اس قدر باقاعدہ نظام کے ماتحت حرکت کرتے ہیں کہ رات اور دن اپنے اپنے وقت پر ایک دوسرے کی جگہ آگے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ اس نظام میں انسان کے لئے بے شمار فائدے ہیں انہیں دیکھ کر عقل والے اگر چاہیں تو اللہ عزوجل کو بآسانی پہچان سکتے ہیں اور اس کی شکر گزاری اپنے اوپر واجب قرار دے سکتے ہیں۔ بہرحال نصیحت پذیر قلب اور عبرت اندوز دماغ رکھنے والوں کے لئے چاند وسورج اور شبانہ روز کی تخلیق اور ان کے ردوبدل میں اللہ کی ہمہ گیر قدرت اور عمومی رحمت کو جاننے اور حق تعالیٰ کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے کا غیر محدود ذخیرہ موجود ہے۔ چنانچہ رات دن کے فوائد اور انعامات اور احسانات کو دیکھ کر اللہ کے مخلص بندے جن کی صفات آگے بیان کی گئی ہیں ایسا ہی کرتے ہیں اور مشرکین کی طرح رحمٰن کا نام سن کر ناک بھویں نہیں چڑھاتے بلکہ ہر قول وفعل سے اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی چال ڈھال سے تواضع متانت۔ خاکساری اور بے تکلفی ٹپکتی ہے۔ متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے اور کم عقل اور بے ادب لوگوں کی جہالت کی بات کا جواب عفو اور نرمی وسلامتی سے دیتے ہیں۔ کوئی ان سے جہالت کی گفتگو کرے تو وہ رفع شر کی

بات کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں اور جاہلوں کے منہ نہیں لگتے۔ نہ ان میں شامل ہوں نہ ان سے لڑیں۔ نہ بدگوئی سے کام لیں یعنی جاہل کو جواب دیتے وقت جاہل نہیں بن جاتے بلکہ جاہلوں کی جہالت سے درگزر کرتے اور حلم وعفو سے کام لیتے ہیں۔

یہاں آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مطیع فرمانبردار اور اطاعت گزار بندوں کو عباد الرحمٰن فرمایا۔ ویسے تو اللہ کے بندے سبھی ہیں۔ کافر ومشرک بھی اسی کے بندے ہیں کیونکہ سبھی کو خدا نے پیدا کیا ہے مگر یہاں مخصوص فرمانبردار بندے مراد ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کو اپنے نیکوکاری ہی کے سبب بندگانِ خدا کہلانے کا خصوصی حق ہے پھر یہاں عباد اللہ نہیں فرمایا بلکہ عباد الرحمٰن فرمایا حالانکہ عباد کے ساتھ لفظ اللہ عام طور پر زیادہ مناسب سمجھا جاتا ہے تو مفسرین نے یہاں عباد الرحمٰن فرمانے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ تخلیق۔ تربیت اور ابقاء وغیرہ تمام احسانات کی اصل علت رحمت الٰہیہ ہے۔ اگر حق تعالیٰ رحمٰن نہ ہوتے تو کائنات پیدا نہ ہوتی یا پیدا ہوتی تو باقی نہ رہتی یا باقی رہتی تو اس کی تربیت وترقی کے اسباب معدوم ہوتے۔ یہ اللہ کی رحمت ہی ہے جو ہر انسان کی واحد کفیل ہے اور چونکہ گذشتہ آیات میں رحمت الٰہیہ کے اکثر مظاہروں کا ذکر کر دیا گیا تھا۔ اور زمین وآسمان اور ان کے درمیان تمام کائنات کی ایجاد وبقا کی صورتیں بیان کر دی گئی تھیں۔ اور ان لوگوں کا تذکرہ بھی ہو چکا تھا جو خداوند قدوس کی رحمت اور اس کے احسانات و انعامات کے منکر تھے یعنی کفار ومشرکین اس لئے اب ان کے مقابلہ میں اس جگہ ان لوگوں کے اوصاف کا تذکرہ بھی ضروری ہوا جو اللہ کی رحمت اور اس کے احسانات وانعامات کو تہہ دل سے مانتے اور اس کے احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس پر ایمان کے ساتھ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی اختیار کرتے ہیں اور اس کے احکام ومرضی کی پابندی لازم سمجھتے ہیں۔ ایسے صاحب ایمان بندوں کی دو صفات یہاں ان آیات میں بیان ہوئیں۔ یعنی زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب کوئی جاہل ان سے الجھے تو وہ جواب میں رفع شر کی بات کہہ کر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی مزید صفات اگلی آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنے احسان مند اور شکر گزار بندوں میں شامل فرماویں۔ اور ہم کو وہ دل ودماغ عطا فرماویں جس سے کائنات کی ہر شے ہمارے لئے معرفت الٰہیہ اور قرب خداوندی کا ذریعہ بنے۔ یا اللہ اپنی لامحدود قدرت پر ہمیں یقین کامل عطا فرما۔

یا اللہ! آپ اپنے خاص بندوں کو جو صفت تواضع اور عاجزی عطا فرماتے ہیں ہم کو بھی اس نعمت سے محروم نہ فرمائیے اور ہمیں جہالت کے مقابلہ میں رفع شر کی بات کہنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا

اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں۔اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کے

عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِيْنَ

عذاب کو دور رکھیئے کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے۔بیشک وہ جہنم بُرا ٹھکانا اور بُرا مقام ہے۔اور وہ جب

إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اُن کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اور جو	يَبِيْتُوْنَ رات کاٹتے ہیں	لِرَبِّهِمْ اپنے رب کیلئے	سُجَّدًا سجدے کرتے	وَقِيَامًا اور قیام کرتے	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو
يَقُوْلُوْنَ کہتے ہیں	رَبَّنَا اے ہمارے رب	اصْرِفْ پھیر دے	عَنَّا ہم سے	عَذَابَ جَهَنَّمَ جہنم کا عذاب	إِنَّ بیشک
عَذَابَهَا اس کا عذاب	كَانَ غَرَامًا لازم ہوجانے والا ہے	إِنَّهَا بیشک وہ	سَاءَتْ بُری	مُسْتَقَرًّا ٹھہرنے کی جگہ	وَمُقَامًا اور بُرا مقام
وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ جو	إِذَا أَنْفَقُوْا جب وہ خرچ کرتے ہیں	لَمْ يُسْرِفُوْا نہ فضول خرچی کرتے ہیں	وَلَمْ يَقْتُرُوْا اور نہ تنگی کرتے ہیں		
وَكَانَ اور ہے	بَيْنَ ذٰلِكَ اس کے درمیان	قَوَامًا اعتدال			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار و مشرکین کے مقابلہ میں مومنین کی مدح اور ان کی بعض صفات بیان فرمائی گئی تھیں۔ ان کی ایک صفت یہ بیان فرمائی گئی تھی کہ ان کے مزاج میں تواضع ہوتا ہے اور تمام امور میں اس تواضع کا اثر ظاہر ہوتا ہے اسی لئے چلنے میں بھی وہ عاجزی و انکساری کے ساتھ چلتے ہیں متکبروں کی طرح اکڑ کر نہیں چلتے۔ دوسری صفت ان کی یہ بتائی گئی تھی کہ وہ کم عقل اور بے ادب لوگوں کی جہالت کا جواب جہالت سے نہیں دیتے بلکہ جاہلوں کی جہالت سے درگزر کرتے ہیں اور حلم و عفو سے کام لیتے ہیں۔ اب آگے انہیں مومنین کی مزید صفات بیان کی گئی ہیں اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان مومنین کا اپنے رب اور معبود حقیقی کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ جب رات کو غافل بندے نیند اور آرام کے مزے میں پڑے رہتے ہیں یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں گزارتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ رات کو نماز پڑھتے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں نماز تہجد کی طرف اشارہ ہے جو اللہ کے نیک بندوں کا خاص وصف ہے۔ پھر یہ نہیں کہ تہجد کی آٹھ رکعتیں پڑھ کر خدا کے عذاب و قہر سے بے فکر ہو گئے۔ نہیں۔ بلکہ باوجود اس عبادت گزاری کے وہ اللہ سے عذاب جہنم کو آخرت میں دور رکھنے کی دعا کرتے رہتے ہیں اور باوجود اپنی نیکیوں کے اس خوف سے کانپتے رہتے ہیں کہ کہیں ہمارے عمل کی کوتاہیاں ہم کو مبتلائے عذاب نہ کر دیں۔ گویا ان کی نظر میں عبادت سے استحقاق مغفرت نہیں پیدا ہوتا بلکہ اللہ کی رحمت سے عفو کی امید ان بندوں کو ہوتی ہے۔ آگے ایک دوسری صفت ان عبادالرحمٰن کی بیان کی جاتی ہے کہ وہ دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس طرح کہ نہ اسراف یعنی فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل یعنی کنجوسی کرتے ہیں۔ عرب میں اس

وقت یہ دونوں قسم کے نمونہ کثرت سے پائے جاتے تھے ایک طرف وہ لوگ تھے کہ جو اپنے ذاتی عیش و آرام پر دل کھول کر خوب مال خرچ کرتے تھے یا اپنے قبیلہ میں اپنی فیاضی اور دولت مندی کا شہرہ قائم رکھنے کے لئے مال و دولت صرف کرتے یا دوسری طرف وہ بخیل تھے کہ جن کی کنجوسی مشہور تھی۔ اعتدال اور میانہ روی کی روش بہت کم لوگوں میں پائی جاتی تھی۔ اس وقت یہ نمایاں صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی تھی۔ تو یہاں اسراف اور بخل دونوں کی مذمت فرمائی گئی اور اعتدال اور میانہ روی کے چال چلنے کی تعریف فرمائی گئی۔ یہاں اسراف اور بخل کی حقیقت کو بھی مختصراً سمجھ لینا چاہئے۔ اسراف کے معنی ہیں انسان کا اپنے فعل میں حد سے گزر جانا خواہ مال کے صرف میں ہو یا دوسرے امور و حقوق میں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ کہیں تو مال کے بے جا صرف کرنے کے معنی میں کہیں دوسرے امور میں حد سے متجاوز ہونے کے معنی میں۔ یہاں چونکہ اسراف کا ذکر مال کے خرچ کرنے کے متعلق آیا ہے اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے اسراف مال کے متعلق تین چیزوں کا نام ہے۔ ایک ناجائز کاموں میں مال و دولت صرف کرنا خواہ وہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو تو گویا اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرنے کا نام اسراف ہے۔ دوسرے بظاہر نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا مگر اللہ کی خوشنودی کے لئے نہیں بلکہ ریا اور نمائش اور نام و نمود و شہرت کے لئے خرچ کرنا۔ اگر اللہ کی راہ اور رضا میں اپنے نفس کا خیال چھوڑتے ہوئے کل مال بھی خرچ کر دے تو یہ اسراف نہیں۔ بعض مخلص صحابہ کا طرز عمل اس کا شاہد ہے۔ تیسرے ضروریات لازمہ یا حاجات میں خرچ کرتے ہوئے حد سے تجاوز کرنا اس لحاظ سے کہ آدمی اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کرے جس کا انجام اخیر میں بے صبری۔ حرص اور بدنیتی ہو۔

اسراف کے مقابل بخل اور کنجوسی کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے ایک یہ کہ آدمی اپنی جائز ضروریات خواہ وہ اپنی ذات سے متعلق ہوں یا اپنے متعلقین اور دیگر صاحب حقوق سے متعلق ہوں ان پر اپنی مقدرت اور حقوق کے موافق خرچ نہ کرے دوسرے یہ کہ عام نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اس کے ہاتھ سے پیسہ نہ نکلے۔ ان دونوں یعنی اسراف اور بخل کے درمیان اعتدال کی راہ۔ اسلامی اور قرآنی راہ ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنی معیشت میں توسط اختیار کرنا آدمی کے فقیہ یعنی سمجھ دار اور دانا ہونے کی علامتوں میں سے ہے۔ غرض یہ کہ عبادالرحمٰن کی ایک صفت یہ بتائی گئی کہ وہ موقع کے موافق مال خرچ کرتے ہیں گویا نہ مال کی محبت اور نہ اس کی اضاعت۔

ابھی عبادالرحمٰن کی مزید صفات اگلی آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرماویں کہ راتوں کو ہم بھی اپنے رب کے آگے سجدہ و قیام میں لگے رہیں اللہ تعالیٰ نماز تہجد کی دولت اور راتوں میں اللہ کے آگے رونے کی نعمت ہم کو بھی عطا فرمائیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو عذاب جہنم سے ہر طرح مامون و محفوظ فرما دے۔ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل سے ہم کو جو مال عطا فرمایا ہے اس کو اپنی مرضیات میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ اور اسراف اور بخل سے ہم کو بچا لے اور ان بدخصلتوں سے ہمارے قلوب کو پاک فرما دے۔ اور اعتدال کی راہ پر چلنے اور قائم رہنے کی توفیق عطا فرما دے۔ اے اللہ! آپ نے اپنے بندوں کی جو یہ صفات قرآن پاک میں فرمائی ہیں تو یہ جملہ نیک صفات ہم کو بھی عطا فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق پر

وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ

اور وہ زنا نہیں کرتے ،اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اُس کو سابقہ پڑے گا۔ کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اُس میں

فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ

ہمیشہ ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔ مگر جو توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا،

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

اور اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ اور جو شخص توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	لَا يَدْعُوْنَ نہیں پکارتے	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	اِلٰهًا کوئی معبود	اٰخَرَ دوسرا	وَلَا يَقْتُلُوْنَ اور وہ قتل نہیں کرتے	
النَّفْسَ جان	الَّتِيْ حَرَّمَ جسے حرام کیا	اللّٰهُ اللہ	اِلَّا بِالْحَقِّ مگر جہاں حق ہو	وَلَا يَزْنُوْنَ اور وہ زنا نہیں کرتے	وَمَنْ اور جو	يَفْعَلْ کرے گا
ذٰلِكَ یہ	يَلْقَ اَثَامًا وہ دو چار ہوگا بڑی سزا	يُضٰعَفْ دو چند کر دیا جائیگا	لَهٗ اس کیلئے	الْعَذَابُ عذاب	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	
وَيَخْلُدْ اور وہ ہمیشہ رہے گا	فِيْهٖ اس میں	مُهَانًا خوار ہو کر	اِلَّا سوائے	مَنْ تَابَ جس نے توبہ کی	وَاٰمَنَ اور وہ ایمان لایا	
وَعَمِلَ اور عمل کئے اس نے	عَمَلًا صَالِحًا نیک عمل	فَاُولٰٓئِكَ پس یہ لوگ	يُبَدِّلُ اللّٰهُ اللہ بدل دے گا	سَيِّاٰتِهِمْ ان کی برائیاں		
حَسَنٰتٍ بھلائیوں سے	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	غَفُوْرًا بخشنے والا	رَحِيْمًا نہایت مہربان	وَمَنْ تَابَ اور جس نے توبہ کی	
وَعَمِلَ اور عمل کئے	صَالِحًا نیک	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	يَتُوْبُ رجوع کرتا ہے	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	مَتَابًا رجوع کرنے کا مقام	

تفسیر و تشریح:۔ کفار و مشرکین کے مقابلہ میں مومنین مخلصین کی صفات اور ان کی مدح کا بیان گذشتہ آیات سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے جو صحیح معنی میں عباد الرحمٰن کہلانے کے مستحق ہیں ان کی کئی صفات اور خصوصیات گذشتہ میں بیان ہوئیں مثلاً اپنے اعمال میں تواضع ان کا طرز خاص ہے۔ دوسروں کے ساتھ جہالت کی بات کے مقابلہ میں رفع شر کی بات کہہ کر علیحدہ ہو جانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت و بندگی کا تعلق رکھنا اور اس کے باوجود خوف خداوندی سے جہنم کے عذاب سے خوف کھا کر اس سے بچنے کی دعا کرنا۔ انفاق مال میں اعتدال اور میانہ روی کی راہ اختیار کرنا۔ اسراف اور بخل کے افراط و تفریط سے بچنا۔

آگے ان آیات میں مزید بعض صفات انہی عباد الرحمٰن کی بیان فرمائی گئی ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ ہر حال میں شرک سے بچتے ہیں۔ خدا کا کسی کو شریک نہیں سمجھتے۔ شرک جو کفر کی بدترین قسم ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات۔ اس کی صفات اس کی عبادت اور اس کی حدود عظمت میں کسی اور کو شریک بنالینا۔ شرک وہ جرم ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے طے فرما دیا ہے اور قطعی فیصلہ فرما دیا ہے کہ ہر کوتاہی۔ لغزش اور جرم قابل معافی ہو سکتا ہے مگر کفر و شرک کا جرم اگر اس سے سچی توبہ نہ کی جائے تو ہرگز

قابل معافی نہیں ہوگا اور اس کی سزا ضرور بھگتنی ہوگی جیسا کہ قرآن پاک میں صاف فرمادیا گیا ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشآء۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے ہاں اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا۔ شرک کی تفصیلی بحث انشاء اللہ تعالیٰ ۲۱ ویں پارہ سورۂ لقمان کی آیت ان الشرک لظلم عظیم کے تحت آپ کے سامنے آئے گی۔

الغرض ان آیات میں عبادالرحمٰن کی ایک صفت یہ بتلائی گئی کہ وہ ہر حال میں ہر طرح کے شرک سے بچتے ہیں۔ اگلی صفت فرمائی گئی کہ وہ کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے یعنی جن مواقع میں قتل کی اجازت ہے جیسے قصاص لینا یعنی خون کے بدلہ خون کرنا یا جہاد میں دشمن کو قتل کرنا یا زانی شادی شدہ کو سنگسار کرنا۔ وہاں تو وہ ہاتھ نہیں روکتے باقی دیگر مواقع میں جہاں خدا نے حکم نہیں دیا اور جان کا مارنا حرام کیا ہے وہاں اپنا ہاتھ روکتے ہیں اور نہ وہ زنا کرتے ہیں یعنی ان تین بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں جن میں اس وقت اہل عرب کثرت سے مبتلا تھے ایک شرک باللہ۔ دوسرے قتل ناحق تیسرے زنا۔ صحیح بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا شریک کسی کو قرار دینا حالانکہ تجھے اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اس کے بعد کونسا گناہ ہے؟ فرمایا اولاد کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہوجائے گی پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اس کے بعد کونسا گناہ ہے؟ فرمایا ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اسی کی تصدیق میں یہ آیات نازل ہوئیں تو اگرچہ گناہ کبیرہ اور بھی بہت سے ہیں لیکن ایام جاہلیت میں عرب سوسائٹی پر سب سے زیادہ تسلط انہی تین گناہوں کا تھا اس لئے مومنین مخلصین جو صحیح معنی میں عبادالرحمٰن کہلانے کے مستحق ہیں ان کی اس خصوصیت کو نمایاں کیا گیا کہ یہ اہل ایمان اور اہل اسلام ہی ہیں جو ان برائیوں اور گناہوں سے یعنی شرک باللہ۔ قتل ناحق اور زنا سے بچ گئے ہیں۔ ان آیات میں آگے بطور تنبیہ کے فرمایا گیا کہ جو شخص ایسے کام کرے گا وہ قیامت میں عذاب میں گرفتار ہوگا اور دم بدم اس کا عذاب بڑھتا ہی رہے گا اور اس عذاب میں ہمیشہ ذلیل و خوار ہوکر رہے گا۔ بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم نے تو اور معبودوں کی پرستش بھی کی ہے۔ اور ناحق قتل بھی کیا اور حرام کاری بھی کی ہے پس ہمارے لئے مغفرت اور معافی کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ الامن تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت وکان اللہ غفورا رحیما. ومن تاب وعمل صالحا فانہ یتوب الی اللہ متابا. یعنی ان کفار و مشرکین میں سے جو توبہ کرلے اور ایمان لے آوے اور بجائے ان برے کاموں کے اچھے کام کرے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو خدا نیکیوں سے بدل دے گا اور ان کو معاف کرکے ان کی بجائے نیکیاں لکھ دے گا اور اب وہ بجائے مشرک کے مومن ہوں گے اور بجائے زانی کے عفیف اور بدکار کے نکوکار ہوں گے اور یہ برائیوں کا مٹا دینا اور ان کی جگہ نیکیاں عنایت فرمانا اس وجہ سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ غفور ہے اور رحیم ہے۔ بڑا بخشنے والا ہے اور بہت رحم والا ہے۔ اور جو کوئی توبہ اور عمل صالح کرتا ہے وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہوتا ہے پس جبکہ وہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور خدا غفورالرحیم ہے تو وہ

انہیں کیوں نہ معاف کردے گا۔

یہاں بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جن کی زندگی اگرچہ کفروشرک اور طرح طرح کی معصیت وگناہوں سے آلودہ رہی ہو اور اب وہ اپنی اصلاح اور درستی پر آمادہ ہوں۔ توبہ کی اس نعمت ہی نے عرب کے ایام جاہلیت کے بگڑے ہوئے معاشرہ کے لاکھوں افراد کو سہارا دے کر سنبھال لیا اس کا اندازہ ان بہت سے واقعات سے ہوتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حیاۃ مبارک میں پیش آئے اور جو احادیث میں مروی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ سنیے جسے علامہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں روایت کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک روز ایک عورت رات کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں آپ سے ایک سوال کرنے آئی ہوں۔ اس کا جواب مجھ کو دیں۔ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا اور اس سے حمل قائم ہوگیا۔ بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے مار ڈالا۔ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرے گناہ معاف ہونے کی بھی کوئی صورت ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اب نہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوسکتی ہیں اور نہ خدا کے ہاں تیری قبولیت ہوسکتی ہے۔ وہ بڑی حسرت کے ساتھ آہیں بھرتی اور روتی پیٹتی واپس ہوگئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر میں نے رات کا واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوہریرہ تم نے صحیح جواب نہیں دیا۔ کیا تم نے قرآن کی ان آیتوں کو نہیں پڑھا۔ پھر سورۂ فرقان کی یہی تلاوت کردہ آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سن کر مجھے بڑا رنج ہوا اور اس عورت کو میں نے تلاش کرنا شروع کیا۔ رات کو عشاہی کے وقت وہ ملی۔ میں نے اسے بشارت دی اور بتایا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے سوال کا یہ جواب دیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سجدہ میں گرگئی اور کہنے لگی کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے چھٹکارہ کی صورت پیدا فرمادی اور میرے لئے معافی کا دروازہ کھولا اور میری توبہ کی قبولیت رکھی پھر اس نے سچے دل سے توبہ کرلی۔ اسی طرح کا ایک واقعہ احادیث میں ایک بوڑھے کا آیا ہے کہ ایک بہت بوڑھا ضعیف آدمی جس کی بھویں آنکھوں پر آگئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یارسول اللہ میں ایک ایسا شخص ہوں کہ کوئی گناہ کوئی بدکاری میں نے باقی نہیں چھوڑی۔ میرے گناہ اس قدر ہیں کہ اگر تمام انسانوں میں تقسیم ہوجائیں تو سب کو لے ڈوبیں۔ کیا میرے معافی کی بھی کوئی صورت ہے۔ کیا میری توبہ بھی قبول ہوسکتی ہے آپ نے فرمایا کہ تم مسلمان ہوجاؤ۔ اس نے کلمہ پڑھ لیا اشہدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشہدان محمدا عبدہ و رسولہ۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیری تمام برائیاں۔ گناہ۔ وبدکاریاں سب کچھ معاف فرمادے گا بلکہ جب تو اس پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ تیری برائیاں نیکیوں سے بدل دے گا۔ اس نے پھر پوچھا حضور میرے چھوٹے بڑے گناہ سب صاف ہوجائیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں تیرے سب کے سب جرم وقصور صاف ہوجائیں گے پھر تو وہ شخص خوشی خوشی واپس جانے لگا اور تکبیر اور تہلیل پکارتا ہوا لوٹ گیا۔

یہاں ان آیات میں نہ صرف کفار ومشرکین کے لئے توبہ کی بشارت ہے بلکہ ایک گناہ گار مومن جس سے کوئی صدور معصیت ہوجائے اس کے لئے بھی توبہ کی فضیلت موجود ہے۔ اسی کی تائید میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے گناہ کے بعد توبہ کرلی وہ گویا بے گناہ ہوگیا۔ اور حق تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے

جتنی خوشی ہوتی ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ مثلاً اگر کوئی شخص کسی بے آب وگیاہ اور دہشت ناک لق ودق میدان میں پہنچ جائے اور اس کی سواری مع اس کھانے کے سامان کے جو اس پر رکھا ہوا تھا گم ہوجائے اور وہ اپنی سواری کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا تھک جائے اور آخر اس وجہ سے کہ سواری کے بغیر نہ جنگل بیابان سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ کھانے کے بغیر فاقہ کی موت سے جان بچا سکتا ہے۔ زندگی سے مایوس ہوجائے کہ نہ پیدل چلنے کی طاقت ہے۔ نہ وہاں آب ودانہ میسر آنے کی امید ہے اس لئے مایوس ہوکر کسی درخت کے نیچے آ لیٹے اور اپنے ہاتھ پر سر رکھ کر اس خیال میں سوجائے کہ اب موت آیا چاہتی ہے اور پھر دفعتہً اس کی آنکھ کھل جائے اور وہ دیکھے کہ اس کی کھوئی ہوئی سواری اس کے پاس کھڑی ہے اور کھانے پینے کا سامان جو اس پر لدا ہوا تھا وہ بجنسہٖ موجود ہے تو اس کو ایسی حالت میں زندگی سے ناامید ہونے کے بعد سرمایۂ حیات ہاتھ لگنے کی وجہ سے جتنی خوشی حاصل ہوگی اس سے زیادہ حق تعالیٰ کو اس وقت خوشی ہوتی ہے جب کہ بندہ اس کی جانب رجوع کرتا اور اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے مگر یہاں یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے معنی اور اس کی حقیقت کو بھی سمجھ لیا جائے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ توبہ کے معنی رجوع کرنے اور بعد سے قریب کی جانب لوٹ آنے کے ہیں مگر اس کے لئے ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا۔ ابتدا تو یہ ہے کہ قلب پر نور معرفت کی شعاعیں پھیل جائیں اور دل کو اس مضمون کی پوری آگاہی حاصل ہوجائے کہ گناہ جس کا دوسرا نام اللہ کی نافرمانی ہے زہر قاتل اور تباہ کردینے والی شے ہے اور پھر خوف وندامت پیدا ہوکر گناہ کی تلافی کرنے کی سچی اور خالص رغبت اتنی پیدا ہوجائے کہ جس گناہ میں مبتلا تھا اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کے لئے اس گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنے کا مصمم قصد کرلے اور اس کے ساتھ ہی جہاں تک ہوسکے گذشتہ تقصیر وکوتاہی کا تدارک کرے جب ماضی اور مستقبل اور حال تینوں زمانوں کے متعلق توبہ کا یہ ثمرہ پیدا ہوجائے گا تو گویا توبہ کا وہ کمال حاصل ہوگیا جس کا نام توبہ کی انتہا ہے۔ تو یہ حقیقت ہے توبہ اور استغفار کی اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توبہ کی حقیقت نصیب فرمائیں۔ ابھی عبادالرحمٰن کی کچھ مزید صفات اگلی آیات میں جاری ہیں جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یااللہ! آپ نے جو صفات اپنے نیک بندوں کی یہاں بیان فرمائی ہیں ان صفات اور خصلتوں کا کوئی حصہ ہم گنہگاروں کو بھی نصیب فرمادے اور ہمارا حشر ونشر اپنے مومنین ومخلصین بندوں کے ساتھ فرمادے۔ اے اللہ اس وقت امت مسلمہ کی ناؤ عصیان ومعاصی کے طوفان میں گھری ہوئی ہے اے اللہ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اس امت مسلمہ کو تباہی سے بچالے اور اس امت کی بھنور میں پھنسی ہوئی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو ہلاکت سے بچالے اے اللہ اس بھٹکی ہوئی امت کو پھر آپ کی طرف رجوع ہوجانے کی توفیق نصیب ہوجائے۔ اے اللہ آپ ہی کو ہر درد دکھ میں اپنا ملجا اور ماویٰ سمجھنے کی فہم ہم کو عطا ہوجائے۔

اے اللہ ہمیں اپنے ان بندوں میں شامل فرمالے جو صدق دل سے تیرے الٰہ العالمین اور رب العالمین ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور آپ کے اتباع میں اپنی نجات منحصر سمجھتے ہیں۔ جو تیرے قرآن پاک کے وفادار ہیں اور جو تیرے محبوب دین کی حفاظت میں دن رات لگے رہتے ہیں اور اسی پر زندہ اور اسی پر مرنا چاہتے ہیں۔ آمین۔ ثم امین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ

اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ اور وہ ایسے ہیں کہ جس وقت اُن کو اللہ کے احکام

رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا

کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ اور وہ ایسے ہیں کہ دُعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں

وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا

اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنادے۔ ایسے لوگوں کو بالاخانے ملیں گے بوجہ اُن کے

صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۙ ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾

ثابت قدم رہنے کے اور اُن کو اس میں بقا کی دعا اور سلام ملے گا۔ اُس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پروانہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے، سو تم تو (احکام الٰہیہ) کو جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب یہ جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے وبال (جان) ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ جو	لَا يَشْهَدُوْنَ گواہی نہیں دیتے	الزُّوْرَ جھوٹ	وَاِذَا اور جب	مَرُّوْا وہ گزریں	بِاللَّغْوِ بیہودہ سے	
مَرُّوْا گزرتے ہیں	كِرَامًا بزرگانہ	وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ جو	اِذَا ذُكِّرُوْا جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے	بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ انکے رب کے احکام سے		
لَمْ يَخِرُّوْا نہیں گر پڑتے	عَلَيْهَا ان پر	صُمًّا بہروں کی طرح	وَّعُمْيَانًا اور اندھوں کی طرح	وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ جو	يَقُوْلُوْنَ کہتے ہیں وہ	
رَبَّنَا هَبْ لَنَا اے ہمارے رب عطا فرما ہمیں	مِنْ اَزْوَاجِنَا ہماری بیویاں	وَذُرِّيّٰتِنَا اور ہماری اولاد	قُرَّةَ اَعْيُنٍ ٹھنڈک آنکھوں کی			
وَّاجْعَلْنَا اور بنادے ہمیں	لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیز گاروں کا	اِمَامًا امام (پیشوا)	اُولٰٓئِكَ یہ لوگ	يُجْزَوْنَ انعام دیئے جائینگے	الْغُرْفَةَ بالاخانے	
بِمَا صَبَرُوْا انکے صبر کی بدولت	وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا اور پیشوائی کئے جائینگے اس میں	تَحِيَّةً دعائے خیر	وَّسَلٰمًا اور سلام	خٰلِدِيْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے		
فِيْهَا اس میں	حَسُنَتْ اچھی ہے	مُسْتَقَرًّا آرام گاہ	وَّمُقَامًا اور مسکن	قُلْ فرمادیں	مَا يَعْبَؤُا پرواہ نہیں رکھتا	بِكُمْ تمہاری
رَبِّيْ میرا رب	لَوْ اگر	لَا دُعَاۗؤُكُمْ نہ پکارو تم	فَقَدْ كَذَّبْتُمْ تو جھٹلایا تم نے	فَسَوْفَ پس عنقریب	يَكُوْنُ ہوگی	لِزَامًا لازمی

تفسیر و تشریح:۔ یہ سورۂ فرقان کی خاتمہ کی آیات ہیں جن میں عبادالرحمٰن یعنی اللہ کے نیک بندوں کی کچھ مزید صفات بیان فرما کر ان کی جزا بتلائی گئی اور ان کے مقابلہ میں کفار و مشرکین کا انجام بتلا کر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔ گذشتہ آیات میں پکے اور سچے اہل اسلام و ایمان جو حقیقی معنی میں عبادالرحمٰن ۔ یعنی حضرت رحمٰن جل شانہٗ کے بندے کہلانے کے مستحق ہیں ان کی آٹھ صفات بیان فرمائی گئی تھیں یعنی

(۱) وہ زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔ یعنی ان کے مزاج میں تواضع و انکساری ہے اور تمام امور میں اسی کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ (۲) وہ ناسمجھ اور جاہلوں سے الجھتے نہیں۔ ان کی جہالت کے مقابلہ میں حلم و عفو اور نرمی سے کام لیتے ہیں تا کہ شر نہ بڑھے۔ (۳) وہ اپنے معبود حقیقی کے ساتھ اطاعت و بندگی کا تعلق رکھتے ہیں اور راتوں میں اپنے رب کے آگے سجدہ و قیام یعنی نماز میں لگے رہتے ہیں (۴) وہ اللہ کے خوف سے ڈر کر دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچانا اور جہنم سے ہمیں دور رکھنا کیونکہ اس سے بُری اور بدتر کوئی جگہ نہیں۔ (۵) وہ مال کو خرچ کرتے

وقت نہ اس کو بے جا اڑاتے ہیں نہ بخل و کنجوسی سے کام لیتے ہیں بلکہ موقع اور ضرورت کی مناسبت سے خرچ کرتے ہیں۔(۶) وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے یعنی شرک سے ہر طرح سے پاک صاف رہتے ہیں۔(۷) وہ کسی جان کو ناحق ظلم سے قتل نہیں کرتے یعنی سوائے ان مواقع کے جہاں اسلامی شریعت نے قتل کا فیصلہ اور حکم دیا ہے کسی کی جان نہیں مارتے۔(۸) وہ زنا اور بدکاری سے دور رہتے ہیں اور ناجائز جنسی تعلقات سے بچتے ہیں۔

اب آگے ان آیات میں مزید چار صفات ان نیک بندوں اور مخلص مومنین کی بیان فرمائی ہیں۔یعنی نویں صفت یہ بتلائی جاتی ہے کہ وہ جھوٹ اور بیہودہ باتوں کے پاس نہیں پھٹکتے۔نہ جھوٹ بولیں۔نہ جھوٹی گواہی دیں۔نہ دغا فریب جعلسازی میں کوئی حصہ لیں۔نہ ناجائز مجمعوں میں حاضری دیں۔اس میں ہمارے زمانہ کی مختلف گانے بجانے ناچ رنگ اور رقص و سرود کی محفلیں تھیٹر بائیسکوپ۔سینما وغیرہ وغیرہ سب داخل ہیں۔آیت میں لایشھدون الزورن فرمایا گیا ہے۔زور کے کئی معنی اہل تفسیر سے منقول ہیں۔بعض مفسرین نے زور کے معنی جھوٹ اور حق سے انحراف کے لئے ہیں۔بعض نے بیہودگی اور راگ ورنگ کے ناجائز مجمع مراد لئے ہیں۔بعض نے مشرکوں کے تہوار اور ان کے میلے ٹھیلے مراد لئے ہیں۔بعض نے شراب خواری کے جلسہ اور ہر بری مجلس مراد لی ہے۔امام رازیؒ نے یہ سب معانی بیان کر کے لکھا ہے کہ درست یہ سب ہو سکتے ہیں البتہ زور کا استعمال کذب کے معنی میں اکثر ہوتا ہے۔اس طرح حاصل اس جملہ لایشھدون الزور کا یہ ہوا کہ اللہ کے خاص بندے اور پکے و سچے اہل ایمان نہ جھوٹ بولتے ہیں۔نہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں نہ گناہوں کے جلسے میں۔نہ کافروں کے تہواروں اور میلوں میں اور نہ فسق و فجور کی محفلوں میں اور نہ راگ و رنگ کی مجلسوں میں شامل ہوتے ہیں۔آگے دسویں صفت فرمائی گئی کہ اگر اتفاق سے نادانستہ بلا ارادہ کسی بیہودہ جلسہ یا محفل رقص و سرود یا میلہ ٹھیلہ کی مجلس کی طرف گزر ہو جاتا ہے تو یہ دیکھنے اور لطف اندوز ہونے کے لئے ٹھہر نہیں جاتے بلکہ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ انہیں چھوڑ کر چشم پوشی کر کے شریفانہ طور پر وہاں سے گزر جاتے ہیں۔گیارہویں صفت ان اللہ کے نیک بندوں کی یہ فرمائی گئی کہ جب انہیں ان کے پروردگار کی

آیتیں یعنی قران پاک پڑھ کر سنایا جائے تو قرآن کے حقائق و معارف اور احکام الٰہیہ کی طرف سے اندھے اور بہرے نہیں ہو جاتے بلکہ عقل و فہم کے ساتھ اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور تعمیل احکام میں لگ جاتے ہیں۔قرآن کی آیتیں سن کر ان کے دل دہل جاتے ہیں اور ان کے ایمان اور توکل بڑھ جاتے ہیں۔بخلاف کفار کے کہ وہ کلام الٰہی کا کوئی اثر نہیں لیتے۔نہ اپنی بداعمالیوں سے باز رہتے ہیں نہ اپنا کفر چھوڑتے ہیں اور نہ اپنی سرکشی۔طغیانی اور جہالت و ضلالت سے باز آتے ہیں۔تو کافر خدا کی آیتوں کی طرف سے بہرے اور اندھے ہو جاتے ہیں اور مومنوں کی حالت ان کے برعکس ہوتی ہے کہ نہ یہ حق سے بہرے اور اندھے ہیں۔سنتے ہیں سمجھتے ہیں۔نفع حاصل کرتے ہیں اپنی اصلاح کرتے ہیں اور اپنے ایمان کو بڑھاتے ہیں۔اور احکام الٰہیہ کے تعمیل کی کوشش کرتے ہیں اور پھر پابندی رکھتے ہیں۔اس گیارہویں صفت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ یہاں آیت میں جس طرح اس امر کی سخت مذمت ہے کہ آیات الٰہیہ کی طرف توجہ ہی نہ دیں۔اندھے بہروں کا سا معاملہ کریں۔اسی طرح اس کی بھی مذمت ہے کہ توجہ تو دیں اور عمل بھی کریں مگر بے سمجھے بے بصیرتی کے ساتھ اپنی رائے سے جس طرح چاہیں عمل کرنے لگیں۔ابن کثیرؒ نے ابن عونؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت شعبیؒ سے پوچھا کہ اگر میں کسی مجلس میں پہنچوں جہاں لوگ سجدہ میں پڑے ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ کیسا سجدہ ہے تو کیا میں بھی ان کے ساتھ سجدہ میں شریک ہو جاؤں۔حضرت شعبیؒ نے فرمایا نہیں۔مومن کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ بے سمجھے کسی کام میں لگ جائے بلکہ اس پر لازم ہے کہ بصیرت کے ساتھ عمل کرے۔جب تم نے وہ آیت سجدہ نہیں سنی جس کی بنا پر یہ لوگ سجدہ کر رہے ہیں اور تمہیں ان کے سجدہ کی حقیقت بھی معلوم نہیں تو اس طرح ان کے سجدہ میں شریک ہونا جائز نہیں۔اس زمانہ میں یہ بات تو قابل شکر ہے کہ نوجوان اور نوتعلیم یافتہ طبقہ میں قرآن پڑھنے اور سمجھنے کی طرف کچھ توجہ پیدا ہوئی ہے اور اس کے تحت وہ بطور خود قرآن کا ترجمہ یا کسی کی تفسیر دیکھ کر قرآن کو خود سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں مگر یہ کوشش بالکل بے اصول ہے اس لئے قرآن کو صحیح سمجھنے کی بجائے بہت سے مغالطوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔اصول کی بات یہ ہے کہ دنیا

کا کوئی معمولی سے معمولی فن بھی نری کتاب کے مطالعہ سے کسی کو معتد بہ نہیں حاصل ہوسکتا جب تک اس کو کسی استاد سے نہ پڑھے۔ معلوم نہیں قرآن ہی کو کیوں ایسا سمجھ لیا گیا ہے کہ جس کا جی چاہے خود ترجمہ دیکھ کر جو چاہے اس کی مراد متعین کرلے۔ یہ بے اصول مطالعہ جس میں کسی ماہر استاد کی رہنمائی شامل نہ ہو یہ بھی آیات الٰہیہ پر اندھے بہرے ہوکر گرنے کے مفہوم میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم کی توفیق بخشیں۔ (معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۵۰۸)

بارہویں صفت ان اللہ کے نیک بندوں کی یہ بتلائی گئی کہ وہ اللہ عزوجل سے یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہماری بیویوں اور بچوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کہ ان کے اطوار اور عادات کو دیکھ کر ہماری طبیعت کو چین اور دل کو راحت و سرور نصیب ہو اور ہمیں لوگوں کا رہبر بنادے کہ ہم انہیں نیکی کی تعلیم دیں اور لوگ بھلائی اور نیکی اور تقویٰ و طہارت میں ہماری اقتدا کریں یعنی ہم نہ صرف بذات خود مہتدی ہوں بلکہ دوسروں کے لئے ہادی بھی ہوں۔ یہاں یہ بات خاص طور سے ذہن میں رہنی چاہئے کہ جس وقت یہ آیات مکہ میں نازل ہوئی ہیں وہ وہ وقت تھا کہ مکہ کے مسلمانوں میں سے غالباً کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے قریبی عزیز و رشتہ دار کفر و شرک میں مبتلا نہ ہوں۔ کوئی مرد ایمان لے آیا تھا تو اس کی بیوی کافرہ تھی۔ کوئی عورت ایمان لے آئی تھی تو اس کا شوہر ابھی کافر تھا۔ کوئی باپ ایمان لے آیا تھا تو اس کے جوان بچے کفر پر قائم تھے۔ کوئی جوان ایمان لے آیا تھا تو اس کے ماں باپ بھائی بہن کفر میں مبتلا تھے اس لئے ہر مسلمان کے دل سے دعا نکلتی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کو بھی ایمان اور عمل صالح کی توفیق دے کہ وہ بھی اللہ کے فرمانبردار عبادت گزار موحد اور غیر مشرک ہوں تاکہ ان کو دیکھ کر دنیا میں بھی دل ٹھنڈا رہے اور آخرت میں بھی یہ انہیں اچھی حالت میں دیکھ کر خوش ہوں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی سچی خوشی اسی میں ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال دوست احباب عزیز و اقارب کو خدا کا فرمانبردار دیکھے۔ وہ ظالم نہ ہوں۔ بدکار نہ ہوں بلکہ سچے مسلمان ہوں۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ان آیات کی تشریح کے تحت حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک صحابی ہیں ان کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر ایک صاحب فرمانے لگے کہ ان آنکھوں کو مبارکباد ہو جنہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ کاش کہ ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے اور آپ کی طرح فیض صحبت حاصل کرتے۔ اس پر حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناراض ہوئے تو وہ صاحب کہتے ہیں کہ مجھے تعجب معلوم ہوا کہ اس بات میں تو کوئی برائی نہیں پھر یہ خفا کیوں ہورہے ہیں۔ اتنے میں حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ اس چیز کی آرزو کرتے ہیں جو قدرت نے انہیں نہیں دی۔ خدا ہی کو علم ہے کہ یہ اس وقت ہوتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔ واللہ وہ لوگ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جنہوں نے نہ آپ کی تصدیق کی اور نہ تابعداری کی اور اوندھے منہ جہنم میں گئے تم اللہ کا یہ احسان نہیں مانتے کہ خدا نے تمہیں اسلام میں اور مسلمان گھروں میں پیدا کیا اور پیدا ہوتے ہی تمہارے کانوں میں خدا کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پڑی اور ان بلاؤں سے تم بچالئے گئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے تھے جس وقت دنیا کی ظلمت و جہالت اپنی انتہا پر تھی۔ اس وقت اکثر دنیا والوں کے نزدیک کفر و شرک اور بت پرستی سے بہتر کوئی مذہب نہ تھا۔ آپ فرقان لے کر آئے حق و باطل میں تمیز کی۔ باپ بیٹے جدا ہوگئے۔ مسلمان اپنے باپ دادوں۔ بیٹوں پوتوں دوست احباب کو کفر پر دیکھتے جن سے انہیں کوئی محبت و پیار نہیں ہوتا تھا بلکہ کڑھتے تھے کہ یہ جہنمی ہیں اسی لئے ان کی دعائیں ہوتی تھیں کہ ہمیں ہماری اولادوں اور بیویوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما کیونکہ کفار کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوتی تھیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی محدث و مفسر قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ تمام قرآن میں حق جل شانہ کی یہ سنت جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ جابجا اہل ہدایت اور اہل ضلالت کو میزان عدل پر رکھ کر تولتے ہیں اور ان کے اوصاف بیان فرماتے ہیں۔ ایک فریق کو عذاب کا وعدہ دیتے ہیں اور ایک فریق کو نعمائے جنت کی بشارت سناتے ہیں اور دونوں فریق کے ان اوصاف کو ذکر فرماتے ہیں جن کے ساتھ وہ معروف و مشہور ہوں۔ پس اسی قاعدہ کے موافق اس سورۂ فرقان میں بھی اللہ تعالیٰ نے کفار کے شبہات اور اعتراضات اور ان کے جاہلانہ خصائل و عادات کا ذکر کرکے ان کی پاداش کا ذکر کیا بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد مقربین

اور مومنین مخلصین کی صفات مشہورہ کا ذکر کیا جب یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی تو اس وقت جو اہل ایمان حاضر تھے وہ مہاجرین اولین تھے۔ لہٰذا یہ آیات مہاجرین کی فضیلت کے لئے کافی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (ازالۃ الخفا ماخوذ از معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

الغرض مومنین مخلصین کی یہ بارہ صفات بیان فرما کر آگے حق تعالیٰ ان کی جزا بیان فرماتے ہیں کہ آخرت میں ان کو جنت ملے گی جو بلند تر جگہ ہے کیونکہ انہوں نے تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کر کے اللہ کے حکم پر عمل کیا اور اس کی اطاعت میں ثابت قدم رہے۔ جنت میں ان کی بڑی آؤ بھگت ہوگی۔ فرشتے ان کا دعا و سلام کے ساتھ استقبال کریں گے اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو مبارکباد دیں گے اور سلام و دعا کریں گے۔ یہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکلیں گے نہ نکالے جائیں گے۔ نہ نعمتیں کم ہوں گی نہ راحتیں فنا ہوں گی۔ یہاں تک عباد الرحمٰن کے خصوصی اوصاف اور ان کے ثمرات اور انجام کا بیان تھا گذشتہ سلسلہ بیان میں کافروں اور سرکشوں کو عذاب کی وعید بھی تھی اور ترہیب کے ساتھ توبہ کی ترغیب بھی دی گئی تھی۔

آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ آپ تمام سرکش۔ منکر اور احسان فراموش انسانوں سے کہہ دیں کہ تمہارے نفع و نقصان کی باتیں سمجھا دی گئیں اگر تم کو اپنی بہبودی۔ نجات اور اخروی فلاح و سعادت کی طلب نہیں اور اگر تم اللہ کے بھیجے ہوئے رسول سے سرتابی کرتے ہو اور اللہ کے اتارے ہوئے قانون اور فرمان سے منہ موڑتے ہو تو اللہ کو بھی تمہاری کچھ پروا نہیں۔ اس کی کوئی غرض تم سے وابستہ نہیں۔ اگر پیام حق مانتے اور راہ ہدایت پر چلتے تو تمہارا ہی فائدہ تھا۔ اب تم نہیں مانتے تو نہ مانو۔ یہ تمہاری تکذیب عنقریب تمہارے گلے کا ہار بنے گی۔ اس کی سزا سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہوگا اور انجام کار تمہارا ٹھکانا نہایت المناک ہوگا اور اس کی سخت ترین دوامی سزا تم کو برداشت کرنی پڑے گی۔

یہاں اب ہمارے لئے بھی یہ بات قابل غور ہے کہ ایک پکے اور سچے مسلمان کی جو صفات قرآن کریم نے یہاں بیان فرمائی ہیں ان سے ذرا ہم آج کے مسلمان کا مقابلہ کریں اور مومنین کاملین کی ہر صفت کے مقابلہ میں اپنی اور قوم اور ملک کی حالت کا اندازہ لگائیں تو ہمیں اپنے اسلام و ایمان کے دعوے کی حقیقت کا خود پتہ چل جائے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم تو اب اسلام کو بدنام کرنے والے بن بیٹھے ہیں۔ اور باوجود ایسی تنبیہات کے کہ جو قدرت کی طرف سے گاہے بگاہے پیش آتی ہیں اگر ہم نے ہوش نہ سنبھالا اور اللہ کی رسی کو مضبوط نہ پکڑا اور کھلے ہوئے محرمات و ممنوعات مثل سود۔ شراب۔ زنا۔ جوا۔ قمار۔ سٹہ۔ گانے بجانے۔ ظلم۔ خیانت۔ رشوت۔ فحاشی۔ عیاشی وغیرہ سے باز نہ آئے اور ان سے منہ نہ موڑا اور فرائض الٰہیہ نماز۔ روزہ وغیرہ سے ایسی ہی روگردانی رہی اور اللہ کی کتاب اور قوانین قرآن سے یہی بے وفائی جاری رہی اور اللہ کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنتوں کی یہی پامالی ہوتی رہی۔ تو پھر اللہ کے قانون بھی اٹل ہیں اپنے بداعمالیوں کی پاداش میں ماضی میں جو پیش آچکا ہے اس سے زیادہ سخت اور عبرتناک ہوگا جو کچھ آگے پیش آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سمجھ اور فہم اور برے بھلے میں تمیز کرنے اور ان کے انجام کو سمجھنے کی توفیق عطا فرماویں۔ (نوٹ: واضح ہو کہ یہ درس اب سے تقریباً دس بارہ سال (یعنی ۱۹۷۲ء میں تحریر کیا گیا تھا) پہلے کا لکھا ہوا ہے جبکہ پاکستان میں بے دینی اپنے کمال عروج پر تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اب (یعنی ۱۹۸۴ء میں) کچھ بہتری کے آثار نظر آنے شروع ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ اس ملک اور قوم کی بدحالی کو اب اپنے کرم سے نیک حالی سے پلٹ دیں۔ آمین)

الحمدللہ کہ اس درس پر سورۂ فرقان کا بیان ختم ہوا۔ اور ساتھ ہی قرآن پاک کی چوتھی منزل بھی ختم ہوئی۔ اس کے بعد اگلی سورۃ الشعراء کا بیان انشاءاللہ شروع ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سَبْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً اَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾

طٰسٓمّٓ یہ کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں۔

طٰسٓمّٓ طسم	تِلْكَ یہ	اٰيٰتُ آیتیں	الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ روشن کتاب	

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اب پانچویں منزل کی ابتدا سے ۱۹ ویں پارہ کی سورۂ شعرآء کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس درس میں سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت کی تشریح کی گئی ہے۔ تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ موضوع ومباحث تعداد آیات۔ رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں شاعری کا بڑا زور شور تھا۔ اور عرب قوم پر ایام جاہلیت میں شاعری کا بھوت سوار تھا۔ ہر خاندان اور قبیلہ کو اپنی شاعری پر فخر تھا سالانہ میلوں میں مشاعرہ کی محفلیں گرم ہوتی تھیں۔ مگر اس وقت کی عربی شاعری میں سوائے ذاتی فخر۔ قومی جہالت۔ عشق بازی۔ شراب خواری۔ اور فسق وفجور کے تذکرہ کے اور کیا رکھا تھا۔ جب کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قران پاک کی آیات سنتے تو اس کی فصاحت و بلاغت اور مضامین عالیہ سے حیران اور عاجز ہوکر طرح طرح کی الزام تراشی پر اتر آتے۔ کبھی کہتے یہ (نعوذ باللہ) کاہن ہیں۔ کبھی کہتے کہ ساحر ہیں۔ کبھی کہتے کہ شاعر ہیں۔ اس سورۃ کے اخیر میں حق تعالیٰ نے شعراء کی حقیقت بھی بیان فرمادی کہ وہ واہی تباہی باتیں اشعار میں جمع کیا کرتے ہیں اور ہر وادیٔ سخن میں حیران و پریشان پھرا کرتے ہیں تو کہاں شاعری اور کہاں قرآن کی آیات جن میں سراسر راستی۔ ہدایت۔ مکارم اخلاق اور توحید وغیرہ کے مضامین عالیہ ہیں۔

لفظ شعراء جمع ہے شاعر کی اور شاعر آپ جانتے ہیں کہ اشعار کہنے والے کو کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام شعراء ہوا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔ اور مکی دور کے درمیانی زمانہ میں اس کا نزول روایت کیا گیا ہے سورۂ طٰہٰ کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی ہے اور سورۂ طٰہٰ کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۲۶ ویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۵۶ لکھا ہے یعنی ۵۵ سورتیں مکہ معظمہ میں اس سورۃ سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۳۴ سورتیں مکہ ہی میں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اور پھر ۲۴ سورتیں مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۲۲۷ آیات، ۱۱ رکوعات۔ ۱۳۴۷ کلمات اور ۵۶۸۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کے زمانۂ نزول میں مکی زندگی بہت سخت تھی۔ ہر وقت ہر طرف سے کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین پر ہجوم تھا۔ بے پناہ طعن و تشنیع تھی۔ منکرین اسلام انکار اور مخالفت پر جمے ہوئے تھے اسلام کی روح پرور باتیں اور قرآن کی نجات آفریں ہدایات کافروں کو عجیب معلوم ہوتی تھیں اور اپنے باپ دادا کے مسلک اور دین کو چھوڑ دینا ان پر بہت ہی شاق تھا۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کے بے تکے مطالبات اور خواہشیں کرتے تھے۔

مثلاً پہاڑوں کو مکہ کے چاروں طرف سے ہٹا دینا۔ ریگستان میں پانی کی نہریں جاری کر دینا۔ پہاڑ سونے کے بن جانا کسی فرشتہ کا ساتھ ساتھ رہنا۔ غرض اس قسم کی بیہودی درخواستیں کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین ان گمراہوں کی ہدایت کے لئے نہایت بے چین رہتے تھے۔ ان لوگوں کو معقول دلائل کے ساتھ ان کے عقائد کی غلطی اور توحید و آخرت کی صداقت سمجھانے کی ہر طرح کوشش فرماتے مگر وہ عناد و ہٹ دھرمی کی نئی نئی صورتیں اختیار کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دردمندی بہت بڑھی ہوئی تھی اس لئے کفار کی سرکشی اور کج بحثی سے آپ طبعاً متاثر ہوتے تھے اور دل ہی دل میں ان کفار کے ایمان کے لئے آپ غم کھاتے تھے۔ ان حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی جس کی ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ ان کفار کے ایمان نہ لانے سے اپنی جان کیوں گھلا رہے ہیں۔ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے اللہ کی کوئی نشانی نہیں دیکھی بلکہ عناد اور ہٹ دھرمی ہے۔ اس تمہید کے بعد مسلسل یہ مضمون چلا گیا ہے کہ طالب حق کے لئے تو خدا کی زمین پر ہر طرف نشانیاں ہی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں جنہیں دیکھ کر وہ حق کو پہچان سکتا ہے لیکن ہٹ دھرم لوگ تو کسی چیز کو بھی دیکھ کر ایمان نہیں لا سکتے نہ زمین و آسمان کی نشانیاں دیکھ کر اور نہ انبیاء کے معجزات دیکھ کر۔ اسی مناسبت سے گذشتہ زمانہ کے سات پیغمبروں کا تذکرہ کر کے ان کی قوموں کی مختصر حالت بیان فرمائی گئی کہ جنہوں نے اسی ہٹ دھرمی سے کام لیا تھا جس سے اب کفار مکہ کام لے رہے تھے۔ انبیاء سابقین کی امتوں کے احوال سنا کر جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینی منظور تھی وہیں اور بھی چند ضروری باتیں ذہن نشین کرائی گئیں ہیں مثلاً بتلایا گیا کہ ہر زمانہ میں کفار کی ذہنیت ایک سی رہی ہے۔ ان کی حجتیں اور اعتراضات یکساں رہے ہیں۔ ان کے حیلے اور بہانے ایک ہی قسم کے رہے ہیں اور آخر کار ان کا انجام بھی ایک سا رہا۔ اس کے برعکس ہر زمانہ میں انبیاء کی بنیادی تعلیم ایک سی رہی۔ ان کی سیرت اور اخلاق کا رنگ ایک تھا اور ان سب کے ساتھ اللہ کی رحمت کا معاملہ بھی ایک تھا۔ ایک بات جو بار بار دہرائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ زبردست قادر و توانا بھی ہے اور غفور الرحیم بھی ہے۔ گذشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے واقعات میں اللہ عز و جل کے قہر و غضب کی مثالیں بھی موجود ہیں اور رحمت کی بھی۔ جس سے لوگوں کو سمجھنا چاہئے کہ وہ کن باتوں سے اپنے آپ کو رحمت الٰہی کا مستحق اور کن باتوں سے خدا کے قہر و غضب کو بلاتے ہیں۔ سورۃ کے اخیر میں قرآن کی حقانیت کا ذکر فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو بواسطہ جبرئیل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل ہوئی۔ پھر اس قرآن کی حقانیت پر ایک دلیل یہ بیان فرمائی کہ علماء اہل کتاب اس کتاب کی حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اس آخری کتاب کا ذکر انبیائے سابقین کے صحیفوں اور کتابوں میں موجود ہے۔ پھر قرآن کریم کے عربی زبان میں نازل ہونے کی وجہ بیان فرمائی اور بتلایا کہ یہ قرآن وحی ربانی ہے نہ کہ القاء شیطانی۔ شیاطین کی پہنچ ملاء اعلیٰ تک کہاں۔ لہٰذا یہ قرآن نہ شعر ہے۔ نہ سحر ہے۔ نہ کہانت ہے بلکہ کلام الٰہی ہے جو ہدایت خلق کے لئے نازل ہوا ہے اور شعر اور سحر و کہانت کو اصلاح خلق سے کیا تعلق؟ اخیر میں منکرین ومخالفین کو وعید سنائی گئی کہ وہ مخالف و منکر قرآن ہو کر جو ظلم کر رہے ہیں اس کا انجام عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کیسی مصیبت کی جگہ ان کو لوٹ کر جانا پڑا۔ اسی وعید و تنبیہ پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔ یہ ہے مختصراً اس پوری سورۃ کا خلاصہ۔ جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

29

اب اس تلاوت کردہ ابتدائی آیت کی تشریح سنئے۔اس سورۃ کی ابتدا حروف مقطعات میں سے طٰسٓمّٓ سے ہوتی ہے۔حروف مقطعات کا بیان پہلے ہو چکا ہے اور بتلایا جا چکا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ان کا حقیقی اور صحیح مطلب حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں یا پھر حق تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارات و کنایات سے مفہوم اخذ کر کے مفسرین کرام اور علمائے عظام نے ان کے معنی اپنی سمجھ کے موافق بیان کئے ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ ان کا حقیقی مطلب صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔طٰسٓمّٓ کے بعد ارشاد فرمایا تلک ایٰت الکتاب المبین یہ آیات جو آپ پر نازل ہوئی ہیں کتاب واضح یعنی قرآن مجید کی آیتیں ہیں۔یہ آیت بطور تمہید کے ارشاد فرمائی گئی اور اس مضمون کے ساتھ پوری مناسبت رکھتی ہے جو آگے اس سورۃ میں بیان ہوا ہے۔کفار مکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات مانگتے تھے اور نشانیاں طلب کرتے تھے تاکہ اس نشانی کو دیکھ کر انہیں اطمینان ہو کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ یہ قرآنی پیغام خدا کی طرف سے لائے ہیں اسی کے متعلق فرمایا گیا کہ اگر حقیقت میں کسی کو ایمان لانے کے لئے نشانی کی طلب ہے تو کتاب مبین کی یہ آیات موجود ہیں۔یہ آیات اس کتاب کی آیات ہیں جس کا اعجاز کھلا ہوا ہے جس کے احکام واضح ہیں اور جو حق کو باطل سے الگ کرنے والی ہے۔یہ کتاب اپنا مدعا صاف صاف کھول کر بیان کرتی ہے جسے پڑھ کر یا سن کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کس چیز کی طرف بلاتی ہے اور کس چیز سے روکتی ہے۔کسے حق کہتی ہے اور کسے باطل قرار دیتی ہے۔ماننا یا نہ ماننا یہ الگ بات ہے مگر کوئی شخص یہ بہانہ اور عذر نہیں کر سکتا کہ اس کتاب کی تعلیم اس کی سمجھ ہی میں نہیں آئی اور وہ اس سے یہ معلوم ہی نہ کر سکا کہ وہ اس کو کیا چیز چھوڑنے اور کیا اختیار کرنے کو کہتی ہے اس کی زبان۔اس کا بیان۔اس کے مضامین اس کے پیش کردہ حقائق سب کے سب صاف صاف دلالت کر رہے ہیں کہ یہ خداوند عالم ہی کی کتاب ہے اور اس کی ہر آیت نشانی اور معجزہ ہے۔کوئی عقل وفہم سے کام لے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا یقین کرنے کے لئے کسی اور نشانی کی حاجت نہیں۔کتاب مبین کی یہی آیات اسے مطمئن کرنے کے لئے کافی ہیں۔اب جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم و رنج ہوتا تھا اس پر آپ کی تسلی فرمائی جاتی ہے جس کا اظہار اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جہاں ہمیں اس کتاب مبین پر ایمان رکھنے کی نعمت عطا فرمائی وہیں اپنی عنایت سے ہمیں اس کے مطالبات اور حقوق کے ادائیگی کی بھی توفیق نصیب فرمائیں۔جو پیغام و احکام یہ کتاب لے کر آئی ہے ہم اس کے موافق اپنی زندگی گزارنے والے ہوں۔اور اس کے احکام و قوانین پر خود بھی عمل کرنے والے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کی دعوت اور ترغیب دینے والے ہوں۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ③ إِن نَّشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ

شاید آپ اُن کے ایمان نہ لانے پر اپنی جان دے دیں گے۔ اگر ہم چاہیں تو اُن پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کر دیں پھر اُن کی گردنیں

أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ④ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ

اس نشانی سے پست ہو جائیں۔ اور اُن کے پاس کوئی تازہ فہمائش (حضرت) رحمٰن کی طرف سے ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رُخی نہ کرتے ہوں

مُعْرِضِينَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ⑥ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ

سو انہوں نے (دین حق کو) جھوٹا بتلا دیا سو اب عنقریب اُن کو اس بات کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی، جس کے ساتھ استہزا کیا کرتے تھے۔ کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا

كَمْ أَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ⑦ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ⑧

کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی بُوٹیاں اگائی ہیں۔ اس میں (توحید کی) ایک بڑی نشانی ہے، اور اُن میں کے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ⑨ ع

اور بلا شبہ آپ کا رب غالب ہے رحیم ہے۔

لَعَلَّكَ شاید تم	بَاخِعٌ ہلاک کر لو گے	نَّفْسَكَ اپنے تئیں	أَلَّا يَكُونُوا کہ وہ نہیں	مُؤْمِنِينَ ایمان لاتے	إِن نَّشَأْ اگر ہم چاہیں	
نُنَزِّلْ ہم اتار دیں	عَلَيْهِم ان پر	مِّنَ السَّمَاءِ آسمان سے	آيَةً کوئی نشانی	فَظَلَّتْ تو ہو جائیں	أَعْنَاقُهُمْ ان کی گردنیں	
لَهَا اس کے آگے	خَاضِعِينَ پست	وَ اور	مَا يَأْتِيهِم نہیں آتی انکے پاس	مِّن ذِكْرٍ کوئی نصیحت	مِّنَ طرف سے	الرَّحْمَٰنِ رحمٰن
مُحْدَثٍ نئی	إِلَّا مگر	كَانُوا ہو جاتے ہیں وہ	عَنْهُ اس سے	مُعْرِضِينَ روگردان	فَقَدْ كَذَّبُوا پس بیشک انہوں نے جھٹلایا	
فَسَيَأْتِيهِمْ تو جلد آئیں گی انکے پاس	أَنبَاءُ خبریں	مَا كَانُوا جو وہ تھے	بِهِ اس کا	يَسْتَهْزِئُونَ مذاق اڑاتے	أَوَلَمْ يَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا؟	
إِلَى الْأَرْضِ زمین کی طرف	كَمْ کس قدر	أَنبَتْنَا اگائیں ہم نے	فِيهَا اس میں	مِن كُلِّ ہر قسم	زَوْجٍ جوڑا جوڑا	كَرِيمٍ عمدہ
إِنَّ بیشک	فِي ذَٰلِكَ اس میں	لَآيَةً البتہ نشانی	وَمَا كَانَ اور نہیں ہیں	أَكْثَرُهُم ان میں اکثر	مُّؤْمِنِينَ ایمان لانے والے	وَإِنَّ اور بیشک
	رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيزُ غالب	الرَّحِيمُ نہایت مہربان		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ ابتدائی آیت کے تشریح کے سلسلہ میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کی مکی زندگی کا بھی عجیب دور تھا۔ سخت ترین آزمائش کا زمانہ تھا۔ قوم کی قوم دشمن ۔ بے پناہ طعن وتشنیع۔ طرح طرح کی اذیتوں اور مشکلات اور مصیبتوں کا سامنا۔ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر طرح طرح سے لغو شبہات اور بیہودہ اعتراضات کیا کرتے۔ ہر شخص اپنی خواہش کے موافق عجیب وغریب معجزات اور نشانیوں کا طالب ہوتا کوئی کہتا کہ اس ریگستانی اور خشک جگہ میں نہریں جاری کردو کوئی کہتا کہ یہ پہاڑ سونے کا بنا دو تو مانوں۔ علیٰ ہذا القیاس اسی قسم کی بیہودہ درخواستیں کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشفق قوم تھے۔ آپ کے قلب مبارک میں ان کے لئے دردمندی پوری طرح بھری ہوئی تھی۔ کفار کی سرکشی اور کج بحثی اور ان کے ایمان نہ لانے سے آپ

کو نہایت فکر و غم اور رنج ہوتا تھا اس لئے آگے ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین کے ایمان نہ لانے پر آپ کو اپنا جی ہلکان نہ کرنا چاہئے۔ نصیب دشمناں ایسا نہ ہو کہ آپ کی جان پر آ بنے۔

آیت میں باخع نفسک کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ باخع کے معنی ہیں غم میں گھونٹ ڈالنے والا۔ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کی اس حالت کا ذکر اور بھی کئی مقامات پر کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ کہف پندرہویں پارہ پہلے رکوع میں فرمایا فلعلک باخعٌ نفسک علیٰ اٰثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفاً سو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے دیں گے۔ سورۂ فاطر ۲۲ ویں پارہ میں ارشاد ہوا فلا تذھب نفسک علیھم حسرٰت تو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ اس دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی گمراہی وضلالت۔ انکی ہٹ دھرمی۔ ضد و عناد اور ان کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کے مقابلہ میں ان کی مزاحمت اور کفر پر اصرار دیکھ کر برسوں اپنے شب و روز کس دل گداز۔ اور غم خواری کی کیفیت میں گزارے ہیں اور صرف ایمان والوں ہی کے لئے نہیں بلکہ شدید منکروں اور کٹر کافروں کے لئے بھی کتنا غم اور یاس آپ نے اٹھایا اللھم رب صل وسلم علی رسول اللہ فداہ ابی وامی

آگے آپ کو مزید سمجھایا جاتا ہے کہ اس قدر غم اور تاسف کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں کہ جو تمام کفار کو ایمان و اطاعت کی روش اختیار کرنے کے لئے مجبور کر دے۔ اگر حق تعالیٰ ایمان پر مجبور کرنا چاہتے تو کوئی بڑی نشانی نازل کر دیتے جس کے آگے گردن جھکائے بغیر ان کفار کو چارہ نہ ہوتا اور مجبور اور مضطر بن کر ایمان لے آتے مگر اس طرح کا جبری ایمان اللہ تعالیٰ کو مطلوب نہیں ہے۔ یہ دنیا تو ابتلا اور آزمائش کا گھر ہے۔ ہر شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جس کا جی چاہے عقل و فہم سے کام لے کر دلائل نبوت و براہین فطرت دیکھ کر باختیار خود ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ یہاں تو بندوں کی تسلیم و سرکشی کو آزمایا جاتا ہے۔ اس لئے حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کر لیا جائے اور انکار و انحراف کی قدرت باقی نہ رہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادے اور اختیار کی آزادی دی ہے اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے انسان کے اندر خیر و شر کے دونوں رجحانات رکھ دیئے ہیں۔ فسق و فجور اور نیکی و تقویٰ کی دونوں راہیں اس کے آگے کھول دی ہیں اور انسان کو انتخاب راہ کے لئے مناسب حال صلاحیتیں دے کر اس دنیا کے دار امتحان میں بھیجا ہے کہ کون کفر و فسق کا راستہ اختیار کرتا ہے اور کون ایمان و اطاعت کا۔ اگر جبری ایمان اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہوتا تو نشانیاں نازل کر کے ایمان و اطاعت پر مجبور کرنے ہی کی کیا حاجت تھی اللہ تعالیٰ انسان کو ایسی فطرت اور ساخت پر پیدا فرما سکتا تھا جس میں کفر و انکار اور نافرمانی اور بدکاری کا کوئی امکان ہی نہ ہوتا بلکہ فرشتوں کی طرح انسان بھی پیدائشی فرمانبردار ہوتا۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے متعدد مواقع پر ظاہر فرمایا ہے مگر اس صورت میں یہ دنیا امتحان۔ آزمائش اور ابتلا کی جگہ نہ رہتی۔ تو خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے نازل فرمائیں اور تلقین فرمائی کہ بدبخت منکرین کے غم میں اپنے آپ کو اس قدر گھلانے کی ضرورت نہیں۔ دلسوزی اور شفقت کی بھی آخر ایک حد ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ آپ کی تو شفقت کی یہ حالت ہے کہ آپ ان کے غم میں گھلے جاتے ہیں اور ان کی گمراہی اور عناد کی یہ کیفیت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور شفقت سے ان کی بھلائی کے لئے کوئی پند و نصیحت بھیجتا ہے تو یہ وحشت کھا کر اور متنفر ہو کر منہ پھیر کر بھاگتے ہیں جیسے کہ کوئی بری چیز سامنے آ گئی۔ اور صرف یہی نہیں کہ معمولی اعراض ہو بلکہ تکذیب اور استہزا بھی ہے۔ لہٰذا عنقریب ہی یعنی یا تو دنیا ہی میں یا مرنے کے بعد ہی انہیں پتہ چل جائے گا اور ان باتوں کی حقیقت کھل جائے گی جس کا

مذاق اڑاتے تھے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دراصل ان منکرین کو جستجوئے حق ہی نہیں ورنہ توحید کی صداقت۔ اور صناع مطلق کے کمالات ویکتائی کی معرفت جواللہ کے رسول وپیغمبر پیش کرتے ہیں وہ اسی ایک زمین جوان منکرین کے پاؤں کے نیچے اور آنکھوں کے ہروقت سامنے ہے اسی کی پیداوار اور اسی کے احوال میں غور کرنے سے حاصل ہوسکتی تھی۔ کیا یہ دیکھتے نہیں کہ اسی کرکری اور حقیر مٹی سے کیسے کیسے عجیب وغریب رنگ برنگ کے پھول و پھل۔ قسم قسم کے غلے اور میوے طرح طرح کی جڑی بوٹیاں اور بے شمار انواع واقسام کی چیزیں کس کثرت سے ایک نظام قدرت کے تحت اگ رہی ہیں۔ پھران کے خواص اور صفات میں مخلوقات کی بے شمار اوران گنت ضرورتیں اور فائدہ رکھے گئے ہیں کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ کسی لامحدود قدرت وحکمت رکھنے والے صانع نے یہ سب پیدا کی ہیں کیا یہ سب کچھ کسی حکیم کی حکمت۔ کسی علیم کے علم۔ کسی قادر کی قدرت اور کسی خالق کے تخلیق کے بغیر یونہی بس آپ سے آپ ہورہا ہے؟ ایک ذی عقل انسان اگر وہ کسی ہٹ دھرمی۔ اور تعصب میں مبتلا نہیں ہے تو وہ اس منظر کو دیکھ کر بے اختیار پکارا ٹھے گا کہ یہ آفتاب وماہتاب۔ ہوا اور پانی کے درمیان ہم آہنگی اوران کے وسائل سے زمین سے پیدا ہونے والی نباتات یقیناً یہ ایک قادر مطلق حکیم اور خالق کے ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ زمین سے طرح طرح کی نباتات اور جڑی بوٹیوں کا پیدا ہونا بھی ایک بڑی عقلی نشانی ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمال قدرت کی اور اسی ایک عظیم الشان نشانی سے اللہ کی توحید پر ایمان لانا واجب ہوجاتا ہے مگر اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور اس قادر مطلق کے کلام اور اس کے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس قادر مطلق کی قدرت تو ایسی زبردست ہے کہ نہ ماننے پر کسی کو سزا دینا چاہے تو پل بھر میں مٹا کر رکھ دے مگر اس کے باوجود یہ سراسر اس کا کرم ورحم ہے کہ سزا دینے میں تاخیر کرتا ہے اور برسوں اور صدیوں کی ڈھیل دیتا ہے اور سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کی مہلت دیئے جاتا ہے کہ ممکن ہے اب بھی مان لیں۔ یہاں آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے متعلق عزیز الرحیم فرمایا۔ تو صفت عزیز کا تقاضا یہ ہے کہ سب اس کے بس میں ہیں۔ وہ سب پر غالب ہے۔ ان مجرموں کو معاً ہلاک کرڈالتا لیکن ساتھ ہی وہ رحیم بھی ہے نافرمانوں کے عذاب اور پکڑ میں جلدی نہیں کرتا اور تاخیر اور ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ اپنے کرتوتوں سے باز آجائیں۔ تو اس صفت رحیمی کی قدر کرنی چاہئے تھی نہ کہ الٹا منکرین کفر پر اصرار کرتے ہیں۔

اب آگے عبرت کے لئے مکذبین کے چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ مجرمین کو خدا نے کہاں تک ڈھیل دی۔ جب کسی طرح نہ مانے تو پھر کیسے تباہ وبرباد ہوئے۔ اس میں پہلا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے کفروشرک سے بچا کر ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ اور اشرف الانبیاء والمرسلین نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ یا اللہ! ہمیں اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار وتابعدار امتی بنا کر زندہ رکھئے۔ کفارومشرکین نے تو اپنے اقوال واعمال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی حیاۃ مبارکہ میں رنج والم پہنچایا۔ یا اللہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہوکر آپ کو قبر مبارک میں بے چین کرنے والے نہ ہوں۔ یا اللہ! اس دنیا کی امتحان گاہ میں جب ہم امتحان وآزمائش کے لئے آگئے ہیں تو اپنے فضل وکرم سے ہم کو اس امتحان گاہ سے کامیابی اور کامرانی کے ساتھ گزرنا نصیب فرما۔ اور زندگی کا لمحہ لمحہ اپنی مرضیات میں خرچ کرنے کی سعادت عطا فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰٓی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۰ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ۝۱۱ قَالَ

اور جب آپ کے رب نے موسیٰؑ کو پکارا کہ تم ان ظالم لوگوں کے یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ۔ کیا یہ لوگ (ہمارے غضب سے) نہیں ڈرتے۔ انہوں نے عرض کیا

رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ۝۱۲ ؕ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی

کہ اے میرے پروردگار مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلانے لگیں۔ اور میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی اس لئے ہارونؑ کے پاس بھی

هٰرُوْنَ ۝۱۳ وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝۱۴ ۚ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝۱۵

وحی بھیج دیجئے۔ اور میرے ذمہ اُن لوگوں کا ایک جرم بھی ہے سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔ ارشاد ہوا کیا مجال ہے سو تم دونوں ہمارے احکام لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں سنتے ہیں۔

فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۶ لا اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝۱۷ ؕ

سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم رب العالمین کے فرستادہ ہیں۔ کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔

وَاِذْ اور جب	نَادٰی پکارا فرمایا	رَبُّكَ تمہارا رب	مُوْسٰی موسیٰؑ	اَنِ ائْتِ کہ تو جا	الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ظالم لوگ	قَوْمَ فِرْعَوْنَ قوم فرعون
اَلَا یَتَّقُوْنَ کیا وہ مجھ سے نہیں ڈرتے	قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّیْٓ اَخَافُ بیشک میں ڈرتا ہوں	اَنْ کہ	یُّكَذِّبُوْنِ وہ مجھے جھٹلائیں گے	
وَیَضِیْقُ اور تنگ ہوتا ہے	صَدْرِیْ میرا سینہ (دل)	وَلَا یَنْطَلِقُ اور نہیں چلتی	لِسَانِیْ میری زبان	فَاَرْسِلْ پس پیغام بھیج	اِلٰی طرف	
هٰرُوْنَ ہارون	وَلَهُمْ اور اُن کا	عَلَیَّ مجھ پر	ذَنْۢبٌ ایک الزام	فَاَخَافُ پس میں ڈرتا ہوں	اَنْ یَّقْتُلُوْنِ کہ وہ مجھے قتل (نہ) کردیں	قَالَ فرمایا
كَلَّا ہرگز نہیں	فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَآ پس تم دونوں جاؤ ہماری نشانیوں کے ساتھ	اِنَّا بیشک ہم	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ	مُّسْتَمِعُوْنَ سننے والے		
فَاْتِیَا پس تم دونوں جاؤ	فِرْعَوْنَ فرعون	فَقُوْلَآ تو اسے کہو	اِنَّا رَسُوْلُ بیشک ہم رسول	رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تمام جہانوں کا رب		
	اَنْ کہ	اَرْسِلْ تو بھیج دے	مَعَنَا ہمارے ساتھ	بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بنی اسرائیل		

تفسیر وتشریح:۔ اب یہاں سے سات انبیاء علیہم السلام اوران کی اقوام کے تذکرہ کا بیان شروع کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ جل شانہٗ نے دنیائے انسانی کی ہدایت کے لئے جو مختلف معجزانہ اسلوب بیان اختیار فرمائے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ گذشتہ اقوام اوران کے ہادیوں کے قصص اور واقعات کے ذریعہ ان کے نیک و بد اعمال اوران اعمال کے ثمرات ونتائج کو یاد دلا کر عبرت وبصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اسی لئے قران کریم میں ان کی تکرار پائی جاتی ہے تا کہ سامعین کے دل میں وہ گھر کرسکیں اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ جب ایک بات کو مناسب حال سے بار بار دہرایا جائے۔ قرآن مجید کے قصص اور واقعات کا سلسلہ بیشتر گذشتہ اقوام اوران کی جانب بھیجے ہوئے پیغمبروں سے وابستہ ہے جن میں بتلایا گیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت کے لئے ان ہی میں سے پیغمبر اور رسول بھیجتا ہے۔ وہ ان کو حق کی راہ بتاتے اور ہر قسم کی گمراہی سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ جن اقوام نے اپنے رسولوں کی ہدایات کو تسلیم کیا انہوں نے دنیا اور آخرت کی فلاح پائی اور جن امتوں نے ان کی تلقین کا انکار کیا۔ ان کا مذاق اڑایا ان کو جھٹلایا اور بغض وعناد اور انکار پر اڑے رہے تو پھر عذاب الٰہی نے آ کر ان کو تباہ و ہلاک کردیا اور

ان کے واقعات کو آنے والی اقوام کے لئے عبرت کا سامان بنادیا۔
پھر قرآن عزیز کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کو مختلف سورتوں میں کے مضامین کے مناسب بیان کرنے کے باوجود واقعہ کی اصل حقیقت میں ادنیٰ سا فرق بھی نہیں آنے دیتا۔ کہیں واقعہ کی تفصیل ہے کہیں اجمال۔ کسی مقام پر اس کا ایک پہلو نظر انداز کردیا گیا ہے تو دوسرے مقام پر اسی کو نمایاں فرمایا گیا ہے۔
یہاں اس سورۃ میں ابتدائی آیات کی مناسبت سے سات انبیاء کرام یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، اور حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کے تذکرہ فرمائے گئے ہیں۔ اور ہر نبی اور ان کی قوم کے تذکرہ کو انہی آیات پر ختم کیا گیا ہے جو اوپر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و تشفی اور کفار مکہ کی تنبیہ و وعید کے سلسلہ میں ارشاد فرمائی گئیں۔ یعنی ان فی ذٰلک لاٰیۃ وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھو العزیز الرحیم یعنی بے شک اس میں بھی بڑی عبرت و نشانی ہے اور باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک آپ کا رب زبردست غالب بھی ہے اور ساتھ ہی مہربان بھی ہے کہ کفار کو عذاب دینے پر قادر بھی ہے مگر رحمت سے مہلت بھی دے رکھی ہے۔ یہ گذشتہ آیات کی تشریح کے سلسلہ میں کہا جاچکا ہے کہ اس سورۃ کا زمانۂ نزول وہ وقت تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین پر کافروں کا ہر طرف سے ہجوم تھا اور اپنے اور بیگانے سب دشمن اور خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے۔ آپ کے جانثار ساتھیوں پر تمام شدائد و آلام اور مصائب و سختیاں جو ہوسکتی تھیں توڑی جارہی تھیں۔ ایسے حالات میں ان گذشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کے تذکرہ فرما کر ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو صبر و پامردی اور استقامت کی اس طرح تلقین کی گئی کہ اہل حق کو ہمیشہ باطل اور طاغوتی گروہ کے مقابلہ میں جانی و مالی قربانیاں پیش کرنی پڑی ہیں اور ہمیشہ سے کفار اہل ایمان کے مخالف اور جانی دشمن رہے ہیں مگر بالآخر طاغوتی قوتوں کو شکست اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرنے والوں کو کفار کے مقابلہ میں فتح و نصرت نصیب ہوئی ہے۔ دوسری طرف کفار مکہ کو گذشتہ قوموں کا انجام بتلا کر یہ جتلانا مقصود ہے کہ اگر تم اللہ کے رسول کی مخالفت اور تکذیب پر جمے رہے تو تمہیں بھی اسی انجام اور ہلاکت سے دوچار ہونا پڑے گا جو ان تمام نافرمان اور تکذیب رسول کرنے والی قوموں کو نصیب ہوئی۔ سب سے پہلے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جو پیشتر سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں بالتفصیل بیان ہوچکا ہے۔

ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم مصر میں قوم فرعون کے پاس ہمارے پیغمبر اور رسول بن کر جاؤ اور قوم فرعون جو ظلم و زیادتی میں بہت بڑھی ہوئی ہے اسے عذاب خداوندی سے ڈراؤ اور ان کو سچے دین کی تلقین کرو اور قوم بنی اسرائیل جو ان کی غلامی میں پھنسی ہوئی ہے اس کو ان کی غلامی سے نجات دلاؤ۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے روانہ ہوکر سفر میں تھے۔ جب آپ کو مصر جانے اور فرعون جیسے سرکش اور مغرور بادشاہ اور اس کی قوم کو ہدایت کرنے اور پیغام خداوندی پہنچانے کا حکم ملا تو کام کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے رب میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں لیکن اس خدمت کی تکمیل کے لئے اپنا ایک مددگار اور ساتھی چاہتا ہوں چونکہ میری زبان اچھی طرح نہیں چلتی اس لئے درخواست ہے کہ میرے بھائی ہارون کو بھی نبوت عطا فرمادی جائے جو مجھ سے زیادہ فصیح بیان ہیں

اس لئے ان کو بھی میرا شریک کار بنا دیا جائے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے یہ درخواست قبول فرمائی۔ یہاں آیت میں ولا ینطلق لسانی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یعنی میری زبان اچھی طرح نہیں چلتی اس کے متعلق بعض مفسرین نے ایک حکایت نقل کی ہے ۔مشہور ہے کہ فرعون کی بی بی نے حضرت موسیٰ کو ابتدائی شیرخوارگی کی حالت میں دریائے نیل سے نکلوا کر اپنا بیٹا بنایا تھا۔ فرعون کے کوئی اولاد نہ تھی۔ زمانہ طفولیت میں ایک روز حضرت موسیٰ فرعون کی آغوش میں بیٹھے ہوئے تھے اور فرعون کی داڑھی جواہرات اور موتیوں سے مرصع تھی۔ بچوں کی عادت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے داڑھی پر ہاتھ چلایا اور چمکتے ہوئے موتیوں کے ساتھ فرعون کی داڑھی کے چند بال بھی اکھڑ آئے۔ یہاں درمیان میں واقعہ سے علیحدہ ضمناً یہ بات بتلا دینا قابل ذکر ہے کہ پہلے زمانہ کے کفار کو بھی داڑھی پسند تھی۔ جب کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کو بھی الا ماشاء اللہ اس سے بیر وعداوت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الغرض فرعون کو اس پر سخت غصہ آیا اور غضبناک ہو کر بچہ کے قتل کا حکم دے دیا۔ فرعون کی بی بی نے شوہر کا یہ رنگ دیکھا تو عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ یہ نادان بچہ ہے اس کو آپ کی عظمت کا کیا احساس ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے آگ کا انگارا اور یاقوت دونوں برابر ہیں۔ فرعون نے کہا کہ میں ابھی اس کا امتحان کرتا ہوں اگر اس نے انگارے کو دیکھ کر ہاتھ کھینچا تو ضرور قتل کرا دوں گا۔ خدائے تعالیٰ کو موسیٰ علیہ السلام سے کام لینا تھا اس لئے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کا وعدہ کر لیا تھا جب فرعون نے ایک تشت میں یاقوت سرخ اور انگارے بھروا کر حضرت موسیٰ کے سامنے رکھے گئے تو آپ نے جلدی سے ایک انگارے کو اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جس سے آپ کی زبان میں رکاوٹ ہونے لگی۔ فرعون کو بچہ کی نادانی اور ناسمجھی کا یقین آ گیا اور معاملہ آیا گیا ہو گا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ کی زبان میں قدرتی لکنت تھی۔ بہر حال اچھی طرح زبان نہ چلنے کے عذر سے آپ نے حضرت ہارون اپنے بھائی کو بھی نبوت عطا ہونے کی درخواست کی جو قبول بارگاہ الٰہی ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں ایک درخواست اور پیش کی اور عرض کیا کہ جب میں اس سے قبل مصر میں تھا تو میرے ہاتھ سے نادانستہ طور پر ایک فرعونی قتل ہو گیا تھا تو مجھ کو اندیشہ ہے کہ مصر میں جاتے ہی وہ تبلیغ رسالت سے قبل ہی مجھ کو اس قتل کے جرم میں کہیں قتل نہ کر ڈالیں اور اس طرح میں تبلیغ دین نہ کر سکوں گا تو اس کی بھی کچھ تدبیر فرما دیجئے۔ حق تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ان کی کیا مجال ہے جو ایسا کر سکیں۔ ہماری نصرت و امداد تمہارے ساتھ ہے۔ تم دونوں بھائی ہمارے احکام لے کر اور ہمارے دیئے ہوئے معجزات اور نشانات کے ساتھ فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم رب العالمین کے پیغمبر ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے تیرے پاس آئے ہیں اور دعوت دین کے ساتھ یہ بھی حکم لائے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو اپنے بیگار اور ظلم سے رہائی دے کر ان کے اصلی وطن ملک شام کی طرف ہمارے ساتھ جانے دے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں فرعون کے دربار میں پہنچے اور فرعون کو پیغام الٰہی پہنچایا۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان گیا کیونکہ بچپن اور جوانی کا کچھ حصہ اسی کے پاس گزرا تھا۔ تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان کر کیا جواب دیا یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے: قرآن کریم نے جو نافرمان قوتوں کے قصے سنائے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے ہمیں عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ

فرعون کہنے لگا کہ کیا ہم نے تم کو بچپن میں پرورش نہیں کیا اور تم اپنی عمر میں برسوں ہم میں رہا سہا کئے۔اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی

الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ

اور تم بڑے ناسپاس ہو۔موسیٰ نے جواب دیا کہ اُس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔پھر جب مجھ کو ڈر لگا تو میں تمہارے ہاں سے مفرور ہوگیا

مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ

پھر مجھ کو میرے رب نے دانشمندی عطا فرمائی اور مجھ کو پیغمبروں میں شامل کردیا۔اور وہ یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان رکھتا ہے

تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾

کہ تو نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت میں ڈال رکھا تھا۔فرعون نے کہا کہ ربّ العالمین کی ماہیت (اور حقیقت) کیا ہے۔

قَالَ فرعون نے کہا	اَلَمْ نُرَبِّكَ کیا ہم نے تجھے نہیں پالا	فِيْنَا اپنے درمیان	وَلِيْدًا بچپن میں	وَلَبِثْتَ اور تو رہا	فِيْنَا ہمارے درمیان	
مِنْ عُمُرِكَ اپنی عمر	سِنِيْنَ کئی برس	وَفَعَلْتَ اور تو نے کیا	فَعْلَتَكَ اپنا وہ کام	الَّتِيْ فَعَلْتَ جو تو نے کیا	وَاَنْتَ اور تو	مِنَ سے
الْكٰفِرِيْنَ ناشکرے	قَالَ موسیٰ نے کہا	فَعَلْتُهَآ میں نے وہ کیا تھا	اِذًا جب	وَاَنَا اور میں	مِنَ سے	الضَّآلِّيْنَ راہ سے بے خبر
فَفَرَرْتُ تو میں بھاگ گیا	مِنْكُمْ تم سے	لَمَّا خِفْتُكُمْ جب میں ڈرا تم سے	فَوَهَبَ لِيْ پس عطا کیا مجھے	رَبِّيْ میرا رب	حُكْمًا حکم	
وَ اور	جَعَلَنِيْ اور مجھے بنایا	مِنَ سے	الْمُرْسَلِيْنَ رسول	وَتِلْكَ اور یہ	نِعْمَةٌ کوئی نعمت	تَمُنُّهَا عَلَيَّ تو اس کا احسان رکھتا ہے مجھ پر
اَنْ عَبَّدْتَّ کہ تو نے غلام بنایا	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل	قَالَ فِرْعَوْنُ فرعون نے کہا	وَمَا اور کیا ہے	رَبُّ رب	الْعٰلَمِيْنَ سارے جہان	

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام فرعون بادشاہ مصر کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے تیرے پاس آئے ہیں اور توحید کی دعوت کے ساتھ یہ حکم بھی لائے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو اپنی غلامی۔بیگار اور ظلم سے رہائی دے کر ان کے اصلی وطن ملک شام کی طرف ہمارے ساتھ جانے دے۔فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا کیونکہ بچپن اور کچھ جوانی کا حصہ اسی کے پاس گزرا تھا۔تو موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سن کر فرعون نے جو آپ کو جواب دیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ فرعون کہنے لگا کہ کیا تم وہی نہیں ہو جس کو ہم نے اپنے گھر میں بڑے ناز ونعم سے پالا پوسا اور پرورش کر کے جوان کیا اب تمہارا یہ دماغ ہوگیا کہ ہم ہی سے مطالبات کرتے اور اپنی بزرگی منواتے ہو۔اتنے برسوں تک کبھی یہ دعوے نہیں کئے اور یہاں سے نکل کر رسول بن گئے۔اور جو کرتوت تم کر کے بھاگے تھے اسے ہم بھولے نہیں یعنی تم نے ایک قبطی کو جان سے مار دیا تھا تو تم بڑے احسان فراموش اور ناسپاس ہو کہ میرا ہی کھایا۔میرا ہی آدمی قتل کیا اور پھر مجھ ہی کو اپنا تابع بنانے آئے ہو۔چاہئے تو یہ کہ تم مجھ سے ہر طرح دبو اور الٹا تم مجھے دبانے آئے ہو۔موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ان باتوں کے جواب میں فرمایا کہ قبطی کا خون میں نے دانستہ نہیں کیا تھا غلطی سے ایسا

ہوگیا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکا مارنے سے جو تادیب کے لئے تھا اس کا دم نکل جائے گا۔ میں نے عمداً اسے قتل نہیں کیا تھا اس کی خطا پر اس کو تنبیہاً ایک مکا رسید کیا تھا جس سے وہ اتفاقاً مر گیا۔ اور بیشک میں خوف کھا کر یہاں سے مفرور ہوگیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مجھے نبوت وحکمت عطا فرمائے۔ اس نے اپنے فضل سے مجھے سرفراز کیا اور رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا۔ یہ بجائے خود میری صداقت کی دلیل ہے کہ جو شخص تم سے خوف کھا کر بھاگا ہو۔ پھر اس طرح بے خوف وخطر تمہارے سامنے آ کر ڈٹ جائے خلاصہ یہ کہ میں اب پیغمبری کی حیثیت سے آیا ہوں جس میں دبنے کی کوئی وجہ نہیں اور پیغمبر اس واقعہ قتل خطاءً کے منافی نہیں تو یہ جواب ہے اعتراض قتل کا اور رہا احسان جتلانا بچپن میں میری پرورش کا تو یہ تجھے زیب نہیں دیتا۔ کیا ایک اسرائیلی بچہ کی تربیت سے اس کا جواز ہوسکتا ہے کہ تو نے اس کی ساری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ اور پھر میری تربیت بھی خود تیرے ہی مظالم کے سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئی۔ نہ تو بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کراتا نہ خوف کی وجہ سے میری والدہ صندوق میں رکھ کر مجھے دریائے نیل میں چھوڑتیں۔ نہ تیرے محلسرا تک میری رسائی ہوتی۔ میں تیری پرورش میں رہا تو اس پرورش کی اصل وجہ تو تیرا ظلم ہی ہے ورنہ تیرے پاس پہنچاتا ہی کیوں اور میری پرورش میرے والدین ہی کیوں نہ کرتے۔ ایسی پرورش کا مجھ کو کیا احسان جتلایا جاتا ہے بلکہ اس سے تو اپنی ناشائستہ حرکات کو خیال کر کے شرمانا چاہئے۔ اور صاف بات یہ ہے کہ جس رب العالمین نے تجھ جیسے دشمن کے گھر میں میری پرورش کرائی اسی نے آج تیری خیر خواہی کے لئے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ فرعون اس بات میں لاجواب ہوا تو سخن کا پہلو بدل کر اس نے کہا کہ رب العالمین کے کیا معنی؟ اس کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے؟ میری موجودگی میں کسی اور رب کا نام لینا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ اس شقی ازلی نے اس وجہ سے کہا کہ فرعون کا دعویٰ اپنی قوم کے روبرو یہ تھا کہ میں اپنے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں سمجھتا اور تمہارا رب اعلیٰ یعنی بڑا پروردگار میں ہوں چنانچہ اس کی قوم کے لوگ بعض تو انتہائی جہل سے اور بعض خوف یا طمع سے اسی کی پرستش کرتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جو جواب اس کے اس سوال کا دیا وہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس کے فضل وکرم سے ہم کو خاتم الانبیاء واشرف الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ اور اس طرح تمام انبیاء والمرسلین پر ہم کو ایمان رکھنے والا بنایا۔

اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کی نعمت وہدایت پر ہم کو استقامت بخشیں۔ اور اپنی اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وتابعداری پر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرماویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا

موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے اُس کا اگر تم کو یقین کرنا ہو۔فرعون نے اپنے اردگرد والوں سے کہا کہ تم لوگ سنتے ہو

تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ

موسیٰ نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بڑوں کا۔فرعون کہنے لگا کہ یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف رسول ہوکر آیا ہے

اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ

مجنون ہے۔موسیٰ نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے اُس کا بھی اگر تم کو عقل ہو۔فرعون کہنے لگا

لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

کہ اگر تم میرے سوا کوئی اور معبود تجویز کرو گے تو تم کو جیل خانہ بھیج دوں گا۔موسیٰ نے فرمایا کیا اگر میں کوئی صریح دلیل پیش کردوں تب بھی۔

قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾

فرعون نے کہا کہ اچھا تو وہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔سو موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعتہً ایک نمایاں اژدہا بن گیا۔

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور اپنا ہاتھ (گریبان میں دیکر) باہر نکالا تو وہ دفعتاً سب دیکھنے والوں کے رُوبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہوگیا۔

قَالَ اس نے کہا	رَبُّ السَّمٰوٰتِ رب ہے آسمانوں کا	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو ان کے درمیان	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	
مُّوْقِنِيْنَ یقین کرنے والے	قَالَ اس نے کہا	لِمَنْ اُنہیں جو	حَوْلَهٗ اس کے اردگرد	اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ کیا تم سنتے نہیں	قَالَ (موسیٰ) نے کہا	
رَبُّكُمْ تمہارا رب	وَرَبُّ اور رب	اٰبَآىِٕكُمُ تمہارے باپ دادا	الْاَوَّلِيْنَ پہلے	قَالَ فرعون بولا	اِنَّ بیشک	رَسُوْلَكُمُ تمہارا رسول
الَّذِيْ وہ جو	اُرْسِلَ بھیجا گیا	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	لَمَجْنُوْنٌ البتہ دیوانہ	قَالَ (موسیٰ) نے کہا	رَبُّ رب	الْمَشْرِقِ مشرق
وَالْمَغْرِبِ اور مغرب	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ تم سمجھتے ہو	قَالَ وہ بولا	لَىِٕنِ البتہ اگر
اتَّخَذْتَ تو نے بنایا	اِلٰهًا کوئی معبود	غَيْرِيْ میرے سوا	لَاَجْعَلَنَّكَ تو میں ضرور کردوں گا تجھے	مِنَ سے	الْمَسْجُوْنِيْنَ قیدی	قَالَ موسیٰ نے کہا
اَوَلَوْ جِئْتُكَ خواہ میں لاؤں تیرے پاس	بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ایک شے (معجزہ) واضح	قَالَ وہ بولا	فَاْتِ بِهٖ تو لے آ اسے	اِنْ كُنْتَ اگر تو ہے	مِنَ سے	
الصّٰدِقِيْنَ سچے	فَاَلْقٰى پس موسیٰ نے ڈالا	عَصَاهُ اپنا عصا	فَاِذَا هِيَ تو اچانک وہ	ثُعْبَانٌ اژدہا	مُّبِيْنٌ کھلا (نمایاں)	
وَنَزَعَ اور اس نے کھینچا (نکالا)	يَدَهٗ اپنا ہاتھ	فَاِذَا هِيَ تو ناگاہ وہ	بَيْضَآءُ چمکتا ہوا	لِلنّٰظِرِيْنَ دیکھنے والوں کیلئے		

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو رسالت سے سرفراز فرما کر حق تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ تم دونوں بھائی فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے تیرے پاس آئے ہیں۔چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد میں

فرعون کے پاس پہنچتے ہی اس کا اظہار فرمایا۔ پہلے تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ذاتی احسانات جتا کر مرعوب کرنا چاہا اور آپ کو بچپن میں پالنے اور ایک قبطی کو جان سے مار کر مصر سے چلے جانے کو یاد دلایا جس کے نہایت معقول اور صاف اور صحیح جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دے دیئے جو گذشتہ آیات میں بیان ہو چکے ہیں۔ ان جوابات کو سن کر فرعون زچ ہوا تو اس نے گفتگو کا پہلو بدلا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے جو جاتے ہی فرمایا کہ میں رب العالمین کا بھیجا ہوا پیغمبر بن کر تیرے پاس آیا ہوں تو اس نے یہ سوال کیا تھا کہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ فرعون بزعم خود رب اعلیٰ بنا ہوا تھا اور دہری خیال کا آدمی تھا۔ اس کی قوم اس کی پرستش کرتی تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سوال سے اس کا مقصد یہ تھا کہ میرے سوا کوئی رب ہے ہی نہیں۔ تم جو کہہ رہے ہو وہ محض غلط ہے۔ چونکہ حقیقت الٰہیہ کا بیان تو درکنار تصور بھی ناممکن ہے۔ اس لئے معرفت الٰہیہ کا بیان جب ہوگا ہمیشہ صفات باری تعالیٰ سے ہوگا۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے بھی وما رب العٰلمین کے جواب میں صفات باری تعالیٰ ہی سے جواب دیا۔ آپ نے اس سوال کا جو جواب دیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ رب العالمین وہ ہے کہ جو آسمانوں زمین اور ان کے درمیان جو مخلوقات ہیں سب کا پروردگار ہے یعنی آپ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ وہ سب کا خالق ہے۔ سب کا مالک ہے۔ سب پر قادر ہے۔ اور سب کا رازق ہے اس لئے سب کا معبود ہے۔ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں آسمان اور اس کی مخلوق۔ زمین اور اس کی کائنات سب اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور وہی سب کا رب ہے اور اس کے سمجھنے اور جاننے کے لئے کوئی خاص لمبے چوڑے دلائل و براہین کی بھی ضرورت نہیں۔ فطرت انسانی اس چیز کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے اس لئے اگر تمہارے اندر یقین کا جذبہ ہے اور تمہارے دل یقین کی دولت سے خالی نہیں ہوئے تو رب العالمین کے یہ اوصاف اس کی ذات کے ماننے کے لئے کافی ہیں۔ یہ سن کر فرعون نے بات کو مذاق میں ڈالنے کے لئے حاضرین مجلس اور اپنے درباریوں کی طرف رخ کرتے ہوئے اور لوگوں کو اپنے سکھائے اور بتائے ہوئے عقیدہ پر جمانے کے لئے اور موسیٰ علیہ السلام کی بات کو خفیف کرنے کے لئے کہنے لگا۔ سنتے ہو۔ موسیٰ کیسی دورازکار باتیں کرتے ہیں کیا تم میں کوئی تصدیق کرے گا کہ میرے سوا کوئی اور رب ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ اس نے میری بات کو ہنسی میں اڑا دیا تو مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جس رب العالمین کا ذکر کر رہا ہوں وہ وہ ہے جس نے خود تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا یعنی وہ تم سب کا اور تمہارے اگلوں کا مالک و پروردگار ہے اور جب تمہارا بیج بھی نہ تھا اس وقت زمین و آسمان اور تمام کائنات کی ربوبیت وہ فرما رہا تھا یعنی اگر آج تم فرعون کو خدا مانتے ہو تو ذرا اسے تو سوچو کہ فرعون سے پہلے جہان والوں کا خدا کون تھا؟ اس کے وجود سے پہلے آسمان اور زمین کا وجود تھا تو ان کا موجد کون تھا؟ بس وہی رب العالمین ہے اور اسی کا بھیجا ہوا میں ہوں فرعون سے ان دلائل کا تو جواب نہ بن سکا اور اپنے لوگوں سے، کہنے لگا کہ یہ تمہارا رسول جو بزعم خود تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے۔ (معاذ اللہ) مجنون اور دیوانہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ہماری اور ہمارے باپ دادوں کی خبر لیتا ہے اور ہماری شوکت وحشمت کو دیکھ کر ذرا بھی نہیں جھجکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دیکھا کہ یہ بالکل کور بصیرت اور احمق ہے تو مزید اس کے سامنے ایک بات پیش کی جس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے آخر

میں کہی تھی۔ آپ نے کہا کہ رب العالمین وہ ہے جو مشرق و مغرب کا مالک ہے جو تمام کائنات کو ایک محکم اور مضبوط نظام کے ماتحت قائم رکھنے والا ہے۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہو تو بتاؤ کہ اس عظیم الشان نظام کا قائم رکھنے والا سوائے خدا کے کون ہوسکتا ہے؟ کیا کسی کو قدرت ہے کہ وہ اس کے قائم کئے ہوئے نظام کو ایک لمحہ کے لئے توڑ دے یا بدل ڈالے۔ یہ آخری بات سن کر فرعون جھلا اٹھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرانے اور دھمکانے پر اتر آیا اور اس نے اپنا مطلب صاف کہہ دیا کہ یہاں مصر میں کوئی اور خدا نہیں اگر میرے سوا کسی اور معبود کی حکومت مانی تو یاد رکھو جیل خانہ تیار ہے۔ اس میں ڈال کر تمہاری جان لے لوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس پر فرمایا کہ فیصلہ میں ابھی جلدی نہ کر۔ یہ تو تیری باتوں کا زبانی جواب تھا۔ اب ذرا وہ کھلے ہوئے نشان بھی دیکھ جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری صداقت دونوں کا اظہار ہو۔ اگر ایسے نشان دکھلاؤں تو کیا پھر بھی تیرا فیصلہ یہی رہے گا۔ فرعون اس کے سوا کیا کہہ سکتا تھا کہ اچھا اگر سچے ہو تو پیش کرو۔ آپ نے یہ سنتے ہی اپنی لاٹھی جو آپ کے ہاتھ میں تھی اسے زمین پر ڈال دی۔ بس اس کا زمین پر پڑنا تھا کہ وہ ایک اژدہے کی شکل بن گئی اور اژدہا بھی بہت ہیبت ناک ڈراوئی اور خوفناک شکل والا یہ سماں دیکھتے ہی بھگدڑ پڑ گئی درباری الگ بھاگے۔ فرعون بھی اپنے تخت شاہی کے نیچے گھس گیا۔ سارا رعب شاہی اور جلال دربار سب یکدم کافور ہوگیا اور مجبور ہو کر موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ اس بلا کو دور کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اژدہے پر ہاتھ ڈالا تو فوراً اپنی اصلی حالت میں لاٹھی بن گیا۔ دوسری نشانی آپ نے یہ دکھلائی کہ اپنا ہاتھ گریبان میں دے کر باہر نکالا تو وہ نہایت چمکدار بن کر نکلا اور اس کو بھی سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزات دیکھ کر فرعون بہت سٹ پٹایا اور پھر اس نے اپنے درباریوں سے جو اس وقت اس کے پاس جمع تھے کیا کہا سنا یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو کفر و شرک سے بچا کر اہل اسلام اور اہل ایمان بنایا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا تابعدار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرماویں۔

یا اللہ! ہمیں بھی حق کی تائید اور باطل سے مقابل ہونے کی قوت اور جرأت عطا فرما اور حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرما۔ آج بھی دشمنان دین نے جو سر اٹھا رکھا ہے اللہ تعالیٰ ان کی قوتوں کو پاش پاش فرمائیں اور دین حق کو غلبہ اور سربلندی عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ

فرعون نے اہل دربار سے جو اُس کے پاس بیٹھے تھے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو (کے زور سے)

بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ

تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کردے، سو تم کیا مشورہ دیتے ہو۔ درباریوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں چپڑاسیوں کو بھیج دیجئے کہ وہ سب

بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ

ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کردیں۔غرض وہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کیے گئے۔اور لوگوں کو یہ اشتہار دیا گیا کہ کیا تم لوگ

مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا

جمع ہو گے۔تاکہ اگر جادوگر غالب آجاویں تو ہم اُن ہی کی راہ پر رہیں۔پھر جب وہ جادوگر آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آگئے

لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ

تو کیا ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا۔فرعون نے کہا کہ ہاں اور تم اس صورت میں مقرب لوگوں میں داخل ہوجاؤ گے۔

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ

موسیٰ نے اُن سے فرمایا کو تم کو جو کچھ ڈالنا ہو ڈالو۔سو اُنہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں

وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا

اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم بے شک ہم ہی غالب آویں گے۔پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا سو ڈالنے کے ساتھ ہی (اژدہا بن کر) اُن کے تمام تربنے بنائے

يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾

دھندے کو نگلنا شروع کردیا۔سو جادوگر سب سجدہ میں گر پڑے۔کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔

قَالَ فرعون نے کہا	لِلْمَلَاِ سرداروں سے	حَوْلَهٗۤ اپنے گرد	اِنَّ هٰذَا بیشک یہ	لَسٰحِرٌ جادوگر	عَلِيْمٌ دانا ماہر	يُّرِيْدُ وہ چاہتا ہے		
اَنْ کہ	يُّخْرِجَكُمْ تمہیں نکال دے	مِّنْ سے	اَرْضِكُمْ تمہاری سرزمین	بِسِحْرِهٖ اپنے جادو سے	فَمَاذَا تو کیا	تَاْمُرُوْنَ تم حکم (مشورہ) دیتے ہو		
قَالُوْا وہ بولے	اَرْجِهْ مہلت دے اسے	وَاَخَاهُ اور اس کے بھائی کو	وَابْعَثْ اور بھیج	فِى میں	الْمَدَآئِنِ شہروں	حٰشِرِيْنَ اکٹھا کرنے والے (نقیب)		
يَاْتُوْكَ لے آئیں تیرے پاس	بِكُلِّ سَحَّارٍ تمام بڑے جادوگر	عَلِيْمٍ ماہر	فَجُمِعَ پس جمع کیے گئے	السَّحَرَةُ جادوگر	لِمِيْقَاتِ مقررہ وقت پر			
يَوْمٍ ایک دن	مَّعْلُوْمٍ جانے پہچانے (معین)	وَّقِيْلَ اور کہا گیا	لِلنَّاسِ لوگوں سے	هَلْ کیا	اَنْتُمْ تم	مُّجْتَمِعُوْنَ جمع ہونیوالے ہو (جمع ہوگے)		
لَعَلَّنَا تاکہ ہم	نَتَّبِعُ پیروی کریں	السَّحَرَةَ جادوگر	اِنْ اگر	كَانُوْا هُمُ ہوں وہ	الْغٰلِبِيْنَ غالب	فَلَمَّا پس جب	جَآءَ آئے	السَّحَرَةُ جادوگر

قَالُوْا انہوں نے کہا	لِفِرْعَوْنَ فرعون سے	اَئِنَّ لَنَا کیا یقیناً ہمارے لئے	لَاَجْرًا کچھ انعام	اِنْ اگر	كُنَّا ہم ہوئے	نَحْنُ ہم	الْغٰلِبِيْنَ غالب	
قَالَ اس نے کہا	نَعَمْ ہاں	وَ اِنَّكُمْ اور بیشک تم	اِذًا اس وقت	لَمِنَ البتہ ـ سے	الْمُقَرَّبِيْنَ مقربین	قَالَ کہا	لَهُمْ ان سے	مُوْسٰى موسیٰ
اَلْقُوْا تم ڈالو	مَا جو	اَنْتُمْ تم	مُلْقُوْنَ ڈالنے والے	فَاَلْقَوْا پس انہوں نے ڈالیں	حِبَالَهُمْ اپنی رسیاں	وَعِصِيَّهُمْ اور اپنی لاٹھیاں		
وَقَالُوْا اور بولے وہ	بِعِزَّةِ اقبال کی قسم	فِرْعَوْنَ فرعون	اِنَّا لَنَحْنُ بیشک البتہ ہم	الْغٰلِبُوْنَ غالب آنے والے	فَاَلْقٰى پس ڈالا	مُوْسٰى موسیٰ		
عَصَاهُ اپنا عصا	فَاِذَا هِيَ تو ناگاہ وہ	تَلْقَفُ نگلنے لگا	مَا جو	يَاْفِكُوْنَ انہوں نے ڈھکوسلا بنایا	فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ پس ڈالدیئے گئے (گر پڑے) جادوگر			
سٰجِدِيْنَ سجدہ کرتے ہوئے	قَالُوْا وہ بولے	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں کے رب پر	رَبِّ رب	مُوْسٰى موسیٰ	وَهٰرُوْنَ اور ہارون		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی لاٹھی اور ید بیضا یعنی ہاتھ کی چمک کے معجزے دیکھے تو حواس باختہ ہوگیا۔ اور اس کی خدائی کی قلعی تو جب ہی کھل گئی جب موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدہا بن کر سامنے آئی اور فرعون مارے ڈر کے تخت چھوڑ کر بھاگا۔ مگر جب غرور اور طاقت کا نشہ کسی کے سر میں سما جاتا ہے تو آسانی سے نہیں نکلتا۔ پھر تو اکثر جبھی جاتا ہے جب سرے سے سر ہی جاتا رہے۔ یہ بدنصیب پیغمبر کے ایسے بین معجزات دیکھ کر ایمان تو نہ لایا اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ یہ تو بڑا زبردست جادوگر نکلا۔ پھر انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دشمنی پر آمادہ کرنے کے لئے ایک اور بات بنائی کہ یہ ایسے ہی شعبدے اور جادو دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلے گا۔ اور جب کچھ اس کے ساتھی ہو جائیں گے تو یہ علم بغاوت بلند کرے گا۔ پھر تمہیں مغلوب کرکے اس ملک پر اپنا قبضہ جمالے گا تو اس کے استیصال کی کوشش ابھی سے کرنا چاہئے اب بتلاؤ کہ تمہاری کیا رائے اور مشورہ ہے اور مجھے کیا کرنا چاہئے؟ یا تو فرعون کے خدائی کے دعوے تھے یا وہ اتنی جلد ایسا حواس باختہ ہوگیا کہ مجبور ہوکر درباریوں سے مدافعت کی تدبیر دریافت کرنے لگا۔ اب قدرت خداوندی دیکھئے کہ فرعونیوں کے منہ سے اللہ نے وہ بات کہلوائی جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عام تبلیغ کا موقع ملے اور عوام الناس پر حق بالکل واضح ہو جائے۔ درباریوں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ موسیٰ اور ان کے بھائی سے ابھی تو کچھ کہنا ٹھیک نہیں ان سے قرارداد مہلت کرلیجئے اور اپنی تمام سلطنت و حکومت سے بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو بلا لیجئے اور جادوگروں سے ان کا مقابلہ کرایئے۔ اب اس تجویز میں فرعون کے دعوے خدائی کی شکست تھی کہ رب اعلیٰ ہوکر جادوگروں کی پناہ پکڑنی کیسی عجیب حرکت تھی مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ غلبہ حاصل کرنے اور سرخرو ہونے کی اسے اور کوئی صورت ہی نظر نہ آئی۔ مجبور ہوکر خدائی کے درجہ سے نیچے اتر کر جادوگروں کو چاروں طرف سے جمع کرنے کا حکم دیا۔ اپنی قلمرو میں ہر ہر شہر میں سپاہی بھیجے گئے اور دارالسلطنت میں ہر چہار طرف سے بڑے بڑے نامی گرامی جادوگر جمع کئے گئے جو اپنے فن سحر میں کامل اور ماہر استاد تھے۔ پبلک میں بھی عمومی اعلان کرادیا کہ سب کو مقابلہ کے میدان میں یوم مقررہ پر جمع ہو جانا چاہئے کہ یہ بڑے معرکہ کا مقابلہ ہے۔ سب جمع ہوکر اپنے جادوگروں کا دل بڑھاؤ مجمع جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی ان کی ہمت بڑھے گی۔ امید قوی ہے کہ ہمارے جادوگر غالب آئیں گے اس وقت ہم موسیٰ کی شکست اور مغلوبیت دکھانے کے لئے اپنے ساحرین کی ہی راہ پر چلیں گے۔ مطلب یہ کہ ہمارا حق ہونا حجت سے ثابت ہو جائے گا۔

مصر اس زمانہ میں سحر و جادو کا مرکز تھا اور مصریوں نے فن سحر کو اوج کمال تک پہنچا دیا تھا۔ الغرض مصر کے مشہور جادوگروں کا گروہ مقررہ جگہ اور وقت پر جمع ہوا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ فرعون اپنے تمام شاہانہ کروفر کے ساتھ میدان مقابلہ میں تخت نشین ہے اور درباری و ارکان سلطنت حسب مراتب جمع ہیں اور لاکھوں انسان حق و باطل کے معرکہ کا نظارہ کرنے کو موجود ہیں۔ ایک جانب جادوگروں کا گروہ اپنے ساز و سامان سحر سے لیس کھڑا ہے اور دوسری جانب خدا کے رسول۔ حق کے داعی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام متوکل علی اللہ کھڑے ہیں۔ فرعون اس وقت بہت مسرور ہے اس یقین پر کہ ساحرین مصر ان دونوں بھائیوں کو جلد ہی شکست دے دیں گے۔ تو جیسا کہ بازیگروں کا اب بھی دستور ہے کہ کرتب دکھانے سے پہلے بلانے والے سے اپنا صلہ و اجرت ٹھہرا لیتے ہیں۔ یہاں تو بلانے والا بادشاہ تھا اور کام بھی معمولی نہ تھا۔ اس لئے مقابلہ سے پہلے جادوگروں نے اپنا معاوضہ بشرط غلبہ طے کرنا چاہا اور فرعون سے اپنے انعام و اکرام کی درخواست پیش کی اور کہا کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمارا انعام ضرور بالضرور بڑا بھاری ہونا چاہئے۔ فرعون نے تو سمجھ ہی رکھا تھا کہ ساحروں کے جیتنے ہی پر موسیٰ (علیہ السلام) سے پیچھا چھٹنے کا دارومدار ہے اس لئے فوراً بولا کہ مال و دولت انعام و اکرام تو رہا الگ میں تم کو خاص اپنے مقرب مصاحبوں میں جگہ دوں گا اور تم میرے دربار میں خاص جگہ پاؤ گے۔ گویا مال اور عزت دونوں کا لالچ دیا۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ جادوگروں نے فرعون سے اجرت و معاوضہ کی جو درخواست کی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جادو کی حقیقت کچھ بھی ہو۔ اس سے کیفیات و احوال میں کچھ بھی تغیر ہو جاتا ہو۔ خوف و دہشت کے اس سے کیسے ہی مظاہرات

نمودار ہو جاتے ہوں۔ اشیاء اپنی جگہوں سے زائل ہو جاتی ہوں اور لوگوں کی نظر میں کچھ سے کچھ نظر آتی ہوں۔ بہرحال کچھ بھی ہو مگر اشیاء کی جنس میں حقیقت میں انقلاب پیدا کر دینا جادوگر کے بس کی بات نہیں۔ کنکریوں کو سونے اور چاندی کی حقیقی جنس میں تبدیل کر دینا دائرہ جادو سے خارج ہے ورنہ جادوگر معاوضہ کی درخواست نہ کرتے اور سونے چاندی کے ڈھیر ان کے پاس موجود ہوتے۔ الغرض جب جادوگروں نے معاوضہ اور انعام و اکرام کی طرف سے اطمینان حاصل کر لیا تو مقابلہ کی تیاری شروع کی۔ سورۂ طٰہٰ سولہویں پارہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ تفصیلاً بیان ہو چکا ہے اور وہاں بتلایا گیا کہ قبل اس کے کہ مقابلہ شروع ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تبلیغ ادا فرماتے ہوئے مجمع کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہاری حالت پر سخت افسوس ہے تم کیا کر رہے ہو؟ تم ہم کو جادوگر سمجھ کر خدا پر الزام نہ لگاؤ۔ مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں وہ تم کو اس جھوٹ اور بہتان طرازی کی سزا میں عذاب دے کر تم کو جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکے کیونکہ جس کسی نے بہتان باندھا وہ نامراد ہی رہا۔ لوگوں نے یہ سنا تو آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ فرعونی درباریوں نے یہ حال دیکھا تو جادوگروں کو جو جمع تھے مخاطب کر کے کہنے لگے یہ دونوں بھائی بلاشبہ جادوگر ہیں یہ چاہتے ہیں کہ جادو کے زور سے تم کو تمہارے وطن سے نکال دیں اور تم پر غلبہ کر لیں لہٰذا تم اپنا کام شروع کرو اور صف باندھ کر موسیٰ کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ آج جو غالب آ جائے گا وہی کامیاب ثابت ہوگا۔ الغرض جادوگروں نے آگے بڑھ کر موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب اس گفت و شنید کے قصہ کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ ابتدا تمہاری جانب سے ہوگی یا ہماری جانب سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان پر اس تنبیہ کا بھی کچھ اثر نہیں ہوا تو فرمایا کہ

ابتدا تم ہی کرو اور اپنے کمال فن کی حسرت پوری طرح نکال لو اور جو کچھ تم وار کرنا چاہتے ہو کرو چنانچہ ساحروں نے اپنا کام شروع کیا اور اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں جو سانپوں کی شکل نظر آنے لگیں۔ حق کی طاقت سے چونکہ وہ ساحرین اس وقت تک نا آشنا تھے۔ اپنا حامی اور پشت پناہ فرعون ہی کو جانتے تھے اس لئے حملہ کرتے وقت بولے کہ فرعون کے اقبال کی قسم ہم ہی ضرور غالب آویں گے ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی۔ وہ قوت قہاری جو لاٹھی کا ظاہری جامہ پہنے ہوئے تھی فوراً ظہور پذیر ہوئی اور وہ لاٹھی ایک زبردست اژدہا بن گیا اور جادوگروں کے تمام شعبدوں کو نگلنا شروع کر دیا تھوڑی سی دیر میں سارا میدان صاف ہو گیا اور اس طرح ساحرین اپنے سحر میں ناکام رہے۔ اب جادوگروں نے جو کہ اپنے فن کے ماہر اور کامل تھے جب عصائے موسیٰ کا یہ کرشمہ دیکھا تو حقیقت حال سمجھ گئے اور وہ اس کو چھپا نہ سکے اور انہوں نے برسر مجلس یہ اقرار کر لیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل جادو سے بالاتر ہے اور اس کو سحر سے دور کا بھی واسطہ نہیں چنانچہ وہ اتنے متاثر ہوئے کہ وہیں سب سجدہ میں گر پڑے اور اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے کیونکہ وہی "رب العالمین" ہے۔ اس کی ہمہ گیر طاقت کو ہم نے مان لیا۔ اور اس کی الوہیت اور ربوبیت پر ہم ایمان لے آئے درحقیقت رب العالمین وہی ہے جس نے ان دونوں کو بھیجا ہے۔

اب فرعون نے جب یہ دیکھا تو اس کے غصہ اور غضب کا پارہ چڑھ گیا۔ شکست۔ رسوائی روسیاہی۔ حکومت کا زوال ملک کی بغاوت اور موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی سب کی بھیانک تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر تو اس کا بس کچھ چلا نہیں۔ جادوگروں پر اس نے اپنے جس غیض وغضب کا اظہار کیا اور ان کو مخاطب ہو کر جو کہا سنا اور ان ساحرین نے جو اب صاحب ایمان ہو چکے تھے جو فرعون کو جواب دیا وہ اگلی آیات میں ارشاد فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو ہر حال میں حق پر قائم رکھیں اور ہم کو وہ ایمانی جرأت وقوت عطا فرمائیں کہ جو ہم باطل سے کبھی خوف نہ کھائیں اور باطل کی طاغوتی قوت سے ہم کبھی مرعوب نہ ہوں۔ یا اللہ! آپ کی نصرت وامداد ہر حال میں ہمارے شامل حال ہو۔ اور تائید غیبی سے حق کو فتح مندی اور غلبہ اور شوکت نصیب ہو۔ اور کفر وشرک کو ذلت ورسوائی کے ساتھ مٹنا اور نیست ونابود ہونا نصیب ہو۔ یا اللہ! اس وقت روئے زمین پر جہاں جہاں باطل حق سے برسر پیکار ہے باطل کو یا اللہ اپنی قوت قہاری وجباری سے مٹنا نصیب ہو اور حق کو آپ کی تائید ونصرت سے غلبہ نصیب ہو۔ یا اللہ! باطل نے جو مادی قوت وطاقت حق کو مٹانے کے لئے جمع کر رکھی ہے یا اللہ باطل کی طاقت کو پاش پاش فرما دے۔ ان کے مکر وفریب کو انہیں پر پلٹ دے۔ یا اللہ! حق کی کامیابی کا دارومدار آپ ہی کی تائید اور نصرت پر موقوف ہے آپ ہی کی نصرت وامداد سے دنیا میں ہمیشہ حق کی سربلندی اور غلبہ نصیب ہوا ہے۔

یا اللہ! اس وقت جہاں جہاں حق بے سہارا ہے۔ اپنی قدرت ورحمت سے اس کو سہارا عطا فرما دے۔ اور باطل کو بے بس اور بے کس بنا دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۗ

فرعون کہنے لگا کہ ہاں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بدون اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں۔ ضرور یہ تم سب کا اُستاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۚ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ

میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سُولی پر چڑھاؤں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ کچھ حرج نہیں ہم اپنے

اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۚ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾

مالک کے پاس جا پہنچیں گے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے ہیں۔

قَالَ (فرعون) نے کہا	اٰمَنْتُمْ لَهٗ تم ایمان لائے اس پر	قَبْلَ پہلے	اَنْ کہ میں	اٰذَنَ اجازت دوں	لَكُمْ تمہیں	اِنَّهٗ بیشک وہ	
لَكَبِيْرُكُمُ البتہ بڑا ہے تمہارا	الَّذِيْ جس نے	عَلَّمَكُمُ سکھایا تمہیں	السِّحْرَ جادو	فَلَسَوْفَ پس جلد	تَعْلَمُوْنَ تم جان لو گے		
لَاُقَطِّعَنَّ البتہ میں ضرور کاٹ ڈالوں گا	اَيْدِيَكُمْ تمہارے ہاتھ	وَاَرْجُلَكُمْ اور تمہارے پاؤں	مِّنْ سے۔کے	خِلَافٍ ایک دوسرے کے خلاف کا			
وَلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اور ضرور تمہیں سُولی دوں گا	اَجْمَعِيْنَ سب کو	قَالُوْا وہ بولے	لَا ضَيْرَ کچھ نقصان (حرج) نہیں	اِنَّاۤ بیشک ہم	اِلٰى رَبِّنَا اپنے رب کی طرف		
مُنْقَلِبُوْنَ لوٹ کر جانیوالے ہیں	اِنَّا نَطْمَعُ بیشک ہم امید رکھتے ہیں	اَنْ کہ	يَّغْفِرَ بخش دے	لَنَا ہمیں	رَبُّنَا ہمارا رب	خَطٰيٰنَاۤ ہماری خطائیں	
	اَنْ كُنَّاۤ کہ ہم ہیں	اَوَّلَ پہلے	الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی بجائے جادوگروں سے آپ کا مقابلہ کرایا۔ پھر اس مقابلہ کا جو انجام ہوا وہ بھی بیان ہو چکا وہی ساحر جو چند منٹ پہلے فرعون کی زبردست طاقت سے مرعوب۔ اس کے حامی اور طرفدار اور اس کے حکم کی تعمیل کو حرز جان بنائے ہوئے تھے اور جو اپنے کرشموں کی کامیابی پر انعام واکرام کا معاملہ طے کر رہے تھے وہی چند منٹ کے بعد عصائے موسوی کا معجزہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ انسانی کرشمہ سازی نہیں بلکہ کسی بہت ہی بلند قدرت کی کارفرمائی ہے اور اس سے ایسے متاثر ہوئے کہ وہیں فرعون کی موجودگی ہی میں علی الاعلان سب کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور تسلیم کر لیا کہ ہم کو رب العالمین کی قوت قہاری کا یقین ہے اور اس کی ہمہ گیر طاقت کو ہم نے مان لیا۔ اس کی الوہیت اور ربوبیت پر ہم ایمان لے آئے۔ درحقیقت رب العالمین وہی ہے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے اور جس نے ان دونوں کو بھیجا ہے۔

دیکھا آپ نے جب سچا ایمان کسی کو نصیب ہو جاتا ہے خواہ وہ ایک لمحہ ہی کا کیوں نہ ہو وہ ایسی بے پناہ روحانی قوت پیدا کر دیتا ہے کہ کوئی بڑی سے بڑی باطل طاقت بھی اس کو مرعوب نہیں کر سکتی۔ وہی جادوگر جو فرعون سے تھوڑی دیر پہلے انعامات و اکرامات کی التجائیں کر رہے تھے ایمان لانے کے بعد ایسے نڈر اور بے خوف ہو گئے کہ کوئی دہشت بھی ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکی جیسا کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ الغرض فرعون نے جب یہ دیکھا کہ میرا تمام دام فریب تار تار ہو گیا اور موسیٰ (علیہ السلام) کو شکست دینے کی جو آخری پناہ تھی وہ بھی منہدم ہو گئی اب کہیں ایسا نہ ہو کہ مصری عوام بھی ہاتھ سے جائیں اور موسیٰ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں تو اس نے مکروفریب کا ایک

دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے فرعون ان ساحرین سے جواب ایمان لے آئے تھے کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ تم سب کا استاد ہے اور تم سب نے آپس میں سازش کر رکھی تھی کہ تم یوں کرنا ہم یوں کریں گے۔ تب ہی تو میری رعایا ہوتے ہوئے میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ کے خدا پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ اچھا میں تم کو ایسی عبرتناک سزا دوں گا تا کہ آئندہ کسی کو ایسی غداری کی جرأت نہ ہو۔ پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹوا دوں گا اور پھر سب کو سولی پر چڑھوا دوں گا۔ وہ ساحرین جو صاحب ایمان ہو چکے تھے اور دولت ایمان کے نشہ سے سرشار ہو گئے تھے انہوں نے فرعون کی ان دھمکیوں اور جابرانہ عذاب وعقاب کو ایک کھیل سے زیادہ نہ سمجھتے ہوئے نہایت بے باکانہ انداز میں جو جواب دیا اس کا کچھ حصہ تو ان آیات میں نقل فرمایا گیا ہے اور کچھ حصہ سورۂ طٰہٰ اور سورۂ اعراف وغیرہ میں بیان ہو چکا ہے۔

یہاں ان آیات میں جو حصہ ان کے جواب کا نقل فرمایا گیا ہے اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ ہم تیری سزا سے نہیں ڈرتے۔ جسمانی مصائب کا ہم کو کوئی ڈر نہیں اس زندگی کے ختم ہو جانے کی ہمیں کچھ پروا نہیں۔ ہم پر حق پوری طرح واضح ہو گیا ہمارا رب وہی ہے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ہمیں ہر صورت میں اسی کے پاس جانا ہے اور ایک نہ ایک دن اسی کے پاس پلٹنا بہر حال ضرور ہے۔ اب اگر تو قتل کر دے گا تو اس سے زیادہ کچھ نہ ہوگا کہ وہ دن جو کبھی آنا تھا آج آ جائے گا ہم کو وہاں جانا ہے اور انجام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہم تیرے ہاتھ سے مرے تو اور زیادہ سرخرو ہوں گے۔ ہم تو اپنے رب سے اب یہی امید رکھتے ہیں کہ وہ ہماری گذشتہ غلط کاریوں کو معاف کرے اور جو تو نے ہم سے یہ مقابلہ کرایا اس کا وبال خصوصاً ہم سے ٹال دے کیونکہ ہم اس کے رسولوں کی تبلیغ کے بعد اس مجمع میں بلکہ ملک بھر میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ان کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ جس رب کی نشانیوں کو مان لینے سے ہم تیری نگاہ میں مجرم ٹھہرے ہیں اسی رب سے ہماری دعا ہے کہ وہ تیری زیادتیوں اور سختیوں پر ہم کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور مرتے دم تک ایمان پر مستقیم رکھے۔

غرض حق و باطل کی اس کشمکش میں فرعون اور اس کے درباریوں کو سخت ذلت اٹھانی پڑی اور وہ برسر عام ذلیل و رسوا ہوئے مگر پھر بھی حق کو تسلیم نہ کیا اور باطل پر جمے رہے۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کو تبلیغ فرماتے رہے۔ اب اس کے بعد سلسلہ کلام کی مناسبت سے آگے کے واقعات یہاں اس سورۃ میں چھوڑ دیئے گئے ہیں اور جب کچھ عرصہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے معہ بنی اسرائیل کے راتوں رات ہجرت کر جانے کا حکم ملا وہاں سے پھر حالات اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو بھی ایسا سچا اور پکا ایمان نصیب فرما دیں کہ ہم کسی حال میں راہ مستقیم سے نہ ڈگمگائیں اور کسی آن میں اللہ ورسول کی تابعداری سے نہ ہٹیں۔ اور کسی معاملہ میں شریعت مطہرہ کے خلاف نہ کریں۔ جو احکام الٰہیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وہدایات ہمیں پہنچیں ہم ان پر لبیک کہہ کر دل وجان سے ان پر عمل پیرا ہو جانے والے ہوں۔ اسی پر تازندگی قائم رہیں اور اسی پر ہمارا خاتمہ ہو۔ یا اللہ آج جو اہل حق اہل باطل کے ظلم وستم سے دبے ہوئے ہیں۔ ان کو ایمان قوی عطا فرما دے۔ اہل باطل سے مقابلہ کی قوت وطاقت اہل حق کو عطا فرما دے۔ یا اللہ موت کا خوف اور ڈر ہمارے دلوں سے قوی ایمان اور اپنی ذات سے صحیح تعلق عطا فرما کر نکال دے اور باطل کے مقابلہ کے لئے ہماری تائید اور نصرت فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝۵۲ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ

اور ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ میرے بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ تم لوگوں کا تعاقب کیا جاوے گا۔ فرعون نے شہروں میں چپڑاسی دوڑا دیئے

حٰشِرِيْنَ ۝۵۳ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝۵۴ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ۝۵۵ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ

کہ یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہے۔ اور انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے۔ اور ہم سب ایک مسلح جماعت ہیں۔

حٰذِرُوْنَ ۝۵۶ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۵۷ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝۵۸ كَذٰلِكَ

غرض ہم نے اُن کو باغوں سے اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ مکانات سے نکال باہر کیا۔ (ہم نے اُن کے ساتھ تو) یوں کیا

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۵۹

اور دوسری طرف بنی اسرائیل کو ہم نے یہی نعمتیں عطا کر دیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اور ہم نے وحی کی	اِلٰی طرف	مُوْسٰی موسیٰ	اَنْ اَسْرِ کہ تو راتوں رات لے نکل	بِعِبَادِیْ میرے بندوں کو	اِنَّكُمْ بیشک تم	
مُّتَّبَعُوْنَ پیچھا کئے جاؤ گے	فَاَرْسَلَ پس بھیجا	فِرْعَوْنُ فرعون نے	فِی الْمَدَآئِنِ شہروں میں	حٰشِرِيْنَ اکٹھا کرنے والے (نقیب)	اِنَّ بیشک	
هٰٓؤُلَآءِ یہ لوگ ہیں	لَشِرْذِمَةٌ ایک جماعت	قَلِيْلُوْنَ تھوڑی سی	وَاِنَّهُمْ اور بیشک وہ	لَنَا ہمیں	لَغَآئِظُوْنَ غصہ میں لانے والے ہیں	
وَاِنَّا اور بیشک ہم	لَجَمِيْعٌ ایک جماعت	حٰذِرُوْنَ مسلح محتاط	فَاَخْرَجْنٰهُمْ پس ہم نے انہیں نکالا	مِّنْ سے	جَنّٰتٍ باغات	وَّعُيُوْنٍ اور چشمے
وَّكُنُوْزٍ اور خزانے	وَّمَقَامٍ اور ٹھکانے	كَرِيْمٍ عمدہ	كَذٰلِكَ اسی طرح	وَاَوْرَثْنٰهَا اور ہم نے وارث بنایا ان کا	بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ فرعون۔ اس کے درباریوں اور اس کی قوم کے عوام الناس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی دیکھے اور جادوگروں سے مقابلہ کرا کر ذلت و رسوائی بھی اٹھائی مگر پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر نہ مانا بلکہ حق سے اور زیادہ عناد و بغض بڑھ گیا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام برابر فرعونیوں کو تبلیغ فرماتے رہے اور بنی اسرائیل کو آزاد و رہا کرنے کا مطالبہ بھی فرماتے رہے۔ بالآخر درباریوں اور ارکان سلطنت نے فرعون سے احتجاج کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کیوں نہیں کرا دیا جاتا۔ کیا اس کو اور اس کی قوم کو موقع دیا جا رہا ہے کہ وہ مصر میں فساد پھیلائیں؟ اور تجھ کو ٹھکراتے رہیں؟ تو جیسا کہ سورۂ اعراف نویں پارہ میں بیان ہوا فرعون نے درباریوں سے کہا کہ میں مصر میں اسرائیلیوں کی طاقت بڑھنے ہی نہ دوں گا اور مقابلہ کے قابل ہی نہ رکھوں گا۔ ابھی یہ حکم جاری کرتا ہوں کہ ان کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا کرو اور صرف لڑکیوں کو خدمت گزاری کے لئے زندہ چھوڑ دیا کرو۔ گویا یہ فرعون کا دوسرا اعلان تھا جو بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل سے متعلق کیا گیا اس سے پہلے مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی تو ایک خواب اور اس کی تعبیر کی بنا پر اسرائیلی لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیئے جانے کا حکم دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک عرصہ تک رشد و ہدایت کا فرعون اور اس کے سرداروں پر مطلق اثر نہ ہوا اور معدودے چند کے سوائے عام مصریوں نے بھی دعوت حق کو قبول نہ کیا تو اب یکے

بعد دیگرے فرعونیوں پر عذاب الٰہی آنے لگے۔ یہ دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ جب عذاب الٰہی کسی ایک شکل میں ظاہر ہوتا تو فرعون اور قوم فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرنے لگتی کہ اچھا ہم ایمان لے آئیں گے تم اپنے خدا سے دعا کرو کہ یہ عذاب جاتا رہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وہ عذاب دور ہو جاتا تو پھر سرکشی اور نافرمانی پر اتر آتے۔ پھر عذاب جب دوسری شکل میں آتا تو کہتے کہ اچھا ہم بنی اسرائیل کو آزاد کر کے تمہارے ساتھ روانہ کر دیں گے دعا کرو کہ یہ عذاب دفع ہو جائے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کو پھر مہلت دی جاتی اور عذاب دفع ہو جاتا تو پھر اسی طرح مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف قسم کے نشانات ظاہر ہوئے کبھی طوفان آئے۔ کبھی قحط سالی ہوئی۔ کبھی ٹڈیوں کے دل آئے۔ کبھی چیچڑیوں کے پیدا ہو جانے کا عذاب آیا۔ کبھی مینڈکوں کا تمام مصر میں پھیل جانے کی مصیبت آئی۔ کبھی پانی کا خون ہو جانا ظاہر ہوا۔ مگر فرعون اور قوم فرعون نے اس بار بار کی مہلت مل جانے کو بھی ایک مذاق بنالیا ان تمام واقعات کا ذکر سورۂ اعراف اور قرآن پاک کی دوسری سورتوں میں جگہ بجگہ آیا ہے مگر یہاں اس سورۃ میں کئی سال کے ان تمام واقعات کو جو ساحرین کے مقابلہ کے بعد ظہور پذیر ہوئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ بالآخر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مع بنی اسرائیل کے راتوں رات مصر سے چپ چاپ نکل جانے کا حکم خداوندی ملا تو اس سے آگے واقعات کو ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں اس سورۃ میں سلسلۂ کلام کی مناسبت سے چونکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جس فرعون نے صریح نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود یہ ہٹ دھرمی دکھائی تھی اس کا انجام آخر کار کیا ہوا اور جس کی پشت پر اللہ تعالیٰ کی طاقت تھی وہ کس طرح کامیابی سے ہمکنار ہوئے اس لئے فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کشمکش کے ابتدائی واقعات ذکر کرنے کے بعد اب قصہ مختصر کر کے آخری منظر دکھایا جا رہا ہے۔

چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے باہر نکال لے جاؤ۔ فرعون مع فوج کے تمہارے پیچھے آئے گا مگر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ حسب الحکم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خفیہ مشورہ کیا اور تمام بنی اسرائیل کے قبائل کے سرداروں کو حکم الٰہی سے آگاہ کیا۔ سب تیار ہو گئے اور ایک رات اس کام کے لئے مقرر ہو گئی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے رات کو چل دیئے۔ ادھر رات گزرنے پر فرعونیوں کی جو آنکھ کھلی تو چوکیدار غلام نوکر چاکر کوئی نہیں سخت پیچ و تاب کھانے لگے اور مارے غصہ کے سرخ ہو گئے۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ بنی اسرائیل رات ہی رات میں سب فرار ہو گئے تو فرعون نے تعاقب اور پیچھا کرنے کے لئے تدبیر کی اور جابجا آس پاس کے شہروں میں چپڑاسی دوڑا دیئے اور کہلا بھیجا کہ یہ بنی اسرائیل ہماری نسبت تھوڑی سی جماعت ہے اور ان کی اس حرکت نے کہ جو یہ خفیہ چالاکی سے نکل گئے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے ہم ہتھیار بند ہیں میں ارادہ کر چکا ہوں۔ کہ اب انہیں اپنی اس سرکشی کا مزہ چکھادوں اور ان سب کو ایک ساتھ گھیر گھار کر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دوں غرض کہ فرعون نے ضروری سامان اور فوج کو جمع کیا اور تمام لاؤ لشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چلا اور یہ خبر نہ تھی کہ اب لوٹنا نصیب نہ ہوگا اور معہ اپنی قوم اور لاؤ لشکر کے بیک وقت ہلاک ہونا ہے۔

آگے باری تعالیٰ کا ارشاد بطور جملہ معترضہ کے ہے کہ یہ فرعونی اپنی طاقت اور کثرت کے گھمنڈ پر بنی اسرائیل کے تعاقب میں

نکل کھڑے ہوئے اس بہانے ہم نے انہیں ان کے باغات سے چشموں اور نہروں سے خزانوں اور بارونق مکانوں سے خارج کیا اور وہ اپنے محلات، باغات، تخت وتاج اور جاہ ومال سب چھوڑ کر بنی اسرائیل کے پکڑنے کو نکلے۔ اور بالآخر جیسا کہ اگلی آیات میں بتلایا گیا یہ سب سمندر میں غرق ہو کر ہلاک ہوئے گویا اس تدبیر سے اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو اپنی سرزمین سلطنت سے نکال کر باہر کیا۔ اور بنی اسرائیل کو جو آج تک پست اور نادار تھے ان کو ملک شام اور فلسطین میں اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی عمدہ باغات۔ چشمے اور خزانے عطا کئے۔ یہاں آیت میں واورثنها بنی اسرائیل اور ہم نے ان تمام چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنادیا اس کے مطلب بعض مفسرین یہ بھی بیان کئے ہیں کہ ایک مدت بعد جب سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ملک مصر بنی اسرائیل کی سلطنت میں شامل ہوا تو یہ سب چیزیں یعنی مصر کے باغات چشمے اور خزانہ اور عمدہ مکانات یہ سب بنی اسرائیل کے ہاتھ لگے۔

یہ توبیچ میں جملہ معترضہ تھا۔ اب آگے فرعون کے تعاقب کرنے اور بنی اسرائیل کے پاس پہنچ جانے اور بنی اسرائیل کو فرعون کی گرفت سے بچالینے اور فرعون اور اس کے تمام لاؤلشکر کو سمندر میں غرق ہو کر ہلاک ہوجانے کے واقعات کو اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں نافرمان قوموں سے عبرت حاصل کرنے والا دل ودماغ عطا فرمائیں اور ہم کو اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی سے کامل طور پر بچاویں۔

اس دنیوی زندگی میں کفار ومشرکین کو جو عیش وآرام ملے ہوئے ہیں وہ ان کے لئے وبال جان ثابت ہوں اور ہمیں جو اللہ پاک نے زندگی کا سامان دیا ہے وہ ہمارے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضیات حاصل کرنے کا ذریعہ بنے۔

اے اللہ جیسے آپ کی خفیہ تدبیر نے فرعونیوں کو ہلاک کیا اے اللہ اپنی اسی قدرت اور تدبیر سے آج بھی مخالفین اسلام حقیقی اور اعدائے دین کو تہ وبالا فرمادے۔ ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسادے۔ اور ان کی شرارتیں اور تدبیریں سب ملیامیٹ فرمادے۔ اور ان کی چالیں ان ہی کی ہلاکت کا سبب بنادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ

غرض سورج نکلنے کے وقت اُن کو پیچھے سے جالیا۔ پھر جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ کے ہمراہی کہنے لگے کہ بس ہم تو اُن کے ہاتھ آ گئے۔

كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ

موسیٰ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھ کو ابھی راستہ بتلا دیگا پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو سمندر پر مارو

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَاَنْجَيْنَا

چنانچہ (اُنہوں نے اس پر عصا مارا جس سے) وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا (بڑا) تھا جیسا بڑا پہاڑ۔ اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس موقع کے قریب پہنچا دیا۔

مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ

اور ہم نے موسیٰ کو اور اُن کے ساتھ والوں کو سب کو بچالیا۔ پھر دوسروں کو غرق کردیا۔ اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے،

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾

اور ان (کفار) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور آپ کا رب بڑا زبردست ہے بڑا مہربان ہے۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ پس انہوں نے پیچھا کیا ان کا	مُّشْرِقِيْنَ سورج نکلتے	فَلَمَّا پس جب	تَرَآءَ دیکھا ایک دوسرے کو	الْجَمْعٰنِ دونوں جماعتیں		
قَالَ کہا (کہنے لگے)	اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى موسیٰ کے ساتھی	اِنَّا یقیناً ہم	لَمُدْرَكُوْنَ پکڑ لئے گئے	قَالَ كَلَّا اس نے کہا ہرگز نہیں	اِنَّ بیشک	
مَعِيَ میرے ساتھ	رَبِّيْ میرا رب	سَيَهْدِيْنِ وہ جلد مجھے راہ دکھائے گا	فَاَوْحَيْنَآ پس ہم نے وحی بھیجی	اِلٰى طرف	مُوْسٰٓى موسیٰ	
اَنِ کہ	اضْرِبْ تو مار	بِّعَصَاكَ اپنا عصا	الْبَحْرَ دریا	فَانْفَلَقَ تو وہ پھٹ گیا	فَكَانَ پس ہوگیا	كُلُّ فِرْقٍ ہر حصہ
كَالطَّوْدِ پہاڑ کی طرح						
الْعَظِيْمِ بڑے	وَاَزْلَفْنَا پھر ہم نے قریب کردیا	ثَمَّ اس جگہ	الْاٰخَرِيْنَ دوسروں کو	وَاَنْجَيْنَا اور ہم نے بچالیا	مُوْسٰى موسیٰ	
وَمَنْ اور جو	مَّعَهٗٓ اس کے ساتھ	اَجْمَعِيْنَ سب	ثُمَّ پھر	اَغْرَقْنَا ہم نے غرق کردیا	الْاٰخَرِيْنَ دوسروں کو	اِنَّ بیشک
فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَمَا اور نہ	كَانَ تھے	اَكْثَرُهُمْ ان سے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	وَاِنَّ اور بیشک
رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں میں تبلیغ کرتے کرتے ایک عرصہ گزر گیا اور اس زمانہ میں خدا کی نشانیاں اور دلیلیں ان پر واضح کردیں لیکن ان کا سر نیچا نہ ہوا۔ نہ ان کا تکبر ٹوٹا اور نہ ان کی بدماغی میں کوئی فرق آیا تو سوائے اس کے کوئی بات باقی نہ رہی کہ ان پر ہلاکت کا عذاب آئے اور وہ غارت ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم خداوندی ملا کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتعمیل حکم خداوندی میں مصر سے بمعہ تمام بنی اسرائیل مرد و زن کے ایک رات ہجرت فرمائی۔ مصر سے فلسطین و شام جانے کے دو راستے تھے۔ ایک خشکی کا راستہ اور وہ قریب کا راستہ تھا۔ اور دوسرا پانی کا راستہ یعنی بحر قلزم کو عبور کرکے جزیرۂ نما سینا یا وادیٔ تیہ کے راہ سے اور یہ دور کا راستہ تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ یہی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خشکی کی

نزدیک کی راہ چھوڑ کر دور کی راہ اختیار کریں اور بحر قلزم کو پار کر کے جائیں۔
ادھر فرعون اپنے تمام لاؤ لشکر اور رعایا کو لے کر بڑے طمطراق اور کروفر سے بنی اسرائیل کو تہس نہس کرنے کے ارادہ سے ان کے تعاقب کو نکلا چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ طلوع آفتاب کا وقت تھا کہ فرعونی بنی اسرائیل کے قریب جا پہنچے۔ اس وقت تک بنی اسرائیل بحر قلزم کے کنارہ تک پہنچ چکے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام قافلہ کے آگے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے۔ اب فرعونی لشکر بنی اسرائیل کو نظر آ رہا تھا اور بنی اسرائیل کو فرعونی دیکھ رہے تھے۔ بنی اسرائیل بحر قلزم کے کنارہ پہنچ کر متحیر ہو کر کھڑے ہو گئے اور جب دیکھا کہ فرعون کا لشکر قریب آ پہنچا ہے تو اس وقت مضطرب ہو کر کہنے لگے کہ بتلائیے اب ہم کیا کریں۔ آگے سمندر کا پانی ہے اور پیچھے فرعون کا ٹڈی دل لشکر۔ ظاہر ہے کہ نبی اور غیر نبی کا ایمان یکساں نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت ٹھنڈے دل سے جواب دیا کہ گھبراؤ نہیں۔ تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچ سکتی۔ خدا کا وعدہ سچا ہے وہ تم کو نجات دے گا اور تم ہی کامیاب ہو گے۔ میں اپنی رائے سے لے کر تمہیں نہیں نکلا بلکہ احکم الحاکمین کے حکم سے تمہیں لے کر چلا ہوں۔ وہ وعدہ خلاف نہیں۔ پھر آپ درگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوئے۔ اسی وقت وحی الٰہی نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنی لاٹھی کو پانی پر ماریں اور پھر قدرت کا کرشمہ دیکھیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد میں پانی پر لاٹھی ماری۔ بس اسی وقت پانی پھٹ گیا اور بیچ میں صاف راستے نظر آنے لگے اور آس پاس پانی بطور پہاڑ کے کھڑا ہو گیا۔ سمندر میں ۱۲ راستہ نکل آئے اور بنی اسرائیل کے قبائل بھی ۱۲ ہی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے تمام بنی اسرائیل اس میں اتر گئے اور خشک زمین کی طرح اس سے پار ہو گئے۔ جب بنی اسرائیل نے بحر قلزم کو پار کر کے دوسری جانب خشکی پر قدم رکھا تو فرعون مع اپنے لشکر کے سمندر کے کنارہ پہنچا اور فرعون نے یہ دیکھ کر کہ سمندر میں راستے بنے ہوئے ہیں اپنی قوم اور لشکر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "دیکھا یہ میری کرشمہ سازی ہے کہ بنی اسرائیل کو تم جا پکڑو للہذا بڑھے چلو۔" فرعون اور اس کا تمام لشکر بنی اسرائیل کے پیچھے انہیں راستوں پر ہو لئے فرعون اور اس کا تمام لشکر جو ابھی درمیان ہی میں تھا کہ پانی بحکم خداوندی اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور فرعون اور اس کا تمام لشکر بحر قلزم کے درمیان ہی میں غرق ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی نجات اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کی غرقابی و ہلاکت بیان فرما کر اس قصہ کو انہی آیات پر ختم فرمایا جاتا ہے۔ جن پر پہلا رکوع ختم فرمایا گیا تھا یعنی **ان فی ذلک لآیۃ وماکان اکثرھم مؤمنین۔ وان ربک لھو العزیز الرحیم۔** اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اور اس قابل ہے کہ کفار اس سے استدلال کریں کہ اللہ کے احکام کی نافرمانی اور اس کے رسول کی مخالفت موجب عذاب خداوندی ہے مگر باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور آپ کا رب بڑا زبردست ہے اگر چاہتا تو ان کی تکذیب اور نافرمانی پر فوراً ہلاک کر دیتا لیکن بڑا مہربان بھی ہے اس لئے اپنی رحمت عامہ سے ابھی مہلت دے رکھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جیسا اس سورۃ کے ابتدائی درس میں عرض کیا گیا تھا کہ اس سورۃ کا زمانۂ نزول وہ وقت تھا جبکہ مسلمانوں پر کفار مکہ کا ہجوم تھا اور اہل اسلام کو ہر طرح کے شدائد و آلام اور مصائب و سختیاں کفار کی برداشت کرنا پڑ رہی تھیں ایسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور آپ کی قوم کے حالات بیان فرما کر ایک طرف تو اہل ایمان کو صبر و پامردی اور استقامت کی تلقین فرمائی گئی اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی کہ ظلم۔ اور باطل اور ناحق کی طاقتیں خواہ بظاہر کیسی ہی چھائی ہوئی نظر آتی ہوں آخر کار اللہ تعالیٰ کی مدد سے حق کا یوں بول بالا ہوتا ہے اور باطل کس طرح سرنگوں ہو کر رہتا ہے۔ دوسری طرف کفار مکہ کیلئے اس میں سبق ہے کہ کس طرح ہٹ دھرم لوگ کھلے کھلے معجزات و نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان لانے سے انکار ہی کئے جاتے ہیں اور پھر اس ہٹ دھرمی کا انجام کیسا دردناک ہوتا ہے۔ فرعون اور اس کی قوم نے سالہا سال تک جو قدرت کی نشانیاں دیکھیں وہ ان کو نظر انداز ہی کرتے رہے۔ بالآخر خدا کے عذاب سے ہلاک ہو کر فنا ہو گئے۔

اب آگے دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا

اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کیجئے۔جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔

فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ

انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کیا کرتے ہیں ہم ان ہی (کی عبادت) پر جمے بیٹھے رہتے ہیں۔ابراہیم نے فرمایا کہ کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم ان کو پکارا کرتے ہو۔یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں

يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾

یا یہ تم کو کچھ ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ان لوگوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ابراہیم نے فرمایا کہ بھلا تم نے ان کو دیکھا بھی جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو۔

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ

تم بھی اور تمہارے پرانے بڑے بھی۔میرے یہ سب دشمن ہیں بجز ایک رب العالمین کے۔جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو

يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ

رہنمائی کرتا ہے۔اور جو کہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے۔اور جب میں بیمار ہوجاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔اور جو مجھ کو

يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾

موت دے گا پھر مجھ کو زندہ کرے گا۔اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری خطاؤں کو قیامت کے روز معاف کردے گا۔

وَاتْلُ اور آپ پڑھیں	عَلَيْهِمْ ان پر۔انہیں	نَبَاَ خبر۔واقعہ	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم	اِذْ جب	قَالَ اس نے کہا	لِاَبِيْهِ اپنے باپ کو	وَقَوْمِهٖ اور اپنی قوم
مَا کیا۔کس	تَعْبُدُوْنَ تم پرستش کرتے ہو	قَالُوْا انہوں نے کہا	نَعْبُدُ ہم پرستش کرتے ہیں	اَصْنَامًا بتوں کی	فَنَظَلُّ لَهَا پس ہم بیٹھے رہتے ہیں انکے پاس		
عٰكِفِيْنَ جمے ہوئے	قَالَ اس نے کہا	هَلْ کیا	يَسْمَعُوْنَكُمْ وہ سنتے ہیں تمہاری	اِذْ جب	تَدْعُوْنَ تم پکارتے ہو		
اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ یا وہ نفع پہنچاتے ہیں تمہیں	اَوْ يَضُرُّوْنَ یا وہ نقصان پہنچاتے ہیں	قَالُوْا وہ بولے	بَلْ بلکہ	وَجَدْنَا ہم نے پایا	اٰبَآءَنَا اپنے باپ دادا		
كَذٰلِكَ اسی طرح	يَفْعَلُوْنَ وہ کرتے	قَالَ ابراہیم نے کہا	اَفَرَءَيْتُمْ کیا پس تم نے دیکھا	مَا کس	كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ تم پرستش کرتے ہو		
اَنْتُمْ تم	وَاٰبَآؤُكُمُ اور تمہارے باپ دادا	الْاَقْدَمُوْنَ پہلے	فَاِنَّهُمْ تو بیشک وہ	عَدُوٌّ لِّيْ میرے دشمن	اِلَّا مگر	رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں کا رب	
الَّذِيْ وہ جس نے	خَلَقَنِيْ مجھے پیدا کیا	فَهُوَ پس وہ	يَهْدِيْنِ مجھے راہ دکھاتا ہے	وَالَّذِيْ اور وہ جو	هُوَ وہ	يُطْعِمُنِيْ مجھے کھلاتا ہے	
وَيَسْقِيْنِ اور مجھے پلاتا ہے	وَاِذَا اور جب	مَرِضْتُ میں بیمار ہوتا ہوں	فَهُوَ تو وہ	يَشْفِيْنِ مجھے شفا دیتا ہے	وَالَّذِيْ اور وہ جو		
يُمِيْتُنِيْ مجھے موت دے گا	ثُمَّ پھر	يُحْيِيْنِ مجھے زندہ کرے گا	وَالَّذِيْ اور وہ جس سے	اَطْمَعُ میں امید رکھتا ہوں	اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ کہ مجھے بخش دے گا		
	خَطِيْٓـَٔتِيْ میری خطائیں	يَوْمَ الدِّيْنِ بدلہ کے دن					

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا قصہ بیان فرمایا گیا تھا اب دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔یہاں اس سورۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیاۃ طیبہ کے اس دور کا قصہ بیان ہوا ہے جبکہ نبوت سے

سرفراز ہونے کے بعد شرک و توحید کے مسئلہ پر آپ کی اپنے خاندان اور اپنی قوم سے کشمکش شروع ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات و حالات قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان فرمائے گئے ہیں۔ قرآن کریم جو بار بار آپ کا ذکر سامنے لاتا ہے اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ عرب کے لوگ عموماً اور قریش مکہ خصوصاً اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرو سمجھتے اور یہ دعویٰ رکھتے تھے کہ ملت ابراہیمی ہی ان کا مذہب ہے۔ مشرکین عرب کے علاوہ یہود و نصاریٰ کا بھی یہی دعویٰ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین کے پیشوا ہیں۔ اس پر قرآن مجید جگہ جگہ ان لوگوں کو متنبہ کرتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جو دین لے کر آئے تھے وہ یہی خالص دین اسلام تھا جسے نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس دین سے تم برسر پیکار ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے بلکہ ان کی ساری لڑائی شرک ہی کے خلاف تھی اور اسی شرک کی مذمت کی بدولت انہیں اپنے باپ۔ خاندان۔ قوم وطن سب کو چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی۔ اس طرح یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات سنا کر ایک طرف تو مکہ کے کافروں اور مشرکوں کو تنبیہ فرمائی گئی کہ توحید کی تعلیم۔ نبوت کا دعویٰ۔ آخرت کا یقین۔ حشر و نشر۔ عذاب و ثواب۔ جزا و سزا کا اقرار بت پرستی سے نفرت اور ایک واحد ذوالجلال والاکرام کی بندگی و عبادت کوئی نئی بات نہیں۔ تمہارے مورث اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا ان کی بھی یہی تعلیم تھی وہ بھی غیر اللہ کی پرستش سے روگرداں تھے۔ انہوں نے بھی نفع نقصان اور موت و حیات کا مالک ایک خدا ہی کو سمجھا تھا پھر تم کیوں انکی تعلیم سے گردن کشی کرتے ہو اور کیوں ان کے طریقہ پر چلنے والوں کی رہنمائی کا انکار کرتے ہو۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے متبعین کو تسلی دینی مقصود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی کفار کی مخالفت یہاں تک کہ اپنے باپ کی بھی مخالفت برداشت کرنا پڑی۔ تمام شدائد کو استقامت سے برداشت کیا اور اعدائے دین سے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بالآخر کامیاب ہوئے۔ اسی طرح اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار مکہ کی مخالفت سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ حق کی مخالفت ہمیشہ سے کافروں کا شیوہ رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بابل اور اس کے اطراف میں تھی۔ موجودہ جغرافیہ میں اسی جگہ کا نام ملک عراق ہے۔ وہ لوگ صابی مذہب رکھتے تھے جو ستاروں اور دیگر نورانی اور آسمانی چیزوں کی پرستش کیا کرتے تھے پھر اپنے معبودوں کے نام سے طرح طرح کی مورتیں بنا رکھی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ ان کی قوم بتوں کو پوجتی ہے مگر کافروں کو لاجواب اور شرمندہ کرنے اور شرک کی مذمت ظاہر کرنے اور بتوں کی طرف سے ان کی توجہ و عقیدت کو پھیرنے کے لئے آپ نے اپنے والد۔ چچا۔ خاندان اور قوم کے لوگوں سے پوچھا اور استفسار کیا جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تم لوگ یہ کیا پوجا پاٹ کرتے ہو؟ تو قوم والے جو بت پرستی میں بہت پختہ تھے کہنے لگے کہ تم ہمارے معبودوں کو جانتے نہیں جو ایسی تحقیر سے سوال کر رہے ہو۔ ہم ان مورتوں کو پوجتے ہیں اور اس قدر وقعت اور عقیدت ہمارے دل میں ہے کہ دن بھر آسن جما کر انہیں کو لگے بیٹھے رہتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم ان کی پرستش اور خدمت کس غرض سے کرتے ہو؟ کیا یہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں؟ یا تمہارا نفع نقصان ان سے وابستہ ہے کہ پوجنے پر کچھ نفع یا نہ پوجنے کی صورت میں کچھ نقصان پہنچا سکیں؟ کیا یہ تمہاری کارسازی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں تو بلاوجہ ان کے آگے ماتھا ٹیکنا اور خدمت گزاری کرنا حماقت ہے جب یہ مورتیں خود بے جان اور مجبور ہیں کہ جو اپنے

اوپر سے مکھی تک نہ اڑا سکیں وہ دوسرے کو کیا نفع ونقصان پہنچا سکیں گی۔ پھر ایسی عاجز۔ بے جان اور بے عقل چیز کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ اس کے جواب میں خاندان اور قوم کے لوگوں نے کہا کہ ان منطقی بحثوں اور کٹ حجتیوں کو ہم نہیں جانتے۔ نہ ہماری عقیدت اور پرستش کا مدار ان باتوں پر ہے۔ بس سو دلیلوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم ان کے پیرو ہیں کیا ہم ان سب کو احمق سمجھ لیں۔ ہمارے بڑے اس فعل کو اچھا جانتے تھے۔ ہماری پیروی کے لئے اتنا کافی ہے۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کبھی تم نے آنکھیں کھول کر ان چیزوں کو دیکھا بھی جن کی بندگی اور پرستش تم اور تمہارے باپ دادا بجالاتے رہے؟ کیا کسی دین کی صداقت کے لئے بس یہ دلیل کافی ہے کہ وہ باپ دادا کے وقتوں سے چلا آ رہا ہے؟ جس کے اختیار اور قبضہ میں ذرہ برابر نفع ونقصان نہ ہو اس کی بندگی وعبادت کیسی؟ تو سنو میں بے خوف وخطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں سے میری لڑائی ہے۔ میں انکی گت بنا کر رہوں گا۔ اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔ میرے تو یہ سب کے سب دشمن ہیں میں ان سے کوئی سروکار نہیں رکھتا میں تو اس ایک کے سامنے سر جھکاتا ہوں اور اسی کی بندگی اور عبادت کرتا ہوں جو رب العالمین ہے یعنی سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام رب العالمین کی صفات انہیں سمجھاتے ہیں کہ وہ ایسی بڑی قدرت والا ہے کہ اس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے فلاح دارین کی راہ دکھاتا اور اعلیٰ درجہ کے فوائد ومنافع کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کھلانا۔ پلانا۔ مارنا جلانا اور بیماری سے اچھا کرنا سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو میری شفا پر بجز اس خدا کے اور کوئی قادر نہیں دوا میں تاثیر پیدا کرنا اسی کے بس کی چیز ہے۔ پھر جب میرا وقت آ جائے گا اور اس دنیا میں میری عمر ختم ہو جائے گی تو مجھے موت دے گا اور حشر کے روز پھر مجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ جس دن وہ اپنے بندوں کے اعمال کا جائزہ لے کر ان کی بابت اپنے فیصلہ صادر فرمائے گا تو اپنی رحمت سے میری خطاؤں کو معاف کر دے گا اور میری لغزشوں سے درگزر فرمائے گا۔ میں تو ان اوصاف والے رب کا عابد ہوں اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تمام تر صفات اس لئے سنائیں کہ قوم کو خدائے تعالیٰ کی عبادت کی رغبت ہو اور شرک سے نکل کر توحید کو اختیار کریں۔ مگر بد بخت قوم بت پرستی پر جمی رہی اور آپ کی دعوت حق کو قبول نہ کیا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے آبائی وطن سے ہجرت کرنی پڑی۔ اور اس وقت آپ نے حق تعالیٰ سے کیا دعا مانگی یہ اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے شرک وکفر سے ہم کو بچا کر اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ یا اللہ! ہمیں اس نعمت عظمیٰ کے قدر اور اس کی صحیح شکرگزاری کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! ہمیں بھی توحید کامل نصیب فرما تاکہ ہم آپ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار بندے بن کر زندہ رہیں آپ ہی کو اپنا حقیقی کارساز سمجھنے اور حاجت روا ہونے کا ہم کو یقین نصیب فرما۔ اور اس دنیا کی زندگی میں ہم سے جو تقصیرات سرزد ہوئی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرما اور قیامت میں اپنی مغفرت کاملہ ہم سب کو نصیب فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾

اے میرے پروردگار مجھ کو حکمت عطا فرما اور مجھ کو نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما۔اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ۔اور مجھ کو جنت النعیم کے مستحقین میں سے کر

وَ اجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَ اغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَا تُخْزِنِيْ

اور میرے باپ کی مغفرت فرما کہ وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔اور جس روز سب زندہ ہو کر اٹھیں گے اُس روز مجھ کو رسوا نہ کرنا۔جس دن میں کہ نہ مال کام

يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَ اُزْلِفَتِ

آوے گا اور نہ اولاد۔مگر ہاں جو اللہ کے پاس پاک دِل لے کر آوے گا۔اور خداترسوں کیلئے جنت نزدیک کردی جاوے گی۔

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ

اور گمراہوں کیلئے دوزخ سامنے ظاہر کی جاوے گی۔اور اُن سے کہا جاوے گا کہ وہ معبود کہاں گئے جن کی تم خدا کے سوا عبادت کیا کرتے تھے۔

دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَ الْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَ جُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾

کیا وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں یا اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں پھر وہ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر۔سب کے سب دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جاویں گے۔

رَبِّ اے میرے رب	هَبْ لِيْ مجھے عطا کر	حُكْمًا حکم۔حکمت	وَ اَلْحِقْنِيْ اور مجھے ملا دے	بِالصّٰلِحِيْنَ نیک بندوں کیساتھ	وَاجْعَلْ اور کر			
لِّيْ لِسَانَ میرے لئے۔میرا ذکر	صِدْقٍ اچھا۔خیر	فِي الْاٰخِرِيْنَ بعد میں آنیوالوں میں	وَاجْعَلْنِيْ اور تو مجھے بنادے	مِنْ وَّرَثَةِ وارثوں میں سے				
جَنَّةِ بہشت	النَّعِيْمِ نعمتوں والی	وَاغْفِرْ اور بخش دے	لِاَبِيْٓ میرے باپ کو	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ وہ ہے	مِنَ سے	الضَّآلِّيْنَ گمراہ	وَ اور
لَا تُخْزِنِيْ مجھے رسوا نہ کرنا	يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ جس دن سب اٹھائے جائیں گے	يَوْمَ جس دن	لَا يَنْفَعُ نہ کام آئے گا	مَالٌ مال	وَّلَا اور نہ	بَنُوْنَ بیٹے		
اِلَّا مگر	مَنْ جو	اَتَى اللّٰهَ اللہ کے پاس آیا	بِقَلْبٍ دل	سَلِيْمٍ پاک	وَاُزْلِفَتِ اور نزدیک کردی جائیگی	الْجَنَّةُ جنت	لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	
وَبُرِّزَتِ اور ظاہر کردی جائیگی	الْجَحِيْمُ دوزخ	لِلْغٰوِيْنَ گمراہوں کیلئے	وَقِيْلَ اور کہا جائے گا	لَهُمْ انہیں	اَيْنَمَا کہاں ہیں وہ جو			
كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ تم پرستش کرتے تھے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	هَلْ کیا	يَنْصُرُوْنَكُمْ وہ تمہاری مدد کرسکتے ہیں	اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ یا بدلہ لے سکتے ہیں				
فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا پس اوندھے منہ ڈالے جائینگے اس میں	هُمْ وہ	وَ اور	الْغَاوٗنَ گمراہ	وَجُنُوْدُ اور لشکر	اِبْلِيْسَ ابلیس	اَجْمَعُوْنَ سب کے سب		

تفسیر و تشریح:۔گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خاص انداز سے اپنی بت پرست قوم اور گھرانے کو خدائے واحد کی ہستی کی جانب توجہ دلائی اور بت پرستی کی مذمت فرمائی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے صاف فرمادیا کہ میں تو تمہارے ان بتوں کو اپنا دشمن جانتا ہوں اور میں بے خوف و خطر ہو کر ان سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔اگر یہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو اپنی حسرت نکال لیں۔البتہ میں صرف اسی ایک ہستی کو اپنا معبود سمجھتا ہو جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور جس نے مجھ کو پیدا کیا اور راہ راست دکھائی اور جو مجھ کو کھلاتا پلاتا یعنی رزق دیتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو جو مجھ کو شفا بخشتا ہے اور "جو" کی تکرار کی گئی ہے میری زیست اور موت دونوں کا مالک ہے اور جس سے میں یہ امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری مغفرت فرمائے گا۔بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو یہی تلقین فرماتے رہے کہ خدائے واحد کے علاوہ کسی کی پرستش جائز نہیں۔یہ نصیحت اور تبلیغ تو صرف مکالمہ کی حد تک تھی اس کے بعد آپ نے جیسا کہ متعدد جگہ قرآن پاک میں بیان فرمایا گیا ہے خود ان کے بت توڑ ڈالے گویا اس طرح قوم کو عملاً سمجھایا کہ

دیکھو ان بتوں میں ضرر پہنچانے کی کوئی طاقت نہیں اگر یہ نقصان پہنچا سکتے تو مجھے پہنچاتے۔اس پر قوم کو بڑا طیش آیا۔بادشاہ وقت سے جا کر شکایت کی جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طلب کیا۔آپ نے وہاں بھی توحید الٰہی کا اعلان کیا اور ایسے پرزور دلائل بیان کئے کہ نمرود بادشاہ وقت بھی عاجز ہو گیا مگر وہ تشدد پر اتر آیا اور ہزاروں من لکڑیاں جمع کر کے ان کو آگ لگوائی اور دہکتی ہوئی آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈلوا دیا۔خداوند قدوس کو اس میں بھی اپنی قدرت کے کرشمہ کا اظہار مقصود تھا وہ دہکتی ہوئی آگ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے گلزار بن گئی اور اعدائے دین اپنے ارادوں میں ناکام اور ذلیل و رسوا ہوئے۔ جب بدبخت قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رشد و ہدایت کو کسی طرح قبول نہ کیا تو اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ کسی دوسری جگہ جا کر پیغام الٰہی سنائیں اور دعوت پہنچائیں۔چنانچہ آپ نے اپنے آبائی وطن سے ہجرت کا ارادہ کیا اور باپ کو پھر نصیحت فرمائی مگر باپ پر مطلق اثر نہ ہوا بلکہ برعکس جیسا کہ سورۂ مریم میں ارشاد ہے باپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر کے چھوڑوں گا اور پتھروں سے مار ڈالوں گا۔اپنی خیریت چاہتا ہے تو جان سلامت لے کر مجھ سے الگ ہو جا۔ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اخلاق کریمانہ کے ساتھ یہ جواب دیا کہ اے باپ اگر میری بات و نصیحت کا یہی جواب ہے تو آج سے میرا تجھ کو سلام ہے۔میں اب الگ ہوا جاتا ہوں مگر غائبانہ تیرے لئے درگاہ الٰہی میں بخشش طلب کرتا رہوں گا تا کہ ہدایت نصیب ہو اور تو خدا کے عذاب سے نجات پائے۔یہ کہہ کر اپنی بی بی حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو ہمراہ لے کر کہ ان کے علاوہ اور کوئی ایک بھی ایمان نہ لایا تھا آپ راہ حق میں نکل کھڑے ہوئے اور گھر بار اور عزیز ان وطن سب کو چھوڑ کر اور سب سے منہ موڑ کر چل دیئے۔مفسرین نے لکھا ہے کہ وطن کو چھوڑتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو خدائے ذوالجلال سے دعا کی وہ ان آیات میں بیان فرمائی گئی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں درخواست کی کہ اے میرے پروردگار مجھے مزید علم و حکمت اور درجات قرب و قبول مرحمت فرما اور اعلیٰ درجہ کے نیکوں کے زمرہ میں جو انبیاء علیہم السلام ہیں شامل رکھ اور مجھے ایسے اعمال مرضیہ اور آثار حسنہ کی توفیق دے کہ پیچھے آنے والی نسلیں ہمیشہ میرا ذکر خیر کریں اور میرے راستہ پر چلنے کی طرف راغب ہوں یعنی میرے مرنے کے بعد دنیا میں میرا سچائی اور ذکر خیر کے ساتھ تذکرہ باقی رہے اور توحید کا طریقہ جو مجھے نصیب ہوا ہے میرے بعد میں بھی رہے چنانچہ یہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے دنیا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قبول عام عطا فرمایا۔تمام اہل کتاب حضرت

ابراہیم علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں اور امت محمدیہ تو ہر نماز میں "کما صلیت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم" اور "کما بارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم" نماز میں پڑھتی ہے۔پھر آگے دعا کرتے ہیں کہ میرا ذکر خیر جہاں دنیا میں باقی رہے وہیں آخرت میں بھی جنتی بنایا جاؤں اور خدایا میرے گمراہ باپ کو ہدایت فرما دے اور اس کو ایمان سے مشرف فرما کر کفر کے زمانہ کی خطائیں معاف کر دے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے حق میں دعائے خیر کا وعدہ کیا تھا اس لئے اس وعدہ کو پورا کرنے کے لئے اس وقت تک باپ کے لئے مغفرت کی دعا مانگا کئے جب تک باپ کے کفر کی حالت پر مرنے کا یقین نہیں ہوا۔جب یہ معلوم ہو گیا کہ باپ کا خاتمہ کفر پر ہوا تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگنی چھوڑ دی تھی۔اب یہی حکم شریعت محمدیہ میں بھی ہے۔سورۂ توبہ کے مدینہ منورہ میں نازل ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب اور بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے کافر ماں باپ کی مغفرت کی دعا مانگا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں ممانعت کا حکم نازل فرمایا جس پر اہل اسلام نے ان اعزا و اقارب کے لئے جو کفر پر مرے تھے مغفرت کی دعا کرنا چھوڑ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی کہ اے پروردگار قیامت کی ذلت اور رسوائی سے مجھے محفوظ رکھنا جس دن نجات کے لئے نہ مال کام آئے گا نہ اولاد بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم یعنی کفر و شرک سے پاک دل لے کر خدا کے حضور حاضر ہو۔یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ختم ہوئی مگر چونکہ یہاں قیامت کا ذکر آپ کی دعا کے اخیر میں آ گیا اس لئے آگے حق تعالیٰ بطور جملہ معترضہ کے قیامت کا کچھ حال بیان فرماتے ہیں کہ اس روز جنت مع اپنی انتہائی آرائش و زیبائش کے متقین کو قریب نظر آئے گی جسے دیکھ کر داخل ہونے سے پہلے ہی وہ مسرور اور محظوظ ہوں گے۔اسی طرح جہنم کو مجرموں کے پاس لے آئیں گے تا کہ داخل ہونے سے پہلے ہی خوف کھا کر لرزنے لگیں۔اس وقت کفار و مشرکین سے کہا جائے گا کہ اب وہ فرضی معبود کہاں گئے کہ نہ تمہاری مدد کر کے اس عذاب سے چھڑا سکتے ہیں۔نہ بدلہ لے سکتے ہیں بلکہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔یہ کفار و مشرکین اور ابلیس کا سارا لشکر سب کو دوزخ میں اوندھے منہ دھکیل دیا جائے گا۔

اب چونکہ یہاں جہنمیوں کا تذکرہ آ گیا تو کفار دوزخ میں آپس میں کیا گفتگو کریں گے یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ

وہ کفار دوزخ میں گفتگو کرتے ہوئے کہیں گے۔کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے۔جبکہ تم کو رب العالمین کے برابر کرتے تھے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

اور ہم کو تو بس ان بڑے مجرموں نے گمراہ کیا۔سو نہ کوئی ہمارا سفارشی ہے اور نہ کوئی مخلص دوست ہے۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو (دنیا میں) پھر واپس جانا ملتا کہ ہم ایمان والے ہو جاتے۔بیشک اس واقعہ میں ایک بڑی عبرت ہے،اور ان میں اکثر لوگ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

ایمان نہیں لاتے۔بیشک آپ کا رب بڑا زبردست رحمت والا ہے۔

قَالُوْا وہ کہیں گے	وَهُمْ اور وہ	فِيْهَا اس (جہنم) میں	يَخْتَصِمُوْنَ جھگڑتے ہوں گے	تَاللّٰهِ قسم اللہ کی	اِنْ كُنَّا بیشک ہم تھے	لَفِيْ البتہ۔ میں	
ضَلٰلٍ گمراہی	مُّبِيْنٍ کھلی	اِذْ جب	نُسَوِّيْكُمْ ہم برابر ٹھہراتے تھے تمہیں	بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں کے رب کے ساتھ			
وَمَآ اَضَلَّنَآ اور نہیں گمراہ کیا ہمیں	اِلَّا مگر (صرف)	الْمُجْرِمُوْنَ مجرم	فَمَا لَنَا پس نہیں ہمارے لئے	مِنْ کوئی	شَافِعِيْنَ سفارش کرنیوالا	وَلَا اور نہ	
صَدِيْقٍ کوئی دوست	حَمِيْمٍ غم خوار	فَلَوْ پس کاش	اَنَّ لَنَا کہ ہمارے لئے	كَرَّةً لوٹنا	فَنَكُوْنَ تو ہم ہوتے	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن
اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ ایک نشانی	وَمَا كَانَ اور نہیں ہیں	اَكْثَرُهُمْ ان کے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانیوالے	وَاِنَّ اور بیشک	
	رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی گئی تھی جو اس درخواست پر ختم ہوئی تھی کہ اے میرے رب مجھے قیامت کے دن کی رسوائی سے بچائیے گا۔ اللہ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک پیغمبر جلیل اور اپنے رب کے خلیل ہیں اس پر بھی التجا یہ کر رہے ہیں کہ اے پروردگار قیامت کی رسوائی سے مجھے محفوظ رکھنا۔ پھر اللہ کی شان بے نیازی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب دعائیں قبول ہوئیں مگر باپ کے حق میں نہ قبول ہوئی تو چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے اخیر میں قیامت کا ذکر آ گیا تھا۔ اس کی مناسبت سے جنت وجہنم کا ذکر فرمایا اور بتلایا گیا کہ جنت متقیوں یعنی اللہ سے ڈرنے والوں کے نزدیک اور سامنے کر دی جائے گی۔ سبحان اللہ! مومنین متقین کے اعزاز واکرام کا کیا کہنا۔ بجائے اس کے کہ ان کا کوچ جنت کی طرف کرایا جائے الٹی جنت ہی خود ان کی طرف بڑھ آئے گی۔ ایسے ہی کفار ومشرکین کے سامنے دوزخ ظاہر کی جائے گی اور بالآخر اسی جہنم میں اوندھے منہ مع ابلیس اور اس کے لشکر کے سب ڈال دیئے جائیں گے تو یہ اہل دوزخ یعنی کفار ومشرکین اور دیوی و دیوتاؤں کے پجاری باہم لڑتے جھگڑتے رہیں گے اور ایک دوسرے کو الزام دیں گے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب یہ معبودان باطل کی پرستش کرنے والے مع اپنے معبودوں کے اور بت پرست مع اپنے بتوں کے اور ابلیس مع اپنے چیلے

جانپڑوں کے جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے تو آپس میں جھگڑیں گے اور بالآخر اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم سے بڑی سخت غلطی ہوئی کہ جو ہم نے ان بتوں کو اور دوسری چیزوں کو خدائی کے حقوق واختیارات دے کر رب العالمین کے برابر کردیا۔ کیا کہیں یہ غلطی ہم سے ان بڑے شیطانوں اور مجرموں نے کرائی۔ اب ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ نہ کوئی بت کام دیتا ہے نہ کوئی دیوی دیوتا مدد کو آتا ہے۔ نہ شیطان ہم کو پوچھتا ہے۔ وہ خود ہی سب دوزخ کے کندے بن رہے ہیں اور اپنی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ ہماری مدد اور سفارش تو کیا کرتے افسوس کوئی اتنا بھی نہیں کہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کردے یا کم ازکم اس اڑے وقت میں کوئی دوست دلسوزی اور ہمدردی ہی کا اظہار کرے۔ اے کاش کہ ہم کو ایک مرتبہ پھر دنیا کی طرف لوٹا دیا جاتا تو ہم پکے ایماندار بن کر دکھاتے مگر سورۂ انعام ساتویں پارہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ولوردوا لعادوا لما نهوا عنه وانهم لكذبون اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھی دنیا میں بھیج دیئے جاویں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ غرضکہ کفار جہنم میں کبھی تو قسمیں کھا کھا کر اپنی گمراہی پر افسوس کریں گے اور کبھی ان شیاطین یا بڑے مجرموں کو برا کہیں گے جنہوں نے کہ بہکایا اور کبھی چھوٹے گناہ گاروں کو انبیاء و ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے نجات پاتے دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ ہمارا بھی کوئی ایسا مخلص دوست پیدا ہوجائے کہ جو ہماری شفاعت وسفارش کرے۔ کفار ومشرکین کی اس بے سود تمنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کو انہیں آیات پر ختم فرمایا جاتا ہے جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کو ختم فرمایا تھا یعنی ان فی ذلک لاٰیة وما کان اکثرهم مؤمنین وان ربک لهوا العزیز الرحیم یعنی اس واقعہ میں بھی کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اور جو دلیلیں انہیں دیں اور ان پر توحید کی وضاحت کی طالبان حق کے لئے ایک عبرت ونشانی ہے کہ جن میں غور کرکے توحید کا اعتقاد کریں اور خدا کی یکتائی پر ایمان لائیں لیکن پھر بھی ان مشرکین مکہ میں اکثر لوگ ایمان سے رکے ہوئے ہیں۔ بیشک آپ کا رب بڑا زبردست ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے پر عذاب دے سکتا تھا مگر ساتھ ہی بڑی رحمت والا بھی ہے کہ مہلت دے رکھی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قوم سے نکل جانے کے بعد اس پر جو عذاب آیا اس کا ذکر اگرچہ قرآن پاک میں نہیں کیا گیا ہے لیکن سورۂ توبہ میں اور سورۂ حج میں یہ تصریح موجود ہے کہ اس قوم کا شمار معذب قوموں ہی میں کیا گیا ہے۔ الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ نافرمان قوم بھی دنیا سے مٹی اور ایسی مٹی کہ اس کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ تو مشرکین عرب بالخصوص کفار مکہ جو دعویٰ تو ملت ابراہیمی کی پیروی کا رکھتے تھے اور ساتھ ہی شرک میں بھی مبتلا تھے ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قصہ سے متنبہ کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو شرک کے دشمن اور دعوت توحید کے علمبردار تھے اور جو دین وہ لے کر آئے وہ یہی خالص اسلام تھا جسے اب نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس سے تم برسرپیکار ہو۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بعد تیسرا قصہ آگے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اس دنیا کی زندگی میں ہم کو ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیں کہ قیامت میں ہم کو ذلت ورسوائی سے بچ کر متقین کے گروہ میں شامل ہونا نصیب ہو اور ان کے ساتھ جنت کی دائمی نعمتیں ملنا نصیب ہوں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۰۵﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۰۶﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے اُن کی برادری کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں۔ میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔

أَمِينٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ

سو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اور میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

الْعَالَمِينَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا

سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا ہم تم کو مانیں گے حالانکہ رذیل لوگ تمہارے ساتھ ہو لئے ہیں۔ نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ

عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۲﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ

ان کے کام سے مجھ کو کیا بحث۔ ان سے حساب کتاب لینا بس خدا کا کام ہے کیا خوب ہو کہ تم اس کو سمجھو۔ اور میں ایمانداروں کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۴﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۱۱۵﴾

میں تو صاف طور پر ایک ڈرانے والا ہوں۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	قَوْمُ نُوحٍ نوح کی قوم	الْمُرْسَلِينَ رسولوں کو	إِذْ قَالَ جب کہا	لَهُمْ ان سے	أَخُوهُمْ انکے بھائی	نُوحٌ نوح	أَلَا کیا نہیں		
تَتَّقُونَ تم ڈرتے	إِنِّي بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُولٌ رسول	أَمِينٌ امانت دار	فَاتَّقُوا اللَّهَ پس ڈرو اللہ سے تم	وَأَطِيعُونِ اور میری اطاعت کرو			
وَ اور	مَا أَسْأَلُكُمْ میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ کوئی	أَجْرٍ اجر	إِنْ نہیں	أَجْرِيَ میرا اجر	إِلَّا مگر (صرف)	عَلَىٰ پر	
رَبِّ الْعَالَمِينَ رب العالمین	فَاتَّقُوا پس ڈرو تم	اللَّهَ اللہ سے	وَأَطِيعُونِ اور میری اطاعت کرو	قَالُوا وہ بولے	أَنُؤْمِنُ کیا ہم ایمان لے آئیں				
لَكَ تجھ پر	وَاتَّبَعَكَ جبکہ تیری پیروی کی	الْأَرْذَلُونَ رذیلوں نے	قَالَ (نوح) نے کہا	وَمَا عِلْمِي اور مجھے کیا علم	بِمَا اسکی جو				
كَانُوا يَعْمَلُونَ وہ کرتے تھے	إِنْ نہیں	حِسَابُهُمْ ان کا حساب	إِلَّا مگر۔صرف	عَلَىٰ رَبِّي میرے رب پر	لَوْ اگر	تَشْعُرُونَ تم سمجھو			
وَمَا اور نہیں	أَنَا میں	*بِطَارِدِ ہانکنے والا (دور کرنے والا)	الْمُؤْمِنِينَ مومن	إِنْ أَنَا نہیں میں	إِلَّا مگر۔صرف	نَذِيرٌ ڈرانے والا	مُبِينٌ صاف طور پر		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات بیان ہوئے اس کے بعد اب حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کے واقعہ کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا اجمالی اور تفصیلی ذکر ۲۸ سورتوں میں آیا ہے۔ یہاں اپنے مقصد کے پیش نظر واقعہ کی اسی قدر جزئیات کو بیان فرمایا گیا جو مقصد کے لئے ضروری ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا یہاں واقعہ بیان کر کے جہاں ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو تسلی دینی مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ انبیاء کی تکذیب کرنا۔ اور ان کو دکھ پہنچانا۔ اور اہل حق کو ایذائیں دینا نئی بات نہیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ صدہا برس تک مخالفت پر کمربستہ رہی بالآخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر

اور غرق ہو کر تباہ ہوئی۔ دوسری طرف کفار مکہ اور مشرکین عرب کی پیغمبر کی نافرمانی کرنے پر ہلاکت و بربادہونے کی وعید سنائی جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نبی تو ہوئے مگر حضرت نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں جن کو رسالت سے نوازا گیا اور جدید شریعت عطا کی گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے تمام قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر ناآشنا ہو چکی تھی اور حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی۔ غیر اللہ کی پرستش اور بت پرستی ان کا شعار ہو گیا تھا۔ سنت اللہ کے مطابق ان کے رشد وہدایت کے لئے ان ہی میں سے ایک ہادی اور خدا کے سچے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ آپ نے اپنی قوم کو راہ حق کی طرف پکارا اور سچے دین الٰہی کی دعوت دی لیکن قوم نے نہ مانا اور نفرت وحقارت کے ساتھ انکار پر جمے رہے غیر اللہ کی عبادت نہ چھوڑی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اور ایک پیغمبر کا انکار کرنا گویا تمام پیغمبروں سے انکار کرنا تھا اس لئے کہ رسول کی تکذیب درحقیقت اس دعوت اور پیغام کی تکذیب ہے جسے لے کر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اس لئے جو شخص یا گروہ کسی ایک رسول کا بھی انکار کردے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام رسولوں کا منکر ہے۔ چنانچہ ان آیات میں قوم نوح علیہ السلام کے قصہ کی ابتدا اسی جملہ سے ہوتی ہے کہ قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جو ان کے قومی اور وطنی بھائی تھے انہیں نصیحت کی کہ تم جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو تو عذاب خدا کا تمہیں ڈر نہیں۔ تم اس شرک سے کیوں نہیں پرہیز کرتے اور اس کے نتیجہ بد سے کیوں نہیں ڈرتے۔ توحید کی تعلیم کے بعد اپنی رسالت کی تلقین کی اور فرمایا کہ میں تمہاری طرف خدا کا رسول بن کر آیا ہوں اور رسول بھی امانت دار کہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ ہو بہو پیغام الٰہی سنا رہا ہوں اور امانت کے ساتھ ادائے رسالت کر رہا ہوں پس تمہیں خدا سے ڈر کر میری تمام باتوں کو بلا چوں وچرا مان لینا چاہئے۔ میں عقائد اور اعمال کی اصلاح کے متعلق جو حکم دوں اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کروں اس سے باز رہو اور میں نہایت صفائی سے یہ بھی ظاہر کئے دیتا ہوں کہ میں اس تبلیغ رسالت پر کسی معاوضہ واجرت کا طالب نہیں ہوں۔ میں مال وزر حکومت وامارت کا خواہش مند نہیں۔ میری نصیحت کسی غرض پر مبنی نہیں۔ اس خدمت کا اجر تو میرا پروردگار مجھے عنایت فرمائے گا پس تم کو میرے متعلق کسی دنیاوی غرض کا شبہ نہ ہونا چاہئے اس لئے تمہیں خدا سے ڈرنا چاہئے اور میرا کہنا ماننا چاہئے۔ قوم اس کا جواب دیتی ہے کہ اے نوح! ہم تمہارے کہنے پر کیسے چل سکتے ہیں۔ تمہاری بات ماننے والے تو چند رذیل لوگ ہیں اگر تمہارا قول حقانیت رکھتا تو ہمارے سردار اور شرفا تمہارے پیرو ہوتے ان بیوقوفوں کے مان لینے سے تو ہم تمہاری تصدیق نہیں کر سکتے۔ قوم کے سردار اور شرفا کا یہ حال تھا کہ اول تو وہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف توجہ ہی نہ دیتے اور اگر کبھی توجہ کرتے بھی تو پہلے یہ اصرار کرتے کہ ان پست اور غریب افراد کو جو تمہارے تابع اور پیرو بن گئے ہیں۔ پہلے ان کو اپنے پاس سے نکال دو تب ہم تمہارے پاس بیٹھ کر تمہاری بات سنیں گے کیونکہ ہم کو ان لوگوں سے گھن آتی ہے۔ ہم اور یہ ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتے۔ ٹھیک یہی معاملہ اس سورۂ شعراء کے نزول کے زمانہ میں نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ کے درمیان چل رہا تھا اسی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے قوم کے سرداروں کی یہ گفتگو یہاں سنائی جا رہی ہے کفار مکہ

3 میں سے بڑے بڑے سردار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے غلاموں اور کام پیشہ لوگوں کے ساتھ ہم کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ یہ غریب غربا اگر آپ کے پاس سے ہٹا دیئے جائیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کی بات سن سکتے ہیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تلقین فرمائی گئی تھی کہ حق سے منہ موڑنے والے متکبروں کی خاطر ایمان قبول کرنے والے غربا کو ہٹایا نہیں جاسکتا۔ ٹھیک اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا تھا کہ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ میں ان کے ساتھ ایسا معاملہ کروں جس کے تم خواہشمند ہو۔ رہا ان کی امیری غریبی قوم اور پیشہ تو مجھ پر یہ لازم نہیں کہ کوئی حق قبول کرنے آئے تو میں یہ معلوم کروں کہ پہلے یہ لوگ کیا کرتے تھے ان کے افعال شریفانہ تھے یا رذیلانہ۔ حساب کرنے والا تو اللہ ہی ہے وہی واقف ہے کہ یہ کیا کرتے تھے اب تو یہ مؤمن ہیں اور مومنوں کو میں اپنے پاس سے نہیں نکال سکتا۔ کاش تم میں اتنا شعور ہوتا کہ ایسی نمایاں اور واضح بات کو سمجھ لیتے کہ ایمان کے بعد گذشتہ اعمال کا محاسبہ باقی نہیں رہتا اور ایمان میں شرافت و رذالت اور غریبی اور امیری کو کوئی دخل نہیں مومن ہو جانے کے بعد سب برابر ہیں۔ ذلت اور عزت کا معیار صرف ایمان ہے نسبی اور مالی برتری کوئی چیز نہیں۔ الغرض یہ لوگ پہلے کچھ بھی ہوں اب بظاہر مومن اور قابل عزت ہیں۔ اور میں مومنین کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ تمہیں اختیار ہے مانو یا نہ مانو۔ اگر نہ مانو گے تو میرا کچھ حرج نہیں کیونکہ میں صرف پیغام پہنچانے اور ڈرانے والا ہوں کسی کو جبراً منوانا میرے ذمہ نہیں میرا فرض تم کو آگاہ کرنا تھا سو میں کر چکا۔ تمہاری لغو فرمائشیں پورا کرنا میرے ذمہ نہیں۔

اس پر قوم کے سرکش اور نافرمانوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو کیا جواب دیا اور پھر اس سرکشی کا کیا انجام ہوا یہ اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

قرآن پاک نے جو نافرمان قوموں کے قصہ بیان کئے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ ہم کو عبرت وبصیرت حاصل کرنے والا دل ودماغ عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے کامل طور پر بچائیں۔ جو احکام الٰہیہ اور پیغام ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم کو پہنچے ہیں ان پر دل و جان سے ہم کو اتباع اور فرمانبرداری کی توفیق نصیب ہو آج جو امت میں امیری غریبی کے جھگڑے آپس میں پیدا ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان فتنوں کو دور فرمائیں اور سب کو ایمان واسلام سے سچی محبت نصیب فرمائیں تاکہ ایمان کی برکت سے غریب امیر کو اور امیر غریب کو بھائی بھائی سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبرداروں میں تازیست شامل رکھیں۔ اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ

وہ لوگ کہنے لگے کہ اگر تم اے نوحؑ باز نہ آؤ گے تو ضرور سنگسار کردیئے جاؤ گے۔ نوح (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھ کو جھٹلا رہی ہے۔

بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ

سو آپ میرے اور اُن کے درمیان میں ایک فیصلہ کردیجئے اور مجھ کو اور جو ایماندار میرے ساتھ ہیں اُن کو نجات دیجئے۔ تو ہم نے اُن کو اور جو اُن کے ساتھ

فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

بھری ہوئی کشتی میں تھے اُن کو نجات دی۔ پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کردیا۔ اس میں (بھی) بڑی عبرت ہے۔ اور ان میں اکثر لوگ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾

ایمان نہیں لاتے۔ بیشک آپ کا رب زبردست مہربان ہے۔

قَالُوْا بولے وہ	لَئِنْ اگر	لَّمْ تَنْتَهِ تم باز نہ آئے	يٰنُوْحُ اے نوحؑ	لَتَكُوْنَنَّ تو ضرور ہوگے	مِنَ سے	الْمَرْجُوْمِيْنَ سنگسار کئے جانے والے	
قَالَ (نوحؑ نے) کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنَّ بیشک	قَوْمِيْ میری قوم	كَذَّبُوْنِ مجھے جھٹلایا	فَافْتَحْ پس فیصلہ کردے	بَيْنِيْ میرے درمیان	
وَبَيْنَهُمْ اور انکے درمیان	فَتْحًا ایک کھلا فیصلہ	وَنَجِّنِيْ اور نجات دے مجھے	وَمَنْ اور جو	مَّعِيَ میرے ساتھی	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والے	
فَاَنْجَيْنٰهُ تو ہم نے نجات دی اسے	وَمَنْ اور جو	مَّعَهٗ اس کیساتھ	فِي الْفُلْكِ کشتی میں	الْمَشْحُوْنِ بھری ہوئی	ثُمَّ پھر	اَغْرَقْنَا غرق کردیا ہم نے	
بَعْدُ اس کے بعد	الْبٰقِيْنَ باقیوں کو	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَمَا اور نہ	كَانَ تھے	اَكْثَرُهُمْ اُن کے اکثر
مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان		

تفسیر و تشریح:- گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان جو مکالمہ ہوا تھا وہ نقل فرمایا گیا تھا جس کے اخیر میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں ان غریب اور کم حیثیت لوگوں کو جو مجھ پر ایمان لے آئے ہیں اپنے پاس سے علیحدہ نہیں کرسکتا جیسا کہ قوم کے سردار خواہشمند تھے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ میرا فرض تم کو آگاہ کرنا تھا۔ اور پیغام حق پہنچانا تھا سو میں کرچکا اور تم کو نافرمانی کی صورت میں عذاب الٰہی سے ڈرا چکا اب تمہیں اختیار ہے مانو یا نہ مانو۔ مغرور قوم اس کے جواب میں جاہلانہ دھمکیوں پر اتر آئی اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے قوم حضرت نوح علیہ السلام سے کہنے لگی کہ اے نوح اگر تم اس کہنے سننے سے باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کردیں گے اور پتھر مار مار کر تمہیں جان سے ختم کردیں گے۔ ان دھمکیوں کا اثر اللہ کے پیغمبر پر تو کیا ہونا تھا۔ آپ نے انتہائی کوشش کی کہ بدبخت قوم سمجھ جائے اور رحمت الٰہی کے آغوش میں آجائے مگر قوم نے نہ ماننا تھا نہ مانا اور جس قدر آپ تبلیغ حق میں جدوجہد فرماتے اسی قدر قوم کی جانب سے بغض و عناد بڑھتا اور ایذارسانی اور تکلیف دہی کے تمام وسائل کا استعمال ہوتا۔ آخر میں جیسا کہ سورۂ ہود بارہویں پارہ میں بتلایا گیا قوم کے لوگ زچ ہوکر کہنے لگے کہ اے نوح! اب ہم سے یہ لسانی جنگ و جدال ختم کردو یہ جھگڑا قصہ بہت کچھ ہوچکا تم جو ہم کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہو تو اگر تم سچے ہو تو اسے لاکر دکھاؤ۔ اس کا جواب بھی وہیں سورۂ ہود میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ سن کر ان کو جواب دیا کہ عذاب الٰہی میرے قبضہ میں نہیں ہے وہ تو اس کے قبضہ میں ہے جس

نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ چاہے تو یہ بھی ہو جائے گا۔ بہر حال جب قوم کی ہدایت سے حضرت نوح علیہ السلام بالکل مایوس ہو گئے اور آپ نے قرآنی تصریح کے مطابق ساڑھے نو سو سال کی پیہم دعوت وتبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہ دیکھا اور سوائے گنتی کے چند نفر کے اور کوئی ایمان نہ لایا تو آپ سخت ملول اور پریشان خاطر ہوئے اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا آپ نے بارگاہ الٰہی میں یہ دعا فرمائی کہ اے پروردگار میری قوم نے میری بات نہ مانی۔ مجھے سچا نہ جانا۔ اور برابر مجھ کو جھٹلاتی رہی اب آپ میرے اور ان کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیجئے اور مجھے ان مؤمنوں سمیت جو مجھ پر ایمان لائے ہیں اس قوم سے نجات اور چھٹکارا بخشئے۔ ۹۵۰ سال کی تبلیغ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے صرف ۴۰ نفر کی تعداد بتلائی ہے۔ لیکن عام اہل تفسیر نے تقریباً ۸۰ کی تعداد لکھی ہے واللہ اعلم۔

الغرض حضرت نوح علیہ السلام کی دعا حق تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام کی تسلی فرمائی کہ آپ ان کی حرکات پر غم نہ کریں اب ان سرکشوں کی سزا کا وقت قریب آ لگا ہے۔ بس جو آپ کی قوم سے ایمان لے آئے وہ لے آئے۔ اب ان میں سے مزید کوئی لانے والا نہیں اب یہ سب غرق ہو کر ہلاک ہونے والے ہیں۔ حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت فرمائی گئی کہ وہ ایک کشتی تیار کریں تا کہ اسباب ظاہری کے اعتبار سے اس میں مؤمنین بیٹھ کر اس عذاب سے محفوظ رہیں جو خدا کے نافرمانوں پر نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے حکم الٰہی کی تعمیل میں کشتی بنانی شروع کی تو قوم کے کفار نے ہنسی اڑانا اور مذاق بنانا شروع کر دیا کہ اب نبوت کرتے کرتے نجاری بھی کرنے لگے۔ پانی کا کہیں نام ونشان نہیں ایسی صورت میں کشتی کا بنانا اور پانی سے بچاؤ کی حفاظت کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور کیسا احمقانہ خیال ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی ان کے انجام کار سے غفلت اور خدا کی نافرمانی پر جرأت دیکھ کر ان کو ان ہی کے طرز پر جواب دیتے کہ آج تم ہم پر ہنس رہے ہو کل ہم تم پر ہنسیں گے جب تم دنیا میں غرق اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو رہے ہو گے۔ الغرض ادھر کشتی بن کر تیار ہو گئی ادھر خدا کے وعدۂ عذاب کا وقت قریب آ لگا۔ وحی الٰہی کے حکم کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام بمعہ اس جماعت کے جو آپ پر ایمان لا چکی تھی کشتی میں سوار ہو گئے اور جانوروں میں سے بھی ایک ایک جوڑا ساتھ رکھ لیا گیا۔ جب وحی الٰہی کی تکمیل ہو گئی تو اب آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسنا شروع ہو اور زمین کے چشموں کو حکم ہوا کہ وہ پوری طرح ابل پڑیں۔ خدا کے حکم سے جب یہ سب کچھ ہوتا رہا تو کشتی بھی اس کی حفاظت میں پانی پر ایک مدت تک محفوظ تیرتی رہی اور تمام منکرین و معاندین غرق آب ہو کر ہلاک ہو گئے جس میں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بھی شامل تھا جس کو طوفان کا یقین نہ تھا اور وہ قوم کے کافروں میں شامل رہا۔ غرض جب حکم الٰہی سے عذاب ختم ہوا اور پانی آہستہ آہستہ خشک ہونا شروع ہوا تو ساکنان کشتی نے دوسری بار امن وسلامتی کے ساتھ خدا کی سرزمین پر قدم رکھا اسی بنا پر حضرت نوح علیہ السلام کا لقب ابوالبشر ثانی یا آدم ثانی یعنی انسانوں کے دوسرے باپ مشہور ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے اس واقعہ کو بھی انہی آیات پر ختم کیا گیا جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ کو ختم کیا گیا تھا یعنی ان فی ذٰلک لاٰیۃ وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھوالعزیز الرحیم یعنی اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت اور نشانی ہے لیکن باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر ایمان نہیں لاتے بیشک آپ کا رب زبردست غالب ہے کہ وہ چاہے تو دم کے دم میں کافروں کو ہلاک کر کے ختم کر دے مگر ساتھ ہی رحیم اور مہربان بھی ہے کہ جو ان کو مہلت دیئے ہوئے ہے۔

اب آگے چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کی قوم عاد کا ذکر فرمایا گیا جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾

قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے اُن کے بھائی ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں تم سے اِس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا، بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا

کیا تم ہر اُونچے مقام پر ایک یادگار بناتے ہو جس کو محض فضول بناتے ہو۔ اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے۔ اور جب

بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

کسی پر دارو گیر کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر بن کر دارو گیر کرتے ہو۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور اُس (اللہ) سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے امداد کی جن کو تم جانتے ہو۔

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾

(یعنی) مواشی اور بیٹوں اور باغوں اور چشموں سے تمہاری امداد کی۔ مجھ کو تمہارے حق میں ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا

وہ لوگ بولے کہ ہمارے نزدیک تو دونوں باتیں برابر ہیں خواہ تم نصیحت کرو اور خواہ ناصح نہ بنو۔ یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک عادت ہے۔ اور ہم کو

نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

ہرگز عذاب نہ ہوگا غرض ان لوگوں نے ہود (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو ہلاک کردیا، بیشک اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

اور بے شک آپ کا رب زبردست اور مہربان ہے۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	عَادُ عاد	الْمُرْسَلِيْنَ رسول	اِذْ قَالَ جب کہا	لَهُمْ ان سے	اَخُوْهُمْ ان کے بھائی	هُوْدٌ ہود	اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم ڈرتے نہیں
اِنِّیْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُوْلٌ رسول	اَمِيْنٌ امانت دار	فَاتَّقُوا اللّٰهَ سو تم ڈرو اللہ سے	وَ اور	اَطِيْعُوْنِ میری اطاعت کرو	وَ اور
مَآ اَسْئَلُكُمْ میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ اَجْرٍ کوئی اجر	اِنْ نہیں	اَجْرِیَ میرا اجر	اِلَّا مگر۔صرف	عَلٰی پر	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رب العالمین
اَتَبْنُوْنَ کیا تم تعمیر کرتے ہو	بِكُلِّ رِيْعٍ ہر بلندی پر	اٰيَةً ایک نشانی	تَعْبَثُوْنَ کھیلنے کو (بلا ضرورت)	وَتَتَّخِذُوْنَ اور تم بناتے ہو			
مَصَانِعَ مضبوط۔شاندار محل	لَعَلَّكُمْ شاید تم	تَخْلُدُوْنَ تم ہمیشہ رہو گے	وَاِذَا اور جب	بَطَشْتُمْ تم گرفت کرتے ہو	بَطَشْتُمْ گرفت کرتے ہو تم		
جَبَّارِيْنَ جابر بن کر	فَاتَّقُوْا پس ڈرو	اللّٰهَ اللہ	وَاَطِيْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو	وَاتَّقُوْا اور ڈرو	الَّذِیْ وہ جس نے	اَمَدَّكُمْ مدد کی تمہاری	

بِمَا تَعْلَمُوْنَ اس سے جو تم جانتے ہو	اَمَدَّكُمْ تمہاری مدد کی	بِاَنْعَامٍ مویشیوں سے	وَّبَنِيْنَ اور بیٹوں	وَجَنّٰتٍ اور باغات	وَّعُيُوْنٍ اور چشمے	
اِنِّیْٓ اَخَافُ بیشک میں ڈرتا ہوں	عَلَيْكُمْ تم پر	عَذَابَ عذاب	يَوْمٍ عَظِيْمٍ ایک بڑا دن	قَالُوْا وہ بولے	سَوَآءٌ برابر	عَلَيْنَآ ہم پر
اَوَعَظْتَ خواہ تم نصیحت کرو	اَمْ لَمْ تَكُنْ یا نہ ہو تم	مِّنَ سے	الْوٰعِظِيْنَ نصیحت کرنے والے	اِنْ هٰذَآ نہیں ہے	اِلَّا مگر	خُلُقُ عادت
الْاَوَّلِيْنَ اگلے لوگ	وَمَا اور نہیں	نَحْنُ ہم	بِمُعَذَّبِيْنَ عذاب دیئے جانیوالوں سے	فَكَذَّبُوْهُ پس انہوں نے جھٹلایا اسے	فَاَهْلَكْنٰهُمْ تو ہم نے ہلاک کردیا انہیں	
اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَمَا كَانَ اور نہیں تھے	اَكْثَرُهُمْ ان کے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	وَاِنَّ اور بیشک
رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہم السلام اور ان کی اقوام کے ذکر فرمائے گئے تھے۔ اب چوتھا قصہ قوم عاد کا جو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی بیان فرمایا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں قوم عاد کا تذکرہ ۹ سورتوں میں فرمایا گیا ہے۔ یہ قوم عاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے تقریباً تین ہزار سال پہلے عرب کے سب سے بہترین حصہ حضرموت یمن، عدن، عمان اور خلیج فارس کے ساحل سے حدود عراق تک آباد تھی۔ اور جسمانی قوت اور ڈیل ڈول کے اعتبار سے یہ قوم مشہور تھی۔ یہ لوگ بڑے تنومند۔ قد آور۔ شہ زور اور طاقت ور تھے۔ یہ نہایت فارغ البال قوم تھی۔ ان کے یہاں اموال و اولاد کی کثرت تھی۔ ملک بھی سرسبز و شاداب تھا جس کی بنا پر یہ لوگ مطمئن اور آسودہ حال تھے۔ ان لوگوں کو بلند مقامات پر عالیشان اور دیرپا عمارتیں تعمیر کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اونچے اونچے مضبوط مینارے اور رہنے کے بڑی پرتکلف اور شاندار عمارتیں بناتے۔ لیکن یہ شاندار اور زبردست قوم گم کردہ راہ تھی۔ یہ قوم شرک و بت پرستی کے جرم عظیم کی مرتکب تھی۔ خدائے واحد ذوالجلال کو بھلا کر اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا معبود مان کر ہر قسم کے شیطانی اعمال بے خوف وخطر کرنے لگے تھے۔ روزی دینے۔ مینہ برسانے اولاد دینے۔ تندرستی عطا کرنے اور مختلف حاجات کے لئے الگ الگ بت بنا رکھے تھے جن کی عام طور پر پرستش ہوتی تھی۔ پھر یہ نہایت ظالم قوم بھی تھی۔ معاشرہ کے کمزور اور ضعیف افراد کو ظلم وستم اور جبر وتعدی کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ قرآن مجید نے پچھلی مشرک اور معذب قوموں کا جہاں جہاں بیان کیا ہے ان کے شرک و جہالت کے ساتھ کہ وہ سب میں مشترک ہے۔ ان کے مخصوص قوم جرائم کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ کوئی قوم تجارتی بددیانتی۔ خیانت۔ غبن میں خاص طور پر آلودہ گزری ہے۔ کوئی ظلم و شقاوت و سنگدلی میں۔ کوئی بدچلنی اور شہوت پرستی میں وغیرہ وغیرہ چنانچہ قوم عاد نام ونمود وفخر ونمائش کے ساتھ ساتھ ظلم و جبر اور شقاوت و سنگدلی میں بھی ممتاز تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اسی قوم میں حضرت ہود علیہ السلام کو پیدا فرمایا اس لحاظ سے آپ اس قوم عاد کے قومی اور وطنی بھائی تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں حضرت نوح علیہ السلام اور چودھویں پشت میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملنا بیان کیا گیا ہے اور توراۃ کے بیان کے مطابق آپ کی عمر ۴۶۴ سال کی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو اپنی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا تو آپ نے قوم کو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت و بندگی کی طرف دعوت دی اور لوگوں پر ظلم و جور کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت ہود علیہ السلام مسلسل دین الٰہی کی

تبلیغ میں لگے رہے۔ آپ اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈراتے۔ غرور اور سرکشی کے نتائج بتا کر قوم نوح کے واقعات یاد دلاتے۔ پھر پیغام حق کے ساتھ ساتھ بار بار یہ بھی دہراتے کہ میں تم سے کسی اجر و عوض کا خواہاں نہیں۔ کسی عزت و جاہ اور ریاست کا طالب نہیں۔ مگر قوم عاد میں ایماندار تو چند ہی تھے باقی تمام سرکش اور مغرور و متکبر انسانوں کا گروہ تھا۔ ان پر حضرت ہود علیہ السلام کی نصائح کا مطلق اثر نہ ہوا بلکہ ہود علیہ السلام کی تکذیب و تذلیل کے اور زیادہ درپے ہو گئے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قوم عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ یعنی حضرت ہود علیہ السلام جو ان کی طرف مبعوث ہوئے تھے ان کی تکذیب کی اور اللہ کے ایک پیغمبر کی تکذیب گویا تمام پیغمبروں کی تکذیب ہے کیونکہ سب ایک ہی پیغام ایک ہی اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم یہ شرک اور بے محابا معاصی کا ارتکاب کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتے۔ دیکھو میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا امانت دار پیغمبر ہوں۔ تمہارا دشمن نہیں دوست ہوں۔ تمہاری صلاح و فلاح کا طالب مخلص ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کے بارہ میں خائن نہیں بلکہ امین ہوں۔ وہی کہتا ہوں جو مجھ سے کہا جاتا ہے اور جو کچھ کہتا ہوں قوم کی سعادت اور بھلائی اور دائمی نجات کے لئے کہتا ہوں اس لئے تمہیں چاہئے کہ خدا سے ڈر کر میری اطاعت کرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم کو یہ بھی بتلا دوں کہ میں تم سے اس پیغام رسانی پر کسی قسم کا بھی معاوضہ نہیں مانگتا۔ نہ از قسم جاہ نہ از قسم مال پس تم کو مجھ پر کسی ذاتی غرض کا شبہ بھی نہ ہونا چاہئے۔ میرا معاوضہ تو اس رب العالمین کے ذمہ ہے جس کا میں کام کر رہا ہوں۔ پھر تم جو یہ فخر و نمائش اور نام و نمود کے لئے اونچے اونچے ٹیلوں پر بلند و بالا علامتیں جیسے اونچے اونچے مینار۔ یادگاریں۔ سیر گاہیں۔ اپنی قوت اور مال کے اظہار کے لئے بناتے ہو اس فعل عبث سے کیا فائدہ کہ اس میں بے کار دولت کا کھونا۔ وقت کا برباد کرنا اور مفت میں مشقت اٹھانا ہے۔ ایسی یادگاروں میں بجز نام و نمود کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ پھر تم یہ عالیشان پر تکلف عمارتیں بناتے ہو اور ان میں بڑی کاریگریاں دکھلاتے ہو گویا کہ دنیا ہی میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے جس کے لئے یہ انتظام کیا جاتا ہے۔

معتبر روایات سے بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں جب دمشق پہنچے اور دیکھا کہ مسلمانوں نے محلات اور باغات کی تعمیر اعلیٰ پیمانہ پر ضرورت سے زیادہ شروع کر دی تو آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ اول نماز پڑھائی پھر بلند آواز سے فرمایا کہ اے اہل دمشق تمہیں شرم نہیں آتی۔ تم خیال نہیں کرتے کہ تم نے وہ جمع کرنا شروع کر دیا جسے تم کھا نہیں سکتے تم نے وہ مکانات بنانے شروع کر دیئے جو تمہارے رہنے سہنے کے کام نہیں آتے۔ تم نے وہ دور دراز کی امیدیں اور آرزوئیں شروع کر دیں جو پوری ہونی محال ہیں۔ کیا تم بھول گئے تم سے اگلے لوگوں نے بھی مال جمع کر کے اور خوب جوڑ جوڑ کے رکھا تھا بڑے بڑے اونچے اونچے پختہ اور مضبوط محلات تعمیر کئے تھے۔ بڑی بڑی آرزوئیں باندھی تھیں لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دھوکہ میں رہ گئے ان کی پونجی برباد ہو گئی۔ ان کے مکانات اور بستیاں اجڑ گئیں۔ عادیوں کو دیکھو کہ عدن سے لے کر عمان تک ان کے گھوڑے اور اونٹ تھے لیکن آج وہ کہاں ہیں۔ ایسا کوئی بیوقوف ہے کہ قوم عاد کی میراث کو دو درہموں کے بدلے بھی خریدے۔ یہ حضرت ابو درداء کا واقعہ تو ضمناً درمیان میں آ گیا تھا مگر آج

اپنی قوم کی حالت بھی دیکھ لیجئے!

الغرض قوم عاد کے دلوں میں چونکہ حب دنیا تھی۔ جاہ پسندی تھی۔ مال کی ہوس تھی اس لئے جائز و ناجائز کی تفریق انہوں نے مٹادی تھی۔ کوئی قانون عدل اور ضابطۂ انصاف نہ تھا۔ صرف قوت وشوکت معیار برتری تھا جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی مثال پورے طور پر صادق تھی غریبوں کے مال و ناموس پر دست درازی زبردستوں کا شیوہ تھا۔ کمزوروں سے بیگار لینے کا عام دستور تھا ضعیفوں کا ستانا قابل فخر تھا۔ اپنے مخالفوں کی سخت ترین گرفت ان کا قومی شعار تھا اس لئے حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو ان بیہودہ اور ظالمانہ حرکات سے بھی روکا اور فرمایا کہ تم نے جو ظلم وستم سے زیر دستوں اور کمزوروں کو تنگ کر رکھا ہے گویا انصاف اور نرمی کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ سو اللہ سے ڈرو اور ظلم و تکبر سے باز آجاؤ اور میری نصیحتوں کو مانو۔ پھر حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو اللہ کے انعامات اور احسانات کی یاد دلائی اور فرمایا کہ اللہ نے تم کو ہر طرح کی وسعت وفراخی دے رکھی ہے۔ اولاد کی کثرت۔ مویشیوں اور جانوروں کی وسعت۔ طرح طرح کے باغات۔ چشمے سب کچھ تم کو دے رکھا ہے۔ لہٰذا اس خدا سے ڈرو کہ کہیں غیبی گرفت نہ ہو جائے اور سخت عذاب میں نہ پکڑ لئے جاؤ۔ اتنا تو سوچو کہ آخر یہ سب سامان تم کو کس نے دیئے ہیں۔ کیا اس منعم حقیقی کا تمہارے ذمہ کوئی حق نہیں؟ اگر تمہاری یہی شرارت اور سرکشی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں پہلی قوموں کی طرح گرفتار عذاب نہ ہو جاؤ۔ غرض کہ حضرت ہود علیہ السلام نے نصیحت کا حق ادا کر دیا۔ مگر ان تمام پند ونصائح اور تبلیغ و دعوت کے جواب میں قوم اللہ کے پیغمبر کو یہ جواب دیتی ہے کہ تمہارا یہ نصیحت کرنا نہ کرنا ہمارے لئے دونوں برابر ہیں۔ یہ تمہارا وعظ داستانِ پارینہ ہے گذشتہ لوگوں کا بھی یہی دستور تھا وہ بھی مدعی نبوت ہو کر لوگوں کو یونہی کہتے سنتے رہے۔ ہم مدت سے یونہی سنتے چلے آئے ہیں لیکن عذاب جس سے ڈرایا جاتا ہے نہ پہلے آیا اور نہ اب آئے گا۔ الغرض جب قوم عاد کی سرکشی اس حد تک پہنچ گئی اور انہوں نے نہ صرف آئندہ عذاب کا انکار کیا بلکہ گذشتہ صحیح واقعات عذاب کی بھی تکذیب کی اور اپنے پیغمبر کی تعلیم سے بے پناہ بغض وعناد اور انتہائی شرارت و بغاوت برتی تو پھر پاداش عمل اور قانون جزا کا وقت آپہنچا اور غیرت حق حرکت میں آئی اور عذاب الٰہی نے سب سے پہلے خشک سالی کی شکل اختیار کی۔ عاد گھبرائے اور پریشان ہوئے اور عاجز و درماندہ نظر آنے لگے تو حضرت ہود علیہ السلام کو جوش ہمدردی نے پھر اکسایا اور ان کو سمجھایا کہ اب بھی راہ حق اختیار کر لو۔ میری نصائح پر ایمان لے آؤ کہ یہی نجات کی راہ ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی ورنہ پچھتاؤ گے لیکن بدبخت اور بدنصیب قوم پر کوئی اثر نہ ہوا اور حضرت ہود علیہ السلام سے بغض وعناد اور دوبالا ہو گیا۔ تب ہولناک عذاب نے ان کو آگھیرا۔ عذاب بادل کی شکل میں نظر آیا تو یہ سمجھ کر بہت خوش ہوئے کہ اب خوب بارش ہوگی مگر ان کو بتایا گیا کہ یہ تمہاری زیست کا سامان نہیں بلکہ موت و ہلاکت کا سامان ہے اس ابر سے اللہ نے ان پر آندھی کا ایک طوفان بھیجا۔ اس ہلاکت خیز آندھی کا طوفان ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن رہا جس نے ان کو اور ان کی آبادی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ چھتیں اڑ گئیں۔ مکان گر گئے۔ درخت جڑ سے اکھڑ کر کہیں سے کہیں جا پڑے۔ ہوا نے سرکش قوم کو اڑا اڑا کر پہاڑوں کے پتھروں پر دے پٹکا جس کی وجہ سے گردنیں ٹوٹ کر سرتن سے جدا ہو گئے۔ غرض کہ پوری بدکار قوم ہلاک ہو کر افسانہ بن گئی۔ اور آنے والی قوموں کی عبرت کے لئے

صرف ان بستیوں کے نشانات وکھنڈرات باقی رہ گئے۔حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مخلص پیروان خدا کی رحمت سے عذاب الٰہی سے محفوظ و مامون رہے۔حضرت ہود علیہ السلام کے اس واقعہ کو بھی انہیں آیات پر ختم فرمایا گیا جن پر حضرت موسیٰ۔ حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہم السلام کے واقعات کو ختم فرمایا گیا تھا یعنی ان فی ذلک لآیة وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھو العزیز الرحیم یعنی اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے کہ احکام الٰہیہ کی مخالفت کا کیا انجام ہوا اور باوجود اس کے ان کفار مکہ سے اکثر ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب زبردست ہے کہ عذاب پر قادر بھی ہے مگر مہربان ہے کہ رحمت سے مہلت بھی دے رکھی ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس واقعہ میں جہاں کفار کے لئے وعید ہے کہ پیام حق سے سرتابی کرنے کا نتیجہ ہلاکت ہے۔وہیں مسلمانوں کو بھی لازم ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی قدر کریں۔اور اللہ کی نعمتوں کی قدردانی اور شکرگزاری یہی ہے کہ کسی نعمت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف استعمال نہ کیا جائے ورنہ یہی نعمتیں بجائے رحمت کے زحمت بن جاتی ہیں۔

ان آیات کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ (مفتی اعظم پاکستان) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آیات اتبنون بکل ریع ایة تعبثون. وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون o (کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک یادگار کے طور پر عمارت بناتے ہو جس کو محض فضول بلاضرورت بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے) ان آیات سے ثابت ہوا کہ بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات کرنا شرعاً برا ہے۔اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جو امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ عمارت جو ضرورت سے زائد بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں۔اور اس کی تصدیق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جو ابوداؤد میں مروی ہے کہ ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لئے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضروری ہو وہ وبال نہیں ہے روح المعانی میں فرمایا کہ بغیر غرض صحیح کے بلند عمارت بنانا شریعت محمدیہ میں بھی مذموم اور برا ہے۔(معارف القرآن جلد ۶ صفحہ ۵۳۸) اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور گمراہ بے دین اور معذب قوموں کی خصلتوں اور عادتوں کی نقل کرنے سے بچائیں۔آمین۔

اب آگے پانچواں قصہ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا بیان فرمایا گیا ہے۔جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نافرمان اور معذب قوموں کی خصلتوں اور عادتوں کے اختیار کرنے سے امت مسلمہ کو بچائیں اور ہم کو اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! ہماری اصلاح کے لئے اپنا خوف وخشیت ہم کو عطا فرمادے تاکہ ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے رک جائیں اور آپ کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگ جائیں۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

قوم ثمود نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے اُن کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔

اَمِیْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی

سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں تم سے اس پر کچھ صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ

کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جاوے گا جو یہاں ہیں یعنی باغوں میں اور چشموں میں۔ اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں

طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا

جن کے گچھے خوب گوندھے ہوئے ہیں۔ اور کیا تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے ہوئے مکان بناتے ہو سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اور حدود سے

تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو۔ جو سر زمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	ثَمُوْدُ ثمود	الْمُرْسَلِيْنَ رسول	اِذْ جب	قَالَ کہا	لَهُمْ ان سے	اَخُوْهُمْ ان کے بھائی	صٰلِحٌ صالح
اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم ڈرتے نہیں	اِنِّیْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُوْلٌ رسول	اَمِیْنٌ امانت دار	فَاتَّقُوْا سو تم ڈرو	اللّٰهَ اللہ	وَاَطِیْعُوْنِ اور تم میری اطاعت کرو
وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ اور میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَیْهِ اس پر	مِنْ اَجْرٍ کوئی اجر	اِنْ نہیں	اَجْرِیَ میرا اجر	اِلَّا مگر	عَلٰی پر	رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رب العالمین
اَتُتْرَكُوْنَ کیا چھوڑ دیئے جاؤ گے تم؟	فِیْ میں	مَا هٰهُنَآ جو یہاں ہے	اٰمِنِیْنَ بے فکر	فِیْ جَنّٰتٍ باغات میں	وَّعُیُوْنٍ اور چشمے	وَّزُرُوْعٍ اور کھیتیاں	
وَّنَخْلٍ اور کھجوریں	طَلْعُهَا ان کے خوشے	هَضِیْمٌ نرم و نازک	وَتَنْحِتُوْنَ اور تم تراشتے ہو	مِنَ الْجِبَالِ پہاڑوں سے	بُیُوْتًا گھر		
فٰرِهِیْنَ خوش ہو کر	فَاتَّقُوْا سو ڈرو تم	اللّٰهَ اللہ	وَاَطِیْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو	وَلَا تُطِیْعُوْٓا اور نہ کہا مانو	اَمْرَ حکم	الْمُسْرِفِیْنَ حد سے بڑھ جانے والے	
الَّذِیْنَ جو لوگ	یُفْسِدُوْنَ فساد کرتے ہیں	فِیْ میں	الْاَرْضِ زمین	وَ اور	لَا یُصْلِحُوْنَ اصلاح نہیں کرتے		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں قوم عاد اور اس کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب پانچواں قصہ قوم ثمود اور اس کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کا بیان فرمایا جاتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے اور حضرت صالح علیہ السلام کی عمر ۲۸۰ سال کی ہوئی اور اسی قوم ثمود میں آپ پیدا ہوئے۔ قوم ثمود کا مقام سکونت حجاز اور شام کے درمیان تھا۔ قوم عاد کی طرح ثمود بھی نہایت قوی الجثہ طاقتور اور طویل العمر لوگ تھے۔ فن تعمیر اور فن سنگ تراشی میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ حجاز اور شام کے درمیان جہاں یہ قوم کسی زمانہ میں آباد تھی پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر نہایت شاندار۔ پرتکلف اور پائیدار عمارتیں بناتے تھے جن کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ یہ قوم

نہایت آسودہ حال تھی۔ معاشی اعتبار سے مال و دولت کی فراوانی تھی اوران کی زندگی بڑے عیش وعشرت میں گزرتی تھی مگرقوم عاد کی طرح یہ قوم ثمود بھی مشرک اور بت پرست تھی۔ وہ خدائے واحد ذوالجلال کے علاوہ بہت سے معبودان باطل کے پرستار تھے اس لئے ان کی اصلاح اوراظہارحق کے لئے ان ہی کے قبیلہ میں سے حضرت صالح علیہ السلام کوپیغمبر بنا کر بھیجا گیا تا کہ وہ ان کو راہ راست پر لائیں۔ ان کو خدا کی نعمتیں یاد دلائیں۔ جن سے صبح وشام وہ محظوظ ہوتے رہتے تھے اوران پر واضح کریں کہ کائنات کی ہر شے خدا کی توحید اور یکتائی پر شاہد ہے اور دلائل و براہین کے ساتھ ان کی گمراہی کو ظاہر کریں اور بتائیں کہ پرستش اور عبادت کے لائق صرف ایک ذات احد کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے چونکہ یہ قوم مشرک ہونے کے ساتھ ساتھ مادہ پرست بھی تھی اس لئے آخرت اور حیات بعدالممات کی منکر بھی تھی جیسا کہ سورۂ مومنون۔ اٹھارویں پارہ میں بتلایا گیا ان کا کہنا یہ تھا کہ بس زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں جب ہم مرجائیں گے اور مٹی میں مل کر مٹی ہوجائیں گے تو پھر زمین سے دوبارہ نکلنے کا کیا سوال۔ آج بھی دہریت اور مادیت کے ماننے والوں کا یہی دعویٰ ہے کہ ''مادہ کے سوا عالم میں اور کوئی چیز موجود نہیں۔ مادے کی سکت وقوت سے مختلف اجسام وجود میں آئے اورانہی مادی اجزا کی ترتیب وترکیب کا نام زندگی ہے اور انہی کے انتشار اور بے ترتیبی کا نام موت ہے اور یہ زندگی اور موت اسی مادہ اور اسی عالم کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس مادی کائنات کے علاوہ نہ اور کوئی عالم ہے اور نہ کوئی اور زندگی۔'' تو یہی خیالات اور عقائد نام اور اصطلاحیں بدل بدل کر ہرزمانہ کے منکرین اور مکذبین سے ظاہر ہوتے رہے ہیں۔

الغرض حضرت صالح علیہ السلام جوخوداس قوم ثمود کے ایک فرد تھے اوراس بناپران کی قوم کے لوگ ان کے قومی بھائی تھے۔ اس گمراہ اور سرکش قوم کی اصلاح اور تزکیۂ نفس کے لئے آپ مامور ہوئے تھے۔ اپنی پیغمبرانہ دعوت ونصیحت ومواعظہ حسنہ میں توحید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آخرت حشرونشر۔ حیات بعدالممات۔ جزاوسزا کی تبلیغ کا سلسلہ نہایت حکیمانہ انداز میں جاری رکھا اورقوم پر یہ حقیقت واضح کی کہ یہی ہماری مادی زندگی اس بات کی شہادت اپنے اندر رکھتی ہے کہ اس محسوسات اور مادیات کے دائرہ سے اوپر بھی کسی عظیم ترحقیقت وقدرت کا ہونا ضروری ہے۔ خود ہمارے مادی جسموں میں یہ غیر مادی زندگی اورروح کیا ہے اوراس کی پکار کیا ہے۔ یہی کہ کسی بالاترہستی نے ہمیں پیدا کیا اورزندگی کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور یہ سب کچھ بے مقصد اور بے معنی نہیں کہ نہ اس کی کوئی باز پرس ہو اور نہ اس پر جزاوسزا ملے۔ یہ دنیا اور یہ زندگی تو ایک امتحان گاہ ہے۔ جس کے ہرکام کا بدلہ اور ہرعمل کی مکافات ہے خدا کی یہ بے شمار نعمتیں جو تمہیں میسر ہیں۔ ہوا پانی۔ آگ روشنی۔ یہ ہرے بھرے کھیت۔ اور یہ سرسبز اور خوشنما باغات اور یہ پہاڑوں کے سینوں کو چیر کر ابلتے ہوئے چشمہ اور یہ حیات بخش دریا۔ اور یہ تمہارے علوم وفنون اور صنعتیں کیا تمہیں یہ سب چیزیں یونہی مل گئی ہیں۔ ان کا خالق اور موجد حقیقی کوئی نہیں؟ اوراس میں تمہارا کوئی امتحان نہیں لیا جائے گا۔ کوئی باز پرس نہیں ہوگی؟ آخرتم اس خدا کے خوف سے کیوں نہیں ڈرتے جس نے مجھ کوتمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ مگر حضرت صالح علیہ السلام کی اس نصیحت کا قوم پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا اوران کی مخالفت بڑھتی رہی اور بغض وعناد ترقی پاتا رہا اورایک مختصر اور کمزور جماعت کے علاوہ جن کی تعداد

بعض مفسرین نے تقریباً ۱۲۰ لکھی ہے کوئی حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ کا پیغمبر ماننے کے لئے تیار نہ ہوا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قوم ثمود نے بھی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان کا ایک پیغمبر کو جھٹلانا گویا تمام خدا کے پیغمبروں کو جھٹلانا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم کو وہی پیغام دیا جو اللہ کے سارے پیغمبر دیا کرتے ہیں آپ نے قوم سے فرمایا کہ اللہ کے بندو تمہیں اللہ کے غضب سے ڈر نہیں لگتا جو تم اس کی مرضی کے خلاف کاموں میں پھنسے ہوئے ہو۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کا امانت دار پیغمبر ہوں جو میں کہوں وہ مانو اور میری اطاعت کرو میں تم سے کوئی مال و دولت وغیرہ کچھ نہیں چاہتا۔ مجھے تو میرے کام کا صلہ وہی رب العالمین دے گا جس نے مجھے یہ کام سپرد کیا ہے۔ پھر حضرت صالح علیہ السلام قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد دلاتے ہیں اور اس کے عذابوں سے متنبہ فرماتے ہیں کہ وہ جو تمہیں یہ کشادہ روزیاں دے رہا ہے۔ جس نے تمہارے لئے باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور پھل پھلا کر مہیا فرما دیئے ہیں۔ امن چین سے جو تمہاری زندگی کے دن پورے کر رہا ہے تم اس کی نافرمانیاں کر کے انہی نعمتوں اور اسی امن و امان میں نہیں چھوڑے جاسکتے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ ہمیشہ اسی عیش و آرام اور باغ و بہار کے مزے لوٹتے رہوگے۔ پھر خدا نے تمہیں اس وقت جن مضبوط اور پرتکلف بلند اور عمدہ گھروں میں رکھ چھوڑا ہے خدا کی توحید اور میری رسالت کے انکار کے بعد کیا ان سے کبھی نہ نکلو گے؟ یا یہ مضبوط اور سنگین عمارتیں تم کو خدا کے عذاب سے بچالیں گی؟ اس سودائے خام کو دل سے نکال ڈالو اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر میرا کہنا مانو۔ اپنے خالق۔ رازق منعم اور محسن کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری اور اس کی توحید کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جاؤ جس کا نفع تمہیں دنیا و آخرت میں ملے گا۔ میں تمہارے ہی بھلے کی بات کہتا ہوں۔ تم اپنے مغرور سرداروں کی پیروی مت کرو یہ تو حدودِ خداوندی سے تجاوز کر کے توحید کی اتباع کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اور زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ نافرمانی گناہ فسق و فجور پر خود لگے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی طرف بلا رہے ہیں۔ حق کی موافقت اور اتباع کر کے اصلاح کی کوشش نہیں کرتے تم میری بات مانو اللہ نے تمہاری اصلاح کے لئے مجھے پیغمبر مقرر کیا ہے۔ یہاں قرآن پاک نے قوم ثمود کے سارے انفرادی و اجتماعی امراض کے لئے ایک جامع لفظ فساد فی الارض کا استعمال کر دیا ہے کیونکہ احکام الٰہیہ کو نہ ماننے اور قانون خداوندی کو قبول نہ کرنے کا نتیجہ دنیا میں ہمیشہ خرابیوں اور طرح طرح کے فتنہ فسادات ہی کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ شراب نوشی۔ زنا کاری۔ سود خواری۔ رشوت و خیانت۔ قتل و غارت۔ رشک و حسد یہ ساری جسمانی اور اخلاقی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور بڑھتی ہی ہیں اور معاشری ابتری ہر قسم کی پیدا ہوتی ہے۔ اور ان فسادات کے پھیلانے کی ذمہ داری قوم کے ان بگڑے ہوئے امرا اور رؤسا۔ مقتدا اور حکام پر ہے جو عوام کی قیادت کرتے ہیں اس لئے حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے عوام کو ہدایت کی کہ تم ان بے لگام اور مفسد سرداروں کی اطاعت چھوڑ کر میری اطاعت کرو۔ ان بڑے مفسد شیطانوں کے پیچھے چل کر تباہ نہ ہو۔ ان کے ہاتھوں سے کوئی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ یہ تو زمین میں اصلاح کے نام پر فساد پھیلاتے ہیں۔

اب قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کے اس سارے خطاب کا جواب کیا دیا اور ان کا انجام کیا ہوا۔ یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ

اُن لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کردیا ہے۔ تم بس ہماری طرح کے ایک آدمی ہو سو کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

صالحؑ نے فرمایا کہ یہ ایک اونٹنی ہے پانی پینے کیلئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن میں ایک باری تمہاری۔ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ

کبھی تم کو ایک بھاری دن کا عذاب آ پکڑے۔ سو انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا پھر پشیمان ہوئے۔ پھر عذاب نے اُن کو آلیا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۹﴾

بیشک اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے، اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور بیشک آپ کا رب بڑا زبردست بہت مہربان ہے۔

قَالُوْا انہوں نے کہا	اِنَّمَآ اس کے سوانہیں	اَنْتَ تم	مِنَ سے	الْمُسَحَّرِيْنَ سحرزدہ لوگ	مَآ اَنْتَ تم نہیں	اِلَّا بَشَرٌ مگر صرف ایک بشر	مِّثْلُنَا ہم جیسا		
فَاْتِ پس لاؤ	بِاٰيَةٍ کوئی نشانی	اِنْ اگر	كُنْتَ تو	مِنَ سے	الصّٰدِقِيْنَ سچے لوگ	قَالَ اس نے فرمایا	هٰذِهٖ یہ	نَاقَةٌ اونٹنی	لَّهَا اس کیلئے
شِرْبٌ پانی پینے کی باری	وَلَكُمْ اور تمہارے لئے	شِرْبُ ایک باری پانی پینے کی	يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ معین دن	وَلَا تَمَسُّوْهَا اور اسے ہاتھ نہ لگانا	بِسُوْٓءٍ برائی سے				
فَيَاْخُذَكُمْ سو (ورنہ) تمہیں آپکڑے گا	عَذَابُ عذاب	يَوْمٍ عَظِيْمٍ ایک بڑا دن	فَعَقَرُوْهَا پھر انہوں نے کونچیں کاٹ دیں اس کی	فَاَصْبَحُوْا پس رہ گئے					
نٰدِمِيْنَ پشیمان	فَاَخَذَهُمُ پھر انہیں آپکڑا	الْعَذَابُ عذاب	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَمَا اور نہیں	كَانَ ہیں		
	اَكْثَرُهُمْ انکے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانیوالے	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ کس طرح آپ نے قوم کو اللہ کی یاد دلا کر اور عذاب الٰہی سے ڈرا کر توحید کی طرف متوجہ فرمایا اور شرک سے باز رہنے کی تلقین فرمائی اور بحیثیت خدا کے پیغمبر ہونے کے اپنی اطاعت کا حکم فرمایا۔ مگر جس قوم کے لوگ نفس کے پرستار ہوں اور ہوا و ہوس اور فسق و فجور میں گرفتار ہوں۔ قوت اور ثروت کے نشہ میں سرشار ہوں۔ ان کے دلوں میں داعی حق کی خیر خواہی اور پند و نصیحت کہاں اترتی ہے۔ قوم ثمود جو توحید کی بھی منکر تھی۔ آخرت کو بھی نہ مانتی تھی۔ جزا سزا اور حساب کتاب کی بھی قائل نہ تھی۔ عدل وانصاف بھی ان کی نظر میں کوئی حقیقت نہ رکھتا تھا۔ اپنی طاقت وثروت اور حکومت پر جن کو ناز تھا وہ بھلا کہاں پیغمبر کی دعوت اور نصیحت پر کان رکھنے والی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام کی ساری پیغام رسانی اور تبلیغ حق کے جواب میں قوم نے جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے حضرت صالح علیہ السلام کو سحر زدہ یعنی دیوانہ ومجنون جس کی عقل ماری گئی ہو بتلایا۔ قدیم تصورات کے مطابق پاگل پن یا تو کسی جن کے اثر سے لاحق ہوتا تھا یا جادو کے اثر سے اس لئے وہ جسے پاگل کہنا چاہتے تھے اس کو یا تو وہ مجنون کہتے یا مسحور۔ تو قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کو بے عقل قرار دیا اور کہا کہ تمہاری تو عقل جاتی رہی ہے۔ ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جو ایسی

باتیں کرتے ہو۔ بظاہر تو تم ہماری طرح انسان اور بشر ہو اور ہم میں اور تم میں کوئی فرق نظر نہیں آتا کہ ہم تمہیں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر مان لیں۔ جیسے ہم آدمی ہیں ایسے ہی تم بھی آدمی ہو اور اگر واقعی تم سچے ہو اور تمہارا دعویٰ نبوت صحیح ہے تو پھر اپنے صدق کی کوئی نمایاں نشانی اور عظیم الشان ثبوت پیش کرو۔ دیکھا آپ نے کور دماغ اور اندھی بصیرت والوں کی نظر میں انسان صرف گوشت پوست کے مجموعہ کا نام ہے علمی اور عملی فضائل اور کمالات ان کے نزدیک باعث فوقیت نہیں ہوتے۔ تو قوم ثمود نے بھی حضرت صالح علیہ السلام سے یہی کہا کہ جب تک تم کوئی نمایاں محسوس عظیم الشان ثبوت اپنی نبوت کا پیش نہ کرو گے ہم نہیں مانیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بطور اتمام حجت کے پھر نصیحت کی کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ جن امتوں نے پیغمبر کی ہدایات کا انکار کیا اور ان کو جھٹلایا اور خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول کی تصدیق کے لئے کبھی بطور خود اور کبھی قوم کے مطالبہ پر کوئی ایسی نشانی نازل فرمائی جو نبی اور رسول کی تصدیق کا باعث بنے۔ لیکن اگر قوم نے اس نشانی یا معجزہ کے بعد بھی تکذیب کو نہ چھوڑا اور انکار پر اڑے رہے تو پھر عذاب الٰہی نے آ کر ان کو ہلاک اور تباہ کر دیا۔ اس لئے حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو پھر نصیحت کی مگر بغیر کسی نمایاں معجزے اور نشانی کے ظہور کے سب نے ماننے سے انکار کر دیا۔ بالآخر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو اور کس قسم کا نشان چاہتے ہو؟ اس پر قوم نے مطالبہ کیا کہ سامنے والی پہاڑی چٹان میں سے ایک ایسی اونٹنی ظاہر ہو کہ جو گابھن ہو اور ظاہر ہو کر فوراً بچہ دے۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر میں اپنے رب سے دعا کروں اور وہ یہی نشانی میرے ہاتھوں تمہیں دکھا دے تو پھر تو تمہیں میری نبوت کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ سب نے وعدہ کیا اور قول و قرار کیا کہ ہم سب ایمان لے آئیں گے اور آپ کی نبوت مان لیں گے۔ آپ بہت جلد یہ معجزہ دکھایئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اسی وقت نماز شروع کی اور پھر اللہ عزوجل سے دعا کی تو اسی وقت ان سب کے سامنے وہ چٹان پھٹی اور حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی اور اس نے بچہ دیا۔ تو اس کو دیکھ کر کچھ لوگ حسب اقرار ایمان لے آئے لیکن اکثر لوگ پھر بھی منکر ہی رہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے تمام قوم کو تنبیہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے۔ یہ اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی ہے جو ضابطہ مقرر کے خلاف پتھر کی چٹان سے پیدا ہوئی ہے کوئی اس کو اذیت نہ پہنچائے اگر اس کو آزار پہنچا تو پھر تمہاری بھی خیر نہیں اور خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر ہو ایک دن اس اونٹنی کا ہوگا اور ایک دن ساری قوم کے چوپایوں کا۔ الغرض یہ دستور جاری رہا کہ پانی کی باری ایک دن اس اونٹنی کی رہتی اور تمام قوم اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاتی جو جس قدر چاہتا دوھ کر لے جاتا۔ دودھ کم نہ ہوتا۔ اور دوسرے روز قوم کی باری ہوتی اور وہ اونٹنی اور اس کا بچہ بغیر روک ٹوک چراگاہوں میں چرتے اور آسودہ رہتے مگر آہستہ آہستہ یہ بات بھی قوم کو کھٹکنے لگی اور آپس میں صلاح مشورہ ہونے لگے کہ اس اونٹنی کا خاتمہ کر دیا جائے تو اس باری والے قصہ سے نجات ملے کیونکہ یہ قید ہمارے چوپایوں اور خود ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ بہرحال قوم ثمود زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکی اور ایک سازش کر کے اس اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ رنجیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ اے بدبخت قوم آخر تجھ سے صبر نہ ہوسکا۔ اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو تین روز کے بعد وہ نہ ٹلنے والا عذاب آئے گا جو تم کو ہمیشہ کے لئے تہس نہس کر جائے گا۔ لکھا ہے قوم ثمود پر عذاب آنے کی علامات اگلی صبح ہی سے شروع

ہو گئیں یعنی پہلے روز ان کے چہرہ زرد پڑ گئے۔ اور دوسرے روز سب کے چہرہ سرخ تھے اور تیسرے روز ان سب کے چہرہ سیاہ تھے۔ بہر حال ان تین دن کے بعد وقت موعود آ پہنچا اور رات کے وقت ایک ہیبت ناک آواز نے ہر اس شخص کو جو منکر تھا اسی حالت میں ہلاک کر دیا جس حالت میں وہ تھا قرآن کریم نے اس ہلاکت آفریں آواز کو کسی مقام پر صاعقہ یعنی کڑک دار بجلی اور کسی جگہ رجفہ یعنی زلزلہ ڈال دینے والی شے اور بعض جگہ طاغیہ یعنی دہشت ناک اور بعض جگہ صیحہ یعنی سخت چیخ فرمایا تو مفسرین نے ان سب کیفیتوں کو اس طرح جمع فرمایا ہے کہ زمین میں جنبش ہوئی اور زور کا زلزلہ آیا اور اوپر سے ایک سخت ہولناک چیخ سنائی دی جس سے جگر پھٹ گئے اور سب بے دین فنا کے گھاٹ اتر گئے اور وہ عذاب ان کو اور ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کر کے سرکشوں کی سرکشی اور مغروروں کے غرور کا انجام ظاہر کرنے کے لئے آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا سامان پیش کر گیا۔ ایک طرف ثمود پر یہ عذاب نازل ہوا اور دوسری جانب حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے پیرو اہل ایمان کو خدا نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور جیسا کہ سورۂ ہود میں بتلایا گیا ان کو اللہ نے اپنی رحمت سے اس عذاب سے بچالیا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کے اس واقعہ کو بھی انہیں آیات پر ختم کیا گیا جن پر دوسرے انبیاء کے گذشتہ میں بیان کئے ہوئے واقعات کو ختم کیا یعنی **ان فی ذٰلک لاٰیۃ وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھوالعزیز الرحیمo** یعنی بے شک اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اور باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ حقیقت میں آپ کا رب بڑا زبردست اور بہت مہربان ہے کہ باوجود قدرت کے مہلت دیتا ہے۔

مفسرین نے اس قصہ کے تحت لکھا ہے کہ سنت اللہ یہ رہی ہے کہ اگر حق تعالیٰ اپنے پیغمبر کو کسی قوم کی ہدایت کے لئے بھیجے اور قوم اس کی ہدایت پر کان نہ دھرے تو ضروری نہیں کہ وہ قوم ہلاک ہی کر دی جائے لیکن جو قوم اپنے نبی سے اس وعدہ پر نشان طلب کرے کہ اگر ان کا مطلوبہ نشان ظاہر ہو گیا تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے اور پھر وہ ایمان نہ لائے تو اس قوم کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے اور خدائے تعالیٰ اس کو معاف نہیں فرماتے تا آنکہ وہ تائب ہو جائے اور خدا کے دین کو قبول کر لے یا پھر عذاب الٰہی سے صفحہ ہستی سے مٹ کر دوسروں کے لئے درس عبرت بن جائے۔ مگر اس سنت اللہ سے پیغمبر آخر الزمان سید الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام رسالت مستثنیٰ ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی واُمی نے تصریح فرمائی ہے کہ میں نے خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ میری امت میں عذاب عام نہ مسلط فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔ محدثین نے لکھا ہے کہ لفظ امت میں امت دعوت ہو یا امت اجابت دونوں شامل ہیں۔ یعنی یہ دعا آپ کی صرف اہل اسلام اور کلمہ گویوں ہی کے لئے نہیں بلکہ غیر مسلمین جن کو کلمہ کی دعوت دی جا رہی ہے وہ بھی امت دعوت ہونے کی وجہ سے اس دعا میں شامل ہیں۔ اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس تصریح کی تصدیق بھی فرمادی اور سورۂ انفال نویں پارہ میں ارشاد فرمایا **وماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان کافروں پر عام عذاب مسلط نہ کرے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سرکار دوعالم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ جو آج یہ امت مسلمہ باوجود ہر طرح کے معاصی اور نافرمانیوں کے عذاب عام سے بچی ہوئی ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مقام حجر پر ہوا جہاں کبھی یہ قوم ثمود آباد تھی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قوم ثمود کے کنویں سے پانی بھرا اور آٹا گوندھ کر روٹیاں تیار کرنے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو پانی گرا دینے اور ہانڈیاں اوندھی کر دینے اور آٹا بیکار کر دینے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ وہ بستی ہے جس پر خدا کا عذاب ہوا۔ یہاں نہ قیام کرو اور نہ یہاں کی اشیاء سے فائدہ اٹھاؤ۔ آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈالو ایسا نہ ہو کہ تم بھی کسی بلا میں مبتلا ہو جاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم ان حجر کی بستیوں میں خدا سے ڈرتے۔ عجز وزاری کرتے ہوئے داخل ہوا کرو ورنہ ان میں داخل ہی نہ ہوا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اپنی غفلت کی وجہ سے عذاب کی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجر میں داخل ہوئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے نشانیاں طلب نہ کیا کرو۔ دیکھو صالح علیہ السلام کی قوم نے نشان طلب کیا تھا اور وہ ناقہ پہاڑ کی کھوہ سے نکلتی اور اپنی باری میں کھا پی کر وہیں واپس چلی جاتی اور جو اس کی باری کا دن تھا اس میں قوم ثمود کو اپنے دودھ سے سیراب کرتی تھی مگر ثمود نے آخر کار سرکشی کی اور ناقہ کی کونچیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے ان پر چیخ کا عذاب مسلط کر دیا اور وہ اس عذاب سے گھروں کے اندر ہی مردہ ہو کر رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو ہر طرح کے ظاہری و باطنی عذاب سے محفوظ و مامون فرمائیں۔

اب اس کے آگے چھٹا قصہ لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی اور اپنے رسول پاک کی اطاعت اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے محفوظ فرمائیں۔ اور گذشتہ آیات میں جو ہم سے تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے معاف فرماویں۔

اے اللہ اس امت مسلمہ میں اس وقت جو دین سے غفلت طاری ہے اس جرم عظیم کو اپنی رحمت سے معاف فرما اور ہم کو اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پکا اور سچا اور وفادار امتی بن کر زندہ رہنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ ہم کو اسلام سے سچی و پکی محبت نصیب فرما اور ہم کو اپنے اس دین کے لئے اپنی جانیں اور مال قربان کرنے کی ہمت و عزم عطا فرما۔ اور اپنے دین کی خدمت کسی نہ کسی درجہ میں ہم سب کے لئے مقدر فرما۔ یا اللہ! یہ قرآنی واقعات ہمارے لئے بھی باعث عبرت و نصیحت بنا دے۔ ہمارے دلوں پر جو دین سے غفلت کے پردے پڑ گئے ہیں ان کو چاک کر دے۔ یا اللہ! ہم کو تو آپ نے اپنی رحمت سے اشرف الانبیاء والمرسلین رحمتہ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا مگر افسوس صد افسوس کہ ہم نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر نہ پہچانی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ سے جان چرانے لگے۔ فسق و فجور ہوا و ہوس کے شکار ہو گئے۔ نفس و شیطان کے جال میں پھنس گئے۔ یا اللہ! اب ہم آپ کے رحم و کرم کے طالب ہیں۔ نبی الرحمتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے ہماری بدحالی کو نیک حالی سے مبدل فرما دے۔ ہم کو اپنا اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار بنا لے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۶۰﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۶۱﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

قوم لوطؑ نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے اُن کے بھائی لوطؑ (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں

أَمِينٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۴﴾

سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں تم سے اِس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ

کیا تم دنیا جہاں والوں میں سے تم مردوں کے پاس جاتے ہو۔ اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے بیبیاں پیدا کی ہیں اُن کو نظر انداز کئے رہتے ہو

عَادُونَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿۱۶۸﴾

بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اے لوطؑ اگر تم باز نہیں آ ؤ گے تو ضرور نکال دیئے جاؤ گے۔ لوطؑ نے فرمایا کہ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔

رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۱۷۰﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ

لوطؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو اور میرے متعلقین کو ان کے اس کام (کے وبال) سے نجات دے۔ سو ہم نے اُن کو اور اُن کے متعلقین کو سب کو نجات دی۔ بجز ایک بڑھیا کے

دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿۱۷۲﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۱۷۳﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً

کہ وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی۔ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے اُن پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا سو کیا بُرا مینہ تھا جو اُن لوگوں پر برسا جن کو ڈرایا گیا تھا۔ بیشک اس (واقعہ) میں (بھی) عبرت ہے،

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۴﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۷۵﴾

اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور بے شک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	قَوْمُ لُوطٍ قوم لوطؑ	بِالْمُرْسَلِينَ رسولوں کو	إِذْ جب	قَالَ کہا	لَهُمْ ان سے	أَخُوهُمْ انکے بھائی	لُوطٌ لوطؑ	أَلَا تَتَّقُونَ کیا تم ڈرتے نہیں
إِنِّي بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُولٌ رسول	أَمِينٌ امانت دار	فَاتَّقُوا پس تم ڈرو	اللَّهَ اللہ	وَأَطِيعُونِ اور تم میری اطاعت کرو		
وَمَا أَسْأَلُكُمْ اور میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ أَجْرٍ کوئی اجر	إِنْ نہیں	أَجْرِيَ میرا اجر	إِلَّا مگر۔صرف	عَلَىٰ پر	رَبِّ الْعَالَمِينَ رب العالمین	
أَتَأْتُونَ کیا تم آتے ہو	الذُّكْرَانَ مردوں کے پاس	مِنَ سے	الْعَالَمِينَ تمام جہانوں	وَتَذَرُونَ اور تم چھوڑتے ہو	مَا خَلَقَ جو اس نے پیدا کیا			
لَكُمْ تمہارے لئے	رَبُّكُمْ تمہارا رب	مِنْ سے	أَزْوَاجِكُمْ تمہاری بیویاں	بَلْ بلکہ	أَنْتُمْ تم	قَوْمٌ لوگ	عَادُونَ حد سے بڑھنے والے	
قَالُوا بولے وہ	لَئِنْ اگر	لَمْ تَنْتَهِ تم باز نہ آئے	يَا لُوطُ اے لوطؑ	لَتَكُونَنَّ البتہ ضرور تم ہوگے	مِنَ سے	الْمُخْرَجِينَ مُخرج (نکالے جانے والے		
قَالَ اس نے کہا	إِنِّي بیشک میں	لِعَمَلِكُمْ تمہارے فعل سے	مِنَ سے	الْقَالِينَ نفرت کرنے والے	رَبِّ اے میرے رب	نَجِّنِي مجھے نجات دے		
وَأَهْلِي اور میرے گھر والے	مِمَّا اس سے جو	يَعْمَلُونَ وہ کرتے ہیں	فَنَجَّيْنَاهُ تو ہم نے نجات دی اسے	وَأَهْلَهُ اور اس کے گھر والے	أَجْمَعِينَ سب			
إِلَّا سوائے	عَجُوزًا ایک بڑھیا	فِي الْغَابِرِينَ پیچھے رہ جانے والوں میں	ثُمَّ دَمَّرْنَا پھر ہم نے ہلاک کر دیا	الْآخَرِينَ دوسرے	وَ اور			

3

اَمْطَرْنَا ہم نے بارش برسائی	عَلَيْهِمْ ان پر	مَطَرًا ایک بارش	فَسَآءَ پس بری	مَطَرُ بارش	الْمُنْذَرِيْنَ ڈرائے گئے / اِنَّ بیشک
فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ ایک نشانی	وَ اور / مَا نہ	كَانَ تھے / اَكْثَرُهُمْ ان کے اکثر	مُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	وَ اور / اِنَّ بیشک
رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت صالح علیہ السلام اوران کی قوم کا ذکر ہوا تھا اب آگے ان آیات میں چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام اوران کی قوم کا بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور آپ کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ گزرا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آبائی وطن سے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی تو لوط علیہ السلام بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصر کا سفر اختیار کیا تو اس وقت بھی لوط علیہ السلام آپ کے ہم سفر رہے۔ مصر سے واپسی پر آپ منصب رسالت پر فائز ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کو سدوم اور عامورہ کی بستیوں کی طرف دین حنیف کی تبلیغ کے لئے بھیج دیا۔ یہ بستیاں اردن کی اس جانب واقع تھیں جہاں آج بحیرہ مردار یا بحر لوط واقع ہے جس کو انگریزی میں Dead Sea کہتے ہیں اور یہ تمام حصہ جواب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں خشک زمین تھی اوراس پر شہر آباد تھے جب قوم لوط پر عذاب آیا اوراس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے اور بھونچال آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا۔ اسی لئے اس کا نام بحر لوط یا بحر میت ہے۔ لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آکر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا ہیں کہ الامان الحفیظ۔ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہ تھی جو ان میں موجود نہ ہو۔ دنیا کی سرکش ۔مغرور۔ بداخلاق اور بداطوار اقوام کے دوسرے عیوب وفواحش کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث اور غیر فطری عمل کی موجد تھی

یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے وہ عورتوں کی بجائے مردلڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے۔ دنیا کی قوموں میں اس فعل قبیح اور غیر فطری عمل کا اس وقت تک کہیں رواج نہ تھا یہی خبیث اور بد بخت قوم تھی جس نے اس ناپاک عمل کی ایجاد کی۔ اسی لئے اس عمل کا نام ''لواطت'' مشہور ہے اوراس سے بھی زیادہ شرارت۔ خباثت اور بے حیائی یہ تھی کہ وہ اپنی اس بدکرداری کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور علی الاعلان فخر ومباہات کے ساتھ اس کے مرتکب رہتے یہ غیر فطری اور اخلاق سوز حرکت اس قوم میں شخصی اور انفرادی حدود سے بڑھ کر قومی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ اس کے علاوہ مسافروں کی رہزنی اور ڈاکہ زنی بھی ان میں رائج تھی جیسا کہ سورۂ عنکبوت ۲۰ ویں پارہ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اسی بدکردار اور بد بخت قوم کی ہدایت اور اصلاح کے لئے حضرت لوط علیہ السلام مامور فرمائے گئے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اس گمراہ قوم کی اصلاح کی انتہائی کوشش کی اور ان کو ان کی بے حیائیوں اور خباثت پر ملامت کی۔ شرافت وطہارت کی زندگی کی رغبت دلائی اور حسن خطابت اور نرمی کے ساتھ جو ممکن طریقے سمجھانے کے ہوسکتے تھے ان کو سمجھایا اور نصیحت کی اور گذشتہ اقوام کے بداعمالیوں کے نتائج وثمرات بتا کر عبرت دلائی مگر ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ پڑا اور آپ کی تکذیب کی اور مذاق اڑایا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قوم لوط نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی یعنی اگرچہ ان کی طرف صرف حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے پیغمبر مبعوث ہوئے تھے مگر انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور ایک پیغمبر کی تکذیب گویا اللہ کے تمام پیغمبروں کی تکذیب ہے

کیونکہ پیغام ہدایت اور تبلیغ حق سب پیغمبروں کا ایک ہی ہے۔
آگے بتلایا جاتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا اور ان پر یہ بات واضح کی کہ میں تم تک خدا کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمہارے اعمال بد کے عواقب اور نتائج سے تمہیں ڈراتا ہوں تا کہ تم خدا کا خوف کرو اور ہدایت اختیار کرو۔ اس وعظ و نصیحت سے میرا مقصد دنیاوی نام و نمود حاصل کرنا یا مال و دولت جمع کرنا نہیں ہے اس لئے کہ نہ تم سے مجھے کوئی لالچ ہے اور نہ تم سے میں کسی چیز کا طالب ہوں۔ میرا بدلہ تو صرف اس رب العالمین کے ذمہ ہے جس کی پیغام رسانی کا کام میرے سپرد ہوا ہے۔ اگر تم میں کچھ بھی عقل ہو تو سمجھ لو کہ ایسا شخص جس کی کوئی غرض نہ ہو اور جس کو تم سے کوئی طمع اور ہوس نہ ہو جھوٹ نہیں بولے گا اور نہایت امانت و دیانت سے خدا کا پیغام تم کو پہنچائے گا اس کے بعد آپ نے بار بار ان کی مخصوص گمراہی یعنی شہوت پرستی اور غیر فطری افعال کی طرف ان کو توجہ دلائی اور اس سے ان کو باز رکھنے کی کوشش کی اور سمجھایا کہ تم مردوں سے نفسانی تعلقات قائم کرتے ہو اور وہ جائز عورتیں جو فطرۃً جنسی تعلقات کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور مردوں کے جوڑے ہیں تم ان کو ترک کرتے ہو۔ یہ شہوت رانی کی انتہائی حد ہے اور دائرہ فطرت سے باہر قدم رکھنا ہے اور احکام الٰہیہ سے انتہائی سرکشی ہے۔ مگر انسان کی عقل پر جب مادی قوتوں کا عام تسلط ہو جاتا ہے اور روحانی طاقت نفسانی طاقتوں سے مغلوب ہو جاتی ہے تو علاوہ علم و ادراک سے غافل ہونے اور حقائق کائنات سے توجہ کو ہٹا لینے کے اس کی مادی قوتیں بھی صحیح کام نہیں کرتیں۔ اچھے برے مفید اور مضر اور صحیح و غلط کا فرق اس کو معلوم نہیں ہوتا۔ نفس کا گھوڑا بے لگام ہو جاتا ہے تو کھائی اور خندق کی تمیز نہیں رہتی۔ قوم لوط کی بصیرت بھی اندھی تھی اور عقل پر نفس و شہوت کا غلبہ تھا مشفق اور ناصح پیغمبر کی نصیحت کو

ماننا تو درکنار کہنے لگے کہ اے لوط اگر تم اس وعظ و نصیحت سے باز نہ آئے اور یونہی روکتے ٹوکتے رہے تو ہم اپنی بستی سے تم کو باہر نکال دیں گے۔ یہاں تمہیں رہنا نصیب نہ ہوگا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے جلاوطن کرنے کی کیا دھمکی دیتے ہو۔ میں اس دھمکی سے کہنے سننے اور وعظ و نصیحت سے نہ رکوں گا۔ میں تم سب کے سامنے تمہاری ان حرکتوں سے اپنی بیزاری اور نفرت اور برأت کا اعلان کرتا ہوں اور جب میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں تو کہنا سننا کیسے چھوڑ دوں گا۔ لوط علیہ السلام نے ہر چند خدا کے عذاب اور اس کے غضب سے ڈرایا مگر بدنصیب قوم اس پر بھی نہ سنبھلی اور عذاب الٰہی کا بھی یقین نہیں کیا اور جیسا کہ سورۂ عنکبوت ۲۰ویں پارہ میں بتلایا گیا کہ قوم کے منکروں نے کہا بھی تو یہ کہا کہ اگر تم واقعی سچے نبی ہو اور واقعی سچ کہتے ہو کہ ہمارے یہ کام خراب اور مستوجب عذاب ہیں تو دیر کیا ہے وہ عذاب لے آؤ۔ حضرت لوط علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس قوم پر عذاب آ کر رہے گا کیونکہ نہ صرف اس فعل شنیع کی مرتکب اور بانی ہے بلکہ اس کے جاری رکھنے پر اس قدر اصرار ہے کہ نصیحت کرنے والے پیغمبر کو اپنی بستی سے نکالنے پر تیار ہے اور جب ان کی فطرت اور طبائع اس قدر مسخ ہو چکی ہیں کہ خوف خدا کا کوئی شائبہ بھی دلوں میں باقی نہیں۔ عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور پیغمبر کے مقابلہ میں آمادہ ہیں تو قوم کی ہلاکت کے یہ آثار دیکھ کر آپ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے اور میرے اہل کو ان کی بدکرداری کے وبال و عذاب سے بچا لے۔ آیت میں اہل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اہل سے مراد صرف گھر والے ہی نہیں بلکہ وہ تمام مومن مراد ہیں جو حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے وہ سب آپ کے متبعین تھے اور آپ کے اہل کہلانے کے مستحق تھے اور جو باوجود قریبی تعلق اور

رشتۂ قرابت کے آپ کے فرمان پذیر نہ تھے۔ وہ آپ کے اہل کہلانے کے مستحق نہ تھے۔ نسبتی تعلق محض اعتباری ہے۔ اصل تعلق دین کا ہے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے اپنی قوم کا ساتھ دیا اور انہیں کے ساتھ تباہ ہوئی۔ قرآن پاک کی دوسری آیات میں جہاں حضرت لوط علیہ السلام کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ملائکہ عذاب دینے کے لئے سدوم پہنچے تو حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان ہوئے۔ یہ اپنی شکل صورت میں حسین وخوبصورت اور عمر میں نوجوان لڑکوں کی حیثیت میں تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان مہمانوں کو دیکھا تو گھبرا گئے اور خوف ہوا کہ بدبخت قوم میرے ان مہمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرے گی کیونکہ ابھی تک آپ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ خدا کے پاک فرشتہ ہیں ابھی حضرت لوط علیہ السلام اسی فکر ہی میں تھے کہ قوم کو خبر لگ گئی اور لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ آئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ تم ان کو ہمارے حوالہ کردو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بہت سمجھایا کہ کیا تم میں کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو انسانیت کو برتے اور حق کو سمجھے تم کیوں اس لعنت میں گرفتار ہو اور خواہشات نفس کے پورا کرنے کے لئے فطری طریق عمل کو اور حلال طریقہ سے عورتوں کو رفیقۂ حیات بنانے کی جگہ اس ملعون بے حیائی کے درپے ہو۔ حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کو دیکھ کر فرشتوں نے کہا آپ ہماری ظاہری صورتوں کو دیکھ کر نہ گھبرائیں۔ ہم ملائکہ عذاب ہیں اور خدا کے قانون جزائے اعمال کا فیصلہ ان کے حق میں اٹل ہے وہ اب ان کے سر سے ٹلنے والا نہیں آپ اور آپ کے اہل اس عذاب سے محفوظ رہیں گے مگر آپ کی بیوی ان ہی بے حیاؤں کی رفاقت میں رہے گی اور آپ کا ساتھ نہ دے گی۔ ان کے عذاب کا وقت صبح کا ہے آپ ابتدائے شب میں اپنے اہل سمیت اس بستی سے رخصت ہو جایئے اور آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ حضرت لوط علیہ السلام ملائکہ کی ہدایات کے موافق اس بستی سے مع رفقا کے رخصت ہو گئے لیکن آپ کی بیوی نے آپ کی رفاقت سے انکار کر دیا اور وہ سدوم ہی میں رہ گئی۔ آخر عذاب الٰہی کا وقت آ پہنچا تو اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا۔ پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا اور وہی ہوا جو گذشتہ قوموں کی نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہو چکا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے تذکرہ کو بھی انہی آیات پر ختم کیا گیا جن پر دوسرے انبیاء کے تذکرہ کو ختم کیا گیا تھا یعنی **ان فی ذٰلک لاٰیة وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھوالعزیز الرحیم** بیشک اس واقعہ میں بھی عبرت ہے اور باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا اور بڑی رحمت والا ہے کہ عذاب دے سکتا تھا مگر ابھی مہلت دے رکھی ہے۔

اب آگے ساتواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم اصحاب ایکہ کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو ہر طرح کے ظاہری و باطنی عذاب سے محفوظ و مامون فرمائیں۔ اور نافرمان قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٧٦ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝١٧٧ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

اصحاب الایکہ نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں

اَمِيْنٌ ۝١٧٨ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝١٧٩ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ

سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

الْعٰلَمِيْنَ ۝١٨٠ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝١٨١ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝١٨٢

تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان مت کیا کرو۔ اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝١٨٣ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

اور لوگوں کا اُن کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور سر زمین میں فساد مت مچایا کرو۔ اور اُس سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوقات

وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٨٤ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝١٨٥ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ

کو پیدا کیا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ بس تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے۔ اور تم تو محض ہماری طرح ایک آدمی ہو اور ہم تو تم کو جھوٹے لوگوں میں سے

لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝١٨٦ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝١٨٧ قَالَ

خیال کرتے ہیں۔ سو اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو شعیب (علیہ السلام) بولے

رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١٨٨ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ

کہ تمہارے اعمال کو میرا رب (ہی) خوب جانتا ہے۔ سو وہ لوگ اُن کو جھٹلاتے رہے پھر اُن کو سائبان کے واقعہ نے آ پکڑا، بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔

عَظِيْمٍ ۝١٨٩ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٩٠ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝١٩١

اس (واقعہ) میں (بھی) عبرت ہے، اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور بیشک آپ کا رب بڑی قوت والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

كَذَّبَ جھٹلایا	اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ایکہ (بن) والے	الْمُرْسَلِيْنَ رسول	اِذْ قَالَ جب کہا	لَهُمْ انہیں	شُعَيْبٌ شعیب	اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم ڈرتے نہیں؟
اِنِّيْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُوْلٌ رسول	اَمِيْنٌ امانت دار	فَاتَّقُوْا سو ڈرو تم	اللّٰهَ اللہ	وَاَطِيْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو
وَمَآ اَسْئَلُكُمْ اور میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ اَجْرٍ کوئی اجر	اِنْ نہیں	اَجْرِيَ میرا اجر	اِلَّا مگر صرف	عَلٰى پر
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رب العالمین	اَوْفُوْا تم پورا کرو	الْكَيْلَ ماپ	وَلَا تَكُوْنُوْا اور نہ ہو تم	مِنَ سے	الْمُخْسِرِيْنَ نقصان دینے والے	وَزِنُوْا اور وزن کرو
بِالْقِسْطَاسِ ترازو سے	الْمُسْتَقِيْمِ ٹھیک سیدھی	وَلَا تَبْخَسُوْا اور نہ گھٹاؤ	النَّاسَ لوگ	اَشْيَآءَهُمْ اُن کی چیزیں	وَلَا تَعْثَوْا اور نہ پھرو	فِي الْاَرْضِ زمین میں
مُفْسِدِيْنَ فساد مچاتے ہوئے	وَاتَّقُوْا اور ڈرو	الَّذِيْ وہ جس نے	خَلَقَكُمْ پیدا کیا تمہیں	وَالْجِبِلَّةَ اور مخلوق	الْاَوَّلِيْنَ پہلی	قَالُوْا وہ بولے (کہنے لگے)

إِنَّمَا اسکے سوانہیں	أَنْتَ تو	مِنَ سے	الْمُسَحَّرِيْنَ سحرزدہ	وَمَا أَنْتَ اور نہیں تو	إِلَّا مگر۔صرف	بَشَرٌ ایک بشر	مِثْلُنَا ہم جیسا	
وَإِنْ نَّظُنُّكَ اور البتہ ہم گمان کرتے ہیں تجھے	لَمِنَ البتہ۔سے	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹے	فَأَسْقِطْ سوتو گرا	عَلَيْنَا ہم پر	كِسَفًا ایک ٹکڑا	مِنَ سے کام		
السَّمَآءِ آسمان	إِنْ كُنْتَ اگر تو ہے	مِنَ سے	الصّٰدِقِيْنَ سچے	قَالَ فرمایا	رَبِّيْ میرا رب	أَعْلَمُ خوب جانتا ہے	بِمَا جو کچھ	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو
فَكَذَّبُوْهُ تو انہوں نے جھٹلایا اسے	فَأَخَذَهُمْ پس پکڑا انہیں	عَذَابُ عذاب	يَوْمِ الظُّلَّةِ سائبان والا دن	إِنَّهُ بیشک وہ	كَانَ تھا	عَذَابَ عذاب		
يَوْمٍ عَظِيْمٍ بڑا (سخت) دن	إِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَ اور	مَا كَانَ نہ تھے	أَكْثَرُهُمْ انکے اکثر	مُؤْمِنِيْنَ ایمان لانیوالے	
	وَإِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تیرا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ فرمایا گیا تھا اب آگے ان آیات میں ساتواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم اصحاب ایکہ کا بیان فرمایا جاتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم کا تذکرہ قرآن پاک میں سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور وہاں بتلایا گیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت قبیلہ مدین میں ہوئی تھی۔ یہاں سورۂ شعراء میں آپ کی قوم کا نام اصحاب الایکہ بتلایا گیا۔ اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قبیلہ کا نام ہے۔ چونکہ یہ قبیلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے تھا اس لئے باپ کی نسبت سے مدین کہلایا اور زمین کی طبعی اور جغرافی حیثیت سے اصحاب ایکہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ اصحاب ایکہ کے معنی ہیں جھنڈ والے۔ ''ایکہ'' ان سرسبز شاداب جھاڑیوں کو کہتے ہیں جو ہرے بھرے درختوں کی کثرت کی وجہ سے جنگلوں اور بنوں میں اگی رہتی ہیں۔ قبیلہ مدین جہاں آباد تھا یعنی بحر قلزم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے شمال مغرب میں شام کے متصل اس جگہ کو آب وہوا کی لطافت۔ نہروں اور چشموں کی کثرت نے اس قدر شاداب اور پرفضا بنادیا تھا اور یہاں میووں پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے اس قدر باغات اور چمن تھے کہ اگر ایک شخص آبادی سے باہر کھڑے ہوکر نظارہ کرتا تو اس کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ مقام ایک نہایت شاداب اور گھنے درختوں کا ایک بن ہے اسی وجہ سے قرآن کریم نے اس کو ''ایکہ'' کہہ کر تعارف کرایا۔ بہرحال حضرت شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم میں مبعوث ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ خدا کی نافرمانی اور معصیت کا ارتکاب صرف افراد میں ہی نہیں پایا جاتا بلکہ ساری قوم اپنی بداعمالیوں میں اس قدر سرمست وسرشار ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ جو کچھ ہورہا ہے معصیت اور گناہ ہے بلکہ اپنے ان اعمال کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ ان کی بہت سی بداخلاقیوں اور نافرمانیوں سے قطع نظر جن قبیح امور نے خصوصیت کے ساتھ اس قوم میں رواج پالیا تھا وہ مشرکانہ رسوم اور خرید وفروخت میں دھوکہ دہی۔ تمام معاملات میں کھوٹ اور ڈاکہ زنی تھے۔ دنیا کی قوموں کے عام رواج کے مطابق دراصل ان کے زمین اور باغوں کی زرخیزی اور شادابی۔ دولت وثروت کی فراوانی۔ اور خوشحالی نے ان کو اس قدر مغرور بنادیا تھا کہ وہ ان تمام امور کو اپنی ذاتی میراث اور اپنا خاندانی ہنر سمجھ بیٹھے تھے اور ایک ساعت کے لئے بھی ان کے دل میں یہ خطرہ نہیں گزرتا تھا کہ یہ سب کچھ خدائے تعالیٰ کی عطا وبخشش ہے شکر گزار ہوتے اور سرکشی سے باز رہتے۔ غرض ان کی فارغ البالی نے ان میں طرح طرح کی بداخلاقیاں اور قسم قسم کے عیوب پیدا کردیئے

تھے آخر سنت اللہ کے مطابق ان کو راہ حق دکھانے دعوت اسلام اور پیغام حق سنانے فسق و فجور سے بچانے اور امین و متقی اور بااخلاق بنانے کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو منصب نبوت سے نواز کر ان کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ شیریں کلامی۔ حسن خطابت۔ طرز بیان اور طاقت لسان میں بہت نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ اسی لئے مفسرین آپ کو خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی قوم کی بداعمالیوں کو دیکھ کر سخت دکھ محسوس کیا اور رشد و ہدایت کی تعلیم دیتے ہوئے قوم کو انہی اصول کی طرف بلایا جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت و ارشاد کا خلاصہ ہے۔ خدا کی توحید اور شرک سے بیزاری تو تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترک تعلیم تھی۔ اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام بھی وہی پیغام پہلے دیتے ہیں جو اور انبیاء کرام نے دیئے یعنی ایک اللہ سے ڈرو اور مجھے اس کا رسول مانو۔ مجھے اپنا پیغام حق جوں کا توں پہنچانے کے لئے اللہ نے اپنا پیغمبر مقرر کیا ہے اور میں اس حیثیت سے تمہیں اپنی پیروی کا حکم دیتا ہوں اور میں تمہیں اپنی پیروی اور اتباع کے لئے اس لئے نہیں کہتا کہ مجھے تم سے کوئی لالچ ہے اور میں اپنے لئے تم سے مال و جاہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میرے کام کا صلہ و بدلہ تو مجھے رب العالمین ہی دے گا۔ تم سے میں کچھ نہیں چاہتا۔ یہ بات سارے انبیاء پہلے جتلا دیتے ہیں تا کہ قوم انہیں صاحب غرض قرار دے کر ان سے بدک نہ جائے۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ناپ تول درست کرنے اور لین دین کو صحیح کرنے کی ہدایت فرمائی اور قوم سے فرمایا کہ جب کسی کو کوئی چیز ناپ کر دو تو پیمانہ بھر کر دو اسکے حق سے کم نہ کرو۔ اسی طرح دوسرے سے جب لو تو زیادہ لینے کی کوشش اور تدبیر نہ کرو۔ یہ کیا کہ لینے کے وقت پورا بلکہ زیادہ لو اور دینے کے وقت کم دو۔ دین و لین دونوں صاف اور پورے رکھو۔ ترازو اچھی رکھو جس میں تول صحیح آئے۔ بٹے بھی پورے رکھو اور تول میں عدل کرو۔ ڈنڈی نہ مارو۔ پھر کسی کی راہ نہ مارو۔ چوری چکاری لوٹ مار، غارت گری۔ رہزنی سے بچو۔ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر خوف زدہ کر کے مال نہ لوٹو۔ اس خدا سے ڈرو اور اس کے عذاب کا خوف رکھو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا اور تمہارا اور تمہارے بڑوں کا رب ہے۔ مگر جب انسان گمراہی کی دلدل میں دھنس جاتا ہے اور باطل کی سیاہی دل کو گھیر لیتی ہے اور مادی قوت و ثروت۔ مال دولت۔ صحت و تندرستی اور عیش وعشرت کی بنا پر دنیا کی خرافات کی کشش اسکے ہوش وحواس پر چھا جاتی ہے تو پھر اسکی سرکشی بھی دوبالا و سہ بالا ہو جاتی ہے اور پھر وہ شیطان کا چیلا بنے بغیر نہیں رہتا۔ الا ماشآء اللہ مگر جسے اللہ ہدایت کرے اور ایمان کی دولت بخشے۔ اکثر قومیں اسی بنا پر تباہ ہوئیں چنانچہ اصحاب ایکہ نے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کو آپکی پند و نصیحت۔ وعظ و تبلیغ کے جواب میں وہی جواب دیا جو پہلے بے دین اور منکرین اپنے پیغمبروں کو دیتے چلے آئے تھے کہ تم جادو زدہ ہو۔ تمہاری عقل ٹھکانے نہیں رہی تم نبی کس طرح ہو سکتے ہو۔ تم ہم جیسے انسان ہو۔ ہم پر تم کو کیا فوقیت ہے؟ ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو۔ ہم تمہارا پیغمبری کا دعویٰ تسلیم نہیں کرتے اور اگر واقعی تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی بات دکھاؤ جو اوروں سے نہیں ہو سکتی۔ مثلاً آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی توڑ کر ہم پر گرا دو۔ اکثر منکرین نے اپنے پیغمبروں سے ایسے ہی مطالبات کئے اس خیال سے کہ نہ یہ ایسا کر سکے گا نہ ہم اسے مانینگے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا رب تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے۔ تمہارا کوئی قول و عمل اللہ کے احاطہ علمی سے خارج نہیں۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ بداعتقادیاں۔ یہ

بدچلنیاں اور یہ گستاخیاں خدا کو معلوم نہیں وہ ضرور جانتا ہے اور مناسب وقت پر سزا بھی دیگا۔

اصحاب ایکہ کے اس مطالبہ اور حضرت شعیب علیہ السلام کے اس جواب میں کفار مکہ کے لئے بھی ایک تنبیہ تھی۔ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی مطالبے کرتے تھے۔ سورۂ بنی اسرائیل ۱۵ ویں پارہ میں کفار مکہ کے مطالبات نقل فرمائے گئے ہیں جہاں انہوں نے کہا **اوتسقط السمآء کما زعمت علینا کسفًا** یا تم ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادو جیسا کہ تم دعویٰ رکھتے ہو۔ اس لئے کفار مکہ کو سنایا جارہا ہے کہ ایسا ہی مطالبہ اصحاب ایکہ نے اپنے پیغمبر سے کیا تھا اس کا جو جواب انہیں ملا وہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی تمہاری طلب کا جواب ہے۔ آگے حق تعالیٰ بتلاتے ہیں کہ قوم حضرت شعیب علیہ السلام کو برابر جھٹلاتی رہی آخر اس کا نتیجہ وہی ہوا جو حق و باطل کا آخری مرحلہ ہے جس کے بعد خدائے تعالیٰ کا وہ قانون جس کو قانون ''پاداش عمل'' کہا جاتا ہے ایسی سرکش اور نافرمان اور متکبر قوموں کے لئے دنیا ہی میں نافذ ہوجاتا ہے اور ان کو ہلاک وتباہ کرکے آنے والی نسلوں اور قوموں کے لئے سامان عبرت ونصیحت مہیا کردیتا ہے۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں عذاب الٰہی نے آگھیرا۔ اس قوم پر تین قسم کا عذاب آیا تھا اور قرآن پاک میں تین مقامات پر تینوں کا بیان ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ ایک غیبی سخت آواز سے ان کے جگر پھٹ گئے اور یہاں سورۂ شعراء میں فرمایا کہ انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آپکڑا۔ اس **عذاب یوم الظلة** کی تشریح مفسرین نے یوں لکھی ہے کہ سات دن تک ان کے علاقہ میں وہ سخت گرمی پڑی کہ الامان الحفیظ۔ کسی جگہ کسی سایہ میں کہیں ٹھنڈک یا راحت میسر نہ تھی۔ تڑپ اٹھے۔ بے قرار ہوگئے۔ سات دن کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک سیاہ بادل ان کی طرف چلا آرہا ہے۔ وہ آکر ان کے سروں پر چھا گیا یہ سب گرمی اور حرارت سے زچ ہوگئے تھے اس کے سایہ میں راحت وٹھنڈک پاکر سارے کے سارے اس کے نیچے پہنچ گئے جب سب جمع ہوگئے تو ابر پھٹا اور اس میں سے آگ برسنے لگی۔ ساتھ ہی ہولناک زلزلہ آیا اور زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگی اور اس زور کی آواز آئی کہ جس سے ان کے دل پھٹ گئے اور سارے کے سارے بہ یک آن تباہ وبرباد ہوگئے۔ اس دن کے سائبان والے عذاب نے ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ جہاں قوم کے منکرین کا یہ حال ہوا وہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں بتلایا گیا حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے ساتھی جو آپ پر ایمان لے آئے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بچالیا۔ آخر میں اس قصہ کو انہیں آیات پر ختم کیا گیا جن پر گذشتہ چھ انبیاء کے واقعات کو ختم کیا گیا تھا یعنی **ان فی ذٰلک لاٰیة وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھوالعزیز الرحیم** یعنی اس واقعہ میں بھی عبرت ہے اور باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا اور بڑی رحمت والا ہے کہ عذاب نازل کرسکتا ہے مگر مہلت دے رکھی ہے۔

یہاں تک اس سورۃ میں سات انبیاء کرام اور ان کی اقوام کے قصہ بیان فرماکر اس سلسلہ کو ختم فرمایا گیا ان قصص قرآن کا مقصد شروع سورۃ میں بھی عرض کیا گیا تھا اور خود سورۂ ہود میں قرآن کریم نے جو مقاصد ان قصص کے بیان کئے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے ایک آیت میں ارشاد ہوتا ہے **وکلا نقص علیک من انباء الرسل مانثبت به فؤادک وجاء ک فی ھٰذہ الحق وموعظة وذکریٰ للمؤمنین** (اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ

سب قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اوران قصوں کے اندر آپ کے پاس حق پہنچا ہےاوران میں نصیحت اور یاددہانی اہل ایمان کے لئے ہے) گویا اس آیت میں قصص قرآن کی چار حکمتیں بیان کی گئیں۔

(۱) پہلی مصلحت کا تعلق خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تھا۔آپ کا جذبہ تبلیغ دین چونکہ درجہ کمال پر پہنچا ہوا تھا اس لئے قوم کے اعراض اور سرکشی کو دیکھ کر آپ مضطرب اور بے چین ہوتے اس لئے آپ کی تسلی کے لئے گذشتہ انبیاء کرام کے واقعات سنائے تا کہ یہ امر واضح ہوجائے کہ معاندین اور مخالفین کا یہ بغض وعناد صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء سلف کے ساتھ منکرین کا یہی معاملہ رہا۔ پھر بھی فتح ہمیشہ حق کی ہوئی۔اس سے مقصود یہ ہے کہ آپ کے قلب مبارک کوسکون حاصل ہو۔

(۲) دوسری مصلحت یہ ہے کہ ان قصص میں دین الٰہی کا نچوڑ ہے۔ شریعتیں گاہ بگاہ وقت کی ضرورت اور مشیت الٰہی کے مطابق بدلتی رہی ہیں مگر دین حق ہمیشہ سے ایک ہی ہے اور ہر نبی ہر زمانہ میں اسی کی تعلیم دیتا ہوا آیا ہے۔

(۳) تیسرے ان قصص میں مومنین کے لئے نصیحت ہے۔ چونکہ یہ سرگذشتیں ایسے واقعات سے پُر ہیں جو برائی۔گمراہی۔ نافرمانی اور سرکشی سے روکتے ہیں اور ایمان وتقویٰ ونیکی کی ترغیب دلاتے ہیں۔

(۴) چوتھے یہ قصص لوگوں کے لئے سامان عبرت رکھتے ہیں چونکہ پچھلی اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج وانجام کو دیکھ کر خود اپنی بداعمالیوں پر نظر جائے گی اوران کے انجام سے خوف پیدا ہوگا جو عبرت کا کام کرے گا۔ اور معلوم ہوگا کہ خدا کا قانون مکافات ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے جس نے دین حق کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ کامیاب اور بامراد رہا اور جو اس سے بھٹکا اور اعراض حق معصیت اور طغیان کو اختیار کیا اس کا نتیجہ ہمیشہ بربادی اور تباہی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

اب یہ سات انبیاء کرام کے تاریخی واقعات بیان فرما کر سلسلہ کلام اسی مضمون کی طرف پھرتا ہے جس سے سورۃ کا آغاز فرمایا گیا تھا یعنی قرآن کریم اور کتاب مبین کی حقانیت جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کی کامل پابندی ظاہر میں اور باطن میں نصیب فرمائیں۔ اور مومنین مخلصین کی سی کامیابی دین و دنیا میں عطا فرمائیں۔ اور نافرمانوں اور سرکشوں کی بداطواری اور بداخلاقی اوراس کے انجام بد سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔

یااللہ! دنیا آپ کی اور آپ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات کو مانے یا نہ مانے۔ ہم جو قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کے تمام انبیاء ورسل پر ایمان لائے ہیں ہم کو اپنی ہدایت سے محروم نہ فرما۔ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمادے۔ ہمیں اپنی ذات عالی اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح تعلق نصیب فرمادے۔ جن مقاصد کے لئے یہ قرآنی قصص قرآن کریم میں سنائے گئے ہیں ہمیں ان سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے۔اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تا کہ آپ (بھی) منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ

اور اس (قرآن) کا ذکر پہلی اُمتوں کی (آسمانی) کتابوں میں ہے۔کیا ان لوگوں کیلئے یہ بات دلیل نہیں ہے

عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾

کہ اس کو علماء بنی اسرائیل جانتے ہیں۔

وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ	لَتَنْزِيْلُ البتہ اتارا ہوا	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں کا رب	نَزَلَ بِهِ اس کے ساتھ (لے کر) اُترا	الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ جبریل امین			
عَلٰى پر	قَلْبِكَ تمہارا دل	لِتَكُوْنَ تا کہ تم ہو	مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ڈرسنانے والوں میں سے	بِلِسَانٍ زبان میں	عَرَبِيٍّ عربی	مُّبِيْنٍ روشن (واضح)	
وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ	لَفِيْ میں	زُبُرِ صحیفے	الْاَوَّلِيْنَ پہلے (پیغمبر)	اَوَ کیا	لَمْ يَكُنْ نہیں ہے	لَّهُمْ ان کیلئے	اٰيَةً ایک نشانی
	اَنْ يَّعْلَمَهٗ کہ جانتے ہیں اس کو	عُلَمٰٓؤُا علماء	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل				

تفسیر وتشریح:۔اس سورۃ کی ابتدا قرآن کریم کے ذکر سے فرمائی گئی تھی کہ یہ قرآن ایک واضح اور کھلی کتاب ہے جو اللہ عزوجل نے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کی ہے اوراس کی تکذیب پر دھمکی دی تھی۔اور وعید سنائی گئی تھی۔درمیان میں منکرین اور مکذبین حق کے کئی واقعات بیان ہوئے جن میں بتلایا گیا کہ منکرین کو حق سے انکار کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑا۔پھر سلسلۂ کلام اسی مضمون سابق یعنی قرآن کریم کی حقانیت پر فرمایا جارہا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ قرآن کریم اور کتاب مبین وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جسے رب العالمین نے نازل فرمایا ہے یعنی یہ کسی انسان یا مخلوق کی من گھڑت چیز نہیں ہے یا اسے جیسا کہ مخالفین اور معاندین الزام لگاتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تصنیف نہیں کرلیا ہے بلکہ یہ پروردگار عالم رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں یہ جو فرمایا کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے تو لفظ رب العالمین دو باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فرمایا۔اول یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہماری جسمانی پرورش کرتے ہیں۔رزق اور روزی دیتے ہیں اسی طرح روحانی تربیت بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور روحانی تربیت کا ذریعہ وحی اور پیغمبر پر کتاب نازل کرنا ہے دوسرے یہ کہ منکرین جو اس نعمت آسمانی کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں اور پھر اب تک گرفت اور عذاب سے بچے ہوئے ہیں تو اس کا یہی سبب ہے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جس کا شیوہ رحمت عام ہے ورنہ دیکھئے کہ کیا ہوتا اور اسی لئے جو گذشتہ واقعات اور قصص سنائے گئے ان میں سے ہر ایک کو **وان ربک لھو العزیز الرحیم** پر ختم فرمایا گیا جس سے قرآن کے مخالفوں کو یہ جتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں دم بھر میں ہلاک کرسکتے ہیں لیکن رحیم بھی ہیں اور رب ہیں تمہاری پرورش کرنے والے ہیں۔تم پر ترس کھانے والے ہیں اس لئے مہلت دے رکھی ہے۔تو اوپر یہ جو فرمایا تھا کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اس پر یہ شبہ باقی رہتا تھا کہ رب العالمین نے کس طرح سے نازل کیا ہے؟ کیا یہ لکھی لکھائی کتاب آسمان سے گر پڑی یا فرشتہ لے کر آیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب سے آواز آتی ہے یا براہ راست خدا تعالیٰ آپ سے باتیں کرتا ہے۔کیا صورت ہے؟ اس کی کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے کہ روح الامین کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اتاری گئی صاف اور شگفتہ اور واضح عربی زبان میں۔یعنی پیام الٰہی کا القا اللہ کے فرشتہ نے رسول خدا کے دل پر کیا۔یہاں روح الامین سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں سورۂ بقرہ میں صراحت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر کلام الٰہی کا القا کرتے ہیں۔یہاں نام لینے کی بجائے ان کے لئے روح الامین یعنی امانت دار روح کا لقب استعمال فرمایا گیا۔اور روح اور امین

ان دولفظوں کے یہاں لانے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ رب العالمین کی طرف سے اس تنزیل کو لے کر کوئی مادی طاقت نہیں آئی ہے جس کے اندر تغیر وتبدل کا امکان ہو بلکہ وہ ایک خالص روح ہے اور پوری طرح امین ہے خدا کا پیغام جیسا اس کے سپرد کیا جاتا ہے ویسا ہی بلا کمی بیشی سے پہنچا دیتی ہے اپنی طرف سے کچھ بڑھانا یا گھٹانا اس کے لئے ممکن نہیں۔ حاصل یہ کہ یہ قرآن کریم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک تک جبرئیل امین جیسے زبردست محافظ نے پہنچایا ہے جن کے لائے ہوئے پیام پر کسی غلطی یا تحریف کا امکان نہیں۔ اب ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ جبریل علیہ السلام کی معرفت کلام کا نزول کیا غرض ومقصد رکھتا ہے۔ اس کا جواب لتکون من المنذرین میں دیا گیا یعنی جس طرح اور پیغمبروں نے اپنی امت کو احکام الٰہیہ پہنچائے آپ بھی پہنچائیں اور گمراہ انسانوں کو پیام ہدایت دے کر خلاف ورزی کرنے والوں کو ہلاکت اور عذاب سے ڈرائیں۔ اب ایک یہ وہم ہوسکتا تھا کہ جبرئیل امین کا القا تو روحانی ہوگا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں معانی کا الہام ہوا ہو اور ان معانی کو الفاظ کا جامہ پہنا کر خود آپ نے پیش کردیا ہو۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا بلسان عربی مبین یعنی وہ امانت دار روح اس کلام کو صاف صاف عربی زبان میں لائے ہیں یعنی جبرئیل علیہ السلام کا القا صرف القاء معانی نہیں بلکہ معانی الفاظ سمیت خدائے تعالیٰ کی طرف سے عربی زبان میں نازل کئے جاتے ہیں۔ پھر آگے صداقت قرآن کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ اس قرآن کا ذکر پہلی امتوں کی آسمانی کتابوں میں بھی ہے کہ ایک ایسی ایسی شان کا پیغمبر ہوگا اور اس پر ایسا کلام نازل ہوگا۔ انبیاء سابقین برابر نبی آخرالزمان کی پیشین گوئی کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ توریت وانجیل وغیرہ میں باوجود بہت سی تحریف اور تبدیل کے اب تک بھی ایک ذخیرہ اس قسم کی پیشین گوئیوں کا پایا جاتا ہے جسے علماء اور مفسرین نے جمع بھی فرمایا ہے۔ جس وقت یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ظاہر ہے کہ اس وقت مدینہ میں اسلام نہ پھیلا تھا جہاں علمائے یہود موجود تھے اور اہل مکہ اور مشرکین عرب دین الٰہی کا حامل اور علم کا خازن بنی اسرائیل یعنی یہود کے علماء کو جانتے تھے تو کفار مکہ کو قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت معلوم کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اسرائیلی علماء نبی آخرالزمان کے احوال یعنی خصوصی صفات اور حلیہ وغیرہ اپنی کتابوں کی بنا پر بخوبی جانتے ہیں تو اہل مکہ جو کتابی علم سے ناآشنا سہی مگر بنی اسرائیل کے اہل علم تو گردوپیش کے علاقوں میں موجود ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے اور یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی خبر پہلے سے آسمانی صحیفوں میں دی گئی تھی چنانچہ بعض انصاف پسند اسی علم کی بنا پر مسلمان ہوگئے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز ہونے سے قبل ہی بحیرا راہب نے شناخت کرلیا تھا اور آپ کے چچا ابوطالب سے کہہ دیا تھا کہ یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی بشارت مسیح علیہ السلام نے دی۔ تمام علمائے بنی اسرائیل نبی آخرالزمان کے پیدا ہونے کے تو پہلے ہی سے منتظر تھے اور تمام صفات واحوال وبشارات کو اپنی مذہبی کتابوں میں پڑھتے تھے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو دنیوی اغراض کی خاطر منکر ہوگئے اور بقدر امکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات واحوال کو اپنی کتابوں سے نکال ڈالا۔ یہود کی مذہبی کتابوں میں نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ آپ کے خلفائے راشدین تک کے حالات موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں بیت المقدس کے محاصرہ کے وقت جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود تشریف لے گئے اور بیت المقدس کے سب سے بڑے راہب نے آپ کو شناخت کیا تو اپنی کتابوں کی صراحت کے موافق شہر کو مسلمانوں کے حوالہ کردیا۔

الغرض کفار مکہ ومشرکین عرب کو قرآن کے حقانیت کی ایک دلیل یہ دی گئی کہ پہلے نبیوں پر جو کتابیں آئیں ان میں اس آخری کتاب اور نبی آخرالزمان کا ذکر موجود ہے جو علمائے یہود خوب جانتے ہیں تو کیا یہ اس بات کی نشانی نہیں کہ یہ کتاب اور یہ نبی برحق ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حقانیت قرآن کے سلسلہ میں یہاں یہ بتلایا گیا کہ قرآن کس کا بھیجا ہوا ہے کس کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور کس پر بھیجا ہے اور کس لئے بھیجا ہے اور کس زبان میں بھیجا ہے نیز یہ کہ حقانیت قرآن اور صاحب قرآن پہلی آسمانی کتابوں تک میں موجود ہے۔ تو ان حقائق کے باوجود جو بعض کفار مکہ ایمان نہیں لاتے تو اس کا کیا وجہ ہے؟ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ

اور اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی پر نازل کر دیتے۔ پھر وہ اُن کے سامنے اس کو پڑھ بھی دیتا یہ لوگ تب بھی اس کو نہ مانتے۔ ہم نے اسی طرح اس ایمان نہ لانے کو

فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا

ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔ یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ سخت عذاب کو نہ دیکھ لیں گے۔ جو اچانک ان کے سامنے آ کھڑا ہوگا

يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ

اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ پھر کہیں گے کہ کیا ہم کو مہلت مل سکتی ہے۔ کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کی تعجیل چاہتے ہیں۔ اے مخاطب ذرا بتلاؤ تو اگر ہم ان کو

سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ

چند سال تک عیش میں رہنے دیں۔ پھر جس (عذاب) کا اُن سے وعدہ ہے وہ اُن کے سر پر آ پڑے۔ تو اُن کا وہ عیش کس کام آ سکتا ہے۔ اور جتنی بستیاں (منکرین کی) ہم نے

قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾

(عذاب سے) غارت کی ہیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے آئے اور ہم ظالم نہیں ہیں۔

وَلَوْ اور اگر	نَزَّلْنٰهُ ہم نازل کرتے اسے	عَلٰى بَعْضِ کسی پر	الْاَعْجَمِيْنَ عجمی (غیر عربی)	فَقَرَاَهٗ پھر وہ پڑھتا اسے	عَلَيْهِمْ انکے سامنے	مَا نہ
كَانُوْا وہ ہوتے	بِهٖ اس پر	مُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	كَذٰلِكَ اسی طرح	سَلَكْنٰهُ یہ چلایا ہے (انکار داخل کر دیا ہے)	فِيْ قُلُوْبِ دلوں میں	
الْمُجْرِمِيْنَ مجرم	لَا يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہ لائیں گے	بِهٖ اس پر	حَتّٰى یہاں تک کہ	يَرَوُا وہ دیکھ لیں گے	الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ دردناک عذاب	
فَيَاْتِيَهُمْ تو وہ آجائے گا ان پر	بَغْتَةً اچانک	وَهُمْ اور انہیں	لَا يَشْعُرُوْنَ خبر (بھی) نہ ہوگی	فَيَقُوْلُوْا پھر وہ کہیں گے	هَلْ کیا	نَحْنُ ہم۔ ہمیں
مُنْظَرُوْنَ مہلت دی جائے گی	اَفَبِعَذَابِنَا کیا پس ہمارے عذاب کو	يَسْتَعْجِلُوْنَ وہ جلدی چاہتے ہیں	اَفَرَءَيْتَ کیا تم نے دیکھا؟	اِنْ اگر		
مَتَّعْنٰهُمْ ہم انہیں فائدہ پہنچائیں	سِنِيْنَ کئی برس۔ برسوں	ثُمَّ پھر	جَآءَهُمْ پہنچے ان پر	مَا جو	كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ انہیں وعید کی جاتی تھی	
مَآ اَغْنٰى کیا کام آئے گا؟	عَنْهُمْ ان کے	مَا جو (جس سے)	كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ وہ فائدہ اٹھاتے تھے	وَ اور	مَآ اَهْلَكْنَا نہیں ہلاک کیا ہم نے	
مِنْ قَرْيَةٍ کسی بستی کو	اِلَّا مگر	لَهَا اس کیلئے	مُنْذِرُوْنَ ڈرانے والے	ذِكْرٰى نصیحت کیلئے	وَمَا كُنَّا اور نہ تھے ہم	ظٰلِمِيْنَ ظلم کرنیوالے

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حقانیت قرآن کا مضمون ذکر فرمایا گیا تھا اسی سلسلہ میں کفار مکہ اور مشرکین عرب ازراہ عناد قرآن کریم پر جو طرح طرح کے شبہات و اعتراضات کرتے تھے ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

بعض کفار کا یہ خیال تھا کہ چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں۔ آپ کی زبان عربی ہے اور قرآن بھی عربی میں ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود ہی بنالیا ہے اگر یہ کسی عجمی یعنی غیر عربی زبان کے انسان پر اترتا جو ایک حرف عربی کا بولنے پر قادر نہ ہوتا اور پھر وہ عربی قرآن پیش کرتا تو یہ ایک کھلا ہوا معجزہ ہوتا اور ہم اس وقت مان لیتے۔ اور ہم کو اس شبہ کی گنجائش نہ ہوتی۔ حق تعالیٰ منکرین کے

اس شبہ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ان منکرین کی ہٹ دھرمی کا حال تو یہ ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی عجمی یعنی غیر عربی زبان رکھنے والے پر اس قرآن کا نزول ہوتا تب بھی یہ معاندین اس کی تصدیق نہ کرتے۔ اس وقت یہ شبہ کرتے کہ اس شخص کی زبان تو عربی ہے نہیں کسی دوسرے نے اس کو سکھا دیا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین کے دلوں میں تو انکار گھس گیا ہے اور یہ تو عناد میں اندھے ہو رہے ہیں اور جو جرائم اور گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور اپنے قویٰ کو شرارت اور سرکشی میں لگا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی عادت کے موافق ڈھیل چھوڑ دیتے ہیں اور اس کے دل میں انکار وتکذیب کے اثر کو جاگزیں کر دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ انکار کفار مکہ کے دلوں میں گھس گیا ہے یہ کسی طرح ایمان لانے والے نہیں۔ ہاں جب عذاب الٰہی ایک دم سر پر پہنچ جائے گا۔ مرنے کے وقت یا برزخ میں یا آخرت میں اس وقت کہیں گے کہ کیا ہمیں تھوڑی سی مہلت دی جاسکتی ہے کہ توبہ کر کے اپنا چال چلن درست کر لیں اور ایمان لا کر نیکیاں کر لیں اور پیغمبر کا اتباع کر کے دکھلائیں اور حق کی پیروی کریں۔ مگر پھر وہ وقت نہ مہلت کا ہے۔ نہ قبول ایمان کا اور نہ نیکیاں کمانے کا اس وقت کی ان کی تمنائیں کہ اگر ذرا سی بھی مہلت پائیں تو نیک صاحب ایمان بن جائیں بالکل بے سود ہوں گی۔ اور یہ کچھ انہی منکرین پر موقوف نہیں۔ ہر ظالم۔ فاجر۔ فاسق۔ کافر بدکار۔ عذاب کو دیکھتے ہی سیدھا ہو جاتا ہے اور توبہ تلا کرتا ہے مگر سب لاحاصل۔ فرعون ہی کو دیکھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تک سمجھاتے رہے تو سمجھ میں نہ آئی۔ جب عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر پانی میں ڈوبنے لگا تو اس وقت کہنے لگا کہ اب میں ایمان لاتا ہوں لیکن جواب ملا کہ یہ ایمان بے سود ہے۔ پھر گذشتہ اقوام کی طرح کفار مکہ کی ایک بدبختی اور بیان ہو رہی ہے جب منکرین قرآن میں مضامین وعید وعذاب کے سنتے تو براہ استہزا و انکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب کا تقاضہ کرتے کہ اگر سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ۔ اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ ہماری وعیدوں کو سن کر یہ لوگ ہمارے عذاب کی عجلت کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ عذاب کے آنے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ ہم ہمیشہ ایسے ہی عیش وعشرت کی زندگی گزارتے رہیں گے۔ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ اگر بالفرض ان کا بھروسہ صحیح ہی ہو اور انہیں دنیا میں عیش وعشرت کے لئے برسہا برس کی مہلت بھی مل جائے لیکن پھر جس عذاب کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر آ پڑے تو ان کا یہ چند سال کا عیش وآرام جو براہ مہلت ہے وہ ان کے کس کام آسکتا ہے۔ اور ان کو مہلت دینا تھوڑی یا بہت یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے اور یہ کچھ ان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ گذشتہ اقوام اور پہلی امتوں کو بھی مہلتیں ملی ہیں۔ چنانچہ جتنی بستیاں منکرین کی پہلے عذاب سے غارت ہوئیں ان کا تختہ یونہی ایک دم نہیں الٹ دیا گیا۔ عذاب بھیجنے سے پہلے کافی مہلت دی گئی اور تنبیہ کرنے والے پیغمبر بھیجے گئے کہ لوگ غفلت میں نہ رہیں۔ جب کسی طرح نہ مانے تو ہلاک کئے گئے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی ظلم نہ تھا۔ ظلم تو اس وقت ہوتا کہ جب ہلاک کرنے سے پہلے انہیں سمجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش نہ کی گئی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنے والے نہیں۔ وہ تو پہلے اپنا رسول بھیج کر نیک وبد سمجھا دیتے ہیں اور ہر ایک کے انجام سے آگاہ کر دیتے ہیں۔

ابھی منکرین کے بعض دیگر شبہات واعتراضات اور ان کے جوابات کا سلسلہ جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو کفر وشرک سے بچا کر ایمان واسلام اور قرآن جیسی نعمتیں عطا فرمائیں۔ یا اللہ! ہم آپ کے کرم ورحم کے طالب ہیں۔ اپنی خطاؤں کے مقر ہیں۔ ہمیں اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق نصیب فرما دے۔ ہماری خطاؤں سے درگذر فرما دے اور ہمیں مرتے دم تک ہدایت پر قائم رہنے کی سعادت عطا فرما دے آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں آئے۔ اور یہ اُن کی حالت کے مناسب ہی نہیں اور وہ اس پر قادر بھی نہیں۔ کیونکہ وہ شیاطین (وحی آسمانی) سننے سے روک دیئے گئے ہیں۔

وَ اور	مَا تَنَزَّلَتْ نہیں اترے	بِهٖ اسے لے کر	الشَّيٰطِيْنُ شیطان	وَمَا يَنْۢبَغِيْ اور سزاوار نہیں	لَهُمْ ان کو	وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اور نہ وہ کر سکتے ہیں
اِنَّهُمْ بیشک وہ	عَنِ سے	السَّمْعِ سننا	لَمَعْزُوْلُوْنَ دُور کردیئے گئے ہیں			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حقانیت وصداقت قرآن کے سلسلہ میں بتلایا گیا تھا کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے اس کو نازل کیا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر عربی زبان میں اس کا القاء کرتے ہیں۔ کفار مکہ اور مشرکین عرب اگرچہ قرآن پاک کے معجزانہ بیان۔ فصاحت وبلاغت اور اس کی دلآویزی اور دلربائی سے متاثر ہوتے مگر اسکی صداقت وحقانیت پر جہل اور عناد کی وجہ سے طرح طرح کے الزامات لگاتے اور شبہات نکالتے۔ اسلام سے پہلے کفار مکہ اور مشرکین عرب نور نبوت اور قوت قدسیہ سے تو واقف ہی نہ تھے اس لئے ایام جاہلیت میں عرب غیبی طاقت اور فوق البشریت قوت کا مالک صرف تین گروہوں کو خیال کرتے یا تو ساحر ان کی نظر میں غیر معمولی تصرفات کرتے تھے اور جادو کی طاقت ان کو تسخیر کن نظر آتی تھی۔ یا کاہنوں کا تعلق ان کو عالم بالا سے معلوم تھا اور کاہن کے پاس ایک غیبی مخلوق کا آنا اور واقعات عالم کی قبل از وقت اطلاع دینا ان کے نزدیک مسلم تھا یا شاعروں کے پاس جنات و شیاطین کے آنے اور الہام اور القا کرنے کے وہ قائل تھے۔ یہی تین طبقہ ایام جاہلیت میں بشریت سے بالاتر طاقت کے حامل سمجھے جاتے تھے اسی لئے کفار جب قرآن پاک کو سنتے تو اس کے معجزانہ زبان۔ اس کی فصاحت وبلاغت۔ الفاظ کی بندش۔ کلام کی روانی۔ پھر معانی کی دلفریبی اور دلربائی سے ایسے متاثر اور ششدر اور حیران ہوتے کہ کبھی اس کو سحر اور معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کبھی اس کو شعر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور کبھی اس کو کہانت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن کہنے لگتے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے چند واقعات مختصراً عرض کئے جاتے ہیں کہ کفار مکہ کس طرح قرآن کی زبان وبیان سے متاثر ہوجاتے تھے اسی لئے وہ اپنی خیریت اسی میں سمجھتے تھے کہ قرآن پاک کو سنا ہی نہ جائے۔ سیرت وتاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب سرداران قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر قسم کی ترغیب اور طمع دینے کے لئے عتبہ کو بھیجا اور عتبہ نے امارت وسرداری۔ مال ودولت۔ حسن وجمال غرض ہر قسم کی کشش پیدا کرنے والی چیز کی پیشکش کی تو اس کے پیغام کے جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ عتبہ نے بے خود ہوکر اپنے ہاتھ سے دہن مبارک بند کردیا اور بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں اپنے خدا کا واسطہ یہ کلام نہ پڑھو میرا دل کھنچتا ہے۔ پھر بارگاہ نبوت سے واپس جا کر اپنے گھر میں گوشہ نشین ہوگیا۔ سرداران قریش کے غیرت دلانے سے باہر نکلا تو کہنے لگا کہ میں نے ایسا کلام سنا ہے جو کبھی نہیں سنا تھا جس نے مجھے بے خود کردیا۔ میں اب پیام رسانی نہیں کرسکتا۔ دوسرا واقعہ سنئے۔ شروع شروع جب مکہ میں مسلمانوں پر کفار کی طرف سے قہر وغضب کے پہاڑ توڑے جارہے تھے اس وقت بحکم الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے صحابہ کی ایک جماعت حبش کی طرف ہجرت کرگئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ آپ بھی کسی طرف چلے جائیں۔ ابوالدغنہ جو مکہ کا ایک رئیس تھا اس نے کہا کہ میں ہرگز آپ جیسے شریف انسان کو جانے نہ دوں گا آپ میرے ساتھ چلئے اور میرے ساتھ رہئے۔ چنانچہ کچھ دنوں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے ہاں رہے۔ آپ غاروں میں قرآن شریف پڑھتے تو کفار ان کے بچے ان کی عورتیں آپ کے اردگرد اس کثرت

سے جمع ہوجاتے کہ میلا لگ جاتا۔ وہ قرآن کی زبان اوراس کے بیان سے ایسے متاثر ہوتے کہ آخران کے سرداروں کوابوالدغنہ سے شکایت کرنی پڑی کہ اگرتم نے ابوبکر کو پناہ دی تو ان کوزور سے قرآن پڑھنے کو منع کردو۔ مبادا ہمارے بچے ہماری عورتیں اور ہمارے مرداس کلام سے متاثر ہوکر مسلمان نہ ہوجائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو فرمایا کہ مجھ کوابوالدغنہ کی بجائے صرف اللہ رب العزت کی پناہ درکار ہے۔ تیسرا واقعہ سنئے کہ صرف عوام ہی نہیں بڑے بڑے شعرائے عرب نے بھی جب قرآن کریم کی زبان سنی۔ تو اپنی زبان بھول گئے۔ شعرائے عرب خصوصاً شعرائے قریش کا دستور تھا کہ ہرصبح وہ خانہ کعبہ کے گرد بیٹھتے اوراپنا تازہ کلام سناتے اور داد تحسین حاصل کرتے ایک روز ایک صحابی نے چپکے سے خانہ کعبہ کی دیوار پر قرآن شریف کی سب سے چھوٹی سورۃ سورۂ کوثر لکھ دی کہ دیکھیں کلام عرب کے ماہرین شعرا اور قریش کے فصحا و بلغا اس کے متعلق کیا رائے ظاہر کرتے ہیں۔ جب صبح ہوئی اور شعراء جمع ہوئے اوران کی نظر سورۂ کوثر کی طرف گئی تو شعراء نے اس دن اپنا کلام سنانا پسند نہیں کیا اور دیر تک وہ اس مختصر سی سورۃ کی فصاحت و بلاغت اور اس کی دلآویزی اور دلربائی پر غور کرتے رہے پھران میں کا سب سے بڑا شاعر آگے بڑھا اور سورۃ کے نیچے یہ الفاظ لکھ دیئے ماھٰذا قول البشر۔ یہ تو کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ خیر یہ واقعات تاثیر قرآنی کے بیچ میں ضمناً آ گئے تھے۔

روایات میں ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی جن آ کر یہ قرآن سکھلا جاتا ہے۔ اور بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ تمہارے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ تعالیٰ) تو جہاں کفار کے اوراعتراضات اور شبہات قرآن پر تھے وہاں ایک یہ بھی تھا کہ جنات یا شیاطین میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست ہے اور وہ سکھا جاتا ہے اوراس کے قول کو یہ کلام الٰہی کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان آیات میں اس خیال کی تردید فرماتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کلام جورب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اس کو شیاطین یا جنات جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے لے کر نہیں آئے اورا سکے تین دلائل یا وجوہ بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ فطرۃً شیاطین کے لئے یہ فعل سزاوار نہیں ہے کیونکہ خبیث جنات اور شیاطین کو ناپاک مضامین سے دلی رغبت ہے ناپاک باتیں ان کی خوراک ہیں ان کی طبائع کا خاصہ تو گمراہی۔ فساد اور ظلمت پھیلانا ہے اور یہ کتاب اول سے آخر تک رشد وصلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہے تو اس کتاب کے علوم اور شیاطین کی طبائع میں کوئی مناسبت نہیں۔ شیاطین کوتو وہی روح پر تاریکی اور دل پر زنگ پیدا کرنے والی باتیں معلوم ہیں جوانسان کو برباد کرنے والی ہیں۔ روح کو سدھارنے والے مضامین دل کو پاک کرنے والے مطالب اور اخلاق کو صاف و پاکیزہ کرنے والے امور سے توان کو نفرت وعداوت ہے۔

دوسری وجہ یہ فرمائی گئی کہ تعلیم قرآنی کی ان میں قدرت بھی نہیں۔ وہ اس لائق کہاں ہیں کہ اس متبرک بار امانت کو اٹھا سکیں۔ پھر کسی مقدس پاکباز قلب تک ان شیاطین کی رسائی ہی ممکن نہیں پھر وہ القاء کس طرح کر سکتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں کی فطرت ناقص ہے ان کے قلوب تک ان کی رسائی ممکن ہے۔

تیسری وجہ یہ فرمائی گئی کہ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ پاکباز ہستیوں کے قلوب تک شیاطین کی رسائی ممکن ہے لیکن ملاء اعلیٰ اور عالم ملکوت تک ان کی رسائی ناممکن ہے۔ جہاں سے قرآن کا نزول ہوا ہے وہاں تک ان کی پہنچ اور دسترس نہیں ہوسکتی کیونکہ شیاطین کو وہاں تک خدا نے پہنچنے سے روک دیا ہے اور نزول قرآن کے زمانہ میں اس کی حفاظت کے لئے ایسے غیبی پہرے بٹھائے گئے کہ شیاطین پاس بھی نہیں پھٹک سکتے۔ نہ ایک حرف اچک سکتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے جنات آسمان یعنی عالم ملکوت تک چڑھ جایا کرتے تھے اور وہاں سے کوئی بات سن آتے تھے۔ اس ایک میں سو جھوٹ ملا کر ساحروں اور کاہنوں سے کہہ دیا کرتے تھے لیکن بعثت نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے زمانہ سے شیاطین کو وہاں جانے سے روک دیا

گیا۔شیاطین کے غیبی خبریں سننے کی کوشش کرنے اور ناکام رہنے کے متعلق سورۂ حجر ۱۴ویں پارہ میں فرمایا گیا ہے **وحفظنها من کل شیطن الرجیم. الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبین** اور ہم نے اسے یعنی آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ کردیا۔ہاں مگر کوئی بات چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہولیتا ہے۔اس پر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے تشریحاً لکھا ہے۔"آسمانوں پر شیاطین کا کچھ عمل دخل نہیں چلتا۔ بلکہ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے تو ان کا گزر بھی وہاں نہیں ہوسکتا۔اب انتہائی کوشش ان کی یہ ہوتی ہے کہ ایک شیطانی سلسلہ قائم کرکے آسمان کے قریب پہنچیں اور عالم ملکوت سے نزدیک ہوکر اخبار غیبیہ کی اطلاعات حاصل کریں۔اس پر بھی فرشتوں کے پہرہ بٹھادیئے گئے ہیں کہ جب شیاطین ایسی کوشش کریں اوپر سے آتش بازی کی جائے۔نصوص قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکوینی امور کے متعلق آسمانوں پر جب کسی فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے اور خداوند قدوس اس سلسلہ میں فرشتوں کی طرف وحی بھیجتا ہے تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اوپر سے نیچے کو درجہ بدرجہ پہنچتا ہے آخر میں سماء دنیا پر اور بخاری شریف کی ایک روایت کے موافق بادل میں فرشتے اس کا مذاکرہ کرتے ہیں۔شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معاملات کے متعلق غیبی معلومات حاصل کریں اسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بذریعۂ وائرلیس ٹیلیفون جارہا ہو اسے بعض لوگ راستہ میں جذب کرنے کی تدبیر کرتے ہیں ناگہاں اوپر سے بم کا گولہ یعنی شہاب ثاقب پھٹتا ہے اور ان غیبی پیغامات کی چوری کرنے والوں کو مجروح یا ہلاک کرکے چھوڑتا ہے۔اس دوا دوش اور ہنگامہ دار وگیر میں جو ایک آدھ بات شیاطین کو ہاتھ لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہونے سے پیشتر بڑی عجلت کے ساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاہن لوگ اسی ادھوری سی بات میں سینکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر عوام کو غیبی خبریں بتلاتے ہیں۔جب وہ ایک آدھ سماوی بات سچی نکلتی ہے تو ان کے معتقدین اسے ان کی سچائی میں پیش کرتے ہیں اور جو سینکڑوں بنائی ہوئی خبریں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں ان سے اغماض و تغافل برتا جاتا ہے۔قرآن وحدیث نے یہ واقعات بیان کرکے متنبہ کردیا کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹی سے چھوٹی سچائی کا سرچشمہ بھی وہی عالم ملکوت ہے۔شیاطین الجن والانس کے خزانہ میں بجز کذب وافترا اور کوئی چیز نہیں نیز یہ کہ آسمانی انتظامات اس قدر مکمل ہیں کہ کسی شیطان کی مجال نہیں وہاں قدم رکھ سکے یا باوجود انتہائی جدوجہد کے وہاں کے انتظامات اور فیصلوں پر معتد بہ دسترس حاصل کرلے باقی جو ایک آدھ جملہ فرشتوں سے ادھر ادھر کا سن بھاگتا ہے تو حق تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کہ اس کی قطعاً بندش کردی جائے وہ چاہتا تو اس سے بھی روک دیتا مگر یہ بات اس کی حکمت کے موافق نہ تھی۔ آخر شیاطین الجن والانس کو جن کی بابت اسے معلوم ہے کہ کبھی اغوا اور اضلال سے باز نہ آئیں گے اتنی طویل مہلت اور مغویانہ اسباب ووسائل پر دسترس دینے میں کچھ نہ کچھ حکمت تو سب کو ماننی پڑے گی اسی طرح کی حکمت یہاں بھی سمجھ لو۔"اس تقریر کے بعد حضرت مولانا عثمانیؒ نے ایک تنبیہ لکھی ہے کہ شیاطین ہمیشہ شہابوں کے ذریعہ سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں مگر جس طرح قطب جنوبی اور ہمالیہ کی بلند تر چوٹی کی تحقیق کرنے والے مرتے رہتے ہیں اور دوسرے ان کا یہ انجام دیکھ کر اس مہم کو ترک نہیں کرتے اسی پر شیاطین کی مسلسل جدوجہد کو قیاس کرلو اور یہ واضح رہے کہ قرآن وحدیث نے یہ نہیں بتلایا کہ شہاب کا وجود صرف رجم شیاطین ہی کے لئے ہوتا ہے۔ممکن ہے ان کے وجود سے اور بہت سے مصالح وابستہ ہوں اور حسب ضرورت یہ کام بھی لیا جاتا ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

اب جب کفار کے اس بے سروپا باطل اور بے ہودہ شبہ کا ازالہ کامل طور پر ان آیات میں فرمادیا تو اب اصل مدعا یعنی توحید کی اشاعت اور شرک کی مذمت اگلی آیات میں تلقین ہوتی ہے۔جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾

سو تم خدا کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کرنا کبھی تم کو سزا ہونے لگے۔ اور آپ اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرایئے۔ اور اُن لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ

جو ایمان والوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔ اور اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں۔

مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي

اور آپ خدائے قادر رحیم پر توکل رکھئے۔ جو آپ کو جس وقت کہ آپ (نماز کیلئے) کھڑے ہوتے ہیں۔ اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا ہے۔

السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

فَلَا تَدْعُ پس نہ پکارو	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	اِلٰهًا اٰخَرَ کوئی دوسرا معبود	فَتَكُوْنَ کہ ہوجاؤ	مِنَ سے	الْمُعَذَّبِيْنَ مبتلائے عذاب		
وَاَنْذِرْ اور تم ڈراؤ	عَشِيْرَتَكَ اپنے رشتہ دار	الْاَقْرَبِيْنَ قریب ترین	وَ اور	اخْفِضْ جھکاؤ	جَنَاحَكَ اپنا بازو	لِمَنِ اس کیلئے جس نے	
اتَّبَعَكَ تمہاری پیروی کی	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں	فَاِنْ پھر اگر	عَصَوْكَ وہ تمہاری نافرمانی کریں	فَقُلْ تو کہہ دیں	اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ بیشک میں بیزار ہوں	
مِمَّا اس سے جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	وَتَوَكَّلْ اور بھروسہ کرو	عَلَى پر	الْعَزِيْزِ غالب	الرَّحِيْمِ نہایت مہربان	الَّذِيْ وہ جو	يَرٰىكَ تمہیں دیکھتا ہے
حِيْنَ جب	تَقُوْمُ تم کھڑے ہوتے ہو	وَتَقَلُّبَكَ اور تمہارا پھرنا	فِي میں	السّٰجِدِيْنَ سجدہ کرنے والے (نمازی)	اِنَّهٗ بیشک وہ	هُوَ وہی	
السَّمِيْعُ سننے والا	الْعَلِيْمُ جاننے والا						

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار و مشرکین کے ایک باطل اور بے سروپا بیہودہ شبہ کا جواب دیا گیا تھا کہ اس قرآن کو شیاطین یا جنات لے کر نہیں آئے کیونکہ نہ ان کو طبعاً و فطرۃً اس کلام سے مناسبت ہے۔ نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں اور نہ ان کی پہنچ عالم ملکوت تک ہے۔ جب کفار کے اس شبہ کا ازالہ فرما دیا گیا تو اب اصل مدعا یعنی توحید کی اشاعت و تبلیغ کی تلقین فرمائی جاتی ہے۔ ہر پیغمبر کی بعثت کا اصلی منشا اشاعت توحید ہے خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تو تمام دنیا ہی کفر و شرک کی تاریکی میں پھنسی ہوئی تھی۔ عرب ایران۔ ترکستان۔ روم۔ ہند۔ چین۔ مشرق و مغرب سب ہی نے خدا کو چھوڑ رکھا تھا اور اپنی خواہش کے مطابق جدا جدا معبود بنا رکھے تھے۔ یہاں تک کہ اہل کتاب بھی جو ہر توحید کو کھو بیٹھے تھے۔ یہود عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے نصاریٰ تثلیث کے قائل تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے غرض کہ اس طرح کے عقائد کفریہ و شرکیہ پھیلے ہوئے تھے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تو اصل مقصد ہی یہ تھا کہ ساری دنیا میں توحید کی اشاعت کی جائے اور شرک سے بچا جائے۔ چنانچہ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے توحید کے وجوب کی ایک ایک خاص طریقہ سے تاکید کی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ آپ خدا کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کریئے۔ کبھی آپ کو سزا ہونے لگے۔ یعنی اگر آپ بھی شرک کریں تو عذاب الٰہی میں ماخوذ ہوں گے۔ یہاں اس خطاب

33 سے یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کا کوئی خطرہ تھا اور اس بنا پر آپ کو اس سے روکا گیا بلکہ یہ خطاب کمال تخویف اور انتہائی اہمیت کے اظہار کے لئے ہے اور دراصل اس سے مقصود کفار اور مشرکین کو متنبہ کرنا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر یا اس کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت کرنا ایسا جرم ہے اور ایسی تباہ کن حرکت ہے کہ اس پر عذاب لازمی ہے اور یہ شرک ایسی آفت ہے کہ اگر بفرض محال کوئی بڑی سے بڑی مقدس ہستی اور مخلوق میں سب سے عزیز اور محبوب جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تو وہ بھی خدانخواستہ اگر شرک میں مبتلا ہوجائے تو اس کی سزا سے نہیں بچ سکتی تو پھر اور کسی کا تو کیا کہنا۔ تو یہاں اگرچہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر سنانا اوروں کو مقصود ہے کہ جب یہ کتاب بلا شک وشبہ خدا کی نازل کی ہوئی ہے اور شیطان کا اس میں ذرہ بھر بھی دخل نہیں تو چاہئے کہ اس کی تعلیم پر چلو جس میں اصل اصول توحید ہے۔ شرک وکفر کی شیطانی راہ اختیار مت کرو ورنہ عذاب الٰہی سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں۔ جب اوپر کے خطاب سے یہ جتلا دیا گیا کہ شرک ایسا جرم ہے جس میں نبی کی ذات تک کے لئے کوئی رعایت نہیں تو اسی طرح نبی کے خاندان اور قریب ترین رشتہ داروں کے لئے بھی اس معاملہ میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں اس لئے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ آپ اپنے قریب ترین عزیزوں اور رشتہ داروں کو بھی صاف صاف متنبہ کردیجئے کہ اگر وہ اپنا عقیدہ وعمل درست نہ رکھیں گے تو یہ بات ان کے کام نہیں آسکے گی کہ وہ نبی کے رشتہ دار ہیں۔ یعنی نجات کے لئے محض رشتہ داری ہرگز کافی نہیں۔ چنانچہ معتبر روایات میں آتا ہے کہ اس آیت وانذر عشیرتک الاقربین اور آپ اپنے کنبہ اور نزدیک کے رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرایئے اس کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو خطاب فرمایا اور ایک ایک سے ارشاد فرمایا کہ اے بنی عبدالمطلب۔ اے عباس۔ اے صفیہ۔ (یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں) اور اے فاطمہ (یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں) تم لوگ آگ کے عذاب سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرلو۔ میں خدا کی پکڑ سے تم کو نہیں بچا سکتا پھر بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح سویرے صفا پہاڑی پر چڑھ کر پکارا یا صباحاہ (جس کے لفظی معنی ہیں ہائے صبح کا خطرہ) عرب میں قاعدہ تھا کہ جب صبح سویرے کسی اچانک حملہ کا خطرہ ہوتا تو جس شخص کو بھی اس کا پتہ چل جاتا وہ اسی طرح پکارنا شروع کردیتا اور لوگ اس کی آواز سنتے ہی ہر طرف سے دوڑ پڑتے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے تمام قبائل کا نام لے کر یہ آواز دی تو سب لوگ گھروں سے نکل آئے اور جو خود نہ آسکا اس نے اپنی طرف سے خبر لانے کو بھیج دیا جب سب لوگ جمع ہوگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف وادی میں ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر چھاپہ مارنے کے لئے جمع ہورہا ہے کیا تم میری تصدیق کروگے اور میری بات سچ مانوگے؟ حاضرین نے جواب دیا کہ بے شک کیونکہ ہم نے بارہا تمہاری صداقت کا تجربہ کرلیا ہے۔ ہمارے تجربہ میں تم کبھی جھوٹ بولنے والے نہیں رہے ہو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اچھا تو میں خدا کا سخت عذاب آنے سے پہلے تم کو خبردار کرتا ہوں۔ اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی فکر کرو۔ میں خدا کے مقابلہ میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔ ابولہب جو آپ کا چچا تھا وہ بھی وہاں موجود تھا اس نے کہا کہ تیرے ہاتھ ٹوٹیں کیا اس لئے تو نے ہم کو یہاں جمع کیا تھا۔ عرب کا محاورہ تھا کہ بددعا کے لئے کہتے تبت یدا یعنی تیرے ہاتھ ٹوٹیں تو خراب ہوجائے۔ اسی لئے قرآن پاک میں سورۂ لہب میں ابولہب کو بھی وہی جواب ملا

جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا یعنی تبت یدا ابی لھب و تب دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے ابولہب کے اور وہ برباد ہوگیا۔ الغرض آپ نے شرک پر عذاب الٰہی سے سب کو ڈرایا تو اس قومی تبلیغ کا نتیجہ دو ہی شکلوں میں نمودار ہوسکتا تھا یا تو لوگ مانیں گے اور آپ کی ہدایت کو قبول کر کے آپ کی پیروی کریں گے اور یا نہ مانیں گے اور بدستور سرتابی اور سرکشی کرتے رہیں گے۔ اس لئے آگے اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کے متعلق حکم دے دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمادیا کہ جو مومن آپ کا ساتھ دیں ان کے لئے اپنے اخلاق اور تواضع کے پر بچھا دیجئے یعنی جس طرح پرندہ اپنے بچوں کو اپنے پروں میں لے لیتا ہے آپ بھی اپنے سایۂ رحمت میں اہل ایمان کو لے لیں اور جو لوگ آپ کا حکم نہ مانیں اور آپ کی نافرمانی کریں ان کے اعمال سے اپنی بیزاری کا اعلان کر دیجئے۔ گویا اس حکم میں اللہ تعالیٰ نے رشتہ قرابت سے بڑھ کر رشتۂ ایمانی کو قرار دیا کہ جو مومن ہے خواہ وہ کوئی ہو۔ کہیں کا رہنے والا ہو۔ کوئی زبان بولنے والا ہو۔ کسی رنگ کا ہو وہ آپ کی شفقت و عنایت و تعلق کا مستحق ہے اور جو کافر ہے اس سے آپ بالکل بےزار اور بے تعلق ہیں خواہ وہ قرابت کے لحاظ سے کتنا ہی نزدیک کا رشتہ دار ہو۔ یعنی حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی پوری تعلیم ہے۔ اب ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پیغام حق اور تبلیغ دین کی وجہ سے مخالفت بھی ہونا لازمی تھی چنانچہ آپ کے پیام کی مخالفت میں تمام سردار اور رؤسائے مکہ ایک ہوگئے اور پھر قبیلہ قریش کے سرداروں نے بھی ان کا ساتھ دیا اور حضور کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ اس وقت ان مخالفوں کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ کوئی مادی طاقت تھی نہ زیادہ مال تھا۔ نہ ساتھیوں کی کثرت تھی اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے حق تعالیٰ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مخالفین کی طرف سے ایذا اور ضرر کا خطرہ دل میں نہ لایئے آپ اس خدا پر بھروسہ رکھئے جو تمام کائنات پر غالب بھی ہے اور آپ پر رحیم بھی ہے اور اس کی قدرت و تصرف سے کوئی چیز خارج نہیں اور اس کی رحمت آپ کے شامل حال ہے۔ لیکن کسی کو محفوظ رکھنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ حفاظت کرنے والا طاقتور ہو اور حمایت کرنے کے لئے تیار ہو بلکہ یہ بھی لازمی ہے کہ اس کے تمام احوال کی اطلاع ہر وقت ہوتا کہ ضرورت کے وقت بچاؤ کر سکے اگر اس کو خبر ہی نہ ہو تو کتنا ہی کرم فرما اور حامی ہو اور کتنا ہی طاقتور ہو اپنے کی حمایت کرنے اور بچانے کا موقع ہی نہ ملے گا اس لئے آگے حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ اے نبی خدائے غالب و رحیم تمہاری ہر نقل و حرکت سے واقف ہے اور تمہارے کل احوال زندگی اس کی نظر کے سامنے ہیں وہ دانا اور بینا اور شنوا بھی ہے اس لئے وہ ہر طرح سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ آپ اسی کی ذات پر بھروسہ رکھیں۔

اب آگے سورۃ کے خاتمہ پر کفار کے مزید شبہات کی تردید فرما کر ایمان اور عمل صالح کی ترغیب دی گئی اور منکرین کو عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی توحید کاملہ نصیب فرماویں اور شرک کے ہر شائبہ سے ہم کو بچائیں یا اللہ مومنین مخلصین میں ہم کو شامل فرما اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع کامل نصیب فرما۔ یا اللہ! دشمنان دین سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت فرما اور ہم کو اپنی ذات پاک پر بھروسہ رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ اور اپنی قدرت و رحمت سے ہماری ہر حال میں حفاظت۔ نگرانی و حمایت فرما۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۲۲﴾ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ

کیا میں تم کو بتلاوؤں کس پر شیاطین اُترا کرتے ہیں۔(سنو) ایسے شخصوں پر اُترا کرتے ہیں جو دروغ گفتار بڑے بدکردار ہوں۔اور جو(شیاطین کی سننے کیلئے) کان لگا دیتے ہیں

وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ

اور وہ بکثرت جھوٹ بولتے ہیں۔اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ (خیالی مضامین کے)

یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ

ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں۔اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا

بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے بدلہ لیا (یہ مستثنیٰ ہیں)۔اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ اُن کو لوٹ کر جانا ہے۔

هَلْ کیا	اُنَبِّئُكُمْ میں تمہیں بتاؤں	عَلٰى مَنْ کس پر	تَنَزَّلُ اترتے ہیں	الشَّیٰطِیْنُ شیطان	تَنَزَّلُ وہ اترتے ہیں	عَلٰى پر	كُلِّ ہر
اَفَّاكٍ بہتان لگانے والا	اَثِیْمٍ گنہگار	یُلْقُوْنَ ڈال دیتے ہیں	السَّمْعَ سُنی سنائی بات	وَاَكْثَرُهُمْ اور ان میں اکثر	كٰذِبُوْنَ جھوٹے	وَ اور	
الشُّعَرَآءُ شاعر	یَتَّبِعُهُمُ اُن کی پیروی کرتے ہیں	الْغَاوٗنَ گمراہ لوگ	اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	اَنَّهُمْ کہ وہ	فِیْ كُلِّ وَادٍ ہر وادی میں		
یَهِیْمُوْنَ سرگرداں پھرتے ہیں	وَاَنَّهُمْ اور یہ کہ وہ	یَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	مَا جو	لَا یَفْعَلُوْنَ وہ کرتے نہیں	اِلَّا مگر	الَّذِیْنَ جو لوگ	
اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	وَذَكَرُوا اللّٰهَ اور اللہ کو یاد کیا	كَثِیْرًا بکثرت	وَانْتَصَرُوْا اور انہوں نے بدلہ لیا		
مِنْۢ بَعْدِ اس کے بعد	مَا ظُلِمُوْا کہ ان پر ظلم ہوا	وَسَیَعْلَمُ اور عنقریب جان لیں گے	الَّذِیْنَ وہ لوگ جنہوں نے	ظَلَمُوْۤا ظلم کیا	اَیَّ کس		
	مُنْقَلَبٍ لوٹنے کی جگہ (کروٹ)	یَنْقَلِبُوْنَ وہ اُلٹتے ہیں (انہیں لوٹ کر جانا ہے)					

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ شعراء کی آخری آیات ہیں۔گذشتہ آیات کی تشریح میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ایام جاہلیت میں عربوں کا عقیدہ تھا کہ جن لوگوں کے دلوں میں جنات یا شیاطین القاء کرتے ہیں ان میں سے ایک گروہ کاہنوں کا ہے اور دوسرا شاعروں کا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر منکرین کہانت کا شبہ کرتے تھے اور کلام الٰہی کو ثمرۂ شاعری کا الزام لگاتے تھے ان الزامات کی تردید میں گذشتہ آیات میں بتلایا جا چکا ہے کہ یہ کلام رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اور اس کو جنات یا شیاطین جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے لیکر نہیں آئے کیونکہ شیاطین کو نہ اس پاک کلام سے مناسبت ہے اور نہ وہ اس پر قادر ہیں۔کفار کے اسی شبہ کہانت یا شاعری کے مزید تردید میں اب اس وقت کے کاہنوں اور شاعروں کی امتیازی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں اور جتلایا جاتا ہے کہ شیطانی القاء کو نبوت سے کیا نسبت۔کہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق امانت۔اتقاء و پاکبازی اور خدا ترسی کو جو بچپن سے لے کر دعوئے نبوت تک آپ کی ساری قوم کو تسلیم تھی حتیٰ کہ صادق الامین آپ کا لقب ہی پڑ گیا تھا اور کہاں ان کاہنوں کی دروغ گفتاری اور بدکرداری۔چنانچہ ان آیات میں پہلے کاہنوں کی حالت بیان فرمائی جاتی ہے کہ یہ شیاطین تو اپنے جیسے انسانی شیطانوں کے پاس آتے ہیں جو اول درجہ کے جھوٹ بولنے والے۔بدکردار اور گناہ گار ہوں ایسے کاہنوں۔بدکرداروں اور جھوٹے لوگوں کے پاس جنات وشیاطین پہنچتے ہیں کیونکہ وہ بھی جھوٹے اور بداعمال وبدکردار ہیں کوئی ایک آدھ بات غیبی خبر کی اچٹتی ہوئی سنی

سنائی چوری چھپے سے لے اڑتے ہیں جس میں ۱۰۰ جھوٹی باتیں اپنی طرف سے ملا کر کاہنوں کے کان میں جا کر ڈال دیتے ہیں اور پھر وہ کاہن بھی باتیں اس میں اپنی طرف سے ملا کر لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ بعض صحابہ نے کاہنوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اس پر عرض کیا کہ حضور کبھی کبھی تو ان کی کوئی بات سچی بھی نکل آتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ وہی بات ہوتی ہے جو جنات آسمان سے اڑا لاتے ہیں اور ان کے کان میں کہہ جاتے ہیں پھر اس کے ساتھ ۱۰۰ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہہ دیتے ہیں۔ تو الحاصل کاہنوں کے بابت بتلایا گیا کہ شیاطین اور خبیث جنات کا نزول تو ایسے ہی لوگوں پر ہوتا ہے جو بہت زیادہ جھوٹے اور بدکردار ہوتے ہیں اس لئے ان کاہنوں سے ان کو طبعی مناسبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاکباز۔ صادق اور صدیق ہیں پھر آپ سے شیاطین کو مناسبت کہاں ہو سکتی ہے اور آپ کے قلب تک خبیثوں کی رسائی کہاں ممکن ہے۔ پھر کہانت کا شبہ اور احتمال آپ کی ذات مبارک میں کہاں ہو سکتا ہے۔ آگے دوسرے شبہ شاعریت کا جواب دیا جاتا ہے کہ آپ شاعر بھی نہیں ہیں جیسا کہ یہ کفار خیال کرتے ہیں۔ عرب جاہلیت کی تہذیب اور تمدن میں شعرا کا ایک خاص اور بڑا امتیاز مرتبہ تھا۔ عیب کو ہنر اور ہنر کو عیب بنانا ان کا معمولی کرتب تھا اور پھر ایام جاہلیت کی عرب شاعری جس قسم کے مضامین سے لبریز تھی وہ یا تو شہوانیت اور عشق بازی کے مضامین تھے۔ یا شراب نوشی کے یا قبائلی منافرت اور جنگ وجدل کے یا نسلی فخر وغرور کے۔ نیکی اور بھلائی کی باتیں ان میں بہت ہی کم پائی جاتی تھیں۔ پھر جھوٹ۔ مبالغہ۔ بہتان۔ ہجو۔ بے جا تعریف۔ طنز وطعن۔ اور مشرکانہ خرافات تو اس شاعری کی رگ رگ میں پیوست تھی اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس شاعری کے متعلق یہ تھا کہ تم میں سے کوئی شخص خون اور پیپ سے اپنا پیٹ بھر لے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے اپنا پیٹ بھر لے۔ حدیث میں بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب سفر میں چلے جا رہے تھے۔ مقام عرج میں ایک

شاعر اپنے اشعار پڑھتا ہوا سامنے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کو روک دو۔ اگر تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ اور لہو سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھرا ہو۔ تو کفار مکہ جو قرآن کو شاعری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) شاعر ہونے کا الزام و بہتان لگاتے تھے اس کی تردید میں شاعر اور شاعری کی حقیقت کو بیان فرمایا جاتا ہے اور شاعروں کی تین صفات ان آیات میں بتلائی جاتی ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ شاعروں کی پیروی وہی لوگ کرتے ہیں جو بدراہ ہیں یعنی شاعروں کی ذریت تو انہی لوگوں پر شامل ہوتی ہے جو خود بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسری صفت بتائی کہ یہ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں یعنی خیالی مضامین کی تلاش میں ٹکریں مارتے اور ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ واقعیت اور حقیقت سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ ان کی باتیں تو تمام تر تخیل پرستی کی ہوتی ہیں۔ کہیں آہوں سے آسمان کا گنبد گراتے ہیں۔ کہیں آنسوؤں سے بحر قلزم بہاتے ہیں۔ کہیں شب ہجر کے طول کو قیامت سے بڑھاتے ہیں۔ جو مضمون پکڑ لیا اسی کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا۔ کسی کی مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دیئے۔ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ غرض جھوٹ۔ مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ تیسری صفت آیت میں یہ بیان کی گئی کہ یہ زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں یعنی شاعر کو عمل کی زندگی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا وہ مضامین شجاعت ومردانگی کے باندھے گا لیکن خود بھاگنے والوں میں سب سے آگے ہوگا شعر پڑھو تو معلوم ہو کہ رستم سے زیادہ بہادر اور جا کر ملو تو پرلے درجہ کے ڈرپوک۔ تاریخ کی کتابوں میں بنوامیہ کے دور کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ مشہور عرب شاعر فرزدق نے جب خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک کے سامنے اپنا وہ شعر پڑھا جس میں اپنی حرامکاری کا ذکر تھا تو خلیفہ نے فوراً کہا کہ اس اقبال جرم کے بعد تم پر حد شرعی واجب آ گئی اب تو یہ شاعر بڑا سٹ پٹایا مگر تھا ذہین وچالاک فوراً یہی آیت قرآنی وانهم يقولون مالايفعلون یعنی یہ شاعر زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں، اپنی صفائی میں پڑھ کر

جان بچائی گویا اس نے یہ ظاہر کردیا کہ ہم شاعرلوگ ہیں ہمارے کلام سے ہمارے عمل کا کیا واسطہ۔

الغرض تیسری صفت یہاں آیت میں شعراء کی یہ بتلائی گئی کہ یہ زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔تو شاعروں کی یہ خصوصیات بتلا کر یہ جتلایا گیا کہ پیغمبر خدا کو اس جماعت سے کیا تعلق اور لگاؤ کہ جو کفار معاذ اللہ آپ کو شاعر اور کلام الٰہی کو شعروشاعری کہتے ہیں اب یہاں چونکہ شعراء کی مذمت ارشاد ہوئی ہے جس کے عموم میں سب ہی نظم کہنے والے اور اشعار پڑھنے والے صورۃً داخل ہوگئے اس لئے آگے ان شعراء کا استثناء فرمایا گیا کہ جن کی شاعری حقائق اور صداقتوں کی جامع ہے اور جو تائید دین۔اور اشاعت علم اور نصرت وحمایت حق میں کی جائے اور جس سے کام دین کے غلبہ کا لیا جائے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ جو اوپر شعراء کی مذمت بیان ہوئی اس سے ان شعراء کو مستثنٰی کیا گیا ہے جو چار خصوصیات کے حامل ہوں۔

اول یہ کہ وہ مومن ہوں یعنی اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتابوں کو سچے دل سے مانتے ہوں اور آخرت پر یقین رکھتے ہوں۔

دوسرے یہ کہ وہ اعمال صالحات کرنے والے ہوں یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے موافق اپنی زندگی گزارنے والے ہوں۔فاسق،فاجر۔بدکردار اور اللہ رسول کے نافرمان نہ ہوں۔

تیسرے یہ کہ وہ بکثرت یاد الٰہی کرتے ہوں یعنی اپنے عام حالات اور اوقات میں بھی اور اپنے کلام میں بھی تائید دین حق اور اشاعت اسلام میں ان کے اشعار ہوں کہ یہ سب ذکر اللہ ہے۔

چوتھی صفت یہ ہو کہ اعدائے دین کی طرف سے ان پر اولاً ظلم ہو چکا ہو اور اس کا بدلہ لینے کے لئے وہ اپنی زبان اور قلم سے کام لیں یعنی کفار یا بے دینوں نے اول ان کو ایذا پہنچائی خواہ قولاً مثلاً ان کی ہجو کی یا دین کی توہین کی یا فعلاً کہ ان کے جان یا مال کو ضرر پہنچایا تو اب مظلوم ہونے کے بعد وہ انتقام اپنے اشعار یا کلام سے لینے والے ہوں۔روایات میں آتا ہے کہ کفار اور مشرکین کے شاعر۔اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف الزامات کا جو طوفان اٹھاتے اور نفرت وعداوت کا جو زہر پھیلاتے تھے اس کا جواب دینے کے لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعراء اسلام کی ہمت افزائی فرمائی ہے۔حضرت کعب بن مالک کے پوچھنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا مومن جہاد کرتا ہے تلوار سے اور اپنی زبان سے۔قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جس چیز سے ان کو مارتے ہو وہ گویا تیروں کی مار ہے۔یعنی تم جو اشعار میں مشرکوں کی مذمت کرتے ہو تو یہ تیروں کی طرح ان پر اثر کرتے ہیں۔تو خلاصہ یہ کہ ایسی روایات بھی بکثرت منقول ہیں جن سے شاعری اور شاعروں کی مذمت ثابت ہوتی ہے اور ایسی روایات بھی موجود ہیں جو شاعری کے استحسان پر دلالت کرتی ہیں۔خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشعار سنے۔بعض شاعروں کی تعریف بھی کی اور شعر کہنے کا حکم بھی دیا اس لئے شاعری کی مدح وذم ممانعت۔اور جواز دونوں منقول ہیں۔اس لئے محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ اچھے اشعار جیسے حمد ونعت حمایت اسلام۔اصلاح مسلمین اور اسی قسم کے دوسرے مضامین کے شعر مستحسن ہیں اور اخلاق اور حسن اعمال کو برباد کرنیوالے۔فسق وفجور کی تعلیم دینے والے اور فساد وتباہی برپا کرنیوالے اشعار ممنوع ہیں۔اب جبکہ قرآن اور رسالت کے متعلق جو شبہات کفار کے تھے ان کے جوابات پورے ہوگئے اور اس پر بھی جو منکر نبوت رہے اور ہٹ دھرمی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شاعری اور کہانت وغیرہ کی تہمتیں لگاتے رہے ان کو وعید سنائی جاتی ہے کہ ان ظالموں کو عنقریب اپنا انجام معلوم ہوجائیگا کہ کیسی بری اور مصیبت کی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے مراد اس سے جہنم ہے۔

الحمدللہ کہ سورۂ شعراء کا بیان یہاں ختم ہوگیا جس میں ۱۱ رکوع تھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَۃُ النَّمْلِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَلٰثٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَّتِسْعُوْنَ اٰیَۃً وَّسَبْعُ رُکُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ

طٰسٓ۔ یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور ایک واضح کتاب کی۔ یہ (آیتیں) ایمان والوں کیلئے ہدایت اور مژدہ سنانے والی ہیں۔ جو ایسے ہیں

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾

کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر (پورا) یقین رکھتے ہیں۔

طٰسٓ طٰسٓ	تِلْكَ یہ	اٰيٰتُ آیتیں	الْقُرْاٰنِ قرآن	وَكِتَابٍ اور کتاب	مُّبِيْنٍ روشن، واضح	هُدًى ہدایت	وَّ بُشْرٰى اور خوشخبری
لِلْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں کیلئے	الَّذِيْنَ جو لوگ	يُقِيْمُوْنَ قائم رکھتے ہیں	الصَّلٰوةَ نماز	وَيُؤْتُوْنَ اور ادا کرتے ہیں	الزَّكٰوةَ زکوۃ	وَهُمْ اور وہ	
بِالْاٰخِرَةِ آخرت پر	هُمْ وہ	يُوْقِنُوْنَ یقین رکھتے ہیں					

تفسیر و تشریح:۔ الحمد للہ کہ اب انیسویں پارہ کی سورۂ نمل کا بیان شروع ہو رہا ہے اس وقت اس سورۃ کی صرف تین ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں جن کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصہ مضامین تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ کے سلسلہ میں وادالنمل یعنی چیونٹیوں کے میدان کا ذکر آیا ہے نمل معنی ہیں چیونٹیوں کے۔ اس لئے بطور نشانی اس سورۃ کا نام نمل مقرر ہوا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور مکی دور کے درمیانی زمانہ میں اس کا نزول روایت کیا گیا ہے۔ موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ کلام پاک کی ۲۷ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۴۸ لکھا ہے یعنی ۴۷ سورتیں اس سورۃ سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھیں اور ۴۶ سورتیں اس سورۃ کے بعد مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۹۳ آیات، ۷ رکوعات۔ ۱۱۶۷ کلمات ۴۸۷۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی عقائد کی اصلاح یعنی توحید کی تعلیم۔ نبوت کا اثبات آخرت کا یقین اور چند انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ ہیں۔ اس سورۃ میں بیان کیا گیا ہے کہ سارے جہاں کا پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے۔ اس نے انسانوں کو پیدا کر کے ان کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً نبی بھیجے اور رسالت کا سلسلہ قائم کیا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ختم فرمایا گیا اور جن پر قرآن مجید نازل کیا گیا جس میں انسان کو بتایا گیا کہ اسے اس زندگی میں کیا کرنا چاہئے انسان کو اس دنیا میں ایک مقررہ وقت تک رہنا ہے اس کے بعد اس کی یہاں کی زندگی ختم ہو جائے گی ہر فرد و بشر جو اس دنیا میں آیا ہے ایک نہ ایک دن وہ مر جائے گا اور آخرکار یہ ظاہری عالم بھی سارا فنا ہو جائے گا۔ پھر کچھ مدت کے بعد جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے سارے انسان شروع دنیا سے آخر تک دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور عالم آخرت شروع ہو جائے گا جہاں ہر شخص کے اعمال کی جو اس نے اس دنیا میں کئے تھے جانچ پڑتال کی جائے گی اور جیسے جس کے اعمال ہوں گے ویسی ہی اس کو جزا و سزا دی جائے گی۔ یہ تمام باتیں بالکل اسی طرح ہوں گی جس طرح قرآن مجید میں کھول کھول کر واضح کر دیا گیا ہے۔ نتیجہ کے لحاظ سے قرآن کے منکروں کو دائمی

عذاب۔ مصیبت اور بے چینی نصیب ہوگی اور اس کے ماننے والوں کو ابدی راحت۔ خوشی اور آرام چین وسکون ملے گا۔ خدا کے پیغمبروں کی ہدایات کو نہ ماننے والوں کی عبرت کے لئے بعض پہلی امتیں اور ان کے پیغمبروں کے قصہ بیان کئے گئے۔ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور پھر بنی اسرائیل کے دو جلیل القدر صاحب سلطنت انبیاء حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کہ جن کی سلطنت جن وانس کے علاوہ جانوروں تک پر تھی ان کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق دو واقعات کا بیان اس سورۃ میں فرمایا گیا ایک تو وہ جو چیونٹیوں کے ساتھ گزرا اور اسی پر اس سورۃ کا نام سورۃ النمل رکھا گیا اور دوسرا واقعہ ملکہ سبا کا جس کی بابت ہدہد نے آ کر خبر دی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو زیر فرمان کیا اس کے بعد دو اور قوموں کا بیان ہے۔ اخیر میں قدرت کی بعض نشانیاں واضح کر کے واقعات عالم سے عبرت حاصل کرنے پر زور دیا گیا اور دنیا کے خاتمہ کی ایک علامت بتائی گئی۔ پھر قیامت کے حالات واضح کئے گئے اور سورۃ کے خاتمہ پر بتلایا گیا کہ ان باتوں کو جاننے کے بعد انسان کے لئے کوئی چارہ کار نہیں سوائے اس کے کہ قرآن کے احکام پر چلے۔ یہ ہے خلاصہ اس تمام سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آئیں گی۔

اس تمہید کے بعد ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ اس سورۃ کی ابتدا بھی حروف مقطعات طٰسٓ سے فرمائی گئی ہے۔ حروف مقطعات کے متعلق سورۂ بقرہ کے ابتدائی درس میں تفصیلی بیان ہو چکا ہے۔ جس کا خلاصہ یہی ہے کہ خلفائے راشدین۔ جمہور صحابہؓ و تابعین اور اکثر علمائے امت کے نزدیک یہ حروف رموز واسرار الٰہیہ ہیں۔ ان کے متعلق یہی عقیدہ رکھنا چاہئے کہ یہ کلام الٰہی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں۔ ان کے حقیقی معنی کی طرف کسی اور کی رسائی نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم بطور ایک راز کے دیا گیا ہو اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حروف کی تفسیر و تشریح میں صراحتہً کچھ منقول نہیں۔ ان پر اسی طرح ایمان لانا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جس طرح آئے ہیں ان کی تلاوت کرنا چاہئے اور ان کے معنی کی تفتیش میں نہ پڑنا چاہئے۔

آگے سورۃ کی ابتدا قرآن پاک کے ذکر سے فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ آیات جن کی تلاوت اس سورۃ میں کی جارہی ہے کسی کاہن کی بکواس نہیں۔ کسی ساحر کی شعبدہ بازی نہیں کسی شاعر کی تک بندی نہیں بلکہ قرآن اور اس عظیم الشان کتاب کی آیات ہیں جو حق و باطل میں فرق کرنے والی۔ اور انسانی نجات وسعادت کا راستہ واضح طور پر بتانے والی ہے۔ جس کی کوئی بات بعید از عقل نہیں۔ سب باتیں اس کی صاف اور ظاہر ہیں جن کو ہر ایک صاحب عقل سلیم تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں کرسکتا۔ اس کی ہدایت ہر انسان کے لئے عام ہے مگر اس کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے والے چونکہ اہل ایمان ہی ہیں اس لئے یہ اہل ایمان ہی کے لئے باعث ہدایت اور سبب بشارت ہے۔ اس کے ہر لفظ سے مومن کو راہ حق نظر آتی ہے اور دوامی سعادت و نجات کی خوشخبری حاصل ہوتی ہے مگر یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ فقط قلبی تصدیق اور عقیدہ کی صحت سے کمال ایمانی حاصل ہو جاتا ہے۔ نہیں خالی زبان سے اپنے کو مومن کہنا کافی نہیں جب تک کہ اس میں خصوصیت کے ساتھ یہ تین اوصاف نہ پائیں جائیں۔

ایک **الذین یقیمون الصلوٰۃ** وہ جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی اہتمام سے ساری شرائط وقواعد کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جو نماز ادا نہ کرے وہ پورا کامل مومن ہی نہیں۔ حیف ہے ان لوگوں پر جو دین اسلام کی حمایت کے نعرے تو بلند کرتے ہیں مگر نماز سے بے فکر ہیں۔

دوسرا وصف **ویؤتون الزکوٰۃ** فرمایا یعنی جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ شرع میں جب کہ مال ایک معینہ نصاب سے زائد ہو تو اس میں سے چالیسواں حصہ اللہ کے نام پر غربا۔ مساکین اور مستحقین کو دینا اور اس مقررہ لازمی اور فرض زکوٰۃ کے

علاوہ ہر ایک قسم کے خیرات وصدقات بھی زکوٰۃ میں شامل ہیں تو یہاں اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے ذکر کرنے سے اس طرف صاف اشارہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ اسلام کے وہ عظیم الشان ارکان ہیں جن کے بغیر ایمان کی عمارت کا اپنی جگہ پر قائم رہنا دشوار ہے۔ اسی لئے ان آیات میں ذہن نشین کرایا جارہا ہے کہ قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایمان کے ساتھ عملاً اطاعت اور اتباع کا رویہ اختیار کرنا بھی ضروری ولازمی ہے جس کی اولین علامت اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہے۔ اگر یہی علامت غائب ہے تو اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ آدمی اطاعت اور حکم کی پیروی کے لئے تیار نہیں۔

تیسری بات وھم بالاٰخرۃ ھم یوقنون فرمائی یعنی روز آخرت پر ان کو کامل یقین ہو اور یہ اعتقاد رکھیں کہ خداوند تعالیٰ کے سامنے جانا ہے۔ ایک دن حشر ہونا ہے اور تمام اعمال کی باز پرس ہونی ہے اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا ہے۔ اگر آخرت پر ایمان یقین نہ ہو تو انسان کسی کار خیر کی طرف توجہ بھی نہ کرے گا اور اگر کوئی نیک کام کرے گا بھی تو اس کی غرض کسی دنیوی وجاہت عزت۔ عیش وآرام کے حصول کی ہوگی۔ جب کسی کو انجام کی فکر اور مستقبل کا خیال ہی نہ ہوگا۔ تو وہ اسی دنیائے فانی کی فکر میں ڈوبا رہے گا اور اس کی تمام کوششوں کا مرکز یہی چند روزہ زندگی ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کی رہنمائی سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اس کی بشارتوں کے مستحق صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ان حقیقتوں کو تسلیم کریں جنہیں یہ کتاب پیش کرتی ہے اور پھر مان لینے کے بعد اپنی عملی زندگی میں اطاعت واتباع کا رویہ اختیار کریں اور اس میں قرآن کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا انہیں کے لئے ممکن ہے کہ جو آخرت کے قائل ہوں۔

قرآن کریم جن حقیقتوں کو ماننے اور ان پر ایمان لانے اور پورا پورا یقین رکھنے کی پرزور دعوت دیتا ہے ان میں خداوند قدوس کی ذات اور اس کی صفات یعنی توحید باری تعالیٰ ہے۔ جس کے بعد آخرت ہی کا مسئلہ ہے۔ تمام انبیائے کرام اور اللہ تعالیٰ کی تمام نازل کی ہوئی کتابوں نے آخرت کو ماننے اور اس پر ایمان لانے اور پورا یقین کرنے کی دعوت دی ہے اور چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور قیامت تک کے لئے دنیا کی رہنمائی کے لئے نازل کی گئی ہے اس لئے اس میں تو آخرت کے مسئلہ پر اتنا زور دیا گیا ہے اور اتنی تفصیل سے اس کو بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ آخرۃ ہی کے بیان سے متعلق ہے۔ اور عقیدۂ آخرت ہی یعنی حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور حساب کتاب اور جزا وسزا انسان کی حالت دنیا میں درست رکھ سکتا ہے اور انسان کی زندگی میں انقلاب لا سکتا ہے اور اس کو صراط مستقیم پر قائم رکھ سکتا ہے۔

یہ تو مومنین کاملین کا حال تھا آگے منکرین قرآن اور ان کا آخرت کا حال اور ان کا انجام ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اس کتاب کو ہمارے لئے بھی باعث ہدایت وخوشخبری بنائیں اور ایمان والوں کی صفات ہم کو بھی نصیب فرمائیں۔ اور آخرت پر پورا یقین عطا فرمائیں تاکہ ہم کو اس دنیا کی زندگی میں آخرت کا فکر ہو اور ہمارا کوئی لمحہ آخرت کی تیاری سے غفلت میں نہ گزرے۔ یا اللہ! ہم کو پوری طرح اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کی توفیق عطا فرما اور اس کے ساتھ اپنے جملہ احکام کی بھی اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرما۔ یا اللہ! مومنین کاملین کی جو صفات یہاں بیان فرمائی گئیں یعنی نماز کی پابندی زکوٰۃ کی ادائیگی اور آخرت پر پورا یقین۔ آج امت مسلمہ کے اکثر افراد انہیں صفات سے غافل ہیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٤﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ

جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے اُن کے اعمال (بد) اُن کی نظر میں مرغوب کرر کھے ہیں سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے

سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ

سخت عذاب (ہونیوالا) ہے اور وہ لوگ آخرت میں (بھی) سخت خسارہ میں ہیں۔اور آپ کو بالیقین ایک بڑی حکمت والے علم والے کی جانب سے قرآن دیا جارہا ہے۔

حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿٦﴾ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ

(آپ اُس وقت کا قصہ یاد کیجئے) جبکہ موسیٰؑ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے میں ابھی وہاں سے (یا تو راستہ کی) کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے پاس

بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿٧﴾

آگ کا شعلہ کسی لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا لاتا ہوں تا کہ تم سینک لو۔

اِنَّ بیشک	اَلَّذِيْنَ جولوگ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ایمان نہیں لاتے	بِالْاٰخِرَةِ آخرت پر	زَيَّنَّا لَهُمْ آراستہ کردکھائے ہم نے ان کیلئے	اَعْمَالَهُمْ ان کے عمل		
فَهُمْ پس وہ	يَعْمَهُوْنَ بھٹکتے پھرتے ہیں	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	لَهُمْ ان کیلئے	سُوْٓءُ برا	الْعَذَابِ عذاب	وَهُمْ اور وہ
فِي الْاٰخِرَةِ آخرت میں	هُمُ وہ	الْاَخْسَرُوْنَ سب سے بڑھ کر خسارہ اٹھانے والے	وَاِنَّكَ اور بیشک تم	لَتُلَقَّى دیا جاتا ہے	الْقُرْاٰنَ قرآن		
مِنْ لَّدُنْ نزدیک (جانب) سے	حَكِيْمٍ حکمت والا	عَلِيْمٍ علم والا	اِذْ جب	قَالَ کہا	مُوْسٰى موسیٰ	لِاَهْلِهٖٓ اپنے گھر والوں سے	اِنِّيْٓ بیشک میں
اٰنَسْتُ میں نے دیکھی ہے	نَارًا ایک آگ	سَاٰتِيْكُمْ میں ابھی لاتا ہوں	مِّنْهَا اس کی	بِخَبَرٍ کوئی خبر	اَوْ اٰتِيْكُمْ یا لاتا ہوں تمہارے پاس		
بِشِهَابٍ شعلہ	قَبَسٍ انگارہ	لَّعَلَّكُمْ تا کہ تم	تَصْطَلُوْنَ تم سینکو				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ ابتدائی آیات میں بتلایا گیا تھا کہ یہ آیتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جاتی ہیں ایک واضح اور روشن کتاب یعنی قران کریم کی آیتیں ہیں جو انسانی سعادت ونجات کا راستہ واضح طور پر بتانے والی ہیں۔ اور اگرچہ اس کی ہدایت ہر انسان کے لئے عام ہے لیکن چونکہ اس کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے والے اہل ایمان ہی ہیں اس لئے یہ اہل ایمان ہی کے لئے باعث ہدایت اور سبب بشارت ہے۔ پھر اہل ایمان کی تین صفات بیان کی گئیں یعنی وقت اور شرائط کی پابندی کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور عالم آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔

اب آگے مومنین کے مقابلہ میں کفار ومنکرین کی حالت اور ان کا انجام بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے اور ان کی نظروں میں جو کچھ ہے بس یہی دنیا ہے تو وہ اسی کی زیب وزینت اور عیش وآرام میں ڈوبے رہتے ہیں اور ان کی ساری کوشش اور فکر کا مرکز بس یہی چند روزہ زندگی ہے کہ کس طرح دنیا میں مال ودولت حاصل ہو۔ عزت اور جاہ بڑھے۔ اچھا کھائیں پئیں اور موج اڑائیں۔ عالیشان مکانوں میں عیش وعشرت سے رہیں۔ تو جو کتاب یا پیغمبر ادھر سے ہٹا کر عاقبت اور آخرت کی طرف توجہ دلائے تو اس کی بات پر یہ کان کیوں دھرنے لگے۔ یہ تو دنیا کے عشق میں غرق ہو کر ہادیوں پر آوازیں کستے ہیں۔ آسمانی کتاب کو مورد طعن بناتے ہیں۔ پیغمبر کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور یہی وہ کام ہیں کہ جن کو اپنے نزدیک بہت اچھا سمجھ کر برابر گمراہی میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسے منکرین ومکذبین کو اللہ تعالیٰ بھی ڈھیل دے کر چھوڑ دیتے ہیں کہ ان

کی برائیاں انہیں اچھی لگنے لگتی ہیں اور اس طرح وہ اپنی سرکشی و گمراہی میں بڑھتے رہتے ہیں۔ انجام ان کا یہ ہوگا کہ آخرت میں انہیں سخت ترین سزائیں ہوں گی اور قیامت کے دن اہل محشر میں سب سے زیادہ خسارہ میں یہی رہیں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب ان بدبختوں نے قرآن مبین کی قدر نہ پہچانی اور اس کی ہدایات و بشارات سے فائدہ نہ اٹھایا تو آخرت کی یہی بدانجامی نصیب ہوئی تھی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اس علیم و حلیم کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب یعنی قرآن کریم آپ کو مرحمت کی گئی جس سے ہر وقت تازہ بتازہ فوائد پہنچ رہے ہیں جس میں مومنین کے لئے بشارتیں ہیں اور مکذبین کو عبرتناک واقعات سنائے گئے ہیں تاکہ سچوں کا دل مضبوط اور قوی ہو اور جھوٹ و باطل کی حمایت کرنے والے اپنی بدانجامی پر مطلع ہو جائیں چنانچہ اپنی اغراض کے لئے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ یہ اس وقت کا قصہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں دس سال گزارنے کے بعد مصر کی طرف واپس جا رہے تھے۔ راستہ میں وادی سینا یا وادی طویٰ کے قریب پہنچ کر جب کہ سخت سردی کی اندھیری رات تھی راستہ بھول گئے تو آپ کی بی بی صاحبہ جو آپ کے ہمراہ تھیں ان کو ایک جگہ بٹھا کر آپ نے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں نے ایک جگہ آگ دیکھی ہے میں وہاں جاتا ہوں۔ اگر وہاں کوئی موجود ہوا تو راستہ کی خبر لاتا ہوں ورنہ سینکنے تاپنے کے لئے آگ لے آؤں گا۔

اب جب موسیٰ علیہ السلام آگ لینے جاتے ہیں تو وہاں کیا صورت حال پیش آتی ہے یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ان آیات میں مومن اور غیر مومن کی حالت میں عقیدہ آخرت کا خاص فرق ہونا بتلایا گیا ہے اور یہ ایک بالکل فطرتی اور نفسیاتی بات ہے کہ جب آدمی اپنی زندگی اور اس کی سعی اور عمل کے نتائج کو صرف اسی دنیا تک محدود سمجھے گا اور جب وہ موت کے بعد کسی ایسی زندگی کا قائل نہ ہوگا جس میں حیاۃ دنیا کے اعمال کی حقیقی قدر و قیمت کے موافق ٹھیک ٹھیک جزا و سزا دی جانے والی ہو۔ اور جب انسان کسی ایسی عدالت کا قائل نہ ہوگا جہاں انسان کے پورے کارخانہ حیات کی جانچ پڑتال کے بعد اس کے اچھے یا برے ہونے کا قطعی فیصلہ کیا جانے والا ہو تو لازماً اس کے اندر ایسا نقطۂ نظر پایا جائے گا کہ اسے حق و باطل اور نیکی و بدی اور شرک و توحید۔ اور اخلاق و بداخلاقی اور ثواب و عذاب کی یہ ساری بحثیں سراسر بے معنی نظر آئیں گی۔ بس جو کچھ اسے اس دنیا میں لذت و آرام۔ عیش و راحت۔ مادی ترقی اور خوشحالی اور قوت و اقتدار سے ہمکنار کرے وہی اس کے نزدیک بڑی خوبی کی بات ہوگی۔ اس کو حقیقت اور صداقت سے کوئی غرض ہی نہ ہوگی۔ اس کا اصل مطلوب صرف حیاۃ دنیا کی زینتیں اور کامرانیاں ہوں گی جن کے حصول کے فکر میں وہ ساری زندگی سرگرداں رہے گا اور ان لوگوں کو بے وقوف اور احمق سمجھے گا جو اس کی طرح دنیا طلبی میں منہمک نہیں ہیں۔ برخلاف اس کے جب کسی کا یہ عقیدہ اور پختہ یقین ہوگا کہ مرنے کے بعد اور بھی کئی منزلوں سے گزرنا ہے جس میں پہلی منزل موت سے لے کر قیامت تک کی ہے جس کو عالم برزخ کہتے ہیں اور دوسری منزل قیامت اور حشر و نشر کی ہے اور تیسری و آخری منزل جنت یا جہنم ہے اور ہر ہر منزل میں ہمیں دنیا میں کئے ہوئے اعمال کی جزا و سزا ملنی ہے اس لئے ہم دنیا میں مطلق العنان اور تمام قیود و بندشوں سے آزاد ہو کر من مانی زندگی گزارنے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں بلکہ ہر عمل کا محاسبہ اور بازپرسی ہونے والی ہے اور اس پوری زندگی کے حساب اور جانچ پڑتال میں جو کامیاب نکلیں گے وہ جنت کے مستحق قرار دیئے جائیں گے اور جو اس جانچ پڑتال میں ناکامیاب ہوں گے وہ دوزخ کے سزاوار ٹھہرائے جائیں گے اور بالآخر آخری فیصلہ میں اپنے عقائد و اعمال کے مطابق جنت یا جہنم ہی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ تو جن کو آخرت اور حساب کی فکر ہر بات میں لاحق رہے گی ان کو یقیناً دنیا کی اس عارضی زندگی سے دل بستگی کم ہوگی۔ ان کی زندگی کا نصب العین اخروی فلاح ہوگا اور اس طرح لازمی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے ہر پہلو سے متلاشی رہیں گے۔ اسی لئے قرآن کریم میں آخرت کے مسئلہ پر اتنا زور دیا گیا ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس پر اتنی روشنی ڈالی گئی ہے کہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کا بہت زیادہ حصہ آخرت ہی کے متعلق ہے اللہ تعالیٰ آخرت کی اہمیت ہمارے دلوں میں بٹھا دیں۔ بقیہ قصہ موسیٰ علیہ السلام کا اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸

سو جب اُس (آگ) کے پاس پہنچے تو اُن کو (منجانب اللہ) آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہیں اُن پر بھی برکت ہو اور جو اس کے پاس ہے اس پر بھی (برکت ہو) اور اللہ رب العالمین پاک ہے

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ

اے موسیٰ بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا۔ اور (اے موسیٰ) تم اپنا عصا (زمین پر) ڈال دو سو جب انہوں نے اُس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۚ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ

جیسے سانپ ہو تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی تو نہ دیکھا (ارشاد ہوا کہ) اے موسیٰ ڈرو نہیں، ہمارے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے۔ ہاں مگر جس سے کوئی قصور ہو جاوے

ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ

پھر بُرائی (ہو جانے کے) بعد بجائے اس کے نیک کام کرلے (یعنی توبہ کرلے) تو میں مغفرت والا رحمت والا ہوں۔ اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ

مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۟ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۱۲ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ

وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا، یہ تو معجزوں سے ہیں (جن کے ساتھ تم کو) فرعون اور اس کی قوم کی طرف (بھیجا جاتا ہے کیونکہ) وہ بڑے حد سے نکل جانے والے لوگ ہیں۔ غرض ان لوگوں کے پاس

اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۳ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ

جب ہمارے (دیئے ہوئے) معجزے پہنچے (جو نہایت واضح تھے) تو وہ لوگ (ان سب کو دیکھ کر بھی) بولے یہ صریح جادو ہے۔ اور ظلم اور تکبر کی راہ سے ان (معجزات) کے (بالکل) منکر ہو گئے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۱۴ ع

حالانکہ اُن کے دلوں نے اُنکا یقین کرلیا تھا سو دیکھئے کیسا انجام ہوا ان مفسدوں کا۔

فَلَمَّا پس جب	جَآءَهَا اس (آگ) کے پاس آیا	نُوْدِيَ ندا دی گئی	اَنْۢ بُوْرِكَ کہ برکت دیا گیا	مَنْ جو	فِي النَّارِ آگ میں	وَمَنْ اور جو	
حَوْلَهَا اس کے آس پاس	وَسُبْحٰنَ اور پاک	اللّٰهِ اللہ	رَبِّ پروردگار	الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	اِنَّهٗ حقیقت یہ	
اَنَا اللّٰهُ میں اللہ	الْعَزِيْزُ غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا	وَ اور	اَلْقِ تو ڈال	عَصَاكَ اپنا عصا	فَلَمَّا پس جب اس نے	رَاٰهَا اسے دیکھا
تَهْتَزُّ لہراتا ہوا	كَاَنَّهَا گویا کہ وہ	جَآنٌّ سانپ	وَلّٰى وہ لوٹ گیا	مُدْبِرًا پیٹھ پھیر کر	وَلَمْ يُعَقِّبْ اور مڑ کر نہ دیکھا	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	لَا تَخَفْ تو خوف نہ کھا
اِنِّيْ بیشک میں	لَا يَخَافُ خوف نہیں کھاتے	لَدَيَّ میرے پاس	الْمُرْسَلُوْنَ رسول	اِلَّا مگر	مَنْ جو۔جس	ظَلَمَ ظلم کیا	ثُمَّ بَدَّلَ پھر اس نے بدل ڈالا
حُسْنًا بھلائی	بَعْدَ بعد	سُوْٓءٍ برائی	فَاِنِّيْ تو بیشک میں	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ نہایت مہربان	وَاَدْخِلْ اور داخل کر (ڈال)	يَدَكَ اپنا ہاتھ
فِيْ جَيْبِكَ اپنے گریبان میں	تَخْرُجْ وہ نکلے گا	بَيْضَآءَ سفید۔روشن	مِنْ سے۔کے	غَيْرِ سُوْٓءٍ کسی عیب کے بغیر	فِيْ میں	تِسْعِ اٰيٰتٍ نو نشانیاں	
اِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون	وَقَوْمِهٖ اور اس کی قوم	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا ہیں	قَوْمًا قوم	فٰسِقِيْنَ نافرمان	فَلَمَّا پھر جب
جَآءَتْهُمْ آئیں ان کے پاس	اٰيٰتُنَا ہماری نشانیاں	مُبْصِرَةً آنکھیں کھولنے والی	قَالُوْا وہ بولے	هٰذَا یہ	سِحْرٌ مُّبِيْنٌ جادو کھلا		

وَجَحَدُوْا اور انہوں نے انکار کیا	بِهَا اس کا	وَاسْتَيْقَنَتْهَا حالانکہ اس کا یقین تھا	اَنْفُسُهُمْ انکے دل	ظُلْمًا ظلم سے	وَّعُلُوًّا اور تکبر سے
	فَانْظُرْ تو دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الْمُفْسِدِيْنَ فساد کرنیوالے

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ مدین سے آتے ہوئے جب کوہ طور کے قریب رات کو سردی کے وقت پہنچے جب کہ راستہ بھی بھول گئے تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے طور کی طرف ایک آگ دیکھی ہے میں وہاں جا کر یا تو راستہ کی کوئی خبر لاتا ہوں یا پھر آگ وہاں سے لے کر آتا ہوں تا کہ تم گرمی حاصل کرسکو۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو اس منظر کو دیکھ کر حیران ہو گئے کہ ایک سرسبز درخت ہے اس پر آگ جل رہی ہے۔ شعلے تیز ہو رہے ہیں اور درخت کی سرسبزی اور بڑھ رہی ہے اونچی نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ نور آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ دنیا کی آگ نہیں بلکہ غیبی اور نورانی آگ ہے جس کے اندر نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا اس کی تجلی چمک رہی تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام قریب ہوئے تو یکایک غیب سے آواز آئی مبارک ہے وہ جو اس آگ کے اندر ہے اور جو آگ کے آس پاس ہے یعنی زمین کا یہ ٹکڑا مبارک ہے۔ اس آگ میں جو تجلی یا نور ہے وہ بھی مبارک ہے اور اس کے اندر یا اس کے آس پاس جو ہستیاں ہیں مثلاً فرشتے یا خود موسیٰ علیہ السلام وہ سب مبارک ہیں۔ یہ غالباً موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنے کے لئے بطور اعزاز واکرام کے فرمایا۔ ساتھ ہی یہ فرما دیا گیا کہ اللہ جو رب العالمین ہے وہ آگ میں نظر آنے سے پاک ہے۔ یعنی اللہ کی ذات مکان۔ جہت۔ جسم۔ صورت۔ رنگ وغیرہ سب سے پاک ہے۔ آگ میں اس کی تجلی کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات پاک آگ میں حلول کر آئی۔ وہ تو ہر مماثلت۔ مشابہت اور حلول اور تجسم سے پاک ہے اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ اس وقت تم سے کلام کرنے والا میں ہوں اللہ زبردست حکمت والا اور اے موسیٰ تم اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد کی اور اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا تو وہ ڈالتے ہی ایک جیتا جاگتا چلتا پھرتا زبردست اژدہا بن گیا جسے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بمقتضائے بشریت خوفزدہ سے ہو گئے اور پیٹھ پھیر کر وہاں سے بھاگنا شروع کیا۔ اسی وقت حق تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کہ اے موسیٰ ڈرو نہیں کیونکہ ہم نے تم کو پیغمبری عطا کی ہے اور خلعت پیغمبری کے عطا ہونے کے وقت پیغمبر ایسی چیزوں سے جو کہ خود ان کی پیغمبری کی دلیل یعنی معجزات ہوں ڈرا نہیں کرتے ہماری بارگاہ قرب میں پہنچ کر سانپ یا کسی مخلوق سے ڈرنے کا کیا مطلب۔ ہاں خدا کے حضور میں پہنچ کر خوف اور اندیشہ صرف اس کو ہونا چاہئے جو کوئی ظلم وزیادتی اور خطا وتقصیر کر کے آیا ہو۔ اس کے متعلق بھی ہمارے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ برائی کے بعد اگر دل سے توبہ کر کے اپنی روش درست کر لی اور نیکیاں کر کے برائی کا اثر مٹا دیا تو حق تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے معاف کر دیتے ہیں کیونکہ وہ غفور الرحیم ہیں۔ اس لاٹھی کے سانپ بن جانے کے معجزہ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک اور معجزہ دیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ آپ جب بھی اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالیں گے تو وہ بلا کسی مرض یا عیب کے روشن۔ چمکدار ہو کر نکلے گا اور یہ دونوں معجزے ان نو معجزوں میں سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً تمہاری تائید کرتے رہیں گے۔ اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ یہ نو معجزات حسب ذیل تھے۔

(۱) عصاء موسوی کا اژدہا بن جانا۔

(۲) گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالنے سے روشن ہو کر نکلنا۔

(۳) دریائے نیل میں طوفان کا آنا۔

(۴) ٹڈی دَل کا بکثرت آنا۔

(۵) فرعونیوں کے لئے جوئیں یا چیچڑیوں کی کثرت ہونا۔

(۶) مینڈکوں کی ایسی پیداوار کہ ہر چیز اور برتن میں غیب سے مینڈک ہی مینڈک نظر آتے تھے۔

(۷) فرعونیوں کے لئے تمام پانی کا خون ہو جانا اور ان کا ایک ایک قطرہ پانی کو ترسنا۔

(۸) زبردست قحط سالی سے ملکی پیداوار کا تباہ ہو جانا۔

(۹) بحر قلزم کا بنی اسرائیل کے عبور کے لئے خشک ہو جانا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب بھی وقتاً فوقتاً فرعونیوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے یہ نشانیاں دکھلائی گئیں تو کہنے لگے کہ یہ سب جادو ہے۔ حالانکہ ان کے دلوں میں یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں اور جو نشان دکھلا رہے ہیں یقیناً خدائی نشان ہیں مگر ہٹ دھرمی۔ عناد تکبر اور غرور سے جان بوجھ کر حق کی تکذیب اور سچائی کا انکار کرتے رہے۔

قرآن پاک کی دوسری آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے اعلان کے مطابق کوئی بلائے عام فرعونیوں پر نازل ہوتی تو فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتا کہ تم اپنے خدا سے دعا کر کے اس بلا کو ٹلوا دو پھر جو کچھ تم کہتے ہو وہ ہم مان لیں گے مگر جب وہ بلا ٹل جاتی تو فرعون اور اس کی قوم اپنی اسی ہٹ دھرمی پر تل جاتی۔ آخر پھر کیا ہوا؟ کچھ ہی دنوں بعد پتہ لگ گیا کہ ایسے ہٹ دھرم مفسدوں کا انجام کیسا ہوتا ہے سب کو بحر قلزم کی موجوں نے کھالیا۔ کسی کو گور و کفن بھی نصیب نہ ہوا۔

یہاں اس سورۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اتنا ہی بیان فرمایا گیا ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں کفار مکہ کے لئے دو باتیں جتلائی گئی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ خدا جس کو نوازنا چاہتا ہے اپنی نبوت سے سرفراز فرماتا ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام ایسے غریب الوطن اور مفلس ہستی کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا جن کو رہنمائی کے لئے کوئی ساتھی بھی میسر نہ تھا پس جس طرح اس نے موسیٰ علیہ السلام کو خلعت رسالت پہنایا۔ اسی طرح اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول خاص بنا دیا لہٰذا کافروں کا یہ گمان غلط ہے کہ اگر نبی ہی بنانا تھا تو ایسے شکستہ حال کو نبی کیوں بنایا کہ جس کو بازاروں میں خود ضروریات کے لئے جانا پڑتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ جتلایا جاتا ہے کہ پیغمبر برحق کی مخالفت سے پر جلال اور پر شکوہ بادشاہوں کی بادشاہی بھی برباد ہو جاتی ہے۔ فرعون جیسے جابر شہنشاہ کی حکومت موسیٰ علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکی اور انجام کار مخالفت کے باعث اس کو خود تباہ ہونا پڑا اسی طرح کفار کی مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور اگر ان کا کفر پر اور مخالفت پر بھی اصرار رہا تو یہ لوگ خود ہی برباد ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بعد آگے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ اپنے انوار ہدایت سے ہمارے قلوب کو منور فرما دیں اور ہم کو دین حنیف پر استقامت بخشیں۔ اور ہر طرح کی گمراہی و کجی فتنہ و فساد سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ یا اللہ! ہمیں اپنا تابعدار بندہ بنا کر اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانبردار امتی ہو کر زندہ رکھئے اور اسی پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ

اور ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے

عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾

ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔

وَ اور	لَقَدْ اٰتَيْنَا تحقیق دیا ہم نے	دَاوٗدَ داؤدؑ	وَ اور	سُلَيْمٰنَ سلیمانؑ	عِلْمًا (بڑا) علم	وَقَالَا اور انہوں نے کہا	الْحَمْدُ تمام تعریفیں
لِلّٰهِ اللہ کیلئے	الَّذِيْ وہ جس نے	فَضَّلَنَا فضیلت دی ہمیں	عَلٰى پر	كَثِيْرٍ اکثر	مِّنْ سے	عِبَادِهِ اپنے بندے	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریب ۵۰۰ برس بعد کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے قریب ساڑھے پندرہ سو سال قبل کا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ہیں آپ اور آپ کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام بہت مشہور ومعروف انبیاء میں سے ہیں اور ان دونوں حضرات کو نبوت کے ساتھ سلطنت بھی عطا ہوئی تھی۔ اور قرآن کریم میں متعدد جگہ ان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں اس سورۃ میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر فرما کر کفار مکہ کے سرداران کو جتلایا جاتا ہے کہ دیکھو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان جن کو خدا نے دولت۔ حکومت اور شوکت وحشمت سے اس بڑے پیمانہ پر نوازا تھا کہ مکہ کے سردار تو اس کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے لیکن باوجود اس حکومت وسلطنت کے ان کا حال تو یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے حضور جوابدہ سمجھتے تھے اور انہیں احساس تھا کہ جو کچھ بھی انہیں حاصل ہے سب خدا کی دین اور عطا سے حاصل ہے اس لئے وہ اپنے منعم حقیقی کے ہمیشہ شکر گزار اور اطاعت گزار رہتے اور تکبر اور بڑائی اور سرکشی ونافرمانی کا کوئی ادنیٰ شائبہ ان میں نہ پایا جاتا تھا۔ یہ مکہ کے سردار اپنے اس معمولی سرداری ہی پر اس طرح بھولے ہوئے ہیں کہ نہ حق کو دیکھتے ہیں۔ نہ خدا کو پہچانتے ہیں نہ منعم حقیقی کی شکر گزاری کو جانتے ہیں بلکہ الٹا کفر وسرکشی اور نافرمانی حق میں پیش پیش ہیں۔ اس کے علاوہ گذشتہ میں فرعون کے قصہ کا ذکر ہوا تھا اس کو بھی حکومت۔ سلطنت اور دولت حشمت اور طاقت حاصل تھی۔ مگر جہل وعناد۔ ضد۔ اور ہٹ دھرمی نے فرعون کو کس کردار کا انسان بنادیا تھا اور اپنی سیرت کا اس نے کیا نمونہ پیش کیا اور حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو بھی بادشاہی۔ حکومت وسلطنت اور حشمت وطاقت دی تھی۔ تو ان حضرات نے حق پرستی کے باعث کس سیرت اور اعلیٰ کردار کا نمونہ پیش کیا۔ اس طرح گویا حق وباطل کے موازنہ اور مقابلہ سے حق کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔

یہاں اس سورۃ میں حضرت داؤد اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر اس طرح شروع فرمایا جاتا ہے کہ ان باپ بیٹے میں سے ہر ایک کو ان کی شان کے لائق حق تعالیٰ نے علم کا خاص حصہ عطا فرمایا۔ قرآن وحدیث میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے متعدد خصائص مذکور ہوئے ہیں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے سب ہی پیغمبروں کو خصوصی شرف وامتیاز بخشا ہے اور اپنے نبیوں اور رسولوں کو بے شمار انعام واکرام سے نوازا

ہے۔ تاہم شرف وخصوصیت کے درجات کے اعتبار سے ان کے درمیان بھی فرق مراتب رکھا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں خود قرآن پاک کا ارشاد ہے **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض**۔ (ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے) چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق بھی قرآن کریم نے چند خصائص و امتیازات کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بے انتہا خوش آواز تھے یہی وجہ ہے کہ ''لحن داؤدی'' اب تک ضرب المثل ہے جب صبح وشام آپ اپنے مخصوص لحن میں زبور کتاب الٰہی پڑھتے اور خدا کی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہوتے تو نہ صرف انسان بلکہ چرند پرند بھی وجد میں آ کر آپ کے گرد جمع ہو کر تسبیح وتقدیس میں شامل ہوجاتے اور صرف یہی نہیں بلکہ پہاڑ بھی خدا کی حمد میں گونج اٹھتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس بادشاہت اور سلطنت کے باوجود مملکت کے مالیہ سے ایک حبہ بھی نہیں لیتے اور اپنا اور اہل وعیال کی معاش اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حاصل کرتے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس وصف کو ایک حدیث صحیح میں سراہا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کسی انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بے شبہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے روزی کماتے تھے۔'' اور اس کی صورت اللہ تعالیٰ نے یہ پیدا کردی تھی کہ لوہا آپ کے ہاتھ میں نرم کردیا گیا تھا اور بغیر تپائے ہوئے آپ جیسا چاہتے موم کی طرح اس کو توڑ موڑ سکتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جن کو خدائے تعالیٰ نے یہ فضیلت بخشی کہ انہوں نے تعلیم وحی کے ذریعۂ ایسی زرہیں ایجاد کیں جو باریک اور نازک زنجیروں کے حلقوں سے بنائی جاتی تھیں اور ہلکی اور نرم ہونے کی وجہ سے میدان جنگ کا سپاہی اس کو پہن کر بآسانی نقل وحرکت کرسکتا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی معیشت کا بھی سامان فرمادیا اور ایک قومی اہم جنگی ضرورت بھی پوری ہوگئی۔ قرآن کریم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جن خصائص کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ کی جانب سے ایک شرف یہ عطا ہوا تھا کہ آپ کو پرندوں اور جانوروں کی بولیوں کو سمجھنے کا علم دیا گیا تھا۔ جس طرح ایک انسان دوسرے انسان کی گفتگو سمجھتا ہے اسی طرح آپ پرندوں کی گفتگو سمجھتے تھے دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا آپ کے تابع کردی تھی جو آپ کے تخت کو لے کر اڑا کرتی تھی اور سرعت رفتار کا یہ عالم تھا کہ جو منزل اس زمانہ میں ایک مہینہ میں طے ہوا کرتی وہ آدھے دن میں طے ہوجاتی تھی۔ پھر جنات بھی آپ کے تابع فرمان کردیئے گئے تھے اور آپ کو ان پر ہر طرح کی قدرت حاصل تھی آپ جس طرح چاہتے ان سے کام لیتے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر نہایت زبردست اور پُرشوکت تھا اس میں جن وانسان اور پرندے سب شامل تھے اور یہ سب بحکم الٰہی آپ کے حکم کے تابع اور مطیع تھے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ درگاہ الٰہی میں دعاء کی جیسا کہ سورۂ ص ۲۳ ویں پارہ میں ذکر ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء کو قبول فرمایا اور ایک ایسی عجیب وغریب حکومت عطا فرمائی کہ نہ ان سے پہلے کسی کو نصیب ہوئی اور نہ ان کے بعد کسی کو میسر آئے گی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ گذشتہ شب ایک سرکش جن نے اچانک یہ کوشش کی کہ میری نماز میں خلل ڈالے۔ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قابو دے دیا اور میں نے اس کو پکڑلیا اس کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اس کو دن میں دیکھ سکو مگر اس وقت مجھ کو اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعاء یاد آگئی کہ انہوں نے خدائے تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا **رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی**۔ یہ یاد آتے ہی میں نے

اس کو ذلیل کر کے چھوڑ دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ خدائے تعالیٰ نے مجھ میں کل انبیاء ورسل کے خصائص وامتیازات جمع کر دیئے ہیں اور اس لئے تسخیر قوم جن پر بھی مجھ کو قدرت حاصل ہے لیکن جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس اختصاص کو اپنا طغرۂ امتیاز قرار دیا تو میں نے اس سلسلہ کا مظاہرہ مناسب نہیں سمجھا۔

ایک خصوصیت حضرت سلیمان علیہ السلام کی قرآن پاک نے اور بیان کی جیسا کہ سورۂ سبا ۲۲ ویں پارہ میں **واسلنا له عين القطر** اور ہم نے ان کے لئے تانبہ کا چشمہ بہادیا۔ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا گیا تھا اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تانبہ کو پگھلا کر قابل استفادہ بنادیا گیا تھا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایسے عظیم الشان احسانات کئے اور پھر یہاں تک فرمایا کہ اس بے انتہا دولت و ثروت کے صرف وخرچ اور دادودہش اور روک کر رکھنے میں تم سے کوئی باز پرس بھی نہیں ہے مگر ان تمام باتوں کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام اس دولت وحکومت کو مخلوق خدا کی خدمت کے لئے امانت الٰہی سمجھ کر ایک حبہ اپنی ذات پر صرف نہیں فرماتے بلکہ اپنی روزی ٹوکریاں بنا کر حاصل کرتے تھے۔

آج اس زمانہ میں اور آج کل کے حکمرانوں کی حالت دیکھ کر یہ بات کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود ایسی پُرشوکت بادشاہی کے ایک پیسہ بھی حکومت و سلطنت کے مالیہ میں سے اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کے اوپر خرچ نہیں فرماتے تھے ہماری سمجھ میں آنا مشکل ہے مگر زیادہ عرصہ نہیں گزرا اسی ہندوستان و پاکستان پر انگریزوں سے پہلے مغلیہ بادشاہوں میں حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ گزرے ہیں جن کے متعلق حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک ملفوظ میں فرمایا ہے۔

''عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ صاحب باطن اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ اور آپ اپنا خرچ ٹوپیوں کی دست کاری اور قرآن کریم کی کتابت سے مہیا فرماتے تھے مگر اخیر وقت میں حضرت عالمگیر نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا کفن دستکاری کے روپوں سے مہیا کرنا۔ گو قرآن کریم کی اجرت بھی کچھ ہے اور علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دیا ہے مگر بظاہر الفاظ یہ اشترا بایات اللہ ہے (یعنی قرآن کریم میں ارساد ہے **ولا تشتروا بايات الله ثمناً قليلا** یعنی اللہ کی آیتوں کو ثمن قلیل کے عوض مت فروخت کرو اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے کفن میں جا کر ملوں جس میں شبہ ہے۔ اللہ اکبر۔ ایک دوسرے ملفوظ میں جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی ہی نے فرمایا کہ دیکھئے پہلے سلاطین کی یہ حالت تھی جواب مشائخ کی بھی نہیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے شاہان دہلی میں سے حضرت خواجہ سلطان شمس الدین التمش رحمتہ اللہ علیہ کا بیان فرمایا کہ ساری عمر ان کی نظر نامحرم پر نہ پڑی تھی اور یہ مرید تھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے۔ حضرت قطب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے جس کی ساری عمر نامحرم پر نظر نہ پڑی ہو۔ بڑے بڑے لوگ موجود تھے اور سب حیران تھے کہ ایسا شخص کہاں تلاش کریں۔ آخر کار جب سب لوگ مایوس ہو گئے تو مجبوراً بادشاہ وقت خواجہ التمشؒ کو ظاہر کرنا پڑا اور انہوں نے کہا کہ صاحبو! اگر حضرت شیخ ایسا ارشاد نہ فرما چکے ہوتے تو کبھی میں ظاہر نہ کرتا مگر جب حضرت شیخ ہی نے پردہ فاش کر دیا تو اب کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت مجھ کو نصیب کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے شیخ کے جنازہ کی نماز پڑھائی (القول الجلیل الکلام الحسن) یہ تذکرہ سلاطین کا درمیان میں ضمناً آ گیا۔

تو باوجود ان تمام کمالات کے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے متعلق اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو

34

علم وکمال داؤد وسلیمان علیہما السلام کو دیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرتے تھے اور کسی نعمت الٰہی پر شکر ادا کرنا اصل نعمت سے بڑی نعمت ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور ان پر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے۔ دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ نکتہ موجود ہے پھر آپ نے یہی اس تلاوت کردہ آیت لکھ کر لکھا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی اس سے افضل اور نعمت کیا ہوگی۔

الغرض جیسا کہ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے ان دونوں حضرات نے ادائے شکر کے لئے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔ دیکھئے یہاں اس شکر گزاری میں بہت سے کا لفظ استعمال فرمایا اس لئے کہ بعض بندگان خدا کو ان پر بھی فضیلت دی گئی ہے۔ باقی تمام مخلوق پر فضیلت کلی تو سارے جہان میں ایک ہی بندے کو حاصل ہوئی جن کا نام نامی اور اسم گرامی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الحاصل اس آیت میں یہی ارشاد ہوتا ہے۔

"اور ہم نے داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو شریعت اور ملک داری کا علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے ادائے شکر کے لئے کہا کہ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔"

چونکہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پیغمبر برحق تھے اور جماعت انبیاء میں داخل ہونے کے بعد بعض انبیاء سے بالا اور بعض سے نیچے تھے اس لئے شکریہ کے وقت ہر دو حضرات نے اپنی فی الجملہ فضیلت کا اظہار کیا۔ یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کا تو اتنا ہی ذکر فرمایا گیا اب آگے مسلسل حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! یہ ملک پاکستان جو اسلام کے نام پر آپ نے محض اپنے کرم سے ہم کو عطا فرمایا ہے تو ہم کو اپنی رحمت سے پکے اور سچے اسلامی صاحب اقتدار اور صاحب حکومت بھی نصیب فرما۔

اللہ پاک نے ہمیں جو اسلام وایمان اور علم وعمل کی دولت اور فضیلت عطا فرمائی ہے اس پر ہمیں شکر گزاری کی بھی توفیق عطا فرماویں۔

یا اللہ! جو صفات اسلامیہ اور ایمانیہ ہمارے سلف صالحین حکمرانوں کو آپ نے عطا فرمائی تھیں وہ اپنی قدرت ورحمت سے اس اسلامی ملک پاکستان کے حکمرانوں کو بھی عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ

اور داؤد (علیہ السلام کی وفات کے بعد اُن) کے قائم مقام سلیمانؑ ہوئے اور اُنہوں نے کہا کہ اے لوگو ہم کو پرندوں کی بولی (سمجھنے) کی تعلیم کی گئی ہے اور ہم کو (سامان سلطنت کے متعلق) ہر قسم کی

شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ

(ضروری) چیزیں دی گئی ہیں واقعی یہ (اللہ تعالیٰ کا) صاف فضل ہے۔ اور سلیمانؑ کیلئے (جو) اُن کا لشکر جمع کیا گیا ان میں جن بھی تھے اور انسان بھی اور پرندے بھی

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰٓي اِذَآ اَتَوْا عَلٰي وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ

اور (اس کثرت سے تھے کہ) ان کو (چلنے کے وقت) روکا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے (دوسری چیونٹیوں سے) کہا

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ

کہ اے چیونٹیو اپنے سوراخوں میں جا گھسو، کہیں تم کو سلیمانؑ اور اُن کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں۔ سو سلیمانؑ اُس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور کہنے لگے

رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا

کہ اے میرے رب مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور (اس پر بھی مداومت دیجئے

تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

کہ) میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت (خاصہ) سے اپنے (اعلیٰ درجہ کے) نیک بندوں میں داخل رکھئے۔

وَوَرِثَ اور وارث ہوا | سُلَيْمٰنُ سلیمانؑ | دَاوٗدَ داؤدؑ | وَقَالَ اور اس نے کہا | يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو | عُلِّمْنَا مجھے سکھائی گئی | مَنْطِقَ بولی | الطَّيْرِ پرندے

وَاُوْتِيْنَا اور ہمیں دی گئی | مِنْ سے | كُلِّ شَيْءٍ ہر شے | اِنَّ بیشک | هٰذَا یہ | لَهُوَ البتہ وہی | الْفَضْلُ فضل | الْمُبِيْنُ کھلا | وَحُشِرَ اور جمع کیا گیا

لِسُلَيْمٰنَ سلیمانؑ کیلئے | جُنُوْدُهٗ اس کا لشکر | مِنَ سے | الْجِنِّ جن | وَالْاِنْسِ اور انسان | وَالطَّيْرِ اور پرندے | فَهُمْ پس وہ | يُوْزَعُوْنَ روکے جاتے تھے

حَتّٰٓي یہاں تک کہ | اِذَآ جب | اَتَوْا وہ آئے | عَلٰي پر | وَادِ النَّمْلِ چیونٹیوں کا میدان | قَالَتْ کہا | نَمْلَةٌ ایک چیونٹی | يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ اے چیونٹیو | ادْخُلُوْا تم داخل ہو

مَسٰكِنَكُمْ اپنے گھروں (بلوں) میں | لَا يَحْطِمَنَّكُمْ نہ روند ڈالے تمہیں | سُلَيْمٰنُ سلیمانؑ | وَجُنُوْدُهٗ اور اس کا لشکر | وَهُمْ اور وہ

لَا يَشْعُرُوْنَ نہ جانتے ہوں (انہیں شعور نہ ہو) | فَتَبَسَّمَ تو وہ مسکرایا | ضَاحِكًا ہنستے ہوئے | مِّنْ سے | قَوْلِهَا اس کی بات | وَقَالَ اور کہا | رَبِّ اے میرے رب

اَوْزِعْنِيْٓ مجھے توفیق دے | اَنْ اَشْكُرَ کہ میں شکر ادا کروں | نِعْمَتَكَ تیری نعمت | الَّتِيْٓ وہ جو | اَنْعَمْتَ تو نے انعام فرمائی | عَلَيَّ مجھ پر | وَعَلٰي اور پر

وَالِدَيَّ میرے ماں باپ | وَاَنْ اور یہ کہ | اَعْمَلَ صَالِحًا میں نیک کام کروں | تَرْضٰىهُ تو وہ پسند کرے | وَاَدْخِلْنِيْ اور مجھے داخل فرمائے

بِرَحْمَتِكَ اپنی رحمت سے | فِيْ میں | عِبَادِكَ اپنے بندے | الصّٰلِحِيْنَ نیک

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی صفت شکر گزاری کو بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم و کمال ان کو عطا فرمائے اس پر وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کیا کرتے تھے اور اس کی حمد و ثنا بیان کرتے رہتے تھے۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹوں میں سے ان کے اصل جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے جن کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دیں اور وہ ملک عطا فرمایا جو ان سے قبل یا بعد میں کسی کو نہ ملا۔ جنات۔ ہوا۔ چرند پرند کو آپ کے لئے مسخر فرما دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اظہار میں فرمایا کہ یہ پورا ملک اور یہ زبردست طاقت کہ انسان۔ جن۔ ہوا۔ چرند پرند سب میرے تابع فرمان ہیں اور پرندوں اور جانوروں کی زبان جاننے کا علم بھی ہم کو حاصل ہے۔ یہ سب خاص خدا کا فضل و کرم ہے اور ایک عظیم الشان سلطنت اور نبوت کے لئے جو چیزیں اور سامان درکار تھے وہ سب قدرت نے مہیا کر دی یہ خدا کا کھلا ہوا احسان ہے۔ آگے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی خصوصیت بتلائی جاتی ہے کہ ان کے لئے جو لشکر جمع کیا گیا تھا اس میں انسان۔ جن اور پرند سب شامل تھے اور سب اپنی اپنی جگہ قرینے سے موجود رہتے۔ جس کی جو جگہ مقرر تھی وہیں رہتا۔ لکھا ہے کہ آپ کے لشکر میں آپ سے قریب انسان ہوتے اور پھر ان کے بعد جنات اور پرند آپ کے سروں پر رہتے تھے گرمیوں میں سایہ کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ جب ان لشکروں کو لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر ایک میدان پر ہوا جہاں چیونٹیوں نے اپنے بل بنا رکھے تھے اور اپنی بستی بسا رکھی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کان میں آواز آئی کہ ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی ہے کہ اے چیونٹیو۔ سلیمان علیہ السلام کا لاؤ لشکر آ رہا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں نہ دیکھیں اور بے خبری میں پاؤں کے نیچے مسل ڈالیں اس لئے جلدی کرو اور اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ ورنہ آج تمہاری خیر نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی کی جو یہ بات سنی تو آپ کو اس کی ہوشیاری سے تعجب ہوا اور ہنسی آ گئی کہ کیا تو اس جانور کا جثہ اور اس پر یہ ہوشیاری۔ ساتھ ہی یہ دیکھ کر کہ میں اس کی بولی سمجھ گیا جو کہ معجزہ ہونے کی وجہ سے ایک نعمت عظیمہ ہے جس سے حق تعالیٰ کی اور نعمتیں بھی یاد آ گئیں اور اسی وقت حق تعالیٰ سے دعا فرمانے لگے کہ اے میرے رب میں حیران ہوں کہ تیرے انعامات عظیمہ کا شکر کس طرح ادا کروں پس آپ ہی سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے پورا شاکر بنا دیجئے زبان سے اور عمل سے بھی اور اپنی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا الہام فرما دیجئے کہ جو آپ نے مجھ پر فرمائی ہیں۔ نیز جو نعمتیں آپ نے میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں کہ وہ مومن ہوئے اور مجھے ایسے نیک عمل کرنے کی توفیق بخشئے کہ جن سے آپ خوش اور راضی ہو جائیں اور مجھ کو اپنی رحمت خاصہ سے اپنے اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں یعنی انبیاء میں داخل رکھئے اور جب میری موت آ جائے تو آخرت میں مجھے انبیاء و مرسلین میں محشور فرمائیے کہ میں ان کے ساتھ جنت میں داخل ہوں۔

غور کیجئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا کیا تعلیم دے رہی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو تمام دنیوی نعمتیں حاصل تھیں۔ عزت۔ حکومت۔ سلطنت۔ علم و حکمت کی غیر معمولی وسعت اور پھر نبوت سب ہی کچھ میسر تھا مگر چونکہ عارف باللہ کی نظر میں عمل صالح سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور حقیقی راحت آخرت کی نجات ہے اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود اس قدر عظمت و شکوہ کے پھر بھی عمل صالح اور آخرت کی کامیابی کی دعا کی۔

مروی ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام مع حشم و خدم کے کہیں جا رہے تھے۔ ایک کاشتکار کھیت میں ہل جوت رہا تھا وہ بطور تمنا کے حسرت سے کہنے لگا کہ آل داؤد کو تو بڑی سلطنت عطا ہوئی ہے۔ اس کی خبر جنات۔ یا ہوا یا پرندوں کے ذریعہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہو گئی آپ تنہا پیدل اس کے پاس تشریف لے گئے اور سلام کے بعد فرمایا کہ مناسب نہیں جس کی تم کو قدرت نہ ہو اس کی تمنا کرو۔ پھر فرمایا کہ اگر ایک بار تسبیح سبحان اللہ کہنا بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جائے تو آل داؤد کی سلطنت سے بڑھ کر ہے۔ اللہ اکبر۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

پھر باوجود نبوت اور سلطنت اور قرب الٰہی کے طبیعت میں

تواضع آپ کے اس قدر تھا کہ ایک روایت لکھی ہے کہ ایک مرتبہ بارش نہ ہونے کے سبب حضرت سلیمان علیہ السلام نماز استسقاء کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی الٹی لیٹی ہوئی اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے رب کریم سے دعا کررہی ہے کہ خدا ہم بھی تیری مخلوق ہیں۔ پانی برسنے کی محتاج ہمیں بھی ہے اگر پانی نہ برسا تو ہم ہلاک ہوجائیں گے یہ دعا چیونٹی کی سن کر آپ نے لوگوں میں اعلان کردیا کہ لوٹ چلو کسی اور ہی کی دعا سے تم پانی پلائے جاؤ گے۔ اللہ اکبر۔

خلاصہ یہ آپ کی یہ دعا تعلیم دے رہی ہے کہ پروردگار کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے۔ اور شکر ادا کرنے کی توفیق بھی رب کریم ہی سے مانگنی ضروری ہے پھر شکریہ ادا کرنے کے یہی معنی نہیں کہ احسان اور انعام کا فقط زبان سے اقرار کرلیا جائے بلکہ نیک اعمال اور طاعت الٰہی سے احسان مندی کا مظاہرہ کرنا چاہئے لیکن پھر بھی یہ یقین رکھنا لازم ہے کہ آخرت کی کامیابی اعمال پر موقوف نہیں بلکہ اللہ کی رحمت سے وابستہ ہے۔ آخرت میں کسی کا جنت میں داخل ہونا محض اس کے عمل صالح کے بل بوتے پر نہیں ہوسکتا بلکہ یہ اللہ کے فضل و رحمت پر موقوف ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو بھی محض اس کا عمل جنت میں نہیں پہنچادے گا۔ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ میں بھی محض اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت میں نہ جاؤں گا جب تک اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے نہ ڈھانک لے۔

اور کیا کوئی اپنے اعمال اور طاعت پر بھروسہ اور ناز کرے گا جبکہ حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی۔ قطب ربانی۔ غوث صمدانی سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمتہ اللہ علیہ جیسے اولیاء اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ حج کے لئے تشریف لے گئے تو خانہ کعبہ کے سامنے کنکریوں پر چہرہ رکھ کر حق تعالیٰ سے عرض کیا

من نگویم کہ طاعتم بپذیر
قلم عفو برگنا ہم کش

یعنی اے اللہ میں یہ نہیں کہتا کہ میری اطاعت قبول فرمالیجئے اس لئے کہ میرے پاس آپ کی اطاعت ہے ہی کہاں بس یہ التجا اور درخواست کرتا ہوں کہ میرے گناہوں پر عفو کا قلم پھیر دیجئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا وان اعمل صالحًا ترضٰهُ یعنی اے اللہ مجھے ایسے عمل صالح کی توفیق دیجئے جس سے کہ آپ خوش ہوں یعنی وہ عمل مقبول ہو۔ تفسیر روح المعانی میں حضرت علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عمل صالح کے لئے قبولیت لازم نہیں ہے بلکہ قبولیت کچھ شرائط پر موقوف ہوتی ہے اور فرمایا کہ صالح اور مقبول ہونے میں نہ عقلاً کوئی لزوم ہے نہ شرعاً اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ اپنے اعمال صالحہ کے مقبول ہونے کی بھی دعا کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دعا فرمائی ربنا تقبل منا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل نیک ہے صرف اس کو کرکے بےفکر ہونا نہیں چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرے کہ اس کو قبول فرمادے۔

ابھی اگلی آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو دین اور دنیا کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان پر ہم کو حقیقی شکر گزاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور ہم کو ان اعمال صالحہ کے کرنے کی توفیق عطا فرمائیں کہ جس سے یا مولائے کریم آپ راضی اور خوش ہوجائیں۔ یااللہ! آپ کا رحم و کرم دنیا میں بھی ہمارے شامل حال رہے اور مرنے کے بعد بھی آپ ہی کے فضل و کرم سے ہمارا بیڑہ پار ہو۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا

اور (ایک بار) سلیمانؑ نے پرندوں کی حاضری لی تو فرمانے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا، کیا کہیں غائب ہوگیا ہے۔ میں اُس کو سخت سزا دوں گا

شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا

یا اُس کو ذبح کرڈالوں گا یا وہ کوئی صاف حجت میرے سامنے پیش کرے۔ سو تھوڑی ہی دیر میں وہ آ گیا اور کہنے لگا کہ ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں

لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾ إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ

جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی اور میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیق خبر لایا ہوں میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ اُن لوگوں پر بادشاہی کررہی ہے

كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ

اور اُسکو ہر قسم کا سامان میسر ہے اور اُس کے پاس ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اُس کو اور اُس کی قوم کو دیکھا کہ وہ خدا (کی عبادت) کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ

اور شیطان نے اُن کے (ان) اعمالِ (کفریہ) کو اُن کی نظر میں مرغوب کر رکھا ہے اور اُن کو راہِ (حق) سے روک رکھا ہے سو وہ راہ (حق) پر نہیں چلتے۔ کہ اُس خدا کو سجدہ نہیں کرتے

الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا

جو (ایسا قادر ہے کہ) آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو باہر لاتا ہے اور تم لوگ جو کچھ (دل میں) پوشیدہ رکھتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو وہ سب کو جانتا ہے۔ (پس) اللہ ہی ایسا ہے

هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۩ ﴿٢٦﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٧﴾ اذْهَبْ بِكِتَابِي

کہ اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ سلیمانؑ نے (یہ سُن کر) فرمایا کہ ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے۔

هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾

میرا یہ خط لے جا اور اس کو اُن کے پاس ڈال دینا پھر ہٹ جانا پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں۔

وَتَفَقَّدَ اور اس نے خبر لی (جائزہ لیا)	الطَّيْرَ پرندے	فَقَالَ تو اس نے کہا	مَا لِيَ کیا ہے	لَا أَرَى میں نہیں دیکھتا	الْهُدْهُدَ ہدہد کو	أَمْ كَانَ کیا وہ ہے
مِنَ سے	الْغَائِبِينَ غائب ہونیوالے	لَأُعَذِّبَنَّهُ البتہ میں ضرور اسے سزا دوں گا	عَذَابًا سزا	شَدِيدًا سخت	أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ یا اسے ذبح کرڈالوں گا	
أَوْ لَيَأْتِيَنِّي یا اسے ضرور لانی چاہئے	بِسُلْطَانٍ سند (کوئی وجہ)	مُبِينٍ واضح (معقول)	فَمَكَثَ سو اس نے دیر کی	غَيْرَ بَعِيدٍ تھوڑی سی	فَقَالَ پھر کہا	
أَحَطْتُ میں نے معلوم کیا ہے	بِمَا وہ جو	لَمْ تُحِطْ بِهِ تم کو معلوم نہیں وہ	وَجِئْتُكَ اور میں تمہارے پاس لایا ہوں	مِنْ سے	سَبَإٍ سبا	بِنَبَإٍ ایک خبر
يَقِينٍ یقینی	إِنِّي بیشک میں نے	وَجَدْتُ پایا (دیکھا)	امْرَأَةً ایک عورت	تَمْلِكُهُمْ وہ ان پر بادشاہت کرتی ہے	وَأُوتِيَتْ اور دی گئی ہے	
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	وَلَهَا اور اس کیلئے	عَرْشٌ ایک تخت	عَظِيمٌ بڑا	وَجَدْتُهَا میں نے پایا ہے اسے	وَقَوْمَهَا اور اس کی قوم	يَسْجُدُونَ وہ سجدہ کرتے ہیں

لِلشَّمْسِ سورج کو	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	وَزَيَّنَ اور آراستہ کر دکھائے ہیں	لَهُمُ انہیں	الشَّيْطٰنُ شیطان	اَعْمَالَهُمْ ان کے عمل	فَصَدَّهُمْ پس روک دیا انہیں	
عَنِ السَّبِيْلِ راستہ سے	فَهُمْ سو وہ	لَا يَهْتَدُوْنَ راہ نہیں پاتے	اَلَّا کہ نہیں	يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ وہ سجدہ کرتے اللہ کو	الَّذِيْ وہ جو	يُخْرِجُ نکالتا ہے	
الْخَبْءَ چھپی ہوئی	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَيَعْلَمُ اور جانتا ہے	مَا تُخْفُوْنَ جو تم چھپاتے ہو	وَمَا اور جو	تُعْلِنُوْنَ تم ظاہر کرتے ہو	
اَللّٰهُ اللہ	لَا نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	رَبُّ رب (مالک)	الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ عرشِ عظیم	قَالَ اس (سلیمانؑ) نے کہا	سَنَنْظُرُ ابھی ہم دیکھ لیں گے
اَصَدَقْتَ کیا تو نے سچ کہا	اَمْ یا	كُنْتَ تو ہے	مِنَ سے	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹے	اِذْهَبْ تو لے جا	بِّكِتٰبِيْ میرا خط	هٰذَا یہ
فَاَلْقِهْ پس اسے ڈال دے	اِلَيْهِمْ انکی طرف	ثُمَّ تَوَلَّ پھر لوٹ آ	عَنْهُمْ ان سے	فَانْظُرْ پھر دیکھ	مَاذَا کیا	يَرْجِعُوْنَ وہ جواب دیتے ہیں	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ وادِ النمل یعنی چیونٹیوں کے ایک میدان کا بیان ہوا تھا اب ایک دوسرا واقعہ ہد ہد کا ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کسی ضرورت سے اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا تو ہُد ہُد پرندہ اُن میں نظر نہ پڑا۔ یہ پرندہ ملک فلسطین میں بکثرت پایا جاتا ہے اور اڑان کی بڑی زبردست قوت رکھتا ہے۔ بعض مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کے متعلق یہ خدمت سپرد کی تھی کہ بوقت ضرورت لشکر کے لئے پانی تلاش کرے۔ مشہور ہے کہ جس جگہ پانی زمین کے نیچے نزدیک ہو تو ہد ہد کو محسوس ہو جاتا ہے۔ ہد ہد جہاں پانی بتاتا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام جنات کو بھیج کر کنواں یا باؤلی وغیرہ کھدواتے اور اس طرح پانی مل جاتا۔ پرندوں سے حضرت سلیمان علیہ السلام مختلف کام لیتے۔ مثلاً ہوائی سفر میں ان کا اوپر پر پھیلا کر سروں پر سایہ کرتے ہوئے جانا۔ یا ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا یا نامہ بری کرنا وغیرہ وغیرہ تو ممکن ہے کہ ہد ہد کی اس وقت کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو چنانچہ پرندوں کی فوج میں جب ہد ہد حضرت سلیمان علیہ السلام کو نظر نہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا بات ہے ہد ہد کو میں نہیں دیکھتا۔ آیا پرندوں کے جھنڈ میں مجھ کو نظر نہیں آیا یا حقیقت میں غیر حاضر ہے۔ لشکر میں تلاش کرایا گیا جب نہ ملا تو آپ نے فرمایا کہ میں اسکو اس غیر حاضری پر سخت سزا دوں گا یا میں اس کو ذبح کر ڈالوں گا ورنہ وہ کوئی معقول عذر غیر حاضری کا پیش کرے تو اس وقت چھوڑ دوں گا۔ ابھی کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ہد ہد حاضر خدمت ہوا اور آتے ہی کہا کہ میری غیر حاضری کار سرکاری ہی کے باعث تھی میں ایک ایسی پختہ خبر لایا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ ملک سبا میں ایک عورت حکمران ہے اور وہ لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس کو ہر قسم کا سامان سلطنت اور اقتدار و جاہ حاصل ہے لیکن وہ اور اس کی قوم آفتاب پرست ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر سب کے سب غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور وہ شیطان کے بہکاوے میں ایسے پھنسے ہیں کہ باوجود راہ حق سے منہ موڑنے کے اپنے اعمال کو حق اور مستحسن سمجھتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ ایک اللہ کو سجدہ کرتے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا خالق اور تمام اشیاء کا مالک اور سب سے واقف یہاں تک کہ دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے اور جس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ وہ عرش عظیم کا مالک ہے مگر وہ لوگ ایسا نہیں کرتے بلکہ آفتاب کو پوجتے ہیں۔ یہ قوم سبا جس کی خبر ہد ہد نے بیان کی یہ عرب میں یمن کی طرف آباد تھی ہد ہد نے یہ خبر حضرت سلیمان علیہ السلام سے بیان کر کے گویا آپ کو ایک مشرک اور آفتاب پرست قوم پر جہاد کی ترغیب دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانور بھی اپنے خالق کی صحیح معرفت رکھتے ہیں یا یہ بھی ممکن ہے کہ اسی ہد ہد کو بطور اعجاز اور خرق عادت کے اس طرح کی تفصیلی معرفت عطا کی گئی ہو۔ الغرض ہد ہد سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے غیر حاضری کی معقول وجہ سنی تو سزا دینے کا ارادہ آپ نے ملتوی

کر دیا اور فرمایا کہ ہم تیرے جھوٹ یا سچ کی آزمائش کئے لیتے ہیں اور آپ نے ایک خط لکھ کر ہدہد کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ اس کو ملکۂ سباء کے پاس پہنچادے اور پھر وہاں سے ہٹ کر ایک طرف ہو کر سننا کہ اس خط کے بارہ میں وہ کیا باتیں کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے لئے جس کا نام مفسرین نے بلقیس لکھا ہے وہ خط ہدہد کو دیا اور وہ خط لے کر روانہ ہوا اور بلقیس جہاں اکیلے سوتی تھی وہ خط لے جا کر اس کے سینہ پر رکھ دیا۔ اب بلقیس نے جو یہ خط پڑھا تو پھر کیا ماجرا ہوا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔ یہاں ان آیات کے تحت ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ اس چودھویں صدی میں جہاں اور طرح طرح کے ظاہری اور باطنی فتنوں نے جنم لیا انہی میں سے ایک فتنہ علم غیب کے بارہ میں اٹھایا گیا۔ ایک جماعت یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ نہ صرف انبیاء بلکہ اولیاء بھی عالم الغیب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کی رہنمائی کے لئے ایک لاکھ سے زائد پیغمبر و رسل دنیا میں بھیجے جنہیں اپنے وحی سے سرفراز فرمایا اور انہیں باقی تمام انسانوں سے علم و دانش میں عقل و فہم میں حکمت و فراست میں اور دیگر تمام کمالات میں اعلیٰ درجہ عطا فرمایا۔ اللہ کی ساری کائنات میں خدا کے پیغمبروں سے نہ کوئی فضیلت اور بزرگی میں بڑھ کر ہے اور نہ ہی علم و حکمت میں برتر۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو دین کا سارا اور کامل علم اور اس کے علاوہ حسب ضرورت بعض تکوینی امور کا علم بھی عطا فرمایا مگر پھر بھی انبیاء علیہم السلام کا علم محیط کلی نہیں۔ کلی اور تفصیلی غیب و شہادت کا علم خاصۂ خداوندی ہے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی صدہا آیات اس پر شاہد ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب داں نہیں تھے۔ یہ آیات بھی یہی بتلاتی ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اگرچہ انبیاء بنی اسرائیل میں بڑے پایہ کے پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن و انس اور طیور و وحوش پر حکومت عطا فرمائی اور پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا علم بھی عطا فرمایا مگر اس کے باوجود جمیع ما کان و ما یکون کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی عطا نہ فرمایا۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے کہ جب کسی موقع پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی اور ہدہد کو غیر حاضر پایا تو اس کے متعلق دوسرے حاضرین سے پوچھا کہ کیا ہدہد صرف مجھے ہی نظر نہیں آ رہا یا واقعی وہ ہے ہی غیر حاضر اور جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ غیر حاضر ہے تو اعلان فرمایا کہ اسے بلا اجازت غیر حاضری پر سخت سزا دوں گا یا پھر وہ کوئی معقول عذر پیش کرے گا تو سزا سے چھوڑ دوں گا چنانچہ ہدہد جب تھوڑی دیر میں واپس آ گیا اور کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں۔ میں آپ کے پاس قوم سبا کی ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہدہد کہاں چلا گیا ہے اور وہاں سے ایک ایسی خبر لے کر آئے گا جو اس ساری قوم کے ایمان لانے کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ اگر معلوم ہوتا تو آپ ہدہد پر غضبناک نہ ہوتے بلکہ خوش ہوتے۔ پھر اسی پر بس نہیں جب ہدہد نے ملکۂ سبا کے بارہ میں کچھ معلومات بہم پہنچائیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی باتوں کا یقین نہ آیا اور اس ہدہد کے بیان کا صدق و کذب معلوم کرنے کے لئے ملکۂ سبا کو ایک خط لکھا اور اسی ہدہد کے ذریعہ بھجوایا۔ تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم غیب نہ تھا ورنہ ہدہد کا صدق و کذب آپ کو خود بخود معلوم ہو جاتا اور تحقیقات کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح عقائد قرآن و حدیث کے بتلائے ہوئے اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں اور افراط و تفریط کی گمراہی سے بچائیں۔

چونکہ اس وقت کی تلاوت میں آیت سجدہ آئی ہے جس کے پڑھنے اور سننے سے سجدۂ تلاوت لازم ہو جاتا ہے اس لئے قارئین و سامعین سب ایک سجدۂ تلاوت ادا کرلیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّىْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾

بلقیس نے (پڑھ کر اپنے سرداروں سے کہا کہ) اے اہل دربار میرے پاس ایک خط نہایت باوقعت ڈالا گیا ہے۔ وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ (مضمون ہے (اول) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً

(اور اس کے بعد یہ کہ) تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ۔ بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار تم مجھ کو میرے معاملہ میں رائے دو میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی

اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا

جب تک کہ تم لوگ میرے پاس موجود نہ ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں اور اختیار تم کو ہے سو تم ہی دیکھ لو جو کچھ حکم دینا ہو۔

تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾

بلقیس کہنے لگی کہ والیانِ ملک جب کسی بستی میں (مخالفانہ طور پر) داخل ہوتے ہیں تو اُس کو تہ وبالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں اُن کو ذلیل کیا کرتے ہیں

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ اور میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ وہ فرستادے کیا (جواب) لے کر آتے ہیں۔

قَالَتْ وہ کہنے لگی	يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اے سردارو!	اِنِّىْٓ اُلْقِيَ بیشک میری طرف ڈالا گیا	اِلَيَّ میری طرف	كِتٰبٌ خط	كَرِيْمٌ باوقعت	اِنَّهٗ بیشک وہ	مِنْ سے
سُلَيْمٰنَ سلیمان	وَاِنَّهٗ اور بیشک وہ	بِسْمِ اللّٰهِ نام سے اللہ کے	الرَّحْمٰنِ جو رحم کرنے والا	الرَّحِيْمِ نہایت مہربان	اَلَّا تَعْلُوْا یہ کہ تم سرکشی نہ کرو	عَلَيَّ مجھ پر	
وَاْتُوْنِيْ اور میرے پاس آؤ	مُسْلِمِيْنَ فرمانبردار ہوکر	قَالَتْ وہ بولی	يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اے سردارو!	اَفْتُوْنِيْ مجھے رائے دو	فِيْٓ اَمْرِيْ میرے معاملے میں		
مَا كُنْتُ میں نہیں ہوں	قَاطِعَةً فیصلہ کرنے والی	اَمْرًا کسی معاملہ میں	حَتّٰى جب تک	تَشْهَدُوْنِ تم موجود ہو	قَالُوْا وہ بولے	نَحْنُ ہم	
اُولُوْا قُوَّةٍ قوت والے	وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ اور بڑے لڑنے والے	وَالْاَمْرُ اِلَيْكِ اور فیصلہ تیری طرف (تیرے اختیار میں)	فَانْظُرِيْ تو دیکھ لے	مَاذَا کیا			
تَاْمُرِيْنَ تجھے حکم کرنا ہے	قَالَتْ وہ بولی	اِنَّ بیشک	الْمُلُوْكَ بادشاہ	اِذَا دَخَلُوْا جب داخل ہوتے ہیں	قَرْيَةً کسی بستی	اَفْسَدُوْهَا اسے تباہ کردیتے ہیں	
وَجَعَلُوْٓا اور کردیا کرتے ہیں	اَعِزَّةَ معززین	اَهْلِهَآ وہاں کے	اَذِلَّةً ذلیل	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	يَفْعَلُوْنَ وہ کرتے ہیں	وَاِنِّيْ اور بیشک میں	
مُرْسِلَةٌ بھیجنے والی	اِلَيْهِمْ اُن کی طرف	بِهَدِيَّةٍ ایک تحفہ	فَنٰظِرَةٌ پھر دیکھتی ہوں	بِمَ کیا (جواب) لیکر	يَرْجِعُ لوٹتے ہیں	الْمُرْسَلُوْنَ قاصد	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد پرندہ سے غیر حاضری کی معقول وجہ سن کر تو اس کو سزا دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اس کی لائی ہوئی خبر کا جھوٹ سچ دیکھنے کے لئے آپ نے ایک خط بلقیس ملکۂ سبا کے نام لکھ کر اسی ہدہد کو دیا کہ اس خط کو لے جا کر ملکہ سبا کے پاس ڈال دینا اور پھر سننا کہ وہاں اس خط کے متعلق کیا باتیں کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ہدہد خط لے کر روانہ ہوا اور ملکہ کے محل میں ایک روشن دان سے داخل ہو کر وہ خط بلقیس کے سامنے ڈال دیا۔ چونکہ وہ خط سربمہر تھا اس لئے اس کی شان اور وقعت کا اندازہ تو اول مہر ہی سے ہو گیا اور پھر جو اس نے خط کا مضمون پڑھا تو وہ سمجھ گئی کہ یہ کسی پرجلال طاقتور باشوکت بادشاہ کا خط ہے اس لئے اس نے اپنے درباریوں کو مشورہ کے لئے جمع کیا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا

جاتا ہے کہ بلقیس نے خط پڑھ کر اپنے مشیروں اور درباریوں کو جمع کیا اور کہنے لگی کہ میرے پاس یہ خط عجیب طریقہ سے پہنچا ہے جو ایک بہت بڑے معزز بادشاہ سلیمان کی طرف سے آیا ہے۔ غالباً حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام اور ان کی بے مثال حکومت وشوکت کا شہرہ پہلے سے سن چکی ہوگی پھر اس نے خط کا مضمون سنایا جس میں لکھا تھا کہ یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور اللہ ورحمٰن ورحیم کا نام لے کر شروع کرتا ہوں تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو اور مطیع فرمانبردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔ سبحان اللہ ایسا مختصر۔ جامع اور پر عظمت خط شاید کسی نے لکھا ہو۔ مطلب خط کا یہ تھا کہ میرے مقابلہ میں زور آزمائی سے کچھ نہ ہوگا۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرو اور حکم بردار ہو کر سیدھی طرح میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے کچھ نہ چلے گی۔ تو یہ خط سنا کر بلقیس نے درباریوں سے کہا کہ اب مشورہ دو کیا جواب دیا جائے اور کیا کارروائی کی جائے۔ میں سلیمان کے پاس جاؤں یا نہ جاؤں۔ اس پر ارکان حکومت نے جواب دیا کہ ہم بڑے طاقتور ہیں جنگجو ہیں کسی سے ڈرتے نہیں۔ ہمارے پاس زور طاقت اور سامان حرب کی بھی کمی نہیں۔ تیرا حکم ہو تو ہم سلیمان سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آگے تو مختار ہے سوچ سمجھ کر حکم دے جو حکم ہم کو ملے گا ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ گویا درباریوں کی صلاح جنگ اور لڑائی کرنے کی تھی مگر ملکہ جو ایک عقلمند عورت تھی اسے خط کی عظمت وشوکت اور دوسرے قرائن وآثار سے یقین ہو گیا کہ سلیمان کے مقابلہ میں کامیابی ناممکن ہے۔ اس لئے اس نے اپنے درباریوں کو بتلایا کہ ایسی شان وشکوہ رکھنے والے بادشاہ سے لڑنا کھیل نہیں اگر وہ غالب آ گئے جیسا کہ قوی امکان ہے تو ملوک وسلاطین کی عام عادت کے موافق تمہارے شہروں کو تہ وبالا کر کے رکھ دیں گے اور وہ انقلاب ایسا ہوگا کہ جس میں بڑی عزت والے سرداروں کو ذلیل وخوار ہونا پڑے گا لہٰذا میرے نزدیک بہتر ہے کہ ہم جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں اور نہ فی الفور چلا جانا مصلحت ہے اس لئے اول میں سلیمان کے پاس کچھ تحائف وہدایا بھیجتی ہوں اور اس اثنا میں انتظار کرتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ اس طرح ہمیں ان کی طاقت۔ طبعی رجحانات۔ نوعیت حکومت وغیرہ کا پتہ لگ سکے گا کہ واقعی وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر کچھ تحفہ تحائف دے کر ہم آنے والی مصیبت کو ٹال سکیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ ورنہ جو کچھ رویہ معلوم ہوگا اس کے مناسب کارروائی کریں گے۔

چنانچہ ہدایا وتحائف کا سامان درست ہوا اور قاصد اس کو لے کر روانہ ہوئے۔ لکھا ہے کہ بلقیس نے بہت ہی گرانقدر تحفے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجے۔ سونا۔ موتی۔ جواہر۔ نادر سامان اور کنیز وغلام وغیرہ۔ اب جب وہ قاصد بمع تمام تحفے وہدایا کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو کیا جواب دے کر واپس کیا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ حق کو غلبہ عطا فرمائیں اور باطل کو مغلوب فرمائیں اللہ تعالیٰ دنیا کے مقابلہ میں ہمیشہ دین کو ترجیح دینے کی توفیق ہم کو عطا فرمائیں اور ہم دین کو ہر معاملہ میں مقدم اور ہر حال میں پیش نظر رکھیں اور اپنی دنیا کو دین کے ماتحت اور دین کے لئے معین ومددگار بنا کر رکھیں۔ یا اللہ! دنیا کا لالچ اور ساز وسامان ہمارے قدموں کو راہِ مستقیم سے نہ ڈگمگانے دے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ

سو جب وہ فرستادہ سلیمانؑ کے پاس پہنچا (اور تحفے پیش کئے تو سلیمانؑ نے) فرمایا کیا تم لوگ مال سے میری امداد کرتے ہو سو اللہ نے جو مجھ کو دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دے رکھا ہے

تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ

ہاں تم ہی اپنے اس ہدیہ پر اتراتے ہو گے۔ تم اُن لوگوں کے پاس لوٹ جاؤ سو ہم اُن پر ایسی فوجیں بھیجتے ہیں کہ اُن لوگوں سے اُن کا ذرا مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم اُن کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے

صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ

اور وہ ماتحت ہو جاویں گے۔ (سلیمانؑ کو اُس کا چلنا معلوم ہوا تو) انہوں نے فرمایا کہ اے اہل دربار تم میں کوئی ایسا ہے جو اس بلقیس کا تخت قبل اسکے کہ وہ لوگ میرے پاس مطیع ہو کر آویں حاضر کر دے۔

مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ

ایک قوی ہیکل جن نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اُٹھیں، اور میں اُس (کے لانے) پر طاقت رکھتا ہوں

عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا

(اور گو وہ بڑا قیمتی مرصع جواہرات سے ہے مگر) امانتدار (بھی) ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا اُس نے کہا کہ میں اُس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لا کر کھڑا کر سکتا ہوں

مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۖ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ

پس جب سلیمان علیہ السلام نے اُس کو اپنے روبرو رکھا دیکھا سو کہنے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تا کہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں

فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اور جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کیلئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے میرا رب غنی ہے اور کریم ہے۔

فَلَمَّا پس جب	جَآءَ آیا	سُلَيْمٰنَ سلیمانؑ	قَالَ اس نے کہا	اَتُمِدُّوْنَنِ کیا تم میری مدد کرتے ہو	بِمَالٍ مال سے	فَمَا پس جو	اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ مجھے دیا اللہ نے	
خَيْرٌ بہتر	مِّمَّا اس سے جو	اٰتٰىكُمْ اس نے تمہیں دیا	بَلْ بلکہ	اَنْتُمْ تم	بِهَدِيَّتِكُمْ اپنے تحفہ سے	تَفْرَحُوْنَ خوش ہوتے ہیں	اِرْجِعْ تو لوٹ جا	
اِلَيْهِمْ ان کی طرف	فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ ہم ضرور لائیں گے ان پر	بِجُنُوْدٍ ایسا لشکر	لَا قِبَلَ نہ طاقت ہوگی	لَهُمْ ان کو	بِهَا اس کی	وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ ہم ضرور نکالدیں گے انہیں		
مِّنْهَا وہاں سے	اَذِلَّةً ذلیل کر کے	وَّهُمْ اور وہ	صٰغِرُوْنَ خوار ہوں گے	قَالَ اس (سلیمان) نے کہا	يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اے سردارو!	اَيُّكُمْ تم میں سے کون		
يَاْتِيْنِيْ میرے پاس لائے گا	بِعَرْشِهَا اس کا تخت	قَبْلَ اس سے قبل	اَنْ کہ	يَّاْتُوْنِيْ وہ آئیں میرے پاس	مُسْلِمِيْنَ فرمانبردار ہو کر	قَالَ کہا		
عِفْرِيْتٌ ایک قوی ہیکل	مِّنَ الْجِنِّ جنات سے	اَنَا اٰتِيْكَ میں آپکے پاس لے آوں گا	بِهٖ اس کو	قَبْلَ اس سے قبل	اَنْ تَقُوْمَ کہ آپ کھڑے ہوں			
مِنْ مَّقَامِكَ اپنی جگہ سے	وَ اور	اِنِّيْ بیشک میں	عَلَيْهِ اس پر	لَقَوِيٌّ البتہ قوت والا	اَمِيْنٌ امانت دار	قَالَ اس نے جو	الَّذِيْ کہا	عِنْدَهٗ اس کے پاس
عِلْمٌ علم								
مِّنَ سے۔ کا	الْكِتٰبِ کتاب	اَنَا میں	اٰتِيْكَ بِهٖ میں اسکو تمہارے پاس لے آوں گا	قَبْلَ قبل	اَنْ يَّرْتَدَّ کہ پھر آئے	اِلَيْكَ تمہاری طرف		

طَرْفُكَ تمہاری نگاہ (پلک جھپکے)	فَلَمَّا رَاٰهُ پس جب سلیمان اسے دیکھا	مُسْتَقِرًّا رکھا ہوا	عِنْدَهٗ اپنے پاس	قَالَ اس نے کہا	هٰذَا یہ	مِنْ سے		
فَضْلِ رَبِّیْ میرے رب کا فضل	لِيَبْلُوَنِیْٓ تاکہ مجھے آزمائے	ءَاَشْكُرُ آیا میں شکر کرتا ہوں	اَمْ اَكْفُرُ یا ناشکری کرتا ہوں	وَمَنْ اور جس	شَكَرَ شکر کیا			
فَاِنَّمَا تو پس وہ	يَشْكُرُ شکر کرتا ہے	لِنَفْسِهٖ اپنی ذات کیلئے	وَمَنْ اور جس	كَفَرَ ناشکری کی	فَاِنَّ تو بیشک	رَبِّیْ میرا رب	غَنِیٌّ بے نیاز	كَرِیْمٌ کرم کرنیوالا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ بلقیس ملکۂ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط ملنے پر یہ طے کیا کہ پہلے کچھ ہدایا اور تحفے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجے جاویں اور دیکھا جائے کہ وہ قبول کرتے ہیں یا نہیں اور قاصد سلیمان علیہ السلام کے جاہ وجلال کے متعلق کیا خبر لا کر دیتا ہے چنانچہ بلقیس کا قاصد تمام تحفے وہدایا لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچا اور وہاں پیش کئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قاصد کو جو جواب عنایت فرمایا وہ ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس قاصد نے پہنچ کر ہدایا پیش کئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ تحفے تمہیں ہی مبارک رہیں۔ کیا تم نے مجھے محض ایک دنیوی بادشاہ سمجھا جو مال ومتاع کا لالچ دیتے ہو تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے جو روحانی اور ساتھ ہی مادی دولت مجھے عطا فرمائی ہے وہ تمہارے ملک و دولت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مجھے ان سامانوں کی ضرورت نہیں۔ تم واپس جاؤ اور جا کر کہہ دو کہ وہ حاضر ہو ورنہ ہم ایسا طاقتور کثیر لشکر بھیجیں گے کہ جس کا مقابلہ ان سے نہ ہو سکے گا ملک بھی ہاتھ سے جائے گا اور ذلت بھی اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ قاصد نے واپس جا کر پیغام جنگ پہنچا دیا۔ بلقیس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی بادشاہ نہیں۔ ان کی قوت اور طاقت کے مقابلہ میں جدال اور قتال سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ نہ کوئی حیلہ اور زور ان کے روبرو چل سکتا ہے آخر اظہار اطاعت کی غرض سے بڑے ساز وسامان کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہو گئی۔ جب ملک شام کے قریب پہنچی اور قاصد کے ذریعہ سے اطلاع بھیجی کہ میں ارا کین دولت سمیت حاضر خدمت ہوتی ہوں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے فرمایا کوئی ہے جو بلقیس کا تخت شاہی اس کے پہنچنے سے پیشتر میرے سامنے حاضر کر دے۔ اس میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو کسی طرح بلقیس پر اپنی خداداد عظمت وقوت کا اظہار مقصود تھا تا کہ وہ سمجھ لے کہ وہ نرے بادشاہ نہیں کوئی اور فوق العادت باطنی طاقت بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ الغرض اپنی شان نبوت اور خدا کی قدرت دکھانے کی غرض سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل دربار سے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو اس بلقیس کا تخت شاہی قبل اس کے کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر آوے لا کر حاضر کر دے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ بلقیس ملکۂ سبا کے تمام اموال ودولت میں تخت شاہی کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا کہ وہ ملکۂ سبا کی سب سے زیادہ محفوظ شے تھی جس کو سات محلات شاہی کے درمیان میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا کہ جہاں ملکہ کے اپنے آدمیوں کا گزر بھی نہیں تھا۔ اس تخت شاہی کا محل سے بغیر دروازہ یا قفل توڑے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالیٰ شانہ کی ہی قدرت کاملہ سے ہو سکتا تھا۔ اور اس کافرہ ملکہ کو حق تعالیٰ جل شانہ کی قدرت عظیمہ پر یقین دلانے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہو سکتا تھا اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار میں اس حاضر ہونے والی ملکہ کے تخت شاہی کا جس کو وہ بحفاظت اپنی سلطنت میں اپنے خاص محل کے اندر محفوظ کر کے

آرہی تھی انتخاب فرمایا اور اس کے تخت شاہی کو حاضر دربار کرنے کے لئے فرمایا اہل دربار میں سے ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا کہ میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے دربار سے اٹھیں اور گو وہ بہت وزنی ہے مگر میں اس کے لانے پر طاقت رکھتا ہوں اور گو بڑا قیمتی ہیرے جواہرات سے مرصع ہے مگر میں امانت دار بھی ہوں اس میں کوئی خیانت نہ کروں گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا کہ میں اس تخت شاہی کو تمہارے سامنے تمہاری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکر کھڑا کرسکتا ہوں۔ اب اس کی تفسیر میں کہ یہ کہنے والے کون تھے مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ کہنے والے جبرئیل تھے یا اور کوئی فرشتہ تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر حضرت آصف تھے اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ امام رازیؒ نے اسی تیسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے بھی اسی تیسرے قول کے مطابق تفسیر فرمائی ہے کہ یہاں صاحب علم سے مراد خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ اس مقام کی تفسیر حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے یوں فرمائی ہے کہ اس علم والے نے (مراد حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں) اس جن سے کہا کہ بس تجھ میں تو اتنی ہی قوت ہے کہ تو اس تخت کو میرے اجلاس سے اٹھنے سے پہلے لانے کو کہتا ہے اور میں اس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکر کھڑا کرسکتا ہوں کیونکہ میں قوت معجزہ سے لاؤں گا چنانچہ آپ نے حق تعالیٰ سے دعا کی یا کسی اسم الٰہی کے ذریعہ سے وہ تخت فوراً سامنے آموجود ہوا۔ جب سلیمان علیہ السلام نے اس کو اپنے روبرو رکھا ہوا دیکھا تو خوش ہوکر شکر کے طور پر فرمانے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے کہ میرے ہاتھ سے یہ معجزہ ظاہر کیا تاکہ حق تعالیٰ میری آزمائش کریں کہ میں شکر کرتا ہوں یا خدانخواستہ ناشکری کرتا ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص شکر کرتا ہے دنیا اور آخرت میں مزید انعامات مبذول ہوتے ہیں۔ ناشکری کرے گا تو خدائے ذوالجلال کا کیا نقصان۔ وہ ہمارے شکریوں سے قطعاً بے نیاز اور بذات خود کامل الصفات اور منبع الکمالات ہے۔ ہمارے کفران نعمت سے اس کی کسی صفت کمالیہ میں کمی نہیں آجاتی۔ میرا رب غنی ہے اور کریم ہے کہ ناشکروں کو فوراً سزا نہیں دیتا۔

یہی مضمون ایک صحیح حدیث قدسی میں بھی وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن وانس یک دل ہوکر اعلیٰ درجہ کے متقی بن جائیں تو اس سے میری سلطنت میں کچھ اضافہ نہ ہوجائے گا اور اگر تمہارے اگلے پچھلے جن وانس یک دل ہوکر اعلیٰ درجہ کے کافر بدکار ہوجائیں تو میری سلطنت میں کچھ نقصان نہ ہوجائے گا۔ اے بندو یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں شمار کرتا ہوں اور جن کا پورا بدلہ دوں گا پس جو کوئی بھلائی پائے وہ اللہ کی حمد وثنا کرے اور جو کوئی بھلائی کے سوا کچھ اور پائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

یہاں ان آیات کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تفصیل وتحقیق لکھی ہے کہ کسی کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں۔

"حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں یا بہتر نہیں۔ اور تحقیق اس مسئلے میں یہ ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (روح المعانی) ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو

مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہوکر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہونے کی امید ہو یا اس کے کسی شر وفساد کو اس کے ذریعہ رفع کیا جاسکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس معاملہ میں یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمالیا۔ بعض کا رد کردیا۔ عمدۃ القاری شرح بخاری میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ براء کا بھائی عامر بن مالک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے پہنچا جبکہ وہ مشرک کافر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے اس کا ہدیہ یہ فرما کر واپس کردیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔ اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے اس کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرمادیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے۔ ان کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے بحالت شرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا۔ آپ نے قبول فرمالیا۔ اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی حریر کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا۔ آپ نے قبول فرمالیا۔ شمس الائمہ اس کو (عمدۃ القاری شرح بخاری میں) نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کا ہدیہ رد کردینے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید نہ تھی وہاں رد کردیا اور بعض کا ہدیہ قبول کرنے میں اس کے مسلمان ہوجانے کی امید تھی تو قبول کرلیا۔" (معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۵۱۸-۵۸۳)

الغرض حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے تخت شاہی کو اپنے دربار میں منگالیا تاکہ حاضر ہونے والی کافر ملکہ کو شان نبوت اور خدا کی قدرت دکھانا چاہتے تھے اور اس کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ تیری بادشاہی اللہ کی قدرت اور نبوت کی طاقت کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں۔ اب جبکہ اس کا تخت شاہی آپہنچا اور ابھی بلقیس راستہ ہی میں تھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل وفہم آزمانے کے لئے حکم دیا کہ اس کے تخت کی صورت بدل دو مثلاً جواہرات کے مواقع بدل دو یا دوسرے رنگ کے لگا دو پھر دیکھیں کہ وہ اس کو پہچانتی ہے یا نہیں اور اس سوال کے جواب میں کہ کیا تمہارا تخت شاہی ایسا ہی ہے وہ کیا جواب دیتی ہے۔ یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو دین و دنیا کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس پر ہم کو حقیقی شکر گزاری کی توفیق بھی عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمائیں اور کفران نعمت کے وبال سے بچائیں۔

یا اللہ! دنیا کی ہر نعمت کو ہمارے لئے آخرت کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ بنادیجئے اور ہر حال میں اپنی طاعت وعبادت اور حمد وثنا کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ

سلیمانؑ نے حکم دیا کہ اس کیلئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ اس کو اس کا پتہ لگتا ہے یا اُس کا اُن ہی میں شمار ہے جن کو (ایسی باتوں کا پتہ نہیں لگتا۔ سو جب بلقیس آگئی

قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا

تو اس سے کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے، وہ کہنے لگی کہ ہاں ہے تو ویسا ہی اور (یہ بھی کہا کہ) ہم لوگوں کو تو اس موقع سے پہلے ہی تحقیق ہو چکی ہے اور ہم مطیع ہو چکے ہیں۔

مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ

اور اس کو (ایمان لانے سے) غیر اللہ کی عبادت نے روک رکھا تھا، وہ کافر قوم میں کی تھی۔ بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو، تو جب اس کا صحن دیکھا تو اُس کو پانی سمجھا

حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ

اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھولدیں، (اُس وقت) سلیمانؑ نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو شیشوں سے بنایا گیا ہے، (اُس وقت) بلقیس کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار

نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

میں نے (اب تک) اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور میں سلیمانؑ کے ساتھ ہو کر رب العالمین پر ایمان لائی۔

قَالَ اسنے کہا	نَكِّرُوْا وضع بدل دو	لَهَا اس کیلئے	عَرْشَهَا اس کا تخت	نَنْظُرْ ہم دیکھیں	اَتَهْتَدِيْٓ آیا وہ راہ پاتی (سمجھ جاتی ہے)	اَمْ تَكُوْنُ یا ہوتی ہے		
مِنَ سے	الَّذِيْنَ جو لوگ	لَا يَهْتَدُوْنَ راہ نہیں پاتے (نہیں سمجھتے)	فَلَمَّا پس جب	جَآءَتْ وہ آئی	قِيْلَ کہا گیا	اَهٰكَذَا کیا ایسا ہی ہے		
عَرْشُكِ تیرا تخت	قَالَتْ وہ بولی	كَاَنَّهٗ گویا کہ یہ	هُوَ وہی	وَاُوْتِيْنَا اور ہمیں دیا گیا	الْعِلْمَ علم	مِنْ قَبْلِهَا اس سے قبل	وَكُنَّا اور ہم ہیں	
مُسْلِمِيْنَ مسلمان فرمانبردار	وَصَدَّهَا اور اس نے اس کو روکا	مَا جو	كَانَتْ تَّعْبُدُ وہ پرستش کرتی تھی	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوائے				
اِنَّهَا بیشک وہ	كَانَتْ تھی	مِنْ قَوْمٍ قوم سے	كٰفِرِيْنَ کافروں	قِيْلَ کہا گیا	لَهَا اس سے	ادْخُلِي تو داخل ہو	الصَّرْحَ محل	فَلَمَّا پس جب
رَاَتْهُ اس نے اسکو دیکھا	حَسِبَتْهُ اسے سمجھا	لُجَّةً گہرا پانی	وَّكَشَفَتْ اور کھول دیں	عَنْ سے	سَاقَيْهَا اپنی پنڈلیاں	قَالَ اس نے کہا	اِنَّهٗ بیشک وہ	
صَرْحٌ محل	مُّمَرَّدٌ جڑا ہوا	مِّنْ سے	قَوَارِيْرَ شیشے	قَالَتْ وہ بولی	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّيْ ظَلَمْتُ بیشک میں نے ظلم کیا	نَفْسِيْ اپنی جان	
	وَاَسْلَمْتُ اور میں ایمان لائی	مَعَ ساتھ	سُلَيْمٰنَ سلیمان	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کا رب			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ جب ملکۂ سبا کے قاصد تحائف لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحائف پیش کئے تو آپ نے وہ سارے تحائف رد کر دیئے اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کوئی مال دولت کی طمع تو تھی نہیں آپ کا تو اصل مقصد یہ تھا کہ اہل سبا اللہ پر ایمان لے آئیں اور آفتاب پرستی کے کفر وشرک سے باز رہیں۔

چنانچہ قاصد جب واپس ہوئے اور انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی جو شوکت وعظمت دیکھی تھی اس کو ملکۂ سبا سے بیان کیا تو اس نے طے کر لیا کہ تعمیل ارشاد کے سوا اسے چارہ نہیں چنانچہ وہ حاضر خدمت ہونے کے لئے اپنے ملک سے روانہ ہوگئی۔ ادھر

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی شان نبوت اور قدرت الٰہی دکھانے کی غرض سے بلقیس ملکہ سبا کا تخت شاہی اپنے دربار میں منگوالیا اور بلقیس کی عقل آزمانے کے لئے کہ صحت عقائد ایمان واسلام اور حق وباطل سمجھنے کی اس میں کہاں تک استعداد ہے اس میں کچھ تبدیلیوں کا حکم دیا چنانچہ آپ کے حکم سے بلقیس کے تخت شاہی کے رنگ روپ وغیرہ میں کچھ تبدیلی کردی گئی۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچی تو بحکم حضرت سلیمان علیہ السلام وہ شاہی تخت بلقیس کے سامنے لایا گیا اور اس سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارا تخت شاہی ایسا ہی ہے؟ یہ سوال خواہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود کیا ہو یا کسی سے کہلوایا ہو۔ اب بلقیس اس تخت کو غور سے دیکھنے لگی اور بڑی عقلمندی کا جواب دیا اور کہنے لگی کہ ہاں ہے تو ویسا ہی۔ گویا اس نے اپنے جواب میں نہ تو بالکل صاف کہا کہ ہاں وہی ہے اور نہ بالکل نفی کی بلکہ جو حقیقت تھی ٹھیک ظاہر کردی یعنی تخت کی ساخت اور مجموعی حیثیت تو یہ بتارہی ہے کہ یہ میرا ہی تخت ہے مگر قدرے رنگ روپ اور ہیئت کی تبدیلی اس یقین میں تردد پیدا کررہی ہے اس لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ یقیناً میرا ہی تخت ہے۔ تو بلقیس اس کو پہچان گئی اور اس کے بدل دینے کو بھی سمجھ گئی اس لئے جواب بھی سوال کے مطابق دیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہی ہے۔ اور پھر ساتھ ہی یہ بھی کہنے لگی کہ مجھ کو تو آپ کی بے نظیر اور عدیم المثال قوت وطاقت کا پہلے ہی علم ہو چکا ہے جب سے کہ قاصد سے آپ کے کمالات معلوم ہوئے تھے اسی لئے میں مطیع اور فرمانبردار بن کر حاضر ہوئی ہوں اور اب تخت کا یہ محیر العقول معاملہ تو آپ کی لاثانی طاقت کا مظاہرہ ہے اس لئے ہم پھر ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں اظہار وفاداری اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔ چونکہ ملکہ سبا یعنی بلقیس کا یہ اظہار اعتقاد دلیل کمال عقل کی ہے اس لئے آگے آیت میں اللہ تعالیٰ اس کے عاقل ہونے کا مضمون بیان فرماتے ہیں کہ فی الواقع وہ تھی سمجھ دار مگر کچھ عرصہ تک جو ایمان نہ لائی تھی تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کو غیر اللہ کی عبادت نے جس کی اس کو عادت تھی روک رکھا تھا اور وہ عادت اس لئے پڑ گئی تھی کہ وہ کافر قوم میں سے تھی پس جو سب کو دیکھا وہی آپ کرنے لگی مگر تھی چونکہ عاقل جب تنبیہ کی گئی تو متنبہ ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ چاہا کہ علاوہ اعجاز اور شان نبوت دکھلانے کے اس کو ظاہری شان سلطنت بھی دکھلادی جائے تاکہ وہ اپنے کو دنیا کے اعتبار سے بھی عظیم نہ سمجھے اس لئے آپ نے ایک شیش محل بنوا کر اس کے صحن میں حوض بنوایا اور اس میں پانی اور مچھلیاں بھر کر اس کو شیشہ سے پاٹ دیا اور شیشہ ایسا شفاف تھا کہ دیکھنے میں نظر نہ آتا تھا اور وہ حوض ایسے موقع پر تھا کہ اس محل میں جانے والے کو لامحالہ اس پر سے عبور کرنا پڑے چنانچہ بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو اور ممکن ہے کہ وہی محل اس کے قیام کے لئے تجویز کیا ہو تو اس میں جانا اور ٹھہرنا ضروری ہوا۔ اب جب چلیں تو راہ میں حوض آیا اور چونکہ شیشہ کا فرش تھا اس لئے دیکھنے والوں کی نگاہ یقین کر لیتی تھی کہ صحن میں صاف شفاف پانی بہہ رہا ہے۔ اب بلقیس جو حوض کے کنارہ پر پہنچی تو محل میں جانے کا اور کوئی راستہ نہ تھا اس لئے مجبوراً پانی میں داخل ہونے کے لئے اس نے پائنچے یا دامن سمیٹ کر اوپر اٹھائے جس سے پنڈلیاں کھل گئیں۔ اس وقت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو سب کا سب مع صحن شیشوں سے بنایا گیا ہے اور یہ حوض بھی شیشہ سے بنا ہوا ہے دامن اٹھانے کی ضرورت نہیں اس وقت بلقیس کو معلوم ہوگیا کہ یہاں دنیوی ساز وسامان بھی ایسے ہیں کہ جو آج تک میں نے آنکھ سے نہیں دیکھے تو اب ان کے دل میں ہر طرح سے سلیمان علیہ السلام کی عظمت پیدا ہوئی اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس وقت تک یہ جو کچھ ہوتا رہا ہے یہ صرف ایک زبردست بادشاہ کی قاہرانہ طاقتوں کا مظاہرہ نہیں بلکہ مجھ پر یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ سلیمان کو یہ بے نظیر طاقت اور یہ معجزانہ قدرت کسی ایسی ہستی کی عطا کردہ ہے جو شمس وقمر بلکہ کل کائنات کا تنہا مالک ہے اور اس لئے سلیمان مجھ

سے اپنی تابعداری اور فرمانبرداری کے طالب نہیں بلکہ اسی ایک واحد یکتا ذات کی اطاعت کی طرف دعوت دینا ان کا مقصد ہے۔

بس ملکہ کے دماغ میں یہ خیال آنا تھا کہ اس نے فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ایک شرمسار اور نادم انسان کی طرح درگاہِ الٰہی میں یہ اقرار کیا کہ پروردگار آج تک ماسوا اللہ کی پرستش کرنے کفر و شرک میں ملوث رہنے اور آفتاب و ماہتاب کو اپنا معبود سمجھنے میں میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا مگر اب میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہوکر ایک خدا ہی پر ایمان لاتی ہوں جو تمام کائنات کا پروردگار ہے۔ اب ملکہ سبا شرک سے تائب ہوکر خالص مومنہ بن گئیں۔ اور اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیغام واتونی مسلمین کی حقیقی مراد تک پہنچ کر ایمان اور اسلام کو قبول کرلیا۔

یہاں اس سورۃ میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کا واقعہ اسی پر ختم ہوگیا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوکر مشرف بایمان ہوگئی۔ اس کے بعد کیا حالات پیش آئے قرآن کریم نے اس سے سکوت کیا ہے مگر ابن عسا کرنے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ اس کے بعد بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آگئی اور اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھ کر یمن واپس بھیج دیا۔ ہر مہینہ حضرت سلیمان علیہ السلام وہاں تشریف لے جاتے اور تین روز قیام فرماتے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کیلئے یمن میں تین عمدہ محلات ایسے تیار کرا دیئے تھے جس کی مثال و نظیر نہ تھی۔ (معارف القرآن جلد ششم ص ۵۸۸)

اب یوں تو قرآن پاک کے ایک ایک لفظ۔ ایک ایک جملہ اور ایک ایک آیت میں نہ معلوم کتنے راز اور حکمتیں پوشیدہ ہیں مگر بظاہر حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قصہ سے کئی اہم مقصد جتلانے مقصود معلوم ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ کفار مکہ جو اپنی سرداری پر پھول رہے تھے ان کو یہ جتلایا گیا کہ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام جن کو خدا نے کیسی حکومت۔ سلطنت۔ دولت و حشمت عطا کر رکھی تھی جس کا کہ تم خواب بھی نہیں دیکھ سکتے وہ کیسے ہر وقت اپنے منعم حقیقی کے آگے جھکے رہتے تھے اور کس طرح اپنے رب کی شکرگزاری کرتے تھے کہ غرور اور تکبر کا نام ونشان بھی ان میں نہ تھا۔

دوسرے یہ کہ ملکۂ سبا جو تاریخ عرب کی ایک مشہور دولت مند قوم پر حکمران تھی اور اس کے پاس تمام وہ اسباب جمع تھے جو کسی انسان کو غرور نفس میں مبتلا کر سکتے ہیں پھر وہ ایک مشرک قوم سے تعلق رکھتی تھی اور تقلید آبائی کی بنا پر اور قوم میں اپنی سرداری برقرار رکھنے کی خاطر اس کے لئے دین شرک کو چھوڑ کر دین توحید اختیار کرنا کتنا مشکل تھا مگر جب اس پر حق واضح ہوگیا تو وہ قبول حق سے باز نہ رہ سکی۔ اور اس نے آبائی دین کو چھوڑ کر ایمان واسلام اختیار کرلیا۔ تو کفار مکہ کو اس نمونہ سے عبرت اور سبق حاصل کرنا چاہئے اور اپنے کفر وشرک کے بے جا اصرار کو ترک کر دینا چاہئے۔

تیسرے اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اشارۃً تسلی ہے کہ مثل لشکر سلیمانی کے ہم آپ کے لشکر کو بھی ان کفار پر اگر یہ ایمان نہ لائے مسلط کر دیں گے چنانچہ بعد میں جہاد شروع ہوگیا۔

اب آگے تیسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی حق ظاہر ہوجانے پر حق کے اتباع اور باطل سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اسلام اور ایمان کی جو دولت ہم کو عطا فرمائی ہے اس پر استقامت اور حقیقی شکر کی توفیق نصیب فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ قَالَ

اور ہم نے ثمود کے پاس اُن کے (برادری کے) بھائی صالحؑ کو بھیجا یہ (پیغام دیکر) کہ تم اللہ کی عبادت کرو سو اچانک اُن میں دو فریق ہو گئے جو باہم جھگڑنے لگے۔ صالحؑ نے فرمایا

يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٦﴾

کہ اے بھائیو تم نیک کام (یعنی توبہ و ایمان) سے پہلے عذاب کو کیوں جلدی مانگتے ہو تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر سے) معافی کیوں نہیں چاہتے جس سے توقع ہو کہ تم پر رحم کیا جاوے۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰۗىِٕرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿٤٧﴾

وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں، صالحؑ نے فرمایا کہ تمہاری (اس) نحوست کا سبب اللہ کے علم میں ہے بلکہ تم وہ لوگ ہو کہ (کفر کی بدولت) عذاب میں مبتلا ہو گے۔

وَ اور	لَقَدْ اَرْسَلْنَا تحقیق ہم نے بھیجا	اِلٰى طرف	ثَمُوْدَ ثمود	اَخَاهُمْ ان کے بھائی	صٰلِحًا صالحؑ	اَنِ کہ	اعْبُدُوا اللّٰهَ اللہ کی عبادت کرو	
فَاِذَا پس ناگہاں	هُمْ وہ	فَرِيْقٰنِ دو فریق ہو گئے	يَخْتَصِمُوْنَ باہم جھگڑنے لگے وہ	قَالَ اس نے کہا	يٰقَوْمِ اے میری قوم	لِمَ کیوں		
تَسْتَعْجِلُوْنَ تم جلدی کرتے ہو	بِالسَّيِّئَةِ برائی کیلئے	قَبْلَ پہلے	الْحَسَنَةِ بھلائی	لَوْ کیوں	لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ تم بخشش نہیں مانگتے			
اللّٰهَ اللہ	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تُرْحَمُوْنَ تم پر رحم کیا جائے	قَالُوا وہ بولے	اطَّيَّرْنَا برا شگون	بِكَ تجھ سے	وَبِمَنْ اور وہ جو	مَّعَكَ تیرے ساتھ (ساتھی)	
	قَالَ اس نے کہا	طٰۗىِٕرُكُمْ تمہاری بدشگونی	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	بَلْ بلکہ	اَنْتُمْ تم	قَوْمٌ ایک قوم	تُفْتَنُوْنَ آزمائے جاتے ہو	

تفسیر و تشریح:۔ اس سورۃ میں پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ بیان فرمایا گیا تھا اس کے بعد دوسرا قصہ داؤد علیہ السلام کا اجمالاً اور سلیمان علیہ السلام کا قدرے تفصیلاً بیان فرمایا گیا۔ اب تیسرا قصہ قوم ثمود اور اس کے پیغمبر صالح علیہ السلام کا بیان فرمایا جاتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کا تذکرہ اس سے پہلے سورۂ اعراف۔ سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں بھی ہو چکا ہے۔ قرآن کریم کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کو مختلف سورتوں کے مضامین کے مناسب نئے انداز میں بیان کرنے کے باوجود واقعہ کی اصل حقیقت میں ادنیٰ سا فرق بھی نہیں آنے دیتا۔ کہیں ایک ہی واقعہ کی تفصیل ہے تو کہیں اجمال۔ کسی مقام پر اس کا ایک پہلو نظر انداز کر دیا گیا ہے تو دوسرے مقام پر اسی کو نمایاں حیثیت دی گئی۔ تاریخی واقعات میں سے جب قرآن پاک کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اپنے مقصد ''وعظ و تذکیر'' کے پیش نظر واقعہ کی اسی قدر جزئیات کو نقل کرتا ہے جو مقصد کے لئے ضروری ہیں۔

یہاں اس سورۃ میں ان آیات میں حضرت صالح علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کو جو قوم ثمود کے وطنی اور قومی بھائی تھے قوم ثمود کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی توحید کی طرف بلایا۔ شرک سے منع کیا اور اللہ کی بندگی و اطاعت کی نصیحت فرمائی اس تبلیغ و دعوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ لوگ مومن بن گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ کا پیغمبر برحق تسلیم کر لیا اور آپ کی ہدایات کے موافق عمل پیرا ہو گئے اور کچھ لوگ بدستور مشرک بنے رہے۔ اللہ کے پیغمبر کی تکذیب پر جمے رہے تو گویا حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت سے قوم دو گروہوں میں بٹ گئی ایک گروہ ایمان لانے والوں کا اور دوسرا گروہ انکار کرنے والوں کا۔ اور اس تفرقہ کے ساتھ ہی ان کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔ یہاں یہ واضح رہے کہ ٹھیک یہی صورت حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

کے ساتھ مکہ میں پیدا ہوگئی تھی۔ قوم دو حصوں میں بٹ گئی اور اس کے ساتھ ہی ان دونوں گروہوں میں کشمکش شروع ہوگئی۔ اس لئے یہ قصہ ان حالات پر چسپاں ہورہا تھا جن حالات میں کہ یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے منکروں کو ہر چند عذاب الٰہی سے ڈرایا دھمکایا اور فرمایا کہ اگر میرا کہنا نہ مانو گے تو تباہ ہوجاؤ گے مگر کافروں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی بلکہ گستاخی میں مزید اضافہ ہوگیا اور بے باکی کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ حضرت صالح علیہ السلام سے کہنے لگے کہ تم ہم کو عذاب اور ہلاکت سے کیا ڈراتے ہو۔ لاؤ وہ عذاب کہاں ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس پر فرمایا کہ کم بختو! ایمان اور توبہ اور بھلائی و اطاعت کی راہ تو اختیار نہیں کرتے جو دنیا اور آخرت میں کام آئے۔ الٹے برائی طلب کرنے میں جلدی مچا رہے ہو۔ جب وہ وقت آپڑے گا تو سارا دم خم ختم ہوجائے گا۔ ابھی موقع ہے کہ گناہوں سے توبہ کرکے محفوظ ہوجاؤ۔ کیوں توبہ و استغفار نہیں کرتے جو حق تعالیٰ عذاب کی جگہ اپنی رحمتیں تم پر نازل فرمائے۔ تو اس کے جواب میں منکرین نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تمہارے آتے ہی ہماری قوم میں پھوٹ پڑگئی۔ گھر گھر لڑائی جھگڑے شروع ہوگئے اور ہم پر قحط وغیرہ کی سختیاں پڑتی جاتی ہیں یہ سب تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ (معاذ اللہ) جب سے تم نے ہمارے دیوتاؤں کی مذمت شروع کی ہے آئے دن ہم پر کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہوتی رہتی ہے کیونکہ ہمارے معبود ہم سے ناراض ہوگئے ہیں۔ سرکش اور معصیت شعار قوم کو جب ہلاکت سے پہلے کسی قدر تنبیہاً جھنجھوڑا جاتا ہے اور دنیوی مصائب میں مبتلا کرکے توبہ کا موقع دیا جاتا ہے تو وہ اپنی مصیبت کا باعث اہل حق کو قرار دیتی ہے۔ فرعون کی قوم نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہی کہا تھا جیسا کہ قرآن پاک میں دوسری جگہ بتلایا گیا کہ اگر ان کو یعنی فرعونیوں کو بھلائی حاصل ہوتی تو کہتے ہم اس کے حق دار ہی ہیں ہم کو یہ پہنچنا ہی چاہئے تھا۔ اور اگر کبھی خرابی اور مصیبت آپڑی تو اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست کہتے۔ مکہ کے کافروں کا بھی یہی حال تھا۔ قریب قریب ایسے ہی باتیں اور ایسے ہی الزامات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر لگاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سرداران قریش کا جو وفد ابو طالب کے پاس گیا تھا اس نے یہی کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالہ کردو جس نے تمہارے دین اور تمہارے باپ دادا کے دین کی مخالفت کی ہے اور تمہاری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ساری قوم کو جاہل اور بے وقوف قرار دیا ہے۔

الغرض حضرت صالح علیہ السلام نے ان منکروں کو جواب دیا کہ یہ سختیاں یا برائیاں میری وجہ سے نہیں۔ تمہاری بدقسمتی سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری شرارتوں اور بداعمالیوں کے سبب سے مقدر کی ہیں اور یہ تمہارے کفر کی شامت سے تم پر یہ سختی پڑی ہے کہ دیکھیں سمجھتے ہو یا نہیں۔

ثمود بجائے اس کے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی نصائح کا کچھ اچھا اثر لیتے الٹا آپ کی جان کے دشمن ہوگئے اور اب یہ سازش کرنے لگے کہ کس طرح حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں کو قتل کرکے اس قصہ کو ختم کیا جاوے جیسا کفار مکہ نے بھی ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی تھی۔ مگر اہل باطل اہل حق کو مغلوب اور ختم کرنے کی کیسی ہی خفیہ تدبیریں کریں مگر تدبیر الٰہی کے آگے اہل باطل کی تدبیریں کہاں چل سکتی ہیں۔ چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش جو کفار نے کی تو اس کا کیا نتیجہ اور انجام ہوا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہم کو ان نافرمان اور اپنے پیغمبروں سے سرکشی کرنے والی قوموں سے عبرت و نصیحت عطا فرمائیں۔ اور ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ

اوراس بستی میں نوشخص تھے جوسرزمین میں فساد کیا کرتے تھے اور (ذرا) اصلاح نہ کرتے تھے۔انہوں نے کہا کہ آپس میں سب (اس پر) اللہ کی قسم کھاؤ

لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا

کہ ہم شب کے وقت صالح اوراُن کے متعلقین کو جامار یں گے پھراُن کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم اُن کے متعلقین اور خوداُن کے مارے جانے میں موجود (بھی) نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔

وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ

اور (یہ مشورہ کرکے) انہوں نے ایک خفیہ تدبیر کی اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور اُن کو خبر بھی نہ ہوئی۔ سو دیکھئے اُن کی شرارت کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے اُن کو اور (پھر) اُن کی قوم کو سب کو (آسمانی عذاب سے) غارت کردیا۔

بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

سو یہ ان کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں اُن کے کفر کے سبب سے بلاشبہ اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے دانش مندوں کیلئے۔اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کو نجات دی۔

وَكَانَ اور تھے	فِي الْمَدِيْنَةِ شہر میں	تِسْعَةُ نو	رَهْطٍ شخص	يُّفْسِدُوْنَ وہ فساد کرتے تھے	فِي الْاَرْضِ زمین (ملک) میں	وَ اور
لَا يُصْلِحُوْنَ اصلاح نہیں کرتے تھے	قَالُوْا وہ کہنے لگے	تَقَاسَمُوْا تم باہم قسم کھاؤ	بِاللّٰهِ اللہ کی	لَنُبَيِّتَنَّهٗ البتہ ہم ضرور شب خون ماریں گے اس پر		
وَاَهْلَهٗ اور اس کے گھر والے	ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ پھر ضرور ہم کہدیں گے	لِوَلِيِّهٖ اسکے وارثوں سے	مَا شَهِدْنَا ہم موجود نہ تھے	مَهْلِكَ ہلاکت کے وقت		
اَهْلِهٖ اسکے گھر والے	وَاِنَّا اور بیشک ہم	لَصٰدِقُوْنَ البتہ سچے ہیں	وَمَكَرُوْا اور انہوں نے مکر کیا	مَكْرًا ایک تدبیر	وَمَكَرْنَا اور ہم نے خفیہ تدبیر کی	
مَكْرًا ایک تدبیر	وَهُمْ اور وہ	لَا يَشْعُرُوْنَ نہ جانتے تھے	فَانْظُرْ پس دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام
مَكْرِهِمْ ان کا مکر	اَنَّا کہ ہم					
دَمَّرْنٰهُمْ ہم نے تباہ کردیا انہیں	وَقَوْمَهُمْ اور ان کی قوم	اَجْمَعِيْنَ سب کو	فَتِلْكَ اب یہ	بُيُوْتُهُمْ ان کے گھر	خَاوِيَةً گرے پڑے	بِمَا ظَلَمُوْا ان کے ظلم کے سبب
اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں	وَاَنْجَيْنَا اور ہم نے نجات دی	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	
اٰمَنُوْا وہ ایمان لائے	وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ اور وہ پرہیزگاری کرتے تھے					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ ثمود بجائے اس کے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی پندونصائح کا کچھ اچھا اثر لیتے الٹا آپ کی جان کے دشمن بن گئے اور سازش کرنے لگے کہ کس طرح آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو قتل کردیا جائے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ثمود کی ۹ جماعتیں تھیں اور ہر جماعت کا ایک سردار تھا۔ تو ان ۹ سرداروں نے جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور خرابی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا باہم صلاح ومشورہ کیا کہ صالح کی طرف سے روزانہ ہماری جانیں ضیق میں ہیں اس لئے ایک دن فیصلہ ہی کرلو۔ چنانچہ آپس میں معاہدہ اور حلف ہوئے کہ سب مل کر رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر ٹوٹ پڑو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ پھر جب کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرنے والا کھڑا ہو تو کہہ دینا کہ ہمیں خبر نہیں اس کے گھر کی تباہی ہماری آنکھوں نے دیکھی ہی نہیں۔ مطلب یہ کہ ہم خود ایسی حرکت کیا کرتے اس وقت ہم موجود بھی نہ تھے۔ اس طرح کی متفقہ سازش اور دروغ گوئی سے ہم میں سے ایک بھی ملزم نہ ٹھہر سکے گا جس سے ان کے حمایتی خون کا حق وصول کرسکیں۔

بعینہٖ اسی نوعیت کی سازش کفار مکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سوچتے رہتے تھے اور بالآخر یہی سازش انہوں نے

ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاذ اللہ قتل کرنے کے لئے کی یعنی سب قبیلوں کے لوگ مل کر آپ پر حملہ کریں تا کہ بنی ہاشم کسی ایک قبیلہ کو ملزم نہ ٹھہرا سکیں اور سب قبیلوں سے بیک وقت لڑنا ان کے لئے ممکن نہ ہو۔ الغرض ثمود کے ان نو سرداروں نے اول اتفاق کر کے اونٹنی کو ہلاک کیا جس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تین روز اپنے گھروں میں اور مزے اڑا لو چوتھے روز ایسا عذاب آئے گا کہ تم سب کو ہلاک کر کے نیست ونابود کر دے گا۔ اس پر ان سرداروں نے آپس میں ٹھہرایا کہ صالح تین دن بعد ہماری ہلاکت کا اعلان کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کا کام تین دن سے پہلے ہی تمام کردو۔ چنانچہ آپس میں طے کیا کہ رات کے وقت حملہ کر کے حضرت صالح علیہ السلام کو مع اہل وعیال قتل کر دیا جائے۔ یہ نو سردار اس ناپاک مقصد کے لئے تیار ہوئے باقی کفار ان کے تابع یا معین تھے۔ جس پہاڑ سے اونٹنی بطور معجزہ پیدا ہوئی اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی مسجد تھی جہاں آپ عبادت کرتے اور نماز پڑھتے تھے تو انہوں نے مشورہ کیا کہ جب صالح نماز کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کر دو اور پھر وہاں سے لوٹ کر اس کے گھر والوں کو ختم کر دو اس مشورہ اور ارادہ سے جب وہ پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آ رہی ہے اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے۔ چٹان آ کر غار کے منہ پر اس طرح رک گئی کہ غار کا منہ بالکل بند ہو گیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان سرداروں نے ایک خاص خفیہ تدبیر کی تھی مگر اس کے مقابلہ میں اللہ نے بھی ایک خاص خفیہ تدبیر کی کہ ان کو پتہ بھی نہ چلا اور پھر دیکھ لو ان کی شرارتوں کا کیا انجام ہوا۔ خود بھی تباہ ہوئے اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ تباہ کیا چنانچہ تین دن بعد ہولناک زلزلہ اور کڑک سے ساری آبادی تباہ ہو گئی اور ان کا ایسا ستیاناس ہوا کہ کوئی نام لیوا باقی نہ رہا۔ مکہ والے تبوک کے راستہ سے شام کا سفر کرتے تو وادی القریٰ سے گزرنا ہوتا جہاں ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اس وقت تک موجود تھے۔ آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ جو وادی القریٰ میں گزرتے ہوئے کھنڈرات دیکھتے ہو یہ انہیں مکانات کے کھنڈرات ہیں جن میں قوم ثمود کے لوگ رہتے تھے۔ ان کی بستیاں اب کیسی اُجڑی پڑی ہیں اور یہ ان کے کفر وظلم کی سزا انہیں ملی۔ خدا ظالم نہیں کہ خوامخواہ کسی قسم یا بستی کو برباد کر ڈالے درحقیقت یہ تباہی کا باعث قوم کی بدکرداریاں اور بے جا کرتوت ہوتے ہیں اس قوم ثمود کی تباہی میں سوچنے اور سمجھنے والوں کے لئے عبرت ہے کہ اپنے پیغمبر کا کہنا نہ ماننا اور الٹا اس کا دشمن بن جانا اور کفر وظلم پر جمے رہنا اور اللہ سے بغاوت وسرکشی برتنا دنیا ہی میں کیا تباہی لاتا ہے۔ آخرت میں تو جو بھگتنا ہوگا وہ الگ رہا۔ پھر اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ خدا کی قدرت دیکھو کہ جہاں قوم ثمود کے ایک ایک کافر کو ہلاک کیا گیا وہیں اللہ نے اپنے فضل وکرم سے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ان ساتھیوں کو جو آپ پر ایمان لے آئے تھے اور کفر وشرک اور ظلم وستم سے بچ کر چلتے تھے ان سب کو بچا لیا۔

حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کی قوم ثمود کا قصہ یہاں ختم فرمادیا گیا اس واقعہ میں جہاں کفار مکہ اور مشرکین عرب کے لئے عبرت کا سامان تھا وہیں اہل ایمان کو بھی سبق حاصل کرنا چاہئے کہ اللہ اور رسول کی نافرمانی کرنے والوں کا انجام سوا تباہی کے کچھ نہیں۔ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ اہل باطل اہل حق کو مغلوب وختم کرنے کی کیسی ہی خفیہ تدبیریں کریں مگر اللہ کی غیبی تدبیر اہل حق کی حفاظت اور اہل باطل کی بربادی میں لگی رہتی ہے۔ جس کو کہ کور بصیرت اور عقل کے اندھے نہیں دیکھتے۔

اب آگے چوتھا قصہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿۵۴﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھیجا تھا جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو حالانکہ سمجھدار ہو کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو

مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوا

عورتوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم (محض) جہالت کرر ہے ہو۔ سو (اس تقریر کا) اُن کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ لوطؑ کے لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو

آلَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿۵۶﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا

یہ لوگ بڑے پاک وصاف بنتے ہیں۔ سو ہم نے لوطؑ کو اور ان کے متعلقین کو بچالیا بجز اُن کی بیوی کے اُس کو ہم نے اُن ہی لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا

مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۵۷﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ

جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے اُن پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا سو ان لوگوں کا کیا بُرا مینہ تھا جو ڈرائے گئے تھے آپ کہیئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے سزاوار ہیں

عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ۗ آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾

اور اُس کے اُن بندوں پر سلام (نازل) ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا ہے، کیا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

وَلُوطًا اور لوطؑ	اِذْ قَالَ جب اس نے کہا	لِقَوْمِهٖ اپنی قوم سے	اَتَاْتُوْنَ کیا تم آگئے (اتر آئے) ہو	الْفَاحِشَةَ بے حیائی	وَاَنْتُمْ اور تم			
تُبْصِرُوْنَ دیکھتے ہو	اَئِنَّكُمْ کیا تم	لَتَاْتُوْنَ آئے ہو	الرِّجَالَ مردوں کے پاس	شَهْوَةً شہوت رانی کیلئے	مِنْ عورتوں کے سوا	دُوْنِ النِّسَآءِ عورتوں کو چھوڑ کر		
بَلْ بلکہ	اَنْتُمْ تم	قَوْمٌ لوگ	تَجْهَلُوْنَ جہالت کرتے ہو	فَمَا پس نہ	كَانَ تھا	جَوَابَ جواب	قَوْمِهٖ اس کی قوم	اِلَّآ اَنْ مگر صرف یہ کہ
قَالُوْا انہوں نے کہا	اَخْرِجُوْا نکال دو	اٰلَ لُوْطٍ لوطؑ کے ساتھی	مِنْ سے	قَرْيَتِكُمْ اپنا شہر	اِنَّهُمْ بیشک وہ	اُنَاسٌ لوگ	يَتَطَهَّرُوْنَ پاکیزگی پسند کرتے ہیں	
فَاَنْجَيْنٰهُ سو ہم نے اسے بچالیا	وَاَهْلَهٗ اور اسکے گھر والے	اِلَّا سوائے	امْرَاَتَهٗ اس کی بیوی	قَدَّرْنٰهَا ہم نے اسے ٹھہرادیا تھا	مِنَ سے			
الْغٰبِرِيْنَ پیچھے رہ جانے والے	وَاَمْطَرْنَا اور ہم نے برسائی	عَلَيْهِمْ ان پر	مَطَرًا ایک بارش	فَسَآءَ سو کیا ہی بُرا	مَطَرُ بارش	الْمُنْذَرِيْنَ ڈرائے گئے		
قُلِ فرمادیں	الْحَمْدُ لِلّٰهِ تمام تعریفیں اللہ کیلئے	وَسَلٰمٌ اور سلام	عَلٰى عِبَادِهٖ اس کے بندوں پر	الَّذِيْنَ وہ جنہیں	اصْطَفٰى چُن لیا	آٰللّٰهُ کیا اللہ		
خَيْرٌ بہتر	اَمَّا یا جو	يُشْرِكُوْنَ وہ شریک ٹھہراتے ہیں؟						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کی قوم ثمود کا ذکر فرما کر منکرین ومکذبین کے لئے عبرت حاصل کرنے کا سامان مہیا فرمایا گیا تھا اب ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔

انسان میں جب عقل کی روشنی افسردہ ہوجاتی ہے۔ نور فطرت جب بجھ جاتا ہے۔ دل پر جب سیاہی چھا جاتی ہے۔ روح پر جب زنگ چڑھ جاتا ہے۔ اور جب اچھائی برائی میں امتیاز پیدا کرنے والی قوت مردہ ہوجاتی ہے۔ تو اس وقت خواہشات کا عام تسلط ہوجاتا ہے اور نفس طاغوتی کا ڈیرا قائم ہوجاتا ہے۔ آدمی کی آنکھوں پر عیش پرستی کے پردہ پڑ جاتے ہیں۔ عیش وعشرت کے نشہ سے دماغ سرشار ہوجاتا ہے۔ جائز و ناجائز اور حق و باطل کا فرق معدوم ہوجاتا ہے۔ پھر اس انتہائی

عیاشی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محل اور بے محل کا امتیاز بھی جاتا رہتا ہے۔ آدمی آدمی نہیں رہتا بلکہ آدمی نما جانور بن جاتا ہے۔ ایسے وقت میں حصول لذت کے ہر طریقہ کو اور عیش پرستی کے ہر ذریعہ کو وہ اپنے لئے حلال بنالیتا ہے اور خواہش نفس کو پورا کرنے کے ہر راستہ میں نہایت بیباکی سے نکل پڑتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی ناصح۔ بیدار مغز۔ روشن دماغ رہنما اس کو شفقت کے ساتھ اس کی خواہشات سے روکنا اور مطلق العنانی سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس ہوس زدہ انسان کے غصہ کا پارہ چڑھ جاتا ہے۔ مشفق و ناصح کی بات کو سننے کی بجائے اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ جو خدا پرست انسان اس اندھے کو غار میں گرنے سے روکتا ہے تو یہ اپنی جہالت کی لاٹھی اس کے مارنے کے درپے ہوتا ہے۔ بالآخر مشفق ناصح کی مخالفت اور اہل حق کی عداوت کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ایسے سرکش انسان تباہی و ہلاکت کے گڑھے میں گر کر فنا ہو جاتے ہیں اور اللہ کے قوت قہاری اور جباری کی ایک حرکت ان کے نام و نشان کو مٹا دیتی ہے۔ قوم لوط کی بھی یہی حالت تھی عیش پرستی کا بھوت ان کے سر پر سوار تھا۔ ہوا و ہوس سے دماغ سرشار تھا۔ شہوت کا پردہ آنکھوں پر پڑ گیا تھا اور زنا کاری کی بھی حدود سے بڑھا کر لواطت کو مرکز شہوت بنالیا تھا۔ ایک نہیں دو نہیں پوری قوم کی قوم اس خلاف فطرت حرکت میں مشغول ہوگئی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جو ان کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ان کو نصیحت کی۔ قانون فطرت کو سمجھایا۔ عذاب خداوندی سے ڈرایا مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ الٹے لوط علیہ السلام کے دشمن بن گئے اور پیغمبر برحق کو ان کے خاندان سمیت جلاوطن کرنے کے درپے ہوگئے انجام بالآخر جو اس ظالم اور اندھی قوم کا ہوا اس کا اظہار بحیرۂ مردار سے اب بھی ہو رہا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ لوط علیہ السلام کو ایک نابکار اور بدکردار قوم کے سمجھانے کے لئے بھیجا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی بدکرداری کی برائی کھول کر سمجھائی کہ تم دیدہ و دانستہ جان بوجھ کر ایسی بدکرداری اور بدافعالی میں کیوں پھنسے ہوئے ہو کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی پر دوڑتے ہو اور پھر اس بے حیائی سے ذرا نہیں شرماتے کیا تم سمجھتے نہیں کہ اس بے حیائی کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ کیوں تم جان بوجھ کر دیوانہ بن رہے ہو اور جاہلوں کے سے کام کرتے ہو۔ کیوں تم نے اپنی قوت عقلیہ کو مردہ بنالیا ہے کہ بہائم کی طرح شہوت رانی کے درپے ہو اور محل بے محل کا فرق بھی نہیں کرتے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی ان معقول باتوں اور ایسی درست نصیحتوں کا جواب تو وہ کیا دیتے بس جاہلانہ دھمکیوں پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ لوط اور اس کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو ورنہ یہ اسی طرح ناک میں دم کرتا رہے گا۔ یہ اپنے کو بڑا پاک صاف بنانا چاہتے ہیں تو پھر ہم ناپاکوں میں ان کا کیا کام۔ دیکھا آپ نے یہ جواب تھا ان انسان صورت اور درندہ سیرت لوگوں کا خدا کے پیغمبر کی دعوت و نصیحت کا۔ غرض کہ جب ان بدکیش کافروں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اہانت و ایذا اور تکذیب اور تمسخر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تو پھر قانون قدرت اور مکافات عمل کا وقت آ پہنچا اور وہی ہوا جو اس سے پہلے نافرمان قوموں کا انجام ہو چکا تھا۔ وہ تمام جنہوں نے لوط علیہ السلام کی نصیحت ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اپنی بدافعالی کو بدستور جاری رکھنے کا فیصلہ کر چکے تھے ان کی ساری بستی الٹ دی گئی اور اوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ ساری آبادی زمین کے اندر دھنس گئی اور وہاں ایک غلیظ پانی کی جھیل بن گئی جو اب بھی بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ نے بچا کر دوسری جگہ بھیج دیا مگر لوط علیہ السلام کی بیوی اپنے قوم کے ساتھ تباہ ہوئی۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے یہ قصے بیان فرما کر اور اللہ کے

پیغمبروں کی تکذیب و مخالفت کا نتیجہ ظاہر فرما کر اب خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے کہ آپ اللہ کی حمد وثنا کریں اور شکر بجالائیں کہ جس نے اپنے پاکباز بندوں کو تو بچالیا اور سرکشوں اور نافرمانوں کو ہلاک و برباد کیا۔ اور ان تمام برگزیدہ اور مقبول بندوں پر جن کا ذکر پہلے ہوا سلام بھیجیں کہ جنھوں نے خدا کی راہ میں مخالفوں اور اعدائے دین کے کیسے کیسے جور و جفا اور ظلم وستم اٹھائے۔ اس کے بعد مسلسل اب توحید کا مضمون شروع ہوتا ہے کہ ان جملہ واقعات میں غور کر کے منکرین و مشرکین خود فیصلہ کریں کہ کیا ایک وہ خدا بہتر ہے جو کہ نفع ونقصان پر پوری قدرت رکھتا ہے یا وہ چیزیں جن کو یہ خدا کا شریک بناتے ہیں جو کہ اپنے پرستاروں کی کچھ بھی حمایت نہیں کر سکتے۔ اس کا جواب ہر سمجھدار یہی دے گا کہ خدا بہتر ہے تو پھر خدا کی پرستش کیوں نہ کی جائے اور شرکاء کی کیوں پرستش کی جائے۔

اب آگے اسی مضمون توحید کی تفصیل ہے۔ جس سے کہ بیسواں پارہ امن خلق شروع ہوتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آخری آیت کو تلاوت فرماتے یعنی قل الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ء اللہ خیر امایشرکون تو فوراً اس کے جواب میں آپ فرماتے بل اللہ خیر وابقی واجل واکرم۔ (نہیں بلکہ اللہ ہی بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا بزرگ و برتر ہے) اللہ عزوجل اور بزرگ برتر کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ آج اس کے کلام پاک کے ۱۹ ویں پارہ کا بیان پورا ہو گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بقیہ کے تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اب آئندہ انشاء اللہ ۲۰ ویں پارہ کی ابتدا سے بیان شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ نفس کی شرارت اور شیطان کی خباثت سے ہماری حفاظت فرمائیں اور ظاہر میں اور باطن میں ہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرمائیں۔ نافرمان قوموں کی خصلت و عادات سے اللہ تعالیٰ ہمیں بچائیں اور اپنے متقی اور دین دار نیک صالح بندوں میں ہم کو شامل فرمائیں۔

اے اللہ آپ نے ہم کو جو ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرمائی ہے اس پر ہم آپ کا بے انتہا شکر واحسان اور حمد وثنا بیان کرتے ہیں اور اس پاک رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر جن کے واسطہ اور ذریعہ سے ہم کو یہ دولت ایمان واسلام ملی لاکھ لاکھ صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔ اے اللہ اے ذوالجلال والاکرام آپ ہی سب سے بزرگ برتر اور بہتر ہیں اور آپ ہی ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اے اللہ! ہماری حمد وثنا کو قبول فرما اور ہم کو اپنے حمد خواں بندوں میں شامل ہونا نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ

اَمَّنْ خَلَقَ

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ

(یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات (بہتر ہے) جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور اُس نے آسمانوں سے تمہارے لئے پانی برسایا پھر اس (پانی) کے ذریعہ سے ہم نے رونق دار باغ

بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ

اُگائے تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغوں) کے درختوں کو اُگا سکو کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ (دوسروں کو) خدا کے برابر ٹھیراتے ہیں۔

جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ

(یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرار گاہ بنایا اور اُس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس (زمین) کے ٹھیرانے کیلئے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان

حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

ایک حد بنائی، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، بلکہ اُن میں زیادہ تو سمجھتے بھی نہیں۔

اَمَّنْ بھلا کون؟	خَلَقَ پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَاَنْزَلَ اور اُتارا	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنَ سے	السَّمَآءِ آسمان	
مَآءً پانی	فَاَنْۢبَتْنَا پس اگائے ہم نے	بِهٖ اس سے	حَدَآئِقَ باغ	ذَاتَ بَهْجَةٍ بارونق	مَا كَانَ نہ تھا	لَكُمْ تمہارے لئے	اَنْ تُنْۢبِتُوْا کہ تم اگاؤ	
شَجَرَهَا ان کے درخت	ءَاِلٰهٌ کیا کوئی معبود	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	بَلْ بلکہ	هُمْ یہ	قَوْمٌ لوگ	يَعْدِلُوْنَ کج روی کرتے ہیں		
اَمَّنْ بھلا کون ۔کس	جَعَلَ بنایا	الْاَرْضَ زمین	قَرَارًا قرار گاہ	وَجَعَلَ اور (جاری) کیا	خِلٰلَهَا اس کے درمیان	اَنْهٰرًا ندی نالے		
وَجَعَلَ اور (پیدا) کئے	لَهَا اس کیلئے	رَوَاسِيَ پہاڑ	وَجَعَلَ اور بنایا	بَيْنَ درمیان	الْبَحْرَيْنِ دو دریا	حَاجِزًا آڑ (حدِ فاصل)	ءَاِلٰهٌ کیا کوئی معبود	
مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	بَلْ بلکہ	اَكْثَرُهُمْ ان کے اکثر	لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بصورت سوال کہا گیا تھا کہ اللہ بہتر ہے یا وہ ہستیاں جن کو خدا کا شریک سمجھا جاتا ہے؟ یعنی اللہ جو قادر وتوانا ہے اور نفع ونقصان کا مالک ہے اس کو استحقاق الوہیت اور معبودیت حاصل ہے۔ یا بے کس اور بے بس فرضی معبودوں کو جو نفع کے مالک ہیں نہ نقصان کے۔ جواب اس کا ظاہر ہے اور مسلم ہے کہ اللہ ہی بہتر ہے پس مستحق عبادت بھی وہی ہوگا۔ یہ تو تھا اجمالی بیان توحید کا اب آگے اسی کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں اور حق تعالیٰ اپنی ربوبیت تامہ۔ خلاقیت عامہ اور رحمت کاملہ کو بیان کرکے وحدت الوہیت کا اثبات فرماتے ہیں۔ اللہ عزوجل کی قدرت کی نشانیاں بیان کرکے پوچھا جارہا ہے کہ کیا اور بھی ایسا کرسکتا ہے؟ اللہ عزوجل نے آسمان بنائے۔ کتنے بڑے آسمان کہ جن کے احوال واسرار خواص واغراض بلندی و وسعت اور عجائب وغرائب کو مفصل جاننے سے کل عالم کی عقل عاجز ہے۔ اللہ نے زمین بنائی۔ کیسی زمین کہ جس کے اندر کس قدر عجائب اور حیرت انگیز خزائن موجود ہیں۔ کیسی قوتیں اور مخفی فوائد چھپے ہوئے ہیں کہ جس قدر جاننے کی کوشش کی جاتی ہے اتنا ہی اسرار قدرت کے انکشافات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے پھر بادلوں سے مینہ برسا کر طرح طرح کے میوہ دار خوشنما باغ اور سرسبز شاداب چمن پیدا کئے تو اس طرح درختوں اور سبزہ کا اگانا اللہ کے قدرت کے سوا اور کس کے بس کا ہے۔ انسان غور کرکے دیکھے

کہ ایک درخت کے اگنے اور پھلنے پھولنے میں کیا کسی چیز پر بھی اسے قدرت حاصل ہے؟ کیا زمین میں بیج کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھنا انسان کا کام ہے؟ پھر مٹی میں اگانے کی قوت رکھنا کیا انسان کے بس کی بات ہے؟ کیا وقت مناسب پر بارش لانا اس انسان کا کام ہے؟ پھر بارش کے قطروں میں یہ اثر رکھ دینا کہ وہ نباتات اگائیں کیا انسان کے دخل و تصرف کی چیز ہے؟۔ درختوں۔ پودوں اور سبزیوں کو سورج کی گرمی ایک خاص درجہ میں پہنچانا کیا انسان کے اختیار کی چیز ہے؟ غرض کہ ایک درخت کے اگنے۔ پھلنے پھولنے میں بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا کام نہیں تو جب اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو خلق و تدبیر کر سکے یا کسی چیز کا مستقل اختیار رکھے تو اس کی الوہیت اور معبودیت میں وہ کس طرح شریک ہو جائے گی۔ عبادت اور بندگی و پرستش تو اسی کی ہونی چاہئے جو انتہائی درجہ میں کامل اور با اختیار ہو۔ کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کر دینا انتہائی ظلم و ہٹ دھرمی ہے۔ آگے قدرت کی دوسری نشانی اور توحید کی مزید دلیل دی جاتی ہے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ زمین کو جانداروں کے ٹھہرنے کے قابل کس نے بنایا؟ یہ زمین جس پر کہ انسان اور حیوان آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں اس میں گرمی سردی خشکی تری کو اس تناسب سے کہ جاندار زندہ رہ سکیں کس نے رکھا؟ جگہ جگہ پانی پہنچانے کے لئے ندی نالہ کس نے بہائے؟ پھر مٹی کی زمین کو مضبوط کرنے کے لئے اس پر پہاڑ کس نے قائم کئے؟ پھر کھاری اور میٹھے دریا مل کر بہنے پر بھی ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتے اور دونوں کے پانی اپنا اپنا مزہ برقرار رکھتے ہیں یا کھاری سمندر میں میٹھا دریا گرتا ہے تو دریا رکا پانی دور تک اپنا میٹھا پن قائم رکھتا ہے جبکہ سمندر کے اردگرد کا پانی کھاری ہوتا ہے تو بتاؤ تو سہی کہ اور کوئی ایسے عجائبات پیدا کر سکتا ہے؟ کوئی اور ہستی ہے کہ جس سے یہ کام بن پڑیں اور وہ اس بنا پر معبود بننے کے لائق ہو؟۔ جب نہیں تو یہ مشرکین محض جہالت اور ناسمجھی سے شرک اور مخلوق پرستی کے گڑھے میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ ان کی سمجھ کا قصور نہیں تو اور کیا ہے؟

ابھی اسی طرز بیان سے آگے مزید دلائل توحید ذکر فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو توحید حقیقی اور اپنے ذات پاک کی معرفت کاملہ نصیب فرمائیں۔ اور ہر طرح کے چھوٹے بڑے شرک سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔ آسمان اور زمین اور کائنات کی تمام چیزیں ہمارے لئے معرفت الٰہیہ کا ذریعہ بنیں اور ہم سارے کمالات اور سارے انعامات و احسانات کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر دل و جان سے احکام الٰہیہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے ہوں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ؕ ءَإِلٰهٌ

(یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اُس کو پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے

مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو

أَمَّنْ بھلا کون	يُجِيْبُ قبول کرتا ہے	الْمُضْطَرَّ بیقرار	إِذَا جب	دَعَاهُ وہ اسے پکارتا ہے	وَيَكْشِفُ اور دُور کرتا ہے	السُّوْٓءَ بُرائی
وَيَجْعَلُكُمْ اور تمہیں بناتا ہے	خُلَفَآءَ نائب	الْأَرْضِ زمین	ءَإِلٰهٌ کیا کوئی معبود	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	قَلِيْلًا تھوڑے	مَا جو
تَذَكَّرُوْنَ نصیحت پکڑتے ہیں						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات سے توحید کا مضمون بیان ہو رہا ہے کہ جب آسمان۔ زمین اور تمام کائنات کا پیدا کرنے والا۔ پانی برسانے والا اور نباتات اگانے والا۔ وہ ایک واحد اور یکتا خدا ہی ہے تو دوسرا کوئی کیسے اس کی وحدانیت اور الوہیت اور معبودیت میں شریک ہوسکتا ہے اس سلسلہ میں توحید کے مزید دلائل اس آیت میں بیان فرمائے جاتے ہیں۔ مشرکین عرب اگرچہ اللہ کی ذات کو مانتے تھے لیکن پرستش بتوں کی بھی کرتے تھے۔ انہوں نے دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے یہ غلط اور باطل گمان پیدا کر لیا تھا کہ جس طرح دنیوی بادشاہوں کے وزیر اور خزانچی وغیرہ معین و مددگار ہوتے ہیں اور سلطنت کا سب کام وہی چلاتے ہیں اسی طرح ہمارے دیوی دیوتا ہیں۔ کوئی بارش کا دیوتا ہے۔ کوئی رزق کا دیوتا ہے۔ کوئی ہوا کا دیوتا ہے۔ کوئی بیماری دور کرنے کا دیوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ مشرکین عرب بھی جب کسی سخت مصیبت میں پھنستے جیسے کشتی کے طوفان وغیرہ میں پھنس جانا تو اس وقت مضطر اور بے قرار ہو کر مدد کے لئے اللہ ہی کو پکارتے اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے۔ یہاں آیت میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ سخت مصیبت اور پریشانی کے وقت تو تم بھی مضطر ہو کر اسی کو پکارتے ہو اور معبودوں کو بھول جاتے ہو۔ پھر فطرت اور ضمیر کی اس شہادت کو امن اور اطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے؟ جب تم کو کوئی چارہ کار نہیں رہتا تب اللہ ہی کو پکارتے ہو اور وہی بے بس اور بے کس کی پکار کو سنتا ہے اور چاہتا ہے تو مصیبت دور کر دیتا ہے۔ تو جب سختی اور مصیبت کے وقت پکارے جانے کے قابل اسی کی ذات ہے تو پھر عبادت اور بندگی میں کسی اور کو شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟۔

اس آیت **امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء** (کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے) اس کی تفسیر کے سلسلہ میں مفسر علامہ ابن کثیرؒ نے ایک عجیب واقعہ حافظ ابن عساکرؒ کی کتاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں ایک خچر پر لوگوں کو دمشق سے زیدانی لے جایا کرتا تھا اور اسی کرایہ پر میری گزر بسر تھی۔ ایک مرتبہ مجھ سے ایک شخص نے خچر کرایہ پر لیا۔ میں نے اسے سوار کرایا اور لے چلا ایک جگہ جہاں دو راستے تھے پہنچے تو اس نے کہا کہ اس راہ چلو میں نے کہا کہ میں اس راہ سے واقف نہیں ہوں۔ سیدھی راہ یہی ہے۔ اس نے کہا نہیں میں پوری طرح واقف ہوں اور یہ بہت نزدیک کا راستہ ہے میں اس کے کہنے

اور اصرار سے اسی راہ پر چل دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک لق ودق بیابان میں ہم آ گئے ہیں۔ جہاں آ گے کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ نہایت خطرناک جنگل اور بن ہے اور ہر طرف لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ میں یہ دیکھ کر سہم گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ ذرا لگام تھام لو۔ مجھے یہاں اترنا ہے میں نے لگام تھام لی وہ اترا اور اپنا تہمد اونچا کر کے کپڑے ٹھیک کر کے چھری نکال کر مجھ پر حملہ کیا۔ میں وہاں سے سرپٹ بھاگا۔ لیکن اس نے میرا تعاقب کیا اور مجھے پکڑ لیا۔ میں اسے قسمیں دینے لگا مگر اس نے کچھ خیال نہ کیا۔ میں نے کہا کہ اچھا یہ خچر اور کل سامان جو میرے پاس ہے تو لے لے اور مجھے چھوڑ دے اس نے کہا کہ یہ تو میرا ہو ہی چکا لیکن میں تو تجھے زندہ چھوڑنا چاہتا ہی نہیں۔ میں نے اسے خدا کا خوف دلایا۔ آخرت کے عذاب کا ذکر کیا لیکن اس چیز نے بھی اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ میرے قتل پر تلا رہا اب میں مایوس ہو گیا اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس سے یہ منت التجا کی کہ آپ مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دیجئے۔ اس نے کہا اچھا جلدی پڑھ لے۔ میں نے نماز شروع کی لیکن خدا کی قسم میری زبان سے قرآن کا ایک حرف نہیں نکلتا تھا یونہی ہاتھ باندھے دہشت زدہ کھڑا ہوا تھا اور وہ جلدی مچا رہا تھا اسی وقت یہ آیت اتفاق سے میری زبان پر آ گئی امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء یعنی خدا ہی ہے جو بے قرار کی بیقراری کے وقت کی دعا کو سنتا ہے اور سختی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔ بس اس آیت کا زبان سے جاری ہونا تھا جو میں نے دیکھا کہ بیچوں بیچ جنگل میں سے ایک گھوڑے سوار تیزی سے اپنا گھوڑا بھگائے نیزہ تانے ہماری طرف چلا آ رہا ہے اور بغیر کچھ کہے سنے اس ڈاکو کے پیٹ میں اس نے اپنا نیزہ اتار دیا جو اس کے جگر کے آر پار ہو گیا اور وہ اسی وقت بے جان ہو کر گر پڑا۔ سوار نے باگ موڑی اور جانا چاہا لیکن میں نے اس کے پیروں کو پکڑ لیا اور بڑی الحاح وزاری سے کہنے لگا خدا کے لئے یہ تو بتلاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں اس کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبوروں اور بے بسوں اور بے کسوں کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور مصیبت و آفت کو ٹال دیتا ہے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور وہاں سے اپنا خچر اور مال لے کر صحیح وسالم واپس لوٹا۔ آیت میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ وہی تمہیں زمین کا جانشین بناتا ہے۔ ایک کے پیچھے ایک آ رہا ہے اور مسلسل سلسلہ چلا جا رہا ہے اور اس طرح ایک کے بعد دوسرے کو زمین میں تصرف کے اختیارات عطا کرتا ہے پس یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ ایک شخص کے بعد دوسرا۔ ایک قوم کے بعد دوسری قوم ورنہ اگر وہ چاہتا تو سب کو ایک ساتھ پیدا کر دیتا لیکن اب اس نے یہ کر رکھا ہے کہ ایک مرے ایک پیدا ہو تو یہ موجودہ طرز بھی خدا کی حکمت پر دلیل ہے۔ سب کی پیدائش کا۔ موت کا۔ آنے کا۔ جانے کا وقت مقرر ہے۔ ایک ایک اس کے علم میں ہے تو حق تعالیٰ اپنی اس قدرت کو بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ ہے کوئی جوان کاموں کو کر سکتا ہو اور جب نہیں کر سکتا تو وہ عبادت کے لائق بھی نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے کہ مشرکین عقل سے پوری طرح کام نہیں لیتے ورنہ غور کریں تو صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں۔ لیکن وہ غور وفکر ہی نہیں کرتے۔

باقی مضطر کی دعا جو اخلاص کی بنا پر ہوتی ہے یعنی دنیا کے سب سہاروں سے مایوس اور تمام علائق سے منقطع ہو کر صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز اور فریاد رس سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہونا اور اس سے دعا کرنا تو ایسے مضطر کی دعا حق تعالیٰ رد نہیں فرماتے خواہ وہ کسی بندہ کی طرف سے ہو۔ وہ مومن ہو یا کافر۔ متقی و پرہیز گار ہو یا فاسق فاجر۔ بندہ کے اضطرار اور اخلاص کی وجہ سے رحمت حق متوجہ ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی حکمت و مصلحت ربانی

سے اس کا ظہور دیر میں ہو۔ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو کبھی رد نہیں کروں گا اگرچہ وہ کسی کافر کے منہ سے ہو(قرطبی بحوالہ معارف القرآن جلد ششم) ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ایک مظلوم کی دعاء دوسرے مسافر کی دعا۔تیسرے باپ جو اپنی اولاد کے لئے بددعا کرے۔امام قرطبیؒ نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا کہ ان تینوں دعاؤں میں بھی وہی صورت ہے جو دعاء مضطر میں ہوتی ہے کہ جب کوئی مظلوم دنیا کے سہاروں اور مددگاروں سے مایوس ہو کر دفع ظلم کے لئے اللہ کو پکارتا ہے وہ بھی مضطر ہی ہوتا ہے۔اسی طرح مسافر حالت سفر میں اپنے عزیزو اقربا اور ہمدردوں اور غمگساروں سے الگ بے سہارا ہوتا ہے۔اسی طرح باپ اولاد کے لئے اپنی فطرت اور پدری شفقت کی بنا پر کبھی بددعا نہیں کرسکتا بجز اس کے کہ اس کا دل بالکل ٹوٹ جائے اور اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے لئے اللہ کو پکارے (معارف القرآن جلد ۶) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اخلاص کے ساتھ ہر معاملہ میں اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لی جائے کہ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ بندہ کے حسب مرضی فریاد قبول ہی کر لیتے ہیں اور ہمیشہ مصیبت کو بندہ کی حسب منشا دور ہی فرما لیتے ہیں۔بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کبھی بھی فریاد سنی جاتی اور دعا قبول ہوتی ہے تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے کسی اور کی طرف سے نہیں ہوتی۔

ابھی اگلی آیات میں بھی یہی مضمون توحید جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر حال میں ہم کو اپنی ہی ذات پاک کی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔حق تعالیٰ ہی کی فریادرسی اور دادرسی پر ہمارا اعتماد ہو اور ہر مصیبت میں خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی ہم اسی سے فریاد کرنے والے ہوں۔اور وہی ہماری فریاد کو سن کر ہماری فریادرسی کرنے والا ہو۔

حق تعالیٰ ہم کو توحید کی حقیقت نصیب فرمائیں اور ہمارے دلوں میں یہ یقین کامل عطا فرمائیں کہ ہماری ہر چھوٹی بڑی مصیبت کو دور کرنے والی صرف اللہ پاک کی ذات عالی ہے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِىْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ

(یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو تم کو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ بجھاتی ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتی ہے جو خوش کردیتی ہیں

رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود ہے (ہرگز نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہے۔ (یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو

وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ

دوبارہ زندہ کرے گا اور جو کہ آسمان (سے پانی برسا کر) اور زمین سے (نباتات نکال) تم کو رزق دیتا ہے، کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود ہے، آپ کہئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

اگر تم سچے ہو۔

اَمَّنْ بھلا کون	يَهْدِيْكُمْ تمہیں راہ دکھاتا ہے	فِىْ ظُلُمٰتِ اندھیروں میں	الْبَرِّ خشکی	وَالْبَحْرِ اور سمندر	وَ اور	مَنْ کون	يُرْسِلُ چلاتا ہے
الرِّيٰحَ ہوائیں	بُشْرًا خوشخبری دینے والی	بَيْنَ يَدَىْ پہلے	رَحْمَتِهٖ اس کی رحمت	ءَاِلٰهٌ کیا کوئی معبود	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	تَعٰلَى اللّٰهُ برتر ہے اللہ	
عَمَّا اس سے جو	يُشْرِكُوْنَ وہ شریک ٹھہراتے ہیں	اَمَّنْ بھلا کون	يَبْدَؤُا پہلی بار پیدا کرتا ہے	الْخَلْقَ مخلوق	ثُمَّ يُعِيْدُهٗ پھر وہ اسے دوبارہ (زندہ) کریگا		
وَمَنْ اور کون	يَرْزُقُكُمْ تمہیں رزق دیتا ہے	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	وَالْاَرْضِ اور زمین	ءَاِلٰهٌ کیا کوئی معبود	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ		
	قُلْ فرمادیں	هَاتُوْا لے آؤ تم	بُرْهَانَكُمْ اپنی دلیل	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	

تفسیر وتشریح:۔ توحید کے اثبات کے سلسلہ میں گذشتہ سے مضمون اس طرح بیان ہوتا چلا آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عجائبات قدرت مشرکین کو یاد دلاتے جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ بتلاؤ اللہ کے سوا یہ کس کے کام ہیں؟ اس طرح اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق اور وحدہ لاشریک لہ ہونے پر گذشتہ آیات میں چند دلائل بیان فرمائے گئے مثلاً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا پھر اوپر سے پانی برسا کر سبزہ۔ درخت اور پودوں کا اگانا۔ زمین کو جانداروں کے رہنے کے لائق بنانا۔ اس میں دریا ندی نالے بہانا اور پہاڑوں کا اس پر قائم کرنا۔ پھر انسان کی بے بسی اور بے کسی کے وقت اس کی فریاد کو سننا اور فریاد رسی کرنا۔ اسی طرح گذشتہ میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی چند نشانیاں بیان ہوئیں۔ جو توحید باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہیں۔ اب آگے اسی سلسلہ میں ان آیات میں مزید قدرت کی چند نشانیاں بیان فرمائی جاتی ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اوپر ستارے بنا کر انہیں چمکایا اور ان کے لئے جگہ اور مقام مقرر کئے اسی نظام کی بدولت تم خشکی اور سمندر میں راستہ ڈھونڈ لیتے ہو۔ رات کی تاریکی میں جبکہ آدمی جنگل بیابان میں ہو یا دریا یا سمندر میں کشتی یا جہاز میں ہو تو مشرق مغرب شمال جنوب کا تعین ستاروں کے ذریعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ تدبیروں میں سے ایک ہے کہ اس نے بحری اور بری سفروں میں انسانوں کی رہنمائی کے لئے وہ ذرائع پیدا کردیئے جن سے وہ اپنی سمت سفر اور منزل مقصود کی طرف اپنی راہ متعین کرتا ہے۔ دن کے وقت زمین کی مختلف علامتیں اور آفتاب کے طلوع غروب کی سمتیں اس کی مدد کرتی ہیں اور رات کی اندھیری میں ستارے اس

کی رہنمائی کرتے ہیں پھر ایک اور انتظام انسانوں کے لئے زمین پر قدرت نے یہ کیا کہ ضرورت کے وقت باران رحمت کا بندوبست کردیا۔ بارش برسنے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں جو بارش کی آمد کی بشارت دیتی ہیں اور لوگ ان ہواؤں کے چلنے سے خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش آئے گی۔ خشکی و گرمی دفع ہوگی۔ کیا یہ انتظام سوائے ایک واحد ذوالجلال کے کوئی اور کرسکتا ہے۔ یقیناً خدا کے سوا ان کاموں کا کرنے والا کوئی اور نہیں تو پھر اس کے سوا کسی اور کو معبود ماننے کے کیا معنی۔ اللہ ہر اس چیز سے جسے تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو بلند و برتر ہے۔ کہاں وہ قادر مطلق اور حکیم برحق اور کہاں عاجز و ناقص مخلوق جسے اس کی خدائی کا شریک بتلایا جارہا ہے۔ اب آگے ایک دلیل اللہ کی وحدانیت اور قدرت کی اور دی جارہی ہے اور مشرکوں سے پوچھا جاتا ہے کہ بتاؤ یہ مخلوق کس نے پیدا کی؟ یہ حقیقت ہے کہ اس سوال کا کوئی معقول جواب آج تک کسی مشرک یا دہریئے سے بن نہ آیا۔ کسی نے کہا کہ یہ کائنات آپ ہی آپ بن گئی۔ کسی نے کہا بے جان مادے کا ٹھیک تناسب کے ساتھ اتفاقاً جمع ہوجانا زندگی کا آپ ہی آپ وجود میں آجانے کا سبب بنا۔ قرآن کریم نے انسان کو بتایا کہ اللہ عزوجل نے اپنی قدرت کاملہ سے مادہ کو ظاہر کیا اور پھر اس سے تمام مخلوقات بنائی۔ ایک سیدھے سادے بدوی عرب کا مقولہ مشہور ہے کہ جب مینگنیاں دیکھ کر اونٹ کو ماننا پڑتا ہے تو زمین و آسمان کو دیکھ کر اس کا بھی خواہ مخواہ کوئی بنانے والا ماننا پڑے گا۔ پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جس نے پہلے بنایا مرنے کے بعد بھی دوبارہ وہی بنائے گا۔ پھر یہی نہیں کہ مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے صرف پیدا کیا بلکہ آسمان اور زمین سے اس کی پرورش اور قیام کا سامان بھی مہیا کیا۔ چنانچہ جیسے وہ خالق ہے ایسے ہی وہ رب اور رازق بھی ہے۔ پھر رزق دینے کا معاملہ بھی اتنا سادہ نہیں جتنا سرسری طور پر کوئی شخص خیال کرتا ہے۔ اس زمین پر لاکھوں قسمیں حیوانات کی اور لاکھوں ہی نباتات کی پائی جاتی ہیں۔ پھر ہر قسم میں لاکھوں کروڑوں اور اربوں کی تعداد موجود ہیں اور ہر ایک کی غذائی ضروریات الگ الگ ہیں۔ خالق نے اپنی شان رزاقی سے ہر ایک کی غذا کا سامان اس طرح فراہم فرمایا ہے کہ کوئی نوع اس دنیا میں غذا پانے سے محروم نہیں۔ پھر اس رزق کے انتظام میں زمین و آسمان کی اتنی مختلف قوتیں مل جل کر کام کرتی ہیں جن کا شمار مشکل ہے۔ گرمی روشنی، ہوا پانی اور زمین کے مختلف قسم کے مادوں کے درمیان اگر ٹھیک تناسب کے ساتھ تعاون نہ ہو تو غذا کا ایک ذرہ بھی وجود میں نہیں آسکتا۔ تو کون احمق یہ گمان کرسکتا ہے کہ یہ حکیمانہ انتظام ایک زبردست حکیم علیم اور خبیر کے ارادے اور مشیت اور حکم کے بغیر یونہی اتفاقاً ہوسکتا ہے اور یا خدا کے انتظام میں کسی اور کا بھی کوئی دخل ہوسکتا ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ایسے صاف نشانات اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور شرک کی قباحت کو تسلیم نہیں کرتے تو جو کوئی دلیل تم اپنے دعوے باطل کے ثبوت میں رکھتے ہو پیش کرو۔ ابھی تمہارا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ مگر وہاں دلیل و برہان کہاں وہاں تو بس محض اندھی تقلید ہے اور حق سے عناد۔

اب یہاں تک تو توحید کے متعلق مضمون تھا اور اللہ تعالیٰ کے اِلٰہ واحد یعنی اکیلے خدا اور اکیلے مستحق عبادت ہونے پر استدلال کیا گیا تھا۔ اب آگے قیامت و آخرت کے متعلق ذکر فرمایا جاتا ہے جس کی کفار تکذیب کرتے تھے اور اسکی ایک وجہ یہ قرار دیتے تھے کہ قیامت کا وقت پوچھنے پر بھی نہیں بتلایا جاتا۔ اگلی آیات میں اس کے متعلق ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝٦٥

آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے، اور ان کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جاویں گے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ڒ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝٦٦

بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم نیست ہوگیا بلکہ یہ لوگ اس سے شک میں ہیں بلکہ یہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔

قُلْ فرمادیں	لَا يَعْلَمُ نہیں جانتا	مَنْ جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	الْغَيْبَ غیب	اِلَّا اللّٰهُ سوائے اللہ کے
وَمَا يَشْعُرُوْنَ اور وہ نہیں جانتے	اَيَّانَ کب	يُبْعَثُوْنَ وہ اٹھائے جائیں گے	بَلِ ادّٰرَكَ بلکہ تھک کر رہ گیا	عِلْمُهُمْ ان کا علم		
فِي الْاٰخِرَةِ آخرت (کے بارے) میں	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	فِيْ شَكٍّ شک میں	مِنْهَا اس سے	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	مِنْهَا اس سے	عَمُوْنَ اندھے

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں شروع پارہ سے حق تعالیٰ کی قدرت تامہ۔ رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان ہوا تھا کہ جب وہ ان صفات وکمالات میں واحد ویکتا ہے تو الوہیت اور معبودیت میں بھی واحد ویکتا ہونا چاہئے۔ اب ان آیات میں حق تعالیٰ کی الوہیت پر ایک دوسری حیثیت سے استدلال کیا جارہا ہے یعنی معبود ہونے کی مستحق وہی ذات ہوسکتی ہے جو قدرت کاملہ کے ساتھ علم کامل اور محیط بھی رکھتا ہے اور یہ وہ صفت ہے جو زمین وآسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں اسی ایک ذات واحد کے ساتھ مخصوص ہے پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کے لائق اسی کی ذات ہوئی۔ اس طرح اس آیت میں گویا مضمون سابق کی تکمیل فرمائی گئی۔ لیکن بعض مفسرین نے ان آیات کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ جس قیامت کے دن سے تم ہمیں ڈراتے ہو اور اس میں سخت عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو تو ہمیں یہ تو بتاؤ کہ وہ قیامت کا دن کب آئے گا؟ حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال کا کہ قیامت کب آئے گی یہ جواب دیں کہ یہ تو غیب کی بات ہے اور غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس کے سوا زمین وآسمان میں یعنی فرشتے جن انسان وغیرہ کوئی بھی غیب دان نہیں اس لئے مجھے معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی۔ اور کب دوبارہ سب زندہ کرکے کھڑے کئے جائیں گے۔ لیکن قیامت کا وقت نہ بتلانے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ قیامت آوے ہی گی نہیں جیسا کہ یہ مشرکین اور کفار خیال کرتے ہیں۔ آگے عام مشرکین وکفار کے بارہ میں تین باتیں ارشاد ہوئیں۔ اول یہ کہ وہ سرے سے یہی نہیں جانتے کہ آخرت کبھی ہوگی بھی یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کی بے خبری اس بنا پر نہیں ہے کہ انہیں اس کی اطلاع ہی نہیں دی گئی بلکہ اس بنا پر ہے کہ جو خبر انہیں دی گئی ہے اس پر انہوں نے یقین نہیں کیا بلکہ اس کی صحت میں شک کرنے لگے۔ تیسرے یہ کہ انہوں نے کبھی غور وخوض کرکے ان دلائل کو سوچنے اور جانچنے کی زحمت نہیں اٹھائی جو آخرت کے وقوع کے بارہ میں پیش کئے گئے بلکہ اس کی طرف سے اندھے بن کر رہنے ہی کو ترجیح دی۔

یہاں اس آیت میں یہ جملہ **قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ** یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔ یہ آیت منجملہ اور بہت سی آیات قرآنیہ کے اس پر نص صریح ہے کہ کلی علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے اور اس میں کوئی فرشتہ یا نبی یا ولی یا جن اس کا شریک نہیں اسی بنا پر یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں

36

میں سے جس پر چاہے اور جس قدر چاہے اپنی معلومات کا کوئی گوشہ کھول دے اور کسی جزئیہ کا علم جسے چاہے عطا فرمادے اور کسی غیب یا بعض غیوب کو اس پر روشن کردے لیکن علم غیب بحیثیت مجموعی اور کلی کسی اور کو نصیب نہیں۔ اس لئے عالم الغیب ہونے کی صفت صرف اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہے۔

ایسی متعدد قرآنی تصریحات کے علاوہ احادیث بھی اس کی تائید و تشریح میں موجود ہیں۔ صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا گیا ہے آپ فرماتی ہیں "جس نے یہ دعویٰ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کل کیا ہونے والا ہے اس نے اللہ پر سخت جھوٹ کا الزام لگایا کیونکہ اللہ تو فرماتا ہے قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ غیب کا علم اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کو بھی نہیں ہے بخاری اور مسلم کی مشہور روایت ہے جس میں ذکر ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کے مجمع میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے انسانی شکل میں آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوالات کئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قیامت کب آئے گی جس کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس سے پوچھا جارہا ہے وہ خود پوچھنے والے سے زیادہ اس بارے میں کوئی علم نہیں رکھتا پھر فرمایا یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور پھر آپ نے سورۂ لقمان کی آخری آیت تلاوت فرمائی ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم مافی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت۔ ان اللہ علیم خبیر یعنی اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش نازل کرنے والا ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا پرورش پارہا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا۔ اور کسی شخص کو خبر نہیں کہ کس سرزمین میں اس کو موت آئے گی۔ بلاشبہ اللہ ہی علیم و خبیر ہے۔

غیب جس کے لفظی معنی مخفی۔ پوشیدہ اور مستور کے ہیں اور اصطلاحاً اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو معلوم نہ ہو اور جس تک ذرائع معلومات کی رسائی نہ ہو۔ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو فرداً فرداً بعض انسانوں کے علم میں ہیں اور بعض کے علم میں نہیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بحیثیت مجموعی پوری نوع انسانی کے علم میں نہ کبھی تھیں۔ نہ آج ہیں۔ نہ آئندہ کبھی آئیں گی۔ ایسا ہی معاملہ جنات۔ فرشتوں اور دوسری مخلوقات کا ہے کہ بعض چیزیں ان میں سے کسی سے مخفی اور کسی کو بھی معلوم نہیں۔ لیکن تمام اقسام کے غیب صرف ایک ذات پر روشن ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہے۔

الغرض قرآن اور حدیث کی صاف اور واضح تصریحات کے بعد اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب سمجھا جائے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی دوسرا بھی جمیع ما کان ما یکون کا علم رکھتا ہے اسلامی اور قرآنی عقیدہ کے بالکل خلاف ہے۔

الغرض یہاں بتلایا گیا کہ قیامت کا وقت علم غیب میں سے ہے جس کی اطلاع اور علم صرف حق تعالیٰ کو ہے۔ اب کفار جو اس سے یہ استدلال کرتے کہ قیامت و آخرت کوئی چیز ہی نہیں تو اس کا جواب آگے دیا گیا کہ انبیاء و مرسلین کا کہنا حق ہے اور ان کی تکذیب اور ان کی باتوں کو نہ ماننا موجب تباہی ہے جیسا کہ گذشتہ منکرین کے ساتھ ہوچکا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! آخرت و قیامت کی طرف سے یہ غفلت کے پردہ جو اب دلوں پر پڑ گئے ہیں آپ ہی ان کو دور فرمادیں۔ اور ہمیں عقل سلیم اور فکر صحیح نصیب فرمادیں تاکہ ہم آخرت کی طرف سے بیدار ہوجائیں اور شب و روز وہاں کی تیاری میں لگ جائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ

اور یہ کافریوں کہتے ہیں کہ کیا ہم لوگ جب (مر کر) خاک ہوگئے اور (اسی طرح) ہمارے بڑے بھی تو کیا (پھر) ہم (زندہ کر کے قبروں سے) نکالے جاویں گے اس کا تو ہم سے

وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

اور ہمارے بڑوں سے پہلے سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا۔اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہوں۔اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب وقہر کا) کب پورا ہوگا

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ

اگر تم سچے ہو۔آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو اُس میں سے کچھ تمہارے پاس ہی آ لگا ہو۔

بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

اور (اب تک جو دیر ہو رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ) آپ کا رب لوگوں پر (اپنا) بڑا فضل رکھتا ہے، ولیکن اکثر آدمی

لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾

شکر نہیں کرتے۔اور آپ کے رب کو سب خبر ہے جو کچھ اُن کے دلوں میں مخفی ہے اور جس کو وہ علانیہ کرتے ہیں۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾

اور آسمان اور زمین میں ایسی کوئی مخفی چیز نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔

وَقَالَ اور کہا	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	ءَاِذَا کیا جب	كُنَّا ہم ہو جائیں گے	تُرٰبًا مٹی	وَاٰبَآؤُنَا اور ہمارے باپ دادا	اَئِنَّا کیا ہم			
لَمُخْرَجُوْنَ نکالے جائیں گے البتہ	لَقَدْ وُعِدْنَا تحقیق وعدہ کیا گیا ہم سے	هٰذَا یہ۔یہی	نَحْنُ ہم	وَاٰبَآؤُنَا اور ہمارے باپ دادا					
مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	اِنْ نہیں	هٰذَا یہ	اِلَّا مگر۔صرف	اَسَاطِيْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِيْنَ اگلے	قُلْ فرمادیں	سِيْرُوْا چلو پھرو تم		
فِي الْاَرْضِ زمین میں	فَانْظُرُوْا پھر دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الْمُجْرِمِيْنَ مجرم	وَ اور	لَا تَحْزَنْ تم غم نہ کھاؤ	عَلَيْهِمْ ان پر	
وَلَا تَكُنْ اور آپ نہ ہوں	فِيْ ضَيْقٍ تنگی میں	مِمَّا اس سے جو	يَمْكُرُوْنَ وہ مکر کرتے ہیں	وَيَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے ہیں	مَتٰى کب	هٰذَا یہ			
الْوَعْدُ وعدہ	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	قُلْ فرمادیں	عَسٰى شاید	اَنْ کہ	يَّكُوْنَ ہوگیا ہو	رَدِفَ قریب	لَكُمْ تمہارے لئے
بَعْضُ کچھ	الَّذِيْ وہ جو۔وہ جس	تَسْتَعْجِلُوْنَ تم جلدی کرتے ہو	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	لَذُوْ فَضْلٍ البتہ فضل والا				
عَلَى النَّاسِ لوگوں پر	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَهُمْ ان کے اکثر	لَا يَشْكُرُوْنَ شکر نہیں کرتے	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب				

لَيَعْلَمُ خوب جانتا ہے	مَا تُكِنُّ جو چھپی ہوئی ہے	صُدُوْرُهُمْ ان کے دل	وَمَا اور جو	يُعْلِنُوْنَ وہ ظاہر کرتے ہیں
وَمَا اور نہیں	مِنْ کچھ	غَآئِبَةٍ غائب	فِي السَّمَآءِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین
اِلَّا مگر	فِيْ میں	كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کتاب روشن		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ مخلوق میں سے کسی کو قیامت کے وقوع اور تعین کا علم نہیں کہ کب آئے گی۔ اس کی خبر فقط اللہ عزوجل کو ہے۔ تو کفار اور مشرکین قیامت کا وقت نہ بتلانے سے یہ استدلال کرتے کہ قیامت وآخرت کوئی چیز ہی نہیں چنانچہ ان آیات میں پہلے کفار کا قول نقل کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار بطور تعجب اور انکار کے کہتے ہیں کہ ہم کیسے مان لیں کہ جب مرنے کے بعد خاک میں مل گئے اور مٹی ہوگئے تو ہم اور ہمارے باپ دادا جن کو مٹی میں ملے ہوئے مدت گزری۔ پھر مٹی سے نکل کر دوبارہ زندہ کیسے ہو جائیں گے یہ نری باتیں ہی ہیں اور پرانی داستان ہے۔ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی اسی طرح سنتے چلے گئے۔ ہزار ہا برس گزر گئے ہم نے تو کسی انسان کو مٹی سے دوبارہ پیدا ہوتے نہ سنا نہ دیکھا۔ بس جو پہلے کہہ گئے تھے ان ہی کی نقل آج یہ پیغمبر بھی اتار رہے ہیں۔ کفار کے اس باطل قول کے جواب میں حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرماتے ہیں کہ آپ ان کفار سے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ دنیا میں چل پھر کر مجرموں کے انجام بد کو دیکھو یعنی دنیا میں اللہ اور اس کے پیغمبروں کا کہنا نہ ماننے والوں کا وہی انجام بد ہوا اور ویسے ہی تباہ ہوئے جیسا کہ پیغمبروں نے انہیں ڈرایا تھا اس سے صاف ثابت ہوا کہ انبیاء ومرسلین کا کہنا حق تھا اور ان کی تکذیب وانکار موجب تباہی ہوا۔ اسی پر قیاس کرلو کہ مر کر دوبارہ زندہ ہونے اور عذاب آخرت کی جو خبر انبیاء دیتے چلے آئے ہیں یقیناً سچ ہیں اور پوری ہو کر رہیں گی۔ یہ کارخانۂ دنیا یوں ہی بے سرا تو نہیں کہ اس پر کوئی حاکم نہ ہو اور وہ اپنی رعایا کو یونہی مہمل چھوڑ دے اگر تمہاری یہی تکذیب رہی تو مکذبین کا جو انجام دنیا میں ہوا تمہارا بھی وہی ہوسکتا ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ اگر یہ کفار اس پر بھی نہ

مانیں اور اپنی حماقت اور جہل وعناد پر اصرار کر کے عذاب الٰہی کے مستحق بننا ہی چاہتے ہیں تو آپ نے تو سمجھانے کا حق ادا کر دیا اب ان کو اس تکذیب کے انجام پر مطلع کر کے الگ ہو جائیے۔ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ بہت زیادہ غم اور تاسف نہ کریں اور نہ ان کے مکروفریب اور حق کے خلاف تدبیریں کرنے سے تنگدل ہوں۔ یہ جو کچھ چالیں چل رہے ہیں ان پر آپ کو کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی پشت پر خدا کی حمایت اور طاقت ہے۔ یہ آپ کی بات نہ مانیں گے تو اپنا ہی کچھ بگاڑیں گے آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ضدی مجرموں سے خود نبٹ لے گا اور جس طرح پہلے مجرموں کو سزائیں دی گئی ہیں ان کو بھی دے گا۔ چنانچہ ۱۳ برس تک قرآن پاک کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو سمجھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے وقت تک ان میں سے صرف ایک سو کے اندر ہی اندر ایمان لائے باقی اہل مکہ آپ کی ایذا رسانی ہی کی تدبیروں میں لگے رہتے تھے۔ موسم حج میں باہر کے لوگوں کو آپ تبلیغ فرماتے تو یہ اہل مکہ ان کو بہکاتے۔ غرض کہ ہجرت تک کفار مکہ کا یہی حال رہا اور اہل اسلام کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اور کسر انہوں نے اٹھا نہ رکھی۔ عین ہجرت کے وقت بھی کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کا مشورہ کیا۔ بعضوں نے کہا کہ آپ کو قید کرنا چاہئے۔ بعضوں نے کہا کہ جان سے ہلاک کرنا چاہئے بعضوں نے کہا کہ مکہ سے نکال دینا چاہئے۔ چنانچہ ابوجہل کے اس منصوبہ پر سب کا اتفاق ٹھہرا کہ مکہ میں جتنے قبیلہ اور جتھے ہیں ان سب میں کا ایک ایک آدمی تلوار لے کر مستعد ہو اور یکدم سب مل کر آپ پر حملہ کر دیں اور یہ تجویز اس لئے ٹھہرائی تھی کہ پھر سارے مکہ کے قبیلوں سے آپ کے ساتھیوں کو بدلہ لینے کا قابو بھی نہ رہے۔ کفار کے اس مشورہ

اور سازش کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کا حکم دیا اور عزت وحرمت سے اپنے رسول کو مدینہ پہنچا دیا اور اللہ کی قدرت اور تدبیر کے آگے کفار کا کوئی داؤ وفریب آپ پر نہ چل سکا لیکن ان لوگوں کی ایذا رسانی اور راہ راست پر نہ آنے کا حال دیکھ کر جب تک آپ مکہ میں رہے آپ کو ہمیشہ ایک طرح کا غم اور رنج رہتا اور وہ بھی اس درجہ کا رنج وغم کہ حق تعالیٰ کی طرف سے متعدد بار مکی سورتوں میں آپ کی تسلی فرمائی گئی چنانچہ ان آیات میں بھی آپ کی تسلی فرمائی گئی کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار کے ایمان نہ لانے پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کررہے ہیں اس سے تنگدل نہ ہوجائیے۔

الغرض کفار مکہ کا ایک قول تو یہ تھا کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی میں مل کر مٹی ہوگئے تو پھر ہم کس طرح دوبارہ زندہ ہو کر مٹی سے نکالے جاویں گے۔ اس طرح موت کے بعد کی زندگی اور آخرت کا وہ انکار کرتے تھے جب کہ تمام پیغمبر یہی بتلاتے اور کہتے رہے کہ قیامت آنی ضرور ہے جب کہ حشر نشر ہوگا اور جزا سزا ملے گی۔ آگے کفار کا ایک دوسرا قول نقل کر کے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں بھی کہتے کہ یہ وعدۂ عذاب آخرت جس کی تم دھمکیاں دیا کرتے ہو آخر کب پورا ہوگا؟ چونکہ کفار کو روز قیامت اور جزا وسزا کا تو یقین تھا نہیں اس لئے وہ بطور طنز یا بصورت استہزا بے باکانہ کہتے کہ یہ وعدۂ عذاب آخرت جس سے ڈرایا جاتا ہے کب پورا ہوگا۔ تم کہتے ہو کہ یہ عذاب قیامت میں ہوگا۔ تو ہزاروں برس ہوگئے قیامت تو اب تک آئی نہیں پھر کب آئے گی۔ گویا وہ فوری طور پر نزول عذاب کے خواستگار تھے۔ کفار کے اس قول کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ ان کفار سے جواب میں یوں کہہ دیجئے کہ گھبراؤ نہیں وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور کچھ بعید نہیں کہ وعدہ کا کچھ حصہ قریب ہی آلگا ہو چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد جنگ بدر میں سزا کی ایک قسط پہنچ گئی۔ رہی قیامت کبریٰ سو اس کے بھی بعض آثار وعلامات ظاہر ہوگئے۔ پھر حق تعالیٰ اگر اپنے فضل سے عذاب میں تاخیر کرتا ہے تو چاہئے تو یہ تھا کہ اس مہلت کو غنیمت سمجھتے اور اس مہربانی کے شکر گزار ہو کر ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کرتے لیکن یہ کفار اس کے خلاف ناشکری کرتے اور اپنے منہ سے عذاب مانگتے ہیں۔ تاخیر عذاب چونکہ بمصلحت ہے اس لئے اس تاخیر سے یوں نہ سمجھیں کہ ان کے افعال کی کبھی سزا ہی نہ ہوگی۔ ان کے ظاہری اور پوشیدہ اعمال۔ دلوں کے بھید۔ نیتیں۔ ارادے اور زمین آسمان کے چھپے سے چھپے راز سب اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر اور اس کے دفتر میں درج ہیں۔ ہر بات اسی کے موافق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوگی۔ جلدی مچانے یا دیر لگانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جو چیز علم الٰہی میں طے شدہ جلد یا بدیر اپنے وقت پر آوے گی اور ہر ایک کو اس کے عمل۔ نیت اور عزم کے موافق پھل مل کر رہے گا۔

اب چونکہ قیامت وآخرت اور جزا وسزا کی خبر قرآن پاک نے دی ہے اس لئے آگے قرآن پاک کا مخبر صادق ہونا ظاہر ہونا فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت وآخرت۔ حشر ونشر۔ جزا وسزا کا ایسا یقین کامل نصیب فرمائیں کہ ہم اس دنیا میں ہمہ وقت آخرت کی تیاری میں مشغول رہیں۔ یا اللہ آپ نے جیسے کفار مکہ کے زور کو توڑا ایسے ہی کفار عالم کی قوت کو توڑ دے اور ایمان کی جیسے ابتدا میں مدد اور تائید فرمائی یا اللہ اب بھی اپنی قدرت سے اہل ایمان کی مدد فرمادے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾

بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں (کی حقیقت) کو ظاہر کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں

وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ

اور بالیقین وہ ایمانداروں کے لئے (خاص) ہدایت اور (خاص) رحمت ہے۔ بالیقین آپ کا رب اُن کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ (قیامت کے دن) کرے گا اور وہ

الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٧٨﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿٧٩﴾ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ

زبردست اور علم والا ہے۔سو آپ اللہ پر توکل رکھئے، یقیناً آپ صریح حق پر ہیں۔آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے

وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾ وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ

اور نہ بہروں کو اپنی آواز سُنا سکتے ہیں جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔اور نہ آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے (بچا کر) راستہ دکھلانے والے ہیں،

إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨١﴾ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا

آپ تو صرف اُنہی کو سنا سکتے ہیں، جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں پھر وہ مانتے (بھی) ہیں۔اور جب وعدہ (قیامت کا) اُن پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم اُن کیلئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے

لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾

کہ وہ اُن سے باتیں کرے گا کہ (کافر) لوگ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی) آیتوں پر یقین نہ لاتے تھے۔

إِنَّ بیشک	هَٰذَا یہ	الْقُرْآنَ قرآن	يَقُصُّ بیان کرتا ہے	عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بنی اسرائیل پر	أَكْثَرَ اکثر	الَّذِي وہ جو	هُمْ وہ
فِيهِ اس میں	يَخْتَلِفُونَ اختلاف کرتے ہیں	وَإِنَّهُ اور بیشک یہ	لَهُدًى البتہ ہدایت	وَرَحْمَةٌ اور رحمت	لِّلْمُؤْمِنِينَ ایمان والوں کیلئے		
إِنَّ بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	يَقْضِي فیصلہ کرتا ہے	بَيْنَهُم ان کے درمیان	بِحُكْمِهِ اپنے حکم سے	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيزُ غالب	الْعَلِيمُ علم والا
فَتَوَكَّلْ پس بھروسہ کرو	عَلَى اللَّهِ اللہ پر	إِنَّكَ بیشک تم	عَلَىٰ پر	الْحَقِّ الْمُبِينِ واضح حق	إِنَّكَ بیشک تم	لَا تُسْمِعُ تم نہیں سنا سکتے	الْمَوْتَىٰ مُردوں کو
وَلَا تُسْمِعُ اور تم نہیں سنا سکتے	الصُّمَّ بہروں کو	الدُّعَاءَ پکار	إِذَا وَلَّوْا جب وہ مڑ جائیں	مُدْبِرِينَ پیٹھ پھیر کر	وَ اور	مَا أَنتَ تم نہیں	
بِهَادِي ہدایت دینے والے	الْعُمْيِ اندھوں کو	عَن سے	ضَلَالَتِهِمْ ان کی گمراہی	إِن نہیں	تُسْمِعُ تم سناتے	إِلَّا مگر۔صرف	
مَن جو	يُؤْمِنُ ایمان لاتا ہے	بِآيَاتِنَا ہماری آیتوں پر	فَهُم پس وہ	مُّسْلِمُونَ فرمانبردار	وَإِذَا اور جب	وَقَعَ الْقَوْلُ واقع (پورا) ہوجائیگا وعدہ	
عَلَيْهِمْ ان پر	أَخْرَجْنَا ہم نکالیں گے	لَهُمْ ان کیلئے	دَابَّةً ایک جانور	مِّنَ الْأَرْضِ زمین سے	تُكَلِّمُهُمْ وہ ان سے باتیں کریگا		
أَنَّ النَّاسَ کیونکہ لوگ	كَانُوا تھے	بِآيَاتِنَا ہماری آیات پر	لَا يُوقِنُونَ یقین نہ کرتے				

تفسیر وتشریح:۔ظہور اسلام کے وقت عرب میں دو قسم کے لوگ تھے۔ایک گروہ وہ تھا جس کے پاس کوئی مذہبی اور علمی ذخیرہ نہ تھا۔ نہ ان کو کسی آسمانی یا الہامی کتاب کے حامل ہونے کا دعویٰ تھا۔ یہ گروہ عموماً بت پرست مشرکین کا تھا جن کے پاس نہ کوئی مذہبی کتاب

تھی نہ آسمانی اور الہامی ذخیرہ تھا۔ بس اسلاف کا رسم ورواج ہی ان کا دستور زندگی تھا۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اسی گروہ میں سے ہوئی۔ دوسرا گروہ علم کا مدعی اور مذہبی کتابوں کا حامل تھا۔ اس گروہ کو علوم کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔ یہی اہل کتاب کا گروہ کہلاتا تھا جس میں کچھ لوگ عیسائی تھے اور کچھ یہودی۔ لیکن کثرت انقلابات اور زمانہ کی درازی نے اہل کتاب میں بھی باہم اختلاف پیدا کردیئے تھے۔ ان کی مذہبی کتابیں بھی کچھ سے کچھ بن گئی تھیں۔ الہامی تصریحات اور آسمانی منصوصات میں ردوبدل ہوگیا تھا کتب الٰہیہ کے الفاظ اور معانی کو بگاڑ لیا گیا جس کی وجہ سے اصل مطلب فوت ہوگیا۔ ان کے علماء اور دینی پیشوا متفرق ہوگئے تھے اور ہر عالم نے اپنا ایک گروہ بنالیا تھا اور ہر گروہ اپنی ہی حقانیت کا دعویدار تھا۔ ایسی حالت میں قران پاک نازل ہوا اور عقائد۔ احکام اور قصص وروایات کے متعلق ان کے شدید اختلافات کا فیصلہ کن تصفیہ قرآن پاک نے سنایا۔ اہل کتاب نے اللہ کی ذات وصفات کے متعلق بہت غلط عقائد قائم کرلئے تھے جن کی اصلاح قرآن پاک نے کی۔ ملائکہ اور انبیاء کے متعلق زنا کاری بت پرستی شراب خواری اور قتل وغارت وغیرہ کی سینکڑوں تہمتیں اسرائیلی کتب میں مذکور ہیں۔ قرآن پاک نے انبیاء اور ملائکہ کو معصوم قرار دیا۔ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ کوئی یہودی جہنم میں نہیں جائے گا ہم اللہ کے پیارے ہیں ہم کو خدا عذاب نہ دے گا۔ کوئی جماعت قائل تھی کہ عذاب تو ہم پر ہوگا مگر صرف گنتی کے چند دن جتنی مدت کہ ہم نے گوسالہ کی پرستش کی تھی۔ قرآن کریم نے اس کا فیصلہ ایسے غیر مبہم الفاظ میں کردیا جس میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ قرآن کریم نے صاف طور پر کہہ دیا کہ جو مومن نیکوکار ہوگا وہ عذاب سے محفوظ ہوگا اور جو مشرک بدکار ہوگا جہنم میں جائے گا۔ باہم عیسائی فرقوں میں سخت اختلافات تھے کوئی مسیح کو خدا کا بیٹا اور حضرت مریم کو خدا کی بیوی کہتا تھا۔ کوئی مسیح کو خدائی کا جزو قرار دیتا تھا کوئی اقانیم ثلثہ یعنی باپ بیٹا اور روح القدس کی ربوبیت کا قائل تھا۔ قران پاک نے اس کا فیصلہ کردیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عبداللہ۔ کلمۃ اللہ قرار دیا اور خدا کو وحدہ لاشریک لہ بتایا۔ تو فی الحقیقت قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو خداوند قدوس کا آخری فیصلہ کن پیغام پہنچایا اور ایمان لانے والوں کی رہبری کی تاکہ لوگ اس دن کے لئے تیاری کر رکھیں جبکہ ہر معاملہ کا عملی اور آخری فیصلہ ہوگا۔ قرآن کریم میں انسان کو برائی اور بھلائی سے پوری طرح آگاہ کردیا گیا ہے باقی قرآن تو آیا ہے سمجھانے اور آگاہ کرنے کو رہا تمام معاملات کا حکیمانہ اور حاکمانہ فیصلہ تو یہ خدائے قادر وتوانا کرے گا جس میں قوت بھی پوری ہے اور جس کا علم بھی بھرپور ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ کسی کے اختلاف اور تکذیب سے متاثر نہ ہوں۔ خدا پر بھروسہ کرکے اپنا کام کئے جائیں۔ جس صحیح اور صاف اور صریح حق راستہ پر آپ چل رہے ہیں اس میں کوئی کھٹکا نہیں۔ اس لئے آپ کو کاہے کا غم۔ یہ لوگ جو آپ کی بات نہیں سنتے اور مانتے تو یہ مردہ دل اور اندھے اور بہرے ہیں اور وہ اس حالت سے نکلنا بھی نہیں چاہتے تو پھر ان سے توقع ہدایت اور فہم کی بیکار ہے۔ یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جارہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو اس کے حق میں سودمند نہیں یہی حال ان مکذبین کا ہے جن کے قلوب مرچکے ہیں اور دل کے کان بہرے ہوگئے ہیں اور سننے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے۔ ایک نپٹ اندھے کو آپ کس طرح کوئی راستہ یا چیز دکھلا سکتے ہیں۔ یہ لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے بھی نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں تو آپ کے کہنے سننے سے وہ اثر کیسے قبول کریں۔ آپ کا نصیحت سنانا تو ان کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں اور اثر قبول کرنا یہی ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کرکے فرمانبردار بنیں۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ ابھی تو یہ منکرین قیامت کو نہیں مانتے لیکن جب وعدہ قیامت کا ان لوگوں پر پورا ہونے کو ہوگا یعنی جب وقوع قیامت کا زمانہ قریب

آ پہنچے گا تو اس وقت ایک جانور زمین سے نکلے گا اور وہ لوگوں سے باتیں کرے گا کہ منکرین قیامت خدا کی باتوں کا یقین نہ کرتے تھے اب قیامت قریب آ پہنچی ہے۔ تو اس جانور جس کا نام دابۃ الارض ہوگا اس کے ذریعہ سے کفار کو یہ دکھلایا جائے گا کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے آج وہ ایک جانور کی زبانی سن کر ماننی پڑ رہی ہے مگر اس وقت کا ماننا مفید اور نافع نہیں۔ ماننے کا جو وقت تھا وہ گزر چکا ہوگا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جانور دابۃ الارض کا ظہور بالکل اخیر وقت میں سورج کے مغرب سے نکلنے کے بعد ہوگا۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قیامت نامہ میں تحریر کیا ہے کہ ماہ ذی الحجہ میں یوم نحر کے بعد رات اس قدر لمبی ہو جائے گی کہ مسافر تنگدل۔ بچے خواب سے بیدار اور مویشی چراگاہ کے لئے بے قرار ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ لوگ ہیبت اور بے چینی کی وجہ سے نالہ وزاری شروع کر کے توبہ توبہ پکاریں گے آخر تین چار رات کی مقدار کے برابر دراز ہونے کے بعد حالت اضطرابی میں آفتاب مانند چاند گرہن کے ایک قلیل روشنی کے ساتھ مغرب سے طلوع ہوگا۔ اس وقت تمام لوگ خدائے قدوس کی وحدانیت کا اعتراف واقرار کرلیں گے مگر اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور کسی کافر کا ایمان قبول نہ ہوگا اس کے بعد سورج اپنی معمولی روشنی کے ساتھ مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا۔ دوسرے روز لوگ اسی تذکرہ و چرچا میں ہوں گے کہ کوہ صفا جو خانۂ کعبہ کے مشرقی جانب واقع ہے زلزلہ سے پھٹ جائے گا جس میں سے ایک نادر شکل کا جانور برآمد ہوگا۔ بلحاظ شکل یہ حسب ذیل سات جانوروں سے مشابہت رکھتا ہوگا۔

(۱) چہرے میں آدمی سے۔ (۲) پاؤں میں اونٹ سے (۳) گردن میں گھوڑے سے (۴) دم میں بیل سے (۵) سرین میں ہرن سے () سینگوں میں بارہ سنگھے سے (۷) ہاتھوں میں بندر سے اور نہایت فصیح اللسان ہوگا۔ اس کے ایک ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور دوسرے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی اور تمام شہروں میں ایسی سرعت اور تیزی کے ساتھ دورا کرے گا کہ کوئی فرد وبشر اس کا پیچھا نہ کر سکے گا اور کوئی بھاگنے والا اس سے چھٹکارا نہ پا سکے گا۔ ہر شخص پر نشان لگاتا جائے گا۔ اگر وہ صاحب ایمان ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے اس کی پیشانی پر ایک نورانی خط کھینچ دے گا جس کی وجہ سے اس کا تمام چہرہ منور ہو جائے گا۔ اگر صاحب ایمان نہ ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری سے اس کی ناک یا گردن پر سیاہ مہر لگائے گا جس کے سبب سے اس کا تمام چہرہ مکدر اور بے رونق ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر ایک دسترخوان پر چند آدمی جمع ہو جائیں گے تو ہر ایک کے کفر و یمان میں بخوبی امتیاز ہو سکے گا اس جانور کا نام دابۃ الارض ہے جو اس کام سے فارغ ہو کر غائب ہو جائے گا۔ آفتاب کے مغرب سے طلوع اور دابۃ الارض کے ظہور سے نفخ صور تک ۱۲۰ سال کا عرصہ ہوگا۔ دابۃ الارض کے غائب ہو جانے کے بعد جنوب کی طرف سے ایک نہایت فرحت افزا ہوا چلے گی جس کے سبب سے ہر صاحب ایمان کی بغل میں ایک درد پیدا ہوگا جس کے باعث اہل ایمان بالترتیب پہلے افضل۔ پھر فاضل۔ پھر ناقص پھر فاسق مرنے شروع ہو جائیں گے۔ جب تمام اہل ایمان اس جہان سے کوچ کر جائیں گے اور صرف کافر اس دنیا میں رہ جائیں گے اور کوئی لفظ اللہ تک کہنے والا نہ رہے گا تو کافروں پر قیامت قائم کی جائے گی۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے قیامت کے حال مفصلاً قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرج کئے ہیں۔

الغرض وہ عجیب جانور دابۃ الارض جب ظاہر ہوگا تو بالاضطرار کفار و منکرین قیامت بھی اس کی تصدیق کریں گے مگر چونکہ یہ مغرب سے سورج نکلنے کے بعد ہوگا اس لئے وہ تصدیق مقبول نہ ہوگی۔ اس کے بعد پھر قیامت ہی آ جاوے گی اور پھر آگے قیامت کے بعض واقعات واحوال۔ ظاہر کئے جاتے ہیں جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى إِذَا جَآءُوْ

اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے ایک ایک گروہ اُن لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے پھر اُن کو روکا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب (موقف میں) حاضر ہو جائیں گے

قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِىْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ

تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماوے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم اُن کو اپنے احاطۂ علمی میں بھی نہیں لائے بلکہ اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے۔ اور اُن پر وعدہ (عذاب کا)

عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ

پورا ہو گیا بوجہ اِس کے کہ (دنیا میں) اُنہوں نے زیادتیاں کی تھیں سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے۔ کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی تا کہ لوگ اس میں آرام کریں اور دن

مُبْصِرًا إِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

بنایا جس میں دیکھیں، بلاشبہ اس میں بڑی بڑی دلیلیں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

وَيَوْمَ اور جس دن	نَحْشُرُ ہم جمع کریں گے	مِنْ سے	كُلِّ أُمَّةٍ ہر امت	فَوْجًا ایک گروہ	مِّمَّنْ سے + جو	يُّكَذِّبُ جھٹلاتے تھے	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں
فَهُمْ پھر وہ	يُوْزَعُوْنَ انکی جماعت بندی کی جائے گی	حَتّٰٓى یہانتک	إِذَا جَآءُوْ جب وہ آجائیں گے	قَالَ فرمائے گا	أَكَذَّبْتُمْ کیا تم نے جھٹلایا		
بِاٰيٰتِىْ میری آیات کو	وَلَمْ تُحِيْطُوْا حالانکہ احاطہ میں نہیں لائے تھے	بِهَا ان کو	عِلْمًا علم کے	أَمَّاذَا یا۔ کیا	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے		
وَوَقَعَ اور واقع (پورا) ہو گیا	الْقَوْلُ وعدہ (عذاب)	عَلَيْهِمْ اُن پر	بِمَا ظَلَمُوْا اس لئے کہ انہوں نے ظلم کیا	فَهُمْ پس وہ	لَا يَنْطِقُوْنَ نہ بول سکیں گے وہ		
أَلَمْ يَرَوْا کیا وہ نہیں دیکھتے	أَنَّا کہ ہم	جَعَلْنَا ہم نے بنایا	الَّيْلَ رات	لِيَسْكُنُوْا کہ آرام حاصل کریں	فِيْهِ اس میں	وَالنَّهَارَ اور دن	
مُبْصِرًا دیکھنے کو	إِنَّ بیشک	فِىْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں	لِّقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	يُّؤْمِنُوْنَ ایمان رکھتے ہیں		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ منکرین ابھی تو قیامت کے وقوع کا انکار کر رہے ہیں اور سینکڑوں دلیلیں سننے کے بعد بھی ایک بات ان کے دل میں نہیں بیٹھتی لیکن ایک وقت وہ آئے گا جبکہ قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ ایک غیبی نشان دابۃ الارض اسی زمین سے برآمد کرے گا جو جانور ہونے کے باوجود انسانوں کی طرح کلام کرے گا اور کفر و ایمان کا قطعی فیصلہ کر دے گا اس وقت نیک و بد اور مومن و کافر بالکل ممتاز ہو جائیں گے۔ دل کی بات پیشانی پر نمودار ہو جائے گی اور حق و باطل کے امتیاز کا یہ آخری درجہ ہوگا اس وقت یہ منکرین بھی نمایاں طور پر حق و باطل میں فرق دیکھیں گے لیکن اس وقت سمجھنا۔ دیکھنا اور سننا بے سود ہوگا اس کے بعد اس دنیا کی بساط الٹ جائے گی اور یہ فنا ہو جائے گی۔ غرض قیامت سے پہلے ایسی غیر معمولی باتیں ہوں گی جن سے کہ انبیاء کی بتلائی ہوئی باتوں میں شبہ نہ رہے گا اب آگے ان آیات میں قیامت کے بعض واقعات و حالات بیان فرمائے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن فنا ہو جانے کے بعد پھر سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور تمام امتوں میں سے ایسے لوگوں کا گروہ چھانٹ کر جمع کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور اس کے پیغمبروں کی تکذیب کیا کرتے تھے پھر ان کو حساب کے لئے روانہ کیا جائے گا اور چونکہ ایسے گروہوں کی کثرت ہوگی اس لئے اگلوں کو روکا جائے گا تا کہ پچھلے بھی سب آ کر مل جائیں۔ جب سب منکرین و مکذبین اکٹھے جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائیں گے کہ تم

نے میری آیتوں۔ رسولوں اور نشانیوں کو بے سمجھے بوجھے جھوٹا کہہ دیا۔ ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی گئیں لیکن تم نے اس کان سنا اس کان اڑا دیا کبھی سوچنے سمجھنے اور غور وفکر کرنے کا وقت ہی نہ ملا کہ ان میں کیا کہا جارہا ہے اور ان کا کیا مطلب ہے۔ بتاؤ تم اور کن کاموں میں پھنسے ہوئے تھے جو ہمارے ارشادات پر غور کرنے کا وقت ہی نہ نکال سکے اور پھر یاد تو کرو کہ صرف تکذیب ہی پر اکتفا نہیں کیا اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے مثلاً انبیاء اور اہل ایمان کو آزار دیا جو تکذیب سے بھی بڑھ کر ہے اور اسی طرح اور عقائد و اعمال کفریہ وفسقیہ میں مبتلا رہے۔ اب چونکہ ان کی شرارت اور جرائم کا یقینی ثبوت ہو چکا ہوگا اور خدا کی حجت تمام پوری ہو چکی ہوگی۔ اب ان منکرین سے کچھ بولتے نہ بن پڑے گی۔ آگے منکرین کے تنبیہ کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ کیسے کھلے کھلے نشان اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں دکھلائے پر انہوں نے ذرا بھی غور نہ کیا۔ اور کچھ نہ سہی اگر یہ ایک رات دن کے روزانہ ادل بدل پر غور کر لیتے تو اللہ کی توحید۔ پیغمبروں کی ضرورت وصداقت اور مرکر پھر دوبارہ زندہ ہونا سب کچھ سمجھ سکتے تھے۔ آخر وہ کون ہستی ہے جو ایسے مضبوط اور محکم انتظام کے ساتھ برابر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کو نمودار کرتا ہے اور جس نے ہماری ظاہری بصارت کے لئے شب کی تاریکی کے بعد دن کا اجالا کیا۔ کیا وہ ہماری باطنی بصیرت کے لئے جہالت اور ضلالت کی تاریکیوں میں معرفت و ہدایت کی روشنی نہ بھیجتا پھر رات کیا ہے؟ نیند اور سونے کا وقت ہے جسے ہم موت کا ایک نمونہ قرار دے سکتے ہیں رات کے بعد دن آیا پھر آنکھیں کھول کر ادھر ادھر چلنے پھرنے لگے اسی طرح اگر حق تعالیٰ ہم پر موت طاری کرے اور موت کے بعد مثل نیند سے جاگنے کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھالے تو اس میں کیا ناممکنات ہے؟ پھر اس شب وروز کی تخلیق سے قیامت پر ہی استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اس دنیا کی کل زندگی درحقیقت ایک رات ہے۔ جس میں تمام اعمال کے نتائج پر پردہ پڑا ہوا ہے اور کسی کو اپنے کرتوت کی پاداش نہیں دکھائی دیتی اور اسی بنا پر ایک قسم کا سکون حاصل ہے لیکن جس طرح ہر رات کی انتہا صبح پر ہوتی ہے اسی طرح یہ زندگی کی رات بھی ختم ہوگی اور صبح قیامت نکلے گی اس وقت آنکھیں کھلیں گی۔ تمام مخلوق بیدار ہوگی اور سب کیا کرایا سامنے آئے گا تو فطرت پکار پکار کر جگا رہی ہے مگر انسان ہے کہ غافل اور خواب سرمستی میں غرق۔ الغرض یقین کرنے والوں کے لئے اسی ایک نشان میں تمام ضروری چیزوں کا حل موجود ہے اور صرف اسی ایک چیز کو دیکھ کر وہ جان سکتے تھے کہ اللہ نے اپنے رسول اور اپنی کتاب کے ذریعہ سے جو حقیقت بتائی ہے یہ رات دن کی گردش اس کی تصدیق کر رہی ہے اور یہ کوئی سمجھ میں نہ آسکنے والی بات بھی نہیں تھی۔ آخر انہی کے بھائی بند انہی کے قبیلہ کنبے اور برادری کے لوگ انہی جیسے انسان وہ بھی تھے جو یہی نشانیاں دیکھ کر مان گئے تھے کہ اللہ عزوجل کی ہستی برحق ہے۔ اس کے رسولوں کا دنیا میں آنا برحق ہے۔ اس کی کتابیں برحق ہیں۔ تو ایمان والے سمجھتے ہیں کہ اس دن رات کے تغیر میں اللہ کی قدرت کی پوری نشانیاں موجود ہیں مگر منکرین نے ان نشانیوں سے نہ فائدہ اٹھایا اور نہ اللہ کو پہچانا۔

اب ثبوت قیامت کے اس ضمنی تذکرہ کے بعد آغاز قیامت کی کیفیت ظاہر فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت وآخرت کا یقین کامل عطا فرمائیں اور ہمہ وقت وہاں کی تیاری کا فکر نصیب فرمائیں۔

یا اللہ آپ کی باتوں کو سن کر ان سے اثر نہ لینا جو کفار کی خصلت ہے اس سے یا اللہ ہم کو کامل طور پر بچایئے گا اور شب وروز اپنی اطاعت گزاری میں لگے رہنے کی توفیق نصیب فرمایئے گا۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ

اور جس دن صور میں پھونک ماری جاوے گی سو جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں سب گھبرا جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے

شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ

اور سب کے سب اُسی کے سامنے دبے جھکے حاضر رہیں گے۔ اور تو (جن) پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے اور ان کو خیال کر رہا ہے کہ یہ (اپنی جگہ سے) جنبش نہ کریں گے

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے، یہ خدا کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) مضبوط بنا رکھا ہے یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب افعال کی پوری خبر ہے۔ جو شخص نیکی لائے گا

فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ

سو اس شخص کو اس (نیکی کے اجر) سے بہتر (اجر) ملے گا، اور وہ لوگ بڑی گھبراہٹ سے اس روز امن میں رہیں گے۔ اور جو شخص بدی (یعنی کفر و شرک) لاوے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے

فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

(اُن سے کہا جاوے گا کہ) تم کو تو ان ہی عملوں کی سزا دی جارہی ہے جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

وَيَوْمَ اور جس دن	يُنْفَخُ پھونک ماری جائے گی	فِي الصُّوْرِ صور میں	فَفَزِعَ تو گھبرا جائیگا	مَنْ جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں		
وَمَنْ اور جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	اِلَّا سوا	مَنْ جسے	شَآءَ اللّٰهُ اللہ چاہے	وَكُلٌّ اور سب	اَتَوْهُ اس کے آگے آئیں گے	
دٰخِرِيْنَ عاجز ہوکر	وَتَرَى اور تو دیکھتا ہے	الْجِبَالَ پہاڑ	تَحْسَبُهَا تو خیال کرتا ہے انہیں	جَامِدَةً جما ہوا	وَهِيَ اور وہ	تَمُرُّ چلیں گے	
مَرَّ السَّحَابِ بادلوں کی طرح چلنا	صُنْعَ اللّٰهِ اللہ کی کاری گری	الَّذِيْ وہ جس نے	اَتْقَنَ خوبی سے بنایا	كُلَّ شَيْءٍ ہر شے	اِنَّهٗ بیشک وہ		
خَبِيْرٌ باخبر	بِمَا اس سے جو	تَفْعَلُوْنَ تم کرتے ہو	مَنْ جَآءَ جو آیا	بِالْحَسَنَةِ کسی نیکی کے ساتھ	فَلَهٗ تو اس کیلئے	خَيْرٌ بہتر	مِنْهَا اس سے
وَهُمْ اور وہ	مِنْ فَزَعٍ گھبراہٹ سے	يَوْمَئِذٍ اس دن	اٰمِنُوْنَ محفوظ ہوں گے	وَ اور	مَنْ جو	جَآءَ آیا	بِالسَّيِّئَةِ برائی کے ساتھ
فَكُبَّتْ اوندھے ڈالے جائیں گے	وُجُوْهُهُمْ ان کے منہ	فِي النَّارِ آگ میں	هَلْ کیا نہیں	تُجْزَوْنَ بدلہ دیئے جاؤ گے تم	اِلَّا مگر۔ صرف		
	مَا جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے					

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا کہ ہر قوم کے اور ہر زمانے کے منکرین اور مکذبین کو چھانٹ چھانٹ کر میدان حشر میں جمع کیا جائے گا اور پھر سب کو اکٹھا کر کے عدالت خداوندی میں حاضر کیا جائے گا۔ جہاں ان سے باز پرس ہوگی مگر ان سے کوئی جواب نہ بن پڑے گا اور وہ کچھ نہ بول سکیں گے۔ دنیا میں جو ظلم اور زیادتی انہوں نے کی تھیں وہ ان کے ذمہ ثابت ہو جائیں گی اس وقت یہ ہکا بکا اور حیران رہ جائیں گے اور اپنے ظلم کا بدلہ خوب پائیں گے۔ اب آگے ان آیات میں کچھ قیامت کے حالات بیان فرمائے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ جس روز صور پھونکا جائے گا تو جو مخلوقات آسمانوں اور زمین میں

ہوں گے یعنی فرشتے جنات انسان سب گھبرا جائیں گے اور پھر مرجائیں گے مگر جس کو خدا چاہے اس گھبراہٹ اور موت سے محفوظ رہے گا۔ احادیث میں ہے کہ صور پھونکنے والے فرشتہ اسرافیل علیہ السلام ہیں جو حکم الٰہی کے انتظار میں صور لئے تیار کھڑے ہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صور کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جاوے گا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ ایک سینگ ہے بڑے دائرے والا آسمان اور زمین کے مطابق اس میں اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ صور یعنی نرسنگا جس کا کہ قائم مقام آج کل بگل ہے جو فوج وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے تو قدیم زمانہ میں لوگوں کو جمع کرنے یا کسی اہم بات کا اعلان کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی ایسی چیز پھونکی جاتی رہی ہے جو صور یعنی نرسنگھا یا بگل سے ملتی جلتی ہو۔ اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ ایک ایسی ہی چیز قیامت کے روز پھونکی جائے گی جس کی نوعیت ہمارے نرسنگے کی سی ہوگی۔ ایک دفعہ وہ پھونکی جائے گی تو سب پر موت طاری ہو جائے گی۔ دوسری دفعہ پھونکنے پر سب زندہ ہو کر اٹھ بیٹھیں گے اور زمین کے چپے چپے سے نکل کر میدان حشر کی طرف دوڑنے لگیں گے۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کائنات کے نظم کو سمجھانے کے لئے وہ الفاظ اور اصطلاحیں استعمال فرماتے ہیں جو خود انسانی زندگی میں اس کے ملتے جلتے نظم کے لئے استعمال ہوتی ہیں اور مقصود ان الفاظ کے استعمال سے ہمارے تصور کو اصل چیز کے قریب تک لے جانا ہے نہ یہ کہ سلطنت الٰہی کے نظم کی مختلف چیزوں کو ہم بعینہ ان محدود معنوں میں لے لیں اور ان محدود صورتوں کی چیزیں سمجھ لیں جیسی کہ وہ ہماری زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ تو ان آیات میں بتلایا جاتا ہے

کہ قیامت کے دن جب اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے تو سب مخلوقات زمین و آسمان میں گھبرا جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے گا گھبراہٹ سے بچالے گا۔ مراد ان سے حسب حدیث حضرت جبرئیل۔ میکائیل۔ اسرافیل اور ملک الموت اور حاملان عرش ہیں پھر ان سب کی بھی وفات ہو جاوے گی۔ پھر دنیا میں جیسے عادت ہے کہ جس سے گھبراہٹ اور ڈر ہوتا ہے اس سے بھاگ جاتے ہیں لیکن وہاں اللہ تعالیٰ سے کوئی بھاگ نہ سکے گا بلکہ سب کے سب اس کے سامنے دبے جھکے حاضر رہیں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس صور پھونکنے کا اثر یہ ہوگا کہ یہ پہاڑ جو اس وقت تمہیں مضبوطی سے ایک جگہ جمے ہوئے نظر آرہے ہیں اس دن بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے اور اس پر کچھ تعجب نہ کرنا چاہئے کہ پہاڑ جیسی وزنی ثقیل اور بھاری چیز کا یہ حال کیسے ہو جائے گا کہ وہ روئی کے گالے کی طرح فضا میں اڑتے پھریں گے تو وجہ یہ ہے کہ یہ خدا کا کام ہوگا۔ جس نے آج پہاڑوں کو ایسا بھاری اور مضبوط بنایا ہے وہی ان کو ایک دن ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔ غرض کہ اس عالم کو توڑ پھوڑ کر اس حالت پر پہنچا دیا جائے گا۔ جہاں پہنچانے کے لئے ہی اسے پیدا کیا ہے تو یہ سب اسی صانع حقیقی کی کاری گری ہوئی جس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں۔ پھر اس توڑ پھوڑ اور انقلاب عظیم کے بعد بندوں کو حساب کتاب کے لئے کھڑا کیا جائے گا اور چونکہ حق تعالیٰ بندوں کے ذرہ ذرہ عمل سے خبردار ہیں تو ہر ایک کو ٹھیک اس کے عمل کے موافق جزا و سزا دی جائے گی۔ نہ ظلم ہوگا نہ حق تلفی ہوگی۔ آگے قیامت میں جزا و سزا کی کچھ تفصیل بیان کی جاتی ہے کہ جو نیکیاں اور بھلائیاں یعنی ایمان اور عمل صالح لے کر آئے گا اسے اس کا بدلہ اس سے بھی بہتر ملے گا جس اجر کا وہ مستحق ہے اور نیک لوگ اس دن ایک بڑی گھبراہٹ سے امن

میں رہیں گے۔ یعنی قیامت اور حشر نشر کی وہ ہولناکیاں جو منکرین اور مکذبین کے حواس باختہ کئے دے رہی ہوں گی وہیں مومنین مطمئن ہوں گے اس لئے کہ وہ پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کی دی ہوئی خبروں کے مطابق اچھی طرح جانتے تھے کہ قیامت قائم ہونی ہے اور اس میں یہی سب کچھ ہونا ہے جس کی خبریں دنیا کی زندگی میں دی گئی تھیں اس لئے ان پر وہ بدحواسی اور گھبراہٹ طاری نہ ہوگی جو مرتے دم تک اس چیز کا انکار کرنے والوں اور اس سے غافل رہنے والوں پر طاری ہوگی۔ پھر ان کے اطمینان کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ انہوں نے اس زندگی کی فکر کی تھی اور وہاں کی کامیابیوں کے لئے دنیا سے سامان کر کے آئے تھے اس لئے ان پر وہ گھبراہٹ نہ ہوگی جو ان لوگوں پر طاری ہوگی جنہوں نے اپنا سارا سرمایہ حیات بس دنیا ہی کی کامیابیوں کے لئے حاصل کرنے میں لگا دیا تھا اور کبھی نہ سوچا تھا کہ آخرت بھی کوئی چیز ہے جس کے لئے کچھ سامان کرنا ہے۔ ان مومنین کے برعکس منکرین و مکذبین جو کفر و شرک لے کر حاضر ہوں گے تو ان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالدیا جائے گا اور ان سے کہا جاوے گا کہ تم کو تو انہی عملوں کی سزا دی جارہی ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ کچھ بے وجہ تو عذاب نہیں ہورہا جیسا کیا ویسا بھرو۔

اب شروع سورۃ سے یہاں تک جو مضامین توحید نبوت و آخرت بیان ہوئے آگے خاتمہ کی آیات میں سب کا خلاصہ ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی خاتمہ کی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قیامت کی ہولناکیوں سے ہم کو اپنے حفظ و امان میں رکھیں اور اس دنیا میں ہم کو ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیں کہ جو ہمارے لئے ذخیرہ آخرت ہوں۔

یا اللہ ہم کو اس زندگی میں آخرت کا فکر نصیب فرما اور ہمہ وقت وہاں کی تیاری میں مشغول رہنے کی توفیق عطا فرما۔ ہم سے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں ان پر توبہ کی توفیق عطا فرما کر ان کو معاف فرما دے تا کہ قیامت کے روز ہم کو اپنے گناہوں پر ندامت نہ اٹھانی پڑے۔

یا اللہ ہمارا حشر اپنے مومنین صالحین بندوں کے ساتھ فرما اور انہی کے ساتھ اپنی بہشت میں ہمارا داخلہ فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ

مجھ کوتو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے مالک (حقیقی) کی عبادت کیا کروں جس نے اس (شہر) کو محترم بنایا ہے اور (اس کی عبادت کیوں نہ کی جائے جبکہ وہ ایسا ہے کہ) سب چیزیں اسی کی (ملک ہیں

اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ

اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں۔ اور یہ کہ میں قرآن کریم پڑھ پڑھ کر سناؤں، سو جو شخص راہ پر آوے گا سو وہ اپنے ہی فائدہ کیلئے راہ پر آوے گا،

وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا

اور جو شخص گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے میں تو صرف ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ہوں۔ اور آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں خالص اللہ ہی کیلئے ثابت ہیں وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں (یعنی قیامت کے واقعات) دکھلاویگا

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

سو تم (وقوع کے وقت) اُن کو پہچانو گے اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم سب لوگ کر رہے ہو۔

اِنَّمَا اس کے سوا نہیں	اُمِرْتُ مجھے حکم دیا گیا	اَنْ کہ	اَعْبُدَ عبادت کروں	رَبَّ رب	هٰذِهِ اس	الْبَلْدَةِ شہر	الَّذِیْ وہ جسے
حَرَّمَهَا اس نے محترم بنایا ہے	وَلَهٗ اور اسی کیلئے	كُلُّ شَیْءٍ ہر شے	وَاُمِرْتُ اور مجھے حکم دیا گیا	اَنْ کہ	اَكُوْنَ میں رہوں	مِنَ سے	
الْمُسْلِمِيْنَ جمع مسلم۔ مسلمان۔ فرمانبردار	وَاَنْ اور یہ کہ	اَتْلُوَا میں تلاوت کروں	الْقُرْاٰنَ قرآن	فَمَنِ پس جو	اهْتَدٰى ہدایت پائی		
فَاِنَّمَا تو اسکے سوا نہیں	يَهْتَدِیْ وہ ہدایت پاتا ہے	لِنَفْسِهٖ اپنی ذات کیلئے	وَمَنْ اور جو	ضَلَّ گمراہ ہوا	فَقُلْ تو فرمادیں	اِنَّمَا اس کے سوا نہیں	
اَنَا میں	مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ڈرانے والوں میں سے (ڈرانے والا ہوں)	وَقُلِ اور فرمادیں	الْحَمْدُ تمام تعریفیں	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	سَيُرِيْكُمْ وہ جلد دکھادیگا تمہیں		
اٰيٰتِهٖ اپنی نشانیاں	فَتَعْرِفُوْنَهَا پس تم پہچان لوگے انہیں	وَمَا اور نہیں	رَبُّكَ تمہارا رب	بِغَافِلٍ غافل (بے خبر)	عَمَّا اس سے جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ نمل کی آخری آیات ہیں۔ شروع سورۃ سے جو تین مضامین خاص یعنی توحید و نبوت و آخرت مفصل یہاں تک بیان ہوئے اب خاتمہ سورۃ پر ان تینوں مضامین کا اجمال اور خلاصہ بیان کر کے سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔ یہ سورۃ چونکہ اس زمانہ میں نازل ہوئی تھی جبکہ ایمان اور اسلام کی دعوت زیادہ تر مکہ معظمہ تک محدود تھی اور اولین مخاطب اس شہر کے لوگ تھے اس لئے ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر کہا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر مکہ کے مالک حقیقی کی عبادت و بندگی کیا کروں جس نے اس شہر مکہ کو محترم اور باحرمت بنایا ہے۔ گویا اس سے کفار مکہ کو خصوصاً اور اہل عرب کو عموماً متنبہ کرنا مقصود ہے کہ جس خدا کا تم پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے عرب کی انتہائی بدامنی۔ اور فساد اور خونریزی سے لبریز سرزمین میں تمہارے اس شہر مکہ کو امن کا گہوارہ بنا رکھا ہے اور جس کے فضل سے تمہارا یہ شہر پورے ملک عرب کا مرکز عقیدت بنا ہوا ہے تم اس کی پرستش اور بندگی سے ہٹتے ہو اور اسکی ناشکری کرتے ہو تو کرو مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس کا شکر گزار بندہ بنوں اور اسی کے آگے سر نیاز جھکاؤں اور اسی کو اپنا معبود بناؤں جس نے مکہ کو حرمت عطا فرمائی۔ سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے دوسرے دن قبیلہ

بنوخزاعہ کے لوگوں نے بنو ہذیل کے ایک مشرک آدمی کو حملہ کر کے قتل کر دیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا۔ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے جس دن زمین و آسمان پیدا کئے اسی دن مکہ کو حرمت کی جگہ قرار دیا پس وہ اس وقت سے برابر حرمت کی جگہ چلا آ رہا ہے اور قیامت تک اسی طرح محرم رہے گا۔ لہٰذا کسی بھی ایسے آدمی کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے یہ بات جائز نہیں کہ مکہ میں کسی کا خون بہائے اور نہ اس میں کوئی درخت کاٹے۔ مجھ سے پہلے کسی بھی شخص کے لئے مکہ حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد آنے والے کسی شخص کے لئے حلال ہوگا۔ میرے لئے بھی حلال نہیں ہوا ہاں صرف اس وقت کے لئے محض اس وجہ سے حلال کر دیا گیا کہ اہل مکہ پر اللہ کو اظہار غضب مقصود تھا۔ سن لو اس وقت کے بعد اس کی حرمت کل کی طرح لوٹ آئی لہٰذا تمہیں چاہئے کہ جو بھی یہاں موجود ہے اور میری یہ بات سن رہا ہے وہ اس کو ہر اس شخص تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں۔ پس تم سے جو یہ کہے کہ رسول اللہ نے مکہ میں قتال کیا تو اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول کے لئے اسے حلال کیا تھا۔ تمہارے لئے حلال نہیں کیا۔ اے گروہ خزاعہ اب قتل سے اپنا ہاتھ اٹھا لو۔ قتل بہت ہو چکا ہے اس میں کوئی نفع نہیں۔ تم نے ایک آدمی قتل کیا ہے میں اس کی دیت دوں گا۔ میرے اس قیام کے بعد جو قتل کیا جائے تو مقتول کے ورثا کو دو چیزوں میں اختیار ہوگا اگر وہ چاہیں تو قاتل سے قصاص لے لیں اور چاہیں تو خون بہا لے لیں۔ اس خطبے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوخزاعہ کے قتل کئے ہوئے شخص کا خون بہا ادا فرمایا۔

الغرض یہاں آیت میں کفار مکہ کو متنبہ فرمایا گیا کہ اس خدا کی پرستش کرو جس نے مکہ کو باحرمت بنایا آگے بتلایا گیا ولہ کل شیء اور سب چیزیں اسی کی ملک ہیں یعنی ہر چیز جب اسی کی ملک ہے تو وہ جس چیز کو بھی چاہے محترم و متبرک ٹھہرا دے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں عقائد اور اعمال سب میں اللہ کا مطیع اور فرمانبردار رہوں۔ گویا پہلے حکم توحید کا دیا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی جملہ احکام میں اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کامل اتباع شریعت صرف عبادت الٰہیہ کا نام نہیں بلکہ اپنی پوری زندگی کی ہر حرکت و سکون گفتار اطوار، کردار سب کو تابع حکم بنانا یہی حقیقت اسلام ہے اور یہی اتباع شریعت کی تکمیل ہے۔ پھر ان احکام سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب عقائد۔ اعمال۔ عبادت اور تعمیل احکام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی مستثنیٰ نہیں تو اور کسی ولی اور بزرگ کے شرعی فرائض سے سبکدوش ہونے کا کیا ذکر اس میں تنبہ ان جاہل صوفیوں کے لئے ہے جو درویشی کے مدعی ہیں اور فرائض اسلامی اور اتباع شریعت میں کوتاہی کرتے ہیں۔ آگے تیسرا حکم سنایا گیا کہ مجھ کو یہ بھی حکم ملا ہے کہ میں دوسروں کو قرآن سنا کر اللہ کا راستہ بتلاتا رہوں اور تبلیغ احکام کرتا رہوں تو جو بھی میری تبلیغ و ہدایت کے بعد راہ راست پر آئے گا اس میں اسی کا فائدہ ہے۔ اس کو اجر و ثواب اور نجات ابدی حاصل ہوگی۔ میں اس سے کسی مالی یا جانی نفع کا خواہاں نہیں ہوں اور جو شخص نہ مانے گا تو اپنا برا کرے گا۔ خود ہلاکت ابدی کے غار میں گرے گا۔ اس میں میرا کوئی ضرر نہیں میں نصیحت کر کے فارغ الذمہ ہو چکا۔ نہ سمجھو گے تو اس کا وبال خود تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ گویا یہ مسئلہ رسالت کا بیان ہو گیا۔ سورۃ کے اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہوتی ہے کہ آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ تم جو قیامت کا اس بنا پر انکار کرتے ہو

کہ اب تک واقع نہیں ہوئی اور یہ جو مطالبہ کرتے ہو کہ اگر واقعی قیامت ہے تو واقع کر کے دکھلاؤ تو تمہاری مجھ سے یہ درخواست محض بے کار اور غلط ہے اس لئے کہ میں نے تو دعویٰ کبھی ایسی قدرت کا نہیں کیا بلکہ سب خوبیاں خالص اللہ ہی کے لئے ثابت ہیں۔ قدرت بھی علم بھی حکمت بھی۔ سو اپنے علم کے موافق اپنی قدرت سے جب اس کی حکمت کا مقتضا ہوگا قیامت واقع کردے گا۔ البتہ اجمالاً اس قدر معلوم ہے کہ اب بہت زیادہ مدت نہیں ہے بلکہ وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں یعنی قیامت کے واقعات دکھلاوے گا سو تم اس وقت ان کو پہچانو گے اور اب انکار کررہے ہو۔ اس وقت صرف دکھلانے ہی پر کفایت نہ ہوگی بلکہ اپنے اعمال کے موافق پھر تم کو نتیجہ بھی بھگتنا پڑے گا کیونکہ وہ رب لوگوں کے کاموں سے بے خبر نہیں۔ (پس پیغمبر اور مومنین کو جزا اور کفار ومکذبین کو سزا دے گا یہ قیامت کا بیان ہوا)'' اس طرح خاتمہ میں تمام سورت کے مضامین اجمالاً آ گئے۔

محققین نے کہا ہے کہ سورۃ کے اخیر میں الحمدللہ کی تلقین میں تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کو بھی اپنے سارے احوال وامور کا خاتمہ اللہ کی حمد و ثنا ہی پر کرنا چاہئے۔ اور اس ارشاد میں وما ربک بغافل عما تعملون (اور آپ کا پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کررہے ہو) جہاں عاصی اور نافرمانوں کے حق میں اس کا تنبیہ ہونا ظاہر ہے وہیں اہل ایمان کے لئے اس میں بشارت بھی ہے اور عشاق اہل سوز کے لئے تسلی بھی ہے کہ انکی آہ وزاری محبوب حقیقی سے ذرا بھی مخفی نہیں بلکہ ان کی ساری بے قراری اس پر آئینہ ہے۔ مشہور مفسر و محدث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر حقانی میں ان آیات کے تحت لکھتے ہیں کہ یہاں جس ترتیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام تلقین فرمائے گئے یعنی پہلے اپنے رب کی عبادت کا حکم ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری یعنی جملہ نیک باتوں کا بجالانا اور بری باتوں سے بچنا اور پھر تیسرا حکم تلاوت قرآن یعنی تبلیغ احکام کا ہوا تو علامہ فرماتے ہیں کہ اس ترتیب میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تبلیغ اسی کا کام ہے جو خود توحید اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہو۔ اسی کی بات اثر بھی کرتی ہے۔

الحمدللہ کہ حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کی توفیق وعنایت سے اس سورۂ نمل کا بیان جس میں ۷ رکوعات تھے پورا ہوگیا۔

دعا کیجئے

یا اللہ۔ یا معبود حقیقی ہم کو بھی اخلاص کے ساتھ شب و روز اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو جملہ احکام میں ظاہر میں اور باطن میں شریعت مطہرہ کی کامل پابندی نصیب فرمائیں۔ دین کو دوسروں تک پہنچانے اور بتلانے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو احکام الٰہیہ اور ہدایات نبویہ ہمارے علم میں آئیں ان پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کا عزم وارادہ نصیب فرمائیں۔

اے اللہ قیامت کی ندامت اور وہاں کی رسوائی سے ہم سب کو بچالیجئے اور اس زندگی میں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیے کہ جو آپ کی رضا کا سبب ہوں اور ان اعمال سے بچالیجئے جو آپ کی ناراضگی کا باعث ہوں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ

طٰسٓمّٓ۔ یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں۔ ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں

بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾

اُن لوگوں کیلئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں۔

طٰسٓمّٓ طسم	تِلْكَ یہ	اٰيٰتُ آیتیں	الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ واضح کتاب	نَتْلُوْا ہم پڑھتے ہیں	عَلَيْكَ تم پر	مِنْ نَّبَاِ کچھ خبر (احوال)
مُوْسٰى موسیٰ	وَ اور	فِرْعَوْنَ فرعون	بِالْحَقِّ ٹھیک ٹھیک	لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں		

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ بیسویں پارہ کی سورۂ قصص کا بیان شروع ہورہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی تین ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں جن کی تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ موضوع ومباحث اور تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کی پچیسویں آیت میں لفظ قصص استعمال ہوا ہے۔ قصص کے معنی قصہ کے ہیں۔ اس سورۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اس لئے علامت کے طور پر اس سورۃ کا نام سورۂ قصص رکھا گیا ہے یہ سورۃ بھی مکی ہے اور موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ ۲۸ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۷۹ بیان کیا گیا یعنی ۷۸ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہوچکی تھیں اور ۱۱ سورتیں اس کے بعد ہجرت سے قبل مکہ میں نازل ہوئیں اور پھر ۲۴ سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اس سورۃ میں ۸۸ آیات ۹ رکوعات ۱۴۵۴ کلمات اور ۶۰۱۱ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

مثل دوسری مکی سورتوں کے اس میں بھی توحید ورسالت کا اثبات۔ شرک کی مذمت، مصدقین رسالت کی مدح اور مکذبین رسالت کی مذمت۔ آخرت کی تعلیم۔ کفار مکہ کے شبہات و اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کا جو زمانۂ نزول ہے اس وقت مکہ کے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین اہل اسلام کو حد سے زیادہ تنگ کر رکھا تھا۔ مسلمان تعداد میں تھوڑے تھے اور کفار ان کو ہر ممکن طریقہ سے تکلیف ونقصان پہنچانے کے درپے رہتے اور ایسی ایسی جسمانی اذیتیں پہنچاتے کہ ان کا برداشت کرنا مشکل تھا۔ مگر یہ قرآن ہی کا معجزانہ اثر تھا۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صحبت وتعلیم کا نتیجہ تھا کہ آپ کے متبعین اہل اسلام سخت سے سخت مصیبت کے سامنے سینہ سپر رہتے اور ہمت میں ذرا فرق نہ آنے دیتے۔ اس سورۃ میں پہلے تفصیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اہل اسلام کی ڈھارس اور تسلی کے لئے سنایا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ یہ ساری اذیتیں اور صعوبتیں کچھ عرصہ کے لئے ہیں۔ عنقریب اللہ کے فضل سے کامیابی اور کامرانی کا زمانہ بھی آنے والا ہے۔ ان مجبور بے بس اور بے کس اہل اسلام کو جو دشمنان دین کے ظلم وستم میں چاروں طرف گھرے ہوئے تھے ان کو یہ سبق دیا گیا کہ اللہ

3 کے فرمانبردار بندوں کا قدم بڑی بڑی مصیبتوں میں دین سے نہیں ڈگمگایا۔ وہ صبر وہمت سے کام لیتے ہیں اور دنیا میں بظاہر ان کا کوئی مددگار نہیں معلوم ہوتا کہ جو انہیں ظالموں کے پنجے سے چھڑائے لیکن جب ظالموں کی دست درازی حد سے گزر جاتی ہے تو دنیا کے نگہبان اور اس نظام کائنات کے محافظ رب العالمین کی طرف سے مظلوموں کی مدد کا غیب سے سامان ہو جاتا ہے۔

بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں شام سے مصر میں چلے آئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مصر میں نبوت کے ساتھ اقتدار دنیوی بھی عطا فرمایا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب مصر میں قبطیوں کا زور ہوا اور فرعونیوں کی بادشاہت قائم ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام کے سارے احسانات اور کارنامے بھول گئے اور بنی اسرائیل کو غیر ملکی سمجھ کر ان کو ستانا اور ان پر ظلم توڑنا شروع کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک معزز گھرانے میں مصر کے اندر پیدا ہوئے اس وقت حالت یہ تھی کہ فرعون بادشاہ مصر نے حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل میں سے کہیں اور کسی کے گھر لڑکا پیدا ہو تو اسے فوراً قتل کر ڈالو اور لڑکیوں کو خدمت گزاری کے لئے زندہ رہنے دو بنی اسرائیل کو یوں تو فرعون نے طرح طرح کی مصیبتوں میں پہلے ہی مبتلا کر رکھا تھا مگر یہ اسرائیلی بچوں کا قتل ان پر اضافہ تھا چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعونیوں کو خبر ملتے ہی اس بچہ کو بھی قتل کر دیا جائے گا تو اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں ایک بات ڈالی اور انہوں نے اس پر عمل کیا جس کے نتیجہ میں موسیٰ علیہ السلام خود فرعون کی سرپرستی میں پل کر جوان ہوئے۔ اس کے بعد ایک ناگہانی حادثہ کی وجہ سے آپ کو مصر چھوڑنا پڑا اور آپ مدین چلے گئے اور وہاں دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہے۔ وہیں حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا۔ پھر جب آپ مدین سے واپس آ رہے تھے تو راستہ میں آپ کو پیغمبری سے سرفراز فرمایا گیا اور بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے نکالنے کے لئے آپ کو مصر فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا۔ آپ نے مصر پہنچ کر بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا مگر فرعون ان کو اپنے پنجہ سے کہاں رہائی دینے والا تھا۔ بالآخر ایک عرصہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جاؤ جس پر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا مگر بحکم الٰہی فرعون اور اس کا تمام لشکر تو سمندر میں غرق ہو کر ہلاک ہوا اور بنی اسرائیل آزاد ہو گئے اور پھر محکوم سے حاکم ہو گئے۔

الغرض موسیٰ علیہ السلام کا جو قصہ یہاں بیان فرمایا گیا ہے اس سے کئی باتیں ذہن نشین کرانی ہیں۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے وہ غیر محسوس طریقہ سے ظاہری اسباب و ذرائع فراہم کر دیتا ہے۔ جس بچہ کے ہاتھوں آخر کار فرعون کا تختہ الٹنا تھا اسے اللہ نے خود فرعون ہی کے گھر میں اسی سے پرورش کرایا اور فرعون یہ نہ جان سکا کہ وہ کسے پرورش کر رہا ہے۔ اس خدا کی مشیت سے کون لڑ سکتا ہے اور کس کی چالیں اس کے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ نبوت کسی کو کسی جشن اور زمین وآسمان سے کسی بھاری اعلان کے ساتھ نہیں دی جاتی۔ کفار مکہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض تھا کہ بیٹھے بٹھائے آپ چپکے سے نبی کہاں سے بن گئے تو ان کو جتلایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی طرح راہ چلتے نبوت مل گئی تھی۔ کوہ طور کی وادی میں آپ آگ لینے گئے تھے کہ پیغمبری عطا ہو گئی۔

تیسرے یہ کہ اللہ اپنے جس بندے سے دین کا کوئی کام لینا چاہتا ہے تو وہ بغیر کسی لاؤلشکر اور ظاہری ساز وسامان کے تن تنہا اٹھتا ہے مگر بڑے بڑے لاؤلشکر اور ساز وسامان والے اس کے مقابلہ میں دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ کہاں فرعون کی ظاہری قوت وشوکت اور کہاں موسیٰ علیہ السلام کی بے سروسامانی۔ مگر دیکھ لو کہ آخر کس کا کیا انجام ہوا۔ کون کامیاب رہا اور کون ناکام رہا۔

چوتھے یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور اس کے بعد قارون کے اس قصہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ثبوت قرار دیا گیا کہ امی ہونے کے باوجود دو ہزار سال پہلے گزرے ہوئے تاریخی واقعات اس تفصیل کے ساتھ من وعن سنا رہے ہیں حالانکہ آپ کے شہر اور آپ کی قوم کے لوگ خوب جانتے تھے کہ آپ نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ آپ کے پاس ان معلومات کے حاصل کرنے کا کوئی ظاہری ذریعہ نہیں تھا۔ مگر بذریعہ وحی الٰہی آپ کو اس تفصیل کے ساتھ واقعات وحالات کی اطلاع ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ اس سورۃ کو حقیقت قرآن سے افتتاح کر کے نصف سورۃ میں قصہ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ اور ختم سورت کے قریب قارون کے ساتھ مذکور ہے اور دونوں قصوں کے درمیان رسالت محمدیہ کا اثبات اور مومنین کی مدح اور منکرین کی مذمت۔ پھر آخرت کا بیان اور اس کے ساتھ شرک کی مذمت اور توحید کے دلائل مذکور ہوئے ہیں۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آئیں گی۔ اس تمہید کے بعد ان آیات زیر تفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو۔

سورۃ کی ابتداء حروف مقطعات طٰسٓمٓ سے فرمائی گئی۔ حروف مقطعات کا بیان پہلے متعدد بار ہو چکا ہے کہ دراصل یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے اور ان کا حقیقی اور صحیح مطلب حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں یا پھر حق تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا ان کے متعلق یہی عقیدہ رکھنا چاہئے۔ آگے بطور تمہید کے ارشاد فرمایا تلک ایت الکتب المبین۔ یعنی یہ مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں کتاب واضح یعنی قرآن کی آیتیں ہیں۔ یہاں آیت میں کتاب مبین سے مراد قرآن ہے۔ مبین کے دو معنی ہیں۔ ایک ظاہر اور روشن کرنے والا۔ دوسرے خود ظاہر اور روشن ہونا۔ قرآن پاک میں دونوں صفات موجود ہیں۔ قرآن حق کو باطل سے صحیح کو غلط سے خیر کو شر سے راستی کو کجی سے۔ اور ہدایت کو گمراہی سے جدا کرنے والا ہے۔ راہ سعادت اور طریق نجات اس سے واضح ہو جاتی ہے۔ پھر خود بھی اپنی صداقت وحقانیت میں اتنا روشن ہے کہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں جیسا کہ آفتاب اپنے وجود کی آپ دلیل ہے۔ قرآن کی اس حقیقت کو بطور تمہید بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ہم آپ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر یعنی نازل کر کے سناتے ہیں ان لوگوں کے نفع کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے کل واقعات کا مفصل بیان تو مقصد قرآنی سے غیر متعلق ہے۔ قران کوئی تاریخ یا داستان کی کتاب نہیں۔ درحقیقت یہ ایک ہدایت نامہ ہے جو اہل ایمان کو راہ نجات دکھاتا ہے اور اس سلسلہ میں وعظ وتذکیر کے لئے جتنے قصہ کی جہاں ضرورت ہے اتنا قرآن نے بیان کر دیا تا کہ سننے والے عبرت حاصل کریں اسی لئے یہاں فرمادیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ قصہ ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں یعنی اتنا بیان کرتے ہیں جتنا ہدایت اور اصلاح کے لئے ضروری ہے۔ پھر اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں تحریفات وتغیرات بکثرت کر لئے تھے۔ بعض مقامات پر تو کتب الٰہیہ کو مجموعۂ داستان بنالیا تھا۔ تمام صحیح وغلط قصے بغیر کسی ثبوت کے درج کر دیئے تھے مگر قرآن نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے جتنا قصہ بیان کیا وہ من وعن بالکل صحیح ہے اور ہر قسم کی خرافات سے پاک ہے اسی لئے یہاں آیت میں بالحق فرمایا یعنی موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا جتنا قصہ بیان کیا گیا ہے وہ بالکل سچا اور صحیح ہے۔ خلاف واقعہ آمیزشوں سے پاک ہے۔ پھر یہ بھی تصریح فرمادی کہ ہم یہ واقعہ ایمانداروں کے فائدے کے لئے سناتے ہیں۔ تا کہ وہ دشمنوں کی زیادتی سے بددل نہ ہوں اور ان کی ڈھارس بندھ جائے کہ یہ ساری اذیتیں اور مصیبتیں تھوڑے دنوں کی ہیں۔ اور بالآخر کامیابی اہل ایمان ہی کی ہوگی۔

اب آگے فرعون کے مظالم جو اس نے بنی اسرائیل پر اپنی حکومت وسلطنت میں کر رکھے تھے ان کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْھُمْ

فرعون سرزمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا کہ ان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا تا تھا، اُن کے

یُذَبِّحُ اَبْنَآءَھُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَھُمْ ؕ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۴﴾ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ

بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا، وہ واقعی بڑا مفسد تھا۔ اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن

عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَھُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَھُمُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۵﴾

لوگوں کا زور زمین میں گھٹایا جارہا تھا ہم ان پر احسان کریں، اور ان کو پیشوا بنادیں اور ان کو مالک بنادیں۔

وَنُمَکِّنَ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَجُنُوْدَھُمَا مِنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾

اور ان کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان کی جانب سے وہ واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔

اِنَّ بیشک	فِرْعَوْنَ فرعون	عَلَا سرکشی کر رہا تھا	فِی الْاَرْضِ زمین (ملک) میں	وَ اور	جَعَلَ اس نے کر دیا	اَھْلَھَا اس کے باشندے
شِیَعًا الگ الگ گروہ	یَسْتَضْعِفُ کمزور کر رکھا تھا	طَآئِفَةً ایک گروہ	مِّنْھُمْ ان میں سے	یُذَبِّحُ ذبح کرتا تھا	اَبْنَآءَھُمْ انکے بیٹوں کو	
وَیَسْتَحْیٖ اور زندہ چھوڑ دیتا تھا	نِسَآءَھُمْ ان کی عورتوں کو	اِنَّهٗ بیشک وہ	کَانَ تھا	مِنَ سے	الْمُفْسِدِیْنَ مفسد	وَنُرِیْدُ اور ہم چاہتے تھے
اَنْ کہ	نَّمُنَّ ہم احسان کریں	عَلَی الَّذِیْنَ ان لوگوں پر جو	اسْتُضْعِفُوْا کمزور کر دیئے گئے تھے	فِی الْاَرْضِ زمین (ملک) میں		
وَنَجْعَلَھُمْ اور ہم بنائیں انہیں	اَئِمَّةً پیشوا	وَنَجْعَلَھُمُ اور ہم بنائیں انہیں	الْوٰرِثِیْنَ وارث	وَنُمَکِّنَ اور ہم قدرت (حکومت) دیں		
لَھُمْ انہیں	فِی الْاَرْضِ زمین (ملک) میں	وَنُرِیَ اور ہم دکھا دیں	فِرْعَوْنَ فرعون	وَھَامٰنَ اور ہامان	وَجُنُوْدَھُمَا اور ان کے لشکر	
	مِنْھُمْ ان سے	مَا جس چیز	کَانُوْا یَحْذَرُوْنَ وہ ڈرتے تھے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بطور تمہید کے یہ فرمایا گیا تھا کہ یہ قرآن کتاب مبین ہے اور ایمان والوں کے نفع کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے کچھ واقعات و حالات ٹھیک ٹھیک بیان کئے جاتے ہیں کہ حقیقت شناس نظروں کے لئے اس میں عبرت و موعظت یعنی حق کا غلبہ۔ باطل کی شکست۔ نافرمانوں کی تباہی۔ فرمانبرداروں کی کامیابی کا سبق موجود ہے۔ اس واقعہ کے سنانے سے اہل اسلام کو ڈھارس اور تسلی دی گئی کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو باوجود کمزوری کے فرعونیوں کی طاقت کے مقابلہ میں کامیاب کیا ایسے ہی اہل اسلام جو مکہ میں قلیل ضعیف اور ناتواں نظر آتے ہیں اپنے بیشمار حریفوں اور دشمنوں کے مقابلہ پر کامیاب ہوں گے۔

اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور پھر قارون کے واقعات وحالات دور تک اس سورۃ میں بیان ہوتے چلے گئے ہیں۔ ان آیات میں مملکت مصر کے اس بادشاہ کا حال جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کا حکمران تھا بتلایا جاتا ہے کہ وہ کیسا ظالم اور جابر اور سرکش ومفسد بادشاہ تھا مصر میں اس وقت دو قوم آباد تھیں ایک قبطی جو فرعون کی قوم تھی اور دوسرے سبطی جو بنی اسرائیل کہلاتے تھے۔ قرآن کریم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بتلایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا عبرانی زبان میں نام اسرائیل ہے وہ اور آپ کا خاندان کنعان سے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے مصر میں آئے۔

اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا تمام خاندان مصر ہی میں آباد ہوگیا کیونکہ اس وقت کے بادشاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اصرار کے ساتھ یہ کہا کہ آپ اپنے خاندان کو مصر ہی میں آباد کریں میں ان کو بہت عمدہ زمین دوں گا اور ہر طرح عزت کروں گا۔ اس طرح بنی اسرائیل مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں آباد ہوگئے اور اس کے بعد صدیوں تک مصر میں آباد رہے حتیٰ کہ ۴۳۰ سال کے قیام کے بعد بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں مصر سے خروج کرکے فرعونیوں سے نجات حاصل کی۔ فرعون شاہان مصر کا لقب ہے کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں ہے۔ فراعنہ کی سلطنت مصر میں تین ہزار سال قبل مسیح ؑ سے شروع ہوکر عہد سکندر تک یعنی ۳۳۲ قبل مسیح تک رہی اور ۳۱ فرمانروا حکمران رہے۔ سب سے آخری فرعون فارس کی شہنشاہی کا تھا جو ۳۳۲ قبل مسیح سکندر کے ہاتھوں مفتوح ہوگیا۔ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں داخل ہوئے تھے وہ فراعنہ کے سولھویں خاندان کا زمانہ تھا۔ وہ فرعون جس کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے مصر کے حکمرانوں کا انیسواں خاندان تھا۔ فرعون کو بنی اسرائیل کے ساتھ اس لئے عداوت ہوگئی تھی کہ اس زمانہ کے کاہنوں و نجومیوں نے اس کو بتایا تھا کہ تیری حکومت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ سے ہوگا اور بعض تاریخی روایات میں ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ مصر میں پھیلی اور اس سے مصریوں کے تمام گھر جل کر راکھ ہوگئے لیکن بنی اسرائیل کی آبادی ہلاکت سے بچ گئی اس کی تعبیر نجومیوں نے یہ دی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تیری سلطنت تباہ ہوگی۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک پیشین گوئی بہت مشہور تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ ایک اسرائیلی جوان کے ہاتھ پر مصر کی تباہی مقدر ہے۔ اور اس وقت وہ اس کی پیدائش کے منتظر تھے۔ یہ خبر شدہ شدہ فرعون تک پہنچی۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو نجومیوں کے تعبیر کے سبب یا بنی اسرائیل کی موروثی بشارت کی وجہ سے فرعون نے پیش بندی کے طور پر

یہ احمقانہ اور ظالمانہ تدبیر سوچی کہ بنی اسرائیل کو ہمیشہ کمزور کرتے رہنا چاہئے تاکہ انہیں حکومت کے مقابلہ کا کبھی حوصلہ ہی نہ ہو۔ علاوہ اس کے کہ فرعون نے ظلم اور تکبر کی راہ سے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ ان سے ذلیل کام اور بیگاریں لیتے اور ان کو کسی طرح اس قابل نہ ہونے دیتے کہ ملک میں کوئی قوت اور وقعت حاصل کرسکیں۔ اس نے قضا و قدر کی روک تھام کے لئے ظلم وستم کی یہ اسکیم رائج کی کہ آئندہ جولڑکے اسرائیلیوں کے ہاں پیدا ہوں ان کو ایک طرف سے ذبح کرڈالنا چاہئے۔ اس طرح آنے والی مصیبت رک جائے گی البتہ لڑکیوں سے چونکہ کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں رہنے دیا جائے جو بڑی ہوکر باندیوں کی طرح ہماری خدمت کیا کریں گی۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ جب اولاد اسرائیل کا قتل عام ہوا تو فرعونیوں کو اندیشہ ہوا کہ اب اگر یہی رواج رہا تو ہماری خدمت اور نوکری چاکری کون کرے گا اس لئے فرعون سے جاکر کہا کہ نہ تو بنی اسرائیل کو اتنا موقع دیا جائے کہ ان کی مردم شماری بڑھ جائے اور نہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہم خدمت گزاروں سے بھی محروم ہوجائیں اس لئے بہتر ہو کہ ایک سال کی پیداوار باقی رکھی جائے اور ایک سال کی ہلاک کردی جائے۔ فرعون نے یونہی حکم جاری کردیا۔ لکھا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے وہ اس سال پیدا ہوئے جو نجات کا سال تھا اس لئے کسی نے پرشش نہ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل عام کے سال پیدا ہوئے۔ چنانچہ آپ کی والدہ کو آثار حمل دیکھ کر ہی سخت فکر تھی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ تورات میں یہ اور اضافہ ہے کہ فرعون نے دایہ مقرر کردی تھیں کہ قلمرو مصر میں جس اسرائیلی کے یہاں لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کردیا جائے مگر ان عورتوں کے دلوں میں ایسی ہمدردی پیدا ہوئی کہ انہوں نے اس عمل میں کوئی خاطر خواہ اقدام نہیں کیا جب فرعون نے باز پرس کی تو یہ معذرت پیش کی کہ اسرائیلی عورتیں شہری عورتوں کی طرح نازک اندام نہیں ہیں وہ خود ہی بچہ جن لیتی ہیں اور ہم کو مطلق خبر نہیں دیتیں۔ اس پر فرعون نے ایک جماعت کو اس لئے مقرر کیا کہ وہ تفتیش اور تلاش کے ساتھ اسرائیلی لڑکوں کو قتل کردیں اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا کریں۔ فرعون

اپنے وقت کا نہایت جابر اور قاہر اور مطلق العنان حکمران تھا اس نے مصر کے اصلی باشندوں یعنی قبطیوں کو اور غیر ملکیوں یعنی بنی اسرائیلیوں کو پہلے ہی الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اب اسرائیلیوں کو اپنی مملکت کے استحکام کے لئے ایک خطرہ تصور کر کے مستقبل میں ان کی نسل کو بڑھنے اور کمزور بنا دینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دیا جائے۔

اس جگہ یہ مضمون لکھتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ واقعی فرعون احمق ہی تھا کہ جو بنی اسرائیل کی نسل کو ختم اور کمزور کرنے کے لئے اس نے بچوں کے قتل کی ایسی ظالمانہ اور جابرانہ اسکیم پر عملدرآمد کیا کہ رہتی دنیا اس پر لعنت ملامت ہوتی رہے گی۔ اس کو کیوں نہ ایسی تدبیر سوجھی یا کسی نے اس کو ایسا مشورہ کیوں نہ دیا کہ جو وہ اپنے مقصد میں بھی کامیاب ہو جاتا اور اس بدنامی اور لعنت ملامت سے بھی بچ جاتا۔ اور وہ یہ تدبیر تھی کہ آج کل کے نام نہاد عقلمندوں کی طرح خاندانی ''منصوبہ بندی'' کی اسکیم اسرائیلیوں میں کسی تدبیر سے رائج کر دیتا اور بنی اسرائیلیوں کی خیر خواہی کے پردہ میں اپنے مقصد کو حاصل کر لیتا۔ خیر یہ بات تو بیچ میں ضمناً آ گئی۔ تو فرعون اپنی تدبیروں سے تقدیر الٰہی یا تعبیر خواب کو بدلنا چاہتا تھا اور چونکہ مفسد اور زمین میں خرابی پھیلانے والا تو تھا ہی لہٰذا اسے کوئی ظلم و ستم کرنے میں کیا جھجک ہوتی۔ بس جو دل میں آیا اپنے کبر و غرور کے نشہ میں بے سوچے سمجھے کر گزرا۔ تو اس ملعون کے انتظامات تو وہ تھے اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کمزوروں کو قوی اور پست کو بالا کیا جائے جس قوم کو فرعونیوں نے ذلیل غلام بنا رکھا تھا ان ہی کے سر پر دین کی امامت اور دنیوی بادشاہت کا تاج رکھ دیں اور فرعون و ہامان جو وزیر تھا اور ظلم و ستم میں فرعون کا آلۂ کار تھا ان کو دکھا دیں کہ جس حکومت کے زوال کا ان کو اندیشہ ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے اللہ کا منشا پورا ہوا۔ شام۔ فلسطین اور عراق کا بیشتر حصہ بنی اسرائیل کے زیر حکومت آ گیا اور فرعون وغیرہ غارت ہوئے اور ہزار برس سے زیادہ بنی اسرائیل کی سلطنت رہی۔ تو جس خطرہ کی وجہ سے فرعون نے بنی اسرائیل کے ہزارہا معصوم بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ اللہ نے چاہا کہ وہی ''خطرہ'' ان کے سامنے آئے۔ فرعون نے امکانی کوشش کر دیکھی اور پورے زور خرچ کر لئے کہ کسی طرح اس اسرائیلی بچہ سے مامون ہو جائے جس سے ان کو تباہی کا خطرہ تھا۔ لیکن تقدیر الٰہی کہاں ٹلنے والی تھی۔ خداوند قدیر نے اس بچہ کو اسی کی گود میں اسی کے بستر پر اسی کے محلات کے اندر شاہانہ ناز و نعم سے پرورش کرایا اور دکھلا دیا کہ خدائے ذوالجلال جو انتظام کرنا چاہے کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں فرعون کی بحیثیت حاکم اور فرمانروا کے دو صفات مذمت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ ایک تو **جعل اهلها شيعا** فرمایا یعنی اس نے وہاں کے باشندوں کو الگ الگ گروہ بنا دیا تھا۔ اس سے یہ امر واضح ہوا کہ رعایا میں پھوٹ ڈال کر حکومت کرنی تعلیم قرآن کے خلاف ہے۔ دوسرے **يستضعف طائفة منهم** فرمایا یعنی ان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ پر لازم ہے کہ تمام رعایا کو ایک نظر سے دیکھے اور انصاف کے مقابلہ میں کسی کی جانب داری نہ کرے۔ نہ کسی خاص طبقہ کو کمزور کرنے کی کوشش کرے ورنہ ظالم ٹھہرے گا تو معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں عموماً ظالم حکومتوں کی اپنی رعایا کے متعلق وہی پالیسی ہوتی ہے جو فرعون کی بنی اسرائیل کے متعلق تھی یعنی پھوٹ ڈالنا۔ گروہ بندی کرانا۔ رعایا کی طاقت کو کمزور کرنا پھر چین سے حکومت کرنا۔ انگریز نے اپنی سو سالہ دور حکومت میں ہندوستان میں یہی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ کہیں ہندو اور مسلمانوں کو لڑوانا اور کہیں مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانا۔ یہ قادیانی مذہب انگریزی حکومت ہی کی پیداوار ہے۔

اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور آپ کی والدہ کا حکم الٰہی کے موافق آپ کو صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں چھوڑ دینے اور پھر صندوق بہتے ہوئے فرعون کے محل میں پہنچنے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پرورش کرنے کا حال ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو اُن کی نسبت اندیشہ ہو تو ان کو دریا میں ڈال دینا اور نہ تو اندیشہ کرنا

تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٧ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ

اور نہ غم کرنا ہم ضرور اُن کو پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے اور پیغمبر بنا دیں گے۔ تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو اُٹھالیا

فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا

تاکہ وہ اُن لوگوں کیلئے دشمن اور غم کا باعث بنیں، بلاشبہ فرعون اور ہامان اور اُن کے تابعین بہت چوکے۔

خٰطِـِٕيْنَ ۝٨ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ

اور فرعون کی بی بی نے کہا کہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اس کو قتل مت کرو عجب نہیں کہ ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩

یا ہم اس کو بیٹا ہی بنالیں اور اُن لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ تھی۔

وَاَوْحَيْنَآ اور ہم نے الہام کیا	اِلٰٓى طرف۔کو	اُمِّ مُوْسٰٓى موسیٰ کی ماں	اَنْ اَرْضِعِيْهِ کہ تو دودھ پلاتی رہ اسے	فَاِذَا پھر جب			
خِفْتِ عَلَيْهِ تو اس پر ڈرے	فَاَلْقِيْهِ تو ڈال دے اسے	فِى الْيَمِّ دریا میں	وَ اور	لَا تَخَافِىْ نہ ڈر	وَلَا تَحْزَنِىْ اور نہ غم کھا	اِنَّا بیشک ہم	
رَآدُّوْهُ اسے لوٹا دیں گے	اِلَيْكِ تیری طرف	وَجَاعِلُوْهُ اور اسے بنادیں گے	مِنَ سے	الْمُرْسَلِيْنَ رسولوں	فَالْتَقَطَهٗ پھر اٹھالیا اسے		
اٰلُ فِرْعَوْنَ فرعون کے گھر والے	لِيَكُوْنَ تاکہ وہ ہو	لَهُمْ ان کیلئے	عَدُوًّا دشمن	وَ اور	حَزَنًا غم کا باعث	اِنَّ بیشک	فِرْعَوْنَ فرعون
وَهَامٰنَ اور ہامان	وَجُنُوْدَهُمَا اور اُن کے لشکر	كَانُوْا تھے	خٰطِـِٕيْنَ خطاکار	وَقَالَتِ اور کہا	امْرَاَتُ بیوی	فِرْعَوْنَ فرعون	قُرَّتُ ٹھنڈک
عَيْنٍ لِّيْ میری آنکھوں کیلئے	وَلَكَ اور تیرے لئے	لَا تَقْتُلُوْهُ تو قتل نہ کر اسے	عَسٰٓى شاید	اَنْ يَّنْفَعَنَآ کہ نفع پہنچائے ہمیں	اَوْ یا		
	نَتَّخِذَهٗ ہم بنالیں اسے	وَلَدًا بیٹا	وَهُمْ اور وہ	لَا يَشْعُرُوْنَ (حقیقتِ حال) نہیں جانتے تھے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مصر کے اس ظالم سرکش فرعون کا ذکر ہوا تھا جس نے اپنی خواہشات پر بنی اسرائیل کو بھینٹ چڑھا رکھا تھا۔ اپنی سلطنت میں ان کو شہری حقوق وآزادی سے محروم کردیا تھا۔ اور جن کا فرض ہی یہ تھا کہ فرعونیوں کی خدمت کریں۔ پھر محنت شاقہ پر اجرت قلیل۔ عموماً بیگار ہی لی جاتی۔ حاملہ عورتوں سے تین تین منزلوں کے مکانوں پر پتھر اٹھوائے جاتے اوران سے ذلیل سے ذلیل کام لینا ان کے آقاؤں کا طرۂ امتیاز تھا۔ پھر ظالموں نے انہی سفاکیوں پر بس نہیں کیا بلکہ فرعون کی ایک موہوم خواب کی تعبیر پر اور اپنی حکومت کے بے جا تحفظ کے تخیل کے باعث بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کو تہ تیغ کردیا۔ انہی حالات کے تحت ایک اسرائیلی والدین کے ہاں وہ بچہ پیدا ہوا جسے دنیا نے موسیٰ علیہ السلام کے نام سے جانا۔ جدید

تحقیقات کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سنہ ولادت ۱۵۲۰ قبل مسیح ہے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ۲۰۹۰ سال پہلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ آپ کے والد کا نام عمران تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ان کے ہاں دو بچے مصر ہی میں پیدا ہو چکے تھے۔ سب سے بڑی لڑکی مریم نامی تھیں جن کا ذکر آگے اسی سورۃ میں آرہا ہے۔ ان سے چھوٹے حضرت ہارون علیہ السلام تھے اور حضرت ہارون کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو بنی اسرائیل کے لڑکے عام طور پر تہ تیغ ہو رہے تھے فرعونی عورتیں گشت کرتی رہتی تھیں اور حاملہ عورتوں کے نام لکھ لئے جاتے تھے۔ وضع حمل کے وقت یہ عورتیں پہنچ جاتیں تھیں۔ اگر لڑکی ہوتی تو واپس چلی جاتیں اور اگر لڑکا ہوتا تو فوراً جلادوں کو خبر کر دیتی تھیں۔ یہ لوگ تیز چھرے لئے ہوئے اسی وقت آجاتے تھے اور ماں باپ کے سامنے ان کے بچہ کے ٹکڑے کر کے چلے جاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جب آپ کا حمل ٹھہرا تو عام حمل کی طرح وہ ظاہر نہ ہوا اور جو عورتیں اس تحقیق پر مامور تھیں۔ اور جتنی دائیاں آئی تھیں کسی کو حمل کا پتہ ہی نہ چلا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تولد بھی ہو گئے۔ آپ کی والدہ اور اہل خاندان آپ کی ولادت کے وقت سخت پریشان تھے کہ کس طرح بچہ کو قاتلوں کی نگاہ سے محفوظ رکھیں؟ بہر حال جوں توں کر کے تین مہینہ تک آپ کو ہر ایک کی نگاہ سے اوجھل رکھا اور آپ کی پیدائش کی مطلق کسی کو خبر نہ ہونے دی لیکن جاسوسوں کی دیکھ بھال اور حالات کی نزاکت کی وجہ سے زیادہ دیر تک اس واقعہ کے پوشیدہ رہنے کی توقع نہ ہو سکی اور اس لئے آپ کی والدہ سخت پریشان ہونے لگیں۔ اس سخت اور نازک وقت میں آخر خدائے قدوس نے مدد کی اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام ہوا یا خواب دیکھایا اور کسی ذریعہ یعنی فرشتہ سے معلوم کرا دیا گیا کہ جب تک بچہ کے قتل کا اندیشہ نہ ہو برابر دودھ پلاتی رہو اور جب اندیشہ بچہ کے قتل کا ہو تو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ لکھا ہے کہ دریائے نیل کے کنارہ ہی پر آپ کا مکان تھا۔ ساتھ ہی آپ کی والدہ کو تسلی کر دی گئی کہ ڈرنا مت۔ بے کھٹکے بچہ کو نیل میں چھوڑ دیں۔ بچہ کی طرف سے ہرگز ہراساں اور آزردہ خاطر نہ ہوں ہم بہت جلد اس بچہ کو پھر تمہاری ہی آغوش شفقت میں پہنچا دیں گے۔ خدا کو اس سے بڑے کام لینے ہیں وہ منصب رسالت پر بھی سرفراز کیا جائے گا کوئی طاقت اللہ کے ارادہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ تمام رکاوٹیں دور کر کے وہ مقصد پورا کرنا ہے جو اس بچہ کی پیدائش سے متعلق ہے۔ آخر آپ کی والدہ نے ایسا ہی کیا اور جب افشائے راز کا خوف ہوا تو بچہ کو لکڑی کے ایک صندوق میں رکھ کر اللہ کے نام پر دریائے نیل میں چھوڑ دیا اور ساتھ ہی اپنی بڑی لڑکی مریم یعنی موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کو مامور کیا کہ وہ اس صندوق کے بہاؤ کے ساتھ کنارے کنارے چل کر صندوق کو نگاہ میں رکھے اور دیکھے کہ خدا اس کی حفاظت کا وعدہ کس طرح پورا فرماتا ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو خدائے تعالیٰ نے یہ بشارت پہلے ہی سنا دی تھی کہ ہم اس بچہ کو تیری ہی جانب واپس کر دیں گے اور یہ ہمارا پیغمبر اور رسول ہوگا۔ حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ برابر صندوق کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ کنارے کنارے اجنبی بن کر نگہداشت کرتی جا رہی تھیں کہ انہوں نے دیکھا کہ صندوق تیرتے ہوئے شاہی محل کے کنارہ آ لگا اور فرعون کے

لوگوں نے اسے اٹھالیا اور شاہی محل میں لے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے جب یہ دیکھا تو حالات کی صحیح تفصیل معلوم کرنے کے لئے شاہی محل کی خادماؤں میں شامل ہوگئیں۔ بہر حال وہ صندوق شاہی محل کے اندر لے جا کر کھولا گیا تو دیکھا کہ ایک حسین جمیل تندرست بچہ آرام سے لیٹا ہوا انگوٹھا چوس رہا ہے۔ یہاں تک واقعات بیان کرنے کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے پالنے کی غرض سے بچہ کو اٹھالیا مگر اس اٹھانے کا آخری نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ بچہ بڑا ہو کر فرعون اور فرعونیوں کا دشمن ثابت ہوا اور ان کے حق میں سوہان روح بنے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے کا موقع دیا۔ فرعون کو کیا خبر تھی کہ جس دشمن کے ڈر سے ہزار ہا معصوم بچے تہ تیغ کرا چکا ہوں وہ یہی ہے۔ فی الحقیقت فرعون اور اس کے وزیر و مشیر اپنے ناپاک مقصد کے اعتبار سے بہت چوکے کہ بے شمار اسرائیلی بچوں کو ایک شبہ پر قتل کرنے کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو زندہ رہنے دیا۔ لیکن نہ چوکتے تو کیا کرتے۔ کیا خدا کی لکھی ہوئی تقدیر کو بدل سکتے تھے یا مشیت ایزدی کو روک سکتے تھے۔ رب العالمین کی کرشمہ سازی کہ وہ اپنی نادانی اور بے خبری میں اپنے دشمن کی پرورش پر نگراں مقرر کئے گئے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ فرعون کی بیوی جن کا نام آسیہ تھا انہوں نے بچہ کو دیکھا تو باغ باغ ہوگئیں اور انتہائی محبت سے اس کو پیار کیا اور کہنے لگیں کہ کیسا پیارا بچہ ہے۔ ہمارے کوئی لڑکا نہیں لاؤ اسی سے دل بہلائیں اور آنکھیں ٹھنڈی کیا کریں۔ حدیث کی ایک روایت میں مروی ہے کہ فرعون نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہوگا میرے لئے تو ٹھنڈک نہیں ہے۔ گویا تقدیر ازلی یہ الفاظ اس کی زبان سے کہلوا رہی تھی اور آخر وہی ہوا۔ فرعون کے بعض خدام نے قیاس سے کہا کہ یہ تو اسرائیلی بچہ معلوم ہوتا ہے اور ہمارے دشمنوں کے خاندان کا ہے اس کا قتل کرنا ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی ہمارے بادشاہ کے خواب کی تعبیر ثابت ہو۔ اس بات کو سن کر فرعون کو بھی یہی خیال پیدا ہوا اور اس بات کو بآسانی قیاس بھی کیا جا سکتا تھا کہ یہ ضرور کسی اسرائیلی کا بچہ ہے کیونکہ یہ صندوق اس جانب سے بہہ کر آیا ہے جدھر بنی اسرائیل رہتے تھے اور انہی کے بیٹے اس زمانہ میں قتل کئے جا رہے تھے اور انہی کے متعلق یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ کسی نے بچہ کو چھپا کر کچھ مدت تک پالا ہے اور پھر جب زیادہ دیر چھپ نہ سکا تو اب اسے اس امید پر دریا میں ڈال دیا کہ شاید اسی طرح اس کی جان بچ جائے اور کوئی اسے نکال کر پال لے تو انہی قیاسات کی بنا پر بعض وفادار غلاموں نے عرض کیا کہ حضور اسے فوراً قتل کرا دیں مگر فرعون کی بیوی نے کہا کہ اسے قتل نہ کرو بلکہ لے کر پال لو یہ جب ہمارے ہاں پرورش پائے گا اور ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں گے تو اسے کیا خبر ہوگی کہ میں اسرائیلی ہوں یہ اپنے آپ کو آل فرعون ہی کا ایک فرد سمجھے گا اور یہ بڑا ہو کر ہمارے کام آئے گا اور اگر یہ بنی اسرائیل ہی میں سے کسی نے خوف سے ڈالا ہے تو ایک لڑکا نہ مارا تو کیا ہوا کیا ضرور ہے کہ یہی وہ بچہ ہو جس سے ہمیں خوف ہے پھر جب ہم پرورش کریں گے تو خود ہی ہم سے شرمائے گا۔ کس طرح ممکن ہے کہ ہم سے ہی دشمنی کرنے لگے۔ فرعونیوں کو اللہ کی حکمت بالغہ کا علم نہ تھا۔ وہ واقف نہ تھے کہ پردہ ہی پردہ میں کیا گل کھلنے والا ہے اور گھر کے ہی چراغ سے گھر کو آگ لگنے والی ہے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام کو محل میں پرورش کرنا طے ہوگیا۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کی بیوی جن کا نام آسیہ تھا یہ نہایت ہی برگزیدہ۔ فضیلت مآب اور مومنہ خاتون تھیں ان کو موت کا یقین تھا۔ فرعون کے خدائی کی وہ قائل نہ تھیں۔ غیر اللہ کی

پرستش سے بیزار تھیں۔ فرعون کے کفر اس کے مظالم اور اس کی بداعمالیوں سے سخت بیزار اور نالاں تھیں اور خدا کی درگاہ میں فرعون کے مآل بد سے پناہ اور اپنی بخشش کی دعا مانگا کرتی تھیں۔

ان کی برگزیدگی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ تحریم ۲۸ ویں پارہ میں ان کا ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کے ساتھ اس طرح فرمایا:

"اور اللہ ان لوگوں کے لئے جو مومن ہیں مثال بیان کرتا ہے فرعون کی بیوی کی جبکہ انہوں نے دعاء کی کہ اے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنادے اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل کے اثر سے بچادے اور مجھے ظالم لوگوں سے بھی بچادے۔" (سورۃ التحریم آیت ۱۱)

لکھا ہے کہ جب فرعون پر ان کا حال کھلا تو ان کو چومیخا کرکے طرح طرح کی ایذائیں دیتا تھا اس حالت میں اللہ کی طرف سے جنت کا محل ان کو دکھلایا جاتا جس سے سب سختیاں آسان ہوجاتی تھیں۔ آخر فرعون نے ان کو سیاستۃً قتل کردیا اور یہ جام شہادت نوش کرکے مالک حقیقی کے پاس جا پہنچیں۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مردوں میں تو بہت لوگ کمال کو پہنچے لیکن عورتوں میں آسیہ فرعون کی بیوی۔ اور مریم بنت عمران درجۂ کمال کو پہنچی تھیں اور عائشہ کی دیگر عورتوں پر فضیلت ایسی ہے جیسے ثرید کی دیگر کھانوں پر۔ حضرت آسیہ یعنی فرعون کی بیوی کی یہ فضیلت ضمناً درمیان میں آگئی جو موقع کی مناسبت سے بیان کردی گئی۔

اب اصل مضمون کی طرف آیئے۔ یعنی جب شاہی محل میں موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مشورہ سامنے آیا تو فرعون کی بیوی نے کسی نہ کسی طرح فرعون کو اس پر راضی کرلیا کہ بچہ کو قتل نہ کیا جائے بلکہ محل میں پرورش کے لئے رکھ لیا جائے۔

عارفین نے لکھا ہے کہ اہل اللہ سے محبت رائیگاں نہیں جاتی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے محبت کا نتیجہ حضرت آسیہ نے مشاہدہ کرلیا کہ مشرف بایمان ہی نہیں ہوئیں بلکہ اپنے وقت میں تمام عالم کی عورتوں پر افضل قرار پائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کامل ہونے کا اعلان فرمایا۔ اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں ان کی پاک روح پر۔

الغرض ادھر تو محل میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ معاملہ ہوا اور ادھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بچہ کو دریا میں ڈال تو دیا تھا مگر ماں کی ممتا کہاں چین سے رہنے دیتی۔ رہ رہ کر موسیٰ علیہ السلام کا خیال آتا تھا اور دل بے قرار ہوجاتا تھا کہ پھر حق تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور ان کے دل کو مضبوط کردیا جس کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اے اللہ! بے شک تمام کاموں کی تدبیر آپ ہی فرمانے والے ہیں اور کوئی طاقت آپ کے ارادہ اور مشیت میں حائل نہیں ہوسکتی۔ اے اللہ آپ جس کام کا ارادہ کرلیں اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور آپ جس کی حفاظت فرمانا چاہیں تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یا اللہ! آپ نے اپنی جس قدرت کاملہ سے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے دشمن فرعون سے ظاہر میں پرورش کرایا۔ اس قدرت کاملہ پر ہم کو پورا اور پکا یقین و ایمان نصیب فرما۔ یا اللہ آپ کی لکھی ہوئی تقدیر اور مشیت کو کون روک سکتا ہے جو آپ چاہتے ہیں وہ ہو کر رہتا ہے۔

یا اللہ! جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے بچہ کی جان کی پروانہ کی اور آپ کے امتثال حکم میں دریائے نیل میں ڈال دیا۔

یا اللہ ہم کو بھی وہ جذبہ عطا فرما کہ ہم بھی ہر حال میں اگرچہ کیسے ہی ناموافق حالات ہوں آپ کے احکام کی اطاعت اور فرمانبرداری سے نہ چوکیں۔ یا اللہ اپنی برکتوں اور رحمتوں کو ہر حال میں ہمارے شامل فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى

اور موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہوگیا قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال ظاہر کردیتیں اگر ہم اُن کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہیں کہ یہ

قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ

(ہمارے وعدہ پر) یقین کئے (بیٹھی) رہیں۔ انہوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓي

سوانہوں نے موسیٰ کو دور سے دیکھا اور اُن لوگوں کو خبر نہ تھی۔ اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلائیوں کی بندش کررکھی تھی سو وہ کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں

اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا

جوتمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ دل سے اس کی خیرخواہی کریں۔ غرض ہم نے موسیٰ کو اُن کی والدہ کے پاس واپس پہنچادیا تا کہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں

وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور تا کہ غم میں نہ رہیں اور تا کہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں رکھتے۔

وَاَصْبَحَ اور ہوگیا	فُؤَادُ دل	اُمِّ مُوْسٰى موسیٰ کی ماں	فٰرِغًا صبر سے خالی (بیقرار)	اِنْ تحقیق	كَادَتْ قریب تھا	لَتُبْدِيْ کہ ظاہر کردیتی
بِهٖ اس کو	لَوْلَآ اگر نہ ہوتا	اَنْ رَّبَطْنَا کہ گرہ لگاتے ہم	عَلٰى قَلْبِهَا اس کے دل پر	لِتَكُوْنَ کہ وہ رہے	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ یقین کرنیوالے
وَقَالَتْ اور اس نے (موسیٰ کی والدہ نے) کہا	لِاُخْتِهٖ اسکی بہن کو	قُصِّيْهِ اس کے پیچھے جا	فَبَصُرَتْ پھر دیکھتی رہ	بِهٖ اس کو	عَنْ جُنُبٍ دُور سے	
وَهُمْ اور وہ	لَا يَشْعُرُوْنَ (حقیقتِ حال) نہ جانتے تھے	وَحَرَّمْنَا اور ہم نے روک رکھا	عَلَيْهِ اس سے	الْمَرَاضِعَ دودھ پلانیوالی	مِنْ قَبْلُ پہلے سے	
فَقَالَتْ وہ (موسیٰ کی بہن) بولی	هَلْ اَدُلُّكُمْ کیا میں بتلاؤں تمہیں	عَلٰٓي اَهْلِ بَيْتٍ ایک گھر والے	يَّكْفُلُوْنَهٗ وہ اس کی پرورش کریں			
لَكُمْ تمہارے لئے	وَهُمْ اور وہ	لَهٗ اس کے لئے	نٰصِحُوْنَ خیرخواہ	فَرَدَدْنٰهُ تو ہم نے لوٹا دیا اس کو	اِلٰٓى اُمِّهٖ اس کی ماں کی طرف	
كَيْ تَقَرَّ تا کہ ٹھنڈی رہے	عَيْنُهَا اس کی آنکھ	وَلَا تَحْزَنَ اور وہ غمگین نہ ہو	وَلِتَعْلَمَ اور تا کہ جان لے	اَنَّ کہ	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	
حَقٌّ سچا	وَّلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَهُمْ ان میں سے بیشتر	لَا يَعْلَمُوْنَ وہ نہیں جانتے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی والدہ نے بحکم الٰہی صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیا۔ اور یہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے کنارہ جالگا جہاں اس کو فرعون کے لوگوں نے اٹھا کر محل میں پہنچایا۔ وہاں صندوق کو کھولا تو ایک جیتا جاگتا خوبصورت اور پیارا بچہ نکلا۔ فرعون کی بیوی اس بچہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور کسی طرح فرعون کو راضی کرلیا کہ بچہ کو پال لیا جائے اور بنی اسرائیل کا بچہ ہونے کے محض شک میں اس کو قتل نہ کیا جائے۔ چنانچہ ادھر محل میں تو بچہ کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ادھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب ان کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہادیا تو اس کے بعد ان کا دل بہت بے چین ہوا۔ جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے۔ محبت مادری نے جوش مارا اور موسیٰ علیہ السلام کی یاد کے سوا کوئی

خیال ہی دل میں باقی نہ رہا اور قریب تھا کہ صبر وضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے اور کل معاملہ کو ظاہر کر دیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے کسی سے ہو سکے تو خیر خبر لاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو صبر عطا فرما کر ان کا دل مضبوط باندھ دیا کہ خدائی راز قبل از وقت نہ کھلنے پائے اور انہیں ڈھارس اور تسکین دے دی اور راز کو فاش ہونے سے بچالیا۔ اور ان کے قلب میں اطمینان اور سکون نازل کیا اور انہیں یقین کامل کرا دیا کہ تمہارا بچہ تمہیں ضرور مل جائے گا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہایا تھا تو اپنی بڑی لڑکی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ جو ذرا سمجھ دار تھیں ان سے کہا تھا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظریں جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ اور دیکھو کہ کیا انجام ہوتا ہے؟ چنانچہ یہ اس کو دور سے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجان پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ صندوق کا خیال رکھتے ہوئے اس کے ساتھ جا رہی ہے۔ چنانچہ جب اس صندوق کو فرعون کے لوگ اٹھا کر شاہی محل میں لے گئے تو یہ بھی کسی حیلہ سے اندر پہنچیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ شاہی محل کی خادماؤں میں شامل ہو گئیں۔ الغرض جب حضرت آسیہ نے بچہ کو اپنی پرورش میں لے لیا تو اب یہ سوال پیدا ہوا کہ بچہ کے لئے کوئی دودھ پلائی یعنی انّا مقرر کی جائے۔ چنانچہ شاہی محل میں جتنی انّائیں تھیں سب کو بچہ دیا گیا اور ہر ایک نے بڑی محبت و پیار سے دودھ پلانا چاہا لیکن بحکم خدا بچہ نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے بچہ کی طبیعت میں یہ بات پیدا کر دی کہ وہ کسی عورت کے پستان کو منہ ہی نہیں لگاتا۔ اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا کہ بچہ اپنی والدہ کے سوا اور کسی کا دودھ پئے اور اس میں راز یہ تھا کہ اس بہانے سے حضرت موسیٰ اپنی والدہ تک پہنچ جائیں۔ تو محل میں یہ سارا حال موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ انجان بن کر دیکھ رہی تھیں اور ایسی بے غرضی کے ساتھ حقیقت واقعہ کو معلوم کر لیا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ جب بچہ نے کسی کا دودھ نہ پیا اور محل والوں کو تشویش ہوئی کہ اب پرورش کی کیا صورت ہوگی تو موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے موقع پا کر کہا کہ کہ ایک گھر مجھے معلوم ہے جہاں ایک دودھ پلائی رہتی ہے اگر اس کے سپرد کر دیا جائے تو وہ اور اس کے گھر والے خیر خواہی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیں گے۔ وہ اس کے بہی خواہ بھی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ بہی خواہی کا لفظ سن کر محل کی بعض عورتیں چوکنا ہوئیں اور یہ خیال کیا کہ یہ لڑکی شاید اس بچہ کے نسب اور ماں باپ سے واقف ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ تجھے کیا معلوم کہ وہ عورت اس کی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ تو سبحان اللہ! سمجھ دار بچی نے فوراً جواب دیا کہ میں اس وجہ سے کہتی ہوں کہ شہزادہ کو دودھ پلانا بڑی عزت کی بات ہے۔ کون نہ چاہے گا کہ شاہی محل میں اس کی عزت ہو اور انعام و اکرام کے خاطر کون اس بچہ سے ہمدردی نہ کرے گا؟ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی کے مشورہ کے موافق حضرت موسیٰ کی والدہ محل میں طلب کی گئیں۔ ادھر لطیفۂ غیبی کے انتظار میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ چشم براہ تھیں کہ لڑکی نے آ کر پوری داستان کہہ سنائی اور بتایا کہ جب موسیٰ نے کسی دایہ کا بھی دودھ نہ پیا تو میں نے کہا کہ ایک نہایت شریف اور نیک عورت ہے وہ اس بچہ کو اپنی اولاد کی طرح پرورش کر سکتی ہے۔ فرعون کی بیوی نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ فوراً آپ کو لے کر آؤں۔ یہ ہم پر خدا کا بڑا احسان اور فضل و کرم ہوا اب تم چل کر بچہ کو سینہ سے لگاؤ اور آنکھیں ٹھنڈی کرو اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ شاہی محل میں پہنچیں اور بچہ کو چھاتی سے لگانا تھا کہ اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر والوں کو بہت غنیمت معلوم ہوا کہ بچہ نے ایک عورت کا دودھ قبول کر لیا۔ حضرت آسیہ فرعون کی بیوی کو خبر دی گئی۔ آپ بہت خوش ہوئیں اور انّا کو بہت کچھ انعام و اکرام

دیا لیکن انہیں یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہ بچہ کی والدہ ہیں۔ فقط اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پیا تھا وہ ان سے بہت خوش ہوئیں۔ اس کے بعد حضرت آسیہ نے کہا کہ میری خوشی ہے کہ تم محل ہی میں آ جاؤ۔ یہیں رہو سہو اور اسے دودھ پلاتی رہو۔ ام موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہوسکتا میں بال بچوں والی ہوں میں اپنے گھر لے جا کر اس کی پرورش کروں گی اور کبھی کبھی آپ کے ہاں بھیج دیا کروں گی چنانچہ فرعون کی بیوی اس پر رضامند ہوگئیں۔ اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ قدیم زمانہ میں ان ممالک کے بڑے اور خاندانی لوگ بچوں کو اپنے ہاں پالنے کی بجائے عموماً اناؤں کے سپرد کردیتے تھے اور وہ اپنے ہاں ان کی پرورش کرتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ مبارک میں بھی یہ ذکر آتا ہے کہ مکہ میں وقتاً فوقتاً اطراف ونواح کی عورتیں انا گیری کی خدمت کے لئے آتی تھیں اور سرداروں کے بچے دودھ پلانے کے لئے اچھے اچھے معاوضوں پر حاصل کر کے ساتھ لے جاتی تھیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں صحرا میں پرورش پائی۔ یہی طریقہ مصر میں بھی تھا اسی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے یہ نہیں کہا کہ میں ایک اچھی انا لا کر دیتی ہوں بلکہ یہ کہا کہ میں ایسے گھر کا پتہ بتاتی ہوں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں گے اور اسے خیر خواہی کے ساتھ پالیں گے۔ تو یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ میں اس بچہ کو اپنے گھر لے جا کر پرورش کرسکتی ہوں۔ اور پھر کبھی کبھی آپ کے پاس لے آیا کروں گی۔ جس پر حضرت آسیہ راضی ہوگئیں اور شاہی محل سے ام موسیٰ علیہ السلام کا روزینہ مقرر ہوگیا۔ کھانا کپڑا شاہی طریق پر ملتا اور انعام واکرام پاتیں۔ اللہ تعالیٰ نے کس حیرت انگیز طریقہ سے اپنا وعدہ پورا کردیا اور موسیٰ علیہ السلام امن واطمینان کے ساتھ پھر آغوش مادری میں پہنچ گئے اور ام موسیٰ کا خوف بھی امن سے اور فقیری امیری سے بدل گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں ''جو شخص اپنی روزی کمانے کے لئے کام کرے اور اس کام میں اللہ کی خوشنودی پیش نظر رکھے اس کی مثال اُم موسیٰ کی سی ہے کہ انہوں نے اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلایا اور اس کی اجرت بھی پائی۔'' مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اگرچہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے کام کرتا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پیش نظر رکھ کر ایمانداری سے کام کرتا ہے۔ جس کے ساتھ معاملہ بھی کرتا ہے اس کا حق ٹھیک ادا کرتا ہے اور رزق حلال سے اپنے نفس اور اپنے بال بچوں کی پرورش اللہ کی عبادت سمجھتے ہوئے کرتا ہے اس لئے وہ اپنی روزی کمانے پر بھی اللہ کے ہاں اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ گویا روزی بھی کمائی اور اللہ سے اجر وثواب بھی پایا۔ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور انہیں اپنے بچہ کی مفارقت کا صدمہ بھی نہ رہے اور تا کہ وہ اور زیادہ یقین کے ساتھ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے کہ اکثر آدمی مادہ پرست اور ظاہری اسباب کے گورکھ دھندے میں پھنسے ہوئے ہیں ان کو دست قدرت کی ہمہ گیری کا یقین نہیں۔ ان کی نظر صرف ظاہر پر ہوتی ہے۔ اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ جو کچھ خدا چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اگرچہ تمام دنیا مل کر اس کی مخالفت کرے بلکہ مخالفت کرنے والوں ہی سے خدا اس کام کو کراتا ہے اور ان کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔

یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا ذکر فرمایا گیا کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایام رضاعت اپنی والدہ کی آغوش میں اور ایام طفولیت فرعون کے محلات میں گزر رہے اور آپ پل کر جوان ہوئے۔ اب جوانی کے بعض واقعات اور پھر اس واقعہ کا ذکر فرمایا گیا کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر چھوڑنے کا باعث بنا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَاسْتَوٰٓی اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب اپنی بھری جوانی کو پہنچے اور (قوت جسمانیہ وعقلیہ سے) درست ہوگئے ہم نے اُن کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیک کاروں کو یونہی صلہ دیا کرتے ہیں

وَدَخَلَ الْمَدِیْنَۃَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَۃٍ مِّنْ اَھْلِھَا فَوَجَدَ فِیْھَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ۫

اور موسیٰ شہر میں (یعنی مصر میں کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے باشندے بے خبر (سو رہے) تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا

ھٰذَا مِنْ شِیْعَتِہٖ وَھٰذَا مِنْ عَدُوِّہٖ ۚ فَاسْتَغَاثَہُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِہٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ

ایک تو اُن کی برادری میں کا تھا اور دوسرا اُن کے مخالفین میں سے تھا سو وہ جو اُن کی برادری کا تھا اُس نے موسیٰ سے

عَدُوِّہٖ ۙ فَوَکَزَہٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْہِ ۫ قَالَ ھٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّہٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ

اُسکے مقابلہ میں جو کہ اُن کے مخالفین میں سے تھا مدد چاہی تو موسیٰ نے اُس کو (ایک) گھونسا مارا سو اس کا کام ہی تمام کردیا۔ موسیٰ کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہوگئی بیشک شیطان کھلا دشمن ہے

مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَہٗ ؕ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶﴾

غلطی میں ڈال دیتا ہے۔ عرض کیا کہ اے پروردگار مجھ سے قصور ہوگیا ہے آپ معاف کردیجئے سو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا، بلاشبہ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَکُوْنَ ظَھِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۷﴾

موسیٰ نے (یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپ نے مجھ پر بڑے بڑے انعامات فرمائے ہیں سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا۔

وَلَمَّا اور جب	بَلَغَ اَشُدَّہٗ وہ پہنچا اپنی جوانی	وَاسْتَوٰی اور پورا (توانا) ہوگیا	اٰتَیْنٰہُ ہم نے عطا کیا ہے	حُکْمًا حکمت	وَّعِلْمًا اور علم		
وَکَذٰلِکَ اور اسی طرح	نَجْزِی ہم بدلہ دیا کرتے ہیں	الْمُحْسِنِیْنَ نیکی کرنے والے	وَدَخَلَ اور وہ داخل ہوا	الْمَدِیْنَۃَ شہر	عَلٰی حِیْنِ وقت پر		
غَفْلَۃٍ غفلت	مِنْ اَھْلِھَا اس کے باشندے	فَوَجَدَ تو اس نے پایا	فِیْھَا اس میں	رَجُلَیْنِ دو آدمی	یَقْتَتِلٰنِ وہ باہم لڑتے ہوئے		
ھٰذَا یہ (ایک)	مِنْ سے	شِیْعَتِہٖ اس کی برادری	وَھٰذَا اور وہ (دوسرا)	مِنْ سے	عَدُوِّہٖ اس کے دشمن کا	فَاسْتَغَاثَہُ تو اس نے اس (موسیٰ) سے مدد مانگی	
الَّذِیْ وہ جو	مِنْ شِیْعَتِہٖ اس کی برادری سے	عَلَی اس پر	الَّذِیْ وہ جو	مِنْ عَدُوِّہٖ اس کے دشمن سے	فَوَکَزَہٗ تو ایک مکا مارا اس کو		
مُوْسٰی موسیٰ	فَقَضٰی پھر کام تمام کردیا	عَلَیْہِ اس کا	قَالَ اس نے کہا	ھٰذَا یہ	مِنْ سے	عَمَلِ الشَّیْطٰنِ شیطان کا کام (حرکت)	اِنَّہٗ بیشک وہ
عَدُوٌّ دشمن	مُضِلٌّ بہکانے والا	مُبِیْنٌ صریح (کھلا)	قَالَ اس نے عرض کی	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّیْ بیشک میں	ظَلَمْتُ میں نے ظلم کیا	نَفْسِیْ اپنی جان
فَاغْفِرْ لِیْ پس بخشدے مجھے	فَغَفَرَ تو اس نے بخشدیا	لَہٗ اس کو	اِنَّہٗ بیشک	ھُوَ وہی	الْغَفُوْرُ بخشنے والا	الرَّحِیْمُ نہایت مہربان	قَالَ اس نے کہا
رَبِّ بِمَا اے میرے رب جیسا کہ	اَنْعَمْتَ تو نے انعام کیا	عَلَیَّ مجھ پر	فَلَنْ اَکُوْنَ تو میں ہرگز نہ ہوں گا	ظَھِیْرًا مددگار	لِّلْمُجْرِمِیْنَ مجرموں کا		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ایام طفولیت کا بیان ہوا کہ کس طرح آپ نے ایام رضاعت اپنی والدہ کی گود میں گزارے اور پھر ایام طفولیت شاہی تربیت میں فرعون کے محل میں بسر کئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ

السلام ایک عرصہ تک شاہی تربیت میں بسر کرتے کرتے جوانی کے دور میں داخل ہوئے تو نہایت قوی الجثہ اور بہادر جوان نکلے۔ چہرے سے رعب ٹپکتا اور گفتگو سے ایک خاص وقار اور شان عظمت ظاہر ہوتی تھی اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ وہ اسرائیلی ہیں اور مصری خاندان سے ان کا کوئی رشتہ قرابت نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا کہ بنی اسرائیل پر سخت مظالم ہورہے ہیں اور مصر میں نہایت ذلت اور غلامی کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ کا خون کھولنے لگتا اور موقع بموقع آپ بنی اسرائیلیوں کی نصرت وحمایت میں پیش پیش ہوجاتے۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے جسمانی طاقت اور قوت کے ساتھ آپ کو علم ودانش سے بھی نوازا اور آپ کو خصوصی علم وفہم عطا فرمایا کیونکہ بچپن ہی سے آپ نیک کردار تھے موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے تو فرعون کی قوم سے بسبب ان کے ظلم اور کفر کے بیزار رہتے اور بنی اسرائیل آپ کے ساتھ لگے رہتے تھے آپ کی والدہ کا گھر شہر سے باہر تھا۔ حضرت موسیٰ کبھی وہاں جاتے اور کبھی فرعون کے محل میں آتے۔

ایک روز آپ شہر میں ایسے وقت پہنچے کہ سب لوگ غافل سورہے تھے شاید رات کا وقت ہوگا تو دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک اسرائیلی ہے دوسرا قبطی۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر فریاد کی کہ مجھے اس قبطی کے ظلم سے چھڑائیے۔ لکھا ہے کہ وہ قبطی فرعون کا باورچی تھا جو ایک اسرائیلی کو بیگار کے لئے مجبور کررہا تھا اور اس کو گھسیٹ رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی قبطیوں کے ظلم وستم کو جانتے تھے۔ اس وقت آنکھ سے اس کی زیادتی دیکھ کر جوش حمیت جاگ اٹھا۔ ممکن ہے سمجھانے بجھانے میں قبطی نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کوئی سخت لفظ کہہ دیا ہو جیسا کہ بعض تفاسیر میں ہے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام نے مظلوم کو ظالم کے ہاتھ سے بچانے کی نیت سے آگے بڑھ کر قبطی کے ایک گھونسہ رسید کیا۔ موسیٰ علیہ السلام اس وقت ماشاء اللہ پورے جوان اور بڑے طاقتور تھے۔ ایک ہی گھونسہ میں قبطی نے دم دے دیا۔ خود موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک گھونسہ میں اس کم بخت کا کام تمام ہوجائے گا اس لئے آپ پچھتائے کہ بے قصد خون ہوگیا کیونکہ آپ کا ارادہ ہرگز اس کے قتل کا نہ تھا اور ایک گھونسہ سے صرف تادیب وتنبیہ منظور تھی۔ جان سے مارڈالنے کی نیت نہ تھی۔ پھر مصر میں آپ کے رہنے سہنے کا جو طرز عمل شروع سے رہا تھا اس سے لوگ مطمئن تھے کہ یونہی کسی کی جان ومال لینے والے نہیں پھر اس بلا ارادہ قتل سے فرقہ وارا اشتعال پیدا ہوکر دوسرے مصائب اور فتن کا دروازہ کھل جانے کا اندیشہ ہوا اس لئے آپ اپنے اس فعل پر دل میں نادم ہوئے اور سمجھے کہ اس میں کسی درجہ تک شیطان کا دخل ہے کیونکہ انسان کو وہی غلط راہ پر لگاتا ہے اس لئے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کرنے لگے کہ یہ جو کچھ ہوا نادانستگی میں ہوا۔ میں آپ سے مغفرت کا خواستگار ہوں۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ''انبیاء علیہم السلام کی فطرت ایسی پاک وصاف اور ان کی استعداد اس قدر اعلیٰ ہوتی ہے کہ نبوت ملنے سے پیشتر ہی وہ اپنے ذرہ ذرہ عمل کا محاسبہ کرتے ہیں اور ادنیٰ سی لغزش یا خطائے اجتہادی پر بھی حق تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی تقصیر کا اعتراف کرکے معافی چاہی۔ جو دیدی گئی اور غالباً اس معافی کا علم ان کو بذریعہ الہام وغیرہ ہوا ہوگا۔ آخر پیغمبر نبوت سے پہلے ولی تو ہوتے ہیں۔'' تو یہ قتل اگرچہ عمداً نہ تھا محض اتفاق تھا تاہم موسیٰ علیہ السلام اس فعل پر نادم ہوئے اور اپنی شان اور درجہ علم وحکمت کے لحاظ سے اس کو خطا تصور کرکے خدا سے مغفرت کے خواستگار ہوئے اور مغفرت ان کو

عطا فرمادی گئی۔ اس موقع پر آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ بنی اسرائیل اپنے محبوب ترین پیغمبر کا دامن بھی بے داغ نہیں چھوڑتے۔ موجودہ محرف توراۃ کا بیان ہے کہ معاذ اللہ حضرت موسیٰ نے دانستہ اور بالارادہ اس قبطی کو قتل کیا تھا اور اس کو ریت میں چھپا دیا تھا۔ موجودہ توراۃ کے کتاب خروج میں لکھا ہے۔

"اس نے دیکھا کہ ایک مصری اس کے ایک عبرانی بھائی کو مار رہا ہے۔ پھر اس نے ادھر ادھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اس نے مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا۔"

تو غور کیجئے کہ بنی اسرائیل خود اپنے اکابر کی سیرتوں کو کس طرح داغدار کرتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کے یہ نام نہاد معترف آپ پر دانستہ اور بالارادہ قتل کا الزام لگاتے ہیں جب کہ قرآن پاک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پوزیشن کس طرح صاف کرتا ہے۔

الغرض جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بشارت مغفرت سنا دی گئی تو آپ نے کہا کہ اے میرے رب آپ نے جیسے اپنے فضل سے مجھ کو عزت۔ راحت اور قوت عطا فرمائی اور میری تقصیر کو معاف کیا اس کا شکریہ ہے کہ میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔

ابن جریر اور متعدد دوسرے مفسرین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عہد میں کہ کبھی مجرموں کی مدد نہ کروں گا یہ مطلب لیا ہے کہ اسی روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی حکومت سے قطع تعلق کر لینے کا عہد کر لیا کیونکہ وہ ایک ظالم حکومت تھی اور اس نے خدا کی زمین پر ایک مجرمانہ نظام قائم کر رکھا تھا چنانچہ خدا کی قدرت کہ اگلے ہی روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے باہر جانے کے سامان ہو گئے جس کی تفصیل انشاء اللہ اگلی آیات میں آئے گی۔

علماء نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عہد سے استدلال کیا ہے کہ ایک مومن کو ظالم کی اعانت سے کامل اجتناب کرنا چاہئے خواہ وہ ظالم ایک فرد ہو یا گروہ یا حکومت وسلطنت۔ مشہور تابعی حضرت عطاؒ سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ میرا بھائی بنو امیہ کی حکومت میں کوفے کے گورنر کا کاتب ہے۔ معاملات فیصلہ کرنا اس کا کام نہیں ہے۔ البتہ جو فیصلے کئے جاتے ہیں وہ اس کے قلم سے جاری ہوتے ہیں اب اگر یہ نوکری وہ نہ کرے تو مفلس ہو جائے۔ حضرت عطاؒ نے جواب میں یہی آیت پڑھی اور فرمایا تیرے بھائی کو چاہئے کہ اپنا قلم پھینک دے رزق دینے والا اللہ ہے۔ الغرض اسی قبطی کے موت کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی مگر قاتل کا کچھ پتہ نہ چلا آخر مصریوں نے فرعون کے پاس استغاثہ کیا کہ یہ کام کسی اسرائیلی کا ہے آپ دادرسی فرمائیے۔ فرعون نے کہا کہ تم قاتل کا پتہ لگاؤ میں ضرور اس کو سزا دوں گا۔ اس مصری کے موت کے دوسرے ہی دن اتفاق سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس کے مارنے والے موسیٰ ہیں۔ یہ راز کیسے کھلا یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو ہر حال میں حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ظلم یا اس کی اعانت سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔ یا اللہ تمام برے کاموں اور شیطانی عملوں سے ہم کو بچائیے اور حق کی حمایت اور باطل سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائیے۔ یا اللہ! جس کو آپ حکمت اور علم کی دولت عطا فرما دیں تو یہ آپ کا خاص فضل کرم اور احسان ہے۔ یا اللہ اپنی شان غفور الرحیمی سے ہماری تمام گذشتہ تقصیرات کو معاف فرما دے اور آئندہ ہر چھوٹی بڑی غلطی سے بچنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ

پھر موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت کی حالت میں کہ اچانک وہی شخص جس نے کل گذشتہ میں اُن سے مدد چاہی تھی وہ پھر اُن کو پکار رہا ہے،

قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ

موسیٰ اس سے فرمانے لگے بیشک تو صریح بدراہ آدمی ہے۔ سو جب موسیٰ نے اُس پر ہاتھ بڑھایا جو اُن دونوں کا مخالف تھا

لَّهُمَا قَالَ یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِیْدُ

وہ اسرائیلی کہنے لگا اے موسیٰ کیا مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک آدمی قتل کرچکے ہو بس تم دنیا میں

اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ

اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے۔اور ایک شخص شہر کے کنارہ سے

رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی ۫ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ

دوڑے ہوئے آئے کہنے لگے کہ اے موسیٰ اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کررہے ہیں کہ آپ کو قتل کردیں سو آپ (یہاں سے) چل دیجئے

فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ

میں آپ کی خیر خواہی کررہا ہوں۔ پس (یہ سُن کر) موسیٰ وہاں سے (کسی طرف کو) نکل گئے خوف اور وحشت کی حالت میں، کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۱﴾ ع

ان ظالم لوگوں سے بچا لیجئے۔

فَاَصْبَحَ پس صبح ہوئی اس کی	فِی الْمَدِیْنَةِ شہر میں	خَآئِفًا ڈرتا ہوا	یَّتَرَقَّبُ انتظار کرتا ہوا	فَاِذَا الَّذِی تو ناگہاں وہ جس	اسْتَنْصَرَهٗ اس نے مدد مانگی تھی اس سے			
بِالْاَمْسِ کل	یَسْتَصْرِخُهٗ وہ (پھر) اس سے فریاد کررہا ہے	قَالَ کہا	لَهٗ اس کو	مُوْسٰی موسیٰ	اِنَّكَ بیشک تو	لَغَوِیٌّ البتہ گمراہ	مُّبِیْنٌ کھلا	
فَلَمَّا پھر جب	اَنْ کہ	اَرَادَ ان سے چاہا	اَنْ کہ	یَّبْطِشَ ہاتھ ڈالے	بِالَّذِیْ اس پر جو	هُوَ وہ	عَدُوٌّ لَّهُمَا ان دونوں کا دشمن	قَالَ اس نے کہا
یٰمُوْسٰی اے موسیٰ	اَتُرِیْدُ کیا تو چاہتا ہے	اَنْ کہ	تَقْتُلَنِیْ تو قتل کردے مجھے	كَمَا قَتَلْتَ جیسے قتل کیا تو نے	نَفْسًا ایک آدمی			
بِالْاَمْسِ کل	اِنْ نہیں	تُرِیْدُ تو چاہتا	اِلَّا مگر۔صرف	اَنْ تَكُوْنَ کہ تو ہو	جَبَّارًا زبردستی کرتا	فِی الْاَرْضِ سرزمین میں	وَ اور	
مَا تُرِیْدُ تو نہیں چاہتا	اَنْ کہ	تَكُوْنَ تو ہو	مِنَ سے	الْمُصْلِحِیْنَ (واحد) مصلح	وَجَآءَ اور آیا	رَجُلٌ ایک آدمی	مِّنْ سے	
اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ شہر کا پرلا سرا	یَسْعٰی دوڑتا ہوا	قَالَ اس نے کہا	یٰمُوْسٰی اے موسیٰ	اِنَّ بیشک	الْمَلَاَ سردار	یَاْتَمِرُوْنَ وہ مشورہ کررہے ہیں		
بِكَ تیرے بارے میں	لِیَقْتُلُوْكَ تاکہ قتل کرڈالیں تجھے	فَاخْرُجْ پس تو نکل جا	اِنِّیْ بیشک میں	لَكَ تیرے لئے	مِنَ سے	النّٰصِحِیْنَ خیرخواہ		

38

فَخَرَجَ پس وہ نکلا	مِنْهَا وہاں سے	خَائِفًا ڈرتے ہوئے	يَتَرَقَّبُ انتظار کرتے ہوئے	قَالَ اس نے کہا (دعا کی)	رَبِّ اے میرے پروردگار
نَجِّنِيْ مجھے بچالے	مِنَ سے	الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ظالموں کی قوم			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ مصری اور اسرائیلی کے جھگڑے میں جس میں مصری کی زیادتی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تادیباً تنبیہ کی غرض سے ایک گھونسہ مصری کو رسید کیا اور اتفاق امر کہ وہ گھونسہ لگتے ہی مرگیا جس کا شہر میں چرچا ہوگیا اور فرعون تک شکایت پہنچی جس نے قاتل کا پتہ لگانے کا حکم دیا۔ اس واقعہ سے بجز اس اسرائیلی کے اور کوئی واقف نہ تھا اور چونکہ اس کی حمایت میں یہ واقعہ ہوا تھا اس لئے اس نے اظہار نہیں کیا اور کسی کو اطلاع نہ ہوئی مگر موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ رہا کہ مقتول کے وارث فرعون کے پاس فریاد لے گئے ہوں گے دیکھئے کس پر جرم ثابت ہو اور مجھ سے کیا سلوک کریں۔ الغرض رات گزری۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ صبح کے وقت آپ اس واقعہ کے نتیجہ کے انتظار اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے تو اتفاق امر آپ نے دیکھا کہ وہی اسرائیلی کسی دوسرے مصری سے جھگڑ رہا ہے اور مصری غالب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر کل کی طرح آج بھی اس نے فریاد کی اور موسیٰ علیہ السلام سے دادرسی کا خواستگار ہوا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوہری ناگواری محسوس کی۔ ایک جانب قبطی کا ظلم تھا دوسری جانب اسرائیلی کا شور غوغا اور گذشتہ واقعہ کی یاد تھی۔ اس حالت میں ایک طرف تو آپ نے مصری کو باز رکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور ساتھ ہی اسرائیلی کو بھی جھڑکتے ہوئے فرمایا کہ بیشک تو صریح بدراہ آدمی ہے کہ روز جھگڑے مول لے کر داد فریاد کیا کرتا ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ کو ہاتھ بڑھاتے اور پھر اپنے متعلق تلخ و ناگوار الفاظ کہتے سنا تو یہ سمجھا کہ مجھ کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور مجھ کو گرفت میں لینا چاہتے ہیں اس لئے فوراً چیخ اٹھا کہ کل آپ نے اس قبطی کو مار ڈالا آج میری جان لینا چاہتے ہیں مصری نے جب یہ سنا تو اسی وقت فرعونیوں سے کہہ کر ساری داستان جا سنائی۔ اب تک کل کے قبطی کا قتل جو پردۂ راز میں تھا وہ ظاہر ہوگیا۔ چنانچہ فرعون کو اطلاع دی گئی کہ کل کے مصری کے قاتل موسیٰ ہیں فرعون نے جو یہ سنا تو جلاد کو حکم دیا کہ موسیٰ کو گرفتار کر کے حاضر کرے اور مشورہ میں موسیٰ علیہ السلام کا قتل کرنا طے پایا۔ مصریوں کے اس مجمع میں ایک نیک طینت اور پاک باطن شخص بھی تھا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی ہمدردی اور خیر خواہی پیدا کر دی تھی۔ اس نے فرعون کا جو یہ حکم سنا تو فرعونی جلادوں سے پہلے ہی دربار سے نکل کر بعجلت تمام دوڑتا بھاگتا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان سے سارا قصہ بیان کیا اور ان کو مشورہ دیا کہ اس وقت مصلحت یہی ہے کہ آپ فی الفور شہر چھوڑ کر چلے جائیں اور کہیں ایسی جگہ چلے جائیں جہاں مصریوں کی دسترس نہ ہوسکے۔ ورنہ آپ کی جان اب سخت خطرہ میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے مشورہ کو قبول کیا اور خدا سے دعا کی اور ڈرتے ڈرتے مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تو راستہ سے واقف نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ سیدھے راستہ پر چلائیے اور ان ظالموں سے بچائیے۔

لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تو راستہ سے واقف نہ تھے اور چونکہ فرعون کے خوف سے نکلے تھے آپ کے ہمراہ نہ کوئی رفیق رہنما تھا اور نہ زاد راہ اور تیز روی کی وجہ سے برہنہ پا تھے لکھا ہے کہ اس تمام سفر میں موسیٰ علیہ السلام کی خوراک درختوں کے پتوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھی اور برہنہ پا ہونے کی وجہ سے سفر کی طوالت نے پاؤں کے تلوؤں کی کھال تک اڑا دی تھی۔ اس پریشان حالی میں موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین آٹھ دس دن کی مسافت پر پہنچے۔ اب جب مدین کی سرزمین میں پہنچے تو وہاں کیا حالات و واقعات پیش آئے یہ اگلی آیات میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا

اور جب موسیٰ مدین کی طرف ہولئے کہنے لگے کہ امید ہے کہ میرا رب مجھ کو سیدھا راستہ چلائے گا۔اور جب

وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۝ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ

مدین کے پانی (یعنی کنویں) پر پہنچے تو اُس پر آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو پانی پلا رہے تھے، اور ان لوگوں سے ایک طرف (الگ) کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں،

امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۫ وَاَبُوْنَا

موسیٰ نے (اُن سے پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے وہ دونوں بولیں کہ ہم (اپنے جانوروں کو) اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ چرواہے پانی پلا کر (جانوروں کو) ہٹا کر نہ لیجاویں اور ہمارے باپ

شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ

بہت بوڑھے ہیں۔ پس یہ (سُن کر) موسیٰ نے اُن کیلئے پانی (کھینچ کر اُن کے جانوروں کو) پلا دیا پھر (وہاں سے) ہٹ کر سایہ میں جا بیٹھے پھر (دعاء کی کہ اے میرے پروردگار اس وقت جو نعمت بھی

فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَاۗءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَاۗءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ

آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا سخت حاجت مند ہوں۔ سو موسیٰ کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بُلاتے ہیں تا کہ تم کو اس کا صلہ دیں

مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ڤ نَجَوْتَ

جو تم نے ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلا دیا تھا سو جب اُن کے پاس پہنچے اور اُن سے تمام حال بیان کیا تو اُنہوں نے کہا کہ (اب) اندیشہ نہ کرو

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

تم ظالم لوگوں سے بچ آئے۔

وَلَمَّا اور جب	تَوَجَّهَ اس نے رُخ کیا	تِلْقَآءَ طرف	مَدْيَنَ مدین	قَالَ کہا	عَسٰى امید ہے	رَبِّيْ میرا رب	اَنْ يَّهْدِيَنِيْ کہ مجھے دکھائے	
سَوَآءَ السَّبِيْلِ سیدھا راستہ	وَلَمَّا اور جب	وَرَدَ وہ آیا	مَآءَ پانی	مَدْيَنَ مدین	وَجَدَ اس نے پایا	عَلَيْهِ اس پر	اُمَّةً ایک گروہ	مِنَ سے۔کا
النَّاسِ لوگ	يَسْقُوْنَ پانی پلا رہے ہیں	وَوَجَدَ اور اس نے پایا (دیکھا)	مِنْ دُوْنِهِمُ ان سے علیحدہ	امْرَاَتَيْنِ دو عورتیں	تَذُوْدٰنِ روکے ہوئے ہیں			
قَالَ اس نے کہا	مَا خَطْبُكُمَا تمہارا کیا حال ہے	قَالَتَا وہ دونوں بولیں	لَا نَسْقِيْ ہم پانی نہیں پلاتیں	حَتّٰى جب تک کہ	يُصْدِرَ واپس لے جائیں			
الرِّعَآءُ چرواہے	وَاَبُوْنَا اور ہمارے ابا	شَيْخٌ كَبِيْرٌ بہت بوڑھے	فَسَقٰى تو اس نے پانی پلایا	لَهُمَا ان کے لئے	ثُمَّ تَوَلّٰٓى پھر وہ پھر آیا	اِلَى الظِّلِّ سایہ کی طرف		
فَقَالَ پھر عرض کیا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّيْ بیشک میں	لِمَآ اس کا جو	اَنْزَلْتَ تو اُتارے	اِلَيَّ میری طرف	مِنْ خَيْرٍ کوئی بھلائی (نعمت)		
فَقِيْرٌ محتاج	فَجَاۗءَتْهُ پھر اسکے پاس آئی	اِحْدٰىهُمَا ان دونوں میں سے ایک	تَمْشِيْ چلتی ہوئی	عَلَى اسْتِحْيَاۗءٍ شرم سے	قَالَتْ وہ بولی	اِنَّ بیشک		
اَبِيْ میرا والد	يَدْعُوْكَ تجھے بلاتا ہے	لِيَجْزِيَكَ تا کہ تجھے دے وہ	اَجْرَ صلہ	مَا سَقَيْتَ جو تو نے پانی پلایا	لَنَا ہمارے لئے	فَلَمَّا پس جب		

جَآءَهٗ اس کے پاس گیا	وَ قَصَّ اور بیان کیا	عَلَيْهِ اس سے	الْقَصَصَ احوال	قَالَ اس نے کہا	لَا تَخَفْ ڈرو نہیں	نَجَوْتَ تم بچ آئے
مِنَ سے	الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ظالموں کی قوم					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ قبطی کے قتل کا راز معلوم ہو جانے پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا اور مشورہ میں طے پایا کہ آپ کو قتل کر دیا جائے۔ تو جس وقت فرعون کے دربار میں یہ مشورہ ہو رہا تھا ایک نیک طینت کے دل میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ہمدردی پیدا فرما دی اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلدی سے واقعہ کی اطلاع دے کر مشورہ دیا کہ آپ فوراً اب شہر سے کہیں نکل جائیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ تن وتنہا سفر وہ بھی پیادہ پا۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ کانٹوں نے پاؤں چھلنی کر دیئے پھر راستہ میں کچھ کھانے پینے کو نہ ملا۔ درختوں کے پتوں۔ پر گزر کی۔ راستہ معلوم نہ تھا سفر کے عادی نہ تھے۔ شدائد کو برداشت کرنے کے خوگر نہ تھے لیکن اللہ کا نام لے کر چل کھڑے ہوئے۔ اللہ کے منتخب اور برگزیدہ بندے وہی ہیں جو عیش وراحت میں پڑ کر نہ خدا کو بھولتے ہیں نہ رنج وغم میں اپنا مرکز توجہ اس سے ہٹاتے ہیں۔ سکھ میں یاد الٰہی اور دکھ میں صبر وامید قائم رکھتے ہیں۔ اور چونکہ مقبولین کا عیش وسرور اور غم والم مراتب اور درجات میں اضافہ کرنے کے لئے ہوتا ہے اس لئے ان کو نہ راحت میں غرور پیدا ہوتا ہے اور نہ دکھ میں شکوہ۔ پھر ایسے بندوں کی کارسازی عالم غیب سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ راہ نجات اور طریق کامرانی خود ان کو بتا دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی یہی حالت تھی۔ اگرچہ آپ نے فرعون کے محل میں شاہزادوں کی طرح پرورش پائی تھی لیکن فرعون کی پرجبروت طاقت اور شاہانہ عیش وآرام نے فرعونی مذہب کی طرف آپ کو مائل نہیں کیا۔ اور غیر اللہ کی پرستش سے آپ کو فطری نفرت رہی اور فرعون کی ظلم وزیادتی سے آپ بیزار ہو گئے تھے جس کی بنا پر آپ نے حق تعالیٰ سے عہد فرمایا تھا فلن اکون ظهيراً للمجرمين۔ سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا اور آپ نے فرعون اور اس کی حکومت سے قطع تعلق کر لینے کا عہد کر لیا تھا کیونکہ وہ ظالم اور مجرم حکومت تھی تو اصل بات تو یہ تھی لیکن اتفاقاً قتل قبطی کا واقعہ پیش آ گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے ساری راحت ونعمت پر لات مار کر مصر سے روانہ ہو گئے۔ اس وقت ممکن تھا کہ نیچے کی جانب اتر کر افریقہ کے صحرا میں چلے جاتے یا کسی اور طرف کا رخ کر لیتے لیکن بمشیت الٰہی آپ مدین کے راستہ پر پڑ گئے۔ لکھا ہے کہ مصر سے مدین کو تین راستہ گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درمیانی راستہ اختیار کیا تھا اور یہ صرف غیبی رہنمائی تھی۔ اور آپ کا پیچھا کرنے والے فرعونی سپاہی دائیں بائیں کے راستوں پر گئے۔ الغرض آپ بھوکے پیاسے اور پریشان حالی میں مدین جو مصر سے آٹھ دس دن کی مسافت پر تھا پہنچے جب مدین کی سرزمین پر قدم رکھا تو ایک جگہ دیکھا کہ کنویں کے سامنے گڈریوں اور چرواہوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور جانوروں کو پانی پلایا جا رہا ہے مگر اس جماعت اور بھیڑ سے ذرا فاصلہ پر دو لڑکیاں کھڑی ہیں جو اپنے جانوروں کو پانی پر جانے سے روک رہی ہیں۔ اور خاموشی سے مجمع کے منتشر ہو جانے کا انتظار کر رہی ہیں موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر یہ بےچاری عورتیں نہ پانی نکال کر پلا سکتی ہیں اور نہ دوسرے چرواہوں میں سے کوئی اس کا روادار ہے کہ اپنے کھینچے ہوئے پانی میں سے ان کی بکریوں کو بھی پلا دے۔ تو آپ کو رحم وترس آیا اور آگے بڑھ کر لڑکیوں سے پوچھا کہ تم پانی کیوں نہیں پلاتیں۔ پیچھے کس لئے کھڑی ہو تو ان میں سے ایک نے دونوں کی طرف

سے جواب دیا کہ ہم تو پانی نکال نہیں سکتے۔ جب یہ دوسرے چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تو بچا کھچا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلا دیں گے۔ ہمارے والد ہیں لیکن وہ بہت ہی بوڑھے ہیں اس لئے مجبوراً ہم کو خود یہ کام کرنا پڑتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ترس آیا اور کمزور کی اعانت کا جذبہ کارفرما ہوا۔ آپ آگے بڑھے اور تمام بھیڑ کو چیرتے ہوئے کنویں پر جا پہنچے اور کنویں کا بڑا ڈول اٹھایا اور تنہا کھینچ کر لڑکیوں کے مویشیوں کو پانی پلا دیا۔ لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مجمع کو چیرتے ہوئے کنویں کے پاس جانے لگے تو اگرچہ لوگوں کو ناگوار گزرا مگر آپ کی پر جلال صورت اور جسمانی طاقت سے مرعوب ہو گئے اور ڈول کو تنہا کھینچتے دیکھ کر آپ کی قوت کو مان گئے۔ غرض ان لڑکیوں کے گلے نے پانی پی لیا تو وہ گھر کو واپس چلیں۔ گھر پہنچیں تو خلاف عادت جلد واپسی پر ان کے والد کو تعجب ہوا اور دریافت کرنے پر لڑکیوں نے تمام ماجرا کہہ سنایا کہ کس طرح ایک نوجوان نے جو نو وارد اور مسافر معلوم ہوتا تھا ان کی مدد کی۔ ان کے والد نے کہا کہ جاؤ اور ان کو میرے پاس لے آؤ۔ اکثر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ لڑکیوں کے باپ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ تو ادھر تو باپ بیٹی کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی تھی اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پانی پلانے کے بعد قریب ہی ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر ستانے لگے۔ مسافرت۔ غربت اور پھر بھوک پیاس۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر اے پروردگار تو جو عافیت اور بھلائی مجھے عطا فرمائے میں اس کا محتاج ہوں یعنی غریب الوطن بھی ہوں۔ کوئی دوست یا رشتہ دار بھی ساتھ نہیں۔ مفلس بھی ہوں۔ فاقہ سے بھی ہوں۔ تھکا ماندہ بھی ہوں اس وقت جو بھی بہتر سامان تو اپنی قدرت سے کر دے میں اس کا ضرور تمند اور محتاج ہوں۔ ابھی موسیٰ علیہ السلام دعاء سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی جیسا کہ شریف اور پاکباز عورتوں کا قاعدہ ہے۔ شرم وحیا سے اپنی چادر میں لپٹی ہوئی۔ منہ بھی چادر کے کنارے سے چھپائے ہوئے۔ چنانچہ نیچی نظریں کئے ہوئے لڑکی نے کہا "آپ ہمارے گھر چلئے۔ ہمارے والد بلاتے ہیں وہ آپ کے اس احسان کا بدلہ دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ خدا نے میری دعا سن لی اور یہ اسی کا پیش خیمہ ہے اس لئے چلنا ہی بہتر ہے اور اس دعوت کو رد کرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ آپ چلنے کے لئے کھڑے ہوئے اور لڑکی کو ہدایت فرمائی کہ میں آگے چلوں گا تم پیچھے پیچھے چلو چنانچہ لڑکی پیچھے پیچھے راستہ بتلاتی گھر لے کر پہنچی۔ موسیٰ علیہ السلام ان بزرگ صورت وسیرت انسان کی خدمت میں پہنچ کر شرف ملاقات سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ان بزرگ نے پہلے کھانا کھلایا اور پھر اطمینان کے ساتھ بٹھا کر ان کے حالات سنے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے من وعن اپنی ولادت وحسب نسب سے شروع کر کے آخر تک ساری داستان کہہ سنائی۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ اب تم کچھ اندیشہ نہ کرو۔ یہاں فرعون کی دسترس نہ ہوگی۔ تم ظالموں کے پنجہ سے نکل آئے۔ خدا کا شکر کرو اب کوئی خوف کا مقام نہیں۔

علماء لکھتے ہیں کہ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ سب سے سخت امتحان اور ابتلاء انبیاء کا ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لق ودق صحرا میں بھوکا پیاسا پیادہ پا حالت خوف میں سفر کرانا یہ آپ کی آزمائش تھی اس میں تعلیم اور اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر راحت وعیش کے بعد مصیبت آپڑے تو آدمی کو صبر وتحمل سے کام لینا چاہئے۔ رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ سیدھا راستہ ملنے کی دعا اسی سے کرنا چاہئے۔ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ پھر یہاں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کمزوروں کی خدمت بغیر لالچ کے

کرنی اہل طاقت کا شعار ہونا چاہئے اور پھر خدمت کر کے احسان جتانا اہل ایمان وصلاح کا شیوہ نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی لڑکیوں پر اپنی خدمت کا احسان نہ رکھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر محرم سے بضرورت بخلوص نیت کلام کرنا جائز ہے لیکن بلا ضرورت ناجائز ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا اول لڑکیوں سے ان کا کام دریافت کیا پھر خاموشی سے کام کرنے کے بعد کوئی گفتگو نہ کی ان واقعات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کمزور کی خدمت رائیگاں نہیں جاتی پروردگار عالم غیب سے اجر عطا فرماتا ہے اور ایسا عظیم الشان اجر عطا فرماتا ہے کہ جو خدمت سے زیادہ ہوتا ہے مگر بیکسوں کی خدمت کے وقت معاوضہ کی خواہش دل میں نہ ہونی چاہئے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس خدمت کے عوض وہ اجر ملا جس کا آپ کو گمان بھی نہ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔ اے میرے پروردگار آپ جو نعمت بھی عطا کریں میں اس کا حاجتمند ہوں۔ اس کے متعلق بزرگان دین نے لکھا ہے کہ سخت حاجت کی حالت میں بندہ کا اضطراری کیفیت سے اس دعا کا مانگنا تجربہ سے اکسیر ثابت ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مقبولین کی اتباع میں سخت حاجت کی حالت میں اس دعا کے ذریعہ اپنے طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اس دعا کے کیا برکات وثمرات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوئے۔ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یااللہ! آپ ہم کو جس حال میں بھی رکھیں حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یااللہ ہم کو راحت یا تکلیف جو بھی پیش آئے ہر حال میں صبر وشکر کی توفیق نصیب ہو۔ اور آپ کی غیبی امداد اور نصرت ہمارے شامل حال ہو۔

یااللہ آپ کی رضا کے لئے ہمیں بھی اپنے ضعیف اور کمزور بندوں کی خدمت کی توفیق اور مواقع نصیب فرما۔

یااللہ آپ اپنے مقبولین ومحبوبین کا امتحان وآزمائش بھی سخت لیتے ہیں۔ ہم ضعیف الایمان ہیں کسی ابتلا اور آزمائش کی طاقت نہیں رکھتے۔

یااللہ ہمارے ساتھ اپنے کرم سے احسان ہی کا معاملہ فرمائیں اور ہماری ہر مشکل کو آسان فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ

ایک لڑکی نے کہا کہ ابا جان آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہے جو مضبوط امانت دار ہو۔وہ کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں

اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا

کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو، پھر اگر تم دس سال پورے کردو

فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے،اور میں (اس معاملہ میں) تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا تم مجھ کو ان شاء اللہ تعالیٰ خوش معاملہ پاؤ گے۔

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

موسیٰ کہنے لگے کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان (پکی) ہو چکی، میں ان دونوں مدتوں میں سے جس کو بھی پوری کردوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا،اور ہم جو (معاملہ کی) بات چیت کررہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا گواہ (کافی) ہے۔

قَالَتْ بولی وہ	اِحْدٰىهُمَا ان میں سے ایک	يٰٓاَبَتِ اے میرے باپ	اسْتَاْجِرْهُ اسے ملازم رکھ لو	اِنَّ بیشک	خَيْرَ بہتر	مَنِ جو۔جسے	
اسْتَاْجَرْتَ تم ملازم رکھو	الْقَوِيُّ طاقتور	الْاَمِيْنُ امانت دار	قَالَ (شعیب نے) کہا	اِنِّيْٓ اُرِيْدُ بیشک میں چاہتا ہوں	اَنْ کہ	اُنْكِحَكَ نکاح کردوں تجھ سے	
اِحْدَى ایک	ابْنَتَيَّ اپنی دو بیٹیاں	هٰتَيْنِ یہ دو	عَلٰٓى (اس شرط) پر	اَنْ کہ	تَاْجُرَنِيْ تم میری ملازمت کرو	ثَمٰنِيَ حِجَجٍ آٹھ سال	فَاِنْ پھر اگر
اَتْمَمْتَ تم پورے کرو	عَشْرًا دس	فَمِنْ عِنْدِكَ تو تمہاری طرف سے	وَ اور	مَآ اُرِيْدُ نہیں چاہتا میں	اَنْ اَشُقَّ کہ میں مشقت ڈالوں	عَلَيْكَ تم پر	
سَتَجِدُنِيْٓ عنقریب تم پاؤ گے مجھے	اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ان شاء اللہ (اگر اللہ نے چاہا)	مِنَ سے	الصّٰلِحِيْنَ نیک (خوش معاملہ) لوگ	قَالَ اس نے کہا			
ذٰلِكَ یہ	بَيْنِيْ میرے درمیان	وَبَيْنَكَ اور تمہارے درمیان	اَيَّمَا جو	الْاَجَلَيْنِ مدت دونوں میں	قَضَيْتُ میں پوری کروں	فَلَا عُدْوَانَ کوئی جبر (مطالبہ) نہیں	
عَلَيَّ مجھ پر	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلٰي پر	مَا نَقُوْلُ جو ہم کہہ رہے ہیں	وَكِيْلٌ گواہ			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ مصر سے نکل کر کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام قبیلہ مدین کے بزرگ میزبان حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے۔حضرت شعیب علیہ السلام نے سارا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سن کر اپنی پیغمبرانہ فراست سے سمجھ لیا ہوگا کہ آج مدین میں کس درجہ برگزیدہ مسافر وارد ہوا ہے یا الہام کے ذریعہ سے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جلیل القدر اور اولوالعزم ہونا معلوم ہوگیا ہو اور ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے حضرت شعیب علیہ السلام مامور ہوگئے ہوں کہ موسیٰ کو اپنے پاس رکھو تا کہ ان کی روح میں روشنی قلب میں سکون اور قوتوں میں اعتدال پیدا ہوجائے اور آپ کی فطرت اور طبیعت اس خاص معیار پر پہنچ جائے جس کے لئے مشیت ایزدی پہلے سے مقدر ہو چکی تھی اور جس کی بشارت آپ کی ولادت ہی کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ کو دے دی گئی تھی یعنی منصب نبوت ملنے کی۔الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام اب حضرت شعیب علیہ السلام کے مہمان تھے۔

اب آگے کے واقعات وحالات ان آیات میں بیان کئے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ وہی صاحبزادی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کنویں پر سے بلانے گئی تھیں انہوں نے اپنے والد

سے کہا آپ اس مہمان کو اپنے مویشیوں کے چرانے اور پانی وغیرہ پلانے کے لئے ملازم رکھ لیجئے اس وجہ سے کہ بہترین ملازم کی دو صفتیں ہیں۔قوت اور امانت اور یہ دونوں صفتیں ان میں موجود ہیں۔مفسرین نے لکھا ہے کہ اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے بیٹی سے دریافت کیا کہ تم کو اس مہمان کی قوت و امانت کا حال کیا معلوم؟ تو لڑکی نے جواب دیا کہ مہمان کی قوت کا اندازہ تو اس سے کیا کہ پورے مجمع کو ہٹا کر کنویں کا بڑا ڈول جو کئی آدمی مل کر کھینچتے ہوں گے انہوں نے تنہا بھر کر کھینچ لیا اور امانت کا اندازہ اس طرح ہوا کہ جب میں ان کو بلانے گئی تو انہوں نے مجھے دیکھ کر نیچی نظریں کر لیں اور گفتگو کے دوران میں ایک مرتبہ بھی میری طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا اور جب گھر آنے لگے تو مجھ کو پیچھے چلنے کو کہا اور خود آگے چلے اور صرف اشاروں سے میں ان کی رہنمائی کرتی رہی۔ بزرگ باپ نے بیٹی کی ان باتوں کو سنا تو بہت مسرور ہوئے اور بیٹی کے مشورہ پر غور کرنے کے بعد آپ نے یہ رائے قائم کی کہ آدمی شریف سہی مگر جوان بیٹیوں کے گھر میں ایک جوان تندرست و توانا آدمی کو یونہی ملازم رکھ چھوڑنا مناسب نہیں۔ جب یہ شریف تعلیم یافتہ، مہذب اور خاندانی آدمی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ کا قصہ سن کر انہیں سب معلوم ہو چکا تھا تو کیوں نہ انہیں داماد بنا کر ہی گھر میں رکھا جائے اس رائے پر پہنچنے کے بعد آپ نے کسی مناسب وقت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں بشرطیکہ تم کم از کم آٹھ سال تک میری خدمت میں رہو اور اگر دو سال تم اپنی مرضی سے زائد کر دو تو یہ تمہارا احسان ہے۔اور میں کوئی سخت خدمت تم سے نہیں لوں گا تم کو میرے پاس رہ کر انشاء اللہ خود تجربہ ہو جائے گا کہ میں بری طبیعت کا آدمی نہیں بلکہ خدا کے فضل سے نیک بخت ہوں۔میری صحبت میں تم گھبراؤ گے نہیں بلکہ مناسبت طبع کی وجہ سے انس حاصل کرو گے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اس وقت کسی ٹھکانے کے طالب تھے آپ نے اس تجویز کو قبول کر لیا اور کہا کہ میں نے اس شرط کو منظور کر لیا۔اب یہ میری خوشی پر چھوڑ دیجئے کہ میں ان دونوں مدتوں میں سے جس کو چاہوں پورا کر دوں یعنی ۸ سال کی مدت یا ۱۰ سال کی مدت۔اگر میں نے آٹھ سال آپ کا کام کیا اور پھر جانا چاہا تو آپ کو مزید دو سال روکنے کا حق نہ ہوگا اور ہماری اس قرارداد کا خدا کفیل ہے۔ یعنی خدا گواہ کر کے ہم یہ اقرار کرتے ہیں۔طرفین کی اس باہمی رضامندی کے بعد بزرگ میزبان نے اس بیان کردہ مدت کو مہر قرار دے کر موسیٰ علیہ السلام سے اس بیٹی کا عقد کر دیا۔

مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ۸ سال کے قیام کی شرط کیوں لگائی تھی؟ اس کے دو سبب ہیں اول تو وہی کہ جس کی آپ نے خود بھی صراحت کر دی تھی کہ مجھے کام کاج کی ضرورت ہے کہ میں کمزور بوڑھا ہوں گھر کی دیکھ بھال اور کاروبار کی سرانجام دہی نہیں کر سکتا۔دوسرا حقیقی سبب یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی عزت و بزرگی اور صلاح و استعداد سے بفراست یا بالہام حضرت شعیب علیہ السلام واقف ہو چکے تھے اور پورا قصہ سننے کے بعد سمجھ گئے تھے کہ موسیٰ خدا کا کوئی برگزیدہ بندہ ہے اس لئے اپنے دامن نبوت کے زیر سایہ ایک مدت تک موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنا ضروری سمجھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں کتنی مدت رہے؟ تو ۸ سال کی مدت تو بطور لزوم قرآن پاک سے ظاہر ہی ہے کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام نے معاہدہ کر لیا تو اس کو پورا بھی کیا ہوگا لیکن حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے آٹھ کی بجائے دس سال کی مدت پوری کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے وہ مدت پوری کی جو زیادہ کامل اوران کے خسر کے لئے زیادہ خوشگوار تھی یعنی ١٠ سال۔
اس موقع پر حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ اپنی تفسیر موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وطن سے نکلے اورآٹھ برس پیچھے آکر مکہ فتح کیااوراگر چاہتے تواسی وقت کافروں سے شہرخالی کرالیتے لیکن اپنی خوشی سے ١٠ برس پیچھے کافروں سے پاک کیا۔'' بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معاہدہ کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں رہنا شروع کیا اور حضرت شعیب علیہ السلام نے بکریاں چرانے کی خدمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کی۔ گویا فرعون کے محل سراؤں میں پلا ہوا شاہزادہ اب مدین کاایک چرواہا تھا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بکریاں چرانے کی خدمت سپرد کرنے سے غالباً اس طرف ایماء ہے کہ آگے چل کرانسانوں کے ریوڑ کو چرانا ہوگا۔ بھیڑ بکری بہت ہی کم عقل جانور ہے۔ جدھر سے روکو پھراسی طرف جاتی ہے۔اور کمزور بھی ہے کہ ایک لٹھ میں مر بھی سکتی ہے اور بھیڑیا خصوصیت کے ساتھ اس کوشکار کرنے کی تاک میں لگا رہتا ہے۔ چرواہے کو بہت ضبط وتحمل محبت اور چوکسی سے کام کرنا پڑتا ہے۔ نبی کو بھی انہی احوال سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ شیطان بھیڑیا ہے۔ ہر شخص کوشکار کرنے کی تاک میں لگا رہتا ہے۔ اس سے حفاظت کرنی۔ نافرمان انسانوں کی نافرمانی پر ضبط کرنا اور باوجودان کی مخالفت وعداوت کے ہروقت ان کی اصلاح میں سرگرم رہنا معمولی کام نہیں۔ خواہش اور غیض وغضب کے تمام جذبات کوقربان کرنا پڑتا ہے۔ قوت عقلیہ کی روشنی میں انسانوں کی چوکسی کرنی پڑتی ہے۔ تو چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی نبی ہونا تھا اس وجہ سے آپ کو بکریاں چرانے کی خدمت سپرد کی گئی۔ اور بکریاں چرانے کی یہ حکمت نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے بلکہ ہر نبی اور پیغمبر نے اسی حکمت کے ماتحت بکریاں چرائی ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں نے بھی مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کی مزدوری پر چرائی ہیں۔

الغرض موسیٰ علیہ السلام نے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے دس سال کی مدت کو پورا فرمایا اور پھر اس مدت کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے اپنی اہلیہ کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہونے کے ارادے سے مدین سے رخصت ہوئے تو بعد کے واقعات وحالات اگلی آیات میں ظاہر فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہماری ظاہری و باطنی تربیت و ہدایت کے سامان غیب سے فرمادیں۔ اور ہر حال میں کرم وفضل کا معاملہ ہم سے فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں ہم کوخوش معاملہ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہر طرح سے ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی شریعت مطہرہ کا ظاہر میں اور باطن میں پابند بنائیں اور ہمارے دین کی حفاظت کاملہ فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ

غرض جب موسیٰ اس مدت کو پورا کر چکے اور (باجازت شعیبؑ کے) اپنی بی بی کو لے کر روانہ ہوئے تو اُن کو کوہ طور کی طرف سے ایک آگ دکھلائی دی، انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا

امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

کہ تم (یہاں ہی) ٹھیرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں تمہارے پاس وہاں سے (راستہ کی) کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا انگارا لے آؤں

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ

تاکہ تم سینکو۔ سو جب وہ اُس آگ کے پاس پہنچے تو اُن کو اس میدان کی داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی

یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ

کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں۔ اور یہ کہ تم اپنا عصا ڈال دو، سو انہوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ ہوتا ہے

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ

تو پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن میں ہو۔ تم اپنا ہاتھ

فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ

گریبان کے اندر ڈالو وہ بلا کسی مرض کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اور خوف (رفع کرنے) کے واسطے اپنا ہاتھ (پھر) اپنے (گریبان) سے ملا لینا

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىٕهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾

سو یہ دو سندیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے کیونکہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

فَلَمَّا پھر جب	قَضٰی پوری کردی	مُوْسٰی موسیٰ	الْاَجَلَ مدت	وَسَارَ اور چلا وہ	بِاَهْلِهٖ ساتھ اپنے گھروالی	اٰنَسَ اس نے دیکھی	مِنْ سے	
جَانِبِ طرف	الطُّوْرِ کوہ طور	نَارًا ایک آگ	قَالَ اس نے کہا	لِاَهْلِهِ اپنے گھروالوں سے	امْكُثُوْا تم ٹھہرو	اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ بیشک میں نے دیکھی		
نَارًا آگ	لَعَلِّیْ شاید میں	اٰتِیْكُمْ میں لاؤں تمہارے لئے	مِّنْهَا اس سے	بِخَبَرٍ کوئی خبر	اَوْ جَذْوَةٍ یا چنگاری	مِّنَ النَّارِ آگ سے	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	
تَصْطَلُوْنَ آگ تاپو	فَلَمَّا پھر جب	اَتٰىهَا وہ آیا اسکے پاس	نُوْدِیَ ندا دی گئی	مِنْ شَاطِئِ کنارہ سے	الْوَادِ الْاَیْمَنِ میدان دایاں	فِی الْبُقْعَةِ جگہ میں		
الْمُبٰرَكَةِ برکت والی	مِنَ الشَّجَرَةِ ایک درخت سے	اَنْ کہ	یّٰمُوْسٰۤى اے موسیٰ	اِنِّیْۤ اَنَا بیشک میں	اللّٰهُ اللہ	رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ جہانوں کا پروردگار		
وَاَنْ اور یہ کہ	اَلْقِ ڈالو	عَصَاكَ اپنا عصا	فَلَمَّا رَاٰهَا پھر جب اس نے اسے دیکھا	تَهْتَزُّ لہراتے ہوئے	كَاَنَّهَا گویا کہ وہ	جَآنٌّ سانپ	وَلّٰى وہ لوٹا	
مُدْبِرًا پیٹھ پھیر کر	وَ اور	لَمْ یُعَقِّبْ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا	یٰمُوْسٰی اے موسیٰ	اَقْبِلْ آگے آ	وَ اور	لَا تَخَفْ تو ڈر نہیں	اِنَّكَ بیشک تو	مِنَ سے
الْاٰمِنِیْنَ امن پانے والے	اُسْلُكْ تو ڈال لے	یَدَكَ اپنا ہاتھ	فِیْ جَیْبِكَ اپنے گریبان	تَخْرُجْ وہ نکلے گا	بَیْضَآءَ روشن سفید	مِنْ سے۔ کے		

غَیْرِ سُوْٓءٍ بغیر کسی عیب	وَاضْمُمْ اور ملالینا	اِلَیْکَ اپنی طرف	جَنَاحَکَ اپنی بازو	مِنَ الرَّهْبِ خوف سے	فَذٰنِکَ پس یہ دونوں	بُرْهَانٰنِ دو دلیلیں	
مِنْ رَّبِّکَ تیرے رب (کی طرف) سے	اِلٰی طرف	فِرْعَوْنَ فرعون	وَمَلَا۟ئِهٖ اور اسکے سردار	اِنَّهُمْ بیشک وہ	کَانُوْا ہیں	قَوْمًا ایک گروہ	فٰسِقِیْنَ نافرمان

تفسیر وتشریح:۔ ابتدا سے اس وقت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے واقعات کس قدر حیرت افزا اور تعجب خیز ہیں۔ وقت کی سب سے بڑی سلطنت کا جابر وقاہر حکمراں نجومیوں کی دی ہوئی تعبیر پر کہ غلام قوم میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو اس کی حکومت اور اس کی قوم کے لئے ہلاکت کا موجب ہوگا اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے شاہی فرمان سے غلام قوم میں پیدا ہونے والے ہزارہا معصوم بچے قتل کئے جا چکے ہیں لیکن جب یہ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی پرورش اس کے سب سے بڑے دشمن سے کرائی جاتی ہے۔ اس طرح شاہانہ نوازشات میں نازونعم سے پل کر جوان ہوتے ہیں تو ایک دن ایک مصری کے قتل کا راز فاش ہونے سے آپ کو مجبوراً بالکل غیر متوقع طور پر ان تمام آسائشوں اور راحتوں کو خیر باد کہہ کر ایک اجنبی اور غیر ملک کی طرف تن تنہا جانا پڑتا ہے جہاں نہ کوئی مونس وغمگسار ہے۔ نہ کوئی ہمدرد و خیر خواہ۔ یہاں اتفاقیہ کنویں پر دو لڑکیاں دیکھتے ہیں جن کی بے بسی کمزوری اور لاچاری پر ترس کھا کر آپ ان کے لئے پانی کنویں سے کھینچ دیتے ہیں اور اس طرح ان لڑکیوں کے والد محترم تک آپ کی رسائی ہوتی ہے جو بالآخر اس اجنبی وطن میں صرف آپ کو مہمان ہی نہیں بلکہ اپنا داماد بھی بنا لیتے ہیں۔ وہ لوگ جو پیغمبر اور اہل اللہ کی زندگی میں معجزوں اور عجوبوں کی تلاش میں بھٹکتے ہیں اگر وہ ان کی زندگی کا بغور مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ خود ان کی زندگی ہی سراسر معجزہ اور عجوبہ ہوتی ہے۔ اگرچہ اب تک اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اوپر ظاہر ہو چکے تھے مگر ابھی سب سے بڑا انعام ظاہر ہونا باقی تھا اور وہ تھا ظہور منصب نبوت جس کی استعداد کی تکمیل کے لئے دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں آپ کو رکھا گیا۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ دس سال کی موعودہ مدت پوری کرنے کے بعد آپ کو اپنے رشتہ داروں کو دیکھنے کا شوق ہوا تو مصر کو پھر آنے کا ارادہ کیا چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے اپنی اہلیہ اور کچھ بکریوں کو ساتھ لے کر پیادہ پا چل دیئے۔ دوران سفر ایک جگہ راستہ گم ہو گیا۔ رات کا وقت۔ سردی کا زمانہ مجبوراً کوہ طور کے پاس وادی طویٰ میں ایک گوشہ میں ٹھہر گئے۔ اب جو چاروں طرف نظر دوڑائی تو ایک جانب سے آگ کی روشنی نظر آئی۔ آپ نے اس کو ظاہری دنیا کی آگ سمجھ کر اہلیہ سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں تاکہ تمہارے تاپنے کے لئے آگ لے آؤں اور وہاں کوئی رہبر مل گیا تو راستہ کا پتہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ اسی موقع پر کسی شاعر نے کیا خوب کیا ہے۔

خدا کے فضل کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

تو جس روشنی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ سمجھا تھا وہ آگ نہ تھی بلکہ تجلی الٰہی کا نور تھا۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام اس روشنی کے پاس پہنچے تو عجیب منظر دیکھا کہ ایک درخت سے عجیب وغریب اور پر ہیبت شعلے بھڑک رہے ہیں اور آگ جس قدر بڑھتی ہے درخت اسی قدر زیادہ سرسبز وشاداب ہوتا جاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی وشادابی میں اضافہ ہوتا ہے آگ کا استعمال بھی تیز ہوتا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے قریب جانے کا قصد کرتے ہیں کہ درخت کی کوئی شاخ جل کر گرے تو اٹھا لائیں مگر جتنا وہ آگے بڑھتے ہیں آگ

پیچھے ہٹتی جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو کچھ خوف سا پیدا ہوا۔ ارادہ کیا کہ واپس ہوجائیں اور جوں ہی آپ پلٹنے لگے آگ قریب آ گئی۔ اسی حیرت کے عالم میں ایک آواز آتی ہے کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں۔ اس موقع کی تفصیلات سورۂ طٰہٰ سولہویں پارہ میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ جہاں بتلایا گیا ہے کہ منصب نبوت ورسالت کے لئے منتخب کر لینے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب سے پہلے خالص توحید کی تعلیم فرمائی گئی اور پھر ہر قسم کی بدنی و مالی عبادت کا حکم دیا گیا۔ نماز چونکہ اہم العبادات ہے اس لئے اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا گیا اور اس حقیقت پر بھی متنبہ فرمادیا گیا کہ نماز کا مقصود اصلی یاد خدا اور ذکر الٰہی ہے گویا نماز سے غفلت خدا کی یاد سے غفلت ہے۔ چونکہ تمام عبادات و اعمال کی جڑ بنیاد عقیدۂ آخرت ہے اس لئے توحید کی تعلیم اور عبادت کے حکم کے بعد قیامت پر ایمان لانے کا حکم ہوا تا کہ ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے ساتھ ہی یہ امر بھی واضح فرمادیا کہ مختلف مصالح اور حکمتوں کی بنا پر قیامت کے آنے کا وقت سب سے مخفی رکھا گیا ہے۔ الغرض عطائے نبوت ورسالت کے ساتھ اب اس کے لوازم یعنی معجزات عطا ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اول سب سے بڑا معجزہ یہ عطا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لاٹھی زمین پر ڈالنے کا حکم ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی اور جونہی لاٹھی زمین پر ڈالی تو وہ ایک سانپ بن گئی اور سانپ بھی اژدہا۔ لیکن اژدہا حرکت نہیں کرسکتا اور وہ چھوٹے تیز سانپ کی طرح پھرتی سے کودتا پھرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام راز سے واقف نہ تھے اس لئے بتقاضائے بشریت خوف زدہ ہوکر بھاگنے لگے۔ یہاں آیت میں فرمایا گیا ہے کہ **ولی مدبرًا ولم یعقب** یعنی وہ پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ سانپ۔ شیر اور اژدھے وغیرہ زہریلے اور خطرناک جانوروں سے ڈرنا بالکل ایک امر طبعی ہے اور بڑے سے بڑے کمالات ولایت یہاں تک کہ نبوت و رسالت کے بھی منافی نہیں اور حضرت کلیم اللہ کا یہ خوف تمام تر طبعی ہی تھا۔ یہاں سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑجاتی ہے کہ معجزہ تمام تر ایک فعل خداوندی ہوتا ہے۔ پیغمبر اس کے اظہار کا صرف واسطہ ہوتا ہے۔ پیغمبر کو اس معجزہ کے پیدا کرنے میں مطلق دخل نہیں ہوتا ورنہ خود اپنے معجزہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف کیوں ہوتا۔ الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب لاٹھی کا اژدہا بنتے ہوئے حیرت انگیز واقعہ کو دیکھا تو طبعاً گھبرا گئے اور بشریت کے تقاضہ سے متاثر ہوکر بھاگنے لگے تو فوراً حکم الٰہی ہوا کہ اے موسیٰ ڈرو مت۔ خوف نہ کرو۔ آگے آؤ تم ہر طرح امن میں ہو اور یہ کوئی ڈر کی بات نہیں بلکہ تمہارا معجزہ ہے اور تم کو ایک دوسرا معجزہ اور عنایت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ تم اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر بغل سے ملالو پھر نکالو تو سفید چمکتا ہوا اور روشن نکلے گا اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی طرح نہ ہوگی جو عیب سمجھا جائے۔ اور اگر مثل معجزۂ عصا کے اس معجزہ سے بھی طبعاً خوف وحیرت پیدا ہو تو خوف کو رفع کرنے کے واسطے اپنا وہ ہاتھ پھر گریبان میں داخل کر کے بغل سے ملالو تو وہ پھر بدستور اپنی اصلی حالت پر ہوجاوے گا جیسا کہ اژدھے پر ہاتھ ڈالنے سے وہ پھر اپنی اصلی حالت یعنی لاٹھی کی شکل میں بن جاتا ہے۔ آگے موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا گیا کہ یہ دو خاص معجزے آپ کی نبوت کی دو دلیل اور سند ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا کئے گئے اب آپ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جایئے اور اس کو راہ ہدایت دکھایئے۔ انہوں نے بہت سرکشی اور نافرمانی اختیار کر رکھی ہے اور اپنے غرور وتکبر اور انتہائی ظلم کے ساتھ بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے سو ان کو اس غلامی سے چھٹکارا دلایئے۔

الغرض اب حضرت موسیٰ علیہ السلام خدائے تعالیٰ کے پیغمبر

اور جلیل القدر رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو انبیاء کے سچے دین کی تلقین اور فرعون کی غلامی سے بنی اسرائیل کی رہائی کی اہم خدمات کے لئے چن لیا۔ وہ اب وادی مقدس میں حق تعالیٰ سے شرف کلامی حاصل کررہے ہیں۔ وہ موسیٰ علیہ السلام جو مدین کی راہ سے بھٹک گئے تھے اب مصر جیسے ملک اوراس کے سرکش ومغرور بادشاہ کی رہنمائی کرنے کے لئے منتخب کئے گئے ہیں اور جو کل تک اونٹوں اور بکریوں کی گلہ بانی کررہے تھے آج انسانوں کی قیادت کے فرض کو انجام دینے کے لئے چنے گئے اور جو نصاب زندگی کل بکریوں کے گلہ کی چرائی سے شروع ہوا تھا وہ آج وادی مقدس میں خدا کی اشرف المخلوقات حضرت انسان کی گلہ بانی پر تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔اب جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد رسالت کی خدمت سپرد کی گئی تو موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ فرعون کی فرعونیت معلوم تھی اس لئے خیال کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے مصر پہنچتے ہی فرض رسالت کو ادا کرنے سے پہلے ہی مجھے قتل کردیا جائے خصوصاً جب کہ ایک ظاہری سبب موجود بھی تھا کہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ ایک قبطی کا قتل ہو چکا تھا۔

اس قبطی کے انتقال کا بہانہ فرعونیوں کے لئے کافی تھا اس خیال کو پیش نظر رکھ کر حق تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے کچھ معروضات پیش کیں اور ان کے جوابات حق تعالیٰ نے عنایت فرمائے جس کا اظہار اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی معرفت وہدایت کے نور سے ہمارے دلوں کو بھی منور فرمائیں اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری کی دولت سے ہم سب کو نوازیں۔اور ظاہر اور باطن میں اپنے رضا کے طریق پر ہم سب کو چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔اور جو راہ ہدایت ہم کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دکھلائی ہے اس پر ہم کو جم جانے اور دوسروں کو بھی وہی راہ دکھانے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ

اُنہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے اُن میں سے ایک آدمی کا خون کردیا تھا سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھ کو قتل کردیں۔اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے

لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِیْٓ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ

تو اُن کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیدیجئے کہ وہ میری تقریر کی تائید اور تصدیق کریں گے کیونکہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں۔ارشاد ہوا کہ ہم ابھی تمہارے بھائی کو

عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ

تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں اور ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت عطا کرتے ہیں جس سے ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی، ہمارے معجزے لے کر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارا پیرو ہوگا

اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

غالب رہو گے۔غرض جب ان لوگوں کے پاس موسیٰ ہماری صریح دلیلیں لے کر آئے تو اُن لوگوں نے کہا کہ یہ تو ایک جادو ہے کہ افترا کیا جاتا ہے

مُّفْتَرًی وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰی رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ

اور ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سُنی کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے وقت میں بھی ہوئی ہو۔اور موسیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے

جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

جو صحیح دین اس کے پاس سے لے کر آیا ہے اور جس کا انجام اس عالم سے اچھا ہونے والا ہے بالیقین ظالم لوگ کبھی فلاح نہ پاویں گے۔

قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّیْ قَتَلْتُ بیشک میں نے مار ڈالا	مِنْهُمْ ان (میں) سے	نَفْسًا ایک شخص	فَاَخَافُ سو میں ڈرتا ہوں		
اَنْ يَّقْتُلُوْنِ کہ وہ مجھے قتل کردیں گے	وَاَخِیْ اور میرا بھائی	هٰرُوْنُ ہارونؑ	هُوَ وہ	اَفْصَحُ زیادہ فصیح	مِنِّیْ مجھ سے	لِسَانًا زبان	فَاَرْسِلْهُ سو بھیج دے اسے
مَعِیَ میرے ساتھ	رِدْاً مددگار	يُّصَدِّقُنِیْ اور تصدیق کرے میری	اِنِّیْ اَخَافُ بیشک میں ڈرتا ہوں	اَنْ کہ	يُّكَذِّبُوْنِ وہ جھٹلائیں گے مجھے	قَالَ فرمایا	
سَنَشُدُّ ہم ابھی مضبوط کردیں گے	عَضُدَكَ تیرا بازو	بِاَخِيْكَ تیرے بھائی سے	وَنَجْعَلُ اور ہم عطا کریں گے	لَكُمَا تمہارے لئے	سُلْطٰنًا غلبہ		
فَلَا يَصِلُوْنَ پس وہ نہ پہنچیں گے	اِلَيْكُمَا تم تک	بِاٰيٰتِنَآ ہماری نشانیوں کے سبب	اَنْتُمَا تم دونوں	وَمَنِ اور جس	اتَّبَعَكُمَا پیروی کی تمہاری	الْغٰلِبُوْنَ غالب رہو گے	
فَلَمَّا پھر جب	جَآءَهُمْ آیا ان کے پاس	مُوْسٰی موسیٰؑ	بِاٰيٰتِنَا ہماری نشانیوں کیساتھ	بَيِّنٰتٍ کھلی۔واضح	قَالُوْا وہ بولے	مَا هٰذَآ نہیں ہے یہ	
اِلَّا مگر	سِحْرٌ ایک جادو	مُّفْتَرًی افترا کیا ہوا	وَ اور	مَا سَمِعْنَا نہیں سنا ہے ہم نے	بِهٰذَا یہ۔ایسی بات	فِیْ میں	اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ اپنے اگلے باپ دادا
وَقَالَ اور کہا	مُوْسٰی موسیٰؑ	رَبِّیْ میرا رب	اَعْلَمُ خوب جانتا ہے	بِمَنْ اس کو جو	جَآءَ لایا	بِالْهُدٰی ہدایت	مِنْ عِنْدِهٖ اسکے پاس سے
وَمَنْ اور جس	تَكُوْنُ ہوگا۔ہے	لَهٗ اس کیلئے	عَاقِبَةُ الدَّارِ آخرت کا اچھا گھر	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَا يُفْلِحُ نہیں فلاح پائیں گے	الظّٰلِمُوْنَ ظالم	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دس سال کی مدت پوری کر کے مدین سے مصر کی طرف مع اپنی

اہلیہ محترمہ کے روانہ ہوئے۔ راستہ میں کوہ طور کے پاس رات کے وقت سردی کی حالت میں ٹھہرنا ہوا جبکہ راہ بھی بھول گئے تھے۔ کوہ طور کے دامن میں ایک روشنی نظر پڑی تو آپ اہلیہ کو وہیں بٹھا کر آگ لینے کی غرض سے روشنی کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ روشنی کوئی دنیا کی آگ کی روشنی نہ تھی بلکہ تجلی الٰہی کا نور تھا۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر آپ کو حق تعالیٰ سے شرف مکالمہ نصیب ہوا اور منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرمائے گئے اور فرعون کے پاس بحیثیت پیغمبر خدا جانے اور اسکو اور اس کی قوم کو ایمان و اسلام کی تلقین اور بنی اسرائیل کو غلامی سے رہائی دلانے کی خدمات سپرد ہوئیں اور آپ کو پیغمبری کی سند ودلالت میں دو معجزے عطا ہوئے۔ ایک تو لاٹھی کا معجزہ کہ جوزمین پر ڈالنے سے اژدہا بن جاتی تھی اور پھر ہاتھ ڈالنے سے لاٹھی ہو جاتی تھی۔ اور دوسرا معجزہ ید بیضا یعنی بغل میں ہاتھ دے کر نکالنے سے روشن اور چمکدار ہو کر نکلتا اور پھر بغل میں دینے سے اپنی اصلی حالت پر ہو جاتا۔

جب وادیٔ مقدس میں آپ کو منصب نبوت عطا ہونے کے بعد فرعون کے پاس بغرض تبلیغ دین جانے کا حکم ہوا تو جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے رب میں فرعون کے پاس جانے کے لئے حاضر ہوں مگر آپ کی خاص امداد کی ضرورت ہے کیونکہ میرے ہاتھ سے ایک فرعونی کا خون ہو گیا تھا اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے فرعون کے پاس پہنچتے ہی وہ مجھے قتل نہ کر دیں اور تبلیغ بھی نہ ہو سکے۔ یہاں مفسرین نے ایک شبہ نقل کر کے ساتھ ہی اس کا جواب بھی لکھا ہے۔ شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور نبی کے شایان شان نہیں کہ اللہ کے سوا کسی سے خوف کرے تو پھر آپ کو اپنی جان کا خوف کیوں ہوا؟ اس کا جواب لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرض رسالت ادا کرنے کے مقابلہ میں اپنی جان عزیز نہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام تو جلیل القدر نبی تھے ایک معمولی مجاہد بھی اللہ کے راستہ میں اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ تو دراصل موسیٰ علیہ السلام کو حکم خداوندی کے مقابلہ میں اپنی جان عزیز نہ تھی۔ اندیشہ صرف اس بات کا تھا کہ تبلیغ حکم سے پہلے ہی اگر مجھے قتل کر دیا گیا تو ادائے فرض رسالت میں کوتاہی ہو جائے گی اور ممکن ہے مجھ سے اس کا مواخذہ کیا جائے۔ تو درحقیقت یہ قتل کا خوف نہ تھا بلکہ ادائے رسالت میں قصور کی بازپرس کا اندیشہ تھا اس لئے حق تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ آپ کی طرف سے کوئی ایسا انتظام ہو جائے کہ جو میرے پہنچتے ہی تبلیغ اور ادائے رسالت کی نوبت آنے سے پہلے ہی وہ مجھے گرفتار کر کے قتل نہ کر دیں۔ دوسری عرض یہ کہ میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح بیان ہیں۔ ان کو بھی میرا مددگار بنا دیجئے اور ان کو بھی نبوت سے سرفراز فرما دیجئے تا کہ وہ میری تائید اور تصدیق کر سکیں اور اگر بحث ومناظرہ کی نوبت آ جائے تو بھائی ہارون کی رفاقت مفید ہو گی کیونکہ ان کی زبان زیادہ تیز اور صاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہم تمہاری دونوں درخواستیں منظور کرتے ہیں تمہارے بھائی ہارون کو بھی تمہارا شریک کار بناتے ہیں وہ تمہارے قوت بازو رہیں گے اور فرعونیوں کو تم پر کچھ دسترس نہ ہو گی۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہماری مدد و نصرت تمہارے ساتھ ہے اور جو نشانات ہم نے تم کو بخشے ہیں وہ تمہاری کامیابی کا باعث ہوں گے اور انجام کار تم اور تمہارے ساتھی ہی غالب و منصور رہیں گے۔ اب جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام منصب نبوت سے سرفراز ہو چکے۔ کلام ربانی سے فیضیاب ہوئے اور دعوت و تبلیغ حق میں کامیابی و کامرانی کا مژدہ پا چکے تو وادیٔ مقدس سے اُترے اور اپنی اہلیہ کے پاس پہنچے جو وادی کے سامنے جنگل میں ان کی منتظر اور چشم براہ تھیں۔ وہیں سے انکو ساتھ لیا اور بنیت تعمیل حکم الٰہی مصر کے لئے روانہ ہو گئے۔ منزلیں طے کرتے ہوئے جب مصر پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ لکھا ہے کہ آپ خاموشی کے ساتھ مصر میں داخل ہو کر اپنے مکان پہنچے مگر اندر داخل نہ ہوئے اور والدہ کے سامنے ایک مسافر کی حیثیت میں ظاہر ہوئے۔ یہ بنی اسرائیل میں مہمان نواز گھر تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوب خاطر و مدارات کی گئی۔ اسی دوران میں آپ کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام آپہنچے۔ یہاں پہنچنے سے قبل ہی ہارون علیہ السلام کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت عطا ہو چکا تھا اس لئے ان کو بذریعہ وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سارا قصہ بتادیا گیا تھا۔ وہ چھوٹے بھائی سے آکر لپٹ گئے اور پھر ان کو اور ان کی اہلیہ کو گھر کے اندر لے گئے اور والدہ کو سارا حال سنایا۔ تب سب خاندان آپس میں گلے ملا اور بچھڑے ہوئے بھائیوں نے ایک دوسرے کی گذشتہ زندگی سے تعارف پیدا کیا اور والدہ کی دونوں آنکھوں نے ٹھنڈک حاصل کی۔ بہرحال حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان جب ملاقات اور گفتگو کا سلسلہ ختم ہوا تو اب دونوں نے طے کیا کہ خدا تعالیٰ کے امتثال حکم کے لئے فرعون کے پاس چلنا اور اس کو پیغام الٰہی سنانا چاہئے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب دونوں بھائی فرعون کے دربار میں جانے لگے تو والدہ نے غایت شفقت کی بنا پر روکنا چاہا کہ تم ایسے شخص کے پاس جانا چاہتے ہو جو صاحب تخت وتاج بھی ہے اور ظالم ومغرور بھی۔ وہاں نہ جاؤ۔ وہاں جانا بے سود ہوگا۔ مگر دونوں نے والدہ کو سمجھایا کہ خدائے تعالیٰ کا حکم ٹالا نہیں جاسکتا اور اس کا وعدہ ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے۔ غرض دونوں بھائی خدا کے سچے پیغمبر اور نبی فرعون کے دربار میں پہنچے اور بغیر خوف وخطر اندر داخل ہوگئے۔ جب فرعون کے تخت کے قریب پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی اور گفتگو شروع ہوئی۔ اس موقع کی تفصیلات سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں بیان ہو چکی ہیں یہاں اس سورۃ میں ان کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو معجزات دکھلائے تو فرعون اور اس کے درباری سب کہنے لگے کہ یہ سب محض ایک جادو ہے اور جو باتیں خدا کی طرف منسوب کرکے یہ کہتا ہے وہ بھی جادو کی باتیں ہیں جو خود تصنیف کرکے لے آیا اور دعویٰ کرنے لگا کہ خدا نے مجھ پر وحی کی ہے۔ حقیقت میں وحی وغیرہ کچھ نہیں محض ساحرانہ تخیل اور افترا ہے اور جو باتیں یہ کرتا ہے مثلاً خدا ایک ہے۔ اس نے ساری دنیا کو پیدا کیا۔ اور ایک وقت پھر سب کو فنا کردے گا اور پھر دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر حساب کتاب ہوگا اور مجھ کو اس نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب باتیں اپنے بڑوں سے ہمارے کان میں کبھی نہیں پڑیں۔ تو گویا ان کافروں کو اپنی صداقت کا دعویٰ صرف اس بنا پر تھا کہ وہ باپ دادا کے طریقہ پر قائم تھے اور باپ دادا ہی کا طریقہ ان کی نظر میں طریقۂ ہدایت تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مقابلہ میں برہانی اور عقلی طور پر ہدایت وضلالت اور صدق وکذب کا ایک معیار قائم فرمایا اور فرعونیوں کے اس قول کے جواب میں کہ ہم نے تو اپنے باپ دادوں کے وقت میں بھی ایسی بات نہیں سنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہدایت تو وہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور خدا ہی خوب واقف ہے اور خوب جانتا ہے کہ کون اس کے پاس سے پیام ہدایت لے کر آیا ہے یعنی تمہارے باپ دادا خدا کی طرف سے پیام ہدایت لے کر نہ آئے تھے اور میں خدا کا فرستادہ ہوں۔ اس کی تعلیم کے مطابق راستہ بتارہا ہوں اس لئے میرا بتایا ہوا راستہ صحیح اور تمہارے باپ دادا کا طریق زندگی غلط۔ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں اور اسی کے پاس سے ہدایت لایا ہوں اس لئے انجام میرا ہی بہتر ہوگا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں دیکھ کر اور دلائل صداقت سن کر ناانصافی سے حق کو جھٹلاتے ہیں وہ انجام کار کامیاب نہیں ہوسکتے اور ان کو ذلت وناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

اب فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے دلائل ومعجزات دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے معتقدین فرعونی ان کی طرف مائل نہ ہوجاویں تو لوگوں کو جمع کرکے یا تو استہزاء اور تمسخر کی راہ سے یا اس قدر بدحواس اور پاگل ہوگیا کہ مضحکہ خیز اور لچر پوچ تجویزیں سوچنے لگا جس کا اظہار اگلی آیات میں فرمایا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَاأَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى

اور فرعون کہنے لگا کہ اے اہل دربار مجھ کو تو تمہارا اپنے سوا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا،تو اے ہامان تم ہمارے لئے

الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٣٨﴾

مٹی کو آگ میں پکواؤ پھر میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ تا کہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا

اور فرعون اور اُس کے تابعین نے ناحق دُنیا میں سر اُٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ اُن کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے۔

يُرْجَعُونَ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾

تو ہم نے اُس کو اور اُس کے تابعین کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا(یعنی غرق کردیا)سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنْصَرُونَ ﴿٤١﴾ وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي

اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا رئیس بنایا تھا جو(لوگوں کو)دوزخ کی طرف بُلاتے رہے،اور قیامت کے روز کوئی اُن کا ساتھ نہ دے گا۔اور دنیا میں بھی ہم نے

هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ﴿٤٢﴾

اُن کے پیچھے لعنت لگادی،اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ اور کہا فرعون نے	يَاأَيُّهَا الْمَلَأُ اے سردارو	مَا عَلِمْتُ نہیں جانتا میں	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنْ کوئی	إِلَٰهٍ معبود	غَيْرِي اپنے سوا		
فَأَوْقِدْ لِي پس آگ جلا میرے لئے	يَا هَامَانُ اے ہامان	عَلَى الطِّينِ مٹی پر	فَاجْعَلْ لِي پھر میرے لئے بنا(تیار کر)	صَرْحًا ایک بلند محل	لَعَلِّي تا کہ میں			
أَطَّلِعُ میں جھانکوں	إِلَىٰ طرف	إِلَٰهِ معبود	مُوسَىٰ موسیٰ	وَإِنِّي اور بیشک میں	لَأَظُنُّهُ البتہ سمجھتا ہوں اسے	مِنَ سے	الْكَاذِبِينَ جھوٹے	
وَاسْتَكْبَرَ اور مغرور ہوگیا	هُوَ وہ	وَجُنُودُهُ اور اس کا لشکر	فِي الْأَرْضِ زمین(دنیا)میں	بِغَيْرِ الْحَقِّ ناحق	وَظَنُّوا اور وہ سمجھ بیٹھے	أَنَّهُمْ کہ وہ		
إِلَيْنَا ہماری طرف	لَا يُرْجَعُونَ نہیں لوٹائے جائیں گے	فَأَخَذْنَاهُ تو ہم نے پکڑا اسے	وَجُنُودَهُ اور اس کا لشکر	فَنَبَذْنَاهُمْ پھر ہم نے پھینک دیا انہیں				
فِي الْيَمِّ دریا میں	فَانْظُرْ سو دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الظَّالِمِينَ ظالم	وَ اور	جَعَلْنَاهُمْ ہم نے بنایا انہیں	أَئِمَّةً سردار
يَدْعُونَ وہ بلاتے ہیں	إِلَى النَّارِ جہنم کی طرف	وَ اور	يَوْمَ الْقِيَامَةِ روز قیامت	لَا يُنْصَرُونَ وہ مدد نہ دیے جائینگے	وَأَتْبَعْنَاهُمْ اور ہم نے لگادی انکے پیچھے			
فِي میں	هَٰذِهِ الدُّنْيَا اس دنیا	لَعْنَةً لعنت	وَ اور	يَوْمَ الْقِيَامَةِ روز قیامت	هُمْ وہ	مِنَ سے	الْمَقْبُوحِينَ بدحال لوگ	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دلائل اور معجزات کے ساتھ اپنی حقانیت کو ثابت کیا تو معجزات کو دیکھ کر فرعونیوں نے کہہ دیا کہ ہم نے ایسی باتیں باپ دادا کے وقتوں سے بھی نہیں سنی تاہم فرعون کو اندیشہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ودلائل سے کہیں میرے معتقدین ان کی طرف مائل نہ ہوجائیں اور ارکان حکومت اور عام رعایا کہیں میرے خدائی کے اقرار سے نہ پھر

39 جائے اس لئے ایک طرف تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو قید کرنے کی دھمکی دی جیسا کہ دوسری آیات میں تصریح ہے اور دوسری طرف اپنی الوہیت کو جمانے کے لئے اہل دربار سے کہنے لگا کہ مجھے تو اپنے سوا تمہارا کوئی اور خدا معلوم نہیں۔ اس سے مراد اس کی یہ تھی کہ چونکہ میں تم سے زیادہ عالم ہوں اور مجھے موسیٰ جسے رب العالمین کہتے ہیں اس کے ثبوت و وجود کا علم نہیں اس لئے تم کو میری خدائی کے اقرار اور موسیٰ کے خدا کے انکار میں کچھ تامل نہ ہونا چاہئے۔ اگر واقع میں موسیٰ کا کوئی خدا ہوتا اور جیسا موسیٰ نے بیان کیا وہ سچ ہوتا تو مجھے ضرور معلوم ہوتا پھر لوگوں کو مغالطہ میں ڈال کر اپنی الوہیت پر جمائے رکھنے کی ایک تجویز سوچی اور اپنے وزیر جس کا نام یا لقب ہامان تھا اس کو کہا کہ پختہ اینٹوں کی ایک بلند اور خوب اونچی عمارت بنواؤ تا کہ اس پر چڑھ کر اور آسمان کے قریب ہو کر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں کہ کہاں ہے اور کیسا ہے؟ کیونکہ زمین میں تو مجھے اپنے سوا کوئی دوسرا خدا نظر نہیں پڑتا۔ آسمان میں بھی خیال تو یہی ہے کہ کوئی نہ ہوگا تا ہم موسیٰ کی بات کا جواب ہو جائے گا۔ میرے خیال میں تو موسیٰ اس دعوے میں کہ کوئی اور خدا ہے جھوٹے ہیں یعنی جب عمارت پر چڑھ کر مجھے کوئی خدا نظر نہ آئے گا تو سمجھ لو کہ موسیٰ جھوٹا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) یہ بات کہہ کر یا تو فرعون ملعون دانستہ دھوکہ دینا چاہتا تھا اپنے معتقدین کو یا واقع میں وہ اس قدر کوتاہ نظر تھا کہ مادیت سے بلند اس کی نگاہ کو رسائی نہ تھی اس لئے وہ خدا کو بلند منارہ سے جھانک کر دیکھنا چاہتا تھا اور آنکھوں سے نظر نہ آنے سے وہ اللہ کے موجود نہ ہونے پر استدلال کرنا چاہتا تھا۔ (جیسا کہ روس کے خلا بازوں نے چاند سے زمین پر واپس آ کر ماسکو ریڈیو سے اعلان کیا تھا کہ ہم تو اتنے ہزاروں لاکھوں میل بلندی پر ہو آئے ہم کو تو کہیں اللہ نظر آیا نہیں)۔ بہرحال مقصد ہر صورت میں موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب تھی اور تکذیب بھی غرور و تکبر کے ساتھ۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ فرعون اور اس کے ساتھی انجام سے بالکل غافل ہو کر لگے ملک میں تکبر کرنے اور یہ نہ سمجھا کہ ان کی گردن نیچے کرنے والا اور سر توڑنے والا بھی کوئی موجود ہے۔ آخر خداوند قہار نے اس کو لاؤ لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق کر دیا تا کہ یادگار رہے کہ بدبخت ظالموں کا جو انجام سے غافل ہوں ایسا انجام ہوا کرتا ہے۔ یہ فرعون اور اس کے ساتھی یہاں دنیا میں ضلالت و گمراہی اور سرکشی و نافرمانی میں پیش پیش تھے اور لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے تھے۔ قیامت میں بھی ان کو دوزخیوں کے آگے امام بنا کر رکھا جائے گا۔ یہاں کا لاؤ لشکر وہاں کچھ کام نہ دے گا نہ کسی کی طرف سے کوئی مدد پہنچ سکے گی اپنے لاؤ لشکر سمیت جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ وہاں کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور آخرت کی برائی اور بدانجامی جو انہیں نصیب ہوگی وہ تو الگ رہی دنیا ہی میں لوگ رہتی دنیا ایسوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے چنانچہ اہل اسلام ہوں یا یہود و نصاریٰ سب ہی اس ملعون فرعون پر لعنت ملامت کرتے ہیں اور رہتی دنیا کرتے رہیں گے۔

یہاں ان آیات میں فرعون کا انجام بتلا کر یعنی سمندر میں غرق کر کے دوزخ میں لے جانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ کم فہم اور بیوقوف انسان اس زندگی میں جس چیز کو سرمایۂ عیش و راحت سمجھے ہوئے ہے وہی اس کے لئے موجب ہلاکت ہے۔ شیطان دنیوی عیش و عشرت کی چیزوں میں انسان کو مشغول کر کے اللہ کا نافرمان بناتا ہے اور پھر یہی اسباب عیش و طرب آدمی کو ہلاک کر کے دار العذاب میں پہنچا دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی لیڈر یا پیشوائے قوم یا حاکم سلطنت اللہ کی نافرمانی کی طرف لے جائے تو اگرچہ اس کی پیروی میں تمام عیش و عشرت اور دولت و حشمت حاصل ہو لیکن سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انجام کے لحاظ سے بربادی کی طرف لئے جا رہے ہیں۔

ان آیات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ ختم ہوا۔ اب آگے اس قصہ کے اعظم مقاصد یعنی اثبات رسالت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا مضمون مذکور ہے مع بعض شبہات و اعتراضات کفار کے اور ان کے جوابات کے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اگلی اُمتوں کے ہلاک کے پیچھے کتاب دی تھی جو لوگوں کیلئے دانشمندیوں کا سبب

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى

اور ہدایت اور رحمت تھی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور آپ (طور کی) مغربی جانب میں موجود نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام دیئے تھے

مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ

اور آپ اُن لوگوں میں سے (بھی) نہ تھے جو (اس زمانہ میں) موجود تھے۔ ولیکن ہم نے موسیٰ کے بعد بہت سی نسلیں پیدا کیں پھر اُن پر زمانہ دراز گذر گیا،

الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا

اور آپ اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہ تھے کہ آپ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سُنا رہے ہوں ولیکن ہم ہی (آپ کو) رسول بنانے والے ہیں۔

مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ

اور آپ طور کی جانب میں اس وقت (بھی) موجود نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) پکارا تھا ولیکن (اس کا علم بھی اسی طرح حاصل ہوا کہ) آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے

قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کرلیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور تحقیق ہم نے عطا کی	مُوْسَى موسیٰ	الْكِتٰبَ کتاب (توریت)	مِنْۢ بَعْدِ اس کے بعد	مَآ اَهْلَكْنَا کہ ہلاک کیں ہم نے			
الْقُرُوْنَ امتیں	الْاُوْلٰى پہلی	بَصَآئِرَ بصیرت	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَهُدًى اور ہدایت	وَرَحْمَةً اور رحمت	لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	
يَتَذَكَّرُوْنَ نصیحت پکڑیں	وَمَا كُنْتَ اور آپ نہ تھے	بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ مغرب جانب	اِذْ قَضَيْنَا جب ہم نے بھیجا				
اِلٰى مُوْسَى موسیٰ کی طرف	الْاَمْرَ حکم وحی	وَ اور	مَا كُنْتَ آپ نہ تھے	مِنَ سے	الشّٰهِدِيْنَ دیکھنے والے	وَلٰكِنَّا اور لیکن ہم نے	
اَنْشَاْنَا ہم نے پیدا کیں	قُرُوْنًا بہت سی امتیں	فَتَطَاوَلَ طویل ہوگئی	عَلَيْهِمُ ان کی/ان پر	الْعُمُرُ مدت	وَمَا كُنْتَ اور آپ نہ تھے		
ثَاوِيًا رہنے والے	فِيْ میں	اَهْلِ مَدْيَنَ اہل مدین	تَتْلُوْا تم پڑھتے	عَلَيْهِمْ ان پر	اٰيٰتِنَا ہمارے احکام	وَلٰكِنَّا اور لیکن ہم	
كُنَّا ہم تھے	مُرْسِلِيْنَ رسول بنا کر بھیجنے والے	وَمَا كُنْتَ اور آپ نہ تھے	بِجَانِبِ کنارہ	الطُّوْرِ طور	اِذْ نَادَيْنَا جب ہم نے پکارا		
وَلٰكِنْ اور لیکن	رَحْمَةً رحمت	مِنْ رَّبِّكَ اپنے رب سے	لِتُنْذِرَ تا کہ ڈر سناؤ	قَوْمًا وہ قوم	مَآ اَتٰهُمْ نہیں آیا انکے پاس		
	مِنْ کوئی	نَذِيْرٍ ڈرانے والا	مِنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے	لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	يَتَذَكَّرُوْنَ نصیحت پکڑیں		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کو بیان فرمایا گیا تھا۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بہت سے مقامات میں آیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے بیشتر حالات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک

حالات سے بہت زیادہ مطابقت رکھتے ہیں۔ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ حق و باطل کے معرکوں میں ایک عظیم الشان معرکہ ہے اور اس کے اندر عبرت و نصیحت کا نادر ذخیرہ جمع ہے اسی لئے قرآن کریم نے حسب ضرورت اور حسب موقع و محل جگہ جگہ اس قصہ کے اجزاء کو کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اس معرکہ میں ایک جانب غرور و تکبر۔ جبر و ظلم۔ قہرمانیت اور انانیت کی ذلت و رسوائی ہے تو دوسری جانب مظلومیت۔ خدا پرستی اور صبر و استقامت کی فتح و کامرانی ہے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے گذشتہ آیات میں اس قصہ کو بیان فرما کر فرعون اور اس کے ساتھیوں کی ہلاکت دنیوی کے بعد عبرت و بصیرت کے لئے اس طرف پھر توجہ دلائی کہ اس قسم کے لوگوں کے لئے دنیا کی پھٹکار اور لعنت و ملامت کے علاوہ آخرت اور ابدی زندگی میں سخت عذاب اور ذلت و رسوائی کے سامان مہیا ہیں تاکہ عقل و فہم رکھنے والا انسان اور سلیم و صالح طبائع رکھنے والی ہستیاں ان کا مطالعہ کریں اور ایسے اعمال بد اور انجام بد سے اپنے کو بچائیں اور دوسروں کو بھی بچنے کی ترغیب دیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قصہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ثبوت بھی قرار دیا جاتا ہے کہ آپ امی ہونے کے باوجود دو ہزار برس پہلے گزرا ہوا ایک تاریخی واقعہ کس تفصیل کے ساتھ سنا رہے ہیں اور بالکل سچے اور صحیح واقعات کو اس طرح بیان کررہے ہیں جیسے کہ آپکے چشم دید ہوں اور جیسے کہ آپ اس وقت موجود ہوں تو کیا یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ خدائے تعالیٰ آپ کو اپنی وحی کے ذریعہ سے یہ تمام باتیں بتلاتے ہیں۔ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ پر وحی آتی ہے۔

الغرض گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ تمام کر کے اب اس قصہ کے نتائج کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ رسالت کا سلسلہ اصلاح و ہدایت کے لئے دنیا میں ہمیشہ سے چلا آیا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کہ جن کا قصہ گذشتہ میں بیان ہوا اگلی امتوں یعنی قوم نوح و عاد و ثمود وغیرہ کے ہلاک ہوجانے کے بعد جب کہ ان زمانوں کے انبیاء کی تعلیم نایاب ہوگئی تھیں اور لوگ ہدایت کے سخت حاجتمند تھے تو موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ دی گئی تھی کہ جو بصارت۔ ہدایت اور رحمت تھی سمجھ دار لوگوں کے لئے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد جب گمراہی کا ایک زمانہ دراز گزر گیا تو خلق کی ہدایت کے لئے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مبعوث کیا اور آپ پر قرآن نازل کیا جس میں گذشتہ انبیاء کے صحیح صحیح واقعات آپ پر ظاہر کئے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو آپ کوہ طور کے غرب کی جانب جہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی موجود تھے کہ جو اس وقت کے واقعات کو ایسی صحت و صفائی اور تفصیل سے بیان کررہے ہیں جیسے کہ آپ کوہ طور کے پاس کھڑے دیکھ رہے ہوں۔ حالانکہ آپ کا موقع پر موجود نہ ہونا ظاہر ہے اور ویسے بھی سب جانتے ہیں کہ آپ اُمی ہیں یعنی ظاہری لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ پھر غور کرنے کا مقام ہے کہ علم کہاں سے آیا حقیقت یہ ہے کہ اقوام دنیا پر مدتیں اور قرن گزر گئے اور گذشتہ انبیاء کی ہدایات مٹتی جارہی تھیں لہٰذا اس علیم و خبیر کا ارادہ ہوا کہ ایک اُمی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے بھولے ہوئے سبق یاد دلائے جائیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے قیام مدین کا مشاہدہ آپ نے نہیں فرمایا تو وہاں جو واقعات موسیٰ علیہ السلام کو پیش آئے ان کا اس خوبی اور صحت سے بیان تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا آپ اس وقت وہیں سکونت پذیر تھے۔ حالانکہ یہ چیز صریحاً منفی ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے پیغمبر بھیجتے رہے ہیں جو دنیا والوں کو غفلت سے

چونکاتے اور گذشتہ عبرتناک واقعات یاد دلاتے رہے ہیں۔ اسی عام عادت کے موافق اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں آپ کو رسول بنا کر دنیا جہان والوں کے پاس بھیجا کہ خواب غفلت سے مخلوق کو بیدار کریں اس لئے ضروری ہوا کہ ٹھیک ٹھیک واقعات کا صحیح علم آپ کو دیا جائے اور آپ کی زبان سے ادا کرایا جائے۔ اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آواز دی انی انا اللہ رب العالمین تو آپ وہاں کھڑے سن نہیں رہے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ جو آپ نبی بنائے گئے اور اللہ نے اپنے فضل سے آپ کو یہ باتیں وحی کے ذریعہ بتائیں تاکہ آپ لوگوں کو یہ چیزیں بتا کر خطرناک عواقب سے آگاہ کردیں۔ ممکن ہے کہ وہ سن کر یاد رکھیں اور نصیحت پکڑیں۔

یہاں آیت میں فرمایا گیا ہے ولکن رحمة من ربک لتنذر قوما ما اتٰھم من نذیر من قبلک۔ ولیکن آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تو اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام عالم کے لئے عام تھی لیکن آپ کی بعثت سرزمین عرب میں ہوئی اس لئے سب سے پہلے ایمان لانا عرب پر واجب ہوا یہی وجہ ہے کہ عرب کو جزیہ لے کر چھوڑنے کا حکم نہیں ہوا بلکہ ایمان لانا ان کے لئے ضروری قرار دیا گیا۔ اس آیت میں اس بات کا ثبوت ہے کہ عرب جس سے مراد سرزمین حجاز۔ نجد اور یمامہ ہے یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ تقریباً ۲۲۴۰ سال کی مدت میں دوسرے اطراف اور جگہوں کے انبیاء کی دعوتیں تو ضرور وہاں پہنچیں مثلاً حضرت موسیٰ۔ حضرت سلیمان۔ حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی دعوتیں مگر کسی نبی کی بعثت خاص اس سرزمین حجاز۔ نجد اور یمامہ میں نہیں ہوئی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد آپ کی ہی نسل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اور اس شان کی ہوئی کہ آپ تمام عالم کے لئے اور قیامت تک کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اب آگے ایک وجہ اور بیان کی جاتی ہے جس بنا پر اتمام حجت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مکرم بنا کر بھیجا گیا جس کا اظہار اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نعمت عظمیٰ کی حقیقی قدر اور شکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت وعظمت کے ساتھ آپ کا اتباع کامل بھی ظاہر میں اور باطن میں نصیب فرمائیں۔ اور آپ کے ارشادات وہدایات کی تابعداری دل وجان سے نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَوْلَآ أَن تُصِيبَهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا۟ رَبَّنَا لَوْلَآ أَرْسَلْتَ

اور ہم رسول نہ بھی بھیجتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر ان کے کرداروں کے سبب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا

إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ ءَايَٰتِكَ وَنَكُونَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ ٱلْحَقُّ مِنْ

تاکہ ہم آپ کے احکام کا اتباع کرتے اور ایمان لانے والوں میں ہوتے۔ سو جب ہماری طرف سے ان لوگوں کے پاس امر حق پہنچا تو کہنے لگے

عِندِنَا قَالُوا۟ لَوْلَآ أُوتِىَ مِثْلَ مَآ أُوتِىَ مُوسَىٰٓ ۚ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا۟ بِمَآ أُوتِىَ مُوسَىٰ

کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی تھی، کیا جو کتاب موسیٰ کو ملی تھی، اس کے قبل لوگ اُس کے منکر نہیں ہوئے

مِن قَبْلُ ۖ قَالُوا۟ سِحْرَانِ تَظَٰهَرَا وَقَالُوٓا۟ إِنَّا بِكُلٍّ كَٰفِرُونَ ﴿٤٨﴾ قُلْ فَأْتُوا۟

یہ لوگ تو یوں کہتے ہیں کہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے موافق ہیں، اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم تو دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں مانتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو

بِكِتَٰبٍ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَآ أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٤٩﴾ فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا۟

تم کوئی اور کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا اگر تم سچے ہو۔

لَكَ فَٱعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَآءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ ٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ بِغَيْرِ هُدًى

پھر اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں، اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو نفسانی خواہش پر چلتا ہو

مِّنَ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٥٠﴾

بدوں اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل (اس کے پاس) ہو، اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

وَلَوْلَا اور اگر نہ ہوتا	أَن تُصِيبَهُم کہ پہنچے انہیں	مُّصِيبَةٌ کوئی مصیبت	بِمَا قَدَّمَتْ اس کے سبب جو بھیجا	أَيْدِيهِمْ ان کے ہاتھ (ان کے اعمال)
فَيَقُولُوا تو وہ کہتے	رَبَّنَا اے ہمارے رب	لَوْلَا کیوں نہ	أَرْسَلْتَ بھیجا تو نے	إِلَيْنَا ہماری طرف	رَسُولًا کوئی رسول
فَنَتَّبِعَ پس پیروی کرتے ہم	ءَايَٰتِكَ تیرے احکام	وَنَكُونَ اور ہم ہوتے	مِنَ سے	ٱلْمُؤْمِنِينَ ایمان لانے والے	فَلَمَّا پھر جب
جَآءَهُمُ آیا ان کے پاس	ٱلْحَقُّ حق	مِنْ عِندِنَا ہماری طرف سے	قَالُوا کہنے لگے	لَوْلَآ أُوتِىَ کیوں نہ دیا گیا	مِثْلَ جیسا
مَآ أُوتِىَ جو دیا گیا	مُوسَىٰ موسیٰ	أَوَ کیا	لَمْ يَكْفُرُوا نہیں انکار کیا انہوں نے	بِمَآ أُوتِىَ اس کا جو دیا گیا	مُوسَىٰ موسیٰ	مِن قَبْلُ اس سے قبل
قَالُوا انہوں نے کہا	سِحْرَانِ وہ دونوں جادو	تَظَٰهَرَا ایک دوسرے کے پشت پناہ	وَقَالُوٓا اور انہوں نے کہا	إِنَّا ہم بیشک	بِكُلٍّ ہر ایک کا
كَٰفِرُونَ انکار کرنیوالے	قُلْ فرمادیں	فَأْتُوا پس لاؤ	بِكِتَٰبٍ کوئی کتاب	مِّنْ سے	عِندِ ٱللَّهِ اللہ کے پاس	هُوَ وہ	أَهْدَىٰ زیادہ ہدایت
مِنْهُمَآ ان دونوں سے	أَتَّبِعْهُ میں پیروی کروں اسکی	إِن كُنتُمْ اگر تم ہو	صَٰدِقِينَ سچے	فَإِن پھر اگر	لَّمْ يَسْتَجِيبُوا وہ قبول نہ کریں

لَكَ تمہارے لئے (تمہاری بات)	فَاعْلَمْ تو جان لو	اَنَّمَا کہ صرف	يَتَّبِعُوْنَ وہ پیروی کرتے ہیں	اَهْوَآءَهُمْ اپنی خواہشات	وَمَنْ اور کون
اَضَلُّ زیادہ گمراہ	مِمَّنِ اتَّبَعَ اس سے جس نے پیروی کی	هَوٰىهُ اپنی خواہش	بِغَيْرِ هُدًى ہدایت کے بغیر	مِّنَ اللّٰهِ اللہ سے منجانب اللہ	
	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَا يَهْدِي ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ظالم لوگ		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ثبوت کے متعلق مضمون بیان ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے رسالت کا سلسلہ دنیا میں ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ جب ایک نبی کی تعلیم اور ہدایت کو بھلا دیا گیا یا اللہ تعالیٰ کی کتاب یا قدسی صحیفہ جو عالم غیب سے نبی کو دیا گیا ہو اس میں تغیر وتبدل اور ترمیم وتحریف کرلی گئی ہو تو پھر دوسرے نبی کا اصلاح کے لئے آنا لازم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ دی گئی۔ دور موسوی کے بعد لوگوں نے اس میں قدرے قدرے تغیر کرنا شروع کر دیا۔ مختلف انبیاء آئے انہوں نے آ کر ان تغیرات کو اپنے اپنے زمانہ میں دور کر کے اصل کتاب کو پاک صاف شکل میں پھر پیش کر دیا۔ جب توراۃ میں تغیرات بہت زیادہ ہو گئے تو زبور اور زبور کے بعد انجیل کا نزول ہوا۔ یہ دونوں کتابیں بھی گویا توراۃ کی اصلاحی شکلیں تھیں۔ لیکن جب زمانہ بہت گزر گیا اور توراۃ کے پیغامات کو نہ صرف فراموش کر دیا بلکہ بالکل مسخ کر دیا گیا تو پروردگار عالم نے اپنی رحمت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا اور جدید ہدایت نامہ جس کا نام قرآن رکھا نازل کیا گیا۔ تو جیسا کہ اوپر بتلایا گیا جب آسمانی کتاب یا قدسی صحیفہ میں لوگ قدرے قدرے تغیر کر لیتے ہیں تو نبی کا آنا ضروری ہو جاتا ہے تا کہ تغیر کو دور کر کے اصلاح کی جا سکے اور جب تبدیلیاں کثرت سے ہو جاتی ہیں تو پھر نئی کتاب آتی ہے جو انسانوں کی ہر تراش وخراش سے پاک ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر آسمانی کتاب اصلی حالت میں موجود ہو اور اس میں کچھ تغیر نہ پیدا ہوا ہو اور عبارت میں تراش خراش اور مسخ ونسخ نہ کر لیا گیا ہو تو کسی آئندہ نبی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ جب کتاب اللہ اپنی اصلی حالت میں موجود ہو تو پھر کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں۔ رہا موعظت۔ پند ونصیحت تو اس کے لئے کتابی امت میں سے علماء وصلحا کافی ہیں یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ قرآن اصلی شکل میں موجود ہے اور حسب صراحت اسی طرح قیامت تک باقی رہے گا جس طرح نازل ہوا پس نہ کسی جدید کتاب کی ضرورت رہی اور نہ کسی نئے نبی کی نہ اب۔ نہ آئندہ۔ رہی تلقین وتعلیم اور ہدایت وموعظت اس کے لئے علمائے ربانی وحقانی کافی ہیں۔

الغرض جب گذشتہ انبیاء کی تعلیم اور آسمانی کتب کے علوم نایاب ہوئے تو حق تعالیٰ کی رحمت مقتضی ہوئی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ورسالت سے مشرف فرمایا۔ اب آ گے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ پیغمبر کا بھیجنا یہ لوگوں کی خوش قسمتی ہے اگر بدوں پیغمبر بھیجے اللہ تعالیٰ لوگوں کی کھلی ہوئی بے عقلیوں اور بے ایمانیوں پر سزا دینے لگے تب بھی ظلم نہ ہوتا لیکن اس نے احسان فرمایا اور کسی قسم کی عذرداری کا موقع نہیں چھوڑا۔ ممکن تھا سزا دہی کے وقت مجرمین کہنے لگتے کہ صاحب ہمارے پاس پیغمبر تو بھیجا نہیں جو ہم کو ہماری غلطیوں پر کم ازکم متنبہ کر دیتا۔ اگر کوئی پیغمبر آتا تو ہم کیسے نیک اور ایماندار ثابت ہوتے اور اس عذاب کو نہ دیکھتے اس لئے کہ ہم پھر برے کام ہی نہ کرتے تو اس الزام اور عذر کو رفع کرنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے تا کہ پھر کسی کو کوئی عذر باقی نہ رہے کہ رسول نہ بھیجتے تو کہتے کہ رسول کیوں نہ بھیجا اور اب رسول تشریف لائے جو تمام پیغمبروں سے شان اور رتبہ میں

بڑھ کر ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت اس کو مانتے جب دیکھتے کہ ان سے موسیٰ علیہ السلام کی طرح "عصا" اور "ید بیضا" وغیرہ کے معجزات ظاہری وحسی ظاہر ہوتے اور ان کے پاس بھی توراۃ کی طرح ایک دم لکھی لکھائی کتاب اترتی یہ کیا کہ دو دو چار چار آیتیں پیش کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہود مدینہ نے قریش کو سکھایا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہی معجزات کے طلبگار ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے جیسے لاٹھی کا سانپ ہوجانا اور ہاتھ کا سورج کی طرح روشن اور چمکدار ہوجانا وغیرہ وغیرہ۔ اس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور کتاب الٰہی کو کہاں سب نے مان لیا تھا؟ شبہے نکالنے والے ان کو بھی ساحر اور مفتری کہتے رہے۔ بس جن کو ماننا منظور نہیں ہوتا وہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ احتمالات نکال لیتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث ومفسر دہلویؒ لکھتے ہیں "مکہ کے کافر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سن کر کہنے لگے کہ ویسا معجزہ اس نبی کے پاس ہوتا تو ہم مانتے۔ جب یہود سے پوچھا اور توراۃ کی باتیں اس نبی کے موافق اور اپنی مرضی کے خلاف سنیں مثلاً یہ کہ بت پرستی کفر ہے۔ آخرت کا جینا برحق ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو مردار ہے اور عرب میں ایک نبی آخر الزمان آئیں گے جن کی یہ نشانیاں ہوں گی وغیرہ وغیرہ تب لگے دونوں کو جواب دینے کہ توراۃ اور قرآن دونوں جادو ہیں اور موسیٰ اور محمد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اس کا جواب تلقین ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ آسمانی کتابوں میں مشہور یہی دو کتابیں ہیں یعنی توراۃ اور قرآن۔ اگر یہ دونوں جادو ہیں تو تم کوئی کتاب الٰہی پیش کرو جو ان سے بہتر اور ان سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو۔ بفرض محال اگر ایسی کتاب لے آؤ تو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا لیکن تم

قیامت تک نہیں لاسکتے۔ اس سے زیادہ بدبختی کیا ہوگی کہ خود ہدایت ربانی سے قطعی تہی دست ہو اور جو کتاب ہدایت آتی ہے تو اسے جادو کہہ کر رد کردیتے ہو۔ اس پر حق تعالیٰ آگے فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ نہ ہدایت قرآن کو قبول کرتے ہیں اور نہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز پیش کرسکتے ہیں تو یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کو راہ ہدایت پر چلنا مقصود ہی نہیں۔ محض اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی ہے۔ جس چیز کو دل چاہا مان لیا جس کو اپنی مرضی اور خواہش کے خلاف پایا رد کردیا تو بتلایئے ایسے ہوا پرست ظالموں کو کیا ہدایت ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت اسی قوم کو ہدایت کرنے کی ہے جو ہدایت پانے کا ارادہ کرے اور جو شخص خود قصد کرتا ہے گمراہ رہنے کا تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتے اور ایسا شخص ہمیشہ گمراہ ہی رہتا ہے۔

یہاں آیت میں یہ ارشاد **ومن اضل ممن اتبع ھوٰہ بغیر ھدی من اللہ ان اللہ لایھدی القوم الظلمین**۔ جو شخص اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنے جی کی چاہت پر چلے اس سے زیادہ کون گمراہ ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ تو اگرچہ یہ ارشاد یہاں کفار ومشرکین کے حق میں ہے مگر اس سے سبق اس وقت کے جدید تہذیب کے شیدائیوں کو بھی لینا چاہئے کہ جو خود ساختہ قوانین کو قرآنی احکام کے مقابلہ میں پسند کرتا ہے اور مغربی نظریات کو قرآنی اصول وضوابط پر ترجیح دیتا ہے اور کہتا ہے کہ شریعت کے بعض قوانین اس زمانہ کے موافق تھے جب کہ تہذیب وتمدن اپنی انتہائی بلندی پر نہیں پہنچا تھا تو ایسے تمام لوگوں کو دل کے کان کھول کر یہ ارشاد ربانی سن لینا چاہئے کہ "ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بدوں اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل اس کے پاس ہو اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔" اسی مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا

ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہوجائے۔ مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جبھی حاصل ہوسکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہوسکتی ہیں کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایات نبوی کے تابع اور ماتحت ہوجائیں۔لیکن آج قرآن و حدیث سے بغاوت قولاً یا فعلاً کے باوجود اسلام اور ایمان کے دعوئے بلند کئے جاتے ہیں۔شارحین نے اس حدیث شریف کی تشریح میں لکھا ہے کہ ہوٰی یعنی خواہشات نفس اور ہُدٰی یعنی اللہ و رسول کی ہدایات یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر وشر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے۔اور جس سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے۔ ہر گمراہی اور بدعملی اتباع ہوٰی کا نتیجہ ہے جس طرح کہ ہر خیر اور ہر نیکی اتباع ہُدی سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہوسکتا ہے کہ ہوٰی کو یعنی اپنے نفس کی چاہتوں کو ہُدی کے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات وتعلیم کے تابع کردیا جائے اور جس نے ہُدی کو چھوڑ کر ہوٰی کی غلامی اختیار کی اور بجائے ربانی ہدایات کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہوگیا تو گویا خود ہی اس نے مقصد ایمان کو پامال کردیا۔اور اسی کے متعلق دوسری جگہ قرآنی فیصلہ ہے۔ **فاما من طغٰی و اٰثر الحیٰوۃ الدُّنیا فان الجحیم ھی الماوٰی واما من خاف مقام ربه ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنة ھی الماوٰی** یعنی جس کسی نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو ایسے کا ٹھکانہ بس دوزخ ہی ہوگا اور جو کوئی ڈرا ہوگا اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا تو ایسے کا ٹھکانہ جنت ہی ہوگا۔ اب آگے کی آیات میں قرآن پاک کی صداقت وحقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر منصف اہل کتاب کے ایمان لانے سے استدلال فرمایا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو ایمان واسلام کی حقیقت نصیب فرماویں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی ظاہر میں اور باطن میں ہم کو اتباع اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔اللہ تعالیٰ ہم کو نفس کی بے جا خواہشات سے رکنے کی توفیق وہمت عطا فرمائیں۔اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات کے موافق زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔یا اللہ! آج ہماری اکثریت باوجود دعوئے اسلام وایمان کے اتباع ہُوٰی میں گرفتار ہے۔ اور نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کو مقصد زندگی بنا رکھا ہے۔اور دنیوی زندگی کو ترجیح دے رکھی ہے۔اور ہدایات ربانی سے منہ موڑ رکھا ہے۔یا اللہ! اس ظلم وستم سے امت کے ایک ایک فرد کو بچالیجئے۔ہوٰی کی غلامی سے نکال کر ہم کو ہُدی کا اتباع نصیب فرمادیجئے۔شقاوت کی راہ سے یا اللہ بچا کر سعادت کی راہ پر آجانا نصیب فرمائیے۔یا اللہ! ہمارے دلوں میں اپنے سامنے کھڑا ہونے کا خوف وخشیت عطا فرمادے تاکہ ہم قرآنی فیصلہ **واما من خاف مقام ربه ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنة ھی الماوٰی** کے مصداق ہوجائیں۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ

اور ہم نے اس کلام (یعنی قرآن) کو ان لوگوں کیلئے وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے بھیجا تا کہ یہ لوگ نصیحت مانیں۔ جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے (آسمانی) کتابیں دی ہیں (ان میں جو منصف ہیں)

هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ

وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب قرآن اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے (نازل ہوا ہے اور) ہم تو اس (کے آنے)

مُسْلِمِينَ ﴿٥٣﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

سے پہلے بھی مانتے تھے۔ ان لوگوں کو اُن کی پختگی کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا اور وہ لوگ نیکی سے بدی کا دفعیہ کردیتے ہیں

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٥٤﴾ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ اور جب کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اُس کو ٹال جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا کیا ہمارے سامنے آوے گا اور تمہارا کیا

أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾

تمہارے سامنے آوے گا ہم تم کو سلام کرتے ہیں ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا اور البتہ ہم نے مسلسل بھیجا	لَهُمْ ان کیلئے	الْقَوْلَ (اپنا) کلام	لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	يَتَذَكَّرُونَ نصیحت پکڑیں	الَّذِينَ وہ لوگ جو
آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ جنہیں ہم نے کتاب دی	مِنْ قَبْلِهِ اس سے قبل	هُمْ بِهِ وہ اس (قرآن) پر	يُؤْمِنُونَ ایمان لاتے ہیں	وَإِذَا اور جب	
يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ پڑھا جاتا ہے ان پر (سامنے)	قَالُوا وہ کہتے ہیں	آمَنَّا بِهِ ہم ایمان لائے اس پر	إِنَّهُ بیشک یہ	الْحَقُّ حق	
مِنْ رَبِّنَا ہمارے رب (کی طرف) سے	إِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	مِنْ قَبْلِهِ اس کے پہلے ہی	مُسْلِمِينَ فرماں بردار	أُولَٰئِكَ یہی لوگ	
يُؤْتَوْنَ دیا جائے گا انہیں	أَجْرَهُمْ ان کا اجر	مَرَّتَيْنِ دُہرا	بِمَا صَبَرُوا اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا	وَيَدْرَءُونَ اور وہ دُور کرتے ہیں	
بِالْحَسَنَةِ بھلائی سے	السَّيِّئَةَ برائی کو	وَمِمَّا اور اس سے جو	رَزَقْنَاهُمْ ہم نے دیا انہیں	يُنْفِقُونَ وہ خرچ کرتے ہیں	وَإِذَا اور جب
سَمِعُوا وہ سنتے ہیں	اللَّغْوَ بیہودہ بات	أَعْرَضُوا وہ کنارہ کرتے ہیں	عَنْهُ اس سے	وَقَالُوا اور کہتے ہیں	لَنَا أَعْمَالُنَا ہمارے لئے ہمارے عمل
وَلَكُمْ اور تمہارے لئے	أَعْمَالُكُمْ تمہارے عمل	سَلَامٌ سلام	عَلَيْكُمْ تم پر	لَا نَبْتَغِي ہم نہیں چاہتے	الْجَاهِلِينَ جاہل

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ کا ایک الزام اور اعتراض نقل کیا گیا تھا کہ یہ قرآن مثل موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توراۃ کے یکبارگی پورے کا پورا کیوں نہیں نازل ہوا تو اس کا ایک الزامی جواب تو وہاں بیان ہوا تھا۔ اب ایک دوسرا تحقیقی جواب ان آیات میں دیا جاتا ہے کہ جس میں قرآن کے دفعتہً پورے کا پورا نازل نہ ہونے کی حکمت بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اس کلام یعنی قرآن کو وقتاً فوقتاً بتدریج ایک آیت کے پیچھے دوسری آیت کو نازل کیا تا کہ بار بار تازہ بتازہ سننے سے غور کرنے اور سمجھنے کا کافی موقع ملے اور یاد رکھنے میں بھی سہولت ہو تو ان ہی کی مصلحت سے تھوڑا تھوڑا نازل کیا جاتا ہے۔ پھر غضب ہے کہ یہ اپنی ہی مصلحت کی مخالفت کرتے

ہیں۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان جاہل معاندین ومشرکین کا حال تو یہ ہے کہ یہ نہ اگلی کتابوں کو مانیں نہ پچھلی کو اور ان کے بالمقابل انصاف پسند اہل کتاب کو دیکھو کہ وہ پہلے سے توراۃ وانجیل پر یقین رکھتے تھے اب جب قرآن آیا تو اس پر بھی ایمان لائے اور کہا کہ بلاشبہ یہ کتاب برحق ہے اور ہمارے رب کی اتاری ہوئی ہے۔ہم اس پر اپنے یقین واعتقاد کا اعلان کرتے ہیں اور ہم تو اس کے آنے سے پہلے بھی اس کو بربنائے بشارات اپنی کتب کے مانتے تھے اب بھی قبول کرتے ہیں۔کتب سابقہ پر ہمارا ایمان تھا جن میں پیغمبر آخر الزمان اور ان کی کتاب قرآن کریم کے متعلق صاف بشارات موجود تھیں لہٰذا ان پیشین گوئیوں پر بھی ہمارا پہلے سے ایمان تھا۔آج اس کی تفصیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ تمام اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ اس پر ایمان لاتے ہیں بلکہ یہ اشارہ دراصل اس واقعہ کی طرف ہے جو اس سورۃ کے نزول کے زمانہ میں پیش آیا تھا اور اس سے کفار مکہ کو شرم دلانی مقصود ہے کہ تم کو اپنے گھر کی نعمت کی قدر نہیں حالانکہ دور دور کے لوگ اس نبی اور اس قرآن کی خبر سن کر آرہے ہیں اور ان کی قدر پہچان کر ان پر ایمان لاکر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔اس واقعہ کو ابن ہشام وغیرہ نے اس طرح روایت کیا ہے کہ ہجرت حبشہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دعوت کی خبریں ملک حبشہ میں پھیلیں تو وہاں سے تقریباً ۲۰ عیسائیوں کا ایک وفد تحقیق حال کے لئے مکہ معظمہ آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد حرام میں ملا۔کعبہ کے آس پاس جو قریش کے مشرک موجود تھے وہ بھی آ کھڑے ہوئے۔وفد کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے جن کا آپ نے جواب دیا پھر انہوں نے ان تمام اوصاف کا بخوبی مطالعہ کیا جو کتب سابقہ میں آنے والے نبی کے متعلق انہوں نے پڑھے تھے۔آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی اور پھر کچھ قرآن کریم کو پڑھ کر سنایا۔قرآن سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور انہوں نے اس کے کلام الٰہی ہونے کی تصدیق کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔جب مجلس برخاست ہوئی تو ابوجہل اور اس کے چند ساتھیوں نے ان وفد کے لوگوں کو راستہ میں جا پکڑا اور انہیں سخت ملامت کی اور کہا کہ تم لوگ بڑے نامراد ہو۔تمہارے ہم مذہب لوگوں نے تم کو اس لئے بھیجا تھا کہ تم اس شخص کے حالات تحقیق کر کے آؤ اور انہیں ٹھیک ٹھیک خبر دو مگر تم تھوڑی ہی دیر اس کے پاس بیٹھے تھے کہ اپنا دین چھوڑ کر اس پر ایمان لے آئے۔تم سے زیادہ احمق وفد تو کبھی ہماری نظر سے نہیں گزرا۔اس پر انہوں نے جواب دیا۔"سلام ہے بھائیو تم کو۔ہم تمہارے ساتھ جہالت نہیں کر سکتے۔ہمیں ہمارے طریقہ پر چلنے دو اور تم اپنے طریقہ پر چلتے رہو۔ہم اپنے آپ کو جان بوجھ کر بھلائی سے محروم نہیں رکھ سکتے۔"تو ان منصف اور حق شناس اہل کتاب کے ایمان لانے کی حق تعالیٰ تعریف فرماتے ہیں اور ان کی فضیلت میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دوہرا اجر دیا جائے گا۔یعنی ایک اجر اس ایمان کا جو وہ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر رکھتے تھے اور دوسرا اجر اس ایمان کا جو وہ اب نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لائے یا ایک اجر سابق کتب پر ایمان رکھنے اور ان پر عمل کرنے کا اور دوسرا اجر قرآن کو ماننے اور اس کے احکام پر چلنے کا۔یہی بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمائی ہے جو بخاری ومسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین فریق ہیں جن کو دوگونہ اجر ملے گا۔ایک وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لایا تھا پھر مجھ پر ایمان لایا۔دوسرا وہ غلام جس نے اللہ کا حق بھی ادا کیا اور

اپنے آقاؤں کا بھی تیسرا وہ شخص جس کے پاس کوئی مسلمان باندی تھی پھر اس باندی کو ادب یعنی مسائل اسلام اچھی طرح سکھا کر آزاد کر کے اس کی رضامندی سے نکاح کر لیا۔ تو ان ایمان لانے والے اہل کتاب کی یہ جزا ہوگی کہ انہیں دوہرا ثواب ملے گا۔ اب آگے ان انصاف پسند۔ حق شناس اور صداقت شعار مسلمان ہو جانے والے اہل کتاب کے اعمال اور اخلاق کا بیان ہے اور ان کے تین خصوصی اوصاف اللہ تعالیٰ نے اس جگہ بیان فرمائے۔

اول یہ کہ وہ نیکی اور تحمل سے بدی اور ایذاء کا دفعیہ کر دیتے ہیں یعنی وہ بدی کا جواب بدی سے نہیں بلکہ نیکی سے دیتے ہیں۔ ظلم کو ظلم سے نہیں بلکہ انصاف سے دفع کرتے ہیں شرارتوں کا سامنا شرارت سے نہیں بلکہ شرافت سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ اخلاق حسنہ ہم کو بھی عطا فرمائیں۔

دوسرے یہ کہ وہ راہِ حق میں مالی ایثار بھی کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ وہ لوگ محض حق کی تلاش میں حبش سے سفر کر کے مکہ آئے تھے۔ اس سفر کی مشقت اور صرف مال سے کوئی مادی منفعت ان کے پیش نظر نہ تھی بلکہ جب انہوں نے سنا کہ مکہ میں ایک شخص نے اللہ کا پیغمبر اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو انہوں نے ضروری سمجھا کہ خود جا کر تحقیق کریں تاکہ اگر وہ واقعی خدا کی طرف سے مبعوث ہوئے ہیں تو پھر ان پر ایمان لانے اور ہدایت پانے سے محروم نہ رہ جائیں اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان اہل حبش نے مکہ میں آ کر مسلمانوں کو تنگدست اور خستہ حال دیکھا تو بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس بکثرت مال ہے اگر اجازت ہو تو ہم جا کر لے آئیں اور مسلمان بھائیوں کی کچھ ہمدردی کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور انہوں نے وعدہ کے مطابق تکمیل کی تو ممکن ہے کہ **مما رزقنھم ینفقون**۔ میں اشارہ اس طرف بھی ہو۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جب ان سے کوئی شخص بیہودہ طور پر الجھتا ہے تو یہ اس سے نہیں الجھتے اور جھگڑا ختم کرنے کے لئے یہ کہتے ہوئے الگ ہو جاتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ تمہاری باتوں کو دور سے سلام۔ ہم کو بے سمجھ لوگوں سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں اشارہ ہے اس بیہودہ بات کی طرف جو ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے اس وفد سے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس نیک صفت کو اپنانے کی توفیق ہم کو بھی عطا فرمائیں۔

ان آیات میں اہل کتاب کے ایمان اور انقیاد کا بیان تھا اور اس سے اوپر گذشتہ آیات میں مشرکین قریش کا کفر و عناد مذکور تھا۔ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار اور اہل کتاب غیر قرابت دار تھے۔ اور غیر قرابت داروں کے ایمان لانے کو دیکھ کر قرابت داروں کے ایمان نہ لانے پر طبعاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اور پھر ان قرابت داروں میں بھی بعض کے ایمان لانے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص اہتمام اور شوق غالب تھا۔ اس میں کامیابی نہ ہونے سے اور زیادہ رنج ہوتا تھا اس لئے آگے تسلی کا مضمون ارشاد ہے کہ کسی کو ایمان کی توفیق ہو جانا یہ خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے نہ کہ آپ کے تو پھر آپ کسی کے ایمان نہ لانے پر رنج کیوں کریں یہ مضمون اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی بدی کو نیکی سے اور برائی کو بھلائی سے دفع کرنے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کردیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اُسی کو ہے۔

إِنَّكَ بیشک تم	لَا تَهْدِي ہدایت نہیں دے سکتے	مَنْ أَحْبَبْتَ جس کو تم چاہو	وَلَٰكِنَّ اللَّهَ اور لیکن (بلکہ) اللہ	يَهْدِي ہدایت دیتا ہے
مَن يَشَاءُ جس کو وہ چاہتا ہے	وَهُوَ اور وہ	أَعْلَمُ خوب جانتا ہے	بِالْمُهْتَدِينَ ہدایت پانے والوں کو	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کریم کی صداقت وحقانیت کی ایک دلیل یہ دی گئی تھی کہ اہل کتاب میں سے جو منصف مزاج ہیں وہ کتب سابقہ کی بشارات کی بنا پر قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام سمجھ کر اس پر ایمان لے آتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول وپیغمبر تسلیم کرلیتے ہیں۔ اسی بنا پر ایسے اہل کتاب کو جو اسلام لے آئیں دوہرے اجر وثواب کی بشارت سنائی گئی تھی۔ گذشتہ آیات میں جن اہل کتاب کے ایمان لے آنے کی طرف اشارہ تھا وہ حبشہ کی ایک عیسائیوں کی جماعت تقریباً ۲۰ نفر کی تھی جو تحقیق حال کے لئے مکہ معظّمہ آئی تھی اور انہوں نے قرآن پاک کو سن کر اس کے کلام اللہ ہونے کی تصدیق کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے جس پر قریش کے بعض مشرکین ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے ان اہل وفد کی بے عزتی کی اور ان کو اسلام قبول کرلینے کے باعث برا بھلا بھی کہا۔ تو مشرکین قریش جو آپ کے قرابت دار بھی تھے ان کا تو یہ سلوک اور رویہ کہ اسلام دشمنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں پیش پیش تھے اور باہر کے ملک سے آنے والے قرآن کریم کی صداقت پر ایمان لاویں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرلیں تو اس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعاً رنج ہوتا تھا اور ان قریش میں سے بھی آپ بعض کے ایمان لے آنے کے بڑے خواہشمند تھے۔ اور بحکم قرآنی آپ نے تبلیغ اسلام کا آغاز بھی اپنے گھر والوں سے کیا اور پھر قریب ترین رشتہ داروں کو دعوت دی۔ پھر ان رشتہ داروں میں بھی آپ کے چچا ابو طالب جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی وتربیت اپنی اولاد کی طرح کی تھی اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی دعوت کے بعد بھی مددگار رہے۔ ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوی ترین خواہش یہی تھی اور قرابت کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ ابو طالب اسلام لے آئیں اور کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا انتقال آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہوگیا تھا اور جب آپ کی عمر چھ برس کی تھی تو والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ پھر دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش ونگرانی اپنے ذمہ لی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف آٹھ برس ۱۰ دن کی ہوئی تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے بھی وفات پائی تو ابو طالب جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا تھے وہ آپ کی نگرانی اور تربیت کے ذمہ دار بنے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی دعوت اور منادی شروع کی اور قریش واہل مکہ نے آپ کی مخالفت وعداوت کی تو ابو طالب برابر آپ کے مددگار رہے۔ سیرت ابن ہشام جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت پر ایک مستند اور اولین تصنیف ہے اور عربی کتابوں میں اس کا درجہ اب تک خاصا بلند مانا جاتا ہے اس میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابو طالب دونوں کا ایک ہی سال میں انتقال ہوگیا (گویا نبوت کے دسویں سال میں آپ کے چچا ابو طالب کی وفات ہوئی اور اس کے تین دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوگئی۔ اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو غم کا سال فرمایا ہے) تو حضرت خدیجہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے سبب جو آپ کے لئے تبلیغ دین میں سچی مددگار تھیں اور آپ کے چچا ابو طالب کے انتقال کے باعث جو آپ کے کاموں میں قوت بازو اور قوم کے مقابلہ میں محافظ و مددگار تھے پے در پے مصیبتیں آنے لگیں۔ جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو قریش کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کے لئے ایسے مواقع میسر آ گئے کہ ابو طالب کی زندگی میں ان کی امید بھی نہ ہو سکتی تھی۔ ایک دفعہ ایک شریر نے آپ کے سر پر کیچڑ ڈال دی تو آپ اسی حالت میں گھر میں تشریف لائے تو صاحبزادیوں میں سے ایک صاحبزادی اٹھیں اور آپکے سر مبارک کی کیچڑ پانی سے دھونے لگیں اور وہ روتی جاتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے جاتے تھے لا تبکی یابنیۃ فان اللہ مانع اباک۔ اے میری پیاری بیٹی روؤ مت۔ اللہ تیرے باپ کا محافظ ہے اسی اثنا میں آپ یہ بھی فرماتے جاتے کہ ابو طالب کے مرنے تک قریش مجھ سے ایسا کوئی برتاؤ نہ کر سکے۔ آ گے لکھا ہے کہ ابو طالب جب بیمار ہوئے اور ان کی بیماری کی خبر قریش کو ہوئی تو ان میں سے بعض نے کہا کہ حمزہ اور عمر دونوں نے اسلام اختیار کر لیا ہے اور قریش کے تمام قبیلوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تبلیغ پھیل چکی ہے ہمیں چاہئے کہ ابو طالب کے پاس جائیں کہ وہ اپنے بھتیجے سے ہمارے متعلق کوئی عہد لیں اور ہم سے کوئی عہد لے کر انہیں دیں کیونکہ ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ یہ لوگ ہماری امارت چھین لیں گے۔ چنانچہ ابو جہل۔ امیہ بن خلف۔ عتبہ۔ ابوسفیان۔ اور ان کے علاوہ قوم کے اور سربرآوردہ افراد بھی تھے۔ ان لوگوں نے کہا اے ابو طالب آپ سے جیسے ہمارے تعلقات ہیں آپ خوب جانتے ہیں اب آپ کے پاس وہ چیز آ چکی ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں اور ہمیں آپ کے متعلق مر جانے کا خوف ہے۔ آپ کے بھتیجے اور ہمارے درمیان جیسے تعلق ہیں ان سے بھی آپ واقف ہیں اس لئے انہیں بلائیے اور ان کے لئے ہم سے عہد لیجئے اور ہمارے لئے ان سے عہد لیجئے کہ وہ ہم سے دست کش رہیں اور ہم ان سے دست کش رہیں۔ ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا آپ آئے تو آپ سے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے! یہ لوگ تمہاری قوم کے سربرآوردہ ہیں اور تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں کہ کچھ عہد تم سے لیں اور کچھ تمہیں دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا ایک بات کا تم مجھے قول دو جس کے عوض تم عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور اس کے سبب سے عجم بھی تمہاری اطاعت کرنے لگیں گے۔ ابو جہل بولا۔ بہت اچھا۔ تمہارے باپ کی قسم ایک نہیں دس باتوں کا قول لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اقرار کرو لا الہ الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں کہو گے اور اس کے سوا جس کی بھی تم پرستش کرتے ہو اسے چھوڑ دو گے اس پر وہ تالیاں بجانے لگے اور اس کے بعد کہا واللہ ان باتوں میں سے جو تم چاہتے ہو کسی بات پر بھی یہ شخص تمہیں قول دینے والا نہیں۔ پس چلو اور اپنے بڑوں کے دین پر چلتے رہو۔ پھر وہ لوگ ادھر ادھر چلے گئے۔ اور ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ بھتیجے واللہ تم نے ان سے کوئی بعید بات کا سوال نہیں کیا۔ جب ابو طالب نے یہ بات کہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ان کے متعلق امید پیدا ہوگئی اور آپ نے ان سے فرمایا اے چچا جان تو آپ وہی بات کہہ دیجئے تاکہ اس کے سبب سے قیامت کے روز میری سفارش آپ کے لئے جائز ہو جائے۔ جب ابو طالب نے اپنے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش دیکھی تو کہا بھتیجے! اگر میرے بعد تم پر اور تمہارے بھائیوں پر طعنہ زنی کا اور قریش کی اس بدگمانی کا خوف نہ ہوتا کہ میں نے یہ الفاظ موت کی سختی پر صبر نہ کر کے کہہ دیئے تو ضرور کہتا اور یہ الفاظ بھی تم سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ان سے تمہیں خوش کر دوں۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ جب ابو طالب کے انتقال کا وقت قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے وہاں ابو جہل اور عبداللہ بن اُبی بن مغیرہ کو بیٹھا پایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا چچا کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ دو تا کہ میں اس کی حجت خدا کے سامنے پیش کر سکوں۔ ابوجہل نے کہنا شروع کیا۔ ابو طالب کیا تم عبدالمطلب کے مذہب سے پھر جاؤ گے۔ حضور برابر کلمہ پڑھنے کی تلقین فرما رہے تھے اور وہ دونوں بھی یعنی ابوجہل اور ابن مغیرہ اپنا قول دہرا رہے تھے یہاں تک کہ ابو طالب نے کہا کہ میں عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ ابو طالب نے کہا کہ اگر مجھے خوف نہ ہوتا کہ قریش مجھے عار دیں گے اور کہیں گے کہ موت کے ڈر سے ابو طالب نے کلمہ پڑھ لیا تو میں صرف تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے یہ کلمہ کہہ دیتا۔ اس کے بعد ابو طالب کا انتقال ہوگیا۔ حضور والا غمگین ہو کر یہ فرماتے ہوئے نکل آئے کہ میں اللہ سے تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا جب تک مجھے ممانعت نہ ہو جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور پھر بعد میں سورۂ توبہ کی آیت **ماكان للنبي والذين امنوا ان يستغفروا للمشركين ولوكانوا اولي قربىٰ من بعد ماتبين لهم انهم اصحب الجحيم** نازل ہوئی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ مشرکین رشتہ دار ہی ہوں جب ان پر یہ ظاہر ہو چکے کہ وہ اہل دوزخ ہیں۔

تو ابو طالب کے احسانات اور شفقت کی بنا پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں شدید ترین تمنا ان کے مسلمان ہو جانے کی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہا جاتا ہے کہ آپ کو جس سے طبعی محبت ہو یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہو جائے تو لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے۔ آپ کا کام صرف راستہ بتانا ہے۔ آگے یہ کہ کون راستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے کون نہیں پہنچتا یہ آپ کے قبضہ اختیار سے خارج ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی کو اختیار ہے جسے چاہے ایمان اور قبول حق کی توفیق بخشے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ کسی کو کسی کے راہ پر لانے کا اختیار تو کیا ہوتا یہ علم بھی نہیں کہ کون راہ پر آنے والا ہے یا آنے کی استعداد و لیاقت رکھتا ہے۔ بہر حال اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرما دی کہ آپ جاہلوں کی لغوگوئی اور معاندانہ شور و شغب یا اپنے خاص اعزہ و اقارب کے اسلام نہ لانے سے رنجیدہ خاطر اور غمگین نہ ہوں۔ جس قدر آپ کا فرض ہے وہ ادا کئے جائیں آگے اللہ ہی کے علم و اختیار میں ہے کہ ان میں سے کسے راہ ہدایت پر لایا جائے

اس آیت کے تحت حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ صریح ہے اس میں کہ ہدایت کسی کی قدرت میں نہیں۔ بجز اللہ تعالیٰ کے تو جیسا کہ بعض جہلا کا گمان ہے کہ شیخ یا پیر جس کو چاہے اپنے تصرف سے واصل الی اللہ کر دے یہ غلط ہے۔ کسی کو ہدایت یا ایمان کی توفیق ہو جانا یہ خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

الغرض اوپر دور سے کفار کے ایمان نہ لانے کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے اور ان کے مختلف شبہات اور اعتراضات نقل کر کے ان کے جوابات دیئے گئے۔ اب آگے کفار مکہ کا ایک دوسرا بہانہ ایمان نہ لانے کا بیان کیا جاتا ہے اور اس کا جواب بھی دیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ہمارے لئے ہدایت کے فیصلہ فرما دیں۔ اور ہم کو ایسی ہدایت نصیب فرما دیں کہ جس کے بعد کبھی گمراہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو صراط مستقیم پر جمائے رکھیں۔ اور ہر طرح کی کجروی سے محفوظ فرمائیں۔

اے اللہ اسلام اور ایمان کی زندگی نصیب فرما اور اسلام اور ایمان کے ساتھ موت نصیب فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت پر چلنے لگے تو فی الفور اپنے مقام سے مار کر نکال دیئے جائیں، کیا ہم نے اُن کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی

يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَكَمْ

جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں ولیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔اور ہم بہت سی

اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا

ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھے، سو (دیکھ لو) یہ اُن کے گھر ہیں کہ اُن کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر

قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٥٨﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا

تھوڑی دیر کیلئے، اور آخر کار (اُن کے ان سب سامانوں کے) ہم ہی مالک رہے۔اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ ان کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے

رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَمَآ

کہ وہ ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ہم ان بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے بہت ہی شرارت کرنے لگیں۔

اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ

اور جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کیلئے ہے اور یہیں کی زینت ہے، اور جو (اجر و ثواب) اللہ کے ہاں ہے وہ بدر جہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع

کیا تم لوگ نہیں سمجھتے۔

وَقَالُوْٓا اور وہ کہتے ہیں	اِنْ نَّتَّبِعِ اگر ہم پیروی کریں	الْهُدٰى ہدایت	مَعَكَ تمہارے ساتھ	نُتَخَطَّفْ ہم اُچک لئے جائینگے		
مِنْ اَرْضِنَا اپنی سرزمین سے	اَوَ کیا	لَمْ نُمَكِّنْ نہیں دیا ٹھکانہ ہم نے	لَّهُمْ انہیں	حَرَمًا اٰمِنًا حُرمت والا مقامِ امن	يُّجْبٰٓى کھنچے چلے آتے ہیں	
اِلَيْهِ اسکی طرف	ثَمَرٰتُ پھل	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے (قسم)	رِّزْقًا بطور رزق	مِّنْ لَّدُنَّا ہماری طرف سے	وَّلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَهُمْ ان میں اکثر
لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے	وَكَمْ اور کتنی	اَهْلَكْنَا ہلاک کردیں ہم نے	مِنْ قَرْيَةٍ بستیاں	بَطِرَتْ اِتراتی	مَعِيْشَتَهَا اپنی معیشت	
فَتِلْكَ سو۔یہ	مَسٰكِنُهُمْ ان کے مسکن	لَمْ تُسْكَنْ نہ آباد ہوئے	مِّنْ بَعْدِهِمْ ان کے بعد	اِلَّا مگر	قَلِيْلًا قلیل	
وَكُنَّا اور ہوئے ہم	نَحْنُ ہم	الْوٰرِثِيْنَ وارث	وَمَا كَانَ اور نہیں ہے	رَبُّكَ تمہارا رب	مُهْلِكَ ہلاک کرنے والا	الْقُرٰى بستیاں
حَتّٰى جب تک	يَبْعَثَ بھیج دے	فِيْٓ اُمِّهَا اسکی بڑی بستی میں	رَسُوْلًا کوئی رسول	يَّتْلُوْا وہ پڑھے	عَلَيْهِمْ ان پر	اٰيٰتِنَا ہماری آیات
وَ اور	مَا كُنَّا ہم نہیں	مُهْلِكِي ہلاک کرنیوالے	الْقُرٰٓى بستیاں	اِلَّا مگر (جب تک)	وَاَهْلُهَا اس کے رہنے والے	ظٰلِمُوْنَ ظالم

وَ اور	مَآ اُوْتِيْتُمْ جو دی گئی تمہیں	مِّنْ شَيْءٍ کوئی چیز	فَمَتَاعُ سو سامان	الْحَيٰوةِ زندگی	الدُّنْيَا دنیا	وَزِيْنَتُهَا اور اسکی زینت
وَمَا اور جو	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	خَيْرٌ بہتر	وَّ اَبْقٰى اور باقی رہنے والا۔تادیر	اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ سو کیا تم سمجھتے نہیں؟		

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں دور سے کفار کے ایمان نہ لانے کا ذکر ہوتا چلا آ رہا ہے۔ انسان کو ہدایت سے روکنے والی کئی چیزیں ہیں ایک ان میں سے نقصان کا اندیشہ اور جان و مال کا خوف بھی ہے۔ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں بھی بعض مشرکین کو اگر چہ اسلامی اصول کی حقانیت کسی قدر معلوم ہوگئی تھی لیکن یہ خیال پیش نظر رہتا کہ مسلمان مٹھی بھر ہیں ان کے پاس مال و جاہ نہیں۔ شوکت وسطوت نہیں۔ عزت وحکومت نہیں۔ اگر ہم بھی مسلمان ہو گئے تو عرب کے لوگ ہمارے دشمن بن جائیں گے۔ چاروں طرف سے ہم پر چڑھ آئیں گے۔ مال اسباب لوٹ لیں گے۔ ہمارا گھر برباد اور کاروبار تباہ ہو جائے گا۔ روزی کے ذرائع مفقود ہو جائیں گے۔ چنانچہ بعض مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس اندیشہ کو ظاہر کیا اور کہا کہ بیشک ہم سمجھتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں لیکن اگر ہم دین اسلام قبول کر کے آپ کے ساتھ ہو جائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا۔ اردگرد کے تمام قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور سب مل کر ہمارا لقمہ کر لیں گے۔ نہ جان سلامت رہے گی نہ مال۔ تو ان کے اس اندیشہ کا ایک جواب حق تعالیٰ کی طرف سے ان آیات میں یہ دیا جاتا ہے کہ دوسروں سے خطرہ محسوس کر کے اور ظاہری طاقتوں سے مرعوب ہو کر اسلام سے منکر اور روگرداں ہونا سخت غلطی ہے۔ کوئی دنیوی طاقت اللہ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ جس کا ایک کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ حرم کو اللہ نے امن کا مقام بنایا ہے اگر چہ تمام جزیرۂ نما عرب میں لوٹ مار۔ جدال وقتال کا بازار گرم رہتا ہے لیکن حرم کے اندر کسی کی مجال نہیں کہ لشکر کشی یا قتل وغارت کر سکے باوجودیکہ کوئی دنیوی طاقت روکنے والی موجود بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی حرم کے اندر والے ہر خطرہ سے محفوظ ہیں یہاں تک کہ جو جانور حرم کے اندر رہتے ہیں یا بھاگ کر اندر چلے آتے ہیں ان کو بھی کوئی شکار نہیں کرتا۔ ان کے لئے بھی حرم امن کا مقام ہے۔ حرم کے اندر مقتول کے ورثہ قاتل سے ملتے ہیں اور ان کو انتقام لینے کا خیال بھی نہیں پیدا ہوتا۔ تو یہ حرم کا ادب ہی مانع ہے کہ باوجود آپس کی سخت عداوتوں کے باہر والے چڑھائی کر کے تم کو مکہ سے نہیں نکال دیتے۔ پھر قدرت کی کارسازی یہ بھی عجیب ہے کہ سرزمین مکہ ہر قسم کی پیداوار سے خالی ہے۔ کہیں کہیں کھجوروں کے علاوہ غلہ اور میوہ یہاں پیدا نہیں ہوتا تو بظاہر ایسے مقام پر لوگوں کو بھوکا مر جانا چاہئے تھا لیکن خدائے تعالیٰ نے ان کے رزق کا مکمل انتظام فرما دیا۔ ہر اطراف سے ہر قسم کا غلہ اور پھل یہاں آتا ہے۔ یہ قدرت کی کارسازی ہے۔ مگر ناواقف نہیں سمجھتے وہ تو صرف ظاہری اسباب پر نظر رکھتے ہیں۔ حقیقت کا ان کو کیا علم۔ تو جس خدا نے ایسی کارسازی کی کیا وہ یہ نہیں کر سکتا کہ اگر یہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو کافروں کے دست برد سے ان کے جان و مال اور اہل و عیال کو محفوظ رکھے۔ پھر ان کے کفر وشرک کے باوجود تو انہیں امن اور پناہ دے رکھی ہے۔ ایمان اور تقویٰ اختیار کرنے پر کیا وہ پناہ نہ دے گا؟ ہاں ان کے ایمان کو پرکھنے کے لئے اگر چند روزہ امتحان کے طور پر کوئی بات پیش آئے تو گھبرانا نہیں چاہئے اور بالفرض اسلام اور ایمان کی بدولت گھر بار چھوڑنا بھی پڑے تو ان کے مقدر کا رزق ہر جگہ ان کو پہنچے گا۔ یہ وطن کو کیوں اپنا رزق سمجھے ہوئے ہیں۔ یہاں تو کوئی چیز پیدا بھی نہیں ہوتی۔ مشرکین مکہ کے اسلام نہ لانے کے عذر کا ایک جواب تو یہ دیا گیا۔

آگے دوسرا جواب دیا جاتا ہے کہ عرب کی دشمنی سے کیا ڈرتے ہو۔ اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ دیکھتے نہیں کتنی قومیں گزر چکی ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر غرہ ہو گیا تھا۔ جب انہوں نے تکبر اور سرکشی اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تباہ و برباد کر ڈالا کہ آج صفحۂ ہستی پر ان کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ ان کی بستیوں کے کھنڈر پڑے ہوئے ہیں جن میں کوئی بسنے والا نہیں بجز اس کے کہ کوئی مسافر تھوڑی دیر

سستانے یا قدرت الٰہی کا عبرتناک تماشہ دیکھنے کے لئے وہاں جا اترے تو مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین مکہ جس مال و دولت اور خوشحالی پر اترائے ہوئے ہیں اور جس کے کھوئے جانے کے خطرہ سے باطل پر جمے رہنا اور حق سے منہ موڑنا چاہتے ہیں تو یہی چیز کبھی عاد و ثمود اور مدین اور قوم لوط کے لوگوں کو بھی حاصل تھی مگر باوجود مرفہ حالی اور خوش عیشی کے وہ کس طرح برباد کر دی گئیں اور ان کی اس بربادی کا اصل سبب ان کا غرور و تکبر تھا کہ جس میں پڑ کر انہوں نے اللہ کے پیغمبروں کی ہدایت سے منہ موڑا اور احکام الٰہیہ کو ٹھکرا دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو برباد کر دیا تو معلوم ہوا کہ تباہی لانے والی چیز وہی ہے جس کو یہ لوگ سبب آبادی سمجھتے ہیں یعنی مال و جاہ قوت وطاقت پر غرور کرنا اور اللہ کے حکم کو نہ ماننا۔ 40

آگے ان کے عذر کا تیسرا جواب دیا جاتا ہے کہ پہلی جو قومیں تباہ ہوئیں ان کے باشندے ظالم ہو چکے تھے مگر خدا نے ان کو تباہ کرنے سے پہلے اپنے رسول بھیج کر متنبہ کیا اور جب خدا کے پیغمبروں کی تنبیہ پر بھی وہ اپنی کج روی سے باز نہ آئے تب پھر انہیں ہلاک کیا گیا۔ اب یہی معاملہ اے مشرکین مکہ تمہیں درپیش ہے کہ تم بھی ظالم ہو چکے ہو اور ایک رسول تمہیں بھی متنبہ کرنے کے لئے آ گئے ہیں اب تم کفر و انکار کی روش اختیار کر کے اپنے عیش اور اپنی خوشحالی کو بچاؤ گے نہیں بلکہ الٹا خطرہ میں ڈالو گے جس تباہی کا تمہیں اندیشہ ہے وہ ایمان لانے سے نہیں بلکہ انکار کرنے سے تم پر آئے گی۔

آگے ان کے عذر کا چوتھا جواب دیا جاتا ہے کہ آدمی کو عقل سے کام لے کر اتنا تو سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں کتنے دن جینا ہے اور یہاں کی بہار اور چہل پہل اور عیش و عشرت کا مزہ کب تک اٹھا سکتے ہو۔ فرض کرو دنیا میں عذاب بھی نہ آئے تاہم موت کا ہاتھ تم سے یہ سب سامان جدا کر کے رہے گا۔ پھر خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے اگر وہاں کا عیش و آرام میسر ہو گیا تو یہاں کا عیش اس کے سامنے محض لاشے اور ہیچ ہے۔ دنیا کی ہر چیز ناپائیدار اور فنا پذیر ہے اور آخرت کی ہر نعمت ابدی۔ دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ لہٰذا دنیوی عیش پر ریجھنا یہ عقلمندی کا کام نہیں۔ لازوال نعمت پر ناپائیدار عیش کو ترجیح دینا یہ حماقت ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ اگر ہم اسلام لے آئیں گے تو چاروں طرف سے کفار چڑھائی کر دیں گے اور ہمارا گھر لٹ جائے گا اور روزی کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ بیوقوفی ہے آج بھی مادیت پر نظر رکھنے والے یہی شبہ ظاہر کر رہے ہیں کہ اگر پاکستان میں اسلامی نظام شریعت جاری ہو گیا تو امریکہ ہم سے ناراض ہو جائے گا۔ روس ہم سے بگڑ جائے گا چین ہم سے خفا ہو جائے گا۔ ہندوستان تو ہمارا پہلے ہی سے دشمن ہے۔ تو ہم زندہ کیسے رہیں گے۔ **استغفر اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ**۔ بات یہ ہے کہ ایسے مادہ پرستوں کا قرآن اور اللہ کی قدرت پر صحیح ایمان ہی نہیں اس وجہ سے یہ خدشات مشرکین عرب کی طرح ان کے دلوں میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔ غرضیکہ یہاں بتلایا گیا کہ یہاں کا عیش تو ناقابل توجہ ہے۔ راحت تو وہی ہے جو ناقابل زوال اور ابدی ہو اور وہ خدا کے پاس ہے جو آخرت میں نصیب ہوگی اور اس کے حصول کا ذریعہ صرف اسلام ہے۔ تو اگر ناپائیدار مال و دولت اور عیش کو کھو کر بھی لازوال سعادت و دولت مل جائے اور ایک روپیہ دینے سے لاکھوں کروڑوں بلکہ ان گنت دولت نصیب ہو جائے تو کیا نقصان ہے تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے کہ فانی کے بجائے باقی کو اختیار کرو۔

ان آیات سے نتیجہ کے طور پر مفسرین نے یہ اخذ کیا ہے کہ کسی دنیوی لالچ یا خوف کی وجہ سے شریعت کے حکم سے سرتابی نہ کرنی چاہئے۔ کارساز حقیقی اللہ تعالیٰ کو سمجھنا لازم ہے۔ نفع اور ضرر کا مالک اور قادر مطلق اسی کو یقین کرنا چاہئے۔ ملازمت یا تجارت یا دوسرے مشاغل حیات کی خرابی کا اندیشہ و خیال قبول حق سے ہرگز مانع نہ ہونا چاہئے۔ تو یہاں تک کفار کے مختلف اشکالات و اعتراضات نقل فرما کر ان کے جوابات دیئے گئے تھے اور ان کے اعتراضات کا رد فرمایا گیا تھا اب آگے کفر و ایمان اور ہدایت و ضلالت کے جو نتائج قیامت میں ظاہر ہوں گے ان کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا جاتا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَفَمَن وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَن مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ

بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ شخص اس (وعدہ کی چیز کو) پانیوالا ہے کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چندروزہ فائدہ دے رکھا ہے پھر وہ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ

قیامت کے روز اُن لوگوں میں سے ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جاویں گے۔ اور جس دن خدا تعالیٰ ان کافروں کو (توبیخاً) پکار کر کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم (ہمارا شریک) سمجھ رہے تھے۔

تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا ۚ أَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا

جن پر خدا کا فرمودہ ثابت ہو چکا ہوگا وہ بول اُٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار بیشک یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ہم نے ان کو ویسا ہی (بلا جبر واکراہ) بہکایا جیسا

غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّأْنَآ إِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوٓا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ

ہم خود بہکے تھے اور ہم آپ کی پیشی میں ان سے دستبرداری کرتے ہیں یہ لوگ ہم کو نہ پوجتے تھے۔ اور کہا جاوے گا کہ (اب) اپنے ان شرکاء کو بلاؤ چنانچہ وہ اُن کو پکاریں گے

فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾

سو وہ جواب ہی نہ دیں گے اور (اس وقت) یہ لوگ (اپنی آنکھوں) سے عذاب دیکھ لیں گے اے کاش یہ لوگ (دنیا میں) راہ راست پر ہوتے (تو یہ مصیبت نہ دیکھتے)

أَفَمَنْ سو کیا جو	وَعَدْنٰهُ ہم نے وعدہ کیا اس سے	وَعْدًا حَسَنًا وعدہ اچھا	فَهُوَ پھر وہ	لَاقِيهِ پانے والا اس کو	كَمَنْ اسکی طرح جسے	
مَتَّعْنٰهُ ہم نے بہرہ مند کیا اسے	مَتَاعَ سامان	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	ثُمَّ پھر	هُوَ وہ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	مِنَ سے
الْمُحْضَرِينَ حاضر کئے جانیوالے	وَيَوْمَ اور جس دن	يُنَادِيهِمْ وہ پکارے گا انہیں	فَيَقُولُ پس کہے گا وہ	أَيْنَ کہاں	شُرَكَآءِيَ میرے شریک	
الَّذِينَ وہ جنہیں	كُنتُمْ تَزْعُمُونَ تم گمان کرتے تھے	قَالَ کہیں گے	الَّذِينَ وہ جو	حَقَّ ثابت ہوگیا	عَلَيْهِمُ اُن پر	الْقَوْلُ حکم عذاب
رَبَّنَا اے ہمارے رب	هٰٓؤُلَآءِ یہ ہیں	الَّذِينَ وہ جنہیں	أَغْوَيْنَا ہم نے بہکایا	أَغْوَيْنٰهُمْ ہم نے بہکایا انہیں	كَمَا جیسے	غَوَيْنَا ہم بہکے
تَبَرَّأْنَا ہم بیزاری کرتے ہیں	إِلَيْكَ تیری طرف	مَا كَانُوا وہ نہ تھے	إِيَّانَا صرف ہماری	يَعْبُدُونَ بندگی کرتے	وَقِيلَ اور کہا جائے گا	
ادْعُوا تم پکارو	شُرَكَآءَكُمْ اپنے شریکوں کو	فَدَعَوْهُمْ سو وہ انہیں پکاریں گے	فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا تو وہ جواب نہ دیں گے	لَهُمْ انہیں		
وَرَأَوُا اور وہ دیکھیں گے	الْعَذَابَ عذاب	لَوْ أَنَّهُمْ کاش وہ	كَانُوا يَهْتَدُونَ وہ ہدایت یافتہ ہوتے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ مکہ کے بعض کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام قبول نہ کرنے کا یہ عذر اور بہانہ پیش کیا تھا کہ اگر ہم مسلمان ہو جائیں گے تو عرب ہمیں مکہ سے نکل باہر کریں گے حالانکہ اب تک باوجود دشمنی کے وہ ایسا نہیں کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کی سرزمین کو احترام والی اور قتل وغارتگری سے پاک بنایا ہے اور یہاں گھر بیٹھے سب جگہ کی پیداوار کھنچی چلی آرہی ہے مگر انہیں اللہ کا خوف نہیں جو پہلے بہت سی قوموں کو نافرمانی کی سزا میں تباہ وبرباد کر چکا ہے۔ پھر بتلایا گیا تھا کہ انہیں اتنا تو سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں موت ایک نہ ایک دن آنی ضرور ہے جو دنیا کے سارے عیش وعشرت کو ختم کر دینے والی ہے تو اس ناپائیدار اور فانی سامان عیش وعشرت پر یہ لٹو کیوں ہو رہے ہیں۔ یہ تو وقتی طور پر فائدہ اٹھانے کے لئے دیا گیا ہے لیکن اللہ کے پاس اس سے بہتر عیش وراحت کا سامان ہے جو دائمی اور ابدی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا

ہے۔اس طرح آخرت کے مقابلہ میں دنیا تو کچھ بھی نہیں لیکن افسوس کہ لوگ دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اوپر کفر وضلالت پر توبیخ اور تنبیہ اور ہدایت وایمان کی ترغیب دی گئی تھی اب آگے کفر وایمان اور ہدایت وضلالت کے جو ثمرات قیامت کے روز ظاہر ہوں گے ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مومن اور کافر دونوں انجام کے اعتبار سے کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ایک شخص جس نے اللہ کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے بہت اچھا انعام دینے کا وعدہ کیا جو اسے قیامت کے دن یقیناً مل کر رہے گا کیا اس کے برابر وہ ہو سکتا ہے جس نے کچھ دن اللہ کے دیئے ہوئے مال متاع سے دنیا میں گلچھرے اڑائے اور پھر کفر پر مر گیا اور قیامت کے دن گرفتار ہو کر مجرم کی حیثیت سے پیش ہوگا۔اس کی مثال ایسی سمجھئے کہ ایک شخص خواب میں دیکھے کہ میرے سر پر تاج شاہی رکھا ہے اور نوکر چاکر خدم وحشم سب میری خدمت کے لئے کھڑے ہیں اور محل میں شاہی دسترخوان بچھا ہوا ہے اور طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے ہیں جن سے میں لذت اندوز ہو رہا ہوں مگر آنکھ کھلی تو دیکھا کہ پولیس انسپکٹر گرفتاری کا وارنٹ اور ہتھکڑی بیڑی لئے کھڑا ہے بس وہ پکڑ کر لے گیا اور فوراً ہی پیشی ہو کر حبس دوام کی سزا مل گئی تو بتلایئے اسے وہ خواب کی بادشاہت اور پلاؤ قورمے کی لذت کیا یاد آئے گی۔

آگے قیامت میں کفار ومشرکین اور ان کے معبودان باطل کا حال بتلایا جاتا ہے کہ قیامت میں مشرکوں سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے وہ فرضی معبود جن کو تم لوگ اپنے زعم سے خدا کی صفات میں شریک سمجھتے تھے۔نفع نقصان۔کارسازی اور کار برآری کا مالک جانتے تھے اور قیامت کے دن جن کی حمایت کرنے کا تم کو بھروسہ تھا آج وہ کہاں ہیں؟اپنی حمایت کے لئے ان کو بلاؤ تو سہی۔یہ سوال تو ہوگا عام مشرکین سے مگر وہ شیاطین جن وانس اور مشرکین کے وہ لیڈر اور پیشوا جن کو دنیا میں خدا کا شریک اور خدائی حصہ دار بنایا گیا تھا اور جن کے حکم اور بات کے مقابلہ میں خدا اور اس کے رسولوں کی بات کو رد کیا گیا تھا اور جن کے کہنے پر صراط مستقیم اور راہ ہدایت کو چھوڑ کر زندگی کے غلط راستہ اختیار کئے گئے تھے اور جن کی اطاعت اس طرح کی گئی تھی جیسے خدا کی ہونی چاہئے اور اس طرح انہیں خدائی میں شریک کیا گیا تھا۔وہ سمجھ جائیں گے کہ اب ہماری بھی شامت آ گئی یہ ہمارے پیرو ضرور کہیں گے کہ یہ لوگ ہماری گمراہی کے اصل ذمہ دار ہیں اس لئے مشرکین کے بولنے سے پہلے وہ خود سبقت کر کے اپنی صفائی پیش کرنی شروع کر دیں گے۔اور کہیں گے کہ خداوند!بیشک ہم نے ان کو گمراہ کیا تھا جیسے کہ ہم خود گمراہ تھے مگر ہم پر ان کے گمراہ کرنے کا الزام حقیقتاً عائد نہیں ہوتا کیونکہ ان پر ہمارا کوئی جبر واکراہ نہ تھا کہ زبردستی اپنی بات منوا لیتے ہم نے ان کی دیکھنے۔سننے اور سوچنے سمجھنے کی قوتوں کو چھین نہیں لیا تھا کہ یہ تو راہ راست کی طرف جانا چاہتے ہوں مگر ہم ان کا ہاتھ پکڑ کر جبراً ان کو غلط راستہ پر لے گئے ہوں۔بلکہ جس طرح ہم خود اپنی مرضی سے گمراہ ہوئے تھے اسی طرح ان کے سامنے بھی ہم نے گمراہی پیش کی اور انہوں نے اپنی مرضی سے اسے قبول کیا ورنہ ان کو اپنے خیال میں آزادی تھی۔یہ کیوں بغیر کسی دلیل وثبوت کے ہمارے اشارہ پر چلے یہ اپنے فعل کے ذمہ دار ہیں ہم ان سے بیزار ہیں ان کا ہم سے اب کوئی تعلق نہیں۔یہ ہمارے پرستار نہ تھے بلکہ اپنے ہی نفس کے بندے بنے ہوئے تھے۔اگر ان کی نفسانی خواہشیں انہیں نہ ابھارتیں تو یہ ضرور ہمیں دھتا بتاتے اور سیدھا راستہ اختیار کرتے۔تو در اصل یہ ان کی خود کی ہوا اور نفس پرستی تھی کہ جو یہ ہمارے بہکائے میں آ گئے اور اس طرح یہ ہماری پرستش نہ کرتے تھے بلکہ اپنے نفس وخواہشات اور تخیل کے پرستار تھے۔ہم ان کی عبادت اور بندگی سے آج آپ کے سامنے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔پس آپ ہمیں دعوے معبودیت کے جرم میں نہ پکڑیئے۔جب یہ بیان مشرکین کے پیشواؤں کا ہوگا اور اس طرح وہ مشرکین سے بیزاری اور بے رخی ظاہر کریں گے تو مشرکین سے کہا جائے گا کہ لو اب اپنی مدد اور بچانے کے لئے اپنے ان معبودوں کو پکارو اور ان سے کہو کہ آئیں اور تمہاری مدد کریں اور عذاب سے بچائیں۔چنانچہ وہ مشرکین حیرت سے بالاضطرار ان کو پکاریں گے مگر وہ جواب بھی نہ دیں گے اس لئے کہ وہ خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے اس وقت عذاب الٰہی کو یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے پھر کہیں گے کہ اے کاش ہم دنیا میں راہ راست پر ہوتے تو آج یہ مصیبت نہ دیکھتے۔

ابھی اسی سلسلہ میں آگے بھی قیامت کے احوال کو بیان فرمایا گیا ہے۔جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ

اور جس دن ان کافروں سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا۔ سو اُس روز اُن سے سارے مضامین گم ہوجاویں گے

فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ

تو وہ آپس میں پوچھ پاچھ بھی نہ کرسکیں گے۔ البتہ جو شخص (کفر و شرک سے) توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے لوگ اُمید ہے کہ (آخرت میں) فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔

الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ

اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جس حکم کو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے ان لوگوں کو تجویز (احکام) کا کوئی حق حاصل نہیں، اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے

عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا

پاک اور برتر ہے۔ اور آپ کا رب سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو اُن کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور اللہ وہی ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

هُوَ ۖ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٧٠﴾

حمد کے لائق دنیا اور آخرت میں وُہی ہے، اور حکومت بھی (قیامت میں) اُسی کی ہوگی تم سب اُسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔

وَيَوْمَ اور جس دن	يُنَادِيهِمْ وہ پکارے گا انہیں	فَيَقُولُ تو فرمائے گا	مَاذَا کیا	أَجَبْتُمُ تم نے جواب دیا	الْمُرْسَلِينَ پیغمبر
فَعَمِيَتْ پس نہ سوجھے گی	عَلَيْهِمُ ان کو	الْأَنْبَاءُ خبریں (باتیں)	يَوْمَئِذٍ اس دن	فَهُمْ پس وہ	لَا يَتَسَاءَلُونَ آپس میں سوال نہ کرینگے
فَأَمَّا سو لیکن	مَنْ تَابَ جس نے توبہ کی	وَآمَنَ اور وہ ایمان لایا	وَعَمِلَ صَالِحًا اور اس نے عمل کئے اچھے	فَعَسَىٰ تو امید ہے	أَنْ يَكُونَ کہ وہ ہو
مِنَ سے	الْمُفْلِحِينَ کامیابی پانے والے	وَرَبُّكَ اور تمہارا رب	يَخْلُقُ پیدا کرتا ہے	مَا يَشَاءُ جو وہ چاہتا ہے	وَيَخْتَارُ اور وہ پسند کرتا ہے
مَا كَانَ نہیں ہے	لَهُمُ ان کیلئے	الْخِيَرَةُ اختیار	سُبْحَانَ اللَّهِ اللہ پاک ہے	وَتَعَالَىٰ اور برتر	عَمَّا يُشْرِكُونَ اس سے جو وہ شریک کرتے ہیں
وَرَبُّكَ اور تمہارا رب	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	تُكِنُّ چھپا ہے	صُدُورُهُمْ ان کے سینے	وَمَا اور جو	يُعْلِنُونَ وہ ظاہر کرتے ہیں
وَهُوَ اللَّهُ اور وہی اللہ	لَا إِلَٰهَ نہیں کوئی معبود	إِلَّا هُوَ اس کے سوا	لَهُ الْحَمْدُ اسی کیلئے تمام تعریفیں	فِي الْأُولَىٰ دنیا میں	وَالْآخِرَةِ اور آخرت
وَلَهُ الْحُكْمُ اور اسی کیلئے فرمانروائی	وَإِلَيْهِ اور اسی کی طرف	تُرْجَعُونَ تم لوٹ کر جاؤ گے			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جب مشرکوں سے قیامت میں ان کے دنیا میں شرک کرنے کے متعلق پوچھا جائے گا تو کوئی جواب ان مشرکوں سے نہ بن پڑے گا سوائے اس کے کہ دنیا میں جوانہوں نے گمراہی اختیار کی تھی اس پر پچھتائیں اور حسرت و افسوس کریں کہ کاش ہم دنیا میں ہدایت حاصل کرلیتے اور سیدھا راستہ اختیار کرلیتے تو یہ مصیبت نہ دیکھنی پڑتی۔ تو قیامت میں جب مشرکین پر توحید اختیار نہ کرنے سے الزام قائم ہوجائے گا تو پھر دوسرا سوال پوچھا جائے گا کہ تم نے ہمارے رسولوں کی بات دنیا میں کیوں نہیں مانی؟ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن ان کفار و مشرکین سے باز پرس کی جائے گی کہ علاوہ عقل و فہم عطا کرنے اور دلائل فطرت پیدا کرنے کے جو پکار پکار کر توحید کی طرف بلا رہے تھے

اللہ نے جو تمہارے پاس پیغمبر بھیجے تھے اور انہوں نے تم کو راہ راست کی طرف بلایا تھا تو تم نے ان کی بات کیوں نہ سنی اور ان کے دعوت اور پیغام کا کیا جواب دیا تھا؟ یہ سوال بھی سن کر کفار ومشرکین کے حواس باختہ ہو جائیں گے اور دنیا میں اگر چہ پیغمبروں کے مقابلہ میں وہ کٹ حجتیاں کرتے اور تکبر اور غرور سے سرمست ہو کر پیغمبروں کے ماننے والوں کو ذلیل اور رذیل کہتے لیکن قیامت کے دن ان کو کوئی جواب نہ بن پڑے گا اور نہ یہ ممکن ہوگا کہ باہم پوچھ پاچھ کر کوئی جواب دے سکیں۔ کافروں اور مشرکوں کی قیامت کے دن یہ ناگفتہ بہ حالت بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے کہ آخرت میں نجات کا دارومدار صرف اس پر ہے کہ انسان دنیا ہی میں سرکشی چھوڑے۔ خواہشات کا بندہ نہ بنے۔ اللہ پر سچے دل سے ایمان لائے۔ کسی کو اس کی ذات و صفات میں شریک نہ کرے اور اس کے رسول جو نیک کام کرنے کو بتائیں انہیں بے چون و چرا اختیار کرے اور جن کاموں کو وہ برا کہیں ان سے رکیں ان کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ ایسے لوگوں کو امید رکھنی چاہئے کہ انہیں آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی۔ تو مفلحین یعنی آخرت میں فلاح پانے والوں کی یہاں تین شرائط بیان کی گئیں۔ اول **من تاب** یعنی جو توبہ کرے۔ اس میں کفر و شرک اور تمام معاصی سے توبہ کرنا داخل ہے۔ دوسری شرط **اٰمن** فرمائی یعنی جو ایمان لے آئے اس میں توحید رسالت۔ قیامت۔ آخرت۔ جزا سزا سب پر ایمان لانا شامل ہے۔ تیسری شرط فرمائی **عمل صالحاً** اور جو نیک کام کیا کرے۔ اس میں تمام احکام۔ اوامر ونواہی سب پر عمل کرنا داخل ہے۔ تو ایسوں کے لئے فرمایا گیا **فعسٰی ان یکون من المفلحین** یعنی امید ہے کہ ایسے لوگ فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔ یہاں لفظ **عسٰی** جس کے معنی امید کے ہیں لانے میں یہ تعلیم دی گئی کہ کسی کو اپنی توبہ اور عمل صالحہ پر مغرور نہ ہو جانا چاہئے اور یہ یقین نہ کر لینا چاہئے کہ چونکہ میرے اعمال اچھے ہیں اس لئے جنت کا ملنا لازم ہو گیا ایسا عقیدہ صحیح نہیں بلکہ یہ امید رکھنا چاہئے کہ میں اللہ کے احکام کو مانتا ہوں اس لئے پروردگار کی رحمت کی مجھے امید ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اعمال کے رد ہونے اور گرفت میں ماخوذ ہونے کا خوف بھی دل میں لگا رہے اس لئے ممکن ہے کہ توبہ نہ قبول ہوئی ہو یا اعمال نہ پسند آئے ہوں اور قیامت کے دن خالی ہاتھ رہنا پڑے اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ کوئی اپنے اعمال کے سبب جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ اللہ کی رحمت شامل نہ ہو۔

الغرض یہاں تک شرک کی مذمت مذکور ہوئی اور کفر و شرک سے توبہ کی ترغیب دی گئی اب آگے توحید کا بیان ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ہر چیز کا پیدا کرنا اللہ کی مشیت اور اختیار سے ہے۔ یعنی کسی مخلوق کو تخلیق کا اختیار نہیں۔ نہ پیدائش میں کسی کی مشیت اور مرضی کو دخل ہے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے مگر افسوس ہے ہمارے خاندانی منصوبہ بندی والوں کی سمجھ پر جنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اولاد کا پیدا کرنا نہ کرنا اپنے اختیار میں ہے۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** اور جس طرح تکوینی اور تخلیقی اختیارات اللہ ہی کو حاصل ہیں اسی طرح تشریعی اختیارات بھی اسی کو حاصل ہیں یعنی جس حکم کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اور انبیاء کے ذریعہ سے نازل فرماتا ہے۔

یہ تو توحید کا مثبت پہلو تھا آگے منفی پہلو بھی واضح فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو تجویز احکام کا کوئی حق حاصل نہیں کہ جو حکم چاہیں تجویز کرلیں جیسے یہ مشرکین اپنی طرف سے شرک کو جائز تجویز کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنے چند خصوصی اوصاف کا تذکرہ فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو واحد۔ منفرد۔ اور یگانہ ثابت کرتے ہیں چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا علم کامل رکھتا ہے کہ بندوں کے ہر فعل و عمل کو خواہ وہ پوشیدہ ہوں یا ظاہر سب جانتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ دل میں جو خیالات اور عقیدے یا نیت رکھتے ہیں وہ بھی سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور وہی ہر شخص کی پوشیدہ استعداد و قابلیت سے آگاہ ہے اسی

کے موافق معاملہ کرے گا۔ اور چونکہ کسی کا ایسا علم نہیں ہے اس لئے اس سے بھی اس کا واحد و یکتا ہونا ثابت ہوا جس طرح تخلیق۔ اختیار اور علم میں وہ واحد ہے ایسے ہی اس کی ذات الوہیت میں بھی یگانہ ہے۔ بجز اس کے کسی کی بندگی نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کی ذات میں تمام کمالات وخوبیاں جمع ہیں۔ دنیا اور آخرت میں جو تعریف بھی ہو خواہ وہ کسی کے نام پر رکھ کر کی جائے حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے۔ اسی کا حکم چلتا ہے۔ اسی کا فیصلہ ناطق ہے۔ اسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اور انجام کار سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے یعنی قیامت میں بھی حکومت اسی کی ہوگی یہ نہیں کہ کوئی اس کے سامنے حاضر ہونے سے بچ جائے یا کہیں چھپ کر پناہ لے لے پس فنا ہونے اور مرنے کے بعد بھی اسی سے واسطہ پڑنا ہے اس سے بھی ذات باری تعالیٰ منفرد ہونا ثابت ہوا۔

اب یہاں ظاہر ہے کہ کفار و مشرکین سے تو یہ سوال ہوگا کہ دنیا میں تم نے توحید و رسالت کو کیوں قبول نہ کیا تھا اور تمہارے پاس جو اللہ کے پیغمبر دعوت اور پیغام لے کر آئے تھے تو تم نے اس کا کیا جواب دیا تھا؟ مگر یہاں ذرا ان کے لئے بھی غور وفکر کی ضرورت ہے کہ جو دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں اور کتاب وسنت۔ قرآن وحدیث یعنی اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات اور تعلیمات سے نہ صرف نافرمانی بلکہ بغاوت برت رہے ہیں۔ تو اگر ان سے بھی پوچھا گیا اور یقیناً پوچھا جائے گا کہ تم نے توحید و رسالت کا اقرار کر کے اللہ اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے طریق سے بیزاری اور بغاوت پر کیوں کمربستہ رہے تو سوچ لیں کہ میدان حشر میں وہ کیا جواب دیں گے؟ کیا یہ جواب دیں گے کہ بس ہمارا ایمان واسلام تو یہی تھا۔

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

(استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ)

ایسے مدعیان اسلام کے سنانے کے لئے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ کی ایک عبارت آپ کی کتاب ''بوادرالنوادر'' سے یاد آئی جو یہاں نقل کرتے ہوئے دل کانپتا ہے مگر موقع کی مناسبت سے ضرورتاً نقل کی جاتی ہے کہ شاید کسی کی آنکھ کھل جانے کا ذریعہ بن جائے۔ بوادرالنوادر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے آخری تصنیف ہے اور مضامین کے اعتبار سے روح التصانیف ہے۔ اور یہ کتاب حضرت اقدسؒ کے مرض وفات میں آپ کی وفات سے صرف تقریباً بیس روز پہلے طبع ہو کر تھانہ بھون پہنچی تھی جس سے حضرت والا بہت ہی مسرور ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ تو اس کتاب بوادرالنوادر میں نیز بیان القرآن میں سورۂ اعراف تیسرے رکوع کی آیت نمبر ۳۰ **فریقاً ھدیٰ وفریقاً حق علیھم الضللۃ انھم اتخذوا الشیطین اولیآء من دون اللہ ویحسبون انھم مھتدون** (بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے۔ ان لوگوں نے شیطانوں کو رفیق بنالیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں) کے تفسیر کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے۔ ''جیسے قلب سے تکذیب کرنا کفر ہے۔ اسی طرح زبان سے تکذیب کرنا اور برتاؤ میں مخالفت وعداوت انبیاء سے کرنا بھی کفر ہے۔ خوب سمجھ لو۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے ہم کو وہ ایمان واسلام حقیقی نصیب فرمائیں کہ جو میدان حشر میں ہمیں ندامت وشرمندگی سے واسطہ نہ پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حوض کوثر سے سیراب ہونا نصیب ہو۔ جس سے کہ کچھ نام نہاد امتی محروم رکھے جائیں گے جس کا کچھ بیان انشاء اللہ اگلے درس میں آئے گا۔ جہاں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ رات دن میں جس قدر نعمتیں اور بھلائیاں تم کو پہنچتی ہیں اللہ ہی کے فضل وانعام سے ہیں بلکہ خود رات دن کا ادل بدل کرنا بھی اللہ کا ایک مستقل احسان ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ

آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کیلئے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝۷۱ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ

جو تمہارے لئے روشنی کو لے آوے، تو کیا تم (توحید کے ایسے صاف دلائل کو) سنتے نہیں۔ آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کیلئے

سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝۷۲

قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آوے جس میں تم آرام پاؤ، کیا تم (اس مشاہدہ قدرت کو) دیکھتے نہیں۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ

اور اُس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور تاکہ (دن میں) اس کی روزی تلاش کرو

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۷۳ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۷۴

اور تاکہ (ان دونوں پر) تم شکر کرو۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ اُن کو پکار کر فرمادے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے۔

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ

اور ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے، پھر ہم (ان مشرکین سے) کہیں گے کہ اپنی دلیل (صحت شرک کے دعوے پر) پیش کرو سو (اُس وقت) اُن کو معلوم ہو جاوے گا کہ سچی بات خدا ہی کی تھی

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۷۵ ع

اور (دنیا میں) جو کچھ باتیں گھڑا کرتے تھے (آج) کسی کا پتہ نہ رہیگا۔

قُلْ فرمادیں	اَرَءَيْتُمْ بھلا تم دیکھو تو	اِنْ اگر	جَعَلَ کردے (رکھے)	اللّٰهُ اللہ	عَلَيْكُمُ تم پر	الَّيْلَ رات	سَرْمَدًا ہمیشہ
اِلٰى تک	يَوْمِ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	مَنْ کون	اِلٰهٌ معبود	غَيْرُ اللّٰهِ اللہ کے سوا	يَاْتِيْكُمْ لے آئے تمہارے پاس	بِضِيَآءٍ روشنی	
اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ تو کیا تم سنتے نہیں؟	قُلْ فرمادیں	اَرَءَيْتُمْ بھلا تم دیکھو تو	اِنْ اگر	جَعَلَ اللّٰهُ بنائے (رکھے) اللہ	عَلَيْكُمُ تم پر	النَّهَارَ دن	
سَرْمَدًا ہمیشہ	اِلٰى تک	يَوْمِ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	مَنْ کون	اِلٰهٌ معبود	غَيْرُ اللّٰهِ اللہ کے سوا	يَاْتِيْكُمْ لے آئے تمہارے لئے	
بِلَيْلٍ رات	تَسْكُنُوْنَ تم آرام کرو	فِيْهِ اس میں	اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں؟	وَ اور	مِنْ رَّحْمَتِهٖ اپنی رحمت سے		
جَعَلَ لَكُمُ اس نے تمہارے لئے بنایا	الَّيْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن	لِتَسْكُنُوْا تاکہ تم آرام کرو	فِيْهِ اس میں	وَلِتَبْتَغُوْا اور تاکہ تم تلاش کرو		
مِنْ فَضْلِهٖ اسکا فضل (روزی)	وَلَعَلَّكُمْ اور تاکہ تم	تَشْكُرُوْنَ تم شکر کرو	وَيَوْمَ اور جس دن	يُنَادِيْهِمْ وہ پکارے گا انہیں	فَيَقُوْلُ تو وہ کہے گا		
اَيْنَ کہاں؟ شُرَكَاۗءِيَ میرے شریک	الَّذِيْنَ وہ جو	كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ تم گمان کرتے تھے	وَ اور	نَزَعْنَا ہم نکال کر لائینگے	مِنْ سے		

كُلِّ اُمَّةٍ ہر امت	شَهِيْدًا ایک گواہ	فَقُلْنَا پھر ہم کہیں گے	هَاتُوْا تم لاؤ (پیش کرو)	بُرْهَانَكُمْ اپنی دلیل	فَعَلِمُوْٓا سو وہ جان لیں گے	
اَنَّ کہ	الْحَقَّ سچی بات	لِلّٰهِ اللہ کی	وَضَلَّ اور گم ہو جائیں گی	عَنْهُمْ ان سے	مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ جو وہ گھڑتے تھے	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ کی توحید کے متعلق مضمون بیان ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ جس طرح تخلیق۔ اختیار اور علم میں وہ منفرد ہے اسی طرح الوہیت اور معبودیت میں بھی یگانہ ہے۔ اسی کی ذات میں تمام کمالات اور خوبیاں جمع ہیں۔ اسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اب بھی اور قیامت میں بھی۔ اب آگے اسی سلسلہ میں اظہار قدرت کے لئے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر سورج کو طلوع نہ ہونے دے یا اس سے روشنی سلب کر لے تو تم اپنے کاروبار اور کام کاج کے لئے ایسی روشنی کہاں سے لاسکتے ہو۔ یہ بات ایسی صاف اور توحید کے دلائل میں ایسی روشن ہے کہ ایک کم عقل کی بھی سمجھ میں آجائے۔ پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ اگر آفتاب کو غروب نہ ہونے دے اور ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رہے تو جو راحت اور سکون اور دوسرے فوائد رات کے آنے سے حاصل ہوتے ہیں ان کا سامان کونسی طاقت کر سکتی ہے۔ یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے کہ جو بیوقوف سے بیوقوف آدمی کو بھی نظر آتی ہے تو معلوم ہوا کہ شبانہ روز کا دور اور نور ظلمت کا چکر اسی کے دست قدرت میں ہے اور کسی دوسرے کو تصرف کائنات میں کوئی دخل نہیں۔ یہاں آیت میں یہ دلیل دے کر کہ اگر قیامت تک رات ہو جائے تو پھر کس میں طاقت ہے کہ دن نکال دے۔ افلا تسمعون فرمایا چونکہ رات میں صورت نہیں دکھائی دیتی اور آواز سنائی دیتی ہے اس لئے رات کے ساتھ افلا تسمعون فرمایا یعنی کیا تم سنتے بھی نہیں اور دن میں صورت دکھائی دیتی ہے اور آواز رات کی نسبت کم سنائی دیتی ہے اس لئے دن کے ساتھ افلا تبصرون فرمایا یعنی کیا اسی حقیقت بھی تم کو دکھلائی نہیں دیتی۔ آگے فرمایا

کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی رحمت سے رات دن کا الٹ پھیر کرتا رہتا ہے تا کہ رات کی تاریکی میں سکون و راحت حاصل کرو یعنی نیند سے حواس اور اعضاء کی تکان دور ہو جاتی ہے اور دماغی اور جسمانی راحت حاصل ہوتی ہے اور دن کے اجالے میں کاروبار جاری رکھ سکو اور اپنی روزی کو تلاش کرو۔ یہاں آیت میں دن میں روزی تلاش کرنے کو لتبتغوا من فضله فرمایا یعنی اس کے فضل میں سے کچھ تلاش کرو۔ اس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ روزی ظاہر میں دینے والے کو حقیقۃً دینے والا نہ سمجھ لینا چاہئے بلکہ اس کو صرف دینے کا ذریعہ خیال کرنا چاہئے اور جو کوئی بھی کچھ دے دراصل اس کو فضل خداوندی یقین کرنا لازم ہے اس لئے آگے **لعلکم تشکرون** فرمایا یعنی جب اس روزی کو فضل الٰہی جان لو تو اللہ ہی کا شکر ادا کرو اور کفران نعمت نہ کرو کہ عطا تو فرمائے خدا اور دینے والا سمجھو تم کسی اور کو۔ یہ دلائل توحید بیان فرما کر پھر شرک اور مشرکین کی مذمت فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ معبود حقیقی کو چھوڑ کر اور دوسرے معبود جو یہ مشرکین قرار دیتے ہیں اور جن کو یہ اپنے زعم میں اپنا حامی اور ناصر اور شفیع خیال کرتے ہیں قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے اور اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اور قیامت کے دن ہر امت کے پیغمبر کی شہادت طلب کی جائے گی اور وہ بتلائیں گے کہ ان کی امت نے آسمانی شریعت اور احکام الٰہیہ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اس وقت کفار اور مشرکین سے سرکشی اور کفر و شرک کی دلیل طلب کی جائے گی کہ بتاؤ خدا تعالیٰ کے شریک کس سند اور دلیل سے ٹھہرائے اور حلال و حرام وغیرہ کے احکام کہاں سے لئے۔ خدا کے پیغمبر کو تو تم نے مانا نہیں پھر کس

نے بتلایا کہ خدا کا یہ حکم ہے اور یہ نہیں۔ لیکن کافروں کو کوئی جواب بن نہ پڑے گا اور اس وقت ان کو نظر آ جائے گا کہ سچی بات اللہ ہی کی تھی اور معبودیت صرف اسی کا حق ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ دنیا میں پیغمبر جو بتلاتے تھے وہی ٹھیک تھا۔ مشرکین نے جو عقیدے گھڑ رکھے تھے اور جو باتیں اپنے دل سے جوڑ رکھی تھیں اس روز سب کافور ہو جائیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ شب و روز کا دورہ اگر چہ ظاہر میں سورج کے طلوع اور غروب کی وجہ سے ہے لیکن فی الحقیقت اذن خداوندی اور تاثیر الٰہی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے عارف کی نظر میں عالم میں جو انقلاب و تغیر ہوتا ہے اس سب کا بانی اور فاعل حقیقی خدا ہی ہے انسان جو متصرف یا حاکم نظر آتے ہیں وہ حقیقت میں متصرف اور حاکم نہیں بلکہ ذرائع اور آلات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یوں سمجھئے کہ ایک ہوشمند انسان ہتھیار والے سپاہی کو قاتل کہتا ہے نہ کہ تلوار کو جس سے سپاہی کسی کو قتل کرتا ہے۔ پس اگر خوشامد کرنی اور درگزر اور عفو کی طلب کرنی ہوتی ہے تو سپاہی سے کرتا ہے نہ کہ تلوار سے۔ اگر ڈرتا ہے تو سپاہی سے نہ کہ ہتھیار سے۔ ہاں عارضی خوف جو ہتھیار سے دل پر چھا جاتا ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ کہیں سپاہی اس ہتھیار کو ہمارے خلاف نہ استعمال کرے۔ تو واقع میں ہتھیار نہ فاعل ہے۔ نہ مختار۔ نہ کوئی خوف کی چیز بلکہ اس سے ضرر سپاہی کے ارادے سے وابستہ ہے بس یہی حالت کل کائنات کی ہے۔ نہ کسی سے نفع وابستہ ہے نہ ضرر۔ حقیقی کارساز اور آلات و ذرائع پیدا کرنے والا حق تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اور بغیر حکم الٰہی کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رات اللہ تعالیٰ نے آرام کے لئے بنائی ہے اس لئے جو لوگ رات کو کام کرتے ہیں بغیر کسی خاص مجبوری کے اور دن کو سوتے ہیں وہ خلاف فطرت عمل کرتے ہیں۔

ان آیات میں ایک اور اہم بات کی طرف بھی آپ کو توجہ دلانی ہے۔ یہاں آیت میں فرمایا گیا **ونزعنا من کل امة شھداً** اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکال کر لائیں گے اور مفسرین نے یہاں گواہ سے مراد پیغمبر امت کو لیا ہے۔ تو اگر چہ یہاں بیان کفار و مشرکین کے متعلق ہے کہ جن کے متعلق پیغمبر کی شہادت طلب کی جائے گی لیکن آپ یقین کیجئے کہ قیامت میں ایک وقت وہ بھی آنے والا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو حوض کوثر سے سیراب کرنے کے لئے ابتدائی انتظامات میں مصروف اور اپنی امت کے لوگوں کی آمد کے منتظر ہوں گے تو اس وقت کچھ لوگوں کو آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی روک دیا جائے گا۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے اللہ یہ لوگ تو میرے امتی ہیں اور مجھ سے تعلق رکھنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو جواب ملے گا کہ ہیں تو بیشک یہ آپ کے امتی ہی لیکن آپ کو ان کے کرتوت معلوم نہیں کہ یہ لوگ دین میں طرح طرح کی بدعات نکالتے رہے ہیں۔ دین میں تبدیلیاں کرتے رہے ہیں اور صراط مستقیم سے ہمیشہ ہٹے رہے اس لئے حوض کوثر سے ان کو پانی نہیں ملے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پھر جھڑک دیں گے کہ دور ہوں مجھ سے یہ لوگ اور دور ہوں خدا کی رحمت سے کہ جنہوں نے میرے بعد دین میں تبدیلی کی۔ اس کے متعلق صحیح احادیث جو بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت کی گئی ہیں سنیئے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض (کوثر) پر تم سے پہلے پہنچوں گا اور تم میں سے کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے پھر ان کو میرے سامنے سے ہٹا دیا

جائے گا تو میں عرض کروں گا اے پروردگار یہ تو میری امت کے لوگ ہیں تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں جو شر و فساد بپا کیا ہے آپ اسے نہیں جانتے۔ (بخاری)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے میری امت کے کچھ لوگ حوض پر اتریں گے یہاں تک کہ میں ان کو پہچان لوں گا تو وہ میرے سامنے سے کھینچ کر لے جائے جائیں گے اس پر میں عرض کروں گا کہ یہ تو میری امت کے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے جو دین میں بگاڑ پیدا کیا ہے۔ (بخاری)

(۳) حضرت ابوسعید خدری اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں حوض کوثر پر تمہارا پیش خیمہ ہوں گا اور جو شخص میرے پاس سے گزرے گا وہ پئے گا۔ اور جس نے پی لیا اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی کچھ لوگ میرے پاس ایسے بھی آئیں گے جن کو میں پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا کہ یہ لوگ تو میری امت کے ہیں۔ پس کہا جائے گا کہ آپ کے بعد جو کچھ ان لوگوں نے کیا ہے آپ اسے نہیں جانتے تو اس وقت میں کہوں گا کہ وہ لوگ دور ہوں جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔ (بخاری)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ میرے سامنے قیامت کے دن حوض پر اتریں گے پھر ان کو حوض سے دور ہٹا دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا یا رب یہ تو میری امت کے لوگ ہیں تو جواب ملے گا کہ آپ کو اس کا علم نہیں جو ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں نئی بات پیدا کی۔ وہ الٹے پاؤں دین سے پھر گئے تھے۔ (بخاری)

(۵) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض کوثر پر ہوں گا۔ تم میں سے جو آئے گا اسے دیکھوں گا اور کچھ لوگوں کو مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی پکڑ لیا جائے گا تو میں عرض کروں گا یا رب یہ تو میرے امتی ہیں اور میرے آدمی ہیں تو جواب دیا جائے گا کہ آپ کو معلوم بھی ہے کہ وہ آپ کے بعد کیا کرتے رہے۔ خدا کی قسم یہ لوگ الٹے پاؤں پھرتے رہے ہیں۔ (بخاری)

(۶) ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں تشریف رکھتے ہوئے فرمایا میں حوض کوثر پر تمہاری آمد کا منتظر ہوں گا۔ خدا کی قسم اس وقت یہ واقعہ رونما ہو گا کہ کچھ لوگوں کو مجھ سے ادھر ہی دور کر لیا جائے گا تو میں عرض کروں گا کہ اے اللہ یہ تو میرے اپنے آدمی ہیں اور میرے امتی ہیں تو ارشاد ہو گا کہ آپ کے بعد انہوں نے جو کرتوت کئے ہیں وہ آپ کو معلوم نہیں ہیں۔ یہ آپ کے بعد دین سے روگردانی کرتے رہے (صحیح مسلم)

آج دین کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے کہ طریقہ مسنونہ کو چھوڑ کر نئی نئی بدعات نکالی جا رہی ہیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا جا رہا ہے۔ سنن و مستحبات کا تو کیا ذکر۔ فرائض و واجبات کا جو حشر بن رہا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے اس لئے دین کا درد اور دین کا خیال رکھنے والوں کو ان احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف کھا کر اپنے دین و ایمان کو صحیح معنی میں سنبھالنے کی فکر رکھنی چاہئے۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مشکوٰۃ شریف کی اور سن لیجئے۔

حضرت عرباض بن ساریہ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ ہماری طرف منہ

کر کے بیٹھ گئے اور ہم کو نہایت مؤثر الفاظ میں نصیحت کی کہ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دلوں میں خوف پیدا ہو گیا پس ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) شاید یہ آخری وصیت ہے پس آپ ہم کو کچھ اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو اور نصیحت کرتا ہوں تم کو سننے اور اطاعت کرنے کی اگرچہ تم کو حبشی غلام کی اطاعت کرنی پڑے۔ پس تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے وہ اختلاف کثیر کو دیکھے گا۔ ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میرے اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو مضبوط پکڑ لے۔ اسی طریقہ پر بھروسہ رکھو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور بچو تم دین میں نئی باتیں پیدا کرنے سے اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اب اصل مضمون کی طرف آئیے۔ گذشتہ رکوع میں یہ بیان ہوا تھا کہ دنیا کے یہ ناز و نعم بے ثبات ہیں اور آخرت کی نعمتیں دائمی اور ابدی ہیں۔ پھر آخرت کی مناسبت سے کچھ احوال عالم آخرت کے بیان ہوئے۔ اب پھر اسی بات کو سمجھانے کے لئے کہ یہ دنیا کا ساز و سامان اور مال دولت دنیا میں بھی ہمیشہ نہیں رہتا۔ ہمیشہ رہنے والی دولت وہ ہے کہ جو آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزار بندوں کو عطا فرمائے گا۔ اسی بات کو سمجھانے کے لئے اب اگلی آیات سے قارون کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو بڑا مالدار تھا مگر جس نے مال کے غرور میں دارِ آخرت کی محرومی حاصل کی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یہ شب و روز کے انقلابات ہمارے لئے معرفت الٰہیہ کا باعث ہوں اور ہم شب و روز کی نعمتوں کو منعم حقیقی کی طرف سے جان کران نعمتوں پر حق تعالیٰ کے شکر گزار رہیں۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ہم کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و ہدایت پر چلنا نصیب فرمائیں تا کہ قیامت میں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندگی نہ ہو۔ بلکہ آپ کی شفاعت نصیب ہو اور آپ کے حوض کوثر سے سیراب ہونا نصیب ہو۔

یا اللہ! قرآن کریم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو احوال آخرت بتلائے گئے ہیں یقیناً ہونا تو وہی ہیں مگر آج امت پر کیسی غفلت چھائی ہوئی ہے کہ نہ آخرت کا فکر ہے۔ نہ خدا کے خوف سے دل لرزاں و ترساں ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا غم ہے۔ یا اللہ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو امت کو یہ وصیت و نصیحت فرمائی تھی کہ میرے اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور دین میں نئی باتیں اور بدعات پیدا کرنے سے بچتے رہو مگر آج امت کی اکثریت بالکل حضور کی ہدایت کے خلاف چل رہی ہے۔ یا اللہ! اس کا نتیجہ ہے کہ جو آج دنیا میں امت بدحالی میں گرفتار ہے اور آخرت میں جو پیش آنا ہے وہ اس سے بھی سخت ہوگا۔ یا اللہ! ہم آپ کے رحم و کرم کے طالب ہیں۔ آپ سے ہدایت کے بھکاری ہیں۔ یا اللہ! ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرما دے۔ اپنا فرمانبردار بندہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا امتی ہونا نصیب فرما دے۔ یا اللہ! آخرت کا فکر ہم کو نصیب فرما دے اور میدان حشر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حوض کوثر سے سیراب ہونا نصیب فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ

قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی برادری میں سے تھا سو وہ (کثرتِ مال کی وجہ سے) ان لوگوں میں تکبر کرنے لگا اور ہم نے اُس کو اس قدر خزانے دیئے تھے

مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

کہ اُن کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گرانبار کر دیتی تھیں، اُس کو اُس کی برادری نے کہا کہ تو اِترا مت واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا

اور تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالمِ آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دُنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش مت کر

وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ

اور جس طرح خداتعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا مت خواہاں ہو،

لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾

بیشک اللہ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔

إِنَّ بیشک	قَارُونَ قارون	كَانَ تھا	مِنْ سے	قَوْمِ مُوسَىٰ موسیٰ کی قوم	فَبَغَىٰ سو اس نے زیادتی کی	عَلَيْهِمْ ان پر
وَآتَيْنَاهُ اور ہم نے دیئے تھے اس کو	مِنَ الْكُنُوزِ خزانے	مَا إِنَّ اتنے کہ	مَفَاتِحَهُ اس کی کنجیاں	لَتَنُوءُ بھاری ہوتیں		
بِالْعُصْبَةِ ایک جماعت پر	أُولِي الْقُوَّةِ زور آور	إِذْ قَالَ جب کہا	لَهُ اس کو	قَوْمُهُ اس کی قوم	لَا تَفْرَحْ نہ خوش ہو (نہ اترا)	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ
لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا	الْفَرِحِينَ خوش ہونے (اترانے) والے	وَابْتَغِ اور طلب کر	فِيمَا اس سے جو	آتَاكَ اللَّهُ تجھے دیا اللہ نے		
الدَّارَ الْآخِرَةَ آخرت کا گھر	وَلَا تَنْسَ اور نہ بھول تو	نَصِيبَكَ اپنا حصہ	مِنَ سے	الدُّنْيَا دنیا	وَأَحْسِنْ اور نیکی کر	كَمَا جیسے
أَحْسَنَ اللَّهُ اللہ نے نیکی کی	إِلَيْكَ تیری طرف (ساتھ)	وَلَا تَبْغِ اور نہ چاہ	الْفَسَادَ فساد	فِي الْأَرْضِ زمین میں	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	
لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا	الْمُفْسِدِينَ فساد کرنے والے					

تفسیر وتشریح:۔ ایک کم ظرف چھوٹے حوصلہ اور بڑے دعوے والا انسان کبھی خیال کرنے لگتا ہے کہ اگر قوانین شریعت اور احکام الٰہیہ کی پابندی کی گئی تو مال و دولت سمیٹنے کے تمام ذرائع بند ہوجائیں گے حلال وحرام کی قید تحصیل مال سے روک دے گی۔ پھر صدقات و زکوٰۃ اور امداد کا قانون رہے سہے سرمایہ کو بھی ختم کردے گا اور میں تہی دست کنگال ہوکر رہ جاؤں گا۔ رہا اجر آخرت تو وہ کس نے دیکھا ہے۔ نقد چھوڑ کر ادھار کی امید پر جینا خام خیالی ہے۔ جب ایسے باطل خیالات رکھنے والے انسان سے کہا جاتا ہے کہ ذرا غور تو کر کہ یہ مال کہاں سے آیا؟ کیا یہ تمام دھن و دولت خداداد نہیں ہے؟ کیا تم ماں کے پیٹ سے دنیا میں یہ مال دولت ساتھ لے کر آئے تھے؟ اگر خداداد ہے تو حکم خدا کے موافق اس کو خرچ بھی کرو۔ بندگان خدا کو بھی اس میں سے دو تو وہ انتہائی سرکشی اور غرور سے کہنے لگتا ہے تم بیوقوف ہو اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر یونہی خداداد دولت ہوتی تو دوسروں کے پاس بھی ہوتی۔

فی الحقیقت یہ میری کمائی ہوئی ہے۔ میری قوت بازو کا نتیجہ ہے۔ میں نے اپنے علم و ہنر اور پیہم محنت و مشقت سے اسے حاصل کیا ہے۔ دوسروں کا اس میں کیا حق ہے۔ میں کیوں کسی کو کچھ دوں۔ یہ ننگے بھوکے لوگ زکوٰۃ و صدقات کے بہانہ میری دولت کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ غرض ایسے کج فہم اور کوتاہ بصیرت آدمی کے نزدیک جاہ و جلال۔ حشم و خدم۔ شان و شوکت۔ مال و دولت اور نام و نمود ہی سرمایہ افتخار ہوتا ہے اور وہ کسی طرح یہ تصور اپنے دماغ میں نہیں آنے دیتا کہ یہ جاہ و مال زوال پذیر ہے ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں۔ یہ نفس کا بندہ مساوات و ہمدردی اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم کیا جانے۔ جو لوگ ظاہر پرست اور دنیا کی نمائش اور نام و نمود پر ریجھنے والے ہوتے ہیں وہ ایسے مغرور کی دولت کو دیکھ کر منہ میں پانی بھر لاتے ہیں اور دل سے تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہمارے پاس بھی اس کی طرح مال ہوتا تو ہم بھی ایسے ہی مزے اور گلچھرے اڑاتے لیکن جن کو اللہ نے دین کی سمجھ اور فہم عطا کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ شخص اللہ کی آزمائش میں مبتلا ہے۔ اس کا مال وبال اور جی کا جنجال ہے۔ درحقیقت ثواب آخرت اور اجر الٰہی لازوال نعمت ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ دنیوی مال و دولت کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ آن کی آن میں یہ سرمایہ برباد اور جاہ و جلال تباہ ہوسکتا ہے۔ سرمایہ پر بھروسہ کر کے اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کا انجام بد ہوتا ہے۔ آخرت تباہ ہوتی ہے اور دنیا میں یونہی ایڑیاں رگڑ کر بصد حسرت و یاس جان دینی ہوتی ہے اور سب دنیا کا دنیا ہی میں دھرا رہ جاتا ہے۔ ایسے متکبر اور سرکش سرمایہ دار ہر زمانہ میں ہوتے رہے ہیں اور ان کا انجام انتہائی حسرت آمیز اور عبرت انگیز ہوتا ہے۔ اسی گروہ میں سے ایک قارون بھی تھا جس کا ذکر ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ قارون کا واقعہ بھی کفار مکہ کو اسی عذر کے جواب میں سنایا جا رہا ہے کہ جو قریش کے بڑے بڑے سرمایہ داروں نے اسلام قبول نہ کرنے کے لئے عذر کے طور پر پیش کیا تھا جس کا ذکر گذشتہ میں ہو چکا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ اگر ہم اہل عرب کے آبائی دین کو چھوڑ کر اس نئے دین توحید کو قبول کر لیں تو اس زمین عرب میں ہمارے لئے کوئی جائے پناہ تک باقی نہ رہے گی۔ تمام قبائل ہمارے دشمن ہوجائیں گے۔ ہماری معاشی خوشحالی ختم ہوجائے گی۔ ہماری سرمایہ داری پر اثر پڑے گا اور کچھ بعید نہیں کہ ہمیں سرے سے مکہ ہی چھوڑنا پڑے۔ تو چونکہ سرداران قریش جو دراصل مکہ کے بڑے بڑے سیٹھ۔ ساہوکار۔ اور سرمایہ دار تھے اور سود خوری نے جنہیں قارون وقت بنا رکھا تھا ان کی حق دشمنی کا اصل سبب یہی زر پرستی تھا اس لئے حق تعالیٰ نے اس پر آخر سورۃ تک مفصل کلام فرمایا ہے اور اس کے ایک ایک پہلو پر روشنی ڈال کر نہایت حکیمانہ طریقہ سے ان تمام بنیادی امراض کا مداوا کیا ہے جن کی وجہ سے یہ لوگ حق و باطل کا فیصلہ دنیوی مفاد کے نقطۂ نظر سے کرتے تھے۔ لکھا ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا اور باوجود بنی اسرائیل ہونے کے فرعون کی پیشی میں رہتا تھا اور اپنی قوم سے باغی ہوکر اس دشمن طاقت کا پٹھو بن گیا تھا جو بنی اسرائیل کو جڑ سے ختم کردینے پر تلی ہوئی تھی۔ جیسا کہ ظالم حکومتوں کا دستور ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لئے انہی میں سے بعض افراد کو آلۂ کار بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح فرعون نے بنی اسرائیل میں سے اس ملعون قارون کو چن لیا تھا جو باوجود بنی اسرائیل ہونے کے فرعون کے ساتھ جا ملا تھا اور اس کا مقرب بن کر اس درجہ کو پہنچ گیا تھا جیسا کہ ۲۴ویں پارہ سورۂ مومن میں بتلایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلہ میں فرعون کے بعد مخالفت کے جو دو سب سے بڑے سرغنے تھے ان میں ایک فرعون کا وزیر ہامان تھا اور دوسرا یہی قارون تھا۔ تو قارون نے اس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیوی اقتدار حاصل کیا جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر حکم آئے اور فرعون غرق ہوا تو اس کی مالی ترقی کے ذرائع بھی ختم ہوگئے اور سرداری جاتی رہی اور یہ موسیٰ علیہ السلام سے دل میں خلش رکھنے لگا۔ اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی خداداد عزت و وجاہت دیکھ کر جلتا اور

کہتا کہ آخر میں بھی انہی کے چچا کا بیٹا ہوں یہ کیا معنی کہ وہ دونوں تو نبی اور مذہبی سردار بن جائیں مجھے کچھ بھی نہ ملے۔ کبھی شیخی مارتا کہ انہیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا میرے پاس مال دولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کو میسر نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ اب تک تو موسیٰ جو احکام لائے تھے ہم نے تم نے برداشت کئے مگر کیا تم یہ بھی برداشت کرلوگے کہ وہ ہمارا مال بھی ہم سے وصول کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے اس کی تائید میں کہا کہ نہیں ہم برداشت نہیں کرسکتے۔ آخر ملعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرنے کی ایک گندی تجویز سوچی۔ کسی عورت کو بہکا سکھلا کر آمادہ کیا کہ بھرے مجمع میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام زنا کی حد بیان فرمائیں تو اپنے ساتھ ان کو متہم کرنا۔ چنانچہ عورت مجمع میں کہہ گزری۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو شدید قسمیں دیں اور اللہ کے غضب سے ڈرایا تو اس کا دل کانپ اٹھا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ قارون نے مجھے بہکایا سکھلایا تھا اس وقت قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے اپنے گھر اور خزانوں سمیت زمین کے اندر دھنسا دیا گیا۔ اسی قارون کے قصہ کو یہاں ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ قارون کا حال دیکھ لو کہ کفر وخلاف پیغمبر کرنے سے اس کو کیا ضرر پہنچا اور اس کا مال ومتاع کچھ کام نہ آیا بلکہ اس کے ساتھ وہ مال ومتاع بھی برباد ہوگیا اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی برادری یعنی بنی اسرائیل میں سے بلکہ ان کا چچازاد بھائی تھا۔ اور تکبر مال کی وجہ سے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا مقابلہ کرنے لگا۔ مفسرین نے وجہ نزاع حکم زکوٰۃ کو قرار دیا ہے یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ذلیل کرنے پر کمر باندھی اور ایک فاحشہ عورت کو کچھ مال دے کر آمادہ کیا کہ وہ علی الاعلان حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائے لیکن بحکم الٰہی بوجہ ہیبت حضرت موسیٰ علیہ السلام عورت نے بھرے جلسہ میں موسیٰ علیہ السلام کے پاکدامن اور قارون کے اغوا کرنے کا اعلان کردیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا پر زمین میں دھنسا دیا گیا۔ اور اس کے پاس مال کی اتنی کثرت تھی اور اتنے صندوق تھے کہ جن کی کنجیاں اٹھاتے ہوئے کئی زور آور آدمی تھک جائیں۔ قارون کو اپنے مال و دولت کے اوپر تکبر کرنے پر اس کی قوم اور برادری کے بعض سمجھ دار لوگوں نے اس کو سمجھانے کے طور پر کہا کہ اس فانی اور زائل ہوجانے والی دولت پر کیا اتراتا ہے جس کی وقعت اللہ کے ہاں مچھر کے پر کی برابر بھی نہیں۔ اور یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کو اکڑنے اور اترانے والے بندے اچھے نہیں معلوم ہوتے اور جو چیز اس مالک کو نہ بھائے اس کا نتیجہ بجز تباہی وہلاکت کے کیا ہے۔ اور یہ خدا کا دیا ہوا مال اس لئے ہے کہ انسان اسے آخرت کا توشہ بنائے نہ کہ غفلت کے نشہ میں چور ہوکر غرور اور تکبر کی چال چلنے لگے۔ دیکھ ایک دن تجھے مرنا ہے۔ اس دولت سے کچھ آخرت بھی کمالے۔ اللہ نے تجھ پر یہ احسان کیا ہے تو بھی اس کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کر اور اس مال دولت سے ان کی امداد کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ضد نہ کر۔ اور خدا کی زمین پر سیدھی طرح رہ۔ خوامخواہ ملک میں ادھم مچانا اور خرابیاں ڈالنا اچھا نہیں۔ اللہ کو فساد پھیلانے والے پسند نہیں۔

یہ سب نصیحت سمجھ دار لوگوں کی طرف سے ہوئی اور غالباً یہ مضامین اول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمائے ہوں گے پھر مکرر دوسرے لوگوں نے ان کا اعادہ کیا ہوگا۔ بہرحال یہ سن کر قارون نے جو جواب دیا کہ وہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! اپنے نیک۔ مخلص اور اطاعت گزار بندوں سے ہم کو تعلق نصیب فرما۔ ان کے ادب۔ احترام واکرام کی توفیق عطا فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ

قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے، کیا اُس نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اِس سے پہلے گذشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے

مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ

جو قوت میں اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور مجمع (بھی) انکا زیادہ تھا، اور اہل جرم سے اُن کے گناہوں کا سوال نہ کرنا پڑے گا۔

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

پھر وہ اپنی آرائش سے اپنی برادری کے سامنے نکلا، جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ سازوسامان ملا ہوتا

يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ

جیسا کہ قارون کو ملا ہے واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے۔ اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ (ان حریصوں سے) کہنے لگے

اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ

ارے تمہارا ناس ہو (تم دنیا پر کیا للچاتے ہو) اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور (پھر) وہ ثواب کامل طور پر اُن ہی کو دیا جاتا ہے

اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

جو صبر کرنے والے ہیں

قَالَ کہنے لگا	اِنَّمَا یہ تو	اُوْتِيْتُهٗ مجھے دیا گیا ہے	عَلٰى عِلْمٍ ایک علم (ہنر) سے	عِنْدِىْ میرے پاس	اَوَ کیا	لَمْ يَعْلَمْ وہ نہیں جانتا	
اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	قَدْ اَهْلَكَ بلاشبہ ہلاک کر دیا ہے	مِنْ قَبْلِهٖ اس سے قبل	مِنَ سے (کتنی)	الْقُرُوْنِ جماعتیں	مَنْ جو	هُوَ اَشَدُّ وہ زیادہ سخت	
مِنْهُ اس سے جو	قُوَّةً قوت میں	وَ اَكْثَرُ اور زیادہ	جَمْعًا جمعیت	وَلَا يُسْئَلُ اور نہ سوال کیا جائیگا	عَنْ سے (بابت)	ذُنُوْبِهِمُ انکے گناہ	
الْمُجْرِمُوْنَ مجرم	فَخَرَجَ پھر وہ نکلا	عَلٰى پر (سامنے)	قَوْمِهٖ اپنی قوم	فِىْ میں (ساتھ)	زِيْنَتِهٖ اپنی زیب و زینت	قَالَ کہا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو
يُرِيْدُوْنَ چاہتے تھے طالب تھے	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	يٰلَيْتَ اے کاش	لَنَا مِثْلَ ہمارے پاس ہوتا ایسا	مَآ اُوْتِىَ جو دیا گیا			
قَارُوْنُ قارون	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَذُوْ حَظٍّ نصیب والا	عَظِيْمٍ بڑا	وَ قَالَ اور کہا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	اُوْتُوا الْعِلْمَ دیا گیا تھا علم	
وَيْلَكُمْ افسوس تم پر	ثَوَابُ اللّٰهِ اللہ کا ثواب	خَيْرٌ بہتر	لِّمَنْ اس کیلئے جو	اٰمَنَ ایمان لایا	وَ اور	عَمِلَ اس نے عمل کیا	صَالِحًا اچھا
وَلَا يُلَقّٰهَا اور وہ نصیب نہیں ہوتا	اِلَّا سوائے	الصّٰبِرُوْنَ صبر کرنے والے					

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ قارون کو مال دولت کے اترانے پر بنی اسرائیل کے سمجھدار لوگوں نے سمجھایا کہ مال دولت پر اترانا شیخی بگھارنا اور تکبر و غرور کرنا یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یہ دولت تو اللہ نے اس لئے دی ہے کہ اس سے آخرت کی کمائی کی جائے اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے نہ یہ کہ اس دولت کے بل بوتہ پر فتنہ اور فساد برپا کیا جائے۔ قارون نے یہ سن کر وہی جواب دیا جو آج بھی اکثر سرمایہ داروں کی زبان پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے۔ قارون نے کہا کہ تم مجھے نصیحت کرنے والے کون ہوتے ہو۔ بس

اپنی نصیحت رہنے دو۔ یہ دولت تو میں نے اپنے علم و ہنر سے کمائی ہے۔ میں تجارت میں ماہر۔ ذی علم اور تجربہ کار ہوں۔ اس میں کسی کے احسان کی کیا بات اور اس میں کسی کا استحقاق کیسا۔ میں مالیات و معاشیات کا ماہر ہوں۔ مجھے جو کچھ بھی ملا ہے یہ میں نے اپنے قوت بازو سے اپنے علم و ہنر کے زور سے کمایا ہے۔ اس میں کسی کا میرے اوپر کیا احسان۔ آگے قارون کی حماقت اور کج فہمی کا بیان ہوتا ہے کہ یہ نادان یہ نہ سمجھا کہ اللہ اس سے پہلے سرکشوں کو تباہ کر چکا ہے جو تخت و تاج کے مالک بھی تھے اور جن کے پاس دولت چاروں طرف سے کھچی چلی آتی تھی اور لشکر بھی بے شمار تھا اور مال سے خزانے اٹے پڑے تھے۔ آخر اللہ عزوجل کو ان کی سرکشی نہ بھائی اور چشم زدن میں ان کا تختہ الٹ دیا گیا۔ نہ وہ دولت رہی۔ نہ سلطنت نہ حکومت۔ سب کچھ یہیں چھوڑ کر چل بسے آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے گناہ کو گناہ نہ سمجھا۔ احکام الٰہیہ کی نافرمانی کی اور رسولوں کی بات کو ٹھکرایا تو صرف یہی نہیں کہ بس ہلاک ہو کر چھوٹ گئے ہوں بلکہ بوجہ ان کے ارتکاب جرم کے اور اللہ تعالیٰ کو یہ جرم معلوم ہونے کے قیامت میں بھی عذاب دیئے جائیں گے اور ان اہل جرم سے ان کے گناہوں کی تحقیق کرنے کی غرض سے سوال نہ کرنا پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہی ہے۔ پھر فرشتے ان کے ہر کام کو جو وہ کر رہے ہیں ان کے نامۂ اعمال میں لکھ رہے ہیں۔ پھر مجرموں سے سوال کی کیا ضرورت۔ ہاں اگر سوال ہوگا بھی تو جرم ثابت کرنے کے لئے نہیں بلکہ ان کو عار دلانے۔ شرمندہ کرنے اور ان کی یاس و حسرت بڑھانے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لئے ہوگا تو مطلب یہ کہ اگر قارون اس مضمون پر نظر کرتا تو ایسی جہالت کی بات نہ کہتا۔ پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ قارون نہایت قیمتی پوشاک پہن کر زرق برق ہو کر عمدہ سواری پر سوار ہو کر۔ اپنے غلاموں کو بیش بہا پوشاکیں پہنائے ہوئے بڑے بڑے شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ سے اتراتا اور اکڑتا ہوا نکلا۔ اس کا یہ ٹھاٹھ باٹھ اور زینت و تجمل دیکھ کر دنیا داروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور کہنے لگے کہ کاش ہمارے پاس بھی اتنا مال ہوتا اور ہم کو بھی ایسا ساز و سامان ملا ہوتا جیسا اس قارون کو ملا ہے۔ کاش ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے جو اس کو حاصل ہوا۔ واقعی یہ بڑا ہی صاحب اقبال، اور بڑا خوش نصیب ہے۔ اسکے سارے ارمان پورے ہوئے۔ بڑے مزے اور شان کی زندگی بسر کرتا ہے آج ہمارے اکثر مسلمان بھائی بھی شب و روز دوسرے بد دین اور کافر قوموں کو ظاہری مادی ترقیاں دیکھ کر للچاتے ہیں اور اسی کی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ انہیں جیسی مادی ترقیاں ہم کو بھی حاصل ہوں تو ان دنیا کے حریصوں اور ظاہری شان و شوکت کے لالچیوں کی باتیں سنکر بعض دین کا علم اور سمجھ رکھنے والے لوگوں نے کہا کہ ارے کم بختو! تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ اس عارضی اور فانی چمک دمک میں کیا رکھا ہے۔ یہ کتنے دن کی بہار ہے۔ اللہ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار بندوں کے لئے اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے اس کے سامنے یہ ٹیپ ٹاپ محض ہیچ اور لاشے ہے۔ اللہ نے اپنے مومن اور نیک بندوں کیلئے جو سامان تیار کر رکھا ہے وہ اس سے کروڑ ہا درجہ بارونق عمدہ اور دیرپا ہے لیکن وہ تو ان لوگوں کو نصیب ہوگا جو اس چند روزہ زندگی کو صبر و سہار سے گزارتے ہیں۔ جو دنیا میں مالداروں کو دیکھ کر بے صبری سے جزع فزع نہیں کرتے بلکہ صبر کیساتھ اللہ کے دیئے ہوئے پر قناعت کر کے اس کے احکام بجالانے میں لگے رہتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مال و دولت کو اپنی طاقت۔ ہنرمندی اور علم کا نتیجہ سمجھنا غلطی ہے۔ یہ خداداد نعمت ہے اور اس کے ذریعہ سے دین اور آخرت کو حاصل کرنا لازم ہے نہ کہ ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ۔ پھر اس میں ان دنیاداروں کی بھی مذمت آ گئی جو دین سے قطع نظر کر کے غیر مسلموں اور بددینوں کی سی نام نہاد دنیوی مادی ترقی کے خواہشمند اور درپے ہیں۔ اور جس کے حصول میں دن رات سرگرداں ہیں اور جس کے پیچھے دین اور اللہ اور رسول کے احکام کو خیر باد کہنے اور قربان کرنے کو تیار ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اب آگے قارون کا انجام اور ایسی دنیا کہ جس سے اللہ کی نافرمانی سرزد ہو اور عالم آخرت کی بھلائی نصیب نہ ہو۔ اور ایسی نیکی اور تقویٰ کہ جس سے دار آخرت میں فلاح نصیب ہو اس کو ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۣ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۤ 41

پھر ہم نے اُس قارون کو اور اُس کے محل سرائے کو زمین میں دھنسا دیا، سو کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی جو اس کو اللہ (کے عذاب) سے بچا لیتی

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ

اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا۔اور کل جو لوگ اُس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (آج اُس کو زمین میں دھنستا دیکھ کر) کہنے لگے

وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ

بس جی یُوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دے دیتا ہے اور (جس کو چاہے) تنگی سے دینے لگتا ہے، اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی

عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا

تو ہم کو بھی دھنسا دیتا۔بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔یہ عالمِ آخرت ہم اُن ہی لوگوں کیلئے خاص کرتے ہیں

لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ

جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا، اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آوے گا

بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ

اس کو اس سے بہتر (بدلہ) ملے گا، اور جو شخص بدی لے کر آوے گا سو ایسے لوگوں کو جو کہ بدی کے کام کرتے ہیں

اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے۔

فَخَسَفْنَا پھر ہم نے دھنسا دیا	بِهٖ اس کو	وَبِدَارِهٖ اور اس کے گھر کو	الْاَرْضَ زمین	فَمَا كَانَ سو نہ ہوئی	لَهٗ اس کیلئے	مِنْ فِئَةٍ کوئی جماعت
يَنْصُرُوْنَهٗ مدد کرتی اس کی	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوائے	وَمَا كَانَ اور نہ ہوا وہ	مِنَ سے	الْمُنْتَصِرِيْنَ بدلہ لینے والے	وَاَصْبَحَ اور صبح کے وقت	
الَّذِيْنَ جو لوگ	تَمَنَّوْا تمنا کرتے تھے	مَكَانَهٗ اس کا مقام	بِالْاَمْسِ کل	يَقُوْلُوْنَ کہنے لگے	وَيْكَاَنَّ ہائے شامت	اللّٰهَ اللہ
يَبْسُطُ فراخ کردیتا ہے	الرِّزْقَ رزق	لِمَنْ يَّشَآءُ جس کیلئے چاہے	مِنْ سے	عِبَادِهٖ اپنے بندے	وَيَقْدِرُ اور تنگ کردیتا ہے	
لَوْلَا اگر نہ	اَنْ یہ کہ	مَنَّ اللّٰهُ احسان کرتا اللہ	عَلَيْنَا ہم پر	لَخَسَفَ بِنَا البتہ ہمیں دھنسا دیتا	وَيْكَاَنَّهٗ ہائے شامت	لَا يُفْلِحُ فلاح نہیں پاتے
الْكٰفِرُوْنَ کافر	تِلْكَ یہ	الدَّارُ الْاٰخِرَةُ آخرت کا گھر	نَجْعَلُهَا ہم کرتے ہیں اسے	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے جو	لَا يُرِيْدُوْنَ وہ نہیں چاہتے	
عُلُوًّا برتری	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَ اور	لَا فَسَادًا نہ فساد	وَالْعَاقِبَةُ اور انجام نیک	لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	مَنْ جَآءَ جو آیا
بِالْحَسَنَةِ نیکی کیساتھ	فَلَهٗ تو اس کیلئے	خَيْرٌ مِّنْهَا اس سے بہتر	وَمَنْ اور جو	جَآءَ آیا	بِالسَّيِّئَةِ برائی کے ساتھ	فَلَا يُجْزَى تو بدلہ نہ ملے گا
الَّذِيْنَ ان لوگوں کو جنہوں نے	عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ انہوں نے برے کام کئے	اِلَّا مگر۔سوا	مَا جو	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے ہیں		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ قارون کی شان وشوکت دیکھ کر دنیا کے طلبگاروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ تمنا کرنے لگے کہ کاش ہمیں بھی ایسا ہی مال و دولت اور ساز وسامان نصیب ہوتا جیسا کہ قارون کو ملا ہے۔ یہ ہے بڑا نصیبے والا۔ یہ تو دنیاداروں کا قول تھا۔اور جو دین دار اور سمجھ دار لوگ تھے انہوں نے ان دنیا کے طلبگاروں کو سمجھایا کہ تم یہ کیا تمنا کر رہے ہو۔ارے اس عارضی اور چندروزہ چمک دمک اور ٹھاٹھ باٹھ میں کیا رکھا ہے۔ یہ بہار کے دن کی ہے عیش و آرام تو آخرت ہی کا ہے اور وہاں جو سامان اللہ کے مومن اور نیک بندوں کو ملنے والا ہے اس کے سامنے یہ دنیا کے مال ودولت کی کیا حقیقت ہے۔

اب آگے ان آیات میں قارون کا انجام اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی بھلائی اور وہاں کا قانون اجر بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ قارون کی شرارت بڑھ جانے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کی محل سرا کو زمین میں دھنسا دیا۔قارون جس شرارت کی وجہ سے زمین میں دھنسا گیا اس کی نسبت محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کو احکام شرعیہ خصوصاً حکم زکوۃ کی وجہ سے عداوت تھی اس لئے قارون نے کسی فاحشہ عورت کو کچھ روپیہ دے کر بہکایا کہ تو مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگانا چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم میں کھڑے خطبہ دے رہے تھے اس عورت نے یہی کیا۔مفسر ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس الزام کو سن کر کانپ اٹھے اور اسی وقت آپ نے نماز کی نیت باندھ لی دو رکعت ادا کر کے اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے تجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے سمندر میں سے راستہ دیا اور تیری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی تو جو کچھ سچا واقعہ ہے بیان کر۔ یہ سن کر اس عورت کا رنگ بدل گیا اور اس نے صحیح واقعہ سب کے سامنے بیان کر دیا اور خدا سے استغفار کی اور سچے دل سے توبہ کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر سجدے میں گئے اور قارون کی سزا چاہی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ میں نے زمین کو آپ کے تابع کر دیا ہے۔ آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور زمین سے کہا کہ تو قارون اور اس کے محل کو نگل لے۔ الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے قارون مع اپنے مال دولت کے زمین کے اندر دھنسا دیا گیا پھر اسے نہ تو اس کے حمایتی بچا سکے اور نہ وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا اور وہ مال و دولت اور جاہ وحشم اس کے کچھ کام نہ آیا۔ سب مٹ گئے۔ جب قارون کا یہ حشر دیکھا تو اس وقت ان کی آنکھیں بھی کھل گئیں۔ جو قارون کے مال ودولت کو اور اس کی جاہ وحشم کو للچاتی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتے تھے اور اسے نصیبے والا سمجھ کر لمبے سانس لیا کرتے تھے اور رشک کرتے تھے کہ کاش ہم بھی ایسے ہی دولت مند ہوتے اور ہمیں بھی ایسا ہی عروج اور ترقی حاصل ہوتی۔ قارون کا یہ انجام دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے اور اب ان کو ہوش آیا کہ ایسی دولت حقیقت میں ایک خوبصورت سانپ ہے جس کے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے۔ کسی شخص کی دنیوی ترقی اور شان بان کو دیکھ کر ہم کو ہرگز یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہئے کہ اللہ کے ہاں بھی وہ کچھ عزت ووجاہت رکھتا ہے۔ یہ مال دولت کسی بندے کے مقبول ومردود ہونے کا معیار نہیں بس یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ جس پر اپنی حکمت سے مناسب چاہے روزی کے دروازے کھول دے اور جس پر چاہے تنگ کر دے۔ مال دولت کی فراخی مقبولیت اور خوش انجامی کی دلیل نہیں۔ بلکہ بسا اوقات اس کا نتیجہ تباہی اور ابدی ہلاکت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اب وہی جو کل تک قارون جیسا بننے کی تمنا کر رہے تھے آج اس کا انجام دیکھ کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہم کو قارون کی طرح نہ بنایا ورنہ یہی گت ہماری بنتی۔ اپنی طرف سے تو ہم حرص کے مارے آرزو قارون جیسا بننے کی کر ہی چکے تھے۔ خدا نے خیر کی کہ ہماری آرزو کو پورا نہ کیا اور نہ ہماری حرص پر سزا دی بلکہ قارون کا حشر آنکھوں سے دکھلا کر بیدار کر دیا۔ اب ہمیں خوب کھل گیا کہ محض مال وزر کی ترقی سے حقیقی فلاح و

کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی اور یہ کہ ناشکر گزار منکروں کے لئے عذاب الٰہی سے چھٹکارا نہیں۔ اس پر آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا کا مال و دولت جاہ و مرتبہ کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز آخرت ہے اور خوب سمجھ لو کہ آخرت کا گھر ہمیشہ کی مسرت والا ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو اللہ کے ملک میں شرارت وبغاوت کرنا اور بگاڑ ڈالنا نہیں چاہتے اور جو دنیا میں اوروں سے بڑا بن کر رہنے کی دھن میں نہیں رہتے بلکہ اللہ عزوجل کے ڈر سے بری باتوں سے بچتے ہیں اور تواضع وانکساری اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کی کوشش بجائے اپنی ذات کے اونچا رکھنے کی یہ ہوتی ہے کہ اپنے دین کو اونچا رکھیں۔ حق کا بول بالا کریں اور دین کو سربلند کرنے میں پوری ہمت صرف کر ڈالیں۔ وہ دنیا کے حریص نہیں ہوتے۔ آخرت کے عاشق ہوتے ہیں آگے آخرت کے جزا وسزا کا قانون بتلایا جاتا ہے کہ جو دنیا میں اچھے کام کرے گا اور آخرت میں نیکیاں اور بھلائیاں لے کر آئے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے کاموں سے بھی اچھا بدلہ دیں گے برخلاف ان کے جنہوں نے برے کام کئے ہیں ان کو صرف اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا کہ وہ کرتے تھے۔ گویا عالم آخرت کا قانون یہ ہے کہ بدی کا معاوضہ تو صرف اسی قدر ملے گا جتنا اس عمل بد کا مقتضا ہے اور نیکی کا معاوضہ اس کے اصل مقتضا سے کہیں زیادہ ملے گا جس کا کم از کم مرتبہ حدیث نبوی کے مطابق دس گنا ہے۔

ان آیات پر قصہ قارون ختم فرمایا گیا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس قصہ میں ان لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے جو کفار اور بے دینوں کے جاہ و مال پر رشک کرتے ہیں اور ان کو ترقی یافتہ اقوام کہہ کر ہر وقت انہی جیسی ترقی کی دھن میں رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی طرف مائل کرتے ہیں اور جو ان کے ساتھ موافقت نہیں کرتے ان کو پست خیال۔ دقیانوس اور لکیر کے فقیر وغیرہ کہتے ہیں اس قصہ میں حق تعالیٰ نے قارون کی ترقی وعروج پر رشک کرنے والوں کو طالب دنیا قرار دیا اور ان کے مخالفین کو اہل علم وفہم بتلایا گیا۔

دوسری بات قابل عبرت یہ ہے کہ قارون کے جاہ و مال پر رشک کرنے والوں کو اس کا انجام دیکھ کر اپنی غلطی پر تنبہ تو ہو گیا۔ لیکن افسوس ہمارے تہذیب فرنگی کے فدائیوں اور مغرب کے شیدائیوں اور طالبان ترقی کے دلدادوں کو کسی طرح تنبہ نہیں ہوتا۔

تیسری بات قابل عبرت یہ ہے کہ جن لوگوں نے قارون پر رشک کیا تھا انہوں نے محض دنیاوی حیثیت سے کہا تھا اور اس کی حالت کو مطلوب شرعی نہیں بنایا تھا اور ہمارے طالبان ترقی اس ترقی کو نہ صرف مطلوب شرعی بلکہ اس کو اسلام کا مقصود اصلی قرار دیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ سوئے فہم اور فتنۂ جہل سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ نیز یہاں جو یہ فرمایا گیا **تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لایریدون علوا فی الارض ولافسادًا** یعنی یہ عالم آخرت ہم انہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا یعنی نہ تکبر کرتے ہیں جو باطنی گناہ ہے اور نہ کوئی ظاہری گناہ ایسا کرتے ہیں جس سے زمین میں فساد برپا ہو تو اس آیت میں دارِ آخرت کی نجات وفلاح کو ان لوگوں کے لئے مخصوص فرمایا جو زمین میں علو اور فساد کا ارادہ نہ کریں۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ علو سے مراد تکبر ہے یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا بنانے اور دوسروں کو حقیر کرنے کی فکر اور فساد سے مراد ظلم ومعصیت ہے۔

حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے اس آیت کے تحت ایک فائدہ یہ تحریر فرمایا کہ "تکبر جس کی حرمت اور وبال آیت میں ذکر کیا گیا وہ وہی ہے کہ لوگوں پر تفاخر اور ان کی تحقیر مقصود ہو ورنہ اپنے لئے اچھے لباس۔ اچھی غذا۔ اور اچھے مکان کا انتظام جب وہ دوسروں سے تفاخر کے لئے نہ ہو مذموم نہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے" اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں ان باتوں اور خصلتوں سے بچالیں جن پر دارآخرت سے محروم رہنے کی وعید ہے۔

اب آگے سورۃ کے خاتمہ پر نزول قرآن کا احسان خداوندی ہونا۔ اس کا تقاضہ اور رسالت وتوحید کے مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ

جس خدا نے آپ پر قرآن (کے احکام پر عمل اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے وہ آپ کو اصلی وطن (یعنی مکہ) میں پھر پہنچادے گا۔ آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے

بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ

کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے۔ اور آپ کو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جاوے گی

إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ

مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے اس کا نزول ہوا سو آپ ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے۔ اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہو چکے

آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ ۖ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾

تو ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ لوگ آپ کو ان احکام سے روک دیں اور آپ (بدستور) اپنے رب (کے دین) کی طرف (لوگوں کو) بلاتے رہیئے اور ان مشرکوں میں شامل نہ ہوئیں۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ

اور اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکارنا اس کے سوا کوئی معبود نہیں (اس لئے کہ) سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے

لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾

اُسی کی حکومت ہے اور اسی کے پاس تم کو جانا ہے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِي وہ اللہ	جس نے	فَرَضَ لازم کیا	عَلَيْكَ تم پر	الْقُرْآنَ قرآن	لَرَادُّكَ ضرور پھیر لائے گا تمہیں	إِلَىٰ مَعَادٍ لوٹنے کی جگہ
قُلْ فرمادیں	رَبِّي میرا رب	أَعْلَمُ خوب جانتا ہے	مَنْ کون	جَاءَ آیا	بِالْهُدَىٰ ہدایت کے ساتھ	وَمَنْ هُوَ اور وہ کون	
فِي میں	ضَلَالٍ مُّبِينٍ کھلی گمراہی	وَمَا كُنتَ اور تم نہ تھے	تَرْجُوا امید رکھتے	أَن يُلْقَىٰ کہ اتاری جائے گی	إِلَيْكَ تمہاری طرف		
الْكِتَابُ کتاب	إِلَّا مگر	رَحْمَةً رحمت	مِّن سے	رَّبِّكَ تمہارا رب	فَلَا تَكُونَنَّ سو تو ہرگز نہ ہوتا	ظَهِيرًا مددگار	لِّلْكَافِرِينَ کافروں کیلئے
وَلَا يَصُدُّنَّكَ اور وہ تمہیں ہرگز نہ روکیں	عَنْ سے	آيَاتِ اللَّهِ اللہ کے احکام	بَعْدَ بعد	إِذْ جبکہ	أُنزِلَتْ نازل کئے گئے	إِلَيْكَ تمہاری طرف	
وَادْعُ اور آپ بلائیں	إِلَىٰ رَبِّكَ اپنے رب کی طرف	وَ اور	لَا تَكُونَنَّ تم ہرگز نہ ہونا	مِنَ سے	الْمُشْرِكِينَ مشرک	وَلَا تَدْعُ اور نہ پکارو تم	
مَعَ اللَّهِ اللہ کیساتھ	إِلَٰهًا کوئی معبود	آخَرَ دوسرا	لَا نہیں	إِلَٰهَ کوئی معبود	إِلَّا هُوَ اس کے سوا	كُلُّ شَيْءٍ ہر چیز	هَالِكٌ فنا ہونے والی
إِلَّا سوا	وَجْهَهُ اسکی ذات	لَهُ اسی کیلئے۔ کا	الْحُكْمُ حکم	وَ اور	إِلَيْهِ اس کی طرف	تُرْجَعُونَ تم لوٹ کر جاؤ گے	

تفسیر و تشریح:- یہ سورۂ قصص کی آخری آیات ہیں جن پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ دنیا چند روزہ ہے۔ ہمیشہ رہنے کا گھر آخرت ہے اس لئے اسے حاصل کرنے کا فکر کرنا چاہئے اور آخرت کی کامیابی صرف انہی کو حاصل ہوگی جو اس دنیا میں ظلم و تکبر اور فساد سے بچیں گے اور اوروں سے بڑا بن کر رہنے کی دھن میں نہ لگے رہیں اور تقویٰ و پرہیز گاری کی زندگی بسر کریں۔ تو گذشتہ آیت میں والعاقبة للمتقین فرمایا گیا تھا کہ

انجام بخیر آخرت میں پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

اب یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں بھی آخری فتح ان ہی متقین کی ہوتی ہے چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ان آیات میں کہا جاتا ہے کہ آج کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر آپ کو مکہ چھوڑنے کی نوبت آ رہی ہے مگر جس خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا اور قرآن جیسی کتاب عطا فرمائی وہ یقیناً آپ کو نہایت کامیابی کے ساتھ اسی جگہ واپس لائے گا۔ لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے لئے مکہ کو چھوڑا تو جحفہ پہنچ کر آپ کو مکہ کا جو کہ آپ کا وطن تھا اور جہاں خانہ کعبہ تھا اشتیاق ہوا وہاں بطور وعدہ کے یہ آیت ان الذی فرض علیک القرآن لرآدک الی معاد نازل ہوئی جس میں آپ کو مکہ میں دوبارہ جانے کی خبر دی گئی جو فتح مکہ کے دن نہایت خوبی و کامیابی کے ساتھ پوری ہوئی۔ پھر کفار باوجود اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عقلاً و نقلاً ثابت تھی معاذ اللہ آپ کو غلطی پر اور اپنے کو حق پر سمجھتے اس کے متعلق ارشاد ہوا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے فرما دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لے کر منجانب اللہ آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں مبتلا ہے یعنی میرے حق پر ہونے اور تمہارے باطل پر ہونے کے دلائل قطعیہ موجود ہیں مگر جب تم ان سے کام نہیں لیتے اور ان کو نہیں سمجھتے تو اخیر جواب یہی ہے کہ خدا کو خوب معلوم ہے کہ کون ہدایت پر ہے اور کون گمراہی پر اور یقیناً وہ ہر ایک کے ساتھ ان کے احوال کے موافق معاملہ کرے گا۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی یہ دولت نبوت محض خداداد ہے حتیٰ کہ خود آپ کو نبی ہونے کے قبل یہ توقع نہ تھی یعنی آپ پہلے سے کچھ پیغمبری کے انتظار میں نہ تھے یہ تو محض عطائے خداوندی اور رحمت الٰہیہ ہے جو حق تعالیٰ نے آپ کو پیغمبری و وحی سے سرفراز فرمایا وہی اپنی مہربانی اور رحمت سے دنیا اور آخرت میں کامیاب فرمائے گا لہٰذا اسی کی امداد پر ہمیشہ بھروسہ رکھئے اور آپ ان کفار و مشرکین کی خرافات کی طرف توجہ نہ دیجئے اور جس طرح ان سے اب تک الگ تھلگ رہے آئندہ بھی اسی طرح ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے۔ یہاں مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو یہ احتمال ہی نہ تھا کہ آپ کافروں کی کفر میں پشت پناہی یا کوئی تائید فرمائیں گے یا کبھی خود معاذ اللہ شرک آمیز اعمال کے مرتکب ہوں گے در حقیقت یہاں کلام تعریض آمیز ہے یعنی خطاب گو آپ کی طرف ہے مگر مقصود اور غرض خطاب عام اہل اسلام کی طرف ہے اور مدعا یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کے مقابلہ میں کافروں کی پشت پناہی نہ کرنا چاہئے۔ کافروں کی دوستی، قرابت اور رشتہ داری یا حکومت و تسلط کی وجہ سے کبھی ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے جو کفر نواز ہو بلکہ مشرکوں کے گروہ سے بھی الگ ہو جانا چاہئے۔ مسلمانوں کے لئے زیبا نہیں کہ ظاہراً یا باطناً کسی طرح کفر نوازی ہو اس لئے اہل کفر و شرک سے اجتناب ضروری ہے اور اللہ کے احکام کی تعمیل لازمی ہے اور یہ صرف اس لئے کہ دنیا کا ہر رشتہ ناطہ دوستی اور محبت فانی ہے۔ ہر لالچ اور خوف زوال پذیر ہے۔ ہر دکھ و سکھ ناپائیدار ہے۔ آخر میں کوئی کام آنے والا نہیں۔ حکومت اور قدرت تو اللہ ہی کو حاصل ہے۔ آخر میں اسی سے واسطہ پڑے گا پھر اس کے حکم کو چھوڑ کر دوسروں کے کہنے پر چلنا خود اپنے کو تباہی کے غار میں گرانا اور اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارنا ہے۔ سب کو اسی کی عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں تنہا اسی کا حکم چلے گا اور صورۃً اور ظاہراً بھی کسی کا اقتدار اور حکم باقی نہ رہیگا۔

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت اہل اسلام کو فتح مکہ کی بشارت اور بشارت میں اتباع قرآنی کی ضمنی ہدایت اور اس بات کی طرف نہایت لطیف اشارہ ہے کہ آئندہ کامرانی کا ذریعہ صرف تعمیل شریعت اور اتباع قرآنی ہے۔ یہاں یہ بھی تعلیم موجود ہے کہ کسی کو زیبا نہیں کہ خود ساختہ راہ زندگی کو موجب فلاح اور صحیح سمجھے۔ سیدھا راستہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتلایا۔ اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی پشت پناہی ہرگز نہ کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دینی اور جہاں تک ممکن ہو اسلام کی طرف بلانا لازم ہے۔ اسلئے مسلمان پر ضروری ہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ تبلیغ اسلام کو پیش نظر رکھے اور مسلمان کہلانے سے کبھی شرم نہ کرے۔ اور اللہ کے سوا دنیا کی ہر چیز کو فنا پذیر اور ناپائیدار جانے۔

الحمدللہ آج کے درس میں سورۂ قصص کا بیان جس میں ۹ رکوع تھے ختم ہوا۔ اس کے بعد انشاء اللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ تِسْعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿١﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿٢﴾ وَلَقَدْ

الٓمّٓ۔ (بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو) کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جاویں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور انکو آزمایا نہ جاویگا

فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٣﴾

اور ہم تو اُن لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔

الٓمّٓ الٓم	اَحَسِبَ کیا گمان کیا ہے	النَّاسُ لوگ	اَنْ يُّتْرَكُوْٓا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے	اَنْ کہ	يَّقُوْلُوْٓا انہوں نے کہہ دیا	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے
وَهُمْ اور وہ	لَا يُفْتَنُوْنَ وہ نہ آزمائے جائیں گے	وَ اور	لَقَدْ فَتَنَّا البتہ ہم نے آزمایا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	
فَلَيَعْلَمَنَّ تو ضرور معلوم کریگا	اللّٰهُ اللہ	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	صَدَقُوْا سچے ہیں	وَ اور	لَيَعْلَمَنَّ وہ ضرور معلوم کریگا	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹے

تفسیر و تشریح:۔ الحمد للہ اب بیسویں پارہ کی سورۂ عنکبوت کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی تین ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں جن کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصہ مضامین اور تعداد آیات۔ رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے چوتھے رکوع میں لفظ عنکبوت آیا ہے۔ عنکبوت کے معنی مکڑی کے ہیں۔ اس سورۃ کی ایک آیت میں کفار کے اعتقادات کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی گئی ہے جو نہایت کمزور اور بودا ہوتا ہے اس لئے اس سورۃ کا علامتی نام عنکبوت قرار دیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔ اور اس کے نزول کا زمانہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے لئے بڑے مصائب و شدائد کا زمانہ تھا۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی انتیسویں (۲۹) سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۸۱ لکھا ہے یعنی ۸۰ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھیں اور ۹ سورتیں اس کے بعد مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں اور پھر ۲۴ سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۶۹ آیات۔ سات رکوعات۔ ۹۹۰ کلمات اور ۴۴۱۰ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

جس زمانہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی ہے اس زمانہ میں مکہ کے مسلمان مشرکوں اور کفار کے ہاتھوں سخت اذیت اٹھا رہے تھے۔ کفار کی طرف سے اسلام کی مخالفت پورے زور شور سے ہو رہی تھی اور ایمان لانے والوں پر سخت ظلم و ستم توڑے جا رہے تھے ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی تا کہ ایک طرف صادق الایمان لوگوں میں عزم و ہمت اور استقامت پیدا ہو اور دوسری طرف کفار مکہ کو سخت تنبیہ و تہدید کی گئی۔ مسلمان جو اس وقت سخت سے سخت تکالیف جھیل رہے تھے ان کو اس سورۃ میں صبر کی تلقین کی گئی اور ان سے کہا گیا کہ دنیا میں اللہ عزوجل اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ جو لوگ مصیبتیں جھیل کر ثابت قدم رہتے ہیں وہی آخر کامیاب ہوتے ہیں۔ مشقت اٹھائے بغیر راحت نہیں ملتی اور نہ کسوٹی پر گھسے بغیر کھوٹا کھرا پہچانا جاتا ہے۔ مسلمانو! جب زبان سے اللہ کا اقرار کیا ہے تو اب آزمائش کے لئے تیار رہو ایمان کوئی زبانی جمع خرچ نہیں ہے کہ زبان

سے کلمہ پڑھ لے اور پھر جو چاہے کرتا پھرے۔ یہ بات نہیں بلکہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے احکام کی پابندی کرے اور اس کے راستہ میں مشقتیں اور مصیبتیں پڑیں تو انہیں ثابت قدمی سے برداشت کرے اور لاکھ کوئی ہلائے مگر دین سے ہلنے کا نام نہ لے۔ ایمان کا امتحان ہر زمانہ کے لوگوں کا لیا گیا ہے جو امتحان میں پورے اترے وہ دنیا اور آخرت کی کامیابیوں سے مالا مال ہوئے۔ کفار مکہ کے متعلق بتلایا گیا کہ یہ نادان لوگ جو مسلمانوں کو ستا رہے ہیں ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے کفار کا ستانا مسلمانوں کے درجہ بڑھنے کا باعث بن رہا ہے۔ دیکھو ایسا ہرگز نہ ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرنے لگو۔ اگر ماں باپ بھی کہیں کہ ایمان چھوڑ دو اور کفر وشرک اختیار کرو تو انکا کہنا بھی اس بارے میں مت مانو۔ مشرکین تمہیں ہر طرح ورغلائیں گے کہ اسلام چھوڑ کر پرانا طریقہ کفر وشرک اختیار کرو لیکن تم ان کے کہنے میں نہ آنا۔ پچھلی قوموں کا حال دیکھو کہ اللہ کو نہ مان کر کیسی کیسی تباہیوں میں پھنسے اور کس بری طرح ہلاک و برباد ہوئے اللہ کے عذاب سے انہیں کوئی نہ بچا سکا اور جو اللہ کے فرمانبردار ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی اپنی نعمتوں سے نوازا اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑے درجہ ہیں۔ یہ دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں ہے۔ یہ کچھ دن کی چہل پہل ہے جو مٹ کر رہے گی اور جنہوں نے اس میں دل لگا رکھا ہے مرنے کے بعد ہی ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا اور ہاتھ ملتے رہ جائیں گے مگر اس وقت کی ندامت اور پچھتانے سے کیا فائدہ۔ مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی کی گئی کہ اگر ظلم وستم تمہارے لئے ناقابل برداشت ہو جائے تو ایمان چھوڑنے کی بجائے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ۔ خدا کی زمین وسیع ہے جہاں خدا کی بندگی کر سکو وہاں چلے جاؤ۔ سورۃ کے اخیر میں یہ جان فزا پیغام ہے کہ جو ہمارے لئے محنت کرے گا ہم اس کے لئے کامیابی کا راستہ کھول دیں گے اور اللہ اپنے مخلص وفاداروں کے ساتھ ہے۔ الغرض مثل دوسری مکی سورتوں کے اس سورۃ میں توحید و رسالت و آخرت کو ذہن نشین کرایا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ شرک کی مذمت و ابطال فرمایا گیا ہے۔ یہ ہے خلاصہ اس تمام پوری سورۃ کا جس کی تفصیلات آئندہ درسوں میں انشاء اللہ آپ کے سامنے آئیں گی۔

اس تمہید کے بعد اب ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔

اس سورۃ کی بھی ابتدا حروف مقطعات الٓمّٓ سے فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ پہلے متعدد بار عرض کیا جا چکا ہے ان کا حقیقی مطلب اور معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں یا پھر حق تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ ان پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہئے۔ آگے سورۃ کی ابتدا اس ارشاد سے فرمائی گئی کہ بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو کیا ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو طرح طرح کے مصائب سے آزمایا نہ جائے گا۔ جن حالات میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے وہ یہ تھے کہ مکہ میں اس وقت جو بھی اسلام قبول کرتا تھا اس پر آفات اور مصائب کا ایک طوفان ٹوٹ پڑتا تھا۔ کوئی غلام یا غریب ہوتا تو اس کو بری طرح مارا پیٹا جاتا۔ تپتی ہوئی گرم ریت پر برہنہ بدن لٹا کر اوپر سے گرم اور بھاری پتھر سینہ پر رکھ دیا جاتا۔ کبھی دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا جاتا۔ غریب بے کس مومنوں کی پشت ریت اور آگ کی گرمی سے جھلس جاتی اور زخمی ہو جاتی اور زمین پر مچھلی کی طرح تڑپتے۔ کوئی دکاندار یا کاریگر ہوتا تو اس کی روزی کے دروازے بند کر دیئے جاتے کہ فاقوں کی نوبت آتی۔ کوئی

بااثر خاندان کا آدمی ہوتا تو اس کو اپنے خاندان کے لوگ طرح طرح سے تنگ کرتے اور اس کی زندگی دشوار بنا دیتے۔ ان حالات نے اگرچہ راسخ الایمان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عزم و ثبات میں کوئی تزلزل پیدا نہ کیا تھا لیکن انسانی فطرت کے تقاضہ سے اکثر ان پر بھی شدید اضطراب کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور اپنے دکھ کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کرتے اور دعا کے ملتجی ہوتے۔ اسی کیفیت کا ایک نمونہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت پیش کرتی ہے جو بخاری وغیرہ نے روایت کی ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ چادر مبارک کی ٹیک لگائے ہوئے کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے اور ہم لوگوں پر دن رات مشرکین کی جانب سے ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے۔ میں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ اللہ پاک سے ہمارے لئے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ سنبھل کر بیٹھے اور آپ کا چہرہ مبارک جوش اور جذبہ سے سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا تم سے جو پہلے اہل ایمان گزر چکے ہیں ان پر اس سے زیادہ سختیاں توڑی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی کو زمین میں گڑھا کھود کر بٹھا دیا جاتا اور اس کے سر پر آرا چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت نوچ ڈالا گیا سوائے ہڈیوں اور پٹھوں کے کچھ نہ چھوڑا گیا۔ ایسی سختیوں نے بھی ان کو ان کے دین سے نہ روکا۔ خدا کی قسم اللہ پاک اپنے اس دین کو پورا کر کے رہے گا تم لوگ دیکھ لوگے کہ اکیلا سوار صنعا یمن سے حضر موت تک آئے گا اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا ڈر و ہراس اس کے دل میں نہ ہوگا۔

لیکن تم لوگ ہر کام میں جلدی چاہتے ہو۔ تو اس اضطرابی کیفیت کو ٹھنڈے صبر اور تحمل میں تبدیل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو سمجھاتے ہیں کہ ہمارے جو وعدے دنیا اور آخرت کی کامرانیوں کے لئے ہیں وہ محض زبانی دعویٰ ایمان پر نہیں۔ زبان سے ایمان کا اقرار کرنے والوں کی آزمائش اور امتحان ہوگا۔ ہماری خاطر مشقتیں اٹھانی ہوں گی۔ جان و مال کا نقصان بھی برداشت کرنا ہوگا۔ طرح طرح کی سختیاں بھی جھیلنی ہوں گی۔ خطرات و مصائب و مشکلات کا مقابلہ بھی کرنا ہوگا۔ ہر چیز جسے عزیز و محبوب رکھتے ہو ہماری رضا پر اسے قربان کرنا پڑے گا۔ ہر تکلیف جو تمہیں ناگوار ہے ہمارے لئے برداشت کرنا ہوگی تب کہیں یہ بات کھلے گی کہ ہمیں ماننے کا جو دعویٰ تم نے کیا تھا وہ سچا تھا یا جھوٹا۔ آزمائش ہی وہ کسوٹی ہے جس سے کھوٹا اور کھرا پرکھا جاتا ہے۔ حدیث میں بھی ارشاد ہے کہ ہر شخص کی آزمائش اس کے مرتبہ کے موافق کی جاتی ہے۔ سب سے سخت امتحان انبیاء کا لیا جاتا ہے۔ ان کے بعد صالحین کا پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں کا جو ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں۔ نیز امتحان آدمی کا اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتا ہے جس قدر کوئی شخص دین میں مضبوط اور سخت ہوگا اسی قدر امتحان سخت ہوگا۔ پھر آگے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کوئی نیا معاملہ نہیں ہے کہ جو تمہارے ہی ساتھ پیش آ رہا ہو۔ پہلے زمانہ والوں کا بھی ایمان کا اقرار کرنے پر امتحان لیا گیا۔ گذشتہ انبیاء کی امتوں کے برگزیدہ انسان بھی گوناگوں اذیتیں اٹھا چکے ہیں۔ کسی کو آرہ سے چیرا گیا کسی کا گوشت قینچیوں سے کاٹا گیا۔ کسی کو آگ کے بھرے ہوئے گڑھوں میں ڈال کر جلایا گیا۔ کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی پر لٹکایا گیا۔ بنی اسرائیل کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی ذبح کرا دیا گیا۔ وغیرہ

وغیرہ پس امت محمدیہ کے پرخلوص اہل ایمان کو بھی ضرور آزمائشوں کی بھٹی میں ڈال کر جانچا جائے گا مگر ان کو صبر واستقامت کے ساتھ دین کے لئے ہر تکلیف اٹھانی اور قربانی کرنی پڑے گی۔ اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کو اپنی صفات کمالیہ کے باعث ہر چیز سے واقفیت ہے لیکن وہ لوگوں کے امتحان کے بعد ان کے صداقت وکذب کا حال علانیہ ظاہر کرنا چاہتا ہے تا کہ امتیاز ہو سکے کہ کون دعوائے ایمان میں سچا نکلتا ہے اور کون جھوٹا اور پھر اسی کے موافق ہر ایک کو جزا دی جائے۔

معلوم ہوا کہ حقیقی مسلمان ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ زبان سے کلمہ پڑھ لے اور پھر چھٹی ہوئی جو جی چاہے کرتا پھرے۔ یہ بات نہیں بلکہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے جملہ احکام کی دیانت داری سے پابندی کرے اور اس کی اطاعت میں مشقتیں اٹھائے۔ مصیبتیں برداشت کرے اور دین پر پوری طرح ثابت قدم رہے۔ یہی اس کا امتحان ہے اور جو اس امتحان میں کامیاب ہوا اس کو اصلی کامیابی دنیا و آخرت میں دونوں جگہ نصیب ہوگی۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن پر بلاؤں کا نزول اس کے ایمان کے صدق اور کذب کی جانچ کے لئے ہوتا ہے۔ مومن صادق مصائب نازلہ کو اللہ کی طرف سے سمجھ کر صبر کرتا اور اپنے دل میں طمانیت اور سکون پاتا ہے اور کچے ایمان والا جان و مال میں مصیبت۔ اہل وعیال کی ہلاکت۔ تجارت میں خسارہ اور جسمانی امراض میں اپنے کو گھرا ہوا دیکھ کر گھبرا جاتا ہے۔ اور ناشکری اور کلمات نازیبا تک بکنے لگتا ہے۔ امتحان اور آزمائش کے بعد دونوں فریق الگ الگ سامنے آجاتے ہیں۔ ابھی یہی سلسلہ مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو دین پر استقلال وثابت قدمی نصیب فرمائیں۔ اور ہر حال میں ہم کو صبر وشکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور دین کے لئے ہم کو ہر طرح کی تکلیف ومشقت برداشت کرنے کا عزم وہمت عطا فرمائیں۔

اے اللہ ہم تو بہت ہی کمزور ایمان والے ہیں ہم کسی ابتلا اور آزمائش کے لائق نہیں آپ اپنے فضل وکرم سے ہمارے ایمان واسلام کی حفاظت کا سامان عطا فرمائیں۔ اے اللہ ان صحابہ کرام کے ایمان اور اسلام کے طفیل میں جن کے عزم وثبات میں بڑے سے بڑے آفات ومصائب سے بھی لغزش نہ آئی ہم کو بھی ہر حال میں اپنا ایمان اور اسلام سنبھالنے کی ہمت اور توفیق عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ۝۴ مَنْ کَانَ

ہاں کیا جولوگ بُرے بُرے کام کررہے ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے، اُن کی یہ تجویز نہایت ہی بیہودہ ہے۔ جو شخص

یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۵ وَمَنْ جَاھَدَ

اللہ سے ملنے کی اُمید رکھتا ہے سو اللہ کا وہ معین وقت ضرور آنے والا ہے، اور وہ سب کچھ سنتا سب کچھ جانتا ہے۔ اور جو شخص محنت کرتا ہے

فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے، خداتعالیٰ کو تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں۔ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں

الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۷

ہم اُن کے گناہ اُن سے دُور کردیں گے اور اُن کو اُن اعمال کا زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔

اَمْ حَسِبَ کیا گمان کیا ہے	الَّذِیْنَ وہ لوگ جو	یَعْمَلُوْنَ کرتے ہیں	السَّیِّاٰتِ بُرے کام	اَنْ کہ	یَّسْبِقُوْنَا وہ ہم سے باہر بچ نکلیں گے		
سَآءَ بُرا ہے	مَا یَحْکُمُوْنَ جو وہ فیصلہ کررہے ہیں	مَنْ جو	کَانَ یَرْجُوْا وہ امید رکھتا ہے	لِقَآءَ اللّٰہِ اللہ سے ملاقات کی	فَاِنَّ تو بیشک		
اَجَلَ اللّٰہِ اللہ کا وعدہ	لَاٰتٍ ضرور آنے والا	وَھُوَ اور وہ	السَّمِیْعُ سننے والا	الْعَلِیْمُ جاننے والا	وَمَنْ اور جو	جَاھَدَ کوشش کرتا ہے	
فَاِنَّمَا تو صرف	یُجَاھِدُ کوشش کرتا ہے وہ	لِنَفْسِہٖ اپنی ذات کیلئے	اِنَّ بیشک	اللّٰہَ اللہ	لَغَنِیٌّ البتہ بے نیاز	عَنِ سے	الْعٰلَمِیْنَ جہان والے
وَالَّذِیْنَ اور جولوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے اچھے عمل کئے	لَنُکَفِّرَنَّ البتہ ہم ضرور دور کردیں گے	عَنْھُمْ ان سے			
سَیِّاٰتِھِمْ ان کی برائیاں	وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اور ہم ضرور جزا دیں گے انہیں	اَحْسَنَ زیادہ بہتر	الَّذِیْ وہ جو	کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ان مسلمانوں سے خطاب تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے کفار کے ہاتھوں طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا تھے۔ ان کو مصائب پر صبر کرنے اور اعدائے اسلام کے مقابلہ میں استقامت سے دین پر جمے رہنے کی تلقین فرمائی گئی تھی اور ان کی تسلی اور ہمت بڑھانے کے لئے یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ اہل ایمان کا تکالیف میں مبتلا ہونا اور اللہ کی خوشنودی کے لئے مصائب کو برداشت کرنا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ گذشتہ انبیاء کی امتوں کے اہل ایمان بھی سخت سے سخت اذیتیں کفار کے ہاتھوں اٹھا چکے ہیں۔ اب آگے ایک کلمۂ زجر وتوبیخ ان لوگوں کو خطاب کرکے فرمایا جاتا ہے جو حق پرستوں پر ظلم وستم ڈھا رہے تھے۔ یہ خطاب اگرچہ عام ہے اور اس سے مراد وہ تمام لوگ ہوسکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں لیکن یہاں خاص طور پر روئے سخن ان کفار ومشرکین اور قریش کے ظالم سرداروں کی طرف ہے جو اسلام کی مخالفت میں اسلام قبول کرنے والوں پر ہر طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے۔ ان کفار ومشرکین کو سنایا جاتا ہے کہ ان کو یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ہمیشہ یونہی مسلمانوں پر ظلم وستم کرتے رہیں گے اور یونہی مسلمان مار کھاتے اور تکلیف اٹھاتے رہیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ان سے ضرور انتقام لیا جائے گا۔ مسلمانوں کو ضرور ترقی اور غلبہ نصیب ہوگا اور اس سرزمین میں کافروں کو اپنی تباہی وبربادی سے دوچار

ہونا پڑے گا۔اس وقت کی عارضی مہلت سے ان کفار نے جو یہ رائے قائم کرلی ہے کہ ہم مزے سے ظلم کرتے رہیں گے اور خود ہمیشہ مامون رہیں گے تو حقیقت میں یہ نہایت احمقانہ فیصلہ ہے وہ ہم سے بچ کر کہاں جاسکتے ہیں اور ہماری گرفت سے نکل کر کہاں بھاگ سکتے ہیں۔آگے پھر مسلمانوں کی طرف روئے سخن فرمایا جاتا ہے کہ جو شخص اس توقع پر سختیاں اٹھا رہا ہے کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں ہر بات کی باز پرس ہوگی۔اگر میں ناکامیاب رہا تو یہاں کی سختیوں سے کہیں بڑھ کر وہاں سختیاں جھیلنی پڑیں گی اور کامیاب رہا تو ساری کلفتیں ڈھل جائیں گی۔اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار نصیب ہوگا۔ایسا شخص یاد رکھے کہ اللہ کا وعدہ آ رہا ہے۔کوئی طاقت اسے پھیر نہیں سکتی۔ اس کی اعلیٰ توقعات پوری ہو کر رہیں گی اور اس کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کی جائیں گی۔اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے کسی کی محنت رائیگاں نہ کرے گا۔تو اس کلام میں مسلمانوں کو مجاہدہ کرنے اور مصائب پر صبر کرکے دین پر جمے رہنے کی مزید تلقین و ترغیب ہے کیونکہ جب موت ضرور آنے والی ہے اور اس کا وقت مقرر ہے تو اسلام سے روگرداں ہونے اور مصائب سے گھبرا کر راہ فرار اختیار کرنے کے بعد بھی موت کے پنجہ سے رہائی ناممکن ہے پھر قیامت ضرور ہونی ہے اللہ کے سامنے ضرور جانا ہے۔مصائب چندروزہ کا اختتام لازمی طور پر ہوگا۔اور آخرت میں حساب فہمی کے بعد عذاب ثواب بھی ضرور ہوگا لہٰذا آخرت کی فلاح کے اسباب حاصل کرنا اور اخروی سرخروئی کے موجبات کو فراہم کرنا لازمی ٹھہرا۔آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ہم جو تم کو مشقتوں کے برداشت کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں سو اس میں ظاہر اور مسلم ہے کہ ہماری کوئی منفعت نہیں۔اللہ تعالیٰ کو کسی کی طاعت سے کیا نفع اور کسی کی معصیت سے کیا نقصان۔وہ تو کلی طور پر بے نیاز ہے۔اگر تمام عالم اس کی عبادت میں ہر وقت غرق رہے تب اس کی ذات کو کوئی نفع نہیں پہنچتا اور سب نافرمان اور سرکش ہو جائیں تب بھی اس کا کوئی نقصان نہیں۔ہاں بندہ اپنے پروردگار کی طاعت میں جس قدر محنت اٹھائے گا اس کا پھل دنیا اور آخرت میں اسی کو ملے گا پس مجاہدہ کرنے والے یہ خیال کبھی نہ آنے دیں کہ ہم خدا کے راستہ میں اتنی محنت کرکے کچھ اس پر احسان کر رہے ہیں۔(العیاذ باللہ) ارے یہ تو اس کا احسان ہے کہ خود تمہارے فائدہ کے لئے طاعت اور ریاضت کی توفیق بخشی۔آگے ارشاد ہوتا ہے کہ تمام جہان سے بے پروا اور بے نیاز ہونے کے باوجود اپنی رحمت وشفقت سے تمہاری محنت کو ٹھکانے لگاتا ہے اور ایمان و عمل صالح کی برکت سے نیکیاں ملیں گی اور برائیاں معاف ہوں گی۔

یہاں ''ایمان'' اور ''عمل صالح'' کی تعریف بھی مختصراً سمجھ لی جائے ایمان سے مراد ان تمام باتوں کو سچے دل سے ماننا ہے جنہیں تسلیم کرنے کی دعوت اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب نے دی ہے اور ''عمل صالح'' سے مراد اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت کے موافق عمل کرنا ہے۔اس ایمان اور عمل صالح کے دو نتیجہ بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ آدمی کی برائیاں اس سے دور کردی جائیں گی اور دوسرے یہ کہ اس کے اعمال سے بہتر جزا دی جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ یہاں یہ بتلایا گیا کہ بدکردار لوگوں کو یہ خیال نہ کرلینا چاہئے کہ وہ اللہ کی گرفت سے باہر ہیں۔انسان کی کوششوں سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ انسان کی جدوجہد خود اسی کے لئے اچھا یا برا نتیجہ پیدا کرتی ہے عمل صالح سے اہل ایمان کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔نیکیوں کی بھی پوری جزا ملتی ہے۔تو مقصود بیان یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح پر قائم رہو اور اسلام کے راستہ میں پیش آنے والی مصیبت کو استقلال کے ساتھ برداشت کرو اور اعانت دین کے لئے ہمہ تن کوشش کرو۔

اسی سلسلہ میں آگے بتلایا جاتا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اگرچہ حسن سلوک کی اسلام تاکید کرتا ہے مگر شرک وکفر کے لئے اگر ماں باپ بھی زور ڈالیں تب بھی ان کا کہنا نہیں ماننا چاہئے اور ایمان و عمل صالح پر مستقیم رہنا چاہئے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے

بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں ہے تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے سو میں تم کو تمہارے سب کام جتلا دوں گا۔ جو لوگ ایمان لائے ہوں گے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝۹ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

اور نیک عمل کئے ہوں گے ہم اُن کو نیک بندوں میں داخل کر دیں گے۔ اور بعضے آدمی ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے

فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ

پھر جب اُن کو راہ خدا میں کچھ تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذارسانی کو ایسا سمجھ جاتے ہیں جیسے خدا کا عذاب، اور اگر کوئی مدد آپ کے رب کی طرف سے آپہنچتی ہے

لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ

تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے، کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہاں والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝۱۱

معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا۔

وَوَصَّيْنَا اور ہم نے حکم دیا	الْاِنْسَانَ انسان کو	بِوَالِدَيْهِ ماں باپ سے	حُسْنًا حسن سلوک کا	وَاِنْ اور اگر	جَاهَدٰكَ تجھ سے کوشش کریں		
لِتُشْرِكَ بِيْ کہ تو شریک ٹھہرائے میرا	مَا لَيْسَ جس کا نہیں	لَكَ تجھے	بِهٖ عِلْمٌ اسکا کوئی علم	فَلَا تُطِعْهُمَا تو کہنا نہ مان ان کا			
اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ میری طرف تمہیں لوٹ کر آنا	فَاُنَبِّئُكُمْ تو میں ضرور بتلاؤں گا تمہیں	بِمَا وہ جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ			
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا وہ ایمان لائے اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	لَنُدْخِلَنَّهُمْ ہم ضرور انہیں داخل کریں گے	فِي الصّٰلِحِيْنَ نیک بندوں میں				
وَمِنَ اور سے۔ کچھ	النَّاسِ لوگ	مَنْ يَّقُوْلُ جو کہتے ہیں	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِاللّٰهِ اللہ پر	فَاِذَآ پھر جب	اُوْذِيَ ستائے گئے	
فِي اللّٰهِ اللہ (کی راہ) میں	جَعَلَ بنالیا	فِتْنَةَ ستانا	النَّاسِ لوگ	كَعَذَابِ جیسے عذاب	اللّٰهِ اللہ	وَلَئِنْ اور اگر	جَآءَ آئے
نَصْرٌ کوئی مدد	مِّنْ رَّبِّكَ تمہارے رب سے	لَيَقُوْلُنَّ تو وہ ضرور کہتے ہیں	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ			
اَوَلَيْسَ کیا نہیں ہے	اللّٰهُ اللہ	بِاَعْلَمَ خوب جاننے والا	بِمَا وہ جو	فِيْ صُدُوْرِ سینوں (دلوں) میں	الْعٰلَمِيْنَ جہان والے		
وَلَيَعْلَمَنَّ اور البتہ ضرور معلوم کریگا	اللّٰهُ اللہ	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَلَيَعْلَمَنَّ اور البتہ ضرور معلوم کریگا	الْمُنٰفِقِيْنَ منافق		

تفسیر وتشریح:۔ جیسا کہ اس سورۃ کے ابتدائی درس میں بیان ہوا کفار مکہ طرح طرح سے مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کی فکر اور تدبیریں کرتے تھے۔ بعضے سخت جسمانی ایذائیں پہنچاتے تھے۔ بعضے دوسرے طریقوں سے مجبور کرتے تھے۔ چنانچہ آیت ووصینا الانسان

بو الدیہ حسنا اور ۲۱ ویں پارہ سورۂ لقمان کی وہ آیت جس میں والدین کا حکم شرک اور کفر کا ماننے کی ممانعت ہے حضرت سعد بن ابی وقاص کے حق میں نازل ہوئیں۔ حضرت سعد ان چند بزرگ ہستیوں میں سے ایک تھے جن کو سبقت فی الاسلام کا شرف حاصل تھا اور جو عشرہ مبشرہ میں داخل تھے۔ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی آپ کی عمر ۱۸، ۱۹ سال کی تھی جب آپ نے اسلام قبول کیا۔ آپ اپنی والدہ کی خدمت بہت زیادہ کرتے تھے اور ماں بھی دوسری اولاد سے زیادہ آپ کو چاہتی تھی۔ جب حضرت سعد نے اسلام قبول کرلیا اور ماں کو اطلاع ہوئی تو وہ بہت ناراض ہوئی اور کہنے لگی کہ تو باپ دادا کے دین سے پھر گیا۔ واللہ جب تک اسلام سے نہ پھرے گا میں نہ کھاؤں گی۔ نہ پیوں گی نہ سایہ میں بیٹھوں گی یونہی مرجاؤں گی۔ تاکہ عمر بھر تو مطعون خلائق رہے اور لوگ تجھے ماں کا قاتل کہیں چنانچہ ایک رات دن وہ اسی حالت پر رہی۔ حالت بگڑنے لگی۔ دوسرے دن بھی بھوک ہڑتال قائم رکھی۔ لکھا ہے کہ یہ تاریخ میں پہلی مثال بھوک ہڑتال بلکہ بھوک اور پیاس ہڑتال کی تھی جو خالص کافرانہ چیز تھی مگر اب ناواقف مسلمان بھی اسی کافرانہ ہتھیار کو استعمال کرنے لگے ہیں۔ اسلام نے ہڑتال کا سبق نہیں دیا ہے۔ اسلام نے تو دو ہی باتیں بتلائی ہیں اگر قوت ہو تو ناحق اور ظلم کا مقابلہ قوت سے کیا جائے اگر قوت نہ ہو تو صبر کیا جائے جہاں تک کہ دین سالم رہ سکے اور اگر دین محفوظ نہ ہو تو پھر ہجرت کر جانے کا حکم ہے۔ الغرض حضرت سعد کی ماں نے دوسرے دن بھی بھوک ہڑتال قائم رکھی۔ آخر لوگوں نے زبردستی منہ چیر کر حلق میں کچھ کھانا پانی ڈالا مگر ضد پر قائم رہی اور کہنے لگی سعد! کیا تجھے اللہ نے ماں کی فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا ہے اگر اطاعت والدین کا حکم دیا ہے تو میں تجھے حکم دیتی ہوں کہ اپنے سابق دین پر آجا۔ ماں کا حق ادا کرنا تو اللہ کا حکم ہے۔ تو میری بات نہ مانے گا تو اللہ کی بھی نافرمانی کرے گا۔ حضرت سعد اس پر سخت پریشان ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر

ہو کر تمام ماجرا عرض کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ممکن ہے ایسے ہی حالات سے دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی دوچار ہوئے ہوں جو مکہ معظمہ کے ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے تھے اسی لئے اس مضمون کو سورۂ لقمان ۲۱ ویں پارہ میں بھی پورے زور کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔ حضرت سعد کے متعلق بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے ماں کا کہنا نہ مانا اور فرمایا اے ماں اگر تیری سو جانیں ہوں اور اگر ایک ایک کر کے نکل جائیں تب بھی خدا کی قسم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت و ہدایت کا انکار نہ کروں گا۔ اب تیرا دل چاہے کھا اور تیرا دل نہ چاہے نہ کھا۔ یہ سن کر ماں مایوس ہوگئی اور بالآخر کھانے پینے لگی۔ تو یہاں آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم ہے کہ والدین کے ساتھ دنیوی معاملات میں اچھا سلوک کیا جائے خواہ والدین کافر ہوں یا مسلم۔ لیکن اگر والدین شرک اور کفر کرنے کے لئے کتنے ہی اصرار سے کہیں تب بھی ہرگز ان کا کہنا نہ ماننا چاہئے۔ اس آیت میں اور قرآن پاک کی دوسری آیات میں نیز صحیح احادیث میں اطاعت والدین کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے مدنظر علما نے صراحت کی ہے کہ ماں باپ کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مالی سلوک اور جسمانی خدمت کے لحاظ سے والدہ کا حق مقدم ہے اور ادب اور فرمان پذیری میں والد کا حق اول ہے۔ تو انسان پر مخلوقات میں سے کسی کا حق سب سے بڑھ کر ہے تو وہ اس کے ماں باپ ہیں لیکن ماں باپ بھی اگر انسان کو شرک پر مجبور کریں تو ان کی بات قبول نہ کرنی چاہئے اور اس معاملہ میں ان کی بات نہ ماننے کے لئے مالیس لک به علم فرما کر ایک معقول دلیل بھی دے دی گئی یعنی بے شک ماں باپ کا یہ حق تو ہے کہ اولاد ان کی خدمت کرے۔ ان کا ادب و احترام کرے۔ ان کی جائز باتوں میں اطاعت بھی کرے لیکن یہ حق ان کو نہیں پہنچتا کہ آدمی کسی دلیل صحیح کے خلاف ان کی دین میں پیروی اور اندھی تقلید بھی کرے۔ یہ کوئی وجہ نہیں کہ ایک بیٹا یا بیٹی صرف اس بنا پر ایک مذہب کی پیروی کئے جائے کہ اس کے ماں باپ کا

مذہب ہے یا طریقہ ہے اگر اولاد کو دلیل صحیح سے یہ علم حاصل ہوجائے کہ والدین کا مذہب یا دین غلط ہے تو اسے اس مذہب اور طریقہ کو چھوڑ کر صحیح مذہب اختیار کرنا چاہئے اوران کے دباؤ ڈالنے اوراصرار کرنے پر بھی اس غلط طریقہ کی پیروی نہ کرنی چاہئے جس کی غلطی اور گمراہی اس پر دلائل سے واضح ہو۔ پھر جب یہ معاملہ والدین کے ساتھ ہے تو دنیا کے ہر شخص کے ساتھ یہی معاملہ ہونا چاہئے کہ کسی کی اندھی تقلید اور پیروی جائز نہیں جب تک کہ آدمی یہ نہ جان لے کہ وہ حق پر ہے۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **لاطاعة المخلوق فی معصية الخالق** خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی رشتہ داریاں اوران کے حقوق تو بس اسی دنیا تک ہیں آخر کار ماں باپ کو بھی اور اولاد کو بھی سب کو اپنے خالق کے حضور پلٹ کر جانا ہے یعنی سب کو عدالت خداوندی میں حاضر ہونا ہے اس وقت بتلا دیا جائے گا کہ اولاد اور والدین میں سے کس کی زیادتی تھی اور کون حق پر تھا کون ناحق پر تو جو لوگ اس قسم کی زبردست رکاوٹوں کے باوجود بھی ایمان اور نیکی کی راہ پر قائم رہے حق تعالیٰ ان کا حشر اپنے خاص نیک بندوں میں کرے گا۔ اب آگے ان لوگوں کا ذکر ہے جو زبان سے اپنے کو مومن کہتے تھے مگر دلوں میں ایمان راسخ نہیں تھا ان کو جہاں اللہ کے راستہ میں کوئی تکلیف پہنچی یا دین کی وجہ سے لوگوں نے ستایا تو اس آزمائش کو خدائی عذاب سمجھنے لگے یعنی جس طرح آدمی عذاب الٰہی سے گھبرا کر جان بچانا چاہتا ہے اوراپنے پہلے دعوؤں سے دست بردار ہونے لگتا ہے اور ناچار اعتراف کرتا ہے کہ میں غلطی پر تھا یہی حال بعض اسلام کا نام لینے والوں کا ہے کہ جہاں دین کے معاملہ میں کوئی سختی پہنچی بس گھبرا کر دعوئے ایمان سے دست بردار ہونا شروع کر دیا اور زبان سے یا عمل سے گویا اقرار کرنے لگے کہ ہم اس دعوائے میں غلطی پر تھے۔ لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں بعض دیہاتی دوسروں کے دیکھا دیکھی یا کسی خاص غرض کو پیش نظر رکھ کر مسلمان ہو جاتے۔ مسلمان ہونے کے بعد اگر ان کی بیویوں کے نرینہ اولاد ہوتی۔ مویشیوں کی نسل بکثرت ہوتی۔ کھجوروں کی فصل اچھی ہوتی یا اور کوئی دنیوی فائدہ ہوتا تو کہتے یہ دین مبارک ہے اوراگر اتفاق سے لڑکی پیدا ہوئی یا فصل خراب ہوگئی یا نسل میں کمی ہوگئی تو منحوس سمجھ کر اسلام سے پھر جاتے اسی طرح بعض لوگ بے دلی سے مسلمان تو ہو جاتے لیکن جہاں دشمنان اسلام کی یورش کا خطرہ ہوا یا افلاس کا فقر کا حملہ ہوا یا اور کوئی سختی جھیلنی پڑی تو منہ موڑ کر چل دیتے اور مسلمان ہونے کو نزول مصائب کا موجب قرار دینے لگتے لیکن اگر کسی طرف سے مسلمانوں کی ترقی کی کوئی راہ دکھائی دی تو پھر مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوجاتے اور کہنے لگتے کہ ہم بغیر کسی شک کے تمہارے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس عمل اور خیال کے رد میں فرماتے ہیں کہ جیسے کچھ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اللہ کو سب معلوم ہے۔ کیا زبانی دعویٰ کر کے اللہ سے اپنے دلوں کا حال چھپا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم پہلے ہی سے سب کچھ ہے لیکن اب ان کے اعمال اور افعال کو دیکھ لے گا کہ کون اپنے کو سچا مومن ثابت کرتا ہے اور کون جھوٹا دغا باز منافق ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ دنیوی معاملات میں ماں باپ سے حسن سلوک کرنا واجب ہے۔ ان کی مالی امداد اور جسمانی خدمت لازم ہے اگر چہ وہ کافر ہوں لیکن کسی گناہ کے کام خصوصاً شرک وکفر کی تعلیم سے انحراف کرنا اور حکم نہ ماننا ضروری ہے خواہ کتنا ہی وہ اصرار سے حکم دیں۔ اللہ کے معاملہ میں کسی کے تعلقات کی پروا نہ ہونی چاہئے یہاں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے ان لوگوں کو جو معمولی تعلقات کے نبھاؤ اور دنیوی شرم کا بہانہ کر کے رسم و رواج کے جال میں پھنس کر خلاف شرع امور کو کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا کریں بیوی بچوں اور دوستوں سے مجبور ہیں۔ جانتے ہیں کہ یہ کام اچھا نہیں مگر آخر دنیا میں رہ کر دنیاداری کرنی ہی پڑتی ہے۔ تو ان خیالات کا رد یہاں صاف صاف فرمایا گیا ہے۔ آگے کفر وشرک وعصیان ونافرمانی کا انجام بیان فرما کر اس سے ڈرایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ

اور کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ ہماری راہ چلو اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ، حالانکہ یہ لوگ اُن کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے

مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز

یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں۔اور یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر لادے ہوں گے اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ گناہ اور۔

وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ

اور یہ لوگ جیسی جیسی جھوٹی باتیں بناتے تھے قیامت میں اُن سے باز پُرس ضرور ہوگی۔اور ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا سو وہ اُن میں

اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ

پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے، پھر اُن کو طوفان نے آدبایا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے۔پھر ہم نے اُن کو اور کشتی والوں کو بچالیا

السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کیلئے موجب عبرت بنایا۔

وَقَالَ اور کہا	اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر) لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان لوگوں کو جو ایمان لائے	اتَّبِعُوْا تم چلو	سَبِيْلَنَا ہماری راہ					
وَلْنَحْمِلْ اور ہم اٹھالیں گے	خَطٰيٰكُمْ تمہارے گناہ	وَمَا هُمْ حالانکہ وہ نہیں	بِحٰمِلِيْنَ اٹھانے والے	مِنْ سے	خَطٰيٰهُمْ ان کے گناہ			
مِنْ شَيْءٍ کچھ	اِنَّهُمْ بیشک وہ	لَكٰذِبُوْنَ البتہ جھوٹے	وَلَيَحْمِلُنَّ اور وہ البتہ ضرور اٹھائیں گے	اَثْقَالَهُمْ اپنے بوجھ	وَاَثْقَالًا اور بہت سے بوجھ			
مَعَ ساتھ	اَثْقَالِهِمْ اپنے بوجھ	وَلَيُسْـَٔلُنَّ اور البتہ ان سے ضرور باز پرس ہوگی	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	عَمَّا اس سے جو				
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ وہ جھوٹ گھڑتے تھے	وَ اور	لَقَدْ اَرْسَلْنَا بیشک ہم نے بھیجا	نُوْحًا نوح کو	اِلٰى قَوْمِهٖ اس کی قوم کی طرف	فَلَبِثَ تو وہ رہے			
فِيْهِمْ ان میں	اَلْفَ سَنَةٍ ہزار سال	اِلَّا مگر کم	خَمْسِيْنَ پچاس	عَامًا سال	فَاَخَذَهُمْ پھر انہیں آ پکڑا	الطُّوْفَانُ طوفان	وَهُمْ اور وہ	ظٰلِمُوْنَ ظالم تھے
فَاَنْجَيْنٰهُ پھر ہم نے اسے بچالیا	وَ اور	اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ کشتی والوں کو	وَجَعَلْنٰهَا اور اسے بنایا	اٰيَةً ایک نشانی	لِّلْعٰلَمِيْنَ جہان والوں کیلئے			

تفسیر و تشریح:۔گذشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے تو انہیں آزمائش اور امتحان سے بھی گزرنا ہوگا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں یا نہیں۔پھر تلقین فرمائی گئی تھی کہ اگر اللہ کے دین پر قائم رہنے اور اسلام کے احکام بجالانے میں کفار و مشرکین کے ہاتھوں تکلیف اور ایذائیں اٹھانی پڑیں تو اسے جھیلنا اور برداشت کرنا چاہئے کیونکہ بہر حال یہ تکلیف دنیا کی اس عذاب سے یقیناً کم ہوگی جو

اسلام اور ایمان سے منہ موڑنے پر آخرت میں مقرر ہے تو ایمان والوں کی یہ شان نہیں کہ تکلیفوں سے گھبرا کر دین سے بھاگیں۔مسلمانوں کو چاہئے کہ ایمان پر مضبوط رہیں اور کوئی چیز اس کے پائے ثبات کو استقامت سے نہ ہٹا سکے۔ماں۔باپ جیسے قابل تکریم و تعظیم سرپرست بھی اگر دین سے ہٹنے کو کہیں تو ان کا کہنا بھی نہ ماننا چاہئے۔اور کفار مکہ ہر طرح سے چاہتے تھے کہ مسلمان اپنا دین چھوڑ دیں وہ انہیں ڈراتے دھمکاتے۔مارتے

پیٹتے اور دوسرے طریقوں سے اسلام سے ہٹانے کی کوشش کرتے۔ ایسے ہی ایک طریقہ کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ کفار نومسلموں سے کہتے کہ اس نئے دین میں سب چیزیں جن کے تم خوگر رہے ہو حرام ہیں۔ تم دنیا کی نعمتیں چھوڑ کر کس جنجال میں پھنس گئے۔ کیسا گناہ کیسا عذاب۔ دنیا ہی ہے جو کچھ ہے خوب گلچھرے اڑاؤ۔ بے خوف وخطر جو چاہو کرو اول تو موت کے بعد زندگی اور حشر نشر اور جزا وسزا کہاں۔ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں لیکن اگر بالفرض کوئی دوسری زندگی بھی ہے اور اس میں کوئی باز پرس بھی ہونی ہے تو ہم ذمہ لیتے ہیں کہ ہم تمہارا سارا عذاب اپنی گردن پر لے لیں گے۔ تم ہمارے کہنے سے اس نئے دین کو چھوڑ دو اور اپنے آبائی دین کی طرف واپس آ جاؤ۔ چنانچہ یہاں ان آیات میں پہلے کفار کا قول نقل کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر پھر اپنی برادری میں آملو اور ہماری راہ پر چلو۔ تمام تکلیفوں اور ایذاؤں سے بچ جاؤ گے۔ مفت میں کیوں مصیبتیں جھیل رہے ہو اور اگر ایسا کرنے میں گناہ سمجھتے اور مواخذہ کا اندیشہ رکھتے ہو تو خدا کے ہاں بھی ہمارا نام لے دینا کہ فلانے نے ہم کو یہ مشورہ دیا تھا اگر ایسی صورت پیش آئی تو ساری ذمہ داری ہم اٹھالیں گے اور تمہارے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیں گے۔ حق تعالیٰ کفار کے اس قول کا رد فرماتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار جھوٹے ہیں۔ تمہارا بوجھ رتی برابر بھی ہلکا نہیں کر سکتے۔ یہ جو دوسرے کے گناہوں کو اپنے اوپر اٹھانے کا دعویٰ کر رہے ہیں تو قیامت کے دن ذرہ برابر دوسرے کے گناہوں کو اس طور پر نہ اٹھا سکیں گے کہ سب بار اپنے اوپر لے کر اصل خطا کاروں کو سبکدوش کر دیں۔ ہاں یہ ضرور ہوگا کہ جن کو گمراہ کیا ہے ان کا بار بھی ان گمراہ کرنے والوں پر ڈالا جائے گا اور دونوں گروہ سزایاب ہوں گے اور جو جھوٹی باتیں یہ بناتے ہیں یہ خود مستقل گناہ ہے۔ جس پر یہ ماخوذ ہوں گے۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ دنیا میں جو

کوئی کسی کو ناحق قتل کرے تو اس کے اس گناہ کا حصہ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے قابیل کو پہنچتا ہے کیونکہ ناحق قتل کرنے کا طریقہ اسی نے ایجاد کیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل شاہ روم کو جو تبلیغی نامہ مبارک بھیجا تھا اس میں تحریر فرمایا تھا کہ اگر تو نے میری ہدایت سے منہ موڑا تو تجھ پر تیری غریب رعایا کی گمراہی کا بھی بوجھ ہوگا۔ جتنا ان میں سے ہر ایک پر ہوگا ان سب کا مجموعہ تیرے اوپر قیامت میں ہوگا کیونکہ ہدایت و ضلالت میں وہ تیرے تابع اور پیرو ہیں تو ہدایت پر ہوگا تو وہ بھی ہدایت پر آ جائیں گے تو گمراہی پر جما رہے گا تو وہ بھی جمے رہیں گے اور ان کا درحقیقت گمراہی پر جمنا تیری وجہ سے ہوگا لہٰذا تجھے ان سب کا بار اٹھانا پڑے گا۔ ایک دوسری صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے قیامت تک جو لوگ اس ہدایت پر چلیں گے ان سب کو جتنا ثواب ہوگا اتنا ہی اس ایک کو ہوگا لیکن ان کے ثوابوں میں سے گھٹ کر نہیں۔ اسی طرح جس نے برائی پھیلائی اس پر بھی جو عمل پیرا ہوں ان سب کو جتنا گناہ ہوگا اتنا ہی اس ایک کو ہوگا لیکن ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ الغرض کفار کے اس قول کا کہ ہم تمہارا بار قیامت میں اٹھالیں گے تم بے کھٹکے اسلام سے ہٹ جاؤ۔ صاف رد فرما دیا گیا اور ان کو اس بات میں جھوٹا قرار دیا گیا۔ اب آگے چند قصص کے ضمن میں متنبہ کیا گیا ہے کہ سچوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سے جھوٹے اغوا اور شرارت کرتے رہے ہیں۔ اور اہل ایمان کو مدتوں تک امتحان اور ابتلا کے دور میں گزرنا پڑا ہے مگر آخری نتیجہ انہی کے حق میں بہتر ہوا۔ منکر اور شریر خائب و خاسر رہے۔ سچے کامیاب اور سربلند ہوئے۔ گویا ان قصص میں کافروں کو تنبیہ ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے درپئے آزار اسی طرح رہے اور ظلم وستم سے باز نہ آئے اور خود سچے دل سے مسلمان نہ ہوئے تو ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو گذشتہ اعدائے دین کا ہوا اور ان قصوں سے مسلمانوں کو صبر کی

42 تلقین برداشت مصائب کی حوصلہ افزائی اور انجام کار کامیابی کی بشارت بھی دینی مقصود ہے۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی یاددہانی کرائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس دعوت و تبلیغ اور سعی واصلاح میں مصروف رہے۔ مشرک قوم کو توحید کی طرف بلایا شرک وکفر کے انجام بد سے ڈرایا۔ بدکاروں کو نیک اعمال کرنے کی نصیحت کی۔ لیکن قوم نے نہ مانا۔ اپنے کفروشرک پر قائم رہے انجام کار طوفان عظیم آیا اور سب ظالموں کو پانی کے راستہ آگ میں لے گیا۔ صرف نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی جو کشتی میں سوار تھے وہ محفوظ رہے اور اس عظیم الشان واقعہ کو بعد والوں کے لئے نشان عبرت بنادیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ۴۰ سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔ نو سو پچاس برس دعوت و تبلیغ اور قوم کی اصلاح کی کوشش فرماتے رہے۔ جب قوم نے نہ مانا تو پھر طوفان آیا اور پھر طوفان کے بعد ۶۰ سال زندہ رہے گویا اس طرح کل عمر حضرت نوح علیہ السلام کی ۱۰۵۰ سال ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سورۂ ہود میں مفصلاً گزر چکا ہے۔ یہاں صرف اس قصہ کی طرف اشارہ فرمادیا گیا ہے۔

خلاصہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کا جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے یہی ہے کہ نوح علیہ السلام نے اتنی طویل مدت تک تبلیغ کی اور روزانہ سینکڑوں برس تک کافروں کے پتھر کھائے اور ان کی ایذائیں برداشت کیں لیکن راہ حق پر جمے رہے اور جو چند اہل ایمان آپ کے ساتھ ہوگئے تھے وہ بھی کافروں کے ظلم و ستم کا شکار ہوتے رہے لیکن برداشت کرتے رہے اور کافروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر ڈھیل ملتی رہی کہ ایک ہزار سال تک خوب پھلے پھولے دولت اور مال کی فراوانی اور نسل کی افزونی رہی۔ طاقت اور شوکت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ بالآخر جب ان کی گرفت کا وقت آ گیا تو غیبی قہاریت نے طوفان کی شکل میں ظہور کیا جس نے کافروں کے وجود سے روئے زمین کو خالی کردیا۔ صرف اہل حق بچ گئے۔ پس مسلمانوں کو نوح علیہ السلام اور اصحاب نوح علیہ السلام کے احوال پر غور کرنے کے بعد کفار کی ایذارسانیوں پر صبر کرنا اور اللہ کی غیبی مدد پر یقین رکھنا چاہئے۔

اب آگے دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی مشرک قوم کا سنایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ آج ہم کو بھی ایسے معاشرہ سے واسطہ پڑ رہا ہے کہ دین اسلام کو سنبھالنا اور اس پر پوری طرح قائم رہنا مشکل ہو رہا ہے۔ منکرات دن دگنے رات چوگنے بڑھتے جاتے ہیں۔ بے دینی کے اثرات پھیلتے جارہے ہیں آخرت اور قیامت کا خوف اٹھتا جارہا ہے۔

یا اللہ! ان صحابہ کرام کے طفیل اور صدقہ میں جنہوں نے بڑے بڑے شدائد و مصائب برداشت کر کے اپنے دین کو سنبھالا اور حق پر قائم رہے۔ یا اللہ ہماری امداد و نصرت فرما اور اسی دین حق پر ہم کو قائم رکھئے اور ہر طرح کے ظاہری و باطنی فتنہ سے ہماری حفاظت فرمائیے اور دین حق کو لے کر اسے دربار میں حاضر ہونا نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦﴾

اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو۔تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو

اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَیْهِ

وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے سو تم رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کا شکر کرو اور تم کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

تُرْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿١٨﴾

اور اگر تم لوگ مجھ کو جھوٹا سمجھو تو تم سے پہلے بھی بہت سی اُمتیں جھوٹا سمجھ چکی ہیں، اور پیغمبر کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

وَاِبْرٰهِیْمَ اور ابراہیم	اِذْ قَالَ جب اس نے کہا	لِقَوْمِهٖ اپنی قوم کو	اُعْبُدُوْا تم عبادت کرو	اللّٰهَ اللہ	وَاتَّقُوْهُ اور اس سے ڈرو	ذٰلِكُمْ یہ
خَیْرٌ لَّكُمْ بہتر تمہارے لئے	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے ہو	اِنَّمَا اس کے سوا نہیں	تَعْبُدُوْنَ تم پرستش کرتے ہو	مِنْ سے	
دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	اَوْثَانًا بتوں کو	وَتَخْلُقُوْنَ اور تم گھڑتے ہو	اِفْكًا جھوٹ	اِنَّ بیشک	الَّذِیْنَ وہ جن کی تم	تَعْبُدُوْنَ پرستش کرتے ہو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	لَا یَمْلِكُوْنَ وہ مالک نہیں	لَكُمْ تمہارے لئے	رِزْقًا رزق کے	فَابْتَغُوْا پس تم تلاش کرو	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	
الرِّزْقَ رزق	وَ اور	اُعْبُدُوْهُ اس کی عبادت کرو	وَاشْكُرُوْا اور شکر کرو	لَهٗ اس کا	اِلَیْهِ اس کی طرف	تُرْجَعُوْنَ تمہیں لوٹ کر جانا ہے
وَاِنْ اور اگر	تُكَذِّبُوْا تم جھٹلاؤ گے	فَقَدْ كَذَّبَ تو جھٹلا چکی ہیں	اُمَمٌ بہت سی امتیں	مِّنْ قَبْلِكُمْ تم سے پہلی	وَمَا اور نہیں	
عَلَى الرَّسُوْلِ پر ذمے رسول	اِلَّا مگر	الْبَلٰغُ پہنچا دینا	الْمُبِیْنُ صاف طور پر			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کا اجمالاً ذکر فرمایا تھا اب یہاں سے دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شروع کیا جاتا ہے۔ اس کی بھی وہی غرض ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی تھی یعنی مسلمانوں کو برداشت مصائب کی تلقین اور کافروں کو تباہی و بربادی کی وعید۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان میں قریب ایک ہزار سال کا فصل تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی نسل طوفان کے بعد عراق وعرب میں آباد ہوگئی تھی۔ یہاں انہوں نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرلی تھی جس کا دارالسلطنت بابل شہر تھا۔ سام ہی کی نسل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ کی قوم صابی مذہب تھی یعنی ستارہ پرست تھی۔ بڑے بڑے مندر ستاروں کے نام پر بنا رکھے تھے اور ان میں ستاروں کی فرضی شکلوں میں مورتیاں ڈھال کر رکھ چھوڑی تھیں۔ بادشاہ وقت کے بت بھی مندروں میں نصب تھے۔ ان کی پوجا بھی ہوتی تھی۔ ان بتوں کو یہ قاضی الحاجات رزاق۔ دافع البلیات وغیرہ جانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نبوت سے سرفراز فرما کر قوم کو توحید کی دعوت کا حکم دیا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر ہر طرح برہان اور

دلائل سے قوم کو فہمائش کی۔ بت پرستی کی مذمت کی اور توحید اختیار کرنے کو کہا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ ایک اللہ کی پرستش کرو اور اس سے ڈر کر برے کاموں سے بچو۔ اگر تم میں سمجھ ہے تو سمجھ جاؤ کہ تمہاری خیریت اسی میں ہے۔ یہ بت جن کو تم اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو اور جن کی پوجا میں تم دن رات مصروف ہو اور اپنے حقیقی معبود اللہ عزوجل کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ یہ تو خود تمہارے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔ مٹی سے کوئی صورت بنالو تو وہ بھی مٹی ہی رہے گی۔ پتھر کو تراش کر کوئی مورت بنالو تو وہ بھی پتھر ہی رہے گا کچھ اور نہ بن جائے گا۔ ان کی بابت جو تم نے عقیدے بنا رکھے ہیں وہ محض تمہارے گھڑے ہوئے ہیں۔ بے بنیاد باتوں پر مبنی ہیں۔ یہ جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجنے میں لگے ہوئے ہو تمہاری روزی کے ذرہ بھر کے بھی مالک نہیں۔ یہ تمہیں کو کچھ جب ہی دیتے جب ان کے پاس کچھ ہوتا۔ ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ دینے والا تو اللہ عزوجل ہے جس کے خزانہ میں ہر چیز ہے اور سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہی ہر ایک کو روزی دیتا ہے۔ تو تم فقط اللہ کی بندگی کرو۔ اسی کی حمد وثنا کرو۔ اسی سے روزی مانگو۔ یہ اللہ ہی نے سب کچھ دیا ہے اور وہی دے گا اس لئے اسی کا شکر کرو اور سن لو کہ ایک دن آنے والا ہے جب تم سب کے سب اس کے دربار میں حاضر ہو گے۔ تم کہیں رہو اور کچھ ہی کرو آخر لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے۔ اگر یہاں اس کا حکم نہ مانا تو کل اس کے سامنے کس منہ سے حاضر ہو گے اور جب وہ تم سے پوچھے گا کہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف کیوں گئے تو کیا جواب دو گے۔ تو یہاں چند جملوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کے خلاف تمام دلائل سمیٹ کر رکھ دیئے کہ کسی کو معبود بنانے کے لئے کوئی تو معقول وجہ ہونی چاہئے۔

ایک معقول وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی ذات میں معبودیت کا استحقاق رکھتا ہو۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ آدمی کا خالق ہو۔

تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ آدمی کا رازق ہو۔

چوتھی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آدمی کا مستقبل اس سے وابستہ ہو۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھایا کہ ان چاروں وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی بت پرستی کے حق میں نہیں بلکہ ہر ایک وجہ خالص اللہ کی پرستش کا تقاضہ کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کہہ کر کہ یہ محض بت ہیں پہلی وجہ کو ختم کر دیا کیونکہ جو نرا بت ہو۔ نہ نفع نقصان کا مالک ہو۔ نہ کارسازی کر سکتا ہو۔ اور نہ حاجت روا ہو اس کو معبود ہونے کا حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے پھر یہ کہہ کر کہ تم ان کے خالق ہو دوسری وجہ بھی ختم فرمادی پھر یہ بتلا کر کہ یہ تمہیں کسی قسم کا رزق نہیں دے سکتے تیسری وجہ بھی ختم کر دی اور یہ بتلا کر کہ تمہیں خدا ہی کی طرف پلٹنا ہے نہ کہ ان بتوں کی طرف چوتھی وجہ بھی ختم فرمادی تو اس طرح شرک کا پورا ابطال کر کے یہ بات آپ نے واضح فرمادی کہ جتنے وجوہ سے بھی ایک انسان کسی کو معبود قرار دے سکتا ہے وہ سب اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کسی میں پائی نہیں جاتیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم میرا کہنا نہ مانو گے اور مجھے جھوٹا سمجھو گے تو میرا کیا نقصان کرو گے۔ میرا کام تو پیام ہدایت پہنچا دینا ہے سو میں اپنا فرض ادا کر چکا۔ اللہ کا پیغام صاف صاف پہنچا چکا۔ ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے اگر تم مجھے جھٹلاتے ہو تو پہلے بھی کتنی قومیں انبیاء کی تکذیب کر چکی ہیں۔ اللہ کے رسول انہیں سمجھانے کے لئے آئے تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتے تم یہ سب جھوٹ کہہ رہے ہو آخر اس جھٹلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قومیں تباہ کر دی گئیں۔ اب تم خود دیکھ لو کہ

انہوں نے جھٹلا کر ان نبیوں کا کچھ بگاڑا یا اپنا انجام خراب کیا۔

یہاں آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول **فابتغوا عنداللہ الرزق وعبدوہ واشکروا لہ الیہ ترجعون٥** سو تم لوگ رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے صاف بتا رہا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی رزاق نہیں اور طلب رزق اللہ ہی سے کرنی چاہئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ رزق کا لفظ ہر نعمت و راحت کو شامل ہے۔ خواہ روحانی ہو یا جسمانی۔ علم و معرفت ہو یا قوانین زندگی یا کھانے پینے کی چیزیں یا پہننے کا لباس یا رہنے کے لئے مکان یا عزت و حکومت یا مال و دولت یہ سب رزق کے وسیع لفظ میں شامل ہیں تو **فابتغوا عنداللہ الرزق** (یعنی اللہ ہی کے پاس سے رزق طلب کرو) کے مطلب یہ ہوئے کہ روحانی نعمتوں کی طلب بھی اللہ ہی سے کرے اور جسمانی زندگی کے لئے جو چیزیں مطلوب ہوں ان کے حصول کے لئے بھی دست طلب خدا ہی کی طرف بڑھے۔ خلق میں سے کسی کو کارساز۔ معطی اور مالک عطا نہ سمجھے۔ پھر آگے **واعبدوہ واشکروا لہ الیہ ترجعون** اسی کی عبادت کرو۔ اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے فرما کر یہ مزید واضح کر دیا کہ اس وقت بھی اللہ ہی کارساز و حاجت روا ہے اور آخر میں بھی لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے اور اسی سے واسطہ پڑنا ہے لہٰذا اسی کا شکر قولاً۔ اعتقاداً اور عملاً واجب ہوا اور اسی کی طاعت و عبادت اور بندگی لازم ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خطاب اپنی قوم کے کافروں سے تھا مگر آج اگر آپ یہی صدا مسجد سے باہر نکل کر لگائیں کہ بھائی اپنا رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے تو معلوم ہے کہ آپ کو کیا جواب ملے گا (الا ماشاءاللہ) کہ یہ کیا ملا گیری پھیلائی۔ کہیں اس ترقی کے زمانہ میں ہمارے مسئلہ رزق کا حل اس ملا پن میں ہے۔ مگر سبحان اللہ حق تعالیٰ کے کلام کا کیا اعجاز ہے کہ اس کا جواب آج بھی وہی مناسب و موزوں ہے جو آگے یہاں آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے کہلوایا یعنی **وان تکذبوا فقد کذب امم من قبلکم وما علی الرسول الا البلغ المبین** اور اگر تم لوگ مجھے جھوٹا سمجھو تو تم سے پہلے بھی بہت امتیں اپنے پیغمبروں کو جھوٹا سمجھ چکی ہیں اور پیغمبر کے ذمہ تو صرف صاف طور پر احکام کا پہنچا دینا ہے۔ اب قوم نے جو جواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا وہ آگے بیان کیا گیا ہے مگر اس قوم کے جواب سے پہلے درمیان میں کفار مکہ کو خطاب کیا جاتا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قرآن پر حقیقی ایمان نصیب فرمائیں اور ایمان کے ساتھ اس کی تعلیمات و ہدایات کا اتباع کامل نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائیں اور ہماری تمام دینی و دنیوی حاجات کو اپنی شان رزاقی و کارسازی سے پورا فرمائیں اور اس پر ہم کو شکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور جب ہم کو اس دنیا سے لوٹ کر یا اللہ آپ کے پاس پہنچنا ہو تو ہمارے ساتھ رحمت و مغفرت و کرم و رحم کا معاملہ فرمائیں۔ اور اپنی خوشنودی اور رضامندی سے نوازیں۔

یا اللہ! ہمیں دین کی فہم اور سمجھ عطا فرما اور ہمیں اپنا فرمانبردار اور شکر گزار اور عبادت گزار بندہ بن کر جینا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰہُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِیْرُوْا

کیا اُن لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کرے گا، یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی آسان بات ہے۔ آپ کہئے

فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰہُ یُنْشِئُ النَّشْاَۃَ الْاٰخِرَۃَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ

کہ تم لوگ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو کس طور پر اول بار پیدا کیا ہے پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَاِلَیْہِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ

جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے رحمت فرماوے گا، اور تم سب اُسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ اور تم نہ زمین میں

بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۲۲﴾ ع

ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں اور خدا کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَلِقَآئِہٖۤ اُولٰٓئِکَ یَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِیْ وَاُولٰٓئِکَ لَهُمْ

اور جو لوگ خدا کی آیتوں کے اور اُس کے سامنے جانے کے منکر ہیں وہ لوگ میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور یہی ہیں جن کو

عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۳﴾

عذاب دردناک ہوگا۔

اَوَ کیا	لَمْ یَرَوْا نہیں دیکھا انہوں نے	کَیْفَ کیسے	یُبْدِئُ ابتداء کرتا ہے	اللّٰہُ اللہ	الْخَلْقَ پیدائش	ثُمَّ یُعِیْدُہٗ پھر دوبارہ پیدا کریگا اس کو	
اِنَّ بیشک	ذٰلِکَ یہ	عَلَی اللّٰہِ اللہ پر	یَسِیْرٌ آسان	قُلْ فرمادیں	سِیْرُوْا چلو پھرو تم	فِی الْاَرْضِ زمین میں	فَانْظُرُوْا پھر دکھو
کَیْفَ بَدَاَ کیسے ابتدا کی	الْخَلْقَ پیدائش	ثُمَّ پھر	اللّٰہُ اللہ	یُنْشِئُ اٹھائے گا	النَّشْاَۃَ اٹھان	الْاٰخِرَۃَ آخری (دوسری)	اِنَّ اللّٰہَ بیشک اللہ
عَلٰی پر	کُلِّ شَیْءٍ ہر شے	قَدِیْرٌ قدرت رکھنے والا	یُعَذِّبُ وہ عذاب دیتا ہے	مَنْ یَّشَآءُ جس کو چاہے	وَیَرْحَمُ اور رحم فرماتا ہے		
مَنْ یَّشَآءُ جس پر چاہے	وَاِلَیْہِ اور اسی کی طرف	تُقْلَبُوْنَ تم لوٹائے جاؤ گے	وَمَآ اَنْتُمْ اور نہ تم	بِمُعْجِزِیْنَ عاجز کرنے والے			
فِی الْاَرْضِ زمین میں	وَلَا اور نہ	فِی السَّمَآءِ آسمان میں	وَمَا اور نہیں	لَکُمْ تمہارے لئے	مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اللہ کے سوا	مِنْ وَّلِیٍّ کوئی حمایتی	
وَلَا اور نہ	نَصِیْرٍ کوئی مددگار	وَالَّذِیْنَ اور وہ لوگ جنہوں نے	کَفَرُوْا انکار کیا	بِاٰیٰتِ اللّٰہِ اللہ کی نشانیوں کا	وَلِقَآئِہٖ اور اس کی ملاقات		
اُولٰٓئِکَ یہی ہیں	یَئِسُوْا وہ ناامید ہوئے	مِنْ رَّحْمَتِیْ میری رحمت سے	وَاُولٰٓئِکَ اور یہی ہیں	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب	اَلِیْمٌ دردناک	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب اپنی قوم سے نقل فرمایا گیا تھا۔ اس پر قوم نے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیا وہ ان آیات کے بعد بیان فرمایا گیا ہے۔ درمیان میں یہاں یہ آیات بطور جملہ معترضہ کے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کا سلسلہ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے۔ بیچ میں یہ مضمون اس مناسبت

سے لایا گیا ہے کہ کفار مکہ جنہیں سبق دینے کے لئے یہ قصہ سنایا جارہا ہے دو بنیادی گمراہیوں میں مبتلا تھے۔ ایک شرک و بت پرستی۔ دوسرے انکار آخرت۔ ان میں سے پہلی گمراہی یعنی شرک اور بت پرستی کا رد تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر میں آچکا جو اوپر کی آیات میں نقل فرمائی گئی تھی۔ اب دوسری گمراہی یعنی انکار آخرت کے رد میں یہ چند فقرے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ارشاد فرمارہے ہیں تاکہ کفار مکہ کے باطل عقائد کی تردید ایک ہی سلسلہ کلام میں ہوجائے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان مشرکین کی سمجھ میں نہیں آتا کہ مرنے کے بعد دوبارہ جینا کیسے ہوگا؟ آخر تم دیکھ رہے ہو کہ دنیا میں بے شمار اشیاء عدم سے وجود میں آتی ہیں۔ مشرکین مکہ کو اللہ کے خالق ہونے کا انکار نہ تھا وہ اس بات کو مانتے تھے کہ یہ عالم اور اس کی بے شمار چیزیں یہ سب اللہ کی صفت خلق اور ایجاد کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ان کی اپنی مانی ہوئی بات پر یہ دلیل قائم کی گئی کہ جو خدا تمہارے نزدیک اشیاء کو عدم سے وجود میں لاتا ہے اور پھر ایک ہی دفعہ تخلیق کر کے نہیں رہ جاتا بلکہ تمہاری آنکھوں کے سامنے مٹ جانے والی اشیاء کی جگہ پھر ویسے ہی اشیاء پے در پے وجود میں لاتا چلا جاتا ہے تو اس خالق کے بارہ میں آخر تم نے یہ کیوں سمجھ رکھا ہے کہ تمہارے مرجانے کے بعد وہ پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے کھڑا نہیں کرسکتا جس طرح قادر مطلق کی قدرت سے عالم میں چیزوں کا بننا اور بگڑنا بار بار اپنے سامنے دیکھ رہے ہو اسی طرح اللہ تمہارے مرنے کے بعد تمہیں پھر پیدا کردے گا اور یہ اس قدرت والے کے لئے بہت آسان بات ہے۔ آگے اور زیادہ اہتمام کے لئے پھر یہی مضمون قدرے عنوان بدل کر سنانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم لوگ ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے کیسی کیسی مخلوق پیدا کی ہے۔ اسی پر دوسری زندگی کو قیاس کرلو۔ اس کی قدرت اب کچھ محدود تو نہیں ہوگئی۔ اس طرح قیامت و آخرت کے امکان کو ثابت فرمایا گیا۔ اب آگے قیامت و آخرت کی ضرورت کو نہایت بلیغ طرز ادا کے ساتھ ظاہر فرمایا جارہا ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کا مختار مطلق ہونا بھی معلوم ہوجاتا ہے اور قیامت کی ضرورت بھی ظاہر ہوجاتی ہے۔ چونکہ یہ دنیا دار العمل ہے اس لئے یہاں کے تمام اعمال کی جزا و سزا لازم ہے۔ کوئی عمل بے نتیجہ نہیں ہوسکتا۔ نتیجہ کا مقام کوئی دوسرا ہونا لازمی ہوا۔ اور وہی دار آخرت ہے۔ تو جو شخص اللہ کے ماننے کا دعویٰ کرے لیکن قیامت کی جزا و سزا کا قائل نہ ہو اور آخرت کو نہ مانے تو اس نے دراصل اللہ کو جیسا ماننا چاہئے مانا ہی نہیں۔ اس لئے جب اللہ کو مانو تو اس کے قانون کو بھی مانو جس کی رو سے مقرر ہوچکا ہے کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اس کے بعد پھر کبھی نہ مرے گا لیکن اس دائمی زندگی کا عیش و آرام اس پر موقوف ہے کہ آدمی یہاں اس دنیا میں اللہ کے حکم کے مطابق چلے ورنہ وہاں کی زندگی دکھ اور مصیبت میں گزرے گی اور وہ زندگی موت سے بدتر ہوگی۔ تو یہاں بتایا جارہا ہے کہ انسان پھر پیدا ہوگا اور اللہ عزوجل کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے حاضر کیا جائے گا۔ وہاں بجز اس احکم الحاکمین کے کسی کی کچھ نہ چلے گی وہ جسے چاہے گا اس کے کرتوتوں کے بدلے عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا اس کی نیکیوں کے عوض اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔ ہر ایک کو اس کے پاس واپس آنا ضروری ہے۔ زمین اور آسمان میں کہیں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی اس سے بھاگ کر چھپ جائے۔ اور اس کی گرفت سے بچ نکلے یہ ناممکن ہے۔ ہر جگہ سے بہر حال تمہیں پکڑ لایا جائے گا اور تم اپنے رب کے سامنے حاضر کردیئے جاؤ گے پھر آگے بتایا گیا کہ نہ تمہارا اپنا اتنا زور ہے کہ خدا کی پکڑ سے بچ جاؤ اور نہ تمہارا کوئی ولی یا سرپرست مددگار ایسا زور آور ہے کہ خدا کے مقابلہ میں تمہیں پناہ دے سکے اور اس کے مواخذہ سے تمہیں

بچالے۔ ساری کائنات میں یہ کسی کی مجال نہیں ہے کہ جن لوگوں نے کفر وشرک کا ارتکاب کیا ہے۔ جنہوں نے احکام خداوندی کے آگے جھکنے سے انکار کیا ہے۔ جنہوں نے جرأت اور جسارت کے ساتھ خدا کی نافرمانیاں کی ہیں اور اس کی زمین میں ظلم وفساد کے طوفان اٹھائے ہیں ان کا حمایتی بن کر اٹھ سکے اور خدا کے فیصلۂ عذاب کو ان پر نافذ ہونے سے روک سکے یا خدا کی عدالت میں کسی کو حاضر ہونے سے بچالے۔ اب جو لوگ آیات الٰہیہ یعنی توحید۔ الوہیت۔ ربوبیت اور دیگر احکام قطعیہ کے منکر ہیں خصوصاً اللہ کے پاس جانے اور قیامت برپا ہونے کو نہیں مانتے تو ان کے متعلق ارشاد خداوندی ہے کہ ان کا کوئی حصہ میری رحمت میں نہیں ہے۔ ان کے لئے کوئی گنجائش اس امر کی نہیں ہے کہ وہ میری رحمت میں سے حصہ پانے کی امید رکھ سکیں اور یہ ظاہر بات ہے کہ جب انہوں نے اللہ کی آیات کو ماننے سے انکار کیا اور آخرت کو تسلیم نہ کیا اور اللہ کے حضور میں پیش ہونے کو نہ مانا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے خدا کی بخشش ومغفرت کے ساتھ کوئی رشتۂ امید سرے سے وابستہ ہی نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ قیامت کے دن وہ اس کی رحمت سے مایوس بھی رہیں گے اور قطعاً بغیر شک وشبہ کے ان کو سخت ترین دکھ کی مار کھانی پڑے گی۔

یہاں آیت میں کافروں کے متعلق رحمت سے مایوس ہونے کی صراحت کردی گئی تو اس سے کافروں کے علاوہ دوسرے لوگ خواہ نیکوکار ہوں یا بداعمال بشرطیکہ عقیدۃً مومن ہوں۔ ضرور امیدوار رحمت قرار پائے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جس پر چاہے ابتداءً ہی سے رحم فرمادے جس پر نہ چاہے کچھ سزا دے کر رحم فرمائے مگر کافر کے علاوہ کسی کو اپنی رحمت سے مایوس نہیں فرمایا اسی مضمون کو ایک اور آیت میں بصراحت ذکر فرمایا ہے ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذٰلک لمن یشآءُ۔ یعنی اللہ جرم شرک کو تو معاف نہیں فرمائے گا اور شرک کے علاوہ ہر گناہ جس شخص کے لئے چاہے گا معاف کردے گا۔ تو معلوم ہوا کہ آخرت میں کفر وشرک کے ساتھ اللہ کی رحمت ومغفرت سے قطعاً محرومی ہوگی۔

اب اوپر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو نصیحت فرمائی تھی اس پر قوم نے جو جواب دیا وہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو کفر وشرک سے بچا کر ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم وفضل سے ہمارے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمائیں اور اپنی نصرت وحمایت سے ہم کو کسی حال میں محروم نہ فرمائیں۔ اور قیامت کے عذاب وسختیوں سے ہم سب کو محفوظ و مامون فرمائیں۔ دار آخرت کے ابدی راحت وآرام ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ دنیا میں اپنے احکام کی پابندی اور اطاعت کاملہ ہم کو نصیب فرمائیں۔ اور آخرت میں اپنی رحمت سے اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں۔ یا اللہ! اپنی نصرت اور کارسازی کا ہم کو یقین کامل عطا فرما کہ ہم آپ ہی کی امداد اور حمایت ونصرت پر بھروسہ کریں اور آپ ہی کی رحمت دین ودنیا دونوں جہان میں ہماری کارسازی فرمائے۔

یا اللہ! ہمیں وہ نور ہدایت عطا فرما کہ جو ہم آپ کے سامنے آخرت میں کھڑے ہونے کو ہر وقت مدنظر رکھیں اور اس طرح ہم آپ کی رحمت کے مورد بن جائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ

سو اُن کی قوم کا جواب بس یہ تھا کہ کہنے لگے اُن کو یا تو قتل کر ڈالو یا اُن کو جلا دو سو اللہ نے اُن کو اس آگ سے بچالیا۔ بے شک اس واقعہ میں

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ

اُن لوگوں کیلئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں کئی نشانیاں ہیں۔اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو تجویز کر رکھا ہے، بس یہ تمہارے باہمی دُنیا کے

بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّیَلْعَنُ بَعْضُكُمْ

تعلقات کی وجہ سے ہے، پھر قیامت میں تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہوجاوے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا،

بَعْضًا ؗ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ

اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔ سو صرف لوط علیہ السلام نے ان کی تصدیق فرمائی اور ابراہیمؑ نے فرمایا میں اپنے پروردگار کی طرف

مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا

ترکِ وطن کرکے چلا جاؤں گا، بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے۔اور ہم نے اُن کو اسحاق اور یعقوب عنایت فرمایا اور ہم نے

فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

اُن کی نسل میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا اور ہم نے اُن کو اُن کا صلہ اُن کو دنیا میں بھی دیا، اور وہ آخرت میں بھی نیک بندوں میں ہوں گے۔

فَمَا كَانَ سو نہ تھا	جَوَابَ جواب	قَوْمِهٖٓ اسکی قوم	اِلَّآ سوائے	اَنْ یہ کہ	قَالُوا انہوں نے کہا	اقْتُلُوْهُ قتل کردو اس کو	اَوْ یا
حَرِّقُوْهُ جلا دو اس کو	فَاَنْجٰىهُ سو بچالیا اس کو	اللّٰهُ اللہ	مِنَ النَّارِ آگ سے	اِنَّ بیشک	فِیْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰیٰتٍ نشانیاں ہیں	
لِّقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	یُّؤْمِنُوْنَ جو ایمان رکھتے ہیں	وَ اور	قَالَ ابراہیمؑ نے	کہا	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	اتَّخَذْتُمْ تم نے بنا لئے ہیں	
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	اَوْثَانًا بت	مَّوَدَّةَ دوستی	بَیْنِكُمْ اپنے درمیان (آپس میں)	فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا دنیا کی زندگی میں	ثُمَّ پھر		
یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قیامت کے دن	یَكْفُرُ کافر (مخالف) ہوجائیگا	بَعْضُكُمْ تم میں سے بعض (ایک)	بِبَعْضٍ بعض (دوسرے) کا	وَّیَلْعَنُ اور لعنت کریگا			
بَعْضُكُمْ تم میں سے بعض (ایک)	بَعْضًا بعض (دوسرے) کا	وَّ اور	مَاْوٰىكُمُ تمہارا ٹھکانا	النَّارُ جہنم	وَمَا لَكُمْ اور نہیں تمہارے لئے		
مِّنْ نّٰصِرِیْنَ کوئی مددگار	فَاٰمَنَ پس ایمان لایا	لَهٗ اس پر	لُوْطٌ لوط	وَقَالَ اور اس نے کہا	اِنِّیْ بیشک میں	مُهَاجِرٌ ہجرت کرنیوالا	
اِلٰی رَبِّیْ اپنے رب کی طرف	اِنَّهٗ بیشک وہ	هُوَ وہ	الْعَزِیْزُ زبردست غالب	الْحَكِیْمُ حکمت والا	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا فرمائے	لَهٗ اس کو	
اِسْحٰقَ اسحٰق	وَیَعْقُوْبَ اور یعقوبؑ	وَجَعَلْنَا اور ہم نے رکھی	فِیْ ذُرِّیَّتِهِ اس کی اولاد میں	النُّبُوَّةَ نبوت	وَالْكِتٰبَ اور کتاب		
وَاٰتَیْنٰهُ اور ہم نے دیا اسکو	اَجْرَهٗ اس کا اجر	فِی الدُّنْیَا دنیا میں	وَاِنَّهٗ اور بیشک وہ	فِی الْاٰخِرَةِ آخرت میں	لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ البتہ نیکوکاروں میں سے		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ کو سمجھانے کے لئے آخرت کے متعلق مضمون درمیان میں آ گیا تھا۔ اس سے پہلے حضرت

براہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانے کا ذکر ہوا تھا کہ آپ نے اپنی قوم کو شرک و بت پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کرنے کی دعوت دی اور سمجھایا کہ یہ بت جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ نہ نفع نقصان کے مالک ہیں نہ کسی چیز کے خالق ہیں۔ نہ کسی کے رازق ہیں۔ یہ تو محض مٹی اور پتھر کے بت ہیں۔ ان کو چھوڑ کر ایک اللہ کی پرستش کرو جو تمہارا خالق بھی ہے اور تمہارا رازق بھی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معقول دلائل کا کوئی جواب قوم والوں سے نہ بن پڑا اور جیسا کہ جہالت کا دستور ہے قوم والے آپ کی جان کے دشمن ہوگئے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس بدبخت قوم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت کا کچھ اثر نہ پڑا سوائے اس کے کہ آپ کی جان کے دشمن بن گئے اور مشورہ کرنے لگے کہ اس شخص کو جو ہماری غلطی ہم پر واضح کرتا ہے اور ہم کو اپنے دیوتاؤں کی پرستش سے باز رکھنا چاہتا ہے اس کو یا تو قتل کر ڈالو یا آگ میں جلا کر ختم کر دو اور بالآخر آگ میں جلا دینے پر اتفاق رائے ہوگیا اور ممکن ہے کہ اس اتفاق کی وجہ یہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا تھا۔ اس لئے ضد میں آ کر انہوں نے آپ کو آگ میں جلا دینے کی ٹھان لی۔ تو جیسا کہ سورۂ انبیاء سترہویں پارہ میں مفصلاً بیان ہو چکا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ ان بدبختوں نے یہ سمجھا تھا کہ حق مارنے سے مر جاتا ہے اور صداقت جلانے سے جل کر ختم ہو جاتی ہے مگر یہ ان کی خام خیالی تھی اسی لئے وہ اپنے مقصد کو پورا نہ کر سکے اور اپنی کوششوں میں ناکام رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو ضرور گیا اور وہ بھی حقیقتہً اس وجہ سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان اور آزمائش حق تعالیٰ کو مقصود تھی چنانچہ آگ میں ڈالے جاتے ہی آپ کے ایمان اور صبر و استقامت کا امتحان ختم ہوا اور دور ابتلا و آزمائش گزر گیا فوراً ہی حق تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور آگ کو حکم ہوا کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔ خبردار ابراہیم کا بال بیکا نہ ہو۔ چنانچہ آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی اور غیر مضر ہوگئی۔ اس واقعہ کی صراحت سورۂ انبیاء میں قدرے تفصیل کے ساتھ ہو چکی ہے یہاں آیت میں صرف اتنی بات کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آگ سے بچا لیا۔ اس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوئی کہ تمام اسباب سے نتائج بغیر اذن الٰہی کے نہیں پیدا ہوتے اور تمام اشیاء کی خاصیتیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر مبنی ہیں۔ وہ جس وقت جس چیز کی خاصیت کو چاہے بدل سکتا ہے۔ معمول کے مطابق آگ کا عمل یہی ہے کہ وہ جلائے اور ہر آتش پذیر چیز اس میں پڑ کر جل جائے لیکن آگ کا یہ معمول اس کا اپنا قائم کیا ہوا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا ہے اور اس معمول نے خدا تعالیٰ کو پابند نہیں کر دیا کہ وہ اس کے خلاف کوئی حکم نہ دے سکے۔ وہ اپنی آگ کا مالک ہے کسی وقت بھی وہ اسے حکم دے سکتا ہے کہ وہ جلانے کا عمل چھوڑ دے اور وہ اپنے ایک اشارہ سے آتش کدہ کو گلزار میں تبدیل کر سکتا ہے۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو بیان کر کے فرمایا جاتا ہے کہ بیشک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں کئی نشانیاں ہیں۔ اب مفسرین نے ان نشانیوں کی تشریح فرمائی ہے۔ یعنی اس واقعہ میں دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کی۔ ابراہیم علیہ السلام کے نبی ہونے کی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کی۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تک کو آزمائشوں سے گزارے بغیر نہ چھوڑا اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے ڈالے ہوئے امتحان سے کامیابی کے ساتھ گزر گئے تب اللہ کی مدد ان کے لئے آئی اور کیسے معجزانہ طریقہ سے آئی۔ پھر اس واقعہ سے ایمان والوں کو یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کافروں کو مومنوں پر عارضی تسلط عطا کرنا بھی خدائے حکیم و قدیر ہی

کا کام ہے اور اس میں بھی اس کی مصلحت و حکمت ہوتی ہے۔

کافروں کو ڈھیل دینے اور چیرہ دست بنانے سے کبھی مقصود یہ ہوتا ہے کہ اہل ایمان کی آزمائش ہو جائے ان کے مراتب میں اضافہ اور درجات میں ترقی دی جائے ورنہ دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ اور فرمانروا بھی اللہ کے ایک دوست کی جان نہیں لے سکتا۔ جب تک اللہ ہی کا حکم نہ ہو۔ حق تعالیٰ کی ادنیٰ غیبی طاقت کے مقابلہ میں یہ تمام دنیوی مادی طاقتیں ہیچ ہیں۔ تو خلاصہ یہ کہ اس واقعہ سے مومن کو گوناگوں عبرتیں اور نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان کو اللہ کی غیبی طاقت کا مشاہدہ۔ اہل حق کی نجات کا یقین۔ اور انجام کار حق کا باطل پر غالب آ جانا واضح ہو جاتا ہے اس لئے وہ راہ صداقت پر ہر سختی اور مصیبت پر صبر کرتے ہیں۔ کافروں سے کوئی خوف ان کو نہیں رہتا۔ ان کی نظر ہر وقت اللہ پر رہتی ہے اور آخر میں اپنے غالب ہونے کا یقین ان کو حاصل ہوتا ہے۔ تو آگ سے بسلامت نکل آنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر دعوت و تبلیغ کا سلسلہ قوم میں جاری رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگوں نے جو یہ بت پرستی آپس کے تعلقات کو قائم رکھنے اور میل و محبت کو برقرار رکھنے کے لئے اختیار کی ہے یعنی بت پرستی اور شرک پر جمے رہنے سے تمہارا مقصد یہ ہے کہ آپس کی محبت اور یگانگت اور ربط و ضبط قائم رہے۔ اگر شرک چھوڑیں گے تو اپنے عزیزوں دوستوں اور پیشواؤں سے تعلقات ترک کرنے پڑیں گے تو خوب یاد رکھو کہ یہ تعلقات و روابط صرف دنیا میں ہیں۔ قیامت کے دن ان میں سے کوئی ساتھ نہ دے گا۔ نہ کوئی مدد کر سکے گا اور نہ آگ سے بچا سکے گا بلکہ ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کرے گا اور جن کو تم دنیا میں اپنا عزیز اور مددگار سمجھے ہو وہ آخرت میں تمہاری مدد تو درکنار الٹے تم سے بیزار ہوں گے اور بڑے بڑے پیشوا اپنے تابعین کو کورا جواب دے دیں گے کہ ہم نے تم پر جبر نہ کیا تھا تم کیوں ہمارے راستہ پر چلے آج ہم تمہارے اعمال سے بری ہیں۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکرر وعظ و نصیحت پر قوم نے دین ابراہیمی کو قبول نہ کیا۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے صحیح و سالم نکل آنے پر کچھ لوگ دل میں آپ کی صداقت کے قائل ہو گئے ہوں لیکن پوری قوم اور سلطنت کی طرف سے دین ابراہیمی کے خلاف جس غضبناک رویہ کا اظہار اس وقت سب کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا اسے دیکھتے ہوئے کوئی دوسرا شخص حق کو ماننے اور اس کا ساتھ دینے کی جرأت نہ کر سکا بس یہ سعادت صرف ایک شخص کے حصہ میں آئی اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط تھے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی اور پھر ہجرت میں بھی اپنے چچا اور چچی کا ساتھ دیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھ لیا کہ قوم آپ کا دین الٰہی ماننے کے لئے بالکل تیار نہیں تو پھر وطن سے آپ نے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا اور اعلان کر دیا کہ میں اپنے رب کی خاطر قوم اور وطن کو چھوڑ کر یہاں سے نکلتا ہوں۔ اب جہاں میرا رب لے جائے گا چلا جاؤں گا چنانچہ آپ نے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی جس میں صرف آپ کی بی بی حضرت سارہ اور آپ کے بھتیجے حضرت لوط شامل رہے۔ آخر میں بطور نتیجہ کلام کے یہ بتلایا جاتا ہے کہ بابل کے وہ حکمران اور مشرک جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نیچا دکھانا چاہا تھا وہ تو دنیا سے ایسے مٹ گئے کہ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں۔ مگر وہ شخص جسے اللہ کا کلمہ اور دین بلند کرنے کے جرم میں ان لوگوں نے جلا کر خاک کر دینا چاہا تھا اور جسے آخر کار وطن سے بے سروسامانی کے عالم میں نکل جانا پڑا تھا اللہ نے انہیں دنیا ہی میں یہ صلہ دیا کہ باوجود پیرانہ سالی کے ان کو اسحاق علیہ السلام بیٹا عطا کیا اور نہ فقط بیٹا بلکہ ایک پوتا حضرت یعقوب بھی دیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بیٹے تھے لیکن چونکہ آپ کی پیدائش

کسی غیر معمولی کرامت کے تحت نہ ہوئی تھی۔ نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت ایسی پیرانہ سالی کو پہنچے تھے۔ نہ حضرت ہاجرہ اس سن کو پہنچی تھیں کہ جو اولاد کی طرف سے مایوسی ہو جاتی اس لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ یہاں نہیں فرمایا۔ ہاں حضرت اسحاق کی ولادت خاص اہمیت رکھتی تھی اس لئے اسی کا ذکر فرمادیا۔

الغرض ایک انعام جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سرفراز فرمایا گیا یہ تھا کہ باوجود اسباب ظاہری نہ ہونے کے ایک سعید بیٹا عنایت فرمایا بلکہ ایک پوتا بھی دیا۔ پھر دوسرا انعام یہ عطا فرمایا کہ آپ کی نسل میں نبوت کا سلسلہ جاری رکھا چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت ہارون علیہ السلام۔ حضرت یوشع علیہ السلام۔ حضرت یونس علیہ السلام۔ حضرت زکریا علیہ السلام۔ حضرت داؤد علیہ السلام۔ حضرت سلیمان علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہاں تک کہ افضل الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہی میں پیدا ہوئے۔ پھر تیسرا انعام یہ فرمایا گیا کہ آسمانی کتابیں بھی آئندہ آپ ہی کی نسل کو عطا کی گئیں۔ چنانچہ توراۃ۔ زبور۔ انجیل اور آخر میں قرآن بھی اولاد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اترا۔ اور چوتھا انعام یہ عطا فرمایا کہ ان کو دنیا ہی میں اللہ نے ان کا اجر عطا فرمایا۔ اکثر مفسرین نے اس سے مراد آپ کا ذکر خیر اور نیک نامی کی شہرت کو قیامت تک قائم رکھنے کو لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سرفرازی آپ کو عطا فرمائی کہ چار ہزار برس سے دنیا میں آپ کا نام روشن ہے اور قیامت تک رہے گا۔ ہر آسمانی کتاب والا خواہ وہ مسلمان ہو۔ یا عیسائی۔ یا یہودی اس خلیل رب العالمین کو سب اپنا پیشوا مانتے ہیں یہ عزت تو آپ کو دنیا ہی میں ملی اور آخرت میں جو اجر عظیم ملے گا وہ تو ملے ہی گا۔

مفسرین نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ جب آدمی اپنے سینہ میں دلائل و براہین کا جواب نہیں پاتا اور طاقت حق اس کو لاجواب کر دیتی ہے تو پھر باطل اہل حق کو دھمکیاں دینے پر اتر آتا ہے مگر جو حق کا حامی اور صداقت کا علمبردار ہوتا ہے اہل باطل کے مقابلہ میں اللہ اس کی حمایت کرتا ہے اور کوئی طاغوتی طاقت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی مگر آزمائشی دور سے اس کو ضرور گزرنا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہجرت فرمانا تعلیم دے رہا ہے کہ دین کو بچانے اور ایمان کو محفوظ رکھنے کے لئے اعزہ واحباب اور گھر بار چھوڑ کر کسی ایسے مقام پر چلا جانا جہاں آزادی سے دین برحق پر عمل کیا جا سکے ضروری ہے۔ دین کو بچانے کے لئے دنیا کو قربان کرنا لازم ہے۔ دین کو بچانے۔ ایمان پر استقامت رکھنے اور اعمال صالحہ پر کاربند رہنے سے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اجر عنایت فرماتا ہے اور اخروی اجر تو بہرحال عطا فرمائے گا۔

اب آگے تیسرا قصہ لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور باطل کے مقابلہ میں ہم کو استقامت نصیب فرمائیں۔ اور حق کو سربلند رکھنے کا عزم وہمت عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کے مقابلہ میں دنیا قربان کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں اپنے دین کو گھر بار ملک وطن دوست احباب عزیز واقارب سب سے زیادہ محبوب رکھنے کا جذبہ عطا فرمائیں۔ اور اپنی قدرت کاملہ سے ہر حال میں ہماری تائید ونصرت فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ

اور ہم نے لوط علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے کسی نے دُنیا جہاں والوں میں

مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ

نہیں کیا۔کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہواور تم ڈاکہ ڈالتے ہواور اپنی بھری مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو

نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ

سوا اُن کی قوم کا جواب بس یہ تھا کہ تم ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾

اگر تم سچے ہو۔لوط علیہ السلام نے دُعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو اِن مفسد لوگوں پر غالب کردے۔

وَلَمَّا جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ

اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے، تو اُن فرشتوں نے کہا کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں

اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ ۚ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۡ

(کیونکہ) وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں۔ابراہیم نے فرمایا کہ وہاں تو لوطؑ ہیں،فرشتوں نے کہا کہ جو جو وہاں (رہتے) ہیں ہم کو سب معلوم ہیں،

لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

ہم اُنکو اور اُن کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز اُن کی بی بی کے، کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔

وَلُوْطًا اور لوطؑ	اِذْ یاد کرو	جب	قَالَ اس نے کہا	لِقَوْمِهٖ اپنی قوم کو	اِنَّكُمْ بیشک تم	لَتَاْتُوْنَ تم کرتے ہو	الْفَاحِشَةَ بے حیائی
مَا سَبَقَكُمْ نہیں پہلے کیا تم نے	بِهَا اس کو	مِنْ اَحَدٍ کسی نے	مِنَ سے	الْعٰلَمِيْنَ جہان والے	اَئِنَّكُمْ کیا تم واقعی	لَتَاْتُوْنَ البتہ تم کرتے ہو	
الرِّجَالَ مرد	وَتَقْطَعُوْنَ اور مارتے ہو	السَّبِيْلَ راہ	وَتَاْتُوْنَ اور تم کرتے ہو	فِيْ نَادِيْكُمُ اپنی محفلوں میں	الْمُنْكَرَ ناشائستہ حرکات		
فَمَا كَانَ سو نہ تھا	جَوَابَ قَوْمِهٖ اس کی قوم کا جواب	اِلَّا سوائے	اَنْ کہ	قَالُوا انہوں نے کہا	ائْتِنَا لے آ ہم پر	بِعَذَابِ اللّٰهِ اللہ کا عذاب	
اِنْ كُنْتَ اگر تو ہے	مِنَ سے	الصّٰدِقِيْنَ سچے لوگ	قَالَ کہا	رَبِّ اے میرے رب	انْصُرْنِيْ میری مدد فرما	عَلٰى پر	
الْقَوْمِ قوم۔لوگ	الْمُفْسِدِيْنَ مفسد	وَلَمَّا اور جب	جَاۗءَتْ آئے	رُسُلُنَا ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے)	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم		
بِالْبُشْرٰى خوشخبری لے کر	قَالُوْا انہوں نے کہا	اِنَّا بیشک ہم	مُهْلِكُوْا ہلاک کرنے والے	اَهْلِ لوگ	هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اس بستی	اِنَّ بیشک	
اَهْلَهَا اسکے لوگ	كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ظالم (بڑے شریر)	ہیں	قَالَ ابراہیم نے کہا	اِنَّ فِيْهَا بیشک اس میں	لُوْطًا لوط	قَالُوْا وہ بولے	

نَحْنُ ہم	اَعْلَمُ خوب جانتے ہیں	بِمَنْ فِيْهَا اس کو جو اس میں	لَنُنَجِّيَنَّهٗ البتہ ہم بچالیں گے اس کو	وَاَهْلَهٗٓ اور اس کے گھر والے		
اِلَّا سوا	امْرَاَتَهٗ اس کی بیوی	كَانَتْ وہ ہے	مِنَ سے	الْغٰبِرِيْنَ پیچھے رہ جانے والے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی مشرک قوم کا حال بیان ہوا تھا اب یہاں تیسرا قصہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا سنایا جاتا ہے۔ یہ گذشتہ آیات میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور بابل سے ہجرت کر کے شام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ آئے تھے۔ شام پہنچ کر یہ قرار پایا کہ دونوں بزرگ بغرض تبلیغ جدا جدا رہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو فلسطین میں جا کر مقیم ہوئے اور حضرت لوط علیہ السلام نے شرق اردن کو اپنا مسکن بنایا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرمادیا گیا تھا اس لئے آپ اللہ کے پیغمبر کی حیثیت سے شرق اردن کے علاقہ سدوم اور عامورہ بغرض تبلیغ دین حنیف چلے گئے۔ اردن کی وہ جانب جہاں بحیرۂ مردار یا بحر لوط واقع ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سدوم اور عامورہ کی بستیاں واقع تھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آ کر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندہ حد درجہ فواحش اور معصیتوں میں مبتلا ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان کی بے حیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی اور ان سے کہا کہ تم نے ایسی بے حیائی پر کمر باندھی ہے جو تم سے پہلے جہان بھر میں کسی نے نہیں کی۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم نے انسانیت کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ یہ کیا حیا سوز حرکت ہے کہ تم مردوں کے پاس اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے آتے ہو اور تمہاری شیطانی حرکات کے ڈر سے لوگوں نے اس طرف کے راستوں سے گزرنا چھوڑ دیا ہے۔ تم اپنی بھری محفلوں میں بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو۔ تم نے حیا وشرم کو اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ بہرحال لوط علیہ السلام نے ان کو جو ممکن طریقہ سمجھانے کے ہو سکتے تھے ان کو سمجھایا اور گذشتہ اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج و ثمرات بتا کر عبرت دلائی مگر قوم پر شہوت پرستی کا بھوت سوار تھا۔ ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ ہوا اور آپ کی نصیحتوں کو سن کر غم وغصہ سے تلملا اٹھی۔ اور کہنے لگی کہ اے لوط بس یہ نصیحتیں ختم کرو۔ اگر ہمارے ان اعمال سے تمہارا خدا ناراض ہے تو وہ عذاب لا کر دکھلاؤ۔ جس کا ذکر کر کے بار بار ہم کو ڈراتے ہو۔ اگر تم واقعی اپنے قول میں سچے ہو تو ایسا کر دکھاؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس منحوس قوم کی عقل پر چربی چھا گئی تھی۔ وہ عیش وعشرت کے نشہ سے مست تھے۔ ان کے دل ودماغ مسخ ہو چکے تھے۔ اچھے برے خیر وشر کا امتیاز ان سے اٹھ گیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور ان کے پیرو تھے۔ شرف نبوت سے بھی سرفراز ہو چکے تھے اس لئے سدوم اور عامورہ میں ہمہ قسم کے مصائب اور دشمنوں کے نرغہ کی تکالیف کے باوجود انہوں نے صبر واستقامت سے کام لیا اور اپنے بزرگ چچا اور خاندان کی مدد کی طلب کے بجائے صرف خدائے عزوجل پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس کے احکام کے سامنے رضا وتسلیم کا ثبوت دیا اور درگاہ رب العزت میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار یہ لوگ تباہی اور فساد پھیلانے پر تلے ہوئے ہیں اور میری کچھ نہیں سنتے۔ میرے پروردگار سوائے تیرے کوئی نہیں۔ میں تیرے سوا کس سے کہوں۔ اے میرے رب! میری مدد فرما اور مجھے اس مفسد قوم پر غالب فرما۔ مراد یہ تھی کہ مجھے ان سے علیحدہ کر دے لیکن اس طور پر کہ ان کو بھی اپنی حرکات کی سزا مل جائے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی۔ اور اس بدکار و بدعمل قوم کی تباہی کا وقت آ گیا۔ ادھر ملک شام میں رحمت کو نازل کرنا بھی مقصود تھا اس لئے فرشتوں کو حکم

ہوا کہ جاؤ ہمارے خلیل کو فرزند سعید کی بشارت سناؤ اور قوم لوط کو برباد کردو اور اہل ایمان کو بچالو۔ حسب الحکم فرشتے پہلے نوجوانوں کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت متواضع اور مہمان نواز تھے۔ ان تینوں نوجوانوں کو مسافر سمجھ کر خوش خلقی کے ساتھ ٹھہرایا۔ کھانے کے لئے روٹیاں اور بچھڑا ذبح کر کے بھنا ہوا گوشت مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔ مگر مہمانوں نے ہاتھ کھانے کی طرف نہ بڑھایا اس زمانہ کا دستور تھا کہ دشمن کے گھر کا نمک نہ چکھتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کچھ اندیشہ ہوا کہ شاید یہ دشمن ہیں جو میری مہمانی کو قبول نہیں کرتے۔ مہمانوں نے جو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اضطراب دیکھا تو کہا آپ گھبرائیں نہیں ہم خدا کے فرشتے ہیں آپ کو فرزند کی بشارت دینے آئے ہیں اور قوم لوط کی تباہی کے لئے بھیجے گئے ہیں اس لئے یہاں سے اب سدوم جارہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان ہوگیا کہ یہ کوئی دشمن نہیں ہیں بلکہ ملائکۃ اللہ ہیں تو اب قوم لوط کا خیال آیا اور فرمانے لگے کہ تم اس قوم کو کیسے برباد کرنے جارہے ہو جس میں لوط خدا کا برگزیدہ نبی موجود ہے اور میرا حقیقی بھتیجا بھی ہے اور دین حنیف کا پیرو بھی۔ فرشتوں نے کہا کہ یہ سب کچھ ہم جانتے ہیں مگر خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ قوم لوط اپنی سرکشی۔ بدعملی۔ بے حیائی اور فواحش پر اصرار کی وجہ سے ضرور ہلاک کی جائے گی اور لوط اور ان کا خاندان اس عذاب سے محفوظ رہیں گے البتہ لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کی حمایت کی وجہ سے قوم لوط ہی کے ساتھ عذاب پائے گی۔

غرض کہ ملائکۃ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوکر سدوم پہنچے اور یہ اپنی شکل وصورت میں حسین خوبصورت نوجوانوں کی حیثیت میں تھے۔ سدوم پہنچ کر لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان ہوئے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان مہمانوں کو دیکھا تو گھبرائے اور ڈرے کہ بدبخت قوم نہ معلوم ان مہمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرے کیونکہ ابھی تک لوط علیہ السلام کو یہ نہیں فرمایا گیا تھا کہ یہ خدا کے پاک فرشتے ہیں۔ بہرحال یہ فرشتے جب حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان کی حیثیت سے ٹھہرے تو پھر کیا صورت حال پیش آئی یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ظاہر میں اور باطن میں ہر طرح کے فسق وفجور سے پاک صاف رکھیں اور شریعت مطہرہ کی پابندی ظاہراً و باطناً نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے ظاہری باطنی دینی فتنہ وفساد سے ہم کو محفوظ فرمائیں اور مفسدوں سے ہم کو علیحدہ رکھیں۔ اور اپنے نیک اور فرمانبردار بندوں میں ہم کو شامل رکھیں۔ اور اپنی نصرت وحمایت کو ہمارے شامل حال رکھیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ

اور جب ہمارے وہ فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ اُن کی وجہ سے مغموم ہوئے اور اُن کے سبب تنگ دل ہوئے اور وہ فرشتے کہنے لگے آپ اندیشہ کریں

وَلَا تَحْزَنْ قف اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ

اور نہ مغموم ہوں ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز آپ کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی۔ ہم اس بستی کے باشندوں پر

عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا

ایک آسمانی عذاب اُن کی بدکاریوں کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں۔اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہر نشان (اب تک)

مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

رہنے دیئے ہیں ان لوگوں (کی عبرت) کیلئے جو عقل رکھتے ہیں۔

وَلَمَّا اور جب	اَنْ کہ	جَآءَتْ آئے	رُسُلُنَا ہمارے فرشتے	لُوْطًا لوطؑ کے پاس	سِیْٓءَ پریشان ہوا	بِهِمْ ان سے	وَضَاقَ اور تنگ ہوا
بِهِمْ ان سے	ذَرْعًا دل میں	وَقَالُوْا اور وہ بولے	لَا تَخَفْ ڈرو نہیں تم	وَلَا تَحْزَنْ اور نہ غم کھاؤ	اِنَّا مُنَجُّوْكَ بیشک ہم بچانے والے ہیں تجھے		
وَاَهْلَكَ اور تیرے گھر والے	اِلَّا سوا	امْرَاَتَكَ تیری بیوی	كَانَتْ وہ ہے	مِنَ سے	الْغٰبِرِيْنَ پیچھے رہ جانے والے	اِنَّا بیشک ہم	
مُنْزِلُوْنَ نازل کرنیوالے	عَلٰى پر	اَهْلِ لوگ	هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اس بستی	رِجْزًا عذاب	مِّنَ السَّمَآءِ آسمان سے	بِمَا اس وجہ سے کہ	
كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ وہ بدکاری کرتے تھے	وَلَقَدْ تَّرَكْنَا اور البتہ ہم نے چھوڑا	مِنْهَا اس سے	اٰيَةًۢ بَيِّنَةً کچھ واضح نشانی	لِّقَوْمٍ لوگوں کیلئے	يَّعْقِلُوْنَ وہ عقل رکھتے ہیں		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ پہلے عذاب کے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور انہیں بڑھاپے میں فرزند کی خوشخبری دی۔ اس وقت تک حضرت سارہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ اور ساتھ ہی ان فرشتوں نے یہ بتایا کہ ہم قوم لوط کی بستیوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں کیونکہ وہاں کے لوگ برے کام سے باز نہیں آتے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت لوط علیہ السلام کا فکر ہوا کہ بروں کے ساتھ کہیں اچھے بھی نہ پس جائیں مگر فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے متعلقین اور جو ان پر ایمان لائے ہیں وہ بچالئے جائینگے۔ بجز لوط علیہ السلام کی بی بی کے کہ وہ قوم کے ساتھ عذاب میں گرفتار ہوگی۔ یہ کہہ کر فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوئے اور لوط علیہ السلام کے ہاں پہنچے۔ یہ اپنی شکل وصورت میں حسین خوبصورت جوانوں کی حیثیت سے تھے اور انہوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ ہم آج آپ کے مہمان ہوں گے۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی حالت سے واقف تھے کہ وہ باہر سے آنے والے نووارد مسافروں کو خاص طور پر ستاتے تھے اس لئے حضرت لوط علیہ السلام بجائے اس کے کہ مہمانوں کے آنے سے خوشی ہوتی جیسا کہ مہمان نواز لوگوں اور خاص کر اللہ والوں کو خوشی ہوا کرتی ہے ان کے آنے سے بڑے پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ قوم کے موذیوں سے ان شریف مہمانوں کی حفاظت کیسے کروں۔ حضرت لوط علیہ السلام کو ابھی تک یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ خدا کے پاک فرشتے ہیں۔ حضرت

لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کو دیکھ کر فرشتوں نے کہا کہ آپ ہماری ظاہر صورت کو دیکھ کر نہ گھبرائیں اور نہ پریشان خاطر ہوں۔ ہم ملائکہ عذاب ہیں اور خدا کا فیصلہ ان کے حق میں اٹل ہے وہ اب ان کے سر سے ٹلنے والا نہیں۔ اس بستی والوں کی شامت آ گئی ہے اور ہم ان لوگوں پر سخت عذاب نازل کرنے والے ہیں کیونکہ ان کی بے حیائی اور ان کے گندے کاموں کی نحوست ان پر پوری طرح چھا گئی ہے۔ آپ اور آپ کا خاندان عذاب سے محفوظ رہے گا مگر آپ کی بیوی ان ہی بے حیاؤں کی رفاقت میں رہے گی اور عذاب میں گرفتار ہوگی چنانچہ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو ہدایت کی کہ رات ہوتے ہی آپ اپنے گھر والوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں اور کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے چنانچہ ابتدائے شب ہی میں حضرت لوط علیہ السلام بستی سے باہر چلے گئے لیکن آپ کی بیوی ان بستی والوں ہی میں رہ گئی اور آپ کی رفاقت سے انکار کر دیا۔ آخر شب ہوئی تو اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا۔ پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ آخر میں بتلایا جاتا ہے کہ ہم نے اس بستی کی ایک کھلی نشانی چھوڑ دی ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔ اس کھلی نشانی سے مراد بحیرۂ مردار ہے جسے بحر لوط بھی کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کفار مکہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اس ظالم قوم پر اس کے کرتوتوں کی بدولت جو عذاب آیا تھا اس کی ایک نشانی آج بھی شاہراہ عام پر موجود ہے جسے تم شام کی طرف اپنے تجارتی سفروں میں جاتے ہوئے شب و روز دیکھتے ہو۔ موجودہ زمانہ میں یہ بات قریب قریب یقین کے ساتھ تسلیم کی جا رہی ہے کہ بحیرہ مردار ایک ہولناک زلزلے کی وجہ سے زمین میں دھنس جانے کی بدولت وجود میں آیا ہے۔ اس کے قریب بسنے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلے یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے۔ جب قوم لوط پر عذاب آیا اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلہ اور بھونچال آئے تب یہ زمین تقریباً ۴۰۰ میٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا اسی لئے اس کا نام بحر لوط، بحیرۂ مردار یا بحر میت ہے۔ اس طرح یہ بحر لوط خود ایک عبرت کا نشان ہے۔ اس حصہ میں پانی کے نیچے کچھ ڈوبی ہوئی بستیوں کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ حال ہی میں جدید آلات غوطہ زنی کی مدد سے یہ کوشش شروع ہوئی ہے کہ کچھ لوگ نیچے جا کر ان آثار کی جستجو کریں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بھی یہاں ختم ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے ان واقعات سے بعض علمائے محققین نے ان لوگوں کا رد فرمایا ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء عالم الغیب ہوتے اور جمیع ما کان و یکون یعنی جو ہوا اور ہوگا سب کا علم ان کو حاصل ہوتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عظیم القدر پیغمبر تھے۔ مگر جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہ خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں تھے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو وہ اس بنا پر گھبرائے کہ یہ مہمان ہیں اور میری قوم بدعادت میں مبتلا ہے۔ وہ ضرور اپنی نفسانی خواہش کے تحت ان سے چھیڑ چھاڑ کریں گے اور یہ چیز میرے لئے انتہائی تکلیف دہ ثابت ہوگی اور باعث شرم ہوگی کیونکہ اس میں مہمانوں کی رسوائی ہے۔ تو یہ سارا خطرہ اور فکر حضرت لوط علیہ السلام کو اسی وجہ سے تھا کہ اس وقت تک آپ کو یہ علم نہ تھا کہ یہ مہمانوں کی شکل میں اللہ کے فرشتے ہیں اگر آپ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ اللہ کے فرشتے ہیں تو اس قدر پریشان ہونے اور دل میں خطرہ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کو علم غیب نہ تھا اور وہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے فرشتوں کو نہ پہچان سکے چنانچہ جب فرشتوں نے دیکھا کہ حضرت لوط علیہ السلام ان کی وجہ سے بے چین و مضطرب ہیں تو انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء و رسل میں افضل سمجھے جاتے ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے "خلیل" کا لقب عطا

فرمایا انہیں بھی کلی علم غیب اور ما کان و یکون کا علم نہیں عطا کیا گیا تھا کہ جو صرف خاصۂ خداوندی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے جو گذشتہ آیات میں ذکر ہوا کہ آپ نے اللہ کے فرشتوں کو پہلے نہیں پہچانا اور آپ یہی سمجھے کہ یہ آدم زاد بشر ہیں کیونکہ وہ انسانی شکلوں میں آئے تھے اور ان کی ظاہری شکلوں سے یہی سمجھا کہ حقیقت میں یہ انسان ہیں چنانچہ آپ نے ان کے لئے کھانا تیار کرایا اور بچھڑا ذبح کر کے اس کا گوشت وغیرہ بھونا اور فرشتوں کے سامنے لا کر رکھا۔ اگر آپ کو یہ علم ہوتا کہ یہ فرشتے ہیں کھانا نہیں کھائیں گے تو بچھڑے وغیرہ کو ذبح کر کے مہمانوں کے لئے گوشت بھوننے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر جب فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے رویہ سے دل ہی دل میں ڈرے کہ مبادا یہ دشمن ہوں اور ہمیں نقصان پہنچانے کے لئے آئے ہوں۔ حالانکہ وہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری ولادت فرزند کی دینے آئے تھے نہ کہ کسی برے ارادے سے جب فرشتوں کے بتانے سے اصل حقیقت معلوم ہوئی کہ وہ فرشتے ہیں اور ان کو بیٹے کی خوشخبری دینے اور قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے آئے ہیں تو آپ کا خوف جاتا رہا اور آپ مطمئن ہو گئے۔ تو اس سے بھی صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عالم الغیب نہ تھے ورنہ فرشتوں کو کم از کم آپ پہلے ہی پہچان لیتے۔ اور دل میں ان کی طرف سے کوئی اندیشہ لانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ ایسے ہی قرآن پاک سے دوسرے انبیاء و رسل کے واقعات و حالات سامنے آتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلی اور تفصیلی علم غیب سوائے خداوند تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ صفت غیب دان ہونے کی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ہاں جو بات یا علم حق تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی یا مقبول بندے کو بذریعۂ کشف الہام یا وحی بتا دیں تو اس کو علم ہو جاتا ہے اور وہ پھر کسی اور کو خبر کر دے تو اس کو بھی علم ہو جاتا ہے مثلاً جیسا کہ جنت و دوزخ کا علم حق تعالیٰ نے انبیاء کو بتلا دیا اور پھر انہوں نے امت کو خبر دی ایسے ہی بعض گذشتہ دور کے واقعات یا آئندہ کے حالات اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے بعض بندوں کو معلوم ہوتے ہیں اور اسی قدر معلوم ہوتے ہیں کہ جس قدر حق تعالیٰ بتلا دیں۔ تو اولیاء اللہ یا انبیاء کرام بعض مغیبات کے باعث کہ جن کا علم اللہ تعالیٰ ان کو بطور خرق عادت یا بذریعہ کشف و الہام القا فرما دے وہ "عالم الغیب" تو نہیں کہلائیں گے۔ اسی لئے شرعاً "عالم الغیب" کے الفاظ صرف حق تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ کیونکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اب آگے حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم اور پھر اجمالاً عاد و ثمود و قارون۔ فرعون و ہامان کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دنیا میں حق کے ساتھ وابستہ رکھیں۔ اور باطل سے علیحدہ رکھیں۔ حق تعالیٰ ہمارے اہل و عیال اور متعلقین کو بھی حق پر قائم رکھیں اور ہر طرح کی کجی اور گمراہی سے ان کی حفاظت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں بھی ہر طرح کے عذاب و سختی سے محفوظ و مامون فرمائیں اور آخرت میں بھی قیامت کی سختیوں کو ہم سے دور رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نافرمان قوموں کے واقعات سے ہمیں عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح کی ہر چھوٹی و بڑی نافرمانی سے بچنے کی ہمت و عزم عطا فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا

اور مدین والوں کے پاس ہم نے اُن کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا سو انہوں نے فرمایا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور روز قیامت سے ڈرو اور سرزمین

فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝

میں فساد مت پھیلاؤ۔ سو ان لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا پس زلزلہ نے اُن کو آ پکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی ہلاک کیا اور یہ ہلاک ہونا تم کو اُن کے رہنے کے مقامات سے نظر آ رہا ہے اور شیطان نے اُن کے اعمال کو اُن کی نظر میں مستحسن کر رکھا تھا

عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۫ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى

اور اُن کو راہ (حق) سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ (ویسے) ہوشیار تھے۔ اور ہم نے قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کیا، اور اُن کے پاس موسیٰ (علیہ السلام)

بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ

کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے پھر ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے۔ تو ہم نے ہر ایک کو اُس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا سو اُن میں

مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا

بعضوں پر تو ہم نے تند ہوا بھیجی، اور اُن میں بعضوں کو ہولناک آواز نے آ دبایا، اور اُن میں بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا،

بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

اور اُن میں بعض کو ہم نے ڈبو دیا، اور اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا لیکن یہی لوگ اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔

وَ اور	اِلٰى مَدْيَنَ مدین کی طرف	اَخَاهُمْ انکا بھائی	شُعَيْبًا شعیبؑ کو	فَقَالَ پس اس نے کہا	يٰقَوْمِ اے میری قوم	اعْبُدُوْا تم عبادت کرو
اللّٰهَ اللہ	وَارْجُوا اور امید وار رہو	الْيَوْمَ الْاٰخِرَ آخرت کا دن	وَ اور	لَا تَعْثَوْا نہ پھرو	فِى الْاَرْضِ زمین میں	مُفْسِدِيْنَ فساد کرتے ہوئے
فَكَذَّبُوْهُ پھر انہوں نے جھٹلایا اسکو	فَاَخَذَتْهُمُ تو آ پکڑا انہیں	الرَّجْفَةُ زلزلہ	فَاَصْبَحُوْا پس وہ صبح کو ہو گئے	فِىْ دَارِهِمْ اپنے گھر میں		
جٰثِمِيْنَ اوندھے پڑے ہوئے	وَعَادًا اور عادؔ	وَثَمُوْدَا اور ثمودؔ	وَقَدْ اور تحقیق	تَّبَيَّنَ واضح ہو گئے ہیں	لَكُمْ تم پر	
مِنْ مَّسٰكِنِهِمْ ان کے رہنے کے مقامات	وَزَيَّنَ اور بھلے کر دکھائے	لَهُمْ ان کیلئے	الشَّيْطٰنُ شیطان	اَعْمَالَهُمْ انکے اعمال		
فَصَدَّهُمْ پھر روک دیا انہیں	عَنِ سے	السَّبِيْلِ راہ	وَكَانُوْا حالانکہ یہ تھے	مُسْتَبْصِرِيْنَ سمجھ بوجھ والے	وَقَارُوْنَ اور قارون	وَ اور
فِرْعَوْنَ فرعون	وَهَامٰنَ اور ہامان	وَ اور	لَقَدْ جَآءَهُمْ اور البتہ آئے ان کے پاس	مُّوْسٰى موسیٰ	بِالْبَيِّنٰتِ کھلی نشانیاں کے ساتھ	
فَاسْتَكْبَرُوْا تو انہوں نے تکبر کیا	فِى الْاَرْضِ زمین (ملک) میں	وَ اور	مَا كَانُوْا وہ نہ تھے	سٰبِقِيْنَ بچ کر بھاگ نکلنے والے	فَكُلًّا پس ہر ایک	
اَخَذْنَا ہم نے پکڑا	بِذَنْۢبِهٖ اسکے گناہ پر	فَمِنْهُمْ تو ان میں سے	مَّنْ جو	اَرْسَلْنَا ہم نے بھیجی	عَلَيْهِ اس پر	حَاصِبًا پتھروں کی بارش
وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَّنْ جو (بعض)	اَخَذَتْهُ اس کو پکڑا	الصَّيْحَةُ چنگھاڑ	وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَّنْ جو	خَسَفْنَا ہم نے دھنسا دیا

بِہٖ اس کو	الْاَرْضَ زمین	وَمِنْهُمْ اوران میں سے	مَنْ اَغْرَقْنَا جو ہم نے غرق کردیا	وَمَا كَانَ اور نہیں ہے	اللّٰهُ اللہ	لِيَظْلِمَهُمْ ظلم کرتا ان پر		
	وَلٰكِنْ اور لیکن (بلکہ)	كَانُوْا وہ تھے	اَنْفُسَهُمْ خود اپنی جانوں پر	يَظْلِمُوْنَ ظلم کرتے				

تفسیر و تشریح:- گذشتہ آیات میں تین انبیاء کرام علیہم السلام کی اقوام کے قصہ بیان ہوئے یعنی نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے۔ اب چوتھا قصہ پہلے حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم مدین والوں کا بیان فرمایا جاتا ہے اور پھر اجمالی تذکرہ قوم عاد کا جن کی طرف حضرت ہود علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے اور قوم ثمود کا جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے اور فرعون و ہامان و قارون کا جن کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے تھے ذکر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قبیلۂ مدین میں شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام چونکہ اسی نسل اور اسی قبیلہ سے تھے اس لئے آپ کی بعثت کے بعد آپ کے ہم وطن قوم شعیب کہلائے۔ شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم میں مبعوث ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ خدا کی نافرمانی اور معصیت کے ارتکاب میں ساری قوم مبتلا ہے اور اپنی بداعمالیوں میں اس قدر مست اور سرشار ہے کہ ایک لمحہ کے بھی انہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے معصیت اور گناہ ہے بلکہ اپنے بداعمالی کو باعث فخر سمجھتے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم والے مشرک بھی تھے۔ قیامت کے منکر بھی تھے۔ دوسری قوموں کی طرح یہ خیال کرلیا تھا کہ ہم اپنے کاموں کے مختار ہیں جو چاہیں کریں کوئی پوچھ گچھ کرنے والا نہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو رشد و ہدایت کی تعلیم دیتے ہوئے انہی اصول کی طرف بلایا جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت و ارشاد کا خلاصہ ہے۔ آپ نے قوم کو تین نصیحتیں فرمائیں۔ اول اللہ کی پرستش کا حکم دیا۔ اللہ کی ہستی کا اقرار تو قوم کو تھا اور وہ خالق عالم خدا ہی کو جانتے تھے مگر مشرک فی العبادۃ تھے۔ بتوں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو اس گمراہی سے روکا اور چونکہ وہ لوگ قیامت کا بھی انکار کرتے تھے یا اگر قائل بھی ہوں تو ان کی بداعمالی انکار پر دلالت کرتی تھی اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو قیامت کا یقین کرنے اور اس کے امیدوار رہنے کی تلقین فرمائی اور قیامت سے ڈرتے رہنے کی نصیحت فرمائی اور تیسری نصیحت معاملات کے درست کرنے کی فرمائی یعنی خرید و فروخت میں کم دینا کم تولنا۔ اپنا حق پورا بلکہ زیادہ لینا اور دوسرے کو اس کے حق سے کم دینا۔ بے ایمانی۔ دغابازی۔ ڈاکہ زنی اور فریب اور جبر و ظلم سے لوگوں پر دست درازی کرنا۔ ان سب سے باز رہنے کی نصیحت فرمائی۔ مگر قوم نے آپ کی کوئی بات نہ مانی۔ آپ کو جھوٹا سمجھا۔ حق کو ناحق جانا اور بداعمالیوں پر اصرار کے ساتھ جمے رہے۔ آخر وہی ہوا جو قانون الٰہی کا ابدی فیصلہ ہے۔ یعنی ہدایت اور حق کی روشنی آنے کے بعد بھی جب باطل پر اصرار ہو اور صداقت کا مذاق اڑایا جائے تو پھر ڈھیل اور مہلت کا وقت ختم ہونے پر خدا کا عذاب اس مجرمانہ زندگی کا خاتمہ کردیتا ہے۔ چنانچہ سرکشی اور نافرمانی کی پاداش میں قوم شعیب علیہ السلام کو عذاب نے آگھیرا اور یک بیک ایک ہولناک زلزلہ نے ان میں تباہی پھیلادی اور ایک خوفناک آواز سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور اوپر سے آگ برسنے لگی اور نتیجہ یہ نکلا کہ کل کے سرکش آج اوندھے منہ جھلسے ہوئے مرے پڑے تھے۔

اس کے بعد قوم عاد و ثمود کی ہلاکت کا ذکر فرمایا گیا۔ قوم عاد جو بڑے قد آور۔ طاقتور اور ملک و مال کے مالک تھے مگر شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھے جن کی ہدایت کے لئے حضرت ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان میں بھیجا گیا تھا مگر انہوں نے اپنے پیغمبر سے سرکشی کی اور بالآخر تباہ و برباد کردیئے گئے۔ اسی طرح قوم ثمود بھی بہت پرانی عرب قوم تھی جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا لیکن جب قوم نے سرتابی کی اور اپنے پیغمبر کی ہدایات کو نہ مانا تو پھر ان کو بھی ہلاک کرکے ختم کردیا گیا۔ آگے عبرت کے لئے بتلایا جاتا ہے کہ ان کی ویرانی و بربادی کے آثار ان کے رہنے کے مقامات سے ظاہر ہیں۔ کیونکہ ان ہلاک شدہ بستیوں کے کھنڈرات اور ان کے نشانات حجاز سے شام کو آتے جاتے دکھائی دیتے تھے۔ پھر یہ

ہلاک شدہ اقوام کوئی جاہل اور نادان نہ تھے اپنے دنیا کے کاموں میں بڑے ہوشیار تھے اور اپنے نزدیک بڑے عقلمند بنتے تھے۔ گویا آج کل کی اصطلاح میں اپنے وقت کے بڑے ترقی یافتہ لوگ تھے اس لئے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ شیطان ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اور ان کی عقل سلب کر کے اپنے راستہ پر کھینچ لے گیا۔ نہیں۔ انہوں نے خوب سوچ سمجھ کر دیکھتی آنکھوں شیطان کے پیش کئے ہوئے راستہ کو اختیار کیا جس میں انہیں بظاہر بڑی لذتیں اور بڑی منفعتیں نظر آتی تھیں اور انبیاء کے پیش کئے ہوئے اس راستہ کو چھوڑ دیا جو انہیں خشک۔ بدمزہ اور اخلاقی پابندیوں کی وجہ سے تکلیف دہ نظر آتا تھا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ قارون۔ فرعون اور ہامان نے سرکشی پر کمر باندھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے سمجھانے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے اللہ کا پیغمبر ہونے کی حیثیت سے ایسی صاف اور کھلی ہوئی نشانیاں پیش کیں جنہیں دیکھ کر کسی کو ان کے پیغمبر ہونے میں شبہ نہ ہونا چاہئے تھا لیکن منکرین کو اپنی قوت و دولت اور جاہ و حشمت کے آگے کچھ نہ سوجھا۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور اتنا مغرور و متکبر تھا کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا تھا۔ ہامان اس کا وزیر تھا جس نے کہا کہ فرعون کے ہاں سے مجھے کیا نہیں ملتا جو میں دوسرے کی جانب دیکھوں۔ قارون اگرچہ بنی اسرائیل میں سے تھا اور بظاہر موسیٰ علیہ السلام کو نبی مان چکا تھا لیکن مال و دولت والا تھا اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے حکم کو ماننا ضروری نہ سمجھا اور اس خیال میں تھا کہ میں دولت مند ہوں۔ میری دولت مجھے سب آفتوں سے بچالے گی۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکا اور ان میں سے ہر ایک کو اس کے جرم کے موافق سزا دی گئی۔ بعض پر تند اور تیز ہوا کا عذاب مسلط کیا گیا۔ بعض کو ہیبت ناک گرج اور کڑک نے تباہ کر دیا۔ اور بعض کو مع اپنے خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا اور بعض کو پانی میں ڈبو کر ختم کر دیا گیا۔ اخیر میں بتلایا گیا کہ اللہ کا کام ظلم کرنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ کوئی بے موقع یا ناانصافی کا کام کرے۔ اس کی ذات عیوب و نقائص سے بالکل مبرا و منزہ ہے۔ ہاں بندے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں کہ جن کا نتیجہ لامحالہ ان کے حق میں برا ہو۔ جب قانون خداوندی کا اعلان معتبر ذرائع سے کر دیا گیا تو نہ اب کسی کو لاعلمی کا عذر رہا اور ظاہر ہے کہ اعلان کے بعد جو کوئی خلاف ورزی کرے گا اس کو اس کی سزا جو مقرر ہو چکی ہے وہ ملے گی اور یہ سزا ظلم نہیں کہلا سکتی۔ بلکہ مجرم خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کہ قانون توڑنے والے کی سزا مقرر ہو جانے کے بعد قانون کو جان بوجھ کو توڑتا ہے۔

اب یہ تمام قصے جو یہاں تک سنائے گئے ہیں ان سے ایک طرف تو اہل اسلام کو یہ تلقین کرنا ہے کہ وہ پست ہمت اور دل شکستہ اور مایوس نہ ہوں اور مشکلات و مصائب کے سخت سے سخت طوفان میں بھی صبر و استقلال کے ساتھ حق و صداقت پر جمے رہیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں کہ آخر کار اس کی مدد اہل ایمان کے لئے ضرور آئے گی اور وہ ظالموں کو نیچا دکھائے گا اور کلمۂ حق کو سر بلند کر دے گا۔

دوسری طرف ان ظالم کفار مکہ کو بھی متنبہ کیا جاتا ہے کہ تم جو اپنے دانست میں مسلمانوں کا قلع قمع کر دینے پر تلے ہوئے ہو اور ان پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہو اور تم کو جو تمہاری بغاوت و سرکشی اور ظلم و ستم پر پکڑا نہیں گیا ہے اور خدا نے ازراہ عنایت مہلت دے رکھی ہے تو تم اس کا مطلب یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ سرے سے کوئی طاقت انصاف کرنے والی موجود ہی نہیں اور اس زمین پر جس کا جو جی چاہے کرتا چلا جائے تو سن لو کہ تم اس غلط فہمی میں نہ رہو۔ اگر تمہاری سرکشی اور بغاوت کا یہی عالم رہا تو تم بھی اسی انجام سے دوچار ہو کر رہو گے جو انجام تم سے پہلے قوم نوح اور قوم لوط اور قوم شعیب دیکھ چکی ہے اور جس طرح عاد و ثمود اور فرعون اور ہامان اور قارون تباہ و برباد ہو چکے ہیں اسی طرح تم کو بھی تباہی پیش آنی لازمی ہے۔

اب آگے شرک کی مذمت اور مشرکین کے عقائد کا بودا پن مکڑی کے جالے کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَاِنَّ

جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں اُن لوگوں کی مثال مکڑی کی سی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں

اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ

کہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہوتا ہے، اگر وہ جانتے تو ایسا ہرگز نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جس جس کو وہ لوگ خدا کے سوا پوج

مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ

رہے ہیں، اور وہ (اللہ تعالیٰ) زبردست حکمت والا ہے۔ اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں،

وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی لوگ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے،

لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع

ایمان والوں کے لئے اس میں بڑی دلیل ہے۔

مَثَلُ مثال	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہوں نے	اتَّخَذُوْا بنائے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	اَوْلِيَآءَ مددگار	كَمَثَلِ مانند	الْعَنْكَبُوْتِ مکڑی
اِتَّخَذَتْ اس نے بنایا	بَيْتًا ایک گھر	وَاِنَّ اور بیشک	اَوْهَنَ سب سے کمزور	الْبُيُوْتِ گھروں میں	لَبَيْتُ گھر ہے	الْعَنْكَبُوْتِ مکڑی کا
لَوْ كَانُوْا کاش ہوتے وہ	يَعْلَمُوْنَ جانتے	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مَا يَدْعُوْنَ جو وہ پکارتے ہیں	مِنْ سے
دُوْنِهٖ اس کے سوا	مِنْ شَيْءٍ کوئی چیز	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيْزُ غالب زبردست ہے	الْحَكِيْمُ حکمت والا	وَتِلْكَ اور یہ	الْاَمْثَالُ مثالیں
نَضْرِبُهَا ہم وہ بیان کرتے ہیں	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَمَا يَعْقِلُهَآ اور نہیں سمجھتے انہیں	اِلَّا سوا	الْعٰلِمُوْنَ جاننے والے	خَلَقَ اللّٰهُ پیدا کیا اللہ نے	السَّمٰوٰتِ آسمان
وَالْاَرْضَ اور زمین	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والوں کیلئے	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں جتنی قوموں کا ذکر کیا گیا وہ سب شرک میں مبتلا تھیں اور اپنے باطل معبودوں کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ ہمارے حامی اور مددگار اور سرپرست ہیں۔ ہماری قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی پوجا پاٹ کرکے اور انہیں نذر نیاز دے کر ہم ان کی خوشنودی حاصل کرلیں گے تو یہ ہمارے کام بنائیں گے اور ہم کو ہر طرح کی آفات سے محفوظ رکھیں گے لیکن جیسا کہ گذشتہ ذکر ہونے والے واقعات میں دکھایا گیا ان کے یہ تمام عقائد و گمان باطل اس وقت بالکل بے بنیاد ثابت ہوئے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا گیا اور ان کی بربادی کا فیصلہ کردیا گیا۔ اس وقت کوئی دیوی دیوتا یا کوئی جن و فرشتہ جن کے بت بنا کر وہ پوجتے تھے ان کی مدد کو نہ آیا کہ جو عذاب الٰہی سے انہیں بچالیتا۔ تو گذشتہ واقعات کو بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ مشرکین کو متنبہ فرماتے ہیں کہ کائنات کے حقیقی مالک اور فرمانبردار کو چھوڑ کر بالکل بے اختیار اور خیالی معبودوں کے بھروسہ پر جو توقعات کا گھروندہ تم نے بنا رکھا ہے اس کی حقیقت بودے پن اور بے ثباتی میں مکڑی کے جالے سے کچھ زیادہ نہیں ہے جس طرح

مکڑی کا جالا نہایت کمزور اور بودا ہوتا ہے کہ ایک انگلی کی چوٹ بھی برداشت نہیں کرسکتا بلکہ زور کی پھونک مارنے سے بھی اڑ جاتا اور ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے یہی حالت مشرکوں کے معبودوں کی ہے کہ وہ اپنے پجاریوں کو کسی آفت سے نہیں بچاسکتے۔ حقیقت کا علم اگر کچھ بھی انہیں ہوتا تو یہ کبھی شرک نہ کرتے۔ حقیقت بس یہ ہے کہ اختیارات کا کلی مالک بس اس کائنات میں رب العالمین کے سوا کوئی نہیں۔ اگر یہ مشرکین اس بات کو نہ سمجھیں تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ کو تو ان سب چیزوں کی حقیقت خوب معلوم ہے جنہیں یہ معبود بنائے بیٹھے ہیں اور مدد کے لئے پکارتے ہیں کہ ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ طاقت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کی تدبیر وحکمت اس کائنات کا نظام چلا رہی ہے۔ وہی مستقل طاقت اور قدرت رکھنے والا ہے۔ اور نفع ونقصان کا مالک ہے۔ اور ساری مخلوق کو ہر ہر چیز عطا کرنے والا ہے۔ عزیز وحکیم بس وہی ہے۔

مشرکین مکہ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ اگر قرآن خدا کا کلام ہوتا تو مکڑی۔ مچھر اور مکھی جیسے حقیر اور کمزور جانوروں کی باتیں اس میں نہ ہوتیں۔ یہ خدا کی عظمت شان کے مناسب نہیں۔ اس کا جواب بھی قرآن پاک میں کئی جگہ دیا گیا ہے۔ یہاں یہ سمجھایا گیا کہ مثال سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اس چیز کی حقیقت ظاہر ہو جائے جس کے لئے وہ مثال دی گئی ہے۔ اسے مثال دینے والے کی عظمت اور شان سے کوئی تعلق نہیں۔ مثال کی غرض اور اس کی اصل سے مناسبت ہی اصل چیز ہے جسے سمجھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ احمقوں کو تو فقط اعتراض سے کام ہے وہ بات کی تہ کو پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ تو مشرکین جو یہ کہتے ہیں کہ ایسے حقیر جانوروں کی مثالیں اللہ کے عظمت شان کے مناسب نہیں تو اللہ تعالیٰ کی عظمت وشان تو اس سے ظاہر ہے کہ اس نے آسمان اور زمین جیسی عظیم الشان مخلوق پیدا کردی اور سب کو ایک نظام کے اندر جکڑ دیا۔ ان کو دیکھ کر ایمان والے اپنا یقین مضبوط کرتے ہیں کہ ایک خدا ہی اس کا خالق ہے اور وہی ایک خدا اس کا مالک اور مدبر ہے۔

اسلام کا تو یہ عقیدہ ہی ہے کہ یہ سب کائنات اور زمین وآسمان کا کارخانہ از خود نہیں چل رہا بلکہ اس کا کوئی چلانے والا ہے۔ جس کے علم وقدرت وحکمت کی کوئی انتہا نہیں۔ قدیم ماہرین فلکیات وہیئت میں سے بہت سے محققین نے تمام عمر کی کاوش اور تحقیقات کے بعد کھلے لفظوں میں یہ اقرار کیا ہی تھا کہ ان معاملات میں جو کچھ غور وتحقیق کی گئی اور لکھا گیا وہ سب تخمینی قیاس آرائی سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور یہ کائنات کا میدان اتنا وسیع ہے کہ ہمارے قیاس اور وہم وگمان کی بھی رسائی اس کی انتہا تک نہیں ہوسکتی۔ مگر اب جدید سے جدید ماہرین زمین پر بیٹھ کر نہیں بلکہ زمین سے ہزاروں میل کی بلندی پر پہنچنے اور اس زمین کی کشش سے باہر کی فضا جس کو آج کل خلاء کہا جاتا ہے اس میں پہنچنے اور جدید ترین دوربینوں اور جدید آلات کی مدد سے جو مشاہدات ہوئے ہیں اور جو معلومات حاصل کی گئی ہیں ان میں بھی ستاروں اور سیاروں کا ایسا ناپیدا کنار جہاں دکھائی دیتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت اور علم وحکمت کے سامنے انسانی بے بسی اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کائنات اتنی پرحکمت اور اتنی منظم ہے کہ اس کا تصور بھی انسانی ذہن پوری طرح نہیں کرسکتا اور انسان یہ ماننے پر مجبور ہے کہ زمین پر جاندار چیزوں کی بقا کے لئے جو حالات ضروری ہیں وہ نہایت مکمل طور پر یہاں موجود ہیں مثال کے طور پر یہاں جو ارشاد فرمایا خلق اللہ السمٰوٰت والارض بالحق اس کی تصدیق میں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے۔ کائنات کے چند حقائق کو جدید سائنس کی روشنی میں سنئے اور غور کیجئے کہ خالق کائنات نے یہ کائنات کس درجہ بالحق پیدا فرمائی ہے۔

زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے لٹو کی مانند گھومتی ہے۔ اگر زمین کی رفتار ایک سو میل فی گھنٹہ ہوتی تو ہمارے دن اور رات اب کے دن اور رات سے دس گنا زیادہ لمبے ہوتے یعنی قریب ۱۲۰ گھنٹہ کا طویل دن ہوتا اور اتنی ہی طویل رات ۱۲۰ گھنٹہ کی ہوتی گرمیوں کے موسم میں ۱۲۰ گھنٹہ کا طویل دن ہمیں جھلس دیتا اور سردیوں میں ۱۲۰ گھنٹہ کی طویل رات ہمیں منجمد کردیتی۔ زمین کی تمام ہریالی اور ہماری بہترین فصلیں سو گھنٹے کی مسلسل دھوپ میں جھلس

جاتیں یا اتنی لمبی رات میں سردی کی نذر ہو جاتیں۔ اور اگر زمین کی رفتار موجودہ رفتار سے دس گنا زیادہ ہوتی تو زمین اپنے محور کے گرد قریب اڑھائی گھنٹہ میں گھوم جاتی تو سوا گھنٹہ کا دن اور سوا گھنٹہ کی رات ہوتی تو دنیا کے کاروبار کس طرح چلتے؟ سورج جو ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے اپنی سطح پر بارہ ہزار ڈگری فارن ہیٹ سے دہک رہا ہے۔ یہ حرارت اتنی زیادہ ہے کہ بڑے بڑے پہاڑ بھی اس کے سامنے جل کر راکھ ہو جائیں۔ مگر وہ ہماری زمین سے اتنے مناسب فاصلے پر ہے کہ یہ "دائمی انگیٹھی" ہمیں ہماری ضرورت سے ذرہ بھر زیادہ گرمی نہ دے سکے۔ اگر سورج دگنے فاصلہ پر چلا جائے تو زمین پر اتنی سردی پیدا ہوگی کہ ہم سب لوگ جم کر برف ہو جائیں اور اگر وہ آدھے فاصلہ پر آ جائے تو زمین پر اتنی حرارت پیدا ہوگی کہ تمام جاندار اور تمام پودے جل بھن کر خاک ہو جائیں۔ ہماری زمین ایک گولے کی شکل میں خلا میں معلق ہے زمین کا کرۂ فضا میں سیدھا کھڑا نہیں ہے بلکہ ساڑھے تیئیس درجے کا زاویہ بناتا ہوا ایک طرف کو جھکا ہوا ہے۔ یہ جھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر سے اٹھتے ہوئے بخارات سیدھے شمال یا جنوب کو چلے جاتے اور ہمارے براعظم برف سے ڈھکے رہتے۔

چاند ہم سے تقریباً ڈھائی لاکھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کی بجائے اگر وہ صرف ایک لاکھ میل دور ہوتا تو سمندروں میں مدوجزر کی لہریں اتنی بلند ہوتیں کہ تمام کرۂ ارض دن میں دوبار پانی میں ڈوب جاتا اور بڑے بڑے پہاڑ موجوں کے ٹکرانے سے گھس کر ختم ہو جاتے۔

آپ کو معلوم ہے کہ سورج اپنی غیر معمولی کشش سے ہماری زمین کو کھینچ رہا ہے، اور زمین ایک مرکز گریز قوت کے ذریعہ اس کی طرف کھنچ جانے سے اپنے آپ کو روکتی ہے اور اس طرح وہ سورج سے دور رہ کر فضا کے اندر اپنا وجود باقی رکھے ہوئے ہے۔ اگر کسی دن زمین کی یہ قوت ختم ہو جائے تو وہ تقریباً چھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کی طرف کھنچنا شروع ہو جائے، اور چند ہفتوں میں سورج کے اندر اس طرح جا گرے جیسے کسی بہت بڑے الاؤ کے اندر کوئی تنکا گر جائے۔ ظاہر ہے کہ زمین کو یہ طاقت ہم نے نہیں دی بلکہ اس خدا نے دی ہے جس نے زمین کو پیدا کیا ہے۔

کائنات کے جس حصے میں ہم رہتے ہیں اس کا نام نظام شمسی ہے، اگر آپ کسی دور دراز مقام پر بیٹھ کر اس نظام کا مشاہدہ کر سکیں تو آپ دیکھیں گے کہ خلا کے اندر ایک آگ کا گولا بھڑک رہا ہے جو ہماری زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ جس سے اتنے بڑے بڑے شعلے نکلتے ہیں جو کئی کئی لاکھ میل فضا میں اڑتے چلے جاتے ہیں۔ اسی کا نام سورج ہے۔ پھر آپ ان سیاروں کو دیکھیں گے جو سورج کے چاروں طرف اربوں میل کے دائرے میں پروانوں کی طرح چکر لگا رہے ہیں ان دوڑتی ہوئی دنیاؤں میں ہماری زمین نسبتاً ایک چھوٹی دنیا ہے جس کی گولائی تقریباً پچیس ہزار میل ہے۔ یہ ہمارا نظام شمسی ہے جو بظاہر بہت بڑا معلوم ہوتا ہے، مگر کائنات کی وسعت کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ کائنات میں اتنے بڑے بڑے ستارے ہیں جن کے اوپر ہمارا پورا نظام شمسی رکھا جا سکتا ہے۔ اس بے انتہا وسیع اور عظیم کائنات میں ہماری زمین فضا میں اڑنے والے ذرے سے بھی زیادہ حقیر ہے۔ ہم ایک چھوٹے سے کیڑے کی مانند اس ذرے سے چمٹے ہوئے ہیں اور خلا میں ایک سفر میں مصروف ہیں۔

یہ کائنات کے اندر ہماری حیثیت ہے۔ پھر جب ہماری حیثیت یہ ہے تو ہم خالق کائنات سے مدد کرنے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔ جس طرح ایک چھوٹے بچے کی ساری کائنات اس کے ماں باپ ہوتے ہیں، اس کی زندگی، اس کی ضرورتوں کی تکمیل اور اس کے مستقبل کا انحصار بالکل اس کے والدین کے اوپر ہوتا ہے، اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ انسان اپنے رب کا محتاج ہے ہم خدا کی مدد اور اس کی رہنمائی کے بغیر اپنے لئے کسی چیز کا تصور نہیں کر سکتے وہی ہمارا سہارا اور اسی کی طرف ہمیں دوڑنا چاہئے۔ (خدا اور اس سے ہمارا تعلق۔ مجلّہ نمبر ۲۶ مطبوعہ عالمی ادارۂ اشاعت علوم الاسلامیہ۔ ملتان)

حال ہی میں یعنی ۱۹۶۸ء میں ایک امریکن خلانورد جو کامیابی کے ساتھ خلاء کا سفر کر کے واپس آ گیا اور جسکی کامیابی پر اس زمانہ کے موافق و مخالف سبھی نے اعتماد کیا اور خلا میں جو کچھ اس نے دیکھا اور بیان کیا اس کو قابل اعتماد سمجھا گیا اس کا ایک بیان

امریکہ کے مشہور ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ میں چھپا ہے جس کے بعض اقتباسات آپ سنئے کہ یہ خلائی مسافر اپنی حیرانی کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچا ہے کہ جو اسلام کا عقیدہ ہے کہ یہ نظام کائنات از خود نہیں چل رہا بلکہ اس کی چلانے والی کوئی ایسی قدرت وطاقت ہے کہ جس کے حکمت وکمال کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ لکھتا ہے۔

''مجھے خلائی پروگرام کے لئے منتخب کیا گیا۔ اس موقع پر مجھے ایک کتابچہ دیا گیا جو خلائی معلومات پر مشتمل تھا۔ اس کتابچہ سے ان دو پیراگرافوں نے مجھے بے حد متاثر کیا جو کائنات کی وسعت سے متعلق تھا۔ ان تمام معلومات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ جان لیا جائے کہ شعاعیں سال کسے کہتے ہیں؟ اور اس سے کیا مراد ہے؟ شعاع یعنی سورج کی روشنی ایک سکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی مسافت طے کرتی ہے۔ اگر روشنی کو ایک سیدھی مسافت پر متواتر ایک سال سفر کرنے دیا جائے تو ایسی صورت میں جتنی مسافت طے کرے گی اس کو اصطلاحاً شعاعی سال کہتے ہیں یعنی روشنی کی ایک سالہ مسافت۔

اب ہم کتابچہ کے اس ٹکڑے کو نقل کرتے ہیں جس میں کائنات کی وسعت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہمارے کہکشانی نظام کا قطر تقریباً ایک لاکھ شعاعی سال کی مسافت کے مساوی ہے اور سورج اس کہکشانی مرکز سے تقریباً ۳۰ ہزار سال کی مسافت پر واقع ہے اور اپنے محور پر ۲۰۰ ملین سال (یعنی ۲۰ کروڑ سال) میں چکر لگاتا ہے اندازہ لگائیے کہ نظام شمسی کے پرے کی کائنات کے لئے کسی بڑے پیمانہ کا تصور کس قدر مشکل اور دشوار ہے۔ ہمارے اس کہکشانی نظام کی کوئی انتہا نہیں اس لئے کہ اس سے پرے دسیوں لاکھ دوسرے کہکشانی نظام ہیں بظاہر سب کے سب ایک تخیلی رفتار پر ایک دوسرے سے ایک خاص تناسب سے حرکت کررہے ہیں۔ وہ کائناتی حدود جو دوربین سے دیکھے جاسکتے ہیں ایک اندازے کے مطابق ہم سے تمام اطراف وجوانب میں تقریباً ۲۰۰۰ ملین یعنی دو ارب شعاعی سال کی مسافت تک ہیں۔ ان اعداد وشمار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کائنات کتنی عریض ووسیع ہے۔''

اس کے بعد معلومات کا کچھ اور تذکرہ کرکے لکھا ہے ''کیا یہ تمام حقائق اتفاقیہ ہیں؟ یقیناً یہ سب کچھ ایک متعین منصوبے کے تحت ہے۔ یہی وہ ایک واحد شے ہے جو خلا میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ کوئی طاقت ہے جو ان سب کو مرکز ومحور سے وابستہ رکھتی ہے۔ پھر آگے لکھتا ہے کہ ہم مدار میں تقریباً ۱۸ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اوپر جاتے یعنی ۵ میل فی سکنڈ کے حساب سے یہ ہمارے ارضی معیار کے حساب سے کافی تیز اور انتہائی بلند ہے۔ اس کے باوجود خلا میں پہلے ہی سے جو عمل جاری ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہماری کوششیں انتہائی حقیر ہیں سائنسی اصطلاحات اور پیمانوں میں خدا کی قدرت کی پیمائش ناممکن ہے..... اس کے آگے بہت کچھ لکھنے کے بعد اخیر میں کہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ جانتے ہیں اور اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک رہنما قوت موجود ہے۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ مارچ ۱۹۶۸ء)

الغرض یہاں آیت میں یہ ارشاد خلق اللہ السمٰوٰت والارض بالحق اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو مناسب طور پر مصلحت اور حکمت سے پیدا کیا ہے یہ دلیل ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی قادر مطلق۔ حکیم کامل۔ عالم کل اور خلاق عالم نہیں۔ اسی نے آسمان زمین اور ہر چیز کو اپنی حکمت سے بنایا۔ اسی کا تصرف اور اقتدار ہمہ گیر ہے اس لئے وہی قاضی الحاجات اور کارساز حقیقی ہوسکتا ہے۔ نہ کہ مشرکین کے معبودان باطلہ۔

اب یہاں تک شروع سورۃ سے مسلسل چار رکوعات میں اہل ایمان کو دین پر صبر وثبات اور استقامت اور توکل علی اللہ کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی اب آگے ان صفات کو حاصل کرنے کی بعض عملی تدابیر بتلائی جاتی ہیں یعنی تلاوت قرآن اور نماز کی پابندی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

جدید ایڈیشن

قرآن کریم کے معانی و مطالب سے واقف کرانے کیلئے
بامحاورہ اور لفظی ترجمہ کے ساتھ آسان تعلیمی

درسِ قرآن

پارہ ۱۶ تا ۲۰

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوذر! اگر تو صبح کو ایک آیت کلام پاک کی سیکھ لے تو نوافل کی سو رکعت سے افضل ہے، اور اگر علم کا ایک باب سیکھ لے تو ہزار رکعتِ نفل پڑھنے سے افضل ہے

تسہیل شدہ ترجمہ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات
مولانا محمد اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

تفسیر ملخص از تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن، بیان القرآن و دیگر تفاسیر

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

اگر آپ روزانہ پندرہ منٹ "درسِ قرآن" سے ایک درس پڑھیں تو ان شاء اللہ آپ اس کے معانی و مطالب کو سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں گے

1

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا

اُن بزرگ نے فرمایا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی امر کے متعلق

فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿٧٦﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ

کچھ پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھئے بیشک آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے ہیں۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا

اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ

تو وہاں والوں سے کھانے کو مانگا سو انہوں نے اُن کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا اتنے میں اُن کو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی تو اُن بزرگ نے اس کو سیدھا کر دیا۔

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿٧٧﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ

موسیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اُجرت ہی لے لیتے۔ اُن بزرگ نے کہا کہ یہ وقت ہماری اور آپ کی علیحدگی کا ہے میں ان چیزوں کی

بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾

حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

قَالَ اس نے کہا	اَلَمْ کیا نہیں	اَقُلْ میں نے کہا	لَكَ تجھ سے	اِنَّكَ بیشک تو	لَنْ تَسْتَطِيْعَ ہرگز نہ کر سکے گا	مَعِيَ میرے ساتھ	صَبْرًا صبر
قَالَ اِنْ اس (موسیٰ) نے کہا اگر	سَاَلْتُكَ میں تم سے پوچھوں	عَنْ شَيْءٍ کسی چیز سے	بَعْدَهَا اسکے بعد	فَلَا تُصٰحِبْنِيْ تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا			
قَدْ بَلَغْتَ البتہ تم پہنچ گئے	مِنْ لَّدُنِّيْ میری طرف سے	عُذْرًا عذر	فَانْطَلَقَا پھر وہ دونوں چلے	حَتّٰٓى یہاں تک کہ	اِذَآ اَتَيَآ جب وہ دونوں آئے		
اَهْلَ قَرْيَةِ ایک گاؤں والوں کے پاس	اسْتَطْعَمَا دونوں نے کھانا مانگا	اَهْلَهَا اس کے باشندے	فَاَبَوْا اَنْ تو انہوں نے انکار کر دیا کہ				
يُّضَيِّفُوْهُمَا وہ انکی ضیافت کریں	فَوَجَدَا پھر انہوں نے پائی (دیکھی)	فِيْهَا جِدَارًا اسمیں (وہاں) ایک دیوار	يُّرِيْدُ وہ چاہتی تھی				
اَنْ يَّنْقَضَّ کہ وہ گر پڑے	فَاَقَامَهٗ تو اس نے اسے سیدھا کر دیا	قَالَ اس نے کہا	لَوْ شِئْتَ اگر تم چاہتے	لَتَّخَذْتَ لے لیتے	عَلَيْهِ اس پر		
اَجْرًا اجرت	قَالَ اس نے کہا	هٰذَا یہ	فِرَاقُ جدائی	بَيْنِيْ میرے درمیان	وَبَيْنِكَ اور تمہارے درمیان	سَاُنَبِّئُكَ اب تمہیں بتائے دیتا ہوں	
	بِتَاْوِيْلِ تعبیر	مَا جو	لَمْ تَسْتَطِعْ تم نہ کر سکے	عَلَيْهِ اس پر	صَبْرًا صبر		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑنے اور عیب دار کر دینے کا واقعہ بیان ہوا تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے معذرت فرمائی کہ مجھ سے بھول سے غلطی ہوگئی معاف کیجئے اور چونکہ اول ہی مرتبہ کا اعتراض تھا اور خضر علیہ السلام بھی واقف تھے کہ بھول سے ایسا ہوا ہے اس لئے خضر علیہ السلام نے درگذر کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی میں سفر جاری رہا۔ لکھا ہے کہ کشتی نے ابھی تھوڑی ہی مسافت آگے کو طے کی تھی کہ ملک روم کے بادشاہ کی ایک بندرگاہ آ گئی۔ یہ ظالم بادشاہ یہاں سے گزرنے والی کشتیوں کو جبراً پکڑ کر چھین لیتا تھا جس سے کشتی کے مالک اور مسافر ناگہاں مصیبت میں مبتلا ہو کر پریشان ہوتے تھے بندرگاہ پر کشتی پہنچتے ہی بادشاہ

کے ملازم اور سپاہی آ چڑھے کہ مسافروں کو اُتار دیں اور کشتی پر قبضہ کرلیں۔لیکن ٹوٹی ہوئی دیکھ کر اور بیکار سمجھ کر چھوڑ گئے۔خضر علیہ السلام نے ملاح سے کہہ دیا کہ ہم نے تمہاری کشتی اسی ظالم کے ہاتھ سے بچانے کے لئے توڑ کر عیب دار کردی تھی اب ہم اس کو درست کردیں گے۔کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کا بہت شکر ادا کیا اور بڑی دعائیں دیں کہ آپ نے بڑی مصیبت اور نقصان سے بچایا وہاں سے تھوڑی دور آگے چلنے کے بعد خضر علیہ السلام نے اُسی تختہ کو اپنی جگہ پر لگا کر درست کردیا اور اہل کشتی دعائیں دیتے ہوئے اور خضر علیہ السلام کی جدائی پر افسوس کرتے ہوئے چھوڑ کر ان سے رخصت ہوگئے،کشتی سے اترنے کے بعد دو واقعات ان آیات زیر تفسیر میں بیان فرمائے گئے ہیں۔یہ حضرات کشتی سے اترنے کے بعد پیادہ چلتے ہوئے ایک بستی کے قریب پہنچے وہاں ایک جگہ چند لڑکے کھیل رہے تھے۔خضر علیہ السلام نے ان میں سے ایک خوبصورت ہنستے کھیلتے ہوئے نوعمر نابالغ لڑکے کو پکڑ کر بلا تامل زمین پر لٹا دیا اور چاقو سے ذبح کرکے سر کو گردن سے جدا کرکے ڈال دیا۔موسیٰ علیہ السلام میں شان نبوت اور نہی عن المنکر کا ظہور اور غلبہ تھا وہ اس واقعہ کو دیکھ کر جو بظاہر کشتی کے واقعہ سے بھی سخت ظلم تھا کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔فوراً گھبرا کر حضرت خضر علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ نے یہ کیا ظلم کیا۔بلا قصور ایک ایسی جان کا خون کردیا جس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔یہ تو آپ نے بڑی بے جا حرکت کی۔اس وعدہ خلافی کو دیکھ کر خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے آپ سے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ آپ سے میرے ہمراہ رہ کر خاموش نہ رہا جائے گا۔موسیٰ علیہ السلام کو اس مرتبہ وعدہ یاد تھا لیکن فرض منصبی ادا کرنے کا جو جوش اللہ تعالیٰ نے طبیعت میں رکھا تھا اس نے مجبور کردیا اور خاموش نہ رہ سکے اس لئے اب کی دفعہ بھولنے کا عذر اور معافی کی درخواست نہیں کی بلکہ فرمایا کہ خیر اب تو غلطی ہوگئی۔آپ پچھلی مرتبہ درگذر کرچکے ہیں کہ آئندہ معذور سمجھنے اور درگذر کرنے کی گنجائش نہیں۔آئندہ اس قسم کا اعتراض کروں تو آپ اپنے سے مجھ کو جدا کردیں۔ایک حدیث میں جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خضر و موسیٰ علیہما السلام کا قصہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ کیا خوب ہوتا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی قدر اور صبر کرتے تا کہ ان دونوں کے پر حکمت حالات قرآن مجید میں ہم کو اس زیادہ سنائے جاتے لیکن بار بار خلاف وعدہ ہوجانے اور عذر کرنے سے اُن کو شرم آگئی اس لئے جدائی کو تجویز کرلیا۔

بہرحال حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے کو قبول کیا اور اب بھی اپنی ہمراہی میں رکھا۔خضر علیہ السلام کے ہمراہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع چلے جارہے تھے۔دوپہر کا وقت ہوگیا سب کو کھانے کی ضرورت ہوئی تو ایک بستی میں پہنچے جس کے رہنے والے اکثر خوشحال تھے۔بہت مجمعوں میں گئے جہاں لوگ جمع تھے اور ظاہر کیا کہ ہم مسافر ہیں کھانا کھلاؤ۔مگر وہاں کے باشندے کچھ ایسے بخیل تھے کہ خیال ہی نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے کھانے پینے اور ہر قسم کے سامان غیب سے مہیا کرسکتا تھا۔لیکن اہل بستی کی حالت کا امتحان اور بخل کا اظہار منظور تھا۔سب جگہ پھر پھرا کر واپس آرہے تھے کہ راستہ میں ایک نہایت پرانی اور اونچی دیوار کو دیکھا جو بالکل گرنے کے قریب تھی اور اس قدر جھک گئی تھی کہ لوگ اس کے پاس کو بہت ڈرتے ڈرتے راستہ چلتے تھے۔خضر علیہ السلام نے دیوار کے پاس کھڑے ہوکر ایک ہاتھ دیوار کے اس طرف رکھا اور ایک دوسری طرف اور دیوار پر ہاتھ پھیر کر برابر کرکے سیدھا کردیا جس سے وہ دیوار سیدھی مضبوط ہوکر کھڑی ہوگئی۔اگرچہ یہ کوئی ناجائز یا ممنوع کام نہ تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس

لئے نا گوار ہوا کہ اس بستی والوں نے بہت ہی سنگدلی اور بے مروتی سے ان حضرات کو کھانا تک نہیں کھلایا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس گاؤں کے باشندوں سے ہم نے کھانا مانگا تو ان بے مروت لوگوں نے کھانا نہ دیا۔ نہ کچھ مروت سے پیش آئے۔ پھر بھلا آپ نے بلا کسی کے کہنے سننے کے اس دیوار کو کیوں مفت درست کر دیا۔ اس پر کچھ اجرت ٹھہرا لینی تھی۔ چونکہ یہ تیسرا اعتراض تھا اور موسیٰ علیہ السلام خود ہی فرما چکے تھے کہ آئندہ اگر کوئی اعتراض کروں تو جدا کر دیا جاؤں اسلئے خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اب ہمارے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام وعدہ اور شرط کی پابندی سے کچھ عذر نہ فرما سکے۔ علیحدہ ہوتے وقت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ جو واقعات پیش آئے ہیں ان کے علم اور حقیقت سے مطلع فرماتے جائیے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ بہتر ہے جن باتوں کو آپ نا گوار سمجھ کر صبر نہ کر سکے ان کی حکمت سن لیجئے۔

حضرت خضر علیہ السلام کے ان کاموں میں جو راز و اسرار تھے اور جو انہوں نے بامر خداوندی کئے تھے ان کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس پر یہ قصہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات کا ختم ہوتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔ اور ان مذکورہ واقعات میں جو اشکال پیدا ہوسکتا ہے اس کو بھی انشاء اللہ قصہ کے خاتمہ پر آئندہ درس میں بیان کیا جائے گا۔

الحمدللہ کہ آج پندرہویں پارہ **سبحٰن الذی** کا بیان ختم ہو کر سولہواں پارہ **قال الم** شروع ہو گیا اس طرح قران پاک کے نصف اول کا بیان حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے پورا ہو گیا۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ہر حال میں اپنی مرضیات پر ظاہر میں اور باطن میں قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور جو معاملہ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ فرمائیں اس میں اپنی رحمت و حکمت کا یقین ہم کو نصیب فرمائیں۔

یا اللہ بیشک آپ کے سب کام پُرحکمت ہوتے ہیں۔ خواہ ہماری سمجھ میں وہ حکمت آئے یا نہ آئے یا اللہ! ہم کو ہر حال میں اپنی ذات عالی کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ اور اپنی حکمت سے ہمارے ساتھ رحمت کا معاملہ فرما۔

یا اللہ! ہم کو آپ نے شریعت مطہرہ کے ظاہری و باطنی احکام کا جو مکلف فرمایا ہے ہم کو ہر حال میں اس کی پابندی نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! آپ رحیم و کریم ہونے کے ساتھ حکیم بھی ہیں۔ اس لئے ہمیں جو نا گوار واقعات پیش آئیں ان میں...... ہم آپ کی رحیمی و کریمی کے ساتھ حکمت کا بھی یقین رکھیں۔

یا اللہ! ہم ایمان کے ضعیف اور کمزور ہیں کسی ابتلا اور امتحان کی سہار نہیں رکھتے اس لئے ہر حال میں آپ کے کرم و رحم فضل و احسان ہی کے ملتجی ہیں۔ ہمیں ہر حال میں صراط مستقیم پر اپنی مرضیات کے ساتھ قائم رکھئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ

وہ جو کشتی تھی سو چند آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور (وجہ اسکی یہ تھی کہ) ان لوگوں سے آگے کی طرف

مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا

ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا۔ اور رہا وہ لڑکا سو اس کے ماں باپ ایماندار تھے۔ سو ہم کو اندیشہ (یعنی تحقیق) ہوا کہ یہ ان دونوں پر سرکشی اور کفر کا اثر نہ ڈال دے۔

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ

پس ہم کو یہ منظور ہوا کہ بجائے اس کے ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی (یعنی دین) میں اس سے بہتر ہو اور (ماں باپ کیساتھ) محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔

فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ

اور رہی دیوار سو وہ یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں (رہتے) ہیں اور اس دیوار کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا

رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ

کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جاویں اور اپنا دفینہ نکال لیں اور کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔

اَمْرِيْ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

لیجئے یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہوسکا۔

اَمَّا رہی	اَلسَّفِيْنَةُ کشتی	فَكَانَتْ سو وہ تھی	لِمَسٰكِيْنَ غریب لوگوں کی	يَعْمَلُوْنَ وہ کام کرتے تھے	فِي الْبَحْرِ دریا میں	فَاَرَدْتُّ سو میں نے چاہا	اَنْ کہ	
اَعِيْبَهَا میں اسے عیب دار کردوں	وَكَانَ اور تھا	وَرَآءَهُمْ انکے آگے	مَلِكٌ ایک بادشاہ	يَّاْخُذُ وہ پکڑ لیتا	كُلَّ سَفِيْنَةٍ ہر کشتی	غَصْبًا زبردستی	وَ اور	
اَمَّا رہا	الْغُلٰمُ لڑکا	فَكَانَ تو تھے	اَبَوٰهُ اسکے ماں باپ	مُؤْمِنَيْنِ دونوں مومن	فَخَشِيْنَا سو ہمیں اندیشہ ہوا	اَنْ يُّرْهِقَهُمَا کہ انہیں پھنسا دے	طُغْيَانًا سرکشی میں	
وَّكُفْرًا اور کفر میں	فَاَرَدْنَا پس ہم نے ارادہ کیا	اَنْ يُّبْدِلَ کہ بدلہ دے	لَهُمَا ان دونوں کو	رَبُّهُمَا ان کا رب	خَيْرًا بہتر	مِّنْهُ اس سے	زَكٰوةً پاکیزگی	
وَّاَقْرَبَ اور زیادہ قریب	رُحْمًا شفقت	وَاَمَّا اور رہی	الْجِدَارُ دیوار	فَكَانَ سو وہ تھی	لِغُلٰمَيْنِ دو بچوں کی	يَتِيْمَيْنِ دو یتیم	فِي الْمَدِيْنَةِ شہر میں۔ کے	
وَكَانَ اور تھا	تَحْتَهٗ اسکے نیچے	كَنْزٌ خزانہ	لَّهُمَا ان دونو ں کیلئے	وَكَانَ اور تھا	اَبُوْهُمَا ان کا باپ	صَالِحًا نیک	فَاَرَادَ سو چاہا	رَبُّكَ تمہارا رب
اَنْ يَّبْلُغَا کہ وہ پہنچیں	اَشُدَّهُمَا اپنی جوانی	وَيَسْتَخْرِجَا اور وہ دونوں نکالیں	كَنْزَهُمَا اپنا خزانہ	رَحْمَةً مہربانی	مِّنْ رَّبِّكَ سے تمہارا رب			
وَمَا فَعَلْتُهٗ اور یہ میں نے نہیں کیا	عَنْ سے	اَمْرِيْ اپنا حکم (مرضی)	ذٰلِكَ یہ	تَاْوِيْلُ تعبیر (حقیقت)	مَا جو	لَمْ تَسْطِعْ تم نہ کرسکے	عَلَيْهِ اس پر	صَبْرًا صبر

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں تین واقعات کا ذکر ہوا تھا جن کو حضرت خضر علیہ السلام کے کرنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر تعجب کا اظہار فرمایا تھا۔ ایک تو حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑ کر ناکارہ اور عیب دار بنا دینا۔ دوسرے ایک لڑکے کو قتل کردینا اور تیسرے

ایک گرنے والی دیوار کو بغیر کہے سنے اور بغیر کسی اجرت کے سیدھا کر دینا۔ تیسرے واقعہ کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام میں جدائی کا وقت آ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر حضرت خضر علیہ السلام نے ان تینوں باتوں کی حقیقت اور ان کی حکمت کو ظاہر فرمایا جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ جس کشتی میں آپ سوار تھے اس کے مالک نہایت مفلس اور غریب لوگ تھے۔ آٹھ دس آدمیوں کی معاش اور روزی کا ذریعہ یہی کشتی تھی۔ راستہ میں ایسے بادشاہ کی سلطنت میں گزرنا تھا جو تمام کشتیوں کو ظلماً چھین کر ضبط کر لیتا تھا لیکن بیکار اور ٹوٹی پھوٹی کشتیوں کو نہ لیتا تھا۔ چونکہ یہ باتیں خدا تعالیٰ نے مجھ کو منکشف کرادی تھیں اس لئے پہلے سے میں نے کشتی کو توڑ دیا۔ اس تدبیر سے ان مسکینوں کی کشتی ظالم کے ہاتھ سے بچ گئی اور پھر آسانی سے درست ہوگئی۔ چنانچہ یہ باتیں آپ بچشم خود دیکھ چکے ہیں۔ دوسرے وہ لڑکا جس کو آپ نے بظاہر بے قصور مومن سمجھ کر اس کے قتل کو بہت ہی بڑا گناہ سمجھا تھا اس کی اصل طبیعت اور خلقت ہی میں مادۂ کفر کا غلبہ رکھ دیا گیا تھا وہ اگر زندہ رہ کر بالغ ہوتا تو کافر ہی ہوتا اور ایسے افعال کا مرتکب ہوتا جن سے خود گمراہ ہونے کے علاوہ اپنے مومن والدین کو بھی اپنا شریک کر کے آخر کافر بنا کر چھوڑتا خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس کے والدین کا ایمان بھی سلامت رہے اور اس لڑکے کی عوض میں اس سے بہتر اولاد ان کو عطا کر دے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ جو اس بیٹے سے بہت زیادہ اطاعت کے ساتھ ان کی خدمت و دلداری کر کے دل ٹھنڈا کرے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مطلع کر کے مجھ کو اس کے قتل کا حکم دیا تھا۔ تیسرے اس بخیل بستی والوں کی دیوار جن کی بے مروتی کے مقابلہ میں اس کا مفت درست کر دینا آپ کو ناپسند ہوا وہ دو یتیم بچوں کے مکان کی دیوار تھی جن کے دین دار اور مومن باپ نے حلال روزی اور پیشہ سے نہایت مشقت سے کچھ مال جمع کر کے بچوں کے لئے دیوار کے نیچے دفن کر دیا تھا۔ اگر اسی وقت ان کی صغر سنی میں دیوار گر کر مال ظاہر ہو جاتا تو ان کے عزیز و اقارب سب خرد برد کر جاتے۔ ان قابل رحم یتیموں کو کچھ بھی نہ ملتا۔ خدا تعالیٰ نے بچوں کے حال پر رحم فرما کر یہ چاہا کہ ہمارے سچے ایماندار بندے کی گاڑھی کمائی ضائع نہ ہو اور یہ یتیم بچے جوان ہو کر خود ہی اس کو نکالیں۔ لہٰذا دیوار کو درست اور مستحکم کرنے کے لئے مجھ کو مامور فرمایا۔ ان باتوں کو سننے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے رخصت ہو گئے۔ خضر علیہ السلام دریا کی طرف چلے گئے اور موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشع کو ہمراہ لے کر واپس آ گئے اور بدستور اپنی نبوت و رسالت کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے اور آپ کی زندگی ہی میں حضرت یوشع کو بھی خدا تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی جب موسیٰ علیہ السلام نے ۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی تو حضرت یوشع علیہ السلام نے ان کے قائم مقام ہو کر ہدایت خلق اللہ میں تمام عمر گزار دی جو انبیاء کا فرض منصبی اور اصلی کام ہے۔

اس قصہ سے متعلق اور بھی بہت سے مسائل و تنبیہات علمائے محققین نے لکھے ہیں جو بوجہ طوالت کے اس مختصر درس میں عرض نہیں کئے جاسکتے۔ الغرض یہ قصہ تو یہاں ختم ہوا۔ اب آگے ذوالقرنین کا قصہ بیان فرمایا جاتا ہے۔ یہ بھی ان تین سوالوں میں سے ایک تھا جو مشرکین مکہ نے یہود کے مشورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امتحاناً کئے تھے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہمیں بھی وہ ایمان و یقین نصیب فرمائیں کہ جو صورت حال بھی ہم کو پیش آئے ہم اس کو اپنے لئے رحمت اور خداوند قدوس کی حکمت پر یقین کر کے راضی برضا رہیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝۸۳ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ

اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ میں اس کا ذکر ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ہم نے اُن کو روئے زمین پر حکومت دی تھی

وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝۸۴ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝۸۵ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا

اور ہم نے اُن کو ہر قسم کا سامان دیا تھا۔چنانچہ وہ ایک راہ پر ہولئے۔یہاں تک کہ جب غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب اُن کو ایک سیاہ رنگ کے

تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ

پانی میں ڈوبتا ہوا دکھلائی دیا اور اس موقع پر انہوں نے ایک قوم دیکھی ہم نے (الہاماً) یہ کہا اے ذوالقرنین خواہ سزا دو اور خواہ ان کے بارے میں

وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝۸۶ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ

نرمی کا معاملہ اختیار کرو۔ذوالقرنین نے عرض کیا (کہ اول دعوت ایمان ہی کروں گا) لیکن جو ظالم رہے گا سو اُس کو تو ہم لوگ سزا دیں گے پھر وہ اپنے مالک حقیقی

فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸۷ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ

کے پاس پہنچایا جاوے گا پھر وہ اس کو (دوزخ کی) سخت سزا دے گا۔اور جو شخص ایمان لے آوے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کیلئے بدلے میں بھلائی ملے گی

لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝۸۸

اور ہم اپنے برتاؤ میں اس کو آسان بات کہیں گے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ اور آپ سے پوچھتے ہیں	عَنْ سے (بابت)	ذِي الْقَرْنَيْنِ ذوالقرنین	قُلْ فرمادیں	سَاَتْلُوْا ابھی پڑھتا ہوں	عَلَيْكُمْ تم پر۔سامنے			
مِنْهُ اس سے۔کا	ذِكْرًا کچھ حال	اِنَّا مَكَّنَّا بیشک ہم نے قدرت دی	لَهٗ اس کو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَاٰتَيْنٰهُ اور ہم نے اسے دیا	مِنْ سے	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	
سَبَبًا سامان	فَاَتْبَعَ سو وہ پیچھے پڑا	سَبَبًا ایک سامان	حَتّٰى یہاں تک کہ	اِذَا بَلَغَ جب وہ پہنچا	مَغْرِبَ غروب ہونے کا مقام	الشَّمْسِ سورج		
وَجَدَهَا اس نے پایا	تَغْرُبُ ڈوب رہا ہے	فِيْ میں	عَيْنٍ چشمہ ندی	حَمِئَةٍ دلدل	وَّوَجَدَ اور اس نے پایا	عِنْدَهَا اس کے نزدیک	قَوْمًا ایک قوم	قُلْنَا ہم نے کہا
يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اے ذوالقرنین	اِمَّا یا۔چاہے	اَنْ یہ کہ	تُعَذِّبَ تو سزا دے	وَاِمَّا اور یا۔چاہے	اَنْ یہ کہ	تَتَّخِذَ تو اختیار کرے	فِيْهِمْ ان میں۔سے	
حُسْنًا کوئی بھلائی	قَالَ اس نے کہا	اَمَّا اچھا	مَنْ ظَلَمَ جس نے ظلم کیا	فَسَوْفَ تو جلد	نُعَذِّبُهٗ ہم اسے سزا دیں گے	ثُمَّ پھر	يُرَدُّ وہ لوٹایا جائے گا	
اِلٰى رَبِّهٖ اپنے رب کی طرف	فَيُعَذِّبُهٗ تو وہ اسے عذاب دیگا	عَذَابًا عذاب	نُكْرًا بڑا۔سخت	وَاَمَّا اور اچھا	مَنْ جو	اٰمَنَ ایمان لایا	وَعَمِلَ اور اس نے عمل کیا	
صَالِحًا نیک	فَلَهٗ تو اس کے لئے	جَزَآءَ بدلہ	الْحُسْنٰى بھلائی	وَسَنَقُوْلُ اور عنقریب	لَهٗ اس کیلئے	مِنْ متعلق	اَمْرِنَا اپنا کام	يُسْرًا آسانی

تفسیر وتشریح:۔اس سورۂ کہف کے سبب نزول کے سلسلہ میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ مشرکین مکہ نے یہود کے کہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات بطور امتحان کے کئے تھے۔ایک روح کے متعلق۔دوسرا اصحاب کہف کے متعلق اور تیسرا ذوالقرنین کے متعلق۔دو سوالوں کا جواب تو گذشتہ آیات میں گزر چکا یعنی روح اور اصحاب کہف کے متعلق۔

یہاں سے ذوالقرنین کے احوال کی تفصیل ہے۔قرآن پاک کوئی قصہ کہانیوں یا داستانوں اور افسانوں کی کتاب تو ہے نہیں۔ اسلئے حکایات وقصص کو مکمل تفصیل کے ساتھ کہیں۔ بیان نہیں کیا گیا البتہ جس قدر حصہ وعظ وہدایت اور اصلاح خلق سے تعلق رکھتا ہے اور جو بات عبرت آفریں اور نصیحت آگیں ہوتی ہے اسکو حسب موقع بیان فرمایا گیا ہے۔ یہود ذوالقرنین کا نام اور بعض احوال جانتے تھے ان کو ذوالقرنین کے قصہ سے کچھ واقفیت تھی خواہ ان کی مذہبی کتابوں میں ہو یا سینہ بسینہ زبانی منقول ہو۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کے لئے یہ سوال منتخب کیا تھا۔ قرآن مجید نے ذوالقرنین کے متعلق صرف اتنا بتایا کہ وہ پرشوکت۔ صاحب سطوت۔ نیکوکار۔ موحد۔ خدا پرست صاحب حکومت تھے۔ ہر قسم کا دنیوی ساز وسامان ان کے پاس تھا۔ انہوں نے تین سفر بھی کئے تھے ایک انتہائی مغرب کی طرف دوسرا انتہائی مشرق کی طرف اور تیسرا کسی اور سمت پر جہاں کے باشندے ذوالقرنین کی بولی سمجھ نہ سکتے تھے۔ انہی لوگوں کے لئے قوم یاجوج ماجوج کی غارتگری سے بچنے کے لئے لوہے کی ایک دیوار پگھلا ہوا رانگ۔ تانبا یا سیسہ ڈال کر قائم کردی اور اس طرح وہ قوم یاجوج ماجوج کی غارت گری سے محفوظ ہوگئی۔ بس اتنا قصہ قران نے بیان کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ ان کو ذوالقرنین کیوں کہتے تھے؟ ان کے سفر کے آغاز وانتہا کی حدود کونسی تھیں؟ دیوار کہاں بنائی؟ دیوار کی درخواست کرنے والی قوم کون تھی؟ یاجوج ماجوج کس قوم کا نام ہے؟ یہ کہاں رہتی تھی؟ اب بھی ہے یا نہیں؟ اس کے احوال کیا ہیں؟ ان تمام امور اور تفصیلات کی طرف سے قران پاک خاموش ہے۔ یہ کام تاریخ کا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ مجموعۂ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھے اور آپ کی دعاء کی برکت سے حق تعالیٰ نے خارق عادت سامان ووسائل عطا فرمائے تھے۔ جن کے ذریعہ سے ذوالقرنین کو مشرق ومغرب کے سفر اور تعجب خیز فتوحات پر قدرت حاصل ہوئی۔ لکھا ہے کہ حضرت خضرؑ ان کے وزیر تھے۔ شاید اسی لئے قرآن پاک میں خضر علیہ السلام کے قصہ کے ساتھ ذوالقرنین کا قصہ بیان فرمایا۔ اس بادشاہ کو ذوالقرنین اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے دونوں کناروں مشرق ومغرب پر پھر گیا تھا۔ پہلا سفر مغرب کی طرف کیا جس کا بیان ان آیات میں کیا جارہا ہے۔

ان آیات سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کوئی مقبول بزرگ فرمانروا اور بادشاہ ہوئے ہیں خواہ نبی ہوں یا ولی ہوں یا کسی دوسرے نبی کے متبع ان کے تین سفر میں سے ایک سفر کا حال ان آیات میں بیان فرمایا گیا۔ دوسرے اور تیسرے سفر کے حالات اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کے درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو ایمان واسلام سے نوازا اور قرآن جیسی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اشرف الانبیاء والمرسلین عطا فرمائے۔

یا اللہ ہمیں اسلام وایمان کی برکت سے دنیا میں بھی خیر وخوبی سے نوازیئے اور آخرت میں بھی اپنی مغفرت ورحمت سے نوازیئے۔

یا اللہ ہمیں سچی اسلامی حکومت نصیب فرمایئے اور بے دینی کی جو فضا پھیلی ہوئی ہے اس کو ملیامیٹ فرمایئے۔

یا اللہ ہم کو بھی کوئی مومن اور مجاہد فرمانروا عطا فرما۔ اور بے دین صاحب اقتدار لوگوں سے اس ملک کو بچا۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ

پھر ایک راہ پر ہولئے۔ یہاں تک جب طلوع آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کیلئے ہم نے آفتاب کے ادھر کوئی

مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰٓى اِذَا

آڑ نہیں رکھی۔ یہ قصہ اسی طرح ہے اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا ہم کو اس کی پوری خبر ہے۔ پھر ایک اور راہ پر ہولئے۔ یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں

بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا

کے درمیان میں پہنچے تو ان پہاڑوں سے اسطرف ایک قوم کو دیکھا جو کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے۔ انہوں نے عرض کیا

يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا

کہ اے ذوالقرنین قوم یاجوج وماجوج اس سرزمین میں بڑا فساد مچاتے ہیں، سو کیا ہم لوگ آپ کیلئے کچھ چندہ جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے

عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ

اور ان کے درمیان میں کوئی روک بنادیں۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھ کو اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ ۙ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ

سو ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو میں تمہارے اور انکے درمیان میں خوب مضبوط دیوار بنادوں گا۔ تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ یہاں تک کہ جب ان کے دونوں سروں کے بیچ (کے خلا) کو

انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ ۭ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ

برابر کردیا تو حکم دیا کہ دھونکو یہاں تک کہ جب اس کو لال انگارا کردیا تو اس وقت حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ لاؤ کہ اس پر ڈال دوں۔ سو نہ تو یاجوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے

وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ۚ

اور نہ اس میں نقب دے سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے، پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آویگا تو اس کو ڈھا کر برابر کردے گا،

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ ۭ

اور میرے رب کا ہر وعدہ برحق ہے۔

ثُمَّ پھر	اَتْبَعَ وہ پیچھے پڑا	سَبَبًا ایک سامان	حَتّٰی یہانتک کہ	اِذَا بَلَغَ جب وہ پہنچا	مَطْلِعَ طلوع ہونے کا مقام	الشَّمْسِ سورج
وَجَدَهَا اس نے اس کو پایا	تَطْلُعُ طلوع کررہا ہے	عَلٰی قَوْمٍ ایک قوم پر	لَمْ نَجْعَلْ ہم نے نہیں بنایا	لَهُمْ ان کیلئے	مِنْ دُوْنِهَا اس کے آگے	
سِتْرًا کوئی پردہ	كَذٰلِكَ یہی	وَقَدْ اَحَطْنَا اور ہمارے احاطہ میں ہے	بِمَا لَدَيْهِ جو کچھ اسکے پاس	خُبْرًا از روئے خبر	ثُمَّ پھر	اَتْبَعَ وہ پیچھے پڑا
سَبَبًا ایک سامان	حَتّٰی یہانتک کہ	اِذَا بَلَغَ جب وہ پہنچا	بَيْنَ درمیان	السَّدَّيْنِ دو دیواریں (پہاڑ) وَجَدَ اس نے پایا	مِنْ دُوْنِهِمَا اور دونوں کے ادھر	

قَوْمًا ایک قوم	لَا یَکَادُوْنَ نہیں لگتے ہیں	یَفْقَهُوْنَ وہ سمجھیں	قَوْلًا کوئی بات	قَالُوْا انہوں نے کہا	یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اے ذوالقرنین	اِنَّ بیشک		
یَأْجُوْجَ یاجوج	وَ اور	مَأْجُوْجَ ماجوج	مُفْسِدُوْنَ فساد کرنیوالے	فِی الْاَرْضِ زمین میں	فَهَلْ تو کیا	نَجْعَلُ ہم کردیں	لَكَ تیرے لئے	
خَرْجًا کچھ مال	عَلٰٓی پر۔ تا کہ	اَنْ تَجْعَلَ کہ تو بنادے	بَیْنَنَا ہمارے درمیان	وَبَیْنَهُمْ اور انکے درمیان	سَدًّا ایک دیوار	قَالَ اس نے کہا		
مَا مَكَّنِّیْ جس پر قدرت دی مجھے	فِیْهِ اس میں	رَبِّیْ میرا رب	خَیْرٌ بہتر	فَاَعِیْنُوْنِیْ پس تم میری مدد کرو	بِقُوَّةٍ قوت سے	اَجْعَلْ میں بنادوں گا		
بَیْنَكُمْ تمہارے درمیان	وَبَیْنَهُمْ اوران کے درمیان	رَدْمًا مضبوط آڑ	اٰتُوْنِیْ مجھے لادو تم	زُبَرَ الْحَدِیْدِ لوہے کے تختے	حَتّٰی یہانتک کہ	اِذَا جب		
سَاوٰی اس نے برابر کردیا	بَیْنَ درمیان	الصَّدَفَیْنِ دونوں پہاڑ	قَالَ اس نے کہا	انْفُخُوْا دھونکو	حَتّٰی یہانتک کہ	اِذَا جَعَلَهٗ جب اسے کردیا		
نَارًا آگ	قَالَ اس نے کہا	اٰتُوْنِیْ لے آؤ میرے پاس	اُفْرِغْ میں ڈالوں	عَلَیْهِ اس پر	قِطْرًا پگھلا ہوا تانبہ	فَمَا اسْطَاعُوْا پھر نہ کرسکیں گے		
اَنْ کہ	یَّظْهَرُوْهُ اس پر چڑھیں	وَ اور	مَا اسْتَطَاعُوْا وہ نہ لگا سکیں گے	لَهٗ اس میں	نَقْبًا نقب	قَالَ اس نے کہا	هٰذَا یہ	رَحْمَةٌ رحمت
مِنْ رَّبِّیْ میرے رب سے	فَاِذَا پس جب	جَآءَ آئے گا	وَعْدُ وعدہ	رَبِّیْ میرا رب	جَعَلَهٗ اس کو کردیگا	دَكَّآءَ ہموار	وَكَانَ اور ہے	
وَعْدُ وعدہ	رَبِّیْ میرا رب	حَقًّا سچا						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذوالقرنین کے پہلے سفر کا حال بیان ہوا تھا جوانہوں نے مغرب کی طرف منتہائے آبادی تک کیا تھا۔ اب ان آیات میں دوسرے اور تیسرے سفر کا حال بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ مغربی سفر سے فارغ ہوکر ذوالقرنین مشرقی سفر کا سامان درست کرنے لگے۔ قرآن و حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ ذوالقرنین کے یہ سب سفر فتوحات اور ملک گیری کے لئے تھے یا ممکن ہے محض سیر وسیاحت کے طور پر ہوں۔ جب انتہائے مشرق میں پہنچے تو ایک ایسی قوم دیکھی جن کو آفتاب کی شعاعیں بے روک ٹوک پہنچتی تھیں۔ غالباً یہ لوگ وحشی جنگلی ہوں گے۔ مکان وغیرہ بنانے کا ان میں دستور نہ ہوگا۔ جیسے گذشتہ دور میں بہت سی خانہ بدوش وحشی اقوام میں رواج نہیں رہا ہے۔ آگے تاکید کے لئے فرمایا کہ ذوالقرنین کے سفر مغرب و مشرق کی جو کیفیت بیان کی گئی واقع میں اسی طرح ہے اور جو وسائل ان کے پاس تھے اور جو حالات وہاں پیش آئے ان سب پر اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے۔ پھر تیسرا سفر۔ مغرب ومشرق کے سوا کسی تیسری جہت میں تھا۔ مفسرین اس کو عموماً شمالی سفر کہتے ہیں مگر قران و حدیث میں یہ تصریح نہیں۔ اس تیسرے سفر میں ذوالقرنین ایسی جگہ پہنچے جہاں کے لوگ ذوالقرنین اوران کے ساتھیوں کی بولی سمجھ نہیں سکتے تھے آگے جو گفتگو نقل کی گئی ہے غالباً کسی ترجمان کے ذریعہ سے ہوئی ہوگی۔ اس قوم اور یاجوج ماجوج کے ملک میں دو پہاڑ حائل تھے جن پر چڑھائی ممکن نہ تھی البتہ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں درہ کھلا ہوا تھا اسی سے یاجوج ماجوج آتے اور ان لوگوں کو لوٹ مار کر چلے جاتے تھے۔ ذوالقرنین کے غیر معمولی اسباب ووسائل اور قوت وحشمت دیکھ کر انہیں خیال ہوا کہ ہماری تکالیف ومصائب کا سدباب ان سے ہو سکے گا۔ اس لئے اس قوم نے ذوالقرنین سے گزارش کی کہ یاجوج ماجوج نے ہمارے ملک میں ادھم مچا رکھا ہے۔ یہاں آ کر قتل غارت اور لوٹ مار کرتے رہتے ہیں۔ آپ اگر ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مضبوط روک قائم کردیں جس سے ہماری حفاظت ہوجائے تو جو کچھ اس پر خرچ آئے گا ہم ادا کرنے کو تیار ہیں۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ مال میرے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت ہے مگر ہاتھ پاؤں سے تم بھی ہمارے ساتھ محنت کرو۔ چنانچہ اول لوہے کے بڑے بڑے تختوں کی اوپر نیچے تہیں جمائیں۔ جب ان کی بلندی دونوں پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ گئی۔ لوگوں کو حکم دیا کہ خوب آگ دھونکو۔ جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہوکر تپنے لگا اس وقت پگھلا ہوا تانبہ اوپر سے ڈالا جو

لوہے کی درزوں میں بالکل پیوست ہو کر جم گیا اور سب مل کر پہاڑ سا بن گیا۔ یہ سب کام اس زمانہ میں بظاہر خرق عادت طریقہ پر انجام پائے ہوں گے جسے ذوالقرنین کی کرامت سمجھنا چاہئے یا ممکن ہے اس وقت اس قسم کے آلات و اسباب پائے جاتے ہوں۔ الغرض یاجوج ماجوج کا راستہ روک دیا گیا اور حق تعالیٰ نے ان کو فی الحال یہ قدرت نہیں دی کہ دیوار پھاند کر یا توڑ کر ادھر نکل آئیں۔ ذوالقرنین نے کہا کہ یہ روک محض خدا کی مہربانی سے قائم ہوگئی ہے اور میعاد معین تک قائم رہے گی۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور قتل دجال کے بعد قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت ہے اس وقت یہ روک ہٹادی جائے گی اور دیوار توڑ کر یاجوج ماجوج اپنی کثیر تعداد میں نکل پڑیں گے جس کا شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ دنیا ان کے مقابلہ سے عاجز ہوگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم خداوندی ہوگا کہ میرے خاص بندوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیں۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ احدیت کی طرف دست دعا دراز کریں گے اس کے بعد یاجوج ماجوج پر ایک غیبی وبا مسلط ہوگی۔ سب ایک دم مرجائیں گے۔ قوم یاجوج ماجوج کے متعلق مزید تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درس میں آئے گی۔

یہاں آیت میں جو حضرت ذوالقرنین نے یہ پیشینگوئی فرمائی کہ ایک وقت میں دیوار فنا ہوگی تو یا تو یہ اس بنا پر فرمادیا کہ ہر شے دنیا کی فانی ہے اور یا ممکن ہے کہ آپ کو وحی سے اگر وہ نبی ہوں یا الہام سے اس کے انہدام کا وقت کہ قرب قیامت ہے معلوم ہوگیا ہو جیسا کہ احادیث میں بھی ظاہر فرمایا گیا ہے اور یہ بات حضرت ذوالقرنین نے شاید اس لئے فرمادی ہو کہ آدمی کسی حال میں حق تعالیٰ سے غافل اور کسی سامان پر مغرور نہ ہو بلکہ نعمت پر شکر کرے اور فنا کو پیش نظر رکھے۔

یہاں ذوالقرنین کا قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ تو یہ قصہ اگرچہ کفار مکہ کے امتحانی سوال پر سنایا گیا مگر قصہ اصحاب کہف اور قصۂ موسیٰ وخضر علیہما السلام کی طرح اس کو بھی قران پاک نے اپنے قاعدے کے مطابق اپنے مدعا کے لئے پوری طرح استعمال کیا ہے۔ جس میں کفار مکہ کو جتلایا گیا ہے کہ ذوالقرنین جس کی عظمت کا حال تم نے سنا وہ محض ایک زبردست صاحب سلطنت وحکومت ہی نہ تھا بلکہ توحید و آخرت کا قائل تھا۔ عدل و انصاف اور فیاضی کے اصولوں پر عامل تھا اور تم لوگوں کی طرح کم ظرف نہ تھا کہ تم اپنی ذرا ذرا سی سرداریوں پر پھول رہے ہو اور اپنی حماقت سے توحید وآخرت کے منکر ہو رہے ہو۔ اور ایسے رسول برحق کی مخالفت کررہے ہو۔ ذوالقرنین اتنا بڑا فرمانروا اور اس قدر عظیم الشان ذرائع کا مالک ہو کر بھی اپنی حقیقت کو نہ بھولا تھا اور اپنے خالق کے آگے ہمیشہ سر تسلیم خم رکھتا تھا۔ اس طرح کفار کے امتحانی سوالات کو انہی پر پوری طرح الٹ دیا گیا۔ پھر ان قصوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تائید بھی فرمادی گئی کہ کس طرح عرصہ دراز کی گذشتہ خبروں۔ واقعات وحالات کو ٹھیک ٹھیک بیان کیا گیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان واقعات کی خبر بذریعۂ وحی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دی اور انہوں نے عرصہ دراز کے گذشتہ واقعات سنا دیئے اب چونکہ یہاں ذوالقرنین کی دیوار کا ذکر آ گیا اس لئے اگلی آیات میں اس دیوار کے گر جانے اور یاجوج ماجوج کے خروج اور پھر قیامت آجانے کا ذکر فرمایا گیا جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی تسلیم و رضا کی صفات محمودہ عطا فرمائیں۔ اور اپنے خالق و مالک کو ہم بھی کسی حال میں بھولنے والے نہ ہوں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾

اور ہم اُس روز اُن کی یہ حالت کریں گے کہ ایک میں ایک گڈمڈ ہو جاویں گے اور صور پھونکا جاوے گا پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کر لیں گے۔

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾ الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ

اور دوزخ کو اُس روز کافروں کے سامنے پیش کردیں گے۔ جن کی آنکھوں پر (دنیا میں) ہماری یاد سے

ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾

پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ سُن بھی نہ سکتے تھے۔

وَتَرَكْنَا اور ہم چھوڑ دیں گے	بَعْضَهُمْ انکے بعض	يَوْمَئِذٍ اس دن	يَمُوجُ ریلا مارتے	فِي بَعْضٍ بعض (دوسرے) کے اندر			
وَنُفِخَ فِي الصُّورِ اور پھونکا جائے گا صور	فَجَمَعْنَاهُمْ پھر ہم انہیں جمع کرینگے	جَمْعًا سب کو	وَعَرَضْنَا اور ہم سامنے کردینگے	جَهَنَّمَ جہنم	يَوْمَئِذٍ اس دن		
لِلْكَافِرِينَ کافروں کے	عَرْضًا بالکل سامنے	الَّذِينَ وہ جو کہ	كَانَتْ تھیں	أَعْيُنُهُمْ ان کو آنکھیں	فِي غِطَاءٍ پردہ میں	عَنْ سے	ذِكْرِي میرا ذکر
وَ اور	كَانُوا وہ تھے	لَا يَسْتَطِيعُونَ نہ طاقت رکھتے	سَمْعًا سُننا				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بادشاہ ذوالقرنین کے تین سفر کے حالات بیان ہوئے تھے اور تیسرے سفر کے متعلق حضرت ذوالقرنین کا دو پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط اور مستحکم دیوار بنانے کا ذکر تھا کہ جس کو قوم یاجوج و ماجوج نہ توڑ سکتی تھی اور نہ اس پر چڑھ سکتی تھی۔ چنانچہ جب یہ دیوار تیار ہوگئی تو حضرت ذوالقرنین نے اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنی رحمت سے مجھ سے اپنے بندوں کے آرام پہنچانے کا کام لیا ورنہ میں تو وہی ایک مُشت خاک ہوں۔ میرے پاس اپنا کیا ہے جو کچھ ہے اسی کا دیا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ دنیا ایک دن فنا ہو کر رہے گی اور جو کچھ اس میں ہے سب مٹ جائے گا۔ اس وقت یہ دیوار بھی جو اس وقت لوہا لاٹھ بنی ہوئی ہے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور یہ وقت کبھی نہ کبھی ضرور آ کر رہے گا کیونکہ میرے رب کا وعدہ بالکل سچ ہے۔ یہ حضرت ذوالقرنین کا بیان تھا جو اوپر نقل فرمایا گیا تھا اب آگے ان آیات میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نے ٹھیک کہا واقعی ایک روز ہم اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر دیں گے۔ یعنی جب اس دیوار کے انہدام کا وقت آئے گا اور یاجوج و ماجوج کا خروج ہوگا تو اس روز وہ اس حالت میں ایک دم نکلیں گے کہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوں گے اور ٹڈی دل کی طرح نکلیں گے اور یہ قیامت کے قریب زمانہ میں ہوگا۔ جس کے بعد قیامت کا سامان شروع ہوگا۔ حتیٰ کہ ایک بار اول صور پھونکا جائے گا جس سے تمام عالم فنا ہو جائے گا اور پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جاویں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ سب کو ایک ایک کر کے میدان حشر میں جمع کر لیں گے۔ اس وقت ان لوگوں کے سامنے جو اللہ عزوجل کو نہیں مانتے تھے اور قیامت اور حشر و نشر کا انکار کرتے تھے۔ جہنم ظاہر کر دی جائے گی۔ اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے دل کی آنکھوں پر دنیا میں پردہ پڑا ہوا تھا اور انہوں نے دنیا میں دین حق کو نہ دیکھا نہ سمجھا۔ اور جس طرح حق کو دیکھتے نہ تھے اسی طرح وہ اس کو سن بھی نہ سکتے تھے۔ اس روز وہ دوزخ کو

اپنے منہ کے سامنے موجود پائیں گے یعنی اسمیں داخل ہونے سے پہلے اس کی ہیبت اور ہول انگیزی کو آنکھوں سے دیکھیں گے صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ دوزخ کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے کھینچیں گے۔

یہاں آیت میں یاجوج و ماجوج کے خروج کی طرف اشارہ ہے۔ اور سترہویں پارہ سورۂ انبیاء میں بھی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں۔ تو قیامت کے قریب نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سدِ ذوالقرنین توڑ کر یاجوج و ماجوج کا لشکر دنیا والوں پر ٹوٹ پڑے گا اور یہ لوگ اپنی کثرت و ازدحام کی وجہ سے تمام بلندی اور پستی پر چھا جائیں گے۔ ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور تیز رفتاری سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی۔ یاجوج و ماجوج کے متعلق حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "میرا خیال یہ ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ یاجوج و ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جمہور علماء نے نقل کیا ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حضرت حوا تک نہیں پہنچتا۔ گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔ کیا عجب ہے کہ دجال اکبر جسے ایک صحابی تمیم داری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا جس کا ذکر تفصیلاً ایک حدیث میں آیا ہے اسی قوم میں کا ہو۔" علمائے محققین نے لکھا ہے کہ یاجوج و ماجوج کے حالات اور صفات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج اگرچہ نسل آدم سے ہیں اور ظاہری صورت اور شکل کے اعتبار سے انسان ہیں لیکن طبعی اور مزاجی کیفیت کے لحاظ سے وحشی درندے اور حیوان ہیں اور افعال و اعمال کے اعتبار سے جنات سے ملتے جلتے ہیں۔ گویا کہ قوم یاجوج ماجوج تمام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے جو فتنہ اور فساد پھیلانے میں جنات کا نمونہ ہے۔ عام انسان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں یاجوج ماجوج کے خروج کا وقت حضرت امام مہدی کے وصال کے بعد ہوگا جبکہ تمام انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوں گے۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث و مفسر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قیامت نامہ جس کے مضامین کی بنیاد آیات قرآنیہ اور احادیث پر ہے اس میں لکھا ہے کہ "حضرت امام مہدی کی خلافت کی میعاد سات آٹھ یا نو سال ہوگی سات سال عیسائیوں کے فتنہ سے نمٹنے اور ملک کے انتظام میں۔ آٹھواں سال دجال کے ساتھ جنگ و جدال میں اور نواں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں گزرے گا۔ اس حساب سے حضرت امام مہدی کی عمر ۴۹ سال کی ہوگی۔ بعدازاں حضرت امام مہدی کا وصال ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰؑ آپکے جنازہ کی نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آجائیں گے تمام مخلوق نہایت امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوگی کہ میں اپنی مخلوق میں سے ایسے طاقتور بندوں کو ظاہر کرنے والا ہوں کہ کسی شخص کو ان کے مقابلہ کی تاب نہ ہوگی پس میرے خاص بندوں کو کوہ طور پر لے جا تا کہ وہاں پناہ گزیں ہو جائیں۔ باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جاویں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوہ طور کے قلعہ میں جو آج کل موجود ہے نزول فرما کر اسباب حرب و سامان رسد

مہیا کرنے میں سرگرم ہوں گے کہ اس اثناء میں قوم یاجوج و ماجوج سد ذوالقرنین کو توڑ کر ٹڈی دل کی طرح چاروں طرف پھیل جائیں گے۔ سوائے مضبوط قلعہ کے کہیں ان سے خلاصی کی صورت نہ ہوگی۔ لوگوں کے قتل و غارت کرنے میں بالکل دریغ نہ کریں گے۔ ان کا ملک انتہائے بلاد شمال و مشرق بیرون ہفت اقلیم میں ہے جہاں پانی شدت برودت کی وجہ سے اس قدر غلیظ و منجمد ہے کہ جس میں جہاز رانی ناممکن ہے ان کے شرقی اور غربی اطراف میں دیواروں کی مانند دو بڑے پہاڑ واقع ہیں جن میں آمدورفت کا راستہ نہیں۔ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی تھی جس میں سے یاجوج ماجوج نکل کر ادھر کے لوگوں کو لوٹ لیا کرتے تھے کہ جس کو ذوالقرنین نے ایک ایسی آہنی دیوار سے کہ جس کی بلندی ان دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچتی ہے اور موٹائی ۶۰ گز کی ہے بند کر دیا پس وہ دن بھر نقب زنی اور توڑنے میں مصروف رہتے ہیں مگر رات کو خداوند کریم اپنی قدرت کاملہ سے ویسا ہی کر دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں (جیسا کہ احادیث میں آتا ہے) اسمیں اتنا سوراخ ہوگیا تھا جتنا انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی کے درمیان حلقہ سے پیدا ہوتا ہے مگر ابھی تک اس قدر نہیں کہ اس میں سے کوئی نکل سکے۔ جب قرب قیامت میں دجال کے فتنہ اور قتل کے بعد ان کے خروج کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور وہ وہاں سے نکلیں گے اور قتل۔ قید۔ اور غارت گری میں مشغول ہو جائیں گے اسی کیفیت سے چلتے ہوئے جب ملک شام میں آئیں گے تو کہیں گے کہ اب ہم نے زمین والوں کو تو نیست و نابود کر دیا۔ چلو آسمان والوں کا بھی خاتمہ کر دیں۔ پس آسمان پر تیر پھینکیں گے۔ خداوند کریم اپنی قدرت سے ان کو خون آلود کر کے لوٹا دے گا۔ یہ دیکھ کر وہ خوش ہوں گے کہ اب ہمارے سوا کوئی نہیں رہا۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کے لئے کھڑے ہوں گے پس خداوند کریم ایک قسم کی بیماری کہ جس کو عربی میں نغف کہتے ہیں نازل کرے گا۔ یہ ایک قسم کا دانہ ہے جو بھیڑ یا بکری کی ناک و گردن میں نکلتا ہے اور طاعون کی طرح تھوڑی سی دیر میں ہلاک کر دیتا ہے۔ پس قوم یاجوج ماجوج اس مہلک مرض سے ایک ہی رات میں تباہ ہو جائے گی۔ یہ سب واقعات حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں ہوں گے۔ دنیا میں آپ کا قیام ۴۰ سال رہے گا آپ کا نکاح ہوگا۔ اولاد پیدا ہوگی۔ پھر آپ انتقال فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ میں مدفون ہوں گے۔"

الغرض قیامت قائم ہونے سے پہلے سدِ ذوالقرنین کا ٹوٹنا اور پھر یاجوج وماجوج کا خروج ہونا قرب قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے۔

گذشتہ اور ان آیات سے متعلق ایک نہایت مفید تنبیہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں یہ لکھی ہے کہ "بعض مصنفین اور مؤلفین نے اس سد یاجوج ماجوج کے تعین کے متعلق اپنے اپنے مقالات وخیالات جمع کئے ہیں اور اس کے مصداق میں اپنی اپنی کہی ہے لیکن قران وحدیث میں جو اس سد ذوالقرنین کے چند اوصاف معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:۔ ایک یہ کہ اس کا بانی کوئی بندۂ مقبول ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ جلیل القدر بادشاہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ دیوار آہنی ہے۔ چوتھے یہ کہ اس کے دونوں سرے دو پہاڑوں سے ملے ہیں۔ پانچویں یہ کہ اس دیوار کے اس طرف جو یاجوج ماجوج ہیں وہ ابھی باہر نہیں نکل سکے۔ چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس میں تھوڑا سا سوراخ ہوگیا ہے۔ ساتویں یہ کہ وہ لوگ یعنی یاجوج وماجوج ہر روز اس کو چھیلتے ہیں اور پھر وہ باذنہ تعالیٰ ویسی ہی دبیز ہو جاتی ہے اور قرب قیامت میں جب چھیل چکیں

گے تو کہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ کل بالکل آر پار کردیں گے چنانچہ اس روز پھر وہ دیوار دبیز نہ ہوگی اور اگلے روز اس کو توڑ کر نکل پڑیں گے۔ آٹھویں یہ کہ یاجوج ماجوج کی قوت انسانوں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور تعداد میں بھی بہت زیادہ ہیں۔ نویں یہ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں نکلیں گے اور اس وقت عیسیٰ علیہ السلام بوحی الٰہی خاص خاص لوگوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جاویں گے باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جاویں گے دسویں یہ کہ یاجوج ماجوج دفعۃً غیر معمولی موت سے سب مر جائیں گے تو اول کے پانچ اوصاف قرآن سے اور اخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتے ہیں پس جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا اس کو معلوم ہوگا کہ جتنی دیواروں کا لوگوں نے اپنی رائے سے پتہ دیا ہے یہ مجموعۂ اوصاف ایک میں بھی نہیں پایا جاتا پس وہ خیالات صحیح نہیں معلوم ہوتے اور حدیثوں کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ خود دین کے خلاف ہے۔ رہا یہ شبہ مخالفین کا کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اس کا پتہ نہ ملا اور اسی شبہ کے جواب کے لئے ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے لیکن اس کا صحیح جواب وہ ہے جس کو علامہ سید محمود آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اختیار کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم کو اس کا یعنی سد ذوالقرنین کا موقع معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی وتری کو محیط ہو چکے ہیں واجب التسلیم نہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی حصہ زمین کا ایسا ہو جہاں اب تک رسائی نہ ہوئی ہو اور عدم وجدان سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔ اور جب مخبر صادق نے جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی ہے تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کریں جس طرح اور امور ممکنہ کی خبر دی ہے اور ان کی تصدیق ضروری ہے اور شک وشبہ کرنے والوں کے کلام فضول کی طرف التفات کرنے کا منشا محض ضعف دین اور قلت یقین ہے۔"

بہر حال چونکہ ایسی دیوار کی اور اس کے ٹوٹنے اور یاجوج ماجوج کے خروج کی قرآن وحدیث نے ہم کو خبر دی ہے اس لئے ہمارا تو اس پر ایمان ویقین ہے کہ ایسی دیوار دنیا میں کہیں ضرور موجود ہے اور قرب قیامت میں اس کو توڑ کر یاجوج ماجوج کا خروج ہونا ضرور ہے۔ جو قیامت کی اہم نشانیوں میں سے ایک ہے اب چونکہ یہ سورۂ کہف خاتمہ کے قریب ہے اس لئے آگے اصل مضمون یعنی توحید وآخرت کے حق ہونے پر زور دیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو تمام قرآن وحدیث کی بتلائی ہوئی باتوں پر ایمان کامل اور یقین صادق نصیب فرمائیں۔ اور قرب قیامت کے تمام ظاہری وباطنی فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ اسلام وایمان پر ہم کو زندہ رکھیں اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیں۔ اور قیامت میں اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیں۔ اور اس کے ساتھ ہمیں ابدی آرام گاہ جنت میں جانا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! جن امور کی خبر قرآن وحدیث میں دی گئی ہے ہم کو ان میں شک وشبہ کے وسوسہ شیطانی سے بچا کر ان پر ایمان کامل اور یقین صادق نصیب فرمایئے۔ یا اللہ! آج اس دنیا میں ہمارے دلوں اور آنکھوں پر سے غفلت کے پردے جو آخرت وقیامت کی طرف سے پڑ گئے ہیں ان کو دور فرما دیجئے اور ہمہ وقت ہمیں آخرت کی تیاری کا فکر نصیب فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ

سو کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز قرار دیں، ہم نے کافروں کی دعوت کیلئے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے۔

لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ

آپ کہیئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ

اور وہ اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی آیتوں کا اور اُس سے ملنے کا (یعنی قیامت کا) انکار کر رہے ہیں

رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ

سو اُن کے سارے کام غارت ہوگئے تو قیامت کے روز ہم اُن کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے۔اُن کی سزا وہی ہوگی یعنی دوزخ

جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾

اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا، اور میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔

أَفَحَسِبَ کیا گمان کرتے ہیں	الَّذِينَ كَفَرُوا وہ جنہوں نے کفر کیا	أَنْ يَتَّخِذُوا کہ وہ بنالیںگے	عِبَادِي میرے بندے	مِنْ دُونِي میرے سوا		
أَوْلِيَاءَ کارساز	إِنَّا بیشک ہم	أَعْتَدْنَا ہم نے تیار کیا	جَهَنَّمَ جہنم	لِلْكَافِرِينَ کافروں کیلئے	نُزُلًا ضیافت	قُلْ فرمادیں	هَلْ کیا
نُنَبِّئُكُمْ ہم تمہیں بتلائیں	بِالْأَخْسَرِينَ بدترین گھاٹے میں	أَعْمَالًا اعمال کے لحاظ سے	الَّذِينَ وہ لوگ	ضَلَّ برباد ہوگئی	سَعْيُهُمْ ان کی کوشش	
فِي میں	الْحَيَاةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	وَهُمْ اور وہ	يَحْسَبُونَ خیال کرتے ہیں	أَنَّهُمْ کہ وہ	يُحْسِنُونَ اچھے کر رہے ہیں وہ	صُنْعًا کام
أُولَٰئِكَ یہی لوگ	الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے انکار کیا	بِآيَاتِ آیتوں کو	رَبِّهِمْ اپنا رب	وَلِقَائِهِ اور اسکی ملاقات	فَحَبِطَتْ پس اکارت ہوگئے	
أَعْمَالُهُمْ انکے عمل	فَلَا نُقِيمُ پس ہم قائم نہ کرینگے	لَهُمْ ان کیلئے	يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن	وَزْنًا کوئی وزن	ذَٰلِكَ یہ	جَزَاؤُهُمْ انکا بدلہ
جَهَنَّمُ جہنم	بِمَا اس لئے	كَفَرُوا انہوں نے کفر کیا	وَاتَّخَذُوا اور ٹھہرایا	آيَاتِي میری آیات	وَرُسُلِي اور میرے رسول	هُزُوًا ہنسی مذاق

تفسیر و تشریح: یہاں سے اس سورۃ کا آخری رکوع شروع ہوتا ہے۔ جس میں پوری سورۃ کا خاتمۂ کلام ہے۔ جس مضمون و مدعا سے سورۃ کا آغاز فرمایا گیا تھا اسی مضمون پر سورۃ کو ختم فرمایا جارہا ہے۔ اس سورۃ کا مجموعی مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو شرک و بت پرستی چھوڑنے اور توحید اختیار کرنے اور دنیا پرستی چھوڑ کر آخرت پر یقین لانے کی دعوت دے رہے تھے مگر بعض بڑے بڑے سرداران قریش اپنی دولت وحشمت اور عزت وجاہ کے زعم میں نہ صرف آپ کی دعوت کو رد کر رہے تھے بلکہ ان حق پرست مومنین کو بھی جنہوں نے یہ دعوت قبول کر لی تھی ظلم وستم اور تحقیر وتذلیل کا نشانہ بنا رہے تھے۔

گذشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار جو آج دین حق کو دیکھنے سے اندھے بنے ہوئے ہیں اور اس کے متعلق کچھ سننے کو تیار نہیں ہیں قیامت کے دن جب میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے تو جہنم ان کے سامنے لائی جائے گی اور اسکی ہیبت اور ہول انگیزی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تمام باتیں قرآن پاک میں اچھی طرح سے سمجھا دی گئی ہیں۔ اس کے بعد منکرین سے پوچھا جارہا ہے کہ کیا اب بھی مشرکین ومنکرین کا یہ خیال ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر

اس کے مملوک اور محکوم بندوں سے اپنے کام درست کرالیں گے مثلاً مسیح علیہ السلام یا عزیر علیہ السلام یا روح القدس یا فرشتے وغیرہ جن کو اپنا کارساز اور معبود یا حاجت روا قرار دے رکھا ہے کیا قیامت کے دن اللہ کے غضب سے بچنے کے لئے ان کے دامن میں آ چھپیں گے۔ اگر اس قدر صاف صاف اصل حقیقت کو سمجھا دینے کے بعد بھی اسی وہم و گمان میں ہیں کہ اللہ اور اس کے پیغمبر اور اس کی کتاب کو ماننا ضروری نہیں اور مرنے کے بعد قیامت اور حشر نشر کچھ ہونے والا نہیں اور اگر بالفرض ہوا بھی تو ہمارے حمایتی ہمیں بچالیں گے تو وہ سن رکھیں کہ یہ سب ان کی خام خیالی ہے وہ اس دھوکہ میں نہ رہیں۔ وہاں ان کو کوئی نہیں پوچھے گا اور فقط اللہ عزوجل سے واسطہ پڑے گا۔ جو لوگ دنیا میں اسے نہیں مانتے مرنے کے بعد انہیں سوائے دوزخ کے اور کہیں ٹھکانا نہیں ملے گا۔ ان کا استقبال اللہ کے غضب سے کیا جائے گا اور دوزخ کی آگ وانگاروں سے ان کی ضیافت اور مہمانی کی جائے گی۔

آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں اصل حقیقت سمجھا دوں اور بتاؤں کہ سب سے بڑے خسارے میں مرنے کے بعد کون لوگ رہیں گے؟ پھر خود ہی اس کا جواب ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد تگ ودو۔ دوڑ دھوپ اور کوشش اولاً بھی اور آخراً بھی یہی دنیا اور اس کے عیش وعشرت ہیں۔ رات ودن دنیا ہی کے مشغلوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اچھے کھانے اچھے پہننے کا خبط۔ نام ونمود کی تمنا مال ودولت کمانے کی دھن۔ اونچی اونچی کوٹھیاں۔ بڑے بڑے عہدے اور خطابات۔ شہرت اور اعزاز بس ساری کوششیں اسی دنیا کے پیچھے ختم ہوئی ہیں۔ رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کا کبھی خیال بھی نہیں آتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اعمال کے لحاظ سے آخرت میں بالکل ہی گھاٹے میں ہیں۔ اور اس پر اپنے پندار باطل اور ہوائے نفس سے گمان یہ کہ اپنے مسلک اور روش کو بہتر سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم دنیا میں بڑے بڑے کام کررہے ہیں۔ عقلمندی میں۔ انتظام میں۔ دولت کمانے میں ہماری دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ مگر ان کو بتلایا جاتا ہے کہ یاد رکھو کہ مرنے کے بعد ان کاموں کی نہ کوئی قیمت ہے نہ کوئی وزن۔

چنانچہ ایسے لوگوں کو سوائے دوزخ کے عذاب کے اور کچھ نہ ملے گا۔ انہوں نے دنیا میں کفر اختیار کیا اور اللہ کی آیتوں کی اور اس کے رسولوں کی ہنسی اڑائی اور آخرت میں اپنے رب سے ملنے کا یقین نہ کیا اس لئے انہیں مرنے کے بعد اس کا بدلہ جہنم کے عذاب ہی سے ملے گا۔

خلاصہ یہ کہ کفر وشرک اور دنیا پرستی سے یہاں ڈرایا گیا ہے اور دوزخ کو اس کا انجام بتلایا گیا ہے۔ یہاں اس آخری آیت میں جو فرمایا گیا **ذٰلک جزآء ھم جھنم بما کفروا واتخذوا اٰیٰتی ورسلی ھزوا** ٥ یعنی ان کی سزا جہنم ہوگی اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق اڑایا تھا۔ لوگو یہاں صاف صاف یہ سزا کفار مشرکین کے لئے بیان کی گئی ہے۔ مگر صد افسوس کہ وہ وقت بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جو اسلام کا لیبل لگا کر قرآن کو معاذ اللہ فرسودہ کتاب کہا۔ قران اور سنت میں اپنے اقتصادی۔ معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل نہ موجود ہونا بتایا۔ کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کے نظریہ کو اللہ اور رسول کے عطا کردہ دین کے مقابلہ میں افضل وبرتر سمجھا اور اس میں اپنے روٹی اور کپڑے اور مکان کا حل تلاش کیا۔ یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین اور نیچریوں اور دھریوں کے اقوال وافعال میں جن کو اپنے مسائل حل ہوتے نظر آئے اور جنہوں نے علی الاعلان یہ کہا کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات نہیں۔ اگر اسلام اقتصادی مسائل کا مکمل حل پیش کرتا تو ہم سوشلزم کا نعرہ نہ لگاتے تو کیا یہ اللہ کی آیات کا کفر اور اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذاق اڑانا نہیں ہے۔ بلکہ ان کا جرم تو ان کھلے ہوئے دشمنانِ اسلام کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ سے بھی بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اسلام کے مار آستینوں کو اگر ان کے لئے ہدایت مقدر ہے تو ہدایت بخش دیں اور ان کی آنکھیں کھول دیں ورنہ ان کے اوپر اپنے عذاب کا کوڑا برسا کر ان کو ہلاکت سے ہمکنار فرمائیں۔ اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بنائیں۔

الغرض یہاں آیات میں دنیا پرستی اور کفر وشرک کا انجام جہنم بتلایا گیا۔ اب آگے ان کے مقابلہ میں اہل ایمان کا حال اور ان کا انجام بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت سے نوازا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

2

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اُن کی مہمانی کیلئے فردوس کے باغ ہوں گے۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ وہ

يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ

وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کیلئے سمندر روشنائی (کی جگہ) ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جاوے

كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ

اگرچہ اس سمندر کی مثل ایک دوسرا سمندر مدد کیلئے ہم لے آویں۔ (اور) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (برحق)

وَاحِدٌ ۖ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿١١٠﴾ ع

ایک ہی معبود ہے، سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِينَ آمَنُوا جو لوگ ایمان لائے	وَ اور	عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ انہوں نے نیک عمل کئے	كَانَتْ ہیں	لَهُمْ ان کیلئے	جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ فردوس کے باغات		
نُزُلًا ضیافت	خَالِدِينَ ہمیشہ رہینگے	فِيهَا اس میں	لَا يَبْغُونَ وہ نہ چاہیں گے	عَنْهَا وہاں سے	حِوَلًا جگہ بدلنا	قُلْ فرمادیں	لَوْ اگر	كَانَ ہو
الْبَحْرُ سمندر	مِدَادًا روشنائی	لِكَلِمَاتِ باتوں کیلئے	رَبِّي میرا رب	لَنَفِدَ الْبَحْرُ تو ختم ہو جائے سمندر	قَبْلَ پہلے	أَنْ تَنْفَدَ کہ ختم ہوں		
كَلِمَاتُ رَبِّي میرے رب کی باتیں	وَلَوْ اور اگرچہ	جِئْنَا ہم لے آئیں	بِمِثْلِهِ اس جیسا	مَدَدًا مدد کو	قُلْ فرمادیں	إِنَّمَا أَنَا اسکے سوا نہیں میں		
بَشَرٌ بشر	مِثْلُكُمْ تم جیسا	يُوحَىٰ وحی کی جاتی ہے	إِلَيَّ میری طرف	أَنَّمَا فقط	إِلَٰهُكُمْ تمہارا معبود	إِلَٰهٌ معبود	وَاحِدٌ واحد	فَمَنْ سو جو
كَانَ ہو	يَرْجُو امید رکھتا ہے	لِقَاءَ ملاقات	رَبِّهِ اپنا رب	فَلْيَعْمَلْ تو اسے چاہیے کہ وہ عمل کرے	عَمَلًا عمل	صَالِحًا اچھے	وَ اور	
	لَا يُشْرِكْ وہ شریک نہ کرے	بِعِبَادَةِ عبادت	رَبِّهِ اپنا رب	أَحَدًا کسی کو				

تفسیر و تشریح:۔ یہ اس سورۃ کی آخری آیات ہیں اور یہاں سورۂ کہف ختم ہو جاتی ہے۔ گذشتہ آیات میں کفار اور مشرکین کا حال اور انجام بیان فرمایا گیا تھا اور توحید و رسالت کے انکار پر عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی تھی۔ اب ان کے مقابلہ میں اہل ایمان کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور ان کی تصدیق و اطاعت پر ثواب اور جزائے آخرت کا وعدہ فرمایا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنے والے اور اس کے رسولوں کو سچا ماننے والے۔ ان کی باتوں پر عمل کرنے والے بہترین جنتوں میں ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ جنت کی ان لازوال اور نت نئی نعمتوں میں رہنے والوں کو نہ کوئی بے دخل کر سکے گا اور نہ وہ از خود وہاں سے نکلنے کی کبھی خواہش کریں گے یعنی اہل جنت وہاں کا عیش و آرام دیکھ کر ایسے مانوس ہو جائیں گے کہ تبدیلی حالت کی ان کو خواہش ہی نہ ہوگی۔ انسان کی طبعی خاصیت ہے کہ دوامی آسائش سے بھی گھبرا جاتا ہے۔ لذیذ کھانا۔ بیش بہا لباس اور راحت بخش مسکن سے بھی نیرنگی طبع کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے تغیر کا خواستگار ہو جاتا ہے۔ مگر اہل جنت کی یہ حالت نہ ہوگی اور جنت میں ہمیشہ رہنے سے کبھی اکتائیں گے نہیں ہر دم تازہ بتازہ نعمتیں ملیں گی اور جنت

اپنی ان گنت نعمتوں۔ راحتوں اورلذتوں کے ساتھ ان کے لئے ہرلحہ اور ہر آن ایک نئی کشش رکھے گی اس لئے جنتیوں کو اپنی تبدیلی حالت کی کبھی خواہش نہ ہوگی۔ آگے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی سمجھانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کی باتیں بے انتہا ہیں اگر روئے زمین کے سمندروں کی سیاہی بن جائے اور پھر خدائی کلمات۔ خدائی قدرتوں کے اظہار میں خدائی باتیں۔ اور خدائی حکمتیں لکھنی شروع کی جائیں تو یہ تمام سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن خدا کی باتیں خدا کی قدرتیں۔ اس کی حکمتیں اس کی دلیلیں ختم نہ ہوں گی پھر ایسے ہی سمندر لائے جائیں۔ اور پھر لائے جائیں اور پھر لائے جائیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن اور دوسری کتب سماویہ کے ذریعہ سے خواہ کتنا ہی وسیع علم بڑی سے بڑی مقدار میں کسی کو دے دیا جائے مگر علم الٰہی کے سامنے وہ بھی قلیل ہے۔ یہ تو توحید کے متعلق گفتگو تھی۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اپنی رسالت کے متعلق کہہ دیجئے کہ میں نہ خدائی کا دعویدار ہوں نہ فرشتہ ہونے کا بلکہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں یعنی صفات بشریہ میں تم سے الگ نہیں۔ امتیازی چیز میرے پاس صرف یہ ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے جو دوسروں کے پاس نہیں آتی اس طرح وصف رسالت میں دوسروں سے ممتاز ہوں۔ اللہ تعالیٰ علوم حقہ اور معارف قدسیہ میری طرف وحی کرتا ہے جن میں اصل اصول علم توحید ہے اسی کی طرف میں سب کو دعوت دیتا ہوں کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔ تو میرا پیام۔ پیام توحید ہے پس جبکہ توحید ورسالت دونوں باتیں معلوم ہو گئیں تو اب جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی توقع رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ ہمیں مر کر زندہ ہونا اور خدا کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے تو اسے چاہئے کہ اس دنیا کی زندگی میں عمل صالح یعنی نیک کام شریعت کے احکام ظاہری اور باطنی کے موافق کرجائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ظاہراً و باطناً کسی کو کسی درجہ میں بھی شریک نہ کرے تاکہ اسے اپنے مالک کے سامنے شرمندہ ہونا اور اپنے اعمال کی سزا بھگتنا نہ پڑے۔ اور جو کوئی اپنی نادانی سے اسی کو تسلیم نہیں کرتا کہ ہمیں خدا کے سامنے جانا ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے قیامت میں اسے خود اس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔

یہاں جو جنت فردوس کی مہمانی کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ ایمان اور عمل صالح دو شرطوں کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ قران پاک میں اور بھی متعدد جگہ ایمان اور عمل صالح پر دائمی جنت کی بشارت دی گئی۔ اور ایمان اور عمل صالح کی تعریف اور حقیقت کو اسی سورۃ میں عرض کیا جا چکا ہے۔

دوسری ایک اہم بات جو مفسرین نے ان آیات کے تحت لکھی ہے وہ یہ کہ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبولیت عمل کے لئے دو رکن ہیں۔ جب تک یہ دونوں نہ پائے جائیں تب تک عمل قبول نہیں ہوتا۔ ایک خالص ہونا واسطے اللہ تعالیٰ کے کہ کسی طرح کا لگاؤ غیر اللہ کا ظاہراً و باطناً قولاً وعملاً نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے مگر اس کو مال کا لالچ ہوتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس کے لئے کوئی ثواب نہیں لوگوں پر یہ حکم شاق گزرا۔ واپس آ کر اس شخص نے دوبارہ دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی قول فرمایا۔ اور دوسرا رکن یہ کہ وہ عمل سنت مطہرہ کے مطابق ہو تو قبولیت اعمال کے لئے ان دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک اخلاص دوسرے مطابقت کتاب وسنت اگر ان دونوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ عمل صالح نہیں ہے۔

احادیث میں ریاکاری کو شرک خفی فرمایا گیا ہے تو یہاں شرک جلی اور شرک خفی دونوں کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت شداد بن اوسؓ جو ایک صحابی ہیں ایک دن رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ کیوں رو رہے ہیں۔ فرمانے لگے کہ ایک حدیث یاد آ گئی اور اس نے رلا دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ ڈر شرک اور پوشیدہ شہوت کا ہے تو میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرے گی۔ آپ نے فرمایا ہاں سنو۔ وہ سورج چاند، پتھر، بت کو نہ پوجے گی بلکہ اپنے اعمال میں ریاکاری کرے گی۔ اور پوشیدہ شہوت یہ ہے کہ صبح روزے سے ہے اور کوئی خواہش سامنے آئی روزہ چھوڑ دیا۔ اس حدیث کی تصدیق کھلم کھلا امت اب اپنے اعمالوں سے کر رہی ہے۔ آج ہمارے کتنے کام دنیا کے نہیں دین کے نام نمود۔ دکھاوا۔ شہرت اور لوگوں سے خراج وعقیدت وصول کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ اور حدیث میں جو خواہش نفس کے لئے روزہ چھوڑنا مثالاً فرمایا گیا تو یہ بھی بالکل عیاں ہے۔ رمضان المبارک جیسے مہینہ میں فرض روزوں کو جو حرمت دری علانیہ اس ملک میں ہوتی رہی ہے وہ آپ سب جانتے اور دیکھتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائیں اور ہماری ہدایت کا سامان فرمائیں۔ آمین۔

الحمدللہ سورۂ کہف کا بیان جس میں ۱۲ رکوع تھے اس درس پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد انشاءاللہ سورۂ مریم کا بیان شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ جہاں آپ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو کفر وشرک سے بچا کر اسلام وایمان عطا فرمایا ہے تو اپنی رحمت سے وہ ایمان صادق اور عمل صالح کی توفیق عطا فرما کہ جو ہمیں ان آیات میں دی ہوئی بشارت کا مصداق بنا دے اور جنت الفردوس میں ہمیں آپ کی مہمانی نصیب ہو جائے۔

اے اللہ! ہمیں ہر چھوٹے بڑے شرک سے بچائیے گا اور شہرت نام ونمود اور ریا سے ہمارے اعمال کو پاک رکھئے گا۔

اے اللہ ہم کو ظاہر میں اور باطن میں شریعت مطہرہ اور کتاب وسنت کی پابندی نصیب فرما اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوۡرَۃُ مَرۡیَمَ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَمَانٌ وَّ تِسۡعُوۡنَ اٰیَۃً وَّسِتُّ رُکُوۡعَاتٍ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

کٓھٰیٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِکۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّکَ عَبۡدَہٗ زَکَرِیَّا ﴿۲﴾

کٓھٰیٰعٓصٓ۔ یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کے مہربانی فرمانے کا اپنے بندہ زکریا پر۔

کٓھٰیٰعٓصٓ کاف۔ہا۔یا۔عین۔صاد	ذِکۡرُ تذکرہ	رَحۡمَتِ رحمت	رَبِّکَ تیرا رب	عَبۡدَہٗ اپنا بندہ	زَکَرِیَّا زکریا	

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ کہ اب سولھویں پارہ کی سورۂ مریم کا بیان شروع ہورہا ہے اس وقت اس سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت تلاوت کی گئی ہے۔

اس سورۃ کے آغاز کے قریب ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آپ کی والدہ حضرت مریم کے واقعہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے اس لئے اس سورۃ کا نام مریم رکھا گیا۔ حضرت مریم کا نام بقول مفسر ابن کثیر قرآن پاک میں ۳۰ جگہ آیا ہے اور سوائے حضرت مریم کے اور کسی عورت کا نام بصراحت قرآن میں نہیں آیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور اس کا زمانۂ نزول ہجرت حبشہ سے پہلے کا ہے کیونکہ معتبر روایات میں ہے کہ مہاجرین اسلام جب نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں بلائے گئے تھے تو اس وقت حضرت جعفرؓ نے بھرے دربار میں یہی سورۃ تلاوت کی تھی۔

اس سورۃ میں چند انبیاء اور صلحا کا تذکرہ ہے جس کو پڑھنے سے غیبی لامحدود قدرت کی ہمہ گیریاں اور کرشمہ سازیاں معلوم ہوتی ہیں۔ نیک لوگوں پر عنایت ونوازش اور بدشعاروں پر نزول عذاب کی کیفیت معلوم ہو کر ایمان اور عمل صالح کی رغبت اور کفر وعصیان سے نفرت پیدا ہوتی ہے جس دور میں یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے اس وقت کے حالات اور تاریخی پس منظر بھی مختصراً عرض کئے جاتے ہیں۔ سرداران قریش جب ہنسی مذاق، استہزاء، لالچ ڈراؤ دھمکاؤ وغیرہ سے اسلام کو دبانے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے ظلم وستم۔ مار پیٹ۔ قید وبند اور معاشی دباؤ کے ہتھیار استعمال کرنے شروع کئے۔ ہر قبیلے کے لوگوں نے اپنے اپنے قبیلے کے نومسلموں کو طرح طرح سے ستا کر۔ قید کر کے۔ بھوک و پیاس کی تکلیفیں دے کر حتیٰ کہ سخت جسمانی اذیتیں دے دے کر انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ غربا اور وہ غلام جو قریش کے تحت زیردست کی حیثیت سے رہتے تھے بری طرح پیسے گئے۔ جیسے حضرت بلال۔ حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والدین۔ حضرت خباب وغیرہ۔ ان لوگوں کو مار مار کر ادھ موا کر دیا جاتا۔ بھوکا و پیاسا بند رکھا جاتا۔ مکے کی تپتی ہوئی ریت پر سخت دھوپ میں لٹا دیا جاتا۔ سینہ پر بھاری بھاری پتھر رکھ کر گھنٹوں تڑپایا جاتا۔ جو لوگ پیشہ ور تھے ان سے کام لیا جاتا اور اُجرت ادا کرنے میں پریشان کیا جاتا۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت خباب کی یہ روایت موجود ہے کہ میں مکے میں لوہار کا کام کرتا تھا مجھ سے عاص بن وائل نے کام لیا پھر جب میں اس سے اُجرت لینے گیا تو اس نے کہا کہ میں تیری اجرت نہ دوں گا جب تک تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کرے۔ اسی طرح جو لوگ تجارت کرتے تھے اور اسلام لے آئے تھے ان کے کاروبار کو برباد کرنے کی کوششیں کی جاتیں۔ اسی زمانہ کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت خباب کہتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ کی

خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے۔ آپ خدا سے دعا نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک تمتما اٹھا اور آپ نے فرمایا تم سے پہلے جو اہل ایمان تھے ان پر اس سے زیادہ مظالم ہو چکے ہیں۔ ان کی ہڈیوں پر لوہے کی کنگھیاں گھسی جاتی تھیں۔ ان کے سروں پر رکھ کر آرے چلائے جاتے تھے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے۔ یقین جانو کہ اللہ اس کام کو پورا کر کے رہے گا یہاں تک کہ ایک وقت وہ آئے گا کہ ایک آدمی صنعا سے حضر موت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۔ یہ حالات جب مکہ میں بہت ہی تکلیف دہ حد تک پہنچ گئے تو سال ۵ نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اچھا ہو کہ تم لوگ مکہ سے نکل کر حبش چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو۔ اس ارشاد کی بنا پر پہلے گیارہ مسلمان مردوں اور چار خواتین نے حبش کی راہ لی۔ پھر چند مہینے کے اندر مزید مسلمانوں نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۸۳ مرد ۱۱ عورتیں اور ۷ غیر قریشی مسلمان حبشہ میں جمع ہو گئے اور مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً صرف ۴۰ نفوس رہ گئے۔ قریش کے بڑے اور چھوٹے خاندانوں میں سے شاید ہی کوئی گھر ایسا بچا تھا کہ جس کا کوئی نفس ان مہاجرین میں شامل نہ ہو۔

کٓھٰیٰعٓصٓ۔ یہ پانچ حروف مقطعات میں سے ہیں جن کا اصل مفہوم اور معنے تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ ان پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہئے۔ حروف مقطعات کے متعلق ضروری تشریح ابتداء قرآن جلد اول درس نمبر ۲ میں ہو چکی ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ "جو آئندہ قصہ آتا ہے وہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کے مہربانی فرمانے کا اپنے مقبول بندہ حضرت زکریا علیہ السلام کے حال پر"۔ جس سے چند باتیں معلوم ہوں گی اول یہ کہ حق تعالیٰ کو کوئی کام کرنا مشکل نہیں ہے اور جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں پر بڑی رحمت کرنے والے ہیں اور وہ ان کی خاطر وہ کام بھی کر دیتے ہیں جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے ناممکن معلوم ہوتے ہیں۔ تو مقصد یہ ہے کہ اس لحاظ سے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ تعلق پیدا کریں تا کہ وہ مورد رحمت خاصہ بنیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام جن کے ذکر سے یہ سورۃ شروع ہوئی ہے بنی اسرائیل کے جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آپ نجاری یعنی بڑھئی کا پیشہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔ آپ کا قصہ پہلے سورۂ آل عمران تیسرے پارہ میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ آپ اپنے زمانہ میں تمام بنی اسرائیل کے پیشوا اور بیت المقدس کے متولی تھے۔ آپ کے زمانہ میں یہودی برسر حکومت نہ تھے بلکہ عیسائی سلطنت روم کے محکوم تھے۔ لکھا ہے کہ آپ کی عمر ۱۲۰ سال کی ہو گئی تھی مگر اس وقت تک آپ لاولد تھے۔ اس آیت میں زکریا علیہ السلام پر رحمت فرمانے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کی تفصیلات اگلی آیات میں ظاہر فرمائی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ کی بے انتہا رحمتیں ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کے طفیل میں دنیا کو دین اسلام نصیب ہوا۔ یا اللہ اس ملک میں اسلامی حکومت قائم فرمادے۔ اسلام کو غلبہ و شوکت عطا فرمادے اور مخالفین کو تباہ و برباد فرمادے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا ۝۳ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا

جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا۔عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی

وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا ۝۴ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ

اور (اسکے قبل کبھی میں) آپ سے مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں۔اور میں اپنے بعد رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے سو آپ مجھ کو خاص

عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝۵ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۝۶

اپنے پاس سے ایک ایسا وارث دید یجئے کہ وہ میرا وارث بنے۔اور یعقوبؑ کے خاندان کا وارث بنے،اور اس کو اے میرے رب (اپنا پسندیدہ بنایئے۔

اِذْ جب	نَادٰی اس نے پکارا	رَبَّهٗ اپنا رب	نِدَآءً پکارنا	خَفِیًّا آہستہ سے	قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّیْ بیشک میں
وَهَنَ کمزور ہوگئی	الْعَظْمُ ہڈیاں	مِنِّیْ میری	وَاشْتَعَلَ اور شعلہ مارنے لگا	الرَّاْسُ سر	شَیْبًا سفید بال	وَ اور	لَمْ اَكُنْ میں نہیں رہا
بِدُعَآئِكَ تجھ سے مانگ کر	رَبِّ اے میرے رب	شَقِیًّا محروم	وَاِنِّیْ اور البتہ میں	خِفْتُ ڈرتا ہوں	الْمَوَالِیَ اپنے رشتے دار		
مِنْ وَّرَآءِیْ اپنے بعد	وَكَانَتِ اور ہے	امْرَاَتِیْ میری بیوی	عَاقِرًا بانجھ	فَهَبْ لِیْ تو مجھے عطا کر	مِنْ لَّدُنْكَ اپنے پاس سے	وَلِیًّا ایک وارث	
یَّرِثُنِیْ میرا وارث ہو	وَ اور	یَرِثُ وارث	مِنْ سے۔کا	اٰلِ یَعْقُوْبَ اولادِ یعقوبؑ	وَاجْعَلْهُ اور اسے بنادے	رَبِّ اے میرے رب	رَضِیًّا پسندیدہ

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ درس میں سورۃ کی ابتدا حضرت زکریا علیہ السلام کے تذکرہ سے فرمائی گئی تھی جو بنی اسرائیل کے ایک نبی تھے۔جب حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ سال کی ہوگئی تو لاولد ہونے کیوجہ سے آپ کو اندیشہ ہوا کہ قوم کی حالت ویسے ہی ابتر ہورہی ہے۔اور میرے بعد قوم کا کیا حال ہوگا۔عزیزوں اور رشتہ داروں میں کسی کے اندر امامت کی صلاحیت نہیں۔اگر کوئی خودغرض دنیا پرست امام ہوگیا تو اسرائیلیوں کی حالت اور تباہ ہوجائے گی۔انتہائی فکر کے بعد جب عالم اسباب میں کوئی سازوسامان درست ہونے کی امید نہ رہی تھی تو ایک رات کو تاریکی اور خلوت میں پست آواز سے بارگاہ الٰہی میں مناجات و دعا کی جیسا کہ دعا کا اصل قاعدہ ہے اور عرض کیا کہ الٰہی میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔بظاہر موت کا وقت قریب ہے۔سر کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی چمک رہی ہے اور ہڈیاں تک سوکھنے لگیں۔قوت نے جواب دے دیا اور آج تک آپ نے اپنے فضل و رحمت سے ہمیشہ میری دعائیں قبول کیں اور مخصوص مہربانیوں کا خوگر بنائے رکھا۔اب اس آخری وقت۔ضعف اور پیرانہ سالی میں کیسے گمان کروں کہ میری دعا رد کر کے مہربانی سے محروم رکھیں گے۔مجھے اعزا و اقارب کی طرف سے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اپنی نااہلی کی وجہ سے ملت کا انتظام درست نہ رکھ سکیں گے اور جو دینی اور روحانی دولت یعقوب علیہ السلام کے گھرانے میں منتقل ہوتی ہوئی مجھ تک پہنچی ہے۔اسے یہ نااہل اپنی شرارت اور بدتمیزی سے ضائع کردیں گے۔میں بوڑھا ہوں۔بیوی بانجھ ہے۔ظاہری سامان اولاد ملنے کا کچھ نہیں لیکن آپ اپنی لامحدود قدرت ورحمت سے مجھے ایک فرزند عطا فرمایئے جو دینی خدمات کو سنبھالے اور آپ کی مقدس امانت کا بوجھ اٹھا سکے اور میری امامت و نبوت کا وارث ہو۔میں اس ضعف اور پیری میں

کیا کرسکتا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ کوئی بیٹا اس لائق ہو جو اپنے باپ دادوں کی پاک گدی پر بیٹھ سکے۔ ان کے علم و حکمت کے خزانوں کا مالک اور کمالات نبوت کا وارث بنے۔ اور نسل یعقوب سے سلسلہ علم منقطع نہ ہو اور ایسا لڑکا دیجئے جو اپنے اخلاق واعمال کے لحاظ سے آپ کی اور میری اور لوگوں کی پسند کا ہو۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ دعا خالص دینی غرض کے لئے تھی۔ کسی دنیوی غرض کے لئے نہ تھی کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے وارث رشتہ دار دین کی حفاظت اور اس کے قائم رکھنے میں سستی کریں یا دنیا میں پھنس کر دین کو خراب کریں اور دین کی خاطر خواہ خدمت نہ بجالاسکیں۔ تو دین کی حفاظت اور خدمت کے خیال نے آپ کو اس دعا پر آمادہ کیا۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ نیک بخت خوش اعمال مومن لڑکا اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اگر اللہ سے اولاد کی تمنا کی جائے تو اولاد صالح کی کی جائے۔ نیز دعا کے آداب بھی معلوم ہوئے کہ بندہ کو چاہئے کہ سچے دل سے انتہائی زاری اور عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کرے اور دعا کے وقت لازم ہے کہ سب سے پہلے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرے۔ پھر اپنی کمزوری بے بسی اور ظاہری اسباب کا مفقود ہونا بیان کرے۔ کیونکہ بارگاہِ خداوندی میں ضعف اور لاچارگی کا اظہار اجابت دعا کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ آخر میں اپنا مطلب کہے۔ نیز معلوم ہوا کہ دعا کا آہستہ اور خفیہ کرنا افضل ہے۔ اور دعاء کا ادب یہی ہے کہ وہ پست آواز سے دردمندی اور عاجزی سے معمور ہو۔ نیز یہاں سے دو مسئلے یہ معلوم ہوئے کہ اولاد کا طلب کرنا زہد اور نبوت کے منافی نہیں اور دوسرے یہ کہ کسی ایسی چیز کا مانگنا جو اسباب بعیدہ سے مسبب ہو ادب کے خلاف نہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی اس دعا کا جواب فرشتہ کے ذریعہ سے جو حق تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوا وہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ''دعا'' کی حقیقت نصیب فرماویں۔ اور اپنی ہر حاجت کو حق تعالیٰ سے طلب کرنے میں کتاب وسنت کے طریقہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اپنے فضل وکرم رحمت وعنایت سے ہماری جملہ حاجات کو پورا فرمائیں۔

یا اللہ! اولاد صالح کی نعمت سے ہم سب کو اپنی رحمت سے نوازیئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۞۷ قَالَ رَبِّ اَنّٰى

اے زکریا ہم تم کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا کہ اس کے قبل ہم نے کسی کو اس کا ہم صفت نہ بنایا ہوگا۔ زکریاؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۞۸ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ

میرے اولاد کس طور پر ہوگی حالانکہ میری بی بی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ حالت یونہی رہے گی (اور پھر اولاد ہوگی اے زکریا)

رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۞۹ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ

تمہارے رب کا قول ہے کہ یہ مجھ کو آسان ہے اور میں نے تم کو پیدا کیا حالانکہ تم (پیدائش کے قبل) کچھ بھی نہ تھے۔ زکریاؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے لئے کوئی علامت مقرر فرما دیجئے۔

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۞۱۰ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى

ارشاد ہوا کہ تمہاری علامت یہ ہے تم تین رات آدمیوں سے بات نہ کر سکو گے (حالانکہ تندرست ہوگے) پس حجرے میں سے اپنی قوم کے پاس برآمد ہوئے اور اُن کو اشارہ سے فرمایا

اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۞۱۱ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۞۱۲ ۙ

کہ تم لوگ صبح اور شام خدا کی پاکی بیان کیا کرو۔ اے یحییٰ کتاب کو مضبوط ہو کر لو، اور ہم نے اُن کو لڑکپن ہی میں (دین کی) سمجھ اور خاص اپنے پاس سے رقتِ قلب

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۞۱۳ ۙ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۞۱۴ وَسَلٰمٌ

اور پاکیزگی (اخلاق کی) عطا فرمائی تھی۔ اور وہ بڑے پرہیزگار اور اپنے والدین کے خدمت گذار تھے اور وہ سرکشی کرنے والے نافرمانی کرنے والے نہ تھے۔ اور اُن کو سلام پہنچے

عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۞۱۵ ع

جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ انتقال کریں گے اور جس دن (قیامت میں) زندہ ہو کر اٹھائیں جائیں گے۔

يٰزَكَرِيَّا اے زکریاؑ	اِنَّا بیشک ہم	نُبَشِّرُكَ تجھے بشارت دیتے ہیں	بِغُلٰمِ ایک لڑکا	اسْمُهٗ اسکا نام	يَحْيٰى یحییٰ	لَمْ نَجْعَلْ نہیں بنایا ہم نے	لَهٗ اس کا		
مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	سَمِيًّا کوئی ہم نام	قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اَنّٰى کیسے	يَكُوْنُ ہوگا وہ	لِيْ غُلٰمٌ میرے لئے۔ میرا لڑکا			
وَكَانَتِ جبکہ وہ ہے	امْرَاَتِيْ میری بیوی	عَاقِرًا بانجھ	وَقَدْ بَلَغْتُ اور میں پہنچ چکا ہوں	مِنَ سے۔ کی	الْكِبَرِ بڑھاپا	عِتِيًّا انتہائی حد	قَالَ اس نے کہا		
كَذٰلِكَ اسی طرح	قَالَ فرمایا	رَبُّكَ تیرا رب	هُوَ وہ (یہ)	عَلَيَّ مجھ پر	هَيِّنٌ آسان	وَ اور	قَدْ خَلَقْتُكَ میں نے تجھے پیدا کیا	مِنْ قَبْلُ اس سے	
وَ جبکہ	لَمْ تَكُ تو نہ تھا	شَيْـًٔا کوئی چیز۔ کچھ بھی	قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اجْعَلْ کردے	لِيْ میرے لئے	اٰيَةً کوئی نشانی		
قَالَ فرمایا	اٰيَتُكَ تیری نشانی	اَلَّا تُكَلِّمَ تو نہ بات کریگا	النَّاسَ لوگ	ثَلٰثَ تین	لَيَالٍ رات	سَوِيًّا ٹھیک	فَخَرَجَ پھر وہ نکلا	عَلٰى پاس	
قَوْمِهٖ اپنی قوم	مِنَ سے	الْمِحْرَابِ محراب	فَاَوْحٰى تو اس نے اشارہ کیا	اِلَيْهِمْ ان کی طرف	اَنْ سَبِّحُوْا کہ اسکی پاکیزگی بیان کرو	بُكْرَةً صبح			
وَ اور	عَشِيًّا شام	يٰيَحْيٰى اے یحییٰ	خُذِ پکڑو (تھام لو)	الْكِتٰبَ کتاب	بِقُوَّةٍ مضبوطی سے	وَاٰتَيْنٰهُ اور ہم نے اسے دی	الْحُكْمَ نبوت۔ دانائی		
صَبِيًّا بچپن سے	وَ اور	حَنَانًا شفقت	مِنْ لَّدُنَّا اپنے پاس سے	وَزَكٰوةً اور پاکیزگی	وَكَانَ اور وہ تھا	تَقِيًّا پرہیزگار			
وَبَرًّا اور اچھا سلوک کرنیوالا	بِوَالِدَيْهِ اپنے ماں باپ سے	وَلَمْ يَكُنْ اور نہ تھا	جَبَّارًا گردن کش	عَصِيًّا نافرمان	وَسَلٰمٌ اور سلام	عَلَيْهِ اس پر			
يَوْمَ جس دن	وُلِدَ وہ پیدا ہوا	وَيَوْمَ اور جس دن	يَمُوْتُ وہ فوت ہوگا	وَيَوْمَ اور جس دن	يُبْعَثُ اٹھایا جائیگا	حَيًّا زندہ ہو کر			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر تھا جس میں حق تعالیٰ سے ایک بیٹے کی درخواست کی گئی تھی اور وہ اس بنا پر کہ بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کی خدمت انجام دے سکے۔ نبی کی دعاء اور دعاء بھی صرف ذات کے لئے نہیں بلکہ قوم کی رشد وہدایت کی خاطر فوراً مستجاب ہوئی اور جب زکریا علیہ السلام ہیکل یعنی عبادت خانہ میں مشغول عبادت تھے تو خدا کا فرشتہ ان پر ظاہر ہوا اور اس نے بشارت دی کہ آپ کے بیٹا پیدا ہوگا اور اس کا نام یحییٰ رکھنا۔ گویا قبل از ولادت نام بھی حق تعالیٰ کی طرف سے تجویز کر دیا گیا۔ اور نام بھی ایسا انوکھا رکھا گیا کہ ان سے پہلے کسی کا نہ رکھا گیا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ سن کر بے حد مسرت ہوئی اور تعجب سے دریافت فرمانے لگے کہ یہ بشارت کس طرح پوری ہوگی یعنی مجھ کو جوانی عطا کی جائے گی یا میری بی بی کا مرض بانجھ پن دور کر دیا جائے گا یا دوسرا نکاح کرنے کا حکم ہوگا۔ فرشتہ نے جواب دیا میں اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ حالات کچھ بھی ہوں آپ کے بیٹا ضرور ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے۔ اور یہ تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ان ہی حالات میں اولاد مل جائے گی اور مشیت ایزدی پوری ہو کر رہے گی۔ پھر فرشتہ نے مزید یہ کہا کہ آپ کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے ایک چیز مشکل ہو لیکن خداوند قدوس کے یہاں تو مشکل نہیں۔ اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے۔ انسان اپنی ہی ہستی کو دیکھ لے۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ کوئی چیز نہ تھی۔ اس کا نام ونشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ حق تعالیٰ اس کو پردۂ عدم سے وجود میں لائے۔ پھر جو قادر مطلق لاشے محض کو شے بنادے کیا وہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا نہیں کرسکتا۔ اب زکریا علیہ السلام نے درگاہ الٰہی میں عرض کیا خدایا ایسا کوئی نشان بتا دیا جائے جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ بشارت نے وجود کی شکل اختیار کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا علامت یہ ہے کہ باوجود تندرست ہونے کے جب کامل تین رات دن لوگوں کے ساتھ زبان سے بات چیت نہ کرسکو اور صرف اشاروں ہی سے اپنا مطلب ادا کرسکو تو سمجھ لینا کہ بشارت نے وجود اختیار کر لیا یعنی اس وقت سمجھ لینا کہ حمل قرار پا گیا ہے اور ان دنوں میں تم خدا کی تسبیح وتہلیل میں زیادہ مشغول رہنا۔ چنانچہ جب وہ وقت آ پہنچا تو زبان گفتگو کرنے سے رک گئی۔ البتہ نماز و تسبیح وغیرہ پڑھتے رہے۔ دعا واستغفار اور تسبیح وتہلیل سے زبان بند نہ ہوئی تھی۔ حجرہ سے باہر نکل کر حضرت زکریاؑ نے لوگوں کو اشارہ سے کہا کہ صبح وشام اللہ کو یاد کیا کرو۔ نمازیں پڑھو۔ تسبیح وتہلیل میں مشغول رہو اور زیادہ سے زیادہ اللہ کو یاد کرو اور یہ اس لئے کہا گیا کہ جس طرح یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت حضرت زکریا علیہ السلام کے لئے باعث صد ہزار مسرت تھی۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے لئے بھی کم خوشی کا باعث نہ تھی کہ زکریاؑ کا ایک صحیح جانشین اور علم وحکمت ونبوت کا سچا وارث عالم وجود میں آنیوالا ہے۔ چنانچہ بشارت کے موافق حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ ولادت باسعادت کے بعد قرآن پاک نے یحییٰ علیہ السلام کے بچپن کے ان واقعات کو نظرانداز کر کے جو قرآنی مقصد سے غیر متعلق تھے۔

آگے یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو جب وہ سن شعور کو پہنچے حکم دیا کہ توراۃ پر جو اس وقت کتاب شریعت تھی مضبوطی سے عمل کریں اور اسی کے مطابق لوگوں کو ہدایت دیں اسلئے کہ یحییٰ علیہ السلام نبی تھے رسول نہ تھے اور توراۃ ہی کی شریعت کے پابند تھے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو عام بچوں کی زندگی سے جدا ان کو بچپن ہی میں علم و فضیلت بخش دیئے تھے تاکہ وہ جلد ہی نبوت کے منصب پر فائز ہوسکیں۔ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بچپن میں جب بچے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کھیلنے پر اصرار کرتے تو آپ جواب دے دیتے کہ خدا نے مجھ کو لہو لعب کیلئے نہیں پیدا کیا ہے۔ تو حق تعالیٰ نے لڑکپن ہی میں آپ کو فہم ودانش۔ علم وحکمت۔ احکام کتاب اور آداب عبودیت کی معرفت عطا فرما دی تھی آگے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مزید صفات بیان کی جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شوق وذوق رحمت وشفقت۔ رقت ونرم دلی۔ محبت اور محبوبیت عطا فرمائی تھی اور صاف ستھرا پاکیزہ رُو۔ پاکیزہ خُو۔ مبارک وسعید متقی و پرہیز گار بنایا۔ حدیث میں ہے کہ یحییٰ علیہ السلام نے نہ کبھی گناہ کیا اور نہ گناہ کا ارادہ کیا۔ مگر خدا کے خوف سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کی نالیاں سی بن گئی تھیں۔ ایک روایت میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے والد حضرت زکریا علیہ السلام نے جب آپ کو جنگل میں تلاش کر کے پایا تو ان سے فرمایا۔ بیٹا

ہم تو تیری یاد میں مضطرب تجھ کو تلاش کر رہے ہیں اور تو یہاں گریہ زاری میں مشغول ہے تو یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا اے میرے باپ آپ نے مجھ کو بتایا ہے کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک ایسا لق ودق میدان ہے جو خدا کی خشیت میں بغیر آنسو بہائے طے نہیں ہوتا اور جنت تک رسائی نہیں ہوتی۔ یہ سن کر زکریا علیہ السلام بھی رونے لگے۔ اے اللہ اپنے ان مقبولین کے خوف وخشیت کا کوئی ذرہ ہمارے دلوں میں بھی ڈال دے کہ ہم کو آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے۔ اور آپ کی اطاعت پر آمادہ کر دے۔

آگے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مزید صفات بیان فرمائے گئے کہ وہ اپنے والدین کے بڑے خدمت گزار تھے اور خلق کے ساتھ سرکشی کرنے والے یا حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے نہ تھے۔ اور عنداللہ! ایسے وجیہ اور مکرم تھے کہ ان کے حق میں منجانب اللہ یہ ارشاد ہوا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ انتقال کریں گے اور جس دن قیامت میں زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو جس سلامتی کی دعا دی گئی ہے وہ تین اوقات کی تخصیص کے ساتھ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کے لئے یہی تین اوقات سب سے زیادہ نازک اور اہم ہیں۔ وقت ولادت جس میں رحم مادر سے جدا ہو۔ عالم دنیا میں آتا ہے اور وقت موت کہ جس میں عالم دنیا سے وداع ہو کر عالم برزخ میں پہنچتا ہے اور وقت حشر ونشر کہ جس میں عالم قبر سے عالم آخرت میں اعمال کی جزا وسزا کے لئے پیش ہوتا ہے۔ لہٰذا جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے ان تین اوقات کے لئے سلامتی کی بشارت مل گئی اسکو سعادت دارین کا کل ذخیرہ مل گیا۔

مسند احمد۔ ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت حارث اشعریؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو پانچ باتوں کا خصوصیت کے ساتھ حکم فرمایا کہ وہ خود بھی ان پر عامل ہوں اور بنی اسرائیل کو بھی ان کی تلقین فرمائیں۔ وہ پانچ احکام یہ تھے۔ پہلا حکم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور نہ کسی کو اس کا شریک وسہیم ٹھہراؤ کیونکہ مشرک کی مثال اس غلام کی سی ہے جس کو اس کے مالک نے اپنے روپیہ سے خریدا مگر غلام نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ جو کچھ کماتا ہے وہ مالک کے سوا ایک دوسرے شخص کو دے دیتا ہے تو اب بتاؤ کہ تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ لہٰذا سمجھ لو کہ جب خدا ہی نے تم کو پیدا کیا اور وہی تم کو رزق دیتا ہے تو تم بھی صرف اسی کی پرستش کرو اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ تم خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرو کیونکہ جب تم نماز میں کسی دوسری جانب متوجہ نہ ہوگے خدا تعالیٰ برابر تمہاری جانب رضا و رحمت کے ساتھ متوجہ رہے گا۔ تیسرا حکم یہ کہ روزہ رکھو اس لئے کہ روزہ دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک جماعت میں بیٹھا ہو اور اس کے پاس مشک کی تھیلی ہو چنانچہ مشک اس کو بھی اور اس کے رفقا کو بھی اپنی خوشبو سے معطر کرتا رہے گا اور روزہ دار کی منہ کی بو کا خیال نہ کرو اس لئے کہ اللہ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بو جو خالی معدہ سے اٹھتی ہے مشک کی خوشبو سے زیادہ پاک ہے چوتھا حکم یہ کہ مال میں سے صدقہ نکالا کرو کیونکہ صدقہ کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کو اس کے دشمنوں نے اچانک آ پکڑا ہو اور اس کے ہاتھوں کو گردن سے باندھ کر مقتل کی جانب لے چلے ہوں اور اس ناامیدی کی حالت میں وہ یہ کہے کہ کیا میں مال دے کر اپنی جان چھڑالوں اور اثبات میں جواب پا کر اپنی جان کے بدلے سب دھن دولت قربان کر دے۔ اور پانچواں حکم یہ کہ دن رات میں کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے رہو کیونکہ ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دشمن سے بھاگ رہا ہو اور دشمن تیزی کے ساتھ اس کا تعاقب کر رہا ہو اور بھاگ کر وہ کسی مضبوط قلعہ میں پناہ گزین ہو کر دشمن سے محفوظ ہو جاوے۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جانب متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا میں بھی تم کو ایسی پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا خدا تعالیٰ نے مجھ کو حکم کیا ہے۔ یعنی لزوم جماعت۔ سمع۔ وطاعت۔ ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پس جو شخص جماعت سے ایک بالشت باہر نکل گیا اس نے بلاشبہ اپنی گردن سے اسلام کی رسی کو نکال دیا مگر یہ کہ جماعت کا لزوم اختیار کرے اور جس شخص نے جاہلیت کے دور کی باتوں کی طرف دعوت دی تو اس نے جہنم کو ٹھکانا بنایا۔

حضرت حارث اشعریؓ کہتے ہیں ایک کہنے والے نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وہ شخص نماز روزہ کا پابند ہی ہو تب بھی جہنم کا سزاوار ہے؟ فرمایا ہاں اگرچہ وہ نماز روزہ کا پابند بھی ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ میں مسلمان ہوں تب بھی سزاوار جہنم ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝۱۶ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ

اوراے نبیؐ اس کتاب میں مریمؑ کا بھی ذکر کیجئے، جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ایک ایسے مکان میں جو مشرق کی جانب میں تھا (غسل کیلئے) گئیں پھر اُن لوگوں کے سامنے سے

حِجَابًا ۚ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝۱۷ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ

انہوں نے پردہ ڈال لیا پس ہم نے اُن کے پاس اپنے فرشتہ کو بھیجا اور وہ اُن کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ کہنے لگیں کہ میں تجھ سے (اپنے خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں

مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝۱۸ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝۱۹ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ

اگر تو (کچھ) خدا ترس ہے۔ فرشتہ نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ وہ کہنے لگیں کہ میرے لڑکا کس طرح ہو جاوے گا

لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝۲۰ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ

حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتہ نے کہا کہ یونہی (اولاد) ہو جاوے گی تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات مجھ کو آسان ہے،

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝۲۱

اور اس طور پر اس لئے پیدا کریں گے، تاکہ ہم اُس فرزند کو لوگوں کیلئے ایک نشانی بنا دیں، اور باعث رحمت بنائیں۔

وَاذْكُرْ اور ذکر کرو	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	مَرْيَمَ مریم	اِذِ انْتَبَذَتْ جب وہ یکسو ہوگئی	مِنْ اَهْلِهَا اپنے گھر والوں سے	مَكَانًا مکان	شَرْقِيًّا مشرقی			
فَاتَّخَذَتْ پھر ڈال لیا	مِنْ سے	دُوْنِهِمْ ان کی طرف	حِجَابًا پردہ	فَاَرْسَلْنَا پھر ہم نے بھیجا	اِلَيْهَا اس کی طرف	رُوْحَنَا اپنی روح (فرشتہ)			
فَتَمَثَّلَ شکل بن گیا	لَهَا اس کیلئے	بَشَرًا ایک آدمی	سَوِيًّا ٹھیک	قَالَتْ وہ بولی	اِنِّيْ بیشک میں	اَعُوْذُ پناہ میں آتی ہوں	بِالرَّحْمٰنِ رحمٰن اللہ (کی)		
مِنْكَ تجھ سے	اِنْ كُنْتَ اگر تو ہے	تَقِيًّا پرہیز گار	قَالَ اس نے کہا	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	اَنَا کہ میں	رَسُوْلُ بھیجا ہوا	رَبِّكِ تیرے رب کا		
لِاَهَبَ تاکہ عطا کروں	لَكِ تجھ سے	غُلٰمًا ایک لڑکا	زَكِيًّا پاکیزہ	قَالَتْ وہ بولی	اَنّٰى کیسے	يَكُوْنُ ہوگا	لِيْ میرے	غُلٰمٌ لڑکا	وَ جبکہ
لَمْ يَمْسَسْنِيْ مجھے چھوا نہیں	بَشَرٌ کسی بشر نے	وَ اور	لَمْ اَكُ میں نہیں ہوں	بَغِيًّا بدکار	قَالَ اس نے کہا	كَذٰلِكِ یونہی	قَالَ فرمایا		
رَبُّكِ تیرا رب	هُوَ وہ۔یہ	عَلَيَّ مجھ پر	هَيِّنٌ آسان	وَلِنَجْعَلَهٗ اور تاکہ ہم اسے بنائیں	اٰيَةً ایک نشانی	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَ اور		
	رَحْمَةً رحمت	مِنَّا اپنی طرف سے	وَكَانَ اور ہے	اَمْرًا ایک	مَقْضِيًّا طے شدہ				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کی نشانیاں موجود تھیں۔ اب اس سے بھی عجیب تر قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا بیان فرمایا جاتا ہے۔

تخلیق انسانی چار طور پر ہوئی ہے اور ہر ایک میں قدرت الٰہی کا واضح نشان موجود ہے۔

ایک مرد وعورت کے قریب سے جیسے عام انسان پیدا ہوتے ہیں۔

دوسرے بغیر مرد وعورت کے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ تیسرے بغیر عورت کے جس طرح حضرت حوا کی تخلیق ہوئی۔ چوتھے بغیر مرد کے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم سے پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی پیدائش ظاہر کر دی تاکہ انسان کو اس کی ہر طرح کی قدرت پر ایمان ہو اور ان قصوں کو اللہ تعالیٰ اسی لئے بیان فرما رہے ہیں تاکہ اس کے بندے اس سے اس کی قدرت پر دلیل لیں اور اس کی عظمت و بڑائی معلوم کریں اور جانیں کہ حق تعالیٰ جو چاہیں وہ کر سکتے ہیں۔ نیز حضرت زکریا علیہ السلام کے قصہ سے جو پہلے بیان ہوا اور حضرت مریمؑ کے قصہ سے جو اس اور اگلی آیات میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔

دونوں قصوں کے مجموعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سوال اور طلب سے بھی دیتے ہیں۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام دیئے۔ اور بلاسوال اور طلب بھی دیتے ہیں جیسے حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیئے۔ اس سے یہ بات بھی نکلی کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ہر شخص کے ساتھ جداجدا معاملہ فرماتے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے خاندان ہی میں اس زمانہ میں ایک بزرگ عابد زاہد کاہن تھے جن کا نام عمران تھا اور ان کی بیوی کا نام حنہ تھا جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ کی حقیقی بہن تھیں۔ اس طرح حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے خالو تھے۔ عمران صاحب اولاد نہ تھے اور ان کی بیوی حنہ بہت زیادہ متمنی تھیں کہ ان کے اولاد ہو اس لئے وہ درگاہ الٰہی میں اولاد کے لئے دعا کیا کرتی تھیں اور قبولیت دعاء کے لئے ہر وقت منتظر رہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو قبولیت بخشی اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ حاملہ ہیں ان کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ انہوں نے نذر مان لی کہ جو بچہ پیدا ہوگا اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردوں گی۔ بنی اسرائیل میں یہ رسم بہت مقدس سمجھی جاتی تھی اور اس طرح جو اولاد خانہ خدا کے لئے وقف ہوجاتی تھی اس کو شب وروز عبادت الٰہی اور عبادت خانہ کی خدمت کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہوتا تھا۔ حنہ ابھی حاملہ ہی تھیں کہ ان کے شوہر عمران کا انتقال ہوگیا جب وضع حمل کا وقت ہوا تو لڑکی پیدا ہوئی جس کا حنہ کو افسوس ہوا کیونکہ لڑکی وقف کرنے کا دستور نہ تھا لیکن نذر مان چکی تھیں اس لئے حضرت مریم کو حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد کردیا گیا جو بیت المقدس کے متولی اور امام تھے۔ حضرت مریم بچپن ہی سے نہایت پاکیزہ صفات اور عابدہ زاہدہ تھیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کے لئے ایک حجرہ مخصوص کردیا تھا وہ دن میں وہاں رہ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتیں اور جب رات آتی تو ان کو حضرت زکریا اپنے مکان پر حضرت مریم کی خالہ کے پاس لے جاتے اور وہیں شب بسر کرتیں غرض اس طرح زہد وتقویٰ وعبادت کے ساتھ حضرت مریم کی عمر تیرہ یا پندرہ سال کے قریب ہوگئی۔

اب یہاں سے آگے کے حالات ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں اور بتلایا گیا کہ ایک روز بیت المقدس سے مشرق کی طرف سب سے علیحدہ ہوکر کسی مکان میں گئیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت مریم غسل کے لئے اس جگہ آئی تھیں اور لوگوں سے آڑ کے لئے آپ نے درمیان میں پردہ ڈال لیا تھا جب آپ غسل کرچکیں اور کپڑے پہن لئے تو اچانک خدا کا فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں ظاہر ہوئے اور جیسا کہ فرشتوں کی عادت ہے کہ عموماً خوش منظر صورتوں میں متمثل ہوتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نہایت خوبصورت انسانی شکل میں آئے۔

حضرت مریم نے ایک اجنبی شخص کو اس طرح بے حجاب سامنے دیکھا تو گھبرا گئیں اور قدرتی طور پر خوف زدہ ہوئیں اور اپنی حفاظت کی فکر کرنے لگیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے چہرہ پر تقویٰ وطہارت کے انوار چمکتے دیکھ کر اسی قدر کہنا کافی سمجھا کہ میں تیری طرف سے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں اگر تیرے دل میں خدا کا ڈر ہوگا تو میرے پاس سے چلا جائے گا اور مجھ سے کچھ تعرض نہ کرے گا۔ اس وقت جبرئیل امین نے اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا اور کہا کہ گھبراؤ نہیں میری نسبت کوئی ڈر یا خوف آیا ہو تو دل سے نکال دو میں انسان نہیں بلکہ خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ خداوند قدوس کی طرف سے تم کو ایک پاکیزہ۔ صاف ستھرا اور مبارک ومسعود لڑکے کی بشارت دوں۔ حضرت مریم کے دل میں خدا نے یقین ڈال دیا کہ بیشک یہ فرشتہ ہے مگر تعجب ہوا کہ جو عفیفہ مرد سے ناواقف ہو اس کے لڑکا کیسے ہوگا اس لئے حضرت مریم ازراہ تعجب فرمانے لگیں میرے لڑکا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ مجھ کو آج تک کسی شخص نے بھی ہاتھ نہیں لگایا اس لئے کہ نہ تو میں نے نکاح کیا ہے اور نہ میں کوئی بدکار ہوں۔ فرشتہ نے جواب دیا میں تو تمہارے پروردگار کا قاصد ہوں اس نے مجھ سے اسی طرح کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ میں اس لئے کروں گا کہ تمکو اور تمہارے بیٹے کو کائنات کے لئے اپنی قدرت کاملہ کے اعجاز کا نشان بنادوں اور لڑکا میری جانب سے رحمت ثابت ہوگا میرا یہ فیصلہ اٹل ہے اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

اِس گفتگو کے بعد جبرئیل امین حضرت مریم کے قریب آئے اور اُن کے منہ یا گریبان میں پھونک ماری جس سے حضرت مریمؑ بشان ایزدی حاملہ ہوگئیں۔ اب آگے حضرت مریمؑ کو کیا صورت حال اور واقعات پیش آئے یہ اگلی آیات میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ

پھر اُن کے پیٹ میں لڑکا رہ گیا پھر اس حمل کو لئے ہوئے کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں۔ پھر دردزہ کے مارے کھجور کے درخت کی طرف آئیں،

قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي

کہنے لگیں کاش میں اس (حالت) سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور ایسی نیست ونابود ہوجاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی۔ پھر جبرئیل نے اُن کے پائیں سے اُن کو پکارا کہ تم مغموم مت ہو

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾

تمہارے رب نے تمہارے پائین (مکان) میں ایک نہر پیدا کردی ہے اور اس کھجور کے تنہ کو اپنی طرف کو ہلاؤ اس سے تم پر خرمائے تروتازہ جھڑیں گے۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۖ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ

پھر کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو، پھر اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو بھی اعتراض کرتا) دیکھو تو کہہ دینا میں نے تو اللہ کے واسطے روزہ کی منت مان رکھی ہے

لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ ۚ

سو آج میں کسی آدمی سے نہیں بولوں گی۔

فَحَمَلَتْهُ پھر اسے حمل رہ گیا	فَانْتَبَذَتْ پس وہ چلی گئی	بِهِ اسے لے کر	مَكَانًا ایک جگہ	قَصِيًّا دور	فَأَجَاءَهَا پھر اسے لے آیا			
الْمَخَاضُ دردزہ	إِلَىٰ طرف	جِذْعِ جڑ	النَّخْلَةِ کھجور کا درخت	قَالَتْ وہ بولی	يَا لَيْتَنِي اے کاش میں	مِتُّ مرچکی ہوتی		
قَبْلَ هَٰذَا اس سے قبل	وَكُنْتُ اور میں ہوجاتی	نَسْيًا مَنْسِيًّا بھولی بسری	فَنَادَاهَا پس اسے آواز دی	مِنْ سے	تَحْتِهَا اسکے نیچے			
أَلَّا تَحْزَنِي کہ نہ گھبراؤ	قَدْ جَعَلَ کردیا ہے	رَبُّكِ تیرا رب	تَحْتَكِ تیرے نیچے	سَرِيًّا ایک چشمہ	وَهُزِّي اور ہلا	إِلَيْكِ اپنی طرف		
بِجِذْعِ تنے کو	النَّخْلَةِ کھجور	تُسَاقِطْ جھڑ پڑیں گی	عَلَيْكِ تجھ پر	رُطَبًا تازہ تازہ	جَنِيًّا کھجوریں	فَكُلِي تو کھا	وَاشْرَبِي اور پی	وَ اور
قَرِّي ٹھنڈی کر	عَيْنًا آنکھیں	فَإِمَّا تَرَيِنَّ پھر اگر تو دیکھے	مِنَ سے	الْبَشَرِ آدمی	أَحَدًا کوئی	فَقُولِي تو کہدے		
إِنِّي نَذَرْتُ کہ میں نے نذر مانی ہے	لِلرَّحْمَٰنِ رحمن کے لئے	صَوْمًا روزہ	فَلَنْ أُكَلِّمَ پس میں ہرگز کلام نہ کرونگی	الْيَوْمَ آج	إِنْسِيًّا کسی آدمی			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت مریم کو جبرئیل علیہ السلام کا ایک فرزند کی بشارت دینے کا ذکر ہوا تھا اور جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا تھا کہ پروردگار کا ارشاد ہے کہ اس بچہ کو ایک نشان قدرت لوگوں کے لئے بنانا اور باعث رحمت بنانا مشیت ایزدی میں طے ہو چکا ہے۔ غرض حضرت مریم بشان ایزدی حاملہ ہوگئیں۔ اب جب آثار حمل نمودار ہوئے تو بنی اسرائیل کی بدگوئی کا خوف ہوا اس لئے سب سے یکسوئی اختیار کرلی اور کہیں دور تنہا مکان میں گوشہ گیر ہوگئیں۔ مدت حمل جب پوری ہوئی اور وضع حمل کا وقت قریب آیا تو شرم کے مارے گھر سے کسی دور جگہ جنگل میں الگ چلی گئیں۔ جب دردزہ کی تکلیف سے بے چین ہوئیں تو ایک کھجور کے درخت کی طرف آئیں کہ اس کے سہارے بیٹھیں اٹھیں اور اس کی جڑ سے سہارا لیں۔ اب حالت یہ تھی کہ نہ کوئی انیس نہ جلیس۔ درد سے بے چین۔ ایسے وقت جو سامان راحت وضرورت کا ہونا چاہئے وہ ندارد اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بچہ ہونے پر آئندہ بدنامی ورسوائی کا تصور۔ اسی کرب واضطراب کے غلبہ میں حضرت مریم کہہ اٹھیں کہ کاش میں اس

وقت کے آنے سے پہلے ہی مرچکی ہوتی کہ دنیا میں میرا نام ونشان نہ رہتا اور کسی کو بھولے سے بھی یاد نہ آتی۔ شدت کرب واضطراب میں گذشتہ بشارات جو فرشتہ سے سنی تھیں یاد نہ آئیں۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام پہنچے اور حضرت مریم کے احترام کی وجہ سے سامنے نہیں گئے بلکہ جس مقام پر حضرت مریم تھیں اس سے ایک نیچی جگہ میں آڑ میں آئے اور حضرت مریم کو پکارا جس کو حضرت مریم نے پہچانا کہ یہ اسی فرشتہ کی آواز ہے جو اول ظاہر ہوا تھا۔ اور کہا کہ غمگین اور پریشان مت ہو۔ خدا کی قدرت سے ہر قسم کا ظاہری و باطنی اطمینان حاصل کرو۔ نیچے کی طرف دیکھو اللہ تعالیٰ نے کیسا چشمہ یا نہر جاری کر دی ہے۔ یہ تو پینے کے لئے ہوا۔ کھانے کے لئے اسی کھجور کے پیڑ کو ہلاؤ تو پکی اور تازہ کھجوریں ٹوٹ کر گریں گی۔ تازہ کھجوریں کھا کر چشمہ کے پانی سے سیراب ہو اور پاکیزہ بیٹے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ آگے کا غم نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ سب مشکلات کو دور کرنے والا ہے۔ رہا بدنامی کا اندیشہ تو جب تمہارے سامنے کوئی آئے اور لڑکے کی بابت دریافت کرے تو تم اشارہ سے کہہ دینا کہ میں نے تو ایسے روزہ کی منت مان رکھی ہے جس میں بولنے کی بندش ہے۔ ان کی شریعت میں یہ نیت درست تھی کہ نہ بولنے کا بھی روزہ رکھتے تھے ہماری شریعت اسلامیہ میں ایسی نیت اور روزہ درست نہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم نے درد کی شدت سے بیتاب ہو کر جو موت کو یاد کیا اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ہر انسان اقتضائے بشریت سے مجبور ہے۔ مصائب اور تکلیف کا احساس ہر ایک کو ہوتا ہے اور احساس حوادث سے متاثر بھی ہوتا ہے اور یہ ولایت یا نبوت کے منافی نہیں حضرت مریم کی تسکین۔ آسائش اور دفع تکلیف کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتہ کو بھیجا۔ چشمہ جاری کیا۔ خشک درخت کو بارآور کیا اور پکے پکائے لذیذ شیریں پھل دیئے۔ ان واقعات کے اظہار سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کی ہر وقت اور ہر حال میں کارسازی فرماتے ہیں اور اہل تقرب کو نظام عام کے خلاف مخصوص عنایات سے بھی سرفراز فرماتے ہیں۔

یہاں آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو کھجور کے درخت کی شاخ ہلانے کا جو حکم دیا تو اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ بغیر حضرت مریم کے شاخ ہلانے کے خود ہی کھجوریں ان کی گود میں گر جاتیں اور وہ ان کو کھا لیتیں مگر اس ہلانے کے حکم میں حکمت یہ ہے کہ اس میں تحصیل رزق کے لئے کوشش کرنے کا سبق ملتا ہے اور یہ بھی بتلانا ہے کہ رزق کے حاصل کرنے میں کوشش اور محنت کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ نیز یہاں جو حضرت مریم علیہا السلام کے واسطے کھجور کا استعمال من جانب اللہ تجویز کیا گیا تو معلوم ہوا کہ زچہ کے لئے سب سے زیادہ مفید تر کھجور ہے اور اطبا نے بھی لکھا ہے کہ عورت کے لئے ایام نفاس میں رطب یعنی تازہ کھجور سے بہتر کوئی غذا نہیں نیز یہاں آیت میں جو حضرت مریم نے اپنی موت کی تمنا کی تھی تو اس کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ تمنائے موت اگر غم دنیا سے تھی تب تو غلبۂ حال کو اس کا عذر کہا جاوے گا جس میں انسان من کل الوجوہ مکلف نہیں رہتا اور اگر یہ تمنا دین کی وجہ سے تھی کہ لوگ بدنام کریں گے اور شاید مجھ سے اس پر صبر نہ ہو سکے تو بے صبری کی معصیت میں ابتلا ہوگا اور موت سے اس معصیت سے حفاظت رہے گی تو ایسی تمنا موت ممنوع نہیں ہے۔

غرض کہ فرشتے کے کلام سے حضرت مریم کی تسلی ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اب جب حضرت مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر بستی میں آئیں تو قوم نے آپ کی گود میں بچہ دیکھ کر کیا کہا سنا اور بجائے حضرت مریم کے بچہ نے جو قوم کو جواب دیا وہ اگلی آیات میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! اپنے مقبولین کے طفیل سے ہم کو بھی اپنی عنایات سے سرفراز فرمایئے اور ہر لمحہ و آن ہماری کارسازی فرمایئے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ

پھر وہ اُن کو گود میں لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائیں لوگوں نے کہا اے مریم تم نے بڑے غضب کا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن تمہارے باپ کوئی بُرے آدمی نہ تھے

امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ

اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں۔ پس مریمؑ نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا، وہ لوگ کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسے شخص سے کیونکر باتیں کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔

صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا

وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اُس نے مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی اور اُس نے مجھ کو نبی بنایا۔ اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں،

كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا

اور اُس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔ اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گذار بنایا اور اُس نے مجھ کو سرکش بدبخت نہیں بنایا۔

شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾

اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز رحلت کروں گا اور جس روز (قیامت میں) زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

فَأَتَتْ بِهِ پھر وہ اسے لیکر آئی	قَوْمَهَا اپنی قوم	تَحْمِلُهُ اسے اٹھائے ہوئے	قَالُوا وہ بولے	يَا مَرْيَمُ اے مریم	لَقَدْ جِئْتِ تو لائی ہے	شَيْئًا شے	
فَرِيًّا بُری غضب کی	يَا أُخْتَ هَارُونَ اے ہارون کی بہن	مَا نہ كَانَ تھا	أَبُوكِ تیرا باپ	امْرَأَ آدمی	سَوْءٍ بُرا	وَ اور	مَا كَانَتْ نہ تھی
أُمُّكِ تیری ماں	بَغِيًّا بدکار	فَأَشَارَتْ تو مریم نے اشارہ کیا	إِلَيْهِ اس کی طرف	قَالُوا وہ بولے	كَيْفَ نُكَلِّمُ کیسے ہم بات کریں	مَنْ كَانَ جو ہے	
فِي الْمَهْدِ گہوارہ میں	صَبِيًّا بچہ	قَالَ بچہ نے کہا	إِنِّي بیشک میں	عَبْدُ اللَّهِ اللہ کا بندہ	آتَانِيَ اس نے مجھے دی ہے	الْكِتَابَ کتاب	
وَجَعَلَنِي اور مجھے بنایا ہے	نَبِيًّا نبی	وَجَعَلَنِي اور مجھے بنایا ہے	مُبَارَكًا بابرکت	أَيْنَ مَا جہاں کہیں	كُنْتُ میں ہوں	وَ اور	
أَوْصَانِي مجھے حکم دیا ہے اس نے	بِالصَّلَاةِ نماز کا	وَالزَّكَاةِ اور زکوٰۃ کا	مَا دُمْتُ جب تک میں رہوں	حَيًّا زندہ	وَبَرًّا اور اچھا سلوک کرنیوالا		
بِوَالِدَتِي اپنی ماں سے	وَ اور	لَمْ يَجْعَلْنِي اس نے مجھے نہیں بنایا	جَبَّارًا سرکش	شَقِيًّا بدنصیب	وَالسَّلَامُ اور سلامتی	عَلَيَّ مجھ پر	يَوْمَ جس دن
وُلِدْتُ میں پیدا ہوا	وَيَوْمَ اور جس دن	أَمُوتُ میں مروں گا	وَيَوْمَ اور جس دن	أُبْعَثُ اٹھایا جاؤں گا	حَيًّا زندہ ہوکر		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا حال بیان فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام پیغامات الٰہیہ پر مطمئن ہو کر جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے پہنچے تھے بچہ کو گود میں لے کر بیت المقدس کو روانہ ہوئیں جب بستی میں پہنچیں اور قوم کے سامنے آئیں تو لوگ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہنے لگے مریم تم نے تو غضب کر دیا۔ یہ بناوٹ کی چیز کہاں سے لے آئیں۔ اس سے زیادہ جھوٹ طوفان کیا ہوگا کہ ایک لڑکی کنواری رہتے ہوئے دعویٰ کرے کہ میرے بچہ پیدا ہوا ہے۔ سب بدگمان ہو کر کہنے لگے کہ تمہارے ماں باپ اور خاندان والے ہمیشہ سے نیک رہے ہیں۔ تم میں یہ بری خصلت کدھر سے آئی۔

غرض حاصل کلامِ قوم کا حضرت مریم سے یہ ہوا کہ تمہارے باپ پاکباز تھے تمہاری ماں پارسا تھیں۔ بھائی ایسا نیک ہے۔

اوپر جا کر تمہارا حسب حضرت ہارون پر منتہی ہوتا ہے پھر یہ حرکت تم سے کیونکر سرزد ہوئی کہ شادی تو ہوئی نہیں۔ یہ بچہ کیسا؟ حضرت مریم نے اپنی صفائی میں کوئی بات نہیں کہی اور فرشتہ کی ہدایت کے موافق پس بچہ کی طرف اشارہ کر دیا مطلب یہ تھا کہ اس بچہ سے دریافت کرو۔ یہ جواب دے گا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر انتہائی تعجب کے ساتھ کہا کہ بھلا اس گود کے شیر خوار بچہ سے ہم کیسے سوال جواب کر سکتے ہیں یہ ابھی بچہ ہے اور بات چیت پر قادر نہیں اس سے کیا بات کریں۔ ابھی قوم کی طرف سے یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ خود بچہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے گویا کر دیا۔ آپ فوراً بول اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے اپنے فیصلہ تقدیر میں مجھ کو کتاب یعنی انجیل دی ہے اور نبی بنایا ہے اور اس نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے خواہ میں کسی حال اور کسی جگہ بھی ہوں یعنی مجھ سے خلق کو دین کا نفع پہنچے گا اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں یہی میرا شعار ہو اور اُس نے مجھ کو اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا اور خودسر اور نافرمان نہیں بنایا کہ ادائے حق خالق یا ادائے حق والدہ سے سرکشی کروں۔ چونکہ آپ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لئے والدہ کی تخصیص کی اور اس کی جانب سے مجھ کو سلامتی کا پیغام ہے جس دن کہ میں پیدا ہوا۔ اور جس دن کہ میں مروں گا اور جس دن کہ پھر قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت ماں کی گود میں جو کچھ فرمایا اس میں تمام غلط اور فاسد خیالات کا رد تھا جو آئندہ ان کی نسبت قائم ہونے والے تھے سب سے پہلے کہا کہ میں بندہ ہوں اللہ کا یعنی نعوذ باللہ خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے چنانچہ اسی عقیدہ کی تردید کے لئے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت وغیرہ کے تفصیلی حالات بیان فرمائے اور ان آیات کی ابتداء اس جملہ سے فرمائی گئی **فاتت بہ قومہا تحملہ** ۔ پس مریم اس لڑکے کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائیں۔ تو **فاتت** کا لفظ بتا رہا ہے کہ حضرت مریم خود اپنے بچہ کو لے کر آئی تھیں۔ اس میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ وہ عیسیٰ جو حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد اتنے مجبور تھے کہ خود چل پھر بھی نہیں سکتے تھے۔ ماں گود میں اٹھائے پھرتی تھیں۔ تو ایسا مجبور اور بے بس کس طرح مستحق الوہیت ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔

یہاں شیر خوارگی کی حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذات کے لئے آٹھ صفتیں بیان فرمائیں جن میں تمام خیالات فاسدہ کا رد ہو گیا۔

پہلی صفت اپنی عبدیت کی بیان کی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں بطور خرق عادت کے بغیر والد کے پیدا ہوا ہوں۔ معاذ اللہ ولد الزنا نہیں اور میری ولادت اس بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کا مخلوق بندہ ہوں معاذ اللہ خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں۔

دوسری صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو کتاب یعنی انجیل دی ہے یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ مجھ کو کتاب انجیل عطا کرے گا جو میری نبوت کی دلیل ہوگی اور نبوت الوہیت سے منافی ہے۔

تیسری صفت یہ فرمائی کہ اللہ نے مجھ کو نبی بنایا ہے۔ یعنی اللہ نے ازل میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ مجھ کو نبی بنائے گا اور چونکہ یہ فیصلہ قطعی ہے ضرور اپنے وقت پر واقع ہوگا۔

چوتھی صفت یہ بیان کی اللہ نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے۔ جس جگہ بھی ہوں۔ جہاں بھی رہوں یا جاؤں خیر و برکت میرے ساتھ ہوگی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں خدا کا مبارک بندہ ہوں۔

پانچویں صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں اور ظاہر ہے کہ نماز اور

3 زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے اور عبادت دلیل عبدیت کی ہے اور عبدیت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔

چھٹی صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا۔ اس میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ میں بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں اور میری یہ والدہ عفیفہ اور طاہرہ اور مطہرہ ہیں۔ مجھ پر ان کی تعظیم و تکریم واجب ہے۔ اور اپنی والدہ کی خدمت اور اطاعت دلیل عبدیت کی ہے۔

ساتویں صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو سرکش اور بدبخت نہیں بنایا کہ اللہ کا حکم نہ مانوں معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا یا زکوٰۃ نہیں دیتا یا اپنی ماں کا نافرمان ہے وہ متکبر اور بدبخت ہے۔

آٹھویں صفت یہ بیان کی کہ سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ صفت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خداوند قدوس کے برگزیدہ بندہ تھے کیونکہ خدا ولادت اور موت سے منزہ ہے اور کسی کی سلامتی اور حفاظت سے بے نیاز ہے۔ حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد چند سال بعد مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روضۂ اقدس میں مدفون ہوں گے۔

اب قوم نے جب ایک شیر خوار بچہ کی زبان سے ایسا حکیمانہ اور معجزانہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئی اور اس کو یقین ہو گیا کہ حضرت مریم کا دامن بلاشبہ ہر قسم کی برائی اور تلویث سے پاک ہے اور اس بچہ کی پیدائش کا معاملہ یقیناً منجانب اللہ ایک نشانی ہے۔ بہر حال یہ خبر ایسی نہ تھی کہ پوشیدہ رہ جاتی قریب اور بعید سب جگہ اس حیرت کن واقعہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کے چرچے ہونے لگے اور طبائع انسانی نے اس مقدس ہستی کے متعلق شروع ہی سے مختلف کروٹیں بدلنی شروع کر دیں۔ اصحاب خیر نے آپ کے وجود کو یمن و سعادت کا ماہتاب سمجھا تو اصحاب شر نے اس ہستی کو اپنے لئے فال بد جانا اور بغض و حسد کے شعلے اندر ہی اندر سلگنے لگے۔ قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے حالات میں سے صرف اسی اہم واقعہ کا ذکر کیا ہے باقی بچپن کے دوسرے حالات کو جن کا ذکر قرآن کے مقصد تذکیر و موعظت سے خاص تعلق نہیں رکھتا تھا نظر انداز کر دیا ہے۔ اس لئے آگے اس قصہ سے جو اصل مقصود ہے اس کو بیان کیا گیا ہے پھر مضمون توحید۔ اور اس کے ساتھ ذکر قیامت اور منکرین توحید کا حال بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: جو عقائد قران پاک نے تعلیم فرمائے ہیں۔ اور جو خبریں دی گئی ہیں ان پر حقیقی ایمان ہم کو نصیب ہو۔ اور قران پاک کی ہر تعلیم و نصیحت کے موافق ہم کو اپنی زندگی گزارنا نصیب ہو۔ یا اللہ! ہمیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم و ہدایات دی ہیں ان کا اتباع ہم کو نصیب ہو۔

یا اللہ! ہم کو اپنے والدین کا خدمت گزار اولادہونا نصیب فرما۔ اور ہر طرح کی سرکشی۔ نافرمانی اور بدبختی سے ہم کو محفوظ فرما۔

یا اللہ! سب سے بڑی بدبختی اور سرکشی بندہ کی یہی ہے کہ وہ آپ کی نافرمانی کرے اور آپ کے احکام نہ مانے اور آپ کی عبادت اور بندگی نہ کرے۔ یا اللہ! اس بدبختی سے ہمیں اور ہماری نسلوں کو محفوظ فرمائیے۔ ہمیں اپنا اطاعت گزار اور فرمانبردار بندہ بن کر زندہ رہنا اور فرمانبردار ہی ہو کر مرنا نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۖ

یہ ہیں عیسیٰ بن مریمؑ میں (بالکل) سچی بات کہہ رہا ہوں جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے

سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ

وہ (بالکل) پاک ہے، وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اُس کو اتنا فرمادیتا ہے کہ ہوجا سو وہ ہوجاتا ہے۔ اور بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو اسی کی عبادت کرو

هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ

یہی (دین کا) سیدھا راستہ ہے۔ سو (پھر بھی) مختلف گروہوں نے (اس بارہ میں) باہم اختلاف ڈال لیا، سو اُن کافروں کیلئے ایک بڑے دن کے آنے سے بڑی خرابی ہے۔

عَظِيمٍ ﴿٣٧﴾ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا ۖ لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٣٨﴾

جس روز یہ لوگ ہمارے پاس آویں کیسے کچھ شنوا اور بینا ہوجاویں گے لیکن یہ ظالم آج صریح غلطی میں ہیں۔

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّا

اور آپ ان لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرایئے جب کہ اخیر فیصلہ کردیا جائے گا اور وہ لوگ غفلت میں ہیں اور وہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ (لیکن

نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾

آخر ایک دن مریں گے اور) تمام زمین کے رہنے والوں کے ہم ہی وارث (یعنی آخر مالک) رہ جاویں گے اور یہ سب ہمارے پاس ہی لوٹائے جاویں گے۔

ذٰلِكَ یہ	عِيسَى عیسیٰ	ابْنُ مَرْيَمَ ابن مریم	قَوْلَ بات	الْحَقِّ سچی	الَّذِي فِيهِ وہ جس میں	يَمْتَرُونَ وہ شک کرتے ہیں	مَا كَانَ نہیں ہے
لِلَّهِ اللہ کیلئے	أَنْ کہ	يَتَّخِذَ وہ بنائے	مِنْ کوئی	وَلَدٍ بیٹا	سُبْحَانَهُ وہ پاک ہے	إِذَا قَضَىٰ جب وہ فیصلہ کرتا ہے	أَمْرًا کسی کام
فَإِنَّمَا تو اسکے سوا نہیں	يَقُولُ وہ کہتا ہے	لَهُ اس کو	كُنْ ہوجا	فَيَكُونُ پس وہ ہوجاتا ہے	وَإِنَّ اور بیشک	اللَّهَ اللہ	رَبِّي میرا رب
وَرَبُّكُمْ اور تمہارا رب	فَاعْبُدُوهُ پس اسکی عبادت کرو	هَٰذَا یہ	صِرَاطٌ راستہ	مُسْتَقِيمٌ سیدھا	فَاخْتَلَفَ پھر اختلاف کیا	الْأَحْزَابُ فرقے	
مِنْ بَيْنِهِمْ آپس میں	فَوَيْلٌ پس خرابی	لِلَّذِينَ كَفَرُوا کافروں کیلئے	مِنْ سے	مَشْهَدِ حاضری	يَوْمٍ عَظِيمٍ بڑا دن	أَسْمِعْ سنیں گے	
بِهِمْ کیا کچھ	وَأَبْصِرْ اور دیکھیں گے	يَوْمَ جس دن	يَأْتُونَنَا وہ ہمارے سامنے آئینگے	لَٰكِنِ لیکن	الظَّالِمُونَ ظالم	الْيَوْمَ آج کے دن	
فِي میں	ضَلَالٍ مُبِينٍ کھلی گمراہی	وَأَنْذِرْهُمْ اور ان کو ڈراویں آپ	يَوْمَ الْحَسْرَةِ حسرت کا دن	إِذْ جب	قُضِيَ فیصلہ کردیا جائیگا		
الْأَمْرُ کام	وَهُمْ لیکن وہ	فِي غَفْلَةٍ غفلت میں ہیں	وَهُمْ اور وہ	لَا يُؤْمِنُونَ ایمان نہیں لاتے	إِنَّا نَحْنُ بیشک ہم		
نَرِثُ وارث ہونگے	الْأَرْضَ زمین	وَمَنْ اور جو	عَلَيْهَا اس پر	وَإِلَيْنَا اور ہماری طرف	يُرْجَعُونَ وہ لوٹائے جائیں گے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کا قصہ بیان فرمایا گیا تھا۔ اب جو اس سے مقصد ومقصود تھا اس کو واضح کیا جارہا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو درجۂ نبوت سے بلند اور عبدیت وانسانیت سے بالاتر جانتے۔ ان میں کوئی فرقہ حضرت عیسیٰؑ

کو (نعوذ باللہ) خدا کا بیٹا کہتا۔ کوئی خدا۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ تخم انسانی کی پیداوار اور ناجائز طریقۂ تولید کا نتیجہ جانتے۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو العیاذ باللہ یوسف نجار کا بیٹا کہتے تھے۔ بہرحال یہ دونوں گروہ افراط وتفریط اور مبالغہ وتنقیص میں مبتلا ہو کر گمراہ ہوئے۔ قرآن پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح واقعہ۔ طریقۂ پیدائش۔ غرض ولادت بیان کر کے ناطق فیصلہ فرمادیا اور صاف اعلان کر دیا کہ بس یہی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی حقیقت ہے۔ چنانچہ یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان وصفت یہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ایک سچی اور کھلی ہوئی بات میں لوگوں نے خواہ مخواہ جھگڑے ڈال لئے اور طرح طرح کے اختلافات کھڑے کر دیئے کسی نے ان کو خدا بنادیا۔ کسی نے خدا کا بیٹا یہ نصاریٰ کے عقائد کی طرف اشارہ ہے۔ اور کسی نے آپ کے نسب وغیرہ پر طعن کیا اور نعوذ باللہ کذاب ومفتری اور ولد الزنا کہا یہ یہود کے عقائد کی طرف اشارہ ہے۔ سچی بات وہی ہے جو ظاہر کر دی گئی کہ خدا نہیں خدا کے مقرب بندے ہیں۔ جھوٹے اور مفتری نہیں خدا کے سچے پیغمبر ہیں ان کا حسب نسب سب پاک صاف ہے۔ اب آگے توحید کا مضمون بیان فرمایا جاتا ہے جس میں نصاریٰ کے عقائد کی تردید ہے کہ جو نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اور بتلایا جاتا ہے کہ جس ذات کے ایک کن یعنی ہو جا کہنے میں ہر چیز موجود ہوا سے اولاد کی کیا ضرورت ہوگی اللہ کمزور نہیں۔ عاجز نہیں۔ فانی نہیں۔ تغیر پذیر نہیں۔ حادث نہیں پھر اس کو ولد کی کیا ضرورت۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے بیٹے نہیں ہو سکتے بلکہ وہ حضرت عیسیٰ کا خالق ہے اور بغیر باپ کے خالق ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب میں عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کا جو حال مذکور ہوا ہے وہ سنا کر کہہ دیجئے کہ میرا اور تمہارا سب کا رب اللہ ہے۔ تنہا اسی کی بندگی وعبادت کرو بیٹے پوتے مت بناؤ۔ سیدھی راہ توحید خالص کی ہے۔ جس میں کچھ اینچ پینچ نہیں

سب انبیاء علیہم السلام اسی کی طرف ہدایت کرتے آئے ہیں لیکن لوگوں نے بہت سے فرقہ بنالئے اور جدا اور جدا راہیں نکال لیں۔ سو جو لوگ توحید کا انکار کر رہے ہیں۔ انہیں بڑے ہولناک دن یعنی روز قیامت کی تباہی سے خبردار رہنا چاہئے جو یقیناً پیش آنے والی ہے۔ آگے ان منکرین توحید کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ آج تو دنیا میں جبکہ سننا اور دیکھنا مفید تھا تو یہ منکرین بالکل اندھے اور بہرے بنے ہوئے ہیں اور قیامت کے دن جب دیکھنا سننا کچھ فائدہ نہ دے گا اس وقت ان کی آنکھیں اور کان خوب کھل جائیں گے۔ اس وقت وہ بات سنیں گے جن سے جگر پھٹ جائیں اور وہ منظر دیکھیں گے جس سے چہرے سیاہ ہو جائیں۔ نعوذ باللہ منہ۔ آگے بتایا جاتا ہے کہ قیامت میں کافروں کو پچھتانے کے بہت مواقع پیش آئیں گے اور آخری موقع وہ ہوگا جب موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر بہشت اور دوزخ کے درمیان سب کو دکھا کر ذبح کر دیا جائیگا اور ندا آئیگی کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ کے لئے اب رہ پڑے اس کے بعد کسی کو موت آنے والی نہیں۔

یہاں اس سورۂ مریم میں اور دوسرے متعدد مواضع میں قرآن کریم نے حضرت مسیح علیہ السلام بن مریم کی ولادت کے قصہ کو اس درجہ تفصیل اور صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا کہ نہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی احتمال کی گنجائش۔ تمام اہل اسلام اور عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوئے لیکن ملعون یہود بے بہبود کہتے ہیں کہ وہ عام انسانوں کی طرح مرد وعورت سے پیدا ہوئے تھے اور ان کا تولد ناجائز تھا۔

یہاں موقع کی مناسبت سے آپ کے یہ بھی گوش گزار کر دیا جائے کہ مرزائی اور قادیانی جن کو پاکستان اور عالم اسلام نے کافر اور غیر مسلم صاف صاف قرار دے رکھا ہے وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ عام انسانوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی مرد کے نطفہ سے

پیدا ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مریم کا یوسف نجار سے نکاح تو ہو گیا تھا۔ مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی اور ایسی حالت میں میاں بیوی کا جمع ہونا شرعاً ممنوع نہ تھا۔ ایسے وقت میں اگر اولاد پیدا ہو تو وہ جائز اولاد متصور ہوگی بحوالہ (معارف القرآن) از حضرت کاندھلویؒ) گویا معاذ اللہ یہود ملعون نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا بتلایا مگر یہود کے شاگرد قادیانیوں نے جائز اولاد بتلائی۔ **استغفر اللہ و العیاذ باللہ من ھذہ الکفریات۔**

غرضیکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں تمام اختلافات کا فیصلہ آیات قرآنیہ نے صراحۃً فرما دیا۔ اور جس طرح لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں اختلاف کیا اسی طرح لوگوں نے حضرت مسیح کی وفات کے بارہ میں اختلاف کیا۔ یہود کہتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب ہی پر مر گئے اور معاذ اللہ لعنتی ہوئے۔

نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب پر مرے اور تین دن کے واسطے تمام انسانوں کے گناہوں کا عذاب اٹھایا تاکہ سب کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور اس کے بعد وہ زندہ ہوئے اور جی اٹھے اور آسمان پر چلے گئے اور اپنے باپ کے پاس جا بیٹھے۔ اور تمام اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے اور نہ وہ مقتول ہوئے نہ مصلوب ہوئے بلکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور ایک شخص حضرت مسیح کے مشابہ اور ہم شکل بنا دیا گیا اور وہ ان کی جگہ ان کے شبہ میں مصلوب ہوا۔ قرآن کریم نے یہاں صاف فرما دیا **ذٰلک عیسیٰ ابن مریم قول الحق الذی فیہ یمترون** (یہ ہیں عیسیٰ بن مریم جن کے اقوال واحوال مذکور ہوئے جس سے ان کا بندۂ مقبول ہونا معلوم ہوا نہ کہ جیسا عیسائیوں نے ان کو بندوں کی فہرست سے خارج کر کے خدا تک پہنچا دیا اور نہ ویسے جیسا کہ یہودیوں نے ان کو مقبولیت سے خارج کر کے طرح طرح کی تہمتیں لگائیں۔ میں بالکل سچی بات کہہ رہا ہوں جس میں یہ افراط وتفریط کرنے والے جھگڑ رہے ہیں)۔

یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان ختم ہوا اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو اسلام اور ایمان سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ اس دولت عظمیٰ کی قدر شناسی کی توفیق ہم سب کو عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہم کو آخرت کی طرف سے غفلت برتنے سے کامل طور پر بچائیں۔ اور اپنی رحمت سے ہم سے دنیا میں وہ کام کرالیں کہ جو کل قیامت کے دن ہمارے نجات و مغفرت کا ذریعہ بنیں۔ یا اللہ! قیامت کی رسوائیوں اور شرمندگیوں سے ہم سب کو بچائیے گا۔ اور ہم کو اپنے جملہ عقائد اور احوال و اعمال قرآن پاک کے موافق رکھنے کی توفیق عطا فرمائیے گا۔ یا اللہ! یہود و نصاریٰ جو دونوں افراط و تفریط میں پڑ کر گمراہ ہوئے اس سے ہم اہل اسلام کو عبرت و سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ افراط و تفریط کی گمراہیوں سے بچا کر ہم کو صراط مستقیم پر استقامت عطا فرما۔ یا اللہ! آج دنیا میں ہمارے کان اور آنکھیں کھول دے تاکہ ہم حق کو سن سکیں اور دیکھ سکیں۔ اور ناحق و باطل سے بچ سکیں۔ اور اختلافات میں نہ پڑیں۔ یا اللہ اب امت مسلمہ میں بھی دین میں اختلاف و افتراق کا فتنہ گھس آیا ہے۔ یا اللہ! ہمیں حق پر قائم رکھئے اور ناحق سے بچائیے جو آپ ہی کی توفیق۔ تائید ہدایت اور نصرت سے ممکن ہے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا

اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا (قصہ) ذکر کیجئے وہ بڑے راستی والے اور پیغمبر تھے۔ جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ

يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْكَ شَيْئًا ﴿٤٢﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَآءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ

کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے۔اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا

فَاتَّبِعْنِىْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ

تو تم میرے کہنے پر چلو تم کو سیدھا راستہ بتلاؤں گا۔اے میرے باپ تم شیطان کی پرستش مت کرو بیشک شیطان رحمٰن کا نافرمانی کرنے والا ہے۔

عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّىْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾

اے میرے باپ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تم پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آپڑے پھر تم (عذاب میں) شیطان کے ساتھی ہوجاؤ۔

وَاذْكُرْ اور یاد کرو	فِى الْكِتٰبِ کتاب میں	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم	اِنَّهٗ كَانَ بیشک وہ تھے	صِدِّيْقًا سچے	نَّبِيًّا نبی	اِذْ قَالَ جب اس نے کہا	
لِاَبِيْهِ اپنے باپ کو	يٰۤاَبَتِ اے میرے ابا	لِمَ تَعْبُدُ تم کیوں پرستش کرتے ہو	مَا لَا يَسْمَعُ جو نہ سنے	وَلَا يُبْصِرُ اور نہ دیکھے	وَ اور		
لَا يُغْنِىْ نہ کام آئے	عَنْكَ تمہارے	شَيْئًا کچھ	يٰۤاَبَتِ اے میرے ابا	اِنِّىْ بیشک میں	قَدْ جَآءَنِىْ بیشک میرے پاس آیا ہے		
مِنَ الْعِلْمِ وہ علم	مَا جو	لَمْ يَاْتِكَ تمہارے پاس نہیں آیا	فَاتَّبِعْنِىْ پس میری بات مانو	اَهْدِكَ میں تمہیں دکھاؤں گا	صِرَاطًا راستہ		
سَوِيًّا سیدھا	يٰۤاَبَتِ اے میرے ابا	لَا تَعْبُدِ پرستش نہ کر	الشَّيْطٰنَ شیطان	اِنَّ بیشک	الشَّيْطٰنَ شیطان	كَانَ ہے	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کا
عَصِيًّا نافرمان	يٰۤاَبَتِ اے میرے ابا	اِنِّىْۤ بیشک میں	اَخَافُ ڈرتا ہوں	اَنْ کہ	يَّمَسَّكَ تجھے آ پکڑے	عَذَابٌ عذاب	مِّنَ سے
	الرَّحْمٰنِ رحمٰن	فَتَكُوْنَ پھر تو ہو جائے	لِلشَّيْطٰنِ شیطان کا	وَلِيًّا ساتھی			

تفسیر و تشریح:۔ شروع سورۃ سے پہلے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام اور پھر حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے واقعات ذکر فرمائے گئے تھے۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آغاز شباب کا واقعہ ذکر فرمایا جاتا ہے کہ کس طرح باپ کے دین کو چھوڑ کر آپ نے سچائی و حقانیت کے ساتھ دین الٰہی کی طرف رجوع کیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان واقعات کو یہاں بیان فرمانے میں مفسرین نے متعدد وجوہ و اغراض لکھی ہیں۔

ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کے دو گروہ تھے ایک گروہ تو علی الاعلان توحید الوہیت کا منکر تھا۔ ایک خدا کو چھوڑ کر متعدد معبودوں کی پرستش کرتا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو کہنے کو تو توحید کا مدعی تھا مگر اس کی توحید شرک آمیز تھی۔ پہلا گروہ بت پرستوں کا تھا جو سینکڑوں پتھروں کے سامنے سر جھکاتے تھے اور دوسرا گروہ اہل کتاب کا تھا جو بظاہر توحید کا مدعی تھا مگر واقع میں وہ بھی دو یا تین خدا کو مانتا تھا۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے عقائد کی تردید عقلاً و نقلاً بیان فرمادی تو اب اہل شرک اور بت پرستوں کے موروثی عقیدہ کا استیصال فرمایا جاتا ہے جس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ گونا گوں سامان عبرت و نصیحت رکھتا تھا اس لئے واقعہ ابراہیمی بیان فرمایا۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عرب کے جد اعلیٰ تھے۔عرب آپ کی عظمت اور علوشان کے مقر بھی تھے اور آپ کے دین کو حق بھی سمجھتے تھے مگر اپنی جہالت کے سبب بت پرستی اور بیہودگی رسم و رواج کو دین ابراہیمی کی طرف منسوب کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کو توحید کی تعلیم دینے کے لئے انہی کے مورث اعلیٰ کا قصہ بیان فرمایا گویا یہ ظاہر فرمایا کہ اگر تم محض باپ دادا کی تقلید ہی کے شیفتہ ہو تو اپنے جدِ اعلیٰ کی تقلید کرو جو موحد تھے مشرک نہ تھے۔اور اگر دلائل کی روشنی میں مذہب اختیار کرنا چاہتے ہو تو ان دلائل پر غور کرو جو تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے شرک کے خلاف قائم کی تھیں۔

تیسرے یہ کہ دین اسلام کی تعلیم کے مقابلہ میں اکثر مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم اپنے اسلاف کے دین و مذہب کو کیسے چھوڑ دیں اور کس طرح ان کے رسم و رواج سے منہ موڑ لیں۔وہ بیوقوف نہ تھے۔ہم ان سے زیادہ عقلمند نہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرما کر یہ تعلیم دی کہ دیکھو تمہارے جد اعلیٰ نے کس طرح دلائل کی روشنی میں اپنے باپ کا دین چھوڑا بلکہ اپنے باپ کو بھی چھوڑا۔پھر کیا وجہ کہ جب تم باپ دادا کی تقلید کے مدعی ہو تو کیوں حضرت ابراہیم کی تقلید نہیں کرتے۔حضرت ابراہیم بھی تو تمہارے مورث اعلیٰ تھے۔ان کی پیروی کرنے سے کیوں گریز کرتے ہو اور ان کی تقلید میں کیوں راہ توحید پر نہیں چلتے۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کتاب سے ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ پڑھ کر اپنی قوم کو سنائیے جو صدیق بھی تھے اور نبی بھی تھے۔صدیق کے معنی ہیں بہت زیادہ سچ کہنے والا جو اپنی بات کو عمل سے سچا کر دکھائے یا وہ راست باز پاک طینت جس کے قلب میں سچائی کو قبول کرنے کی نہایت اعلیٰ اور اکمل استعداد موجود ہو۔جو بات خدا کی طرف سے پہنچے بلا توقف اس کے دل میں اتر جائے۔ شک و تردد کی گنجائش ہی نہ رہے ابراہیم علیہ السلام ہر ایک معنی سے صدیق تھے اور چونکہ صدیقیت کے ساتھ نبوت لازم نہیں اس لئے صدیقا کے ساتھ نبیا فرما کر حضرت ابراہیمؑ کے نبوت کی بھی تصریح فرمادی۔آپ نے جب دیکھا کہ آپ کی قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی میں اس قدر منہمک ہے کہ خدائے برتر کی قدرت مطلقہ اور اس کی احدیت اور صمدیت کا تصور بھی ان کے قلوب میں باقی نہیں رہا اور ان کے لئے خدا کی وحدانیت کے عقیدہ سے زیادہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں رہی تو آپ نے ان کے سامنے دین حق کا پیغام رکھا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو مخاطب کیا اور دعوت حق کو خاندان ہی سے شروع کیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو چار طور پر خطاب کیا اور ہر خطاب ایک خاص مضمون کا حامل ہے۔ ہر خطاب کے وقت میرے باپ کہہ کر کلام کیا ہے سب سے پہلے آپ نے باپ کو بت پرستی سے روگردان ہونے اور توحید کی طرف آنے کی دعوت دلائل کی روشنی میں دی اور فرمایا اے میرے باپ یہ بت نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں پھر آپ ان کی پرستش کیوں کرتے ہیں۔مطلب یہ کہ قابل پرستش تو وہی ہوسکتا ہے جو عالم کل اور قادر مطلق ہو۔بت نہ عالم ہیں نہ قادر بلکہ ان کے تو ظاہری حواس بھی نہیں پھر وہ کس طرح معبود قرار پاسکتے ہیں۔مزید براں معبود کی عبادت کرنے کا حاصل یہی ہوسکتا ہے کہ وہ عابد کی دعاء کو سنتا۔اس کی حالت عبادت کو دیکھتا اور کارسازی کرسکتا ہو۔جو معبود دیکھنے سننے اور کارسازی کرنے سے عاری ہو وہ کیا مستحق الوہیت ہوسکتا ہے۔ دوسرے خطاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی برتری دانائی اور بلند نظری کو پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے باپ جو علم مجھے عطا کیا گیا ہے اس سے آپ محروم ہیں۔یعنی وجہ

فضیلت صرف علم ہوسکتا ہے۔ میرے دل میں فطرۃً اور الہاماً جو نور علمی جگمگا رہا ہے وہ آپ کے دل میں نہیں ہے لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ میرا کہنا مانیں۔ میں آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلوں گا۔

حضرت ابراہیمؑ کے باپ بت پرستی کو حق سمجھے ہوئے تھا۔ آبائی طریقہ پر پابند ہونے کو صداقت جانتا تھا۔ اور اپنے باپ دادا کے طریق سے روگردانی کو نفس کا فریب یقین کئے ہوئے تھا۔ اس لئے تیسرے خطاب میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا اے میرے باپ شیطان کی پرستش نہ کرو۔ شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔ یعنی بتوں کی پرستش اور باپ دادا کے طریقہ پر بلا دلیل قائم رہنا شیطانی اغوا ہے۔ یہ بتوں کی پرستش کیا ہے شیطان کی پرستش ہے اور ظاہر ہے کہ شیطان رحمٰن کا مخالف ہے۔ اللہ اپنی رحمت سے بندوں کو سرفراز کرنا چاہتا ہے اور شیطان شیطنت کر کے ابدی ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے لہٰذا دشمن کی پرستش اور مہربان آقا و مالک سے روگردانی کسی طرح درست نہیں۔ چوتھے خطاب میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اے میرے باپ اگر رحمٰن کی طرف سے تم پر تھوڑا سا بھی عذاب آیا تو شیطان تمہاری حمایت نہ کر سکے گا۔ بلکہ وہ خود مبتلائے عذاب ہوگا۔ اسلئے تم کو بھی اس کے ساتھ عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔ اس طرح تم شیطان کے ساتھ ہو جاؤ گے۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی طاقت کی ہمہ گیری اور شیطان کی کمزوری و بے بسی کو ظاہر فرما کر باپ کے سامنے سربستہ حقیقت کا انکشاف کیا اور وہ طرز گفتگو اختیار کیا جس سے دشمن و دوست اور مجبور و قادر کا امتیاز ہو جائے۔

یہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خطاب اپنے والد سے فرمایا اور جو تقریر کی تو مفسرین لکھتے ہیں کہ اعتدال مزاج اور رعایت اضداد کی بے نظیر تقریر ہے ایک طرف باپ کو کفر و شرک اور کھلی گمراہی میں نہ صرف مبتلا بلکہ اس کا داعی دیکھ رہے ہیں جس کے مٹانے ہی کے لئے حضرت خلیل اللہ پیدا کئے گئے ہیں۔ دوسری طرف باپ کا ادب و عظمت و محبت ہے ان سب امور کو حضرت خلیل اللہ نے پیغمبرانہ صفات کے ساتھ جمع فرمایا۔ ہر جملہ کے شروع میں لفظ یا بت سے خطاب کیا جو باپ کی تعظیم و محبت کا خطاب ہے۔ پھر کسی جملہ میں باپ کی طرف کوئی لفظ ایسا منسوب نہیں کیا جس سے اس کی توہین یا دل آزاری ہو کہ اس کو گمراہ یا کافر کہتے بلکہ حکمت پیغمبرانہ کے ساتھ صرف ان کے بتوں کی بے بسی اور بے حسی کا اظہار فرمایا کہ ان کو خود اپنی غلط روش کی طرف توجہ ہو جائے۔

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان تمام نصائح کو سن کر آپ کے مشرک باپ نے جو جواب دیا وہ اگلی آیات میں نقل کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو اسلام و ایمان سے نوازا۔ اور کفر و شرک سے بچایا۔

یا اللہ! اس نعمت اسلام کی قدردانی کی ہم کو توفیق عطا فرما۔ اور ہم کو شریعت مطہرہ کا ظاہر میں اور باطن میں کامل اتباع نصیب فرما۔

حق کو سوچنے سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے اور باطل سے گریز اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! حق کے معاملہ میں ہمیں بھی دوستی اور قرابتداری سے مرعوب نہ ہونے اور حق پر ہر حال میں جمے رہنے کی ہمت اور توفیق عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ

باپ نے جواب دیا کہ کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو اے ابراہیم اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تم کو مار پتھروں کے سنگسار کر دوں گا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے مجھ سے برکنار ہو۔ (ابراہیم نے) کہا

سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ

میرا اسلام لو اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا، بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اور میں تم لوگوں سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کر رہے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا

اُن سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے رب کی عبادت کروں گا، امید ہے کہ اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا۔ پس جب اُن لوگوں سے اور جن کی

يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا

وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اُن سے علیحدہ ہو گئے (تو) ہم نے اُن کو اسحاقؑ (بیٹا) اور یعقوبؑ (پوتا) عطا فرمایا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔

لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾

اور اُن سب کو ہم نے اپنی رحمت کا حصہ دیا اور ہم نے اُن کا نام نیک اور بلند کیا۔

قَالَ اس نے کہا	اَرَاغِبٌ کیا روگرداں	اَنْتَ تو	عَنْ سے	اٰلِهَتِيْ میرے معبود	يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اے ابراہیمؑ	لَئِنْ اگر	لَمْ تَنْتَهِ تو باز نہ آیا
لَاَرْجُمَنَّكَ تو میں تجھے ضرور سنگسار کروں گا	وَاهْجُرْنِيْ اور مجھے چھوڑ دے	مَلِيًّا ایک مدت کیلئے	قَالَ اس نے کہا	سَلٰمٌ سلام	عَلَيْكَ تجھ پر		
سَاَسْتَغْفِرُ میں ابھی بخشش مانگوں گا	لَكَ تیرے لئے	رَبِّيْ اپنا رب	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ ہے	بِيْ مجھ پر	حَفِيًّا مہربان	
وَاَعْتَزِلُكُمْ اور کنارہ کشی کرتا ہوں تم سے	وَمَا اور جو	تَدْعُوْنَ تم پرستش کرتے ہو	مِنْ دُوْنِ سوائے	اللّٰهِ اللہ	وَاَدْعُوْا اور میں عبادت کرونگا		
رَبِّيْ اپنا رب	عَسٰٓى امید ہے	اَلَّآ اَكُوْنَ کہ نہ رہوں گا	بِدُعَآءِ عبادت سے	رَبِّيْ اپنا رب	شَقِيًّا محروم	فَلَمَّا پھر جب	
اعْتَزَلَهُمْ وہ کنارہ کش ہوگئے ان سے	وَمَا اور جو	يَعْبُدُوْنَ وہ پرستش کرتے تھے	مِنْ دُوْنِ سوائے	اللّٰهِ اللہ	وَهَبْنَا ہم نے عطا کیا		
لَهٗ اس کو	اِسْحٰقَ اسحٰقؑ	وَيَعْقُوْبَ اور یعقوبؑ	وَكُلًّا اور سب کو	جَعَلْنَا ہم نے بنایا	نَبِيًّا نبی	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لَهُمْ انہیں
	مِنْ سے	رَّحْمَتِنَا اپنی رحمت	وَجَعَلْنَا اور ہم نے کیا	لَهُمْ ان کا	لِسَانَ ذکر	صِدْقٍ سچا	عَلِيًّا نہایت بلند

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصائح و دلائل کا ذکر فرمایا گیا تھا جو انہوں نے اپنے مشرک والد کو دعوت حق پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔ باپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر سن کر جو جاہلانہ جواب دیا وہ ان آیات میں نقل فرمایا گیا ہے اور بتلایا گیا کہ باپ پر حضرت ابراہیمؑ کی دلائل و نصائح کا مطلق اثر نہ ہوا اور اس نے جواباً حضرت ابراہیمؑ سے کہا ”معلوم ہوتا ہے کہ تو ہمارے معبودوں سے بدعقیدہ ہے۔ بس اپنی بداعتقادی اور وعظ و نصیحت کو رہنے دے ورنہ تجھ کو کچھ اور سننا پڑے گا بلکہ میرے ہاتھوں سنگسار ہونا پڑے گا۔ اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے پاس سے دور ہو جا۔ اس سے پہلے کہ میں تجھ پر ہاتھ اٹھاؤں یہاں سے روانہ ہو جا۔“ آپ نے

دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ کے دلائل کے جواب میں مشرک باپ نے کیا کہا۔ جب جاہل آدمی دلائل کا مقابلہ نہیں کرسکتا تو جاہلانہ دھمکیوں پر اُتر آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ معاملہ حد سے بڑھ گیا ایک جانب باپ کے احترام کا مسئلہ ہے دوسری جانب ادائے فرض۔ حمایت حق اور اطاعت امرالٰہی کا سوال ہے انہوں نے سوچا اور آخر وہی کیا جو ایسے برگزیدہ انسان اور اللہ کے جلیل المرتبت پیغمبر کے شایان شان تھا۔ انہوں نے باپ کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا۔ تحقیر و تذلیل کا رویہ نہیں برتا بلکہ نرمی ملاطفت اور اخلاق کریمانہ کے ساتھ یہ جواب دیا۔ اے باپ اگر میری بات کا یہی جواب ہے تو آج سے میرا تمہارا اسلام ہے۔ میں خدا کے سچے دین اور اس کے پیغام حق کو نہیں چھوڑ سکتا اور کسی حال بتوں کی پرستش نہیں کرسکتا۔ میں آج سے تم سے جدا ہوں۔ مگر غائبانہ تمہارے لئے بارگاہِ الٰہی میں بخشش طلب کرتا رہوں گا تا کہ ہدایت نصیب ہو اور تم خدا کے عذاب سے بچ جاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے استغفار کا وعدہ ابتداءً کیا تھا چنانچہ استغفار کرتے رہے جب اللہ کی مرضی نہ دیکھی تب موقوف کیا۔ سورۂ توبہ گیارہویں پارہ میں ایک آیت کے تحت استغفار ابراہیمی کی تفصیل گزر چکی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استغفار کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ایک مشرک کی حالت شرک پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے۔ نہیں غرض یہ تھی کہ اس کو توفیق مل جائے کہ حالت شرک سے نکل کر ایمان و اسلام قبول کرے اور قبول اسلام اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہ کے دلوں میں خیال آیا تھا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں جس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک میں سورۂ توبہ میں دیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ کی بنا پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لئے استغفار کیا جب تک یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر و شرک اور خدا کی دشمنی پر مرنا ہے کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ توبہ کر کے ایمان لے آوے اور بخشا جائے پھر جب کفر و شرک پر خاتمہ ہونے سے صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا تو ابراہیم علیہ السلام اس سے بالکلیہ بیزار ہو گئے اور دعاء و استغفار وغیرہ ترک کر دیا۔ پہلے نرم دلی اور شفقت سے دعا کرتے تھے جب باپ کی توبہ اور رجوع کے احتمالات ختم ہو گئے تو آپ نے اس کی خیر خواہی سے ہاتھ اٹھالیا اور اس حادثہ کو پیغمبرانہ صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ حدیث میں صحیح بخاری کی روایت ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے اس حال میں کہ آزر کا چہرہ رنج و غم سے سیاہ ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے کیا میں تم سے یہ نہیں کہا کرتا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو۔ آزر ابراہیم علیہ السلام سے کہے گا آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے اے پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھ کو اس روز رسوا نہ کرے گا جس روز کہ لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ پس اس سے زیادہ اور کون سی رسوائی ہے کہ میرا باپ خدا کی رحمت سے دور ہے۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ سے کہا جائے گا کہ اس چیز کو دیکھو جو تمہارے پاؤں کے نیچے ہے۔ حضرت ابراہیمؑ دیکھیں گے تو ان کے باپ کو مسخ کر کے بجو کی صورت میں جو مٹی اور غلاظت میں لتھڑا ہوا ہوگا تبدیل کر دیا جائے گا۔ فرشتہ اس کے پاؤں پکڑ کر جہنم میں پھینک دے گا۔ یہ آزر کی صورت کا مسخ ہو جانا اس لئے ہوا کہ لوگ محشر میں اسے پہچان نہ سکیں۔ کیونکہ رسوائی کا دارومدار شناخت پر ہے۔ جب شناخت نہ رہے گی کہ کیا چیز دوزخ میں پھینکی گئی پھر بیٹے کی رسوائی کا کچھ مطلب نہیں۔ یہ مضمون بیچ میں حضرت ابراہیمؑ کی استغفار کے متعلق آ گیا تھا۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا کہ میری نصیحت کا جب تم پر کوئی اثر نہیں بلکہ الٹا مجھے سنگسار اور قتل کر دیئے جانے کی دھمکی دیتے ہو تو میں خود تمہاری بستی میں رہنا

نہیں چاہتا تم کو اور تمہارے جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر وطن سے ہجرت کرتا ہوں تا کہ یکسو ہو کر اطمینان سے خدائے واحد کی عبادت کرسکوں۔ حق تعالیٰ کے فضل و رحمت سے کامل امید ہے کہ اس کی بندگی کر کے میں محروم و ناکام نہیں رہوں گا۔ غربت و بے کسی میں جب اسے پکاروں گا۔ ادھر سے ضرور اجابت ہوگی۔ میرا خدا کوئی پتھر کی مورتی نہیں کہ کتنا ہی چیخو چلاؤ سن ہی نہ سکے۔ الغرض ابراہیم علیہ السلام نے ماں باپ کو رشتہ کنبے کو قوم و ملک کو دین خدا پر قربان کر دیا اور سب سے یکسو ہو گئے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ابراہیمؑ نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور اپنوں سے دور جا پڑے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر اپنے دیئے تا کہ غریب الوطنی کی وحشت دور ہو اور اُنس و سکون حاصل کریں۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلیل القدر بیٹا حضرت اسحاق علیہ السلام عنایت کیا اور پھر عالی مرتبہ پوتا حضرت یعقوب علیہ السلام عطا کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی ہی میں حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب یعنی بیٹے اور پوتے کی نبوت کو دیکھ لیا۔ ان ہی حضرات سے سلسلہ بنی اسرائیل کا چلا جن میں سینکڑوں نبی ہوئے۔ یہاں حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا گیا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس نہیں رہے۔ بچپن ہی میں جدا کر دیئے گئے تھے اور بحکم الٰہی جہاں اس وقت خانہ کعبہ ہے لا کر چھوڑ دیا تھا اور نیز حضرت اسمٰعیلؑ کا مستقل تذکرہ آگے آنے والا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر صرف حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کا ذکر فرمایا جو آپ کے ساتھ رہے اور آپ کے سامنے نبی ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس تذکرہ کو اس آیت پر ختم کیا جاتا ہے کہ ہم نے اپنی رحمت خاصہ سے حضرت ابراہیمؑ اور آپ کی اولاد کو بڑا حصہ عنایت فرمایا اور بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اور دنیا میں آپ کا نام بلند فرمایا اور ہمیشہ کے لئے ان کا ذکر خیر جاری رکھا۔ چنانچہ تمام مذاہب و ملل ان کی تعظیم و توصی کرتے ہیں یہود و نصاریٰ بھی اب تک عظمت سے ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور اہل اسلام تو پنج وقت اپنی نمازوں میں دائماً اپنے نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ ان پر درود بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں **اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید. اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید.**

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ان آیات پر ختم فرما دیا گیا۔ علاوہ ان اغراض و مقاصد کے کہ جو گزشتہ درس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس تذکرہ سے متعلق بیان کئے گئے تھے اس واقعہ میں تسلی ہے ان حضرات مہاجرین صحابہؓ کے لئے جو اس سورۃ کے نزول کے وقت مکہ میں اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن اور گھر اور ماں باپ سے کٹ کر بربادی میں نہ پڑے بلکہ الٹے سربلند اور سرفراز ہو کر رہے اسی طرح تم بھی برباد نہ ہو گے بلکہ وہ عزت اور سربلندی پاؤ گے جس کا تصور بھی جاہلیت میں پڑے ہوئے کفار مکہ نہیں کر سکتے۔ آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی دین حق پر مضبوطی سے قائم رہنے کی توفیق عطا فرماویں۔ اور ہم کو وہ ہمت و عزم عطا فرماویں کہ دین اور راہ حق کی مخالفت میں اگر گھر بار دوست احباب۔ اعزا و اقارب۔ وطن و شہر۔ مال دولت کوئی بھی آڑے آئے تو ہم اس کی پرواہ کرنے والے نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کل دنیا کے تعلقات کو توڑ دینا ہمارے لئے آسان ہو۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ

اوراس کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کیجئے وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے خاص کئے ہوئے (بندہ) تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے۔ اور ہم نے اُن کو کوہ طور کی

الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

داہنی جانب سے آواز دی اور ہم نے اُن کو راز کی باتیں کرنے کیلئے مقرب بنایا۔ اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت سے اُن کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا کر عطا کیا۔

وَاذْكُرْ اور یاد کرو	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	مُوْسٰى موسیٰ	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھا	مُخْلَصًا برگزیدہ	وَكَانَ اور تھا	رَسُوْلًا رسول
نَبِيًّا نبی	وَنَادَيْنٰهُ اور ہم نے اسے پکارا	مِنْ سے	جَانِبِ جانب	الطُّوْرِ کوہ طور	الْاَيْمَنِ داہنی	وَقَرَّبْنٰهُ اور اسے نزدیک بلایا	
نَجِيًّا راز بتانے کو	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لَهٗ اسے	مِنْ رَّحْمَتِنَا اپنی رحمت سے	اَخَاهُ اس کا بھائی	هٰرُوْنَ ہارون	نَبِيًّا نبی	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کا تذکرہ بھی آیا تھا۔ حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی نسل سے اسرائیلی سلسلہ کے اولوالعزم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام گزرے ہیں جن کا اب ذکر فرمایا جاتا ہے۔ جس طرح حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے تذکرہ میں خصوصیت کے ساتھ نصاریٰ کی اصلاح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں مشرکین مکہ کو تنبیہ کرنا مقصود تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ سے شاید یہود کو بتانا ہو کہ قرآن کس طرح کشادہ دلی سے ان کے مقتدائے اعظم کے واقعی کمالات ومحاسن کا اعلان کرتا ہے تو یہود کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کی صریح پیشینگوئی کے موافق اسمٰعیلی نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کا کھلے دل سے اعتراف کریں غالباً اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہاں تین اوصاف بیان کئے گئے مخلص ہونا۔ رسول ہونا۔ نبی ہونا۔ مخلص کا ترجمہ ہے منتخب چنا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام سے سرفراز فرمایا اور نبی ورسول بنا کر فرعون کے مقابلہ میں مامور فرمایا یہی انتخاب و برگزیدگی تھی جس کو ظاہر کرنے کے لئے لفظ مخلص استعمال کیا گیا چونکہ آپ کے پاس وحی الٰہی آتی تھی اس لئے آپ نبی تھے۔ اور چونکہ آپ کو کتاب بھی ملی تھی اور صاحب امامت بھی تھے اس لئے آپ رسول بھی تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس سے مدین سے مصر کے ارادہ سے واپس آ رہے تھے تو دوران سفر وادیٔ سینا میں آپ ٹھہرے۔ حاملہ بی بی ساتھ تھیں رات اندھیری تھی اور سردی کا موسم تھا۔ اندھیرے میں آپ پریشان تھے۔ سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی۔ دفعۃً دور سے ایک آگ نظر آئی جو حقیقت میں دنیوی آگ نہ تھی اللہ کا نور جلال تھا یا حجاب ناری تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری آگ سمجھ کر گھر میں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں شاید اس آگ کا ایک شعلہ لاسکوں یہ واقعات تفصیلاً اگلی سورۃ طٰہٰ میں انشاء اللہ آئیں گے یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب آگ کی چمک محسوس کر کے طور پہاڑ کی اس مبارک جانب میں پہنچ گئے جو ان کے داہنے ہاتھ مغرب کی طرف واقع تھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا۔ لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اس وقت ہر جہت اور بن مو سے کلام الٰہی سن رہے تھے جو بدوں توسط

فرشتہ کے ہورہا تھا اور روحانی طور پر اس قدر قرب اور علو حاصل تھا کہ غیبی قلموں کی آواز سنتے تھے جن سے توراۃ نقل کی جارہی تھی۔ اس قرب خاص میں غیبی اسرار کا انکشاف ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے مناجات کی جس کے جواب سے سرفراز کیا گیا۔ تبلیغ احکام پر مامور ہوئے فرعون کو ہدایت کرنے کا حکم ملا۔ تنہا تھے مصر میں کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ عرض کیا کہ پروردگار اس کام میں ہارون کو میرے ساتھ کردے۔ چنانچہ درخواست قبول ہوئی۔

حضرت ہارون علیہ السلام جو آپ کے بڑے بھائی تھے اور مصر میں مقیم تھے۔ ان کو بھی نبوت عطا ہوئی اور آپ کی اعانت وتقویت کے لئے مقرر فرمایا اسی کو یہاں آیت میں بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وعنایت سے موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے مطابق آپ کے بھائی حضرت ہارون کو نبوت عطا کی تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معین ومددگار بنیں۔

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتنا ہی تذکرہ فرمایا گیا ہے جس سے یہود کو ایمان۔ عمل خیر۔ اور اطاعت وفرمانبرداری کی تلقین کرنا مقصود ہے۔ اور ضمناً اس بات کا بھی اظہار ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور اطاعت شعار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا ہی میں اپنے انعام سے سرفراز فرماتا ہے۔ اب آگے حضرت اسماعیلؑ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! اپنے مقربین۔ مخلصین۔ اور محبوبین کے طفیل میں ہم کو بھی اپنی ذات پاک سے صحیح تعلق اطاعت وفرمانبرداری کا نصیب فرمائیے۔

یا اللہ آپ کی رحمت وعنایت نصرت وحمایت ہر حال میں ہمارے شامل حال ہو۔

یا اللہ اپنے مخلص بندوں کی جس طرح آپ امداد واعانت فرماتے ہیں ہم جو ان مخلصین کے نام لیوا ہیں اسی نسبت سے ہم کو بھی اپنی رحمت وعنایت سے نواز دیجئے۔ اور اپنی مرضیات کے موافق زندگی کا ہر لحہ گزارنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

یا اللہ اپنے مخلص اور مقرب بندوں سے ہم کو سچا تعلق محبت کا نصیب فرما تاکہ ہم آپ کی رحمت وشفقت وعنایت کے مورد بنیں۔

یا اللہ ہماری تقویت واعانت کے لئے اپنے مخلصین ومقربین کی نظر عنایت ہم پر متوجہ فرما اور ان کی اعانت سے آپ کی رحمت ہماری کارسازی فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ

اور اس کتاب میں اسمٰعیلؑ کا بھی ذکر کیجئے بلا شبہ وہ وعدہ کے (بڑے) سچے تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے۔اور اپنے متعلقین کو

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝

نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے رہتے تھے اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

وَاذْكُرْ اور یاد کرو	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	اِسْمٰعِيْلَ اسمٰعیلؑ	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھے	صَادِقَ الْوَعْدِ وعدہ کا سچا	وَكَانَ اور تھے
رَسُوْلًا رسول	نَّبِيًّا نبی	وَكَانَ يَاْمُرُ اور حکم دیتے تھے	اَهْلَهٗ اپنے گھر والے	بِالصَّلٰوةِ نماز کا	وَالزَّكٰوةِ اور زکوٰۃ	وَكَانَ اور وہ تھے
عِنْدَ رَبِّهٖ اپنے رب کے ہاں	مَرْضِيًّا پسندیدہ					

تفسیر و تشریح:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے جن کا اب ذکر فرمایا جاتا ہے۔اس آیت سے حضرت اسماعیلؑ کی فضیلت اپنے بھائی حضرت اسحاقؑ پر ثابت ہوتی ہے کیونکہ اوپر حضرت اسحاق علیہ السلام کو صرف نبی فرمایا گیا اور یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نبی و رسول فرمایا گیا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب حجاز کے مورث اعلیٰ اور ہمارے پیغمبر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔آپ کا صادق الوعد ہونا مشہور تھا۔خدا سے یا بندوں سے جو وعدہ کیا ہمیشہ پورا کر کے دکھلایا۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے وعدہ کی انتہائی سچائی اس وقت ظاہر ہوئی جب کہ حضرت اسمٰعیلؑ نے اس حکم کی تعمیل کے لئے جو آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ملا تھا اپنی جان کو راہ خدا میں قربان ہونے کے لئے پیش کرنے کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کر لیا اور اسی طرح کر کے دکھایا۔سورۂ صافات ۲۳ ویں پارہ میں اس کا تفصیلاً ذکر فرمایا گیا ہے۔لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابراہیم تم ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی پیش کرو۔انبیاء علیہم السلام کا خواب رویاء صادقہ اور وحی الٰہی ہوتا ہے اس لئے ابراہیم علیہ السلام رضا و تسلیم کا پیکر بن کر تیار ہو گئے کہ خدا کے حکم کی جلد سے جلد تعمیل کریں مگر چونکہ یہ معاملہ تنہا اپنی ذات سے وابستہ نہ تھا بلکہ اس آزمائش کا دوسرا جزو وہ بیٹا تھا جس کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو اپنا خواب اور خدا کا حکم سنایا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ سن کر فوراً سر تسلیم خم کر دیا اور کہنے لگے کہ اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔اس گفتگو کے بعد باپ بیٹے کی قربانی پیش کرنے کو آبادی سے دور روانہ ہو گئے اور جہاں آج کل منیٰ ہے اور جہاں حجاج قربانیاں کرتے ہیں یہاں آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مرضی پا کر جانوروں کی طرح ہاتھ پیر باندھے۔چھری کو تیز کیا اور بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا کر ذبح کرنے لگے جس پر فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ پر وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اب بیٹے کو چھوڑو اور تمہارے پاس جو مینڈھا کھڑا ہے اس کو بیٹے کے بدلے ذبح کرو چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مینڈھے کو ذبح کیا۔یہی وہ قربانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار کے ہمیشہ کے لئے ملت

ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو تمام دنیائے اسلام میں یہ شعار اسی طرح منایا جاتا ہے۔ الغرض یہاں آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صادق الوعد ہونے سے اسی اپنی قربانی پیش کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا والد سے کہا اسی طرح کر کے دکھایا۔ ویسے تو سب ہی حضرات انبیاء علیہم السلام وعدہ کے سچے ہوتے ہیں مگر یہ صفت خصوصیت کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام میں غالب تھی کہ ایسا سخت وعدہ اپنے ذبح کے متعلق پورا کر دکھایا۔

آگے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ایک مدحیہ وصف یہ بیان فرمایا کہ آپ اپنے اہل کو صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک یہاں صلوٰۃ سے وہ طریقہ عبادت مراد ہے جو اس وقت مقرر تھا اور زکوٰۃ سے عام خیرات و صدقات مراد ہیں گویا عبادت جسمانی اور عبادت مالی دونوں باتوں کی ہدایت حضرت اسمٰعیلؑ کیا کرتے تھے۔ یہاں مفسرین نے ایک سوال کیا ہے کہ ہر نبی نماز و صدقات کا حکم دیتا اور آغاز تبلیغ اپنے گھر والوں ہی سے کرتا ہے پھر حضرت اسمٰعیلؑ کے ان اوصاف کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیوں فرمایا؟ پھر اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ نماز نام ہے انتہائی عاجزی۔ خاکساری۔ کمزوری۔ تذلل اور خضوع و خشوع کا جس کو بندہ اپنے پروردگار کے سامنے کرتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں سر نیاز جھکا دیتا ہے۔ پھر سجدہ میں بغرض نذر اپنا سر پیش کرتا ہے۔ اللہ کے سوا ہر خیال سے دل کو خالی کر لیتا ہے حقیقت نماز کی یہی انتہا ہو سکتی ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سجدہ میں اپنی خوشی سے گردن پر چھری پھروا دے۔ اسی جذبہ کو کسی شاعر نے ایک شعر میں کیا خوب ادا کیا ہے

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے

یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

الغرض حضرت اسمٰعیل علیہ السلام میں یہ دونوں اوصاف یعنی جانی و مالی قربانی کے بدرجہ اکمل موجود تھے اسی لئے آپ ہر وقت چاہتے تھے کہ گھر والوں میں یا عام قوم والوں میں ایثار مالی اور قربانیٔ نفسی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ ہر وقت جان و مال کی بازی لگا دینے کا حکم دیتے تھے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پسند کر لیا چن لیا۔ انتخاب کر لیا جیسا کہ ان آیات کے آخیر میں فرمایا **وکان عند ربه مرضیا** اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے یعنی آپ اللہ کے مقبول و برگزیدہ بندے تھے۔ نہ کہ عیاذ باللہ جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے عناد کی بنا پر آپ کو غیر مقبول و مردود گھڑ لیا ہے۔

ان آیات میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر ختم فرمایا گیا۔ آگے حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ان مقبولین کے طفیل میں ہم کو بھی تسلیم و رضا کا کوئی حصہ عطا فرما دیں۔ ہمیں بھی اپنی رضا و خوشنودی کے لئے جان و مال کی قربانی پیش کرنے کی دائمی توفیق نصیب فرما دیں۔

یا اللہ ہمیں بھی وعدہ کو سچائی کے ساتھ پورا کرنے کا عزم و ہمت عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ

اور اس کتاب میں ادریسؑ کا بھی ذکر کیجئے بے شک وہ بڑے راستی والے نبی تھے۔اور ہم نے اُن کو بلند رتبہ تک پہنچایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے (خاص) انعام فرمایا ہے

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ

منجملہ (دیگر) انبیاء کے آدمؑ کی نسل سے اور ان لوگوں کی نسل سے جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی نسل سے اور یہ سب اُن لوگوں میں سے ہیں

وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾

جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور اُن کو مقبول بنایا۔ جب اُن کے سامنے (حضرت) رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے (زمین پر) گر جاتے تھے۔

وَاذْكُرْ اور یاد کرو	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	اِدْرِيْسَ ادریسؑ	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھے	صِدِّيْقًا سچے	نَّبِيًّا نبی	وَرَفَعْنٰهُ اور ہم نے اسے اٹھالیا	
مَكَانًا ایک مقام	عَلِيًّا بلند	اُولٰٓئِكَ یہ وہ لوگ	الَّذِيْنَ وہ جنہیں	اَنْعَمَ اللّٰهُ اللہ نے انعام کیا	عَلَيْهِمْ ان پر	مِنَ سے	النَّبِيّٖنَ نبی	مِنْ سے
ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ اولادِ آدم	وَمِمَّنْ اور اُن سے جنہیں	حَمَلْنَا سوار کیا ہم نے	مَعَ ساتھ	نُوْحٍ نوحؑ	وَ اور	مِنْ سے	ذُرِّيَّةِ اولاد	
اِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ	وَاِسْرَآءِيْلَ اور یعقوبؑ	وَمِمَّنْ اوران سے جنہیں	هَدَيْنَا ہم نے ہدایت دی	وَاجْتَبَيْنَا اور ہم نے چُنا	اِذَا تُتْلٰى جب پڑھی جاتیں			
عَلَيْهِمْ اُن پر	اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ رحمٰن کی آیتیں	خَرُّوْا وہ گر پڑتے	سُجَّدًا سجدہ کرتے ہوئے	وَ اور	بُكِيًّا روتے ہوئے			

تفسیر و تشریح:۔ اس سورۃ میں شروع سے جو سلسلہ تذکرہ حضرات انبیاء علیہم السلام فرمایا گیا تھا وہ سلسلہ اب حضرت ادریس علیہ السلام کے ذکر پر ختم فرمایا جاتا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں صرف دو جگہ آیا ہے ایک اس سورۂ مریم میں دوسرے سترہویں پارہ سورۂ انبیاء میں۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے نام۔ نسب اور زمانہ اور وطن کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ لیکن اکثر علمائے مفسرین کے نزدیک راجح یہی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیانی عرصہ میں گزرے ہیں۔ سلسلہ نسب کے متعلق اکثر علماء کے نزدیک آپ حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت شیث علیہ السلام کے بیٹے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں علم حکمت۔ علم نجوم۔ علم حساب۔ علم کتابت۔ یعنی قلم سے لکھنا۔ کپڑا سینا۔ ناپ تول کے آلات اور بعض اسلحہ کا بنانا یہ آپ ہی کی ایجاد ہیں اور اول یہ علوم آپ ہی سے چلے۔ معراج کی صحیح احادیث میں صرف اسی قدر ذکر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ادریس علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ بھی آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے اور اب تک زندہ ہیں۔ قرآن کریم نے اپنے مقصد رشد و ہدایت کے پیش نظر تاریخی بحث سے جدا ہو کر صرف آپ کی نبوت۔ صدیقیت اور رفعت مرتبت کا ذکر کیا ہے کہ قرب و عرفان الٰہی کے اونچے مرتبہ پر پہنچایا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے ذکر کے بعد بتلایا جاتا ہے کہ مذکورۂ بالا تمام انبیاء یعنی جن کا تذکرہ اب تک سورۃ میں ہوا یعنی حضرت زکریا۔ حضرت یحییٰ۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم حضرت ابراہیم۔ حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت اسمٰعیل اور ادریس علیہم السلام ۔ یہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی

اولاد میں سے تھے اور حضرت ادریس علیہ السلام کے سوا باقی سب ان کی اولاد بھی ہیں جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے اور بعض حضرات ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں اور بعض اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں ان سب کو خدا تعالیٰ نے طریق حق کی ہدایت فرمائی تھی۔ اور منصب نبوت ورسالت کے لئے پسند کرلیا یہ سب کے سب اللہ کے فرمانبردار اور نیکوکار بندے تھے اور باوجود اس قدر علو مقام اور معراج کمال پر پہنچنے کے سب کے سب شان عبودیت و بندگی میں کامل ہیں۔ ان سب حضرات کی یہ حالت تھی کہ اللہ کا کلام سن کر اور اس کے مضامین سے متاثر ہو کر نہایت عاجزی خشوع وخضوع کے ساتھ سجدے میں اللہ کے آگے گر پڑتے اور اس کے آگے روتے۔ علمائے دین کا اجماع ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہئے تاکہ ان مقربین کے طرز عمل کو یاد کر کے ایک طرح کی ان سے مشابہت ہو جائے۔

روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ مریم پڑھ کر سجدہ کیا اور فرمایا **هٰذا السجود فاین البکی**۔ یہ تو سجدہ ہوا آگے بکا یعنی رونا کہاں ہے؟ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی صورت بنالو۔

خلاصہ ان تمام حضرات انبیاء کرام کی شان کا جن کا ذکر فرمایا دو باتیں ہوئیں۔ ایک تو ان حضرات کا مقبول اور ذی کمال ہونا دوسرے ان سب حضرت کا منکسر اور مفتقر ہونا اور عبدیت و بندگی میں کامل ہونا۔ یہاں ان حضرات انبیاء کے تذکرہ سے ان لوگوں کی بھی اصلاح ہوگئی جو نعوذ باللہ ان میں سے کسی کی جانب فسق اور فحش باتیں منسوب کرتے ہیں۔ اور کفار مکہ کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ کی طرف سے دین حق لے کر آئے تھے اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین حق لے کر آئے ہیں جس کا تمہیں اتباع کرنا چاہئے۔ یہاں تک تو گزشتہ انبیاء اور صلحاء کا تذکرہ فرمایا گیا۔ اب ان کے بعد میں آنے والوں کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ بعد میں کیسے ناخلف پیدا ہوئے کہ جو عبادت و بندگی چھوڑ کر خواہش نفسانی کے درپے ہوگئے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

اس وقت چونکہ قرآن پاک کی آیت سجدہ تلاوت کی گئی ہے اس لئے دور ونزدیک سب حضرات سننے والوں پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہوگیا ہے۔ دعاء کے بعد سب حضرات ایک سجدۂ تلاوت ادا کرلیں۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو اسلام سے نوازا اور اس طرح ہم کو اپنے تمام مقبولین انبیاء کا نام لیوا بنایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان حضرات انبیاء کرام کی مقبولیت کے طفیل میں ہم کو بھی اپنی ذات پاک سے صحیح بندگی کا تعلق نصیب فرماویں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے کلام پاک سے عشق ومحبت نصیب فرمائیں۔ اور اس کی تلاوت ہم کو شب وروز نصیب فرمائیں اور تلاوت کے ساتھ اس کا اتباع کامل بھی نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا

پھر اُنکے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور (نفسانی ناجائز) خواہشوں کی پیروی کی سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے۔ ہاں مگر

مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ

جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا۔ سو یہ لوگ جنت میں جاویں گے اور اُن کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا۔ اُن ہمیشہ رہنے کے

عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا

باغوں میں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے اس کے وعدہ کی ہوئی چیز کو یہ لوگ ضرور پہنچیں گے۔ اس میں وہ لوگ کوئی فضول بات نہ سننے پاویں گے بجز

سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

سلام کے، اور اُن کو اُن کا کھانا صبح وشام ملا کرے گا۔ یہ جنت (جس کا ذکر ہوا) ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا مالک ایسے لوگوں کو بنادیں گے جو کہ خدا سے ڈرنے والا ہو۔

فَخَلَفَ پھر جانشین ہوئے	مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان کے بعد	خَلْفٌ چند جانشین	اَضَاعُوا انہوں نے گنوادی	الصَّلٰوةَ نماز	وَاتَّبَعُوا اور پیروی کی		
الشَّهَوٰتِ خواہشات	فَسَوْفَ پس عنقریب	يَلْقَوْنَ انہیں ملے گی	غَيًّا گمراہی	اِلَّا مگر	مَنْ جو	تَابَ توبہ کی	وَاٰمَنَ وہ ایمان لایا
وَعَمِلَ اور عمل کئے	صَالِحًا نیک	فَاُولٰٓئِكَ پس یہی لوگ	يَدْخُلُوْنَ وہ داخل ہوں گے	الْجَنَّةَ جنت	وَلَا يُظْلَمُوْنَ اوران کا نہ نقصان کیا جائیگا		
شَيْئًا کچھ	جَنّٰتِ عَدْنِ ہمیشگی کے باغات	الَّتِیْ وہ جو	وَعَدَ وعدہ کیا	الرَّحْمٰنُ رحمٰن	عِبَادَهٗ اپنے بندے	بِالْغَيْبِ غائبانہ	اِنَّهٗ بیشک وہ
كَانَ ہے	وَعْدُهٗ اس کا وعدہ	مَاْتِيًّا آنے والا	لَا يَسْمَعُوْنَ وہ نہ سنیں گے	فِيْهَا اس میں	لَغْوًا بے ہودہ	اِلَّا سَلٰمًا سوائے سلام	
وَلَهُمْ اور ان کیلئے	رِزْقُهُمْ ان کا رزق	فِيْهَا اس میں	بُكْرَةً صبح	وَّعَشِيًّا اور شام	تِلْكَ یہ	الْجَنَّةُ جنت	الَّتِیْ وہ جو کہ
	نُوْرِثُ ہم وارث بنائینگے	مِنْ سے	عِبَادِنَا اپنے بندے	مَنْ جو	كَانَ ہوں گے	تَقِيًّا پرہیزگار	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ اس سورۃ میں اب تک جن حضرات انبیاء کرام کا تذکرہ ہوا وہ سب کے سب اللہ کے فرمانبردار اور نیکوکار مقبول بندے تھے اور باوجود اس قدر علو مقام اور منصب نبوت ورسالت کے سب کے سب شان عبودیت اور بندگی میں کامل تھے۔ یہ تو ان مقبولین کا حال تھا اس کے بعد ان آیات میں ان حضرات انبیاء ورسل کے پیچھے دنیا میں جو لوگ آئے ان کی حالت کا اظہار ہو رہا ہے کہ جو دنیا کے مزون اور نفسانی خواہشات میں پڑ کر خدائے تعالیٰ کی عبادت وبندگی سے اور انبیاء کے بتلائے ہوئے طریقہ اور راستہ سے غافل ہو گئے اور ان حضرات نے جو اللہ کی عبادت کا طریقہ نماز وغیرہ مقرر کیا تھا اس کو ضائع وبرباد کیا اور چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ گئے اور اس کی بجائے اپنی بے جا خواہشوں کے پورا کرنے میں لگ گئے۔ یہاں آیت میں صرف دو لفظ اضاعوا الصلوٰۃ فرمائے گئے ہیں جس کا لفظی ترجمہ ہوا کہ نماز کھو بیٹھے یا نماز کو ضائع وبرباد کیا۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عبادت وبندگی کا تعلق توڑ ڈالا۔ یہاں یہ بات اللہ تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمادی کہ پچھلے تمام انبیاء ورسل کی امتوں کا بگاڑ اور ان کی بدراہی کا سبب اضاعوا الصلوۃ یعنی نماز کے ضائع کرنے سے شروع ہوا پھر اضاعوا الصلوۃ کا جو لازمی نتیجہ ہے اس کو بھی دو لفظ

واتبعوا الشھوات میں بیان فرمادیا یعنی خواہشات نفس کی پیروی کی اور دنیا کے مزون اور لذتوں کے پیچھے پڑ گئے۔ معلوم ہوا کہ اضاعوا الصلوٰۃ یعنی تعلق باللہ اور خدا کی یاد کی کمی اور فقدان کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان اتباع شہوات یعنی خواہشات نفس کی بندگی میں پڑے اور احکام الٰہیہ کے بجائے اپنے من مانے طریقوں کا پابند ہوکر رہے۔ آگے اس کی سزا بھی دو لفظوں میں بیان فرمائی جاتی ہے یعنی یلقون غیا۔ یہ لوگ غی دیکھ لیں گے۔ غی کے لفظی معنی۔ خسران۔ نقصان۔ خرابی۔ برائی کے ہیں یعنی آخرت میں یہ لوگ اس کا انجام اور خرابی دیکھ لیں گے اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جہنم کے اندر غی ایک وادی کا نام ہے جو بہت گہری ہے اور نہایت سخت عذابوں والی ہے۔ اس میں خون پیپ بھرا ہوا ہے۔ تو گویا اضاعوا الصلوٰۃ اور اتباع شہوات کی یہ سزا ابتلائی گئی کہ جہنم کی بدترین وادی میں ان کو دھکیل دیا جائے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسے مجرموں کے لئے بھی ابھی توبہ کے دروازے بند نہیں ہیں جو سچے دل سے توبہ کر کے ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کرلے اور اپنا چال چلن درست رکھے یعنی اوامر شرعیہ کے مطابق عمل کرے اور احکام الٰہیہ پر کاربند رہے تو بہشت کے دروازے اس کے لئے کھلے ہوئے ہیں توبہ کے بعد جو نیک اعمال کرے گا سابق جرائم کی بنا پر اس کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی نہ کسی قسم کا حق ضائع ہوگا۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے التائب من الذنب کمن لاذنب له۔ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔ تو جو بندے ان دیکھی چیزوں پر پیغمبروں کے فرمانے سے ایمان لائے۔ بن دیکھے خدا کی عبادت کی تو اللہ نے ان سے جنت کی ان دیکھی نعمتوں کا وعدہ فرمایا جو ضرور بالضرور پورا ہوکر رہے گا کیونکہ خدا کے وعدے بالکل حتمی اور اٹل ہوتے ہیں۔

آگے اس جنت کی ایک کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے کہ جس جنت کا وعدہ کیا جارہا ہے وہاں لغو اور بے کار باتیں اور بیہودہ شور و شغب بالکل نہ ہوگا ہاں فرشتوں اور مومنین کی طرف سے سلامتی کی دعائیں اور آوازیں بلند ہوں گی اور صبح و شام دائماً جنت کی روزی پہنچے گی ایک لمحہ کے لئے بھی بھوک پیاس کی تکلیف نہیں ستائے گی۔ یہاں آیت میں جنتیوں کو صبح و شام روزی پہنچنے کا جو ذکر فرمایا گیا ہے اس پر مفسر ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صبح و شام باعتبار دنیا کے ہے کیونکہ جنت میں ظلمت اور رات نہیں ہر وقت نور کا سماں ہے۔ پردے گر جانے اور دروازے بند ہو جانے سے اہل جنت وقت شام کو اور اسی طرح پردوں کے ہٹ جانے اور دروازوں کے کھل جانے سے صبح کے وقت کو جان لیں گے۔ ان دروازوں کا کھلنا بند ہونا بھی جنتیوں کے اشاروں اور حکموں پر ہوگا۔ چونکہ دنیا میں دن رات کی عادت تھی اس لئے جو وقت جب چاہیں گے پائیں گے۔ چونکہ اہل عرب صبح و شام ہی کھانا کھانے کے عادی تھے اس لئے جنتی رزق کا وقت بھی وہی بتلایا گیا ہے ورنہ جنتی جو چاہیں جب چاہیں موجود پائیں گے۔ تو یہ جنت جس کا ذکر ہوا اس کے مالک وہ بندے بنائے جاویں گے جو ظاہر و باطن میں خدا سے ڈرنے والے اور اس کے فرمانبردار تھے۔

یہاں جو اضاعت صلوٰۃ اور اتباع شہوات کی مذمت اور نفس پرست بندگان ہوا و ہوس کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے یہ صرف گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں ہی کے لئے نہیں بلکہ عام ہے یعنی ہر نبی کے امتی جو نفس پرست۔ ناجائز خواہشات کے پرستار فرائض الٰہیہ میں کاہل اور غافل اور قوانین الٰہیہ کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں سب اس آیت کے تحت میں داخل ہیں۔

علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہی آیت فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا تلاوت کر کے فرمایا کہ اس سے مراد سرے سے نماز چھوڑ دینا نہیں بلکہ نماز کے وقت کو ضائع کر دینا ہے۔ اس

طرح مفسرین کے نزدیک اس وعید کے تحت نہ صرف نمازوں کی فرضیت کے منکر آتے ہیں بلکہ جنھوں نے فرض جان کر نہ پڑھے یا پڑھے مگر جماعت اور وقت وغیرہ شرائط و آداب وحقوق کی رعایت نہ کی درجہ بدرجہ ہر ایک اس غی کی وعید میں داخل ہے حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز کے آداب اور تعدیل ارکان میں کوتاہی کرتا ہے تو اس سے دریافت کیا تم کب سے ایسی نماز پڑھتے ہو اس نے کہا کہ ۴۰ سال سے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ تم نے ایک بھی نماز نہیں پڑھی اور اگر تم اسی طرح کی نمازیں پڑھتے ہوئے مر گئے تو یاد رکھو کہ فطرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرو گے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابواللیث سمرقندیؒ نے قرۃ العیون میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک فرض نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے اس کا نام جہنم کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو اس میں جانا ضروری ہے۔ ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کر دے وہ اگر چہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اور حقب کی مقدار ۸۰ برس کی ہوتی ہے اور ایک برس ۳۶۰ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔ اس حساب سے ایک حقب کی مقدار دنیا کے دو کروڑ ۸۸ لاکھ برس ہوئی۔ یہی مضمون حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس بھروسہ پر نہیں رہنا چاہئے کہ ایمان کی بدولت جہنم سے آخر نکل جائیں گے۔ اتنے سال یعنی ۲ کروڑ ۸۸ لاکھ برس جلنے کے بعد نکلنا ہوگا وہ بھی جب ہی کہ کوئی اور وجہ زیادہ پڑے رہنے کی نہ ہو۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز چھوڑنا آدمی کو کفر سے ملا دیتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ ایمان اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ بندہ کو اور کفر کو ملانے والی چیز صرف نماز چھوڑنا ہے۔ بڑے بڑے صحابہ جیسا کہ حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوالدرداؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف وغیرہ کا مذہب یہی ہے کہ بلا عذر جان کر نماز چھوڑنے والا کافر ہے۔ مشہور ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا مگر قتل کیا جاوے اور ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفر اور قتل کا حکم نہیں کیا جاتا مگر قید شدید میں رکھنا چاہئے اور خوب سزا دینا چاہئے اور اس قدر ماریں کہ بدن سے خون بہنے لگے یہاں تک کہ توبہ کرے یا اسی حالت میں مر جائے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرے اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا نہ اس کے پاس کوئی حجت ہوگی اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ۔ اس کا حشر فرعون۔ ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ فرعون کو تو ہر شخص جانتا ہے کہ کس درجہ کا کافر تھا۔ حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ اور ہامان اس کے وزیر کا نام تھا۔ اور اُبی بن خلف مکہ کے مشرکین میں بڑا سخت دشمن اسلام تھا۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلام میں کوئی بھی حصہ نہیں اس شخص کا جو نماز نہ پڑھتا ہو اور بے وضو کی نماز نہیں ہوتی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ دین بغیر نماز کے نہیں۔ نماز دین کے لئے ایسی ہے جیسا کہ آدمی کے بدن کے لئے سر ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سراسر ظلم ہے اور کفر ہے اور نفاق ہے اس شخص کا فعل جو اللہ کے منادی (یعنی موذن) کی آواز سنے اور نماز کو نہ جائے۔ ایک حدیث میں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ چند جوانوں سے کہوں کہ بہت سا ایندھن اکٹھا کر کے لائیں پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بلا عذر کے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور جا کر ان کے گھروں کو جلادوں۔

ذرا مسلمان غور تو کریں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود امت کے حال پر انتہائی شفقت و رحمت کے۔ان لوگوں پر جو گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔اور جماعت کے لئے مسجد میں نہیں آتے اس قدر غصہ اور غضب ہے کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دینے پر آپ آمادہ نظر آتے ہیں۔اور ایک روایت میں ہے کہ اگر مجھے چھوٹے بچوں اور عورتوں کا خیال نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز میں مشغول ہوتا اور خادموں کو حکم دیتا کہ ان کے گھروں کے مال و اسباب کو مع ان کے جلا دیویں۔

حضرت علیؓ سے بسند صحیح روایت ہے کہ آخریں لحہ حیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام یہ تھا **الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم** نماز کا اہتمام رکھو نماز کا اہتمام رکھو اور ان لوگوں کے حقوق کا بڑا خیال رکھو جو تمہارے قبضہ میں ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا دعویٰ کرنے والے ذرا غور تو کریں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصتی اور روانگی کے وقت بھی نماز کے اہتمام کی وصیت فرمارہے ہیں۔

بہر حال قرآن و حدیث میں **اَضاعو ا الصلوٰۃ** یعنی نماز کو ضائع اور برباد کرنے پر خواہ وہ اعتقاداً ہو یا عملاً بڑی سخت وعیدیں ہیں۔اب غور کیجئے کہ ایسی سخت وعیدوں کے باوجود آج اضاعت نماز کس درجہ پر ہے؟ کتنے فی صدی ہیں کہ جو سرے سے نماز کی پرواہی نہیں کرتے پھر جو پڑھ بھی لیتے ہیں تو کتنے فیصدی جماعت کا اہتمام کرتے ہیں؟ پھر کتنے فیصدی ہیں کہ جو جماعت میں بھی شامل ہو جاتے ہیں مگر نماز کے آداب و شرائط کی پوری رعایت کرتے ہیں؟ یعنی نماز کو تمام واجبات سنن و مستحبات اور باطنی خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔اور جملہ مکروہات و مفسدات نماز سے بچتے ہیں؟ اور اب تو وہ وقت آ گیا کہ نماز اور جماعت کی پابندی اور احکام شرعیہ کا اتباع و لزوم کرنے والے کی تحقیر کی جاتی ہے اور ملاپن اور دقیانوسی خیالات رکھنے والا سمجھا جاتا ہے۔جب من حیث القوم ہمارا یہ حال ہو اور ہم خواب دیکھیں قوم کی عزت و شوکت اور رفعت و عظمت کے۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

یہ بھی مقام شکر ہے کہ ہمارا وجود روئے زمین پر قائم ہے ورنہ ہم نے تو دین سے اور اللہ رسول سے بغاوت کر کے اپنے کو اس لائق بھی نہیں چھوڑا کہ اللہ کی زمین پر سانس بھی لے سکیں۔

الغرض یہاں انسانوں کو نصیحت کی گئی کہ اگر وہ کفر و معصیت سے سچی اور پکی توبہ کر لیں اور ایمان کے ساتھ عمل صالح اختیار کر لیں اور اللہ سے ڈر کر اس کے مطیع و فرمانبردار بندے بن جائیں تو عذاب جہنم سے بچ کر ابدی راحت و نعمتوں کی جگہ جنت میں پہنچ جائیں گے۔

ابھی آگے بھی مضمون اسی بات کی تائید میں فرمایا گیا ہے کہ اگر انسان جنت کی میراث لینا چاہتا ہے تو فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کا تابع مطیع اور فرمانبردار بن جائے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ امت مسلمہ پر رحم و کرم فرمائیں اور ہمارے اصلاح کی صورتیں غیب سے پیدا فرمائیں۔یا اللہ ہم کو تمام گناہوں سے عموماً اور اضاعت صلوٰۃ سے خصوصاً بچنے کی توفیق عطا فرما۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

اور ہم (یعنی فرشتے) بدوں آپ کے رب کے حکم کے وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے، اسی کی (ملک) ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں اور ہمارے پیچھے کی سب چیزیں اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں اور آپکا رب

نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ ۚ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾

بھولنے والا نہیں۔ وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان سب چیزوں کا جو ان دونوں کے درمیان میں ہیں سو (اے مخاطب) تو اس کی عبادت کیا کر اور اس کی عبادت پر قائم رہ، بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے؟

وَمَا اور ہم	نَتَنَزَّلُ نہیں اُترتے	اِلَّا مگر	بِاَمْرِ حکم سے	رَبِّكَ تمہارا رب	لَهٗ اس کیلئے	مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا جو ہمارے ہاتھوں میں	
وَمَا اور جو	خَلْفَنَا ہمارے پیچھے	وَمَا اور جو	بَيْنَ ذٰلِكَ اس کے درمیان	وَمَا اور نہیں	كَانَ ہے	رَبُّكَ تمہارا رب	نَسِيًّا بھولنے والا
رَبُّ السَّمٰوٰتِ آسمانوں کا رب	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان کے درمیان	فَاعْبُدْهُ پس اسکی عبادت کرو	وَاصْطَبِرْ اور ثابت قدم رہو		
لِعِبَادَتِهٖ اسکی عبادت پر	هَلْ کیا	تَعْلَمُ تو جانتا ہے	لَهٗ اس کا	سَمِيًّا ہم نام کوئی			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں عام انسانوں کی حالت کا اظہار فرمایا گیا تھا کہ دنیا میں انبیاء کے پیچھے جو لوگ آئے انہوں نے اپنے نبی کا بتلایا ہوا راستہ چھوڑ دیا۔ اللہ کی عبادت وبندگی کا جو طریقہ مقرر کیا تھا اس سے اعراض کیا اور اس کی بجائے اپنی بے جا خواہشات کے پورا کرنے میں لگ گئے جس کا انجام آخرت میں عذاب جہنم ہوگا۔ ایسے انسانوں کو نصیحت کی گئی تھی کہ اگر وہ اپنے کفر ومعصیت سے سچی اور پکی توبہ کرلیں اور ایمان کے ساتھ عمل صالح اختیار کرلیں تو پھر آخرت میں عذاب سے بچ جائیں گے اور بجائے جہنم کے جنت میں داخل کئے جائیں گے جو ابدی راحت اور نعمتوں کی جگہ ہے اور جس میں وہی بندے رہیں گے جو دنیا میں اللہ سے ڈر کر اس کے مطیع وفرمانبردار بندے بن کر رہے۔ اسی کی تائید میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ انسان اگر جنت میں اپنا ٹھکانہ بنانا چاہتا ہے تو پھر اس کو فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کا مطیع وفرمانبرار بن جانا چاہئے اور طاعت خداوندی میں لگ جانا چاہئے اور اسی خدا سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے جس کے قبضہ میں تمام زمان ومکان ہیں اور جس کے حکم اور اجازت کے بدوں بڑے سے بڑا فرشتہ بھی پر نہیں ہلا سکتا اور اپنا قدم نہیں اٹھا سکتا۔

ان آیات کے شان نزول کے سلسلہ میں احادیث میں یہ روایت آئی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کئی روز تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئے اور آپ منتظر رہے۔ بعض کفار نے عناداً کہنا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے خفا ہو کر چھوڑ دیا ہے۔ اس طعن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور زیادہ دلگیر ہوئے آخر جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ نے اتنے روز تک نہ آنے کا سبب پوچھا اور ایک حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا جتنا تم آتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو تلقین فرمایا کہ جواب میں یوں کہو یعنی یہی آیات جو زیر تفسیر ہیں۔ تو یہ کلام ہوا اللہ تعالیٰ کا جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے یہ اسی طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو کہنا سکھلایا ہے۔ **ایاک نعبد وایاک نستعین۔**

تو حاصل جواب جو ان آیات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سکھایا گیا یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم خالص عبد مامور ہیں۔ بدوں حکم الٰہی پر بھی نہیں ہلا سکتے۔ ہمارا چڑھنا اترنا سب اس کے حکم اور اذن کے تابع ہے۔ حق تعالیٰ جس وقت اپنی حکمت کاملہ سے مناسب جانتے ہیں ہم کو نیچے اترنے کا حکم فرماتے ہیں کیونکہ ہر زمانہ (یعنی ماضی۔ حال۔ مستقبل) اور

ہر مکان یعنی آسمان وزمین۔ اور ان کے درمیان کا علم اسی کو ہے۔ وہی ہر چیز کا مالک اور قابض ہے۔ وہی جانتا ہے کہ فرشتہ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کب بھیجنا چاہئے۔ تو معلوم ہوا کہ مقرب ترین فرشتہ کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے اسی طرح معظم و مقبول ترین پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہیں فرشتہ کو اپنے پاس بلالیں۔ خداوند قدوس کا ہر کام برمحل اور بروقت ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کا جلد یا دیر میں آنا بھی اس کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے۔ بھول چوک یا نسیان و غفلت کی اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں۔

آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قول نقل فرمایا جاتا ہے کہ آپ کسی کے کہنے سننے کی پرواہ مت کیجئے۔ اپنے دل کو خداوند قدوس کی بندگی پر جمائے رکھئے جو کل کائنات کا پروردگار ہے اور ربوبیت بغیر کمال علمی کے ہو نہیں سکتی تو جب کل عالم کو اس کا علم محیط ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ آپ کو یا وحی بھیجنے کو بھول جائے لہٰذا ہمارے نزول کی تاخیر سے آپ ملول نہ ہوں بلکہ اللہ کی عبادت پر بدستور قائم رہیں اور صبر رکھیں کیونکہ وہ یکتا ہے اس کا کوئی ہم نام بھی نہیں۔ ذات کی طرح صفات میں بھی کوئی شریک نہیں اور یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ مشرکین عرب اور بت پرستوں نے اگرچہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت سے انسانوں۔ فرشتوں بتوں اور پتھروں وغیرہ کو شریک کر ڈالا تھا اور اب سب کو الٰہ یعنی معبود کہتے تھے مگر کسی نے کبھی لفظ اللہ معبود باطل کا نام نہیں رکھا گویا یہ ایک تکوینی اور تقدیری امر تھا کہ دنیا میں اللہ کے نام سے کوئی معبود باطل کبھی موسوم نہیں ہوا پس صفات میں تو کیا نام میں بھی کوئی حق تعالیٰ کا مثیل نہیں ہوا۔ اور یہ فقرہ **وماکان ربک نسیا**۔ اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے نازل ہوا۔

تو گذشتہ آیات کے مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے یہاں انسان کو یہ تعلیم ملی کہ اگر وہ جنت کی میراث لینا چاہتا ہے تو فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کا مطیع و فرمانبردار بن جائے کہ جب فرشتوں کی باوجود عظمت کے یہ کیفیت ہے کہ امر الٰہی کے خلاف پر نہیں ہلاتے تو پھر انسان کیوں اس کی اطاعت نہ کرے۔

یہاں **فاعبده و اصطبر لعبادته** یعنی اس کی عبادت کیا کرو اور اس کی عبادت پر قائم رہو دو باتوں کا حکم دیا گیا اول حق تعالیٰ کی عبادت کا اور پھر اس پر صبر و استقامت کا گویا پہلا حکم عبدیت یعنی غلام بننے کا ہے اور دوسرا حکم عبدیت یعنی غلامی پر قائم رہنے کا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک آدھ مرتبہ نماز پڑھ لینا کافی نہیں۔ یا عیدین اور جمعہ میں جماعت میں شرکت کافی نہیں بلکہ اس کی عبدیت اور عبودیت پر مداومت ضروری ہے ایک لمحہ کے لئے بھی جادۂ عبودیت سے قدم نہ ہٹنا چاہئے۔ اور یہاں **وماکان ربک نسیا** اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں اس میں اس طرف بھی لطیف اشارہ ہو گیا کہ جو خدا اپنے مخلص بندوں کو یہاں دنیا میں نہیں بھولتا۔ وہاں آخرت میں بھی نہیں بھولے گا۔ ضرور جنت میں پہنچا کر چھوڑے گا۔ ہاں ہر چیز کا ایک وقت ہے۔ جنت میں لوگوں کا نزول بھی اپنے اپنے وقت پر ہوگا۔ اب مشرکین عرب جو قیامت ہی کے منکر تھے اور آخرت میں مر کر دوبارہ زندہ ہونے ہی کو محال اور ناممکن خیال کرتے تھے آگے ان کے شبہ کو زائل فرمایا جاتا ہے اور ان کے یقین دلانے کو قسم کھا کر فرمایا جاتا ہے کہ یہ منکرین ضرور بالضرور سب میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے۔ اور پھر اپنے اس کفر و انکار کی بدولت جہنم میں جھونکے جائیں گے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کے فضل و کرم نے جب دنیا میں ہمارا ساتھ نہ چھوڑا تو آخرت میں بھی اس کا فضل و کرم ہمارے شامل حال رہے۔ یا اللہ آپ نے اپنے مخلص بندوں کے لئے جس جنت کا وعدہ فرمایا ہے اس میں اپنے کرم سے ہم کو بھی داخل ہونا نصیب فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ ءَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَٰهُ

اورانسان (منکر بعث) یوں کہتا ہے کہ میں جب مرجاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔ کیا انسان اس بات کو نہیں سمجھتا کہ ہم اُس کے قبل (عدم سے) وجود میں لا چکے ہیں

مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَٰطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

اور یہ (اُس وقت) کچھ بھی نہ تھا۔ سوقسم ہے آپکے رب کی ہم اُنکو جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی، پھر اُنکو دوزخ کے گرداگرد اس حالت میں حاضر کریں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ

پھر (ان کفار کے) ہر گروہ میں سے اُن لوگوں کو جدا کریں گے جو اُن میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی کیا کرتے تھے۔ پھر ہم ایسے لوگوں کو خوب جانتے ہیں

هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي

جو دوزخ میں جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اُس پر سے گزر نہ ہو، یہ آپکے رب کے اعتبار سے لازم ہے جو (ضرور) پورا ہو کر رہے گا۔ پھر ہم اُن لوگوں کو نجات

الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾

دیدیں گے جو خدا سے ڈر کر ایمان لاتے تھے، اور ظالموں کو اُس میں اس حالت میں رہنے دیں گے کہ گھٹنوں کے بل گر گر پڑیں گے۔

وَيَقُولُ اور کہتا ہے	الْإِنْسَانُ انسان	ءَإِذَا کیا جب	مَا مِتُّ میں مرگیا	لَسَوْفَ تو پھر	أُخْرَجُ میں نکالا جاؤں گا	حَيًّا زندہ	أَوَ کیا
لَا يَذْكُرُ یاد نہیں کرتا	الْإِنْسَانُ انسان	أَنَّا بیشک ہم	خَلَقْنَٰهُ ہم نے اسے پیدا کیا	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	وَلَمْ يَكُ جبکہ وہ نہ تھا	شَيْئًا کچھ بھی	
فَوَرَبِّكَ سو تمہارے رب کی قسم	لَنَحْشُرَنَّهُمْ ہم انہیں ضرور جمع کریں گے	وَالشَّيَٰطِينَ اور شیطان	ثُمَّ پھر	لَنُحْضِرَنَّهُمْ ہم انہیں ضرور حاضر کریں گے			
حَوْلَ اردگرد	جَهَنَّمَ جہنم	جِثِيًّا گھٹنوں کے بل گرے ہوئے	ثُمَّ پھر	لَنَنْزِعَنَّ ضرور کھینچ نکالیں گے	مِنْ سے	كُلِّ ہر	شِيعَةٍ گروہ
أَيُّهُمْ جو اُن میں سے	أَشَدُّ بہت زیادہ	عَلَى الرَّحْمَٰنِ اللہ رحمٰن سے	عِتِيًّا سرکشی کرنے والا	ثُمَّ پھر	لَنَحْنُ البتہ	أَعْلَمُ خوب واقف	
بِالَّذِينَ ان سے جو	هُمْ وہ	أَوْلَىٰ بِهَا زیادہ مستحق اس میں	صِلِيًّا داخل ہونا	وَإِنْ اور نہیں	مِنْكُمْ تم میں سے	إِلَّا مگر	
وَارِدُهَا یہاں سے گزرنا	كَانَ ہے	عَلَىٰ پر	رَبِّكَ تمہارا رب	حَتْمًا لازم	مَقْضِيًّا مقرر کیا ہوا	ثُمَّ پھر	نُنَجِّي ہم نجات دینگے
الَّذِينَ اتَّقَوْا وہ جنہوں نے پرہیزگاری کی	وَنَذَرُ اور ہم چھوڑ دینگے	الظَّٰلِمِينَ ظالم	فِيهَا اس میں	جِثِيًّا گھٹنوں کے بل گرے ہوئے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اول عبادت کا اور پھر اس پر صبر واستقامت کا حکم دیا گیا تھا اب یہاں ان آیات میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ صبرو اطاعت کا پھل قیامت کے دن ملے گا۔ نیز گذشتہ رکوع میں اہل طاعت اور اہل معصیت یعنی نیکوں اور بدوں کا انجام ذکر فرمایا گیا تھا کہ مرنے کے بعد ان کا کیا حال ہوگا۔ اب ان آیات میں ان منکرین قیامت کے شبہ کا جواب دیا جاتا ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو محال و ناممکن سمجھتے تھے۔ کفار منکرین قیامت کے شبہ کا اس طرح جواب دیا گیا کہ جو آدمی حشر ونشر کا منکر ہے۔ اور انکار اور تعجب کی راہ سے کہتا ہے کہ مر گل کر جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئیں اور مٹی میں مل کر مٹی بن گئے کیا اس کے بعد پھر ہم قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے۔ اس کا

جواب حق تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ انسان ہو کر اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتا کہ کچھ عرصہ پہلے وہ خود کوئی چیز نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نیست سے ہست بنایا۔ کیا وہ ذات جو لاشے کو شے اور معدوم محض کو موجود کردے اس پر قادر نہیں کہ ایک چیز کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کر سکے۔ آدمی کو اپنی پہلی ہستی کی کیفیت یاد نہیں رہی جو دوسری ہستی کا مذاق اڑاتا ہے یہ تو منکرین کے شبہ کا جواب تھا آگے حقیقت حال کو قسم کھا کر بیان فرمایا جاتا ہے کہ یہ منکرین ان شیاطین کی معیت میں قیامت کے دن خدا کے سامنے حاضر کئے جائیں گے جو اغوا کر کے انہیں گمراہ کرتے تھے۔ ہر مجرم کا شیطان اس کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا۔ اور حالت یہ ہوگی کہ مارے دہشت کے کھڑے سے گر پڑیں گے اور چین سے بیٹھ بھی نہ سکیں گے آگے بتلایا جاتا ہے کہ منکرین کے ہر فرقہ میں جو زیادہ بدمعاش سرکش اور اکڑ باز تھے اور سرغنہ اور مقتدا بنتے تھے انہیں عام مجرموں سے علیحدہ کر لیا جائے گا۔ پھر ان میں بھی جو بہت زیادہ سزا کے لائق اور دوزخ کا حقدار ہوگا وہ خدا کے علم میں ہے اسکو دوسرے مجرموں سے پہلے جہنم میں جھونکا جائے گا۔ پھر ایک اور حقیقتِ حال کو بیان کیا جاتا ہے کہ نیک وبد۔ مجرم و بری۔ مومن و کافر کے لئے حق تعالیٰ قسم کھا چکے اور فیصلہ فرما چکے ہیں کہ ضرور بالضرور دوزخ پر اس کا گزر ہوگا۔ کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ ہی دوزخ کے اوپر سے رکھا گیا ہے جسے عام محاورہ میں "پلصراط" کہتے ہیں۔ اس پر لامحالہ سب کا گزر ہوگا۔ خدا سے ڈرنے والے مومنین اپنے اپنے درجہ کے موافق وہاں سے صحیح سلامت گزر جائیں گے۔ احادیث میں آیا ہے کہ بعض مومنین تو پلصراط پر سے بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ بعض ہوا کی طرح۔ بعض پرندں کی طرح۔ بعض تیز رفتار گھوڑوں کی طرح۔ بعض تیز رفتار اونٹوں کی طرح۔ بعض تیز چال والے پیدل انسان کی طرح۔ یہاں تک کہ سب سے آخر جو مسلمان اس سے پار ہوگا یہ وہ ہوگا جس کے صرف پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا اور گرتا پڑتا نجات پائے گا گناہ گار اور کفار و مشرکین الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے (العیاذ باللہ تعالیٰ) پھر کچھ مدت کے بعد اپنے اپنے عمل کے موافق نیز انبیاء و ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے اور آخر میں براہ راست ارحم الراحمین کی عنایت سے وہ سب گنہگار جنہوں نے زندگی میں سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ پڑھا تھا دوزخ سے نکالے جائیں گے صرف کافر وہاں باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا۔

یہاں ان آیات میں جو ہر ایک انسان کا پل صراط پر سے گزرنا لازمی بتلایا گیا اور پھر مومنین کو نجات اور کفار مشرکین کا جہنم میں ہمیشہ کو رہنا بیان فرمایا گیا اس کی مزید تشریح اور تفصیل قرآن کی دوسری آیات اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث و مفسر دہلویؒ نے جو اپنی کتاب قیامت نامہ میں لکھی ہے وہ موقع کی مناسبت سے جاننے کے لائق ہے جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ "جب تمام مخلوق کے اعمال کا حساب کتاب میدان حشر میں ہو جائے گا۔ اور تمام چھوٹی بڑی نیکیاں میزان میں داخل کر کے ان کو تولا جائے گا اور نیکی یا بدی کا پلڑا بھاری ہو جانے پر جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہو جائے گا تو قبل اس کے کہ میدان محشر سے پلصراط پر گزرنے کا حکم ہو تمام میدان محشر میں اندھیرا چھا جائے گا۔ پس ہر امت کو اپنے اپنے پیغمبروں کے ساتھ چلنے کا حکم ہوگا اہل ایمان کو نور کی دو دو مشعلیں عنایت ہوں گی۔ ایک آگے چلے گی دوسری دائیں جانب۔ اور جو ان سے کم تر ہوں گے ان کو ایک مشعل دی جائے گی اور جو ان سے کم ہوں گے ان کو صرف پاؤں کے انگوٹھے کے آس پاس خفیف روشنی ہوگی اور ان سے بھی جو گئے گزرے ہوں گے ان کو ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح دی جائے گی جو کبھی بجھے گی اور کبھی روشن ہوگی جو منافق ہوں گے وہ ذاتی نور سے بالکل خالی ہوں گے بلکہ دوسروں کے نور کی مدد سے چلیں گے یہاں تک کہ جس وقت یہ سب لوگ دوزخ کے کنارے کے قریب جا پہنچیں گے تو دیکھیں گے کہ دوزخ کے اوپر پل صراط ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے حکم ہوگا کہ اس پر ہو کر جنت میں چلو وہ پندرہ ہزار سال کی مسافت میں ہے جن

میں سے ۵ ہزار سال تو اوپر چڑھنے کے اور ۵ ہزار سال بیچ میں چلنے کے اور ۵ ہزار سال اترنے کے ہیں حاصل کلام جب میدان محشر سے پل صراط پر پہنچیں گے تو آواز ہوگی کہ اے لوگو اپنی آنکھیں بند کرلو تا کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پل پر سے گزر جائیں اس کے بعد بعض لوگ تو بجلی کی چمک کی طرح بعض ہوا بعض گھوڑے بعض اونٹ بعض معمولی رفتار کی مانند پل صراط سے گزر جائیں گے۔ بعض لوگ نہایت محنت و مشقت کے ساتھ پل پر چلیں گے اس وقت دوزخ میں سے بڑے بڑے آنکس نکلیں گے جو بعض کو تو چھوڑ دیں گے۔ بعض کو کچھ کچھ کاٹیں گے اور بعض کو کھینچ کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔ اس وقت اعمال صالحہ مثلاً نماز روزہ درود وظائف وغیرہ لوگوں کے دستگیر ہوں گے اور خیرات ان کے اور آگ کے درمیان حائل ہوجائے گی۔ قربانی سواری کا کام دے گی اور اس مقام کے ہول کی وجہ سے کسی کی آواز تک نہ نکلے گی مگر پیغمبران امتیوں کے حق میں رب سلم رب سلم کہیں گے۔ جب مسلمان پل صراط پر چڑھ جائیں گے تو منافقین اندھیرے میں گرفتار ہوکر فریاد کریں گے۔ بھائیو! ذرا ٹھہرنا تا کہ تمہارے نور کے طفیل ہم بھی چلے چلیں۔ وہ جواب دیں گے ذرا پیچھے چلے جاؤ جہاں سے ہم نور لائے ہیں تم بھی وہیں سے لے آؤ۔ پس جب پیچھے جائیں گے تو وہاں بے انتہا تاریکی اور ہول دیکھیں گے آخر نہایت بے قرار ہوکر لوٹیں گے اور دیکھیں گے کہ پل صراط کے سرے پر ایک بہت بڑی دیوار قائم ہے اور دروازہ بند ہوگیا ہے پس نہایت ہی گڑگڑا کر مسلمانوں کو پکاریں گے کہ کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے جواب ہمیں چھوڑے چلے جاتے ہو وہ جواب دیں گے بیشک تم ہمارے ساتھ تو تھے لیکن بظاہر اور دل میں شک وشبہ کرتے ہوئے ہمارے حق میں برائیاں اور کفار کی بھلائیاں چاہتے تھے لہٰذا مناسب ہے کہ جن کا ساتھ دیتے تھے انہی سے جا ملو اسی اثناء میں آگ کے شعلے ان کو گھیر کر جہنم کے سب سے نیچے کے درجہ میں پہنچا دیں گے۔ وہ مسلمان جو بجلی وہوا کی رفتار کے موافق پل صراط پر سے گزریں گے وہ پل کو عبور کر کے کہیں گے کہ ہم نے تو سنا تھا کہ راستہ میں دوزخ آئے گی لیکن ہم نے تو دیکھا بھی نہیں اور وہ لوگ جو سلامتی کے ساتھ گزریں گے وہ بھی پل صراط سے اتر کر میدان میں ان سے جا ملیں گے۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جنت کا قفل کھول کر لوگوں کو داخل فرمائیں گے۔ یہاں پہنچ کر آپ اپنی امت کی تفتیش حال کریں گے اس وقت آپ کی امت تمام اہل جنت کا چہارم حصہ ہوگی۔ دریافت حال کے بعد جب آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ ابھی میری امت میں سے ہزار ہا آدمی دوزخ میں پڑے ہیں تو بوجہ اس کے کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں غمگین ہوکر درگاہ الٰہی میں عرض کریں گے اے خدا میری امت کو دوزخ سے خلاصی دے۔ یہ شفاعت بھی شفاعت کبریٰ کے مانند ہوگی یعنی ۷ روز تک سربسجود رہ کر عجیب وغریب حمد وثناء بیان فرمائیں گے تب بارگاہ الٰہی سے حکم ہوگا کہ جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لاؤ۔ آپ کو دیکھ کر دوسرے پیغمبر بھی اپنی اپنی امتوں کی شفاعت کریں گے۔ پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم الٰہی فرشتوں کو اپنے ساتھ لے کر بمعیت امت دوزخ کے کنارہ پہنچیں گے اور فرمائیں گے اپنے اپنے رشتہ داروں اور واقف کاروں کو یاد کر کے ان کی نشانی بتاؤ تا کہ یہ فرشتے ان کو دوزخ سے نکال لیں چنانچہ ایسا ہی ہوگا علاوہ ازیں شہداء کو ۷۰ حافظوں کو ۱۰ علماء کو حسب مراتب لوگوں کی شفاعت کا حق ہوگا۔ جب آپ ان کو لے کر جنت میں تشریف لائیں گے تو آپ کی امت اس وقت تمام اہل جنت کا تیسرا حصہ ہوگی پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تفتیش فرمائیں گے کہ اب میری امت میں سے کس قدر دوزخ میں باقی ہیں جواب ہوگا کہ حضور ابھی تو ہزار ہا دوزخ میں موجود ہیں آپ پھر بدستور سابق بارگاہ ایزدی میں شفاعت کریں گے حکم ہوگا کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لاؤ۔ بس آپ بدستور سابق علماء، اولیاء، شہداء وغیرہ کو دوزخ کے کنارہ لے جا کر فرمائیں گے کہ اپنے اپنے رشتہ داروں واقف کاروں کو یاد اور پہچان

کر کے دوزخ سے نکلواؤ اس وقت بھی ہزار ہا امتی دوزخ سے رہا ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں گے اب آپ کی امت تمام اہل جنت کا نصف حصہ ہوگی۔اس شفاعت کے بعد آپ پھر دریافت فرما کر بدستور ہائے سابق شفاعت کریں گے ارشاد باری ہوگا کہ جس کے دل میں آدھے ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو پس بدستور سابق ایک بہت بڑی تعداد جہنم سے برآمد ہو کر جنت میں داخل ہوگی اس وقت آپ کی امت اہل جنت سے دوچند ہو جائے گی اور موحدین میں سے کوئی شخص دوزخ میں نہیں رہے گا۔ جب تمام لوگ دوزخ و جنت میں داخل ہو چکیں گے تو دوزخ و جنت کے درمیان منادی ہوگی کہ اے اہل جنت جنت کے کناروں پر آ جاؤ اور اے اہل دوزخ دوزخ کے کناروں پر آ جاؤ۔ اہل جنت کہیں گے ہم کو تو ابدالآباد کا وعدہ دلا کر جنت میں داخل کیا ہے اب کیوں طلب کرتے ہو اور اہل دوزخ نہایت خوش ہو کر کناروں کی طرف دوڑیں گے اور کہیں گے کہ شاید ہماری مغفرت کا حکم ہوگا پس جس وقت سب کناروں پر آ جائیں گے تو ان کے مابین موت کو چتکبری مینڈھے کی شکل میں حاضر کیا جائے گا اور لوگوں سے کہا جاوے گا کیا اس کو پہچانتے ہو۔سب کہیں گے ہاں جانتے ہیں کیونکہ کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس نے موت کا پیالہ نہ پیا ہو اس کے بعد اس کو ذبح کر دیا جائے گا کہتے ہیں کہ اس کو حضرت یحییٰ علیہ السلام ذبح کریں گے۔ پھر وہ منادی آواز دے گا کہ اے اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو کہ اب موت نہیں اور اے اہل دوزخ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو کہ اب موت نہیں۔ اہل جنت اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو یہ شادی مرگ ہو جاتی اور اہل دوزخ اس قدر رنجیدہ ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو غم کے مارے مر جاتے اس کے بعد حکم ہوگا کہ دوزخ کے دروازوں کو بند کر کے اس کے پیچھے بڑے بڑے آتشی شہتیر بطور پشتیاں لگا دو تا کہ دوزخیوں کو نکلنے کا خیال بھی نہ رہے اور اہل جنت کو جنت میں ابدالآباد تک رہنے کا یقین و اطمینان ہو جائے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں برہانی اور خطابی طور پر ثبوت قیامت کا اظہار فرمایا گیا اور یہ صراحت فرمائی گئی کہ کفار اور شیاطین جہنم میں اکٹھے رکھے جائیں گے۔ نیز جہنم کے اوپر پل صراط سے ہر کسی کو گزرنا لازمی ہے جس کے نتیجہ میں مومنین کاملین تو صاف گزر کر جنت میں پہنچ جائیں گے اور گنہگار و کفار و مشرکین جہنم میں گر پڑیں گے۔مگر مومنین کلمہ کی برکت و اعتقاد سے بالآخر دیر یا سویر جہنم سے بالکل نکال لئے جائیں گے اور صرف کفار ومشرکین جہنم میں ابدالآباد کے لئے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ ابھی آگے انہی کفار و مشرکین کے متعلق مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اس دنیا میں وہ ایمان واسلام نصیب فرماویں کہ جو قیامت میں ہماری نجات و مغفرت کا ذریعہ بنے۔اور پل صراط پر سے امن وسلامتی کے ساتھ گزر کر جنت میں پہنچنا نصیب ہو۔

یا اللہ قیامت میں ہر چھوٹے بڑے عذاب سے اپنے پناہ میں رکھئے۔اور ہمہ وقت ہم کو آخرت کی تیاری کا فکر عطا فرما دیجئے۔اور اس زندگی میں ان اعمال صالحہ کی توفیق نصیب فرما دیجئے کہ جو میدان حشر میں آپ کا کرم وعنایت ہماری طرف متوجہ رہے۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا

اور جب ان (منکر) لوگوں کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے مکان کس کا زیادہ اچھا ہے

وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ

اور محفل کس کی اچھی ہے۔اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے ایسے ایسے گروہ ہلاک کیے ہیں جو سامان اور نمود میں ان سے بھی (کہیں) اچھے تھے۔آپ فرما دیجئے کہ جو لوگ

فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ

گمراہی میں ہیں رحمن اُن کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے، یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اس کو دیکھ لیں گے خواہ عذاب کو (دنیا میں) خواہ قیامت کو

فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ

سو (اُس وقت) اُن کو معلوم ہو جاوے گا کہ بُرا مکان کس کا ہے اور کمزور مددگار کس کے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ ہدائیت والوں کو ہدایت بڑھاتا ہے

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

اور جو نیک کام ہمیشہ کیلئے باقی رہنے والے ہیں وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر ہیں۔

وَاِذَا اور جب	تُتْلٰى پڑھی جاتی ہیں	عَلَيْهِمْ ان پر	اٰيٰتُنَا ہماری آیتیں	بَيِّنٰتٍ واضح	قَالَ کہتے ہیں	الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا
لِلَّذِيْنَ ان سے جو	اٰمَنُوْا وہ ایمان لائے	اَيُّ کون سا	الْفَرِيْقَيْنِ دونوں فریق	خَيْرٌ مَّقَامًا بہتر مقام	وَّاَحْسَنُ اور اچھی	نَدِيًّا مجلس	
وَكَمْ اور کتنے ہی	اَهْلَكْنَا ہم ہلاک کر چکے	قَبْلَهُمْ ان سے پہلے	مِّنْ قَرْنٍ گروہوں میں سے	هُمْ وہ	اَحْسَنُ بہت اچھے	اَثَاثًا سامان	
وَّرِءْيًا اور نمود	قُلْ کہہ دیجئے	مَنْ كَانَ جو ہے	فِي الضَّلٰلَةِ گمراہی میں	فَلْيَمْدُدْ تو ڈھیل دے رہا ہے	لَهُ اس کو	الرَّحْمٰنُ اللہ	
مَدًّا خوب ڈھیل	حَتّٰٓى یہاں تک کہ	اِذَا جب	رَاَوْا وہ دیکھیں گے	مَا يُوْعَدُوْنَ جس کا وعدہ کیا جاتا ہے	اِمَّا خواہ	الْعَذَابَ عذاب	
وَاِمَّا اور خواہ	السَّاعَةَ قیامت	فَسَيَعْلَمُوْنَ پس اب وہ جان لینگے	مَنْ کون	هُوَ وہ	شَرٌّ مَّكَانًا بدتر مقام	وَّاَضْعَفُ اور کمزور تر	
جُنْدًا لشکر	وَيَزِيْدُ اور زیادہ دیتا ہے	اللّٰهُ اللہ	الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا جن لوگوں نے ہدایت حاصل کی	هُدًى ہدایت	وَ اور	الْبٰقِيٰتُ باقی رہنے والی	
الصّٰلِحٰتُ نیکیاں	خَيْرٌ بہتر	عِنْدَ رَبِّكَ تمہارے رب کے نزدیک	ثَوَابًا باعتبار ثواب	وَخَيْرٌ اور بہتر	مَرَدًّا باعتبار انجام		

تفسیر و تشریح:۔ظاہر میں محسوس پرست انسان چونکہ کوتاہ نظر ہوتا ہے اس لئے اس کی نظر ہمیشہ دنیوی ساز و سامان اور عیش و طرب پر ہوتی ہے اس کو محسوسات خارجی سے باہر کوئی چیز نظر نہیں آتی اور اس مادی عالم کے پیچھے روحانی نعمت و دولت دکھائی نہیں دیتی اس بنا پر کفار عرب اور مشرکین مکہ جب ان آیات قرآنیہ کو سنتے جن میں اہل اسلام کا برحق اور کافروں کا باطل پرست ہونا ظاہر کیا گیا اور انجام کے لحاظ سے آخرت میں ایمان والوں کو جنت کی دائمی نعمتوں اور کافروں کے لئے جہنم کے دردناک عذابوں میں گرفتار ہونا بتلایا گیا تو غریب اہل ایمان کو چھیڑتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ تمہارے زعم کے موافق آخرت میں جو کچھ پیش آئے گا دونوں فریق کی موجودہ حالت اور دنیوی پوزیشن پر منطبق نہیں ہوتا۔کیا آج ہمارے مکانات۔اسباب معیشت اور ساز و سامان تم سے بہتر و اعلیٰ نہیں اور ہماری مجلس و سوسائٹی تمہارے مجمع سے معزز و بلند نہیں؟ تم جو اپنے کو اہل حق اور ہم کو اہل باطل بتلاتے ہو تو ذرا اپنا حال تو دیکھو۔نہ رہنے کو گوشہ نہ کھانے کو توشہ۔ہمارے مجمع میں کس قدر عالی قدر سردار اور اشراف عرب داخل ہیں اور کس

شان کے ساتھ ان کا اجتماع ہوتا ہے۔اس کے مقابلہ میں تم اپنی مجلس کو دیکھو۔چند بے بس اور بے کس شکستہ اور خستہ حال فقیر وذلیل اور بے نوا غلام مفلس ونادار لوگوں کے سوا اور کون تمہارے پاس آتا جاتا ہے۔یہ واضح رہے کہ یہ سورۂ مریم مکی عہد کی تنزیلات میں سے ہے اس وقت پیروان اسلام کمزور اور بے سروسامان تھے اور کفار کو ہر طرح کی دنیوی خوش حالیاں حاصل تھیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے ساتھ بیٹھتے تو فقرا اور غربا کی مجلس ہوتی اور منکرین حق دارالندوہ میں جمع ہوتے تو سرداروں اور امیروں کا مجمع ہوتا اسی صورت حال پر کفار مکہ اہل ایمان کے لئے قرآنی بشارتیں سنتے تو ان کا مذاق اڑاتے۔حق تعالیٰ کی طرف سے اس بیوقوف کوتاہ بین طبقہ کے خیال کی تردید فرمائی جاتی ہے اور ان کی باتوں کا جواب دیا جاتا ہے کہ پہلے ایسی بہت سی قومیں گزر چکی ہیں جو دنیا کے ساز وسامان شان ونمود میں تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں لیکن جب انہوں نے انبیاء کے مقابلہ میں سرکشی کی اور تکبر وتفاخر کو اپنا شعار بنایا تو خدا تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹ دی اور دنیا کے نقشہ میں ان کا نشان بھی باقی نہ رہا تو حاصل ارشاد یہ نکلا کہ انسان کو چاہئے کہ دنیا کی فانی ٹیپ ٹاپ اور عارضی بہار سے دھوکہ نہ کھائے عموماً متکبر دولت مند ہی حق کو ٹھکرا کر ہلاکت کا لقمہ بنا کرتے ہیں۔مال واولاد یا دنیوی خوشحالی مقبولیت اور حسن انجام کی دلیل نہیں۔یہ تو تھا استدلال طرز بیان کہ نظیر کو نظیر پر قیاس کر کے گذشتہ کافروں کا نتیجہ موجودہ کافروں کی عبرت کے لئے ظاہر فرمایا۔

آگے زاجرانہ طرز میں طریق بیان بدل کر فرمایا جاتا ہے کہ اس وقت اپنے مجمع کی کثرت اور مکانات کی سربلندی پر کیا ناز وگھمنڈ کرتے ہو جب مرنے کے بعد یا مرنے سے پہلے اپنے کرتوت کی سزا پاؤ گے یا قیامت کے دن عذاب الٰہی کو دیکھو گے اس وقت معلوم ہوگا کہ مسکن اور مددگاروں کے اعتبار سے کون گروہ برا ہے۔خدا نے ابھی تمہاری باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے جس وقت گلا دبایا جائے گا خواہ دنیوی عذاب کی صورت میں یا عذاب آخرت کی شکل میں تب پتہ لگے گا کہ مکان کس کا برا ہے اور کس کی جمعیت کمزور ہے اس وقت تمہارے ساز وسامان کچھ کام نہ آئیں گے۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ گمراہوں کو گمراہی میں لمبا چھوڑ دیتا ہے۔ان کے بالمقابل جو سوچ سمجھ کر راہ ہدایت اختیار کرلیں ان کی سوجھ بوجھ اور فہم وبصیرت کو اور زیادہ تیز کر دیتا ہے جس سے وہ حق تعالیٰ کی خوشنودی کے راستوں پر بڑھے چلے جاتے ہیں۔تو یہاں اہل ایمان کو استقامت اور استقلال اختیار کرنے اور عمل صالح پر قائم رہنے کی ترغیب دی گئی اور بتلایا گیا کہ جو راہ ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اور راہ یاب ہونے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے اس میں اہل ایمان کو تسلی بھی ہے کہ کافروں کے نزدیک اہل ایمان کتنے ہی خوار وذلیل ہوں خدا کے نزدیک وہ معزز ومکرم ہیں کیونکہ کافروں کا سرمایۂ ناز فانی ہے۔مرنے کے بعد اس کا کوئی نام ونشان نہ رہیگا البتہ اہل ایمان کی نیکیاں باقی رہیں گی اور انہی کا حال اور انجام اچھا ہوگا۔

یہاں آیت میں مشرکین مکہ کے جس جاہل استدلال کی تردید فرمائی گئی ہے آج بھی بد دین اور کم فہم اسے زور شور سے پیش کرتے ہیں۔اور صرف اہل باطل ہی نہیں بلکہ ان سے مرعوب اسلام کے دعویدار بھی مشرک ولامذہب اور فرنگی مغربی قوموں کی مثالیں پیش کر کے پکار پکار کر مسلمانوں سے کہتے ہین کہ ان کی ترقیاں دیکھو۔ان کی دولت وحکومت۔عزت وعظمت اور جاہ وثروت دیکھو۔ان کی اقبال مندی پر نظر کرو۔تم اگر اپنی ترقی اور رفاہ چاہتے ہو تو انہی کے طریقے اختیار کرو۔انہی کی روش پر چلو جو یہ نام نہاد ترقی یافتہ قومیں کر رہی ہیں۔گویا اب ترقی وفلاح انہی دنیا پرست قوموں کی تقلید کا نام رہ گیا ہے۔**انا للہ وانا الیہ راجعون**۔قرآنی تعلیم یہ ہے کہ اصل کامیابی اور ناکامی آخرت کی ہے اور کفر وعصیان اور سرکشی و نافرمانی کے باوجود دنیا میں عیش وآرام کی فراوانی اور مال ودولت کی کثرت یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور ڈھیل ہے۔لیکن انجام کار ایسی گرفت ہوگی کہ پھر رہائی ناممکن ہے۔

ابھی آگے کفار ومشرکین ہی کے متعلق مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٧٧﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ

بھلا آپ نے اُس شخص (کی حالت) کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو (آخرت میں) مال اور اولا دملیں گے کیا یہ شخص غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا کیا اس نے

الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ

اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے۔ ہر گز نہیں ہم اس کا کہا ہوا ابھی لکھے لیتے ہیں اور اُس کیلئے عذاب بڑھاتے چلے جائینگے۔ اور اُس کی کہی ہوئی چیزوں کے ہم وارث

وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ

رہ جائیں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا ہو کر آوے گا۔ اور اُن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود تجویز کر رکھے ہیں تا کہ اُن کیلئے وہ باعث عزت ہوں۔ (ایسا) ہر گز نہیں (ہوگا بلکہ)

بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

وہ تو اُن کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے اور اُن کے مخالف ہو جاویں گے۔

أَفَرَءَيْتَ پس کیا تو نے دیکھا	الَّذِي وہ جس نے	كَفَرَ انکار کیا	بِآيَاتِنَا ہمارے حکموں کا	وَقَالَ اور اس نے کہا	لَأُوتَيَنَّ میں ضرور دیا جاؤں گا	
مَالًا مال	وَوَلَدًا اور اولاد	أَطَّلَعَ کیا وہ مطلع ہو گیا ہے	الْغَيْبَ غیب	أَمِ یا	اتَّخَذَ اس نے لے لیا	عِندَ الرَّحْمَٰنِ اللہ رحمٰن سے
عَهْدًا کوئی عہد	كَلَّا ہرگز نہیں	سَنَكْتُبُ اب ہم لکھ لیں گے	مَا يَقُولُ وہ جو کہتا ہے	وَنَمُدُّ اور ہم بڑھادینگے	لَهُ اس کو	مِنَ الْعَذَابِ عذاب سے
مَدًّا اور لمبا	وَنَرِثُهُ اور ہم وارث ہوں گے	مَا يَقُولُ جو وہ کہتا ہے	وَيَأْتِينَا اور وہ ہمارے پاس آئیگا	فَرْدًا اکیلا	وَاتَّخَذُوا اور انہوں نے بنالیا	
مِن دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوا	آلِهَةً معبود	لِّيَكُونُوا تا کہ وہ ہوں	لَهُمْ ان کیلئے	عِزًّا موجب عزت	كَلَّا ہرگز نہیں	
سَيَكْفُرُونَ جلد ہی وہ انکار کرینگے	بِعِبَادَتِهِمْ ان کی بندگی سے	وَيَكُونُونَ اور ہو جائیں گے	عَلَيْهِمْ ان کے	ضِدًّا مخالف		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں ظاہر بین محسوس پرست کافروں کی کوتاہی نظر کی مذمت فرمائی گئی تھی اور اس امر کی صراحت فرمائی گئی تھی کہ دنیوی ساز و سامان قابل تفاخر نہیں۔ یہ سب فانی ہے اور فانی نا قابل اعتبار ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد یہ دنیوی ساز و سامان کچھ کام نہ آئے گا البتہ اہل ایمان کی نیکیاں باقی رہیں گی اور انہی کا انجام بہتر اور اچھا ہوگا۔

اب آگے اسی سلسلہ میں منکرین کے بعض دیگر اقوال کا رد فرمایا جاتا ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ میں ان آیات کے شان نزول کے متعلق مذکور ہے کہ مکہ میں ایک صحابی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ لوہار کا کام کرتے اور ہتھیار بنایا کرتے تھے۔ عاص بن وائل مشرکین مکہ میں سے ایک شخص تھا جس نے کچھ کام حضرت خبابؓ سے کرایا تھا اور کچھ ہتھیار خریدے تھے۔ جب اجرت اور قیمت وصول کرنے کے لئے یہ صحابی عاص بن وائل مشرک کے پاس گئے تو عاص نے جواب دیا کہ جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا انکار نہ کرو گے میں کچھ نہیں دوں گا حضرت خبابؓ نے جواب دیا کہ اگر تو مر کر بھی دوبارہ زندہ ہو تب بھی مجھ سے یہ حرکت سرزد نہیں ہو سکتی۔ اس پر عاص نے کہا کہ کیا میں مر کر بھی دوبارہ زندہ ہوں گا۔ حضرت خباب نے جواب دیا اس میں شک ہی کیا ہے۔ سب کو مرنے کے بعد ایک دن زندہ ہونا ہے اور اپنے کیے کی جزا و سزا پانا ہے۔ خدا کے روبرو سب کے حقوق کا فیصلہ ہوگا عاص بولا اچھا جب یہ بات ہے کہ میں مر کر پھر

زندہ ہونے والا ہوں تو میرے پاس جبھی آنا میرے پاس اس وقت بھی مال واولاد سب کچھ ہوگا تیرے دام بھگتادوں گا۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں حضرت خباب اور مشرک عاص بن وائل کے مذکورہ بالا واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ کس قدر حیرت انگیز اور قابل تعجب ہے اس شخص کی حالت جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتا ہے اور نہ فقط انکار بلکہ عقیدہ آخرت کا مذاق اڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ مرنے کے بعد جب میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا تو مجھے مال و اولاد بھی ضرور ملیں گے۔اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو کہہ رہا ہے اور دعویٰ کر رہا ہے کہ جب میں زندہ کیا جاؤں گا تو یہی مال ودولت اور گھر بار پھر مجھے ملے گا تو کیا اسے یہ بات براہ راست عالم غیب سے معلوم ہوگئی؟ یا خدائے تعالیٰ سے کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات ہرگز نہیں اس کا خیال خام ہے۔ہم اس کے گناہ لکھتے جاتے ہیں اور اس کا یہ قول بھی شامل مسل کرلیا جائے گا۔ تمام مال ودولت اور نسل واولاد سب چھوڑ کر اس کو تنہا ہمارے پاس آنا ہوگا اور چونکہ وہ کافر بھی ہے اس لئے اس کو گونا گوں عذاب دیا جائیگا۔

آگے عام کافروں اور مشرکوں کی ناکامی انجام کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ یہ قیامت میں مال واولاد سے بڑھ کر اپنے جھوٹے معبودوں کی مدد کے امیدوار ہیں کہ وہ ان کو خدا کے ہاں عزت اور بڑے بڑے درجے دلائیں گے حالانکہ ہرگز ایسا ہونے والا نہیں۔محض سودائے خام ہے جو اپنے دماغوں میں پکار رہے ہیں۔وہ وقت جب آئے گا یعنی یوم قیامت تو ان کے باطل معبود خودان کی مخالفت کریں گے اور وہ خودان کی پرستش کا انکار کریں گے۔اور وہ معبودان کی مدد تو کیا کریں گے خودان سے بیزار ہوں گے اور ان کے مدمقابل بن کر بجائے عزت دلانے کے اور زیادہ ذلت اور رسوائی کا سبب بنیں گے۔

یہاں اس بات کی صراحت ہے کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے وقت مال ودولت دوست احباب اعزہ واقارب کچھ کام نہ آئیں گے۔ہر شخص کو تنہا خداوند قدوس کے سامنے جواب دینا ہوگا۔اور دنیا میں انسان آج جس مال ودولت پر اتراتا ہے یہ سب مرنے کے بعد یہیں چھوٹ جائے گا۔ایک حدیث میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ کو جہنم کی آگ یاد آگئی اور میں رو پڑی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیوں روتی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جہنم کی آگ یاد آگئی اور میں رو پڑی۔کیا قیامت کے دن آپ اہل وعیال کو یاد رکھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مقامات ایسے ہیں جہاں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا ایک تو میزان اعمال پر جب تک یہ نہ معلوم ہوجائے کہ نامۂ اعمال کا پلہ بھاری رہا یا ہلکا دوسرے اعمال نامہ ہاتھوں میں حوالہ کئے جانے کے وقت جب تک یہ نہ معلوم ہوجائے کہ اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا گیا یا بائیں ہاتھ میں پیٹھ کے پیچھے سے اور جبکہ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ پانے والا خوشی سے یہ نہ کہہ اٹھے کہ آؤ میرا اعمال نامہ پڑھو۔تیسرے پل صراط کے قریب جبکہ پل صراط کو جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا۔گویا یہ تین مقامات تو وہ ہوں گے جہاں نہ شفاعت ہوگی نہ سفارش۔ یہ تین امور تو ہر انسان پر تنہا تنہا گزرنے ہیں۔ اس کے بعد اہل اسلام کے لئے شفاعت و سفارش سے گنہگار مسلمانوں کو جہنم سے نجات ملے گی۔جیسا کہ آپ گذشتہ سے گذشتہ درس میں پڑھ چکے ہیں۔

ابھی مضمون کفار مشرکین کے متعلق اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو اسلام وایمان سے نوازا۔اللہ تعالیٰ اسلام اور ایمان پر ہم کو قائم رکھیں۔اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمادیں۔آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر (ابتلاء) چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اُن کو خوب ابھارتے رہتے ہیں۔ سو آپ اُن کیلئے جلدی نہ کیجئے ہم اُن کی باتیں خود شمار کر رہے ہیں۔

عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا

جس روز ہم متقیوں کو رحمٰن (کے دار النعیم) کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے۔ اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔ (وہاں)

يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾

کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لی ہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	اَنَّآ اَرْسَلْنَا بیشک ہم نے بھیجے	الشَّیٰطِیْنَ شیطان	عَلَی پر	الْکٰفِرِیْنَ کافر	تَؤُزُّھُمْ اکساتے ہیں انہیں	
اَزًّا خوب اکسانا	فَلَا تَعْجَلْ سو تم جلدی نہ کرو	عَلَیْھِمْ ان پر	اِنَّمَا صرف	نَعُدُّ ہم گنتی پوری کر رہے ہیں	لَھُمْ اُن کی	عَدًّا گنتی
یَوْمَ جس دن	نَحْشُرُ ہم جمع کریں گے	الْمُتَّقِیْنَ پرہیزگار	اِلَی الرَّحْمٰنِ رحمٰن کی طرف	وَفْدًا مہمان بنا کر	وَنَسُوْقُ اور ہانک کرلے جائیں گے	
الْمُجْرِمِیْنَ گنہ گار	اِلٰی طرف	جَھَنَّمَ جہنم	وِرْدًا پیاسے	لَا یَمْلِکُوْنَ وہ اختیار نہیں رکھتے	الشَّفَاعَةَ شفاعت	اِلَّا سوائے
مَنِ اتَّخَذَ جس نے لیا ہو	عِنْدَ الرَّحْمٰنِ رحمٰن کے پاس	عَھْدًا اقرار				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ سے کفار ومشرکین کا ذکر ہوتا چلا آ رہا ہے گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جس مال و دولت پر کافر اتراتا ہے اور گھمنڈ کرتا ہے وہ مرنے کے بعد سب یہیں چھوٹ جائے گا اور قیامت میں تن تنہا جواب دہی کے لئے حاضر ہوگا۔ نہ مال کام آئے گا نہ اولاد ساتھ دے گی اور مال و اولاد سے بڑھ کر بعض مشرکین جو اپنے جھوٹے معبودوں کی مدد کے امیدوار ہیں کہ وہ ان کو خدا کے ہاں بڑے درجے دلائیں گے اس کی تردید میں بتلایا گیا تھا کہ ان کے معبود ان کی مدد تو کیا کرتے خود ان کی بندگی سے بیزار ہوں گے اور بجائے عزت دلانے کے اور زیادہ ذلت ورسوائی کا سبب بنیں گے۔ انہی کفار و مشرکین کے متعلق مزید حقیقت حال کو ان آیات میں ظاہر فرمایا جا رہا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ شیاطین کا کفار ومشرکین پر پورا تسلط ہوتا ہے اور وہ انہیں انگلیوں پر نچاتے رہتے ہیں۔ نافرمانیوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں اور دین اسلام کے خلاف اکساتے رہتے ہیں آرزوئیں بڑھاتے رہتے ہیں اور طغیان وسرکشی میں آگے کرتے رہتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ آپ ان کفار کی سزا دہی کے متعلق جلدی نہ کریں اللہ تعالیٰ نے انہیں فی الحال ڈھیل دے رکھی ہے اور ان کی باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے تا کہ ان کی زندگی کے گنے ہوئے دن پورے ہو جائیں۔ ان کا ایک ایک سانس۔ ایک ایک لمحہ اور ایک ایک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں گنا جا رہا ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت بھی اللہ کے احاطہ علمی اور دفاتر اعمال سے باہر نہیں تمام عمر کے اعمال ایک ایک کر کے ان کے سامنے کر دیئے جائیں گے اور قیامت کے دن یہ اپنے اعمال کی پوری سزا بھگتیں گے۔ اب چونکہ قیامت کا ذکر آ گیا تو اس کا کچھ حال بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایسا دن ہوگا کہ جو لوگ اللہ کی ذات پر اور اس کی باتوں پر ایمان لائے اللہ کے پیغمبروں کی تصدیق کی گناہوں سے بچتے رہے۔ اللہ کے

فرمانبردار رہے۔ پروردگار کا خوف دل میں رکھا اور اللہ کے خوف سے بچ بچ کر دنیا میں چلتے رہے وہ اس دن خدا کے ہاں بطور معزز مہمانوں کے جمع ہوں گے۔ نورانی سواریوں پر عزت و شوکت کے ساتھ سوار ہو کر آئیں گے اور خداوند قدوس کے مہمان خانہ میں بعزت داخل کئے جائیں گے۔ **اللھم اجعلنا منھم**

حشر کے دن اہل ایمان کے اعزاز و اکرام جو حسب مراتب ہوں گے اس کی تفصیل حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلویؒ نے اس طرح لکھی ہے کہ "میدان حشر میں مسلمانوں کی حالت حسب مراتب گونا گوں ہوگی ایک جماعت جو خالصاً لوجہ اللہ ایک دوسرے سے ملاقات و محبت و جدائی و فراق کرتی تھی خداوند قدوس کے عرش کے دائیں طرف نور کے ممبروں پر ہوگی۔ اور بعض کو جو توکل سے آراستہ تھے اور مہمات دین و دنیا کو نہایت راستی سے انجام دیتے تھے چودھویں رات کے چاند کے مانند بنا کر بے حساب و کتاب جنت کے لئے جدا کر دیا جائے گا اور وہ لوگ بھی جو اعلائے کلمۂ توحید میں شب و روز کوشاں تھے بے حساب و کتاب جنت کے لئے علیحدہ کر دیئے جائیں گے اور ان لوگوں کو بھی جو راتوں میں نہایت ادب و حضور قلب سے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے سادات الناس کا خطاب دے کر بے حساب و کتاب جنت کے لئے جدا کر دیا جائے گا اس کے بعد وہ جماعت جو ظاہراً و باطناً ہمیشہ ذکر و اطاعت الٰہی میں مصروف رہتی تھی اور سختی اور آسائش کی حالت میں یکساں حمد الٰہی کرتی تھی اشرف الناس کے خطاب سے ملقب کی جائے گی۔ باقی ماندہ مسلمان و منافقین مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے مثلاً نمازی نمازیوں میں۔ روزہ دار روزہ داروں میں۔ حاجی حاجیوں میں۔ سخی سخیوں میں۔ مجاہد مجاہدین میں۔ منکسر المزاج اہل تواضع میں۔ محسنین و خوش اخلاق اپنے جنس میں۔ اہل ذکر و وظیفہ گزار اہل خوف و ترحم۔ عادل و منصف۔ اہل شہادت۔ اہل وصدق و وفا۔ علمائے راسخین۔ زہاد وغیرہ وغیرہ گنہگار مسلمانوں میں حکام ظالم۔ خونی و قاتل زانی۔ دروغ گو۔ چور۔ رہزن۔ ماں باپ کو تکلیف دینے والے۔ سود خوار۔ رشوت خوار۔ حقوق العباد کے تلف کرنے والے۔ شراب خوار یتیموں اور بے کسوں کے مال کھانے والے زکوٰۃ نہ دینے والے۔ نماز نہ پڑھنے والے۔ امانت میں خیانت کرنے والے عہد کے توڑنے والے وغیرہ وغیرہ مختلف گروہوں میں منقسم ہو کر اپنی جنس میں جا ملیں گے۔ پھر ان گروہوں میں سے وہ لوگ جو مذکورہ صفات میں سے دو تین یا چار یا اس سے زیادہ صفات رکھتے ہوں گے جدا کر کے الگ گروہوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ مویشیوں کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کو میدان حشر میں پشت کے بل لٹا کر جانوروں کو حکم ہوگا کہ ان پر سے گزر کر کا پائمال کرو پس وہ بار بار گزر کر ان کو روندتے رہیں گے۔ سود خواروں کے پیٹوں کو پھلا کر ان میں سانپ اور بچھو بھر دیئے جائیں گے اور آسیب زدہ حالت میں ہوں گے۔ مصوروں یعنی تصویر بنانے والوں کو حکم دیا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں روح ڈالیں۔ جھوٹا خواب بیان کرنے والوں کو مجبور کیا جائے گا کہ دو جو کے دانوں میں گرہ لگائیں۔ چغلخوروں کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔ اسی طرح بعض فاسقین پر سرزنش و مواخذہ ہوگا۔ **اللھم لاتجعلنا منھم**۔ اہل ایمان کے برخلاف کفار و مشرکین۔ رسولوں کے دشمن خدا سے نہ ڈرنے والے گنہگار دھکے کھا کھا کر اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے پیاس کے مارے زبان نکالے ہوئے۔ جبراً و قہراً جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے اور جس طرح ڈھور ڈنگر پیاس کی حالت میں گھاٹ کی طرف جاتے ہیں۔

اسی طرح مجرموں کو دوزخ کے گھاٹ اتارا جائے گا۔ یہ بسبب شدت پیاس پانی طلب کریں گے اس پر ان کے لئے سراب یعنی چمکتا ہوا ریتا نمودار ہوگا وہ اس کو پانی سمجھ کر دوڑیں گے پہنچنے پر ان کو معلوم ہوگا کہ وہ تو آگ ہے جو بڑی لپٹوں سے ان کو اپنی طرف کھینچتی ہے اس وقت جہنم میں سے لمبی لمبی گردنیں نکلیں گی جو دانوں کی طرح چن چن کر ان کو جہنم میں ڈال دیں گی۔ اور پھر کوئی ان کی شفاعت کرنے والا ان کے حق میں ایک لفظ بھلا نکالنے والا نہ ہوگا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ سفارش کی اجازت فقط اللہ کے مقبول بندوں مثلاً انبیاء۔ ملائکہ۔ صالحین وغیرہ کو دی جائے گی وہی درجہ بدرجہ سفارش کریں گے۔ بدون اجازت کسی کو زبان ہلانے کی طاقت نہ ہوگی اور سفارش بھی ان ہی لوگوں کی کر سکیں گے جن کے حق میں سفارش کئے جانے کا وعدہ دے چکے ہیں۔ کافروں کے لئے شفاعت نہ ہوگی۔

یہ آیات بتا رہی ہیں کہ کتنا ہی بڑا کافر و مشرک ہو مقررہ مدت ختم ہونے سے پہلے کسی پر عذاب نہیں آتا۔ اس لئے نزول عذاب حق تعالیٰ کی حکمت و مشیت پر منحصر ہے۔ نیز ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیاطین کو قوت صرف اکسانے۔ ابھارنے اور برائیوں پر ترغیب دینے کی ہے کسی کو مجبور کر دینے کی نہیں۔ یہ ان کافروں کا بالکل اختیاری فعل ہے کہ اپنی قوت تمیز اور عقل سلیم سے کام نہ لے کر اپنے بدخواہ ازلی کے کہے میں آ جاتے ہیں۔

اب آگے کفار و مشرکین کے باطل عقیدہ کا رد فرما کر اہل ایمان کو بشارت اور اہل طغیان کو وعید سنائی گئی ہے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ شیطان کے تسلط اور وساوس سے ہماری حفاظت فرماویں اور ایمان و اسلام پر ہم کو اپنی فرمانبرداری کے ساتھ زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرماویں۔

یا اللہ ہم کو بھی قیامت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ شامل فرما لیجئے جن کو معزز مہمان بنا کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اور مجرموں کے گروہ میں شامل ہونے سے بچا لیجئے جنہیں جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔

یا اللہ قیامت کی رسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھئے اور اس دنیا میں ہم کو ان اعمال صالحہ کی توفیق نصیب فرمائیے کہ میدان حشر میں آپ کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ

اور یہ (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کر رکھی ہے۔ تم نے یہ ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اُس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں

الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ

اور زمین کے ٹکڑے اُڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے۔

وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ

جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام ہو کر حاضر ہوتے ہیں۔ اُس نے سب کو (اپنی قدرت میں) احاطہ کر رکھا ہے

عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور سب کو شمار کر رکھا ہے۔ اور قیامت کے روز سب کے سب اس کے پاس تنہا تنہا حاضر ہوں گے۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ

اللہ تعالیٰ اُن کیلئے محبت پیدا کر دے گا سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں اس لئے آسان کیا ہے کہ آپ اس سے متقیوں کو خوشخبری سنا دیں

بِهِ قَوْمًا لُدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ

اور اس سے جھگڑالو آدمیوں کو خوف دلا دیں۔ اور ہم نے ان کے قبل بہت سے گروہوں کو (عذاب وقہر سے) ہلاک کر دیا ہے، کیا آپ اُن میں سے کسی کو دیکھتے ہیں

تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

یا اُن کی کوئی آہستہ آواز سنتے ہیں۔

وَقَالُوا اور وہ کہتے ہیں	اتَّخَذَ بنا لیا ہے	الرَّحْمٰنُ رحمٰن	وَلَدًا بیٹا	لَقَدْ جِئْتُمْ تحقیق تم لائے ہو	شَيْئًا ایک بات	إِدًّا بری	تَكَادُ قریب ہے
السَّمٰوٰتُ آسمان	يَتَفَطَّرْنَ پھٹ پڑیں	مِنْهُ اس سے	وَتَنْشَقُّ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے	الْأَرْضُ زمین	وَتَخِرُّ اور گر پڑیں	الْجِبَالُ پہاڑ	
هَدًّا پارہ پارہ	أَنْ دَعَوْا کہ انہوں نے پکارا	لِلرَّحْمٰنِ اللہ کیلئے	وَلَدًا بیٹا	وَمَا جبکہ نہیں	يَنْبَغِي شایان	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کیلئے	
أَنْ يَتَّخِذَ کہ وہ بنائے	وَلَدًا بیٹا	إِنْ كُلُّ نہیں تمام	مَنْ جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْأَرْضِ اور زمین	إِلَّا آتِي مگر آتا ہے	
الرَّحْمٰنِ رحمٰن	عَبْدًا بندہ	لَقَدْ أَحْصٰهُمْ اس نے ان کو گھیر لیا ہے	وَعَدَّهُمْ اور انکا شمار کر لیا ہے	عَدًّا گن کر	وَكُلُّهُمْ اور ان میں سے ہر ایک		
آتِيهِ آئیگا اسکے سامنے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	فَرْدًا اکیلا	إِنَّ بیشک	الَّذِينَ آمَنُوا جو لوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوا اور انہوں نے عمل کئے		
الصّٰلِحٰتِ نیک	سَيَجْعَلُ پیدا کر دے گا	لَهُمْ ان کے لئے	الرَّحْمٰنُ رحمٰن	وُدًّا محبت	فَإِنَّمَا پس اس کے سوا نہیں		
يَسَّرْنٰهُ ہم نے اسے آسان کر دیا ہے	بِلِسَانِكَ آپ کی زبان پر	لِتُبَشِّرَ بِهِ تاکہ آپ کے خوشخبری دیں	الْمُتَّقِينَ پرہیزگاروں				
وَتُنْذِرَ بِهِ اور ڈرائیں اس سے	قَوْمًا لُدًّا جھگڑالو لوگ	وَكَمْ اور کتنے ہی	أَهْلَكْنَا ہم نے ہلاک کر دیئے	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	مِنْ سے		
قَرْنٍ گروہ	هَلْ کیا	تُحِسُّ تم دیکھتے ہو	مِنْهُمْ ان سے	مِنْ أَحَدٍ کوئی۔ کسی کو	أَوْ تَسْمَعُ یا تم سنتے ہو	لَهُمْ انکی	رِكْزًا آہٹ

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ مریم کی آخری آیات ہیں۔ اس سورۃ کے شروع میں حضرت مریم کے تذکرہ میں اس بات کا ثبوت گزر چکا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے اپنے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا فرمایا۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کی بنا پر آپ کو نعوذ باللہ خدا کا بیٹا ٹھہرایا۔ علاوہ نصاریٰ کے یہود و مشرکین عرب نے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر رکھی تھی۔ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا اور مشرکین عرب کے بعض فرقوں نے ملائکہ کو نعوذ باللہ خدا کی بیٹیاں قرار دے رکھا تھا اس باطل عقیدہ کی رد میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ انسانوں میں ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے کفر وشرک کی ایک قسم یہ اختیار کی کہ انہوں نے نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کی۔ مثلاً نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کو اور بعض یہود نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور بعض مشرکین عرب نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا العیاذ باللہ۔ ان باطل عقائد کی تردید میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایسی بھاری بات منہ سے کہی گئی اور ایسا گستاخانہ کلمہ زبان سے نکالا گیا جسے سن کر اگر آسمان۔ زمین اور پہاڑ مارے ہول کے پھٹ پڑیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو کچھ بعید نہیں اس گستاخی پر اگر غضب الٰہی بھڑک اٹھے تو عالم تہ و بالا ہو جائے اور آسمان و زمین تک کے پرخچے اڑ جائیں یہ تو حق تعالیٰ کا محض حلم وعفو وکرم ہے کہ انسانوں کی ان بیہودگیوں کو دیکھ کر دنیا کو ایک دم تباہ نہیں کر دیتا جس خداوند قدوس کی توحید پر آسمان زمین۔ پہاڑ۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ اور ہر چیز شہادت دے رہی ہے انسان کی یہ جسارت کہ اس کے لئے اولاد کی احتیاج ثابت کرنے لگے۔ العیاذ باللہ۔ انسانوں نے خدا کی ذات پر یہ تہمت باندھی ہے۔ نہ اس کی جنس کا کوئی۔ نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد۔ نہ اس کا کوئی شریک وساتھی۔ نہ اس جیسا کوئی۔ اس کی عظمت وشان۔

بڑائی اور پاکی کے منافی ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔ سب خدا کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں اور بندے ہی بن کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔ تو جس کے سب محکوم ومحتاج ہوں اسے بیٹا بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے زمین وآسمان میں جو ہیں سب اس کے زیر فرمان اور غلام ہیں۔ وہ سب کا آقا۔ سب کا پالنے والا اور سب کا خبر گیر ہے۔ ایک ایک انسان اور مخلوق کی گنتی اور شمار اس کے پاس لکھی ہوئی ہے اور سب کو اس پروردگار عالم کے علم نے گھیر رکھا ہے۔ سب اس کی قدرت کے احاطہ میں ہیں لیکن فرد وبشر بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اور سب کو خدا کے سامنے ایک دن حاضر ہونا ہے۔ اس وقت تمام تعلقات۔ اور ساز وسامان علیحدہ کر لئے جائیں گے اور فرضی معبود اور بیٹے پوتے کچھ کام نہ دیں گے۔ انسان کے اپنے گھڑے ہوئے بے بنیاد عقیدوں اور غلط خیالات کا قلع قمع کرنے کے بعد آگے اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے صحیح عقیدہ رکھنے والوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جنہوں نے اللہ اور رسول اور قرآن کو مانا اور اس پر ایمان لائے اور ان کی باتوں پر یقین کیا اور اعمال صالحہ اختیار کرے تو اللہ عز وجل ان سے محبت کرے گا۔ فرشتوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا اور آپس میں ان کے درمیان شفقت ومحبت پیدا کر دے گا اور لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت ومحبت قائم کر دے گا۔ بخاری ومسلم کی صحیح حدیث ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو۔ خدا کا یہ امین فرشتہ بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر وہ آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتے ہیں اے فرشتو تم بھی اس سے محبت رکھو چنانچہ کل آسمان کے فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کی مقبولیت زمین پر اتاری جاتی ہے اور زمین والوں میں اس بندہ کو حسن قبول حاصل ہوتا ہے یعنی بے تعلق

لوگ جن کا کوئی خاص نفع نقصان اس کی ذات سے وابستہ نہ ہو اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ آیات مکی ہیں اور مکہ میں جن مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا گیا تھا تھوڑے ہی عرصہ بعد اس طرح پورا ہوا کہ دنیا حیرت زدہ ہوگی۔ حق تعالیٰ نے ان کی وہ محبت والفت اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کردی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ آج بھی تمام دنیا کے انسانوں میں اہل ایمان کو اہل عرب سے جو الفت و محبت ہے وہ ہر مومن مسلم جانتا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی اپنی زبان ہی میں اتار کر آسان کر دیا ہے جو کھول کھول کر صاف زبان میں متقی پرہیزگار جو اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتے ہوں ان کو بشارت خوشخبری سناتا ہے اور منکرین۔ معاند اور جھگڑالو لوگوں کو بدعملیوں اور بدکرداریوں کے خراب نتائج سے خبردار کرتا ہے۔ آخری اور خاتمہ کی آیت میں ڈرایا جاتا ہے کہ کتنی ہی بدبخت قومیں اپنے جرائم کی پاداش میں ہلاک کی جا چکی ہیں جن کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا آج ان کے پاؤں کی آہٹ یا ان کی لن ترانیوں کی ذراسی بھنک بھی سنائی نہیں دیتی۔ اس طرح مخالفین و منکرین کو یہ تنبیہ فرمائی جارہی ہے کہ جو لوگ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برسر مقابلہ ہو کر آیات اللہ کا انکار و استہزا کر رہے ہیں وہ بے فکر نہ ہوں ممکن ہے ان کو بھی کوئی ایسا ہی تباہ کن عذاب آ گھیرے کہا جوان کو تہس نہس کر ڈالے۔

اس سورۂ مریم میں مادہ رحمت کا ذکر متعدد بار لایا گیا ہے چنانچہ لفظ رحمٰن اس سورۃ میں سولہ جگہ آیا ہے۔ لفظ رحمت شروع سورۃ میں آیا ہے اور درمیان میں بھی اور چونکہ اس سورۃ میں کفار و مومنین کا حال زیادہ بیان کیا گیا ہے پس جہاں ذکر مومنین میں یہ لفظ آیا ہے تو اشارہ اس طرف ہے کہ ان پر بڑی رحمت ہوگی جیسا کہ لفظ رحمٰن کا مقتضا ہے اور جہان ذکر کفار میں یہ لفظ آیا ہے وہاں اشارہ اس طرف ہے کہ کفار ایسے بڑے رحمت والے کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے احسانات و انعامات سے بھی نہیں شرماتے۔

الحمدللہ سورۂ مریم کا بیان ختم ہوا جس میں ۶ رکوع تھے اب اس کے بعد اگلی سورۃ طٰہٰ کا بیان انشاءاللہ شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم کو بھی دونوں جہاں میں نوازیں دنیا میں بھی اپنی رحمت فرمائیں اور آخرت میں بھی رحمت کا معاملہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہم کو دنیا میں سچی اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرمائیں اور قرآن کریم کی بشارات کا اپنی رحمت سے ہم کو بھی مصداق بنادیں۔ امت مسلمہ میں آپس میں ایک دوسرے کے لئے محبت پیدا فرماویں۔ اور آپس میں شقاق ونفاق کی لعنتوں کو دور فرماویں۔ یا اللہ ہم کو اپنے جملہ عقائد قرآن کریم کی تلاوت وہدایات کے موافق رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ ہم بیشک قیامت میں سب آپ کے دربار میں حاضر ہوں گے۔ یا اللہ ہم کو ایمان اور اعمال صالح کے ساتھ حاضر ہونا نصیب فرمائیے تاکہ آپ کی خوشنودی اور رضا کے حاصل کرنے والے ہوں۔ یا اللہ ہم سے جو تقصیرات اور کوتاہیاں اب تک زندگی میں سرزد ہو چکی ہیں ان پر سچی توبہ ندامت کیساتھ نصیب فرمائیے تاکہ ہم کو قیامت میں شرمندگی سے واسطے نہ پڑے۔

یا اللہ اپنے ان مقبول بندوں کی ہم کو بھی محبت عطا فرما جن سے آپ اور آپ کے فرشتے محبت فرماتے ہیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾

طٰہٰ (کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں) ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نہیں اُتارا کہ آپ تکلیف اُٹھائیں۔ بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کیلئے (اتارا ہے) جو اللہ سے ڈرتا ہو۔

طٰہٰ طٰہٰ	مَآ اَنْزَلْنَا ہم نے نازل نہیں کیا	عَلَيْكَ تم پر	الْقُرْاٰنَ قرآن	لِتَشْقٰٓى تاکہ تم مشقت میں پڑ جاؤ	اِلَّا مگر	تَذْكِرَةً یاددہانی	
لِّمَنْ اس کیلئے جو	يَّخْشٰى ڈرتا ہے						

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ کہ سولہویں پارہ کے نصف پر سورۂ مریم ختم ہوگئی تھی اوراب سورۃ طٰہٰ کا بیان شروع ہورہا ہے۔ اس وقت صرف ابتدائی دوآیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ طٰہٰ کا مقام و زمانہ نزول۔ وجہ تسمیہ۔ موضوع ومباحث تعداد آیات رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کی ابتدا لفظ طٰہٰ سے ہوئی ہے اس کو بطور علامت کے سورۃ کا نام دے دیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی بیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۵۵ لکھا ہے یعنی مکہ معظمہ میں ۵۴ سورتیں اس سے قبل نازل ہوچکی تھیں اور ۳۵ سورتیں اس کے بعد مکہ ہی میں نازل ہوئیں اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ۲۴ سورتیں نازل ہوئیں۔ اس سورۂ طٰہٰ میں ۱۳۵ آیات ۸ رکوعات ۱۲۵۱ کلمات اور ۵۴۲۶ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کا زمانۂ نزول بھی سورۂ مریم کے زمانہ سے قریب ہی کا ہے ممکن ہے کہ یہ ہجرت حبشہ کے زمانہ میں یا اس کے بعد نازل ہوئی ہو مگر یہ امر یقینی ہے کہ یہ سورۂ طٰہٰ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہوچکی تھی کیونکہ مکہ میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ میں سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کا ذکر معتبر روایات میں موجود ہے یہاں موقع کی مناسبت سے مناسب معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کردیا جائے ۔حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کی مشہور اور معتبر روایت یہ ہے کہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر گردن میں تلوار لٹکا کر گھر سے نکلے راستہ میں بنی زہرہ کے ایک آدمی نے پوچھا کہ عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کردوں۔ اس آدمی نے کہا کہ اگر تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کردیا تو بنی زہرہ اور بنی ہاشم سے کس طرح بچو گے؟ حضرت عمر نے اس پر اس شخص سے یہ کہا کہ میرا خیال ہے کہ تو بھی بے دین ہوچکا ہے اور جس دین پر تو تھا اسے چھوڑ چکا ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ میں تمہیں اس سے بھی عجیب بات بتاؤں۔ حضرت عمر نے پوچھا وہ کیا بات ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ تمہاری بہن اور بہنوئی بھی بے دین ہوگئے اور جس دین پر تم ہو اسے چھوڑ بیٹھے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر غصہ سے بھڑک گئے اور اپنی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی حضرت سعید بن زید کے پاس پہنچے۔ ان دونوں کے پاس مہاجرین میں سے حضرت خباب بیٹھے قرآن پڑھا رہے تھے اور اسی سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کررہے تھے۔ حضرت خباب نے حضرت عمر کے آنے کی آہٹ سنی تو گھر کے اندر ایک جگہ چھپ گئے۔ حضرت عمر نے گھر میں داخل ہوتے ہی کچھ پڑھنے کی آواز سن لی تھی اس لئے پوچھا کہ ابھی جو آواز میں نے تم لوگوں کے پاس سنی کیا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ ہم بات کررہے تھے۔ حضرت عمر نے کہا کہ شاید تم دونوں بے دین ہوچکے ہو۔ ان کے بہنوئی نے کہا کہ اے عمر تم ہی بتاؤ کہ اگر حق تمہارے دین کے علاوہ میں ہو تو کیا کیا جائے۔ حضرت عمر جھپٹے اور بہنوئی پر پل پڑے اور مارنا پیٹنا شروع کردیا۔ بہن نے بچانا چاہا تو انہیں بھی مارا اور بہن کا

چہرہ بھی خون آلود ہوگیا۔ اللہ اللہ! یہ ان مبارک سابقین اولین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) ہستیوں کا خون تھا جس سے اسلام کا پودا سینچا گیا اور ایک آج اسلام کے دعویدار ہیں کہ جو اس لگے لگائے باغ کو اجاڑنے پر کمربستہ ہیں اور اسلام کا لیبل لگا کر اس کی جڑیں کاٹنے کو تیار ہیں۔ اللہ اپنی قدرت سے ان بے دینوں۔ بدخواہوں کی جڑیں کاٹ دے جو دین اسلام میں طرح طرح کے نئے نئے فتنے آئے دن کھڑے کرتے رہتے ہیں آخرکار بہن اور بہنوئی دونوں نے کہا کہ ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں تم سے جو کچھ ہو سکے کرلو۔ یہ سن کر اور اپنی بہن کا خون بہتا دیکھ کر کچھ حضرت عمر پشیمان سے ہوگئے اور کہنے لگے کہ اچھا مجھے بھی وہ چیز دکھاؤ جو تم لوگ پڑھ رہے تھے۔ بہن نے پہلے قسم لی کہ اسے پھاڑ نہ دیں گے پھر کہا کہ جب تک تم غسل نہ کرلو اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور پھر وہ صحیفہ لے کر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں یہی سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ حضرت عمر لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ چنانچہ جب سورۂ طٰہٰ یہاں تک پڑھی انني انا الله لا اله الا انا فاعبدني واقم الصلوٰة لذكري (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کرو) حضرت عمر نے کہا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے چلو۔ یہ سن کر حضرت خباب بھی کوٹھری سے باہر نکل آئے اور کہا کہ اے عمر! بشارت حاصل کرو۔ مجھے پوری امید ہے کہ جمعرات کی رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا مانگی تھی وہ تمہارے حق میں قبول ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ عمر بن خطاب یا ابوالحکم بن ہشام یعنی (ابوجہل) ان دونوں میں سے کسی کو اسلام کا حامی بنادے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مکان میں تشریف فرما ہیں جو صفا پہاڑی کے دامن میں ہے۔ حضرت عمر وہاں سے چل کر دار ارقم میں پہنچے۔ دروازہ پر حضرت حمزہؓ اور حضرت طلحہؓ اور چند دیگر صحابہ حاضر تھے۔ حضرت عمر کی آمد سے لوگوں نے خطرہ محسوس کیا۔ حضرت حمزہؓ نے یہ دیکھ کر فرمایا ہاں یہ عمر ہی آرہے ہیں اگر اللہ پاک نے عمر کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے تو اسلام لے آئیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرلیں گے اور اس کے علاوہ اگر ان کا کوئی اور ارادہ

ہے تو ہمارے لئے ان کا قتل کردینا کوئی بڑی بات نہیں۔ آسان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکان کے اندر تھے آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور حضرت عمر کے پاس پہنچ کر فرمایا کہ اے عمر کیا تم باز آنے والے نہیں جب تک اللہ تمہارے اوپر ذلت وعذاب نہ نازل کردے جیسا کہ ولید بن مغیرہ پر نازل کیا۔ اے میرے اللہ یہ عمر بن خطاب ہے۔ اے میرے اللہ عمر بن خطاب کے ذریعہ دین کو عزت دے یہ سنتے ہی حضرت عمر نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اسلام لے آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ کھلم کھلا تبلیغ کیجئے۔ خیر یہ تو اضطراراً درمیان میں حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ آگیا تھا۔ الغرض یہ سورہ طٰہٰ مکہ میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اس سورۃ کا آغاز قرآن پاک کے ذکر اور پھر توحید سے فرمایا جاتا ہے اور اس کے بعد یکایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیلاً بیان ہوتا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے (۱) کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو منصب نبوت کے لئے منتخب فرماتے ہیں تو اس کے لئے کوئی عام اعلان نہیں کیا جاتا۔ نبوت اسی طرح اچانک خاموشی کے ساتھ عطا کردی جاتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی تو اب اس پر اچنبھا کیوں ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکایک نبی بن کر تمہارے سامنے آگئے اور اس کا اعلان نہ آسمان سے ہوا نہ زمین پر فرشتوں نے اعلان کیا۔ تو ایسے اعلانات پہلے نبیوں کے تقرر پر کب ہوئے تھے کہ جو اہل مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایسے اعلان کی ضرورت خیال میں لاتے ہیں۔ (۲) جو دین آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں۔ ٹھیک وہی بات منصب نبوت پر مقرر کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سکھلائی تھی۔ (۳) آج جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی دنیوی ساز وسامان اور لاؤ لشکر کے تن تنہا قریش کے مقابلہ میں دعوت حق کا علم لے کر کھڑے ہوئے ہیں ٹھیک اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی فرعون جیسے جابر بادشاہ اور اس کی زبردست حکومت کے مقابلے میں کھڑے ہوئے تھے۔ (۴) جو اعتراضات اور شبہات اور الزامات اور

مکر و ظلم کے جو طریقے کفار مکہ استعمال کر رہے ہیں پہلے بھی سب کچھ فرعون اور اس کے ہمنواؤں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں استعمال کیا تھا۔ (۵) فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں باوجود اپنے ساز و سامان کے ساری تدبیروں میں ناکام رہا اسی طرح مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ اپنی بے سر و سامانی اور کفار مکہ کے ساز و سامان پر نہ جائیں آخر کار کامیاب اہل ایمان ہی ہوں گے اور کفار مکہ ناکام اور مغلوب ہو کر رہیں گے۔

پھر اس سورۃ میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ بھی بیان ہوا ہے جس سے یہ بات سمجھانی مقصود ہے کہ جس روش پر منکرین قرآن جارہے ہیں یہ دراصل شیطان کی پیروی ہے۔ اتفاقاً شیطان کے بہکانے میں آجانا تو خیر ایک وقتی کمزوری ہے جس کا علاج فوری توبہ اور رجوع الی اللہ ہے اور یہ روش انسانیت اور بشریت کی ہے۔ اور غلطی پر اصرار اور ہٹ دھرمی حق کے مقابلہ پر تکبر و غرور شیطنت ہے اور خدائی لعنت کی مستوجب ہے۔ پھر اخیر سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو تسلی دی گئی ہے کہ منکرین حق کے معاملہ میں جلدی اور بے صبری نہ کریں۔ سنت اللہ یہی ہے کہ کفر و انکار پر فوراً گرفت نہیں ہوتی۔ مہلت دی جاتی ہے۔ مہلت سے منکرین فائدہ نہ اٹھائیں گے تو ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو پہلے منکرین حق کا ہوا ہے۔ اہل ایمان کو صبر و استقلال کے سبق کے سلسلہ میں نماز کی تاکید کی گئی ہے تاکہ ان میں صبر و تحمل۔ قناعت اور رضائے الٰہی کی خاطر جد و جہد میں ثبات کی صفات پیدا اور پختہ ہوں۔ خلاصہ یہ کہ اس سورۃ شریفہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کریمہ بیان کر کے رسالت کو ثابت کیا ہے اور پھر انسانوں کو رسولوں کی مخالفت کا انجام دکھایا اور دنیا میں آخرت کے لئے ذخیرہ جمع کرنے کی ترغیب دی ہے جس کا تفصیلی بیان آئندہ درسوں میں ان شاء اللہ تعالیٰ ہوگا۔ اب آیات زیر تفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو۔

یہ سورۃ بھی بعض گذشتہ سورتوں کی طرح حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہے۔ حروف مقطعات کے متعلق گذشتہ سورتوں میں بتایا جا چکا ہے کہ ان کا حقیقی اور صحیح مطلب حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں یا پھر حق تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا حروف مقطعات اسرار الٰہیہ میں سے ہیں اور ان پر اسی طرح ایمان لانا چاہئے۔ چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے۔

"طٰہٰ۔ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے اتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔"

یعنی قرآن کریم اس لئے اتارا گیا ہے کہ جن کے دل نرم ہوں اور خدا سے ڈرتے ہوں وہ اس کے بیانات سے نصیحت حاصل کریں اور روحانی فیوض و برکات سے محروم نہ رہیں۔ یہ غرض نہیں کہ قرآن نازل کر کے خواہ مخواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی محنت شاقہ اور تکلیف شدیدہ میں مبتلا کیا جائے۔ روایت میں ہے کہ ابتداء مکہ میں نزول قران کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں بہت زیادہ قرآن تلاوت فرماتے تھے۔ اور کبھی اس پاؤں اور کبھی اس پاؤں پر کھڑے ہو کر اس قدر طویل قیام فرماتے تھے کہ قدم مبارک ورم کر آتے تھے جس کو دیکھ کر کفار قریش کہتے تھے کہ ان پر قرآن کیا نازل ہوا زحمت میں پڑ گئے۔ اس کا جواب ان آیات میں دیا گیا کہ فی الحقیقت قرآن محنت و شقاوت نہیں بلکہ رحمت و نور ہے۔ جس کو جتنا آسان ہو اسی قدر نشاط کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ اس سے یہ غرض نہیں کہ قرآن نازل کر کے آپ کو کسی محنت شاقہ میں مبتلا کیا جائے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن مجید سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعب و مشقت اٹھانے کی دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ آپ کافروں کے رد و انکار پر غم و حزن بہت زیادہ کرتے تھے دوسرے یہ کہ شب میں آپ قرأت قرآن کے وقت بہت زائد طویل قیام فرماتے تھے تو آپ کو یہ تعلیم ہو رہی ہے کہ آپ کا کام تو تبلیغ و تذکیر ہے جسے ماننا ہوگا مانے گا۔ نہ ماننا ہوگا نہ مانے گا آپ اتنے فکرمند نہ رہیں علی ہذا رات کی نماز میں بھی اس درجہ مشقت نہ اٹھائیں۔ جس قدر بآسانی تحمل ہو سکے بس اسی قدر پڑھیں۔ اب اس کے بعد مضمون توحید بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝۴ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا

یہ اُس (ذات) کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ (اور) وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے۔ اُسی کی ملک ہیں

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ

جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان میں ہیں اور جو چیزیں تحت الثریٰ میں ہیں۔ اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ تو چپکے سے کہی ہوئی

يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝۷ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝۸

بات کو اور اس سے بھی زیادہ خفی بات کو جانتا ہے۔ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔

تَنْزِيْلًا نازل کیا ہوا	مِمَّنْ سے۔جس	خَلَقَ بنایا	الْاَرْضَ زمین	وَالسَّمٰوٰتِ اور آسمان	الْعُلٰى اونچے	اَلرَّحْمٰنُ رحمٰن	عَلَى الْعَرْشِ عرش پر	
اسْتَوٰى قائم	لَهٗ مَا اس کیلئے	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان		
وَمَا اور جو	تَحْتَ نیچے	الثَّرٰى گیلی	وَاِنْ اور اگر	تَجْهَرْ تو پکار کر کہے	بِالْقَوْلِ بات	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	السِّرَّ بھید
وَاَخْفٰى اور نہایت پوشیدہ	اَللّٰهُ اللہ	لَآ اِلٰهَ نہیں کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اسکے سوا	لَهُ اسی کیلئے	الْاَسْمَآءُ سب نام	الْحُسْنٰى اچھے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں سورۃ کی ابتدا قرآن پاک کے ذکر سے فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ قرآن کریم اس لئے اتارا گیا ہے کہ جن کے دل نرم ہوں اور خدا سے ڈرتے ہوں وہ اس کے بیانات سے نصیحت حاصل کریں اور روحانی فیوض و برکات سے اپنے قلوب منور کریں۔ آگے اب ان آیات میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ قرآن پاک اس ذات عالی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس کی ایک صفت یہ ہے کہ جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ قرآن پاک میں کئی جگہ تصریح فرمائی گئی ہے کہ سات آسمان اوپر تلے پیدا فرمائے گئے ہیں۔ ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی راہ ہے۔ اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ بھی پانچ سو سال کا ہے تو جو آسمانوں جیسی بلند اور زبردست مخلوق کا خالق ہے اسی کی طرف سے یہ کلام نازل کیا گیا ہے۔ یہ پہلی صفت حق تعالیٰ نے اپنی بیان فرمائی۔

دوسری صفت آگے بیان فرمائی الرحمٰن علی العرش استویٰ۔ یعنی وہ بڑی رحمت والا عرش پر جلوہ فرما ہے۔ تو چونکہ وہ رحمٰن ہے اس کی رحمت کا مقتضٰی یہ بھی ہوا کہ اس نے اپنے بندوں کی اصلاح آخرت اور تزکیہ نفس کے لئے قرآن نازل کیا۔ عرش پر جلوہ فرما ہونا یا قائم ہونا حق تعالیٰ نے اپنی یہ صفت قرآن پاک میں حسب موقع ۷ جگہ ذکر فرمائی ہے۔

(۱) سورۂ اعراف میں۔ (۲) سورۂ یونس میں (۳) سورۂ رعد میں (۴) یہاں آیت یعنی سورہ طٰہٰ میں۔ (۵) سورۂ فرقان میں۔ (۶) سورۂ سجدہ میں (۷) سورۂ حدید میں۔ عرش جس کے معنی تخت شاہی کے ہیں اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم مخلوق ہے۔ عرش کے متعلق نصوص سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس کے پائے ہیں اور خاص فرشتے اٹھانے والے ہیں اور آسمانوں کے اوپر قبہ کی طرح ہے۔ مفسرین کے ایک گروہ نے لکھا ہے کہ عرش فلک اعلیٰ ہے اور کرسی فلک ثوابت یعنی ساتویں آسمان کے اوپر کرسی (یعنی آسمان ہشتم) اور کرسی کے اوپر عرش (یعنی آسمان نہم) اور یہ استدلال اس روایت سے کیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے منقول ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے جنگل بیابان میں کوئی انگوٹھی پڑی ہو اور یہی حال کرسی کا عرش کے مقابلہ میں ہے۔ الغرض عرش کی حقیقت بجز نام انسانوں کو کچھ نہیں معلوم۔ مفسرین کے اقوال یہی ہیں کہ عرش سے مراد تخت ہی ہے اور یہ ایک جسم مجسم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اسے اٹھائے رکھیں اور اس کی تعظیم اور طواف کے ذریعہ عبادت کو بجالائیں جس طرح سے کہ زمین میں اس نے ایک گھر بیت اللہ پیدا فرمایا اور بنی آدم کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں۔ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک تصنیف میں لکھا ہے کہ اگر تم یہ سوال کرو کہ قرآن مجید میں عرش کو عظیم۔ کریم اور مجید تین ناموں سے موسوم کرنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا یہ الفاظ مترادف ہیں یا نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ مترادف نہیں ہیں بلکہ عرش کو اگر اس کے احاطہ کی حیثیت سے دیکھو تو وہ ''عظیم'' ہے کیونکہ سب اجسام سے بڑا ہے اور اس حیثیت سے کہ اس کو ان سب پر فوقیت دی گئی ہے کہ جن کا وہ احاطہ کئے ہوئے ہے وہ ''کریم'' ہے اور اس حیثیت سے کہ کوئی اور جسم اس کا احاطہ کر سکے اس سے وہ بالا ہے اس بنا پر وہ ''مجید'' ہے اور کبھی عرش عزت غلبہ اور سلطنت سے بھی کنایہ ہوتا ہے۔ عربی زبان میں ایک محاورہ ہے ثل عرشہ جس کا اردو میں مفہوم ہے کہ عزت خاک میں مل گئی۔ لکھا ہے کہ کسی نے حضرت عمرؓ کو خواب میں دیکھا تو آپ سے پوچھا کہ خدا کا آپ سے کیا معاملہ رہا۔ تو آپ نے جواب دیا لولا ان تدارکنی اللہ برحمتہ لثل عرشی یعنی اگر خدا اپنی رحمت سے میری دستگیری نہ فرماتا تو بس میری عزت ختم تھی۔ تو یہاں لفظ عرش بمعنے عزت استعمال ہوا ہے۔ الغرض الرحمٰن علی العرش استوٰی کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ

عرش حق تعالیٰ کی ایک مخلوق عظیم کریم اور مجید ہے جس پر حق تعالیٰ جلوہ فرما ہے۔ استوٰی علی العرش کی تحقیق اور اس کا قدرے تفصیلی بیان سورۂ اعراف آٹھویں پارہ میں ہو چکا ہے۔ جس کا خلاصہ مفسر قرآن شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے الفاظ میں یہی ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا مکان اور بلا جہت کے اور بلا حد اور بلا کیفیت کے عرش پر جلوہ فرما ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ عرش عظیم باری تعالیٰ کا جلوہ گاہ ہے عرش اس کا مستقر اور جائے قرار نہیں اس لئے کہ وہ نہ مکان کا محتاج ہے اور نہ کسی تخت وجہت کا محتاج ہے اور نہ عرش اس کو اٹھائے ہوئے ہے اور تھامے ہوئے ہے بلکہ اللہ کی قدرت عرش عظیم کو تھامے اور اٹھائے ہوئے ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور پیدا کردہ ایک جسم ہے جو محدود اور متناہی ہے اور یہ ناممکن اور محال ہے کہ کوئی شے خالق کو اٹھا سکے اور تھام سکے عرش اور مکان کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ جس شان سے تھا۔ عرش و مکان کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی شان سے ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کوئی جسم نہیں جو کسی دوسرے جسم پر مستقر اور متمکن ہو سکے۔ (معارف القرآن حضرت کاندھلویؒ)

الغرض حق تعالیٰ جو اس قرآن مجید کو نازل فرمانے والے ہیں یہاں اپنی ذات پاک کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ بڑی رحمت والا عرش جیسی عظیم مخلوق پر جلوہ فرما ہے۔ آگے تیسری صفت بیان فرمائی کہ وہی ایک خدا بلا شرکت غیرے آسمانوں سے زمین تک اور زمین سے تحت الثریٰ تک تمام کائنات کا مالک و خالق ہے۔ اسی کی تدبیر و انتظام سے کل سلسلے قائم ہیں۔ یہ صفات تو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت و سلطنت کی بیان فرمائیں۔ آگے چوتھی صفت میں علم الٰہی کی وسعت کا ذکر

ہے کہ جو بات زور سے پکار کر کہی جائے وہ اس ذات عالی سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے جس کو ہر کھلی چھپی بلکہ چھپی سے زیادہ چھپی ہوئی باتوں کی بھی خبر ہے۔ جو بات تنہائی میں آہستہ کہی جائے اور جو دل میں گزرے ابھی زبان تک نہ آئی ہو اور جو ابھی دل میں بھی نہیں گزری آئندہ گزرنے والی ہو حق تعالیٰ کا علم ان سب کو محیط ہے۔ تو جو صفات حق تعالیٰ کی یہاں بیان ہوئی ہیں یعنی اس کا خالق اور مالک الکل ہونا۔ رحمٰن قادر مطلق اور صاحب علم محیط ہونا۔ ان کا اقتضا یہ ہے کہ الوہیت بھی تنہا اسی کا خاصہ ہو۔ بجز اس کے کسی دوسرے کے آگے سر عبودیت نہ جھکایا جائے کیونکہ نہ صرف صفات مذکورۂ بالا بلکہ کل عمدہ صفات اور اچھے نام اسی کی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ کوئی دوسری ہستی اس شان و صفت کی موجود نہیں جو معبود بن سکے۔ تو مقصود یہ نکلا کہ جس قدرت اور کمال والے کی طرف سے یہ کلام نازل ہوا ہے مخلوق کو نہایت خوشی کے ساتھ اس کو اپنے سر آنکھوں پر رکھنا چاہئے۔ اور شہنشاہانہ احکام کی خلاف ورزی نہ کرنی چاہئے۔

خلاصہ ان ابتدائی آیات کا یہ ہوا کہ یہ قرآن پاک اللہ عزوجل نے نازل کیا کیونکہ آسمانوں و زمین کا وہی خالق ہے۔ اور فقط خالق ہی نہیں بلکہ سب کا مالک اور مربی بھی ہے اور فقط مربی ہی نہیں۔ بلکہ صاحب رحمت اور فیاض بھی ہے کل عالم کا مدبر بھی ہے اور اسی کو قانون بھیجنے کا حق ہے پس اس نے قرآن نازل کیا اور اس لئے نازل ہوا کہ اہل بصیرت اس سے فائدہ اندوز ہوں اور جن کے دلوں میں خدا ترسی ہے ان کو ہدایت ہو جائے۔ اب اگلی آیات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ اے آسمانوں اور زمینوں کے خالق۔ اے عرش کریم کے مالک یہ آپ کا نازل کیا ہوا کلام جو ہم تک پہنچا ہے اور جس کو آپ نے اپنی رحمت سے ہماری ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔

اے خداوند قدوس تو اپنے اس کلام پاک سے ہمارے قلوب بھی منور فرمادے۔ اس کے فیوض و برکات سے تو ہم کو بھی مالا مال فرمادے۔

اے اللہ آپ اپنے کرم و عنایت سے ہم کو توفیق نصیب فرمادیں کہ دنیا میں آپ کے اس کلام پاک سے ہم کو سچی محبت اور تعلق اور اس کا اتباع کامل نصیب ہو۔ اور آخرت میں آپ کے دربار میں جب پیشی ہو تو یہ کلام پاک ہمارا سفارشی ہو۔

اے اللہ تو اپنی رحمت سے ہمارے ملک میں قرآنی حکومت قائم فرمادے۔ اور جو اس کے لئے کوشاں ہیں ان کی کوششوں کو اپنی رحمت سے بارآور فرمادے اور ان کو کامیابی نصیب فرمادے اور مخالفین کو ناکام و خاسر فرما کر ان کے عزائم کو ملیامیٹ فرمادے۔

یا اللہ اپنی رحمت سے جیسے آپ نے یہ پاکستان بنادیا ایسے ہی اپنی قدرت سے یہاں قرآنی اور اسلامی حکومت و قوانین کا نفاذ فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَهَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ مُوسٰى ﴿٩﴾ إِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوٓا إِنِّيٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيٓ

اور کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام کے قصہ) کی خبر بھی پہنچی ہے۔ جبکہ انہوں نے ایک آگ دیکھی سو اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ تم ٹھیرے رہو میں نے آگ دیکھی ہے

اٰتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿١٠﴾

شاید اس میں سے تمہارے پاس کوئی شعلہ لاؤں یا (وہاں) آگ کے پاس راستہ کا پتہ مجھ کو مل جاوے۔

وَهَلْ اور کیا	اَتٰىكَ تمہارے پاس	حَدِيثُ بات۔خبر	مُوسٰى موسیٰ	اِذْ رَاٰ جب اس نے دیکھی	نَارًا آگ	فَقَالَ تو کہا
لِاَهْلِهِ اپنے گھر والوں کو	امْكُثُوٓا تم ٹھہرو	اِنِّيٓ بیشک میں نے	اٰنَسْتُ دیکھی ہے	نَارًا آگ	لَعَلِّيٓ شاید میں	اٰتِيكُمْ تمہارے پاس لاؤں
مِنْهَا اس سے	بِقَبَسٍ چنگاری	اَوْ یا	اَجِدُ میں پاؤں	عَلَى النَّارِ آگ پر۔کے	هُدًى راستہ	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں قرآن پاک کے نازل کرنے کی غرض و غایت بیان کر کے ساتھ ہی قرآن نازل کرنے والی ذات عالی یعنی اللہ عزوجل کی چند صفات بیان فرمائی گئی تھیں۔ جن سے مقصود یہ بتلانا تھا کہ جب یہ کلام ایسے قادر مطلق۔ اور ایسی صفات اعلیٰ رکھنے والی ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تو مخلوق کو نہایت خوشی کے ساتھ اس کو سر آنکھوں پر رکھنا چاہئے اور اس کے انکار یا خلاف ورزی سے بچنا چاہئے۔ اس کے بعد ان آیات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو ایک قصہ کی شکل میں بیان فرمایا ہے جس میں بظاہر اس وقت کے حالات کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں۔ مگر جس وقت اور جس ماحول میں یہ قصہ سنایا گیا ہے اس سے اہل مکہ کو کئی باتیں جتلانی مقصود ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ سامعین سمجھ جائیں کہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اللہ تعالیٰ کا قرآن کی وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں۔ جس طرح پیشتر موسیٰ علیہ السلام کو وحی مل چکی ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملی۔

(۲) دوسرے یہ کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی وحی توحید و آخرت کی تعلیم پر مشتمل تھی آپ کی وحی میں بھی انہیں اصول پر زور دیا گیا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام اتنے بڑے کام پر مامور کر دیئے گئے تھے کہ جا کر فرعون جیسے جبار بادشاہ کو سرکشی سے باز آنے کی تلقین کریں اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی ساز و سامان اور لاؤ لشکر کے تن تنہا قریش کے مقابلہ میں دعوت حق کا علمبردار بنا کر کھڑا کر دیا۔

(۴) چوتھے جو اعتراضات۔ الزامات اور شبہات اور مکر و ظلم کے ہتھکنڈے کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں استعمال کر رہے ہیں۔ ان سے بڑھ چڑھ کر وہی سب ہتھیار فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں استعمال کئے تھے پھر دیکھو کہ کس طرح وہ اپنی ساری تدبیروں میں ناکام رہا اور اللہ کا بے سروسامان اور بے لاؤ لشکر والا نبی کس طرح غالب ہو کر رہا۔

موسیٰ علیہ السلام کے اس قصہ میں نہ صرف کفار مکہ کو اوپر کی باتیں جتلانا مقصود ہیں بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو بھی یہ تسلی اور تعلیم دینی مقصود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ حق میں جو صعوبت اور شدائد برداشت کیں آپ کو بھی برداشت کرنی پڑیں گی اور جس طرح آخر کار ان کو کامیابی اور غلبہ نصیب ہوا اور دشمن مغلوب اور ذلیل و خوار ہوا اسی طرح آپ بھی یقیناً غالب و

منصور ہوں گے اور آپ کے دشمن تباہ وذلیل کئے جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور آپ کے قصہ کے مختلف اجزا مختلف سورتوں میں حسب موقع بیان فرمائے گئے ہیں یہاں اس سورۃ میں مدین سے مصر کی طرف واپسی کا قصہ مذکور ہے۔ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوگیا تھا حسب وعدہ دس سال وہاں مقیم رہنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر جانے کا ارادہ کیا۔ سفر بہت لمبا۔ حاملہ بیوی ہمراہ تھیں۔ رات اندھیری تھی سردی کا موسم تھا بکریوں کا گلہ بھی ساتھ لے کر چلے تھے۔ اس حالت میں راستہ بھول گئے۔ اور لکھا ہے کہ بیوی صاحبہ کو دردزہ شروع ہوگیا۔ اندھیرے میں سخت پریشان تھے۔ سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی۔ ان مصائب کی تاریکیوں میں دفعتہً دور سے ایک آگ نظر آئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو دور سے ایک آگ سی نظر تھی وہ کوئی دنیوی آگ نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کا نور جلال تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری آگ سمجھ کر گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں شاید اس آگ کا ایک شعلہ لاسکوں یا وہاں پہنچ کر کوئی راستہ کا پتہ بتلانے والا مل جائے بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ آگ لینے کے لئے گئے اور وہاں عجیب نظارہ دیکھا۔

یہاں آیت میں نقال لاہلہ کے الفاظ آئے ہیں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس وقت آپ کی بیوی تھیں اور چونکہ اہل کا اطلاق ایک پر نہیں ہوتا اس لئے اہل تحقیق نے جواب دیا کہ صرف بی بی کو اہل کہنا بطور تہذیب ہے۔ جمع کا صیغہ واحد کے لئے بطور تہذیب وتکریم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اہل تاریخ کا قول ہے کہ بی بی خادمہ اور ایک بچہ موجود تھے اس لئے سب کو اہل کہا گیا ہے واللہ اعلم۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ پہنچے پھر وہاں کیا دیکھا اور کیا واقعات پیش آئے یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حضرت موسیٰؑ کا یہ قصہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بھی باعث تسکین وتعلیم بنادیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ظاہری پریشان کن حالات میں جو نعم البدل یعنی منصب نبوت عطا ہوا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسی طرح ہمارے ہر ظاہری وباطنی تکلیف وپریشانی کا نعم البدل ہم کو عطا فرماویں۔

اللہ جل شانہٗ دین حق کی نصرت فرماویں اور دنیا میں دشمنان دین کو مقہور ومغلوب وذلیل وخوار فرماویں۔ امت مسلمہ کو قرآن تھامنے اور اس کی برکت سے دین ودنیا کی صلاح وفلاح پانے والا بنادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی ﴿١١﴾ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ﴿١٢﴾ؕ

سو وہ جب اُس (آگ) کے پاس پہنچے تو (اُن کو منجانب اللہ) آواز دی گئی کہ اے موسیٰ۔ میں تمہارا رب ہوں پس تم اپنی جوتیاں اُتار ڈالو، (کیونکہ) تم ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں ہو

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ﴿١٣﴾ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

اور میں نے تم کو منتخب فرمایا ہے سو (اس وقت) جو کچھ وحی کی جارہی ہے اُس کو سُن لو (وہ یہ ہے کہ) میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی

لِذِكْرِیْ ﴿١٤﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ﴿١٥﴾ فَلَا یَصُدَّنَّكَ

نماز پڑھا کرو۔ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اُس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ مل جاوے۔ سو تم کو قیامت سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پاوے

عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی ﴿١٦﴾

جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشوں پر چلتا ہے کہیں تم تباہ نہ ہو جاؤ۔

فَلَمَّا پس جب	اَتٰهَا وہ وہاں آئے	نُوْدِیَ آواز آئی	یٰمُوْسٰی اے موسیٰ	اِنِّیْ بیشک میں	اَنَا میں	رَبُّكَ تمہارا رب	فَاخْلَعْ سو اُتار لو
نَعْلَیْكَ اپنی جوتیاں	اِنَّكَ بیشک تم	بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ میدانِ پاک	طُوًی طویٰ	وَاَنَا اور میں	اخْتَرْتُكَ تمہیں پسند کیا		
فَاسْتَمِعْ پس کان لگا کر سنو	لِمَا یُوْحٰی اسکی طرف جو وحی کی جائے	اِنَّنِیْ بیشک میں	اَنَا میں	اللّٰهُ اللہ	لَآ اِلٰهَ نہیں کوئی معبود	اِلَّآ اَنَا میرے سوا	
فَاعْبُدْنِیْ پس میری عبادت کرو	وَاَقِمِ اور قائم کرو	الصَّلٰوةَ نماز	لِذِكْرِیْ میری یاد کے لئے	اِنَّ بیشک	السَّاعَةَ قیامت	اٰتِیَةٌ آنیوالی	
اَكَادُ میں چاہتا ہوں	اُخْفِیْهَا میں اسے پوشیدہ رکھوں گا	لِتُجْزٰی تا کہ بدلہ دیا جائے	كُلُّ نَفْسٍ ہر شخص	بِمَا تَسْعٰی اس کا جو وہ کوشش کرے			
فَلَا یَصُدَّنَّكَ پس تجھے روک نہ دے	عَنْهَا اس سے	مَنْ جو	لَا یُؤْمِنُ ایمان نہیں رکھتا	بِهَا اس پر	وَاتَّبَعَ اور وہ پیچھے پڑا		
هَوٰىهُ اپنی خواہش	فَتَرْدٰی پھر تو ہلاک ہو جائے						

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے مصر کی طرف واپسی کے سفر کا حال شروع ہوا تھا جس میں بتلایا گیا تھا کہ آپ کی بیوی صاحبہ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی آپ کے ہمراہ تھیں۔ سفر میں ایک جگہ راستہ بھول گئے۔ سردی کا زمانہ تھا۔ رات اندھیری تھی۔ اور اہلیہ محترمہ کو دردزہ بھی شروع ہو گیا۔ اندھیرے میں سخت پریشان تھے۔ سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی۔ اس حال میں دفعتہً تاریکی میں دور سے ایک آگ کی چمک نظر آئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ظاہری دنیوی آگ سمجھ کر اہلیہ سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھرو میں آگ لے آؤں۔ تاپنے کا بھی انتظام ہو جائے گا اور اگر وہاں کوئی رہبر مل گیا تو بھٹکی ہوئی راہ کا بھی پتہ مل جائے گا۔ یہاں تک کا گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے لئے اس پاک میدان میں پہنچے تو عجیب نظارہ دیکھا۔ دیکھتے ہیں کہ ایک درخت ہے جس میں زور شور سے آگ لگ رہی ہے اور آگ جس قدر زور سے بھڑکتی ہے درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی و شادابی بڑھتی ہے آگ کا اشتعال تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آگ سے قریب جانے کا قصد کیا کہ درخت کی کوئی

شاخ جل کر گرے تو اٹھالائیں لیکن جتنا وہ آگ سے نزدیک ہونا چاہتے آگ دور ہٹتی جاتی یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو کچھ خوف سا پیدا ہوا اور انہوں نے ارادہ کیا کہ واپس ہو جائیں جوں ہی وہ پلٹنے لگے آگ قریب آ گئی اور قریب ہوئے تو سنا کہ یہ آواز آ رہی ہے **یٰموسیٰ انی انا ربک فاخلع نعلیک**...... گویا وہ درخت بلاتشبیہ اس وقت غیبی ٹیلی فون کا کام دے رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یاموسیٰ سنا تو کئی بار لبیک کہا اور تفسیر روح المعانی میں بحوالہ مسند احمد یہ روایت لکھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جب ندا یا موسیٰ کے لفظ سے دی گئی تو انہوں نے لبیک کہہ کر جواب دیا اور عرض کیا کہ میں آواز سن رہا ہوں مگر آواز دینے والے کی جگہ معلوم نہیں آپ کہاں ہیں تو جواب آیا کہ میں تمہارے اوپر۔ سامنے پیچھے اور تمہارے ساتھ ہوں۔ پھر عرض کیا کہ میں یہ کلام خود آپ کا سن رہا ہوں۔ یا آپ کے بھیجے ہوئے کسی فرشتہ کا تو جواب آیا کہ میں خود ہی تم سے کلام کر رہا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو جان لیا اور یقین کر لیا کہ پکارنے والے اللہ عزوجل سبحانہ تعالیٰ ہیں کیونکہ یہ صفات مذکورہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور میں نہیں۔ نیز روایت کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام جمیع جہات سے اور تمام اجزائے بدن سے سنا گویا کہ تمام اعضائے بدن کان ہی کان تھے اس لئے بدیہی طور پر جان لیا کہ یہ شان اللہ تعالیٰ ہی کے کلام کی ہو سکتی ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں لکھا ہے کہ اس نداء کی کیفیت وصفت نہ کہیں منصوص ہے نہ قیاس سے ادراک کی جاسکتی ہے البتہ یہ امر یقینی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یقین کے ساتھ یہ امر معلوم ہو گیا کہ یہ نداء من جانب اللہ ہے۔

ندا یہ آئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو۔ تم اس وقت ایک پاک میدان میں جس کا نام طویٰ ہے کھڑے ہو۔ یہاں جو جوتے اتار دینے کی ہدایت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اس سے مقامات مقدسہ کا ادب ثابت ہوتا ہے۔ اور یا یہ جوتے اتار دینے کی ہدایت اس لئے ہو کہ مقام متبرک سے قدم بھی مس کرے کہ اس کی برکت زائد پہنچے حق تعالیٰ نے زمین کے خاص خاص حصوں کو اپنی حکمت سے خاص امتیاز اور شرف بخشا ہے جیسے بیت اللہ۔ مسجد نبوی۔ مسجد اقصیٰ۔ حرم محترم۔ اسی طرح وادیٔ طویٰ بھی جو کوہ طور کے دامن میں ہے انہی مقامات مقدسہ میں ہے۔ تو جوتا اتارنے کی مصلحت یہ بتائی گئی تاکہ موسیٰ علیہ السلام کے قدم اس مبارک وادی کی زمین سے لگ کر اس کی برکت حاصل کریں اور بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ حکم خشوع اور تواضع کی صورت بنانے کے لئے ہوا۔ الغرض ندا کے بعد ارشاد ہوا کہ میں نے تمہیں اپنا رسول بنانے کے لئے چن لیا ہے اس لئے جو کچھ تم سے کہا جائے اسے غور و توجہ سے سن لو۔ اسی واقعہ کے حسب حال کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

خدا کے فضل کا موسیٰؑ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

یہاں سب سے پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور جب میں ہی معبود ہوں تو تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کیلئے نماز پڑھا کرو۔ گویا خالص توحید اور ہر قسم کی عبادت کا حکم دیا گیا پھر یہ فرمایا گیا کہ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے اور میں اس کے آنے کا وقت سب سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں اور قیامت کا آنا اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کو اس کے نیک و بد کا بدلہ ملے۔ پھر فرمایا گیا کہ جب قیامت کا آنا ضروری ہے تو اس کی تیاری سے بے فکر نہ ہونا چاہئے کچھ لوگ قیامت کا یقین نہیں کرتے خبردار ان کی باتوں اور بہکاوے میں نہ آنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں قیامت کی طرف سے غافل کر دیں۔ اور قیامت سے غافل ہونا

بربادی کا باعث ہے۔ اگر ان لوگوں کا کہنا سنا جو قیامت کو نہیں مانتے تو تباہی و بربادی کا خوف ہے۔

یہاں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو توحید کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندوں پر سب سے اول واجب اور فرض اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید ہے۔ جس حقیقت کی ہر زمانے میں تمام انبیاء علیہم السلام تعلیم دینے پر مامور کئے گئے۔ اس کے بعد فاعبدنی میں عبادت کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ توحید کے بعد اللہ کی عبادت فرض ہے پھر تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے جس کا واقم الصلوٰۃ لذکری میں حکم دیا تو اگرچہ فاعبدنی میں نماز کا حکم بھی داخل ہے لیکن اس کو جداگانہ اس لئے بیان فرمایا کہ نماز تمام عبادات میں افضل اور اعلیٰ بھی ہے اور حدیث شریف کی تصریح کے مطابق دین کا عمود۔ ایمان کا نور ہے اور ترک نماز کافروں کی علامت ہے۔ اس کے بعد قیامت اور ایمان بالآخرۃ کا ذکر فرمایا اور سب سے آخر میں آخرت کی تیاری کا حکم دیا اور آخرت سے غفلت اور بے فکری کی ممانعت فرمائی اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتلا دیا گیا کہ آخرت سے غفلت اور ہوائے نفسانی اور لذات دنیاوی کا اتباع موجب ہلاکت ہے اور تمام اخلاق رذیلہ کی جڑ ہے۔

اب یہاں اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ آپ بے دینوں اور بے ایمانوں کے کہنے سننے سے قیامت و آخرت کے معاملہ میں غفلت برتنے لگیں اور وہ آپ کی ہلاکت کا سبب بن جائے تو ظاہر ہے کہ کسی نبی اور رسول سے جو معصوم ہوتے ہیں یہ غفلت نہیں ہو سکتی اس کے باوجود ایسا خطاب کرنا دراصل نبی کی امت اور عام مخلوق کو سنانا ہے کہ جب اللہ کے پیغمبروں کو بھی ایسی تاکید کی جاتی ہے تو اور تو کس شمار میں ہیں اور دوسروں کو آخرت کے لئے کتنا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور کتنا اس کے لئے مستعد ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی قیامت و آخرت کا صحیح فکر نصیب فرمائیں اور وہاں کی تیاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے حق تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان جو مزید کلام ہوا اس کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں بھی توحید کامل اور اپنی ذات پاک کی صحیح معرفت نصیب فرمائیں۔ اور شب و روز آخرت کے سنوارنے کی فکر عطا فرمائیں۔

یا اللہ ہمیں اپنے ذکر و فکر کے لئے نماز قائم کرنے اور اس عبادت اعلیٰ کے حقوق ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔

یا اللہ آخرت کی طرف سے غفلت سے ہمیں بچایئے اور اپنے مخلصین عابدین و ذاکرین بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمایئے اور انہی کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي

اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے

وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوسٰى ﴿١٩﴾ فَأَلْقٰهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ

اور بھی کام (نکلتے) ہیں۔ارشاد ہوا کہ اس کو (زمین پر) ڈال دو اے موسیٰ۔سو اُنہوں نے اس کو ڈال دیا یکایک وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ارشاد ہوا

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولٰى ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ

کہ اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں، ہم ابھی اس کو اُس کی پہلی حالت پر کر دیں گے۔اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دے لو وہ بلا کسی عیب کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا

غَيْرِ سُوٓءٍ آيَةً أُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغٰى ﴿٢٤﴾

یہ دوسری نشانی ہوگی۔تاکہ ہم تم کو اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھلائیں۔تم فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت حد سے نکل گیا ہے۔

وَمَا اور کیا	تِلْكَ یہ	بِيَمِينِكَ تیرے داہنے ہاتھ میں	يٰمُوسٰى اے موسیٰ	قَالَ اس نے کہا	هِيَ یہ	عَصَايَ میرا عصا	
أَتَوَكَّؤُا میں ٹیک لگاتا ہوں	عَلَيْهَا اس پر	وَأَهُشُّ اور میں پتے جھاڑتا ہوں	بِهَا اس سے	عَلٰى پر	غَنَمِي اپنی بکریاں	وَلِيَ اور میرے لئے	
فِيهَا اس میں	مَآرِبُ ضرورتیں	أُخْرٰى اور بھی	قَالَ اس نے کہا	أَلْقِهَا اسے ڈال دے	يٰمُوسٰى اے موسیٰ	فَأَلْقٰهَا پس اسنے اسے ڈال دیا	
فَإِذَا هِيَ تو ناگاہ وہ	حَيَّةٌ سانپ	تَسْعٰى دوڑتا ہوا	قَالَ فرمایا	خُذْهَا اسے پکڑ لے	وَ اور	لَا تَخَفْ نہ ڈر	
سَنُعِيدُهَا ہم جلد اسے لوٹا دیں گے	سِيرَتَهَا اس کی حالت	الْأُولٰى پہلی	وَ اور	اضْمُمْ ملا	يَدَكَ اپنا ہاتھ	إِلٰى تک	جَنَاحِكَ اپنی بغل
تَخْرُجْ وہ نکلے گا	بَيْضَآءَ سفید	مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ بغیر کسی عیب	آيَةً نشانی	أُخْرٰى دوسری	لِنُرِيَكَ تاکہ ہم تجھے دکھائیں	مِنْ سے	
آيَاتِنَا اپنی نشانیاں	الْكُبْرٰى بڑی	اِذْهَبْ تو جا	إِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون	إِنَّهُ بیشک وہ	طَغٰى سرکش ہوگیا	

تفسیر و تشریح:۔گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب رسالت کے لئے منتخب کرنا اور آپ کو توحید و آخرت کی تعلیم دینا مذکور ہوا تھا۔اب یہاں سے منصب رسالت کی تمہید شروع ہوتی ہے چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزات دیکر فرعون کی طرف بھیجے جانے والے تھے اس لئے اولاً معجزۂ عصا کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور حق تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ اب یہ تو حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ موسیٰ کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔سوال سے مقصود یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لاٹھی کا لاٹھی ہونا اچھی طرح مستحضر ہو جائے اور پھر وہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ دیکھیں۔چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ میری لاٹھی ہے میں کبھی اس پر سہارا لگاتا ہوں اور کبھی اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں اور بھی میرے کام نکلتے ہیں مثلاً کندھے پر رکھ کر اسباب وغیرہ لٹکا لینا اور موذی جانوروں کو دفع کرنا وغیرہ وغیرہ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اگرچہ جواب میں صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ حضور یہ لاٹھی ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سوال کا جو لمبا جواب دیا وہ آپ کی اس وقت کی قلبی کیفیت کا نقشہ پیش کرتا ہے۔محبوب حقیقی کے ساتھ ہم کلامی کے شرف کو طول دے کر جذبہ شوق پورا کرنا تھا۔قاعدے کی بات ہے کہ جب آدمی کو کسی بہت بڑی شخصیت سے بات کرنے کا موقع مل جاتا ہے تو وہ اپنی بات کو

طول دینے کی کوشش کرتا ہے تا کہ اسے زیادہ سے زیادہ دیر تک ہمکلامی کا شرف حاصل رہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب پر حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس ارشاد عالی کی تعمیل کی اور لاٹھی کا زمین پر ڈالنا تھا کہ لاٹھی کی جگہ ایک اژدھا نظر آیا جو تیزی سے ادھر ادھر دوڑتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام ناگہاں یہ انقلاب دیکھ کر بمقتضائے بشریت خوف زدہ ہو گئے۔ لکھا ہے کہ وہ اتنا خوفناک اژدھا بن گیا تھا کہ اس سے پہلے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ اس کی یہ حالت تھی کہ ایک درخت سامنے آ گیا تو اسے ہضم کر گیا۔ ایک چٹان پتھر کی سامنے آ گئی تو اسے لقمہ بنا گیا۔ یہ حال دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام الٹے پاؤں بھاگنے لگے کہ فوراً حق تعالیٰ کی ندا آئی کہ موسیٰ اس کو پکڑ لو اور خوف نہ کھاؤ۔ ہم اس کو اس کی اصل حالت پر لوٹا دیں گے۔ لکھا ہے کہ ابتدا میں موسیٰ علیہ السلام کو اس کے پکڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی آخر کپڑا ہاتھ میں لپیٹ کر پکڑنے لگے تو فرشتہ نے کہا کہ موسیٰ کیا خدا اگر بچانا نہ چاہے تو یہ چیتھڑا تمہیں بچا سکتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا نہیں۔ لیکن میں کمزور مخلوق ہوں اور ضعف سے پیدا کیا گیا ہوں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ سے کپڑا ہٹا کر اژدھے پر ہاتھ ڈال دیا۔ ہاتھ ڈالنا تھا کہ وہی لاٹھی ہاتھ میں تھی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ڈر جانا طبعی تھا جو کسی طرح جلالت شان نبوت کے منافی نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو اس میں تو نہ ڈرنا کمال ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام آتش نمرودی سے نہیں ڈرے لیکن جو امر خالق کی طرف سے ہو اس میں ڈرنا ہی کمال ہے کہ وہ فی الحقیقت حق تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔ جیسے آندھی اور تیز طوفانی ہوا ہونے کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرا جانا احادیث میں آیا ہے سو چونکہ اس تبدل میں مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس سے ڈر گئے کہ یہ کوئی قہر الٰہی نہ ہو۔ تو ایک معجزہ تو ''عصا'' کا موسیٰ علیہ السلام کو یہ عطا ہوا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھ میں 'عصا' رکھنا سنت انبیاء ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی سنت تھی۔ دوسرے معجزہ کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد باری ہوتا ہے کہ آپ ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل سے ملا کر نکالو گے تو نہایت روشن سفید چمکتا ہوا نکلے گا اور سفیدی کسی مرض وغیرہ کی نہ ہو گی کہ جو عیب ہو اور یہ عصا اور ید بیضا کے معجزے ان بڑی نشانیوں میں سے دو ہیں جن کا دکھلانا آپ کو منظور ہے۔ یہ ہماری جانب سے آپ کی نبوت و رسالت کے دو بڑے نشان ہیں۔ جس طرح ہم نے آپ کو نبوت و رسالت سے نوازا اسی طرح آپ کو یہ دو عظیم الشان معجزے بھی عطا کئے۔ اخیر میں ارشاد ہوا کہ اب جاؤ اور فرعون اور اس کی قوم کو راہ ہدایت دکھاؤ انہوں نے بہت سرکشی اور نافرمانی اختیار کر رکھی ہے اور اپنے غرور و تکبر اور انتہائے ظلم کے ساتھ انہوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے سو ان کو غلامی سے چھٹکارا دلاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا بچپن کا زمانہ فرعون ہی کے محل میں گزارا تھا اور جوانی تک ملک مصر میں اسی کی بادشاہت میں ٹھہرے رہے تھے ایک موقع پر ایک فرعونی بے ارادہ آپ کے ہاتھ سے مر گیا تھا جس پر فرعون نے آپ کی گرفتاری اور قتل کا حکم صادر کیا تھا اس وقت حضرت موسیٰ مصر سے باہر نکلے تھے۔ جانتے تھے کہ فرعون ایک سخت دل۔ بد خلق۔ اکھڑ مزاج اور ظالم انسان ہے۔ غرور اور تکبر اس کا اتنا بڑھا ہوا تھا کہ کہتا تھا کہ میں خدا کو جانتا ہی نہیں۔ اپنی رعایا سے کہتا تھا کہ نعوذ باللہ تمہارا خدا میں ہی ہوں۔ ملک و مال میں دولت و متاع میں لاؤ لشکر اور کروفر میں کوئی اس وقت اس کے مقابل نہ تھا۔ اس لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ملا کہ فرعون کی طرف ہدایت کے لئے جاؤ تو آپ نے حق تعالیٰ سے دعا فرمائی اور کچھ درخواستیں حق تعالیٰ کے دربار عالی میں پیش کیں۔ جو اگلی آیات میں ظاہر فرمائی گئی ہیں جن کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوا

عرض کیا اے میرے رب میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے۔ اور میرا کام آسان فرما دیجئے۔ اور میری زبان پر سے بستگی ہٹا دیجئے۔ تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔

قَوْلِي ﴿۲۸﴾ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ﴿۲۹﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿۳۱﴾ وَأَشْرِكْهُ فِي

اور میرے واسطے میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے۔ یعنی ہارونؑ کو کہ میرے بھائی ہیں۔ اُن کے ذریعہ سے میری قوت کو مستحکم کر دیجئے۔ اور اُن کو میرے کام میں

أَمْرِي ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿۳۳﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿۳۴﴾ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿۳۵﴾

شریک کر دیجئے۔ تا کہ ہم دونوں آپ کی کثرت سے پاکی بیان کریں۔ اور آپ کا خوب کثرت سے ذکر کریں۔ بیشک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اشْرَحْ کشادہ کر دے	لِي میرے لئے	صَدْرِي میرا سینہ	وَيَسِّرْ لِي اور میرے لئے آسان کر دے		
أَمْرِي میرا کام	وَاحْلُلْ اور کھول دے	عُقْدَةً گرہ	مِّن سے	لِّسَانِي میری زبان	يَفْقَهُوا وہ سمجھ لیں	قَوْلِي میری بات	وَاجْعَل اور بنا دے
لِّي میرے لئے	وَزِيرًا وزیر	مِّنْ سے	أَهْلِي میرا خاندان	هَارُونَ ہارونؑ	أَخِي میرا بھائی	اشْدُدْ بِهِ مضبوط کر اس سے	
أَزْرِي میری قوت	وَأَشْرِكْهُ اور شریک کر دے اسے	فِي أَمْرِي میرے کام میں	كَيْ تا کہ	نُسَبِّحَكَ ہم تیری تسبیح کریں	كَثِيرًا کثرت سے		
وَنَذْكُرَكَ اور تجھے یاد کریں	كَثِيرًا کثرت سے	إِنَّكَ بیشک تو	كُنتَ تو ہے	بِنَا بَصِيرًا ہمیں خوب دیکھتا ہے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ منصب رسالت عطا کرنے کے بعد حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزات عطا فرمائے۔ ایک تو عصا کا کہ لاٹھی کو زمین پر ڈال دینے سے اژدھا بن جاتی تھی۔ اور پھر جب اس پر ہاتھ ڈالتے تو پھر لاٹھی ہو جاتی۔ دوسرا معجزہ ید بیضا یعنی جب آپ اپنا ہاتھ بغل میں لے جا کر نکالتے تو نہایت چمکدار روشن ہو کر نکلتا۔ تو یہ دو معجزات عطا کر کے حکم ہوا تھا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو تبلیغ توحید کرو کہ وہ اور اس کی قوم بہت ہی سرکش ہو گئے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ مجھ کو پیغمبر بنا کر فرعون کی فہمائش کے لئے بھیجا جاتا ہے تو اس وقت اس منصب عظیم کی مشکلات آپ کے ذہن میں آئیں اور آپ فرعون کی متکبرانہ حالت سے پہلے سے واقف تھے اس لئے اس منصب عظیم کی مشکلات کی آسانی کے لئے حق تعالیٰ سے درخواست کی۔ اس درخواست میں آپ نے کیا عرض کیا یہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی درخواست میں پہلی بات تو یہ فرمائی **رب اشرح لی صدری** کہ اے میرے رب میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے یعنی مجھے حلیم۔ بردبار اور حوصلہ مند بنا دیجئے کہ خلاف طبع باتوں پر جلد خفا نہ ہوں۔ اور تبلیغ میں انقباض یا تکذیب ومخالفت میں ضیق نہ ہو اور ادائے رسالت میں جو سختیاں پیش آئیں ان سے نہ گھبراؤں بلکہ کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے برداشت کروں۔ دوسری بات فرمائی **ویسرلی امری**۔ اور میرا کام آسان فرما دیجئے یعنی ایسے سامان فراہم کر دیجئے کہ یہ عظیم الشان کام آسان ہو جائے کہ اسباب کامیابی جمع اور اسباب ناکامی رفع ہوتے جائیں تیسری بات یہ فرمائی **واحلل عقدۃ من لسانی۔ یفقھوا قولی** اور میری زبان پر سے بستگی لکنت کی ہٹا دیجئے تا کہ لوگ

میری بات سمجھ سکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی جس کی وجہ سے صاف بول نہ سکتے تھے اور مخاطب کو مطلب سمجھنے میں دشواری ہوتی تھی بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ آپ کی زبان میں پیدائشی لکنت تھی۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ بچپن میں جب آپ فرعون کے محل میں پرورش پا رہے تھے جس کا ذکر قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے اور اس سورۃ میں بھی اگلی آیات میں جس کا بیان انشاء اللہ اگلے درس میں ہوگا آپ کا فرعون کے ہاں پالے جانے کا ذکر موجود ہے۔ تو ایک بار بچپن میں آپ نے فرعون کی ڈاڑھی پکڑ لی تھی جس پر فرعون سخت غصہ ہوا اور بدلہ لینا چاہا اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا تو فرعون کی بیوی نے سفارش کی کہ بچہ ہے اس کو کیا سمجھ ہے چنانچہ آپ کے امتحان کے واسطے ایک طشت میں سرخ یاقوت اور آگ کے انگارے سامنے لائے گئے اس وقت آپ نے ایک چنگاری اٹھا کر منہ میں رکھ لی تھی جس سے زبان جل گئی تھی اور زبان کی روانی کم ہوگئی تھی۔ اس طرح فرعون نے معاملہ کو درگذر کیا۔ یہاں اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کے بھی داڑھی تھی اور وہ بھی اتنی بڑی کہ جو پکڑی جاسکتی ہو۔ گویا پہلے کفار بھی داڑھی رکھتے تھے جس سے کہ اس دور کے اکثر مسلمانوں کو ضد ہے کہ صبح اٹھتے ہی داڑھی صاف کرنے کا اہتمام ہوتا ہے اس پر ایک روایت یاد آئی جو مولانا عاشق الٰہی صاحب مرحوم میرٹھی نے اپنی کتاب داڑھی کی قدر و قیمت میں لکھی ہے کہ میدان حشر میں جہاں سب اولین و آخرین جمع ہوں گے تو پچھلی امتوں کے کفار جو داڑھیاں رکھتے تھے وہ امت محمدیہ کے ایسے افراد کہ جن کے چہروں پر داڑھیاں ندارد ہوں گی دیکھ کر تعجب کریں گے کہ یہ امت محمدیہ کے افراد ہیں؟ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ للعالمین اور تمام انبیاء و مرسلین اور تمام صلحا و متقین کی اس سنت کی قدر کی توفیق عطا فرماویں۔ یہ مضمون بیچ میں اضطراراً آ گیا۔ تو تیسری بات جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی درخواست میں پیش کی وہ یہ تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دیجئے تاکہ لوگوں کو میری بات سمجھنے میں آسانی ہو۔ چوتھی بات موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمائی کہ میرے کنبہ میں سے میرا ایک معاون مقرر کر دیجئے۔ میرے بھائی ہارون کو بھی میرے اس تبلیغ کے کام میں شریک فرما دیجئے یعنی ان کو بھی نبی بنا کر مامور بالتبلیغ کیجئے کہ ہم دونوں مل کر تبلیغ کریں اور میرے قلب کو قوت پہنچے۔ حضرت ہارون علیہ السلام جو موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے اور بنی اسرائیلیوں کے ساتھ مصر ہی میں مقیم تھے ان کے لئے بھی نبوت عطا فرمانے کی درخواست موسیٰ علیہ السلام نے کی۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عمرہ کے لئے جاتے ہوئے کسی اعرابی کے ہاں مقیم تھیں سنا ایک شخص پوچھتا ہے کہ دنیا میں کس بھائی نے بھائی کو سب سے زیادہ نفع پہنچایا ہے؟ اس سوال پر سب خاموش ہو گئے اور کہہ دیا کہ ہمیں اس کا علم نہیں۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے اس کا علم ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے اپنے دل میں کہا دیکھو یہ شخص کتنی بے جا جسارت کرتا ہے کہ بغیر انشاء اللہ کے قسم کھا رہا ہے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اچھا بتلاؤ۔ اس نے جواب دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ اپنے بھائی کو اپنی دعا سے نبوت دلوائی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں بھی یہ سن کر دنگ رہ گئی اور دل میں کہنے لگی کہ بات تو سچ کہی فی الواقع اس سے زیادہ کوئی بھائی اپنے بھائی کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت

عطا ہونے کی درخواست کس بناپر کی اس کو بھی ظاہر فرمادیا اور عرض کیا کہ ہم دونوں مل کر دعوت و تبلیغ کے موقع پر بہت زور شور سے تیری پاکی اور کمالات بیان کریں اور ہر ایک کو دوسرے کی معیت سے تقویت قلب حاصل ہوگی تو اپنی خلوتوں میں نشاط اور طمانیت کے ساتھ تیراذکر بکثرت کرسکیں گے۔ اپنی اس درخواست کے اخیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انک کنت بنا بصیرا بے شک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں یعنی ہمارے تمام احوال کو آپ خوب دیکھ رہے ہیں اور جو دعا میں کررہا ہوں یہ بھی آپ کو خوب معلوم ہے کہ اس کا قبول فرمانا ہمارے لئے کہاں تک مفید ہوگا۔

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دعا واجعل لی وزیرا من اھلی مانگی یعنی میرا ایک وزیر میرے ہی خاندان میں سے بنادے تو یہ دعا اعمال رسالت کو انجام دینے کے لئے اسباب جمع کرنے سے متعلق ہے اور ان اسباب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے اور اہم اس کو قرار دیا کہ ان کا کوئی نائب اور وزیر ہو جو ان کی مدد کرسکے۔ وزیر کے معنی ہی لغت میں بوجھ اٹھانے والے کے ہیں۔ وزیر سلطنت چونکہ اپنے امیر و بادشاہ کا بار ذمہ داری سے اٹھاتا ہے اس لئے اس کو وزیر کہتے ہیں۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کمال عقل معلوم ہوا کہ کسی کام یا تحریک کے چلانے کے لئے سب سے پہلی چیز انسان کے اعوان و انصار ہیں۔ وہ منشاء کے مطابق مل جائیں تو آگے سب کام آسان ہوجاتے ہیں اور وہ غلط ہوں تو سارے اسباب و سامان بھی بیکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آج کل کی سلطنتوں اور حکومتوں میں جتنی خرابیاں مشاہدہ میں آئی ہیں غور کریں تو ان سب کا اصلی سبب امیر ریاست کے اعوان و انصار اور وزراء و امراء کی خرابی۔ بے عملی یا بدعملی یا عدم صلاحیت ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ جب کسی شخص کو کوئی حکومت یا امارت سپرد فرماتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ اچھے کام کرے۔ حکومت کو اچھی طرح چلائے تو اس کو نیک وزیر دے دیتے ہیں جو اس کی مدد کرتے ہیں۔ اگر یہ کسی ضروری کام کو بھول جائے تو وزیر یاد دلا دیتا ہے اور جس کام کا وہ ارادہ کرے وزیر اس میں اس کی مدد کرتا ہے (نسائی) اپنی اس دعا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو وزیر طلب فرمایا اس کے ساتھ ایک قید من اھلی کی بھی لگادی کہ یہ وزیر میرے خاندان اور اقارب میں سے ہو کیونکہ اپنے خاندان کے آدمی کے عادات و اخلاق دیکھے بھالے اور طبائع میں باہم الفت و مناسبت ہوتی ہے جس سے اس کام میں مدد ملتی ہے بشرطیکہ اس کو کام کی صلاحیت میں دوسروں سے فائق دیکھ کرلیا گیا ہو۔ محض اقربا پروری کا داعیہ نہ ہو۔ اس زمانہ میں چونکہ عام طور پر دیانت و اخلاص مفقود اور اصل کام کی فکر غائب نظر آتی ہے اس لئے کسی امیر کے ساتھ اس کے خویش و عزیز وزیر یا نائب بنانے کو مذموم سمجھا جاتا ہے اور جہاں دیانت داری پر بھروسہ پورا ہو تو کسی صالح و اصلح خویش و عزیز کو کوئی عہدہ سپرد کردینا کوئی عیب نہیں۔ بلکہ مہمات امور کی تکمیل کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفائے راشدینؓ عموماً وہی حضرات ہوئے جو بیت نبوت کے ساتھ ساتھ رشتہ داریوں کے تعلقات بھی رکھتے تھے۔ (معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۷۸)

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست اور دعاؤں کا جو جواب حق تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا وہ اگلی آیات میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓی ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی

ارشاد ہوا کہ تمہاری درخواست منظور کی گئی اے موسیٰ۔اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی تم پر احسان کر چکے ہیں۔جبکہ ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام سے بتائی

اُمِّكَ مَا یُوْحٰٓی ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ

جو الہام سے بتلانے کی تھی۔یہ کہ موسیٰ کو ایک صندوق میں رکھو پھر ان کو دریا میں ڈال دو پھر ان کو دریا کنارے تک لے آوے گا کہ ان کو ایک شخص پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن

یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ۬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِیْٓ

ہے اور ان کا بھی دشمن ہے اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈال دیا،اور تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔جبکہ تمہاری

اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓی اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ۬

بہن چلتی ہوئی آئیں پھر کہنے لگیں کیا تم لوگوں کو ایسے شخص کا پتہ دوں جو اس کی پرورش کرے۔پھر ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پھر پہنچا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کو غم نہ رہے،

قَالَ اللہ نے فرمایا	قَدْ اُوْتِیْتَ تحقیق تجھے دیدیا گیا	سُؤْلَكَ جو تو نے مانگا	یٰمُوْسٰی اے موسیٰ	وَلَقَدْ مَنَنَّا اور تحقیق ہم نے احسان کیا			
عَلَیْكَ تجھ پر	مَرَّةً ایک بار	اُخْرٰی اور بھی	اِذْ جب	اَوْحَیْنَآ ہم نے الہام کیا	اِلٰی طرف	اُمِّكَ تیری والدہ	مَا یُوْحٰی جو الہام کرنا تھا
اَنِ اقْذِفِیْهِ کہ تو اسے ڈال	فِی التَّابُوْتِ صندوق میں	فَاقْذِفِیْهِ پھر اسے ڈالدے	فِی الْیَمِّ دریا میں	فَلْیُلْقِهِ پھر اسے ڈالدے گا			
الْیَمُّ دریا	بِالسَّاحِلِ ساحل	یَاْخُذْهُ اسے لے لے گا	عَدُوٌّ لِّیْ میرا دشمن	وَعَدُوٌّ لَّهٗ اور اس کا دشمن	وَاَلْقَیْتُ اور میں نے ڈالدی		
عَلَیْكَ تجھ پر	مَحَبَّةً محبت	مِّنِّیْ اپنی طرف سے	وَلِتُصْنَعَ تاکہ تو پرورش پائے	عَلٰی عَیْنِیْ میری آنکھوں پر	اِذْ جب	تَمْشِیْ جا رہی تھی	
اُخْتُكَ تیری بہن	فَتَقُوْلُ تو وہ کہہ رہی تھی	هَلْ اَدُلُّكُمْ کیا میں تمہیں بتاؤں	عَلٰی پر	مَنْ جو	یَّكْفُلُهٗ اس کی پرورش کرے		
فَرَجَعْنٰكَ پس ہم نے تجھے لوٹا دیا	اِلٰی طرف	اُمِّكَ تیری ماں	كَیْ تَقَرَّ تاکہ ٹھنڈی ہو	عَیْنُهَا اس کی آنکھ	وَلَا تَحْزَنَ اور وہ غم نہ کرے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست ودعاؤں کا ذکر تھا کہ جو منصب رسالت عطا ہونے اور فرعون کے پاس بغرض تبلیغ جانے کا حکم ملنے پر آپ نے دربار خداوندی میں پیش کی تھیں جس میں کئی باتیں عرض کی تھیں۔ایک تو یہ کہ میرا حوصلہ اور زیادہ فراخ کر دیا جائے دوسرے یہ کہ تبلیغ کا کام میرے لئے آسان کر دیا جائے۔تیسرے یہ کہ میری زبان کی گرہ کھول دی جائے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں چوتھے یہ کہ میرے بھائی ہارون کو بھی میرا تبلیغ میں شریک کار بنا دیجئے یعنی ان کو بھی نبوت عطا کر کے مامور بالتبلیغ فرما دیا جائے۔اب حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست کا جو جواب مرحمت فرمایا گیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اے موسیٰ جو کچھ تم نے درخواست کی وہ منظور کی گئی اور جو کچھ تم نے مانگا وہ سب دیا گیا اور ہم تو پہلے بھی بے مانگے تم پر بڑے احسانات کر چکے ہیں اب جب تم مناسب درخواست کر رہے ہو تو کیوں نہ دیں گے۔اس کے بعد حق تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایک کر کے وہ احسانات یاد دلاتے ہیں جو پیدائش کے وقت سے لے کر اس وقت تک حق تعالیٰ نے ان پر کئے تھے۔ان واقعات کی تفصیل بیسویں پارہ سورۂ قصص میں

بیان ہوئی ہے یہاں صرف اشارات کئے گئے ہیں۔ جس زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے فرعون بادشاہ مصر نے نجومیوں کے کہنے سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تجھ کو اور تیری سلطنت کو غارت کرے گا حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی خبر پائیں گے تو بچہ کو مار ڈالیں گے اور والدین کو بھی ستائیں گے کہ ظاہر کیوں نہیں کیا۔ اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں آرام سے لٹا کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ اس دریا کی ایک شاخ خاص فرعون کے محل میں سے گزرتی تھی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اسی طرح کیا اور صندوق دریا میں ڈال دیا۔ صندوق بہہ کر فرعون کے محل کے نیچے جا پہنچا۔ وہاں وہ صندوق پکڑ کر کھولا گیا تو ایک حسین و جمیل بچہ موجود تھا۔ فرعون کے کوئی اولاد نہ تھی۔ فرعون کی بیوی نے بچہ اٹھا کر فرعون کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ فرعون کو بھی دیکھ کر محبت آ گئی گو اس نے بیٹا بنانے سے انکار کیا مگر اپنی بیوی کی خاطر اور اصرار سے بیٹوں کی طرح پرورش کا حکم دے دیا اور اس طرح حق تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرت کا ظہور رہا کہ دشمن کے ہاتھوں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا انتظام فرمایا۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ صندوق دریا میں چھوڑنے کے بعد بمقتضائے بشریت بہت غمگین اور پریشان تھیں کہ بچہ کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا جانوروں نے کھالیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو انہوں نے کہا کہ تو خفیہ طور پر پتہ لگا۔ ادھر مشیت ایزدی سے یہ سامان ہوا حضرت موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ بہت سی دودھ پلانے والی انائیں بلائی گئیں مگر کامیابی نہ ہوئی حضرت موسیٰ کی بہن جو تاک میں لگی ہوئی تھیں اور اجنبی بن کر وہاں پہنچیں اور بولیں کہ میں ایک عورت کو لا سکتی ہوں۔ امید ہے کہ وہ کسی طرح دودھ پلا کر بچہ کو پال سکے گی۔ حکم ہوا بلاؤ۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ یعنی اپنی ہی والدہ کو لے کر پہنچیں۔ چھاتی سے لگاتے ہی بچہ نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے محل میں بڑی خوشیاں منائی جانے لگیں کہ بچے نے ایک انا کا دودھ تو پیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ پرورش ہوتی رہی۔ ان آیات میں اجمال کے ساتھ انہیں واقعات کا اظہار کیا گیا ہے۔

یہ احسانات جو ان آیات میں یاد دلائے گئے وہ تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بوقت پیدائش اور بچپن میں فرمائے گئے اور پھر جوانی میں اور اس کے بعد کیا احسانات فرمائے یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمائے گئے ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! آپ اپنے بندوں کی درخواست اور دعائیں سننے والے ہیں۔ ہماری دعاؤں کو بھی شرف قبولیت بخشیں اور ہماری درخواستوں کو منظور فرمائیں۔ یا اللہ آپ اپنی قدرت سے دشمن سے دوست کا کام لے لیتے ہیں یا اللہ! اپنی رحمت سے ہمارے تمام دین دنیا کے کاموں کو درست و دراست فرما دیں اور جس میں ہماری صلاح و فلاح ہو وہ صورتیں غیب سے ظاہر فرما دیں وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۣ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۥ

اورتم نے ایک شخص کو جان سے مارڈالا پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے تم کو خوب محنتوں میں ڈالا، پھرمدین والوں میں کئی برس رہے

ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿٤٠﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ

پھر ایک خاص وقت پر تم آئے اے موسیٰ۔اور میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا۔تم اور تمہارے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ

وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾

اور میری یادگاری میں سستی مت کرنا۔دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت نکل چکا ہے۔ پھر اُس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈرجاوے۔

وَقَتَلْتَ اور وہ غم نہ کرے	نَفْسًا ایک شخص	فَنَجَّيْنٰكَ تو ہم نے تجھے نجات دی	مِنَ الْغَمِّ غم سے	وَفَتَنّٰكَ اور تجھے آزمایا	فُتُوْنًا کئی آزمائش
فَلَبِثْتَ پھر تو ٹھہرا رہا	سِنِيْنَ کئی سال	فِيْ میں	اَهْلِ مَدْيَنَ مدین والے	ثُمَّ پھر	جِئْتَ تو آیا	عَلٰى قَدَرٍ وقت مقرر پر
يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	وَاصْطَنَعْتُكَ اور میں نے تجھے بنایا	لِنَفْسِيْ خاص اپنے لئے	اِذْهَبْ تو جا	اَنْتَ تو	وَاَخُوْكَ اور تیرا بھائی
بِاٰيٰتِيْ میری نشانیوں کے ساتھ	وَلَا تَنِيَا اور سستی نہ کرنا	فِيْ ذِكْرِيْ میری یاد میں	اِذْهَبَا تم دونوں جاؤ	اِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون
اِنَّهٗ بیشک وہ	طَغٰى سرکش ہوگیا	فَقُوْلَا تم کہو	لَهٗ اس کو	قَوْلًا لَّيِّنًا نرم بات	لَعَلَّهٗ شاید	يَتَذَكَّرُ نصیحت پکڑے	اَوْ یا	يَخْشٰى وہ ڈر جائے

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو احسانات حق تعالیٰ نے بچپن میں فرمائے تھے ان کا ذکر ہوا تھا اور حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کو قبول کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ ہم تو اس سے پہلے بھی تم پر احسان کر چکے ہیں جب تم کو شعور بھی نہ تھا۔ ہم نے تم کو فرعون کی گرفت سے بچانے کے لئے تمہاری والدہ کے دل میں یہ خیال پیدا کیا کہ تم کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا جائے۔ اور وہ صندوق بہتے بہتے فرعون کے محل کے کنارے آلگا اور فرعون جو میرا اور تمہارا دونوں کا دشمن تھا اس نے صندوق کو پکڑ لیا اور چونکہ ہم نے تم پر محبت کا اثر ڈال دیا تھا اس لئے جو تم کو دیکھتا تھا پیار کرتا تھا بالآخر تمہاری والدہ کو تمہارے پاس پہنچا دیا۔ تو یہ متعدد احسانات تھے جو بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرمائے گئے تھے۔

اب آگے ان آیات میں جوان ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر جو احسانات فرمائے گئے تھے وہ ذکر فرمائے گئے ہیں چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ بڑے ہونے کے بعد تم پر یہ احسان کیا کہ تم سے لاعلمی میں ایک فرعونی مصری جان سے مارا گیا تھا اور اس سے تم کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی کہ پکڑا گیا تو سزا ملے گی اور آخرت میں بھی ماخوذ ہوں گا۔ دونوں قسم کی پریشانی سے ہم نے تم کو نجات دی۔ اخروی پریشانی سے اس طرح کہ توبہ کی توفیق بخشی جو قبول ہوگئی اور دنیوی پکڑ سے اس طرح کہ مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا اور مدین پہنچنے تک تم کو جو مشقتیں اور سختیاں جھیلنا پڑیں پھر ان سے خلاصی دی۔ مدین پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے ہوگئی تھی۔ اور دس سال وہاں رہ کر پھر مدین سے مصر کی طرف چلے تو راستہ بھولے اور پھر تقدیر سے وادیٔ طویٰ میں پہنچے تو منصب نبوت عطا کیا گیا اور اپنی وحی و رسالت کے لئے تیار کر کے اپنے خواص و مقربین میں داخل کیا۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ

علیہ السلام کو ایک ایک کر کے وہ احسانات یاد دلائے جو پیدائش کے وقت سے لے کر اس وقت تک یعنی منصب نبوت ملنے تک ان پر فرمائے تھے۔ ان واقعات کی تفصیل سورۂ قصص میں بیان فرمائی گئی ہے یہاں صرف اشارات کئے گئے ہیں جن سے مقصود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس دلانا ہے کہ جس کام کے لئے تمہیں تیار کیا گیا تھا اب اس کا وقت آ گیا ہے چنانچہ آگے ارشاد ہے کہ تم اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے کر اس کام کے لئے نکل کھڑے ہو اور جو دلائل و معجزات تم کو دیئے گئے ہیں ضرورت کے وقت ان کو ظاہر کرو۔ آگے مزید ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ اللہ کے نام کی تبلیغ میں مستعدی دکھلاؤ اور تمام احوال و واقعات میں عموماً اور دعوت و تبلیغ کے وقت خصوصاً اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے اور سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔ اخیر میں یہ ہدایت دی گئی کہ دعوت و تبلیغ وعظ و نصیحت کے وقت اس کو آہستگی اور نرمی سے سمجھانا۔ متکبر اور مغرور لوگ سختی سے قابو میں نہیں آتے ہاں نرم گفتگو اور سلیقہ کے ساتھ سمجھانے سے ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچ سمجھے یا کچھ اللہ عزوجل کا خوف اس کے دل میں پیدا ہو۔

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ گفتگو نرمی سے کرنے کی جو ہدایت دی گئی اس کے متعلق بعض محققین نے لکھا ہے کہ آیت کے اندر اخلاق کا بہت بڑا سبق موجود ہے کہ باوجود اس کے کہ فرعون کے طغیان و تمرد کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس پر بھی حضرت موسیٰؑ جیسے مقبول و برگزیدہ نبی کو حکم اسی کا ملتا ہے کہ اس سے لطف و ملائمت ہی سے پیش آئیں۔

مفسرین نے یہاں ایک شبہ نقل کیا ہے اور پھر اس کا جواب بھی دیا ہے۔ شبہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم تھا کہ فرعون ایمان نہ لائے گا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کا کیوں حکم دیا اور کیوں نرم گفتگو کرنے کی ہدایت فرمائی اور یہ کہنا کہ تم دونوں جا کر اس سے نرم کلامی کرو شاید وہ نصیحت قبول کر لے اور ڈر کر فرمانبردار بن جائے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو تو بیشک ہر شخص کی حالت کا علم پہلے سے ہوتا ہے مگر وعظ و نصیحت اور ارشاد و ہدایت کا حکم محض اتمام حجت اور دفع عذر کے لئے دیا جاتا ہے۔ انبیاء کو مبعوث فرمانا۔ کتابیں نازل کرنا اور تبلیغ کی ہدایت کرنا ان سب کا مقصد ادائے فرض ہوتا ہے۔ جن کے نصیب میں ازلی سعادت ہوتی ہے وہ راہ راست پر آ جاتے ہیں اور جو ازلاً محروم ہوتے ہیں ان کو کوئی ہدایت فائدہ نہیں پہنچاتی رہا لفظ لعل کا استعمال یعنی شاید وہ نصیحت قبول کر لے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں فرض تبلیغ ادا کرو اور یہ امید رکھتے ہوئے ادا کرو کہ فرعون شاید راہ راست پر آ جائے تو لعل یعنی شاید کا لفظ باعتبار حضرت موسیٰ و ہارون کے فرمایا نہ باعتبار علم الٰہی کے۔ اسی لئے گو حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فرعون ماننے والا نہیں ہے لیکن یہ موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اگر اس امر کو موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر کر دیا جاتا تو طبعی طور پر موسیٰ علیہ السلام کی ہمت پست ہو جاتی اور وہ ایسی طرح تبلیغ نہ کر سکتے جس طرح سے کوئی ہدایت کی توقع کی حالت میں کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کا صریح حکم مل چکا اور آپ کو فرعون کی ستم شعاری اور جباری معلوم تھی تو مزید اللہ تعالیٰ سے امداد کی درخواست و دعا کی جس پر حق تعالیٰ نے تسلی اور حفاظت اور نصرت کا وعدہ فرمایا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ آپ اپنے مخلصین و مقبولین کے ساتھ جو رحمت اور احسان کا معاملہ فرماتے ہیں اسی رحمت و احسان سے ہم کو بھی نواز دے۔ اور اپنی نصرت و تائید کو ہر حال میں ہر آن میں ہمارے شامل حال فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ﴿۴۶﴾ فَاْتِیٰهُ

دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ زیادہ شرارت نہ کرنے لگے۔ ارشاد ہوا کہ تم اندیشہ نہ کرو میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سب سنتا دیکھتا ہوں۔

فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۵ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰکَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ ؕ

سو تم اُس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے فرستادے ہیں سو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے اور ان کو تکلیف مت پہنچا، ہم تیرے پاس تیرے رب کی

وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۴۸﴾

طرف سے نشان لائے ہیں، اور ایسے شخص کیلئے سلامتی ہے جو راہ پر چلے۔ ہمارے پاس یہ حکم پہنچا ہے کہ عذاب اُس شخص پر ہوگا جو جھٹلاوے اور رُوگردانی کرے۔

قَالَا دونوں بولے	رَبَّنَآ اے ہمارے رب	اِنَّنَا نَخَافُ بیشک ہم ڈرتے ہیں	اَنْ یَّفْرُطَ کہ وہ زیادتی کرے	عَلَیْنَآ ہم پر	اَوْ یا		
اَنْ یَّطْغٰی وہ حد سے بڑھے	قَالَ اس نے فرمایا	لَا تَخَافَآ تم ڈرو نہیں	اِنَّنِیْ بیشک میں	مَعَکُمَآ تمہارے ساتھ ہوں	اَسْمَعُ میں سُنتا ہوں		
وَاَرٰی اور میں دیکھتا ہوں	فَاْتِیٰهُ پس جاؤ اسکے پاس	فَقُوْلَآ اور تم کہو	اِنَّا رَسُوْلَا بیشک ہم دونوں بھیجے ہوئے	رَبِّکَ تیرا رب	فَاَرْسِلْ پس بھیج دے		
مَعَنَا ہمارے ساتھ	بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بنی اسرائیل	وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ اور انہیں سزا نہ دے	قَدْ جِئْنٰکَ ہم تیرے پاس آئے ہیں	بِاٰیَةٍ نشانی کیساتھ			
مِنْ سے	رَبِّکَ تیرا رب	وَالسَّلٰمُ اور سلام	عَلٰی پر	مَنِ جو	اتَّبَعَ اس نے پیروی کی	الْهُدٰی ہدایت	اِنَّا بیشک
قَدْ اُوْحِیَ وحی کی گئی	اِلَیْنَآ ہماری طرف	اَنَّ کہ	الْعَذَابَ عذاب	عَلٰی پر	مَنْ کَذَّبَ جس نے جھٹلایا	وَتَوَلّٰی اور منہ پھیرا	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ اپنے بھائی کے ساتھ فرعون کے پاس تبلیغ اور دعوت حق کے لئے جاؤ اور اس سے گفتگو نرمی اور ملائمت سے کرو اور یہ خیال کر کے تبلیغ کرو کہ ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچ سمجھ کر نصیحت حاصل کرے یا اللہ کے جلال وغضب سے ڈر جائے اور فرمانبرداری کی طرف جھک پڑے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی حالت۔ اس کا ظلم وزیادتی اور ستم شعاری اور جباری معلوم تھی اس لئے اپنی بے سروسامانی اور اس کے دبدبہ وشوکت پر نظر کرتے ہوئے اندیشہ کیا کہ فرعون ہماری بات سننے کے لئے آمادہ بھی ہوگا یا نہیں۔ ممکن ہے کہ ہماری بات سننے سے پہلے ہی بھبک پڑے یا سننے کے بعد غصہ میں بپھر جائے اور ایسا نہ ہو کہ ہم کو مار ڈالے یا کوئی ناقابل برداشت ایذا و تکلیف پہنچائے جس سے تبلیغ ہی رہ جائے یا یہ کہ عین تبلیغ کے وقت اپنے کفر میں وہ اور زیادہ شرارت نہ کرنے لگے۔ چنانچہ حق تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اور اپنے بھائی کی طرف سے اس اندیشہ کا اظہار کیا جس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے مرحمت ہوا کہ اس سے مطلق اندیشہ نہ کرو جو باتیں تمہارے اور اس کے درمیان ہوں گی یا جو معاملات پیش آئیں گے وہ سب میں سنتا اور دیکھتا ہوں۔ میں اس وقت تم سے جدا نہیں میری حمایت اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ گھبرانے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں تمہاری حفاظت کروں گا اور اس کو مرعوب کردوں گا جس سے پوری تبلیغ کر سکو گے اس لئے تم بے خوف وخطر اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے فرستادہ ہیں کہ ہم کو نبی بنا کر بھیجا ہے اس لئے تو ہماری اطاعت کر عقیدہ میں بھی کہ توحید کی تصدیق کر اور اخلاق وغیرہ میں بھی کہ ظلم وغیرہ سے باز آ اور بنی اسرائیل کو جن پر تو ناحق ظلم کرتا ہے اپنے پنجہ ظلم سے رہا کر کے ہمارے ساتھ جانے دے۔ جہاں چاہیں آزادی کے ساتھ رہیں اور فرعون سے یوں بھی کہنا کہ ہم جو دعویٰ نبوت کرتے ہیں تو بے دلیل نہیں بلکہ اپنی صداقت پر خدائی نشان لے کر آئے ہیں۔ یعنی معجزۂ عصا وید بیضا اور اس کو بتلادو کہ جو ہماری بات مان کر سیدھی راہ چلے گا اس کے لئے دونوں جہان میں سلامتی ہے اور جو تکذیب یا اعراض کرے گا اس کے لئے عذاب یقینی ہے خواہ صرف

آخرت میں یا دنیا میں بھی غرض یہ سارا مضمون اس سے جا کر کہو۔

اب آگے فرعون کے دربار تک حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے پہنچنے کے حالات یہاں بیان نہیں ہوئے جس کو مفسرین نے اس طرح لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام منصب نبوت سے سرفراز ہو کر۔ کلام ربانی سے فیضیاب بن کر اور دعوت و تبلیغ حق میں کامیابی و کامرانی کا مژدہ پا کر وادی مقدس سے واپس آئے تو تعمیل حکم الٰہی کے لئے مصر گھر والوں کو لے کر روانہ ہو گئے۔ منزلیں طے کرتے ہوئے جب مصر پہنچے تو رات کا وقت تھا خاموشی کے ساتھ مصر میں داخل ہو کر اپنے مکان پہنچے مگر اندر داخل نہ ہوئے اور والدہ کے سامنے ایک مسافر کی حیثیت میں ظاہر ہوئے۔ بنی اسرائیل میں یہ بڑا مہمان نواز گھر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوب خاطر مدارت کی گئی۔ اسی دوران میں آپ کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام آپہنچے حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت عطا ہو چکا تھا اس لئے ان کو بذریعۂ وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سارا قصہ بتا دیا گیا تھا وہ بھائی سے آکر لپٹ گئے اور پھر ان کے اہل وعیال کو گھر کے اندر لے گئے اور والدہ کو سارا حال سنایا۔ تب سب خاندان آپس میں گلے ملا اور بچھڑے ہوئے بھائیوں نے ایک دوسرے کی گذشتہ زندگی سے تعارف پیدا کیا اور اپنی والدہ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی۔ بہر حال حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان جب ملاقات اور گفتگو کا سلسلہ ختم ہوا تو اب دونوں نے طے کیا کہ خدائے تعالیٰ کے امتثال حکم کے لئے فرعون کے پاس چلنا اور اس کو پیغام الٰہی سنانا چاہئے۔ لکھا ہے کہ جب دونوں بھائی فرعون کے دربار میں جانے لگے تو والدہ نے غایت شفقت کی بنا پر روکنا چاہا کہ تم ایسے شخص کے پاس جانا چاہتے ہو جو صاحب تخت و تاج بھی ہے اور ظالم اور مغرور بھی۔ وہاں نہ جاؤ وہاں جانا بے سود ہوگا۔ مگر دونوں نے والدہ کو سمجھایا کہ خدا تعالیٰ کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا اور اس کا وعدہ ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے اور وہ ہماری حفاظت فرمائے گا۔ غرض کہ دونوں بھائی اور خدا کے سچے پیغمبر اور نبی فرعون کے دربار میں پہنچے اور بغیر خوف و خطر اندر داخل ہو گئے جب فرعون کے تخت کے قریب پہنچے تو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی اور انہوں نے فرمایا۔ ہم کو خدا نے اپنا پیغمبر اور رسول بنا کر تیرے پاس بھیجا ہے ہم تجھ سے دو اہم باتیں چاہتے ہیں ایک یہ کہ خدا پر یقین لا اور کسی کو اس کا شریک و ساجھی نہ بنا دوسرے یہ کہ ظلم سے باز آ اور بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے نجات دے ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں یقین رکھ کہ یہ بناوٹ اور تصنع نہیں ہے اور نہ ہم کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ذمہ غلط باتیں لگائیں۔ ہماری صداقت کے لئے خدا تعالیٰ نے ہم کو اپنی دو زبردست نشانیاں یعنی معجزات بھی عطا فرمائے ہیں لہٰذا تیرے لئے مناسب یہی ہے کہ صداقت اور حق کے اس پیغام کو قبول کر اور بنی اسرائیل کو چھٹکارا دے کر ہمارے ساتھ کر دے تاکہ ہم پیغمبروں کی اس سرزمین میں انہیں لے جائیں جہاں بجز ذات واحد کے یہ کسی اور کی پرستش نہ کریں۔ فرعون نے جب یہ سنا تو جیسا کہ سورۂ شعراء ۱۹ ویں پارہ میں آیا ہے کہنے لگا کہ اے موسیٰ آج تو پیغمبر بن کر میرے سامنے بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کرتا ہے وہ دن بھول گیا جب تو نے میرے ہی گھر میں پرورش پائی اور بچپن کی زندگی گزاری اور کیا تو یہ بھی بھول گیا کہ تو نے ایک مصری کو قتل کیا اور یہاں سے بھاگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ صحیح ہے کہ میں نے تیرے گھر میں پرورش پائی اور ایک مدت تک شاہی محل میں رہا اور مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ غلطی کی بنا پر مجھ سے نادانستہ ایک شخص قتل ہو گیا اور میں اس خوف سے چلا گیا تھا لیکن یہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا کرشمہ ہے کہ اس نے تمام بیکسانہ مجبوریوں کی حالت میں تیرے ہی گھرانے میں میری پرورش کرائی اور پھر مجھ کو اپنی سب سے بڑی نعمت نبوت و رسالت سے سرفراز کیا۔ کیا یہ طریقہ عدل و انصاف کا طریقہ ہوگا کہ مجھ ایک اسرائیلی کی پرورش کا بدلہ یہ ٹھہرے کہ بنی اسرائیل کی تمام قوم کو تو غلام بنائے رکھے۔ فرعون جب اس خاموش کن دلیل پر لاجواب ہوا تو اس نے گفتگو کا پہلو بدل دیا اور کہنے لگا موسیٰ یہ نئی بات تو کیا سناتا ہے کیا میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو اس کی حقیقت بیان کرو۔ اس سورۃ میں اب اگلی آیات میں یہیں سے مضمون شروع ہوا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝٤٩ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝٥٠ قَالَ فَمَا بَالُ

وہ کہنے لگا تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ۔ موسیٰ نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی پھر رہنمائی فرمائی۔ فرعون نے کہا کہ اچھا

الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝٥١ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝٥٢

تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں ہے، میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

قَالَ اس نے کہا	فَمَنْ پس کون	رَبُّكُمَا تمہارا رب	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	قَالَ اس نے کہا	رَبُّنَا ہمارا رب	الَّذِيْ جس نے	اَعْطٰى عطا کی
كُلَّ شَيْءٍ ہر چیز	خَلْقَهٗ اس کی شکل وصورت	ثُمَّ پھر	هَدٰى رہنمائی کی	قَالَ اس نے کہا	فَمَا پھر کیا	بَالُ حال	الْقُرُوْنِ جماعتیں
الْاُوْلٰى پہلی	قَالَ اس نے کہا	عِلْمُهَا اس کا علم	عِنْدَ پاس	رَبِّيْ میرا رب	فِيْ كِتٰبٍ کتاب میں	لَا يَضِلُّ وہ نہ غلطی کرتا ہے	رَبِّيْ میرا رب
		وَ اور	لَا يَنْسَى نہ وہ بھولتا ہے				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پاس پہنچنے تک کا ذکر ہو چکا تھا فرعون کے پاس پہنچ کر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے جو دعوت حق پیش کی اس کا بیان بھی اوپر آ چکا۔ نیز فرعون نے اپنی مغرورانہ سرشت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیغمبر خدا ہونے کا استخفاف کیا اور مذاق وتحقیر کرتے ہوئے اپنے گھرانے کے احسانات جتائے اور مصری کے قتل والا معاملہ یاد دلا کر خوفزدہ کرنے کی سعی کی مگر موسیٰ علیہ السلام چونکہ ان سب مراحل کے متعلق خدائے برحق سے ہر قسم کا اطمینان حاصل کر چکے تھے اس لئے آپ پر مطلق نہ خوف کا اثر ہوا اور نہ آپ کو غصہ آیا اور نہایت جرأت سے فرعون کی ربوبیت کا انکار اور اللہ کی ربوبیت کا اعلان کیا۔ اس پر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناظرہ کے لئے تیار ہو گیا اور کہنے لگا کہ کیا میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے جس کو تم رب العالمین کہتے ہو؟ اگر یہ صحیح ہے تو تمہارا رب کون ہے؟ اور کیسا ہے جس کا بھیجا ہوا تم اپنے کو بتلاتے ہو۔ لکھا ہے کہ فرعون دہری عقیدہ کا تھا۔ منکر خدا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ یہ کارخانۂ عالم خودرو کارخانہ ہے۔ قدیم سے اسی طرح چل رہا ہے اور اس طرح چلتا رہے گا لوگ خود بخود پیدا ہوئے ہیں اور پھر مر کر گل سڑ جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ سارے عالم کو وہ خودرو گھاس کی طرح جانتا تھا اور اس کا گمان یہ تھا کہ جو شخص جس خطۂ زمین کا فرمانروا ہو گیا وہی اس کا رب ہے اس لئے ازراہ تکبر اپنی خدائی اور ربوبیت کا مدعی تھا۔ اسی لئے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ میں اپنے سوا اور کوئی رب نہیں جانتا۔ پھر وہ کون رب ہے جس کا تم اپنے کو پیغامبر اور رسول بتاتے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کا بے نظیر اور جامع جواب ایک مختصر جملے میں دیا اور فرمایا **ربنا الذی اعطی کل شئی خلقه ثم هدیٰ**۔ یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کے مناسب وجود عطا کیا اور اس کو اس کی خاص صورت اور خاص شکل دی جو اس کے لائق اور مناسب تھی اور پھر وجود عطا کرنے کے بعد ہر شے کو اس کے اسباب بقا کی طرف رہنمائی کی تو غور کیجئے کہ ہر چیز پیدا ہوتے ہی اپنی بقاء کا ذریعہ ڈھونڈنے لگتی ہے۔ مرغی کا بچہ زمین پر چونچ مارتا ہے۔ انسان کا بچہ ماں کے پستان کو ڈھونڈنے لگتا ہے پیدا ہوتے ہی کھانے پینے کا ہوش آ جاتا ہے۔ یہ ہوش کہاں سے آیا اور کس نے سکھایا اور جانوروں کا تو یہ حال ہے کہ ہر جانور کو ابتدائے پیدائش ہی سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ

جنگل کی کونسی گھاس پات اور کس درخت کے پتے میرے لئے مفید ہیں اور کون سے مضر اور نقصان دہ ہیں مفید کو کھاتا ہے اور مضر سے بچتا ہے۔ اسی طرح مچھلی کو تیرنا۔ چڑیا کو اُڑنا۔ درخت کو پھل پھول دینا اور زمین کو نباتات اگانے کی ہدایت اسی خالق نے بخشی۔ غرض کہ اس مختصر سے جملہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ خدا وہ ہے کہ جو ہر چیز کو اس کا خاص وجود عطا کرنے کے بعد اس کو اپنے نفع نقصان کا القا اور الہام کرے۔ تو یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف یہی نہیں بتایا کہ ان کا رب کون ہے بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ وہ کیوں رب ہے اور اس کے سوا کسی اور کو رب نہیں مانا جاسکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب فرعون سن کر ایسا حیران ششدر اور مبہوت رہ گیا کہ اس کی تردید میں کچھ بول ہی نہ سکا۔ ایسا بلیغ کلام اس نے کبھی نہیں سنا تھا اس لئے طرز سخن بدل کر دوسرا سوال کیا کہ اچھا بتاؤ گذشتہ اقوام کا کیا حال ہوگا؟ یعنی جب تمہارے قول کے مطابق الوہیت اور ربوبیت کا مرکز ایک ہی غیبی ہستی ہے اور نجات و سعادت کے لئے تم توحید کو ضروری بتلاتے ہو تو ہمارے باپ دادا اور گذشتہ قومیں جو صدہا برس سے نسل درنسل تمہارے ان دلائل سے غافل اور بے خبر تھے اور حشر ونشر و جزاوسزا کے منکر تھے تو کیا وہ سب کے سب بیوقوف و جاہل تھے؟ کیا کل کے کل گمراہ و بے دین تھے؟ اس سوال سے فرعون کا مطلب ایک یہ بھی تھا کہ کروڑوں افراد واشخاص جواب تک گزر چکے ہیں ان کے عقائد و اعمال کا احاطہ کیونکر ممکن ہے۔ سزاوجزا۔ عذاب و ثواب تو اسی وقت ممکن ہے جب عقائد و اعمال کا علم اور احاطہ ممکن ہو۔ کروڑوں انسانوں کے لامحدود حرکات و سکنات اور اقوال و اعمال کا احاطہ ناممکن ہے پھر کس طرح ان کو سزاو جزادی جاسکتی ہے اور کیونکر تم تکذیب کرنے والے کو مستحق عذاب اور ہدایت قبول کرنے والے کو مستوجب سلامتی ونجات کہتے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا نہایت حکیمانہ جواب دیا اور فرمایا گذشتہ اقوام کا علم میرے رب ہی کو ہے۔ اس نے اپنے دفتر میں سب کچھ مندرج کر رکھا ہے ان کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک بات کا پورا ریکارڈ اللہ کے پاس محفوظ ہے اس کے علم میں غلطی اور نسیان ناممکن ہے۔ نہ خدا کی نگاہ سے کوئی چیز بچی رہ گئی ہے اور نہ اس کے حافظہ اور علم سے کوئی شے محو ہوئی ہے۔ ان سب کے اعمال نامے اللہ کے پاس موجود ہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزاوسزا دے گا اور اس میں کوئی غلطی ممکن نہیں کیونکہ غلطی کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو معاذ اللہ اللہ کو ان کا صحیح علم نہ ہو یا خدا بھول جائے تو یہ دونوں صورتیں محال ہیں۔ میرا رب بھول چوک اور غلطی سے پاک ومنزہ ہے تو جب یہ دونوں چیزیں ذات الٰہی میں ممکن نہیں اور اس کا علم سب کو محیط ہے تو پھر سزاوجزا کچھ دشوار نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جوابات کا خلاصہ یہ نکلا کہ اللہ کی خلاقی۔ ربوبیت اور عالم کل ہونے کو ثابت فرما کر اس کی الوہیت و یکتائی پر استدلال فرمایا اور عالم آخرت میں جزاوسزا کے عقیدہ کی صداقت کا اظہار فرمایا۔ یہاں تک موسیٰ علیہ السلام کی تقریر ہو چکی آگے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی شان ربوبیت کی کچھ تفصیل خود بیان فرماتے ہیں جس کا ذکر اجمالاً موسیٰ علیہ السلام کے ان جوابات میں تھا جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے ہم کو اپنے ان بندوں میں شامل فرمایا کہ جو اس کی ربوبیت والوہیت کے مقر ہیں۔ اے اللہ ہم کو اس توحید پر قائم رکھ اور اسی پر موت نصیب فرما۔

یا اللہ ہمارے عقیدۂ عالم آخرت کو ایسا مضبوط بنادے کہ ہم ہر حال میں آخرت کی جزاوسزا کو پیش نظر رکھیں اور ہر طرح کی نافرمانی سے رک جائیں۔ اور آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگ جائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا

وہ ایسا ہے جس نے تم لوگوں کیلئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے واسطے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے

بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ﴿۵۳﴾ کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۵۴﴾

اقسام مختلفہ کے نباتات پیدا۔ خود (بھی) کھاؤ اور اپنے مواشی کو (بھی) چراؤ۔ ان سب چیزوں میں اہل عقل کے واسطے (قدرت الٰہیہ کی) نشانیاں ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُکُمْ تَارَةً اُخْرٰی ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا

ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تم کو لے جائیں گے اور پھر دوبارہ اسی سے ہم تم کو نکالیں گے۔ اور ہم نے اس (فرعون) کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھلائیں

کُلَّهَا فَکَذَّبَ وَاَبٰی ﴿۵۶﴾

سو وہ جھٹلاتا ہی رہا اور انکار ہی کرتا رہا۔

اَلَّذِیْ وہ جس نے	جَعَلَ بنایا	لَکُمُ تمہارے	الْاَرْضَ زمین	مَهْدًا بچھونا	وَسَلَكَ اور چلائیں	لَکُمْ تمہارے لئے	فِیْهَا اس میں	
سُبُلًا راہیں	وَاَنْزَلَ اور اتارا	مِنَ سے	السَّمَآءِ آسمان	مَآءً پانی	فَاَخْرَجْنَا پھر ہم نے نکالے	بِهٖ اس سے	اَزْوَاجًا جوڑے	
مِنْ سے	نَبَاتٍ سبزی	شَتّٰی مختلف	کُلُوْا تم کھاؤ	وَارْعَوْا اور چراؤ	اَنْعَامَکُمْ اپنے مویشی	اِنَّ بیشک	فِیْ ذٰلِكَ اس میں	
لَاٰیٰتٍ نشانیاں	لِّاُولِی النُّهٰی عقل والوں کیلئے	مِنْهَا اس سے	خَلَقْنٰکُمْ ہم نے تمہیں پیدا کیا	وَفِیْهَا اور اس میں				
نُعِیْدُکُمْ ہم لوٹادیں گے تمہیں	وَمِنْهَا اور اس سے	نُخْرِجُکُمْ ہم نکالیں گے تمہیں	تَارَةً اُخْرٰی دوسری بار	وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اور ہم نے اسے دکھائیں				
	اٰیٰتِنَا اپنی نشانیاں	کُلَّهَا تمام	فَکَذَّبَ تو اس نے جھٹلایا	وَاَبٰی اور انکار کیا				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ جواب نقل فرمائے گئے تھے جو آپ نے فرعون کے دو سوالات کے جواب میں دیئے تھے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شرارت سے یا جہالت سے ایک سوال یہ کیا تھا کہ تم دونوں کا رب کون ہے جس کا تم اپنے آپ کو پیغمبر بتلاتے ہو اور دوسرا سوال یہ کیا تھا کہ جو نسلیں اور قومیں گذشتہ میں گزر چکیں اور جو توحید کو نہیں مانتی تھیں تو ان کا اس نہ ماننے کی بنا پر کیا حال ہوا؟ ان دونوں سوالات کے جو حکیمانہ جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دیئے تھے وہ گذشتہ آیات میں بیان ہوئے تھے۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مکالمہ کو روک کر حق تعالیٰ اپنی شان الوہیت وربوبیت کی کچھ تفصیل خود بیان فرماتے ہیں جن کا ذکر اجمالاً موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں آیا تھا۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کے بعد یہ آیات بطور شرح و تذکیر ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ اور ان آیات کے بعد پھر وہی مناظرانہ مکالمہ مابین فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اور اس طرح کی مثالیں قرآن پاک میں متعدد جگہ موجود ہیں۔ الغرض گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کر کے اب حق تعالیٰ بطور جملہ معترضہ کے براہ راست نوع انسانی سے خطاب فرماتے ہیں کہ تمہارا رب وہ ہے کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو مثل فرش کے بنایا کہ تم اس پر آرام کرسکو اور مزے کے ساتھ اس پر چل پھر سکو۔ اور زمین عجب فرش ہے کہ جو نہ لوہے کی مانند سخت ہے اور نہ روئی اور گارے کی طرح نرم

ہے۔ پھر اسی رب نے تمہارے چلنے کے لئے اس زمین میں راستے بنا دیئے۔ زمین پر میدانوں۔ وادیوں۔ پہاڑوں کے بیچ میں سے راستے نکال دیئے جن پر چل کر تم ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچ سکتے ہو پھر اسی رب نے آسمان سے پانی برسایا تا کہ تم اس سے زندہ رہ سکو اور اسی پانی کے ذریعہ سے طرح طرح کے غلے میوے۔ سبزیاں۔ پھل پھول پیدا کئے جن سے تم عمدہ غذائیں کھاتے ہو اور باوجود یکہ زمین ایک ہے۔ پانی ایک ہے۔ ہوا اور روشنی ایک ہے مگر ہر ایک نباتات کا مزہ۔ رنگ اور بو مختلف ہے۔ پھر جو اشیاء تمہارے کام کی نہیں وہ اپنے مویشیوں کو کھلاتے ہو اس طرح تمہاری اور تمہارے مویشیوں کی حیات اور زندگی کا سامان ہوا۔ آگے دہریوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے فرمایا کہ اس رب کی قدرت اور شان ربوبیت کی یہ سب نشانیاں ہیں۔ اگر عقل ہے تو سمجھ لوگے کہ یہ مضبوط اور محکم انتظامات یونہی محض اتفاق سے قائم نہیں ہو سکتے۔ یہ قدرت الٰہیہ کے نشانات تم کو بتا دیں گے کہ اس کائنات کا رب ایک ہی رب ہے اور ربوبیت ساری کی ساری اسی کی ہے۔ گویا یہاں وجود باری تعالیٰ اور توحید کی طرف توجہ دلائی گئی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اے انسانو اسی زمین سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے یعنی تمہاری ابتدا اسی سے ہے اس لئے کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی پیدائش اسی زمین کی مٹی سے ہوئی۔ پھر جن غذاؤں سے آدمی کا بدن پرورش پاتا ہے وہ بھی مٹی ہی سے نکلتی ہیں اور پھر مرنے کے بعد بھی عام آدمیوں کو بھی جلد یا بدیر اسی مٹی میں مل جانا ہے۔ اور قیامت کے دن دوبارہ پھر اسی زمین سے تم کو حساب کتاب کے لئے نکالا جائے گا۔ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت کے دفن کے بعد ان کی قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے پہلی بار فرمایا **منها خلقنكم** دوسری لپ ڈالتے ہوئے فرمایا **وفيها نعيدكم** تیسری بار مٹی ڈالتے ہوئے فرمایا **ومنها نخرجكم تارة اخرى**۔ اسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و تعلیم میں مسلمان اپنی میت کی قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے یہی کلمات قرآنی پڑھتے ہیں۔ ان آیات کے اخیر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فرعون کو اپنی جو نشانیاں دکھلانا منظور تھیں سب دکھلا دیں۔ مثلاً عصا اور ید بیضا کے معجزات وغیرہ اور جن کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کسی عذر کی اس کے لئے گنجائش باقی نہ رہی مگر پھر بھی وہ بدبخت نہ مانا اور انکار و تکذیب ہی پر اڑا رہا۔

بیچ میں یہ حق تعالیٰ کا ارشاد بطور جملہ معترضہ آیا تھا۔ اب آگے پھر وہی مضمون یعنی فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ جاری ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی شان ربوبیت والوہیت کی معرفت کاملہ ہم کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہر حال میں ہم کو حق سے وابستہ رہنے اور باطل سے علیحدہ رہنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ روئے زمین پر اس وقت جہاں جہاں حق و باطل میں مقابلہ اور معرکہ آرائی ہے یا اللہ اپنی قدرت سے حق کو غلبہ عطا فرما اور باطل کو مغلوب فرما۔ یا اللہ آپ ہی نے ہم کو زندگی عطا کی ہے آپ ہی ہم کو موت دیں گے اور آپ ہی قیامت میں ہم کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے۔ یا اللہ ہم کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھئے اور اسی حالت اسلام و ایمان پر موت دیجئے اور اپنے مخلص مومن بندوں کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ

کہنے لگا کہ اے موسیٰ تم ہمارے پاس اس واسطے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے اپنے جادو سے نکال باہر کرو۔ سو اب ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لاتے ہیں تو ہمارے

بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ

اور اپنے درمیان میں ایک وعدہ مقرر کرلو جس کو نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم خلاف کرو کسی ہموار میدان میں۔ موسیٰ نے فرمایا تمہارے وعدہ کا وقت

وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾

وہ دن ہے جس میں میلہ ہوتا ہے اور دن چڑھے لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔ غرض فرعون لوٹ گیا پھر اپنے مکر کا سامان جمع کرنا شروع کیا پھر آیا۔

قَالَ اس نے کہا	اَجِئْتَنَا کیا تو آیا ہے ہمارے پاس	لِتُخْرِجَنَا کہ تو نکال دے ہمیں	مِنْ اَرْضِنَا ہماری زمین سے	بِسِحْرِكَ اپنے جادو کے ذریعہ		
يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	فَلَنَاْتِيَنَّكَ پس ضرور ہم تیرے مقابل لائیں گے	بِسِحْرٍ ایک جادو	مِّثْلِهٖ اس جیسا	فَاجْعَلْ پس مقرر کر	بَيْنَنَا ہمارے درمیان	
وَبَيْنَكَ اور اپنے درمیان	مَوْعِدًا ایک وعدہ	لَّا نُخْلِفُهٗ ہم اسکے خلاف نہ کریں	نَحْنُ ہم	وَلَآ اور نہ	اَنْتَ تو	مَكَانًا سُوًى ایک ہموار میدان
قَالَ اس نے کہا	مَوْعِدُكُمْ تمہارا وعدہ	يَوْمُ الزِّيْنَةِ زینت کا دن	وَاَنْ اور یہ کہ	يُّحْشَرَ جمع کیے جائیں	النَّاسُ لوگ	ضُحًى دن چڑھے
فَتَوَلّٰى پھر لوٹ گیا	فِرْعَوْنُ فرعون	فَجَمَعَ اس نے جمع	كَيْدَهٗ اپنا داؤ	ثُمَّ پھر	اَتٰى وہ آیا	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں "الوہیت و ربوبیت خداوندی کا ذکر ہوا تھا اور وہ حق تعالیٰ کا ارشاد درمیان میں بطور جملہ معترضہ آیا تھا اور اخیر میں بتلایا گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی فرعون کے سامنے حق تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت اور وحدانیت کے دلائل بیان فرمادیئے اور اپنی نبوت و رسالت کے اثبات میں فرعون کو اپنی لاٹھی اور چمکتے ہوئے روشن ہاتھ کے معجزہ بھی دکھلائے مگر فرعون نے ان کو سحر اور جادو بتلایا اور کوئی بات مان کر نہ دی۔

فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو اور مکالمہ کا ذکر پہلے بھی ہوچکا ہے جو مختلف مجالس میں ہوتی رہیں۔ فرعون حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کے روشن اور پُر از صداقت دلائل سن سن کر اگرچہ پیچ و تاب کھاتا تھا مگر لاجواب ہوجانے کی وجہ سے کوئی صورت نہیں بنتی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام سے چھٹکارا حاصل کرے۔ وہ جانتا تھا کہ میری ربوبیت اور الوہیت کی بنیاد اتنی کمزور ہے کہ دلائل موسیٰ کی صداقت کے سامنے مکڑی کے جالے کی طرح ٹوٹ کر تار تار ہوجاتی ہے اور اس کے درباری بھی اس کو اچھی طرح سمجھتے تھے اس لئے فرعون کے لئے یہ بات سخت ناقابل برداشت تھی کہ جس قلمرو میں اس کے رعب شاہی اور دبدبۂ حکومت کے ساتھ اس کی ربوبیت کا جاہ وجلال بھی مانا جاتا ہو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی یہ جرأتِ حق اندر ہی اندر اس کو خائف اور پریشان کررہی تھی۔

سب سے پہلے اپنی قوت و جبروت اور دبدبہ وجلال سے ڈراتی ہے۔ قید و بند کے عذاب اور ہلاکت سے خوف دلاتی ہے اور اپنی گرفت سے مرعوب کرنا چاہتی ہے۔ جب یہ حربہ کارگر نہیں ہوتا اور حامل صداقت بغیر کسی خوف کے بے باکانہ حق و صداقت کا اعلان کرتا ہے تو دوسرے درجہ پر اہل باطل بھی دلائل و براہین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دیکھنے والوں کی آنکھ میں خاک جھونکتے اور

سننے والوں کے کانوں پر مکروفریب کا پردہ ڈالنے کے لئے دلائل کی روشنی میں مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنی شکست کو چھپانے کے لئے پرفریب الفاظ سے حاضرین وسامعین کو اپنے مکر کے جال میں پھنسائے رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب حق کی طاقت ان کے فریب کا تارتار بکھیر کر رکھ دیتی ہے۔ عقل کی روشنی میں دلائل کی حقانیت سے حق و باطل اور صحیح وغلط کو جدا جدا کر دیتی ہے اور کوئی فریب نہیں چلتا تو اہل باطل پرستاران نفس حاملین صداقت کو طرح طرح سے متہم کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ شخص انقلاب پیدا کر کے حکومت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہر دل عزیزی پیدا کر کے شہرت وجاہ کا حصول اس کے پیش نظر ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ ساحر جادوگر اور دھوکہ باز ہے لیکن جب ارباب حق مادی مقابلہ کے لئے بھی تیار ہوجاتے ہیں اور حق و باطل کا فرق کھل جاتا ہے اور وہ لوگ جن کی فطرت میں حق تعالیٰ نے سعادت کا نور ودیعت رکھا ہے سچائی کو دیکھ کر حقانیت کے معترف ہوجاتے ہیں اور اہل حق کی تعداد بڑھنے لگتی ہے تو قصر طاغوتی میں لرزہ پڑ جاتا ہے۔ بنیادیں ہلنے لگتی ہیں اور انجام کار اہل حق کو ڈرانے اور مغلوب کرنے کے لئے ان کے متبعین اور ساتھیوں کو طرح طرح کی تکلیفیں اور جسمانی سزائیں دی جاتی ہیں۔ قتل وغارت کیا جاتا ہے۔ اور بہتیروں کو نذر شمشیر کیا جاتا ہے۔ اس وقت غیرت حق جوش میں آتی ہے اور قوت قہاری بر سر عمل آ کر اہل باطل کے تمام دبدبہ وجلال کو غارت کر دیتی ہے۔ ان کے اموال و املاک خاک میں ملا دیئے جاتے ہیں۔ طاغوتی لشکر کو ہلاکت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ فرعون کی بھی ٹھیک یہی حالت ہوئی۔ شروع میں تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرا دھمکا کر مرعوب کرنا چاہا۔ پھر مناظرانہ انداز میں سوال و جواب کئے۔ جب آپ کے دلائل قاہرہ نے فرعون کو متحیر اور مبہوت کر دیا اور کوئی جواب بن نہ پڑا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تہمت والزام لگانے لگا اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا کہ تم جادوگر ہو اور جادو کے زور سے ہمارا ملک چھیننا چاہتے ہو اور اس پر قابض ہونا چاہتے ہو لہٰذا اب تمہارے جادو کا مقابلہ جادو سے کیا جائے گا۔ تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ شخص پیغمبر نہیں جادوگر ہے۔ جو زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے اپنی قوم کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نفرت اور اشتعال دلانے کے لئے کہی تھی کیونکہ جب قوم کے لوگ یہ سنیں گے تو ان کے دل میں یہ بات جم جائے گی کہ اگر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی بات مان لی تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہم کو اپنے گھر بار سے نکلنا پڑے گا۔ تو ان کی بات کو قبول نہ کریں گے اور نہ ان کے معجزوں میں غور وفکر کریں گے اور یہی سمجھیں گے کہ جو کچھ موسیٰ نے لاٹھی وغیرہ کا معجزہ دکھایا ہے وہ بھی ایک قسم کا جادو ہے۔ بالآخر فرعون اور فرعونیوں کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ فی الحال تو موسیٰ اور ہارون کو مہلت دو اور اس دوران میں تمام قلمرو سے ماہر جادوگروں کو دارالسلطنت میں جمع کرو اور پھر ان سے موسیٰ کا مقابلہ کراؤ۔ بلاشبہ یہ شکست کھا جائے گا اور اس کے تمام ارادے خاک میں مل جائیں گے۔ اس مشورہ کے بعد فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم خوب سمجھ گئے کہ تو ہم کو اس سرزمین مصر سے بے دخل کرنا چاہتا ہے لہٰذا اب تمہارا علاج اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو جمع کر کے تم کو شکست دی جائے۔ اب تمہارے اور ہمارے درمیان مقابلہ کے دن کا معاہدہ ہوجانا چاہئے اور پھر نہ اس سے ہم ٹلیں گے اور نہ تم وعدہ خلاف کرنا کھلے میدان میں سب کے سامنے ہار جیت کا فیصلہ ہوجائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے منظور ہے اور اس کام کے لئے سب سے بہتر دن یوم الزینۃ یعنی تمہاری عید اور

7

جشن کا دن ہے۔ اس دن سورج بلند ہونے پر ہم سب کو میدان میں جمع ہو جانا چاہئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کو اس لئے غنیمت جانا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے جو معجزات فرعون اور قوم فرعون کو دکھا چکے تھے انہوں نے ان کو یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ یہ تو جادو اور سحر ہے لہٰذا اب جبکہ ساحروں اور جادوگروں سے مقابلہ کے بعد بھی خدا کا معجزہ غالب رہے گا تو ناچار ان کو صداقت اور حق کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ پس اگر ان کی عید اور جشن کے روز خواص و عوام کے مجمع میں ساحر اور جادوگر عاجز ہو کر میری صداقت کا اقرار کر لیں تو پھر کسی فرعونی کو لب کشائی کا موقع نہ رہے گا اور برسر عام حق کا مظاہرہ اور تبلیغ حق کے لئے بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔ اور سارے ملک میں اس کی خبر پھیل جائے گی۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے غلبہ کا یقین کامل تھا اس لئے بے دھڑک یہ دن اور وقت مقابلہ کے لئے مقرر کر لیا۔

جب مقابلہ کے لئے مکان وزمان اور وقت سب طے پا گیا تو فرعون اپنے دربار سے واپس ہوا اور اپنے مکر و فریب کا سامان جمع کرنا شروع کیا اور ساحروں کی ایک بڑی جمعیت کو جمع کرنا شروع کیا۔

بہرحال مقررہ دن یوم جشن آ پہنچا۔ میدان جشن میں تمام شاہانہ کروفر کے ساتھ فرعون تخت نشین ہوا۔ اور درباری وزراء وامرا بھی حسب مراتب قرینے سے بیٹھے اور لاکھوں عوام حق وباطل کے معرکہ کا نظارہ کرنے کو جمع ہوئے۔ ایک جانب مصر کے مشہور جادوگروں کا گروہ اپنے ساز و سامان سحر سے لیس کھڑا ہے اور دوسری جانب خدا کے رسول حق کے پیغمبر۔ سچائی وراستی کے پیکر حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کھڑے ہیں۔ چونکہ یہ مجمع رسول برحق کے مقابلہ میں صرف عناد کے تحت اکٹھا کیا گیا تھا اور رسول کا کام اتمام حجت اور نصیحت خلق ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو چیلنج کریں حق تبلیغ ادا فرماتے ہوئے فرعون کے جمع کردہ ساحروں کو خطاب فرمایا۔ اور کیا ارشاد فرمایا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ حق و باطل میں اس وقت روئے زمین پر جہاں جہاں مقابلہ و مقاتلہ ہو رہا ہے۔
اے اللہ اپنی قوت قہاری و جباری سے باطل کی قوتوں کو پاش پاش فرما دے۔ اور حق کو غلبہ عطا فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ

(اُس وقت) موسیٰ نے اُن (جادوگر) لوگوں سے فرمایا کہ اے کم بختی مارو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افتراء مت کرو، کبھی خدا تعالیٰ تم کو کسی قسم کی سزا سے بالکل نیست و نابود ہی کردے

افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ

اور جو جھوٹ باندھتا ہے وہ ناکام رہتا ہے۔ پس جادوگر باہم اپنی رائے میں اختلاف کرنے لگے اور خفیہ گفتگو کرتے رہے۔ (فرعونی) کہنے لگے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں ان کا مطلب یہ ہے

اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ

کہ اپنے جادو سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے عمدہ طریقہ کا دفتر ہی اٹھادیں۔ سو اب تم مل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو اور صفیں آراستہ کرکے (مقابلہ میں) آؤ

وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِمَّا اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ

اور آج وہی کامیاب ہے جو غالب ہو۔ پھر انہوں نے کہا اے موسیٰ آپ اپنا (عصا) پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔

مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا

آپ نے فرمایا نہیں تم ہی پہلے ڈالو پس یکایک اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کی نظربندی سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے چلتی دوڑتی ہوں۔

تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾

سو موسیٰ کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا۔

قَالَ اس نے کہا	لَهُمْ اُن سے	مُوْسٰى موسیٰ	وَيْلَكُمْ خرابی تم پر	لَا تَفْتَرُوْا نہ گھڑو	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	كَذِبًا جھوٹ	
فَيُسْحِتَكُمْ کہ وہ ہلاک کردے تمہیں	بِعَذَابٍ عذاب سے	وَقَدْ خَابَ اور وہ نامراد ہوا	مَنِ افْتَرٰى جس نے جھوٹ باندھا				
فَتَنَازَعُوْا تو وہ جھگڑنے لگے	اَمْرَهُمْ اپنے کام میں	بَيْنَهُمْ باہم	وَاَسَرُّوْا اور انہوں نے چھپ کر کیا	النَّجْوٰى مشورہ	قَالُوْا وہ کہنے لگے		
اِنْ تحقیق	هٰذٰنِ یہ دونوں	لَسٰحِرٰنِ البتہ جادوگر	يُرِيْدٰنِ یہ چاہتے ہیں	اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ کہ تمہیں نکال دیں	مِّنْ سے	اَرْضِكُمْ تمہاری سرزمین	
بِسِحْرِهِمَا اپنے جادو کے ذریعہ	وَيَذْهَبَا اور وہ لے جائیں	بِطَرِيْقَتِكُمُ تمہارا طریقہ	الْمُثْلٰى اچھا	فَاَجْمِعُوْا لہٰذا اکٹھا کرلو تم	كَيْدَكُمْ اپنے داؤ		
ثُمَّ ائْتُوْا پھر تم آؤ	صَفًّا صف باندھ کر	وَقَدْ اَفْلَحَ اور تحقیق کامیاب ہوگا	الْيَوْمَ آج	مَنِ جو	اسْتَعْلٰى غالب رہا	قَالُوْا وہ بولے	
يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	اِمَّا یا تو	اَنْ تُلْقِيَ یہ کہ تو ڈالے	وَاِمَّا اور یا	اَنْ نَّكُوْنَ یہ کہ ہم ہوں	اَوَّلَ پہلے	مَنْ جو	اَلْقٰى ڈالیں
قَالَ اسنے کہا	بَلْ بلکہ	اَلْقُوْا تم ڈالو	فَاِذَا تو ناگہاں	حِبَالُهُمْ ان کی رسیاں	وَعِصِيُّهُمْ اور ان کی لاٹھیاں	يُخَيَّلُ خیال میں آئیں	اِلَيْهِ اسکے
مِنْ سے	سِحْرِهِمْ ان کا جادو	اَنَّهَا کہ وہ	تَسْعٰى دوڑ رہی ہیں	فَاَوْجَسَ تو پایا	فِيْ نَفْسِهٖ اپنے دل میں	خِيْفَةً کچھ خوف	مُوْسٰى موسیٰ

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ فرعونیوں کے عید یا جشن کے دن جو مقابلہ کے لئے مقرر ہوا تھا صبح ہی سے عوام و خواص سب اس میدان میں جمع ہو گئے کہ آج دیکھیں کون غالب آتا ہے۔ فرعونی کہتے تھے کہ ہم تو جادوگروں کے کمال کے قائل ہیں

وہی غالب آئیں گے۔ الغرض جب سب جمع ہو گئے فرعون تخت سلطنت پر بیٹھا وزرا امرا اور ارکان دولت اپنی کرسیوں پر بیٹھے۔ دائیں بائیں عام رعایا صف بستہ کھڑی ہوگئی۔ ساحروں کی جماعت فرعون کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ دوسری طرف صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ کھڑے تھے۔ فرعون نے جادوگروں سے کہا کہ اپنا کرتب کامل طور پر دکھانا۔ کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا۔ میں تم کو اپنا مقرب بنالوں گا اور مالا مال کردوں گا۔ غرض جب مقابلہ کی تیاری ہوگئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تبلیغ ادا فرماتے ہوئے مجمع میں ہر شخص کو اس کے حسب حال نصیحت فرمائی۔ چونکہ جادوگر حق کا مقابلہ جادو سے کرنے والے تھے ان کو تنبیہ فرمائی جیسا ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ تمہاری حالت پر سخت افسوس ہے۔ تم کیا کر رہے ہو۔ دیکھو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ تم ہم کو جادوگر کہہ کر خدا پر جھوٹا الزام نہ لگاؤ۔ خدا کے نشانوں اور انبیاء کے معجزات کو سحر بتلانا اور بے حقیقت چیزوں کو ثابت شدہ حقائق کے مقابلہ میں پیش کرنا گویا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ اور جھوٹ باندھنے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں اس بہتان طرازی کی سزا میں تم پر کوئی آسمانی آفت نہ آ پڑے اور جڑ سے تم کو نہ اکھاڑ پھینکے۔ کیونکہ جس کسی نے حق پر بہتان باندھا وہ نامراد ہی رہا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر نے ساحروں کی جماعت میں کھلبلی ڈال دی۔ آپس میں ردوکد شروع کردی اور سرگوشیاں کرنے لگے کہ اس شخص کو کیا سمجھا جائے۔ اس کی باتیں ساحروں جیسی تو معلوم نہیں ہوتیں۔ درباریوں نے یہ حال دیکھا تو جادوگروں کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ یہ دونوں بلاشبہ جادوگر ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ جادو کے زور سے تم کو تمہارے وطن سے نکال دیں اور تم پر غلبہ کرلیں اور تمہارا جو دین اور رسوم پہلے سے چلی آتی ہیں ان کو مٹا کر اپنا طور وطریق رائج کردیں اور جادو کے فن کو بھی جس سے ملک میں تمہاری عزت اور کمائی ہے دونوں بھائی چاہتے ہیں کہ تم سے لے اڑیں اور تن تنہا خود اس پر قابض ہو جائیں۔ لہٰذا تم موقع کی اہمیت کو سمجھو۔ وقت کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ پوری ہمت اور قوت سے سب مل کر ان کے گرانے کی تدبیر کرو اور دفعۃً ایسا متفقہ حملہ کرو کہ پہلے ہی وار میں ان کے قدم اکھڑ جائیں اس لئے کہ آج کا معرکہ فیصلہ کن معرکہ ہے۔ آج کی کامیابی دائمی کامیابی ہے جو فریق آج غالب رہے گا وہی کامیاب ثابت ہوگا۔ اس پر جادوگروں نے آگے بڑھ کر موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اس گفت وشنید کے قصہ کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ ابتدا تمہاری جانب سے ہوگی یا ہماری جانب سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان پر اس کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو آپ نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ پہلے تم ہی اپنے حوصلے نکال لو اور اپنے کمال فن کی پوری حسرت نکال لو اور اپنے کرتب دکھالو۔ چنانچہ ساحروں نے اپنی رسیاں بان۔ اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں جو سانپ اور اژدھے کی شکل میں دوڑتی نظر آنے لگیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دیکھا تو دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ یہاں آیت میں الفاظ یہ آئے ہیں فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ۔ سو موسیٰؑ کے دل میں کچھ خوف سا ہوا۔ اب یہاں مفسرین کے دو قول ہیں کہ یہ خوف کس بات کا ہوا؟ مفسرین کے ایک گروہ نے تو یہ لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو ساحروں کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ اور اژدھے کی شکل میں دوڑتی نظر آنے لگیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دل میں یہ خوف محسوس کیا کہ کہیں لوگ اس مظاہرہ سے متاثر نہ ہو جائیں اور ساحروں کے سحر کو حقیقت نہ سمجھ لیں کیونکہ اگر ایسا ہوا

تو یہ تاثیر اور رعب قبول حق کے لئے سد راہ بنے گا اور جادوگروں کا یہ سوانگ دیکھ کر کہیں بے وقوف لوگ دھوکہ میں نہ پڑ جائیں اور سحر و معجزہ میں فرق نہ کر سکیں اور ایسی صورت میں حق کا غلبہ واضح نہ ہو سکے گا۔ اس بنا پر موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کچھ اندیشہ اور خوف پیدا ہوا۔ ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے تو اس کے تمام نشیب و فراز کا بھی انتظام فرما دے گا اور اپنے مرسل کی مدد فرمائے گا۔ اور ایسا خوف طبعی جو درجہ وسوسہ میں تھا شان و کمال نبوت کے منافی نہیں۔ دوسرے مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ جب جادوگروں نے یکبارگی اپنی لاٹھیاں اور رسیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف پھینکیں اور اچانک آپ کو یہ نظر آیا کہ سینکڑوں سانپ اور اژدھے آپ کی طرف دوڑتے چلے آ رہے ہیں تو اس منظر سے فوری طور پر آپ نے ایک خوف و دہشت محسوس کیا۔ آگے انہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ انسانیت اور بشریت کے تقاضہ سے ایسا خوف محسوس ہونا کوئی عجیب بات بھی نہیں۔ اس مقام پر یہ بات لائق ذکر ہے کہ عام انسانوں کی طرح پیغمبر بھی جادو و سحر سے متاثر ہو سکتا ہے۔ اگرچہ جادوگر پیغمبر کی نبوت سلب کر لینے یا اس کے اوپر نازل ہونے والی وحی میں خلل ڈال دینے یا جادو کے اثر سے اس کو گمراہ کر دینے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن کچھ دیر کے لئے پیغمبر کے قویٰ اور جسم پر یک گونہ اثر ضرور ڈال سکتا ہے اور اس کی تصدیق و تائید احادیث سے ہوتی ہے کہ کئی صحابہ مثلاً حضرت ابن عباس۔ زید بن ارقم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض یہود نے سحر کیا جس کے اثر سے ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک کو لاحق ہو گیا۔ اس دوران میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ ایک کام کر چکے ہیں مگر خیال گزرتا تھا کہ نہیں کیا یا ایک کام نہیں کیا اور خیال گزرتا تھا کہ کر چکے ہیں۔ اس سحر کے علاج کے واسطے حق تعالیٰ نے دو سورتیں سورۂ فلق اور سورۃ الناس نازل فرمائیں اور ان کی تاثیر سے وہ اثر باذن اللہ زائل ہو گیا۔ بہرحال وجہ جو بھی ہو آیت میں یہ صاف فرمایا گیا ہے۔ کہ اس مظاہرہ سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ اندیشہ محسوس کیا۔

جیسا اوپر بیان ہوا یہ خوف طبعی۔ شان کمال اور شان نبوت کے منافی نہیں۔ الغرض جس وقت قدرے خوف موسیٰ علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوا اسی وقت وحی نازل ہوئی اور وحی میں حق تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو کیا ارشاد فرمایا۔ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق و باطل کی کشمکش جو اس دنیا میں ہمیشہ سے قائم رہی ہے حق تعالیٰ ہم کو حق کے ساتھ وابستہ رکھیں۔ اور ہماری زندگی حق کی اعانت اور نصرت میں گزاریں۔ اور حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرماویں۔ اور حق کے مقابلہ میں جو باطل کھڑا ہو اس کی پوری طرح سرکوبی فرماویں۔

یا اللہ اس وقت روئے زمین پر جہاں جہاں حق و باطل کا مقابلہ ہے حق تعالیٰ اپنی قدرت سے حق کو غالب اور منصور فرمائیں اور باطل کو مغلوب و سرنگوں فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ

ہم نے کہا کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔ اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں جو (عصا) ہے اس کو ڈال دو ان لوگوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ (عصا) سب کو نگل جاوے گا

سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ

یہ جو کچھ بنایا ہے جادوگروں کا سانگ ہے اور جادوگر کہیں جاوے کامیاب نہیں ہوتا۔ سو جادوگر سجدہ میں گر گئے کہا کہ ہم تو ایمان لے آئے ہارونؑ اور موسیٰؑ کے پروردگار پر۔

وَمُوْسٰی ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ

فرعون نے کہا کہ بدوں اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے واقعی وہ (سحر میں) تمہارے بھی بڑے ہیں کہ انہوں نے تم کو سحر سکھلایا ہے سو میں تم سب کے

اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَآ

ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں ایک طرف کا ہاتھ اور ایک طرف کا پاؤں اور تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر ٹنگواتا ہوں اور یہ بھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے

اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی ﴿۷۱﴾

کہ ہم دونوں میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے

قُلْنَا ہم نے کہا	لَا تَخَفْ تم ڈرو نہیں	اِنَّكَ بیشک تم	اَنْتَ تم	الْاَعْلٰی غالب	وَاَلْقِ اور ڈالو	مَا جو	فِیْ یَمِیْنِكَ تمہارے دائیں ہاتھ میں
تَلْقَفْ وہ نگل جائے گا	مَا صَنَعُوْا جو انہوں نے بنایا	اِنَّمَا بیشک	صَنَعُوْا انہوں نے بنایا	كَیْدُ فریب	سٰحِرٍ جادوگر	وَلَا یُفْلِحُ اور کامیاب نہیں ہوگا	
السّٰحِرُ جادوگر	حَیْثُ جہاں	اَتٰی وہ آئے	فَاُلْقِیَ پس ڈال دیئے گئے	السَّحَرَةُ جادوگر	سُجَّدًا سجدہ میں	قَالُوْا وہ بولے	
اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِرَبِّ رب پر	هٰرُوْنَ ہارون	وَمُوْسٰی اور موسیٰ	قَالَ اس نے کہا	اٰمَنْتُمْ تم ایمان لائے	لَهٗ اس پر	قَبْلَ پہلے
اَنْ اٰذَنَ کہ میں اجازت دوں	لَكُمْ تمہیں	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَكَبِیْرُكُمْ تمہارارب	الَّذِیْ وہ جس نے	عَلَّمَكُمْ تمہیں سکھایا	السِّحْرَ جادو	
فَلَاُقَطِّعَنَّ پس میں ضرور کاٹوں گا	اَیْدِیَكُمْ تمہارے ہاتھ	وَاَرْجُلَكُمْ اور تمہارے پاؤں	مِّنْ خِلَافٍ دوسری طرف سے	وَ اور			
لَاُصَلِّبَنَّكُمْ میں تمہیں ضرور سولی دوں گا	فِیْ میں	جُذُوْعِ النَّخْلِ کھجور کے تنے	وَلَتَعْلَمُنَّ اور تم خوب جان لوگے	اَیُّنَآ ہم میں کون			
	اَشَدُّ زیادہ سخت	عَذَابًا عذاب میں	وَّاَبْقٰی اور تادیر رہنے والا				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ جب فرعون کے جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور نظر بندی کر دی تو یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے سانپ اور اژدھے چلتے اور دوڑتے ہوں تو موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کچھ خوف سا ہوا کہ جب دیکھنے میں یہ رسیاں اور لاٹھیاں بھی سانپ معلوم ہوتی ہیں اور میرا عصا بھی بہت سے بہت سانپ بن جاوے گا تو دیکھنے والے تو دونوں چیزوں کو ایک ہی سا سمجھیں گے تو حق و باطل میں امتیاز کس طرح کریں گے اور یہ خوف باقتضائے طبع تھا ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی مدد ضرور فرمائے گا اور ایسا خوف طبعی جو درجہ وسوسہ میں تھا شان کمال کے منافی نہیں۔ الغرض جب یہ

خوف ہوا تو جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا اسی وقت جناب باری تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور معاً تسکین غیب سے دی گئی کہ تم کچھ پروانہ کرو فتح تمہاری اور حق ہی کی ہوگی۔ ہمارا وعدہ ہے کہ تم ہی غالب رہوگے۔ یہ تمہارے مقابل جو کچھ ہے اس کی بساط ہی کیا ہے۔ حق کے مقابلہ میں یہ کہیں ٹھہر سکتا ہے اور پھر ارشاد ہوا کہ اپنے داہنے ہاتھ والی لاٹھی کو میدان میں ڈال دو۔ جو ان کے بنائے ہوئے سوانگ کا یکدم لقمہ کر جائے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد کی۔ خدا کے حکم سے وہ لاٹھی ایک زبردست بے مثال اژدھا بن گئی جس کے پیر بھی تھے سر بھی تھا کچلیاں اور دانت بھی تھے اس نے سب کے دیکھتے دیکھتے سارے میدان کو صاف کر دیا۔ جادوگروں کے جتنے کرتب تھے سب کو ہڑپ کر لیا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ لوگ ہیبت کے مارے بھاگے۔ ایک کے اوپر ایک گرا یہاں تک کہ ۲۵ ہزار آدمی کچل کر مر گئے۔ منظر بہت ہی ہیبت انگیز تھا ہر شخص جان بچانی چاہتا تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو اژدھا بنا ہوا تھا فرعون کی طرف متوجہ ہوا کہ فرعون کو نگل جائے۔ فرعون چلایا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا پھر وہ پہلے ہی جیسا عصا ہو گیا۔ لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ایک عرصہ تک فرعون اپنے محل سے باہر نہیں نکلا۔ اب سب پر حق واضح ہو گیا۔ حق و باطل اور سحر و معجزہ میں تمیز ہو گئی اور ساحر اپنے سحر میں ناکام رہے۔ اب جادوگروں نے جو اپنے فن کے ماہر اور کامل تھے اور سحر کی حقیقت سے واقف تھے۔ جب عصاء موسیٰ کا یہ کرشمہ دیکھا تو وہ حقیقت حال سمجھ گئے اور انہیں یقین کامل ہو گیا کہ یہ کام انسانی طاقت سے خارج ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل جادو سے بالاتر ہے اور اس کا سحر سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ واقعی اسی خدا کا کام ہے۔ جس کے موسیٰ و ہارون پیغمبر ہیں اس کا اتنا کامل یقین انہیں ہو گیا کہ وہ اسی میدان میں سب کے سامنے فرعون کی موجودگی میں خدا کے سامنے سربسجود ہو گئے سبحان اللہ!

کیا عجیب ماجرا ہے کہ انہی جادوگروں نے ابتدا میں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو زمین پر ڈالا تھا۔ پھر جب حق واضح ہو گیا تو اپنے سروں کو زمین پر ڈال دیا اور یہ سجدہ سجدۂ شکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔ اور اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے۔ وہی رب العالمین ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ سبحان اللہ صبح کے وقت کافر اور جادوگر تھے اور شام کو پاکباز مومن اور راہ خدا کے شہید تھے۔ ان کی تعداد میں کئی ہزار ہونے کی بھی روایات ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ یہ ستر تھے اور لکھا ہے کہ جب یہ سجدے میں گرے ہیں تو حق تعالیٰ نے انہیں جنت دکھادی اور انہوں نے اپنی منزلیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے الطاف ہیں کہ جس بندہ کو چاہیں غایت کفر و عناد سے نہایت ایمان تک پہنچا دیں۔ پھر شان خدا دیکھئے چاہئے تو یہ تھا کہ فرعون اب راہ راست پر آ جاتا۔ جن کو اس نے مقابلہ کے لئے بلوایا تھا وہ مجمع عام میں ہارے اور اپنی ہار مان لی۔ اپنے کرتب کو جادو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو خدا کی طرف سے عطا کردہ معجزہ تسلیم کر لیا۔ اور ایمان لے آئے اور مجمع عام میں سب کے سامنے بے جھجک انہوں نے دین برحق قبول کر لیا لیکن یہ فرعون اپنی شیطنت میں اور بڑھ گیا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ میرا تمام دام فریب تار تار ہو گیا اور موسیٰ کو شکست دینے کی جو آخری پناہ تھی وہ بھی منہدم ہو گئی اب کہیں ایسا نہ ہو کہ مصری عوام بھی ہاتھ سے جائیں اور موسیٰ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے تو اس نے مکر و فریب کا ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا اور ساحروں سے کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ تم سب کا جادو میں استاد ہے اور تم سب نے آپس میں سازش اور ملی بھگت کر رکھی تھی۔ تب ہی تو میری رعایا ہوتے ہوئے میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ کے خدا پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ اچھا میں تم کو ایسی عبرتناک سزا

دوں گا تاکہ آئندہ کسی کو ایسی غداری کی جرأت نہ ہو پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں گا یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں بایاں ہاتھ داہنا پاؤں اور پھر سب کو سولی پر چڑھاؤں گا تاکہ تمہارا حال دیکھ کر سب عبرت حاصل کریں اور تمہیں پتہ چل جائے کہ میرا عذاب سخت ہے یا موسیٰ کے خدا کا۔

امام المفسرین امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ فرعون کا جادوگروں سے یہ کہنا کہ موسیٰ تمہارا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ یہ صریح جھوٹ تھا اور لوگوں کو دھوکہ دینے اور شبہ میں ڈالنے کے لئے اس نے یہ جھوٹ بولا ورنہ خوب جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کبھی ان جادوگروں سے ملے بھی نہیں۔ نہ وہ ان کی ان سے کوئی جان پہچان ہے نہ تعلق۔ اگر موسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ ان جادوگروں کے استاد ہوتے اور یہ ان کے شاگرد ہوتے تو تعلق استادی شاگردی کا سب کو معلوم ہوتا۔ یہ جھوٹ اس کے اندرونی خوف کی دلیل ہے۔

یہاں امام رازیؒ ہی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ابھی تو یہ گزرا ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے جب وہ اژدھا ہو گیا اور وہ فرعون کی طرف متوجہ ہوا تو فرعون مارے ڈر کے چیخیں مارنے لگا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو پکڑا اور ہاتھ میں لیا تو وہ اژدھا پھر بدستور پہلے ہی جیسا عصا ہو گیا تو فرعون کے ہوش وحواس درست ہوئے تو شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے تو فرعون کے خوف کا یہ حال تھا جو بیان ہوا اور اب یہ دلیری اور بہادری کہ سب کو ڈرا دھمکا رہا ہے تو خوف وہراس کے بعد یہ دلیری کہاں سے آئی۔ تو خود امام صاحبؒ کہتے ہیں کہ جواب یہ ہے کہ وہ دل سے نہایت خوف زدہ تھا مگر بے حیائی اور ڈھٹائی سے اپنی دلیری ظاہر کرتا تھا تاکہ اس کی بات بنی رہے اور ظالم وبدکار لوگوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں جس کی حقیقت اکڑ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔

غور کیجئے کہ سچا ایمان جب کسی کو نصیب ہو جاتا ہے خواہ وہ ایک لحہ کا ہی کیوں نہ ہو وہ ایسی بے پناہ روحانی قوت پیدا کر دیتا ہے کہ کائنات کی کوئی زبردست سے زبردست مادی طاقت بھی اس کو مرعوب نہیں کر سکتی۔ دیکھئے وہی جادوگر جو فرعون سے تھوڑی دیر پہلے انعام واکرام اور عزت وجاہ کی آرزوئیں اور التجائیں کر رہے تھے ایمان لانے کے بعد ایسے نڈر اور بے خوف ہو گئے کہ ان کے سامنے سخت سے سخت مصیبت اور دردناک سے دردناک عذاب بھی ہیچ ہو کر رہ گیا اور کوئی دہشت بھی ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکی اور انہوں نے فرعون کی موجودگی ہی میں بے دھڑک اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور جب انہوں نے فرعون کی جابرانہ دھمکیوں کو سنا تو اس کو کیا جواب دیا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی وہ سچا اور پکا ایمان واسلام نصیب فرماویں کہ جو کوئی باطل قوت اس کو متزلزل نہ کر سکے۔ ایمان اور اسلام کی دولت ہم کو تمام مادی عزت وجاہ سے بے نیاز کر دے۔ یا اللہ آپ کی رضا وخوشنودی کے آگے بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی ہماری نظروں میں ہیچ ہو۔ یا اللہ ایمان کامل اور یقین صادق سے ہمارے قلوب کو منور فرما دیجئے۔ اور اس پر استقامت اور اسی پر موت نصیب فرمائیے۔ یا اللہ اس وقت اس ملک میں اسلامی نظریہ کے مقابل جو باطل پرست ملحدانہ نظریہ لے کر کھڑے ہوئے ہیں۔ اے اللہ آپ اپنی قدرت سے حق کو غالب فرمائیں۔ باطل کو مغلوب فرمائیں۔ اسلام پسندوں کو کامیابی نصیب فرمائیں۔ باطل پرستوں کو ذلت وخواری نصیب فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِىْ

اُن لوگوں نے صاف جواب دے دیا کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے بمقابلہ اُن دلائل کے جو ہم کو ملے ہیں اور بمقابلہ اُس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے تجھ کو جو کچھ کرنا ہو کر ڈال تو بجز اسکے

هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ ﴿٧٢﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ

کہ اس دنیاوی زندگی میں کچھ کرلے اور کر ہی کیا سکتا ہے۔ بس اب تو ہم اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے تاکہ ہمارے گناہ معاف کردیں اور تُو نے جو جادو میں ہم پر زور ڈالا اُس کو بھی معاف کردیں اور اللہ تعالیٰ

خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿٧٣﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنْ

بدرجہا اچھے ہیں اور زیادہ بقا والے ہیں۔ جو شخص مجرم ہوکر اپنے رب کے پاس حاضر ہوگا سو اُس کیلئے دوزخ ہے اُس میں نہ مَرے ہی گا اور نہ جئے ہی گا۔ اور جو شخص

يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۙ ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ

رب کے پاس مومن ہوکر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں سو ایسوں کیلئے بڑے اُونچے درجے ہیں۔ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ ع

جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے، اور جو شخص پاک ہو اس کا یہی انعام ہے۔

قَالُوْا انہوں نے کہا	لَنْ نُّؤْثِرَكَ ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے	عَلٰى پر	مَا جَآءَنَا جو ہمارے پاس آئے	مِنَ الْبَيِّنٰتِ واضح دلائل سے			
وَالَّذِىْ فَطَرَنَا اور وہ جس نے ہمیں پیدا کیا	فَاقْضِ پس تو کر گزر	مَا جو	اَنْتَ تو	قَاضٍ کرنیوالا	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	تَقْضِىْ تو کریگا	
هٰذِهِ اس	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	اِنَّآ اٰمَنَّا بیشک ہم ایمان لائے	بِرَبِّنَا اپنے رب پر	لِيَغْفِرَ لَنَا کہ وہ بخشدے	خَطٰيٰنَا ہماری خطائیں		
وَمَا اور جو	اَكْرَهْتَنَا تو نے ہمیں مجبور کیا	عَلَيْهِ اس پر	مِنَ سے	السِّحْرِ جادو	وَاللّٰهُ اور اللہ	خَيْرٌ بہتر	وَّاَبْقٰى اور ہمیشہ باقی رہنے والا
اِنَّهٗ بیشک وہ	مَنْ يَّاْتِ جو آیا	رَبَّهٗ اپنے رب کے سامنے	مُجْرِمًا مجرم بن کر	فَاِنَّ تو بیشک	لَهٗ اس کیلئے	جَهَنَّمَ جہنم	لَا يَمُوْتُ نہ وہ مرے گا
فِيْهَا اس میں	وَ اور	لَا يَحْيٰى نہ جئے گا	وَمَنْ اور جو	يَّاْتِهٖ اسکے پاس آیا	مُؤْمِنًا مومن بن کر	قَدْ عَمِلَ اس نے کئے عمل	الصّٰلِحٰتِ اچھے
فَاُولٰٓئِكَ پس یہی لوگ	لَهُمُ ان کیلئے	الدَّرَجٰتُ درجے	الْعُلٰى بلند	جَنّٰتُ باغات	عَدْنٍ ہمیشہ رہنے والے	تَجْرِىْ جاری ہیں	
مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهَا اس میں	وَذٰلِكَ اور یہ	جَزٰٓؤُا جزا ہے	مَنْ تَزَكّٰى جو پاک ہوا	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ ساحرین جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے فرعون نے جمع کئے تھے کس طرح اپنے سحر میں ناکام رہے اور چونکہ وہ ساحرین اپنے فن کے ماہر اور کامل تھے اس لئے وہ حقیقت حال کو بھی سمجھ گئے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عمل سحر نہیں بلکہ سحر سے بالاتر خدا کا معجزہ ہے اور اس حقیقت کو سمجھتے ہی انہوں نے فوراً اپنے ایمان کا اعلان کردیا تھا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے جس پر فرعون نے ان کو جابرانہ دھمکی دی تھی کہ تم میری رعایا ہوتے ہوئے میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ کے رب پر ایمان لانے کا اعلان کردیا جس کی سزا تم کو یہ دی جائے گی کہ پہلے تمہارے ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری

طرف کا پاؤں کاٹا جائے گا اور پھر تم کو سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ تا کہ تم تڑپ تڑپ کر مرجاؤ اور تم کو معلوم ہو جائے کہ میری طاقت کس قدر قہار اور پر جبروت ہے۔ فرعون اگر چہ ان جادوگروں پر جواب ایمان سے مشرف ہو چکے تھے اپنے انتہائی غیض وغضب کا اظہار کرتا رہا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روحانی قوت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر بے حد مرعوب ہو گیا تھا اور اس کی ہمت نہ پڑی کہ موسیٰ علیہ السلام سے اس وقت کچھ کہتا۔ درباریوں اور ارکان سلطنت نے جیسا کہ سورۂ اعراف میں بیان فرمایا گیا فرعون سے احتجاج کیا کہ تو موسیٰ کو قتل کیوں نہیں کرا دیتا۔ کیا اس کو اور اس کی قوم کو یہ موقع دیا جا رہا ہے کہ وہ مصر میں فساد پھیلائیں اور تجھ کو اور تیرے دیوتاؤں کو ٹھکراتے رہیں۔ تو فرعون کہنے لگا کہ گھبراتے کیوں ہو۔ میں اسرائیلیوں کی طاقت کو بڑھنے نہ دوں گا اور مقابلہ کے قابل ہی نہ رکھوں گا۔ ابھی یہ حکم جاری کرتا ہوں کہ ان کے بیٹوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا کرو اور صرف لڑکیوں کو باندی بنانے اور خدمت گزاری کے لئے زندہ رہنے دو۔ گویا فرعون کا یہ دوسرا اعلان تھا جو بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل سے متعلق کیا گیا۔ الغرض فرعون یہ سمجھتا تھا کہ میری حکمرانی اہل مصر کے نہ فقط جسموں اور بدنوں پر ہے بلکہ دماغوں اور روحوں پر بھی ہے۔ کسی کو حق نہیں ہے کہ میری اجازت کے بغیر عقیدہ بھی تبدیل کر سکے الحاصل فرعون نے ان جادوگروں کو جواب ایمان لا چکے تھے ہر طرح کی جابرانہ دھمکیوں سے ڈرانا اور مرعوب کرنا چاہا تو انہوں نے فرعون کو کیسا دو ٹوک اور منہ توڑ جواب دیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ان قتل کی دھمکیوں کے جواب میں انہوں نے فرعون سے کہا کہ ہم ایسے صاف دلائل کو تیری خاطر سے اب نہیں چھوڑ سکتے اور اپنے مالک اور خالق حقیقی کی خوشنودی کے مقابلہ میں تیری کچھ پروا نہیں کر سکتے۔ اب جو تو کر سکتا ہے کر گزر۔ تیرا بڑا زور یہی چل سکتا ہے کہ ہماری اس فانی زندگی کو ختم کر دے۔ سو کچھ مضائقہ نہیں ہم پہلے ہی دار الفنا کے مقابلہ میں دار البقاء کو اختیار کر چکے ہیں۔ ہم کو اب یہاں کے رنج و راحت کی فکر نہیں تمنا ہماری اب صرف یہ ہے کہ ہمارا مالک ہم سے راضی ہو جاوے اور ہمارے عام گناہوں کو خصوصاً اس گناہ کو جو تیری وجہ سے کرنا پڑا۔ یعنی حق کا مقابلہ جادو سے کیا۔ معاف فرما دے۔ اور جو انعام و اکرام تو ہم کو دیتا اس سے کہیں بہتر اور پائیدار اجر مومنین کو خدا کے ہاں ملتا ہے۔ لہٰذا نہ تیرا نفع خدا کے نفع کے برابر ہو سکتا ہے اور نہ اس نفع کی پائیداری خدا کے نفع کے برابر ہو سکتی ہے پھر ہم تجھے اس خدا کے مقابلہ میں کیسے ترجیح دے سکتے ہیں تو یہ جواب تھا جو ان ساحرین مومنین نے فرعون کو دیا۔ اب اس جواب پر حق تعالیٰ اپنے قول کا اضافہ فرماتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ فرعون کی سزا کو حق تعالیٰ کی سزا سے اور فرعون کے انعام کو حق تعالیٰ کے انعام سے کیا نسبت کیونکہ بلاشبہ جو کوئی اپنے رب کے سامنے مجرمانہ حالت میں آئے گا اس کے لئے دوزخ ہے اسمیں نہ وہ مرے گا کیونکہ وہاں موت بھی نہیں اور نہ جئے گا کیونکہ ان کا جینا موت سے بدتر ہوگا۔ بھلا یہ سزا فرعون کے قبضہ میں کب ہے اور جو کوئی اپنے رب کے پاس ایسا مومن ہونے کی حالت میں آئے گا کہ اس نے عمل صالح بھی کئے تھے تو ایسے لوگوں کے لئے بڑے درجے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے کے وہ باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور عارضی طور پر نہیں بلکہ وہ لوگ ان میں ہمیشہ کو رہیں گے۔ اور فرعون اپنے اوپر ایمان لانے والوں کو یہ معاوضہ کب دے سکتا ہے پس اس کے انعام کو حق تعالیٰ کے انعام سے کیا نسبت لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کے عذاب سے ڈریں اور اس کے انعام کے حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس کے سوا کسی کی جزا و سزا کی طرف التفات نہ کریں۔

اب فرعون نے جوان ایمان لے آنے والوں کو دھمکی دی تھی تو ان کو قتل کیا یا نہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن کثیرؒ نے صراحت کی ہے کہ فرعون نے ان کو قتل کردینے کا مصمم ارادہ کرلیا اور وہ ایسا کر بھی گزرا اور یہ فی الحقیقت ان جادوگروں پر اللہ کی رحمت تھی اسی لئے حضرت ابن عباس وغیرہؓ اکابر نے فرمایا کہ صبح کو وہ ساحر تھے اور شام کو شہید ہوئے۔ لیکن امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ فرعون نے جوان مومنوں کو دھمکی دی تھی اس کا پورا کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں اس لئے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ نے ان مومنین کو فرعون کے پنجہ سے محفوظ رکھا اور اس مضمون کی تائید میں وہ سورۂ قصص ۲۰ ویں پارہ کی یہ آیت پیش کرتے ہیں **انتما ومن اتبعکما الغالبون** ۔تم دونوں اور جو تمہارا پیرو ہوگا غالب رہو گے۔ تو چونکہ وہ ساحر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور آپ کی پیروی انہوں نے کی تھی اس لئے وہ سالم و غالب رہے واللہ اعلم بحقیقت حال۔ غرض حق و باطل کی اس کشمکش میں فرعون اور اس کے حامی و ارکان سلطنت کو سخت ذلت اٹھانی پڑی اور وہ برسر عام رسوا و ذلیل ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خدا کا وعدہ پورا ہوا اور کامیابی کا سہرا انہی کے سر رہا۔ مگر فرعون اس پر بھی باز نہ آیا اور برابر سرکشی ہی کرتا رہا۔ اور بنی اسرائیل کو اپنے پنجہ سے رہا کرنے کے لئے تیار نہ ہوا اور ایک عرصہ تک مختلف حالات و واقعات ہوتے رہے۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ بنی اسرائیل کو رات کے وقت چپکے سے لے کر مصر سے چل دیں جس کو اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق و باطل کی کشمکش جو دنیا میں ہمیشہ سے قائم رہی ہے حق تعالیٰ ہم کو حق کے ساتھ وابستہ رکھیں اور حق کو اپنی تائید و نصرت سے غالب اور باطل کو مغلوب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ایمان و اسلام اور عمل صالح کے ساتھ ہم کو قیامت میں حاضر ہونا نصیب فرماویں۔ اور اپنے ان بندوں میں شامل فرماویں کہ جو جنت کی دائمی نعمتوں سے سرفراز فرمائے جائیں گے۔ امین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ

اور ہم نے موسٰی کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ پھر اُن کیلئے سمندر میں خشک راستہ بنادینا

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾

نہ تم کو کسی کے تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ اور کسی قسم کا خوف ہوگا۔ پس فرعون اپنے لشکر کو لے کر اُن کے پیچھے چلا، تو سمندر اُن پر جیسے ملنے کو تھا آملا۔

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

اور فرعون اپنی قوم کو بُری راہ لایا اور نیک راہ اُن کو نہ بتلائی۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اور تحقیق ہم نے وحی کی	اِلٰى طرف	مُوْسٰى موسیٰ	اَنْ اَسْرِ کہ راتوں رات لے جا	بِعِبَادِيْ میرے بندے			
فَاضْرِبْ پس بنالینا	لَهُمْ ان کیلئے	طَرِيْقًا راستہ	فِي الْبَحْرِ دریا میں	يَبَسًا خشک	لَا نہ	تَخٰفُ خوف ہوگا	دَرَكًا پکڑنا
وَلَا تَخْشٰى اور نہ ڈر	فَاَتْبَعَهُمْ پھر ان کا پیچھا کیا	فِرْعَوْنُ فرعون	بِجُنُوْدِهٖ اپنے لشکر کے ساتھ	فَغَشِيَهُمْ انہیں ڈھانپ لیا	مِنَ الْيَمِّ دریا سے		
مَا غَشِيَهُمْ جیسا کہ ان کو ڈھانپ لیا	وَاَضَلَّ اور گمراہ کیا	فِرْعَوْنُ فرعون	قَوْمَهٗ اپنی قوم	وَمَا هَدٰى اور نہ ہدایت دی			

تفسیر وتشریح:۔ جادوگروں کے ایمان لے آنے کے واقعہ کے بعد جس کا ذکر گذشتہ آیات میں ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مدت تک مصر میں رہے اور تبلیغ حق برابر کرتے رہے۔ فرعون نے بھی انتہائی ظلم پر کمر باندھ لی اور بنی اسرائیل کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہوگیا۔ یہاں اس سورۃ میں ان حالات کی تفصیل چھوڑ دی گئی ہے جو مصر میں اس طویل زمانہ قیام میں پیش آئے ان کی تفصیلات حسب موقع سورۂ اعراف۔ سورۂ یونس۔ سورۂ مومن وغیرہ میں آئی ہیں۔ مختصراً یہ کہ بنی اسرائیل کے بے گناہ معصوم بچوں کو نذر شمشیر کرنا شروع کردیا۔ مختلف اوقات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعاء سے قوم فرعون مختلف غیبی عذابوں میں مبتلا ہوئی جیسے طوفان کا آنا۔ ٹڈیوں کا تمام سبزی کھا جانا۔ تمام فرعونیوں کے لئے پانی کا خون بن جانا ہر برتن کھانے اور کپڑے میں مینڈکوں کا پھیل جانا اس قسم کی غیبی تنبیہات ظاہر ہوتی رہیں تا کہ فرعون اور اس کی قوم بیدار ہو جائے۔ لکھا ہے کہ جب کوئی پکڑ آتی تو فرعون گھبرا کر بلکہ گڑ گڑا کر موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرتا کہ اچھا اس مصیبت کے ہٹ جانے پر میں بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کردوں گا۔ لیکن جب عذاب ہٹ جاتا پھر منکر بن کر سرکشی پر آجاتا اور کہتا کہ اے موسیٰ تیرا رب اس کے سوا کچھ اور بھی کرسکتا ہے۔ غرض ایک عرصہ تک موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں بہت سے نشانات ظاہر ہوئے۔ ہر طرح کی حجت تمام کردی اس پر بھی فرعون حق کو قبول کرنے اور بنی اسرائیل کو رہائی دینے پر آمادہ نہ ہوا تب حق تعالیٰ نے جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ سب بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات کے وقت مصر سے ہجرت کر جاؤ۔ اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو۔ راستہ میں سمندر یعنی بحر قلزم حائل ہوگا۔ سمندر کی موجیں تمہارے راستہ میں حائل نہ ہوں گی۔ ان ہی کے اندر سے اپنے لئے خشک راستہ نکال لو اور اس سے گزرتے ہوئے نہ غرق ہونے کا اندیشہ کرو اور نہ اس بات کا کہ شاید دشمن پیچھے تعاقب کرتا ہوا آ پکڑے لکھا

ہے کہ مصر کے اندر بنی اسرائیل کی آبادی قبطیوں یعنی فرعونی مصریوں سے بالکل جدا تھی۔ وہ حکمراں قوم تھی۔ کمزور اسرائیلیوں کے ساتھ رہنا اپنے لئے باعث ذلت سمجھتی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس سے فائدہ پہنچا۔ رات ہی کو سب کو اکٹھا کیا اور سب کو لے کر بحر قلزم کے انتہائی سرے پر جا پہنچے جب فرعون کو یہ اطلاع پہنچی کہ بنی اسرائیل مصر سے فرار ہونے کے لئے شہروں سے نکل گئے فرعون نے اسی وقت ایک زبردست فوج کو ساتھ لیا اور بنی اسرائیل کا تعاقب کیا۔ پیچھے پیچھے تمام لشکری تھے اور اگلے دستہ میں فرعون تھا اور صبح ہونے سے پہلے ان کے سر پر جا پہنچا۔ گروہ بنی اسرائیل کا پچھلا حصہ اور لشکر فرعون کا اگلا دستہ جب قریب ہو گئے تو اسرائیلیوں کو اندیشہ ہوا کہ اب ہماری گرفت ہو جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ سمندر میں لاٹھی مارو۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی فوراً پانی پھٹ گیا اور ۱۲ راستہ خشک نمودار ہو گئے کیونکہ بنی اسرائیل کے ۱۲ قبائل تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک جدا راستہ بن گیا۔ بنی اسرائیل اس پر سے بے تکلف گزر گئے۔ پیچھے سے فرعون اپنے عظیم الشان لشکر کو لئے تعاقب کرتا سمندر کے کنارے تک پہنچا اور متحیر کھڑا دیکھتا رہا کہ بنی اسرائیل کس طرح سمندر میں خشکی کے راستہ پر بے تکلف گزر رہے ہیں۔ مشیروں نے فرعون کو ابھارا کہ آپ ہی کے رعب سے تو سمندر خشک ہو گیا۔ پھر اس میں داخل ہونے میں کیا تامل ہے۔ فرعون نے بادل ناخواستہ سمندر میں گھوڑا ڈال دیا۔ پیچھے سے سب لشکر بھی داخل ہو گیا جس وقت بنی اسرائیل عبور کر گئے اور فرعونی لشکر راستہ کے بیچوں بیچ پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو ہر طرف سے مل جانے کا حکم دیا۔ پھر کیا تھا سمندر کی موجوں نے سب کو ڈھانپ لیا اور تمام فرعونی پانی کی راہ سے آگ میں پہنچ گئے۔ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس فرعون نے اپنی قوم کو کیسا برا راستہ بتلایا۔ یہ تو حال دنیا میں ہوا کہ سب کو لے کر سمندر میں ڈوبا اور ایسے ہی آخرت میں سب کو لے کر جہنم میں گریگا۔

بڑے لطیف انداز میں یہاں کفار مکہ کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے سردار اور پیشوا بھی تم کو اسی راستہ پر لئے جا رہے ہیں جس پر فرعون اپنی قوم کو لے گیا تھا اور جس راستہ پر چل کر وہ خود بھی تباہ ہوا اور ساتھ ہی قوم کو ڈبو یا۔ بنی اسرائیل کے سمندر کو عبور کرنے سے لے کر کوہ سینا کے دامن میں پہنچنے تک کے واقعات و حالات یہاں چھوڑ دیئے گئے ہیں جن کی تفصیلات سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ اب یہاں آگے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ اپنے احسانات یاد دلا کر نصیحت فرماتے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو دین اسلام کا راستہ دکھلایا ہے تو ہم کو اس پر استقامت نصیب فرماویں۔ اسی دین حق کے راستہ پر ہم کو چلنا اور اس پر مرنا نصیب ہوتا کہ دین و دنیا دونوں لحاظ سے انجام کی خیر خوبی حاصل ہو ہم کو اپنے رسول پاک کا اتباع کامل نصیب ہو۔ اور ہر کجی و گمراہی سے حق تعالیٰ ہماری حفاظت فرماویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا

اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے کوہ طور کی داہنی جانب آنے کا وعدہ کیا اور ہم نے تم پر

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝۸۰ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ

من وسلوی نازل فرمایا۔ہم نے جو نفیس چیزیں تم کو دی ہیں اُن کو کھاؤ اور اس میں حد سے مت گزرو کہیں میرا غضب تم پر

غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝۸۱ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

واقع ہو جائے ،اور جس شخص پر میرا غضب واقع ہوتا ہے وہ بالکل گیا گزرا ہوا۔اور میں ایسے لوگوں کیلئے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آویں

وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝۸۲

اور نیک عمل کریں پھر (اسی) راہ پر قائم رہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اے بنی اسرائیل	قَدْ تحقیق	اَنْجَيْنٰكُمْ ہم نے تمہیں نجات دی	مِنْ سے	عَدُوِّكُمْ تمہارا دشمن		
وَوٰعَدْنٰكُمْ اور ہم نے تم سے وعدہ کیا	جَانِبَ جانب	الطُّوْرِ کوہ طور	الْاَيْمَنَ دائیں	وَنَزَّلْنَا اور ہم نے اتارا	عَلَيْكُمُ تم پر	الْمَنَّ من
وَالسَّلْوٰى اور سلوی	كُلُوْا تم کھاؤ	مِنْ سے	طَيِّبٰتِ پاکیزہ چیزیں	مَا رَزَقْنٰكُمْ جو ہم نے تمہیں دیا	وَ اور	لَا تَطْغَوْا نہ سرکشی کرو
فِيْهِ اس میں	فَيَحِلَّ کہ اترے گا	عَلَيْكُمْ تم پر	غَضَبِيْ میرا غضب	وَمَنْ اور جو	يَّحْلِلْ اترا	عَلَيْهِ اس پر
غَضَبِيْ میرا غضب						
فَقَدْ هَوٰى تو وہ گرا	وَاِنِّيْ اور بیشک میں	لَغَفَّارٌ بڑا بخشنے والا	لِّمَنْ اس کو	تَابَ توبہ کی	وَاٰمَنَ اور وہ ایمان لایا	وَعَمِلَ اور اس نے عمل کیا
صَالِحًا نیک	ثُمَّ پھر	اهْتَدٰى ہدایت				

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ کس طرح فرعون بمع اپنے سارے لاؤلشکر کے سمندر میں غرق ہوا اور بنی اسرائیل وعدہ الٰہیہ کے مطابق سمندر سے پار ہو گئے۔اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے وہ نعمتیں یاد دلاتے ہیں جو فرعون کو غرق کرنے کے بعد ان کو عطا کی گئی تھیں۔

اہل تفسیر کی رائے اس امر میں مختلف ہے کہ کس زمانہ کے بنی اسرائیل کو یہاں خطاب کیا گیا ہے بعض مفسرین نے صراحت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہود تھے خدا تعالیٰ نے ان کو وہ نعمتیں یاد دلائی ہیں جو ان کے آباء واجداد کو عطا کی گئی تھیں کیونکہ اسلاف پر جو انعامات کئے گئے ہوں ان کا احسان اولاد پر ہوا کرتا ہے مگر بعض مفسرین کا میلان اس طرف ہے کہ یہ خطاب انہی بنی اسرائیل کو ہے جو فرعون کے مقابلہ میں فتح یاب ہوئے تھے اور جن کو فرعون کے ڈوبنے کے بعد طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز کیا گیا تھا۔بہرحال یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر تین عظیم الشان احسان بیان فرمائے ہیں۔

اول یہ کہ ان کے ظالم دشمن کو ان کی نظروں کے سامنے تباہ و برباد کیا۔یہ ایسا احسان تھا کہ جس سے بنی اسرائیل زندہ ہو گئے۔ ہر وقت کی تکلیف۔ذلت۔مشقت اور مصیبت سے چھوٹ گئے۔

دوسرا احسان یہ بیان فرمایا کہ جب بنی اسرائیل بھی دنیا میں ایک باوقعت قوم شمار ہونے لگی تو ان کی دینی ہدایت کے لئے کوہ طور پر توراۃ دینے کا وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا گیا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور مقررہ ایام میں عبادت و

ریاضت کی اوران کوکتاب ہدایت یعنی توراۃ عطا کی گئی۔

تیسرا احسان یہ بیان فرمایا کہ جب بنی اسرائیل اپنی نافرمانیوں کے سبب وادی تیہ میں پھنس گئے اور رہائی کی کوئی شکل نظر نہ آئی اور تمام زادراہ ختم ہوگیا۔ سوائے موت کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا تو ایسے آڑے وقت میں اللہ تعالیٰ نے غیب سے ان کو لذیذ پاکیزہ اور حلال روزی عطا فرمائی۔ من اور سلوٰی ان کو بلا مشقت بقدر ضرورت ملنے لگا۔ من ایک میٹھی چیز تھی جوان کے لئے آسمان سے اترتی تھی اور سلوٰی ایک قسم کے پرند تھے جوان کے پاس آجاتے تھے اور بنی اسرائیل بقدر ایک دن کی خوراک کے انہیں لے لیتے تھے جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں ہو چکا ہے۔

بنی اسرائیل کو خدا تعالیٰ نے پہلے ہی تنبیہ فرمادی تھی کہ راہ مستقیم پر قائم رہنا۔ اعتدال سے نہ ہٹنا۔ مقررہ حدود سے تجاوز نہ کرنا۔ حلال کو چھوڑ کر حرام اور جائز کو چھوڑ کر ناجائز کی طرف قدم نہ اٹھانا۔ آرام سے رہو۔ کھاؤ پیو ناشکری اور نافرمانی مت کرو اور راحت و آرام میں پڑ کر گناہوں میں نہ پڑو ورنہ غضب خداوندی تم پر لازم ہوجائے گا۔ آخرت کے عذاب میں بھی مبتلا ہوگے اور دنیا میں بھی ذلت و محکومی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف یہود کے حق میں پوری ہوئی۔ جب یہود اپنی شریعت کے احکام سے بیزار ہوگئے۔ انبیاء وصلحا کو قتل کرنے لگے۔ سودخواری شروع کردی۔ رشوت۔ خیانت۔ فریب۔ دغا اور جھوٹ میں مبتلا ہوگئے تو غضب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ حکومت و سلطنت سے محروم کئے گئے۔ ظالم و جابر بادشاہوں کو ان پر مسلط کیا گیا اور ذلت و مسکنت میں یہ پڑے۔ اور محکوم بنے۔ تو حق تعالیٰ نے یہ قانون بیان فرماکر کہ جس کسی پر میرا غضب نازل ہوا تو جانو کہ وہ غارت ہی ہوگیا پھر بھی کسی کو مایوس نہیں رکھا اور ارشاد ہوا کہ میں تو غفار یعنی بڑا بخشنے والا ہوں۔ امام رازیؒ نے یہاں یہ نکتہ تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح بندہ کے لئے اس کی کثرت ذنوب کی بنا پر تین درجہ ہوسکتے ہیں۔ ایک ظالم۔ دوسرے ظلوم۔ تیسرے ظلام۔ حق تعالیٰ نے بھی اس کے مقابل اپنے تین نام رکھے ہیں۔ ایک غافر۔ دوسرے غفور۔ تیسرے غفار مگر اپنی مغفرت کے لئے چار شرطیں فرمائی ہیں۔ اول تاب یعنی توبہ۔ سرکشی۔ نافرمانی۔ شرک۔ کفر سے باز آجانا۔ دوسرے امن یعنی ایمان۔ اللہ اور رسول۔ اور کتاب اور آخرت کو صدق دل سے مان لینا۔ تیسرے عمل صالحا یعنی عمل صالح۔ اللہ اور رسول کی ہدایت کے مطابق نیک کام کرنا اور چوتھے اہتدٰی یعنی راہ راست پر ثابت قدم رہنا اور پھر غلط راستہ پر نہ جا پڑنا۔ تو جہاں طغیان یعنی سرکشی کرنا۔ حد سے نکلنا قانون اور قاعدہ کے باہر جانا اس پر اپنے غضب نازل ہونے کی وعید بیان فرمائی وہیں اپنی بخشش و رحمت اور بڑی سے بڑی خطا و قصور جرم کا درگزر کرنا اور معاف کردینا بھی ظاہر فرمایا جس کے لئے چار شرطیں ہیں۔ توبہ۔ ایمان۔ عمل صالح اور ہدایت پر قائم رہنا۔

یہاں خطاب اگرچہ قوم بنی اسرائیل سے ہے۔ مگر جو کچھ یہاں فرمایا گیا ہے اس پر امت مسلمہ کو بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ اس وقت ہم نے ہر طرح کی معصیت اور نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہے۔ مگر حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ابھی توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ اور توبہ۔ ایمان اور عمل صالح پر اپنی بخشش و رحمت سے درگزر فرمانے کا وعدہ بھی فرما رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو انعامات و احسانات امت مسلمہ پر فرمائے ہیں وہ تمام دنیا کی دوسری قوموں سے زیادہ ہیں۔ اس لئے امت مسلمہ پر ان احسانات کی شکرگزاری بھی زیادہ ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ و فہم عطا فرمائیں۔ اور کفران نعمت کے وبال سے بچائیں۔ اب آگے موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانا۔ وہاں توراۃ کا عطا ہونا۔ اور آپ کے پیچھے قوم کا گمراہ ہوکر گوسالہ پرستی شروع کردینے کا احوال اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمۡ اُولَاۤءِ عَلٰٓى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ﴿۸۴﴾

اور اے موسیٰ آپ کو اپنی قوم سے آگے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ لوگ یہیں تو ہیں میرے پیچھے پیچھے اور میں آپ کے پاس جلدی سے اس لئے چلا آیا کہ آپ خوش ہوں گے

قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوۡسٰٓى اِلٰى قَوۡمِهٖ

ارشاد ہوا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے بعد ایک بلا میں مبتلا کر دیا اور اُن کو سامری نے گمراہ کر دیا۔ غرض موسیٰ غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف

غَضۡبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَمۡ يَعِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ وَعۡدًا حَسَنًا ۙ اَفَطَالَ عَلَيۡكُمُ الۡعَهۡدُ اَمۡ اَرَدۡتُّمۡ

واپس آئے۔ فرمانے لگے کہ اے میری قوم کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا کیا تم پر زیادہ زمانہ گزر گیا تھا یا تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر

اَنۡ يَّحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِىۡ ﴿۸۶﴾

تمہارے رب کا غضب واقع ہو اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اُس کے خلاف کیا۔

وَمَا اور کیا	اَعۡجَلَكَ تجھے جلد لائی	عَنۡ قَوۡمِكَ اپنی قوم سے	يٰمُوۡسٰى اے موسیٰ	قَالَ اس نے کہا	هُمۡ وہ	اُولَاۤءِ یہ ہیں	عَلٰٓى اَثَرِىۡ میرے پیچھے
وَعَجِلۡتُ اور میں نے جلدی کی	اِلَيۡكَ تیری طرف	رَبِّ اے میرے رب	لِتَرۡضٰى تاکہ تو راضی ہو	قَالَ اس نے کہا	فَاِنَّا پس ہم نے	قَدۡ تحقیق	
فَتَنَّا آزمائش میں ڈالا	قَوۡمَكَ تیری قوم	مِنۡۢ بَعۡدِكَ تیرے بعد	وَاَضَلَّهُمُ اور انہیں گمراہ کیا	السَّامِرِىُّ سامری	فَرَجَعَ پس لوٹا	مُوۡسٰى موسیٰ	
اِلٰى قَوۡمِهٖ اپنی قوم کی طرف	غَضۡبَانَ غصہ میں بھرا ہوا	اَسِفًا افسوس کرتا	قَالَ اس نے کہا	يٰقَوۡمِ اے میری قوم	اَلَمۡ يَعِدۡكُمۡ کیا تم سے وعدہ نہیں کیا تھا		
رَبُّكُمۡ تمہارا رب	وَعۡدًا حَسَنًا اچھا وعدہ	اَفَطَالَ کیا طویل ہوگئی	عَلَيۡكُمُ تم پر	الۡعَهۡدُ مدت	اَمۡ اَرَدۡتُّمۡ یا تم نے چاہا	اَنۡ يَّحِلَّ کہ اترے	
	عَلَيۡكُمۡ تم پر	غَضَبٌ غضب	مِّنۡ سے	رَّبِّكُمۡ تمہارا رب	فَاَخۡلَفۡتُمۡ پھر تم نے خلاف کیا	مَّوۡعِدِىۡ میرا وعدہ	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ جب فرعون غرق ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر ملک شام کی طرف چلے تو راستہ میں بنی اسرائیل کی سرکشی کے سبب ایک لق و دق بیابان میں جس کو وادی سینا یا وادی تیہ کہا جاتا ہے۔ تمام بنی اسرائیل پھنس گئے جہاں کھانے پینے کو کچھ نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور غیب سے روزانہ من و سلویٰ ملنے لگا جس سے بلا مشقت روزانہ کھانے کا انتظام ہو گیا۔ پینے کے لئے وہاں پانی نہ تھا۔ بنی اسرائیل گھبرا اٹھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگے کہ ہم پانی کہاں سے پئیں۔ یہاں تو پانی پینے کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درگاہ الٰہی میں التجا کی اور وحی الٰہی نے ان کو حکم دیا کہ اپنا عصا زمین پر مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد کیا اور فوراً ۱۲ چشمے زمین سے ابل پڑے۔ بنی اسرائیل کے ۱۲ قبائل تھے ہر ایک کے لئے جدا جدا چشمہ جاری ہو گیا۔ جب کھانے اور پینے کی ضروریات سے اطمینان ہو گیا تو بنی اسرائیل نے تیسرا مطالبہ کیا کہ گرمی کی شدت اور سایہ دار درخت۔ و مکان وغیرہ کی راحت میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہم پریشان ہیں ایسا نہ ہو کہ گرمی اور تپش ہماری زندگی کا خاتمہ کر دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اس سخت تکلیف سے بھی ان کو نجات عطا فرما۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سنی گئی اور آسمان پر بادلوں

کے پرے کے پرے بنی اسرائیل پر سایہ فگن ہو گئے اور بنی اسرائیل جہاں بھی سفر کرتے بادلوں کا یہ سایہ ان کے سروں پر رہتا۔ بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طفیل بنی اسرائیل پر خدائے تعالیٰ کے احسانات کی مسلسل بارش ہوتی رہی مگر یہ عجیب الفطرت قوم ایک نہ ایک بوالعجبی کا نیا مظاہرہ پیش کرتی رہی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ جب بنی اسرائیل مصری حکومت کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے تو تم کو شریعت دی جائے گی تاکہ اسرائیلی قوم کے پاس اپنا دستور العمل اور قانون اصلاح ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں حصول کتاب کی دعا کی۔ جس پر حکم ہوا کہ ستر بنی اسرائیل کو منتخب کر کے سب کو لے کر کوہ طور پر آؤ اور ایک ماہ کے روزے رکھو اور پھر بعد میں اس میں دس روز کا اضافہ کر دیا گیا تھا کل ۴۰ روزوں کا حکم ہوا تھا حکم الٰہی کے موافق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے ۷۰ آدمی منتخب کئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم پر اپنا خلیفہ بنا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مناجات اور قرب کے شوق نے زیادہ بے قرار کیا تو آپ نے قوم کے سرداروں سے کہہ دیا کہ میں آگے چلتا ہوں تم بھی میرے پیچھے آ جانا۔ طور پر پہنچ کر آپ صوم و ریاضت و عبادت میں مشغول گئے۔ اور وہاں تیس دن کی بجائے جس کا آپ قوم سے وعدہ کر کے گئے تھے ۴۰ روز لگ گئے۔ ادھر قوم کے جن لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام نے منتخب کیا تھا وہ اپنی جگہ ہی رہ گئے طور کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی میں دس روز کی تاخیر سے لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ کسی نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ خدا کے عتاب میں ماخوذ ہو کر محبوس کر لئے گئے۔ بنی اسرائیل کے ساتھ ایک شخص سامری بھی تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھانا چاہا اور قوم سے بولا میں تمہارا معبود تم کو دکھاؤں جو تمکو مصر سے نکال کر لایا ہے۔ سامری کے متعلق جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ یہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا منافق تھا اور منافقین کی طرح فریب و چالبازی سے سیدھے سادے بنی اسرائیلیوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔ سامری نے بنی اسرائیلیوں سے کہا کہ مصریوں کے جو تمہارے پاس زیورات ہیں وہ میرے پاس لاؤ۔ فرعونیوں کے یہ زیورات کس طرح بنی اسرائیل کے ساتھ آئے تھے؟ یا ان سے مستعار لئے تھے؟ یا مال غنیمت کے طور پر ملے یا اور کوئی صورت ہوئی اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بہرحال کوئی بھی صورت ہو۔ بنی اسرائیل اس کا استعمال اپنے لئے جائز نہ سمجھتے تھے کیونکہ اس کا حکم شریعت موسوی میں اب تک معلوم نہ ہوا تھا۔ اس لئے سامری نے اس کے جمع کرنے کی رائے دی اور اسرائیلیوں نے ایسا کر دیا۔ سامری نے سب زیور گلا کر بچھڑے کی شکل کا ایک ایسا بت بنایا کہ جس سے آواز نکلتی تھی۔ بنی اسرائیل گائے سے بہت زیادہ مانوس تھے اپنے قیام مصر کے زمانہ میں مصریوں کو گائے بیل پوجتے دیکھا کرتے تھے۔ مصر سے نکلنے کے بعد بھی ایک قوم کی طرف سے گزرے تھے جو گاؤ پرست تھے۔ گائے کی پرستش ہوتے دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزارش کرنے لگے تھے کہ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی معبود مقرر کر دیجئے جیسا کہ اس قوم کا ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بہت سختی سے ڈانٹا اور تنبیہ کی۔ اب جب انہوں نے سونے کا بچھڑا بولتے دیکھا تو اب سامری کے اغوا سے اس بچھڑے کے گرویدہ ہو گئے قربانیاں چڑھانے لگے۔ اس کے سامنے سجدہ کرتے۔ اس کے چاروں طرف گھومتے گھنٹیاں اور ڈھول بجاتے۔ حضرت ہارونؑ موسیٰ علیہ

8 السلام کے جانشین تھے۔انہوں نے ہر چند سمجھایا لیکن کسی نے نہ مانا بلکہ آپ کے مارنے کے درپے ہو گئے۔اب جب کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حق تعالیٰ سے مکالمت ومخاطبت ہوئی تو جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ ایسی جلدی کیوں کی کہ قوم کو پیچھے چھوڑ آئے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ اے پروردگار تیری خوشنودی کے لئے جلد حاضر ہو گیا کیونکہ امتثال امر میں پیش دستی کرنا زیادہ موجب خوشنودی ہے اس لئے سب سے پہلے میں وعدہ مکالمت اور مخاطبت کی جگہ چلا آیا کہ آپ زیادہ خوش ہوں گے اور قوم کے لوگ بھی کچھ زیادہ دور نہیں۔میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔اس سے مراد وہی ۷۰ منتخب سردار تھے۔یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گمان کے موافق عرض کیا۔اس پر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تمہارے چلے آنے کے بعد تو تمہاری قوم ایک بلا میں گرفتار ہوگئی اور ان کو سامری نے گمراہ کردیا۔انہوں نے تو بچھڑا پوجنا شروع کردیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سنا تو ان کو سخت رنج ہوا اور غصہ اور ندامت کے ساتھ قوم کی طرف توراۃ کی تختیاں لے کر واپس ہوئے واپس آکر دیکھا کہ سونے کا ایک بچھڑا ہے جس کے منہ سے آواز نکل رہی ہے اور لوگ اس کی پرستش میں مصروف ہیں۔یہ دیکھ کر پہلے قوم سے مخاطب ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ میرے آنے میں کونسی ایسی تاخیر ہوگئی تھی جو تم نے یہ آفت برپا کی؟ یہ فرماتے جاتے تھے اور غیض وغضب میں کانپ رہے تھے حتیٰ کہ ہاتھ سے توراۃ کی الواح بھی گر گئیں۔

اب قوم نے جو جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا وہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو ہر طرح کی گمراہی۔اور بے دینی کے فتنوں سے محفوظ فرماویں۔اور دین اسلام پر ہم کو سختی سے قائم رکھیں اور اس پر استقامت نصیب فرماویں۔ہم نے جو وعدہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر کیا ہے اس وعدہ کو پوری طرح اپنی حقیقت کے ساتھ ایفا کرنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرماویں۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ

وہ کہنے لگے کہ ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا تھا اُس کو اپنے اختیار سے خلاف نہیں کیا ولیکن قوم کے زیور میں سے ہم پر بوجھ لدرہا تھا سو ہم نے اُس کو ڈال دیا پھر اسی طرح

اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ

سامری نے ڈال دیا۔ پھر اُس (سامری) نے اُن لوگوں کیلئے ایک بچھڑا (بنا کر) ظاہر کیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی سو وہ لوگ کہنے لگے کہ تمہارا

فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ قَالَ

اور موسیٰ کا بھی معبود تو یہ ہے موسیٰ تو بھول گئے۔ کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ وہ نہ تو اُن کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ اُن کے کسی ضرر یا نفع پر قدرت رکھتا ہے۔ اور اُن لوگوں سے

لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾

ہارونؑ نے پہلے بھی کہا تھا کہ اے میری قوم تم اس (گوسالہ) کے سبب گمراہی میں پھنس گئے ہو اور تمہارا رب (حقیقی) رحمٰن ہے سو تم میری راہ پر چلو اور میرا کہا مانو۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾

انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس آئیں اسی (کی عبادت) پر برابر جمے بیٹھے رہیں گے۔

قَالُوْا وہ بولے	مَآ اَخْلَفْنَا ہم نے خلاف نہیں کیا	مَوْعِدَكَ تمہارا وعدہ	بِمَلْكِنَا اپنے اختیار سے	وَلٰكِنَّا اور لیکن	حُمِّلْنَا ہم پر لادا گیا		
اَوْزَارًا بوجھ	مِّنْ سے	زِيْنَةِ الْقَوْمِ قوم کا زیور	فَقَذَفْنٰهَا تو ہم نے اسے ڈال دیا	فَكَذٰلِكَ پھر اسی طرح	اَلْقَى ڈالا		
السَّامِرِيُّ سامری	فَاَخْرَجَ پھر اس نے نکالا	لَهُمْ ان کیلئے	عِجْلًا ایک بچھڑا	جَسَدًا ایک قالب	لَّهٗ اس کیلئے	خُوَارٌ گائے کی آواز	
فَقَالُوْا پھر انہوں نے کہا	هٰذَآ یہ	اِلٰهُكُمْ تمہارا معبود	وَاِلٰهُ اور معبود	مُوْسٰى موسیٰ	فَنَسِيَ پھر وہ بھول گیا	اَفَلَا يَرَوْنَ پس کیا وہ نہیں دیکھتے	
اَلَّا يَرْجِعُ کہ وہ نہیں پھیرتا	اِلَيْهِمْ ان کی طرف	قَوْلًا بات	وَلَا يَمْلِكُ اور اختیار نہیں رکھتا	لَهُمْ ان کے	ضَرًّا نقصان	وَ اور	
لَا نَفْعًا نہ نفع	وَ اور	لَقَدْ قَالَ تحقیق	لَهُمْ ان سے	هٰرُوْنُ ہارونؑ	مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے	يٰقَوْمِ اے میری قوم	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں
فُتِنْتُمْ تم آزمائے گئے	بِهٖ اس سے	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكُمُ تمہارا رب	الرَّحْمٰنُ رحمٰن ہے	فَاتَّبِعُوْنِيْ سو میری پیروی کرو		
وَاَطِيْعُوْٓا اور اطاعت کرو	اَمْرِيْ میری بات	قَالُوْا انہوں نے کہا	لَنْ نَّبْرَحَ ہم ہرگز جدا نہ ہونگے	عَلَيْهِ اس پر	عٰكِفِيْنَ جمے ہوئے		
حَتّٰى یہاںتک کہ	يَرْجِعَ لوٹے	اِلَيْنَا ہماری طرف	مُوْسٰى موسیٰ				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کوہ طور پر حق تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ تمہارے پیچھے تمہاری قوم گمراہی میں مبتلا ہوگئی اور ایک بچھڑے کی پرستش شروع کردی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حالت کو سن کر قوم کی طرف سے سخت رنجیدہ اور غصہ میں بھرے ہوئے کوہ طور سے واپس آئے اور قوم سے خطاب فرمایا کہ تم نے میرے پیچھے یہ کیا خلاف وعدہ بات کی کیا اس حرکت سے تم یہ چاہتے تھے کہ تمہارے رب کا غضب تم پر نازل ہو جاوے۔ ایسی کوئی زیادہ مدت بھی انتظار کرتے کرتے نہیں گزری تھی کہ تھک گئے اور پھر گوسالہ پرستی اختیار کرلی۔ قوم سے جو سختی سے باز پرس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی تو انہوں

نے جواب دیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کے وعدہ کے خلاف اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ یہ حرکت ہم سے سامری نے کرائی۔ مصریوں کے زیورات کا جو بوجھ ہم ساتھ لئے پھر رہے تھے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسے کیا کریں وہ ہم نے باہمی مشورہ کے بعد اپنے سے اتار پھینکا۔ اس کو آگ میں پگھلا کر سامری نے ڈھال لیا اور بچھڑے کی صورت بنا کر کھڑی کر دی اور ہم کو گمراہ کر دیا اور سب کہنے لگے کہ موسیٰ سے بھول ہوئی کہ وہ اپنے خدا سے ہم کلام ہونے کے لئے طور پر گئے۔ خدا تو یہاں موجود ہے یعنی یہی بچھڑا۔ العیاذ باللہ۔ یہ قول بنی اسرائیل میں سے سخت جاہلوں اور غالیوں کا ہوگا۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان اندھوں کو اتنی موٹی بات بھی نہیں سوجھتی تھی کہ جو مورتی نہ کسی سے بات کر سکے نہ کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچانے کا اختیار رکھے وہ معبود یا خدا کس طرح بن سکتی ہے۔ اور اس سے بڑی جہالت یہ کہ ہارون علیہ السلام کی نصیحت کو بھی نہیں مانا چنانچہ ہارون علیہ السلام ان سے نرمی سے زبانی فہمائش کر چکے تھے کہ جس بچھڑے پر تم مفتون ہو رہے ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ تمہارا پروردگار تو صرف ایک رحمٰن ہے جس نے اب تک خیال کرو کس قدر رحمتوں کی بارش تم پر کی ہے۔ اسے چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو۔ میں حضرت موسیٰ کا جانشین ہوں اور خود نبی ہوں۔ اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو لازم ہے کہ میری راہ چلو اور میری بات مانو اور سامری نے گمراہی میں مت آؤ۔ جس پر قوم کے اکثر لوگوں نے کہا کہ موسیٰ کے واپس آنے تک تو ہم اس سے ٹلتے نہیں۔ ان کے آنے پر دیکھا جائے گا۔ جو ہونا ہوگا اس وقت ہوگا اس وقت ہم اپنے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ کریں گے۔

غرض اسرائیلیوں نے ہارون علیہ السلام کا کہنا نہیں مانا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ انسان کی بہت بڑی گمراہی ہے کہ انسان کو جب حق کی بدولت کامرانی و کامیابی حاصل ہو جائے تو خدا کے شکر و سپاس اور عبودیت و نیاز کی جگہ مخالفین حق کی طرح غفلت اور سرکشی اور عصیان و نافرمانی میں مبتلا ہو جائے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ حصہ جو فرعون سے نجات پا کر بحر قلزم عبور کرنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے وہ اسی گمراہی سے معمور ہے۔ اسی لئے دیدہ دانستہ حق کو حق جانتے ہوئے بھی سرکشی کرنے پر خدا تعالیٰ کی سزا بھی سخت ہوئی۔ جس کی کچھ تفصیلات سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں۔

اب یہاں بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کے پاکستان کی اب تک گذشتہ ۳۰ سالہ تاریخ بھی یہی بتلائی ہے تقسیم ہند جن کی آنکھوں کے سامنے ہوئی ہے اور پاکستان بننے سے پہلے جو موجود تھے وہ سب جانتے ہیں کہ اس وقت ہر ایک لیڈر اور رہنما جو پاکستان کا حامی تھا یہی کہتا تھا کہ پاکستان ایک اسلامی حکومت ہوگی جہاں ہم اسلامی شریعت کی روشنی میں اپنا رہنا سہنا کریں گے اور جہاں قرآنی احکام کا نفاذ ہوگا اور جہاں ہم قرآن وسنت کے موافق معاشرہ قائم کر سکیں گے۔ دوسرے الفاظ میں پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسے سامان کر دیئے کہ پاکستان بن گیا۔ اور بالکلیہ اقتدار آپ کے ہاتھوں میں آ گیا۔ تو جب اللہ نے آپ کو ایک دنیوی سلطنت و حکومت کے اعزاز سے نوازا اور پاکستان بنانے میں کامیابی اور کامرانی عطا فرمائی اور فرنگیوں کے تسلط سے نجات بخشی تو چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ کے اس نعمت کی بڑی قدر دانی کی جاتی اور اس کی نافرمانی سے ہر طرح بچا جاتا مگر افسوس صد افسوس کہ جس اسلام کے نام پر یہ حکومت مانگی گئی تھی اور جس اسلام کے نام پر یہ حکومت قائم ہوئی اسی اسلام کو ہر طرح سے ذبح کر کے بے دم کرنے کی کوشش کی گئی اور لطف یہ کہ اسلام کا لیبل لگا کر یہ سب کچھ کیا گیا۔ اس ملک میں اب تک زنا۔ شراب۔ جوا۔ قمار۔ سود۔ اغوا۔ چوری۔ ڈکیتی۔ قتل۔ رشوت۔

فحاشی ۔عریانی۔ بے شرمی بے حیائی۔ کا ننگا تو درکنار اور اضافہ روز افزوں ہے۔ اور ایک ایک شعائر اسلام کو جس بے دردی سے گذشتہ دور میں مٹانے کی کوشش کی گئی وہ بھی ظاہر ہے کہ گذشتہ میں حج پر پابندی ہونے کی وجہ سے کتنے اس تمنا میں مر گئے مگر حج نصیب نہ ہوا۔ رمضان میں کھلے بندوں ہوٹلوں میں کھانا پینا جو ہوتا رہا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ الغرض یہ داستان اس پاکستانی تاریخ کی نہایت دردناک ہے اور بڑی عبرتناک ہے کہ آدھا ملک ہاتھ سے جانے کے بعد بھی ہوش نہیں آیا۔

نوٹ۔ واضح ہو کہ یہ درس ابتداء اب سے تقریباً دس بارہ سال پہلے اور نظرثانی کے لئے تقریباً ۸ سال پہلے لکھا گیا تھا۔ اب جو کچھ ملک میں اسلامی نظام کے لئے کوشش اور وعدہ ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطا فرمائیں اور اس ملک کی بدبختی کو خوش قسمتی سے پلٹ دیں اور ہم کو اس ملک کو حقیقی معنی میں پاکستان دیکھنا اپنی رحمت سے نصیب فرمائیں۔

یہ ذکر اس پر آ گیا تھا کہ حق تعالیٰ جب کوئی نعمت عطا فرمائیں اور اس نعمت کا حقیقی شکر نہ ادا کیا جائے بلکہ الٹی نافرمانی اور سرکشی اختیار کی جائے تو پھر قانون خداوندی سب کے لئے ایک ہے بنی اسرائیل کی گمراہیوں اور ان کی نافرمانیوں پر جو سزا ان کو ملیں ان سے ہم کو سبق لینے کی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ اور ہم کو جو یہ حکومت وسلطنت عطا فرمائی ہے اس کی حقیقی شکرگزاری کی توفیق اہل اقتدار حکام اور عوام سب کو عطا فرمائیں۔ آمین۔

الغرض کوہ طور سے واپسی پر پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے باز پرس کی۔ اب آگے حضرت ہارون علیہ السلام سے مخاطبت ہے اور ان سے باز پرس فرمائی جاتی ہے اور پھر سامری سے اس حرکت پر باز پرس فرمائی گئی جس کا بیان اگلی آیات میں ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو راہ حق دکھلا کر غفلت و نافرمانی سے بچائیں اور گذشتہ قوموں کے حالات سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے والا دل ودماغ عطا فرماویں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پورا متبع وفرمانبردار بنا کر زندہ رکھیں اور ہر طرح کے فتنہ وگمراہی سے ظاہراً وباطناً بچاویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ

(موسیٰ نے) کہا کہ اے ہارونؑ جب تم نے (اُن کو) دیکھا تھا کہ یہ (بالکل) گمراہ ہوگئے تو تم کو میرے پاس چلے آنے سے کون امر مانع ہوا تھا سو کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا۔ ہارونؑ نے کہا کہ اے میرے ماں جائے

لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ

تم میری داڑھی مت پکڑو اور نہ سر (کے بال) پکڑو مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ تم کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میں تفریق ڈال دی اور تم نے

تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً

میری بات کا پاس نہ کیا۔ کہا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ اُس نے کہا کہ مجھ کو ایسی چیز نظر آئی تھی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی پھر میں نے اُس فرستادہ کے نقشِ قدم سے

مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾

ایک مٹھی (بھر خاک) اُٹھالی تھی سو میں نے وہ مٹھی (اس قالب کے اندر) ڈال دی اور میرے جی کو یہی بات پسند آئی۔

قَالَ اس نے کہا	يٰهٰرُوْنُ اے ہارونؑ	مَا مَنَعَكَ تجھے کس چیز نے روکا	اِذْ جب	رَاَيْتَهُمْ تو نے دیکھا انہیں	ضَلُّوْٓا وہ گمراہ ہوگئے	
اَلَّا تَتَّبِعَنِ کہ تو نہ میری پیروی کرے	اَفَعَصَيْتَ تو کیا تو نے نافرمانی کی	اَمْرِيْ میرا یہ حکم	قَالَ اس نے کہا	يَبْنَؤُمَّ اے میرے ماں جائے		
لَا تَاْخُذْ نہ پکڑیں	بِلِحْيَتِيْ مجھے داڑھی سے	وَلَا بِرَاْسِيْ اور نہ سر سے	اِنِّىْ بیشک میں	خَشِيْتُ ڈرا	اَنْ تَقُوْلَ کہ تم کہو گے	
فَرَّقْتَ تو نے تفرقہ ڈال دیا	بَيْنَ درمیان	بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ بنی اسرائیل	وَ اور	لَمْ تَرْقُبْ نہ خیال رکھا	قَوْلِيْ میری بات	قَالَ اس نے کہا
فَمَا پس کیا	خَطْبُكَ تیرا حال	يٰسَامِرِيُّ اے سامری	قَالَ وہ بولا	بَصُرْتُ میں نے دیکھا	بِمَا وہ جو کہ	لَمْ يَبْصُرُوْا انہوں نے نہ دیکھا
بِهٖ اس کو	فَقَبَضْتُ پس میں نے مٹھی بھر لی	قَبْضَةً ایک مٹھی	مِّنْ سے	اَثَرِ الرَّسُوْلِ فرشتہ کا نقشِ قدم	فَنَبَذْتُهَا تو میں نے وہ ڈال دی	
وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	سَوَّلَتْ پھسلایا	لِيْ مجھے	نَفْسِيْ میرا نفس			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے بڑی سختی کے ساتھ باز پرس کی جس کے جواب میں قوم نے اپنے کو بری الذمہ ثابت کرنے کی کوشش کی اور سامری کو گمراہ کرنے کا مجرم قرار دیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف مخاطب ہوئے جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ میں تم کو اپنا خلیفہ بنا کر اور حکم کر کے گیا تھا کہ میرے پیچھے ان کی اصلاح کرنا پھر تم نے کیا اصلاح کی؟۔ کیوں اپنے موافقین کو ساتھ لے کر ان گوسالہ پرستوں کا سختی سے مقابلہ نہ کیا؟ اگر یہ نہ ہوسکتا تھا تو ان سے منقطع ہو کر میرے پاس طور پر کیوں نہ چلے آئے؟ اور فرطِ جوش میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بال اور داڑھی پکڑ لی تھی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی معذرت پیش کی اور فرمایا کہ اے میرے بھائی۔ میری مطلق خطا نہیں ہے۔ میں نے ان کو ہر چند سمجھایا مگر انہوں نے کسی طرح نہیں مانا اور کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ علیہ السلام نہ آ جائیں ہم تمہاری بات سننے والے نہیں بلکہ انہوں نے مجھکو کمزور پا کر میرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا جب میں نے یہ حالت دیکھی تو خیال کیا کہ اب اگر ان سے لڑائی کی جاوے اور مومنین اور گوسالہ پرستوں کے درمیان جنگ برپا ہو تو مجھ پر یہ الزام نہ لگایا جائے کہ میرے پیچھے قوم میں تفرقہ ڈال دیا اس لئے میری سمجھ میں یہی آیا کہ آپ کے آنے کا انتظار کروں

بہ نسبت اس کے کہ پیچھے ایسا کوئی کام کروں جس سے بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑے۔ کیونکہ ظاہر ہے اگر مقابلہ ہوتا تو کچھ لوگ میرے ساتھ ہوتے کچھ مخالف ہوتے تو مجھے ڈر ہوا کہ پھر یہ الزام مجھ پر لگتا کہ میرا انتظار کیوں نہ کیا۔ قوم میں تفرقہ کیوں ڈالا۔

یہاں اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ دو پیغمبروں میں بھی اختلاف رائے ہوسکتا ہے اور دونوں طرف صواب کے پہلو ہوسکتے ہیں۔ اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رائے از روئے اجتہاد یہ تھی کہ اس حالت میں ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اس مشرک قوم کے ساتھ نہیں رہنا چاہئے تھا۔ ان کو چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آجاتے جس سے ان کے عمل سے مکمل بیزاری کا اظہار ہوجاتا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی رائے از روئے اجتہاد یہ تھی کہ اگر ایسا کیا گیا تو ہمیشہ کے لئے بنی اسرائیل کے ٹکڑے ہوجائیں گے اور تفرقہ قائم ہوجائے گا۔ اور چونکہ ان کی اصلاح کا یہ احتمال موجود تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد ان کے اثر سے پھر یہ سب ایمان اور توحید کی طرف لوٹ آویں اس لئے کچھ دنوں کے لئے ان کے ساتھ مساہلت اور مساکنت کو ان کی اصلاح کی توقع تک گوارا کیا جائے۔ دونوں حضرات کا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل۔ ایمان و توحید پر لوگوں کو قائم کرنا تھا مگر ایک نے مفارقت اور مقاطعہ کو اس کی تدبیر سمجھا۔ دوسرے نے اصلاح حال کی ابتداء تک ان کے ساتھ مساہلت اور نرمی کے معاملہ کو اس مقصد کے لئے نافع سمجھا۔ دونوں جانبین اہل عقل و فہم اور فکر و نظر کے لئے محل غور و فکر ہیں۔ کسی کو خطا کہنا آسان نہیں۔ مجتہدین امت کے اجتہادی اختلافات عموماً اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ ان میں کسی کو گنہگار یا نافرمان نہیں کہا جاسکتا۔ رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کے بال پکڑنے کا معاملہ تو یہ دین کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے شدت وغضب کا اثر تھا کہ تحقیق حال سے پہلے انہوں نے ہارون علیہ السلام کو ایک واضح غلطی پر سمجھا اور جب ان کا عذر معلوم ہوگیا تو پھر اپنے لئے اور ان کے لئے دعاء مغفرت فرمائی۔ (معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۱۴۴)

الغرض ہارون علیہ السلام کی معقول بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ان کی جانب سے فرو ہوا تو اب آپ سامری کی جانب مخاطب ہوئے اس کو ڈانٹ بتلائی اور فرمایا کہ اب تو اپنی حقیقت بیان کر۔ یہ حرکت تو نے کس وجہ سے کی؟ اور کیا اسباب پیش آئے کہ بنی اسرائیل تیری طرف جھک پڑے؟ سامری نے جواب دیا کہ مجھ کو ایک ایسی چیز نظر پڑی تھی جو ان اسرائیلیوں میں سے کسی نے نہیں دیکھی تھی اور وہ یہ کہ غرق فرعون کے وقت جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار اسرائیلیوں اور فرعونیوں کے درمیان حائل تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے گھوڑے کے سم کی خاک میں اثر حیات پیدا ہوجاتا ہے اور جہاں ان کے گھوڑے کے قدم پڑتے ہیں خشک زمین پر سبزہ اگ آتا ہے تو میں نے جبرئیل کے گھوڑے کے قدموں کی خاک سے ایک مٹھی بھر لی اور اس خاک کو اس بچھڑے میں ڈال دیا اور اس میں زندگی کے آثار پیدا ہوگئے اور یہ بھاں بھاں کرنے لگا۔ سامری نے یہ کسی محسوس دلیل سے یا وجدان سے یا کسی قسم کے تعارف سابق کی بنا پر سمجھ لیا ہوگا کہ یہ جبرئیلؑ ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب مصر میں فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کراتا تھا تو سامری کی ماں اس کو ایک غار میں چھپا کر ڈال آئی کہ فرعونیوں کے ہاتھوں سے ذبح سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام سے اس کی پرورش کرائی۔ اس لئے سامری حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس صورت سے پہچانتا تھا۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

سامری کی یہ سخن سازی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبول نہیں کی اور اس کا یہ جواب سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بددعا دی۔ اور وہ بددعا کیا تھی اور اس کا کیا اثر ہوا اور پھر اس گوسالہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَكَ فِی الۡحَيٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ وَانۡظُرۡ

آپ نے فرمایا تو بس تیرے لئے (دُنیوی) زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو یہ کہتا پھرا کرے گا کہ مجھ کو کوئی ہاتھ نہ لگانا، اور (اسکے علاوہ) تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں

اِلٰۤی اِلٰهِكَ الَّذِیۡ ظَلۡتَ عَلَيۡهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ فِی الۡيَمِّ نَسۡفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَاۤ

اور تو اپنے اس معبود (باطل) کو دیکھ جس پر تو جما ہوا بیٹھا تھا ہم اس کو جلا دیں گے پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے۔ بس تمہارا

اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ﴿۹۸﴾

(حقیقی) معبود صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، وہ (اپنے) علم سے تمام چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

قَالَ اس نے کہا	فَاذۡهَبۡ پس تو جا	فَاِنَّ لَكَ بیشک تیرے لئے	فِی الۡحَيٰوةِ زندگی میں	اَنۡ کہ	تَقُوۡلَ تو کہے	لَا نہ	مِسَاسَ چھونا	
وَاِنَّ اور بیشک	لَكَ تیرے لئے	مَوۡعِدًا ایک وقتِ مقرر	لَنۡ تُخۡلَفَهٗ ہرگز تجھ سے خلاف نہ ہوگا	وَانۡظُرۡ اور دیکھ	اِلٰی طرف			
اِلٰهِكَ اپنے معبود	الَّذِیۡ وہ جس	ظَلۡتَ تو رہتا تھا	عَلَيۡهِ اس پر	عَاكِفًا جما ہوا	لَنُحَرِّقَنَّهٗ ہم اسے البتہ جلائیں گے			
ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ پھر البتہ اسے بکھیر دیں گے	فِی الۡيَمِّ دریا میں	نَسۡفًا اُڑا کر	اِنَّمَا اس کے سوا نہیں	اِلٰهُكُمُ تمہارا معبود	اللّٰهُ اللہ			
	الَّذِیۡ وہ جو	لَا نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	وَسِعَ وسیع	كُلَّ شَیۡءٍ ہر شے	عِلۡمًا علم	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باز پرس میں سامری نے جو جواب دیا تھا وہ بیان ہوا تھا چونکہ بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب سامری کا فعل تھا اس لئے سامری کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں سزا کی وعید سنائی۔ اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا کہ اس حرکت کی سزا دنیوی زندگی میں تو تیرے لئے یہ ہے کہ تو کہتا پھرے گا کہ مجھ کو کوئی ہاتھ نہ لگانا۔ یعنی سب سے بالکل علیحدہ ہو کر رہے گا چونکہ سامری نے بچھڑے کا ڈھونگ بنایا تھا کہ جاہ اور ریاست حاصل ہو لوگ اس کے ساتھ ہوں اور سردار مانیں لہٰذا اس کے مناسب سزا ملی کہ کوئی اس کے پاس نہ پھٹکے۔ جو قریب جائے تو وہ خود دور رہنے کی ہدایت کرے۔ اور دنیا میں ایک بالکل ذلیل اچھوت اور وحشی جانور کی طرح زندگی گزارے۔ لکھا ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے بالکل الگ رہتا اگر وہ کسی سے ملتا یا کوئی اس سے ملتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا اس ڈر سے لوگوں سے دور دور بھاگا پھرتا تھا کسی کو دور سے دیکھتا تو کہتا لامساس مجھے کوئی ہاتھ نہ لگانا۔ بعض نے کہا ہے کہ اسے جنون ہو گیا تھا اور اس وحشت جنون میں لوگوں سے بھاگتا بھی تھا اور یہ لفظ لامساس کہتا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کو جذام یعنی کوڑھ ہو گیا تھا اس لئے لوگ اس کی ہوا سے بھی بچتے تھے۔ بہرحال یہ تو اس کی دنیا میں سزا ہوئی کہ نہ وہ کسی کو ہاتھ لگا سکے اور نہ کوئی اسے ہاتھ لگا سکے اور اس سزا کے علاوہ قیامت میں حق تعالیٰ کے عذاب کا جو وعدہ ہے وہ جدا رہا کہ جو کسی طرح ٹالا نہیں جا سکتا۔ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو اس کی سزا سنائی اور آگے ارشاد فرمایا کہ تیری سزا تو یہ ہوئی اب تیرے جھوٹے معبود کی قلعی بھی کھولے دیتا ہوں۔ جس بچھڑے کو تو نے خدا بنایا اور دن بھر وہاں دل جمائے بیٹھا رہتا تھا۔ ابھی تیری

آنکھوں کے سامنے توڑ پھوڑ کر اور جلا کر راکھ کر دوں گا اور پھر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دوں گا تا کہ اس کے پجاریوں کو خوب واضح ہو جائے کہ وہ دوسروں کو تو کیا نفع و نقصان پہنچا سکتا خود اپنے وجود کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا۔ باطل کو مٹانے کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو حق کی طرف بلاتے جاتے ہیں کہ یہ بچھڑا تو کیا چیز ہے۔کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی معبود نہیں بن سکتی۔ سچا معبود تو بس وہی ایک اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی عقلاً و نقلاً روا نہیں اور جس کا لامحدود علم ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔

حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے قتل کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے سخی ہونے کے سبب قتل سے منع فرما دیا۔غرض کہ سامری کو جو سزا دی گئی ممکن ہے کہ وہ وحیاً ہو یا اجتہاداً سامری کو سزا سنانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کو ریزہ ریزہ کر کے جلا کر دریا میں بہا دیا جس سے اس امر پر تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ جن اسباب و ذرائع سے شرک پیدا ہو یا اس کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو ان کی بالکل بیخ کنی کر دینی چاہئے لکھا ہے کہ جب اس بچھڑے کے ذرات کو دریا میں بہا دیا گیا اور جب سب لوگوں نے اس دریا کا پانی پیا تو جن لوگوں نے گوسالہ کی پرستش کی تھی ان کے چہرے زرد پڑ گئے اور اس طرح سارے گوسالہ پرست معلوم ہو گئے۔ تو اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدائے تعالیٰ کی جناب میں رجوع کیا کہ اب ان کے اس ارتداد اور بے دینی کی سزا آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو جیسا کہ سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکا حق تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ جن لوگوں نے یہ شرک کیا ہے ان کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جنھوں نے بچھڑے کو سجدہ نہ کیا تھا وہ سجدہ کرنے والوں کو قتل کریں اور وہ بھی اس طرح کہ جو شخص رشتہ میں جس سے زیادہ قریب ہو وہ اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے یعنی باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو اور بھائی بھائی کو۔ آخر بنی اسرائیل کو اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ یہودیوں کی توراۃ میں ہے کہ اس طرح تین ہزار بنی اسرائیل قتل ہوئے لیکن بعض اسلامی روایات میں اس سے بھی زیادہ تعداد مذکور ہے اور ۷۰ ہزار کا قتل کیا جانا نقل ہوا ہے۔غرض جب نوبت یہاں تک پہنچی تو موسیٰ علیہ السلام درگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے اور عرض کیا کہ بارالٰہا! اب ان پر رحم فرما اور ان کی خطا کو بخش دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا اور جو زندہ ہیں اور قصوروار تھے ان کی بھی خطا معاف کر دی۔اب ان کو سمجھا دو کہ آئندہ شرک کے قریب بھی نہ جائیں۔

اب یہاں اس سورۃ میں ان آیات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ختم ہوتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بعد اگلی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے اور اصل موضوع جس سے اس سورۃ کی ابتدا ہوئی تھی یعنی قرآن کا ذکر اسی موضوع پر یعنی قرآن پاک کے اتباع اور فرمانبرداری اور اس کا انجام اور اگر اس سے منہ موڑا اور اعراض اور انکار کیا تو اس کا بھی انجام بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک و تعالیٰ نے جن مقاصد سے گذشتہ انبیاء کے واقعات و حالات قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں ہمیں ان سے نصیحت و عبرت حاصل کرنے والا بنائیں۔اور ہم سے جو گذشتہ میں اس باب میں تقصیرات ہو چکی ہیں اسے اپنی رحمت سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے معاف فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۖ ﴿٩٩﴾ مَنْ

اسی طرح ہم آپ سے اور واقعات گزشتہ کی خبریں بھی بیان کرتے رہتے ہیں، اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے۔ جو لوگ

اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۙ ﴿١٠٠﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۗ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ

اس سے روگردانی کریں گے سو وہ قیامت کے روز بڑا بھاری بوجھ لادے ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بوجھ قیامت کے روز اُن کیلئے برا (بوجھ) ہوگا۔

الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ ﴿١٠١﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۚ ﴿١٠٢﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ

جس روز صور میں پھونک ماری جاوے گی اور ہم اُس روز مجرم لوگوں کو قیامت میں اس حالت سے جمع کریں گے کہ (آنکھوں سے) کرنجے ہوں گے۔ چپکے چپکے آپس میں باتیں

بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ

کرتے ہوں گے کہ تم لوگ (قبروں میں) صرف دس روز رہے ہوگے۔ جس مدت کی نسبت وہ بات چیت کریں گے اُس کو ہم خوب جانتے ہیں جبکہ اُن سب میں کا زیادہ صائب الرائے یوں کہتا ہوگا

لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾

کہ نہیں تم تو ایک ہی روز (قبر میں) رہے ہو۔

كَذٰلِكَ اسی طرح	نَقُصُّ ہم بیان کرتے ہیں	عَلَيْكَ تجھ پر	مِنْ سے	اَنْۢبَآءِ خبریں	مَا جو	قَدْ سَبَقَ گزر چکا	
وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ اور تحقیق ہم نے تمہیں دیا	مِنْ لَّدُنَّا اپنے پاس سے	ذِكْرًا نصیحت	مَنْ جس	اَعْرَضَ منہ پھیرا	عَنْهُ اس سے	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	
يَحْمِلُ لادے گا	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	وِزْرًا بوجھ	خٰلِدِيْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهِ اس میں	وَسَآءَ اور برا ہے	لَهُمْ ان کیلئے	
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	حِمْلًا بوجھ	يَوْمَ جس دن	يُنْفَخُ پھونک ماری جائیگی	فِي الصُّوْرِ صور میں	وَنَحْشُرُ اور ہم اکٹھا کرینگے		
الْمُجْرِمِيْنَ مجرموں کو	يَوْمَىِٕذٍ اس دن	زُرْقًا نیلی آنکھیں	يَتَخَافَتُوْنَ آہستہ آہستہ کہیں گے	بَيْنَهُمْ آپس میں	اِنْ نہیں	لَبِثْتُمْ تم رہے	
اِلَّا مگر	عَشْرًا دس دن	نَحْنُ ہم	اَعْلَمُ خوب جانتے ہیں	بِمَا وہ جو	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	اِذْ يَقُوْلُ جب کہے گا	اَمْثَلُهُمْ سب سے اچھی
طَرِيْقَةً راہ	اِنْ نہیں	لَبِثْتُمْ رہے تم	اِلَّا مگر	يَوْمًا ایک دن			

تفسیر و تشریح:۔ قرآن پاک میں مختلف قصص اور گذشتہ تاریخی واقعات حسب موقع جو بیان فرمائے گئے ہیں ان کے متعدد فوائد ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گذشتہ واقعات کا علم ہوجائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت کی عظمت میں اضافہ ہوجائے۔ کفار عرب خصوصاً قریش کے انکار و سرتابی سے جو رنج و ملال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارکہ کو ہوتا تھا وہ دور ہوجائے اور آپ کو تسلی ہوجائے کہ فقط میری قوم ہی میرا انکار نہیں کر رہی ہے بلکہ گذشتہ اقوام نے انبیاء کے طرح طرح کے معجزات دیکھ کر بھی ہمیشہ سرتابی کی ہے۔ پھر گذشتہ واقعات و حالات کو باوجود امی ہونے کے آپ کا بیان کرنا یہ کھلا ہوا ثبوت ہے کہ بغیر وحی الٰہی کے یہ تمام واقعات ماضیہ کا علم کس طرح ہوسکتا ہے۔ پھر منکرین کو بھی عبرت ہو کہ انکار کا نتیجہ جو پہلی

قوموں کو اٹھانا پڑا وہی ہم کو اٹھانا پڑے گا۔ مومنین کے ایمان میں پختگی پیدا ہو کہ گذشتہ امتوں میں بھی اہل ایمان نے منکرین کے ہاتھوں ابتداء کیسی سختیاں برداشت کیں مگر انجام کار اللہ نے حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرمایا۔ تو گذشتہ انبیاء کے واقعات وقصے بیان کرنے میں یہ متعدد فوائد ہیں۔

ان آیات میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ ہم جو انبیاءِ سابقین اور گذشتہ اقوام کے واقعات آپ کو اور آپ کے ذریعہ سے تمام دنیا کو سناتے رہتے ہیں ان سے مقصود صرف نصیحت کرنا ہے اور جس طرح ہم نے گذشتہ انبیاء کو مختلف معجزات عطا کئے تھے اسی طرح ایک عظیم الشان نصیحت نامہ یعنی قرآن پاک آپ کو عطا کیا ہے جس میں دین و دنیا کے تمام ضروری مسائل اور عقیدہ و عمل کے تمام اصلاحی قوانین کا تذکرہ ہے۔ علوم ظاہری و اسرار باطنی کا بیان ہے۔ روحانی کمالات کے حصول اور دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہونے کے طریقوں کا اظہار ہے۔ تو اب جو شخص اس قرآن کی صداقت کا انکار کرے گا اور اس کے مضامین و قوانین ماننے سے روگردانی کرے گا تو وہ دوامی عذاب کا مستحق ہوگا اور اس قرآن کے اعراض و تکذیب سے جو گناہوں کا بوجھ قیامت کے دن ان پر لادا جائے گا وہ کبھی ہلکا نہ ہوگا ہمیشہ اس کے نیچے دبے رہیں گے پھر اس بوجھ کا اٹھانا کوئی ہنسی کھیل نہیں۔ جب اٹھائیں تو پتہ چلے گا کہ کیسے برے اور سخت بوجھ کے نیچے دبائے گئے ہیں۔ اب چونکہ منکرین قرآن کا ذکر آگیا اس لئے قیامت میں ان کا کیا حال اور کیسا انجام ہوگا کچھ اسکا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو سب مرجائیں گے اور پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہوجائیں گے۔ یہاں آیت میں دوبارہ صور پھونکا جانا مراد ہے کہ جس دن یہ صور پھونکا جائے گا تو مجرمین جن سے مراد کفار ہیں محشر میں اس طرح لائے جائیں گے کہ ان کی آنکھیں ازرق ہوں گی۔ ازرق کے ترجمہ میں اہل تفسیر کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ قیامت کے ہولناک امور دیکھنے کے سبب کافروں کی آنکھیں کرنجی سبزی مائل بلی کی آنکھوں کی طرح ہوں گی۔ اہل عرب کے نزدیک ایسی آنکھیں منحوس اور معیوب سمجھی جاتی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ آنکھوں کے ازرق ہونے سے مراد نابینا ہونا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ خوف و دہشت کی وجہ سے آنکھوں کی پتلیاں پھٹ جائیں گی یا کثرت نور سے کافروں کی آنکھیں اندھی ہوجائیں گی کیونکہ کفر کے سبب ان کی آنکھوں میں نور کو دیکھنے کی طاقت نہ ہوگی۔ بعض مفسرین نے حیرت واستعجاب سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کو آنکھوں کو ازرق ہونا کہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قیامت کے مقامات واحوال متعدد ہیں کہ بوقت حشر کافروں کی آنکھیں اچھی خاصی ہوں گی۔ پھر قیامت کی ہولناکی دیکھ کر آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی پھر نیلی ہوجائیں گی اور آخر میں سب نابینا ہوجائیں گے پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی تاکہ دوزخ وغیرہ کو دیکھ سکیں۔ پھر آخرت کے طول اور وہاں کے ہولناک احوال کی شدت کو دیکھ کر دنیا میں یا قبر میں رہنا اتنا کم نظر آئے گا کہ گویا ہفتہ عشرہ سے زیادہ نہیں رہے۔ بڑی جلدی دنیا ختم ہوگئی یہاں کے مزے اور لمبی چوڑی امیدیں سب بھول جائیں گے۔ بیہودہ عمر ضائع کرنے پر ندامت ہوگی اور جوان منکرین میں زیادہ ہوشیار ہوگا وہ کہے گا کہ عشرہ یعنی دس دن بھی کہاں تمہاری دنیا کی زندگی بس ایک دن کی تھی۔

یہاں پہلی بات یہ بتائی گئی کہ جو شخص اس نصیحت نامہ یعنی قرآن سے منہ موڑے گا اور اس کی ہدایت اور رہنمائی قبول کرنے سے انکار کردے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اللہ اور اس کے رسول کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ اس کی یہ حماقت خود اپنے ساتھ دشمنی ہوگی۔

دوسری بات یہ بتائی گئی کہ کوئی شخص جس کو قرآنی احکام ونصائح پہنچیں اور پھر وہ اسے قبول کرنے سے انکار کرے یا پہلوتہی کرے آخرت میں سزا پانے سے نہیں بچ سکتا۔ آیت کے الفاظ عام ہیں۔ کسی قوم۔ کسی ملک۔ کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں۔

بلکہ یہ حکم ہر شخص کے لئے عام ہے۔ خواہ مغرب کا باشندہ ہو یا مشرق کا افریقہ کا سیاہ فام غلام ہو۔ یا امریکہ کا سفید فام عیار ہو۔ یورپین ہو یا ایشیائی چینی ہو یا جاپانی۔ ہندی ہو یا پاکستانی۔ جب تک یہ قرآن دنیا میں موجود ہے اور جہاں جہاں جس جس ملک اور قوم کے جس شخص کو بھی یہ پہنچے گا اس کے لئے دو ہی راستہ ہوں گے یا تو اس کو مانے اور اس کی پیروی اختیار کرے۔ یا اس کو نہ مانے اور اس سے اعراض اور روگردانی برتے جس کا انجام بھی ان آیات میں بتا دیا گیا **من اعرض عنه فانه يحمل يوم القيمة وزرا** یعنی جو شخص قرآن سے اعراض اور روگردانی کرے گا قیامت کے روز اس پر بڑا بوجھ عذاب کا لدا ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے" کہ قرآن سے اعراض کی مختلف صورتیں ہیں۔ اس کی تلاوت کی طرف کوئی دھیان ہی نہ کرے۔ نہ کبھی قرآن پڑھنے اور سیکھنے کی فکر کرے یا قرآن کو پڑھے مگر غلط سلط پڑھے۔ تصحیح حروف کی فکر نہ کرے یا صحیح بھی پڑھے مگر بے توجہی اور بے دلی سے پڑھے۔ اسی طرح قرآن کے احکام کو سمجھنے کی طرف توجہ نہ دینا بھی قرآن سے اعراض ہے اور سمجھنے کے بعد ان پر عمل کرنے میں کوتاہی یا اس کے احکام کی خلاف ورزی یا تو اعراض کا انتہائی درجہ ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) غرض قرآن کے حقوق سے بے پروائی کرنے کا بڑا وبال ہے جو قیامت کے روز بار گراں بن کر اس کی گردن پر لاد دیا جائے گا جیسا کہ روایات حدیث میں بھی ہے کہ انسان کے برے اعمال اور گناہ قیامت کے روز ایک بار گراں بن کر اس کے اوپر لادا جائے گا۔" (معارف القرآن جلد ۶)

اب یہاں ہم اس پاکستان میں جو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت کہلاتی تھی ان بدنصیب اور بدبخت افراد کا ذکر کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ جنہوں نے معاذ اللہ معاذ اللہ قرآن کو فرسودہ کتاب بتلایا۔ اور جنہوں نے یہ کہا کہ اگر قرآن اور اسلام اقتصادی مسائل کا مکمل حل پیش کرتا تو ہم سوشلزم کا نعرہ نہ لگاتے لیکن چونکہ سوشلزم ہی غربت اور افلاس کا حل ہے اس لئے ہم نے پیروں اور ملاؤں کی مخالفت کے باوجود اس کے لئے کام کرنا شروع کیا۔ اب بتائیے کیا یہ کھلم کھلا قرآن سے اعراض اور روگردانی نہیں ہے کیا قرآن کو ماننے اور اس پر ایمان رکھنے کے یہی معنی ہیں کہ بس ہم اسلام کا لیبل لگا کر جو چاہیں قرآن کو کہیں اور جو چاہیں اس کے قوانین اور احکام کو خیال کریں! قرآن کے ساتھ یہ منافقانہ رویہ اور یہ اعراض اور روگردانی کھلے ہوئے مخالف اور دشمن اسلام کے اعراض اور روگردانی سے زیادہ خطرناک ہے اللہ تعالیٰ اپنی ڈھیل کی رسی کو ان ظالموں پر کھینچ لیں اور ان کی شرارتوں اور درپردہ مخالفتوں کا خاتمہ فرماویں۔ (نوٹ: جس وقت یہ درس لکھا گیا تھا ملک میں ایسے ہی حالات تھے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ اب ملک میں فضا بدلی ہوئی ہے۔ اور دینی فضا لانے کی کوشش ہو رہی ہے) یہ اپنے قوم اور ملک کا ذکر قرآن سے اعراض اور روگردانی پر بالاضطرار آ گیا۔ الغرض کہ اس کلامِ الٰہی کی آواز پر دنیا میں لبیک نہ کہنے والے اور اس مالک الملک ذوالجلال والاکرام کے فرمان سے اعراض اور روگردانی کرنے والے اور بڑے سے بڑے سرکش اور متکبر جو خدائی قانون کے سامنے اپنی گردن جھکانے کو تیار نہ ہوئے تھے وہ قیامت کے روز اسی حی قیوم کے سامنے کس طرح ذلیل اور مجرم قیدیوں کی طرح گردن جھکائے چلے آئیں گے اور ان کا کیا حال ہوگا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کو اور ہماری نسلوں کو اور ہمارے ملک کو اور ہماری قوم کو اور تمام عالم اسلام کو دنیا میں قرآن پاک کا متبع بنا کر زندہ رکھیں اور دل و جان سے اس کے احکام اور قوانین کو قبول کرنے والا اور ان پر عمل پیرا ہونے والا مسلمان بنا کر زندہ رکھیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَا

اور لوگ آپ سے پہاڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں (کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا) سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دیگا۔ پھر زمین کو ایک میدان ہموار کردے گا

تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ

کہ جس میں تو (اے مخاطب) نہ ہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی دیکھے گا۔ اس روز سب کے سب بلانے والے کے کہنے پر ہولیں گے اسکے سامنے کوئی ٹیڑھاپن نہ رہے گا اور تمام آوازیں

لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ

اللہ تعالیٰ کے سامنے دب جاویں گی۔ سو تو (اے مخاطب) بجز پاؤں کی آہٹ کے اور کچھ نہ سنے گا اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو کہ جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو

وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ

اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کرلیا ہو۔ وہ (اللہ تعالیٰ) ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کرسکتا اور اس روز تمام چہرے

الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ

اُس حی وقیوم کے سامنے جھکے ہونگے۔ اور ایسا شخص تو ناکام رہے گا جو ظلم (یعنی شرک) لیکر آیا ہوگا۔ اور جس نے نیک کام کئے ہوں گے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾

سو اس کو نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کمی کا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ اور وہ آپ سے دریافت کرینگے	عَنِ الْجِبَالِ پہاڑ کے متعلق	فَقُلْ تو کہدیں	يَنْسِفُهَا انہیں بکھیر دیگا	رَبِّيْ میرا رب	نَسْفًا اڑا کر			
فَيَذَرُهَا پھر اسے چھوڑ دیگا	قَاعًا میدان	صَفْصَفًا ایک ہموار	لَا تَرٰى نہ دیکھے گا تو	فِيْهَا اس میں	عِوَجًا کوئی کجی	وَّلَآ اور نہ	اَمْتًا کوئی بلندی	
يَوْمَئِذٍ اس دن	يَّتَّبِعُوْنَ وہ سب پیچھے چلیں گے	الدَّاعِيَ ایک پکارنے والا	لَا عِوَجَ نہیں کوئی کجی	لَهٗ اس کیلئے	وَخَشَعَتِ اور پست ہوجائیں گی			
الْاَصْوَاتُ آوازیں	لِلرَّحْمٰنِ اللہ کیلئے	فَلَا تَسْمَعُ پس تو نہ سنے گا	اِلَّا مگر	هَمْسًا آہستہ آواز	يَوْمَئِذٍ اس دن	لَّا تَنْفَعُ نہ نفع دے گی		
الشَّفَاعَةُ کوئی شفاعت	اِلَّا مگر	مَنْ جس	اَذِنَ لَهُ اجازت دے اس کو	الرَّحْمٰنُ اللہ	وَرَضِيَ اور پسند کرے	لَهٗ اس کی	قَوْلًا بات	
يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھوں کے درمیان	وَمَا اور جو	خَلْفَهُمْ ان کے پیچھے	وَلَا يُحِيْطُوْنَ اور وہ احاطہ نہیں کرسکتے			
بِهٖ اس کا	عِلْمًا علم کے اندر	وَعَنَتِ جھک جائیں گے	الْوُجُوْهُ چہرے	لِلْحَيِّ سامنے	الْقَيُّوْمِ "قیوم"	وَقَدْ خَابَ اور نامراد ہوا	مَنْ جو	
حَمَلَ بوجھ اٹھایا	ظُلْمًا ظلم	وَمَنْ اور جو	يَّعْمَلْ کرے	مِنَ سے	الصّٰلِحٰتِ نیکی	وَ اور	هُوَ وہ	مُؤْمِنٌ مومن
فَلَا يَخٰفُ تو نہ اسے خوف ہوگا	ظُلْمًا کسی ظلم کا	وَّلَا هَضْمًا اور نہ کسی نقصان کا						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں منکرین قرآن کا ذکر ہوا تھا کہ جو دنیا میں اس قرآن سے اعراض اور روگردانی کریں گے وہ قیامت کے روز بڑا بھاری بوجھ عذاب کا لادے ہوں گے اور پھر قیامت کے بعض احوال کا مجملاً تذکرہ فرمایا گیا تھا کہ عالم دنیا اور عالم

قبر کا زمانہ حشر میں ایسا معلوم ہوگا جیسے دنیا کا ایک دن تو منکرین حشر جو قیامت کو مانتے ہی نہ تھے اور طرح طرح کے شبہات نکالتے اور کہتے کہ ایسے ایسے سخت اور عظیم الشان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا؟ کیا یہ بھی ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ اس کا جواب ان آیات میں دیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کے سامنے پہاڑوں کی کیا حقیقت ہے۔ ان سب کو ذرا سی دیر میں کوٹ پیس کر ریت کے ذرات اور دھنی ہوئی روئی کی طرح ہوا میں اڑا دیا جائے گا اور زمین بالکل صاف اور ہموار کردی جائے گی جس میں کچھ اینچ پیچ اور اونچ نیچ نہ رہے گی۔ پہاڑوں کی رکاوٹیں ایک دم میں صاف کردی جائیں گی اور زمین چٹیل میدان ہوجائے گی۔ اس روز اسرافیل علیہ السلام بلند آواز سے محشر کی طرف بلائیں گے اور ان کی ندا سن کر سب کے سب اپنی اپنی قبروں سے نکل کر ادھر ادھر مڑے بغیر سیدھے آواز کی طرف دوڑیں گے اور میدان حشر میں جمع ہوجائیں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں آیت میں داعی یعنی بلانے والے سے مراد حضرات اسرافیل علیہ السلام ہیں جو بیت المقدس کی جگہ پر کھڑے ہو کر صور لے کر پکاریں گے۔ **ایتھا العظام البالیہ. والجلود المتفرقۃ واللحوم المتمزقۃ. ھمی الی عرض الرحمٰن.** اے گلی ہوئی ہڈیو! اور پراگندہ کھالو! اور ریزہ ریزہ شدہ گوشت کے ٹکڑو رحمٰن کے حضور میں چلو۔ تو یہ ندائے اسرافیل سن کر ہڈی گوشت کھال بال سب کچھ مل جل کر انسانی شکل بن کر قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور ہر شخص آواز کی طرف لپکے گا۔ کاش یہ منکرین لوگ دنیا میں اللہ کے داعی کی آواز پر اسی طرح سیدھے جھپٹتے تو وہاں کام آتا پر یہاں اپنی بدبختی اور کجروی سے ہمیشہ ٹیڑھی چال چلتے رہے۔ اور اس روز حق تعالیٰ کے خوف اور ہیبت کے مارے کسی کی اونچی آواز نہ نکل سکے گی سب کی آوازیں پست ہوں گی اور کوئی کچھ بولے گا بھی تو اس قدر آہستہ جیسے کانا پھوسی کرتے ہوں اور اس روز کسی کو کسی کی سفارش نفع نہ دے گی۔ بجز ایسے شخص کو کہ جس کی سفارش کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے شافعین کو اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے شافع کا بولنا پسند کرلیا ہو۔ اہل سنت کا اجماع ہے کہ قیامت کے دن فرشتے انبیاء اولیاء اور صلحائے امت شفاعت کریں گے مگر ان کی شفاعت بغیر اذن الٰہی کے نہ ہوگی اور یہ اجازت صرف کلمہ گو مومنین کے بارے میں ہوگی۔ کفار کے لئے سفارش کی کسی کو اجازت ہی نہ ہوگی۔ گویا منکرین کو یہ سنایا جارہا ہے کہ تم شفاعت اور سفارش سے بھی محروم رہو گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے سب اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ کس کو کس کے لئے شفاعت کا موقع دینا چاہئے۔ اگر کوئی مومن ابتدا ہی میں شفاعت کے لائق ہے تو اس کے لئے ابتدا ہی میں شفاعت کی اجازت ہوگی۔ اور اگر جہنم میں داخل ہونے کے بعد قابل شفاعت ہوگا تو دخول جہنم کے بعد اس کی شفاعت ہوگی اور اگر کسی کے دل میں ایمان ہی نہیں اور وہ قابل شفاعت ہی نہیں تو اس کی شفاعت مطلقاً نہ ہوگی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس روز بڑے بڑے سرکش متکبروں کے سر بھی علانیہ اسی حیی وقیوم کے سامنے ذلیل قیدیوں کی طرح جھکے ہوں گے جنہوں نے کبھی خدا کے آگے پیشانی نہ ٹیکی تھی۔ اس وقت بڑی عاجزی سے گردن جھکائے چلے آئیں گے۔ اخیر میں تمام اہل محشر کے فرق اور انجام کو ظاہر فرمایا جاتا ہے کہ ایسا شخص تو ہر طرح ناکام رہے گا جو ظلم یعنی شرک وکفر اور نافرمانی لے کر آیا ہوگا اور جس نے نیک کام کئے ہوں گے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا یعنی مومن ہوگا اور ساتھ ہی عمل صالح بھی ہوں گے تو اس کو کامل اجر وثواب ملے گا نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا نہ کمی کا یعنی اس کی کوئی نیکی نہ تو ضائع کی جائے گی اور نہ کسی نیکی کے اجر میں کمی کی جائے گی۔

یہاں بھی ظالموں اور مجرموں کے مقابلہ میں جو بشارت دی گئی ہے وہ نہ محض عمل صالح پر ہے اور نہ محض ایمان پر بلکہ دونوں کے مجموعہ پر یعنی اعمال صالحہ بھی ہوں اور ایمان بھی ہو ان کے لئے بشارت ہے کہ ان کو آخرت میں نہ بے انصافی کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔

میرے عزیزو اور بھائیو۔ آج اس دنیا کی زندگی میں ہم کو موقع حاصل ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذخیرہ بھی جمع کرلیں کہ جو کل قیامت میں ہم کو اس بشارت کا مصداق بنادے اس لئے ہم کو اس زندگی کی قدر کرنا چاہئے اور اسکو اصل مقصد میں لگانا چاہئے۔ کہ قیامت کی ناکامی نصیب نہ ہو۔ اور یہ بھی سمجھ لیجئے بلکہ یقین کرلیجئے کہ اعمال صالحہ کسی سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق وتائید ہی سے ممکن ہیں۔ اس لئے ہماری اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ عاجزانہ درخواست و دعا ہونی چاہئے کہ یا اللہ اپنی توفیق حسن ہمارے شامل حال فرمادے اور ہم کو اس دنیا کی زندگی میں اپنی مرضیات والے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمادے۔ یا اللہ ہم کو میدان حشر میں اپنے مطیعین اور مخلصین بندوں میں شامل ہو کر اپنے سامنے حاضر ہونا نصیب فرما۔ آمین۔

اب آگے نزول قرآن کی ایک اور حکمت بیان کی گئی ہے اور نزول وحی کے سلسلہ میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہدایت تلقین فرمائی جاتی ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی رحمت سے ایمان واسلام کے ساتھ ہم کو اعمال صالحہ کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اپنے فضل سے قیامت کے دن ہم کو اپنے ان بندوں میں شامل فرمائیں کہ جن کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ ڈر۔ یا اللہ ہمیں شافع محشر شفیع المذنبین رحمتہ للعالمین۔ سیدالانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شفاعت نصیب فرمایئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر بے حساب وکتاب جنت میں داخلہ نصیب فرمایئے۔

یا اللہ ہم کو آج اس زندگی میں آخرت کا فکر اور وہاں کی تیاری کی توفیق نصیب فرمادیجئے اور ہم سے اپنی مرضیات کے وہ اعمال صالحہ کرالیجئے کہ کل میدان حشر میں ہم کو عزت والی کامیابی وکامرانی نصیب ہوجائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ

اور ہم نے اسی طرح اس کو عربی قرآن کر کے نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تا کہ وہ لوگ ڈر جاویں یا یہ قرآن اُن کیلئے

يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى

کسی قدر سمجھ پیدا کر دے۔ سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے بڑا عالی شان ہے اور قرآن (پڑھنے) میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے عجلت نہ کیا کیجئے

اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

اور آپ یہ دُعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجئے۔

وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اس پر نازل کیا	قُرْاٰنًا قرآن	عَرَبِيًّا عربی	وَ اور	صَرَّفْنَا فِيْهِ ہم نے طرح طرح سے بیان کئے اس میں		
مِنَ سے	الْوَعِيْدِ ڈراوے	لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	يَتَّقُوْنَ پرہیزگار ہوجائیں	اَوْ يُحْدِثُ یا وہ پیدا کردے	لَهُمْ ان کیلئے	ذِكْرًا کوئی نصیحت	
فَتَعٰلَى اللّٰهُ سو بلند و برتر ہے اللہ	الْمَلِكُ بادشاہ	الْحَقُّ سچا	وَلَا اور نہ	تَعْجَلْ جلدی کرو	بِالْقُرْاٰنِ قرآن میں	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ کہ
يُّقْضٰى پوری کی جائے	اِلَيْكَ تمہاری طرف	وَحْيُهٗ اس کی وحی	وَقُلْ اور کہیے	رَّبِّ اے میرے رب	زِدْنِيْ زیادہ دے مجھے	عِلْمًا علم	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ قرآن کامل ضابطہ اصلاح۔ قانون ہدایت اور مکمل دستور العمل ہے۔ اس کے اندر فلاح دارین کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ یہ محض تذکرہ قصص نہیں ہے نہ تاریخ اقوام بیان کرنا اس کی غرض ہے۔ لیکن چونکہ اسلاف کے ہدایت آمیز یا عبرت انگیز واقعات بیان کرنے سے انسان کے خیالات و اعمال کی فطرۃً اصلاح ہوتی ہے۔ ہر شخص طبعاً خوگر ہے کہ نظیر و مثال اس کے سامنے پیش کی جائے اس لئے قرآن میں جابجا قصے و تاریخی واقعات مذکور ہیں۔ تو جس طرح گذشتہ تاریخی واقعات بیان کرنے سے اصل غرض ہدایت و اصلاح ہے اسی طرح قرآن کو عربی میں نازل کرنے اور آیات وعید کو بار بار لانے سے بھی مقصود ہدایات ہے چونکہ قرآن کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں اس لئے قرآن صاف زبان عربی میں نازل کیا گیا تا کہ وہ اس کو پڑھ کر خدا سے ڈریں اور بار بار آیات وعید لانے اور عذاب آخرت کا منظر پیش کرنے اور گذشتہ نافرمان قوموں کی تباہی کا تذکرہ کرنے سے اصل مدعا یہی ہے کہ قرآن سن کر لوگوں میں سمجھ پیدا ہو۔ نصیحت و عبرت حاصل کریں۔ طاعت کی طرف راغب ہوں اور معاصی کو ترک کریں اور انجام کاران میں گناہوں سے بچنے کا ملکہ پیدا ہو جائے اور وہ متقی بن جائیں۔ اور اتنا نہ ہو تو کم از کم لوگوں کے دلوں میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ سوچ تو پیدا ہو جائے ممکن ہے یہی سوچ اور غور و فکر آگے بڑھتے بڑھتے ہدایت پر لے آئے اور ان کے ذریعہ سے دوسروں کو بھی ہدایت ہو۔ سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے اور عالی شان ہے اس نے ایسا عظیم الشان قرآن اور نافع کلام نازل فرمایا اور اپنے بندوں کو ایسی سچی اور اچھی باتیں ان کے فائدے کے لئے بتائیں۔ اب چونکہ یہاں نزول قرآن کا ذکر ہو رہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت زبان مبارک سے کلمات وحی کی تکرار فرماتے جاتے تھے اور اس سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ کہیں آیات وحی آپ بھول نہ جائیں اور جو حکم الٰہی نازل ہو اس میں فراموشی کے سبب اس کی تعمیل و تبلیغ سے قاصر نہ رہ جائیں اس لئے یہاں ایک ادب قرآن کی تنزیل سے

متعلق جس کا تعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے ہے ارشاد فرمایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ جس وقت فرشتہ یعنی جبرئیل علیہ السلام وحی الٰہی پڑھ کر سنائیں تو آپ عجلت کر کے ان کے ساتھ ساتھ نہ پڑھنے لگا کریں کیونکہ اس میں آپ کو تکلیف ہوتی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام سے سننا اور ساتھ ساتھ اس کو پڑھنا۔ سو ایسا نہ کیجئے بلکہ پوری وحی نازل ہو چکے تو پھر اس کو پڑھئے اور اس بات کا اندیشہ نہ کیجئے کہ شاید یاد نہ رہے۔ یاد کرانا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور آپ بھی یاد ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دے اور قرآن کی اور زیادہ سمجھ اور بیش از بیش علوم و معارف عطا فرمائیے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث و مفسر دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں لکھا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام جب قرآن لاتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پڑھنے کے ساتھ آپ بھی پڑھنے لگتے کہ بھول نہ جاؤں۔ اس کے متعلق پہلے سورۂ قیامہ جو ۲۹ پارہ میں ہے ہدایت فرمائی گئی تھی۔ **لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه وقرانه فاذا قرانه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه** اسے یاد کرنے کی جلدی میں اپنی زبان کو بار بار حرکت نہ دیجئے۔ اسے یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے لہٰذا جب ہم اسے سنا رہے ہوں تو غور سے سنتے رہئے پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ اس طرح آپ کی تسلی کر دی گئی تھی کہ اس قرآن کو یاد رکھوانا اور لوگوں تک پہنچوانا ہمارے ذمہ ہے لیکن شاید آپ بھول گئے اس لئے پھر اس آیت میں تاکید فرمائی اور بھولنے پر آگے حضرت آدم علیہ السلام کی مثل بیان فرمائی اور رب زدنی علما کی دعا تلقین فرمائی۔

اب آگے حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی وہ دل عطا فرما دیں کہ جو قرآنی وعیدیں سن کر خوف الٰہی سے کانپ جائے۔ اور یہ خوف خداوندی ہمارے لئے تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے۔

یا اللہ ہم کو بھی دین کی سمجھ عطا فرما۔ اور قرآن پاک کا علم ذوق شوق اور فہم نصیب فرما۔

اور اس کے جملہ احکام پر ہم کو عمل پیرا ہونے کی ہدایت و توفیق نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا 9

اور اس سے پہلے ہم آدمؑ کو ایک حکم دے چکے تھے سو اُن سے غفلت ہوگئی ہم نے اُن میں پختگی نہ پائی۔ اور وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا

لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا

کہ آدمؑ کے سامنے سجدہ (تحیت) کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے اُس نے انکار کیا۔ پھر ہم نے کہا کہ اے آدمؑ (یاد رکھو) یہ بلاشبہ تمہارا اور تمہاری بی بی کا دشمن ہے سو کہیں تم دونوں کو

مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا

جنت سے نہ نکلوا دے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ ہے کہ تم نہ بھوکے رہو گے اور نہ ننگے ہو گے۔ اور نہ یہاں پیاسے ہو گے اور نہ

تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾

دھوپ میں تپو گے۔ پھر اُن کو شیطان نے بہکایا کہنے لگا اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی کا درخت بتلاؤں اور ایسی بادشاہی کہ جس میں کبھی ضعف نہ آوے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا اور ہم نے حکم بھیجا	اِلٰى طرف	اٰدَمَ آدمؑ	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	فَنَسِيَ تو وہ بھول گیا	وَلَمْ نَجِدْ اور ہم نے نہ پایا	لَهٗ اس میں		
عَزْمًا پختہ ارادہ	وَاِذْ اور جب	قُلْنَا ہم نے کہا	لِلْمَلٰٓئِكَةِ فرشتوں کو	اسْجُدُوْا تم سجدہ کرو	لِاٰدَمَ آدمؑ کو	فَسَجَدُوْا تو سب نے سجدہ کیا		
اِلَّا سوائے	اِبْلِيْسَ ابلیس	اَبٰى اس نے انکار کیا	فَقُلْنَا پس ہم نے کہا	يٰاٰدَمُ اے آدمؑ	اِنَّ بیشک	هٰذَا یہ	عَدُوٌّ دشمن	لَكَ تمہارا
وَلِزَوْجِكَ اور تمہاری بیوی کا	فَلَا سو تمہیں	يُخْرِجَنَّكُمَا نہ نکلوا دے	مِنَ الْجَنَّةِ جنت سے	فَتَشْقٰى پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ	اِنَّ بیشک			
لَكَ تمہارے لئے	اَلَّا تَجُوْعَ یہ کہ نہ بھوکے رہو	فِيْهَا اس میں	وَلَا اور نہ	تَعْرٰى ننگے	وَاَنَّكَ اور یہ کہ تم	لَا نہ	تَظْمَؤُا پیاسے رہو گے	
فِيْهَا اس میں	وَلَا تَضْحٰى اور نہ دھوپ میں رہو گے	فَوَسْوَسَ پھر وسوسہ ڈالا	اِلَيْهِ اسکی طرف	الشَّيْطٰنُ شیطان	قَالَ اسنے کہا	يٰاٰدَمُ اے آدمؑ		
هَلْ کیا	اَدُلُّكَ میں تیری رہنمائی کروں	عَلٰى پر	شَجَرَةِ درخت	الْخُلْدِ ہمیشگی	وَمُلْكٍ اور بادشاہت	لَا يَبْلٰى نہ پرانی ہو		

تفسیر و تشریح:- گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائی گئی تھی کہ بوقت نزول وحی آپ جو ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسی عجلت نہ کیا کریں بلکہ جس وقت تک وحی نازل ہوتی رہے اس وقت تک آپ صرف غور سے سنا کریں۔ اور اس کے بعد اسے پڑھا کریں اور آپ حق تعالیٰ سے مزید علم کی درخواست کرتے رہیں اور یہ کہتے رہیں کہ اے اللہ میرا علم اور بڑھا۔ تو اس دعا میں علم قرآن کی تحصیل۔ حفظ فہم سب ہی کچھ آ گیا۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس درخواست و دعاء کی اس وجہ سے ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک امر کی ہدایت کی تھی۔ اور وہ ہدایت یہ تھی کہ جنت میں ایک درخت کو معین کر کے بتلا دیا تھا کہ اس کے پھل کو نہ کھانا اور اس کے قریب بھی نہ جانا۔ باقی اور ساری جنت کی نعمتیں تمہارے لئے کھلی ہوئی ہیں۔ ان کو کھاتے پیتے رہو اور یہ بھی بتلا دیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس کے بہکانے میں نہ آ جانا مگر آدم علیہ السلام اس عہد کو بھول گئے اور شیطان کے قسم کھانے سے دھوکہ کھا گئے۔ اور ابلیس کے وسوسہ سے ان کا عزم سست پڑ گیا اور عہد کی پوری حفاظت نہ کر سکے اور ان سے غفلت اور بے احتیاطی ہو گئی۔

یہاں سے ثابت ہوا کہ علم بڑی ضروری چیز ہے کہ اس کے حصول کے

بعد اس کا نسیان بھی مضر ہے۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انسان خواہ کتنے ہی بڑے مرتبہ کا ہو اسے ہر وقت حق تعالیٰ کی مدد کی ضرورت ہے۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے ان مصالح کی بنا پر جو حضرت آدم علیہ السلام کے خروج از جنت سے وابستہ تھیں اور نیز دوسری حکمتوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اس لغزش سے حفاظت نہیں کی اور وہ اس میں مبتلا ہو گئے اور حق تعالیٰ اگر انہیں فوراً تنبیہ کر دیتے تو ضرور بچ جاتے اس لئے اوپر جو دعا تعلیم فرمائی گئی تھی۔ یعنی رب زدنی علما اس میں دونوں باتیں داخل ہیں یعنی جو علم حاصل نہ ہو وہ علم دینا بھی اور دیئے ہوئے علم میں سے اگر کسی بات سے بھول یا غفلت ہو جائے تو اس پر تنبیہ کر دینا بھی تو مقصود یہ ہوا کہ آپ اس دعا سے ایسی لغزش سے بھی محفوظ رہیں گے جیسے آدم علیہ السلام سے ہو گئی تھی آگے وہ قصہ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش کا مع اس کے نتائج کے بیان فرمایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو سب فرشتوں نے ایسا کیا اور حکم الٰہی فوراً بجا لائے۔ یہاں یہ سمجھ لیا جائے کہ فرشتوں کا یہ سجدہ کرنا سجدہ عبادت نہ تھا بلکہ سجدۂ تعظیم و تحیت تھا جو انبیائے سابقین کی شریعت میں جائز رہا۔ سجدۂ عبادت تو سوائے اللہ رب العزت کے کسی کے لئے بھی جائز نہیں۔ مگر خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں سجدۂ تعظیمی بھی منسوخ ہو گیا جیسے بہن بھائی کا نکاح حضرت آدمؑ کی شریعت میں جائز تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا۔ پس تمام ملائکہ نے حق تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں آدم علیہ السلام کو سجدۂ تعظیمی کیا بجز ابلیس کے کہ جو جنات میں سے تھا اور اپنی عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں شامل کر لیا گیا تھا اس نے سجدہ نہیں کیا اور صاف انکار کر دیا۔ جس پر وہ مردود ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہہ دیا کہ اے آدم یاد رکھو یہ بلاشبہ تمہارا اور تمہاری بی بی کا دشمن اس وجہ سے ہے کہ یہ تمہارے معاملہ میں مردود ہوا لہٰذا تم کو آئندہ اس سے ہوشیار رہنا چاہئے اور اس کے کسی مشورہ پر عمل نہ کرنا چاہئے تو دیکھو خبردار اس کے کہنے سے کوئی ایسا کام مت کر بیٹھنا کہ جنت سے باہر کئے جاؤ اور پھر مصیبت میں پڑو۔ یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ آرام ہے کہ نہ تم کبھی بھوکے ہوگے کہ اس سے تکلیف ہو یا اس کی تدبیر میں پریشانی ہو اور نہ ننگے ہوگے کہ کبھی کپڑا نہ ملے اور نہ پیاسے ہوگے اور نہ دھوپ اور گرمی میں تپو گے۔ بخلاف اس حالت کے کہ اگر یہاں سے نکلے تو یہ ساری مصیبتیں ہوں گی اس لئے ان امور کو پیش نظر رکھ کر خوب ہی ہوشیاری اور بیداری سے رہنا۔ اس کے بعد شیطان نے ان کو جھانسہ دیا اور بہکایا اور کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی کی خاصیت کا درخت بتلا دوں کہ اس کے کھانے سے ہمیشہ شاد و آباد رہو اور ایسی بادشاہی حاصل رہے کہ جس میں کبھی ضعف نہ آئے۔

آدم علیہ السلام کا قصہ اس سے پہلے سورۂ بقرہ۔ سورۂ اعراف۔ سورۂ حجر۔ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف میں گزر چکا ہے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے پھر دہرایا گیا ہے ہر جگہ موقع اور سلسلہ بیان کی مناسبت کے لحاظ سے قصہ کی تفصیلات مختلف طریقہ سے بیان کی گئی ہیں۔ قصہ کے جو اجزا موضوع بحث سے مناسبت رکھتے ہیں وہ اسی جگہ بیان ہوئے ہیں۔ غرض کہ آدم علیہ السلام کو آگاہ کر دیا گیا تھا کہ ابلیس جو تمہاری وجہ سے راندہ درگاہ ہوا ہے یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تم اس سے ہوشیار رہنا یہ تمہارے جنت سے نکالنے کی فکر میں لگا رہے گا پس ایسا کام نہ کرنا جس سے جنت سے تمہیں نکلنا پڑے اور پھر دنیا کی مشقتوں میں پڑ جاؤ اور بیوی بھی تمہارے ساتھ ہے اس کا بوجھ بھی تم پر پڑے گا۔ یہاں جنت میں تو کھانے پینے۔ غذا۔ قیام طعام لباس کے سب آرام تم کو حاصل ہیں۔ اگر یہاں سے نکالے گئے تو دنیاوی رزق اور غذا کے حصول کے لئے تم کو بڑی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ مگر شیطان ابلیس لعین تو ان حضرات کی گھات میں لگا ہوا تھا چنانچہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشہ جنت میں رہنے کا ذریعہ نہ بتلا دوں جس سے نہ تم کو کبھی موت آئے اور نہ تمہاری بادشاہت کو کبھی زوال ہوگا اور خدا کی جھوٹی قسم کھائی کہ خدا کی قسم اگر تم نے اس درخت سے کھا لیا تو تم کو جنت کا دوام اور ہمیشگی کا خلود حاصل ہو جائے گا۔ جب شیطان نے خدا کی قسم کھا کر حضرت آدم علیہ السلام سے یہ کہا تو ان کو شبہ بھی نہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کا نام لے کر کوئی جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کے قرب اور جنت کے دائمی عیش و عشرت کے شوق و رغبت نے اس ممانعت کو بھلا دیا اور ابلیس کے بہکانے سے اس ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا۔ پھر اس کا کیا انجام اور نتیجہ ہوا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰٓى

سو دونوں نے اس درخت سے کھالیا تو اُن دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے اور آدمؑ سے اپنے رب کا قصور ہوگیا

اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا

سو غلطی میں پڑ گئے۔ پھر اُن کو اُن کے رب نے مقبول بنالیا سو اُن پر توجہ فرمائی اور راہ پر قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں کے دونوں جنت سے اُترو (اور دنیا میں) ایسی حالت سے جاؤ

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾

کہ ایک کا دشمن ایک ہوگا، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو شخص میری اس ہدایت کا اتباع کرے گا تو وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) شقی ہوگا۔

فَاَكَلَا پس دونوں نے کھایا	مِنْهَا اس سے	فَبَدَتْ تو ظاہر ہوگئیں	لَهُمَا ان پر	سَوْاٰتُهُمَا ان کی شرم گاہیں	وَ اور	طَفِقَا يَخْصِفٰنِ وہ دونوں لگے جوڑنے	
عَلَيْهِمَا اپنے اوپر	مِنْ سے	وَرَقِ الْجَنَّةِ جنت کے پتے	وَعَصٰى اور نافرمانی کی	اٰدَمُ آدم	رَبَّهٗ اپنا رب	فَغَوٰى تو وہ بہک گیا	ثُمَّ پھر
اجْتَبٰهُ اس کو چن لیا	رَبُّهٗ اس کا رب	فَتَابَ توجہ فرمائی	عَلَيْهِ اس پر	وَهَدٰى اور اسے راہ دکھائی	قَالَ فرمایا	اهْبِطَا تم دونوں اتر جاؤ	
مِنْهَا یہاں سے	جَمِيْعًا سب	بَعْضُكُمْ تم میں سے بعض	لِبَعْضٍ بعض کے	عَدُوٌّ دشمن	فَاِمَّا پس اگر	يَاْتِيَنَّكُمْ تمہارے پاس آئے	
مِّنِّيْ میری طرف سے	هُدًى ہدایت	فَمَنِ تو جس نے	اتَّبَعَ پیروی کی	هُدَايَ میری ہدایت	فَلَا يَضِلُّ تو نہ وہ گمراہ ہوگا	وَ اور	لَا يَشْقٰى نہ بدبخت ہوگا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اس فہمائش کا ذکر تھا کہ جو حق تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام کو دی گئی تھی اور بتلا دیا گیا تھا کہ یہ ابلیس تمہارا اور تمہاری بیوی دونوں کا دشمن ہے۔ اس سے خبردار رہنا۔ کہیں اس کے کہنے میں آ کر مصیبت میں نہ پڑ جانا کہ جنت سے نکالے جاؤ۔ ابلیس جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی نہ کرنے کی وجہ سے مردود وملعون قرار دیا گیا تھا حضرت آدم علیہ السلام کا دشمن اور حاسد بنا ہوا تھا اور اسی فکر اور داؤ گھات میں لگا رہتا کہ کسی طرح حضرت آدم سے یہ دائمی عزت وراحت جو انہیں جنت میں حاصل تھی چھن جائے۔ شیطان آخر شیطان ہی تھا۔ اس نے آدم علیہ السلام کو بہکانا چاہا۔ اغوا کی اور کوئی صورت اسے نظر نہ آئی کیونکہ لالچ یا خوف دو ہی چیزیں ہیں جو اغوا کا سبب بن سکتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ہر طرح راحت حاصل تھی اس لئے لالچ نہیں دیا جاسکتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی عزت بھی تھی اس لئے کسی قسم کا ڈر اور بھی ناممکن تھا اس لئے ابلیس نے لالچ اور خوف دلانے کی بجائے ایک اور تدبیر نکالی۔ کوئی نعمت کتنی ہی بڑی ہو لیکن اس کے زوال اور فنا کا خیال آجاتا ہے تو لطف کرکرا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کا ناصح اور خیر خواہ بن کر آیا اور اللہ کے نام کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں آپ کو ایسے درخت کا پتہ بتائے دیتا ہوں کہ جس کے پھل میں یہ تاثیر ہے کہ آپ غیر فانی ہو جائیں گے اور ہمیشہ جنت میں مقیم رہیں گے۔ آپ کو دوامی زندگی۔ سرمدی عیش اور لازوال حکومت حاصل ہوگی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے بڑھ کر مقام قرب حق میں قیام کا حریص اور کون ہوسکتا تھا اور اس کا تو آپ تصور ہی نہیں فرماسکتے تھے کہ جھوٹی قسم کھا کر کوئی اللہ کے نام کی بے وقعتی بھی کرسکتا ہے اس لئے آپ اس کے کہے میں آگئے اور اس کے مشورہ کو اپنے اجتہاد میں رضائے حق ہی کی راہ کا ایک مشورہ سمجھے۔ اور حق تعالیٰ نے اس شجر ممنوعہ کی جو ممانعت فرمائی تھی اس کی تاویل کرلی ہوگی۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ امر ونہی کبھی تو تشریعاً ہوتے ہیں اور کبھی شفقۃً اور اس کو یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک تو ریل میں بدون ٹکٹ سفر کرنے کی ممانعت ہے یہ تو قانونی حیثیت رکھتی ہے اور ایک جو ریل کے ڈبوں میں لکھا ہوتا ہے کہ ”تھوکو مت۔ اس سے بیماری پھیلتی ہے“ یہ نہی شفقۃً ہے۔ اسی طرح خدا کے اوامر ونواہی بعض تشریعی ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والا قانونی مجرم سمجھا جاتا ہے۔ دوسرے وہ اوامر ونواہی ہیں جن کا منشا تشریع نہیں محض

شفقت ہے جیسا کہ طب نبوی وغیرہ کی بہت ہی احادیث میں علماء نے تصریح کی ہے۔ تو شاید حضرت آدم علیہ السلام نے اس ممنوعہ شجر سے پھل کھانے کی ممانعت کو نہی شفقت سمجھا اسی لئے ابلیس کی وسوسہ اندازی کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنے کو زیادہ بھاری خیال نہ کیا۔ مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کی چھوٹی سی لغزش بھی ان کے مرتبہ قرب کے لحاظ سے عظیم وثقیل بن جاتی ہے اسی لئے اپنی اس اجتہادی غلطی کا ظاہری نقصان اٹھانے کے علاوہ مدت دراز تک توبہ واستغفار میں مشغول گریہ وبکا رہے۔

الغرض ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس کے بہکانے سے دونوں یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نے اس درخت سے کھالیا جس سے ممانعت ہوئی تھی اور شیطان نے اس کو شجرۃ الخلد بتلایا تھا تو اس کے کھاتے ہی لباس بہشتی ان کے بدن سے اتر گیا تو اب جنت کے درختوں کے پتے اپنے جسم پر چپکانے لگے اور بدن کو ڈھانکنے لگے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے حکم الٰہی کے امتثال میں غفلت وکوتاہی ہوئی اور اپنی شان کے موافق عزم واستقامت کی راہ پر ثابت قدم نہ رہے۔ بہرحال حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے اور جیسا کہ سورۂ اعراف میں ذکر ہوا ہے دونوں نے عرض کیا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق بخشی اور پھر قبولیت سے نوازا اور بیش از بیش مہربانی سے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی خوشنودی کے راستہ پر قائم کردیا۔ اس طرح حق تعالیٰ نے نہ صرف اس غلطی کو معاف ہی کیا بلکہ آئندہ کے لئے راہ راست بھی بتائی اور اس پر چلنے کا طریقہ بھی سکھایا مگر ساتھ ہی یہ حکم ہوا کہ تم دونوں کے دونوں جنت سے نیچے اترو اور دنیا میں ایسی حالت سے جاؤ کہ تمہارے فرزندوں میں ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔ میں وہاں بھی تمہارے پاس یعنی بنی آدم میں احکام بھیجوں گا یعنی نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ سے دنیا میں اپنے احکام بھیجتا رہوں گا پس جو میری رہنمائی کا اتباع کرے گا تو وہ نہ جنت کے راستہ سے بہکے گا۔ نہ اس سے محروم ہوکر تکلیف اٹھائے گا جس وطن اصلی سے نکل کر آیا تھا بے کھٹکے پھر وہیں جا پہنچے گا۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام کا واقعہ بھی عجیب واقعہ ہے۔ ایک طرف خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو دوام راحت اور بقائے عیش وعزت کی ترغیب دی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ ابلیس تمہارا اور تمہاری بی بی کا دشمن ہے تو کہیں تم کو جنت سے نہ نکلوا دے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ دوسری طرف ابلیس نے بھی لازوال راحت اور غیر فانی عیش کا لالچ دیا۔ خدا تعالیٰ نے دوام عیش کو مقررہ درخت کا پھول نہ کھانے سے وابستہ کیا تھا اور شیطان نے بھی اسی شجر ممنوعہ کے پھل کھانے کو دائمی راحت ولازوال زندگی کے حصول کا سبب قرار دیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ ابلیس تمہارا قطعی دشمن ہے مگر آدمؑ اغوائے شیطانی میں آگئے۔ آدم علیہ السلام کا شیطان کی طرف جھک جانا اور حکم خدا کو بھول جانا دلالت کررہا ہے کہ تقدیر الٰہی تمام عالم میں جاری وساری ہے۔ کوئی مقدرات کو ٹالنے والا نہیں۔ علم کیسا ہی روشن ہو اور دلیل کیسی ہی واضح ہو لیکن اس سے کچھ نفع نہ ہوگا جب کہ اللہ نے اس کے خلاف مقدر کیا ہے اور ہر دانا کی دانائی اسی وقت مفید ہوگی جب تقدیر الٰہی میں نفع آفرینی موجود ہو۔" (تفسیر بیان السبحان)

یہی وجہ ہے کہ عارفین اور اولیاء اللہ مقدرات خداوندی سے لرزاں وترساں رہتے ہیں اور انجام کی کامیابی کے لئے عجز ونیاز سے درگاہ الٰہی میں دعا گو رہتے ہیں۔

الغرض حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کو حکم ہوا کہ اب جنت سے اتر کر نیچے دنیا میں جاؤ اور وہاں آباد ہو۔ اور اللہ کے جو احکام وہدایات دنیا میں پہنچیں ان کا اتباع کیا جائے۔ جو ایسا کرے گا وہ پھر اسی جنت میں آپہنچے گا۔ اب آگے ان کا حال اور انجام بیان فرمایا گیا ہے کہ جو دنیا میں احکام خداوندی کا اتباع نہیں کریں گے اور اس سے اعراض وانکار برتیں گے ان کا انجام دنیا اور آخرت میں کیسا ہوگا۔ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ

اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اُس کیلئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اُس کو اندھا کر کے (قبر) سے اُٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ اے میرے رب

لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ

آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو آنکھوں والا تھا۔ ارشاد ہوگا کہ ایسا ہی تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے تھے، پھر تو نے اُن کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسا ہی آج

تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ

تیرا کچھ خیال نہ کیا جاوے گا۔ اور اسی طرح اُس شخص کو ہم سزا دیں گے جو حد سے گذر جاوے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لاوے، اور واقعی آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت

وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ

اور بڑا دیرپا۔ کیا ان لوگوں کو اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی کہ ہم اُن سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر چکے ہیں کہ ان کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ بھی چلتے (پھرتے) ہیں،

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾

اس میں تو اہل فہم کیلئے دلائل موجود ہیں۔

وَمَنْ اور جس	اَعْرَضَ منہ موڑا	عَنْ سے	ذِكْرِيْ میرے ذکر	فَاِنَّ تو بیشک	لَهٗ اس کیلئے	مَعِيْشَةً گزران	ضَنْكًا تنگ
وَنَحْشُرُهٗ اور ہم اسے اٹھائیں گے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	اَعْمٰى اندھا	قَالَ وہ کہے گا	رَبِّ اے میرے رب	لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ تو نے مجھے کیوں اٹھایا		
اَعْمٰى اندھا	وَ اور	قَدْ كُنْتُ میں تو تھا	بَصِيْرًا دیکھتا	قَالَ وہ فرمائے گا	كَذٰلِكَ اسی طرح	اَتَتْكَ تیرے پاس آئیں	اٰيٰتُنَا ہماری آیات
فَنَسِيْتَهَا تو تو نے انہیں بھلا دیا	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	الْيَوْمَ آج	تُنْسٰى ہم تجھے بھلا دیں گے	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	نَجْزِيْ ہم بدلہ دیتے ہیں		
مَنْ جو	اَسْرَفَ حد سے نکل جائے	وَلَمْ يُؤْمِنْ اور نہ ایمان لائے	بِاٰيٰتِ آیتوں پر	رَبِّهٖ اپنا رب	وَلَعَذَابُ اور البتہ عذاب	الْاٰخِرَةِ آخرت	
اَشَدُّ شدید ترین	وَ اور	اَبْقٰى زیادہ دیر تک رہنے والا ہے	اَفَلَمْ يَهْدِ کیا ہدایت نہ دی	لَهُمْ انہیں	كَمْ کتنی ہی	اَهْلَكْنَا ہم نے ہلاک کر دیں	
قَبْلَهُمْ ان سے قبل	مِّنَ الْقُرُوْنِ قومیں	يَمْشُوْنَ وہ چلتے پھرتے ہیں	فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ان کے مساکن میں	اِنَّ بیشک	فِيْ میں	ذٰلِكَ اس	
لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں ہیں	لِّاُولِي النُّهٰى عقل والوں کیلئے						

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام جب اپنی غلطی پر ندامت اور شرمساری کے ساتھ توبہ استغفار کرتے ہوئے عفو و درگزر کے خواستگار ہوئے تو حق تعالیٰ نے ان کے عذر کو قبول فرما لیا اور معاف فرما دیا مگر تقاضائے حکمت یہ فیصلہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو سنایا گیا کہ تم کو اور تمہاری اولاد کو ایک معین وقت تک اب دنیا میں قیام کرنا ہوگا لہٰذا جنت سے نیچے دنیا میں جاؤ اور تمہارا دشمن ابلیس بھی اپنے تمام سامان عداوت کے ساتھ وہیں رہے گا۔ میں دنیا میں اپنے احکام بھیجتا رہوں گا پس جو میری رہنمائی کا اتباع کرے گا تو پھر وہ اپنے اصلی وطن یعنی جنت میں جا پہنچے گا اور اس سے محروم نہ ہوگا۔ اب آگے ان آیات میں پہلے گروہ کے مقابل احکام خداوندی سے اعراض اور انکار کرنے والوں کا حال اور انجام بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو شخص دنیا میں احکام خداوندی

سے اعراض وانکار کرے گا اور اللہ کی یاد سے غافل ہو کر محض دنیا ہی کی فانی زندگی کو قبلہ مقصود بنا بیٹھے گا تو دنیا میں اس کو معیشۃ ضنکا یعنی تنگی کا جینا نصیب ہوگا۔ یعنی اس کی زندگی مکدر اور قلبی سکون اور حقیقی اطمینان سے خالی ہوگی گو دیکھنے میں اس کے پاس بہت کچھ مال و دولت اور سامان عیش وعشرت نظر آئیں مگر اس کا دل قناعت وتوکل سے خالی ہونے کی بناء پر ہر وقت دنیا کی مزید حرص اور دنیا کی ترقی کی فکر اور کمی کے اندیشہ میں بے آرام رہتا ہے۔ کسی وقت ۹۹ کے پھیر سے قدم باہر نہیں نکلتا۔ موت اور زوال دولت کے خطرات الگ سو ہان روح رہتے ہیں بڑے بڑے دولت مندوں اور سرمایہ داروں کی خودکشی کر لینے کی خبریں جو آئے دن اخباروں میں چھپتی رہتی ہیں۔ سب اسی تنگی معیشت کے مظاہرہ ہیں۔ نصوص اور تجربہ اس پر شاہد ہیں کہ اس دنیا میں قلبی سکون اور حقیقی اطمینان کسی کو بدون یاد الٰہی اور ذکر الٰہی کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ بعض مفسرین نے یہاں آیت میں معیشۃ ضنکا کے معنی لئے ہیں وہ زندگی جس میں خیر داخل نہ ہوسکے گویا خیر کو اپنے اندر لینے سے تنگ ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ ایک کافر جو دنیا کے نشہ میں بدمست ہے اس کا سارا مال و دولت اور سامان عیش و عشرت آخر کار اس کے حق میں وبال بننے والا ہے۔ تو جس خوشحالی کا انجام چند روز کے بعد دائمی تباہی ہو اسے خوشحالی کہنا کہاں زیبا ہے۔ بعض مفسرین نے معیشۃ ضنکا سے قبر کی برزخی زندگی مراد لی ہے یعنی قیامت سے پہلے اس پر سخت تنگی کا دور آئے گا جب کہ قبر کی زمین بھی اس پر تنگ کر دی جائے گی۔ بہر حال معیشۃ ضنکا کے تحت میں یہ سب صورتیں داخل ہوسکتی ہیں۔ یہ تو انکار یا اعراض کا نتیجہ و حال قیامت سے پہلے دنیا یا برزخ میں ہوگا۔ اور قیامت میں آنکھوں سے اندھا کر کے محشر کی طرف لایا جائے گا اور دل کا بھی اندھا ہوگا کہ جہنم کے راستہ کے سوا کوئی راستہ اس کو نہ سوجھے گا۔ یہ ابتدائے حشر کا ذکر ہے پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی تا کہ جہنم اور اہوال محشر کا معائنہ کرے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکر اور کافر جو دنیا میں ظاہری آنکھیں رکھتا تھا تعجب سے سوال کرے گا کہ دنیا میں تو میں بینا تھا اب مجھ سے یہ آنکھیں کیوں چھین لی گئیں اس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے یہ دیا جائے گا کہ دنیا میں ہماری آیات دیکھ کر اور سن کر یقین نہ لایا۔ نہ ان پر عمل کیا۔ ایسا بھولا رہا کہ سب سنی ان سنی کر دی۔ آج اسی طرح تجھ کو بھلایا جا رہا ہے۔ جیسے وہاں حق سے اندھا بنا رہا تھا یہاں اسی کے مناسب سزا ملنے اور اندھا کر کے اٹھائے جانے پر تعجب کیوں ہے؟ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اسی طرح ہر مجرم کو اس کے مناسب حال سزا دی جائے گی اس لئے بڑی حماقت ہوگی کہ یہاں کی تکلیف سے گھبرائیں اور وہاں کے عذاب سے بچنے کی فکر نہ کریں۔ آگے اس وقت کے کفار مکہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر آخرت میں جو سزا انکار اور اعراض پر ملے گی اس پر یقین نہیں آتا تو کیا تاریخی واقعات سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے۔ انہی مکہ والوں کے آس پاس کتنی قومیں اپنے کفر وطغیان کی بدولت تباہ کی جاچکی ہیں جن کے افسانے لوگوں کی زبان پر باقی ہیں اور جن میں سے بعض کے کھنڈرات پر سفر کرتے ہوئے ان کا گزر بھی ہوتا ہے جنہیں دیکھ کر ان غارت شدہ قوموں کی یاد تازہ ہو جانا چاہئے کہ کس طرح وہ چلتے پھرتے اپنی جگہوں میں ہلاک کر دیئے گئے۔ اہل دانش کے لئے تو ان علامات کے اندر عبرت اندوزی کا کافی ذخیرہ ہے اس لئے عقلمند تو انجام کے عذاب سے ڈرتے اور راحت آخرت کی فکر کرتے ہیں اور آیات الٰہیہ سے منہ موڑ کر حماقت سے اس بات کے منتظر نہیں رہتے کہ عذاب آئے گا۔ آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب مانیں گے۔

اب جو کفار ومشرکین باوجود ہر طرح کے فہمائش اور دلائل قطعیہ کے اعراض اور انکار پر مصر رہتے ہیں اور عذاب الٰہی سے فوراً ہلاک نہیں کر دیئے جاتے تو اس کی وجہ و حکمت اور ان اعراض اور انکار کرنے والوں کے قول و فعل سے جو ایذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو پہنچتی تھی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اگلی آیات میں فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

اور اگر آپکے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے فرمائی ہوئی نہ ہوتی اور ایک میعاد معین نہ ہوتی تو عذاب لازمی طور پر ہوتا۔ سو آپ اُنکی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کیساتھ

رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۖ وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ

(اس کی) تسبیح کیجئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے اور اوقات شب میں (بھی) تسبیح کیا کیجئے اور دن کے اول و آخر میں تا کہ

لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

آپ (اُس سے) خوش ہوں۔ اور ہرگز اُن چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو اُن کی آزمائش کیلئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ (محض) دنیوی زندگی

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾

کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ بدرجہا بہتر ہے اور دیرپا ہے۔

وَلَوْ اور اگر	لَا كَلِمَةٌ نہ ہوتی ایک بات	سَبَقَتْ ہو چکی	مِنْ سے	رَبِّكَ تمہارا رب	لَكَانَ تو ضرور آجاتا	لِزَامًا عذاب	وَأَجَلٌ اور میعاد	
مُّسَمًّى مقرر	فَاصْبِرْ پس صبر کریں	عَلَىٰ پر	مَا يَقُولُونَ جو وہ کہتے ہیں	وَسَبِّحْ اور تسبیح کریں	بِحَمْدِ تعریف کیساتھ	رَبِّكَ اپنا رب	قَبْلَ پہلے	
طُلُوعِ الشَّمْسِ طلوع آفتاب	وَقَبْلَ اور پہلے	غُرُوبِهَا اس کے غروب	وَمِنْ اور کچھ	آنَاءِ اللَّيْلِ رات کی گھڑیاں	فَسَبِّحْ پس تسبیح کریں			
وَ اور	أَطْرَافَ کنارے	النَّهَارِ دن	لَعَلَّكَ تاکہ تم	تَرْضَىٰ خوش ہو جاؤ	وَ اور	لَا تَمُدَّنَّ نہ پھیلانا	عَيْنَيْكَ اپنی آنکھیں	إِلَىٰ طرف
مَا مَتَّعْنَا جو ہم نے برتنے کو دیا	بِهِ اس سے	أَزْوَاجًا جوڑے	مِّنْهُمْ اُن سے	زَهْرَةَ آرائش	الْحَيَاةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی			
	لِنَفْتِنَهُمْ تاکہ ہم انہیں آزمائیں	فِيهِ اس میں	وَرِزْقُ اور عطیہ	رَبِّكَ تیرا رب	خَيْرٌ بہتر	وَأَبْقَىٰ اور تادیر رہنے والا		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ یا اس وقت کے منکرین قرآن کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ آخرت میں جو سزا انکار و اعراض پر ملے گی اگر ان کو اس پر یقین نہیں آتا تو کیا تاریخی واقعات سے بھی یہ سبق حاصل نہیں کرتے۔ انہیں مکہ والوں کے آس پاس کتنی قومیں اپنے کفر و طغیان کی بدولت ہلاک کی جا چکی ہیں جن کی تباہی و بربادی کے قصے یہ کفار مکہ سن چکے ہیں اور ان تباہ شدہ قوموں کی بستیوں کے کھنڈرات پر سے سفر میں آتے جاتے رہتے ہیں پھر بھی ان کے انجام سے یہ عبرت حاصل نہیں کرتے۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان کے کفر و شرک۔ اعراض و انکار کا اقتضاء تو یہی ہے کہ ان پر عذاب فی الفور آ جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی بعض حکمتوں اور مصلحتوں سے اس کے لئے ایک خاص وقت مقرر ہو چکا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو ابھی ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے اس کی دی ہوئی مہلت کے دوران میں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار اور منکرین جو کچھ بھی کہیں یا آپ کے ساتھ کریں اس کو آپ صبر کے ساتھ برداشت کریں اور ان کی تمام تلخ اور ترش باتیں سنتے ہوئے اپنا فریضہ تبلیغ و تذکیر انجام دیتے رہیں۔

واضح رہے کہ اس سورۃ کا زمانہ نزول وہ وقت ہے جبکہ مکہ میں کفار مکہ اسلام کو دبانے اور ناکام بنانے میں ہر حربہ استعمال کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو ڈرانا۔ دھمکانا ہر ممکن طرح سے تنگ کرنا اور ظلم و ستم مار پیٹ کسی طرح سے بھی گریز نہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برے برے کلمات سے یاد کرتے تھے۔ کوئی آپ کو معاذ اللہ ساحر کہتا۔ کوئی شاعر کہتا۔ کوئی مجنون کہتا اور کوئی

کاہن کہتا۔اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین اہل ایمان کو سمجھایا جاتا ہے کہ ان منکرین حق کے معاملہ میں صبرو استقامت سے کام لیں۔ خدا کا قاعدہ ہے کہ وہ کسی قوم کو اس کے کفروانکار پر فوراً نہیں پکڑ لیتا بلکہ سوچنے اور سمجھنے کے لئے کافی مہلت اور موقع دیتا ہے لہٰذا گھبرائیں نہیں۔ صبر کے ساتھ ان منکرین کی زیادتیاں برداشت کئے چلے جائیں اور نصیحت کا حق ادا کرتے رہیں اور صبروسکون سے آخری نتیجہ کا انتظار کرتے رہیں۔

آگے ہدایت دی جاتی ہے کہ تحمل اور برداشت اور صبر کی طاقت آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو نماز سے ملے گی جن کو اپنے اوقات میں پابندی سے ادا کرنا چاہئے۔ پھر نماز کے اوقات کی طرف اشارہ فرمایا گیا یعنی سورج نکلنے سے پہلے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے۔ اور رات کے اوقات میں اور دن کے کناروں پر بھی۔ دن کے کنارہ تین ہی ہوسکتے ہیں ایک کنارہ صبح ہے۔ دوسرا کنارہ زوال آفتاب اور تیسرا کنارہ شام تو مطلب یہ کہ آپ اپنی توجہ معبود حقیقی کی طرف رکھئے۔ ان منکرین کی طرف سے فکر نہ کیجئے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جو آرائش حیاۃ اور دنیوی ساز وسامان ہم نے ان طرح طرح کے کافروں کو مثلاً یہود۔ نصاریٰ۔ مشرکین۔ مجوس وغیرہ وغیرہ کو دیئے ہیں ان کی طرف آپ کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جیسے اب تک نہیں دیکھا۔ یہ محض چند روزہ بہار ہے جس کے ذریعہ سے ہم ان کا امتحان کرتے ہیں کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو عظیم الشان دولت حق تعالیٰ نے آپ کو عنایت کی ہے مثلاً قرآن کریم منصب نبوت و رسالت۔ اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب اس کے سامنے ان فانی اور حقیر سامانوں کی کیا حقیقت ہے۔ آپ کے حصہ میں جو دولت آئی وہ ان دولتوں سے کہیں بہتر ہے اور وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ بہرحال آپ نہ ان کی تکذیب واعراض سے مضطرب ہوں نہ ان کے ساز وسامان مال ودولت کی طرف نظر التفات اٹھائیں۔

یہاں ان آیات میں ایک عام تعلیم دشمنوں کی ایذاؤں سے بچنے کی دی گئی ہے یعنی قرآن کریم نے اس جگہ مخالفوں کی ایذاؤں کا علاج دو چیزوں سے بتلایا۔

اول **فاصبر علی مایقولون** سے یعنی ان کے کہنے کی طرف التفات نہ کیا جائے بلکہ صبر وبرداشت سے کام لیا جائے

دوسری چیز **وسبح بحمد ربک** میں فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوجانا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس موقع پر اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ”دشمنوں سے تو اس دنیا میں کسی چھوٹے بڑے اچھے برے انسان کو نجات نہیں۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ہوتا ہے۔ اور دشمن کتنا ہی حقیر وضعیف ہو اپنے مخالف کو کچھ نہ کچھ ایذا پہنچا دیتا ہے۔ زبانی گالی گلوچ ہی سہی۔ سامنے ہمت نہ ہو تو پیچھے ہی سہی اس لئے دشمن کی ایذاؤں سے بچنے کی فکر ہر شخص کو ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس کا بہترین اور کامیاب نسخہ دو چیزوں سے مرکب بیان فرمایا ہے اول صبر یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور انتقام کی فکر میں نہ پڑنا دوسرے اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت میں مشغول ہوجانا۔ تجربہ شاہد ہے کہ صرف یہی نسخہ ہے جس سے مخالفین کی ایذاؤں سے نجات مل سکتی ہے ورنہ انتقام کی فکر میں پڑنے والا کتنا ہی قوی۔ بڑا اور صاحب اقتدار ہو بسا اوقات مخالف سے انتقام لینے پر قادر نہیں ہوتا اور یہ فکر انتقام ایک مستقل عذاب اس کے لئے بن جاتا ہے۔ اور جب انسان کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہوجائے اور وہ دھیان یہ کرے کہ اس دنیا میں کوئی کسی کو کسی طرح کا نقصان یا ایذا بغیر مشیت خداوندی کے نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تعالیٰ کے اعمال وافعال سب حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے جو صورت پیش آئی ہے اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی تو مخالف کی ایذاؤں سے پیدا ہونے والا غیض وغضب خود بخود کافور ہوجاتا ہے اسی لئے آیت کے آخر میں فرمایا **لعلک ترضیٰ** یعنی اس تدبیر سے آپ راضی خوشی بسر کرسکیں گے۔“ (معارف القرآن)

اللہ تعالیٰ ان قرآنی تعلیمات پر ہم کو بھی عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب چونکہ یہ سورۃ خاتمہ کے قریب ہے اس لئے آگے بعض ہدایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جاتی ہیں اور کفار ومشرکین مخالفین کو آخری فیصلہ کی بات سنائی جاتی ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾

اور اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے، ہم آپ سے معاش (کموانا) نہیں چاہتے معاش تو آپ کو ہم دیں گے، اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّآ

اور وہ لوگ (عناداً) یوں کہتے ہیں کہ یہ (رسول) ہمارے پاس کوئی نشانی (اپنی نبوت کی) کیوں نہیں لاتے (جواب یہ ہے کہ) کیا اُن کے پاس پہلی کتابوں کے مضامین کا ظہور نہیں پہنچا۔ اور اگر ہم

اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ

اُن کو قبل قرآن آنے کے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ یوں کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم آپ کے احکام پر چلتے قبل اسکے

اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ

کہ ہم بے قدر ہوں اور رُسوا ہوں۔ آپ کہدیجئے کہ (ہم) سب انتظار کر رہے ہیں سو (چندے) اور انتظار کر لو اب عنقریب تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ راہ راست والے کون ہیں

وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع

اور وہ کون ہے جو (منزل) مقصود تک پہنچا۔

وَاْمُرْ اور حکم دو تم	اَهْلَكَ اپنے گھر والے	بِالصَّلٰوةِ نماز کا	وَاصْطَبِرْ اور قائم رہو	عَلَيْهَا اس پر	لَا نَسْـَٔلُكَ ہم تجھ سے نہیں مانگتے		
رِزْقًا رزق	نَحْنُ ہم	نَرْزُقُكَ تجھے رزق دیتے ہیں	وَالْعَاقِبَةُ اور انجام	لِلتَّقْوٰى اہل تقویٰ کیلئے	وَقَالُوْا اور وہ کہتے ہیں		
لَوْ کیوں	لَا يَاْتِيْنَا نہیں لاتے	بِاٰيَةٍ کوئی نشانی	مِنْ سے	رَّبِّهٖ اپنا رب	اَوَ کیا	لَمْ تَاْتِهِمْ انکے پاس نہیں آئی	بَيِّنَةُ واضح نشانی
مَا جو	فِي میں	الصُّحُفِ صحیفے	الْاُوْلٰى پہلے	وَلَوْ اور اگر	اَنَّا ہم	اَهْلَكْنٰهُمْ انہیں ہلاک کردیتے	بِعَذَابٍ کسی عذاب سے
مِنْ قَبْلِهٖ اس سے قبل	لَقَالُوْا تو وہ کہتے	رَبَّنَا لَوْ اے ہمارے رب کیوں	لَآ اَرْسَلْتَ تو نے نہ بھیجا	اِلَيْنَا ہماری طرف	رَسُوْلًا کوئی رسول		
فَنَتَّبِعَ تو ہم پیروی کرتے	اٰيٰتِكَ تیرے احکام	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ نَّذِلَّ کہ ہم ذلیل ہوں	وَنَخْزٰى اور ہم رسوا ہوں	قُلْ آپ کہدیں		
كُلٌّ سب	مُّتَرَبِّصٌ منتظر ہیں	فَتَرَبَّصُوْا پس تم انتظار کرو	فَسَتَعْلَمُوْنَ سو عنقریب تم جان لوگے	مَنْ کون	اَصْحٰبُ والے	الصِّرَاطِ راستہ	
السَّوِيِّ سیدھا	وَمَنِ اور کون	اهْتَدٰى اس نے ہدایت پائی					

تفسیر و تشریح:۔ یہ سورۃ طٰہٰ کی آخری آیات ہیں جس پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے۔ گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرین کی کفر آمیز باتوں پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی گئی تھی اور صبر و سکون حاصل کرنے کے لئے شب و روز معبود حقیقی کی حمد و ثنا تسبیح و تقدیس جس میں نماز بھی آ گئی کی تاکید فرمائی گئی تھی۔ اب آگے ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ اپنے متعلقین یعنی اہل خانہ و خاندان اور اپنے متبعین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیئے اور خود بھی اس کے پابند رہیئے چنانچہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے آپ نے فرمایا کہ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو عادت ڈالنے کے لئے نماز پڑھواؤ اور جب دس برس کا ہو تو مار کر پڑھواؤ۔ غرض کہ اللہ عزوجل کی یاد تازہ رکھنے کے لئے مقررہ اوقات پر اس کے دربار میں بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق حاضر ہو جانے کی ہدایت تمام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ آپ کے گھر والوں کو اور آپ کے تمام متبعین کو فرمائی گئی۔ اب دربار خداوندی میں اس بار بار کی

حاضری اور جملہ مقررہ اوقات میں عبادت کے التزام سے ہوسکتا تھا کہ ایک انسان جو طلب معاش میں سرگرداں ہو اس کو ضیق پیش آئے کہ نماز پڑھے۔ دینی ہدایت پر عمل کرے یا اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے روزی کمائے جیسا کہ آج کل بھی بعض لوگ ظہر کی نماز خصوصاً جماعت کے لئے۔ دفتر یا ملازمت کا عذر اور عصر۔ مغرب وعشا کے لئے دوسری مشغولیتوں کا عذر پیش کر دیا کرتے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ رزاق تم نہیں۔ ہم ہیں تم سے کسی کے لئے رزق کی طلب ہم نہیں کرتے۔ اس لئے طلب معاش میں سرگرداں رہ کر ضروری عبادات یعنی فرائض وواجبات کو ترک کرنا کسی طرح روا نہیں۔

یہاں آیت میں لانسئلک رزقا ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے کے تحت حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''مقصود اصلی اکتساب یعنی کسب معاش نہیں بلکہ دین اور طاعت ہیں۔ اکتساب کی اسی حالت میں اجازت یا امر ہے کہ ضروری طاعات میں وہ مخل نہ ہو'' تو دنیا میں جیسا کہ مالک اپنے غلاموں سے روزی کمواتے ہیں حق تعالیٰ اپنے بندوں سے اپنی بندگی چاہتے ہیں اور وہ بندوں کو روزی وہ خود دیتے ہیں اسی لئے اگر فرض نماز اور کسب معاش میں تعارض ہو تو اللہ تعالیٰ اجازت نہیں دیتے کہ کسب معاش کے مقابلہ میں نماز کو ترک کرو۔ نماز بہر حال ادا کرنی ہے۔ روزی پہنچانے والا وہی خدا ہے جس کی نماز پڑھتے ہو۔ تم اس کے حکم کی تعمیل میں سرگرم رہو گے وہ تم کو رزق دے گا۔ اور اگر بالفرض شب وروز کی سرگردانی اور ہمہ وقت کی دوڑ دھوپ کے بعد بکثرت مال جمع بھی کر لیا تو بیکار ہے۔ انجام میں کسی کام نہ آئے گا کیونکہ دنیا اور دین کی پائیدار فلاح تو تقویٰ اور پرہیزگاری سے وابستہ ہے نہ کہ مال ودولت سے اہل تقویٰ ہی کا انجام بخیر اور بہتر ہوتا ہے۔ تو اوپر بھی منکرین حق اور قرآن اور رسول سے انکار اور اعراض کرنے والوں سے متعلق مضمون بیان ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین وتسلی دی گئی تھی اب اخیر میں خاتمہ سورۃ پر کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایک اعتراض نقل فرما کر اس کا جواب دیا جاتا ہے اور اسی پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی خود معجزہ تھی اور نشان قدرت تھی مگر کور بصیرت کافروں کو حق نظر نہ آتا تھا اس لئے آپ سے مزید معجزہ کے طلبگار ہوتے اور کہتے کہ آپ کوئی کھلی نشانی اپنے رسول ہونے کی کیوں نہیں دکھلاتے جس کے بعد ہم کو انکار کی گنجائش ہی نہ رہے ورنہ اس روز کے ڈراوے دھمکاوے سے کیا فائدہ۔ اس کا جواب حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا اور سینکڑوں نشانات کے علاوہ سب سے بڑا عظیم الشان نشان یہ قرآن ان کے پاس نہیں آچکا جو اگلی کتابوں کے ضروری مضامین کا محافظ اور ان کی صداقت کے لئے بطور حجت اور گواہ کے ہے اور جس کا معجزہ ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہے تو قرآن جیسا عظیم الشان نشان دیکھنے کے بعد تو یہ کفار کہتے ہیں کہ اور کوئی نشان کیوں نہیں لاتے اور فرض کرو ہم یہ نشان نہ دکھاتے یعنی قرآن نازل نہ کرتے اور ان کفار کے کفر وشرک پر کتاب اور رسول بھیجنے سے پہلے ہی ان کو سزا میں پکڑ لیتے تو پھر یہ کہتے کہ سزا دینے سے پیشتر ہمارے پاس کوئی کتاب اور سمجھانے والا تو بھیجنا تھا کہ ہم کو ذلت اور رسوائی اٹھانے سے قبل آگاہ کر دیتا اور ہم اس کے کہنے پر خوب چلتے۔ غرض قرآن نہ آتا تو یہ کفار یوں کہتے اور اب آیا تو اسے چھوڑ کر دوسری من گھڑت نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ ان کا مقصود ہدایت حاصل کرنا ہی نہیں فضول حیلے بہانے تراشتے رہتے ہیں سو خیر ان سے کہہ دیجئے کہ ہم اور تم دونوں انتظار کرتے ہیں کہ عنقریب پردۂ غیب سے کیسا مستقبل سامنے آتا ہے۔ اس وقت سب حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ کس جماعت کا راستہ سیدھا ہے اور کون اس راستہ پر ٹھیک چل رہا ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے اور اس کا نزول ایسے وقت میں ہوا تھا جبکہ سرزمین عرب میں کفار ومشرکین کا تسلط تھا۔ اور اسلام اور متبعین اسلام کے لئے نہایت سخت اور کٹھن صبر آزما زمانہ تھا۔ کفار مکہ نے اہل اسلام پر ہر طرح کے ظلم وستم روا کر رکھے تھے اور اسلام کے مٹانے اور ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ مگر چند سال ہی کے عرصہ کے بعد دنیا نے حق وباطل کے فیصلہ کا انجام دیکھ لیا کہ کفر وشرک اور بت پرستی نہ صرف مکہ بلکہ جزیرۂ نما عرب سے ہمیشہ کے لئے کس طرح مٹ گئی اور اسلام کو سرزمین عرب میں کیسا غلبہ نصیب ہوا۔ الحمد للہ کہ سورۃ طٰہٰ کا بیان اس درس پر ختم ہو گیا اور ساتھ ہی سولہواں پارہ قال الم بھی پورا ہوا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَاۗءِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّاِثْنَا عَشَرَۃَ اٰیَۃً وَّسَبْعُ رُکُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ وَھُمْ فِیْ غَفْلَۃٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱

ان لوگوں سے اُن کا حساب نزدیک آپہنچا اور یہ غفلت میں ہیں اعراض کئے ہوئے ہیں۔

اِقْتَرَبَ قریب آگیا	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	حِسَابُھُمْ ان کا حساب	وَھُمْ اور وہ	فِیْ غَفْلَۃٍ غفلت میں	مُّعْرِضُوْنَ مُنہ پھیر رہے ہیں

الحمدللہ اب سترہویں پارہ کی ابتداء سے سورۃ الانبیاء کا بیان شروع ہورہا ہے۔ اِس وقت اِس سورۃ کی صرف ایک آیت کی تشریح کی جائے گی۔ تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ مقامِ نزول۔ خلاصہ مضامین۔ تعداد آیات۔ رکوعات۔ کلمات و حروف وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں مسلسل متعدد انبیاء کا ذکر آیا ہے اس لئے اس کا نام بطور علامت سورۃ الانبیاء رکھ دیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور مکہ کے درمیانی زمانہ میں نازل ہوئی۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی اکیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۶۵ لکھا ہے یعنی ۶۴ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہوچکی تھیں اور ۲۵ سورتیں اس کے بعد ہجرت سے قبل نازل ہوئیں۔ اور پھر ۲۴ سورتیں ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۷ رکوعات ۱۱۲ آیات ۱۱۸۷ کلمات اور ۵۱۵۴ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ مثل دیگر مکی سورتوں کے اس میں بیشتر توحید۔ نبوت اور عالم آخرت کے دلائل اور ثبوت اور ۱۷ انبیاء علیہم السلام کے عبرت انگیز تذکرے فرمائے گئے ہیں کہ اُنہوں نے کس طرح دین حق کی تبلیغ کی اور اس کی دعوت دی اور منکرین کفار نے ان کو کس طرح ایذائیں دیں اور اُنہوں نے کافروں کی ایذاؤں پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اُن کو کامیاب فرمایا اور اُن کے دشمنوں کا کیسا عبرت خیز انجام ہوا۔

اِس سورۃ میں خاص طور پر حسب ذیل امور زیر بحث آئے ہیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار مکہ اور مشرکین عرب کو جو غلط فہمیاں تھیں ان کا بڑی تفصیل سے رد کیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم پر کفار جو اعتراضات کیا کرتے تھے اس کا جواب دیا گیا ہے۔

۳۔ مکذبین و منکرین دین حق کی تباہی و بربادی کے عبرتناک واقعات سے کفار مکہ کو ڈرایا گیا ہے۔

۴۔ شرک کی تردید میں اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کے غلط عقیدہ کا پرزور رد فرمایا گیا ہے۔

۵۔ انسانی جبلت کا بیان کہ آدمی جلدی کا بنا ہوا ہے اس لئے وہ یوں چاہتا ہے کہ جو کچھ ہونا ہے ابھی ہوجائے۔ اس پر منکرین کو تنبیہ کہ جلدی نہ مچاؤ۔ ذرا وقت آنے دو پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔

۶۔ انبیاء کے ساتھ منکرین کے استہزاء کا انجام کہ عذابِ الٰہی سے بچنا ممکن نہیں۔

۷۔ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات و حالات کا تذکرہ جس سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ سارے انبیاء کرام انسان ہی تھے۔ فرشتے نہ تھے اور تمام انبیاء کی اصل دین یہی اسلام تھا جو اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کررہے ہیں۔ اخیر میں بتلایا گیا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کے لئے رحمت ہیں اور اب انسانوں کی نجات کا انحصار آپ کی پیروی اختیار کرنے پر ہے۔ جو اسے پوری طرح قبول کریں گے وہی خدا کی آخری عدالت سے کامیاب نکلیں گے۔ اور جو لوگ اسے رد کر دیں گے وہ آخرت میں بدترین انجام سے دوچار ہوں گے۔ ان امور کی تفصیلات انشاءاللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

خلاصہ یہ کہ اس سورت میں انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے مضامین ہیں۔

انسان دنیا کے دھندوں میں اس طرح پھنسا ہوا ہے کہ گویا اُسے ہمیشہ یہیں رہنا ہے وہ دوسروں کو مرتے دیکھتا ہے تو شاید اسے کچھ خیال آتا ہو کہ ایک دن اسے بھی مرنا پڑے گا مگر واہ رے غفلت کہ دنیا کے مزے۔ مال و دولت۔ قوت و طاقت۔ یار دوست اور سامانِ عیش و عشرت کے سامنے اسے یہ سوجھتا ہی نہیں کہ جو سیکنڈ بھی گزرتا ہے اسے موت کے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس سورۃ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ، لوگوں کو متنبہ فرما رہے ہیں کہ قیامت قریب آ گئی ہے حساب کتاب کی گھڑی سر پر کھڑی ہے لیکن لوگ یعنی کفار ومشرکین سخت غفلت اور جہالت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کوئی تیاری قیامت کی جواب دہی کے لئے نہیں کرتے اور جب آیات اللہ سنا کر خوابِ غفلت سے چونکائے جاتے ہیں تو نصیحت سنکر نہایت لاپروائی کے ساتھ ٹال دیتے ہیں گویا اُن کو کبھی خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہونا اور حساب دینا ہی نہیں۔

اِسی مضمون کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اپنی دو انگلیاں کھڑی کر کے ارشاد فرمایا کہ میں ایسے وقت پر مبعوث کیا گیا ہوں کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں۔ یعنی میرے بعد قیامت ہی ہے۔ کوئی اور نبی آنے والا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور قیامت کی سب سے پہلی نشانی ہے تو معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس بات کی علامت ہے کہ نوعِ انسانی کی تاریخ اب اپنے آخری دَور میں داخل ہو چکی ہے۔ آغاز اور وسط کے مرحلے گزر چکے ہیں اور اب آخری مرحلہ شروع ہو چکا ہے، جس کا خاتمہ قیامت ہی پر ہونا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں منکرین کی حالت بیان فرمائی گئی کہ اعمال کے حساب کا وقت نزدیک آ لگا ہے مگر یہ کسی تنبیہ کی طرف توجہ نہیں کرتے نہ خود سوچتے ہیں کہ ہمارا انجام کیا ہونا ہے اور نہ پیغمبر آخرالزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنتے ہیں جو انہیں بار بار خبردار کر رہے ہیں اور واضح کر رہے ہیں کہ جو شخص مر گیا اسکی قیامت تو ابھی قائم ہوگئی اور اس معنی کے اعتبار سے حساب کا وقت قریب ہونا تو بالکل ہی واضح ہے۔ حاصل کلام یہ کہ موت سر پر کھڑی ہے حساب کا وقت قریب آ لگا ہے مگر لوگ خواب غفلت میں سرشار ہیں۔ اُس وقت کی کوئی تیاری نہیں کر رہے۔

آگے کفار مکہ اور منکرین اسلام کے متعلق مزید اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے، جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں پر سے غفلت کے پردے دور فرماویں اور ہمہ وقت ہم کو آخرت کا فکر اور وہاں کی تیاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایات پر ہم کو دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور نصیحت کو سن کر لاپروائی سے ٹال دینا جو منکرین کی خصلت ہے اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں کامل طور پر بچاویں اور ہماری دنیا کی زندگی کا ہر لمحہ آخرت کی تیاری میں خرچ ہونا نصیب فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝٢ لَاهِيَةً

اُن کے پاس اُن کے رب کی طرف سے جو نصیحت تازہ آتی ہے یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہیں۔اُن کے دِل متوجہ نہیں ہوتے۔

قُلُوبُهُمْ ۗ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ أَفَتَأْتُونَ

اور یہ لوگ یعنی ظالم لوگ چپکے چپکے سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) محض تم جیسے ایک آدمی ہیں تو کیا تم پھر بھی

السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ۝٣ قَالَ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

جادو کی بات سننے کو جاؤ گے حالانکہ تم جانتے ہو۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو آسمان میں اور زمین میں جانتا ہے

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝٤

اور وہ خوب سُننے والا خوب جاننے والا ہے۔

مَا يَاْتِيْهِمْ انکے پاس نہیں آتی	مِنْ ذِكْرٍ کوئی نصیحت	مِنْ رَّبِّهِمْ ان کے رب سے	مُّحْدَثٍ نئی	اِلَّا مگر	اِسْتَمَعُوْهُ وہ اسے سنتے ہیں	
وَهُمْ اور وہ	يَلْعَبُوْنَ کھیلتے ہیں کھیلتے ہوئے	لَاهِيَةً غفلت میں ہیں	قُلُوْبُهُمْ ان کے دل	وَاَسَرُّوا اور چپکے چپکے بات کی	النَّجْوٰى سرگوشی	
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا	هَلْ کیا	هٰذَا یہ	اِلَّا مگر	بَشَرٌ ایک بشر	مِّثْلُكُمْ تم ہی جیسا	اَفَتَاْتُوْنَ کیا پس تم آؤ گے
السِّحْرَ جادو	وَاَنْتُمْ اور تم	تُبْصِرُوْنَ دیکھتے ہو	قٰلَ آپ نے فرمایا	رَبِّيْ میرا رب	يَعْلَمُ جانتا ہے	الْقَوْلَ بات
	فِي السَّمَآءِ آسمان میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَهُوَ اور وہ	السَّمِيْعُ سننے والے	الْعَلِيْمُ جاننے والے	

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ ابتدائی آیت میں حق تعالیٰ نے منکرین کی حالت کو ظاہر فرمایا تھا کہ حساب کتاب کی گھڑی یعنی قیامت کا دن نزدیک آ گیا لیکن یہ لوگ سخت غفلت وجہالت میں پھنسے ہوئے ہیں۔کوئی تیاری قیامت کی جوابدہی کے لئے نہیں کرتے اور جب خدائی پیغام اور آیات اللہ سنا کر غفلت سے چونکائے جاتے ہیں تو نصیحت سن کر نہایت لاپروائی کے ساتھ ٹال دیتے ہیں۔انہی منکرین کی حالت اب ان آیات میں بھی بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ قرآن کی بڑی بیش قیمت نصیحتوں کو محض ایک کھیل تماشہ کی حیثیت سے سنتے ہیں۔اگر سچائی کے ساتھ غور کرتے تو دین ودنیا کی ہر طرح کی ہدایت ملتی لیکن جب دل ہی ادھر سے غافل ہیں اور کھیل تماشہ میں پڑے ہیں تو غور کرنے کی نوبت کہاں سے آئے اور جب قرآنی نصیحتیں سنتے سنتے تنگ آ گئے تو ان ظالموں نے خفیہ میٹنگ کر کے قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہنا شروع کیا کہ یہ پیغمبر تو ہمارے جیسے ایک آدمی ہیں۔نہ فرشتہ ہیں اور نہ ہم سے زیادہ کوئی ظاہری امتیاز رکھتے ہیں۔البتہ ان کو جادو آتا ہے۔جو کلام پڑھ کر سناتے ہیں ہو نہ ہو وہ جادو کا کلام ہو۔پھر آپس میں کہتے ہیں کہ تم کو کیا مصیبت نے گھیرا کہ آنکھوں دیکھتے اُن کے جادو میں پھنستے ہو لازم ہے کہ ان کے قریب نہ جاؤ۔

کفار قرآن کریم کی حیرت انگیز تاثیر کو دیکھ کر اس کو جادو کا کلام کہتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر معاذ اللہ "سحر" کرنے کا الزام لگاتے۔کتب سیرۃ النبی میں متعدد ایسے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں جس بنا پر کفار ایسے اتہامات اور الزامات لگاتے

تھے۔بطور مثال چند واقعات سیرۃ النبی کامل مرتبہ ابن ھشام سے نقل کئے جاتے ہیں۔

واقعہ ا:۔عتبہ بن ربیعہ جو ایک قریشی سردار تھا ایک روز قریش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حرم میں تنہا تشریف رکھتے تھے۔عتبہ نے کہا اے گروہ قریش! میں اُٹھ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گفتگو کیوں نہ کروں اور ان کے سامنے بعض ایسی باتیں پیش کیوں نہ کروں جن میں سے وہ کچھ نہ کچھ قبول کر لیں۔وہ جو رعایتیں ہم سے چاہیں اُنہیں دے دیں اور ہم سے باز رہیں۔یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ حضرت حمزہ نے اسلام قبول کر لیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی زیادہ ہو رہے ہیں اور بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔قریش نے کہا کہ اے ابوالولید! تم اٹھو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جا کر گفتگو کرو چنانچہ عتبہ اٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا بیٹھا اور کہا۔بھتیجے! تمہیں معلوم ہے کہ تم ہماری نظروں میں باعتبار خاندان بڑے رتبہ والے ہو اور نسب کے لحاظ سے بھی اعلیٰ ہو۔تم اپنی قوم کے پاس بڑی اہمیت رکھنے والا مسئلہ لائے جس کے ذریعہ سے تم نے قوم کو تتر بتر کر دیا ہے۔ان کے عقلمندوں کو بیوقوف بنایا۔ان کے معبودوں اور دین کو عیب دار کر دیا اور ان کے اگلے بڑوں کو کافر قرار دیا۔میری گفتگو سنو! میں چند باتیں تمہارے غور وفکر کے لئے پیش کرتا ہوں شاید تم ان میں سے کچھ نہ کچھ قبول کر لو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو الولید کہو میں سنتا ہوں۔اس نے کہا۔اگر تم اس مسئلے کے ذریعے سے جسے تم لائے صرف مال چاہتے ہو تو ہم تمہارے لئے اس قدر مال جمع کر دیں گے کہ تم ہم سب میں زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اگر تم اس کے ذریعہ سے ہم پر حکومت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں۔اگر تمہارے پاس کوئی جن وغیرہ آتا ہے جسے تم اپنے پاس سے دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو ہم تمہارے لئے جھاڑ پھونک کا انتظام کریں گے اور ہم مال خرچ کر کے تمہیں اس سے نجات دلائیں گے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی باتیں سنتے رہے اور جب عتبہ اپنی گفتگو ختم کر چکا تو آپ نے ارشاد فرمایا اب مجھ سے سُن لو۔اس نے کہا سنائیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۂ حٰم سجدہ تلاوت فرمانا شروع کی اور سورۃ پڑھتے چلے گئے۔ عتبہ خاموش سنتا رہا۔اس نے ہاتھ پیچھے رکھ لئے اور ان سے سہارا لئے ہوئے تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ تک پہنچے تو آپ نے سجدہ فرمایا اور پھر فرمایا۔اے ابوالولید! جو تم نے سنا وہ تو سن ہی لیا۔اب تم جانو اور وہ۔اس کے بعد عتبہ اٹھا اور اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا تو بعض نے کہا۔واللہ ابوالولید کا تمہارے پاس آنا اس طرح کا نہیں جس طرح کا جانا تھا۔جب وہ ان کے پاس جا کر بیٹھا تو انہوں نے کہا ابوالولید! وہاں کی کیا خبر ہے؟ اس نے کہا وہاں کی خبر یہ ہے کہ میں نے ایسی بات سنی ہے کہ واللہ کبھی نہیں سنی۔ واللہ وہ نہ شعر ہے۔نہ جادو اور نہ کہانت۔اے گروہ قریش! میری بات سنو اور اس کام کو میری رائے کے موافق کرو۔انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو اور ان سے الگ رہو کیونکہ واللہ! ان کی جو بات میں نے سنی ہے اس کو ایک بڑی اہمیت حاصل ہوگی۔اگر عربوں نے ان کا خاتمہ کر دیا تو سمجھ لینا انہوں نے تمہیں ان سے بے نیاز کر دیا اور اگر انہوں نے عربوں پر غلبہ حاصل کر لیا تو ان کی حکومت تمہاری حکومت اور ان کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔تم ان کے طفیل تمام لوگوں میں سے خوش حال ہو جاؤ گے۔ان لوگوں نے کہا اے ابوالولید! واللہ اس نے تجھ پر اپنی زبان کا جادو کر دیا۔عتبہ نے جواب دیا میری رائے تو ان کے متعلق یہی ہے۔اب تمہیں جو مناسب معلوم ہو

کرو۔ (سیرۃ النبی ابن ہشام۔جلد اول صفحہ ۲۸۳۔۲۸۵)

واقعہ نمبر۲: طفیل بن عمرو الدوسیؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ مکہ میں ایسے وقت آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف فرما تھے۔ان کی یعنی طفیل دوسی کی جانب قریش کے بہت سے لوگ گئے اور طفیل بلند پایہ لوگوں میں سے تھے۔شاعر اور عقلمند تھے۔ قریش کے لوگوں نے ان سے کہا کہ اے طفیل! تم ہماری بستیوں میں آئے تو ہو لیکن دیکھو اس شخص نے جو ہمیں میں سے ہے ہمیں سخت مشکل میں ڈال رکھا ہے۔ہماری جماعت کو اس نے پراگندہ کر دیا ہے اور ہمارے معاملہ کو پریشان کر ڈالا ہے۔اس کی بات جادو کی سی ہوتی ہے۔بیٹے کو باپ سے۔بھائی کو بھائی سے۔شوہر کو بیوی سے جدا کر دیتا ہے۔ہمارے دل میں تمہارے لئے اس فتنے کا خوف ہے جو ہم میں داخل ہو چکا ہے اس لئے نہ تو تم ان سے بات کرو اور نہ ان کی کوئی بات سنو۔طفیل نے کہا کہ وہ لوگ یہاں تک میرے ساتھ لگے رہے کہ میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ اس شخص کی نہ کوئی بات سنوں گا اور نہ ان سے بات کروں گا جب سویرے میں مسجد کی طرف گیا تو اپنے کانوں میں روئی ٹھوس لی کہ مبادا اس کی باتوں میں سے کوئی بات میرے کان تک پہنچ جائے اگر اس کے سننے کا ارادہ بھی نہ کروں۔سویرے میں مسجد میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔میں آپ کے قریب ہی جا کھڑا ہوا۔میں نے اچھا کلام سنا اور اپنے دل میں کہا۔میری ماں مجھ پر روئے۔واللہ میں عقلمند ہوں اور شاعر ہوں۔اچھا برا مجھ سے پوشیدہ نہیں۔پھر کون سی چیز اس سے روکتی ہے کہ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے اسے سنوں جو بات وہ پیش کرتا ہے اگر اچھی ہو تو اسے قبول کروں اور بری ہو تو اسے چھوڑ دوں۔پھر میں کچھ دیر ٹھہر گیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ کو تشریف لے گئے۔میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو گیا یہاں تک کہ جب آپ دولت خانہ کے اندر تشریف لے گئے تو میں بھی اندر چلا گیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم نے مجھ سے ایسا ایسا کہا ہے اور وہ سب باتیں بیان کیں جو انہوں نے کہی تھیں۔واللہ وہ آپ کے معاملہ میں اس قدر ڈراتے رہے کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھوس لی تا کہ آپ کی بات نہ سنوں مگر اللہ نے تو یہ چاہا کہ آپ کی بات مجھے سنائے۔میں نے سنی اور اچھی بات سنی۔پس آپ اپنے اصول مجھے بتائیے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اسلام پیش فرمایا اور میرے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی تو واللہ! اس سے بہتر بات میں نے کبھی نہیں سنی۔اور نہ ایسے معتدل اصول سنے پس میں نے اسلام اختیار کر لیا سچی بات کی گواہی دی۔

(سیرۃ النبی کامل مرتبہ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۳۸۶۔۳۸۷)

واقعہ نمبر۳: قبیلہ اَراش (بعض نے اراشتہ کہا ہے) میں سے ایک شخص مکہ آیا اور وہ مکہ میں چند اونٹ لایا تو ابوجہل نے وہ اونٹ اس سے خرید لئے۔لیکن ان کی قیمت ادا کرنے کی مدت بڑھاتا رہا۔وہ اراشی قریش کی مجلس میں آ کھڑا ہوا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسجد کے ایک طرف تشریف فرما تھے۔اراشی نے کہا۔اے گروہ قریش۔ابوالحکم بن ہشام (یعنی ابوجہل) کے خلاف کوئی شخص میری مدد اور دادرسی کرنے والا ہے؟ میں تو ایک مسافر پردیسی ہوں اور اس نے (یعنی ابوجہل نے) میرا حق دبا رکھا ہے۔اس مجلس والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اشارہ کر کے کہا کیا تجھے وہ شخص نظر آ رہا ہے؟ اس کے پاس جا۔وہ تیری دادرسی اور مدد کرے گا (ان لوگوں کی غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اڑانا تھی کیونکہ آپ میں اور ابوجہل میں جو عداوت تھی اسے سب جانتے تھے) اراشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا۔اے بندۂ خدا! ابوالحکم بن ہشام نے میرا ایک حق دبا رکھا ہے اور میں ایک مسافر راہ گیر ہوں۔میں نے ان

10 لوگوں سے کسی ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا جو اس کے مقابل میری دادرسی اور مدد کرے اور میرا حق اس سے دلائے انہوں نے مجھے آپ کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔ اللہ آپ پر رحم کرے مجھے اس سے میرا حق دلا دیجئے آپ نے فرمایا چلو اس کے پاس چلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور ساتھ ہو گئے جب قریشیوں نے دیکھا کہ آپ اس کے ساتھ جانے کے لئے کھڑے ہو گئے تو ایک شخص سے انہوں نے کہا۔ پیچھے پیچھے جا اور دیکھ کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے پوچھا کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ باہر آ۔ وہ نکل آیا اور حالت اس کی یہ تھی کہ چہرہ میں خون کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔ رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ آپ نے فرمایا اس شخص کا حق اسے دے دے۔ اس نے کہا بہت خوب۔ غرض ابوجہل گھر میں گیا۔ اس کا جو کچھ حق تھا وہ لے کر باہر آیا اور اس کے حوالہ کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ آئے اور اس اراشی سے فرمایا جا اور اپنا کام کر پھر وہ اراشی اسی مجلس والوں کے پاس آ کھڑا ہوا اور کہا۔ اللہ اس شخص کو جزائے خیر دے اس نے میرا حق دلایا۔ جب وہ شخص بھی آیا جسے انہوں نے آپ کے ساتھ بھجوایا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا کہ میں نے تو ایک عجیب چیز دیکھی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو کچھ نہ کیا۔ بس اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور وہ جب نکلا تو اس کی یہ حالت تھی کہ گویا جان اس میں نہ تھی۔ جب اس سے کہا گیا اس کا حق دے دے تو اس نے کہا بہت خوب وہ اندر گیا۔ اراشی کا حق لے کر باہر آیا اور اس کے حوالہ کر دیا۔ پھر جب تھوڑی دیر میں ابوجہل آیا تو لوگوں نے کہا ارے کمبخت تجھے کیا ہو گیا۔ واللہ ہم نے تو کبھی ایسا نہیں دیکھا جیسا تو نے کیا۔ ابوجہل نے جواب دیا کم بختو وہاں کا قصہ تو یہ تھا کہ اس نے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے اس کی آواز سنی تو رعب سے میری حالت ایک پتلے کی سی ہو گئی۔ میں اس کی جانب چلا تو دیکھا کہ اس کے سر کے اوپر ایک نر اونٹ کھڑا ہے۔ میں نے ایسا سر۔ ایسے کندھے۔ اور ایسے دانت کبھی کسی اونٹ کے نہیں دیکھے۔ واللہ! اگر میں انکار کرتا تو وہ مجھے کھا جاتا۔ (سیرۃ النبی کامل مرتبہ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۳۹۳-۳۹۵)

الغرض مذکورہ بالا واقعات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا اثر اور کلام اللہ کو سننے کے اثر و نتیجہ سے کفار مکہ باہر سے آنے والے ناواقف لوگوں کو یہ کہہ کر خوف دلاتے تھے کہ دیکھو ان کے پاس یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جانا ورنہ جادو کے اثر سے تم مسحور ہو جاؤ گے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

آگے بتلایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جھوٹے الزامات اور بیہودہ پروپیگنڈے کا جواب بس یہی دیا کہ تم لوگ جو کہتے ہو وہ میرا پروردگار سب سنتا اور جانتا ہے کیونکہ وہ سمیع اور علیم ہے تمہارے کفریہ اقوال کو بھی سنتا اور جانتا ہے پس وہ تم کو خود سزا دے گا۔

ابھی آگے منکرین کے بعض دیگر اقوال و احوال کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو قرآن پاک کی بیش بہا نصیحتوں پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور کافروں کی یہ خصلت کہ نصیحت کو سن کر ٹال دینا اس سے ہم سب کو بچائیں۔ جو قرآنی احکام و نصائح ہم کو پہنچیں ان کی کامل فرمانبرداری اور اتباع ہم کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ان آیات میں یہ شکایت تو آپ نے کفار کی بیان فرمائی کہ وہ قرآنی احکام نہ غور سے سنتے ہیں اور نہ ان کے دل اس طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یا اللہ! اب ہم اس بدحالی پر کتنے خون کے آنسو بہائیں کہ جواب اس قرآن کریم پر ایمان کے دعویداروں ہی نے، الا ماشاء اللہ، اس آسمانی کتاب پر غور کرنا اور اس کے احکامات کو جاننا اور سمجھنا اور ان پر دل و جان سے عمل کرنا چھوڑ رکھا ہے۔ یا اللہ! قرآن کریم کی طرف سے امت مسلمہ کے افراد کی یہ غفلت اور لاپروائی کا جرم عظیم معاف فرما دے اور ہماری آنکھیں قرآن کی طرف سے کھول دے۔ اس کے علم اور عمل کا شوق عطا فرما دے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ

بلکہ یُوں کہا کہ یہ پریشان خیالات ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس کو تراش لیا ہے بلکہ یہ تو ایک شاعر شخص ہیں تو ان کو چاہیئے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی نشانی لاویں جیسا

اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

پہلے لوگ رسول بنائے گئے۔ ان سے پہلے کوئی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے ایمان نہیں لائے سو کیا یہ لوگ ایمان لے آویں گے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا

اور ہم نے آپ سے قبل صرف آدمیوں ہی کو پیغمبر بنایا جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے تھے سو (اے منکرو) اگر تم کو معلوم نہ ہو تو اہلِ کتاب سے دریافت کرلو۔

تَعْلَمُوْنَ ۝۷ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝۸

اور ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور وہ حضرات ہمیشہ رہنے والے نہیں ہوئے۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹

پھر ہم نے جو اُن سے وعدہ کیا تھا اس کو سچا کیا یعنی ان کو اور جن جن کو منظور ہوا ہم نے نجات دی اور حد سے گذرنے والوں کو ہلاک کیا۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰

ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں کہ اس میں تمہاری نصیحت موجود ہے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے

بَلْ بلکہ	قَالُوْٓا انہوں نے کہا	اَضْغَاثُ پریشان	اَحْلَامٍ خواب	بَلِ بلکہ	افْتَرٰىهُ اسنے گھڑ لیا اسے	بَلْ هُوَ بلکہ وہ
شَاعِرٌ ایک شاعر	فَلْيَاْتِنَا پس وہ ہمارے پاس لے آئے	بِاٰيَةٍ کوئی نشانی	كَمَا جیسے	اُرْسِلَ بھیجے گئے	الْاَوَّلُوْنَ پہلے	
مَآ اٰمَنَتْ نہ ایمان لائی	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	مِّنْ قَرْيَةٍ کوئی بستی	اَهْلَكْنٰهَا ہم نے اسے ہلاک کیا	اَفَهُمْ اور کیا وہ		
يُؤْمِنُوْنَ ایمان لائیں گے	وَمَا اور نہیں	اَرْسَلْنَا بھیجے ہم نے	قَبْلَكَ تم سے پہلے	اِلَّا مگر	رِجَالًا مرد	نُّوْحِيْٓ ہم وحی بھیجتے تھے
اِلَيْهِمْ اُن کی طرف	فَسْئَلُوْٓا پس پوچھ لو	اَهْلَ الذِّكْرِ یاد رکھنے والے	اِنْ مگر	كُنْتُمْ تم ہو	لَا تَعْلَمُوْنَ تم نہیں جانتے	وَ اور
مَا جَعَلْنٰهُمْ ہم نے نہیں بنائے ان کے	جَسَدًا ایسے جسم	لَّا يَاْكُلُوْنَ نہ کھاتے ہوں	الطَّعَامَ کھانا	وَ اور	مَا كَانُوْا وہ نہ تھے	
خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہنے والے	ثُمَّ پھر	صَدَقْنٰهُمُ ہم نے سچا کردیا ان سے	الْوَعْدَ وعدہ	فَاَنْجَيْنٰهُمْ پس ہم نے بچالیا انہیں		
وَمَنْ نَّشَآءُ اور جس کو ہم نے چاہا	وَاَهْلَكْنَا اور ہم نے ہلاک کردیا	الْمُسْرِفِيْنَ حد سے بڑھنے والے	لَقَدْ اَنْزَلْنَآ تحقیق ہم نے نازل کی			
اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	كِتٰبًا ایک کتاب	فِيْهِ اس میں	ذِكْرُكُمْ تمہارا ذکر	اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تو کیا تم سمجھتے نہیں؟		

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں کفار مکہ کا اعتراض بیان فرمایا گیا تھا جو کہتے کہ یہ رسول تو تم ہی جیسے آدمی ہیں اور ان کے کافرانہ اقوال و الزام کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جادوگر ہیں اور اپنے جادو سے لوگوں پر اثر ڈالتے ہیں، نقل فرمایا گیا تھا۔ تو کفار نے صرف یہی نہیں کہ سحر کا الزام لگایا بلکہ اور بھی الزامات تراشے جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا۔ معاندین ومنکرین قرآن سن کر ضد اور ہٹ دھرمی سے ایسے

بدحواس ہوجاتے کہ کسی ایک رائے پران کو قرار نہ تھا کبھی اسے جادو بتاتے۔ کبھی پریشان خواب وخیال کہتے۔ کبھی دعویٰ کرتے کہ آپ اپنے جی سے نعوذ باللہ کچھ باتیں گھڑ لائے ہیں جن کا نام قرآن رکھ دیا ہے۔ کبھی کہتے کہ آپ ایک عمدہ شاعر ہیں اور شاعروں کی طرح تخیل کی بلند پروازی سے کچھ مضامین مؤثر اور مسجع عبارت میں پیش کردیتے ہیں۔ تو ان آیات کا بلکہ اس سورۃ کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا اثر جب پھیلنے لگا تو مکہ کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں پروپیگنڈہ کی ایک مہم شروع کی جائے اور ہر شخص کو جو خصوصاً باہر سے مکہ میں آئے آپ کے خلاف اس کو اتنا بدگمان کردیا جائے کہ وہ آپ کی بات سننے کیلئے آمادہ ہی نہ ہو۔ یہ مہم خاص طور سے حج کے زمانہ میں زوروں سے جاری رہتی اور کثرت سے آدمی پھیلا دیئے جاتے جو تمام بیرونی زائرین کے خیموں میں پہنچ کر ان کو خبردار کرتے تھے کہ یہاں ایک ایسا آدمی ہے اس سے ہوشیار رہنا۔ ان گفتگوؤں میں طرح طرح کی باتیں بنائی جاتی تھیں۔ کبھی کہا جاتا تھا کہ یہ شخص (نعوذ باللہ) جادوگر ہے۔ کبھی کہا جاتا کہ انہوں نے ایک کلام خود گھڑ رکھا ہے۔ اور وہ کلام کیا ہے پراگندہ خیالات کا مجموعہ ہے۔ کبھی کہا جاتا کہ شاعرانہ خیالات اور تگ بندیاں ہیں جن کا نام کلامِ الٰہی رکھا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کو بہکایا جائے۔

تو منکرین ومعاندین قرآن کے اثرات پھیلتے ہوئے دیکھ کر بدحواس تھے اور کبھی کچھ الزام لگاتے اور کبھی کچھ۔ ان اعتراضات اور الزامات کے علاوہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ اگر واقع میں آپ اللہ کے پیغمبر ہیں تو پھر آپ کوئی ایسا کھلا معجزہ دکھلائیں جیسے معجزات پہلے پیغمبروں نے دکھلائے تھے۔ یہ کہنا بھی مکہ کے جاہل مشرکین کا محض عناد کی بنا پر تھا کیونکہ اول تو یہ جاہل مشرکین پہلے پیغمبروں اور ان کے معجزات کو کیا جانتے تھے دوسرے آپ کے بیسیوں کھلے کھلے نشان دیکھ چکے تھے جو انبیائے سابقین کے نشانات سے کسی طرح کم نہ تھے جن میں سب سے بڑھ کر یہ قرآن ہی کا معجزہ تھا۔ تو الحاصل کفار نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق تین شبہات ظاہر کئے۔

(۱) ایک یہ کہ یہ آدمی ہیں اور آدمی رسول نہیں ہوسکتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ ساحر یا تک بند شاعر ہیں۔

(۳) تیسرے یہ کہ گزشتہ پیغمبروں کی طرح ان کے پاس کوئی معجزہ نہیں۔ ان تینوں شبہات کے جوابات حق تعالیٰ کی طرف سے دیئے جاتے ہیں۔ پہلے تیسرے شبہ کا جواب دیا گیا کہ پہلی قوموں کو فرمائشی نشانات دکھلائے گئے اور وہ انہیں دیکھ کر بھی نہ مانے آخر سنت اللہ کے موافق ہلاک کئے گئے۔ اگر ان مشرکین مکہ کی فرمائشیں پوری کی جاتیں تو ظاہر ہے یہ ماننے والے تو ہیں نہیں لامحالہ حق تعالیٰ کی عام عادت کے موافق تباہ کئے جائیں گے اور حکمتِ الٰہی میں ان کی بالکلیہ تباہی مقصود نہیں۔ روایات میں ہے کہ اہلِ مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ضد کی اور کہا کہ اگر آپ کا قول سچ ہے اور آپ اللہ کے پیغمبر ہیں تو کوہِ صفا کو سونے کا کردیجئے اور مکہ کی سرزمین سرسبز شاداب بنادیجئے۔ اگر ایسا کردیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ کفار کی درخواست پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو ہم انکا سوال پورا کردیں لیکن اگر یہ ایمان نہ لائے تو پھر عذاب میں تاخیر نہ ہوگی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اپنی قوم کے لئے تدریج ومہلت کا خواستگار ہوں تاکہ ان کی نسل سے اہلِ ایمان پیدا ہوں۔ اس کے بعد کفار کے پہلے شبہ کا جواب ہے کہ پہلے بھی جو پیغمبر آئے وہ سب نبی آخر الزمان کی طرح بشر ہی تھے فرشتے نہ تھے۔ اگر اتنی مشہور بات کی بھی تم کو اپنی جہالت کی وجہ سے خبر نہیں تو خبر رکھنے والوں سے دریافت

کرلو۔ آخر یہود ونصاریٰ اہل کتاب سے تمہارے تعلقات ہیں اتنی موٹی بات انہی سے پوچھ لو کہ پہلے زمانہ میں انبیاء ورسل جو تشریف لائے وہ بشر تھے یا آسمان کے فرشتے۔

پھر آگے حق تعالیٰ خود ہی ظاہر فرماتے ہیں کہ جتنے انبیاء دنیا میں آئے۔ بشری خصائص ان میں موجود تھے۔ نہ فرشتوں کی طرح ان کا بدن ایسا تھا کہ کبھی کھانا نہ کھاتے۔ نہ وہ ایسے تھے کہ کبھی موت اور فنا نہ آئے۔ ان کا امتیاز دوسرے بندوں سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی ہدایت واصلاح کے لئے کھڑے کئے گئے تھے۔ خدا ان کی طرف وحی بھیجتا اور باوجود بے سروسامانی کے مخالفین کے مقابلہ میں ان کی حمایت اور نصرت کے وعدے کرتا تھا چنانچہ اللہ نے اپنے وعدے سچے کر دکھائے۔ ان کو مع ان کے رفقا کے محفوظ رکھا اور بڑے بڑے متکبر دشمن جوان سے ٹکرائے تباہ وغارت کر دیئے گئے۔

یہاں آیت میں بشر کے بجائے رجالاً کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی ہم نے صرف مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں ہی کو ملی ہے نہ کہ عورتوں کو۔ حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے یہاں لکھا ہے کہ اسی اصل کی بنا پر اہل طریق بھی خلافت مردوں ہی کو دیتے ہیں۔

اخیر میں منکرین ومعاندین کے دوسرے شبہ کا جواب ہے کہ اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو ہر قسم کی نصیحت وفہمائش کر دی گئی اور سب برا بھلا انجام سمجھا دیا" یا۔ اب اگر کچھ بھی عقل ہوگی تو عذاب الٰہی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو گے اور قرآن کی قدر پہچانو گے جو فی الحقیقت تمہارے لئے ایک عظیم الشان ہدایت نامہ اور جلیل القدر یادداشت ہے یہ کوئی سحر اور شاعری نہیں نہ تک بندیاں اور پریشان خیالات ہیں اس کے اندر تو ہدایت وسعادت کے ضوابط ہیں۔ شاعری یا سحر یا اور کوئی چیز ایسی کہاں ہوسکتی ہے؟

خلاصہ یہ کہ کفار مکہ کو کتنے موثر اور دلنشین پیرایہ میں جتلایا جارہا ہے کہ اگر تم ایسے محسن کو نہ مانو گے تو دنیا میں ذلیل ہوگے اور آخرت کا عذاب الگ رہا۔ آگے ان قوموں کا دنیوی انجام بیان فرماتے ہیں جنہوں نے انبیاء سے دشمنی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کئے تھے۔ جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا۔ اور قرآن پاک پر ایمان نصیب فرمایا۔ اور اسلام جیسا دین کامل عطا فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان نعمتوں کی قدر اور ان کی حقیقی شکرگزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پکا وسچا امتی اور تابعدار بناویں اور قرآنی ہدایات سے ہمارے دلوں کو منور فرماویں۔ یا اللہ! اب ہم کفار ومشرکین کی کیا حکایت وشکایت کریں کہ جنہوں نے قرآنی نصیحتوں کو نہ مانا نہ سمجھا۔ اور آپ کے احکام پر ایمان نہ لا کر اپنے کو مستحق عذاب بنایا۔ اب تو ہمیں رونا ان اہل اسلام ہی کے لئے ہے کہ جو باوجود اس قرآن پر دعوئے ایمان کے نہ تو اس کی نصیحتوں کو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ نہ اس کے احکام کی پروا کرتے ہیں اور سننا اور سمجھنا تو درکنار اب تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسلامی احکام سے نہ صرف اعراض وانحراف ہے بلکہ ان پر اعتراض بھی ہے۔ یا اللہ! ایسے ناقدروں کو اسلام کی قدر اور عظمت عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿١١﴾ فَلَمَّا

اور ہم نے بہت سی بستیاں جہاں کے رہنے والے ظالم تھے غارت کردیں اور اُن کے بعد دوسری قوم پیدا کردی۔ سو جب

أَحَسُّوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ﴿١٢﴾ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ

ان ظالموں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو اس بستی سے بھاگنا شروع کیا۔ بھاگو مت اور اپنے سامانِ عیش کی طرف اور اپنے مکانوں کی طرف واپس چلو

وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ﴿١٣﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ

شاید تم سے کوئی پوچھے پاچھے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہائے ہماری کم بختی بیشک ہم لوگ ظالم تھے۔ سو اُن کی یہی غل پکار رہی حتیٰ کہ ہم نے اُن کو ایسا کردیا

حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ ﴿١٥﴾

جس طرح کھیتی کٹ گئی ہو اور آگ ٹھنڈی ہوگئی ہو۔

وَكَمْ قَصَمْنَا اور ہم نے کتنی ہلاک کردیں	مِنْ سے	قَرْيَةٍ بستیاں	كَانَتْ وہ تھیں	ظَالِمَةً ظالم	وَأَنْشَأْنَا اور پیدا کئے ہم نے	
بَعْدَهَا ان کے بعد	قَوْمًا گروہ۔لوگ	آخَرِينَ دوسرے	فَلَمَّا پھر جب	أَحَسُّوا انہوں نے آہٹ پائی	بَأْسَنَا ہمارا۔عذاب	
إِذَا هُمْ اس وقت وہ	مِنْهَا اس سے	يَرْكُضُونَ بھاگنے لگے	لَا تَرْكُضُوا تم مت بھاگو	وَارْجِعُوا اور لوٹ جاؤ	إِلَىٰ طرف	
مَا جو	أُتْرِفْتُمْ تم آسائش دیئے گئے	فِيهِ اس میں	وَمَسَاكِنِكُمْ اور اپنے گھر	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تُسْأَلُونَ تمہاری پوچھ گچھ ہو	
قَالُوا وہ کہنے لگے	يَا وَيْلَنَا ہائے ہماری شامت	إِنَّا كُنَّا ہم بیشک تھے	ظَالِمِينَ ظالم	فَمَا زَالَتْ پس رہی	تِلْكَ یہ	دَعْوَاهُمْ ان کی پکار
حَتَّىٰ یہاں تک کہ	جَعَلْنَاهُمْ ہم نے انہیں کردیا	حَصِيدًا کٹی ہوئی کھیتی	خَامِدِينَ بجھی ہوئی آگ			

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں کفار ومشرکین کے الزامات اور اعتراضات کے جواب میں یہ بتایا گیا تھا کہ پہلے لوگوں کو سمجھانے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے تھے اور وہ سب انسان ہی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام لوگوں کے پاس پہنچانے کے لئے انہیں پسند فرمالیا تھا اور وقت پر ان کی مدد نصرت وحمایت کا وعدہ کیا تھا چنانچہ جب نافرمانوں پر عذاب آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور ان کے متبعین کو بچالیا اور نافرمانی وسرکشی اور حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو ہلاک وتباہ کردیا۔

اب آگے ان آیات میں اسی کو قدرے تفصیل سے بیان فرمایا جارہا ہے کہ ایسا واقعہ صرف ایک یا دومرتبہ ہی نہیں ہوا بلکہ یہ تو عام ضابطۂ قدرت ہے اور قانونِ خداوندی ہے۔ ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا چلا آیا ہے اس لئے کوئی قوم اس سے مستثنیٰ نہیں۔ افراد واقوام حکومت وطاقت۔ عزت وراحت۔ قوت وصحت کے نشہ میں سرشار ہوتی ہیں۔ عیش وآرام کے تمام سامان مہیا ہوتے ہیں۔ جو چاہتے ہیں من مانی کرتے ہیں۔ بالآخر جب ان کی نافرمانی وسرکشی ناحق پرستی اور ستم گاری بڑھ جاتی ہے تو معمولی اسباب ہلاکت کے علاوہ غیر معمولی محسوس عذاب ان پر نازل کیا جاتا ہے اور پھر چاروں طرف سے ان کو تباہی گھیر لیتی ہے۔ اس وقت جب وہ مصائب سے گھر جاتے ہیں تو ایسے وقت میں تمام اسباب عیش وراحت پر خاک ڈال کر عزت وحکومت پر لات مار کر اور راحت آفرین مسکن ومحل چھوڑ کر جان بچانے کے لئے غیبی مصائب سے بھاگتے ہیں۔ لیکن پھر نجات کا وقت نہیں

رہتا۔ موقع نکل چکتا ہے اس وقت ان کو پشیمانی ہوتی ہے اور اسباب ہلاکت پرغور کرتے ہیں تو بالآخر اقرار کرتے ہیں کہ واقعی ہم نے بڑی بیجا حرکتیں کی تھیں۔ یہ انہی کا نتیجہ ہے۔ واقعی ہم نے بڑا ظلم کیا جو پیغمبروں کی بات نہ سنی۔ غرض اسی طرح وہ ہائے واویلا مچاتے رہتے ہیں لیکن عذاب ان پر آچکا ہوتا ہے اس وقت کی چیخ و پکار بیکار۔ غرض اس طرح ان کی عزت وشوکت اور جاہ وجلال کی روشن آگ ٹھنڈی کر دی جاتی ہے اور وہ بستیاں جو سرسبز وشاداب کھیتی کی طرح خوش عیشی سے زندگی گزارتی تھیں یک دم ان کو برباد کر کے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح پژمردہ کر کے بھوسہ کی طرح ریزہ ریزہ کر دیا جاتا ہے۔ تو کفار مکہ کو یہ جتلایا جارہا ہے کہ یہ واقعات ہیں جو صرف ممکن ہی نہیں واقع بھی ہو چکے ہیں پس تم ان سے عبرت حاصل کرو اور سرکشی اور نافرمانی سے باز آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ گزشتہ قوموں کی طرح تم کو بھی ایسے وقت پچھتانا پڑے جبکہ پچھتانا بالکل سودمند نہ ہوگا۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ علاقہ یمن میں ایک بستی کا ہے جہاں کے رہنے والے بہت مالدار مرفہ حال اور خوش عیش تھے۔ انہوں نے ایک شفیق اور ناصح پیغمبر کو قتل کر دیا تھا اس لئے ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ کسی خاص قریہ کی تعیین ضروری نہیں۔ ہر ملک اور ہر دیس میں اجاڑ بستیوں کے کھنڈر موجود ہیں اور شہر کے شہر صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں کوئی زلزلہ سے تباہ ہوا کوئی آسمانی سنگ باری یا سیلاب یا وبا یا آتش فشاں پہاڑوں کے نمودار ہونے سے برباد ہوا۔ کہیں ظالم بادشاہوں کی لشکر کشی نے قتلِ عام کیا تو کہیں آپس کے نفاق سے خون کی ندیاں بہا دیں یہ سب عذابِ الٰہی کے نمونہ ہیں اور اہل بصیرت کے لئے اپنے اندر عبرت انگیز درس نصیحت رکھتی ہیں۔

مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ جہاں ان آیات میں اقوام پارینہ کی تمثیل دے کر کفار مکہ کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور ضابطۂ قدرت کا بیان کہ کفر ومعصیت سے بربادی آتی ہے بتلایا گیا ہے وہیں دورِ حاضر کے مسلمانوں کو بھی عبرت آفرین سبق اس سے لینا چاہئے اور خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اعداء کا تسلط ظالموں کی ستم کاریاں۔ طوفان بادوباراں کی تباہ کاریاں۔ زلزلوں کی قیامت خیزیاں۔ اور وباء قحط کی ہلاکت انگیزیاں یہ سب معصیت اور بد اعمالیوں کا خمیازہ ہیں مسلمانوں کے لئے ترقی کی کوئی سکیم اور عروج کا کوئی لائحہ عمل مفید نہیں ہوسکتا جب تک احکامِ الٰہیہ اور قوانین قرآنیہ کی پابندی نہ کی جائے گی۔ اصلاح نفس سے اصلاح افراد ہوتی ہے۔ اور اصلاح افراد سے اصلاح قوم اور اصلاح قوم سے اصلاحِ عالم۔ اس لئے اپنی ذات اور نفس کی اصلاح سب سے مقدم ہے۔ اور ہر شخص کو اس کی فکر میں لگنا چاہئے اور اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنے والی زندگی اپنانا چاہئے اور قوانین واحکامِ خداوندی کی نافرمانی وسرکشی سے بچنا چاہئے۔ ورنہ قانونِ خداوندی سے کوئی قوم مستثنٰی نہیں۔ شروع سورۃ سے یہاں تک مضمون نبوت و رسالت کے متعلق تھا اب آگے توحید کے متعلق بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالٰی ہم کو بھی عبرت ونصیحت حاصل کرنے والا دل اور دماغ عطا فرماویں۔ اور اپنے نفس کی اصلاح کی فکر نصیب فرمائیں۔ مرنے سے پہلے ہمیں اس زندگی میں آخرت کی تیاری کر لینے کا عزم عطا فرمائیں اور اللہ اور رسول کو راضی کرنے والی زندگی گزارنا نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو قرآن پاک کا علم اس کی سمجھ اور اس کا اتباع نصیب فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اُس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔ اگر ہم کو مشغلہ ہی بنانا منظور ہوتا

مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ

تو ہم خاص اپنے پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا۔ بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے سو وہ دفعتہً جاتا

زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا

رہتا ہے۔ اور تمہارے لئے اس بات سے بڑی خرابی ہوگی جو تم گھڑتے ہو۔ اور جتنے کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کے ہیں۔ اور جو اللہ کے نزدیک ہیں

يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾

وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔ شب و روز تسبیح کرتے ہیں (کسی وقت) موقوف نہیں کرتے

وَمَا خَلَقْنَا اور ہم نے نہیں پیدا کیا	السَّمَآءَ آسمان	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	لٰعِبِيْنَ کھیلتے ہوئے
لَوْ اَرَدْنَآ اگر ہم چاہتے	اَنْ کہ	نَّتَّخِذَ ہم بنائیں	لَهْوًا کوئی کھلونا	لَّاتَّخَذْنٰهُ تو ہم اس کو بنا لیتے	مِنْ لَّدُنَّآ اپنے پاس سے
اِنْ كُنَّا اگر ہم ہوتے	فٰعِلِيْنَ کرنے والے	بَلْ بلکہ	نَقْذِفُ ہم پھینک مارتے ہیں	بِالْحَقِّ حق کو	عَلَى پر / الْبَاطِلِ باطل
فَيَدْمَغُهٗ پس وہ اسکا بھیجا نکال دیتا ہے	فَاِذَا تو اس وقت	هُوَ وہ	زَاهِقٌ نابود ہو جاتا ہے	وَلَكُمُ اور تمہارے لئے	الْوَيْلُ خرابی
مِمَّا اس سے جو	تَصِفُوْنَ تم بناتے ہو	وَلَهٗ اور اسی کیلئے	مَنْ جو	فِى السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین میں / وَمَنْ اور جو
عِنْدَهٗ اس کے پاس	لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ وہ تکبر سرکشی نہیں کرتے	عَنْ سے	عِبَادَتِهٖ اس کی عبادت	وَ اور	لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ نہ وہ تھکتے ہیں
	يُسَبِّحُوْنَ وہ تسبیح کرتے ہیں	الَّيْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن	لَا يَفْتُرُوْنَ وہ سستی نہیں کرتے	

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں بعض بستیوں کو عذابِ خداوندی سے ہلاک اور تباہ و برباد کرنے کا ذکر ہوا تھا۔ مشرکین و کفار مکہ جن کا ذکر گزشتہ سے ہوتا چلا آ رہا ہے ان کا یہ خیال تھا جیسا کہ اب بھی دہریوں کا خیال ہے کہ انسان اور دیگر چیزیں آپ ہی آپ پیدا ہوتی ہیں اور آپ ہی مٹ جاتی ہیں۔ ان کی بقاء کی بھی ایک خاص حد ہے اور فنا کی بھی ایک مدت ہے۔ آبادی و بربادی اور بقاء فنا میں اطاعت و معصیت اور فرمانبرداری و نافرمانی کو کیا دخل ہے۔ اسباب کے معمولی تغیرات کے یہ سب نتائج ہوتے ہیں۔ نیکی اور بدی۔ ایمان اور کفر سے ان میں تغیر نہیں ہوا کرتا۔ کوئی قوم یا شہر برباد ہوا یا ہوتا ہے اس میں ان کے گناہ و ثواب کو کیا دخل؟ یہ سب اسباب ارضی و سماوی سے ہے۔ کفار اور مشرکین کے ان خیالات کا ان آیات میں استیصال فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ توحید اور رسالت کے منکرین کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نمایاں نشانیوں کو جو زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور ان کے درمیان تمام مخلوقات کو بنانے میں مشاہدہ کی جا سکتی ہیں دیکھتے اور سمجھتے نہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب چیزیں فضول محض بطور کھیل تماشہ کے پیدا کی ہیں۔ یہ بلند آسمان اور اس کا سامانِ آرائش اور یہ فرش زمین اور اس کی زینت کے تمام اسباب اور یہ درمیانی فضا اور اس کی کائنات اللہ نے اس طرح پیدا نہیں کی کہ جس میں کوئی معتدبہ حکمت اور غرض صحیح نہ ہو۔ یہ کھیل کے لئے نہیں پیدا کی گئی اور نہ اس سے تفریح مقصود ہے۔ اس

لئے عقلمند کو چاہئے کہ آفرینش عالم کی غرض کو سمجھے اور دنیا کو محض کھیل تماشہ سمجھ کر انجام سے غافل نہ ہو بلکہ خوب سمجھ لے کہ دنیا آخرت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اس دنیا کے ہر نیک و بد فعل کی جزا اور سزا ملنا اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا ہے۔

گزشتہ بستیوں کو جو ہلاک اور برباد کیا گیا تھا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان منکرین توحید و رسالت نے دنیا کو کھیل و تماشہ سمجھا اور جس غرض کے لئے دنیا پیدا کی گئی اس سے غفلت اور اعراض برتا اور آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی مخلوقات میں غور و فکر سے ان کے صانع اور خالق کو پتہ نہ لگایا اور انبیاء اور رسل نے جب ان کو خبردار کیا اور سمجھایا اور بتلایا تو ان کی تکذیب و تحقیر کی۔ حق تعالیٰ نے اس تکذیب و تحقیر کی پاداش میں ان پر عذاب نازل کیا۔ اللہ نے اپنے علم و حکمت سے اس آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو عبث اور بیکار پیدا نہیں کیا ہے کہ یونہی بطور مشغلہ اور کھیل و تماشہ کے یہ سب بنا کر کھڑا کر دیا۔ گزشتہ اور ہلاک شدہ بستی والوں کی طرح کوئی نادان یہ گمان نہ کرے کہ یہ سارا عالم کھیل و تماشہ ہے اور انسان دنیا میں کھیل تماشہ اور مزے اڑانے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ بہت سے آزاد منشوں کا اب بھی خیال ہے کہ انسان طبعاً آزاد پیدا ہوا ہے جو اس کا جی چاہے کرے۔ مرنے کے بعد یہ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ نہ ثواب ہے نہ عقاب ہے۔ نہ جزا ہے نہ سزا ہے سو یہ گمان بالکل غلط ہے بلکہ انسان خدا کا بندہ ہے اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ بندہ کا خدا سے آزاد ہو جانا ناممکن اور محال ہے۔

خدا نے بندہ کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ آسمان اور زمین کی عجائب صنعت میں غور و فکر سے اس کے خالق کی معرفت حاصل کرے اور عالم کی اس ظاہری آرائش اور رونق و ٹیپ ٹاپ سے دھوکا نہ کھائے اور خوب سمجھ لے کہ اس عالم کی پیدائش عبث۔ اور بے فائدہ نہیں۔ اور معرفت صانع کے بعد اپنے خالق اور پروردگار کی عبادت اور اطاعت کریں اور یقین کریں کہ یہ دنیا آخرت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ وہاں پہنچ کر بندہ کو ہر نیک و بد کی پوری جزا و سزا ملنی ہے۔ اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔

غرضیکہ اللہ جل شانہ نے یہ زمین و آسمان کی عجیب و غریب کائنات کھیل کے لئے نہیں بلکہ بڑی حکمتوں پر مبنی کر کے بنائی ہے اور ان حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ حق و باطل کا امتیاز ہوتا ہے یہ دنیا میدان کارزار ہے جہاں حق و باطل کا مقابلہ اور جنگ ہوتی ہے اور حق حملہ آور ہو کر باطل کا سر کچل ڈالتا ہے۔

اسی سے منکرین! تم اپنی مشرکانہ اور کافرانہ باتوں کا انجام سمجھ لو کہ حق و صداقت کا حملہ جب پوری طاقت سے تم پر ہوگا اس وقت کیسی خرابی اور بربادی تمہارے لئے ہوگی اور کون سی طاقت بچانے آئیگی۔

نزول قرآن کے وقت عرب میں یہود بھی تھے جو حضرت عزیر علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) خدا کا بیٹا کہتے۔ عیسائی بھی تھے جو عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کے قائل تھے اور مشرکین کا ایک گروہ تھا جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں جانتا تھا اس لئے آگے توحید خداوندی کو بیان کیا جاتا ہے کہ کل عالم اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کی وہ شان ہے کہ جتنے کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کے مملوک اور مسخر ہیں اور جو مقربین بارگاہ ہیں ان کو بھی سرتابی کی مجال نہیں اور سرتابی کا تو کیا ذکر ان کی یہ کیفیت ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی کرنا ان کے لئے باعث شرف و عزت ہے اور شبانہ روز وہ اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ ہر وقت اس کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو عام مخلوق تو کس شمار میں ہے۔ پس لائق عبادت و بندگی کے صرف ذات الٰہی ہے اور جب کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے تو پھر اس کا شریک سمجھنا کتنی بے عقلی ہے۔

گویا یہاں توحید کے دلائل کے ساتھ مشرکین کی جہالت کو بھی ظاہر کیا گیا۔ ابھی آگے بھی انہیں مشرکین کی جہالت کو اور کئی طرح سے ظاہر فرمایا گیا ہے اور توحید باری تعالیٰ کے مزید دلائل دیئے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ

کیاان لوگوں نے خدا کے سوااور معبود بنار کھے ہیں زمین کی چیزوں میں سے جو کسی کوزندہ کرتے ہوں۔ زمین وآسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوااور معبود ہوتا

لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٢٢﴾ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ

تو دونوں درہم برہم ہوجاتے۔سواللہ تعالیٰ ان امور سے پاک ہے جو کہ مالک ہے عرش کا۔جو کچھ یہ لوگ بیان کررہے ہیں۔وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا

يُسْأَلُونَ ﴿٢٣﴾ أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ هَٰذَا ذِكْرُ مَنْ

اوراوروں سے باز پرس کی جاسکتی ہے۔کیا خدا کو چھوڑ کرانہوں نے اور معبود بنار کھے ہیں۔کہیئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب

مَعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِي بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٤﴾

اور مجھ سے پہلے لوگوں کی کتابیں موجود ہیں۔بلکہ ان میں زیادہ وہی ہیں جو امرِ حق کا یقین نہیں کرتے سو وہ اعراض کررہے ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری عبادت کیا کرو۔

أَمْ کیا	اتَّخَذُوا انہوں نے بنالیا	آلِهَةً کوئی معبود	مِنَ الْأَرْضِ زمین سے	هُمْ وہ	يُنْشِرُونَ انہیں اٹھا کھڑا کریں گے	لَوْ كَانَ اگر ہوتے
فِيهِمَا ان دونوں میں	آلِهَةٌ اور معبود	إِلَّا سوائے	اللَّهُ اللہ	لَفَسَدَتَا البتہ دونوں درہم برہم ہوجاتے	فَسُبْحَانَ پس پاک ہے	اللَّهِ اللہ
رَبِّ رب	الْعَرْشِ عرش	عَمَّا اس سے جو	يَصِفُونَ وہ بیان کرتے ہیں	لَا يُسْأَلُ اس سے باز پرس نہیں کرتے	عَمَّا اس سے جو	يَفْعَلُ وہ کرتا ہے
وَهُمْ اور بلکہ (وہ)	يُسْأَلُونَ باز پرس کئے جائیں گے	أَمِ کیا	اتَّخَذُوا انہوں نے بنالئے ہیں	مِنْ دُونِهِ اللہ کے سوائے	آلِهَةً اور معبود	قُلْ فرمادیں
هَاتُوا لاؤ پیش کرو	بُرْهَانَكُمْ اپنی دلیل	هَٰذَا ذِكْرُ یہ کتاب	مَنْ جو	مَعِيَ میرے ساتھ	وَذِكْرُ اور کتاب	مَنْ قَبْلِي جو مجھ سے پہلے
بَلْ بلکہ البتہ	أَكْثَرُهُمْ ان میں اکثر	لَا يَعْلَمُونَ نہیں جانتے ہیں	الْحَقَّ حق	فَهُمْ پس وہ	مُعْرِضُونَ روگردانی کرتے ہیں	وَ اور
مَا أَرْسَلْنَا نہیں بھیجا ہم نے	مِنْ قَبْلِكَ تم سے پہلے	مِنْ رَسُولٍ کوئی رسول	إِلَّا مگر	نُوحِي ہم نے وحی بھیجی	إِلَيْهِ اس کی طرف	أَنَّهُ کہ بیشک وہ
	لَا نہیں	إِلَٰهَ کوئی معبود	إِلَّا أَنَا میرے سوا	فَاعْبُدُونِ پس میری عبادت کرو		

تفسیر وتشریح: دین اسلام کا سنگ بنیاد توحید ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو وحدہٗ لاشریک یقین کرنا۔ گزشتہ سے توحید باری تعالیٰ کا اثبات اور ردِ شرک کا مضمون بیان ہوتا چلا آرہا ہے ان آیات میں بھی اثبات توحید کے بعض دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

پہلی دلیل یہ دی گئی کہ اہلِ شرک نے جو بت اور دیوتا بنار کھے ہیں جن کی ساخت چاندی یا سونے یا پتھر۔لکڑی، مٹی وغیرہ یعنی زمین کی موجودات میں سے کسی خاص چیز کی ہے کہ ان کو خود ہی بناتے ہیں اور خود ہی ان کو دیوتا مانتے ہیں تو جن ہستیوں کو انہوں نے خدا قرار دے رکھا ہے اور اپنا معبود بنایا ہے کیا ان میں سے کوئی ایسا ہے جو مادہ غیر ذی حیات میں زندگی پیدا کرتا ہو۔ اگر ایک اللہ کے سوا کسی میں یہ طاقت نہیں کہ کسی میں جان ڈال سکے تو پھر ان کو الوہیت کا استحقاق کیسے ہو گیا اور ان کو خدا اور معبود کس لئے یہ کفار قرار دیتے ہیں۔

دوسری دلیل یہ دی گئی کہ اگر عالم میں دو الٰہ یعنی دو معبود یا دو خدا ہوتے تو نظم عالم کبھی کا درہم برہم ہو جاتا۔ یہ دلیل نہایت سادہ بھی ہے اور گہری

بھی۔ سادی سی بات جس کو ایک موٹی سی عقل کا آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے یہ ہے کہ ایک معمولی گھر کا نظام یا ایک کارخانہ کا انتظام چار دن بھی بخیریت نہیں چل سکتا اگر اس کے دو خود مختار مالک ہوں۔ لامحالہ دونوں کے اختلاف رائے سے تصادم لازم آئے گا۔ آپس میں رسہ کشی اور تصادم سے گھر یا کارخانہ کا نظام درہم برہم ہونا لازمی ہے۔ گہری بات یہ ہے کہ کائنات کا پورا نظام زمین کی تہوں اور گہرائیوں سے لے کر بعید ترین سیاروں تک ایک ہمہ گیر قانون پر چل رہا ہے۔ یہ نظام ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہیں رہ سکتا اگر اس کی بے شمار مختلف قوتوں اور بے حد وحساب چیزوں کے درمیان تناسب اور توازن اور ہم آہنگی اور تعاون نہ ہو۔ اور یہ سب کچھ جبھی ممکن ہے کہ کوئی اٹل اور غالب اور قاہر قوت ان بے شمار اشیاء اور قوتوں کو پوری مناسبت کے ساتھ آپس میں تعاون کرنے پر مجبور کر رہا ہو۔ یہ کس طرح تصور کیا جا سکتا ہے کہ بہت سے مطلق العنان فرمانرواؤں کی حکومت میں ایک ضابطہ اس باقاعدگی سے چل سکے۔ ایک ملک اور حکومت میں جب دو خود مختار بادشاہ نہیں سما سکتے تو دو مختار کل اور قادر مطلق خدا اس کائنات میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں؟ اس آسمان وزمین اور تمام کائنات کا نظام قائم رہنا خود ہی اس بات کی دلالت ہے کہ احکم الحاکمین۔ مختار کل اور قادر مطلق ایک ہی ذات اعلیٰ ہے اور وہی الٰہ کہلانے اور معبود بننے کا مستحق ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ تمام عالم کا مدبر اور متصرف صرف ایک ہی خدا ہے جس کے حکم سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے۔ کسی دوسرے کے ارادہ اور تصرف کو ذرہ برابر اس میں دخل نہیں۔ اگر اللہ کے سوا آسمان وزمین کی تخلیق اور تدبیر میں اور کوئی خدا شریک ہوتا تو باہمی اختلافات اور کشمکش کی وجہ سے آسمان وزمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ لیکن جب آسمان وزمین کا نظام باحسن وجوہ سب کے سامنے ہے اور یہ سارا کارخانہ عالم ایک ہی طریقہ اور ایک ہی وطیرہ پر چل رہا ہے تو لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ دو خدا کا وجود ناممکن اور باطل ہے پس اگر کسی کو ذرا بھی سمجھ ہے تو دنیا کے اس نظم ونسق کو دیکھ کر خداوند قدوس کی وحدانیت کا قائل ہو جائے گا۔

یہ دلائل دے کر آگے حق تعالیٰ خود اپنی ذات پاک کی بڑائی بیان فرماتے ہیں کہ ان تقریرات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو کہ عرش کا مالک ہے ان امور سے پاک ہے جو یہ مشرکین کہتے ہیں۔ وہ معبود تو ایسا قادر مطلق اور مختار کل ہے کہ اس کی قدرت اور مشیت کو روکنا تو کجا کوئی پوچھ پاچھ بھی نہیں کر سکتا کہ آپ نے فلاں کام اس طرح کیوں کیا اور کیوں نہ کیا۔ ہاں اس ذات عالی کو حق ہے کہ وہ ہر شخص سے مواخذہ اور باز پرس کر سکتا ہے بس جب کوئی اس کی عظمت میں شریک نہ ہوا تو پھر معبودیت میں کیسے شریک ہو سکتا ہے۔ اس طرح توحید پر دلائل عقلی قائم کئے گئے۔ اب مشرکین سے ان کے دعوے پر دلیل صحیح کا مطالبہ ہے یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے تجویز کئے ہیں کیا اس کا ثبوت کسی دلیل عقلی یا نقلی سے ہے؟ اگر کوئی دلیل ہو تو پیش کرو۔ ظاہر ہے کہ مشرکین کے پاس شرک کے جواز میں بجز اوہام وظنون اور باپ دادوں کی کورانہ تقلید کے اور کیا رکھا تھا۔ شرک کی تائید میں نہ کوئی دلیل عقلی مل سکتی تھی نہ نقلی جسے پیش کر سکتے ہیں۔

توحید باری تعالیٰ پر دلیل عقلی دینے کے بعد آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ایک نقلی دلیل پیش کرنے میں تلقین کی جارہی ہے اور وہ یہ کہ آج تک جتنی کتابیں خدا کی طرف سے دنیا کے کسی حصہ میں اور کسی قوم کے پیغمبر پر نازل ہوئی ہیں سب ہی میں یہی ایک بات ہے کہ اس رب العرش کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔ تو اے منکرین اور مشرکین مکہ اگر تمہارے پاس تمام ملل سماویہ کے اس اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی دلیل ہو تو پیش کرو۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین کا اجماع عقیدۂ توحید پر رہا ہے۔ کسی پیغمبر نے بھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا۔ سب ہمیشہ یہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ تو جس طرح عقل اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے اور شرک کا رد ہوتا ہے ایسے ہی نقلی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کا اجماع دعوئے توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے۔

خلاصہ یہ کہ انبیاء کا ہدایت خلق کے لئے مبعوث ہونا متواتر ہے اور یہ بات بھی تواتر سے ثابت ہے کہ ہر پیغمبر نے خالص توحید کی تعلیم دی اور شرک سے منع کیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ متواتر کا انکار سوائے بیوقوف معاند اور ناواقف جاہل کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔

لہٰذا توحید کا انکار قطعی جہالت ہے۔ اور خلاف عقل ونقل ہے۔ ابھی یہی مضمون توحید اور شرک کا ابطال اگلی آیات میں مزید جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ

اور یہ لوگ یُوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھی ہے وہ پاک ہے بلکہ (وہ فرشتے) بندے ہیں معزز۔ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے

وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ

اور وہ اُسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور وہ بجز اُس کے جس کیلئے خداتعالیٰ کی مرضی ہو

اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ

اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور اُن میں سے جو یُوں کہے کہ میں علاوہ خدا کے معبود ہوں

اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

سو ہم اُس کو سزائے جہنم دیں گے۔ ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں

وَقَالُوا اور انہوں نے کہا	اتَّخَذَ بنالیا	الرَّحْمٰنُ اللہ	وَلَدًا ایک بیٹا	سُبْحٰنَهٗ وہ پاک ہے	بَلْ بلکہ	عِبَادٌ بندے	مُّكْرَمُوْنَ معزز
لَا يَسْبِقُوْنَهٗ وہ اس سے سبقت نہیں کرتے	بِالْقَوْلِ بات میں	وَهُمْ اور وہ	بِاَمْرِهٖ اس کے حکم پر	يَعْمَلُوْنَ عمل کرتے ہیں			
يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھوں میں	وَ اور	مَا خَلْفَهُمْ جو انکے پیچھے	وَ اور	لَا يَشْفَعُوْنَ وہ سفارش نہیں کرتے	
اِلَّا مگر	لِمَنِ جس کیلئے	ارْتَضٰى اسکی رضا ہو	وَهُمْ اور وہ	مِّنْ خَشْيَتِهٖ اسکے خوف سے	مُشْفِقُوْنَ ڈرتے رہتے ہیں		
وَمَنْ اور جو	يَّقُلْ کہے	مِنْهُمْ ان میں سے	اِنِّىْ بیشک میں	اِلٰهٌ معبود	مِّنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا	فَذٰلِكَ پس وہ شخص	
نَجْزِيْهِ ہم اسے سزا دیں گے	جَهَنَّمَ جہنم	كَذٰلِكَ اسی طرح	نَجْزِي ہم سزا دیتے ہیں	الظّٰلِمِيْنَ ظالم			

تفسیر وتشریح: گزشتہ سے مضمون اثباتِ توحید اور ابطال شرک کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ایامِ جاہلیت میں عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو (نعوذ باللہ) خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور مشرکین فرشتوں کو دو وجوہ سے معبود بناتے تھے ایک یہ کہ ان کے نزدیک وہ خدا کی اولاد تھے۔ (نعوذ باللہ) دوسرے یہ کہ وہ ان کی پرستش اور خوشامد کر کے انہیں خدا کے ہاں اپنا سفارشی بنانا چاہتے تھے۔ ان آیات میں دونوں وجوہ کی تردید کر دی گئی اور بتلایا گیا کہ خدا کے شانِ رفیع کے لائق نہیں کہ وہ اپنے بیٹے اور بیٹیاں بنائے۔ اس میں نصاریٰ کا بھی رد ہو گیا۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ نیز یہود کے اس فرقہ کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن برگزیدہ فرشتوں کو اے مشرکین تم خدا کی اولاد بتلاتے ہو وہ اولاد نہیں ہاں اس کے معزز بندے ہیں اور باوجود انتہائی معزز اور مقرب ہونے کے ان کے ادب اور اطاعت کا حال یہ ہے کہ جب تک اللہ کی مرضی اور اجازت نہ پائیں اس کے سامنے خود آگے بڑھ کر لب نہیں ہلا سکتے اور نہ کوئی کام اس کے حکم کے بدوں کر سکتے ہیں۔ گویا کمال عبودیت اور بندگی ہی ان کا طغرائے امتیاز ہے۔ اور حق تعالیٰ کا علم ان فرشتوں کے تمام احوال ظاہری و باطنی کو محیط ہے۔ ان کی کوئی حرکت اور کوئی قول و فعل اس سے پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ وہ مقرب

بندے اسی حقیقت کو سمجھ کر ہمہ وقت اپنے احوال کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں کہ کوئی حالت اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور ان کی کمال عبودیت کی یہ حالت ہے کہ حق تعالیٰ کی مرضی معلوم کئے بغیر کسی کی سفارش بھی نہیں کرتے۔ چونکہ مومنین موحدین سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اس لئے ان کے حق میں دنیا اور آخرت میں استغفار کرنا ان کا وظیفہ ہے۔ اور وہ حق تعالیٰ کی ہیبت سے ہمہ وقت ڈرتے اور خوف کھاتے رہتے ہیں۔ تو جب ملائکہ کی یہ حالت ہے تو ان کو معبود کیسے کہا جاسکتا ہے جیسا کہ یہ مشرکین کہتے ہیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اے مشرکین جن کو تم خدا کی اولاد یا خدا بنا رہے ہو اگر بفرضِ محال ان میں سے کوئی اپنی نسبت معاذ اللہ ایسی بات کہہ گزرے تو وہی دوزخ کی سزا جو حد سے گزرنے والوں ظالموں کو ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے لامحدود اقتدار و جبروت سے وہ بھی باہر نہیں جاسکتے پھر بھلا خدا کیسے ہوسکتے ہیں؟

خلاصہ یہ کہ یہاں حق تعالیٰ کے صاحبِ اولاد ہونے کی تردید اور اولاد پرستوں کے عقیدہ کا استیصال فرمایا گیا۔ اور اس بات کی صراحت فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ اور فرشتے خدا کے معزز و مکرم بندے ہیں۔ جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اجازت یا خطاب نہ ہو فرشتے خود کچھ بولنے کی جرأت نہیں کرتے۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک اس قدر بڑا جرم ہے کہ اگر بالفرض کسی مقرب فرشتے سے بھی سرزد ہوجائے تو وہ بھی راندۂ بارگاہ ہوجائے۔

توحید کے مزید دلائل اور قدرت کے کھلے نشان جن کو دیکھ کر اللہ کی وحدانیت کا یقین آجائے اگلی آیات میں جاری ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو توحید کا کمال نصیب فرمائیں اور ہر طرح کے مخفی سے مخفی شرک سے ہمیں کامل طور پر بچائیں۔ قرآن پاک کے بتلائے ہوئے عقیدہ اور عمل ہم کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی ظاہراً و باطناً گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب میں بھی اپنی ذاتِ عالی کی معرفت کے سبب وہ خوف اور خشیت پیدا فرمائیں کہ ہم سے کسی حال میں کوئی چھوٹی یا بڑی نافرمانی سرزد نہ ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط

کیا اُن کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے دونوں کو (اپنی قدرت سے) کھول دیا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ

اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے۔کیا پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ بنائے

رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾

کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کشادہ راستے بنائے تاکہ وہ لوگ منزل (مقصود) کو پہنچ جائیں۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ج وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ

اور ہم نے (اپنی قدرت سے) آسمان کو ایک چھت بنایا جو محفوظ ہے۔اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔اور وہ ایسا ہے

الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

کہ اُس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے۔ ہر ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

اَوَ کیا	لَمْ يَرَ نہیں دیکھا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	كَفَرُوْٓا انہوں نے کفر کیا	اَنَّ کہ	السَّمٰوٰتِ آسمان	وَالْاَرْضَ اور زمین
كَانَتَا دونوں تھے	رَتْقًا بند	فَفَتَقْنٰهُمَا پس ہم نے دونوں کو کھول دیا	وَجَعَلْنَا اور ہم نے کیا	مِنَ الْمَآءِ پانی سے	كُلَّ شَيْءٍ ہر شے	
حَيٍّ زندہ	اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ کیا پس وہ ایمان نہیں لاتے	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنائے	فِي الْاَرْضِ زمین میں	رَوَاسِيَ پہاڑ		
اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ کہ جھک نہ پڑے ان کے ساتھ	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنائے	فِيْهَا اس میں	فِجَاجًا کشادہ	سُبُلًا راستے		
لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	يَهْتَدُوْنَ وہ راہ پائیں	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	السَّمَآءَ آسمان	سَقْفًا ایک چھت	مَّحْفُوْظًا محفوظ	
وَهُمْ اور وہ	عَنْ سے	اٰيٰتِهَا اس کی نشانیاں	مُعْرِضُوْنَ روگردانی کرتے ہیں	وَهُوَ اور وہ	الَّذِيْ جس نے	خَلَقَ پیدا کیا
الَّيْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن	وَالشَّمْسَ اور سورج	وَالْقَمَرَ اور چاند	كُلٌّ سب	فِيْ فَلَكٍ دائرہ مدار (میں)	يَّسْبَحُوْنَ تیر رہے ہیں

تفسیر اور تشریح: گزشتہ سے شرک کی تردید اور توحید کے ثبوت کے دلائل بیان ہوتے چلے آرہے ہیں۔اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی عام خلاقی اور ہمہ گیر قہار طاقت کا اظہار فرما کر گزشتہ مضمون کی تائید فرمائی گئی ہے تاکہ قدرت کے کھلے نشان اور محکم انتظامات کو دیکھ کر خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت پر یقین آجائے۔چنانچہ ان آیات میں کائنات کی پیدائش کا حال بیان فرمایا جاتا ہے تاکہ اس کو دیکھ کر اس کے پیدا کرنے والے کی قدرت کا اندازہ ہو اور اس کی معرفت کا دروازہ کھلے۔ابتداء زمین وآسمان دونوں ظلمت عدم میں ایک دوسرے سے غیر متمیز پڑے تھے۔ان میں باہم کوئی امتیاز اور فرق نہ تھا۔سب کی حقیقت ایک تھی۔اللہ کی قدرت دیکھو کہ اس نے ایک ہی مادہ سے مختلف انواع کی تخلیق کی۔قدرت نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا اور ہر ایک کے طبقات الگ الگ بنائے۔اس پر بھی منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے روئیدگی۔حق تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے دونوں

کے منہ کھول دیئے۔اوپر سے پانی کا دہانہ کھلا۔ نیچے سے زمین کے مسام کھل گئے۔ اسی زمین سے حق تعالیٰ نے نہریں اور کانیں اور طرح طرح کے سبزے نکالے۔آسمان کو کتنے بے شمار ستاروں سے مزین کردیا جن میں سے ہر ایک کا گھر جدا اور چال جدا رکھی۔ پھر جانداروں کو پانی سے پیدا کیا یعنی عموماً جاندار چیزیں جو ہم کو نظر آتی ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ پانی سے بنائی گئیں۔ پانی ہی ان کا مادہ ہے۔ نباتات حیوانات۔ جمادات میں سے ہر ایک کو اس کے تناسب زندگی عطا کی۔ پھر زمین جو ابتداء نرم اور قرار نہ پکڑنے والی چیز تھی اور زمین پر آبادی کرنی منظور تھی۔ اس لئے زمین میں ثقل پیدا کر کے اس کو قرار دیا۔ اور پہاڑوں کو ٹھوس اور اونچی دیواروں کی طرح زمین پر گاڑ دیا۔ تا کہ ان کے وزن اور گرانی سے زمین اپنی جگہ پر قائم رہے۔ پھر ان کے درمیان چوڑے چوڑے راستہ اور درے بھی بنادیئے تا کہ ایک جگہ کے لوگ دوسری جگہ کے لوگوں سے مل سکیں۔ آسمان کو مضبوط اور محکم چھت کی طرح بے سہارے سر پر پھیلا دیا۔ جس کے ٹوٹ پھوٹ اور گرنے کا خطرہ نہیں۔کیسی مضبوط۔ وسیع۔ محکم اور بلند چھت اتنی مدت سے بلاستون اور کھمبے کے کھڑی ہے۔ آسمان کے اندر اللہ عزوجل کی قدرت اور حکمت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔لیکن لوگ ان کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں ورنہ ہر چیز بتارہی ہے کہ اسے کسی بڑے ماہر اور کامل صناع اور بڑی قدرت و حکمت والے کاریگر نے بنایا ہے۔ پھر اسی نے رات دن چاند سورج بنائے۔ رات اور دن برابر ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں۔ اسی طرح چاند وسورج ایک معین نظام کے ماتحت نکلتے اور چھپتے رہتے ہیں اور یہ چاند وسورج بلکہ ہر سیارہ اپنے اپنے مدار پر چکر کھارہا ہے۔ یہ سب باتیں اللہ عزوجل کی ہستی پر دلالت کرتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہاں یہ بتلایا گیا کہ یہ نظامِ کائنات جو تمہاری نظروں کے سامنے ہے کیا اس میں کہیں ایک اللہ رب العلمین کے سوا کسی اور کی بھی کاریگری اور صناعی تمہیں نظر آتی ہے؟ زمین وآسمان کی ایک ایک چیز اللہ کی ہمہ گیر قدرت بے مثال خلاقی اور بے نظیر وحدانیت کو ثابت کررہی ہے۔لیکن کور بصیرت انسان ان پر غور نہیں کرتا ورنہ عبرت اندوز اہلِ نظر کے لئے آسمان وزمین کی خلقت۔ شبانہ روز کی پیدائش وانقلاب۔ چاند وسورج کی حرکات اوران کی حرکات کے آثار سب ایک صانع کی صنعت۔ اور ایک حکیم کی حکمت اور ایک قادر کی قدرتِ کاملہ کو ظاہر کررہی ہیں۔

الغرض حق تعالیٰ نے مضمونِ توحید کو نہایت پرمغز دلائل کے ساتھ یہاں بیان فرمایا اب آگے مضمون متعلق رسالت ہے۔ کفار مکہ اور معاندین اسلام اس بات کو خیال کر کے اپنے دل میں خوش ہولیتے تھے کہ بس یہ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک ہے۔ آپ کے انتقال اور وفات کے بعد یہ دین بھی ختم ہوجائے گا۔ کفار مکہ کے اس خیال خام کا رد اگلی آیات میں فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو کائنات کے ایک ایک ذرہ سے اپنی معرفت کا سبق حاصل کرنے والا دل ودماغ عطا فرمائیں۔ اور اپنی شانِ الوہیت وربوبیت کا یقین کامل نصیب فرمائیں۔ تا کہ ہم کو احکامِ الٰہیہ کی کامل پابندی نصیب ہو۔ یا اللہ! اپنی قدرتِ کاملہ کی ہم کو معرفتِ کاملہ عطا فرما تا کہ حقیقت توحید ہم کو نصیب ہو۔ اور ہم آپ کے مطیع اور فرمانبردار بندے بن کر زندہ رہیں اور اسی پر ہم کو موت نصیب ہو۔ یا اللہ! یہ زمین وآسمان اوران کے درمیان کی کائنات اور مخلوقات کو آپ ہی نے اپنی قدرت سے پیدا فرمایا ہے اور یہ آپ ہی کی قدرت سے قائم ہیں اور اسی وقت تک قائم رہیں گے جب تک آپ کی مشیت قائم رکھنا چاہے۔ یہ دن اور رات کا نظام آپ کی قدرتِ کاملہ کی کھلی نشانی ہے۔ اور آپ کی بے نظیر وحدانیت کو ثابت کرتی ہے۔ یا اللہ! ہم آپ کی بے مثال خلاقی اور ہمہ گیر قدرت پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ مرتے دم تک ہم کو اسی ایمان پر قائم رکھیے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کیلئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا۔ پھر اگر آپ کا انتقال ہوجائے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ ہر جاندار

ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

موت کا مزہ چکھے گا۔ اور ہم تم کو بُری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں۔ اور پھر تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے۔

وَ اور	مَا جَعَلْنَا ہم نے نہیں کیا	لِبَشَرٍ کسی بشر کیلئے	مِنْ قَبْلِكَ آپ سے قبل	الْخُلْدَ ہمیشہ رہنا	اَفَاۡئِنْ کیا پس اگر	
مِتَّ آپ نے انتقال کرلیا	فَهُمُ پس وہ	الْخٰلِدُوْنَ ہمیشہ رہیں گے	كُلُّ نَفْسٍ ہر جی	ذَآئِقَةُ چکھنا	الْمَوْتِ موت	وَ اور
نَبْلُوْكُمْ اور ہم تمہیں مبتلا کریں گے	بِالشَّرِّ برائی سے	وَالْخَيْرِ اور بھلائی	فِتْنَةً آزمائش	وَاِلَيْنَا اور ہماری ہی طرف	تُرْجَعُوْنَ تم لوٹ کر آؤ گے	

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی ابتداء ہی میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ کفار مکہ نے قرآن کی صداقت اور اسلام کی حقانیت سے عاجز ہو کر طرح طرح کی تہمت تراشی اور افتراپردازی سے کام لینا چاہا۔ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ ساحر و کاہن کہا۔ کبھی شاعر بتلایا۔ اور کبھی مجنوں و دیوانہ کا خطاب دیا مگر اسلام دن بدن بڑھتا ہی رہا۔ واضح رہے کہ اس سورۃ کا زمانۂ نزول وہ وقت تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی اور آپ کے ساتھ آپ کے متبعین کو چاروں طرف سے طعن و تشنیع اور طرح طرح کی سازشوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ایک طرف سردارانِ قریش تھے جو آئے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ حق پر خوفناک نتائج کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے اور ان میں سے بعض پر جوشِ مخالفین و معاندین بیٹھ بیٹھ کر یہ تک سوچا کرتے تھے کہ کسی طرح آپ کا نعوذ باللہ کام تمام کر دیں۔ دوسری طرف ہر وہ گھر جس کا کوئی فرد اسلام قبول کر لیتا آپ کا دشمن بن جاتا تھا۔ اور عام انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ جب انسان کسی کے بغض و عناد میں کھو جاتا ہے تو پھر اپنی زندگی کا اتنا خواہش مند نہیں رہتا جتنا اس کی موت کا آرزومند ہو جاتا ہے۔ دعوتِ حق کے معاندین کا بھی یہی حال تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے خیال سے اپنے جی خوش کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رحلت کر جائیں گے تو اسلام کا زور بھی ٹوٹ جائے گا۔ یہ جس قدر دھوم دھام ہے یہ انہی کے دم سے ہے۔

منکرین کے اس خیال کے رد میں حق تعالیٰ ان آیات میں فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ آپ کی موت کا انتظار کرتے ہیں لیکن آپ انتقال کر جائیں گے تو یہ ہمیشہ نہیں بیٹھے رہیں گے۔ موت ان کو بھی فنا کر دے گی۔ کوئی شخص پنجہ موت سے بچنے والا نہیں اور آپ کے انتقال سے اسلام کیوں نابود ہونے لگا۔ وہ آپ کی ذات سے وابستہ نہیں ہے کہ جب تک آپ کی حیات ہو تب تک اس کی ہستی ہو۔ وہ ہمیشہ رہے گا اور کبھی فنا نہیں ہوگا۔ چنانچہ حقیقت میں اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد گھٹا نہیں بلکہ روز بروز بڑھتا گیا اور تمام عالم میں پھیل گیا اور انشاء اللہ قیامت تک قائم رہے گا۔ مگر انسانی تاریخ بتلاتی ہے کہ باطل کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ جب حق کی روشنی سامنے آئی اور چاروں طرف پھیل کر ظلمت کو دور کرنا شروع کیا تو باطل پرستوں کے لئے باطل کا مٹنا اور حق کا پھیلنا بڑا شاق گزرا۔ اور بس یہی تدبیر ان کی اوندھی عقل میں ہمیشہ آئی کہ حق کو دنیا سے ختم کرنے کے لئے حق کی دعوت دینے والے کو ختم کر دیا جائے، گویا ان کے زعم باطل میں نہ بانس رہے گا نہ بانسری بجے گی۔ مگر حق کی تائید اور نصرت کرنے والے قادرِ مطلق کی قدرت ہمیشہ حق اور اہل حق کے ساتھ ہوتی ہے اور حق داعی حق کی موت سے ختم نہیں ہو جاتا۔

تو یہاں آیت کے جملہ کل نفس ذائقة الموت میں بتلایا گیا کہ موت کا مزہ تو ہر نفس کو دنیا میں چکھنا ہے ایک نہ ایک دن ہر ایک کو مرنا ہے۔ دوسرے جملہ میں اس دنیا میں جس کو بھی جتنی زندگی اور زمانۂ حیات ملا ہے اس کا فلسفہ بتلایا گیا ہے کہ یہ زمانہ حیات صرف اس لئے ہے کہ اس میں برائی اور بھلائی سے تم سب کا امتحان کیا جائے یعنی اس دنیوی زندگی میں سختی و نرمی۔ تندرستی و بیماری، تنگی وفراخی مصیبت وعیش وغیرہ مختلف احوال بھیج کر تم کو جانچا جاتا ہے تاکہ کھرا کھوٹا الگ ہو جائے اور علانیہ ظاہر ہو جائے کہ کون سختی پر صبر اور نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے اور کون شکوہ شکایت، مایوسی اور کفر ناشکری اور معصیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ کون اچھے حالات میں متکبر ظالم۔ خدا فراموش۔ بندۂ نفس بن جاتا ہے۔ اور کون برے حالات میں پست و ذلیل اور ناجائز راستے اختیار کر لیتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہر صاحب عقل انسان کو زندگی کے ان مختلف حالات کو حق تعالیٰ کے اس قرآنی ارشاد ونبلوكم بالشر والخير فتنة یعنی ہم شر اور خیر دونوں کے ذریعہ انسان کی آزمائش کرتے ہیں کے تحت سمجھنا چاہئے اور جو حالت بھی اسے پیش آئے اس کے امتحانی اور آزمائشی پہلو کو نگاہ میں رکھنا چاہئے اور اس سے بخیریت قرآن وسنت کے بتلائے ہوئے طریقہ اور ہدایات کے موافق گذرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ حالات اچھے آئے تو فرعون بن گئے اور حالات برے پیش آئے تو مایوس ہو گئے۔

بہادر شاہ ظفر جو شاہانِ مغلیہ کی ہندوستان میں آخری نشانی تھی انہوں نے ایک شعر میں اسی مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو کیسا ہی صاحب فہم وذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ انسان کو تکلیف پر صبر کرنا اتنا بھاری اور مشکل نہیں ہوتا جتنا عیش وعشرت اور آرام وراحت میں اس کے حق شکر ادا کرنے پر ثابت قدمی مشکل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دنیا میں جس حال میں رکھیں اس حال کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

آگے آیت کے تیسرے جملہ میں وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ یعنی تم سب کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے فرما کر یہ جتلا دیا گیا کہ دنیا کی زندگی کے امتحان اور آزمائش کے بعد پھر قیامت کے دن سب انسان بدنی جامہ پہن کر ہمارے ہی پاس آئیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس دنیا کے امتحان میں کون کامیاب رہا اور کون ناکام۔

یا اللہ! اب ہم اس دنیا میں آ کر اس آزمائش اور امتحان میں مبتلا ہو چکے ہیں آپ ہماری مدد فرمائیں اور ہمیں کامیابی کے ساتھ اس دنیا کی زندگی سے گزار کر ایمان و اسلام کے ساتھ ساتھ اپنی بارگاہ میں حاضر ہونا نصیب فرمائیں۔ آمین۔

ایک یہ کہ ہر ذی حیات کے لئے موت لازمی ہے خواہ جلد خواہ طویل ترین مدت کے بعد۔

دوسرے انسان جب تک زندہ رہے گا اس کا امتحان برابر ہوتا رہے گا کہ کن کن حالات میں وہ ایمان واطاعت کی طرف متوجہ رہتا ہے اور کن کن حالات میں کفر ومعصیت کی طرف جھک جاتا ہے۔

تیسرے یہ کہ ہر انسان کو اللہ ہی کے حضور میں واپس جا کر اپنے اعمالِ دنیوی کی جواب دہی کرنا ہے۔

خلاصہ یہ کہ معاندین ومنکرین کی خام خیالیوں کا رد فرماتے ہوئے جتلا دیا گیا کہ اصل سوال مرنے کا نہیں ہے۔ سوال تو اصل یہ ہے کہ اس زندگی کی آزمائشوں سے کون کس طرح عہدہ برآ ہوتا ہے؟ ایمان وخیر کا سرمایہ جمع کرتا ہے یا کفر وشر کا؟ تو یہ معاندین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال وموت کے خیال سے اپنا جی خوش کرتے ہیں ان کو اپنی زندگی کی خبر لینا چاہئے اور مرنے کے بعد کی زندگی کی فکر کرنا چاہئے۔ ابھی آگے بھی کفار ومنکرین کی حالت عناد کا ذکر اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

1 وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ

اور یہ کافرلوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے ہنسی کرنے لگتے ہیں (اور آپس میں کہتے ہیں) کہ کیا یہی ہیں جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتے ہیں۔

وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ

اور یہ لوگ رحمٰن کے ذکر پر انکار کیا کرتے ہیں۔ انسان جلدی ہی کا بنا ہوا ہے۔ ہم عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے دیتے ہیں۔

فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ

پس تم جلدی مت مچاؤ۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت آوے گا اگر تم سچے ہو۔ کاش ان کافروں کو اُس وقت کی خبر ہوتی

كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝

جبکہ یہ لوگ آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں گے اور نہ اپنے پیچھے سے اور نہ اُن کی کوئی حمایت کرے گا۔

بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝

بلکہ وہ آگ اُن کو ایک دم سے آلے گی سو ان کو بدحواس کردیگی پھر نہ اُس کے ہٹانے کی اُن کو قدرت ہوگی اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی۔

وَ اِذَا اور جب	رَاٰكَ تمہیں دیکھتے ہیں	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وہ جنہوں نے کفر کیا	اِنْ نہیں	یَتَّخِذُوْنَكَ ٹھہراتے تمہیں	اِلَّا مگر				
هُزُوًا ایک ہنسی مذاق	اَهٰذَا کیا یہ ہے	الَّذِیْ وہ جو	یَذْكُرُ یاد کرتا ہے	اٰلِهَتَكُمْ تمہارے معبود	وَ هُمْ اور وہ	بِذِكْرِ ذکر سے			
الرَّحْمٰنِ رحمٰن اللہ	هُمْ وہ	كٰفِرُوْنَ منکر	خُلِقَ پیدا کیا گیا	الْاِنْسَانُ انسان	مِنْ سے	عَجَلٍ جلدی			
سَاُورِیْكُمْ عنقریب میں دکھاتا ہوں تمہیں	اٰیٰتِیْ اپنی نشانیاں	فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ تم جلدی نہ کرو	وَ یَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے ہیں	مَتٰى کب	هٰذَا یہ				
الْوَعْدُ وعدہ	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِیْنَ سچے	لَوْ یَعْلَمُ کاش وہ جان لیتے	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا	حِیْنَ وہ گھڑی			
لَا یَكُفُّوْنَ وہ نہ روک سکیں گے	عَنْ سے	وُجُوْهِهِمْ اپنے چہرے	النَّارَ آگ	وَ لَا اور نہ	عَنْ سے	ظُهُوْرِهِمْ ان کی پیٹھ	وَ اور		
لَا هُمْ نہ وہ	یُنْصَرُوْنَ مدد کئے جائیں گے	بَلْ بلکہ	تَاْتِیْهِمْ آئے گی ان پر	بَغْتَةً اچانک	فَتَبْهَتُهُمْ تو حیران کردے گی انہیں				
فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ پس نہ انہیں سکت ہوگی	رَدَّهَا اس کو لوٹانا	وَ اور	لَا هُمْ نہ انہیں	یُنْظَرُوْنَ مہلت دی جائے گی					

تفسیر و تشریح: شرک کے رَد کے سلسلہ میں گزشتہ سے کفار و مشرکین کا تذکرہ ہوتا چلا آرہا ہے۔ قیام مکہ کے زمانہ میں ابوجہل وغیرہ کفار قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی عناد میں مذاق شروع کردیتے اور آپ کی شان میں بے ادبی کرنے لگتے۔ اسی کو یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار و منکرین انجام سے بالکل بے فکر ہوکر پیغمبر علیہ السلام کی ہنسی اڑاتے ہیں اور آپ سے مذاق کرتے ہیں۔ چنانچہ استہزاء اور تحقیر سے کفار کہتے کہ کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرتا ہے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان منکرین کو شرم نہیں آتی کہ خود حقیقی معبود کے ذکر اور اس کے نام ''رحمٰن'' تک سے چڑتے ہیں۔ اس کی سچی کتاب کے منکر ہیں اور جھوٹے معبودوں کی برائی سن کر چیں بجبیں ہوتے ہیں۔ ہنسی

کے لائق تو ان کفار کی حالت ہوئی نہ کہ آپ کی۔ پھر کفار بطور استہزاء جلدی مچایا کرتے تھے کہ اگر واقعی ہم تمہارے نزدیک مستحق عذاب ہیں تو وہ عذاب فوراً کیوں نہیں لے آتے۔ اس پر حق تعالیٰ انسان کی خصلت بیان فرماتے ہیں کہ انسان بڑا جلد باز ہے۔ گویا اس کے خمیر میں جلدی پڑی ہوئی ہے اس واسطے یہ لوگ عذاب جلدی مانگتے ہیں۔ اس پر ان منکرین کو خطاب کیا جاتا ہے کہ اے منکرو تھوڑا صبر کرو عنقریب خدا اپنے قہر اور انتقام کی نشانیاں تم کو دکھلاوے گا۔ پھر جب کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت اور اس میں کفار کا ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جلنا سنتے تو بطور استہزاء کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ اگر سچے ہو تو قیامت اور جہنم کو ابھی کیوں نہیں بلا لیتے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ان منکرین پر حقیقت منکشف ہو جائے اور اس ہولناک گھڑی کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیں تو کبھی ایسی درخواست نہ کریں۔ یہ باتیں اس وقت بے فکری میں سوجھ رہی ہیں جب وہ وقت سامنے آجائے گا کہ آگے پیچھے ہر طرف سے آگ گھیرے ہوگی تو نہ کسی طرف سے اس کو دفع کر سکیں گے۔ نہ کہیں سے مدد پہنچے گی۔ نہ مہلت ملے گی۔ نہ پہلے سے اس کا اندازہ ہوگا۔ اس کے اچانک سامنے آجانے سے ہوش باختہ ہو جائیں گے۔ تب پتہ چلے گا کہ جس چیز کی ہنسی کرتے تھے وہ حقیقت ثابت ہوئی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اہلِ حق کا مذاق اڑانا کافروں کا شیوہ ہے۔ اور باطل پرست طبقہ ہمیشہ سے اہلِ حق کا مذاق اڑاتا چلا آیا ہے لیکن اس کو کبھی حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہوئی انجام کار غلبہ اہلِ حق ہی کو رہا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عجلت انسان کی سرشت میں داخل ہے لیکن نیکوکار طبقہ ہدایت حاصل کرنے میں عجلت سے کام لیتا ہے اور بدکار طبقہ اسباب ضلالت کی طرف جلد جلد دوڑتا ہے۔ اور جو بے وقوف انسان اللہ کے اُخروی عذاب کو جلد مانگتا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ عذاب اس کی نظر کے سامنے نہیں ہوتا لیکن جب سامنے آجائے گا تو پھر کسی طرح ٹالے نہیں ٹلے گا۔ ابھی مضمون انہیں کفار و منکرین کے متعلق اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر کافرانہ اور مشرکانہ خصلت و عادت سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں ہم کو حق پر آخری لمحہ تک قائم رکھیں اور باطل سے ہر طرح بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے ہر طرح محفوظ رکھئے۔ اور قیامت کی رسوائیوں سے مامون فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

اور آپ سے پہلے جو پیغمبر ہو گذرے ہیں اُن کے ساتھ بھی تمسخر کیا گیا تھا سو جن لوگوں نے اُن سے تمسخر کیا تھا اُن پر وہ عذاب واقع ہو گیا جس کے ساتھ وہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤١﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ

استہزاء کرتے تھے۔آپ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو رات اور دن میں رحمٰن سے تمہاری حفاظت کرتا ہو۔بلکہ وہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے

رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ

روگرداں ہیں۔کیا اُن کے پاس ہمارے سوا اور ایسے معبود ہیں کہ اُن کی حفاظت کر لیتے ہوں۔وہ خود اپنی حفاظت کی قدرت نہیں رکھتے

اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿٤٣﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ

اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی اور ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔بلکہ ہم نے اُن کو اُن کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ اُن پر

عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾

ایک عرصہ دراز گذر گیا۔کیا اُن کو یہ نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو ہر چہار طرف سے برابر گھٹاتے چلے جاتے ہیں سو کیا یہ لوگ غالب آویں گے۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف وحی کے ذریعہ سے تم کو ڈراتا ہوں۔اور یہ بہرے جس وقت ڈرائے جاتے ہیں سنتے ہی نہیں۔اور اگر اُن کو آپ کے رب کے عذاب کا

نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ

ایک جھونکا بھی ذرا لگ جاوے تو یوں کہنے لگیں کہ ہائے ہماری کم بختی واقعی ہم خطاوار تھے۔اور قیامت کے روز

الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ

ہم میزانِ عدل قائم کریں گے سو کسی پر اصلاً ظلم نہ ہوگا۔اور اگر عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا

اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿٤٧﴾

تو ہم اس کو حاضر کر دیں گے۔اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

وَ اور	لَقَدِ اسْتُهْزِئَ البتہ مذاق اُڑائی گئی	بِرُسُلٍ رسولوں کی	مِّنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے	فَحَاقَ آگھیرا پکڑ لیا	بِالَّذِيْنَ ان کو جنھوں نے		
سَخِرُوْا مذاق اُڑایا	مِنْهُمْ ان میں سے	مَا جو	كَانُوْا تھے	بِهٖ اس کے ساتھ	يَسْتَهْزِءُوْنَ مذاق اڑاتے تھے	قُلْ فرما دیں	مَنْ کون
يَكْلَؤُكُمْ تمہاری نگہبانی کرتا ہے	بِالَّيْلِ رات میں	وَالنَّهَارِ اور دن	مِنَ الرَّحْمٰنِ رحمٰن سے	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	عَنْ ذِكْرِ یاد سے		
رَبِّهِمْ اپنا رب	مُعْرِضُوْنَ روگردانی کرتے ہیں	اَمْ کیا	لَهُمْ ان کیلئے	اٰلِهَةٌ کچھ معبود	تَمْنَعُهُمْ انہیں بچاتے ہیں		

مِنْ دُوْنِنَا ہمارے سوا	لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ وہ سکت نہیں رکھتے	نَصْرَ مدد	اَنْفُسِهِمْ اپنے آپ	وَ اور	لَا هُمْ نہ وہ	مِنَّا ہم سے
يُصْحَبُوْنَ وہ ساتھی پائیں گے	بَلْ بلکہ	مَتَّعْنَا ہم نے سازوسامان دیا	هٰٓؤُلَآءِ ان کو	وَاٰبَآءَهُمْ اوران کے باپ دادا	حَتّٰى یہاں تک کہ	
طَالَ دراز ہوگئی	عَلَيْهِمُ ان پر	الْعُمُرُ عمر	اَفَلَا يَرَوْنَ کیا پس وہ نہیں دیکھتے	اَنَّا نَاْتِي کہ ہم آرہے ہیں	الْاَرْضَ زمین	
نَنْقُصُهَا اس کو گھٹاتے ہوئے	مِنْ سے	اَطْرَافِهَا اس کے کنارے	اَفَهُمُ کیا پھر وہ	الْغٰلِبُوْنَ غالب آنے والے	قُلْ فرمادیں	
اِنَّمَا اسکے سوانہیں کہ	اُنْذِرُكُمْ میں تمہیں ڈراتا ہوں	بِالْوَحْيِ وحی سے	وَ اور	لَا يَسْمَعُ نہیں سنتے ہیں	الصُّمُّ بہرے	الدُّعَآءَ پکار
اِذَا جب	مَا بھی	يُنْذَرُوْنَ انہیں ڈرایا جائے	وَلَئِنْ اوراگر	مَسَّتْهُمْ انہیں چھوئے	نَفْحَةٌ ایک لپٹ	مِنْ عَذَابِ عذاب سے
رَبِّكَ تیرا رب	لَيَقُوْلُنَّ وہ ضرور کہیں گے	يٰوَيْلَنَا ہائے ہماری شامت	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	ظٰلِمِيْنَ ظالم	وَنَضَعُ اور ہم رکھیں گے	
الْمَوَازِيْنَ ترازو	الْقِسْطَ انصاف	لِيَوْمِ دن	الْقِيٰمَةِ قیامت	فَلَا تُظْلَمُ تو نہ ظلم کیا جائے گا	نَفْسٌ کسی شخص پر	شَيْئًا کچھ بھی
وَاِنْ اور اگر	كَانَ ہوگا	مِثْقَالَ وزن۔برابر	حَبَّةٍ ایک دانہ	مِنْ خَرْدَلٍ رائی سے۔کا	اَتَيْنَا بِهَا ہم اسے لے آئیں گے	
وَكَفٰى اور کافی	بِنَا ہم	حٰسِبِيْنَ حساب لینے والے				

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں کفار ومشرکین کے استہزاء ہنسی، مذاق اور تمسخر کا ذکر تھا جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کے ساتھ برتتے تھے۔ اس پر معاندین ومنکرین کو عذابِ جہنم کی وعید سنائی گئی تھی۔ اب آگے ان آیات میں پہلے حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہیں کہ آپ کو جو ستایا جارہا ہے۔ مذاق اڑایا جاتا ہے اور کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو اس پر آپ پریشان نہ ہوں۔ کافروں کی یہ پرانی عادت ہے۔ اگلے نبیوں کے ساتھ بھی ان کافروں نے ایسا ہی کیا ہے بالآخر جس چیز سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے اس کی سزا نے گھیر لیا اور ان کی ہنسی ان ہی پر الٹ دی گئی اور وہ گرفتارِ عذاب ہوئے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ آپ ان کافروں سے یہ پوچھئے کہ رحمٰن جل شانہٗ کے غصہ اور عذاب سے اے منکرو تمہاری حفاظت کرنے والا دوسرا کون ہے۔ یہ محض اس کی رحمت واسعہ ہے کہ جو فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔ لیکن ایسے رحمت والے۔ حلیم، بردبار کے غصہ سے ڈرنا بھی بہت چاہئے (**نعوذ باللہ من عذاب العلیم**) آگے بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی حفاظت کا ان منکرین کو احساس نہیں۔ عیش وتنعم اور پرامن زندگی نے پروردگار حقیقی کی یاد سے غافل کر رکھا ہے اسی لئے حق تعالیٰ عزوجل کی طرف سے جب کوئی نصیحت کی جاتی ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں کہ کہاں کی باتیں شروع کردیں۔ حق تعالیٰ ان کفار ومشرکین سے سوال فرماتے ہیں کہ اے منکرو کیا اپنے فرضی معبودوں کی نسبت تمہارا خیال ہے کہ وہ تمہاری حفاظت کرتے ہیں اور موقع آنے پر خدا تعالیٰ کے غضب سے بچالیں گے؟ پھر اس کا جواب بھی خود حق تعالیٰ مرحمت فرماتے ہیں کہ ان کے معبود مسکین ان کی حفاظت تو کیا کرتے وہ تو خود اپنے وجود کی بھی حفاظت نہیں کرسکتے۔ اگر ان کو کوئی توڑنے پھوڑنے لگے یا کوئی چیز ان کے پاس سے چھین کر لے جائے تو اتنی قدرت بھی نہیں کہ مدافعانہ تحفظ کے لئے خود ہاتھ پاؤں ہلا سکیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ باوجود ایسے دلائل قاطعہ کے جو حق کو قبول نہیں کرتے تو یہ وجہ نہیں کہ دلائل میں کچھ خلل ہے بلکہ اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ پشتہا پشت سے یہ لوگ بے فکری کی زندگی گزار رہے ہیں۔ کوئی جھٹکا عذابِ الٰہی کا نہیں لگا۔ اس لئے مغرور ہوگئے اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر حق تعالیٰ کا پیغام اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصیحت قبول کرنے سے منہ موڑ لیا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ سرزمین عرب میں اسلام پھیلنے لگا ہے۔ اور کفر گھٹنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہاں کی زمین کافروں پر تنگ ہوتی جارہی ہے۔ اور زمین سے کفر کم ہوتا جارہا ہے۔ کیا ایسے کھلے ہوئے آثار وقرائن کو دیکھ کر بھی انہیں اپنا انجام نظر نہیں آتا اور کیا اس مشاہدہ کے باوجود اس کے امیدوار ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں پر غالب آجائیں گے۔ اگر چشم عبرت ہے تو چاہئے کہ عقل سے کام لیں اور قرائن واحوال سے مستقبل کا اندازہ کریں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کے گردوپیش کی بستیاں انبیاء کی تکذیب وعداوت کی سزا میں تباہ کی جا چکی ہیں اور ہمیشہ آخر کار خدا کے وفاداروں کا مشن کامیاب رہا ہے۔ پھر سید المرسلین اور مومنین کاملین کے مقابلہ میں غالب آنے کی ان کو کیا توقع ہوسکتی ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ میرا کام وحی الٰہی کے موافق نصیحت سنا دینا اور انجام سے آگاہ کردینا ہے۔ دل کے بہرے اگر میری پکار نہ سنیں تو میرا قصور نہیں وہ خود اپنے بہرے پن کا خمیازہ بھگتیں گے۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو بہرے بنے ہوئے ہیں۔ صرف اس وقت تک ہے کہ ذرا زور سے کھٹکھٹائے نہ جائیں۔ اگر عذاب الٰہی کی ذرا سی بھنک کان میں پڑگئی یا خدا کے انتقام وقہر کی ادنیٰ بھاپ بھی ان کو چھوگئی تو آنکھ کان سب کھل جائیں گے۔ اس وقت بدحواس ہوکر چلائیں گے کہ بیشک ہم بڑے بھاری مجرم تھے جو ایسی گھڑی آئی۔ اور قیامت کے دن رائی کے دانہ کے برابر کسی کا عمل ہوگا وہ بھی میزان میں تلے گا۔ ادھر ادھر ضائع نہ ہوگا۔ نہ کسی پر ظلم و زیادتی کی جائے گی۔ رتی رتی کا حساب برابر کردیا جائے گا۔ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارا حساب آخری اور فیصلہ کن ہوگا جس کے بعد کوئی دوسرا حساب نہیں۔ نہ ہم کو ساری مخلوق کا حساب لینے میں کسی مددگار کی ضرورت ہے۔

شروع سورت سے یہاں تک توحید و رسالت کا زیادہ مضمون بیان ہوا اور اس کے ضمن میں مخالفین حق اور منکرین کا آخرت میں معذب ہونا اور بعض کا دنیا میں ہلاک ہونا بیان ہوا تھا آگے بعض حضرات انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرمائے گئے ہیں جن سے ان ہی مضامین کی تائید فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمارے قلوب کو غفلت و بے فکری سے محفوظ فرمائیں اور دنیا و آخرت میں اپنے عذاب سے مامون فرماویں اور دنیا میں جو کچھ ہمیں عطا فرماویں آخرت بنانے کے لئے عطا فرماویں۔ یا اللہ! قیامت میں ہمارا حساب کتاب آسان فرما۔ اور اتنا آسان فرما کہ اپنی رحمت سے بلاحساب جنت میں داخل ہونا نصیب فرما۔

یا اللہ! جن کو آپ نے ہدایت سے نوازا وہ آپ پر اور آپ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی آخری کتاب قرآن کریم پر ایمان لائے یا اللہ! شکر ہے کہ ہم کو بھی آپ نے ہدایت نصیب فرمائی اور توحید کی دولت سے نوازا۔

یا اللہ! مرتے دم تک ہم کو توحید پر قائم رکھئے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائیے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو ایک فیصلہ کی اور روشنی کی اور متقیوں کیلئے نصیحت کی چیز عطا فرمائی تھی۔جو اپنے رب سے

رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ

بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ لوگ قیامت سے ڈرتے ہیں۔اور یہ (قرآن بھی) ایک کثیر الفائدہ نصیحت (کی کتاب) ہے جس کو ہم نے نازل کیا۔

اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

تو کیا پھر بھی اس کے منکر ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور البتہ ہم نے عطا کی	مُوْسٰى موسیٰؑ	وَهٰرُوْنَ اور ہارونؑ	الْفُرْقَانَ فرق کرنیوالی کتاب	وَضِيَآءً اور روشنی	وَذِكْرًا اور نصیحت
لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	الَّذِيْنَ جو لوگ	يَخْشَوْنَ وہ ڈرتے ہیں	رَبَّهُمْ اپنا رب	بِالْغَيْبِ بغیر دیکھے	وَهُمْ اور وہ / مِنَ سے
السَّاعَةِ قیامت	مُشْفِقُوْنَ خوف کھاتے ہیں	وَهٰذَا اور یہ	ذِكْرٌ نصیحت	مُبٰرَكٌ بابرکت	اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اسے نازل کیا
	اَفَاَنْتُمْ تو کیا تم	لَهٗ اس کے	مُنْكِرُوْنَ منکر		

تفسیر و تشریح: شروع سورت سے گزشتہ آیات تک مضمون زیادہ تر توحید و رسالت کے متعلق تھا اور اس کے ضمن میں مخالفین اور مکذبین انبیاء کا آخرت میں معذب ہونا اور بعض کا دنیا میں بھی ہلاک ہونا مذکور ہوا تھا۔ ان ہی مضامین کی تائید میں اب یہاں سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر شروع ہوتا ہے اور پے در پے سترہ انبیاء علیہم السلام یعنی حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت لوطؑ، حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ذاالکفلؑ، حضرت یونسؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کئے گئے ہیں۔

یہاں ان مختلف انبیاء کرام کا تذکرہ کرنے سے دو باتوں کے بیان کا خاص طور پر مقصد معلوم ہوتا ہے۔ایک تو یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو جائے۔کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف دیتے اور معاندانہ مخالفتیں کرتے تھے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو کفار کو گویا پکڑ پکڑ کر دوزخ سے کھینچتے تھے اور وہ پتنگوں کی طرح آگ میں گرے جاتے تھے۔اس سے سرور دو عالم۔رحمۃ للعلمین کو روحانی تکلیف پہنچتی تھی پھر جسمانی مصائب پہنچانے سے بھی کفار حتی الوسع دریغ نہ کرتے تھے۔سابق انبیائے کرام کا تذکرہ کر کے اس بات کی صراحت فرما دی کہ کفار کی معاندت و مخالفت صرف آپ ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ ہر زمانہ کے کافر ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ ہر پیغمبر کو تکلیفیں پہنچی ہیں لیکن انہوں نے صبر و تحمل فرمایا اور آخر کار اللہ کی نصرت و تائید ان کو حاصل ہوئی۔اس نے اپنے فضل و رحمت سے انہیں نوازا۔ ان کی دعاؤں کو قبول کیا۔ان کی تکلیفوں کو رفع کیا۔ان کے مخالفین کو نیچا دکھایا اور معجزانہ طریقوں پر ان کی مدد کی بالآخر ان کو فتح ہوئی اور کفار مغلوب ہوئے۔ دوسری بات منکرین انبیاء اور مخالفین اسلام کے سامنے پیش کرنا مقصود ہے کہ انبیاء کا مبعوث ہونا اور آسمانی کتابوں کا نازل ہونا اور حق و باطل کا فیصلہ کرنے کے لئے پیامِ الٰہی کا آنا اور صداقت کے نور کو پھیلانے کے لئے اللہ کے

نیک وصالح بندوں کا پند ونصیحت کرنا یہ کفار ومشرکین عرب ہی کے لئے مخصوص نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئے نبی نہیں۔ نہ قرآن کوئی اچنبھے کی کتاب ہے بلکہ موسیٰ ہارون، ابراہیم علیہما السلام وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے انبیاء پہلے بھی بھیجے جاچکے ہیں۔ کتابیں بھی نازل ہوچکی ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم قرآن کا انکار کرو اور اللہ کے بھیجے ہوئے نصیحت نامہ کو نہ مانو۔

ان مقاصد کے ماتحت یہاں سے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اور سب سے پہلے حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو بھی کتاب یعنی توراۃ عطا کی گئی تھی جس کی صفات یہ تھیں کہ وہ حق وباطل، ہدایت وضلالت۔ حلال وحرام کے قضیئے چکانے والی اور جہل وغفلت کے اندھیروں میں روشنی پہنچانے والی اور خدا سے ڈرنے والوں کو نصیحت سنانے والی کتاب تھی، واضح رہے کہ قرآن کریم کی ابتداء میں بھی ہدًی للمتقین فرمایا گیا ہے یعنی جو بندے خدا سے ڈرتے ہیں ان کو یہ کتاب راستہ بتلاتی ہے۔ آگے پھر ان متقین کی دو صفات بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ اپنے خدا سے غائبانہ ڈرتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ قیامت کا خوف رکھتے ہیں اس کی ہولناکیوں سے لرزاں وترساں رہتے ہیں۔ ان کے دل میں ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے کہ دیکھئے وہاں کیا صورت پیش آئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب توراۃ اور متقین کا ذکر فرما کر پھر قرآن پاک کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ اے اہل مکہ یہ ایک نصیحت کی کتاب تمہارے سامنے موجود ہے جس کا جلیل القدر۔ عظیم النفع اور کثیر الخیر ہونا توراۃ سے بھی زیادہ روشن ہے۔ تو کیا ایسی واضح اور روشن کتاب کے تم منکر ہوتے ہو جہاں انکار کی گنجائش ہی نہیں۔

یہاں قرآنِ کریم کی تعریف میں فرمایا گیا **ذکر مبارک** یعنی ایسا ہدایت نامہ جس پر عمل کرنے سے دین ودنیا کی برکات حاصل ہوتی ہیں۔ دنیا میں بھی فلاح میسر ہوتا ہے اور آخرت کی بھی بھلائی وسعادت حاصل ہوتی ہے۔ یہ بتلا کر خطاب یہاں کفار سے ہے کہ ایسے مبارک نصیحت نامہ سے تم انکار کرتے ہو۔ اور اللہ کے بھیجے ہوئے پند نامہ کو نہیں مانتے۔ اس کے بعد اگلی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تقویٰ کی صفت عطا فرمائیں تاکہ خوفِ خداوندی کے باعث ہم ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچیں۔ اور قرآن پاک کی جو دولت ہم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس پر ہمیں حقیقی شکر گزاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور اس مبارک نصیحت نامہ پر عمل پیرا ہونے کی سعادت عطا فرمائیں۔

یا اللہ! ہماری زندگی سراسر قرآن پاک کے احکام کے مطابق گزرے اور اس کی برکتوں وسعادتوں سے ہمیں پورا پورا حصہ نصیب فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

اور ہم نے اس سے پہلے ابراہیمؑ کو خوش فہمی عطا فرمائی تھی اور ہم اُن کو خوب جانتے تھے جبکہ اُنہوں نے اپنے باپ سے

وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

اور اپنی برادری سے فرمایا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو۔وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو

لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا

ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ابراہیمؑ نے کہا کہ بیشک تم اور تمہارے باپ دادا صریح غلطی میں ہو۔وہ کہنے لگے

اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کہ کیا تم سچی بات ہمارے سامنے پیش کررہے ہو یا دل لگی کررہے ہو۔ابراہیمؑ نے فرمایا کہ نہیں (دل لگی نہیں) بلکہ تمہارا رب (حقیقی جو لائق عبادت ہے) وہ ہے

الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾

جو تمام آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے اِن سب کو پیدا (بھی) کیا اور میں اس (دعوے) پر دلیل بھی رکھتا ہوں۔

وَ اور	لَقَدْ اٰتَيْنَا تحقیق البتہ ہم نے دی	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ	رُشْدَهٗ ہدایت یابی	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	وَكُنَّا اور ہم تھے	بِهٖ اسکے	
عٰلِمِيْنَ جاننے والے	اِذْ قَالَ جب اس نے کہا	لِاَبِيْهِ اپنے باپ سے	وَقَوْمِهٖ اور اپنی قوم	مَا هٰذِهِ کیا ہیں یہ	التَّمَاثِيْلُ مورتیاں		
الَّتِيْ جو کہ	اَنْتُمْ تم	لَهَا ان کیلئے	عٰكِفُوْنَ جمے بیٹھے ہو	قَالُوْا وہ بولے	وَجَدْنَا ہم نے پایا	اٰبَآءَنَا اپنے باپ دادا	لَهَا ان کیلئے۔کی
عٰبِدِيْنَ پوجا کرنے والے	قَالَ اس نے کہا	لَقَدْ كُنْتُمْ تحقیق تم رہے	اَنْتُمْ تم	وَاٰبَآؤُكُمْ اور تمہارے باپ دادا			
فِيْ ضَلٰلٍ گمراہی میں	مُّبِيْنٍ صریح	قَالُوْا وہ بولے	اَجِئْتَنَا کیا تم لائے ہو ہمارے پاس	بِالْحَقِّ حق کو	اَمْ یا	اَنْتَ تم	مِنَ سے
اللّٰعِبِيْنَ کھیلنے والیدل لگی کرنیوالے	قَالَ اس نے کہا	بَلْ بلکہ	رَبُّكُمْ تمہارا رب	رَبُّ رب	السَّمٰوٰتِ آسمان	وَالْاَرْضِ اور زمین	
الَّذِيْ وہ جس نے	فَطَرَهُنَّ انہیں پیدا کیا	وَاَنَا اور میں	عَلٰى ذٰلِكُمْ اس بات پر	مِنَ سے	الشّٰهِدِيْنَ گواہ		

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ علیہما السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی اور صحیح راستہ دکھانے والی کتاب یعنی توریت عطا فرمائی تھی جو متقین یعنی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی کتاب تھی اور اسی طرح یہ قرآن بھی ایک کثیر الفوائد نصیحت کی کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمایا ہے۔تو اس سے منکرین کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ قرآن سے پہلے بھی آسمانی کتابیں نازل ہوتی رہی ہیں لہٰذا تمہاری یہ بڑی غلطی ہے کہ تم اس قرآن کو کوئی نئی اور اوپری چیز سمجھتے ہو۔نہ یہ نئی ہے اور نہ اوپری بلکہ اس قسم کی نصیحتیں پہلے سے نازل ہوتی چلی آئی ہیں پھر کیا وجہ کہ قرآن کا انکار کیا جائے۔

حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام سے پہلے مشہور انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام گزرے تھے اب یہاں سے حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کو بیان فرمایا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات کو کسی جگہ اختصار کے ساتھ اور کسی جگہ تفصیل کے ساتھ موقع کی مناسبت سے متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وجاہت، شخصیت، ہدایت اور امامت کا عرب کے بیشتر گروہوں کو اعتراف تھا۔ یہودی، عیسائی۔ بت پرست سب ہی اپنے مذہب کو ابراہیمی مذہب کہتے۔ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا واقعہ نقل کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے اور آپ کو شرک سے اس قدر تنفر اور بیزاری تھی کہ اپنے اقارب و برادری یہاں تک کہ باپ سے بھی علیحدہ ہو گئے تھے۔ آپ کے نزدیک غیر اللہ کی عبادت اس قدر عظیم جرم تھا کہ باوجود سخت ترین جانی و مالی مصائب برداشت کرنے کے آپ نے شرک کی طرف میلان نہ کیا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو قومیں مشرک ہیں یا شرک آمیز توحید کے قائل ہیں وہ دین ابراہیمی پر کبھی نہیں ہو سکتیں اور ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہاں ان آیات میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے پیشتر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شروع ہی سے حق کی بصیرت اور رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی۔ اور وہ یہ یقین رکھتے تھے کہ بت نہ سن سکتے ہیں۔ نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی کی پکار کا جواب دے سکتے ہیں اور نہ نفع و نقصان کا ان سے کوئی واسطہ ہے وہ صبح و شام آنکھ سے دیکھتے تھے کہ ان بے جان مورتوں کو میرا باپ اپنے ہاتھ سے بناتا اور گھڑتا رہتا ہے اور جس طرح اس کا جی چاہتا ہے ناک، کان، آنکھیں اور جسم تراش لیتا اور پھر خریدنے والوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے کیا یہ خدا ہو سکتے ہیں یا خدا کے مثل و ہمسر کہے جا سکتے ہیں؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں پس نبوت سے سرفراز ہو کر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرف توجہ فرمائی اور قوم کو جب مورتی پوجا کرتے دیکھا تو اعتراض کیا اور فرمایا کہ ذرا ان کی اصلیت و حقیقت تو بیان کرو۔ آخر پتھر کی خود تراشیدہ مورتیاں خدا کس طرح بن گئیں؟ قوم کے پاس کوئی معقول جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ اوپر سے ہمارے باپ دادا انہی کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم بھی ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس دلیل سے تو تمہاری حقانیت اور عقلمندی ثابت نہ ہوئی ہاں یہ ثابت ہوا کہ تمہارے باپ دادا بھی تمہاری طرح گمراہ اور بے وقوف تھے جن کی کورانہ تقلید میں تم تباہ ہو رہے ہو۔ تمام قوم کے عقیدہ کے خلاف ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو سن کر ان میں اضطراب پیدا ہو گیا اور متعجب ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ کیا سچ مچ تمہارا عقیدہ اور خیال یہی ہے یا محض ہنسی اور دل لگی کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرا عقیدہ ہی یہ ہے اور میں پورے یقین و بصیرت سے اس کی شہادت دیتا ہوں کہ میرا تمہارا سب کا رب وہی ایک خدا ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور ان کی دیکھ بھال رکھی۔ کوئی دوسرا اس کی خدائی میں شریک نہیں ہو سکتا۔

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کو ہر طرح بت پرستی کے عیوب ظاہر کر کے باز رکھنے کی سعی کر لی لیکن قوم نے دعوتِ اسلام کو قبول نہ کیا اور صنم پرستی اور کواکب پرستی میں اسی طرح مبتلا رہی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دن جذبۂ توحید میں آ کر قسم کھا کر ایک اعلان کر دیا۔ وہ اعلان کیا تھا یہ ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں بیان ہو گا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو رشد و ہدایت ہم کو عطا فرمائی ہے اس پر ہم کو تا زیست قائم رکھیں اور توحید کی دولت سے ہمیشہ مالا مال رکھیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا

اور خدا کی قسم میں تمہارے بتوں کی گت بناؤں گا جب تم چلے جاؤ گے۔ تو انہوں نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا بجز ان کے ایک بڑے بت کے

لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾

کہ شاید وہ لوگ اس کی طرف (دریافت کرنے کیلئے) رجوع کریں۔ کہنے لگے کہ یہ ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے بڑا ہی غضب کیا۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ

بعضوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان آدمی کو جس کو ابراہیم کر کے پکارا جاتا ہے ان بتوں کا تذکرہ کرتے سنا ہے۔ وہ لوگ بولے کہ تو اچھا اس کو سب آدمیوں کے سامنے حاضر کرو

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ

تاکہ وہ لوگ گواہ ہو جاویں۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے بتوں کے ساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم۔ انہوں نے فرمایا بلکہ ان کے

كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

اس بڑے نے کی سو ان (ہی) سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔

وَتَاللّٰهِ اور اللہ کی قسم	لَاَكِيْدَنَّ البتہ میں ضرور چال چلوں گا	اَصْنَامَكُمْ تمہارے بت	بَعْدَ بعد	اَنْ کہ	تُوَلُّوْا تم جاؤ گے	مُدْبِرِيْنَ پیٹھ پھیر کر		
فَجَعَلَهُمْ پس اس نے انہیں کر ڈالا	جُذٰذًا ریزہ ریزہ	اِلَّا سوائے	كَبِيْرًا ایک بڑا	لَهُمْ ان کا	لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	اِلَيْهِ اس کی طرف		
يَرْجِعُوْنَ رجوع کریں	قَالُوْا کہنے لگے	مَنْ کون۔کس	فَعَلَ کیا	هٰذَا یہ	بِاٰلِهَتِنَا ہمارے معبودوں کے ساتھ	اِنَّهٗ بیشک وہ		
لَمِنَ البتہ۔سے	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	قَالُوْا وہ بولے	سَمِعْنَا ہم نے سنا ہے	فَتًى ایک جوان	يَذْكُرُهُمْ وہ انکے بارے میں باتیں کرتا ہے			
يُقَالُ کہا جاتا ہے	لَهٗ اس کو	اِبْرٰهِيْمُ ابراہیم	قَالُوْا بولے	فَاْتُوْا تم لے آؤ	بِهٖ اسے	عَلٰى سامنے	اَعْيُنِ آنکھیں	النَّاسِ لوگ
لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	يَشْهَدُوْنَ وہ دیکھیں	قَالُوْا انہوں نے کہا	ءَاَنْتَ کیا تو	فَعَلْتَ تو نے کیا	هٰذَا یہ	بِاٰلِهَتِنَا ہمارے معبودوں کے ساتھ		
يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اے ابراہیم	قَالَ اس نے کہا	بَلْ بلکہ	فَعَلَهٗ اس نے کیا ہے	كَبِيْرُهُمْ ان کا بڑا	هٰذَا یہ	فَسْئَلُوْهُمْ تو ان سے پوچھ لو		
	اِنْ اگر	كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ وہ بولتے ہیں						

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بت پرست قوم کو جن میں ان کا باپ بھی شامل ہے ہر طرح سمجھایا کہ یہ مٹی، پتھر اور لکڑی وغیرہ کے بت جنہیں تم نے خود اپنے ہاتھوں سے گھڑا ہے یہ کس طرح معبود ہو سکتے ہیں اور ان کے آگے عبادت کے لئے تم سر کیوں جھکاتے ہو۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر طرح قوم کو بت پرستی سے باز رکھنے کی سعی کر لی اور ہر قسم کے پند و نصائح و دلائل و براہین کے ذریعہ یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان جس کا ان پر مطلق اثر نہ ہوا تو جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جذبۂ توحید میں قسم کھا کر کہا کہ خدا کی قسم میں تمہاری عدم موجودگی میں ان بتوں کی گت بناؤں گا تاکہ ان کا عاجز اور درماندہ ہونا اور زیادہ مشاہدہ میں آ جائے اور تم دیکھ لو کہ واقعی

تمہارے دیوتا صرف لکڑی اور پتھروں کی مورتیاں ہیں جو گونگی بھی ہیں اور بہری بھی۔ اور اندھی بھی۔ جو اپنی آئی ہوئی مصیبت کو بھی نہیں ٹال سکتیں۔ دوسروں کو نفع نقصان پہنچانے کا تو کیا سوال۔ ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ اکیلے ہمارے مخالف کیا کارروائی کر سکتے ہیں اور تنہا ایک نوجوان ساری قوم کے معبودوں کا کیا بگاڑ سکتا ہے کچھ التفات نہ کیا اور بے پروائی سے ٹال دیا۔ ایک روز کسی تہوار کے موقع پر جب قوم کے لوگ شہر سے باہر میلہ میں گئے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت خانہ میں جا کر ایک کلہاڑی سے بتوں کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ صرف ایک بت کو باقی رہنے دیا جو باعتبار جثہ کے یا تعظیم و تکریم کے قوم کے نزدیک سب سے بڑا تھا اور جس کلہاڑی سے توڑا تھا وہ اس بڑے بت کے گلے میں لٹکا دی تا کہ وہ لوگ جب واپس آ کر یہ صورت حال دیکھیں تو قدرتی طور پر ان کا خیال اس بڑے بت کی طرف ہو۔ جب لوگ میلے سے واپس آئے تو دیکھا ادھر سے ادھر تک سارے بت ٹوٹے پڑے ہیں صرف بڑا بت باقی ہے اور اس کے کندھے پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔ یہ حال دیکھ کر وہ لوگ سخت برہم ہوئے اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا ہوا؟ اور کس نے یہ گستاخی اور بے ادبی کی حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ کی ہے۔ یقیناً جس نے یہ کام کیا وہ بڑا ظالم اور شریر ہے۔ (استغفر اللہ) ایسا ظالم ہمارے اندر کون ہو سکتا تھا۔ تو جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کہتے سنا تھا کہ تمہاری عدم موجودگی میں ان بتوں کی درگت بناؤں گا وہ فوراً بولے کہ یہ اس شخص کا کام ہے جس کا نام ابراہیم ہے۔ وہی ایک شخص ہے جو ہمارے معبودوں کا ذکر برائی سے کیا کرتا ہے یقیناً یہ کام اسی نے کیا ہوگا۔ اس پر قوم کے لوگ مشورہ کرتے ہیں کہ اس کو یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر برملا مجمع عام میں بیان لیا جائے تا کہ معاملہ کو سب لوگ دیکھ کر اور خود ان کی باتیں سن کر سب گواہ رہیں اور جو سزا ان کو قوم کی جانب سے دی جائے وہ اس کے مستحق سمجھے جائیں۔ یہ تو قوم کی غرض تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود بھی یہی تھا کہ مجمع عام میں ان کو موقع ملے کہ مشرکین کو عاجز اور مبہوت کریں اور کھلم کھلا بتوں کی بے بسی اور بے کسی کا اظہار کر سکیں۔ چنانچہ مجمع ہوا سب چھوٹے بڑے آ گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ملزم کی حیثیت سے موجود ہوئے اور آپ سے سوال ہوا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ لغو حرکت تم نے کی ہے؟

اس پر آپ نے انہیں قائل و معقول کرنے کے لئے کہا کہ مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اس بڑے بت کی طرف اشارہ کر کے جسے آپ نے توڑا نہ تھا فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس بڑے گورو گھنٹال نے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا آلہ بھی اس کے پاس موجود ہے یہ کام کیا ہو؟ کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں کہ بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو۔ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے۔ اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں اس لئے بہترین صورت میرے تمہارے درمیان فیصلہ کی یہ ہے کہ تم خود اپنے ان معبودوں ہی سے دریافت کرو کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا؟ اگر یہ کچھ بول سکتے ہیں تو کیا ایسے اہم معاملہ میں بول کر میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ نہ کر دیں گے؟ لہٰذا تم اپنے ان معبودوں ہی سے کیوں دریافت نہیں کرتے کہ تمہارا ٹکڑے اڑا دینے والا کون ہے؟

تو مقصود اس جواب سے حضرت ابراہیم کا یہ تھا کہ یہ لوگ خود بخود ہی سمجھ لیں کہ یہ پتھر کیا بولیں گے؟ اور جب وہ اتنے عاجز ہیں کہ اپنے سے بھی ضرر کو دفع نہیں کر سکتے تو لائق عبادت کیسے ٹھہر سکتے ہیں؟ اس پر قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا سوال جواب کیا یہ انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں بیان ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ

اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے پھر کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی لوگ ناحق پر ہو۔ پھر اپنے سروں کو جھکا لیا۔ اے ابراہیم تم کو تو

عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا

معلوم ہی ہے کہ یہ بت (کچھ) بولتے نہیں۔ ابراہیمؑ نے فرمایا تو کیا خدا کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے

وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ

اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ان کو آگ میں جلا دو۔

وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾

اور اپنے معبودوں کا بدلہ لو اگر تم کو کچھ کرنا ہے۔ ہم نے (آگ کو) حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیمؑ کے حق میں۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾

اوران لوگوں نے اُنکے ساتھ بُرائی کرنا چاہا تھا سو ہم نے اُن ہی لوگوں کو ناکام کر دیا۔

فَرَجَعُوْٓا پس وہ لوٹے سوچ میں پڑ گئے	اِلٰٓى طرف۔ میں	اَنْفُسِهِمْ اپنے دل	فَقَالُوْٓا پھر انہوں نے کہا	اِنَّكُمْ بیشک تم	اَنْتُمُ تم ہی	الظّٰلِمُوْنَ ظالم	
ثُمَّ نُكِسُوْا پھر وہ اوندھے کیے گئے	عَلٰى رُءُوْسِهِمْ اپنے سروں پر	لَقَدْ عَلِمْتَ تو خوب جانتا ہے	مَا جو	هٰٓؤُلَآءِ یہ	يَنْطِقُوْنَ بولتے ہیں		
قَالَ اس نے کہا	اَفَتَعْبُدُوْنَ کیا پھر تم پرستش کرتے ہو	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مَا جو بت	لَا يَنْفَعُكُمْ نہ تمہیں نفع پہنچا سکیں	شَيْـًٔا کچھ		
وَ اور	لَا يَضُرُّكُمْ نہ نقصان پہنچا سکیں تمہیں	اُفٍّ تف	لَّكُمْ تم پر	وَلِمَا اور اس پر جسے	تَعْبُدُوْنَ پرستش کرتے ہو تم	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	
اَ کیا	فَلَا تَعْقِلُوْنَ پھر تم نہیں سمجھتے	قَالُوْا وہ کہنے لگے	حَرِّقُوْهُ تم اسے جلا ڈالو	وَانْصُرُوْٓا اور تم مدد کرو	اٰلِهَتَكُمْ اپنے معبودوں کو	اِنْ اگر	
كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ تم ہو کرنیوالے کچھ کرنا ہے	قُلْنَا ہم نے حکم دیا	يٰنَارُ كُوْنِىْ اے آگ تو ہو جا	بَرْدًا ٹھنڈی	وَّسَلٰمًا اور سلامتی	عَلٰٓى پر	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم	
وَاَرَادُوْا اور انہوں نے ارادہ کیا	بِهٖ اسکے ساتھ	كَيْدًا فریب	فَجَعَلْنٰهُمُ تو ہم نے انہیں کر دیا	الْاَخْسَرِيْنَ بہت خسارہ پانیوالے (زیاں کار)			

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا صرف ایک بڑے بت کو چھوڑ دیا اور قوم والے جب بت خانہ میں آئے اور اپنے معبودوں کی یہ خستہ حالی دیکھی تو بڑے برہم ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو بڑا ظلم ہو گیا یہ حرکت کس نے کی ہے؟ اس پر بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شبہ ظاہر کیا کہ وہی ایک جوان ہے جس سے بتوں کی برائی کا تذکرہ سنا تھا۔ غالباً یہ اسی کی حرکت ہے۔

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجمع عام میں طلب کیا گیا تا کہ لوگ شہادت دیں اور جرم ثابت ہونے پر سزا دی جائے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس سب سے بڑے بت نے جلال میں آ کر چھوٹوں کو تہ تیغ کر دیا ہو لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ان زخمی بتوں سے پوچھ لو۔ یہ صاف صاف حال بتلا دیں گے۔ یہاں تک

مضمون گزشتہ درس میں بیان ہوا تھا۔اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں۔اس وقت دانشمند طبقہ کو اپنی غلطی اور کجراہی کا احساس بھی کچھ ہوا اور دل میں کہنے لگے کہ واقعی تم ہی ظالم ہو کہ ایسی بے جان کمزور اور بے حس مورتیوں کی عبادت کرنا حقیقتاً حماقت ہے بعض مفسرین نے ان کے اس قول کا مطلب کہ واقعی ظالم تو تم ہی ہو یہ لیا ہے کہ وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے بڑی غلطی کی کہ باوجود ابراہیم کی دھمکی سننے کے یونہی لاپروائی سے بت خانہ کھلا چھوڑ کر چلے گئے اور اپنے معبودوں کی حفاظت کا کوئی سامان کر کے نہ گئے۔غرض وہ کھسیانے ہو کر سرنگوں ہوئے۔شرمندگی کے مارے آنکھ نہ ملا سکے پھر غور و فکر کر کے بات بنائی کہ تم جو ہم سے کہتے ہو کہ ان سے ہم پوچھ لیں کہ تمہیں کس نے توڑا پھوڑا ہے تو جان بوجھ کر تم ہم سے ایسی ناممکن بات کا مطالبہ کیوں کرتے ہو۔کہیں پتھر بھی بولتے ہیں۔ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں تو جانتا ہوں کہ پتھر کیا خاک بولیں گے لیکن تم پر بھی حقیقت واضح کرنا چاہتا ہوں کہ تم جان بوجھ کر یہ کیا نادانی کر رہے ہو کہ ان بہرے گونگے بے جان اور بے بس مورتیوں کے آگے سر جھکاتے ہو۔تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر۔یہ تو پتھر تھے ہی تمہاری سمجھ پر بھی پتھر پڑ گئے کہ جو مورتی ایک لفظ نہ بول سکے کسی اڑے وقت کام نہ آ سکے۔ذرہ برابر نفع نقصان اس کے اختیار میں نہ ہو اسے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔کیا اتنی موٹی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے کس قدر ظلم و جہل ہے کہ ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے اور خدائے واحد کو چھوڑ دیا جائے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جب جاہل جواب نہ رکھتا ہو اور قدرت رکھتا ہو تو برسرِ پیکار آ جاتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کھری اور لاجواب باتیں سن کر قوم والے جھلا کر چلائے کہ اس نڈر اور دلیر شخص نے تو ہم پر خوب ہاتھ صاف کیا۔ادھر تو ہمارے معبودوں کی گت بنائی اور ادھر اپنی بے دھڑک لعن طعن سے ہمارے دل جلا کر خاک سیاہ کر دیئے۔چنانچہ انہوں نے اپنی دانست میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سخت سزا دینے کا مشورہ کیا۔اور سب نے متفقہ فیصلہ کر دیا کہ ان کے دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے دین کی مخالفت میں ابراہیم کو دہکتی ہوئی آگ میں جلا دینا چاہئے کیونکہ ایسے سخت مجرم کی سزا یہی ہو سکتی ہے اور دیوتاؤں کی تحقیر کا انتقام اسی طرح لیا جا سکتا ہے۔بہر حال جیسا کہ جہل و تعصب کا قاعدہ ہے وہ ظلم اور تشدد پر اتر آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ آگ میں جلا کر ختم کر دینے کا فیصلہ کیا۔چنانچہ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سزا کے لئے ایک مخصوص جگہ بنوائی۔ایک بہت بڑا اور بہت گہرا گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے اسے پر کیا اور انبار کھڑا کر کے اس میں آگ لگائی اور کئی روز مسلسل وہ آگ دہکائی گئی۔لکھا ہے کہ روئے زمین پر اتنی بڑی آگ کبھی نہیں دیکھی گئی۔جب آگ کے شعلوں سے قرب و جوار کی اشیاء جھلسنے لگیں اور اس طرح قوم کو کامل اطمینان ہو گیا کہ اب ابراہیم کے اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تب ابراہیم علیہ السلام کو ایک گوپھن میں بٹھا کر دہکتی آگ میں پھینکنے کی تیاری ہوئی۔اس مرحلہ پر اور ایسے نازک وقت میں جب تمام مادی سہارے ختم۔دنیاوی اسباب ناپید۔حمایت و نصرت کے ظاہری اسباب مفقود،حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت ایک ایسا بڑا زبردست سہارا حاصل تھا جو تمام سہاروں کا سہارا اور تمام نصرتوں کا ناصر کہا جاتا ہے اور وہ خدائے واحد ذوالجلال کا سہارا تھا۔اس نے اپنے جلیل القدر پیغمبر اور قوم کے عظیم المرتبت ہادی اور رہنما کو بے یار و مددگار نہ رہنے دیا۔اور دشمنوں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاتھ پیر باندھ کر گوپھن میں بٹھا کر آگ میں پھینکا تو ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوا میں راستہ ہی

میں تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ اس وقت آپ کو کوئی حاجت اور غرض ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں حاجت اور غرض تو ہے مگر تم سے نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ پھر جس سے ہے اسی سے کہیے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جانتا ہے اور دیکھتا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا قصد کر رہے تھے تو جو فرشتہ مینہ برسانے پر تعینات ہے اس کو گمان تھا کہ اس آگ کے بجھانے کا حکم مجھے ہی ہوگا۔ وہ کان لگائے تیار تھا کہ کب خداوند ذوالجلال کا حکم ہو اور میں پانی برسا کر اس آگ کو ٹھنڈا کردوں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم کسی ذریعہ کا محتاج نہیں۔ ادھر ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جاتا ہے ادھر براہِ راست حکم خداوندی آگ ہی کو پہنچا کہ میرے خلیل پر تو سلامتی اور ٹھنڈک بن جا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کے ساتھ ہی روئے زمین کی آگ کچھ دیر کے لئے ٹھنڈی ہوگئی اور اس وقت دنیا بھر میں کوئی آگ سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسیاں جس سے باندھ کر آپ کو آگ کے شعلوں میں جھونکا گیا تھا وہ تو آگ نے جلا دیں لیکن آپ کے ایک رونگٹے کو بھی آگ نہ لگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر آگ کو صرف ٹھنڈا ہونے ہی کا حکم ہوتا تو پھر ٹھنڈک بھی آپ کو ضرر پہنچاتی اس لئے ارشاد ہوا۔

ینار کونی بردا وسلماً علیٰ ابراھیم O

اے آگ تو ٹھنڈی اور آرام دہ ہو جا ابراہیمؑ کے حق میں یعنی "ایسی معتدل ٹھنڈک ہو جو جسم وجان کو خوشگوار معلوم ہونے لگے۔"

چنانچہ آگ اسی وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد پڑ گئی۔ لکھا ہے کہ آپ اس آگ میں ۷ روز رہے اور ۴۰۔۵۰ دن رہنے کی روایات بھی ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس زمانہ میں جو راحت اور سرور حاصل تھا ویسا اس سے نکلنے کے بعد حاصل نہیں ہوا کیا اچھا ہوتا کہ میری ساری زندگی اسی میں گزرتی۔ سبحان اللہ! قدرت کے بعد جب آگ فرو ہوئی اور کوئلے الگ کیے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے صحیح سلامت برآمد ہوئے۔ اور دشمن انکو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے سچ ہے۔

دشمن اگر قویست نگہبان قوی ترست

اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو برا چاہتے تھے وہ خود ناکامی، ذلت اور خسارہ میں پڑ گئے۔ کفار نے حق کو مغلوب کرنے اور صداقت وحقانیت کو مٹانے کے لئے جو تدبیر کی تھی وہ انہی پر لوٹ پڑی۔ حق اور نمایاں ہو گیا صداقت اور برملا واضح ہوگئی۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ اگرچہ دنیا عالمِ اسباب ہے لیکن بظاہر کبھی کبھی خلافِ عادت بھی ہو جاتا ہے اور ایک چیز واقع ہو جاتی ہے لیکن بظاہر اس کے اسباب کچھ نظر نہیں آتے۔ قرآن کریم اسے یوں سمجھاتا ہے کہ اسباب پر ایک قادر مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ پوری پوری قدرت رکھتے ہیں۔ تمام ظاہری اسباب جمع ہو جانے کے بعد بھی اللہ کا ارادہ اور حکم اصل ہے۔ اگر کسی چیز کے ہونے کا وہ حکم نہ دے تو سارے اسباب رکھے رہ جاتے ہیں اور وہ چیز نہیں ہوتی اور اگر وہ اس کے ہونے کا حکم دے دے تو بظاہر اسباب کتنے ہی غائب ہوں وہ چیز ہو جاتی ہے۔

اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کا مزید جو فضل وانعام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوا اس کو ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اور لوطؑ کو ایسے ملک کی طرف بھیج کر بچالیا جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کیلئے (خیرو) برکت رکھی ہے اور ہم نے ان کو اسحٰقؑ

وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ

اور یعقوبؑ پوتا عطا کیا۔ اور ہم نے اُن سب کو نیک کیا۔ اور ہم نے ان کو مقتدا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور ہم نے اُن کے

اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَلُوْطًا

پاس نیک کاموں کے کرنے کا اور نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا۔ اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔ اور لوطؑ کو

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

ہم نے حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نے اُن کو اُس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے گندے کام کیا کرتے تھے۔ بلاشبہ وہ لوگ

قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾

بڑے بدذات بدکار تھے۔ اور ہم نے لوطؑ کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ (کیونکہ) بلاشبہ وہ بڑے نیکوں میں سے تھے۔

وَنَجَّيْنٰهُ اور ہم نے اسے بچالیا	وَلُوْطًا اور لوطؑ	اِلَى طرف	الْاَرْضِ سرزمین	الَّتِیْ بٰرَكْنَا وہ جس میں ہم نے برکت رکھی		
فِيْهَا اس میں	لِلْعٰلَمِيْنَ جہانوں کیلئے	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لَهٗ اس کو	اِسْحٰقَ اسحٰقؑ	وَيَعْقُوْبَ اور یعقوبؑ	نَافِلَةً پوتا
وَكُلًّا اور سب	جَعَلْنَا ہم نے بنایا	صٰلِحِيْنَ صالح	وَ اور	جَعَلْنٰهُمْ ہم نے انہیں بنایا	اَئِمَّةً امام پیشوا	يَّهْدُوْنَ وہ ہدایت دیتے تھے
بِاَمْرِنَا ہمارے حکم سے	وَاَوْحَيْنَا اور ہم نے وحی بھیجی	اِلَيْهِمْ ان کی طرف	فِعْلَ الْخَيْرٰتِ نیک کام کرنا	وَ اور	اِقَامَ قائم کرنا	
الصَّلٰوةِ نماز	وَاِيْتَآءَ اور ادا کرنا	الزَّكٰوةِ زکوٰۃ	وَكَانُوْا اور وہ تھے	لَنَا ہمارے ہی	عٰبِدِيْنَ عبادت کرنے والے	وَلُوْطًا اور لوط
اٰتَيْنٰهُ ہم نے اسے دیا	حُكْمًا حکم	وَعِلْمًا اور علم	وَنَجَّيْنٰهُ اور ہم نے اسے بچالیا	مِنَ الْقَرْيَةِ بستی سے	الَّتِیْ جو	
كَانَتْ تَعْمَلُ کرتی تھی	الْخَبٰٓئِثَ گندے کام	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا وہ تھے	قَوْمَ سَوْءٍ برے لوگ	فٰسِقِيْنَ بدکار	
	وَاَدْخَلْنٰهُ اور ہم نے داخل کیا اسے	فِیْ رَحْمَتِنَا اپنی رحمت میں	اِنَّهٗ بیشک وہ	مِنَ سے	الصّٰلِحِيْنَ صالح نیکوکار	

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دشمنوں سے بچایا اور مخالفوں کو ان کے ارادوں میں ناکام اور ذلیل وخوار کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں آگ کو گلزار بَرْدًا وَّسَلٰمًا بنادیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہدایت کے لئے ہر طرح کے دلائل وبراہین پیش کئے مگر بدبخت قوم نے کچھ نہ سنا اور کسی طرح رشد وہدایت کو قبول نہ کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے علاوہ کوئی ایک تیسرا بھی ایمان نہ لایا تو اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ کسی دوسری جگہ جا کر پیغام الٰہی سنائیں اور دعوت حق پہنچائیں۔ اب غور کیجئے کہ باوجود ایسے کھلے ہوئے معجزہ کے دیکھ لینے کے کہ اتنی زبردست دہکتی ہوئی آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم نے ڈالا اور آپ اس میں صحیح سلامت

رہے پھر بھی قوم نے بت پرستی نہ چھوڑی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کہنا نہ مانا۔ اور جیسا کہ حضرت ابراہیم کے تذکرہ میں ابتدا میں ذکر ہو چکا ہے۔ قوم کی دلیل بت پرستی کی محض یہ تھی کہ انہوں نے اپنے باپ دادوں کو بتوں کی عبادت کرتے دیکھا ہے اس لئے وہ اس رسم و رواج کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے تو یہ باپ دادا کے رسم و رواج کی اندھی تقلید کیسی زہر قاتل ہے لیکن آج بھی یہ اسی طرح کارفرما ہے جیسے پہلے رہی ہے۔ آج بھی باوجود دین اسلام اور قرآن و حدیث کی روشنی عام ہونے کے جو غیر شرعی اور ناجائز رسم و رواج باپ دادوں کے وقت سے چلے آ رہے ہیں جہلا ان کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں اور دلیل یہی کہ ہم باپ دادا کی ریت کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔

الغرض جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھ لیا کہ قوم کسی طرح دعوت حق کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو بحکم الٰہی آپ نے اپنے وطن عراق سے ملک شام کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی حضرت سارہ اور آپ کے بھتیجے حضرت لوطؑ نے بھی ہمراہی میں ہجرت فرمائی۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو مع حضرت لوط کے صحیح سالم ملک شام پہنچایا جس سرزمین میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی برکات رکھی ہیں اور جہاں دنیا والوں کے لئے بڑی خیر و خوبی کا سامان جمع کر دیا ہے۔ ملک شام میں پہنچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے اور آپ کی نسل خوب پھلی پھولی۔ بڑے بڑے انبیاء صلحاء اور اولیاء پیدا ہوئے۔ یہ سب کے سب نیک بخت نیکوکار عالم باعمل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کا مقتدا اور پیشوا بنایا کہ بحکم خدا خلق خدا کو راہِ خدا کی دعوت دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بوجہ نبی ہونے کے اپنی وحی سے ان حضرات کو سرفراز فرمایا اور جو علم و حکمت، دانش و فہم ان کو عطا کیا گیا تھا انہوں نے اس کے مطابق عمل بھی کیا۔ کسی حکم کی تعمیل کو نہیں چھوڑا چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات کو نیکیاں کرنے اور خصوصاً نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس لئے وہ ان فرائض کو اچھی طرح بجالاتے اور خوب اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ شب و روز وہ اللہ کی بندگی و طاعت میں لگے رہتے تھے تو اس میں عرب کے اس وقت کے مشرکین کی طرف تعریض بھی ہے اور تنبیہ بھی کہ تم کیسے ملتِ ابراہیم کے دعویدار ہو۔ انہوں نے تو بت پرستی کو یوں مٹایا اور تم خود بت پرستی میں مشغول ہو اگر باپ دادا ہی کی تقلید کرنی ہے تو اپنے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقلید کرو۔

آگے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر اجمالاً فرمایا جا رہا ہے جس میں صالحین و فاسقین یعنی نیکوں اور بدوں کا انجام الگ، الگ ہونا ظاہر فرمایا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور عراق کے قدیم شہر اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی مولد ہے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت لوط کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ گزرا اسی لئے وہ اور حضرت سارہ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ملت ابراہیمی کے اولین مسلم ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت فرمائی تو حضرت لوط بھی ان کے ہمراہ ترک وطن کر کے چلے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب شام سے مصر کا سفر اختیار کیا تو اس وقت بھی حضرت لوط آپ کے ساتھ تھے۔ لکھا ہے کہ مصر سے واپسی پر آپ منصب نبوت پر فائز ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کو سدوم کے شہر میں بھیج دیا۔ موجودہ اردن کی وہ جانب جہاں آج بحر میت یا بحر لوطؑ جس کو انگریزی میں Dead Sea کہتے ہیں واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں سدوم اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں۔ مشہور یہ ہے کہ پہلے یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے اور بحر میت یا بحر لوط یعنی Dead Sea کہلاتا ہے یہ خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے۔ سدوم کی آبادی بھی اسی مقام پر تھی۔ یہ مقام شروع سے بحر نہ تھا جب قوم لوطؑ پر عذاب آیا اور اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا تب یہ زمین تقریباً 400 میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا جس کا نام اس وقت

جغرافیہ میں بحرلوط یا بحرمیت ہے۔ 1

حضرت لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آ کر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا ہیں کہ الامان الحفیظ۔ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہ تھی جو ان میں موجود نہ ہو۔ دنیا کی سرکش، بداطوار اور بد اخلاق اقوام کے عیوب وفواحش کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث عمل کی موجد تھی یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے وہ عورتوں کی بجائے مرد ولڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے۔ دنیا کی قوموں میں اس وقت تک اس عمل کا قطعاً کوئی رواج نہ تھا۔ یہی بدبخت قوم تھی جس نے اس ناپاک عمل کی ایجاد کی۔ اور یہ غیر فطری اور اخلاق سوز حرکت اس قوم میں شخصی اور انفرادی حدود سے بڑھ کر قومی حیثیت اختیار کر چکی تھی اور اس بدکرداری کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور علی الاعلان فخر ومباہات کے ساتھ اس کے مرتکب ہوتے تھے۔ ان حالات میں حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان کی بے حیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی اور شرافت وطہارت کی زندگی کی رغبت دلائی اور جس حسنِ خطابت، لطافت کے ساتھ جو ممکن طریقے سمجھانے کے ہوسکتے تھے ان کو سمجھایا اور نصیحت کی اور گزشتہ اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج ثمرات بتا کر عبرت دلائی مگر ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ ہوا بلکہ الٹا اثر یہ ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے خاندان پر طنز کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے اور ٹھٹھا کرتے کہ یہ بڑے پاکباز ہیں تو ان کا ہماری بستی میں کیا کام۔ ان کو یہاں سے نکالو۔ اخیر میں جب حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو خدا کے عذاب اس کی پکڑ اور غضب سے ڈرایا تو اس پر بھی یہ بد نصیب قوم نہ سنبھلی اور جیسا کہ قرآن پاک میں دوسرے مواقع میں بتلایا گیا ہے قوم نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ بس یہ نصیحتیں اور عبرتیں ختم کرو۔ اگر ہمارے ان اعمال سے تمہارا خدا ناراض ہے تو وہ عذاب لا کر دکھا دو جس کا ذکر کر کے بار بار ہم کو ڈراتے ہو اگر واقعی تم اپنے قول میں سچے ہو تو بس اب ہمارا تمہارا فیصلہ ہو جانا ضروری ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس قوم پر عذاب آ کر رہے گا کیونکہ ان کی فطرت اس قدر مسخ ہو چکی ہے کہ خوف خدا کا کوئی شائبہ بھی ان کے دلوں میں باقی نہیں عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور پیغمبر کے مقابلہ پر آمادہ ہیں قوم کی ہلاکت کے یہ آثار دیکھ کر آپ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔ غالباً آپ بھی حضرت نوح علیہ السلام کی طرح قوم کی آئندہ نسلوں کی طرف سے بھی مایوس ہو گئے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ ان کی درستی کی بھی کوئی امید نہیں وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلیں گی۔ چنانچہ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے دعا کی تھی حضرت لوط علیہ السلام نے بھی نصرتِ الٰہی سے مدد طلب کی۔ آخر عذابِ الٰہی کا وقت آ پہنچا۔ ابتدائے شب ہوئی تو ملائکہ کے اشارہ پر حضرت لوط علیہ السلام اپنے خاندان سمیت دوسری جانب سے نکل کر سدوم کی بستی سے رخصت ہو گئے اور آپ کی بیوی نے آپ کی رفاقت سے انکار کر دیا۔ اور راستہ سے لوٹ کر سدوم واپس آ گئی۔ آخر شب ہوئی تو اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا اور وہی ہوا جو گذشتہ قوموں کی نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہو چکا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والے بچا لئے گئے لیکن آپ کی بیوی عذاب سے ہلاک ہوئی۔ وہاں اس ساری بستی میں صرف یہی ایک گھرانہ ایمان والوں کا تھا۔ یہ ہے تفصیل اس اجمال کی جو ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔

قوم لوط علیہ السلام کی ہلاک شدہ بستیوں کے نشانات اللہ تعالیٰ نے دنیا کی عبرت کے لئے چھوڑ دیئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک باقی تھے اور اس مشہور تجارتی شاہراہ پر واقع تھے جو حجاز سے شام جاتے ہوئے عربوں کی رہگذر تھی۔ اس وجہ سے عرب ان سے واقف تھے مشرکین عرب کو حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی نافرمانی کا حال سنا کر ڈرایا جا رہا ہے اور پیغمبر وقت کی نافرمانی کا جو انجام ہوتا ہے وہ جتلایا جا رہا ہے۔ اسی طرح اگلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا حال بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝٧٦

اور نوحؑ کا تذکرہ کیجئے جبکہ اس سے (بھی) پہلے اُنہوں نے دُعا کی سو ہم نے اُن کی دُعا قبول کی اور اُن کو اور اُن کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی۔

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٧٧

اور ہم نے ایسے لوگوں سے اُن کا بدلا لیا جنہوں نے ہمارے حکموں کو جھوٹا بتایا تھا۔ بلاشبہ وہ لوگ بہت بُرے تھے اِس لئے ان سب کو ہم نے غرق کردیا۔

وَنُوْحًا اور نوح	اِذْ نَادٰى جب پکارا	مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے	فَاسْتَجَبْنَا تو ہم نے قبول کرلی	لَهٗ اس کی	فَنَجَّيْنٰهُ پھر ہم نے اسے نجات دی		
وَاَهْلَهٗ اور اسکے لوگ	مِنَ سے	الْكَرْبِ بےچینی	الْعَظِيْمِ بڑی	وَنَصَرْنٰهُ اور ہم نے اس کو مدد دی	مِنَ سے	الْقَوْمِ لوگ	الَّذِيْنَ جنہوں نے
كَذَّبُوْا جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں کو	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا وہ تھے	قَوْمَ لوگ	سَوْءٍ بُرے	فَاَغْرَقْنٰهُمْ ہم نے غرق کردیا انہیں	اَجْمَعِيْنَ سب

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارونؑ، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب حضرت نوح علیہ السلام کا اجمالی تذکرہ فرمایا جاتا ہے جس سے کفار کو یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ انبیاء کے مخالفین دنیا میں کامیاب و کامران نہیں ہوتے۔ انجام کار تباہ و برباد ہوتے ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا تحمل ہے جو کچھ مدت کے لئے آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ جب ڈھیل کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے تو مخالفت کرنے والوں کو تباہ کردیا جاتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً متعدد سورتوں میں ۴۳ جگہ فرمایا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کے معجز نما کلام کی یہ سنت ہے کہ وہ تاریخی واقعات میں سے جب کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اپنے مقصدِ وعظ و نصیحت کے پیش نظر واقعہ کی اسی قدر جزئیات کو نقل کرتا ہے جو مقصد کے لئے اس جگہ ضروری ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی اہم تفصیلات سورۂ اعراف۔ سورۂ ہود۔ سورۂ مومن۔ سورۂ مؤمنون۔ سورۂ شعراء سورۂ قمر اور سورۂ نوح میں بیان ہوئی ہیں۔ یہاں اس سورۃ میں ان آیات میں اجمالی تذکرہ فرمایا گیا ہے جس کی قدرے تفصیل دوسرے مقامات کو مدنظر رکھتے ہوئے بیان کی جاتی ہے۔

اکثر مؤرخین کے بیان کے مطابق حضرت نوحؑ کا نسب نامہ دسویں پشت میں حضرت آدم علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ امام حدیث ابن عساکر نے دنیا کی مجمل تاریخ اس طرح لکھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار دو سو برس کا فاصلہ ہوا اور نوح علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ۱۱۴۲ سال کا اور حضرت ابراہیمؑ سے موسیٰ علیہ السلام تک ۵۶۵ سال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے داؤدؑ تک ۵۶۹ برس اور داؤدؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک ۱۳۵۶ سال اور حضرت عیسیٰؑ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ۶۰۰ سال کا فاصلہ گزرا ہے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ۴۲۳۲ سال کا فصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ ۹۵۰ برس دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے۔ پھر طوفان آیا اور طوفان کے ۶۰ سال بعد تک زندہ رہے۔ اس طرح کل عمر ۱۰۵۰ سال کی ہوئی۔ آپ کا مسکن دریائے دجلہ و فرات کا دوآبہ یعنی موجودہ عراق تھا۔ حدیث شریف میں حضرت نوح علیہ السلام کے لئے اول المرسل کا لفظ آیا ہے۔ آپ دنیا میں پہلے رسول تھے۔ آپ سے پہلے نبی ہوئے ہیں اور نبی اور رسول میں فرق یہ

ہے کہ نبی ہر صاحبِ وحی کو کہتے ہیں لیکن رسول کے لئے صاحبِ وحی ہونے کے ساتھ صاحبِ شریعت ہونا بھی ضروری ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے تمام قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر نا آشنا ہو چکی تھی اور حقیقی خداوند قدوس کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق اس وقت بت پرستی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ بعض صالحین کا انتقال ہو گیا جن کے نام ود۔ سواع۔ یعوق یغوث۔ نسر تھے لوگوں نے ان کی تصاویر بنالیں تاکہ ان کے احوال وعبادت وغیرہ کی یاد تازہ رہے۔ کچھ مدت کے بعد ان صورتوں کے مجسمے تیار کر لئے، حتیٰ کہ کچھ دنوں بعد ان کی پرستش ہونے لگی۔ یہ بت ان ہی بزرگوں کے نام سے موسوم کئے گئے بعد میں یہ بت عرب میں بھی آئے۔ سنت اللہ کے موافق ان کے رشد وہدایت کے لئے انہی میں سے ایک ہادی اور خدا کے سچے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ آپ نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور راہِ حق کی طرف پکارا لیکن قوم نے نہ مانا۔ نفرت اور حقارت کے ساتھ انکار پر اصرار کیا اور جیسا کہ سورۂ مؤمنوں ۱۸ ویں پارہ میں بتلایا گیا بدبخت قوم نے آپ کی نصیحت قبول نہ کی اور وہی جواب دیا جو بعد میں آنے والی ہر گمراہ اور سرکش قوم نے اپنے پیغمبر کو دیا یعنی بولے کہ تم تو ہم ہی جیسے انسان ہو۔ پھر تم ہی کو پیغمبری کے لئے یوں منتخب کیا گیا کیا خدا کے پاس فرشتے نہ تھے جو وہ نازل کر دیتا۔ تم یقیناً یہ ڈھونگ رچا کر ہم میں عظمت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کیا ہم اپنے باپ دادا کے مسلک کو چھوڑ دیں؟ معلوم ہوتا ہے تم دیوانے ہو گئے ہو۔ غرض قوم نے آپ کی تکذیب وتحقیر کا کوئی پہلو نہ چھوڑا۔ ہر قسم کی تذلیل وتوہین کے طریقوں کو حضرت نوح علیہ السلام پر آزمایا حضرت نوح علیہ السلام نے انتہائی کوشش کی کہ بدبخت قوم سمجھ جائے اور رحمتِ الٰہی کے آغوش میں آجائے مگر جس قدر اس جانب سے تبلیغ حق میں جدوجہد ہوئی اسی قدر قوم کی جانب سے بغض وعناد میں سرگرمی کا اظہار ہوا اور ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے تمام وسائل کا استعمال کیا گیا اور آخر میں زچ ہو کر جیسا کہ سورۂ ہود میں بیان ہوا۔ کہنے لگے کہ اے نوح! بس اب یہ شب وروز کی جنگ وجدال اور روک ٹوک ختم کرو۔ بہت ہم سے جھگڑا کیا۔ اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو وہ فوراً لے آؤ۔ بہرحال جب قوم کی ہدایت سے حضرت نوح علیہ السلام بالکل مایوس ہو گئے اور آپ نے قرآنی تصریح کے مطابق ساڑھے نو سو سال کی پیہم دعوت وتبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہ دیکھا تو سخت ملول اور پریشان خاطر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں یہ دعا فرمائی جیسا کہ سورۂ نوح میں آیا ہے کہ اے پروردگار تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ۔ اگر آپ ان کو یونہی چھوڑ دیں گے تو یہ آپ کے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور ان کی نسل بھی انہی کی طرح نافرمان پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ جو ایمان لے آئے ہیں بس وہ لے آئے اب ان میں سے کوئی اور ایمان لانے والا نہیں ہے پس ان کی حرکات پر آپ غم نہ کیجئے اب ان کی سرکشی کے نتیجہ میں ان کی ہلاکت کا وقت نزدیک آ گیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ ایک کشتی تیار کریں تاکہ اسبابِ ظاہری کے اعتبار سے وہ اور مؤمنین اس عذاب سے محفوظ رہیں جو خدا کے نافرمانوں پر نازل ہونے والا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جب حکمِ ربانی کے مطابق کشتی بنانی شروع کی تو کفار نے ہنسی اڑائی اور مذاق بنانا شروع کر دیا کہ خشک زمین پر پانی سے بچاؤ کی تدبیر ہو رہی ہے! حضرت نوح علیہ السلام فرماتے کہ آج تم ہمارے اس فعل کو احمقانہ سمجھ کر ہنس رہے ہو اور اپنی

جہالت سے بے خبر ہو اب وہ وقت دور نہیں کہ جب خدا کا عذاب نازل ہوگا اور ہم تمہاری رسوائی پر ہنسیں گے۔ آخر سفینہ نوح علیہ السلام بن کر تیار ہو گیا اور حسب الارشاد حضرت نوح علیہ السلام اپنے اہل و عیال و مومنین کی مختصر جماعت جس کی تعداد تقریباً چالیس نفر تھی۔ اور بعض روایات میں ۸۰ کی تعداد لکھی ہے جانوروں میں سے ہر ایک کا ایک جوڑا لے کر کشتی پر سوار ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا نافرمان بیٹا ''یام'' کشتی میں نہیں بیٹھا۔ آخر کار طوفان پوری تیزی کے ساتھ آ گیا، آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسنا شروع ہو اور زمین کے چشموں کو حکم ہوا کہ وہ پوری طرح ابل پڑیں۔ خدا کے حکم سے جب یہ سب کچھ ہوتا رہا تو کشتی بھی اس کی حفاظت میں پانی پر ایک مدت تک محفوظ تیرتی رہی تا آنکہ منکرین و معاندین غرق آب ہو گئے اور خدا تعالیٰ کے قانون جزائے اعمال کے مطابق اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ چنانچہ یہ سرکش قوم اپنی نافرمانی کی بنا پر ڈوب کر مری اور مرنے کے بعد نذر دوزخ کر دی گئی۔ غرض جب حکمِ الٰہی سے عذاب ختم ہوا اور پانی آہستہ آہستہ خشک ہونا شروع ہو گیا تو ساکنانِ کشتی نے دوسری بار امن و سلامتی کے ساتھ خدا کی سرزمین پر قدم رکھا اس بنا پر حضرت نوح علیہ السلام کا لقب ابوالبشر ثانی یا آدمِ ثانی یعنی انسانوں کے دوسرے باپ مشہور ہوا۔ یہ ہے اس اجمالی واقعہ کی تفصیل جو یہاں ان آیات میں بیان ہوا ہے۔

نوح علیہ السلام کی دعاء کے مطابق روئے زمین پر ایک کافر نہ بچا سب ڈبو دیئے گئے۔ آگے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں اور اس پوری امت مسلمہ کو اپنے رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری تابعداری اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ اور ہم سے جو کوتاہیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں سرزد ہوئی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرمائیں اور اس پر ہماری گرفت نہ فرماویں۔ سرکش اور نافرمان قوموں کی خصلت اور اطوار سے اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام امتِ مسلمہ کو بچاویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا

اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام کے قصہ) کا تذکرہ کیجئے جبکہ دونوں کسی کھیت کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے جبکہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں۔اسکو چر گئیں اور ہم

لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّسَخَّرْنَا مَعَ

اُس فیصلہ کو جو لوگوں کے متعلق ہوا تھا دیکھ رہے تھے۔سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمانؑ کو دیدی۔اور یوں ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا۔اور ہم نے

دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ

داؤدؑ کیساتھ تابع کردیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی اور کرنے والے ہم تھے۔اور ہم نے اُن کو زرہ کی صنعت تم لوگوں کے واسطے سکھلائی

لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

تاکہ وہ تم کو (لڑائی میں) ایک دوسرے کی زد سے بچائے۔سو تم شکر کرو گے بھی (یا نہیں)

وَدَاوٗدَ اور داؤدؑ	وَسُلَيْمٰنَ اور سلیمانؑ	اِذْ جب	يَحْكُمٰنِ فیصلہ کررہے تھے	فِي الْحَرْثِ کھیتی کے بارہ میں	اِذْ جب	
نَفَشَتْ رات میں چر گئیں	فِيْهِ اس میں	غَنَمُ الْقَوْمِ ایک قوم کی بکریاں	وَكُنَّا اور ہم تھے	لِحُكْمِهِمْ انکے فیصلے کے وقت		
شٰهِدِيْنَ موجود	فَفَهَّمْنٰهَا پس ہم نے اس کو فہم دی	سُلَيْمٰنَ سلیمان	وَكُلًّا اور ہر ایک	اٰتَيْنَا ہم نے دیا	حُكْمًا حکم	وَعِلْمًا اور علم
وَسَخَّرْنَا اور ہم نے مسخر کردیا	مَعَ ساتھ۔کا	دَاوٗدَ داؤدؑ	الْجِبَالَ پہاڑ	يُسَبِّحْنَ وہ تسبیح کرتے تھے	وَالطَّيْرَ اور پرندے	وَكُنَّا اور ہم تھے
فٰعِلِيْنَ کرنے والے	وَعَلَّمْنٰهُ اور ہم نے اسے سکھائی	صَنْعَةَ صنعتکاریگری	لَبُوْسٍ ایک لباس	لَّكُمْ تمہارے لئے		
لِتُحْصِنَكُمْ تاکہ وہ تمہیں بچائے	مِّنْ سے	بَاْسِكُمْ تمہاری لڑائی	فَهَلْ پس کیا	اَنْتُمْ تم	شٰكِرُوْنَ شکر کرنے والے	

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت لوط اور حضرت نوح علیہما السلام اور ان کی نافرمان قوموں کا بیان ہوا تھا جس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ پہلی اُمتوں نے اپنے انبیاء کو کیسی کیسی تکلیفیں دیں اور کس قدر مخالفت وسرکشی کی بالآخر نافرمانی کے وبال میں پکڑے گئے اور ہلاک کئے گئے۔اب آگے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔جس سے ایک بات تو بتلانی یہ مقصود معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم کی نسل میں ایسے جلیل القدر پیغمبر اور صاحب تخت وتاج پیدا ہوئے جن کی ظاہری شان وشوکت تمام بادشاہوں سے بڑھ کر اور دائرہ حکومت تمام سلاطین سے زیادہ وسیع تھا اور یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیکی اور خدا پرستی کا پھل تھا۔دوسرے کفار قریش کو یہ بتلانا ہے کہ اپنی طاقت ودولت اور معمولی آسودگی پر نازاں نہ ہوں اور غرور وسرکشی سے باز آئیں۔اس فانی دنیا پر ریجھنا اور غرور کرنا یہ کم حوصلہ اور کم ظرفوں کا کام ہے ورنہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام جیسوں کو دیکھو کہ کس قدر زبردست قوت وطاقت کے مالک تھے جن کی حکومت چرند پرند یہاں تک کہ ہوا اور جنات پر بھی تھی مگر کیسے منکسر المزاج، خدا پرست اور خدا ترس باانصاف اور اللہ کے فرمانبردار تھے۔ان آیات میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ بکریوں کے ایک کھیت چر لینے کے فیصلہ سے متعلق ابتداء کی جاتی ہے۔حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد

علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اور یہ بھی نبی ہوئے ہیں۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے حکومت۔ قوت اور علم و حکمت عنایت فرمائے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بچپن ہی میں اس قدر غیر معمولی سمجھ کی باتیں کرتے تھے کہ سننے والے حیران رہ جائیں۔ یہاں اس آیت میں جس کھیتی کے جھگڑے کے فیصلہ کا بیان ہے اس کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا ایک رات کسی چرواہے کی بے خبری سے اس کی بکریاں کسی شخص کے انگور کے کھیت میں جا پڑیں بکریوں نے انگور کی کونپلیں اور پتیاں کھا ڈالیں اور خوشے خراب کر ڈالے۔ صبح کو یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ صاحبِ باغ نے استغاثہ دائر کیا اور مدعا علیہ نے اقرار کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کے نقصان کا اندازہ لگایا تو اس قدر قیمت ہوئی جتنی بکریوں کی مالیت تھی۔ اس لئے آپ نے فیصلہ کیا کہ تاوان میں کل بکریاں باغ والے کو دے دی جائیں۔ فریقین باہر آئے تو ان سے سلیمانؑ نے پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا ان لوگوں نے بیان کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ فریقین کے حق میں اس سے بہتر فیصلہ ہوسکتا تھا۔ یہ خبر حضرت داؤد علیہ السلام کو پہنچی۔ آپ نے حضرت سلیمان کو بلا کر پوچھا کہ اس سے بہتر اور کیا فیصلہ ہوسکتا تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ بکریاں باغ والے کو عارضاً دید یجئے اور چرواہے کو کہئے کہ انگوروں کی بیلوں کی خدمت کرے اور جتنے زمانہ میں بیلیں اپنی اصلی حالت میں آ جائیں اتنے زمانہ تک تمام بکریاں باغ والے کے قبضہ میں رہیں اور وہ دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھائے جب کھیت اصلی حالت پر آ جائے تو بکریاں چرواہے کو اور کھیت اس کے مالک کے سپرد کر دیا جائے۔ اس پر فریقین راضی ہو گئے اور داؤد علیہ السلام نے بھی اس فیصلہ کو پسند فرما کر اپنے گزشتہ فیصلہ سے رجوع فرمالیا۔

یہاں آیت میں آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ باپ اور بیٹے دونوں نے جو فیصلہ شرکائے مقدمہ کے حق میں کیا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تھا اور دونوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے فیصلہ کرنے کی قوت اور سمجھ عطا فرمائی تھی لیکن اس معاملہ میں اصل گر کی بات اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دی کہ جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی۔ آگے حضرت داؤد علیہ السلام کی دو خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ بے انتہا خوش آواز تھے اس پر پیغمبرانہ تاثیر۔ آپ کی آواز سے انسان تو انسان پرندے اور پہاڑ بھی از خود رفتہ ہو جاتے۔ آپ جب زبور پڑھتے یا خدا کی تسبیح و تحمید کرتے تو پہاڑ اور پرند جانور بھی ہوا سے اتر کر آپ کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگتے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اس پر تعجب نہ کرو کہ پتھر اور جانور کیسے بولتے اور تسبیح پڑھتے ہوں گے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا تھا۔ بھلا اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کے سامنے یہ باتیں کیا بعید سمجھی جاسکتی ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ کہ حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کو مثل موم کے نرم کر دیا تھا اسے موڑ توڑ کر لوہے کی زرہ آپ ہاتھ سے بنا لیتے۔ لوہے کو تپانے اور گرم کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے لوگ پتھروں کی زرہ بناتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ہی نے سب سے پہلے لوہے کی زرہ بنائی تو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں کڑی دار زرہ کا بننا ایک نعمت عظیم تھی جو اپنے بدن کے بچاؤ کے لئے لڑائی میں استعمال ہوتی۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے فائدہ کے لئے ہم نے داؤد علیہ السلام کے ذریعہ سے ایسی عجیب صنعت نکال دی۔ سوچو کہ تم اس قسم کی نعمتوں کا کچھ شکر ادا کرتے ہو۔

آگے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ

اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کا زور کی ہوا کو تابع بنا دیا تھا کہ وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف کو چلتی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور ہم ہر چیز

شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ

کو جانتے ہیں اور بعضے شیطان ایسے تھے کہ سلیمانؑ کیلئے غوطہ لگاتے تھے اور وہ اَور اَور کام بھی اس کے علاوہ کیا کرتے تھے۔

ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝

اور اُن کے سنبھالنے والے ہم تھے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ اور سلیمانؑ کیلئے	الرِّيْحَ ہوا	عَاصِفَةً تیز چلنے والی	تَجْرِيْ چلتی	بِاَمْرِهٖٓ اس کے حکم سے	اِلَى طرف	الْاَرْضِ سرزمین
الَّتِيْ بٰرَكْنَا جس کو ہم نے برکت دی ہے	فِيْهَا اس میں	وَكُنَّا اور ہم ہیں	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے	عٰلِمِيْنَ جاننے والے	وَ اور	
مِنَ سے	الشَّيٰطِيْنِ شیطان	مَنْ يَّغُوْصُوْنَ جو غوطہ لگاتے تھے	لَهٗ اس کیلئے	وَيَعْمَلُوْنَ اور کرتے تھے وہ	عَمَلًا کام	
دُوْنَ ذٰلِكَ اسکے سوا	وَكُنَّا اور ہم تھے	لَهُمْ ان کیلئے	حٰفِظِيْنَ سنبھالنے والے			

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر بھی ہوا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اس لئے آپ کا نسب بھی حضرت یعقوبؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر سولہ جگہ آتا ہے۔ ان میں سے چند جگہ کچھ تفصیل کے ساتھ ذکر آیا ہے اور اکثر جگہ مختصر طور پر ان انعامات اور فضل و کرم کا تذکرہ ہے جو حق تعالیٰ کی جانب سے آپ پر اور آپ کے والد حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام میں ذہانت اور ذکاوت اور فصل مقدمات میں اصابت رائے کا کمال بچپن ہی سے ودیعت کر دیا تھا چنانچہ آپ کے بچپن کا بکریوں کے مقدمہ کا واقعہ جو گزشتہ آیات میں قرآن پاک میں کیا جا چکا ہے اس کی ایک مثال ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری شریف میں ایک دوسرا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں دو عورتیں ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھیں اور دونوں کے ساتھ ان کے شیر خوار بچے بھی تھے۔ راہ میں ایک عورت کے بچہ کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا اور جو بچہ باقی رہا دونوں عورتیں اس کے لئے آپس میں جھگڑا کرنے لگیں۔ دونوں کا دعویٰ تھا کہ یہ بچہ میرا ہے اور دوسری کا بچہ بھیڑیا لے گیا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس یہ معاملہ پہنچا تو آپ نے مقدمہ کی روئیداد سن کر بڑی کے حق میں فیصلہ دیا اس لئے کہ بظاہر بچہ بڑی کے قبضہ میں تھا اور چھوٹی اس کے قبضہ کے خلاف گواہ نہ پیش کر سکی۔ جب عورتیں واپس ہو کر حضرت سلیمان کے پاس سے گزریں تو آپ نے ان کے قضیہ کی تفصیل دریافت فرمائی اور سن کر حکم دیا کہ ایک چھری لائی جائے اور اس بچہ کے دو ٹکڑے کر کے ایک بڑی کو اور ایک چھوٹی کو دے دیا جائے۔ بڑی یہ سن کر خاموش رہی مگر چھوٹی یہ فیصلہ سن کر شور و غوغا کرنے لگی کہ خدارا اس بچہ کے دو ٹکڑے نہ کیجئے میں بڑی کے حق میں دستبردار ہوتی ہوں۔ اس وقت سب کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ بچہ چھوٹی کا ہے اور بڑی جھوٹا دعویٰ کرتی ہے۔ لہٰذا بچہ چھوٹی کے حوالہ کر دیا گیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس جوہر کو حضرت داؤد علیہ السلام نے پہچان لیا تھا اس لئے بچپن ہی سے آپ کو امور سلطنت میں شریک کار رکھتے خصوصاً فصل مقدمات میں آپ سے ضرور مشورہ فرمالیا کرتے تھے۔ مورخین کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سن رشد کو پہنچ چکے تھے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت وحکومت دونوں میں داؤد علیہ السلام کا جانشین بنادیا اور اس طرح فیضانِ نبوت کے ساتھ ساتھ اسرائیلی حکومت بھی آپ کے قبضہ میں آ گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی بعض خصوصیات اور امتیازات سے نوازا اور اپنی نعمتوں میں سے بعض ایسی نعمتیں عطا فرمائیں جو آپ کی زندگی مبارک کا طغرائے امتیاز ہیں۔ علاوہ دیگر خصوصیات کے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دو خصوصیات کا اجمالاً ذکر فرمایا ہے۔ ایک تسخیر ریاح یعنی ہوا کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے حکم کا تابع بنادیا تھا۔ اس شرف کے متعلق قرآن کریم نے بتلایا کہ ہوا آپ کے حکم کے اس طرح تابع تھی کہ شدید اور تیز وتند ہونے کے باوجود آپ کے حکم سے نرم اور آہستہ روی کے باعث راحت ہو جاتی تھی اور اس نرم رفتاری کے باوجود اس کی تیز روی کا یہ عالم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا صبح وشام کا جدا جدا سفر ایک شہسوار کی مسلسل ایک ماہ کی رفتار مسافت کے مساوی ہوتا تھا گویا تخت سلیمانی انجن اور مشین جیسے اسباب ظاہر سے بالاتر صرف خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک بہت تیز رفتار ہوائی جہاز سے بھی زیادہ تیز ہوا کے کاندھے پر اڑا چلا جاتا تھا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے تعجب ہے کہ آج عجیب وغریب ہوائی جہازوں کے زمانہ میں بھی بہت سے زائغین اس قسم کے واقعات کا انکار کرتے ہیں۔ کیا یورپ جو کام اسٹیم اور الیکٹرک سے کر سکتا ہے خدا تعالیٰ ایک پیغمبر کی خاطر اپنی قدرت سے نہیں کر سکتا۔

دوسری خصوصیت حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ بیان فرمائی کہ ان کے زیر نگیں صرف انسان ہی نہ تھے بلکہ جن اور حیوانات بھی تابع فرمان تھے۔ جنات جن میں کافر ومسلم دونوں ہوتے ہیں سب آپ کے مسخر تھے آپ کے حکم سے سمندروں میں غوطہ مار کر موتی نکال کر لاتے اور بڑے بڑے مشکل اور سخت کام انجام دیتے اور کسی طرح حکم سلیمانی سے سرتابی نہ کر سکتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایسے عظیم الشان احسانات کئے اور پھر یہاں تک فرمایا کہ اس بے انتہا دولت وثروت کے صرف و خرچ داد ودہش اور روک کر رکھنے میں تم سے کوئی باز پرس بھی نہیں ہے مگر ان تمام باتوں کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام اس دولت وحکومت کو مخلوق خدا کی خدمت کے لئے امانت الٰہی سمجھ کر ایک حبہ اپنی ذات پر صرف نہیں فرماتے بلکہ اپنی روزی ٹوکریاں بنا کر حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح لکھا ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام شاہی اور شہنشاہی کے باوجود سلطنت و مملکت کے مالیہ سے ایک حبہ بھی نہیں لیتے تھے اور اپنا اور اہل و عیال کے معاش کا بار بیت المال پر نہیں ڈالتے تھے بلکہ اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی حاصل کرتے اور اسی کو ذریعہ معاش بناتے تھے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس وصف کو بخاری شریف کی ایک حدیث صحیح میں ان الفاظ کے ساتھ سراہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بے شبہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے روزی کماتے تھے۔ غرض کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا کہ ان کی حکومت انسانوں کے

علاوہ جنات اور حیوانات اور ہوا پر بھی تھی اور یہ سب بحکمِ خدا آپ کے تابع اور مطیع تھے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے بخاری شریف کی ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا گزشتہ شب ایک سرکش جن نے اچانک یہ کوشش کی کہ میری نماز میں خلل ڈالے۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قابو دے دیا اور میں نے اس کو پکڑ لیا۔ اس کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں تا کہ تم سب دن میں اس کو دیکھ سکو مگر اس وقت مجھ کو اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آ گئی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا۔ رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ۔ یہ یاد آتے ہی میں نے اس سرکش جن کو ذلیل کر کے چھوڑ دیا۔

محدثین نے اس حدیث کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اگرچہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کل انبیاء و رسل کے خصائص و امتیاز جمع کر دیئے تھے اس لئے تسخیر جنات پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت حاصل تھی لیکن جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس اختصاص کو اپنا طغرائے امتیاز قرار دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ کا مظاہرہ مناسب نہ سمجھا۔

ان آیات کے اخیر میں وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ فرما کر حق تعالیٰ نے جتلا دیا کہ گو وہ جن بڑے سرکش اور شریر تھے مگر ان کے سنبھالنے والے ہم تھے اس لئے وہ چوں نہیں کر سکتے تھے۔ ہم نے اپنے اقتدار کامل سے ان شیاطین یعنی کافر جنات کو سلیمانؑ کی قید میں اسطرح تھام رکھا تھا کہ جو چاہتے ان سے بیگار لیتے اور وہ کوئی ضرر سلیمانؑ کو نہیں پہنچا سکتے تھے ورنہ آدمی کی کیا بساط ہے کہ ایسی مخلوق کو اپنے قبضہ میں کر لے اور زنجیر میں جکڑ کر رکھ چھوڑے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بعض خصوصیات بیان فرما کر حق تعالیٰ اپنی قدرت و اقتدار کامل کا اظہار فرما رہے ہیں در پردہ جس سے مقصود توحید اور اپنی شانِ معبودیت کا جتلانا ہے۔ اب آ گئے حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کی معرفت اور یقین ہم کو بھی عطا فرماویں۔ اور ان انبیائے کرام کے واقعات سے ہمارے دلوں میں نور ایمان پیدا فرماویں۔ یا اللہ آپ کے انعامات اور احسانات جو ہم پر شب و روز بارش کی طرح برس رہے ہیں ان نعمتوں کا ہم کو قدردان اور شکر گزار بندہ بنا کر زندہ رکھئے اور اس حالت پر موت نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! سرکش شیاطین و جنات سب آپ کی قدرت و طاقت کے آگے مسخر ہیں اور آپ کی مشیت کے خلاف چوں نہیں کر سکتے۔ یا اللہ! ہمارے دین و ایمان کی حفاظت اور ہمارے جان و مال کی حفاظت شریر جنات و انسان و شیاطین سب سے فرمائیے اور ہمیں اپنی مرضیات پر اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ

اور ایوبؑ کا تذکرہ کیجئے جبکہ اُنہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔ سو ہم نے اُن کی دُعا قبول کی

فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

اور اُن کو جو تکلیف تھی اُسکو دُور کر دیا اور ہم نے اُن کو اُن کا کنبہ عطا فرمایا اور اُن کے ساتھ اُن کے برابر اور بھی اپنی رحمتِ خاصہ کے سبب سے اور عبادت کرنے والوں کیلئے

وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝

یادگار رہنے کے سبب سے عطا فرمائے۔

وَ اور	اَيُّوْبَ ایوبؑ	اِذْ نَادٰى جب اس نے پکارا	رَبَّهٗٓ اپنا رب	اَنِّىْ کہ میں	مَسَّنِىَ مجھے پہنچی ہے	الضُّرُّ تکلیف	وَاَنْتَ اور تو
اَرْحَمُ سب سے بڑا رحم کرنیوالا	الرّٰحِمِيْنَ رحم کرنے والے	فَاسْتَجَبْنَا تو ہم نے قبول کرلی	لَهٗ اس کی	فَكَشَفْنَا پس ہم نے کھول دی			
مَا جو	بِهٖ اس کو	مِنْ ضُرٍّ تکلیف	وَاٰتَيْنٰهُ اور ہم نے دیئے اسے	اَهْلَهٗ اسکے گھروالے	وَمِثْلَهُمْ اور ان جیسے	مَّعَهُمْ انکے ساتھ	
رَحْمَةً رحمت فرماکر	مِّنْ سے	عِنْدِنَا اپنے پاس	وَذِكْرٰى اور نصیحت	لِلْعٰبِدِيْنَ عبادت کرنے والوں کیلئے			

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا اب ان کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر چار سورتوں میں آیا ہے۔ سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں تو فقط انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں آپ کا نام مذکور ہے۔ موجودہ سورۂ انبیاء اور ۲۳ ویں پارہ میں سورۂ ص میں مجملاً تذکرہ فرمایا گیا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ آپ پر امتحان و آزمائش کا ایک سخت وقت آیا اور بلایا و مصائب نے چہار جانب سے آپ کو گھیر لیا مگر صبر و ضبط۔ استقلال و استقامت اور صبر و شکر کے ماسوا ایک حرف شکایت زبان پر کبھی نہیں لائے۔ آخر کار خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا اور مصائب کے بادل دور کر کے فضل و عطا سے مالا مال کر دیا۔ بندگانِ خدا میں سے جس کو خدا تعالیٰ کے ساتھ جس قدر تقرب حاصل ہوتا ہے اسی نسبت سے وہ بلایا اور مصائب کی بھٹی میں تپایا جاتا ہے اور جب وہ ان کے پیش آنے پر صبر و استقامت سے کام لیتا ہے تو وہی مصائب اس کے درجات تقرب کی رفعت اور بلندی کے سبب بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مصائب میں سب سے زیادہ سخت امتحان انبیاء کا ہوتا ہے اس کے بعد صلحاء کا اور پھر حسب مراتب و درجات۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ انسان اپنے دین کے درجات کے مناسب آزمایا جاتا ہے پس اگر اس کے دین میں پختگی اور مضبوطی ہے تو وہ مصیبت کی آزمائش میں بھی دوسروں سے زیادہ ہوگا۔

مصیبت و بلا، رنج و غم اور عسرت و تنگ حالی میں رضا بالقضاء کر صبر و استقامت پر قائم رہنا کٹھن ہے اس لئے جب کوئی خدا کا نیک بندہ شدت و سختی میں صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور صبر و شکر کا مسلسل مظاہرہ کرتا رہتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی جوش میں آ جاتی ہے اور اس پر فضل و کرم کی بارش ہونے لگتی ہے اور وہ غیر متوقع طور پر افضال و اکرام الٰہی سے

نوازا جاتا ہے اور دین و دنیا دونوں جہان کی کامرانی کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام کی مثال اس کے لئے ایک روشن شہادت ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا سلسلۂ نسب اکثر مورخین کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل جاتا ہے اور آپ کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت اسحٰق و یعقوب علیہما السلام کے زمانہ کے درمیان ہونا بتلایا گیا ہے۔ مختصراً صحیح روایات کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے دنیا میں ہر طرح آسودہ اور خوش حال رکھا تھا۔ مویشی۔ باغات، کھیتیاں، کوٹھیاں، زمینیں۔ لونڈیاں، غلام اولاد صالح وغیرہ سب کچھ مرضی کے موافق عطا کئے تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام بڑے شکر گزار اللہ کے نبی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈالا۔ بحکمِ الٰہی چند ہی روز میں تمام اولاد مرگئی۔ کوئی ڈوبا۔ کوئی مکان کے نیچے دب گیا کوئی کسی مرض سے ختم ہوگیا۔ تمام جانور، گھوڑے۔ اونٹ، بھینس، گائے، بکریاں وغیرہ سب مر گئے۔ کھیتیاں اور باغات جل گئیں اور اجڑ گئیں۔ مکانات گر پڑے۔ تمام سونا چاندی تلف ہوگیا۔ لیکن حضرت ایوبؑ برابر صبر کے ساتھ شکر کرتے رہے۔ مصائب کا اس پر بھی خاتمہ نہ ہوا۔ خود بیمار پڑ گئے۔ اور سخت جسمانی اذیت و تکلیف میں مبتلا ہوگئے۔ شہر کے باہر ایک جھونپڑی میں جا کر پڑ گئے لیکن صبر و شکر سے کسی وقت اور کسی حال میں بھی غافل نہ رہے۔ آپ کے ساتھ ایک بیوی رفیق رہ گئیں جو آپ کی خدمت کرتیں اور محنت و کام کاج کر کے پیٹ پالنے کو بھی لایا کرتی تھیں۔ مدتوں تک آپ ان بلاؤں اور مصائب میں گرفتار رہے۔ ایک قول میں ہے کہ آپ ۱۸ برس مصائب میں مبتلا رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ تیرہ سال

اور ایک روایت میں ہے کہ سات سال اور چند ماہ آپ کے مصائب کا زمانہ رہا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ لکھا ہے کہ جب آپ کی آزمائش شروع ہوئی، اہل و عیال مر گئے۔ مال فنا ہوگیا۔ کوئی چیز ہاتھ میں باقی نہ رہی تو آپ ذکر خدا میں اور بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ اے تمام پالنے والوں کے پالنے والے تو نے مجھ پر بڑے بڑے احسان کئے مال دیا۔ اولاد دی اس وقت میرا دل بہت مشغول تھا اب تو نے سب کچھ لے کر میرے دل کو فارغ کر دیا۔ اب میرے دل میں اور تجھ میں کوئی حائل نہ رہا۔ آپ کی دعاؤں میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ خدایا تو نے جب مجھے تونگر اور اہل و عیال والا بنا رکھا تھا تو خوب جانتا ہے کہ اس وقت میں نے نہ کبھی غرور و تکبر کیا۔ نہ کبھی کسی پر ظلم و ستم کیا۔ میرے پروردگار تجھ پر روشن ہے کہ میرا نرم و گرم بستر تیار ہوتا اور میں راتوں کو تیری عبادت و بندگی میں گزارتا اور اپنے نفس کو اس طرح ڈانٹ دیتا کہ تو آرام کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ تیری رضامندی کی طلب میں اپنے راحت و آرام کو ترک کر دیا کرتا تھا۔

غرض کہ مدتوں آپ بلاؤں میں مبتلا رہے جب تکلیف و اذیت اور دشمنوں کے طعن و تشنیع حد سے گزر گئے بلکہ دوست بھی کہنے لگے کہ یقیناً ایوب نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی ہی سخت ہو سکتی تھی تو آپ بہت بے چین اور مضطرب ہوتے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں سربسجود ہو کر دعا گو ہوئے اور مصائب کے دور ہونے کی دعا کی۔ رب کو اس طرح پکارنا تھا کہ دریائے رحمت امنڈ پڑا۔ خدائے ذوالجلال نے پھر پہلا سا مال و منال دے دیا۔ نئی اولاد بھی پہلے سے زائد ہوگئی۔ زمین سے چشمہ نکالا اس سے پانی پی کر اور نہا کر تندرست ہوگئے۔ آن کی آن میں سارا مرض جاتا رہا اور سب طرح درست ہوگئے۔ امام بخاریؒ

نے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام ایک مرتبہ غسل فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سونے کی ٹڈیاں ان پر برسائیں۔ ایوب علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو مٹھی بھر کر کپڑے میں رکھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو پکارا۔ ایوب! کیا ہم نے تم کو دھن دولت دے کر غنی نہیں بنا دیا؟ پھر یہ کیا؟ ایوب علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار یہ صحیح اور درست ہے مگر تیری نعمتوں اور برکتوں سے کب کوئی بے پروا ہو سکتا ہے۔

ان آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔

یہاں آیت میں ایوب علیہ السلام کو انتہائی آزمائش و تکالیف کے بعد تندرستی اولاد و اموال عطا کرنے میں دو مصلحتیں حق تعالیٰ نے بیان فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ ایوب علیہ السلام کی حالت قابل رحم ہوگئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے رحمت نازل کی۔ دوسرے یہ کہ تمام عبادت اور بندگی کرنے والوں کے لئے ایک نصیحت اور یادگار قائم ہوگئی کہ جب کسی نیک بندے پر دنیا میں سخت اور برا وقت آئے تو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کرنا اور استقلال دکھلانا اور صرف اپنے پروردگار سے فریاد کرنا چاہئے خواہ کتنے ہی مصائب کا ہجوم ہو اللہ سے منہ نہ موڑیں اور مرکز توجہ ذاتِ الٰہی ہی کو سمجھتا رہے۔ حق تعالیٰ اس پر نظر عنایت فرمائے گا۔ ان آیات اور حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ انسان کو چاہئے کہ کسی حالت میں بھی خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس لئے کہ مایوسی اور ناامیدی کفر کا شیوہ ہے۔ عیش و راحت میں تواضع و شکر اور رنج و مصیبت میں ضبط و صبر دو ایسی بیش بہا نعمتیں ہیں کہ جس کو یہ نصیب ہو جائیں وہ دین و دنیا میں کبھی ناکام نہیں رہ سکتا اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہر حال میں اس کی رفیق رہتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مصیبت اور بلا محض گناہوں کی پاداش ہی میں وجود پذیر نہیں ہوتی بلکہ کبھی آزمائش اور امتحان بھی بن کر آتی ہے اور انبیاء وصالحین و متقین، صابرین و شاکرین کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت ہوا کرتی ہے اس لئے ہر کسی کو ابتلاء میں دیکھ کر یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اللہ کی پکڑ اور گناہوں کی سزا میں گرفتار ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ جو آج کی آیات میں آئی ہے اس کے متعلق حضرت تھانویؒ نے اپنی کتاب اعمالِ قرآنی میں لکھا ہے کہ یہ دعا بلا، مصیبت اور تکلیف کے وقت ورد کرے تو انشاءاللہ تعالیٰ نجات ہوگی۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ راحت و آرام میں ہم کو تواضع و شکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور رنج و غم میں تحمل و ضبط و صبر کی توفیق نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہر حال میں آپ اپنا صابر۔ شاکر و ذاکر بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔

یا اللہ آپ کی نصرت و حمایت و عنایت و کرم و توجہ ہر آن ہمارے ساتھ ہو۔ اے اللہ! ہم ضعیف و کمزور ہیں ہم کسی آزمائش و ابتلا کے لائق نہیں، یا اللہ اپنی رحمت کرم و فضل سے ہماری ہر مشکل کو آسان فرما دیجئے۔ یا اللہ امت مسلمہ پر اس وقت جہاں جہاں مصائب کے بادل چھائے ہوئے ہیں ان پر رحم و کرم کی نظر فرمایئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِدۡرِيۡسَ وَذَا الۡكِفۡلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيۡنَ ۚۖ ﴿۸۵﴾ وَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ فِىۡ رَحۡمَتِنَا ؕ

اور اسمٰعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفل کا تذکرہ کیجئے۔ سب ثابت قدم رہنے والے بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا تھا۔

اِنَّهُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۸۶﴾

بے شک یہ کمال صلاحیت والوں میں تھے۔

وَاِسۡمٰعِيۡلَ اور اسمٰعیل	وَاِدۡرِيۡسَ اور ادریس	وَذَا الۡكِفۡلِ اور ذوالکفل	كُلٌّ یہ سب	مِّنَ سے	الصّٰبِرِيۡنَ صبر کرنے والے	وَ اور
اَدۡخَلۡنٰهُمۡ ہم نے داخل کیا انہیں	فِىۡ رَحۡمَتِنَا اپنی رحمت میں	اِنَّهُمۡ بیشک وہ	مِّنَ سے	الصّٰلِحِيۡنَ نیکوکار		

تفسیر وتشریح: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ۔ حضرت ادریسؑ اور حضرت ذالکفل علیہم السلام کا اجمالاً ذکر فرمایا ہے کہ ہر ایک ان میں سے صابر تھا۔ ان پر بھی دنیا میں بڑی بڑی تکلیفیں نازل ہوئیں۔ بالآخر ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا اور بلاشبہ یہ صالحین اور اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور جو حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ ذکر فرمایا گیا ہے۔ نیز احادیث میں بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق طویل روایات موجود ہیں۔ صحیح روایات کے مطابق مختصر حال حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا اس طرح پر ہے کہ بحکم الٰہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور آپ کے شیر خوار بچہ اسمٰعیل کو حجاز میں جہاں آج خانہ کعبہ ہے جو اس وقت ایک چٹیل سنسان ریگستان ویران اور غیر آباد جگہ تھی جہاں پانی کا نام ونشان بھی نہ تھا لا کر چھوڑ دیا۔ ایک مشکیزہ پانی کا اور ایک تھیلی کھجور بھی ان کے پاس چھوڑ دیں اور منہ پھیر کر چلنے لگے۔ حضرت ہاجرہ پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں کہ آپ ہم کو ایسی وادی میں چھوڑ کر کہاں چلے جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس نہ غم خوار مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر حضرت ہاجرہ نے دریافت کیا۔ کیا خدا نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہاں یہ خدا کے حکم سے ہے۔ حضرت ہاجرہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں۔ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا اور پھر واپس لوٹ آئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے۔ حضرت ہاجرہ چند روز تک مشکیزہ سے پانی اور تھیلی سے کھجوریں کھاتی اور اسمٰعیل کو دودھ پلاتی رہیں۔ لیکن وہ وقت بھی آ گیا کہ پانی رہا نہ کھجوریں۔ چونکہ وہ بھوکی پیاسی تھیں اس لئے دودھ بھی نہ اترتا تھا اور بچہ بھی بھوکا پیاسا رہا۔ جب حالت دگرگوں ہونے لگی اور بچہ بیتاب ہونے لگا تو حضرت ہاجرہ اسمٰعیل کو چھوڑ کر دور جا بیٹھیں تا کہ بچہ کی حالت زار اپنی آنکھ سے نہ دیکھیں۔ پھر مضطرب اور بے چین ہو کر قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آ جائے یا پانی نظر آ جائے۔ پھر بچہ کی محبت میں دوڑ کر وادی میں آ گئیں اس کے بعد دوسری جانب کی پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں۔ اور وہاں بھی جب کچھ نظر نہ آیا تو پھر تیزی سے لوٹ کر وادی میں بچہ کے پاس آ گئیں اور اس طرح سات مرتبہ کیا۔ حضرت ہاجرہؓ کی اس دوڑ دھوپ کی یادگار وہ سعی بین الصفا والمروہ ہے جو حج اور عمرہ میں لوگ کرتے ہیں۔ آخر میں جب حضرت ہاجرہ مروہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی۔ چونکیں اور دل میں کہنے لگیں کہ کوئی پکارتا ہے۔ کان لگایا تو پھر آواز آئی حضرت ہاجرہ کہنے لگیں اگر تم مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ تمہاری آواز سن لی۔ دیکھا تو خدا کا فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ فرشتہ نے اپنا پیر یا ایڑی اس جگہ ماری جہاں آب زمزم کا کنواں ہے۔ اس جگہ سے پانی ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ نے پانی کو منتشر ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے پانی کے چاروں طرف مٹی کی باڑ بنانے لگیں اور فرمایا زم زم یعنی اے پانی ٹھہر۔ اے پانی ٹھہر۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اُم اسمٰعیل پر رحم کرے اگر وہ زم زم کو اس طرح نہ روکتیں اور اس کے چار

جانب باڑ نہ لگاتیں تو وہ ایک موجزن دریا بن جاتا۔

الغرض حضرت ہاجرہ نے پانی پیا اور پھر اسمٰعیل کو دودھ پلایا۔ پھر قدرت نے اس ویران اور غیر آباد جگہ میں آبادی کا انتظام فرمایا اور حضرت اسمٰعیل یہیں رہ کر جوان ہوئے اور اپنے والد حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ جب خانہ کعبہ تیار ہو چکا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابراہیم تم ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی پیش کرو۔ انبیاء علیہم السلام کا خواب چونکہ وحی الٰہی ہوتا ہے اس لئے فوراً تعمیل کے لئے تیار ہو گئے مگر چونکہ یہ معاملہ تنہا اپنی ذات سے وابستہ نہ تھا اس لئے خواب اور خدا کا حکم حضرت اسمٰعیل کو سنایا اور بیٹے کی مرضی معلوم کی۔ حضرت اسمٰعیل نے بلا پس و پیش فوراً اپنی جان قربان ہونے کے لئے پیش کر دی۔ چنانچہ باپ بیٹے اپنی قربانی پیش کرنے کے لئے جنگل روانہ ہو گئے اور اس وقت جہاں منیٰ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل کو پیشانی کے بل لٹا کر چھری تیز کر کے ذبح کرنا شروع کیا کہ فوراً اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیمؑ تم نے اپنا خواب سچا کر دکھلایا۔ بیشک یہ بہت سخت امتحان تھا اب بیٹے کو چھوڑو اور پاس جو مینڈھا کھڑا ہے اس کو بیٹے کے بدلہ میں ذبح کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مینڈھے کو ذبح کیا۔ یہی وہ قربانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار کے ہمیشہ کے لئے ملتِ ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی ذوالحجہ کی دس۔ گیارہ۔ بارہ تاریخ کو تمام دنیائے اسلام میں یہ شعار اسی طرح منایا جاتا ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر جب ۱۳۶ سال کی ہوئی تو آپ کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی اولاد اور نسل کا سلسلہ حجاز، شام، عراق، فلسطین اور مصر تک پھیل گیا تھا۔ عرب مورخین کا کہنا ہے کہ آپ اور آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ بیت اللہ کے قریب حرم کے اندر مدفون ہیں۔

یہاں آیت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ حضرت ادریس علیہ السلام کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے ایک سورۂ مریم سولہویں پارہ میں اور ایک موجودہ سورۂ انبیاء کی اس آیت میں۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے نام و نسب اور زمانہ کے متعلق مورخین میں سخت اختلاف ہے۔ قرآن کریم نے اپنے مقصد رشد و ہدایت کے پیش نظر تاریخی بحث سے ہٹ کر صرف آپ کی نبوت اور صفات عالیہ کا ذکر فرمایا ہے اور آپ کے صبر و رضا کی تحسین فرمائی گئی ہے۔ آپ پر اللہ کی رحمتوں کے نزول کا ذکر ہے اور آپ کی پاکیزگی اور پرہیزگاری اور سیرت باصفا کی تعریف و توصیف فرمائی گئی ہے۔ آپ کے زمانہ کے متعلق علمائے محققین کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیانی زمانہ میں گزرے ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملنا بیان کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں علم نجوم علم حکمت، علم ریاضی، فن کتابت، ناپ تول کے آلات اور اسلحہ کا بنانا اول اول آپ نے شروع کیا۔ احادیث میں مروی ہے کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ سورۂ مریم کی آیت **ورفعنه مكانا عليا** اور اٹھالیا ہم نے ان کو ایک اونچے مکان پر اس کی تشریح میں بعض علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے اور وہیں آپ کی روح قبض ہوئی، اس آیت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے ساتھ حضرت ذوالکفل کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر صرف دو جگہ ایک موجودہ سورۂ انبیاء اور دوسرے سورہ صٓ ۲۳ ویں پارہ میں فرمایا گیا ہے۔ دونوں جگہ صرف دوسرے انبیائے کرام کے ساتھ آپ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ امام طبریؒ نے آپ کو حضرت ایوب علیہ السلام کا بیٹا بتایا ہے اور لکھا ہے کہ کسی شخص کی ضمانت محض اللہ واسطے کر لی تھی جس کی پاداش میں ان کو کئی برس کی قید کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ نے بھی اس روایت کو اختیار کیا ہے۔ آگے اس کے بعد حضرت یونسؑ کا قصہ ذکر فرمایا گیا ہے، جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ

اور مچھلی والے (پیغمبر) کا تذکرہ کیجئے جبکہ وہ اپنی قوم سے خفا ہو کر چل دیئے اور اُنہوں نے یہ سمجھا کہ ہم اُن پر کوئی دارو گیر نہ کریں گے پس اُنہوں نے اندھیروں میں پکارا

اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ

کہ (الٰہی) آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں میں بے شک قصوروار ہوں۔ سو ہم نے اُن کی دُعا قبول کی اور اُن کو اس گھٹن سے نجات دی

وَكَذٰلِكَ نُـۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾

اور ہم اسی طرح (اور) ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

وَ اور	ذَاالنُّوْنِ ذوالنون مچھلی والا	اِذْ جب	ذَهَبَ چلا وہ	مُغَاضِبًا غصہ میں بھر کر	فَظَنَّ پس گمان کیا اس نے	اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ کہ ہم ہرگز تنگی نہ کرینگے
عَلَيْهِ اس پر	فَنَادٰى تو اس نے پکارا	فِي الظُّلُمٰتِ اندھیروں میں	اَنْ لَّآ کہ نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّآ اَنْتَ تیرے سوا	سُبْحٰنَكَ تو پاک ہے
اِنِّيْ بیشک میں	كُنْتُ میں تھا	مِنَ سے	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	فَاسْتَجَبْنَا پھر ہم نے قبول کرلی	لَهٗ اس کی	وَنَجَّيْنٰهُ اور ہم نے اسے نجات دی
مِنَ الْغَمِّ غم سے	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	نُـۨجِي ہم نجات دیتے ہیں	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن			

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت اسمٰعیل۔ حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب ان آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر چھ سورتوں میں فرمایا گیا ہے۔ سورۃ النسآء۔ سورۃ انعام۔ سورۃ یونس۔ سورۃ الصافات۔ سورۃ الانبیآء۔ سورۃ القلم ان میں سے پہلی چار سورتوں میں نام مذکور ہے اور دو آخری سورتوں میں ذوالنون اور صاحب الحوت یعنی مچھلی والا کہہ کر صفت کا اظہار کیا گیا۔ نون مچھلی کو کہتے ہیں اور حوت بھی مچھلی ہی کو کہتے ہیں۔ چونکہ آپ پر مچھلی کا حادثہ گزرا تھا اس لئے مچھلی والا یعنی ذالنون یا صاحب الحوت آپ کا لقب ہوا۔

قرآنی آیات کی روشنی میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر سرفراز فرما کر اہل نینوا جو موصل کے پاس ہے ان کی ہدایت کے لئے مامور کیا۔ یونس علیہ السلام ایک عرصہ تک ان کو تبلیغ فرماتے اور توحید کی دعوت دیتے رہے مگر اہل نینوا نے اعلانِ حق پر کان نہ دھرا اور اپنے کفر وشرک پر جمے رہے۔ گزشتہ نافرمان قوموں کی طرح خدا کے سچے پیغمبر کی دعوتِ حق کا ٹھٹھا کرتے اور مذاق اڑاتے رہے، مسلسل اور پیہم مخالفت ومعاندت سے متاثر ہو کر یونس علیہ السلام قوم سے خفا ہو گئے اور ان کو عذابِ الٰہی کی بددعا دے کر غصہ میں بھرے ہوئے ان کے درمیان سے چلے گئے۔

شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا قوم سے ناخوش ہو کر ان کے درمیان سے چلے جانا یہ ایک قسم کی ہجرت تھی کہ جب کافروں کے ایمان سے ناامید ہوئے تو ناراض ہو کر ان کے درمیان سے چلے گئے اور ان کا یہ غصہ اپنی وجہ سے نہ تھا بلکہ خدائے عزوجل کی نافرمانی کی وجہ سے تھا اور یہ غصہ اگرچہ حق اور درست تھا مگر چونکہ آپ کا بستی سے نکل جانا بدوں حکم الٰہی کے تھا اس لئے آپ کا یہ چلا جانا باعثِ عتاب ہوا کہ آپ کو اس بارہ میں وحی اور حکمِ الٰہی کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔ الغرض جب آپ بستی سے نکل کر دریائے فرات کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی کو مسافروں سے بھرا ہوا تیار پایا۔ حضرت یونس علیہ السلام بھی کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی نے لنگر اٹھا دیا۔ اب کشتی چلی تو

طوفانی ہواؤں نے کشتی کو آ گھیرا۔ جب کشتی ڈگمگانے لگی اور اہل کشتی کو غرق ہونے کا یقین ہونے لگا تو وہ اپنے عقیدہ کے مطابق کہنے لگے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے۔ جب تک اس کو کشتی سے جدا نہ کیا جائے گا نجات مشکل ہے۔ یونس علیہ السلام نے یہ سنا تو آپ کو تنبہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو میرا نینوا سے وحی کا انتظار کئے بغیر اس طرح چلا آنا پسند نہیں آیا اور یہ میری آزمائش کے آثار ہیں۔ یہ سوچ کر آپ نے اہلِ کشتی سے فرمایا۔ وہ غلام میں ہوں جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے۔ مجھ کو کشتی سے باہر پھینک دو مگر ملاح اور اہلِ کشتی نے ایسا کرنے سے انکار کیا اور آپس میں طے کیا کہ قرعہ اندازی کی جائے۔ چنانچہ تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی اور ہر مرتبہ یونس علیہ السلام کے نام پر قرعہ نکلا۔ تب مجبور ہو کر انہوں نے یونس علیہ السلام کو دریا میں ڈال دیا یا یونسؑ خود دریا میں کود پڑے۔ اسی وقت خدائے تعالیٰ کے حکم سے آپ کو ایک مچھلی نے نگل لیا جس کو حکم تھا کہ صرف نگل لینے کی اجازت ہے۔ یہ تیری غذا نہیں ہیں بلکہ تیرا پیٹ ان کا قید خانہ، حفاظت خانہ یا عبادت خانہ ہے۔

یونس علیہ السلام نے جب خود کو مچھلی کے پیٹ میں زندہ پایا تو درگاہِ الٰہی میں اپنی اس ندامت کا اظہار کیا کہ کیوں وہ وحی الٰہی کا انتظار کئے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر قوم سے ناراض ہو کر نینوی سے نکل آئے اور عفوِ تقصیر کے لئے بارگاہ خداوندی میں اس طرح دعا گو ہوئے **لا اله الا انت سبحانك انى كنت من الظلمين** الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ہی یکتا ہے۔ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔ بے شبہ میں اپنے نفس پر خود ہی ظلم کرنے والا ہوں۔ میں اپنی خطا کا اعتراف کرتا ہوں کہ بیشک میں نے جلدی کی کہ تیرے حکم کا انتظار کئے بغیر بستی والوں کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ چالیس دن آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے اور یہی تسبیح پڑھتے رہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کی دعا کو سنا اور قبول فرمایا مچھلی کو حکم ہوا کہ وہ یونسؑ کو اگل دے چنانچہ مچھلی نے ساحل پر یونس علیہ السلام کو اگل دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے ان کا جسم ایسا ہو گیا تھا جیسے کہ کسی پرندہ کا پیدا شدہ بچہ، کہ جس کا جسم بے حد نرم ہوتا ہے اور اس پر پَر وغیرہ نہیں ہوتے۔ غرض یونس علیہ السلام بہت نحیف و ناتواں حالت میں خشکی پر ڈال دیئے گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آپ کے لئے ایک بیلدار درخت اگا دیا جس کے سایہ میں حضرت یونس علیہ السلام رہنے لگے۔ ادھر یونسؑ کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوا۔ ادھر اہل نینویٰ کو یونس علیہ السلام کے بستی سے چلے جانے کے بعد گمان ہوا کہ نبی کی بد دعا خالی نہیں جائے گی اور انہوں نے عذاب کے کچھ آثار بھی محسوس کئے۔ اب ان کو یقین ہو گیا کہ وہ ضرور خدا کے سچے پیغمبر تھے اور اب ہماری ہلاکت یقینی ہے تب ہی تو یونس ہم سے جدا ہو گئے۔ یہ سوچ کر فوراً بادشاہ سے لے کر رعایا تک سب کے دل خوف و دہشت سے کانپ اٹھے اور حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے لگے تا کہ ان کی تصدیق کریں اور ان پر ایمان لائیں۔ ساتھ ہی تمام بستی والوں نے سچی توبہ کی۔ بت توڑ ڈالے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ واستغفار کرنے کے لئے آبادی سے باہر عورتوں، بچوں اور جانوروں سمیت میدان میں آ کر سب نے گریہ وزاری اور رونا چلانا شروع کیا۔ بچے اور مائیں۔ آدمی اور جانور سب شور مچا رہے تھے۔ تمام قوم نے متفقہ آواز سے یہ اقرار کیا۔ **ربنا امنا بما جآء به يونس**۔ پروردگار، یونس جو تیرا پیغام ہمارے پاس لے کر آئے تھے ہم اس کی تصدیق کرتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔'' آخر کار حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ ان کو دولتِ ایمان سے نوازا اور ان کو عذاب سے محفوظ کر دیا۔ تمام گزشتہ اقوام میں سے صرف قوم حضرت یونس علیہ السلام کی ایک مثال ایسی ہے جس نے آثار عذاب دیکھ کر عذاب آنے سے قبل ایمان کو قبول کر لیا اور خدا کی درگاہ میں توبہ کر کے عذابِ الٰہی سے محفوظ ہو گئی۔

بالآخر حضرت یونس علیہ السلام کو اب دوبارہ حکم خداوندی ہوا کہ وہ نینویٰ جائیں اور قوم میں رہ کر ان کی رہنمائی کریں تا کہ خدا

13 کی اس قدر کثیر مخلوق ان کے فیض سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام نے اس حکم کا امتثال کیا اور نینوئی میں واپس تشریف لائے۔ قوم نے جب ان کو دیکھا تو بے حد مسرت اور خوشی کا اظہار کیا اور ان کی رہنمائی میں دین و دنیا کی کامرانی حاصل کرتی رہی۔ یہ ہے حضرت ذوالنون یونس علیہ السلام کے واقعہ کی ترتیب جس کا ذکر یہاں ان آیات میں فرمایا گیا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ سے متعلق اکثر مفسرین نے ایک ضروری تنبیہ یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ انبیاء و مرسلین کے ساتھ عوام وخواص سے بالکل جدا رہا ہے۔ جو بات عوام وخواص اور صالحین کے حق میں معمولی اور قابل نظر انداز سمجھی جاتی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں گرفت اور مواخذہ کا باعث ہو جاتی ہے اور اس بنا پر اگر انبیاء کرام سے معمولی سی لغزش بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت سخت پیرایہ میں ادا کرتے ہیں تاکہ وہ یہ محسوس کریں کہ اتنے بڑے ہو کر ایسی چھوٹی سی فروگذاشت بھی کیوں کرتے ہیں۔ تو چونکہ انبیاء کی شان اس قدر رفیع اور خدائے قدوس کے ہاں اس درجہ بلند ہے کہ معمولی سے معمولی لغزش بھی ان کی شان کے نامناسب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ مواخذہ فرماتے ہیں، مگر ساتھ ہی حق تعالیٰ کی عنایت بھی ان کے شاملِ حال رہتی ہے اور وہ فوراً متنبہ ہو کر اعتراف ندامت کے ساتھ عفو تقصیر کے لئے دست بہ دعا ہو جاتے ہیں اور انابت اور توبہ کو وسیلہ کار بنا لیتے ہیں جو بہت جلد خدائے تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو جاتی ہے اور ان کی عزت واحترام کے ازدیاد کا باعث بن جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام۔ حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات قرآنی اس کے شاہد ہیں۔ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ یونس علیہ السلام چونکہ نبی تھے اور وحی الٰہی کے مخاطب رہتے تھے اس لئے بدوں انتظار وحی الٰہی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے پر دارو گیر ہوئی مگر ساتھ ہی آپ کی عظمت وشان اور رفعت مرتبہ کو قرآن پاک نے بیان فرمادیا تاکہ کسی کو مغالطہ نہ ہونے پائے اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس خاص معاملہ سے کسی کج فہم کو کجروی کا موقع ہاتھ نہ آئے۔ احادیث صحیحہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر خیر فرماتے ہوئے آپ کی عظمت وفضیلت کا خصوصی اظہار فرمایا۔ چنانچہ بخاری میں منقول ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) بہتر ہوں یونس علیہ السلام سے محدثین نے لکھا ہے کہ یونس علیہ السلام کا ذکر خصوصیت سے حدیث میں اس لئے فرمایا گیا کہ جو شخص یونس علیہ السلام کے واقعات کا مطالعہ کرے اس کے دل میں ان کی ذات اقدس سے متعلق کوئی تنقیص کا پہلو ہرگز پیدا نہ ہونے پائے۔ لہٰذا سد ذرائع کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت یونسؑ کی عظمت وشان کو اس طرح نمایاں کرنا ضروری سمجھا۔

ان آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کے بعد حق تعالیٰ کا یہ فرمانا **وکذلک ننجی المؤمنین**۔ اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔ اسکے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ فقرہ عام اہلِ ایمان کو گناہوں سے استغفار کی رغبت دلانے کیلئے فرمایا کہ ہماری معافی یونس علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں تھی جو ایماندار لوگ ہم کو اسی طرح پکاریں گے ہم ان کو بلاؤں سے نجات دینگے۔

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی تسبیح یعنی **لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین** اس دعا واستغفار کی یہ تعلیم ہے کہ پہلے توحیدِ الٰہی بیان کرے پھر اس کی پاکی پھر گناہوں کا اعتراف، پھر مغفرت کی دعا۔ احادیث میں اس دعا کی بہت فضیلت آئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو مسلمان دعا میں یہ الفاظ کہے یعنی **لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین**۔ اور دعا کرے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔ اسی بناء پر امت میں اس آیت کریمہ کے ورد کا معمول رہا ہے اور شدائد و مصائب میں ہمیشہ اس کو مجرب پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کے ورد کی توفیق اور اس کی برکت عطا فرمائیں۔ آمین

اب آگے حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ

اور زکریاؑ کا تذکرہ کیجئے جبکہ اُنہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب! مجھکو لاوارث مت رکھیو اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں۔ سو ہم نے اُن کی دُعا قبول کرلی

وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا

اور ہم نے اُن کو یحیٰیؑ عطا فرمایا اور اُن کی خاطر سے اُن کی بی بی کو اولاد کے قابل کردیا یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور اُمید و بیم کیساتھ

رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾

ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔ اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے۔

وَزَكَرِيَّا اور زکریا	اِذْ نَادٰى جب اس نے پکارا	رَبَّهٗ اپنا رب	رَبِّ اے میرے رب	لَا تَذَرْنِىْ نہ چھوڑ مجھے	فَرْدًا اکیلا	وَاَنْتَ اور تو
خَيْرُ بہتر	الْوٰرِثِيْنَ وارث	فَاسْتَجَبْنَا پھر ہم نے قبول کرلی	لَهٗ اس کی	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لَهٗ اسے	يَحْيٰى یحیٰی
وَاَصْلَحْنَا اور ہم نے درست کردیا	لَهٗ اس کیلئے	زَوْجَهٗ اس کی بیوی	اِنَّهُمْ بیشک وہ سب	كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ وہ جلدی کرتے تھے	فِى میں	
الْخَيْرٰتِ نیک کام	وَ اور	يَدْعُوْنَنَا وہ ہمیں پکارتے تھے	رَغَبًا اُمید	وَّرَهَبًا اور خوف	وَكَانُوْا اور وہ تھے	لَنَا ہمارے لئے (سامنے)
خٰشِعِيْنَ عاجزی کرنیوالے						

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اس کے بعد ان آیات میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل میں ایک جلیل القدر پیغمبر ہوئے ہیں۔ آپ کا تذکرہ قدرے تفصیلی تیسرے پارہ سورۂ آلِ عمران اور سولہویں پارہ سورۂ مریم میں بیان ہو چکا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ دروس میں ذکر آ چکا ہے اکثر انبیاء علیہم السلام خواہ وہ بادشاہ اور صاحب حکومت ہی کیوں نہ ہوں اپنی روزی ہاتھ کی محنت سے پیدا کرتے اور کسی کے لئے بارِ دوش نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ زکریا علیہ السلام بھی اپنی روزی کے لئے نجاری یعنی بڑھئی کا کام کرتے تھے جیسا کہ مسلم کی ایک حدیث میں بصراحت مذکور ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زکریا علیہ السلام نجاری کرتے تھے یعنی بڑھئی کا کام۔ زکریا علیہ السلام کے کوئی اولاد نہ تھی اور آپ یہ محسوس کرتے تھے کہ اس بات کے علاوہ کہ میں اولاد کی دولت سے محروم ہوں زیادہ فکر اس امر کا ہے کہ خاندان میں کوئی اس کے اہل نہیں کہ میرے بعد بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کی خدمت انجام دے سکے پس اگر اللہ تعالیٰ میرے کوئی نیک سرشت لڑکا پیدا کر دیتا تو مجھ کو یہ اطمینان ہو جاتا کہ بنی اسرائیل کی راہنمائی کا خدمت گزار میرے بعد موجود ہے مگر چونکہ آپ کی عمر بعض قول کی بنا پر ۷۰ سال اور بعض کی بنا پر ۹۰، ۹۲ یا ۱۲۰ سال ہو چکی تھی اور آپ کی بیوی بانجھ تھیں اس لئے اسبابِ ظاہر سے آپ مایوس تھے کہ اب اولاد ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ لیکن جب آپ نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جو آپ کے زیر کفالت تھیں بے موسم پھل دیکھے اور آپ کو معلوم ہوا کہ مریم پر یہ خدا کا فضل واحسان ہے تو آپ کے دل میں ایک جوش پیدا ہوا کہ جو ذاتِ اقدس اس طرح مریم کو بے موسم پھل بخشتی ہے کیا وہ مجھ کو موجودہ ناامیدی کی حالت میں ثمرِ حیات یعنی بیٹا نہیں بخش سکتی۔ پس ظاہراً اسباب کی بنا پر مایوسی سرتاسر غلط ہے بلاشبہ جس ذاتِ پاک نے مریم پر اپنا انعام و اکرام کیا ہے وہ ضرور ہم پر بھی فضل وکرم کرے گا۔

چنانچہ آپ نے ایک روز درگاہِ الٰہی میں تہجد کے بعد دعا کی" خدایا میں تنہا ہوں اور وارث کا محتاج۔ میں بوڑھا ہوں اور بیوی بانجھ ہے۔ ظاہری سامان سے اولاد ملنے کا کچھ نہیں لیکن تو اپنی لامحدود قدرت و رحمت سے اولاد عطا فرما جو دینی خدمات کو سنبھالے اور تیری مقدس امانت کا بوجھ اٹھا سکے میں اس ضعف و پیری میں کیا کرسکتا ہوں جی یہ چاہتا ہے کہ کوئی بیٹا اس لائق ہو جو اپنے باپ دادوں کی پاک گدی پر بیٹھ سکے اور ان کے علم وحکمت کے خزانوں کا مالک اور کمالاتِ نبوت کا وارث بنے۔ نبی کی دعا اور دعا بھی صرف اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ قوم کی رشد و ہدایت کی خاطر فوراً مستجاب ہوئی اور جب زکریا علیہ السلام ہیکل میں مشغول عبادت تھے تو خدا کا فرشتہ آپ پر ظاہر ہوا اور بشارت دی کہ آپ کے بیٹا پیدا ہوگا اور آپ اس کا نام یحیٰی رکھیں۔ زکریا علیہ السلام کو یہ سن کر بے حد مسرت ہوئی اور تعجب سے دریافت کرنے لگے کہ یہ بشارت کس طرح پوری ہوگی؟ یعنی مجھ کو جوانی عطا ہوگی یا میری بیوی کا مرض بانجھ پن دور کردیا جائے گا یا کیا صورت ہوگی؟ فرشتہ نے جواب دیا میں اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ حالات کچھ بھی ہوں تمہارے بیٹا ضرور ہوگا کیونکہ خدا کا فیصلہ اٹل ہے۔ اور تمہارے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے ایک چیز مشکل ہو مگر خدا کے یہاں تو مشکل نہیں۔ اس کی قدرتِ عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے۔ انسان اپنی ہستی ہی کو دیکھ لے ایک زمانہ تھا یہ کوئی چیز نہ تھی۔ اس کا نام ونشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ حق تعالیٰ اس کو پردۂ عدم سے وجود میں لائے۔ پھر جو قادر مطلق لاشے محض کو شے بنادے کیا وہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا نہیں کرسکتا۔ غرض کہ بشارت کے موافق حضرت زکریا علیہ السلام کے یحیٰی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰی علیہ السلام کو بچپن ہی میں علم و حکمت سے معمور کردیا تھا اور زہد وورع میں ایسے بے مثال تھے۔ نہ انہوں نے شادی کی اور نہ ان کے قلب میں کبھی گناہ کا خطرہ پیدا ہوا اور اپنے والد ماجد کی طرح یہ بھی خدا کے برگزیدہ نبی بنے۔ آگے آیت میں ان حضرات کی توصیف اور بعض حالات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ سب حضرات نیکیوں کی طرف اور خدا کی فرمانبرداری کی طرف بھاگ دوڑ کرنے والے تھے۔ اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے غضب سے خوف زدہ رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی، تواضع اور انکساری کرنے والے تھے۔ ان آیات میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے ایک خطبہ میں فرمایا لوگوں میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کی پوری ثنا وصفت بیان کرتے رہنے کی اور امید وخوف سے دعائیں مانگنے کی اور دعاؤں میں خشوع و خضوع کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ دیکھو اللہ عزوجل نے حضرت زکریا علیہ السلام کے گھرانے کی یہی فضیلت بیان فرمائی ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ **انهم كانوا يسارعون في الخيرات ويدعوننا رغبا ورهبا وكانوا لنا خشعين.**

حضرت زکریا علیہ السلام کی قرآنی دعا **رب لا تذرنی فردا وانت خير الوارثين** کے متعلق حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے اعمالِ قرآنی میں لکھا ہے کہ جس کو اولاد سے مایوسی ہو ہر نماز کے بعد تین مرتبہ یہ دعا پڑھا کرے انشاء اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہو جائے گا۔

آگے حضرت مریم علیہا السلام اور آپ کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! اپنی لامحدود قدرت کا یقین کامل ہم کو بھی نصیب فرما۔ بے شک آپ کی ذات اعلیٰ سے مایوسی اور ناامیدی کسی حال میں روا نہیں۔ آپ کی ذات کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔ ظاہری اسباب کے اعتبار سے کوئی کام کیسا ہی مشکل ہو مگر آپ کے لئے سب آسان ہے۔ آپ قادرِ مطلق ہیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور اُن بی بی (مریم) کا تذکرہ کیجئے جنہوں نے اپنے ناموس کو بچایا پھر ہم نے اُن میں اپنی روح پھونک دی اور ہم نے اُن کو اور اُن کے فرزند کو دنیا جہان والوں کیلئے نشانی بنادی۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ

یہ ہے تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب (حقیقی) ہوں سو تم میری عبادت کیا کرو۔ اور ان لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کرلیا۔

ع
كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾

سب ہمارے پاس آنے والے ہیں۔

وَالَّتِيْ اور عورت جو	اَحْصَنَتْ اس نے حفاظت کی	فَرْجَهَا اپنی شرمگاہ عفت کی	فَنَفَخْنَا پھر ہم نے پھونک دی	فِيْهَا اس میں		
مِنْ رُّوْحِنَا اپنی رُوح سے	وَجَعَلْنٰهَا اور ہم نے اسے بنایا	وَابْنَهَآ اور اس کا بیٹا	اٰيَةً نشانی	لِّلْعٰلَمِيْنَ جہانوں کیلئے	اِنَّ بیشک	
هٰذِهٖ یہ ہے	اُمَّتُكُمْ تمہاری امت	اُمَّةً امت	وَّاحِدَةً ایک	وَّاَنَا اور میں	رَبُّكُمْ تمہارا رب	فَاعْبُدُوْنِ پس میری عبادت کرو
وَتَقَطَّعُوْٓا اور ٹکڑے ٹکڑے کرلیا انہوں نے	اَمْرَهُمْ اپنا کام دین	بَيْنَهُمْ باہم	كُلٌّ سب	اِلَيْنَا ہماری طرف	رٰجِعُوْنَ رجوع کرنے والے	

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب یہاں ان آیات میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ قرآن کریم میں عموماً حضرت زکریا و حضرت یحییٰ علیہما السلام کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا بیان ہوتا رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم کا تذکرہ قدرے تفصیل سے سورۂ مریم سولہویں پارہ اور سورۂ آلِ عمران تیسرے پارہ میں ہو چکا ہے۔ یہاں ان آیات میں حضرت مریم کا نام نہیں لیا گیا ہے بلکہ پاک دامن اور عصمت والی عورت جنہوں نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا کہہ کر ذکر کیا گیا ہے جس سے مراد حضرت مریم علیہا السلام ہیں۔ اور وابنھا یعنی آپ کے بیٹے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یہاں آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو اور ان کے بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام دنیا جہان والوں کے لئے اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانی بنادی تا کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کی قدرت اسبابِ مادیہ کی پابند نہیں وہ جو چاہتے ہیں صرف اپنے حکم سے کرتے ہیں۔ حضرت مریم تو قدرت کی نشانی اس طرح ہوئیں کہ بدوں اتصال مرد آپ کے بطن مبارک سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس لئے نشانی ہوئے کہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ گویا آپ کی ولادت ایک معجزہ الٰہی تھی جو عام قوانین فطرت کے خلاف ظہور میں آئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا معاملہ یہودیوں اور عیسائیوں میں زبردست اختلاف اور نزاع کا باعث رہا ہے۔ عیسائی بغیر باپ کے آپ کی پیدائش کو تو مانتے ہیں مگر بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے آپ کو الوہیت اور ابن اللہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کے برخلاف یہود آپ کی پیدائش کو (العیاذ باللہ) ناجائز تعلقات کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ قرآن کریم نے حضرت مریم کی عفت و عصمت و پاکیزگی کردار کا اعلان فرمایا

اور آپ کو صدیقہ کا لقب عطا فرمایا جو مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں ''بہت زیادہ سچ بولنے والی'' ظاہر ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ صدیقہ کہیں اس سے کذب و دروغ کا صدور ممکن نہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے متعلق یہود و نصاریٰ دونوں متضاد سمتوں میں چلے گئے نصاریٰ کہتے ہیں کہ وہ خدا۔ خدا کے بیٹے یا ثالث ثلثہ تھے۔ یہود کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ مفتری اور کاذب اور شعبدہ باز تھے۔ قرآن کریم نے ان اوہام وظنون کے خلاف علم ویقین کی راہ دکھاتے ہوئے فیصلہ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے پیغمبر اور راہ حق کے داعی صادق تھے اور آپ کی پیدائش بلاشبہ بغیر باپ کے ہوئی مگر اس سے یہ کیسے لازم آ سکتا ہے کہ وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہوگئے۔ کیا جو پیدائش کا محتاج ہو اور پیدائش میں بھی ماں کے پیٹ کا محتاج اور جو بشری لوازم کھانے پینے کا محتاج ہو وہ عبد اور بشر کے سوا خدا یا معبود ہوسکتا ہے؟ نہیں ہر گز نہیں۔ قران پاک نے یہود و نصاریٰ کے تمام باطل عقائد کی واضح الفاظ میں تردید کر کے حقیقت حال کا اظہار فرمایا ہے۔

قرآن کریم نے انسانی پیدائش کی چار صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

ایک آدم علیہ السلام کی پیدائش کہ بغیر مرد و زن اور بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔

دوسرے حضرت حوا یعنی آدم علیہ السلام کی بی بی کہ صرف مرد کے وجود سے بغیر عورت کے ان کو پیدا کیا گیا۔

تیسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ بغیر مرد کے صرف عورت کے وجود سے آپ کا ظہور ہوا۔ چوتھی عام صورت عورت و مرد کے اتصال سے پیدائش۔

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے توسط سے عام سلسلہ اسباب کے خلاف محض خدا کے حکم سے ہوئی اسی وجہ سے آپ کو دنیا کے لئے اللہ کی آیت یا نشانی فرمایا گیا۔

یہاں تک متعدد حضرات انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ در قصص کا بیان ہوا اس لئے آگے بطور نتیجہ قصص مذکورہ کے توحید کے اثبات اور شرک کی مذمت میں بتلایا جاتا ہے کہ خدا بھی ایک ہے اور تمہارا اصل دین بھی ایک ہے۔ تمام انبیاء اصول میں متحد ہوتے ہیں جو ایک کی تعلیم ہے وہی دوسروں کی ہے۔ رہا فروع کا اختلاف وہ مصالح زمانہ کے مطابق جزئیات کا اختلاف ہے پس لازم ہے کہ سب مل کر ایک خدا کی بندگی کریں۔ اللہ نے تو اصول کے اعتبار سے ایک دین دیا تھا مگر لوگوں نے خود اختلاف ڈال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے اور آپس میں پھوٹ ڈال دی۔ کوئی یہودیت پر اڑ گیا۔ کوئی عیسائیت پر جما رہا کوئی صابی بنا رہا۔ کوئی بت پرست، اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ آنا سب کو ہمارے پاس ہی ہے اس وقت تمام اختلافات کا فیصلہ ہوجائے گا جب ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا ملے گی۔

اب آگے اس جزا کی تفصیل ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو صراطِ مستقیم اور دین حق پر قائم رکھیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کا ظاہر میں اور باطن میں اتباع نصیب فرمائیں۔ حق تعالیٰ اپنی عبادت کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ اور دین میں اختلافات سے ہم سب کو بچاویں۔ اور قیامت میں جب ہمارا حشر اور حاضری ہو تو اپنی رحمت خاصہ سے ہم سب کو اور پوری امت مسلمہ کو نوازیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ

سو جو شخص نیک کام کرتا ہوگا اور وہ ایمان والا بھی ہوگا سو اُس کی محنت اکارت جانے والی نہیں۔ اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔ اور ہم جن بستیوں کو

عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ

فنا کر چکے ہیں اُن کیلئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ (دنیا میں) پھر لوٹ کر آویں۔ یہاں تک کہ جب یاجوج وماجوج کھول دیئے جاویں گے اور وہ

كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ہر بلندی سے نکلتے ہوں گے۔

فَمَنْ پس جو	يَعْمَلْ کرے	مِنَ کچھ	الصّٰلِحٰتِ نیک کام	وَهُوَ اور وہ	مُؤْمِنٌ ایمان والا	فَلَا كُفْرَانَ ناقدری (اکارت) نہیں
لِسَعْيِهٖ اس کی کوشش	وَاِنَّا اور بیشک ہم	لَهٗ اس کے	كٰتِبُوْنَ لکھ لینے والے	وَحَرٰمٌ اور حرام	عَلٰى قَرْيَةٍ بستی پر	
اَهْلَكْنٰهَا جسے ہم نے ہلاک کر دیا	اَنَّهُمْ کہ وہ	لَا يَرْجِعُوْنَ لوٹ کر نہیں آئیں گے	حَتّٰى یہانتک کہ	اِذَا جب	فُتِحَتْ کھول دیئے جائیں گے	
يَاْجُوْجُ یاجوج	وَمَاْجُوْجُ اور ماجوج	وَهُمْ اور وہ	مِنْ سے	كُلِّ ہر	حَدَبٍ بلند ٹیلہ	يَنْسِلُوْنَ پھیلتے (دوڑتے) آئیں گے

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ اصول کے اعتبار سے تمام نوعِ انسانی کے لئے ایک ہی دین مقرر ہے اور تمام انبیاء اسی دین کو واضح کرنے کے لئے آئے لوگوں نے خود اختلاف ڈال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے اور اپنی حرص و ہوا اور خود غرضیوں میں پھنس کر آپس میں پھوٹ ڈال لی۔ نیز بتلایا گیا تھا کہ انجام کار تمام اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا جب ہر ایک قیامت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوگا اور ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا ملے گی۔ اب آگے ان آیات میں پہلے اس جزا کی تفصیل ہے اور پھر قربِ قیامت کی اہم نشانیوں میں سے یاجوج و ماجوج کے ظاہر ہونے کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ قیامت میں جزا وسزا اور بدلہ دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں کوئی نیک کام کیا ہوگا اور بشرطیکہ وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا تو اس کی کوئی کوشش اور عمل رائگاں نہ جائے گا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی مومن کی ضائع نہ جائے گی۔ اور اسکا میٹھا پھل مل کر رہے گا۔ ہر چھوٹا بڑا عمل اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کے اعمال نامہ میں ثبت ہو جاتا ہے جو قیامت میں کھول دیئے جائیں گے۔

مؤمنین کے ذکر کے بعد ان کے مقابل ہلاک ہونے والے کافروں کا بیان ہے یعنی جن کے لئے ہلاک ہونا مقدر ہو چکا ہے وہ کبھی اپنے کفر وعصیاں کو چھوڑ کر اور توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع ہونے والے نہیں۔ نہ وہ کبھی دنیا میں اس غرض سے واپس کئے جا سکتے ہیں کہ دوبارہ یہاں آ کر گزشتہ زندگی کی تقصیرات کی تلافی کر لیں۔ پھر ان کی نجات وفلاح کی توقع کدھر سے ہو سکتی ہے۔ ان کے لئے تو صرف ایک ہی وقت ہے جب وہ دوبارہ زندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کریں گے اور اپنی زیادتیوں کے معترف ہو کر پشیمان ہوں گے مگر اس وقت پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی وہ وقت قیامت کا ہے اور اسی قیامت کی اہم اور قریبی نشانیوں میں سے یاجوج و ماجوج کا نکلنا ہے۔ آگے کچھ قوم یاجوج و ماجوج کے متعلق بتلایا جاتا ہے۔ سولھویں پارہ سورۂ کہف کے خاتمہ کے قریب ذوالقرنین اور یاجوج و ماجوج کا ذکر ہو چکا ہے۔ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہونے سے پہلے دجال ظاہر ہوگا جو قوم یہود سے ہوگا اور عوام میں اس کا لقب

مسیح ہوگا اولاً اس کا ظہور ملک عراق وشام کے درمیان ہوگا جہاں نبوت ورسالت کا دعویٰ کرتا ہوگا پھر اصفہان چلا جائے گا۔ یہاں اس کے ہمراہ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ اور یہیں سے خدائی کا دعویٰ کر کے چاروں طرف فساد کرے گا اور زمین کے اکثر مقامات پر گشت کر کے لوگوں سے اپنے تئیں خدا کہلوائے گا۔ فتنہ دجال کتنا سخت ہوگا اور روئے زمین پر دجال کیا شرارتیں کرے گا ان کی تفصیلات احادیث میں موجود ہیں۔

الغرض دجال کے شر وفساد کو ختم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق کی جامع مسجد پر اتریں گے اور اسلامی فوج لے کر آپ دجال کے لشکر سے مقابلہ کریں گے اور اس کو قتل کریں گے۔ دجال اور اس کے لشکر کے قتل و غارت کے بعد یاجوج ماجوج کا لشکر دنیا والوں پر ٹوٹ پڑے گا قوم یاجوج و ماجوج اپنی کثرت کی وجہ سے تمام بلندی و پستی پر چھا جائیں گے۔ جدھر دیکھو ان ہی کا ہجوم نظر آئے گا۔ ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور تیز رفتاری سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی۔ یہ معلوم ہوگا کہ ہر ایک ٹیلہ اور پہاڑ سے ان کی فوجیں پھسلتی اور لڑھکتی چلی آرہی ہیں یہ بھی لوگوں کو قتل و غارت گری کرنے میں بالکل دریغ نہ کریں گے اور سوائے مضبوط قلعہ کے کہیں ان سے خلاصی کی صورت نہ ہوگی۔ قوم یاجوج و ماجوج کے متعلق علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ واللہ اعلم کہ یاجوج و ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جیسا کہ جمہور علماء سے نقل کیا گیا ہے ان کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حضرت حوا تک نہیں پہنچتا۔ یاجوج و ماجوج کا فتنہ بھی بڑا سخت ہوگا جیسا کہ احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تفصیل سے بتلایا گیا ہے۔ بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ قوم طاعون کے مہلک مرض سے ایک ہی رات میں تباہ و ہلاک ہوجائے گی۔ قوم یاجوج و ماجوج کی ہلاکت کے بعد کچھ عرصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہد بڑی خیر و برکت کا ہوگا بالآخر حضرت عیسیٰؑ انتقال فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ میں مدفون ہوں گے اور پھر قیامت کی بعض دوسری بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی حتیٰ کہ جب تمام اہل ایمان اس جہان سے کوچ کر جائیں گے تو اہلِ حبش کا غلبہ ہوگا۔ اکثر ممالک میں ان کی سلطنت پھیل جائے گی۔ حبشی خانۂ کعبہ کو ڈھا دیں گے۔ حج موقوف ہوجائے گا۔ خدا ترسی، حق شناسی اور خوفِ آخرت دلوں سے معدوم ہوجائے گا۔ روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا۔ اہل ایمان دنیا سے سب اٹھ چکے ہوں گے کہ جمعہ کے دن جو یوم عاشورہ بھی ہوگا صبح ہوتے ہی نفخ صور ہوگا جس کی آواز رفتہ رفتہ سخت اور بلند ہوتے مانند کڑک بجلی کے ہوجائے گی۔ خوف وہیبت سے لوگ مرنے شروع ہوجائیں گے۔ زمین میں زلزلہ آئے گا۔ اور زمین جا بجا شق ہوجائے گی۔ بڑے بڑے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ریت کے موافق اڑیں گے آسمان پھٹ جائیں گے۔ ستارے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔ اور سب کے سب نیست و نابود ہوجائیں گے حتیٰ کہ فرشتے بھی مرجائیں گے۔ سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے کوئی اور باقی نہ رہے گا۔ پھر کچھ مدت کے بعد جس کی مقدار سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اس کے بعد از سر نو حکمِ خداوندی سے سلسلۂ پیدائش کی بنیاد قائم ہوگی اور حشر ونشر کے لئے سب زندہ کئے جائیں گے۔ اور ہر ایک کو اپنے اس دنیا میں کئے ہوئے کاموں کی جزا وسزا ملے گی۔

اب آگے وقوع قیامت اور پھر کفار کا قیامت میں جو حال ہوگا اس کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي

اور سچا وعدہ نزدیک آپہنچے گا تو بس پھر ایک دم سے یہ قصہ ہوگا کہ منکروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ کہ ہائے کم بختی ہماری ہم اس سے

غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ

غفلت میں تھے بلکہ ہم ہی قصوروار تھے۔ بلاشبہ تم اور جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوج رہے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے۔

أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ

تم سب اس میں داخل ہوگے۔ اگر یہ (تمہارے معبود) واقعی معبود ہوتے تو اس (جہنم) میں کیوں جاتے۔ اور سب اس میں ہمیشہ کو رہیں گے۔ اُن کا

فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ

اس میں شور ہوگا اور وہاں کوئی بات سنیں گے بھی نہیں۔ جن کیلئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہوچکی ہے۔ وہ اس سے (اس قدر)

عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾

دُور کئے جاویں گے (کہ) اُس کی آہٹ بھی نہ سُنیں گے۔ اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾

اُن کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی اور فرشتے اُن کا استقبال کریں گے یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے جس روز

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ

ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے۔ ہم نے جس طرح اول بار پیدا کرنے کے وقت ابتدا کی تھی اس طرح اسکو دوبارہ پیدا کردینگے۔

إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا

یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے (اور) ہم ضرور (اس کو پورا) کریں گے۔ اور ہم کتابوں میں لوح محفوظ کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین (جنت) کے مالک

عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾

میرے نیک بندے ہوں گے۔

وَ اور	اقْتَرَبَ قریب آجائے گا	الْوَعْدُ وعدہ	الْحَقُّ سچا	فَإِذَا تو اچانک	هِيَ وہ	شَاخِصَةٌ اوپر لگی "پھٹی" رہ جائیگی	أَبْصَارُ آنکھیں
الَّذِينَ كَفَرُوا جنہوں نے کفر کیا	يَا وَيْلَنَا ہائے ہماری شامت	قَدْ كُنَّا تحقیق ہم تھے	فِي غَفْلَةٍ غفلت میں	مِنْ هَٰذَا اس سے			
بَلْ كُنَّا بلکہ ہم تھے	ظَالِمِينَ ظالم	إِنَّكُمْ بیشک تم	وَمَا اور جو	تَعْبُدُونَ تم پرستش کرتے ہو	مِنْ سے	دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوا	
حَصَبُ ایندھن	جَهَنَّمَ جہنم	أَنتُمْ لَهَا تم اس میں	وَارِدُونَ داخل ہونے والے	لَوْ كَانَ اگر ہوتے	هَٰؤُلَاءِ یہ	آلِهَةً معبود	

مَاوَرَدُوْهَا اس میں داخل نہ ہوتے	وَكُلٌّ اور سب	فِيْهَا اس میں	خٰلِدُوْنَ سدا رہیں گے	لَهُمْ ان کیلئے	فِيْهَا وہاں	زَفِيْرٌ چیخ و پکار
وَهُمْ اور وہ	فِيْهَا اس میں	لَا يَسْمَعُوْنَ کچھ نہ سن سکیں گے	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ	سَبَقَتْ پہلے ٹھہر چکی	لَهُمْ ان کیلئے
مِنَّا ہماری "طرف" سے	الْحُسْنٰى بھلائی	اُولٰٓئِكَ وہ لوگ	عَنْهَا اس سے	مُبْعَدُوْنَ دور رکھے جائیں گے	لَا يَسْمَعُوْنَ وہ نہ سنیں گے	
حَسِيْسَهَا اس کی آہٹ	وَهُمْ اور وہ	فِيْ میں	مَا اشْتَهَتْ جو چاہیں گے	اَنْفُسُهُمْ ان کے دل	خٰلِدُوْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	
لَا يَحْزُنُهُمُ غمگین نہ کرے گی انہیں	الْفَزَعُ گھبراہٹ	الْاَكْبَرُ بڑی	وَتَتَلَقّٰهُمُ اور لینے آئیں گے انہیں	الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے	هٰذَا یہ ہے	
يَوْمُكُمُ تمہارا دن	الَّذِيْ وہ جو	كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ تم سے وعدہ کئے گئے "وعدہ کیا گیا تھا"	يَوْمَ جس دن	نَطْوِي ہم لپیٹ لینگے	السَّمَآءَ آسمان	
كَطَيِّ جیسے لپیٹا جاتا ہے	السِّجِلِّ طومار	لِلْكُتُبِ تحریر کا کاغذ	كَمَا بَدَاْنَآ جیسے ہم نے ابتدا کی	اَوَّلَ پہلی	خَلْقٍ پیدائش	نُعِيْدُهٗ ہم اسے لوٹا دینگے
وَعْدًا وعدہ	عَلَيْنَا ہم پر	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم ہیں	فٰعِلِيْنَ "پورا" کرنے والے	وَلَقَدْ كَتَبْنَا اور تحقیق ہم نے لکھا	فِي الزَّبُوْرِ زبور میں	
مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ نصیحت کے بعد	اَنَّ کہ	الْاَرْضَ زمین	يَرِثُهَا اس کے وارث	عِبَادِيَ میرے بندے	الصّٰلِحُوْنَ نیک	

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں قرب قیامت کی ایک اہم نشانی یعنی قوم یاجوج و ماجوج کے خروج کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ قیامت کے قریب ان کا بے پناہ لشکر ایسی شدت اور تیز رفتار سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت میں جزا سزا کا وعدہ نزدیک آ لگے گا اس وقت منکروں کی آنکھیں مارے شدت ہول سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور اپنی غفلت پر دست حسرت ملیں گے کہ افسوس آج کے دن سے ہم کیسے بے خبر رہے جو ایسی کم بختی آئی۔ کاش ہم دنیا میں اس آفت اور سخت وقت سے بچنے کی فکر کرتے۔ اور بے خبری بھی کیسے کہیں۔ آخر انبیاء علیہم السلام نے تو کھول کھول کر آگاہ کر دیا تھا لیکن ہم نے خود ہی اپنے جانوں پر ظلم کیا کہ ان کا کہا نہ مانا اور برابر شرارتوں اور گناہوں پر اصرار کرتے رہے۔ آگے مشرکین مکہ کو خطاب ہے جو بت پرستی کرتے تھے کہ اس پچھتاوے سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش چھوڑ دو۔ اگر تم ان کے پوجنے سے باز نہ آئے تو دوزخ میں جاؤ گے اور یہ تمہارے معبود بت بھی سارے کے سارے دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے تاکہ ان کی ذلت اور بے بسی کا حال تم پر خوب واضح ہو جائے اور تمہاری حسرت و ندامت اور بڑھ جائے۔ اس وقت تمہارا چیخنا چلانا کچھ کام نہ آئے گا اور سب عابد و معبود دوزخ میں پڑے رہیں گے۔ اور شدت ہول اور عذاب کی سخت تکلیف اور اپنے چیخنے چلانے کے شور سے کچھ سنائی نہ دے گا۔

حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ ایک وقت جہنمیوں پر ایسا آئے گا جب ہر دوزخی کو ایک لوہے کے صندوق میں بند کر کے اوپر سے کیلیں ٹھوک دی جائیں گی اور جہنم کی تہہ میں چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک کو یہی گمان ہوگا کہ جہنم میں اس کے سوا کوئی نہیں۔ تو شاید جہنمیوں کا کچھ نہ سن سکنا اسی وقت کا حال ہو۔ العیاذ باللہ۔

یہ تو کفار و مشرکین کا انجام اور ان کا قیامت میں جو حال ہوگا وہ بیان فرمایا گیا اور انہیں متنبہ کیا گیا کہ تم اور تمہارے معبود سب جہنم کا ایندھن بنیں گے اور وہاں سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ گویا دائمی عذاب کی وعید سنائی گئی۔ اب آگے ان کے مقابلہ میں اہل ایمان و صالحین کی حالت جو قیامت میں ہوگی وہ بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھلائی کے مستحق ٹھہر چکے ہیں یعنی جو اہل ایمان اور اہل سعادت ہیں وہ دوزخ سے اس قدر دور رکھے جائیں گے کہ اس کی آہٹ تک محسوس نہ کریں گے اور نہایت عیش و آرام کے ساتھ جنت کی دائمی اور ابدی راحتوں اور لذتوں میں سدا رہیں گے۔ قیامت

کے دن جب خلقت کو سخت گھبراہٹ ہوگی اللہ تعالیٰ ان کو رنج وغم سے محفوظ رکھے گا۔ فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ جس دائمی مسرت وراحت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا آج اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت آئے گی آسمانوں کی صفیں لپیٹ دی جائیں گی جس طرح دستاویز کا لکھا ہوا کاغذ لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے مراد یہ ساری چیزیں فنا ہو جائیں گی اس کے بعد پھر نئے سرے سے عالم کو بنایا جائے گا اور جس طرح دنیا کو پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کر دی جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اہلِ ایمان اور صلحا سے جو یہ وعدۂ ثواب ونعمت کا ہوا ہے یہ بہت قدیم اور مؤکد وعدہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تمام آسمانی کتابوں میں اور لوح محفوظ میں لکھ چکے ہیں کہ اس زمین جنت کے مالک میرے صالح اور نیک بندے ہوں گے تو قدامت اس وعدہ کی اس سے ظاہر ہے کہ اول لوحِ محفوظ میں یہ وعدہ لکھا گیا اور تاکید اس سے ظاہر ہے کہ کوئی کتاب الٰہی اس مضمون سے خالی نہیں۔

الغرض خلاصہ یہ کہ قیامت یقیناً آنے والی ہے اور اس روز جنت انہی کو ملے گی جو خدا کے نیک وصالح بندے ہوں گے۔ کفار کا اس میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اب یہ سورت خاتمہ کے قریب آ گئی۔ یہاں تک سورت کے بڑے حصہ میں توحید ونبوت کی تحقیق۔ ایمان اور عمل صالح کی فضیلت وآثار وبرکات اور منکرین کے لئے وعید وتنبیہ مذکور ہوئی آگے کی خاتمہ کی آیات میں تمام سورت کا لب لباب و خلاصہ اور فیصلہ کن پیغام بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان خاتمہ کی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان بندوں میں شامل فرمالیں جن کے لئے بھلائی مقدر ہو چکی ہے۔

یا اللہ! دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہم کو اپنے حفظ وامان میں رکھئے۔ اور اس زندگی میں ہم کو ان اعمال کی توفیق عطا فرمایئے جو آخرت میں ہماری کامیابی وکامرانی کا باعث ہوں۔

یا اللہ! قیامت کی ہول ودہشت اور رسوائی وذلت سے ہم کو پناہ بخشئے اور اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں کے ساتھ ہمیں جنت کی دائمی راحت نصیب فرمایئے۔

یا اللہ! قیامت اور آخرت تو ضرور آنے والی ہے اور وہ روزِ جزا وسزا یاد کرنے کے قابل ہے مگر ہم دنیا کے مشغلوں میں پھنس کر آخرت سے غافل ہو گئے ہیں۔

یا اللہ! ہماری غفلت کو دور فرمادے اور ہمیں آخرت کی طرف سے بیدار فرمادے۔ اور دنیوی زندگی کی جو فرصت ہم کو نصیب ہے اس میں اپنی مرضیات کے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾

بلاشبہ اس (قرآن) میں (ہدایت کا) کافی مضمون ہے ان لوگوں کیلئے جو بندگی کرنے والے ہیں، اور ہم نے آپکو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

آپ فرما دیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اب بھی تم مانتے ہو (یا نہیں) پھر اگر یہ لوگ سرتابی کریں

فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ

تو آپ فرما دیجئے کہ میں تم کو نہایت صاف اطلاع کر چکا ہوں اور میں یہ جانتا نہیں کہ جس (سزا) کا تم سے وعدہ ہوا ہے آیا وہ قریب ہے یا دُور دراز ہے۔ اللہ کو (تمہاری)

یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ

پُکار کر کہی ہوئی بات کی بھی خبر ہے اور جو (بات) تم دِل میں رکھتے ہو اُس کی بھی خبر ہے۔ اور میں نہیں جانتا شاید وہ (تاخیر عذاب) تمہارے لئے (صورۃً) امتحان

لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ

ہو اور ایک وقت (یعنی موت) تک (زندگی سے) فائدہ پہنچانا ہو۔ پیغمبرؑ نے کہا کہ اے میرے رب فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق اور (پیغمبر نے کفار سے یہ بھی فرمایا کہ)

الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

ہمارا رب ہم پر بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد چاہی جاتی ہے جو تم بنایا کرتے ہو۔

اِنَّ بیشک	فِیْ هٰذَا اس میں	لَبَلٰغًا پہنچا دینا	لِّقَوْمٍ لوگوں کیلئے	عٰبِدِیْنَ عبادت گزار	وَ اور	مَا نہیں	اَرْسَلْنٰكَ ہم نے بھیجا آپ کو
اِلَّا مگر	رَحْمَةً رحمت	لِّلْعٰلَمِیْنَ تمام جہانوں کیلئے	قُلْ فرما دیں	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	یُوْحٰی وحی کی گئی	اِلَیَّ میری طرف	
اَنَّمَا کہ بس	اِلٰهُكُمْ تمہارا معبود	اِلٰهٌ معبود	وَّاحِدٌ واحد	فَهَلْ پس کیا	اَنْتُمْ تم	مُّسْلِمُوْنَ حکم بردار	فَاِنْ پھر اگر
تَوَلَّوْا وہ روگردانی کریں	فَقُلْ تو کہہ دو	اٰذَنْتُكُمْ میں نے تمہیں خبردار کر دیا	عَلٰی سَوَآءٍ برابری پر	وَاِنْ اور نہیں	اَدْرِیْ جانتا میں		
اَقَرِیْبٌ کیا قریب؟	اَمْ بَعِیْدٌ یا دُور	مَّا تُوْعَدُوْنَ جو تم سے وعدہ کیا گیا	اِنَّهٗ بیشک وہ	یَعْلَمُ وہ جانتا ہے	الْجَهْرَ پکارنا	مِنَ الْقَوْلِ بات کو	
وَیَعْلَمُ اور جانتا ہے	مَا تَكْتُمُوْنَ جو تم چھپاتے ہو	وَاِنْ اَدْرِیْ اور میں نہیں جانتا	لَعَلَّهٗ شاید وہ	فِتْنَةٌ آزمائش	لَّكُمْ تمہارے لئے		
وَمَتَاعٌ اور فائدہ پہنچانا	اِلٰی حِیْنٍ ایک مدت تک	قٰلَ اس "نبی" نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	احْكُمْ تو فیصلہ فرما	بِالْحَقِّ حق کیساتھ		
وَرَبُّنَا اور ہمارا رب	الرَّحْمٰنُ نہایت مہربان	الْمُسْتَعَانُ جس سے مدد طلب کی جاتی ہے	عَلٰی پر	مَا تَصِفُوْنَ جو تم بیان کرتے ہو			

تفسیر وتشریح: ۔ یہ سورۂ انبیاء کی آخری آیات ہیں اور تمام سورۂ کا خلاصہ اور لب لباب یعنی مضامین توحید و نبوت کی تحقیق اور منکرین کے لئے وعید۔ اسلام کی دعوت اور اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر سورۃ کو ختم کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اب تک جو مضامین اس سورت میں مذکور ہوئے۔ جو عظیم بشارات و ہدایات پر مشتمل ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو بندگی کرنے والے ہیں کافی مضمون منفعت و کامیابی موجود ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر کوئی بد بخت اس رحمتِ

عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے۔ آفتاب عالمتاب سے روشنی و گرمی کا فیض ہر جگہ اور ہر طرف پہنچتا ہے لیکن کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی آفتاب کے فیض عام میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے رحمت تھے یعنی آپ نے دنیا کو ایسا درس ہدایت دیا اور تمام اہلِ عالم کے سامنے ایسا قانون پیش کیا کہ جو بھی اس کو مانے اور اس کی ہدایت پر چلے وہ کامران و بامراد ہوسکتا ہے۔ عربی ہو یا عجمی۔ مغربی ہو یا مشرقی۔ گورا ہو یا کالا۔ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ۔ امیر ہو یا غریب ہر کسی کو قرآن کریم سے یکساں فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین فرمایا۔ دوسرے انبیاء چونکہ اپنی اپنی قوم کے لئے ہادی تھے اس لئے وہ صرف اپنی قوم کے لئے رحمت تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والا قرآن اور آپ کی لائی ہوئی شریعت جس میں یہ صلاحیت ہے کہ قیامت تک کی تمام ضروریات کو پورا کر سکے اور جوں کا توں اپنی اصلی شکل پر قائم رہتے ہوئے تمام دنیا کے لئے پیامِ ہدایت اور درسِ نصیحت اور ضابطۂ عمل بن سکے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ آپ تمام لوگوں سے صاف طور پر کہہ دیں کہ جو رحمتِ عظیمہ لے کر آپ تشریف لائے ہیں اس کا لب لباب توحید کامل ہے اور یہ ایسا صاف اور واضح مضمون ہے جس کے قبول کرنے میں آدمی کو کچھ پس و پیش نہ ہونا چاہئے۔ پس اے منکرین کیا تم حکم ماننے اور حق کے سامنے گردن جھکانے کو تیار ہو تو فبہا ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو تبلیغ کر کے بری الذمہ ہو چکے۔ تم اپنا انجام سوچ لو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ اگر اتنا صاف سمجھانے اور اتمام حجت کے بعد بھی یہ منکرین نہ مانیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم کو خبردار کر چکا اور تم کو سب بھلائی برائی اور ان کے نتیجوں سے پوری طرح آگاہ کر چکا۔ نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے اور ہمیشہ کے دردناک عذاب میں مبتلا ہوگے۔ انکار پر جو سزا مرتب ہوگی اس کی اطلاع کر چکا سو اب نہ مجھ پر کوئی بار رہا اور نہ تم کو کوئی عذر رہا۔ تمہارے نہ ماننے پر جو عذاب کا وعدہ ہے وقوع تو اس کا ضرور بالضرور ہو کر رہے گا لیکن اللہ تعالیٰ ہر چھپی کھلی بات کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کس بات کی کیا جزا سزا ملنی چاہئے اور کب ملنی چاہئے۔ قریب زمانہ میں یا دور دراز وقت میں اور تاخیر عذاب سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ عذاب واقع ہی نہ ہوگا۔ تاخیر عذاب میں ممکن ہے تم کو جانچنا ہو اور تمہاری آزمائش منظور ہو کہ اس مدت میں سمجھ کر شرارت و انکار چھوڑ دو یا محض ڈھیل دینا ہو کہ ایک مدت تک دنیا میں پھنس کر شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز کر لو۔ یہ سارا پیغام پہنچا کر سورۃ کی بالکل آخری آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب باری تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کیا کہ اے میرے رب ہمارے اور ان سرکشوں و کافروں کے درمیان حق کے موافق فیصلہ فرما دیجئے تاکہ حجت اور زیادہ تام ہو جاوے اور یہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے فرمایا کہ ہمارا رب ہم پر بڑا مہربان ہے ہم اسی کے آگے فریاد کرتے ہیں۔ اور اے مشرکین یہ جو تم ڈینگیں مارتے پھرتے ہو اور دھمکیاں دیتے ہو تو تمہاری خرافات کے مقابلہ میں اسی سے مدد مانگتے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو یہی دعا پڑھتے جس پر یہ سورۃ ختم ہوئی ہے یعنی رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (یعنی اے رب حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما۔ ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو اے کفار تم بیان کیا کرتے ہو)

اس سورۃ کی ابتداء میں بھی قرب قیامت اور حسابِ آخرت کا ذکر تھا اور سورۃ کے اخیر میں بھی یہی مضمون ذکر فرمایا اور اسی مضمون پر سورۃ کو ختم فرمایا اس طرح خاتمہ سورت کو ابتداء سورۃ کے ساتھ نہایت درجہ مناسبت ہوگئی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿۱﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو یقیناً قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی۔جس روز تم لوگ اس (زلزلہ) کو دیکھو گے

كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ

اُس روز تمام دُودھ پلانے والیاں اپنے دُودھ پیتے بچہ کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی اور (اے مخاطب) تجھ کو لوگ

سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿۲﴾

نشہ کی سی حالت میں دکھائی دینگے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہونگے ولیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو!	اتَّقُوْا ڈرو	رَبَّكُمْ اپنا رب	اِنَّ بیشک	زَلْزَلَةَ زلزلہ	السَّاعَةِ قیامت	شَيْءٌ چیز	عَظِيْمٌ بڑی بھاری
يَوْمَ جس دن	تَرَوْنَهَا تم دیکھو گے اسے	تَذْهَلُ بھول جائے گی	كُلُّ مُرْضِعَةٍ ہر دودھ پلانے والی	عَمَّآ جس کو	اَرْضَعَتْ وہ دودھ پلاتی ہے		
وَتَضَعُ اور گرادے گی	كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ ہر حمل والی حاملہ	حَمْلَهَا اپنا حمل	وَتَرَى اور تو دیکھے گا	النَّاسَ لوگ	سُكٰرٰى نشہ میں		
	وَمَا هُمْ اور حالانکہ نہیں	بِسُكٰرٰى نشہ میں	وَلٰكِنَّ اور لیکن	عَذَابَ اللّٰهِ اللہ کا عذاب	شَدِيْدٌ سخت		

تفسیر وتشریح:۔ الحمد للہ اب سترہویں پارہ کی سورۃ الحج کا بیان شروع ہورہا ہے۔اس سورۃ کا ابتدائی حصہ عمدہ روزی یعنی نعمائے جنت کا وعدہ فرمایا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور تصرفات کا اظہار فرما کر بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو انسان کا خادم بنایا۔ یہ حق تعالیٰ کی یقیناً مخلوق پر بڑی مہربانی اور رحمت ہے۔کہ بلا ان کی درخواست کے ان کی راحت کا اس قدر اہتمام فرمایا۔اس سے انسانوں کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ جس خدا کی مہربانی اور رحمت کی یہ حالت ہو اسی کی مخالفت کرنا یہ کونسی عقل تجویز کرسکتی ہے پس لوگوں کو چاہئے کہ اس کی مخالفت سے باز آجائیں۔اور غیر اللہ کی پرستش کو ترک کردیں۔ غیر اللہ کی پرستش اور بندگی تو ایسا ظلم اور ناانصافی ہے کہ جس کی حد نہیں جس پر جہنم کی وعید سنائی گئی۔ پھر غیر اللہ کی بیکسی کا حال بیان کیا گیا کہ مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے کہ وہ ایک مکھی تک تو پیدا نہیں کرسکتے اور پیدا کرنا تو بڑی بات ہے وہ تو ایسے عاجز ہیں کہ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ بتوں کی بے کسی اور بے بسی بتلا کر توحید کی دعوت دی گئی۔ پھر اسی طرح مسئلہ رسالت کو سمجھایا گیا اور اخیر میں اہلِ ایمان واہلِ اسلام کو ہدایت کی گئی کہ اگر یہ منکر کافر نہیں مانتے تو نہ سہی تم تو برابر اطاعت وعبادتِ خداوندی میں لگے رہو اور اعمالِ صالحہ کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ تم حق تعالیٰ کی اطاعت میں ایسی کوشش کرو جیسی کرنی چاہئے۔ تمہیں حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے لئے منتخب کیا ہے۔اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی اور اللہ

نے تمہارا نام یعنی لقب مسلم رکھا پس تم دنیا میں خصوصیت کے ساتھ نماز کی پابندی رکھو۔ اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو۔ اسی کا سہارا ڈھونڈو۔ وہی سارے کام بنانے والا ہے اور وہ اپنے بندوں کا سب سے اچھا رفیق اور سب سے اچھا مددگار ہے۔ یہ ہے خلاصہ مضامین اس پوری سورت کا۔

الحاصل اس پوری سورت میں جگہ جگہ مناسب مواقع پر تذکیر و نصیحت بھی ہے اور شرک کے خلاف اور توحید و آخرت کے حق میں مؤثر دلائل بھی ہیں۔

بعض مفسرین نے صراحت کی ہے کہ یہ عجیب سورت ہے۔ اس کا کچھ حصہ رات میں کچھ حصہ دن میں نازل ہوا۔ کچھ سفر میں اور کچھ حضر میں اُترا۔ کچھ مکی ہے اور کچھ مدنی کسی آیت کا صلح کے متعلق نزول ہوا کسی کا جنگ کے متعلق۔ کوئی ناسخ ہے کوئی منسوخ۔ کوئی محکم ہے کوئی متشابہ۔

اب ان ابتدائی آیات کی تشریح ملاحظہ ہو:۔

سورت کی ابتداء احوال قیامت کے دہشتناک ذکر سے کی گئی ہے کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور یہ اس لئے تاکہ انسانوں کو پرہیزگاری اور خداترسی اور عبادت کی طرف کامل رغبت ہو اور دل میں خوف رہے۔ یہاں ابتدائی آیات میں سب سے پہلے اپنے رب سے ڈرنے اور تقویٰ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور پھر آنے والے دہشت ناک امور سے ڈرایا جارہا ہے خصوصاً قیامت کے زلزلہ سے۔

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں آیت میں جس زلزلہ کا ذکر ہے یہ قیامت سے پہلے ہوگا اور قیامت کی طرف اس کی اضافت بوجہ قرب اور نزدیکی کے ہے۔ جب حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا تو وہ صور پھونکیں گے جس سے کل زمین اور آسمان والے گھبرا اٹھیں گے زمین کپکپانے اور لرزنے لگے گی۔ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر اڑتے پھریں گے۔ لوگ ادھر ادھر پریشان حیران بھاگنے دوڑنے لگیں گے۔ اس روز حاملہ عورتوں کے خوف و دہشت سے حمل گر جائیں گے اور دودھ پلانے والیاں باوجود اس کے کہ بچہ سے بڑی محبت ہوتی ہے بچہ کو بھی اس پریشانی اور بدحواسی میں بھول جاویں گی اور اس دہشت سے لوگ متوالے کی طرح بدحواس ہوں گے اور وہ بدحواسی کسی نشہ کی وجہ سے نہ ہوگی بلکہ عذابِ الٰہی کی بدحواسی ہوگی۔ جیسا کہ احادیث میں روایات آئی ہیں اہلِ ایمان سے اس وقت روئے زمین پر ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ سب پہلے ہی اٹھ جائیں گے۔ کفار۔ اشرار اور بدکردار رہ جائیں گے جو اس وقت کو دیکھیں گے۔ پھر تمام دنیا نیست و نابود ہوکر پھر دوبارہ ایک اور عالم پیدا ہوگا۔ نیا آسمان نئی زمین قائم ہوگی۔ لوگ زندہ ہوجائیں گے۔ اور حشر برپا ہوگا۔

اب آگے جو قیامت اور حشر نشر کے منکرین ہیں ان پر رد فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو تقویٰ کی دولت عطا فرمائیں کہ جو ہم ہر آن آخرت کی تیاری میں مشغول رہیں۔ یا اللہ! ہمارے قلوب میں اپنا وہ خوف وخشیت عطا فرما کہ جو ہم کو آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے۔ اور قیامت کی ہولناکیوں، ذلت اور رسوائیوں سے بچالے۔ یا اللہ! ہم کو اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرما۔ اور اسی پر جینا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔ یا اللہ! قیامت کے زلزلہ سے ہم کفار مشرکین اور منکرین قیامت کو کیا خوف دلائیں۔ ہم جو قیامت پر ایمان رکھتے ہیں ہم ہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور دنیا کے مزوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور آپ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کررہے ہیں۔

یا اللہ! آخرت کی طرف سے ہمارے دلوں سے غفلت کو دور فرمادے۔ اور اس دنیا میں اپنی مرضیات والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمادے تاکہ ہم آخرت میں آپ کے عذاب سے بچ جائیں اور آپ کی رحمت عنایت اور مغفرت کے مورد بن جائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۳ كُتِبَ عَلَيْهِ

اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے جانے بُوجھے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ جس کی نسبت یہ بات لکھی

اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۴ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ

جا چکی ہے کہ جو شخص اُس سے تعلق رکھے گا تو اُس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اسکو بے راہ کر دیگا اور اس کو عذاب دوزخ کا راستہ دکھلا دے گا۔ اے لوگو اگر تم

فِىْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ

دوبارہ زندہ ہونے سے شک میں ہو تو ہم نے (اول) تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر

مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى

بوٹی سے کہ (بعضی) پوری ہوتی ہے اور (بعضی) ادھوری بھی تا کہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں اور ہم رحم میں جس (نطفہ) کو چاہتے ہیں

اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ

ایک مدت معین تک ٹھیرائے رکھتے ہیں پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں پھر تا کہ اپنی بھری ہوئی جوانی تک پہنچ جاؤ اور بعضے تم میں وہ بھی ہیں جو (جوانی سے پہلے ہی)

يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۭ

مر جاتے ہیں اور بعضے تم میں وہ ہیں جو نکمی عمر تک پہنچا دیئے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتے ہیں۔

وَ اور	مِنَ النَّاسِ کچھ لوگ جو	مَنْ جو	يُّجَادِلُ جھگڑا کرتے ہیں	فِى اللّٰهِ اللہ کے بارہ	میں	بِغَيْرِ عِلْمٍ بے جانے بوجھے
وَيَتَّبِعُ اور پیروی کرتے ہیں	كُلَّ شَيْطٰنٍ ہر شیطان	مَّرِيْدٍ سرکش	كُتِبَ عَلَيْهِ اس پر اسکی نسبت	لکھ دیا گیا	اَنَّهٗ کہ وہ	
مَنْ تَوَلَّاهُ جو دوستی کریگا اس سے	فَاَنَّهٗ تو وہ بیشک	يُضِلُّهٗ اسے گمراہ کرے گا	وَيَهْدِيْهِ اور راہ دکھائے گا اسے	اِلٰى طرف	عَذَابِ عذاب	
السَّعِيْرِ دوزخ	يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو!	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	فِىْ رَيْبٍ شک میں	مِّنَ سے	الْبَعْثِ جی اٹھنا	فَاِنَّا تو بیشک ہم
خَلَقْنٰكُمْ ہم نے پیدا کیا تمہیں	مِّنْ تُرَابٍ مٹی سے	ثُمَّ پھر	مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ سے	ثُمَّ پھر	مِنْ عَلَقَةٍ جمے ہوئے خون سے	ثُمَّ پھر
مِنْ مُّضْغَةٍ گوشت کی بوٹی سے	مُّخَلَّقَةٍ صورت بنی ہوئی	وَّ اور	غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ بغیر صورت بنی	لِّنُبَيِّنَ تا کہ ہم ظاہر کردیں	لَكُمْ تمہارے لئے	
وَنُقِرُّ اور ہم ٹھہراتے ہیں	فِى الْاَرْحَامِ رحموں میں	مَا نَشَآءُ جو ہم چاہیں	اِلٰٓى تک	اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک مدت مقررہ	ثُمَّ پھر	
نُخْرِجُكُمْ ہم نکالتے ہیں تمہیں	طِفْلًا بچہ	ثُمَّ پھر	لِتَبْلُغُوْٓا تا کہ تم پہنچو	اَشُدَّكُمْ اپنی جوانی	وَمِنْكُمْ اور تم میں سے	مَّنْ کوئی
يُّتَوَفّٰى فوت ہوجاتا ہے	وَمِنْكُمْ اور تم میں سے	مَّنْ کوئی	يُّرَدُّ پہنچتا ہے	اِلٰٓى تک	اَرْذَلِ الْعُمُرِ نکمی عمر	لِكَيْلَا يَعْلَمَ تا کہ وہ نہ جانے
مِنْۢ بَعْدِ بعد	عِلْمٍ علم جاننا	شَيْئًا کچھ				

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ ابتدائی آیات میں تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا گیا تھا اور بعض احوال قیامت کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ چونکہ بعض کفار اور مشرکین امکان و وقوع قیامت اور بعث بعد الموت یعنی مَر کر دوبارہ زندہ ہونے اور حشر ونشر، جزا وسزا کے منکر تھے اس لئے آگے منکرین پر رد فرمایا جاتا ہے اور بعث بعد الموت یعنی موت کے بعد پھر زندہ ہونا اس پر دو دلیلیں بیان فرمائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن باتوں کی خبر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی کتاب کے ذریعہ دیتے ہیں ان میں یہ کفار ومشرکین جھگڑتے اور کج بحثیاں کرتے ہیں اور جہل و بے خبری سے عجیب احمقانہ شبہات پھیلاتے ہیں۔ چنانچہ قیامت اور حشر ونشر اور جزا وسزا پر ان کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ جب آدمی مر کر گل سڑ گیا اور ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہوگئیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ پھر زندہ ہو کر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے گا۔ حق تعالیٰ اس کی تردید فرماتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی صحیح علم نہیں۔ یہ فرمانِ خدا سے ہٹ کر اور نبی کی تابعداری چھوڑ کر سرکش انسانوں اور جنات کی ماتحتی کر رہے ہیں اور یہ جس کی مانتے ہیں وہ شیطان ازلی مردود ہے جو اپنی تقلید کرنے والوں کو بہکاتا رہتا ہے اور آخر عذابِ جہنم میں پھانس دیتا ہے۔ شیطان مردود کے متعلق تو یہ طے شدہ امر ہے کہ جو اس کی رفاقت اور پیروی کرے وہ اپنے ساتھ اسے بھی لے ڈوبتا ہے اور گمراہ کر کے دوزخ سے ورے نہیں چھوڑتا۔ اب آگے دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اگر تم کو قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہونے میں شک ہو اور یہ دھوکا لگ رہا ہو کہ ریزہ ریزہ ہو کر دوبارہ کیسے جی اٹھیں گے تو تم خود اپنی پیدائش میں غور کرو کہ کس طرح ہوئی ہے۔ تم اپنی اصلیت پر غور کر کے دیکھو کہ اللہ نے تمہیں اول مٹی سے پیدا کیا۔ یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو جو سب انسانوں کی اصل ہیں اور جن کی نسل تم سب ہو مٹی) سے پیدا ہوئے پھر تم کو قطرہ منی سے بنایا۔ اور کس طرح بنایا اور کیسے تمہاری تشکیل وتخلیق ہوئی اس کو بیان فرمایا جاتا ہے کہ نطفہ کو جو پانی کا سا ایک قطرہ ہے جما ہوا خون بنا دیتے ہیں۔ پھر خون سے گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے پھر لوتھڑے سے جسم انسانی کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے اور اعضا ہاتھ پاؤں آنکھ، کان، ناک بنا دیئے جاتے ہیں اور یہ تغیر وتبدل مقررہ قاعدوں کے مطابق ہوتا ہے اور جتنی مدت رحم مادر میں ٹھہرانا مناسب ہوتا ہے ٹھہراتے ہیں اور جسے ٹھہرانا نہیں چاہتے وہ حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ حمل کی مدت مقرر ہے جو کم سے کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال اور بعض کے نزدیک ۴ سال ہے۔

رحمِ مادر میں انسان کی تخلیق کا حال جو یہاں آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے اس کی تفصیل صحیح بخاری میں ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس طرح روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا مادہ ۴۰ روز تک رحم میں جمع رہتا ہے۔ پھر چالیس دن کے بعد علقہ یعنی جما ہوا خون بن جاتا ہے۔ پھر ۴۰ ہی دن میں مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کے متعلق چار باتیں اسی فرشتہ کو لکھوا دی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ اس کی عمر کتنی ہے۔ دوسرے اس کا رزق کتنا ہے۔ تیسرے وہ کیا کیا عمل کرے گا چوتھے یہ کہ انجام کار یہ شقی وبدبخت ہوگا یا سعید ونیک بخت۔ غرض ماں کے پیٹ میں نطفہ کی تربیت ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ جیتا جاگتا بچہ بن جاتا ہے اور پھر مکمل شکل میں ماں کے پیٹ سے باہر نکالا جاتا ہے۔ پھر باہر آ کر اس کی نشوونما وتربیت جاری رہتی ہے اور بتدریج بہت سے منازل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایک بچپن کا زمانہ ہے جب آدمی بالکل کمزور ناتواں ہوتا ہے اور اس کی تمام قوتیں چھپی رہتی ہیں اور

1 انتہائی ضعیف اور کمزور ہوتی ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس کی اندرونی اور بیرونی قوتیں جوانی کے وقت پورے کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔ پھر بعض تو جوانی ہی میں مرجاتے ہیں اور بعض بڑھاپے تک زندہ رہتے ہیں۔ بعض یہاں تک پہنچتے ہیں کہ آدمی کے اعضاء و قویٰ جواب دے دیتے ہیں۔ وہ سمجھدار بننے کے بعد ناسمجھ اور کارآمد ہونے کے بعد نکمے ہوجاتے ہیں۔ سمجھ اور حافظہ کمزور ہوجاتا ہے اور جو کچھ سیکھا تھا بھول بھال جاتا ہے۔ علم و دانش جان کر پھر نادان بچوں جیسا ہوجاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارذل العمر یعنی ایسی عمر جس میں انسان کے عقل وشعور اور ہوش وحواس میں خلل آجائے پناہ مانگی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسی ناکارہ عمر سے کہ جس میں ہوش وحواس اور عقل وشعور قائم نہ رہے، ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور مرتے دم تک ہوش وحواس۔ بینائی وسماعت وطاقت قائم رکھے۔ آمین

پس جو خدا ایک انسان پر اس قدر مختلف حالتیں طاری کرسکتا ہے اور اخیر میں انتہا کے بعد پھر ابتداء کی طرف لوٹا سکتا ہے تو کیا وہ گلی سڑی ہڈیوں سے دوبارہ انسان کو پیدا نہیں کرسکتا۔ بیشک کرسکتا ہے اور ضرور کرے گا پس قیامت کو نہ ماننا اور دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان نہ لانا حماقت اور بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے؟

بعث بعد الموت یعنی مر کر قیامت میں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کی ایک دلیل جو کائناتِ انسانی سے متعلق تھی ان آیات میں دی گئی اب کائنات انسانی سے ہٹ کر دوسری دلیل بے حس و بے عقل زمین کی حالت سے آگے دی جاتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ اور تروتازہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ مردوں کو بھی زندہ کرنے پر قادر ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو یقین صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں تاکہ ہم کو حق تعالیٰ کے احکامات جو آپ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی کتاب قرآن پاک کے ذریعہ سے پہنچے ہیں ان کا اتباع کامل اور پوری تابعداری نصیب ہو۔

یا اللہ شیطان کی کجروی اور گمراہی اور اس کے شر و وساوس سے ہماری حفاظت فرما۔

یا اللہ آخرت وقیامت پر یقین وایمان کے ساتھ اس دن کے لئے ہمہ وقت تیاری کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ دنیا میں ہم کو جو زندگی اور عمر آپ نے عطا کی ہے اس کو اپنی رضا میں صرف کرنے کی ہمت اور توفیق وسعادت نصیب فرما۔

یا اللہ دین کی باتوں میں شک اور شبہات سے ہمارے قلوب کو پاک رکھئے اور مرتے دم تک ہم کو صراط مستقیم پر استقامت عطا فرمائیے۔ یا اللہ! ایسی نکمی عمر تک پہنچ جانے سے کہ جب عقل وشعور، ہوش وحواس قوت وطاقت، بینائی وسماعت قائم نہ رہے ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں یا اللہ! مرتے دم تک اپنی طاعت وعبادت میں لگائے رکھئے اور خاتمہ بالخیر نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ

اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝٥ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَأَنَّهُ عَلٰى كُلِّ

نباتات اُگاتی ہے۔ یہ (سب) اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہی ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝٦ وَأَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝٧

قادر ہے۔ اور قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شبہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دوبارہ پیدا کردیگا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيرٍ ۝٨ ثَانِيَ عِطْفِهِ

اور بعضے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدوں واقفیت اور بدوں دلیل اور بدوں کسی روشن کتاب کے تکبر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۖ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ

اللہ کی راہ سے بے راہ کردیں۔ ایسے شخص کیلئے دُنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھا دیں گے۔

الْحَرِيقِ ۝٩ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝١٠

کہ یہ تیرے ہاتھ کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے۔ اور یہ بات ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

وَتَرَى اور تو دیکھتا ہے	الْأَرْضَ زمین	هَامِدَةً خشک پڑی ہوئی	فَإِذَا پھر جب	أَنْزَلْنَا ہم نے اتارا	عَلَيْهَا اس پر	الْمَآءَ پانی		
اهْتَزَّتْ وہ تروتازہ ہوگئی	وَرَبَتْ اور اُبھر آئی	وَأَنْبَتَتْ اور اُگا لائی	مِنْ سے	كُلِّ زَوْجٍ ہر جوڑا	بَهِيجٍ رونق دار	ذٰلِكَ یہ		
بِأَنَّ اس لئے کہ	اللّٰهَ اللہ	هُوَ الْحَقُّ وہی برحق	وَأَنَّهُ اور یہ کہ وہ	يُحْيِ زندہ کرتا ہے	الْمَوْتٰى مُردوں	وَأَنَّهُ اور یہ کہ وہ	عَلٰى پر	
كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيرٌ قدرت رکھنے والا	وَأَنَّ اور یہ کہ	السَّاعَةَ گھڑی (قیامت)	اٰتِيَةٌ آنے والی	لَا رَيْبَ فِيهَا نہیں شک			
وَأَنَّ اور یہ کہ	اللّٰهَ اللہ	يَبْعَثُ اٹھائے گا	مَنْ جو	فِي الْقُبُورِ قبروں میں	وَ اور	مِنَ النَّاسِ لوگوں میں سے	مَنْ جو	يُجَادِلُ جھگڑتا ہے
فِي اللّٰهِ اللہ (کے بارے) میں	بِغَيْرِ عِلْمٍ بغیر کسی علم	وَ اور	لَا هُدًى بغیر کسی دلیل	وَلَا اور بغیر کسی	كِتٰبٍ کتاب	مُّنِيرٍ روشن		
ثَانِيَ عِطْفِهِ موڑے ہوئے اپنی گردن	لِيُضِلَّ تاکہ گمراہ کرے	عَنْ سے	سَبِيلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	لَهُ اس کیلئے	فِي الدُّنْيَا دنیا میں			
خِزْيٌ رسوائی	وَ اور	نُذِيقُهُ ہم اسے چکھائیں گے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	عَذَابَ عذاب	الْحَرِيقِ جلتی آگ	ذٰلِكَ بِمَا یہ اس سبب جو		
قَدَّمَتْ آگے بھیجا	يَدٰكَ تیرے ہاتھ	وَ اور	أَنَّ اللّٰهَ یہ کہ اللہ	لَيْسَ نہیں	بِظَلَّامٍ ظلم کرنے والا	لِلْعَبِيدِ اپنے بندوں پر		

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں قیامت اور مر کر پھر دوبارہ زندہ ہونے پر منکرین کو ایک دلیل پیش کی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا اور پھر عام انسانوں کو قطرۂ منی سے بنایا جاتا ہے اس طرح پر کہ رحم مادر میں نطفہ کچھ ایام میں تبدیل ہو کر جما ہوا خون بن جاتا ہے اور پھر خون سے گوشت کا لوتھڑا اور پھر جیتا جاگتا انسان تو انسان اگر خود اپنی

پیدائش پر غور کرے کہ اس کی اصل کیا تھی اور کتنا عرصہ گزرنے کے بعد یہ آدمی بنا تو اسی کو سمجھ کر بعث بعد الموت کا امکان بھی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ جو خدا ان باتوں پر قادر ہے کہ ایک قطرہ منی سے جیتا جاگتا انسان پیدا کر سکتا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ انسان کو مار کر دوبارہ پھر اسے زندہ کر دے؟

تو ایک دلیل خود کائناتِ انسانی سے متعلق گزشتہ آیات میں پیش کی گئی تھی اب آگے ان آیات میں دوسری دلیل پیش کی گئی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ انسان اس زمین ہی کو دیکھے جو ہر وقت اس کے قدموں کے نیچے ہے کہ کیسی خشک اور چٹیل میدان پڑی تھی۔ ابرِ رحمت سے پانی برستا ہے۔ بے جان مٹی میں جان پڑ جاتی ہے۔ خشک زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔ سبزہ بڑھتا ہے اور قسم قسم کے خوش منظر۔ فرحت بخش اور نشاط افزا پودے اگتے ہیں۔ اللہ کی اس قدرتِ کاملہ کو اکثر انسان دیکھتے ہیں۔ تو مردہ اور خشک زمین جب بارش کے پانی سے زندہ ہو کر لہلہانے لگتی ہے تو ماء الحیات برسا کر انسان کو نباتات کی طرح دوسری بار کیا خدا نہیں پیدا کر سکتا؟

غور کرنے کی بات ہے کہ جس قادرِ مطلق اور صانع حقیقی نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرتِ کاملہ سے انسان کو ایسی عجیب وغریب صنعت کے ساتھ پیدا کیا۔ کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اس کی زندگی بیکار بلا کسی مقصد کے بنائی ہوگی۔ اتنی بڑی دنیا اتنے سروسامان اور اس قدر اختیارات کے ساتھ انسان کے سپرد کر کے وہ اس کا حساب کبھی نہ لے گا؟ کیا کسی صحیح الدماغ آدمی کی عقل یہ گواہی دے سکتی ہے کہ انسان کے نیک و بد، اچھے برے اعمال کی جانچ اور بازپرس کے لئے کبھی عدالت قائم نہ ہوگی؟ یقیناً ایسا ہونا چاہئے اور ہوگا۔ قیامت اور زندگی مابعد موت خدائے حکیم کی حکمت کا ایک لازمی تقاضہ ہے جہاں سعید و شقی، نیک و بد، مجرم و وفادار صاف صاف طور پر الگ الگ ہوں اور اپنی اپنی جزا وسزا پائیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسے واضح دلائل وشواہد سننے کے بعد بھی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایسی کھلی ہوئی نشانیاں دیکھ کر بھی بعض کجرو اور ضدی لوگ اللہ عزوجل کی کامل ہستی کو نہیں مانتے اور اس کے رسول کی قدر نہیں کرتے اور اس کی کتاب کو نہیں مانتے اور اللہ کی باتوں میں یونہی بے سند شک وشبہات اور جھگڑے کرتے رہتے ہیں ان کے پاس نہ کوئی علم ضروری ہے اور نہ دلیل۔ محض اپنے اوہام وظنون کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور پھر ساتھ ہی اعراض وتکبر اور رعونت وغرور برتتے ہیں اور غرض اس سے ان کی یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی ایمان اور یقین کی راہ سے ہٹا دیں اور خود تو گمراہ ہیں ہی دوسروں کو بھی گمراہ کریں۔ ایسے لوگوں کے متعلق بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی ذلیل ورسوا کرے گا اور آخرت کا عذاب رہا سوا الگ۔ جب قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگوں کو عذابِ جہنم کی سزا دی جائے گی تو کہا جائے گا کہ خدا کی طرف سے کسی پر ظلم وزیادتی نہیں۔ یہ خود اپنے ہاتھوں کی کمائی اور کرتوت ہے جس کا مزہ آج تو اے انسان چکھ رہا ہے۔

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیات نضر بن حارث اور ابو جہل جیسے سردارانِ کفار مکہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں جو محض معاند تھے۔ انکار حشر ونشر ثابت کرنے کے لئے ان کے پاس نہ کوئی علم بدیہی تھا۔ نہ نظری ہدایت نہ الہام ووحی اور مقصود ان کا اس عناد اور بغض راہِ حق سے صرف یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق پر دوسروں کو لبیک نہ کہنے دیں اور اسلام وایمان قبول کرنے سے باز رکھیں۔ ان کے اس کبر وغرور کی سزا بیان فرمائی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی خوار وذلیل کرے گا اور آخرت میں عذاب الیم میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ چنانچہ نضر بن حارث اور ابو جہل کیسی ذلت اور رسوائی کے ساتھ بدر کی لڑائی

میں اہل اسلام کے ہاتھوں قتل کئے گئے اور کتوں کی طرح سے ان کی لاشیں گھسیٹ کر ایک کنوئیں میں ڈال دی گئیں۔ یہ تو رہی دنیا کی ذلت اور رسوائی اور قیامت کے روز جہنم کا عذاب علیحدہ بھگتنا ہوگا۔ بعض مفسرین نے ان آیات کو تمام منکرین اور کفار مکہ سے متعلق رکھا ہے۔ ان آیات میں یہی مضمون فرمایا گیا ہے۔

تو گذشتہ اور ان آیات میں انسان کی پیدائش اور زمین سے نباتات کی پیداوار کی دو مثالیں بیان فرما کر یہاں حق تعالیٰ خود ان پانچ حقیقتوں کو بیان فرماتے ہیں جو ان دو مثالوں سے ثابت ہوتی ہیں۔ وہ پانچ حقیقتیں یہ ہیں۔

ایک یہ کہ یقیناً بالتحقیق اللہ موجود ہے جو اپنی ہستی میں کامل ہے ورنہ ایسی منظم اور حکیمانہ صنعتیں کہاں سے ظاہر ہوئیں۔

دوسرے یہ کہ وہ ہی مردہ اور بے جان چیزوں کو زندہ اور جان دار بنا دیتا ہے اور بے جانوں میں جان ڈالتا ہے چنانچہ مشتِ خاک یا قطرہ آب سے انسان بنا دینا اور خشک زمین میں روح نباتاتی پھونک کر اس کو سرسبز بنا دینا اس پر شاہد ہے۔

تیسرے یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر ہر چیز اس کی قدرت کے ماتحت اور نیچے نہ ہوتی تو ہرگز یہ کام یعنی مشتِ خاک یا قطرۂ حقیر سے جیتا جاگتا انسان بنا دینا یا مردہ خشک زمین سے پانی پڑتے ہی سبزہ کا اگا دینا نہ ہو سکتے تھے۔

چوتھے یہ کہ قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں ذرا شبہ نہیں۔

پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں قبروالوں کو دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ یعنی جتنے لوگ مر چکے ہوں گے ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور اس زندگی میں دنیا کی زندگی کی جزا و سزا واقع ہونی ہے۔

گزشتہ آیت میں پہلے ان منکرین کا ذکر ہوا جو خود گمراہ تھے اور ان آیات میں ان منکرین کا ذکر ہے جو خود ہی گمراہ نہیں بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر کمربستہ رہتے تھے۔ اب اگلی آیات میں ایک تیسرے گروہ یعنی منافقین یا مذبذبین یا مرتدین کا حال بیان فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں اسی پر زندہ رہنا اور اسی پر مرنا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! دین اسلام اور قرآن وسنت کی باتوں میں شک وشبہ اور وساوس شیطانیہ سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرمایئے۔ اور صحیح علم اور عمل کی اپنے احکام کے مطابق توفیق عطا فرمایئے۔

یا اللہ! مخالفین اسلام اور منکرین ایمان کو دنیا میں بھی ذلت اور رسوائی نصیب فرما اور آخرت کا عذاب تو ان کے لئے مقدر ہی ہے جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

یا اللہ! ہمیں ہدایت نصیب فرمایئے اور دوسروں کو بھی ہدایت کی راہ بتلانے والا بنایئے، اور دنیا میں بھی عزت اور غلبہ نصیب فرمایئے۔ اور آخرت میں اپنی مغفرت ورحمت سے نوازیئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ

اور بعض آدمی اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارہ پر پھر اگر اس کو کوئی نفع پہنچ گیا تو اُسکی وجہ سے قرار پالیا۔اور اگر اُس پر کچھ

فِتْنَةُ ِۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا

آزمائش ہوگئی تو منہ اُٹھا کر چل دیا دنیا اور آخرت دونوں کو کھو بیٹھا۔یہی کھلا نقصان ہے۔خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرنے لگا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا

جو نہ اُس کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ اُس کو نفع پہنچا سکتا ہے یہ انتہا درجہ کی گمراہی ہے۔وہ ایسے کی عبادت کررہا ہے کہ

لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۗ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

کہ اُس کا ضرر بہ نسبت اُس کے نفع سے زیادہ قریب الوقوع ہے۔ایسا کارساز بھی بُرا اور ایسا رفیق بھی بُرا۔

وَ اور	مِنَ سے	النَّاسِ لوگ	مَنْ جو	يَّعْبُدُ بندگی کرتا ہے	اللّٰهَ اللہ	عَلٰى پر	حَرْفٍ ایک کنارہ	فَاِنْ پھر اگر	اَصَابَهٗ اسے پہنچ گئی
خَيْرُ بھلائی	اطْمَاَنَّ تو اطمینان پالیا	بِهٖ اس سے	وَاِنْ اور اگر	اَصَابَتْهُ اسے پہنچی	فِتْنَةُ کوئی آزمائش	انْقَلَبَ تو پلٹ گیا	عَلٰى پر۔بل		
وَجْهِهٖ اپنا منہ	خَسِرَ الدُّنْيَا دنیا کا فساد	وَالْاٰخِرَةَ اور آخرت	ذٰلِكَ یہ ہے	هُوَ الْخُسْرَانُ وہ گھاٹا	الْمُبِيْنُ کھلا	يَدْعُوْا پکارتا ہے وہ			
مِنْ سے	دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مَا جو	لَا يَضُرُّهٗ نہ اسے نقصان پہنچائے	وَمَا اور جو	لَا يَنْفَعُهٗ نہ اسے نفع پہنچائے	ذٰلِكَ یہ ہے			
هُوَ وہ	الضَّلٰلُ گمراہی	الْبَعِيْدُ دور۔انتہا درجہ	يَدْعُوْا وہ پکارتا ہے	لَمَنْ اس کو جو	ضَرُّهٗ اس کا ضرر	اَقْرَبُ زیادہ قریب			
مِنْ نَّفْعِهٖ اس کے نفع سے	لَبِئْسَ بیشک برا	الْمَوْلٰى دوست	وَلَبِئْسَ اور بیشک برا	الْعَشِيْرُ رفیق					

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ آیات میں کفار ومشرکین کو جو قیامت اور حشر ونشر کے منکر تھے ان کی مذمت فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ قیامت ضرور آنی ہے اور سب کو دوبارہ زندہ ہوکر اپنے کیئے کی جزا سزا ملنا یقینی ہے۔اس طرح مشرکین مکہ کو متنبہ کیا گیا تھا کہ تم نے اگر ضد وہٹ دھرمی سے اپنے جاہلانہ اور باطل خیالات پر اصرار کیا اور دین حق کو جھٹلاتے رہے تو تمہارے لئے دنیا میں بھی رسوائی وذلت آنی ہے اور قیامت میں عذاب جہنم چکھنا ہوگا۔

اب آگے ان آیات میں ایک دوسرے گروہ کی مذمت فرمائی گئی ہے جو باوجود ظاہری اسلام لانے کے دل سے اخلاص نہ رکھتے تھے اور بعض احوال میں کفر وشرک کی طرف واپس ہوجاتے۔

ان آیات کے سبب نزول کے متعلق مختلف روایات منقول ہیں لیکن حاصل سب کا تقریباً ایک ہی ہے۔حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول ہے کہ بعض بدوی دیہاتی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوجاتے اور پھر اپنے وطن کو واپس جاتے تو اگر اس سال خوب بارش ہوتی۔مال میں وسعت اور اولاد کی بہتری ہوتی تو کہتے یہ بڑا اچھا دین ہے اور اگر اس سال قحط پڑ جاتا اور اولاد کی بیماری یا موت کا صدمہ پہنچتا تو کہتے (نعوذ باللہ) اس دین میں کوئی خوبی نہیں ہے اور پھر جاتے۔

حضرت ابن عباسؓ کا ہی دوسرا قول ہے کہ جب بعض دیہاتی مدینہ میں آتے اور آکر تندرست ہوجاتے اور اس کی گھوڑی کے خوبصورت بچہ پیدا ہوتا اور اس کی اپنی اولاد بھی نرینہ پیدا ہوتی تو دین اسلام سے راضی ہوتا اور کہتا کہ جب سے میں اس دین میں

آیا ہوں مجھے فائدہ ہی ہو رہا ہے اور اگر مدینہ میں آ کر بیمار ہو جاتا یا اس کی بیوی کے لڑکی پیدا ہوتی یا آمدنی میں کچھ تاخیر ہوتی تو شیطانی وسوسہ میں آ کر کہتا کہ جب سے میں اس مذہب میں آیا ہوں مجھے برائی ہی پہنچی ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی مسلمان ہوا۔ پھر اس کی آنکھیں جاتی رہیں۔ مال بھی برباد ہو گیا اور اولاد کا بھی صدمہ پہنچا۔ ان حوادث کی وجہ سے اس نے اسلام کو نعوذ باللہ منحوس جانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ اپنا اسلام واپس کر لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام واپس نہیں ہوتا۔ یہودی بولا میں نے اس دین میں کوئی بھلائی نہیں پائی۔ آنکھیں جاتی رہیں۔ مال گیا، اولاد مری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح چاندی سونے کا میل آگ کے ذریعہ سے صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آدمیوں کی تمام کثافتوں کو اسلام دور کر دیتا ہے۔ بہرحال سبب نزولِ آیات کا کچھ بھی ہو مطلب صاف ہے۔ اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ بعض آدمی محض دنیا کی غرض سے دین کو اختیار کرتا ہے اور اسکا دل مذبذب رہتا ہے۔ اگر دین میں داخل ہو کر دنیا کی بھلائی دیکھے تو بظاہر اللہ کی بندگی پر قائم رہے اور تکلیف پائے تو دین حق کو چھوڑ دے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین و دنیا دونوں برباد ہوتے ہیں۔ آنے والی مصیبت تو آتی ہے۔ ادھر نجاتِ آخرت سے محرومی ہو جاتی ہے۔ گویا ایسا آدمی مکان کے کنارے کھڑا ہے کہ جب چاہے نکل بھاگے۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی خستہ و خوار ہوں گے تو اس سے بڑھ کر اور کیا خسارہ ہوگا۔ دنیا کی بھلائی نہ ملنے کی وجہ سے خدا کی بندگی چھوڑی اور جب اللہ عزوجل کو چھوڑا تو ضرورت کے وقت اپنی مدد کے لئے کسی اور کو بلائے گا۔ اب وہ اللہ کے سوا جسے بھی پکارے گا وہ کمزور ضعیف اور ناتواں ہی ہوگا جس میں نہ نفع پہنچانے کی طاقت ہوگی اور نہ ضرر پہنچانے کا بل بوتہ ہوگا تو ذرا سوچنا چاہئے کہ یہ کتنی بڑی گمراہی ہے اور اس کا یہ احمقانہ فعل اسے سچائی اور حقیقت سے کتنی دور لے جا کر پھینکے گا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کھلی ہوئی حماقت ہوگی۔ بتوں وغیرہ یعنی غیر اللہ سے نفع کی امید تو موہوم ہے لیکن ان کی بندگی کا جو ضرر ہے وہ قطعی اور یقینی ہے اس لئے فائدہ کا سوال تو بعد میں دیکھا جائے گا نقصان ابھی ہاتھوں ہاتھ پہنچ گیا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت میں بت پرستی کے نتائج سامنے آئیں گے تو بت پرست بھی یہ کہیں گے۔ **لبئس المولٰی ولبئس العشیر** یعنی جن سے بڑی امداد اور رفاقت کی توقع تھی وہ بہت ہی برے رفیق اور مددگار ثابت ہوئے کہ نفع تو کیا پہنچاتے الٹا ان کے سبب سے نقصان پہنچ گیا۔

یہاں ایسے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو محض دنیاوی طمع پر اسلام لے آتے ہیں اور ان کے دل میں حقانیت اسلام کی طرف سے تردد رہتا ہے۔ گویا ایسے لوگوں کے نزدیک حقانیت کا معیار دنیاوی منفعت ہے اور جو اسلام محض دنیوی منفعت پر مبنی ہو وہ اسلامی شریعت میں معتبر نہیں۔ اگر اس کو کوئی دنیاوی بھلائی پہنچ گئی جیسے صحت و مالداری وغیرہ تو اس بھلائی کی وجہ سے اس کو دین پر کچھ ٹھہراؤ ہو گیا اور اگر اس کو کوئی دنیاوی تکلیف پہنچ گئی جیسے بیماری اور تنگدستی تو پھر وہ دین سے پلٹ جاتا ہے تو ایسے شخص کا انجام یہ بتلایا گیا کہ اس نے دنیا بھی گنوائی اور آخرت بھی گنوائی۔ دنیا بھی گئی اور دین بھی گیا۔ دنیا کا نقصان تو یہ ہوا کہ مراد کو نہ پہنچا اور آخرت کا نقصان یہ ہوا کہ سارے اعمال نیست و نابود ہو گئے۔

حاصل مطلب یہ کہ دین اسلام کو اخلاص کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے نہ کہ دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لئے۔ دنیا کا نفع و نقصان تو ہر کسی کے ساتھ لگا ہوا ہے جو مشیت الٰہی کے تحت پہنچتا ہے۔

اب آگے ان دونوں گروہوں کے مقابلہ میں جن کی مذمت فرمائی گئی مؤمنین صادقین کی فضیلت کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ایسے باغوں میں داخل فرماویں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿١٤﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔ جو شخص اس بات کا خیال رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ رُسول کی دنیا اور آخرت میں مدد نہ کرے گا

فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿١٥﴾

تو اس کو چاہیے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے پھر اس وحی کو موقوف کرا دے تو پھر غور کرنا چاہیے آیا اُسکی تدبیر اُسکی ناگواری کی چیز کو موقوف کر سکتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

اور ہم نے اس قرآن کو اسی طرح اُتارا جس میں کھلی کھلی دلیلیں ہیں اور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اس میں

هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ

کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان میں

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١٧﴾

قیامت کے روز (عملی) فیصلہ کر دے گا۔ بے شک خدا تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	يُدْخِلُ داخل کرے گا	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ جولوگ ایمان لائے	عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے درست عمل کیے	جَنّٰتٍ باغات		
تَجْرِيْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے سے	الْاَنْهٰرُ نہریں	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	يَفْعَلُ کرتا ہے	مَا يُرِيْدُ جو وہ چاہتا ہے	
مَنْ جو	كَانَ يَظُنُّ گمان کرتا ہے	اَنْ کہ	لَنْ يَّنْصُرَهُ ہرگز اس کی مدد نہ کرے گا	اللّٰهُ اللہ	فِي الدُّنْيَا دنیا میں	وَ اور	الْاٰخِرَةِ آخرت
فَلْيَمْدُدْ تو اسے چاہیے کہ تانے	بِسَبَبٍ ایک رسی	اِلَى السَّمَآءِ آسمان کی طرف	ثُمَّ پھر	لْيَقْطَعْ اسے کاٹ ڈالے	فَلْيَنْظُرْ پھر دیکھے		
هَلْ کیا	يُذْهِبَنَّ دور کر دیتی ہے	كَيْدُهٗ اس کی تدبیر	مَا يَغِيْظُ جو غصہ دلا رہی ہے	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اس کو نازل کیا		
اٰيٰتٍ آیتیں	بَيِّنٰتٍ روشن	وَ اور	اَنَّ اللّٰهَ یہ کہ اللہ	يَهْدِيْ ہدایت دیتا ہے	مَنْ جس کو	يُّرِيْدُ وہ چاہتا ہے	اِنَّ بیشک
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جولوگ ایمان لائے	وَالَّذِيْنَ اور جو	هَادُوْا یہودی ہوئے	وَ اور	الصّٰبِـِٕيْنَ صابی ستارہ پرست	وَالنَّصٰرٰى اور نصاریٰ مسیحی		
وَالْمَجُوْسَ اور آتش پرست	وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اور وہ جنہوں نے شرک کیا (مشرک)	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	يَفْصِلُ فیصلہ کر دے گا			
بَيْنَهُمْ ان کے درمیان	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَلٰي پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	شَهِيْدٌ مطلع		

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں منکرین۔ مجادلین ومذبذبین ومرتدین کی مذمت فرمائی گئی تھی اور ان کی باطل پرستی کا نتیجہ بدظاہر فرمایا گیا تھا۔ اب کفار کے مقابلہ میں اہل ایمان کا حال اور ان کی نیک انجامی بیان فرمائی جاتی ہے تا کہ اگر کفر سے نفرت پیدا ہو تو

ساتھ ہی اسلام و ایمان سے رغبت بھی پیدا ہو سکے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ ہر بات کی وضاحت اس کی ضد کو بیان کرنے سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ کفر کی ضد اسلام ہے۔ اسلام ہی کی طرف طبائع کا میلان کرانا مقصود تھا لیکن جب تک کفر کی طرف سے قلوب میں نفرت نہ پیدا کی جائے اسلام کی طرف میلان نہیں ہو سکتا۔ جب کفار اور ان کے کفر کی حالت شنیعہ اور نتائج قبیحہ کا بیان ہو گیا تو اب رغبت کے لئے مؤمنین، صادقین کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو اہلِ ایمان ہیں اور ساتھ ہی عمل صالح بھی کرتے ہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق اپنا عقیدہ رکھتے ہیں اور شریعت اسلامیہ کے مطابق جو نیک کام کرنے کے لئے بتلائے گئے ہیں وہ کرتے ہیں اور جن کاموں سے روکا گیا ہے ان سے باز رہتے ہیں تو ایسے لوگوں کو قیامت کے دن جنت کے باغات میں داخل کیا جائے گا۔ یہاں ان آیات میں بھی اور قرآن پاک میں متعدد جگہ جنت میں داخلہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ گزشتہ آیات میں کفار کی سزا اور یہاں مومنین کی جزا کا جو بیان ہوا تو اس کے وقوع میں ذرا شبہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا۔

اس سورۃ کے ابتدائی درس میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ اس سورۃ کا ابتدائی حصہ مکہ معظمہ میں بالکل آخری مکی دور میں یعنی ہجرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ہی قبل نازل ہوا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار مکہ کی عداوت و مخالفت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی حتیٰ کہ کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے کر رہے تھے تاکہ اس طرح وہ دین اسلام کو ختم کر سکیں۔ چونکہ کفار و مشرکین کی دلی منشا اور غرض یہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دین اسلام کو مغلوب و ضعیف کر کے ختم کیا جائے اسلئے آگے اس غرض والوں کی ناکامی بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے رسول سے دنیوی اور اخروی فتح و نصرت کے جو وعدے کر چکا ہے وہ ضرور پورے ہو کر رہیں گے خواہ کفار و حاسدین کتنا ہی غیظ کھائیں اور نصرت ربانی کے روکنے کی کیسی ہی تدبیر کر لیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و کامیابی کسی طرح رک نہیں سکتی یقیناً آکر رہے گی۔ اگر ان کفار و حاسدین کو اس پر زیادہ غصہ ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کسی کوشش سے خدا کی مشیت کو روک سکیں گے تو اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے دیکھ لیں اور ہو سکتا ہو تو آسمان میں رسی تان کر اوپر چڑھیں اور وہاں سے آسمانی امداد کو منقطع کر آئیں۔ پھر دیکھیں کہ ان تدبیروں سے وہ چیز آنی بند ہو جاتی ہے جس پر انہیں اس قدر غصہ اور پیچ و تاب ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ قرآن پاک کی آیات تو بالکل واضح اور روشن ہیں اور اس کی باتیں اور مثالیں کتنی صاف اور کھلی ہیں۔ جو شخص ان میں غور کرے اس پر صاف صاف حق واضح ہو جائے مگر سمجھتا وہی ہے جسے خدا سمجھ دے۔ ہدایت یاب ہونا ہر شخص کا کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں البتہ انسان کی سعی اور طلب کے بعد اللہ تعالیٰ ارادہ ہدایت کا فرما ہی لیتے ہیں۔

اب تمام گروہوں کا بیان کرنے کے بعد تمام گروہوں کے متعلق ایک قطعی فیصلہ صادر فرمادیا کہ قیامت کے دن تمام مذاہب کے نزاعات کا عملی اور دوٹوک فیصلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہوگا اور اہلِ اسلام۔ یہود۔ نصاریٰ آتش پرست۔ صابی۔ مشرکین سب کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا نتیجہ اچھا ہے اور کس کا برا، کون کامیاب رہا کون ناکام، کون ناجی ہے کون ناری۔ سب جدا جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پہنچا دیئے جائیں گے۔ سب

کے اقوال وافعال۔ظاہر وباطن سب اللہ تعالیٰ پر عیاں ہیں۔

عام طور پر دنیا میں مذہب کے لحاظ سے چھ فریق رہے ہیں۔ایک اہل ایمان یا اہل اسلام جن کو یہاں آیت میں "الذین امنوا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔دوسرے یہود۔تیسرے نصاریٰ۔چوتھے مجوسی یعنی آتش پرست۔پانچویں مشرکین یعنی بت پرست وغیرہ۔چھٹے صائبین۔ صائبین کے بارہ میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔بعض کا کہنا ہے کہ یہ کواکب پرستوں کا گروہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔بعض کا کہنا ہے کہ صائبین مجوس اور نصاریٰ کے درمیان ایک قوم ہے اور ان کا کوئی دین نہیں اور نہ وہ کسی پیغمبر کو مانتے ہیں۔نہ کسی ملت کی جانب منسوب ہیں۔نہ ان کی کوئی شریعت ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ صائبین اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے جو فرشتوں کو پوجتا تھا۔بہرحال یہ چھ دین ہیں جن میں سے پانچ دین اب شیطان کے ہیں اور صرف ایک دین رحمٰن کا ہے۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان جملہ ادیان مختلفہ کا فیصلہ فرمائیں گے۔اہلِ ایمان واہلِ اسلام کو جنت میں جو اللہ کی رضا کا مقام ہے داخل فرمائیں گے۔اور ان کے سوا سب کفار ومشرکین کو خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا مجوسی یا صابی یا مشرک سب جہنم میں جھونکے جائیں گے اور یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے علم کی بنا پر ہوگا۔

نیز ان اللہ یھدی من یرید یعنی اللہ تعالیٰ حق کی ہدایت فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے سے واضح ہوا کہ قرآن کریم کی تعلیم و ہدایت تو بالکل واضح، روشن اور نا قابل شک وشبہ ہے مگر فائدہ اور ہدایت اسی کو نصیب ہوتا ہے جس کے شاملِ حال اللہ کی توفیق ہو۔اور جس کو حق تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔اسی مناسبت سے آگے اللہ عزوجل کی قدرت وجبروت کو ثابت فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ قرآنی ہدایات کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے قلوب منور فرمائیں اور ہمارے سینوں کو کشادہ فرمائیں۔

یا اللہ! ہم کو ایمان کامل اور اسلام صادق نصیب فرما۔اور اسی پر ہمارا جینا اور مرنا مقدر فرما۔

یا اللہ! قیامت میں مؤمنین صادقین کے ساتھ ہی ہمارا حشر ونشر ہو اور انہی کے ساتھ جنت میں پہنچنا نصیب ہو۔

یا اللہ! ہم کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اپنی توفیق حسن کو ہمارے شاملِ حال فرما۔یا اللہ! ہم کو ان اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرما جو آپ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ بنیں اور ان اعمال سے بچنا نصیب فرما جو آپ کی ناراضگی کا سبب ہوں۔

یا اللہ! آپ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدۂ نصرت وامداد کے فرمائے تھے وہ سب آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم سے پورے فرمائے۔

یا اللہ! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مسلمہ بھی اس وقت آپ کی امداد ونصرت کی بہت ہی حاجت مند ہے۔

یا اللہ! دشمنانِ دین اور اعدائے اسلام کے مقابلہ میں اُمتِ مسلمہ کی مدد فرمادے اور اسلام اور اہلِ اسلام کو مٹانے والوں کے عزائم کو ملیامیٹ فرمادے اور ان کے اوپر اپنے قہر وعذاب کی بجلیاں گرا کر خاسر ونا کام بنادے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

اے مخاطب کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند

وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی۔اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہوگیا ہے۔

الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾ السجدة

اور جس کو خدا ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں اللہ تعالیٰ (کو اختیار ہے) جو چاہے کرے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا؟	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يَسْجُدُ لَهٗ سجدہ کرتا ہے اس کیلئے	مَنْ جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَنْ اور جو	
فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَالشَّمْسُ اور سورج	وَالْقَمَرُ اور چاند	وَ اور	النُّجُومُ ستارے	وَالْجِبَالُ اور پہاڑ	وَالشَّجَرُ اور درخت
وَالدَّوَآبُّ اور چوپائے	وَكَثِيرٌ اور بہت	مِنَ سے	النَّاسِ انسان	وَكَثِيرٌ اور بہت سے	حَقَّ ثابت ہوگیا	عَلَيْهِ اس پر
الْعَذَابُ عذاب	وَ اور	مَنْ جسے	يُّهِنِ اللّٰهُ ذلیل کرے اللہ	فَمَا لَهٗ تو نہیں اس کیلئے	مِنْ مُّكْرِمٍ کوئی عزت دینے والا	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
	يَفْعَلُ کرتا ہے	مَا يَشَآءُ جو وہ چاہتا ہے				

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں حق تعالیٰ قیامت کے روز تمام مذاہب کے انسانوں میں عملی فیصلہ فرمادیں گے یعنی اہلِ ایمان کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور منکرین وکافرین کو جہنم میں پھینکا جائے گا اور ہر شخص کے کفر وایمان کی اطلاع حق تعالیٰ کو ہے پس ہر ایک کو مناسب جزاو سزا دے گا۔تو گزشتہ آیت میں یہ فرمانے سے کہ بیشک حق تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے اور ہر چیز جانتا ہے اللہ تعالیٰ کا علم وادراک کامل ثابت ہوا تھا جو قیامت میں فیصلہ کرنے کے لئے ضروری ہے۔اب آگے اس آیت میں اللہ عزوجل کی قدرت اور جبروت کو ثابت فرمایا جاتا ہے کہ اس کے آگے تمام کائنات سرنگوں ہے۔ آسمان اور زمین میں جتنی بھی مخلوق ہے سب اس قدرت والے کے آگے سربسجود ہے۔کوئی اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا وہ جس کو ذلت دیتا ہے کوئی اس کو عزت نہیں دے سکتا اور وہ جو چاہے کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ کو رد کرسکے اور قیامت میں فیصلہ کرنے کے لئے بھی دو وصف ضروری ہیں۔علم کامل اور قدرتِ کامل۔تو جو تمام عالم کا مسجود ہے۔کائنات کی ہر چیز اسی کے حکم کی مطیع اور اس کی مشیت کے مسخر ہے۔ہر شے اسی طریق سے اس کو سجدہ کرتی ہے جو اس کی حالت کے سزاوار ہے۔ انسان بھی سجدہ کرتا ہے۔ستارے بھی سجدہ کرتے ہیں۔درختوں کی پتیاں۔ریگستان کے ذرے،سمندر اور دریاؤں کے قطرے۔ اور پہاڑوں کے پتھر سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔لیکن ہر ایک کا سجدہ جدا نوعیت اور جدا کیفیت رکھتا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ کل کائنات کے سجدہ کرنے کے دو معنی ہیں۔

اول یہ کہ ہر شے اپنے مناسب حال سجدہ کرتی ہے۔آدمی کا سجدہ ہے پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھنا۔درختوں کا سجدہ کرنا اور نوعیت رکھتا ہے۔پہاڑوں،ستاروں چاند اور سورج ان کا سجدہ کسی اور خاص کیفیت وہیئت کا حامل ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ تمام مخلوق فطرۃً اللہ کی فرمانبردار اور مسخر

ہے۔قانونِ قدرت سے کوئی سرتابی نہیں کرسکتا۔ چاروناچار سب کو ضابطہ فطرت پر چلنا پڑتا ہے۔زمین اور آسمان کی ہر مخلوق اس کے قانون کی مطیع ہے۔ یہاں آیت میں بعض چیزوں کے سجدہ کرنے کی تخصیص بھی کی گئی ہے مثلاً سورج، چاند اور ستارے۔ پہاڑ، درخت، چارپائے۔عرب میں بعض قبیلے آفتاب کی پرستش کرتے تھے۔عرب کے علاوہ بعض دوسری قومیں بھی ان کی پوجا کرتی تھیں۔ بعض قومیں چاند، سورج کی طرح پہاڑوں، درختوں اور کچھ جانوروں کی بھی اتنی تعظیم کرتے کہ وہ حد عبادت تک پہنچ جاتی۔تو ان سب چیزوں کی پرستش کرنیوالوں کو جتلایا جاتا ہے کہ یہ سب چیزیں تو اللہ کے آگے جھک رہی ہیں۔اسکے حکم کے آگے مسخر ہیں۔تو ان کے مالک وخالق کو چھوڑ کر ان کو پوجنا کونسی عقلمندی ہے؟ باخدا انسان تو بالاختیار اللہ کو سجدہ کرتے ہیں مگر انسانوں میں ایسے بھی بدبخت اور بے عقل اور ذلیل ہیں کہ باختیار خود اس مالک وخالق حقیقی کے آگے نہیں جھکتے۔ان ذلیل انسانوں پر عذابِ الٰہی ثابت ہو چکا ہے۔اور انسانوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ عزوجل جسے عذاب دے کر ذلیل کرنا چاہے تو کوئی اس کو بچا کر عزت دینے والا نہیں۔

اس آیت میں یہ دو جملے جو آئے ہیں۔ " ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم ان اللہ یفعل مایشآء " اور جسے اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔ان دو جملوں سے متعلق بغداد کے ایک مشہور ومعروف بزرگ جو شیخ ابوعبداللہ اندلسی کے نام سے ۲۰۰ھ میں گزرے ہیں ان کا عجیب وغریب اور نہایت عبرت انگیز واقعہ یاد آیا جو ایک مشہور عربی کتاب سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اردو میں ترجمہ فرمایا ہے اور جو درس عبرت کے نام سے طبع ہوا ہے۔ حضرت شیخ اکثر اہلِ عراق کے پیرومرشد اور استاد ومحدث تھے آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک تھی جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رحمہما اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں اور علاوہ زاہد وعابد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث وتفسیر میں ایک جلیل القدر امام تھے۔لکھا ہے کہ تیس ہزار احادیث آپ کو حفظ یاد تھیں اور قرآن کریم کے تمام روایات قرأت کے ساتھ حافظ تھے مگر ایک ابتلا میں گرفتار ہوجانے پر کس طرح سارا قرآن شریف بھول گئے۔اور سوا دو آیتوں کے کچھ یاد نہ رہا۔ایک تو یہی " ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم ان اللہ یفعل مایشآء" (جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے)۔ اور دوسری یہ "ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سوآء السبیل" (جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا) اور تیس ہزار احادیث میں سے صرف ایک حدیث یاد رہ گئی تھی من بدل دینہ فاقتلوہ (اور جو اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کردو) چونکہ واقعہ نہایت عبرت انگیز اور نصیحت آمیز ہے اور اس آیت سے ایک مناسبت رکھتا ہے اس لئے پورا واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں پیش کیا جائے گا۔اور یہ واقعہ اتنا عبرتناک اور نصیحت آموز ہے کہ حضرت اقدس شیخ الحدیث ومحدثِ کبیر مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ایک تالیف "شریعت وطریقت کا تلازم" میں صفحہ ۲۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوعبداللہ اندلسیؒ کا واقعہ تو میرے دل میں ایسا جما ہوا ہے اور چبھا ہوا ہے کہ اکثر بے اختیار زبان قلم پر آجاتا ہے میں سالکین اور تصوف سے ذرا سا تعلق رکھنے والوں کے متعلق بھی یہ چاہتا ہوں کہ یہ واقعہ ہر ایک کے دل میں اترا ہوا ہو۔"

یہ آیت جو تلاوت کی گئی ہے یہ آیت سجدہ ہے اس کے پڑھنے اور سننے سے سجدہ واجب ہوجاتا ہے اس لئے قارئین و سامعین سجدۂ تلاوت کرلیں۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کی معرفت اور یقین کامل ہم کو بھی نصیب فرمائیں۔یا اللہ! عزت و ذلت کے خزانے آپ کے دست قدرت میں ہیں۔آپ جسے چاہیں عزت بخشیں اور جسے چاہیں ذلت دیں۔ آپ کے ارادہ اور حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

اے مخاطب کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے اپنی اپنی حالت کے مناسب سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند

وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی۔اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہوگیا ہے۔

الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾

اور جس کو خدا ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں اللہ تعالیٰ (کو اختیار ہے) جو چاہے کرے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا؟	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يَسْجُدُ لَهٗ سجدہ کرتا ہے اس کیلئے	مَنْ جو	فِى السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَنْ اور جو
فِى الْاَرْضِ زمین میں	وَالشَّمْسُ اور سورج	وَالْقَمَرُ اور چاند	وَ اور	النُّجُوْمُ ستارے	وَالْجِبَالُ اور پہاڑ	وَالشَّجَرُ اور درخت
وَالدَّوَآبُّ اور چوپائے	وَكَثِيْرٌ اور بہت	مِنَ سے	النَّاسِ انسان	وَكَثِيْرٌ اور بہت سے	حَقَّ ثابت ہوگیا	عَلَيْهِ اس پر
الْعَذَابُ عذاب	وَ اور	مَنْ جسے	يُّهِنِ اللّٰهُ ذلیل کرے اللہ	فَمَا لَهٗ تو نہیں اس کیلئے	مِنْ مُّكْرِمٍ کوئی عزت دینے والا	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
يَفْعَلُ کرتا ہے	مَا يَشَآءُ جو وہ چاہتا ہے					

تفسیر وتشریح:۔ اس آیت کا بیان گزشتہ درس میں ہو چکا ہے۔آیت کے آخری دو جملوں یعنی " **ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم ان اللہ یفعل مایشآء**" (اور جسے اللہ ذلیل کرے اس کو عزت دینے والا کوئی نہیں بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے) سے متعلق گزشتہ درس میں عراق (بغداد) کے ایک مشہور بزرگ شیخ ابوعبداللہ اندلسی رحمتہ اللہ علیہ کے عجیب وغریب اور نہایت عبرت انگیز اور نصیحت آمیز واقعہ کو بیان کرنے کا جو وعدہ کیا گیا تھا وہ اس درس میں پورا کیا جاتا ہے۔ یہ عبرت آموز واقعہ علامہ دمیری کی کتاب "حیٰوۃ الحیوان مطبوعہ مصر سے نقل کیا گیا ہے اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جو" درس عبرت" کے نام سے قریب ۶۰ سال ہوئے شائع ہوا تھا۔ اور اب بھی غالباً دارالاشاعت بندر روڈ بالمقابل مولوی مسافر خانہ کراچی سے دستیاب ہوسکتا ہے۔ "درسِ عبرت" میں حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

سن ہجری کی دوسری صدی ختم پر ہے۔ آفتاب نبوت غروب ہوئے ابھی بہت زیادہ مدت نہیں گزری۔ لوگوں میں امانت دیانت اور تدین وتقویٰ کا عنصر غالب ہے۔ اسلام کے ہونہار فرزند جن کے ہاتھ پر اس کو فروغ ہونے والا ہے کچھ برسرپیکار ہیں اور کچھ ابھی تربیت پا رہے ہیں۔ ائمہ دین کا زمانہ ہے۔ ہر ایک شہر علماء دین وصلحا متقین سے آباد نظر آتا ہے خصوصاً مدینۃ الاسلام بغداد جو اس وقت مسلمانوں کا دار السلطنت ہے اپنی ظاہری اور باطنی آرائشوں سے آراستہ ہو کر گلزار بنا ہوا ہے ایک طرف اگر اس کی دلفریب عمارتیں اور ان میں گزرنے والی نہریں دل لبھانے والی ہیں تو دوسری طرف علماء وصلحاء کی مجلسیں درس وتدریس کے حلقے ذکر وتلاوت کی دلکش آوازیں خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی دلجمعی کا کافی سامان ہے۔ فقہا ومحدثین اور عباد وزہاد کا ایک عجیب وغریب مجمع ہے۔ اس مبارک مجمع میں ایک بزرگ حضرت شیخ ابوعبداللہ اندلسی کے نام سے مشہور ہیں جو اکثر اہلِ عراق کے پیرومرشد اور استاد ومحدث ہیں آپ کے

مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ چکی ہے جن کا ایک عبرت ناک واقعہ ہمیں اس وقت ہدیہ ناظرین کرنا ہے۔

یہ بزرگ علاوہ زاہد و عابد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث و تفسیر میں بھی ایک جلیل القدر امام ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں اور قرآن شریف کو تمام روایاتِ قرأت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے سفر کا ارادہ کیا۔ تلامذہ اور مریدین کی جماعت میں سے بہت سے آپ کے ساتھ ہو لئے جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رحمہما اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ حضرت شبلی قدس اللہ سرہ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ خدا کے فضل و کرم سے نہایت امن و امان اور آرام و اطمینان کے ساتھ منزل بہ منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ہمارا گزر ایک عیسائیوں کی بستی پر ہوا۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا لیکن پانی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اب تک ادا نہ کر سکے تھے۔ بستی میں پہنچ کر پانی کی تلاش ہوئی ہم نے بستی کا چکر لگایا۔ اس دوران میں ہم چند مندروں اور گرجا گھروں پر پہنچے جن میں آفتاب پرستوں اور صلیب پرست نصرانیوں کے رہبان اور پادریوں کا مجمع تھا جن میں ہر شخص اپنے خبط میں مبتلا تھا۔ کوئی آفتاب کو پوجتا تھا۔ کوئی آگ کو ڈنڈوت کرتا تھا۔ کوئی صلیب کو اپنا قبلہ حاجات بنائے ہوئے تھا۔ ہم یہ دیکھ کر متعجب ہوئے۔ اور ان لوگوں کی کم عقلی اور گمراہی پر حیرت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ آخر گھومتے گھومتے بستی کے کنارہ پر ایک کنوئیں پر پہنچے جس پر چند نوجوان لڑکیاں پانی پلا رہی تھیں۔ اتفاق سے شیخ مرشد ابو عبداللہ اندلسی کی نظر ان میں سے ایک لڑکی پر پڑی جو اپنے خداداد حسن و جمال میں سب ہمجولیوں سے ممتاز ہونے کے ساتھ زیور اور لباس سے آراستہ تھی۔ شیخ کی اس پر نظر پڑتے ہی حالت دگرگوں ہونے لگی۔ چہرہ بدلنے لگا۔ اسی انتشار طبع کی حالت میں شیخ اس کی ہمجولیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے یہ کس کی لڑکی ہے؟ لڑکیوں نے جواب دیا کہ یہ اسی بستی کے سردار کی بیٹی ہے۔ شیخ نے کہا کہ

پھر اس کے باپ نے اس کو اتنا ذلیل کیوں بنا رکھا ہے کہ کنوئیں سے خود ہی پانی بھرتی ہے کیا وہ اس کے لئے کوئی ماما نوکر نہیں رکھ سکتا جو اس کی خدمت کرے لڑکیوں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ مگر اس کا باپ نہایت عقیل اور فہیم آدمی ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ لڑکی اپنے باپ کے مال و متاع حشم و خدم پر غرہ ہو کر کہیں اپنے فطری اخلاق خراب نہ کر بیٹھے اور نکاح کے بعد شوہر کے یہاں جا کر اس کی خدمت میں کوئی قصور نہ کرے۔

حضرت شبلی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے اور تین دن کامل اس پر گزر گئے کہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ کسی سے کلام کرتے ہیں البتہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو نماز ادا کر لیتے ہیں۔ مریدین اور تلامذہ کی کثیر التعداد جماعت ان کے ساتھ ہے لیکن سخت ضیق میں ہے کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔

حضرت شبلی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ تیسرے دن میں نے یہ حالت دیکھ کر پیش قدمی کی اور عرض کیا اے شیخ! آپ کے مریدین آپ کے اس مستمر سکوت سے متعجب اور پریشان ہیں۔ کچھ تو فرمائیے کیا حال ہے۔ حضرت شیخ نے قوم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میرے عزیزو میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آ چکی ہے کہ میرے تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلط ہے اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں۔ حضرت شبلی نے عرض کیا اے ہمارے آقا۔ آپ اہلِ عراق کے پیر و مرشد۔ علم و فضل اور زہد و عبادت میں شہرۂ آفاق ہیں آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو گئی ہے۔ بطفیل قرآن عزیز ہمیں اور ان سب کو رسوا نہ کیجئے۔

حضرت شیخ نے فرمایا میرے عزیزو۔ میرا اور تمہارا نصیب۔ تقدیر خداوندی ظاہر ہو چکی ہے۔ مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا اور ہدایت کی علامات اٹھا لی گئیں یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا "اے میری قوم۔ قضا و قدر نافذ ہو چکی ہے۔ اب کام

میرے بس کا نہیں ہے۔"

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حیرت سے رونا شروع کیا۔ شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے یہاں تک کہ زمین آنسوؤں کے امنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہوگئی اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے۔ لوگ ہمارے آنے کی خبر سن کر حضرت شیخ کی زیارت کے لئے شہر سے باہر آئے اور حضرت شیخ کو ہمارے ساتھ نہ دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ ہم نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ واقعہ سن کر لوگوں میں کہرام مچ گیا۔ شیخ کے مریدوں میں سے کثیر التعداد جماعت تو اسی غم و حسرت میں اسی وقت عالمِ آخرت کو سدھار گئی اور باقی لوگ گڑ گڑا کر خدائے بے نیاز ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ میں دعائیں کرنے لگے کہ مقلب القلوب شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہوگئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے ایک سال کے بعد جب ہم مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر پھر شیخ کی خبر لیں کہ کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا اور اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا۔ گاؤں والوں نے بتلایا کہ وہ جنگل میں خنزیر چرا رہا ہے۔ اس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی۔ اس کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا اور وہ جنگل میں سور چرانے کی خدمت پر مامور رہے۔ حضرت شبلیؒ کہتے ہیں کہ یہ سن کر ہم ششدر رہ گئے اور غم سے ہمارے کلیجے پھٹنے لگے کہ خدا کی پناہ یہ کیا ہوا؟ آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان امنڈنے لگا۔ بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے جہاں وہ سور چرا رہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی ہے اور کمر میں زنار باندھی ہوئی ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ہم نے قریب پہنچ کر السلام علیکم کہا۔ شیخ نے کسی قدر دبی زبان سے وعلیکم السلام کہا۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے کہا اے شیخ! اس علم و فضل اور حدیث و تفسیر کے ہوتے ہوئے آج آپ کا کیا حال ہے؟ حضرت شیخ نے جواب دیا۔ میرے بھائیو۔ میں اپنے اختیار میں نہیں۔ میرے مولا نے جس طرح چاہا مجھ میں تصرف کیا اور اس قدر تقرب کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا تھا۔ اے عزیزو خدائے بے نیاز کے قہر سے ڈرو۔ اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا۔ اے میرے مولا! میرا گمان تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل و خوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دے گا۔ یہ کہہ کر خدا تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور فریاد کرنا شروع کر دیا اور آواز دی کہ اے شبلی اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر۔ حضرت شبلی رونے کی وجہ سے لکنت کرتی ہوئی آواز سے نہایت دردناک لہجہ میں فریاد کرنے لگے اے ہمارے پروردگار ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں۔ ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے۔ ہم سے یہ مصیبت دفع کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفعہ کرنے والا نہیں۔

خنزیران سب کا رونا اور ان کی دردناک آوازیں سنتے ہی سب کے سب وہیں جمع ہو گئے اور زمین پر مرغِ بسمل کی طرح لوٹنا اور چلانا شروع کیا اور اس زور سے چیخے کہ ان کی آواز سے جنگل اور پہاڑ گونج اٹھے۔ یہ میدان میدانِ حشر کا نمونہ بن گیا۔ ادھر حضرت شیخ حسرت کے عالم میں زار وزار رو رہے تھے۔ حضرت شبلی نے عرض کیا اے شیخ آپ حافظ قرآن تھے اور قرآن کریم کو ساتوں قرأت سے پڑھا کرتے تھے۔ اب بھی اس کی کوئی آیت یاد ہے؟

حضرت شیخ نے جواب دیا اے عزیز! مجھے تمام قرآن مجید میں دو آیتوں کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔

حضرت شبلی نے پوچھا وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟ تو شیخ نے کہا ایک تو یہ ہے۔ "ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم ان اللہ یفعل مایشآء" (جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے) اور دوسری یہ ہے۔ " ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سوآء السبیل" (جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا۔ تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا)

حضرت شبلیؒ نے پھر پوچھا کہ اے شیخ آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے برزبان یاد تھیں اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے؟ کہنے لگے کہ صرف ایک حدیث یاد ہے۔ "من بدل دینہ فاقتلوہ" (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کرڈالو)

پھر حضرت شبلی کہتے ہیں کہ ہم یہ حال دیکھ کر بصد حسرت و یاس شیخ کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے اور بغداد کا قصد کیا۔ ابھی تین ہی منزل طے کر پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور باآواز بلند شہادتین "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ" پڑھتے جاتے تھے۔

اسی وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کرسکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت اور حسرت و یاس کا اندازہ ہو۔ ان کے قریب پہنچ کر شیخ نے کہا کہ مجھے ایک پاک کپڑا دو اور کپڑا لے کر سب سے پہلے نماز کی نیت باندھی۔ ہم منتظر تھے کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو مفصل واقعہ سنیں۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے کہا اس خدائے علیم وقدیر کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ جس نے آپ کو پھر ہم سے ملایا اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد پھر درست فرمایا۔ مگر اے شیخ ذرا بیان فرمایئے کہ انکار شدید کے بعد پھر آپ کا آنا کیسے ہوا؟

حضرت شیخ نے فرمایا۔ میرے دوستو جب تم مجھے چھوڑ کر واپس ہوئے میں نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ خداوندا مجھے اس جنجال سے نجات دے۔ میں تیرا خطا کار بندہ ہوں اس سمیع الدعا نے بایں ہمہ میری آواز سن لی اور میرے سارے گناہ محو کر دیئے۔

پھر حضرت شبلی نے دریافت کیا اے شیخ آپ کے ابتلاء کا کوئی سبب تھا؟ حضرت شیخ نے فرمایا ہاں جب ہم اس گاؤں میں اترے اور بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گزر ہوا۔ آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مومن موحد ہیں اور یہ کم بخت کیسے جاہل اور احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان و توحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں، بلکہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلادیں۔ بس مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا کوئی پرندہ میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا ہے جو درحقیقت ایمان تھا۔

حضرت شبلی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہمارا قافلہ نہایت خوشی اور کامیابی کے ساتھ بغداد پہنچا۔ سب مریدین شیخ کی زیارت اور ان کے دوبارہ قبول اسلام سے خوشیاں منارہے ہیں۔ خانقاہیں اور حجرے کھول دیئے گئے۔ بادشاہِ وقت حضرت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور کچھ ہدایا پیش کئے۔ شیخ پھر اپنے قدیم شغل میں مشغول ہوگئے اور پھر وہی حدیث و تفسیر وعظ و تذکیر تعلیم و تربیت کا دور شروع ہوگیا۔ خداوند عالم نے شیخ کا بھولا ہوا علم پھر ان کو عطا فرمادیا بلکہ اب نسبتاً پہلے سے ہر علم وفن میں ترقی ہے۔ تلامذہ کی تعداد چالیس ہزار تک ہوگئی۔ اور اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی۔ ایک روز ہم صبح کی نماز پڑھ کر حضرت شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کسی شخص نے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں دروازہ پر گیا تو دیکھا کہ ایک شخص سیاہ کپڑوں میں لپٹا کھڑا ہے۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور کیا مقصود ہے؟

اس آنے والے نے کہا کہ اپنے شیخ سے کہہ دو کہ وہ لڑکی جس کو

آپ فلاں گاؤں میں چھوڑ آئے تھے اس گاؤں کا نام لیا جس میں حضرت شیخ مبتلا ہوئے تھے) آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ میں شیخ کے پاس گیا۔ واقعہ بیان کیا۔ شیخ سنتے ہی زرد پڑ گئے اور خوف سے کانپنے لگے اس کے بعد اس کو اندر آنے کی اجازت دی۔

لڑکی شیخ کو دیکھتے ہی زار وقطار رو رہی ہے۔ شدت گریہ دم لینے کی اجازت نہیں دیتا کہ کچھ کلام کرے۔

حضرت شیخ نے لڑکی سے خطاب کیا کہ تمہارا آنا یہاں کیسے ہوا اور یہاں تک تمہیں کس نے پہنچایا؟

لڑکی نے جواب دیا کہ اے میرے سردار جب آپ ہمارے گاؤں سے رخصت ہوئے اور مجھے خبر ملی تو میری بے چینی اور بے قراری جس حد کو پہنچی اس کو میرا ہی دل جانتا ہے نہ بھوک رہی نہ پیاس۔ نیند کہاں آتی۔ رات بھر اسی اضطراب میں رہ کر صبح کے قریب ذرا لیٹ گئی اور اس وقت مجھ پر کچھ غنودگی سی غالب ہوئی اس غنودگی میں میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تو مومنات میں داخل ہونا چاہتی ہے تو بتوں کی عبادت چھوڑ دے اور شیخ کا اتباع کر اور اپنے دین سے توبہ کر کے شیخ کے دین میں داخل ہوجا۔ لڑکی نے کہا کہ میں نے اسی خواب کے عالم میں اس شخص کو خطاب کر کے پوچھا کہ شیخ کا دین کیا ہے؟ اس نے خواب میں جواب دیا کہ ان کا دین اسلام ہے۔ میں نے خواب ہی میں اس سے پوچھا اسلام کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس بات کا دل وزبان سے گواہی دینا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برحق رسول اور پیغمبر ہیں۔ پھر میں نے خواب ہی میں پوچھا کہ اچھا میں شیخ کے پاس کس طرح پہنچ سکتی ہوں۔ انہوں نے خواب ہی میں مجھ سے کہا کہ ذرا آنکھیں بند کرلو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو میں نے خواب ہی میں کہا۔ "بہت اچھا اور کھڑی ہوگئی اور ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے خواب ہی میں دیکھا کہ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھوڑی دور چل کر کہا لو بس آنکھیں کھول دو۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو میں نے اپنے آپ کو دجلہ کے کنارہ پایا۔ اب میں متحیر تھی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی کہ میں چند منٹوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ اس شخص نے آپ کے حجرہ کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ سامنے شیخ کا حجرہ ہے وہاں چلی جاؤ اور شیخ سے کہہ دو کہ آپ کا بھائی خضر آپ کو سلام کہتا ہے۔ میں اس شخص کے اشارہ کے موافق یہاں پہنچ گئی۔ اور اب آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ مجھے مسلمان کر لیجئے۔

شیخ نے اس کو اسلام میں داخل کر کے اپنے پڑوس کے ایک حجرہ میں ٹھہرا دیا کہ یہاں عبادت کرتی رہو۔ لڑکی عبادت میں مشغول ہوگئی اور زہد وعبادت میں اپنے اکثر اقران سے سبقت لے گئی۔ دن بھر روزہ رکھتی ہے۔ رات بھر اپنے مالک بے نیاز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے۔ محنت سے بدن ڈھل گیا۔ ہڈی اور چمڑے کے سوا کچھ نہ رہا آخر اسی میں مریض ہوگئی اور مرض اتنا بڑھ گیا کہ موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور اب اس مسافرِ آخرت کے دل میں اس کے سوا کوئی حسرت نہ تھی کہ ایک مرتبہ شیخ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لے کیونکہ جس وقت سے یہ اس حجرے میں مقیم ہے نہ شیخ نے اس کو دیکھا ہے اور نہ یہ ہی شیخ کی زیارت کر سکی۔ آخر شیخ کو کہلا بھیجا کہ موت سے پہلے ایک مرتبہ آپ میرے پاس ہوجائیں۔ شیخ یہ سن کر فوراً تشریف لائے۔ جان بلب لڑکی حسرت بھری نگاہوں سے شیخ کی طرف دیکھنا چاہتی ہے مگر آنسوؤں میں ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اسے ایک نظر بھر کر دیکھنے کی مہلت نہیں دیتیں۔ آنسوؤں کا ایک تار بندھا ہوا ہے۔ مگر ضعف سے بولنے کی سکت نہیں۔

آخر لڑکھڑاتی ہوئی زبان اور بیٹھی ہوئی آواز سے اتنا لفظ کہا "السلام علیکم" حضرت شیخ نے شفقت آمیز آواز سے کہا تم گھبراؤ نہیں انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہماری ملاقات جنت میں ہونے والی ہے۔ لڑکی یہ کلمات سن کر خاموش ہوگئی اور اس پر کچھ دیر نہ گزری کہ مسافرِ آخرت نے اس دار فانی کو خیر باد کہا۔

شیخ اس وفات پر آبدیدہ ہیں مگر ان کی حیات بھی دنیا میں چند روز سے زائد نہیں رہی۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ چند

ہی روز بعد شیخ بھی عالمِ فانی سے رخصت ہوئے۔ کچھ دنوں بعد میں نے شیخ کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے ایک پر فضا باغ میں مقیم ہیں اور ستر حوروں سے آپ کا نکاح ہوا ہے جن میں پہلی وہ عورت جس کے ساتھ نکاح ہوا یہی لڑکی ہے۔ اور اب وہ دونوں ابدالآباد کے لئے جنت کی بیش قیمت نعمتوں میں خوش وخرم ہیں۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم

اب ذرا غور کیجئے کہ کس قدر عبرت انگیز اور نصیحت آمیز یہ واقعہ ہے۔ اس واقعہ سے خاص عبرت ونصیحت جو حاصل ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تصرفات سے لرزاں وترساں رہنا چاہئے۔ اور حسن خاتمہ کے لئے فکرمند رہنا چاہئے۔ اور ہماری اور آپ کی کیا حیثیت ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا حدیث میں آتی ہے۔

اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک ط

اس سلسلے میں بخاری ومسلم کی ایک صحیح حدیث اور سن لیجئے جو دل لرزا دینے والی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر نوشتۂ تقدیر آگے آجاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور انجام کار دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر نوشتۂ تقدیر آگے آجاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کا خاص سبق یہ ہے کہ کسی کو بداعمالیوں میں مبتلا دیکھ کر اس کے قطعی دوزخی ہونے کا حکم نہ لگانا چاہئے کیا معلوم زندگی کے باقی حصہ میں اس کا رخ اور رویہ کیا ہونے والا ہے اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو آج اعمال خیر کی توفیق مل رہی ہے تو اس کو اس پر مطمئن نہ ہونا چاہئے بلکہ برابر حسنِ خاتمہ کے لئے فکرمند رہنا چاہئے اور اس کے لئے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں برابر دعا کرتے رہنا چاہئے۔ چونکہ یہ آیت سجدہ ہے اس لئے سب قارئین وسامعین سجدۂ تلاوت کرلیں۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمارے لئے اپنی رحمت سے نیک بختی مقدر فرمائیں۔

یا اللہ! اپنی رحمت سے ہم کو حسنِ خاتمہ کی دولت عطا فرمائیے۔ یا اللہ جو عمل خیر ہم سے ہوجاتا ہے وہ آپ ہی کی تائید وتوفیق سے ہے۔ اس کو اپنی رحمت سے قبول فرمالیجئے۔ اور یا اللہ! ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنے کی توفیق بھی آپ ہی کی طرف سے ہے۔ یا اللہ ہمیں ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچالیجئے۔ اور ایمان واسلام پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائیے۔ یا اللہ! جن کے بڑے درجات ہیں ان کا امتحان اور ابتلا بھی سخت ہوتا ہے۔ ہم ضعیف الایمان ہیں ہم میں کسی ابتلاء اور امتحان کی سکت نہیں۔ یا اللہ! ہمیں اپنے محض فضل وکرم سے دونوں جہان کی سلامتی اور عافیت عطا فرمائیے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِىۡ رَبِّهِمۡ فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِيَابٌ مِّنۡ نَّارٍ

یہ دو فریق جنہوں نے دوبارہ اپنے رب کے باہم اختلاف کیا۔سو جو لوگ کافر تھے اُن کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے جاویں گے

يُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِيۡمُ ﴿۱۹﴾ يُصۡهَرُ بِهٖ مَا فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ وَالۡجُلُوۡدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمۡ

اُن کے سَر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جاوے گا۔اس سے اُن کے پیٹ میں کی چیزیں اور کھالیں سب گل جاویں گی۔اور اُن کیلئے

مَّقَامِعُ مِنۡ حَدِيۡدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا مِنۡ غَمٍّ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا وَذُوۡقُوۡا

لوہے کے گرز ہوں گے۔وہ لوگ جب گھٹے گھٹے اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اُسی میں دھکیل دیئے جاویں گے۔اور کہا جاوے گا کہ

عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ

جلنے کا عذاب چکھتے رہو۔اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے

مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُـؤۡلُـؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمۡ فِيۡهَا حَرِيۡرٌ ﴿۲۳﴾

نہریں جاری ہوں گی اُن کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور پوشاک اُن کی وہاں ریشم کی ہوگی۔

وَهُدُوۡۤا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الۡقَوۡلِ ۖۚ وَهُدُوۡۤا اِلٰى صِرَاطِ الۡحَمِيۡدِ ﴿۲۴﴾

اور ان کو کلمہ طیب کی ہدایت ہوگئی تھی۔اور اُن کو (خدا) کے راستہ کی ہدایت ہوگئی تھی جو لائق حمد ہے

هٰذٰنِ یہ دو	خَصۡمٰنِ دوفریق	اخۡتَصَمُوۡا وہ جھگڑے	فِىۡ رَبِّهِمۡ اپنے رب (کے بارے) میں	فَالَّذِيۡنَ پس وہ جنہوں نے	كَفَرُوۡا کفر کیا	
قُطِّعَتۡ قطع کئے گئے	لَهُمۡ ان کیلئے	ثِيَابٌ کپڑے	مِّنۡ نَّارٍ آگ کے	يُصَبُّ ڈالا جائے گا	مِنۡ فَوۡقِ اوپر	رُءُوۡسِهِمۡ انکے سر
الۡحَمِيۡمُ کھولتا ہوا پانی	يُصۡهَرُ پگھل جائے گا	بِهٖ اس سے	مَا جو	فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ ان کے پیٹوں میں	وَالۡجُلُوۡدُ اور جلدیں (کھالیں)	
وَلَهُمۡ اوران کیلئے	مَّقَامِعُ گرز	مِنۡ حَدِيۡدٍ لوہے کے	كُلَّمَا جب بھی	اَرَادُوۡا وہ ارادہ کریں گے	اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا کہ وہ نکلیں	مِنۡهَا اس سے
مِنۡ غَمٍّ غم سے غم کے مارے	اُعِيۡدُوۡا لوٹا دیئے جائیں گے	فِيۡهَا اس میں	وَذُوۡقُوۡا اور چکھو	عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ جلنے کا عذاب		
اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	يُدۡخِلُ داخل کریگا	الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا جولوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوۡا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ صالح نیک		
جَنّٰتٍ باغات	تَجۡرِىۡ بہتی ہیں	مِنۡ تَحۡتِهَا ان کے نیچے	الۡاَنۡهٰرُ نہریں	يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا وہ پہنائے جائیں گے اس میں	مِنۡ اَسَاوِرَ کنگن	
مِنۡ ذَهَبٍ سونے کے	وَلُؤۡلُؤًا اور موتی	وَلِبَاسُهُمۡ اوران کالباس	فِيۡهَا اس میں	حَرِيۡرٌ ریشم	وَهُدُوۡا اورانہیں ہدایت کی گئی	اِلَى طرف
الطَّيِّبِ پاکیزہ	مِنَ سے۔کی	الۡقَوۡلِ بات	وَهُدُوۡا اورانہیں ہدایت کی گئی	اِلٰى طرف	صِرَاطِ راہ	الۡحَمِيۡدِ تعریفوں کالائق

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ انسانوں میں ایک فریق وہ ہے کہ جو اللہ کے سامنے سرنیاز جھکاتا ہے اور اس کو سجدہ کرتا ہے اور دوسرا فریق وہ ہے کہ جو اللہ رب العزت کو سجدہ نہیں کرتا۔اس طرح اہلِ ایمان اور اہلِ کفر دو فریق ہوئے۔نیز یہ بھی گزشتہ آیات میں

ذکر فرمایا گیا تھا کہ تمام مذاہب کے فرقوں میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عملی فیصلہ فرمادیں گے یعنی اہلِ ایمان کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور منکرین کو جہنم میں جھونکا جائے گا۔ اور منکرین میں یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس۔ مشرک۔ بت پرست سب آگئے تو اس طرح تمام انسانوں کو حق و باطل پر ہونے کی حیثیت سے دو فریق کہہ سکتے ہیں۔ایک مؤمنین کا گروہ جو اپنے رب کی سب باتوں کو من وعن تسلیم کرتا اور اس کے احکام کے آگے سربسجود رہتا ہے۔ دوسرے کفار کا گروہ جو ربانی ہدایات کو قبول نہیں کرتا اور اس کی اطاعت کے لئے سرنہیں جھکاتا۔ یہ دونوں فریق اپنے اپنے عقائد واعمال میں ، نیز بحث۔ مناظرہ، جہاد وقتال کے مواقع میں ایک دوسرے کے مدمقابل رہتے ہیں۔انہی دو فریقوں یعنی مؤمنین و کافرین کے اُخروی ثواب وعذاب کا بیان انتہائی ترہیب وترغیب کے ساتھ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔

ان آیات کے سبب نزول کے متعلق بعض مخصوص روایات بھی نقل کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک روایت یہ ہے کہ ایک بار اہلِ کتاب نے اہلِ اسلام سے مناظرہ کیا اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کے ساتھ تم سے یعنی مسلمانوں سے زیادہ تعلق ہے۔ ہمارا پیغمبر تمہارے پیغمبر سے مقدم ہے۔ ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے نازل ہوئی۔ مسلمانوں نے جواب دیا ہم تو تمہارے پیغمبر اور اپنے پیغمبر دونوں کو سچا کہتے ہیں اور اپنے قرآن اور تمہارے پیغمبر کی کتاب دونوں پر ایمان رکھتے ہیں اور تم باوجود یکہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت اور قرآن کی سچائی سے آگاہ ہو چکے ہو مگر پھر بھی حسد کے مارے ایمان نہیں لاتے۔اور خود ہی غور کرلو کہ حق ہماری جانب ہے یا تمہاری جانب۔اس پر دونوں فریقوں کا حال بیان کرنے کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں۔ جس میں دونوں فریقوں کا انجام ظاہر فرمایا گیا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ایک مومن اور دوسرا کافر یہ دونوں فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے دین کے بارہ میں اختلاف کیا سو اس اختلاف کا عملی فیصلہ قیامت میں اس طرح ہوگا کہ

جو لوگ کافر تھے ان کو جہنم کی آگ اس طرح چاروں طرف سے محیط ہوگی جس طرح لباس آدمی کے بدن کو ڈھانپ لیتا ہے اور ان اہلِ جہنم کے سر کو ہتھوڑوں سے کچل کر کھولتا ہوا پانی اوپر سے ڈالا جائے گا جو دماغ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچے گا جس سے سب پیٹ کی انتڑیاں کٹ کٹ کر نکل پڑیں گی اور بدن کی بالائی سطح کو جب پانی چھوئے گا تو بدن کا چمڑہ گل کر گر پڑے گا اور پھر اصل حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے اور بار بار یہی عمل ہوتا رہے گا۔اور دوزخی گھٹ گھٹ کر چاہیں گے کہ کہیں کو نکل بھاگیں۔مگر آگ کے شعلے ان کو اوپر کی طرف اٹھائیں گے اور فرشتے آہنی گرز مار کر نیچے دھکیل دیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دائمی عذاب کا مزہ چکھتے رہو جس سے نکلنا تمہیں کبھی نصیب نہ ہوگا۔العیاذ باللہ تعالیٰ۔

احادیث میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان ہتھوڑوں میں سے جن سے دوزخیوں کی کٹائی ہوگی۔ اگر ایک زمین پر لاکر رکھ دیا جائے تو تمام انسان و جنات مل کر بھی اسے اٹھا نہیں سکتے۔نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ کسی بڑے پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہوجائے۔ جہنمی بھی ان ہتھوڑوں کی مار سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے مگر پھر جیسے تھے ویسے ہی کر دیے جائیں گے اور حدیث میں بتلایا گیا کہ اگر غساق کا جو جہنمیوں کی غذا ہے ایک ڈول دنیا میں اس کا بہا دیا جائے تو تمام اہل دنیا بدبو کے مارے ہلاک ہوجائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمت سے جہنم کے عذاب سے محفوظ فرمائیں اور اپنے حفظ وامان میں رکھیں۔

یہ تو کافروں کا حال اور انجام بیان ہوا آگے مومنین کی جزا کا بیان ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے بدلے ان کو جنت عطا کی جائے گی جہاں کے محلات و باغات کے چوطرف پانی کی نہریں لہریں مار رہی ہوں گی۔ جنتی جہاں چاہیں گے وہیں خود بخود ان کا رخ ہوجایا کرے گا بڑی آرائش اور زیب و زینت سے رہیں گے۔سونے کے زیوروں سے سجے ہوئے ہوں گے موتیوں میں تل رہے ہوں

گے۔ایک حدیث میں ہے کہ مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔لکھا ہے کہ جنتی کے زیورات میں سے ایک کنگن بھی دنیا میں ظاہر ہو جائے تو سورج کی روشنی اس طرح جاتی رہے جس طرح سورج کے نکلنے سے چاند کی روشنی جاتی رہتی ہے۔ ان کے لباس نرم چمکیلے ریشمی کپڑوں کے ہوں گے۔

صحیح حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم دنیا میں ریشم نہ پہنو جو اسے دنیا میں پہن لے گا وہ آخرت کے دن اس سے محروم رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں۔ جو اس دن ریشمی لباس سے محروم رہا وہ جنت میں نہ جائے گا کیونکہ جنت والوں کا یہی لباس ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے جنتیوں کا یہ سب اکرام اس لئے ہوگا کہ دنیا میں ان کو کلمہ طیب لا الہ الا اللہ کے اعتقاد کی ہدایت ہوگئی تھی اور خدا کے راستہ کی یعنی اسلام کی ہدایت ہوگئی تھی۔ انہوں نے دنیا میں قرآن کو پڑھا۔خدا کی تسبیح وتحمید کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا۔فرشتے جنتیوں کو ہر طرف سے سلام کریں گے اور جنتی آپس میں ایک دوسرے سے پاک وستھری باتیں کرتے ہوں گے۔ بک بک جھک جھک نہ ہوگی۔نعمائے جنت پر شکر خداوندی بجا لائیں گے۔صحیح حدیث میں ہے کہ جیسے بے قصد و بے تکلف دنیا میں سانس آتا جاتا رہتا ہے اسی طرح جنتیوں کو اللہ کی تسبیح وحمد کا الہام ہوگا۔اللہ تعالیٰ اپنی ان نعمتوں سے ہم کو بھی اپنی رحمت سے نوازیں۔

قرآن پاک میں جیسا کہ متعدد دوسری جگہوں پر ایمان اور عمل صالح کو جنت کے دخول کا ذریعہ بیان فرمایا ہے یہاں بھی ان ہی لوگوں کو جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی گئی ہے کہ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے۔

یہاں ان آیات میں اہلِ جنت کو کنگن پہنانے کا جو ذکر فرمایا گیا ہے تو اس پر کسی کو شبہ ہو سکتا ہے کہ کنگن ہاتھوں میں پہننا تو عورتوں کا کام ہے اور یہ انہیں کا زیور ہے۔ مردوں کے لئے تو معیوب سمجھا جاتا ہے۔تو اس شبہ کے جواب میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

"دنیا کے قدیمی بادشاہوں میں یہ امتیازی شان رہی ہے کہ سر پر تاج اور ہاتھوں میں کنگن استعمال کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک کو جبکہ وہ مسلمان نہیں تھے اور سفر ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے کے لئے تعاقب میں نکلے تھے اس وقت ان کا گھوڑا باذن خداوندی زمین میں دھنس گیا تھا جس پر سراقہ بن مالک نے توبہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے گھوڑا زمین میں سے نکل گیا اس وقت سراقہ بن مالک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ کسریٰ شاہ فارس کے کنگن مالِ غنیمت میں مسلمانوں کے پاس آئیں گے اور وہ تمہیں دے دیئے جائیں گے۔ جب حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں فارس کا ملک فتح ہوا اور ایران سے یہ کنگن دوسرے اموالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ آئے تو سراقہ بن مالک نے مطالبہ کیا اور ان کو دے دیئے گئے۔خلاصہ یہ کہ جیسے سر پر تاج پہننا عام مردوں کا رواج نہیں۔ شاہی اعزاز ہے اسی طرح ہاتھوں میں کنگن بھی شاہی اعزاز سمجھے جاتے ہیں اس لئے اہلِ جنت کو کنگن پہنائے جائیں گے۔ کنگن کے متعلق اس آیت میں اور سورۂ فاطر میں تو یہ ہے کہ وہ سونے کے ہوں گے اور سورۂ نساء میں یہ کنگن چاندی کے بتلائے گئے ہیں اس لئے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اہل جنت کے ہاتھوں میں تین طرح کے کنگن پہنائے جائیں گے ایک سونے کا دوسرا چاندی کا، تیسرا موتیوں کا جیسا کہ ان آیات میں موتیوں کا بھی ذکر موجود ہے۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی جنت کی نعمتوں سے ہم سب کو نوازیں۔ آگے کفار مکہ کی مذمت ایک دوسرے طرز پر بیان کی گئی ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ

بیشک جولوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام آدمیوں کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں اس میں رہنے والا بھی

سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۵﴾

اور باہر سے آنیوالا بھی یہ (روکنے والے) لوگ معذب ہوں گے اور جو شخص اس میں (یعنی حرم میں) کوئی خلاف دین کام قصداً ظلم کیساتھ کرے گا تو ہم اس کو عذاب دردناک چکھائیں گے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کیا	وَيَصُدُّونَ اور وہ روکتے ہیں	عَنْ سے	سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کا راستہ	
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور مسجد حرام بیت اللہ	الَّذِي وہ جسے	جَعَلْنَاهُ ہم نے مقرر کیا	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	سَوَاءً برابر	الْعَاكِفُ رہنے والا
فِيهِ اس میں	وَالْبَادِ اور پردیسی	وَمَنْ اور جو	يُرِدْ ارادہ کرے	فِيهِ اس میں	بِإِلْحَادٍ گمراہی کا
بِظُلْمٍ ظلم سے					
نُذِقْهُ ہم اسے چکھائیں گے	مِنْ سے	عَذَابٍ عذاب	أَلِيمٍ دردناک		

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں کفار، منکرین اور مؤمنین صادقین دونوں کے انجام آخرت کو بیان فرمایا گیا تھا کہ کفار ومنکرین کو طرح طرح کے عذاب جہنم بھگتنے ہوں گے اور ان کے برخلاف مؤمنین کو جنت کی دائمی نعمتیں اور عیش و آرام حاصل ہوں گے اب اس آیت میں منکرین کی ایک حالت اور بیان کی جاتی ہے خصوصاً ان کفار مکہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے جو خود تو حق کی طرف مائل ہوتے ہی نہ تھے بلکہ دوسروں کو بھی روکتے تھے۔ مسلمانوں پر بڑے ظلم وستم توڑتے اور جہاں تک قدرت ہوتی اسلام کی بیخ کنی کے درپے رہتے تھے چنانچہ لوگوں کو کعبہ کا حج کرنا بھی انہوں نے دوبھر کر دیا تھا اور مسلمان قبائل کو تو مکہ میں آنے سے روک دیا تھا انہی کی مذمت اس آیت میں فرمائی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول ابوسفیان وغیرہ کے حق میں ہوا تھا جبکہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں کو حدیبیہ میں عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اگر حدیبیہ کا واقعہ اس آیت کے نزول کے بعد ہے تب تو آیت کا مطلب صاف ہے ورنہ جب اسلام پھیلنے لگا تو کفار مکہ نے مسلمان قبائل کو تو حج سے روک ہی دیا تھا چنانچہ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ جو کفار مسلمانوں کو راہ خدا سے بہکاتے اور مسجد حرام میں آنے سے روکتے ہیں حالانکہ مسجد حرام یا حرم شریف کا وہ حصہ جس سے لوگوں کی عبادات ومناسک حج کا تعلق ہے سب کے لئے یکساں ہے۔ دیسی ہو یا پردیسی مکہ میں رہنے والا ہو یا باہر سے آنے والا ہو۔ مقیم ہو یا مسافر، سب کے لئے یکساں ہے اور سب کو عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں تو جو شخص حرم شریف میں جان بوجھ کر بالارادہ بے دینی اور شرارت کی کوئی بات کرے گا اس کو اس سے زیادہ سخت سزا دی جائے گی جو دوسری جگہ ایسا کام کرنے پر ملتی۔ اسی سے ان کا حال معلوم کرلو۔ جو ظلم وشرارت سے مومنین کو مسجد حرام میں آنے سے روکتے ہیں۔ جو شخص مسجد حرام یا مکہ کے اندر گناہ کرے گا اس کو سزا سخت ملے گی۔ یہاں آیت کا دوسرا جملہ **"ومن یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم"** (اور جو شخص اس میں یعنی حرم مکہ میں کوئی خلاف دین کام قصداً ظلم کے ساتھ کرے گا تو ہم اس کو عذاب دردناک چکھا دیں گے) اگرچہ یہ کفار مکہ کے سلسلہ میں کہ جو مسلمانوں کو حرم مکہ میں داخل ہونے سے روکتے تھے فرمایا گیا مگر علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت کے دونوں جزو کا حکم عام ہے یعنی اللہ کے راستہ اور مسجد حرام پہنچنے سے روکنے والے کوئی بھی ہوں معذب ہوں

گے اور حرم مکہ میں قصداً بے دینی اور ظلم کرنے والے کو بھی خواہ وہ کوئی ہو عذاب دردناک ہوگا۔

اسی وجہ سے مکہ مکرمہ میں مستقل قیام کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک مستحب ہے مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ مکہ مکرمہ میں مستقل قیام مکروہ فرماتے ہیں کیونکہ مکہ میں رہ کر جیسی تعظیم و تکریم وہاں کی ہونی چاہئے ویسی نہیں کرسکتا اور یوں تو گناہ اور بے دینی کا کام ہر مقام پر برا ہے لیکن حرم مکہ میں نہایت ہی قبیح ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے اکابر نے طائف میں قیام کیا اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں طائف میں رہ کر ۵۰ گناہ کروں وہ مکہ میں ایک گناہ کرنے سے میرے نزدیک اچھے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کسی شہر میں صرف ارادہ پر عمل کرنے سے پہلے مواخذہ نہیں لیکن مکہ میں ارادہ پر بھی مواخذہ ہوجاتا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم

اور جو شخص اس میں یعنی حرم مکہ میں کجروی کرنے کا ارادہ کرے شرارت سے تو ہم چکھائیں گے اس کو دردناک عذاب۔

اس لئے مکہ کا مستقل قیام گو برکاتِ کثیرہ اور تضاعف حسنات کا سبب ہے لیکن جب ایسے بڑے بڑے اکابر اس کے آداب کی رعایت سے گھبراتے تھے تو آج ہم جیسوں کا تو کہنا ہی کیا ہاں جو شخص وہاں رہ کر پورا احترام کرسکتا ہو اس کے لئے ضرور قیام مکہ افضل ہے (معلم الحجاج) اور وہاں کی افضلیت کا اندازہ صرف ایک اسی بات سے لگالینا چاہئے کہ مسجد حرام کی صرف ایک دن کی پانچ نمازوں کا جماعت کے ساتھ کا ثواب کا اگر حساب لگایا جائے تو ایک کروڑ ۳۵ لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے۔ کیونکہ مسجد حرام کی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے اور جماعت سے نماز ۲۷ درجہ زیادہ افضل ہوتی ہے۔ تنہا نماز سے۔ تو اس طرح ایک دن کی نماز باجماعت کا ثواب مسجد حرام میں ایک کروڑ ۳۵ لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ اب اگر ایک سال کے ۳۶۰ دن بھی مانے جائیں تو سال بھر کی تنہا نمازیں ایک ہزار آٹھ سو ہوتی ہیں اور سو برس کی ایک لاکھ اسی ہزار اور ہزار برس کی ۱۸ لاکھ نمازیں ہوتی ہیں تو اگر کسی کی عمر نوح علیہ السلام کے برابر بھی ہو تو مسجد حرام کی صرف ایک باجماعت نماز اس کی تمام عمری نمازوں سے افضل ہوگی۔ اللہ اکبر۔ زاداللہ تعظیما و تشریفا و تکریما۔

تو خلاصہ یہ کہ دین کے خلاف کام کرنا ہر جگہ موجب عذاب ہے لیکن حرمِ مکہ کے اندر اور زیادہ موجب عذاب ہے۔ حتیٰ کہ ارادہ کا جو مرتبہ دوسری جگہ موجب تعذیب نہ ہو تو وہاں موجب تعذیب ہوجاتا ہے۔

یہاں اس آیت میں مسجد حرام میں عبادت کرنے کی عام اجازت ہے اور اس امر کی صراحت ہے کہ مسجد میں کسی کا ترجیحی حق نہیں۔ ہر مسلم کعبہ کا حج کرسکتا ہے۔ یہاں اس طرف بھی لطیف تنبیہ ہے کہ خدا کے ہاں ذات پات، دولت و فقر، حکومت و محکومی، عزت و ذلت وغیرہ کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں، اس کے گھر میں سب کا مرتبہ برابر ہے۔ جو بھی عبادت کرنا چاہئے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ حرم شریف صرف باشندگان مکہ ہی کے لئے نہیں بنایا گیا ہے بلکہ تمام عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے لئے بنایا گیا ہے کسی کو حق نہیں کہ عبادت گزاروں پر اس کا دروازہ بند کردے۔ اسی آیت کے ماتحت اب بھی جو غیر ملکی لوگ موجودہ حکومت سعودی عربیہ کے قوانین کے خلاف مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں مقیم ہوجاتے ہیں ان سے مسجد حرام یا مسجد نبوی کے اندر کوئی تعرض نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر پوچھ گچھ ہوتی ہے تو ہمیشہ مسجد سے باہر شہر میں ادھر ادھر پھرتے ہوئے۔

اب چونکہ یہاں آیت میں مسجد حرام کا ذکر آ گیا لہٰذا اسکی مناسبت سے کعبہ کی بنا کا حال اور اس کے متعلق بعض احکام اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ

اور جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا۔ اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور

الْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ

قیام ورکوع وسجدہ کرنے والوں کیلئے پاک رکھنا۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو لوگ تمہارے پاس (حج کو) چلے آویں گے پیادہ بھی اور دُبلی اونٹنیوں پر بھی

يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾

جو کہ دُور دراز کے راستوں سے پہنچی ہوں گی

وَاِذْ اور جب	بَوَّاْنَا ہم نے ٹھیک کردی	لِاِبْرٰهِيْمَ ابراہیم کیلئے	مَكَانَ الْبَيْتِ خانہ کعبہ کی جگہ	اَنْ کہ	لَا تُشْرِكْ نہ شریک کرنا	
بِيْ میرے ساتھ	شَيْـًٔا کسی شے	وَطَهِّرْ اور پاک رکھنا	بَيْتِيَ میرا گھر	لِلطَّآئِفِيْنَ طواف کرنیوالوں کیلئے	وَالْقَآئِمِيْنَ اور قیام کرنیوالے	
وَالرُّكَّعِ اور رکوع کرنیوالے	السُّجُوْدِ سجدہ کرنیوالے	وَاَذِّنْ اور اعلان کردو	فِي النَّاسِ لوگوں میں	بِالْحَجِّ حج کا	يَاْتُوْكَ وہ تیرے پاس آئیں	
رِجَالًا پیدل	وَّعَلٰى اور پر	كُلِّ ضَامِرٍ ہر دُبلی اونٹنی	يَّاْتِيْنَ وہ آتی ہیں	مِنْ سے	كُلِّ فَجٍّ ہر راستہ	عَمِيْقٍ دُور دراز

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیت میں مشرکین مکہ کے اس فعل کی مذمت فرمائی گئی تھی جو وہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے رُوکتے تھے اور وہاں انہیں عبادت اور احکام حج کے ادا کرنے سے باز رکھتے تھے۔ مشرکین کی اس زیادتی پر ان کو عذابِ الیم کی دھمکی دی گئی تھی۔ اب آگے ان آیات میں یہاں مشرکین مکہ کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ گھر جس کی بنیاد اول دن سے خدا کی توحید پر رکھی گئی ہے تم نے اس میں شرک جاری کردیا۔

خانہ کعبہ کی حرمت ظاہر کرنے کے لئے ان آیات میں بتایا جاتا ہے کہ جب مدتوں کے بعد خانہ کعبہ کا نشان نہ رہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بیت اللہ تعمیر کرو اور حضرت ابراہیمؑ کو اس معظم گھر کا نشان دکھلا دیا گیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ اس گھر کی بنیاد خالص توحید پر رکھو۔ کوئی شخص یہاں آ کر اللہ کی عبادت کے سوا کوئی مشرکانہ رسوم نہ بجالائے۔

کفار مکہ نے اس کے خلاف ایسا عمل کیا کہ خانہ کعبہ میں لا کر ۳۶۰ بت کھڑے کردیئے (العیاذ باللہ) جن کی گندگی سے خدا کے گھر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لئے پاک کیا۔ فتح مکہ کے دن یعنی ۲۰ رمضان ۸ھ یوم جمعہ کو جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے اور آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا تو اس وقت تک کعبہ کے گرد قریش مکہ ومشرکین عرب کے ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ جب آپ کسی بت کے پاس سے گزرتے تو اس چھڑی سے اشارہ فرمادیتے اور بت منہ کے بل اوندھا گر پڑتا تھا۔ اور یہ آیت مبارکہ آپ کی زبان مبارک پر تھی۔ "وقل جآء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا" (آپ کہہ دیجئے کہ حق بس اب آ ہی گیا اور باطل مٹ گیا۔ بیشک باطل تھا ہی مٹنے والا)۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم خداوندی ہوا کہ یہ عبادت خانہ اللہ کا گھر اس لئے بناؤ کہ لوگ اس کا طواف کریں۔ خدا پرست اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔

رکوع اور سجدہ کرنے والے اللہ رب البیت کو سجدہ کریں اور فقط خدائے واحد کی عبادت کریں اور اللہ کے سوا وہاں کسی اور کی پرستش نہ ہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدمؑ

کو جنت سے اتارا تو ان کے ساتھ اپنے گھر کو بھی اتارا اور فرمایا کہ اے آدم میں تیرے ساتھ اپنا گھر بھی اتارتا ہوں۔ اس کا طواف اسی طرح کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کا طواف کیا جاتا ہے اور اس کی طرف نماز اسی طرح پڑھی جائے گی جس طرح میرے عرش کی طرف نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد طوفان نوح کے زمانہ میں یہ مکان اٹھالیا گیا۔ اس کے بعد انبیائے کرام اس جگہ کا طواف کرتے تھے۔ مکان نہ تھا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو اللہ جل شانہٗ نے اسی جگہ مکان بنانے کا حکم فرمایا اور جگہ کا تعین خود فرمادیا۔ (ترغیب منذری فضائل حج) لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو بنائے بیت اللہ کا حکم ملا تو شام سے حجاز میں تشریف لائے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۰۰ سال کی تھی اور آپ کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ ۳۶ سال کے تھے۔ حجاز میں پہنچ کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں اس کے گھر کو تیار کروں۔ حضرت اسمٰعیل نے عرض کیا کہ بیت اللہ کہاں ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے سرخ ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔ غرض دونوں باپ بیٹے کھدائی کے کام میں لگ گئے اور قدیم بنیادوں کو نکال لیا۔ بنیاد نکل آئی تو دونوں نے تعمیر شروع کی۔ اسمٰعیلؑ اپنی گردن پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ نصب کرتے جاتے تھے۔ جب دیواریں اونچی ہوگئیں اور پتھروں کا رکھنا دشوار ہوگیا تو حضرت اسمٰعیلؑ نے ایک پتھر لاکر زمین پر رکھ دیا اور حضرت ابراہیمؑ نے اس پر کھڑے ہوکر دیوار کو بنایا۔ یہی وہ پتھر ہے جس کو مقام ابراہیمؑ کہا جاتا ہے اور جو آج تک محفوظ ہے (تسہیل الفرقان) جب خانۂ کعبہ تیار ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اعلان عام کردو کہ لوگ چاروں طرف سے حج کرنے آئیں اور مراسم خدا پرستی بجالائیں ساتھ ہی یہ بھی پیشین گوئی کردی گئی اے ابراہیم علیہ السلام آپ اگر اعلان عام کردیں گے تو لوگ دور دراز کے ملکوں تک سے لبیک کہتے ہوئے یہاں آئیں گے۔ جن کے پاس سواریاں ہوں گی وہ سوار ہوکر آئیں گے ورنہ پیادہ پا ہوکر پہنچیں گے۔ اس حکم کی تعمیل میں ایک پہاڑ پر کھڑے ہوکر حضرت ابراہیمؑ نے پکارا۔ کہ لوگوں تم پر اللہ نے حج فرض کیا ہے۔ حج کو آؤ۔ حق تعالیٰ نے یہ آواز ہر طرف ہر ایک روح کو پہنچادی۔ جس کے لئے حج مقدر تھا اس کی روح نے لبیک کہا۔ وہی شوق کی دبی ہوئی چنگاری ہے کہ ہزاروں لاکھوں نفوس تکلیفیں اٹھاتے ہوئے حج بیت اللہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے بھی خواہ وہ پیدا ہوچکا تھا یا ابھی تک عالم ارواح میں تھا اس وقت لبیک کہا وہ ضرور حج کرتا ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جس نے ایک مرتبہ لبیک کہا وہ ایک حج کرتا ہے اور جس نے دومرتبہ لبیک کہا وہ دومرتبہ حج کرتا ہے اور اسی طرح جس نے اس سے زیادہ جتنی مرتبہ لبیک کہا اتنے ہی حج اس کو نصیب ہوتے ہیں (فضائل حج)

اللہ اکبر کتنی خوش نصیب ہیں وہ روحیں جنہوں نے اس وقت دمادم لبیک کہا کہ بیسیوں اور پچاسوں حج ان کو نصیب ہوئے یا ہوں گے۔ چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے۔

حج کو آنے کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں پیادہ یا سوار۔ اس وقت عموماً عرب میں اونٹ کی سواری تھی۔ موجودہ دنیا کی سواریاں اس وقت مستعمل نہ تھیں اس لئے یہاں آیت میں اونٹ کی سواری کا تذکرہ فرمایا گیا۔ دوسری سواریوں کا ذکر نہیں مگر مراد یہ ہے کہ جس طرح ممکن ہوگا لوگ حج کو آئیں گے۔ پیدل بھی اور سوار ہوکر بھی۔

صحیح بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر دس بار ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ ملائکہ نے بنایا۔ دوبارہ حضرت آدم علیہ السلام نے۔ تیسری بار حضرت شیث علیہ السلام نے۔ چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے۔ پانچویں بار عمالقہ نے۔ چھٹی بار حارث جرہمی نے۔ ساتویں بار قریش کے مورث اعلیٰ قصی نے۔ آٹھویں بار قریش مکہ نے۔ نویں بار ۶۴ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر نے۔ دسویں بار حجاج ثقفی نے ۷۴ھ میں۔

اب اس وقت موجودہ تعمیر جو بیت اللہ کی ہے یہ گیارہویں بار گیارہویں صدی کے وسط میں ہوئی تھی۔ جس کا حال تاریخ حرمین مؤلفہ حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ کے اس طرح لکھا ہے۔

"ماہ شعبان ۱۰۳۹ھ میں برسنے والی بارش کی نظیر قدیم تاریخ عرب میں نہیں ملتی۔ بارش کا پانی حرم میں داخل ہوا یہاں تک کہ بیت اللہ کی دیواریں کئی کئی گز پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے خانہ کعبہ کی ایک دیوار گرگئی جو شامی رکن والی تھی اور غربی دیوار بھی دونوں جانبوں سے شکستہ ہوگئی تو سلطان مراد رحمتہ اللہ علیہ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کا حکم دیا۔

۱۰۳۹ھ قبل از رمضان یہ تعمیر شروع ہو کر رمضان المبارک ۱۰۴۰ھ میں اس کی تکمیل ہوئی اور یہ عمارت آج تک قائم ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک (یعنی ۱۳۹۷ھ) اس تعمیر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی (زاداللہ تشریفاو تعظیماو تکریما) (تاریخ حرمین صفحہ ۵۱)

ملت اسلامیہ میں حج کی فرضیت قرآن و حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے اور حج بھی مثلِ نماز روزہ اور زکوٰۃ اسلام کا ایک رکن اور فرض عین ہے اور تمام عمر میں ایک مرتبہ ہر اس مسلمان پر فرض ہے جس کو حق تعالیٰ نے اتنا مال دیا ہو کہ اپنے وطن سے مکہ معظمہ تک آنے جانے پر قادر ہو اور اپنے اہل و عیال کے مصارف جو اس کے ذمہ ہوں واپسی تک برداشت کر سکتا ہو اور جو دوسرے شرعی شرائط حج کی ہیں وہ سب اس میں موجود ہوں۔

چونکہ حج دین اسلام کا پانچواں رکن ہے اور اعاظم طاعت اور رب العالمین جل شانہٗ کی عظیم عبادت ہے اور ثابت ہوا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء نے خانہ کعبہ کا حج کیا ہے اس لئے جو شخص باوجود قدرت واستطاعت اور دیگر شرائط کے پائے جانے کے حج نہ کرے اس کے لئے نہایت سخت وعید آئی ہے۔

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے لئے کوئی واقعی مجبوری حج سے مانع نہ ہو، ظالم بادشاہ کی طرف سے روک نہ ہو۔ یا ایسا شدید مرض نہ ہو جو حج سے روک دے۔ پھر وہ بغیر حج کئے مرجائے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی مرے۔ (العیاذ باللہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ ایسا شخص یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ خدا کی پناہ کس قدر سخت وعید ہے۔ اب دین کے معاملہ میں سستی وکاہلی اور ٹال مٹول کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اب حج کے لئے قریب ۲۰ ہزار روپیہ کی رقم درکار ہے اور جن پر پہلے حج فرض ہو چکا تھا اور انہوں نے اس وقت نہیں کیا اور اب اتنی رقم پاس نہیں تو حج کی فرضیت اپنی جگہ قائم ہے اور یہ باران کے کندھوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ جو اس مشکل میں پھنسے ہوں ان کی مشکل آسان فرمائے اور انہیں اس فرض کی بجا آوری کی توفیق عطا فرمائے۔

اب آگے حج کے بعض منافع اور بعض احکام وشعائر بیان کئے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے گھر کی حاضری کی سعادت نصیب فرمائے اور جن کو یہ سعادت حاصل ہو چکی ہے ان کو پھر مکرر سہ مکرر وہاں کی حاضری نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہمارے قلوب میں حج بیت اللہ کا ذوق وشوق عطا فرما اور اپنے مقدس گھر تک پہنچنے کے لئے راستہ آسان فرما۔

یا اللہ! اپنے گھر بیت اللہ کی عزت وعظمت و بزرگی کو بلند فرما اور اس کی عزت کرنے والوں کو بھی عزت عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ

تا کہ اپنے فوائد کیلئے لوگ آموجود ہوں اور تا کہ ایام مقررہ میں ان مخصوص چوپایوں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو عطا کئے ہیں۔

الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝۲۸ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا

سوان (قربانی کے) جانوروں میں سے تم بھی کھایا کرو اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو۔ پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنا میل کچیل دُور کردیں اور اپنے

نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝۲۹

واجبات کو پورا کریں اور اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ کا) طواف کریں۔

لِيَشْهَدُوْا تا کہ وہ آموجود ہوں	مَنَافِعَ فائدوں کی جگہ	لَهُمْ اپنے	وَيَذْكُرُوْا وہ یاد کریں (لیں)	اسْمَ اللّٰهِ اللہ کا نام	فِيْ میں
اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ جانے پہچانے (مقررہ) دن	عَلٰي پر	مَا جو	رَزَقَهُمْ ہم نے انہیں دیا	مِنْ سے	بَهِيْمَةِ چوپائے / الْاَنْعَامِ مویشی
فَكُلُوْا پس تم کھاؤ	مِنْهَا اس سے	وَاَطْعِمُوْا اور کھلاؤ	الْبَآئِسَ بدحال	الْفَقِيْرَ محتاج	ثُمَّ پھر / لْيَقْضُوْا چاہیے کہ دُور کریں
تَفَثَهُمْ اپنا میل کچیل	وَلْيُوْفُوْا اور پوری کریں	نُذُوْرَهُمْ اپنی نذریں	وَلْيَطَّوَّفُوْا اور طواف کریں	بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ قدیم گھر	

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ خانۂ کعبہ کے تعمیر کے بعد لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا اعلان کردیں اور ساتھ ہی یہ پیشین گوئی بھی فرمادی گئی تھی کہ اس علان سے لوگ اس عمارتِ مقدسہ کے پاس پیدل اور سوار دور دراز فاصلوں سے پہنچیں گے۔ اس کے بعد حج کے فوائد اور قربانی کے طریقہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اصل مقصد تو دینی و اُخروی فوائد کی تحصیل ہے مثلاً حج وعمرہ اور دوسری عبادات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا اور روحانی ترقیات کے بلند مقامات پر فائز ہونا لیکن اس عظیم الشان اجتماع کے ضمن میں بہت سی دنیوی۔ سیاسی۔ تمدنی اور اقتصادی فوائد بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

اس آیت کے ماتحت علمائے محققین نے حج کے منافع کی بہت کچھ تفصیلات لکھی ہیں۔ مختصراً حج کے منافع دو قسم کے ہیں۔ ایک منافع دنیا مثلاً روئے زمین کے تمام اطراف کے مسلمان ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور باہم میل جول ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے طور طریق خو بو اور معاملات سے واقف ہوتے ہیں۔ دور دراز ملکوں کے صحیح حالات معلوم ہوتے ہیں۔ تجارتی فوائد اور تجربے حاصل ہوتے ہیں۔ قوت اجتماعیہ اور قوت دینیہ اور مساواتِ مذہبی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ جس بات پر کل دنیا کے مسلمانوں کو اتفاق کرنا ہے۔ حج کے زمانہ میں اس متبرک مقام میں یہ اتفاق باآسانی ہوسکتا ہے۔ اس طرح حج باہمی تعاون اتفاق واتحاد کے لئے ایک بہترین ذریعہ ہے۔

سفر کی عادت۔ ریاضت و مشقت برداشت کرنے کا ملکہ و تجربہ ہوتا ہے۔ ایک قوم دوسری قوم سے علم و ہنر کا استفادہ کرسکتی ہے۔

دوسرے فوائد دینیہ ہیں مثلاً لاکھوں خدا پرستوں کا ایک جگہ جمع ہوکر آسمانی سلطنت کا نمونہ دکھانا۔ ایک پر دوسرے کے انوار و برکات کا منعکس ہونا۔ تمام دنیا کو یہ دکھا دینا کہ اس روئے زمین پر ایک جماعت موحدین کی بھی ہے جو باہم مساوات کا عملی حامل ہے جو ایک

خدا کی پرستار اور ایک نبی کی پیروکار ہے۔ جن کا لباس۔ ہیئت۔ طور طریق اور طرز زندگی بھی ایک ہی ہے۔ علاوہ ازیں حج موت و آخرت کا بھی صحیح نمونہ ہے۔ گھر سے چلنا اور اولاد و مال کو چھوڑنا گویا دنیا سے گزرنے کو یاد دلاتا ہے۔ پھر حرم کے قریب پہنچ کر احرام باندھنا گویا کفن میں لپٹنے کا نمونہ ہے۔ پھر احرام میں شکار و جماع وغیرہ مرغوبات سے رکنا۔ مرنے کے بعد تمام لذائذ سے مجبور رہنے کا نمونہ ہے پھر زادراہ اور راحلہ کا ہمراہ ہونا اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ مرنے کے بعد اعمال ہی کا نوشتہ ساتھ رہے گا۔ پھر عرفات میں جمع ہونا حشر میں جمع ہونے کا نمونہ ہے۔ پھر قربانی کر کے نہانا۔ دھونا۔ صاف ہونا گناہوں سے بری ہونے پر دلالت کرتا ہے پھر طواف زیارت کرنا۔ حرم مکہ میں جانا اور تمام ممنوعہ چیزوں کا جائز ہوجانا جنت میں جا کر وہاں کی نعمت سے فیض یاب ہونے کو یاد دلاتا ہے۔

حج کرنے والے درحقیقت سچے عاشقوں کی زندہ تصویر ہوتے ہیں۔ عاشق کے بال دراز، ناخن بڑھے ہوئے، سر کھلا ہوا، ایک دھن اور ایک لو لگی ہوتی ہے۔ ہر وقت ایک ہی خیال پیش نظر ہوتا ہے۔ گھر بار دھن دولت، راحت و آرام، حکومت عزت سب کو چھوڑ کر کوئے محبوب کی راہ لیتا ہے۔ بجنسہٖ یہی حال حاجی کا ہوتا ہے یاد الٰہی میں سرمست ہوتے ہیں۔ سر کھلا ہوا ہوتا ہے۔ ناخن بڑھے ہوئے اور بال کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ بغیر سلا ہوا لباس ہوتا ہے۔ خوشبو اور رنگ متروک ہوتا ہے۔ کوچۂ محبوب کی راہ لیتا ہے۔ دیوانوں کی طرح صفا مروہ کے درمیان دوڑتا ہے۔ پاگلوں کی طرح وصال محبوب سے روکنے والے رقیب شیطان کے پتھریاں مارتا ہے۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اپنے محبوب کو پکارتا ہے۔ روتا ہے گڑگڑاتا ہے، خانہ محبوب کے چکر لگاتا ہے۔ اس کے دروازہ کے پتھر کو چومتا چاٹتا ہے (یعنی حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے) اور در محبوب میں مر جانے کو حاصل زندگی سمجھتا ہے۔

حج کی برکت سے جنت کی جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں وہ تو انشاء اللہ پوری آخرت میں ملیں گی لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی گاہ اور اس کے انوار کے خاص مرکز بیت اللہ شریف کو دیکھ کر اور مکہ معظمہ کے ان خاص مقامات پر پہنچ کر جہاں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی اور ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص یادگاریں اب تک موجود ہیں۔ ایمان والوں کو جو لذت اور دولت حاصل ہوتی ہے وہ بھی اس دنیا میں جنت ہی کی نعمت ہے۔ پھر مدینہ طیبہ میں روضۂ اقدس کی زیارت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں نماز پڑھنا اور براہِ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا۔ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں اور وہاں کے جنگلوں میں پھرنا وہاں کی ہوا میں سانس لینا اور وہاں کی مقدس زمین میں اور ہوا میں بسی ہوئی خوشبو سے دل و دماغ کا معطر ہونا اور دیارِ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ کر شوق و محبت میں کبھی خوش ہونا اور کبھی رونا یہ وہ لذتیں ہیں جو حج کرنے والوں کو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ پہنچ کر نقد حاصل ہوتی ہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ اس قابل بنادے کہ ان لذتوں کو بندہ محسوس کر سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے گھر کی حاضری اور اپنے رسول پاک کے در پر حاضری کی یہ لذتیں اور دولتیں ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

یہاں آیت میں حج کے لئے آنے والوں کو آخرت کے منافع اور دنیوی فوائد ملنے کا ذکر کرنے کے بعد قربانی کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ اس لئے لوگ آویں گے تا کہ ایام مقررہ میں یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو جو ایام قربانی ہیں ان میں قربانی کے جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لیا جائے یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہیں۔ ان دنوں میں بہترین عمل یہی ہے کہ اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔

قربانی دورِ جاہلیت میں بھی ہوتی تھی، بعض کفار کا خیال تھا کہ قربانی کا گوشت خود قربانی کرنے والے کو نہ کھانا چاہئے اس کی اصلاح فرمائی جاتی ہے اور امت محمدیہ کو حکم ہوتا ہے کہ تم اپنی قربانی کے گوشت شوق سے کھاؤ۔ دوستوں اور عزیزوں کو دو اور مصیبت زدہ محتاجوں کو کھلاؤ۔ پھر حج میں قربانی کے بعد کے کچھ احکام بتائے جاتے ہیں۔ حاجی جب سے احرام باندھ کر لبیک کہنا شروع کرتے ہیں تو حجامت نہیں بنواتے، ناخن نہیں تراشتے۔ بالوں میں تیل نہیں ڈالتے، کوئی خوشبودار چیز نہیں استعمال کرتے۔ بدن پر میل اور گرد وغبار چڑھ جاتا ہے۔ مگر زیادہ مل دل کر غسل نہیں کرتے۔ ایک عجیب عاشقانہ اور مستانہ حالت ہوتی ہے۔ دسویں ذی الحجہ کو سب قصہ تمام کرتے ہیں۔ منیٰ میں قربانی کے بعد حجامت بنوا کر غسل کر کے سلے ہوئے پاک صاف نئے کپڑے پہن کر طواف زیارۃ کو منیٰ سے مکہ معظمہ جاتے ہیں۔

یہاں خانہ کعبہ کے لئے لفظ بیتِ عتیق استعمال ہوا ہے۔ عتیق عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک قدیم۔ دوسرے آزاد جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو۔ تیسرے مکرم و معزز بیت اللہ پر یہ تینوں ہی معنے صادق آتے ہیں۔

چونکہ اس سے قدیم کوئی عبادت خانہ دنیا میں نہیں ہے۔ اس لئے اس کو عتیق کہا جاتا ہے۔ پھر کوئی بیرونی بادشاہ کعبہ پر تسلط نہ کرسکا اور آج تک یہ عبادت خانہ آزاد رہا اور جس نے برائی کا ارادہ کیا خدا نے اس کو تباہ کر دیا جیسے اصحابِ فیل کا واقعہ، اس لئے بھی عتیق ہے۔ اور اس کے اعزاز و اکرام کا حال تو یہ ہے کہ روئے زمین پر مسلمان کہیں بھی نماز پڑھتا ہے تو اسی جانب منہ کرتا ہے۔

ابھی یہ سلسلہ مضامین اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی عزت و کرامت۔ بزرگی اور بڑائی کو اور زیادہ بڑھاویں۔ اور اس گھر پر حاضر ہونے والوں کو عزت و کرامت نصیب فرماویں۔

اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی حاضری کا شرف ہم سب کو نصیب فرماویں اور حج بیت اللہ کی دولت ہم سب کو عطا فرماویں۔ جن بھائیوں نے حج بیت اللہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے حج کو حجِ مقبول اور حجِ مبرور بنائیں۔ اور جن پر یہ فریضۂ حج عائد ہے ان کو اس فرض کو ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! حج بیت اللہ کے دینی و دنیوی فوائد سے امت مسلمہ کو مالا مال فرما۔ اور اس اجتماع کی برکت سے عالم اسلام کو صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی سعادت عطا فرما۔

یا اللہ! اپنے خاص تجلیات و انوار کے مرکز بیت اللہ شریف پر حاضری دینے والوں کی دعاؤں کی برکت سے عالم اسلام کے جملہ مسائل کو حل فرما۔ امت مسلمہ میں اتحاد و اتفاق عطا فرما۔ دشمنانِ دین اسلام سے جہاد کا عزم حقیقی نصیب فرما۔ اعلائے کلمۃ اللہ کا سچا جذبہ عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ

یہ بات تو ہو چکی۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا سو یہ اُس کے حق میں اُس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔ اور ان مخصوص چوپایوں کو باستثناء ان کے

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ

جو تم کو پڑھ کر سُنا دیئے گئے ہیں تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔ اس طور سے

لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ

کہ اللہ ہی کی طرف جھکے رہو اسکے ساتھ شریک مت ٹھیراؤ۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اسکی بوٹیاں نوچ لیں۔

اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

یا اُس کو ہوا نے کسی دُور دراز جگہ میں لے جا پٹکا۔

ذٰلِكَ یہ	وَمَنْ اور جو	يُّعَظِّمْ تعظیم کرے	حُرُمٰتِ اللّٰهِ شعائر اللہ (اللہ کی نشانیاں)	فَهُوَ پس وہ	خَيْرٌ بہتر	لَّهٗ اس کیلئے		
عِنْدَ رَبِّهٖ اس کے رب کے نزدیک	وَاُحِلَّتْ اور حلال قرار دیئے گئے	لَكُمُ تمہارے لئے	الْاَنْعَامُ مویشی	اِلَّا سوا				
مَا يُتْلٰى جو پڑھ دیئے گئے	عَلَيْكُمْ تم پر۔ تم کو	فَاجْتَنِبُوا پس تم بچو	الرِّجْسَ گندگی	مِنَ سے	الْاَوْثَانِ بت	وَاجْتَنِبُوْا اور بچو		
قَوْلَ بات	الزُّوْرِ جھوٹی	حُنَفَآءَ لِلّٰهِ اللہ کیلئے یک رُخ ہو کر	غَيْرَ نہ	مُشْرِكِيْنَ شریک کرنے والے	بِهٖ اسکے ساتھ	وَمَنْ اور جو		
يُّشْرِكْ شریک کرے گا	بِاللّٰهِ اللہ کا	فَكَاَنَّمَا تو گویا	خَرَّ وہ گرا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	فَتَخْطَفُهُ پس اسے اچک لے جاتے ہیں			
الطَّيْرُ پرندے	اَوْ یا	تَهْوِيْ پھینک دیتی ہے	بِهٖ اس کو	الرِّيْحُ ہوا	فِيْ میں	مَكَانٍ کسی جگہ	سَحِيْقٍ دُور دراز	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حج کے منافع اور مناسک حج اور قربانی کے بعض احکام ذکر فرمائے گئے تھے۔ اب آگے ایک عام نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ کی قائم کی ہوئی تمام حرمتوں کا احترام کرنے کے لئے فرمائی گئی ہے۔ حرمات اللہ یعنی جن چیزوں کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنے کی ہدایت دی جاتی ہے۔ یوں تو حرمات اللہ یعنی محترم چیزوں میں بیت اللہ۔ صفا۔ مروہ۔ منیٰ۔ عرفات۔ مساجد۔ قرآن کریم۔ بلکہ تمام احکامِ الٰہیہ آ جاتے ہیں۔ مگر یہاں خصوصیت سے مسجد حرام اور ہدی کے جانور کی تعظیم پر زور دینا ہے۔ ہدی اس جانور کو کہتے ہیں کہ جو حاجی حرم میں قربانی کرنے کو ساتھ لے جاتا ہے۔ پہلے عرب قربانی کے جانور کو اپنے ساتھ کعبہ میں لایا کرتے تھے یا پہلے بھیج دیتے تھے جس میں بیشتر اونٹ ہوتے تھے۔

یہاں اللہ کی قائم کی ہوئی تمام حرمتوں کا احترام و تعظیم کرنے کی جو نصیحت فرمائی گئی ہے اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ قریش نے حرم سے مسلمانوں کو نکال کر اور ان پر حج کا راستہ بند کر کے اور مناسک حج میں مشرکانہ و جاہلانہ رسمیں شامل کر کے اور بیت اللہ کو شرک کی گندگی سے ملوث کر کے حرمات اللہ کی ہتک و بے تعظیمی کر رکھی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے قائم کر دی گئی تھیں۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ نے جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنا بڑی خوبی اور نیکی کی بات ہے جس کا انجام نہایت اچھا ہوگا۔

جیسا کہ گزشتہ درس میں کہا گیا تھا مشرکین اپنی قربانیوں کی کوئی چیز نہ کھاتے تھے جس کی تردید گزشتہ درس میں مجمل طور پر فرمادی گئی تھی مگر یہاں حلت کی صراحت کردی اور فرمادیا کہ تمام چوپائے ذبح کے بعد تمہارے لئے حلال ہیں اور ان کے ذبح کا حکم تعظیم حرمات اللہ کے خلاف نہیں کیونکہ جس مالک نے ایک چیز کی حرمت بتلائی تھی اسی کی اجازت سے اور اسی کے نام پر وہ قربانی کی جاتی ہے۔ البتہ جن جانوروں کا حرام ہونا وقتاً فوقتاً تم کو سنایا جاتا رہا ہے وہ حلال نہیں جیسا کہ سورۂ انعام آٹھویں پارہ میں تفصیلاً گزر چکا ہے تو جو جانور اللہ کی اجازت سے اس کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں وہ حلال ہیں اور جو جانور کسی بت یا دیوی دیوتا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو جیسا کہ مشرکین عرب میں دستور تھا وہ حرام اور مردار ہوا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسی شرکیات جو بتوں کی پرستش سے آتی ہیں ان سے اس طرح بچو جیسے غلاظت سے آدمی گھن کھاتا ہے اور دور ہٹتا ہے۔ گویا کہ بت نجاست سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کے قریب جاتے ہیں آدمی ان سے نجس اور پلید ہو جاتا ہے۔ مشرکوں نے اپنی طرف سے جو تحلیل وتحریک قائم کر رکھی تھی اور بلا دلیل شرعی کسی شے کو حلال اور کسی کو حرام کہتے تھے تو اس قول سے اجتناب رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ جھوٹی بات سے بچتے رہو۔ اگر چہ یہاں آیت میں واجتنبوا قول الزور (یعنی جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو) الفاظ عام ہیں اور اس میں ہر جھوٹی بات زبان سے نکالنا یا جھوٹی شہادت دینا داخل ہے۔ لیکن جن سلسلۂ کلام میں یہ فرمایا گیا ہے اس سے خاص طور پر اشارہ مشرکین کے ان باطل عقائد اور احکام ورسوم کی طرف ہے جن پر کفر وشرک کی بنیاد ہے۔ یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا اور اس کی ذات۔ صفات۔ اختیارات اور حقوق میں کسی کو حصہ دار بنانا وہ سب سے بڑا جھوٹ ہے جس سے یہاں منع فرمایا گیا ہے۔ اب چونکہ مشرکین کے شرک کا ذکر آ گیا تھا اس لئے ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک اللہ کے بندے بن کر رہو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔ آگے شرک کی برائی ایک مثال سے سمجھائی جاتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی پہاڑ کی چوٹی یا کسی اور بلند مقام سے گرنے کے بعد آدمی کی ہڈی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔ بند بند جدا ہو جاتا ہے اور جب مردہ لاش میدان میں پڑی رہے تو مردار خوار پرندے اس کا تکا بوٹی کر لیتے ہیں۔ سب نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ یہی حالت مشرک کی ہوتی ہے۔ جب ایمان کے پہاڑ کی چوٹی سے گرا اور کفر وشرک کی وادی میں پہنچا تو تمام روحانی اور عقلی قوتیں چور چور ہو جاتی ہیں۔ بصیرت وفہم کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ ہواؤ ہوس اور قہر وظلم کے مردار خوار پرندے اس کی عقل کی لاش کو تکا بوٹی کر کے کھا جاتے ہیں اور اس طرح وہ حقیقی توحید کی زندگی سے محروم ہو جاتا ہے یا یوں کہا جائے کہ جس طرح کسی اچھے خاصے آدمی کو آندھی اڑا کر کہیں کا کہیں پھینک دیتی ہے اسی طرح مشرک وکافر کی تمام باطنی اور روحانی طاقتیں ہواؤ ہوس کی ہوائیں اور خواہشاتِ نفسانی کی آندھیاں اڑا کر حیوانیت کے میدان میں پھینک دیتی ہیں اور مشرک آدمی روحانیت واخلاقِ باطنی تباہ ہونے کے بعد انسانیت سے دور گر جاتا ہے۔ صورت انسانوں کی ہوتی ہے مگر حقیقت میں وہ شیطان یا درندہ حیوان ہوتا ہے۔

اس مثال سے یہاں شرک کی برائی سمجھانا مقصود ہے کہ مشرک درحقیقت مردہ ہوتا ہے اس کی عقل فطری فنا ہو جاتی ہے اس کی اخلاقی اور اصلاحی قوتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ شہوت وغضب کے مردار خوار پرندے اس کی تمام اندرونی بیرونی صلاحیتوں کو کھا لیتے ہیں چونکہ اس کا اعتماد اور رجوع اللہ کی طرف نہیں ہوتا اس لئے سکون قلب اور اطمینان اس کو نصیب نہیں ہوتا اور درحقیقت سکون واطمینان قلبی ہی زندگی ہے۔

قرآن پاک کی فصاحت وبلاغت اور معجزانہ کلام کو دیکھئے کہ شرک کے مقابلہ میں حنفآء للہ ایک اللہ کے ہو کر رہو فرما کر یہ تعلیم دی گئی کہ مسلمان کے پیش نظر محض ذاتِ الٰہی اور اس کی خوشنودی کا حصول ہونا چاہئے اور اللہ کے معاملہ میں اس کو تمام باطل تعلقات توڑ کر اور سب سے منہ موڑ کر صرف خدائے ذوالجلال سے رشتہ جوڑنا چاہئے۔

ابھی یہی سلسلہ مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ذٰلِكَ ۖ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى

یہ بات بھی ہو چکی۔اور جو شخص دین خداوندی کے ان یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو انکا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔تم کو ان سے ایک معین وقت تک

اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ

فوائد حاصل کرنا جائز ہے پھر اس کے ذبح حلال ہونے کا موقع بیتِ عتیق کے قریب ہے۔اور ہم نے ہر امت کیلئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر

عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾

اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔سو تمہارا معبود ایک ہی خدا ہے تو تم ہمہ تن اسی کے ہو کر رہو۔اور آپ گردن جھکا دینے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

ذٰلِكَ یہ	وَمَنْ اور جو	يُّعَظِّمْ تعظیم کرے گا	شَعَآئِرَ اللّٰهِ شعائر اللہ	فَاِنَّهَا تو بیشک یہ	مِنْ سے	تَقْوَى پرہیزگاری		
الْقُلُوْبِ جمع قلب دل	لَكُمْ تمہارے لئے	فِيْهَا اس میں	مَنَافِعُ جمع نفع فائدے	اِلٰٓى تک	اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک مدتِ مقرر	ثُمَّ پھر		
مَحِلُّهَآ انکے پہنچنے کا مقام	اِلَى تک	الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ بیت قدیم (بیت اللہ)	وَ اور	لِكُلِّ اُمَّةٍ ہر امت کیلئے	جَعَلْنَا ہم نے مقرر کی	مَنْسَكًا قربانی		
لِّيَذْكُرُوا تا کہ وہ لیں	اسْمَ اللّٰهِ اللہ کا نام	عَلٰى پر	مَا رَزَقَهُمْ جو ہم نے دیئے انہیں	مِّنْ سے	بَهِيْمَةِ چوپائے	الْاَنْعَامِ مویشی	فَاِلٰهُكُمْ پس تمہارا معبود	
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ معبود یکتا	فَلَهٗٓ پس اس کے	اَسْلِمُوْا فرمانبردار	وَبَشِّرِ اور خوشخبری دیں	الْمُخْبِتِيْنَ عاجزی سے گردن جھکانے والے				

تفسیر و تشریح:۔گزشتہ آیات میں مناسکِ حج کے سلسلہ میں احکام قربانی وغیرہ کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے اس ضمن میں گزشتہ آیات میں حرمات اللہ یعنی اللہ نے جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنے کی فضیلت بیان کی گئی تھی اور مثال کے ذریعہ شرک کی برائی سمجھائی گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں۔جس کے دل میں پرہیزگاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہوگا وہ اس کے نام لگی چیزوں کا ادب کرے گا۔ یہ ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے کہ خدا کا عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جو بالخصوص اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جائے۔

قربانی کے جانوروں کو عرب اپنے ساتھ کعبہ میں لایا کرتے تھے اور ایسے جانوروں کو ہدی کہا جاتا تھا۔ان جانوروں کی نسبت فرمایا جاتا ہے کہ تم ان سے فوائد حاصل کر سکتے ہو مثلاً سواری کرو۔ دودھ پیو۔نسل چلاؤ۔ اون وغیرہ کام میں لاؤ مگر یہ اس وقت تک کہ ان کو ہدی نہ بنائیں۔ ہدی بننے کے بعد اس قسم کا انتفاع ان جانوروں سے بدوں شدید ضرورت کے نہیں کر سکتے۔ مثلاً اونٹ کو ہدی بنا کر ساتھ لیا اور خود پیدل چل رہا ہے اور سواری کے لئے کوئی دوسرا جانور موجود نہیں اور پیدل چلنا اس کے لئے مشکل ہو جاوے تو ایسی مجبوری اور ضرورت کی بنا پر اس وقت سوار ہونے کی اجازت ہے۔

جب ان کو قربانی کا جانور بنا لیا تو اس کا عظیم الشان اُخروی فائدہ یہی ہے کہ کعبہ کے پاس جس سے مراد سارا حرم ہے لے جا کر خدا تعالیٰ کے نام پر قربان کر دو۔

بعض کوتاہ عقل اعتراض کیا کرتے ہیں جیسا کہ اب بھی ہنود و عیسائی قربانی پر اعتراض کرتے ہیں کہ کسی جانور کے ذبح کرنے

سے کیا خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے؟ ناحق جانوروں کو مارتے ہیں۔ یہ رسم جاہلیت ہے۔ اس کا الزامی جواب پہلے عنایت فرمایا گیا اور بتلایا گیا کہ تم سے پیشتر بھی اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لئے رسم قربانی اللہ کا نام یاد کرنے کے لئے جاری کی ہے۔ امت محمدیہ کے لئے یہ کچھ نئی بات نہیں۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کی شریعتوں میں بھی قربانی کا دستور خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے تھا جیسا کہ اب تک اہل کتاب کی کتب میں پایا جاتا ہے اور اسی طرح ہنود کے ہاں بھی قربانیاں ہیں قدیم سے ان میں بلدان کی رسم چلی آتی ہے۔ تو یہاں بتلایا گیا کہ قربانی کا حکم جو اس امت مسلمہ کے لوگوں کو دیا گیا ہے یہ کوئی نیا حکم نہیں پچھلی سب امتوں کے ذمہ بھی قربانی کی عبادت لگائی گئی تھی پس خداوند قدوس ہی خدا ہے جس نے ان کو حکم دیا تھا اسی نے تم کو بھی حکم دیا پس اس کا کہا مانو اور قربانی کرو اور اس پر خاص اللہ ہی کا نام لو اور اسی طرح اس کی سب باتوں میں فرمانبرداری کرو۔ اس کے بعد اس کی پوری فرمانبرداری کرنے والوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مژدہ وخوشخبری دینے کا حکم دیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو رضائے الٰہی کی بشارت سنا دیجئے جو صرف اسی ایک خدا کا حکم مانتے ہیں اسی کے سامنے جھکتے ہیں۔ اسی پر ان کا دل جمتا ہے اور اسی کے جلال وجبروت سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اب چونکہ یہاں مخبتین یعنی اللہ کے احکام کے سامنے گردن جھکا دینے والوں کا ذکر آ گیا اس لئے آگے ان مخبتین کی بعض صفات بیان کی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مخبتین بندوں میں شامل فرمالیں اور اپنے احکام کے سامنے ہماری اطاعت سے گردنیں جھکی رہیں۔

یا اللہ اپنے احکام کی وقعت ہمارے دلوں میں پیدا فرما دیجئے۔ اور ہم کو ہر چھوٹے بڑے امر میں شریعت مطہرہ کی پابندی ظاہراً وباطناً نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! ہمیں بھی تقویٰ کی دولت عطا فرما اور شعائر اللہ کی حرمت وتعظیم نصیب فرما۔ یا اللہ اپنے جملہ احکام کی ہمیں فرمانبرداری نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ

جوایسے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دِل ڈر جاتے ہیں اور جو اُن مصیبتوں پر کہ اُن پر پڑتی ہیں صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٣٥﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ

اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے۔ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ

سوتم اُن پر کھڑا کر کے اللہ کا نام لیا کرو۔پس جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں تو تم بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی کو بھی کھانے کو دو۔

كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٦﴾ لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ

ہم نے اِن جانوروں کو اس طرح تمہارے زیرِ حکم کردیا تا کہ تم شکر کرو۔اللہ تعالیٰ کے پاس نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ اُن کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٧﴾

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا زیرِ حکم کردیا تا کہ تم اس بات پر اللہ کی بڑائی (بیان) کرو کہ اُس نے تم کو توفیق دی۔اور اے نبیؐ اخلاص والوں کو خوشخبری سُنا دیجئے۔

الَّذِينَ وہ جو	إِذَا جب	ذُكِرَ اللَّهُ اللہ کا نام لیا جائے	وَجِلَتْ ڈر جاتے ہیں	قُلُوبُهُمْ انکے دل	وَالصَّابِرِينَ اور صبر کرنیوالے	عَلَىٰ پر
مَا أَصَابَهُمْ جو انہیں پہنچے	وَالْمُقِيمِي اور قائم کرنیوالے	الصَّلَاةِ نماز	وَمِمَّا اور اس سے جو	رَزَقْنَاهُمْ ہم نے انہیں دیا		
يُنْفِقُونَ وہ خرچ کرتے ہیں	وَ اور	الْبُدْنَ قربانی کے اونٹ	جَعَلْنَاهَا ہم نے مقرر کئے	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنْ سے	
شَعَائِرِ اللَّهِ شعائر اللہ	لَكُمْ تمہارے لئے	فِيهَا اس میں	خَيْرٌ بھلائی	فَاذْكُرُوا پس لو تم	اسْمَ اللَّهِ اللہ کا نام	عَلَيْهَا ان پر
صَوَافَّ قطار باندھ کر	فَإِذَا پھر جب	وَجَبَتْ گر جائیں	جُنُوبُهَا انکے پہلو	فَكُلُوا تو کھاؤ	مِنْهَا ان سے	وَأَطْعِمُوا اور کھلاؤ
الْقَانِعَ سوال نہ کرنیوالے	وَالْمُعْتَرَّ اور سوال کرنیوالے	كَذَٰلِكَ اسی طرح	سَخَّرْنَاهَا ہم نے انہیں مسخر کیا	لَكُمْ تمہارے لئے	لَعَلَّكُمْ تا کہ تم	
تَشْكُرُونَ شکر کرو	لَنْ يَنَالَ ہرگز نہیں پہنچتا	اللَّهَ اللہ کو	لُحُومُهَا انکا گوشت	وَلَا اور نہ	دِمَاؤُهَا ان کا خون	وَلَٰكِنْ اور لیکن بلکہ
يَنَالُهُ اس کو پہنچتا ہے	التَّقْوَىٰ تقویٰ	مِنْكُمْ تم سے	كَذَٰلِكَ اسی طرح	سَخَّرَهَا ہم نے انہیں مسخر کیا	لَكُمْ تمہارے لئے	
لِتُكَبِّرُوا تا کہ تم بڑائی سے یاد کرو	اللَّهَ اللہ	عَلَىٰ پر	مَا هَدَاكُمْ جو اس نے ہدایت دی تمہیں	وَبَشِّرِ اور خوشخبری دیں	الْمُحْسِنِينَ نیکی کرنیوالے	

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیت مخبتین کو بشارت دینے پر ختم ہوئی تھی۔ مخبتین کے معنی ہیں عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر گردن جھکانے والے۔ گزشتہ آیت میں وبشر المخبتین فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا تھا کہ آپ ایسے لوگوں کو جو احکامِ الٰہیہ کے سامنے گردن جھکا دینے والے ہوں جنت وغیرہ کی خوشخبری سنا دیجئے۔ اب آگے مخبتین کی بعض صفات بیان کی جاتی ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ اللہ عزوجل کا ذکر سنتے ہی اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان کے دل اس کی عظمت وجلال کے تصور سے کانپ اٹھتے ہیں اور یہ اس کے سارے احکام بجالاتے ہیں۔

دوسری صفت بتلائی جاتی ہے کہ یہ لوگ مصائب و شدائد کو صبر واستقلال سے برداشت کرتے ہیں۔ کوئی سختی اٹھا کر راہِ حق سے قدم نہیں ڈگمگاتا۔

تیسری صفت بتلائی گئی کہ نماز کو پابندی اور اس کے حقوق و آداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اس میں ذرا سستی نہیں کرتے۔

چوتھی صفت بیان فرمائی کہ جو کچھ مال و دولت اللہ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اس میں سے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ایک حصہ خرچ کرتے ہیں۔ اس میں صدقہ خیرات۔ زکوٰۃ حج وقربانی اور دوسرے انفاق سب آ گئے۔

مضمون اوپر سے حج کے متعلق چل رہا تھا اور چونکہ بیت اللہ تک پہنچنے میں مصائب و شدائد بھی پیش آتے ہیں۔ سفر میں اکثر نمازوں کے قضا یا فوت ہو جانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ مال بھی کافی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے انہی اوصاف و خصائل کا یہاں ذکر فرمایا گیا۔ گزشتہ آیات میں مطلق شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہوا تھا۔ اب تصریحاً بتلایا جاتا ہے کہ اونٹ وغیرہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ ان کی ذات میں تمہارے لئے دنیا کے بھی فائدے ہیں اور اللہ نے انہیں اپنی یاد کا ذریعہ بھی بنایا ہے۔ ان کو اللہ کا پاک نام لے کر نحر یا ذبح کرو۔

یہاں آیت میں صرف اونٹوں کے نحر کا ذکر فرمایا ہے۔ اونٹ کی قربانی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کو لٹا کر ذبح نہیں کرتے بلکہ قبلہ رخ کھڑا کر کے اس کا ایک پاؤں زمین سے اٹھا کر گھٹنے سے ملا کر باندھ دیتے ہیں اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر نیزہ اونٹ کے سینہ سے ذرا اوپر مارتے ہیں۔ جب خون نکل جاتا ہے تو وہ کسی کروٹ گر پڑتا ہے۔ اس وقت اس کا گوشت کھال سے علیحدہ کرتے ہیں اور اسے نحر کہتے ہیں۔ تو اونٹ کو نحر کیا جاتا ہے اور گائے بکری بھیڑ کو لٹا کر ذبح کیا جاتا ہے۔ قربانی کے گوشت کے متعلق حکم دیا کہ خود بھی کھاؤ اور حاجت مندوں محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ یہاں محتاج کی دو قسمیں بیان فرمائیں، ایک جو صبر سے بیٹھا ہے۔ سوال نہیں کرتا۔ تھوڑا مل جائے تو اسی پر قناعت کرتا ہے۔ دوسرا جو بیقرار ہو کر سوال کرتا پھرتا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اونٹ و گائے وغیرہ ایسے بڑے جانور جو تم سے جثہ اور قوت میں کہیں زیادہ ہیں تمہارے قبضہ میں کر دیئے اور تمہارے لئے اس طرح مسخر کر دیئے کہ تم ان سے طرح طرح کی خدمات لیتے رہو اور کیسے آسانی سے ذبح بھی کر لیتے ہو۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا احسان ہے جس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ نہ یہ کہ شرک کر کے الٹی ناشکری کرو۔

اب آگے قربانی کی حقیقت اور اس کا اصل فلسفہ بیان کیا جاتا ہے۔ اسلام سے پہلے بھی حج اور قربانی کی رسم تھی مگر اس میں بہت سی بیہودہ باتیں اور شرک کے گندے طریقے داخل کر لئے تھے۔ مثلاً ایام جاہلیت میں جب قربانی کرتے تو بیت اللہ پر گوشت لتھیڑتے اور خون لیپتے تھے۔ ابتدا میں جب بعض مسلمانوں نے طریقۂ جاہلیت کے مطابق خانۂ کعبہ کو گوشت اور خون سے نجس کرنا چاہا تو ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی اور سمجھایا گیا کہ قربانی کا یہ گوشت پوست اور خون سب یہیں رہ جاتا ہے۔ اللہ تک اس کی رسائی نہیں۔ وہاں تو تمہاری نیتوں کا خلوص اور دل کا تقویٰ اور ادب پہنچتا ہے کہ کیسی خوشدلی اور جوشِ محبت کے ساتھ ایک قیمتی اور نفیس چیز اس کی اجازت سے اس کے نام پر اس کے گھر کے پاس لے جا کر قربان کی۔ گویا اس قربانی کے ذریعہ سے ظاہر کر دیا کہ ہم خود بھی تیری راہ میں اسی طرح قربان ہونے کے لئے تیار ہیں۔ بس یہی وہ تقویٰ ہے۔ جس کی بدولت خدا کا عاشق اپنے محبوبِ حقیقی کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔

اخیر میں بتلایا گیا کہ اللہ نے جانوروں کو تمہارا حکم بردار بنا دیا اس کے بدلہ میں تمہیں چاہئے کہ تم اللہ کے فرمانبردار بنو اور اس کے حکم سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر انہیں ذبح کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس

نے اپنی محبت اور عبودیت کے اظہار کی کیسی اچھی راہ بجھادی اور ایک جانور کی قربانی کو گویا خود تمہاری جان قربان کرنے کے قائم مقام بنادیا۔

گزشتہ آیات کے خاتمہ پر وبشر المخبتین فرمایا گیا تھا۔ یہاں وبشر المحسنین فرمایا گیا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ لوگوں کو کامیابی کی بشارت دے دیں جو ایمان واخلاص کے ساتھ نیک عمل کرتے ہیں۔ جن کے دلوں میں سچائی۔ نیتوں میں مرضی الٰہی کی طلب اور اعمال میں پاکیزگی ہو۔ ہر کام بوجہ اللہ کرتے ہوں۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ قربانی بھی شعائر الٰہیہ میں سے ہے مگر افسوس ہے کہ اب ایسے بھی نام کے مسلمان موجود ہیں کہ جو قربانی کا انکار کرتے ہیں اور قربانی سے روکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ ایک شعائر اسلامیہ کے منکر ہیں اور انکا قربانی سے روکنا کھلے طور پر دین اسلام میں مداخلت کرنا ہے۔ طرح طرح کے اشکالات اور اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان آیات میں قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے وہ صرف حاجیوں ہی کے لئے نہیں ہے اور صرف مکہ میں حج ہی کے موقع پر ادا کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام ذی استطاعت مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ جہاں بھی وہ ہوں۔ یہ تصریح متعدد صحیح احادیث میں بھی وارد ہوئی ہے اور معتبر روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے دس سالہ قیام میں ہر سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی فرماتے رہے اور تنبیہ ووعید کے طور پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص استطاعت رکھتا ہو پھر قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ قرآن پاک بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ جملہ عبادات کو خواہ وہ نماز روزہ ہو یا صدقہ وزکوٰۃ ہو یا حج وقربانی ہو۔ انہیں انہی شرائط کے ساتھ پورا کرنا چاہئے جو مقرر کردی گئی ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان سے کیا فائدہ ہے؟ نہ ان کی بابت تغیر وتبدل کا وہم پیدا کرسکتا ہے جملہ عبادات بندگی کی نشانیاں ہیں اور منعم حقیقی کے بتائے ہوئے طریقہ سے ان کو بجالانا چاہئے۔ ہمیں یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ قربانی میں کیا فائدہ ہے؟ کیا یہ فائدہ تھوڑا ہے کہ ہمارا مولا ہم سے اپنی بے چوں وچرا فرمانبرداری کرتے دیکھ کر خوش ہوجائے اور ہم کو اپنے مخبتین اور محسنین بندوں میں شمار فرمالے۔ بندہ کا کام تو یہی ہے کہ اپنے آقا کو خوش رکھے۔

اب جس وقت ان آیات کا نزول ہوا اور مخبتین اور محسنین کو احکامِ الٰہیہ اور شعائر اسلامیہ بجالانے پر بشارت سنائی گئی اس وقت کفار مکہ کا غلبہ تھا جو حسد وعناد میں اہل اسلام کو حج وعمرہ کے لئے مکہ میں آنے سے بھی روک دیتے تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہی صحابۂ کرام کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور حدیبیہ سے واپس ہونا پڑا تھا۔ تو یہ احکام حج وقربانی وغیرہ کو سن کر مسلمانوں کو خیال ہوسکتا تھا کہ ہم کو حالت موجودہ میں ان احکام پر کہاں عمل نصیب ہوگا۔ ہم کو خانۂ کعبہ اور حرم تک رسائی تو ہے ہی نہیں۔ اس لئے آگے اہلِ اسلام سے بطور پیشین گوئی کے ایک تسلی آمیز وعدہ فرمایا جاتا ہے جس میں کفار کے لئے وعید بھی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور جملہ عبادات کو اپنے مقرر کردہ طریقوں پر ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! تقویٰ اور اخلاص کی دولت ہم کو عطا فرما اور اپنے مخبتین اور محسنین بندوں میں شامل ہونا ہم کو نصیب فرما۔ یا اللہ! اپنے مخبتین بندوں کی صفات ہم کو بھی عطا فرمادے۔ اور ہمارے قلوب میں اپنی عظمت وجلال کا وہ خوف وخشیت جمادے جو ہم کو آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے۔ اور آپ کے سارے احکام بجالانے پر مستعد کردے۔ یا اللہ ہم کو ہر حال میں دین پر استقامت نصیب فرما اور ہم کو اپنی نمازوں کو جملہ حقوق وآداب کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اور جو آپ نے دنیا میں ہمیں عطا فرمایا ہے اس میں سے اپنی رضا کے لئے خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ اللَّهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرین کے غلبہ کو) ایمان والوں سے ہٹا دے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغاباز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا۔ لڑنے کی ان لوگوں کو

يُقٰتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَإِنَّ اللَّهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾

اجازت دے دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُن کے غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتا ہے

إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	يُدٰفِعُ دُور کرتا ہے	عَنِ سے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جولوگ ایمان لائے مومن	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا
كُلَّ کسی۔تمام	خَوَّانٍ دغاباز	كَفُوْرٍ ناشکرا	أُذِنَ اذن دیا گیا	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کو	يُقٰتَلُوْنَ جن سے لڑتے ہیں
بِأَنَّهُمْ کیونکہ وہ	ظُلِمُوْا ان پر ظلم کیا گیا	وَإِنَّ اور بیشک	اللَّهَ اللہ	عَلٰى نَصْرِهِمْ ان کی مدد پر	لَقَدِيْرُ ضرور قدرت رکھتا ہے

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ چند آیتوں میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ کفار مکہ نے عناد وحسد میں مسلمان قبائل کو مکہ میں حج کے لئے آنے سے روک دیا تھا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہی صحابۂ کرام کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور حدیبیہ سے واپس ہونا پڑا تھا۔ جب تک مسلمان مکہ میں رہے کفار مکہ کی طرف سے ایذارسانی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ مسلمانوں پر آوازے کستے طعنے دیتے۔ سخت سست کہتے۔ جہاں موقع ملتا انتہائی بے رحمی اور سنگدلی کے ساتھ مار پیٹ کرتے اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے کسی کا مال چھین لیتے مسلمان سے مزدوری کراتے تو اُجرت نہ دیتے مگر راسخ الاعتقاد مسلمانوں کا ایمان لوہے کی چٹان سے زیادہ مضبوط تھا۔ بڑی سے بڑی مصیبت اور ایذا سے ان کے یقین میں تزلزل نہ پیدا ہوتا مگر جب مار پیٹ اور زخمی کرنے کی تکلیفیں حد سے بڑھ گئیں تو مسلمانوں نے مختلف اوقات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہو کر مدافعانہ قدم اٹھانے کی درخواست پیش کرنا شروع کر دی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برابر صبر وضبط کی تلقین فرماتے رہے اور قتال وجدال کی اجازت نہ دی۔ جب بحکم وحی مکہ سے مدینہ کو ہجرت ہوگئی اور مسلمانوں کو مدینہ میں کچھ استقلال نصیب ہوا تاہم کفار کی درازدستیاں کم نہ ہوئیں۔ جس پر موقع اور قابو چلتا اکیلے دکیلے مسلمان کو مار لیتے۔ جو لوگ مکہ میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے رہ گئے تھے ان کو ایسی دکھ کی مار دیتے کہ بعض مسلمان شدت آلام کی وجہ سے جانبر نہ ہو سکے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور جہاد کا حکم دے دیا گیا۔ اجازت جہاد کے متعلق یہ پہلی آیت ہے۔ اس کے بعد پھر دوسری آیتیں جہاد کے حکم میں نازل ہوئیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکالا ہے۔ اب یہ ضرور ہلاک ہوں گے۔ چنانچہ مدینہ میں پہنچ کر سب سے اول جہاد کی اجازت کے متعلق جب آیت مذکورہ نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے پہچان لیا تھا کہ عنقریب قتال کا حکم ہوگا۔

ان آیات میں سب سے پہلے مسلمانوں سے بطور پیشین گوئی کے ایک تسلی آمیز وعدہ فرمایا جاتا ہے جس میں کفار کے لئے وعید بھی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ مسلمان مطمئن رہیں اللہ تعالیٰ عنقریب

دشمنوں سے ان کا راستہ صاف کردے گا۔ مسجد حرام تک پہنچنے اور اس کے متعلق احکام کی تعمیل کرنے میں کوئی مخالفانہ رکاوٹ باقی نہ رہے گی۔ بے خوف وخطر حج وعمرہ ادا کریں گے۔ گویا گزشتہ آیت میں وبشر المحسنین میں جو بشارت دینے کا امر تھا اس کی ایک فرد یہ خوشخبری بھی ہوئی۔ الحمدللہ جو پیشین گوئی یہاں فرمائی گئی وہ بجنسہ پوری ہوئی اور ان آیات کے چند سال بعد یعنی ۸ھ میں جب مکہ معظمہ فتح ہوگیا تو مسلمانوں کو حج وعمرہ کے ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ اگر کفار مکہ کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ دغاباز اور ناشکر گزاروں کو ایک خاص میعاد تک مہلت دی جائے تو یہ مت خیال کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو خوش آتے ہیں۔ یہ مہلت بعض مصالح اور حکمتوں کی بنا پر ہے۔ آخری انجام یہی ہونا ہے کہ اہلِ حق غالب ہوں گے اور باطل پرستوں کو راستہ سے چھانٹ دیا جائے گا۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین اور قرآنی احکام کے مطابق کامل تیرہ سال تک سخت مظالم کے مقابلہ میں بے مثال صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا اور جب مدینہ دارالاسلام بن گیا اور مسلمانوں کی ایک قلیل سی جماعت ایک مستقل مرکز پر جمع ہوگئی تو مظلوم مسلمانوں کو جن سے کفار برابر لڑتے رہتے تھے اجازت ہوئی بلکہ حکم ہوا کہ ظالموں کے مقابلہ میں اب تلوار اٹھائیں اور اپنی جماعت اور دین کی حفاظت کریں اور اطمینان دلایا گیا کہ اپنی قلت اور بے سروسامانی سے نہ گھبرائیں اللہ تعالیٰ مٹھی بھر فاقہ مستوں کو دنیا کی فوجوں اور سلطنتوں پر غالب کرسکتا ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک شہنشاہانہ طرز میں مسلمانوں کی نصرت وامداد کا وعدہ تھا۔ جیسے دنیا میں بادشاہ اور بڑے لوگ وعدہ کے موقع پر اپنی شان ووقار اور استغنا دکھلانے کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہاں تمہارا فلاں کام ہم کرسکتے ہیں اسی طرح یہاں " **ان اللہ علی نصرھم لقدیر** " یعنی اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے فرما کر یہ عنوان اختیار کیا گیا تا کہ مخاطب سمجھ لے کہ ہم ایسا کرنے میں کسی سے مجبور نہیں ہیں جو کچھ کریں گے اپنی قدرت اور اختیار سے کریں گے۔

آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے کہ جس بنا پر جہاد کی اجازت دی گئی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے ان وعدوں پر ہم کو بھی ایمان ویقین نصیب فرمائیں۔ اور اس وقت کفار نے جہاں جہاں اہلِ اسلام کو مظلوم بنا رکھا ہے اللہ پاک اپنی قدرت سے ان کی مدد فرمائیں اور کفار کے غلبہ کو اہل ایمان سے دور فرمائیں اور جہاد پر جو نصرت اور کامیابی کے وعدے اہل ایمان سے کئے ہیں وہ اس وقت بھی امت مسلمہ کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! جیسے آپ نے ابتداء میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد فرمائی اور مشرکین مکہ کے غلبہ اور ایذ رسانی سے اہل ایمان کو نجات عطا فرمائی۔

یا اللہ! اسی طرح اب بھی اپنی اسی قدرت سے اہلِ اسلام کی مدد فرمادے اور اعدائے دین کی طاقت کو ملیامیٹ فرمادے یا اللہ آپ اپنی قدرت واختیار سے جو چاہیں کرسکتے ہیں۔ یا اللہ اہل اسلام کو اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے سچا عزم جہاد نصیب فرما اور اپنی نصرت وتائید سے ان کو اعدائے دین پر غلبہ عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ

جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے سے

بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ کَثِیۡرًا ؕ

زور نہ گھٹواتا رہتا تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے۔

وَلَیَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۴۰﴾

اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے۔

الَّذِیۡنَ جو لوگ	اُخۡرِجُوۡا نکالے گئے	مِنۡ سے	دِیَارِهِمۡ اپنے گھر (شہروں)	بِغَیۡرِ حَقٍّ ناحق	اِلَّا مگر	اَنۡ یہ کہ	یَّقُوۡلُوۡا وہ کہتے ہیں
رَبُّنَا اللّٰهُ ہمارا رب اللہ	وَلَوۡ اور اگر	لَا دَفۡعُ دفع نہ کرتا	اللّٰهِ اللہ	النَّاسَ لوگ	بَعۡضَهُمۡ اُن کے بعض (ایک کو)		
بِبَعۡضٍ بعض سے (دوسرے)	لَّهُدِّمَتۡ تو ڈھادیئے جاتے	صَوَامِعُ صومعے	وَّبِیَعٌ اور گرجے	وَّصَلَوٰتٌ اور عبادت خانے			
وَّمَسٰجِدُ اور مسجدیں	یُذۡکَرُ ذکر کیا جاتا (لیا جاتا ہے)	فِیۡهَا ان میں	اسۡمُ اللّٰهِ اللہ کا نام	کَثِیۡرًا بہت۔بکثرت	وَلَیَنۡصُرَنَّ اور البتہ ضرور مدد کریگا		
اللّٰهُ اللہ	مَنۡ جو	یَّنۡصُرُهٗ اس کی مدد کرتا ہے	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَقَوِیٌّ طاقت والا توانا	عَزِیۡزٌ غالب	

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات کے سلسلہ میں بیان ہوا تھا کہ مکہ کے تیرہ سالہ دور میں اہل اسلام کو کفار سے جنگ اور قتل وقتال کی ممانعت تھی۔ لیکن ہجرت کے بعد جہاد کی اجازت کا حکم نازل ہو گیا اور ان کفار سے جو مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے جنگ کی اجازت ہو گئی اور ساتھ ہی غلبہ کی بشارت بھی اہل اسلام کو سنا دی گئی۔

اب آگے اہل اسلام کی مظلومیت اور جہاد کی حکمت اور اخلاص فی الجہاد پر غلبہ کی بشارت کو بیان کیا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مسلمان مہاجرین جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ان کا کوئی جرم نہ تھا۔ نہ ان پر کسی کا کوئی دعویٰ تھا بجز اس کے وہ اکیلے ایک خدا کو اپنا رب کیوں کہتے ہیں۔ اینٹ اور پتھروں کو کیوں نہیں پوجتے۔ گویا ان پر سب سے بڑا سنگین الزام اگر لگایا جا سکتا ہے تو یہی کہ وہ ایک خدا کے ماننے والے کیوں بنے۔ جس ظلم کے ساتھ ان اسلام کے شیدائی مہاجرین کو اپنے گھروں سے مکہ سے نکالا گیا اس کا اندازہ کرنے کے لئے چند واقعات سنئے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ رومی جب ہجرت کرنے لگے تو کفار مکہ نے ان سے کہا کہ تم یہاں خالی ہاتھ آئے تھے اور اب مالدار ہو گئے ہو۔ تم جانا چاہو تو خالی ہاتھ ہی جا سکتے ہو اپنا مال نہیں لے جا سکتے حالانکہ انہوں نے جو کچھ کمایا تھا وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا تھا۔ کسی کا دیا نہیں کھاتے تھے آخر وہ دامن جھاڑ کر کھڑے ہو گئے اور سب کچھ ظالموں کے حوالہ کر کے اس حال میں مدینہ پہنچے کہ تن کے کپڑوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔

۲۔ حضرت ام سلمہ اور ان کے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دودھ پیتے بچہ کو لے کر ہجرت کے لئے نکلے تو حضرت ام سلمہ کے خاندان والوں نے راستہ روک لیا اور ابو سلمہ سے کہا کہ تمہارا جہاں جی چاہے پھرتے رہو مگر ہماری لڑکی کو لے کر نہیں جا سکتے مجبوراً بیچارے بیوی کو چھوڑ کر مدینہ چلنے لگے پھر ابو سلمہ

کے خاندان والے آگے بڑھے اور انہوں نے کہا بچہ ہمارے قبیلہ کا ہے اسے ہمارے حوالہ کرو۔ اس طرح بچہ بھی ماں اور باپ دونوں سے چھین لیا گیا۔ تقریباً ایک سال تک حضرت ام سلمہ بچے اور شوہر کے غم میں تڑپتی رہیں اور آخر کار بڑی مصیبت سے اپنے بچہ کو حاصل کر کے مکہ سے اس حال میں نکلیں کہ اکیلی عورت گود میں بچہ لئے اونٹ پر سوار تھیں اور ان راستوں پر جا رہی تھیں جن سے مسلح قافلے بھی گزرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

۳۔ حضرت عیاش بن ربیعہ ابو جہل کے ماں جائے بھائی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ پیچھے پیچھے ابو جہل اپنے ایک بھائی کو ساتھ لے کر جا پہنچا اور بات بنائی کہ اماں جان نے قسم کھالی ہے کہ جب تک عیاش کی صورت نہ دیکھ لوں گی نہ دھوپ سے سایہ میں جاؤں گی نہ سر میں کنگھی کروں گی۔ اس لئے بس تم چل کر انہیں صورت دکھا دو پھر واپس آ جانا۔ وہ بیچارے ماں کی محبت میں ساتھ ہو لئے۔ راستہ میں دونوں بھائیوں نے انہیں قید کر لیا اور مکہ میں انہیں لے کر اس طرح داخل ہوئے کہ وہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور دونوں بھائی پکارتے جا رہے تھے کہ اے اہلِ مکہ اپنے اپنے نالائق بیٹوں کو یوں سیدھا کرو جس طرح ہم نے کیا ہے۔ کافی مدت تک یہ بیچارے قید رہے۔ آخر کار ایک جانباز مسلمان ان کو نکال لانے میں کامیاب ہوئے۔

اس طرح کے مظالم سے قریب قریب ہر اس شخص کو سابقہ پیش آیا جس نے اپنے ایمان اور اسلام کیلئے مکہ سے مدینہ کی ہجرت کی۔ ظالموں نے گھر بار چھوڑتے وقت بھی ان غریبوں اور مظلوموں کو خیریت سے نہ نکلنے دیا۔ اور کفار کا یہ تمام تر غیظ و غضب صرف توحید پر تھا جس کی وجہ سے مظلوموں کو وطن چھوڑنا پڑا۔

آگے جہاد کی حکمت بیان فرمائی جاتی ہے کہ اگر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ایک جماعت کو دوسری جماعت سے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ہوگی۔ اس نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا جماعت کے مقابلہ میں اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لئے جنگ کرتی رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لے کر بدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہ رہتا۔ بد دین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات اور یادگاریں صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے۔ کوئی عبادت گاہ۔ تکیہ۔ خانقاہ۔ مسجد۔ مدرسہ محفوظ نہ رہ سکتا۔ اس بنا پر ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہو جائیں قدرت کی طرف سے ایک وقت آئے جب نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے۔ بہرحال اس وقت مسلمانوں کو ظالم کافروں کے مقابلہ میں جہاد و قتال کی اجازت دینا اسی قانونِ قدرت کے ماتحت تھا اور یہ وہ عام قانون ہے جس کا انکار کوئی عقلمند نہیں کر سکتا۔ اگر مدافعت و حفاظت کا یہ قانون نہ ہوتا تو اپنے اپنے زمانہ میں نہ عیسائی راہبوں کی خانقاہیں قائم رہتیں۔ نہ نصاریٰ کے گرجے۔ نہ یہود کے عبادت خانے نہ مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے ہوتا ہے۔ یہ سب عبادت گاہیں گرا کر برابر کر دی جاتیں۔ بس اسی عام قانون کے ماتحت کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کو ایک وقتِ مناسب پر اپنے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔

اب آگے مجاہدین کی نصرت و مدد کا وعدہ فرمایا جاتا ہے مگر ایک شرط کے ساتھ۔ وعدہ تو ان تاکیدی الفاظ میں ہے کہ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا۔ آگے وہ شرط ہے یعنی جو اللہ کے دین کی مدد کریں گے۔ یہ مضمون قرآن پاک میں متعدد جگہ پر بیان ہوا ہے

کہ جو لوگ خلقِ خدا کو توحید کی طرف بلانے اور دین حق کو قائم کرنے اور شر کو مٹانے اور خیر کو فروغ دینے کی سعی و جدوجہد کرتے ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں تو یہاں اور قرآن پاک میں دوسرے مقامات پر نصرت و امداد کا صریح وعدہ ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ طلبگاران نصرت کو دین الٰہی کی مدد کرنی چاہئے یعنی جہاں تک ممکن ہو جان و دل سے کوشش کریں کافروں کا مقابلہ جفاکشی اور تندہی سے کریں اور کافروں کے مقابلہ کا مقصد حصول زر یا مال۔ حکومت و شہرت نہ ہو بلکہ دین کا غلبہ اور اسلام کی حمایت مدِ نظر ہو۔ آخر میں شک و شبہ اور وہم کو دفع کرنے کے لئے ان اللہ لقوی عزیز فرما دیا۔ ہوسکتا تھا کہ مسلمان اپنی کمزوری کو دیکھتے ہوئے کہتے کہ ہم تمام عرب کے کفار و مشرکین کے مقابلہ میں دین کی حمایت کیا کر سکتے ہیں۔ تعداد کم، سامان ابتر، اسلحۂ جنگ شکستہ۔ اُوپر سے فقر و فاقہ، اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ اللہ قوی اور غالب ہے۔ تم اس وقت کمزور ہو تو کیا ہے۔ تمہارا خدا تو قوی ہے۔ تم مغلوب ہو تو کوئی حرج نہیں تمہارا رب تو غالب ہے۔ اسی پر بھروسہ رکھو وہ تمہاری مدد کرے گا۔

اب یہ ظاہر ہے کہ یہ قرآنی وعدے جو نزول قرآن کے وقت تھے وہ اب بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ نے ایمان و یقین کے ساتھ اس پر عمل فرمایا۔ اور اللہ کے دین کی مدد کی شرط کو دل و جان سے پورا کیا۔ اللہ کی نصرت و حمایت ان کے شامل حال رہی۔ پھر دنیا پر ان کا وہ رعب داب اور غلبہ رہا اور غیب سے ایسی امداد ان کی فرمائی گئی کہ اسلامی تاریخ آج بھی گواہ ہے۔ اے کاش کہ اس وقت بھی امت مسلمہ کو ہوش آجائے اور اپنے کو ان قرآنی وعدوں کا مصداق بنالے اور اللہ کے دین کی مدد کے لئے دل و جان سے کھڑی ہو جائے۔ پھر اللہ کی نصرت بھی یقینی ہے۔

اب آگے مکہ کے ان مظلوم مہاجرین کی مخصوص صفات بیان کی گئی ہیں جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہم کو دین کی سچی سمجھ اور فہم عطا فرما اور دین حق کے لئے اپنے جان و مال کی قربانی دینے کا جذبہ صادق عطا فرما۔

اے اللہ! ان مہاجرین اولین کے صدق اور اخلاص کے طفیل میں جنہوں نے دین کے لئے سب کچھ قربان کر دکھایا۔ ہم کو بھی دین حق کی حمایت کی توفیق عطا فرما۔ دین کے لئے جینے اور مرنے کی سعادت نصیب فرما۔ اے اللہ! دین کی طرف سے آج امتِ مسلمہ جس غفلت میں پڑ گئی ہے اس غفلت کو دور فرما۔ اور پوری امت کو دین کی مدد کے لئے دل و جان سے کھڑا ہو جانے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم اُن کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور بُرے

عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱

کاموں سے منع کریں۔اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے

اَلَّذِيْنَ وہ لوگ جو	اِنْ اگر	مَّكَّنّٰهُمْ ہم دسترس دیں انہیں	فِى الْاَرْضِ زمین (ملک) میں	اَقَامُوا وہ قائم کریں	الصَّلٰوةَ نماز
وَ اور	اٰتَوُا الزَّكٰوةَ زکوٰۃ ادا کریں	وَاَمَرُوْا اور حکم دیں	بِالْمَعْرُوْفِ نیک کاموں کا	وَنَهَوْا اور وہ روکیں	عَنِ الْمُنْكَرِ بُرائی سے
وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	عَاقِبَةُ انجام کار	الْاُمُوْرِ تمام کام			

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیات میں مہاجرین اولین کی مظلومیت کا ذکر تھا کہ مسلمانوں کو ناحق مکہ سے جلاوطن کیا گیا۔ ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ اگر قصور تھا تو صرف یہ کہ وہ اللہ کی ربوبیت کے قائل تھے اور دوسروں کی ربوبیت کا انکار کرتے تھے۔ پھر جہاد کی حکمت و فائدہ بتلایا گیا تھا کہ اگر حق کے ذریعہ سے باطل کو شکست نہ ہوتی اور ظلم کی جگہ انصاف نہ لیتا تو تمام عبادت گاہیں یعنی حق پرستی کے مرکز تباہ ہو جاتے۔ نہ یہودیوں کے دور میں ان کی خانقاہیں قائم رہتیں نہ نصاریٰ کے زمانہ میں ان کے عبادت خانے اور نہ مسلمانوں کے زمانہ میں ان کی مسجدیں۔ غرض حق پرستی دنیا سے معدوم ہو جاتی۔ اگر انبیاء اور ان کی امتوں پر جہاد فرض نہ کیا جاتا اور تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی جاتی تو اہلِ کفر اللہ کی پرستش نہ کرنے دیتے۔ حضرت موسیٰ اگر فرعون اور عمالقہ کا مقابلہ نہ کرتے تو یہودیوں کے معبد برباد ہو جاتے اور شریعتِ موسوی قائم نہ رہتی۔ اگر عیسائیوں کو تلوار اٹھانے اور مقابلہ کرنے کا حکم نہ ہوتا تو یہودی ان کو کھا جاتے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کو جہاد کی اجازت نہ ہوتی تو کفار مکہ اور مشرکین عرب اور دنیا کی تمام غیر مسلم اقوام ان کو تباہ و برباد کر ڈالتے تو اقامتِ حق اور ابقاء صداقت کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ ظالموں اور جابروں کا مقابلہ کیا جائے اور قوت کے ساتھ ان کی دراز دستیوں کو روکا جائے۔

پھر اس کے بعد اخلاص فی الجہاد کو بتلایا گیا تھا یعنی کفار سے لڑنے میں خالص نیت اعلاء کلمۃ اللہ کی ہو جس پر غلبہ کی بشارت دی گئی تھی۔ اب آگے ان مہاجرین کی جو علمبردارِ حق تھے اور اعلان صداقت کی پاداش میں گھروں سے نکالے گئے تھے ان کے چند خصوصی اوصاف کا بیان ہے اور اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ مظلوم مسلمان جنہیں اپنے گھروں سے نکالا گیا ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں حکومت اور زمین کی سلطنت دے دیں تب بھی خدا سے غافل نہ ہوں۔ بذاتِ خود بدنی اور مالی نیکیوں میں لگے رہیں اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں۔ خود بھی نماز کی پابندی کریں۔ اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین کی حکومت عطا کی اور جو پیشین گوئی کی گئی تھی بحمد اللہ وہ حرف بحرف پوری اور سچی ثابت ہوئی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفائے اربعہ اور خلافتِ راشدہ کے زمانہ کے اکثر عمال و حکام انصاف اور عدل کے علمبردار تھے۔ نیکی اور خدا پرستی ان کا شعار تھی۔ ارکانِ دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں اُتری ہے۔ ہم بے سبب خارج از وطن کئے گئے تھے پھر ہمیں خدا نے سلطنت دی۔ ہم نے نماز روزہ کی پابندی کی۔ نیکیوں کے احکام دیئے اور برائی سے روک جاری کی پس یہ آیت ہمارے اور ہمارے ساتھیوں کے بارے میں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے خطبہ میں اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا اس میں صرف بادشاہوں کا بیان ہی نہیں بلکہ بادشاہ و رعایا دونوں کا بیان ہے۔ بادشاہ پر تو یہ ہے کہ حقوقِ خداوندی تم سے برابر لے۔ خدا کے حق میں کوتاہی کے بارہ میں تمہیں پکڑے اور ایک کا حق دوسرے سے دلوائے اور جہاں تک ممکن ہو تمہیں صراطِ مستقیم سمجھاتا رہے۔ تم پر اس کا یہ حق ہے کہ ظاہر و باطن خوشی خوشی اس کی اطاعت گزاری کرو۔ یہاں آیت میں اگرچہ چاروں حکم بحرفِ شرط بیان کئے گئے ہیں مگر فی الحقیقت طلبگارانِ حق اور داعیان جہاد کے لئے یہ حتمی حکم ہے کہ جب تم کو خدا تعالیٰ حکومت و تسلط عطا فرمائے تو نماز کی طرف سے غافل نہ ہونا۔ زکوٰۃ شرعی کو نہ چھوڑ دینا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں حکومت کے نشہ میں سرشار ہو کر فرض الٰہی کی ادائیگی سے غفلت ہو جائے۔ پھر ہر کارِ خیر کی اشاعت اور کارِ بد کی ممانعت سے بھی غافل نہ رہنا۔

یہ چاروں اوصاف جو اس آیت میں بیان فرمائے گئے اہلِ حق کے امتیازی اوصاف ہیں آگے **وللہ عاقبة الامور** اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے فرما کر یہ متنبہ کر دیا کہ گو آج مسلمان کمزور اور کافر غالب اور قوی نظر آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے کہ آخر کاران ضعفاء کو منصور و غالب کر دے اور مغرور و سرکش جو اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ وہ اپنے اقتدار میں بسنے والوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والے ہیں اور جن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ بھلا ان کی کرسی کا پایہ کون ہلاسکتا ہے اور ان کو نیچا کون دکھا سکتا ہے۔ اور جن کے دبدبے کے ڈنکے بج رہے ہوں وہ ایسے گرائے جاتے ہیں کہ دنیا کے لئے نمونۂ عبرت بن جاتے ہیں۔ اور اس کی مثالیں دیکھنے کے لئے آپ کو دور جانے کی ضرورت نہیں آپ اپنے ہی ملک کے گزشتہ فرمانرواؤں کو دیکھ لیجئے۔ الغرض قوت و اقتدار کا بخشنا اور اس کو قائم رکھنا یا ختم کر کے کسی اور کو اقتدار بخش دینا یہ سب دستِ قدرت میں ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت نے واضح کر دیا کہ قرآن کریم کے نزدیک مسلمانوں کے اقتدار اور حکومت کا اصلی مقصد کیا ہے۔ یہاں صاف وضاحت فرمائی گئی۔ کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار اور اس کی تائید اور نصرت کے مستحق لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ اگر دنیا میں انہیں حکومت اور فرمانروائی بخشی جائے تو بجائے فسق و فجور اور کبر و غرور کے انکا کردار اقامتِ صلوٰۃ اور احیائے دین ہو۔ ان کی دولت اپنے عیش و عشرت اور نفس پرستی کی بجائے ایتائے زکوٰۃ اور مستحقین کی امداد و خدمت میں صرف ہو۔ ان کی حکومت نیکی کو فروغ دینے کی خدمت انجام دے اور ان کی طاقت بدیوں کو دبانے میں استعمال ہو۔

غور کیجئے کہ اس آیت میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے کارکنوں اور کارفرماؤں کی صفات و خصوصیات کا جوہر نکال کر رکھ دیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت فی الحقیقت کس چیز کا نام ہے اور اسلامی احکام اور فرمانروا کیسے ہونے چاہئیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادی اپنی تقریر ماجدی میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

”کہ گورنمنٹ اگر مسلمانوں اور سچے مسلمانوں کی قائم ہو جائے تو مسجدیں آباد پر رونق ہو جائیں۔ ہر طرف سے صدائیں تکبیر و تہلیل کی گونجا کریں۔ بیت المال کے بعد کوئی ننگا

بھوکا نہ رہ جانے پائے۔ عدالتوں میں انصاف بکنے کی بجائے ملنے لگے۔ رشوت، جعلسازی، دروغ حلفی کا بازار سرد پڑ جائے۔ امیر کو کوئی حق۔ کوئی موقع غریب کی تحقیر کا، ایذا کا باقی نہ رہ جائے۔ غیبتیں۔ بدکاریاں چوریاں، ڈاکے خواب و خیال ہو جائیں۔ آبکاری کے محکمہ کو کوئی پانی دینے والا بھی نہ رہے۔ مہاجنی کوٹھیوں، سود خوار ساہوکاروں اور بینکوں کے ٹاٹ اُلٹ جائیں۔ گویئے نچیے اگر تائب نہ ہوں شہر بدر کر دیئے جائیں سینما، تھیٹر تمام شہوانی تماشہ گاہوں کے پردوں کو آگ لگا دی جائے گندہ، فحش، افسانہ و شاعری کی جگہ صالح و پاکیزہ ادبیات لے لیں۔ غرض یہ کہ دنیا دوبارہ کر بھی نمونۂ جنت بن جائے۔''

قرآن کریم جو آسمانی رحمت۔ سرچشمۂ ہدایت اور ذریعہ سعادت دارین ہے وہ بیشک ہم میں موجود تو اب بھی ہے۔ مگر اس لئے نہیں کہ ہمارے عقائد اور ہمارے اعمال و افعال سب اس کے مطابق اور ماتحت ہوں۔ قرآنی تعلیمات و ہدایات کو چھوڑنے اور ان سے منہ موڑنے کا نتیجہ یہی ہوا کہ امت میں نہ وہ وحدت باقی رہی نہ قوت۔ نہ وہ ایمان باقی رہا نہ یقین۔ کہیں ذلت کہیں محکومی اور مظلومیت، کہیں بے کسی اور لاچاری اور کہیں اعدائے دین کا تسلط، اور کہیں آپس ہی میں اختلاف اور افتراق یہ چیزیں ہمارے حصہ میں رہ گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قرآن کا تو وعدہ ہے۔ وا نتم الا علون ان کنتم مؤمنین (آل عمران ۱۴/۱۴۰) ''تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن رہے۔'' مگر افسوس ہے اور رونا ہے تو یہی ہے کہ اس بات کو کس کس سے کہا جائے؟ اور کس طرح کہا جائے؟ اور اب تو (یعنی بوقتِ نظر ثانی جب یہ درس لکھا جا رہا ہے) نوبت بایں جا رسید کہ ایسے منافقین پیدا ہو گئے ہیں کہ قرآن کریم ہی کو فرسودہ کتاب بتلانے لگے۔ اور جن کو اپنے مسائل کا حل اس چودہ سو سالہ پرانی کتاب میں نظر نہیں آتا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بس ان کے نزدیک روٹی، کپڑا اور مکان یہی سارا دین و اسلام رہ گیا ہے اسی کے لئے ان کو اقتدار اور قوت اور دولت و حکومت اور سلطنت چاہئے۔

مگر یہ واضح رہے اور روٹی کپڑے اور مکان کے طالب کان کھول کر سن لیں کہ ایک طرف اسلام کا لیبل لگا کر دوسری طرف دین اسلام کی درپردہ جڑیں کاٹنے کی فکر رکھ کر کبھی بھی جوان کے روٹی کپڑے اور مکان کے مسئلہ حل ہوں، اسی طرح روٹی کپڑے اور مکان کے لئے ہائے ہائے کرتے اور سر ٹیکتے مر جائیں گے۔ اور خسر الدنیا و الاخرۃ کے مصداق بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ ہدایت نصیب فرمائیں اور قرآن کریم سے ہمیں سچا اور پکا وفاداری کا تعلق نصیب فرمائیں۔

الغرض اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اگر کسی کو زمین میں حکومت اور سلطنت و اقتدار عطا کریں تو وہ صاحب حکومت اور صاحب اقتدار سے چار باتیں چاہتے ہیں۔

۱۔ ایک اقاموا الصلوٰۃ یعنی نماز قائم کرنا۔

۲۔ دوسرے واتواالزکٰوۃ زکوٰۃ کا ادا کرنا۔ ان دو باتوں میں تمام شعائر اسلام کے قائم کرنے کا اشارہ ہے۔

۳۔ تیسرے وامر وابالمعروف یعنی نیکیوں اور بھلے کاموں کا حکم کرنا۔

۴۔ چوتھے ونھوا عن المنکر یعنی منکرات اور برائیوں سے روکنا۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت و سلطنت کا اولین مقصد اقامت دین اور قوانین شریعت کا اجراء اور نفاذ ہے گویا اصل مقصود دین ہے اور حکومت اس کی خادم ہے۔

اس زیر تفسیر آیت جس کو آیت تمکین کہتے ہیں یہ ہجرت مدینہ

کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب کہ مسلمانوں کو کسی بھی زمین کی حکومت و اقتدار حاصل نہیں تھا مگر حق تعالیٰ نے یہ خبر بطور پیشین گوئی کے دے دی کہ وہ لوگ جن کو ان کے گھروں سے ظلماً بغیر کسی حق کے نکال دیا گیا یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو زمین میں حکومت و اقتدار دے دیا جائے تو یہ لوگ اپنے اقتدار کو ان مذکورہ چار کاموں میں صرف کریں گے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عمل کے وجود میں آنے سے پہلے اس کے عمل کرنے والوں کی مدح و ثنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی اس خبر کا جس کا وقوع یقینی تھا اس دنیا میں وقوع اس طرح ہوا کہ چاروں خلفائے راشدین مہاجرین اولین میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے وعدہ کے بموجب ان کو زمین کی تمکین عطا فرمائی اور قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق ان خلفائے راشدین کے اعمال و کردار اور کارناموں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ انہوں نے اپنے اقتدار کو اسی کام میں استعمال کیا کہ نمازیں قائم کیں۔ زکوٰۃ کا نظام مضبوط کیا۔ اچھے کاموں کو رواج دیا اور برے کاموں کا راستہ بند کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اسی لئے علمائے مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ خلفائے راشدین سب کے سب اسی بشارت کے مصداق ہیں اور یہ آیت چاروں خلفاء کے حق ہونے کی دلیل ہے اور اس آیت میں ان لوگوں کے لئے ہدایت بھی ہے جن کو اللہ تعالیٰ ملک و سلطنت عطا فرمائیں کہ وہ اپنے اقتدار میں یہ کام انجام دیں جو خلفائے راشدین نے اپنے وقت میں انجام دیئے تھے۔

اللہ تعالیٰ اس ملک پاکستان کو جو اسلام کے پاک نام سے وجود میں آیا، ایسے ہی صفات کے صاحب اقتدار نصیب فرمائیں، جو قرآن کریم کو مطلوب ہیں آمین۔

اب ان آیات کے نزول کے وقت کفار کی تکذیب اور جدال و قتال اور مسلمانوں پر اگلے ظلم و ستم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رنج و غم طبعاً ہوتا تھا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو اسلام و ایمان اور قرآن کی دولت عطا فرمائی ہے تو ان نعمتوں کی قدر اور سچی شکر گزاری کی توفیق بھی ہم کو عطا فرمائیں یا اللہ! اس ملک پاکستان کو جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا صحیح معنوں میں اسلامی حکومت بنادے اور یہاں قرآنی احکام کا نفاذ فرمادے۔

یا اللہ! یہ اسلام آپ کا دین ہے اور آپ کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں لایا ہوا ہے۔ یا اللہ! جس طرح آپ نے اس دین کی ابتدا میں مدد فرمائی اور کفار و مشرکین کے غلبہ کو ہٹا کر اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا۔

اے اللہ! اے قدیر رب! اب بھی اپنی اسی قدرت سے اسی طرح اسلام کی مدد فرمادے۔ اور اس ملک میں حقیقی اسلام کو غلبہ اور فروغ عطا فرمادے۔ اور مخالفین اسلام کی جڑیں کاٹ دے۔ ان کے عزائم ناکام بنادے۔ ان کے فتنہ و فساد سے اس ملک کو پاک کردے۔ اے اللہ! جو اس ملک میں اسلامی اور قرآنی حکومت قائم کرنے کے کوشاں ہیں۔ ان کی کوششوں کو بار آور فرمادے۔ اور منافقین و مخالفین کو ناکام، خاسر اور ذلیل فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ

اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو ان لوگوں سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم

وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ

اور قوم لوط اور اہلِ مدین بھی تکذیب کر چکے ہیں۔اور موسیٰ کو بھی کاذب قرار دیا گیا سو میں نے کافروں کو مہلت دی پھر میں نے اُن کو پکڑ لیا سو میرا

كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

عذاب کیسا ہوا۔غرض کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا جن کی یہ حالت تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ

اور بہت سے بیکار کنویں اور بہت سے قلعی چونے کے محل۔سو کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں جس سے ان کے دل ایسے ہوجاویں

يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى

کہ اُس سے سمجھنے لگیں۔بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ دِل جو سینوں میں ہیں

الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔

وَاِنْ اور اگر	يُكَذِّبُوْكَ تمہیں جھٹلائیں	فَقَدْ كَذَّبَتْ تو جھٹلایا	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	قَوْمُ نُوْحٍ نوح کی قوم	وَعَادٌ اور عاد		
وَثَمُوْدُ اور ثمود	وَ اور	قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ کی قوم	وَ اور	قَوْمُ لُوْطٍ قوم لوطؑ	وَ اور	اَصْحٰبُ مَدْيَنَ مدین والے	
وَكُذِّبَ اور جھٹلایا گیا	مُوْسٰى موسیٰ	فَاَمْلَيْتُ پس میں نے ڈھیل دی	لِلْكٰفِرِيْنَ کافروں کو	ثُمَّ پھر	اَخَذْتُهُمْ میں نے انہیں پکڑ لیا		
فَكَيْفَ تو کیسا	كَانَ ہوا	نَكِيْرِ میرا انکار	فَكَاَيِّنْ تو کتنی	مِنْ قَرْيَةٍ بستیاں	اَهْلَكْنٰهَا ہم نے ہلاک کیا انہیں	وَهِيَ اور یہ۔وہ	
ظَالِمَةٌ ظالم	فَهِيَ کہ وہ۔یہ	خَاوِيَةٌ گری پڑی	عَلٰى پر	عُرُوْشِهَا اپنی چھتیں	وَبِئْرٍ اور کنوئیں	مُعَطَّلَةٍ بے کار	
وَقَصْرٍ اور بہت محل	مَشِيْدٍ گچ کاری کے	اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا پس کیا وہ چلتے پھرتے نہیں	فِى الْاَرْضِ زمین میں	فَتَكُوْنَ جو ہوجاتے			
لَهُمْ ان کے	قُلُوْبٌ دل	يَعْقِلُوْنَ وہ سمجھنے لگتے	بِهَا ان سے	اَوْ یا	اٰذَانٌ کان	يَسْمَعُوْنَ سننے لگتے	بِهَا ان سے
فَاِنَّهَا کیونکہ درحقیقت	لَا تَعْمَى اندھی نہیں ہوتیں	الْاَبْصَارُ آنکھیں	وَلٰكِنْ اور لیکن بلکہ	تَعْمَى اندھے ہوجاتے ہیں			
الْقُلُوْبُ دل	الَّتِىْ وہ جو	فِى الصُّدُوْرِ سینوں میں					

تفسیر وتشریح:۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم میں مبعوث ہوئے تھے ابتداء اسی قوم کے اکثر افراد نے آپ کی سخت مخالفت کی۔کفار قریش آپ کی تکذیب اور اسلام دشمنی میں سب سے آگے تھے آپ نے قوم کو ہر طرح کی امکانی تبلیغ کی مگر اکثر اپنے

کفر و شرک پر جمے رہے۔ قوم کی اس سرکشی و نافرمانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعاً رنج و غم ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے ان آیات کا نزول ہوا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بتلایا گیا کہ کفار کی یہ سرکشی اور سرتابی اور یہ تمرد اور انکار یہ سب کچھ صرف آپ ہی کی قوم کا شیوہ نہیں بلکہ گزشتہ انبیاء کی امتوں کی بھی یہی کیفیت رہی ہے۔ قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی مخالفت کی۔ ثمود نے صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ بابل والوں نے ابراہیم علیہ السلام سے سرتابی کی۔ مدین والوں نے شعیب علیہ السلام کا انکار کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اگرچہ بنی اسرائیل نے نہ کی مگر فرعون اور اس کی قوم نے آپ کو نہ مانا، غرض یہ کہ سب انبیاء سلف کی امتوں نے اپنے اپنے پیغمبر کے ساتھ یہی کفر و تکذیب کا معاملہ کیا۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منکروں کا انکار آپ کے ساتھ کوئی نئی چیز نہیں۔ تمام انبیاء کے ساتھ ان کی قوم کے کفار یہی معاملہ برابر کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خدا نے ان کی فوری گرفت کر لی ہو بلکہ ایک وقت خاص تک کافروں کو مہلت دی اور جب مدت مہلت مقررہ گزر گئی تو پھر ان کی رسی کھینچ لی گئی۔ آخر تباہ و ہلاک ہوئے۔ گزشتہ میں کتنی ہی بستیاں اپنی نافرمانی و سرکشی اور بدکرداریوں کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں۔ ان کی آبادیاں مسمار پڑی ہیں۔ مکانات برباد ہیں اور دیواروں کے نیچے چھتیں دبی ہوئی ہیں۔ وہ کنوئیں جن پر پانی کھینچنے والوں کی بھیڑ رہتی تھی آج ان میں کوئی ڈول پھانسنے والا نہ رہا۔ کنوؤں کو قدیم تمدن و معاشرت میں بڑی اہمیت حاصل ہوتی تھی۔ اس لئے یہاں کنوؤں کا ذکر فرمایا گیا۔ وہ بڑے بڑے پختہ بلند عالی شان قلعی چونے کے محل ویران کھنڈر بن کر رہ گئے جن میں کوئی بسنے والا نہیں۔ ان تباہ شدہ مقامات کے کھنڈر دیکھ کر ان کفار نے کبھی غور و فکر نہ کیا جو ان کو عبرت حاصل ہوتی۔ ان کے دل انہیں نہیں سمجھاتے کہ گزشتہ قوموں نے کیا عمل کئے اور ان کا کیا انجام ہوا۔ کاش ان کو بصارت کے ساتھ بصیرت بھی ہوتی۔ گوش کے ساتھ ہوش بھی ہوتا۔ سیر کے ساتھ عبرت بھی ہوتی اور سیاحت کے ساتھ تدبر اور تفکر بھی ہوتا مگر دل کے اندھوں کو بینائی کیسے نصیب ہو۔ عقل کے مدہوش کو ہوش کہاں سے آئے اور غافل روح والوں کو فکر و ذکر کا حصہ کیسے ملے۔ گو ان کفار کی ظاہری آنکھیں کھلی ہوں۔ پر دل کی آنکھیں اندھی ہیں اور حقیقت میں زیادہ خطرناک اندھا پن وہی ہے جس میں دل اندھے ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) یہ کفار ظاہری آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہیں اور گزشتہ برباد شدہ قوموں کے حالات اور ان کی تہذیب و تمدن اور طور و طریق بھی جانتے ہیں لیکن سبق ان سے کچھ حاصل نہیں کرتے یہی دلوں کا اندھا پن ہے۔

الغرض یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ کی قوم جو آپ کے پیام کی اور آپ کی پیامبری کی تکذیب کر رہی ہے یہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں گزشتہ یعنی سارے پیغمبروں کو یہی معاملہ اپنی قوم کی طرف سے پیش آتا رہا۔ مگر ایسی نافرمان اور اپنے پیغمبر کی تکذیب کرنے والی قوم کو دنیا میں سزا بھی ملتی رہی ہے اور ان کی تباہی و بربادی کے نشان موجود ہیں مگر یہ منکرین اس سے کوئی عبرت اور سبق حاصل نہیں کرتے اور آپ کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں۔ اب ان منکرین میں سے بعض اہلِ عناد ایسے بھی تھے جو ان عذاب کی آیاتِ وعید کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں کہتے کہ جس عذاب سے ہم کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے اس کو کیوں نہیں جلدی برپا کر دیا جاتا۔ اس لئے آگے معاندین کے اس استہزاء اور استعجال کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ

اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن برابر ایک ہزار سال کے ہے

سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا

تم لوگوں کے شمار کے موافق۔اور بہت سی بستیاں ہیں جن کو میں نے مہلت دی تھی اور وہ نافرمانی کرتی تھیں پھر میں نے اُن کو پکڑ لیا

وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِينَ آمَنُوا

اور سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہوگا۔آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تو صرف تمہارے لئے ایک آشکارا ڈرانے والا ہوں۔سو جو لوگ ایمان لے آئے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا

اور اچھے کام کرنے لگے اُن کیلئے مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق کوشش کرتے رہتے ہیں

مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٥١﴾

ہرانے کے لئے۔ایسے لوگ دوزخ والے ہیں۔

وَ اور	يَسْتَعْجِلُونَكَ وہ تم سے جلدی مانگتے ہیں	بِالْعَذَابِ عذاب	وَلَنْ اور ہرگز نہیں	يُخْلِفَ خلاف کرے گا	اللَّهُ اللہ	وَعْدَهُ اپنا وعدہ	
وَإِنَّ اور بیشک	يَوْمًا ایک دن	عِنْدَ رَبِّكَ تمہارے رب کے ہاں	كَأَلْفِ سَنَةٍ ہزار سال کے مانند	مِمَّا اس سے جو	تَعُدُّونَ تم گنتے ہو		
وَ اور	كَأَيِّنْ کتنی ہی	مِنْ قَرْيَةٍ بستیاں	أَمْلَيْتُ میں نے ڈھیل کی	لَهَا ان کو	وَهِيَ اور وہ	ظَالِمَةٌ ظالم	ثُمَّ پھر
أَخَذْتُهَا میں نے پکڑا انہیں	وَإِلَيَّ اور میری طرف	الْمَصِيرُ لوٹ کر آنا	قُلْ فرمادیں	يَا أَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو!	إِنَّمَا اسکے سوا نہیں		
أَنَا میں	لَكُمْ تمہارے لئے	نَذِيرٌ مُبِينٌ ڈرانے والا آشکارا	فَالَّذِينَ آمَنُوا پس جو لوگ ایمان لائے	وَ اور			
عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ انہوں نے عمل کئے اچھے	لَهُمْ ان کیلئے	مَغْفِرَةٌ بخشش	وَرِزْقٌ اور رزق	كَرِيمٌ باعزت	وَ اور		
الَّذِينَ سَعَوْا جن لوگوں نے کوشش کی	فِي میں	آيَاتِنَا ہماری آیات	مُعَاجِزِينَ عاجز کرنے	أُولَٰئِكَ وہی ہیں	أَصْحَابُ الْجَحِيمِ دوزخ والے		

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ آیات میں کفار مکہ اور مشرکین عرب کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ اگرچہ دنیا میں گزشتہ کفار کی متعدد امتیں کفر و نافرمانی اور اپنے پیغمبر کی تکذیب کے باعث ہلاک و برباد کی جاچکی ہیں جس سے ان موجودہ کفار کو سبق لینا چاہئے تھا مگر چونکہ ان کے دل اندھے ہو رہے ہیں اس لئے ان کو اپنے کفر و نافرمانی کی سزا کا ملنا ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر یوں تو عام مشرکین آیاتِ وحی کا انکار کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے۔ روزِ قیامت اور حساب کتاب اور جزا و سزا کو غلط بتاتے مگر بعض اہلِ عناد اپنے انکار میں اس قدر مستحکم تھے کہ وہ آیاتِ وعید کو سن کر کہتے کہ جس عذاب سے ہمیں بار بار ڈرایا دھمکایا جاتا ہے اس کو کیوں نہیں جلد برپا کر دیا جاتا؟ انہی کے متعلق ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اس کو لے آنے کی جلدی مچاتے ہیں۔ اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا گیا کہ ان منکرین کو جواب دے دیا جائے کہ عذاب اپنے وقت پر یقیناً آ کر رہے گا۔ استہزاء اور تکذیب کی راہ سے جلدی مچانا فضول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان منکرین کو اپنے عذاب میں مبتلا کرنے کا وعدہ کرلیا ہے اور اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا اس لئے وعدے کے وقت عذاب ضرور واقع ہوگا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جس دن یعنی قیامت میں اصل عذاب واقع ہوگا اس کا ایک دن دنیا والوں کے شمار کے ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔ پھر ایسی مصیبت کو بلانے کے لئے یہ منکرین کیوں بیتاب ہیں۔ آگے بطور خلاصہ جواب کا ارشاد ہوتا ہے کہ سن لو بہت سی بستیوں کے لوگ ظلم پر کمر کسے ہوئے تھے اللہ نے بھی ان سے چشم پوشی کر رکھی تھی۔ جب اپنی نافرمانیوں میں خوب مست ہوگئے تو اچانک گرفت کرلی گئی اور عذاب میں پکڑ لئے گئے تو ان منکرین کو کتنی ہی مہلت مل جائے اور گو کتنی ہی ان کی رسی ڈھیل کی دراز ہوجائے مگر سب مجبور ہیں کہ سب کو حاضر ہونا اللہ ہی کے سامنے ہے۔ اس وقت کفر کی پوری سزا ہوگی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین ہوتی ہے کہ منکرین کے اس عذاب طلبی کے تقاضہ میں فرمادیجئے کہ میرا کام آگاہ کردینا، ہوشیار کردینا ہے۔ عذاب کا لے آنا میرے قبضہ میں نہیں۔ خدا ہی کے قبضہ میں ہے کہ سب مطیع و عاصی کا فیصلہ کرے اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جگہ پر پہنچائے۔ سو اب جو لوگ ایمان لے آئیں اور عمل صالح کرنے لگیں ان کے لئے مغفرت اور جنت کی نعمتیں ہیں اور جو لوگ اللہ کی آیات اور کلام کے متعلق بطلان کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کے رسول اور اہلِ ایمان کو ہرانے اور عاجز کرنے کے لئے ایسے لوگ جہنم میں رہنے والے ہیں پس عذاب سے ڈرانا میرا فرض منصبی ہے باقی اس کا وقوع یہ اپنے وقت پر باختیار خداوندی ہوگا۔ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں جو مجھ سے درخواست کیا کرتے ہو۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا کہ تمہارے رب کے نزدیک ایک دن قیامت میں تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے۔ اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ قیامت میں ایک دن شدت اور سختی کی بنا پر ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔ یا درازی مدت کے لحاظ سے ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔ ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فقراء مسلمان مالدار مسلمانوں سے آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے یعنی ۵۰۰ برس پہلے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا۔ آدھے دن کی مقدار کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: کہ تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا۔ جی ہاں پڑھا ہے اور یہی آیت وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون۔ سنائی (اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن برابر ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے موافق۔

ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے۔ ساتھ ہی کفار کو وعید عذاب جہنم کی سنائی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! آپ کی نافرمانی کا وبال یقیناً بڑا سخت ہے ہمیں اس وبال سے بچالیجئے۔ اور ہر طرح کی نافرمانی سے سچی توبہ کرکے کامل فرمانبرداری اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمادیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ

اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اُس نے کچھ پڑھا شیطان نے اُس کے پڑھنے میں شبہ ڈالا

اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۲

پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کردیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو زیادہ مضبوط کردیتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا حکمت والا ہے۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ

تا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کیلئے آزمائش (کا ذریعہ) بنادے جن کے دل میں مرض ہے اور جن کے دل بہت سخت ہیں۔

الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝۵۳ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

اور واقعی ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں۔اور تا کہ جن لوگوں کو فہم عطا ہوا ہے وہ اس امر کا زیادہ یقین کرلیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے

فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۵۴

سو ایمان پر زیادہ قائم ہوجاویں پھر اسکی اُن کے دل اور بھی جھک جائیں۔اور واقعی ان ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی راہِ راست دکھاتا ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ

اور کافر لوگ ہمیشہ اس کی طرف سے شک ہی میں رہیں گے یہاں تک کہ اُن پر دفعتہً قیامت آجاوے یا اُن پر کسی بے برکت دن کا

يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝۵۵ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

عذاب آپہنچے۔بادشاہی اُس روز اللہ ہی کی ہوگی۔وہ ان سب کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔سو جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور اچھے کام کئے ہوں گے

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۵۶ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۵۷

وہ چین کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا۔تو اُن کیلئے ذلت کا عذاب ہوگا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا اور نہیں بھیجا ہم نے	مِنْ قَبْلِكَ تم سے پہلے	مِنْ سے	رَسُوْلٍ رسول	وَلَا اور نہ	نَبِيٍّ نبی	اِلَّا مگر	اِذَا جب
تَمَنّٰى اس نے آرزو کی	اَلْقَى ڈالا	الشَّيْطٰنُ شیطان	فِيْ میں	اُمْنِيَّتِهٖ اس کی آرزو	فَيَنْسَخُ پس ہٹادیتا ہے	اللّٰهُ اللہ	مَا يُلْقِي جو ڈالتا ہے
الشَّيْطٰنُ شیطان	ثُمَّ پھر	يُحْكِمُ اللّٰهُ اللہ مضبوط کردیتا ہے	اٰيٰتِهٖ اپنی آیات	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	حَكِيْمٌ حکمت والا	
لِيَجْعَلَ تا کہ بنائے وہ	مَا يُلْقِي جو ڈالا	الشَّيْطٰنُ شیطان	فِتْنَةً ایک آزمائش	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے	فِيْ قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں میں		
مَرَضٌ مرض	وَ اور	الْقَاسِيَةِ سخت	قُلُوْبُهُمْ انکے دل	وَاِنَّ اور بیشک	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	لَفِيْ شِقَاقٍ البتہ سخت ضد میں	بَعِيْدٍ دور۔بڑی
وَلِيَعْلَمَ اور تا کہ جان لیں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	اُوْتُوا الْعِلْمَ علم دیا گیا	اَنَّهُ کہ یہ	الْحَقُّ حق	مِنْ رَّبِّكَ تمہارے رب سے		

فَيُؤْمِنُوْا تو وہ ایمان لے آئیں	بِهٖ اس پر	فَتُخْبِتَ تو جھک جائیں	لَهٗ اس کیلئے	قُلُوْبُهُمْ ان کے دل	وَاِنَّ اور بیشک	اللّٰهَ اللہ
لَهَادِ ہدایت دینے والا	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جو ایمان لائے	اِلٰى طرف	صِرَاطٍ راستہ	مُّسْتَقِيْمٍ سیدھا	وَلَا يَزَالُ اور ہمیشہ رہیں گے	
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	فِيْ میں	مِرْيَةٍ شک	مِّنْهُ اس سے	حَتّٰى یہاں تک	تَاْتِيَهُمُ آئے ان پر	السَّاعَةُ قیامت
بَغْتَةً اچانک	اَوْ يَاْتِيَهُمْ یا آجائے ان پر	عَذَابُ عذاب	يَوْمٍ عَقِيْمٍ منحوس دن	اَلْمُلْكُ بادشاہی	يَوْمَئِذٍ اس دن	لِّلّٰهِ اللہ کیلئے
يَحْكُمُ فیصلہ کرے گا	بَيْنَهُمْ ان کے درمیان	فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پس جو لوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے		
فِيْ میں	جَنّٰتِ النَّعِيْمِ نعمتوں کے باغات	وَ اور	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	وَكَذَّبُوْا اور جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیات کو	
فَاُولٰٓئِكَ پس وہی لوگ	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ مُّهِيْنٌ عذاب ذلت				

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیات سے کفار و مشرکین کا حال بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ کفار مکہ قرآنی آیات اور احکامِ الٰہیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ان میں طرح طرح کے شبہات و اعتراضات پیش کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کفار کی ضلالت انگیزیوں سے دکھ ہوتا۔ آپ کے حزن و ملال کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور صاف صراحت کر دی کہ ایسی حرکت کفار مکہ ہی آپ کے ساتھ نہیں کر رہے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء کو ایسے ہی بے دینوں سے واسطہ پڑا ہے جتنے انبیاء پہلے گزر چکے ہیں سبھی نے احکامِ الٰہیہ کو اپنی اپنی قوم کے سامنے بیان کیا اور پیامِ وحی پڑھ کر سنایا مگر شیطان کفار کے قلوب میں شبہ اور اعتراضات ڈالتا اور کفار ان ہی اعتراضات کو پیش کر کے انبیاء سے مجادلہ کرتے رہے ہیں شیطان نے ہمیشہ کافروں کے دلوں سے قول پیغمبر کے اثرات کو دور کرنے کی کوشش کی اور اپنی طرف سے طرح طرح کے خرافات ان کے دلوں میں ڈالتا رہا لیکن انجام کار اللہ کی آیات محکم اور دائم البقا ثابت ہوئیں۔ خدا کے احکام کو کوئی نہ مٹا سکا اور شیطانی وساوس والقاء چونکہ کمزور تھا اس لئے مٹ گیا حق کی فتح ہوئی اور باطل کو شکست۔ آگے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا تصرف جو دیا گیا اس کی حکمت بتلائی جاتی ہے کہ اس حق و باطل کی کشاکش اور وحی ربانی اور القائے شیطانی کے مقابلہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ صحیح الایمان اور پختہ عقیدت رکھنے والے نمایاں ہو جائیں اور جو ناقص الفہم شکی مزاج اور اہلِ نفاق ہیں ان کی حقیقت بھی کھل جائے۔ جو حق پرست مومن ہیں ان کے دلوں میں تو القاء شیطانی کی وجہ سے صداقت وحی میں شک و شبہ پیدا نہیں ہوتا لیکن جن کے دل روگی اور بیمار ہیں اور حق سے متاثر ہونے کا مادہ نہیں ہے۔ وہ القاء شیطانی کی وجہ سے وحی کی حقانیت کو شک کی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ پیامِ الٰہی کے خلاف ان کے دماغوں میں طرح طرح کے وسوسے گھومتے ہیں۔ تو جو لوگ توہمات کے خارزار میں نہیں پھنستے اللہ تعالیٰ انکو خود راہ مستقیم بتا دیتا ہے البتہ جن لوگوں کے دلوں میں شک و نفاق کا گندہ مواد جمع ہوتا ہے ان کو مرتے دم تک ہدایت نہیں ہوتی اور وہ بدوں مشاہدہ عذاب کفر سے باز آنے والے نہیں اور قیامت کے دن جس روز بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی ان سب مذکورین کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیا جائے گا اور وہ فیصلہ یہ ہوگا کہ جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور عمل صالح کئے ہوں گے وہ تو جنت کی نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا تو ان کے لئے جہنم میں ذلت کا عذاب ہوگا۔

یہاں ان آیات میں دل کے امراض اور دل کی سختی ان دو

چیزوں کی مذمت کی گئی اور یہ گویا کفار اور منکرین میں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ راہِ حق سے بھٹکتے رہتے ہیں اور ان کے مقابل علم وفہم کی تعریف فرمائی گئی جس کی وجہ سے ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت نصیب ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ دل کے امراض اور دل کی سختی سخت بری چیزیں ہیں اور ہلاک کرنے والی ہیں اور ان سے نجات کی فکر ہونی چاہئے۔ انہی دل کے امراض سے نجات کے لئے اہل اللہ اور بزرگانِ دین تزکیۂ نفس کراتے ہیں اور یہ امراض بغیر کسی معالج وطبیب روحانی کے دور نہیں ہو سکتے۔ اور اہل اللہ طبیب روحانی ہیں اس لئے اھل اللہ سے تعلق اور ان سے اپنے دل کا علاج بہت ضروری ہوا۔ پھر دین کی فہم اور دین کا علم یہ وہ لازوال دولتیں ہیں کہ جس کو حق تعالیٰ عطا فرمائیں تو اسی کو نصیب ہوتی ہیں۔

اب آگے اللہ کی راہ میں ہجرت وجہاد کرنے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نفس وشیطان کے وسوسوں سے ہمارے قلوب کو محفوظ رکھیں۔ اور ہم کو دین کی حقیقی فہم اور سمجھ عطا فرمائیں اور صراط مستقیم پر قائم رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس زندگی میں ایمان کے ساتھ ان اعمال صالح کی بھی توفیق عطا فرمائیں کہ جو خوشنودی رب العزت اور جنت نعیم میں ہمارے داخلہ کا ذریعہ بن جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا پھر وہ لوگ قتل کئے گئے یا مرگئے اللہ تعالیٰ ضرور اُن کو ایک عمدہ رزق دے گا

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ

اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے اچھا دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو ایسی جگہ لے جا کر داخل کرے گا جس کو وہ پسند کریں گے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا

حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ

بہت حلم والا ہے۔ یہ (مضمون تو) ہو چکا اور جو شخص اسی قدر تکلیف پہنچاوے جس قدر اس کو تکلیف پہنچائی گئی تھی پھر اس شخص پر زیادتی کی جاوے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ضرور امداد کرے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

اللہ تعالیٰ کثیر العفو کثیر المغفرت ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کردیتا ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

اور اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں

هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

وہ بالکل لچر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی عالی شان سب سے بڑا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا اور جن لوگوں نے ہجرت کی	فِيْ میں	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	ثُمَّ پھر	قُتِلُوْا مارے گئے	اَوْ یا	مَاتُوْا وہ مرگئے	
لَيَرْزُقَنَّهُمُ البتہ وہ انہیں رزق دے گا	اللّٰهُ اللہ	رِزْقًا رزق	حَسَنًا اچھا	وَ اور	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَهُوَ البتہ وہ	
خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ سب سے بہتر رزق دینے والے	لَيُدْخِلَنَّهُمْ وہ البتہ انہیں ضرور داخل کرے گا	مُّدْخَلًا ایسے مقام میں					
يَّرْضَوْنَهٗ وہ اسے پسند کریں گے	وَاِنَّ اور بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَعَلِيْمٌ البتہ علم والا	حَلِيْمٌ حلم والا	ذٰلِكَ یہ	وَمَنْ اور جو۔جس	
عَاقَبَ ستایا	بِمِثْلِ جیسے	مَا عُوْقِبَ اسے ستایا گیا	بِهٖ اس سے	ثُمَّ پھر	بُغِيَ عَلَيْهِ زیادتی کی گئی اس پر	لَيَنْصُرَنَّهٗ ضرور مدد کریگا اسکی	
اللّٰهُ اللہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَعَفُوٌّ البتہ معاف کرنے والا	غَفُوْرٌ بخشنے والا	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّ اس لئے کہ	اللّٰهَ اللہ	يُوْلِجُ داخل کرتا ہے
الَّيْلَ رات	فِي النَّهَارِ دن میں	وَيُوْلِجُ اور داخل کرتا ہے	النَّهَارَ دن	فِي الَّيْلِ رات میں	وَاَنَّ اور یہ کہ	اللّٰهَ اللہ	سَمِيْعٌ سننے والا
بَصِيْرٌ دیکھنے والا	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّ اس لئے کہ	اللّٰهَ اللہ	هُوَ الْحَقُّ وہی حق	وَاَنَّ اور یہ کہ	مَا جو۔جیسے	يَدْعُوْنَ وہ پکارتے ہیں
مِنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا	هُوَ وہ	الْبَاطِلُ باطل	وَاَنَّ اور یہ کہ	اللّٰهَ اللہ	هُوَ وہ	الْعَلِيُّ بلند مرتبہ	الْكَبِيْرُ بڑا

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ پر ایمان لا کر نیک کام کرنے والوں کو نعمتوں سے بھری ہوئی دائمی جنت ملے گی اور اللہ کے نہ ماننے والوں کو اور اس کی آیتوں کو جھٹلانے والوں کو ایسا دائمی عذاب پہنچے گا کہ اس سے نجات نہ مل سکے گی۔ اب یہاں

ان آیات میں مومنین میں سے ایک ممتاز جماعت کا خصوصی ذکر فرمایا گیا ہے اور وہ مہاجرین کی جماعت ہے۔ جو اللہ کے راستہ میں گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے ، مسلمان جب تک مکہ میں رہے صبر وتحمل سے مصیبتیں جھیلتے رہے انہیں اس وقت یہی حکم تھا کہ لڑیں نہیں اور صبر سے برداشت کرتے رہیں چنانچہ وہ اس حکم کی تعمیل دل وجان سے کرتے رہے۔ اس کے بعد انہیں ، حکم ہوا کہ وطن کو چھوڑ کر مدینہ چلے جاؤ تو وہ بلا چوں و چرا کمر باندھ کر اس کے لئے تیار ہو گئے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہجرت کر گئے اور یہ سب کچھ اللہ کے لئے کیا۔ ان کی یہ حکم برداری اللہ عزوجل کو بہت پسند آئی اس لئے انہیں خوشخبری دی جاتی ہے کہ جو لوگ خدا کے راستہ میں گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے خواہ وہ جہاد میں شہید ہوں یا ویسے ہی طبعی موت سے دنیا سے رخصت ہوں دونوں صورتوں میں اللہ کے ہاں ان کی خاص مہمانی ہوگی اور اللہ تعالیٰ انہیں خاص جزا دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیت اور عمل دونوں سے خوب واقف ہے۔ وہ ان کی کوتاہیوں اور فروگذاشتوں سے درگزر کرے گا کیونکہ وہ علیم وحلیم ہے اور ان کو ایسی جگہ پہنچا دے گا جو انہیں پسند ہوگی۔ اور یہ بھی اس کے علم میں ہے کہ انہیں کیسی جگہ پسند ہوگی اور اس نے پہلے ہی سے ان کی پسند کی جگہ تیار کر رکھی ہے جو انہیں عطا کی جائے گی۔

مہاجرین مکہ کی مظلومیت کا بیان گزشتہ دروس میں بھی ہو چکا ہے جہاں اللہ کی نصرت وحمایت کا وعدہ اور غلبہ کی بشارت بھی دی جا چکی ہے۔ مظلوم پر دو طرح کا ظلم ہوا کرتا ہے ایک یہ کہ ابتداء ظلم کیا جاوے دوسرے یہ کہ وہ مظلوم اس ابتدائی ظلم کا انتقام لے لے اور اس انتقام کی وجہ سے پھر اس کو ایذا پہنچائی جائے قسم اول کی مظلومیت پر وعدۂ نصرت گزشتہ آیات میں بیان ہو چکا، قسم دوم پر وعدۂ نصرت کی تصریح یہاں فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ مظلوم اگر ظالم سے واجبی بدلہ لے لے پھر از سر نو ظالم اس پر زیادتی کرے تو وہ پھر مظلوم ٹھہر گیا اس حالت میں حق تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور امداد فرمائے گا۔ یہاں اگرچہ بدلہ لینے کی اجازت دی ہے مگر اجازت کے بعد **ان اللہ لعفو غفور** (بیشک اللہ تعالیٰ کثیر العفو اور کثیر المغفرت ہے) فرما کر ترغیب عفو و درگذر کی دی گئی ہے کہ بندوں کو بھی چاہئے کہ اپنے ذاتی اور معاشرتی معاملات میں عفو و درگذر کی عادت سیکھیں۔ ہر وقت بدلہ لینے کے درپے نہ ہوں۔ اس وقت جب کہ ان آیات کا نزول ہوا ہے مسلمانوں کی حالت بے سروسامانی کی تھی اور کفار کی کثرتِ تعداد کے ساتھ مالی فراوانی کی حالت تھی۔ اس لئے ایسے حالات پر نظر کر کے مومنین کو غالب کر دینے کی قدرت جتلائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ اتنی بڑی قدرت والا ہے کہ رات دن کا اُلٹ پلٹ کرنا اور گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اُسی کے تصرف اور حکم سے کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ تو جو یہ انقلاب رات دن کا لاسکتا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ایک مظلوم قوم یا شخص کو امداد دے کر ظالموں کے پنجہ سے نکال دے بلکہ ان پر غالب اور مسلط کر دے۔ اوپر مسلمان مہاجرین کے ذکر کے بعد رات دن کے انقلاب لانے میں یہ اشارہ بھی فرمادیا کہ عنقریب حالات رات دن کی طرح پلٹا کھانے والے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ رات کو دن میں لے لیتا ہے اسی طرح کفر کی سرزمین کو اسلام کی آغوش میں داخل کر دے گا۔ اور بحمد اللہ ایسا ہی ہوا۔ آگے **وان اللہ سمیع بصیر** (اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے) فرما کر یہ جتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی مظلومیت اور کفار کی ظالمیت کو سنتا اور دیکھتا ہے۔ چونکہ جہلائے کفار کو اس مقام پر اپنے معبودین کے ناصر ہونے کا وہم ہو سکتا تھا اس لئے ان کا ناکارہ ہونا ارشاد فرماتے ہیں کہ واقع میں صحیح اور سچا خدا تو وہی ایک ہے باقی اس کو

چھوڑ کر خدائی کے جو دوسرے پاکھنڈ پھیلائے گئے ہیں سب غلط۔ جھوٹ اور باطل ہیں پس اسی کو خدا کہنا اور معبود بنانا چاہئے جو سب سے اوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالاتفاق اسی ایک اللہ معبود حقیقی کی ہے۔

یہاں مہاجر فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان فرمائی گئی اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو بشارت سنائی گئی اور اس بات کی صراحت فرمائی گئی کہ مہاجر فی سبیل اللہ خواہ اپنی طبعی موت سے مرے یا دشمن کے مقابلہ میں مارا جائے بہر حال وہ شہید ہے اور انعام شہادت اس کو ملے گا۔ اب یہاں آیت میں جن مہاجرین فی سبیل اللہ کا ذکر فرمایا گیا اور ان کی فضیلت بیان کی گئی بعض مفسرین کے نزدیک وہی مہاجرین اولین مراد ہیں جنہوں نے مکہ کی سکونت کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ بعض مفسرین نے ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ دونوں کو شامل فرمایا ہے لیکن بعض محقق مفسرین نے عام ہجرتِ اسلامی مراد لی ہے خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں کی گئی ہو یا قیامت تک کسی وقت میں بھی ہو۔ دین کے لئے راہِ خدا میں وطن اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر جانا ہجرت ہے۔ اگر چہ وہ ثواب اور درجہ اس ہجرت کا نہیں جو فتح مکہ سے پہلے وطن چھوڑنے والوں کے لئے تھا۔ تاہم ہجرت ضرور ہے۔ اور لفظ فی سبیل اللہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ خوشنودئ خدا حاصل کرنے اور دین کو بچانے اور اس پر آزادی سے عمل کرنے اور اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے ہجرت ہونی چاہئے۔ اگر نیت کا خلوص نہ ہوگا اور کوئی دنیوی طمع شامل ہوگی تو ہجرت کا ثواب نہ ملے گا۔ بخاری و مسلم کی مشہور حدیث ہے کہ اعمال نیت سے وابستہ ہیں۔ جو نیت وہی نتیجہ جس کسی کی ہجرت اللہ و رسول اور دین اسلام کے لئے ہوگی وہی ہجرت خدا اور رسول کے لئے کہلائے گی تو معلوم ہوا کہ ہجرت میں صدق نیت شرط ہے۔

الغرض یہاں توحید باری تعالیٰ کا بھی ذکر فرمایا گیا کہ وہی اپنی ہستی میں کامل ہے اور اسی کی عبادت و بندگی ہونی چاہئے۔

اب آگے اللہ تعالیٰ کے اور کمالات اور نعمتیں بیان فرمائی گئی ہیں جس سے توحید کی حقیقت اور شرک کا بطلان سمجھا جاسکتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے جیسے ابتداء میں مومنین کی مدد فرمائی اور ان کو کفار پر غلبہ عطا کیا۔ اسی طرح اب بھی اہلِ ایمان کی اور امت مسلمہ کے مہاجرین کی مدد فرمائیں اور غلبہ و کامیابی عطا فرمائیں۔ یا اللہ! آپ خیر الرازقین ہیں اپنی رحمت سے ہم کو دونوں جہان میں رزق حسن عطا فرمائیے یا اللہ! اپنی شان لعفوغفور کے طفیل سے ہمارے سب کے جملہ چھوٹے بڑے صغیرہ کبیرہ گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے۔ اور اپنی جنت میں خوش و خرم داخلہ نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! اپنی قدرتِ کاملہ کا ہم کو یقین کامل عطا فرما، اور اس وقت روئے زمین پر جہاں جہاں اہلِ اسلام مظلوم ہیں ان کو ظالموں کے پنجہ سے نجات عطا فرما۔ ظالموں کے عزائم کو ملیامیٹ فرما کر اور ان کو خاسر و نا کام فرما۔

یا اللہ! مظلوم اہلِ اسلام کی حمایت و نصرت فرمانے والے آپ ہی ہیں۔ آپ کی توحید پر وہ ایمان رکھتے ہیں، اپنی قدرت سے ظالموں کی گردن توڑ دے۔ اور مظلوم مسلمانوں کو غلبہ و اقتدار نصیب فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فتصبح الارض مخضرۃ ان اللہ لطیف

(اے مخاطب) کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین سرسبز ہوگئی۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت مہربان سب باتوں کی

خبیر ﴿۶۳﴾ لہ ما فی السموات وما فی الارض وان اللہ لھو الغنی الحمید ﴿۶۴﴾ الم تر

خبر رکھنے والا ہے۔ سب اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بیشک اللہ ہی ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے۔

ان اللہ سخر لکم ما فی الارض والفلک تجری فی البحر بامرہ ویمسک السماء

کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تم لوگوں کے کام میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں کو اور کشتی کو کہ وہ دریا میں اُس کے حکم سے چلتی ہے۔ اور وہی آسمان کو

ان تقع علی الارض الا باذنہ ان اللہ بالناس لرءوف رحیم ﴿۶۵﴾ وھو الذی

زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے ہاں مگر اُسی کا حکم ہو جائے تو خیر بالیقین اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے۔ اور وہی ہے جس نے تم کو

احیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ان الانسان لکفور ﴿۶۶﴾

زندگی دی پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو زندہ کرے گا۔ واقعی انسان ہے بڑا بے قدر۔

الم تر کیا تو نے نہیں دیکھا	ان اللہ کہ اللہ	انزل اُتارا	من سے	السماء آسمان	ماء پانی	فتصبح تو ہوگئی	الارض زمین
مخضرۃ سرسبز	ان بیشک	اللہ اللہ	لطیف نہایت مہربان	خبیر خبر رکھنے والا	لہ اسی کیلئے	ما جو کچھ	فی السموات آسمانوں میں
وما اور جو کچھ	فی الارض زمین میں	وان اور بیشک	اللہ اللہ	لھو البتہ وہی	الغنی بے نیاز	الحمید تمام خوبیوں والا	
الم تر کیا تو نے نہیں دیکھا	ان اللہ کہ اللہ	سخر مسخر کیا	لکم تمہارے لئے	ما جو	فی الارض زمین میں	والفلک اور کشتی	
تجری چلتی ہے	فی البحر دریا میں	بامرہ اسکے حکم سے	ویمسک اور وہ روکے ہوئے ہے	السماء آسمان	ان تقع کہ وہ گر پڑے		
علی الارض زمین پر	الا مگر	باذنہ اسکے حکم سے	ان اللہ بیشک اللہ	بالناس لوگوں پر	لرءوف بڑا شفقت کرنیوالا		
رحیم نہایت مہربان	وھو اور وہی	الذی جس نے	احیاکم زندہ کیا تمہیں	ثم پھر	یمیتکم مارے گا تمہیں	ثم پھر	
	یحییکم زندہ کرے گا تمہیں	ان الانسان بیشک انسان	لکفور بڑا ناشکرا				

تفسیر وتشریح:۔ قرآن پاک کا دستور ہے اور یہ طریقہ بلیغ اور مؤثر بھی ہے کہ چند احکام وعقائد کی تعلیم دے کر اس کے مقصد یعنی توحید ذاتِ باری تعالیٰ کی تلقین کرتا ہے کیونکہ توحید ہی دائرہ اسلامی کا مرکز اور دینی محور کا وسطی نقطہ ہے اسی سے اصول واحکام کے تمام خطوط مستقیم نکلتے ہیں۔

گزشتہ آیات میں کچھ حج کے احکام بیان ہوئے تھے۔ پھر ان کی کچھ تفصیل کی گئی تھی۔ اہل ایمان کے خصوصی اوصاف بھی بیان ہوئے تھے پھر ہجرت کرنے والوں کا ثواب بیان کیا اور کفار سے مقابلہ کرنے کی اجازت وتعلیم بھی دی۔ اب پھر اصل مدعا کی طرف رجوع فرمایا جاتا ہے۔

انسان کے فوائد دنیا میں تین طور پر ہیں (۱) ایک آسمان اور کائنات فضائی سے۔ (۲) دوسرے موجودات ارضی سے۔ اور (۳) تیسرے سمندروں اور دریاؤں کے پانی سے۔ انہی تینوں کا بیان ان آیات میں فرمایا گیا ہے۔ جس سے مقصود اپنی قدرت کی وسعت کو ظاہر فرماتا ہے۔ آخر میں انسان کی پیدائش اور موت کی قدرت دکھا کر حشرِ جسمانی اور وجود قیامت کو ثابت فرمایا گیا ہے۔ اس طرح ان آیات میں ربوبیت عامہ کو بتلا کر الوہیت کو ثابت کیا گیا اور الوہیت کو وحدانیت کے ثبوت کا ذریعہ قرار دیا۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ اگر زمین خشک رہتی۔ پانی نہ برستا۔ فضائی کائنات میں انقلاب و حرکت نہ پیدا ہوتی تو کس طرح انسان اس زمین پر زندہ رہ سکتا۔ یہ اللہ ہی کا احاطہ علمی ہے کہ انسانی زندگی کے قائم رکھنے کے لئے اس نے مختلف اسباب کو مرتب کر کے اور ایک دوسرے سے مربوط فرما کر پانی اتارا جس سے زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ پانی کے برسنے میں اس باب فضائی وارضی سب کو دخل ہے۔ آفتاب کی حرارت سے سمندروں سے بخارات اٹھتے ہیں درمیانی فضا میں ان کا پانی بن جاتا ہے پھر برس کر زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا کی قدرت ہمہ گیر ہے اور تمام عالم اسی کے دست قدرت میں ہے بلکہ اسی کی مملوک ومخلوق ہے۔ پھر آگے اپنی شانِ ربوبیت اور مخلوق پر شفقت ومہربانی کو جتلایا جاتا ہے کہ کس طرح زمین کی موجودات اور خشکی وتری کی چیزوں کو انسان کے قابو میں کر دیا کہ ہر چیز انسان کی خادم ہے۔ بہت سی چیزیں تو انسان کے ظاہری تصرف میں آتی ہیں مثلاً جانوروں کا گوشت و پوست۔ اون، چربی، دودھ وغیرہ انسان اپنے کام میں لاتا ہے۔ پھر بہت سے غلے۔ میوے، پھل، جڑی بوٹیاں، سبزیاں ترکاریاں، پھر قسم قسم کے پتھر وہ معدنیات سب انسان کے تصرف میں آتے ہیں۔ ان کے علاوہ غیر معروف چیزیں بھی انسانی ہستی کی فطری طور پر خادم ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت عامہ اور ربوبیت تامہ کی کھلی ہوئی دلیل ہے پھر پانی بھی انسان کا مسخر ہے۔ علاوہ دیگر وجوہ تسخیر کے انسان کے سفر کرنے کا ذریعہ ہے۔ انسانی تدبیروں سے کشتیاں اور جہاز پانی کی سطح پر چلتے ہیں۔ اس سے بھی اللہ کا احسان عظیم ثابت ہوتا ہے۔ یہ تو حصولِ فوائد کے ذرائع کا بیان ہوا۔ رہا دفع ضرر تو اس کی بھی بہت سی صورتیں ہی اور ایک باطل واضح بات یہ ہے کہ آسمان زمین پر نہیں گرتا اسی نے اپنے دست قدرت سے آسمان، چاند، سورج، ستاروں کو اس فضائے ہوائی میں بدوں کسی ظاہری کھمبے یا ستون کے تھام رکھا ہے جو اپنی جگہ سے نیچے نہیں سر کتے۔ ورنہ گر کر اور ٹکرا کر اس زمین کو پاش پاش کر دیتے۔ یہ بھی اسی کی مہربانی اور شفقت ہے ورنہ اگر آسمان گر پڑتا تو تمام دنیا تباہ ہو جاتی اور جب وقتِ مقررہ پر بحکم الٰہی آسمان ٹوٹے گا تو یقیناً دنیا تباہ ہو جائے گی۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو زندگی دی پھر وقت موعود پر تم کو موت دے گا اور پھر قیامت میں دوبارہ تم کو زندہ کرے گا تو ان تمام احسانات و انعامات کا اقتضا تو یہ تھا کہ لوگ توحید اور شکر ربانی اختیار کرتے مگر انسان ہے بڑا ناقدرا کہ اس پر بھی کفر وشرک سے باز نہیں آتا اور منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے جھکنے لگتا ہے۔

یہاں آیت کے آخری جملہ **ان الانسان لکفورٌ** میں انسان سے کفار ومشرکین لوگ مراد ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ظاہر مفہوم کے پیچھے ایک لطیف اشارہ بھی چھپا ہوا ہے۔ ظاہر مفہوم تو محض اللہ کی قدرت کا بیان ہے مگر لطیف اشارہ آسمان سے پانی برسا کر زمین کو سرسبز کر دینے میں یہ ہے کہ جس طرح بارش سے سوکھی زمین یکا یک لہلہا اٹھتی ہے اسی طرح وحی الٰہی کا جو بارانِ

رحمت آج ہو رہا ہے عنقریب تم کو یہ منظر دکھلانے والا ہے کہ یہی عرب کا بنجر ریگستان علم وعمل۔ اخلاق وتہذیب صالح کا وہ گلزار بن جائے گا کہ جو کبھی دیکھا نہ ہوگا اور اس طرح کفر وجہل سے جو قوم روحانی موت مر چکی تھی ایمان ومعرفت کی روح سے اس کو زندہ فرمادے گا۔ پھر جس طرح پانی ایک ہی ہوتا ہے لیکن زمین کے اختلاف کی وجہ سے اثرات مختلف پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگرچہ کتابِ الٰہی کی ہدایت ایک ہی ہے پیغمبر پیام برحق ایک ہی پہنچاتا ہے مگر دلوں کے استعداد کے تفاوت سے کہیں معرفت و صداقت کے خوشبودار پھول اور لذیذ وحسین پھل نمودار ہوتے ہیں اور کہیں خبثِ باطن اور عناد وضد کے مضرت رساں خاردار جھاڑ جھنکاڑ پیدا ہوتے ہیں۔ پروردگار عالم اپنی رحمت سے احکام مثل بادِ باراں نازل فرماتا ہے جن کے دلوں میں فطری صلاحیت اور استعداد ہوتی ہے وہ اس کا اثر قبول کرتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے معرفتِ الٰہیہ حاصل کرکے زندہ ہوجاتے ہیں لیکن جو محروم ازلی ہیں جن کے دلوں کی زمین شور وبنجر ہے یا پتھروں کی طرح سخت ہے ان پر فیضانِ رحمت کا کوئی اثر نہیں ہوتا جس طرح وہ پہلے خشک تھے ویسے ہی باقی رہتے ہیں۔ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی ہدایات اور اللہ کی کتاب کے فرامین واحکام کا یہ بنجر اور سخت دل والے کوئی اثر نہیں لیتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسی طرح کفر وشرک پر قائم رہتے ہیں اور دین اسلام کی ہر بات پر معترض ہوتے ہیں۔ اس پر آگے مشرکین کو زجر وتنبیہ کی جاتی ہے اور شرک کا رد فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے قلوب کو اپنے فیضانِ رحمت سے سیراب فرمادیں۔ اور ایمان ویقین اور عمل صالح والی زندگی عطا فرمائیں۔

یا اللہ! آپ کے اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جو احکامات وہدایات ہم کو پہنچیں ہم دل وجان سے ان کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے والے ہوں اے اللہ! دنیا کی کائنات کا ذرہ ذرہ ہمارے لئے آپ کی معرفت کا ذریعہ ہو اور ہم آپ کے احسانات اور انعامات پر آپ کے شکر گزار اور فرمانبردار بندے ہوں۔ اے اللہ! آپ نے جو زندگی ہم کو عطا فرمائی ہے اس کا لمحہ لمحہ اپنی مرضیات میں صرف کرنے کی توفیق عطا فرما اور حقیقی شکر گزاری کی سعادت عطا فرما۔

یا اللہ جب ہماری موت آئے تو ایمان اور اسلام کی موت نصیب ہو۔ اور مومنین مخلصین کے ساتھ ہمارا حشر ہو اور انہی کے ساتھ آپ کی جنت میں جانا نصیب ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ

ہم نے ہر اُمت کے واسطے عبادت کا ایک طریق مقرر کیا کہ وہ اسی طریق پر عبادت کیا کرتے تھے سوان لوگوں کو چاہیئے کہ آپ سے اس امر میں جھگڑا نہ کریں اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیئے

اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ

کیونکہ آپ یقیناً صحیح راستہ پر ہیں۔ اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا نکالتے رہیں تو آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

تمہارے درمیان قیامت کے روز فیصلہ دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے تھے۔ اے مخاطب کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جانتا ہے

مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾

جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ یقینی بات ہے کہ یہ سب نامۂ اعمال میں (بھی محفوظ) ہے۔ یقیناً یہ (فیصلہ کرنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسان ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی حجت نہیں بھیجی اور نہ اُن کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾

اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ ہر امت کیلئے	جَعَلْنَا ہم نے مقرر کیا	مَنْسَكًا ایک طریق عبادت	هُمْ وہ	نَاسِكُوْهُ اُس پر بندگی کرتے ہیں			
فَلَا يُنَازِعُنَّكَ سو چاہیے کہ تم سے نہ جھگڑا کریں	فِي الْاَمْرِ اس معاملہ میں	وَادْعُ اور بلاؤ	اِلٰى رَبِّكَ اپنے رب کی طرف	اِنَّكَ بیشک تم	لَعَلٰى پر		
هُدًى راہ	مُّسْتَقِيْمٍ سیدھی	وَاِنْ اور اگر	جٰدَلُوْكَ وہ تم سے جھگڑیں	فَقُلِ تو آپ کہدیں	اللّٰهُ اللہ	اَعْلَمُ خوب جانتا ہے	
بِمَا تَعْمَلُوْنَ جو تم کرتے ہو	اَللّٰهُ اللہ	يَحْكُمُ فیصلہ کرے گا	بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	فِيْمَا جن میں	كُنْتُمْ تم تھے	
فِيْهِ اس میں	تَخْتَلِفُوْنَ اختلاف کرتے	اَلَمْ تَعْلَمْ کیا تجھے معلوم نہیں؟	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مَا جو	فِي السَّمَآءِ آسمانوں میں	
وَالْاَرْضِ اور زمین	اِنَّ بیشک	ذٰلِكَ یہ	فِيْ كِتٰبٍ کتاب میں	اِنَّ بیشک	ذٰلِكَ یہ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	يَسِيْرٌ آسان
وَيَعْبُدُوْنَ اور وہ بندگی کرتے ہیں	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مَا جو	لَمْ يُنَزِّلْ نہیں اُتاری اس نے	بِهٖ اس کی	سُلْطٰنًا کوئی سند		
وَمَا اور جو۔جس	لَيْسَ نہیں	لَهُمْ ان کیلئے	بِهٖ اس کا	عِلْمٌ کوئی علم	وَمَا اور نہیں	لِلظّٰلِمِيْنَ ظالموں کیلئے	مِنْ نَّصِيْرٍ کوئی مددگار

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات کا مضمون اس بات پر ختم ہوا تھا کہ انسان جن سے مراد یہاں کفار ومشرکین ہیں اتنے عظیم احسانات وانعامات باری تعالیٰ دیکھ کر بھی اس کا حق نہیں مانتے اور منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں منکرین اسلام جو شریعتِ اسلامیہ کے احکام وجزئیات اور اصول وکلیات سب پر معترض رہا کرتے اور دین اسلام کی ہر بات میں جھگڑے نکالتے اس پر مشرکین کو زجر وتنبیہ کی جاتی ہے اور شرک کا رد فرمایا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جتنی امتیں پہلے گزریں ان کے لئے اللہ نے اپنی عبادت وبندگی کا ایک طریقہ مقرر کردیا

تھا۔ ہر زمانہ میں ہر قوم کے لئے جدا جدا شریعت نازل فرمائی گئی اور الگ الگ نبی آئے اور انہوں نے اپنی اپنی قوم کی رہنمائی کی۔ اسی طرح اس امت محمدیہ کے لئے بھی ایک خاص شریعت بھیجی گئی۔ اب یہ زمانہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ہے۔ آپ کی شریعت پر عمل کرنے کا ہے۔ آپ کے لائے ہوئے قوانین واحکام کو ماننے کا ہے۔ آپ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کا ہے۔ پھر اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے کبھی کسی دوسری چیز کی عبادت مقرر نہیں کی گئی اس لئے توحید وغیرہ میں جھگڑا کرنا کسی کو کسی حال زیبا نہیں آ گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ جب توحید جیسی کھلی ہوئی چیز میں بھی حجتیں نکالی جائیں تو آپ کچھ پروانہ کیجئے آپ جس سیدھی راہ پر قائم ہیں لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہئے اور خواہ مخواہ کے جھگڑے نکالنے والوں کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے وہ خود ان کی تمام حرکات سے واقف ہے قیامت کے دن ان کے تمام اختلافات اور جھگڑوں کا عملی فیصلہ کر دے گا۔

انسان کو معلوم ہونا چاہئے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس کے ذرہ ذرہ کا حال اللہ عز وجل کو معلوم ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ہر انسان کا عمل اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے اور یہی اعمال نامہ قیامت کے دن ہر ایک کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور اسی کے مطابق اس کو جزا سزا ملے گی۔ اور اتنی بے شمار چیزوں کا ٹھیک ٹھیک جاننا اور لکھ دینا اور اسی کے مطابق ہر ایک کا فیصلہ کرنا۔ ان میں سے کوئی بات اللہ کے ہاں مشکل نہیں جس میں کوئی تکلیف یا دقت اٹھانی پڑے۔ آخیر میں شرک کا رد فرمایا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا غیروں کی مشرکین جو بندگی و پرستش کرتے ہیں۔ یہ محض باپ دادوں کی کورانہ تقلید میں ایسا کرتے ہیں ورنہ کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں رکھتے۔ کسی عقیدہ یا عمل کی صداقت وحقانیت ثابت کرنے کے لئے دو ہی ذرائع ہیں نقلی یا عقلی۔ نقلی یہ کہ خدا تعالیٰ اپنے نبی کی معرفت اپنے کلام میں کسی عقیدہ وعمل کا حکم دے دے۔ عقلی یہ کہ عقل اور فطرت سلیمہ اس کی حقانیت کی شہادت دے۔ لیکن غیر اللہ کی پرستش کی اجازت تو کسی طرح ثابت نہیں۔ شرک فی العبادت کی اجازت نہ تو خدا نے اپنی کسی کتاب میں دی نہ عقل سلیم اس کی شہادت دیتی ہے تو سب سے بڑا ظلم اور بے انصافی یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔ ایسے ظالم اور بے انصاف لوگ خوب یاد رکھیں کہ ان کے باطل معبود مصیبت پڑنے پر کچھ کام نہ آئیں گے۔ نہ اور کوئی اس وقت مدد کر سکے گا۔

یہاں ان آیات سے ایک تعلیم تو یہ ملی کہ نزاع وجدال کی ممانعت ہے مگر نزاع وجدال اور چیز ہے اور مناظرہ اور چیز ہے۔ مناظرہ کی ممانعت نہیں۔ یہاں اسلام کے خلاف مجادلہ کرنے والوں کو اشارۃً تنبیہ کی گئی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حرکتوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ اس کی سزا دے گا تاہم دعوتِ الی الحق اور تبلیغ اسلام کا کام برابر جاری رکھا جائے گا جیسا کہ وادع الی ربک میں حکم دیا گیا ہے۔

پھر ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کو اس کے وقت میں ایک خاص شریعت اور کتاب دی جس کا اتباع اس امت پر اس وقت تک درست تھا جب تک کوئی دوسری امت اور دوسری شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ آ گئی اور جب دوسری شریعت آ گئی تو اتباع اس جدید شریعت کا کرنا ہے اگر اس جدید شریعت کا کوئی حکم پہلی شریعت کے خلاف ہے تو پہلے حکم کو منسوخ اور جدید حکم کو ناسخ سمجھا جائے گا۔ جدید صاحب شریعت سے کسی کو مجادلہ اور منازعت کی اجازت نہیں۔ موجودہ زمانہ میں جب کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مستقل شریعت لے کر آ گئے تو کسی سابق شریعت والے کو حق نہیں کہ آپ کی شریعت میں جدال ونزاع کرے۔ لہٰذا کسی نصرانی یا یہودی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ ہر شریعت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ لہٰذا زمانۂ اسلام میں بھی ہم شریعت موسویہ یا شریعت عیسویہ پر عمل کرتے رہیں تو مسلمانوں کو ہم سے اختلاف نہ کرنا چاہئے۔ تو یہ بات نہیں۔ اب تو پوری دنیا کے لوگوں کو یہ حکم ہے کہ شریعتِ محمدیہ کے قائم ہو جانے کے بعد کوئی اس شریعت کی مخالفت نہ کرے۔

ابھی مشرکین کی مذمت اور ردِ شرک کا مضمون اگلی آیات میں جاری ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ ۖ يَكَادُونَ

اور جب اُن لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو کہ خوب واضح ہیں پڑھ کر سُنائی جاتی ہیں تو تم ان کافروں کے چہروں میں بُرے آثار دیکھتے ہو۔قریب ہے کہ یہ اُن

يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۗ قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكُمُ ۗ النَّارُ

لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھ رہے ہیں۔آپ کہیئے کہ کیا میں تم کو اس (قرآن) سے بھی زیادہ ناگوار چیز بتلا دوں۔وہ دوزخ ہے

وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٧٢﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ

اس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے۔اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے

فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا

اُس کو کان لگا کر سُنو۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ ایک مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے گو سب کے سب بھی جمع ہو جاویں۔

لَهُ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴿٧٣﴾

اور اگر اُن سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو اُس سے چھڑا نہیں سکتے۔ایسا طالب بھی لچر اور ایسا مطلوب بھی لچر۔

مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٧٤﴾ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ

ان لوگوں نے اللہ کی جیسی تعظیم کرنی چاہیئے تھی وہ نہ کی اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے۔اللہ تعالیٰ منتخب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے

رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٧٥﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ

احکام پہنچانے والے اور (اسی طرح) آدمیوں میں سے یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔وہ ان کی آئندہ اور گذشتہ حالتوں کو خوب جانتا ہے۔

وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٧٦﴾

اور تمام کاموں کا مدار اللہ ہی پر ہے۔

وَإِذَا اور جب	تُتْلَىٰ پڑھی جاتی ہیں	عَلَيْهِمْ ان پر	آيَاتُنَا ہماری آیات	بَيِّنَاتٍ واضح	تَعْرِفُ تم پہچانو گے	فِي میں۔پر	وُجُوهِ چہرے
الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر)	الْمُنكَرَ ناخوشی	يَكَادُونَ قریب ہے	يَسْطُونَ وہ حملہ کردیں	بِالَّذِينَ ان پر جو	يَتْلُونَ پڑھتے ہیں		
عَلَيْهِمْ ان پر	آيَاتِنَا ہماری آیتیں	قُلْ فرمادیں	أَفَأُنَبِّئُكُم کیا میں تمہیں بتلادوں؟	بِشَرٍّ بدتر	مِّن سے	ذَٰلِكُمُ اس	النَّارُ وہ دوزخ
وَعَدَهَا جس کا وعدہ کیا	اللَّهُ اللہ	الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کیا	وَبِئْسَ اور بُرا	الْمَصِيرُ ٹھکانا	يَا أَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو!		
ضُرِبَ بیان کی جاتی ہے	مَثَلٌ ایک مثال	فَاسْتَمِعُوا پس تم سنو	لَهُ اس کو	إِنَّ بیشک	الَّذِينَ وہ جنہیں	تَدْعُونَ تم پکارتے ہو	
مِن دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوا	لَن يَخْلُقُوا ہرگز نہ پیدا کرسکیں گے	ذُبَابًا ایک مثال	وَلَوِ خواہ	اجْتَمَعُوا وہ جمع ہو جائیں	لَهُ اس کیلئے	وَإِن اور اگر	

يَسْلُبْهُمُ ان سے چھین لے	الذُّبَابُ مکھی	شَيْئًا کچھ	لَا يَسْتَنْقِذُوْهُ نہ چھڑا سکیں گے اسے	مِنْهُ اس سے	ضَعُفَ کمزور ہوا ہے	الطَّالِبُ چاہنے والا
وَالْمَطْلُوْبُ اور جس کو چاہا	مَا قَدَرُوا نہ قدر جانی انہوں نے	اللّٰهَ اللہ	حَقَّ قَدْرِهٖ اس کے قدر کرنے کا حق	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَقَوِيٌّ قوت والا	
عَزِيْزٌ غالب	اَللّٰهُ اللہ	يَصْطَفِيْ چن لیتا ہے	مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ فرشتوں میں سے	رُسُلًا پیغام پہنچانے والے	وَ اور	مِنَ النَّاسِ آدمیوں میں سے
اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	سَمِيْعٌ سننے والا	بَصِيْرٌ دیکھنے والا	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ انکے ہاتھوں کے درمیان آگے	وَمَا اور جو
	خَلْفَهُمْ ان کے پیچھے	وَ اور	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	تُرْجَعُ لوٹنا بازگشت	الْاُمُوْرُ سارے کام	

تفسیر و تشریح:۔ مشرکین کی مذمت اور رد شرک کا مضمون گزشتہ سے بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اب آگے منکرین اسلام اور اہل حق سے عناد رکھنے والوں کی ایک حالت بیان کی جاتی ہے۔ یہ ایک عام بات ہے کہ اہلِ عناد باطل پرست جاہل آدمیوں کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ جب ان کی جہالت پر ان کو متنبہ کیا جائے تو چونکہ ان کے پاس اپنے عقیدہ و عمل کا ثبوت پیش کرنے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہوتی اس لئے جہالت پر اتر آتے ہیں اور اہل حق سے سب وشتم اور ہاتھا پائی کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہی حالت مشرکین مکہ کی بھی تھی کہ جب ان کے سامنے قرآنی آیات تلاوت کی جاتیں جن میں توحید وغیرہ کا بیان ہوتا تو ان کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے اور چہرہ کا حلیہ بگڑنا شروع ہو جاتا۔ حتیٰ کہ شدتِ غیظ و غضب سے پاگل ہو کر چاہتے کہ آیات سنانے والے پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ کفار مکہ بعض اوقات ایسا کر بھی گزرتے۔

مشرکین کی تنبیہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ جو قرآن کی آیات سننے سے تمہیں کوفت اور جلن ہو رہی ہے تو اس سے کہیں بڑھ کر کوفت اور جلن ایک اور چیز سے تم کو ہوگی جس پر کسی طرح صبر ہی نہ کر سکو گے اور وہ سخت بری اور ناگوار چیز دوزخ کی آگ ہے جس کا وعدہ کافروں سے کیا جا چکا ہے۔ اب دونوں کا موازنہ کر کے فیصلہ کر لو کہ کونسا تلخ گھونٹ پینا تم کو نسبتاً آسان ہوگا۔

آگے بت پرستوں کی جہالت و حماقت ظاہر کرنے کے لئے اور توحید کے مقابلہ میں شرک کی برائی و قباحت جتلانے کے لئے ایک مثال بیان کی جاتی ہے جسے کان لگا کر غور سے سننے اور سمجھنے کی تاکید کی جاتی ہے تاکہ ایسی رکیک اور ذلیل حرکت سے مشرکین باز رہیں۔ بتوں کی بے بسی اور بے کسی اس طرح سمجھائی جاتی ہے کہ اللہ عزوجل نے اس ساری کائنات کو عجیب شان سے بنا کھڑا کیا لیکن ان بتوں کو تو ایک مکھی جو بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے وہ بھی بنانی نہیں آتی۔ یہ اکیلے اکیلے تو کیا اگر سب مل کر سر جوڑ کر بھی بیٹھ جائیں تب بھی ان میں اتنی قدرت نہیں کہ ایک مکھی کو پیدا کر دیں۔ اور پیدا کرنا تو در کنار یہ تو ایسے بے بس اور بے کس ہیں کہ جو مٹھائی ان بتوں پر چڑھائی جاتی ہے اس میں سے مکھیاں اپنی خوراک لے کر اور ان سے چھین کر جب اڑ جاتی ہیں یا بیٹھ کر مزے سے کھا جاتی ہیں تو ان میں اتنی طاقت نہیں کہ انہیں کھانے سے منع کر دیں یا جو کچھ وہ اٹھا کر لے جا رہی ہیں ان سے چھین لیں۔ تو ایسے مجبور اور بے بس اور بے کس بتوں کو خالق السمٰوٰت والارض کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی حماقت اور شرمناک گستاخی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور۔ مکھی سے زیادہ ان کے بت عاجز اور کمزور اور بتوں سے بڑھ کر ان کا پوجنے والا کمزور ہے۔ جس نے ایسی حقیر اور کمزور چیز کو اپنا معبود اور حاجت روا بنا لیا۔

اگر عقل سے سمجھتے تو ایسی گستاخی کیوں کرتے۔ کیا اللہ کی شان رفیع اور قدر ومنزلت اتنی ہے کہ ایسی کمزور چیزوں کو اس کا ہمسر بنادیا جائے؟

یہ تو توحید کی تحقیق تھی آگے رسالت کے متعلق کلام ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے رسالت کے لئے جس کو چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے۔ فرشتوں میں سے جن فرشتوں کو چاہے احکامِ الٰہیہ نبیوں کے پاس پہنچانے والے مقرر کردیتا ہے اور اسی طرح انسانوں میں سے جس کو چاہے احکام پہنچانے کے لئے مقرر کردینا ہے یعنی رسالت کا مدار انتخاب خداوندی پر ہے رہا یہ کہ انتخاب کسی ایک خاص کے ساتھ کیوں واقع ہوا تو اس کا ایک جواب تو **ان اللہ سمیع بصیر** کہہ کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں جس کو خدا اس منصب کے لئے انتخاب فرماتا ہے ان کی تمام باتوں کو اور ان کے ماضی و مستقبل کے تمام احوال کو دیکھتا ہے اس لئے وہی حق رکھتا ہے کہ جس کے احوال و استعداد پر نظر کرکے منصب رسالت پر فائز کرنا چاہے فائز کردے اور دوسرا جواب **والی اللہ ترجع الامور** یعنی تمام کاموں کا مدار اللہ ہی پر ہے فرما کردیا گیا یعنی وہ مالک مستقل بالذات اور فاعل مختار ہے اس کے ارادہ کے لئے کسی مرجع کی ضرورت نہیں پس سبب حقیقی ارادۂ خداوندی ہے جس کو چاہے نبوت سے سرفراز فرمائے۔

یہاں کفر وشرک کی مذمت کے ساتھ کافروں کے جاہلانہ سلوک کا اظہار فرمایا گیا کہ ان کو کلمۂ حق سننا بھی گوارا نہیں۔ ساتھ ہی مشرکوں کے عقیدہ کو باطل کرنے کے لئے بتوں کی انتہائی کمزوری، بے بسی اور لاچاری ظاہر کرکے بت پرستی کا استیصال فرمایا گیا اور ساتھ ہی معیار الوہیت **لقوی عزیز** فرما کر بتلایا گیا کہ مستحق الوہیت وہ ذات ہے جو قادر اور غالب ہو اور چونکہ کمال قدرت اور غلبۂ کامل سوائے خداوند قدوس کے کسی میں نہیں اس لئے خدا کے سوا کوئی معبود ہونے کا سزاوار بھی نہیں۔

یہاں سے ایک بات یہ ثابت ہوئی کہ نبوت و رسالت کسبی نہیں محض وہبی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے نبوت کے تاج سے سرفراز فرماتا ہے چونکہ یہاں آیت میں صرف انسانوں اور فرشتوں کی پیامبری کا تذکرہ ہے جنات کا کوئی ذکر نہیں اس لئے بعض مفسرین نے یہاں سے نکالا ہے کہ جنات نبی نہیں ہوئے نہ اپنی قوم کی اصلاح کے لئے نہ دوسروں کی ہدایت کے لئے۔

اب یہاں تک آیات میں اہل کتاب کفار ومشرکین کے عقائد واعمال کا رد و بطلان خوب طرح واضح کردیا تو اب خاتمہ پر روئے سخن مسلمانوں کی طرف فرمایا گیا اور امت اسلامیہ کی برتری ظاہر فرماتے ہوئے کچھ ہدایات دی گئیں جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔ اور اسی پر سورت کو ختم فرمایا گیا ہے۔

دعا کیجئے

قرآن پاک کی جو آیات ہمارے پڑھنے اور سننے میں آئیں ان سے ہمارے ایمان ویقین میں زیادتی ہو اور ان پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کی ہم کو توفیق نصیب ہو۔ یا اللہ! توحید حقیقی کی دولت ہم کو اس زندگی میں نصیب فرما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ہدایات واحکامات ہم تک پہنچیں ان کا اتباع وفرمانبرداری ہمیں نصیب فرما ظاہراً وباطناً۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو اُمید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے

تُفْلِحُوْنَ ۝۷۷ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي

اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے۔اُس نے تم کو ممتاز فرمایا اور تم پر

الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ

دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی مِلّت پر قائم رہو۔اُس (اللہ) نے تمہارا لقب مُسلم رکھا ہے

وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ

(نزولِ قرآن سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ تمہارے لئے رسول گواہ ہو۔

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۷۸ۧ

سوتم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو۔وہ تمہارا کارساز ہے سو کیا اچھا کارساز ہے اور کیا اچھا مددگار ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جو ایمان لائے	ارْكَعُوْا تم رکوع کرو	وَاسْجُدُوْا اور سجدہ کرو	وَ اور	اعْبُدُوْا عبادت کرو	رَبَّكُمْ اپنا رب	
وَافْعَلُوْا اور کرو	الْخَيْرَ اچھے کام	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تُفْلِحُوْنَ فلاح (دوجہان میں کامیابی) میں	وَجَاهِدُوْا اور کوشش کرو	فِي اللّٰهِ اللہ میں		
حَقَّ حق	جِهَادِهٖ اس کی کوشش کرنا	هُوَ وہ	اجْتَبٰىكُمْ اس نے تمہیں چنا	وَمَا اور نہ	جَعَلَ ڈالی	عَلَيْكُمْ تم پر	فِي الدِّيْنِ دین میں
مِنْ حَرَجٍ کوئی تنگی	مِلَّةَ دین	اَبِيْكُمْ تمہارے باپ	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ	هُوَ وہ	سَمّٰىكُمُ تمہارا نام کیا	الْمُسْلِمِيْنَ مسلم	
مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	وَ اور	فِيْ هٰذَا اس میں	لِيَكُوْنَ تاکہ ہو	الرَّسُوْلُ رسول	شَهِيْدًا تمہارا گواہ	عَلَيْكُمْ تم پر	وَتَكُوْنُوْا اور تم ہو
شُهَدَاۗءَ گواہ	عَلَي النَّاسِ لوگوں پر	فَاَقِيْمُوْا پس قائم کرو	الصَّلٰوةَ نماز	وَاٰتُوْا اور ادا کرو	الزَّكٰوةَ زکوٰۃ	وَ اور	اعْتَصِمُوْا مضبوطی سے تھام لو
بِاللّٰهِ اللہ کو	هُوَ وہ	مَوْلٰىكُمْ تمہارا مولیٰ (کارساز)	فَنِعْمَ سو اچھا ہے	الْمَوْلٰى مولیٰ	وَنِعْمَ اور اچھا ہے	النَّصِيْرُ مددگار	

تفسیر وتشریح:۔ یہ اس سورت کی آخری آیات ہیں۔گزشتہ آیات میں اس سورۃ میں ایمان و اسلام کے بڑے اور خصوصی اصول یعنی توحید و رسالت کا اثبات۔قیامت وحشر ونشر کا واقع ہونا اس زندگی کے اعمال کے مطابق آخرت میں جزاوسزا کا ملنا۔پھر ہر ایک کے متعلق منکرین کے شبہات و مجادلات کا جواب مذکور ہو چکا تو اب خاتمہ پر اہل ایمانؑ سے خطاب ہوتا ہے اور شریعت اسلامیہ کی برتری ظاہر فرما کر اہل اسلام کو ضروری ہدایات و تعلیم دی جاتی ہے۔اس امت کے فرائض یاد دلائے جاتے ہیں اور اخیر میں اہلِ ایمان کو ذاتِ باری تعالیٰ پر بھروسہ کرنے اور اس کی نصرت و اعانت طلب کرنے کی ترغیب و تعلیم دے کر سورت کو ختم فرمایا گیا ہے۔

گزشتہ آیات سے جو مضمون بیان ہوتا آ رہا تھا اس کا لب لباب اور خلاصہ یہی تھا کہ اللہ عزوجل سے بڑھ کر انسان کا مربی اور

ہادی کون ہوسکتا ہے؟ اسی کی ذات کو کمال علم۔ کمال قوت اور کمال قدرت حاصل ہے اس لئے اس کی ذات کو پہچاننے اس پر ایمان لانے۔ اور دل وجان سے اسی کی طرف جھکنے کی ہدایت فرمائی گئی تھی اور منکرین ومشرکین کو تنبیہ کی گئی تھی کہ اگر وہ سرکشی اور شرک وکفر پر قائم رہے تو اپنا ہی کچھ بگاڑیں گے اور دائمی عذاب سے واسطہ پڑے گا جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ مشرکین کے عقائد واعمال کا اچھی طرح ردو بطلان فرما کر اب اخیر میں مومنین کو مخاطب فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ تم اکیلے اپنے رب کی بندگی پر لگے رہو۔ اسی کے آگے جھکو۔ اسی کے آگے پیشانی ٹیکو اور اسی کے لئے دوسرے بھلائی کے کام کرو تا کہ دنیا اور آخرت میں تمہیں فلاح نصیب ہو۔ تو قبولِ اسلام کے بعد یہاں سب سے پہلے نماز اور پھر دوسری عبادتیں اور پھر اور نیکیاں کرنے کا حکم دیا گیا اور اس پر وعدہ دین ودنیا کی بھلائی کا فرمایا گیا۔ اور چونکہ **تفلحون** بغیر کسی تصریح اور قید کے فرمایا گیا ہے، اسلئے مفسرین نے اس سے دنیا وآخرت دونوں جہان کی بھلائی اور فلاح مراد لیا ہے۔ آگے ہدایت کی جاتی ہے کہ اللہ کے احکام بجالانے اور دین کے کاموں میں سستی اور بے دلی کو دخل نہ دو بلکہ ہر کام اللہ کا کام سمجھ کر پوری مستعدی۔ توجہ اور استحضار قلب اور اخلاص نیت کے ساتھ ہو۔

یہاں آیت میں **جاھدوا** کا لفظ آیا ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں کوشش کرو تو بعض مفسرین نے اس سے جہاد یعنی اعدائے اسلام سے جنگ کرنا اور ان کے مقابلہ میں تلوار اٹھانا مراد لئے ہیں لیکن بعض مفسرین نے اس کو عام معنی میں لیا ہے اس طرح مجاہدہ میں ہر قسم کی زبانی، قلمی، مالی، بدنی کوشش شامل ہے گویا مجاہدۂ نفس، مجاہدۂ قلب۔ مجاہدہ روح سب اس میں شامل ہیں اس طرح جہاد کی تمام قسمیں یعنی کفار سے جہاد۔ نفس سے جہاد۔ شیطان سے جہاد۔ باغیوں سے جہاد۔ ظالموں سے جہاد۔ بے دینوں سے جہاد۔ وغیرہ وغیرہ سب اس حکم میں شامل ہیں کہ اللہ کے دین کے لئے اور اللہ کے احکام بجالانے کے لئے اپنی جان و مال سب کچھ لگادو اور کیوں لگادو اس کی وجہ اور سبب بھی **ھو اجتبکم** فرما کر بتلا دی یعنی اللہ نے تم کو پسند کیا اور ممتاز فرمایا تو جس کو کوئی خاص ترجیح دی جاتی ہے وہ خدمت کے لئے زیادہ دوڑتا ہے۔

ھوا جتبکم کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو سب سے اعلیٰ اور افضل پیغمبر دیا۔ اور تمام شریعتوں سے اکمل شریعت عنایت کی۔ اور تمام دنیا میں خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے اس قوم کو چھانٹ لیا اور سب امتوں پر فضیلت بخشی تو گویا اللہ عزوجل کی بڑی عنایت ہے کہ اس نے دنیا بھر کے لوگوں میں اپنے کام کے لئے امت محمدیہ کو انتخاب کیا۔ یہ اہلِ اسلام کے لئے نہ مٹنے والا امتیازی نشان ہے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو دین اور طریق کار ایمان والوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ بالکل آسان ہے۔ دین میں کوئی ایسی مشکل نہیں رکھی کہ جس کا اٹھانا کٹھن ہو۔ احکام میں ہر طرح رخصتوں اور سہولتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ پھر طریقہ اور دین بھی کوئی اجنبی نہیں ہے۔ وہی طریقہ ہے جو تمہارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنیا میں رائج کیا۔ اس طریقہ پر چلنے والوں کا نام انہوں نے اللہ کے حکم سے مسلم رکھا اور یہی نام تمہارے لئے قرآن مجید نے بھی برقرار رکھا ہے اس لئے یہی وہ قدیم دین ہے جس پر تمہیں چلنا ہے۔ مسلم جس کے لفظی معنی ہیں حکم بردار اور وفا شعار یہ اس امت کا نام رکھا گیا۔ گو اور امتیں بھی مسلم تھیں مگر لقب یہ اسی امت کا ٹھہرا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہیں اس لئے ساری امت کے باپ ہوئے اسی لئے **ملت ابیکم ابراھیم** فرمایا گیا۔ کہ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو۔ تو اللہ عزوجل

18 نے اس امتِ مسلمہ کو جو یہ شرفِ انتخاب اور پسندیدگی عطا فرمایا اور آسان دین دیا یہ اس لئے کہ اس امت سے اس دنیا میں ایک بہت اہم کام لینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس امت کے پاس قرآن بھیجا اور فرمایا کہ تم اسلام کے علمبردار ہو تمہارا کام یہ ہے کہ اپنے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن پر عمل کرنا سیکھو اور اس کے بعد اپنا طریقہ دنیا بھر کے لوگوں کو سکھا دو اور اس پر چلنے کا راستہ بتا دو۔ یہ امت مسلمہ دنیا میں ہدایت کرنے والی آخری امت ہے۔ اس امت کے بعد کوئی اور ہدایت کرنے والی امت پیدا نہ ہوگی اس لئے کہ اس امت کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ قرآن کے بعد وحی کے ذریعہ کوئی اور کتاب نازل کی جائے گی پس ظاہر ہے کہ اللہ کی بہترین مخلوق یعنی انسان کی ہدایت کا کام اس امت مسلمہ ہی کو سنبھالنا پڑے گا۔

یہاں آیت میں لفظ شہیداً اور شہداء کا آیا ہے جس کے ایک معنی نگران کے ہیں اور اسی بنا پر مفسرین نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے جو اوپر بیان ہوئی بعض مفسرین نے شہید اور شہداء کو بمعنی گواہ لیا ہے۔ قیامت کے دن جب دوسری اُمتیں انکار کریں گی کہ پیغمبروں نے ہم کو تبلیغ نہیں کی اور پیغمبروں سے حق تعالیٰ گواہ طلب فرمائیں گے تو پیغمبر الٰہی امت محمدیہ کو بطور گواہ پیش فرمائیں گے۔ یہ امت گواہی دے کہ بے شک پیغمبروں نے دعوت و تبلیغ کر کے خدا کی حجت قائم کر دی تھی جب سوال ہوگا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا تو امت محمدیہ جواب دے گی کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع کی جس کی صداقت پر خدا کی کتاب قرآن کریم گواہ ہے۔ چنانچہ یہ گواہی قبول کی جائے گی اور کفار کو ملزم و مجرم ٹھہرایا جائے گا تو جن مفسرین نے شہید و شہداء بمعنی گواہ لئے ہیں انہوں نے یہ تفسیر کی کہ یہ فضل و شرف جو اس امت کو عطا ہوا اس لئے دیا گیا کہ اس امت کو ایک بڑے عظیم الشان مقدمہ میں بطور معزز گواہ کے کھڑا ہونا ہے۔

یا یھا الذین اٰمنوا کا خطاب جو اوپر شروع ہوا تھا وہ اس پر ختم ہوتا ہے کہ دیکھو انعام الٰہی کی قدر کرو۔ اپنے نام و لقب فضل و شرف کی لاج رکھو اور سمجھو کہ تم بہت بڑے اور خاص کام کے لئے کھڑے کئے گئے ہو۔ ذرا بھی قدم جادۂ حق سے ادھر ادھر نہ ہو۔ مولائے کریم کے فضل و رحمت پر اعتماد رکھو۔ تمام کمزور سہارے چھوڑ دو۔ تنہا اسی کو اپنا مولا اور مالک سمجھو اس سے اچھا مالک اور مددگار اور کون ملے گا۔

خلاصہ یہ کہ ان آیات میں اہلِ اسلام کو اعمالِ خیر کی ترغیب اور دین اسلام پر مضبوطی کے ساتھ جم جانے اور قائم رہنے کی تاکید فرمائی جاتی ہے جو نجات اور فلاح کا ذریعہ ہیں اور اعمالِ خیر میں تمام عبادات تمام خیرات و صدقات اور مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال سب داخل ہیں۔ یہاں ایمان کے بعد رکوع و سجود کا حکم دینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ نماز کے خصوصی ارکان ہیں تو ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز کا حکم دینے سے نماز کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا۔ جو اعمالِ خیر میں ایک بہترین عمل خیر ہے اور ساتھ ہی یہ بتلا دیا کہ دین اسلام بہت آسان دین ہے۔ اس پر عمل کرنا کسی حال میں مشکل اور دشوار نہیں لہٰذا اہل اسلام اور اہلِ ایمان کو چاہئے کہ دن رات سرگرم عبادت رہیں اور ملت ابراہیمی پر قائم و دائم رہیں اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہیں تاکہ مولائے برحق کی حمایت اور نصرت ان کے ساتھ رہے۔

اب یہاں یہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس امت کو کیا شرف اور کیا فضل عطا ہوا؟ اور کیا اس کے فرائض بتائے گئے؟ اور کس امر کی اس کو تعلیم و ہدایت دی گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ اس

خطاب کے صحیح اور سچے مخاطب حضرات صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین اور سلف صالحین ہی تھے جنہوں نے کہ اس شرف و فضل کا حق ادا فرمایا ایک اس چودہویں صدی کے ہم بھی مسلمان ہیں کہ کیا خوب اپنے نام، لقب فضل و شرف کی لاج رکھی کہ من حیث القوم نہ صرف فرائض و عبادات اور اہم احکامِ الٰہیہ اور شرائع اسلامیہ کو "ملاپن" کہہ کر اکثریت نے منہ موڑا۔ اور جملہ محرمات شرعیہ مثل سود۔ شراب، جوا، زنا، فسق و فجور، ناچ گانا، بے پردگی، بے حیائی، تھیٹر، سینما، بائیسکوپ اسکولوازمات زندگی اور ترقی کا زینہ ٹھہرایا۔ اور کچھ منافقین نے تو حد کر دی اور قرآن کریم ہی کو پرانی اور فرسودہ کتاب بتایا۔ استغفر اللہ۔

اس کے علاوہ ایک ہزار سال پہلے کے سلف صالحین۔ اور مومنین صادقین، سرفروش مجاہدین کو دیوانہ و وحشی قرار دیا۔ یہ داستان تو خون کے آنسو رلانے والی بہت طویل ہے۔ (یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہ درس اب سے تقریباً ۱۹ سال پہلے کا تحریر کیا ہوا ہے۔) بس انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے سوا اور کیا کہا جائے۔

افسوس صد افسوس ہماری مثال تو اس فوجی سپاہی کی سی ہے کہ جس کے ذمہ ملک اور قوم کی حفاظت و نگرانی سونپی گئی تھی مگر وہ اپنے فرائض اور ڈیوٹی کو تو بالکل بھول گیا اور غفلت کی نیند پڑ کر سو گیا۔ اس کی بلا سے ملک اور قوم پر جو بھی گزرے۔ مگر سمجھ لیجئے کہ ایسے غافل سپاہی کی گرفت اور پکڑ حاکم اور بادشاہ وقت کے ہاں کس طرح ہوگی اور کس درجہ کا وہ مجرم گردانا جائے گا اور کس سزا کا وہ مستحق ٹھہرایا جائے گا؟

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور اسلام جیسی نعمت کی قدر اور شکرِ نعمت کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

الحمد للہ کہ اس درس پر سورہ حج کا بیان ختم ہو گیا۔ اور اس طرح حق تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے آج سترہواں پارہ بھی ختم ہوا۔

دعا کیجئے: اے اللہ! آپ نے تو ہم کو امت مسلمہ میں پیدا فرما کر ہم پر بڑا احسان اور انعام فرمایا۔ ہم کو قرآن جیسی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نبی اور شریعتِ اسلامیہ جیسی شریعت عطا فرمائی۔ مگر ہم نے ان انعامات کی خاطر خواہ قدر نہ کی۔ اے اللہ! ہماری گزشتہ تقصیرات کو اپنی رحمت سے معاف فرما دے اور آئندہ کے لئے ہم کو عزم و ہمت عطا فرما دے کہ ہم نمازوں کے قائم کرنے والے ہوں اور آپ کی بندگی و عبادت کے بجا لانے والے ہوں۔ اے اللہ! ہم سے وہ اعمال کرا لیجئے جن کا مطالبہ ہمارا لقب "مسلم" کرتا ہے۔ اور اے اللہ ہم سے دین کی وہ خدمت لے لیجئے جس کا مطالبہ قرآن پاک کرتا ہے۔ اے اللہ آپ ہی ہمارے مولا ہیں آپ ہی ہمارے حافظ و ناصر ہیں۔ اے اللہ! اس امت مسلمہ پر رحم فرما اور اس کو اپنے نام و لقب کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! اس ملک میں اسلام کو فروغ و برتری عطا فرما۔ اور اس ملک کو صحیح معنی میں اسلامی ملک بنا دے۔ مخالفین اسلام اور منافقین کی گردن توڑ دے۔ ان کے عزائم ناکام فرما دے اور ان کی فتنہ پردازیوں کا خاتمہ فرما دے۔ اے اللہ! آپ ہی ہمارے حقیقی کارساز اور مددگار ہیں۔ آپ ہی کی اعانت اور نصرت سے ہماری دین و دنیا درست رہ سکتی ہے۔ یا اللہ! اب ہماری غفلتوں کو دور فرما دے اور ہم کو اپنا سچا بندہ بنا لے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار امتی ہونا نصیب فرما دے۔ اور آپ کی رسی کو مضبوط پکڑنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ

قَدْ اَفْلَحَ

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَّثَمَانَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝٢

باتحقیق اُن مسلمانوں نے فلاح پائی۔ جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ فلاح پائی (کامیاب ہوئے)	الْمُؤْمِنُوْنَ مومن	الَّذِيْنَ اور جو	هُمْ وہ	فِيْ صَلَاتِهِمْ اپنی نمازوں میں	خَاشِعُوْنَ خشوع (عاجزی) کرنیوالے

تفسیر و تشریح:۔ الحمدللہ اٹھارہویں پارہ کی ابتداء سے سورۂ مومنون کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس درس میں صرف دو ابتدائی آیات کی تشریح کی گئی ہے۔ پہلے سورۃ کا مقام، نزول، وجہ تسمیہ، موضوع و مباحث، تعداد آیات، رکوعات، کلمات و حروف بیان کئے جاتے ہیں۔ مؤمنون ایمان والوں کو کہتے ہیں چونکہ یہ لفظ اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں آیا ہے اور اس سورۃ میں ایمان والوں کی صفتیں بیان کی گئی ہیں اور ان کے اطوار و عادات بتلائے گئے ہیں اس لئے اس سورۃ کا نام المؤمنون ہے۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور مکی دور کے متوسط زمانہ میں اس کا نزول روایت کیا گیا ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۲۳ ویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۶۴ لکھا ہے یعنی ۶۳ سورتیں مکہ معظمہ میں اس سورت سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۲۶ سورتیں اس کے بعد مکہ میں نازل ہوئیں اور پھر ۲۴ سورتیں ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۱۱۸ آیات اور ۶ رکوعات اور ۱۰۷۰ کلمات اور ۴۵۳۸ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

اس سورۃ کی ابتداء میں مؤمنین کی چند صفات بیان کی گئی ہیں کہ اللہ و رسول پر ایمان لانے والوں میں یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت میں فلاح کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انسان کی پیدائش اور دوسرے آثارِ کائنات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جس سے مقصود یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ توحید اور معرفت الٰہی کی جس حقیقت کو تسلیم کرنے کا سبق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں اس کے برحق ہونے پر تمہارا اپنا وجود اور یہ پورا نظام عالم گواہ ہے۔ اللہ کی عبادت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی معرفت حاصل کی جائے اور یہ معرفت اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر جو دنیا میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں ہر عقلمند اور ذی ہوش حاصل کر سکتا ہے۔ پھر انبیائے سابقین اور ان کی اُمتوں کے قصے ذکر فرمائے گئے ہیں۔ جن سے کئی باتیں بتانی مقصود ہیں ایک یہ کہ آج دعوت نبوی پر جو شبہات و اعتراضات کئے جا رہے ہیں یہ باتیں پہلے بھی انبیاء پر جہلا کر چکے ہیں اور اسی طرح کے اعتراضات ان احمقوں نے بھی اپنے اپنے پیغمبروں پر کئے تھے۔ دوسرے یہ کہ توحید و آخرت کی تعلیم ایسی نہیں کہ جو بالکل نئی ہو اور جو دنیا نے کبھی سنی نہ ہو۔ یہ کوئی نرالی تعلیم نہیں۔ ہر زمانہ میں یہ صدائے حق اٹھتی رہی ہے۔ تیسرے یہ کہ حق کا انکار کر کے باطل پر اصرار کرنے والے اور انبیاء کی تکذیب پر جمے رہنے کا انجام آخر کار تباہی و ہلاکت ہوتا ہے۔ چوتھے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اول دین اسلام اس وقت سے دین الٰہی ہے جب سے انسان کے قدم زمین پر پہنچے ہیں۔ پھر انبیاء کے تذکروں کے بعد بتایا گیا ہے کہ دنیاوی خوشحالی مال و دولت۔ قوت اور اقتدار وغیرہ وہ چیزیں نہیں جو کسی شخص یا گروہ کے راہِ راست پر ہونے کی یقینی علامت ہو اور اس بات کی دلیل قرار دی جائیں کہ خدا اس پر مہربان ہے اور اس کا رویہ خدا کو پسندیدہ ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس کسی کا غریب اور خستہ حال ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ خدا اس سے اور اس کے رویہ سے ناراض ہے۔ اصل چیز جس پر خدا کے ہاں محبوب یا مغضوب ہونے کا مدار ہے وہ ایمان۔

خدا پرستی اور تقویٰ وراست بازی ہے۔ پھر بتلایا کہ جو اللہ اور رسول اور موت کے بعد زندگی۔ حساب کتاب۔ جنت و دوزخ، جزاء وسزا پر ایمان نہ لائے گا وہ مرنے کے بعد آخرت میں بہت پچھتائے گا۔ آخر میں انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ اس کی دنیا کی زندگی کوئی کھیل نہیں ہے۔ اس کو بیکار اور فضول باتوں میں نہ گنوانا چاہئے۔ قرآن مجید کی باتوں کو سچا مان کران پر عمل کرنا چاہئے اور اللہ عزوجل سے مغفرت و رحمت کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورت کا جس کی تفصیلات انشاءاللہ اگلے درسوں میں آئیں گی۔

اس سورۃ کی ابتداء **قد افلح المومنون** کے جملہ سے فرمائی گئی ہے یعنی یقیناً فلاح پائی یا کامیاب ہوئے ایمان والے۔ جس ماحول اور وقت میں اس سورۃ کا نزول ہوا ہے اور یہ کلام فرمایا جارہا ہے اس کو ذہن نشین رکھئے۔ اس وقت ایک طرف دعوت اسلام اور ایمان کے مخالف سرداران مکہ تھے جن کی تجارتیں چمک رہی تھیں جن کے پاس دولت کی فراوانی تھی جن کو اس وقت کے لحاظ سے دنیوی خوشحالی کے سارے لوازمات میسر تھے اور دوسری طرف اسلام کے پیروکار تھے جن میں سے اکثر تو پہلے ہی غریب اور خستہ حال تھے اور بعض جو اچھے کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے یا اپنے کاروبار میں پہلے کامیاب تھے ان کو بھی اسلام قبول کرنے کے بعد اب قوم کی مخالفت اور دشمنی اور مقاطعہ نے بدحال کردیا تھا۔ اس صورتِ حال میں یہ کلام فرمایا گیا **قد افلح المومنون۔** یقیناً فلاح پائی ہے ایمان والوں نے۔ فلاح عربی میں بڑے ہی وسیع معنی میں آتا ہے۔ دنیا و آخرت کی ساری ہی خوبیوں کا جامع ہے۔ یہ لفظ خسران کی ضد ہے جو ٹوٹے اور گھاٹے اور نامرادی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ تو جس ماحول میں یہ کلام فرمایا گیا اس سے کفار ومشرکین کے حق میں تو مطلب نکلا کہ تمہارا معیار فلاح غلط ہے۔ تم اپنی جس عارضی اور محدود خوشحالی کو فلاح سمجھ رہے ہیں وہ فلاح نہیں خسران ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو جو تم ناکام ونامراد سمجھ رہے ہو وہ

دراصل کامیاب وبامراد ہیں۔ اس دعوت حق کو مان کر انہوں نے خسارہ کا سودا نہیں کیا ہے بلکہ وہ چیز پائی ہے جو دنیا وآخرت دونوں میں ان کو پائیدار وخوشحال اور کامیابی سے ہمکنار کرے گی۔

تو یہاں فلاح کی پہلی شرط مومن ہونا بیان کی گئی اب آگے ان مومنین کی شان کیا ہے اور ان کی صفات کیا ہیں یہ بیان فرمائی گئی ہے۔ سب سے اول اور سب سے بڑی اور سب سے اہم صفت بیان فرمائی گئی۔

الذین هم فی صلاتهم خاشعون. جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے یعنی انتہائی فلاح اور اعلیٰ کامیابی انہیں مؤمنین کو حاصل ہوگی جو خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ خشوع کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف وہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا۔ قرآن پاک کی ایک دوسری آیت میں خشوع کو قلب کی صفت بتلائی ہے تو معلوم ہوا کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضائے بدن کا خشوع اس کے تابع ہے۔ جب نماز میں قلب خاشع وخائف ساکن اور پست ہوگا تو خیالات ادھر ادھر بھٹکتے نہیں پھریں گے۔ ایک ہی مقصود پر جم جائیں گے پھر خوف وہیبت اور سکون اور خضوع کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہوں گے مثلاً نگاہ پست رکھنا۔ ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا۔ ادھر ادھر نہ تاکنا۔ کپڑے یا داڑھی وغیرہ سے نہ کھیلنا وغیرہ وغیرہ اسی قسم کے افعال و احوال لوازم خشوع میں سے ہیں۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز بدوں خشوع کے صحیح ومقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ حضرت تھانویؒ نے اس جگہ یہ تحقیق لکھی ہے اور فرماتے ہیں ''خشوع کی حقیقت ہے سکون یعنی قلب کا بھی کہ خیالات غیر کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور جوارح کا بھی کہ عبث حرکتیں نہ کرے اور اس کی فرضیت میں کلام ہے مگر حق یہ ہے کہ صحت صلوٰۃ کا تو موقوف علیہ نہیں۔ اور اس مرتبہ میں فرض نہیں۔ اور قبول صلوٰۃ کا موقوف علیہ ہے اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔''

بہرحال یہاں فلاح پانے والے مومنین کی سب سے اول اور

پہلی صفت خشوع اور خضوع سے نمازیں پڑھنا بیان فرمائی گئی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کا حق تعالیٰ کے ہاں کیا درجہ ہے اور ایمان کے بعد اعمال میں کس قدر مہتم بالشان چیز ہے۔اور کون سی نماز حق تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ قرآن پاک میں خدائے تعالیٰ نے جابجا نصیحتیں کی ہیں بعض جگہ پیار کے الفاظ میں خطاب فرمایا ہے۔بعض جگہ رغبت اور شوق دلانے کا طریقہ اختیار کیا ہے بعض جگہ بندوں کو ڈرانے دھمکانے کی باتیں کیں ہیں لیکن کلام الٰہی میں ۷۰۰ جگہ صرف یہی نصیحت ہے کہ نماز قائم کرو۔یہ تو قرآن کی تاکید رہی اب احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات اس سلسلہ میں سن لیجئے۔ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادات میں سب سے پہلے نماز کو فرض فرمایا ہے اور سب سے پہلے اعمال میں سے نماز ہی پیش کی جاتی ہے اور سب سے پہلے قیامت میں نماز ہی کا حساب ہوگا اگر فرض نمازوں میں کچھ کمی رہ گئی تو نفلوں سے اسے پورا کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد اسی طرح روزوں کا حساب کیا جائے گا اور فرض روزوں میں جو کمی ہوگی وہ نفل روزوں سے پوری کی جائے گی پھر زکوٰۃ کا حساب اسی طریقہ پر ہوگا۔ان سب چیزوں میں نوافل کو ملا کر بھی اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگیا تو وہ شخص خوشی خوشی جنت میں داخل ہوجائے گا ورنہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا کہ جو شخص مسلمان ہوتا سب سے اول اس کو نماز سکھائی جاتی،ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھے، وضو بھی اچھی طرح کرے، خشوع وخضوع سے بھی پڑھے۔کھڑا بھی پورے وقار سے ہو پھر اسی طرح رکوع سجدہ بھی اچھی طرح سے اطمینان سے کرے۔غرض ہر چیز کو نہایت اچھی طرح ادا کرے تو وہ نماز نہایت روشن چمکدار بن کر جاتی ہے اور نمازی کو دعا دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ تیری بھی ایسی ہی حفاظت کرے جیسی تو نے میری حفاظت کی اور جو شخص نماز کو بری طرح پڑھے۔وقت کو بھی ٹال دے۔وضو بھی اچھی طرح نہ کرے تو وہ نماز بری صورت سے سیاہ رنگ میں بددعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسے تو نے مجھے ضائع کیا اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔اب یہاں ہم اپنی حالت پر غور کرلیں کہ اول تو اس زمانہ میں کتنے فیصدی مسلمان نمازی ہیں پھر ان میں سے کے فیصدی جماعت کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں۔پھر ان میں کے فیصدی وہ خوش نصیب ہیں جو خشوع وخضوع وآداب شرائط کے ساتھ اللہ کی اس اہم ترین عبادت کو ادا کرتے ہیں جوان کے لئے دعا کرتی ہے۔**اللّٰھم اجعلنا منھم۔**

ایک حدیث میں جس کو حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اس امت سے اٹھ جائے گی یعنی سلب کرلی جائے گی وہ خشوع ہے۔یہاں تک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہ آئے گا۔اللہ تعالیٰ یہ وقت ہمیں نہ دکھائے۔

یہ تو ایک صفت بیان ہوئی بقیہ صفات اگلی آیات میں بتلائی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ پاک ہماری نمازوں کو دین ودنیا کی صلاح وفلاح کا ذریعہ بنادیں۔اور جو اس فرض سے غفلت میں ہیں اللہ پاک ان کو ہدایت فرمائیں کہ وہ نماز کے ادا کرنے والے بن جائیں۔

یا اللہ! نماز کی جو اہمیت اور فرضیت ہے اس کو اہلِ اسلام کے دلوں میں بٹھادے اور نماز سے جو غفلت عام ہورہی ہے اس کو دور فرمادے۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ

اور جو لغو باتوں سے برکنار رہنے والے ہیں۔اور جو (اعمال و اخلاق میں)اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔اور جو

هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ

اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھنے والے ہیں۔لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی)لونڈیوں سے کیونکہ اُن پر کوئی الزام نہیں۔

غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ

ہاں جو اس کے علاوہ طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں۔اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھنے والے ہوں۔

رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ

اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے۔ وہ اس میں

الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	عَنِ اللَّغْوِ لغو بیہودہ باتوں سے	مُعْرِضُوْنَ منہ پھیرنے والے	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ		
لِلزَّكٰوةِ زکوٰۃ کو	فٰعِلُوْنَ ادا کرنے والے	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	لِفُرُوْجِهِمْ اپنی شرمگاہوں کی	حٰفِظُوْنَ حفاظت کرنیوالے		
اِلَّا مگر	عَلٰى پر سے	اَزْوَاجِهِمْ اپنی بیویاں	اَوْ یا	مَا مَلَكَتْ جو مالک ہوئے	اَيْمَانُهُمْ ان کے دائیں ہاتھ	فَاِنَّهُمْ پس بیشک وہ	
غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ کوئی ملامت نہیں	فَمَنِ پس جو	ابْتَغٰى چاہے	وَرَآءَ سوا	ذٰلِكَ اس	فَاُولٰٓئِكَ تو وہی	هُمْ وہ	الْعٰدُوْنَ حد سے بڑھنے والے
وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	لِاَمٰنٰتِهِمْ اپنی امانتیں	وَعَهْدِهِمْ اور اپنے عہد	رٰعُوْنَ رعایت کرنیوالے	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	عَلٰى پر
صَلَوٰتِهِمْ اپنی نمازیں	يُحَافِظُوْنَ حفاظت کرنیوالے ہیں	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	هُمْ وہ	الْوٰرِثُوْنَ وارث	الَّذِيْنَ جو	يَرِثُوْنَ وارث ہونگے	
الْفِرْدَوْسَ جنت	هُمْ وہ	فِيْهَا اس میں	خٰلِدُوْنَ ہمیشہ رہیں گے				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ درس میں سورۃ کی ابتدا اس کلام سے ہوئی تھی کہ بالتحقیق۔ یقیناً بلاشک و شبہ ایمانداروں نے فلاح حاصل کرلی۔یعنی فلاح پانے اور سعادت حاصل کرنے کی پہلی لازمی شرط تو ایمان ہوئی جو سب نیکیوں کی جڑ ہے۔بغیر ایمان یا صحتِ اعتقاد کے کوئی عمل بھی مقبول نہیں اس کے بعد ایمان داروں کی صفات بیان کی گئیں جن میں پہلی صفت گذشتہ آیت میں یہ بیان ہوئی تھی کہ وہ اپنی نماز میں خشوع وخضوع کرنے والے ہیں۔

اب آگے ان آیات میں مومنین کی مزید صفات بیان کی گئی ہیں۔

یعنی دوسری صفت یہ کہ وہ فضول اور بیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہ کرتے۔کوئی دوسرا لغو اور نکمی بات کہے تو ادھر سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ان کو اپنے مالک کی بندگی سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں اور مشغلوں میں اپنے کو

پھنسائیں۔آیت میں لغو کا لفظ آیا ہے لغو ہر اس بات اور اس کام کو کہتے ہیں جو فضول لا یعنی اور لا حاصل ہو۔ جن باتوں یا کاموں کا کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہ ہو۔ جن کی کوئی حقیقی ضرورت نہ ہو۔ جن سے کوئی اچھا مقصد اور غرض حاصل نہ ہو وہ سب لغویات میں ہیں۔ تو نماز کے بعد مومنین کی لغویات سے دور رہنے کی جو صفت بیان کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ بھی مومن کی اہم ترین صفات میں سے ہے۔ اسی لئے حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا اسلام جب اچھا ہوسکتا ہے جبکہ وہ لا یعنی اور بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے اور مومن حقیقی کا لغویات سے دور رہنے کا راز یہ ہے کہ وہ یہ اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے کہ یہ دنیا ایک آزمائش اور امتحان گاہ ہے اور جو زندگی اسے ملی ہے یہ امتحان ہی کے لئے ملی ہے۔ تو جس طرح ایک مدرسہ کا طالب علم اپنے امتحان کے کمرہ میں بیٹھ کر اپنا پرچہ حل کر رہا ہو تو اس کو یہ فکر لگی رہتی ہے کہ کوئی منٹ بے کار اور ضائع نہ جائے اور وہ امتحان کے پورے وقت کے ایک ایک لمحہ کو اپنے پرچہ کو صحیح طریقہ سے حل کرنے کی کوشش میں صرف کر ڈالنا چاہتا ہے اور کوئی سیکنڈ فضول ضائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا ٹھیک اسی طرح مومن بھی دنیا کی اس زندگی کو انہیں کاموں میں صرف کرتا ہے جو انجام کار کے لحاظ سے مفید اور ضروری ہوں امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ ہر لغویات سے بچنے کا ذکر جو خشوع صلوٰۃ کے معاً بعد لایا گیا ہے اس کا راز یہ ہے کہ لغویات سے اجتناب صلوٰۃ کی عین تکمیل کرنے والا ہے۔

آگے تیسری صفت مومنین کی بیان کی گئی ہے کہ جو اعمال و اخلاق میں اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں یہاں آیت میں للزکوٰۃ فاعلون آیا ہے۔ تو لفظ زکوٰۃ کے معنی لغت میں پاک کرنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں مال کا ایک حصہ کچھ ضابطہ اور شرائط کے ساتھ صدقہ کرنے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ اور قرآن کریم میں عام طور پر یہ لفظ اسی اصطلاحی معنے میں استعمال ہوا ہے مگر بعض مفسرین نے اور حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے اس جگہ لفظ زکوٰۃ کو عام لغوی معنے میں اپنے نفس کو پاک کرنا قرار دیا ہے اور وجہ اس کی یہ لکھی ہے کہ یہ آیت مکیہ ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی۔ تو یہاں مراد زکوٰۃ سے تزکیہ نفس ہے یعنی اپنے نفس کو رذائل سے پاک کرنا۔ کیونکہ شرک۔ ریا۔ تکبر۔ حسد۔ بغض۔ کینہ۔ حرص۔ بخل وغیرہ جن سے نفس کو پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے یہ سب چیزیں حرام اور گناہ کبیرہ ہیں۔ نفس کو اس سے پاک کرنا فرض ہے۔

آگے چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھتے ہیں سوائے اپنی بیبیوں اور شرعی باندیوں کے۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں اس زمانے میں باندیوں کی خرید وفروخت کا عام رواج تھا۔ لیکن اب لونڈی غلاموں کی خرید وفروخت قریب قریب دنیا کے ہر حصہ میں بند ہو چکی ہے اس لئے اب سوائے جائز شادی کے اور کوئی صورت قضائے شہوت کے لئے حلال نہیں۔ اس طرح خواہش نفس پوری کرنے کی تمام صورتوں کو حرام کر دیا گیا خواہ وہ زنا ہو یا متعہ ہو یا کچھ اور۔ زنا کاری سے اخلاق برباد۔ معاشرت تباہ۔ نظام امن غارت ہو جاتا ہے۔ زوجین میں محبت نہیں رہتی۔ نسل کا اعتبار نہیں رہتا۔ بے حیائی پھیلتی ہے۔ متعدی امراض کی کثرت ہو جاتی ہے۔ جسمانی قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔ جو ہر انسانی بے فائدہ تضیع ہوتا ہے اس لئے آیت مذکورہ میں زنا وغیرہ سے انتہائی اجتناب کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی شرمگاہ کا اظہار اور کشف بھی سوائے جائز اور حلال صورت کے نہ ہونا چاہئے۔

پانچویں صفت یہ بیان فرمائی گئی کہ وہ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں یعنی امانات اور قول و قرار کی حفاظت کرتے ہیں۔ خیانت اور بدعہدی نہیں کرتے۔ امانات کا لفظ جامع

ہے ان تمام امانتوں کے لئے جو خداوندِ عالم نے یا معاشرے نے یا قوم نے یا افراد نے کسی مومن کے سپرد کی ہوں اور عہد و پیمان میں وہ سارے معاہدے داخل ہیں جو انسان اور خدا کے درمیان یا انسان اور انسان کے درمیان یا قوم اور قوم کے درمیان کئے گئے ہوں تو مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ کبھی امانت میں خیانت نہ کرے گا اور کبھی اپنے قول و قرار سے نہ پھرے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو امانت کی صفت نہیں رکھتا وہ ایمان نہیں رکھتا اور جو عہد کا پاس نہیں رکھتا وہ دین نہیں رکھتا۔

چھٹی صفت۔ بیان فرمائی کہ جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں یعنی پانچوں نمازیں اپنے اوقات پر آداب و حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ بندوں کے معاملات میں پڑ کر یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔ یہ چھ صفات مومنین کی بتلائی گئیں جو نماز ہی سے شروع ہوئی تھیں اور نماز ہی پر ختم ہو گئیں۔ اوپر خشوع کے ذکر میں نماز بصیغۂ واحد فرمایا تھا یہاں نماز کو بصیغۂ جمع فرمایا ہے تو دونوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں جنس نماز مراد تھی اور یہاں پانچوں وقت کی نماز فرداً فرداً مراد ہے تو نمازوں کی محافظت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اوقاتِ نماز، آدابِ نماز، ارکان و اجزائے نماز، غرض نماز سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کی پوری نگہداشت کرتے ہیں۔

یہاں مومنین مفلحین کی صفاتِ حسنہ کا آغاز خشوع نماز کے ذکر سے کیا تھا اور اختتام بھی نماز ہی کی محافظت و مداومت پر کیا۔ اب یہاں کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جس امت کو انفرادی و اجتماعی ہر حیثیت سے فلاح کے لئے نماز کی اس قدر تاکید ہو رہی ہے وہ نماز ہی کی طرف سے کس درجہ غفلت میں پڑ گئی۔ اخیر میں ان سب صفات کے بیان فرمانے کے بعد بتلایا گیا کہ بس یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہونے والے ہیں یعنی جنت پر قابض و متصرف ہوں گے اور گویا اس کے مالک ہو جائیں گے۔ اور ہم فیہا خٰلدون فرما کر یہ مژدہ بھی دیا کہ اس میں یعنی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے یعنی نہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے نہ مریں گے۔

خلاصہ یہ کہ مومنین مفلحین کی چھ صفات و خصال یہاں بیان کی گئیں۔

۱۔ خشوع وخضوع سے نماز پڑھنا۔
۲۔ باطل، لغو اور لایعنی باتوں سے علیحدہ رہنا۔
۳۔ اپنے بدن نفس اور جان کو پاک رکھنا۔
۴۔ شہوتِ نفسانی کو قابو میں رکھنا۔
۵۔ امانت و عہد کی حفاظت کرنا۔
۶۔ نمازوں کی پوری حفاظت کرنا۔

جس پر جنت الفردوس میں داخلہ کی بشارت دی گئی ہے۔ تو یہاں بعض عبادات مہمہ کی فضیلت مذکور تھی آگے مستحق عبادت اللہ جل شانہٗ کے بعض آثار و تصرفات کا بیان ہے تاکہ ان سے اس کی قدرت و عظمت و وحدت کو جان کر پورا حق عبادت ادا کیا جائے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! یہ ملک پاکستان اسلامی ملک کہلایا جاتا ہے۔ اور یہاں کی اکثریت مومن اور مسلم ہونے کی دعوے دار ہے۔ مگر حقیقی مومن اور مسلم تو وہی ہے جو ان قرآنی صفات سے متصف ہیں۔ آپ کا وعدہ جنت الفردوس کا تو انہی کے لئے ہے جو ان قرآنی صفات کے حامل ہیں۔

یا اللہ! ہم نے قرآنی ہدایات و تعلیمات کو چھوڑ کر ظلم عظیم اپنے اوپر کیا ہے۔ یا اللہ! ہماری حالتوں پر رحم و کرم فرما دے اور ہماری اصلاح کی صورتیں غیب سے پیدا فرما دے اور من حیث القوم ہم کو قرآنی ہدایات کو اپنانے کی توفیق حسن عطا فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔ پھر ہم نے اُس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک محفوظ مقام میں رہا

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ

پھر ہم نے اُس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنادیا پھر ہم نے اُس خون کے لوتھڑے کو بوٹی بنادیا پھر ہم نے اُس بوٹی کو ہڈیاں بنادیا

لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ

پھر ہم نے اُن ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا پھر ہم نے اُس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنادیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔ پھر تم بعد اس کے

لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

ضرور ہی مرنے والے ہو۔ پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔

وَ اور	لَقَدْ خَلَقْنَا البتہ ہم نے پیدا کیا	الْإِنْسَانَ انسان	مِنْ سے	سُلٰلَةٍ خلاصہ چنی ہوئی	مِنْ طِيْنٍ مٹی سے	ثُمَّ پھر
جَعَلْنٰهُ ہم نے اسے ٹھہرایا	نُطْفَةً نطفہ	فِيْ میں	قَرَارٍ مَّكِيْنٍ مضبوط جگہ	ثُمَّ پھر	خَلَقْنَا ہم نے بنایا	النُّطْفَةَ نطفہ
عَلَقَةً جما ہوا خون	فَخَلَقْنَا پس ہم نے بنایا	الْعَلَقَةَ جما ہوا خون	مُضْغَةً بوٹی	فَخَلَقْنَا پھر ہم نے بنایا	الْمُضْغَةَ بوٹی	عِظٰمًا ہڈیاں
فَكَسَوْنَا پھر ہم نے پہنایا	الْعِظٰمَ ہڈیاں	لَحْمًا گوشت	ثُمَّ پھر	أَنْشَأْنٰهُ ہم نے اسے اٹھایا	خَلْقًا صورت	اٰخَرَ نئی
فَتَبٰرَكَ پس برکت والا	اللّٰهُ اللہ	أَحْسَنُ بہترین	الْخٰلِقِيْنَ پیدا کرنے والا	ثُمَّ پھر	إِنَّكُمْ بیشک تم	بَعْدَ ذٰلِكَ اس کے بعد
لَمَيِّتُوْنَ ضرور مرنے والے	ثُمَّ پھر	إِنَّكُمْ بیشک تم	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	تُبْعَثُوْنَ اٹھائے جاؤگے		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں اہلِ ایمان اور ان کی بعض صفات کا ذکر فرما کر بتلایا گیا تھا کہ یہی لوگ آخرت میں جنت الفردوس کے مالک ہونے والے ہیں جس میں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اب آخرت کی اچھائی برائی اور عذاب ثواب کا انحصار اس امر پر ہے کہ آدمی مر کر دوبارہ زندہ ہو اور قیامت کے میدان میں عذاب و ثواب کے لئے اس کو پیش کیا جائے۔ منکرین کوتاہ نظر رکھنے والے قیامت ہی کے منکر تھے۔ مشرکین عرب کا عام طبقہ دوبارہ زندہ ہونے کا قائل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تخلیق انسان کی ابتداء اور درمیانی درجاتِ آفرینش کو بیان کر کے حشر و نشر پر استدلال فرمایا ہے۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ نے بے جان مٹی کو جاندار بنایا۔ ایک کثیف مادہ کو انسانی صورت کا جامہ پہنا کر ہوش مند کیا اور ان کا نام آدم رکھا اور پھر نسلِ انسانی کو برقرار رکھنے کے لئے جو ہر انسانی کا خلاصہ باپ کی پشت سے کھینچ کر ماں کے رحم میں ایک خاص وقت تک امانت رکھا اور اس نطفہ کو تمام درجاتِ تغیر طے کرا کے مختلف صورتوں میں نمودار کر کے جیتا جاگتا آدمی بنا کر پیدا کیا۔ پھر مدتِ زندگانی ختم کرا کے ایک وقت خاص پر اس کے لئے موت بھیجی تو ایسا قادرِ مطلق خلاق کامل خدا کیا دوبارہ قیامت کے دن حشر انسانی نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے اور ضرور کریگا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ سب انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی کے خلاصہ سے

بنایا گیا پھر نسلِ انسانی قائم رکھنے کے لئے بنی آدم کا نطفہ سے پیدا ہونا بتلایا گیا کہ جو رحمِ مادر میں ایسے محفوظ مقام میں رکھا کہ جہاں ضائع ہو جانے اور بگڑ جانے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ نطفہ کے رحمِ مادر میں قرار پانے کے بعد پھر اس کی مختلف صورتیں جو بدلتی ہیں ان کو بیان فرمایا گیا اور بتلایا گیا کہ نطفہ ماں کے رحم میں کچھ دن کے بعد جمے ہوئے خون کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پھر کچھ دنوں بعد یہ جما ہوا خون گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے۔ پھر اس بوٹی سے ہڈیوں کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ پھر ان ہڈیوں کے اوپر گوشت چڑھتا ہے۔ اب انسان کا بدن تیار ہو گیا اس کے بعد روح حیات پھونک کر اسے جیتا جاگتا انسان بنا دیا جاتا ہے۔ پھر جب رحمِ مادر سے باہر آتا ہے تو بچپن سے لے کر بڑھاپے تک بہت سے احوال اور ادوار اس پر گزرتے ہیں۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک نت نئی صورتیں اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک مدت تک انسان ترقی کرتا ہے۔ پھر زوال کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ عمر تمام ہو جاتی ہے اور انسانی وجود کا جو ذاتی اور خانہ زاد نہیں بلکہ مستعار اور دوسرے کا عطیہ ہے موت آ کر سب نقشہ بگاڑ دیتی ہے۔ اس وقت کوئی انسان اپنی ہستی کو موت کے پنجہ سے بچا نہیں سکتا۔ کبھی نہ کبھی ہر ایک کو مرنا ہے اس کے بعد کچھ مدت اس موت کی حالت میں گزرے گی۔ پھر قیامت کا دن آ جائے گا اور سب کے سب پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ اور دنیا میں جو کام کئے تھے ان کا پھل ضرور ملے گا۔

ان آیات میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔ "اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا پھر ہم نے اُس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک مدتِ معیّنہ تک ایک محفوظ مقام یعنی رحمِ مادر میں رہا۔ پھر ہم نے اُس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنا دیا۔ پھر ہم نے اس بوٹی کے بعض اجزاء کو ہڈیاں بنا دیا۔ پھر ہم نے اُن ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اس کو ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا دیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔ پھر تم بعد اس تمام قصۂ عجیبہ کے ضرور ہی مرنے والے ہو۔ پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے (تو جس طرح ہم نے تم کو ابتداً وجود عطا فرمایا اسی طرح قیامت میں دوبارہ وجود عطا کیا جائے گا۔"

حشرِ جسمانی کا انکار کرنے والوں کو خاموش کرنے کیلئے خدا کی ہمہ گیر قدرت اور کمال صناعی کو بتلا کر یہ برہان قاطع پیش کی گئی تاکہ انسان یقین کر لے کہ جو خدا ایک زندہ انسان بنانے پر قادر ہے تو اس انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کر دینا کیا مشکل ہے۔ اب یہاں تک تو ثبوت قیامت حشر و نشر کے لئے دلائل النفس کا بیان تھا۔ یعنی خود انسان کی اپنی ذات سے اب اس کے آگے دلائل آفاقی یعنی آسمان و زمین و تخلیق کائنات کا بیان ہے۔ جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو وجود انسانی عطا فرمایا۔ اور پھر اپنے کرم سے ایمان و اسلام کی دولت عطا فرمائی۔ یا اللہ دنیا میں انسانی وجود میں ہم کو لانے کا جو مقصد ہے اس مقصد کو پورا کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! اپنی قدرتِ کاملہ اور کمال صناعی کی معرفت ہم کو نصیب فرما تاکہ ہم کو کامل تابعداری نصیب ہو۔

یا اللہ! قیامت کے دن ہمارا حشر و نشر اپنے مومنین کاملین کے ساتھ فرمائیے۔ اور اس دن کے لئے تیاری کی توفیق اس دنیا میں نصیب فرمائیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿١٧﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

اور ہم نے تمہارے اُوپر سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق سے بے خبر نہ تھے۔اور ہم نے آسمان سے مقدار کے ساتھ پانی برسایا

مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿١٨﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ

پھر ہم نے اُس کو زمین میں ٹھیرایا اور ہم اس (پانی) کے معدوم کردینے پر قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے

جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ

کھجوروں کے اور انگوروں کے۔تمہارے واسطے ان میں بکثرت میوے بھی ہیں اور اُن میں سے کھاتے بھی ہو اور ایک درخت بھی

مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ

جو کہ طور سیناء میں پیدا ہوتا ہے جو کہ اُگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کیلئے سالن لئے ہوئے اور تمہارے لئے مواشی میں (بھی) غور کرنے کا موقع ہے

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى

کہ ہم تم کو اُن کے پیٹ میں کی چیز پینے کو دیتے ہیں۔اور تمہارے لئے اُن میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔اور اُن میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو۔

الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾

اور اُن پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے ہو

وَ اور	لَقَدْ خَلَقْنَا تحقیق ہم نے بنائے	فَوْقَكُمْ تمہارے اوپر	سَبْعَ سات	طَرَآئِقَ راستے	وَمَا كُنَّا اور ہم نہیں	عَنِ سے	
الْخَلْقِ خلق پیدائش	غٰفِلِيْنَ غافل	وَاَنْزَلْنَا اور ہم نے اتارا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	مَآءً پانی	بِقَدَرٍ اندازہ کے ساتھ		
فَاَسْكَنّٰهُ ہم نے اسے ٹھیرایا	فِى الْاَرْضِ زمین میں	وَاِنَّا اور بیشک ہم	عَلٰى پر	ذَهَابٍ لے جانا	بِهٖ اس کا	لَقٰدِرُوْنَ البتہ قادر	
فَاَنْشَاْنَا پس ہم نے پیدا کئے	لَكُمْ تمہارے لئے	بِهٖ اس سے	جَنّٰتٍ باغات	مِنْ سے۔کے	نَخِيْلٍ کھجور	وَاَعْنَابٍ اور انگور	
لَكُمْ تمہارے لئے	فِيْهَا اس میں	فَوَاكِهُ میوے	كَثِيْرَةٌ بہت	وَمِنْهَا اور اس سے	تَاْكُلُوْنَ تم کھاتے ہو	وَشَجَرَةً اور درخت	
تَخْرُجُ نکلتا ہے	مِنْ سے	طُوْرِ سَيْنَآءَ طور سینا	تَنْۢبُتُ اُگتا ہے	بِالدُّهْنِ تیل کے ساتھ۔لئے	وَصِبْغٍ اور سالن		
لِلْاٰكِلِيْنَ کھانے والوں کیلئے	وَاِنَّ اور بیشک	لَكُمْ تمہارے لئے	فِى الْاَنْعَامِ چوپایوں میں	لَعِبْرَةً عبرت۔غور کا مقام			
نُسْقِيْكُمْ ہم تمہیں پلاتے ہیں	مِمَّا اس سے جو	فِيْ بُطُوْنِهَا ان کے پیٹوں میں	وَلَكُمْ اور تمہارے لئے	فِيْهَا ان میں	مَنَافِعُ فائدے		
كَثِيْرَةٌ بہت	وَمِنْهَا اوران سے	تَاْكُلُوْنَ تم کھاتے ہو	وَ اور	عَلَيْهَا ان پر	وَ اور	عَلَى الْفُلْكِ کشتی پر	تُحْمَلُوْنَ سوار کئے جاتے ہو

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ جس سے قادر ذوالجلال کی قدرت اور اس کی صنعت وحکمت کھلم کھلا ظاہر ہے اور جس سے آخرت اور قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے پر استدلال فرمایا گیا تھا۔تو صرف یہ انسان ہی نہیں بلکہ یہی حال تمام عالم کا ہے کہ دنیا کے ذرہ ذرہ۔پتہ پتہ اور قطرے قطرے میں شواہد قدرت موجود ہیں جو خدائے ذوالجلال کی صنعت۔حکمت۔معرفت۔ربوبیت اور الوہیت ووحدانیت کو

ثابت کررہے ہیں۔ان آیات میں اسی سلسلہ کی چند کڑیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔اول آسمانوں کی پیدائش کا ذکر فرمایا کہ جن کی بناوٹ انسانی بناوٹ سے بہت بڑی اور بہت بھاری اور بڑی صنعت والی ہے۔ بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان تہ بتہ تمہارے اوپر بنائے۔اب مقامِ غور ہے کہ آسمان میں نہ کوئی شگاف ہے۔نہ سوراخ۔نہ دروازہ۔نہ کھڑکی نہ آنکھوں سے کوئی راستہ دکھائی دیتا ہے پھر بھی فرشتوں اور غیبی مخلوق کی آمدورفت برابر جاری ہے پس کس قدر تعجب انگیز ہے آسمانوں کی ساخت کہ بغیر کسی سوراخ اور راستہ کے یہ اتار چڑھاؤ کا سلسلہ ان میں جاری ہے۔پھر یہ کہ آسمانوں کو بنا کر یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان کا نظام اور بقا اور حفاظت سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت میں رکھا۔ اسی کا دستِ قدرت ہے کہ آسمان نیچے نہیں گرتا۔پھر آسمان سے نیچے اتر کر فضائی کائنات میں سے صرف بارش کو دیکھئے۔فضا میں پانی بنتا ہے اور نیچے اترتا ہے۔پھر پانی اندازہ کے موافق زمین پر اترتا ہے اور زمین کے اندر قرار پکڑتا ہے۔اگر بارش کا نزول خاص اندازہ کے تحت نہ ہوتا اور یونہی بادلوں کے دہانہ کھول دیئے جاتے تو زمین اور زمین کی تمام کائنات غرق ہوجاتی یا خلاف موسم پانی برستا تب بھی مخلوق تباہ ہوجاتی۔پھر مینہ برستا ہے تو بارش کا پانی زمین اپنے اندر جذب کرلیتی ہے جس کو ہم کنواں وغیرہ کھود کر نکالتے ہیں جو بوقتِ ضرورت کام آتا ہے۔قدرتِ خداوندی اگر پانی زمین کے اندر نہ اتارنا چاہے تو نہ اترے یا اگر پانی اتارنے کے بعد تم کو اس میں سے منتفع ہونے کی دسترس نہ دیں مثلاً اس قدر گہرا کردیں کہ تم نکالنے میں کامیاب نہ ہوسکو یا خشک کرکے ہوا میں اڑا دیں یا کھاری اور کڑوا کردیں تو قدرت یہ سب بھی کرسکتی ہے۔پھر اس پانی سے طرح طرح کے درخت پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔درختوں کی روئیدگی بھی قابلِ غور ہے۔سرزمین عرب میں کھجور اور انگور کی پیداوار بکثرت ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کا تذکرہ فرمایا۔پھر درخت میں زیتون کا ذکر فرمایا کہ جس میں سے روغن نکلتا ہے جو مالش وغیرہ کے کام آتا ہے اور عرب کے لوگ سالن کی جگہ اس کا استعمال کرتے ہیں۔اس درخت کا ذکر خصوصیت سے فرمایا کیونکہ اس کے فوائد کثیر ہیں اور خاص فضل و شرف رکھتا ہے اسی لئے تیسویں پارہ سورۂ والتین میں اس کی قسم کھائی گئی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ زیتون کے درخت کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ تمام درختوں سے اس کی عمر زیادہ ہوتی ہے یہاں تک کہ بعض اہلِ تحقیق کا قول نقل کیا ہے کہ اس کی عمر تین ہزار برس تک کی ہوتی ہے۔فلسطین کے بعض زیتون کے درختوں کا قدوقامت اور پھیلاؤ دیکھ کر اندازہ کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک چلے آرہے ہیں۔طور سینا کی طرف اس کو منسوب کرنے کی وجہ اس کی فضیلت و برکت ظاہر کرنے کی ہے۔وہاں اس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور اس درخت کا وطن اصلی اور نمایاں ترین مقام بھی طور سینا ہی ہے۔تو پانی سے درخت۔کھیتی۔میوہ۔اناج پھل پھول جڑی بوٹیاں، سبزیاں پیدا ہوتی ہیں جن سے کہ انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان فراہم ہوتا ہے۔جانور بھی کھاتے ہیں آدمی بھی۔

پھر نباتات کے بعد حیوانات کا ذکر فرمایا گیا کہ یہی سبزہ اور گھاس پات جانور کھاتا ہے پھر اسی سے اس کے بدن میں کیا کیا چیزیں بنتی ہیں۔پھر ان کے پیٹ کے اندر سے ایک ایسی چیز برآمد ہوتی ہے جس میں اندرون شکم کی نجاست۔بو۔رنگ۔کثافت کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ یعنی سفید شیریں پاک صاف دودھ پیدا ہوتا ہے۔یہ بھی سبزہ ہی کی پیداوار ہے۔پھر جانوروں سے انسانوں کو یہی فوائد حاصل نہیں ہوتے بلکہ سواری۔باربرداری اور دیگر ضروریات کو بھی پورا کرنے میں کام آتے ہیں۔حتیٰ کہ بعض جانوروں کا گوشت کھانا بھی حلال کردیا۔پھر خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہوکر کہیں سے کہیں نکل جاتے ہیں اور بڑے بڑے وزنی سامان ان پر لادتے ہیں۔تو یہ سب اللہ کے انعامات واحسانات انسانوں پر ہیں ان کے باوجود بھی بہت سے بےعقل انسان اللہ کی ربوبیت۔الوہیت اور وحدانیت کو نہیں مانتے اور روزِ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تخلیق کائنات اور ترتیب کائنات دکھا کر حق تعالیٰ نے اپنی الوہیت ووحدانیت اور کمال قدرت پر استدلال فرمایا جس میں ضمناً مرکر دوبارہ پیدا کرنے کا ثبوت بھی آگیا۔اور علاوہ دلائل ہونے کے چونکہ یہ انعامات بھی ہیں اس لئے وہ مقتضی شکر بھی ہیں اور حق تعالیٰ کا شکر یہی ہے کہ اس کی باتوں کو عقلاً وعملاً مانا جاوے۔اس لئے انسانوں کو چاہئے کہ اس منعم حقیقی پر ایمان لائیں اور اس کی ہدایات کے مطابق عمل صالح کریں جس میں تصدیق آخرت وقیامت بھی آگئی۔

اب آگے انبیائے سابقین کے تذکرے مختلف اغراض کے لئے فرمائے گئے ہیں۔جیسا کہ اس سورۃ کے ابتدائی درس میں ذکر کیا جاچکا ہے۔جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا

اور ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف پیغمبر کر کے بھیجا تو اُنہوں نے فرمایا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اُسکے سوا تمہارے لئے کوئی معبود بنانے کے لائق نہیں پھر کیا تم

تَتَّقُونَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ

ڈرتے نہیں ہو۔ پس اُن کی قوم میں جو کافر رئیس تھے کہنے لگے کہ یہ شخص بجز اس کے کہ تمہاری طرح کا ایک آدمی ہے اور کچھ نہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے۔

عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا

اور اللہ کو منظور ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔ ہم نے یہ بات اپنے پہلے بڑوں میں نہیں سنی۔ بس یہ ایک آدمی ہے

رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٢٦﴾

جس کو جنون ہو گیا ہے سو ایک خاص وقت تک اس کا اور انتظار کرلو۔ نوحؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے بوجہ اسکے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ہے۔

وَ اور	لَقَدْ اَرْسَلْنَا البتہ ہم نے بھیجا	نُوْحًا نوحؑ	اِلٰی قَوْمِهٖ اسکی قوم کی طرف	فَقَالَ پس اس نے کہا	یٰقَوْمِ اے میری قوم		
اُعْبُدُوْا تم عبادت کرو	اللّٰهَ اللہ	مَا لَكُمْ تمہارے لئے نہیں	مِنْ اِلٰهٍ کوئی معبود	غَیْرُهٗ اسکے سوا	اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم ڈرتے نہیں؟		
فَقَالَ تو وہ بولے	الْمَلَؤُا سردار	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا	مِنْ سے۔کے	قَوْمِهٖ اس کی قوم	مَا هٰذَا یہ نہیں	اِلَّا مگر	
بَشَرٌ ایک بشر	مِثْلُكُمْ تم جیسا	یُرِیْدُ وہ چاہتا ہے	اَنْ یَّتَفَضَّلَ کہ بڑا بن بیٹھے وہ	عَلَیْكُمْ تم پر	وَلَوْ اور اگر	شَآءَ اللّٰهُ اللہ چاہتا	
لَاَنْزَلَ تو اتارتا	مَلٰٓئِكَةً فرشتے	مَا سَمِعْنَا نہیں سنا ہم نے	بِهٰذَا یہ	فِیْٓ اٰبَآئِنَا اپنے باپ دادا سے	الْاَوَّلِیْنَ پہلے	اِنْ هُوَ نہیں وہ۔یہ	
اِلَّا مگر	رَجُلٌ ایک آدمی	بِهٖ جس کو	جِنَّةٌ جنون	فَتَرَبَّصُوْا سو تم انتظار کرو	بِهٖ اس کا	حَتّٰی حِیْنٍ ایک مدت تک	قَالَ اس نے کہا
رَبِّ اے میرے رب	اُنْصُرْنِیْ میری مدد فرما	بِمَا اس پر	كَذَّبُوْنِ انہوں نے مجھے جھٹلایا				

تفسیر وتشریح:۔ قرآن کریم میں انبیائے کرام کے تذکرے مختلف آیات اور سورتوں میں مختلف اغراض ومقاصد کے لئے کئے گئے ہیں۔ ہر جگہ جدا مقصود ہے۔ اس جگہ بھی چند پیغمبروں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جس سے چند امور کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور گروہ اہلِ ایمان کو تسلی اور کافروں کی ایذارسانی پر ثابت قدم رہنے کی ضمنی تلقین اور کفار کے بیہودہ شبہات اور لغو کلام سے رنجیدہ نہ ہونے کی در پردہ ہدایت اور اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ انبیائے سابقین اور ان کی کافر قوموں کا بھی باہم اسی طرح معاملہ رہا ہے۔

دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کوئی نئی چیز نہیں۔ ہمیشہ سے انسان ہی نبی ہوتے چلے آئے ہیں اور سب ہی نے اعلانِ توحید کیا ہے مگر کفار کی مخالفت اور مقدس رسولوں پر تہمت تراشی اور ان کو دیوانہ اور پاگل کہنا بھی کوئی نئی بات نہیں آدمِ ثانی یعنی نوح علیہ السلام کو بھی آپ کی قوم نے دیوانہ کہا تھا۔

تیسرے یہ جتلانا مقصود ہے کہ کفار کی سرکشی جب انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور تبلیغ دین کا کوئی اثر نہیں لیتے اور ہدایت یاب ہونے کی کوئی امید نہیں رہتی تو مقدس انبیاء کے ہاتھوں سے بغیر ظاہری اسباب کے غیبی معجزات ظاہر کرائے جاتے ہیں جن سے مجرم تباہ

و برباد ہوتے ہیں۔ اور اہلِ حق کو بچالیا جاتا ہے۔ یہ خدا کا عام دستور ہے۔ کفار مکہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔

یہاں سب سے پہلے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور اس میں کلام سابق کے ساتھ یہ ربط ہے کہ اوپر فرمایا تھا کہ ہم آسمان سے پانی ایک خاص اندازہ کے ساتھ تمہارے فائدے کیلئے نازل کرتے ہیں مگر جب بندے سرکشی پر اصرار کرتے ہیں اور انبیاء کے مقابلہ سے باز نہیں آتے تو اسی رحمت کو زحمت بنا دیا جاتا ہے جیسا کہ قومِ نوح کے لئے ہوا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی ہدایت کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود بننے کے لائق نہیں۔ اگر شرک کرو گے تو عذابِ اُخروی کے علاوہ عذابِ دنیوی میں بھی مبتلا ہو گے۔ کسی مصلح کی نصیحت ماننے اور صداقت کو قبول کرنے سے جو امور مانع ہوتے ہیں ان کا وجود اکثر و بیشتر امرا اور اہلِ ثروت میں ہوتا ہے۔ اسی لئے انبیائے حق اور مصلحین و مرشدین کی مخالفت یہی سب سے پہلے کرتے ہیں چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب توحید کا وعظ و نصیحت فرمایا تو امراء اور سرداران قوم نے سب سے پہلے آپ کی مخالفت کی اور قوم کے بڑے بڑے لوگوں نے عوام سے کہا کہ نوح کی بات مت سنو اور مندرجہ ذیل شکوک واوہام پیش کئے۔ (ا) اول انہوں نے کہا کہ یہ تم جیسا آدمی ہے۔ لوازم زندگی کی ضروریات۔ اور خواص بشری میں تمام لوگوں سے کوئی ممتاز حیثیت نہیں۔ چلتا ہے پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، سوتا جاگتا ہے۔ تمام ضروریات انسانی کا محتاج ہے۔ صورت شکل میں بھی آدمی ہی ہے پھر خدا کا پیامبر ہونا کیسے ممکن ہے۔ گویا ان کے جاہلانہ اور گمراہانہ خیال میں بشر نبی اور رسول نہیں ہو سکتا تھا۔ قرآن کریم نے اس جاہلانہ تصور کا ذکر کر کے بار بار اس کی تردید کی ہے اور اس بات کو پورے زور کے ساتھ صاف صاف بیان کیا ہے کہ تمام انبیاء انسان ہی تھے اور انسانوں کے لئے انسان ہی نبی ہونا چاہئے۔ تو حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ و تعلیم کے مقابلہ میں اور آپ کی ہدایات کو رد کرنے کے لئے سردارانِ قوم نے پہلا اعتراض تو یہ پیش کیا کہ یہ تم جیسا آدمی ہے اس میں فضیلت کی کیا بات ہے۔

دوسرا اعتراض حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر یہ پیش کیا کہ یہ شخص کوئی ممتاز حیثیت اور پوزیشن نہیں رکھتا۔ طاقت۔ دولت۔ ثروت۔ خاندانی وجاہت۔ حکومت۔ سرداری کچھ بھی اس کے قبضہ میں نہیں اس لئے یہ برتری کا خواستگار ہے اور بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے اس لئے یہ سب ڈھونگ بنایا ہے۔ اور مصلح اور پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

تیسرا شبہ اور اعتراض یہ پیش کیا کہ اگر ہماری ہدایت کے لئے پیامبر کا آنا ضروری تھا تو فرشتہ پیامبر ہو کر آتا۔ اس کو امتیازی شان حاصل ہے۔ اس معمولی انسان کی رسائی خدا تک کیسے ہو سکتی ہے اور اس کے پاس اللہ کا پیام کیسے آ سکتا ہے۔

چوتھا اعتراض یہ پیش کیا تم ہم کو تمام دیوتاؤں سے ہٹا کر ایک خدا کی حکومت منواتے ہو اور قدیم مذہب کو چھوڑنے کی تلقین کرتے ہو حالانکہ ہمارے باپ دادا کوئی بھی ایک خدا کی پرستش نہ کرتا تھا ہم نے تو توحید کا پیام اپنے بڑوں سے نہیں سنا۔

پانچواں اعتراض یہ پیش کیا کہ معلوم ہوتا ہے تم دیوانہ ہو گئے ہو تم کو جنون ہو گیا ہے۔ جو ساری قوم کے خلاف اور اپنے باپ دادا کے خلاف ایسی نئی باتیں کہتے ہو۔ چنانچہ وہ سردارِ قوم کی طرف خطاب کر کے کہنے لگے کہ نوح کو تو (العیاذ باللہ) جنون ہو گیا ہے۔ بہتر ہے چند روز صبر کرو اور انتظار کرو شاید کچھ دنوں کے بعد اسے ہوش آ جائے اور جنون کے دورہ سے افاقہ ہو یا یوں ہی مر مرا کر قصہ ختم ہو جائے۔ (العیاذ باللہ)

جب نوح علیہ السلام کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں اور ساڑھے نو سو برس سختیاں جھیل کر بھی ان کو راہِ راست پر نہ آتے دیکھا اور سوائے چند نفر کے کوئی ان پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے فریاد کی کہ اے میرے رب ان اشقیاء کے مقابلہ میں میری مدد فرمایئے کیونکہ بظاہر یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنے والے نہیں خود بھی گمراہ رہیں گے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اب جناب باری تعالیٰ کی طرف سے اس کا کیا جواب نوح علیہ السلام کو ملا۔ اس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ

پس ہم نے اُن کے پاس حکم بھیجا کہ تم کشتی تیار کرلو ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے پھر جس وقت ہمارا حکم آپہنچے اور زمین سے پانی اُبلنا شروع ہو تو

فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ

ہر قسم (کے جانوروں) میں سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو دو عدد اس میں داخل کرلو اور اپنے گھر والوں کو بھی باستثنا اسکے جس پر اُن میں سے (غرق ہونے کا) حکم نافذ ہو چکا ہے

فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ

اور مجھ سے کافروں کے بارے میں کچھ گفتگومت کرنا۔ وہ سب غرق کئے جائیں گے۔ پھر جس وقت تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ چکو تو یوں کہنا شکر ہے خدا کا

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا

جس نے ہم کو کافرلوگوں سے نجات دی۔ اور یوں کہنا کہ اے میرے رب مجھ کو برکت کا اتارنا اُتاریو

وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور آپ سب اُتارنے والوں سے اچھے ہیں۔ اس (واقعہ مذکورہ) میں بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم بندوں کو آزماتے ہیں۔

فَاَوْحَيْنَآ تو ہم نے وحی بھیجی	اِلَيْهِ اس کی طرف	اَنِ کہ	اصْنَعِ تم بناؤ	الْفُلْكَ کشتی	بِاَعْيُنِنَا ہماری آنکھوں کے سامنے		
وَوَحْيِنَا اور ہمارا حکم	فَاِذَا پھر جب	جَآءَ آجائے	اَمْرُنَا ہمارا حکم	وَفَارَ التَّنُّوْرُ اور تنور اُبلنے لگے	فَاسْلُكْ تو چلالے (رکھ لے)		
فِيْهَا اس میں	مِنْ سے	كُلٍّ ہر (قسم)	زَوْجَيْنِ جوڑا	اثْنَيْنِ دو	وَاَهْلَكَ اور اپنے گھر والے	اِلَّا سوا	مَنْ جو۔ جس
سَبَقَ پہلے ہو چکا	عَلَيْهِ اس پر	الْقَوْلُ حکم	مِنْهُمْ ان میں سے	وَ اور	لَا تُخَاطِبْنِيْ نہ کرنا مجھ سے بات	فِيْ میں۔ بارہ میں	
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وہ جنہوں نے ظلم کیا	اِنَّهُمْ بیشک وہ	مُّغْرَقُوْنَ غرق کئے جانے والے ہیں	فَاِذَا پھر جب	اسْتَوَيْتَ تم بیٹھ جاؤ	اَنْتَ تم		
وَمَنْ اور جو	مَّعَكَ تیرے ساتھ ساتھی	عَلَى پر	الْفُلْكِ کشتی	فَقُلِ تو کہنا	الْحَمْدُ تمام تعریفیں	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	الَّذِيْ وہ جس نے
نَجّٰنَا ہمیں نجات دی	مِنَ سے	الْقَوْمِ قوم	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	وَقُلْ اور کہو	رَّبِّ اے میرے رب	اَنْزِلْنِيْ مجھے اتار	
مُنْزَلًا منزل	مُّبٰرَكًا مبارک	وَّاَنْتَ اور تو	خَيْرُ بہترین	الْمُنْزِلِيْنَ اتارنے والے	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں
وَّاِنْ كُنَّا اور بیشک ہم ہیں	لَمُبْتَلِيْنَ آزمائش کرنے والے						

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کا ذکر تھا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے قرآنی تصریح کے مطابق ساڑھے نوسو سال کی پیہم دعوت و تبلیغ کا قوم پر کوئی اثر نہ دیکھا اور جتنا تبلیغ حق میں جدوجہد ہوئی اسی قدر قوم کی جانب سے بغض و عناد میں سرگرمی کا اظہار ہوا تو نوح علیہ السلام سخت ملول اور رنجیدہ خاطر ہوئے اور قوم کی بداعمالی سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ اے میرے رب ان ظالموں کے مقابلہ میں میری مدد فرمائیے۔ یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنے والے نہیں۔ یہ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ تو ہی میری مدد کر کہ میں ان سے نجات پاؤں۔ نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور بارگاہِ خداوندی سے جو جواب ملا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ ایک کشتی تیار کرو۔ ہم تمہاری نگرانی کرتے رہیں گے اور موقع بموقعہ

حسبِ ضرورت تمہیں وحی کے ذریعہ سے سمجھاتے جائیں گے کہ کشتی کتنی لمبی چوڑی ہو اور کون سی چیز کہاں بنائی جائے۔ عنقریب ایک سخت طوفان آنے والا ہے جبکہ پانی ہر طرف سے زمین پر ٹوٹ پڑے گا۔ آسمان سے لگاتار مینہ برسے گا۔ زمین سے بے تحاشا پانی ابلے گا اور کوئی جاندار ہلاک ہونے سے نہ بچے گا مگر وہی کہ جو تمہاری بنائی ہوئی کشتی میں سوار ہو جائیں گے۔ اور طوفان کے ابتدا کی نشانی یہ ہوگی کہ تنور سے پانی جوش مار کر نکلنا شروع ہو جائے گا۔ یہ نشانی دیکھتے ہی ہر جانور کا ایک جوڑہ نر و مادہ کشتی پر چڑھا لینا اور جو نہ بیٹھے اسے چھوڑ دینا۔

یہ طوفانِ نوح کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے تاکہ انسانوں کے کان میں بار بار پڑتا رہے اور ہر سمجھدار کے دل میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی مخالفت کرنے والے ہر زمانہ میں بری طرح تباہ ہوئے اگرچہ انہیں مہلت ملتی رہی۔ تو حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جب پانی زمین پر ابلنے لگے تو کشتی میں ہر قسم کے جانوروں میں سے جو پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے ایک ایک جوڑا اٹھا لیا جائے اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لیا جائے۔ مگر جو نہ بیٹھے اسے چھوڑ دیا جائے اور کوئی کشتی میں بیٹھے بغیر ڈوبنے اور ہلاک ہونے سے بچ نہیں سکتا۔ اور یہ خیال رہے کہ ظالموں یعنی کافروں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا۔ ان کی بابت فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ اپنی بداعمالی کا خمیازہ بھگتیں گے اور ڈوب کر ہلاک ہوں گے۔ آگے نوح علیہ السلام کو ہدایت ہوئی کہ جب آپ اور آپ کے ماننے والے کشتی میں سوار ہو جائیں تو پھر سب اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں اور اس کا شکر ادا کریں اور اس طرح کہیں کہ اے اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں ظالموں سے بچا لیا اور غرق ہونے کے عذاب سے محفوظ کر دیا۔ اے اللہ! اس کشتی سے ہمیں خشکی میں بخیر و عافیت اتارنا اور آپ سے بہتر ہماری بہبودی کا انتظام کرنے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آپ ہی ہمیں جب تک کشتی میں رکھنا ہو آرام و آسائش سے رکھئے گا اور جب اترنے کا وقت آئے تو اس طرح اتاریئے گا کہ ہمیں کوئی زحمت اور تکلیف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو یہ دعا تعلیم فرمائی گئی اور پھر اپنی رحمت سے اسے قبول بھی فرمایا چنانچہ اہل کشتی کو نہ کشتی میں کوئی تکلیف نہ اترنے پر کوئی دقت محسوس ہوئی۔ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اہلِ عقل کے لئے اس واقعہ میں ہماری قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم یہ نشانیاں معلوم کرا کر اپنے بندوں کو آزماتے ہیں کہ دیکھیں کون اُن سے سمجھ اور نفع حاصل کرتا ہے۔ وہ کون سی نشانیاں ہیں جن کی طرف یہاں اشارہ فرمایا گیا۔ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ خشکی میں طوفانِ عظیم کا آنا اور کافروں کی تمام بستیوں کا غرق ہو جانا اور اہلِ ایمان کا نجات پانا اور اس طرح سے انسانی سلسلہ کا باقی رکھنا کافروں کو ایک مدت دراز تک ڈھیل دینا اور آخر میں اہلِ حق اور اہلِ ایمان کو فتح و کامیابی عطا فرمانا۔ ان تمام امور میں آیاتِ قدرت اور علاماتِ حکمت ہیں تاکہ غور کرنے والے غور کریں اور سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش بہت طویل ہوتی ہے۔ خدا بہت ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ دنیوی آسائش و راحت کی فراوانی۔ مال و اولاد کی کثرت۔ صحت و قوت۔ عزت و حکومت کسی چیز پر نازاں نہ ہونا چاہئے۔ حق سے عدول حکمی کرنے اور صداقت سے منہ پھیرنے کا انجام تباہی ہے۔ آج نہیں تو کل تباہی آئے گی۔ یہ عیش و عشرت اور ناز و نعمت کے اسباب سب ختم ہو جائیں گے۔ نبی کی نافرمانی بلاخیز اور عذاب آفرین ہے۔ آن کی آن میں طوفانِ عظیم برپا کر دیتی ہے اور اللہ کی قدرت قاہرہ بھی غیر متناہی ہے اس کو ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں۔

یہاں ان آیات کا اخیر جملہ وان کنا لمبتلین اور آزمائش تو ہم کرتے ہی رہتے ہیں یا آزمائش تو ہم کر کے ہی رہتے ہیں اس حقیقت پر خبردار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو بھی اپنی زمین اور اس کی بے شمار چیزوں پر اقتدار عطا کر کے بس یوں ہی نہیں اس کے حال پر چھوڑ دیتا بلکہ اس کی آزمائش کرتا ہے اور دیکھتا رہتا ہے کہ وہ اپنے اقتدار کو کس طرح استعمال کر رہی ہے۔ قوم نوح کے ساتھ جو کچھ ہوا اسی قانون کے مطابق ہوا اور دوسری کوئی قوم بھی ایسی نہیں کہ آزاد چھوڑ دی جائے اس آزمائش کے معاملہ سے ہر ایک کو لازماً سابقہ پیش آنا ہے۔ اب قوم نوح کے بعد آگے دوسری قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٣١﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا

پھر ہم نے قوم نوحؑ کے بعد دوسرا گروہ پیدا کیا پھر ہم نے اُن میں ایک پیغمبر کو بھیجا جو اُن میں ہی کے تھے (ان پیغمبر نے کہا) کہ تم لوگ اللہ ہی کی عبادت کرو

اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا

اُس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔کیا تم ڈرتے نہیں ہو اور اُن کی قوم میں جو رئیس تھے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا تھا

بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ

اور ہم نے اُن کو دُنیوی زندگی میں عیش بھی دیا تھا کہنے لگے کہ بس یہ تو تمہاری طرح ایک آدمی ہیں یہ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو

مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿٣٣﴾ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ ﴿٣٤﴾ أَيَعِدُكُمْ

اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو۔اور اگر تم اپنے جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بیشک تم (عقل کے) گھاٹے میں ہو۔کیا یہ شخص تم سے کہتا ہے

أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُمْ مُخْرَجُونَ ﴿٣٥﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿٣٦﴾ إِنْ

کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے تو (دوبارہ زندہ کرکے) نکالے جاؤ گے بہت ہی بعید بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے پس زندگی

هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٣٧﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ

تو یہی ہماری دنیوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ کیے جاویں گے۔بس یہ ایک ایسا شخص ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے

عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٣٩﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ

اور ہم تو ہرگز اسکو سچا نہ سمجھیں گے۔پیغمبر نے دعا کی کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے اسوجہ سے کہ انہوں نے مجھکو جھٹلایا ارشاد ہوا کہ یہ لوگ عنقریب

لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿٤٠﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾

پشیمان ہوں گے۔چنانچہ ان کو ایک سخت آواز نے موافق وعدۂ برحق کے آپکڑا پھر ہم نے اُنکو خس وخاشاک کی طرح پامال کردیا۔سوخدا کی مار کافر لوگوں پر

ثُمَّ پھر	أَنْشَأْنَا ہم نے پیدا کیا	مِنْ بَعْدِهِمْ ان کے بعد	قَرْنًا گروہ	آخَرِينَ دوسرا	فَأَرْسَلْنَا پھر بھیجے ہم نے		
فِيهِمْ انکے درمیان	رَسُولًا رسول	مِنْهُمْ ان میں سے	أَنْ کہ	اعْبُدُوا تم عبادت کرو	اللَّهَ اللہ	مَا لَكُمْ نہیں تمہارے لئے	
مِنْ إِلَٰهٍ کوئی معبود	غَيْرُهُ اسکے سوا	أَفَلَا تَتَّقُونَ کیا پھر تم ڈرتے نہیں؟	وَقَالَ اور کہا	الْمَلَأُ سرداروں	مِنْ قَوْمِهِ اسکی قوم کے		
الَّذِينَ وہ جنہوں نے	كَفَرُوا کفر کیا	وَكَذَّبُوا اور جھٹلایا	بِلِقَاءِ حاضری کو	الْآخِرَةِ آخرت	وَأَتْرَفْنَاهُمْ اور ہم نے انہیں عیش دیا		
فِي میں	الْحَيَاةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	مَا هَٰذَا یہ نہیں	إِلَّا مگر	بَشَرٌ ایک بشر	مِثْلُكُمْ تمہیں جیسا	يَأْكُلُ وہ کھاتا ہے	مِمَّا اس سے جو
تَأْكُلُونَ تم کھاتے ہو	مِنْهُ اس سے	وَيَشْرَبُ اور پیتا ہے	مِمَّا اس سے جو	تَشْرَبُونَ تم پیتے ہو	وَلَئِنْ اور اگر	أَطَعْتُمْ تم نے اطاعت کی	
بَشَرًا ایک بشر	مِثْلَكُمْ اپنے جیسا	إِنَّكُمْ بیشک تم	إِذًا اسوقت	لَخَاسِرُونَ گھاٹے میں رہوگے	أَيَعِدُكُمْ کیا وہ وعدہ دیتا ہے تمہیں		
أَنَّكُمْ کہ تم	إِذَا جب	مِتُّمْ مرگئے	وَكُنْتُمْ اور تم ہوگئے	تُرَابًا مٹی	وَعِظَامًا اور ہڈیاں	أَنَّكُمْ تو تم	مُخْرَجُونَ نکالے جاؤگے

هَيْهَاتَ بعید ہے	هَيْهَاتَ بعید ہے	لِمَا وہ جو	تُوْعَدُوْنَ تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے	اِنْ هِيَ نہیں	اِلَّا مگر	حَيَاتُنَا ہماری زندگی	
الدُّنْيَا دنیا	نَمُوْتُ اور ہم مرتے ہیں	وَنَحْيَا اور ہم جیتے ہیں	وَمَا اور نہیں	نَحْنُ ہم	بِمَبْعُوْثِيْنَ پھر اٹھائے جانے والے	اِنْ نہیں	
هُوَ وہ	اِلَّا مگر	رَجُلُ ایک آدمی	افْتَرٰی اس نے جھوٹ باندھا	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	كَذِبًا جھوٹ	وَمَا اور نہیں	نَحْنُ ہم
لَهٗ اس پر	بِمُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	قَالَ اس نے عرض کیا	رَبِّ میرے رب	انْصُرْنِيْ میری مدد فرما	بِمَا اس پر جو		
كَذَّبُوْنِ انہوں نے مجھے جھٹلایا	قَالَ اس نے فرمایا	عَمَّا قَلِيْلٍ بہت جلد	لَيُصْبِحُنَّ وہ ضرور رہ جائیں گے	نٰدِمِيْنَ پچھتانے والے			
فَاَخَذَتْهُمُ پس انہیں آ پکڑا	الصَّيْحَةُ چنگھاڑ	بِالْحَقِّ وعدہ حق کے مطابق	فَجَعَلْنٰهُمْ سو ہم نے انہیں کر دیا	غُثَآءً خس و خاشاک			
فَبُعْدًا دور ہو	لِلْقَوْمِ قوم کیلئے	الظّٰلِمِيْنَ ظالم					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہوا تھا۔اب آگے ان آیات میں یہ تذکرہ کسی اور قوم کا ہے۔ آیات میں کسی قوم کی تخصیص اور تعیین نہیں کی گئی مگر اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے قوم ثمود یا قوم عاد مراد ہے۔ اس طرح ان کے پیغمبر سے مراد حضرت صالح علیہ السلام یا حضرت ہود علیہ السلام ہیں۔ بہرحال آیت میں کوئی تعیین نہیں۔ ممکن ہے کہ عاد اور ثمود کے علاوہ کوئی اور قوم مراد ہو۔ واللہ اعلم۔ حضرت نوحؑ کی وفات کے بعد کچھ زمانہ تک تو لوگ توحید پر قائم ہے جب طویل زمانہ کے بعد پھر حالت بگڑ گئی تو ہدایت کیلئے نبی کو بھیجا گیا۔ نبی نے شرک کی مخالفت کی۔ توحید کا حکم دیا اور عذابِ قیامت سے ڈرایا اور نیک عمل کی ہدایت کی۔ وہ لوگ جو مال و دولت کے نشہ میں سرشار تھے اور جنہیں قوم کی سرداری حاصل تھی وہ پیغمبر کی مخالفت میں آگے بڑھے اور وہی بیہودہ کفر اور بے بنیاد شبہات واعتراضات پیش کئے جو پہلے گمراہ اپنے پیغمبر کی مخالفت میں پیش کیا کرتے تھے۔ وہ آخرت کے معتقد نہ تھے کہ مرنے کے بعد ایک دن دربارِ خداوندی میں حاضر ہونا ہے۔ بس دنیا کی زندگی اور اس کا عیش وآرام ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اس بنا پر نبی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے خود تو گمراہ تھے ہی عوام اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی گمراہی میں اپنے ساتھ رکھتے چنانچہ انہوں نے پہلے تو نبی کی ذات پر حملہ کیا اور اپنی قوم کے عوام سے کہا کہ یہ تمہیں جیسے ایک بشر ہیں۔ کھانا پینا۔ سونا جاگنا سب بشری خواص تمہاری طرح ان میں موجود ہیں۔ بظاہر کوئی بات ان میں تم سے سوا نہیں (گویا وہی جاہلانہ خیال کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا) تو اس سے بڑی خرابی اور ذلت کیا ہوگی کہ اپنے جیسے ایک معمولی آدمی کو خواہ مخواہ مخدوم پر مطاع ٹھہرا لیا جائے۔ تو اپنی قوم کی سیادت کو قائم رکھنے کے لئے عوام کو یہ بتلایا کہ اگر ان کو ہادی ومرشد تسلیم کرلیا تو یہ سب کے آقا اور مقتدا بن جائیں گے ہمارا قومی وقار خاک میں مل جائے گا۔ پھر نبی کی مخالفت میں ان سرداران نے ایک دلیل یہ دی کہ کس قدر بعید از عقل بات یہ کہنا ہے کہ مرنے کے بعد ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہوجانے اور مٹی کے ذرات میں مل جانے کے بعد پھر قبروں سے آدمی بن کر اٹھیں گے۔ ایسی مہمل بات ماننے کو کون تیار ہوگا۔ یہ جو آخرت آخرت اور حساب کتاب سے ڈراتے ہیں تو کہاں کی آخرت اور کہاں کا حساب کتاب۔ ہم تو جانیں یہی ایک دنیا کا سلسلہ اور یہی ایک مرنا جینا ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ کوئی پیدا ہوا کوئی فنا ہوگیا۔ آگے بس کچھ نہیں۔ اور یہ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے عذاب وثواب دے گا تو یہ دونوں دعوے ایسے ہیں جن کو ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ خواہ مخواہ جھگڑنے اور دردسری سے کیا فائدہ۔

آخر پیغمبر نے کفار کی طرف سے ناامید ہو کر دعا کی کہ اے میرے رب میری مدد فرما کہ یہ منکرین برابر مجھ کو جھٹلا رہے ہیں۔ چنانچہ جواباً حق تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ ان پر اب عذاب آیا چاہتا ہے۔ جس کے بعد پچھتائیں گے اور وہ پچھتانا نفع نہ دے گا۔ پھر نتیجہ نافرمانی اور سرکشی کا وہی ہوا جو اس سے پہلے منکرین کا ہو چکا تھا۔ ایک غیبی دھماکے یا چیخ سے کافروں کا ستیاناس ہوگیا۔ اور جس طرح سیلاب خس وخاشاک کو بہالے جاتا ہے اسی طرح عذابِ الٰہی کے سیل میں بہے چلے گئے۔ اور اللہ کی پھٹکار کے مستحق بنے اور اس کی رحمت سے دور ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں بھی یہی جتلانا اور عبرت دلانا مقصود ہے کہ دولت، حکومت، عزت وسیادت یہ سب عارضی آزمائشی چیزیں ہیں۔ اللہ ڈھیل دیتا رہتا ہے مگر اللہ کی ڈھیل امتحانی ہوتی ہے بالآخر سخت ترین گرفت کرلی جاتی ہے۔ باطل وحق کے مقابلہ میں انجام کار حق کا غلبہ اور باطل کی شکست، انبیاء کی فتح اور ان کے حریفوں کی تباہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد آگے دوسری اقوام کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

پھر اُن کے ہلاک ہونے کے بعد ہم نے اور اُمتوں کو پیدا کیا کوئی اُمت اپنی مدتِ معینہ سے نہ پیش دستی کر سکتی تھی اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا

پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجا جب کبھی کسی امت کے پاس اُس امت کا رسول آیا اُنہوں نے اسکو جھٹلایا سو ہم نے ایک کے بعد ایک کا نمبر لگا دیا

وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ڏ

اور ہم نے اُن کی کہانیاں بنادیں۔ سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہ لاتے تھے۔ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارونؑ کو اپنے احکام اور کھلی دلیلیں دے کر

بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا

فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی متکبر چنانچہ وہ کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾

آدمی ہیں ایمان لے آئیں حالانکہ اُن کی قوم کے لوگ ہمارے زیر حکم ہیں۔ غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے پس ہلاک کئے گئے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تاکہ وہ لوگ ہدایت پاویں۔ اور ہم نے مریم کے بیٹے کو اور ان کی ماں کو بڑی نشانی بنایا

وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو ٹھیرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی

ثُمَّ پھر	اَنْشَاْنَا ہم نے پیدا کیا	مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان کے بعد	قُرُوْنًا اُمتیں	اٰخَرِيْنَ دوسری۔ اور	مَا تَسْبِقُ نہیں سبقت کرتی ہے	
مِنْ اُمَّةٍ کوئی اُمت	اَجَلَهَا اپنی میعاد	وَمَا اور نہ	يَسْتَاْخِرُوْنَ پیچھے رہ جاتی ہے	ثُمَّ پھر	اَرْسَلْنَا ہم نے بھیجے	رُسُلَنَا رسول
تَتْرَا پے درپے	كُلَّمَا جب بھی	جَاۗءَ آیا	اُمَّةً کسی امت میں	رَسُوْلُهَا اس کا رسول	كَذَّبُوْهُ انہوں نے اسے جھٹلایا	
فَاَتْبَعْنَا تو ہم پیچھے لائے	بَعْضَهُمْ ان میں سے ایک	بَعْضًا دوسرے	وَجَعَلْنٰهُمْ اور اُنہیں بنادیا ہم نے	اَحَادِيْثَ افسانے		
فَبُعْدًا سو دوری (مار)	لِقَوْمٍ لوگوں کیلئے	لَا يُؤْمِنُوْنَ جو ایمان نہیں لائے	ثُمَّ پھر	اَرْسَلْنَا ہم نے بھیجا	مُوْسٰى موسیٰ	
وَاَخَاهُ اور ان کا بھائی	هٰرُوْنَ ہارونؑ	بِاٰيٰتِنَا ساتھ (ہماری) اپنی نشانیاں	وَسُلْطٰنٍ اور دلائل	مُبِيْنٍ کھلے	اِلٰى طرف	
فِرْعَوْنَ فرعون	وَمَلَا۟ىِٕهٖ اور اس کے سردار	فَاسْتَكْبَرُوْا تو انہوں نے تکبر کیا	وَكَانُوْا اور وہ تھے	قَوْمًا لوگ	عَالِيْنَ سرکش	
فَقَالُوْٓا پس انہوں نے کہا	اَنُؤْمِنُ کیا ہم ایمان لے آئیں	لِبَشَرَيْنِ دو آدمیوں پر	مِثْلِنَا اپنے جیسے	وَقَوْمُهُمَا اور ان کی قوم		
لَنَا ہماری	عٰبِدُوْنَ بندگی (خدمت) کرنے والے	فَكَذَّبُوْهُمَا پس انہوں نے جھٹلایا دونوں کو	فَكَانُوْا تو وہ ہوگئے	مِنَ سے		

الْمُهْلَكِيْنَ ہلاک ہونے والے	وَ اور	لَقَدْ اٰتَيْنَا تحقیق ہم نے دی	مُوْسٰى موسیٰ	الْكِتٰبَ کتاب	لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ لوگ
يَهْتَدُوْنَ ہدایت پالیں	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	ابْنَ مَرْيَمَ مریم کے بیٹا (عیسیٰ) کو	وَاُمَّهٗ اور ان کی ماں	اٰيَةً ایک نشانی	
وَاٰوَيْنٰهُمَا اور ہم نے انہیں ٹھکانہ دیا	اِلٰى طرف۔ پر	رَبْوَةٍ ایک بلند ٹیلہ	ذَاتِ قَرَارٍ ٹھہرنے کا مقام	وَمَعِيْنٍ اور جاری پانی	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہوا تھا اس کے بعد قوم عاد یا ثمود میں سے کسی ایک کا ذکر ہوا تھا۔ اب اجمالاً بعض دوسری اُمتوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ ان امتوں میں سے بعض کا ذکر قدرے تفصیلاً سورۂ اعراف وغیرہ میں گزر چکا ہے جہاں عاد کے بعد ثمود اور ثمود کے بعد قوم لوط اور قوم لوط کے بعد اہل مدین کا ذکر آیا ہے۔

یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ہر ایک قوم جس نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی ٹھیک اپنے اپنے وعدہ پر ہلاک کی جاتی رہی۔ جو میعاد کسی قوم کی تھی ایک منٹ اس سے آگے پیچھے نہ ہوئی۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کا تانتا باندھ دیا کہ یکے بعد دیگرے پیغمبر آتے رہے اور مکذبین کو بھی ایک کے پیچھے دوسرے کو چلتا کرتے رہے۔ ادھر پیغمبروں کی بعثت کا ادھر ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگا دیا چنانچہ بہت قومیں ایسی تباہ و برباد کردی گئیں جن کے قصہ کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ آج ان کی داستانیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ تو انبیاء کی تکذیب و مخالفت کا دور چلتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عظیم الشان دور آیا۔ آپ بڑے جلیل القدر نبی تھے۔ چونکہ آپ کو مستقل کتاب عطا کی گئی تھی اور ایک کثیر التعداد قوم کی نجات کے لئے مامور و مبعوث کیا گیا تھا اس لئے پیغمبروں کے مجمل تذکرہ کے بعد آپ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ صراحۃً کیا گیا اور بتلایا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام ہمارا پیغام لے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس پہنچے مگر فرعون اور اس کے درباریوں نے ایک نہ سنی انہیں اپنی حکومت و ریاست اور قوت و دولت پر گھمنڈ تھا اور ان کے دماغ میں اپنی برتری اور بالادستی کا بھوت سمایا ہوا تھا اسلئے خدائی پیغام کو خاطر میں نہ لائے اور کہنے لگے کہ ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے آدمی ہیں ایمان لے آویں اور ان کے مطیع بن جاویں حالانکہ ان کی قوم کے لوگ یعنی بنی اسرائیل تو خود ہمارے غلام۔ خدمت گار اور زیر حکومت ہیں۔ ہم ان کی بات کیسے مان لیں اور ان کو اپنا سردار کیسے بنالیں۔ غرض انہوں نے دونوں کو جھوٹا بتلایا۔ آخر جب وقت آیا تو وہ بھی اور نافرمانوں کی طرح تباہ ہوئے اور بنی اسرائیل کو نجات مل گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی پیغمبر آتے رہے مگر توریت پر سب کے سب عمل کرتے رہے۔ چھوٹے بڑے صحیفے نازل ہوتے رہے مگر کوئی مستقل شریعت نازل نہیں ہوئی بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اسرائیلی نبوت کا سلسلہ ختم ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بڑی شان کے ساتھ تبلیغ شروع کی مگر منکرین نے باوجود واضح معجزات کے مخالفت کی اور آپ ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا واقعہ ہے۔ اس وقت شام کے ظالم بادشاہ ہیر دوس نے نجومیوں سے یہ سن کر کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سرداری ملے گی بچپن ہی سے آپ کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام آپ کی والدہ ماجدہ الہام ربانی سے آپ کو لے کر ملک مصر میں چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام میں واپس چلی آئیں۔ یہاں آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و توحید پر دلالت کے لئے اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو قدرت کی ایک

بڑی نشانی بنادیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے اور چونکہ آپ کو نبی بنانا منظور تھا اور اس وقت ظالم بادشاہ آپ کے بچپن ہی میں درپے قتل ہوگیا تھا اس لئے اس سے بچا کر ان دونوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو سرسبز و شاداب تھی جس سے مراد اکثر مفسرین کے قول کے موافق مصر کی زمین مراد ہے۔ جہاں رہ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے۔ اور نبوت عطا ہوئی اور توحید و دعویٰ رسالت میں آپ کی تصدیق ضروری تھی مگر بعض نے مانا اور بعض نے نہ مانا۔

خلاصہ یہ کہ ہر پیغمبر کی امت میں ایسے لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ قریش یا اہلِ مکہ یا عرب کے باشندے جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ باطل پرست گروہ ہمیشہ سے حاملانِ صداقت کی مخالفت کرتا چلا آ رہا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین وملت ایک ہے اور سب کا خدا بھی ایک ہے لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور جدا جدا راہیں نکال لیں۔ اگلی آیات میں اسی مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو توحید اور ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا۔ حق تعالیٰ ان نعمتوں کا ہم کو حقیقی شکر گزار بنا دیں اور اپنے مطیع اور فرمانبردار بندوں میں شامل فرمادیں۔ گذشتہ نافرمان امتوں کے واقعات سے ہم کو عبرت حاصل کرنے اور اپنے رسول پاک کی ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ؕ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ

اے پیغمبرو تم نفیس (پاکیزہ) چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو میں تم سب کے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں۔ اور یہ ہے تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے

هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ

اور (حاصل اس طریقہ کا یہ ہے) کہ میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرتے رہو سو ان لوگوں نے اپنے دین میں اپنا طریقہ الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کر لیا۔

حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۵۴﴾ اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ

ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ اُسی سے خوش ہے۔ سو آپ اُن کو اُن کی جہالت میں ایک خاص وقت تک رہنے دیجئے کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ

بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں۔ بلکہ یہ لوگ نہیں جانتے۔

یٰٓاَیُّهَا اے	الرُّسُلُ رسول	كُلُوْا کھاؤ	مِنَ سے	الطَّیِّبٰتِ پاکیزہ چیزیں	وَاعْمَلُوْا اور عمل کرو	صَالِحًا نیک	اِنِّیْ بیشک میں
بِمَا اسے جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	عَلِیْمٌ جاننے والے	وَاِنَّ اور بیشک	هٰذِهٖ یہ	اُمَّتُكُمْ تمہاری اُمت		
اُمَّةً وَّاحِدَةً ایک امت اُمتِ واحدہ	وَاَنَا اور میں	رَبُّكُمْ تمہارا رب	فَاتَّقُوْنِ پس مجھ سے ڈرو	فَتَقَطَّعُوْا پھر انہوں نے کاٹ لیا			
اَمْرَهُمْ اپنا کام	بَیْنَهُمْ آپس میں	زُبُرًا ٹکڑے ٹکڑے	كُلُّ حِزْبٍ ہر گروہ	بِمَا اس پر جو	لَدَیْهِمْ ان کے پاس	فَرِحُوْنَ خوش	
فَذَرْهُمْ پس چھوڑ دے انہیں	فِیْ غَمْرَتِهِمْ ان کی غفلت میں	حَتّٰی تک	حِیْنٍ ایک مدت مقررہ	اَیَحْسَبُوْنَ کیا وہ گمان کرتے ہیں			
اَنَّمَا کہ جو کچھ	نُمِدُّهُمْ ہم مدد کر رہے ہیں انکی	بِهٖ اس کے ساتھ	مِنْ سے	مَالٍ مال	وَبَنِیْنَ اور اولاد	نُسَارِعُ ہم جلدی کر رہے ہیں	
	لَهُمْ ان کیلئے	فِی الْخَیْرٰتِ بھلائی میں	بَلْ بلکہ	لَا یَشْعُرُوْنَ وہ شعور (سمجھ) نہیں رکھتے			

تفسیر و تشریح:۔ پچھلے دو رکوع میں متعدد انبیائے کرام کا ذکر فرمایا گیا ہے اس کے بعد یآیها الرسل کہہ کر تمام پیغمبروں کو خطاب فرمایا جاتا ہے۔ تو اس خطاب سے یہ مطلب نہیں کہ کہیں سارے پیغمبر یکجا موجود تھے اور ان سب کو خطاب کر کے یہ مضمون ارشاد فرمایا گیا بلکہ اس خطاب سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہر زمانے میں مختلف قوموں اور مختلف جگہوں میں آنے والے انبیاء کو یہی ہدایت کی گئی تھی اور سب کے سب اختلافِ زمانہ اور مقام کے باوجود ایک ہی حکم کے مخاطب تھے۔

اوپر بتلایا گیا تھا کہ تمام منکرین انبیاء یہی شبہ اور اعتراض پیش کرتے رہے کہ ہم میں اور ان میں جو پیغمبری کا دعویٰ کرتے ہیں فرق کیا ہے؟ جو ہم کھاتے پیتے ہیں یہ بھی وہی کھاتے پیتے ہیں۔ یہ ملائکہ یا ان کی مانند کیوں نہیں کہ بشریت اور انسانیت کے تقاضوں سے بالاتر ہوتے۔ گویا بشر کا خدا کا رسول یا پیغمبر ہونا ان کے جاہلانہ خیال میں ممکن نہ تھا تو یہاں تمام انبیاء کا ذکر فرما کر ان کے اس شبہ کے جواب میں فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں سے کہہ دیا تھا کہ طیب یعنی حلال اور پاک چیزیں کھاؤ پیو تمہارے ہی لئے یہ نعمتیں اللہ نے پیدا کی ہیں۔ ہاں حرام اور گندی چیزیں نہ کھاؤ نہ پیو۔ تو بزرگی یا نبوت و رسالت کا مدار پاک اور حلال چیزوں کے ترک کر دینے پر نہیں جیسا یہ منکرین جہلا سمجھے ہوئے ہیں۔

آگے چونکہ تمام انبیاء کو ایک امت ایک جماعت ایک گروہ

قرار دیا گیا ہے۔اس لئے طرز بیان یہاں ایسا اختیار کیا گیا کہ تمام انبیاء کے ایک گروہ ہونے کا نقشہ سامنے آجائے گویا کہ سارے کے سارے انبیاء ایک جگہ جمع ہیں اور سب کو ایک ہی ہدایت دی جارہی ہے۔ یہاں پر یہ تذکرہ کر دینا باعث دلچسپی ہوگا کہ یا یھا الرسل کے اس خطاب اور طرزِ کلام کی لطافت و بلاغت بعض اس چودھویں صدی کے گمراہوں کے سمجھ میں نہ آئی اور وہ اس سے یہ نتیجہ نکال بیٹھے کہ یہ خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے انبیاء کی طرف ہے اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی سلسلۂ نبوت کے جاری ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ استغفر اللہ۔ اہلِ اسلام کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ورسالت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہے۔اس کے خلاف عقیدہ کفر ہے۔مگر خود ساختہ نبوت اور اس کے گمراہ متبعین کو کچھ نہ کچھ دلیل تو پیش کرنا ہی ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

تو یہاں اللہ تعالیٰ اپنے تمام انبیاء علیہم السلام کو حکم فرماتے ہیں کہ وہ پاک اور حلال چیزیں حلال طریقوں سے حاصل کی ہوئی کھائیں اور نیک اعمال بجالایا کریں۔ یہاں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ عمل صالح سے پہلے طیبات کھانے کی ہدایت سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اعمالِ صالحہ کے لئے یہ شرط اول ہے کہ آدمی رزق حلال کھائے۔حرام خوری کے ساتھ عمل صالحہ کے کوئی معنی نہیں۔حدیث شریف میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو اللہ خود پاک ہے اس لئے پاک ہی چیز کو پسند کرتا ہے۔پھر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائی اور اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص لمبا سفر کر کے غبار آلود اور پراگندہ حال آتا ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتا ہے یارب یارب مگر حال یہ ہوتا ہے کہ رزق اس کا حرام لباس اس کا حرام اور جسم اس حرام کے رزق سے پلا ہوا اب کس طرح ایسے شخص کی دعا قبول ہو۔تو حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کا کھانا پینا پہننا حرام کا ہوا سے اپنی دعا کی قبولیت کی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو گوشت حرام سے اگا ہو۔ دوزخ کی آگ اس کی زیادہ حقدار ہے۔(العیاذ باللہ)

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ حلال کھانے اور نیک کام کرنے والوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام کھلے اور چھپے احوال وافعال سے باخبر ہے۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین وملت ایک اور سب کا خدا بھی ایک ہے جس کی نافرمانی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا اور جدا جدا راہیں نکال لیں۔اس طرح سینکڑوں مذہب فرقہ بن گئے۔ یہ تفریق انبیاء نے نہیں سکھلائی۔ ان کے ہاں صرف فروعی اختلاف تھا۔اصولِ دین میں سب بالکلیہ متفق رہے ہیں۔اور پھر ہر فرقہ اور ہر گروہ یہی سمجھتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور ہماری ہی راہ سیدھی ہے۔تو یہاں اصل دین حق کی وحدت اور بعد کے ایجاد کردہ مذاہب کی حقیقت بیان فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ہدایت کی جاتی ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء کی متفقہ ہدایات میں رخنے ڈال کر الگ الگ فرقے اور ملتیں قائم کر دیں ہر فرقہ اپنے ہی عقائد وخیالات پر دل جمائے بیٹھا ہے کسی طرح اس سے ہٹنا نہیں چاہتا خواہ آپ کتنی ہی نصیحت فرمائیں تو آپ بھی ان کے غم میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ ان کو تھوڑی سی مہلت دیجئے یہ اپنی جہالت اور غفلت کے نشہ میں ڈوبے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آپہنچے جب کہ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں یعنی موت یا عذابِ الٰہی ان کے سروں پر منڈلانے لگے۔

پھر کفار کا خیال تھا کہ ان کے پاس کثرت مال واولاد ان کے مذہب کی صداقت کی بنا پر ہے جیسا کہ آج بھی ظاہر بین طبقہ کے لئے کفار کے مال وثروت کی فراوانی اور اولاد کی کثرت نظر فریب اور دلکش ہوتی ہے تو کفار عرب کہتے کہ اگر یہ اہلِ

ایمان حق پر ہوتے تو افلاس اور خستہ حالی میں کیوں مبتلا ہوتے۔ دنیوی عیش و دولت ان کو کیوں حاصل نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ یہ منکرین سمجھتے نہیں کہ مال و اولاد کی یہ افراط ان کی فضیلت و کرامت کی وجہ سے نہیں بلکہ امہال اور استدراج کی بنا پر ہے۔ جتنی ڈھیل دی جارہی ہے اسی قدر ان کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہورہا ہے۔

تو یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص یا قوم یا جماعت ایک طرف تو حق سے منکر و منحرف اور فسق و فجور اور ظلم و طغیان میں مبتلا ہو اور دوسری طرف اس پر دنیوی نعمتوں کی بارش ہورہی ہو تو قرآن و حدیث دونوں کی رُو سے یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شدید ترین آزمائش میں ڈال دیا ہے اور اس پر یہ خدا کی رحمت نہیں بلکہ اس کی پکڑ اور سزا کا فیصلہ کرلیا گیا ہے۔ جیسا کہ ساتویں پارہ سورۂ انعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **فلما نسوا ماذکروا به فتحنا علیهم ابواب کل شیء حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنهم بغتة فاذاهم مبلسون**o (پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کردیئے۔ یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے تو ہم نے ان کو دفعتہً پکڑلیا۔ پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے)۔ اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو باقی رکھنا اور ترقی دینا چاہتے ہیں تو دو وصف ان میں پیدا کردیتے ہیں۔ ایک ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی۔ دوسرے عفت و عصمت۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنا رشتہ توڑ لینا چاہتے ہیں تو اسے کشائش رزق عطا فرمائی جاتی ہے۔ اور ان پر خیانت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور جب وہ مغرور ہوجاتے ہیں تو ناگہاں انہیں پکڑلیتا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کے معاصی کے باوجود دنیاوی عیش و تنعم اللہ نے اسے دے رکھا ہے۔ یعنی باوجود گناہوں اور نافرمانیوں پر جمے رہنے کے نعمت اور دولت اس پر برس رہی ہے تو یقین کرلو کہ یہ خدا کی ڈھیل کا وقت گزر رہا ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سورۂ انعام والی آیات پڑھیں۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس پر رزق وسیع ہوتا ہے وہ اس بات پر غور ہی نہیں کرتا کہ یہ بھی خدا کی ایک سیاست ہے اور جس کو تنگ حالی ہو وہ بھی غور نہیں کرتا کہ اس کی آزمائش کی گئی ہے، رب کعبہ کی قسم جب گناہ گاروں کو پکڑنا مقصود ہوتا ہے تو دنیا میں انہیں سرسبز رکھا جاتا ہے۔

قرآنِ کریم نے اس حقیقت کو مختلف جگہوں پر مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے تاکہ اصل حقیقت خوب واضح ہوجائے اور یہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے کہ اصل صلاح و فلاح اور کامیابی کیا ہے؟ اور کن امور میں ہے؟ اسی کو اگلی آیات میں واضح فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی دین کی سمجھ عطا فرمائیں۔ اور حقیقی صلاح و فلاح حاصل کرنے کے لئے ہم کو توفیق حسن عطا فرمائیں۔ اور دنیا میں اپنی ہی عطا کردہ نعمتوں کی شکرگزاری کی توفیق نصیب فرمائیں تاکہ ان نعمتوں کا استعمال کرکے ہم کو مالکِ حقیقی اور معبودِ حقیقی کی اطاعت و فرمانبرداری نصیب ہو، حق تعالیٰ ہم کو اکلِ حلال نصیب فرمائیں۔ اور اس کو ذریعۂ اعمال صالح کا بنادیں اور دین حقیقی یعنی اسلام جو تمام انبیاء کا دین ہمیشہ رہا ہے اس پر ہم کو قائم رکھیں اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیں۔ دین میں آپس میں اختلاف اور تفرقہ بندی کی لعنت سے امت مسلمہ کو بچائیں اور جن پر یہ تفرقہ بندی کی لعنت مسلط ہے اللہ تعالیٰ ان کو بصیرت و ہدایت عطا فرمائیں اور اس لعنت کو ان سے دور فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں

وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ

اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے ہیں اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور اُن کے دل اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں

إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾ وَلَا نُكَلِّفُ

کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔ یہ لوگ (البتہ) اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کررہے ہیں اور وہ اُن کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ اور ہم کسی کو

نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

اس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے کو نہیں کہتے اور ہمارے پاس ایک دفتر نامۂ اعمال کا محفوظ ہے جو ٹھیک ٹھیک بتادیگا اور لوگوں پر ذرا ظلم نہ ہوگا۔

إِنَّ بیشک	الَّذِينَ جولوگ	هُم وہ	مِّنْ سے	خَشْيَةِ ڈر	رَبِّهِمْ اپنا رب	مُّشْفِقُونَ ڈرنے والے سہمے ہوئے	وَالَّذِينَ اور جو لوگ
هُم وہ	بِآيَاتِ آیتوں پر	رَبِّهِمْ اپنا رب	يُؤْمِنُونَ ایمان رکھتے ہیں	وَالَّذِينَ اور جو لوگ	هُم وہ	بِرَبِّهِمْ اپنے رب کے ساتھ	
لَا يُشْرِكُونَ شریک نہیں کرتے	وَالَّذِينَ اور جو لوگ	يُؤْتُونَ دیتے ہیں	مَا آتَوا جو وہ دیتے ہیں	وَقُلُوبُهُمْ اور ان کے دل			
وَجِلَةٌ ڈرتے ہیں	أَنَّهُمْ کہ وہ	إِلَىٰ طرف	رَبِّهِمْ اپنا رب	رَاجِعُونَ لوٹنے والے	أُولَٰئِكَ یہی لوگ	يُسَارِعُونَ جلدی کرتے ہیں	
فِي الْخَيْرَاتِ بھلائیوں میں	وَهُمْ اور وہ	لَهَا ان کی طرف	سَابِقُونَ سبقت لے جانیوالے ہیں	وَلَا نُكَلِّفُ اور ہم تکلیف نہیں دیتے			
نَفْسًا کسی کو	إِلَّا مگر	وُسْعَهَا اسکی طاقت کے مطابق	وَلَدَيْنَا اور ہمارے پاس	كِتَابٌ ایک کتاب (رجسٹر)	يَنطِقُ وہ بتلاتا ہے		
بِالْحَقِّ ٹھیک ٹھیک	وَهُمْ اور وہ (اُن)	لَا يُظْلَمُونَ ظلم نہ کئے جائیں گے (ظلم نہ ہوگا)					

تفسیر وتشریح:- گذشتہ آیات میں کفار ومنکرین کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ جو یہ سمجھتے تھے کہ ان کے پاس دنیا اور مال ودولت کی کثرت ان کے عقائد ومذہب کی صداقت کی بنا پر ہے اور اسی بناء پر کفار عرب یہ کہتے کہ اگر یہ اہل ایمان حق پر ہوتے تو افلاس اور خستہ حالی میں کیوں مبتلا ہوتے۔ یہ دھوکا عام اور عالمگیر ہے۔ آج بھی بہت سے مذہب والے اسی خیال میں مبتلا ہیں کہ جو دنیوی عیش وراحت کو اپنی حقانیت اور مقبولیت کی دلیل سمجھ رہے ہیں حالانکہ قدرت کے نظام میں قانونِ ربوبیت کے ماتحت تو سانپوں اور بچھوؤں تک کی پرورش وکفالت ہوتی رہتی ہے۔ تو کفار ومنکرین کے مذکورہ بالا خیال کا گذشتہ آیات میں رد فرمایا گیا تھا کہ حقیقتِ حال یہ نہیں کہ جو یہ منکرین مادی تصور رکھنے والے سمجھ رہے ہیں جن کے نزدیک جس کو اچھا کھانا پینا۔ اچھا لباس۔ اچھی رہائش مل گئی اور جن کو مال ودولت سے نواز دیا گیا اور جسے معاشرے میں بڑائی اور سرداری حاصل ہوگئی بس اس نے فلاح پالی اور جو اس سے محروم رہا وہ ان کے خیال میں ناکام ونامراد رہا۔ اس غلط فہمی کی اوپر تردید فرمادی گئی تھی۔ اب اس کے بعد ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ صلاح وفلاح۔ خیرات وبرکات کے حصول کی اصلی راہ کیا ہے اور وہ کون ہیں جو حقیقی

دولت کے خزانے جمع کرتے چلے جارہے ہیں اور جن کی کامرانیاں کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ درحقیقت اہلِ صدق اور اصحابِ خیر و برکات وہ لوگ ہیں جن کے اندر یہ چار صفات پائی جاتی ہیں۔

ایک: جو اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں یعنی وہ دنیا میں خدا سے بے خوف اور بے فکر ہو کر نہیں رہتے کہ جو دل چاہے کرتے رہیں اور کبھی نہ سوچیں کہ اوپر کوئی خدا بھی ہے جو ظلم وزیادتی پر پکڑنے والا ہے۔

دوسرے: وہ جو اللہ کے احکام اور اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

تیسرے: وہ کہ جو اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے یعنی وہ اللہ کے ساتھ ربوبیت۔ الوہیت اور عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے یعنی نہ کسی کو اپنا حاجت روا جانتے ہیں۔ نہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش کرتے ہیں نہ ان اوصاف میں جو باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں کسی کو اس کا ساتھی اور شریک خیال کرتے ہیں۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اللہ کے احکام اور آیات پر ایمان رکھنا جس کا اوپر ذکر ہوا اس سے خود یہ لازم آتا ہے کہ انسان توحید کا قائل اور معتقد ہو لیکن اس کے باوجود شرک نہ کرنے کا ذکر الگ کیا گیا کہ بسا اوقات انسان آیات کو مان کر بھی کسی نہ کسی طرح شرک میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ مثلاً ریا کہ کوئی عبادت یا عملِ صالح دوسروں کے دکھانے اور سنانے کیلئے کرنا یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے۔ یا انبیاء یا اولیاء کی تعظیم میں ایسا مبالغہ کرنا کہ جو شرک تک پہنچا دے یا غیر اللہ سے دعائے استعانت کرنا۔ یا احکامِ الٰہیہ کے مقابلہ میں غیر الٰہی قوانین کا برضا و رغبت اتباع کرنا اس کے علاوہ شرک جلی اور خفی کے اور بھی بہت سے اقسام ہیں جو علمائے محققین نے قرآن و حدیث کی روشنی میں جمع فرمائے ہیں تو ایمان بایاتِ اللہ کے بعد شرک کی نفی کا الگ ذکر کرنے کے مطلب یہ ہوئے کہ وہ اللہ کے لئے اپنی بندگی۔ اطاعت اور عبودیت کو بالکل خالص کر لیتے ہیں۔ ہر ایک عمل صدق و اخلاق سے ادا کرتے ہیں اور شرک کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتے۔

چوتھے: جو لوگ ایسے ہیں کہ وہ جو کچھ خیر خیرات، صدقہ و زکوٰۃ وغیرہ دیتے ہیں۔ یا اللہ کی فرمانبرداری میں جو کچھ بھی نیکیاں یا اعمال صالحہ کرتے ہیں وہ ایسی حالت میں کرتے ہیں کہ ان کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں کہ دیکھئے یہ ہمارا دیا ہوا مال یا کیا ہوا عمل قبول ہوتا ہے یا نہیں۔ وہ اپنے مقدور بھر سب کچھ کر کے بھی ڈرتے ہیں کہ خدا جانے یہ قبول ہو یا نہ ہو۔ ہمارے گناہوں کے مقابلہ میں یہ عمل وزنی ثابت ہو یا نہ ہو۔ ہمارے رب کے ہاں ہماری مغفرت و اجر و ثواب کے لئے یہ کافی ہو یا نہ ہو گویا انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کر کے یا کوئی نیکی اور عمل کر کے اپنے عمل پر غرور و پندار نہیں ہوتا۔ نیکی کرنے کے باوجود ڈرتے ہیں۔

ترمذی شریف اور ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ کام کر کے ڈرنے والے کیا وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں یا چوری کرتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی یہ بات نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں اس کے باوجود اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل اللہ کے نزدیک ہماری کسی کوتاہی کے سبب قبول نہ ہوں تو معلوم ہوا کہ ایک مومن مخلص کس کیفیت قلبی کے ساتھ اعمال صالحہ اور اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ حضرت حسن

بصریؒ کا مقولہ ہے کہ مومن نیکی کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے اور منافق بدی کرتا ہے اور پھر بھی بے فکر رہتا ہے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنا ڈرتے تھے کہ تم برے عمل کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود عمر بھر کی بے نظیر دینی خدمات اور ذخیرۂ اعمال صالحہ کے اور عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کے جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو خدا کے محاسبہ سے ڈرتے ہوئے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر آخرت میں میں برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں تو غنیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضراتِ کاملین کی خوف وخشیت کا کوئی ذرہ ہمارے قلوب میں بھی ڈال دیں۔ آمین۔

یہ چار صفات بیان فرما کر بتلایا جاتا ہے کہ جن میں یہ صفات ہوں درحقیقت ایسے ہی لوگ اصلی بھلائی، خیر اور فلاح کو تیزی سے حاصل کر رہے ہیں اور حقیقی دولت کے خزانے جمع کرتے چلے جا رہے ہیں نہ کہ اموال واولاد کی کثرت اور دنیوی عیش وراحت کی بہتات معیار ہیں خیر وصلاح وفلاح کے جیسا کہ یہ منکرین گمان کرتے ہیں پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ جو اوپر بھلائیاں لوٹنے والوں اور سبقت کر کے انہیں حاصل کرنے والوں کی صفات اور اعمال وخصال بتلائے گئے تو یہ کوئی ایسے مشکل کام نہیں جن کا اٹھانا انسانی طاقت سے باہر ہو۔ اللہ کے اوامر ونواہی ناقابلِ برداشت نہیں۔ شریعت کے احکام کی پابندی غیر معمولی بار نہیں کہ جو اٹھ نہ سکے یہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہی نہیں کہ انسان کو ایسے احکام کی تکلیف دیں کہ جو ان کی طاقت سے باہر ہوں۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جن کو اگر توجہ کرو تو بخوبی حاصل کر سکتے ہو۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ ہر ایک شخص کا الگ الگ نامۂ اعمال مرتب ہو رہا ہے جس میں اس کی ایک ایک بات ایک ایک حرکت حتیٰ کہ دلی عزم اور ارادوں تک کی ایک ایک حالت ثبت کی جا رہی ہے اور یہ اعمال نامہ قیامت کے دن سب کے سامنے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے اور ان ہی کے موافق جزا وسزا دی جائے گی جس میں رتی برابر ظلم نہ ہوگا نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی نہ کسی کا اجر کم کیا جائے گا نہ بے وجہ بے قصور کسی پر کوئی الزام ڈالا جائے گا۔ نہ کسی کو بے جا سزا دی جائے گی نہ کسی کو حق کے مطابق بے جا انعام سے محروم کیا جائے گا۔

یہ تو مؤمنین، مخلصین صادقین کی حالت بیان ہوئی اب ان کے برعکس کفار کا حال آگے بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنے خوف وخشیت کا وہ حصہ عطا فرمائیں کہ جو ہم کو احکامِ الٰہیہ کی پوری تابعداری نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو وہ ایمان اور اسلام نصیب فرمائیں جس میں شرک کا شائبہ نہ ہو۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہمارا حساب آسان فرماویں اور اپنی مغفرت ورحمت سے ہم سب کو نوازیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَامِلُونَ ﴿٦٣﴾ حَتَّىٰ

بلکہ اُن کفار کے قلوب اس دین کی طرف سے جہالت میں ہیں اور اس کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی عمل ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم

إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ ﴿٦٤﴾ لَا تَجْأَرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿٦٥﴾

جب ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں دھر پکڑیں گے تو فوراً چلا اُٹھیں گے اب مت چلاؤ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی

قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا

میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سُنائی جایا کرتی تھیں تو تم اُلٹے پاؤں بھاگتے تھے۔ تکبر کرتے تھے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے بیہودہ بکتے تھے

تَهْجُرُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا

تو کیا ان لوگوں نے اس کلام میں غور نہیں کیا یا اُن کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو اُن کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی۔ یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہ تھے

رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ

اس وجہ سے اُن کے منکر ہوئے یا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں۔ بلکہ یہ رسول اُن کے پاس حق بات لیکر آئے ہیں

وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٠﴾

اور ان میں اکثر لوگ حق سے نفرت رکھتے ہیں۔

بَلْ بلکہ	قُلُوبُهُمْ ان کے دل	فِي غَمْرَةٍ غفلت میں	مِّنْ هَٰذَا اس سے	وَلَهُمْ اور انکے	أَعْمَالٌ اعمال	مِّن دُونِ علاوہ	
ذَٰلِكَ اس	هُمْ لَهَا وہ انہیں	عَامِلُونَ کرتے رہتے ہیں	حَتَّىٰ إِذَا یہاں تک کہ جب	أَخَذْنَا ہم نے پکڑا	مُتْرَفِيهِم انکے خوشحال لوگ		
بِالْعَذَابِ عذاب میں	إِذَا هُمْ اس وقت وہ	يَجْأَرُونَ فریاد کرنے لگے	لَا تَجْأَرُوا تم فریاد نہ کرو	الْيَوْمَ آج	إِنَّكُمْ بیشک تم		
مِّنَّا ہم سے	لَا تُنصَرُونَ تم مدد نہ دیئے جاؤ گے	قَدْ كَانَتْ البتہ تمہیں	آيَاتِي میری آیتیں	تُتْلَىٰ پڑھی جاتی تھیں	عَلَيْكُمْ تم پر		
فَكُنتُمْ تو تم تھے	عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ اپنی ایڑیوں کے بل	تَنكِصُونَ پھر جاتے	مُسْتَكْبِرِينَ تکبر کرتے ہوئے	بِهِ اسکے ساتھ			
سَامِرًا افسانہ گوئی کرتے ہوئے	تَهْجُرُونَ بیہودہ بکواس کرتے ہوئے	أَ کیا	فَلَمْ يَدَّبَّرُوا پس انہوں نے غور نہیں کیا	الْقَوْلَ کلام			
أَمْ یا	جَاءَهُم انکے پاس آیا	مَا جو	لَمْ يَأْتِ نہیں آیا	آبَاءَهُمُ ان کے باپ دادا	الْأَوَّلِينَ پہلے	أَمْ یا	لَمْ يَعْرِفُوا انہوں نے نہیں پہچانا
رَسُولَهُمْ اپنے رسول	فَهُمْ تو وہ	لَهُ اس کے	مُنكِرُونَ منکر ہیں	أَمْ یا	يَقُولُونَ وہ کہتے ہیں	بِهِ اس کو	جِنَّةٌ دیوانگی
بَلْ بلکہ	جَاءَهُم وہ آیا انکے پاس	بِالْحَقِّ ساتھ حق بات	وَأَكْثَرُهُمْ اوران میں سے اکثر	لِلْحَقِّ حق سے	كَارِهُونَ نفرت رکھنے والے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مؤمنین ومخلصین کی حالت اوران کے اعمال وخصائل کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب ان کے مقابل اور برعکس کفار منکرین کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اوران آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین تو شک وتردد۔ غفلت وجہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بڑا گناہ تو انکا یہ ہوا لیکن اس کے علاوہ اور بہت سے گناہ ہیں جن کو وہ دن رات سمیٹ رہے ہیں لیکن جب یہ دنیوی یا اخروی عذاب میں پکڑے جائیں گے تو پھر چلائیں گے اور شور

مچائیں گے کہ ہمیں اس آفت سے بچاؤ۔ یہاں آیت میں کفار و دولت مندوں اور مالداروں کے گرفتار عذاب ہونے اور چلا اٹھنے کی صراحت ہے جس سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ جب ان کے خوشحال جن کے پاس خدم، حشم، مال، دولت، حکومت، سلطنت سب کچھ ہے جب ان پر عذاب نازل ہوگا اور یہ چلا اٹھیں گے اور ان کا سارا انکار و تکبر کافور ہو جائے گا تو ان کے متبعین اور حامی غریب غربا تو کس شمار میں ہیں اور وہ تو عذاب سے کیا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ تو جب دولت مند کافروں کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تو وہ دہائی دینے لگیں گے اور چلائیں گے اور شور مچائیں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ چلاؤ مت۔ یہ سب چیخ و پکار بیکار ہے۔ آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اللہ کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے کیونکہ یہ دارالجزاء ہے۔ دارالعمل نہیں کہ چلانا اور رونا پیٹنا اور عاجزی کرنا مفید ہو۔ اب کیوں شور مچاتے ہو وہ وقت یاد کرو کہ جب خدا کے پیغمبر آیاتِ الٰہیہ پڑھ کر سناتے تھے تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے۔ سننا بھی گوارا نہ تھا۔ تمہاری شیخی اور تکبر اجازت نہ دیتا تھا کہ حق کو قبول کرو اور پیغمبر کی بات پر کان دھرو۔ پیغمبر کی مجلس سے ایسے بھاگتے تھے گویا کسی فضول قصہ کو چھوڑ کر چلے گئے اور پیغمبر علیہ السلام اور قرآنِ کریم کی نسبت باتیں بناتے کہ کوئی اسکو سحر کہتا کوئی شاعری کہتا۔ کوئی کہانت کہتا۔ اور کوئی کچھ اور۔ اس طرح کی بکواس کیا کرتے تھے آج اسی کا مزہ چکھو۔ چیخنے چلانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جیسا تم نے دارالعمل میں کیا آج ویسا دارالجزا میں بھگتو۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین جو قرآن کی اور صاحبِ قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اس کلام الٰہی میں غور و فکر نہیں کیا ورنہ حقیقت حال منکشف ہو جاتی کہ بلاشبہ یہ کلام اللہ جل شانہ کا ہے۔ جس میں ان کی بیماریوں کا صحیح علاج بتایا گیا ہے۔ آگے منکرین کے اعراض و تکذیب کی دوسری وجوہات پر روشنی ڈال کر ان کی بھی تردید فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ کیا یہ منکرین اعراض و تکذیب پر اس لئے تلے ہوئے ہیں کہ ان کے پاس یہ کوئی انوکھی چیز آ گئی ہے۔ نصیحت کرنے والے ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ پیغمبر ہوئے یا پیغمبر کے تابع ہوئے۔ آسمانی کتابیں بھی برابر اترتی رہی ہیں کبھی کہیں اور کبھی کہیں، سو یہ قرآن کا نازل ہونا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبر خدا ہونا کوئی انوکھی بات نہیں جس کی نظیر اور نمونہ بیشتر سے موجود نہ ہو۔ ہاں جو اکمل ترین اور اشرف ترین کتاب اب آئی تو اس کا مقتضا یہ تھا کہ اور زیادہ اس نعمت کی قدر کرتے اور آگے بڑھ کر اس کی آواز پر لبیک کہتے نہ کہ اعراض و انکار۔ آگے منکرین کے اعراض و روگردانی کی تیسری وجہ بیان فرما کر اس کی تردید بھی فرمائی جاتی ہے یعنی کیا یہ منکرین اللہ کے رسول کی اس لئے تکذیب و انکار کر رہے ہیں کہ ان کو پیغمبر خدا کے احوال سے آگاہی اور واقفیت نہیں؟ حالانکہ سارا عرب جانتا ہے کہ آپ بچپن سے صادق و امین اور عفیف و پاکباز تھے۔ آپ کی صداقت و امانت و ایفائے عہد اور حسنِ سلوک سے تمام لوگ واقف تھے۔ اس لئے نبوت سے قبل ہی تمام قوم کی طرف سے صادق و امین کا لقب پا چکے تھے تو ایسے مشہور و معروف راستباز بندے کی نسبت کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگے اور نبی ہونے کا غلط دعویٰ کرنے لگے۔ جو شخص لوگوں کا امین ہو وہ خدا کی امانت میں کس طرح خیانت کر سکتا ہے۔ جو شخص مخلوق سے وعدہ کر کے خلاف ورزی نہ کرے وہ اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کیونکر کر سکتا ہے؟ لہٰذا رسولِ پاک کو نہ ماننے اور قرآنی ہدایت سے منہ موڑنے کی یہ وجہ بھی نہیں ہو سکتی۔ آگے چوتھی وجہ ظاہر فرما کر اس کی تردید بھی فرمائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ یہ منکرین نعوذ باللہ رسول خدا کے متعلق جنون اور دیوانگی کے قائل ہیں کہ مجنون کی بات کو کون مانتا ہے اور کون اس کی پیروی کرتا ہے تو سودائیوں اور دیوانوں کی باتیں کہیں ایسی کھری اور سچی ہوتی ہیں۔ آپ کا تو اعلیٰ درجہ کا صائب الرائے ہونا بھی ظاہر ہے۔ آپ کی عقل و فہم اور خوش تدبیری کی تو نبوت سے پہلے کی زندگی بھی شاہد ہے تو پھر آپ کے قول اور ہدایت سے نفرت و انکار کے کیا معنی؟ اخیر میں حقیقت حال کا اظہار فرمایا جاتا ہے کہ واقع میں ان میں سے کوئی وجہ بھی معقول نہیں، بلکہ اصلی وجہ اور حقیقت یہ ہے کہ بیشک آپ جو کچھ لائے ہیں حق ہے مگر حق بات چونکہ ان کی اغراض و خواہشات کے موافق نہ تھی اس لئے بری لگتی تھی اور وہ قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ ابھی آگے ان ہی منکرین کے متعلق مضمون جاری ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ

اور اگر دینِ حق اُن کے خیالات کے تابع ہوجاتا تو تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب تباہ ہوجاتے۔ بلکہ ہم نے اُن کے پاس انکی نصیحت کی بات بھیجی

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ

سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔ یا آپ اُن سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو آمدنی تو آپ کے رب کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے اچھا ہے۔

اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ

اور آپ تو ان کو سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یہ حالت ہے کہ اس (سیدھے) راستہ سے ہٹتے جاتے ہیں۔

لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور اگر ہم ان پر مہربانی فرمادیں اور ان پر جو تکلیف ہے اس کو ہم دُور بھی کردیں تو وہ لوگ (پھر) اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا

اور ہم نے ان کو گرفتارِ عذاب بھی کیا ہے سو ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے فروتنی کی اور نہ عاجزی اختیار کی۔ یہاں تک کہ ہم جب

عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

اُن پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت بالکل حیرت زدہ رہ جائیں گے۔

وَلَوْ اور اگر	اتَّبَعَ پیروی کرتا	الْحَقُّ حق اللہ	اَهْوَآءَهُمْ انکی خواہشات	لَفَسَدَتِ البتہ درہم برہم ہوجاتا	السَّمٰوٰتُ آسمان	وَالْاَرْضُ اور زمین
وَمَنْ اور جو	فِيْهِنَّ ان کے درمیان	بَلْ بلکہ	اَتَيْنٰهُمْ ہم لائے ہیں انکے پاس	بِذِكْرِهِمْ ان کی نصیحت	فَهُمْ پھر وہ	
عَنْ ذِكْرِهِمْ اپنی نصیحت سے	مُعْرِضُوْنَ روگردانی کرنیوالے ہیں	اَمْ تَسْئَلُهُمْ کیا تم ان سے مانگتے ہو	خَرْجًا اجر	فَخَرَاجُ تو اجر		
رَبِّكَ تمہارا رب	خَيْرٌ بہتر	وَهُوَ اور وہ	خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ بہترین روزی دہندہ ہے	وَاِنَّكَ اور بیشک تم	لَتَدْعُوْهُمْ انہیں بلاتے ہو	
اِلٰى طرف	صِرَاطٍ راہ۔راستہ	مُّسْتَقِيْمٍ سیدھا۔راستہ	وَاِنَّ اور بیشک	الَّذِيْنَ جولوگ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ایمان نہیں لاتے	بِالْاٰخِرَةِ آخرت پر
عَنِ سے	الصِّرَاطِ راہِ حق	لَنٰكِبُوْنَ البتہ ہٹے ہوئے ہیں	وَلَوْ اور اگر	رَحِمْنٰهُمْ ہم ان پر رحم کریں	وَكَشَفْنَا اور ہم دُور کردیں	
مَا بِهِمْ جو ان پر	مِّنْ ضُرٍّ جو تکلیف	لَّلَجُّوْا اڑے رہیں	فِيْ میں۔پر	طُغْيَانِهِمْ اپنی سرکشی	يَعْمَهُوْنَ بھٹکتے رہیں	وَ اور
لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ البتہ ہم نے انہیں پکڑا	بِالْعَذَابِ عذاب میں	فَمَا اسْتَكَانُوْا پھر انہوں نے عاجزی نہ کی	لِرَبِّهِمْ اپنے رب کے سامنے			
وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ اور وہ نہ گڑگڑائے	حَتّٰى یہاں تک کہ	اِذَا جب	فَتَحْنَا ہم نے کھول دیئے	عَلَيْهِمْ ان پر	بَابًا دروازے	
	ذَا عَذَابٍ عذاب والا	شَدِيْدٍ سخت	اِذَا هُمْ تو اس وقت وہ	فِيْهِ اس میں	مُبْلِسُوْنَ مایوس ہوئے	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں منکرین کے خیال میں جو وجوہات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے نہ ماننے کی ہوسکتی تھیں وہ بیان فرما کر ان کی تردید فرمائی گئی تھی اور حقیقت حال کو واضح کیا گیا تھا کہ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

برحق ہیں مگر چونکہ یہ برحق باتیں ان منکرین کی اغراض و خواہشات کے موافق نہیں۔اس لئے یہ انہیں بری لگتی ہیں اوران کو قبول کرنے کو وہ تیار نہیں ہوتے۔اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اگر سچی بات ان منکرین کو بری لگتی ہے تو لگے۔صداقت وحقانیت ان کی خوشی اور خواہش کے تابع نہیں ہوسکتی۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی قلبی خواہشات کے مطابق شریعت کو ان کے موافق نازل کردے تو نظم عالم تباہ ہوجائے کیونکہ مشرکوں کی قلبی خواہشات میں سے شرک بھی ہے اور شرک تمام تباہیوں کا سرچشمہ ہے۔اس لئے حق تعالیٰ عزوجل نے جو قرآن نازل فرمایا وہ عین حق ہے اور جو شریعت بھیجی وہ عین صواب ہے۔آدمی اس دنیا میں راہِ آخرت کا مسافر ہے۔اس کی منزل اخروی زندگانی ہے۔اگر اس دنیا کی اندھیری میں خواہشِ نفس کے مطابق چلے گا اور صاحبِ بصیرت تجربہ کار رہنما کی پیروی نہ کرے گا تو ظاہر ہے کہ کسی خندق وکھائی میں گر کر ہلاک ہوگا۔تو ان منکرین میں یہی ایک عیب نہیں کہ حق سے کراہت و نفرت ہے بلکہ اس سے بڑھ کر دوسرا عیب بھی ہے کہ اپنے لئے جو امر نافع ہے اس سے بھی اعراض کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے تو ان کے پاس ان کے نفع کے لئے اس قرآن کو اپنے رسول پر نازل فرمایا اور یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں۔آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ اس دعوتِ حق تبلیغ ونصیحت وخیر خواہی پر ان سے کسی معاوضہ کے بھی طلب گار نہیں۔ خدا تعالیٰ نے دارین کی جو دولت آپ کو عطا فرمائی ہے وہ اس معاوضہ سے کہیں بہتر ہے۔آپ کی صدق امانت کا حال سب کو معلوم ہے۔ جو کلام آپ لائے ہیں اس کی خوبیاں اظہر من الشمس ہیں۔آپ ان سے کسی معاوضہ کے طالب نہیں جس راستہ کی طرف آپ بلاتے ہیں بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے جس کو ہر سیدھی عقل والا بسہولت سمجھ سکتا ہے۔کوئی اینچ پیچ نہیں۔ٹیڑھا ترچھا نہیں ہاں اس پر چلنا انہی کا حصہ ہے جو موت کے بعد دوسری زندگی مانتے ہوں اور اپنی بدانجامی سے ڈرتے ہوں۔ جسے انجام کا ڈر اور فکر عاقبت ہی نہیں وہ کب سیدھے راستے پر چلے گا۔یقیناً ٹیڑھا رہے گا اور سیدھی سی بات کو بھی اپنی کجروی سے کج بنالے گا۔ اور ان کی قساوت وعناد کی تو یہ حالت ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ان پر رحم فرمادیں اور وہ تکلیف جس میں آج کل وہ مبتلا ہیں دور کردیں تو بھی یہ اپنے کفر وعناد اور سرکشی وتکبر سے نہ ہٹیں گے۔ یہاں اشارہ ہے اس تکلیف اور مصیبت کی طرف جب کہ مکہ والوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ایک مرتبہ شدید قحط پڑا تھا۔صحیحین کی روایت ہے کہ جب قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے سے پیہم انکار کیا اور سخت مزاحمت شروع کردی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

اللھم اعنی علیھم بسبع کسبع یوسف

''اے اللہ! ان کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ یوسف کے ہفت سالہ قحط جیسے سات برسوں سے۔''

چنانچہ ایسا سخت قحط شروع ہوا کہ اہل مکہ کو مردار جانور کتے اور ہڈیاں تک کھانے کی نوبت آگئی اور کفار سات برس تک اس قحط میں مبتلا رہے۔ بالآخر اس مصیبت سے تنگ آکر ابوسفیان جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم کو اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ہم لوگ خون اور اونٹوں کا اون بھی کھا گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحم آگیا اور رفع قحط کی دعا فرمائی، چنانچہ وہ قحط دور ہوگیا۔تو یہاں آیت میں اسی قحط کی تکلیف کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی

قسادت وعناد کی تو یہ حالت ہے کہ یہ مصائب وبلیات سے بھی متاثر نہیں ہوتے اور قحط وغیرہ آفات مسلط ہوئیں تب بھی عاجزی کر کے خدا کی بات نہ مانی اور اس عذابِ قلیل سے بھی یہ لوگ خدا کی طرف نہ جھکے اور بارگاہِ الٰہی میں تضرع وزاری نہ کی اب جب عذابِ شدید یعنی عذاب بعدالموت کا دروازہ ان پر کھول دیا جائے گا تو اس وقت یہ بالکل ناامید اور حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ یہ کیا ہو گیا اور سب نشہ ہرن ہو جاویگا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بلیات ومصائب مثل قحط وغیرہ یہ سب قہر الٰہی کی نشانیاں ہیں اور مقصد ان سے یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کو دیکھ کر حق تعالیٰ کے آگے فروتنی اور عاجزی اختیار کریں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر سخت عذاب کو دعوت دینا ہے خواہ وہ دنیا ہی میں ہو یا بعدالموت۔

اب کفار ومشرکین بعث بعدالموت یعنی مر کر دوبارہ زندہ کئے جانے اور حشر ونشر اور جزا وسزا اور قیامت وآخرت ان کے قائل ہی نہ تھے اس لئے آگے اللہ تعالیٰ اپنے کمال وتصرفات کے آثار کا ذکر فرماتے ہیں تا کہ منکرین قیامت وجزاوسزا پر ایمان لے آئیں اور مردوں کے دوبارہ زندہ کئے جانے میں شک وتردد نہ کریں۔ اس سلسلہ میں چند دلائل اگلی آیات میں ذکر فرمائے گئے ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ان قرآنی نصائح کو اپنانے کی توفیق ہم کو عطا فرمائیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی ہم کو ظاہراً وباطناً کامل پابندی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! ہم کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہر طرح کے مصائب وبلیات سے محفوظ ومامون فرما۔ اور اس عالم میں بھی اور اس عالم میں بھی اپنے کرم ورحم کا معاملہ ہمارے ساتھ فرما۔

یا اللہ! قرآن کریم تو کفار ومنکرین کی شکایت فرما رہا ہے کہ یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں اور صراط مستقیم سے ہٹے جاتے ہیں اور اپنی گمراہی پر اصرار کرتے ہیں مگر یہ کس قدر رنج والم کی بات ہے کہ اب یہ امور اکثر امت مسلمہ کے افراد پر بھی صادق آ رہے ہیں۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون

یا اللہ! نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور واسطہ سے ہماری فریاد ہے کہ آپ امتِ مسلمہ پر رحم وکرم فرمائیں اور ان کو جو صراط مستقیم دکھائی گئی ہے اسی پر قائم رہنے کی توفیق اور استقامت عطا فرمائیں۔

یا اللہ! قرآن کریم کی عظمت اور وقعت پھر امت مسلمہ کو عطا فرما دے تا کہ اتباع قرآنی ان کو نصیب ہو اور آپ کے کرم ورحم کے مستحق بنیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَهُوَ الَّذِىٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِىْ

اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔اور وہ ایسا ہے

ذَرَاَكُمْ فِى الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ

جس نے تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم سب اُسی کے پاس لائے جاؤ گے اور وہ ایسا ہے جو جلاتا اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا گھٹنا بڑھنا۔

وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا

سو کیا تم (اتنی بات) نہیں سمجھتے۔ بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے (کافر) لوگ کہتے چلے آئے ہیں۔یوں کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی

تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ

اور ہڈیاں رہ جاویں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے۔اس کا تو ہم سے اور پہلے ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ کچھ نہیں محض یہ بے سند باتیں ہیں

اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں۔

وَهُوَ اور وہ	الَّذِىْ جس نے	اَنْشَاَ لَكُمُ بنائے تمہارے لئے	السَّمْعَ کان	وَالْاَبْصَارَ اور آنکھیں	وَالْاَفْـِٕدَةَ اور دل	
قَلِيْلًا بہت ہی کم	مَّا تَشْكُرُوْنَ جو تم شکر کرتے ہو	وَهُوَ اور وہ	الَّذِىْ وہی جس نے	ذَرَاَ پھیلایا	كُمْ تمہیں	فِى الْاَرْضِ زمین میں
وَاِلَيْهِ اور اس کی طرف	تُحْشَرُوْنَ تم جمع ہو کر جاؤ گے	وَهُوَ اور وہ	الَّذِىْ وہی جو	يُحْىٖ زندہ کرتا ہے	وَيُمِيْتُ اور مارتا ہے	
وَلَهُ اور اُسی کیلئے	اخْتِلَافُ آنا جانا	الَّيْلِ رات	وَالنَّهَارِ اور دن	اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا پس تم سمجھتے نہیں؟	بَلْ قَالُوْا بلکہ انہوں نے کہا	
مِثْلَ جیسے	مَا قَالَ جو کہا	الْاَوَّلُوْنَ پہلوں نے	قَالُوْا وہ بولے	ءَاِذَا کیا جب	مِتْنَا ہم مرگئے	وَكُنَّا تُرَابًا اور ہم ہوگئے مٹی
وَعِظَامًا اور ہڈیاں	ءَاِنَّا کیا ہم	لَمَبْعُوْثُوْنَ پھر اٹھائے جائیں گے	لَقَدْ وُعِدْنَا البتہ ہم سے وعدہ کیا گیا	نَحْنُ ہم		
وَاٰبَآؤُنَا اور ہمارے باپ دادا	هٰذَا یہ	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	اِنْ هٰذَآ یہ نہیں	اِلَّآ مگر	اَسَاطِيْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِيْنَ پہلے لوگ

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار ومنکرین کی حالت بیان فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ یہ لوگ مصائب اور بلیات سے بھی متاثر نہیں ہوتے اور کفر پر برابر اصرار ہے۔جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا جائے خواہ دنیا میں کہ کوئی غیبی قہر آپڑے یا بعد الموت کہ جب تو عذاب سے انہیں ضرور ہی دوچار ہونا ہے۔اس وقت ان منکرین کے انکار وتکبر کا نشہ سب ہرن ہوجائے گا۔تو چونکہ منکرین کو عذاب آخرت کی دھمکی سنائی گئی تھی جو مبنی ہے مر

کر دوبارہ زندہ ہونے پر اور وہ لوگ اس کے منکر تھے اس لئے آگے حشر ونشر اور مرکر دوبارہ زندہ کئے جانے کا اثبات اور ان کے انکار کا جواب دیا جاتا ہے اور چونکہ انسان کا دوبارہ زندہ ہونا مبنی ہے کمال قدرت پر اس لئے تصرفاتِ قدرت کا بھی بیان فرمایا ہے۔چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کا یہ عظیم الشان احسان انسانوں پر ہے کہ اس نے تمہیں سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی قوت عطا فرمائی۔تو ان نعمتوں کا شکر یہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو صحیح طور پر کام میں

لاتے۔ احکامِ الٰہیہ کو سننا اور اس کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھنا اور دل میں اس کی معرفت حاصل کرنا اور اللہ کی وحدت، عظمت و جلالت پر ایمان لانا یہی ان قوتوں کا ٹھیک اور صحیح استعمال تھا لیکن اکثر انسانوں نے اکثر اوقات میں ان قوتوں کو بیجا خرچ کیا۔ گویا یہاں تنبیہ ہے اس امر پر کہ جس شخص نے آلات فہم و عقل سے فائدہ نہ اٹھایا۔ ہوش کے کانوں سے احکام الٰہی کو نہ سنا۔ عبرت کی آنکھوں سے قدرت کی نشانیوں کو نہ دیکھا۔ دل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ کی تو اس نے انسانی امتیازی خصوصیات کو کھو دیا جو اللہ نے اس کو عطا کی تھیں۔

علم و معرفت کے ذرائع انسان کو تین ہی قسم کے عطا کئے گئے ہیں۔ کان، آنکھ اور دل، انہی قوتوں سے کسی چیز کا یقینی علم ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک اللہ کی توحید اور وقوع قیامت یعنی یوم آخرت کے اثبات میں جابجا دیکھنے، سننے اور سوچنے سمجھنے کی دعوت دیتا ہے کہ اللہ عزوجل کی باتیں سنو۔ اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھو اور اس کی معرفت حاصل کرو۔ یہی اصل شکریہ اور حقیقی شکر گزاری ہے اس منعم کی ان نعمتوں کی۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ ہی نے دنیا میں تمہیں ہر جگہ پھیلایا ہے۔ پھر وہی سمیٹ کر سب کو اپنے پاس بلالے گا اور تم سب اسی کے سامنے اکٹھے ہو کر پیش کئے جاؤ گے۔ وہاں ہر ایک کو شکر گزاری اور ناشکری کا بدلہ مل جائے گا۔ اس وقت کوئی شخص یا کوئی عمل غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔ تو جس نے دانوں کی طرح سے اس سطح زمین پر انسانوں کو پھیلایا اس کو ان کا سمیٹنا اور اکٹھا کرنا کیا مشکل ہے؟ پھر ظاہر ہے کہ انسان کو اللہ ہی پیدا کرتا ہے۔ ماں کے پیٹ کے اندر نطفہ جیسی حقیر چیز میں کیسی کیسی تبدیلیاں اور تغیرات ہوتے ہیں اور کیسے کیسے انقلابات کے بعد جیتا جاگتا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر زندگی کی مقررہ میعاد پوری کرنے کے بعد اللہ اس سے اپنی دی ہوئی امانت واپس لے لیتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔ تو جو خدا امانت کا مالک ہے اور اول بار پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے کیا وہ خدا دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟

پھر ایک نمایاں اس کی قدرت کی نشانی یہ ہے کہ زمانہ کو دن اور رات دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کا لانا بھی اس کی قدرت کی نشانی کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ تو زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ یا اندھیرے سے اجالا اور اجالے سے اندھیرا کر دینا جس کے قبضہ میں ہے اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے کیا مشکل ہے کہ تم کو دوبارہ قیامت میں زندہ کر دے۔

یہ کفار مکہ جو مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کر رہے ہیں تو یہ عقل و فہم کی بات کچھ نہیں محض پرانے لوگوں کی اندھی تقلید کئے جا رہے ہیں اور وہی دقیانوسی شکوک پیش کرتے ہیں جو ان کے پیش رو کیا کرتے تھے یعنی مٹی میں مل کر اور ریزہ ریزہ ہو کر ہم کیسے زندہ کئے جائیں گے؟ یہ منکرین کہتے ہیں کہ ایسی دور از عقل باتیں جو ہم کو سنائی جا رہی ہیں پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی یہی کہی گئی تھیں لیکن ہم نے تو آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو دوبارہ آدمی بنتے نہ دیکھا۔ ہو نہ ہو یہ سب من گھڑت قصے کہانیاں ہیں جو پہلے لوگ گھڑ گئے تھے اور انہی کی نقل کی جا رہی ہے۔

استغفر اللہ نقل کفر کفر نہ باشد

تو ان کفار مکہ کی جہالت فقط اتنی ہی نہ تھی کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ عقائد کی صحت کا انکار کرتے بلکہ انہوں نے بڑھ کر تمام انبیائے سابقین جو وجود قیامت کی حقانیت کو واضح طور پر ظاہر فرماتے رہے ان سب کے اقوال پر بھی نکتہ چینی شروع کر دی اور ان بدبختوں نے گذشتہ انبیاء و مرسلین کی باتوں کو پرانے بے سند قصے کہانیاں قرار دیا۔ گویا اثباتِ قیامت کی دلیل کو انکار کی دلیل بنا لیا۔

چونکہ کفار کے ان اقوال سے انکار قدرت باری تعالیٰ لازم آتا ہے اور اس سے انکار قیامت اور بعث بعد الموت یعنی مر کر پھر دوبارہ زندہ ہونے کا بھی انکار ہوتا ہے اس لئے ان اقوال کے جواب میں آگے اثباتِ قدرت الٰہیہ اور اثبات توحید کے متعلق مزید ارشاد فرمایا گیا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

آپ کہہ دیجئے کہ یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ کس کے ہیں اگر تم کو کچھ خبر ہے۔ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کے ہیں (تو) اُن سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا

آپ یہ بھی کہیے کہ ان سات آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟ وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے۔ آپ کہیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔

تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

آپ یہ بھی کہئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو کچھ خبر ہے۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا

وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفتیں بھی اللہ ہی کی ہیں آپ کہئے کہ پھر تم کو کیسا خبط ہورہا ہے۔ بلکہ ہم نے اُن کو سچی بات پہنچائی ہے اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔

اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا

اللہ نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اسکے ساتھ کوئی اور خدا ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جُدا کرلیتا۔ اور ایک دوسرے پر

بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

چڑھائی کرتا۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا

فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

غرض ان لوگوں کے شرک سے وہ بالاتر اور منزہ ہے۔

قُلْ فرمادیں	لِمَنِ کس کیلئے	الْاَرْضُ زمین	وَمَنْ اور جو	فِيْهَآ اس میں	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے ہو
سَيَقُوْلُوْنَ جلد (بضرور) وہ کہیں گے	لِلّٰهِ اللہ کا	قُلْ فرمادیں	اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا پس تم غور نہیں کرتے؟	قُلْ فرمادیں		
مَنْ کون	رَبُّ رب	السَّمٰوٰتِ آسمان	السَّبْعِ سات	وَرَبُّ اور رب	الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ عرش عظیم	سَيَقُوْلُوْنَ جلد ضرور
وہ کہیں گے	لِلّٰهِ اللہ کا	قُلْ فرمادیں	اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کیا پس تم نہیں ڈرتے؟	قُلْ فرمادیں	مَنْ کون	بِيَدِهٖ اس کے ہاتھ میں
مَلَكُوْتُ بادشاہت ''اختیار''	كُلِّ شَيْءٍ ہر چیز	وَهُوَ اور وہ	يُجِيْرُ پناہ دیتا ہے	وَلَا يُجَارُ اور پناہ نہیں دیا جاتا	عَلَيْهِ اسکے خلاف	
اِنْ اگر	كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے ہو	سَيَقُوْلُوْنَ جلد ''ضرور'' وہ کہیں گے	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	قُلْ فرمادیں	فَاَنّٰى پھر کہاں سے	
تُسْحَرُوْنَ تم جادو میں پھنس گئے ہو	بَلْ بلکہ	اَتَيْنٰهُمْ ہم لائے ہیں اُن کے پاس	بِالْحَقِّ سچی بات	وَاِنَّهُمْ اور بیشک وہ		
لَكٰذِبُوْنَ البتہ جھوٹے ہیں	مَا اتَّخَذَ نہیں بنایا	اللّٰهُ اللہ	مِنْ وَّلَدٍ کسی کو بیٹا	وَمَا كَانَ اور نہیں ہے	مَعَهٗ اسکے ساتھ	
مِنْ اِلٰهٍ کوئی اور معبود	اِذًا اس صورت میں	لَّذَهَبَ لے جاتا	كُلُّ ہر	اِلٰهٍ معبود	بِمَا خَلَقَ جو اس نے پیدا کیا	وَلَعَلَا اور چڑھائی کرتا
بَعْضُهُمْ انکا ایک	عَلٰي بَعْضٍ دوسرے پر	سُبْحٰنَ اللّٰهِ پاک ہے اللہ	عَمَّا اس سے جو	يَصِفُوْنَ وہ بیان کرتے ہیں	عٰلِمِ الْغَيْبِ جاننے والا پوشیدہ	
وَالشَّهَادَةِ اور آشکارا	فَتَعٰلٰى پس برتر	عَمَّا اس سے جو	يُشْرِكُوْنَ وہ شریک سمجھتے ہیں			

تفسیر وتشریح:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب میں چار قسم کے مشرک رہتے تھے کچھ تو خدا کو صاحب اولاد کہتے تھے (نعوذ باللہ) جیسے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو ابن اللہ اور ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ یہ گروہ تو یہود ونصاریٰ اور صابیوں کا تھا۔ کچھ لوگ آسمانی ستاروں کی اور آگ کی پرستش کرتے تھے۔ انہی کو مظہر انوارِ الوہیت جانتے تھے۔ یہ گروہ مجوسیوں کا تھا۔ ایک گروہ بت پرست تھا۔ لات۔ عزیٰ۔ منات۔ نائلہ۔ ہبل اور بعض دوسرے بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کو مظہر الوہیت جانتے اور سمجھتے تھے۔ اللہ یعنی ایک رب الارباب کے وجود کا بھی اقرار تھا اور دوسری طرف کائنات کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر کے ایک ایک شعبہ کا ایک ایک مستقل خدا یا دیوتا مانا جاتا تھا جیسا کہ ہنود میں زمین کا دیوتا الگ۔ آسمان کا الگ۔ ہوا کا دیوتا الگ۔ پانی کا الگ۔ لیکن بایں ہمہ ان کو ایشر یعنی خلاق عالم نہیں کہتے۔ اسی طرح عرب کے بت پرست مورتیوں سے طرح طرح کی مرادیں مانگتے۔ ان کو اپنا حاجت روا سمجھتے۔ ان پر بھینٹ چڑھاتے۔ مگر خلاق عالم خدا ہی کو کہتے تھے۔ ایسے لوگ جو خدا کے وجود ہی کے منکر ہوں بہت ہی کم تھے۔ گذشتہ آیات میں کفار ومنکرین کے بعض اقوال بیان فرمائے گئے تھے جس سے انکار قدرت لازم آتا اور اس طرح انکار بعث بعد الموت کے ساتھ انکار توحید بھی ہوتا۔ اس لئے ان اقوال کے جواب میں اثبات قدرت کے ساتھ اثبات توحید بھی ارشاد ہوتا ہے اور مشرکین کے سامنے ان کے مسلمات بیان فرما کر توحید خالص اور بعث بعد الموت کو ثابت فرمایا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ہدایت کی جاتی ہے کہ آپ ان مشرکین ومنکرین سے پوچھئے کہ یہ تو بتاؤ یہ زمین کس کی ہے؟ اور اس کا اور اس پر رہنے والوں کا مالک کون ہے ظاہر بات ہے کہ اس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہ دے سکیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ تو اس کے بعد ان سے کہئے کہ اتنا جاننے کے بعد کیا تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ جو ساری زمین اور زمین والوں کا مالک ہے تو وہ اس کے اجزاء سے تمہیں دوبارہ بھی بنا سکتا ہے جیسے پہلے بنایا جس کا قبضہ ساری زمین اور زمینی چیزوں پر ہے تو کیا تمہاری مشتِ خاک اس کے قبضہ سے باہر ہوگی؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مشرکین سے پوچھئے کہ سات آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ اس کا جواب بھی اس کے سوا کچھ نہ بن پڑے گا کہ شہنشاہ مطلق اللہ ہی ہے۔ تو پھر آپ ان سے کہئے کہ تعجب ہے کہ تم اتنے بڑے زبردست احکم الحاکمین کی نافرمانی کرتے ہوئے ڈرتے نہیں۔ اتنی بڑی گستاخی کرتے ہو کہ اس شہنشاہ مطلق کو ایک ذرہ بے مقدار سے عاجز قرار دینے لگے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے یہ بھی پوچھئے کہ ہر چیز کی حکومت کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور ہر چیز اپنے اپنے ڈھنگ پر کس کے حکم سے چل رہی ہے؟ ہر چیز پر کس کا اختیار چلتا ہے کہ جس کو وہ چاہے اپنی پناہ میں لے لے اور جس کو وہ پناہ دے دے اس کو کون مٹا سکتا ہے؟ اور جس کو وہ مجرم قرار دے دے اسے کون اس کے عذاب سے بچا سکتا ہے۔ تو اس سوال کے جواب میں بھی اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکیں گے کہ حکم تو سب اللہ ہی کا چلتا ہے۔ جب اس کے سوا کوئی جواب نہیں تو پھر ان سے آپ کہئے کہ تمہاری عقل پر پردہ کیوں پڑ گیا کہ اتنا

سمجھنے کے بعد پھر ایسی باتیں کرتے ہو کہ مرنے کے بعد جینا نہیں ہوسکتا اور قیامت کے دن اعمال کا حساب کتاب جزا و سزا بالکل من گھڑت ہے۔ جب تمام زمین و آسمان کا مالک وہی ہوا اور ہر چیز اسی کے زیر تصرف اور اقتدار ہوئی تو آخر تمہارے بدن کی ہڈیاں اور ریزے اس کے قبضۂ اقتدار سے نکل کر کہاں چلے جائیں گے کہ ان پر وہ قادرِ مطلق اپنی مشیت نافذ نہ کرسکے گا؟ اس کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے اپنے رسول کی معرفت ان کے پاس پیغام بھیجا ہے وہ بالکل حق اور صحیح ہے اور دلائل وشواہد سے ظاہر کردیا گیا کہ جو کچھ ان سے کہا جارہا ہے وہ بالکل صحیح اور حق ہے اور مشرکین جو کہہ رہے ہیں یہ واقعہ کے خلاف ہے اور وہ محض جھوٹے خیالات کی پیروی کررہے ہیں اور منجملہ ان کی غلط اور جھوٹ باتوں سے یہ بات بھی ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ کے اولاد ہے۔ زمین و آسمان اور ذرہ ذرہ کا تنہا مالک ومختار وہی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں جو اس دنیا کے بنانے اور اس کے نظام میں دخیل ہو۔ نہ اسے بیٹے کی ضرورت نہ مددگار کی۔ نہ کوئی دوسرا اس کے ساتھ دنیا کی حکومت میں شریک ہے۔ اگر دنیا کو بنانے اور اس کی حکومت میں اس کے ساتھ اور بھی شریک ہوتے تو سب کا آپس میں کبھی نہ کبھی ضرور ٹکراؤ ہوتا اور ہر ایک اپنی اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہوجاتا اور اپنی طاقت اکٹھی کرکے دوسرے پر حملہ بول دیتا اور تمام عالم درہم برہم ہوجاتا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ اولاد اور شرک سے پاک ہے۔ نہ کسی میں اس کی سی قدرت اور قوت ہے اور نہ اس کا سا علم وہ ظاہر و باطن حاضر وغائب سب سے بخوبی واقف ہے اور حق تعالیٰ منزہ ہے ان باتوں سے جو یہ مشرکین کہتے ہیں اور برتر وبالا ہے ان کے شرک سے۔

مشرکین ومنکرین کے اقوال و احوال جو اوپر بیان ہوئے اور جن کی تردید فرمائی گئی تو اس قسم کے اقوال اور اصرار علی الکفر وشرک کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ دنیا ہی میں اللہ کا غضب آتا ہے اس لئے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ذریعہ آپ کے فرمانبرداروں کو ہدایت کی گئی کہ ہر ایک اللہ کے غضب سے پناہ مانگا کرے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر طرح کے شرک سے ہمیں بچا کر اسلام کامل اور ایمان صادق نصیب فرمادیں۔ اور آخرت کی زندگی پر یقین کامل عطا فرمائیں۔ اس زندگی کے لمحہ لمحہ میں آخرت کی تیاری اور وہاں کے فکر کی توفیق عطا فرمادیں۔ اور توحید پر قائم رکھ کر اسی پر موت نصیب فرمادیں۔ یا اللہ! تمام اختیار دین ودنیا کے آپ ہی کے دستِ قدرت میں ہیں، آپ ہی جس کو پناہ دیں وہی پناہ پاسکتا ہے اور آپ جس کو پناہ نہ دیں اس کو پناہ دینے والا کوئی نہیں۔ یا اللہ! ہمیں بھی یہ اعتقاد کامل نصیب فرما۔ اور ہر طرح کی کجی وگمراہی سے، ہر طرح کی آفات وبلیات سے، ہر طرح کے سانحات ومصائب سے ہم آپ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی حفاظت اور پناہ میں لے لیجئے اور ہر معاملہ میں اپنی ہی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور غیر اللہ کی طرف نظریں کرنے سے بچالیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ

آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے اگر آپ مجھ کو دکھا دیں تو اے میرے رب مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے۔ اور ہم اس بات پر کہ

نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا

جو ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپ کو بھی دکھلا دیں قادر ہیں آپ ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو جو کچھ

يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

یہ کہا کرتے ہیں۔ اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے۔ اور اے میرے رب آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آویں

حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ

یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی پر موت آ کھڑی ہوتی ہے اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو پھر واپس بھیج دیجئے۔ تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں پھر جا کر نیک کام کروں۔

كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ہرگز نہیں یہ (اُس کی) ایک بات ہی بات ہے جس کو یہ کہے جا رہا ہے۔ اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک۔

قُلْ فرما دیں	رَبِّ اے میرے رب	اِمَّا تُرِيَنِّيْ اگر تو مجھے دکھا دے	مَا يُوْعَدُوْنَ جو ان سے وعدہ کیا جاتا ہے	رَبِّ اے میرے رب			
فَلَا تَجْعَلْنِيْ پس تو مجھے نہ کرنا	فِي میں	الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ظالم لوگ	وَاِنَّا اور بیشک ہم	عَلٰى پر	اَنْ نُّرِيَكَ کہ ہم تمہیں دکھا دیں		
مَا نَعِدُهُمْ جو ہم وعدہ کر رہے ہیں ان سے	لَقٰدِرُوْنَ البتہ قادر ہیں	اِدْفَعْ دفع کرو	بِالَّتِيْ اس سے جو	هِيَ وہ	اَحْسَنُ سب سے اچھی بھلائی		
السَّيِّئَةَ برائی	نَحْنُ ہم	اَعْلَمُ خوب جانتے ہیں	بِمَا اس کو جو	يَصِفُوْنَ وہ بیان کرتے ہیں	وَقُلْ اور آپ فرما دیں	رَبِّ اے میرے رب	
اَعُوْذُ میں پناہ چاہتا ہوں	بِكَ تیری	مِنْ سے	هَمَزٰتِ وسوسے	الشَّيٰطِيْنِ شیطان	وَاَعُوْذُ اور میں پناہ چاہتا ہوں	بِكَ تیری	
رَبِّ اے میرے رب	اَنْ يَّحْضُرُوْنِ کہ وہ آئیں میرے پاس	حَتّٰٓى یہاں تک کہ	اِذَا جَاۗءَ جب آئے	اَحَدَهُمُ ان میں کسی کو	الْمَوْتُ موت		
قَالَ کہتا ہے	رَبِّ اے میرے رب	ارْجِعُوْنِ مجھے واپس بھیج دے	لَعَلِّيْ شاید میں	اَعْمَلُ کام کر لوں	صَالِحًا کوئی اچھا کام		
فِيْمَا اس میں	تَرَكْتُ میں چھوڑ آیا ہوں	كَلَّا ہرگز نہیں	اِنَّهَا یہ تو	كَلِمَةٌ ایک بات	هُوَ وہ	قَاۗىِٕلُهَا کہہ رہا ہے	وَ اور
	مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ ان کے آگے	بَرْزَخٌ ایک برزخ	اِلٰى يَوْمِ اس دن تک	يُبْعَثُوْنَ وہ اٹھائے جائیں گے			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ کفار و منکرین نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے بلکہ قرآن کی نسبت بھی طرح طرح کی بکواس کرتے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کرتے۔ کوئی کہتا کہ بس یہی دنیا کی زندگی ہے ہم جو چاہے کریں کوئی ہمارا کچھ نہیں کر سکتا کوئی کہتا کہ موت کے بعد پھر زندہ ہونا کیسا؟ اور کیسی جزا سزا؟ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ کوئی کہتا کہ اعمال کی بھلائی برائی کیسی؟ جسے ہم اچھا کہیں وہ اچھا جسے ہم برا کہیں وہ برا۔ ہماری باتوں میں دخل دینے والا کون ہوتا ہے۔ پھر کفار کی سرکشی پر جو عذاب آنے کے وعدے ہوتے اور انہیں وعیدیں سنائی جاتیں تو وہ ان کو سن کر مذاق اڑاتے اور از راہ تمسخر کہتے کہ اگر وعدہ

وعید سچ ہیں تو عذاب آتا کیوں نہیں؟ منکرین کی ان شرارتوں اور خباثتوں کا مقتضا یہی تھا کہ ان پر کوئی سخت عذاب آوے۔اس لئے آگے ان آیات میں ہر مومن کو ہدایت کی جاتی ہے کہ خدا کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔وہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کا مطالبہ کیا جاوے۔ درحقیقت وہ ایسی خوفناک چیز ہے کہ سرکشوں اور گنہگاروں ہی کو نہیں نیکوکاروں کو بھی اپنی ساری نیکیوں کے باوجود اس سے ڈرنا اور پناہ مانگنا چاہئے اور اللہ سے ڈر کر یہ دعا کرنی چاہئے کہ جب ظالموں پر عذاب آئے تو الٰہی مجھے اس کے ذیل میں شامل نہ کرنا یعنی ہم کو ایمان کی راہ پر مستقیم رکھنا اور کوئی تقصیر ہم سے ایسی سرزد نہ ہو کہ العیاذ باللہ عذاب کے لپیٹ میں آجائیں۔

تو اگرچہ یہاں آیت میں خطاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم اور عذابِ الٰہی سے محفوظ ہونا اگرچہ آپ کے لئے یقینی تھا اور اللہ کے رسول کا ظالموں کے ساتھ عذاب میں شامل ہونا قطعاً ناممکن تھا لیکن اظہار عبودیت کے لئے ایسی دعا تلقین فرمائی گئی اور درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے آپ کے فرمانبرداروں کو ہدایت دینی مقصود ہے کہ ہر ایک اللہ کے غضب وعذاب سے پناہ مانگا کرے اور یوں کہے کہ اے رب اگر میری زندگی میں آپ کا عذاب ان نافرمانوں پر آنے والا ہو تو مجھے ان کے ساتھ عذاب میں شریک نہ کرنا اور اپنی رحمت سے تمام آفتوں سے محفوظ رکھنا۔ یہاں ایک پہلو تعلیم کا یہ بھی نکلتا ہے کہ ظلم کی نحوست اور اجتماعی گناہوں کی پاداش میں جب سزا کا کوڑا برستا ہے اور عذاب کی آگ برستی ہے تو صرف برے ہی اس میں نہیں جلتے بلکہ ان کے ساتھ بعض اوقات بھلے بھی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اور دنیاوی تکالیف سے متاثر ہوتے ہیں۔ گو آخرت میں ان کو کوئی عذاب نہ ہو بلکہ اس دنیا کی تکلیف پر جو ان کو پہنچتی ہے اجر بھی ملے۔قرآن کریم نویں پارہ سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔**واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة واعلموا ان الله شديد العقاب** ٥ اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے کہ اے پروردگار جب آپ کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کریں تو مجھ کو فتنہ سے محفوظ رکھنا اور مجھ کو ایسی حالت میں اپنے پاس بلالینا کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔غرض یہ کہ اس دعا کی تلقین سے اظہار عبودیت اور تواضع اور کسر نفسی کی تلقین ہے کہ بندہ کو چاہئے کہ ہر وقت اللہ کے عذاب سے ڈرتا رہے تو معلوم ہوا کہ ایک غیر صالح اور بدکار معاشرہ میں رہنے والے ہر صالح آدمی کو ہر وقت خدا کی پناہ مانگتے رہنا چاہئے کچھ خبر نہیں کہ کب اور کس صورت میں ظالموں پر عذابِ الٰہی کی آگ برسنے لگے اور پھر نہ معلوم اس عذاب کی چنگاریاں کہاں تک پہنچیں اور کون اس کی زد میں آجائے (العیاذ باللہ) آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے دنیا ہی میں ان کفار و منکرین کو سزا دے دیں اور جس عذاب سے انہیں ڈرایا جارہا ہے ابھی ابھی آپ کے سامنے ہی بھیج دیں لیکن انہیں ابھی مہلت دی جارہی ہے تاکہ جس کو سیدھا ہونا ہے وہ ہو جائے اس لئے آپ ان کے ساتھ برائی کے بدلہ بھلائی کریں۔آپ کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضا یہی ہے کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہوسکتی ہو اور آپ ان کی بیہودہ بکواس اور بے تکی باتوں سے مشتعل نہ ہوں۔اس کو ہم خوب جانتے ہیں۔وقت پر ان کو کافی سزا دی جائے گی۔

پھر نبی وقت اور اہلِ ایمان کے لئے یہی ایک افتاد نہیں کہ شریر اور سرکش انسانوں سے نمٹنا پڑتا ہے۔ مگر وہ چونکہ ظاہر میں دکھائی دینے والے دشمن ہیں اس لئے انہیں دفع بھی کیا جاسکتا ہے اور ان کے ضرر سے بچا جاسکتا ہے لیکن ان کے علاوہ ایسے دشمن بھی ہیں جو دکھائی نہیں دیتے اور چھپ کر وار کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ شریر انسانوں کو بھی وہ شرارت پر اکساتے ہیں اور یہ ہیں شیاطین جو جنات کی نوع سے ہیں تو منکرین و مفسدین جو شیاطین الانس ہوئے ان کے ساتھ برتاؤ کرنے کا طریقہ اوپر تعلیم فرمایا گیا تھا کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کیا جائے۔ لیکن شیاطین الجن اس طریقہ سے متاثر نہیں ہوسکتے۔ کوئی تدبیر یا نرمی ان کو رام نہیں کرسکتی اس لئے اس کا علاج جو صرف استعاذہ ہے تعلیم فرمایا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جانا تاکہ وہ قادر مطلق ان کی چھیڑ خانی اور شر سے محفوظ رکھے اس لئے یہ دعا تعلیم فرمائی گئی کہ اے رب مجھے ان شیاطین کی نوک چوک اور چھیڑ چھاڑ سے بچائیے اور اپنی عنایت سے ایسا کیجئے کہ وہ مجھ تک آنے ہی نہ پائیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ شریر منکرین اپنی شرارت سے باز نہ آئیں گے اور جو باتیں یہ بناتے ہیں ان کو ہمارے حوالہ کیجئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کی موت کا وقت آ پہنچے اور نزع کی حالت میں عذاب کا معائنہ کر کے پچھتاوا شروع ہو۔ اس وقت تمنا کریں گے کہ اے پروردگار قبر کی طرف لے جانے کی بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کردے تاکہ گذشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے ان کی تلافی کرسکیں آئندہ ہم ایسی خطائیں ہرگز نہیں کریں گے۔ اس کا جواب ان کو ملے گا کہ اجل آ جانے کے بعد اس کام کے لئے ہرگز واپس نہیں کیا جاسکتا اور بالفرض واپس کردیا جائے تو ہرگز نیک کام نہ کرے گا وہی شرارتیں پھر سوجھیں گی۔ یہ محض اس کی بات ہے جو زبان سے بنا رہا ہے۔ یہ کہتا رہے ہمارے ہاں شنوائی نہیں ہوگی۔ اور ابھی کیا دیکھا ہے موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا۔ آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے جہاں عذابِ آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک پڑا چکھتا رہے گا۔ برزخ کے معنی آڑ یا پردہ یعنی جو چیز دو چیزوں کی بیچ میں آ کر انہیں باہم ملنے سے روک دے وہ برزخ ہے۔ اصطلاح شرع میں وہ عالم ہے جو دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور آخرت کی زندگی شروع ہونے پر ختم ہوجائے گا۔ اس کو عالم قبر بھی کہتے ہیں۔ موت کے بعد روح انسانی عالم برزخ میں رہتی ہے اور حشر تک رہے گی جب کہ عالم آخرت شروع ہوجائے گا۔ تو مرنے کے بعد ہر کسی کی روح کو عالم برزخ میں جانا ہے نہ کہ واپس دنیا میں۔

الغرض یہ مصیبت تو ان کو مرنے کے وقت پیش آئے گی۔ پھر جب قیامت کا روز ہوگا اور صور پھونکا جائے گا تو کیا حال ہوگا یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اپنے اور اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبرداروں میں شامل فرمائیں اور ظالمین کے گروہ میں شامل ہونے سے بچائیں۔ یا اللہ نفس و شیطان کی شرارت اور وسوسوں سے ہماری حفاظت فرمایئے اور ایمان و اسلام کی موت ہم کو نصیب فرمایئے۔ یا اللہ موت کے وقت ہمیں حسرت و افسوس سے بچایئے اور عالم برزخ میں ہماری روحوں کو چین و سکون عطا فرمایئے۔ اے اللہ! اس وقت ہمارے معاشرہ میں جو برائیاں پھیل گئی ہیں ہم ان برائیوں کے وبال سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔ یا اللہ آپ ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھیں اور مرتے دم تک ہم کو صراط مستقیم پر قائم رکھیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَآءَلُونَ ﴿١٠١﴾ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ

پھر جب صور پھونکا جاوے گا تو ان میں باہمی رشتے ناتے اس روز نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔سو جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا

فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنفُسَهُمْ فِي

سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنا نقصان کرلیا اور جہنم میں ہمیشہ کیلئے رہیں گے۔

جَهَنَّمَ خَٰلِدُونَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَٰلِحُونَ ﴿١٠٤﴾ أَلَمْ تَكُنْ ءَايَٰتِي

اُن کے چہروں کو آگ جھلستی ہوگی اور اس میں ان کے منہ بگڑے ہوں گے۔کیوں کیا تم کو میری آیتیں پڑھکر سُنائی نہیں جایا کرتی تھیں

تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوا۟ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّينَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَآ

اورتم ان کو جھٹلایا کرتے تھے۔وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا تھا اور ہم گمراہ لوگ تھے۔اے ہمارے رب ہم کو اس (جہنم)

أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَٰلِمُونَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَـُٔوا۟ فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿١٠٨﴾

سے (اب) نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو ہم بیشک پورے قصوروار ہیں ارشاد ہوگا کہ اسی میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔

فَإِذَا پھر جب	نُفِخَ پھونکا جائے گا	فِي الصُّورِ صور میں	فَلَآ أَنسَابَ تو نہ رشتے	بَيْنَهُمْ ان کے درمیان	يَوْمَئِذٍ اس میں
وَلَا يَتَسَآءَلُونَ اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے	فَمَن پس۔جو۔جس	ثَقُلَتْ بھاری ہوئی	مَوَازِينُهُ اس کا تولپلہ	فَأُولَٰٓئِكَ پس وہ لوگ	
هُمْ وہ	الْمُفْلِحُونَ فلاح پانے والے	وَمَنْ اور جو۔جس	خَفَّتْ ہلکی ہوئی	مَوَازِينُهُ اس کے تولپلہ	فَأُولَٰٓئِكَ تو وہی لوگ
الَّذِينَ وہ جنہوں نے	خَسِرُوٓا خسارہ میں ڈالا	أَنفُسَهُمْ اپنی جانیں	فِي جَهَنَّمَ جہنم میں	خَٰلِدُونَ ہمیشہ رہیں گے	تَلْفَحُ جھلس دیگی
وُجُوهَهُمُ ان کے چہرے	النَّارُ آگ	وَهُمْ اور وہ	فِيهَا اس میں	كَٰلِحُونَ تیوری چڑھائے ہوئے	أَلَمْ تَكُنْ کیا نہ تھیں
ءَايَٰتِي میری آیتیں	تُتْلَىٰ پڑھی جاتیں	عَلَيْكُمْ تم پر	فَكُنتُم پس تم تھے	بِهَا انہیں	تُكَذِّبُونَ تم جھٹلاتے تھے	قَالُوا وہ کہیں گے
رَبَّنَا اے ہمارے رب	غَلَبَتْ غالب آگئی	عَلَيْنَا ہم پر	شِقْوَتُنَا ہماری بدبختی	وَكُنَّا اور ہم تھے	قَوْمًا لوگ	ضَآلِّينَ راستہ سے بھٹکتے ہوئے
رَبَّنَا اے ہمارے رب	أَخْرِجْنَا ہمیں نکال لے	مِنْهَا اس سے	فَإِنْ پھر اگر	عُدْنَا دوبارہ کیا ہم نے	فَإِنَّا تو بیشک ہم	ظَٰلِمُونَ ظالم
	قَالَ فرمائے گا	اخْسَـُٔوا پھٹکارے ہوئے پڑے رہو	فِيهَا اس میں	وَلَا تُكَلِّمُونِ اور کلام نہ کرو مجھ سے		

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جب کفار ومنکرین کے سر پر موت آ کھڑی ہوتی ہے اور دوسرے عالم کا معائنہ ہونے لگتا ہے اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور اپنے جہل وکفر پر سخت ندامت اور افسوس ہوتا ہے اور پھر اس وقت دنیا میں لوٹا دیئے کی درخواست کرتا ہے تا کہ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے مگر اس وقت اس کی درخواست کو رد کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اب تو دوبارہ دنیا میں واپس نہیں جاسکتا اور جب تک قیامت قائم ہو اسی مصیبت میں پڑا رہ۔تو مرنے ہی کے وقت جو مصیبت کفار کو پیش آتی

ہے اس کا بیان اور پر فرمانے کے بعد اب جو قیامت میں ان کو پیش آئے گا وہ آگے ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو عالمِ برزخ ختم ہو کر عالم آخرت شروع ہوگا اور تمام مخلوق زندہ کر کے ایک میدان میں جمع کر دی جائے گی اور اس وقت ہر ایک شخص اپنی فکر میں مشغول ہوگا۔ اولاد ماں باپ سے۔ بھائی بھائی سے۔ اور میاں بیوی سے سروکار نہ رکھے گا ایک دوسرے سے بے تعلق ہوں گے کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا۔

یہاں آیت میں جو فرمایا گیا کہ قیامت کے روز کفار میں باہمی رشتے ناتے نہ رہیں گے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باپ باپ نہ رہے گا اور بیٹا بیٹا نہ رہے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وقت نہ باپ بیٹے کے کام آئے گا نہ بیٹا باپ کے ہر ایک اپنے حال میں کچھ اس طرح گرفتار ہوگا کہ دوسرے کو پوچھنے کا ہوش نہ رہے گا۔ پھر آج انسان کے لئے اس بات کا سمجھنا کس قدر دشوار ہو گیا ہے کہ وہ جو کچھ اس دنیا میں کر رہا ہے۔ وہ سب برابر لکھا جا رہا ہے۔ مرنے کے بعد جب قیامت میں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اس کے سامنے ساری زندگی بھر کے کرتوتوں کا کچا چٹھا رکھ دیا جائے گا۔ پھر اس کے سامنے اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ جس کا اعمال کچھ وزن رکھتے ہوں گے اور نیکیوں کا پلہ بدیوں کے مقابلہ میں جھکا ہوا ہوگا اس کو نجات و مغفرت نصیب ہو جائے گی اور دائمی خوش نصیبی اس کو حاصل ہو جائے گی اس کے برخلاف جس کے اعمال ہلکے اور بے وزن ثابت ہوں گے۔ اس کی شامت آ جائے گی اور جہنم کے عذاب میں ڈال دیا جائے گا جہاں آگ سے بدن جلتے جلتے سوج جائے گا۔ اور ان کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جہنمیوں کا نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک اور اوپر کا پھول کر کھوپڑی تک پہنچ جائے گا اور زبان باہر نکل کر زمین پر لٹکتی ہوگی جسے دوزخی پاؤں سے روندیں گے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جہنم اور وہاں کے آزاروں سے ہم سب کو بالکلیہ محفوظ و مامون فرمائیں۔ آمین) اس وقت ان منکرین سے یوں کہا جائے گا کہ جن باتوں کو دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اب آنکھوں سے دیکھ لو سچی تھیں یا جھوٹی؟ کیا دنیا میں اللہ کا کلام تم کو سنایا نہ گیا تھا اور دوزخ اور اس کے عذاب سے ڈرایا نہ گیا تھا؟ یہ بتاؤ تم نے ان سب کو جھوٹ کیوں جانا؟ کفار اعتراف کریں گے کہ بیشک ہماری بدبختی نے دھوکا دیا جو ایمان و اسلام کے سیدھے راستہ سے بھٹک کر کفر و شرک کو اختیار کیا اور اس ابدی ہلاکت کے گڑھے میں آ پڑے۔ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا۔ اب از راہ کرم ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکال دیجئے۔ پھر کبھی ایسا کریں تو گناہ گار جو سزا چاہے دیجئے گا۔ اللہ عزوجل کی طرف سے جواب ملے گا کہ خاموش رہو اور اس دوزخ میں چپ چاپ پڑے رہو۔ بک بک مت کرو جو کیا تھا اب اس کی سزا بھگتو۔

الغرض ان کفار کی ندامت و معذرت پر کوئی رحم نہ کیا جائے گا اور مزید باری تعالیٰ کی طرف سے جو ان کو خطاب ہوگا اور کفار جو جواب دیں گے یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ قیامت کے روز ہمارا حشر و نشر اپنے مومنین و مخلصین بندوں کے ساتھ فرماویں اور بلا حساب کتاب محض اپنے فضل سے ہم سب کی مغفرت فرماویں۔ یا اللہ! میزان میں ہماری نیکیوں کا پلہ بھاری فرما دیجئے گا اور جنت کی دائمی نعمتوں کو نصیب فرمایئے گا۔

یا اللہ جہنم کے دکھ اور آزار سے کامل طور پر ہم کو محفوظ فرمایئے گا۔ یا اللہ! ہماری غفلت کو دور فرما دے ہمارے دلوں میں قیامت کے حساب کتاب، جزا و سزا کا دھیان بٹھا دے۔ ہمیں اپنے احکام کا متبع بنا کر زندہ رکھئے اور اسی حالت میں موت نصیب فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٠٩﴾

میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو (ہم سے) عرض کیا کرتے تھے کہ اے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمائیے اور آپ سب رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنیوالے ہیں۔

فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿١١٠﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ

سو تم نے اُن کا مذاق مقرر کیا تھا یہاں تک کہ اُنکے مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم اُن سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ میں نے اُن کو آج اُن کے صبر کا یہ بدلہ دیا ہے

الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿١١١﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا

کہ وہی کامیاب ہوئے۔ ارشاد ہوگا کہ تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین پر رہے ہوگے وہ جواب دیں گے کہ ہم

لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ ﴿١١٣﴾ قٰلَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١٤﴾

ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے۔ ارشاد ہوگا کہ تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے کیا خوب ہوتا کہ تم سمجھے ہوتے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿١١٥﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ

ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یوں ہی مہمل پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے سو اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے جو کہ بادشاہِ حقیقی ہے

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿١١٦﴾ وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ

اسکے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس پر اُس کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں۔

بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿١١٧﴾ وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ

سو اُس کا حساب اُس کے رب کے ہاں ہوگا۔ یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہوگی۔ اور آپ یوں کہا کریں کہ اے میرے رب میری خطائیں معاف کر اور رحم کر اور تو سب

خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١١٨﴾

رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے۔

اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھا	فَرِيْقٌ ایک گروہ	مِّنْ عِبَادِيْ میرے بندوں کا	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے تھے	رَبَّنَا اے ہمارے رب	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	
فَاغْفِرْ لَنَا سو ہمیں بخش دے	وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما	وَاَنْتَ اور تو	خَيْرُ بہترین	الرّٰحِمِيْنَ رحم کرنے والے	فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ پس تم نے انہیں بنالیا		
سِخْرِيًّا ٹھٹھا	حَتّٰى یہاں تک کہ	اَنْسَوْكُمْ انہوں نے بھلا دیا تمہیں	ذِكْرِيْ میری یاد	وَكُنْتُمْ اور تم تھے	مِّنْهُمْ ان سے		
تَضْحَكُوْنَ ہنسی کیا کرتے تھے	اِنِّيْ بیشک میں	جَزَيْتُهُمُ میں نے جزا دی انہیں	الْيَوْمَ آج	بِمَا اس کے بدلے	صَبَرُوْا انہوں نے صبر کیا		
اَنَّهُمْ بیشک وہ	هُمُ وہی	الْفَآئِزُوْنَ مراد کو پہنچنے والے	قٰلَ فرمائے گا	كَمْ لَبِثْتُمْ کتنی مدت رہے تم	فِي الْاَرْضِ زمین (دنیا) میں		
عَدَدَ شمار حساب	سِنِيْنَ سال	قَالُوْا وہ کہیں گے	لَبِثْنَا ہم رہے	يَوْمًا ایک دن	اَوْ یا	بَعْضَ يَوْمٍ ایک دن کا کچھ حصہ	فَسْئَلِ پس پوچھ لے
الْعَآدِّيْنَ شمار کرنے والے	قٰلَ فرمائے گا	اِنْ لَّبِثْتُمْ نہیں تم رہے	اِلَّا مگر صرف	قَلِيْلًا تھوڑا عرصہ	لَوْ اَنَّكُمْ کاش کہ تم		

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ جانتے ہوئے	اَفَحَسِبْتُمْ کیا تم خیال کرتے ہو؟	اَنَّمَا کہ	خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تمہیں پیدا کیا	عَبَثًا عبث بیکار	وَّاَنَّكُمْ اور یہ کہ تم		
اِلَيْنَا ہماری طرف	لَا تُرْجَعُوْنَ نہیں لوٹائے جاؤ گے	فَتَعٰلَى پس بلندتر	اللّٰهُ اللہ	الْمَلِكُ بادشاہ	الْحَقُّ حقیقی	لَا نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود
اِلَّا هُوَ اس کے سوا	رَبُّ مالک	الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ عزت والا عرش	وَ اور	مَنْ يَّدْعُ جو پکارے	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ		
اِلٰهًا اٰخَرَ کوئی اور معبود	لَا بُرْهَانَ نہیں کوئی سند	لَهٗ اسکے پاس	بِهٖ اس کیلئے	فَاِنَّمَا سو تحقیق	حِسَابُهٗ اس کا حساب		
عِنْدَ رَبِّهٖ اسکے رب کے پاس	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَا يُفْلِحُ فلاح کامیابی	نہیں پائینگے	الْكٰفِرُوْنَ کافر	وَقُلْ اور آپ کہیں	رَبِّ اے میرے رب	
	اغْفِرْ بخش دے	وَارْحَمْ اور رحم فرما	وَاَنْتَ اور تو	خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ بہترین رحم کرنیوالا ہے			

تفسیر وتشریح:۔ یہ اس سورۂ مومنون کے خاتمہ کی آیات ہیں۔

گزشتہ آیات میں کفار و منکرین کا حال بروز قیامت بیان کیا گیا تھا کہ اپنے کفر کی وجہ سے ان کو دائمی عذاب جہنم ہوگا۔ اس وقت کفار اپنے جرم کا اقرار کر کے عذر معذرت کریں گے اور درخواست کریں گے کہ اس مرتبہ ان کو جہنم سے آزاد کر دیا جائے اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے۔ آئندہ وہ کفر نہ کریں گے۔ اس پر ان کو جواب ملے گا کہ بک بک مت کرو۔ اب خاموشی کے ساتھ جہنم میں پڑے رہو۔ جیسا دنیا میں کیا تھا ویسا اب بھگتو، تم پر اب کوئی رحم و کرم نہ ہوگا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کفار کو مزید شرمندہ اور پشیمان کرنے کے لئے ان کا ایک زبردست گناہ پیش کیا جائے گا جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے اور ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں میرے بندے اہل ایمان جب اپنے رب کے آگے دعا و استغفار کرتے تھے تو تم کو ان کے ساتھ ہنسی اور مذاق سوجھتا تھا۔ اور ان کی ان خصلتوں کا اتنا مذاق اڑاتے تھے اور ان کے اتنا پیچھے پڑتے تھے گویا کہ تمہارے سر پر کوئی حاکم ہی نہ تھا کہ جو تمہاری ان شرارتوں کی سزا دے سکے۔

اس آیت میں کیسی صحیح اور عبرتناک تصویر پیش کی ہے۔ آج کتنے ہی منکر اور کافر نہیں بلکہ نام کے مسلمان بھی اپنی ''روشن خیالی'' کے زعم میں اسی طرح کا مضحکہ سیدھے سادے دیندار مسلمانوں کا اڑاتے ہیں۔ آیت یہ بتلا رہی ہے کہ اللہ کے مخلص دیندار بندوں سے مضحکہ و تمسخر کا انجام نار جہنم ہے۔ آگے ان کفار سے خطاب جاری رکھتے ہوئے مزید کہا جائے گا کہ اہل ایمان نے تمہاری زبانی اور عملی ایذاؤں پر صبر کیا تھا۔ آج دیکھو کہ تمہارے بالمقابل ان کو کیا پھل ملا۔ ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا گیا جہاں وہ ہر طرح کامیاب و کامران اور ہر قسم کی لذتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہیں اور تم اپنی روشن خیالی پر گھمنڈ رکھنے والے اس ناکامی اور نامرادی کے عذاب میں گرفتار نکلے۔ پھر منکرین قیامت و آخرت سے بطور زجر و توبیخ کے یہ سوال ہوگا کہ تم جو کہتے تھے کہ مر کر جینا نہیں اور زندگی ہے تو بس دنیا ہی کی زندگی ہے۔ اور وہاں کی زندگی اور اس کے لذات اور مال و جاہ پر تم ریجھے ہوئے تھے۔ اور اب یہاں اپنے گمان کے خلاف مر کر دوبارہ زندہ ہونا اور اپنے کئے کی سزا پانا اور عذاب ابدی میں مبتلا ہونا دیکھ لیا اب بتاؤ کہ تم دنیا میں کس قدر ٹھہرے تھے؟ منکرین تو اس وقت دکھ اور درد کے مارے حواس باختہ ہو رہے ہوں گے۔ جواب میں کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں ایک روز یا اس سے بھی کم رہے ہوں گے اور سچ تو یہ ہے کہ ہم کو یاد نہیں کہ ہم دنیا میں کتنی مدت رہے۔ فرشتوں سے کہ جو اعمال اور عمر کا حساب رکھتے تھے ان سے پوچھ لیا جائے۔ جواباً ارشاد ہوگا کہ اب تو تمہیں بھی اقرار ہے کہ دنیا میں تھوڑی ہی مدت رہے۔ اگر یہ بات تم اس وقت سمجھ لیتے کہ دنیا کی بقا ناقابل اعتبار ہے اور اس کے سوا کوئی اور دار القرار ہے تو آج یہ گت تمہاری کیوں بنتی مگر وہاں تو بس بقا دنیا ہی میں منحصر سمجھا اور اس عالم آخرت کی نفی کرتے رہے اور اب اگر سمجھے تو بالکل بیکار ہے۔ اگر دنیا ہی میں سمجھ لیتے کہ دنیا تھوڑے دن کی ہے اور ہمارے رسولوں اور کتابوں ہی کے کہنے سے مان جاتے تو آج اس قدر حسرت اور ندامت میں مبتلا نہ ہوتے اور نہ جہنم کی آگ میں جلتے۔

اب آگے انسانوں کو خواب غفلت سے چونکانے کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ لوگو! یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ تمہیں ہم نے کھیل کے طور پر

بنایا ہے کہ تم جو چاہے کرو۔ سنو اور غور کرو کہ تمہیں یقیناً ایک دن ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے اور تمہارے دنیا کے اعمال کا زبردست نتیجہ نکلنا ہے۔ یا تو جنت میں داخل ہو کر ابدی راحت میں رہو گے یا دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں نہ جانے کب تک جلو گے۔

اب چونکہ سورۃ خاتمہ پر آ رہی ہے اس لئے تمام سورت کا خلاصہ اور نتیجہ ارشاد ہوتا ہے کہ یاد رکھو حقیقی بادشاہ اللہ ہی ہے جو بہت ہی عالیشان ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی عرش عظیم کا مالک ہے جو کوئی اللہ کے ساتھ اور کسی کو بھی معبود سمجھے گا وہ ہٹ دھرم ہے اور ناسمجھ ہے۔ اس کے پاس کوئی دلیل اور کوئی سند اس بات کی نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔ حقیقی رب اللہ عز وجل اس سے اس کے اعمال کا حساب لے گا۔ جو لوگ دنیا میں اس کا انکار کئے بیٹھے ہیں۔ یقیناً وہ آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے۔ ان کو نجات اور فلاح ہرگز میسر نہ ہوگی۔

سورۃ کی ابتداء قد افلح المومنون سے فرمائی گئی تھی کہ بالتحقیق مومن ہی فلاح یاب ہوں گے اور خاتمہ پر مقابلہ میں انہ لایفلح الکافرون فرمایا گیا کہ یقینی بات ہے کہ کافر فلاح یاب نہ ہوں گے اس طرح کس خوبی سے کلام کو تمام فرمایا گیا۔

آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا جاتا ہے کہ یہ گفتگو تو کفار سے متعلق تھی اگر یہ لوگ طالب مغفرت و رحمت نہیں ہیں تو نہ ہوں، آپ اور آپ کے متبعین اس کو طلب کیجئے اور یوں کہا کیجئے کہ اے میرے رب مغفرت فرمائیے اور رحم فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔

اس سورۃ کے اخیر کی چار آیات میں یعنی افحسبتم سے سورہ ختم تک بہت بڑی فضیلت اور تاثیر رکھتی ہیں جس کا ثبوت بعض احادیث سے ہوتا ہے اور علماء و مشائخ نے تجربہ کیا ہے اس لئے ان اخیر کی چار آیات کا ورد اکثر رکھنا چاہئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک سریہ یعنی چھوٹا لشکر روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ صبح اور شام یہ آیتیں پڑھا کریں۔ یعنی افحسبتم سے وانت خیر الرّحمین تک۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ان کا گذر ایک ایسے بیمار پر ہوا جو سخت امراض میں مبتلا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے کان میں سورۂ مومنون کی یہی آیتیں افحسبتم سے آخر سورۃ تک پڑھ دیں وہ اسی وقت اچھا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو ان سے دریافت کیا کہ تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ آیتیں پڑھی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذاتِ پاک کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی آدمی جو یقین رکھنے والا ہو یہ آیتیں پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔ (معارف القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو دعا تلقین فرمائی تھی اور جو آج تک اہل ایمان اپنی نمازیں اکثر پڑھتے ہیں یعنی اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا. وانہ لایغفر الذنوب الا انت فغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم o

یہ دعا اس آخری آیت وقل رب اغفرو ارحم وانت خیر الرّحمین o کے امتثال امر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے دل کی گہرائیوں سے اس دعا کو اپنی نمازوں میں مانگنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

الحمد للہ اس درس پر اس سورۃ کا بیان ختم ہوا جس میں چھ رکوع تھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اسکو ہم (ہی) نے مقرر کیا ہے اور ہم نے اس سورۃ میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو

سُوْرَةٌ ایک سورۃ	اَنْزَلْنٰهَا جو ہم نے نازل کی	وَفَرَضْنٰهَا اور لازم کیا اس کو	وَاَنْزَلْنَا اور ہم نے نازل کیں	فِيْهَآ اس میں
اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ واضح آیتیں	لَّعَلَّكُمْ تاکہ تم	تَذَكَّرُوْنَ تم یاد رکھو		

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اب اٹھارویں پارہ کی سورۃ النور کا بیان شروع ہورہا ہے اس وقت اس درس میں سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت کی انشاء اللہ تشریح کی جائے گی۔ جس سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام و زمانۂ نزول۔ تاریخی پس منظر۔ موضوع ومباحث۔ تعداد رکوعات و آیات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے پانچویں رکوع کی پہلی آیت میں اللہ نور السموت والارض کا جملہ آیا ہے یعنی اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ تو چونکہ اس سورۃ میں اللہ کے نور کا ذکر ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۃ النور ہوا۔ یہ مدنی سورۃ ہے اور ۶ ہجری کے آخری نصف میں اس کا مدینہ منورہ میں نزول ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی چوبیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۱۰۵ لکھا ہے یعنی قرآن پاک کی کل ۱۱۴ سورتوں میں سے ۱۰۴ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۹ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۶۴ آیات اور ۹ رکوعات ۱۴۲۰ کلمات اور ۶۴۱۰ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

تاریخی پس منظر یعنی جن حالات میں اس سورۃ کا نزول ہوا مختصراً اس طرح ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہود سے مصالحت کا معاہدہ فرمایا تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ وفا فرماتے رہے لیکن اس وقت یہود چونکہ مدینہ کے رئیس اور بڑے مانے جاتے تھے آپ کے تشریف لانے کے بعد اسلام کی روز افزوں شوکت کو دیکھ کر ان کو سخت غیظ ہوتا تھا اور اسی لئے وہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے درپے آزار رہتے تھے۔ غزوہ بدر ۲ھ میں جب کفار مکہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کو حیرت انگیز فتح ہوئی تو یہود مدینہ کے غیظ وغضب کی انتہا نہ رہی۔ بالآخر انہوں نے علانیہ عہد شکنی شروع کر دی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے مختلف قبائل سے جنگ کی تیاری شروع کی۔ مقابلہ ہوا تو کچھ قبائل جلاوطن ہو کر شام چلے گئے اور کچھ خیبر وغیرہ چلے گئے۔ ادھر قریش مکہ پہلے سے مدینہ کے یہود اور منافقین کو خط لکھ کر نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت پر اکسا رہے تھے بلکہ یہ دھمکی بھی ساتھ دی تھی کہ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نہ نکال دو گے تو ہم تمہارے ساتھ بھی جنگ کریں گے۔ گویا قریش مکہ۔ یہود مدینہ اور منافقین سب کی مجموعی طاقت اسلام کے خلاف کھڑی ہوگئی۔ بالآخر ذی قعدہ ۵ھ میں سب نے اپنی پوری پوری قوتیں جمع کر کے یکبارگی مدینہ طیبہ پر حملہ کی ٹھہرائی اور اس طرح دس ہزار آدمیوں کا لشکر جرار مسلمانوں کو مٹانے کے لئے مدینہ کی طرف بڑھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر جنگ کرنا مناسب نہیں بلکہ جس طرف سے مدینہ کے اندر ان کے گھسنے کا احتمال ہے اس طرف خندق کھودی جائے چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور تین ہزار صحابہ کرام کو لے کر خندق کھودنے کے لئے خود بھی کمربستہ ہو گئے چھ دن میں یہ پانچ گز گہری خندق اس طرح تیار ہوئی کہ اس کے کھودنے میں خود سید المرسل صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے دست مبارک کا ایک بڑا حصہ تھا۔ ایک مرتبہ خندق

کھودتے ہوئے ایک پتھر کی چٹان نکل آئی جس کی وجہ سے سب کے سب عاجز ہوگئے تو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے ایک کدال مارا تو اس کے ٹکڑے اڑ گئے غرض خندق تیار ہوگئی ادھر کفار کا لشکر آ پہنچا اور مدینہ کا محاصرہ کرلیا تقریباً ایک ماہ تک مدینہ میں مسلمان محصور رہے۔ محاصرہ کی وجہ سے مدینہ میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ رسد کی قلت سے صحابۂ کرام پر تین تین فاقہ گزر گئے۔ ایک روز مضطر ہوکر صحابہؓ نے اپنے پیٹ کھول کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلائے کہ سب نے پیٹ سے پتھر باندھ رکھے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کیلئے اپنا شکم مبارک کھول کر دکھایا جس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) ادھر محاصرین جب خندق عبور نہ کرسکے تو وہیں سے تیر اور پتھر برسانے شروع کئے۔ جانبین سے مسلسل تیر اندازی ہوتی رہی اسی سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوئیں بالآخر خداوند قدوس نے اس بے سروسامان جماعت کی مدد فرمائی اور لشکر کفار پر ہوا کا ایک ایسا طوفان مسلط فرمایا جس نے ان کی فوج کے حواس معطل کردیئے غرضیکہ ایک مہینہ تک سر مارنے کے بعد آخر کار ناکام اور خاسر ہوکر واپس چلے گئے اور ان کے جاتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاعلان صحابہ سے فرمادیا کہ اس سال کے بعد اب قریش تم پر چڑھائی نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر چڑھائی کروگے۔ یہ گویا اس امر کا اعلان تھا کہ اب اسلام بچاؤ کی نہیں بلکہ اقدام کی لڑائی لڑے گا اور کفر کو اقدام کے بجائے بچاؤ کی لڑائی لڑنی پڑے گی۔ مشرکین۔ منافقین۔ یہود اب سبھی یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ مسلمانوں کو محض ہتھیاروں اور فوجوں کے بل پر شکست نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے اب دشمنان اسلام کی سرگرمیوں کا رخ جنگی کارروائیوں سے ہٹ کر رذیلانہ حملوں اور داخلی فتنہ انگیزیوں کی طرف پھر گیا اور چونکہ یہ خدمت باہر کے دشمنوں کی بہ نسبت خود مسلمانوں کے اندر گھسے ہوئے منافقین زیادہ اچھی طرح انجام دے سکتے تھے اس لئے مخالفین اسلام کی اب یہ سازش قرار پائی کہ مدینہ کے منافقین اندر سے فتنہ اٹھائیں اور یہود ومشرکین باہر سے ان کا زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ مدینہ کے منافقین جو بظاہر مسلمان بن کر اہل اسلام میں گھلے ملے تھے ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے کہ جس سے وہ مسلمانوں میں آپس میں بدگمانی پھیلا سکیں تاکہ مسلمانوں کے اتحاد اور نظم اور ان کی اجتماعی قوت میں رخنہ پڑے۔ چنانچہ منافقین کئی موقعوں پر افتراپردازی کا طوفان عظیم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی طرح کا ایک حملہ منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے سلسلہ میں کھڑا کیا مگر مخالفین کے تمام اعتراضات کا دندان شکن جواب وحی الٰہی نے سورۂ احزاب میں دیا اور منافقین کی اس مہم پر سخت زجر وتوبیخ کی گئی جس کی تفصیلات انشاءاللہ اکیسویں پارہ سورۂ احزاب میں بیان ہونگی۔

دوسرا حملہ منافقین نے ہجرت کے چھٹے سال غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر کھڑا کیا جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بابت غلط اور بے بنیاد بدگمانی پھیلانی شروع کی اور آپ پر تہمت لگا کر بیہودہ خبریں اور افواہیں مسلمانوں میں پھیلائیں۔ شیطانی وسوسوں نے کام کیا اور کچھ سادہ دل مخلص مسلمان بھی اس بے بنیاد جھوٹی افواہ کے سننے اور دوسروں سے ذکر کرنے میں شامل ہوگئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعۂ تہمت کی وہی شان ہے جو حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے قصہ کی شان ہے جس کی تفصیل سورۂ مریم سولہویں پارہ میں گزری اور جس طرح حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور آپ کی عصمت ونزاہت میں شک کرنا کفر ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور آپ کی عصمت ونزاہت میں شک کرنا کفر ہے۔ دونوں کی عفت وعصمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور نص قرآنی کا انکار کفر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا شوشہ چھوڑ کر منافقین نے بیک وقت کئی شکار کرنے کی کوشش کی۔ ایک طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عزت پر حملہ کیا۔ دوسری طرف اسلامی وقار کو گرانے کی کوشش کی اور تیسری طرف مسلمانوں کے اندر کمال درجے کے اتحاد اور نظم و

21 ضبط میں رخنہ پیدا کرنے کی اسکیم بنائی۔ یہ تھے وہ حالات کہ جس میں یہ سورۂ نور نازل ہوئی۔ اس پس منظر کو سمجھ لینے سے آئندہ دورانِ سورۃ تشریحات سمجھنے میں انشاءاللہ سہولت اور آسانی ہوگی اس لئے یہ پس منظر بیان کرنا ضروری تھا۔

اس سورۃ کے مرکزی مطالب عورت کی عفت سے متعلق ہیں۔ اس لئے حدیث صحیح میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آیا ہے کہ اپنی عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دو۔ اس سورۃ میں زیادہ تر گھریلو اور اجتماعی زندگی کے پاک صاف رکھنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ ناجائز تعلقات جنسی کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ پاکیزہ گھرانوں کی مستورات کے متعلق وہم وگمان کی بنا پر برے خیالات پھیلانے والوں کی سزا کا قانون بیان فرمایا گیا ہے۔ بیوی پر ناپاکی کا الزام لگانے والے خاوند کے لئے لعان کا قانون بتایا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت اور پاکدامنی کی شہادت دی گئی اور آپ کے متعلق بدگمانی پھیلانے والوں کو سرزنش کی گئی اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ اللہ کے برگزیدہ بندں کی بابت بدگمانیوں سے بچیں ورنہ سخت سزا کے سزاوار ہوں گے۔ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ہدایت کی گئی کہ پاکیزہ زندگی اختیار کریں اور اس کا طریقہ بتایا گیا۔ بیوہ عورتوں کی دوبارہ شادی کردینے کی مصلحت سمجھائی گئی۔ اسلامی معاشرہ کو بیہودہ باتوں۔ خرابیوں اور بدگمانیوں سے پاک وصاف رکھنے کے لئے معاشرتی اور تمدنی قوانین کی تعلیم دی گئی۔ اس سورت میں مسلمانوں کو بشارت دی گئی کہ انہیں زمین میں حکومت وسلطنت دی جائے گی تاکہ انہیں اسلام کی خوبیاں اور برکتیں تمام دنیا میں پھیلانے کا موقع مل جائے۔ پھر آپس میں مل جل کر رہنے کی تعلیم دی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و تعظیم کی ہدایت کی گئی اور بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمہارا برتاؤ کیسا ہونا چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ اس سورۃ میں بڑے بڑے اور اہم قوانین و ہدایات کے علاوہ منافقین اور مؤمنین کی علامتیں بتائی ہیں تاکہ معاشرہ میں پتہ چل جائے کہ مخلص اہل ایمان کون ہیں اور منافق کون؟ ان جملہ امور کی تفصیلات انشاءاللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

اس تمہیدی تشریح کے بعد اب آیت زیر تفسیر کی تشریح سنیئے۔

سورۃ کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے کہ لفظ لفظ سے اہمیت ٹپکتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

''یہ ایک سورۃ ہے کہ جس کے الفاظ کو بھی ہم نے نازل کیا ہے اور اس کے احکام کو بھی ہم نے مقرر کیا ہے اور ہم نے اس سورۃ میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو اور عمل کرو۔''

اب یوں تو سارا ہی قرآن اور تمام سورتیں حق تعالیٰ ہی کی نازل کی ہوئی ہیں مگر اس سورۃ کے احکام کو خاص اہمیت دینے کے لئے فرمایا گیا کہ اس کا نازل کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہیں اس لئے اسے کسی اور ناصح کے کلام کی طرح ہلکی چیز نہ سمجھ بیٹھنا۔ خوب جان لو کہ اس کا نازل کرنے والا وہ ہے جس کے قبضہ میں تمہاری جانیں ہیں اور جس کی گرفت سے تم مر کر بھی نہیں چھوٹ سکتے اس لئے مخاطبین سمجھ لیں کہ اس کے مضامین واحکام ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ جو صاف صاف نصیحتیں اور کھری کھری باتیں اس سورۃ میں بیان کی گئی ہیں اس لائق ہیں کہ ہر مسلمان ان کو حرزِ جان بنائے اور ایک منٹ کے لئے ان سے غفلت نہ کرے لفظ فرضنها اور اسے ہم نے فرض کیا ہے۔ یہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہ قطعی احکام ہیں جس کی پیروی کرنا لازم ہے۔ یہ نہیں کہ یہ کوئی ''سفارشات'' ہیں کہ آپ کا جی چاہے تو مانیں ورنہ جو چاہے عمل کرتے رہیں اور جیسے چاہیں عائلی اور خانگی قوانین بناتے رہیں پھر آیاتِ بینتٍ یعنی صاف صاف کھلی آیات کہہ کر یہ واضح کردیا کہ جو ہدایات واحکام اس سورۃ میں دیئے جارہے ہیں ان میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ صاف صاف اور کھلی ہدایات ہیں جس کے متعلق تم یہ عذر نہیں کر سکتے کہ فلاں حکم ہماری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے ہم کیسے عمل کرتے۔ اس پرشوکت تمہید کے بعد احکام شروع ہوجاتے ہیں اور سب سے پہلا حکم زانی اور زانیہ کی سزا کے متعلق ہے جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد سو ان میں سے ہر ایک کے سو درے مارو۔اور تم لوگوں کو اُن دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں

فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ

ذرا رحم نہ آنا چاہیئے اگر اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲

حاضر رہنا چاہیے۔

اَلزَّانِيَةُ بدکار عورت	وَالزَّانِيْ اور بدکار مرد	فَاجْلِدُوْا تو تم کوڑے مارو	كُلَّ وَاحِدٍ ہر ایک کو	مِّنْهُمَا ان دونوں میں سے	مِائَةَ سو
جَلْدَةٍ کوڑے	وَلَا تَأْخُذْكُمْ اور نہ پکڑو (نہ کھاؤ)	بِهِمَا ان پر	رَأْفَةٌ مہربانی (ترس)	فِيْ میں	دِيْنِ اللّٰهِ اللہ کا حکم	اِنْ اگر
كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ تم ایمان رکھتے ہو	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور یوم آخرت	وَلْيَشْهَدْ اور چاہیۓ کہ موجود ہو	عَذَابَهُمَا ان کی سزا	
	طَآئِفَةٌ ایک جماعت	مِّنَ سے۔کی	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن (مسلمان)		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ تمہیدی آیت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا تھا کہ یہ عظیم الشان جلیل القدر سورۃ ہم نے نازل کی ہے اور ہم نے خود اس میں احکام مقرر کئے ہیں جن کی اطاعت لوگوں پر فرض ہے۔اس تمہید کا انداز بیان خود بتا رہا ہے کہ سورۂ نور کے احکام کو اللہ تعالیٰ کتنی اہمیت دے کر پیش فرما رہے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ کے نازل ہونے سے پہلے تہمت تراشی کا ایک ایسا افسوسناک واقعہ پیش آیا تھا جس سے اجتماعی زندگی کے آرام وسکون میں سخت خلل واقع ہونے کا اندیشہ تھا۔ مراد اس سے واقعۂ افک ہے جبکہ منافقین نے محض اسلام دشمنی میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا کر غلط اور بے بنیاد بدگمانی پھیلانی شروع کر رکھی تھی جس کی تفصیلات اگلے رکوع میں ظاہر فرمائی گئی ہیں۔اس لئے تمہید کے الفاظ اتنی شان وشوکت کے ہیں تا کہ لوگ اس سورۃ کے احکام کو ہمیشہ یاد رکھیں اور برائیوں سے بچیں۔ چونکہ منافقین نے معاذ اللہ، معاذ اللہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا سے متعلق تہمت لگائی تھی مگر آپ کی برأت اور پاک دامنی پر قرآن پاک نے شہادت دی اور اگلے دو رکوع مستقل آپ کی صدیقیت پر نازل ہوئے۔اس لئے اس سورۃ میں احکام کی ابتداء زنا کی سزا سے ہوتی ہے اور پہلا حکم اس آیت میں یہ دیا جاتا ہے کہ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کو ۱۰۰ درے مارے جائیں۔ یہاں یہ سمجھ لیا جائے کہ شریعت اسلامیہ میں یہ ۱۰۰ دُرے کی سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل اور بالغ ہو اور نکاح کئے ہوئے نہ ہو یا نکاح اگر ہو چکا ہے تو ہم بستری نہ ہو سکی ہو۔ اور اگر آزاد، بالغ اور عاقل مرد وعورت نکاح سے فائدہ اٹھا چکے ہوں اور ہم بستری ہو چکی ہو تو ایسے مرد وعورت کو زنا کی سزا رجم یعنی سنگساری ہے یعنی اتنے پتھر اس کے مارے جائیں کہ وہ مر جائے۔ یہ سزا رجم کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے حیاتِ مبارکہ میں جاری فرمائی اور آپ کے بعد خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل برابر اسی قانون پر رہا۔ اگر شادی شدہ آزاد مرد یا عورت سے زنا سرزد ہوا تو سنگسار کیا گیا اور غیر شادی شدہ آزاد مرد وعورت کے ۱۰۰ کوڑے مارے گئے۔ (نوٹ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ بینات کراچی اشاعت خاص ''رجم کی شرعی حیثیت''

بابت ماہ رجب وشعبان ۱۴۰۱ھ مطابق جون جولائی ۱۹۸۱ء)

زنا کا عام مفہوم جس سے ہر شخص واقف ہے یہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت بغیر اس کے کہ ان کے درمیان جائز رشتہ زن وشو ہر ہو باہم مباشرت کا ارتکاب کریں۔ اس لئے اس جرم کی سزا بھی ایسی ہی رکھی گئی ہے۔ اس فعل بد کی شامت سے دنیا میں بھی انسانوں پر بہت سی بلائیں نازل ہوتی ہیں جیسے دشمن کا غلبہ۔ رزق کی تنگی۔ عزت کی بربادی۔ عمر میں بے برکتی۔ ملک و دولت کی بربادی۔ سینکڑوں بیماریوں کا آنا اور روح پر بھی ایسی تاریکی پیدا ہوتی ہے جو مرنے کے بعد اندھیری اور عذابِ آتش بن کر سامنے آتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی نظر میں بھی ایسا شخص مقہور ہو جاتا ہے اور نیک لوگ بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ زنا سے فقط دونوں زنا کار مرد و عورت ہی اپنی شخصیت۔ وقار۔ عزت اور تہذیب کو برباد نہیں کرتے بلکہ اگر یہ سلسلہ قائم رہے تو خاندان کے خاندان اور قومیں کی قومیں مختلف مصائب کا شکار ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جتنی سخت سزا زنا کی مقرر کی ہے کسی دوسرے اخلاقی یا مالی جرم کی ایسی سنگین تعزیر مقرر نہیں کی۔ آج بھی جن ملکوں میں مثلاً حجاز۔ نجد۔ یمن جہاں زنا کی حد شرعی جاری ہے وہاں جرم زنا آج بھی گویا عنقا ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کی تجویز کی ہوئی یہ سزا جاری نہیں ہے وہاں زنا کے بازار عام ہیں جن میں افسوس صد افسوس آپ کا ملک پاکستان بھی شامل ہے۔ اہل ملک۔ ملک کی اس حالت سے خوب واقف ہیں۔ مجھے تشریح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک اسلامی ملک میں ہم صاحبِ اختیار ہو کر قرآنی تعزیرات اور شرعی سزائیں جاری نہ کر کے جہاں ہم ایک طرف قرآن کے نافرمان بلکہ باغی ہونے کے مجرم ہیں وہیں دوسری طرف معاشرہ میں دن دگنی رات چوگنی برائیاں، فسق و فجور، بدکرداری، بے حیائی اور طرح طرح کے جرائم کی کثرت اور پیداوار کے بھی ذمہ دار ہیں۔ اگر آج آپ شرعی سزائیں یہاں جاری کر دیں۔ چور کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ شادی شدہ زانی یا زانیہ کو سنگسار کیا جائے۔ غیر شادی شدہ کے سو کوڑے مارے جائیں۔ ڈکیتی۔ راہزنی اور لوٹ مار کرنے والوں کو قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے یا ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں کے کاٹے جائیں۔ یا جلاوطن کر دیا جائے۔ شرابی کو اسی کوڑوں کی پٹائی کی سزا دی جائے وغیرہ وغیرہ تو آپ دیکھ لیں کہ پاکستان حقیقی معنی میں پاکستان بن جائے۔ زنا، شراب، جواء، قمار، سٹہ رشوت، قتل، اغوا، لوٹ مار، چوری، ڈکیتی کس طرح عنقا ہو جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارا ذہن اتنا مفلوج ہو گیا ہے کہ ہماری اپنی کوئی رائے باقی ہی نہیں رہی۔ جسے یورپ اچھا کہتا ہے بس اسے ہم بھی اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ جسے یورپ برا قرار دیتا ہے اسے ہم بھی برا تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر وہاں سے سند جواز مل گئی تو پھر کسی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ اگر وہاں سے کسی بات کے غلط اور ناجائز ہونے کا فتویٰ صادر ہو گیا تو ہماری زبانیں گنگ ہو گئیں، ہمارے دلوں پر تالے پڑ گئے۔ ہمارے دماغوں کے سوتے خشک ہو گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ رجعون

جس قوم کے پاس قرآن کریم جیسی کتاب اور سید الانبیاء فخر رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ذات عالی مرتبت کی تعلیمات موجود ہوں اسے یورپ کے دہریوں اور مغرب کے فسق نوازوں کی تقلید اور دریوزہ گری سے کیا کام۔ اے اللہ! آپ اپنے کرم سے پھر ہم کو مومنانہ فراست۔ قلندرانہ جرأت فقیہانہ دانش و حکمت۔ داعیانہ بے باکی اور ہمت عطا فرما دے اور اپنے آسمانی دین اور کتاب کا سچا وفادار بنا دے اور جس اسلام کے نام پر یہ ملک پاکستان بنا تھا اسی اسلام کی یہاں حقیقی حکومت ہم کو عطا فرما دے آمین۔ یہ مضمون یہاں بیچ میں اضطراری طور پر آ گیا۔

اس آیت کے مخاطب کہ زانیہ اور زانی ہر ایک کے سو سو دُرے مارو۔ صاحبِ حکومت اور امرائے اسلام ہیں۔ یا ان کے مقرر کئے ہوئے قاضی و حاکم۔ اسلامی قانون حکومت کے سوا کسی کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ زانی کے اور زانیہ کے خلاف کارروائی کرے اور عدالت کے سوا کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ زنا پر سزا دے اس پر تمام امت کے فقہا کا اتفاق ہے کہ آیت میں لفظ فاجلدوا یعنی ان کے کوڑے مارو کے مخاطب عوام نہیں بلکہ اسلامی حکومت کے حکام اور قاضی ہیں۔

زانیہ عورت اور زانی مرد کی سزا کا حکم بیان کرنے کے بعد آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ان پر ترس کھانے اور رحم کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملہ میں تم پر دامنگیر نہ ہو۔ یہاں آیت میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ زنا کی اس حد شرعی کو ''دین اللہ'' فرمایا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہی دین نہیں ہیں بلکہ شرعی سزاؤں کا جاری کرنا بھی عین دین ہے۔ اس طرح دین کو قائم کرنے کا مطلب صرف نماز، روزہ ہی کا قائم کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جملہ قانون اور نظام شریعت قائم کرنا دین ہے۔ اب اسی سے اس کا خلاف بھی سمجھ لیا جائے کہ جہاں اللہ کے قانون کو چھوڑ کر اور رد کر کے کوئی دوسرا قانون اختیار کیا جائے تو گویا دین اللہ کو رد کر دیا گیا۔ تو یہاں آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف تنبیہ فرما دی کہ زانی اور زانیہ پر میری تجویز کردہ سزا نافذ کرنے میں مجرم کے لئے رحم و شفقت کا جذبہ تمہارا ہاتھ نہ پکڑے۔ اسی بات کو اور زیادہ کھول کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے روز ایک حاکم لایا جائے گا جس نے حد میں ایک کوڑا کم کر دیا تھا۔ پوچھا جائے گا کہ یہ حرکت تو نے کیوں کی تھی؟ وہ عرض کرے گا کہ آپ کے بندوں پر رحم کھا کر۔ ارشاد ہوگا کہ اچھا تو ان کے حق میں مجھ سے زیادہ رحیم تھا؟ پھر حکم ہوگا کہ لے جاؤ اسے جہنم میں۔ ایک اور حاکم لایا جائے گا جس نے حد پر ایک کوڑے کا اضافہ کر دیا تھا۔ پوچھا جائے گا کہ تو نے یہ کس لئے کیا تھا۔ وہ عرض کرے گا تا کہ لوگ آپ کی نافرمانیوں سے باز رہیں۔ ارشاد ہوگا کیا تو ان کے معاملہ میں مجھ سے یادہ حکیم تھا۔ پھر حکم ہوگا لے جاؤ اسے دوزخ کی طرف (تفسیر کبیر) یہ نتیجہ تو اس صورت میں ہے جبکہ حد شرعی میں کچھ کمی بیشی کا عمل رحم یا مصلحت کی بنا پر ہو لیکن اگر قانون الٰہی میں ایک سرے سے رد بدل ہی کر دیا جائے یا اس کو بالکل ہی رد کر دیا جائے تو یہ اور بھی سنگین جرم ہے۔ پھر آگے اس حد کو جاری کرنے کی تاکید میں یہ بھی فرمایا ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر یعنی اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور آخرت پر یقین رکھتے ہو تو اس کے احکام و حدود جاری کرنے میں کچھ پس و پیش نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا بالکل روک لو یا اس میں کمی کرنے لگو یا سزا دینے کی ایسی ہلکی اور غیر مؤثر طرز اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق اور تم سے زیادہ اپنے بندوں پر شفیق و مہربان ہے۔ اس کا کوئی حکم سخت ہو یا نرم حکمت و رحمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اگر صاحب اقتدار اس کے احکام و حدود کے اجراء میں کوتاہی کریں گے تو قیامت میں ان کی پکڑ ہوگی۔ اس لئے دنیا میں اللہ کی مقرر کی ہوئی سزائیں بلا رو رعایت اور بغیر کسی قسم کے پس و پیش کے مجرموں کو دینی چاہئے۔ آگے یہ بھی بتلا دیا گیا کہ یہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ یہ سزا چپکے سے سب سے چھپا کر دے دی جائے۔ نہیں بلکہ دوسروں کی عبرت کے لئے ضروری ہے کہ ایسے حیا سوز کام کرنے والوں کو برملا سب کے سامنے سزا دی جائے تا کہ ان کی سزا اور رسوائی دیکھ کر دوسرے عبرت پکڑیں اور ایسے کاموں سے بچیں۔ آیت کے اس جملہ ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین یعنی سزائے زنا کے جاری کرنے کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے

تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سزاؤں اور خصوصاً حدود کو منظر عام پر جاری کرنے کا طریقہ رائج ہے تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو مگر ایک جماعت کو اس میں حاضر رہنے کا حکم یہ بھی سزائے زنا کی خصوصیت ہے۔ فواحش اور بے حیائی کی روک تھام کے لئے شریعت اسلام نے دور دور تک پہرے بٹھائے ہیں عورتوں پر پردہ لازم کر دیا گیا۔ مردوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ زیور کی آواز یا عورت کے گانے کی آواز کو ممنوع قرار دیا گیا کہ وہ بے حیائی کے لئے محرک ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جس شخص سے ان معاملات میں کوتاہی دیکھی جائے اس کو خلوت میں تو سمجھانے کا حکم ہے مگر اس کو رسوا کرنے کی اجازت نہیں۔ لیکن جو شخص ان تمام شرعی احتیاطوں کو توڑ کر اس درجہ میں پہنچ گیا کہ اس کا جرم شرعی شہادت سے ثابت ہو گیا تو اب اس کی پردہ پوشی دوسرے لوگوں کی جرأت بڑھانے کا موجب ہو سکتی ہے۔ اس لئے اب تک جتنا اہتمام پردہ پوشی کا شریعت نے کیا اب اتنا ہی اہتمام اس کی تفضیح اور رسوائی کا کیا جاتا ہے۔ اسی لئے زنا کی سزا کو صرف منظرِ عام پر جاری کرنے پر کفایت نہیں فرمائی بلکہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو اس میں حاضر اور شریک رہنے کا حکم دیا گیا۔ (معارف القرآن)

اب رہے وہ امور کہ جن سے ثبوت زنا ہو سکے اور جس پر حد شرعی جاری ہو سکے۔ ان کی تفصیلات فقہا نے کتب فقہ میں لکھی ہیں۔ مثلاً ثبوت زنا یا تو چار مردوں کی عینی گواہیوں سے ہوتا ہے یا زنا کرنے والے کے خود چار مرتبہ اقرار کر لینے سے۔ پھر بھی امام۔ قاضی یا حاکم عدالت بار بار سوال کرے گا اور دریافت کرے گا کہ زنا سے کیا مراد ہے؟ کہاں کیا؟ کس سے کیا؟ کب کیا؟ اگر ان سب کو بیان کر دیا تو زنا ثابت ہو گا اور گواہوں کو صراحۃً اپنا معائنہ بیان کرنا ہو گا۔ اور یہ مسائل کہ کوڑا کیسا ہو؟ کس طرح مارا جائے؟ بدن کے کس حصہ پر مارا جائے اور کہاں نہ مارا جائے؟ یہ جزئیات بھی فقہاء نے کتب فقہ میں جمع کر دی ہیں مثلاً مرد کو کوڑا لگانے کے وقت کھڑا کیا جائے اور اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جائیں سوائے تہ بند کے اور اس کے تمام بدن پر کوڑے لگائے جائیں سوائے منہ، چہرے اور شرمگاہ کے۔ اور عورت کو کوڑا لگاتے وقت کھڑا نہ کیا جائے۔ نہ اس کے کپڑے اتارے جائیں، البتہ پوستین یا روئی دار کپڑے پہنے ہوئے ہو تو وہ اتار دیئے جائیں وغیرہ وغیرہ۔

آگے بے حیائی کی روک تھام کے لئے دوسرا حکم اگلی آیت میں دیا گیا اور پھر زنا کی تہمت کسی پاکباز عورت یا مرد پر لگانے کی سزا اور اس کا قانون بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

نوٹ: یہ درس ابتداء ۱۹۶۷ء میں لکھا گیا تھا۔ اب ۸۴-۱۹۸۳ء میں بوقت کتابت و طباعت الحمدللہ حالات پاکستان میں بدلے ہوئے ہیں موجودہ حکومت کی طرف سے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء نافذ کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کامل نفاذ شرعی نظام کی اس ملک میں صورتیں ظاہر فرمائیں۔ (احقر مؤلف)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر طرح کے ممنوعاتِ شرعیہ کے ارتکاب سے ہم کو بچائیں اور دین کو پوری طرح قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ! اس ملک کے حکام اور اصحاب حکومت کو توفیق عطا فرما کہ آپ کے قانون اور شرعی سزاؤں کو ملک میں نافذ کریں۔ اور اس ملک کو صحیح معنی میں اسلامی حکومت بناویں۔ یا اللہ! قرآنی احکام کی نافرمانی اور بغاوت کا ماحول اس ملک سے یکسر مٹا دے اور قرآنی احکام کے نفاذ کی صورتیں غیب سے ظاہر فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ١ۚ

زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے۔ اور یہ مسلمانوں پر

وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ۝۳ وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ

حرام کیا گیا ہے۔ اور جو لوگ، (زنا کی) تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے) پر نہ لاسکیں

شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا١ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ اور اُن کی کوئی گواہی کبھی مت قبول کرو۔ اور یہ لوگ فاسق ہیں۔

الْفٰسِقُوْنَ۝۴ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا١ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝۵

لیکن جو لوگ اس (تہمت لگانے) کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں سو اس حالت میں اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا رحمت کرنیوالا ہے

اَلزَّانِیْ بدکار مرد	لَا یَنْكِحُ نکاح نہیں کرتا	اِلَّا سوا	زَانِیَةً بدکار عورت	اَوْ مُشْرِكَةً یا مشرکہ	وَ الزَّانِیَةُ اور بدکار عورت
لَا یَنْكِحُهَاۤ نکاح نہیں کرتی	اِلَّا زَانٍ سوا بدکار مرد	اَوْ مُشْرِكٌ یا شرک کرنیوالا مرد	وَ حُرِّمَ اور حرام کیا گیا	ذٰلِكَ یہ	عَلَى پر
الْمُؤْمِنِیْنَ مومن	وَ اور	الَّذِیْنَ جو لوگ	یَرْمُوْنَ تہمت لگائیں	الْمُحْصَنٰتِ پاکدامن عورتیں	ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا پھر وہ نہ لائیں
بِاَرْبَعَةِ چار	شُهَدَآءَ گواہ	فَاجْلِدُوْهُمْ تو تم انہیں کوڑے مارو	ثَمٰنِیْنَ اسی	جَلْدَةً کوڑے	وَ لَا تَقْبَلُوْا اور تم نہ قبول کرو
لَهُمْ ان کی	شَهَادَةً گواہی	اَبَدًا کبھی	وَ اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	هُمْ وہ	الْفٰسِقُوْنَ نافرمان	اِلَّا مگر	الَّذِیْنَ تَابُوْا جن لوگوں نے توبہ کرلی
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد	وَ اَصْلَحُوْا اور انہوں نے اصلاح کرلی	فَاِنَّ تو بیشک	اللّٰهَ اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِیْمٌ نہایت مہربان

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں غیر شادی شدہ مرد و عورت سے اگر زنا سرزد ہو تو اس کی سزا یاں فرمائی گئی تھی کہ ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ مرد و عورت سے اگر زنا سرزد ہو تو قرآن و سنت صحیحہ متواترہ سے اس کی سزا رجم ثابت ہے۔ یعنی پتھروں سے مارتے مارتے جان سے مار ڈالنا۔ زنا کی سزا ذکر فرمانے کے بعد آگے ان آیات میں اس فعل کی غایت برائی فرمائی جاتی ہے اور اس حیا سوز کام کی روک تھام کے لئے قانون بیان فرمایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو مرد یا عورت اس عادت شنیع میں مبتلا ہیں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے ان کا تعلق نکاح و ازدواج قائم کیا جائے۔ ان کی یعنی زانی اور زانیہ کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار تباہ حال مرد عورت سے یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک و مشرکہ سے ان کا تعلق ہو۔

عرب میں ایام جاہلیت میں جس طرح شراب کی کثرت تھی اس طرح زنا کی بھی کثرت تھی۔ چنانچہ ایام جاہلیت میں بعض نادار مرد افلاس سے تنگ آ کر مالدار فاحشہ عورت سے نکاح کرلیتے تھے تاکہ اس کی زنا کی کمائی سے اس کا بھی خرچ چلے اس بے حیائی اور بے غیرتی کی اسلام نے قطعی روک تھام کردی اور زانیہ سے نکاح کرنا پاکباز مردوں پر حرام کردیا گیا۔ غیرت مند مرد کبھی پسند اور گوارا نہ کرے گا کہ اس کی منکوحہ کا کسی غیر مرد سے تعلق ہو اسی طرح نہ غیرت مند عورت

اس کو گوارا کرے گی کہ اس کا خاوند کسی اور عورت سے ناجائز تعلق رکھے۔

یہاں آیت میں مشرکہ اور زانیہ جن سے اہل ایمان کو نکاح کرنا حرام ہے وہ مشرک عورت ہے جو حالت شرک میں ہو نہ کہ وہ جو کسی زمانہ میں مشرک رہ چکی ہو اور اب تائب ہو کر مسلمان ہو چکی ہو۔ ایسی عورت کے ساتھ نکاح بالکل درست ہے اسی طرح زانیہ سے بھی وہ زانیہ مراد ہے جو فی الحال زنا میں مبتلا ہو نہ کہ وہ جس سے کسی زمانہ میں یہ معصیت صادر ہوئی اور اب وہ تائب ہو کر پاکبازی کی زندگی بسر کر رہی ہو۔

تائبہ سے نکاح کے عدم جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہاں ممانعت نکاح کی صرف ان سے ہو رہی ہے جو فی الحال مشرکہ اور زانیہ ہیں۔ اس آیت کی بنا پر مشرکہ اور زانیہ دونوں سے نکاح معصیت اور گناہ ہے۔ مشرکہ سے تو جواز نکاح ہی کی صورت نہیں اور زانیہ سے نکاح قانونی حیثیت سے نافذ تو ہو جائے گا لیکن عنداللہ معصیت تو بہرحال رہے گا۔ تو زانیہ اور مشرکہ سے پاکباز مومن کے نکاح کی ممانعت کا یہ دوسرا قانون اس سورۃ میں بیان فرمایا گیا۔

آگے ایک تیسرا قانون یعنی زنا کی تہمت کسی پاک دامن عورت پر لگانا اور اسی طرح پاکباز مرد پر بہتان لگانا اس کا قانون اور سزا بیان فرمائی جاتی ہے کہ جو کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور چار چشم دید گواہ نہ لا سکے تو اس کے اسی کوڑے مارے جائیں۔ یہاں بھی اسی کوڑے مارنے کا اختیار صاحب حکومت امراء اسلام یا ان کے نائبین کو ہے اور سزا کی معافی یا تخفیف ان کے اختیار میں بھی نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کو مسلمان مرد اور مسلمان عورت کی عزت کے تحفظ کا کس درجہ اہتمام ہے کہ گواہ ایک نہیں دو نہیں اکٹھے چار گواہ اور وہ بھی چشم دید گواہ ہونے چاہئیں اگر اس تعداد میں ایک کی بھی کمی رہ جائے گی تو حد جاری نہ ہو سکے گی اور یہ چار گواہ مرد ہونا چاہئیں۔ تو جو شخص کسی پاکدامن اور عفیف عورت پر تہمت زنا کی رکھے اور پھر چار چشم دید گواہ نہ لا سکے تو ایک سزا تو اس کو یہ ملے گی کہ اسی کوڑے لگائے جائیں گے اور دوسری سزا یہ کہ آئندہ کسی معاملہ میں اس کی گواہی معتبر نہ رہے گی اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اس کی شہادت معاملات میں قبول نہیں کی جا سکتی۔ دیکھئے یہ ہیں شرعی اور قرآنی سزائیں کہ اسلامی حکومتیں اگر ان پر عمل کرنے لگیں تو برائیوں کا کیسا قلع قمع ہو جائے۔ اسلام میں بہرحال توبہ اور اصلاح حال کا دروازہ بھی ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ اس لئے آگے بتلایا جاتا ہے کہ اگر ایسا شخص سچی توبہ اور اصلاح کر لے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندوں میں اس کا شمار نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں۔ سچے تائب کی توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں۔

یہ تین قانون اب تک بیان ہوئے اب چوتھا قانون لعان کا یعنی جو لوگ اپنی ہی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے دعوے کے اور کوئی گواہ نہ ہوں تو اس حالت میں کیا قانون ہے اس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمیں پوری طرح اسلام اور ایمان کی زندگی نصیب فرما دیں اور تمام ممنوعات شرعیہ سے بچا دیں۔ اور قرآن پاک کے جملہ احکامات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! اس ملک میں شرعی سزائیں جاری فرما دے تاکہ اس کی برکت سے یہ ملک جرائم اور بدکاریوں سے پاک ہو جائے۔ یا اللہ! زنا کی لعنت سے اس اسلامی ملک کو پاک فرما دے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ جب اس ملک میں قرآنی اور شرعی سزائیں جاری ہوں۔ یا اللہ! اسلام کی برکات اس ملک میں ہم کو کامل طور پر دیکھنا نصیب فرما اور فسق و فجور کی فضاؤں کو یکسر مٹنا نصیب فرما۔ یا اللہ! اس ملک خداداد میں جو اسلامی اور شرعی نظام کے داعی ہیں ان کو ایسی جرأت اور ہمت نصیب فرما کہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں۔ اور جو بدباطن اس راہ میں رکاوٹ پیدا کر کے روڑا اٹکانے والے ہیں ان کو خاسر و ناکام فرما کر ان کے عزائم کو ملیامیٹ فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَھُمْ وَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ شُھَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُھُمْ فَشَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ

اور جو لوگ اپنی بیبیوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے دعویٰ کے اور کوئی گواہ نہ ہوں تو اُن کی شہادت یہی ہے

اَرْبَعُ شَھٰدٰتٍۭ بِاللّٰہِ ۙ اِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۶ وَالْخَامِسَۃُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْ

کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بے شک میں سچا ہوں۔اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں

کَانَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ۝۷ وَیَدْرَؤُا عَنْھَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْھَدَ اَرْبَعَ شَھٰدٰتٍۭ بِاللّٰہِ ۙ

جھوٹا ہوں۔اور (اس کے بعد) اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ

اِنَّہٗ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ ۝۸ وَالْخَامِسَۃَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰہِ عَلَیْھَآ اِنْ کَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۹

بے شک یہ مرد جھوٹا ہے۔اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو۔اور اے مرد و اور عورتو!

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ وَاَنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ حَکِیْمٌ ۝۱۰ ع

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اسکا کرم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اور جو لوگ	یَرْمُوْنَ تہمت لگائیں	اَزْوَاجَھُمْ اپنی بیویاں	وَلَمْ یَکُنْ اور نہ ہوں	لَّھُمْ ان کے	شُھَدَآءُ گواہ	اِلَّآ سوا		
اَنْفُسُھُمْ ان کی جانیں خود	فَشَھَادَۃُ پس گواہی	اَحَدِھِمْ ان میں سے ایک	اَرْبَعُ چار	شَھٰدٰتٍ گواہیاں	بِاللّٰہِ اللہ کی قسم			
اِنَّہٗ لَمِنَ کہ وہ بیشک سے	الصّٰدِقِیْنَ سچ بولنے والے	وَالْخَامِسَۃُ اور پانچویں	اَنَّ یہ کہ	لَعْنَتَ اللّٰہِ اللہ کی لعنت	عَلَیْہِ اس پر			
اِنْ کَانَ اگر ہے وہ	مِنَ سے	الْکٰذِبِیْنَ جھوٹ بولنے والے	وَیَدْرَؤُا اور ٹل جائے گی	عَنْھَا اس عورت سے	الْعَذَابَ سزا	اَنْ اگر		
تَشْھَدَ گواہی دے	اَرْبَعَ شَھٰدٰتٍ چار بار گواہی	بِاللّٰہِ اللہ کی قسم	اِنَّہٗ کہ وہ	لَمِنَ البتہ سے	الْکٰذِبِیْنَ جھوٹے لوگ	وَ اور		
الْخَامِسَۃَ پانچویں بار	اَنَّ یہ کہ	غَضَبَ اللّٰہِ اللہ کا غضب	عَلَیْھَآ اس پر	اِنْ اگر	کَانَ وہ ہے	مِنَ سے	الصّٰدِقِیْنَ سچے لوگ	وَلَوْلَا اور اگر نہ
فَضْلُ اللّٰہِ اللہ کا فضل	عَلَیْکُمْ تم پر	وَرَحْمَتُہٗ اور اس کی رحمت	وَاَنَّ اور یہ کہ	اللّٰہَ اللہ	تَوَّابٌ توبہ قبول کرنیوالا	حَکِیْمٌ حکمت والا		

تفسیر و تشریح:- گذشتہ آیات میں پہلا حکم حد زنا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے متعلق بیان ہوا تھا اور دوسرا حکم زانیہ و مشرکہ سے نکاح حرام ہونے کے متعلق بیان ہوا۔اور تیسرا حکم کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانے اور پھر چار گواہ نہ لانے پر تہمت لگانے والے کو ۸۰ کوڑوں کی سزا کا حکم بیان ہوا۔

اب یہ چوتھا حکم اپنی بیوی کی بابت زنا کی تہمت لگانے کا بیان فرمایا جارہا ہے گذشتہ بیان کئے ہوئے تیسرے حکم کے مطابق تو عام قاعدہ اور قانون یہی تھا کہ کوئی مرد اگر کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور پھر چار گواہ نہ لا سکے تو اس تہمت لگانے والے کو ۸۰ کوڑوں کی سزا دی جائے گی مگر عادۃً غیر عورت پر تہمت لگانا اور عداوت یا رسوائی کے لئے ایک معمولی بات ہے لیکن اپنی بیوی پر تہمت لگانے میں شوہر کی بھی بے عزتی ہے اس لئے بغیر سبب قوی اور اپنے معائنہ کے کوئی سلیم الفطرۃ اپنی بیوی پر ایسا الزام نہیں لگا سکتا۔اور ایسے موقع پر چار گواہوں کا بہم پہنچانا بھی مشکل بات

ہے اس لئے اس بارہ میں دونوں میاں بیوی کی رعایت رکھ کر ایک حکم جداگانہ دیا گیا جس کو شریعت کی اصطلاح میں لعان کہا جاتا ہے اور جو ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اولاً اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں گے۔ اگر شوہر چار معتبر گواہ پیش کردے تو عورت پر حد زنا یعنی سنگساری جاری کردی جائے گی۔ اگر گواہ نہ لاسکا تو شوہر کو کہا جائے گا کہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے یعنی جو تہمت اپنی بیوی پر لگائی ہے اس میں جھوٹ نہیں بولا۔ گویا چار گواہوں کی جگہ خود اس کی یہ چار حلفیہ شہادتیں ہوئیں اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہنے ہوں گے کہ اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار۔ اگر تہمت لگانے والا شوہر ان الفاظ مذکورہ بالا کے کہنے سے انکار کرے تو قید کیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے اور یا پانچویں مرتبہ وہی الفاظ کہے جو اوپر مذکور ہوئے۔ اگر شوہر نے اپنے جھوٹے ہونے کا خود اقرار کرلیا تو پھر اسی کوڑوں کی سزا اس پر جاری کی جائے گی۔ اور اگر اس نے پانچ مرتبہ مذکورہ بالا الفاظ کہہ لئے تو پھر عورت سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر بیان کرے کہ یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ یہ الفاظ کہے کہ اللہ کا غضب آوے مجھ پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہے اگر عورت یہ الفاظ کہنے سے گریز کرے تو اسے قید میں رکھا جائے گا اور حاکم مجبور کرے گا کہ یا صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے تب تو حد زنا یعنی سنگساری اس پر جاری ہوگی اور یا بالفاظ مذکورہ بالا اس کی تکذیب کرے اگر عورت نے بھی مرد کی طرح مذکورہ بالا الفاظ ۵ مرتبہ کہہ دیئے اور لعان یعنی اس قسما قسمی سے فراغت ہوئی تو اس مرد کو اس عورت سے تعلقات زن وشو حرام ہوگئے۔ اب اگر مرد نے طلاق دے دی تو فبہا ورنہ حاکم یا قاضی ان میں تفریق کردے یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے ان میں تفریق کی اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔

لعان کرانے اور قسمیہ بیان مرد عورت سے کیلینے سے پہلے سنت ہے کہ قسم کھانے والے کو نصیحت کی جائے اور اس کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جائے۔ لعان کے واقعات خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش ہوئے اور آپ نے اسی قرآنی قانون کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

اس قانون لعان کو بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا فضل ورحمت ہے جو یہ قانون مقرر فرمادیا کیونکہ اگر یہ حکم لعان مشروع نہ ہوتا تو عام قاعدہ کے موافق یا تو شوہر پر اسی کوڑوں کی سزا جاری ہوتی اگر وہ چار گواہ اپنے بیان کی تصدیق میں پیش نہ کرسکتا اور یا پھر ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا کیونکہ ممکن ہے کہ شوہر سچا ہو۔ دوسری طرف اگر محض خاوند کے قسمیں کھانے پر زنا کا ثبوت ہوجایا کرتا تو عورت کی سخت مصیبت تھی حالانکہ ممکن ہے کہ عورت ہی سچی ہو۔ اسی طرح اگر عورت کو قسمیں کھانے پر یقیناً بری سمجھ لیا جاتا تو مرد کے اوپر ۸۰ کوڑوں کی سزا واجب ہوجاتی اگرچہ مرد کے بھی سچے ہونے کا احتمال موجود ہے تو ایسے طور پر لعان کا مشروع کرنا کہ دونوں عورت و مرد کی رعایت رہے یہ حق تعالیٰ کے فضل و رحمت اور حکمت ہی کی وجہ سے ہے کہ فریقین میں جو سچا ہو وہ بے محل سزا سے بچ گیا۔ اور جھوٹے کی دنیا میں پردہ پوشی کر کے مہلت دی گئی کہ شاید توبہ کرلے اور حق تعالیٰ اپنی شان توابی سے اس کی توبہ قبول کرلے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ لعان صرف میاں بیوی کے معاملہ میں ہوسکتا ہے اور دوسروں کا وہی حکم ہے جو گذشتہ آیات میں گزر چکا۔

اب لعان کے متعلق چند ضروری مسائل سن لیجئے۔

مسئلہ (۱): جب دو میاں بیوی کے درمیان حاکم کے سامنے لعان ہوجاوے تو یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے لیکن عورت کو دوسرے شخص سے بعد عدت یعنی تین حیض

پورے ہونے کے نکاح کرنا امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے۔

مسئلہ (۲): جب لعان ہو چکا اس کے بعد اس حمل سے جو عورت کے بچہ پیدا ہوگا وہ اس کے شوہر کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ اس کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جائے گی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو معاملات میں یہی فیصلہ فرمایا۔

مسئلہ (۳): لعان کے بعد اگرچہ میاں بیوی میں جو جھوٹا ہے اس کا عذاب آخرت پہلے سے زیادہ بڑھ گیا مگر دنیا کی سزا اس سے ساقط ہوگئی۔ اسی طرح دنیا میں اس عورت کو زانیہ اور بچہ کو ولد الزنا کہنا بھی جائز نہ ہوگا (معارف القرآن جلد ششم مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

اب جو خطاب یہاں آخری آیت میں فرمایا گیا: ولو لا فضل اللہ علیکم ورحمتہ وان اللہ تواب حکیمo اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے کہ ایسے ایسے احکام مقرر کئے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے۔

یہ خطاب جو ساری امت مسلمہ کے مردوں اور عورتوں کو ہے یہ بتاتا ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کیسا جامع اور کیسا پر حکمت قانون دے دیا گیا ہے کہ جو سب کی مصلحتوں کی رعایت کرنے والا ہے۔ اتنا مکمل قانون صرف خدائی قانون ہی ہوسکتا ہے۔ تو غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ پر حکمت قوانین دے کر اپنا فضل و رحمت جتلائیں اور آج ہم یہود و نصاریٰ کے رائج کئے ہوئے قوانین کو اپنا کر یہ کہیں کہ اب چودہ سو سال پرانے قانون اس ترقی و تہذیب کے زمانہ میں کیسے ساتھ دے سکتے ہیں۔ چور کا ہاتھ کیسے کاٹا جاسکتا ہے۔ زنا کی سزا سنگساری کیسے دی جاسکتی ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اس ملک میں قرآنی احکام کے ساتھ یہ معاملۂ تغافل کتنا المناک حادثہ ہے کہ جس کے ثمرات دنیا میں کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ قتل، چوری، ڈاکہ، زنا، دھوکا، فریب، رشوت، لڑائی جھگڑا عام وبا کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ اور آخرت میں جو باز پرس اور سزا ہونے والی ہے وہ علیحدہ رہی جو اپنے وقت پر معلوم ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم کو قرآن کریم پر سچا ایمان رکھنے اور اس کا وفادار بن کر زندہ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہاں تک پہلے پورے ایک رکوع میں زنا، تہمت تراشی اور لعان کے احکام بیان ہوئے اب آگے پورے دو رکوع میں اس واقعہ پر کلام شروع ہوتا ہے جو اس سورت کے نزول کا اصل سبب تھا یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تراشی اور آپ کی اس سے برأت جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات سے آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو قرآن مجید کی دولت عطا فرمائی ہے تو اپنی رحمت سے ہم کو یہ توفیق بھی عطا فرمادیں کہ ہم اس کے تمام قوانین و احکام کو رائج کر کے ان پر عمل کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے ملک میں قرآنی احکام اور اس کے مطابق سزائیں جاری ہونے کی صورتیں ظاہر فرمادیں تاکہ ہم بھی اس کی برکتیں دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور آخرت میں بھی سرخروئی اور قرآن کریم کی سفارش و شفاعت سے مغفرت حاصل کرنے والے بن جائیں۔

یا اللہ! ہم سے اور ہماری قوم اور ملک اور حکومت سے اب تک جو کوتاہیاں قرآن کریم کے حقوق کی ادائیگی میں سرزد ہوئی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرمادیجئے اور ہماری آنکھیں قرآن کریم کی طرف سے کھول دیجئے۔ اور اس کے جملہ احکام کا نفاذ اپنے ملک میں جاری ہوتا ہم کو دیکھنا نصیب فرمادیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ الَّذِينَ جَآءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ

جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ تمہارے میں کا ایک گروہ ہے۔ تم اس (طوفان بندی) کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو۔ بلکہ یہ (باعتبار انجام کے) تمہارے حق میں

امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾

بہتر ہی بہتر ہے اُن میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوا۔ اور ان میں جس نے اس (طوفان) میں سب سے بڑا حصہ لیا اُس کو سخت سزا ہوگی۔

إِنَّ الَّذِينَ بیشک جو لوگ	جَآءُو بِالْإِفْكِ بڑا بہتان لائے	عُصْبَةٌ ایک جماعت	مِّنكُمْ تم میں سے	لَا تَحْسَبُوهُ تم اسے گمان نہ کرو
شَرًّا برا | لَّكُم اپنے لئے	بَلْ هُوَ بلکہ وہ	خَيْرٌ لَّكُمْ بہتر ہے تمہارے لئے	لِكُلِّ امْرِئٍ ہر ایک آدمی کیلئے	مِّنْهُم ان میں سے
مَّا اكْتَسَبَ جو اس نے کمایا کیا	مِنَ الْإِثْمِ گناہ سے	وَالَّذِي اور وہ جس	تَوَلَّىٰ اٹھایا | كِبْرَهُ بڑا اس کا	مِنْهُمْ اُن میں سے
	لَهُ اس کیلئے	عَذَابٌ عذاب	عَظِيمٌ بڑا	

(حصہ اول)

تفسیر وتشریح:- یہاں سے اس طوفان کا ذکر ہے جو واقعۂ افک کے نام سے مشہور ہے اور جو اس سورۂ نور کے نزول کا اصل سبب تھا۔ تمام مفسرین ومحدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ جس طوفان کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق ہے اور اشارہ اس الزام کی طرف ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لگایا گیا تھا۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو افک کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ لفظ افک کے معنی ہیں بات کو الٹ دینا۔ حقیقت کے خلاف کچھ سے کچھ بنا دینا۔ مفہوم کے لحاظ سے یہ لفظ قطعی جھوٹ اور افترا و بہتان کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اس واقعہ افک کو تمام محدثین نے روایت کیا ہے اور اگلی قرآنی آیات کی تفسیر وتشریح سمجھنے کے لئے اس واقعہ کی قدرے تفصیل معلوم ہونا ضروری ہے۔ اس لئے پہلے اس قصہ کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے اس کے بعد اس آیت کی انشاء اللہ تفسیر وتشریح بیان کی جائے گی۔

صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی مصطلق سے جو کہ ۶ ھ میں ہوا مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے ہمراہ تھیں اور آپ کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا جس پر ہودج تھا۔ آپ ہودج میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ جمال اس ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیتے۔ دوران سفر ایک روز ایک منزل پر مقام ہوا۔ کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی جس کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں واپسی میں آپ کے گلے میں جو ہار تھا وہ آپ کو نظر نہ آیا کہیں اتفاقاً ٹوٹ کر گر گیا۔ یہ ہار آپ کی بڑی بہن حضرت اسماء کا تھا جس کو آپ عاریتاً مانگ کر لائی تھیں۔ چنانچہ اس کو ڈھونڈنے کے لئے پھر واپس گئیں اور اس کی تلاش میں دیر لگ گئی جائے قیام پر واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ جمال حسب معمول ہودج باندھنے آئے اور اسکے پردے پڑے ہونے سے گمان کیا کہ حضرت صدیقہ اس میں موجود ہیں۔ اور اٹھاتے وقت بھی کچھ شبہ نہ ہوا کیونکہ بدن میں آپ بہت ہلکی پھلکی نحیف تھیں۔ غرض جمالوں نے ہودج اونٹ پر باندھ کر اونٹ چلتا کر دیا۔ اب جب آپ واپس آئیں تو وہاں کوئی موجود نہ تھا قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ نہایت استقلال سے آپ نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے جانا اب خلاف مصلحت ہے۔ جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ رات کا وقت تھا۔ نیند کا غلبہ ہوا۔ وہیں لیٹ گئیں۔ قافلہ کے پیچھے ایک آدمی لشکر کی گری پڑی چیز اٹھانے کی غرض سے ذرا فاصلہ پر رہا کرتا تھا۔ اس سفر میں حضرت صفوان ایک صحابی جو نہایت نیک طینت اور پاکدامن صحابی تھے اس خدمت پر مامور تھے۔ وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کہ ایک آدمی پڑا سوتا ہے۔ قریب آ کر پہچانا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ کیونکہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے آپ کو دیکھا تھا۔ دیکھ کر گھبرا گئے اور نہایت تاسف سے **انا للہ وانا الیہ راجعون** پڑھا۔ جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھ کھل گئی۔ فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان نے بغیر کسی گفتگو کے اونٹ آپ کے

پاس لاکر بٹھلا دیا۔ آپ اس پر پردہ کے ساتھ سوار ہوگئیں۔ انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑ کر چلنا شروع کیا اور دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملے۔ بس یہ واقعہ تھا اور بات کچھ بھی نہ تھی مگر مدینہ اس وقت منافقوں کا گڑھ تھا۔ عبداللہ بن ابی جو منافقین کا سردار تھا اور باطن میں بڑا ہی خبیث اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا اس کو ایک شگوفہ ہاتھ آ گیا اور کم بخت ملعون نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت تراشی اور بہتان بندی کا ایک طوفان کھڑا کردیا۔ بعض روایات میں اس ملعون عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کو نقل کرتے ہوئے دل لرزتا ہے۔ الغرض منافقین نے اس واقعہ کو خوب نمک مرچ لگا کر چرچا شروع کیا اور مدینہ میں ایک ماہ تک شہر میں یہی چرچا ہوتا رہا۔ بعض سیدھے سادے ناواقف مسلمان بھی سنی سنائی باتوں کا تذکرہ کرنے لگے۔ عام طور پر سب مسلمانوں کو اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شہرت کا سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہی قصہ رہا آخر یہ آیتیں برأۃ میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں جو یہاں سے شروع ہوکر پورے دو رکوع میں ختم ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ واقعہ اپنی نوعیت، عظمت افادیت اور مصلحت کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ تاریخ اسلامی بلکہ تمام عالم کی تاریخ نبوت ایسے واقعہ سے خالی ہے کہ کسی نبی کی بیوی پر ایسا اتہام نہیں لگایا گیا جیسا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لگایا گیا اس لئے اس واقعہ کی مزید تفصیلات مدینہ پہنچنے کے بعد خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبانی بھی سن لیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جیسا کہ احادیث میں مروی ہے کہ اس سفر سے ہم مدینہ آئے اور مدینہ آتے ہی میں بیمار پڑ گئی اور مہینہ بھر تک بیماری میں گھر ہی میں رہی۔ نہ میں نے کچھ سنا نہ کسی نے مجھ سے کہا۔ جو کچھ غل غپاڑہ لوگوں میں ہو رہا تھا میں اس سے بالکل بے خبر تھی البتہ میرے جی میں یہ خیال بسا اوقات گزرتا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر و محبت میں کمی کی کیا وجہ ہے۔ بیماری میں عام طور پر جو شفقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے ساتھ ہوتی تھی اس بیماری میں وہ بات نہ پاتی تھی۔ اس لئے مجھے رنج تو بہت تھا مگر کوئی وجہ معلوم نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے۔ سلام کرتے اور دریافت فرماتے طبیعت کیسی ہے؟ اور کوئی بات نہ فرماتے اس سے مجھے بڑا صدمہ ہوتا مگر بہتان بازوں کی تہمت سے میں بالکل بے خبر تھی۔ اس وقت تک گھروں میں رفع حاجت کے لئے کوئی انتظام نہ ہوتا تھا اور عرب کی قدیم عادت کے مطابق ہم لوگ میدان میں رفع حاجت کے لئے جایا کرتے تھے۔ عورتیں عموماً رات کو جایا کرتی تھیں۔ حسب عادت میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے چلی اس وقت میں بہت ہی کمزور ہو رہی تھی۔ یہ ام مسطح میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں ان کے لڑکے کا نام مسطح تھا۔ جب ہم واپس آنے لگے تو ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھا اور ان کو ٹھوکر لگی اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا مسطح غارت ہو۔ میں نے کہا اچھی ماں ہو کہ بیٹے کو کوستی ہو اور بیٹا بھی وہ جس نے جنگ بدر میں حصہ لیا ہے۔ وہ بولیں کہ بھولی بی بی آپ کو کیا معلوم۔ میں نے کہا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ بھی ان لوگوں میں ہے جو تم کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی اور ان کے سر ہوگئی کہ کم از کم مجھ سے سارا واقعہ تو کہو۔ اب انہوں نے بہتان بازوں کی ساری کارستانیاں مجھے سنائیں۔ میرے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ رنج و غم کا مجھ پر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بیمار تو میں پہلے ہی تھی اس خبر نے تو بالکل نڈھال کردیا۔ جوں توں کر کے گھر پہنچی۔ اب صرف یہ خیال تھا کہ میں اپنے والدین کے گھر جا کر اور اچھی طرح معلوم تو کرلوں کہ کیا واقعی میری نسبت ایسی افواہ پھیلائی گئی ہے۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ اگر آپ اجازت بخشیں تو میں اپنے میکہ چلی جاؤں۔ آپ نے اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے گھر چلی گئی۔ وہاں میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ لوگوں میں کیا باتیں پھیل رہی ہیں اور لوگ میری بابت کیا کہتے ہیں۔ ماں نے کہا کہ اے بیٹی تم رنج نہ کرو۔ کوئی ایسی بڑی بات نہیں دنیا کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ جو عورت خوبصورت اور خوب سیرت اور اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبت ہوتی ہے تو حسد کرنے والے اس کے ضرر کے درپے ہوجاتے ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا لوگوں میں اس کا چرچا ہے اور کیا میرے والد صاحب کو بھی اس کا علم ہے۔ ماں نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا علم ہے؟ ماں نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا اے ماں اللہ تمہاری مغفرت کرے۔ لوگوں میں تو اس کا چرچا ہے اور تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔ یہ کہہ کر میری چیخیں نکل گئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالا خانہ پر قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے میری چیخ سن کر نیچے آئے اور والدہ سے دریافت کیا۔ ماں نے کہا کہ اس کو قصہ کی خبر ہوگئی۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں بھی بہہ پڑیں اور مجھ کو اس شدت سے لرزہ آیا کہ میری والدہ نے تمام گھر کے کپڑے مجھ پر ڈال دیئے۔ اب تو مجھے رنج و غم نے اس قدر گھیرا کہ بیان سے باہر ہے اس وقت سے جو رونا شروع ہوا واللہ ایک دم بھر

کے لئے میرے آنسو نہیں تھمے میں سر ڈال کر روتی رہی اور ساری رات اسی حالت میں گزری کہ آنسوؤں کی لڑی نہ تھمی۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آنے میں جب تاخیر ہوئی تو آپ نے حضرت علی اور حضرت اسامہ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ آپ کے اہل ہیں جو آپ کی شایان شان اور منصب نبوت و رسالت کے مناسب ہیں۔ ان کی عصمت اور عفت کا تو پوچھنا ہی کیا۔ آپ کے حرم محترم کی طہارت و نزاہت تو اظہر من الشمس ہے اس میں رائے اور مشورہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا ہی خیال معلوم فرمانا ہے تو یہ عرض ہے کہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے آپ کے اہل اور ازواج مطہرات میں ہم نے کبھی سوائے خیر و خوبی کے اور نیکی اور بھلائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج و غم اور حزن و ملال کے خیال سے یہ عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ اللہ نے آپ پر تنگی نہیں کی عورتیں ان کے سوا بہت ہیں۔ اگر گھر کی لونڈی بریرہ سے دریافت فرمائیں گے تو وہ سچ سچ بیان کر دے گی۔ آپ نے اسی وقت بریرہ کو بلا کر دریافت کیا کہ عائشہ کی شک و شبہ والی کوئی بات کبھی دیکھی ہو تو بتاؤ۔ تو اس نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی کہ اس کا ان پر عیب لگاؤں ہاں صرف یہ بات ہے کہ کم عمری کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے کہ کبھی کبھی گندھا ہوا آٹا یونہی رکھا رہتا ہے اور وہ سو جاتی ہیں تو بکری آ کر کھا جاتی ہے۔ اس کے سوا میں نے ان کا کوئی قصور کبھی نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریرہ سے یہ جواب سن کر مسجد میں تشریف لائے۔ آپ خطبہ دینے کو منبر پر تشریف لے گئے اور مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے گروہ مسلمین کون ہے جو مجھے اس شخص کی ایذاؤں سے بچائے جس نے مجھے ایذائیں پہنچاتے پہنچاتے اب تو میری اہل بیت کو بھی ایذائیں پہنچانا شروع کر دی ہیں۔ واللہ میں جہاں تک جانتا ہوں مجھے اپنے اہل بیت میں سوائے بھلائی کے کوئی چیز معلوم نہیں اور جس شخص کا یہ لوگ نام لے رہے ہیں میری دانست تو اس کے متعلق بھی سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں۔ یہ سنتے ہی قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں آپ کی اعانت اور مدد کے لئے حاضر ہوں۔ اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن ماردیں گے اور اگر ہمارے بھائیوں قبیلہ خزرج سے ہے تو آپ جو ارشاد فرمائیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ پھر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے یہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے اور حضرت سعد بن معاذ سے کہنے لگے کہ تم نے غلط کہا خدا کی قسم نہ تم اس کو قتل کرو گے نہ اس کے قتل کرنے پر قادر ہو سکو گے (مطلب یہ تھا کہ اگر وہ شخص ہمارے قبیلہ خزرج کا ہوا تو ہم خود اس کو قتل کرنے کی سعادت حاصل کریں گے) حضرت سعد بن معاذ کے چچا زاد بھائی کھڑے ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ سردار قبیلہ خزرج کو مخاطب بنا کر کہا تم غلط کہتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو قتل کا حکم دیں گے تو ہم ضرور قتل کریں گے اگر چہ وہ شخص قبیلہ خزرج کا ہو یا کسی قبیلہ کا ہو ہم کو کوئی روک نہیں سکتا اور تم کیا منافق ہو جو منافقوں کی طرف سے مجادلہ اور جواب دہی کرتے ہو۔ اس طرح گفتگو تیز ہوگئی۔ اور قریب تھا کہ ان میں تکرار بڑھ جائے۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوش کو فرو کر دیا اور دونوں طرف خاموشی ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی چپکے ہو رہے۔ یہ تو تھا وہاں کا واقعہ، میرا یہ حال تھا کہ سارا دن بھی رونے ہی میں گزرا۔ ایک منٹ کو آنسو نہ تھمتا تھا۔ میرے اس رونے نے میرے ماں باپ کو بھی غمزدہ کر دیا تھا اور وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ میرا یہ رونا کلیجہ پھاڑ دے گا۔ دونوں حیرت زدہ مغموم بیٹھے ہوئے تھے اور مجھے تو رونے کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا کہ اچانک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ مہینہ بھر گزر گیا تھا کہ حضور کی یہی حالت تھی کوئی وحی نہیں آئی تھی کہ فیصلہ ہو سکے آپ نے بیٹھتے ہی اول تو تشہد پڑھا پھر اما بعد فرما کر کہا کہ اے عائشہ تمہاری نسبت مجھے یہ خبر پہنچی ہے اگر واقعہ تم پاکدامن ہو تو تمہاری پاکیزگی اللہ تعالیٰ ظاہر فرمادیں گے اور اگر فی الحقیقت تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہو تو اللہ سے توبہ واستغفار کرو۔ بندہ جب گناہ کر کے اپنے گناہ کے اقرار کے ساتھ خدا کی طرف جھکتا ہے اور اس سے معافی طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے آپ اتنا فرما کر خاموش ہو گئے۔ یہ سنتے ہی میرا رونا دھونا سب جاتا رہا۔ آنسو تھم گئے۔ میں نے اول تو اپنے والد سے درخواست کی کہ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ہی جواب دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ واللہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں۔ اب میں نے اپنی والدہ کی طرف دیکھا اور ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیجئے لیکن انہوں نے بھی یہی کہا کہ میں نہیں سمجھ سکتی کہ کیا جواب دوں۔ آخر میں نے خود ہی جواب دینا شروع کیا اور میں نے کہا کہ آپ سب نے ایک بات سنی اور اسے اپنے دل میں بٹھا لی اور گویا سچ سمجھ لیا اب اگر میں کہوں گی کہ میں اس سے بالکل بری ہوں اور خدا خوب جانتا ہے کہ میں واقع میں اس سے بالکل بری ہوں تو آپ اس

کو سچ نہیں سمجھیں گے اور اگر اس کا اقرار کرلوں حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ اس کو مان لیں گے۔ سو خدا کی قسم میں وہی بات کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے والد نے کہی تھی **فصبر جمیل و اللہ المستعان علی ماتصفون**۔ اتنا کہہ کر میں وہاں سے اٹھ کر اپنے بستر پر آلیتی اور میں یقین کرتی تھی کہ چونکہ میں پاک ہوں اللہ تعالیٰ میری برأت اپنے رسول کو ضرور معلوم کرادے گا لیکن یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میرے بارہ میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوں گی میں اپنے آپ کو اس سے بہت کمتر جانتی تھی کہ میرے بارہ میں خدا کے کلام کی آیتیں اتریں۔ ہاں مجھے زیادہ سے زیادہ یہ خیال ہوتا تھا کہ ممکن ہے خواب میں اللہ تعالیٰ میری برأت حضور کو دکھادے۔ سو خدا کی قسم ابھی نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے ہٹے تھے اور نہ گھر والوں میں سے کوئی گھر کے باہر نکلا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونی شروع ہوگئی اور نزول وحی کے وقت جس طرح آپ پسینہ پسینہ ہوجاتے تھے اسی طرح اس وقت آپ کے بدن اطہر سے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔ اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ خدا کی قسم میں بالکل نہیں گھبرائی کیونکہ میں جانتی تھی کہ میں بالکل بری ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ پر ظلم نہیں فرمائیں گے لیکن میرے ماں باپ کا خوف سے یہ حال تھا کہ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کی جان نہ نکل جائے۔ ان کو یہ خوف تھا کہ مبادا وحی اس کے موافق نہ نازل ہوجائے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں۔ میرے والد حضرت ابوبکر کا یہ حال تھا کہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے اور کبھی میری طرف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر کرتے تو یہ اندیشہ ہوتا کہ نہ معلوم آسمان سے حق جل وعلیٰ کا کیا حکم نازل ہوتا ہے جو پھر قیامت تک ٹل نہیں سکے گا اور جب میری طرف دیکھتے تو میرے سکون و اطمینان کو دیکھ کر ان کو ایک گونہ امید ہوتی۔ الغرض سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سارا گھر اسی خوف و رجا اور امید و بیم میں تھا کہ وحی آسمانی کا نزول ختم ہوا تو چہرۂ انور پر مسرت و بشاشت کے آثار نمودار ہوئے اور دست مبارک سے جبین منور کے پسینہ کو پونچھتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلا کلمہ جو زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا **ابشری یا عائشہ فقد انزل اللہ براء تک**۔ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم کو بشارت ہو تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری برأت نازل کردی اور اسکے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آیتیں سنائیں یعنی یہ پورا رکوع جو اس آیت سے شروع ہوتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ نے کہا کہ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کر۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا "خدا کی قسم میں سوائے اللہ رب العزت کے کہ جس نے میری برأت نازل کی اور کسی کا شکر نہ کروں گی" علماء نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس جواب کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس صدمۂ جانکاہ کے عالم میں جب قرآن کریم کی دس آیتیں آپ کی کمال برأت اور طہارت کے بیان میں نازل ہوئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایسے سکر اور بیخودی کی کیفیت طاری ہوگئی کہ جمیع ماسوائے اللہ سے نظر اٹھ گئی۔ ورنہ یہ انعام یزدانی اور وحی آسمانی سب کچھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے وسیلہ اور طفیل سے تھی اور واسطہ اور وسیلہ کا شکریہ بھی واجب ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ جواب نازِ محبوبی کے مقام سے تھا اور ناز کی حقیقت یہ ہے کہ دل عشق و محبت سے لبریز ہو اور ظاہر میں اس کے خلاف اظہار ہو۔ تو دراصل یہ ایک ناز تھا لیکن صد ہزار نیاز اس میں مستور تھے۔ **اللھم صل وسلم علی رسول اللہ وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا**۔

اب چونکہ یہ درس خلاف معمول طویل ہوگیا لہٰذا اس کو یہیں ختم کیا جاتا ہے۔ اس آیت کی مزید تفسیر ان تشریحات کی روشنی میں انشاء اللہ آئندہ درس میں بیان ہوگی۔

دعا کیجئے

یا اللہ! اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کا بول بالا فرما اور منافقین کا منہ کالا فرما۔ یا اللہ! اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی ہمیں سچی محبت عطا فرما اور ان کی محبت کے ساتھ ان کی اطاعت اور اتباع بھی نصیب فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(حصہ دوم)

لفظی ترجمہ:۔ جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ تم میں سے ایک گروہ ہے۔ تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو۔ بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے ان میں سے ہر شخص کو جتنا کچھ کسی نے کیا تھا گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کو سخت سزا ہوگی۔

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ درس میں اسی آیت کے تحت قصہ افک یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جو تہمت لگائی گئی تھی اس کو جیسا کہ احادیث میں مروی ہے بیان کیا جاچکا ہے۔ جس کو ذہن میں رکھنے سے ان آیات کی تفسیر وتشریح جو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأۃ میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں اور جو اس آیت سے شروع ہوتی ہیں۔ بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ عبداللہ بن ابی جو منافقین کا سردار تھا مگر بظاہر مسلمان بنا ہوا تھا در پردہ بڑا ہی خبیث اور باطن میں دشمن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ وہی اس تہمت کا اختراع کرنے والا تھا۔ منافقین مدینہ جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے مگر دل سے دشمن اسلام و مسلمین تھے انہوں نے اس کا چرچا کرنا شروع کیا اور بعض سیدھے سادے مسلمان بھی سنی سنائی باتوں کا تذکرہ کرنے لگے۔ مسلمانوں میں سے صرف تین نام احادیث وسیرت کی کتابوں میں ذکر کئے گئے ہیں جو اس تذکرہ تہمت اور چرچے میں اپنی سادہ لوحی اور بھولے پن سے شامل ہوگئے تھے۔ دو مرد اور ایک عورت۔ یعنی حضرت حسان بن ثابت انصاری جو مشہور شاعر اسلام ہیں۔ حضرت مسطح جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور بدری صحابی تھے اور حضرت حمنہ بنت جحش۔

چنانچہ ایک ماہ تک یہ قصہ رہا۔ آخر یہ آیات یعنی پورے دو رکوع نازل ہوئے جن میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت اور پاکدامنی بیان فرمائی گئی۔ جب یہ آیات برأت نازل ہوگئیں تو مسلمانوں میں سے صرف ان تین کو تہمت لگانے کی شرعی سزا یعنی ۸۰ کوڑوں کی ماردی گئی اور وہ اپنی غلطی سے تائب ہوئے۔ عبداللہ بن اُبی کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس کو سزا نہیں دی گئی اس لئے کہ وہ منافق تھا۔ اس معاملہ میں منافقین سے کچھ نہیں کہا گیا۔ مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عبداللہ بن اُبی پر بھی حد جاری کی گئی اور اس کو کوڑے مارے گئے اور طبرانی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر عبداللہ بن اُبی منافق جس نے اصل تہمت گھڑی تھی اس پر دہری حد جاری فرمائی۔

الغرض اس قصہ اِفک کی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے۔ جس میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ طوفان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جو اسلام کا نام لیتے ہیں اور اپنے کو مسلمان بتلاتے ہیں۔ ان میں سے چند آدمیوں نے مل کر یہ سازش کی اور کچھ نادانستہ ان کی عیاری کا شکار ہوگئے۔ آگے جن کو اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا ان کی تسلی فرمائی جاتی ہے کہ گو بظاہر یہ چرچا نہایت مکروہ۔ رنج دہ اور ناخوشگوار تھا لیکن فی الحقیقت اس کی تہہ میں بڑی بہتری چھپی ہوئی تھی۔

آخر اتنی مدت تک ایسے جگر خراش حملوں اور ایذاؤں پر صبر کرنا کیا خالی جاسکتا تھا اور اس ایک ماہ کی تاخیر میں جو نزول وحی میں ہوئی ایک حکمت یہ تھی کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مقامِ عبودیت کی تکمیل ہوجائے کہ جب مظلومانہ گریہ وزاری اور عاجزانہ بے تابی و اضطراری بارگاہِ ذوالجلال میں فقیرانہ تذلل مضطربانہ تضرع وابتہال حد کمال کو پہنچ جائے اور سوائے خدائے واحد قدوس کے کسی سے کوئی امید باقی نہ رہے اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے والوں کے قلوب وحی الٰہی کے انتظار میں ماہئی بے آب کی طرح تڑپنے لگیں اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ باران وحی سے محبین ومخلصین کے مردہ دلوں کو حیات بخشے اور حضرت صدیقہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا کو برأت و نزاہت کے بیش بہا خلعت سے سرفراز فرمائے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ من جانب اللہ تعالیٰ ابتلا اور امتحان تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مومنین و مخلصین کا ایمان و استقامت میں اور منافقین کے نفاق اور شقاوت میں اضافہ اور زیادتی ہو۔ نیز یہ امر واضح اور منکشف ہو جائے کہ کون شخص اللہ اور اس کے رسول اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور کون سوئے ظن (سیرۃ المصطفیٰ)

آیت میں اس جملہ کے تحت **لا تحسبوه شرا لكم بل هو خير لكم** ٥ "تم اس طوفان کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے) مفسرین نے بہت سی حکمتیں اور خیر کے پہلو اور بہتری کے انجام جو اس فتنہ میں پوشیدہ رکھے گئے تھے بیان کئے ہیں۔ مثلاً لکھا ہے۔

ا۔ یہ واقعہ گو آغاز کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت سخت ایذا کا باعث ہوا اور اہل بیت کو اس نے بے حد پریشان خاطر بنایا۔ بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے گھرانے کو لیکن انجام کے پیش نظر اہل بیت کے لئے یہ سرتاسر خیر ثابت ہوا کیونکہ اس سے ایک جانب منافقوں کی منافقت کا راز فاش ہو گیا اور دوسری جانب حضرت عائشہ اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا بے نظیر مظاہرہ عمل میں آ گیا کہ خود قرآن کی آیات نے نازل ہو کر ان کی عصمت اور عظمت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور قیامت تک کے لئے ان کا ذکر خیر قرآن کریم پڑھنے والوں کی زبان پر جاری کر دیا۔ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے بچے کو قوت گویائی دے کر اس کی شہادت سے ان کی برأت ظاہر فرمائی۔ اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے شیر خوار فرزند عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت سے ان کو بری کیا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دس آیات نازل کر کے ان کی برأت کا اعلان فرمایا جس نے ان کے فضل و عزت کو اور بڑھا دیا۔

۲۔ منافقین نے یہ شوشہ اس لئے چھوڑا تھا کہ اہل اسلام کے بلند اخلاق حسنہ اور پاکیزگی کردار پر ایک ضرب کاری لگا کر اسلامی معاشرہ کو بدنام اور ذلیل کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو سبب خیر بنا دیا اور مسلمانوں کی اخلاقی برتری پہلے سے زیادہ نمایاں ہو گئی۔ اس موقع پر ایک طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گھر والوں نے اور تیسری طرف عام اہل ایمان نے جو طرز عمل اختیار کیا اس سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو گئی کہ یہ برائی سے کس قدر پاک۔ کیسے ضابطہ اور متحمل کیسے انصاف پسند اور کس درجہ کریم النفس واقع ہوئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اشارہ ان لوگوں کی گردنیں اڑا دینے کے لئے کافی تھا جنہوں نے آپ کی عزت پر حملہ کیا تھا مگر مہینہ بھر تک آپ سب کچھ صبر سے برداشت کرتے رہے اور جب اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا تو ان کو شرعی سزا دی گئی جن پر تہمت لگانے اور پھیلانے کا جرم ثابت تھا۔ منافقین در پردہ اس تہمت بازی کے پیچھے جو کچھ چاہتے تھے نتیجہ بالکل اس کے برعکس نکلا۔

۳۔ اس واقعہ میں خیر کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ یہ واقعہ افک سورۂ نور کے نازل ہونے کا سبب بنا اور اس کی بدولت مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہم اسلامی ہدایات۔ معاشرتی قوانین واحکام اور تمدنی ضوابط حاصل ہوئے جن پر عمل کر کے مسلم معاشرہ کو ہمیشہ کے لئے برائیوں کی پیداوار اور ان کی اشاعت و ترویج سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور اگر پیدا ہو جائیں تو ان کا بروقت تدارک کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اس واقعہ سے امت کی پارسا اور نیک بیبیوں کو جن پر کیسی کیسی بے جا تہمتیں لگتی رہتی ہیں کتنا بڑا صبر و تسکین کا سہارا ہاتھ آ گیا

اور جب محترم و معظم رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی عفیفہ بیوی پر لوگ اتہام لگانے سے نہ رکے تو پھر اس دنیا میں اور کسی شریف صالح نیکوکار عورت کی عزت و آبرو پر اتہام کیا حقیقت رکھتا ہے۔

۵۔ اس واقعہ میں ایک خیر کا پہلو یہ بھی تھا کہ تمام مسلمانوں کو قیامت تک کے لئے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اشرف الانبیاء و افضل المرسلین ہونے کے جو کچھ اللہ تعالیٰ بتاتے اور جب غیب کی باتوں کا علم دیتے وہی اور تب ہی آپ کو علم ہوتا۔ ایک مہینہ تک آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے معاملہ میں پریشان خاطر رہے کبھی خادمہ سے پوچھتے تھے۔ کبھی ازواج مطہرات سے۔ کبھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ فرماتے۔ اور آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم سے لغزش ہوگئی ہے تو توبہ کرلو اور نہیں تو امید ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری بے گناہی اور پاکدامنی ثابت کردے گا۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو یہ پریشانی۔ اور یہ پوچھ گچھ اور مشورہ اور یہ تلقین توبہ کیوں ہوتی؟ البتہ جب وحی خداوندی نے حقیقت معاملہ کی بتادی تو آپ کو معاملہ کی حقیقت کا یقینی علم حاصل ہوگیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے تجربے اور مشاہدے کے ذریعہ سے قیامت تک مسلمانوں کو اس غلو اور مبالغے سے بچانے کا انتظام فرمایا جس میں آج بھی کچھ لوگ مبتلا ہیں جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ کیا عجب ہے کہ مہینہ بھر تک وحی نہ بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کی یہ بھی ایک مصلحت رہی ہو۔ اول ہی روز اگر وحی آجاتی تو یہ فائدہ عظیمہ حاصل نہ ہوسکتا اور بھی واللہ اعلم کتنے چھوٹے بڑے خیر کے پہلو اس واقعہ میں پوشیدہ تھے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جس شخص نے اس فتنہ میں جس قدر حصہ لیا اسی قدر گناہ سمیٹا اور سزا کا مستحق ہوا مثلاً بعض منافقین خوش ہوکر اور خوب مزے لے کر ان واہیات باتوں کا تذکرہ کرتے تھے۔ بعض اظہار افسوس کے طرز میں بعض چھیڑ کر مجلس میں تذکرہ اٹھا دیتے اور آپ خود چپکے سنا کرتے بعض سن کر تردد میں پڑجاتے بعض خاموش تھے۔ اور بہت سے سن کر صاف جھٹلا دیتے۔ صرف اس پچھلے گروہ یعنی صریح رد کرنے والوں کو پسند فرمایا گیا۔ اور سب کو درجہ بدرجہ کم و بیش الزام دیا گیا اور جس نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا۔ مراد منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ جیسا کہ روایات کثیرہ میں تصریح ہے کہ یہ ہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا اور ابھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا۔ اس کے لئے آخرت میں سخت عذاب کی سزا ہوہی گی۔ دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل و رسوا ہوا اور قیامت تک اسی ذلت و خواری سے یاد کیا جائے گا۔

اب آگے ان مومنین کو نصیحت فرمائی جاتی ہے کہ جو نادانستہ طور پر منافقین کی اس سازش کا شکار ہوگئے تھے کہ جب تم نے اس ناپاک بات کو سنا تو اپنے مومنین مردوں اور عورتوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا اور سنتے ہی فوراً زبان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ کھلا جھوٹ ہے۔ اگر خدا کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو جس لایعنی بات میں تم مشغول ہوگئے تھے اس پر سخت عذاب واقع ہوتا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! جیسا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافقین کو ذلیل و خوار فرمایا، اسی طرح اب بھی اس قوم اور ملک میں جو منافقین گھسے ہوئے ہیں کہ جن کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ ہے اور جو در پردہ اسلام اور دین کے بدخواہ ہیں۔

یا اللہ! ان کو ذلیل و خوار فرما اور ان کی شرارتوں سے اس ملک کو محفوظ فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ

جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ گمان نیک کیوں نہ کیا اور یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔

مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ

یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔سو جس صورت میں یہ گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔

هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ

اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل نہ ہوتا دنیا میں اور آخرت میں تو جس شغل میں تم پڑے تھے

فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا

اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا۔جبکہ تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں سے نقل درنقل کررہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی

لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

تم کو مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے۔حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات ہے۔

لَوْلَآ کیوں نہ	اِذْ جب	سَمِعْتُمُوْهُ تم نے وہ سنا	ظَنَّ گمان کیا	الْمُؤْمِنُوْنَ مومن مردوں	وَالْمُؤْمِنٰتُ اور مومن عورتوں		
بِاَنْفُسِهِمْ (اپنوں کے) بارہ میں	خَيْرًا نیک	وَّقَالُوْا اور انہوں نے کہا	هٰذَا یہ	اِفْكٌ بہتان	مُّبِيْنٌ صریح	لَوْلَا کیوں نہ	
جَآءُوْ وہ لائے	عَلَيْهِ اس پر	بِاَرْبَعَةِ چار	شُهَدَآءَ گواہ	فَاِذْ پس جب	لَمْ يَاْتُوْا وہ نہ لائے	بِالشُّهَدَآءِ گواہ	فَاُولٰٓئِكَ تو وہی لوگ
عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	هُمُ الْكٰذِبُوْنَ وہی جھوٹے	وَلَوْلَا اور اگر نہ	فَضْلُ اللّٰهِ اللہ کا فضل	عَلَيْكُمْ تم پر	وَرَحْمَتُهٗ اور اسکی رحمت		
فِى الدُّنْيَا دنیا میں	وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت	لَمَسَّكُمْ ضرور تم پر پڑتا	فِىْ مَآ اس میں جو	اَفَضْتُمْ تم پڑے	فِيْهِ اس میں		
عَذَابٌ عذاب	عَظِيْمٌ بڑا	اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ جب تم لاتے تھے اسے	بِاَلْسِنَتِكُمْ اپنی زبانوں پر	وَتَقُوْلُوْنَ اور تم کہتے تھے	بِاَفْوَاهِكُمْ اپنے منہ سے		
مَّا لَيْسَ جو نہیں	لَكُمْ تمہیں	بِهٖ اس کا	عِلْمٌ کوئی علم	وَّتَحْسَبُوْنَهٗ اور تم اسے گمان کرتے تھے	هَيِّنًا ہلکی بات	وَّهُوَ حالانکہ وہ	
عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	عَظِيْمٌ بہت بڑی بات						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ سے مضمون واقعہ افک کے متعلق بیان ہورہا ہے یعنی یہ آیات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جب کہ منافقین نے آپ پر بہتان باندھا تھا۔ گذشتہ آیت میں اشارۃً یہ ظاہر فرمادیا گیا تھا کہ یہ کام منافقین کی پارٹی کا ہے۔ چونکہ اس بہتان تراشی میں بعض مسلمانوں کی بھی زبان کھلنے لگی تھی کسی نے کچھ کہا۔ کسی نے صرف سنا اور خاموش رہا۔ اس لئے گذشتہ درس میں یہ بھی بتلادیا گیا تھا کہ اس فتنہ میں جس نے جس قدر حصہ تھوڑا یا بہت لیا اسی قدر وہ قابل الزام اور گناہ گار ہوا۔

اب آگے ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو ادب سکھاتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں جو کلمات منہ سے نکالے وہ ان کی شایان شان نہ تھے بلکہ انہیں چاہئے تھا کہ ام المومنین اور اپنے ایک مسلمان بھائی کے ساتھ حسن ظن رکھتے اور

صرف یہی نہیں کہ حسن ظن رکھتے بلکہ زبان سے بھی ایسے بہتان کی تردید وتکذیب کردینی چاہئے تھی اس لئے جو کچھ واقعہ گزرا اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش بھی نہ تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھلم کھلا سواری پر سوار دن دو پہر کو بھرے لشکر میں پہنچتی ہیں جہاں خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ اگر خدانخواستہ خاکم بدہن کوئی بھی بات ہوتی تو اس طرح کھلے بندوں مجمع عام میں نہ آتے بلکہ خفیہ اور پوشیدہ طور پر شامل ہو جاتے جو کسی کو کانوں کان خبر تک نہ پہنچے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ بہتان بازوں نے جو افترا پردازی کی ہے وہ محض جھوٹ۔ افترا اور بہتان ہے اور یہ لوگ اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کے موافق جھوٹے قرار دیئے گئے ہیں جو کسی پر بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کرسکیں۔ اور بدوں کافی ثبوت کے زبان سے ایسی بات بکتے پھریں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن مسلمانوں نے اس واقعہ میں زبان کو بری حرکت دی اگر خدائے تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا کہ وہ دنیا میں توبہ قبول کرلیتا ہے اور آخرت میں ایمان کی وجہ سے معاف فرمادیتا ہے تو جس بہتان میں لوگوں نے اپنی زبانیں چلائیں اس میں انہیں بڑا بھاری عذاب ہوتا۔ یہ مضمون ان مسلمانوں کے حق میں ہے جن کے دلوں میں ایمان تھا اور سچے مسلمان تھے مگر رواروی میں کچھ کہہ گئے تھے۔ آگے انہی مسلمانوں کو خطاب کرکے ارشاد ہے کہ عذاب عظیم کیوں نہ ہوتا جب کہ تم ایسی بے تحقیق اور ظاہر البطلان بات کو ایک دوسرے کی طرف چلتا کررہے تھے اور زبان سے وہ اٹکل پچو باتیں نکال رہے تھے جن کی واقعیت کی تمہیں کچھ بھی خبر نہ تھی پھر طرفہ یہ کہ ایسی سخت بات سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ اور مومنین کی روحانی ماں کو متہم کرنا جو اللہ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے۔ اس کو محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا اصل جرم سے بھی بڑھ کر جرم تھا۔

ان آیات میں یہاں یہ تعلیم دی گئی کہ مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اپنے کسی دیندار بھائی مسلمان کے متعلق کوئی بری بات سنے تو یقین نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ نیک گمان رکھے۔ کسی دیندار مسلمان پر تہمت سن کر خاموش رہنا بھی جرم ہے۔ فوراً تکذیب کرنی لازم ہے بشرطیکہ تہمت کا جھوٹ ہونا عقل اور قرائن کا لحاظ کرتے ہوئے واضح ہو۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کسی مسلمان پر کوئی الزام قائم کرے اور شرعی شہادت نہ پیش کرسکے تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی جھوٹا ہے بغیر سمجھے اور یقین حاصل کئے کوئی بات منہ سے نہ نکالنی چاہئے یعنی ہر بات کو سن کر نقل کردینا ٹھیک نہیں تاوقتیکہ اس کی صحت نہ کرلی جائے۔ خصوصاً فاسق وفاجر یا بدباطن انسانوں کی دی ہوئی خبر وہ بھی جبکہ وہ خبر کسی باعصمت وعفت اور صاحب تقویٰ وخیر کے بارہ میں ہو تو وہ ہرگز قابل توجہ نہیں اور اس کے لئے اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ یہ محض افتراء ہے تاوقتیکہ خبر دینے والا اس پر روشن دلیل اور شرعی حجت نہ قائم کردے۔

بے گناہ پر الزام وتہمت لگانا شریعت اسلامیہ میں بہت بڑا گناہ ہے۔ اور چونکہ اس گناہ کا مرتکب حق العباد میں سے ایک اہم حق ضائع کرتا ہے۔ اس لئے نہ صرف اخلاق کی نگاہ میں بلکہ اجتماعی قانون کی نظر میں بھی بڑا مجرم ہے۔ قرآن عزیز کی نصوص نے بے گناہ پر تہمت لگانے کی سزا کے لئے ۸۰ کوڑے کی سخت سزا اسی لئے تجویز کی ہے تاکہ کسی کو بھی یہ جرأت نہ ہوسکے کہ وہ ایک پاکباز انسان پر بہتان لگائے یا بغیر شہادت کے اس کی تشہیر کرے۔ بعض مرتبہ اشرار اور خبیث النفس لوگوں کی بے بنیاد باتیں اس درجہ آب ورنگ رکھتی ہیں کہ سادہ لوح مسلمان اور نکوکار انسان بھی مغالطے اور دھوکہ میں آجاتے ہیں اس لئے مسلمان کا فرض ہے کہ سنی سنائی بات پر اس وقت تک ہرگز یقین نہ کرے جب تک کہ اسلامی اصول شہادت کے مطابق شنیدہ خبر کی تصدیق نہ ہوجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ سوئے ظن سے بچو اس لئے کہ بعض بدگمانیاں گناہ کا مرتکب بنادیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان بیش بہا قرآنی ہدایات ونصائح کو اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق کاملہ نصیب فرمائے۔

ابھی آگے بھی اس سلسلہ میں مسلمانوں کو بعض ہدایات دی جارہی ہیں جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ

اور تم نے جب اس بات کو سُنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے

عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا اگر تم ایمان والے ہو۔اور اللہ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے۔

الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا بڑا حکمت والا ہے۔جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو اُن کیلئے

اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ

دنیا اور آخرت میں سزائے دردناک ہے۔اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل وکرم ہے

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے۔تو تم بھی (اس وعید سے) نہ بچتے۔

وَلَوْلَآ اور کیوں نہ	اِذْ جب	سَمِعْتُمُوْهُ تم نے وہ سنا	قُلْتُمْ تم نے کہا	مَا يَكُوْنُ نہیں ہے	لَنَآ ہمارے لئے	اَنْ نَّتَكَلَّمَ کہ ہم کہیں	
بِهٰذَا ایسی بات	سُبْحٰنَكَ تو پاک ہے	هٰذَا یہ	بُهْتَانٌ بہتان	عَظِيْمٌ بڑا	يَعِظُكُمُ تمہیں نصیحت کرتا ہے	اللّٰهُ اللہ	اَنْ کہ
تَعُوْدُوْا تم پھر کرو	لِمِثْلِهٖٓ ایسا کام	اَبَدًا کبھی بھی	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان والے	وَيُبَيِّنُ اور بیان کرتا ہے	اللّٰهُ اللہ	
لَكُمُ تمہارے لئے	الْاٰيٰتِ آیتیں احکام	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِيْمٌ بڑا جاننے والا	حَكِيْمٌ حکمت والا	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ	
يُحِبُّوْنَ پسند کرتے ہیں	اَنْ کہ	تَشِيْعَ پھیلے	الْفَاحِشَةُ بے حیائی	فِي الَّذِيْنَ میں جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے مومن	لَهُمْ ان کیلئے	
عَذَابٌ عذاب	اَلِيْمٌ دردناک	فِي الدُّنْيَا دنیا میں	وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت میں	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	وَاَنْتُمْ اور تم	
لَا تَعْلَمُوْنَ تم نہیں جانتے	وَلَوْلَا اور اگر نہ	فَضْلُ اللّٰهِ اللہ کا فضل	عَلَيْكُمْ تم پر	وَرَحْمَتُهٗ اور اس کی رحمت	وَاَنَّ اور یہ کہ		
اللّٰهَ اللہ	رَءُوْفٌ شفقت کرنیوالا	رَّحِيْمٌ نہایت مہربان ہے					

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں ان مسلمانوں کو تنبیہ وناصحانہ ملامت کے ساتھ نیک گمانی کا حکم دیا گیا تھا جنہوں نے اس واقعۂ افک کے افترا اور بہتان میں اپنی زبانیں کھولی تھیں اور اس جھوٹ بات کے نقل کرنے میں حصہ لیا تھا۔

اب ان آیات میں انہیں مسلمانوں کو دوسرا حکم دیا جارہا ہے کہ بھلے اور نیک آدمیوں کی شان میں کوئی برائی کا کلمہ بے تحقیق ہرگز نہ نکالنا چاہئے۔ برے خیالات، گندے الزامات اور شیطانی وسوسوں سے دور رہنا چاہئے کبھی ایسے کلمات زبان سے نہ نکالنے چاہئیں۔ اگر دل میں کوئی ایسا وسوسہ شیطانی پیدا بھی ہو تو زبان قابو میں رکھنی چاہئے۔ مسلمانوں کو تو چاہئے تھا کہ ایسے واہی تباہی کلام کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ

ہم ایسی لغوبات سے اپنی زبان کونہیں بگاڑتے۔ہم سے یہ بے ادبی نہیں ہوسکتی کہ خدا کے پیغمبر کی زوجہ مطہرہ کی نسبت کوئی ایسی لغوبات کہیں۔ پھر ہدایت کی جاتی ہے کہ دیکھو خبردار آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ ہو ورنہ ایمان کے ضبط ہونے کا اندیشہ ہے ہمیشہ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے اہل کی عظمت کو ملحوظ رکھیں اور بدباطن منافقین کے چکموں میں کبھی نہ آئیں۔اللہ تعالیٰ اپنے احکام تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔یعنی اصول کے علاوہ تم کو جزئیات اور فروعات کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ ادب۔ اخلاق۔عقیدہ اور تہذیب سکھاتا ہے۔جن باتوں سے خرابیاں پیدا ہونے والی ہیں۔ نفاق۔ رنجش اور اخلاق کی بربادی۔ امن اور انتظام کی تباہی پیدا ہونے والی ہے ان سے وہی خوب واقف ہے۔ اس لئے جو احکام تم کو دیئے اور جن باتوں سے تم کو منع کیا ان کے مصالح کو وہ جانتا ہے اس لئے تمام اوامر ونواہی کی پابندی تم پر لازم ہے۔ہاں اگر کوئی شخص ایمان ہی سے کورا ہو اور جس کی سرشت ہی خراب ہو وہ تو بے ادب، گستاخ اور بھلے لوگوں کی اہانت کرنے والا ہوتا ہی ہے۔ایسے لوگ تو ناپاک باتیں پھیلانے کی دھن میں ہر وقت لگے رہتے ہیں۔

یہاں تک تو نزول برأۃ سے قبل تذکرہ کرنے والوں کا ذکر تھا آگے ان کا ذکر ہے جو بعد نزول ان آیات برأت کے بھی باز نہ آویں اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص بے ایمان ہی ہوگا۔ان کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ بعد نزول ان آیات کے بھی چاہتے ہیں یعنی اس کی کوشش عملی کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اس بے حیائی کی بات کا چرچا ہو تو انہیں دنیوی سزا یعنی ۸۰ کوڑوں کی حد شرعی بھی لگے گی اور اخروی سزا یعنی عذاب جہنم بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسے فتنہ پردازوں کو خوب جانتا ہے گو عام مسلمان نہ جانتے ہوں۔اور یہ بھی اس کے علم میں ہے کہ کس کا جرم کتنا ہے اور کس کی کیا غرض ہے۔ یہ طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس کی نظر ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل ورحمت سے اور شفقت ومہربانی سے مسلمانوں میں سے تائبین کی توبہ کو قبول فرمایا اور بعض کو حد شرعی جاری کر کے پاک کیا۔

ان آیات سے یہ چند مسائل معلوم ہوئے۔

۱۔کسی مومن کی آبروریزی اور عزت کو برباد کرنے کی کوشش کرنی حرام ہے۔اور موجب عذاب الیم ہے۔

۲۔تہمت تراشی کرنا یا سن کر تصدیق کرنا بھی جرم عظیم ہے۔

۳۔غیر مومن اور غیر مسلم طبقہ ہر حیلہ بہانہ سے مسلمانوں میں فحش پرستی اور بے حیائی کو رواج دینا چاہتا ہے اور اسلامی کلچر و تہذیب کو برباد کرنے کا خواستگار رہتا ہے۔اس لئے مسلمانوں کو ہر وقت متنبہ رہنا اور اسلامی قوانین کو مضبوط پکڑنا چاہئے۔ابھی حق تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلہ میں احکام ونصائح کا سلسلہ جاری ہے۔جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان جملہ قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم سے گذشتہ زندگی میں جو تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں اپنی رحمت اور فضل وکرم سے معاف فرمائیں اور آئندہ ہم کو جملہ فحش اور بے حیائی کی باتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ اکرام مسلم کی ہم کو توفیق نصیب فرما۔اور کسی مسلمان کی آبروریزی کے جرم عظیم میں مبتلا ہونے سے ہماری حفاظت فرما۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

اے ایمان والو تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو اور جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو وہ تو

فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ

بے حیائی اور نامعقول ہی کام کرنے کو کہے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی (توبہ کرکے) پاک وصاف نہ ہوتا

مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ

ولیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک صاف کردیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے اور جو لوگ تم میں بزرگی اور دنیوی وسعت والے ہیں

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا

وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنیوالوں کو دینے سے قسم نہ کھابیٹھیں۔ اور چاہئے کہ وہ معاف کردیں

وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾

اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جو ایمان لائے	لَا تَتَّبِعُوْا تم نہ پیروی کرو	خُطُوٰتِ قدم	الشَّيْطٰنِ شیطان	وَمَنْ اور جو		
يَّتَّبِعْ پیروی کرتا ہے	خُطُوٰتِ قدم	الشَّيْطٰنِ شیطان	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	يَاْمُرُ حکم دیتا ہے	بِالْفَحْشَآءِ بے حیائی کا	وَالْمُنْكَرِ اور بری بات	
وَلَوْلَا اور اگر نہ	فَضْلُ اللّٰهِ اللہ کا فضل	عَلَيْكُمْ تم پر	وَرَحْمَتُهٗ اور اسکی رحمت	مَا زَكٰى نہ پاک ہوتا	مِنْكُمْ تم سے	مِنْ اَحَدٍ کوئی آدمی	
اَبَدًا کبھی بھی	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اللّٰهَ اللہ	يُزَكِّىْ پاک کرتا ہے	مَنْ يَّشَآءُ جسے وہ چاہتا ہے	وَاللّٰهُ اور اللہ	سَمِيْعٌ سننے والا	عَلِيْمٌ جاننے والا
وَلَا يَاْتَلِ اور قسم نہ کھائیں	اُولُوا الْفَضْلِ فضیلت والے	مِنْكُمْ تم میں سے	وَالسَّعَةِ اور وسعت والے	اَنْ يُّؤْتُوْۤا کہ (نہ) دیں			
اُولِى الْقُرْبٰى قرابت دار	وَالْمَسٰكِيْنَ اور مسکینوں	وَالْمُهٰجِرِيْنَ اور ہجرت کرنیوالے	فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کی راہ میں				
وَلْيَعْفُوْا اور چاہئے کہ وہ معاف کردیں	وَلْيَصْفَحُوْا اور وہ درگذر کریں	اَلَا تُحِبُّوْنَ کیا تم نہیں چاہتے؟	اَنْ کہ	يَغْفِرَ اللّٰهُ اللہ بخش دے			
لَكُمْ تمہیں	وَاللّٰهُ اور اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَحِيْمٌ نہایت مہربان				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ان مسلمانوں کو خطاب فرما کر اللہ تعالیٰ کی نصائح واحکام سنائے گئے تھے جو کسی نہ کسی درجہ میں منافقین کے اس اٹھائے ہوئے طوفانِ تہمت میں شریک ہوگئے تھے اور ان کو بتلایا گیا تھا کہ اگر اللہ کا فضل وکرم اور لطف ورحم نہ ہوتا تو تم بھی اس وقت قہر الٰہی سے نہ بچتے مگر اس نے توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرمائی اور بعض کو حد شرعی سے پاک کردیا۔ اب آگے ان آیات میں تمام مسلمانوں کو خطاب کرکے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ شیطان کی چالوں سے ہوشیار رہا کریں مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہئے کہ شیاطین الانس والجن کے قدم بقدم چلنے لگے۔ ان ملعونوں کا کام تو یہی ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں۔ تم جان بوجھ کر کیوں ان کے بھرے میں آتے ہو۔ دیکھو شیطان نے ذرا سا چرکہ لگا کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کردیا۔ اس لئے مسلمانوں کو ہر قول وفعل اور طریق زندگانی میں شیطان کی پیروی سے اجتناب ضروری ہے۔ شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ہے۔ ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا مگر یہ تو خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر

بہتیروں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہو جانے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر درست کر دیتا ہے۔ یہ بات اسی خدائے واحد کے اختیار میں ہے اور وہی اپنے علم محیط اور حکمت کاملہ سے جانتا ہے کہ کون بندہ سنوارے جانے کے قابل ہے اور کس کی توبہ قبول ہونی چاہئے۔ وہ سب کی توبہ وغیرہ کو سنتا اور ان کی قلبی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی رواروی یا بھولے پن سے شریک ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت مسطح تھے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ انہوں نے جنگ بدر میں بھی شرکت کی تھی۔ مسلمانوں کے ساتھ ہجرت بھی کی تھی۔ مخلص مسلمان تھے لیکن اپنے بھولے پن کے سبب سے منافقوں کے پروپیگنڈے کے شکار ہو گئے تھے۔ چونکہ مفلس تھے اس لئے قصہ افک سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے تھے۔ جب یہ قصہ افک ختم ہوا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھالی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہ کروں گا بعض دوسرے صحابہ نے بھی قسم کھالی کہ جس نے اس بہتان سے کچھ بھی لگاؤ رکھا ہے ہم اس سے تعلق اور رشتہ داری قائم نہ رکھیں گے۔ اس پر مسلمانوں کو مسکین مہاجر قرابتداروں سے سلوک منقطع نہ کرنے کی ہدایت کی گئی اور عفو و درگزر کا حکم دیا گیا اور حکم ہوا کہ تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ انہیں زیبا یہی ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے۔ محتاج رشتہ داروں اور فی سبیل اللہ وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دستکش ہو جانا بزرگوں اور بلند اخلاق نیک کرداروں کا کام نہیں۔ اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو اس کا کفارہ ادا کر دو۔ تمہاری شان یہ ہونی چاہئے کہ خطا کاروں کی خطا سے درگزر کرو۔ ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری تقصیرات سے درگزر کرے گا۔ تم میں سے کون ہے جو اللہ تعالیٰ کا قصوروار نہیں پھر کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ اللہ تمہاری گرفت کرے اور قصور معاف نہ کرے۔ تم یہ بات ہرگز پسند نہ کرو گے تو جب تم کو خود اپنے قصور کی گرفت پسند نہیں تو لازمی طور پر آپس میں بھی ایک دوسرے کے قصور سے درگزر کرنی چاہئے۔

احادیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ سنا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے تو فوراً بول اٹھے بلیٰ یا ربنا انا نحب۔ بیشک اے پروردگار ہم ضرور چاہتے ہیں یہ کہہ کر مسطح کی جو امداد کرتے تھے جاری فرما دی اور قسم کھائی کہ واللہ مسطح کا خرچ کبھی بند نہ کروں گا بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے امداد دگنی کر دی۔ سبحان اللہ! کیا عجب جذبات تھے اور کیا عجیب احساسات تھے ان حضرات کے روح کے گوشہ گوشہ میں دین کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ کس طرح نفس اور جذبات نفس کو قابو کیا ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے جو شخص تہمت تراشی کے چرچہ میں شرکت کی وجہ سے مبغوض تھا آن کی آن میں اس کو دوست اور محبوب بنالیا جاتا ہے اور تمام گذشتہ قصوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اسی کا نام ہے الحب للہ و البغض فی اللہ۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیت ولا یاتل اولوا الفضل منکم۔ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کی صریح دلیل ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ حق تعالیٰ خود ان کو اولوا الفضل یعنی صاحب فضل فرمائے۔

حضرت مسطح کا وظیفہ اگرچہ ان کی غلطی اور خطا کی بنا پر بند کر لینا جائز تھا مگر مقام صدیقیت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے۔ اس لئے اس آیت کو نازل کر کے حق تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنبیہ فرمائی اور بحق بدریت حضرت مسطح کے حق میں سفارش فرمائی کہ اے ابوبکر! تم اہل فضل میں سے ہو اور مسطح اہل بدر میں سے ہے لہٰذا تم اس کی امداد و اعانت میں کمی نہ کرنا اور مسطح سے جو غلطی ہوگئی ہے اس کو معاف کر دینا چاہئے اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو معاف کرے گا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح حق تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل فرمائی کہ نہ صرف حضرت مسطح کی غلطی کو معاف کر دیا بلکہ گذشتہ کے اعتبار سے امداد و اعانت میں دگنا وظیفہ کر دیا۔ اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ نے کیا اخلاقِ کریمہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں چودہ طریقہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اس ایک آیت سے ثابت کی ہے۔

ان آیات میں باہم کدورت اور کبیدگی دور کرنے کے لئے حلم اور عفو سے کام لینے کی ہدایت فرمائی اور ترغیب کے لئے صراحت فرمائی کہ آپس کے تعلقات کو قائم رکھنا اور خطاواروں کے جرم سے درگزر کرنا مغفرت الٰہیہ کے حصول کا باعث ہے۔ اب آگے اسی سلسلہ میں منافقین کو وعید سنائی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ

جولوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاکدامن ہیں (اور) ایسی باتوں سے (بالکل) بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں ہیں اُن پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور اُن کو

عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

(آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا۔ جس روز اُن کے خلاف اُن کی زبانیں گواہی دیں گی اور اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں بھی (گواہی دیں گے) ان کاموں کی جو کہ یہ لوگ کرتے تھے۔

یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِیْثٰتُ

اس روز اللہ تعالیٰ ان کو واجبی بدلہ پورا پورا دیگا اور (اُس روز ٹھیک ٹھیک) ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنیوالا (اور) بات (کی حقیقت) کو کھول دینے والا ہے۔ گندی عورتیں

لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ

گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھرے عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔

مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۶﴾

یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق) بکتے پھرتے ہیں۔ ان (حضرات) کیلئے (آخرت میں) مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔

اِنَّ بیشک	اَلَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ جولوگ تہمت لگاتے ہیں	الْمُحْصَنٰتِ پاک دامن	الْغٰفِلٰتِ بھولی بھالی انجان	الْمُؤْمِنٰتِ مومن عورتیں	لُعِنُوْا لعنت ہے ان پر		
فِی الدُّنْیَا دنیا میں	وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب	عَظِیْمٌ بڑا	یَوْمَ دن	تَشْهَدُ گواہی دیں گی	عَلَیْهِمْ ان پر خلاف
اَلْسِنَتُهُمْ انکی زبانیں	وَاَیْدِیْهِمْ اور اُن کے ہاتھ	وَاَرْجُلُهُمْ اور انکے پاؤں	بِمَا اسکی جو	كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے	یَوْمَئِذٍ اس دن		
یُوَفِّیْهِمُ پورا دے گا انہیں	اللّٰهُ اللہ	دِیْنَهُمُ ان کا بدلہ	الْحَقَّ سچ ٹھیک ٹھیک	وَیَعْلَمُوْنَ اور وہ جان لیں گے	اَنَّ کہ	اللّٰهَ اللہ	هُوَ وہی
الْحَقُّ برحق	الْمُبِیْنُ ظاہر کرنیوالا	اَلْخَبِیْثٰتُ ناپاک گندی عورتیں	لِلْخَبِیْثِیْنَ گندے مردوں کیلئے	وَالْخَبِیْثُوْنَ اور گندے مرد	لِلْخَبِیْثٰتِ گندی عورتوں کیلئے		
وَالطَّیِّبٰتُ اور پاک عورتیں	لِلطَّیِّبِیْنَ پاک مردوں کیلئے	وَالطَّیِّبُوْنَ اور پاک مرد	لِلطَّیِّبٰتِ پاک عورتوں کیلئے	اُولٰٓئِكَ یہ لوگ	مُبَرَّءُوْنَ مبرا ہیں		
مِمَّا اس سے جو	یَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	لَهُمْ ان کیلئے	مَغْفِرَةٌ مغفرت	وَرِزْقٌ اور روزی	كَرِیْمٌ عزت کی		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں واقعۂ اِفک کے سلسلے میں مسلمانوں کو مختلف احکام و ہدایات دی گئی تھیں۔ اخیر میں تلقین فرمائی گئی تھی کہ جس طرح تم چاہتے ہو کہ ہماری تقصیریں اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں تمہیں بھی چاہئے کہ دوسروں کی خطا اور قصوروں سے درگزر کیا کرو۔

اب تہمت لگانے والوں پر وعید بیان کی جاتی ہے اور مکرر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکدامنی پر دلیل دے کر اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جولوگ بعد نزول ان آیات کے تہمت لگاتے ہیں تو ایسے موذی بہتان پرداز دنیا اور آخرت میں لعنت خدا کے مستحق ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگ جو ایسی مطہرات کو متہم کریں کافر اور منافق ہی ہوسکتے ہیں۔ علماء نے تصریح کی ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ یا ازواج مطہرات میں سے کسی کو متہم کرے وہ کافر۔ مکذب

قرآن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔تو یہاں اتہام رکھنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی کہ ان پر دنیا اور آخرت دونوں کے اندر خدا کی مار پڑے گی دنیا میں بھی ذلت اور رسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی سخت عذاب جہنم ہوگا اور کوئی اس گمان میں نہ رہے کہ قیامت کے دن وہ مکر سکتا ہے خود ان کی زبان اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ مجرم منہ سے بولنا اور ظاہر کرنا نہ چاہے گا مگر خود زبان اور ہاتھ پاؤں بولیں گے اور ان میں سے ہر ایک عضو اس عمل کو ظاہر کرے گا جو اس کے ذریعہ سے کیا گیا تھا۔یوم قیامت میں اللہ تعالیٰ انہیں پوری سزا دے گا اور وہ یقین کرلیں گے کہ اللہ عزوجل واقعی موجود ہے۔ برحق ہے۔اور سارے اعمال کا ٹھیک ٹھیک حساب جانتا ہے۔اور ہر عمل کی اس کے بالکل مناسب سزا دے گا۔

اب آگے ایک قاعدہ کلیہ بیان کردیا کہ نیک مردوں کو نیک عورتوں سے اور بدکار مردوں کو بدکار عورتوں سے لگاؤ ہوتا ہے۔ اسی طرح نیک عورتوں کو نیک مردوں سے اور بدعورتوں کو بدمردوں سے انس ہوتا ہے اور چونکہ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام طیب، طاہر اور مجسم طہارت ہیں۔اس لئے آپ کو تعلق بھی پاک اور طیب عورت ہی سے ہوگا۔ حاصل یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاکدامن۔نکوکار ہیں۔ طبعاً اور فطرۃً پاکباز ہیں۔تو جن پر یہ تہمت لگائی گئی ہے وہ اس سے بالکل بری ہیں کہ جو یہ منافق بکتے پھرتے ہیں۔ ان حضرات کے لئے آخرت میں مغفرت اور عزت کی روزی یعنی جنت ہے۔

یہاں جو عام ضابطہ اور قاعدہ کلیہ بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے طبائع میں طبعی طور پر یہ جوڑ رکھا ہے کہ گندی اور بدکار عورتیں بدکار مردوں کی طرف اور گندے اور بدکار مرد گندی بدکار عورتوں کی طرف رغبت کیا کرتے ہیں۔اسی طرح پاک صاف عورتوں کی رغبت پاک صاف مردوں کی طرف ہوتی ہے اور پاک صاف مردوں کی رغبت پاک صاف عورتوں کی طرف ہوتی ہے۔تو اس عادت کلیہ اور ضابطہ سے واضح ہوگیا کہ انبیاء علیہم السلام جو دنیا میں پاکی وصفائی ظاہری و باطنی میں مثالی شخصیت ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام انبیاء کے سردار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ازواج مطہرات بھی پاکی و صفائی، ظاہری و اخلاقی برتری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مناسب شان عطا فرمائی ہیں۔اور حضرت نوح اور لوط علیہما السلام کی بیبیوں کے بارہ میں جو قرآن کریم میں ان کا کافرہ ہونا مذکور ہے تو ان کے متعلق بھی یہ ثابت ہے کہ وہ کافر ہونے کے باوجود فسق و فجور میں مبتلا نہ تھیں۔تو معلوم ہوا کہ کسی نبی کی بیوی کافر ہوجائے اس کا تو امکان ہے مگر بدکار فاحشہ ہوجائے یہ ممکن نہیں۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو عورتوں میں ممتاز ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسری عورت کو نصیب نہیں ہوئیں اور خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بطور تحدیث بالنعمۃ ان خصوصیات کو فخر کے ساتھ بیان فرمایا کرتی تھیں۔

۱۔ پہلی خصوصیت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت جبرئیل امین ایک ریشمی کپڑے میں میری تصویر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا یہ تمہاری زوجہ ہے۔(رواہ الترمذی)

۲۔ دوسری خصوصیت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔

۳۔ تیسری خصوصیت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات آپ کی گود میں ہوئی۔

۴۔ چوتھی یہ کہ بیت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہوئے۔

۵۔ پانچویں یہ کہ آپ پر اس وقت بھی وحی نازل ہوئی تھی

جبکہ آپ حضرت صدیقہ کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے تھے۔ دوسری کسی بی بی کو یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔

۶۔چھٹی یہ کہ آسمان سے آپ کی برأت نازل ہوئی۔

۷۔ساتویں یہ کہ وہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اور صدیقہ ہیں اور ان میں سے ہیں جن سے دنیا ہی میں مغفرت اور رزق کریم کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے۔

الغرض سورۃ کے ابتدائی رکوع میں جو احکام اور شرعی سزاؤں کا بیان ہوا تھا وہ اس لئے تھے کہ اگر معاشرہ میں برائی رونما ہو جائے اور کسی سے اس جرم کا ارتکاب ہو جائے تو اس کا تدارک کیسے کیا جائے۔اس کے بعد دو رکوع حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت کے متعلق بیان ہوئے۔اور یہاں ان آیات پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت ونزاہت کا بیان ختم ہوا اور یہ بیان اس شان سے ختم فرمایا گیا کہ اب اس کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہا۔قرآن کریم کی آیات سے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عنداللہ قدر ومنزلت ثابت ہوئی وہ روز روشن سے زیادہ واضح ہے۔اور حق تعالیٰ جل شانہ کی اس شہادت کے بعد بھی اگر کوئی بدباطن خبیث حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائے تو بالاتفاق علمائے امت وہ کافر ہے۔اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے والے کا وہی حکم ہے جو حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام پر تہمت لگانے والے کا ہے۔

اب اس کے بعد وہ احکام دیئے جا رہے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں سرے سے برائیاں اور بدکاریاں پیدا ہی نہ ہونے پائیں۔ان ہدایات واحکامات کا سلسلہ اگلی آیات سے شروع ہوتا ہے۔جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قرآنی ہدایات اور احکامات کے موافق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔جن برائیوں سے قرآن پاک نے روکا ہے ان سے ہمیں کامل طور پر رکنے اور جن بھلائیوں کی قرآن پاک نے تلقین فرمائی ہے۔ان بھلائیوں کو حاصل کرنے کی توفیق کاملہ عطا فرمائیں۔یوم آخرت کی رسوائیوں اور وہاں کے عذابوں سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچا دیں اور اپنی مغفرت اور عزت کی روزی ہم سب کو نصیب فرمائیں۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ

اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ (اُن سے) اجازت حاصل نہ کرلو اور اُن کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہی

خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ

تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو۔ پھر اگر اُن گھروں میں تم کو کوئی نہ معلوم ہو تو (بھی) اُن گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو اجازت نہ دی جائے۔ اور اگر تم سے کہہ دیا جائے

لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

کہ (اسوقت) لَوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے۔ تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا

اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

گناہ نہ ہوگا جن میں کوئی نہ رہتا ہو اُن میں تمہاری کچھ برت ہو۔ اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ جولوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	لَا تَدْخُلُوْا تم نہ داخل ہو	بُيُوْتًا گھر	غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ اپنے گھروں کے سوا	حَتّٰى یہانتک کہ	
تَسْتَاْنِسُوْا تم اجازت لے لو	وَتُسَلِّمُوْا اور تم سلام کرلو	عَلٰٓى پر۔کو	اَهْلِهَا ان کے رہنے والے	ذٰلِكُمْ یہ	خَيْرٌ بہتر ہے	لَّكُمْ تمہارے لئے	
لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تَذَكَّرُوْنَ تم نصیحت پکڑو	فَاِنْ پھر اگر	لَّمْ تَجِدُوْا تم نہ پاؤ	فِيْهَآ اس میں	اَحَدًا کسی کو	فَلَا تَدْخُلُوْهَا تو تم نہ داخل ہو اس میں	
حَتّٰى یہانتک کہ	يُؤْذَنَ اجازت دی جائے	لَكُمْ تمہیں	وَاِنْ اور اگر	قِيْلَ لَكُمُ تمہیں کہا جائے	ارْجِعُوْا تم لوٹ جاؤ	فَارْجِعُوْا تو تم لوٹ جایا کرو	
هُوَ یہی	اَزْكٰى زیادہ پاکیزہ	لَكُمْ تمہارے لئے	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِمَا وہ جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	عَلِيْمٌ جاننے والا	لَيْسَ نہیں
عَلَيْكُمْ تم پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ	اَنْ اگر	تَدْخُلُوْا تم داخل ہو	بُيُوْتًا ان گھروں میں	غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ جہاں کسی کی سکونت نہیں	فِيْهَا جن میں	
مَتَاعٌ کوئی چیز	لَّكُمْ تمہاری	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مَا تُبْدُوْنَ جو تم ظاہر کرتے ہو	وَمَا اور جو	تَكْتُمُوْنَ تم چھپاتے ہو	

تفسیر وتشریح:۔ اس سورۂ نور میں شروع میں حد زنا۔ سزائے تہمت۔ احکام لعان وغیرہ بیان ہوئے تھے۔ اب یہاں سے وہ ہدایات واحکامات بیان فرمائے جاتے ہیں کہ جس سے بے حیائی اور فتنۂ زنا وغیرہ پیدا ہی نہ ہو۔ کسی خرابی اور برائی کے انسداد کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب اس کے تمام اسباب وذرائع وسائل کی بیخ کنی کردی جائے۔ مثلاً شراب خوری سے باز رکھنا اسی وقت کامل طور پر ممکن ہے جب شراب کشی کی ممانعت کردی جائے۔ شراب خوروں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے روک دیا جائے۔ شراب پینے کی سخت سزا مقرر کردی جائے۔ اسی لئے

حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کے بنانے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کے بنوانے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کے بیچنے والے پر لعنت کی ہے۔ خریدنے والے پر لعنت کی ہے۔ لاد کر لے جانے والے پر لعنت کی ہے۔ جس کے پاس لے جائی جائے اس پر لعنت کی ہے۔ اس کے پلانے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کو بیچ کر اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت کی ہے۔ گویا جتنے ذرائع ووسائل شراب خوری کے ہو سکتے ہیں سب کو ملعون وممنوع قرار دیا۔ اسی طرح زنا کے تمام مبادی ومقدمات کو بھی مثل زنا قرار دے کر ان

کی ممانعت فرمائی گئی۔ چنانچہ حدیث شریف میں یہ مضمون صراحۃً موجود ہے کہ نامحرم عورت کو بری نیت سے دیکھنا آنکھ کا زنا ہے۔اس سے باتیں کرنا زبان کا زنا ہے۔اس کی باتوں کو سننا کان کا زنا ہے۔اس کی طرف قلب کا میلان بد دل کا زنا ہے۔ اس کو ہاتھ لگانا ہاتھ کا زنا ہے۔اس کی طرف چل کر جانا پاؤں کا زنا ہے۔اور پھر جو فعل بد میں مبتلا ہوتو وہ اصل زنا ہے۔تو زنا بھی ایک اخلاقی و معاشرتی تباہی ہے۔ اس سے باز رکھنے کی تکمیل کے لئے پہلے اس کی سزا کو بیان فرمادیا۔اب یہاں سے زنا اور بے حیائی میں مبتلا کرنے والے اسباب اور موجبات کی روک تھام کے لئے ہدایات وقوانین بیان فرمائے جاتے ہیں۔

اسلام چونکہ حکیمانہ اور مصلحانہ دین ہے۔ تمام اخلاقی معاشرتی اور اجتماعی اصلاحات کے مکمل اور جامع قوانین کی تعلیم اس نے دی ہے۔ پہلے زنا۔ تہمت۔ بدگمانی وغیرہ کی سخت ممانعت فرمائی اب جو چیزیں بدگمانی۔تہمت اور زنا کے اسباب ہیں ان سے بھی روکا جاتا ہے۔منجملہ ان اسباب کے کسی کے گھر میں بغیر اذن واطلاع کے چلا جانا بھی ہے۔اس لئے پہلی ہدایت یہاں یہ دی گئی کہ خاص اپنے رہنے کا جو گھر ہو اس کے علاوہ کسی دوسرے کے رہنے کے گھر میں یونہی بے خبر نہ گھس جائے۔کیا جانے صاحب خانہ کس حال میں ہو اور اس وقت کسی کا اندر آنا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اندر جانے سے پہلے آواز دے کر اجازت حاصل کرے۔

حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ تک سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی لے اگر تین بار کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔اجازت طلب کرنے میں بے جا اصرار کرنا یا اجازت نہ ملنے کی صورت میں دروازے پر جم کر کھڑے ہو جانا جائز نہیں ہے۔اگر تین دفعہ کے استیذان کے بعد صاحب خانہ کی طرف سے اجازت نہ ملے یا وہ ملنے سے انکار کردے تو واپس چلے جانا چاہئے۔

آگے ایک دوسری صورت بیان ہوتی ہے کہ اگر یہ معلوم ہو کہ گھر میں کوئی موجود نہیں ہے تب بھی دوسرے کے گھر میں بدوں مالک ومختار کی اجازت کے مت جاؤ۔یعنی کسی کے خالی گھر میں بھی بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر صاحبِ خانہ نے خود اس بات کی اجازت صراحۃً یا دلالۃً دی ہو تو اس اجازت کے موافق جانے میں کوئی حرج نہیں مثلاً صاحبِ خانہ نے آپ سے یہ کہہ دیا ہو کہ اگر میں موجود نہ ہوں تو آپ میرے کمرہ میں آ کر بیٹھ جائیں یا صاحبِ خانہ کسی اور جگہ موجود ہے اور آپ کے آنے کی اطلاع پر وہ کہلا بھیجے کہ آپ بیٹھئے میں ابھی آتا ہوں تو یہ اجازت ہی کی شکل ہے اور اس صورت میں مکان میں داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

تیسری ہدایت یہ دی جاتی ہے کہ اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس ہو جاؤ۔ اور اس پر برا نہ ماننا چاہئے۔ بسا اوقات آدمی کی طبیعت کسی سے ملنے کو نہیں چاہتی یا حرج ہوتا ہے یا کوئی ایسی بات کر رہا ہے جس پر غیر کو مطلع کرنا پسند نہیں تو تم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اس پر بوجھ ڈالو کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے کو ملاقات کرنے پر مجبور کرے۔ اس طرح بار خاطر بننے سے تعلقات صاف نہیں رہتے اور دل میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ آگے تاکید کے لئے فرمایا کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں یعنی جیسا کچھ تم کروگے اور جس نیت سے کروگے حق تعالیٰ اس کے مناسب جزا دے گا۔

پھر چوتھی ہدایت دی جاتی ہے کہ جن مکانوں میں کوئی خاص آدمی نہیں رہتا۔ نہ کوئی روک ٹوک ہے مثلاً مسجد۔ مدرسہ۔ سرائے۔ مسافر خانہ۔ ہوٹل۔ دکانیں وغیرہ اگر وہاں تمہاری کوئی چیز ہے یا تم کو اس کو چندے برتنے کی ضرورت ہے تو بیشک وہاں

جاسکتے ہو اس کے لئے استیذان کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے تمام چھپے اور کھلے حالات کی رعایت سے یہ احکام مشروع کئے ہیں جن سے مقصود فتنہ وفساد کے دروازوں کو بند کرنا ہے۔ مؤمن کو چاہئے کہ اپنے دل میں اسی غرض کو پیش نظر رکھ کران پرعمل کرے۔

اگر چہ یہاں ان آیات میں خطاب مردوں کو ہے مگر عورتوں کا حکم بھی یہی ہے مردانہ میں بھی اور زنانہ میں بھی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجازت لینے کا حکم صرف دوسروں کے گھر جانے کی صورت ہی میں نہیں ہے بلکہ خود اپنی ماں بہنوں کے پاس جانے کی صورت میں بھی ہے۔ ایک صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں اپنی ماں کے پاس جاتے وقت اجازت طلب کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے سوا ان کی خدمت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔ کیا ہر بار جب میں ان کے پاس جاؤں تو اجازت مانگوں۔ آپ نے فرمایا کیا تو پسند کرتا ہے کہ اپنی ماں کو برہنہ دیکھے؟ یعنی اجازت نہ لینے میں یہ احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کسی وقت وہ ایسی حالت میں ہو کہ تم کو دیکھنا پسند نہ ہو اور تم یکا یک پہنچ جاؤ۔ احادیث میں ہے کہ اگر گھر میں صرف بی بی ہے تو بھی پردیس یا سفر سے واپسی پر اچانک گھر میں نہ گھس جائے۔ کچھ پہلے سے اطلاع کردے یا خبر بھجوادے۔ اسی طرح احادیثِ صحیحہ میں دوسرے کے گھر میں جھانکنے کی بھی سخت ممانعت آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص تیرے گھر میں جھانکے اور تو ایک کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو کچھ گناہ نہیں۔

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں تحریر فرمایا ہے۔

"افسوس کہ شریعتِ اسلام نے جس قدر اس معاملہ کا اہتمام فرمایا کہ قرآن حکیم میں اس کے مفصل احکام نازل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے اس کی بڑی تاکید فرمائی۔ اتنا ہی مسلمان اس سے غافل ہوگئے۔ لکھے پڑھے نیک لوگ بھی نہ اس کو کوئی گناہ سمجھتے ہیں۔ نہ اس پرعمل کی فکر کرتے ہیں۔ دنیا کی دوسری مہذب قوموں نے اس کو اختیار کر کے اپنے معاشرہ کو درست کرلیا مگر مسلمان ہی اس میں سب سے پیچھے نظر آتے ہیں۔ اسلامی احکام میں سب سے پہلے سستی اسی حکم میں شروع ہوئی۔ بہرحال استیذان قرآن کریم کا وہ واجب التعمیل حکم ہے کہ اس میں ذراسی سستی اور تبدیلی کو بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انکار آیتِ قرآن کے شدید الفاظ سے تعبیر فرمارہے ہیں۔ اور اب تو لوگوں نے واقعی ان احکام کو ایسا نظر انداز کردیا ہے کہ گویا ان کے نزدیک یہ قرآن کے احکام ہی نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے ہر انسان کو جو اس کے رہنے کی جگہ عطا فرمائی خواہ مالکانہ ہو یا کرایہ وغیرہ پر بہرحال اس کا گھر اس کا مسکن ہے اور مسکن کی اصل غرض سکون وراحت ہے۔ قرآن عزیز نے جہاں اپنی اس نعمت گرانمایہ کا ذکر فرمایا ہے اس میں بھی اس طرف اشارہ فرمایا **واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا** یعنی اللہ نے تمہارے گھروں سے تمہارے لئے سکون وراحت کا سامان دیا۔ اور یہ سکون وراحت جبھی باقی رہ سکتا ہے کہ انسان کسی دوسرے شخص کی مداخلت کے بغیر اپنے گھر میں اپنی ضرورت کے مطابق آزادی سے کام اور آرام کرسکے۔ اس کی آزادی میں خلل ڈالنا گھر کی اصل مصلحت کو فوت کرنا ہے جو بڑی ایذاء اور تکلیف ہے۔ اسلام نے کسی کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا ہے۔ استیذان کے احکام میں ایک بڑی مصلحت لوگوں کی آزادی میں خلل ڈالنے اور انکی ایذا رسانی

سے بچنا ہے جو ہر شریف انسان کا عقلی فریضہ بھی ہے۔ دوسری مصلحت خود اس شخص کی ہے جو کسی کی ملاقات کے لئے اس کے پاس گیا ہے کہ جب وہ اجازت لے کر شائستہ انسان کی طرح ملے گا تو مخاطب بھی اس کی بات قدر و منزلت سے سنے گا۔ اور اگر اس کی کوئی حاجت ہے تو اس کے پورا کرنے کا داعیہ اس کے دل میں پیدا ہوگا۔ بخلاف اس کے کہ وحشیانہ طرز سے کسی شخص پر بغیر اس کی اجازت کے مسلط ہو گیا تو مخاطب اس کو ایک بلائے ناگہانی سمجھ کر دفع الوقتی سے کام لے گا۔ خیر خواہی کا داعیہ اگر ہوا بھی تو مضمحل ہو جائے گا اور اس کو ایذاء مسلم کا گناہ الگ ہوگا۔

تیسری مصلحت فواحش اور بے حیائی کا انسداد ہے کہ بلا اجازت کسی کے مکان میں داخل ہو جانے سے یہ بھی احتمال ہے کہ غیر محرم عورتوں پر نظر پڑے اور شیطان دل میں کوئی مرض پیدا کر دے اور اسی مصلحت سے احکام استیذان کو قرآن کریم میں حد زنا، حد قذف وغیرہ احکام کے متصل لایا گیا ہے۔

چوتھی مصلحت یہ ہے کہ انسان بعض اوقات اپنے گھر کی تنہائی میں کوئی ایسا کام کر رہا ہوتا ہے جس پر دوسروں کو مطلع کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اگر کوئی شخص بغیر اجازت کے گھر میں آ جائے تو وہ جس چیز کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا اس پر مطلع ہو جائے گا کسی کے پوشیدہ راز کو زبردستی معلوم کرنے کی فکر بھی گناہ ہے اور دوسروں کے لئے موجب ایذا ہے۔" (معارف القرآن جلد ششم)

اس سلسلہ میں مزید ہدایات و احکام ابھی اگلی آیات میں جاری ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ان جملہ قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنی زندگی شریعت مطہرہ کے احکام کے مطابق گزارنے کی توفیق نصیب فرماویں اور ہر طرح کے فتنہ و فساد ظاہری و باطنی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔

یا اللہ جملہ ممنوعات شرعیہ سے ہم کو کامل طور پر بچنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور ہماری حکومت کو صحیح معنی میں اسلامی حکومت بنا دیجئے جو اس امر میں کوشاں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب فرما دیں اور ان کی کوششوں کو بارآور فرمائیں۔ اور جو منافقین، بدباطن در پردہ اسلام کے بدخواہ ہیں ان کے فتنہ سے اس سرزمین کو پاک فرما دیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ اُن کیلئے زیادہ صفائی کی بات ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو

بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

قُلْ آپ فرمادیں	لِلْمُؤْمِنِيْنَ مومن مردوں کو	يَغُضُّوْا وہ نیچی رکھیں	مِنْ سے	اَبْصَارِهِمْ اپنی نگاہیں	وَيَحْفَظُوْا اور وہ حفاظت کریں
فُرُوْجَهُمْ اپنی شرمگاہیں	ذٰلِكَ یہ	اَزْكٰى زیادہ ستھرا	لَهُمْ ان کیلئے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	خَبِيْرٌ باخبر ہے
بِمَا اس سے جو	يَصْنَعُوْنَ وہ کرتے ہیں				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں برائیوں اور بے حیائیوں کے انسداد کے سلسلہ میں یہ حکم ہوا تھا کہ بغیر اجازت دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا جائے۔ اسی سلسلہ میں مزید احکامات مردوں کو اس آیت میں دیئے جاتے ہیں۔

اول مسلمان مردوں کو ہدایت کی گئی کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں یعنی جس طرف مطلقاً دیکھنا ناجائز ہے اس کو بالکل نہ دیکھیں اور جس کو فی نفسہ دیکھنا جائز ہے مگر شہوت سے جائز نہیں۔ اس کو شہوت سے نہ دیکھیں۔ بدنظری سے عموماً فواحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ ناجائز نظر دیباچہ زنا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے حکم دیا کہ بدنظری سے مرد اپنے کو بچائیں۔ اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادہ سے اس کی طرف نظر نہ کرے کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگر آدمی نگاہ نیچے رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار اور ارادے سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہوسکتا ہے۔ چونکہ پہلی مرتبہ جو بیساختہ دفعتہً نظر پڑتی ہے از راہ شہوت ونفسانیت نہیں ہوتی اس لئے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے اس کو معاف رکھا گیا ہے۔ دوبارہ قصداً دیکھنا البتہ گناہ ہوگا۔

دوسری ہدایت مردوں کو یہ دی گئی کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یعنی حرامکاری سے بچیں اور ستر کسی کے سامنے نہ کھولیں سوائے ان مواقع کے جہاں شریعت نے اجازت دی ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم چھ باتوں کے ضامن ہوجاؤ اور ان کی ذمہ داری لے لو تو میں تمہارے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ وہ چھ باتیں یہ ہیں۔

۱۔ جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو۔

۲۔ جب کسی سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو۔

۳۔ جب تم کو کوئی امانت سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ادا کرو۔

۴۔ حرامکاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

۵۔ جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ان کی طرف سے آنکھیں بند کرو یعنی ان پر نظر نہ پڑے۔

۶۔ جہاں ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روکو یعنی ناحق کسی کو نہ مارو۔ نہ ستاؤ نہ ہاتھ سے ایذا دو۔ نہ کوئی چیز چھینو وغیرہ وغیرہ۔

اس آیت میں مردوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے کا حکم ہے۔ مگر اس جگہ کوئی تفصیل نہیں کہ کس عورت کو نہ دیکھا جائے اور کس سے شرمگاہ کو محفوظ رکھا جائے اور چونکہ تمام عورتوں کو نہ دیکھنا اور سب سے الگ رہنے کا حکم تو ہو ہی نہیں سکتا اس لئے علمائے محققین نے قرآن کی دوسری آیات اور احادیث کی ہدایات کے موافق اس کی تشریح کی ہے۔ اور اس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ایک مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی یا محرم خواتین کے سوا کسی دوسری عورت کو نگاہ بھر کر دیکھے۔ ایک دفعہ اچانک نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے۔لیکن یہ معاف نہیں کہ آدمی نے جہاں کشش محسوس کی اور وہاں پھر نظر دوڑائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی بدنظری کو آنکھوں کا زنا اور بدکاری سے تعبیر فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنے تمام حواس سے زنا کرتا ہے۔ناجائز طور پر دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے۔اس کی آواز سے لذت لینا کانوں کا زنا ہے۔ہاتھ لگانا اور ناجائز مقصد کے لئے چلنا ہاتھ اور پاؤں کا زنا ہے۔ بدکاری کی یہ ساری تمہیدیں جب پوری ہو چکتی ہیں تب شرمگاہیں یا تو اس کی تکمیل کر دیتی ہیں یا تکمیل کرنے سے رہ جاتی ہیں۔

۲۔ چونکہ غیر محرم پر ناجائز طور پر نظر ڈالنی حرام ہے اس لئے مومن پر لازم ہے کہ ایسے مقامات اور مواقع پر بھی نہ جائے جہاں نظر بد سے حفاظت مشکل ہے۔

۳۔اجنبی عورت کا چہرہ اور ہاتھ بضرورت دیکھنا جائز ہے۔ باقی اعضا پر نظر کرنی حرام ہے اور بغیر ضرورت اجنبی عورت کا چہرہ اور ہاتھ بھی دیکھنا حرام ہے۔ حقیقی ضرورت کی صورتیں مثلاً یہ ہو سکتی ہیں کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو۔اس غرض کے لئے عورت کو دیکھ لینے کی اجازت ہے۔ اور نہ صرف اجازت بلکہ حدیث میں اسکی ترغیب دی گئی ہے۔ بضرورت دیکھنے کی دوسری صورتیں یہ بھی ہیں علاج کے لئے طبیب یا ڈاکٹر کا مریضہ کو دیکھنا۔ عدالت میں گواہی کے موقع پر قاضی کا کسی گواہ عورت کو دیکھنا۔ یا تفتیش جرائم کے سلسلہ میں کسی مشتبہ عورت کو دیکھنا۔

۴۔ علمائے سلف نے باجماع لکھا ہے کہ امرد لڑکوں کا حکم بھی عورتوں کی طرح ہے کسی لڑکے کو نظر جما کر بدنیتی سے دیکھنا حرام ہے۔

۵۔ اگر اجنبی عورت نہ ہو بلکہ محرم ہو یعنی ایسی عورت جس سے شرعاً نکاح جائز نہیں تو ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف وہی اعضا دیکھنے درست ہیں جو کام کاج میں کھل جاتے ہیں مثلاً ہاتھ بازو گردن۔ سر پاؤں وغیرہ۔

۶۔ باہم مردوں کو بھی ایک دوسرے کے ستر پر بغیر ضرورت خاص نظر ڈالنا حرام ہے۔ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ مرد کے لئے ستر ہے۔مگر افسوس ہے کہ جدید فرنگی تہذیب کے ماتحت اب تو اکثر مسلمان اس کو کوئی گناہ اور جرم ہی نہیں سمجھتے۔اور عام دین سے بے بہرہ مسلمانوں کا تو یہ کہنا۔ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ بعض نمازی جو بوڑھے بھی ہو گئے ہیں وہ بھی اکثر مسجد کے سامنے گراؤنڈ میں ہاکی یا فٹ بال کے میچ بڑے شوق سے کھڑے دیکھا کرتے ہیں۔ جبکہ کھلاڑیوں کے ستر پر جانگیہ پہننے کی وجہ سے نظر بھی پڑتی ہے۔جس پر بغیر شرعی ضرورت کے نظر ڈالنا حرام ہے۔ مرد کے لئے ستر کو یعنی ناف سے گھٹنوں تک ہر وقت مستور رکھنا واجب ہے۔ اس کے علاوہ مرد کے لئے تمام بدن کا کھلا رکھنا جائز ہے۔

یہاں آیت میں مردوں کو غض بصر اور حفاظت فروج یعنی نگاہوں کو نیچی رکھنا اور شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا۔اس کے بعد تاکیداً ارشاد ہوتا ہے کہ ان امور میں تمہارے لئے زیادہ صفائی اور پاکیزگی کی بات ہے اور اس کے خلاف میں آلودگی ہے اور انسان کی نیت کا حال۔ آنکھ کی چوری اور دل کا بھید سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے لہٰذا اس کا خیال کر کے بدنگاہی اور ہر قسم کی بدکاری سے بچو ورنہ وہ اپنے علم کے موافق تم کو سزا دے گا۔

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے مسلمان مردوں کے لئے احکام بیان ہوئے آگے عورتوں کے لئے احکام ہیں جو مردوں کی بہ نسبت زیادہ تفصیل سے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! سینما، تھیٹر، بائیسکوپ، وی سی آر وغیرہ جو فحاشی اور فسق و فجور کے اڈے ہیں اور جہاں پر بدنظری اور بدنگاہی سے بچنا مشکل ہے ان خرافات سے ہمارے اسلامی ملک کو پاک فرما دیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

2

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا

اور مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے

مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ

کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر

اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ

یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر

اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ

یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا اُن مردوں پر جو طفیلی ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا

یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی باتوں سے ابھی ناواقف ہوں اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔

يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

وَقُلْ اور فرما دیں	لِلْمُؤْمِنٰتِ مومن عورتوں کو	يَغْضُضْنَ وہ نیچی رکھیں	مِنْ سے	اَبْصَارِهِنَّ اپنی نگاہیں	وَيَحْفَظْنَ اور وہ حفاظت کریں	
فُرُوْجَهُنَّ اپنی شرمگاہیں	وَلَا يُبْدِيْنَ اور وہ ظاہر نہ کریں	زِيْنَتَهُنَّ اپنی زینت	اِلَّا مگر	مَا جو	ظَهَرَ مِنْهَا اس میں سے ظاہر ہوا	
وَلْيَضْرِبْنَ اور ڈالے رہیں	بِخُمُرِهِنَّ اپنی اوڑھنیاں	عَلٰى پر	جُيُوْبِهِنَّ اپنے سینے (گریبان)	وَلَا يُبْدِيْنَ اور وہ ظاہر نہ کریں		
زِيْنَتَهُنَّ اپنی زینت	اِلَّا سوائے	لِبُعُوْلَتِهِنَّ اپنے خاوندوں پر	اَوْ یا	اٰبَآئِهِنَّ اپنے باپ	اَوْ یا	اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اپنے شوہروں کے باپ (خسر)
اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ یا اپنے بیٹے	اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ یا اپنے شوہروں کے بیٹے	اَوْ اِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھائی	اَوْ یا	بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اپنے بھائی کے بیٹے (بھتیجے)		
اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ یا اپنی بہنوں کے بیٹے بھانجے	اَوْ نِسَآئِهِنَّ یا اپنی (مسلمان) عورتیں	اَوْ مَا مَلَكَتْ یا جن کے مالک ہوئے اَيْمَانُهُنَّ انکے دائیں ہاتھ (کنیزیں)				
اَوِ التّٰبِعِيْنَ یا خدمتگار مرد	غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ نہ غرض رکھنے والے	مِنَ سے	الرِّجَالِ مرد	اَوِ الطِّفْلِ یا لڑکے	الَّذِيْنَ وہ جو کہ	
لَمْ يَظْهَرُوْا وہ واقف نہیں ہوئے	عَلٰى پر	عَوْرٰتِ النِّسَآءِ عورتوں کے پردے	وَلَا يَضْرِبْنَ اور وہ نہ ماریں	بِاَرْجُلِهِنَّ اپنے پاؤں		
لِيُعْلَمَ کہ جان "پہچان" لیا جائے	مَا يُخْفِيْنَ جو چھپائے ہوئے ہیں	مِنْ سے	زِيْنَتِهِنَّ اپنی زینت	وَتُوْبُوْٓا اور تم توبہ کرو		
اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف "آ گے"	جَمِيْعًا سب	اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ اے ایمان والو	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تُفْلِحُوْنَ فلاح دوجہان کی کامیابی پاؤ		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مسلمان مردوں کو بے حیائی اور اخلاقی آلودگی سے بچنے کے لئے حکم ہوا تھا کہ جب نامحرم عورتوں کا

سامنا ہو تو اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ آگے اس آیت میں اسی طرح کا حکم مسلمان عورتوں کو ہوتا ہے کہ انہیں بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھنی چاہئیں اور اپنے چھپے ہوئے اعضا کی حفاظت کرنی چاہئے مزید عورتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان کو اپنی پیدائشی زیبائش یا لباس اور زیور کی آرائش کا اظہار کسی کے سامنے جائز نہیں بجز ان محارم اور رشتہ داروں کے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اور اس کا چھپانا دشوار ہے اور وہ مجبوری یا ضرورت کی وجہ سے عموماً کھلا ہی رکھنا پڑتا ہے تو اس کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں۔ (بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو) حدیث وآثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ ہتھیلیاں اور قدم یہ اعضا چھپانے سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ بہت سی ضروریات دینی و دنیوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ان کے چھپانے اور ڈھانکنے کا مطلقاً حکم دیا جائے تو عورتوں کے لئے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔ تو جب یہ اعضاء مستثنیٰ ہوئے تو ان کے متعلقات۔ مثلاً انگوٹھی۔ چھلا۔ مہندی۔ یا کاجل۔ سرمہ وغیرہ کو بھی استثناء میں داخل ماننا پڑے گا۔ اس کے کھلا رکھنے کی اجازت عورتوں کو بضرورت دی گئی ہے۔ نامحرم مردوں کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ ان اعضاء کو دیکھا کریں۔ مردوں اور عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم پہلے ہی سنا دیا گیا۔ اور پھر کسی عضو کے کھولنے کی اجازت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو دیکھنا بھی جائز ہو اور یہ واضح رہے کہ یہاں اس آیت میں محض ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے خواہ عورت اپنے گھر کے اندر ہو یا باہر۔ باقی حجاب یعنی پردہ کا مسئلہ کہ شریعت نے عورت کو کن حالات میں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی اور کس طرح اس کی تفصیل انشاء اللہ سورۂ احزاب بائیسویں پارہ میں آئے گی۔ (فوائد حضرت علامہ عثمانیؒ)

آگے عورتوں کو سر اور سینہ ڈھکنے کے اہتمام کی ہدایت کی جاتی ہے اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بتلائی جاتی ہے۔

ایامِ جاہلیت میں عورتیں اپنے دوپٹہ یا اوڑھنی سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر لٹکا لیتی تھیں اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی یہ گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔ قرآن کریم نے حکم دیا کہ اوڑھنی یا دوپٹہ کو سر پر سے لاکر گریبان پر ڈالنا چاہئے تاکہ اس طرح کان، گردن اور سینہ پوری طرح ڈھکے رہیں۔ اس کے بعد عام اعضاء کے لئے ہدایت ہے کہ ان کی بناوٹ اور زیبائش کسی پر ظاہر نہ کریں اور کسی کے سامنے نہ کھولیں بجز اپنے شوہر یا باپ یا سسر یا بیٹا یا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا بھتیجہ یا بھانجہ کے یا دوسری نیک چلن مسلمان عورتوں کے جو اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والی ہیں یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو محض کھانے پینے کے واسطے طفیلی کے طور پر رہتے ہیں اور ان کو بوجہ حواس درست نہ ہونے کے عورتوں کی طرف ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے بچوں پر جو ابھی عورتوں کے پردہ کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے۔ ان سب کے سامنے زینت کے مواقع کا ظاہر کرنا جائز ہے۔ آگے مزید ایک حکم ہے کہ پردے کا یہاں تک اہتمام رکھیں کہ چلنے میں اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ زیور کی جھنکار سنائی دے اور ڈھکی ہوئی زیب و زینت آواز سے ظاہر ہو جائے یعنی چال ڈھال ایسی نہ ہونی چاہئے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے غیروں کو ادھر میلان اور توجہ ہو۔ اور پہلے جو کچھ حرکات ہو چکیں ان سے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے ہر مرد و عورت کو خدا سے ڈر کر اپنی تمام حرکات وسکنات اور چال چلن میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کرنا چاہئے۔ اس میں دارین کی بھلائی اور کامیابی ہے۔

اب غور کیجئے کہ حیا اور عفت کا کس درجہ اہتمام شریعت مطہرہ میں ہے اور فتنہ کے کیسے کیسے دروازوں اور چھپے ہوئے سوراخوں کو ہماری شریعت نے بند کیا ہے۔ ایک طرف تو یہ احتیاطیں اور پابندیاں ہیں اور ان کے مقابل اب موجودہ حالت پر نظر ڈالئے

کہ جہاں مردوعورت کے مشترک ناچ وگانے تک کی آزادیاں ہیں۔ جس کے نتائج بھی پھر بالکل ظاہر ہیں۔ اور پھر ہم شور مچائیں اور ہائے واویلا کریں کہ معاشرہ تباہ ہورہا ہے۔ جرائم بڑھ رہے ہیں۔ عفت وعصمت بچانی مشکل ہورہی ہے اغوااور زنا کی وارداتیں عام ہوتی جاتی ہیں۔ حرامی بچوں کی پیدائش اور ان کو سڑکوں اور کوڑیوں پر پھینکے جانے کے واقعات بھی ہوتے جارہے ہیں۔ اگر مسلمانوں کی یہودونصاریٰ کے اتباع کی یہی حالت رہی اور دین وقرآن سے یہی انحراف رہا تو پھراور جو کچھ بدحالی اورفسق وفجور کی زیادتی، جرائم کی کثرت اور برائیوں کی پیداوار دن دگنی رات چوگنی اور دین ودنیا کی تباہی ہونی ہے اس کا انتظار کریں اور اگر ملک کواور قوم کواس سے بچنے اور سنبھالنے کی ضرورت ہے تو اتباع قرآن اور اتباع دین کے سوا چارہ اور علاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کودین کی سمجھ عطا فرمائے۔

اس آیت کے آخری جملہ میں یعنی وتوبوآ الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون٥ اوراے مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کروتا کہ تم فلاح پاؤ۔ اگرچہ حق تعالیٰ کا خطاب تمام روئے زمین کے مسلمانوں سے ہے مگر میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآنی جملہ کواہل پاکستان کومخاطب کرکے خاص طور پرسنایا جبکہ پاکستانی ایک بدترین ذلت میں گرفتار تھے یعنی مشرقی پاکستان کو جبکہ کفار ہند نے فوجی حملہ کرکے ۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء کو فتح کرلیا تھا اور قریب ایک لاکھ پاکستانی فوج گرفتار ہوکر کفار کے قید میں تھی اوران کا آدھے سے زیادہ ملک کفار کے چنگل میں چلا گیا تھا۔ اس وقت ایک بزرگ کوخواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر پاکستانیوں کواسی قرآنی جملہ سے مخاطب فرماکرایک خاص تنبیہ و ہدایت فرمائی تھی جس کو کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ (مہتمم جامعہ عربیہ اسلامیہ۔ نیوٹاؤن کراچی) نے اپنے ماہنامہ رسالہ بینات۔ کراچی بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۷۲ء میں ''بصائروعبر'' کے تحت شائع فرمایا تھا۔ جس کو میں یہاں نقل کرتا ہوں۔

یہ خواب کسی بزرگ نے لاہور سے لکھ کر حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو بھیجا تھا اور ۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جبکہ ڈھاکہ میں ہندوستانی فوجیں فاتح بن کر داخل ہوئی تھیں اور ایک لاکھ پاکستانیوں کوذلت کے ساتھ قیدی بنالیا تھا۔ اس کے چند یوم بعد یعنی ۹۔۱۰ جنوری ۱۹۷۲ء کی درمیانی شب میں یہ خواب دیکھا گیا تھا۔ حضرت علامہ بنوری رحمتہ اللہ علیہ ''بینات'' مذکورہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''کچھ دن ہوئے لاہور سے ایک صاحب کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ ہم اس مکتوب اوراس کے ساتھ منسلک خواب کو بصائروعبر کی مناسبت سے یہاں پیش کرتے ہیں۔

''..........السلام علیکم ورحمتہ اللہ

۹۔۱۰ جنوری کی درمیانی شب کو میں نے ایک خواب دیکھا جس کی کاپی جناب کوروانہ کررہا ہوں۔ اس خواب میں میں نے کچھ علماء کو جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں بیٹھے دیکھا ہے۔ جس میں ایک آپ بھی ہیں پہلی صف میں مولانا مفتی محمد حسنؒ۔ مولانا محمد یوسف دہلویؒ۔ مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ۔ مولانا عنایت اللہ شاہ بخاریؒ اور جناب (مولانا محمد یوسف بنوریؒ) تشریف فرما ہیں......اب اس خواب کے بعد جو یہاں نقل کیا جارہا ہے طبیعت خاصی پریشان ہے۔ سوچتا ہوں کہ اس پیغام کا حق کیسے ادا ہو۔ امید ہے آپ کوئی تسلی بخش جواب دیں گے۔ والسلام''

خواب اور پیغام

''جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان میں مشرق کی

جانب رخ کئے ایک منبر پر تشریف فرما ہیں۔ میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہوں اور ایک دبلے پتلے گورے چٹے بزرگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب کھڑے ہیں، علماء کا ایک گروہ بھی حاضر خدمت ہے، ایک عالم دین کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پاکستان کے حالات بیان کررہے ہیں، واقعات سناتے ہوئے جب وہ یہ کہتے ہیں! ''پھر یارسول اللہ! ہندوستان کی فوجیں فاتحانہ انداز سے ہمارے ملک میں داخل ہوگئیں۔'' تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی پیشانی تھام لیتے ہیں اور آپ کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہنے لگتے ہیں۔ یہ دیکھ کر تمام محفل پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور بعض حضرات تو چیخیں مار مار کر رونے لگتے ہیں۔

کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم علماء کی جماعت کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرماتے ہیں۔ ''اس حادثۂ عظیم پر ملائکہ بھی غمزدہ ہیں، مگر ان کو تمہارے اعمال کی بدولت تمہاری مدد کے لئے نہیں بھیجا گیا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انوار سرخ ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''تمہیں معلوم ہے تمہاری اس مملکت میں میری نبوت کا مذاق اڑایا گیا، میرے صحابہ کو گالیاں دی گئیں اور میری سنت کی تضحیک واہانت کی گئی۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''اے جماعتِ علماء! امت کو میرا پیغام پہنچا دو کہ جب تک حکام عیاشی، ظلم اور تکبر نہیں چھوڑیں گے۔ اغنیاء جب تک بخل، حق تلفی اور بے حیائی ترک نہیں کریں گے۔ علماء جب تک کتمانِ حق۔ حرصِ دنیا اور ریاکاری وخودنمائی سے باز نہیں آئیں گے۔ عورتیں جب تک بدکاری، ناچ رنگ، فحش گانے، شوہروں کی نافرمانی اور عریانی وبے پردگی نہیں چھوڑیں گی اور پوری قوم جب تک جھوٹی گواہی، غیبت، زنا، لواطت، شراب نوشی، سودخوری اور اعمال شرک سے توبہ نہیں کرے گی خوب یاد رکھو اس وقت تک عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم مجھے ان باتوں کے ترک کردینے کی ضمانت دو، میں تمہیں دنیا وآخرت کی بھلائی کی ضمانت اور دشمن پر غلبہ کی بشارت دیتا ہوں۔ لیکن اگر تم اب بھی ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہو تو خوب یاد رکھو عنقریب ایک سخت ترین عذاب بصورت نفاق آنے والا ہے، جس سے تم کو اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔'' (العیاذ باللہ۔ العیاذ باللہ)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

واتقوا فتنة لاتصيبن الذين ظلموا منكم خآصة واعلموآ ان الله شديد العقاب (پ۹۔ سورۂ انفال)

اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہیں لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں (بیان القرآن)

اس آیت کے سنتے ہی ہم سب پر گریہ طاری ہوگیا، ہم رو رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ آیت دہرا رہے تھے۔

وتوبوآ الى الله جميعا ايها المؤمنون لعلكم تفلحون (پ۱۸۔ سورۂ النور آیت ۳۱)

اور اے مسلمانو! تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہوگئی تو) تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ'' (بیان القرآن)

حضرت مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں کہ ''اس پر مزید تبصرے کی ضرورت نہیں۔'' ''عذاب بصورت نفاق'' کی تعبیر صوبائی عصبیت اور گروہی مفادات کا وہ طوفان ہے جو ملک کے در ودیوار سے ٹکرا رہا ہے، جس میں علماء وصلحاء اور عوام وحکام سب بہے جا رہے

ہیں، اور جسے برپا کرنے میں اوپر سے نیچے تمام نفاق پیشہ عناصر اپنی پوری قوتیں صرف کر رہے ہیں، پورا ملک ''آتش نفاق'' کے مہیب شعلوں کی لپیٹ میں ہے جس پر توبہ و استغفار، تضرع و ابتہال اور دعوت الی اللہ کے ذریعہ آج تو قابو پایا جاسکتا ہے۔ مگر کچھ دن بعد یہ تدبیر بھی کارگر نہیں ہوگی۔ اور پھر خدا ہی جانتا ہے کہ کیا حالات ہوں گے، کون رہے گا، اور کس کی حکومت ہوگی اور کون محکوموں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں، ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں، اور پوری امت کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں۔''

یہ خواب کا تذکرہ تو یہاں ضمناً درمیان میں آ گیا جس سے اللہ تعالیٰ ہم کو تنبیہ و ہدایت نصیب فرمائیں۔

اصل مضمون کے متعلق یہاں آیت میں عورت کے لئے آٹھ قسم کے مردوں کا اور چار دوسری اقسام کا پردہ سے استثناء کیا گیا ہے۔ مردوں میں سب سے پہلے شوہر ہے جس سے بیوی کے کسی عضو کا پردہ نہیں۔ دوسرے اپنے باپ ہیں جس میں دادا پردادا، نانا پرنانا سب شامل ہیں، تیسرے خسر یعنی شوہر کا باپ ہے، اس میں خسر کے باپ دادا، نانا سب شامل ہیں۔ چوتھے اپنے لڑکے جو اپنی اولاد میں ہیں۔ اس میں پوتے نواسے شامل ہیں۔ پانچویں شوہر کے لڑکے جو کسی دوسری بیوی سے ہوں یعنی سوتیلے بیٹے، پوتے، چھٹے اپنے بھائی۔ اس میں حقیقی بھائی بھی شامل ہیں اور باپ شریک اور ماں شریک بھائی بھی، لیکن ماموں، خالہ یا چچا، تایا اور پھوپھی کے لڑکے جن کو عام عرف میں بھائی کہا جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں وہ غیر محرم ہیں۔ ساتویں بھائیوں کے لڑکے۔ یہاں بھی صرف حقیقی یا ماں شریک یا باپ شریک بھائی کے لڑکے مراد ہیں۔ دوسرے عرفی بھائیوں یعنی ماموں، خالہ، چچا، تایا اور پھوپی زاد بھائیوں کے لڑکے شامل نہیں

ہیں۔ آٹھویں بہنوں کے لڑکے، اس میں بھی حقیقی اور ماں شریک یا باپ شریک بہنوں کے لڑکے مراد ہیں۔ ماموں زاد چچا زاد وغیرہ بہنوں کے لڑکے داخل نہیں۔ یہ آٹھ قسم تو مردوں کی ہیں جو احکام حجاب اور پردہ سے مستثنیٰ ہیں مگر یہ واضح رہے کہ ستر عورت سے استثناء نہیں۔ عورت کا جو بدن ستر میں داخل ہے جس کا کھولنا نماز میں بھی جائز نہیں اس کا دیکھنا محارم یعنی باپ، بیٹے، بھائی، وغیرہ کو بھی جائز نہیں۔

چار دوسری قسم جن سے عورتوں کو پردہ کا حکم نہیں ان میں ایک نسآئِهِن کو فرمایا گیا یعنی اپنی عورتیں جس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں کہ ان کے سامنے بھی وہ تمام اعضاء کھولنا جائز ہے جو اپنے باپ بیٹوں کے سامنے کھولے جاسکتے ہیں اس لئے جو اعضاء ایک عورت اپنے باپ بیٹوں کے سامنے نہیں کھول سکتی ان کا کھولنا کسی مسلمان عورت کے سامنے بھی جائز نہیں۔ علاج معالجہ کی ضرورتیں مستثنیٰ ہیں۔ مسلمان عورتوں کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ کافر مشرک عورتوں سے بھی پردہ ہے۔ مگر حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں یہاں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ کیونکہ احادیث میں ایسی روایات موجود ہیں جن میں کافر عورتوں کا ازواج مطہراتؓ کے پاس جانا ثابت ہے اس لئے اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ نے کافر عورتوں کو مثل غیر محرم مردوں کے قرار دیا ہے بعض نے اس معاملہ میں مسلمان اور کافر دونوں قسم کی عورتوں کا ایک ہی حکم رکھا ہے کہ ان سے پردہ نہیں۔ امام رازیؒ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ لفظ نساء ھن میں تو سبھی عورتیں مسلم اور کافر داخل ہیں اور سلف صالحین سے جو کافر عورتوں سے پردہ کرنے کی روایات منقول ہیں وہ استحباب پر مبنی ہیں۔ تفسیر روح المعانی میں مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسیؒ نے اسی قول کو اختیار فرما کر کہا ہے کہ

یہی قول آج کل لوگوں کے مناسب حال ہے کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں کا کافر عورتوں سے پردہ تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

دوسری قسم جن سے عورتوں کو پردہ کا حکم نہیں وہ او ما ملکت ایمانھن ہے یعنی وہ جو ان عورتوں کے مملوک ہوں اس میں بظاہر شرعی غلام اور لونڈیاں دونوں داخل معلوم ہوتی ہیں لیکن اکثر ائمہ فقہاء کے نزدیک اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے مراد صرف لونڈیاں ہیں۔غلام مرد اس میں داخل نہیں۔

تیسری قسم جن سے عورتوں کو پردہ کا حکم نہیں وہ او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال ہے اس سے مراد وہ بدحواس قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت اور دلچسپی نہ ہو اور جو محض کھانے پینے کے واسطے طفیلی کے طور پر رہتے ہوں۔اس کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس وقت اس قسم کے کچھ بدحواس مرد ایسے ہی تھے جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں آتے جاتے تھے۔

چوتھی قسم جس سے عورتوں کو پردہ کا حکم نہیں وہ او الطفل الذین لم یظھروا علی عورت النساء ہے یعنی ایسے نابالغ بچے جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات و صفات و حرکات و سکنات سے بالکل بے خبر ہوں اور جو لڑکا ان امور سے دلچسپی لیتا ہو اور قریب البلوغ ہو اس سے پردہ واجب ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ عورت کو سوائے چند مخصوص مواقع کے زینت کا اظہار ممنوع ہے اور موجب فتنہ ہے۔اسی طرح زینت یعنی زیور وغیرہ کی آواز کے اظہار کی بھی ممانعت فرمائی جو موجب فتنہ ہے اور ظاہر ہے کہ خود عورت کی آواز زیور کی آواز سے زیادہ موجب فتنہ ہے۔لہٰذا عورت کی آواز زینت کی آواز سے زیادہ حرام ہوگی جیسا کہ سورۂ احزاب میں اس بارہ میں نص صریح ہے۔امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے اور عورت کی اذان و اقامت بالاجماع ناجائز ہے۔معلوم ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے جس کا پردہ واجب ہے۔جب عورت کی اذان و اقامت ناجائز ہے تو جلسۂ عام میں عورت کا کھلے منہ آنا اور تقریر کرنا اور مردوں کی پارٹیوں میں کھلے منہ زیب و زینت سے شرکت کرنا اور اپنی تصویر اتروانا اور پھر اس کا اخباروں میں چھپوانا بلاشبہ حرام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو پکا اور سچا اسلام نصیب فرمائیں۔اور قرآن و سنت کے اتباع کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں اپنی کوتاہیوں اور تقصیرات پر سچی توبہ اور رجوع الی اللہ کی ہدایت نصیب فرمائیں کہ اسی میں ہماری دین و دنیا کی کامیابی و کامرانی ہے۔

ابھی مزید ہدایات کا سلسلہ اگلی آیات میں جاری ہے۔جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یااللہ! جس قوم سے اور امت کے جن افراد سے رحمۃ اللعالمین، نبی کریم، سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ناخوش ہوں تو ان کو دین و دنیا کی صلاح و فلاح کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تنبیہات پر کان نہ دھرنے والے آپ کی ناراضگی اور عذاب سے کیسے بچ سکتے ہیں۔یااللہ! ہماری بدحالی اب انتہائی قابل رحم و کرم ہے۔نبی الرحمۃ کے طفیل میں اب امت مسلمہ پر رحم فرما کر ان کی اصلاح کی صورتیں غیب سے فرمادے۔ہمارے علماء و صلحاء حکام اور عوام۔مردوں اور عورتوں سب ہی کو اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت و عظمت عطا فرمادے اور آپ کے اتباع کی توفیق نصیب فرمادے۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ

اور تم میں جو بے نکاح ہوں تم اُن کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو اس کا بھی۔ اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ اُن کو

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى

اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو جن کو نکاح کا مقدور نہیں اُن کو چاہیے کہ (اپنے نفس کو) ضبط کریں

يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے (پھر نکاح کرلیں)

وَاَنْكِحُوا اور تم نکاح کرو	الْاَيَامٰى بیوہ عورتیں	مِنْكُمْ اپنے میں سے اپنی	وَالصّٰلِحِيْنَ اور نیک	مِنْ سے	عِبَادِكُمْ اپنے غلام
وَاِمَآئِكُمْ اور اپنی کنیزیں	اِنْ يَّكُوْنُوْا اگر وہ ہوں	فُقَرَآءَ تنگدست	يُغْنِهِمُ انہیں غنی کردیگا	اللّٰهُ اللہ	مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے
وَاللّٰهُ اور اللہ	وَاسِعٌ وسعت والا	عَلِيْمٌ علم والا	وَلْيَسْتَعْفِفِ اور چاہیے کہ بچے رہیں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	لَا يَجِدُوْنَ نہیں پاتے
نِكَاحًا نکاح	حَتّٰى یہانتک کہ	يُغْنِيَهُمُ انہیں غنی کردے	اللّٰهُ اللہ	مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے	

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو متعدد احکام حیا۔ عفت اور عصمت کی حفاظت کے لئے دیئے گئے تھے۔ اسی سلسلہ میں مزید احکام اس آیت میں دیئے جاتے ہیں۔ چونکہ بے نکاح اور مجرد رہنے میں عفت و عصمت کو بڑا خطرہ ہے اس لئے یہاں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا ہو کر بیوہ یا رنڈوے ہو گئے تو موقع مناسب ملنے پر ان کا نکاح کر دیا جائے۔

حدیث میں بھی نکاح کی بڑی فضیلت اور ترغیب آئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ''کہ اے علی تین کاموں میں دیر نہ کرو۔ نماز فرض کا جب وقت آ جائے۔ جنازہ جب موجود ہو۔ اور رانڈ عورت جب اس کا کفول جائے۔'' ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔ ''کہ جو میری فطرت چاہے وہ میری سنت اختیار کرے اور میری سنت نکاح ہے۔'' ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔ ''کہ جس کے پاس نکاح کے لئے مال ہو اور وہ نکاح نہ کرے تو ہم میں سے نہیں ہے۔'' ایک اور صحیح حدیث میں ارشاد ہے۔ ''لوگو ایسی عورتوں سے نکاح کرو جن میں کثیر النسل ہونے کی قابلیت ہو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تمہاری کثرت سے گذشتہ امتوں پر فخر کروں گا''

اب ذرا غور کیجئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ نسل بڑھاؤ تاکہ امت مسلمہ کی کثرت سے گذشتہ امتوں پر فخر کا موقع حاصل ہو اور امتی یہود و نصاریٰ کے مشورہ اور حکم پر یہ کہیں کہ ملک اور قوم میں منصوبہ بندی کا پرچار کرو تاکہ بچے کم پیدا ہوں اور جب بچے کم پیدا ہوں گے تو کھانے والے کم ہوں گے اور اناج کی اس طرح فراوانی ہوگی اور ملک کو ترقی حاصل ہوگی۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اے گروہ جوانان! تم میں سے جس میں نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح سے حرام نظر کی بندش اور شرمگاہ کی حفاظت بخوبی ہو جاتی ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔ جب تم سے وہ شخص جس کے دین اور خلق کو تم پسند کرتے ہو نکاح کی درخواست کرے تو نکاح کر دو ورنہ زمین پر بڑا فتنہ وفساد ہوگا۔ بہر حال قرآن و حدیث دونوں میں نکاح کی ترغیب دی گئی ہے۔ ہمارے امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ۔ امام مالکؒ اور اکثر علماء کے نزدیک نکاح سنتِ مؤکدہ اور قریب بوجوب ہے لیکن قدرت اور طاقت شرط ہے اور اگر مغلوب الشہوت ہو کر زنا وغیرہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو واجب ہے۔

تو یہاں آیت میں جو بھی بے نکاح ہوں خواہ مرد خواہ عورت اور خواہ ابھی نکاح نہ ہوا ہو یا بیوی کی وفات یا طلاق سے اب تجرد ہو گیا ہو۔ اور حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق ہوں تو ہدایت ہے کہ تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔

گذشتہ زمانہ میں غلام اور لونڈیوں کا دستور تھا اس لئے آگے ان کے لئے بھی ہدایت ہے کہ تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو نکاح کے لائق ہوں یعنی حقوق زوجیت کو ادا کر سکے اس کا بھی نکاح کر دیا کرو۔ بعض لوگ نکاح میں اس لئے پس و پیش کیا کرتے ہیں کہ ان کا نکاح ہو جانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اٹھے گا؟ جیسے منصوبہ بندی والے کہتے ہیں کہ بچے زیادہ ہو گئے اور آبادی بڑھ گئی تو کھانے کو کہاں سے آئے گا؟ انہیں بتلایا جاتا ہے کہ ایسے موہوم خطرات سے نکاح سے مت رکو۔ روزی تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مگر اس کو تو وہ سچ جانے گا اور اس پر یقین کرے گا جس کا سچا ایمان خدا کی ذات اور اس کی کتاب پر ہو۔ کیا معلوم کہ خدا چاہے تو ان بیوی بچوں ہی کی قسمت سے تمہارے رزق میں کشائش کر دے۔ تو نہ مجرد رہنا غنا کا موجب ہے اور نہ نکاح کرنا فقر وافلاس لاتا ہے۔ یہ باتیں حق تعالیٰ کی مشیت پر ہیں۔ الغرض روزی کی تنگی یا وسعت نکاح یا تجرد پر موقوف نہیں پھر یہ خیال نکاح سے کیوں مانع ہو۔ اس لئے صاف ارشاد ہوا کہ اگر بے نکاح مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ اگر چاہے گا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے جس کو چاہے غنی کر دے اور سب کا حال خوب جاننے والا ہے۔ یعنی جس کو غنا کا اہل جانے غنی کر دے اور جس کو فقر کا اہل جانے فقیر کر دے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن کو فی الحال اتنا بھی مقدور نہیں کہ کسی عورت کو نکاح میں لا سکیں تو جب تک خدا تعالیٰ مقدور دے، چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں اور عفیف رہنے کی کوشش کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ اسی ضبطِ نفس اور عفیف رہنے کی برکت سے حق تعالیٰ ان کو غنی کر دے اور نکاح کے مواقع مہیا فرما دے۔ گویا ایسے مرد اور عورتوں کو کہ جن کے نکاح کی صورت بن ہی نہ پڑے ہدایت فرمائی گئی کہ اپنی پاک دامنی کو ضائع نہ کریں۔ کوشش کے ساتھ عفت کو برقرار رکھیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے موانع کو دور کر کے کام پورا نہ کر دے یعنی اگر بالفعل نکاح کی کوئی صورت نمودار نہیں ہوتی تو یہ نہ یقین کر لینا کہ کبھی نکاح ہو ہی نہ سکے گا۔ اس لئے حرام کی نیت نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو موانع دور کر دیں گے اور اپنے فضل سے کام پورا کر دیں گے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس کا بھی نکاح ہو جائے گا اللہ اس کو غنی اور مالدار بنا دے گا بلکہ مدعا یہ ہے کہ جب دوسرے حالات موافق میسر ہوں تو محض فقر وافلاس کو مانع نکاح قرار نہ دو۔ اس میں لڑکی والوں کے لئے بھی ہدایت ہے کہ نیک اور شریف آدمی اگر ان کے ہاں پیغام دے تو محض اس کی غربت دیکھ کر انکار نہ کر دیں۔ لڑکے والوں کو بھی تلقین ہے کہ کسی بالغ نوجوان کو محض اس لئے نہ بٹھا رکھیں کہ ابھی زیادہ کمائی نہیں کر رہا ہے۔ اور نوجوانوں کو بھی نصیحت ہے کہ زیادہ غنا اور مالداری

کے انتظار میں اپنی شادی کو خواہ مخواہ نہ ٹالتے رہیں۔ تھوڑی آمدنی بھی ہو تو اللہ کے بھروسے پر نکاح شادی کر لینا چاہئے۔ مستقبل میں کس کے لئے کیا لکھا ہے اسے کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ برے حالات اچھے حالات میں تبدیل ہو سکتے ہیں اور اچھے حالات بھی برے حالات میں بدل سکتے ہیں۔ یہ سب مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ جسے چاہے غنی کر سکتا ہے۔ خوشحالی سے نواز سکتا ہے۔ اس کے ہاں کوئی تنگی اور کمی تو ہے نہیں۔ مگر اب اس وقت ہماری کم فہمی نے مسائل معاش کو ربوبیت الٰہی کے عام قانون سے عملاً خارج سمجھ رکھا ہے۔ اسی لئے ضبط تولید اور منصوبہ بندی اور اولاد نہ پیدا ہونے اور آبادی نہ بڑھانے کی مہمل سکیمیں بروئے کار لائی جارہی ہیں اور ملک سے فقر وافلاس کو دور کرنے اور غنا حاصل ہونے کا ذریعہ سمجھی جارہی ہیں۔ قران پاک نے بار بار اس کم فہمی کو دور کیا ہے اور اس گمراہ خیال پر ضرب لگائی ہے اور بار بار اعلان کیا ہے کہ جسمانیات و روحانیات کے سارے دوسرے مسائل کی طرح معاشیات بھی اسی خالق اکبر رب العالمین کی مشیت کے تابع ہے اور رزق اور روزی کی تقسیم اسی رزاق کے دست قدرت میں ہے۔

تو خلاصہ اور حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں اور مردوں کے بن بیاہے بیٹھے رہنے کا طریقہ ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ غیر شادی شدہ لوگوں کے نکاح کئے جائیں، حتیٰ کہ غلاموں اور باندیوں کو جن کا وجود اب دنیا میں قریب قریب مفقود ہے۔ ان کو بھی بن بیاہا نہ رکھا جائے۔ اور فقر وغنا کو، افلاس اور خوشحالی کو نکاح اور عدم نکاح سے کوئی تعلق نہیں۔ حیا اور عفت اور عصمت کی حفاظت کے لئے جہاں اور احکام وہدایات گذشتہ آیات میں دیئے گئے ہیں وہیں نکاح کی بھی ترغیب، تعلیم اور تلقین فرمائی گئی ہے۔ معاشرہ میں حیا اور عفت پیدا ہونے اور اس کے قائم رکھنے میں باندی اور غلاموں سے متعلق بعض احکام اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور قران پاک کے احکامات پر ایمان ویقین کامل نصیب فرمائیں، قرآن کریم نے جن باتوں کو پسندیدہ قرار دیا ہے وہ ہمیں بھی محبوب ہوں اور جن امور کو ناجائز قرار دیا ہے وہ مبغوض ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شریعتِ مطہرہ کے موافق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں اور خلاف شرع باتوں کو اپنانے سے کامل گریز نصیب فرمائیں۔

یا اللہ اس ملک سے جو غیر شرع قوانین رائج ہیں ان کے یکسر مٹنے اور قرآن کے احکام نافذ ہونے کی صورت غیب سے ظاہر فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ

اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو (بہتر ہے کہ) اُن کو مکاتب بنا دیا کرو اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ۔ اور اللہ کے

مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَي الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا

(دیئے ہوئے) اُس مال میں سے اُن کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے۔ اور اپنی (مملوکہ) لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور مت کرو جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں

عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِھْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۳ وَلَقَدْ

محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ (یعنی مال) تم کو حاصل ہو جائے۔ اور جو شخص اُن کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُن کے مجبور کئے جانے کے بعد (اُن کیلئے) بخشنے والا مہربان ہے

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۳۴

اور ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کی بعض حکایات بھی اور خدا سے ڈرنے والوں کیلئے نصیحت کی باتیں (بھیجی ہیں)

وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	يَبْتَغُوْنَ چاہتے ہوں	الْكِتٰبَ مکاتبت	مِمَّا ان میں سے جو	مَلَكَتْ مالک ہوں	اَيْمَانُكُمْ تمہارے دائیں ہاتھ (غلام)	
فَكَاتِبُوْهُمْ تو تم ان سے مکاتبت (آزادی کی تحریر) کرلو	اِنْ عَلِمْتُمْ اگر تم جانو (پاؤ)	فِيْهِمْ ان میں	خَيْرًا بہتری	وَاٰتُوْهُمْ اور تم ان کو دو		
مِّنْ سے	مَّالِ اللّٰهِ اللہ کا مال	الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ جو اس نے تمہیں دیا	وَلَا تُكْرِهُوْا اور تم نہ مجبور کرو	فَتَيٰتِكُمْ اپنی کنیزیں	عَلَي الْبِغَاۗءِ بدکاری پر	
اِنْ اَرَدْنَ اگر وہ چاہیں	تَحَصُّنًا پاکدامن رہنا	لِّتَبْتَغُوْا تاکہ تم حاصل کرلو	عَرَضَ سامان	الْحَيٰوةِ زندگی	الدُّنْيَا دنیا	وَمَنْ اور جو
يُّكْرِھْهُّنَّ انہیں مجبور کرے گا	فَاِنَّ تو بیشک	اللّٰهَ اللہ	مِنْۢ بَعْدِ بعد	اِكْرَاهِهِنَّ ان کے مجبوری	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ نہایت مہربان
وَلَقَدْ اور تحقیق	اَنْزَلْنَآ ہم نے نازل کئے	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	اٰيٰتٍ احکام	مُّبَيِّنٰتٍ واضح	وَّمَثَلًا اور مثالیں	مِّنَ سے
الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	خَلَوْا گزرے	مِنْ قَبْلِكُمْ تم سے پہلے	وَمَوْعِظَةً اور نصیحت	لِّلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے		

تفسیر و تشریح:۔ اس رکوع کے شروع سے برابر ان احکام و ہدایات کا سلسلہ چل رہا ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں سرے سے برائی، بے حیائی، بدکاری وغیرہ پیدا ہی نہ ہوں اور معاشرتی و تمدنی طور طریقوں کی پوری طرح اصلاح ہو کر شرم و حیا۔ عفت و پاکدامنی والے اخلاق رونما ہوں۔ یہ احکامات و ہدایات ان آیات پر یہاں ختم ہو رہے ہیں۔ گذشتہ آیات میں نکاح کی تلقین فرمائی گئی تھی اور ہدایت دی گئی تھی کہ نہ صرف آزاد بلکہ جو لونڈی اور غلام بھی اس لائق ہوں کہ حقوقِ زوجیت ادا کرسکیں تو ان کا بھی نکاح کر دیا کرو تا کہ بدکاری و بے حیائی سے وہ بھی دور رہیں۔

اب آگے اس آیت میں غلام و باندیوں سے مکاتبت کا حکم بیان فرمایا جاتا ہے اور زمانۂ جاہلیت کی قبیح رسم جو بدکاری کی لونڈیوں میں پائی جاتی تھی اس کی ممانعت فرمائی جاتی ہے۔ پہلے حکم غلام یا باندیوں کے متعلق مکاتبت کا دیا جاتا ہے۔ مکاتبت کے لفظی معنی ہیں لکھا پڑھی کے مگر اصلاح شریعت میں یہ لفظ غلام اور آقا کے درمیان ایک معاہدہ کا نام ہے جس میں غلام آقا سے یہ کہے کہ میں کما کر اتنا مال تجھے دے دوں گا تو آزاد ہو جاؤں گا اور مالک اسے منظور کر لے۔ اور یہ مکاتب اگرچہ ابھی غلام رہے گا لیکن کمائی۔ پیشہ یا تجارت وغیرہ کے باب میں خود مختار

ہو جائے گا۔ پھر اگر شرط پوری ہو گئی تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ نہ پوری ہو سکنے کی حالت میں غلام یا تو خود ہی مکاتبت کو فسخ کرالے ورنہ قاضی یا حاکم فسخ کرادے گا۔

اسلام میں غلاموں کی آزادی کے لئے جو صورتیں رکھی گئی ہیں یہ مکاتبت ان میں سے ایک اہم صورت ہے۔ یہ معاہدہ ہو جانے کے بعد آقا کو یہ حق نہیں رہتا کہ غلام کی آزادی میں بے جا رکاوٹیں ڈالے۔ مدت مقررہ کے اندر جب بھی غلام اپنے ذمہ کی رقم ادا کردے گا وہ آزاد ہو جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک غلام نے اپنی مالکہ سے مکاتبت کی اور مدت مقررہ سے پہلے ہی مال کتابت جمع کر کے مالکہ کے پاس لے گیا۔ مالکہ نے کہا کہ میں یکمشت رقم نہ لوں گی بلکہ سال بسال اور ماہ بماہ قسطوں کی شکل میں لوں گی۔ غلام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ رقم بیت المال میں داخل کردے اور جا تو آزاد ہے۔ پھر مالکہ کو کہلا بھیجا کہ تیری رقم یہاں جمع ہو چکی ہے۔ اب تو چاہے یکمشت لے لے ورنہ ہم تجھے سال بسال اور ماہ بماہ دیتے رہیں گے۔ سبحان اللہ! یہ تھی اسلامی حکومت۔ اس زمانہ میں غلام اور باندیوں کا وجود دنیا کے اکثر ملکوں میں نہیں۔ قدیم زمانہ میں جب اسلام آیا تو عرب اور بیرون عرب سب جگہ غلام و کنیز بکثرت پائے جاتے تھے۔ اسلام نے غلاموں کی آزادی کی تلقین و ترغیب دی جس کی ایک صورت مکاتبت ہے۔ جس کا ذکر یہاں آیت میں فرمایا جاتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ کسی کا غلام یا باندی مکاتبت کے ذریعہ آزادی چاہے تو مالک و آقا کو یہ معاملہ قبول کر لینا چاہئے جبکہ وہ یہ سمجھے کہ واقعی اس غلام یا لونڈی کے حق میں آزادی بہتر ہو گی۔ قید غلامی سے چھوٹ کر چوری یا بدکاری یا اور طرح کی بدمعاشیاں کرتا نہ پھرے گا اگر یہ اطمینان ہو تو بے شک اس کو آزادی کا موقع دینا چاہئے۔ تاکہ وہ آزاد ہو کر اپنی فلاح کے میدان میں ترقی کر سکے اور کہیں نکاح کرنا چاہے تو باختیار خود نکاح کر لے اور عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کرے۔ آگے دولت مند مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ ایسے باندی اور غلام کی امداد کرو خواہ زکوٰۃ سے یا عام صدقات و خیرات سے تاکہ وہ جلدی آزادی حاصل کر سکیں اور اگر مالک و آقا خود کتابت کا کوئی حصہ معاف کردے تو یہ بھی بڑی امداد ہے۔

عرب میں جاہلیت کے بدترین رسوم میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ وہ اپنی لونڈیوں کو زنا کاری کے لئے مجبور کرتے تھے تاکہ وہ رقم حاصل کر کے اپنے مالکوں کو دیں۔ اسلام نے آ کر صرف نکاح کے معروف طریقہ کو جائز قرار دیا اور باقی تمام صورتیں زنا میں شمار ہو کر جرم ہو گئیں۔ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانا طے کر چکے تھے اس کے پاس کئی لونڈیاں تھیں جن سے بدکاری کرا کر روپیہ حاصل کرتا تھا ان میں سے بعض مسلمان ہو گئیں تو اس فعل شنیع سے انکار کیا۔ عبداللہ بن اُبی نے ان پر تشدد کیا۔ انہوں نے جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی انہوں نے معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اور سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ لونڈی اس ظالم کے قبضہ سے نکال لی جائے۔ یہی زمانہ تھا کہ جب بارگاہِ خداوندی سے یہ آیت نازل ہوئی جس میں لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور کرنے کی ممانعت فرمائی گئی۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اس آیت کے منشاء کے مطابق بدکاری کی ان تمام صورتوں کو مذہباً ناجائز اور قانوناً ممنوع قرار دے دیا۔

شروع سورت سے تمام احکامات کو تفصیل وار بیان کردینے کے بعد فرمان ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے پاک کلام قرآن کریم کی یہ

واضح اور روشن آیات تمہارے سامنے بیان فرمادیں۔ خدا سے ڈر کر سیدھی راہ اختیار کرنے والوں کو جس طرح تعلیم دی جاتی ہے وہ تو ہم نے دے دی ہے۔ اب اگر تم اس تعلیم کے خلاف چلوگے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ان قوموں کا سا انجام دیکھنا چاہتے ہو جن کی عبرتناک مثالیں اس قرآن میں ہم تمہارے سامنے پیش کر چکے ہیں۔

اس سورۃ میں یہاں تک نفس کو رذائل اور خباثت سے پاک کرنے اور پاک رکھنے کے لئے دس خاص احکام بیان فرمائے گئے۔

۱۔ پہلا حکم حدِ زنا کے متعلق۔

۲۔ دوسرا حکم نکاح زانی وزانیہ کے متعلق۔

۳۔ تیسرا حکم حدِ قذف یعنی کسی پر زنا کی تہمت بغیر ثبوت کے لگانے کی سزا کے متعلق۔

۴۔ چوتھا حکم لعان یعنی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے کے متعلق۔

۵۔ پانچواں حکم استیذان یعنی کسی کے گھر میں بغیر اطلاع اور بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت کے متعلق۔

۶۔ چھٹا حکم مردوں اور عورتوں کو اپنی نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کے متعلق۔

۷۔ ساتواں حکم غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کو نکاح کے متعلق۔

۸۔ آٹھواں حکم صبر اور ضبطِ نفس کا جن کو فی الحال اسباب نکاح میسر نہ ہو۔

۹۔ نواں حکم غلاموں اور باندیوں کو مکاتب بنانے کے متعلق۔

۱۰۔ دسواں حکم باندیوں کو زنا پر مجبور کرنے کی ممانعت کے متعلق۔

ان کے خاتمہ پر حق تعالیٰ بندوں پر اظہار احسان فرماتے ہیں کہ اللہ نے تمہاری ہدایت و نصیحت کے لئے یہ احکام نازل کئے تا کہ تم گندگیوں اور خبائث سے پاک رہو اور تمہارے دل منور اور روشن ہو جائیں اور تم عفیف اور پاک دامن بن جاؤ اور دین و دنیا کی فلاح کے مستحق بن جاؤ۔ غور کیجئے کہ خاتمہ احکام پر اس سے زیادہ مؤثر تنبیہ کے الفاظ اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اگر تم ان کے خلاف چلوگے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ان قوموں کا سا انجام دیکھنا چاہتے ہو جن کے عبرتناک واقعات قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں اور جن کو احکام الٰہی سے منہ موڑنے اور برے کاموں میں پھنسے رہنے کی کیسی سزائیں ملیں کہ نہ نور ہدایت میسر ہوا، نہ راہِ ہدایت نصیب ہوئی۔ آگے اسی نور ہدایت کا ذکر ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور اس ملک اور قوم اور تمام امت مسلمہ کو اتباع قرآن کی دولت عطا فرمائیں۔

یا اللہ! جیسا آپ نے اپنے کرم سے ابتداء میں مسلمانوں کو نور ہدایت سے نوازا اب بھی امت مسلمہ کو نور ہدایت سے نواز دے۔

اور امت مسلمہ کو راہِ ہدایت پر چلنا نصیب فرمادے اور ان میں حیاء شرم، پاکدامنی عفت و عصمت کے اخلاق رونما فرمادے۔

یا اللہ! اپنا وہ خوف و خشیت ہم کو عطا فرمادے کہ جو ہم آپ کے فرمانبردار بندے بن جائیں۔ آپ کے قرآن پاک کے متبع ہو جائیں اور آپ کے نبی الرحمۃ کے پکے اور سچے امتی ہو جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ؕ

اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔اس کے نور (ہدایت) کی حالتِ عجیبہ ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے۔وہ چراغ ایک قندیل میں ہے

اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ ۙ

وہ قندیل ایسا (صاف شفاف) ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو۔وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون ہے جو نہ پورب رُخ ہے اور نہ پچھم رُخ ہے

یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

اُس کا تیل اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اُٹھے گا (اور جب آگ بھی لگ گئی تب تو) نُورٌ علیٰ نُور ہے۔اور اللہ تعالیٰ اپنے (اس) نور (ہدایت) تک جسکو چاہتا ہے راہ دے دیتا ہے۔

وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۙ﴿۳۵﴾

اور اللہ تعالیٰ لوگوں (کی ہدایت) کیلئے (یہ) مثالیں بیان فرماتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے

اَللّٰہُ اللہ	نُوْرُ نور	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	مَثَلُ مثال	نُوْرِہٖ اس کا نور	کَمِشْکٰوۃٍ جیسے ایک طاق	فِیْھَا اس میں
مِصْبَاحٌ ایک چراغ	اَلْمِصْبَاحُ چراغ	فِیْ زُجَاجَۃٍ ایک شیشہ میں	اَلزُّجَاجَۃُ وہ شیشہ	کَاَنَّھَا گویا وہ	کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ ایک ستارہ چمکدار		
یُوْقَدُ روشن کیا جاتا ہے	مِنْ سے	شَجَرَۃٍ درخت	مُّبٰرَکَۃٍ مبارک	زَیْتُوْنَۃٍ زیتون	لَّا شَرْقِیَّۃٍ نہ مشرق کا	وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ اور نہ مغرب کا	
یَکَادُ قریب ہے	زَیْتُھَا اس کا تیل	یُضِیْٓءُ روشن ہو جائے	وَلَوْ خواہ	لَمْ تَمْسَسْہُ اسے نہ چھوئے	نَارٌ آگ	نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ روشنی پر روشنی	
یَھْدِی اللّٰہُ رہنمائی کرتا ہے اللہ	لِنُوْرِہٖ اپنے نور کی طرف	مَنْ یَّشَآءُ وہ جس کو چاہتا ہے	وَیَضْرِبُ اور بیان کرتا ہے	اللّٰہُ اللہ	الْاَمْثَالَ مثالیں		
لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَاللّٰہُ اور اللہ	بِکُلِّ شَیْءٍ ہر شے کو	عَلِیْمٌ جاننے والا				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ پورے رکوع میں معاشرہ کو فحش باتوں سے پاک صاف رکھنے اور بدکاری و بے حیائی کی باتوں سے بچنے کے احکامات و ہدایات دے کر گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ انسان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت صاف اور روشن احکام نازل کئے ہیں۔ان میں انسان کے لئے نصیحت ہی نصیحت ہے اور ہدایت ہی ہدایت ہے۔اس کے بعد بھی اگر کوئی ان احکام پر عمل نہ کرے تو اس کا نتیجہ اس کے حق میں برا ہوگا اور اس بات کو پچھلی قوموں کا ذکر فرما کر واضح کر دیا گیا تھا کہ ان کو احکامِ الٰہی سے منہ موڑنے اور برے کاموں میں پھنسے رہنے کی کیسی سزائیں ملیں۔باقی نور ہدایت ہے تو اللہ ہی کے قبضہ میں وہی جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔اسی مضمون کی تائید اس آیت سے ایک مثال دے کر بیان فرمائی جاتی ہے۔

اس آیت میں اور اس میں بھی ایک چھوٹا سا جملہ اللہ نور السمٰوٰت و الارض بڑا دقیق ہے اور اس پر علمائے مفسرین نے بڑی طویل فلسفیانہ تقریریں اور عالمانہ تحریریں سپرد قلم فرمائی ہیں۔نور سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس کی حقیقت و کیفیت کیا ہے؟ اور اس مثال میں مشکوٰۃ یعنی طاق اور چراغ اور قندیل سے کون اور کس طرح مراد ہے؟ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں پوری ایک کتاب مشکوٰۃ الانوار کے نام سے لکھی ہے اس میں امام صاحب نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقتہً آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور اس پر اس لفظ کا اطلاق حقیقتہً ہے نہ کہ مجازاً جبکہ بعض مفسرین اور علمائے اسلام نے یہ تصریح کی ہے کہ نور کا

اطلاق خدا تعالیٰ پر حقیقۃً نہیں ہوسکتا بلکہ مجازاً ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع بصر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی ایسی ہی حق تعالیٰ کی صفت نور بھی ہے۔ بعض مفسرین نے تو بہت کچھ لکھ کر آخیر میں کہا کہ یہ پوری آیت ایسی دقیق ہے کہ عقل بشری کما حقہ اس کی تفسیر سمجھنے سے قاصر ہے۔ بہر حال اس آیت کا اردو ترجمہ جو یہاں اختیار کیا گیا ہے وہ حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا لکھا ہوا ہے اور حضرتؒ ہی کی فرمائی ہوئی تفسیر کو یہاں اختیار کیا گیا ہے جو جمہور اہل کلام کے مطابق ہے جن کے نزدیک نور سے مراد یہاں نور ہدایت ہے یعنی اللہ کی ہدایت ظاہر و مظہر ہونے میں صاف شفاف چراغ کی روشنی کی طرح ہے۔ یعنی حقائق کا علم اور راہ راست کی ہدایت کا نور اور روشنی اگر مل سکتی ہے تو اسی پاک ذات سے مل سکتی ہے اور اس کے برعکس اس سے فیض حاصل کئے بغیر جہل، ظلمت، تاریکی اور نتیجتاً ضلالت و گمراہی کے سوا اور کچھ ممکن نہیں۔ چونکہ گذشتہ آیت میں یہ بتلایا گیا تھا کہ حق تعالیٰ نے اس قرآن میں سب کچھ نصیحتیں اور احکام اور ہدایات کی تلقین فرمادی ہے تاکہ ہدایت کے حاصل کرنے والے اس سے نصیحت و عبرت حاصل کریں۔ اب آگے اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ مومنین و مہتدین کو نور الٰہی سے ہدایت و عرفان کا جو حصہ ملتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو گویا مومن متقی کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ستارہ کی طرح چمکدار شیشہ کا قندیل رکھا ہوا اور اس قندیل میں معرفت و ہدایت کا چراغ روشن ہے اور یہ روشنی ایسے صاف و شفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت یعنی زیتون سے نکل کر آیا ہے اور زیتون بھی وہ جو نہ شرقی ہو نہ غربی یعنی نہ اس کی شرقی جانب میں کسی درخت یا پہاڑ وغیرہ کی آڑ ہے کہ جو دن کے اول حصہ میں اس پر دھوپ نہ پڑے اور نہ اس کی جانب غربی میں کوئی آڑ ہے کہ دن کے آخری حصہ میں اس پر دھوپ نہ پڑے بلکہ کھلے میدان میں ہے جہاں تمام دن دھوپ رہتی ہے۔ واضح رہے کہ ایسے درخت کا روغن بہت لطیف اور صاف اور روشن ہوتا ہے۔ غرض اس کا تیل اس قدر صاف اور چمکدار ہے کہ بدوں آگ دکھلائے ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود روشن ہو جائے گا اور جب اس میں آگ لگ گئی تب تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ قدیم زمانہ میں زیادہ سے زیادہ روشنی روغن زیتون کے چراغوں سے حاصل کی جاتی تھی اس لئے مثال میں اسی کا ذکر فرمایا گیا۔ تو یہاں جو مثال دی گئی اسی طرح مومن کے قلب میں جب اللہ تعالیٰ نور ہدایت ڈالتا ہے تو لحہ بہ لحہ اس کو قبول حق کے لئے انشراح قلب بڑھتا جاتا ہے اور ہر وقت احکام الٰہیہ پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ غرض نور ہدایت الٰہیہ کی یہ مثال ہے۔ باقی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جس کو چاہے اپنے نور ہدایت سے منور فرمائے اور وہی یہ جانتا ہے کہ کس کو یہ روشنی ملنی چاہئے اور کون اس نعمت کا مستحق ہے جو شخص نور حق اور نور ہدایت کا طالب ہی نہ ہو اور جو اس فکر اور جستجو ہی میں نہ پڑے تو اسے زبردستی نور حق دکھانے کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے اس نعمت کا مستحق تو وہی ہے جسے اللہ جانتا ہے کہ وہ اس کا طالب اور مخلص طالب ہے۔ اور ہدایت کی جو یہ مثال دی گئی اسی طرح قرآن میں حق تعالیٰ نے بہت سی مثالیں بیان فرمائی ہیں تاکہ استعداد حق رکھنے والوں کو بصیرت و ہدایت کی روشنی حاصل ہو۔

یہ تو بیان ہوا نور ہدایت کا اب آگے اہل ہدایت کا حال ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! نور ہدایت کی روشنی اگر مل سکتی ہے تو آپ ہی کی عطا سے مل سکتی ہے۔ اور جس کو آپ یہ روشنی عطا نہ فرمائیں تو جہل ظلمت، تاریکی، ضلالت اور گمراہی کے سوا اسے کیا نصیب ہوسکتا ہے۔ یا اللہ! اپنے نور ہدایت سے ہم میں سے کسی کو تا زیست محروم نہ فرمایئے۔ یا اللہ! قبول حق کی صلاحیت و نعمت سے ہم سب کو مالا مال فرمایئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿٣٦﴾ رِجَالٌ

وہ ایسے گھروں میں (عبادت کرتے) ہیں جن کی نسبت اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔اُن میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ

جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت۔ وہ ایسے دن (کی دارو گیر) سے ڈرتے رہتے ہیں

يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿٣٧﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ

جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ جاویں گی۔انجام یہ ہوگا کہ اللہ اُن کو اُن کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) اُنکو

مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾

اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دیگا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار رزق دے دیتا ہے۔

فِيْ بُيُوْتٍ ان گھروں میں	اَذِنَ حکم دیا	اللّٰهُ اللہ	اَنْ تُرْفَعَ کہ بلند کیا جائے	وَيُذْكَرَ اور لیا جائے	فِيْهَا اُن میں
اسْمُهٗ اسکا نام	يُسَبِّحُ تسبیح کرتے ہیں	لَهٗ اس کی	فِيْهَا ان میں	بِالْغُدُوِّ صبح	وَالْاٰصَالِ اور شام
رِجَالٌ وہ لوگ	لَا تُلْهِيْهِمْ انہیں غافل نہیں کرتی	تِجَارَةٌ تجارت	وَلَا بَيْعٌ اور نہ خرید وفروخت	عَنْ سے	ذِكْرِ اللّٰهِ اللہ کی یاد
وَاِقَامِ اور قائم رکھنا	الصَّلٰوةِ نماز	وَاِيْتَآءِ اور ادا کرنا	الزَّكٰوةِ زکوۃ	يَخَافُوْنَ وہ ڈرتے ہیں	يَوْمًا اس دن سے
تَتَقَلَّبُ الٹ جائیں گے	فِيْهِ اس میں	الْقُلُوْبُ دل	وَالْاَبْصَارُ اور آنکھیں	لِيَجْزِيَهُمُ تاکہ انہیں جزا دے	اللّٰهُ اللہ
اَحْسَنَ بہتر سے بہتر	مَا عَمِلُوْا جو انہوں نے کیا اعمال	وَيَزِيْدَهُمْ اور وہ انہیں زیادہ ہے	مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَرْزُقُ رزق دیتا ہے
مَنْ يَّشَآءُ جسے چاہتا ہے	بِغَيْرِ حِسَابٍ بے حساب				

(حصہ اول)

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت کی ایک مثال بیان فرمائی گئی تھی جس سے اہل ہدایت کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ وہ اللہ کا احسان مانیں کہ اسی کی توفیق سے ہدایت پائی نیز اس میں اشارہ اس طرف بھی تھا کہ حق تعالیٰ سے نور ہدایت کے ملتجی رہیں۔اب وہ نور ہدایت کہاں اور کس جگہ پایا جاتا ہے اور اہل ہدایت جو اس نور سے حسب استعداد منور ہوتے ہیں تو ان کا کیا حال ہوتا ہے اور ان کو کیسا انجام نصیب ہوتا ہے یہ ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اس نور ہدایت کے ظہور کے خاص مقامات مسجدیں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انہیں بنانے اور تعمیر کرنے کے بعد احترام کے ساتھ قائم رکھا جائے اور ان کی پوری طرح خبر گیری کی جائے کہ غلاظت، گندگی اور کثافت سے پاک صاف رہیں۔ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ چنانچہ ان مساجد میں اللہ کے وہ بندے جو رضائے مولا کے طالب ہیں اس کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اس کی حمد وثنا کرتے ہیں اور ان کے جمع ہونے کا وقت ایک تو صبح کا وقت ہے پھر ظہر سے لے کر دوسرے دن صبح صادق تک کے سب اوقات ہیں۔غدو سے صبح کی نماز مراد ہے اور آصال میں باقی چار نمازیں داخل ہیں۔ اللہ کے بندے ان اوقات میں اپنے کاروبار اور شغل اشغال چھوڑ چھاڑ کر فرض نمازوں کے لئے حاضر ہوجاتے ہیں۔معاش کے دھندے ان کو اللہ کی یاد اور احکامِ الٰہیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے اور وہ اس وقت کو یاد کرکے ڈرتے رہتے ہیں جب اللہ عزوجل کے سامنے حاضر ہوکر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔اس دن لوگوں کے دل بدل جائیں گے اور ان کے سارے شک وشبہ مٹ جائیں گے اور یقین ہوجائے گا کہ اللہ عزوجل کی

ذات عالی برحق ہے اور اس کے سوا کوئی حاکم نہیں ہے۔ اس روز دل وہ باتیں سمجھ لیں گے جو ابھی تک نہ سمجھے تھے اور آنکھیں وہ ہولناک واقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے۔ یہ اللہ کے بندے جو اس پر ایمان لا کر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے اندر دنیا میں زندگی بسر کرتے تھے اس روز اپنے اچھے کاموں کی جزا دیئے جائیں گے اور علاوہ جزا کے حق تعالیٰ اپنے فضل سے اور بہت کچھ دے گا۔ اس کے ہاں کسی چیز کی کیا کمی ہے۔ اگر جنتیوں کو بے حد حساب عنایت فرمائے تو اس کے ہاں کیا مشکل ہے۔

یہاں آیت میں رجال کا لفظ آیا ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد میں حاضر ہونا مردوں کیلئے ہے۔ اسلیئے جمعہ اور جماعت مردوں ہی پر واجب ہے نہ کہ عورتوں پر۔ حدیث میں عورتوں کی نماز کے لئے گھروں کا افضل ہونا ثابت ہے اسلیئے ان کیلئے وہی بجائے مسجد کے ہیں۔ ان آیات میں ایک حکم تو مسلمان مردوں کے لئے یہ معلوم ہوا اور جس کو اہل ہدایت کا نشان بتلایا گیا کہ وہ پانچوں وقت کی فرض نمازیں اللہ کے گھر یعنی مساجد میں حاضر ہو کر ادا کرتے ہیں۔ اب اسی سے اس کی ضد بھی سمجھ لی جائے یعنی جو بغیر شرعی عذر کے ایسا نہیں کرتے وہ قرآن کی رو سے اہل ہدایت سے نہیں۔

دوسرا حکم ان آیات میں یہ دیا گیا کہ ان اللہ کے گھروں کی یعنی مساجد کا ادب کیا جائے۔ مساجد کے آداب کی کچھ تفصیلات جو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ارشاد فرمائی گئی ہیں وہ انشاء اگلے درس میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ ان گھروں میں یعنی مساجد میں اللہ کا ذکر اور اس کی تسبیح کی جائے جس سے مراد پنج وقتہ فرائض کی ادائیگی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو فرض نمازیں بغیر کسی شرعی عذر کے مسجدوں میں نہیں ادا کرتے اور گھروں ہی میں نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔ وہ اس قرآن حکیم کے حکم اور منشاء کے صریحاً خلاف کر رہے ہیں۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرض نمازوں کا مسجد میں جماعت سے ادا کرنے کی نہایت سخت تاکید فرمائی ہے اور ایسا نہ کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین کی تو یہ حالت تھی کہ اگر ایک لوہار ہتھوڑا اوپر اٹھائے ہوئے کسی لوہے پر مارنا چاہتا ہے مگر درمیان میں اذان کی آواز کان میں پڑ گئی تو فوراً ہتھوڑے کو ہاتھ سے رکھ کر فوراً خدا کے گھر کی طرف روانہ ہو جاتے اور یہ بھی گوارا نہ ہوتا کہ اٹھائے ہوئے ہتھوڑے سے ضرب کا کام لے لیا جائے۔ ان کا یہ حال تھا کہ اذان کی آواز ان کے بازاروں میں سناٹا ڈال دیتی تھی۔ فوراً خرید و فروخت کو چھوڑ کر اور دکانیں بند کر کے مساجد کی طرف چل دیتے۔ ایسے ہی حضرات کی شان میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں کہ جن کو کوئی دنیاوی تجارت اور کوئی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی یعنی یہ لوگ اگرچہ بظاہر دنیوی تجارت میں مشغول ہیں لیکن درحقیقت یہ لوگ ایسے باہمت اور مردان شجاعت ہیں کہ اصل مقصود ان کا آخرت کی تجارت ہے۔ دنیا کی تجارت ان کو آخرت سے غافل نہیں ہونے دیتی۔ ان کا اصل مقصود دین ہے اور دنیا اس کی تابع ہے۔

تو ان آیات سے معلوم ہوا کہ عبادت اور تجارت دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں اور دین دنیا کے منافی نہیں۔ لہٰذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دین کا کام کرنے سے دنیا سے جاتا رہتا ہے بالکل غلط خیال ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت وزراعت اور صنعت وحرفت کو فرض قرار دیا جس پر دنیا کا دارومدار ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ کسب حلال فرض ہے۔ تو شریعت نے حلال طریقہ سے ضروریات معاش کی تحصیل کو فرض قرار دیا البتہ اس کے احکام بتلائے ہیں اور عقلاً یہ بالکل درست ہے۔ دنیا کی کونسی حکومت ہے جس میں تجارت وزراعت یا صنعت وحرفت وغیرہ کے متعلق احکام وقوانین موجود نہ ہوں۔ اسی طرح شریعت میں بھی تجارت وزراعت کے احکام موجود ہیں اور یہ احکام دنیا کی متمدن اور مہذب حکومتوں کے احکام سے ہزار درجہ بڑھ کر آسان ہیں۔ شریعت نے یہ کہیں نہیں کہا کہ تم دنیا کو بالکل چھوڑ دو بلکہ شریعت تو یہ کہتی ہے کہ حلال طریقہ سے دنیا کماؤ اور اس کے حقوق ادا کرو اور کسی حالت میں شریعت کے دائرہ سے باہر مت نکلو۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

غرضیکہ مومنین وصالحین کی یہ صفت بیان کی گئی کہ ان کو تجارت اور بیع وغیرہ کا مشغلہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔

اب یہاں آیات میں چونکہ مساجد میں ذکر اللہ اور ان کے ادب و احترام کا حکم ہوا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں ضروری احادیث مساجد کے فضائل و آداب واحکام کے متعلق بیان کر دی جائیں جو انشاءاللہ علیحدہ آئندہ درس میں بیان کی جائیں گی۔

(حصہ دوم)

لفظی ترجمہ:۔ وہ (یعنی اہل ہدایت) ایسے گھروں میں ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ ان میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت۔ وہ ایسے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جن میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی۔ انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار دے دیتا ہے۔"

تفسیر وتشریح:۔ ان آیات سے متعلق بیان گذشتہ درس میں ہو چکا ہے جس میں اہل ہدایت کا حال بیان فرماتے ہوئے بتلایا گیا تھا کہ وہ ایسے گھروں میں جا کر عبادت کرتے ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب واحترام کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ یہاں مفسرین نے گھروں سے مراد مسجدیں لی ہیں جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان کیا جا چکا ہے۔ تو چونکہ مساجد کا ادب اور ان میں ذکر اللہ کی تاکید اللہ تعالیٰ نے حکماً فرمائی ہے اس لئے مفسرین نے یہاں ان آیات کے تحت اجمالاً یا تفصیلاً احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد کے فضائل وضروری آداب واحکام بھی بیان فرمائے ہیں جو مختصراً اس درس میں بیان کئے جاتے ہیں۔

مساجد کے فضائل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیشک زمین میں اللہ کے گھر مساجد ہیں اور اللہ نے ذمہ لیا ہے کہ اس شخص کا اکرام کرے گا جو اس کی زیارت کے لئے مساجد میں آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مساجد کی عظمت درحقیقت خداوند قدوس کی عظمت ہے اسی طرح ان کی بے ادبی العیاذ باللہ خداوند کبریا کی بے ادبی ہے۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدیں بازار ہیں آخرت کے بازاروں میں سے جو شخص ان میں داخل ہو گیا وہ اللہ کا مہمان ہے۔ اس کی مہمانی مغفرت ہے اور اس کے لئے تحفہ تکریم وتعظیم ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ دنیا کی تمام جگہوں میں سب سے پیاری جگہ اللہ کے نزدیک اس کی مساجد ہیں اور تمام جگہوں میں بدترین جگہ بازار ہیں۔ (اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پیدائش عالم کا مقصد بحکم قرآن کریم صرف ذکر اللہ اور اس کی اطاعت ہے۔ اس لئے جو جگہیں اس مقصد کو زیادہ ادا کرتی ہیں وہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہیں اور جن جگہوں میں ذکر اللہ کے بجائے غفلت اور طاعت کے بجائے معصیت ہوتی ہے وہ اللہ کے نزدیک بدترین ہیں۔ مساجد چونکہ ذکر اللہ کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے وہ بہترین جگہیں ہیں اور بازار چونکہ عموماً غفلت، معاصی، جھوٹ، شوروشغب اور جھگڑے قصوں کی جگہ ہے اس لئے اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ہیں۔ اس لئے سنت ہے کہ جب بازار میں داخل ہو تو یہ کلمہ پڑھے **لا اله الا الله وحده لاشریک له له الملک وله الحمد یحیی ویمیت وهو حی لایموت وهو علی کل شیء قدیر**)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بازار میں داخل ہونے کے وقت یہ کلمہ پڑھے اس کے لئے ایک لاکھ ثواب لکھے جاتے ہیں اور ایک لاکھ گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور ایک لاکھ درجات بلند کئے جاتے ہیں اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنایا جاتا ہے۔ بعض صحابہ کرام سے روایت کیا جاتا ہے کہ وہ کبھی صرف اس کلمہ کو پڑھنے اور اس کا ثواب عظیم حاصل کرنے کے لئے ہی بازار جایا کرتے تھے۔

عورتوں کے لئے مسجد کی نماز سے افضل گھر کی نماز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورتوں کی بہترین مسجد گھر کے اندر کا کونہ ہے۔ حتیٰ کہ خانہ کعبہ میں بھی عورتوں کے لئے گھر کی نماز حرم شریف کی نماز سے افضل ہے۔ اسی لئے سنت ہے کہ اپنے گھر میں کوئی جگہ خاص نماز کے لئے کر لی جائے اور اس کو پاک صاف رکھا جائے اور اس میں خوشبو لگائی جائے۔ حدیث میں اس جگہ کے لئے مسجد ہی کا لفظ بولا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجدیں بنانے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ان کو صاف رکھا جائے اور ان میں خوشبو لگائی جائے۔ اگرچہ ان جگہوں میں نماز پڑھنے کی عام اجازت نہ ہونے کی وجہ سے یہ بالکل مسجد کے حکم میں نہیں لیکن تاہم حدیث میں ان کو بھی مسجد کہا گیا ہے۔ عورتیں اگر اعتکاف کرنا چاہیں تو اسی گھر کی مسجد میں کر سکتی ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے مستحب ہے کہ اپنے گھر میں ایک مسجد بنالے جن میں سنتیں اور نوافل پڑھا کرے لیکن اس کے واسطے بالکل مسجد کا حکم نہیں مثلاً عورتیں بحالتِ حیض اس میں داخل ہو سکتی ہیں بخلاف مساجد کے کہ ان میں حائضہ کا داخل ہونا جائز نہیں۔

مساجد کی صفائی سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مسجدوں کو صاف رکھا جائے اور ان میں خوشبوئیں لگائی جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے غبار کو کھجور کی ٹہنی سے صاف کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے اعمال کے ثواب سب میرے سامنے پیش کئے گئے یہاں تک کہ ایک تنکا جس کو کہ کسی شخص نے مسجد سے نکال دیا ہو اس کا ثواب بھی پیش کیا گیا اور میرے سامنے امت کے گناہ بھی سب پیش کئے گئے پس میں نے کوئی گناہ اس سے بڑا نہیں دیکھا کہ ایک آدمی قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت یاد کر کے پھر بھول جائے۔ حدیث میں ہے کہ ایک عورت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی جب اس کا انتقال ہوا تو چونکہ رات کا وقت تھا صحابۂ کرام نے یہ سمجھ کر کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی گئی تو آپ تشریف لائیں گے اور اندھیرے میں آپ کو تکلیف ہوگی۔ اس میت کو خود ہی نماز پڑھ کر دفن کر دیا اور آپ کو اس وقت اطلاع نہیں کی، جب صبح کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو تو مجھے خبر کر دیا کرو۔ میں نے اس عورت کو جنت میں دیکھا ہے اس لئے کہ وہ مسجد سے کوڑا کباڑ اٹھا دیتی تھی۔ مگر واضح رہے کہ صفائی اور چیز ہے اور زیب وزینت، گلکاری، رنگارنگ کے نقش ونقوش اور بیل بوٹے اور شے ہے۔ مسجد کی صفائی ضروری اور باعث اجر وثواب ہے لیکن بے حد زینت اور گلکاریاں مکروہ اور مذموم ہے۔

حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم کا کام بگڑتا ہے تو وہ اپنی مسجدوں کو نقش ونگار اور بیل بوٹوں سے آراستہ کرنے لگتے ہیں۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنی مساجد کو مزین کرنے لگو جو کہ نماز میں مخل ہو اور اپنے قرآنوں کو ایسا آراستہ کرو جو کہ حضور قلب میں خلل انداز ہو تو سمجھ لو کہ یہ تمہاری ہلاکت کا وقت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مساجد کی سجاوٹ اور زیب وزینت یہود ونصاریٰ کا دستور فرماتے تھے اور اس سے ناراضگی کے لہجہ میں پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ تم مساجد کو مزین کرو گے جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے کیا۔"

مگر افسوس کہ ہم باوجود ان تنبیہات کے ان مکروہات سے نہ بچ سکے۔ دیکھ لیجئے بعض مساجد میں شب برأت اور شب معراج وغیرہ راتوں میں مسجد جو عبادت گاہ ہے اس کو کثرتِ چراغاں اور جھالروں کی روشنی وغیرہ سے تماشہ گاہ بنایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائیں۔ مسجد میں لوبان، عود وغیرہ کی دھونی دینا۔ اگر کی بتیاں جلانا سنت ہے اور صحابۂ کرام کا ہمیشہ یہ دستور رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنی مسجدوں سے ناسمجھ بچوں، پاگلوں کو علیحدہ رکھو اور ان کو اپنی خرید وفروخت اور شور وشغب سے پاک رکھو اور سزا دینے اور تلوار کھینچنے سے پاک رکھو اور ان کے دروازوں پر وضوخانہ بناؤ۔ اور ان کو ہر جمعہ کے دن خوشبو کی دھونی دیا کرو۔ اس ارشاد کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعہ کے روز مسجد میں دھونی دیا کرتے تھے۔ افسوس کہ لوگ مساجد کے اندر طرح طرح کے مکروہ تکلفات کرتے ہیں مگر اس سنت کی طرف توجہ نہیں۔ جہاں

مسجد کو خوشبو وغیرہ کی دھونی دینے کا حکم ہے وہیں بد بودار چیز سے بچانے اور مسجدوں میں نہ لانے کا بھی حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص بد بودار درخت یعنی کچی پیاز کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے اس لئے کہ فرشتوں کو بھی ان تمام چیزوں سے ایذا پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو ایذا ہوتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب تک اس کی بد بو منہ سے نہ جائے اس وقت تک مسجد میں نہ داخل ہو۔ اور یہی حکم ہر بد بودار چیز کا ہے جیسے حقہ، سگریٹ، بیڑی، کچی مولی، لہسن، پیاز وغیرہ، حقہ سگریٹ پینے والے کثرت سے اس میں غفلت کرتے ہیں۔ جس شخص کو غسل کی حاجت ہو اس کو مسجد میں داخل ہونا حرام ہے اسی طرح حائضہ اور نفاس والی عورت کو بھی مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔ اگر مسجد کے دو دروازے ہوں تو ایک سے داخل ہو کر دوسرے سے گزر جانا اور مسجد کو گزر گاہ یعنی راستہ بنانا ناجائز ہے۔ البتہ اگر کسی عذر سے کبھی اتفاقاً مسجد سے گزر گیا تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس کی عادت ڈالنا ناجائز ہے۔ اور وہ شخص جو ایسا کرے فقہاء نے اسے فاسق قرار دیا ہے۔

جب مسجد میں داخل ہو تو مستحب ہے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے جس کو تحیۃ المسجد کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم فرمائی ہے لیکن یہ تحیۃ المسجد صرف ظہر، عصر اور عشاء میں مستحب ہے۔ فجر کی نماز فرض سے پہلے سوائے سنت فجر کے اور کوئی نوافل نہ پڑھنا چاہئے۔ اور مغرب کی نماز سے پہلے بھی حنفیہ کے ہاں کوئی نفل پڑھنا مستحب نہیں۔ جو شخص کثرت سے مسجد میں آتا جاتا رہتا ہے تو اس کے لئے ہر روز صرف ایک مرتبہ دو رکعتیں پڑھ لینا تحیۃ المسجد کے لئے کافی ہے۔

گم شدہ چیز کے لئے مسجد میں اعلان کر کے تلاش کرنا بھی ناجائز ہے البتہ اگر مسجد میں کوئی چیز گم ہوئی ہو تو اس کو وہاں لوگوں سے دریافت کر سکتا ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ سنے کہ کوئی آدمی اپنی گمشدہ چیز کو مسجد میں ڈھونڈ رہا ہے تو اس کو چاہئے کہ یہ کہے کہ خدا اس کی چیز اس کو واپس نہ دے اس لئے کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں۔ مسجد میں کھانا کھانا اور سونا جائز نہیں سوائے مسافر اور معتکف کے کہ اس کو مسجد میں کھانا اور سونا جائز ہے۔ مسجد میں ذکر جہر کرنا اور ایسی بلند آواز سے تلاوت قرآن کرنا جس سے کسی کی نماز و تسبیح میں خلل ہو ناجائز ہیں البتہ اگر مسجد میں کوئی آدمی نماز یا تسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہو تو پھر بعض علماء نے اجازت دی ہے۔ جو دنیا کی باتیں خارج مسجد جائز اور مباح ہیں مسجد میں وہ بھی ناجائز ہیں اور جو خارج مسجد بھی ناجائز ہوں وہ مسجد میں سخت حرام ہیں۔ لکھا ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں نیکیوں کو اس طرح کھا لیتی ہیں جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا لیتی ہے اور لکھا ہے کہ جو شخص مسجد میں دنیا کی باتیں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس دن کے نیک عمل حبط کر دیتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر باتیں کرنے کی غرض سے نہ بیٹھے بلکہ اتفاقی طور سے کوئی دنیا کی ضروری بات آہستہ سے کہہ دے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ اس سے بھی بچے جیسا کہ صحابۂ کرام اور سلف صالحین کے عمل سے ظاہر ہے۔

علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ مسجد میں دنیا کی باتیں نیکیوں کا اس طرح صفایا کر دیتی ہیں جیسے چوپائے گھاس کھا جاتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی مسجد میں دنیا کی باتیں شروع کرتا ہے تو فرشتے پہلے کہتے ہیں اسکت یاولی اللہ اے اللہ کے ولی چپ رہ پھر اگر وہ چپ نہیں ہوتا اور باتوں میں لگا رہتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں **اسکت یا بغیض اللہ** اے اللہ کے دشمن چپ رہ پھر اگر اس پر بھی خاموش نہیں ہوتا اور باتیں کرتا چلا جاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں **اسکت لعنت اللہ علیک** تجھ پر خدا کی لعنت چپ رہ۔ تم مسجد میں آئے تھے کہ ثواب لے کر جائیں اور نور ہدایت سے قلب منور کریں اس کی بجائے فرشتوں کی بد دعائیں لے کر لوٹتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مساجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن (جلد ۶ ص ۴۲۸) میں لکھا ہے کہ امام قرطبیؒ نے آداب مساجد میں پندرہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اول یہ کہ مسجد میں پہنچنے پر اگر کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو ان کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ مسجد کے حاضرین نفلی نماز یا تلاوت وتسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہوں ورنہ ان کو سلام کرنا درست نہیں۔

دوسرے یہ کہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھے یہ بھی جب ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ نہ ہو۔ مثلاً عین آفتاب کے طلوع یا غروب یا استواء النصف النہار کا وقت نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ مسجد میں خرید وفروخت نہ کرے۔

چوتھے یہ کہ وہاں تیر وتلوار نہ نکالے۔

پانچویں یہ کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کرنے کا اعلان نہ کرے۔

چھٹے یہ کہ مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔

ساتویں یہ کہ وہاں دنیا کی باتیں نہ کرے۔

آٹھویں یہ کہ مسجد میں بیٹھنے کی جگہ میں کسی سے جھگڑا نہ کرے۔

نویں یہ کہ جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو وہاں گھس کر لوگوں میں تنگی پیدا نہ کرے۔

دسویں یہ کہ کسی نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گزرے۔

گیارہویں یہ کہ مسجد میں تھوکنے اور ناک صاف کرنے سے پرہیز کرے۔

بارہویں یہ کہ اپنی انگلیاں نہ چٹخائے۔

تیرہویں یہ کہ اپنے بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرے۔

چودہویں یہ کہ نجاسات سے پاک صاف رہے اور کسی چھوٹے بچہ یا مجنون کو ساتھ نہ لے جائے۔

پندرہویں یہ کہ وہاں کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔

امام قرطبیؒ نے یہ پندرہ آداب لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کر لئے اس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لئے حرز وامان کی جگہ بن گئی۔

خلاصہ یہ کہ تمام دنیا کے شاہی درباروں اور عدالتوں کے خاص خاص آداب مقرر ہوئے ہیں۔ چونکہ مسجد تمام بادشاہوں کے پیدا کرنے والے کا عظیم الشان دربار ہے اس لئے اس کے بھی کچھ آداب ہیں جو اس دربار کے ناظم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سکھلائے اور بتلائے ہیں اور مسلمانوں پر ضروری ہے کہ ان کو معلوم کرے اور ان کے موافق چلنے کی کوشش کرے اور سب سے بڑا حق ان مساجد کا یہی ہے کہ پانچوں وقت کی نماز کے لئے یہاں حاضری دی جائے اور جماعت سے فرض نماز ادا کی جائے۔

الغرض نور ہدایت کے سلسلہ میں اہل ہدایت کے اجر وثواب کا بیان ہوا اب ان کے مقابل اہل ضلالت کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! آخرت کی طرف سے ہمارے دلوں پر جو غفلت چھائی ہوئی ہے اس کو دور فرما دیجئے۔ اور ہمیں اپنے ذاکر فرمانبردار بندوں میں شامل کرنا نصیب فرما دیجئے۔

یا اللہ! ہمیں ایسی نمازوں کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما دے جو آپ کی رضا اور قرب کا ذریعہ ہوں۔ اور ہم اپنی مساجد کو بازار کا نمونہ نہ بنائیں۔ بلکہ بازاروں میں بھی جا کر ہم آپ کی رضا اور قرب حاصل کرنے والے بن جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ

اور جولوگ کافر ہیں اُن کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا (آدمی) اسکو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اسکو کچھ بھی

شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۳۹ۙ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ

نہ پایا اور قضائے الٰہی کو پایا سو اللہ تعالیٰ نے اس (کی عمر) کا حساب اسکو برابر سرابر چکا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ دم بھر میں حساب (فیصل) کردیتا ہے یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر میں

لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ

اندرونی اندھیرے کہ اسکو ایک بڑی لہر نے ڈھانک لیا ہو اس کے اوپر دوسری لہر اسکے اوپر بادل (ہے غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں۔

اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝۴۰ۧ

کہ اگر اپنا ہاتھ نکالے (اور دیکھنا چاہے) تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کو (کہیں سے بھی) نور نہیں میسر ہوسکتا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اور جن لوگوں نے کفر کیا	اَعْمَالُهُمْ ان کے عمل	كَسَرَابٍ سراب کی طرح	بِقِيْعَةٍ چٹیل میدان میں	يَّحْسَبُهُ گمان کرتا ہے		
الظَّمْاٰنُ پیاسا	مَآءً پانی	حَتّٰٓي یہانتک کہ	اِذَا جَآءَهٗ جب وہ وہاں آتا ہے	لَمْ يَجِدْهُ اس کو نہیں پاتا	شَيْـــًٔا کچھ بھی	وَّوَجَدَ اور اس نے پایا
اللّٰهَ اللہ	عِنْدَهٗ اپنے پاس	فَوَفّٰىهُ تو اس (اللہ) نے اسے پورا کردیا	حِسَابَهٗ اس کا حساب	وَاللّٰهُ اور اللہ	سَرِيْعُ الْحِسَابِ جلد حساب کرنیوالا	
اَوْ كَظُلُمٰتٍ یا جیسے اندھیرے	فِيْ بَحْرٍ دریا میں	لُّجِّيٍّ گہرا پانی	يَّغْشٰىهُ اسے ڈھانپ لیتی ہے	مَوْجٌ موج	مِّنْ فَوْقِهٖ اس کے اوپر سے	
مَوْجٌ ایکدوسری موج	مِّنْ فَوْقِهٖ اسکے اوپر سے	سَحَابٌ بادل	ظُلُمٰتٌ اندھیرے	بَعْضُهَا اسکے بعض (ایک)	فَوْقَ بَعْضٍ بعض (دوسرے) کے اوپر	
اِذَآ جب	اَخْرَجَ وہ نکالے	يَدَهٗ اپنا ہاتھ	لَمْ يَكَدْ نزدیک نہیں (توقع نہیں)	يَرٰىهَا تو وہ اسے دیکھے	وَمَنْ اور جسے	لَّمْ يَجْعَلِ نہ بنائے نہ دے
	اللّٰهُ اللہ	لَهٗ اس کیلئے	نُوْرًا نور	فَمَا لَهٗ تو نہیں اس کیلئے	مِنْ نُّوْرٍ کوئی نور	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں نور ہدایت اور اہل ہدایت کا بیان ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت کے ظہور کے مقامات مسجدیں ہیں جہاں اہل ہدایت اور اللہ کے عبادت گزار بندے دن اور رات کے اوقات میں حاضر ہو کر اس کا نام لیتے ہیں اور دنیا کے دھندوں میں پھنس کر اللہ عزوجل کو نہیں بھولتے۔ اس کے تمام احکام بجالاتے ہیں اور پھر بھی روز جزا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ پھر ان اہل ہدایت کا انجام بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے روز ان کے اعمال کی بہت اچھی جزا دیں گے اور اس کے علاوہ اپنے فضل سے اور بہت کچھ عطا فرمائیں گے۔

اب ان اہل ہدایت کے مقابلہ میں ان آیات میں اہل ضلالت کا ذکر فرمایا جاتا ہے جو نور ہدایت سے دور ہیں اور ان کا انجام بتلایا جاتا ہے کفار یعنی اہل ضلالت دو قسم کے ہیں اس لئے یہاں دو مثالیں بیان فرمائی گئیں۔ کفار کی ایک قسم تو یہود ونصاریٰ اور منافقین کی ہے کہ یہ گروہ برائے نام خدا اور روز قیامت کے قائل ہیں۔ عذاب ثواب کو مانتے ہیں اور اسی بنا پر بظاہر عبادت مذہبی اور کار خیر بھی کرنے کے مدعی ہیں مگر ان کا ایمان بے حقیقت ہے۔ ان کی توحید خالص نہیں۔ اس لئے ان کے اعمال آخرت میں سودمند نہ ہوں گے۔ پہلی مثال تو یہاں آیت میں اس قسم کے کفار کی دی گئی ہے۔ دوسری قسم کفار کی وہ ہے جو بت پرست اور غیر اللہ کی پرستش

کرنے والے ہیں۔ دوسری مثال میں ایسے کفار کی مثال دے کر ان کے اعمال کی حقیقت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ پہلی قسم کے کفار جو اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے۔ حالانکہ اگر بظاہر کوئی کام ان کا اچھا بھی ہو تو کفر کی شامت سے وہ عنداللہ مقبول اور معتبر نہیں ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی بتلائی گئی کہ جیسے دوپہر کے وقت جنگل بیابان میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی۔ پیاسا شدت تشنگی سے بے تاب ہو کر جب وہاں پہنچا، تو معلوم ہوا کہ پانی وانی کچھ نہ تھا۔ یہ تو ریت ہی ریت ہے اب ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے موجود تھا چنانچہ اسی اضطراب وحسرت کے وقت اللہ نے اس کا سب حساب ایک دم میں چکا دیا کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ عمر بھر کی شرارتوں اور غفلتوں کا بھگتان کر دیا۔ تو حاصل اس مثال کا یہ ہوا کہ جیسا یہ پیاسا ریت کو ظاہری چمک سے پانی سمجھا اسی طرح یہ کافر اپنے اعمال کو ظاہری صورت سے مقبول اور آخرت میں نفع بخش اور بار آور سمجھا مگر جیسا کہ وہ ریت پانی نہیں اسی طرح اس کے اعمال نافع نہیں اور جیسا وہاں جا کر اس پیاسے کو حقیقت معلوم ہوئی اسی طرح اس کافر کو آخرت میں پہنچ کر حقیقت معلوم ہوگی اور جس طرح یہ پیاسا اپنی توقع کے غلط ہونے سے ناکام ونامراد ہو کر مر گیا اسی طرح یہ کافر بھی اپنی توقع کے غلط ہونے سے ناکام ونامراد ہوگا اور ہلاکت ابدی یعنی عذاب جہنم میں مبتلا ہوگا۔ ایک قسم کی مثال تو یہ ہوئی۔ آگے دوسری قسم کے کفار کے اعمال کی مثال ہے کہ جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل وکفر اور ظلم وعصیان کی اندھیریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں کہ جیسے گہرا سمندر کہ جس میں ایک پانی کی گہرائی کا اندھیرا۔ پھر موجوں کے طوفان کا اندھیرا، جو ایک پر ایک چڑھی چلی آتی ہیں۔ پھر اس کے اوپر گھٹا بادل کا اندھیرا، پھر رات کا وقت، غرض اندھیرے پر اندھیرا ہر طرف سے چھایا ہوا ہے کہ اپنا ہاتھ اٹھا کر آنکھوں کے قریب لا کر دیکھے تو اندھیرے کی وجہ سے نظر نہ آئے کہ ہاتھ کہاں ہے۔ غرض اسے روشنی کی کہیں سے ذرا سی جھلک بھی نہیں ملتی۔ اس مثال کا حاصل یہ ہے کہ اس شخص کے پاس اپنے اعمال کے باب میں کوئی بھی امید افزا اور دل خوش کن بات نہیں ظلمت ہی ظلمت ہے کہ اول تو سمندر گہرا پھر جب امواج کا تلاطم ہو تو اور اندھیرا بڑھے گا۔ پھر اوپر سے بادل کی گھٹا بھی ہو تو اندھیرے کا کچھ ٹھکانا ہی نہ رہے گا، خصوصاً اس شخص کے لئے جو سمندر کی تہ میں ہو۔ تو جس طرح اس مثال میں ظلمت ہی ظلمت ہے، اسی طرح ان کفار کے اعمال میں سراسر تاریکی ہی تاریکی ہے۔ اور سچ ہے روشنی اور نور کا منبع تو اللہ عزوجل کی ذات ہے جو اس کی طرف سے غافل ہو گیا اس کے پاس روشنی کا کیا کام۔

پس مقصود یہ جتلانا ہے کہ ان کفار کو چاہئے کہ اتباع احکام الٰہیہ کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو نور ہدایت دیتا مگر انہوں نے اعراض کیا تو تاریکیوں میں رہ گئے اور کہیں سے بھی سہارا نہ لگا۔ اور اس میں قصور اور کوتاہی سراسر کفار کی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی توحید اور الوہیت اور اس کے نور کی طرف رہنمائی کرنے والے بے شمار نمونے دنیا میں پھیلے ہیں چنانچہ اس کی قدرت کے کچھ نمونے اگلی آیات میں ظاہر فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے کرم سے ہم کو اسلام وایمان کی دولت سے نوازا، حق تعالیٰ ہم کو دنیا میں نور ہدایت سے منور فرمائیں اور آخرت میں بھی ہم کو نور ہدایت کے ثمرات عطا فرمائیں۔ یا اللہ! آج ہم جو نور ہدایت سے غافل ہیں اور دنیا کے ظلمت میں پھنس گئے ہیں تو ہماری اس غفلت کو دور فرما دیجئے اور آخرت کی طرف سے ہماری آنکھیں کھول دیجئے۔ اور اسلام صادق اور ایمان کامل کے ساتھ اس دنیا سے ہمیں کوچ کرنا نصیب فرمائیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ

(اے مخاطب) کیا تجھ کو معلوم نہیں ہوا کہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور پرند جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سب کو اپنی اپنی دُعا

وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

اور اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو اُن لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے۔ اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يُسَبِّحُ پاکیزگی بیان کرتا ہے	لَهٗ اسکی	مَنْ جو	فِى السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین
وَالطَّيْرُ اور پرندے	صٰٓفّٰتٍ پر پھیلائے ہوئے	كُلٌّ ہر ایک	قَدْ عَلِمَ جان لی	صَلَاتَهٗ اپنی دعا	وَ اور	تَسْبِيْحَهٗ اپنی تسبیح
عَلِيْمٌ جانتا ہے	بِمَا وہ جو	يَفْعَلُوْنَ وہ کرتے ہیں	وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	مُلْكُ بادشاہت	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین
وَ اور	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	الْمَصِيْرُ لوٹ کر جانا				

(وَاللّٰهُ اور اللہ)

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں پہلے نور ہدایت اور اہل ہدایت کا ذکر ہوا تھا اور پھر ان کے مقابلہ میں ظلمت اور اہل ضلالت کا ذکر ہوا تھا۔ اب جملہ غافل انسانوں کو جس میں نادان کفار بھی شامل ہیں مخاطب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو کیا ہوگیا کہ جو ظلمات اور تاریکیوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ان کو حق تعالیٰ کا نور ہدایت باوجود غایت ظہور کے نظر نہیں آتا۔ حق تعالیٰ کے نور کی طرف رہنمائی کرنے والے بے شمار نشانات زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں سے صرف چند کو بطور نمونہ ان آیات میں پیش کیا جارہا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ عالم کی ہر ہر چیز اور ہر ہر مخلوق اپنی اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس وعظمت ظاہر کررہی ہے اور اس کی حمد وثنا میں مشغول ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ہر ہر مخلوق اور ہر ہر چیز زبان سے ہی خدا کی پاکی بیان کرتی ہے مگر ہر چیز کی زبان مخصوص ہے اس لئے تسبیح بھی جدا جدا ہے۔ عام انسان ان کی زبان نہیں سمجھتے لیکن خاص خاص روشن ضمیر رکھنے والے کبھی ان کی بولی سمجھ بھی لیتے ہیں چنانچہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کنکریوں کی تسبیح سنی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کھانا کھایا جاتا تھا اور ہم اس کی تسبیح سنتے تھے مسجد نبوی میں کھجور کا ایک ستون تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سہارا لے کر وعظ وخطبہ فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر بن کر تیار ہوگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے اور ستون کو چھوڑ دیا تو وہ رو دیا اور حاضرین نے اس کے رونے کی آواز سنی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سینہ سے چمٹالیا تو اس کا رونا بند ہوا۔ ہم جن کو بے جان اور بے حس سمجھتے ہیں ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عشق ومحبت تھا۔ ایک موقع پر اونٹ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مالک کی شکایت کرنا کہ کام بہت لیتا ہے اور کھانے کو کم دیتا ہے۔ احادیث میں مشہور ہے۔ بہرحال ہر چیز اپنی زبان میں اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے مگر اس کو سننے کے لئے دل کے کان اور دیکھنے کے لئے عقل کی آنکھ اور سمجھنے کے لئے بصیرت کی ضرورت ہے۔ ہر شخص کائنات کی بولی سمجھ نہیں سکتا اسی لئے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ یہاں آیت میں بالخصوص پرندوں کا ذکر علیحدہ فرمایا اس لئے کہ وہ اڑتے ہوئے آسمان اور زمین میں معلق ہوتے ہیں اور ان کا اس طرح ہوا میں اڑتے رہنا قدرت کی ایک نشانی ہے۔ تو حق تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اس کے حال کے مناسب جو طریقہ انابت وبندگی اور تسبیح خوانی کا الہام

فرمایا اس کے مطابق وہ اپنا وظیفۂ بندگی ادا کرتی رہتی ہے لیکن افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے انسان کہلانے والے غرور وغفلت اور ظلمت و جہالت میں پھنس کر مالک حقیقی کی یاد اور اس کی بندگی سے بے بہرہ ہیں۔ مگر ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے تمام افعال و اعمال کا پورا علم ہے اس انکار اور اعراض پر ان کو سزا دے گا۔ وہ بچ کر کہیں جا نہیں سکتے کیونکہ آسمان اور زمین میں اللہ کی حکومت ہے اور آخر میں لوٹ کر ہر ایک کو اسی کے پاس جانا ہے۔

خلاصہ یہ کہ تمام کائنات اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور اپنی زبان اور اپنے طریقہ میں اس کی تسبیح وتقدیس بیان کرتی ہے۔ پس افسوس غافل اور جاہل انسان پر جو خدا کی بندگی سے اعراض وانکار کرتا ہے۔

ابھی مزید دلائل توحید اور قدرت کی نشانیاں اگلی آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنا تسبیح خواں بندہ بنا کر زندہ رکھیں۔ اور شب وروز ہم کو اپنی بندگی اور اطاعت کی توفیق عطا فرماویں۔

یا اللہ! غفلت وجہالت سے ہمارے قلوب کو محفوظ فرمایئے۔ اور یا اللہ! آپ ہی کے پاس لوٹ کر جانے کا یقین کامل عطا فرمایئے۔

یا اللہ! ہمارا پہنچنا آپ کے پاس اس طرح ہو کہ آپ ہم سے راضی اور خوش ہوں۔

یا اللہ! ہم کو آخرت کی طرف سے وہ بصیرت عطا فرمادے کہ جو ہم کسی آن آپ کے سامنے حاضر ہونے سے غافل نہ ہوں۔

یا اللہ! ہم آپ کی اطاعت۔ بندگی اور فرمانبرداری میں کوتاہی کر کے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں ہم کیا منہ لے کر آپ کے سامنے حاضر ہوں گے۔

یا اللہ! جب آپ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہم کو انسانیت کا جامہ عطا فرمایا ہے اور پھر کرم پر کرم کہ ہم کو اسلام سے نوازا ہے۔ تو ہم کو اسلام صادق اور ایمان کامل بھی عطا فرمایئے۔ تاکہ جب ہم آپ کے پاس حاضر ہوں تو سرخروئی نصیب ہو اور آپ کی مغفرت ورحمت کے مورد ہوں۔ اور آپ کے غصہ اور غضب سے بچ جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ

کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ (ایک) بادل کو (دوسرے بادل کی طرف) چلتا کرتا ہے (اور) پھر اس بادل (کے مجموعہ) کو باہم ملا دیتا ہے پھر اس کو تہ بتہ کرتا ہے

خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ

پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس (بادل) کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے پھر اُن کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے

مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے اس بادل کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُس نے اب بینائی لی۔ اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے اس (سب مجموعہ) میں

لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ

اہل دانش کیلئے استدلال (کا موقع) ہے۔ اور اللہ تعالیٰ (ہی) نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر ان میں سے بعضے تو وہ جانور ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعضے ان میں

مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ

وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

قادر ہے۔ ہم نے (حق کے) سمجھانے والے دلائل نازل فرمائے ہیں اور جس کو اللہ چاہتا ہے راہِ راست کی طرف فرماتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	اَنَّ کہ	اللّٰهَ اللہ	يُزْجِيْ چلاتا ہے	سَحَابًا بادل	ثُمَّ پھر	يُؤَلِّفُ ملاتا ہے وہ	بَيْنَهٗ آپس میں
ثُمَّ پھر	يَجْعَلُهٗ وہ اسکو کرتا ہے	رُكَامًا تہہ بہ تہہ	فَتَرَى پھر تو دیکھے	الْوَدْقَ بارش	يَخْرُجُ نکلتی ہے	مِنْ خِلٰلِهٖ اس کے درمیان سے	
وَيُنَزِّلُ اور وہ اتارتا ہے	مِنَ السَّمَآءِ آسمانوں سے	مِنْ سے	جِبَالٍ پہاڑ	فِيْهَا اس میں	مِنْ سے	بَرَدٍ اولے	فَيُصِيْبُ پھر وہ ڈال دیتا ہے
بِهٖ اسے	مَنْ يَّشَآءُ جس پر چاہے	وَيَصْرِفُهٗ اور اسے پھیر دیتا ہے	عَنْ سے	مَنْ يَّشَآءُ جس سے چاہے	يَكَادُ قریب ہے	سَنَا چمک	
بَرْقِهٖ اس کی بجلی	يَذْهَبُ لے جائے	بِالْاَبْصَارِ آنکھوں کو	يُقَلِّبُ اللّٰهُ بدلتا ہے اللہ	الَّيْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن	اِنَّ بیشک	
فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَعِبْرَةً عبرت ہے	لِّاُولِي الْاَبْصَارِ آنکھوں والے عقلمند	وَاللّٰهُ اور اللہ	خَلَقَ پیدا کیا	كُلَّ دَآبَّةٍ ہر جاندار	مِنْ مَّآءٍ پانی سے	
فَمِنْهُمْ پس ان میں سے	مَّنْ يَّمْشِيْ جو کوئی چلتا ہے	عَلٰي بَطْنِهٖ اپنے پیٹ پر	وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَّنْ يَّمْشِيْ کوئی چلتا ہے			
عَلٰي رِجْلَيْنِ دو پاؤں پر	وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَّنْ يَّمْشِيْ کوئی چلتا ہے	عَلٰي پر	اَرْبَعٍ چار	يَخْلُقُ اللّٰهُ اللہ پیدا کرتا ہے	مَا يَشَآءُ جو وہ چاہتا ہے	
اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَلٰي پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرٌ قدرت رکھنے والا	لَقَدْ اَنْزَلْنَآ تحقیق ہم نے نازل کیں	اٰيٰتٍ آیتیں	مُّبَيِّنٰتٍ واضح	
	وَ اور	اللّٰهُ اللہ	يَهْدِيْ ہدایت دیتا ہے	مَنْ يَّشَآءُ جسے وہ چاہتا ہے	اِلٰى طرف	صِرَاطٍ راستہ	مُّسْتَقِيْمٍ سیدھا

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں غافل انسانوں کو مخاطب کر کے بتلایا گیا تھا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا۔ کیا تمہیں نہیں سوجھتا کہ عالم

کی ہر چیز اپنی اپنی زبان میں اللہ کی عظمت ظاہر کر رہی ہے اور اس کی حمد وثنا میں مشغول ہے۔ اللہ عزوجل کی قدرت کی نشانیاں دنیا بھر میں بھری پڑی ہیں، چنانچہ بعض واضح نشانیوں کی طرف توجہ ان آیات میں دلائی جارہی ہے۔ مینہ برستا ہر ایک دیکھتا ہے۔ کبھی یہ بھی خیال کیا کہ اس کے لئے کیا کیا سامان کئے جاتے ہیں۔ بادلوں کو ہر طرف سے گھیر گھار کر اکٹھا کیا جاتا ہے۔ پھر ان کو باہم ملایا جاتا ہے پھر ان کو تہ بتہ ایک دوسرے پر جمایا جاتا ہے اس کے بعد تم دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے مینہ برسنا شروع ہوتا ہے۔ یہ اللہ عزوجل ہی کی قدرت کے کارنامے ہیں اسی کے حکم سے بادل سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر باہم مل جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک گہری گھٹا بن جاتی ہے پھر بوندیں پڑنا شروع ہوتی ہیں اس کے بعد موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر بادلوں سے جو کثیف اور بھاری ہونے میں پہاڑوں کی طرح ہیں اولے برساتا ہے جس سے بہتوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اور بہت سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ پھر اس بادل میں بجلی بھی ہوتی ہے جس کی چمک اتنی تیز ہوتی ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اب بجلی کی چمک سے آنکھوں کی بینائی گئی۔ پھر یہ بھی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ وہ ہی کبھی رات کو کبھی دن کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے۔ تو انسان کو چاہئے کہ قدرت کے ایسے عظیم الشان نشانات دیکھ کر بصیرت اور عبرت حاصل کرے اور اس شہنشاہِ حقیقی کی طرف دل سے رجوع ہو جس کے قبضہ میں ان تمام تصرفات کی باگ ڈور ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک ہی پانی سے طرح طرح کی مخلوق پیدا کر دی ہے ہر چلنے والا جاندار خواہ بری ہو یا بحری، سب کی اصل پانی ہے۔ فلسفہ بھی بتاتا ہے کہ تمام کائنات کی اصل ایک سیال مادہ ہے۔ کوئی اس کو گیس کہتا ہے کوئی کچھ۔ قرآن نے اس کو پانی کہا ہے۔ تو مختلف جنس مختلف نوع ۔مختلف حیثیت رکھنے والے جانداروں کی پیدائش یہ بھی اللہ کی قدرت پر دلالت کرتی ہے۔ ان جانداروں میں کوئی تو پیٹ کے بل چلتا ہے جیسے سانپ مچھلی وغیرہ اور اکثر کیڑے اور پانی کے جانور، کوئی دو پاؤں سے چلتا ہے جیسے انسان اور پرندہ، کوئی چار پاؤں پر چلتا پھرتا ہے جیسے مویشی اور پھر اسکی قدرت اسی پر محدود نہیں وہ جس کو جیسا چاہے بنادے تو یہ صنعت عجیبہ خدا کے سوا کوئی اور بھی کرسکتا ہے؟ جب کوئی نہیں تو اسی کی قدرت وحکومت اور الوہیت مسلم ہوئی پھر اس کو کیوں نہیں مانا جاتا؟ غرض کہ اللہ تعالیٰ نے ہر طرف اپنی قدرت کی نشانیاں دنیا میں پھیلا دی ہیں تاکہ انسان ان نشانیوں کو دیکھے اور ان سے اللہ کو پہچانے اور اس کے آگے جھکے پھر حق کے سمجھانے کے لئے اور ہدایت عام کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صاف صاف آیتیں بھی اپنے رسول پر نازل کر کے انسانوں کو پہنچا دیں جو حقیقت کو بالکل واضح کر دیتی ہیں، جنہیں سن کر چاہئے تو یہ تھا کہ کوئی آدمی بھی نہ بہکتا، لیکن ہدایت اور سیدھی راہ پر چلتا وہی ہے جسے خدا تعالیٰ نے ہدایت کی توفیق دی ہو۔ لاکھوں انسان یہ کھلی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں، لیکن نتیجہ کے اعتبار سے ان کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔ جس انسان کی عقل کو اللہ تعالیٰ ہی اپنے نور ہدایت سے منور کر دیتا ہے اس کی عقل سیدھا راستہ اس کو سمجھا دیتی ہے کہ وہ الوہیت کے حقوق اور احکام الٰہیہ کو بجالاتا ہے۔ ورنہ بہت سے تو محروم ہی رہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اَبر کا اٹھنا اور ان کا اکٹھا ہو کر گہری گھٹا کا بن جانا۔ پھر اس سے مینہ کا برسنا، اولوں کا گرنا، بجلی کا کوندنا اور شبانہ روز کا ادل بدل ہونا یہ سب اللہ کی قدرت کے نمایاں آثار

ہیں۔جنہیں دیکھ کر انسان کو اللہ کی معرفت حاصل کرنی چاہیے اور ایمان و اطاعت کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔اسی طرح مختلف جنس۔اور مختلف نوع اور مختلف اقسام کے جانوروں کی پیدائش بھی اللہ کی قدرت پر دلالت کرتی ہے اگر انسان عقل کی روشنی سے کام لے۔ پھر دماغوں کو بیدار کرنے اور جہالت کو دور کرنے اور علمی روشنی پیدا کرنے کے لئے اللہ پاک نے قرآنی آیات نازل فرمائیں جن سے علمی و عملی حقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔صحیح غلط میں امتیاز اور خیر وشر میں فرق ہوجاتا ہے مگر اس کے باوجود اکثر لوگ جہالت کی وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں۔کوئی نشانی، کوئی دلیل۔کوئی تذکیران کے دماغوں میں روشنی اور اعمال میں اصلاح پیدا نہیں کرتی۔حقیقت یہ ہے کہ ہادی برحق اللہ پاک ہی کی ذات ہے وہ جس کو چاہتا ہے علم و عمل کا سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔تو معلوم ہوا کہ اسباب کی تدبیر بھی دستِ قدرت کی محتاج ہے۔ خالی عقل، یا فطرت یا نزول احکام کسی کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی نہ ہو۔

اسی بات کی تائید میں ایک گمراہ فرقہ یعنی منافقوں کا آگے تذکرہ فرمایا جاتا ہے کہ جن کو باوجود ہر طرح سے حق کے سمجھانے والے دلائل اور عام احکام ہدایت نازل ہونے کے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی قدرت سے ہماری بھی ہدایت کے سامان عطا فرمائیں اور قرآن پاک کے نور ہدایت سے ہمارے دلوں کو منور فرمائیں اور اپنی قدرت کی نشانیوں کو ہمارے لئے اپنی معرفت کا ذریعہ بنادیں تا کہ احکام الٰہیہ کی طاعت و بجا آوری ہمارے لئے آسان ہو اور غفلت و جہالت کے پردے ہمارے دلوں سے چاک فرمادیں تا کہ کسی آن ہم سے چھوٹی یا بڑی کوئی نافرمانی سرزد نہ ہو۔

یا اللہ! یہ آپ ہی کی قدرت اور مشیت ہے کہ بادلوں سے پانی برستا ہے اور پھر وہ آپ ہی کی مشیت سے کسی کے لئے رحمت ہے اور کسی کے لئے زحمت ہے۔جس کو آپ چاہیں فائدہ پہنچاتا ہے اور جس کو آپ چاہیں نقصان دیتا ہے۔

یا اللہ! آپ نے اپنی معرفت کے لئے دنیا میں اپنی قدرت کی بے شمار نشانیاں پھیلا رکھی ہیں تا کہ انسان انہیں دیکھے اور آپ کی وحدانیت الوہیت اور ربوبیت کا معترف ہو کر آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرے۔

یا اللہ! آپ نے اپنے فضل و کرم سے انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآن کریم نازل فرما کر ہر ایک کی ہدایت کا سامان فرمادیا۔مگر ہم نے اپنی غفلت اور جہالت سے آپ کی اس نعمت عظیم قرآن کریم کی قدر نہ پہچانی۔

یا اللہ! ہادیٔ برحق آپ ہی کی ذات عالی ہے۔ہم آپ ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔آپ ہی سے التجا اور فریاد کرتے ہیں کہ ہمارے لئے ہدایت کے راستہ پر چلنا آسان کردے اور اپنی رضا کا حصول ہمارے لئے سہل فرمادے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَقُولُونَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُولِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ

اور (یہ منافق) لوگ (زبان سے) دعوے کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے اور حکم مانا پھر اس کے بعد ان میں کا ایک گروہ سرتابی کرتا ہے اور یہ لوگ

اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ

(دل میں) اصلاً ایمان نہیں رکھتے۔ اور جب یہ لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کردیں تو ان میں کا ایک گروہ

مُّعْرِضُونَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿۴۹﴾ ؕ اَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوٓا

پہلوتہی کرتا ہے۔ اور اگر ان کا حق (کسی کی طرف واجب) ہو تو سر تسلیم خم کئے ہوئے آپ کے پاس چلے آتے ہیں۔ آیا اُن کے دلوں میں (کفر جازم کا) مرض ہے یا یہ (نبوت کی طرف سے) شک میں پڑے ہیں

اَمْ يَخَافُونَ اَنْ يَّحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿۵۰﴾ ع

یا اُن کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں (سو ان میں سے کوئی سبب) نہیں بلکہ (اصلی سبب یہ ہے کہ) یہ لوگ برسرِ ظلم (ہوئے) ہیں

وَيَقُولُونَ اور وہ کہتے ہیں	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَبِالرَّسُولِ اور رسول پر	وَاَطَعْنَا اور ہم نے حکم مانا	ثُمَّ يَتَوَلّٰى پھر پھر گیا				
فَرِيقٌ ایک فریق	مِّنْهُمْ ان میں سے	مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد	وَمَآ اُولٰٓئِكَ اور وہ نہیں	بِالْمُؤْمِنِينَ ایمان والے	وَاِذَا اور جب				
دُعُوٓا وہ بلائے جاتے ہیں	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	وَرَسُولِهٖ اور اس کا رسول	لِيَحْكُمَ تاکہ وہ فیصلہ کردیں	بَيْنَهُمْ انکے درمیان	اِذَا ناگہاں				
فَرِيقٌ ایک فریق	مِّنْهُمْ ان میں سے	مُّعْرِضُونَ منہ پھیر لیتا ہے	وَاِنْ اور اگر	يَّكُنْ ہو	لَّهُمُ ان کیلئے	الْحَقُّ حق	يَاْتُوٓا اِلَيْهِ وہ آتے ہیں اسکی طرف		
مُذْعِنِينَ گردن جھکائے	اَفِي قُلُوبِهِمْ کیا ان کے دلوں میں	مَّرَضٌ کوئی روگ	اَمِ یا	ارْتَابُوٓا وہ شک میں پڑے ہیں	اَمْ یا				
يَخَافُونَ وہ ڈرتے ہیں	اَنْ کہ	يَّحِيفَ اللّٰهُ ظلم کرے گا اللہ	عَلَيْهِمْ اُن پر	وَرَسُولُهٗ اور اسکا رسول	بَلْ بلکہ	اُولٰٓئِكَ وہ	هُمُ وہی	الظّٰلِمُونَ ظالم	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو حق کے سمجھانے والے دلائل عام ہدایت کے لئے نازل فرمائے ہیں مگر ان سے فائدہ انہی لوگوں کو پہنچتا ہے جن کو فائدہ پہنچانا ہادیٔ برحق کو منظور ہو۔ اب آگے ان آیات میں اس گمراہ طبقہ میں سے ایک خاص گروہ کا بیان ہے جن کو شمع ہدایت کے ہوتے ہوئے راہِ حق نہ ملی۔ یہ طبقہ منافقوں کا تھا جو منہ سے تو اسلام کا دعویٰ اور فرمانبرداری کا اقرار کرتے تھے مگر دل سے اسلام کے منکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے۔ مسلمانوں کے سامنے آتے تو اسلام دوستی کی باتیں کرتے اور جب تخلیہ میں اپنے ہم نواؤں سے ملتے تو وہی کور باطنی ظہور میں آتی۔ اسی طبقہ میں سے بعض کے متعلق ان آیات کا نزول ہوا۔

مفسرین نے ان آیات کے نزول کے متعلق بعض خاص واقعات بھی بیان کئے ہیں لکھا ہے کہ بشر ایک منافق تھا۔ کچھ زمین کے متعلق کسی یہودی سے اس کا جھگڑا ہو گیا یہودی نے کہا کہ تم اپنے پیغمبر کے پاس چلو۔ ان کے فیصلہ کو میں تسلیم کرلوں گا۔ تو منافق بولا وہاں نہیں۔ کعب بن اشرف یہودی کے پاس چلو۔ اس سے فیصلہ کرائیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل وانصاف اور صدق وامانت تو مخالفین کے نزدیک بھی مسلم تھا۔ یہودی سمجھتا تھا کہ اگر مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

اجلاس میں جائے گا اور میرا حق ثابت ہوجائے گا تو آپ اسی کے موافق فیصلہ فرمادیں گے مگر منافق باوجودیکہ دعویٰ ایمان اور اطاعتِ رسول کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے سے کتراتا اور اپنے جھگڑے کے فیصلہ کے واسطے یہ سمجھ کر کہ وہاں تو فیصلہ تمام تر حق وانصاف ہی کے مطابق ہوگا اور کوئی خیانت اور چالاکی چلنے نہ پائے گی ٹال مٹول کرتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فیصلہ کے لئے مقدمہ لانے سے پہلو بچاتا کہ وہاں تو قلعی کھل جائے گی۔ ہاں جب ان کا حق کسی اور کے ذمہ نکلتا ہوتا اور یہ منافق خود مظلوم ہوتے تو پھر بے تکلف اپنے مقدمہ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوجاتے اس اطمینان پر کہ وہاں تو حق رسی ہی ہوگی۔

الغرض ان آیات میں منافقین کے متعلق ذکر ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافقین زبان سے تو دعویٰ ایمان اور اطاعت رسول کا کرتے ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو پھر جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں شروع ہی سے ایمان موجود ہی نہ تھا۔ جو کچھ زبانی جمع خرچ تھا۔ امتحان اور آزمائش کے وقت اس کی بھی قلعی کھل جاتی تھی۔ اگر ان منافقین کا جھگڑا کسی سے ہوگیا اور یہ سمجھتے ہوں کہ ہم ناحق پر ہیں۔ اس وقت اگر دوسرا فریق کہتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل کر اس معاملہ کو طے کرالو تو یہ منافق رضامند نہیں ہوتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً بلا رورعایت حق کے موافق فیصلہ کریں گے جو ان کے مفاد کے خلاف پڑے گا۔ حالانکہ پہلے سے یہ دعویٰ کررہے تھے کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور انکا حکم ماننے کو تیار ہیں۔ اب وہ دعویٰ کہاں گیا؟ ہاں اگر کسی معاملہ میں حق ان کی جانب ہوتو اس وقت بہت جلدی سے گردن جھکا کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوجائیں اور فیصلہ کا انحصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر کردیں گے۔ کیونکہ سمجھتے ہیں کہ عدالتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا۔ تو یہ ایمان اور اسلام کیا ہوا؟ محض نفس وہوا پرستی ہوئی۔ اس کے متعلق صاف فرمایا گیا **وما اولٰٓئک بالمؤمنین**۔ اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں۔ کیونکہ ان کے عمل سے ثابت ہوا کہ ان کے دلوں میں شریعت کی صداقت کا یقین نہیں۔ رسول کی رسالت اور قرآن کی حقانیت سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ یہ تو خواہش نفس کے بندے ہیں جہاں اپنے مطلب کو پورا ہوتے دیکھا تو متوجہ ہوجاتے۔ ورنہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ منافقین کے اس طرزِ عمل کی دو ہی وجہ ممکن ہیں یعنی خدا اور رسول کی بابت انہیں کوئی دھوکا لگا ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت یا اللہ کے وعدہ وعید میں کوئی شک و شبہ ہے یا ان کو یہ گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے معاملات کے خلاف انصاف فیصلہ کریں گے؟ اس لئے حضور کی عدالت میں مقدمہ لے جاتے ہوئے کتراتے ہیں۔ سو یاد رکھو وہاں تو ظلم اور بے انصافی کا امکان ہی نہیں، ہاں خود ان ہی لوگوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے اس لئے اپنے معاملات کو خدائی عدالت میں لانے سے گھبراتے ہیں۔ جہاں یہ سمجھتے ہیں کہ رسول کا منصفانہ فیصلہ ہمارے مطلب کے خلاف ہوگا۔

مفسرین نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ یہ معاملہ صرف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی کے لئے نہ تھا بلکہ آپ کے بعد بھی جو اسلامی حکومت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اس کی عدالت میں طلبی دراصل اللہ اور رسول کی عدالت میں طلبی ہے اور اس سے منہ موڑنے والا درحقیقت اللہ اور رسول سے منہ موڑنے والا ہے۔ انہی آیات سے فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ حاکم شریعت جب کسی مقدمہ کے تصفیہ کے لئے بلائے تو حاضری لازمی ہے خود ایک حدیث میں جسے حسن بصریؒ

نے روایت کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے حکام عدالت میں سے کسی حاکم کی طرف بلایا جائے اور وہ حاضر نہ ہو تو وہ ظالم ہے اس کا کوئی حق نہیں ہے یعنی ایسا شخص سزا کا بھی مستحق ہے اور مزید برآں اس کا بھی مستحق ہے کہ اس کے خلاف یک طرفہ فیصلہ دے دیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ یہ آیات اس حقیقت کو صاف صاف کھول کر بیان کر رہی ہیں کہ شریعتِ الٰہی کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرنا اور کرانا عین لازمۂ ایمان ہے۔ جو شخص شریعت کے احکام جو اپنے مطلب کے موافق ہوں ان کو تو لپک کر خوشی خوشی لے لے مگر جو شریعت الٰہیہ میں اس کی اغراض وخواہشات کے خلاف ہو اسے رد کر دے اور اس کے مقابلہ میں دوسرے دنیوی احکام و قوانین کو ترجیح دے اور قبول کرے تو ان آیات کے مطابق وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے سورۂ اعراف کی ایک آیت کے تشریح کے ضمن میں لکھا ہے کہ جیسے قلب سے نبی کی تکذیب کرنا کفر ہے اسی طرح زبان سے تکذیب کرنا بھی کفر ہے اور برتاؤ میں مخالفت وعداوت انبیاء سے کرنا بھی کفر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جو لوگ شرعی احکام واصول کی توہین کرتے ہیں اور ان کو نا قابلِ التفات سمجھ کر ہنسی اڑاتے ہیں وہ ایمان سے خارج ہو جاتے ہیں گو وہ زبانی کیسا ہی اسلام کا دعویٰ کرتے رہیں۔

یہاں ان آیات میں تو بیان منافقین کے متعلق ہوا جو بظاہر مسلمان بنے ہوتے ہیں مگر در پردہ اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ہیں اور جو حقیقی مسلمان ہیں ان کا رویہ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اسلام اور ایمان کے زبانی اقرار کے ساتھ دل سے بھی شریعت الٰہیہ کا مطیع وفرمانبردار بنا کر زندہ رکھیں قرآنی احکام اور شرعی قوانین کے آگے ہماری گردنیں ہمیشہ جھکی رہیں اللہ تعالیٰ شریعتِ مطہرہ کی مخالفت سے علماً و عملاً ہم سب کو محفوظ رکھیں اور ظاہر میں وباطن میں دل وجان سے کامل اتباع شریعت الٰہیہ کا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! منافقین کا گروہ ابتدا ہی سے اہل اسلام میں گھسا ہوا ہے۔ اور طرح طرح کی فتنہ پردازیاں کرتا رہا ہے۔

یا اللہ! اس ملک میں بھی منافقین کی خصلتوں کے حامل لوگ موجود ہیں اور جو اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔

یا اللہ! ایسے لوگوں کے شر سے اس ملک کو اور اہل اسلام کو بچا لیجئے۔ اگر ان مفسدوں کے لئے ہدایت مقدر ہے تو ان کو اسلام کا سچا پیرو بنا دیجئے ورنہ ان کے وجود سے اہل ملک کو پاک کر دیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا

مسلمانوں کا قول تو جبکہ اُن کو اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بُلایا جاتا ہے تا کہ اُن کے درمیان فیصلہ کر دیں یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم نے سُن لیا

وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ

اور مان لیا۔اور ایسے لوگ فلاح پائیں گے۔اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے بس ایسے ہی لوگ بامراد ہوں گے۔

هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٢﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُلْ لَا تُقْسِمُوا ۖ

اور وہ لوگ بڑا زور لگا کر قسمیں کھایا کرتے ہیں کہ واللہ (ہم ایسے فرمانبردار ہیں کہ) اگر آپ اُنکو (یعنی ہم کو) حکم دیں تو وہ ابھی نکل کھڑے ہوں۔(آپ اُن سے) کہہ دیجئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ

طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِنْ

(تمہاری) فرمانبرداری (کی حقیقت) معلوم ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔آپ کہیئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم لوگ

تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا

روگردانی کرو گے تو سمجھ رکھو کہ رسولؐ کے ذمہ وہی ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم نے اُن کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے۔

الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٥٤﴾

اور رسولؐ کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

إِنَّمَا اسکے سوا نہیں	كَانَ ہے	قَوْلَ بات	الْمُؤْمِنِينَ مومن	إِذَا جب	دُعُوا وہ بلائے جاتے ہیں	إِلَى اللَّهِ اللہ کی طرف	وَرَسُولِهِ اور اسکا رسول	
لِيَحْكُمَ تاکہ وہ فیصلہ کردیں	بَيْنَهُمْ انکے درمیان	أَنْ کہ۔تو	يَقُولُوا وہ کہتے ہیں	سَمِعْنَا ہم نے سنا	وَأَطَعْنَا اور ہم نے اطاعت کی			
وَأُولَٰئِكَ اور وہ	هُمُ وہی	الْمُفْلِحُونَ فلاح پانے والے	وَمَنْ اور جو	يُطِعِ اللَّهَ اطاعت کرے اللہ کی	وَرَسُولَهُ اور اسکا رسول	وَيَخْشَ اور ڈرے		
اللَّهَ اللہ	وَيَتَّقْهِ اور پرہیزگاری کرے	فَأُولَٰئِكَ پس وہ	هُمُ وہی	الْفَائِزُونَ کامیاب ہونیوالے	وَأَقْسَمُوا اور انہوں نے قسم کھائی	بِاللَّهِ اللہ کی		
جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ اپنی زوردار قسمیں	لَئِنْ البتہ اگر	أَمَرْتَهُمْ آپ حکم دیں انہیں	لَيَخْرُجُنَّ تو وہ ضرور نکل کھڑے ہوں گے	قُلْ فرمادیں				
لَا تُقْسِمُوا تم قسمیں نہ کھاؤ	طَاعَةٌ اطاعت	مَعْرُوفَةٌ پسندیدہ	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	خَبِيرٌ خبر رکھتا ہے	بِمَا وہ جو	تَعْمَلُونَ تم کرتے ہو		
قُلْ فرمادیں	أَطِيعُوا اللَّهَ تم اطاعت کرو اللہ کی	وَأَطِيعُوا اور اطاعت کرو	الرَّسُولَ رسول کی	فَإِنْ تَوَلَّوْا پھر اگر تم پھر گئے	فَإِنَّمَا تو اسکے سوا نہیں			
عَلَيْهِ اس پر	مَا جو حُمِّلَ بوجھ ڈالا گیا (ذمے)	وَعَلَيْكُمْ اور تم پر	مَا حُمِّلْتُمْ جو بوجھ ڈالا گیا تم پر (ذمے)	وَإِنْ اور اگر	تُطِيعُوهُ تم اطاعت کروگے			
	تَهْتَدُوا تم ہدایت پالوگے	وَمَا اور نہیں	عَلَى پر	الرَّسُولِ رسول	إِلَّا مگر۔صرف	الْبَلَاغُ پہنچادینا	الْمُبِينُ صاف صاف	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں منافقین کا حال بیان ہوا تھا کہ یہ لوگ زبان سے تو ایمان اور رسول کی فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں مگر

آزمائش کے موقع پر منہ موڑ جاتے ہیں۔ جب کسی فیصلہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں۔ تو حاضر ہونے سے ٹال مٹول کرتے ہیں اور اگر ان کو یہ معلوم ہو جاوے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا تو دربار رسالت میں دوڑے چلے آتے ہیں گویا خواہش نفس کے بندے ہیں کہ جہاں اپنا مطلب اور ہوا وہوس کو پورا ہوتا دیکھا تو اللہ اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں ورنہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں ایسے منافقین کے متعلق کہا گیا تھا کہ یہ لوگ بالکل مومن نہیں۔ اور ان کا شمار ایمانداروں میں نہیں ہوسکتا۔

اب ان منافقین کے مقابل میں مخلص مومنین اور سچے اور پکے مسلمانوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے تاکہ نفاق اور ایمان کی کسوٹی نمایاں ہو جائے اور مخلص و منافق کو جانچنے کا ایک ضابطہ معلوم ہو جائے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مومن یعنی سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہئے کہ جب کسی معاملہ میں ان کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جائے خواہ اس میں بظاہر ان کا نفع ہو یا نقصان۔ بغیر توقف اور کسی پس وپیش کے فی الفور سمعنا واطعنا کہہ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہو جاویں۔ اسی میں ان کی اصل بھلائی اور حقیقی فلاح کا راز مضمر ہے اور ایسے ہی لوگ آخرت میں فلاح پائیں گے۔ آگے ایک عام ضابطہ اور قاعدہ کلیہ بیان فرمایا جاتا ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور احکام الٰہیہ کی مخالفت سے بچے تو اس کے لئے دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے نیز ان منافقین کی جن کا ذکر گذشتہ آیت میں ہوا یہ حالت ہے کہ وہ بڑی زوردار تاکیدی قسمیں کھا کر آپ کو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ واللہ آپ ہم کو حکم دیں تو ہم سب گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکلنے کے لئے تیار ہیں اور حضور ذرا اشارہ فرمائیں تو سب مال ودولت اللہ کے راستہ میں لگا دیں۔ حق تعالیٰ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منافقین سے کہہ دیجئے کہ ایسی لمبی چوڑی قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت سب کو معلوم ہو چکی کہ زبان سے دعویٰ بہت کچھ کیا کرتے ہو اور عمل کا وقت آئے تو چپکے سے کھسک جاتے ہو۔ فرض کرو کہ قسمیں کھا کر بندوں کو اپنی بات کا یقین بھی دلا دو لیکن اللہ تعالیٰ کے آگے کسی کا فریب اور چالاکی نہیں چل سکتی وہ تو تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کی خبر رکھتا ہے۔ پس باتیں بنانے سے کام نہیں چلتا۔ کام کرو یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرو۔ آگے حق تعالیٰ اسی مضمون کی تاکید میں خود ان لوگوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کا بوجھ رکھا گیا ہے جس کو آپ نے پوری طرح کماحقہ، ادا کر دیا اور تم پر جو بوجھ ڈالا گیا ہے وہ تصدیق اور قبول حق کا ہے اور اس کے موافق عمل کرنے کا۔ اگر تم اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل دل سے کرو گے تو دارین کی کامیابی اور صلاح و فلاح پاؤ گے اور دنیا وآخرت میں خوش رہو گے۔ ورنہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کچھ نقصان نہیں۔ تمہاری شرارت اور سرکشی کا خمیازہ تم کو ہی بھگتنا پڑے گا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا فرض ادا کر کے عنداللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے اب آگے تم سے باز پرس ہوگی کہ قبول کیا یا نہیں اور اطاعت اختیار کی یا نہیں؟

اطاعت کا کام ہے کس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اگر تم نے روگردانی نہ کی اور رسول کی اطاعت کر لی تو راہِ ہدایت پر جالگو گے۔ بہرحال رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر احکام پہنچا دینا ہے (آگے تم سے باز پرس ہوگی کہ قبول کیا یا نہیں۔''

خلاصہ یہ کہ اخلاص کا ثبوت عمل سے ہوتا ہے محض زبانی اقرار عملی مخالفت کے ساتھ مومن ہونے کے لئے کافی نہیں۔ مومن کے لئے لازم ہے کہ فرائض الٰہیہ کو ادا کرے۔ سنن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے، گذشتہ گناہوں کے مواخذہ سے ڈرتا رہے اور آئندہ کے لئے نافرمانیوں اور گناہوں سے اجتناب کرے۔ ایسے لوگوں کے لئے اُخروی کامیابی اور بامراد ہونے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اور علاوہ آخرت کی کامیابی کے ایسے لوگوں کو دنیوی انعامات بھی ملنے والے ہیں جیسا کہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

 25

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ

تم میں جولوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں اُن سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا اُن سے پہلے (اہل ہدایت)

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ

لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور جس دین کو اُن کیلئے پسند فرمایا ہے (یعنی اسلام) اسکو اُن کیلئے قوت دیگا اور اُن کے اس خوف کے بعد اُس کو مبدل باَمن کردے گا

بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔ اور جو شخص بعد (ظہور) اس (وعدہ) کے ناشکری کرے گا تو یہ لوگ بے حکم ہیں۔

الْفٰسِقُوْنَ ۵۵ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۵۶ لَا تَحْسَبَنَّ

اور (اے مسلمانو!) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (باقی احکام میں بھی) رسول کی اطاعت کیا کرو تا کہ تم پر (کامل) رحم کیا جاوے۔ (اے مخاطب)

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۵۷ۧ

کافروں کی نسبت خیال مت کرنا کہ زمین میں (بھاگ کر ہم کو) ہرادیں گے اور (آخرت میں) اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ اللہ نے وعدہ کیا	الَّذِيْنَ ان لوگوں سے	اٰمَنُوْا جو ایمان لائے	مِنْكُمْ تم میں سے	وَعَمِلُوْا اور کام کئے	الصّٰلِحٰتِ نیک		
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ وہ ضرور انہیں خلافت دے گا	فِي الْاَرْضِ زمین میں	كَمَا جیسے	اسْتَخْلَفَ اس نے خلافت دی	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو			
مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	وَلَيُمَكِّنَنَّ اور ضرور قوت دے گا	لَهُمْ ان کیلئے	دِيْنَهُمْ ان کا دین	الَّذِي جو	ارْتَضٰى اس نے پسند کیا		
لَهُمْ ان کیلئے	وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ اور البتہ ضرور بدل دیگا ان کیلئے	مِنْ بَعْدِ بعد	خَوْفِهِمْ انکا خوف	اَمْنًا امن	يَعْبُدُوْنَنِيْ وہ میری عبادت کرینگے		
لَا يُشْرِكُوْنَ وہ شریک نہ کریں گے	بِيْ میرا	شَيْـــًٔا کوئی شے	وَمَنْ اور جس	كَفَرَ ناشکری	بَعْدَ ذٰلِكَ اس کے بعد	فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ پس وہی لوگ	
الْفٰسِقُوْنَ نافرمان	وَاَقِيْمُوْا اور تم قائم کرو	الصَّلٰوةَ نماز	وَاٰتُوْا اور ادا کرو تم	الزَّكٰوةَ زکوٰۃ	وَاَطِيْعُوا اور اطاعت کرو	الرَّسُوْلَ رسول	
لَعَلَّكُمْ تاکہ تم پر	تُرْحَمُوْنَ رحم کیا جائے	لَا تَحْسَبَنَّ ہرگز گمان نہ کریں	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ جنہوں نے کفر کیا (کافر)	مُعْجِزِيْنَ عاجز کرنیوالے ہیں			
فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَمَاْوٰىهُمْ اور ان کا ٹھکانہ	النَّارُ دوزخ	وَلَبِئْسَ اور البتہ بُرا	الْمَصِيْرُ ٹھکانہ			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مخلص مؤمنین کا حال بیان فرما کر بتلایا گیا تھا کہ یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تو بلا پس وپیش بسروچشم کہہ کر حاضر ہوجاتے ہیں ایسے ہی مؤمنین کے متعلق فرمایا گیا تھا کہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ پھر اوپر بطور قاعدہ کلیہ کے یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ آخرت میں وہی بامراد اور پورے کامیاب ہوں گے جو دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانیں گے۔ دل میں ہر وقت اللہ کا خوف رکھیں گے اور اس کے احکام کی مخالفت سے بچیں گے۔ پھر یہ بھی کھلی ہوئی نصیحت اور ہدایت فرمادی گئی تھی کہ پیغمبر علیہ السلام کا جو کام تھا یعنی تبلیغ دین وہ پورا فرما چکے اب یہ تمہارا کام ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے پیغام کو سنو اور سمجھو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ اگر تم اللہ کے رسول کا کہنا مانو گے اور ان کے احکام کی اتباع وپیروی کرو گے تو دنیا اور آخرت دونوں جہان میں

سرخرو اور بامراد ہو گے۔ کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور سارے مقاصد حاصل کرنے کا سیدھا راستہ تمہیں مل جائے گا۔

اب آگے ان آیات میں صاف بتلا دیا گیا کہ پیغمبر علیہ السلام کے فرمانبردار کو کیا کچھ اسی دنیا میں ملنے والا ہے۔ یہاں ضروری ہے کہ آپ اس وقت اور اس حالت کو ذہن میں رکھیں جب کہ ان آیات کا نزول تھا۔ تیرہ سال تک کفار مکہ کے مظالم خاموشی اور استقلال کے ساتھ سہتے سہتے مسلمان اللہ کے حکم سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے۔ مگر یہاں بھی شروع میں کافروں نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار اور مطیع صحابہ کرام جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور انصار مدینہ جوان کے مددگار اور ساتھی ہو گئے تھے۔ ابتداء میں ان سب حضرات کو بڑی مصیبتوں سے سابقہ پڑا۔ کفار مکہ کی دشمنی کے علاوہ خود یہود مدینہ مخالفت پر کمربستہ تھے۔ تمام جزیرۂ عرب بلکہ حدود شام کے رہنے والے عیسائی بھی دشمن ہو گئے۔ ان کے علاوہ ایک گروہ منافقوں کا پیدا ہو گیا جو ظاہر میں مسلمانوں سے ملے رہتے تھے مگر باطن میں دشمنوں کے ساتھی تھے۔ اہل اسلام کو ہر وقت دشمنوں کی یورش کا خطرہ رہتا تھا۔ شبانہ روز خوف کی حالت تھی۔ مسلمان ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے۔ اسی حالت میں ایک بار ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارے لئے ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا کہ ہتھیار کھول کر امن کے ساتھ رہیں اور اللہ کے سوا ہم کو کسی کا خوف نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی قدر اسی حالت پر صبر کرنا پڑے گا لیکن پھر ایسی حالت ہو جائے گی کہ تم امن کے ساتھ جلسوں میں چادریں اوڑھے بیٹھے رہو گے اور ہتھیار کا نام بھی نہ ہو گا۔ اس وقت میں ان آیات کا نزول ہوا جس میں ایک عظیم الشان پیشین گوئی فرمائی گئی اور صحابۂ کرام کو بشارات سنائی گئیں کہ آج یہ مخالفین سے لرزاں و ترساں ہیں لیکن عنقریب ان کو زمین کی حکومت اور سلطنت دی جائے گی۔ یہ پیغمبر علیہ السلام کے جانشین ہو کر دین حق کی بنیادیں جمائیں گے اور خشکی و تری میں اس دین الٰہی کا سکہ بٹھا دیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا۔ وہ کامل امن و اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوں گے اور دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہو گا۔ ان مقبول و معزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہو گی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہو گی صرف ایک خدا کے غلام ہوں گے۔ اسی سے ڈریں گے اسی سے امید رکھیں گے اسی پر بھروسہ کریں گے۔ اسی کی رضا میں ان کا جینا اور مرنا ہو گا۔ کسی دوسری ہستی کا خوف و ہراس ان کے پاس نہ پھٹکے گا۔ نہ کسی دوسرے کی خوشی ناخوشی کی پروا کریں گے۔ الحمدللہ کہ حق تعالیٰ کا یہ وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاتھوں پورا ہوا اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشین گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ مکہ، خیبر، بحرین، جزیرۂ عرب اور یمن تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فتح ہو گیا تھا۔ پھر جب آپ کی خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنبھالی تو جزیرۂ نما عرب کی حکومت کو مضبوط اور مستقل بنایا۔ ایک لشکر جرار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپہ سالاری میں بلاد فارس کی طرف بھیجا اور وہاں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ شام کے ممالک کی طرف حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں اسلام کے جانبازوں کو روانہ فرمایا جہاں صلیبی نشان گرا کر اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ پھر مصر کی طرف مجاہدین کا ایک لشکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرداری میں روانہ فرمایا۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا دور آیا تو تمام ملک شام، پورا علاقہ مصر اور اکثر ملک فارس کا آپ کی خلافت کے زمانہ میں فتح ہوا۔ سلطنتِ کسریٰ کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ گئے۔ قیصر کو فنا کر دیا۔ ان سلطنتوں کی صدیوں کی دولت اور جمع کئے ہوئے بے شمار خزانہ بندگانِ خدا پر خرچ کئے گئے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا دور آتا ہے تو مشرق و مغرب تک خدا کا دین پھیل جاتا ہے۔ مجاہدین کی تلواریں خدا کے دین کو دنیا کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں پہنچا دیتی ہیں، اُندلس، قبرص یہاں تک کہ چین تک آپ کے زمانہ میں فتح ہوئے، دوسری طرف مدائن، عراق، خراسان سب فتح ہو گئے۔ سلطنت خاقان خاک میں مل گئی۔ عالم میں سب

سے بڑا اقتدار اہل اسلام کا ہو گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۳۰ سال بہت ہی قوت اور شوکت کے رہے۔ غرض کہ حق تعالیٰ نے جو وعدہ ان آیات میں فرمایا تھا کہ دنیا کی سلطنت و حکومت ان کو عطا فرمائے گا وہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں پورا ہوا۔ پھر حکومت عطا کرنے کا منشا بھی ظاہر فرما دیا کہ دنیوی سلطنت دینے کا اصل منشاء دین کو بلند اور مستحکم کرنا ہے۔ نہ کہ محض دنیا طلبی۔ یہی سبب ہے کہ جب مسلمانوں نے بھی حکومت اور سلطنت کی اصل غرض کو فراموش کر دیا اور سلطنت کو صرف ظاہری برتری اور نام و نمود کا ذریعہ بنا لیا اور دین کی حمایت اور اشاعت کو پس پشت ڈال دیا تو اللہ نے ان سے ظاہری شوکت و جلال بھی چھین لیا کیونکہ اس وقت اہل حق کی سلطنت اور اہل باطل کی حکومت میں کوئی فرق نہ رہا اور امتیاز دینی فوت ہو گیا اس لئے آگے صاف فرما دیا گیا کہ اگر اس انعام باری تعالیٰ سے کسی نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور عطائے سلطنت کی اصل غرض کو فوت کر دیا اور عدل کو چھوڑ کر ظلم کی طرف میلان کیا اور توحید و عبادت کے جذبہ کو پس پشت ڈال کر دنیوی کامرانی اور عیش پرستی کو مطمع نظر بنا لیا اور اس طرح کفرانِ نعمت کیا تو ایسے لوگ فاسق ہیں۔ حکم الٰہی سے سرتابی کرنے والے ہیں۔ ان سے نہ وعدۂ نصرت ہے نہ غلبہ و تسلط عطا کرنے یا قائم رکھنے کی صراحت ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب خلفائے راشدین کے بعد خلافت اسلامیہ کسریٰ اور ہرقل کے طریق پر چلنے لگی اور دنیاوی نام و نمود اور ظاہری بہبود کے جال میں پھنس گئی اور بیت المال رعایا کا نہ رہا بلکہ سلطنت کا خزانہ ہو گیا اور بادشاہ کا موروثی مال سمجھا جانے لگا اور فسق و فجور پھیل گیا تو مسلمانوں کے اقبال کے ستارہ کو گہن لگنا شروع ہو گیا۔ ترقی کے بجائے تنزل اور سعادت کے بجائے نحوست آ گئی اور اصولِ قرآنی کی خلاف ورزی نے حکومت اسلامیہ کی جڑ کو گھن کی طرح کھانا شروع کر دیا اور انجام کار یہ روز بد تک دیکھنا نصیب ہوا جو آج ہماری نظروں کے سامنے ہے کہ مسلمانوں کا قبلۂ اول یعنی بیت المقدس بھی کفار کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آیت میں اسی لئے حق تعالیٰ نے آگے ہدایت فرما دی کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اللہ کے فرمانوں پر کاربند رہیں۔ خصوصاً نماز کی پابندی رکھیں، شرعی زکوٰۃ دیں اور ہر قول و عمل میں اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقشِ قدم پر چلیں تا کہ اللہ ان پر رحم فرمائے اور اپنی رحمت سے ان کو سرفراز کرے۔

چونکہ ان آیات کے نزول کے وقت عرب کی کفر پرستی اور شرک انگیزی کے علاوہ دنیا کی دوسری ممتاز سلطنتیں بھی کافر تھیں ایران، عراق، شام و روم میں بھی کافروں ہی کی حکومتیں تھیں۔ یہ تو بیرونی حالت تھی۔ خیبر، فدک اور مدینہ کے یہودی بغل گھونسہ بنے ہوئے تھے۔ منافق آستین کا سانپ تھے۔ اس صورت میں اقتضائے بشریت کے موافق مسلمانوں کو اپنے مذہب، جان، مال اور عزت آبرو کا خطرہ ہونا طبعی بات تھی اس لئے بطور تسلی کے فرمایا گیا کہ یہ تمام کفار خدا کو ہرا نہیں سکتے۔ یعنی کفار کی ظاہری طاقت، مال کی فراوانی، لشکر کی کثرت، جاہ و جلال کی سطوت کوئی چیز بھی خدا پر غالب نہیں آ سکتی۔ مسلمانوں میں اگرچہ مادی قوت نہیں، ہتھیاروں اور فوجوں کی کثرت نہیں، ملک کی وسعت نہیں مگر خدائی طاقت ان کے ساتھ ہے جو تمام عالم پر غالب ہے۔ وہی کافروں پر مسلمانوں کو غالب کر دے گا اور وہی ان کفار کی قوتوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دے گا اس لئے مسلمانوں کو خوف و ہراس نہ کرنا چاہئے۔ یہ کافر ادھر ادھر بھاگ کر کہیں بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے اور ان کا اصلی ٹھکانا تو جہنم میں مقرر ہو چکا ہے جو نہایت بری جگہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت و فرمانبرداری پر دین و دنیا کی کامیابی و کامرانی کی بشارت سنائی گئی۔ جس کے اولین مصداق صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ ان کے حق میں یہ بشارت بحمد اللہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ اب جو عفت و عصمت اور آدابِ معاشرت کے احکام و ہدایات کا سلسلہ ابتدائے سورۃ سے شروع ہوا تھا وہ پھر آگے جاری ہوتا ہے اور بعض خانگی احکام کی تلقین فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ

اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے اُن کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے

ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ

(ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب (سونے لیٹنے کیلئے) دوپہر کو اپنے (بعض) کپڑے اُتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے)

صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ

نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردوں کے ہیں۔ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ اُن پر کچھ الزام ہے (کیونکہ) وہ بکثرت تمہارے پاس آتے رہتے ہیں

عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا

کوئی کسی کے پاس کوئی کسی کے پاس اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے۔اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے اور جس وقت

بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ

تم میں کے وہ لڑکے حد بلوغ کو پہنچیں تو اُن کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیے جیسا کہ اُن سے اگلے (یعنی اُن سے بڑی عمر کے) لوگ اجازت لیتے ہیں

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	لِيَسْتَاْذِنْكُمُ چاہیے کہ اجازت لیں تم سے	الَّذِيْنَ وہ جو کہ	مَلَكَتْ مالک ہوئے
اَيْمَانُكُمْ تمہارے دائیں ہاتھ غلام	وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ جو	لَمْ يَبْلُغُوا نہیں پہنچے	الْحُلُمَ احتلام۔شعور	مِنْكُمْ تم میں سے	ثَلٰثَ تین
مَرّٰتٍ بار۔وقت	مِنْ قَبْلِ پہلے	صَلٰوةِ الْفَجْرِ نماز فجر	وَحِيْنَ اور جب	تَضَعُوْنَ اتار کر رکھ دیتے ہو	ثِيَابَكُمْ اپنے کپڑے	مِنَ سے۔کو
الظَّهِيْرَةِ دوپہر	وَمِنْ بَعْدِ اور بعد	صَلٰوةِ الْعِشَآءِ نماز عشاء	ثَلٰثُ تین	عَوْرٰتٍ پردہ	لَّكُمْ تمہارے لئے	لَيْسَ عَلَيْكُمْ نہیں تم پر
وَلَا عَلَيْهِمْ اور نہ اُن پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ	بَعْدَهُنَّ انکے بعد۔علاوہ	طَوّٰفُوْنَ پھیرا کرنیوالے	عَلَيْكُمْ تمہارے پاس	بَعْضُكُمْ تم میں سے بعض (ایک)
عَلٰى پر۔پاس	بَعْضٍ بعض (دوسرے)	كَذٰلِكَ اسی طرح	يُبَيِّنُ اللّٰهُ واضح کرتا ہے اللہ	لَكُمْ تمہارے لئے	الْاٰيٰتِ احکام	وَاللّٰهُ اور اللہ
عَلِيْمٌ جاننے والا	حَكِيْمٌ حکمت والا	وَاِذَا اور جب	بَلَغَ پہنچیں	الْاَطْفَالُ لڑکے	مِنْكُمْ تم میں سے	الْحُلُمَ (حدّ) شعور کو
فَلْيَسْتَاْذِنُوْا پس چاہیے کہ وہ اجازت لیں	كَمَا جیسے	اسْتَاْذَنَ اجازت لیتے تھے	الَّذِيْنَ وہ جو	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے
كَذٰلِكَ اسی طرح	يُبَيِّنُ اللّٰهُ اللہ واضح کرتا ہے	لَكُمْ تمہارے لئے	اٰيٰتِهٖ اپنے احکام	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ جاننے والا،حکمت والا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ میں شروع سورۃ سے چوتھے رکوع کے آخر تک متعدد احکام بیان فرمائے گئے تھے یعنی غیر شادی شدہ کے لئے زنا کی سزا۔ پھر زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کی ممانعت۔ پھر پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا۔ پھر حکم لعان یعنی اپنی منکوحہ

بیبیوں کو زنا کی تہمت لگانے پر فیصلہ کا طریقہ اور حکم۔ پھر واقعۂ اِفک یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقین نے جو تہمت کا طوفان اٹھایا تھا اس کی برأت کا بیان ہوا تھا۔ پھر اس سلسلہ میں منافقین کو وعید اور مومنین کو نصیحت فرمائی گئی تھی۔ پھر اس کے بعد دوسرے کے گھروں میں داخل ہونے سے پہلے اجازت کا حکم۔ پھر مسلمان مردوں کو غیر محرم عورتوں کو نہ دیکھنے اور اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم فرمایا گیا۔ اسی طرح مسلمان عورتوں کو غیر محرم مردوں کی طرف نہ دیکھنے کا حکم اور اپنی زینت کے حصوں کو غیر محرموں پر ظاہر نہ ہونے دینے کی ہدایت فرمائی گئی۔ پھر بے نکاحوں کو جو حقوق زوجیت ادا کرسکیں۔ ان کے نکاح کر دینے کی ترغیب۔ اسی طرح غلام اور باندیوں کو جن کا وجود اس وقت موجود تھا ان کے آپس میں نکاح کر دینے کی ہدایت دی گئی۔ پھر غلام اور باندیوں کے مکاتبت کا حکم بیان فرمایا گیا۔ پھر ایامِ جاہلیت کے اس دستور کی ممانعت فرمائی گئی کہ جو اپنی باندیوں اور لونڈیوں کو زنا پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اسی سلسلہ میں درمیان میں اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت اور مہتدین اور غیر مہتدین کے احوال کا ذکر فرمایا گیا اور مومنین مخلصین کی صفات اور کفار کے اعمال کی مثالیں بیان فرمائی گئیں پھر اتباع ہدایت وضلالت پر بعضے وعدے وبشارت دینا اور آخرت کے متعلق مذکور ہوئے۔

اب پھر مزید سلسلہ احکام یہاں سے شروع ہوتے ہیں اور آدابِ خانہ داری اور تہذیب خانگی کے متعلق ایک مفید ترین قاعدے کی تعلیم ان آیات میں دی جاتی ہے۔ انسان کو اپنے رہنے کے لئے ایک علیحدہ گھر اور ٹھکانا چاہئے۔ عموماً اس کے ساتھ اس کی بیوی، بچے، خدمت گزار، جن کے اندر پہلے زمانہ میں لونڈی اور غلام بھی شامل ہوتے تھے۔ سب مل جل کر رہتے ہیں۔ ان آیات میں ایک گھر میں رہنے والوں کو رہنے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ ہر وقت تو ایک گھر میں ملے جلے بغیر رہنا عام لوگوں کے لئے دشواری کا باعث ہے مگر تین وقت ایسے ہیں کہ جن میں خلوت مطلوب ہوتی ہے اور ان اوقات میں آدمی دوسرے کا اپنے پاس آنا پسند نہیں کرتا۔ فجر کی نماز سے پہلے اور عشاء کی نماز کے بعد اور دن میں دوپہر کو جس وقت آدمی زائد کپڑے اتار کر کچھ دیر آرام کرتا ہے۔ پس ان تینوں وقتوں میں جبکہ انسان بےفکری سے اپنے گھر میں نہ معلوم کس حالت میں ہو۔ گھر کے باندی اور غلام اور ایسے بچے جو حد بلوغ تک نہیں پہنچے اور جن سے عادتاً پردہ نہیں کیا جاتا چاہے وہ اپنے گھر کے ہوں یا بیگانہ۔ چپ چاپ بے اطلاع ان وقتوں میں گھر میں نہ گھس آئیں۔ ان خاص وقتوں کے علاوہ گھر کے باندی غلام اور چھوٹے بچے انہیں گھر میں آنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ گھریلو ضروریات کے لئے ان کا آنا جانا گھر میں ضروری ہے اور بار بار کے آنے جانے میں ہر وقت کی اجازت طلبی میں دشواری ہے۔ مگر یہاں ایک بات یہ سمجھ لینے کی ہے۔ جس کو مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ آیت مذکورہ میں الذین ملکت ایمانکم جو آیا ہے جس کے معنی مملوک غلام اور لونڈی دونوں پر حاوی ہیں۔ ان میں مملوک غلام جو بالغ ہو وہ تو شرعاً اجنبی غیر محرم کے حکم میں ہے۔ اس کی آقا اور مالک عورت کو بھی اس سے پردہ کرنا واجب ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ اس لئے یہاں اس لفظ مملوک سے لونڈیاں یا مملوک غلام جو بالغ نہ ہو وہ مراد ہے جو ہر وقت گھر میں آنے جانے کے عادی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اب اس حکم پر عمل چھوڑ رکھا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس آیت پر عمل کے ترک کی ایک بڑی وجہ مال داری اور فراخی ہے۔ پہلے تو لوگوں کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ اپنے دروازوں پر پردہ لٹکا لیتے یا کشادہ گھر الگ الگ کمروں والے ہوتے تو بسا اوقات لونڈی، غلام بے

خبری میں چلے آتے جو گھر والوں پر شاق گزرتا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کشادگی دی۔ گھر میں کمرے جدا گانہ بن گئے۔ دروازے با قاعدہ لگ گئے، دروازوں پر پردے پڑ گئے اور محفوظ ہو گئے اور لوگوں نے یوں سمجھ لیا کہ اس طرح حکم خدا کی مصلحت پوری ہو گئی اس لئے اجازت کی پابندی واجب نہ رہی اور لوگوں نے اس میں سستی اور غفلت شروع کر دی۔

ان آیات کے شان نزول کے متعلق بعض مخصوص روایات بھی آئی ہیں۔ ایک واقعہ جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے نقل کیا ہے۔ اس طرح گزرا کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی انصاری لڑکے کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بلانے کے لئے بھیجا۔ دوپہر کا وقت تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سو رہے تھے۔ لڑکا گھر میں گھس آیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیدار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کپڑا کچھ بدن سے کھسک گیا تھا۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ کاش ان کے آنے جانے کی بابت بھی کوئی حکم خداوند تعالیٰ نازل فرما دیتا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت سنائی۔

شاید اس آیت کے سنانے کے لئے ہی طلب فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔ تو ان آیات میں ایمان والوں کو مخاطب کر کے حکم دیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔

''اے ایمان والو! تمہارے پاس آنے کے لئے تمہارے مملوکوں یعنی غلام اور باندیوں کو اور تم میں جو حدِ بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے، ایک تو نماز صبح سے پہلے اور دوسرے جب سونے لیٹنے کے لئے دوپہر کو اپنے بعضے کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردہ کے وقت ہیں یعنی یہ اوقات چونکہ عادتاً اور غالباً تخلیہ اور استراحت کے ہیں ان میں اکثر آدمی بے تکلفی سے رہتے ہیں اس لئے اپنے مملوکین اور نابالغ بچوں کو سمجھا دو کہ بے اطلاع اور اجازت لئے ہوئے تمہارے پاس نہ آیا کریں اور ان اوقات کے سوا نہ تو بلا اجازت آنے دینے میں اور منع نہ کرنے میں تم پر کوئی الزام ہے اور نہ بلا اجازت چلے آنے میں ان پر کچھ الزام ہے کیونکہ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تم سے اپنے صاف صاف احکام بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والے اور حکمت والے ہیں (پس سب مصالح اور حکمتوں پر اس کی نظر ہے اور احکام میں ان کی رعایت فرماتا ہے)''

اوپر نابالغ اور ایسے لڑکے جو سیانے نہ ہوئے ہوں ان کا حکم تھا کہ وہ مذکورہ تین وقتوں کے علاوہ باقی اوقات میں بلا اجازت لئے گھر میں آ جا سکتے ہیں۔

آگے حکم بالغ لڑکے کا ہے کہ جب لڑکا حد بلوغ کو پہنچ جائے تو پھر اس کا حکم مردوں جیسا ہو گیا کہ جس طرح بڑوں پر اندر آنے کے لئے اجازت کی ضرورت ہے ان پر بھی اجازت لینا نہ صرف ان تین اوقات میں بلکہ ہر وقت واجب ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ غیر مردوں اور اجنبیوں کا حکم تو پہلے ہی گذشتہ آیات میں آ چکا تھا کہ دوسرے کے گھر میں داخل نہ ہوں تاوقتیکہ اجازت نہ لے لیں۔ اب رہے بچے جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے اور گھر کے باندی غلام، ان کے لئے تین اوقات میں اجازت لے کر اندر آنے کا حکم ہوا باقی اوقات میں اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہر وقت کے آنے جانے والے ہیں اور جب بچے بالغ ہو جائیں تو پھر ان کو بھی اسی طرح اندر آنے کی اجازت لینا چاہئے جیسے بڑے اور بالغ مردوں کو اجازت طلب کرنے کا حکم ہے۔ اسی سلسلہ میں مزید احکامات اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو نکاح (میں آنے) کی کچھ اُمید نہ رہی ہو اُن کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اُتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں

غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۶۰

اور (ہر چند کہ بڑی بوڑھیوں کو منہ کھولنے کی اجازت ہے لیکن اگر) اس سے بھی احتیاط رکھیں تو اُن کیلئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا ہے (سب کچھ) جانتا ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ اور خانہ نشین بوڑھی	مِنَ النِّسَآءِ عورتوں میں سے	الّٰتِیْ وہ جو	لَا یَرْجُوْنَ آرزو نہیں رکھتی ہیں	نِکَاحًا نکاح	فَلَیْسَ تو نہیں
عَلَیْهِنَّ ان پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ	اَنْ یَّضَعْنَ کہ وہ اتار رکھیں	ثِیَابَهُنَّ اپنے کپڑے	غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ نہ ظاہر کرتے ہوئے	بِزِیْنَةٍ زینت کو
وَاَنْ اور اگر	یَّسْتَعْفِفْنَ وہ بچیں	خَیْرٌ بہتر	لَّهُنَّ ان کیلئے	وَاللّٰهُ اور اللہ	سَمِیْعٌ سننے والا
عَلِیْمٌ جاننے والا					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ چوتھے رکوع میں یہ وجوبی حکم تمام مسلمان عورتوں کے لئے گزرا تھا کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں یعنی جس طرف مطلقاً دیکھنا ناجائز ہوا اس طرف نہ دیکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مواقع کو ظاہر نہ کریں بجز اپنے شوہروں اور محارم پر جیسے باپ بیٹے بھائی بہن وغیرہ تو یہ حکم عمومی تمام مسلمان عورتوں کے لئے تھا اس میں کوئی لفظ ایسا مذکور نہ تھا جس سے جوان یا بوڑھی ہونے کی تخصیص ہوسکتی۔ یہاں اس آیت میں بعض عورتوں کے لئے پردہ کے حکم میں بطور استثنا تخفیف فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ ایسی بوڑھی اور سن رسیدہ عورتیں جن کو کسی کے نکاح میں آنے کی کوئی امید نہ رہی ہو اور مردوں کو ان کی طرف کوئی رغبت نہ رہی ہو تو ان کو جائز ہے کہ وہ گھر کے اندر یا باہر جاتے وقت اپنے زائد کپڑے یعنی اوپر کی چادر یا برقعہ وغیرہ اتار دیں بشرطیکہ اس سے بدن کی بناوٹ یا اپنے سنگار اور زیب وزینت کا دکھانا مقصود نہ ہو۔ تو یہ حکم جواز بھی اس وقت ہے جب کہ اظہار زینت بالکل مقصود نہ ہو۔ مگر اس حکم جواز کے ہوتے ہوئے بھی آگے یہ ترغیب دی جاتی ہے۔ وان یستعففن خیر لھن اور اس سے بھی بچیں تو ان کے لئے بہتر ہے یعنی اگر ایسی بڑی بوڑھی عورتیں بھی پورا ہی پردہ رکھیں تو ان کے لئے بہتر ہے اور اس کا انجام ان کے حق میں زیادہ اچھا ہوگا۔ آگے واللہ سمیع علیم۔ فرما کر یہ تنبیہ کردی کہ ظاہری انتظامات پردہ اور حجاب کے فتنہ کی روک تھام کے لئے ہیں۔ باقی پردہ کے اندر جو باتیں کی جاتی ہیں یا فتنے اٹھائے جاتے ہیں ان سب کو بھی خدا تعالیٰ خوب سنتا اور جانتا ہے۔ اسی کے موافق اللہ تعالیٰ معاملہ فرمائے گا۔

اس آیت سے پردہ کی اہمیت صاف ظاہر ہے کہ جب بوڑھی عورتوں کو اتنی تاکید ہے تو جوانوں کو تو کہنا ہی کیا۔ یہاں آیت میں بڑی بوڑھی عورتوں کے متعلق جو یہ فرمایا گیا: ان یضعن ثیابھن وہ اپنے کپڑے اتار رکھیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سے کپڑے اتارے جائیں اور کون سے نہ اتارے جائیں۔ تو اس کے متعلق تمام مفسرین ومحققین کا بالاتفاق قول ہے کہ یہاں اوپر کی چادر دلائی وغیرہ کا اتارنا مراد ہے۔ پھر یہ جواز بھی اس وقت ہے جب اظہار زینت مقصود نہ ہو۔ کیونکہ زینت کا اظہار تو غیر مرد کے سامنے جائز ہی نہیں۔ عورتوں نے جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیور اور کپڑے کا حکم پوچھا تو آپ نے فرمایا: عورتو! اللہ نے تمہارے واسطے زینت حلال کردی ہے بشرطیکہ غیر محرم اس کو تم سے نہ دیکھے۔ تو قرآن وحدیث کا جو منشا عورتوں کے پردہ کے متعلق ہے وہ علاوہ

دوسری آیات کے اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ سن رسیدہ اور بوڑھی عورتوں کو جو پردہ میں تخفیف کا جواز ہے وہ دو شرطوں کے ساتھ ہے ایک تو یہ کہ وہ ایسے سن کو پہنچ گئی ہوں کہ حدِ نکاح سے گزر چکی ہوں۔ یعنی اب بالکل محل رغبت نہ رہیں اور ان کے بے پردگی سے احتمال فتنہ کا باقی نہ رہے اور دوسری شرط یہ فرمائی کہ ان کو قدرتی یا مصنوعی زینت و سنگار کے موقعوں کو غیر مردوں اور نامحرموں کو دکھلانا مقصود نہ ہو۔ پھر ان دو شرطوں کے ساتھ بھی فرمایا گیا کہ حجاب کی جو پابندیاں بوڑھیوں پر واجب نہیں بہتر وہ بھی ان کے حق میں ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جوان یا ادھیڑ عمر کی عورتوں کو اپنے جسم کے اخفا میں کتنا اہتمام چاہئے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اب یہ قرآنی احکام و ہدایات غریب غربا کے لئے یا کسی مخصوص طبقہ کے لئے ہوں تو ہوں ورنہ ادباء اور امراء الا ماشاء اللہ حجاب اور ستر کی ان پابندیوں کو ''دقیانوسی خیالات'' کا ٹائیٹل دے کر نہ صرف خیر باد کہہ چکے ہیں بلکہ اسلامی اور شرعی پردہ کو بزعم خود اپنی نام نہاد ترقی کی راہ میں رکاوٹ اور روڑا سمجھتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جب قرآنی احکام کے ساتھ ہمارا یہ معاملہ ہو تو اس کا جو انجام دنیا میں دیکھ رہے ہیں وہ تو آنکھوں کے سامنے ہے اور آخرت میں جو معاملہ ہوگا۔ وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

الغرض یہاں پردہ کے متعلق احکام و مسائل بیان ہوئے آگے معاشرت کے بعض احکام بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اے اللہ! آپ نے ہم کو قرآن اور اسلام جیسی نعمتوں سے نوازا مگر ہم نے ان نعمتوں کا حق ادا نہ کیا۔

اے اللہ ہم نے قرآنی احکام کو خیر باد کہہ کر جو ظلم اپنی جانوں پر کیا ہے اس کو اپنی رحمت سے معاف فرمادے اور آئندہ کے لئے ہم کو قرآنی ہدایات کے موافق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمادے۔ اور قرآن پاک کے ہر چھوٹے بڑے حکم پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کا عزم اس بھٹکی ہوئی امت مسلمہ کے ہر فرد کو نصیب فرمادے۔ بے پردگی کی اس وقت جو عام وبا پھیل رہی ہے اے اللہ اس کے فتنہ اور وبال سے ہم کو اور ہماری عورتوں کو محفوظ فرمادے اے اللہ! آپ کے یہ قرآنی احکام جو رئیس و غریب اور چھوٹے و بڑے سب کے لئے ہیں، ہمارے حکام اور صاحب اقتدار و حکومت کے دلوں میں بھی اتار دے۔ اور اس ملک میں قرآنی احکام کے نفاذ کی صورتیں ظاہر فرمادے۔

اے اللہ! جو بے دینی کے فتنے وبا کی طرح اس ملک اور امت مسلمہ میں پھیل گئے ہیں ان کے مٹنے اور ختم ہو جانے کی صورتیں غیب سے ظاہر فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى

نہ تو اندھے آدمی کیلئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کیلئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ بیمار آدمی کیلئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے اس بات میں

اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھالو یا اپنے باپ کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے

اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ

اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اُن گھروں سے جنکی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں

مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا

یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ (کھاؤ)۔ پھر (یہ بھی معلوم کر رکھو کہ) جب تم اپنے گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کرلیا کرو

عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۶۱ ع

(جو کہ) دُعا کے طور پر (ہے اور) جو خدا کی طرف سے مقرر ہے برکت والی عمدہ چیز ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو (اور عمل کرو)

لَيْسَ نہیں	عَلَى الْاَعْمٰى نابینا پر	حَرَجٌ کوئی گناہ	وَلَا اور نہ	عَلَى الْاَعْرَجِ لنگڑے پر	حَرَجٌ کوئی گناہ	وَلَا اور نہ	عَلَى الْمَرِيْضِ بیمار پر
حَرَجٌ کوئی گناہ	وَلَا اور نہ	عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ خود تم پر	اَنْ تَاْكُلُوْا کہ تم کھاؤ	مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اپنے گھروں سے	اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ یا اپنے باپوں کے گھروں سے		
اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے	اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے	اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ یا اپنی بہنوں کے گھروں سے					
اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ یا اپنے تائے چچاؤں کے گھروں سے	اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے	اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ یا اپنے خالو، ماموؤں کے گھروں سے					
اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے	اَوْ یا	مَا مَلَكْتُمْ جس گھر کی تمہارے قبضہ میں ہوں	مَّفَاتِحَهٗٓ اسکی کنجیاں				
اَوْ صَدِيْقِكُمْ یا اپنے دوست (کے گھر سے)	لَيْسَ نہیں	عَلَيْكُمْ تم پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ	اَنْ کہ	تَاْكُلُوْا تم کھاؤ	جَمِيْعًا اکٹھے مل کر	اَوْ یا
اَشْتَاتًا جدا جدا	فَاِذَا پھر جب	دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا تم داخل ہو گھروں میں	فَسَلِّمُوْا تو سلام کرو	عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اپنے لوگوں کو	تَحِيَّةً دعائے خیر	مِّنْ سے	
عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کے ہاں	مُبٰرَكَةً بابرکت	طَيِّبَةً پاکیزہ	كَذٰلِكَ اسی طرح	يُبَيِّنُ اللّٰهُ اللہ واضح کرتا ہے	لَكُمُ تمہارے لئے	الْاٰيٰتِ احکام	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم تَعْقِلُوْنَ سمجھو

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیت میں سن رسیدہ اور بوڑھی عورتوں کے متعلق بعض احکام و مسائل بیان ہوئے تھے۔ اب معاشرت کے بعض احکام بیان فرمائے جاتے ہیں۔

ایام جاہلیت میں عرب میں کھانے پینے کے متعلق مختلف دستور رائج تھے بعض قبیلے کی تہذیب یہ تھی کہ ہر ایک الگ الگ کھانا لے کر بیٹھے اور کھائے وہ مل کر ایک ہی جگہ کھانا برا سمجھتے تھے جیسا کہ ہندوستان میں ہندوؤں کے ہاں اب بھی الگ الگ کھانے کا دستور ہے۔ بعض قبیلہ اس کے برعکس تنہا کھانے کو برا جانتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی ساتھ کھانے والا نہ ملتا تو فاقہ کر جاتے تھے۔ اہل مدینہ میں پہلے کھانے پینے کے بارہ میں بہت بے تکلفی تھی کہ میں نے تمہارے گھر کھالیا۔ تم نے میرے گھر کھالیا بلکہ کبھی محتاج غریبوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے اور کسی عزیز

قریب یا دوست کے گھر اس کو بھی کھلا دیتے۔ چونکہ اس بے تکلفی میں افراط زیادہ ہوگیا تھا اس لئے مستحقین پر اکثر نوبت ظلم اور حقوق کے اتلاف کی آنے لگی تھی کہ گھر والے اکثر گھاٹے میں رہ جاتے۔ چنانچہ اسلام میں اس کی روک تھام کے لئے پانچویں پارہ سورۂ نسآ کی آیت یآایھا الذین امنو الا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (یعنی اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق اور ناجائز طور پر مت کھاؤ نازل ہوئی تو قرآن اور اسلامی تعلیمات نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ذہنیت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کردیا تھا اس وجہ سے وہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے معاملہ میں بہت ہی مبالغہ کے ساتھ احتیاط فرمانے لگے اور دوسروں کے ہاں جہاں یقینی طور پر ان کی رضامندی معلوم تھی کھانے پینے سے پرہیز کرنے لگے۔ اس طرح ساتھ میں اندھوں، لنگڑوں، بیماروں اور معذوروں کا لے جانا تو بالکل ہی رک گیا، پھر اندھے، لنگڑے اور بیمار کسی کے ساتھ ناخواندہ مہمان کی صورت میں جا کر اس کے کسی عزیز یا دوست کے گھر کھانا کھانے کو خلاف دیانت سمجھنے لگے۔ تو اس شدت احتیاط کو توڑنے اور اعتدال قائم کرنے۔ نیز قدیم زمانہ کے بعض اہل عرب کے دستور کی اصلاح کے لئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں بعض گھروں کی تفصیل بیان کی جارہی ہے جہاں خود کھالینے یا اپنے ساتھ معذورین کو کھلا دینے میں جب کہ صاحبِ خانہ کی اجازت ورضا کا یقین ہو کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تنہا کھانے کی رخصت نازل فرما کر جاہلیت کی اس رسم کو مٹا دیا گیا کہ اگرچہ بھوکے ہوتے لیکن جب تک ساتھ کھانے والا کوئی نہ ہوتا کھانا نہ کھاتے اور سواری پر سوار ہو کر ساتھ کھانے والے کی تلاش میں نکلتے تھے۔

مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ اس آیت میں گو تنہا کھانے کی رخصت ہے لیکن اگر دوسرے کھانے والے موجود ہوں تو لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا افضل ہے اور زیادہ برکت بھی اسی میں ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کھاتے تو ہیں لیکن آسودگی حاصل نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہوگے۔ جمع ہو کر ایک ساتھ بیٹھ کر اللہ کا نام لے کر کھاؤ تو تمہیں برکت دی جائے گی۔

یہاں یہ تعلیم دی گئی کہ گھروں میں جب بھی داخل ہو خواہ وہ اپنا گھر ہو یا غیر کا تو سلام کر کے جاؤ۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مشہور صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ جب تم گھروں میں جاؤ تو خدا کا سکھایا ہوا بابرکت سلام کہا کرو میں نے تو آزمایا ہے کہ یہ سراسر برکت ہے۔ حضرت عطا سے پوچھا گیا کہ کیا یہ سلام کرنا واجب ہے۔ فرمایا مجھے تو یاد نہیں کہ اس کے وجوب کا کوئی قائل ہو لیکن ہاں مجھے یہ بہت ہی پسند ہے کہ جب بھی گھر میں جاؤ سلام کر کے جاؤ میں تو اسے کبھی نہیں چھوڑتا ہاں یہ اور بات ہے کہ کبھی بھول جاؤں۔ حتیٰ کہ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ جب ایسے گھر میں جاؤ جو غیر آباد ہو اور جہاں کوئی اندر موجود نہ ہو تو اس وقت بھی سلام کیا جائے مگر اس طرح کہ السلام علینا وعلیٰ عبادا اللہ الصالحین تو ایسے سلام کا جواب خدا کے فرشتے دیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ باتوں کی وصیت کی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کامل وضو کرو۔ تمہاری عمر بڑھے گی۔ میرا امتی ملے سلام کرو نیکیاں بڑھیں گی۔ گھر میں سلام کر کے جایا کرو، گھر کی خیریت بڑھے گی۔ ضحیٰ کی نماز پڑھتے رہو تم سے اگلے لوگ جو خدا والے بن گئے تھے ان کا یہی طریقہ تھا۔ صلوٰۃ الضحیٰ سے مراد اشراق یا چاشت ہے۔ اے انس! چھوٹوں پر رحم کرو۔ بڑوں کی عزت اور توقیر کرو۔ تو قیامت کے دن میرا ساتھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آیت کے اخیر میں بتایا گیا:۔

"اس طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ

تم سمجھو اور عمل کرو۔''

یعنی یہ احکام مجالست و معاشرت جو تعلیم فرمائے گئے ان کے سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے اس میں بہت فضائل و برکات ہیں یہ میل محبت اور انس بڑھانے والی تعلیم ہے۔ یہ تہذیب و شائستگی کی تلقین ہے۔ یہ قومی نظم کو درست رکھنے کی ہدایت ہے۔ یہ باہمی تعاون و تناصر کا ذریعہ ہے۔ یہ دعائے رحمت ہے۔ طلب برکت ہے۔اور یہ تعلیم باہمی منافرت اور مخالفت کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دینے والی ہے۔اب یہیں سے اس کی ضد بھی سمجھ لیجئے کہ جب ہم ربانی احکامات اور آسمانی ہدایات اور قرآنی تعلیمات کو چھوڑ دیں گے اور ان سے منہ موڑ لیں گے تو ظاہر ہے کہ بجائے آپس کے اُنس و محبت کے باہمی منافرت و مخالفت آئے گی۔ معاشرہ میں طرح طرح کے مفاسد و فتنہ پیدا ہوں گے۔ بدکرداری اور بدعملی بڑھے گی اور قوم و ملک گھروں اور خاندانوں میں بجائے خیر و برکت و رحمت کے طرح طرح کے مصائب، بلیات و پریشانیاں نازل ہوں گی۔

آج قوم و ملک کی بدحالی کو دور کرنے کا ہر ذریعہ ہمارے صاحب اقتدار حکومت اور دردمندانِ قوم و ملک کی سمجھ میں آتا ہے مگر نہیں آتا تو قرآنی ہدایات نافذ کر کے رحمت و برکت حاصل کرنے کا نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ و فہم عطا فرمائیں۔

الغرض شروع سورت سے یہاں تک متعدد احکام اوامر و نواہی بیان کئے گئے اب آگے خاتمۂ سورت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جس پر دین و دنیا کی تمام سعادتوں کا انحصار ہے اور اطاعت کرنے والے مومنین کی مدح اور اطاعت سے جان چرانے والے منافقین کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قرآن کریم کے ادب و احترام کے ساتھ اس کا اتباع بھی نصیب فرمائیں اور جملہ قرآنی ہدایات و تعلیمات پر ہم کو دل و جان سے عمل پیرا ہونے کا عزم نصیب فرمائیں۔ اے اللہ! اس امت مسلمہ نے جس چیز سے اس کو ہدایت و عظمت اور برتری حاصل ہوئی تھی یعنی قرآن و سنت اسی سے اب کنارہ کش ہو کر طرح طرح کی گمراہیوں اور نافرمانیوں کا شکار ہوگئی ہے۔

اے اللہ! اس امت کی اصلاح کی پھر غیب سے صورتیں ظاہر فرمادے اور پھر ہم کو اپنا بھولا ہوا سبق یاد کر لینے کا عزم و جذبہ عطا فرمادے ہم کو قرآن کی تلاوت کے ساتھ اس کے احکام کا پابند بنادے اور ہم کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کے ساتھ ان کا اتباع اور فرمانبردار امتی بننا نصیب فرمادے۔ امین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا

بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسولؐ کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کیلئے مجمع کیا گیا ہے (اور اتفاقاً وہاں سے

حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ

جانے کی ضرورت پڑتی ہے) تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے۔ (اے پیغمبر) جو لوگ آپ سے (ایسے مواقع پر) اجازت لیتے ہیں بس وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ

تو جب یہ (اہل ایمان لوگ) ایسے مواقع پر اپنے کسی (ضروری) کام کیلئے آپ سے (جانیکی) اجازت طلب کریں تو اُن میں سے جسکے لئے آپ چاہیں اجازت دے دیا کریں اور آپ اُن کیلئے

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ

اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے تم لوگ رسولؐ کے بُلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بُلا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (خوب) جانتا ہے

يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ

جو (دوسرے کی) آڑ میں تم میں سے (مجلس نبویؐ سے) کھسک جاتے ہیں۔ سو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اُن کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ اُن پر (دنیا میں) کوئی آفت (نہ) آپڑے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ

یا اُن پر (آخرت میں) کوئی دردناک عذاب نازل (نہ) ہو جائے۔ یاد رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (موجود) ہے سب خدا ہی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم (اب) ہو

إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾

اور اس دن کو جس میں سب اُس کے پاس (زندہ کر کے) لائے جائیں گے پھر وہ سب کو جتلا دیگا جو کچھ انہوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

إِنَّمَا اس کے سوانہیں	الْمُؤْمِنُونَ مومن	الَّذِينَ آمَنُوا جو ایمان لائے (یقین کیا)	بِاللَّهِ اللہ پر	وَرَسُولِهِ اور اس کے رسول پر	وَإِذَا اور جب	
كَانُوا وہ ہوتے ہیں	مَعَهُ اسکے ساتھ	عَلَىٰ پر۔ ہیں	أَمْرٍ جَامِعٍ جمع ہونے کا کام	لَمْ يَذْهَبُوا وہ نہیں جاتے	حَتَّىٰ جب تک	
يَسْتَأْذِنُوهُ وہ اس سے اجازت لیں	إِنَّ بیشک	الَّذِينَ جو لوگ	يَسْتَأْذِنُونَكَ اجازت مانگتے ہیں آپؐ سے	أُولَٰئِكَ یہی لوگ		
الَّذِينَ وہ جو	يُؤْمِنُونَ ایمان لاتے ہیں	بِاللَّهِ اللہ پر	وَرَسُولِهِ اور اس کے رسول پر	فَإِذَا پس جب	اسْتَأْذَنُوكَ وہ تم سے اجازت مانگیں	
لِبَعْضِ کسی کیلئے	شَأْنِهِمْ اپنے کام	فَأْذَن تو اجازت دیدیں	لِّمَن جس کو	شِئْتَ آپ چاہیں	مِنْهُمْ ان میں سے	وَاسْتَغْفِرْ اور بخشش مانگیں
لَهُمُ اللَّهَ ان کیلئے اللہ	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	غَفُورٌ بخشنے والا	رَّحِيمٌ نہایت مہربان	لَّا تَجْعَلُوا تم نہ بنالو	دُعَاءَ بُلانا	الرَّسُولِ رسول کو
بَيْنَكُمْ اپنے درمیان	كَدُعَاءِ جیسے بلانا	بَعْضِكُم اپنے بعض ایک	بَعْضًا بعض (دوسرے) کو	قَدْ يَعْلَمُ تحقیق جانتا ہے	اللَّهُ اللہ	الَّذِينَ جو لوگ
يَتَسَلَّلُونَ چپکے سے کھسک جاتے ہیں	مِنكُمْ تم میں سے	لِوَاذًا نظر بچا کر	فَلْيَحْذَرِ پس چاہیے کہ وہ ڈریں	الَّذِينَ جو لوگ	يُخَالِفُونَ خلاف کرتے ہیں	
عَنْ أَمْرِهِ اس کے حکم سے	أَن کہ	تُصِيبَهُمْ پہنچے اُن پر	فِتْنَةٌ کوئی آفت	أَوْ يُصِيبَهُمْ یا پہنچے ان کو	عَذَابٌ عذاب	أَلِيمٌ دردناک

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ یادرکھو بیشک اللہ کیلئے	مَا جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	قَدْ يَعْلَمُ تحقیق وہ جانتا ہے	مَآ جو۔جس	اَنْتُمْ تم
عَلَيْهِ اس پر	وَيَوْمَ اور جس دن	يُرْجَعُوْنَ وہ لوٹائے جائیں گے	اِلَيْهِ اس کی طرف	فَيُنَبِّئُهُمْ پھر وہ انہیں بتائے گا	بِمَا اس سے	
	عَمِلُوْا انہوں نے کیا	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے کو	عَلِيْمٌ جاننے والا		

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ نور کا آخری رکوع ہے ان آیات پر یہ سورۂ ختم فرمائی جاتی ہے۔ شروع سورۃ سے بہت سے اوامر ونواہی یعنی بعض کرنیوالے احکام اور بعض نہ کرنیوالے احکام ارشاد فرمائے گئے۔

اب خاتمۂ سورۃ میں ایک حکم خاص اس وقت کے مناسب ارشاد فرمایا جاتا ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت اطاعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے جس پر انحصار ہے جمیع سعادات دنیویہ واُخرویہ، ظاہرہ وباطنہ کا۔ ساتھ ہی اللہ و رسول کے احکام کی مخالفت کی ممانعت مع وعید کے بیان فرمادی گئی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیات کے سبب نزول دو امر ہیں ایک یہ کہ غزوۂ احزاب میں جب مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تو مسلمان نہایت جفاکشی ومحنت سے خندق کھودنے میں مشغول تھے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کام میں شریک تھے۔ اگر خندق کھودنے کے دوران کسی مسلمان کو کوئی ضرورت پیش آجاتی یا مدینہ جانے کا کوئی کام لگتا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر جاتے اور کام پورا کرنے کے بعد واپس آجاتے۔ دوسرے یہ کہ منافقین جو مسلمانوں میں ملے ہوئے تھے اور بظاہر اسلام کے دعویدار تھے اول تو کام سے جی چراتے اور خندق کھودتے کسمساتے تھے اور جب کسی مسلمان کو جاتا ہوا دیکھتے تو اس کی آڑ میں لگے لگے خود بھی بے اطلاع کھسک جاتے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جس میں مومنوں کی مدح فرمائی گئی اور ضمناً منافقوں کی مذمت بھی ہے۔ اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں ایک گروہ ایسا بھی رہا ہے کہ جو محض دنیا کو دکھانے کے لئے زبانوں سے اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور مسلمانوں کے گروہ میں ملے جلے رہتے ہیں لیکن واقع میں ان کے دل منکر ہوتے ہیں اور ان کے ضمیر اسلامی عقائد وتعلیم کو دل سے تسلیم نہیں کرتے مگر مصلحت وقتی ان کو ظاہری مسلمان بننے پر مجبور کرتی ہے۔ اور ان کے مسلمان بننے سے مقاصد مختلف ہوتے ہیں۔ یا تو ان کے پیش نظر کوئی دنیوی لالچ ہوتا ہے یا مسلمانوں میں اپنا وقار پیدا کرنا غرض ہوتا ہے۔ یا کافروں کی طرف سے مسلمانوں کے اندرونی احوال کی جستجو مقصود ہوتی ہے۔ یا مسلمانوں کے اندر پھوٹ پیدا کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ یا اسی قسم کا کوئی مقصد ہوتا ہے جس کو وہ مسلمان بن کر پورا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ گروہ منافقوں کا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ایسے لوگ تھے اور اس زمانہ میں بھی ہیں اور ہر دور میں ہوتے ہیں۔

یہاں ان آیات میں پہلے حقیقی مسلمان کی شناخت اور علامت ظاہر فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ یہاں ایمان کے معنی اور اس کی حقیقت کو مختصراً عرض کردیا جائے تاکہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے کی حقیقت معلوم ہوجائے۔ ''ایمان'' کے اصل معنی کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات ادراک کے حدود سے بالا ہوں جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم وہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں آپ کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کرلیں۔ تو اس طرح شرعی ایمان کا تعلق اصولاً امور غیب سے ہوتا ہے جن کا ہم احساس اور ادراک نہیں کرسکتے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کے احکام کی آمد بذریعہ وحی، قیامت، حشرونشر، جنت ودوزخ وغیرہ وغیرہ اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں ان سب کو آپ کی صداقت، دیانت اور امانت کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی

اس کی تکذیب ہے جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کر دیتی ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مقدسہ میں براہ راست آپ کی زبان سے آپ کی ہدایات اور تعلیمات سنیں ان کے لئے تو آپ کی ہر اس بات کی تصدیق شرط ایمان تھی جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے سامنے اللہ کی طرف سے بیان کیں اگر وہ آپ کی ایک بات کا بھی انکار کریں گے تو مومن نہ رہیں گے۔ لیکن جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں بظاہر نہ رہے تو ان باتوں کی تصدیق کرنا شرط ایمان ہے جن کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے یقینی اور قطعی طریقہ سے ہو جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔ دین کی ایسی تعلیمات کو شرعی اصطلاح میں ضروریات دین کہتے ہیں جن سب پر ایمان لانا شرط ایمان ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کا بھی کوئی انکار کرے تو مومن نہیں رہے گا اور اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اسلام سے اس کا رشتہ کٹ جائے گا۔ پس آدمی کے مومن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کو جو اللہ کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی طرف سے لائے تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے۔ بخاری شریف کی ایک روایت ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ اس حدیث کی شرح میں حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ترجمان السنہ میں لکھا ہے کہ حدیث مذکور میں سوال سب سے افضل عمل کی بابت ہے اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کو افضل اعمال فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان محض علم اور جاننے کا نام نہیں بلکہ عمل کا نام ہے۔ وہ انسان کے باطن کے اختیاری انقیاد کا نام ہے اور احکام اسلامیہ کی پابندی اس انقیاد باطن کی دلیل ہوتی ہے پس ایمان کامل یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع بن جائے۔ اسی لئے محدثین کہتے ہیں کہ ایمان قول وعمل کے مجموعہ کا نام ہے۔

الغرض ان آیات کا حاصل ارشاد یہ ہے کہ کامل مومن وہی لوگ ہیں جن کا ایمان اللہ اور اس کے رسول پر ہو۔ اور اگر کوئی ایسا امر مسلمانوں کے سامنے ہو جس میں سب کا اجتماع ضروری ہو تو وہ جمع ہو جائیں جیسے غزوۂ احزاب میں خندق کا کھودنا اور بغیر اجازت لئے کوئی غیر حاضر نہ ہو۔ اجازت لے کر اپنے کسی دوسرے کام کو جانا ایمان کی علامت ہے لیکن طلب اجازت کے بعد بھی یہ ضروری نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اجازت دیدیں بلکہ اجازت دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے۔ مناسب سمجھیں تو اجازت عطا کریں نہ مناسب سمجھیں نہ دیں۔ علماء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو اپنا قائم مقام کر دیا ہو۔ یا شرعی شروط کے ساتھ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہو اس کے حکم سے سرتابی کرنی بھی ویسی ہی حرام ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے گویا شرعی امیر کا حکم ماننا فرض ہے اور جب تک امیر اجازت نہ دے مجمع کو چھوڑنا کسی ضرورت سے بھی جائز نہیں خواہ وہ ضرورت دینی ہو یا دنیوی۔ دینی ضرورت کی ایک مثال یہ ہے کہ جنگ تبوک کو جاتے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمرہ کرنے کی ضرورت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر آپ عمرہ کرنے مکہ کی طرف چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کے وقت فرمایا بھائی ہم کو اپنی نیک دعاؤں میں نہ بھولنا۔ الغرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرہ کر کے آ گئے اور مسلمانوں کے ساتھ مل گئے۔ تو ایسی دینی ضرورت بھی اجازت کی محتاج ہے اور اگر کوئی دنیوی ضرورت ہو مثلاً کوئی خانگی کاروبار ہو یا گھر والوں کی مجبوری یا حوائج بشریہ کو پوری کرنے کی احتیاج بہرحال ایسی ضروریات دنیوی کو بھی پورا کرنے کے لئے اور مجمع سے علیحدہ ہونے کے لئے حصولِ اجازت کی ضرورت ہے۔ تاہم اجازت لے کر بھی کسی دنیوی کام کے لئے جانا بظاہر مناسب نہیں۔ کیونکہ اس وقت دنیوی کام کو دینی کام پر ترجیح دینا لازم آتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی گئی کہ آپ اجازت دے کر بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجئے۔ اس موقع پر ایسے صاحبان کے لئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار یعنی مغفرت کی دعا کرنے کی وجہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ لکھی ہے کہ۔

''یہ اجازت لینا گو کسی قوی عذر کی وجہ سے ہو لیکن تاہم اس میں دنیا کی تقدیم دین پر تو لازم آئی اور اس میں ایک نقص کا شائبہ ہے اس کی تلافی کے لئے استغفار کا امر ہوا۔ پس استغفار جیسے تلافی ذنوب کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح تلافی نقص کے لئے بھی مفید ہے۔ نیز ممکن ہے کہ وہ عذر واقع میں قوی نہ ہو اور اس کے قوی سمجھنے میں اجازت لینے والے سے خطائے اجتہادی ہوئی ہو اور وہ خطا ایسی ہو کہ تامل اور غور وخوض سے رفع ہو سکتی تھی مگر غور وخوض اور تامل نہ کیا۔ یہ ترک تامل باوجود قدرت کے ایک خفیف سا امر مکروہ ہے اور امر مکروہ ممنوع ہوتا ہے اور ممنوعات سے استغفار ظاہر ہے۔ بہرحال چونکہ اجازت لینے والوں کی نیت اچھی تھی اس لئے ایسے حقائق پر مواخذہ نہیں فرمایا کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (بیان القرآن)''

آگے ارشاد فرمایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جس کام کے لئے بلائیں اور کسی خدمت پر مامور کریں تو امر رسول کو ایسا نہ سمجھو جیسا کہ تم میں سے ایک دوسرے کو بلاتا ہے اور کسی کام کا حکم دیتا ہے کہ دل چاہا تو چلے گئے اور وہ کام کر لیا اور نہ دل چاہا تو نہ گئے نہ وہ کام کیا۔ حکم رسول کی اطاعت واجب ہے۔ پھر نافرمان منافقوں کو دھمکی دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے اگر بچ بھی نکلے تو خدا کے علم سے بچنا تو ممکن نہیں۔ چپکے سے سرک کر نکل جانے والوں کو خدا خوب جانتا ہے۔ امر رسول کی مخالفت کرنے والوں اور حکم نہ ماننے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں دردناک عذاب اس مخالفت کی وبال میں نہ آ جائے اور کوئی غیبی تباہی نہ آ پڑے۔ یہاں آیت میں فتنہ اور عذاب الیم کے لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ فتنہ سے مراد مفسرین نے دنیوی عذاب جیسے بیماری، قحط، تنگدستی، ناگہانی موت۔ دشمنوں کی دراز دستی، زلزلہ، طوفان بادوباراں، آپس کے تفرقہ، خانہ جنگیاں وغیرہ وغیرہ لئے ہیں اور بعض حضرات مفسرین نے فتنہ کا مطلب ''ظالموں'' کا تسلط لیا ہے یعنی اگر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو ان پر جابر و ظالم حکمران مسلط کر دیئے جائیں گے اور عذاب الیم سے مراد ہے آخرت کا عذاب تو یہاں یہ وعید اور دھمکی سنائی گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ورزی کی پاداش میں دونوں جہان برباد ہوں۔ خاتمہ پر اخیر میں یہ واضح فرما دیا گیا کہ تمام عالم خدا کے قبضہ میں ہے۔ وہ مختار مطلق ہے۔ ہر طرح سے عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے پھر آخرت میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہی ہے اور اللہ ہر شے سے خوب واقف ہی ہے۔ قیامت کے دن سب کیا کرایا سامنے آ جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں اطاعت و تعظیم و تکریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا گیا۔ امر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خلاف ورزی کی ممانعت فرمائی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے پر اور حکم نہ ماننے والوں کو ڈرایا گیا اور دھمکی دی گئی کہ کہیں ان پر کوئی غیبی تباہی اور دنیوی عذاب نہ آ پڑے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دنیا و آخرت میں برباد ہو جاویں۔ اب بتائیے کہ حق تعالیٰ کی اس سے زیادہ مؤثر تنبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و تعلیمات و ہدایات کی مخالفت کرنے والوں کو یا نافرمانی کرنے والوں کو اور کیا ہو سکتی ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آج ہماری اکثریت کا یہ عالم ہے اور بے حسی اور بد دینی کا زہر اتنا اثر کر چکا ہے کہ نہ حق تعالیٰ کی قرآنی تنبیہات کا ہم اثر لیتے ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہمائشات کارگر ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم مردہ دلوں کو نور حق سے پھر زندہ فرما دے اور ہمارے دلوں میں اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سچی عزت و عظمت پیدا فرما دے۔ آمین۔

الحمدللہ کہ اس درس پر سورۂ نور کا بیان پورا ہو گیا۔ جس میں نو رکوع تھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ

بڑی عالیشان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب (یعنی قرآن) اپنے بندۂ خاص (محمدؐ) پر نازل فرمائی تا کہ وہ (بندہ) تمام جہان والوں کیلئے ڈرانے والا ہو۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ

ایسی ذات جس کیلئے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اُس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ کوئی اس کا شریک ہے حکومت میں اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾

پھر سب کا الگ الگ انداز رکھا

تَبٰرَكَ بڑی برکت والا	الَّذِیْ وہ جو۔جس	نَزَّلَ الْفُرْقَانَ نازل کیا فرق کرنیوالی کتاب (قرآن)	عَلٰی عَبْدِهٖ اپنے بندہ پر	لِیَکُوْنَ تا کہ وہ ہو		
لِلْعٰلَمِیْنَ سارے جہانوں کیلئے	نَذِیْرًا ڈرانے والا	الَّذِیْ لَهٗ وہ جس کیلئے	مُلْكُ بادشاہت	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	
وَلَمْ یَتَّخِذْ اور اس نے نہیں بنایا	وَلَدًا کوئی بیٹا	وَلَمْ یَکُنْ اور نہیں ہے	لَهٗ اس کا	شَرِیْكٌ کوئی شریک	فِی الْمُلْكِ سلطنت میں	
	وَخَلَقَ اور اس نے پیدا کیا	كُلَّ شَیْءٍ ہر شے	فَقَدَّرَهٗ پھر اس کا اندازہ ٹھہرایا	تَقْدِیْرًا ایک اندازہ		

تفسیر و تشریح:۔ الحمدللہ اب اٹھارویں پارہ کی سورۃ الفرقان کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی صرف دو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں جن کی تفسیر و تشریح سے پہلے اس سورۃ کا مقام، زمانہ نزول، وجہ تسمیہ، موضوع و مباحث، تعداد آیات، رکوعات و کلمات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں یہاں پہلی ہی آیت تبرک الذی نزل الفرقان میں لفظ فرقان آیا ہے جو قرآن مجید کا ایک نام ہے اس لئے اس سورۃ کا نام الفرقان مقرر کیا گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اپنی کتاب کے ۵۵ نام رکھے ہیں جن میں سے ایک نام فرقان بھی ہے۔ فرقان کے لفظی معنی ہیں ہر وہ چیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جا سکے۔ تو چونکہ قرآن کریم فرق کرنے والا ہے حق و باطل میں۔ خیر و شر میں۔ ہدایت و ضلالت میں۔ حرام و حلال میں، عدل و ظلم میں۔ علم و جہل میں۔ نور و ظلمت میں۔ مفید و مضر میں۔ مفسد اور مصلح میں۔ صدق و کذب میں۔ راستی اور کجی میں، صواب و خطا میں، اسی مناسبت سے قرآن پاک کا ایک نام الفرقان بھی ہے جو اس سورۃ کا نام مقرر ہوا۔ یہ سورۃ مکی ہے اور قیام مکہ کا متوسط دور اس سورۃ کا زمانۂ نزول ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۱۱۴ سورتوں میں ۲۵ ویں سورت ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۲ لکھا ہے یعنی ۵ سورتیں اس سورۃ سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھیں اور ۲۴ سورتیں اس کے بعد مکہ معظمہ میں ہجرت سے قبل نازل ہوئیں اور پھر ۲۴ سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۷۷ آیات۔ ۲ رکوعات۔ ۹۰۲ کلمات اور ۳۹۱۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

مثل دیگر مکی سورتوں کے اس سورۃ میں بھی عقائد یعنی اثباتِ توحید۔ اثباتِ رسالت۔ حشر و نشر۔ قیامت و آخرت۔ جزا و سزا۔ شرک کی برائی۔ مشرکین کی مذمت کے مضامین ہیں۔ اور مضمون کی مناسبت سے بعض گذشتہ پیغمبروں اور ان کی قوم کے واقعات بیان کئے گئے ہیں اور توجہ دلائی گئی ہے کہ جن قوموں نے اپنے زمانہ میں اپنے رسولوں کو جھٹلایا وہ دنیا میں ناکام اور آخرت میں عذاب کے مستحق ہوئے۔ قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی ذات عالی پر کفار و مشرکین مکہ کے اعتراضات و شبہات میں سے ایک ایک کو نقل کر کے ان کے جواب دیئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی دعوت حق سے اعراض کے برے نتائج بھی صاف صاف بتائے گئے ہیں۔ پھر دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان کی کھلی نشانیاں بتائی گئی ہیں جن سے توحید کی تعلیم دی گئی۔ اخیر میں اہل ایمان کے بلند اخلاق و کردار اور ان کے اعمال و خصال کا ذکر فرمایا تاکہ ان کو دیکھ کر مشرکین اپنے برے اعمال سے تائب ہو جائیں اور اپنے اعمال و خصال کا مومنین کے اعمال و خصال سے مقابلہ و موازنہ کریں تاکہ ہدایت و ضلالت اور سعادت و شقاوت کا فرق ان کی نظروں کے سامنے آ جائے۔ یہ ہے اسی پوری سورۃ کے مضامین کا خلاصہ جس کی تفصیلات انشاء اللہ اگلے درسوں میں اپنے اپنے مواقع پر آپ کے سامنے آئیں گی۔

سورۃ کی ابتدا تلاوت کردہ عظیم الشان آیات سے ہوتی ہے جن میں پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی تعریف فرمائی کہ ساری خیر و خوبیاں اور تمام عظمت و جلال اور بزرگی و بڑائی اور قوت و قدرت اور کمال و جمال کا منبع و مرکز اس کی ذات پاک ہے۔ یہ سارا مفہوم اور اس سے کہیں زیادہ ایک لفظ تبارک میں موجود ہے۔ حقیقت میں نہ ہمارے پاس ایسے الفاظ ہیں کہ جو اس کی شان کا بیان کر سکیں اور نہ ایسی کوئی چیز ہے کہ جس کو اس کے مشابہ ٹھہرا سکیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسی پاک۔ بلند اور رفعت اور بزرگی والی ذات نے قرآن حکیم جیسی عظیم الشان کتاب اتاری جس میں انسان کے لئے تمام مفید چیزیں کھول کر رکھ دی ہیں تاکہ وہ انہیں حاصل کرے اور بری چیزیں بھی واضح کردی ہیں تاکہ وہ ان سے بچے۔ انسان اس عظیم الشان کتاب کے ذریعہ حق و باطل۔ سچ و جھوٹ اور برے اور بھلے میں کھلم کھلا فرق سمجھ سکتا ہے۔ پھر اس قرآن کریم کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے اور اسے اچھی طرح سمجھانے کے لئے اپنے خاص برگزیدہ بندے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا تھا تاکہ آپ تمام جہان کے انسانوں کو حق بتلائیں اور اس کے اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنائیں اور باطل کو بھی واضح کردیں اور اس کے اختیار کرنے والوں کو ڈرائیں۔ یہاں آیت میں للعلمین نذیرا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں یعنی تمام جہان والوں کے لئے آپ نذیر ہیں تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ قرآن کی دعوت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کسی ایک قوم یا کسی ایک ملک کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے ہے اور اپنے ہی زمانہ کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے تمام زمانوں کے لئے ہے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اور بھی متعدد جگہ آیا ہے مثلاً سورۂ اعراف نویں پارہ میں فرمایا۔

قل یآ یھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا

''آپ کہہ دیجئے اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

۲۲ویں پارہ سورۂ سبا میں فرمایا گیا: **وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا** ''ہم نے آپ کو سارے ہی انسانوں کے لئے بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

آگے یہاں بتلایا جاتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کا حاکم مطلق اور اکیلا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لئے نہ اس کے اولاد ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ اس نے تنہا اپنی قدرت سے ہر چیز کو پیدا کیا اور تنہا اس کا انتظام کرتا ہے۔ ہر چیز کے لئے اس کی خصوصیتیں مقرر فرمائیں اور ٹھیک اندازہ سے ہر چیز کا ایک دائرہ معین کر دیا اور ہر ایک کو ایسے قاعدہ اور قانون میں جکڑ دیا جس سے باہر جانے کی کسی کو مجال نہیں۔ اس لئے وہی **وحدہ لاشریک لہ** معبود برحق ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ قدرت خداوندی نے کائنات کی ہر چیز کو ایسا ناپ تول کر پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی یا انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بڑے بڑے سائنسدان حکمت کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور آخر کار ان کو یہی کہنا پڑتا ہے۔ **تبارک اللہ احسن الخالقین**۔ غرضیکہ مخلوقات میں سے اس خلاق عظیم نے جس چیز کو بھی پیدا فرمایا اس کی شکل، صورت، اجزاء، آثار و خواص میں خاص خاص حکمتیں رکھی ہیں اور ایک ایک مخلوق اس کی قدرت اور حکمت کا شاہکار ہے۔

امام غزالیؒ نے ایک مستقل کتاب اسی موضوع پر لکھی ہے۔ غرضیکہ یہ قرآن کریم کی ان عظیم الشان جامع آیات میں سے ہیں جس میں توحید کی پوری تعلیم سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

الغرض سورۃ کی ابتداء توحید کے مضمون سے فرمائی گئی۔ آگے مشرکین کی جہالت و ضلالت کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا

اوران مشرکین نے خدا کو چھوڑ کر اور ایسے معبود قرار دیئے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں اور (بلکہ) وہ خود مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی (دفع) نقصان کا اختیار رکھتے ہیں

وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝۳ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ

اور نہ کسی (حصول) نفع کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کے جینے کا اور نہ کسی کو (قیامت میں) دوبارہ جلانے اور کافر (یعنی مشرک) لوگ (قرآن کے بارے میں) یوں کہتے ہیں

اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝۴ وَقَالُوْٓا

کہ یہ تو کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے جس کو ایک شخص (یعنی پیغمبر) نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس (گھڑت) میں اُسکی امداد کی ہے۔ سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے۔ اور یہ (کافر) لوگ

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۵ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ

یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں جن کو اس شخص (یعنی پیغمبر) نے لکھوالیا ہے پھر وہی (مضامین) اسکو صبح وشام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔

يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۶

آپ (اسکے جواب میں) کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو تو اس ذات نے اُتارا ہے جس کو سب چھپی باتوں کو خواہ وہ آسمانوں میں ہوں یا زمین میں خبر ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

وَاتَّخَذُوْا اور انہوں نے بنالئے	مِنْ دُوْنِهٖٓ اس کے علاوہ	اٰلِهَةً اور معبود	لَا يَخْلُقُوْنَ وہ نہیں پیدا کرتے	شَيْـًٔا کچھ	وَّهُمْ بلکہ وہ		
يُخْلَقُوْنَ پیدا کئے گئے ہیں	وَلَا يَمْلِكُوْنَ اور وہ اختیار نہیں رکھتے	لِاَنْفُسِهِمْ اپنے لئے	ضَرًّا کسی نقصان کا	وَّلَا نَفْعًا اور نہ کسی نفع کا			
وَّلَا يَمْلِكُوْنَ اور نہ وہ اختیار رکھتے ہیں	مَوْتًا کسی موت کا	وَّلَا حَيٰوةً اور نہ کسی زندگی کا	وَّلَا نُشُوْرًا اور نہ پھر اٹھنے کا	وَقَالَ اور کہا			
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کافر	اِنْ هٰذَآ نہیں یہ	اِلَّآ مگر۔صرف	اِفْكُ بہتان۔من گھڑت	افْتَرٰىهُ اس نے اسے گھڑ لیا ہے			
وَاَعَانَهٗ اس کی مدد کی	عَلَيْهِ اس پر	قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ دوسرے لوگ	فَقَدْ جَاۗءُوْ تحقیق وہ آگئے	ظُلْمًا ظلم	وَّزُوْرًا اور جھوٹ		
وَقَالُوْٓا اور انہوں نے کہا	اَسَاطِيْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِيْنَ پہلے لوگ	اكْتَتَبَهَا اس نے انہیں لکھ لیا ہے	فَهِيَ تُمْلٰى پس وہ پڑھی جاتی ہیں			
عَلَيْهِ اس پر	بُكْرَةً صبح	وَّاَصِيْلًا اور شام	قُلْ فرمادیں	اَنْزَلَهُ اسکو نازل کیا ہے	الَّذِيْ وہ جو	يَعْلَمُ جانتا ہے	السِّرَّ راز
فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	اِنَّهٗ كَانَ بیشک وہ ہے	غَفُوْرًا بخشنے والا	رَّحِيْمًا نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں سورۃ کی ابتداء مضمونِ توحید سے اس طرح ہوئی تھی کہ سارے کمالات اور خوبیوں کا منبع اور مرکز وہ ذات پاک ہے جس نے حق و باطل کی تمیز کے لئے قرآن کریم نازل فرمایا اور پھر اس کو انسانوں تک پہنچانے اور اچھی طرح سمجھانے کے لئے اپنے ایک برگزیدہ رسول یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا تا کہ انسانوں کو معلوم ہوجائے کہ آسمانوں اور زمین کا حاکم مطلق اور اکیلا مالک اللہ تبارک وتعالیٰ ہے جس کے نہ کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کی حکومت میں اس کا ساتھی اور شریک اور مددگار ہے۔ تنہا اس قادر مطلق نے یہ سب کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ سب کچھ بنایا ہے اور ہر چیز کو اس کو مناسب سامانِ زندگی اور سازگار قوتیں عطا فرمائی ہیں اور ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں رکھا کہ اس سے وہی خواص اور افعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لئے وہ

چیز پیدا کی گئی ہے۔ غرض ہر چیز کو ایسا جانچ اور ناپ تول کر پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی نہیں چھوڑی۔

اب آگے ان آیات میں پہلے مشرکین کی جہالت اور مذمت بیان فرمائی جاتی ہے کہ کس قدر ظلم، تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ ایسے خالق، مالک۔ قادر اور مختار اور حکیم زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر مشرکین نے دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے جو گویا خدا کی حکومت میں حصہ دار ہیں حالانکہ وہ ایسے مجبور ہیں کہ نہ وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ نہ مارنا جلانا ان کے قبضہ میں ہے۔ نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی اور کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ خود اپنی ذات کے لئے بھی ذرہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ایسی عاجز اور مجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر کم عقلی اور بے حیائی ہے۔

مشرکین کی یہ جہالت وضلالت تو ذات خداوندی کی نسبت تھی اب آگے دوسری جہالت بیان ہوئی جو ذات رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ہے کہ یہ مشرکین کہتے ہیں کہ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ یہ قران اللہ کی کتاب ہے۔ (معاذ اللہ) یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اوروں کی مدد سے یوں ہی جھوٹ موٹ گھڑ لیا ہے اور اس کو خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر ان کے ساتھی لگے اس کی اشاعت کرنے۔ (معاذ اللہ) حق تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کے ان اقوال کا جواب دیا جاتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم اور جھوٹ کیا ہوگا کہ ایسے کلام معجز اور کتاب حکیم کو جس کی عظمت وصداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کذب وافترا کہا جائے۔ کیا اہل کتاب یا غیروں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جاسکتا ہے جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کے فصیح وبلیغ بلکہ جن وانس ہمیشہ کے لئے عاجز رہ جائیں۔ مشرکین یہ بھی کہتے کہ (معاذ اللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اہل کتاب سے کچھ پرانے زمانہ کے قصہ کہانیاں سن کر لکھ رکھی ہیں یا کسی سے لکھوا رکھی ہیں۔ وہی شب و روز پڑھی اور رٹی جاتی ہیں۔ مشرکین کا یہ بھی کھلا ہوا جھوٹ اور بہتان تھا اس لئے کہ صرف اہل مکہ ہی نہیں بلکہ تمام اہل عرب جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اُمی تھے۔ آپ نے کبھی نہ کسی سے لکھنا سیکھا نہ پڑھنا۔ نبوت سے قبل چالیس سال کی زندگی آپ نے انہیں اہل مکہ میں گزاری تھی اور وہ بھی اس طرح کہ اتنی مدت میں ایک واقعہ بھی اور آپ کی زندگی کا ایک لمحہ بھی ایسا نہ تھا جس پر کوئی انگلی اٹھا سکے۔ ایک ایک وصف آپ کا وہ تھا کہ جس پر اہل مکہ شیدا تھے اور رشک کرتے تھے۔ آپ کی عام مقبولیت اور محبوبیت صداقت، دیانت، امانت۔ بلند اخلاقی اور خوش معاملگی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ آپ کو امین کے پیارے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ پھر جبکہ آپ رسالت سے سرفراز فرمائے گئے اور وحی آسمانی کے امین بنائے گئے تو کفار مکہ صرف باپ دادوں کی روش کو پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر آپ کی عیب جوئی کرنے لگے۔ لیکن جھوٹ کے پاؤں کہاں۔ کبھی آپ کو شاعر کہتے، کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی مجنون (نعوذ باللہ) حیران تھے کہ کس طرح اپنی جاہلانہ روش کو باقی رکھیں اور اپنے معبودان باطل کے جھنڈے اوندھے نہ ہونے دیں اور ظلمت کدۂ دنیا کو نور خدا سے جگمگانے نہ دیں۔ مشرکین کے اس بہتان بندی کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ آپ ان کو جواب میں کہہ دیجئے کہ اس قران کو تو اس ذات پاک نے اتارا ہے جس کو سب پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتوں کی خواہ وہ آسمانوں میں ہوں یا زمین میں سب خبر ہے اور جس کے احاطۂ علمی سے زمین وآسمان کی کوئی چیز باہر نہیں۔ اس کلام کی معجزانہ فصاحت وبلاغت۔ علوم ومعارف۔ اخبار غیبیہ۔ احکام وقوانین صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا جماعت کا کلام نہیں۔ اس کے بعد حق تعالیٰ اپنی شان غفاریت اور شان رحیمی کو بیان فرماتے ہیں کہ مقتضا تو ایسے کفریات کا یہ تھا کہ ان کو فوراً سزا ہو جاوے لیکن چونکہ واقعی اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں اس لئے فوراً سزا نہیں دیتے تاکہ بدبھی اس کی ذات سے مایوس نہ ہوں اور کچھ بھی کیا ہو یا کہا ہو اب بھی اس کی طرف جھک جائیں تو بہ کریں اپنے کئے پر پچھتائیں۔ نادم ہوں اور اس کی مغفرت طلب کریں۔ قربان جائیے اس کی شان رحیمی کے کہ ایسے سرکش اور دشمنان خدا اور رسول۔ ایسے بہتان باز اور اس قدر ایذائیں دینے والے لوگوں کو بھی حق تعالیٰ اپنی عام رحمت کی دعوت دیتے ہیں اور اپنے کرم کی طرف انہیں بلاتے ہیں۔

ابھی کفار کے مزید اعتراض اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں اور ان کے جوابات دیئے گئے ہیں جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۙ لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ

اور یہ (کافر) لوگ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ (ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے ساتھ

مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا ۝٧ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ وَقَالَ الظَّالِمُونَ

کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا۔ یا اس کے پاس (غیب سے) کوئی خزانہ آ پڑتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھایا کرتا۔ اور ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک

إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۝٨ انْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝٩

مسلوب العقل آدمی کی راہ پر چل رہے ہو۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے تو یہ لوگ آپ کیلئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کر رہے ہیں سو وہ گمراہ ہو گئے پھر وہ راہ نہیں پا سکتے۔

وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	مَالِ کیسا ہے	هٰذَا الرَّسُوْلِ یہ رسول	یَاْکُلُ وہ کھاتا ہے	الطَّعَامَ کھاتا	وَیَمْشِیْ چلتا پھرتا ہے	فِیْ میں	
الْاَسْوَاقِ بازار	لَوْلَا کیوں نہیں	اُنْزِلَ اُتارا گیا	اِلَیْهِ اسکے ساتھ	مَلَکٌ کوئی فرشتہ	فَیَکُوْنَ کہ ہوتا وہ	مَعَهٗ اس کے ساتھ	نَذِیْرًا ڈرانے والا
اَوْ یُلْقٰی یا ڈالا (اتارا) جاتا	اِلَیْهِ اس کی طرف	کَنْزٌ کوئی خزانہ	اَوْ تَکُوْنُ یا ہوتا	لَهٗ جَنَّةٌ اس کیلئے کوئی باغ	یَاْکُلُ وہ کھاتا	مِنْهَا اس سے	
وَقَالَ اور کہا	الظّٰلِمُوْنَ ظالم	اِنْ تَتَّبِعُوْنَ نہیں تم پیروی کرتے	اِلَّا مگر۔صرف	رَجُلًا ایک آدمی	مَسْحُوْرًا جادو کا مارا ہوا	اُنْظُرْ دیکھو	کَیْفَ کیسی
ضَرَبُوْا انہوں نے بیان کیں	لَکَ تمہارے لئے	الْاَمْثَالَ مثالیں (باتیں)	فَضَلُّوْا سو وہ بہک گئے	فَلَا لہٰذا نہ	یَسْتَطِیْعُوْنَ پا سکتے ہیں	سَبِیْلًا کوئی راستہ	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ کے بعض اقوال بیان فرما کر ان کے جواب دیئے گئے تھے اب آگے مزید انہیں کفار مکہ کے بعض دیگر اقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نقل فرما کر ان کی تردید فرمائی جاتی ہے۔

بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار سرداران قریش جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلا کر جو کچھ کہنا سننا اور فیصلہ کرنا ہے کرلو تاکہ ہماری جانب سے مصالحت کی تحریک میں کوئی کمی نہ رہ جائے اس کے بعد جو کچھ کرنا ہے کیا جائے گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا۔ آپ تشریف لائے تو حاضرین سرداران مکہ نے کہا کہ ہم نے چند باتیں کرنے کے لئے اس وقت بلایا ہے۔ ہم یہ دریافت کرتے ہیں کہ تم نے جو یہ جدید تحریک پیدا کی ہے اس کی غرض اور اس کے پیچھے تمہارا مقصد کیا ہے؟

اگر اس کا مقصد حصول مال ہے تو ہم چندہ کرکے تمہارے لئے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں کہ مکہ میں تم سے زیادہ مالدار کوئی نہ ہوگا۔ اگر تم سرداری کے خواستگار ہو تو ہم باتفاق رائے تم کو اپنا سردار بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر حکومت کے طالب ہو تو یہ بات بھی دشوار نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مجھے ان باتوں میں سے کسی کی خواہش نہیں۔ میں نہ مال و دولت چاہتا ہوں۔ نہ سرداری کا خواستگار ہوں۔ نہ امارت و بادشاہی کا طالب ہوں۔ حق بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اپنی کتاب مجھ پر نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں جنت کی بشارت اور دوزخ کا عذاب بتادوں۔ میں نے تم کو پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیرخواہی کا حق ادا کردیا۔ اب اگر تم نے میرے قول کو مان لیا تو دنیا و آخرت میں تمہارے لئے کامیابی ہے اور اگر نہ مانا تو میں صبر کئے رہوں گا یہاں تک کہ خدا میرا اور

تمہارا فیصلہ فرمادے۔ سرداران کفر بولے۔ ہم نے جو امور تمہارے سامنے پیش کیئے اگر تم ان میں سے کسی کو قبول نہیں کرتے تو اچھا اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ کوئی فرشتہ آسمان سے اتار دے جو تمہارے ساتھ رہے اور تمہارے قول کی تصدیق کرے اور ہمارے اعتراضات کا جواب دے۔ یا یہ دعا کرو کہ خدا تمہارے لئے سرسبز باغ۔ شاندار کوٹھیاں اور سونے چاندی کے محلات بنادے تا کہ تمہاری حالت ایسی شکستہ نہ رہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ تمہارے پاس ایک غیبی خزانہ بھی ہونا چاہئے تا کہ دوسرے کم مایہ لوگوں کی طرح تم کو بازار میں طلب معاش وغیرہ کے سلسلہ میں نہ جانا پڑے۔ تمہارے غیبی خزانہ کو دیکھ کر ہم کو یقین ہوگا کہ واقعی تم کو کوئی خاص شرف حاصل ہے اور تم مرتبۂ پیغمبری کے لائق ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس قسم کی کوئی درخواست خدائے تعالیٰ سے نہیں کروں گا۔ میرے بعثت کی یہ غرض ہی نہیں ہے۔ مجھے تو صرف بشیر ونذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔

قرآن پاک کفار کے انہیں اقوال کو ان آیات میں نقل فرماتا ہے اور مختصر طور پر ان کے شبہات کو دور کر کے ان کے اقوال کی تردید بھی فرماتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار یوں کہتے ہیں کہ رسول کی کیا یہ حیثیت ہوسکتی ہے کہ معمولی انسانوں کی طرح کھانا کھائے اور بازاروں میں سودا سلف اپنی ضروریات کے لئے خریدتا پھرے۔ جب یہ ہماری طرح کھانے پینے کے محتاج اور انتظام معاش ورزق کے لئے بازار میں چلنے پھرنے کے حاجت مند ہیں تو پھر ہم پر فوقیت کیا ہوئی اور ہم میں ان میں فرق کیا رہا۔ گویا ان کور دماغ کفار کے دماغوں میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ انسان نبی نہیں ہوسکتا۔ وہ نبوت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے اس لئے کہتے کہ اگر واقعی رسول ہوتے تو چاہئے تھا کہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے اور طلب معاش کے بکھیڑوں سے فارغ ہوتے۔ اور کفار یہ بھی کہتے کہ یہ اگر واقعی رسول ہیں تو آسمان کے فرشتے قطار در قطار ان کے آگے پیچھے ہوتے اور اگر فرشتوں کی فوج نہیں تو کم از کم ایک فرشتہ تو ضرور ہی ساتھ ہونا چاہئے تھا جو ڈرانے دھمکانے میں ان کا ساتھ دیتا اور جس کا لوگوں پر رعب پڑتا یہ کیا کہ کس مپرسی کی حالت میں اکیلے دعویٰ کرتے پھر رہے ہیں، یا پھر اگر فرشتے بھی ساتھ نہ ہوں تو کم از کم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ مل جاتا کہ لوگوں کو بے دریغ مال خرچ کر کے اپنی طرف مائل کرلیا کرتے اور خیر یہ بھی نہ سہی تو معمولی رئیس اور زمیندار کی طرح انگور کھجور وغیرہ کا ایک باغ تو ان کی ملک میں ہوتا جس سے دوسروں کو نہ دیتے تو کم از کم خود بے فکری سے کھایا پیا کرتے۔ جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ نے پیغمبری کے لئے ایسے معمولی حیثیت کے انسان کو مامور کیا ہو۔ میاں کی یہ پوزیشن اور اتنا اونچا دعویٰ۔ اس پر بجز اس کے کیا کہا جائے کہ ان کے عقل کے فتور کا نتیجہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے سحر کردیا ہے کہ عقل جاتی رہی۔ (معاذ اللہ معاذ اللہ)۔

ان اقوال کی تردید میں حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی عجیب باتیں کہہ رہے ہیں۔ کبھی آپ کو مسحور بناتے ہیں، کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی مجنون، ان کا یہ اضطراب کہ ان کو الزام لگانے میں کسی ایک بات پر قرار نہیں خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی آپ پر منطبق نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان خرافات کی وجہ سے یہ بالکل گمراہ ہوگئے اور اس جہالت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ سیدھی راہ کیسے پاسکتے ہیں۔

یہ تو تھا مختصراً اور اجمالی جواب آگے تفصیلاً جواب مذکور ہوتا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ

وہ ذات بڑی عالیشان ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے اچھی چیز دیدے یعنی بہت سے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپکو بہت سے محل دے دے

وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا

بلکہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اور ہم نے ایسے شخص کیلئے جو کہ قیامت کو جھوٹ سمجھے دوزخ تیار کررکھی ہے۔ وہ ان کو دور سے دیکھے گی

رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّزَفِیْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ

تو وہ لوگ اس کا جوش وخروش سنیں گے۔ اور جب وہ اس کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جاویں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ

ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ آپ کہیئے کہ کیا یہ (مصیبت کی) حالت اچھی ہے یا وہ ہمیشہ رہنے کی جنت اچھی ہے

اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ

جس کا خدا سے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ کہ وہ ان کیلئے صلہ ہے اور ان کا ٹھکانا ان کو وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو کچھ وہ چاہیں گے وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے۔

خٰلِدِیْنَ ؕ كَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾

یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کے رب کے ذمہ ہے اور قابلِ درخواست ہے

تَبٰرَكَ بڑی برکت والا	الَّذِیْ وہ جو	اِنْ شَآءَ اگر چاہے	جَعَلَ وہ بنادے	لَكَ تمہارے لئے	خَیْرًا بہتر	مِنْ ذٰلِكَ اس سے	جَنّٰتٍ باغات	
تَجْرِیْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا جن کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	وَیَجْعَلْ اور بنادے	لَكَ تمہارے لئے	قُصُوْرًا محل	بَلْ بلکہ	كَذَّبُوْا انہوں نے جھٹلایا	
بِالسَّاعَةِ قیامت کو	وَاَعْتَدْنَا اور ہم نے تیار کیا	لِمَنْ كَذَّبَ اسکے لئے جس نے جھٹلایا	بِالسَّاعَةِ قیامت کو	سَعِیْرًا دوزخ	اِذَا جب			
رَاَتْهُمْ وہ دیکھے گی انہیں	مِنْ سے	مَكَانٍ جگہ	بَعِیْدٍ دور	سَمِعُوْا وہ سنیں گے	لَهَا اسے	تَغَیُّظًا جوش مارنا	وَزَفِیْرًا اور چنگھاڑنا	وَاِذَا اور جب
اُلْقُوْا وہ ڈالے جائینگے	مِنْهَا اس سے۔کی	مَكَانًا کسی جگہ	ضَیِّقًا تنگ	مُقَرَّنِیْنَ جکڑے ہوئے	دَعَوْا وہ پکاریں گے	هُنَالِكَ وہاں	ثُبُوْرًا موت	
لَا تَدْعُوا تم نہ پکارو	الْیَوْمَ آج	ثُبُوْرًا موت کو	وَاحِدًا ایک	وَادْعُوْا بلکہ پکارو	ثُبُوْرًا موتیں	كَثِیْرًا بہت سی	قُلْ فرمادیں	اَذٰلِكَ کیا یہ
خَیْرٌ بہتر	اَمْ یا	جَنَّةُ الْخُلْدِ ہمیشگی کے باغ	الَّتِیْ جو۔جس	وُعِدَ وعدہ کیا گیا	الْمُتَّقُوْنَ پرہیزگار	كَانَتْ وہ ہے	لَهُمْ ان کیلئے	
جَزَآءً جزا (بدلہ)	وَمَصِیْرًا لوٹ کر جانے کی جگہ	لَهُمْ ان کیلئے	فِیْهَا اس میں	مَا یَشَآءُوْنَ جو وہ چاہیں گے	خٰلِدِیْنَ ہمیشہ رہیں گے			
كَانَ ہے	عَلٰی رَبِّكَ تمہارے رب کے ذمے	وَعْدًا ایک وعدہ	مَسْئُوْلًا مانگا ہوا					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار ومشرکین مکہ کے شبہات اور اعتراضات بیان فرمائے گئے تھے جو کہتے تھے کہ رسول کو تو

فرشتہ خصلت ہونا چاہئے کہ جو نہ کھائے پئے اور نہ کسی ضرورت کے لئے بازاروں میں آئے جائے۔ رسول کے ساتھ کوئی آسمانی خزانہ ہونا چاہئے یا کوئی ایسا باغ ہو کہ طرح طرح کے میوے اور پھل وہاں سے کھائے جاسکیں۔ تو ان خرافات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہوئے گذشتہ آیات میں مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ یہ بدبخت آپ کو کیا کہتے ہیں۔ یہ بیہودہ بکتے ہیں۔ گمراہ ہیں اور راہِ راست نہیں پاسکتے۔ آگے اسی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید مخاطبت ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے خزانہ میں کیا کمی ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ چاہے تو ایک باغ کیا بہت سے باغات عطا فرمادے بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغ و نہریں۔ اور حور و قصور اور عالی شان محلات ملنے والے ہیں وہ سب ابھی آپ کو دنیا میں عطا کردے۔ جن چیزوں کو کفار عجیب و غریب سمجھتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے اعتبار سے بہت حقیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بھی کچھ مشکل نہ تھا کہ وہ اپنے رسول کو دولت کے خزانے دے دیتے۔ یا بڑی سے بڑی حکومت و سلطنت کا مالک بنادیتے جیسا کہ پہلے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو ایسی دولت اور بے مثال حکومت عطا فرما کر اپنی اس قدرت کاملہ کا اظہار بھی کیا جاچکا ہے۔ مگر خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیری کو امیری پر ترجیح دی اور اپنے لئے مسکینی ہی کی حالت کو پسند فرمایا۔ احادیث میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے لئے پورے بطحائے مکہ اور اس کے پہاڑوں کو سونا بنائے دیتا ہوں۔ تو میں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں یہ نہیں چاہتا مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے ایک روز پیٹ بھر کر کھانا ملے اور ایک دن بھوکا رہوں۔ اور جب بھوکا رہوں تو تیری طرف رجوع کروں اور گڑگڑاؤں اور تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھروں تو تیری حمد وثنا بیان کروں اور تیرا شکر کروں۔ اور ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ پھرا کرتے۔ اور اس قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیری کو امیری پر ترجیح دی اور ان سب سے مقصود امت کی تعلیم و تفہیم تھی کہ دنیاوی ثروت فتنہ ہے اس میں نہ پڑیں بلکہ آخرت کی فکر کریں۔ اور انبیاء علیہم السلام کا عام طور پر فقر و فاقہ میں رہنا اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتوں اور عام انسانوں کی مصالح کی بنا پر تھا۔ اور اس فقر و فاقہ میں بھی وہ مجبور نہیں تھے اگر وہ چاہتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بڑا مالدار اور صاحب ثروت اور صاحبِ جائیداد بنادیتے مگر حق تعالیٰ نے ان حضرات کی طبیعت ہی کو ایسا بنایا کہ وہ مال و دولت سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رکھتے تھے۔ غرضیکہ بتلایا جارہا ہے کہ ان کفار و معاندین کے اگر سارے مطالبات اور فرمائشیں بھی پوری کردی جاتیں تب بھی یہ حق و صداقت کو قبول کرنے والے نہ تھے اور وہ جن باتوں یا چیزوں کا مطالبہ کرتے تھے وہ فی الحقیقت طلبِ حق کی نیت سے نہیں۔ محض شرارت اور عناد سے یہ بک رہے ہیں۔ اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انہیں ابھی تک قیامت اور سزا و جزا پر یقین نہیں آیا۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے جھٹلانے سے کچھ نہیں بنتا۔ قیامت آکر رہے گی اور ان مکذبین کے لئے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں انہیں ضرور رہنا پڑے گا۔ اور اس دوزخ کا یہ حال ہوگا کہ جب محشر میں لائی جائے گی تو جہنمیوں کو دور سے دیکھ کر جوش میں بھر جائے گی اور اس کی غضبناک آوازوں اور خوفناک پھنکاروں سے بڑے بڑے دلیروں کے پتے پانی ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں ایک قسم کی حیات اور ایک قسم کا شعور رکھا ہے۔ قیامت کے دن جب کافروں کو دیکھے گی تو غیظ و غضب سے بھڑک اٹھے گی۔ جیسے شیر دھاڑتا ہے اور غصہ میں مزید غضبناک ہوجاتا ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ جب میدان حشر میں حساب کتاب کے لئے سب جمع ہو جائیں گے تو جنت اور دوزخ کے حاضر ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ کو اس جگہ سے جہاں اس کو خدا نے پیدا کیا ہے لایا جائے گا اس طرح کہ اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ ۷۰ ہزار فرشتوں کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ فرشتے اس کو کھینچتے ہوئے لائیں گے اس حالت میں کہ اس میں سے آگ کے شعلے چنگاریاں بڑے بڑے محلوں کی مقدار میں اونٹوں کی قطار کے مانند پے در پے اٹھتی ہوں گی اور نہایت مہیب آوازوں کے ساتھ تسبیح کرتی ہوں گی۔ اور جن وانس اور بتوں کو اپنے لئے بطور غذا طلب کرتی۔ ہوگی جس کو سن کر لوگ لرز جائیں گے اور مارے ڈر کے زانو کے بل گر پڑیں گے۔ دوزخ کی گرمی اور بدبو اس قدر ہوگی کہ ستر سال کی مسافت تک پہنچتی ہوگی۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کی آگ کو ایک ہزار برس دہکایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی۔ پھر اس کو ایک ہزار برس اور دہکایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی۔ پھر ایک ہزار برس اور جلایا گیا یہاں تک وہ سیاہ ہوگئی۔ اب وہ سیاہ اور تاریک ہے۔ (العیاذ باللہ)۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دوزخ میں ہر مجرم کے لئے خاص جگہ ہوگی جہاں سے ہل نہ سکے گا اور ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے اس وقت مصیبت سے گھبرا کر موت کو پکاریں گے کہ کاش موت آ کر ہماری ان دردناک مصائب کا خاتمہ کر دے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو کیونکہ ایک موت کے پکارنے سے تمہاری مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ جہنم میں تو انواع و اقسام عذاب کا کوئی شمار نہیں جو ایک موت اور ایک ہلاکت سے ختم ہو جائیں۔ لہٰذا تم ہزار ہا بار موت کو پکارتے رہو کتنا ہی پکارو تمہاری سب پکار بے فائدہ اور بے کار ہے آگے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ ان منکرین کو یہ مصیبت سنا کر کہئے کہ یہ بتلاؤ کہ کیا یہ مصیبت کی حالت اچھی ہے جو کہ مقتضا ہے تمہارے کفر و انکار کا یا وہ ہمیشہ کے رہنے کی جنت اچھی ہے جس کا خدا نے اہل ایمان سے وعدہ کیا ہے اور جہاں ان کو ہر وہ چیز ملے گی جس کو ان کا دل چاہے گا اور پھر یہ کہ ان ابدی راحتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ من مانی نعمتیں۔ ابدی لذتیں۔ اور دائمی مسرتیں ان کے لئے موجود ہیں۔ عمدہ کھانے۔ اچھے بچھونے۔ بہترین سواریاں، پرتکلف لباس۔ بڑے بڑے محلات۔ پاکیزہ حوریں۔ پھر کسی نعمت کے خراب ہو جانے کم ہو جانے یا ختم ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔ ہمیشگی کی دولت انہیں حاصل ہوگی۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا انعام واحسان ہے جو اہل جنت پر ہوگا۔ یہ رب کریم کا وعدہ ہے جو اس نے اپنے ذمہ کر لیا ہے جو ہو کر رہنے والا ہے اور یقیناً پورا کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں کفار ومشرکین کو ترہیب اور وعید کے بعد ترغیب ایمان بھی دے دی گئی۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر کفار کے شبہات واعتراضات کے جواب دیتے ہوئے بل کذبوا بالساعۃ جو فرمایا یعنی یہ کفار منکرین قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ انکار رسالت کا اصل سبب انکار قیامت ہے۔ اور تکذیب نبوت کی حقیقی وجہ تکذیب حشر وحساب کتاب ہے۔ اقرار قیامت کے بعد ضرورت نبوت بالکل ظاہر ہے۔ اس لئے آگے مشرکوں اور کافروں کو قیامت کے دن کی ملامت وندامت کا حال ان کو سنایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ

اور جس روز اللہ تعالیٰ ان (کافر) لوگوں کو اور جن کو وہ لوگ خدا کے سوا پوجتے تھے اُن کو جمع کرے گا پھر فرماوے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا

أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ

یا یہ خود ہی راہ سے گمراہ ہوگئے تھے وہ عرض کریں گے کہ معاذ اللہ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارسازوں کو تجویز کرتے ولیکن آپ نے ان کو

وَلَٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿١٨﴾ فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا

اور ان کے بڑوں کو آسودگی دی یہانتک کہ وہ آپکی یاد کو بھلا بیٹھے اور یہ لوگ خود ہی برباد ہوئے۔لو تمہارے ان معبودوں نے تو تم کو تمہاری باتوں میں جھوٹا ٹھہرادیا

تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾

سو تم نہ تو خود (عذاب کو) ٹال سکتے ہو اور نہ مدد دیئے جاسکتے ہو۔اور تم میں جو ظالم ہوگا ہم اُس کو بڑا عذاب چکھائیں گے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ

اور ہم نے آپؐ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے۔اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ ۗ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿٢٠﴾

اور ہم نے تم میں ایک کو دوسرے کیلئے آزمائش بنایا ہے۔کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے۔

وَيَوْمَ اور جس دن	يَحْشُرُهُمْ وہ انہیں جمع کریگا	وَمَا اور جنہیں	يَعْبُدُونَ وہ پرستش کرتے ہیں	مِنْ سے	دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوائے		
فَيَقُولُ تو وہ کہے گا	ءَأَنْتُمْ کیا تم	أَضْلَلْتُمْ تم نے گمراہ کیا	عِبَادِي میرے بندے	هَٰؤُلَاءِ یہ ہیں۔ان	أَمْ هُمْ یا وہ	ضَلُّوا بھٹک گئے	
السَّبِيلَ راستہ	قَالُوا وہ کہیں گے	سُبْحَانَكَ تو پاک ہے	مَا كَانَ نہ تھا	يَنْبَغِي سزاوار۔لائق	لَنَا ہمارے لئے	أَنْ کہ	نَتَّخِذَ ہم بنائیں
مِنْ دُونِكَ تیرے سوا	مِنْ کوئی	أَوْلِيَاءَ مددگار	وَلَٰكِنْ اور لیکن	مَتَّعْتَهُمْ تو نے آسودگی دی انہیں	وَآبَاءَهُمْ اور انکے باپ دادا		
حَتَّىٰ یہانتک کہ	نَسُوا وہ بھول گئے	الذِّكْرَ یاد	وَكَانُوا اور وہ تھے	قَوْمًا بُورًا ہلاک ہونیوالے لوگ	فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ پس انہوں نے تمہیں جھٹلادیا		
بِمَا تَقُولُونَ وہ جو تم کہتے تھے تمہاری بات	فَمَا تَسْتَطِيعُونَ پس اب تم نہیں کرسکتے ہو	صَرْفًا پھیرنا	وَلَا نَصْرًا اور نہ مدد کرنا	وَمَنْ اور جو			
يَظْلِمْ وہ ظلم کرے گا	مِنْكُمْ تم میں سے	نُذِقْهُ ہم چکھائیں گے اسے	عَذَابًا عذاب	كَبِيرًا بڑا	وَمَا اور نہیں	أَرْسَلْنَا بھیجے ہم نے	
قَبْلَكَ تم سے پہلے	مِنَ سے	الْمُرْسَلِينَ رسول	إِلَّا مگر	إِنَّهُمْ وہ یقیناً	لَيَأْكُلُونَ البتہ کھاتے تھے	الطَّعَامَ کھانا	وَيَمْشُونَ اور چلتے پھرتے تھے
فِي الْأَسْوَاقِ بازاروں میں	وَجَعَلْنَا اور ہم نے کیا۔بنایا	بَعْضَكُمْ تم میں سے بعض کو (کسی کو)	لِبَعْضٍ بعض (دوسروں کیلئے)				
فِتْنَةً آزمائش	أَتَصْبِرُونَ کیا تم صبر کروگے	وَكَانَ اور ہے	رَبُّكَ تمہارا رب	بَصِيرًا دیکھنے والا			

تفسیر و تشریح:۔ کفار و مشرکین جو کہ قیامت اور حشر و نشر۔ جزا و سزا۔ جنت اور دوزخ کے منکر تھے ان کے متعلق گذشتہ آیات میں

بتلایا گیا تھا کہ آج تو یہ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں لیکن قیامت میں ان کے لئے جہنم تیار رکھی ہے جس میں یہ اپنے انکار اور کفر کی وجہ سے ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر وہاں کے عذاب و مصائب کی وجہ سے موت ہی موت پکاریں گے۔ مگر پھر موت بھی وہاں کہاں۔ وہ تو عذاب دائمی ہوگا۔

الٰہی کفار و مشرکین کے متعلق مزید ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن جب سب کا حشر نشر ہوگا اور سب کو خداوند قدوس کے سامنے جمع کیا جائے گا تو کفار و مشرکین کی حسرت میں اضافہ کرنے اور ان کے غم و اندوہ کو بڑھانے کے لئے خداوند تعالیٰ مشرکوں کے مواجہ میں ان کے معبودوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے سوا اپنی پرستش کے لئے ان جاہلوں کو حکم دیا تھا یا یہ خود تمہاری دعوت کے بغیر تمہاری بندگی و پرستش کر کے گمراہ ہوئے؟ مشرکوں کے معبود جواباً عرض کریں گے۔ پروردگار تو ہر طرح کے شرک سے پاک ہے ہم کو یہ اختیار ہی کہاں تھا کہ ہم اپنے پرستار بناتے اس لئے ہم ان کو اپنا پرستار کیسے بنا سکتے تھے کہ آپ کو چھوڑ کر ہم کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھیں۔ ان کی گمراہی کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ عیش و آرام میں پڑ کر اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر آپ کی یاد کو بھلا بیٹھے۔ کسی نصیحت پر کان نہ دھرا۔ پیغمبروں کی ہدایت وارشادات کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں اور دنیوی تمتع پر مغرور ہو گئے۔ آپ نے اپنی نوازش سے جس قدر ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کے فائدے پہنچائے یہ اسی قدر غفلت اور نسیان میں ترقی کرتے گئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ انعامات الٰہیہ کو دیکھ کر منعم حقیقی کی بندگی اور شکر گزاری اختیار کرتے الٹے مغرور اور کفر و عصیاں پر تل گئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتے وغیرہ کہیں گے جن کو دنیا والوں نے اپنا معبود بنایا تھا۔ حاصل جواب کا یہ ہے کہ ان کفار و مشرکین کو ہم نے گمراہ نہیں کیا اور نہ ان کو گمراہی کی دعوت دی بلکہ یہ لوگ خود گمراہ ہوئے۔ اس پر حق تعالیٰ مشرکوں سے فرمائیں گے۔ لو! جن کی اعانت پر تم کو بڑا بھروسہ تھا اور جن کو تم اپنا کارساز اور دین دنیا میں اپنا مددگار جانتے اور اپنا حامی کہتے تھے وہ خود تمہارے دعوے کو جھٹلا رہے ہیں اور تمہاری حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں جس سے تمہارا جرم پوری طرح واضح ہو گیا۔ اب عذاب الٰہی کو نہ تم پھیر سکتے ہو نہ بات کو پلٹ سکتے ہو۔ نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو۔ اب جو سزا ملنے والی ہے اس کا پڑے ہوئے مزہ چکھتے رہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کفار و مشرکین کا اعتراض یہ گذشتہ آیات میں نقل ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بازاروں میں آمد و رفت اور ضروریات کی تکمیل کو کفار نبوت کے خلاف سمجھتے تھے۔ آپ کا کھانا پینا بھی ان کی نظروں میں شان نبوت کے خلاف تھا۔ پھر افلاس اور فقر کو بھی وہ مانع نبوت جانتے تھے۔ ان اعتراضات کو دفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں دو جواب دیئے۔ ایک الزامی دوسرا برہانی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور انبیاء و مرسلین بھی گزرے ہیں لیکن لوازم بشریت سب میں موجود تھے۔ کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ اور کسی کے پاس غیبی خزانہ نہ تھا۔ نہ فرشتہ ساتھ ساتھ ندا کرتا پھرتا تھا۔ تو جب قدرت کا یہی دستور العمل ہے تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر نئی بات پیدا ہونے کی تم کیوں خواستگاری کرتے ہو۔ آگے برہانی جواب ہے کہ اگر خدا چاہتا تو کفار کے درخواست کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دولت مند اور خزانہ غیب کا حامل بنا دیتا۔ نیز یہ بھی ممکن تھا کہ فرشتہ ہر وقت تصدیق رسول کے لئے آپ کے

ساتھ رہتا۔ غرض ہر فرمائش کو پورا کرنا ممکن تھا مگر امتحان انسانی جو اصل مقصد تھا وہ فوت ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہے کہ بندوں کی آزمائش کرے اور انبیاء کی تصدیق وتکذیب کو معیار امتحان قرار دے۔ یہ دنیا دار امتحان ہے۔ یہاں انسانوں میں سے ہر گروہ اور ہر شخص دوسرے کے لئے سبب آزمائش ہے امیروں کی آزمائش غریبوں سے ہے۔ غریبوں کی آزمائش امیروں سے ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے اسی دنیا دار امتحان میں کسی کو مالدار بنایا کسی کو غریب ومفلس کسی کو حاکم بنایا۔ کسی کو محکوم۔ کسی کو تندرست بنایا۔ کسی کو بیمار۔ کسی کو قوی بنایا کسی کو ضعیف۔ اس اختلاف و تفاوت میں ہر طبقے کا امتحان اور آزمائش ہے۔ غنی کے شکر کا اور غریب کے صبر کا امتحان ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہدایت یہ ہے کہ جب تمہاری نظر کسی ایسے شخص پر پڑے جو مال ودولت میں تم سے زیادہ ہے یا صحت وقوت اور عزت وجاہ میں تم سے بڑا ہے تو تم فوراً ایسے لوگوں پر نظر کرو جو ان چیزوں میں تم سے کم حیثیت رکھتے ہیں تاکہ تم حسد کے گناہ سے بھی بچ جاؤ اور اپنی موجودہ حالت میں اللہ تعالیٰ کے شکر کرنے کی توفیق ہو۔ اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو صبر و استقلال کی تلقین فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ کافروں کا کفر اور ایذا دہی اور صابروں کا صبر وتحمل سب حق تعالیٰ کی نظر میں ہے۔ ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل ملے گا۔

الغرض یہاں تک منکرین نبوت کے بعض شبہات و اعتراضات کے جواب دیئے گئے اب ان ہی منکرین نبوت کا ایک شبہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتے کیوں نہیں نازل کئے جو ہمارے سامنے آ کر نبوت ورسالت کی شہادت دیتے کہ یہ شخص دعوائے نبوت میں صادق ہے یا ہم بلا واسطہ اللہ کو دیکھتے اور بلا واسطہ خود اللہ تعالیٰ سے ان کی نبوت کی بابت پوچھ لیتے اور اللہ تعالیٰ ہم کو خود بتلا دیتے کہ یہ شخص میرا نبی ہے۔ تو اس جاہلانہ اور احمقانہ اور گستاخانہ اور مغرورانہ اعتراض وشبہ کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے اگلی آیات میں دیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں 19 ویں پارہ کی ابتداء سے ہوگا۔ الحمدللہ کہ ان آیات پر ۱۸ ویں پارہ کا بیان پورا ہو گیا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ایمان اور اسلام کی برکت سے حشر میں ہم سب کو سرخروئی اور کامرانی نصیب فرمائیں۔ اور میدانِ حشر کی ذلت اور رسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھیں۔

یا اللہ! ہم کو دنیا میں جو کچھ آپ عطا فرمائیں اس کو اپنے ذکر وفکر کا ذریعہ بنائیں۔ اور اس دنیا دار آزمائش سے ہم کو کامیابی کے ساتھ دار آخرت میں جانا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! میدانِ حشر میں ہم کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے مومنین مخلصین کے ساتھ کھڑا ہونا نصیب فرمایئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین کے ساتھ اپنے انعام واکرام سے ہم سب کو نواز دیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ

اور جولوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے۔ یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں یہ لوگ

اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ

اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد سے بہت دُور نکل گئے ہیں۔ جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے۔ اُس روز مجرموں کیلئے

لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور کہیں گے کہ پناہ ہے پناہ ہے۔ اور ہم ان کے اُن کاموں کی طرف جو کہ وہ (دنیا میں) کر چکے تھے متوجہ ہوں گے

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ

سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار۔ اہل جنت اُس روز قیام گاہ میں بھی اچھے رہیں گے اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ہوں گے۔ اور جس روز آسمان ایک بدلی

السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى

پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے بکثرت اُتارے جاویں گے۔ اُس روز حقیقی حکومت (حضرت) رحمٰن کی ہوگی۔ اور وہ کافروں پر بڑا سخت دن ہوگا۔

الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ

اور جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاویگا۔ کہے گا کیا اچھا ہوتا میں رسولؐ کے ساتھ راہ پر لگ لیتا۔

سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ

ہائے میری شامت کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا اُس نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے اس سے بہکا دیا

جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا

اور شیطان تو انسان کو امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے۔ اور رسولؐ کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! میری قوم نے اِس قرآن

هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔ اور ہم اسی طرح مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہتے ہیں۔ اور ہدایت کرنے کو

هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

اور مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے۔

وَقَالَ اور کہا	الَّذِیْنَ وہ لوگ جو	لَا یَرْجُوْنَ وہ امید نہیں رکھتے	لِقَآءَنَا ہم سے ملنا	لَوْلَا کیوں نہ	اُنْزِلَ اتارے گئے	عَلَیْنَا ہم پر	
الْمَلٰٓئِکَۃُ فرشتے	اَوْ نَرٰی یا ہم دیکھ لیتے	رَبَّنَا اپنا رب	لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا تحقیق انہوں نے بڑا کیا	فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ اپنے دلوں میں			
وَعَتَوْ اور انہوں نے سرکشی کی	عُتُوًّا کَبِیْرًا بڑی سرکشی	یَوْمَ جس دن	یَرَوْنَ وہ دیکھیں گے	الْمَلٰٓئِکَۃَ فرشتے	لَا بُشْرٰی نہیں خوشخبری		
یَوْمَئِذٍ اُس دن	لِّلْمُجْرِمِیْنَ مجرموں کیلئے	وَیَقُوْلُوْنَ اور وہ کہیں گے	حِجْرًا کوئی آڑ ہو	مَّحْجُوْرًا روکی ہوئی	وَقَدِمْنَآ اور ہم آئے متوجہ ہونگے		
اِلٰی طرف	مَا عَمِلُوْا جو انہوں نے کئے	مِنْ عَمَلٍ کوئی کام	فَجَعَلْنٰہُ تو ہم کردینگے انہیں	ھَبَآءً غبار	مَّنْثُوْرًا بکھرا ہوا (پراگندہ)		
اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ بہشت والے	یَوْمَئِذٍ اس دن	خَیْرٌ بہت اچھا	مُّسْتَقَرًّا ٹھکانہ	وَّاَحْسَنُ اور بہترین	مَقِیْلًا آرام گاہ	وَیَوْمَ اور جس دن	
تَشَقَّقُ پھٹ جائیگا	السَّمَآءُ آسمان	بِالْغَمَامِ بادل سے	وَنُزِّلَ اور اتارے جائینگے	الْمَلٰٓئِکَۃُ فرشتے	تَنْزِیْلًا بکثرت اترنا	اَلْمُلْکُ بادشاہت	
یَوْمَئِذِ اس دن	الْحَقُّ سچی	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کیلئے	وَکَانَ اور ہے۔ ہوگا	یَوْمًا وہ دن	عَلَی الْکٰفِرِیْنَ کافروں پر	عَسِیْرًا سخت	وَیَوْمَ اور جس دن
یَعَضُّ کاٹ کھائے گا	الظَّالِمُ ظالم	عَلٰی یَدَیْہِ اپنے ہاتھوں کو	یَقُوْلُ وہ کہے گا	یٰلَیْتَنِی اے کاش! میں	اتَّخَذْتُ پکڑ لیتا	مَعَ الرَّسُوْلِ رسول کیساتھ	
سَبِیْلًا راستہ	یٰوَیْلَتٰی ہائے میری شامت	لَیْتَنِیْ کاش میں	لَمْ اَتَّخِذْ نہ بناتا	فُلَانًا فلاں کو	خَلِیْلًا دوست	لَقَدْ اَضَلَّنِیْ البتہ اس نے مجھے بہکایا	
عَنِ الذِّکْرِ نصیحت سے	بَعْدَ اِذْ اسکے بعد جب	جَآءَنِیْ میرے پاس پہنچ گئی	وَکَانَ اور ہے	الشَّیْطٰنُ شیطان	لِلْاِنْسَانِ انسان کو		
خَذُوْلًا کھلا چھوڑ جانے والا	وَقَالَ اور کہے گا	الرَّسُوْلُ رسول	یٰرَبِّ اے میرے رب	اِنَّ بیشک	قَوْمِیْ میری قوم	اتَّخَذُوْا ٹھہرالیا انہوں نے	
ھٰذَا الْقُرْاٰنَ اس قرآن کو	مَھْجُوْرًا متروک (چھوڑنے کے قابل)	وَکَذٰلِکَ اور اسی طرح	جَعَلْنَا ہم نے بنائے	لِکُلِّ نَبِیٍّ ہر نبی کیلئے	عَدُوًّا دشمن		
مِّنَ سے	الْمُجْرِمِیْنَ مجرموں گنہگاروں	وَکَفٰی اور کافی ہے	بِرَبِّکَ تمہارا رب	ھَادِیًا ہدایت کرنیوالا	وَّنَصِیْرًا اور مددگار		

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ گذشتہ درس پر اٹھارویں پارہ کا بیان پورا ہوگیا تھا اب انیسواں پارہ شروع ہورہا ہے۔ گذشتہ سے مضمون کفارومشرکین کے اعتراضات اور اس کی تردید کا بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔ اسی سلسلہ میں ان آیات میں بعض مزید اعتراضات اوران کے جوابات ارشاد فرمائے جاتے ہیں۔ اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفارومشرکین جن کو یہ امید نہیں کہ ایک روز خداوند قدوس کے روبرو حاضر ہوکر حساب کتاب دینا ہے۔ وہ سزا کے خوف سے بالکل بےفکر ہوکر معاندانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے بکتے ہیں مثلاً یہ کفار کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اترے یا فرشتہ آکر ہم سے تصدیق کرے کہ یہ خدا کے رسول ہیں۔ یا خدا تعالیٰ سامنے آکر ہم سے ہم کلام ہو اور ہم خدا کو دیکھیں اور خود خدا ان کے دعویٰ رسالت کی تائید و تصدیق کردے۔ کفار کے ان اعتراضات کے جواب میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے گمان میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے جو وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا رکھتے ہیں اور شرارت اور سرکشی کی حد ہوگئی کہ باوجود ایسی سیہ کاریوں کے دنیا میں ان آنکھوں سے خداوند قدوس کو دیکھنے اور شرف ہم کلامی سے مشرف ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ گھبراؤ نہیں ایک دن آنے والا ہے جب فرشتے تم کو نظر آئیں گے لیکن ان کے دیکھنے سے تم جیسے مجرموں کو کچھ خوشی حاصل نہ ہوگی بلکہ سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہوگا حتیٰ کہ جو لوگ اس وقت فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ہیں اس وقت پناہ طلب کریں گے اور چاہیں گے کہ ان کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی آڑ یا روک قائم

ہو جائے کہ وہ ان تک نہ پہنچ سکیں۔لیکن خدا کا فیصلہ کب رک سکتا ہے۔اور دنیا میں ان کفار ومشرکین نے جو بھلے کام اپنے زعم کے موافق کئے ہیں اور جن پر انہیں بڑا بھروسہ ہے ہم قیامت میں قطعاً انہیں ملیامیٹ کر دیں گے اور اس طرح بے حقیقت کر کے اڑا دیں گے جیسے خاک کے حقیر ذرات ہوا میں ادھر ادھر اڑ جایا کرتے ہیں یعنی ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ یہ لوگ تو اس روز مصیبت میں گرفتار ہوں گے اور جن اہل ایمان کی دنیا میں ہنسی اڑاتے ہیں وہ جنت کی آرام گاہ میں خوب مزے کے ساتھ ہوں گے اور وہاں کی راحت وعیش و آرام اٹھا رہے ہوں گے۔آگے قیامت کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن آسمانوں کے پھٹنے کے بعد اوپر سے بادل کی طرح ایک چیز اترتی نظر آئے گی جس میں حق تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ہوگی اور اس کے ساتھ بے شمار فرشتوں کا ہجوم ہوگا اور آسمانوں کے فرشتے اس روز لگاتار مقام محشر کی طرف نزول فرمائیں گے۔اس دن لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اصلی بادشاہت کس چیز کا نام ہے۔یہ اصلی بادشاہت ایسی ہوگی کہ اس میں کسی کا حکم نہ چلے گا۔اور ظاہراً و باطناً صورۃً و معنیً صرف حضرت رحمٰن یعنی اللہ عزوجل کی بادشاہت ہوگی اور اسی کا حکم چلے گا۔ پھر جب حضرت رحمٰن کی حکومت ہوئی تو جو مستحق رحمت ہیں ان کے لئے رحمت کی کیا کمی۔ بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے مگر باوجود ایسی لامحدود رحمت کے کافروں کے لئے وہ دن بڑی مشکل اور مصیبت کا ہوگا اور باوجود اللہ کے رحمٰن ہونے کے منکرین اس کی رحمت سے محروم ہوں گے۔آگے اللہ اور اس کے رسول پر دنیا میں ایمان نہ لانے والوں کی حسرت وندامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جو قیامت کے دن ان کو حاصل ہوگی۔کافر اس دن مارے حسرت وندامت کے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور افسوس کرے گا کہ میں نے کیوں دنیا میں خدا کے رسول کا بتلایا ہوا راستہ اختیار نہ کیا۔اور کیوں میں دنیا میں ان کا ساتھی بنا رہا جو اپنی خواہش پوری کرنے کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے اور کیوں میں شیاطین الانس والجن کے بہکائے میں آ گیا جو آج یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ افسوس ایسوں کو میں نے دوست کیوں سمجھا۔کاش میرے اور ان کے درمیان دنیا میں کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوئی ہوتی پیغمبر کی نصیحت مجھ کو پہنچ چکی تھی جو ہدایت کے لئے کافی تھی اور امکان تھا کہ میرے دل میں گھر کرے مگر اس کم بخت کی دوستی نے تباہ کیا اور دل کو ادھر متوجہ نہ ہونے دیا۔ بیشک شیطان بڑا دغاباز ہے۔آدمی کو عین وقت پر دھوکا دیتا اور رسوا کرتا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے کافروں کی شکایت کے طور پر کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری اس قوم نے اس قرآن کو جو کہ واجب العمل تھا بالکل نظر انداز کر رکھا تھا اور التفات ہی نہ کرتے تھے۔ انہوں نے قرآن جیسی کتاب کو العیاذ باللہ لغو اور بے ہودہ سمجھ رکھا تھا کبھی اس کو سحر کہتے اور کبھی پرانے قصہ و کہانیاں۔اس طرح ان اشقیا نے قرآن جیسی کتاب کو بالکل متروک اور مہجور کر چھوڑا تھا۔

یہاں ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک تنبیہ لکھی ہے۔فرماتے ہیں کہ آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے۔تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا۔اس میں تدبر نہ کرنا۔اس پر عمل نہ کرنا۔اس کی تلاوت نہ کرنا۔اس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا۔اس کے احکام سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ:

''آیت سے ظاہر یہ ہے کہ قرآن کو مہجور اور متروک کر دینے سے مراد قرآن کا انکار ہے جو کفار ہی کا کام ہے۔ مگر بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جو مسلمان قرآن پر ایمان تو رکھتے

ہیں مگر نہ اس کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرنے کی۔ وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا کہ نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی نہ اس کے احکام میں غور کیا۔ قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندے نے مجھے چھوڑ دیا۔ اب اس کے اور میرے معاملہ کا فیصلہ فرمائیں۔"

تو غور کا مقام ہے کہ حشر کے میدان میں جب شافع محشر دربار خداوندی میں یہ شکایت فرمائیں گے کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا اور قرآن کریم فریاد کرے گا کہ مجھے چھوڑ دیا گیا تھا تو اس وقت کیا تدارک اور کیا تدبیر ہو سکے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس الزام اور قرآن کریم کی اس شکایت سے بچنے کی اور کیا صورت ہوگی خداوند قدوس ذوالجلال والاکرام کی گرفت سے بچنے کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس قرآن کریم کی طرف سے ہماری آنکھیں اس دنیا میں کھول دے اور اس کے حقوق کو پہچاننے اور ان کے ادا کرنے کی توفیق اور سمجھ عطا فرمادے اور قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی اور ندامت سے بچالے۔ آمین۔ یہاں ان آیات کے اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی جاتی ہے کہ جس طرح یہ منکرین آپ سے عداوت کرتے ہیں ایسے ہی مجرم ہر نبی سے عداوت کرتے رہے ہیں یعنی یہ سنت قدیمہ ہے کہ کفار انبیاء کے ساتھ عداوت کرتے رہے ہیں۔ سو یہ کوئی نئی بات نہیں کہ جس کا غم کیا جائے۔ قوم کی دشمنی اور سرتابی فقط آپ ہی کے ساتھ نہیں۔ آپ سے پہلے بھی ہر نبی کا کوئی نہ کوئی کافر ضرور دشمن رہا ہے اس لئے قوم کی دشمنی پر صبر کریں جیسا کہ دوسرے انبیاء نے صبر کیا۔ ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ جس کو چاہے گا ہدایت کر دے گا اور جن کو ہدایت نصیب نہ ہوگی ان سب کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرے گا۔

یہاں ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ غلط کار اور بے دین دوستوں کی دوستی قیامت کے روز حسرت و ندامت کا باعث ہوگی۔ ان آیات میں یہ بتلایا ہے کہ جو دو دوست کسی معصیت اور گناہ پر جمع ہوں اور خلاف شرع امور میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے ہوں ان سب کا یہی حکم ہے کہ قیامت کے روز اس گہرے دوست کی دوستی پر روئیں گے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر انسان (عادۃً) اپنے دوست کے دین اور طریقہ پر چلا کرتا ہے اس لئے دوست بنانے سے پہلے خوب غور کر لیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک موقع پر دریافت کیا گیا کہ ہمارے مجلسی دوستوں میں کون لوگ بہتر ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا "وہ شخص جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارا علم بڑھے اور جس کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو۔" غور کیجئے! یہ ہے دوستی کا معیار۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں برے ساتھیوں سے ہمیں بچائیں اور صالح و متقی ساتھی اور دوست عطا فرمائیں۔ آمین۔

ابھی آگے بعض دیگر اعتراض کفار کے نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اے اللہ قیامت کے روز ہم کو اپنے رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہونا نصیب فرمائیے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

27

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ

اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر یہ قرآن دفعتہً واحدۃً کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اس طرح (تدریجاً) اسلئے ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے

فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ الَّذِينَ

آپکے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اسکو بہت ٹھیرا (ٹھیرا) کرا تارا ہے۔ اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپکے سامنے پیش کریں مگر ہم ٹھیک جواب اور وضاحت میں بڑھا ہوا

يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٣٤﴾

آپ کو عنایت کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جو اپنے مونھوں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جاویں گے یہ لوگ جگہ میں بھی بدتر ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں۔

وَقَالَ اور کہا	الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کیا کافر	لَوْلَا کیوں نہ	نُزِّلَ نازل کیا گیا	عَلَيْهِ اس پر	الْقُرْآنُ قرآن	جُمْلَةً وَاحِدَةً ایک ہی بار
كَذَٰلِكَ اسی طرح	لِنُثَبِّتَ تاکہ ہم قوی کریں	بِهِ اس سے	فُؤَادَكَ تمہارا دل	وَرَتَّلْنَاهُ اور ہم نے اسکو پڑھا	تَرْتِيلًا ٹھہر ٹھہر کر	
وَلَا يَأْتُونَكَ اور وہ نہیں لاتے تمہارے پاس	بِمَثَلٍ کوئی بات	إِلَّا مگر	جِئْنَاكَ ہم پہنچا دیتے ہیں تمہیں	بِالْحَقِّ ٹھیک (جواب)	وَأَحْسَنَ اور بہترین	
تَفْسِيرًا وضاحت	الَّذِينَ جو لوگ	يُحْشَرُونَ جمع کیے جائیں گے	عَلَىٰ پر۔بل	وُجُوهِهِمْ اپنے منہ	إِلَىٰ جَهَنَّمَ جہنم کی طرف	أُولَٰئِكَ وہی لوگ
شَرٌّ بدترین	مَكَانًا مقام	وَأَضَلُّ اور بہت بہکے ہوئے	سَبِيلًا راستے سے			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات سے یہی سلسلۂ مضمون چل رہا ہے کہ کفار کے اعتراضات نقل فرما کر ان کا رد فرما دیا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں کفار کا ایک مزید اعتراض ان آیات میں نقل فرما کر اس کا جواب بھی دیا جاتا ہے۔ کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو اگر واقعی میں نبی ہیں تو دوسری کتابوں جیسے توریت۔ انجیل وغیرہ کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اُتارا گیا۔ برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا تو کیا اللہ میاں کو کچھ سوچنا پڑتا تھا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سوچ سوچ کر بناتے ہیں۔ پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں اور خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ کفار کے اس اعتراض کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں یہ واقعی متفرق طور پر اترا ہے اور اس کو ہم نے ٹھہرا ٹھہرا کر نازل کیا

ہے۔ تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کے دل کو قوی رکھیں۔ یہ مختصر چند الفاظ میں جواب ہے مگر مفسرین نے اس کی بہت کچھ تشریح فرمائی ہے۔ قرآن پاک کا نزول ۲۳ سال میں پورا ہوا ہے جیسی جیسی ضرورت پڑتی گئی۔ جو جو واقعات ہوتے رہے۔ اسی کے مطابق احکام وغیرہ نازل ہوتے رہے اگر غور کیا جائے تو اس طرح تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں بہت سے فوائد ہیں جو دفعتہً نازل کرنے کی صورت میں پوری طرح حاصل نہ ہوتے۔ مثلاً اس صورت میں قرآن کا حفظ کرنا زیادہ آسان ہوا۔ سمجھنے میں سہولت رہی۔ کلام پوری طرح منضبط ہوتا رہا۔ اور موقع بموقع جو احکام و اوامر و نواہی آتے رہے اہل ایمان ان کی تفاصیل پر مطلع ہوتے رہے۔ ہر آیت و سورت کی جداگانہ شان نزول کو دیکھ کر اس کا صحیح مطلب متعین کرنے میں مدد ملی۔ ہر ضرورت کے وقت ہر بات کا بروقت جواب ملتے رہنے

سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کے قلوب تسکین پاتے رہے۔اس سلسلہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بار بار آنا جانا ہوا جو مستقل ایک برکت تھی۔ نیز قرآن کریم کی بہت سی آیتیں مشرکین کے اعتراضات کے جوابات میں نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ جواب۔سوال اور اعتراض کے بعد ہوتا ہے اور اعتراض کے بعد شافی جواب کا مل جانا خاص بصیرت اور معرفت کا سبب ہوتا ہے۔ نیز بہت سی آیتیں نئے واقعات کے فیصلہ کے متعلق نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ فیصلہ تو واقعہ کے وقوع کے بعد ہی ہوگا۔ نیز قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا اور آپ کفار سے یہ کہتے کہ اگر تم کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شبہ ہے تو ایک ہی سورت اس کے مثل بنالاؤ۔ جب کوئی سورۃ نازل ہوتی تو ہر بار قرآن کا اعجاز اور ان کا عجز ظاہر ہوتا اور اس طرح قرآن کی حقانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا بار بار اظہار ہوتا۔ پھر جب کفار کوئی اعتراض یا ناگوار معاملہ کرتے تب ہی آپ کی تسلی نازل ہو جاتی۔اس میں زیادہ تقویت قلب کی ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک کتاب آدمی کے پاس ہو اور وقت پر اس میں سے مضمون تلاش کر کے کام میں لاوے۔ پھر تعلیم کا کمال یہ ہے کہ متعلم پر بار نہ ہو اور رفتہ رفتہ اس کی جہالت دور ہو جائے یہی وجہ ہے کہ ماہرین تعلیم بچوں کو ایسی تدریجی تعلیم دیتے ہیں کہ بچوں کی دلچسپی باقی رہے۔ اور شوق میں اضافہ ہوتا رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ علم میں بھی ترقی ہو۔ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قوموں کو آہستہ آہستہ سدھارنے کی کوشش کی اور تدریجی وحی کے ذریعہ ان کے احوال و اعمال کی اصلاح کی۔

بعض خاص حالات میں قوم کی انتہائی سرکشی کے پیش نظر بعض آسمانی کتابیں یکدم بھی نازل ہوگئیں اور چونکہ لوگوں پر یکدم پوری کتاب کو ماننا اور اس پر بتمامہ عمل کرنا شاق گزرا اس لئے انہوں نے کتاب الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بنی اسرائیل کے توریت سے سرتابی کرنے کی یہی وجہ تھی جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے وہ شدید گمراہی اور تاریکی کا دور تھا۔روئے زمین پر خدائے تعالیٰ کو حقیقی طور پر واحد و یکتا جاننے والے بالکل نہ تھے۔ اور اگر کوئی تھا بھی تو وہ کہیں گوشۂ گمنامی میں چھپا ہوا تھا۔ مشرق سے مغرب تک لوگ کفر و شرک اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے اور بدکاریوں کے اتنے خوگر ہو گئے تھے کہ برائی ان کی نظر میں برائی نہ رہی تھی بلکہ قابل فخر چیز بن گئی تھی۔ یہ خرابی اور برائی کی انتہا ہوتی ہے کہ وہ خوبی کا جامہ پہن لیتی ہے۔ایام جاہلیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عوام و خواص کا یہی حال تھا کہ یہ رفتار ایک دو سال کی نہ تھی بلکہ قرن ہا قرن سے اسی اخلاقی بربادی اور وجدانی تباہی کی حکومت تھی۔ظاہر ہے کہ ایسی حالت اور ایسے ماحول میں یکدم انقلابات لانا۔ نظریات اور مسلمات کو بیک وقت بدلنا ناممکن نہیں تو دشوار ترین ضرور تھا۔ یہی سبب تھا کہ قرآن یکدم نازل نہ کیا گیا بلکہ رفتہ رفتہ احکام اتارے گئے کلیات اور اصول کو تدریجاً بدلا گیا۔خرابیوں پر آہستہ آہستہ تنبیہ کی گئی۔اور خوبیوں کی بھی تعلیم تدریجاً دی گئی مگر کوتاہ اندیش اور کج فہم معترضین اور معاندین کو یہ حقائق اور فوائد کس طرح سمجھ میں آسکتے تھے وہ لگے الٹے اعتراض کرنے کہ قرآن بتمامہ یکدم کیوں نہ اتارا گیا۔

مفسر ابن کثیرؒ نے ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ لطیفہ یہ ہے کہ قرآن کو دونوں بزرگیاں ملیں یہ ایک ساتھ پورے کا پورا قرآن لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا تک پہنچا۔ پھر وہاں سے حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ آیت میں آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر کہا جاتا ہے کہ یہ کفار

جب کوئی اعتراض قرآن پر یا کوئی مثال آپ پر چسپاں کرتے ہیں تو ہماری طرف سے اس کا ٹھیک ٹھیک جواب قرآن بتلا دیتا ہے جس میں کسی قسم کا ہیر پھیر نہیں ہوتا بلکہ صاف اور واضح ہوتا ہے مگر جن کی عقل اوندھی ہوگئی ہو وہ سیدھی اور صاف بات کو بھی ٹیڑھی سمجھتے ہیں۔ پھر ایسوں کا انجام بھی آگے بتلا دیا گیا کہ قیامت کے دن ان کافروں کو اوندھے منہ جہنم کی طرف ہنکایا جائے گا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ قیامت کے دن کس طرح کافر کو منہ کے بل ہنکایا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس پاک قدرت والے نے اس کو پاؤں کے بل چلایا ہے وہ قادر ہے کہ قیامت کے دن اس کو منہ کے بل چلا دے۔ غرض یہ کہ آخرت میں ان کا ٹھکانا کفر و انکار کی وجہ سے بدترین ہوگا اور ان کی یہ گمراہی ان کو بدترین مقام یعنی جہنم میں پہنچا دے گی۔

یہاں تک مضمون توحید و رسالت کے انکار پر وعید کا تھا اب اسی توحید و رسالت کی تائید کے لئے آگے بعض گذشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کے قصص اجمالاً بیان فرمائے گئے ہیں تا کہ کفار کو تنبیہ ہو جائے کہ منکرین نبوت کس ذلت اور خواری کے ساتھ ہلاک ہوئے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو امت مسلمہ میں پیدا فرمایا اور قرآن جیسی نعمت ہم کو عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نعمت کی قدردانی اور شکرگزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور ہر طرح کی کجی و گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى

اور بتحقیق ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تھی اور ہم نے اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو معین بنایا تھا۔ پھر ہم نے حکم دیا کہ دونوں اُن لوگوں

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ

کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری دلیلوں کو جھٹلایا ہے۔ سو ہم نے اُن کو بالکل ہی غارت کردیا۔ اور قوم نوح کو بھی ہم ہلاک کر چکے ہیں جب اُنہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا

اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟

تو ہم نے اُن کو غرق کردیا اور ہم نے اُن کو لوگوں کیلئے ایک نشان بنادیا اور ہم نے ظالموں کیلئے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔ اور ہم نے عاد اور ثمود

وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا

اور اصحاب الرس اور اُن کے بیچ بیچ میں بہت سی اُمتوں کو ہلاک کردیا۔ اور ہم نے ہر ایک کے واسطے عجیب عجیب مضامین بیان کئے اور ہم نے سب کو بالکل برباد ہی کردیا۔

تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ

اور یہ اُس بستی پر ہو کر گزرے ہیں جس پر بُری طرح پتھر برسائے گئے تھے۔ سو کیا یہ لوگ اس کو دیکھتے نہیں رہتے۔ بلکہ یہ لوگ

كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿٤٠﴾

مر کر جی اُٹھنے کا احتمال ہی نہیں رکھتے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور البتہ ہم نے دی	مُوْسٰى موسیٰ	الْكِتٰبَ کتاب	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	مَعَهٗٓ اس کے ساتھ	اَخَاهُ اس کا بھائی	هٰرُوْنَ ہارون
وَزِيْرًا وزیر معاون	فَقُلْنَا پس ہم نے کہا	اذْهَبَآ تم دونوں جاؤ	اِلَى الْقَوْمِ قوم کی طرف	الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا جنہوں نے جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتیں	
فَدَمَّرْنٰهُمْ تو ہم نے تباہ کردیا انہیں	تَدْمِيْرًا بری طرح ہلاک	وَ اور	قَوْمَ نُوْحٍ قوم نوح	لَمَّا كَذَّبُوا جب انہوں نے جھٹلایا	الرُّسُلَ رسول	
اَغْرَقْنٰهُمْ ہم نے غرق کردیا انہیں	وَجَعَلْنٰهُمْ اور ہم نے بنایا انہیں	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	اٰيَةً ایک نشانی	وَاَعْتَدْنَا اور تیار کیا ہم نے	لِلظّٰلِمِيْنَ ظالموں کیلئے	
عَذَابًا ایک عذاب	اَلِيْمًا دردناک	وَّعَادًا اور عاد	وَّثَمُوْدَا اور ثمود	وَّاَصْحٰبَ الرَّسِّ اور کنویں والے	وَقُرُوْنًا اور جماعتیں	
بَيْنَ ذٰلِكَ ان کے درمیان	كَثِيْرًا بہت سی	وَكُلًّا اور ہر ایک کو	ضَرَبْنَا ہم نے بیان کیں	لَهُ اس کیلئے	الْاَمْثَالَ مثالیں	وَكُلًّا اور ہر ایک کو
تَبَّرْنَا ہم نے مٹا دیا	تَتْبِيْرًا تباہ کر کے	وَلَقَدْ اَتَوْا اور تحقیق وہ آئے	عَلٰى پر	الْقَرْيَةِ بستی	الَّتِيْٓ وہ جس پر	اُمْطِرَتْ برسائی گئی
مَطَرَ السَّوْءِ بری بارش	اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا تو کیا وہ نہ تھے	يَرَوْنَهَا اس کو دیکھتے	بَلْ بلکہ	كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ وہ امید نہیں رکھتے	نُشُوْرًا جی اٹھنا	

تفسیر و تشریح:۔ قرآن پاک نے اپنی تعلیمات اور ہدایات کو مؤثر بنانے کے لئے کہیں تو ترہیب اور ترغیب کا طریقہ اختیار کیا۔ کہیں تشبیہ اور تمثیل سے ذہن پر اثر ڈالنے کی کوشش کی، کہیں عذاب جہنم کی ہولناکیوں اور ثواب جنت کی راحتوں کا نقشہ سامنے کھینچا تاکہ ثواب کی رغبت اور عذاب کا خوف پیدا ہو کر عقائد و اعمال کی درستی ہو جائے۔ اسی طرح گذشتہ انبیاء کرام کے واقعات و حالات اور ان

کے اقوام کی فرمانبرداری اور نافرمانی بیان کی اور پھر دونوں کے نتائج بھی ظاہر کئے تاکہ قرآن کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو اور نافرمانی کی صورت میں تباہی کی تصویر نظروں کے سامنے آجائے۔اسی بناء پر توحید ورسالت۔قیامت وآخرت۔عذاب وثواب۔جہنم اور جنت پر دلائل بیان کر کے نصیحت کا مواد پیش فرمایا جاتا ہے۔چنانچہ ان آیات میں بھی چند پیغمبروں کی نافرمان قوموں کا عبرت انگیز نتیجہ بیان کر کے ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا سامان فراہم کیا کہ قوم کی سرکشی کچھ آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔گذشتہ انبیاء کی قوموں نے بھی اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی لیکن انجام کار تکذیب کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔دوسری طرف منکرین کے لئے یہ درس عبرت ہے کہ وہ اپنی سرتابی اور سرکشی چھوڑ دیں ورنہ برباد ہونے کے لئے تیار ہو جاویں۔

سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ آپ کی نبوت اور کتاب اہل کتاب میں بہت مشہور تھی اور بتلایا جاتا ہے کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعونیوں نے کیا کیا۔ان کو کس قدر معجزات دکھلائے گئے اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا کر کے حضرت موسیٰ کا ہاتھ بٹانے کے لئے ساتھ کر دیا گیا تھا۔پہلا کام ان دونوں حضرات کے یہ سپرد ہوا کہ فرعون اور اس کی قوم کو جا کر سمجھائیں کہ سرکشی چھوڑیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کریں۔لیکن اس قوم نے ان کی نہ سنی۔آخر اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو نیست و نابود کر دیا۔جس کا تفصیلاً قرآن پاک میں متعدد جگہ بیان ہو چکا ہے۔اور ان سے پیشتر قوم نوح کو دیکھ کر انہوں نے نہ صرف نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی بلکہ عموماً رسولوں کے منکر تھے۔جب وہ کسی طرح نہ مانے تو اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست طوفان بھیجا اور تمام منکرین و مکذبین کو غرق کر کے ہلاک کر دیا گیا۔اسی طرح قوم عاد وثمود کو دیکھو کہ حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کے انکار اور مقابلہ سے ان پر کیا ماجرا گزرا۔پھر اصحاب الرس پر غور کرو۔مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کس نبی کی امت تھی۔اکثر یہی کہتے ہیں کہ یہ ایک بت پرست قوم تھی جن کے بہت سے کنوئیں تھے۔رس کنوئیں کو کہتے ہیں۔اسی نسبت سے یہ اصحاب الرس کہلاتے تھے۔یہ ان کنوؤں سے زراعت کرتے اور جانوروں کو پالتے تھے۔ان کی ہدایت کو حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے مگر انہوں نے بڑی سرکشی کی اور اپنے پیغمبر کو ایذائیں دیں آخر قہر آسمانی سے یہ بھی ہلاک ہوئے۔اور بھی بہت سے سرکش لوگ جو ان قوموں کے درمیانی زمانہ میں آئے سب کو اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک کیا۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ قوم لوط کی بستیاں جن کے کھنڈرات پر مکہ والے شام کے سفر میں گزرتے تھے۔یہ بستیاں بحیرۂ لوط کے کنارے الٹی پڑی ہیں جن کو یہ مکہ والے آتے جاتے دیکھتے ہیں مگر عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور عبرت ہوتی کہاں سے جب ان کے نزدیک یہ احتمال ہی نہیں کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر اٹھنا ہے اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔عبرت تو وہی حاصل کر سکتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو اور انجام کی طرف سے بالکل بے فکر نہ ہو۔جب یہ وجود قیامت ہی کے قائل نہیں تو پھر دنیا میں اپنے کردار کی پاداش کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں۔

بعض مفسرین نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ اس میں جہاں کافروں کے لئے درس عبرت موجود ہے کہ پیغمبر خدا کی تکذیب وسرتابی چھوڑ دیں۔ورنہ انجام کار تباہی و بربادی کے لئے تیار رہیں وہیں دور حاضر کے مدعیان اسلام کو بھی اس خزانۂ موعظت سے نصیحت حاصل کرنا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب سے منہ موڑنے کا نتیجہ خسران و تباہی کے سوا کچھ نہیں مسلمان کی موجودہ حالت و ذلت ان کی خود

آورد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہادیٔ برحق کی تعلیم سے انحرف کا نتیجہ ہے۔ قوانین اسلام پر نہ چلنے کا خمیازہ ہے۔

آپ نے گذشتہ درسوں میں سنا کہ کفار و منکرین قرآن پر کیا کیا اعتراض کیا کرتے تھے مگر افسوس ہماری شامتِ اعمال کہ ہم کو ایسے روز بد بھی دیکھنے پڑے کہ جو اسلام کا لیبل لگا کر قرآن پر معترض ہوئے کہ یہ چودہ سو سال پرانی کتاب ہوگئی اب اس میں ہمارے مسائل کا حل نہیں۔ اور پاکستان میں گذشتہ دس بارہ سال کے زمانہ (سوشلزم) کو جانے دیجئے۔ ابھی گذشتہ تھوڑے عرصہ ہی کی بات ہے جبکہ ملک میں ''اسلامی نظام'' کی باتیں ہو رہی ہیں اور الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے اس کی ابتداء کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ ایسے اسلام دشمن منافقین بھی ملک میں موجود ہیں کہ جو علی الاعلان بے باکی کے ساتھ قرآن کریم کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس کے خدائی قوانین کو نامکمل اور ناقص اور قابل اصلاح کہتے ہیں۔ ۷ جولائی ۱۹۷۸ء کے ڈان اخبار کو دیکھ لیجئے یا ماہنامہ بینات بابت ماہ نومبر ۱۹۷۸ء جو جامعۃ العلوم الاسلامیہ۔ کراچی سے شائع ہوتا ہے اس کا اداریہ بصائر و عبر کے عنوان کے تحت پڑھ لیجئے۔ ایسے معترضین کے لئے چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کی بات ہے کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں دنیا کے انصاف پسند غیر مسلم مشاہیر، فضلا اور دانشوروں کو بھی قرآن کی حقانیت۔ اس کو الہامی کتاب اور آسمانی نصیحت نامہ تسلیم کرنے پر مجبور کیا ہے۔ الغرض الحمدللہ ہمارا تو ایمان ہے کہ قرآن تمام دنیا کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ خالق کائنات کی آخری آسمانی کتاب ہے۔ جس پر ہمیں تو کسی کی شہادت اور گواہی کی ضرورت نہیں۔ کاش کہ اب بھی امت مسلمہ قرآن اور تعلیم نبوی پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جائے تو پھر نصرتِ خداوندی ان کی ذلت کو عزت سے۔ ان کی پستی کو بلندی سے۔ ان کی غلامی کو حکومت سے اور ان کے افلاس و بدحالی کو خوشحالی سے بدل دے مگر یہ بات اس کی سمجھ میں آسکتی ہے جس کو اسلام اور ایمان سے حقیقی تعلق ہو۔ باقی جو محض مردم شماری کے مسلمان ہوں اور نفاق کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوں۔ جو اتباع قرآن و سنت کو ''دقیانوسیت'' اور ''ملا پن'' کے تحقیر آمیز القاب سے یاد کرتے ہوں جن کے نزدیک ہر بے دینی ترقی کا راستہ ہے۔ اور ہر کفریات بکنے والا روشن خیال ہے اور اس پر جو نکیر کرے وہ کٹھ ملا۔ ضروریات زمانہ سے بے خبر ترقی کا دشمن ہے تو ایسوں کی سمجھ میں یہ بات کہاں آسکتی ہے کہ ایک مسلمان کی دین و دنیا دونوں جہان کی صلاح و فلاح صرف اور صرف قرآن اور سنت ہی کے اتباع میں ہے اور ایک مسلمان کے لئے دونوں جہان کا خسران اور ناکامی اور تباہی و بربادی قرآن و سنت سے منہ موڑنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کی حقیقی وقعت و عظمت اور دین کی سمجھ اور قرآن کا فہم عطا فرمائیں۔ آمین۔ غرض کہ خدائی قانون تو اٹل ہیں اس لئے ان آیات کا پیغام جن کی سمجھ میں نہیں آتا اور جو اپنی خواہشاتِ نفس کے سامنے قرآن اور سنت کے اتباع کی طرف جھکنے کے لئے تیار نہیں تو وہ اپنا مقام اور انجام قرآن اور سنت کی روشنی میں سن لیں۔ جو اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: قرآن پاک نے جو واقعات نافرمان امتوں کے بیان کئے ہیں وہ ہمارے لئے بھی باعثِ عبرت و نصیحت ہوں۔

یا اللہ ہم کو اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پکا اور سچا اور وفادار امتی اور اپنی آسمانی کتاب قرآن حکیم کا مطیع و فرمانبردار بنا کر زندہ رکھئے اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیے۔ یا اللہ! اس ملک کو جو اسلام کے نام سے وجود میں آیا ہے اس کو صحیح معنی میں اسلامی ملک بنا دے اور یہاں اسلام کو وہ غلبہ اور شوکت نصیب فرما دے کہ اس سرزمین سے سارے عالم میں ایمان و اسلام کی روشنی پھیل جائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿٤١﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ

اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟۔اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے

اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ

ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم اُن پر قائم نہ رہتے۔اور جلدی ہی ان کو معلوم ہوجائیگا جب عذاب کا معائنہ کریں گے کہ کون شخص گمراہ تھا۔

سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿٤٣﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ

اے نبی آپ نے اُس شخص کی بھی حالت دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے۔سو کیا آپ اُس کی نگرانی کر سکتے ہیں۔یا آپ خیال کرتے ہیں

اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٤٤﴾ ع

کہ اُن میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں۔یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ اُن سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔

وَاِذَا اور جب	رَاَوْكَ دیکھتے ہیں تمہیں وہ	اِنْ نہیں	يَتَّخِذُوْنَكَ وہ نہیں بناتے تمہیں	اِلَّا مگر۔صرف	هُزُوًا تمسخر (ٹھٹھا)	اَهٰذَا کیا یہ
الَّذِيْ بَعَثَ وہ جسے بھیجا	اللّٰهُ اللہ	رَسُوْلًا رسول	اِنْ قریب تھا	كَادَ لَيُضِلُّنَا کہ وہ ہمیں بہکا دیتا	عَنْ اٰلِهَتِنَا ہمارے معبودوں سے	
لَوْلَا اگر نہ	اَنْ صَبَرْنَا ہم جمے رہتے	عَلَيْهَا اس پر	وَسَوْفَ اور جلد	يَعْلَمُوْنَ وہ جان لیں گے	حِيْنَ جس وقت	يَرَوْنَ وہ دیکھیں گے
الْعَذَابَ عذاب	مَنْ اَضَلُّ کون بدترین گمراہ	سَبِيْلًا راستہ سے	اَرَءَيْتَ کیا تم نے دیکھا؟	مَنِ اتَّخَذَ جس نے بنایا	اِلٰهَهٗ اپنا معبود	
هَوٰىهُ اپنی خواہش	اَفَاَنْتَ تو کیا تم	تَكُوْنُ ہو جائے گا	عَلَيْهِ اس پر	وَكِيْلًا نگہبان	اَمْ تَحْسَبُ کیا تم سمجھتے ہو؟	اَنَّ کہ
اَكْثَرَهُمْ ان کے اکثر	يَسْمَعُوْنَ سنتے ہیں	اَوْ يَعْقِلُوْنَ یا عقل سے کام لیتے ہیں	اِنْ هُمْ نہیں وہ	اِلَّا مگر	كَالْاَنْعَامِ چوپایوں جیسے	
بَلْ هُمْ بلکہ وہ	اَضَلُّ بدترین گمراہ	سَبِيْلًا راہ سے				

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ سے مضمون کفار مکہ کے اعتراضات اور ان کے حالات کے متعلق بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ یہ کفار مکہ قوم لوط کی بستیوں کے کھنڈرات شام وغیرہ کو سفر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں مگر اس سے کوئی عبرت اور نصیحت حاصل نہیں کرتے کہ پیغمبر کی نافرمانی کرنے والی قوم کا کیا انجام کار ہوا؟ انہی کفار مکہ کے متعلق ابھی مضمون جاری ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ نافرمان قوموں کے حالات سن کر اور ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات دیکھ کر بجائے عبرت حاصل کرنے کے ان کا مشغلہ تو یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔چنانچہ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بطور استہزاء اور مذاق کے کہتے کہ کیا یہی ہیں جن کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ کیا تو ان کی یہ ظاہری مالی حیثیت اور کہاں منصب رسالت؟ کیا ساری خدائی میں بس یہی رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے؟ ان کی یہ باتیں جو جادو کا سا اثر رکھتی ہیں اس نے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ ہم میں سے بڑے بڑوں کے قدم پھسل گئے ہوتے۔اور قریب تھا کہ ان کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں اور دیوتاؤں سے برگشتہ کر دیتیں۔وہ تو ہم ایسے پکے تھے کہ برابر اپنے دین پر جمے رہے اور ان کی باتوں کا اثر قبول نہ

کیا۔ ورنہ یہ ہم سب کو کبھی کا گمراہ کر کے چھوڑتے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) دیکھا آپ نے کہ کفار خود کفر و شرک کی گمراہی میں مبتلا ہونے کے باوجود الزام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھتے تھے کہ اگر بت پرستی چھوڑ دی تو گویا یہ ان کے یعنی کفار کے نزدیک گمراہی تھی۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ایک جملہ میں اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد ہی فوراً ان کو معلوم ہو جاوے گا جب عذاب کا معائنہ کریں گے کہ کون گمراہ تھا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس آیت کا نزول ابوجہل کے متعلق ہوا یہ کم بخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کرتا تھا کہ کیا ایسے کم حیثیت اور بے مایہ شخص کو خدا نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے ہم نے بڑا دھوکا کھایا تھا کہ ان کی باتیں سنی تھیں۔ قریب تھا کہ ہم اپنے معبودوں اور دیوتاؤں کو چھوڑ دیں اور گمراہ ہو جاویں مگر خیر ہوگئی ہم اپنے دیوتاؤں کی پرستش پر جمے رہے اور ان کے بہکائے سے بچ گئے (العیاذ باللہ) جب ابوجہل اور اس کے ساتھی جنگ بدر میں مارے گئے تو اختتام جنگ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ملعونوں کی لاشوں کو ایک کنوئیں میں جمع کرا کے خطاب فرمایا کہ ہم سے جو کچھ ہمارے پروردگار نے وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے پالیا کیا تم نے بھی وہ عذاب پالیا جس کی وعید تمہارے رب نے دی تھی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعلمین تھے آپ کوشش فرماتے تھے اور دل و جان سے چاہتے تھے کہ بے دین کافروں کو دوزخ سے کھینچیں۔ جو لوگ جان و مال اور عزت و آبرو کے دشمن تھے ان کے ساتھ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفقت فرماتے تھے اور ان کے انکار اور کفر پر ملول ہوتے تھے لیکن وہ کم بخت نفس پرست تھے۔ حق پرست نہ تھے۔ صداقت کی ان کو جستجو ہی نہ تھی پھر کس طرح ہدایت یاب ہو سکتے تھے اس لئے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جو خواہش پرست اور نفس کے بندے ہیں آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہِ راست پر لے آنے کی کیا ذمہ داری کر سکتے ہیں۔ جن کا معبود ہی محض خواہش ہو کہ جدھر خواہش لے گئی ادھر ہی جھک پڑے۔ جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی۔ جو مخالف ہوئی رد کر دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں مشرکوں کا عجیب حال تھا ایک زمانہ تک ایک پتھر کی پوجا کرتے تھے پھر جب اس سے زیادہ خوبصورت پتھر ان کو مل جاتا تو پہلے معبود کو چھوڑ کر دوسرے کی پرستش شروع کر دیتے تھے۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیسی ہی نصیحتیں ان کو سنائیے یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ۔ چوپائے تو بہر حال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں۔ نافع و مضر کی کچھ شناخت بھی رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پر پہنچ جاتے ہیں لیکن ان منکرین اور کم فہموں کا یہ حال ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچانا۔ نہ اس کے احسانات کو سمجھا۔ نہ بھلے برے کی تمیز کی۔ نہ دوست دشمن میں فرق کیا۔ نہ غذائے روحانی اور چشمۂ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ اس سے کوسوں دور بھاگے اور جو قوتیں سوچنے اور سمجھنے کی خدا تعالیٰ نے عطا کی تھیں ان کو معطل کئے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا اگر ذرا بھی عقل و فہم سے کام لیتے تو اس کارخانۂ قدرت میں بے شمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور دین حق کی صداقت و حقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ کفار کے پیش نظر خواہشاتِ نفس کی پیروی رہتی ہے۔ ہر چند کہ حقانیت قرآن اور صداقت رسول کے عقلی و فطری شواہد موجود ہیں مگر چونکہ کافروں کا جی نہیں چاہتا اس لئے وہ نہیں مانتے۔ مطلق العنان رہنا چاہتے ہیں۔ حلت و حرمت کے قیود کو ان کے نفس برداشت نہیں

کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی نفسانی خواہش اس دین وقرآن کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ پھر سورۂ نازعات ۳۰ ویں پارہ میں بالکل صاف اور صریح الفاظ ارشاد ربانی فرمایا گیا:

فاما من طغٰی واٰثر الحیٰوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوٰی ٥ واما من خاف مقام ربه ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنة ھی الماوٰی٥

تو جس کسی نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہو گی تو ایسے کا ٹھکانہ بس دوزخ ہی ہوگا۔ اور جو کوئی ڈرا ہوگا اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے اور نفس کو خواہش سے روکا ہو گا تو ایسے کا ٹھکانہ جنت ہی ہے"۔

الغرض ان آیات میں کفار کے لئے وعید و تنبیہ تو ظاہر ہی ہے مگر اس میں درس عبرت دورِ حاضر کے مسلمانوں کے لئے بھی ہے کہ جن پر خواہش نفس کا سکہ جما ہوا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ خواہش نفس کی پرستش کے معنی ہیں کہ آدمی ہر دینی اور دنیوی امور میں اپنے نفس کا فرمانبردار ہوجائے جس کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً جاہ پرستی، عزت پرستی، شہرت پرستی، حکومت پرستی، زر پرستی، زن پرستی، اولاد پرستی وغیرہ وغیرہ یعنی احکام الٰہیہ کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز یا دوسرے شخص کی اتنی اطاعت کرنی کہ حکم الٰہی کی کوئی پروانہ ہو یا مخالفت ہو، یہی نفس پرستی ہے۔ آج کا وہ نام نہاد مغرب زدہ طبقہ جو اسلامی لیبل لگا کر احکام شریعت کو صرف اس لئے نہیں مانتا کہ اس کا دل نہیں چاہتا اس کی عیش پرستی میں فرق آتا ہے۔ جو قرآنی احکام کو ٹھکراتا ہے محض اس لئے کہ حکم قرآنی کو مان کر اس کی شیطانی اغراض حاصل نہیں ہوسکتیں اور من چاہی زندگی نہیں بسر کرسکتا وہ مذکورہ بالا قرآنی آیات وحدیث کی روشنی میں اپنا مقام اور اپنا انجام غور کرلے آگے توحید باری تعالیٰ سمجھانے کے لئے کچھ قدرت کی نشانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو اپنا وہ خوف نصیب فرمائیں جو ہم کو نفسانی خواہشات کے اتباع سے روک دے۔ اے اللہ! نفس وشیطان کی شرارت سے ہماری کامل حفاظت فرمایئے۔ اور ظاہراً و باطناً ہم کو شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرمایئے۔ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام اور ایمان اور قرآن کی جو دولت عطا فرمائی ہے اس کی حقیقی شکرگزاری کی بھی توفیق عطا فرمادے۔ اور دین کے معاملہ میں ہم کو نفس پرستی جو کافرانہ خصلت ہے اس سے کامل طور پر بچایئے۔ یا اللہ! جانور کو بھی اتنی تمیز اور سلیقہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مالک اور محسن اور دانہ پانی دینے والے کو جانتا اور پہچانتا ہے لیکن اس غافل انسان کو نفس اور شیطان نے کیسا دھوکے میں ڈالا ہے کہ یہ اپنے خالق۔ رازق اور منعم ومحسن حقیقی کو بھول کر دنیا کی من چاہی لذات اور خواہشات میں پھنسا ہوا ہے اور خالق کائنات کی نافرمانی اور اس کے احکام سے سرکشی برت رہا ہے۔ اور عاقبت اور انجام سے بےفکر بنا ہوا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿۴۵﴾

(اے مخاطب) کیا تونے اپنے پروردگار (کی قدرت) پر نظر نہیں کی اُس نے سایہ کو کیونکر پھیلایا ہے۔اور اگر وہ چاہتا تو اُس کو ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا۔

ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا

پھر ہم نے اُس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو راحت کی چیز بنایا

وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا

اور دن کو زندہ ہونے کا وقت بنایا۔اور وہ ایسا ہے کہ اپنی بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کردیتی ہیں۔اور ہم آسمان سے

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿۴۸﴾ لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ﴿۴۹﴾

پانی برساتے ہیں جو پاک صاف کرنے کی چیز ہے۔تاکہ اس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں جان ڈال دیں اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چارپایوں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کردیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿۵۰﴾

اور ہم اس کو اُن لوگوں کے درمیان تقسیم کردیتے ہیں تاکہ لوگ غور کریں سو اکثر لوگ بغیر ناشکری کئے نہ رہے۔

أَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	إِلَىٰ طرف	رَبِّكَ اپنا رب	كَيْفَ کیسے	مَدَّ الظِّلَّ دراز کیا سایہ	وَلَوْ شَاءَ اور اگر وہ چاہتا	لَجَعَلَهُ تو اسے بنادیتا	
سَاكِنًا ساکن	ثُمَّ پھر	جَعَلْنَا ہم نے بنایا	الشَّمْسَ سورج	عَلَيْهِ اس پر	دَلِيلًا ایک دلیل	ثُمَّ پھر	قَبَضْنَاهُ ہم نے سمیٹا اس کو
إِلَيْنَا اپنی طرف	قَبْضًا کھینچنا	يَسِيرًا آہستہ آہستہ	وَهُوَ اور وہ	الَّذِي جَعَلَ جس نے بنایا	لَكُمْ تمہارے لئے	اللَّيْلَ رات	
لِبَاسًا پردہ	وَالنَّوْمَ اور نیند	سُبَاتًا راحت	وَجَعَلَ اور بنایا	النَّهَارَ دن	نُشُورًا اٹھنے کا وقت	وَهُوَ اور وہی	الَّذِي جس نے
أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بھیجیں ہوائیں اس نے	بُشْرًا خوشخبری	بَيْنَ يَدَيْ آگے	رَحْمَتِهِ اپنی رحمت	وَأَنْزَلْنَا اور ہم نے اتارا	مِنَ السَّمَاءِ آسمان سے		
مَاءً طَهُورًا پانی پاک	لِنُحْيِيَ بِهِ تاکہ ہم زندہ کردیں اس سے	بَلْدَةً مَيْتًا شہر مردہ	وَنُسْقِيَهُ اور ہم پلائیں اسے	مِمَّا اس سے جو	خَلَقْنَا ہم نے پیدا کیا		
أَنْعَامًا چوپائے	وَأَنَاسِيَّ اور آدمی	كَثِيرًا بہت سے	وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ اور تحقیق ہم نے اسے تقسیم کیا	بَيْنَهُمْ ان کے درمیان			
لِيَذَّكَّرُوا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں	فَأَبَىٰ پس قبول نہ کیا	أَكْثَرُ النَّاسِ اکثر لوگ	إِلَّا مگر	كُفُورًا ناشکری			

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں کفار کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ انہیں حق کے سوچنے اور سمجھنے سے کوئی واسطہ ہی نہیں ورنہ اگر یہ ذرا بھی عقل وفہم سے کام لیتے تو اس کارخانہ قدرت میں بے شمار نشانیاں موجود ہیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید۔ بڑائی اور بزرگی اور دین کی صداقت وحقانیت کی طرف رہبری کرتی ہیں۔اب آگے ان آیات میں قدرت کی بعض نشانیوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے جن سے معرفت خداوندی حاصل ہوسکتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ سب سے پہلے سایہ کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ صبح سورج نکلنے تک سب جگہ سایہ ہی رہتا ہے۔اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیں تو یہی سایہ قائم رہتا۔مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج

ایک طرف کو سمٹنے لگا۔ پھر زوال کے بعد سے ایک طرف سے دھوپ سمٹنا شروع ہوتی ہے دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ آخر دن میں دھوپ غائب ہو جاتی ہے۔ تو گویا سایہ کے پیچھے دھوپ اور دھوپ کے پیچھے سایہ یہ بھی قدرت کا نظام ہے۔ پھر اس قادر مطلق نے رات کو تمہارے لئے پردہ کی چیز بنایا یعنی رات کو تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط اور طاری ہو جاتی ہے جس میں لوگ کاروبار چھوڑ کر آرام کرتے ہیں۔ نیند کو اسی قادر مطلق نے سبب راحت وسکون بنایا کہ اس وقت حرکت موقوف ہو جاتی ہے اور دن بھر کے کام کاج سے جو تھکن چڑھ جاتی ہے وہ اس رات کے سونے سے اتر جاتی ہے اور بدن وروح کو راحت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر وہی اپنی قدرت سے دن کا اجالا کرتا ہے تو نیند سے اٹھ کر ادھر ادھر چلنے پھرنے کام کاج کرنے لگ جاتے ہیں اور روزی کی تلاش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ پھر وہی قادر مطلق ہے کہ جس کے حکم سے اول برساتی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں۔ پھر آسمان سے پانی برستا ہے جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے۔ پانی پڑتے ہی مردہ خشک زمینوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ جہاں خاک اڑ رہی تھی وہاں سبزہ زار بن جاتا ہے اور کتنے انسان اور جانور بارش کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی اسی کی قدرت ہے کہ بارش کا پانی تمام زمینوں اور آدمیوں کو یکساں نہیں پہنچتا۔ بلکہ کہیں کم کہیں زیادہ۔ کہیں جلد کہیں بدیر۔ جس طرح اللہ کی حکمت مقتضی ہو پہنچتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی تقسیم کسی قادر مختار وحکیم کے ہاتھ میں ہے۔ پس چاہئے تو یہ تھا کہ ان نشانات کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی زبردست حکمتوں اور قدرتوں کو سامنے رکھ کر اس کے مطیع اور فرمانبردار بنتے اور اس کی بات کو بھی مان لیتے کہ بیشک ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے مگر بہت سے لوگ سمجھتے ہی نہیں۔ نعمت الٰہی کا شکر ہی نہیں ادا کرتے بلکہ الٹا کفرانِ نعمت اور ناشکری پر اتر آتے ہیں۔ احادیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ایک مرتبہ کہا کہ میں بادل کی نسبت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ بادلوں پر جو فرشتہ مقرر ہے وہ حاضر ہے آپ ان سے جو چاہیں دریافت فرمالیں۔ چنانچہ اس فرشتہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تو خدا کا حکم آتا ہے کہ فلاں فلاں بستی میں اتنے اتنے قطرے برساؤ، ہم تعمیل ارشاد کرتے ہیں۔ تو بارش جیسی نعمت کے وقت اکثر لوگوں کے کفر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارش برسی۔ ایامِ جاہلیت میں عرب کے باشندے عقیدہ رکھتے تھے کہ بارش کا سبب چند مخصوص ستاروں کا طلوع وغروب ہے۔ ہندوستان کے ہندوؤں کا بھی کچھ ایسا ہی عقیدہ ہے۔ اسی کے متعلق آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ اکثر لوگ بارانِ رحمت کی ناشکری کرتے ہیں یعنی ستاروں کو بارش کا حقیقی سبب جانتے ہیں۔ حدیث میں ایک روایت ہے کہ حدیبیہ میں ایک رات بارش ہوئی صبح کو حسب معمول حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حاضرین سے فرمایا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے اس رات کیا فرمایا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں نے ایسی حالت میں صبح کی کہ بعض کا مجھ پر ایمان ہے بعض کافر ہیں جنہوں نے کہا کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی۔ ان کا ایمان ستاروں پر ہوا اور اللہ کا انہوں نے انکار کیا اور جنہوں نے کہا کہ اللہ کے فضل ورحمت سے ہم پر بارش ہوئی تو ان کا ایمان مجھ پر ہوا اور ستاروں کا انہوں نے انکار کیا۔

ابھی یہی سلسلۂ مضمون توحید باری تعالیٰ کے متعلق اگلی آیات میں جاری ہے جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ایک پیغمبر بھیج دیتے۔ سو آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے اور قرآن سے اُن کا زور شور سے مقابلہ کیجئے۔

وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو صورۃً ملایا جن میں ایک تو شریں تسکین بخش ہے اور ایک شور تلخ ہے، اور اُن کے درمیان میں ایک حجاب

وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ

اور ایک مانع رکھ دیا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پھر اُس کو خاندان والا سُسرال والا بنایا، اور (اے مخاطب) تیرا پروردگار

قَدِيْرًا ﴿٥٤﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿٥٥﴾

بڑی قدرت والا ہے۔ اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ اُن کو کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ اُن کو کچھ ضرر پہنچا سکتی ہیں، اور کافر تو اپنے رب کا مخالف ہے۔

وَلَوْ اور اگر	شِئْنَا ہم چاہتے	لَبَعَثْنَا تو ہم بھیج دیتے	فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ ہر بستی میں	نَّذِيْرًا ایک ڈرانے والا	فَلَا تُطِعِ پس نہ کہا مانیں آپ
الْكٰفِرِيْنَ کافروں	وَجَاهِدْهُمْ اور جہاد کریں اُن سے	بِهٖ اسکے ساتھ	جِهَادًا كَبِيْرًا بڑا جہاد	وَهُوَ اور وہی	الَّذِىْ جس نے / مَرَجَ ملایا
الْبَحْرَيْنِ دو دریا	هٰذَا یہ	عَذْبٌ شیریں	فُرَاتٌ خوشگوار	وَهٰذَا اور یہ	مِلْحٌ اُجَاجٌ تلخ بدمزہ / وَجَعَلَ اور اس نے بنایا
بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	بَرْزَخًا ایک پردہ	وَّحِجْرًا اور آڑ	مَّحْجُوْرًا مضبوط آڑ	وَهُوَ اور وہی	الَّذِىْ جس نے / خَلَقَ پیدا کیا
مِنَ الْمَآءِ پانی سے	بَشَرًا بشر	فَجَعَلَهٗ پھر بنائے اس کے	نَسَبًا نسب	وَّصِهْرًا اور سُسرال	وَكَانَ اور ہے / رَبُّكَ تیرا رب
قَدِيْرًا قدرت والا	وَيَعْبُدُوْنَ اور وہ بندگی کرتے ہیں	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مَا جو	لَا يَنْفَعُهُمْ نہ انہیں نفع پہنچائے	
وَلَا يَضُرُّهُمْ اور نہ ان کا نقصان کرسکے	وَكَانَ اور ہے	الْكَافِرُ کافر	عَلٰى پر۔ خلاف	رَبِّهٖ اپنا رب	ظَهِيْرًا پشت پناہی کرنیوالا

تفسیر و تشریح:- گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بعض نشانیاں بیان فرمائی تھیں اور بتلایا تھا کہ قدرت کی ان نشانیوں کو دیکھ کر مقتضا تو ان کا یہ تھا کہ منکرین ان کو نعمت الٰہی سمجھ کر اس کا شکر ادا کرتے نہ کہ الٹا کفر اور ناشکری پر جمے رہنا۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین کے لئے نبی کا آنا بڑے تعجب کی چیز ہے۔ حالانکہ یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں۔ اور اللہ چاہے تو نبیوں کی اتنی کثرت کردے کہ ہر بستی میں علیحدہ نبی ہو مگر اس کو اب منظور یہی ہوا کہ آخر میں سارے جہان کے لئے اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر تلقین کی جاتی ہے کہ آپ ان کافروں کے احمقانہ طعن و تشنیع اور جاہلانہ نکتہ چینیوں اور اعتراضات پر التفات نہ فرمائیں اپنا کام یعنی تبلیغ دین پوری قوت اور جوش سے انجام دیتے رہیں اور قرآن کے ذریعہ ان منکرین کا مقابلہ زور و شور سے کرتے رہیں اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔ تو گذشتہ سے سلسلہ قدرت کی ایسی واضح نشانیوں کے بیان کا چل رہا تھا کہ جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ اب آگے پھر خدا کی قدرت اور بعض نشانیوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ دیکھو اللہ ہی کی قدرت ہے کہ اس رب نے پانی کو دو طرح کا کر دیا۔

میٹھا اور کھاری۔ نہروں چشموں اور کنوؤں کا پانی عموماً میٹھا صاف اور خوش ذائقہ ہوتا ہے اور سمندروں کا پانی کھاری اور بدمزہ ہوتا ہے یا کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں محققین علمائے کرام نے بہت سی مثالیں بیان کی ہیں کہ کھاری اور میٹھے پانی ملنے کے باوجود بھی ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ بیان القرآن میں حضرت مولانا تھانویؒ نے دو معتبر بنگال کے علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبین بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں۔ ایک طرف کا پانی سفید ہے ایک طرف کا سیاہ۔ سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم رہتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے۔ کشتیاں سفید پانی میں چلتی ہیں اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ پانی کڑوا ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ مجھ سے باریسال کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ایک ہی دریا سے نکلتی ہیں ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ۔ جس زمانہ میں حضرت عثمانیؒ ڈابھیل ہندوستان کے ضلع سورت صوبہ گجرات میں مقیم تھے تو فرماتے ہیں کہ وہاں سے سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے تو ادھر کی ندیوں میں مدوجزر یعنی جوار بھاٹا ہوتا رہتا ہے۔ بکثرت معتبر لوگوں نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آ جاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں ملتے نہیں اوپر کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا۔ جزر یعنی اتار کے وقت کھاری پانی اتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں پانی باقی رہ جاتا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ آگرہ کے تمام کنویں تلخ ہیں لیکن شہر کے قریب جو دریا جمنا بہہ رہا ہے وہ شیریں ہے جمنا کی شیرینی سے شہر کے اندرونی کنویں اثر پذیر نہیں ہیں بلکہ بہت مقامات پر دو کنویں باوجود قریب ہونے کے شیرینی اور تلخی کا نمایاں فرق رکھتے ہیں حالانکہ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ زمین کے اندر مسام ہیں پانی ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے پھر بھی خدا کی قدرت کہ قریب کے دو پانی زمین کے مسامات میں نفوذ کر کے باہم ایک دوسرے کو متاثر نہیں کرتے۔ پھر اس کے علاوہ سمندر میں بھی مختلف مقامات پر میٹھے پانی کے چشمہ پائے جاتے ہیں جن کا پانی سمندر کے نہایت تلخ پانی کے درمیان بھی اپنی مٹھاس پر قائم رہتا ہے۔ کچھ ہی عرصہ کی بات ہے کہ جب امریکن کمپنی نے سعودی عرب میں تیل نکالنے کا کام شروع کیا تو ابتداء خلیج فارس کے ایسے چشموں سے شیریں پانی حاصل کرتے تھے جن میں شیرینی تھی۔ بعد میں ظہران کے پاس کنویں کھودے گئے اور ان سے حاصل کرنے لگے۔ تو غرض کہ یہ اللہ ہی کی قدرت ہے۔ جس میں اہل بصیرت کے لئے دعوت فکر ہے کہ ایک طرف شیریں پانی ہے اور اسی کے برابر دوسری طرف تلخ اور شور پانی ہے دونوں کے درمیان نہ کوئی دیوار ہے نہ پردہ دونوں اگر متصل ہیں تو اس کے باوجود دونوں مخلوط ہونے نہیں پاتے تو مقام بصیرت ہے کہ پانی باوجود سیال اور رقیق ہونے کے اپنے قطرات کو دوسرے پانی کے قطرات سے جدا رکھتا ہے یہ ان دونوں پانیوں کو باہم اثر اندازی سے روکنے والا کون ہے؟ محض قدرت خداوندی۔

پھر آگے ایک دوسری قدرت کی نشانی بیان کی جاتی ہے کہ دیکھ لو کس طرح اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک ناچیز قطرۂ آب کو عاقل و کامل آدمی بنا دیا۔ پھر آگے اس سے نسلیں چلائیں اور دامادی اور سسرال کے رشتہ قائم کئے۔ ایک ناچیز قطرہ کو کیا سے کیا کر دیا اور کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ لیکن یہ منکرین اپنی اصل کو بھول گئے اور اس رب قدیر کو چھوڑ کر عاجز مخلوق اور خود ساختہ دیوتاؤں کو معبود کہنے لگے۔ یہ اپنے پروردگار خالق و رزاق کا حق تو کیا پہچانتے۔ اس سے تو منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر شیطان کی فوج میں جا شامل ہوئے تا کہ مخلوق کو گمراہ کرنے میں شیطان ملعون کا ہاتھ بٹائیں۔

اب کفار کی مخالفت اور ایمان نہ لانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حزن و ملال ہوتا تھا اس پر آپ کی تسلی فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ

اور ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں۔آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہاں جو شخص یوں چاہے

اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ

کہ اپنے رب تک (پہنچنے کا) راستہ اختیار کرلے۔اور اس حی لایموت پر توکل رکھیئے اور اُس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیئے، اور وہ

عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ ۚ

اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے۔

وَمَا اور نہیں	اَرْسَلْنٰكَ بھیجا ہم نے آپ کو	اِلَّا مُبَشِّرًا مگر خوشخبری دینے والا	وَنَذِيْرًا اور ڈرانے والا	قُلْ فرمادیں	مَآ اَسْئَلُكُمْ نہیں مانگتا تم سے		
عَلَيْهِ اس پر	مِنْ کوئی	اَجْرٍ کوئی اجر	اِلَّا مگر	مَنْ شَآءَ جو چاہے	اَنْ يَّتَّخِذَ کہ اختیار کرلے	اِلٰى رَبِّهٖ اپنے رب تک	سَبِيْلًا راستہ
وَتَوَكَّلْ اور بھروسہ کر	عَلَى الْحَيِّ پر ہمیشہ زندہ رہنے والے	الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ جسے موت نہیں	وَسَبِّحْ اور پاکیزگی بیان کر	بِحَمْدِهٖ اسکی تعریف کے ساتھ			
	وَكَفٰى بِهٖ اور کافی ہے وہ	بِذُنُوْبِ گناہوں سے	عِبَادِهٖ اپنے بندے	خَبِيْرًا خبر رکھنے والا			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات سے اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیوں کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے جن پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت صاف نظر آتی ہے مگر ان کفار ومشرکین نے اللہ تعالیٰ کا حق نہ پہچانا اور بجائے قدرت والے رب کے ایسوں کو اپنا معبود قرار دے لیا جنہیں کسی کو نہ نفع پہنچانے کا مقدور ہے اور نہ نقصان پہنچانے کی طاقت ہے۔تو ان کفار ومشرکین کی مخالفت اور انکار سے اور ایمان نہ لانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی گئی جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کام صرف یہ ہے کہ آپ ان منکرین کو کفر پر قائم رہنے پر ابدی ہلاکت سے ڈرائیں اور ایمان لے آنے پر دوامی نجات کی بشارت سنادیں۔آگے یہ مانیں یا نہ مانیں آپ کا کوئی نقصان نہیں نہ آپ پر کوئی الزام۔کسی کے ہدایت یاب ہونے پر نہ ہونے کی باز پرس آپ سے نہ ہوگی۔آپ نے اپنا کام یعنی پیغام حق ان کو پہنچادیا۔اب بطور اتمام حجت کے ان منکرین سے یہ کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ دین۔اور دعوت حق۔اور موعظت و نصیحت پر تم سے کوئی معاوضہ یا اجرت تو نہیں طلب کرتا میں تو بس یہی چاہتا ہوں کہ جس کو توفیق ہو وہ اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرلے۔میری طلب صرف یہی ہے کہ تم اللہ کے راستہ پر چلو۔یہ فقرہ کیسی شفقت سے بھرا ہوا ہے۔جس طرح کوئی استاد اپنے شاگرد کو بڑی شفقت ومحبت سے پڑھا کر عالم بنادے اور یہ کہے کہ عزیز من! میں اپنی کارگزاری کی کوئی اجرت تم سے نہیں چاہتا میری اجرت یہی ہے کہ تم اپنے علم کو یاد رکھو اور اس پر عمل کرو۔منشا یہ ہے کہ پڑھے ہوئے کو یاد رکھنا تمہارے ہی نفع کا سبب ہے اور مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ تمہارے فائدہ کو اپنا فائدہ سمجھتا ہوں اس لئے مجھے اس سے ایسی ہی مسرت ہوگی جو اجرت لینے سے بھی زیادہ ہوگی۔یا اس پیغمبرانہ شفقت کو یوں سمجھے کہ جیسے کوئی بوڑھا ضعیف باپ اولاد کو کہے کہ تم کھاؤ پیو اور

خوش رہو۔ یہی میرا کھانا پینا اور خوش رہنا ہے۔ اور یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ کسی شخص کا اللہ کے راستہ کو اختیار کر لینے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنا فائدہ قرار دیا تو ممکن ہے یہ اس لحاظ سے فرمایا ہو کہ اس کا ثواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو نیک کاموں کی ہدایت کرتا ہے اور وہ اس کے کہنے کے مطابق نیک عمل کرے تو اس کے عمل کا ثواب خود کرنے والے کو بھی پورا پورا ملے گا اور اتنا ہی ثواب ہدایت کرنے والے شخص کو بھی ملے گا۔

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اس طرح کے ارشادات جیسے وما ارسلنک الا مبشرا ونذیراً یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو تو ہم نے بس ایک مبشر و نذیر بنا کر بھیجا ہے قرآن مجید میں جہاں بھی آئے ہیں ان کا اصل روئے سخن کفار و مشرکین کی طرف ہے اور مقصد اس سے دراصل ان کو یہ بتانا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک خیر خواہ بے غرض مصلح ہیں جو خلق خدا کی بھلائی کے لئے خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں اور ان کے انجام کا نیک و بد بتا دیتے ہیں وہ تمہیں زبردستی تو اس پیغام کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ تم مانو گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے نہ مانو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ وہ پیغام پہنچا کر سبکدوش ہو چکے۔ اب اس کے بعد تمہارا معاملہ تمہارے خالق اور مالک سے ہے۔ اس لئے یہاں کسی کو اس غلط فہمی میں نہ رہنا چاہئے کہ اہل ایمان اور مسلمانوں کے معاملہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بس خدا کا پیغام پہنچا دینے اور انجام نیک و بد کا مژدہ سنا دینے تک محدود ہے قرآن پاک نے جگہ جگہ اور بار بار تصریح کی ہے کہ مسلمانوں کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف مبشر و نذیر ہی نہیں ہیں بلکہ معلم کتاب و حکمت۔ اور مزکی۔ اور نمونہ عمل بھی ہیں۔ حاکم۔ قاضی اور امیر مطاع بھی ہیں اور آپ کی زباں سے نکلا ہوا ہر فرمان اہل ایمان کے حق میں قانون کا حکم رکھتا ہے۔ جس کے آگے ان کو دل و جان کی رضامندی سے سر تسلیم خم کرنا چاہئے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ ان کفار کی مخالفت کی کوئی پروا نہ کریں آپ تنہا خدا پر بھروسہ کر کے اپنا فرض تبلیغ و دعوت وغیرہ ادا کرتے جایئے دنیا کی فانی چیزوں کا کیا سہارا۔ اصل سہارا تو اسی کا ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا جس کو کبھی موت نہیں پس آپ اللہ پر توکل رکھئے اور اسی کی عبادت و حمد و ثنا کرتے رہئے۔ ان منکروں اور مجرموں سے وہ خود نبٹ لے گا کیونکہ وہ ان کے گناہوں سے پوری طرح واقف اور خبردار ہے۔

ان آیات کے تحت علماء نے لکھا ہے کہ تبلیغ دین کا معاوضہ طلب کرنے کی ممانعت ہے۔ تبلیغ دین کی اجرت قطعاً ناجائز ہے۔ یہ دین فروشی ہے۔ جو صراحۃً حرام ہے۔ اس سے خصوصاً ان دین فروش واعظوں کو نصیحت پکڑنی چاہئے جو وعظ کی فیس مقرر کرتے ہیں یا بغیر مقرر کئے معاوضہ لینے کے درپے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے واعظین کے فتنوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھیں۔

ابھی سلسلۂ مضمون توحید اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! ہم کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت و عظمت نصیب فرما اور آپ کی محبت کے ساتھ آپ کے دین کا اتباع کامل نصیب فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ

وہ ایسا ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے سب چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا، وہ بڑا مہربان ہے

فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا

سو اُس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہیے، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے، کیا ہم اُس کو سجدہ کرنے لگیں

وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾

گے جس کو تم سجدہ کرنے کیلئے ہم کو کہو گے اور اُس سے اُن کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔

الَّذِیْ اور جس نے	خَلَقَ پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمان	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا بَیْنَهُمَا اور جو ان دونوں کے درمیان	فِیْ میں	سِتَّةِ اَیَّامٍ چھ دن
ثُمَّ اسْتَوٰی پھر قائم ہوا	عَلَی الْعَرْشِ عرش پر	اَلرَّحْمٰنُ جو رحم کرنے والا	فَسْئَلْ تو پوچھو	بِهٖ اسکے متعلق	خَبِیْرًا کسی باخبر	وَاِذَا اور جب
قِیْلَ کہا جائے	لَهُمُ ان سے	اسْجُدُوْا تم سجدہ کرو	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کو	قَالُوْا وہ کہتے ہیں	وَمَا اور کیا ہے	الرَّحْمٰنُ رحمٰن
	اَنَسْجُدُ کیا ہم سجدہ کریں	لِمَا تَاْمُرُنَا جسے تو سجدہ کرنے کو کہے	وَزَادَهُمْ اس نے بڑھا دیا اُن کا	نُفُوْرًا بدکنا		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور صنعت کی بعض نشانیوں کا ذکر فرمایا گیا تھا جن میں غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی توحید۔ بڑائی و بزرگی واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے اور جن سے معرفت خداوندی حاصل ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت پر صاف دلالت کرتی ہیں تو حق تعالیٰ کے اوپر ذکر کئے ہوئے بے شمار انعامات و کمالات کا مقتضا تو یہ تھا کہ انسان حق تعالیٰ کی پرستش کریں اور اسی کو اپنا معبود حقیقی سمجھیں مگر برخلاف اس کے گذشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ یہ کفار و مشرکین خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو کوئی نفع پہنچاتی ہیں اور نہ نقصان۔ اور چونکہ ان کفار و مشرکین کی مخالفت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اس لئے آپ کی تسلی فرمائی گئی تھی کہ آپ ان کفار کی مخالفت کی پروا نہ کریں۔ اپنا فرض یعنی تبلیغ دین اور دعوت حق ادا کئے جائیں اور حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور اسی کی عبادت و حمد و ثنا کرتے رہیں۔ وہ ان منکروں اور مجرموں سے خود نبٹ لیگا کیونکہ وہ ان کی ایک ایک حرکت اور عمل سے پوری طرح واقف اور خبردار ہے۔

اب آگے ان آیات میں مزید مضمون توحید بیان فرمایا جاتا ہے کہ یہ ساری کائنات یعنی آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہیں یہ اسی ایک خالق اور مالک کے بنائے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ یونہی آپ ہی آپ نہیں ہو گیا بلکہ اس ساری کائنات اور اسکی ہر چیز کو بنانے والا اور ان کو ایک نظام کے تحت قائم رکھنے والا ان کو رفتہ رفتہ کمال کو پہنچانے والا ایک اللہ ہی ہے جس کو ہم اس جسمانی آنکھ سے دیکھ تو نہیں سکتے مگر اس کی نشانیوں کو دیکھ کر عقل سے ضرور پہچان سکتے ہیں کہ وہ ہے اور ضرور ہے اور یہ سارے آسمان و زمین اسی کے بنانے سے ایک مدت میں بنے اور اپنی اپنی جگہ قائم ہوئے۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ بھی اور ان آیات میں بھی بتلایا جاتا ہے کہ یہ سب آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے حق تعالیٰ نے سب چھ روز کی مقدار میں پیدا فرمایا۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ چھ دن سے دنیا کی مقدار کے چھ دن مراد ہیں یا عالم غیب کے چھ دن مراد ہیں جہاں کہ ایک دن ایک ہزار برس کا ہے جیسا کہ سورۂ حج سترہویں پارہ میں ارشاد ہوا۔ اس طرح دنیا کے حساب کے چھ دن عالم آخرت کے چھ ہزار سال بنے۔ واللہ اعلم بالصواب مفسرین نے

لکھا ہے کہ یہاں اس امر کو ذکر کرنے سے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیانی کائنات کو چھ دن کے دور میں پیدا کیا اس سے منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام کائنات کا پورا انتظام تدریجی ہے۔ عام قانون قدرت یہی ہے کہ ہر کام کی تکمیل آہستہ آہستہ ہوتی ہے یہاں تک کہ عالم کی پیدائش بھی دفعتہً ایک دم سے نہیں ہوئی اگرچہ اس کی قدرت بہت وسیع ہے وہ اگر چاہتا تو آن کی آن میں پورے عالم و مافیہا کو پیدا کر دیتا۔ لیکن حق تعالیٰ نے بتدریج پیدا فرمایا جیسا کہ آج بھی انسان۔ اور حیوانات اور نباتات وغیرہ کی پیدائش کا سلسلہ تدریجی طور ہی پر جاری ہے۔

یہاں ایک نکتہ مفسرین نے اور بھی لکھا ہے کہ یہ سورۂ فرقان جس وقت مکہ میں نازل ہوئی اس وقت کفار کا غلبہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے برسر پیکار تھے اور دین حق کو مٹانے اور اہل حق کو ستانے اور ہر طرح کی ایذائیں دینے کو ہر وقت تیار رہتے کفار کے اس طرز عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا جس پر آپ کی تسلی فرمائی جاتی تو یہاں یہ قانونِ قدرت بیان فرما کر کہ ہر کام کی تکمیل تدریجاً اور آہستہ آہستہ ہوتی ہے یہ ظاہر کرنا بھی مقصود ہے کہ اگرچہ خدا کی قدرت میں ہے کہ وہ تمام کافروں کو ایک دم میں مسلمان کر دیتا یا دفعتہً تمام منکرین کو غارت کر دیتا مگر اس کی حکمت نے کفار کو ڈھیل دے رکھی ہے اور دین کی اشاعت اور اسلام کا غلبہ آہستہ آہستہ کرنا چاہتا ہے۔ پس کفار کی ایذا رسانی سے مسلمانوں کو تنگ دل نہ ہونا چاہئے۔ اسلام کا نشوونما تدریجی ہوگا کہ قانون قدرت کے مطابق ہر چیز کی تکمیل آہستہ اور تدریجاً ہوتی ہے۔ دفعتہً کسی کام کا ہو جانا گو ممکن ہے مگر عمومی ضابطۂ قدرت کے خلاف ہے۔

آگے آیت میں بتلایا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان و زمین اور تمام کائنات کو پیدا فرما چکا تو خلق عالم کے بعد اللہ تعالیٰ عرش پر جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح قائم اور جلوہ فرما ہوا جو اس کی شان کے لائق ہے۔ یہ جملہ **ثم استوىٰ على العرش** یعنی پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا یا جا ٹھہرا یہ قرآن پاک میں سات جگہ آیا ہے جس کا تفصیلی بیان سورۂ اعراف آٹھویں پارہ میں ہو چکا ہے چونکہ یہ جملہ متشابہات میں سے ہے اور عقیدہ کے لحاظ سے نہایت اہم ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ اس جملہ کی جو تشریح سورۂ اعراف میں بیان کی گئی ہے اس کو پھر دیکھ لیا جائے۔

الغرض توحید باری تعالیٰ کے ضمن میں یہاں مشرکوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ وہ بت پرستی کرتے ہیں اور خدا کے سوا اوروں کو سجدہ کرتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو مشرکین کہتے ہیں کہ ہم رحمان کو نہیں جانتے کہ رحمان کون ہے۔ جس کو ہم سے سجدہ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ جہل و عناد اور بے حیائی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ محض تمہارے کہہ دینے سے ہم ایسی بات مان لیں؟ بس تم نے ایک نام لے دیا اور ہم سجدہ میں گر پڑیں۔ الغرض جس قدر انہیں رحمٰن کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف توجہ دلائی جاتی اسی قدر وہ اور زیادہ بدکتے اور بھاگتے اور کفار میں نفرت اور سرکشی کا اضافہ ہوتا۔

تمام علماء و مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس جگہ سجدہ تلاوت مشروع ہے۔ اس آیت کے ہر پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ تلاوت کرنا لازم ہے۔ اور یہ بھی مسنون ہے کہ اہل ایمان جب اس آیت کو سنیں تو جواب میں کہیں **زادنا اللہ خضوعاً ما زاد للاعداءِ نفوراً** اللہ کرے ہمارے خضوع اتنا ہی بڑھے جتنا دشمنوں کا نفور بڑھتا ہے۔

ابھی آگے بھی توحید کا مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہمیں ظاہر میں و باطن میں توحید کی حقیقت نصیب فرماویں اور اپنی معرفت الٰہیہ کے انوار سے ہمارے قلوب اور سینوں کو منور فرماویں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

وہ ذات بہت عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اُس میں ایک چراغ اور نورانی چاند بنایا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے

جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ

رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے اُس شخص کیلئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔ اور (حضرت) رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو

يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جُہلا اُن سے بات کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں۔

تَبٰرَكَ بڑی برکت والا ہے	الَّذِيْ جَعَلَ وہ جس نے بنائے	فِي السَّمَآءِ آسمان میں	بُرُوْجًا برج	وَجَعَلَ اور بنایا	فِيْهَا اس میں	
سِرٰجًا چراغ سورج	وَقَمَرًا اور چاند	مُّنِيْرًا روشن	وَهُوَ اور وہی	الَّذِيْ جَعَلَ جس نے بنایا	الَّيْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن
خِلْفَةً ایکدوسرے کے پیچھے آنیوالا	لِّمَنْ اَرَادَ اس کے لئے جو چاہے	اَنْ يَّذَّكَّرَ کہ وہ نصیحت پکڑے	اَوْ اَرَادَ یا چاہے	شُكُوْرًا شکر گزار بننا		
وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ اور رحمٰن کے بندے	الَّذِيْنَ وہ جو کہ	يَمْشُوْنَ چلتے ہیں	عَلَى الْاَرْضِ زمین پر	هَوْنًا آہستہ آہستہ	وَاِذَا اور جب	
خَاطَبَهُمُ ان سے بات کرتے ہیں	الْجٰهِلُوْنَ جاہل	قَالُوْا کہتے ہیں وہ	سَلٰمًا سلام			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں دلائل توحید کے ساتھ ساتھ کفار ومشرکین کا کفران اور ان کا حق سے تنفر مع ان کی مذمت کے مذکور تھا۔ اللہ تعالیٰ کی لامتناہی حکمت وقدرت کی بہت سی نشانیاں مذکور ہوئیں۔ جیسے آسمانوں کا بنانا۔ ان میں ستارے پیدا کرنا۔ پھر ستاروں کو رواں رکھنا۔ ان کے طلوع وغروب اور ٹھہرنے کے مقامات مقرر کرنا۔ رات ودن کو پیدا کرنا اور باہم ان کا تبادلہ کرنا۔ ہواؤں کی روانی۔ دریاؤں کی طغیانی۔ ابر باراں کی بارانی۔ شیریں اور تلخ پانی کو جمع کرنا اور ہر ایک کو اس کے راستہ پر چلانا۔ سمندروں سے بخارات کو اٹھانا اور ہوا کا ان کو ضرورت کی جگہ پر لے جانا اور پانی کی شکل دے کر تشنہ زمین پر برسانا پھر اس سے سبزہ پھل پھول غلہ میوے پیدا کرنا اور اس طرح انسانوں اور حیوانوں کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا۔ اس ساری کائنات کو ایک خاص نظام کے زیر اثر چلانا اور قانون فطرت کو مسخر رکھنا۔ تو یہ سب اس کی ہمہ گیر رحمت ہے کہ جو کائنات کے ذرہ ذرہ پر چھائی ہوئی ہے اور اس رحمت رحمانی اور احسان ربانی اور انعامات الٰہیہ کا اقتضا تو یہ تھا کہ عقل اور فہم رکھنے والا انسان اس کارگاہ قدرت میں کسی کو اللہ کا شریک نہ قرار دیتا اور اس کے سوا کسی کو کارساز اور قادر مطلق نہ جانتا۔ مخلوق کے سامنے سر نہ جھکاتا۔ ماسوا اللہ کے کسی کو سجدہ نہ کرتا مگر جیسا کہ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا کہ جب ان کفار ومشرکین کو کہا جاتا کہ وہ رحمٰن جو بڑی رحمت والا ہے اس کو سجدہ کرو اور اس کو اپنا معبود حقیقی تسلیم کرو تو ان کفار کو بوجہ جہل وعناد کے حق سے اور زیادہ نفرت ہوتی اور ان کی مخالفت اور بڑھتی۔ اللہ عزوجل کی ہستی کو پہچاننے کے لئے سب سے زیادہ واضح نشانی رات اور دن کا لگاتار ایک دوسرے کی جگہ باقاعدہ آنا جانا ہے۔ انسان سوچتا ہی نہیں ورنہ دن رات کو بار بار ایک ہی طریقہ سے ہوتے

دیکھ کر معمولی عقل والا انسان اتنا تو سمجھ ہی سکتا ہے کہ اس نظام اور طریقہ کا ان کے لئے مقرر کرنے والا کوئی ضرور ہے۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ وہ ذات بڑی عالی شان اور بابرکت ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے۔ اندھیری رات میں جب ہم آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں بے شمار چمکتے ہوئے اجسام نظر آتے ہیں ان میں کچھ چھوٹے ہیں کچھ بڑے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ چھوٹے نظر آنے والے اجسام درحقیقت چھوٹے ہوں کیونکہ ان کے ظاہری حجم کا دارومدار تو ان کے فاصلہ پر ہے۔ جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا اتنے ہی وہ چھوٹے نظر آئیں گے۔ ان چمکدار اجسام جن کو ہم ستارے کہتے ہیں ان کی تعداد کا اندازہ لگانا بھی بے حد مشکل ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ان کی تعداد اتنی ہے جتنے روئے زمین پر ریت کے ذرے یا دنیا بھر کے سمندروں میں پانی کے قطرے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ چمکدار اجسام تقریباً سب کے سب مثل ہمارے دنیا کے سورج کے ہیں۔ اور کچھ تو ہمارے سورج سے بھی ہزاروں لاکھوں گنا بڑے ہیں۔ ماہرین علم ہیئت نے جو ان ستاروں کے ایک دوسرے کے فاصلہ۔ ان کی فضا میں گھومنے کی تیز رفتاری ان کا ایک دوسرے کے راستہ میں نہ آنا وغیرہ وغیرہ کا انکشاف کیا ہے اس کو دیکھ کر کائنات کی وسعت پر حیرت ہوتی ہے۔ اور خدا کی زبردست قدرت کے سوا انسانی عقل عجائبات کائنات کو سمجھ بھی نہیں سکتی۔ قرآن حکیم نے اس جگہ بڑے بڑے ستاروں اور سیاروں اور چاند و سورج کا ذکر کرنے کے بعد یہ بھی بتلایا کہ قرآن کریم ان چیزوں کا ذکر بار بار اس لئے کرتا ہے کہ انسان ان کی تخلیق اور ان کی حرکات اور ان سے پیدا ہونے والے اثرات میں غور وفکر کر کے ان کے پیدا کرنے والے اور ان کو چلانے والے اور ان کو قائم رکھنے والے کو پہچانے اور شکر گزاری کے ساتھ اس کی عبادت بندگی اور فرمانبرداری میں لگا رہے۔

قرآن اور سنت کا اصل اور مقصود حقیقی کائنات عالم میں غور وفکر اور تدبر کی دعوت دینے سے یہی ہے کہ ان آثار عجیبہ کو دیکھ کر انسان اس غیر محسوس قوت کا یقین کر لے کہ جو اس سارے نظام کائنات کو چلا رہی ہے۔ اسی کا نام خدا ہے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس آسمان میں ایک چراغ یعنی آفتاب اور نورانی چاند خدا نے بنایا جن کی وجہ سے ہماری اس دنیا میں دن اور رات کا ظہور ہوتا ہے اور یہ سب اس قدر باقاعدہ نظام کے ماتحت حرکت کرتے ہیں کہ رات اور دن اپنے اپنے وقت پر ایک دوسرے کی جگہ آگے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ اس نظام میں انسان کے لئے بے شمار فائدے ہیں انہیں دیکھ کر عقل والے اگر چاہیں تو اللہ عزوجل کو بآسانی پہچان سکتے ہیں اور اس کی شکر گزاری اپنے اوپر واجب قرار دے سکتے ہیں۔ بہرحال نصیحت پذیر قلب اور عبرت اندوز دماغ رکھنے والوں کے لئے چاند و سورج اور شبانہ روز کی تخلیق اور ان کے ردوبدل میں اللہ کی ہمہ گیر قدرت اور عمومی رحمت کو جاننے اور حق تعالیٰ کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے کا غیر محدود ذخیرہ موجود ہے۔ چنانچہ رات دن کے فوائد اور انعامات اور احسانات کو دیکھ کر اللہ کے مخلص بندے جن کی صفات آگے بیان کی گئی ہیں ایسا ہی کرتے ہیں اور مشرکین کی طرح رحمٰن کا نام سن کر ناک بھویں نہیں چڑھاتے بلکہ ہر قول وفعل سے اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی چال ڈھال سے تواضع متانت۔ خاکساری اور بے تکلفی ٹپکتی ہے۔ متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے اور کم عقل اور بے ادب لوگوں کی جہالت کی بات کا جواب عفو اور نرمی وسلامتی سے دیتے ہیں۔ کوئی ان سے جہالت کی گفتگو کرے تو وہ رفع شر کی

بات کہہ کرا لگ ہو جاتے ہیں اور جاہلوں کے منہ نہیں لگتے۔ نہ ان میں شامل ہوں نہ ان سے لڑیں۔ نہ بدگوئی سے کام لیں یعنی جاہل کو جواب دیتے وقت جاہل نہیں بن جاتے بلکہ جاہلوں کی جہالت سے درگزر کرتے اور حلم وعفو سے کام لیتے ہیں۔

یہاں آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مطیع فرمانبردار اور اطاعت گزار بندوں کو عباد الرحمٰن فرمایا۔ ویسے تو اللہ کے بندے سبھی ہیں۔ کافرو مشرک بھی اسی کے بندے ہیں کیونکہ سبھی کو خدا نے پیدا کیا ہے مگر یہاں مخصوص فرمانبردار بندے مراد ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کو اپنے نیکوکاری ہی کے سبب بندگانِ خدا کہلانے کا خصوصی حق ہے پھر یہاں عباد اللہ نہیں فرمایا بلکہ عباد الرحمٰن فرمایا حالانکہ عباد کے ساتھ لفظ اللہ عام طور پر زیادہ مناسب سمجھا جاتا ہے تو مفسرین نے یہاں عباد الرحمٰن فرمانے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ تخلیق۔ تربیت اور ابقاء وغیرہ تمام احسانات کی اصل علت رحمت الٰہیہ ہے۔ اگر حق تعالیٰ رحمٰن نہ ہوتے تو کائنات پیدا نہ ہوتی یا پیدا ہوتی تو باقی نہ رہتی یا باقی رہتی تو اس کی تربیت وترقی کے اسباب معدوم ہوتے۔ یہ اللہ کی رحمت ہی ہے جو ہر انسان کی واحد کفیل ہے اور چونکہ گذشتہ آیات میں رحمت الٰہیہ کے اکثر مظاہروں کا ذکر کر دیا گیا تھا۔ اور زمین وآسمان اور ان کے درمیان تمام کائنات کی ایجاد وبقا کی صورتیں بیان کردی گئی تھیں۔ اور ان لوگوں کا تذکرہ بھی ہو چکا تھا جو خداوند قدوس کی رحمت اور اس کے احسانات و انعامات کے منکر تھے یعنی کفارومشرکین اس لئے اب ان کے مقابلہ میں اس جگہ ان لوگوں کے اوصاف کا تذکرہ بھی ضروری ہوا جو اللہ کی رحمت اور اس کے احسانات وانعامات کو تہہ دل سے مانتے اور اس کے احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس پر ایمان کے ساتھ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی اختیار کرتے ہیں اور اس کے احکام ومرضی کی پابندی لازم سمجھتے ہیں۔ ایسے صاحب ایمان بندوں کی دو صفات یہاں ان آیات میں بیان ہوئیں۔ یعنی زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب کوئی جاہل ان سے الجھے تو وہ جواب میں رفع شر کی بات کہہ کر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی مزید صفات اگلی آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنے احسان مند اور شکر گزار بندوں میں شامل فرماویں۔ اور ہم کو وہ دل ودماغ عطا فرماویں جس سے کائنات کی ہر شے ہمارے لئے معرفت الٰہیہ اور قرب خداوندی کا ذریعہ بنے۔ یا اللہ اپنی لامحدود قدرت پر ہمیں یقین کامل عطا فرما۔

یا اللہ! آپ اپنے خاص بندوں کو جو صفت تواضع اور عاجزی عطا فرماتے ہیں ہم کو بھی اس نعمت سے محروم نہ فرمائیے اور ہمیں جہالت کے مقابلہ میں رفع شر کی بات کہنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا

اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں۔اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کے

عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِيْنَ

عذاب کو دور رکھیئے کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے۔بیشک وہ جہنم برا ٹھکانا اور برا مقام ہے۔اور وہ جب

اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اُن کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اور جو	يَبِيْتُوْنَ رات کاٹتے ہیں	لِرَبِّهِمْ اپنے رب کیلئے	سُجَّدًا سجدے کرتے	وَقِيَامًا اور قیام کرتے	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو
يَقُوْلُوْنَ کہتے ہیں	رَبَّنَا اے ہمارے رب	اصْرِفْ پھیر دے	عَنَّا ہم سے	عَذَابَ جَهَنَّمَ جہنم کا عذاب	اِنَّ بیشک
عَذَابَهَا اس کا عذاب	كَانَ غَرَامًا لازم ہوجانے والا ہے	اِنَّهَا بیشک وہ	سَآءَتْ بری	مُسْتَقَرًّا ٹھہرنے کی جگہ	وَّمُقَامًا اور برا مقام
وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ جو	اِذَآ اَنْفَقُوْا جب وہ خرچ کرتے ہیں	لَمْ يُسْرِفُوْا نہ فضول خرچی کرتے ہیں	وَلَمْ يَقْتُرُوْا اور نہ تنگی کرتے ہیں		
وَكَانَ اور ہے	بَيْنَ ذٰلِكَ اس کے درمیان	قَوَامًا اعتدال			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار و مشرکین کے مقابلہ میں مومنین کی مدح اور ان کی بعض صفات بیان فرمائی گئی تھیں۔ ان کی ایک صفت یہ بیان فرمائی گئی تھی کہ ان کے مزاج میں تواضع ہوتا ہے اور تمام امور میں اس تواضع کا اثر ظاہر ہوتا ہے اسی لئے چلنے میں بھی وہ عاجزی وانکساری کے ساتھ چلتے ہیں متکبروں کی طرح اکڑ کر نہیں چلتے۔ دوسری صفت ان کی یہ بتائی گئی تھی کہ وہ کم عقل اور بے ادب لوگوں کی جہالت کا جواب جہالت سے نہیں دیتے بلکہ جاہلوں کی جہالت سے درگزر کرتے ہیں اور حلم وعفو سے کام لیتے ہیں۔ اب آگے انہیں مومنین کی مزید صفات بیان کی گئی ہیں اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان مومنین کا اپنے رب اور معبود حقیقی کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ جب رات کو غافل بندے نیند اور آرام کے مزے میں پڑے رہتے ہیں یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں گزارتے ہیں۔

مراد یہ ہے کہ رات کو نماز پڑھتے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں نماز تہجد کی طرف اشارہ ہے جو اللہ کے نیک بندوں کا خاص وصف ہے۔ پھر یہ نہیں کہ تہجد کی آٹھ رکعتیں پڑھ کر خدا کے عذاب و قہر سے بے فکر ہو گئے۔ نہیں۔ بلکہ باوجود اس عبادت گزاری کے وہ اللہ سے عذاب جہنم کو آخرت میں دور رکھنے کی دعا کرتے رہتے ہیں اور باوجود اپنی نیکیوں کے اس خوف سے کانپتے رہتے ہیں کہ کہیں ہمارے عمل کی کوتاہیاں ہم کو مبتلائے عذاب نہ کر دیں۔ گویا ان کی نظر میں عبادت سے استحقاق مغفرت نہیں پیدا ہوتا بلکہ اللہ کی رحمت سے عفو کی امید ان بندوں کو ہوتی ہے۔ آگے ایک دوسری صفت ان عباد الرحمٰن کی بیان کی جاتی ہے کہ وہ دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس طرح کہ نہ اسراف یعنی فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل یعنی کنجوسی کرتے ہیں۔ عرب میں اس

وقت یہ دونوں قسم کے نمونہ کثرت سے پائے جاتے تھے ایک طرف وہ لوگ تھے کہ جو اپنے ذاتی عیش و آرام پر دل کھول کر خوب مال خرچ کرتے تھے یا اپنے قبیلہ میں اپنی فیاضی اور دولت مندی کا شہرہ قائم رکھنے کے لئے مال و دولت صرف کرتے یا دوسری طرف وہ بخیل تھے کہ جن کی کنجوسی مشہور تھی۔ اعتدال اور میانہ روی کی روش بہت کم لوگوں میں پائی جاتی تھی۔ اس وقت یہ نمایاں صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی تھی۔ تو یہاں اسراف اور بخل دونوں کی مذمت فرمائی گئی اور اعتدال اور میانہ روی کے چال چلنے کی تعریف فرمائی گئی۔ یہاں اسراف اور بخل کی حقیقت کو بھی مختصراً سمجھ لینا چاہئے۔ اسراف کے معنی ہیں انسان کا اپنے فعل میں حد سے گزر جانا خواہ مال کے صرف میں ہو یا دوسرے امور و حقوق میں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ کہیں تو مال کے بے جا صرف کرنے کے معنی میں کہیں دوسرے امور میں حد سے متجاوز ہونے کے معنی میں۔ یہاں چونکہ اسراف کا ذکر مال کے خرچ کرنے کے متعلق آیا ہے اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے اسراف مال کے متعلق تین چیزوں کا نام ہے۔ ایک ناجائز کاموں میں مال و دولت صرف کرنا خواہ وہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو تو گویا اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرنے کا نام اسراف ہے۔ دوسرے بظاہر نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا مگر اللہ کی خوشنودی کے لئے نہیں بلکہ ریا اور نمائش اور نام و نمود و شہرت کے لئے خرچ کرنا۔ اگر اللہ کی راہ اور رضا میں اپنے نفس کا خیال چھوڑتے ہوئے کل مال بھی خرچ کر دے تو یہ اسراف نہیں۔ بعض مخلص صحابہ کا طرز عمل اس کا شاہد ہے۔ تیسرے ضروریات لازمہ یا حاجات میں خرچ کرتے ہوئے حد سے تجاوز کرنا اس لحاظ سے کہ آدمی اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کرے جس کا انجام اخیر میں بے صبری۔ حرص اور بدنیتی ہو۔

اسراف کے مقابل بخل اور کنجوسی کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے ایک یہ کہ آدمی اپنی جائز ضروریات خواہ وہ اپنی ذات سے متعلق ہوں یا اپنے متعلقین اور دیگر صاحب حقوق سے متعلق ہوں ان پر اپنی مقدرت اور حقوق کے موافق خرچ نہ کرے دوسرے یہ کہ عام نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اس کے ہاتھ سے پیسہ نہ نکلے۔ ان دونوں یعنی اسراف اور بخل کے درمیان اعتدال کی راہ۔ اسلامی اور قرآنی راہ ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنی معیشت میں توسط اختیار کرنا آدمی کے فقیہ یعنی سمجھ دار اور دانا ہونے کی علامتوں میں سے ہے۔ غرض یہ کہ عباد الرحمٰن کی ایک صفت یہ بتائی گئی کہ وہ موقع کے موافق مال خرچ کرتے ہیں گویا نہ مال کی محبت اور نہ اس کی اضاعت۔

ابھی عباد الرحمٰن کی مزید صفات اگلی آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرماویں کہ راتوں کو ہم بھی اپنے رب کے آگے سجدہ و قیام میں لگے رہیں اللہ تعالیٰ نماز تہجد کی دولت اور راتوں میں اللہ کے آگے رونے کی نعمت ہم کو بھی عطا فرمائیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو عذاب جہنم سے ہر طرح مامون و محفوظ فرمادے۔ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل سے ہم کو جو مال عطا فرمایا ہے اس کو اپنی مرضیات میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ اور اسراف اور بخل سے ہم کو بچالے اور ان بدخصلتوں سے ہمارے قلوب کو پاک فرمادے۔ اور اعتدال کی راہ پر چلنے اور قائم رہنے کی توفیق عطا فرمادے۔ اے اللہ! آپ نے اپنے بندوں کی جو یہ صفات قرآن پاک میں فرمائی ہیں تو یہ جملہ نیک صفات ہم کو بھی عطا فرمادے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق پر

وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ

اور وہ زنا نہیں کرتے، اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اُس کو سابقہ پڑے گا۔ کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اُس میں

فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ

ہمیشہ ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔ مگر جو توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا،

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

اور اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ اور جو شخص توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	لَا يَدْعُوْنَ نہیں پکارتے	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	اِلٰهًا کوئی معبود	اٰخَرَ دوسرا	وَلَا يَقْتُلُوْنَ اور وہ قتل نہیں کرتے	
النَّفْسَ جان	الَّتِيْ حَرَّمَ جسے حرام کیا	اللّٰهُ اللہ	اِلَّا بِالْحَقِّ مگر جہاں حق ہو	وَلَا يَزْنُوْنَ اور وہ زنا نہیں کرتے	وَمَنْ اور جو	يَّفْعَلْ کرے گا
ذٰلِكَ یہ	يَلْقَ اَثَامًا وہ دوچار ہوگا بڑی سزا	يُضٰعَفْ دو چند کردیا جائیگا	لَهُ اس کیلئے	الْعَذَابُ عذاب	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	
وَيَخْلُدْ اور وہ ہمیشہ رہے گا	فِيْهٖ اس میں	مُهَانًا خوار ہو کر	اِلَّا سوائے	مَنْ تَابَ جس نے توبہ کی	وَاٰمَنَ اور وہ ایمان لایا	
وَعَمِلَ اور عمل کئے اس نے	عَمَلًا صَالِحًا نیک عمل	فَاُولٰٓئِكَ پس یہ لوگ	يُبَدِّلُ اللّٰهُ اللہ بدل دے گا	سَيِّاٰتِهِمْ ان کی برائیاں		
حَسَنٰتٍ بھلائیوں سے	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	غَفُوْرًا بخشنے والا	رَّحِيْمًا نہایت مہربان	وَمَنْ تَابَ اور جس نے توبہ کی	
وَعَمِلَ اور عمل کئے	صَالِحًا نیک	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	يَتُوْبُ رجوع کرتا ہے	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	مَتَابًا رجوع کرنے کا مقام	

تفسیر و تشریح:۔ کفار و مشرکین کے مقابلہ میں مومنین مخلصین کی صفات اور ان کی مدح کا بیان گذشتہ آیات سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے جو صحیح معنی میں عباد الرحمٰن کہلانے کے مستحق ہیں ان کی کئی صفات اور خصوصیات گذشتہ میں بیان ہوئیں مثلاً اپنے اعمال میں تواضع ان کا طرز خاص ہے۔ دوسروں کے ساتھ جہالت کی بات کے مقابلہ میں رفع شر کی بات کہہ کر علیحدہ ہوجانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت و بندگی کا تعلق رکھنا اور اس کے باوجود خوف خداوندی سے جہنم کے عذاب سے خوف کھا کر اس سے بچنے کی دعا کرنا۔ انفاق مال میں اعتدال اور میانہ روی کی راہ اختیار کرنا۔ اسراف اور بخل کے افراط و تفریط سے بچنا۔

آگے ان آیات میں مزید بعض صفات انہی عباد الرحمٰن کی بیان فرمائی گئی ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ ہر حال میں شرک سے بچتے ہیں۔ خدا کا کسی کو شریک نہیں سمجھتے۔ شرک جو کفر کی بدترین قسم ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات۔ اس کی صفات اس کی عبادات اور اس کی حدود عظمت میں کسی اور کو شریک بنالینا۔ شرک وہ جرم ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے طے فرمادیا ہے اور قطعی فیصلہ فرمادیا ہے کہ ہر کوتاہی۔ لغزش اور جرم قابل معافی ہوسکتا ہے مگر کفر و شرک کا جرم اگر اس سے سچی توبہ نہ کی جائے تو ہرگز

قابل معافی نہیں ہوگا اور اس کی سزا ضرور بھگتنی ہوگی جیسا کہ قرآن پاک میں صاف فرمادیا گیا ان الله لایغفر ان یشرک به ویغفر مادون ذلک لمن یشآء۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے ہاں اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا۔ شرک کی تفصیلی بحث انشاء اللہ تعالیٰ ۲۱ ویں پارہ سورۂ لقمان کی آیت ان الشرک لظلم عظیم کے تحت آپ کے سامنے آئے گی۔

الغرض ان آیات میں عبادالرحمٰن کی ایک صفت یہ بتلائی گئی کہ وہ ہر حال میں ہر طرح کے شرک سے بچتے ہیں۔ اگلی صفت فرمائی گئی کہ وہ کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے یعنی جن مواقع میں قتل کی اجازت ہے جیسے قصاص لینا یعنی خون کے بدلہ خون کرنا یا جہاد میں دشمن کو قتل کرنا یا زانی شادی شدہ کو سنگسار کرنا۔ وہاں تو وہ ہاتھ نہیں روکتے باقی دیگر مواقع میں جہاں خدا نے حکم نہیں دیا اور جان کا مارنا حرام کیا ہے وہاں اپنا ہاتھ روکتے ہیں اور نہ وہ زنا کرتے ہیں یعنی ان تین بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں جن میں اس وقت اہل عرب کثرت سے مبتلا تھے ایک شرک باللہ۔ دوسرے قتل ناحق تیسرے زنا۔ صحیح بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا شریک کسی کو قرار دینا حالانکہ تجھے اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اس کے بعد کونسا گناہ ہے؟ فرمایا اولاد کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گی پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اس کے بعد کونسا گناہ ہے؟ فرمایا ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اسی کی تصدیق میں یہ آیات نازل ہوئیں تو اگرچہ گناہ کبیرہ اور بھی بہت سے ہیں لیکن ایام جاہلیت میں عرب سوسائٹی پر سب سے زیادہ تسلط انہی تین گناہوں کا تھا اس لئے مومنین مخلصین جو صحیح معنی میں عبادالرحمٰن کہلانے کے مستحق ہیں ان کی اس خصوصیت کو نمایاں کیا گیا کہ یہ اہل ایمان اور اہل اسلام ہی ہیں جو ان برائیوں اور گناہوں سے یعنی شرک باللہ۔ قتل ناحق اور زنا سے بچ گئے ہیں۔ ان آیات میں آگے بطور تنبیہ کے فرمایا گیا کہ جو شخص ایسے کام کرے گا وہ قیامت میں عذاب میں گرفتار ہوگا اور دم بدم اس کا عذاب بڑھتا ہی رہے گا اور اس عذاب میں ہمیشہ ذلیل وخوار ہو کر رہے گا۔ بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم نے تو اور معبودوں کی پرستش بھی کی ہے۔ اور ناحق قتل بھی کیا اور حرام کاری بھی کی ہے پس ہمارے لئے مغفرت اور معافی کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ الامن تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل الله سیاتهم حسنت وکان الله غفورا رحیما. ومن تاب وعمل صالحا فانه یتوب الی الله متابا. یعنی ان کفار ومشرکین میں سے جو توبہ کرلے اور ایمان لے آوے اور بجائے ان برے کاموں کے اچھے کام کرے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو خدا نیکیوں سے بدل دے گا اور ان کو معاف کر کے ان کی بجائے نیکیاں لکھ دے گا اور اب وہ بجائے مشرک کے مومن ہوں گے اور بجائے زانی کے عفیف اور بدکار کے نکوکار ہوں گے اور یہ برائیوں کا مٹا دینا اور ان کی جگہ نیکیاں عنایت فرمانا اس وجہ سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ غفور ہے اور رحیم ہے۔ بڑا بخشنے والا ہے اور بہت رحم والا ہے۔ اور جو کوئی توبہ اور عمل صالح کرتا ہے وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہوتا ہے پس جبکہ وہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور خدا غفور الرحیم ہے تو وہ

انہیں کیوں نہ معاف کر دے گا۔

یہاں بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جن کی زندگی اگرچہ کفروشرک اور طرح طرح کی معصیت وگناہوں سے آلودہ رہی ہو اور اب وہ اپنی اصلاح اور درستی پر آمادہ ہوں۔ توبہ کی اس نعمت ہی نے عرب کے ایام جاہلیت کے بگڑے ہوئے معاشرہ کے لاکھوں افراد کو سہارا دے کر سنبھال لیا اس کا اندازہ ان بہت سے واقعات سے ہوتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حیاۃ مبارک میں پیش آئے اور جو احادیث میں مروی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ سنیے جسے علامہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں روایت کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک روز ایک عورت رات کے وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں آپ سے ایک سوال کرنے آئی ہوں۔ اس کا جواب مجھ کو دیں۔ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا اور اس سے حمل قائم ہوگیا۔ بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے مار ڈالا۔ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرے گناہ معاف ہونے کی بھی کوئی صورت ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اب نہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوسکتی ہیں اور نہ خدا کے ہاں تیری قبولیت ہوسکتی ہے۔ وہ بڑی حسرت کے ساتھ آہیں بھرتی اور روتی پیٹتی واپس ہوگئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر میں نے رات کا واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابو ہریرہ تم نے صحیح جواب نہیں دیا۔ کیا تم نے قرآن کی ان آیتوں کو نہیں پڑھا۔ پھر سورۂ فرقان کی یہی تلاوت کردہ آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سن کر مجھے بڑا رنج ہوا اور اس عورت کو میں نے تلاش کرنا شروع کیا۔ رات کو عشا ہی کے وقت وہ ملی۔ میں نے اسے بشارت دی اور بتایا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے سوال کا یہ جواب دیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سجدہ میں گر گئی اور کہنے لگی کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے چھٹکارہ کی صورت پیدا فرما دی اور میرے لئے معافی کا دروازہ کھولا اور میری توبہ کی قبولیت رکھی پھر اس نے سچے دل سے توبہ کر لی۔ اسی طرح کا ایک واقعہ احادیث میں ایک بوڑھے کا آیا ہے کہ ایک بہت بوڑھا ضعیف آدمی جس کی بھویں آنکھوں پر آ گئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ میں ایک ایسا شخص ہوں کہ کوئی گناہ کوئی بدکاری میں نے باقی نہیں چھوڑی۔ میرے گناہ اس قدر ہیں کہ اگر تمام انسانوں میں تقسیم ہو جائیں تو سب کو لے ڈوبیں۔ کیا میرے معافی کی بھی کوئی صورت ہے۔ کیا میری توبہ بھی قبول ہوسکتی ہے آپ نے فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کلمہ پڑھ لیا اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیری تمام برائیاں۔ گناہ۔ وبدکاریاں سب کچھ معاف فرما دے گا بلکہ جب تو اس پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ تیری برائیاں نیکیوں سے بدل دے گا۔ اس نے پھر پوچھا حضور میرے چھوٹے بڑے گناہ سب صاف ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں تیرے سب کے سب جرم وقصور صاف ہو جائیں گے پھر تو وہ شخص خوشی خوشی واپس جانے لگا اور تکبیر اور تہلیل پکارتا ہوا لوٹ گیا۔

یہاں ان آیات میں نہ صرف کفار ومشرکین کے لئے توبہ کی بشارت ہے بلکہ ایک گناہ گار مومن جس سے کوئی صدور معصیت ہو جائے اس کے لئے بھی توبہ کی فضیلت موجود ہے۔ اسی کی تائید میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے گناہ کے بعد توبہ کر لی وہ گویا بے گناہ ہوگیا۔ اور حق تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے

جتنی خوشی ہوتی ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ مثلاً اگر کوئی شخص کسی بے آب وگیاہ اور دہشت ناک لق ودق میدان میں پہنچ جائے اور اس کی سواری مع اس کھانے کے سامان کے جو اس پر رکھا ہوا تھا گم ہوجائے اور وہ اپنی سواری کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا تھک جائے اور آخر اس وجہ سے کہ سواری کے بغیر نہ جنگل بیابان سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ کھانے کے بغیر فاقہ کی موت سے جان بچا سکتا ہے۔ زندگی سے مایوس ہوجائے کہ نہ پیدل چلنے کی طاقت ہے۔ نہ وہاں آب ودانہ میسر آنے کی امید ہے اس لئے مایوس ہوکر کسی درخت کے نیچے آلیٹے اور اپنے ہاتھ پر سر رکھ کر اس خیال میں سو جائے کہ اب موت آیا چاہتی ہے اور پھر دفعتہً اس کی آنکھ کھل جائے اور وہ دیکھے کہ اس کی کھوئی ہوئی سواری اس کے پاس کھڑی ہے اور کھانے پینے کا سامان جو اس پر لدا ہوا تھا وہ بجنسہٖ موجود ہے تو اس کو ایسی حالت میں زندگی سے ناامید ہونے کے بعد سرمایۂ حیات ہاتھ لگنے کی وجہ سے جتنی خوشی حاصل ہوگی اس سے زیادہ حق تعالیٰ کو اس وقت خوشی ہوتی ہے جب کہ بندہ اس کی جانب رجوع کرتا اور اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے مگر یہاں یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے معنی اور اس کی حقیقت کو بھی سمجھ لیا جائے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ توبہ کے معنی رجوع کرنے اور بعد سے قریب کی جانب لوٹ آنے کے ہیں مگر اس کے لئے ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا۔ ابتدا تو یہ ہے کہ قلب پر نور معرفت کی شعاعیں پھیل جائیں اور دل کو اس مضمون کی پوری آگاہی حاصل ہوجائے کہ گناہ جس کا دوسرا نام اللہ کی نافرمانی ہے زہر قاتل اور تباہ کردینے والی شے ہے اور پھر خوف وندامت پیدا ہوکر گناہ کی تلافی کرنے کی سچی اور خالص رغبت اتنی پیدا ہوجائے کہ جس گناہ میں مبتلا تھا اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کے لئے اس گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنے کا مصمم قصد کرلے اور اس کے ساتھ ہی جہاں تک ہوسکے گذشتہ تقصیر وکوتاہی کا تدارک کرے جب ماضی اور مستقبل اور حال تینوں زمانوں کے متعلق توبہ کا یہ ثمرہ پیدا ہوجائے گا تو گویا توبہ کا وہ کمال حاصل ہوگیا جس کا نام توبہ کی انتہا ہے۔ تو یہ حقیقت ہے توبہ اور استغفار کی اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توبہ کی حقیقت نصیب فرمائیں۔ ابھی عبادالرحمٰن کی کچھ مزید صفات اگلی آیات میں جاری ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یااللہ! آپ نے جو صفات اپنے نیک بندوں کی یہاں بیان فرمائی ہیں ان صفات اور خصلتوں کا کوئی حصہ ہم گنہگاروں کو بھی نصیب فرمادے اور ہمارا حشر ونشر اپنے مومنین ومخلصین بندوں کے ساتھ فرمادے۔ اے اللہ اس وقت امت مسلمہ کی ناؤ عصیان ومعاصی کے طوفان میں گھری ہوئی ہے اے اللہ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اس امت مسلمہ کو تباہی سے بچالے اور اس امت کی بھنور میں پھنسی ہوئی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو ہلاکت سے بچالے اے اللہ اس بھٹکی ہوئی امت کو پھر آپ کی طرف رجوع ہوجانے کی توفیق نصیب ہوجائے۔ اے اللہ آپ ہی کو ہر درد دکھ میں اپنا ملجا اور ماویٰ سمجھنے کی فہم ہم کو عطا ہوجائے۔

اے اللہ ہمیں اپنے ان بندوں میں شامل فرمالے جو صدق دل سے تیرے الٰہ العالمین اور رب العالمین ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور آپ کے اتباع میں اپنی نجات منحصر سمجھتے ہیں۔ جو تیرے قرآن پاک کے وفادار ہیں اور جو تیرے محبوب دین کی حفاظت میں دن رات لگے رہتے ہیں اور اسی پر زندہ اور اسی پر مرنا چاہتے ہیں۔ آمین۔ ثم امین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ

اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس ہوکر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔اور وہ ایسے ہیں کہ جس وقت اُن کو اللہ کے احکام

رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا

کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اندھے ہوکر نہیں گرتے۔اور وہ ایسے ہیں کہ دُعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں

وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا

اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنادے۔ایسے لوگوں کو بالاخانے ملیں گے بوجہ اُن کے

صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾

ثابت قدم رہنے کے اور اُن کو اس میں بقا کی دعا اور سلام ملے گا۔اُس میں وہ ہمیشہ رہیں گے،وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پروانہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کروگے،سوتم تو (احکام الٰہیہ) کو جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب یہ جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے وبال (جان) ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ جو	لَا يَشْهَدُوْنَ گواہی نہیں دیتے	الزُّوْرَ جھوٹ	وَاِذَا اور جب	مَرُّوْا وہ گزریں	بِاللَّغْوِ بیہودہ سے
مَرُّوْا گزرتے ہیں	كِرَامًا بزرگانہ	وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ جو	اِذَا ذُكِّرُوْا جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے	بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ انکے رب کے احکام سے	
لَمْ يَخِرُّوْا نہیں گر پڑتے	عَلَيْهَا ان پر	صُمًّا بہروں کی طرح	وَّعُمْيَانًا اور اندھوں کی طرح	وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ جو	يَقُوْلُوْنَ کہتے ہیں وہ
رَبَّنَا هَبْ لَنَا اے ہمارے رب عطا فرما ہمیں	مِنْ اَزْوَاجِنَا ہماری بیویاں	وَذُرِّيّٰتِنَا اور ہماری اولاد	قُرَّةَ اَعْيُنٍ ٹھنڈک آنکھوں کی		
وَّاجْعَلْنَا اور بنادے ہمیں	لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیز گاروں کا	اِمَامًا امام (پیشوا)	اُولٰٓئِكَ یہ لوگ	يُجْزَوْنَ انعام دیئے جائینگے	الْغُرْفَةَ بالاخانے
بِمَا صَبَرُوْا انکے صبر کی بدولت	وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا اور پیشوائی کئے جائینگے اس میں	تَحِيَّةً دعائے خیر	وَّسَلٰمًا اور سلام	خٰلِدِيْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	
فِيْهَا اس میں	حَسُنَتْ اچھی ہے	مُسْتَقَرًّا آرام گاہ	وَّمُقَامًا اور مسکن	قُلْ فرمادیں	مَا يَعْبَؤُا پرواہ نہیں رکھتا	بِكُمْ تمہاری
رَبِّيْ میرا رب	لَوْ اگر	لَا دُعَاۗؤُكُمْ نہ پکارو تم	فَقَدْ كَذَّبْتُمْ تو جھٹلایا تم نے	فَسَوْفَ پس عنقریب	يَكُوْنُ ہوگی	لِزَامًا لازمی

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ فرقان کی خاتمہ کی آیات ہیں جن میں عباد الرحمٰن یعنی اللہ کے نیک بندوں کی کچھ مزید صفات بیان فرما کران کی جزا بتلائی گئی اور ان کے مقابلہ میں کفار ومشرکین کا انجام بتلا کر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔گذشتہ آیات میں پکے اور سچے اہل اسلام وایمان جو حقیقی معنی میں عباد الرحمٰن۔یعنی حضرت رحمٰن جل شانہٗ کے بندے کہلانے کے مستحق ہیں ان کی آٹھ صفات بیان فرمائی گئی تھیں یعنی

(۱) وہ زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔یعنی ان کے مزاج میں تواضع وانکساری ہے اور تمام امور میں اسی کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔(۲) وہ نا سمجھ اور جاہلوں سے الجھتے نہیں۔ان کی جہالت کے مقابلہ میں حلم وعفو اور نرمی سے کام لیتے ہیں تا کہ شر نہ بڑھے۔(۳) وہ اپنے معبود حقیقی کے ساتھ اطاعت و بندگی کا تعلق رکھتے ہیں اور راتوں میں اپنے رب کے آگے سجدہ وقیام یعنی نماز میں لگے رہتے ہیں (۴) وہ اللہ کے خوف سے ڈر کر دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچانا اور جہنم سے ہمیں دور رکھنا کیونکہ اس سے بُری اور بدتر کوئی جگہ نہیں۔(۵) وہ مال کو خرچ کرتے

وقت نہ اس کو بے جا اڑاتے ہیں نہ بخل و کنجوسی سے کام لیتے ہیں بلکہ موقع اور ضرورت کی مناسبت سے خرچ کرتے ہیں۔(۶) وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے یعنی شرک سے ہر طرح سے پاک صاف رہتے ہیں۔(۷) وہ کسی جان کو ناحق ظلم سے قتل نہیں کرتے یعنی سوائے ان مواقع کے جہاں اسلامی شریعت نے قتل کا فیصلہ اور حکم دیا ہے کسی کی جان نہیں مارتے۔(۸) وہ زنا اور بدکاری سے دور رہتے ہیں اور ناجائز جنسی تعلقات سے بچتے ہیں۔

اب آگے ان آیات میں مزید چار صفات ان نیک بندوں اور مخلص مومنین کی بیان فرمائی ہیں۔یعنی نویں صفت یہ بتلائی جاتی ہے کہ وہ جھوٹ اور بیہودہ باتوں کے پاس نہیں پھٹکتے۔نہ جھوٹ بولیں۔نہ جھوٹی گواہی دیں۔نہ دغا فریب جعلسازی میں کوئی حصہ لیں۔نہ ناجائز مجمعوں میں حاضری دیں۔اس میں ہمارے زمانہ کی مختلف گانے بجانے ناچ رنگ اور رقص و سرود کی محفلیں تھیٹر بائیسکوپ۔سینما وغیرہ وغیرہ سب داخل ہیں۔آیت میں لایشھدون الزورن فرمایا گیا ہے۔زور کے کئی معنی اہل تفسیر سے منقول ہیں۔بعض مفسرین نے زور کے معنی جھوٹ اور حق سے انحراف کے لئے ہیں۔بعض نے بیہودگی اور راگ و رنگ کے ناجائز مجمع مراد لئے ہیں۔بعض نے مشرکوں کے تہوار اور ان کے میلے ٹھیلے مراد لئے ہیں۔بعض نے شراب خواری کے جلسہ اور ہر بری مجلس مراد لی ہے۔امام رازیؒ نے یہ سب معانی بیان کر کے لکھا ہے کہ درست یہ سب ہو سکتے ہیں البتہ زور کا استعمال کذب کے معنی میں اکثر ہوتا ہے۔اس طرح حاصل اس جملہ لایشھدون الزور کا یہ ہوا کہ اللہ کے خاص بندے اور پکے و سچے اہل ایمان نہ جھوٹ بولتے ہیں۔نہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں نہ گناہوں کے جلسے میں۔نہ کافروں کے تہواروں اور میلوں میں اور نہ فسق و فجور کی محفلوں میں اور نہ راگ و رنگ کی مجلسوں میں شامل ہوتے ہیں۔آگے دسویں صفت فرمائی گئی کہ اگر اتفاق سے نادانستہ بلا ارادہ کسی بیہودہ جلسہ یا محفل رقص و سرود یا میلہ ٹھیلہ کی مجلس کی طرف گزر ہو جاتا ہے تو یہ دیکھنے اور لطف اندوز ہونے کے لئے ٹھہر نہیں جاتے بلکہ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ انہیں چھوڑ کر چشم پوشی کر کے شریفانہ طور پر وہاں سے گزر جاتے ہیں۔گیارہویں صفت ان اللہ کے نیک بندوں کی یہ فرمائی گئی کہ جب انہیں ان کے پروردگار کی

آیتیں یعنی قرآن پاک پڑھ کر سنایا جائے تو قرآن کے حقائق و معارف اور احکام الٰہیہ کی طرف سے اندھے اور بہرے نہیں ہو جاتے بلکہ عقل و فہم کے ساتھ اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور تعمیل احکام میں لگ جاتے ہیں۔قرآن کی آیتیں سن کر ان کے دل دہل جاتے ہیں اور ان کے ایمان اور توکل بڑھ جاتے ہیں۔بخلاف کفار کے کہ وہ کلام الٰہی کا کوئی اثر نہیں لیتے۔نہ اپنی بداعمالیوں سے باز رہتے ہیں نہ اپنا کفر چھوڑتے ہیں اور نہ اپنی سرکشی۔طغیانی اور جہالت و ضلالت سے باز آتے ہیں۔تو کافر خدا کی آیتوں کی طرف سے بہرے اور اندھے ہو جاتے ہیں اور مومنوں کی حالت ان کے برعکس ہوتی ہے کہ نہ یہ حق سے بہرے اور اندھے ہیں۔سنتے ہیں سمجھتے ہیں۔نفع حاصل کرتے ہیں اپنی اصلاح کرتے ہیں اور اپنے ایمان کو بڑھاتے ہیں۔اور احکام الٰہیہ کے تعمیل کی کوشش کرتے ہیں اور پھر پابندی رکھتے ہیں۔اس گیارہویں صفت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ یہاں آیت میں جس طرح اس امر کی سخت مذمت ہے کہ آیات الٰہیہ کی طرف توجہ ہی نہ دیں۔اندھے بہروں کا سا معاملہ کریں۔اسی طرح اس کی بھی مذمت ہے کہ توجہ تو دیں اور عمل بھی کریں مگر بے سمجھے بے بصیرتی کے ساتھ اپنی رائے سے جس طرح چاہیں عمل کرنے لگیں۔ابن کثیرؒ نے ابن عونؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت شعبیؒ سے پوچھا کہ اگر میں کسی مجلس میں پہنچوں جہاں لوگ سجدہ میں پڑے ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ کیسا سجدہ ہے تو کیا میں بھی ان کے ساتھ سجدہ میں شریک ہو جاؤں۔حضرت شعبیؒ نے فرمایا نہیں۔مومن کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ بے سمجھے کسی کام میں لگ جائے بلکہ اس پر لازم ہے کہ بصیرت کے ساتھ عمل کرے۔جب تم نے وہ آیت سجدہ نہیں سنی جس کی بنا پر یہ لوگ سجدہ کر رہے ہیں اور تمہیں ان کے سجدہ کی حقیقت بھی معلوم نہیں تو اس طرح ان کے سجدہ میں شریک ہونا جائز نہیں۔اس زمانہ میں یہ بات تو قابل شکر ہے کہ نوجوان اور نو تعلیم یافتہ طبقہ میں قرآن پڑھنے اور سمجھنے کی طرف کچھ توجہ پیدا ہوئی ہے اور اس کے تحت وہ بطور خود قرآن کا ترجمہ یا کسی کی تفسیر دیکھ کر قرآن کو خود سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں مگر یہ کوشش بالکل بے اصول ہے اس لئے قرآن کو صحیح سمجھنے کی بجائے بہت سے مغالطوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔اصول کی بات یہ ہے کہ دنیا

کا کوئی معمولی سے معمولی فن بھی نری کتاب کے مطالعہ سے کسی کو معتد بہ نہیں حاصل ہو سکتا جب تک اس کو کسی استاد سے نہ پڑھے۔ معلوم نہیں قرآن ہی کو کیوں ایسا سمجھ لیا گیا ہے کہ جس کا جی چاہے خود ترجمہ دیکھ کر جو چاہے اس کی مراد متعین کرلے۔ یہ بے اصول مطالعہ جس میں کسی ماہر استاد کی رہنمائی شامل نہ ہو یہ بھی آیات الٰہیہ پر اندھے بہرے ہو کر گرنے کے مفہوم میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم کی توفیق بخشیں۔ (معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۵۰۸)

بارہویں صفت ان اللہ کے نیک بندوں کی یہ بتلائی گئی کہ وہ اللہ عزوجل سے یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہماری بیویوں اور بچوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کہ ان کے اطوار اور عادات کو دیکھ کر ہماری طبیعت کو چین اور دل کو راحت و سرور نصیب ہو اور ہمیں لوگوں کا رہبر بنا دے کہ ہم انہیں نیکی کی تعلیم دیں اور لوگ بھلائی اور نیکی اور تقویٰ و طہارت میں ہماری اقتدا کریں یعنی ہم نہ صرف بذات خود مہتدی ہوں بلکہ دوسروں کے لئے ہادی بھی ہوں۔ یہاں یہ بات خاص طور سے ذہن میں رہنی چاہئے کہ جس وقت یہ آیات مکہ میں نازل ہوئی ہیں وہ وہ وقت تھا کہ مکہ کے مسلمانوں میں سے غالباً کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے قریبی عزیز و رشتہ دار کفر و شرک میں مبتلا نہ ہوں۔ کوئی مرد ایمان لے آیا تھا تو اس کی بیوی کافرہ تھی۔ کوئی عورت ایمان لے آئی تھی تو اس کا شوہر ابھی کافر تھا۔ کوئی باپ ایمان لے آیا تھا تو اس کے جوان بچے کفر پر قائم تھے۔ کوئی جوان ایمان لے آیا تھا تو اس کے ماں باپ بھائی بہن کفر میں مبتلا تھے اس لئے ہر مسلمان کے دل سے دعا نکلتی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کو بھی ایمان اور عمل صالح کی توفیق دے کہ وہ بھی اللہ کے فرمانبردار عبادت گزار موحد اور غیر مشرک ہوں تاکہ ان کو دیکھ کر دنیا میں بھی دل ٹھنڈا رہے اور آخرت میں بھی یہ انہیں اچھی حالت میں دیکھ کر خوش ہوں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی سچی خوشی اسی میں ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال دوست احباب عزیز و اقارب کو خدا کا فرمانبردار دیکھے۔ وہ ظالم نہ ہوں۔ بدکار نہ ہوں بلکہ سچے مسلمان ہوں۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ان آیات کی تشریح کے تحت حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک صحابی ہیں ان کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر ایک صاحب فرمانے لگے کہ ان آنکھوں کو مبارکباد ہو جنہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ کاش کہ ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے اور آپ کی طرح فیض صحبت حاصل کرتے۔ اس پر حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناراض ہوئے تو وہ صاحب کہتے ہیں کہ مجھے تعجب معلوم ہوا کہ اس بات میں تو کوئی برائی نہیں پھر یہ خفا کیوں ہو رہے ہیں۔ اتنے میں حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس چیز کی آرزو کرتے ہیں جو قدرت نے انہیں نہیں دی۔ خدا ہی کو علم ہے کہ یہ اس وقت ہوتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔ واللہ وہ لوگ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جنہوں نے نہ آپ کی تصدیق کی اور نہ تابعداری کی اور اوندھے منہ جہنم میں گئے تم اللہ کا یہ احسان نہیں مانتے کہ خدا نے تمہیں اسلام میں اور مسلمان گھروں میں پیدا کیا اور پیدا ہوتے ہی تمہارے کانوں میں خدا کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پڑی اور ان بلاؤں سے تم بچا لئے گئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے تھے جس وقت دنیا کی ظلمت و جہالت اپنی انتہا پر تھی۔ اس وقت اکثر دنیا والوں کے نزدیک کفر و شرک اور بت پرستی سے بہتر کوئی مذہب نہ تھا۔ آپ فرقان لے کر آئے حق و باطل میں تمیز کی۔ باپ بیٹے جدا ہو گئے۔ مسلمان اپنے باپ دادوں۔ بیٹوں پوتوں دوست احباب کو کفر پر دیکھتے جن سے انہیں کوئی محبت و پیار نہیں ہوتا تھا بلکہ کڑھتے تھے کہ یہ جہنمی ہیں اسی لئے ان کی دعائیں ہوتی تھیں کہ ہمیں ہماری اولادوں اور بیویوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما کیونکہ کفار کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوتی تھیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی محدث و مفسر قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ تمام قرآن میں حق جل شانہ کی یہ سنت جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ جا بجا اہل ہدایت اور اہل ضلالت کو میزان عدل پر رکھ کر تولتے ہیں اور ان کے اوصاف بیان فرماتے ہیں۔ ایک فریق کو عذاب کا وعدہ دیتے ہیں اور ایک فریق کو نعمائے جنت کی بشارت سناتے ہیں اور دونوں فریق کے ان اوصاف کو ذکر فرماتے ہیں جن کے ساتھ وہ معروف و مشہور ہوں۔ پس اسی قاعدہ کے موافق اس سورۂ فرقان میں بھی اللہ تعالیٰ نے کفار کے شبہات اور اعتراضات اور ان کے جاہلانہ خصائل و عادات کا ذکر کر کے ان کی پاداش کا ذکر کیا بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد مقربین

اور مومنین مخلصین کی صفات مشہورہ کا ذکر کیا جب یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی تو اس وقت جو اہل ایمان حاضر تھے وہ مہاجرین اولین تھے۔ لہٰذا یہ آیات مہاجرین کی فضیلت کے لئے کافی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (ازالۃ الخفاماخوذ از معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

الغرض مومنین مخلصین کی یہ بارہ صفات بیان فرما کر آگے حق تعالیٰ ان کی جزا بیان فرماتے ہیں کہ آخرت میں ان کو جنت ملے گی جو بلند تر جگہ ہے کیونکہ انہوں نے تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کر کے اللہ کے حکم پر عمل کیا اور اس کی اطاعت میں ثابت قدم رہے۔ جنت میں ان کی بڑی آؤ بھگت ہوگی۔ فرشتے ان کا دعا و سلام کے ساتھ استقبال کریں گے اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو مبارکباد دیں گے اور سلام و دعا کریں گے۔ یہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکلیں گے نہ نکالے جائیں گے۔ نہ نعمتیں کم ہوں گی نہ راحتیں فنا ہوں گی۔ یہاں تک عباد الرحمٰن کے خصوصی اوصاف اور ان کے ثمرات اور انجام کا بیان تھا گذشتہ سلسلہ بیان میں کافروں اور سرکشوں کو عذاب کی وعید بھی تھی اور ترہیب کے ساتھ توبہ کی ترغیب بھی دی گئی تھی۔

آخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ آپ تمام سرکش۔ منکر اور احسان فراموش انسانوں سے کہہ دیں کہ تمہارے نفع و نقصان کی باتیں سمجھا دی گئیں اگر تم کو اپنی بہبودی۔ نجات اور اخروی فلاح و سعادت کی طلب نہیں اور اگر تم اللہ کے بھیجے ہوئے رسول سے سرتابی کرتے ہو اور اللہ کے اتارے ہوئے قانون اور فرمان سے منہ موڑتے ہو تو اللہ کو بھی تمہاری کچھ پروا نہیں۔ اس کی کوئی غرض تم سے وابستہ نہیں۔ اگر پیام حق مانتے اور راہ ہدایت پر چلتے تو تمہارا ہی فائدہ تھا۔ اب تم نہیں مانتے تو نہ مانو۔ یہ تمہاری تکذیب عنقریب تمہارے گلے کا ہار بنے گی۔ اس کی سزا سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہوگا اور انجام کار تمہارا ٹھکانا نہایت المناک ہوگا اور اس کی سخت ترین دوامی سزا تم کو برداشت کرنی پڑے گی۔

یہاں اب ہمارے لئے بھی یہ بات قابل غور ہے کہ ایک پکے اور سچے مسلمان کی جو صفات قرآن کریم نے یہاں بیان فرمائی ہیں ان سے ذرا ہم آج کے مسلمان کا مقابلہ کریں اور مومنین کاملین کی ہر صفت کے مقابلہ میں اپنی اور قوم اور ملک کی حالت کا اندازہ لگائیں تو ہمیں اپنے اسلام و ایمان کے دعوے کی حقیقت کا خود پتہ چل جائے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم تو اب اسلام کو بدنام کرنے والے بن بیٹھے ہیں۔ اور باوجود ایسی تنبیہات کے کہ جو قدرت کی طرف سے گاہے بگاہے پیش آتی ہیں اگر ہم نے ہوش نہ سنبھالا اور اللہ کی رسی کو مضبوط نہ پکڑا اور کھلے ہوئے محرمات و ممنوعات مثل سود۔ شراب۔ زنا۔ جوا۔ قمار۔ سٹہ۔ گانے بجانے۔ ظلم۔ خیانت۔ رشوت۔ فحاشی۔ عیاشی وغیرہ سے باز نہ آئے اور ان سے منہ نہ موڑا اور فرائض الٰہیہ نماز۔ روزہ وغیرہ سے ایسی ہی روگردانی رہی اور اللہ کی کتاب اور قوانین قرآن سے یہی بے وفائی جاری رہی اور اللہ کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنتوں کی یہی پامالی ہوتی رہی۔ تو پھر اللہ کے قانون بھی اٹل ہیں اپنے بداعمالیوں کی پاداش میں ماضی میں جو پیش آچکا ہے اس سے زیادہ سخت اور عبرتناک ہوگا جو کچھ آگے پیش آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سمجھ اور فہم اور برے بھلے میں تمیز کرنے اور ان کے انجام کو سمجھنے کی توفیق عطا فرماویں۔ (نوٹ: واضح ہو کہ یہ درس اب سے تقریباً دس بارہ سال (یعنی ۱۹۷۲ء میں تحریر کیا گیا تھا) پہلے کا لکھا ہوا ہے جبکہ پاکستان میں بے دینی اپنے کمال عروج پر تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اب (یعنی ۱۹۸۴ء میں) کچھ بہتری کے آثار نظر آنے شروع ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ اس ملک اور قوم کی بدحالی کو اب اپنے کرم سے نیک حالی سے پلٹ دیں۔ آمین)

الحمد للہ کہ اس درس پر سورۂ فرقان کا بیان ختم ہوا۔ اور ساتھ ہی قرآن پاک کی چوتھی منزل بھی ختم ہوئی۔ اس کے بعد اگلی سورۃ الشعراء کا بیان انشاء اللہ شروع ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ ... بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ سَبْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً ... اَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾

طٰسٓمّٓ یہ کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں۔

طٰسٓمّٓ طسم	تِلْكَ یہ	اٰيٰتُ آیتیں	الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ روشن کتاب	

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اب پانچویں منزل کی ابتدا سے ۱۹ ویں پارہ کی سورۂ شعرآء کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس درس میں سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت کی تشریح کی گئی ہے۔ تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ موضوع ومباحث تعداد آیات۔ رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں شاعری کا بڑا زور شور تھا۔ اور عرب قوم پر ایام جاہلیت میں شاعری کا بھوت سوار تھا۔ ہر خاندان اور قبیلہ کو اپنی شاعری پر فخر تھا سالانہ میلوں میں مشاعرہ کی محفلیں گرم ہوتی تھیں۔ مگر اس وقت کی عربی شاعری میں سوائے ذاتی فخر۔ قومی جہالت۔ عشق بازی۔ شراب خواری۔ اور فسق وفجور کے تذکرہ کے اور کیا رکھا تھا۔ جب کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قران پاک کی آیات سنتے تو اس کی فصاحت و بلاغت اور مضامین عالیہ سے حیران اور عاجز ہو کر طرح طرح کی الزام تراشی پر اتر آتے۔ کبھی کہتے یہ (نعوذ باللہ) کاہن ہیں۔ کبھی کہتے کہ ساحر ہیں۔ کبھی کہتے کہ شاعر ہیں۔ اس سورۃ کے اخیر میں حق تعالیٰ نے شعراء کی حقیقت بھی بیان فرمادی کہ وہ واہی تباہی باتیں اشعار میں جمع کیا کرتے ہیں اور ہر وادیٔ سخن میں حیران و پریشان پھرا کرتے ہیں تو کہاں شاعری اور کہاں قرآن کی آیات جن میں سراسر راستی۔ ہدایت۔ مکارم اخلاق اور توحید وغیرہ کے مضامین عالیہ ہیں۔

لفظ شعراء جمع ہے شاعر کی اور شاعر آپ جانتے ہیں کہ اشعار کہنے والے کو کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام شعراء ہوا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔ اور مکی دور کے درمیانی زمانہ میں اس کا نزول روایت کیا گیا ہے سورۂ طٰہٰ کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی ہے اور سورۂ طٰہٰ کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۲۶ ویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۵۶ لکھا ہے یعنی ۵۵ سورتیں مکہ معظمہ میں اس سورۃ سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۳۴ سورتیں مکہ ہی میں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اور پھر ۲۴ سورتیں مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۲۲۷ آیات، ۱۱ رکوعات۔ ۱۳۴۷ کلمات اور ۵۶۸۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کے زمانۂ نزول میں مکی زندگی بہت سخت تھی۔ ہر وقت ہر طرف سے کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین پر ہجوم تھا۔ بے پناہ طعن وتشنیع تھی۔ منکرین اسلام انکار اور مخالفت پر جمے ہوئے تھے اسلام کی روح پرور باتیں اور قرآن کی نجات آفریں ہدایات کافروں کو عجیب معلوم ہوتی تھیں اور اپنے باپ دادا کے مسلک اور دین کو چھوڑ دینا ان پر بہت ہی شاق تھا۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کے بے تکے مطالبات اور خواہشیں کرتے تھے۔

مثلاً پہاڑوں کو مکہ کے چاروں طرف سے ہٹا دینا۔ ریگستان میں پانی کی نہریں جاری کر دینا۔ پہاڑ سونے کے بن جانا کسی فرشتہ کا ساتھ ساتھ رہنا۔ غرض اس قسم کی بیہودی درخواستیں کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ اللعالمین ان گمراہوں کی ہدایت کے لئے نہایت بے چین رہتے تھے۔ ان لوگوں کو معقول دلائل کے ساتھ ان کے عقائد کی غلطی اور توحید و آخرت کی صداقت سمجھانے کی ہر طرح کوشش فرماتے مگر وہ عناد و ہٹ دھرمی کی نئی نئی صورتیں اختیار کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دردمندی بہت بڑھی ہوئی تھی اس لئے کفار کی سرکشی اور کج بحثی سے آپ طبعاً متاثر ہوتے تھے اور دل ہی دل میں ان کفار کے ایمان کے لئے آپ غم کھاتے تھے۔ ان حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی جس کی ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ ان کفار کے ایمان نہ لانے سے اپنی جان کیوں گھلا رہے ہیں۔ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے اللہ کی کوئی نشانی نہیں دیکھی بلکہ عناد اور ہٹ دھرمی ہے۔ اس تمہید کے بعد مسلسل یہ مضمون چلا گیا ہے کہ طالب حق کے لئے تو خدا کی زمین پر ہر طرف نشانیاں ہی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں جنہیں دیکھ کر وہ حق کو پہچان سکتا ہے لیکن ہٹ دھرم لوگ تو کسی چیز کو بھی دیکھ کر ایمان نہیں لا سکتے نہ زمین و آسمان کی نشانیاں دیکھ کر اور نہ انبیاء کے معجزات دیکھ کر۔ اسی مناسبت سے گذشتہ زمانہ کے سات پیغمبروں کا تذکرہ کر کے ان کی قوموں کی مختصر حالت بیان فرمائی گئی کہ جنہوں نے اسی ہٹ دھرمی سے کام لیا تھا جس سے اب کفار مکہ کام لے رہے تھے۔ انبیاء سابقین کی امتوں کے احوال سنا کر جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینی منظور تھی وہیں اور بھی چند ضروری باتیں ذہن نشین کرائی گئیں ہیں مثلاً بتلایا گیا کہ ہر زمانہ میں کفار کی ذہنیت ایک سی رہی ہے۔ ان کی حجتیں اور اعتراضات یکساں رہے ہیں۔ ان کے حیلے اور بہانے ایک ہی قسم کے رہے ہیں اور آخر کار ان کا انجام بھی ایک سا رہا۔ اس کے برعکس ہر زمانہ میں انبیاء کی بنیادی تعلیم ایک سی رہی۔ ان کی سیرت اور اخلاق کا رنگ ایک تھا اور ان سب کے ساتھ اللہ کی رحمت کا معاملہ بھی ایک تھا۔ ایک بات جو بار بار دہرائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ زبردست قادر و توانا بھی ہے اور غفور الرحیم بھی ہے۔ گذشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے واقعات میں اللہ عزوجل کے قہر و غضب کی مثالیں بھی موجود ہیں اور رحمت کی بھی۔ جس سے لوگوں کو سمجھنا چاہئے کہ وہ کن باتوں سے اپنے آپ کو رحمت الٰہی کا مستحق اور کن باتوں سے خدا کے قہر و غضب کو بلاتے ہیں۔ سورۃ کے اخیر میں قرآن کی حقانیت کا ذکر فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو بواسطہ جبرئیل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل ہوئی۔ پھر اس قرآن کی حقانیت پر ایک دلیل یہ بیان فرمائی کہ علماء اہل کتاب اس کتاب کی حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اس آخری کتاب کا ذکر انبیائے سابقین کے صحیفوں اور کتابوں میں موجود ہے۔ پھر قرآن کریم کے عربی زبان میں نازل ہونے کی وجہ بیان فرمائی اور بتلایا کہ یہ قرآن وحی ربانی ہے نہ کہ القاء شیطانی۔ شیاطین کی پہنچ ملاء اعلیٰ تک کہاں۔ لہٰذا یہ قرآن نہ شعر ہے۔ نہ سحر ہے۔ نہ کہانت ہے بلکہ کلام الٰہی ہے جو ہدایت خلق کے لئے نازل ہوا ہے اور شعر اور سحر و کہانت کو اصلاح خلق سے کیا تعلق؟ اخیر میں منکرین ومخالفین کو وعید سنائی گئی کہ وہ مخالف و منکر قرآن ہو کر جو ظلم کر رہے ہیں اس کا انجام عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کیسی مصیبت کی جگہ ان کو لوٹ کر جانا پڑا۔ اسی وعید و تنبیہ پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔ یہ ہے مختصراً اس پوری سورۃ کا خلاصہ۔ جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

29

اب اس تلاوت کردہ ابتدائی آیت کی تشریح سنئے۔اس سورۃ کی ابتدا حروف مقطعات میں سے طٰسٓمّٓ سے ہوتی ہے۔حروف مقطعات کا بیان پہلے ہو چکا ہے اور بتلایا جاچکا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ان کا حقیقی اور صحیح مطلب حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں یا پھر حق تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارات و کنایات سے مفہوم اخذ کر کے مفسرین کرام اور علمائے عظام نے ان کے معنی اپنی سمجھ کے موافق بیان کئے ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ ان کا حقیقی مطلب صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ طٰسٓمّٓ کے بعد ارشاد فرمایا تلک اٰیٰت الکتاب المبین یہ آیات جو آپ پر نازل ہوئی ہیں کتاب واضح یعنی قرآن مجید کی آیتیں ہیں۔یہ آیت بطور تمہید کے ارشاد فرمائی گئی اور اس مضمون کے ساتھ پوری مناسبت رکھتی ہے جو آگے اس سورۃ میں بیان ہوا ہے۔کفار مکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات مانگتے تھے اور نشانیاں طلب کرتے تھے تاکہ اس نشانی کو دیکھ کر انہیں اطمینان ہو کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ یہ قرآنی پیغام خدا کی طرف سے لائے ہیں اسی کے متعلق فرمایا گیا کہ اگر حقیقت میں کسی کو ایمان لانے کے لئے نشانی کی طلب ہے تو کتاب مبین کی یہ آیات موجود ہیں۔ یہ آیات اس کتاب کی آیات ہیں جس کا اعجاز کھلا ہوا ہے جس کے احکام واضح ہیں اور جو حق کو باطل سے الگ کرنے والی ہے۔ یہ کتاب اپنا مدعا صاف صاف کھول کر بیان کرتی ہے جسے پڑھ کر یا سن کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کس چیز کی طرف بلاتی ہے اور کس چیز سے روکتی ہے۔ کسے حق کہتی ہے اور کسے باطل قرار دیتی ہے۔ماننا یا نہ ماننا یہ الگ بات ہے مگر کوئی شخص یہ بہانہ اور عذر نہیں کر سکتا کہ اس کتاب کی تعلیم اس کی سمجھ ہی میں نہیں آئی اور وہ اس سے یہ معلوم ہی نہ کر سکا کہ وہ اس کو کیا چیز چھوڑنے اور کیا اختیار کرنے کو کہتی ہے اس کی زبان۔ اس کا بیان۔اس کے مضامین اس کے پیش کردہ حقائق سب کے سب صاف صاف دلالت کر رہے ہیں کہ یہ خداوند عالم ہی کی کتاب ہے اور اس کی ہر آیت نشانی اور معجزہ ہے۔کوئی عقل وفہم سے کام لے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا یقین کرنے کے لئے کسی اور نشانی کی حاجت نہیں۔ کتاب مبین کی یہی آیات اسے مطمئن کرنے کے لئے کافی ہیں۔اب جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم ورنج ہوتا تھا اس پر آپ کی تسلی فرمائی جاتی ہے جس کا اظہار اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جہاں ہمیں اس کتاب مبین پر ایمان رکھنے کی نعمت عطا فرمائی وہیں اپنی عنایت سے ہمیں اس کے مطالبات اور حقوق کے ادائیگی کی بھی توفیق نصیب فرمائیں۔ جو پیغام واحکام یہ کتاب لے کر آئی ہے ہم اس کے موافق اپنی زندگی گزارنے والے ہوں۔اور اس کے احکام وقوانین پر خود بھی عمل کرنے والے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کی دعوت اور ترغیب دینے والے ہوں۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝٣ إِن نَّشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ

شاید آپ اُن کے ایمان نہ لانے پر اپنی جان دے دیں گے۔ اگر ہم چاہیں تو اُن پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کردیں پھر اُن کی گردنیں

أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ۝٤ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ

اس نشانی سے پست ہوجائیں۔ اور اُن کے پاس کوئی تازہ فہمائش (حضرت) رحمٰن کی طرف سے ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رُخی نہ کرتے ہوں

مُعْرِضِينَ ۝٥ فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝٦ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ

سو انہوں نے (دینِ حق کو) جھوٹا بتلادیا سو اب عنقریب اُن کو اس بات کی حقیقت معلوم ہوجاوے گی، جس کے ساتھ استہزا کیا کرتے تھے۔ کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا

كَمْ أَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝٧ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝٨

کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی بُوٹیاں اگائی ہیں۔ اس میں (توحید کی) ایک بڑی نشانی ہے، اور اُن میں کے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝٩ ع

اور بلاشبہ آپ کا رب غالب ہے رحیم ہے۔

لَعَلَّكَ شاید تم	بَاخِعٌ ہلاک کرلو گے	نَّفْسَكَ اپنے تئیں	أَلَّا يَكُونُوا کہ وہ نہیں	مُؤْمِنِينَ ایمان لاتے	إِن نَّشَأْ اگر ہم چاہیں	
نُنَزِّلْ ہم اتاریں دیں	عَلَيْهِم ان پر	مِّنَ السَّمَاءِ آسمان سے	آيَةً کوئی نشانی	فَظَلَّتْ تو ہوجائیں	أَعْنَاقُهُمْ ان کی گردنیں	
لَهَا اس کے آگے	خَاضِعِينَ پست	وَ اور	مَا يَأْتِيهِم نہیں آتی انکے پاس	مِّن ذِكْرٍ کوئی نصیحت	مِّنَ طرف سے	الرَّحْمَٰنِ رحمٰن
مُحْدَثٍ نئی	إِلَّا مگر	كَانُوا ہوجاتے ہیں وہ	عَنْهُ اس سے	مُعْرِضِينَ روگردان	فَقَدْ كَذَّبُوا پس بیشک انہوں نے جھٹلایا	
فَسَيَأْتِيهِمْ تو جلد آئیں گی انکے پاس	أَنبَاءُ خبریں	مَا كَانُوا جو وہ تھے	بِهِ اس کا	يَسْتَهْزِئُونَ مذاق اڑاتے	أَوَلَمْ يَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا؟	
إِلَى الْأَرْضِ زمین کی طرف	كَمْ کس قدر	أَنبَتْنَا اگائیں ہم نے	فِيهَا اس میں	مِن كُلِّ ہر قسم	زَوْجٍ جوڑا جوڑا	كَرِيمٍ عمدہ
إِنَّ بیشک	فِي ذَٰلِكَ اس میں	لَآيَةً البتہ نشانی	وَمَا كَانَ اور نہیں ہیں	أَكْثَرُهُم ان میں اکثر	مُؤْمِنِينَ ایمان لانے والے	وَإِنَّ اور بیشک
رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيزُ غالب	الرَّحِيمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ ابتدائی آیت کے تشریح کے سلسلہ میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کی مکی زندگی کا بھی عجیب دور تھا۔ سخت ترین آزمائش کا زمانہ تھا۔ قوم کی قوم دشمن۔ بے پناہ طعن وتشنیع۔ طرح طرح کی اذیتوں اور مشکلات اور مصیبتوں کا سامنا۔ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر طرح طرح سے لغو شبہات اور بیہودہ اعتراضات کیا کرتے۔ ہر شخص اپنی خواہش کے موافق عجیب وغریب معجزات اور نشانیوں کا طالب ہوتا کوئی کہتا کہ اس ریگستانی اور خشک جگہ میں نہریں جاری کردو کوئی کہتا کہ یہ پہاڑ سونے کا بنادو تو مانوں۔ علیٰ ہذا القیاس اسی قسم کی بیہودہ درخواستیں کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشفق قوم تھے۔ آپ کے قلب مبارک میں ان کے لئے دردمندی پوری طرح بھری ہوئی تھی۔ کفار کی سرکشی اور کج بحثی اوران کے ایمان نہ لانے سے آپ

کو نہایت فکروغم اور رنج ہوتا تھا اس لئے آگے ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین کے ایمان نہ لانے پر آپ کو اپنا جی ہلکان نہ کرنا چاہئے۔ نصیب دشمناں ایسا نہ ہو کہ آپ کی جان پر آ بنے۔

آیت میں باخع نفسک کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ باخع کے معنی ہیں غم میں گھونٹ ڈالنے والا۔ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہٗ ابی وامی کی اس حالت کا ذکر اور بھی کئی مقامات پر کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ کہف پندرہویں پارہ پہلے رکوع میں فرمایا فلعلک باخعٌ نفسک علیٰٓ اثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفاً سو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے دیں گے۔ سورۂ فاطر ۲۲ ویں پارہ میں ارشاد ہوا فلا تذھب نفسک علیھم حسرٰت تو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ اس دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی گمراہی وضلالت۔ انکی ہٹ دھرمی۔ ضد وعناد اور ان کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کے مقابلہ میں ان کی مزاحمت اور کفر پر اصرار دیکھ کر برسوں اپنے شب وروز کس دل گداز۔ اور غم خواری کی کیفیت میں گزارے ہیں اور صرف ایمان والوں ہی کے لئے نہیں بلکہ شدید منکروں اور کٹر کافروں کے لئے بھی کتنا غم اور یاس آپ نے اٹھایا اللھم رب صل وسلم علی رسول اللہ فداہ ابی وامی

آگے آپ کو مزید سمجھایا جاتا ہے کہ اس قدر غم اور تاسف کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں کہ جو تمام کفار کو ایمان و اطاعت کی روش اختیار کرنے کے لئے مجبور کردے۔ اگر حق تعالیٰ ایمان پر مجبور کرنا چاہتے تو کوئی بڑی نشانی نازل کردیتے جس کے آگے گردن جھکائے بغیر ان کفار کو چارہ نہ ہوتا اور مجبور اور مضطر بن کر ایمان لے آتے مگر اس طرح کا جبری ایمان اللہ تعالیٰ کو مطلوب نہیں ہے۔ یہ دنیا تو ابتلا اور آزمائش کا گھر ہے۔ ہر شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جس کا جی چاہے عقل وفہم سے کام لے کر دلائل نبوت وبراہین فطرت دیکھ کر باختیار خود ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ یہاں تو بندوں کی تسلیم وسرکشی کو آزمایا جاتا ہے۔ اس لئے حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کرلیا جائے اور انکار وانحراف کی قدرت باقی نہ رہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادے اور اختیار کی آزادی دی ہے اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے انسان کے اندر خیر وشر کے دونوں رجحانات رکھ دیئے ہیں۔ فسق وفجور اور نیکی وتقویٰ کی دونوں راہیں اس کے آگے کھول دی ہیں اور انسان کو انتخاب راہ کے لئے مناسب حال صلاحیتیں دے کر اس دنیا کے دار امتحان میں بھیجا ہے کہ کون کفر وفسق کا راستہ اختیار کرتا ہے اور کون ایمان و اطاعت کا۔ اگر جبری ایمان اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہوتا تو نشانیاں نازل کر کے ایمان واطاعت پر مجبور کرنے ہی کی کیا حاجت تھی اللہ تعالیٰ انسان کو ایسی فطرت اور ساخت پر پیدا فرما سکتا تھا جس میں کفر وانکار اور نافرمانی اور بدکاری کا کوئی امکان ہی نہ ہوتا بلکہ فرشتوں کی طرح انسان بھی پیدائشی فرمانبردار ہوتا۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے متعدد مواقع پر ظاہر فرمایا ہے مگر اس صورت میں یہ دنیا امتحان۔ آزمائش اور ابتلا کی جگہ نہ رہتی۔ تو خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے نازل فرمائیں اور تلقین فرمائی کہ بدبخت منکرین کے غم میں اپنے آپ کو اس قدر گھلانے کی ضرورت نہیں۔ دلسوزی اور شفقت کی بھی آخر ایک حد ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ آپ کی تو شفقت کی یہ حالت ہے کہ آپ ان کے غم میں گھلے جاتے ہیں اور ان کی گمراہی اور عناد کی یہ کیفیت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور شفقت سے ان کی بھلائی کے لئے کوئی پند ونصیحت بھیجتا ہے تو یہ وحشت کھا کر اور متنفر ہو کر منہ پھیر کر بھاگتے ہیں جیسے کہ کوئی بری چیز سامنے آ گئی۔ اور صرف یہی نہیں کہ معمولی اعراض ہو بلکہ تکذیب اور استہزا بھی ہے۔ لہٰذا عنقریب ہی یعنی یا تو دنیا ہی میں یا مرنے کے بعد ہی انہیں پتہ چل جائے گا اور ان باتوں کی حقیقت کھل جائے گی جس کا

مذاق اڑاتے تھے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دراصل ان منکرین کو جستجوئے حق ہی نہیں ورنہ توحید کی صداقت۔ اور صناع مطلق کے کمالات و یکتائی کی معرفت جو اللہ کے رسول و پیغمبر پیش کرتے ہیں وہ اسی ایک زمین جو ان منکرین کے پاؤں کے نیچے اور آنکھوں کے ہر وقت سامنے ہے اسی کی پیداوار اور اسی کے احوال میں غور کرنے سے حاصل ہو سکتی تھی۔ کیا یہ دیکھتے نہیں کہ اسی کرکری اور حقیر مٹی سے کیسے کیسے عجیب و غریب رنگ برنگ کے پھول و پھل۔ قسم قسم کے غلے اور میوے طرح طرح کی جڑی بوٹیاں اور بے شمار انواع و اقسام کی چیزیں کس کثرت سے ایک نظام قدرت کے تحت اگ رہی ہیں۔ پھر ان کے خواص اور صفات میں مخلوقات کی بے شمار اور ان گنت ضرورتیں اور فائدہ رکھے گئے ہیں کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ کسی لامحدود قدرت و حکمت رکھنے والے صانع نے یہ سب پیدا کی ہیں کیا یہ سب کچھ کسی حکیم کی حکمت۔ کسی علیم کے علم۔ کسی قادر کی قدرت اور کسی خالق کے تخلیق کے بغیر یونہی بس آپ سے آپ ہو رہا ہے؟ ایک ذی عقل انسان اگر وہ کسی ہٹ دھرمی۔ اور تعصب میں مبتلا نہیں ہے تو وہ اس منظر کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے گا کہ یہ آفتاب و ماہتاب۔ ہوا اور پانی کے درمیان ہم آہنگی اور ان کے وسائل سے زمین سے پیدا ہونے والی نباتات یقیناً یہ ایک قادر مطلق حکیم اور خالق کے ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ زمین سے طرح طرح کی نباتات اور جڑی بوٹیوں کا پیدا ہونا بھی ایک بڑی عقلی نشانی ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمال قدرت کی اور اسی ایک عظیم الشان نشانی سے اللہ کی توحید پر ایمان لانا واجب ہو جاتا ہے مگر اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور اس قادر مطلق کے کلام اور اس کے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس قادر مطلق کی قدرت تو ایسی زبردست ہے کہ نہ ماننے پر کسی کو سزا دینا چاہے تو پل بھر میں مٹا کر رکھ دے مگر اس کے باوجود یہ سراسر اس کا کرم و رحم ہے کہ سزا دینے میں تاخیر کرتا ہے اور برسوں اور صدیوں کی ڈھیل دیتا ہے اور سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کی مہلت دیئے جاتا ہے کہ ممکن ہے اب بھی مان لیں۔ یہاں آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے متعلق عزیز الرحیم فرمایا۔ تو صفت عزیز کا تقاضا یہ ہے کہ سب اس کے بس میں ہیں۔ وہ سب پر غالب ہے۔ ان مجرموں کو معاً ہلاک کر ڈالتا لیکن ساتھ ہی وہ رحیم بھی ہے نافرمانوں کے عذاب اور پکڑ میں جلدی نہیں کرتا اور تاخیر اور ڈھیل دیتا ہے تا کہ وہ اپنے کرتوتوں سے باز آ جائیں۔ تو اس صفت رحیمی کی قدر کرنی چاہئے تھی نہ کہ الٹا منکرین کفر پر اصرار کرتے ہیں۔

اب آگے عبرت کے لئے مکذبین کے چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ مجرمین کو خدا نے کہاں تک ڈھیل دی۔ جب کسی طرح نہ مانے تو پھر کیسے تباہ و برباد ہوئے۔ اس میں پہلا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے کفر و شرک سے بچا کر ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ اور اشرف الانبیاء والمرسلین نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ یا اللہ! ہمیں اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار و تابعدار امتی بنا کر زندہ رکھئے۔ کفار و مشرکین نے تو اپنے اقوال و اعمال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی حیاۃ مبارکہ میں رنج والم پہنچایا۔ یا اللہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہو کر آپ کو قبر مبارک میں بے چین کرنے والے نہ ہوں۔ یا اللہ! اس دنیا کی امتحان گاہ میں جب ہم امتحان و آزمائش کے لئے آ گئے ہیں تو اپنے فضل و کرم سے ہم کو اس امتحان گاہ سے کامیابی اور کامرانی کے ساتھ گزرنا نصیب فرما۔ اور زندگی کا لمحہ لمحہ اپنی مرضیات میں خرچ کرنے کی سعادت عطا فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ

اور جب آپ کے رب نے موسیٰؑ کو پکارا کہ تم ان ظالم لوگوں کے یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ۔ کیا یہ لوگ (ہمارے غضب سے) نہیں ڈرتے۔ انہوں نے عرض کیا

رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ وَ يَضِيْقُ صَدْرِیْ وَ لَا يَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰى

کہ اے میرے پروردگار مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلانے لگیں۔ اور میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی اس لئے ہارونؑ کے پاس بھی

هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾

وحی بھیج دیجئے۔ اور میرے ذمہ اُن لوگوں کا ایک جرم بھی ہے سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔ ارشاد ہوا کیا مجال ہے سو تم دونوں ہمارے احکام لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں سنتے ہیں۔

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾ؕ

سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم رب العالمین کے فرستادہ ہیں۔ کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔

وَ اِذْ اور جب	نَادٰى پکارا فرمایا	رَبُّكَ تمہارا رب	مُوْسٰى موسیٰؑ	اَنِ ائْتِ کہ تو جا	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ظالم لوگ	قَوْمَ فِرْعَوْنَ قوم فرعون
اَلَا يَتَّقُوْنَ کیا وہ مجھ سے نہیں ڈرتے	قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّیْۤ اَخَافُ بیشک میں ڈرتا ہوں	اَنْ کہ	يُّكَذِّبُوْنِ وہ مجھے جھٹلائیں گے	
وَ يَضِيْقُ اور تنگ ہوتا ہے	صَدْرِیْ میرا سینہ (دل)	وَ لَا يَنْطَلِقُ اور نہیں چلتی	لِسَانِیْ میری زبان	فَاَرْسِلْ پس پیغام بھیج	اِلٰى طرف	
هٰرُوْنَ ہارون	وَ لَهُمْ اور ان کا	عَلَیَّ مجھ پر	ذَنْۢبٌ ایک الزام	فَاَخَافُ پس میں ڈرتا ہوں	اَنْ يَّقْتُلُوْنِ کہ وہ مجھے قتل (نہ) کردیں	قَالَ فرمایا
كَلَّا ہرگز نہیں	فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَاۤ پس تم دونوں جاؤ ہماری نشانیوں کے ساتھ	اِنَّا بیشک ہم	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ	مُّسْتَمِعُوْنَ سننے والے		
فَاْتِيَا پس تم دونوں جاؤ	فِرْعَوْنَ فرعون	فَقُوْلَاۤ تو اسے کہو	اِنَّا رَسُوْلُ بیشک ہم رسول	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کا رب		
اَنْ کہ	اَرْسِلْ تو بھیج دے	مَعَنَا ہمارے ساتھ	بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل			

تفسیر وتشریح:۔ اب یہاں سے سات انبیاء علیہم السلام اوران کی اقوام کے تذکرہ کا بیان شروع کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ جل شانہٗ نے دنیائے انسانی کی ہدایت کے لئے جو مختلف معجزانہ اسلوب بیان اختیار فرمائے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ گذشتہ اقوام اوران کے ہادیوں کے قصص اور واقعات کے ذریعہ ان کے نیک و بد اعمال اوران اعمال کے ثمرات ونتائج کو یاد دلا کر عبرت وبصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اسی لئے قران کریم میں ان کی تکرار پائی جاتی ہے تاکہ سامعین کے دل میں وہ گھر کر سکیں اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ جب ایک بات کو مناسب حال سے بار بار دہرایا جائے۔ قرآن مجید کے قصص اور واقعات کا سلسلہ بیشتر گذشتہ اقوام اوران کی جانب بھیجے ہوئے پیغمبروں سے وابستہ ہے جن میں بتلایا گیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت کے لئے ان ہی میں سے پیغمبر اور رسول بھیجتا ہے۔ وہ ان کو حق کی راہ بتاتے اور ہر قسم کی گمراہی سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ جن اقوام نے اپنے رسولوں کی ہدایات کو تسلیم کیا انہوں نے دنیا اور آخرت کی فلاح پائی اور جن امتوں نے ان کی تلقین کا انکار کیا۔ ان کا مذاق اڑایا ان کو جھٹلایا اور بغض وعناد اور انکار پر اڑے رہے تو پھر عذاب الٰہی نے آ کر ان کو تباہ و ہلاک کر دیا اور

ان کے واقعات کو آنے والی اقوام کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا۔
پھر قرآن عزیز کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کو مختلف سورتوں میں کے مضامین کے مناسب بیان کرنے کے باوجود واقعہ کی اصل حقیقت میں ادنیٰ سا فرق بھی نہیں آنے دیتا۔ کہیں واقعہ کی تفصیل ہے کہیں اجمال۔ کسی مقام پر اس کا ایک پہلو نظر انداز کر دیا گیا ہے تو دوسرے مقام پر اسی کو نمایاں فرمایا گیا ہے۔
یہاں اس سورۃ میں ابتدائی آیات کی مناسبت سے سات انبیاء کرام یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، اور حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کے تذکرہ فرمائے گئے ہیں۔ اور ہر نبی اور ان کی قوم کے تذکرہ کو انہی آیات پر ختم کیا گیا ہے جو اوپر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و تشفی اور کفار مکہ کی تنبیہ و وعید کے سلسلہ میں ارشاد فرمائی گئیں۔ یعنی ان فی ذٰلک لاٰیۃ وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھو العزیز الرحیم یعنی بے شک اس میں بھی بڑی عبرت و نشانی ہے اور باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک آپ کا رب زبردست غالب بھی ہے اور ساتھ ہی مہربان بھی ہے کہ کفار کو عذاب دینے پر قادر بھی ہے مگر رحمت سے مہلت بھی دے رکھی ہے۔ یہ گذشتہ آیات کی تشریح کے سلسلہ میں کہا جا چکا ہے کہ اس سورۃ کا زمانۂ نزول وہ وقت تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین پر کافروں کا ہر طرف سے ہجوم تھا اور اپنے اور بیگانے سب دشمن اور خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے۔ آپ کے جانثار ساتھیوں پر تمام شدائد و آلام اور مصائب و سختیاں جو ہو سکتی تھیں توڑی جا رہی تھیں۔ ایسے حالات میں ان گذشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کے تذکرہ فرما کر ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو صبر و پامردی اور استقامت کی اس طرح تلقین کی گئی کہ اہل حق کو ہمیشہ باطل اور طاغوتی گروہ کے مقابلہ میں جانی و مالی قربانیاں پیش کرنی پڑی ہیں اور ہمیشہ سے کفار اہل ایمان کے مخالف اور جانی دشمن رہے ہیں مگر بالآخر طاغوتی قوتوں کو شکست اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرنے والوں کو کفار کے مقابلہ میں فتح و نصرت نصیب ہوئی ہے۔ دوسری طرف کفار مکہ کو گذشتہ قوموں کا انجام بتلا کر یہ جتلانا مقصود ہے کہ اگر تم اللہ کے رسول کی مخالفت اور تکذیب پر جمے رہے تو تمہیں بھی اسی انجام اور ہلاکت سے دوچار ہونا پڑے گا جو ان تمام نافرمان اور تکذیب رسول کرنے والی قوموں کو نصیب ہوئی۔ سب سے پہلے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جو پیشتر سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں بالتفصیل بیان ہو چکا ہے۔
ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم مصر میں قوم فرعون کے پاس ہمارے پیغمبر اور رسول بن کر جاؤ اور قوم فرعون جو ظلم و زیادتی میں بہت بڑھی ہوئی ہے اسے عذاب خداوندی سے ڈراؤ اور ان کو سچے دین کی تلقین کرو اور قوم بنی اسرائیل جو ان کی غلامی میں پھنسی ہوئی ہے اس کو ان کی غلامی سے نجات دلاؤ۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے روانہ ہو کر سفر میں تھے۔ جب آپ کو مصر جانے اور فرعون جیسے سرکش اور مغرور بادشاہ اور اس کی قوم کو ہدایت کرنے اور پیغام خداوندی پہنچانے کا حکم ملا تو کام کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے رب میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں لیکن اس خدمت کی تکمیل کے لئے اپنا ایک مددگار اور ساتھی چاہتا ہوں چونکہ میری زبان اچھی طرح نہیں چلتی اس لئے درخواست ہے کہ میرے بھائی ہارون کو بھی نبوت عطا فرما دی جائے جو مجھ سے زیادہ فصیح بیان ہیں

اس لئے ان کو بھی میرا شریک کار بنا دیا جائے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے یہ درخواست قبول فرمائی۔ یہاں آیت میں ولا ینطلق لسانی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یعنی میری زبان اچھی طرح نہیں چلتی اس کے متعلق بعض مفسرین نے ایک حکایت نقل کی ہے ۔مشہور ہے کہ فرعون کی بی بی نے حضرت موسیٰ کو ابتدائی شیر خوارگی کی حالت میں دریائے نیل سے نکلوا کر اپنا بیٹا بنایا تھا۔ فرعون کے کوئی اولاد نہ تھی۔ زمانہ طفولیت میں ایک روز حضرت موسیٰ فرعون کی آغوش میں بیٹھے ہوئے تھے اور فرعون کی داڑھی جواہرات اور موتیوں سے مرصع تھی۔ بچوں کی عادت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے داڑھی پر ہاتھ چلایا اور چمکتے ہوئے موتیوں کے ساتھ فرعون کی داڑھی کے چند بال بھی اکھڑ آئے۔ یہاں درمیان میں واقعہ سے علیحدہ ضمناً یہ بات بتلا دینا قابل ذکر ہے کہ پہلے زمانہ کے کفار کو بھی داڑھی پسند تھی۔ جب کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کو بھی الا ماشاء اللہ اس سے بیر وعداوت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الغرض فرعون کو اس پر سخت غصہ آیا اور غضبناک ہو کر بچہ کے قتل کا حکم دے دیا۔ فرعون کی بی بی نے شوہر کا یہ رنگ دیکھا تو عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ یہ نادان بچہ ہے اس کو آپ کی عظمت کا کیا احساس ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے آگ کا انگارا اور یاقوت دونوں برابر ہیں۔ فرعون نے کہا کہ میں ابھی اس کا امتحان کرتا ہوں اگر اس نے انگارے کو دیکھ کر ہاتھ کھینچا تو ضرور قتل کرادوں گا۔ خدائے تعالیٰ کو موسیٰ علیہ السلام سے کام لینا تھا اس لئے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کا وعدہ کر لیا تھا جب فرعون نے ایک تشت میں یاقوت سرخ اور انگارے بھروا کر حضرت موسیٰ کے سامنے رکھے گئے تو آپ نے جلدی سے ایک انگارے کو اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جس سے آپ کی زبان میں رکاوٹ ہونے لگی۔ فرعون کو بچہ کی نادانی اور ناسمجھی کا یقین آ گیا اور معاملہ آیا گیا ہوگا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ کی زبان میں قدرتی لکنت تھی۔ بہرحال اچھی طرح زبان نہ چلنے کے عذر سے آپ نے حضرت ہارون اپنے بھائی کو بھی نبوت عطا ہونے کی درخواست کی جو قبول بارگاہ الٰہی ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں ایک درخواست اور پیش کی اور عرض کیا کہ جب میں اس سے قبل مصر میں تھا تو میرے ہاتھ سے نادانستہ طور پر ایک فرعونی قتل ہو گیا تھا تو مجھ کو اندیشہ ہے کہ مصر میں جاتے ہی وہ تبلیغ رسالت سے قبل ہی مجھ کو اس قتل کے جرم میں کہیں قتل نہ کر ڈالیں اور اس طرح میں تبلیغ دین نہ کر سکوں گا تو اس کی بھی کچھ تدبیر فرما دیجئے۔ حق تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ان کی کیا مجال ہے جو ایسا کر سکیں۔ ہماری نصرت و امداد تمہارے ساتھ ہے۔ تم دونوں بھائی ہمارے احکام لے کر اور ہمارے دیئے ہوئے معجزات اور نشانات کے ساتھ فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم رب العالمین کے پیغمبر ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے تیرے پاس آئے ہیں اور دعوت دین کے ساتھ یہ بھی حکم لائے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو اپنے بیگار اور ظلم سے رہائی دے کر ان کے اصلی وطن ملک شام کی طرف ہمارے ساتھ جانے دے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں فرعون کے دربار میں پہنچے اور فرعون کو پیغام الٰہی پہنچایا۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان گیا کیونکہ بچپن اور جوانی کا کچھ حصہ اسی کے پاس گزرا تھا۔ تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان کر کیا جواب دیا یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: قرآن کریم نے جو نافرمان قوتوں کے قصہ سنائے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے ہمیں عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّكَ فِيۡنَا وَلِيۡدًا وَّلَبِثۡتَ فِيۡنَا مِنۡ عُمُرِكَ سِنِيۡنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلۡتَ فَعۡلَتَكَ

فرعون کہنے لگا کہ کیا ہم نے تم کو بچپن میں پرورش نہیں کیا اور تم اپنی عمر میں برسوں ہم میں رہا سہا کئے۔اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی

الَّتِيۡ فَعَلۡتَ وَاَنۡتَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلۡتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرۡتُ

اور تم بڑے ناسپاس ہو۔موسیٰ نے جواب دیا کہ اُس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔پھر جب مجھ کو ڈر لگا تو میں تمہارے ہاں سے مفرور ہو گیا

مِنۡكُمۡ لَمَّا خِفۡتُكُمۡ فَوَهَبَ لِيۡ رَبِّيۡ حُكۡمًا وَّجَعَلَنِيۡ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلۡكَ نِعۡمَةٌ

پھر مجھ کو میرے رب نے دانشمندی عطا فرمائی اور مجھ کو پیغمبروں میں شامل کر دیا۔اور وہ یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان رکھتا ہے

تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنۡ عَبَّدتَّ بَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرۡعَوۡنُ وَمَا رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۳﴾

کہ تو نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت میں ڈال رکھا تھا۔فرعون نے کہا کہ ربّ العالمین کی ماہیت (اور حقیقت) کیا ہے۔

قَالَ فرعون نے کہا	اَلَمۡ نُرَبِّكَ کیا ہم نے تجھے نہیں پالا	فِيۡنَا اپنے درمیان	وَلِيۡدًا بچپن میں	وَلَبِثۡتَ اور تو رہا	فِيۡنَا ہمارے درمیان	
مِنۡ عُمُرِكَ اپنی عمر	سِنِيۡنَ کئی برس	وَفَعَلۡتَ اور تو نے کیا	فَعۡلَتَكَ اپنا وہ کام	الَّتِيۡ فَعَلۡتَ جو تو نے کیا	وَاَنۡتَ اور تو	مِنَ سے
الۡكٰفِرِيۡنَ ناشکرے	قَالَ موسیٰ نے کہا	فَعَلۡتُهَاۤ میں نے وہ کیا تھا	اِذًا جب	وَاَنَا اور میں	مِنَ سے	الضَّآلِّيۡنَ راہ سے بے خبر
فَفَرَرۡتُ تو میں بھاگ گیا	مِنۡكُمۡ تم سے	لَمَّا خِفۡتُكُمۡ جب میں ڈرا تم سے	فَوَهَبَ لِيۡ پس عطا کیا مجھے	رَبِّيۡ میرا رب	حُكۡمًا حکم	
وَ اور	جَعَلَنِيۡ اور مجھے بنایا	مِنَ سے	الۡمُرۡسَلِيۡنَ رسول	وَتِلۡكَ اور یہ	نِعۡمَةٌ کوئی نعمت	تَمُنُّهَا عَلَيَّ تو اس کا احسان رکھتا ہے مجھ پر
اَنۡ عَبَّدتَّ کہ تو نے غلام بنایا	بَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ بنی اسرائیل	قَالَ فِرۡعَوۡنُ فرعون نے کہا	وَمَا اور کیا ہے	رَبُّ رب	الۡعٰلَمِيۡنَ سارے جہان	

تفسیر و تشریح:۔گذشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام فرعون بادشاہ مصر کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے تیرے پاس آئے ہیں اور توحید کی دعوت کے ساتھ یہ حکم بھی لائے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو اپنی غلامی۔بیگار اور ظلم سے رہائی دے کر ان کے اصلی وطن ملک شام کی طرف ہمارے ساتھ جانے دے۔فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا کیونکہ بچپن اور کچھ جوانی کا حصہ اسی کے پاس گزرا تھا۔تو موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سن کر فرعون نے جو آپ کو جواب دیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ فرعون کہنے لگا کہ کیا تم وہی نہیں ہو جس کو ہم نے اپنے گھر میں بڑے ناز و نعم سے پالا پوسا اور پرورش کر کے جوان کیا اب تمہارا یہ دماغ ہو گیا کہ ہم ہی سے مطالبات کرتے اور اپنی بزرگی منواتے ہو۔اتنے برسوں تک کبھی یہ دعوے نہیں کئے اور یہاں سے نکل کر رسول بن گئے۔اور جو کرتوت تم کر کے بھاگے تھے اسے ہم بھولے نہیں یعنی تم نے ایک قبطی کو جان سے مار دیا تھا تو تم بڑے احسان فراموش اور ناسپاس ہو کہ میرا ہی کھایا۔میرا ہی آدمی قتل کیا اور پھر مجھ ہی کو اپنا تابع بنانے آئے ہو۔چاہئے تو یہ کہ تم مجھ سے ہر طرح دبو اور الٹا تم مجھے دبانے آئے ہو۔موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ان باتوں کے جواب میں فرمایا کہ قبطی کا خون میں نے دانستہ نہیں کیا تھا غلطی سے ایسا

ہوگیا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکا مارنے سے جوتا دیب کے لئے تھا اس کا دم نکل جائے گا۔ میں نے عمداً اسے قتل نہیں کیا تھا اس کی خطا پر اس کو تنبیہاً ایک مکا رسید کیا تھا جس سے وہ اتفاقاً مر گیا۔ اور بیشک میں خوف کھا کر یہاں سے مفرور ہوگیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مجھے نبوت وحکمت عطا فرمائے۔ اس نے اپنے فضل سے مجھے سرفراز کیا اور رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا۔ یہ بجائے خود میری صداقت کی دلیل ہے کہ جو شخص تم سے خوف کھا کر بھاگا ہو۔ پھر اس طرح بے خوف وخطر تمہارے سامنے آ کر ڈٹ جائے خلاصہ یہ کہ میں اب پیغمبری کی حیثیت سے آیا ہوں جس میں دبنے کی کوئی وجہ نہیں اور پیغمبر اس واقعہ قتل خطاءً کے منافی نہیں تو یہ جواب ہے اعتراض قتل کا اور رہا احسان جتلانا بچپن میں میری پرورش کا تو یہ تجھے زیب نہیں دیتا۔ کیا ایک اسرائیلی بچہ کی تربیت سے اس کا جواز ہوسکتا ہے کہ تو نے اس کی ساری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ اور پھر میری تربیت بھی خود تیرے ہی مظالم کے سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئی۔ نہ تو بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کراتا نہ خوف کی وجہ سے میری والدہ صندوق میں رکھ کر مجھے دریائے نیل میں چھوڑتیں۔ نہ تیرے محلسرا تک میری رسائی ہوتی۔ میں تیری پرورش میں رہا تو اس پرورش کی اصل وجہ تو تیرا ظلم ہی ہے ورنہ تیرے پاس پہنچا تا ہی کیوں اور میری پرورش میرے والدین ہی کیوں نہ کرتے۔ ایسی پرورش کا مجھ کو کیا احسان جتلایا جاتا ہے بلکہ اس سے تو اپنی ناشائستہ حرکات کو خیال کر کے شرمانا چاہئے۔ اور صاف بات یہ ہے کہ جس رب العالمین نے تجھ جیسے دشمن کے گھر میں میری پرورش کرائی اسی نے آج تیری خیر خواہی کے لئے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ فرعون اس بات میں لاجواب ہوا تو سخن کا پہلو بدل کر اس نے کہا کہ رب العالمین کے کیا معنی؟ اس کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے؟ میری موجودگی میں کسی اور رب کا نام لینا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ اس شقی ازلی نے اس وجہ سے کہا کہ فرعون کا دعویٰ اپنی قوم کے روبرو یہ تھا کہ میں اپنے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں سمجھتا اور تمہارا رب اعلیٰ یعنی بڑا پروردگار میں ہوں چنانچہ اس کی قوم کے لوگ بعض تو انتہائی جہل سے اور بعض خوف یا طمع سے اسی کی پرستش کرتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جو جواب اس کے اس سوال کا دیا وہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس کے فضل وکرم سے ہم کو خاتم الانبیاء واشرف الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ اور اس طرح تمام انبیاء والمرسلین پر ہم کو ایمان رکھنے والا بنایا۔

اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کی نعمت وہدایت پر ہم کو استقامت بخشیں۔ اور اپنی اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وتابعداری پر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرماویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا

موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے اُس کا اگر تم کو یقین کرنا ہو۔ فرعون نے اپنے اردگرد والوں سے کہا کہ تم لوگ سنتے ہو۔

تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ

موسیٰ نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بڑوں کا۔ فرعون کہنے لگا کہ یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے

اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ

مجنون ہے۔ موسیٰ نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے اُس کا بھی اگر تم کو عقل ہو۔ فرعون کہنے لگا

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

کہ اگر تم میرے سوا کوئی اور معبود تجویز کرو گے تو تم کو جیل خانہ بھیج دُوں گا۔ موسیٰ نے فرمایا کیا اگر میں کوئی صریح دلیل پیش کردوں تب بھی۔

قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾

فرعون نے کہا کہ اچھا تو وہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ سو موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعتہً ایک نمایاں اژدہا بن گیا۔

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور اپنا ہاتھ (گریبان میں دیکر) باہر نکالا تو وہ دفعتاً سب دیکھنے والوں کے رُوبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا۔

قَالَ اس نے کہا	رَبُّ السَّمٰوٰتِ رب ہے آسمانوں کا	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو ان کے درمیان	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	
مُّوْقِنِيْنَ یقین کرنے والے	قَالَ اس نے کہا	لِمَنْ انہیں جو	حَوْلَهٗ اس کے اردگرد	اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ کیا تم سنتے نہیں	قَالَ (موسیٰ) نے کہا	
رَبُّكُمْ تمہارا رب	وَرَبُّ اور رب	اٰبَآئِكُمُ تمہارے باپ دادا	الْاَوَّلِيْنَ پہلے	قَالَ فرعون بولا	اِنَّ بیشک	رَسُوْلَكُمُ تمہارا رسول
الَّذِيْ وہ جو	اُرْسِلَ بھیجا گیا	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	لَمَجْنُوْنٌ البتہ دیوانہ	قَالَ (موسیٰ) نے کہا	رَبُّ رب	الْمَشْرِقِ مشرق
وَالْمَغْرِبِ اور مغرب	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ تم سمجھتے ہو	قَالَ وہ بولا	لَئِنِ البتہ اگر
اتَّخَذْتَ تو نے بنایا	اِلٰهًا کوئی معبود	غَيْرِيْ میرے سوا	لَاَجْعَلَنَّكَ تو میں ضرور کردوں گا تجھے	مِنَ سے	الْمَسْجُوْنِيْنَ قیدی	قَالَ موسیٰ نے کہا
اَوَلَوْ جِئْتُكَ خواہ میں لاؤں تیرے پاس	بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ایک شے (معجزہ) واضح	قَالَ وہ بولا	فَاْتِ بِهٖ تو لے آ اسے	اِنْ كُنْتَ اگر تو ہے	مِنَ سے	
الصّٰدِقِيْنَ سچے	فَاَلْقٰى پس موسیٰ نے ڈالا	عَصَاهُ اپنا عصا	فَاِذَا هِيَ تو اچانک وہ	ثُعْبَانٌ اژدہا	مُّبِيْنٌ کھلا (نمایاں)	
وَنَزَعَ اور اس نے کھینچا (نکالا)	يَدَهٗ اپنا ہاتھ	فَاِذَا هِيَ تو ناگاہ وہ	بَيْضَآءُ چمکتا ہوا	لِلنّٰظِرِيْنَ دیکھنے والوں کیلئے		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو رسالت سے سرفراز فرما کر حق تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ تم دونوں بھائی فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے تیرے پاس آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد میں

فرعون کے پاس پہنچتے ہی اس کا اظہار فرمایا۔ پہلے تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ذاتی احسانات جتا کر مرعوب کرنا چاہا اور آپ کو بچپن میں پالنے اور ایک قبطی کو جان سے مار کر مصر سے چلے جانے کو یاد دلایا جس کے نہایت معقول اور صاف اور صحیح جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دے دیئے جو گذشتہ آیات میں بیان ہو چکے ہیں۔ ان جوابات کو سن کر فرعون زچ ہوا تو اس نے گفتگو کا پہلو بدلا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے جو جاتے ہی فرمایا کہ میں رب العالمین کا بھیجا ہوا پیغمبر بن کر تیرے پاس آیا ہوں تو اس نے یہ سوال کیا تھا کہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ فرعون بزعم خود رب اعلیٰ بنا ہوا تھا اور دہری خیال کا آدمی تھا۔ اس کی قوم اس کی پرستش کرتی تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سوال سے اس کا مقصد یہ تھا کہ میرے سوا کوئی رب ہے ہی نہیں۔ تم جو کہہ رہے ہو وہ محض غلط ہے۔ چونکہ حقیقت الٰہیہ کا بیان تو درکنار تصور بھی ناممکن ہے۔ اس لئے معرفت الٰہیہ کا بیان جب ہوگا ہمیشہ صفات باری تعالیٰ سے ہوگا۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے بھی وما رب العلمین کے جواب میں صفات باری تعالیٰ ہی سے جواب دیا۔ آپ نے اس سوال کا جو جواب دیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ رب العالمین وہ ہے کہ جو آسمانوں زمین اور ان کے درمیان جو مخلوقات ہیں سب کا پروردگار ہے یعنی آپ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ وہ سب کا خالق ہے۔ سب کا مالک ہے۔ سب پر قادر ہے۔ اور سب کا رازق ہے اس لئے سب کا معبود ہے۔ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں آسمان اور اس کی مخلوق۔ زمین اور اس کی کائنات سب اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور وہی سب کا رب ہے اور اس کے سمجھنے اور جاننے کے لئے کوئی خاص لمبے چوڑے دلائل و براہین کی بھی ضرورت نہیں۔ فطرت انسانی اس چیز کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے اس لئے اگر تمہارے اندر یقین کا جذبہ ہے اور تمہارے دل یقین کی دولت سے خالی نہیں ہوئے تو رب العالمین کے یہ اوصاف اس کی ذات کے ماننے کے لئے کافی ہیں۔ یہ سن کر فرعون نے بات کو مذاق میں ڈالنے کے لئے حاضرین مجلس اور اپنے درباریوں کی طرف رخ کرتے ہوئے اور لوگوں کو اپنے سکھائے اور بتائے ہوئے عقیدہ پر جمانے کے لئے اور موسیٰ علیہ السلام کی بات کو خفیف کرنے کے لئے کہنے لگا۔ سنتے ہو۔ موسیٰ کیسی دوراز کار باتیں کرتے ہیں کیا تم میں کوئی تصدیق کرے گا کہ میرے سوا کوئی اور رب ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ اس نے میری بات کو ہنسی میں اڑا دیا تو مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جس رب العالمین کا ذکر کر رہا ہوں وہ وہ ہے جس نے خود تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا یعنی وہ تم سب کا اور تمہارے اگلوں کا مالک و پروردگار ہے اور جب تمہارا بیج بھی نہ تھا اس وقت زمین و آسمان اور تمام کائنات کی ربوبیت وہ فرما رہا تھا یعنی اگر آج تم فرعون کو خدا مانتے ہو تو ذرا اسے تو سوچو کہ فرعون سے پہلے جہان والوں کا خدا کون تھا؟ اس کے وجود سے پہلے آسمان اور زمین کا وجود تھا تو ان کا موجد کون تھا؟ بس وہی رب العالمین ہے اور اسی کا بھیجا ہوا میں ہوں فرعون سے ان دلائل کا تو جواب نہ بن سکا اور اپنے لوگوں سے، کہنے لگا کہ یہ تمہارا رسول جو بزعم خود تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے۔ (معاذ اللہ) مجنون اور دیوانہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ہماری اور ہمارے باپ دادوں کی خبر لیتا ہے اور ہماری شوکت وحشمت کو دیکھ کر ذرا بھی نہیں جھجکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دیکھا کہ یہ بالکل کور بصیرت اور احمق ہے تو مزید اس کے سامنے ایک بات پیش کی جس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے آخر

میں کہی تھی۔ آپ نے کہا کہ رب العالمین وہ ہے جو مشرق و مغرب کا مالک ہے جو تمام کائنات کو ایک محکم اور مضبوط نظام کے ماتحت قائم رکھنے والا ہے۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہو تو بتاؤ کہ اس عظیم الشان نظام کا قائم رکھنے والا سوائے خدا کے کون ہو سکتا ہے؟ کیا کسی کو قدرت ہے کہ وہ اس کے قائم کئے ہوئے نظام کو ایک لمحہ کے لئے توڑ دے یا بدل ڈالے۔ یہ آخری بات سن کر فرعون جھلا اٹھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرانے اور دھمکانے پر اتر آیا اور اس نے اپنا مطلب صاف کہہ دیا کہ یہاں مصر میں کوئی اور خدا نہیں اگر میرے سوا کسی اور معبود کی حکومت مانی تو یاد رکھو جیل خانہ تیار ہے۔ اس میں ڈال کر تمہاری جان لے لوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس پر فرمایا کہ فیصلہ میں ابھی جلدی نہ کر۔ یہ تو تیری باتوں کا زبانی جواب تھا۔ اب ذرا وہ کھلے ہوئے نشان بھی دیکھ جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری صداقت دونوں کا اظہار ہو۔ اگر ایسے نشان دکھلاؤں تو کیا پھر بھی تیرا فیصلہ یہی رہے گا۔ فرعون اس کے سوا کیا کہہ سکتا تھا کہ اچھا اگر سچے ہو تو پیش کرو۔ آپ نے یہ سنتے ہی اپنی لاٹھی جو آپ کے ہاتھ میں تھی اسے زمین پر ڈال دی۔ بس اس کا زمین پر پڑنا تھا کہ وہ ایک اژدہے کی شکل بن گئی اور اژدہا بھی بہت ہیبت ناک ڈراؤنی اور خوفناک شکل والا یہ سماں دیکھتے ہی بھگدڑ پڑ گئی درباری الگ بھاگے۔ فرعون بھی اپنے تخت شاہی کے نیچے گھس گیا۔ سارا رعب شاہی اور جلال دربار سب یکدم کافور ہو گیا اور مجبور ہو کر موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ اس بلا کو دور کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اژدہے پر ہاتھ ڈالا تو فوراً اپنی اصلی حالت میں لاٹھی بن گیا۔ دوسری نشانی آپ نے یہ دکھلائی کہ اپنا ہاتھ گریبان میں دے کر باہر نکالا تو وہ نہایت چمکدار بن کر نکلا اور اس کو بھی سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزات دیکھ کر فرعون بہت سٹ پٹایا اور پھر اس نے اپنے درباریوں سے جو اس وقت اس کے پاس جمع تھے کیا کہا سنا یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو کفر و شرک سے بچا کر اہل اسلام اور اہل ایمان بنایا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا تابعدار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرماویں۔

یا اللہ! ہمیں بھی حق کی تائید اور باطل سے مقابل ہونے کی قوت اور جرأت عطا فرما اور حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرما۔ آج بھی دشمنان دین نے جو سر اٹھا رکھا ہے اللہ تعالیٰ ان کی قوتوں کو پاش پاش فرمائیں اور دین حق کو غلبہ اور سربلندی عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ

فرعون نے اہل دربار سے جو اُس کے پاس بیٹھے تھے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو (کے زور سے)

بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ

تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کردے،سو تم کیا مشورہ دیتے ہو۔درباریوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں چپڑاسیوں کو بھیج دیجئے کہ وہ سب

بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ

ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کردیں۔غرض وہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کئے گئے۔اور لوگوں کو یہ اشتہار دیا گیا کہ کیا تم لوگ

مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا

جمع ہوگے۔تاکہ اگر جادوگر غالب آجاویں تو ہم اُن ہی کی راہ پر رہیں۔پھر جب وہ جادوگر آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آگئے

لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ

تو کیا ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا۔فرعون نے کہا کہ ہاں اور تم اس صورت میں مقرب لوگوں میں داخل ہوجاؤگے۔

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ

موسیٰ نے اُن سے فرمایا کو تم کو جو کچھ ڈالنا ہو ڈالو۔سو اُنہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں

وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا

اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم بے شک ہم ہی غالب آویں گے۔پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا سو ڈالنے کے ساتھ ہی (اژدہا بن کر) اُن کے تمام تر بنے بنائے

يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ڈھندے کو نگلنا شروع کردیا۔سو جادوگر سب سجدہ میں گر پڑے۔کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔

قَالَ فرعون نے کہا	لِلْمَلَاِ سرداروں سے	حَوْلَهٗ اپنے گرد	اِنَّ هٰذَا بیشک یہ	لَسٰحِرٌ جادوگر	عَلِيْمٌ دانا ماہر	يُّرِيْدُ وہ چاہتا ہے		
اَنْ کہ	يُّخْرِجَكُمْ تمہیں نکال دے	مِّنْ سے	اَرْضِكُمْ تمہاری سرزمین	بِسِحْرِهٖ اپنے جادو سے	فَمَاذَا تو کیا	تَاْمُرُوْنَ تم حکم (مشورہ) دیتے ہو		
قَالُوْا وہ بولے	اَرْجِهْ مہلت دے اسے	وَاَخَاهُ اور اس کے بھائی کو	وَابْعَثْ اور بھیج	فِي میں	الْمَدَآئِنِ شہروں	حٰشِرِيْنَ اکٹھا کرنے والے (نقیب)		
يَاْتُوْكَ لے آئیں تیرے پاس	بِكُلِّ سَحَّارٍ تمام بڑے جادوگر	عَلِيْمٍ ماہر	فَجُمِعَ پس جمع کئے گئے	السَّحَرَةُ جادوگر	لِمِيْقَاتِ مقررہ وقت پر			
يَوْمٍ ایک دن	مَّعْلُوْمٍ جانے پہچانے (معین)	وَّقِيْلَ اور کہا گیا	لِلنَّاسِ لوگوں سے	هَلْ کیا	اَنْتُمْ تم	مُّجْتَمِعُوْنَ جمع ہونیوالے ہو (جمع ہوگے)		
لَعَلَّنَا تاکہ ہم	نَتَّبِعُ پیروی کریں	السَّحَرَةَ جادوگر	اِنْ اگر	كَانُوْا هُمْ ہوں وہ	الْغٰلِبِيْنَ غالب	فَلَمَّا پس جب	جَآءَ آئے	السَّحَرَةُ جادوگر

قَالُوْا انہوں نے کہا	لِفِرْعَوْنَ فرعون سے	اَئِنَّ لَنَا کیا یقیناً ہمارے لئے	لَاَجْرًا کچھ انعام	اِنْ اگر	كُنَّا ہم ہوئے	نَحْنُ ہم	الْغٰلِبِيْنَ غالب	
قَالَ اس نے کہا	نَعَمْ ہاں	وَاِنَّكُمْ اور بیشک تم	اِذًا اس وقت	لَّمِنَ البتہ سے	الْمُقَرَّبِيْنَ مقربین	قَالَ کہا	لَهُمْ ان سے	مُّوْسٰى موسیٰ
اَلْقُوْا تم ڈالو	مَا جو	اَنْتُمْ تم	مُّلْقُوْنَ ڈالنے والے	فَاَلْقَوْا پس انہوں نے ڈالیں	حِبَالَهُمْ اپنی رسیاں	وَعِصِيَّهُمْ اور اپنی لاٹھیاں		
وَقَالُوْا اور بولے وہ	بِعِزَّةِ اقبال کی قسم	فِرْعَوْنَ فرعون	اِنَّا لَنَحْنُ بیشک البتہ ہم	الْغٰلِبُوْنَ غالب آنے والے	فَاَلْقٰى پس ڈالا	مُوْسٰى موسیٰ		
عَصَاهُ اپنا عصا	فَاِذَا هِىَ تو ناگاہ وہ	تَلْقَفُ نگلنے لگا	مَا جو	يَاْفِكُوْنَ انہوں نے ڈھکوسلا بنایا	فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ پس ڈالدیئے گئے (گر پڑے) جادوگر			
سٰجِدِيْنَ سجدہ کرتے ہوئے	قَالُوْا وہ بولے	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں کے رب پر	رَبِّ رب	مُوْسٰى موسیٰ	وَهٰرُوْنَ اور ہارون		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی لاٹھی اور ید بیضا یعنی ہاتھ کی چمک کے معجزے دیکھے تو حواس باختہ ہوگیا۔ اور اس کی خدائی کی قلعی تو جب ہی کھل گئی جب موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدہا بن کر سامنے آئی اور فرعون مارے ڈر کے تخت چھوڑ کر بھاگا۔ مگر جب غرور اور طاقت کا نشہ کسی کے سر میں سما جاتا ہے تو آسانی سے نہیں نکلتا۔ پھر تو اکثر جھی جاتا ہے جب سرے سے سر ہی جاتا رہے۔ یہ بدنصیب پیغمبر کے ایسے بین معجزات دیکھ کر ایمان تو نہ لایا اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ یہ تو بڑا زبردست جادوگر نکلا۔ پھر انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دشمنی پر آمادہ کرنے کے لئے ایک اور بات بنائی کہ یہ ایسے ہی شعبدے اور جادو دکھا دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلے گا۔ اور جب کچھ اس کے ساتھی ہوجائیں گے تو یہ علم بغاوت بلند کرے گا۔ پھر تمہیں مغلوب کرکے اس ملک پر اپنا قبضہ جمالے گا تو اس کے استیصال کی کوشش ابھی سے کرنا چاہئے اب بتلاؤ کہ تمہاری کیا رائے اور مشورہ ہے اور مجھے کیا کرنا چاہئے؟ یا تو فرعون کے خدائی کے دعوے تھے یا وہ اتنی جلد ایسا حواس باختہ ہوگیا کہ مجبور ہوکر درباریوں سے مدافعت کی تدبیر دریافت کرنے لگا۔ اب قدرت خداوندی دیکھئے کہ فرعونیوں کے منہ سے اللہ نے وہ

بات کہلوائی جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عام تبلیغ کا موقع ملے اور عوام الناس پر حق بالکل واضح ہوجائے۔ درباریوں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ موسیٰ اور ان کے بھائی سے ابھی تو کچھ کہنا ٹھیک نہیں ان سے قرارداد مہلت کرلیجئے اور اپنی تمام سلطنت و حکومت سے بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو بلا لیجئے اور جادوگروں سے ان کا مقابلہ کرائیے۔ اب اس تجویز میں فرعون کے دعوے خدائی کی شکست تھی کہ رب اعلیٰ ہوکر جادوگروں کی پناہ پکڑنی کیسی عجیب حرکت تھی مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ غلبہ حاصل کرنے اور سرخرو ہونے کی اسے اور کوئی صورت ہی نظر نہ آئی۔ مجبور ہوکر خدائی کے درجہ سے نیچے اتر کر جادوگروں کو چاروں طرف سے جمع کرنے کا حکم دیا۔ اپنی قلمرو میں ہر ہر شہر میں سپاہی بھیجے گئے اور دارالسلطنت میں ہر چہار طرف سے بڑے بڑے نامی گرامی جادوگر جمع کئے گئے جو اپنے فن سحر میں کامل اور ماہر استاد تھے۔ پبلک میں بھی عمومی اعلان کرادیا کہ سب کو مقابلہ کے میدان میں یوم مقررہ پر جمع ہوجانا چاہئے کہ یہ بڑے معرکہ کا مقابلہ ہے۔ سب جمع ہوکر اپنے جادوگروں کا دل بڑھاؤ مجمع جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی ان کی ہمت بڑھے گی۔ امید قوی ہے کہ ہمارے جادوگر غالب آئیں گے اس وقت ہم موسیٰ کی شکست اور مغلوبیت دکھانے کے لئے اپنے ساحرین کی ہی راہ پر چلیں گے۔ مطلب یہ کہ ہمارا حق ہونا حجت سے ثابت ہوجائے گا۔

مصر اس زمانہ میں سحر و جادو کا مرکز تھا اور مصریوں نے فن سحر کو اوج کمال تک پہنچا دیا تھا۔ الغرض مصر کے مشہور جادوگروں کا گروہ مقررہ جگہ اور وقت پر جمع ہوا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ فرعون اپنے تمام شاہانہ کروفر کے ساتھ میدان مقابلہ میں تخت نشین ہے اور درباری وارکان سلطنت حسب مراتب جمع ہیں اور لاکھوں انسان حق و باطل کے معرکہ کا نظارہ کرنے کو موجود ہیں۔ ایک جانب جادوگروں کا گروہ اپنے ساز و سامان سحر سے لیس کھڑا ہے اور دوسری جانب خدا کے رسول۔ حق کے داعی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام متوکل علی اللہ کھڑے ہیں۔ فرعون اس وقت بہت مسرور ہے اس یقین پر کہ ساحرین مصر ان دونوں بھائیوں کو جلد ہی شکست دے دیں گے۔ تو جیسا کہ بازیگروں کا اب بھی دستور ہے کہ کرتب دکھانے سے پہلے بلانے والے سے اپنا صلہ و اجرت ٹھہرا لیتے ہیں۔ یہاں تو بلانے والا بادشاہ تھا اور کام بھی معمولی نہ تھا۔ اس لئے مقابلہ سے پہلے جادوگروں نے اپنا معاوضہ بشرط غلبہ طے کرنا چاہا اور فرعون سے اپنے انعام و اکرام کی درخواست پیش کی اور کہا کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمارا انعام ضرور بالضرور بڑا بھاری ہونا چاہئے۔ فرعون نے تو سمجھ ہی رکھا تھا کہ ساحروں کے جیتنے ہی پر موسیٰ (علیہ السلام) سے پیچھا چھٹنے کا دارومدار ہے اس لئے فوراً بولا کہ مال و دولت انعام و اکرام تو رہا الگ میں تم کو خاص اپنے مقرب مصاحبوں میں جگہ دوں گا اور تم میرے دربار میں خاص جگہ پاؤ گے۔ گویا مال اور عزت دونوں کا لالچ دیا۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ جادوگروں نے فرعون سے اجرت و معاوضہ کی جو درخواست کی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جادو کی حقیقت کچھ بھی ہو۔ اس سے کیفیات و احوال میں کچھ بھی تغیر ہو جاتا ہو۔ خوف و دہشت کے اس سے کیسے ہی مظاہرات نمودار ہو جاتے ہوں۔ اشیاء اپنی جگہوں سے زائل ہو جاتی ہوں اور لوگوں کی نظر میں کچھ سے کچھ نظر آتی ہوں۔ بہرحال کچھ بھی ہو مگر اشیاء کی جنس میں حقیقت میں انقلاب پیدا کر دینا جادوگر کے بس کی بات نہیں۔ کنکریوں کو سونے اور چاندی کی حقیقی جنس میں تبدیل کر دینا دائرہ جادو سے خارج ہے ورنہ جادوگر معاوضہ کی درخواست نہ کرتے اور سونے چاندی کے ڈھیر ان کے پاس موجود ہوتے۔ الغرض جب جادوگروں نے معاوضہ اور انعام و اکرام کی طرف سے اطمینان حاصل کر لیا تو مقابلہ کی تیاری شروع کی۔ سورۂ طٰہٰ سولہویں پارہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ تفصیلاً بیان ہو چکا ہے اور وہاں بتلایا گیا کہ قبل اس کے کہ مقابلہ شروع ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تبلیغ ادا فرماتے ہوئے مجمع کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہاری حالت پر سخت افسوس ہے تم کیا کر رہے ہو؟ تم ہم کو جادوگر سمجھ کر خدا پر الزام نہ لگاؤ۔ مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں وہ تم کو اس جھوٹ اور بہتان طرازی کی سزا میں عذاب دے کر تم کو جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکے کیونکہ جس کسی نے بہتان باندھا وہ نامراد ہی رہا۔ لوگوں نے یہ سنا تو آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ فرعونی درباریوں نے یہ حال دیکھا تو جادوگروں کو جو جمع تھے مخاطب کر کے کہنے لگے یہ دونوں بھائی بلاشبہ جادوگر ہیں یہ چاہتے ہیں کہ جادو کے زور سے تم کو تمہارے وطن سے نکال دیں اور تم پر غلبہ کر لیں لہٰذا تم اپنا کام شروع کرو اور صف باندھ کر موسیٰ کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ آج جو غالب آ جائے گا وہی کامیاب ثابت ہوگا۔ الغرض جادوگروں نے آگے بڑھ کر موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب اس گفت و شنید کے قصہ کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ ابتدا تمہاری جانب سے ہوگی یا ہماری جانب سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان پر اس تنبیہ کا بھی کچھ اثر نہیں ہوا تو فرمایا کہ

ابتدا تم ہی کرو اور اپنے کمال فن کی حسرت پوری طرح نکال لو اور جو کچھ تم وار کرنا چاہتے ہو کرو چنانچہ ساحروں نے اپنا کام شروع کیا اور اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں جو سانپوں کی شکل نظر آنے لگیں۔ حق کی طاقت سے چونکہ وہ ساحرین اس وقت تک نا آشنا تھے۔ اپنا حامی اور پشت پناہ فرعون ہی کو جانتے تھے اس لئے حملہ کرتے وقت بولے کہ فرعون کے اقبال کی قسم ہم ہی ضرور غالب آویں گے ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی۔ وہ قوت قہاری جو لاٹھی کا ظاہری جامہ پہنے ہوئے تھی فوراً ظہور پذیر ہوئی اور وہ لاٹھی ایک زبردست اژدہا بن گیا اور جادوگروں کے تمام شعبدوں کو نگلنا شروع کر دیا تھوڑی سی دیر میں سارا میدان صاف ہو گیا اور اس طرح ساحرین اپنے سحر میں ناکام رہے۔ اب جادوگروں نے جو کہ اپنے فن کے ماہر اور کامل تھے جب عصائے موسیٰ کا یہ کرشمہ دیکھا تو حقیقت حال سمجھ گئے اور وہ اس کو چھپا نہ سکے اور انہوں نے برسر مجلس یہ اقرار کر لیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل جادو سے بالاتر ہے اور اس کو سحر سے دور کا بھی واسطہ نہیں چنانچہ وہ اتنے متاثر ہوئے کہ وہیں سب سجدہ میں گر پڑے اور اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے کیونکہ وہی "رب العالمین" ہے۔ اس کی ہمہ گیر طاقت کو ہم نے مان لیا۔ اور اس کی الوہیت اور ربوبیت پر ہم ایمان لے آئے درحقیقت رب العالمین وہی ہے جس نے ان دونوں کو بھیجا ہے۔

اب فرعون نے جب یہ دیکھا تو اس کے غصہ اور غضب کا پارہ چڑھ گیا۔ شکست۔ رسوائی رسوا ہی۔ حکومت کا زوال ملک کی بغاوت اور موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی سب کی بھیانک تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر تو اس کا بس کچھ چلا نہیں۔ جادوگروں پر اس نے اپنے جس غیض وغضب کا اظہار کیا اور ان کو مخاطب ہو کر جو کہا سنا اور ان ساحرین نے جواب صاحب ایمان ہو چکے تھے جو فرعون کو جواب دیا وہ اگلی آیات میں ارشاد فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو ہر حال میں حق پر قائم رکھیں اور ہم کو وہ ایمانی جرأت وقوت عطا فرمائیں کہ جو ہم باطل سے کبھی خوف نہ کھائیں اور باطل کی طاغوتی قوت سے ہم کبھی مرعوب نہ ہوں۔ یا اللہ! آپ کی نصرت وامداد ہر حال میں ہمارے شامل حال ہو۔ اور تائید غیبی سے حق کو فتح مندی اور غلبہ اور شوکت نصیب ہو۔ اور کفر وشرک کو ذلت ورسوائی کے ساتھ مٹنا اور نیست ونابود ہونا نصیب ہو۔ یا اللہ! اس وقت روئے زمین پر جہاں جہاں باطل حق سے برسر پیکار ہے باطل کو یا اللہ اپنی قوت قہاری وجباری سے مٹنا نصیب ہو اور حق کو آپ کی تائید ونصرت سے غلبہ نصیب ہو۔ یا اللہ! باطل نے جو مادی قوت وطاقت حق کو مٹانے کے لئے جمع کر رکھی ہے یا اللہ باطل کی طاقت کو پاش پاش فرما دے۔ ان کے مکر وفریب کو انہیں پر پلٹ دے۔ یا اللہ! حق کی کامیابی کا دارومدار آپ ہی کی تائید اور نصرت پر موقوف ہے آپ ہی کی نصرت وامداد سے دنیا میں ہمیشہ حق کی سربلندی اور غلبہ نصیب ہوا ہے۔

یا اللہ! اس وقت جہاں جہاں حق بے سہارا ہے۔ اپنی قدرت ورحمت سے اس کو سہارا عطا فرما دے۔ اور باطل کو بے بس اور بے کس بنا دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ 31

فرعون کہنے لگا کہ ہاں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بدون اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں۔ضرور یہ تم سب کا اُستاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّآ

میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔انہوں نے جواب دیا کہ کچھ حرج نہیں ہم اپنے

اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۚ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ ع

مالک کے پاس جا پہنچیں گے۔ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کردے اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے ہیں۔

قَالَ (فرعون) نے کہا	اٰمَنْتُمْ لَهٗ تم ایمان لائے اس پر	قَبْلَ پہلے	اَنْ کہ میں	اٰذَنَ اجازت دوں	لَكُمْ تمہیں	اِنَّهٗ بیشک وہ
لَكَبِيْرُكُمْ البتہ بڑا ہے تمہارا	الَّذِيْ جس نے	عَلَّمَكُمُ سکھایا تمہیں	السِّحْرَ جادو	فَلَسَوْفَ پس جلد	تَعْلَمُوْنَ تم جان لو گے	
لَاُقَطِّعَنَّ البتہ میں ضرور کاٹ ڈالوں گا	اَيْدِيَكُمْ تمہارے ہاتھ	وَاَرْجُلَكُمْ اور تمہارے پاؤں	مِّنْ سے۔کے	خِلَافٍ ایک دوسرے کے خلاف کا		
وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اور ضرور تمہیں سولی دوں گا	اَجْمَعِيْنَ سب کو	قَالُوْا وہ بولے	لَا ضَيْرَ کچھ نقصان (حرج) نہیں	اِنَّآ بیشک ہم	اِلٰى رَبِّنَا اپنے رب کی طرف	
مُنْقَلِبُوْنَ لوٹ کر جانیوالے ہیں	اِنَّا نَطْمَعُ بیشک ہم امید رکھتے ہیں	اَنْ کہ	يَّغْفِرَ بخش دے	لَنَا ہمیں	رَبُّنَا ہمارا رب	خَطٰيٰنَآ ہماری خطائیں
	اَنْ كُنَّآ کہ ہم ہیں	اَوَّلَ پہلے	الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے			

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی بجائے جادوگروں سے آپ کا مقابلہ کرایا۔پھر اس مقابلہ کا جو انجام ہوا وہ بھی بیان ہو چکا وہی ساحر جو چند منٹ پہلے فرعون کی زبردست طاقت سے مرعوب۔اس کے حامی اور طرفدار اور اس کے حکم کی تعمیل کو حرز جان بنائے ہوئے تھے اور جو اپنے کرشموں کی کامیابی پر انعام و اکرام کا معاملہ طے کر رہے تھے وہی چند منٹ کے بعد عصائے موسوی کا معجزہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ انسانی کرشمہ سازی نہیں بلکہ کسی بہت ہی بلند قدرت کی کارفرمائی ہے اور اس سے ایسے متاثر ہوئے کہ وہیں فرعون کی موجودگی ہی میں علی الاعلان سب کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور تسلیم کر لیا کہ ہم کو رب العالمین کی قوت قہاری کا یقین ہے اور اس کی ہمہ گیر طاقت کو ہم نے مان لیا۔اس کی الوہیت اور ربوبیت پر ہم ایمان لے آئے۔درحقیقت رب العالمین وہی ہے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے اور جس نے ان دونوں کو بھیجا ہے۔

دیکھا آپ نے جب سچا ایمان کسی کو نصیب ہو جاتا ہے خواہ وہ ایک لمحہ ہی کا کیوں نہ ہو وہ ایسی بے پناہ روحانی قوت پیدا کر دیتا ہے کہ کوئی بڑی سے بڑی باطل طاقت بھی اس کو مرعوب نہیں کر سکتی۔وہی جادوگر جو فرعون سے تھوڑی دیر پہلے انعامات و اکرامات کی التجائیں کر رہے تھے ایمان لانے کے بعد ایسے نڈر اور بے خوف ہو گئے کہ کوئی دہشت بھی ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکی جیسا کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے۔الغرض فرعون نے جب یہ دیکھا کہ میرا تمام دام فریب تار تار ہو گیا اور موسیٰ (علیہ السلام) کو شکست دینے کی جو آخری پناہ تھی وہ بھی منہدم ہو گئی اب کہیں ایسا نہ ہو کہ مصری عوام بھی ہاتھ سے جائیں اور موسیٰ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں تو اس نے مکروفریب کا ایک

دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے فرعون ان ساحرین سے جواب ایمان لے آئے تھے کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ تم سب کا استاد ہے اور تم سب نے آپس میں سازش کر رکھی تھی کہ تم یوں کرنا ہم یوں کریں گے۔ تب ہی تو میری رعایا ہوتے ہوئے میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ کے خدا پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ اچھا میں تم کو ایسی عبرتناک سزا دوں گا تا کہ آئندہ کسی کو ایسی غداری کی جرأت نہ ہو۔ پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹوا دوں گا اور پھر سب کو سولی پر چڑھوا دوں گا۔ وہ ساحرین جو صاحب ایمان ہو چکے تھے اور دولت ایمان کے نشہ سے سرشار ہو گئے تھے انہوں نے فرعون کی ان دھمکیوں اور جابرانہ عذاب وعقاب کو ایک کھیل سے زیادہ نہ سمجھتے ہوئے نہایت بے باکانہ انداز میں جو جواب دیا اس کا کچھ حصہ تو ان آیات میں نقل فرمایا گیا ہے اور کچھ حصہ سورۂ طٰہٰ اور سورۂ اعراف وغیرہ میں بیان ہو چکا ہے۔

یہاں ان آیات میں جو حصہ ان کے جواب کا نقل فرمایا گیا ہے اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ ہم تیری سزا سے نہیں ڈرتے۔ جسمانی مصائب کا ہم کو کوئی ڈر نہیں اس زندگی کے ختم ہو جانے کی ہمیں کچھ پروا نہیں۔ ہم پر حق پوری طرح واضح ہو گیا ہمارا رب وہی ہے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ہمیں ہر صورت میں اسی کے پاس جانا ہے اور ایک نہ ایک دن اسی کے پاس پلٹنا بہر حال ضرور ہے۔ اب اگر تو قتل کر دے گا تو اس سے زیادہ کچھ نہ ہو گا کہ وہ دن جو کبھی آنا تھا آج آ جائے گا ہم کو وہاں جانا ہے اور انجام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہم تیرے ہاتھ سے مرے تو اور زیادہ سرخرو ہوں گے۔ ہم تو اپنے رب سے اب یہی امید رکھتے ہیں کہ وہ ہماری گذشتہ غلط کاریوں کو معاف کرے اور جو تو نے ہم سے یہ مقابلہ کرایا اس کا وبال خصوصاً ہم سے ٹال دے کیونکہ ہم اس کے رسولوں کی تبلیغ کے بعد اس مجمع میں بلکہ ملک بھر میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ان کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ جس رب کی نشانیوں کو مان لینے سے ہم تیری نگاہ میں مجرم ٹھہرے ہیں اسی رب سے ہماری دعا ہے کہ وہ تیری زیادتیوں اور سختیوں پر ہم کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور مرتے دم تک ایمان پر مستقیم رکھے۔

غرض حق و باطل کی اس کشمکش میں فرعون اور اس کے درباریوں کو سخت ذلت اٹھانی پڑی اور وہ بر سر عام ذلیل و رسوا ہوئے مگر پھر بھی حق کو تسلیم نہ کیا اور باطل پر جمے رہے۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کو تبلیغ فرماتے رہے۔ اب اس کے بعد سلسلہ کلام کی مناسبت سے آگے کے واقعات یہاں اس سورۃ میں چھوڑ دیئے گئے ہیں اور جب کچھ عرصہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے معہ بنی اسرائیل کے راتوں رات ہجرت کر جانے کا حکم ملا وہاں سے پھر حالات اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو بھی ایسا سچا اور پکا ایمان نصیب فرما دیں کہ ہم کسی حال میں راہ مستقیم سے نہ ڈگمگائیں اور کسی آن میں اللہ ورسول کی تابعداری سے نہ ہٹیں۔ اور کسی معاملہ میں شریعت مطہرہ کے خلاف نہ کریں۔ جو احکام الٰہیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وہدایات ہمیں پہنچیں ہم ان پر لبیک کہہ کر دل وجان سے ان پر عمل پیرا ہو جانے والے ہوں۔ اسی پر تا زندگی قائم رہیں اور اسی پر ہمارا خاتمہ ہو۔ یا اللہ آج جو اہل حق اہل باطل کے ظلم وستم سے دبے ہوئے ہیں۔ ان کو ایمان قوی عطا فرما دے۔ اہل باطل سے مقابلہ کی قوت وطاقت اہل حق کو عطا فرما دے۔ یا اللہ موت کا خوف اور ڈر ہمارے دلوں سے قوی ایمان اور اپنی ذات سے صحیح تعلق عطا فرما کر نکال دے اور باطل کے مقابلہ کے لئے ہماری تائید اور نصرت فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ

اور ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ میرے بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ تم لوگوں کا تعاقب کیا جاوے گا۔ فرعون نے شہروں میں چپڑاسی دوڑا دیئے

حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ

کہ یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہے۔ اور انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے۔ اور ہم سب ایک مسلح جماعت ہیں۔

حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ

غرض ہم نے اُن کو باغوں سے اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ مکانات سے نکال باہر کیا۔ (ہم نے اُن کے ساتھ تو) یوں کیا

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

اور دوسری طرف بنی اسرائیل کو ہم نے یہی نعمتیں عطا کردیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اور ہم نے وحی کی	اِلٰى طرف	مُوْسٰٓى موسیٰ	اَنْ اَسْرِ کہ تو راتوں رات لے نکل	بِعِبَادِيْٓ میرے بندوں کو	اِنَّكُمْ بیشک تم	
مُّتَّبَعُوْنَ پیچھا کئے جاؤ گے	فَاَرْسَلَ پس بھیجا	فِرْعَوْنُ فرعون نے	فِي الْمَدَآئِنِ شہروں میں	حٰشِرِيْنَ اکٹھا کرنے والے (نقیب)	اِنَّ بیشک	
هٰٓؤُلَآءِ یہ لوگ ہیں	لَشِرْذِمَةٌ ایک جماعت	قَلِيْلُوْنَ تھوڑی سی	وَاِنَّهُمْ اور بیشک وہ	لَنَا ہمیں	لَغَآئِظُوْنَ غصہ میں لانے والے ہیں	
وَاِنَّا اور بیشک ہم	لَجَمِيْعٌ ایک جماعت	حٰذِرُوْنَ مسلح محتاط	فَاَخْرَجْنٰهُمْ پس ہم نے انہیں نکالا	مِّنْ سے	جَنّٰتٍ باغات	وَّعُيُوْنٍ اور چشمے
وَّكُنُوْزٍ اور خزانے	وَّمَقَامٍ اور ٹھکانے	كَرِيْمٍ عمدہ	كَذٰلِكَ اسی طرح	وَاَوْرَثْنٰهَا اور ہم نے وارث بنایا ان کا	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ فرعون۔ اس کے درباریوں اور اس کی قوم کے عوام الناس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی دیکھے اور جادوگروں سے مقابلہ کرا کر ذلت و رسوائی بھی اٹھائی مگر پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر نہ مانا بلکہ حق سے اور زیادہ عناد و بغض بڑھ گیا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام برابر فرعونیوں کو تبلیغ فرماتے رہے اور بنی اسرائیل کو آزاد و رہا کرنے کا مطالبہ بھی فرماتے رہے۔ بالآخر درباریوں اور ارکان سلطنت نے فرعون سے احتجاج کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کیوں نہیں کرا دیا جاتا۔ کیا اس کو اور اس کی قوم کو موقع دیا جا رہا ہے کہ وہ مصر میں فساد پھیلائیں؟ اور تجھ کو ٹھکراتے رہیں؟ تو جیسا کہ سورۂ اعراف نویں پارہ میں بیان ہوا فرعون نے درباریوں سے کہا کہ میں مصر میں اسرائیلیوں کی طاقت بڑھنے ہی نہ دوں گا اور مقابلہ کے قابل ہی نہ رکھوں گا۔ ابھی یہ حکم جاری کرتا ہوں کہ ان کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا کرو اور صرف لڑکیوں کو خدمت گزاری کے لئے زندہ چھوڑ دیا کرو۔ گویا یہ فرعون کا دوسرا اعلان تھا جو بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل سے متعلق کیا گیا اس سے پہلے مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی تو ایک خواب اور اس کی تعبیر کی بنا پر اسرائیلی لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیئے جانے کا حکم دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک عرصہ تک رشد و ہدایت کا فرعون اور اس کے سرداروں پر مطلق اثر نہ ہوا اور معدودے چند کے سوائے عام مصریوں نے بھی دعوت حق کو قبول نہ کیا تو اب یکے

بعد دیگرے فرعونیوں پر عذاب الٰہی آنے لگے۔ یہ دیکھ کر فرعون اوراس کی قوم نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ جب عذاب الٰہی کسی ایک شکل میں ظاہر ہوتا تو فرعون اور قوم فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرنے لگتی کہ اچھا ہم ایمان لے آئیں گے تم اپنے خدا سے دعا کرو کہ یہ عذاب جاتا رہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وہ عذاب دور ہوجاتا تو پھر سرکشی اور نافرمانی پر اتر آتے۔ پھر عذاب جب دوسری شکل میں آتا تو کہتے کہ اچھا ہم بنی اسرائیل کو آزاد کر کے تمہارے ساتھ روانہ کردیں گے دعا کرو کہ یہ عذاب دفع ہوجائے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کو پھر مہلت دی جاتی اور عذاب دفع ہوجاتا تو پھر اسی طرح مخالفت پر کمربستہ ہوجاتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف قسم کے نشانات ظاہر ہوئے کبھی طوفان آئے۔ کبھی قحط سالی ہوئی۔ کبھی ٹڈیوں کے دل آئے۔ کبھی چیچڑیوں کے پیدا ہوجانے کا عذاب آیا۔ کبھی مینڈکوں کا تمام مصر میں پھیل جانے کی مصیبت آئی۔ کبھی پانی کا خون ہوجانا ظاہر ہوا۔ مگر فرعون اور قوم فرعون نے اس بار بار کی مہلت مل جانے کو بھی ایک مذاق بنالیا ان تمام واقعات کا ذکر سورۂ اعراف اور قرآن پاک کی دوسری سورتوں میں جگہ بجگہ آیا ہے مگر یہاں اس سورۃ میں کئی سال کے ان تمام واقعات کو جو ساحرین کے مقابلہ کے بعد ظہور پذیر ہوئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ بالآخر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مع بنی اسرائیل کے راتوں رات مصر سے چپ چاپ نکل جانے کا حکم خداوندی ملا تو اس سے آگے واقعات کو ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں اس سورۃ میں سلسلۂ کلام کی مناسبت سے چونکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جس فرعون نے صریح نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود یہ ہٹ دھرمی دکھائی تھی اس کا انجام آخرکار کیا ہوا اور جس کی پشت پر اللہ تعالیٰ کی طاقت تھی وہ کس طرح کامیابی سے ہمکنار ہوئے اس لئے فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کشمکش کے ابتدائی واقعات ذکر کرنے کے بعد اب قصہ مختصر کر کے آخری منظر دکھایا جارہا ہے۔

چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے باہر نکال لے جاؤ۔ فرعون مع فوج کے تمہارے پیچھے آئے گا مگر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ حسب الحکم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خفیہ مشورہ کیا اور تمام بنی اسرائیل کے قبائل کے سرداروں کو حکم الٰہی سے آگاہ کیا۔ سب تیار ہوگئے اور ایک رات اس کام کے لئے مقرر ہوگئی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے رات کو چل دیئے۔ ادھر رات گزرنے پر فرعونیوں کی جو آنکھ کھلی تو چوکیدار غلام نوکر چاکر کوئی نہیں سخت پیچ وتاب کھانے لگے اور مارے غصہ کے سرخ ہوگئے۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ بنی اسرائیل رات ہی رات میں سب فرار ہوگئے تو فرعون نے تعاقب اور پیچھا کرنے کے لئے تدبیر کی اور جابجا آس پاس کے شہروں میں چپڑاسی دوڑا دیئے اور کہلا بھیجا کہ یہ بنی اسرائیل ہماری نسبت تھوڑی سی جماعت ہے اوران کی اس حرکت نے کہ جو یہ خفیہ چالاکی سے نکل گئے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے ہم ہتھیار بند ہیں میں ارادہ کرچکا ہوں۔ کہ اب انہیں اپنی اس سرکشی کا مزہ چکھادوں اوران سب کو ایک ساتھ گھیر گھار کر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دوں غرض کہ فرعون نے ضروری سامان اور فوج کو جمع کیا اور تمام لاؤلشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چلا اور یہ خبر نہ تھی کہ اب لوٹنا نصیب نہ ہوگا اور معہ اپنی قوم اور لاؤلشکر کے بیک وقت ہلاک ہونا ہے۔

آگے باری تعالیٰ کا ارشاد بطور جملہ معترضہ کے ہے کہ یہ فرعونی اپنی طاقت اور کثرت کے گھمنڈ پر بنی اسرائیل کے تعاقب میں

نکل کھڑے ہوئے اس بہانے ہم نے انہیں ان کے باغات سے چشموں اور نہروں سے خزانوں اور بارونق مکانوں سے خارج کیا اور وہ اپنے محلات، باغات، تخت و تاج اور جاہ و مال سب چھوڑ کر بنی اسرائیل کے پکڑنے کو نکلے۔ اور بالآخر جیسا کہ اگلی آیات میں بتلایا گیا یہ سب سمندر میں غرق ہو کر ہلاک ہوئے گویا اس تدبیر سے اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو اپنی سرزمین سلطنت سے نکال کر باہر کیا۔ اور بنی اسرائیل کو جو آج تک پست اور نادار تھے ان کو ملک شام اور فلسطین میں اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی عمدہ باغات۔ چشمے اور خزانے عطا کئے۔ یہاں آیت میں واورثنها بنی اسرائیل اور ہم نے ان تمام چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنادیا اس کے مطلب بعض مفسرین یہ بھی بیان کئے ہیں کہ ایک مدت بعد جب سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ملک مصر بنی اسرائیل کی سلطنت میں شامل ہوا تو یہ سب چیزیں یعنی مصر کے باغات چشمے اور خزانہ اور عمدہ مکانات یہ سب بنی اسرائیل کے ہاتھ لگے۔

یہ تو بیچ میں جملہ معترضہ تھا۔ اب آگے فرعون کے تعاقب کرنے اور بنی اسرائیل کے پاس پہنچ جانے اور بنی اسرائیل کو فرعون کی گرفت سے بچالینے اور فرعون اور اس کے تمام لاؤ لشکر کو سمندر میں غرق ہو کر ہلاک ہو جانے کے واقعات کو اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں نافرمان قوموں سے عبرت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرمائیں اور ہم کو اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی سے کامل طور پر بچاویں۔

اس دنیوی زندگی میں کفار و مشرکین کو جو عیش و آرام ملے ہوئے ہیں وہ ان کے لئے وبال جان ثابت ہوں اور ہمیں جو اللہ پاک نے زندگی کا سامان دیا ہے وہ ہمارے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضیات حاصل کرنے کا ذریعہ بنے۔

اے اللہ جیسے آپ کی خفیہ تدبیر نے فرعونیوں کو ہلاک کیا اے اللہ اپنی اسی قدرت اور تدبیر سے آج بھی مخالفین اسلام حقیقی اور اعدائے دین کو تہ و بالا فرمادے۔ ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسادے۔ اور ان کی شرارتیں اور تدبیریں سب ملیامیٹ فرمادے۔ اور ان کی چالیں ان ہی کی ہلاکت کا سبب بنادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ

غرض سورج نکلنے کے وقت اُن کو پیچھے سے جالیا۔ پھر جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ کے ہمراہی کہنے لگے کہ بس ہم تو اُن کے ہاتھ آ گئے۔

كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ

موسیٰ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھ کو ابھی راستہ بتلا دیگا پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو سمندر پر مارو

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا

چنانچہ (اُنہوں نے اس پر عصا مارا جس سے) وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا (بڑا) تھا جیسا بڑا پہاڑ۔ اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس موقع کے قریب پہنچا دیا۔

مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ

اور ہم نے موسیٰ کو اور اُن کے ساتھ والوں کو سب کو بچالیا۔ پھر دوسروں کو غرق کردیا۔ اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے،

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾

اور ان (کفار) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور آپ کا رب بڑا زبردست ہے بڑا مہربان ہے۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ پس انہوں نے پیچھا کیا ان کا	مُّشْرِقِيْنَ سورج نکلتے	فَلَمَّا پس جب	تَرَآءَ دیکھا ایک دوسرے کو	الْجَمْعٰنِ دونوں جماعتیں			
قَالَ کہا (کہنے لگے)	اَصْحٰبُ مُوْسٰى موسیٰ کے ساتھی	اِنَّا یقیناً ہم	لَمُدْرَكُوْنَ پکڑ لئے گئے	قَالَ كَلَّا اس نے کہا ہرگز نہیں	اِنَّ بیشک		
مَعِيَ میرے ساتھ	رَبِّيْ میرا رب	سَيَهْدِيْنِ وہ جلد مجھے راہ دکھائے گا	فَاَوْحَيْنَآ پس ہم نے وحی بھیجی	اِلٰى طرف	مُوْسٰى موسیٰ		
اَنْ کہ	اضْرِبْ تو مار	بِّعَصَاكَ اپنا عصا	الْبَحْرَ دریا	فَانْفَلَقَ تو وہ پھٹ گیا	فَكَانَ پس ہوگیا	كُلُّ فِرْقٍ ہر حصہ	كَالطَّوْدِ پہاڑ کی طرح
الْعَظِيْمِ بڑے	وَاَزْلَفْنَا پھر ہم نے قریب کردیا	ثَمَّ اس جگہ	الْاٰخَرِيْنَ دوسروں کو	وَاَنْجَيْنَا اور ہم نے بچالیا	مُوْسٰى موسیٰ		
وَمَنْ اور جو	مَّعَهٗ اس کے ساتھ	اَجْمَعِيْنَ سب	ثُمَّ پھر	اَغْرَقْنَا ہم نے غرق کردیا	الْاٰخَرِيْنَ دوسروں کو	اِنَّ بیشک	
فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَمَا اور نہ	كَانَ تھے	اَكْثَرُهُمْ ان سے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	وَاِنَّ اور بیشک	
	رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں میں تبلیغ کرتے کرتے ایک عرصہ گزر گیا اور اس زمانہ میں خدا کی نشانیاں اور دلیلیں ان پر واضح کردیں لیکن ان کا سر نیچا نہ ہوا۔ نہ ان کا تکبر ٹوٹا اور نہ ان کی بد دماغی میں کوئی فرق آیا تو سوائے اس کے کوئی بات باقی نہ رہی کہ ان پر ہلاکت کا عذاب آئے اور وہ غارت ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم خداوندی ملا کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتعمیل حکم خداوندی میں مصر سے بمعہ تمام بنی اسرائیل مرد وزن کے ایک رات ہجرت فرمائی۔ مصر سے فلسطین وشام جانے کے دو راستے تھے۔ ایک خشکی کا راستہ اور وہ قریب کا راستہ تھا۔ اور دوسرا پانی کا راستہ یعنی بحر قلزم کو عبور کر کے جزیرہ نما سینا یا وادئ تیہ کے راہ سے اور یہ دور کا راستہ تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ یہی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خشکی کی

نزدیک کی راہ چھوڑ کر دور کی راہ اختیار کریں اور بحر قلزم کو پار کر کے جائیں۔ ادھر فرعون اپنے تمام لاؤ لشکر اور رعایا کو لے کر بڑے طمطراق اور کروفر سے بنی اسرائیل کو تہس نہس کرنے کے ارادہ سے ان کے تعاقب کو نکلا چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ طلوع آفتاب کا وقت تھا کہ فرعونی بنی اسرائیل کے قریب جا پہنچے۔ اس وقت تک بنی اسرائیل بحر قلزم کے کنارہ تک پہنچ چکے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام قافلہ کے آگے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے۔ اب فرعونی لشکر بنی اسرائیل کو نظر آ رہا تھا اور بنی اسرائیل کو فرعونی دیکھ رہے تھے۔ بنی اسرائیل بحر قلزم کے کنارہ پہنچ کر متحیر ہو کر کھڑے ہو گئے اور جب دیکھا کہ فرعون کا لشکر قریب آ پہنچا ہے تو اس وقت مضطرب ہو کر کہنے لگے کہ بتلایئے اب ہم کیا کریں۔ آگے سمندر کا پانی ہے اور پیچھے فرعون کا ٹڈی دل لشکر۔ ظاہر ہے کہ نبی اور غیر نبی کا ایمان یکساں نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت ٹھنڈے دل سے جواب دیا کہ گھبراؤ نہیں۔ تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچ سکتی۔ خدا کا وعدہ سچا ہے وہ تم کو نجات دے گا اور تم ہی کامیاب ہو گے۔ میں اپنی رائے سے لے کر تمہیں نہیں نکلا بلکہ احکم الحاکمین کے حکم سے تمہیں لے کر چلا ہوں۔ وہ وعدہ خلاف نہیں۔ پھر آپ درگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوئے۔ اسی وقت وحی الٰہی نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنی لاٹھی کو پانی پر ماریں اور پھر قدرت کا کرشمہ دیکھیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد میں پانی پر لاٹھی ماری۔ بس اسی وقت پانی پھٹ گیا اور بیچ میں صاف راستے نظر آنے لگے اور آس پاس پانی بطور پہاڑ کے کھڑا ہو گیا۔ سمندر میں ۱۲ راستہ نکل آئے اور بنی اسرائیل کے قبائل بھی ۱۲ ہی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے تمام بنی اسرائیل اس میں اتر گئے اور خشک زمین کی طرح اس سے پار ہو گئے۔ جب بنی اسرائیل نے بحر قلزم کو پار کر کے دوسری جانب خشکی پر قدم رکھا تو فرعون مع اپنے لشکر کے سمندر کے کنارہ پہنچا اور فرعون نے یہ دیکھ کر کہ سمندر میں راستے بنے ہوئے ہیں اپنی قوم اور لشکر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "دیکھا یہ میری کرشمہ سازی ہے کہ بنی اسرائیل کو تم جا پکڑو للہذا بڑھے چلو۔" فرعون اور اس کا تمام لشکر بنی اسرائیل کے پیچھے انہیں راستوں پر ہو لئے فرعون اور اس کا تمام لشکر جو ابھی درمیان ہی میں تھا کہ پانی بحکم خداوندی اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور فرعون اور اس کا تمام لشکر بحر قلزم کے درمیان ہی میں غرق ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی نجات اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کی غرقابی و ہلاکت بیان فرما کر اس قصہ کو انہی آیات پر ختم فرمایا جاتا ہے۔ جن پر پہلا رکوع ختم فرمایا گیا تھا یعنی ان فی ذٰلک لاٰیۃ وماکان اکثرھم مؤمنین. وان ربک لھو العزیز الرحیم۔ اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اور اس قابل ہے کہ کفار اس سے استدلال کریں کہ اللہ کے احکام کی نافرمانی اور اس کے رسول کی مخالفت موجب عذاب خداوندی ہے مگر باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور آپ کا رب بڑا زبردست ہے اگر چاہتا تو ان کی تکذیب اور نافرمانی پر فوراً ہلاک کر دیتا لیکن بڑا مہربان بھی ہے اس لئے اپنی رحمت عامہ سے ابھی مہلت دے رکھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جیسا اس سورۃ کے ابتدائی درس میں عرض کیا گیا تھا کہ اس سورۃ کا زمانہ نزول وہ وقت تھا جبکہ مسلمانوں پر کفار مکہ کا ہجوم تھا اور اہل اسلام کو ہر طرح کے شدائد و آلام اور مصائب و سختیاں کفار کی برداشت کرنا پڑ رہی تھیں ایسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور آپ کی قوم کے حالات بیان فرما کر ایک طرف تو اہل ایمان کو صبر و پامردی اور استقامت کی تلقین فرمائی گئی اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی کہ ظلم۔ اور باطل اور ناحق کی طاقتیں خواہ بظاہر کیسی ہی چھائی ہوئی نظر آتی ہوں آخر کار اللہ تعالیٰ کی مدد سے حق کا یوں بول بالا ہوتا ہے اور باطل کس طرح سرنگوں ہو کر رہتا ہے۔ دوسری طرف کفار مکہ کیلئے اس میں سبق ہے کہ کس طرح ہٹ دھرم لوگ کھلے کھلے معجزات و نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان لانے سے انکار ہی کئے جاتے ہیں اور پھر اس ہٹ دھرمی کا انجام کیسا دردناک ہوتا ہے۔ فرعون اور اس کی قوم نے سالہا سال تک جو قدرت کی نشانیاں دیکھیں وہ ان کو نظر انداز ہی کرتے رہے۔ بالآخر خدا کے عذاب سے ہلاک ہو کر فنا ہو گئے۔

اب آگے دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿۶۹﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿۷۰﴾ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا

اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کیجئے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔

فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿۷۲﴾ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ

انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کیا کرتے ہیں ہم ان ہی (کی عبادت) پر جمے بیٹھے رہتے ہیں۔ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم ان کو پکارا کرتے ہو۔ یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں

يَضُرُّونَ ﴿۷۳﴾ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۷۴﴾ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿۷۵﴾

یا یہ تم کو کچھ ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ بھلا تم نے ان کو دیکھا بھی جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو۔

أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ﴿۷۶﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۷۷﴾ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ

تم بھی اور تمہارے پُرانے بڑے بھی۔ میرے یہ سب دشمن ہیں بجز ایک رب العالمین کے۔ جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو

يَهْدِينِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿۷۹﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِي

رہنمائی کرتا ہے۔ اور جو کہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار ہوجاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔ اور جو مجھ کو

يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿۸۲﴾

موت دے گا پھر مجھ کو زندہ کرے گا۔ اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری خطاؤں کو قیامت کے روز معاف کردے گا۔

وَاتْلُ اور آپ پڑھیں	عَلَيْهِمْ ان پر۔ انہیں	نَبَأَ خبر۔ واقعہ	إِبْرَاهِيمَ ابراہیم	إِذْ جب	قَالَ اس نے کہا	لِأَبِيهِ اپنے باپ کو	وَقَوْمِهِ اور اپنی قوم
مَا کیا۔ کس	تَعْبُدُونَ تم پرستش کرتے ہو	قَالُوا انہوں نے کہا	نَعْبُدُ ہم پرستش کرتے ہیں	أَصْنَامًا بتوں کی	فَنَظَلُّ لَهَا پس ہم بیٹھے رہتے ہیں انکے پاس		
عَاكِفِينَ جمے ہوئے	قَالَ اس نے کہا	هَلْ کیا	يَسْمَعُونَكُمْ وہ سنتے ہیں تمہاری	إِذْ جب	تَدْعُونَ تم پکارتے ہو		
أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ یا وہ نفع پہنچاتے ہیں تمہیں	أَوْ يَضُرُّونَ یا وہ نقصان پہنچاتے ہیں	قَالُوا وہ بولے	بَلْ بلکہ	وَجَدْنَا ہم نے پایا	آبَاءَنَا اپنے باپ دادا		
كَذَٰلِكَ اسی طرح	يَفْعَلُونَ وہ کرتے	قَالَ ابراہیمؑ نے کہا	أَفَرَأَيْتُمْ کیا پس تم نے دیکھا	مَا کس	كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ تم پرستش کرتے ہو		
أَنْتُمْ تم	وَآبَاؤُكُمُ اور تمہارے باپ دادا	الْأَقْدَمُونَ پہلے	فَإِنَّهُمْ تو بیشک وہ	عَدُوٌّ لِي میرے دشمن	إِلَّا مگر	رَبَّ الْعَالَمِينَ سارے جہانوں کا رب	
الَّذِي وہ جس نے	خَلَقَنِي مجھے پیدا کیا	فَهُوَ پس وہ	يَهْدِينِ مجھے راہ دکھاتا ہے	وَالَّذِي اور وہ جو	هُوَ وہ	يُطْعِمُنِي مجھے کھلاتا ہے	
وَيَسْقِينِ اور مجھے پلاتا ہے	وَإِذَا اور جب	مَرِضْتُ میں بیمار ہوتا ہوں	فَهُوَ تو وہ	يَشْفِينِ مجھے شفا دیتا ہے	وَالَّذِي اور وہ جو		
يُمِيتُنِي مجھے موت دے گا	ثُمَّ پھر	يُحْيِينِ مجھے زندہ کرے گا	وَالَّذِي اور وہ جس سے	أَطْمَعُ میں امید رکھتا ہوں	أَنْ يَغْفِرَ لِي کہ مجھے بخش دے گا		
خَطِيئَتِي میری خطائیں	يَوْمَ الدِّينِ بدلہ کے دن						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا قصہ بیان فرمایا گیا تھا اب دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ یہاں اس سورۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیاۃ طیبہ کے اس دور کا قصہ بیان ہوا ہے جبکہ نبوت سے

سرفراز ہونے کے بعد شرک و توحید کے مسئلہ پر آپ کی اپنے خاندان اور اپنی قوم سے کشمکش شروع ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات و حالات قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان فرمائے گئے ہیں۔ قرآن کریم جو بار بار آپ کا ذکر سامنے لاتا ہے اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ عرب کے لوگ عموماً اور قریش مکہ خصوصاً اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرو سمجھتے اور یہ دعویٰ رکھتے تھے کہ ملت ابراہیمی ہی ان کا مذہب ہے۔ مشرکین عرب کے علاوہ یہود و نصاریٰ کا بھی یہی دعویٰ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین کے پیشوا ہیں۔ اس پر قرآن مجید جگہ جگہ ان لوگوں کو متنبہ کرتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جو دین لے کر آئے تھے وہ یہی خالص دین اسلام تھا جسے نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس دین سے تم برسر پیکار ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے بلکہ ان کی ساری لڑائی شرک ہی کے خلاف تھی اور اسی شرک کی مذمت کی بدولت انہیں اپنے باپ۔ خاندان۔ قوم وطن سب کو چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی۔ اس طرح یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات سنا کر ایک طرف تو مکہ کے کافروں اور مشرکوں کو تنبیہ فرمائی گئی کہ توحید کی تعلیم۔ نبوت کا دعویٰ۔ آخرت کا یقین۔ حشر و نشر۔ عذاب و ثواب۔ جزا و سزا کا اقرار بت پرستی سے نفرت اور ایک واحد ذوالجلال والاکرام کی بندگی و عبادت کوئی نئی بات نہیں۔ تمہارے مورث اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا ان کی بھی یہی تعلیم تھی وہ بھی غیر اللہ کی پرستش سے روگرداں تھے۔ انہوں نے بھی نفع نقصان اور موت وحیاۃ کا مالک ایک خدا ہی کو سمجھا تھا پھر تم کیوں انکی تعلیم سے گردن کشی کرتے ہو اور کیوں ان کے طریقہ پر چلنے والوں کی رہنمائی کا انکار کرتے ہو۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے متبعین کو تسلی دینی مقصود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی کفار کی مخالفت یہاں تک کہ اپنے باپ کی بھی مخالفت برداشت کرنا پڑی۔ تمام شدائد کو استقامت سے برداشت کیا اور اعدائے دین سے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بالآخر کامیاب ہوئے۔ اسی طرح اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار مکہ کی مخالفت سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ حق کی مخالفت ہمیشہ سے کافروں کا شیوہ رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بابل اور اس کے اطراف میں تھی۔ موجودہ جغرافیہ میں اسی جگہ کا نام ملک عراق ہے۔ وہ لوگ صابی مذہب رکھتے تھے جو ستاروں اور دیگر نورانی اور آسمانی چیزوں کی پرستش کیا کرتے تھے پھر اپنے معبودوں کے نام سے طرح طرح کی مورتیں بنا رکھی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ ان کی قوم بتوں کو پوجتی ہے مگر کافروں کو لاجواب اور شرمندہ کرنے اور شرک کی مذمت ظاہر کرنے اور بتوں کی طرف سے ان کی توجہ و عقیدت کو پھیرنے کے لئے آپ نے اپنے والد۔ چچا۔ خاندان اور قوم کے لوگوں سے پوچھا اور استفسار کیا جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تم لوگ یہ کیا پوجا پاٹ کرتے ہو؟ تو قوم والے جو بت پرستی میں بہت پختہ تھے کہنے لگے کہ تم ہمارے معبودوں کو جانتے نہیں جو ایسی تحقیر سے سوال کر رہے ہو۔ ہم ان مورتوں کو پوجتے ہیں اور اس قدر وقعت اور عقیدت ہمارے دل میں ہے کہ دن بھر آسن جما کر انہیں کو لگے بیٹھے رہتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم ان کی پرستش اور خدمت کس غرض سے کرتے ہو؟ کیا یہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں؟ یا تمہارا نفع نقصان ان سے وابستہ ہے کہ پوجنے پر کچھ نفع یا نہ پوجنے کی صورت میں کچھ نقصان پہنچا سکیں؟ کیا یہ تمہاری کارسازی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں تو بلاوجہ ان کے آگے ماتھا ٹیکنا اور خدمت گزاری کرنا حماقت ہے جب یہ مورتیں خود بے جان اور مجبور ہیں کہ جو اپنے

اوپر سے مکھی تک نہ اڑا سکیں وہ دوسرے کو کیا نفع ونقصان پہنچا سکیں گی۔ پھر ایسی عاجز۔ بے جان اور بے عقل چیز کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ اس کے جواب میں خاندان اور قوم کے لوگوں نے کہا کہ ان منطقی بحثوں اور کٹ حجتیوں کو ہم نہیں جانتے۔ نہ ہماری عقیدت اور پرستش کا مدار ان باتوں پر ہے۔ بس سو دلیلوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم ان کے پیرو ہیں کیا ہم ان سب کو احمق سمجھ لیں۔ ہمارے بڑے اس فعل کو اچھا جانتے تھے۔ ہماری پیروی کے لئے اتنا کافی ہے۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کبھی تم نے آنکھیں کھول کر ان چیزوں کو دیکھا بھی جن کی بندگی اور پرستش تم اور تمہارے باپ دادا بجالاتے رہے؟ کیا کسی دین کی صداقت کے لئے بس یہ دلیل کافی ہے کہ وہ باپ دادا کے وقتوں سے چلا آ رہا ہے؟ جس کے اختیار اور قبضہ میں ذرہ برابر نفع ونقصان نہ ہو اس کی بندگی وعبادت کیسی؟ تو سنو میں بے خوف وخطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں سے میری لڑائی ہے۔ میں انکی گت بنا کر رہوں گا۔ اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔ میرے تو یہ سب کے سب دشمن ہیں میں ان سے کوئی سروکار نہیں رکھتا میں تو اس ایک کے سامنے سر جھکاتا ہوں اور اسی کی بندگی اور عبادت کرتا ہوں جو رب العالمین ہے یعنی سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام رب العالمین کی صفات انہیں سمجھاتے ہیں کہ وہ ایسی بڑی قدرت والا ہے کہ اس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے فلاح دارین کی راہ دکھاتا اور اعلیٰ درجہ کے فوائد ومنافع کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کھلانا۔ پلانا۔ مارنا جلانا اور بیماری سے اچھا کرنا سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو میری شفا پر بجز اس خدا کے اور کوئی قادر نہیں دوا میں تاثیر پیدا کرنا اسی کے بس کی چیز ہے۔ پھر جب میرا وقت آ جائے گا اور اس دنیا میں میری عمر ختم ہو جائے گی تو مجھے موت دے گا اور حشر کے روز پھر مجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ جس دن وہ اپنے بندوں کے اعمال کا جائزہ لے کر ان کی بابت اپنے فیصلہ صادر فرمائے گا تو اپنی رحمت سے میری خطاؤں کو معاف کر دے گا اور میری لغزشوں سے درگزر فرمائے گا۔ میں تو ان اوصاف والے رب کا عابد ہوں اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تمام تر صفات اس لئے سنائیں کہ قوم کو خدائے تعالیٰ کی عبادت کی رغبت ہو اور شرک سے نکل کر توحید کو اختیار کریں۔ مگر بدبخت قوم بت پرستی پر جمی رہی اور آپ کی دعوت حق کو قبول نہ کیا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے آبائی وطن سے ہجرت کرنی پڑی۔ اور اس وقت آپ نے حق تعالیٰ سے کیا دعا مانگی یہ اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے شرک وکفر سے ہم کو بچا کر اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ یا اللہ! ہمیں اس نعمت عظمیٰ کے قدر اور اس کی صحیح شکر گزاری کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! ہمیں بھی توحید کامل نصیب فرما تا کہ ہم آپ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار بندے بن کر زندہ رہیں آپ ہی کو اپنا حقیقی کارساز سمجھنے اور حاجت روا ہونے کا ہم کو یقین نصیب فرما۔ اور اس دنیا کی زندگی میں ہم سے جو تقصیرات سرزد ہوئی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرما اور قیامت میں اپنی مغفرت کاملہ ہم سب کو نصیب فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾

اے میرے پروردگار مجھ کو حکمت عطا فرما اور مجھ کو نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما۔ اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ۔ اور مجھ کو جنت النعیم کے مستحقین میں سے کر

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ

اور میرے باپ کی مغفرت فرما کہ وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ اور جس روز سب زندہ ہو کر اٹھیں گے اُس روز مجھ کو رسوا نہ کرنا۔ جس دن میں کہ نہ مال کام

يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزْلِفَتِ

آوے گا اور نہ اولاد۔ مگر ہاں جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آوے گا۔ اور خداترسوں کیلئے جنت نزدیک کردی جاوے گی۔

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ

اور گمراہوں کیلئے دوزخ سامنے ظاہر کی جاوے گی۔ اور اُن سے کہا جاوے گا کہ وہ معبود کہاں گئے جن کی تم خدا کے سوا عبادت کیا کرتے تھے۔

دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغٰوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾

کیا وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں یا اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں پھر وہ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر۔ سب کے سب دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جاویں گے۔

رَبِّ اے میرے رب	هَبْ لِيْ مجھے عطا کر	حُكْمًا حکم۔حکمت	وَاَلْحِقْنِيْ اور مجھے ملا دے	بِالصّٰلِحِيْنَ نیک بندوں کیساتھ	وَاجْعَلْ اور کر			
لِيْ لِسَانَ میرے لئے۔میرا ذکر	صِدْقٍ اچھا۔خیر	فِي الْاٰخِرِيْنَ بعد میں آنیوالوں میں	وَاجْعَلْنِيْ اور تو مجھے بنادے	مِنْ وَّرَثَةِ وارثوں میں سے				
جَنَّةِ بہشت	النَّعِيْمِ نعمتوں والی	وَاغْفِرْ اور بخش دے	لِاَبِيْ میرے باپ کو	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ وہ ہے	مِنَ سے	الضَّآلِّيْنَ گمراہ	وَ اور
لَا تُخْزِنِيْ مجھے رسوا نہ کرنا	يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ جس دن سب اٹھائے جائیں گے	يَوْمَ جس دن	لَا يَنْفَعُ نہ کام آئے گا	مَالٌ مال	وَلَا اور نہ	بَنُوْنَ بیٹے		
اِلَّا مگر	مَنْ جو	اَتَى اللّٰهَ اللہ کے پاس آیا	بِقَلْبٍ دل	سَلِيْمٍ پاک	وَاُزْلِفَتِ اور نزدیک کردی جائیگی	الْجَنَّةُ جنت	لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	
وَبُرِّزَتِ اور ظاہر کردی جائیگی	الْجَحِيْمُ دوزخ	لِلْغٰوِيْنَ گمراہوں کیلئے	وَقِيْلَ اور کہا جائے گا	لَهُمْ انہیں	اَيْنَمَا کہاں ہیں وہ جو			
كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ تم پرستش کرتے تھے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	هَلْ کیا	يَنْصُرُوْنَكُمْ وہ تمہاری مدد کرسکتے ہیں	اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ یا بدلہ لے سکتے ہیں				
فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا پس اوندھے منہ ڈالے جائینگے اس میں	هُمْ وہ	وَ اور	الْغٰوٗنَ گمراہ	وَجُنُوْدُ اور لشکر	اِبْلِيْسَ ابلیس	اَجْمَعُوْنَ سب کے سب		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خاص انداز سے اپنی بت پرست قوم اور گھرانے کو خدائے واحد کی ہستی کی جانب توجہ دلائی اور بت پرستی کی مذمت فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے صاف فرمادیا کہ میں تو تمہارے ان بتوں کو اپنا دشمن جانتا ہوں اور میں بے خوف وخطر ہو کر ان سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ اگر یہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو اپنی حسرت نکال لیں۔ البتہ میں صرف اسی ایک ہستی کو اپنا معبود سمجھتا ہو جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور جس نے مجھ کو پیدا کیا اور راہ راست دکھائی اور جو مجھ کو کھلاتا پلاتا یعنی رزق دیتا ہے اور جب میں بیمار ہوجاتا ہوں تو جو مجھ کو شفا بخشتا ہے اور "جو" کی تکرار کی گئی ہے میری زیست اور موت دونوں کا مالک ہے اور جس سے میں یہ امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری مغفرت فرمائے گا۔ بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو یہی تلقین فرماتے رہے کہ خدائے واحد کے علاوہ کسی کی پرستش جائز نہیں۔ یہ نصیحت اور تبلیغ تو صرف مکالمہ کی حد تک تھی اس کے بعد آپ نے جیسا کہ متعدد جگہ قرآن پاک میں بیان فرمایا گیا ہے خود ان کے بت توڑ ڈالے گویا اس طرح قوم کو عملاً سمجھایا کہ

دیکھوان بتوں میں ضرر پہنچانے کی کوئی طاقت نہیں اگر یہ نقصان پہنچا سکتے تو مجھے پہنچاتے۔اس پر قوم کو بڑا طیش آیا۔بادشاہ وقت سے جا کر شکایت کی جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طلب کیا۔آپ نے وہاں بھی توحید الٰہی کا اعلان کیا اور ایسے پرزور دلائل بیان کئے کہ نمرود بادشاہ وقت بھی عاجز ہو گیا مگر وہ تشدد پر اتر آیا اور ہزاروں من لکڑیاں جمع کر کے ان کو آگ لگوائی اور دہکتی ہوئی آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈلوادیا۔خداوند قدوس کو اس میں بھی اپنی قدرت کے کرشمہ کا اظہار مقصود تھا وہ دہکتی ہوئی آگ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے گلزار بن گئی اور اعدائے دین اپنے ارادوں میں ناکام اور ذلیل ورسوا ہوئے۔

جب بدبخت قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رشدوہدایت کو کسی طرح قبول نہ کیا تو اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ کسی دوسری جگہ جا کر پیغام الٰہی سنائیں اور دعوت پہنچائیں۔چنانچہ آپ نے اپنے آبائی وطن سے ہجرت کا ارادہ کیا اور باپ کو پھر نصیحت فرمائی مگر باپ پر مطلق اثر نہ ہوا بلکہ برعکس جیسا کہ سورۂ مریم میں ارشاد ہے باپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر کے چھوڑوں گا اور پتھروں سے مار ڈالوں گا۔اپنی خیریت چاہتا ہے تو جان سلامت لے کر مجھ سے الگ ہو جا۔

جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اخلاق کریمانہ کے ساتھ یہ جواب دیا کہ اے باپ اگر میری بات ونصیحت کا یہی جواب ہے تو آج سے میرا تجھ کو سلام ہے۔میں اب الگ ہوا جاتا ہوں مگر غائبانہ تیرے لئے درگاہ الٰہی میں بخشش طلب کرتا رہوں گا تا کہ ہدایت نصیب ہو اور تو خدا کے عذاب سے نجات پائے۔یہ کہہ کر اپنی بی بی حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو ہمراہ لے کر کہ ان کے علاوہ اور کوئی ایک بھی ایمان نہ لایا تھا آپ راہ حق میں نکل کھڑے ہوئے اور گھر بار اور عزیز ان وطن سب کو چھوڑ کر اور سب سے منہ موڑ کر چل دیئے۔مفسرین نے لکھا ہے کہ وطن کو چھوڑتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو خدائے ذوالجلال سے دعا کی وہ ان آیات میں بیان فرمائی گئی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں درخواست کی کہ اے میرے پروردگار مجھے مزید علم وحکمت اور درجات قرب وقبول مرحمت فرما اور اعلیٰ درجہ کے نیکوں کے زمرہ میں جو انبیاء علیہم السلام ہیں شامل رکھ اور مجھے ایسے اعمال مرضیہ اور آثار حسنہ کی توفیق دے کہ پیچھے آنے والی نسلیں ہمیشہ میرا ذکر خیر کریں اور میرے راستہ پر چلنے کی طرف راغب ہوں یعنی میرے مرنے کے بعد دنیا میں میرا سچائی اور ذکر خیر کے ساتھ تذکرہ باقی رہے اور توحید کا طریقہ جو مجھے نصیب ہوا ہے میرے بعد میں بھی رہے چنانچہ یہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے دنیا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قبول عام عطا فرمایا۔تمام اہل کتاب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں اور امت محمدیہ تو ہر نماز میں "کما صلیت علی ابراهیم وعلی ال ابراهیم" اور "کما بارکت علی ابراهیم وعلی ال ابراهیم" نماز میں پڑھتی ہے۔پھر آگے دعا کرتے ہیں کہ میرا ذکر خیر جہاں دنیا میں باقی رہے وہیں آخرت میں بھی جنتی بنایا جاؤں اور خدایا میرے گمراہ باپ کو ہدایت فرمادے اور اس کو ایمان سے مشرف فرما کر کفر کے زمانہ کی خطائیں معاف کردے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے حق میں دعائے خیر کا وعدہ کیا تھا اس لئے اس وعدہ کو پورا کرنے کے لئے اس وقت تک باپ کے لئے مغفرت کی دعا مانگا کئے جب تک باپ کے کفر کی حالت پر مرنے کا یقین نہیں ہوا۔جب یہ معلوم ہو گیا کہ باپ کا خاتمہ کفر پر ہوا تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگنی چھوڑ دی تھی۔اب یہی حکم شریعت محمدیہ میں بھی ہے۔سورۂ توبہ کے مدینہ منورہ میں نازل ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب اور بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے کافر ماں باپ کی مغفرت کی دعا مانگا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں ممانعت کا حکم نازل فرمایا جس پر اہل اسلام نے ان اعزا واقارب کے لئے جو کفر پر مرے تھے مغفرت کی دعا کرنا چھوڑ دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی کہ اے پروردگار قیامت کی ذلت اور رسوائی سے مجھے محفوظ رکھنا جس دن نجات کے لئے نہ مال کام آئے گا نہ اولاد بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم یعنی کفر وشرک سے پاک دل لے کر خدا کے حضور حاضر ہو۔یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ختم ہوئی مگر چونکہ یہاں قیامت کا ذکر آپ کی دعا کے اخیر میں آ گیا اس لئے آگے حق تعالیٰ بطور جملہ معترضہ کے قیامت کا کچھ حال بیان فرماتے ہیں کہ اس روز جنت مع اپنی انتہائی آرائش وزیبائش کے متقین کو قریب نظر آئے گی جسے دیکھ کر داخل ہونے سے پہلے ہی وہ مسرور اور محظوظ ہوں گے۔اسی طرح جہنم کو مجرموں کے پاس لے آئیں گے تا کہ داخل ہونے سے پہلے ہی خوف کھا کر لرزنے لگیں۔اس وقت کفار ومشرکین سے کہا جائے گا کہ اب وہ فرضی معبود کہاں گئے کہ نہ تمہاری مدد کر کے اس عذاب سے چھڑا سکتے ہیں۔نہ بدلہ لے سکتے ہیں بلکہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔یہ کفار ومشرکین اور ابلیس کا سارا لشکر سب کو دوزخ میں اوندھے منہ دھکیل دیا جائے گا۔

اب چونکہ یہاں جہنمیوں کا تذکرہ آ گیا تو کفار دوزخ میں آپس میں کیا گفتگو کریں گے یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ

وہ کفار دوزخ میں گفتگو کرتے ہوئے کہیں گے۔کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے۔جبکہ تم کو رب العالمین کے برابر کرتے تھے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَمَا اَضَلَّنَا اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾

اور ہم کو تو بس ان بڑے مجرموں نے گمراہ کیا۔سو نہ کوئی ہمارا سفارشی ہے اور نہ کوئی مخلص دوست ہے۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو (دنیا میں) پھر واپس جانا ملتا کہ ہم ایمان والے ہوجاتے۔بیشک اس واقعہ میں ایک بڑی عبرت ہے،اور ان میں اکثر لوگ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾

ایمان نہیں لاتے۔بیشک آپ کا رب بڑا زبردست رحمت والا ہے۔

قَالُوْا وہ کہیں گے	وَهُمْ اور وہ	فِيْهَا اس (جہنم) میں	يَخْتَصِمُوْنَ جھگڑتے ہوں گے	تَاللّٰهِ قسم اللہ کی	اِنْ كُنَّا بیشک ہم تھے	لَفِيْ البتہ۔میں
ضَلٰلٍ گمراہی	مُّبِيْنٍ کھلی	اِذْ جب	نُسَوِّيْكُمْ ہم برابر ٹھہراتے تھے تمہیں	بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں کے رب کے ساتھ		
وَمَا اَضَلَّنَا اور نہیں گمراہ کیا ہمیں	اِلَّا مگر (صرف)	الْمُجْرِمُوْنَ مجرم	فَمَا لَنَا پس نہیں ہمارے لئے	مِنْ کوئی	شَافِعِيْنَ سفارش کرنیوالا	وَلَا اور نہ
صَدِيْقٍ کوئی دوست	حَمِيْمٍ غم خوار	فَلَوْ پس کاش	اَنَّ لَنَا کہ ہمارے لئے	كَرَّةً لوٹنا	فَنَكُوْنَ تو ہم ہوتے	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن
اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ ایک نشانی	وَمَا كَانَ اور نہیں ہیں	اَكْثَرُهُمْ ان کے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانیوالے	وَاِنَّ اور بیشک
	رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی گئی تھی جو اس درخواست پر ختم ہوئی تھی کہ اے میرے رب مجھے قیامت کے دن کی رسوائی سے بچایئے گا۔ اللہ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک پیغمبر جلیل اور اپنے رب کے خلیل ہیں اس پر بھی التجا یہ کر رہے ہیں کہ اے پروردگار قیامت کی رسوائی سے مجھے محفوظ رکھنا۔ پھر اللہ کی شان بے نیازی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب دعائیں قبول ہوئیں مگر باپ کے حق میں نہ قبول ہوئی تو چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے اخیر میں قیامت کا ذکر آ گیا تھا۔ اس کی مناسبت سے جنت وجہنم کا ذکر فرمایا اور بتلایا گیا کہ جنت متقیوں یعنی اللہ سے ڈرنے والوں کے نزدیک اور سامنے کردی جائے گی۔ سبحان اللہ! مومنین متقین کے اعزاز واکرام کا کیا کہنا۔ بجائے اس کے کہ ان کا کوچ جنت کی طرف کرایا جائے الٹی جنت ہی خود ان کی طرف بڑھ آئے گی۔ ایسے ہی کفار ومشرکین کے سامنے دوزخ ظاہر کی جائے گی اور بالآخر اسی جہنم میں اوندھے منہ مع ابلیس اور اس کے لشکر کے سب ڈال دیئے جائیں گے تو یہ اہل دوزخ یعنی کفار ومشرکین اور دیوی و دیوتاؤں کے پجاری باہم لڑتے جھگڑتے رہیں گے اور ایک دوسرے کو الزام دیں گے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب یہ معبودان باطل کی پرستش کرنے والے مع اپنے معبودوں کے اور بت پرست مع اپنے بتوں کے اور ابلیس مع اپنے چیلے

جانپڑوں کے جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے تو آپس میں جھگڑیں گے اور بالآخر اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم سے بڑی سخت غلطی ہوئی کہ جو ہم نے ان بتوں کو اور دوسری چیزوں کو خدائی کے حقوق واختیارات دے کر رب العالمین کے برابر کر دیا۔ کیا کہیں یہ غلطی ہم سے ان بڑے شیطانوں اور مجرموں نے کرائی۔ اب ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ نہ کوئی بت کام دیتا ہے نہ کوئی دیوی دیوتا مدد کو آتا ہے۔ نہ شیطان ہم کو پوچھتا ہے۔ وہ خود ہی سب دوزخ کے کندے بن رہے ہیں اور اپنی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ ہماری مدد اور سفارش تو کیا کرتے افسوس کوئی اتنا بھی نہیں کہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کر دے یا کم ازکم اس اڑے وقت میں کوئی دوست دلسوزی اور ہمدردی ہی کا اظہار کرے۔ اے کاش کہ ہم کو ایک مرتبہ پھر دنیا کی طرف لوٹا دیا جاتا تو ہم پکے ایماندار بن کر دکھاتے مگر سورۂ انعام ساتویں پارہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ولوردوا لعادوا لما نهوا عنه وانهم لكذبون اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھی دنیا میں بھیج دیئے جاویں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ غرضکہ کفار جہنم میں کبھی تو قسمیں کھا کھا کر اپنی گمراہی پر افسوس کریں گے اور کبھی ان شیاطین یا بڑے مجرموں کو برا کہیں گے جنہوں نے کہ بہکایا اور کبھی چھوٹے گناہ گاروں کو انبیاء و ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے نجات پاتے دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ ہمارا بھی کوئی ایسا مخلص دوست پیدا ہو جائے کہ جو ہماری شفاعت وسفارش کرے۔ کفار ومشرکین کی اس بے سود تمنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کو انہیں آیات پر ختم فرمایا جاتا ہے جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کو ختم فرمایا تھا یعنی ان في ذلك لاية وما كان اكثرهم مؤمنين وان ربك لهوا العزيز الرحيم یعنی اس واقعہ میں بھی کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اور جو دلیلیں انہیں دیں اور ان پر توحید کی وضاحت کی طالبان حق کے لئے ایک عبرت ونشانی ہے کہ جن میں غور کر کے توحید کا اعتقاد کریں اور خدا کی یکتائی پر ایمان لائیں لیکن پھر بھی ان مشرکین مکہ میں اکثر لوگ ایمان سے رکے ہوئے ہیں۔ بیشک آپ کا رب بڑا زبردست ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے پر عذاب دے سکتا تھا مگر ساتھ ہی بڑی رحمت والا بھی ہے کہ مہلت دے رکھی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قوم سے نکل جانے کے بعد اس پر جو عذاب آیا اس کا ذکر اگرچہ قرآن پاک میں نہیں کیا گیا ہے لیکن سورۂ توبہ میں اور سورۂ حج میں یہ تصریح موجود ہے کہ اس قوم کا شمار معذب قوموں ہی میں کیا گیا ہے۔ الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ نافرمان قوم بھی دنیا سے مٹی اور ایسی مٹی کہ اس کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ تو مشرکین عرب بالخصوص کفار مکہ جو دعویٰ تو ملت ابراہیمی کی پیروی کا رکھتے تھے اور ساتھ ہی شرک میں بھی مبتلا تھے ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قصہ سے متنبہ کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو شرک کے دشمن اور دعوت توحید کے علمبردار تھے اور جو دین وہ لے کر آئے وہ یہی خالص اسلام تھا جسے اب نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس سے تم برسر پیکار ہو۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بعد تیسرا قصہ آگے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اس دنیا کی زندگی میں ہم کو ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیں کہ قیامت میں ہم کو ذلت ورسوائی سے بچ کر متقین کے گروہ میں شامل ہونا نصیب ہو اور ان کے ساتھ جنت کی دائمی نعمتیں ملنا نصیب ہوں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۖ ۝١٠٥ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ ۝١٠٦ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

قوم نوحؑ نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے اُن کی برادری کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں۔ میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔

اَمِيْنٌ ۙ ۝١٠٧ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ ۝١٠٨ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ

سو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اور میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

الْعٰلَمِيْنَ ۚ ۝١٠٩ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۭ ۝١١٠ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۭ ۝١١١ قَالَ وَمَا

سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا ہم تم کو مانیں گے حالانکہ رذیل لوگ تمہارے ساتھ ہو لئے ہیں۔ نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ

عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ ۝١١٢ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۚ ۝١١٣ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ

ان کے کام سے مجھ کو کیا بحث۔ ان سے حساب کتاب لینا بس خدا کا کام ہے کیا خوب ہو کہ تم اس کو سمجھو۔ اور میں ایمانداروں کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ ۝١١٤ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۭ ۝١١٥

میں تو صاف طور پر ایک ڈرانے والا ہوں۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	قَوْمُ نُوْحٍ نوحؑ کی قوم	الْمُرْسَلِيْنَ رسولوں کو	اِذْ قَالَ جب کہا	لَهُمْ ان سے	اَخُوْهُمْ انکے بھائی	نُوْحٌ نوحؑ	اَلَا کیا نہیں	
تَتَّقُوْنَ تم ڈرتے	اِنِّيْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُوْلٌ رسول	اَمِيْنٌ امانت دار	فَاتَّقُوا اللّٰهَ پس ڈرو اللہ سے تم	وَاَطِيْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو		
وَ اور	مَا اَسْئَلُكُمْ میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ کوئی	اَجْرٍ اجر	اِنْ نہیں	اَجْرِيَ میرا اجر	اِلَّا مگر (صرف)	عَلٰى پر
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رب العالمین	فَاتَّقُوْا پس ڈرو تم	اللّٰهَ اللہ سے	وَاَطِيْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو	قَالُوْا وہ بولے	اَنُؤْمِنُ کیا ہم ایمان لے آئیں			
لَكَ تجھ پر	وَاتَّبَعَكَ جبکہ تیری پیروی کی	الْاَرْذَلُوْنَ رذیلوں نے	قَالَ (نوحؑ) نے کہا	وَمَا عِلْمِيْ اور مجھے کیا علم	بِمَا اسکی جو			
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے	اِنْ نہیں	حِسَابُهُمْ ان کا حساب	اِلَّا مگر۔صرف	عَلٰى رَبِّيْ میرے رب پر	لَوْ اگر	تَشْعُرُوْنَ تم سمجھو		
وَمَا اور نہیں	اَنَا میں	بِطَارِدِ ہانکنے والا (دُور کرنے والا)	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن	اِنْ اَنَا نہیں میں	اِلَّا مگر۔صرف	نَذِيْرٌ ڈرانے والا	مُبِيْنٌ صاف طور پر	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات بیان ہوئے اس کے بعد اب حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کے واقعہ کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا اجمالی اور تفصیلی ذکر ۲۸ سورتوں میں آیا ہے۔ یہاں اپنے مقصد کے پیش نظر واقعہ کی اسی قدر جزئیات کو بیان فرمایا گیا جو مقصد کے لئے ضروری ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا یہاں واقعہ بیان کر کے جہاں ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو تسلی دینی مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ انبیاء کی تکذیب کرنا۔ اور ان کو دکھ پہنچانا۔ اور اہل حق کو ایذائیں دینا نئی بات نہیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ صدہا برس تک مخالفت پر کمربستہ رہی بالآخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر

اور غرق ہو کر تباہ ہوئی۔ دوسری طرف کفار مکہ اور مشرکین عرب کی پیغمبر کی نافرمانی کرنے پر ہلاکت و بربادہونے کی وعید سنائی جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نبی تو ہوئے مگر حضرت نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں جن کو رسالت سے نوازا گیا اور جدید شریعت عطا کی گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے تمام قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر نا آشنا ہو چکی تھی اور حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی۔ غیر اللہ کی پرستش اور بت پرستی ان کا شعار ہو گیا تھا۔ سنت اللہ کے مطابق ان کے رشد و ہدایت کے لئے ان ہی میں سے ایک ہادی اور خدا کے سچے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ آپ نے اپنی قوم کو راہ حق کی طرف پکارا اور سچے دین الٰہی کی دعوت دی لیکن قوم نے نہ مانا اور نفرت و حقارت کے ساتھ انکار پر جمے رہے غیر اللہ کی عبادت نہ چھوڑی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اور ایک پیغمبر کا انکار کرنا گویا تمام پیغمبروں سے انکار کرنا تھا اس لئے کہ رسول کی تکذیب درحقیقت اس دعوت اور پیغام کی تکذیب ہے جسے لے کر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اس لئے جو شخص یا گروہ کسی ایک رسول کا بھی انکار کردے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام رسولوں کا منکر ہے۔ چنانچہ ان آیات میں قوم نوح علیہ السلام کے قصہ کی ابتدا اسی جملہ سے ہوتی ہے کہ قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جو ان کے قومی اور وطنی بھائی تھے انہیں نصیحت کی کہ تم جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو تو عذاب خدا کا تمہیں ڈر نہیں۔ تم اس شرک سے کیوں نہیں پرہیز کرتے اور اس کے نتیجہ بد سے کیوں نہیں ڈرتے۔ توحید کی تعلیم کے بعد اپنی رسالت کی تلقین کی اور فرمایا کہ میں تمہاری طرف خدا کا رسول بن کر آیا ہوں اور رسول بھی امانت دار کہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ ہو بہو پیغام الٰہی سنا رہا ہوں اور امانت کے ساتھ ادائے رسالت کر رہا ہوں پس تمہیں خدا سے ڈر کر میری تمام باتوں کو بلاچوں و چرا مان لینا چاہئے۔ میں عقائد اور اعمال کی اصلاح کے متعلق جو حکم دوں اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کروں اس سے باز رہو اور میں نہایت صفائی سے یہ بھی ظاہر کئے دیتا ہوں کہ میں اس تبلیغ رسالت پر کسی معاوضہ و اجرت کا طالب نہیں ہوں۔ میں مال و زر حکومت و امارت کا خواہش مند نہیں۔ میری نصیحت کسی غرض پر مبنی نہیں۔ اس خدمت کا اجر تو میرا پروردگار مجھے عنایت فرمائے گا پس تم کو میرے متعلق کسی دنیاوی غرض کا شبہ نہ ہونا چاہئے اس لئے تمہیں خدا سے ڈرنا چاہئے اور میرا کہنا ماننا چاہئے۔ قوم اس کا جواب دیتی ہے کہ اے نوح! ہم تمہارے کہنے پر کیسے چل سکتے ہیں۔ تمہاری بات ماننے والے تو چند رذیل لوگ ہیں اگر تمہارا قول حقانیت رکھتا تو ہمارے سردار اور شرفا تمہارے پیرو ہوتے ان بیوقوفوں کے مان لینے سے تو ہم تمہاری تصدیق نہیں کر سکتے۔ قوم کے سردار اور شرفا کا یہ حال تھا کہ اول تو وہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف توجہ ہی نہ دیتے اور اگر کبھی توجہ کرتے بھی تو پہلے یہ اصرار کرتے کہ ان پست اور غریب افراد کو جو تمہارے تابع اور پیرو بن گئے ہیں۔ پہلے ان کو اپنے پاس سے نکال دو تب ہم تمہارے پاس بیٹھ کر تمہاری بات سنیں گے کیونکہ ہم کو ان لوگوں سے گھن آتی ہے۔ ہم اور یہ ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتے۔ ٹھیک یہی معاملہ اس سورۂ شعراء کے نزول کے زمانہ میں نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ کے درمیان چل رہا تھا اسی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے سرداروں کی یہ گفتگو یہاں سنائی جا رہی ہے کفار مکہ

3 میں سے بڑے بڑے سردار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے غلاموں اور کام پیشہ لوگوں کے ساتھ ہم کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ یہ غریب غربا اگر آپ کے پاس سے ہٹا دیئے جائیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کی بات سن سکتے ہیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تلقین فرمائی گئی تھی کہ حق سے منہ موڑنے والے متکبروں کی خاطر ایمان قبول کرنے والے غربا کو ہٹایا نہیں جا سکتا۔ ٹھیک اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا تھا کہ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ میں ان کے ساتھ ایسا معاملہ کروں جس کے تم خواہشمند ہو۔ رہا ان کی امیری غریبی قوم اور پیشہ تو مجھ پر یہ لازم نہیں کہ کوئی حق قبول کرنے آئے تو میں یہ معلوم کروں کہ پہلے یہ لوگ کیا کرتے تھے ان کے افعال شریفانہ تھے یا رذیلانہ۔ حساب کرنے والا تو اللہ ہی ہے وہی واقف ہے کہ یہ کیا کرتے تھے اب تو یہ مؤمن ہیں اور مومنوں کو میں اپنے پاس سے نہیں نکال سکتا۔ کاش تم میں اتنا شعور ہوتا کہ ایسی نمایاں اور واضح بات کو سمجھ لیتے کہ ایمان کے بعد گذشتہ اعمال کا محاسبہ باقی نہیں رہتا اور ایمان میں شرافت و رذالت اور غریبی اور امیری کو کوئی دخل نہیں مومن ہو جانے کے بعد سب برابر ہیں۔ ذلت اور عزت کا معیار صرف ایمان ہے نسبی اور مالی برتری کوئی چیز نہیں۔ الغرض یہ لوگ پہلے کچھ بھی ہوں اب بظاہر مومن اور قابل عزت ہیں۔ اور میں مومنین کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ تمہیں اختیار ہے مانو یا نہ مانو۔ اگر نہ مانو گے تو میرا کچھ حرج نہیں کیونکہ میں صرف پیغام پہنچانے اور ڈرانے والا ہوں کسی کو جبراً منوانا میرے ذمہ نہیں میرا فرض تم کو آگاہ کرنا تھا سو میں کر چکا۔ تمہاری لغو فرمائشیں پورا کرنا میرے ذمہ نہیں۔

اس پر قوم کے سرکش اور نافرمانوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو کیا جواب دیا اور پھر اس سرکشی کا کیا انجام ہوا یہ اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

قرآن پاک نے جو نافرمان قوموں کے قصے بیان کئے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ ہم کو عبرت و بصیرت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے کامل طور پر بچائیں۔ جو احکام الٰہیہ اور پیغام ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم کو پہنچے ہیں ان پر دل و جان سے ہم کو اتباع اور فرمانبرداری کی توفیق نصیب ہو آج جو امت میں امیری غریبی کے جھگڑے آپس میں پیدا ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان فتنوں کو دور فرمائیں اور سب کو ایمان و اسلام سے سچی محبت نصیب فرمائیں تا کہ ایمان کی برکت سے غریب امیر کو اور امیر غریب کو بھائی بھائی سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبرداروں میں تا زیست شامل رکھیں۔ اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ۝١١٦ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ۝١١٧ فَافْتَحْ

وہ لوگ کہنے لگے کہ اگر تم اے نوحؑ باز نہ آؤ گے تو ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔ نوح (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھ کو جھٹلا رہی ہے۔

بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَن مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝١١٨ فَأَنجَيْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ

سو آپ میرے اور اُن کے درمیان میں ایک فیصلہ کر دیجئے اور مجھ کو اور جو ایماندار میرے ساتھ ہیں اُن کو نجات دیجئے۔ تو ہم نے اُن کو اور جو اُن کے ساتھ

فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝١١٩ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ۝١٢٠ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم

بھری ہوئی کشتی میں تھے اُن کو نجات دی۔ پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ اس میں (بھی) بڑی عبرت ہے۔ اور ان میں اکثر لوگ

مُّؤْمِنِينَ ۝١٢١ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝١٢٢

ایمان نہیں لاتے۔ بیشک آپ کا رب زبردست مہربان ہے۔

قَالُوا بولے وہ	لَئِنْ اگر	لَمْ تَنْتَهِ تم باز نہ آئے	يٰنُوْحُ اے نوحؑ	لَتَكُوْنَنَّ تو ضرور ہوگے	مِنَ سے	الْمَرْجُوْمِيْنَ سنگسار کئے جانے والے		
قَالَ (نوحؑ نے) کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنَّ بیشک	قَوْمِيْ میری قوم	كَذَّبُوْنِ مجھے جھٹلایا	فَافْتَحْ پس فیصلہ کردے	بَيْنِيْ میرے درمیان		
وَبَيْنَهُمْ اور انکے درمیان	فَتْحًا ایک کھلا فیصلہ	وَنَجِّنِيْ اور نجات دے مجھے	وَمَنْ اور جو	مَّعِيَ میرے ساتھی	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والے		
فَاَنْجَيْنٰهُ تو ہم نے نجات دی اسے	وَمَنْ اور جو	مَّعَهٗ اس کیساتھ	فِي الْفُلْكِ کشتی میں	الْمَشْحُوْنِ بھری ہوئی	ثُمَّ پھر	اَغْرَقْنَا غرق کردیا ہم نے		
بَعْدُ اس کے بعد	الْبٰقِيْنَ باقیوں کو	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَمَا اور نہ	كَانَ تھے	اَكْثَرُهُمْ اُن کے اکثر	
مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان جو مکالمہ ہوا تھا وہ نقل فرمایا گیا تھا جس کے اخیر میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں ان غریب اور کم حیثیت لوگوں کو جو مجھ پر ایمان لے آئے ہیں اپنے پاس سے علیحدہ نہیں کرسکتا جیسا کہ قوم کے سردار خواہشمند تھے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ میرا فرض تم کو آگاہ کرنا تھا۔ اور پیغام حق پہنچانا تھا سو میں کر چکا اور تم کو نافرمانی کی صورت میں عذاب الٰہی سے ڈرا چکا اب تمہیں اختیار ہے مانو یا نہ مانو۔ مغرور قوم اس کے جواب میں جاہلانہ دھمکیوں پر اتر آئی اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے قوم حضرت نوح علیہ السلام سے کہنے لگی کہ اے نوح اگر تم اس کہنے سننے سے باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور پتھر مار مار کر تمہیں جان سے ختم کر دیں گے۔ ان دھمکیوں کا اثر اللہ کے پیغمبر پر تو کیا ہونا تھا۔ آپ نے انتہائی کوشش کی کہ بدبخت قوم سمجھ جائے اور رحمت الٰہی کے آغوش میں آجائے مگر قوم نے نہ ماننا تھا نہ مانا اور جس قدر آپ تبلیغ حق میں جدوجہد فرماتے اسی قدر قوم کی جانب سے بغض وعناد بڑھتا اور ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے تمام وسائل کا استعمال ہوتا۔ آخر میں جیسا کہ سورۂ ہود بارہویں پارہ میں بتلایا گیا قوم کے لوگ زچ ہو کر کہنے لگے کہ اے نوح! اب ہم سے یہ لسانی جنگ وجدال ختم کرو یہ جھگڑا قصہ بہت کچھ ہو چکا تم جو ہم کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہو تو اگر تم سچے ہو تو اسے لا کر دکھاؤ۔ اس کا جواب بھی وہیں سورۂ ہود میں بیان کی گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ سن کر ان کو جواب دیا کہ عذاب الٰہی میرے قبضہ میں نہیں ہے وہ تو اس کے قبضہ میں ہے۔ جس

نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ چاہے تو یہ بھی ہو جائے گا۔ بہرحال جب قوم کی ہدایت سے حضرت نوح علیہ السلام بالکل مایوس ہو گئے اور آپ نے قرآنی تصریح کے مطابق ساڑھے نو سو سال کی پیہم دعوت و تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہ دیکھا اور سوائے گنتی کے چند نفر کے اور کوئی ایمان نہ لایا تو آپ سخت ملول اور پریشان خاطر ہوئے اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا آپ نے بارگاہ الٰہی میں یہ دعا فرمائی کہ اے پروردگار میری قوم نے میری بات نہ مانی۔ مجھے سچا نہ جانا۔ اور برابر مجھ کو جھٹلاتی رہی اب آپ میرے اور ان کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیجئے اور مجھے ان مؤمنوں سمیت جو مجھ پر ایمان لائے ہیں اس قوم سے نجات اور چھٹکارا بخشئے۔ ۹۵۰ سال کی تبلیغ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے صرف ۴۰ نفر کی تعداد بتلائی ہے۔ لیکن عام اہل تفسیر نے تقریباً ۸۰ کی تعداد لکھی ہے واللہ اعلم۔

الغرض حضرت نوح علیہ السلام کی دعا حق تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام کی تسلی فرمائی کہ آپ ان کی حرکات پر غم نہ کریں اب ان سرکشوں کی سزا کا وقت قریب آ لگا ہے۔ بس جو آپ کی قوم سے ایمان لے آئے وہ لے آئے۔ اب ان میں سے مزید کوئی لانے والا نہیں اب یہ سب غرق ہو کر ہلاک ہونے والے ہیں۔ حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت فرمائی گئی کہ وہ ایک کشتی تیار کریں تا کہ اسباب ظاہری کے اعتبار سے اس میں مؤمنین بیٹھ کر اس عذاب سے محفوظ رہیں جو خدا کے نافرمانوں پر نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے حکم الٰہی کی تعمیل میں کشتی بنانی شروع کی تو قوم کے کفار نے ہنسی اڑانا اور مذاق بنانا شروع کر دیا کہ اب نبوت کرتے کرتے نجاری بھی کرنے لگے۔ پانی کا کہیں نام و نشان نہیں ایسی صورت میں کشتی کا بنانا اور پانی سے بچاؤ کی حفاظت کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور کیسا احمقانہ خیال ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی ان کے انجام کار سے غفلت اور خدا کی نافرمانی پر جرأت دیکھ کر ان کو ان ہی کے طرز پر جواب دیتے کہ آج تم ہم پر ہنس رہے ہو کل ہم تم پر ہنسیں گے جب تم دنیا میں غرق اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو رہے ہو گے۔ الغرض ادھر کشتی بن کر تیار ہو گئی ادھر خدا کے وعدۂ عذاب کا وقت قریب آ لگا۔ وحی الٰہی کے حکم کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام بمعہ اس جماعت کے جو آپ پر ایمان لا چکی تھی کشتی میں سوار ہو گئے اور جانوروں میں سے بھی ایک ایک جوڑا ساتھ رکھ لیا گیا۔ جب وحی الٰہی کی تکمیل ہو گئی تو اب آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسنا شروع ہوا اور زمین کے چشموں کو حکم ہوا کہ وہ پوری طرح ابل پڑیں۔ خدا کے حکم سے جب یہ سب کچھ ہوتا رہا تو کشتی بھی اس کی حفاظت میں پانی پر ایک مدت تک محفوظ تیرتی رہی اور تمام منکرین و معاندین غرق آب ہو کر ہلاک ہو گئے جس میں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بھی شامل تھا جس کو طوفان کا یقین نہ تھا اور وہ قوم کے کافروں میں شامل رہا۔ غرض جب حکم الٰہی سے عذاب ختم ہوا اور پانی آہستہ آہستہ خشک ہونا شروع ہوا تو ساکنان کشتی نے دوسری بار امن و سلامتی کے ساتھ خدا کی سرزمین پر قدم رکھا اسی بنا پر حضرت نوح علیہ السلام کا لقب ابوالبشر ثانی یا آدم ثانی یعنی انسانوں کے دوسرے باپ مشہور ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے اس واقعہ کو بھی انہی آیات پر ختم کیا گیا جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ کو ختم کیا گیا تھا یعنی ان فی ذٰلک لاٰیة وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھوالعزیز الرحیم یعنی اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت اور نشانی ہے لیکن باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر ایمان نہیں لاتے بیشک آپ کا رب زبردست غالب ہے کہ وہ چاہے تو دم کے دم میں کافروں کو ہلاک کر کے ختم کر دے مگر ساتھ ہی رحیم اور مہربان بھی ہے کہ جو ان کو مہلت دیئے ہوئے ہے۔

اب آگے چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کی قوم عاد کا ذکر فرمایا گیا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾

قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے اُن کے بھائی ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں تم سے اِس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا، بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا

کیا تم ہر اُونچے مقام پر ایک یادگار بناتے ہو جس کو محض فضول بناتے ہو۔ اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے۔ اور جب

بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

کسی پر دارو گیر کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر بن کر دارو گیر کرتے ہو۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور اُس (اللہ) سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے امداد کی جن کو تم جانتے ہو۔

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾

(یعنی) مواشی اور بیٹوں اور باغوں اور چشموں سے تمہاری امداد کی۔ مجھ کو تمہارے حق میں ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا

وہ لوگ بولے کہ ہمارے نزدیک تو دونوں باتیں برابر ہیں خواہ تم نصیحت کرو اور خواہ ناصح نہ بنو۔ یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک عادت ہے۔ اور ہم کو

نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

ہرگز عذاب نہ ہوگا غرض ان لوگوں نے ہود (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا، بیشک اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

اور بے شک آپ کا رب زبردست اور مہربان ہے۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	عَادٌ عاد	الْمُرْسَلِيْنَ رسول	اِذْ قَالَ جب کہا	لَهُمْ ان سے	اَخُوْهُمْ ان کے بھائی	هُوْدٌ ہود	اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم ڈرتے نہیں
اِنِّيْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُوْلٌ رسول	اَمِيْنٌ امانت دار	فَاتَّقُوا اللّٰهَ سو تم ڈرو اللہ سے	وَ اور	اَطِيْعُوْنِ میری اطاعت کرو	وَ اور
مَآ اَسْـَٔلُكُمْ میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ اَجْرٍ کوئی اجر	اِنْ نہیں	اَجْرِيَ میرا اجر	اِلَّا مگر۔صرف	عَلٰي پر	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رب العالمین
اَتَبْنُوْنَ کیا تم تعمیر کرتے ہو	بِكُلِّ رِيْعٍ ہر بلندی پر	اٰيَةً ایک نشانی	تَعْبَثُوْنَ کھیلنے کو (بلا ضرورت)	وَتَتَّخِذُوْنَ اور تم بناتے ہو			
مَصَانِعَ مضبوط۔شاندار محل	لَعَلَّكُمْ شاید تم	تَخْلُدُوْنَ تم ہمیشہ رہو گے	وَاِذَا اور جب	بَطَشْتُمْ تم گرفت کرتے ہو	بَطَشْتُمْ گرفت کرتے ہو تم		
جَبَّارِيْنَ جابر بن کر	فَاتَّقُوْا پس ڈرو	اللّٰهَ اللہ	وَاَطِيْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو	وَاتَّقُوْا اور ڈرو	الَّذِيْ وہ جس نے	اَمَدَّكُمْ مدد کی تمہاری	

بِمَا تَعْلَمُوْنَ اس سے جو تم جانتے ہو	اَمَدَّكُمْ تمہاری مدد کی	بِاَنْعَامٍ مویشیوں سے	وَّبَنِيْنَ اور بیٹوں	وَّجَنّٰتٍ اور باغات	وَّعُيُوْنٍ اور چشمے	
اِنِّيْٓ اَخَافُ بیشک میں ڈرتا ہوں	عَلَيْكُمْ تم پر	عَذَابَ عذاب	يَوْمٍ عَظِيْمٍ ایک بڑا دن	قَالُوْا وہ بولے	سَوَآءٌ برابر	عَلَيْنَآ ہم پر
اَوَعَظْتَ خواہ تم نصیحت کرو	اَمْ لَمْ تَكُنْ یا نہ ہو تم	مِّنَ سے	الْوٰعِظِيْنَ نصیحت کرنے والے	اِنْ هٰذَآ نہیں ہے	اِلَّا مگر	خُلُقُ عادت
الْاَوَّلِيْنَ اگلے لوگ	وَمَا اور نہیں	نَحْنُ ہم	بِمُعَذَّبِيْنَ عذاب دیئے جانیوالوں سے	فَكَذَّبُوْهُ پس انہوں نے جھٹلایا اسے	فَاَهْلَكْنٰهُمْ تو ہم نے ہلاک کردیا انہیں	
اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَمَا كَانَ اور نہیں تھے	اَكْثَرُهُمْ ان کے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	وَاِنَّ اور بیشک
رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہم السلام اور ان کی اقوام کے ذکر فرمائے گئے تھے۔ اب چوتھا قصہ قوم عاد کا جو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی بیان فرمایا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں قوم عاد کا تذکرہ ۹ سورتوں میں فرمایا گیا ہے۔ یہ قوم عاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے تقریباً تین ہزار سال پہلے عرب کے سب سے بہترین حصہ حضرموت یمن، عدن، عمان اور خلیج فارس کے ساحل سے حدود عراق تک آباد تھی۔ اور جسمانی قوت اور ڈیل ڈول کے اعتبار سے یہ قوم مشہور تھی۔ یہ لوگ بڑے تنومند۔ قد آور۔ شہ زور اور طاقت ور تھے۔ یہ نہایت فارغ البال قوم تھی۔ ان کے یہاں اموال و اولاد کی کثرت تھی۔ ملک بھی سرسبز وشاداب تھا جس کی بنا پر یہ لوگ مطمئن اور آسودہ حال تھے۔ ان لوگوں کو بلند مقامات پر عالیشان اور دیرپا عمارتیں تعمیر کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اونچے اونچے مضبوط مینارے اور رہنے کے بڑی پرتکلف اور شاندار عمارتیں بناتے۔ لیکن یہ شاندار اور زبردست قوم گم کردہ راہ تھی۔ یہ قوم شرک و بت پرستی کے جرم عظیم کی مرتکب تھی۔ خدائے واحد ذوالجلال کو بھلا کر اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا معبود مان کر ہر قسم کے شیطانی اعمال بے خوف وخطر کرنے لگے تھے۔ روزی دینے۔ مینہ برسانے اولاد دینے۔ تندرستی عطا کرنے اور مختلف حاجات کے لئے الگ الگ بت بنا رکھے تھے جن کی عام طور پر پرستش ہوتی تھی۔ پھر یہ نہایت ظالم قوم بھی تھی۔ معاشرہ کے کمزور اور ضعیف افراد کو ظلم وستم اور جبر وتعدی کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ قرآن مجید نے پچھلی مشرک اور معذب قوموں کا جہاں جہاں بیان کیا ہے ان کے شرک و جہالت کے ساتھ کہ وہ سب میں مشترک ہے۔ ان کے مخصوص قوم جرائم کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ کوئی قوم تجارتی بددیانتی۔ خیانت۔ غبن میں خاص طور پر آلودہ گزری ہے۔ کوئی ظلم و شقاوت وسنگدلی میں۔ کوئی بدچلنی اور شہوت پرستی میں وغیرہ وغیرہ چنانچہ قوم عاد نام ونمود وفخر ونمائش کے ساتھ ساتھ ظلم وجبر اور شقاوت وسنگدلی میں بھی ممتاز تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اسی قوم میں حضرت ہود علیہ السلام کو پیدا فرمایا اس لحاظ سے آپ اس قوم عاد کے قومی اور وطنی بھائی تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں حضرت نوح علیہ السلام اور چودھویں پشت میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملنا بیان کیا گیا ہے اور توراۃ کے بیان کے مطابق آپ کی عمر ۴۶۴ سال کی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو اپنی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا تو آپ نے قوم کو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت و بندگی کی طرف دعوت دی اور لوگوں پر ظلم و جور کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت ہود علیہ السلام مسلسل دین الٰہی کی

تبلیغ میں لگے رہے۔ آپ اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈراتے۔ غرور اور سرکشی کے نتائج بتا کر قوم نوح کے واقعات یاد دلاتے۔ پھر پیغام حق کے ساتھ ساتھ بار بار یہ بھی دہراتے کہ میں تم سے کسی اجر وعوض کا خواہاں نہیں۔ کسی عزت وجاہ اور ریاست کا طالب نہیں۔ مگر قوم عاد میں ایماندار تو چند ہی تھے باقی تمام سرکش اور مغرور ومتکبر انسانوں کا گروہ تھا۔ ان پر حضرت ہود علیہ السلام کی نصائح کا مطلق اثر نہ ہوا بلکہ ہود علیہ السلام کی تکذیب و تذلیل کے اور زیادہ درپے ہوگئے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قوم عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ یعنی حضرت ہود علیہ السلام جو ان کی طرف مبعوث ہوئے تھے ان کی تکذیب کی اور اللہ کے ایک پیغمبر کی تکذیب گویا تمام پیغمبروں کی تکذیب ہے کیونکہ سب ایک ہی پیغام ایک ہی اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم یہ شرک اور بے محابا معاصی کا ارتکاب کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتے۔ دیکھو میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا امانت دار پیغمبر ہوں۔ تمہارا دشمن نہیں دوست ہوں۔ تمہاری صلاح وفلاح کا طالب مخلص ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کے بارہ میں خائن نہیں بلکہ امین ہوں۔ وہی کہتا ہوں جو مجھ سے کہا جاتا ہے اور جو کچھ کہتا ہوں قوم کی سعادت اور بھلائی اور دائمی نجات کے لئے کہتا ہوں اس لئے تمہیں چاہئے کہ خدا سے ڈر کر میری اطاعت کرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم کو یہ بھی بتلا دوں کہ میں تم سے اس پیغام رسانی پر کسی قسم کا بھی معاوضہ نہیں مانگتا۔ نہ از قسم جاہ نہ از قسم مال پس تم کو مجھ پر کسی ذاتی غرض کا شبہ بھی نہ ہونا چاہئے۔ میرا معاوضہ تو اس رب العالمین کے ذمہ ہے جس کا میں کام کر رہا ہوں۔ پھر تم جو یہ فخر ونمائش اور نام ونمود کے لئے اونچے اونچے ٹیلوں پر بلند و بالا علامتیں جیسے اونچے اونچے مینار۔ یادگاریں۔ سیرگاہیں۔ اپنی قوت اور مال کے اظہار کے لئے بناتے ہو اس فعل عبث سے کیا فائدہ کہ اس میں بے کار دولت کا کھونا۔ وقت کا برباد کرنا اور مفت میں مشقت اٹھانا ہے۔ ایسی یادگاروں میں بجز نام ونمود کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ پھر تم یہ عالیشان پرتکلف عمارتیں بناتے ہو اور ان مین بڑی کاریگریاں دکھلاتے ہو گویا کہ دنیا ہی میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے جس کے لئے یہ انتظام کیا جاتا ہے۔

معتبر روایات سے بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں جب دمشق پہنچے اور دیکھا کہ مسلمانوں نے محلات اور باغات کی تعمیر اعلیٰ پیمانہ پر ضرورت سے زیادہ شروع کردی تو آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ اول نماز پڑھائی پھر بلند آواز سے فرمایا کہ اے اہل دمشق تمہیں شرم نہیں آتی۔ تم خیال نہیں کرتے کہ تم نے وہ جمع کرنا شروع کردیا جسے تم کھا نہیں سکتے تم نے وہ مکانات بنانے شروع کردیئے جو تمہارے رہنے سہنے کے کام نہیں آتے۔ تم نے وہ دور دراز کی امیدیں اور آرزوئیں شروع کردیں جو پوری ہونی محال ہیں۔ کیا تم بھول گئے تم سے اگلے لوگوں نے بھی مال جمع کر کے اور خوب جوڑ جوڑ کے رکھا تھا بڑے بڑے اونچے اونچے پختہ اور مضبوط محلات تعمیر کئے تھے۔ بڑی بڑی آرزوئیں باندھی تھیں لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دھوکہ میں رہ گئے ان کی پونجی برباد ہوگئی۔ ان کے مکانات اور بستیاں اجڑ گئیں۔ عادیوں کو دیکھو کہ عدن سے لے کر عمان تک ان کے گھوڑے اور اونٹ تھے لیکن آج وہ کہاں ہیں۔ ایسا کوئی بیوقوف ہے کہ قوم عاد کی میراث کو دو درہموں کے بدلے بھی خریدے۔ یہ حضرت ابودرداء کا واقعہ تو ضمناً درمیان میں آ گیا تھا مگر آج

اپنی قوم کی حالت بھی دیکھ لیجئے!

الغرض قوم عاد کے دلوں میں چونکہ حب دنیا تھی۔ جاہ پسندی تھی۔ مال کی ہوس تھی اس لئے جائز و ناجائز کی تفریق انہوں نے مٹادی تھی۔ کوئی قانون عدل اور ضابطۂ انصاف نہ تھا۔ صرف قوت وشوکت معیار برتری تھا جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی مثال پورے طور پر صادق تھی غریبوں کے مال و ناموس پر دست درازی زبردستوں کا شیوہ تھا۔ کمزوروں سے بیگار لینے کا عام دستور تھا ضعیفوں کا ستانا قابل فخر تھا۔ اپنے مخالفوں کی سخت ترین گرفت ان کا قومی شعار تھا اس لئے حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو ان بیہودہ اور ظالمانہ حرکات سے بھی روکا اور فرمایا کہ تم نے جو ظلم و ستم سے زیردستوں اور کمزوروں کو تنگ کر رکھا ہے گویا انصاف اور نرمی کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ سو اللہ سے ڈرو اور ظلم و تکبر سے باز آ جاؤ اور میری نصیحتوں کو مانو۔ پھر حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو اللہ کے انعامات اور احسانات کی یاد دلائی اور فرمایا کہ اللہ نے تم کو ہر طرح کی وسعت و فراخی دے رکھی ہے۔ اولاد کی کثرت۔ مویشیوں اور جانوروں کی وسعت۔ طرح طرح کے باغات۔ چشمے سب کچھ تم کو دے رکھا ہے۔ لہٰذا اس خدا سے ڈرو کہ کہیں غیبی گرفت نہ ہو جائے اور سخت عذاب میں نہ پکڑ لئے جاؤ۔ اتنا تو سوچو کہ آخر یہ سب سامان تم کو کس نے دیئے ہیں۔ کیا اس منعم حقیقی کا تمہارے ذمہ کوئی حق نہیں؟ اگر تمہاری یہی شرارت اور سرکشی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں پہلی قوموں کی طرح گرفتار عذاب نہ ہو جاؤ۔ غرض کہ حضرت ہود علیہ السلام نے نصیحت کا حق ادا کر دیا۔ مگر ان تمام پند و نصائح اور تبلیغ و دعوت کے جواب میں قوم اللہ کے پیغمبر کو یہ جواب دیتی ہے کہ تمہارا یہ نصیحت کرنا نہ کرنا ہمارے لئے دونوں برابر ہیں۔ یہ تمہارا وعظ داستانِ پارینہ ہے گذشتہ لوگوں کا بھی یہی دستور تھا وہ بھی مدعی نبوت ہو کر لوگوں کو یونہی کہتے سنتے رہے۔ ہم مدت سے یونہی سنتے چلے آئے ہیں لیکن عذاب جس سے ڈرایا جاتا ہے نہ پہلے آیا اور نہ اب آئے گا۔ الغرض جب قوم عاد کی سرکشی اس حد تک پہنچ گئی اور انہوں نے نہ صرف آئندہ عذاب کا انکار کیا بلکہ گذشتہ صحیح واقعات عذاب کی بھی تکذیب کی اور اپنے پیغمبر کی تعلیم سے بے پناہ بغض و عناد اور انتہائی شرارت و بغاوت برتی تو پھر پاداش عمل اور قانون جزا کا وقت آ پہنچا اور غیرت حق حرکت میں آئی اور عذاب الٰہی نے سب سے پہلے خشک سالی کی شکل اختیار کی۔ عاد گھبرائے اور پریشان ہوئے اور عاجز و درماندہ نظر آنے لگے تو حضرت ہود علیہ السلام کو جوش ہمدردی نے پھر اکسایا اور ان کو سمجھایا کہ اب بھی راہ حق اختیار کر لو۔ میری نصائح پر ایمان لے آؤ کہ یہی نجات کی راہ ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی ورنہ پچھتاؤ گے لیکن بدبخت اور بدنصیب قوم پر کوئی اثر نہ ہوا اور حضرت ہود علیہ السلام سے بغض وعناد اور دوبالا ہو گیا۔ تب ہولناک عذاب نے ان کو آ گھیرا۔ عذاب بادل کی شکل میں نظر آیا تو یہ سمجھ کر بہت خوش ہوئے کہ اب خوب بارش ہوگی مگر ان کو بتایا گیا کہ یہ تمہاری زیست کا سامان نہیں بلکہ موت و ہلاکت کا سامان ہے اس ابر سے اللہ نے ان پر آندھی کا ایک طوفان بھیجا۔ اس ہلاکت خیز آندھی کا طوفان ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن رہا جس نے ان کو اور ان کی آبادی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ چھتیں اڑ گئیں۔ مکان گر گئے۔ درخت جڑ سے اکھڑ کر کہیں سے کہیں جا پڑے۔ ہوا نے سرکش قوم کو اڑا اڑا کر پہاڑوں کے پتھروں پر دے پٹکا جس کی وجہ سے گردنیں ٹوٹ کر سر تن سے جدا ہو گئے۔ غرض کہ پوری بدکار قوم ہلاک ہو کر افسانہ بن گئی۔ اور آنے والی قوموں کی عبرت کے لئے

صرف ان بستیوں کے نشانات وکھنڈرات باقی رہ گئے۔حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مخلص پیروان خدا کی رحمت سے عذاب الٰہی سے محفوظ و مامون رہے۔حضرت ہود علیہ السلام کے اس واقعہ کو بھی انہیں آیات پر ختم فرمایا گیا جن پر حضرت موسیٰ۔ حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہم السلام کے واقعات کو ختم فرمایا گیا تھا یعنی ان فی ذلک لأیة وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھوالعزیز الرحیم یعنی اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے کہ احکام الٰہیہ کی مخالفت کا کیا انجام ہوا اور باوجود اس کے ان کفار مکہ سے اکثر ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب زبردست ہے کہ عذاب پر قادر بھی ہے مگر مہربان ہے کہ رحمت سے مہلت بھی دے رکھی ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس واقعہ میں جہاں کفار کے لئے وعید ہے کہ پیام حق سے سرتابی کرنے کا نتیجہ ہلاکت ہے۔وہیں مسلمانوں کو بھی لازم ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی قدر کریں۔اور اللہ کی نعمتوں کی قدردانی اور شکرگزاری یہی ہے کہ کسی نعمت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف استعمال نہ کیا جائے ورنہ یہی نعمتیں بجائے رحمت کے زحمت بن جاتی ہیں۔

ان آیات کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتی اعظم پاکستان) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آیات اتبنون بکل ریع ایة تعبثون. وتتخذون مصانع لعلکم تخلدونo (کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک یادگار کے طور پر عمارت بناتے ہو جس کو محض فضول بلاضرورت بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے) ان آیات سے ثابت ہوا کہ بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات کرنا شرعاً برا ہے۔اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جو امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ عمارت جو ضرورت سے زائد بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں۔اور اس کی تصدیق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جو ابوداؤد میں مروی ہے کہ ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لئے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضروری ہو وہ وبال نہیں ہے روح المعانی میں فرمایا کہ بغیر غرض صحیح کے بلند عمارت بنانا شریعت محمدیہ میں بھی مذموم اور برا ہے۔(معارف القرآن جلد ۶ صفحہ ۵۳۸) اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور گمراہ بے دین اور معذب قوموں کی خصلتوں اور عادتوں کی نقل کرنے سے بچائیں۔آمین۔

اب آگے پانچواں قصہ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا بیان فرمایا گیا ہے۔جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نافرمان اور معذب قوموں کی خصلتوں اور عادتوں کے اختیار کرنے سے امت مسلمہ کو بچائیں اور ہم کو اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! ہماری اصلاح کے لئے اپنا خوف وخشیت ہم کو عطا فرمادے تاکہ ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے رک جائیں اور آپ کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگ جائیں۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۴۱﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۴۲﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

قوم ثمود نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے اُن کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔

أَمِينٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ

سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں تم سے اس پر کچھ صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۵﴾ أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ﴿۱۴۶﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۴۷﴾ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ

کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جاوے گا جو یہاں ہیں یعنی باغوں میں اور چشموں میں۔ اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں

طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا

جن کے گچھے خوب گوندھے ہوئے ہیں۔ اور کیا تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے ہوئے مکان بناتے ہو سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اور حدود سے

تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۱۵۲﴾

نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو۔ جو سرزمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	ثَمُودُ ثمود	الْمُرْسَلِينَ رسول	إِذْ جب	قَالَ کہا	لَهُمْ ان سے	أَخُوهُمْ ان کے بھائی	صَالِحٌ صالح	أَلَا تَتَّقُونَ کیا تم ڈرتے نہیں
إِنِّي بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُولٌ رسول	أَمِينٌ امانت دار	فَاتَّقُوا سو تم ڈرو	اللَّهَ اللہ	وَأَطِيعُونِ اور تم میری اطاعت کرو		
وَمَا أَسْأَلُكُمْ اور میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ أَجْرٍ کوئی اجر	إِنْ نہیں	أَجْرِيَ میرا اجر	إِلَّا مگر	عَلَىٰ پر	رَبِّ الْعَالَمِينَ رب العالمین	
أَتُتْرَكُونَ کیا چھوڑ دیئے جاؤ گے تم؟	فِي میں	مَا هَاهُنَا جو یہاں ہے	آمِنِينَ بے فکر	فِي جَنَّاتٍ باغات میں	وَعُيُونٍ اور چشمے	وَزُرُوعٍ اور کھیتیاں		
وَنَخْلٍ اور کھجوریں	طَلْعُهَا ان کے خوشے	هَضِيمٌ نرم و نازک	وَتَنْحِتُونَ اور تم تراشتے ہو	مِنَ الْجِبَالِ پہاڑوں سے	بُيُوتًا گھر			
فَارِهِينَ خوش ہو کر	فَاتَّقُوا سو ڈرو تم	اللَّهَ اللہ	وَأَطِيعُونِ اور میری اطاعت کرو	وَلَا تُطِيعُوا اور نہ کہا مانو	أَمْرَ حکم	الْمُسْرِفِينَ حد سے بڑھ جانے والے		
الَّذِينَ جو لوگ	يُفْسِدُونَ فساد کرتے ہیں	فِي میں	الْأَرْضِ زمین	وَ اور	لَا يُصْلِحُونَ اصلاح نہیں کرتے			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں قوم عاد اور اس کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب پانچواں قصہ قوم ثمود اور اس کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کا بیان فرمایا جاتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے اور حضرت صالح علیہ السلام کی عمر ۲۸۰ سال کی ہوئی اور اسی قوم ثمود میں آپ پیدا ہوئے۔ قوم ثمود کا مقام سکونت حجاز اور شام کے درمیان تھا۔ قوم عاد کی طرح ثمود بھی نہایت قوی الجثہ طاقتور اور طویل العمر لوگ تھے۔ فن تعمیر اور فن سنگ تراشی میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ حجاز اور شام کے درمیان جہاں یہ قوم کسی زمانہ میں آباد تھی پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر نہایت شاندار۔ پر تکلف اور پائیدار عمارتیں بناتے تھے جن کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ یہ قوم

نہایت آسودہ حال تھی۔ معاشی اعتبار سے مال و دولت کی فراوانی تھی اوران کی زندگی بڑے عیش وعشرت میں گزرتی تھی مگر قوم عاد کی طرح یہ قوم ثمود بھی مشرک اور بت پرست تھی۔ وہ خدائے واحد ذوالجلال کے علاوہ بہت سے معبودان باطل کے پرستار تھے اس لئے ان کی اصلاح اور اظہار حق کے لئے ان ہی کے قبیلہ میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تاکہ وہ ان کو راہ راست پر لائیں۔ ان کو خدا کی نعمتیں یاد دلائیں۔ جن سے صبح وشام وہ محظوظ ہوتے رہتے تھے اوران پر واضح کریں کہ کائنات کی ہر شے خدا کی توحید اور یکتائی پر شاہد ہے اور دلائل و براہین کے ساتھ ان کی گمراہی کو ظاہر کریں اور بتائیں کہ پرستش اور عبادت کے لائق صرف ایک ذات احد کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے چونکہ یہ قوم مشرک ہونے کے ساتھ ساتھ مادہ پرست بھی تھی اس لئے آخرت اور حیات بعدالممات کی منکر بھی تھی جیسا کہ سورۂ مومنون۔ اٹھارویں پارہ میں بتلایا گیا ان کا کہنا یہ تھا کہ بس زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں جب ہم مرجائیں گے اور مٹی میں مل کر مٹی ہوجائیں گے تو پھر زمین سے دوبارہ نکلنے کا کیا سوال۔ آج بھی دہریت اور مادیت کے ماننے والوں کا یہی دعویٰ ہے کہ ''مادہ کے سوا عالم میں اور کوئی چیز موجود نہیں۔ مادے کی سکت وقوت سے مختلف اجسام وجود میں آئے اورانہی مادی اجزا کی ترتیب وترکیب کا نام زندگی ہے اور انہی کے انتشار اور بے ترتیبی کا نام موت ہے اور یہ زندگی اور موت اسی مادہ اور اسی عالم کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس مادی کائنات کے علاوہ نہ اور کوئی عالم ہے اور نہ کوئی اور زندگی۔'' تو یہی خیالات اور عقائد نام اور اصطلاحیں بدل بدل کر ہر زمانہ کے منکرین اور مکذبین سے ظاہر ہوتے رہے ہیں۔

الغرض حضرت صالح علیہ السلام جو خود اس قوم ثمود کے ایک فرد تھے اوراس بنا پران کی قوم کے لوگ ان کے قومی بھائی تھے۔ اس گمراہ اور سرکش قوم کی اصلاح اور تزکیۂ نفس کے لئے آپ مامور ہوئے تھے۔ اپنی پیغمبرانہ دعوت ونصیحت ومواعظہ حسنہ میں توحید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آخرت حشرونشر۔ حیات بعدالممات۔ جزاوسزا کی تبلیغ کا سلسلہ نہایت حکیمانہ انداز میں جاری رکھا اور قوم پر یہ حقیقت واضح کی کہ یہی ہماری مادی زندگی اس بات کی شہادت اپنے اندر رکھتی ہے کہ اس محسوسات اور مادیات کے دائرہ سے اوپر بھی کسی عظیم تر حقیقت وقدرت کا ہونا ضروری ہے۔ خود ہمارے مادی جسموں میں یہ غیر مادی زندگی اور روح کیا ہے اوراس کی پکار کیا ہے۔ یہی کہ کسی بالاتر ہستی نے ہمیں پیدا کیا اور زندگی کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور یہ سب کچھ بے مقصد اور بے معنی نہیں کہ نہ اس کی کوئی باز پرس ہو اور نہ اس پر جزاوسزا ملے۔ یہ دنیا اور یہ زندگی تو ایک امتحان گاہ ہے جس کے ہر کام کا بدلہ اور ہر عمل کی مکافات ہے خدا کی یہ بے شمار نعمتیں جو تمہیں میسر ہیں۔ ہوا پانی۔ آگ روشنی۔ یہ ہرے بھرے کھیت۔ اور یہ سرسبز اور خوشنما باغات اور یہ پہاڑوں کے سینوں کو چیر کر ابلتے ہوئے چشمہ اور یہ حیات بخش دریا۔ اور یہ تمہارے علوم وفنون اور صنعتیں کیا تمہیں یہ سب چیزیں یونہی مل گئی ہیں۔ ان کا خالق اور موجد حقیقی کوئی نہیں؟ اوراس میں تمہارا کوئی امتحان نہیں لیا جائے گا۔ کوئی باز پرس نہیں ہوگی؟ آخر تم اس خدا کے خوف سے کیوں نہیں ڈرتے جس نے مجھ کو تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ مگر حضرت صالح علیہ السلام کی اس نصیحت کا قوم پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا اوران کی مخالفت بڑھتی رہی اور بغض وعناد ترقی پاتا رہا اور ایک مختصر اور کمزور جماعت کے علاوہ جن کی تعداد

بعض مفسرین نے تقریباً ۱۴۰ لکھی ہے کوئی حضرت صالح علیہ السلام کواللہ کا پیغمبر ماننے کے لئے تیار نہ ہوا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قوم ثمود نے بھی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان کا ایک پیغمبر کو جھٹلانا گویا تمام خدا کے پیغمبروں کو جھٹلانا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم کو وہی پیغام دیا جو اللہ کے سارے پیغمبر دیا کرتے ہیں آپ نے قوم سے فرمایا کہ اللہ کے بندو تمہیں اللہ کے غضب سے ڈر نہیں لگتا جو تم اس کی مرضی کے خلاف کاموں میں پھنسے ہوئے ہو۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کا امانت دار پیغمبر ہوں جو میں کہوں وہ مانو اور میری اطاعت کرو میں تم سے کوئی مال و دولت وغیرہ کچھ نہیں چاہتا۔ مجھے تو میرے کام کا صلہ وہی رب العالمین دے گا جس نے مجھے یہ کام سپرد کیا ہے۔ پھر حضرت صالح علیہ السلام قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد دلاتے ہیں اور اس کے عذابوں سے متنبہ فرماتے ہیں کہ وہ جو تمہیں یہ کشادہ روزیاں دے رہا ہے۔ جس نے تمہارے لئے باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور پھل پھلا کر مہیا فرمادیئے ہیں۔ امن چین سے جو تمہاری زندگی کے دن پورے کررہا ہے تم اس کی نافرمانیاں کر کے انہی نعمتوں اور اسی امن و امان میں نہیں چھوڑے جاسکتے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ ہمیشہ اسی عیش و آرام اور باغ و بہار کے مزے لوٹتے رہو گے۔ پھر خدا نے تمہیں اس وقت جن مضبوط اور پرتکلف بلند اور عمدہ گھروں میں رکھ چھوڑا ہے خدا کی توحید اور میری رسالت کے انکار کے بعد کیا ان سے کبھی نہ نکلو گے؟ یا یہ مضبوط اور سنگین عمارتیں تم کو خدا کے عذاب سے بچالیں گی؟ اس سودائے خام کو دل سے نکال ڈالو اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر میرا کہنا مانو۔ اپنے خالق۔ رازق منعم اور محسن کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری اور اس کی توحید کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جاؤ جس کا نفع تمہیں دنیا و آخرت میں ملے گا۔ میں تمہارے ہی بھلے کی بات کہتا ہوں۔ تم اپنے مغرور سرداروں کی پیروی مت کرو یہ تو حدودِ خداوندی سے تجاوز کر کے توحید کی اتباع کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اور زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ نافرمانی گناہ فسق و فجور پر خود لگے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی طرف بلا رہے ہیں۔ حق کی موافقت اور اتباع کر کے اصلاح کی کوشش نہیں کرتے تم میری بات مانو اللہ نے تمہاری اصلاح کے لئے مجھے پیغمبر مقرر کیا ہے۔ یہاں قرآن پاک نے قوم ثمود کے سارے انفرادی و اجتماعی امراض کے لئے ایک جامع لفظ فساد فی الارض کا استعمال کر دیا ہے کیونکہ احکام الٰہیہ کو نہ ماننے اور قانون خداوندی کو قبول نہ کرنے کا نتیجہ دنیا میں ہمیشہ خرابیوں اور طرح طرح کے فتنہ فسادات ہی کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ شراب نوشی۔ زنا کاری۔ سود خواری۔ رشوت و خیانت۔ قتل و غارت۔ رشک و حسد یہ ساری جسمانی اور اخلاقی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور بڑھتی ہی ہیں اور معاشری ابتری ہر قسم کی پیدا ہوتی ہے۔ اور ان فسادات کے پھیلانے کی ذمہ داری قوم کے ان بگڑے ہوئے امرا اور رؤسا۔ مقتدا اور حکام پر ہے جو عوام کی قیادت کرتے ہیں اس لئے حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے عوام کو ہدایت کی کہ تم ان بے لگام اور مفسد سرداروں کی اطاعت چھوڑ کر میری اطاعت کرو۔ ان بڑے مفسد شیطانوں کے پیچھے چل کر تباہ نہ ہو۔ ان کے ہاتھوں سے کوئی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ یہ تو زمین میں اصلاح کے نام پر فساد پھیلاتے ہیں۔

اب قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کے اس سارے خطاب کا جواب کیا دیا اور ان کا انجام کیا ہوا۔ یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ

اُن لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے۔تم بس ہماری طرح کے ایک آدمی ہو سو کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

صالحؑ نے فرمایا کہ یہ ایک اونٹنی ہے پانی پینے کیلئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن میں ایک باری تمہاری۔اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ

کبھی تم کو ایک بھاری دن کا عذاب آ پکڑے۔سو انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا پھر پشیمان ہوئے۔پھر عذاب نے اُن کو آلیا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

بیشک اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے، اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔اور بیشک آپ کا رب بڑا زبردست بہت مہربان ہے۔

قَالُوْٓا انہوں نے کہا	اِنَّمَآ اس کے سوا نہیں	اَنْتَ تم	مِنَ سے	الْمُسَحَّرِيْنَ سحر زدہ لوگ	مَآ اَنْتَ تم نہیں	اِلَّا بَشَرٌ مگر صرف ایک بشر	مِّثْلُنَا ہم جیسا
فَاْتِ پس لاؤ	بِاٰيَةٍ کوئی نشانی	اِنْ اگر	كُنْتَ تو	مِنَ سے	الصّٰدِقِيْنَ سچے لوگ	قَالَ اس نے فرمایا	هٰذِهٖ یہ / نَاقَةٌ اونٹنی / لَّهَا اس کیلئے
شِرْبٌ پانی پینے کی باری	وَّلَكُمْ اور تمہارے لئے	شِرْبُ ایک باری پانی پینے کی	يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ معین دن	وَلَا تَمَسُّوْهَا اور اسے ہاتھ نہ لگانا	بِسُوْٓءٍ برائی سے		
فَيَاْخُذَكُمْ سو (ورنہ) تمہیں آ پکڑے گا	عَذَابُ عذاب	يَوْمٍ عَظِيْمٍ ایک بڑا دن	فَعَقَرُوْهَا پھر انہوں نے کونچیں کاٹ دیں اس کی	فَاَصْبَحُوْا پس رہ گئے			
نٰدِمِيْنَ پشیمان	فَاَخَذَهُمُ پھر انہیں آ پکڑا	الْعَذَابُ عذاب	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَمَا اور نہیں	كَانَ ہیں
اَكْثَرُهُمْ انکے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانیوالے	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ کس طرح آپ نے قوم کو اللہ کی یاد دلا کر اور عذاب الٰہی سے ڈرا کر توحید کی طرف متوجہ فرمایا اور شرک سے باز رہنے کی تلقین فرمائی اور بحیثیت خدا کے پیغمبر ہونے کے اپنی اطاعت کا حکم فرمایا۔ مگر جس قوم کے لوگ نفس کے پرستار ہوں اور ہوا و ہوس اور فسق و فجور میں گرفتار ہوں۔ قوت اور ثروت کے نشہ میں سرشار ہوں۔ ان کے دلوں میں داعی حق کی خیر خواہی اور پند و نصیحت کہاں اترتی ہے۔ قوم ثمود جو توحید کی بھی منکر تھی۔ آخرت کو بھی نہ مانتی تھی۔ جزا سزا اور حساب کتاب کی بھی قائل نہ تھی۔ عدل و انصاف بھی ان کی نظر میں کوئی حقیقت نہ رکھتا تھا۔ اپنی طاقت و ثروت اور حکومت پر جن کو ناز تھا وہ بھلا کہاں پیغمبر کی دعوت اور نصیحت پر کان رکھنے والی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام کی ساری پیغام رسانی اور تبلیغ حق کے جواب میں قوم نے جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے حضرت صالح علیہ السلام کو سحر زدہ یعنی دیوانہ و مجنون جس کی عقل ماری گئی ہو بتلایا۔ قدیم تصورات کے مطابق پاگل پن یا تو کسی جن کے اثر سے لاحق ہوتا تھا یا جادو کے اثر سے اس لئے وہ جسے پاگل کہنا چاہتے تھے اس کو یا تو وہ مجنون کہتے یا مسحور۔ تو قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کو بے عقل قرار دیا اور کہا کہ تمہاری تو عقل جاتی رہی ہے۔ ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جو ایسی

باتیں کرتے ہو۔ بظاہر تو تم ہماری طرح انسان اور بشر ہو اور ہم میں اور تم میں کوئی فرق نظر نہیں آتا کہ ہم تمہیں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر مان لیں۔ جیسے ہم آدمی ہیں ایسے ہی تم بھی آدمی ہو اور اگر واقعی تم سچے ہو اور تمہارا دعویٰ نبوت صحیح ہے تو پھر اپنے صدق کی کوئی نمایاں نشانی اور عظیم الشان ثبوت پیش کرو۔ دیکھا آپ نے کور دماغ اور اندھی بصیرت والوں کی نظر میں انسان صرف گوشت پوست کے مجموعہ کا نام ہے علمی اور عملی فضائل اور کمالات ان کے نزدیک باعث فوقیت نہیں ہوتے۔ تو قوم ثمود نے بھی حضرت صالح علیہ السلام سے یہی کہا کہ جب تک تم کوئی نمایاں محسوس عظیم الشان ثبوت اپنی نبوت کا پیش نہ کرو گے ہم نہیں مانیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بطور اتمام حجت کے پھر نصیحت کی کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ جن امتوں نے پیغمبر کی ہدایات کا انکار کیا اور ان کو جھٹلایا اور خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول کی تصدیق کے لئے کبھی بطور خود اور کبھی قوم کے مطالبہ پر کوئی ایسی نشانی نازل فرمائی جو نبی اور رسول کی تصدیق کا باعث بنے۔ لیکن اگر قوم نے اس نشانی یا معجزہ کے بعد بھی تکذیب کو نہ چھوڑا اور انکار پر اڑے رہے تو پھر عذاب الٰہی نے آکر ان کو ہلاک اور تباہ کر دیا۔ اس لئے حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو پھر نصیحت کی مگر بغیر کسی نمایاں معجزے اور نشانی کے ظہور کے سب نے ماننے سے انکار کر دیا۔ بالآخر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو اور کس قسم کا نشان چاہتے ہو؟ اس پر قوم نے مطالبہ کیا کہ سامنے والی پہاڑی چٹان میں سے ایک ایسی اونٹنی ظاہر ہو کہ جو گابھن ہو اور ظاہر ہو کر فوراً بچہ دے۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر میں اپنے رب سے دعا کروں اور وہ یہی نشانی میرے ہاتھوں تمہیں دکھا دے تو پھر تو تمہیں میری نبوت کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ سب نے وعدہ کیا اور قول

وقرار کیا کہ ہم سب ایمان لے آئیں گے اور آپ کی نبوت مان لیں گے۔ آپ بہت جلد یہ معجزہ دکھایئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اسی وقت نماز شروع کی اور پھر اللہ عزوجل سے دعا کی تو اسی وقت ان سب کے سامنے وہ چٹان پھٹی اور حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی اور اس نے بچہ دیا۔ تو اس کو دیکھ کر کچھ لوگ حسب اقرار ایمان لے آئے لیکن اکثر لوگ پھر بھی منکر ہی رہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے تمام قوم کو تنبیہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے۔ یہ اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی ہے جو ضابطہ مقرر کے خلاف پتھر کی چٹان سے پیدا ہوئی ہے کوئی اس کو اذیت نہ پہنچائے اگر اس کو آزار پہنچا تو پھر تمہاری بھی خیر نہیں اور خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر ہو ایک دن اس اونٹنی کا ہوگا اور ایک دن ساری قوم کے چوپایوں کا۔ الغرض یہ دستور جاری رہا کہ پانی کی باری ایک دن اس اونٹنی کی رہتی اور تمام قوم اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاتی جو جس قدر چاہتا دوھ کر لے جاتا۔ دودھ کم نہ ہوتا۔ اور دوسرے روز قوم کی باری ہوتی اور وہ اونٹنی اور اس کا بچہ بغیر روک ٹوک چراگاہوں میں چرتے اور آسودہ رہتے مگر آہستہ آہستہ یہ بات بھی قوم کو کھٹکنے لگی اور آپس میں صلاح مشورہ ہونے لگے کہ اس اونٹنی کا خاتمہ کر دیا جائے تو اس باری والے قصہ سے نجات ملے کیونکہ یہ قید ہمارے چوپایوں اور خود ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ بہر حال قوم ثمود زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکی اور ایک سازش کر کے اس اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ رنجیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ اے بدبخت قوم آخر تجھ سے صبر نہ ہوسکا۔ اب خدا کے عذاب کا انتظار کر و تین روز کے بعد وہ نہ ٹلنے والا عذاب آئے گا جو تم کو ہمیشہ کے لئے تہس نہس کر جائے گا۔ لکھا ہے قوم ثمود پر عذاب آنے کی علامات اگلی صبح ہی سے شروع

ہو گئیں یعنی پہلے روز ان کے چہرہ زرد پڑ گئے۔ اور دوسرے روز سب کے چہرہ سرخ تھے اور تیسرے روز ان سب کے چہرہ سیاہ تھے۔ بہر حال ان تین دن کے بعد وقت موعود آ پہنچا اور رات کے وقت ایک ہیبت ناک آواز نے ہر اس شخص کو جو منکر تھا اسی حالت میں ہلاک کر دیا جس حالت میں وہ تھا قران کریم نے اس ہلاکت آفریں آواز کو کسی مقام پر صاعقہ یعنی کڑک دار بجلی اور کسی جگہ رجفہ یعنی زلزلہ ڈال دینے والی شے اور بعض جگہ طاغیہ یعنی دہشت ناک اور بعض جگہ صیحہ یعنی سخت چیخ فرمایا تو مفسرین نے ان سب کیفیتوں کو اس طرح جمع فرمایا ہے کہ زمین میں جنبش ہوئی اور زور کا زلزلہ آیا اور اوپر سے ایک سخت ہولناک چیخ سنائی دی جس سے جگر پھٹ گئے اور سب بے دین فنا کے گھاٹ اتر گئے اور وہ عذاب ان کو اور ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کر کے سرکشوں کی سرکشی اور مغروروں کے غرور کا انجام ظاہر کرنے کے لئے آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا سامان پیش کر گیا۔ ایک طرف ثمود پر یہ عذاب نازل ہوا اور دوسری جانب حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے پیرو اہل ایمان کو خدا نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور جیسا کہ سورۂ ہود میں بتلایا گیا ان کو اللہ نے اپنی رحمت سے اس عذاب سے بچا لیا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کے اس واقعہ کو بھی انہیں آیات پر ختم کیا گیا جن پر دوسرے انبیاء کے گذشتہ میں بیان کئے ہوئے واقعات کو ختم کیا یعنی ان فی ذٰلک لاٰیۃ وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھو العزیز الرحیم○ یعنی بے شک اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اور باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ حقیقت میں آپ کا رب بڑا زبردست اور بہت مہربان ہے کہ باوجود قدرت کے مہلت دیتا ہے۔

مفسرین نے اس قصہ کے تحت لکھا ہے کہ سنت اللہ یہ رہی ہے کہ اگر حق تعالیٰ اپنے پیغمبر کو کسی قوم کی ہدایت کے لئے بھیجے اور قوم اس کی ہدایت پر کان نہ دھرے تو ضروری نہیں کہ وہ قوم ہلاک ہی کر دی جائے لیکن جو قوم اپنے نبی سے اس وعدہ پر نشان طلب کرے کہ اگر ان کا مطلوبہ نشان ظاہر ہو گیا تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے اور پھر وہ ایمان نہ لائے تو اس قوم کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے اور خدائے تعالیٰ اس کو معاف نہیں فرماتے تا آنکہ وہ تائب ہو جائے اور خدا کے دین کو قبول کر لے یا پھر عذاب الٰہی سے صفحہ ہستی سے مٹ کر دوسروں کے لئے درس عبرت بن جائے۔ مگر اس سنت اللہ سے پیغمبر آخر الزمان سید الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام رسالت مستثنیٰ ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی نے تصریح فرمائی ہے کہ میں نے خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ میری امت میں عذاب عام نہ مسلط فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔ محدثین نے لکھا ہے کہ لفظ امت میں امت دعوت ہو یا امت اجابت دونوں شامل ہیں۔ یعنی یہ دعا آپ کی صرف اہل اسلام اور کلمہ گویوں ہی کے لئے نہیں بلکہ غیر مسلمین جن کو کلمہ کی دعوت دی جا رہی ہے وہ بھی امت دعوت ہونے کی وجہ سے اس دعا میں شامل ہیں۔ اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس تصریح کی تصدیق بھی فرما دی اور سورۂ انفال نویں پارہ میں ارشاد فرمایا وماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان کافروں پر عام عذاب مسلط نہ کرے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سرکار دو عالم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ جو آج یہ امت مسلمہ باوجود ہر طرح کے معاصی اور نافرمانیوں کے عذاب عام سے بچی ہوئی ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مقام حجر پر ہوا جہاں کبھی یہ قوم ثمود آباد تھی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قوم ثمود کے کنویں سے پانی بھرا اور آٹا گوندھ کر روٹیاں تیار کرنے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو پانی گرادینے اور ہانڈیاں اوندھی کر دینے اور آٹا بیکار کر دینے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ وہ بستی ہے جس پر خدا کا عذاب ہوا۔ یہاں نہ قیام کرو اور نہ یہاں کی اشیاء سے فائدہ اٹھاؤ۔ آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈالو ایسا نہ ہو کہ تم بھی کسی بلا میں مبتلا ہو جاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم ان حجر کی بستیوں میں خدا سے ڈرتے۔ عجز وزاری کرتے ہوئے داخل ہوا کرو ورنہ ان میں داخل ہی نہ ہوا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اپنی غفلت کی وجہ سے عذاب کی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجر میں داخل ہوئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے نشانیاں طلب نہ کیا کرو۔ دیکھو صالح علیہ السلام کی قوم نے نشان طلب کیا تھا اور وہ ناقہ پہاڑ کی کھوہ سے نکلتی اور اپنی باری میں کھا پی کر وہیں واپس چلی جاتی اور جو اس کی باری کا دن تھا اس میں قوم ثمود کو اپنے دودھ سے سیراب کرتی تھی مگر ثمود نے آخر کار سرکشی کی اور ناقہ کی کونچیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے ان پر چیخ کا عذاب مسلط کر دیا اور وہ اس عذاب سے گھروں کے اندر ہی مردہ ہو کر رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو ہر طرح کے ظاہری و باطنی عذاب سے محفوظ و مامون فرمائیں۔

اب اس کے آگے چھٹا قصہ لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی اور اپنے رسول پاک کی اطاعت اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے محفوظ فرمائیں۔ اور گذشتہ آیات میں جو ہم سے تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے معاف فرماویں۔

اے اللہ اس امت مسلمہ میں اس وقت جو دین سے غفلت طاری ہے اس جرم عظیم کو اپنی رحمت سے معاف فرما اور ہم کو اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پکا اور سچا اور وفادار امتی بن کر زندہ رہنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ ہم کو اسلام سے سچی و پکی محبت نصیب فرما اور ہم کو اپنے اس دین کے لئے اپنی جانیں اور مال قربان کرنے کی ہمت و عزم عطا فرما۔ اور اپنے دین کی خدمت کسی نہ کسی درجہ میں ہم سب کے لئے مقدر فرما۔ یا اللہ! یہ قرآنی واقعات ہمارے لئے بھی باعث عبرت و نصیحت بنادے۔ ہمارے دلوں پر جو دین سے غفلت کے پردے پڑ گئے ہیں ان کو چاک کر دے۔ یا اللہ! ہم کو تو آپ نے اپنی رحمت سے اشرف الانبیاء والمرسلین رحمتہ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا مگر افسوس صد افسوس کہ ہم نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر نہ پہچانی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ سے جان چرانے لگے۔ فسق و فجور ہوا و ہوس کے شکار ہو گئے۔ نفس و شیطان کے جال میں پھنس گئے۔ یا اللہ! اب ہم آپ کے رحم و کرم کے طالب ہیں۔ نبی الرحمتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے ہماری بدحالی کو نیک حالی سے مبدل فرمادے۔ ہم کو اپنا اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار بنالے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۶۰ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۶۱ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

قوم لوطؑ نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا۔جبکہ اُن سے اُن کے بھائی لوطؑ (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو۔میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں

اَمِيْنٌ ۝۱۶۲ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۱۶۳ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶۴

سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔اور میں تم سے اِس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶۵ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

کیا تم دنیا جہاں والوں میں سے تم مردوں کے پاس جاتے ہو۔اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے بیبیاں پیدا کی ہیں اُن کو نظر انداز کئے رہتے ہو

عٰدُوْنَ ۝۱۶۶ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ۝۱۶۷ قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ۝۱۶۸

بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔وہ لوگ کہنے لگے کہ اے لوطؑ اگر تم باز نہیں آ ؤ گے تو ضرور نکال دیئے جاؤ گے۔لوطؑ نے فرمایا کہ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔

رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶۹ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۷۰ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِيْنَ ۝۱۷۱ ثُمَّ

لوطؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو اور میرے متعلقین کو ان کے اس کام (کے وبال) سے نجات دے۔سو ہم نے اُن کو اور اُن کے متعلقین کو سب کو نجات دی۔بجز ایک بڑھیا کے

دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝۱۷۲ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝۱۷۳ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

کہ وہ رہ جانیوالوں میں رہ گئی۔پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کردیا۔اور ہم نے اُن پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا سو کیا بُرا مینہ تھا جو اُن لوگوں پر برسا جن کو ڈرایا گیا تھا۔بیشک اس (واقعہ) میں (بھی) عبرت ہے۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۷۴ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۱۷۵

اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔اور بے شک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	قَوْمُ لُوْطٍ قوم لوطؑ	الْمُرْسَلِيْنَ رسولوں کو	اِذْ جب	قَالَ کہا	لَهُمْ ان سے	اَخُوْهُمْ انکے بھائی	لُوْطٌ لوطؑ	اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم ڈرتے نہیں
اِنِّیْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُوْلٌ رسول	اَمِيْنٌ امانت دار	فَاتَّقُوْا پس تم ڈرو	اللّٰهَ اللہ	وَاَطِيْعُوْنِ اور تم میری اطاعت کرو		
وَمَآ اَسْئَلُكُمْ اور میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ اَجْرٍ کوئی اجر	اِنْ نہیں	اَجْرِيَ میرا اجر	اِلَّا مگر۔صرف	عَلٰى پر	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رب العالمین	
اَتَاْتُوْنَ کیا تم آتے ہو	الذُّكْرَانَ مردوں کے پاس	مِنَ سے	الْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں	وَتَذَرُوْنَ اور تم چھوڑتے ہو	مَا خَلَقَ جو اس نے پیدا کیا			
لَكُمْ تمہارے لئے	رَبُّكُمْ تمہارا رب	مِنْ سے	اَزْوَاجِكُمْ تمہاری بیویاں	بَلْ بلکہ	اَنْتُمْ تم	قَوْمٌ لوگ	عٰدُوْنَ حد سے بڑھنے والے	
قَالُوْا بولے وہ	لَئِنْ اگر	لَمْ تَنْتَهِ تم باز نہ آئے	يٰلُوْطُ اے لوطؑ	لَتَكُوْنَنَّ البتہ ضرور تم ہوگے	مِنَ سے	الْمُخْرَجِيْنَ مُخرَج (نکالے جانے والے		
قَالَ اس نے کہا	اِنِّیْ بیشک میں	لِعَمَلِكُمْ تمہارے فعل سے	مِنَ سے	الْقَالِيْنَ نفرت کرنے والے	رَبِّ اے میرے رب	نَجِّنِیْ مجھے نجات دے		
وَاَهْلِیْ اور میرے گھر والے	مِمَّا اس سے جو	يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے ہیں	فَنَجَّيْنٰهُ تو ہم نے نجات دی اسے	وَاَهْلَهٗ اور اس کے گھر والے	اَجْمَعِيْنَ سب			
اِلَّا سوائے	عَجُوْزًا ایک بڑھیا	فِی الْغٰبِرِيْنَ پیچھے رہ جانے والوں میں	ثُمَّ دَمَّرْنَا پھر ہم نے ہلاک کردیا	الْاٰخَرِيْنَ دوسرے	وَ اور			

3

اَمۡطَرۡنَا ہم نے بارش برسائی	عَلَيۡهِمۡ ان پر	مَطَرًا ایک بارش	فَسَآءَ پس بری	مَطَرُ بارش	الۡمُنۡذَرِيۡنَ ڈرائے گئے	اِنَّ بیشک
فِيۡ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ ایک نشانی	وَ اور	مَا نہ	كَانَ تھے	اَكۡثَرُهُمۡ ان کے اکثر	مُّؤۡمِنِيۡنَ ایمان لانے والے	وَ اور	اِنَّ بیشک
رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الۡعَزِيۡزُ غالب	الرَّحِيۡمُ نہایت مہربان		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت صالح علیہ السلام اوران کی قوم کا ذکر ہوا تھا اب آگے ان آیات میں چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام اوران کی قوم کا بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور آپ کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ گزرا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آبائی وطن سے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی تو لوط علیہ السلام بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصر کا سفر اختیار کیا تو اس وقت بھی لوط علیہ السلام آپ کے ہم سفر رہے۔ مصر سے واپسی پر آپ منصب رسالت پر فائز ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کو سدوم اور عامورہ کی بستیوں کی طرف دین حنیف کی تبلیغ کے لئے بھیج دیا۔ یہ بستیاں اردن کی اس جانب واقع تھیں جہاں آج بحیرہ مردار یا بحرلوط واقع ہے جس کو انگریزی میں Dead Sea کہتے ہیں اور یہ تمام حصہ جواب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں خشک زمین تھی اوراس پر شہر آباد تھے جب قوم لوط پر عذاب آیا اوراس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے اور بھونچال آئے تب یہ زمین تقریباً چار سومیٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا۔ اسی لئے اس کا نام بحرلوط یا بحرمیت ہے۔ لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آکر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا ہیں کہ الامان الحفیظ۔ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہ تھی جو ان میں موجود نہ ہو۔ دنیا کی سرکش ۔مغرور۔ بداخلاق اور بداطوار اقوام کے دوسرے عیوب وفواحش کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث اور غیر فطری عمل کی موجد تھی

یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے وہ عورتوں کی بجائے مردلڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے۔ دنیا کی قوموں میں اس فعل قبیح اور غیر فطری عمل کا اس وقت تک کہیں رواج نہ تھا یہی خبیث اور بدبخت قوم تھی جس نے اس ناپاک عمل کی ایجاد کی۔ اسی لئے اس عمل کا نام ''لواطت'' مشہور ہے اوراس سے بھی زیادہ شرارت۔ خباثت اور بے حیائی یہ تھی کہ وہ اپنی اس بدکرداری کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور علی الاعلان فخر ومباہات کے ساتھ اس کے مرتکب رہتے یہ غیر فطری اور اخلاق سوز حرکت اس قوم میں شخصی اور انفرادی حدود سے بڑھ کر قومی حیثیت اختیار کرچکی تھی۔ اس کے علاوہ مسافروں کی رہزنی اور ڈاکہ زنی بھی ان میں رائج تھی جیسا کہ سورۂ عنکبوت ۲۰ ویں پارہ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اسی بدکردار اور بدبخت قوم کی ہدایت اور اصلاح کے لئے حضرت لوط علیہ السلام مامور فرمائے گئے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اس گمراہ قوم کی اصلاح کی انتہائی کوشش کی اور ان کو ان کی بے حیائیوں اور خباثت پر ملامت کی۔ شرافت وطہارت کی زندگی کی رغبت دلائی اور حسن خطابت اور نرمی کے ساتھ جو ممکن طریقے سمجھانے کے ہوسکتے تھے ان کو سمجھایا اور نصیحت کی اور گذشتہ اقوام کے بداعمالیوں کے نتائج وثمرات بتا کر عبرت دلائی مگر ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ پڑا اور آپ کی تکذیب کی اور مذاق اڑایا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قوم لوط نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی یعنی اگرچہ ان کی طرف صرف حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے پیغمبر مبعوث ہوئے تھے مگر انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور ایک پیغمبر کی تکذیب گویا اللہ کے تمام پیغمبروں کی تکذیب ہے

کیونکہ پیغام ہدایت اور تبلیغ حق سب پیغمبروں کا ایک ہی ہے۔
آگے بتلایا جاتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا اور ان پر یہ بات واضح کی کہ میں تم تک خدا کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمہارے اعمال بد کے عواقب اور نتائج سے تمہیں ڈراتا ہوں تا کہ تم خدا کا خوف کرو اور ہدایت اختیار کرو۔ اس وعظ و نصیحت سے میرا مقصد دنیاوی نام و نمود حاصل کرنا یا مال و دولت جمع کرنا نہیں ہے اس لئے کہ نہ تم سے مجھے کوئی لالچ ہے اور نہ تم سے میں کسی چیز کا طالب ہوں۔ میرا بدلہ تو صرف اس رب العالمین کے ذمہ ہے جس کی پیغام رسانی کا کام میرے سپرد ہوا ہے۔ اگر تم میں کچھ بھی عقل ہو تو سمجھ لو کہ ایسا شخص جس کی کوئی غرض نہ ہو اور جس کو تم سے کوئی طمع اور ہوس نہ ہو جھوٹ نہیں بولے گا اور نہایت امانت و دیانت سے خدا کا پیغام تم کو پہنچائے گا اس کے بعد آپ نے بار بار ان کی مخصوص گمراہی یعنی شہوت پرستی اور غیر فطری افعال کی طرف ان کو توجہ دلائی اور اس سے ان کو باز رکھنے کی کوشش کی اور سمجھایا کہ تم مردوں سے نفسانی تعلقات قائم کرتے ہو اور وہ جائز عورتیں جو فطرۃً جنسی تعلقات کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور مردوں کے جوڑے ہیں تم ان کو ترک کرتے ہو۔ یہ شہوت رانی کی انتہائی حد ہے اور دائرہ فطرت سے باہر قدم رکھنا ہے اور احکام الٰہیہ سے انتہائی سرکشی ہے۔ مگر انسان کی عقل پر جب مادی قوتوں کا عام تسلط ہو جاتا ہے اور روحانی طاقت نفسانی طاقتوں سے مغلوب ہو جاتی ہے تو علاوہ علم و ادراک سے غافل ہونے اور حقائق کائنات سے توجہ کو ہٹا لینے کے اس کی مادی قوتیں بھی صحیح کام نہیں کرتیں۔ اچھے برے مفید اور مضر اور صحیح و غلط کا فرق اس کو معلوم نہیں ہوتا۔ نفس کا گھوڑا بے لگام ہو جاتا ہے تو کھائی اور خندق کی تمیز نہیں رہتی۔ قوم لوط کی بصیرت بھی اندھی تھی اور عقل پر نفس و شہوت کا غلبہ تھا مشفق اور ناصح پیغمبر کی نصیحت کو

ماننا تو در کنار کہنے لگے کہ اے لوط اگر تم اس وعظ و نصیحت سے باز نہ آئے اور یونہی روکتے ٹوکتے رہے تو ہم اپنی بستی سے تم کو باہر نکال دیں گے۔ یہاں تمہیں رہنا نصیب نہ ہوگا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے جلاوطن کرنے کی کیا دھمکی دیتے ہو۔ میں اس دھمکی سے کہنے سننے اور وعظ و نصیحت سے نہ رکوں گا۔ میں تم سب کے سامنے تمہاری ان حرکتوں سے اپنی بیزاری اور نفرت اور برأت کا اعلان کرتا ہوں اور جب میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں تو کہنا سننا کیسے چھوڑ دوں گا۔ لوط علیہ السلام نے ہر چند خدا کے عذاب اور اس کے غضب سے ڈرایا مگر بدنصیب قوم اس پر بھی نہ سنبھلی اور عذاب الٰہی کا بھی یقین نہیں کیا اور جیسا کہ سورۂ عنکبوت ۲۰ ویں پارہ میں بتلایا گیا کہ قوم کے منکروں نے کہا بھی تو یہ کہا کہ اگر تم واقعی سچے نبی ہو اور واقعی سچ کہتے ہو کہ ہمارے یہ کام خراب اور مستوجب عذاب ہیں تو دیر کیا ہے وہ عذاب لے آؤ۔ حضرت لوط علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس قوم پر عذاب آ کر رہے گا کیونکہ نہ صرف اس فعل شنیع کی مرتکب اور بانی ہے بلکہ اس کے جاری رکھنے پر اس قدر اصرار ہے کہ نصیحت کرنے والے پیغمبر کو اپنی بستی سے نکالنے پر تیار ہے اور جب ان کی فطرت اور طبائع اس قدر مسخ ہو چکی ہیں کہ خوف خدا کا کوئی شائبہ بھی دلوں میں باقی نہیں۔ عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور پیغمبر کے مقابلہ میں آمادہ ہیں تو قوم کی ہلاکت کے یہ آثار دیکھ کر آپ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے اور میرے اہل کو ان کی بدکرداری کے وبال و عذاب سے بچا لے۔ آیت میں اہل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اہل سے مراد صرف گھر والے ہی نہیں بلکہ وہ تمام مومن مراد ہیں جو حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے وہ سب آپ کے متبعین تھے اور آپ کے اہل کہلانے کے مستحق تھے اور جو باوجود قریبی تعلق اور

رشتۂ قرابت کے آپ کے فرمان پذیر نہ تھے۔ وہ آپ کے اہل کہلانے کے مستحق نہ تھے۔ نسبتی تعلق محض اعتباری ہے۔ اصل تعلق دین کا ہے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے اپنی قوم کا ساتھ دیا اور انہیں کے ساتھ تباہ ہوئی۔ قرآن پاک کی دوسری آیات میں جہاں حضرت لوط علیہ السلام کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ملائکہ عذاب دینے کے لئے سدوم پہنچے تو حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان ہوئے۔ یہ اپنی شکل صورت میں حسین وخوبصورت اور عمر میں نوجوان لڑکوں کی حیثیت میں تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان مہمانوں کو دیکھا تو گھبرا گئے اور خوف ہوا کہ بدبخت قوم میرے ان مہمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرے گی کیونکہ ابھی تک آپ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ خدا کے پاک فرشتہ ہیں ابھی حضرت لوط علیہ السلام اسی فکر ہی میں تھے کہ قوم کو خبر لگ گئی اور لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ آئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ تم ان کو ہمارے حوالہ کردو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بہت سمجھایا کہ کیا تم میں کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو انسانیت کو برتے اور حق کو سمجھے تم کیوں اس لعنت میں گرفتار ہو اور خواہشات نفس کے پورا کرنے کے لئے فطری طریق عمل کو اور حلال طریقہ سے عورتوں کو رفیقۂ حیات بنانے کی جگہ اس ملعون بے حیائی کے درپے ہو۔ حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کو دیکھ کر فرشتوں نے کہا آپ ہماری ظاہری صورتوں کو دیکھ کر نہ گھبرائیں۔ ہم ملائکہ عذاب ہیں اور خدا کے قانون جزائے اعمال کا فیصلہ ان کے حق میں اٹل ہے وہ اب ان کے سر سے ٹلنے والا نہیں آپ اور آپ کے اہل اس عذاب سے محفوظ رہیں گے مگر آپ کی بیوی ان ہی بے حیاؤں کی رفاقت میں رہے گی اور آپ کا ساتھ نہ دے گی۔ ان کے عذاب کا وقت صبح کا ہے آپ ابتدائے شب میں اپنے اہل سمیت اس بستی سے رخصت ہو جایئے اور آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ حضرت لوط علیہ السلام ملائکہ کی ہدایات کے موافق اس بستی سے مع رفقا کے رخصت ہو گئے لیکن آپ کی بیوی نے آپ کی رفاقت سے انکار کر دیا اور وہ سدوم ہی میں رہ گئی۔ آخر عذاب الٰہی کا وقت آ پہنچا تو اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا۔ پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا اور وہی ہوا جو گذشتہ قوموں کی نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہو چکا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے تذکرہ کو بھی انہی آیات پر ختم کیا گیا جن پر دوسرے انبیاء کے تذکرہ کو ختم کیا گیا تھا یعنی **ان فی ذلک لایة وما کان اکثرھم مومنین وان ربک لھوالعزیز الرحیم** بیشک اس واقعہ میں بھی عبرت ہے اور باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا اور بڑی رحمت والا ہے کہ عذاب دے سکتا تھا مگر ابھی مہلت دے رکھی ہے۔

اب آگے ساتواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم اصحاب ایکہ کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو ہر طرح کے ظاہری و باطنی عذاب سے محفوظ و مامون فرمائیں۔ اور نافرمان قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

اصحاب الایکہ نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں

اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَا اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ

سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾

تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان مت کیا کرو۔ اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

اور لوگوں کا اُن کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور سرزمین میں فساد مت مچایا کرو۔ اور اُس سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوقات

وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ

کو پیدا کیا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ بس تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کردیا ہے۔ اور تم تو محض ہماری طرح ایک آدمی ہو اور ہم تو تم کو جھوٹے لوگوں میں سے

لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ

خیال کرتے ہیں۔ سو اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادو شعیب (علیہ السلام) بولے

رَبِّيْ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ

کہ تمہارے اعمال کو میرا رب (ہی) خوب جانتا ہے۔ سو وہ لوگ اُن کو جھٹلایا کئے پھر اُن کو سائبان کے واقعہ نے آ پکڑا، بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔

عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾

اس (واقعہ) میں (بھی) عبرت ہے، اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور بیشک آپ کا رب بڑی قوت والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

كَذَّبَ جھٹلایا	اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ایکہ (بن) والے	الْمُرْسَلِيْنَ رسول	اِذْ قَالَ جب کہا	لَهُمْ انہیں	شُعَيْبٌ شعیب	اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم ڈرتے نہیں؟	
اِنِّيْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُوْلٌ رسول	اَمِيْنٌ امانت دار	فَاتَّقُوْا سو ڈرو تم	اللّٰهَ اللہ	وَاَطِيْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو	
وَمَا اَسْـَٔلُكُمْ اور میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ اَجْرٍ کوئی اجر	اِنْ نہیں	اَجْرِيَ میرا اجر	اِلَّا مگر صرف	عَلٰى پر	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رب العالمین
اَوْفُوْا تم پورا کرو	الْكَيْلَ ماپ	وَلَا تَكُوْنُوْا اور نہ ہو تم	مِنَ سے	الْمُخْسِرِيْنَ نقصان دینے والے	وَزِنُوْا اور وزن کرو	بِالْقِسْطَاسِ ترازو سے	
الْمُسْتَقِيْمِ ٹھیک سیدھی	وَلَا تَبْخَسُوْا اور نہ گھٹاؤ	النَّاسَ لوگ	اَشْيَاءَهُمْ ان کی چیزیں	وَلَا تَعْثَوْا اور نہ پھرو	فِي الْاَرْضِ زمین میں		
مُفْسِدِيْنَ فساد مچاتے ہوئے	وَاتَّقُوْا اور ڈرو	الَّذِيْ وہ جس نے	خَلَقَكُمْ پیدا کیا تمہیں	وَالْجِبِلَّةَ اور مخلوق	الْاَوَّلِيْنَ پہلی	قَالُوْا وہ بولے (کہنے لگے)	

اِنَّمَآ اسکے سوانہیں	اَنْتَ تو	مِنَ سے	الْمُسَحَّرِيْنَ سحرزدہ	وَمَآ اَنْتَ اور نہیں تو	اِلَّا مگر۔صرف	بَشَرٌ ایک بشر	مِّثْلُنَا ہم جیسا	
وَاِنْ نَّظُنُّكَ اورالبتہ ہم گمان کرتے ہیں تجھے	لَمِنَ البتہ۔سے	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹے	فَاَسْقِطْ سوتو گرا	عَلَيْنَا ہم پر	كِسَفًا ایک ٹکڑا	مِّنَ سے		
السَّمَآءِ آسمان	اِنْ كُنْتَ اگر تو ہے	مِنَ سے	الصّٰدِقِيْنَ سچے	قَالَ فرمایا	رَبِّيْٓ میرا رب	اَعْلَمُ خوب جانتا ہے	بِمَا جو کچھ	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو
فَكَذَّبُوْهُ تو انہوں نے جھٹلایا اسے	فَاَخَذَهُمْ پس پکڑا انہیں	عَذَابُ عذاب	يَوْمِ الظُّلَّةِ سائبان والا دن	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھا	عَذَابَ عذاب		
يَوْمٍ عَظِيْمٍ بڑا (سخت) دن	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَ اور	مَا كَانَ نہ تھے	اَكْثَرُهُمْ انکے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانیوالے	
	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تیرا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ فرمایا گیا تھا اب آگے ان آیات میں ساتواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم اصحاب ایکہ کا بیان فرمایا جاتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم کا تذکرہ قرآن پاک میں سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور وہاں بتلایا گیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت قبیلہ مدین میں ہوئی تھی۔ یہاں سورۂ شعراء میں آپ کی قوم کا نام اصحاب الایکہ بتلایا گیا۔ اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قبیلہ کا نام ہے۔ چونکہ یہ قبیلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے تھا اس لئے باپ کی نسبت سے مدین کہلایا اور زمین کی طبعی اور جغرافی حیثیت سے اصحاب ایکہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ اصحاب ایکہ کے معنی ہیں جھنڈ والے۔ ''ایکہ'' ان سرسبز شاداب جھاڑیوں کو کہتے ہیں جو ہرے بھرے درختوں کی کثرت کی وجہ سے جنگلوں اور بنوں میں اگی رہتی ہیں۔ قبیلہ مدین جہاں آباد تھا یعنی بحر قلزم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے شمال مغرب میں شام کے متصل اس جگہ کو آب وہوا کی لطافت۔ نہروں اور چشموں کی کثرت نے اس قدر شاداب اور پرفضا بنادیا تھا اور یہاں میووں پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے اس قدر باغات اور چمن تھے کہ اگر ایک شخص آبادی سے باہر کھڑے ہوکر نظارہ کرتا تو اس کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ مقام ایک نہایت شاداب اور گھنے درختوں کا ایک بن ہے اسی وجہ سے قرآن کریم نے اس کو ''ایکہ'' کہہ کر تعارف کرایا۔ بہرحال حضرت شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم میں مبعوث ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ خدا کی نافرمانی اور معصیت کا ارتکاب صرف افراد میں ہی نہیں پایا جاتا بلکہ ساری قوم اپنی بداعمالیوں میں اس قدر سرمست وسرشار ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ جو کچھ ہورہا ہے معصیت اور گناہ ہے بلکہ اپنے ان اعمال کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ ان کی بہت سی بداخلاقیوں اور نافرمانیوں سے قطع نظر جن قبیح امور نے خصوصیت کے ساتھ اس قوم میں رواج پالیا تھا وہ مشرکانہ رسوم اور خرید وفروخت میں دھوکہ دہی۔ تمام معاملات میں کھوٹ اور ڈاکہ زنی تھے۔ دنیا کی قوموں کے عام رواج کے مطابق دراصل ان کے زمین اور باغوں کی زرخیزی اور شادابی۔ دولت وثروت کی فراوانی۔ اور خوشحالی نے ان کو اس قدر مغرور بنادیا تھا کہ وہ ان تمام امور کو اپنی ذاتی میراث اور اپنا خاندانی ہنر سمجھ بیٹھے تھے اور ایک ساعت کے لئے بھی ان کے دل میں یہ خطرہ نہیں گزرتا تھا کہ یہ سب کچھ خدائے تعالیٰ کی عطا وبخشش ہے شکر گزار ہوتے اور سرکشی سے باز رہتے۔ غرض ان کی فارغ البالی نے ان میں طرح طرح کی بداخلاقیاں اور قسم قسم کے عیوب پیدا کردیئے

تھے آخر سنت اللہ کے مطابق ان کو راہ حق دکھانے دعوت اسلام اور پیغام حق سنانے فسق و فجور سے بچانے اور امین و متقی اور بااخلاق بنانے کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو منصب نبوت سے نواز کر ان کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ شیریں کلامی۔ حسن خطابت۔ طرز بیان اور طاقت لسان میں بہت نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ اسی لئے مفسرین آپ کو خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی قوم کی بداعمالیوں کو دیکھ کر سخت دکھ محسوس کیا اور رشد و ہدایت کی تعلیم دیتے ہوئے قوم کو انہی اصول کی طرف بلایا جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت و ارشاد کا خلاصہ ہے۔ خدا کی توحید اور شرک سے بیزاری تو تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترک تعلیم تھی۔ اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام بھی وہی پیغام پہلے دیتے ہیں جو اور انبیاء کرام نے دیئے یعنی ایک اللہ سے ڈرو اور مجھے اس کا رسول مانو۔ مجھے اپنا پیغام حق جوں کا توں پہنچانے کے لئے اللہ نے اپنا پیغمبر مقرر کیا ہے اور میں اس حیثیت سے تمہیں اپنی پیروی کا حکم دیتا ہوں اور میں تمہیں اپنی پیروی اور اتباع کے لئے اس لئے نہیں کہتا کہ مجھے تم سے کوئی لالچ ہے اور میں اپنے لئے تم سے مال و جاہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میرے کام کا صلہ و بدلہ تو مجھے رب العالمین ہی دے گا۔ تم سے میں کچھ نہیں چاہتا۔ یہ بات سارے انبیاء پہلے جتلا دیتے ہیں تاکہ قوم انہیں صاحب غرض قرار دے کر ان سے بدک نہ جائے۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ناپ تول درست کرنے اور لین دین کو صحیح کرنے کی ہدایت فرمائی اور قوم سے فرمایا کہ جب کسی کو کوئی چیز ناپ کر دو تو پیمانہ بھر کر دو اسکے حق سے کم نہ کرو۔ اسی طرح دوسرے سے جب لو تو زیادہ لینے کی کوشش اور تدبیر نہ کرو۔ یہ کیا کہ لینے کے وقت پورا بلکہ زیادہ لو اور دینے کے وقت کم دو۔ دین و لین دونوں صاف اور پورے رکھو۔ ترازو اچھی رکھو جس میں تول صحیح آئے۔ بٹے بھی پورے رکھو اور تول میں عدل کرو۔ ڈنڈی نہ مارو۔ پھر کسی کی راہ نہ مارو۔ چوری چکاری لوٹ مار، غارت گری۔ رہزنی سے بچو۔ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر خوف زدہ کر کے مال نہ لوٹو۔ اس خدا سے ڈرو اور اس کے عذاب کا خوف رکھو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا اور تمہارا اور تمہارے بڑوں کا رب ہے۔ مگر جب انسان گمراہی کی دلدل میں دھنس جاتا ہے اور باطل کی سیاہی دل کو گھیر لیتی ہے اور مادی قوت و ثروت۔ مال دولت۔ صحت و تندرستی اور عیش و عشرت کی بنا پر دنیا کی خرافات کی کشش اسکے ہوش و حواس پر چھا جاتی ہے تو پھر اسکی سرکشی بھی دوبالا و سہ بالا ہو جاتی ہے اور پھر وہ شیطان کا چیلا بنے بغیر نہیں رہتا۔ الا ماشاء اللہ مگر جسے اللہ ہدایت کرے اور ایمان کی دولت بخشے۔ اکثر قومیں اسی بنا پر تباہ ہوئیں چنانچہ اصحاب ایکہ نے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کو آپ کی پند و نصیحت۔ وعظ و تبلیغ کے جواب میں وہی جواب دیا جو پہلے بے دین اور منکرین اپنے پیغمبروں کو دیتے چلے آئے تھے کہ تم جادو زدہ ہو۔ تمہاری عقل ٹھکانے نہیں رہی تم نبی کس طرح ہو سکتے ہو۔ تم ہم جیسے انسان ہو۔ ہم پر تم کو کیا فوقیت ہے؟ ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو۔ ہم تمہارا پیغمبری کا دعویٰ تسلیم نہیں کرتے اور اگر واقعی تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی بات دکھاؤ جو اوروں سے نہیں ہو سکتی۔ مثلاً آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی توڑ کر ہم پر گرا دو۔ اکثر منکرین نے اپنے پیغمبروں سے ایسے ہی مطالبات کئے اس خیال سے کہ نہ یہ ایسا کر سکے گا نہ ہم اسے مانینگے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا رب تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے۔ تمہارا کوئی قول و عمل اللہ کے احاطہ علمی سے خارج نہیں۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ بداعتقادیاں۔ یہ

بدچلنیاں اور یہ گستاخیاں خدا کو معلوم نہیں وہ ضرور جانتا ہے اور مناسب وقت پر سزا بھی دیگا۔

اصحاب ایکہ کے اس مطالبہ اور حضرت شعیب علیہ السلام کے اس جواب میں کفار مکہ کے لئے بھی ایک تنبیہ تھی۔ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی مطالبے کرتے تھے۔ سورۂ بنی اسرائیل ۱۵ویں پارہ میں کفار مکہ کے مطالبات نقل فرمائے گئے ہیں جہاں انہوں نے کہا **اوتسقط السمآء کما زعمت علینا کسفًا** یا تم ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادو جیسا کہ تم دعویٰ رکھتے ہو۔ اس لئے کفار مکہ کو سنایا جارہا ہے کہ ایسا ہی مطالبہ اصحاب ایکہ نے اپنے پیغمبر سے کیا تھا اس کا جو جواب انہیں ملا وہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی تمہاری طلب کا جواب ہے۔ آگے حق تعالیٰ بتلاتے ہیں کہ قوم حضرت شعیب علیہ السلام کو برابر جھٹلاتی رہی آخر اس کا نتیجہ وہی ہوا جو حق و باطل کا آخری مرحلہ ہے جس کے بعد خدائے تعالیٰ کا وہ قانون جس کو قانون "پاداش عمل" کہا جاتا ہے ایسی سرکش اور نافرمان اور متکبر قوموں کے لئے دنیا ہی میں نافذ ہوجاتا ہے اور ان کو ہلاک و تباہ کرکے آنے والی نسلوں اور قوموں کے لئے سامان عبرت و نصیحت مہیا کردیتا ہے۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں عذاب الٰہی نے آگھیرا۔ اس قوم پر تین قسم کا عذاب آیا تھا اور قرآن پاک میں تین مقامات پر تینوں کا بیان ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ ایک غیبی سخت آواز سے ان کے جگر پھٹ گئے اور یہاں سورۂ شعراء میں فرمایا کہ انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آپکڑا۔ اس **عذاب یوم الظلة** کی تشریح مفسرین نے یوں لکھی ہے کہ سات دن تک ان کے علاقہ میں وہ سخت گرمی پڑی کہ الامان الحفیظ۔ کسی جگہ کسی سایہ میں کہیں ٹھنڈک یا راحت میسر نہ تھی۔ تڑپ اٹھے۔ بے قرار ہوگئے۔ سات دن کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک سیاہ بادل ان کی طرف چلا آرہا ہے۔ وہ آکر ان کے سروں پر چھا گیا یہ سب گرمی اور حرارت سے زچ ہوگئے تھے اس کے سایہ میں راحت و ٹھنڈک پاکر سارے کے سارے اس کے نیچے پہنچ گئے جب سب جمع ہوگئے تو ابر پھٹا اور اس میں سے آگ برسنے لگی۔ ساتھ ہی ہولناک زلزلہ آیا اور زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگی اور اس زور کی آواز آئی کہ جس سے ان کے دل پھٹ گئے اور سارے کے سارے بہ یک آن تباہ و برباد ہوگئے۔ اس دن کے سائبان والے عذاب نے ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ جہاں قوم کے منکرین کا یہ حال ہوا وہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں بتلایا گیا حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے ساتھی جو آپ پر ایمان لے آئے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بچالیا۔ آخر میں اس قصہ کو انہیں آیات پر ختم کیا گیا جن پر گذشتہ چھ انبیاء کے واقعات کو ختم کیا گیا تھا یعنی **ان فی ذٰلک لاٰیة وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھوالعزیز الرحیم** یعنی اس واقعہ میں بھی عبرت ہے اور باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا اور بڑی رحمت والا ہے کہ عذاب نازل کرسکتا ہے مگر مہلت دے رکھی ہے۔

یہاں تک اس سورۃ میں سات انبیاء کرام اور ان کی اقوام کے قصہ بیان فرما کر اس سلسلہ کو ختم فرمایا گیا ان قصص قرآن کا مقصد شروع سورۃ میں بھی عرض کیا گیا تھا اور خود سورۂ ہود میں قرآن کریم نے جو مقاصد ان قصص کے بیان کئے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے ایک آیت میں ارشاد ہوتا ہے **وکلا نقص علیک من انباء الرسل مانثبت به فؤادک وجاء ک فی ھٰذہ الحق وموعظة وذکرٰی للمؤمنین** (اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ

سب قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان قصوں کے اندر آپ کے پاس حق پہنچا ہے اور ان میں نصیحت اور یاد دہانی اہل ایمان کے لئے ہے) گویا اس آیت میں قصص قرآن کی چار حکمتیں بیان کی گئیں۔

(۱) پہلی مصلحت کا تعلق خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تھا۔ آپ کا جذبۂ تبلیغ دین چونکہ درجہ کمال پر پہنچا ہوا تھا اس لئے قوم کے اعراض اور سرکشی کو دیکھ کر آپ مضطرب اور بے چین ہوتے اس لئے آپ کی تسلی کے لئے گذشتہ انبیاء کرام کے واقعات سنائے تا کہ یہ امر واضح ہو جائے کہ معاندین اور مخالفین کا یہ بغض وعناد صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء سلف کے ساتھ منکرین کا یہی معاملہ رہا۔ پھر بھی فتح ہمیشہ حق کی ہوئی۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ آپ کے قلب مبارک کو سکون حاصل ہو۔

(۲) دوسری مصلحت یہ ہے کہ ان قصص میں دین الٰہی کا نچوڑ ہے۔ شریعتیں گاہ بگاہ وقت کی ضرورت اور مشیت الٰہی کے مطابق بدلتی رہی ہیں مگر دین حق ہمیشہ سے ایک ہی ہے اور ہر نبی ہر زمانہ میں اسی کی تعلیم دیتا ہوا آیا ہے۔

(۳) تیسرے ان قصص میں مومنین کے لئے نصیحت ہے۔ چونکہ یہ سرگذشتیں ایسے واقعات سے پُر ہیں جو برائی۔ گمراہی۔ نافرمانی اور سرکشی سے روکتے ہیں اور ایمان وتقویٰ ونیکی کی ترغیب دلاتے ہیں۔

(۴) چوتھے یہ قصص لوگوں کے لئے سامان عبرت رکھتے ہیں چونکہ پچھلی اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج وانجام کو دیکھ کر خود اپنی بداعمالیوں پر نظر جائے گی اور ان کے انجام سے خوف پیدا ہوگا جو عبرت کا کام کرے گا۔ اور معلوم ہوگا کہ خدا کا قانون مکافات ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے جس نے دین حق کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ کامیاب اور بامراد رہا اور جو اس سے بھٹکا اور اعراض حق معصیت اور طغیان کو اختیار کیا اس کا نتیجہ ہمیشہ بربادی اور تباہی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

اب یہ سات انبیاء کرام کے تاریخی واقعات بیان فرما کر سلسلہ کلام اسی مضمون کی طرف پھرتا ہے جس سے سورۃ کا آغاز فرمایا گیا تھا یعنی قرآن کریم اور کتاب مبین کی حقانیت جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کی کامل پابندی ظاہر میں اور باطن میں نصیب فرمائیں۔ اور مومنین مخلصین کی سی کامیابی دین ودنیا میں عطا فرمائیں۔ اور نافرمانوں اور سرکشوں کی بداطواری اور بداخلاقی اور اس کے انجام بد سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔

یا اللہ! دنیا آپ کی اور آپ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات کو مانے یا نہ مانے۔ ہم جو قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کے تمام انبیاء ورسل پر ایمان لائے ہیں ہم کو اپنی ہدایت سے محروم نہ فرما۔ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمادے۔ ہمیں اپنی ذات عالی اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح تعلق نصیب فرمادے۔ جن مقاصد کے لئے یہ قرآنی قصص قرآن کریم میں سنائے گئے ہیں ہمیں ان سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے۔ اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔ آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تا کہ آپ (بھی) منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ

اور اس (قرآن) کا ذکر پہلی اُمتوں کی (آسمانی) کتابوں میں ہے۔ کیا ان لوگوں کیلئے یہ بات دلیل نہیں ہے

عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾

کہ اس کو علماء بنی اسرائیل جانتے ہیں۔

وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ	لَتَنْزِيْلُ البتہ اتارا ہوا	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں کا رب	نَزَلَ بِهِ اس کے ساتھ (لے کر) اُترا	الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ جبریل امین			
عَلٰى پر	قَلْبِكَ تمہارا دل	لِتَكُوْنَ تا کہ تم ہو	مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ڈر سنانے والوں میں سے	بِلِسَانٍ زبان میں	عَرَبِيٍّ عربی	مُّبِيْنٍ روشن (واضح)	
وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ	لَفِيْ میں	زُبُرِ صحیفے	الْاَوَّلِيْنَ پہلے (پیغمبر)	اَوَ کیا	لَمْ يَكُنْ نہیں ہے	لَّهُمْ ان کیلئے	اٰيَةً ایک نشانی
	اَنْ يَّعْلَمَهٗ کہ جانتے ہیں اس کو	عُلَمٰٓؤُا علماء	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل				

تفسیر و تشریح:۔ اس سورۃ کی ابتدا قرآن کریم کے ذکر سے فرمائی گئی تھی کہ یہ قرآن ایک واضح اور کھلی کتاب ہے جو اللہ عزوجل نے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کی ہے اور اس کی تکذیب پر دھمکی دی تھی۔ اور وعید سنائی گئی تھی۔ درمیان میں منکرین اور مکذبین حق کے کئی واقعات بیان ہوئے جن میں بتلایا گیا کہ منکرین کو حق سے انکار کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ پھر سلسلۂ کلام اسی مضمون سابق یعنی قرآن کریم کی حقانیت پر فرمایا جا رہا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ قرآن کریم اور کتاب مبین وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جسے رب العالمین نے نازل فرمایا ہے یعنی یہ کسی انسان یا مخلوق کی من گھڑت چیز نہیں ہے یا اسے جیسا کہ مخالفین اور معاندین الزام لگاتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تصنیف نہیں کر لیا ہے بلکہ یہ پروردگار عالم رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں یہ جو فرمایا کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے تو لفظ رب العالمین دو باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فرمایا۔ اول یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہماری جسمانی پرورش کرتے ہیں۔ رزق اور روزی دیتے ہیں اسی طرح روحانی تربیت بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور روحانی تربیت کا ذریعہ وحی اور پیغمبر پر کتاب نازل کرنا ہے دوسرے یہ کہ منکرین جو اس نعمت آسمانی کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں اور پھر اب تک گرفت اور عذاب سے بچے ہوئے ہیں تو اس کا یہی سبب ہے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے۔ جس کا شیوہ رحمت عام ہے ورنہ دیکھئے کہ کیا ہوتا اور اسی لئے جو گذشتہ واقعات اور قصص سنائے گئے ان میں سے ہر ایک کو وان ربک لهو العزيز الرحيم پر ختم فرمایا گیا جس سے قرآن کے مخالفوں کو یہ جتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں دم بھر میں ہلاک کر سکتے ہیں لیکن رحیم بھی ہیں اور رب ہیں تمہاری پرورش کرنے والے ہیں۔ تم پر ترس کھانے والے ہیں اس لئے مہلت دے رکھی ہے۔ تو اوپر یہ جو فرمایا تھا کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اس پر یہ شبہ باقی رہتا تھا کہ رب العالمین نے کس طرح سے نازل کیا ہے؟ کیا یہ لکھی لکھائی کتاب آسمان سے گر پڑی یا فرشتہ لے کر آیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب سے آواز آتی ہے یا براہ راست خدا تعالیٰ آپ سے باتیں کرتا ہے۔ کیا صورت ہے؟ اس کی کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے کہ روح الامین کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اتاری گئی صاف اور شگفتہ اور واضح عربی زبان میں۔ یعنی پیام الٰہی کا القا اللہ کے فرشتہ نے رسول خدا کے دل پر کیا۔ یہاں روح الامین سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں سورۂ بقرہ میں صراحت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر کلام الٰہی کا القا کرتے ہیں۔ یہاں نام لینے کی بجائے ان کے لئے روح الامین یعنی امانت دار روح کا لقب استعمال فرمایا گیا۔ اور روح اور امین

ان دولفظوں کے یہاں لانے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ رب العالمین کی طرف سے اس تنزیل کو لے کر کوئی مادی طاقت نہیں آئی ہے جس کے اندر تغیر وتبدل کا امکان ہو بلکہ وہ ایک خالص روح ہے اور پوری طرح امین ہے خدا کا پیغام جیسا اس کے سپرد کیا جاتا ہے ویسا ہی بلا کمی بیشی سے پہنچا دیتی ہے اپنی طرف سے کچھ بڑھانا یا گھٹانا اس کے لئے ممکن نہیں۔ حاصل یہ کہ یہ قرآن کریم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک تک جبرئیل امین جیسے زبردست محافظ نے پہنچایا ہے جن کے لائے ہوئے پیام پر کسی غلطی یا تحریف کا امکان نہیں۔ اب ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ جبریل علیہ السلام کی معرفت کلام کا نزول کیا غرض ومقصد رکھتا ہے۔ اس کا جواب لتکون من المنذرین میں دیا گیا یعنی جس طرح اور پیغمبروں نے اپنی امت کو احکام الٰہیہ پہنچائے آپ بھی پہنچائیں اور گمراہ انسانوں کو پیام ہدایت دے کر خلاف ورزی کرنے والوں کو ہلاکت اور عذاب سے ڈرائیں۔ اب ایک یہ وہم ہوسکتا تھا کہ جبرئیل امین کا القا تو روحانی ہوگا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں معانی کا الہام ہوا ہو اور ان معانی کو الفاظ کا جامہ پہنا کر خود آپ نے پیش کردیا ہو۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا بلسان عربی مبین یعنی وہ امانت دار روح اس کلام کو صاف صاف عربی زبان میں لائے ہیں یعنی جبرئیل علیہ السلام کا القا صرف القاء معانی نہیں بلکہ معانی الفاظ سمیت خدائے تعالیٰ کی طرف سے عربی زبان میں نازل کئے جاتے ہیں۔ پھر آگے صداقت قرآن کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ اس قرآن کا ذکر پہلی امتوں کی آسمانی کتابوں میں بھی ہے کہ ایک ایسی ایسی شان کا پیغمبر ہوگا اور اس پر ایسا کلام نازل ہوگا۔ انبیاء سابقین برابر نبی آخرالزمان کی پیشین گوئی کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ توریت وانجیل وغیرہ میں باوجود بہت سی تحریف اور تبدیل کے اب تک بھی ایک ذخیرہ اس قسم کی پیشین گوئیوں کا پایا جاتا ہے جسے علماء اور مفسرین نے جمع بھی فرمایا ہے۔ جس وقت یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ظاہر ہے کہ اس وقت مدینہ میں اسلام نہ پھیلا تھا جہاں علمائے یہود موجود تھے اور اہل مکہ اور مشرکین عرب دین الٰہی کا حامل اور علم کا خازن بنی اسرائیل یعنی یہود کے علماء کو جانتے تھے تو کفار مکہ کو قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت معلوم کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اسرائیلی علماء نبی آخرالزمان کے احوال یعنی خصوصی صفات اور حلیہ وغیرہ اپنی کتابوں کی بنا پر بخوبی جانتے ہیں تو اہل مکہ جو کتابی علم سے ناآشنا سہی مگر بنی اسرائیل کے اہل علم تو گردوپیش کے علاقوں میں موجود ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے اور یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی خبر پہلے سے آسمانی صحیفوں میں دی گئی تھی چنانچہ بعض انصاف پسند اسی علم کی بنا پر مسلمان ہوگئے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز ہونے سے قبل ہی بحیرا راہب نے شناخت کرلیا تھا اور آپ کے چچا ابوطالب سے کہہ دیا تھا کہ یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی بشارت مسیح علیہ السلام نے دی۔ تمام علمائے بنی اسرائیل نبی آخرالزمان کے پیدا ہونے کے تو پہلے ہی سے منتظر تھے اور تمام صفات واحوال وبشارات کو اپنی مذہبی کتابوں میں پڑھتے تھے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو دنیوی اغراض کی خاطر منکر ہوگئے اور بقدر امکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات و احوال کو اپنی کتابوں سے نکال ڈالا۔ یہود کی مذہبی کتابوں میں نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ آپ کے خلفائے راشدین تک کے حالات موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں بیت المقدس کے محاصرہ کے وقت جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود تشریف لے گئے اور بیت المقدس کے سب سے بڑے راہب نے آپ کو شناخت کیا تو اپنی کتابوں کی صراحت کے موافق شہر کو مسلمانوں کے حوالہ کردیا۔

الغرض کفار مکہ ومشرکین عرب کو قرآن کے حقانیت کی ایک دلیل یہ دی گئی کہ پہلے نبیوں پر جو کتابیں آئیں ان میں اس آخری کتاب اور نبی آخرالزمان کا ذکر موجود ہے جو علمائے یہود خوب جانتے ہیں تو کیا یہ اس بات کی نشانی نہیں کہ یہ کتاب اور یہ نبی برحق ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حقانیت قرآن کے سلسلہ میں یہاں یہ بتلایا گیا کہ قرآن کس کا بھیجا ہوا ہے کس کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور کس پر بھیجا ہے اور کس لئے بھیجا ہے اور کس زبان میں بھیجا ہے نیز یہ کہ حقانیت قرآن اور صاحب قرآن پہلی آسمانی کتابوں تک میں موجود ہے۔ تو ان حقائق کے باوجود جو بعض کفار مکہ ایمان نہیں لاتے تو اس کا کیا وجہ ہے؟ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ

اور اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی پر نازل کر دیتے۔ پھر وہ اُن کے سامنے اس کو پڑھ بھی دیتا یہ لوگ تب بھی اس کو نہ مانتے۔ ہم نے اسی طرح اس ایمان نہ لانے کو

فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا

ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔ یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ سخت عذاب کو نہ دیکھ لیں گے۔ جو اچانک ان کے سامنے آ کھڑا ہوگا

يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ

اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ پھر کہیں گے کہ کیا ہم کو مہلت مل سکتی ہے۔ کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کی تعجیل چاہتے ہیں۔ اے مخاطب ذرا بتلاؤ تو اگر ہم ان کو

سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ

چند سال تک عیش میں رہنے دیں۔ پھر جس (عذاب) کا اُن سے وعدہ ہے وہ اُن کے سر پر آ پڑے۔ تو اُن کا وہ عیش کس کام آ سکتا ہے۔ اور جتنی بستیاں (منکرین کی) ہم نے

قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾

(عذاب سے) غارت کی ہیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے آئے اور ہم ظالم نہیں ہیں۔

وَلَوْ اور اگر	نَزَّلْنٰهُ ہم نازل کرتے اسے	عَلٰى بَعْضِ کسی پر	الْاَعْجَمِيْنَ عجمی (غیر عربی)	فَقَرَاَهٗ پھر وہ پڑھتا اسے	عَلَيْهِمْ انکے سامنے	مَا نہ
كَانُوْا وہ ہوتے	بِهٖ اس پر	مُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	كَذٰلِكَ اسی طرح	سَلَكْنٰهُ یہ چلایا ہے (انکار داخل کردیا ہے)	فِيْ قُلُوْبِ دلوں میں	
الْمُجْرِمِيْنَ مجرم	لَا يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہ لائیں گے	بِهٖ اس پر	حَتّٰى یہاں تک کہ	يَرَوُا وہ دیکھ لیں گے	الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ دردناک عذاب	
فَيَاْتِيَهُمْ تو وہ آجائے گا ان پر	بَغْتَةً اچانک	وَهُمْ اور انہیں	لَا يَشْعُرُوْنَ خبر (بھی) نہ ہوگی	فَيَقُوْلُوْا پھر وہ کہیں گے	هَلْ کیا	نَحْنُ ہم۔ہمیں
مُنْظَرُوْنَ مہلت دی جائے گی	اَفَبِعَذَابِنَا کیا پس ہمارے عذاب کو	يَسْتَعْجِلُوْنَ وہ جلدی چاہتے ہیں	اَفَرَءَيْتَ کیا تم نے دیکھا؟	اِنْ اگر		
مَّتَّعْنٰهُمْ ہم انہیں فائدہ پہنچائیں	سِنِيْنَ کئی برس۔برسوں	ثُمَّ پھر	جَآءَهُمْ پہنچے ان پر	مَا جو	كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ انہیں وعید کی جاتی تھی	
مَآ اَغْنٰى کیا کام آئے گا؟	عَنْهُمْ ان کے	مَا جو (جس سے)	كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ وہ فائدہ اٹھاتے تھے	وَ اور	مَآ اَهْلَكْنَا نہیں ہلاک کیا ہم نے	
مِنْ قَرْيَةٍ کسی بستی کو	اِلَّا مگر	لَهَا اس کیلئے	مُنْذِرُوْنَ ڈرانے والے	ذِكْرٰى نصیحت کیلئے	وَمَا كُنَّا اور نہ تھے ہم	ظٰلِمِيْنَ ظلم کرنیوالے

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیات میں حقانیت قرآن کا مضمون ذکر فرمایا گیا تھا اسی سلسلہ میں کفار مکہ اور مشرکین عرب از راہ عناد قرآن کریم پر جو طرح طرح کے شبہات و اعتراضات کرتے تھے ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

بعض کفار کا یہ خیال تھا کہ چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں۔ آپ کی زبان عربی ہے اور قرآن بھی عربی میں ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود ہی بنالیا ہے اگر یہ کسی عجمی یعنی غیر عربی زبان کے انسان پر اترتا جو ایک حرف عربی کا بولنے پر قادر نہ ہوتا اور پھر وہ عربی قرآن پیش کرتا تو یہ ایک کھلا ہوا معجزہ ہوتا اور ہم اس وقت مان لیتے۔ اور ہم کو اس شبہ کی گنجائش نہ ہوتی۔ حق تعالیٰ منکرین کے

اس شبہ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ان منکرین کی ہٹ دھرمی کا حال تو یہ ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی عجمی یعنی غیر عربی زبان رکھنے والے پر اس قرآن کا نزول ہوتا تب بھی یہ معاندین اس کی تصدیق نہ کرتے۔ اس وقت یہ شبہ کرتے کہ اس شخص کی زبان تو عربی ہے نہیں کسی دوسرے نے اس کو سکھا دیا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین کے دلوں میں تو انکار گھس گیا ہے اور یہ تو عناد میں اندھے ہو رہے ہیں اور جو جرائم اور گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور اپنے قویٰ کو شرارت اور سرکشی میں لگا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی عادت کے موافق ڈھیل چھوڑ دیتے ہیں اور اس کے دل میں انکار وتکذیب کے اثر کو جاگزیں کر دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ انکار کفار مکہ کے دلوں میں گھس گیا ہے یہ کسی طرح ایمان لانے والے نہیں۔ ہاں جب عذاب الٰہی ایک دم سر پر پہنچ جائے گا۔ مرنے کے وقت یا برزخ میں یا آخرت میں اس وقت کہیں گے کہ کیا ہمیں تھوڑی سی مہلت دی جاسکتی ہے کہ توبہ کر کے اپنا چال چلن درست کر لیں اور ایمان لا کر نیکیاں کر لیں اور پیغمبر کا اتباع کر کے دکھلائیں اور حق کی پیروی کریں۔ مگر پھر وہ وقت نہ مہلت کا ہے۔ نہ قبول ایمان کا اور نہ نیکیاں کمانے کا اس وقت کی ان کی تمنائیں کہ اگر ذرا سی بھی مہلت پائیں تو نیک صاحب ایمان بن جائیں بالکل بے سود ہوں گی۔ اور یہ کچھ انہی منکرین پر موقوف نہیں۔ ہر ظالم۔ فاجر۔ فاسق۔ کافر بدکار۔ عذاب کو دیکھتے ہی سیدھا ہو جاتا ہے اور توبہ تلا کرتا ہے مگر سب لاحاصل۔ فرعون ہی کو دیکھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تک سمجھاتے رہے تو سمجھ میں نہ آئی۔ جب عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر پانی میں ڈوبنے لگا تو اس وقت کہنے لگا کہ اب میں ایمان لاتا ہوں لیکن جواب ملا کہ یہ ایمان بے سود ہے۔ پھر گذشتہ اقوام کی طرح کفار مکہ کی ایک بدبختی اور بیان ہو رہی ہے جب منکرین قرآن میں مضامین وعید وعذاب کے سنتے تو براہ استہزا وانکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب کا تقاضہ کرتے کہ اگر سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ۔ اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ ہماری وعیدوں کو سن کر یہ لوگ ہمارے عذاب کی عجلت کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ عذاب کے آنے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ ہم ہمیشہ ایسے ہی عیش وعشرت کی زندگی گزارتے رہیں گے۔ اس پر فرمایا جارہا ہے کہ اگر بالفرض ان کا بھروسہ صحیح ہی ہو اور انہیں دنیا میں عیش وعشرت کے لئے برسہابرس کی مہلت بھی مل جائے لیکن پھر جس عذاب کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر آپڑے تو ان کا یہ چند سال کا عیش وآرام جو براہ مہلت ہے وہ ان کے کس کام آسکتا ہے۔ اور ان کو مہلت دینا تھوڑی یا بہت یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے اور یہ کچھ ان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ گذشتہ اقوام اور پہلی امتوں کو بھی مہلتیں ملی ہیں۔ چنانچہ جتنی بستیاں منکرین کی پہلے عذاب سے غارت ہوئیں ان کا تختہ یونہی ایک دم نہیں الٹ دیا گیا۔ عذاب بھیجنے سے پہلے کافی مہلت دی گئی اور تنبیہ کرنے والے پیغمبر بھیجے گئے کہ لوگ غفلت میں نہ رہیں۔ جب کسی طرح نہ مانے تو ہلاک کئے گئے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی ظلم نہ تھا۔ ظلم تو اس وقت ہوتا کہ جب ہلاک کرنے سے پہلے انہیں سمجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش نہ کی گئی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنے والے نہیں۔ وہ تو پہلے اپنا رسول بھیج کر نیک وبد سمجھا دیتے ہیں اور ہر ایک کے انجام سے آگاہ کر دیتے ہیں۔

ابھی منکرین کے بعض دیگر شبہات واعتراضات اور ان کے جوابات کا سلسلہ جاری ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو کفر وشرک سے بچا کر ایمان واسلام اور قرآن جیسی نعمتیں عطا فرمائیں۔ یا اللہ! ہم آپ کے کرم ورحم کے طالب ہیں۔ اپنی خطاؤں کے مقر ہیں۔ ہمیں اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق نصیب فرمادے۔ ہماری خطاؤں سے درگذر فرمادے اور ہمیں مرتے دم تک ہدایت پر قائم رہنے کی سعادت عطا فرمادے آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں آئے۔ اور یہ اُن کی حالت کے مناسب ہی نہیں اور وہ اس پر قادر بھی نہیں۔ کیونکہ وہ شیاطین (وحی آسمانی) سننے سے روک دیئے گئے ہیں۔

وَ اور	مَا تَنَزَّلَتْ نہیں اترے	بِهٖ اسے لے کر	الشَّيٰطِيْنُ شیطان	وَمَا يَنْۢبَغِيْ اور سزاوار نہیں	لَهُمْ ان کو	وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اور نہ وہ کر سکتے ہیں
	اِنَّهُمْ بیشک وہ	عَنِ سے	السَّمْعِ سننا	لَمَعْزُوْلُوْنَ دور کر دیئے گئے ہیں		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حقانیت وصداقت قرآن کے سلسلہ میں بتلایا گیا تھا کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے اس کو نازل کیا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر عربی زبان میں اس کا القاء کرتے ہیں۔ کفار مکہ اور مشرکین عرب اگرچہ قرآن پاک کے معجزانہ بیان۔ فصاحت وبلاغت اور اس کی دلآویزی اور دلربائی سے متاثر ہوتے مگر اسکی صداقت وحقانیت پر جہل اور عناد کی وجہ سے طرح طرح کے الزامات لگاتے اور شبہات نکالتے۔ اسلام سے پہلے کفار مکہ اور مشرکین عرب نور نبوت اور قوت قدسیہ سے تو واقف ہی نہ تھے اس لئے ایام جاہلیت میں عرب غیبی طاقت اور فوق البشریت قوت کا مالک صرف تین گروہوں کو خیال کرتے یا تو ساحر ان کی نظر میں غیر معمولی تصرفات کرتے تھے اور جادو کی طاقت ان کو تسخیر کن نظر آتی تھی۔ یا کاہنوں کا تعلق ان کو عالم بالا سے معلوم تھا اور کاہن کے پاس ایک غیبی مخلوق کا آنا اور واقعات عالم کی قبل از وقت اطلاع دینا ان کے نزدیک مسلم تھا یا شاعروں کے پاس جنات و شیاطین کے آنے اور الہام اور القا کرنے کے وہ قائل تھے۔ یہی تین طبقہ ایام جاہلیت میں بشریت سے بالاتر طاقت کے حامل سمجھے جاتے تھے اسی لئے کفار جب قرآن پاک کو سنتے تو اس کے معجزانہ زبان۔ اس کی فصاحت وبلاغت۔ الفاظ کی بندش۔ کلام کی روانی۔ پھر معانی کی دلفریبی اور دلربائی سے ایسے متاثر اور ششدر اور حیران ہوتے کہ کبھی اس کو سحر اور معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کبھی اس کو شعر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور کبھی اس کو کہانت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن کہنے لگتے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے چند واقعات مختصراً عرض کئے جاتے ہیں کہ کفار مکہ کس طرح قرآن کی زبان وبیان سے متاثر ہوجاتے تھے اسی لئے وہ اپنی خیریت اسی میں سمجھتے تھے کہ قرآن پاک کو سنا ہی نہ جائے۔ سیرت وتاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب سرداران قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر قسم کی ترغیب اور طمع دینے کے لئے عتبہ کو بھیجا اور عتبہ نے امارت وسرداری۔ مال ودولت۔ حسن وجمال غرض ہر قسم کی کشش پیدا کرنے والی چیز کی پیشکش کی تو اس کے پیغام کے جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ عتبہ نے بے خود ہو کر اپنے ہاتھ سے دہن مبارک بند کر دیا اور بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں اپنے خدا کا واسطہ یہ کلام نہ پڑھو میرا دل کھنچتا ہے۔ پھر بارگاہ نبوت سے واپس جا کر اپنے گھر میں گوشہ نشین ہوگیا۔ سرداران قریش کے غیرت دلانے سے باہر نکلا تو کہنے لگا کہ میں نے ایسا کلام سنا ہے جو کبھی نہیں سنا تھا جس نے مجھے بے خود کر دیا۔ میں اب پیام رسانی نہیں کر سکتا۔ دوسرا واقعہ سنئے۔ شروع شروع جب مکہ میں مسلمانوں پر کفار کی طرف سے قہر وغضب کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اس وقت بحکم الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے صحابہ کی ایک جماعت حبش کی طرف ہجرت کر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ آپ بھی کسی طرف چلے جائیں۔ ابوالدغنہ جو مکہ کا ایک رئیس تھا اس نے کہا کہ میں ہرگز آپ جیسے شریف انسان کو جانے نہ دوں گا آپ میرے ساتھ چلئے اور میرے ساتھ رہئے۔ چنانچہ کچھ دنوں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے ہاں رہے۔ آپ غاروں میں قرآن شریف پڑھتے تو کفار ان کے بچے ان کی عورتیں آپ کے اردگرد اس کثرت

سے جمع ہوجاتے کہ میلا لگ جاتا۔ وہ قرآن کی زبان اوراس کے بیان سے ایسے متاثر ہوتے کہ آخران کے سرداروں کوابوالدغنہ سے شکایت کرنی پڑی کہ اگرتم نے ابوبکر کو پناہ دی توان کوزور سے قرآن پڑھنے کو منع کردو۔ مبادا ہمارے بچے ہماری عورتیں اور ہمارے مرد اس کلام سے متاثر ہوکر مسلمان نہ ہوجائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو فرمایا کہ مجھ کوابوالدغنہ کی بجائے صرف اللہ رب العزت کی پناہ درکار ہے۔ تیسرا واقعہ سنئے کہ صرف عوام ہی نہیں بڑے بڑے شعرائے عرب نے بھی جب قرآن کریم کی زبان سنی۔ تو اپنی زبان بھول گئے۔ شعرائے عرب خصوصاً شعرائے قریش کا دستور تھا کہ ہر صبح وہ خانہ کعبہ کے گرد بیٹھتے اوراپنا تازہ کلام سناتے اور داد تحسین حاصل کرتے ایک روز ایک صحابی نے چپکے سے خانہ کعبہ کی دیوار پر قرآن شریف کی سب سے چھوٹی سورۃ سورۂ کوثر لکھ دی کہ دیکھیں کلام عرب کے ماہرین شعرا اور قریش کے فصحا وبلغا اس کے متعلق کیا رائے ظاہر کرتے ہیں۔ جب صبح ہوئی اور شعراء جمع ہوئے اوران کی نظر سورۂ کوثر کی طرف گئی تو شعراء نے اس دن اپنا کلام سنانا پسند نہیں کیا اور دیر تک وہ اس مختصر سی سورۃ کی فصاحت و بلاغت اور اس کی دلآویزی اور دلربائی پر غور کرتے رہے پھران میں کا سب سے بڑا شاعر آگے بڑھا اور سورۃ کے نیچے یہ الفاظ لکھ دیئے ماھٰذا قول البشر۔ یہ تو کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ خیر یہ واقعات تاثیر قرآنی کے بیچ میں ضمناً آ گئے تھے۔

روایات میں ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی جن آ کر یہ قرآن سکھلا جاتا ہے۔ اور بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ تمہارے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ تعالیٰ) تو جہاں کفار کے اوراعتراضات اور شبہات قرآن پر تھے وہاں ایک یہ بھی تھا کہ جنات یا شیاطین میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست ہے اور وہ سکھا جاتا ہے اوراس کے قول کو یہ کلام الٰہی کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان آیات میں اس خیال کی تردید فرماتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کلام جو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اس کو شیاطین یا جنات جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے لے کر نہیں آئے اور لا سکتے تین دلائل یا وجوہ بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ فطرۃً شیاطین کے لئے یہ فعل سزاوار نہیں ہے کیونکہ خبیث جنات اور شیاطین کو ناپاک مضامین سے دلی رغبت ہے ناپاک باتیں ان کی خوراک ہیں ان کی طبائع کا خاصہ تو گمراہی۔ فساد اور ظلمت پھیلانا ہے اور یہ کتاب اول سے آخر تک رشد وصلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہے تو اس کتاب کے علوم اور شیاطین کی طبائع میں کوئی مناسبت نہیں۔ شیاطین کو تو وہی روح پر تاریکی اور دل پر زنگ پیدا کرنے والی باتیں معلوم ہیں جو انسان کو برباد کرنے والی ہیں۔ روح کو سدھارنے والے مضامین دل کو پاک کرنے والے مطالب اور اخلاق کو صاف و پاکیزہ کرنے والے امور سے توان کو نفرت وعداوت ہے۔

دوسری وجہ یہ فرمائی گئی کہ تعلیم قرآنی کی ان میں قدرت بھی نہیں۔ وہ اس لائق کہاں ہیں کہ اس متبرک بار امانت کو اٹھا سکیں۔ پھر کسی مقدس پاکباز قلب تک ان شیاطین کی رسائی ہی ممکن نہیں پھر وہ القاء کس طرح کر سکتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں کی فطرت ناقص ہے ان کے قلوب تک ان کی رسائی ممکن ہے۔

تیسری وجہ یہ فرمائی گئی کہ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ پاکباز ہستیوں کے قلوب تک شیاطین کی رسائی ممکن ہے لیکن ملاء اعلیٰ اور عالم ملکوت تک ان کی رسائی ناممکن ہے۔ جہاں سے قرآن کا نزول ہوا ہے وہاں تک ان کی پہنچ اور دسترس نہیں ہوسکتی کیونکہ شیاطین کو وہاں تک خدا نے پہنچنے سے روک دیا ہے اور نزول قرآن کے زمانہ میں اس کی حفاظت کے لئے ایسے غیبی پہرے بٹھائے گئے کہ شیاطین پاس بھی نہیں پھٹک سکتے۔ نہ ایک حرف اچک سکتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے جنات آسمان یعنی عالم ملکوت تک چڑھ جایا کرتے تھے اور وہاں سے کوئی بات سن آتے تھے۔ اس ایک میں سو جھوٹ ملا کر ساحروں اور کاہنوں سے کہہ دیا کرتے تھے لیکن بعثت نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے زمانہ سے شیاطین کو وہاں جانے سے روک دیا

گیا۔ شیاطین کے غیبی خبریں سننے کی کوشش کرنے اور ناکام رہنے کے متعلق سورۂ حجر ۱۴ویں پارہ میں فرمایا گیا ہے **وحفظنها من كل شيطن الرجيم. الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبين** اور ہم نے اسے یعنی آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ کر دیا۔ ہاں مگر کوئی بات چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہولیتا ہے۔ اس پر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے تشریحاً لکھا ہے۔ "آسمانوں پر شیاطین کا کچھ عمل دخل نہیں چلتا۔ بلکہ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے تو ان کا گزر بھی وہاں نہیں ہوسکتا۔ اب انتہائی کوشش ان کی یہ ہوتی ہے کہ ایک شیطانی سلسلہ قائم کر کے آسمان کے قریب پہنچیں اور عالم ملکوت سے نزدیک ہو کر اخبار غیبیہ کی اطلاعات حاصل کریں۔ اس پر بھی فرشتوں کے پہرہ بٹھا دیئے گئے ہیں کہ جب شیاطین ایسی کوشش کریں اوپر سے آتش بازی کی جائے۔ نصوص قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکوینی امور کے متعلق آسمانوں پر جب کسی فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے اور خداوند قدوس اس سلسلہ میں فرشتوں کی طرف وحی بھیجتا ہے تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اوپر سے نیچے کو درجہ بدرجہ پہنچتا ہے آخر میں سماء دنیا پر اور بخاری شریف کی ایک روایت کے موافق بادل میں فرشتے اس کا مذاکرہ کرتے ہیں۔ شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معاملات کے متعلق غیبی معلومات حاصل کریں اسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بذریعۂ وائرلیس ٹیلیفون جا رہا ہو اسے بعض لوگ راستہ میں جذب کرنے کی تدبیر کرتے ہیں ناگہاں اوپر سے بم کا گولہ یعنی شہاب ثاقب پھٹتا ہے اور ان غیبی پیغامات کی چوری کرنے والوں کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔ اس دوا دوش اور ہنگامہ دار وگیر میں جو ایک آدھ بات شیاطین کو ہاتھ لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہونے سے پیشتر بڑی عجلت کے ساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاہن لوگ اسی ادھوری سی بات میں سینکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر عوام کو غیبی خبریں بتلاتے ہیں۔ جب وہ ایک آدھ سماوی بات سچی نکلتی ہے تو ان کے معتقدین اسے ان کی سچائی میں پیش کرتے ہیں اور جو سینکڑوں بنائی ہوئی خبریں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں ان سے اغماض و تغافل برتا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث نے یہ واقعات بیان کر کے متنبہ کر دیا کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹی سے چھوٹی سچائی کا سرچشمہ بھی وہی عالم ملکوت ہے۔ شیاطین الجن والانس کے خزانہ میں بجز کذب وافترا اور کوئی چیز نہیں نیز یہ کہ آسمانی انتظامات اس قدر مکمل ہیں کہ کسی شیطان کی مجال نہیں وہاں قدم رکھ سکے یا باوجود انتہائی جدوجہد کے وہاں کے انتظامات اور فیصلوں پر معتدبہ دسترس حاصل کرلے باقی جو ایک آدھ جملہ فرشتوں سے ادھر ادھر کا سن بھاگتا ہے تو حق تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کہ اس کی قطعاً بندش کر دی جائے وہ چاہتا تو اس سے بھی روک دیتا مگر یہ بات اس کی حکمت کے موافق نہ تھی۔ آخر شیاطین الجن والانس کو جن کی بابت اسے معلوم ہے کہ کبھی اغوا اور اضلال سے باز نہ آئیں گے اتنی طویل مہلت اور مغویانہ اسباب ووسائل پر دسترس دینے میں کچھ نہ کچھ حکمت تو سب کو ماننی پڑے گی اسی طرح کی حکمت یہاں بھی سمجھ لو۔" اس تقریر کے بعد حضرت مولانا عثمانیؒ نے ایک تنبیہ لکھی ہے کہ شیاطین ہمیشہ شہابوں کے ذریعہ سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں مگر جس طرح قطب جنوبی اور ہمالیہ کی بلند تر چوٹی کی تحقیق کرنے والے مرتے رہتے ہیں اور دوسرے ان کا یہ انجام دیکھ کر اس مہم کو ترک نہیں کرتے اسی پر شیاطین کی مسلسل جدوجہد کو قیاس کرلو اور یہ واضح رہے کہ قرآن وحدیث نے یہ نہیں بتلایا کہ شہاب کا وجود صرف رجم شیاطین ہی کے لئے ہوتا ہے۔ ممکن ہے ان کے وجود سے اور بہت سے مصالح وابستہ ہوں اور حسب ضرورت یہ کام بھی لیا جاتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اب جب کفار کے اس بے سروپا باطل اور بے ہودہ شبہ کا ازالہ کامل طور پر ان آیات میں فرما دیا تو اب اصل مدعا یعنی توحید کی اشاعت اور شرک کی مذمت اگلی آیات میں تلقین ہوتی ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾

سوتم خدا کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کرنا کبھی تم کو سزا ہونے لگے۔اور آپ اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرایئے۔اور اُن لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ

جو ایمان والوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔اور اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں۔

مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي

اور آپ خدائے قادر رحیم پر توکل رکھئے۔جو آپ کو جس وقت کہ آپ (نماز کیلئے) کھڑے ہوتے ہیں۔اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست وبرخاست کو دیکھتا ہے۔

السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

فَلَا تَدْعُ پس نہ پکارو	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	اِلٰهًا اٰخَرَ کوئی دوسرا معبود	فَتَكُوْنَ کہ ہو جاؤ	مِنَ سے	الْمُعَذَّبِيْنَ مبتلائے عذاب
وَاَنْذِرْ اور تم ڈراؤ	عَشِيْرَتَكَ اپنے رشتہ دار	الْاَقْرَبِيْنَ قریب ترین	وَ اور	اخْفِضْ جھکاؤ	جَنَاحَكَ اپنا بازو
لِمَنِ اس کیلئے جس نے	اتَّبَعَكَ تمہاری پیروی کی	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں	فَاِنْ پھر اگر	عَصَوْكَ وہ تمہاری نافرمانی کریں
فَقُلْ تو کہدیں	اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ بیشک میں بیزار ہوں	مِمَّا اس سے جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	وَتَوَكَّلْ اور بھروسہ کرو	عَلَى پر
الْعَزِيْزِ غالب	الرَّحِيْمِ نہایت مہربان	الَّذِيْ وہ جو	يَرٰىكَ تمہیں دیکھتا ہے	حِيْنَ جب	تَقُوْمُ تم کھڑے ہوتے ہو
وَتَقَلُّبَكَ اور تمہارا پھرنا	فِي میں	السّٰجِدِيْنَ سجدہ کرنے والے (نمازی)	اِنَّهٗ بیشک وہ	هُوَ وہی	السَّمِيْعُ سننے والا
الْعَلِيْمُ جاننے والا					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار ومشرکین کے ایک باطل اور بے سروپا بیہودہ شبہ کا جواب دیا گیا تھا کہ اس قرآن کو شیاطین یا جنات لے کر نہیں آئے کیونکہ نہ ان کو طبعاً وفطرۃً اس کلام سے مناسبت ہے۔ نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں اور نہ ان کی پہنچ عالم ملکوت تک ہے۔ جب کفار کے اس شبہ کا ازالہ فرمادیا گیا تو اب اصل مدعا یعنی توحید کی اشاعت وتبلیغ کی تلقین فرمائی جاتی ہے۔ ہر پیغمبر کی بعثت کا اصلی منشا اشاعت توحید ہے خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تو تمام دنیا ہی کفروشرک کی تاریکی میں پھنسی ہوئی تھی۔ عرب ایران۔ ترکستان۔روم۔ہند۔چین۔مشرق ومغرب سب ہی نے خدا کو چھوڑ رکھا تھا اور اپنی خواہش کے مطابق جدا جدا معبود بنا رکھے تھے۔ یہاں تک کہ اہل کتاب بھی جوہر توحید کو کھو بیٹھے تھے۔ یہود عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے نصاریٰ تثلیث کے قائل تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے غرض کہ اس طرح کے عقائد کفریہ وشرکیہ پھیلے ہوئے تھے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تو اصل مقصد ہی یہ تھا کہ ساری دنیا میں توحید کی اشاعت کی جائے اور شرک سے بچا جائے۔ چنانچہ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے توحید کے وجوب کی ایک ایک خاص طریقہ سے تاکید کی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ آپ خدا کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کریئے۔ کبھی آپ کو سزا ہونے لگے۔ یعنی اگر آپ بھی شرک کریں تو عذاب الٰہی میں ماخوذ ہوں گے۔ یہاں اس خطاب

33

سے یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کا کوئی خطرہ تھا اور اس بنا پر آپ کو اس سے روکا گیا بلکہ یہ خطاب کمال تخویف اور انتہائی اہمیت کے اظہار کے لئے ہے اور دراصل اس سے مقصود کفار اور مشرکین کو متنبہ کرنا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر یا اس کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت کرنا ایسا جرم ہے اور ایسی تباہ کن حرکت ہے کہ اس پر عذاب لازمی ہے اور یہ شرک ایسی آفت ہے کہ اگر بفرض محال کوئی بڑی سے بڑی مقدس ہستی اور مخلوق میں سب سے عزیز اور محبوب جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تو وہ بھی خدانخواستہ اگر شرک میں مبتلا ہوجائے تو اس کی سزا سے نہیں بچ سکتی تو پھر اور کسی کا تو کیا کہنا۔ تو یہاں اگرچہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر سنانا اوروں کو مقصود ہے کہ جب یہ کتاب بلاشک وشبہ خدا کی نازل کی ہوئی ہے اور شیطان کا اس میں ذرہ بھر بھی دخل نہیں تو چاہئے کہ اس کی تعلیم پر چلو جس میں اصل اصول توحید ہے۔ شرک وکفر کی شیطانی راہ اختیار مت کرو ورنہ عذاب الٰہی سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں۔ جب اوپر کے خطاب سے یہ جتلا دیا گیا کہ شرک ایسا جرم ہے جس میں نبی کی ذات تک کے لئے کوئی رعایت نہیں تو اسی طرح نبی کے خاندان اور قریب ترین رشتہ داروں کے لئے بھی اس معاملہ میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں اس لئے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ آپ اپنے قریب ترین عزیزوں اور رشتہ داروں کو بھی صاف صاف متنبہ کردیجئے کہ اگر وہ اپنا عقیدہ وعمل درست نہ رکھیں گے تو یہ بات ان کے کام نہیں آسکے گی کہ وہ نبی کے رشتہ دار ہیں۔ یعنی نجات کے لئے محض رشتہ داری ہرگز کافی نہیں۔ چنانچہ معتبر روایات میں آتا ہے کہ اس آیت وانذر عشیرتک الاقربین اور آپ اپنے کنبہ اور نزدیک کے رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرایئے اس کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو خطاب فرمایا اور ایک ایک سے ارشاد فرمایا کہ اے بنی عبدالمطلب۔ اے عباس۔ اے صفیہ۔ (یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں) اور اے فاطمہ (یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں) تم لوگ آگ کے عذاب سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرلو۔ میں خدا کی پکڑ سے تم کو نہیں بچا سکتا پھر بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح سویرے صفا پہاڑی پر چڑھ کر پکارا یا صباحاہ (جس کے لفظی معنی ہیں ہائے صبح کا خطرہ) عرب میں قاعدہ تھا کہ جب صبح سویرے کسی اچانک حملہ کا خطرہ ہوتا تو جس شخص کو بھی اس کا پتہ چل جاتا وہ اسی طرح پکارنا شروع کردیتا اور لوگ اس کی آواز سنتے ہی ہر طرف سے دوڑ پڑتے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے تمام قبائل کا نام لے کر یہ آواز دی تو سب لوگ گھروں سے نکل آئے اور جو خود نہ آسکا اس نے اپنی طرف سے خبر لانے کو بھیج دیا جب سب لوگ جمع ہوگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف وادی میں ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر چھاپہ مارنے کے لئے جمع ہورہا ہے کیا تم میری تصدیق کروگے اور میری بات سچ مانوگے؟ حاضرین نے جواب دیا کہ بے شک کیونکہ ہم نے بارہا تمہاری صداقت کا تجربہ کرلیا ہے۔ ہمارے تجربہ میں تم کبھی جھوٹ بولنے والے نہیں رہے ہو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اچھا تو میں خدا کا سخت عذاب آنے سے پہلے تم کو خبردار کرتا ہوں۔ اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی فکر کرو۔ میں خدا کے مقابلہ میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔ ابولہب جو آپ کا چچا تھا وہ بھی وہاں موجود تھا اس نے کہا کہ تیرے ہاتھ ٹوٹیں کیا اس لئے تو نے ہم کو یہاں جمع کیا تھا۔ عرب کا محاورہ تھا کہ بددعا کے لئے کہتے تبت یدا یعنی تیرے ہاتھ ٹوٹیں تو خراب ہوجائے۔ اسی لئے قرآن پاک میں سورۂ لہب میں ابولہب کو بھی وہی جواب ملا

جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا یعنی تبت ید آ ابی لھب و تب دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے ابولہب کے اور وہ برباد ہوگیا۔ الغرض آپ نے شرک پر عذاب الٰہی سے سب کو ڈرایا تو اس قومی تبلیغ کا نتیجہ دو ہی شکلوں میں نمودار ہوسکتا تھا یا تو لوگ مانیں گے اور آپ کی ہدایت کو قبول کر کے آپ کی پیروی کریں گے اور یا نہ مانیں گے اور بدستور سرتابی اور سرکشی کرتے رہیں گے۔ اس لئے آگے اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کے متعلق حکم دے دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمادیا کہ جو مومن آپ کا ساتھ دیں ان کے لئے اپنے اخلاق اور تواضع کے پر بچھا دیجئے یعنی جس طرح پرندہ اپنے بچوں کو اپنے پروں میں لے لیتا ہے آپ بھی اپنے سایۂ رحمت میں اہل ایمان کو لے لیں اور جو لوگ آپ کا حکم نہ مانیں اور آپ کی نافرمانی کریں ان کے اعمال سے اپنی بیزاری کا اعلان کردیجئے۔ گویا اس حکم میں اللہ تعالیٰ نے رشتہ قرابت سے بڑھ کر رشتۂ ایمانی کو قرار دیا کہ جو مومن ہے خواہ وہ کوئی ہو۔ کہیں کا رہنے والا ہو۔ کوئی زبان بولنے والا ہو۔ کسی رنگ کا ہو وہ آپ کی شفقت و عنایت و تعلق کا مستحق ہے اور جو کافر ہے اس سے آپ بالکل بے زار اور بے تعلق ہیں خواہ وہ قرابت کے لحاظ سے کتنا ہی نزدیک کا رشتہ دار ہو۔ یعنی حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی پوری تعلیم ہے۔ اب ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پیغام حق اور تبلیغ دین کی وجہ سے مخالفت بھی ہونا لازمی تھی چنانچہ آپ کے پیام کی مخالفت میں تمام سردار اور رؤسائے مکہ ایک ہو گئے اور پھر قبیلہ قریش کے سرداروں نے بھی ان کا ساتھ دیا اور حضور کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ اس وقت ان مخالفوں کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ کوئی مادی طاقت تھی نہ زیادہ مال تھا۔ نہ ساتھیوں کی کثرت تھی اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے حق تعالیٰ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مخالفین کی طرف سے ایذا اور ضرر کا خطرہ دل میں نہ لایئے آپ اس خدا پر بھروسہ رکھئے جو تمام کائنات پر غالب بھی ہے اور آپ پر رحیم بھی ہے اور اس کی قدرت و تصرف سے کوئی چیز خارج نہیں اور اس کی رحمت آپ کے شامل حال ہے۔ لیکن کسی کو محفوظ رکھنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ حفاظت کرنے والا طاقتور ہو اور حمایت کرنے کے لئے تیار ہو بلکہ یہ بھی لازمی ہے کہ اس کے تمام احوال کی اطلاع ہر وقت ہو تا کہ ضرورت کے وقت بچاؤ کر سکے اگر اس کو خبر ہی نہ ہو تو کتنا ہی کرم فرما اور حامی ہو اور کتنا ہی طاقتور ہو اپنے کی حمایت کرنے اور بچانے کا موقع ہی نہ ملے گا اس لئے آگے حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ اے نبی خدائے غالب و رحیم تمہاری ہر نقل و حرکت سے واقف ہے اور تمہارے کل احوال زندگی اس کی نظر کے سامنے ہیں وہ دانا اور بینا اور شنوا بھی ہے اس لئے وہ ہر طرح سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ آپ اسی کی ذات پر بھروسہ رکھیں۔

اب آگے سورۃ کے خاتمہ پر کفار کے مزید شبہات کی تردید فرما کر ایمان اور عمل صالح کی ترغیب دی گئی اور منکرین کو عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی توحید کاملہ نصیب فرماویں اور شرک کے ہر شائبہ سے ہم کو بچائیں یا اللہ مومنین مخلصین میں ہم کو شامل فرما اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع کامل نصیب فرما۔ یا اللہ! دشمنان دین سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت فرما اور ہم کو اپنی ذات پاک پر بھروسہ رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ اور اپنی قدرت و رحمت سے ہماری ہر حال میں حفاظت۔ نگرانی و حمایت فرما۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيْمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُلْقُوْنَ السَّمْعَ

کیا میں تم کو بتلاؤں کس پر شیاطین اُترا کرتے ہیں۔(سنو) ایسے شخصوں پر اُترا کرتے ہیں جو دروغ گفتار بڑے بدکردار ہوں۔اور جو (شیاطین کی سننے کیلئے) کان لگا دیتے ہیں

وَأَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿٢٢٣﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿٢٢٥﴾ وَأَنَّهُمْ

اور وہ بکثرت جھوٹ بولتے ہیں۔اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ (خیالی مضامین کے)

يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٢٢٦﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ

ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں۔اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا

بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿٢٢٧﴾

اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے بدلہ لیا (یہ مستثنیٰ ہیں)۔اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ اُن کو لوٹ کر جانا ہے۔

هَلْ کیا	اُنَبِّئُکُمْ میں تمہیں بتاؤں	عَلٰی مَنْ کس پر	تَنَزَّلُ اترتے ہیں	الشَّیٰطِیْنُ شیطان	تَنَزَّلُ وہ اترتے ہیں	عَلٰی پر	کُلِّ ہر
اَفَّاکٍ بہتان لگانے والا	اَثِیْمٍ گنہگار	یُلْقُوْنَ ڈالدیئے ہیں	السَّمْعَ سُنی سنائی بات	وَاَکْثَرُهُمْ اور ان میں اکثر	کٰذِبُوْنَ جھوٹے	وَ اور	
الشُّعَرَآءُ شاعر	یَتَّبِعُهُمُ اُن کی پیروی کرتے ہیں	الْغَاوٗنَ گمراہ لوگ	اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	اَنَّهُمْ کہ وہ	فِیْ کُلِّ وَادٍ ہر وادی میں		
یَهِیْمُوْنَ سرگرداں پھرتے ہیں	وَاَنَّهُمْ اور یہ کہ وہ	یَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	مَا جو	لَا یَفْعَلُوْنَ وہ کرتے نہیں	اِلَّا مگر	الَّذِیْنَ جو لوگ	
اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	وَذَکَرُوا اللّٰهَ اور اللہ کو یاد کیا	کَثِیْرًا بکثرت	وَانْتَصَرُوْا اور انہوں نے بدلہ لیا		
مِنْۢ بَعْدِ اس کے بعد	مَا ظُلِمُوْا کہ ان پر ظلم ہوا	وَسَیَعْلَمُ اور عنقریب جان لیں گے	الَّذِیْنَ وہ لوگ جنہوں نے	ظَلَمُوْٓا ظلم کیا	اَیَّ کس		
مُنْقَلَبٍ لوٹنے کی جگہ (گروٹ)	یَنْقَلِبُوْنَ وہ اُلٹتے ہیں (انہیں لوٹ کر جانا ہے)						

تفسیر و تشریح:۔ یہ سورۂ شعراء کی آخری آیات ہیں۔گذشتہ آیات کی تشریح میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ایام جاہلیت میں عربوں کا عقیدہ تھا کہ جن لوگوں کے دلوں میں جنات یا شیاطین القاء کرتے ہیں ان میں سے ایک گروہ کاہنوں کا ہے اور دوسرا شاعروں کا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر منکرین کہانت کا شبہ کرتے تھے اور کلام الٰہی کو ثمرۂ شاعری کا الزام لگاتے تھے ان الزامات کی تردید میں گذشتہ آیات میں بتلایا جا چکا ہے کہ یہ کلام رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اور اس کو جنات یا شیاطین جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے لیکر نہیں آئے کیونکہ شیاطین کو نہ اس پاک کلام سے مناسبت ہے اور نہ وہ اس پر قادر ہیں۔کفار کے اسی شبہ کہانت یا شاعری کے مزید تردید میں اب اس وقت کے کاہنوں اور شاعروں کی امتیازی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں اور جتلایا جاتا ہے کہ شیطانی القاء کو نبوت سے کیا نسبت۔کہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق امانت۔اتقاء و پاکبازی اور خدا ترسی کو جو بچپن سے لے کر دعوئے نبوت تک آپ کی ساری قوم کو تسلیم تھی حتیٰ کہ صادق الامین آپ کا لقب ہی پڑ گیا تھا اور کہاں ان کاہنوں کی دروغ گفتاری اور بدکرداری۔چنانچہ ان آیات میں پہلے کاہنوں کی حالت بیان فرمائی جاتی ہے کہ یہ شیاطین تو اپنے جیسے انسانی شیطانوں کے پاس آتے ہیں جو اول درجہ کے جھوٹ بولنے والے۔بدکردار اور گناہ گار ہوں ایسے کاہنوں۔بدکرداروں اور جھوٹے لوگوں کے پاس جنات و شیاطین پہنچتے ہیں کیونکہ وہ بھی جھوٹے اور بداعمال و بدکردار ہیں کوئی ایک آدھ بات غیبی خبر کی اچٹتی ہوئی سنی

سنائی چوری چھپے سے لے اڑتے ہیں جس میں ۱۰۰ جھوٹی باتیں اپنی طرف سے ملا کر کاہنوں کے کان میں جا کر ڈال دیتے ہیں اور پھر وہ کاہن بھی باتیں اس میں اپنی طرف سے ملا کر لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ بعض صحابہ نے کاہنوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اس پر عرض کیا کہ حضور کبھی کبھی تو ان کی کوئی بات سچی بھی نکل آتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ وہی بات ہوتی ہے جو جنات آسمان سے اڑا لاتے ہیں اور ان کے کان میں کہہ جاتے ہیں پھر اس کے ساتھ ۱۰۰ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہہ دیتے ہیں۔ تو الحاصل کاہنوں کے بابت بتلایا گیا کہ شیاطین اور خبیث جنات کا نزول تو ایسے ہی لوگوں پر ہوتا ہے جو بہت زیادہ جھوٹے اور بدکردار ہوتے ہیں اس لئے ان کاہنوں سے ان کو طبعی مناسبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاکباز۔ صادق اور صدیق ہیں پھر آپ سے شیاطین کو مناسبت کہاں ہوسکتی ہے اور آپ کے قلب تک خبیثوں کی رسائی کہاں ممکن ہے۔ پھر کہانت کا شبہ اور احتمال آپ کی ذات مبارک میں کہاں ہوسکتا ہے۔ آگے دوسرے شبہ شاعریت کا جواب دیا جاتا ہے کہ آپ شاعر بھی نہیں ہیں جیسا کہ یہ کفار خیال کرتے ہیں۔ عرب جاہلیت کی تہذیب اور تمدن میں شعرا کا ایک خاص اور بڑا امتیاز مرتبہ تھا۔ عیب کو ہنر اور ہنر کو عیب بنانا ان کا معمولی کرتب تھا اور پھر ایام جاہلیت کی عرب شاعری جس قسم کے مضامین سے لبریز تھی وہ یا تو شہوانیت اور عشق بازی کے مضامین تھے۔ یا شراب نوشی کے یا قبائلی منافرت اور جنگ وجدل کے یا نسلی فخر وغرور کے۔ نیکی اور بھلائی کی باتیں ان میں بہت ہی کم پائی جاتی تھیں۔ پھر جھوٹ۔ مبالغہ۔ بہتان۔ ہجو۔ بے جا تعریف۔ طنز وطعن۔ اور مشرکانہ خرافات تو اس شاعری کی رگ رگ میں پیوست تھی اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس شاعری کے متعلق یہ تھا کہ تم میں سے کوئی شخص خون اور پیپ سے اپنا پیٹ بھر لے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے اپنا پیٹ بھر لے۔ حدیث میں بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب سفر میں چلے جارہے تھے۔ مقام عرج میں ایک

شاعر اپنے اشعار پڑھتا ہوا سامنے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کو روک دو۔ اگر تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ اور لہو سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھرا ہو۔ تو کفار مکہ جو قرآن کو شاعری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) شاعر ہونے کا الزام و بہتان لگاتے تھے اس کی تردید میں شاعر اور شاعری کی حقیقت کو بیان فرمایا جاتا ہے اور شاعروں کی تین صفات ان آیات میں بتلائی جاتی ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ شاعروں کی پیروی وہی لوگ کرتے ہیں جو بدراہ ہیں یعنی شاعروں کی ذریت تو انہی لوگوں پر شامل ہوتی ہے جو خود بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسری صفت بتائی کہ یہ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں یعنی خیالی مضامین کی تلاش میں ٹکریں مارتے اور ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ واقعیت اور حقیقت سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ ان کی باتیں تو تمام تر تخیل پرستی کی ہوتی ہیں۔ کہیں آہوں سے آسمان کا گنبد گراتے ہیں۔ کہیں آنسوؤں سے بحر قلزم بہاتے ہیں۔ کہیں شب ہجر کے طول کو قیامت سے بڑھاتے ہیں۔ جو مضمون پکڑ لیا اسی کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا۔ کسی کی مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دیئے۔ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ غرض جھوٹ۔ مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ تیسری صفت آیت میں یہ بیان کی گئی کہ یہ زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں یعنی شاعر کو عمل کی زندگی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا وہ مضامین شجاعت ومردانگی کے باندھے گا لیکن خود بھاگنے والوں میں سب سے آگے ہوگا شعر پڑھو تو معلوم ہو کہ رستم سے زیادہ بہادر اور جا کر ملو تو پرلے درجہ کے ڈرپوک۔ تاریخ کی کتابوں میں بنو امیہ کے دور کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ مشہور عرب شاعر فرزدق نے جب خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک کے سامنے اپنا وہ شعر پڑھا جس میں اپنی حرامکاری کا ذکر تھا تو خلیفہ نے فوراً کہا کہ اس اقبال جرم کے بعد تم پر حد شرعی واجب آ گئی اب تو یہ شاعر بڑا سٹ پٹایا مگر تھا ذہین و چالاک فوراً یہی آیت قرآنی وانھم یقولون مالایفعلون یعنی یہ شاعر زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں، اپنی صفائی میں پڑھ کر

جان بچائی گویا اس نے یہ ظاہر کردیا کہ ہم شاعر لوگ ہیں ہمارے کلام سے ہمارے عمل کا کیا واسطہ۔

الغرض تیسری صفت یہاں آیت میں شعراء کی یہ بتلائی گئی کہ یہ زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ تو شاعروں کی یہ خصوصیات بتلا کر یہ جتلایا گیا کہ پیغمبر خدا کو اس جماعت سے کیا تعلق اور لگاؤ کہ جو کفار معاذ اللہ آپ کو شاعر اور کلام الٰہی کو شعر و شاعری کہتے ہیں اب یہاں چونکہ شعراء کی مذمت ارشاد ہوئی ہے جس کے عموم میں سب ہی نظم کہنے والے اور اشعار پڑھنے والے صورۃً داخل ہوگئے اس لئے آگے ان شعراء کا استثناء فرمایا گیا کہ جن کی شاعری حقائق اور صداقتوں کی جامع ہے اور جو تائید دین۔ اور اشاعت علم اور نصرت وحمایت حق میں کی جائے اور جس سے کام دین کے غلبہ کا لیا جائے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ جو اوپر شعراء کی مذمت بیان ہوئی اس سے ان شعراء کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو چار خصوصیات کے حامل ہوں۔

اول یہ کہ وہ مومن ہوں یعنی اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتابوں کو سچے دل سے مانتے ہوں اور آخرت پر یقین رکھتے ہوں۔

دوسرے یہ کہ وہ اعمال صالحات کرنے والے ہوں یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے موافق اپنی زندگی گزارنے والے ہوں۔ فاسق، فاجر۔ بدکردار اور اللہ رسول کے نافرمان نہ ہوں۔

تیسرے یہ کہ وہ بکثرت یاد الٰہی کرتے ہوں یعنی اپنے عام حالات اور اوقات میں بھی اور اپنے کلام میں بھی تائید دین حق اور اشاعت اسلام میں ان کے اشعار ہوں کہ یہ سب ذکر اللہ ہے۔

چوتھی صفت یہ ہو کہ اعدائے دین کی طرف سے ان پر اولاً ظلم ہو چکا ہو اور اس کا بدلہ لینے کے لئے وہ اپنی زبان اور قلم سے کام لیں یعنی کفار یا بے دینوں نے اول ان کو ایذا پہنچائی خواہ قولاً مثلاً ان کی ہجو کی یا دین کی توہین کی یا فعلاً کہ ان کے جان یا مال کو ضرر پہنچایا تو اب مظلوم ہونے کے بعد وہ انتقام اپنے اشعار یا کلام سے لینے والے ہوں۔ روایات میں آتا ہے کہ کفار اور مشرکین کے شاعر۔ اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف الزامات کا جو طوفان اٹھاتے اور نفرت وعداوت کا جو زہر پھیلاتے تھے اس کا جواب دینے کے لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعراء اسلام کی ہمت افزائی فرمائی ہے۔ حضرت کعب بن مالک کے پوچھنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا مومن جہاد کرتا ہے تلوار سے اور اپنی زبان سے۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جس چیز سے ان کو مارتے ہو وہ گویا تیروں کی مار ہے۔ یعنی تم جو اشعار میں مشرکوں کی مذمت کرتے ہو تو یہ تیروں کی طرح ان پر اثر کرتے ہیں۔ تو خلاصہ یہ کہ ایسی روایات بھی بکثرت منقول ہیں جن سے شاعری اور شاعروں کی مذمت ثابت ہوتی ہے اور ایسی روایات بھی موجود ہیں جو شاعری کے استحسان پر دلالت کرتی ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشعار سنے۔ بعض شاعروں کی تعریف بھی کی اور شعر کہنے کا حکم بھی دیا اس لئے شاعری کی مدح وذم ممانعت۔ اور جواز دونوں منقول ہیں۔ اس لئے محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ اچھے اشعار جیسے حمد ونعت حمایت اسلام۔ اصلاح مسلمین اور اسی قسم کے دوسرے مضامین کے شعر مستحسن ہیں اور اخلاق اور حسن اعمال کو برباد کرنیوالے۔ فسق وفجور کی تعلیم دینے والے اور فساد وتباہی برپا کرنیوالے اشعار ممنوع ہیں۔ اب جبکہ قرآن اور رسالت کے متعلق جو شبہات کفار کے تھے ان کے جوابات پورے ہوگئے اور اس پر بھی جو منکر نبوت رہے اور ہٹ دھرمی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شاعری اور کہانت وغیرہ کی تہمتیں لگاتے رہے ان کو وعید سنائی جاتی ہے کہ ان ظالموں کو عنقریب اپنا انجام معلوم ہو جائیگا کہ کیسی بری اور مصیبت کی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے مراد اس سے جہنم ہے۔

الحمدللہ کہ سورۂ شعراء کا بیان یہاں ختم ہوگیا جس میں ۱۱ رکوع تھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ

طٰس۔ یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور ایک واضح کتاب کی۔ یہ (آیتیں) ایمان والوں کیلئے ہدایت اور مژدہ سنانے والی ہیں۔ جو ایسے ہیں

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾

کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر (پورا) یقین رکھتے ہیں۔

طٰسٓ طٰس	تِلْكَ یہ	اٰيٰتُ آیتیں	الْقُرْاٰنِ قرآن	وَكِتَابٍ اور کتاب	مُّبِيْنٍ روشن، واضح	هُدًى ہدایت
وَ بُشْرٰى اور خوشخبری	لِلْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں کیلئے	الَّذِيْنَ جو لوگ	يُقِيْمُوْنَ قائم رکھتے ہیں	الصَّلٰوةَ نماز	وَيُؤْتُوْنَ اور ادا کرتے ہیں	الزَّكٰوةَ زکوۃ
وَهُمْ اور وہ	بِالْاٰخِرَةِ آخرت پر	هُمْ وہ	يُوْقِنُوْنَ یقین رکھتے ہیں			

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ کہ اب انیسویں پارہ کی سورۂ نمل کا بیان شروع ہو رہا ہے اس وقت اس سورۃ کی صرف تین ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں جن کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصہ مضامین تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ کے سلسلہ میں وادالنمل یعنی چیونٹیوں کے میدان کا ذکر آیا ہے نمل معنی ہیں چیونٹیوں کے۔ اس لئے بطور نشانی اس سورۃ کا نام نمل مقرر ہوا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور مکی دور کے درمیانی زمانہ میں اس کا نزول روایت کیا گیا ہے۔ موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ کلام پاک کی ۲۷ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۶۸ لکھا ہے یعنی ۶۷ سورتیں اس سورۃ سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھیں اور ۴۶ سورتیں اس سورۃ کے بعد مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۹۳ آیات، ۷ رکوعات۔ ۱۱۶۷ کلمات ۴۸۷۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی عقائد کی اصلاح یعنی توحید کی تعلیم۔ نبوت کا اثبات آخرت کا یقین اور چند انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ ہیں۔ اس سورۃ میں بیان کیا گیا ہے کہ سارے جہاں کا پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے۔ اس نے انسانوں کو پیدا کر کے ان کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً نبی بھیجے اور رسالت کا سلسلہ قائم کیا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ختم فرمایا گیا اور جن پر قرآن مجید نازل کیا گیا جس میں انسان کو بتایا گیا کہ اسے اس زندگی میں کیا کرنا چاہئے انسان کو اس دنیا میں ایک مقررہ وقت تک رہنا ہے اس کے بعد اس کی یہاں کی زندگی ختم ہو جائے گی ہر فرد و بشر جو اس دنیا میں آیا ہے ایک نہ ایک دن وہ مر جائے گا اور آخر کار یہ ظاہری عالم بھی سارا فنا ہو جائے گا۔ پھر کچھ مدت کے بعد جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے سارے انسان شروع دنیا سے آخر تک دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور عالم آخرت شروع ہو جائے گا جہاں ہر شخص کے اعمال کی جو اس نے اس دنیا میں کئے تھے جانچ پڑتال کی جائے گی اور جیسے جس کے اعمال ہوں گے ویسی ہی اس کو جزا و سزا دی جائے گی۔ یہ تمام باتیں بالکل اسی طرح ہوں گی جس طرح قرآن مجید میں کھول کھول کر واضح کر دیا گیا ہے۔ نتیجہ کے لحاظ سے قرآن کے منکروں کو دائمی

عذاب۔ مصیبت اور بے چینی نصیب ہوگی اور اس کے ماننے والوں کو ابدی راحت۔ خوشی اور آرام چین وسکون ملے گا۔ خدا کے پیغمبروں کی ہدایات کو نہ ماننے والوں کی عبرت کے لئے بعض پہلی امتیں اور ان کے پیغمبروں کے قصہ بیان کئے گئے۔ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور پھر بنی اسرائیل کے دو جلیل القدر صاحب سلطنت انبیاء حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کہ جن کی سلطنت جن وانس کے علاوہ جانوروں تک پر تھی ان کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق دو واقعات کا بیان اس سورۃ میں فرمایا گیا ایک تو وہ جو چیونٹیوں کے ساتھ گزرا اور اسی پر اس سورۃ کا نام سورۃ النمل رکھا گیا اور دوسرا واقعہ ملکہ سبا کا جس کی بابت ہدہد نے آ کر خبر دی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو زیر فرمان کیا اس کے بعد دو اور قوموں کا بیان ہے۔ اخیر میں قدرت کی بعض نشانیاں واضح کر کے واقعات عالم سے عبرت حاصل کرنے پر زور دیا گیا اور دنیا کے خاتمہ کی ایک علامت بتائی گئی۔ پھر قیامت کے حالات واضح کئے گئے اور سورۃ کے خاتمہ پر بتلایا گیا کہ ان باتوں کو جاننے کے بعد انسان کے لئے کوئی چارہ کار نہیں سوائے اس کے کہ قرآن کے احکام پر چلے۔ یہ ہے خلاصہ اس تمام سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آئیں گی۔

اس تمہید کے بعد ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ اس سورۃ کی ابتدا بھی حروف مقطعات طٰسٓ سے فرمائی گئی ہے۔ حروف مقطعات کے متعلق سورۂ بقرہ کے ابتدائی درس میں تفصیلی بیان ہو چکا ہے۔ جس کا خلاصہ یہی ہے کہ خلفائے راشدین۔ جمہور صحابہؓ و تابعین اور اکثر علمائے امت کے نزدیک یہ حروف رموز و اسرار الٰہیہ ہیں۔ ان کے متعلق یہی عقیدہ رکھنا چاہئے کہ یہ کلام الٰہی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں۔ ان کے حقیقی معنی کی طرف کسی اور کی رسائی نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم بطور ایک راز کے دیا گیا ہو اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حروف کی تفسیر و تشریح میں صراحتہً کچھ منقول نہیں۔ ان پر اسی طرح ایمان لانا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جس طرح آئے ہیں ان کی تلاوت کرنا چاہئے اور ان کے معنی کی تفتیش میں نہ پڑنا چاہئے۔

آگے سورۃ کی ابتدا قرآن پاک کے ذکر سے فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ آیات جن کی تلاوت اس سورۃ میں کی جارہی ہے کسی کاہن کی بکواس نہیں۔ کسی ساحر کی شعبدہ بازی نہیں کسی شاعر کی تک بندی نہیں بلکہ قرآن اور اس عظیم الشان کتاب کی آیات ہیں جو حق و باطل میں فرق کرنے والی۔ اور انسانی نجات وسعادت کا راستہ واضح طور پر بتانے والی ہے۔ جس کی کوئی بات بعید از عقل نہیں۔ سب باتیں اس کی صاف اور ظاہر ہیں جن کو ہر ایک صاحب عقل سلیم تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں کرسکتا۔ اس کی ہدایت ہر انسان کے لئے عام ہے مگر اس کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے والے چونکہ اہل ایمان ہی ہیں اس لئے یہ اہل ایمان ہی کے لئے باعث ہدایت اور سبب بشارت ہے۔ اس کے ہر لفظ سے مومن کو راہ حق نظر آتی ہے اور دوامی سعادت و نجات کی خوشخبری حاصل ہوتی ہے مگر یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ فقط قلبی تصدیق اور عقیدہ کی صحت سے کمال ایمانی حاصل ہو جاتا ہے۔ نہیں خالی زبان سے اپنے کو مومن کہنا کافی نہیں جب تک کہ اس میں خصوصیت کے ساتھ یہ تین اوصاف نہ پائیں جائیں۔

ایک **الذین یقیمون الصلوٰۃ** وہ جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی اہتمام سے ساری شرائط و قواعد کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جو نماز ادا نہ کرے وہ پورا کامل مومن ہی نہیں۔ حیف ہے ان لوگوں پر جو دین اسلام کی حمایت کے نعرے تو بلند کرتے ہیں مگر نماز سے بے فکر ہیں۔

دوسرا وصف **ویؤتون الزکوٰۃ** فرمایا یعنی جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ شرع میں جب کہ مال ایک معینہ نصاب سے زائد ہو تو اس میں سے چالیسواں حصہ اللہ کے نام پر غربا۔ مساکین اور مستحقین کو دینا اور اس مقررہ لازمی اور فرض زکوٰۃ کے

علاوہ ہر ایک قسم کے خیرات وصدقات بھی زکوٰۃ میں شامل ہیں تو یہاں اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے ذکر کرنے سے اس طرف صاف اشارہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ اسلام کے وہ عظیم الشان ارکان ہیں جن کے بغیر ایمان کی عمارت کا اپنی جگہ پر قائم رہنا دشوار ہے۔ اسی لئے ان آیات میں ذہن نشین کرایا جارہا ہے کہ قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایمان کے ساتھ عملاً اطاعت اور اتباع کا رویہ اختیار کرنا بھی ضروری ولازمی ہے جس کی اولین علامت اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہے۔ اگر یہی علامت غائب ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ آدمی اطاعت اور حکم کی پیروی کے لئے تیار نہیں۔

تیسری بات وهم بالأخرة هم يوقنون فرمائی یعنی روز آخرت پر ان کو کامل یقین ہو اور یہ اعتقاد رکھیں کہ خداوند تعالیٰ کے سامنے جانا ہے۔ ایک دن حشر ہونا ہے اور تمام اعمال کی باز پرس ہونی ہے اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا ہے۔ اگر آخرت پر ایمان یقین نہ ہو تو انسان کسی کار خیر کی طرف توجہ بھی نہ کرے گا اور اگر کوئی نیک کام کرے گا بھی تو اس کی غرض کسی دنیوی وجاہت عزت۔ عیش وآرام کے حصول کی ہوگی۔ جب کسی کو انجام کی فکر اور مستقبل کا خیال ہی نہ ہوگا۔ تو وہ اسی دنیائے فانی کی فکر میں ڈوبا رہے گا اور اس کی تمام کوششوں کا مرکز یہی چند روزہ زندگی ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کی رہنمائی سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اس کی بشارتوں کے مستحق صرف وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو ان حقیقتوں کو تسلیم کریں جنہیں یہ کتاب پیش کرتی ہے اور پھر مان لینے کے بعد اپنی عملی زندگی میں اطاعت واتباع کا رویہ اختیار کریں اور اس میں قرآن کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا انہیں کے لئے ممکن ہے کہ جو آخرت کے قائل ہوں۔

قرآن کریم جن حقیقتوں کو ماننے اور ان پر ایمان لانے اور پورا پورا یقین رکھنے کی پرزور دعوت دیتا ہے ان میں خداوند قدوس کی ذات اور اس کی صفات یعنی توحید باری تعالیٰ ہے۔ جس کے بعد آخرت ہی کا مسئلہ ہے۔ تمام انبیائے کرام اور اللہ تعالیٰ کی تمام نازل کی ہوئی کتابوں نے آخرت کو ماننے اور اس پر ایمان لانے اور پورا یقین کرنے کی دعوت دی ہے اور چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور قیامت تک کے لئے دنیا کی رہنمائی کے لئے نازل کی گئی ہے اس لئے اس میں تو آخرت کے مسئلہ پر اتنا زور دیا گیا ہے اور اتنی تفصیل سے اس کو بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ آخرۃ ہی کے بیان سے متعلق ہے۔ اور عقیدۂ آخرت ہی یعنی حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور حساب کتاب اور جزا وسزا انسان کی حالت دنیا میں درست رکھ سکتا ہے اور انسان کی زندگی میں انقلاب لاسکتا ہے اور اس کو صراط مستقیم پر قائم رکھ سکتا ہے۔

یہ تو مومنین کاملین کا حال تھا آگے منکرین قرآن اور ان کا آخرت کا حال اور ان کا انجام ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اس کتاب کو ہمارے لئے بھی باعث ہدایت وخوشخبری بنائیں اور ایمان والوں کی صفات ہم کو بھی نصیب فرمائیں۔ اور آخرت پر پورا یقین عطا فرمائیں تاکہ ہم کو اس دنیا کی زندگی میں آخرت کا فکر ہو اور ہمارا کوئی لمحہ آخرت کی تیاری سے غفلت میں نہ گزرے۔ یا اللہ! ہم کو پوری طرح اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کی توفیق عطا فرما اور اس کے ساتھ اپنے جملہ احکام کی بھی اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرما۔ یا اللہ! مومنین کاملین کی جو صفات یہاں بیان فرمائی گئیں یعنی نماز کی پابندی زکوٰۃ کی ادائیگی اور آخرت پر پورا یقین۔ آج امت مسلمہ کے اکثر افراد انہیں صفات سے غافل ہیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ﴿٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ

جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے اُن کے اعمال (بد) اُن کی نظر میں مرغوب کر رکھے ہیں سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے

سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٥﴾ وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِن لَّدُنْ

سخت عذاب (ہونیوالا) ہے اور وہ لوگ آخرت میں (بھی) سخت خسارہ میں ہیں۔ اور آپ کو بالیقین ایک بڑی حکمت والے علم والے کی جانب سے قرآن دیا جا رہا ہے۔

حَكِيمٍ عَلِيمٍ ﴿٦﴾ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُم

(آپ اُس وقت کا قصہ یاد کیجئے) جبکہ موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے میں ابھی وہاں سے (یا تو راستہ کی) کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے پاس

بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٧﴾

آگ کا شعلہ کسی لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا لاتا ہوں تا کہ تم سینک لو۔

إِنَّ بیشک | الَّذِينَ جولوگ | لَا يُؤْمِنُونَ ایمان نہیں لاتے | بِالْآخِرَةِ آخرت پر | زَيَّنَّا لَهُمْ آراستہ کر دکھائے ہم نے ان کیلئے | أَعْمَالَهُمْ ان کے عمل

فَهُمْ پس وہ | يَعْمَهُونَ بھٹکتے پھرتے ہیں | أُولَٰئِكَ یہی لوگ | الَّذِينَ وہ لوگ جو | لَهُمْ ان کیلئے | سُوءُ برا | الْعَذَابِ عذاب | وَهُمْ اور وہ

فِي الْآخِرَةِ آخرت میں | هُمُ وہ | الْأَخْسَرُونَ سب سے بڑھ کر خسارہ اٹھانے والے | وَإِنَّكَ اور بیشک تم | لَتُلَقَّى دیا جاتا ہے | الْقُرْآنَ قرآن

مِن لَّدُنْ نزدیک (جانب) سے | حَكِيمٍ حکمت والا | عَلِيمٍ علم والا | إِذْ جب | قَالَ کہا | مُوسَىٰ موسیٰ | لِأَهْلِهِ اپنے گھر والوں سے | إِنِّي بیشک میں

آنَسْتُ میں نے دیکھی ہے | نَارًا ایک آگ | سَآتِيكُم میں ابھی لاتا ہوں | مِّنْهَا اس کی | بِخَبَرٍ کوئی خبر | أَوْ آتِيكُم یا لاتا ہوں تمہارے پاس

بِشِهَابٍ شعلہ | قَبَسٍ انگارہ | لَّعَلَّكُمْ تا کہ تم | تَصْطَلُونَ تم سینکو

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ ابتدائی آیات میں بتلایا گیا تھا کہ یہ آیتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جاتی ہیں ایک واضح اور روشن کتاب یعنی قرآن کریم کی آیتیں ہیں جو انسانی سعادت و نجات کا راستہ واضح طور پر بتانے والی ہیں۔ اور اگرچہ اس کی ہدایت ہر انسان کے لئے عام ہے لیکن چونکہ اس کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے والے اہل ایمان ہی ہیں اس لئے یہ اہل ایمان ہی کے لئے باعث ہدایت اور سبب بشارت ہے۔ پھر اہل ایمان کی تین صفات بیان کی گئیں یعنی وقت اور شرائط کی پابندی کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور عالم آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔

اب آگے مومنین کے مقابلہ میں کفار و منکرین کی حالت اور ان کا انجام بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے اور ان کی نظروں میں جو کچھ ہے بس یہی دنیا ہے تو وہ اسی کی زیب و زینت اور عیش و آرام میں ڈوبے رہتے ہیں اور ان کی ساری کوشش اور فکر کا مرکز بس یہی چند روزہ زندگی ہے کہ کس طرح دنیا میں مال و دولت حاصل ہو۔ عزت اور جاہ بڑھے۔ اچھا کھائیں پئیں اور موج اڑائیں۔ عالیشان مکانوں میں عیش و عشرت سے رہیں۔ تو جو کتاب یا پیغمبر ادھر سے ہٹا کر عاقبت اور آخرت کی طرف توجہ دلائے تو اس کی بات پر یہ کان کیوں دھرنے لگے۔ یہ تو دنیا کے عشق میں غرق ہو کر ہادیوں پر آوازیں کستے ہیں۔ آسمانی کتاب کو مورد طعن بناتے ہیں۔ پیغمبر کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور یہی وہ کام ہیں کہ جن کو اپنے نزدیک بہت اچھا سمجھ کر برابر گمراہی میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسے منکرین و مکذبین کو اللہ تعالیٰ بھی ڈھیل دے کر چھوڑ دیتے ہیں کہ ان

کی برائیاں انہیں اچھی لگنے لگتی ہیں اور اس طرح وہ اپنی سرکشی و گمراہی میں بڑھتے رہتے ہیں۔ انجام ان کا یہ ہوگا کہ آخرت میں انہیں سخت ترین سزائیں ہوں گی اور قیامت کے دن اہل محشر میں سب سے زیادہ خسارہ میں یہی رہیں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب ان بدبختوں نے قرآن مبین کی قدر نہ پہچانی اور اس کی ہدایات و بشارات سے فائدہ نہ اٹھایا تو آخرت کی یہی بدانجامی نصیب ہونی تھی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اس علیم و حلیم کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب یعنی قرآن کریم آپ کو مرحمت کی گئی جس سے ہر وقت تازہ بتازہ فوائد پہنچ رہے ہیں جس میں مومنین کے لئے بشارتیں ہیں اور مکذبین کو عبرتناک واقعات سنائے گئے ہیں تا کہ سچوں کا دل مضبوط اور قوی ہو اور جھوٹ و باطل کی حمایت کرنے والے اپنی بدانجامی پر مطلع ہو جائیں چنانچہ اپنی اغراض کے لئے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ یہ اس وقت کا قصہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں دس سال گزارنے کے بعد مصر کی طرف واپس جا رہے تھے۔ راستہ میں وادی سینا یا وادی طویٰ کے قریب پہنچ کر جب کہ سخت سردی کی اندھیری رات تھی راستہ بھول گئے تو آپ کی بی بی صاحبہ جو آپ کے ہمراہ تھیں ان کو ایک جگہ بٹھا کر آپ نے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں نے ایک جگہ آگ دیکھی ہے میں وہاں جاتا ہوں۔ اگر وہاں کوئی موجود ہوا تو راستہ کی خبر لاتا ہوں ورنہ سینکنے تاپنے کے لئے آگ لے آؤں گا۔

اب جب موسیٰ علیہ السلام آگ لینے جاتے ہیں تو وہاں کیا صورت حال پیش آتی ہے یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ان آیات میں مومن اور غیر مومن کی حالت میں عقیدہ آخرت کا خاص فرق ہونا بتلایا گیا ہے اور یہ ایک بالکل فطرتی اور نفسیاتی بات ہے کہ جب آدمی اپنی زندگی اور اس کی سعی اور عمل کے نتائج کو صرف اسی دنیا تک محدود سمجھے گا اور جب وہ موت کے بعد کسی ایسی زندگی کا قائل نہ ہوگا جس میں حیاۃ دنیا کے اعمال کی حقیقی قدر و قیمت کے موافق ٹھیک ٹھیک جزا و سزا دی جانے والی ہو۔ اور جب انسان کسی ایسی عدالت کا قائل نہ ہوگا جہاں انسان کے پورے کارخانہ حیات کی جانچ پڑتال کے بعد اس کے اچھے یا برے ہونے کا قطعی فیصلہ کیا جانے والا ہو تو لازماً اس کے اندر ایسا نقطۂ نظر پایا جائے گا کہ اسے حق و باطل اور نیکی و بدی اور شرک و توحید۔ اور اخلاق و بداخلاقی اور ثواب و عذاب کی یہ ساری بحثیں سراسر بے معنی نظر آئیں گی۔ بس جو کچھ اسے اس دنیا میں لذت و آرام۔ عیش و راحت۔ مادی ترقی اور خوشحالی اور قوت و اقتدار سے ہمکنار کرے وہی اس کے نزدیک بڑی خوبی کی بات ہوگی۔ اس کو حقیقت اور صداقت سے کوئی غرض ہی نہ ہوگی۔ اس کا اصل مطلوب صرف حیاۃ دنیا کی زینتیں اور کامرانیاں ہوں گی جن کے حصول کے فکر میں وہ ساری زندگی سرگرداں رہے گا اور ان لوگوں کو بے وقوف اور احمق سمجھے گا جو اس کی طرح دنیا طلبی میں منہمک نہیں ہیں۔ برخلاف اس کے جب کسی کا یہ عقیدہ اور پختہ یقین ہوگا کہ مرنے کے بعد اور بھی کئی منزلوں سے گزرنا ہے جس میں پہلی منزل موت سے لے کر قیامت تک کی ہے جس کو عالم برزخ کہتے ہیں اور دوسری منزل قیامت اور حشر و نشر کی ہے اور تیسری و آخری منزل جنت یا جہنم ہے اور ہر ہر منزل میں ہمیں دنیا میں کئے ہوئے اعمال کی جزا و سزا ملنی ہے اس لئے ہم دنیا میں مطلق العنان اور تمام قیود و بندشوں سے آزاد ہو کر من مانی زندگی گزارنے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں بلکہ ہر عمل کا محاسبہ اور بازپرس ہونے والی ہے اور اس پوری زندگی کے حساب اور جانچ پڑتال میں جو کامیاب نکلیں گے وہ جنت کے مستحق قرار دیئے جائیں گے اور جو اس جانچ پڑتال میں ناکامیاب ہوں گے وہ دوزخ کے سزاوار ٹھہرائے جائیں گے اور بالآخر آخری فیصلہ میں اپنے عقائد و اعمال کے مطابق جنت یا جہنم ہی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ تو جن کو آخرت اور حساب کی فکر ہر بات میں لاحق رہے گی ان کو یقیناً دنیا کی اس عارضی زندگی سے دلبستگی کم ہوگی۔ ان کی زندگی کا نصب العین اخروی فلاح ہوگا اور اس طرح لازمی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے ہر پہلو سے متلاشی رہیں گے۔ اسی لئے قرآن کریم میں آخرت کے مسئلہ پر اتنا زور دیا گیا ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس پر اتنی روشنی ڈالی گئی ہے کہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کا بہت زیادہ حصہ آخرت ہی کے متعلق ہے اللہ تعالیٰ آخرت کی اہمیت ہمارے دلوں میں بٹھا دیں۔ بقیہ قصہ موسیٰ علیہ السلام کا اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸﴾

سو جب اُس (آگ) کے پاس پہنچے تو اُن کو (منجانب اللہ) آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہیں اُن پر بھی برکت ہو اور جو اس کے پاس ہے اس پر بھی (برکت ہو) اور اللہ رب العالمین پاک ہے

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ

اے موسیٰؑ بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا۔ اور (اے موسیٰؑ) تم اپنا عصا (زمین پر) ڈال دو سو جب انہوں نے اُس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ

جیسے سانپ ہو تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی تو نہ دیکھا (ارشاد ہوا کہ) اے موسیٰؑ ڈرو نہیں، ہمارے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے۔ ہاں مگر جس سے کوئی قصور ہو جاوے

ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ

پھر بُرائی (ہو جانے کے) بعد بجائے اس کے نیک کام کرلے (یعنی توبہ کرلے) تو میں مغفرت والا رحمت والا ہوں۔ اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ

مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ

وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا، یہ تو معجزوں سے ہیں (جن کے ساتھ تم کو) فرعون اور اس کی قوم کی طرف (بھیجا جاتا ہے کیونکہ) وہ بڑے حد سے نکل جانے والے لوگ ہیں۔ غرض ان لوگوں کے پاس

اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ۚ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ

جب ہمارے (دیئے ہوئے) معجزے پہنچے (جو نہایت واضح تھے) تو وہ لوگ (ان سب کو دیکھ کر بھی) بولے یہ صریح جادو ہے۔ اور ظلم اور تکبر کی راہ سے ان (معجزات) کے (بالکل) منکر ہو گئے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع

حالانکہ اُن کے دلوں نے اُنکا یقین کرلیا تھا سو دیکھئے کیسا انجام ہوا ان مفسدوں کا۔

فَلَمَّا پس جب	جَآءَهَا اس (آگ) کے پاس آیا	نُوْدِيَ ندا دی گئی	اَنْۢ بُوْرِكَ کہ برکت دیا گیا	مَنْ جو	فِي النَّارِ آگ میں	وَمَنْ اور جو	
حَوْلَهَا اس کے آس پاس	وَسُبْحٰنَ اور پاک	اللّٰهِ اللہ	رَبِّ پروردگار	الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں	يٰمُوْسٰٓى اے موسیٰؑ	اِنَّهٗ حقیقت یہ	
اَنَا اللّٰهُ میں اللہ	الْعَزِيْزُ غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا	وَ اور	اَلْقِ تو ڈال	عَصَاكَ اپنا عصا	فَلَمَّا پس جب اس نے	رَاٰهَا اسے دیکھا
تَهْتَزُّ لہراتا ہوا	كَاَنَّهَا گویا کہ وہ	جَآنٌّ سانپ	وَلّٰى وہ لوٹ گیا	مُدْبِرًا پیٹھ پھیر کر	وَلَمْ يُعَقِّبْ اور مڑ کر نہ دیکھا	يٰمُوْسٰى اے موسیٰؑ	لَا تَخَفْ تو خوف نہ کھا
اِنِّيْ بیشک میں	لَا يَخَافُ خوف نہیں کھاتے	لَدَيَّ میرے پاس	الْمُرْسَلُوْنَ رسول	اِلَّا مگر	مَنْ جو۔ جس	ظَلَمَ ظلم کیا	ثُمَّ بَدَّلَ پھر اس نے بدل ڈالا
حُسْنًۢا بھلائی	بَعْدَ بعد	سُوْٓءٍ برائی	فَاِنِّيْ تو بیشک میں	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ نہایت مہربان	وَاَدْخِلْ اور داخل کر (ڈال)	يَدَكَ اپنا ہاتھ
فِيْ جَيْبِكَ اپنے گریبان میں	تَخْرُجْ وہ نکلے گا	بَيْضَآءَ سفید۔ روشن	مِنْ سے۔ کے	غَيْرِ سُوْٓءٍ کسی عیب کے بغیر	فِيْ میں	تِسْعِ اٰيٰتٍ نو نشانیاں	
اِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون	وَقَوْمِهٖ اور اس کی قوم	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا ہیں	قَوْمًا قوم	فٰسِقِيْنَ نافرمان	فَلَمَّا پھر جب
جَآءَتْهُمْ آئیں ان کے پاس	اٰيٰتُنَا ہماری نشانیاں	مُبْصِرَةً آنکھیں کھولنے والی	قَالُوْا وہ بولے	هٰذَا یہ	سِحْرٌ مُّبِيْنٌ جادو کھلا		

وَجَحَدُوْا اور انہوں نے انکار کیا	بِهَا اس کا	وَاسْتَيْقَنَتْهَا حالانکہ اس کا یقین تھا	اَنْفُسُهُمْ انکے دل	ظُلْمًا ظلم سے	وَّعُلُوًّا اور تکبر سے
فَانْظُرْ تو دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الْمُفْسِدِيْنَ فساد کرنیوالے	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ مدین سے آتے ہوئے جب کوہ طور کے قریب رات کو سردی کے وقت پہنچے جب کہ راستہ بھی بھول گئے تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے طور کی طرف ایک آگ دیکھی ہے میں وہاں جا کر یا تو راستہ کی کوئی خبر لاتا ہوں یا پھر آگ وہاں سے لے کر آتا ہوں تا کہ تم گرمی حاصل کرسکو۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو اس منظر کو دیکھ کر حیران ہو گئے کہ ایک سرسبز درخت ہے اس پر آگ جل رہی ہے۔ شعلے تیز ہو رہے ہیں اور درخت کی سرسبزی اور بڑھ رہی ہے اونچی نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ نور آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ دنیا کی آگ نہیں بلکہ غیبی اور نورانی آگ ہے جس کے اندر نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا اس کی تجلی چمک رہی تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام قریب ہوئے تو یکا یک غیب سے آواز آئی مبارک ہے وہ جو اس آگ کے اندر ہے اور جو آگ کے آس پاس ہے یعنی زمین کا یہ ٹکڑا مبارک ہے۔ اس آگ میں جو تجلی یا نور ہے وہ بھی مبارک ہے اور اس کے اندر یا اس کے آس پاس جو ہستیاں ہیں مثلاً فرشتے یا خود موسیٰ علیہ السلام وہ سب مبارک ہیں۔ یہ غالباً موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنے کے لئے بطور اعزاز و اکرام کے فرمایا۔ ساتھ ہی یہ فرمادیا گیا کہ اللہ جو رب العالمین ہے وہ آگ میں نظر آنے سے پاک ہے۔ یعنی اللہ کی ذات مکان۔ جہت۔ جسم۔ صورت۔ رنگ وغیرہ سب سے پاک ہے۔ آگ میں اس کی تجلی کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات پاک آگ میں حلول کر آئی۔ وہ تو ہر مماثلت۔ مشابہت اور حلول اور تجسم سے پاک ہے اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ اس وقت تم سے کلام کرنے والا میں ہوں اللہ زبردست حکمت والا اور اے موسیٰ تم اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد کی اور اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا تو وہ ڈالتے ہی ایک جیتا جاگتا چلتا پھرتا زبردست اژدہا بن گیا جسے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بمقتضائے بشریت خوفزدہ سے ہو گئے اور پیٹھ پھیر کر وہاں سے بھاگنا شروع کیا۔ اسی وقت حق تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کہ اے موسیٰ ڈرو نہیں کیونکہ ہم نے تم کو پیغمبری عطا کی ہے اور خلعت پیغمبری کے عطا ہونے کے وقت پیغمبر ایسی چیزوں سے جو کہ خود ان کی پیغمبری کی دلیل یعنی معجزات ہوں ڈرا نہیں کرتے ہماری بارگاہ قرب میں پہنچ کر سانپ یا کسی مخلوق سے ڈرنے کا کیا مطلب۔ ہاں خدا کے حضور میں پہنچ کر خوف اور اندیشہ صرف اس کو ہونا چاہئے جو کوئی ظلم و زیادتی اور خطا و تقصیر کر کے آیا ہو۔ اس کے متعلق بھی ہمارے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ برائی کے بعد اگر دل سے توبہ کر کے اپنی روش درست کر لی اور نیکیاں کر کے برائی کا اثر مٹا دیا تو حق تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے معاف کر دیتے ہیں کیونکہ وہ غفور الرحیم ہیں۔ اس لاٹھی کے سانپ بن جانے کے معجزہ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک اور معجزہ دیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ آپ جب بھی اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالیں گے تو وہ بلا کسی مرض یا عیب کے روشن۔ چمکدار ہو کر نکلے گا اور یہ دونوں معجزے ان نو معجزوں میں سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً تمہاری تائید کرتے رہیں گے۔ اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ یہ نو معجزات حسب ذیل تھے۔

(۱) عصاء موسوی کا اژدہا بن جانا۔

(۲) گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالنے سے روشن ہو کر نکلنا۔

(۳) دریائے نیل میں طوفان کا آنا۔

(۴) ٹڈی دَل کا بکثرت آنا۔

(۵) فرعونیوں کے لئے جوئیں یا چیچڑیوں کی کثرت ہونا۔

(۶) مینڈکوں کی ایسی پیداوار کہ ہر چیز اور برتن میں غیب سے مینڈک ہی مینڈک نظر آتے تھے۔

(۷) فرعونیوں کے لئے تمام پانی کا خون ہو جانا اور ان کا ایک ایک قطرہ پانی کو ترسنا۔

(۸) زبردست قحط سالی سے ملکی پیداوار کا تباہ ہو جانا۔

(۹) بحر قلزم کا بنی اسرائیل کے عبور کے لئے خشک ہو جانا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب بھی وقتاً فوقتاً فرعونیوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے یہ نشانیاں دکھلائی گئیں تو کہنے لگے کہ یہ سب جادو ہے۔ حالانکہ ان کے دلوں میں یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں اور جو نشان دکھلا رہے ہیں یقیناً خدائی نشان ہیں مگر ہٹ دھرمی۔ عناد تکبر اور غرور سے جان بوجھ کر حق کی تکذیب اور سچائی کا انکار کرتے رہے۔

قرآن پاک کی دوسری آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے اعلان کے مطابق کوئی بلائے عام فرعونیوں پر نازل ہوتی تو فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتا کہ تم اپنے خدا سے دعا کر کے اس بلا کو ٹلوا دو پھر جو کچھ تم کہتے ہو وہ ہم مان لیں گے مگر جب وہ بلا ٹل جاتی تو فرعون اور اس کی قوم اپنی اسی ہٹ دھرمی پر تل جاتی۔ آخر پھر کیا ہوا؟ کچھ ہی دنوں بعد پتہ لگ گیا کہ ایسے ہٹ دھرم مفسدوں کا انجام کیسا ہوتا ہے سب کو بحر قلزم کی موجوں نے کھالیا۔ کسی کو گور و کفن بھی نصیب نہ ہوا۔

یہاں اس سورۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اتنا ہی بیان فرمایا گیا ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں کفار مکہ کے لئے دو باتیں جتلائی گئی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ خدا جس کو نوازنا چاہتا ہے اپنی نبوت سے سرفراز فرماتا ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام ایسے غریب الوطن اور مفلس ہستی کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا جن کو رہنمائی کے لئے کوئی ساتھی بھی میسر نہ تھا پس جس طرح اس نے موسیٰ علیہ السلام کو خلعت رسالت پہنایا۔ اسی طرح اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول خاص بنا دیا لہٰذا کافروں کا یہ گمان غلط ہے کہ اگر نبی ہی بنانا تھا تو ایسے شکستہ حال کو نبی کیوں بنایا کہ جس کو بازاروں میں خود ضروریات کے لئے جانا پڑتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ جتلایا جاتا ہے کہ پیغمبر برحق کی مخالفت سے پر جلال اور پر شکوہ بادشاہوں کی بادشاہی بھی برباد ہو جاتی ہے۔ فرعون جیسے جابر شہنشاہ کی حکومت موسیٰ علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکی اور انجام کار مخالفت کے باعث اس کو خود تباہ ہونا پڑا اسی طرح کفار کی مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور اگر ان کا کفر پر اور مخالفت پر بھی اصرار رہا تو یہ لوگ خود ہی برباد ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بعد آگے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ اپنے انوار ہدایت سے ہمارے قلوب کو منور فرماویں اور ہم کو دین حنیف پر استقامت بخشیں۔ اور ہر طرح کی گمراہی و کجی فتنہ و فساد سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ یا اللہ! ہمیں اپنا تابعدار بندہ بنا کر اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانبردار امتی ہو کر زندہ رکھئے اور اسی پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَ لَقَدۡ اٰتَيۡنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيۡمٰنَ عِلۡمًا‌ ۚ وَقَالَا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّنۡ

اور ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے

عِبَادِهِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۵﴾

ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔

وَ اور	لَقَدۡ اٰتَيۡنَا تحقیق دیا ہم نے	دَاوٗدَ داؤدؑ	وَ اور	سُلَيۡمٰنَ سلیمانؑ	عِلۡمًا (بڑا) علم	وَقَالَا اور انہوں نے کہا	الۡحَمۡدُ تمام تعریفیں
لِلّٰهِ اللہ کیلئے	الَّذِىۡ وہ جس نے	فَضَّلَنَا فضیلت دی ہمیں	عَلٰى پر	كَثِيۡرٍ اکثر	مِّنۡ سے	عِبَادِهِ اپنے بندے	الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مومن

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریب ۵۰۰ برس بعد کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے قریب ساڑھے پندرہ سو سال قبل کا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ہیں آپ اور آپ کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام بہت مشہور ومعروف انبیاء میں سے ہیں اور ان دونوں حضرات کو نبوت کے ساتھ سلطنت بھی عطا ہوئی تھی۔ اور قرآن کریم میں متعدد جگہ ان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں اس سورۃ میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر فرما کر کفار مکہ کے سرداران کو جتلایا جاتا ہے کہ دیکھو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان جن کو خدا نے دولت۔ حکومت اور شوکت وحشمت سے اس بڑے پیمانہ پر نوازا تھا کہ مکہ کے سردار تو اس کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے لیکن باوجود اس حکومت وسلطنت کے ان کا حال تو یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے حضور جوابدہ سمجھتے تھے اور انہیں احساس تھا کہ جو کچھ بھی انہیں حاصل ہے سب خدا کی دین اور عطا سے حاصل ہے اس لئے وہ اپنے منعم حقیقی کے ہمیشہ شکرگزار اور اطاعت گزار رہتے اور تکبر اور بڑائی اور سرکشی ونافرمانی کا کوئی ادنیٰ شائبہ ان میں نہ پایا جاتا تھا۔ یہ مکہ کے سردار اپنے اس معمولی سرداری ہی پر اس طرح بھولے ہوئے ہیں کہ نہ حق کو دیکھتے ہیں۔ نہ خدا کو پہچانتے ہیں نہ منعم حقیقی کی شکرگزاری کو جانتے ہیں بلکہ الٹا کفر وسرکشی اور نافرمانی حق میں پیش پیش ہیں۔ اس کے علاوہ گذشتہ میں فرعون کے قصہ کا ذکر ہوا تھا اس کو بھی حکومت۔ سلطنت اور دولت حشمت اور طاقت حاصل تھی۔ مگر جہل وعناد۔ ضد۔ اور ہٹ دھرمی نے فرعون کو کس کردار کا انسان بنا دیا تھا اور اپنی سیرت کا اس نے کیا نمونہ پیش کیا اور حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو بھی بادشاہی۔ حکومت وسلطنت اور حشمت وطاقت دی تھی۔ تو ان حضرات نے حق پرستی کے باعث کس سیرت اور اعلیٰ کردار کا نمونہ پیش کیا۔ اس طرح گویا حق وباطل کے موازنہ اور مقابلہ سے حق کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہاں اس سورۃ میں حضرت داؤد اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر اس طرح شروع فرمایا جاتا ہے کہ ان باپ بیٹے میں سے ہر ایک کو ان کی شان کے لائق حق تعالیٰ نے علم کا خاص حصہ عطا فرمایا۔ قرآن وحدیث میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے متعدد خصائص مذکور ہوئے ہیں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے سب ہی پیغمبروں کو خصوصی شرف وامتیاز بخشا ہے اور اپنے نبیوں اور رسولوں کو بے شمار انعام واکرام سے نوازا

ہے۔ تاہم شرف و خصوصیت کے درجات کے اعتبار سے ان کے درمیان بھی فرق مراتب رکھا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں خود قرآن پاک کا ارشاد ہے **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض**۔ (ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے) چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق بھی قرآن کریم نے چند خصائص و امتیازات کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بے انتہا خوش آواز تھے یہی وجہ ہے کہ "لحن داؤدی" اب تک ضرب المثل ہے جب صبح و شام آپ اپنے مخصوص لحن میں زبور کتاب الٰہی پڑھتے اور خدا کی تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوتے تو نہ صرف انسان بلکہ چرند پرند بھی وجد میں آ کر آپ کے گرد جمع ہو کر تسبیح و تقدیس میں شامل ہو جاتے اور صرف یہی نہیں بلکہ پہاڑ بھی خدا کی حمد میں گونج اٹھتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس بادشاہت اور سلطنت کے باوجود مملکت کے مالیہ سے ایک حبہ بھی نہیں لیتے اور اپنا اور اہل و عیال کی معاش اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حاصل کرتے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس وصف کو ایک صحیح حدیث میں سراہا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کسی انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بے شبہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے روزی کماتے تھے۔" اور اس کی صورت اللہ تعالیٰ نے یہ پیدا کر دی تھی کہ لوہا آپ کے ہاتھ میں نرم کر دیا گیا تھا اور بغیر تپائے ہوئے آپ جیسا چاہتے موم کی طرح اس کو توڑ موڑ سکتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جن کو خدائے تعالیٰ نے یہ فضیلت بخشی کہ انہوں نے تعلیم وحی کے ذریعۂ ایسی زرہیں ایجاد کیں جو باریک اور نازک زنجیروں کے حلقوں سے بنائی جاتی تھیں اور ہلکی اور نرم ہونے کی وجہ سے میدان جنگ کا سپاہی اس کو پہن کر بآسانی نقل و حرکت کر سکتا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی معیشت کا بھی سامان فرما دیا اور ایک قومی اہم جنگی ضرورت بھی پوری ہوگئی۔ قرآن کریم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جن خصائص کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ کی جانب سے ایک شرف یہ عطا ہوا تھا کہ آپ کو پرندوں اور جانوروں کی بولیوں کو سمجھنے کا علم دیا گیا تھا۔ جس طرح ایک انسان دوسرے انسان کی گفتگو سمجھتا ہے اسی طرح آپ پرندوں کی گفتگو سمجھتے تھے دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا آپ کے تابع کر دی تھی جو آپ کے تخت کو لے کر اڑا کرتی تھی اور سرعت رفتار کا یہ عالم تھا کہ جو منزل اس زمانہ میں ایک مہینہ میں طے ہوا کرتی وہ آدھے دن میں طے ہو جاتی تھی۔ پھر جنات بھی آپ کے تابع فرمان کر دیئے گئے تھے اور آپ کو ان پر ہر طرح کی قدرت حاصل تھی آپ جس طرح چاہتے ان سے کام لیتے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر نہایت زبردست اور پُرشوکت تھا اس میں جن و انسان اور پرندے سب شامل تھے اور یہ سب بحکم الٰہی آپ کے حکم کے تابع اور مطیع تھے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ درگاہِ الٰہی میں دعاء کی جیسا کہ سورۂ ص ۲۳ ویں پارہ میں ذکر ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء کو قبول فرمایا اور ایک ایسی عجیب و غریب حکومت عطا فرمائی کہ نہ ان سے پہلے کسی کو نصیب ہوئی اور نہ ان کے بعد کسی کو میسر آئے گی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ گذشتہ شب ایک سرکش جن نے اچانک یہ کوشش کی کہ میری نماز میں خلل ڈالے۔ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قابو دے دیا اور میں نے اس کو پکڑ لیا اس کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اس کو دن میں دیکھ سکو مگر اس وقت مجھ کو اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعاء یاد آ گئی کہ انہوں نے خدائے تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا **رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی**۔ یہ یاد آتے ہی میں نے

اس کو ذلیل کر کے چھوڑ دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ خدائے تعالیٰ نے مجھ میں کل انبیاء ورسل کے خصائص و امتیازات جمع کر دیئے ہیں اور اس لئے تسخیر قوم جن پر بھی مجھ کو قدرت حاصل ہے لیکن جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس اختصاص کو اپنا طغرۂ امتیاز قرار دیا تو میں نے اس سلسلہ کا مظاہرہ مناسب نہیں سمجھا۔

ایک خصوصیت حضرت سلیمان علیہ السلام کی قرآن پاک نے اور بیان کی جیسا کہ سورۂ سبا ۲۲ ویں پارہ میں **واسلنا له عین القطر** اور ہم نے ان کے لئے تانبہ کا چشمہ بہادیا۔ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا گیا تھا اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تانبہ کو پگھلا کر قابل استفادہ بنادیا گیا تھا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایسے عظیم الشان احسانات کئے اور پھر یہاں تک فرمایا کہ اس بے انتہا دولت و ثروت کے صرف وخرچ اور دادودہش اور روک کر رکھنے میں تم سے کوئی باز پرس بھی نہیں ہے مگر ان تمام باتوں کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام اس دولت وحکومت کو مخلوق خدا کی خدمت کے لئے امانت الٰہی سمجھ کر ایک حبہ اپنی ذات پر صرف نہیں فرماتے بلکہ اپنی روزی ٹوکریاں بنا کر حاصل کرتے تھے۔

آج اس زمانہ میں اور آج کل کے حکمرانوں کی حالت دیکھ کر یہ بات کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود ایسی پُرشوکت بادشاہی کے ایک پیسہ بھی حکومت و سلطنت کے مالیہ میں سے اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کے اوپر خرچ نہیں فرماتے تھے ہماری سمجھ میں آنا مشکل ہے مگر زیادہ عرصہ نہیں گزرا اسی ہندوستان و پاکستان پر انگریزوں سے پہلے مغلیہ بادشاہوں میں حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ گزرے ہیں جن کے متعلق حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک ملفوظ میں فرمایا ہے۔

''عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ صاحب باطن اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ اور آپ اپنا خرچ ٹوپیوں کی دست کاری اور قرآن کریم کی کتابت سے مہیا فرماتے تھے مگر اخیر وقت میں حضرت عالمگیر نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا کفن دستکاری کے روپوں سے مہیا کرنا۔ گو قرآن کریم کی اجرت بھی کچھ ہے اور علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دیا ہے مگر بظاہر الفاظ یہ اشترا بایات اللہ ہے (یعنی قرآن کریم میں ارساد ہے **ولا تشتروا بایات الله ثمناً قليلا** یعنی اللہ کی آیتوں کو ثمن قلیل کے عوض مت فروخت کرو اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے کفن میں جا کر ملوں جس میں شبہ ہے۔ اللہ اکبر۔ ایک دوسرے ملفوظ میں جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی ہی نے فرمایا کہ دیکھئے پہلے سلاطین کی یہ حالت تھی جواب مشائخ کی بھی نہیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے شاہان دہلی میں سے حضرت خواجہ سلطان شمس الدین التمش رحمتہ اللہ علیہ کا بیان فرمایا کہ ساری عمر ان کی نظر نامحرم پر نہ پڑی تھی اور یہ مرید تھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے۔ حضرت قطب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے جس کی ساری عمر نامحرم پر نظر نہ پڑی ہو۔ بڑے بڑے لوگ موجود تھے اور سب حیران تھے کہ ایسا شخص کہاں تلاش کریں۔ آخر کار جب سب لوگ مایوس ہوگئے تو مجبوراً بادشاہ وقت خواجہ التمشؒ کو ظاہر کرنا پڑا اور انہوں نے کہا کہ صاحبو! اگر حضرت شیخ ایسا ارشاد نہ فرما چکے ہوتے تو کبھی میں ظاہر نہ کرتا مگر جب حضرت شیخ ہی نے پردہ فاش کر دیا تو اب کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت مجھ کو نصیب کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے شیخ کے جنازہ کی نماز پڑھائی (القول الجلیل الکلام الحسن) یہ تذکرہ سلاطین کا درمیان میں ضمناً آ گیا۔

تو باوجود ان تمام کمالات کے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے متعلق اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو

34

علم و کمال داؤد و سلیمان علیہما السلام کو دیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرتے تھے اور کسی نعمت الٰہی پر شکر ادا کرنا اصل نعمت سے بڑی نعمت ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور ان پر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے۔ دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ نکتہ موجود ہے پھر آپ نے یہی اس تلاوت کردہ آیت لکھ کر لکھا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی اس سے افضل اور نعمت کیا ہوگی۔

الغرض جیسا کہ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے ان دونوں حضرات نے ادائے شکر کے لئے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔ دیکھئے یہاں اس شکر گزاری میں بہت سے کا لفظ استعمال فرمایا اس لئے کہ بعض بندگان خدا کو ان پر بھی فضیلت دی گئی ہے۔ باقی تمام مخلوق پر فضیلت کلی تو سارے جہان میں ایک ہی بندے کو حاصل ہوئی جن کا نام نامی اور اسم گرامی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الحاصل اس آیت میں یہی ارشاد ہوتا ہے۔

''اور ہم نے داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو شریعت اور ملک داری کا علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے ادائے شکر کے لئے کہا کہ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔''

چونکہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پیغمبر برحق تھے اور جماعت انبیاء میں داخل ہونے کے بعد بعض انبیاء سے بالا اور بعض سے نیچے تھے اس لئے شکریہ کے وقت ہر دو حضرات نے اپنی فی الجملہ فضیلت کا اظہار کیا۔ یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کا تو اتنا ہی ذکر فرمایا گیا اب آگے مسلسل حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! یہ ملک پاکستان جو اسلام کے نام پر آپ نے محض اپنے کرم سے ہم کو عطا فرمایا ہے تو ہم کو اپنی رحمت سے پکے اور سچے اسلامی صاحب اقتدار اور صاحب حکومت بھی نصیب فرما۔

اللہ پاک نے ہمیں جو اسلام و ایمان اور علم و عمل کی دولت اور فضیلت عطا فرمائی ہے اس پر ہمیں شکر گزاری کی بھی توفیق عطا فرماویں۔

یا اللہ! جو صفات اسلامیہ اور ایمانیہ ہمارے سلف صالحین حکمرانوں کو آپ نے عطا فرمائی تھیں وہ اپنی قدرت و رحمت سے اس اسلامی ملک پاکستان کے حکمرانوں کو بھی عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ

اور داؤد (علیہ السلام کی وفات کے بعد اُن) کے قائم مقام سلیمانؑ ہوئے اور اُنہوں نے کہا کہ اے لوگو ہم کو پرندوں کی بولی (سمجھنے) کی تعلیم کی گئی ہے اور ہم کو (سامان سلطنت کے متعلق) ہر قسم کی

شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ

(ضروری) چیزیں دی گئی ہیں واقعی یہ (اللہ تعالیٰ کا) صاف فضل ہے۔ اور سلیمانؑ کیلئے (جو) اُن کا لشکر جمع کیا گیا ان میں جن بھی تھے اور انسان بھی اور پرندے بھی

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٧﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ

اور (اس کثرت سے تھے کہ) ان کو (چلنے کے وقت) روکا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے (دوسری چیونٹیوں سے) کہا

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٨﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ

کہ اے چیونٹیو اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو، کہیں تم کو سلیمانؑ اور اُن کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں۔ سو سلیمانؑ اُس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور کہنے لگے

رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا

کہ اے میرے رب مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور (اس پر بھی مداومت دیجئے

تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩﴾

کہ) میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت (خاصہ) سے اپنے (اعلیٰ درجہ کے) نیک بندوں میں داخل رکھئے۔

وَوَرِثَ اور وارث ہوا	سُلَيْمٰنُ سلیمانؑ	دَاوٗدَ داؤدؑ	وَقَالَ اور اس نے کہا	يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو	عُلِّمْنَا ہمیں سکھائی گئی	مَنْطِقَ بولی	الطَّيْرِ پرندے	
وَاُوْتِيْنَا اور ہمیں دی گئی	مِنْ سے	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	اِنَّ بیشک	هٰذَا یہ	لَهُوَ البتہ وہی	الْفَضْلُ فضل	الْمُبِيْنُ کھلا	وَحُشِرَ اور جمع کیا گیا
لِسُلَيْمٰنَ سلیمانؑ کیلئے	جُنُوْدُهٗ اس کا لشکر	مِنَ سے	الْجِنِّ جن	وَالْاِنْسِ اور انسان	وَالطَّيْرِ اور پرندے	فَهُمْ پس وہ	يُوْزَعُوْنَ روکے جاتے تھے	
حَتّٰۤى یہاں تک کہ	اِذَاۤ جب	اَتَوْا وہ آئے	عَلٰى پر	وَادِ النَّمْلِ چیونٹیوں کا میدان	قَالَتْ کہا	نَمْلَةٌ ایک چیونٹی	يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ اے چیونٹیو	ادْخُلُوْا تم داخل ہو
مَسٰكِنَكُمْ اپنے گھروں (بلوں) میں	لَا يَحْطِمَنَّكُمْ نہ روند ڈالے تمہیں	سُلَيْمٰنُ سلیمانؑ	وَجُنُوْدُهٗ اور اس کا لشکر	وَهُمْ اور وہ				
لَا يَشْعُرُوْنَ نہ جانتے ہوں (انہیں شعور نہ ہو)	فَتَبَسَّمَ تو وہ مسکرایا	ضَاحِكًا ہنستے ہوئے	مِّنْ سے	قَوْلِهَا اس کی بات	وَقَالَ اور کہا	رَبِّ اے میرے رب		
اَوْزِعْنِيْۤ مجھے توفیق دے	اَنْ اَشْكُرَ کہ میں شکر ادا کروں	نِعْمَتَكَ تیری نعمت	الَّتِيْۤ وہ جو	اَنْعَمْتَ تو نے انعام فرمائی	عَلَيَّ مجھ پر	وَعَلٰى اور پر		
وَالِدَيَّ میرے ماں باپ	وَاَنْ اور یہ کہ	اَعْمَلَ صَالِحًا میں نیک کام کروں	تَرْضٰىهُ تو وہ پسند کرے	وَاَدْخِلْنِيْ اور مجھے داخل فرمائے				
بِرَحْمَتِكَ اپنی رحمت سے	فِيْ میں	عِبَادِكَ اپنے بندے	الصّٰلِحِيْنَ نیک					

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی صفت شکر گزاری کو بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم و کمال ان کو عطا فرمائے اس پر وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کیا کرتے تھے اور اس کی حمد و ثنا بیان کرتے رہتے تھے۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹوں میں سے ان کے اصل جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے جن کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دیں اور وہ ملک عطا فرمایا جو ان سے قبل یا بعد میں کسی کو نہ ملا۔ جنات۔ ہوا۔ چرند پرند کو آپ کے لئے مسخر فرما دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اظہار میں فرمایا کہ یہ پورا ملک اور یہ زبردست طاقت کہ انسان۔ جن۔ ہوا۔ چرند پرند سب میرے تابع فرمان ہیں اور پرندوں اور جانوروں کی زبان جاننے کا علم بھی ہم کو حاصل ہے۔ یہ سب خاص خدا کا فضل و کرم ہے اور ایک عظیم الشان سلطنت اور نبوت کے لئے جو چیزیں اور سامان درکار تھے وہ سب قدرت نے مہیا کر دی یہ خدا کا کھلا ہوا احسان ہے۔ آگے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی خصوصیت بتلائی جاتی ہے کہ ان کے لئے جو لشکر جمع کیا گیا تھا اس میں انسان۔ جن اور پرند سب شامل تھے اور سب اپنی اپنی جگہ قرینے سے موجود رہتے۔ جس کی جو جگہ مقرر تھی وہیں رہتا۔ لکھا ہے کہ آپ کے لشکر میں آپ سے قریب انسان ہوتے اور پھر ان کے بعد جنات اور پرند آپ کے سروں پر رہتے تھے گرمیوں میں سایہ کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ جب ان لشکروں کو لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر ایک میدان پر ہوا جہاں چیونٹیوں نے اپنے بل بنا رکھے تھے اور اپنی بستی بسا رکھی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کان میں آواز آئی کہ ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی ہے کہ اے چیونٹیو۔ سلیمان علیہ السلام کا لاؤ لشکر آ رہا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں نہ دیکھیں اور بے خبری میں پاؤں کے نیچے مسل ڈالیں اس لئے جلدی کرو اور اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ ورنہ آج تمہاری خیر نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی کی جو یہ بات سنی تو آپ کو اس کی ہوشیاری سے تعجب ہوا اور ہنسی آ گئی کہ کیا تو اس جانور کا جثہ اور اس پر یہ ہوشیاری۔ ساتھ ہی یہ دیکھ کر کہ میں اس کی بولی سمجھ گیا جو کہ معجزہ ہونے کی وجہ سے ایک نعمت عظیمہ ہے جس سے حق تعالیٰ کی اور نعمتیں بھی یاد آ گئیں اور اسی وقت حق تعالیٰ سے دعا فرمانے لگے کہ اے میرے رب میں حیران ہوں کہ تیرے انعامات عظیمہ کا شکر کس طرح ادا کروں پس آپ ہی سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے پورا شاکر بنا دیجئے زبان سے اور عمل سے بھی اور اپنی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا الہام فرما دیجئے کہ جو آپ نے مجھ پر فرمائی ہیں۔ نیز جو نعمتیں آپ نے میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں کہ وہ مومن ہوئے اور مجھے ایسے نیک عمل کرنے کی توفیق بخشئے کہ جن سے آپ خوش اور راضی ہو جائیں اور مجھ کو اپنی رحمت خاصہ سے اپنے اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں یعنی انبیاء میں داخل رکھئے اور جب میری موت آ جائے تو آخرت میں مجھے انبیاء و مرسلین میں محشور فرمائیے کہ میں ان کے ساتھ جنت میں داخل ہوں۔

غور کیجئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا کیا تعلیم دے رہی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو تمام دنیوی نعمتیں حاصل تھیں۔ عزت۔ حکومت۔ سلطنت۔ علم و حکمت کی غیر معمولی وسعت اور پھر نبوت سب ہی کچھ میسر تھا مگر چونکہ عارف باللہ کی نظر میں عمل صالح سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور حقیقی راحت آخرت کی نجات ہے اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود اس قدر عظمت و شکوہ کے پھر بھی عمل صالح اور آخرت کی کامیابی کی دعا کی۔

مروی ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام مع حشم و خدم کے کہیں جا رہے تھے۔ ایک کاشتکار کھیت میں ہل جوت رہا تھا وہ بطور تمنا کے حسرت سے کہنے لگا کہ آل داؤد کو تو بڑی سلطنت عطا ہوئی ہے۔ اس کی خبر جنات۔ یا ہوا یا پرندوں کے ذریعہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہو گئی آپ تنہا پیدل اس کے پاس تشریف لے گئے اور سلام کے بعد فرمایا کہ مناسب نہیں جس کی تم کو قدرت نہ ہو اس کی تمنا کرو۔ پھر فرمایا کہ اگر ایک بار تسبیح سبحان اللہ کہنا بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جائے تو آل داؤد کی سلطنت سے بڑھ کر ہے۔ اللہ اکبر۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

پھر باوجود نبوت اور سلطنت اور قرب الٰہی کے طبیعت میں

تواضع آپ کے اس قدر تھا کہ ایک روایت لکھی ہے کہ ایک مرتبہ بارش نہ ہونے کے سبب حضرت سلیمان علیہ السلام نماز استسقاء کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی الٹی لیٹی ہوئی اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے رب کریم سے دعا کر رہی ہے کہ خدا ہم بھی تیری مخلوق ہیں۔ پانی برسنے کی محتاج ہمیں بھی ہے اگر پانی نہ برسا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے یہ دعا چیونٹی کی سن کر آپ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ لوٹ چلو کسی اور ہی کی دعا سے تم پانی پلائے جاؤ گے۔ اللہ اکبر۔

خلاصہ یہ آپ کی یہ دعا تعلیم دے رہی ہے کہ پروردگار کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے۔ اور شکر ادا کرنے کی توفیق بھی رب کریم ہی سے مانگنی ضروری ہے پھر شکریہ ادا کرنے کے یہی معنی نہیں کہ احسان اور انعام کا فقط زبان سے اقرار کر لیا جائے بلکہ نیک اعمال اور طاعت الٰہی سے احسان مندی کا مظاہرہ کرنا چاہئے لیکن پھر بھی یہ یقین رکھنا لازم ہے کہ آخرت کی کامیابی اعمال پر موقوف نہیں بلکہ اللہ کی رحمت سے وابستہ ہے۔ آخرت میں کسی کا جنت میں داخل ہونا محض اس کے عمل صالح کے بل بوتے پر نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اللہ کے فضل و رحمت پر موقوف ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو بھی محض اس کا عمل جنت میں نہیں پہنچا دے گا۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ میں بھی محض اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت میں نہ جاؤں گا جب تک اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے نہ ڈھانک لے۔

اور کیا کوئی اپنے اعمال اور طاعت پر بھروسہ اور ناز کرے گا جبکہ حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی۔ قطب ربانی۔ غوث صمدانی سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اولیاء اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ حج کے لئے تشریف لے گئے تو خانہ کعبہ کے سامنے کنکریوں پر چہرہ رکھ کر حق تعالیٰ سے عرض کیا

من نگویم کہ طاعتم بپذیر
قلم عفو برگنا ہم کش

یعنی اے اللہ میں یہ نہیں کہتا کہ میری اطاعت قبول فرمالیجئے اس لئے کہ میرے پاس آپ کی اطاعت ہے ہی کہاں بس یہ التجا اور درخواست کرتا ہوں کہ میرے گناہوں پر عفو کا قلم پھیر دیجئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا وان اعمل صالحًا ترضٰهُ یعنی اے اللہ مجھے ایسے عمل صالح کی توفیق دیجئے جس سے کہ آپ خوش ہوں یعنی وہ عمل مقبول ہو۔ تفسیر روح المعانی میں حضرت علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عمل صالح کے لئے قبولیت لازم نہیں ہے بلکہ قبولیت کچھ شرائط پر موقوف ہوتی ہے اور فرمایا کہ صالح اور مقبول ہونے میں نہ عقلاً کوئی لزوم ہے نہ شرعاً اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ اپنے اعمال صالحہ کے مقبول ہونے کی بھی دعا کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دعا فرمائی ربنا تقبل منا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل نیک ہے صرف اس کو کر کے بے فکر ہونا نہیں چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرے کہ اس کو قبول فرمادے۔

ابھی اگلی آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو دین اور دنیا کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان پر ہم کو حقیقی شکر گزاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور ہم کو ان اعمال صالحہ کے کرنے کی توفیق عطا فرمائیں کہ جس سے یا مولائے کریم آپ راضی اور خوش ہو جائیں۔ یا اللہ! آپ کا رحم و کرم دنیا میں بھی ہمارے شامل حال رہے اور مرنے کے بعد بھی آپ ہی کے فضل و کرم سے ہمارا بیڑہ پار ہو۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا

اور (ایک بار) سلیمانؑ نے پرندوں کی حاضری لی تو فرمانے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں ہُد ہُد کو نہیں دیکھتا، کیا کہیں غائب ہو گیا ہے۔ میں اُس کو سخت سزا دوں گا

شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا

یا اُس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ کوئی صاف حجت میرے سامنے پیش کرے۔ سو تھوڑی ہی دیر میں وہ آ گیا اور کہنے لگا کہ ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں

لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ

جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی اور میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیق خبر لایا ہوں میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ اُن لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے

كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور اُسکو ہر قسم کا سامان میسر ہے اور اُس کے پاس ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اُس کو اور اُس کی قوم کو دیکھا کہ وہ خدا (کی عبادت) کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ

اور شیطان نے اُن کے (ان) اعمال (کفریہ) کو اُن کی نظر میں مرغوب کر رکھا ہے اور اُن کو راہِ (حق) سے روک رکھا ہے سو وہ راہ (حق) پر نہیں چلتے۔ کہ اُس خدا کو سجدہ نہیں کرتے

الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

جو (ایسا قادر ہے کہ) آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو باہر لاتا ہے اور تم لوگ جو کچھ (دل میں) پوشیدہ رکھتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو وہ سب کو جانتا ہے۔ (پس) اللہ ہی ایسا ہے

هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ السجدۃ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ

کہ اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ سلیمانؑ نے (یہ سُن کر) فرمایا کہ ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے۔

هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

میرا یہ خط لے جا اور اس کو اُن کے پاس ڈال دینا پھر ہٹ جانا پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں۔

وَتَفَقَّدَ اور اس نے خبر لی (جائزہ لیا)	الطَّيْرَ پرندے	فَقَالَ تو اس نے کہا	مَا لِيَ کیا ہے	لَآ اَرَى میں نہیں دیکھتا	الْهُدْهُدَ ہدہد کو	اَمْ كَانَ کیا وہ ہے
مِنَ سے	الْغَآئِبِيْنَ غائب ہونیوالے	لَاُعَذِّبَنَّهٗ البتہ میں ضرور اسے سزا دوں گا	عَذَابًا سزا	شَدِيْدًا سخت	اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗ یا اسے ذبح کر ڈالوں گا	
اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ یا اسے ضرور لانی چاہیے	بِسُلْطٰنٍ سند (کوئی وجہ)	مُّبِيْنٍ واضح (معقول)	فَمَكَثَ سو اس نے دیر کی	غَيْرَ بَعِيْدٍ تھوڑی سی	فَقَالَ پھر کہا	
اَحَطْتُّ میں نے معلوم کیا ہے	بِمَا وہ جو	لَمْ تُحِطْ بِهٖ تم کو معلوم نہیں وہ	وَجِئْتُكَ اور میں تمہارے پاس لایا ہوں	مِنْ سے	سَبَاٍ سبا	بِنَبَاٍ ایک خبر
يَّقِيْنٍ یقینی	اِنِّيْ بیشک میں نے	وَجَدْتُّ پایا (دیکھا)	امْرَاَةً ایک عورت	تَمْلِكُهُمْ وہ ان پر بادشاہت کرتی ہے	وَاُوْتِيَتْ اور دی گئی ہے	
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	وَّلَهَا اور اس کیلئے	عَرْشٌ ایک تخت	عَظِيْمٌ بڑا	وَجَدْتُّهَا میں نے پایا ہے اسے	وَقَوْمَهَا اور اس کی قوم	يَسْجُدُوْنَ وہ سجدہ کرتے ہیں

لِلشَّمْسِ سورج کو	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	وَزَيَّنَ اور آراستہ کردکھائے ہیں	لَهُمُ انہیں	الشَّيْطٰنُ شیطان	اَعْمَالَهُمْ ان کے عمل	فَصَدَّهُمْ پس روک دیا انہیں	
عَنِ السَّبِيْلِ راستہ سے	فَهُمْ سو وہ	لَا يَهْتَدُوْنَ راہ نہیں پاتے	اَلَّا کہ نہیں	يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ وہ سجدہ کرتے اللہ کو	الَّذِيْ وہ جو	يُخْرِجُ نکالتا ہے	
الْخَبْءَ چھپی ہوئی	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَيَعْلَمُ اور جانتا ہے	مَا تُخْفُوْنَ جو تم چھپاتے ہو	وَمَا اور جو	تُعْلِنُوْنَ تم ظاہر کرتے ہو	
اَللّٰهُ اللہ	لَا نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	رَبُّ رب (مالک)	الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ عرش عظیم	قَالَ اس (سلیمان) نے کہا	سَنَنْظُرُ ابھی ہم دیکھ لیں گے
اَصَدَقْتَ کیا تو نے سچ کہا	اَمْ یا	كُنْتَ تو ہے	مِنَ سے	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹے	اِذْهَبْ تو لے جا	بِكِتٰبِيْ میرا خط	هٰذَا یہ
فَاَلْقِهْ پس اسے ڈال دے	اِلَيْهِمْ انکی طرف	ثُمَّ تَوَلَّ پھر لوٹ آ	عَنْهُمْ ان سے	فَانْظُرْ پھر دیکھ	مَاذَا کیا	يَرْجِعُوْنَ وہ جواب دیتے ہیں	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ وادِ النمل یعنی چیونٹیوں کے ایک میدان کا بیان ہوا تھا اب ایک دوسرا واقعہ ہد ہد کا ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کسی ضرورت سے اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا تو ہُد ہُد پرندہ اُن میں نظر نہ پڑا۔ یہ پرندہ ملک فلسطین میں بکثرت پایا جاتا ہے اور اڑان کی بڑی زبردست قوت رکھتا ہے۔ بعض مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کے متعلق یہ خدمت سپرد کی تھی کہ بوقت ضرورت لشکر کے لئے پانی تلاش کرے۔ مشہور ہے کہ جس جگہ پانی زمین کے نیچے نزدیک ہو تو ہد ہد کو محسوس ہو جاتا ہے۔ ہد ہد جہاں پانی بتاتا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام جنات کو بھیج کر کنواں یا باؤلی وغیرہ کھدواتے اور اس طرح پانی مل جاتا۔ پرندوں سے حضرت سلیمان علیہ السلام مختلف کام لیتے۔ مثلاً ہوائی سفر میں ان کا اوپر پر پھیلا کر سروں پر سایہ کرتے ہوئے جانا۔ یا ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا یا نامہ بری کرنا وغیرہ وغیرہ تو ممکن ہے کہ ہد ہد کی اس وقت کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو چنانچہ پرندوں کی فوج میں جب ہد ہد حضرت سلیمان علیہ السلام کو نظر نہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا بات ہے ہد ہد کو میں نہیں دیکھتا۔ آیا پرندوں کے جھنڈ میں مجھ کو نظر نہیں آیا یا حقیقت میں غیر حاضر ہے۔ لشکر میں تلاش کرایا گیا جب نہ ملا تو آپ نے فرمایا کہ میں اسکو اس غیر حاضری پر سخت سزا دوں گا یا میں اس کو ذبح کر ڈالوں گا ورنہ وہ کوئی معقول عذر غیر حاضری کا پیش کرے تو اس وقت چھوڑ دوں گا۔ ابھی کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ہد ہد حاضر خدمت ہوا اور آتے ہی کہا کہ میری غیر حاضری کار سرکاری ہی کے باعث تھی میں ایک ایسی پختہ خبر لایا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ ملک سبا میں ایک عورت حکمران ہے اور وہ لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس کو ہر قسم کا سامان سلطنت اور اقتدار و جاہ حاصل ہے لیکن وہ اور اس کی قوم آفتاب پرست ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر سب کے سب غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور وہ شیطان کے بہکاوے میں ایسے پھنسے ہیں کہ باوجود راہ حق سے منہ موڑنے کے اپنے اعمال کو حق اور مستحسن سمجھتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ ایک اللہ کو سجدہ کرتے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا خالق اور تمام اشیاء کا مالک اور سب سے واقف یہاں تک کہ دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے اور جس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ وہ عرش عظیم کا مالک ہے مگر وہ لوگ ایسا نہیں کرتے بلکہ آفتاب کو پوجتے ہیں۔ یہ قوم سبا جس کی خبر ہد ہد نے بیان کی یہ عرب میں یمن کی طرف آباد تھی ہد ہد نے یہ خبر حضرت سلیمان علیہ السلام سے بیان کر کے گویا آپ کو ایک مشرک اور آفتاب پرست قوم پر جہاد کی ترغیب دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانور بھی اپنے خالق کی صحیح معرفت رکھتے ہیں یا یہ بھی ممکن ہے کہ اسی ہد ہد کو بطور اعجاز اور خرق عادت کے اس طرح کی تفصیلی معرفت عطا کی گئی ہو۔ الغرض ہد ہد سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے غیر حاضری کی معقول وجہ سنی تو سزا دینے کا ارادہ آپ نے ملتوی

کر دیا اور فرمایا کہ ہم تیرے جھوٹ یا سچ کی آزمائش کئے لیتے ہیں اور آپ نے ایک خط لکھ کر ہدہد کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ اس کو ملکۂ سباء کے پاس پہنچادے اور پھر وہاں سے ہٹ کر ایک طرف ہو کر سننا کہ اس خط کے بارہ میں وہ کیا باتیں کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے لئے جس کا نام مفسرین نے بلقیس لکھا ہے وہ خط ہدہد کو دیا اور وہ خط لے کر روانہ ہوا اور بلقیس جہاں اکیلے سوتی تھی وہ خط لے جا کر اس کے سینہ پر رکھ دیا۔ اب بلقیس نے جو یہ خط پڑھا تو پھر کیا ماجرا ہوا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔ یہاں ان آیات کے تحت ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ اس چودھویں صدی میں جہاں اور طرح طرح کے ظاہری اور باطنی فتنوں نے جنم لیا انہی میں سے ایک فتنہ علم غیب کے بارہ میں اٹھایا گیا۔ ایک جماعت یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ نہ صرف انبیاء بلکہ اولیاء بھی عالم الغیب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کی رہنمائی کے لئے ایک لاکھ سے زائد پیغمبر و رسل دنیا میں بھیجے جنہیں اپنے وحی سے سرفراز فرمایا اور انہیں باقی تمام انسانوں سے علم و دانش میں عقل و فہم میں حکمت و فراست میں اور دیگر تمام کمالات میں اعلیٰ درجہ عطا فرمایا۔ اللہ کی ساری کائنات میں خدا کے پیغمبروں سے نہ کوئی فضیلت اور بزرگی میں بڑھ کر ہے اور نہ ہی علم و حکمت میں برتر۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو دین کا سارا اور کامل علم اور اس کے علاوہ حسب ضرورت بعض تکوینی امور کا علم بھی عطا فرمایا مگر پھر بھی انبیاء علیہم السلام کا علم محیط کلی نہیں۔ کلی اور تفصیلی غیب و شہادت کا علم خاصۂ خداوندی ہے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی صدہا آیات اس پر شاہد ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب داں نہیں تھے۔ یہ آیات بھی یہی بتلاتی ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اگرچہ انبیاء بنی اسرائیل میں بڑے پایہ کے پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن وانس اور طیور و وحوش پر حکومت عطا فرمائی اور پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا علم بھی عطا فرمایا مگر اس کے باوجود جمیع ما کان و ما یکون کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی عطا نہ فرمایا۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے کہ جب کسی موقع پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی اور ہدہد کو غیر حاضر پایا تو اس کے متعلق دوسرے حاضرین سے پوچھا کہ کیا ہدہد صرف مجھے ہی نظر نہیں آرہا یا واقعی وہ ہے ہی غیر حاضر اور جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ غیر حاضر ہے تو اعلان فرمایا کہ اسے بلا اجازت غیر حاضری پر سخت سزا دوں گا یا پھر وہ کوئی معقول عذر پیش کرے گا تو سزا سے چھوڑ دوں گا چنانچہ ہدہد جب تھوڑی دیر میں واپس آ گیا اور کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں۔ میں آپ کے پاس قوم سبا کی ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہدہد کہاں چلا گیا ہے اور وہاں سے ایک ایسی خبر لے کر آئے گا جو اس ساری قوم کے ایمان لانے کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ اگر معلوم ہوتا تو آپ ہدہد پر غضبناک نہ ہوتے بلکہ خوش ہوتے۔ پھر اسی پر بس نہیں جب ہدہد نے ملکۂ سبا کے بارہ میں کچھ معلومات بہم پہنچائیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی باتوں کا یقین نہ آیا اور اس ہدہد کے بیان کا صدق و کذب معلوم کرنے کے لئے ملکۂ سبا کو ایک خط لکھا اور اسی ہدہد کے ذریعہ بھجوایا۔ تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم غیب نہ تھا ورنہ ہدہد کا صدق و کذب آپ کو خود بخود معلوم ہو جاتا اور تحقیقات کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح عقائد قرآن وحدیث کے بتلائے ہوئے اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں اور افراط و تفریط کی گمراہی سے بچائیں۔

چونکہ اس وقت کی تلاوت میں آیت سجدہ آئی ہے جس کے پڑھنے اور سننے سے سجدۂ تلاوت لازم ہو جاتا ہے اس لئے قارئین و سامعین سب ایک سجدۂ تلاوت ادا کرلیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۝۲۹ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۳۰

بلقیس نے (پڑھ کر اپنے سرداروں سے کہا کہ) اے اہل دربار میرے پاس ایک خط نہایت باوقعت ڈالا گیا ہے۔ وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ (مضمون ہے (اول) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝۳۱ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً

(اور اس کے بعد یہ کہ) تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ۔ بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار تم مجھ کو میرے معاملہ میں رائے دو میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی

اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝۳۲ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا

جب تک کہ تم لوگ میرے پاس موجود نہ ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں اور اختیار تم کو ہے سو تم ہی دیکھ لو جو کچھ حکم دینا ہو۔

تَاْمُرِيْنَ ۝۳۳ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝۳۴

بلقیس کہنے لگی کہ والیانِ ملک جب کسی بستی میں (مخالفانہ طور پر) داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہ و بالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں اُن کو ذلیل کیا کرتے ہیں

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۳۵

اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ اور میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ وہ فرستادے کیا (جواب) لے کر آتے ہیں۔

قَالَتْ وہ کہنے لگی	يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اے سردارو!	اِنِّيْۤ اُلْقِيَ بیشک میری طرف ڈالا گیا	اِلَيَّ میری طرف	كِتٰبٌ خط	كَرِيْمٌ باوقعت	اِنَّهٗ بیشک وہ	مِنْ سے
سُلَيْمٰنَ سلیمان	وَاِنَّهٗ اور بیشک وہ	بِسْمِ اللّٰهِ نام سے اللہ کے	الرَّحْمٰنِ جو رحم کرنے والا	الرَّحِيْمِ نہایت مہربان	اَلَّا تَعْلُوْا یہ کہ تم سرکشی نہ کرو	عَلَيَّ مجھ پر	
وَاْتُوْنِيْ اور میرے پاس آؤ	مُسْلِمِيْنَ فرمانبردار ہو کر	قَالَتْ وہ بولی	يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اے سردارو!	اَفْتُوْنِيْ مجھے رائے دو	فِيْۤ اَمْرِيْ میرے معاملے میں		
مَا كُنْتُ میں نہیں ہوں	قَاطِعَةً فیصلہ کرنے والی	اَمْرًا کسی معاملہ میں	حَتّٰى جب تک	تَشْهَدُوْنِ تم موجود ہو	قَالُوْا وہ بولے	نَحْنُ ہم	
اُولُوْا قُوَّةٍ قوت والے	وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ اور بڑے لڑنے والے	وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ اور فیصلہ تیری طرف (تیرے اختیار میں)	فَانْظُرِيْ تو دیکھ لے	مَاذَا کیا			
تَاْمُرِيْنَ تجھے حکم کرنا ہے	قَالَتْ وہ بولی	اِنَّ بیشک	الْمُلُوْكَ بادشاہ	اِذَا دَخَلُوْا جب داخل ہوتے ہیں	قَرْيَةً کسی بستی	اَفْسَدُوْهَا اسے تباہ کر دیتے ہیں	
وَجَعَلُوْۤا اور کر دیا کرتے ہیں	اَعِزَّةَ معززین	اَهْلِهَا وہاں کے	اَذِلَّةً ذلیل	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	يَفْعَلُوْنَ وہ کرتے ہیں	وَاِنِّيْ اور بیشک میں	
مُرْسِلَةٌ بھیجنے والی	اِلَيْهِمْ اُن کی طرف	بِهَدِيَّةٍ ایک تحفہ	فَنٰظِرَةٌ پھر دیکھتی ہوں	بِمَ کیا (جواب) لیکر	يَرْجِعُ لوٹتے ہیں	الْمُرْسَلُوْنَ قاصد	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد پرندہ سے غیر حاضری کی معقول وجہ سنی تو اس کو سزا دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اس کی لائی ہوئی خبر کا جھوٹ سچ دیکھنے کے لئے آپ نے ایک خط بلقیس ملکۂ سبا کے نام لکھ کر اسی ہدہد کو دیا کہ اس خط کو لے جا کر ملکہ سبا کے پاس ڈال نا اور پھر سننا کہ وہاں اس خط کے متعلق کیا باتیں کرتے ہیں۔ چنانچہ

وہ ہدہد خط لے کر روانہ ہوا اور ملکہ کے محل میں ایک روشن دان سے داخل ہو کر وہ خط بلقیس کے سامنے ڈال دیا۔ چونکہ وہ خط سر بمہر تھا اس لئے اس کی شان اور وقعت کا اندازہ تو اول مہر ہی سے ہو گیا اور پھر جو اس نے خط کا مضمون پڑھا تو وہ سمجھ گئی کہ یہ کسی پر جلال طاقتور باشوکت بادشاہ کا خط ہے اس لئے اس نے اپنے درباریوں کو مشورہ کے لئے جمع کیا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا

جاتا ہے کہ بلقیس نے خط پڑھ کر اپنے مشیروں اور درباریوں کو جمع کیا اور کہنے لگی کہ میرے پاس یہ خط عجیب طریقہ سے پہنچا ہے جو ایک بہت بڑے معزز بادشاہ سلیمان کی طرف سے آیا ہے۔ غالبًا حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام اور ان کی بے مثال حکومت وشوکت کا شہرہ پہلے سے سن چکی ہوگی پھر اس نے خط کا مضمون سنایا جس میں لکھا تھا کہ یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور اللہ ورحمٰن ورحیم کا نام لے کر شروع کرتا ہوں تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو اور مطیع فرمانبردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔ سبحان اللہ ایسا مختصر۔ جامع اور پرعظمت خط شاید کسی نے لکھا ہو۔ مطلب خط کا یہ تھا کہ میرے مقابلہ میں زور آزمائی سے کچھ نہ ہوگا۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرو اور حکم بردار ہو کر سیدھی طرح میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے کچھ نہ چلے گی۔ تو یہ خط سنا کر بلقیس نے درباریوں سے کہا کہ اب مشورہ دو کیا جواب دیا جائے اور کیا کارروائی کی جائے۔ میں سلیمان کے پاس جاؤں یا نہ جاؤں۔ اس پر ارکان حکومت نے جواب دیا کہ ہم بڑے طاقتور ہیں جنگجو ہیں کسی سے ڈرتے نہیں۔ ہمارے پاس زور طاقت اور سامان حرب کی بھی کمی نہیں۔ تیرا حکم ہو تو ہم سلیمان سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آگے تو مختار ہے سوچ سمجھ کر حکم دے جو حکم ہم کو ملے گا ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ گویا درباریوں کی صلاح جنگ اور لڑائی کرنے کی تھی مگر ملکہ جو ایک عقلمند عورت تھی اسے خط کی عظمت وشوکت اور دوسرے قرائن وآثار سے یقین ہو گیا کہ سلیمان کے مقابلہ میں کامیابی ناممکن ہے۔ اس لئے اس نے اپنے درباریوں کو بتلایا کہ ایسی شان وشکوہ رکھنے والے بادشاہ سے لڑنا کھیل نہیں اگر وہ غالب آ گئے جیسا کہ قوی امکان ہے تو ملوک وسلاطین کی عام عادت کے موافق تمہارے شہروں کو تہ وبالا کر کے رکھ دیں گے اور وہ انقلاب ایسا ہوگا کہ جس میں بڑی عزت والے سرداروں کو ذلیل وخوار ہونا پڑے گا لہٰذا میرے نزدیک بہتر ہے کہ ہم جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں اور نہ فی الفور چلا جانا مصلحت ہے اس لئے اول میں سلیمان کے پاس کچھ تحائف وہدایا بھیجتی ہوں اور اس اثنا میں انتظار کرتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ اس طرح ہمیں ان کی طاقت۔ طبعی رجحانات۔ نوعیت حکومت وغیرہ کا پتہ لگ سکے گا کہ واقعی وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر کچھ تحفہ تحائف دے کر ہم آنے والی مصیبت کو ٹال سکیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ ورنہ جو کچھ رویہ معلوم ہوگا اس کے مناسب کارروائی کریں گے۔

چنانچہ ہدایا وتحائف کا سامان درست ہوا اور قاصد اس کو لے کر روانہ ہوئے۔ لکھا ہے کہ بلقیس نے بہت ہی گرانقدر تحفے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجے۔ سونا۔ موتی۔ جواہر۔ نادر سامان اور کنیز وغلام وغیرہ۔ اب جب وہ قاصد بمع تمام تحفے وہدایا کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو کیا جواب دے کر واپس کیا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ حق کو غلبہ عطا فرمائیں اور باطل کو مغلوب فرمائیں اللہ تعالیٰ دنیا کے مقابلہ میں ہمیشہ دین کو ترجیح دینے کی توفیق ہم کو عطا فرمائیں اور ہم دین کو ہر معاملہ میں مقدم اور ہر حال میں پیش نظر رکھیں اور اپنی دنیا کو دین کے ماتحت اور دین کے لئے معین ومددگار بنا کر رکھیں۔ یا اللہ! دنیا کا لالچ اور ساز وسامان ہمارے قدموں کو راہِ مستقیم سے نہ ڈگمگانے دے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ

سو جب وہ فرستادہ سلیمان کے پاس پہنچا (اور تحفے پیش کئے تو سلیمان نے) فرمایا کیا تم لوگ مال سے میری امداد کرتے ہو سو اللہ نے جو مجھ کو دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دے رکھا ہے

تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ

ہاں تم ہی اپنے اس ہدیہ پر اتراتے ہوگے۔ تم اُن لوگوں کے پاس لوٹ جاؤ سو ہم اُن پر ایسی فوجیں بھیجتے ہیں کہ اُن لوگوں سے اُن کا ذرا مقابلہ نہ ہوسکے گا اور ہم اُن کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے

صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ

اور وہ ماتحت ہو جاویں گے۔ (سلیمان کو اُس کا چلنا معلوم ہوا تو) انہوں نے فرمایا کہ اے اہل دربار تم میں کوئی ایسا ہے جو اس بلقیس کا تخت قبل اسکے کہ وہ لوگ میرے پاس مطیع ہو کر آویں حاضر کردے۔

مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ

ایک قوی ہیکل جن نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اُٹھیں، اور میں اُس (کے لانے) پر طاقت رکھتا ہوں

عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا

(اور گو وہ بڑا قیمتی مرصع جواہرات سے ہے مگر) امانتدار (بھی) ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا اُس نے کہا کہ میں اُس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکر کھڑا کرسکتا ہوں

مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۫ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ

پس جب سلیمان علیہ السلام نے اُس کو اپنے روبرو رکھا دیکھا سو کہنے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تا کہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں

فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اور جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کیلئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے میرا رب غنی ہے اور کریم ہے۔

فَلَمَّا پس جب	جَآءَ آیا	سُلَيْمٰنَ سلیمان	قَالَ اس نے کہا	اَتُمِدُّوْنَنِ کیا تم میری مدد کرتے ہو	بِمَالٍ مال سے	فَمَا پس جو	اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ مجھے دیا اللہ نے
خَيْرٌ بہتر	مِّمَّا اس سے جو	اٰتٰىكُمْ اس نے تمہیں دیا	بَلْ بلکہ	اَنْتُمْ تم	بِهَدِيَّتِكُمْ اپنے تحفہ سے	تَفْرَحُوْنَ خوش ہوتے ہیں	اِرْجِعْ تو لوٹ جا
اِلَيْهِمْ ان کی طرف	فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ ہم ضرور لائیں گے ان پر	بِجُنُوْدٍ ایسا لشکر	لَّا قِبَلَ نہ طاقت ہوگی	لَهُمْ ان کو	بِهَا اس کی	وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ ہم ضرور نکال دیں گے انہیں	
مِّنْهَا وہاں سے	اَذِلَّةً ذلیل کر کے	وَهُمْ اور وہ	صٰغِرُوْنَ خوار ہوں گے	قَالَ اس (سلیمان) نے کہا	يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اے سردارو!	اَيُّكُمْ تم میں سے کون	
يَاْتِيْنِيْ میرے پاس لائے گا	بِعَرْشِهَا اس کا تخت	قَبْلَ اس سے قبل	اَنْ کہ	يَّاْتُوْنِيْ وہ آئیں میرے پاس	مُسْلِمِيْنَ فرمانبردار ہو کر	قَالَ کہا	
عِفْرِيْتٌ ایک قوی ہیکل	مِّنَ الْجِنِّ جنات سے	اَنَا اٰتِيْكَ میں آپکے پاس لے آوں گا	بِهٖ اس کو	قَبْلَ اس سے قبل	اَنْ تَقُوْمَ کہ آپ کھڑے ہوں		
مِنْ مَّقَامِكَ اپنی جگہ سے	وَ اور	اِنِّيْ بیشک میں	عَلَيْهِ اس پر	لَقَوِيٌّ البتہ قوت والا	اَمِيْنٌ امانت دار	قَالَ اس نے جو	الَّذِيْ کہا
عِنْدَهٗ اس کے پاس	عِلْمٌ علم						
مِّنَ سے۔کا	الْكِتٰبِ کتاب	اَنَا میں	اٰتِيْكَ بِهٖ میں اسکو تمہارے پاس لے آوں گا	قَبْلَ قبل	اَنْ يَّرْتَدَّ کہ پھر آئے	اِلَيْكَ تمہاری طرف	

طَرْفُكَ تمہاری نگاہ (پلک جھپکے)	فَلَمَّا رَاٰهُ پس جب سلیمان اسے دیکھا	مُسْتَقِرًّا رکھا ہوا	عِنْدَهٗ اپنے پاس	قَالَ اس نے کہا	هٰذَا یہ / مِنْ سے
فَضْلِ رَبِّیْ میرے رب کا فضل	لِيَبْلُوَنِیْ تاکہ مجھے آزمائے	ءَاَشْكُرُ آیا میں شکر کرتا ہوں	اَمْ اَكْفُرُ یا ناشکری کرتا ہوں	وَمَنْ اور جس	شَكَرَ شکر کیا
فَاِنَّمَا تو پس وہ / يَشْكُرُ شکر کرتا ہے	لِنَفْسِهٖ اپنی ذات کیلئے / وَمَنْ اور جس	كَفَرَ ناشکری کی	فَاِنَّ تو بیشک / رَبِّیْ میرا رب	غَنِیٌّ بے نیاز	كَرِيْمٌ کرم کرنیوالا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ بلقیس ملکۂ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط ملنے پر یہ طے کیا کہ پہلے کچھ ہدایا اور تحفے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجے جاویں اور دیکھا جائے کہ وہ قبول کرتے ہیں یا نہیں اور قاصد سلیمان علیہ السلام کے جاہ وجلال کے متعلق کیا خبر لا کر دیتا ہے چنانچہ بلقیس کا قاصد تمام تحفے و ہدایا لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچا اور وہاں پیش کئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قاصد کو جو جواب عنایت فرمایا وہ ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس قاصد نے پہنچ کر ہدایا پیش کئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ تحفے تمہیں ہی مبارک رہیں۔ کیا تم نے مجھے محض ایک دنیوی بادشاہ سمجھا جو مال ومتاع کا لالچ دیتے ہو تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے جو روحانی اور ساتھ ہی مادی دولت مجھے عطا فرمائی ہے وہ تمہارے ملک و دولت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مجھے ان سامانوں کی ضرورت نہیں۔ تم واپس جاؤ اور جا کر کہہ دو کہ وہ حاضر ہو ورنہ ہم ایسا طاقتور کثیر لشکر بھیجیں گے کہ جس کا مقابلہ ان سے نہ ہو سکے گا ملک بھی ہاتھ سے جائے گا اور ذلت بھی اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ قاصد نے واپس جا کر پیغام جنگ پہنچا دیا۔ بلقیس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی بادشاہ نہیں۔ ان کی قوت اور طاقت کے مقابلہ میں جدال اور قتال سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ نہ کوئی حیلہ اور زور ان کے روبرو چل سکتا ہے آخر اظہار اطاعت کی غرض سے بڑے ساز وسامان کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہو گئی۔ جب ملک شام کے قریب پہنچی اور قاصد کے ذریعہ سے اطلاع بھیجی کہ میں ارا کین دولت سمیت حاضر خدمت ہوتی ہوں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے فرمایا کوئی ہے جو بلقیس کا تخت شاہی اس کے پہنچنے سے پیشتر میرے سامنے حاضر کر دے۔ اس میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو کئی طرح بلقیس پر اپنی خداداد عظمت وقوت کا اظہار مقصود تھا تاکہ وہ سمجھ لے کہ وہ نرے بادشاہ نہیں کوئی اور فوق العادت باطنی طاقت بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ الغرض اپنی شان نبوت اور خدا کی قدرت دکھانے کی غرض سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل دربار سے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو اس بلقیس کا تخت شاہی قبل اس کے کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر آوے لا کر حاضر کر دے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ بلقیس ملکۂ سبا کے تمام اموال ودولت میں تخت شاہی کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا کہ وہ ملکۂ سبا کی سب سے زیادہ محفوظ شے تھی جس کو سات محلات شاہی کے درمیان میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا کہ جہاں ملکہ کے اپنے آدمیوں کا گزر بھی نہیں تھا۔ اس تخت شاہی کا محل سے بغیر دروازہ یا قفل توڑے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالیٰ شانہ کی ہی قدرت کاملہ سے ہو سکتا تھا۔ اور اس کافرہ ملکہ کو حق تعالیٰ جل شانہ کی قدرت عظیمہ پر یقین دلانے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہو سکتا تھا اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار میں اس حاضر ہونے والی ملکہ کے تخت شاہی کا جس کو وہ بحفاظت اپنی سلطنت میں اپنے خاص محل کے اندر محفوظ کر کے

آرہی تھی انتخاب فرمایا اور اس کے تخت شاہی کو حاضر دربار کرنے کے لئے فرمایا اہل دربار میں سے ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا کہ میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے دربار سے اٹھیں اور گو وہ بہت وزنی ہے مگر میں اس کے لانے پر طاقت رکھتا ہوں اور گو بڑا قیمتی ہیرے جواہرات سے مرصع ہے مگر میں امانت دار بھی ہوں اس میں کوئی خیانت نہ کروں گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا کہ میں اس تخت شاہی کو تمہارے سامنے تمہاری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکر کھڑا کرسکتا ہوں۔ اب اس کی تفسیر میں کہ یہ کہنے والے کون تھے مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ کہنے والے جبرئیل تھے یا اور کوئی فرشتہ تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر حضرت آصف تھے اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ امام رازیؒ نے اسی تیسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے بھی اسی تیسرے قول کے مطابق تفسیر فرمائی ہے کہ یہاں صاحب علم سے مراد خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ اس مقام کی تفسیر حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے یوں فرمائی ہے کہ اس علم والے نے (مراد حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں) اس جن سے کہا کہ بس تجھ میں تو اتنی ہی قوت ہے کہ تو اس تخت کو میرے اجلاس سے اٹھنے سے پہلے لانے کو کہتا ہے اور میں اس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکر کھڑا کرسکتا ہوں کیونکہ میں قوت معجزہ سے لاؤں گا چنانچہ آپ نے حق تعالیٰ سے دعا کی یا کسی اسم الٰہی کے ذریعہ سے وہ تخت فوراً سامنے آموجود ہوا۔ جب سلیمان علیہ السلام نے اس کو اپنے روبرو رکھا ہوا دیکھا تو خوش ہوکر شکر کے طور پر فرمانے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے کہ میرے ہاتھ سے یہ معجزہ ظاہر کیا تاکہ حق تعالیٰ میری آزمائش کریں کہ میں شکر کرتا ہوں یا خدانخواستہ ناشکری کرتا ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص شکر کرتا ہے دنیا اور آخرت میں مزید انعامات مبذول ہوتے ہیں۔ ناشکری کرے گا تو خدائے ذوالجلال کا کیا نقصان۔ وہ ہمارے شکریوں سے قطعاً بے نیاز اور بذات خود کامل الصفات اور منبع الکمالات ہے۔ ہمارے کفران نعمت سے اس کی کسی صفت کمالیہ میں کمی نہیں آجاتی۔ میرا رب غنی ہے اور کریم ہے کہ ناشکروں کو فوراً سزا نہیں دیتا۔

یہی مضمون ایک صحیح حدیث قدسی میں بھی وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن وانس یک دل ہوکر اعلیٰ درجہ کے متقی بن جائیں تو اس سے میری سلطنت میں کچھ اضافہ نہ ہوجائے گا اور اگر تمہارے اگلے پچھلے جن وانس یک دل ہوکر اعلیٰ درجہ کے کافر بدکار ہوجائیں تو میری سلطنت میں کچھ نقصان نہ ہوجائے گا۔ اے بندو یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں شمار کرتا ہوں اور جن کا پورا بدلہ دوں گا پس جو کوئی بھلائی پائے وہ اللہ کی حمد وثنا کرے اور جو کوئی بھلائی کے سوا کچھ اور پائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

یہاں ان آیات کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تفصیل وتحقیق لکھی ہے کہ کسی کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں۔

”حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں یا بہتر نہیں۔ اور تحقیق اس مسئلے میں یہ ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (روح المعانی) ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو

مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہوکر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہونے کی امید ہو یا اس کے کسی شر و فساد کو اس کے ذریعہ رفع کیا جاسکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس معاملہ میں یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمالیا۔ بعض کا رد کر دیا۔ عمدۃ القاری شرح بخاری میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ براء کا بھائی عامر بن مالک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے پہنچا جبکہ وہ مشرک کافر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے اس کا ہدیہ یہ فرما کر واپس کر دیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔ اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے اس کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرمادیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے۔ ان کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے بحالت شرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا۔ آپ نے قبول فرمالیا۔ اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی حریر کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا۔ آپ نے قبول فرمالیا۔ شمس الائمہؒ اس کو (عمدۃ القاری شرح بخاری میں) نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کا ہدیہ رد کردینے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید نہ تھی وہاں رد کر دیا اور بعض کا ہدیہ قبول کرنے میں اس کے مسلمان ہوجانے کی امید تھی تو قبول کرلیا۔'' (معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۵۸۳-۵۱۸)

الغرض حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے تخت شاہی کو اپنے دربار میں منگالیا تا کہ حاضر ہونے والی کافر ملکہ کو شان نبوت اور خدا کی قدرت دکھانا چاہتے تھے اور اس کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ تیری بادشاہی اللہ کی قدرت اور نبوت کی طاقت کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں۔ اب جبکہ اس کا تخت شاہی آ پہنچا اور ابھی بلقیس راستہ ہی میں تھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل و فہم آزمانے کے لئے حکم دیا کہ اس کے تخت کی صورت بدل دو مثلاً جواہرات کے مواقع بدل دو یا دوسرے رنگ کے لگادو پھر دیکھیں کہ وہ اس کو پہچانتی ہے یا نہیں اور اس سوال کے جواب میں کہ کیا تمہارا تخت شاہی ایسا ہی ہے وہ کیا جواب دیتی ہے۔ یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو دین و دنیا کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس پر ہم کو حقیقی شکر گزاری کی توفیق بھی عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمائیں اور کفران نعمت کے وبال سے بچائیں۔

یا اللہ! دنیا کی ہر نعمت کو ہمارے لئے آخرت کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ بنادیجئے اور ہر حال میں اپنی طاعت و عبادت اور حمد و ثنا کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ

سلیمانؑ نے حکم دیا کہ اس کیلئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ اس کو اس کا پتہ لگتا ہے یا اُس کا اُن ہی میں شمار ہے جن کو (ایسی باتوں کا پتہ نہیں لگتا۔ سو جب بلقیس آئی

قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا

تو اس سے کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے، وہ کہنے لگی کہ ہاں ہے تو ویسا ہی اور (یہ بھی کہا کہ) ہم لوگوں کو تو اس موقع سے پہلے ہی تحقیق ہو چکی ہے اور ہم مطیع ہو چکے ہیں۔

مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ

اور اس کو (ایمان لانے سے) غیر اللہ کی عبادت نے روک رکھا تھا، وہ کافر قوم میں کی تھی۔ بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو، تو جب اس کا صحن دیکھا تو اُس کو پانی سمجھا

حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ

اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھولدیں، (اُس وقت) سلیمانؑ نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو شیشوں سے بنایا گیا ہے، (اُس وقت) بلقیس کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار

نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع

میں نے (اب تک) اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور میں سلیمانؑ کے ساتھ ہو کر رب العالمین پر ایمان لائی۔

قَالَ اسنے کہا	نَكِّرُوْا وضع بدل دو	لَهَا اس کیلئے	عَرْشَهَا اس کا تخت	نَنْظُرْ ہم دیکھیں	اَتَهْتَدِيْٓ آیا وہ راہ پاتی (سمجھ جاتی ہے)	اَمْ تَكُوْنُ یا ہوتی ہے		
مِنَ سے	الَّذِيْنَ جو لوگ	لَا يَهْتَدُوْنَ راہ نہیں پاتے (نہیں سمجھتے)	فَلَمَّا پس جب	جَآءَتْ وہ آئی	قِيْلَ کہا گیا	اَهٰكَذَا کیا ایسا ہی ہے		
عَرْشُكِ تیرا تخت	قَالَتْ وہ بولی	كَاَنَّهٗ گویا کہ یہ	هُوَ وہی	وَاُوْتِيْنَا اور ہمیں دیا گیا	الْعِلْمَ علم	مِنْ قَبْلِهَا اس سے قبل	وَكُنَّا اور ہم ہیں	
مُسْلِمِيْنَ مسلمان فرمانبردار	وَصَدَّهَا اور اس نے اس کو روکا	مَا جو	كَانَتْ تَّعْبُدُ وہ پرستش کرتی تھی	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوائے				
اِنَّهَا بیشک وہ	كَانَتْ تھی	مِنْ قَوْمٍ قوم سے	كٰفِرِيْنَ کافروں	قِيْلَ کہا گیا	لَهَا اس سے	ادْخُلِي تو داخل ہو	الصَّرْحَ محل	فَلَمَّا پس جب
رَاَتْهُ اس نے اسکو دیکھا	حَسِبَتْهُ اسے سمجھا	لُجَّةً گہرا پانی	وَّكَشَفَتْ اور کھول دیں	عَنْ سے	سَاقَيْهَا اپنی پنڈلیاں	قَالَ اس نے کہا	اِنَّهٗ بیشک وہ	
صَرْحٌ محل	مُّمَرَّدٌ جڑا ہوا	مِّنْ سے	قَوَارِيْرَ شیشے	قَالَتْ وہ بولی	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّيْ ظَلَمْتُ بیشک میں نے ظلم کیا	نَفْسِيْ اپنی جان	
وَاَسْلَمْتُ اور میں ایمان لائی	مَعَ ساتھ	سُلَيْمٰنَ سلیمان	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کا رب				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ جب ملکۂ سبا کے قاصد تحائف لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحائف پیش کئے تو آپ نے وہ سارے تحائف رد کردیئے اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کوئی مال دولت کی طمع تو تھی نہیں آپ کا تو اصل مقصد یہ تھا کہ اہل سبا اللہ پر ایمان لے آئیں اور آفتاب پرستی کے کفر وشرک سے باز رہیں۔ چنانچہ قاصد جب واپس ہوئے اور انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی جو شوکت وعظمت دیکھی تھی اس کو ملکۂ سبا سے بیان کیا تو اس نے طے کرلیا کہ تعمیل ارشاد کے سوا اسے چارہ نہیں چنانچہ وہ حاضر خدمت ہونے کے لئے اپنے ملک سے روانہ ہوگئی۔ ادھر

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی شان نبوت اور قدرت الٰہی دکھانے کی غرض سے بلقیس ملکہ سبا کا تخت شاہی اپنے دربار میں منگوالیا اور بلقیس کی عقل آزمانے کے لئے کہ صحت عقائد ایمان واسلام اور حق وباطل سمجھنے کی اس میں کہاں تک استعداد ہے اس میں کچھ تبدیلیوں کا حکم دیا چنانچہ آپ کے حکم سے بلقیس کے تخت شاہی کے رنگ روپ وغیرہ میں کچھ تبدیلی کردی گئی۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچی تو بحکم حضرت سلیمان علیہ السلام وہ شاہی تخت بلقیس کے سامنے لایا گیا اور اس سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارا تخت شاہی ایسا ہی ہے؟ یہ سوال خواہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود کیا ہو یا کسی سے کہلوایا ہو۔ اب بلقیس اس تخت کو غور سے دیکھنے لگی اور بڑی عقلمندی کا جواب دیا اور کہنے لگی کہ ہاں ہے تو ویسا ہی۔ گویا اس نے اپنے جواب میں نہ تو بالکل صاف کہا کہ ہاں وہی ہے اور نہ بالکل نفی کی بلکہ جو حقیقت تھی ٹھیک ٹھیک ظاہر کردی یعنی تخت کی ساخت اور مجموعی حیثیت تو یہ بتارہی ہے کہ یہ میرا ہی تخت ہے مگر قدرے رنگ روپ اور ہیئت کی تبدیلی اس یقین میں تردد پیدا کررہی ہے اس لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ یقیناً میرا ہی تخت ہے۔ تو بلقیس اس کو پہچان گئی اور اس کے بدل دینے کو بھی سمجھ گئی اس لئے جواب بھی سوال کے مطابق دیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہی ہے۔ اور پھر ساتھ ہی یہ بھی کہنے لگی کہ مجھ کو تو آپ کی بے نظیر اور عدیم المثال قوت وطاقت کا پہلے ہی علم ہو چکا ہے جب سے کہ قاصد سے آپ کے کمالات معلوم ہوئے تھے اسی لئے میں مطیع اور فرمانبردار بن کر حاضر ہوئی ہوں اور اب تخت کا یہ محیر العقول معاملہ تو آپ کی لاثانی طاقت کا مظاہرہ ہے اس لئے ہم پھر ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں اظہار وفاداری اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔ چونکہ ملکہ سبا یعنی بلقیس کا یہ اظہار اعتقاد دلیل کمال عقل کی ہے اس لئے آگے آیت میں اللہ تعالیٰ اس کے عاقل ہونے کا مضمون بیان فرماتے ہیں کہ فی الواقع وہ تھی سمجھ دار مگر کچھ عرصہ تک جو ایمان نہ لائی تھی تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کو غیر اللہ کی عبادت نے جس کی اس کو عادت تھی روک رکھا تھا اور وہ عادت اس لئے پڑ گئی تھی کہ وہ کافر قوم میں سے تھی پس جو سب کو دیکھا وہی آپ کرنے لگی مگر تھی چونکہ عاقل جب تنبیہ کی گئی تو متنبہ ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ چاہا کہ علاوہ اعجاز اور شان نبوت دکھلانے کے اس کو ظاہری شان سلطنت بھی دکھلا دی جائے تاکہ وہ اپنے کو دنیا کے اعتبار سے بھی عظیم نہ سمجھے اس لئے آپ نے ایک شیش محل بنوا کر اس کے صحن میں حوض بنوایا اور اس میں پانی اور مچھلیاں بھر کر اس کو شیشہ سے پاٹ دیا اور شیشہ ایسا شفاف تھا کہ دیکھنے میں نظر نہ آتا تھا اور وہ حوض ایسے موقع پر تھا کہ اس محل میں جانے والے کو لامحالہ اس پر سے عبور کرنا پڑے چنانچہ بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو اور ممکن ہے کہ وہی محل اس کے قیام کے لئے تجویز کیا ہو تو اس میں جانا اور ٹھہرنا ضروری ہوا۔ اب جب چلیں تو راہ میں حوض آیا اور چونکہ شیشہ کا فرش تھا اس لئے دیکھنے والوں کی نگاہ یقین کر لیتی تھی کہ صحن میں صاف شفاف پانی بہہ رہا ہے۔ اب بلقیس جو حوض کے کنارہ پر پہنچی تو محل میں جانے کا اور کوئی راستہ نہ تھا اس لئے مجبوراً پانی میں داخل ہونے کے لئے اس نے پائنچے یا دامن سمیٹ کر اوپر اٹھائے جس سے پنڈلیاں کھل گئیں۔ اس وقت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو سب کا سب مع صحن شیشوں سے بنایا گیا ہے اور یہ حوض بھی شیشہ سے بنا ہوا ہے دامن اٹھانے کی ضرورت نہیں اس وقت بلقیس کو معلوم ہوگیا کہ یہاں دنیوی ساز وسامان بھی ایسے ہیں کہ جو آج تک میں نے آنکھ سے نہیں دیکھے تو اب ان کے دل میں ہر طرح سے سلیمان علیہ السلام کی عظمت پیدا ہوئی اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس وقت تک یہ جو کچھ ہوتا رہا ہے یہ صرف ایک زبردست بادشاہ کی قاہرانہ طاقتوں کا مظاہرہ نہیں بلکہ مجھ پر یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ سلیمان کو یہ بے نظیر طاقت اور یہ معجزانہ قدرت کسی ایسی ہستی کی عطا کردہ ہے جو شمس وقمر بلکہ کل کائنات کا تنہا مالک ہے اور اس لئے سلیمان مجھ

سے اپنی تابعداری اور فرمانبرداری کے طالب نہیں بلکہ اسی ایک واحد یکتا ذات کی اطاعت کی طرف دعوت دینا ان کا مقصد ہے۔

بس ملکہ کے دماغ میں یہ خیال آنا تھا کہ اس نے فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ایک شرمسار اور نادم انسان کی طرح درگاہ الٰہی میں یہ اقرار کیا کہ پروردگار آج تک ماسوا اللہ کی پرستش کرنے کفر وشرک میں ملوث رہنے اور آفتاب و ماہتاب کو اپنا معبود سمجھنے میں میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا مگر اب میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہو کر ایک خدا ہی پر ایمان لاتی ہوں جو تمام کائنات کا پروردگار ہے۔ اب ملکہ سبا شرک سے تائب ہو کر خالص مومنہ بن گئیں۔ اور اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیغام واتونی مسلمین کی حقیقی مراد تک پہنچ کر ایمان اور اسلام کو قبول کر لیا۔

یہاں اس سورۃ میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کا واقعہ اسی پر ختم ہو گیا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر مشرف بایمان ہو گئی۔ اس کے بعد کیا حالات پیش آئے قرآن کریم نے اس سے سکوت کیا ہے مگر ابن عسا کرنے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ اس کے بعد بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آ گئی اور اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھ کر یمن واپس بھیج دیا۔ ہر مہینہ حضرت سلیمان علیہ السلام وہاں تشریف لے جاتے اور تین روز قیام فرماتے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کیلئے یمن میں تین عمدہ محلات ایسے تیار کرا دیئے تھے جس کی مثال ونظیر نہ تھی۔ (معارف القرآن جلد ششم ص ۵۸۸)

اب یوں تو قرآن پاک کے ایک ایک لفظ۔ ایک ایک جملہ اور ایک ایک آیت میں نہ معلوم کتنے راز اور حکمتیں پوشیدہ ہیں مگر بظاہر حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قصہ سے کئی اہم مقصد جتلانے مقصود معلوم ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ کفار مکہ جو اپنی سرداری پر پھول رہے تھے ان کو یہ جتلایا گیا کہ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام جن کو خدا نے کیسی حکومت۔ سلطنت۔ دولت و حشمت عطا کر رکھی تھی جس کا کہ تم خواب بھی نہیں دیکھ سکتے وہ کیسے ہر وقت اپنے منعم حقیقی کے آگے جھکے رہتے تھے اور کس طرح اپنے رب کی شکر گزاری کرتے تھے کہ غرور اور تکبر کا نام ونشان بھی ان میں نہ تھا۔

دوسرے یہ کہ ملکہ سبا جو تاریخ عرب کی ایک مشہور دولت مند قوم پر حکمران تھی اور اس کے پاس تمام وہ اسباب جمع تھے جو کسی انسان کو غرور نفس میں مبتلا کر سکتے ہیں پھر وہ ایک مشرک قوم سے تعلق رکھتی تھی اور تقلید آبائی کی بنا پر اور قوم میں اپنی سرداری برقرار رکھنے کی خاطر اس کے لئے دین شرک کو چھوڑ کر دین توحید اختیار کرنا کتنا مشکل تھا مگر جب اس پر حق واضح ہو گیا تو وہ قبول حق سے باز نہ رہ سکی۔ اور اس نے آبائی دین کو چھوڑ کر ایمان واسلام اختیار کر لیا۔ تو کفار مکہ کو اس نمونہ سے عبرت اور سبق حاصل کرنا چاہئے اور اپنے کفر وشرک کے بے جا اصرار کو ترک کر دینا چاہئے۔

تیسرے اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اشارۃً تسلی ہے کہ مثل لشکر سلیمانی کے ہم آپ کے لشکر کو بھی ان کفار پر اگر یہ ایمان نہ لائے مسلط کر دیں گے چنانچہ بعد میں جہاد شروع ہو گیا۔

اب آگے تیسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی حق ظاہر ہو جانے پر حق کے اتباع اور باطل سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اسلام اور ایمان کی جو دولت ہم کو عطا فرمائی ہے اس پر استقامت اور حقیقی شکر کی توفیق نصیب فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ

اور ہم نے ثمود کے پاس اُن کے (برادری کے) بھائی صالح کو بھیجا یہ (پیغام دیکر) کہ تم اللہ کی عبادت کرو سو اچانک اُن میں دو فریق ہو گئے جو باہم جھگڑنے لگے۔ صالح نے فرمایا

يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

کہ اے بھائیو تم نیک کام (یعنی توبہ وایمان) سے پہلے عذاب کو کیوں جلدی مانگتے ہو تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر سے) معافی کیوں نہیں چاہتے جس سے توقع ہو کہ تم پر رحم کیا جاوے۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں، صالح نے فرمایا کہ تمہاری (اس) نحوست کا سبب اللہ کے علم میں ہے بلکہ تم وہ لوگ ہو کہ (کفر کی بدولت) عذاب میں مبتلا ہو گے۔

وَ اور	لَقَدْ اَرْسَلْنَا تحقیق ہم نے بھیجا	اِلٰى طرف	ثَمُوْدَ ثمود	اَخَاهُمْ ان کے بھائی	صٰلِحًا صالح	اَنِ کہ	اعْبُدُوا اللّٰهَ اللہ کی عبادت کرو
فَاِذَا پس ناگہاں	هُمْ وہ	فَرِيْقٰنِ دو فریق ہو گئے	يَخْتَصِمُوْنَ باہم جھگڑنے لگے وہ	قَالَ اس نے کہا	يٰقَوْمِ اے میری قوم	لِمَ کیوں	
تَسْتَعْجِلُوْنَ تم جلدی کرتے ہو	بِالسَّيِّئَةِ برائی کیلئے	قَبْلَ پہلے	الْحَسَنَةِ بھلائی	لَوْ کیوں	لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ تم بخشش نہیں مانگتے		
اللّٰهَ اللہ	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تُرْحَمُوْنَ تم پر رحم کیا جائے	قَالُوا وہ بولے	اطَّيَّرْنَا برا شگون	بِكَ تجھ سے	وَبِمَنْ اور وہ جو	مَعَكَ تیرے ساتھ (ساتھی)
قَالَ اس نے کہا	طٰٓئِرُكُمْ تمہاری بدشگونی	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	بَلْ بلکہ	اَنْتُمْ تم	قَوْمٌ ایک قوم	تُفْتَنُوْنَ آزمائے جاتے ہو	

تفسیر وتشریح:۔ اس سورۃ میں پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ بیان فرمایا گیا تھا اس کے بعد دوسرا قصہ داؤد علیہ السلام کا اجمالاً اور سلیمان علیہ السلام کا قدرے تفصیلاً بیان فرمایا گیا۔ اب تیسرا قصہ قوم ثمود اور اس کے پیغمبر صالح علیہ السلام کا بیان فرمایا جاتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کا تذکرہ اس سے پہلے سورۂ اعراف۔ سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں بھی ہو چکا ہے۔ قرآن کریم کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کو مختلف سورتوں کے مضامین کے مناسب نئے انداز میں بیان کرنے کے باوجود واقعہ کی اصل حقیقت میں ادنیٰ سا فرق بھی نہیں آنے دیتا۔ کہیں ایک ہی واقعہ کی تفصیل ہے تو کہیں اجمال۔ کسی مقام پر اس کا ایک پہلو نظر انداز کر دیا گیا ہے تو دوسرے مقام پر اسی کو نمایاں حیثیت دی گئی۔ تاریخی واقعات میں سے جب قرآن پاک کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اپنے مقصد ''وعظ و تذکیر'' کے پیش نظر واقعہ کی اسی قدر جزئیات کو نقل کرتا ہے جو مقصد کے لئے ضروری ہیں۔

یہاں اس سورۃ میں ان آیات میں حضرت صالح علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کو جو قوم ثمود کے وطنی اور قومی بھائی تھے قوم ثمود کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی توحید کی طرف بلایا۔ شرک سے منع کیا اور اللہ کی بندگی و اطاعت کی نصیحت فرمائی اس تبلیغ و دعوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ لوگ مومن بن گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ کا پیغمبر برحق تسلیم کر لیا اور آپ کی ہدایات کے موافق عمل پیرا ہو گئے اور کچھ لوگ بدستور مشرک بنے رہے۔ اللہ کے پیغمبر کی تکذیب پر جمے رہے تو گویا حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت سے قوم دو گرہوں میں بٹ گئی ایک گروہ ایمان لانے والوں کا اور دوسرا گروہ انکار کرنے والوں کا۔ اور اس تفرقہ کے ساتھ ہی ان کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔ یہاں یہ واضح رہے کہ ٹھیک یہی صورت حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

کے ساتھ مکہ میں پیدا ہوگئی تھی۔ قوم دوحصوں میں بٹ گئی اور اس کے ساتھ ہی ان دونوں گروہوں میں کشمکش شروع ہوگئی۔ اس لئے یہ قصہ ان حالات پر چسپاں ہورہا تھا جن حالات میں کہ یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے منکروں کو ہر چند عذاب الٰہی سے ڈرایا دھمکایا اور فرمایا کہ اگر میرا کہنا نہ مانو گے تو تباہ ہوجاؤ گے مگر کافروں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی بلکہ گستاخی میں مزید اضافہ ہوگیا اور بے باکی کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ حضرت صالح علیہ السلام سے کہنے لگے کہ تم ہم کو عذاب اور ہلاکت سے کیا ڈراتے ہو۔ لاؤ وہ عذاب کہاں ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس پر فرمایا کہ کم بختو! ایمان اور توبہ اور بھلائی و اطاعت کی راہ تو اختیار نہیں کرتے جو دنیا اور آخرت میں کام آئے۔ الٹے برائی طلب کرنے میں جلدی مچارہے ہو۔ جب وہ وقت آپڑے گا تو سارا دم خم ختم ہوجائے گا۔ ابھی موقع ہے کہ گناہوں سے توبہ کرکے محفوظ ہوجاؤ۔ کیوں توبہ و استغفار نہیں کرتے جو حق تعالیٰ عذاب کی جگہ اپنی رحمتیں تم پر نازل فرمائے۔ تو اس کے جواب میں منکرین نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تمہارے آتے ہی ہماری قوم میں پھوٹ پڑ گئی۔ گھر گھر لڑائی جھگڑے شروع ہوگئے اور ہم پر قحط وغیرہ کی سختیاں پڑتی جاتی ہیں یہ سب تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ (معاذ اللہ) جب سے تم نے ہمارے دیوتاؤں کی مذمت شروع کی ہے آئے دن ہم پر کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہوتی رہتی ہے کیونکہ ہمارے معبود ہم سے ناراض ہوگئے ہیں۔ سرکش اور معصیت شعار قوم کو جب ہلاکت سے پہلے کسی قدر تنبیہاً جھنجھوڑا جاتا ہے اور دنیوی مصائب میں مبتلا کرکے توبہ کا موقع دیا جاتا ہے تو وہ اپنی مصیبت کا باعث اہل حق کو قرار دیتی ہے۔ فرعون کی قوم نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہی کہا تھا جیسا کہ قرآن پاک میں دوسری جگہ بتلایا گیا کہ اگر ان کو یعنی فرعونیوں کو بھلائی حاصل ہوتی تو کہتے ہم اس کے حق دار ہی ہیں ہم کو یہ پہنچنا ہی چاہئے تھا۔ اور اگر کبھی خرابی اور مصیبت آپڑی تو اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست کہتے۔ مکہ کے کافروں کا بھی یہی حال تھا۔ قریب قریب ایسے ہی باتیں اور ایسے ہی الزامات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر لگاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سرداران قریش کا جو وفد ابوطالب کے پاس گیا تھا اس نے یہی کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالہ کردو جس نے تمہارے دین اور تمہارے باپ دادا کے دین کی مخالفت کی ہے اور تمہاری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ساری قوم کو جاہل اور بے وقوف قرار دیا ہے۔

الغرض حضرت صالح علیہ السلام نے ان منکروں کو جواب دیا کہ یہ سختیاں یا برائیاں میری وجہ سے نہیں۔ تمہاری بدقسمتی سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری شرارتوں اور بداعمالیوں کے سبب سے مقدر کی ہیں اور یہ تمہارے کفر کی شامت سے تم پر یہ سختی پڑی ہے کہ دیکھیں سمجھتے ہو یا نہیں۔

ثمود بجائے اس کے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی نصائح کا کچھ اچھا اثر لیتے الٹا آپ کی جان کے دشمن ہوگئے اور اب یہ سازش کرنے لگے کہ کس طرح حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں کو قتل کرکے اس قصہ کو ختم کیا جاوے جیسا کفار مکہ نے بھی ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی تھی۔ مگر اہل باطل اہل حق کو مغلوب اور ختم کرنے کی کیسی ہی خفیہ تدبیریں کریں مگر تدبیر الٰہی کے آگے اہل باطل کی تدبیریں کہاں چل سکتی ہیں۔ چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش جو کفار نے کی تو اس کا کیا نتیجہ اور انجام ہوا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہم کو ان نافرمان اور اپنے پیغمبروں سے سرکشی کرنے والی قوموں سے عبرت و نصیحت عطا فرمائیں۔ اور ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۴۸﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ

اور اس بستی میں نو شخص تھے جو سرزمین میں فساد کیا کرتے تھے اور (ذرا) اصلاح نہ کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپس میں سب (اس پر) اللہ کی قسم کھاؤ

لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا

کہ ہم شب کے وقت صالحؑ اور ان کے متعلقین کو جا ماریں گے پھر اُن کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم اُن کے متعلقین اور خود اُن کے مارے جانے میں موجود (بھی) نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔

وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ

اور (یہ مشورہ کر کے) انہوں نے ایک خفیہ تدبیر کی اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور اُن کو خبر بھی نہ ہوئی۔ سو دیکھئے اُن کی شرارت کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے اُن کو اور (پھر) اُن کی قوم کو سب کو (آسمانی عذاب سے) غارت کر دیا۔

بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۵۲﴾ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۳﴾

سو یہ ان کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں اُن کے کفر کے سبب سے بلاشبہ اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے دانش مندوں کیلئے۔ اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کو نجات دی۔

وَكَانَ اور تھے	فِي الْمَدِينَةِ شہر میں	تِسْعَةُ نو	رَهْطٍ شخص	يُفْسِدُونَ وہ فساد کرتے تھے	فِي الْأَرْضِ زمین (ملک) میں	وَ اور		
لَا يُصْلِحُونَ اصلاح نہیں کرتے تھے	قَالُوا وہ کہنے لگے	تَقَاسَمُوا تم باہم قسم کھاؤ	بِاللَّهِ اللہ کی	لَنُبَيِّتَنَّهُ البتہ ہم ضرور شب خون ماریں گے اس پر				
وَأَهْلَهُ اور اس کے گھر والے	ثُمَّ لَنَقُولَنَّ پھر ضرور ہم کہدیں گے	لِوَلِيِّهِ اسکے وارثوں سے	مَا شَهِدْنَا ہم موجود نہ تھے	مَهْلِكَ ہلاکت کے وقت				
أَهْلِهِ اسکے گھر والے	وَإِنَّا اور بیشک ہم	لَصَادِقُونَ البتہ سچے ہیں	وَمَكَرُوا اور انہوں نے مکر کیا	مَكْرًا ایک تدبیر	وَمَكَرْنَا اور ہم نے خفیہ تدبیر کی			
مَكْرًا ایک تدبیر	وَهُمْ اور وہ	لَا يَشْعُرُونَ نہ جانتے تھے	فَانْظُرْ پس دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	مَكْرِهِمْ ان کا مکر	أَنَّا کہ ہم
دَمَّرْنَاهُمْ ہم نے تباہ کردیا انہیں	وَقَوْمَهُمْ اور ان کی قوم	أَجْمَعِينَ سب کو	فَتِلْكَ اب یہ	بُيُوتُهُمْ ان کے گھر	خَاوِيَةً گرے پڑے	بِمَا ظَلَمُوا ان کے ظلم کے سبب		
إِنَّ بیشک	فِي ذَٰلِكَ اس میں	لَآيَةً البتہ نشانی	لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں	وَأَنْجَيْنَا اور ہم نے نجات دی	الَّذِينَ وہ لوگ جو			
آمَنُوا وہ ایمان لائے	وَكَانُوا يَتَّقُونَ اور وہ پرہیزگاری کرتے تھے							

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ ثمود بجائے اس کے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی پندونصائح کا کچھ اچھا اثر لیتے الٹا آپ کی جان کے دشمن بن گئے اور سازش کرنے لگے کہ کس طرح آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ثمود کی ۹ جماعتیں تھیں اور ہر جماعت کا ایک سردار تھا۔ تو ان ۹ سرداروں نے جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور خرابی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا باہم صلاح ومشورہ کیا کہ صالح کی طرف سے روزانہ ہماری جانیں ضیق میں ہیں اس لئے ایک دن فیصلہ ہی کر لو۔ چنانچہ آپس میں معاہدہ اور حلف ہوئے کہ سب مل کر رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر ٹوٹ پڑو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ پھر جب کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرنے والا کھڑا ہو تو کہہ دینا کہ ہمیں خبر نہیں اس کے گھر کی تباہی ہماری آنکھوں نے دیکھی ہی نہیں۔ مطلب یہ کہ ہم خود ایسی حرکت کیا کرتے اس وقت ہم موجود بھی نہ تھے۔ اس طرح کی متفقہ سازش اور دروغ گوئی سے ہم میں سے ایک بھی ملزم نہ ٹھہر سکے گا جس سے ان کے حمایتی خون کا حق وصول کر سکیں۔

بعینہ اسی نوعیت کی سازش کفار مکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سوچتے رہتے تھے اور بالآخر یہی سازش انہوں نے

ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاذ اللہ قتل کرنے کے لئے کی یعنی سب قبیلوں کے لوگ مل کر آپ پر حملہ کریں تا کہ بنی ہاشم کسی ایک قبیلہ کو ملزم نہ ٹھہرا سکیں اور سب قبیلوں سے بیک وقت لڑنا ان کے لئے ممکن نہ ہو۔ الغرض ثمود کے ان نو سرداروں نے اول اتفاق کر کے اونٹنی کو ہلاک کیا جس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تین روز اپنے گھروں میں اور مزے اڑا لو چوتھے روز ایسا عذاب آئے گا کہ تم سب کو ہلاک کر کے نیست و نابود کر دے گا۔ اس پر ان سرداروں نے آپس میں ٹھہرایا کہ صالح تین دن بعد ہماری ہلاکت کا اعلان کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کا کام تین دن سے پہلے ہی تمام کر دو۔ چنانچہ آپس میں طے کیا کہ رات کے وقت حملہ کر کے حضرت صالح علیہ السلام کو مع اہل وعیال قتل کر دیا جائے۔ یہ نو سردار اس ناپاک مقصد کے لئے تیار ہوئے باقی کفار ان کے تابع یا معین تھے۔ جس پہاڑ سے اونٹنی بطور معجزہ پیدا ہوئی اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی مسجد تھی جہاں آپ عبادت کرتے اور نماز پڑھتے تھے تو انہوں نے مشورہ کیا کہ جب صالح نماز کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کر دو اور پھر وہاں سے لوٹ کر اس کے گھر والوں کو ختم کر دو اس مشورہ اور ارادہ سے جب وہ پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آرہی ہے اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے۔ چٹان آ کر غار کے منہ پر اس طرح رک گئی کہ غار کا منہ بالکل بند ہو گیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان سرداروں نے ایک خاص خفیہ تدبیر کی تھی مگر اس کے مقابلہ میں اللہ نے بھی ایک خاص خفیہ تدبیر کی کہ ان کو پتہ بھی نہ چلا اور پھر دیکھ لو ان کی شرارتوں کا کیا انجام ہوا۔ خود بھی تباہ ہوئے اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ تباہ کیا چنانچہ تین دن بعد ہولناک زلزلہ اور کڑک سے ساری آبادی تباہ ہو گئی اور ان کا ایسا ستیاناس ہوا کہ کوئی نام لیوا باقی نہ رہا۔ مکہ والے تبوک کے راستہ سے شام کا سفر کرتے تو وادی القریٰ سے گزرنا ہوتا جہاں ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اس وقت تک موجود تھے۔ آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ جو وادی القریٰ میں گزرتے ہوئے کھنڈرات دیکھتے ہو یہ انہیں مکانات کے کھنڈرات ہیں جن میں قوم ثمود کے لوگ رہتے تھے۔ ان کی بستیاں اب کیسی اُجڑی پڑی ہیں اور یہ ان کے کفر و ظلم کی سزا انہیں ملی۔ خدا ظالم نہیں کہ خواہ مخواہ کسی قسم یا بستی کو برباد کر ڈالے درحقیقت یہ تباہی کا باعث قوم کی بدکرداریاں اور بے جا کرتوت ہوتے ہیں اس قوم ثمود کی تباہی میں سوچنے اور سمجھنے والوں کے لئے عبرت ہے کہ اپنے پیغمبر کا کہنا نہ ماننا اور الٹا اس کا دشمن بن جانا اور کفر و ظلم پر جمے رہنا اور اللہ سے بغاوت و سرکشی برتنا دنیا ہی میں کیا تباہی لاتا ہے۔ آخرت میں تو جو بھگتنا ہو گا وہ الگ رہا۔ پھر اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ خدا کی قدرت دیکھو کہ جہاں قوم ثمود کے ایک ایک کافر کو ہلاک کیا گیا وہیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ان ساتھیوں کو جو آپ پر ایمان لے آئے تھے اور کفر و شرک اور ظلم و ستم سے بچ کر چلتے تھے ان سب کو بچا لیا۔

حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کی قوم ثمود کا قصہ یہاں ختم فرما دیا گیا اس واقعہ میں جہاں کفار مکہ اور مشرکین عرب کے لئے عبرت کا سامان تھا وہیں اہل ایمان کو بھی سبق حاصل کرنا چاہئے کہ اللہ اور رسول کی نافرمانی کرنے والوں کا انجام سوا تباہی کے کچھ نہیں۔ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ اہل باطل اہل حق کو مغلوب و ختم کرنے کی کیسی ہی خفیہ تدبیریں کریں مگر اللہ کی غیبی تدبیر اہل حق کی حفاظت اور اہل باطل کی بربادی میں لگی رہتی ہے۔ جس کو کہ کور بصیرت اور عقل کے اندھے نہیں دیکھتے۔

اب آگے چوتھا قصہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھیجا تھا جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو حالانکہ سمجھدار ہو کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو

مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا

عورتوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم (محض) جہالت کررہے ہو۔سو (اس تقریر کا) اُن کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ لوطؑ کے لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو

اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا

یہ لوگ بڑے پاک وصاف بنتے ہیں۔سو ہم نے لوطؑ کو اور ان کے متعلقین کو بچالیا بجز اُن کی بیوی کے اُس کو ہم نے اُن ہی لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا

مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى

جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے اُن پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا سو ان لوگوں کا کیا بُرا مینہ تھا جو ڈرائے گئے تھے آپ کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے سزاوار ہیں

عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور اُس کے اُن بندوں پر سلام (نازل) ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا ہے، کیا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو شریک ٹھیراتے ہیں۔

وَلُوْطًا اور لوطؑ	اِذْ قَالَ جب اس نے کہا	لِقَوْمِهٖٓ اپنی قوم سے	اَتَاْتُوْنَ کیا تم آگئے (اتر آئے) ہو	الْفَاحِشَةَ بے حیائی	وَاَنْتُمْ اور تم			
تُبْصِرُوْنَ دیکھتے ہو	اِنَّكُمْ کیا تم	لَتَاْتُوْنَ آئے ہو	الرِّجَالَ مردوں کے پاس	شَهْوَةً شہوت رانی کیلئے	مِّنْ عورتوں کے سوا	دُوْنِ النِّسَآءِ عورتوں کو چھوڑ کر		
بَلْ بلکہ	اَنْتُمْ تم	قَوْمٌ لوگ	تَجْهَلُوْنَ جہالت کرتے ہو	فَمَا پس نہ	كَانَ تھا	جَوَابَ جواب	قَوْمِهٖٓ اس کی قوم	اِلَّآ اَنْ مگر۔صرف یہ کہ
قَالُوْٓا انہوں نے کہا	اَخْرِجُوْٓا نکال دو	اٰلَ لُوْطٍ لوطؑ کے ساتھی	مِّنْ سے	قَرْيَتِكُمْ اپنا شہر	اِنَّهُمْ بیشک وہ	اُنَاسٌ لوگ	يَّتَطَهَّرُوْنَ پاکیزگی پسند کرتے ہیں	
فَاَنْجَيْنٰهُ سو ہم نے اسے بچالیا	وَاَهْلَهٗٓ اور اسکے گھر والے	اِلَّا سوائے	امْرَاَتَهٗ اس کی بیوی	قَدَّرْنٰهَا ہم نے اسے ٹھہرادیا تھا	مِنَ سے			
الْغٰبِرِيْنَ پیچھے رہ جانے والے	وَاَمْطَرْنَا اور ہم نے برسائی	عَلَيْهِمْ ان پر	مَّطَرًا ایک بارش	فَسَآءَ سو کیا ہی بُرا	مَطَرُ بارش	الْمُنْذَرِيْنَ ڈرائے گئے		
قُلِ فرمادیں	الْحَمْدُ لِلّٰهِ تمام تعریفیں اللہ کیلئے	وَسَلٰمٌ اور سلام	عَلٰى عِبَادِهِ اس کے بندوں پر	الَّذِيْنَ وہ جنہیں	اصْطَفٰى چُن لیا	آٰللّٰهُ کیا اللہ		
خَيْرٌ بہتر	اَمَّا یا جو	يُشْرِكُوْنَ وہ شریک ٹھہراتے ہیں؟						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کی قوم ثمود کا ذکر فرما کر منکرین ومکذبین کے لئے عبرت حاصل کرنے کا سامان مہیا فرمایا گیا تھا اب ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔

انسان میں جب عقل کی روشنی افسردہ ہوجاتی ہے۔ نور فطرت جب بجھ جاتا ہے۔ دل پر جب سیاہی چھا جاتی ہے۔ روح پر جب زنگ چڑھ جاتا ہے۔ اور جب اچھائی برائی میں امتیاز پیدا کرنے والی قوت مردہ ہوجاتی ہے۔ تو اس وقت خواہشات کا عام تسلط ہوجاتا ہے اور نفس طاغوتی کا ڈیرا قائم ہوجاتا ہے۔ آدمی کی آنکھوں پر عیش پرستی کے پردہ پڑ جاتے ہیں۔ عیش وعشرت کے نشہ سے دماغ سرشار ہوجاتا ہے۔ جائز و ناجائز اور حق و باطل کا فرق معدوم ہوجاتا ہے۔ پھر اس انتہائی

عیاشی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محل اور بے محل کا امتیاز بھی جاتا رہتا ہے۔ آدمی آدمی نہیں رہتا بلکہ آدمی نما جانور بن جاتا ہے۔ ایسے وقت میں حصول لذت کے ہر طریقہ کو اور عیش پرستی کے ہر ذریعہ کو وہ اپنے لئے حلال بنالیتا ہے اور خواہش نفس کو پورا کرنے کے ہر راستہ میں نہایت بیباکی سے نکل پڑتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی ناصح۔ بیدار مغز۔ روشن دماغ رہنما اس کو شفقت کے ساتھ اس کی خواہشات سے روکنا اور مطلق العنانی سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس ہوس زدہ انسان کے غصہ کا پارہ چڑھ جاتا ہے۔ مشفق و ناصح کی بات کو سننے کی بجائے اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ جو خدا پرست انسان اس اندھے کو غار میں گرنے سے روکتا ہے تو یہ اپنی جہالت کی لاٹھی اس کے مارنے کے درپے ہوتا ہے۔ بالآخر مشفق ناصح کی مخالفت اور اہل حق کی عداوت کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ایسے سرکش انسان تباہی و ہلاکت کے گڑھے میں گر کر فنا ہو جاتے ہیں اور اللہ کے قوت قہاری اور جباری کی ایک حرکت ان کے نام و نشان کو مٹا دیتی ہے۔ قوم لوط کی بھی یہی حالت تھی عیش پرستی کا بھوت ان کے سر پر سوار تھا۔ ہوا و ہوس سے دماغ سرشار تھا۔ شہوت کا پردہ آنکھوں پر پڑ گیا تھا اور زنا کاری کی بھی حدود سے بڑھا کر لواطت کو مرکز شہوت بنالیا تھا۔ ایک نہیں دو نہیں پوری قوم کی قوم اس خلاف فطرت حرکت میں مشغول ہوگئی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جو ان کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ان کو نصیحت کی۔ قانون فطرت کو سمجھایا۔ عذاب خداوندی سے ڈرایا مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ الٹے لوط علیہ السلام کے دشمن بن گئے اور پیغمبر برحق کو ان کے خاندان سمیت جلاوطن کرنے کے درپے ہوگئے انجام بالآخر جو اس ظالم اور اندھی قوم کا ہوا اس کا اظہار بحیرۂ مردار سے اب بھی ہو رہا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ لوط علیہ السلام کو ایک نابکار اور بدکردار قوم کے سمجھانے کے لئے بھیجا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی بدکرداری کی برائی کھول کر سمجھائی کہ تم دیدہ و دانستہ جان بوجھ کر ایسی بدکرداری اور بدافعالی میں کیوں پھنسے ہوئے ہو کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی پر دوڑتے ہو اور پھر اس بے حیائی سے ذرا نہیں شرماتے کیا تم سمجھتے نہیں کہ اس بے حیائی کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ کیوں تم جان بوجھ کر دیوانہ بن رہے ہو اور جاہلوں کے سے کام کرتے ہو۔ کیوں تم نے اپنی قوت عقلیہ کو مردہ بنالیا ہے کہ بہائم کی طرح شہوت رانی کے درپے ہو اور محل بے محل کا فرق بھی نہیں کرتے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی ان معقول باتوں اور ایسی درست نصیحتوں کا جواب تو وہ کیا دیتے بس جاہلانہ دھمکیوں پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ لوط اور اس کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو ورنہ یہ اسی طرح ناک میں دم کرتا رہے گا۔ یہ اپنے کو بڑا پاک صاف بنانا چاہتے ہیں تو پھر ہم ناپاکوں میں ان کا کیا کام۔ دیکھا آپ نے یہ جواب تھا ان انسان صورت اور درندہ سیرت لوگوں کا خدا کے پیغمبر کی دعوت و نصیحت کا۔ غرض کہ جب ان بدکیش کافروں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اہانت و ایذا اور تکذیب اور تمسخر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تو پھر قانون قدرت اور مکافات عمل کا وقت آ پہنچا اور وہی ہوا جو اس سے پہلے نافرمان قوموں کا انجام ہو چکا تھا۔ وہ تمام جنہوں نے لوط علیہ السلام کی نصیحت ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اپنی بدافعالی کو بدستور جاری رکھنے کا فیصلہ کر چکے تھے ان کی ساری بستی الٹ دی گئی اور اوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ ساری آبادی زمین کے اندر دھنس گئی اور وہاں ایک غلیظ پانی کی جھیل بن گئی جو اب بھی بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ نے بچا کر دوسری جگہ بھیج دیا مگر لوط علیہ السلام کی بیوی اپنے قوم کے ساتھ تباہ ہوئی۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے یہ قصے بیان فرما کر اور اللہ کے

پیغمبروں کی تکذیب و مخالفت کا نتیجہ ظاہر فرما کر اب خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے کہ آپ اللہ کی حمد وثنا کریں اور شکر بجالائیں کہ جس نے اپنے پاکباز بندوں کوتو بچالیا اور سرکشوں اور نافرمانوں کو ہلاک و برباد کیا۔ اوران تمام برگزیدہ اور مقبول بندوں پر جن کا ذکر پہلے ہوا سلام بھیجیں کہ جنہوں نے خدا کی راہ میں مخالفوں اور اعدائے دین کے کیسے کیسے جورو جفا اور ظلم وستم اٹھائے۔ اس کے بعد مسلسل اب توحید کا مضمون شروع ہوتا ہے کہ ان جملہ واقعات میں غور کر کے منکرین ومشرکین خود فیصلہ کریں کہ کیا ایک وہ خدا بہتر ہے جو کہ نفع ونقصان پر پوری قدرت رکھتا ہے یا وہ چیزیں جن کو یہ خدا کا شریک بناتے ہیں جو کہ اپنے پرستاروں کی کچھ بھی حمایت نہیں کر سکتے۔ اس کا جواب ہر سمجھدار یہی دے گا کہ خدا بہتر ہے تو پھر خدا کی پرستش کیوں نہ کی جائے اور شرکاء کی کیوں پرستش کی جائے۔

اب آگے اسی مضمون توحید کی تفصیل ہے جس سے کہ بیسواں پارہ امن خلق شروع ہوتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آخری آیت کو تلاوت فرماتے یعنی قل الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ء اللہ خیر امایشرکون تو فوراً اس کے جواب میں آپ فرماتے بل اللہ خیر وابقی واجل واکرم۔ (نہیں بلکہ اللہ ہی بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا بزرگ وبرتر ہے) اللہ عزوجل اور بزرگ برتر کا لاکھ لاکھ شکرواحسان ہے کہ آج اس کے کلام پاک کے ۱۹ویں پارہ کا بیان پورا ہوگیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بقیہ کے تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اب آئندہ انشاءاللہ ۲۰ویں پارہ کی ابتدا سے بیان شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ نفس کی شرارت اور شیطان کی خباثت سے ہماری حفاظت فرمائیں اور ظاہر میں اور باطن میں ہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرمائیں۔ نافرمان قوموں کی خصلت و عادات سے اللہ تعالیٰ ہمیں بچائیں اور اپنے متقی اور دین دار نیک صالح بندوں میں ہم کو شامل فرمائیں۔

اے اللہ آپ نے ہم کو جو ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرمائی ہے اس پر ہم آپ کا بے انتہا شکرواحسان اور حمد وثنا بیان کرتے ہیں اور اس پاک رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر جن کے واسطہ اور ذریعہ سے ہم کو یہ دولت ایمان واسلام ملی لاکھ لاکھ صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔ اے اللہ اے ذوالجلال والاکرام آپ ہی سب سے بزرگ برتر اور بہتر ہیں اور آپ ہی ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اے اللہ! ہماری حمد وثنا کو قبول فرما اور ہم کو اپنے حمد خواں بندوں میں شامل ہونا نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ

اَمَّنْ خَلَقَ

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ

(یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات (بہتر ہے) جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور اُس نے آسمانوں سے تمہارے لئے پانی برسایا پھر اس (پانی) کے ذریعہ سے ہم نے رونق دار باغ

بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ

اُگائے تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغوں) کے درختوں کو اُگا سکو کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ (دوسروں کو) خدا کے برابر ٹھیراتے ہیں۔

جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ

(یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرار گاہ بنایا اور اُس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس (زمین) کے ٹھیرانے کیلئے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان

حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

ایک حد بنائی، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، بلکہ اُن میں زیادہ تو سمجھتے بھی نہیں۔

اَمَّنْ بھلا کون؟	خَلَقَ پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَاَنْزَلَ اور اُتارا	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنَ سے	السَّمَآءِ آسمان	
مَآءً پانی	فَاَنْۢبَتْنَا پس اگائے ہم نے	بِهٖ اس سے	حَدَآئِقَ باغ	ذَاتَ بَهْجَةٍ بارونق	مَا كَانَ نہ تھا	لَكُمْ تمہارے لئے	اَنْ تُنْۢبِتُوْا کہ تم اگاؤ	
شَجَرَهَا ان کے درخت	ءَاِلٰهٌ کیا کوئی معبود	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	بَلْ بلکہ	هُمْ یہ	قَوْمٌ لوگ	يَعْدِلُوْنَ کج روی کرتے ہیں		
اَمَّنْ بھلا کون۔کس	جَعَلَ بنایا	الْاَرْضَ زمین	قَرَارًا قرار گاہ	وَجَعَلَ اور (جاری) کیا	خِلٰلَهَآ اس کے درمیان	اَنْهٰرًا ندی نالے		
وَجَعَلَ اور (پیدا) کئے	لَهَا اس کیلئے	رَوَاسِيَ پہاڑ	وَجَعَلَ اور بنایا	بَيْنَ درمیان	الْبَحْرَيْنِ دو دریا	حَاجِزًا آڑ (حدِ فاصل)	ءَاِلٰهٌ کیا کوئی معبود	
مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ بَلْ بلکہ اَكْثَرُهُمْ ان کے اکثر لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے								

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بصورت سوال کہا گیا تھا کہ اللہ بہتر ہے یا وہ ہستیاں جن کو خدا کا شریک سمجھا جاتا ہے؟ یعنی اللہ جو قادر و توانا ہے اور نفع ونقصان کا مالک ہے اس کو استحقاق الوہیت اور معبودیت حاصل ہے۔ یا بے کس اور بے بس فرضی معبودوں کو جو نفع کے مالک ہیں نہ نقصان کے۔ جواب اس کا ظاہر ہے اور مسلم ہے کہ اللہ ہی بہتر ہے پس مستحق عبادت بھی وہی ہوگا۔ یہ تو تھا اجمالی بیان توحید کا اب آگے اسی کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں اور حق تعالیٰ اپنی ربوبیت تامہ۔ خلاقیت عامہ اور رحمت کاملہ کو بیان کر کے وحدت الوہیت کا اثبات فرماتے ہیں۔ اللہ عزوجل کی قدرت کی نشانیاں بیان کر کے پوچھا جارہا ہے کہ کیا اور بھی ایسا کر سکتا ہے؟ اللہ عزوجل نے آسمان بنائے۔ کتنے بڑے آسمان کہ جن کے احوال و اسرار خواص و اغراض بلندی و وسعت اور عجائب وغرائب کو مفصل جاننے سے کل عالم کی عقل عاجز ہے۔ اللہ نے زمین بنائی۔ کیسی زمین کہ جس کے اندر کس قدر عجائب اور حیرت انگیز خزائن موجود ہیں۔ کیسی قوتیں اور مخفی فوائد چھپے ہوئے ہیں کہ جس قدر جاننے کی کوشش کی جاتی ہے اتنا ہی اسرار قدرت کے انکشافات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے پھر بادلوں سے مینہ برسا کر طرح طرح کے میوہ دار خوشنما باغ اور سرسبز شاداب چمن پیدا کئے تو اس طرح درختوں اور سبزہ کا اگانا اللہ کے قدرت کے سوا اور کس کے بس کا ہے۔ انسان غور کر کے دیکھے

کہ ایک درخت کے اگنے اور پھلنے پھولنے میں کیا کسی چیز پر بھی اسے قدرت حاصل ہے؟ کیا زمین میں بیج کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھنا انسان کا کام ہے؟ پھر مٹی میں اگانے کی قوت رکھنا کیا انسان کے بس کی بات ہے؟ کیا وقت مناسب پر بارش لانا اس انسان کا کام ہے؟ پھر بارش کے قطروں میں یہ اثر رکھ دینا کہ وہ نباتات اگائیں کیا انسان کے دخل و تصرف کی چیز ہے؟۔ درختوں۔ پودوں اور سبزیوں کو سورج کی گرمی ایک خاص درجہ میں پہنچانا کیا انسان کے اختیار کی چیز ہے؟ غرض کہ ایک درخت کے اگنے۔ پھلنے پھولنے میں بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا کام نہیں تو جب اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو خلق و تدبیر کر سکے یا کسی چیز کا مستقل اختیار رکھے تو اس کی الوہیت اور معبودیت میں وہ کس طرح شریک ہو جائے گی۔ عبادت اور بندگی و پرستش تو اسی کی ہونی چاہئے جو انتہائی درجہ میں کامل اور با اختیار ہو۔ کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کر دینا انتہائی ظلم و ہٹ دھرمی ہے۔ آگے قدرت کی دوسری نشانی اور توحید کی مزید دلیل دی جاتی ہے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ زمین کو جانداروں کے ٹھہرنے کے قابل کس نے بنایا؟ یہ زمین جس پر کہ انسان اور حیوان آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں اس میں گرمی سردی خشکی تری کو اس تناسب سے کہ جاندار زندہ رہ سکیں کس نے رکھا؟ جگہ جگہ پانی پہنچانے کے لئے ندی نالہ کس نے بہائے؟ پھر مٹی کی زمین کو مضبوط کرنے کے لئے اس پر پہاڑ کس نے قائم کئے؟ پھر کھاری اور میٹھے دریا مل کر بہنے پر بھی ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتے اور دونوں کے پانی اپنا اپنا مزہ برقرار رکھتے ہیں یا کھاری سمندر میں میٹھا دریا گرتا ہے تو دریا کا پانی دور تک اپنا میٹھا پن قائم رکھتا ہے جبکہ سمندر کے اردگرد کا پانی کھاری ہوتا ہے تو بتاؤ تو سہی کہ اور کوئی ایسے عجائبات پیدا کر سکتا ہے؟ کوئی اور ہستی ہے کہ جس سے یہ کام بن پڑیں اور وہ اس بنا پر معبود بننے کے لائق ہو؟۔ جب نہیں تو یہ مشرکین محض جہالت اور ناسمجھی سے شرک اور مخلوق پرستی کے گڑھے میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ ان کی سمجھ کا قصور نہیں تو اور کیا ہے؟

ابھی اسی طرز بیان سے آگے مزید دلائل توحید ذکر فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو توحید حقیقی اور اپنے ذات پاک کی معرفت کاملہ نصیب فرمائیں۔ اور ہر طرح کے چھوٹے بڑے شرک سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔ آسمان اور زمین اور کائنات کی تمام چیزیں ہمارے لئے معرفت الٰہیہ کا ذریعہ بنیں اور ہم سارے کمالات اور سارے انعامات واحسانات کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر دل و جان سے احکام الٰہیہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے ہوں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ
(یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اُس کو پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے
مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾
کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو

اَمَّنْ بھلا کون	يُجِيْبُ قبول کرتا ہے	الْمُضْطَرَّ بیقرار	اِذَا جب	دَعَاهُ وہ اسے پکارتا ہے	وَيَكْشِفُ اور دُور کرتا ہے	السُّوْٓءَ برائی
وَيَجْعَلُكُمْ اور تمہیں بناتا ہے	خُلَفَآءَ نائب	الْاَرْضِ زمین	ءَاِلٰهٌ کیا کوئی معبود	مَّعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	قَلِيْلًا تھوڑے	مَّا جو
			تَذَكَّرُوْنَ نصیحت پکڑتے ہیں			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات سے توحید کا مضمون بیان ہو رہا ہے کہ جب آسمان۔ زمین اور تمام کائنات کا پیدا کرنے والا۔ پانی برسانے والا اور نباتات اگانے والا۔ وہ ایک واحد اور یکتا خدا ہی ہے تو دوسرا کوئی کیسے اس کی وحدانیت اور الوہیت اور معبودیت میں شریک ہوسکتا ہے اس سلسلہ میں توحید کے مزید دلائل اس آیت میں بیان فرمائے جاتے ہیں۔ مشرکین عرب اگرچہ اللہ کی ذات کو مانتے تھے لیکن پرستش بتوں کی بھی کرتے تھے۔ انہوں نے دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے یہ غلط اور باطل گمان پیدا کرلیا تھا کہ جس طرح دنیوی بادشاہوں کے وزیر اور خزانچی وغیرہ معین و مددگار ہوتے ہیں اور سلطنت کا سب کام وہی چلاتے ہیں اسی طرح ہمارے دیوی دیوتا ہیں۔ کوئی بارش کا دیوتا ہے۔ کوئی رزق کا دیوتا ہے۔ کوئی ہوا کا دیوتا ہے۔ کوئی بیماری دور کرنے کا دیوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ مشرکین عرب بھی جب کسی سخت مصیبت میں پھنستے جیسے کشتی کے طوفان وغیرہ میں پھنس جاتا تو اس وقت مضطر اور بے قرار ہو کر مدد کے لئے اللہ ہی کو پکارتے اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے۔ یہاں آیت میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ سخت مصیبت اور پریشانی کے وقت تو تم بھی مضطر ہو کر اسی کو پکارتے ہو اور معبودوں کو بھول جاتے ہو۔ پھر فطرت اور ضمیر کی اس شہادت کو امن اور اطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے؟ جب تم کو کوئی چارہ کار نہیں رہتا تب اللہ ہی کو پکارتے ہو اور وہی بے بس اور بے کس کی پکار کو سنتا ہے اور چاہتا ہے تو مصیبت دور کر دیتا ہے۔ تو جب سختی اور مصیبت کے وقت پکارے جانے کے قابل اسی کی ذات ہے تو پھر عبادت اور بندگی میں کسی اور کو شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟۔

اس آیت امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوٓء (کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے) اس کی تفسیر کے سلسلہ میں مفسر علامہ ابن کثیرؒ نے ایک عجیب واقعہ حافظ ابن عساکرؒ کی کتاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں ایک خچر پر لوگوں کو دمشق سے زیدانی لے جایا کرتا تھا اور اسی کرایہ پر میری گزر بسر تھی۔ ایک مرتبہ مجھ سے ایک شخص نے خچر کرایہ پر لیا۔ میں نے اسے سوار کرایا اور لے چلا ایک جگہ جہاں دو راستے تھے پہنچے تو اس نے کہا کہ اس راہ چلو میں نے کہا کہ میں اس راہ سے واقف نہیں ہوں۔ سیدھی راہ یہی ہے۔ اس نے کہا نہیں میں پوری طرح واقف ہوں اور یہ بہت نزدیک کا راستہ ہے میں اس کے کہنے

اور اصرار سے اسی راہ پر چل دیا۔تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک لق ودق بیابان میں ہم آ گئے ہیں۔ جہاں آگے کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔نہایت خطرناک جنگل اور بن ہے اور ہر طرف لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔میں یہ دیکھ کر سہم گیا۔وہ مجھ سے کہنے لگا کہ ذرا لگام تھام لو۔ مجھے یہاں اترنا ہے میں نے لگام تھام لی وہ اترا اور اپنا تہمد اونچا کر کے کپڑے ٹھیک کر کے چھری نکال کر مجھ پر حملہ کیا۔ میں وہاں سے سرپٹ بھاگا۔لیکن اس نے میرا تعاقب کیا اور مجھے پکڑ لیا۔میں اسے قسمیں دینے لگا مگر اس نے کچھ خیال نہ کیا۔میں نے کہا کہ اچھا یہ خچر اور کل سامان جو میرے پاس ہے تو لے لے اور مجھے چھوڑ دے اس نے کہا کہ یہ تو میرا ہو ہی چکا لیکن میں تو تجھے زندہ چھوڑنا چاہتا ہی نہیں۔ میں نے اسے خدا کا خوف دلایا۔ آخرت کے عذاب کا ذکر کیا لیکن اس چیز نے بھی اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ میرے قتل پر تلا رہا اب میں مایوس ہو گیا اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس سے یہ منت التجا کی کہ آپ مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دیجئے۔اس نے کہا اچھا جلدی پڑھ لے۔ میں نے نماز شروع کی لیکن خدا کی قسم میری زبان سے قرآن کا ایک حرف نہیں نکلتا تھا یونہی ہاتھ باندھے دہشت زدہ کھڑا ہوا تھا اور وہ جلدی مچا رہا تھا اسی وقت یہ آیت اتفاق سے میری زبان پر آ گئی امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء یعنی خدا ہی ہے جو بے قرار کی بیقراری کے وقت کی دعا کو سنتا ہے اور سختی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔بس اس آیت کا زبان سے جاری ہونا تھا جو میں نے دیکھا کہ بیچوں بیچ جنگل میں سے ایک گھوڑے سوار تیزی سے اپنا گھوڑا بھگائے نیزہ تانے ہماری طرف چلا آ رہا ہے اور بغیر کچھ کہے سنے اس ڈاکو کے پیٹ میں اس نے اپنا نیزہ اتار دیا جو اس کے جگر کے آر پار ہو گیا اور وہ اسی وقت بے جان ہو کر گر پڑا۔سوار نے باگ موڑی اور جانا چاہا لیکن میں نے اس کے پیروں کو پکڑ لیا اور بڑی الحاح وزاری سے کہنے لگا خدا کے لئے یہ تو بتلاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں اس کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبوروں اور بے بسوں اور بے کسوں کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور مصیبت و آفت کو ٹال دیتا ہے۔میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور وہاں سے اپنا خچر اور مال لے کر صحیح وسالم واپس لوٹا۔آیت میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ وہی تمہیں زمین کا جانشین بناتا ہے۔ایک کے پیچھے ایک آ رہا ہے اور مسلسل سلسلہ چلا جا رہا ہے اور اس طرح ایک کے بعد دوسرے کو زمین میں تصرف کے اختیارات عطا کرتا ہے پس یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ ایک شخص کے بعد دوسرا۔ایک قوم کے بعد دوسری قوم ورنہ اگر وہ چاہتا تو سب کو ایک ساتھ پیدا کر دیتا لیکن اب اس نے یہ کر رکھا ہے کہ ایک مرے ایک پیدا ہو تو یہ موجودہ طرز بھی خدا کی حکمت پر دلیل ہے۔سب کی پیدائش کا۔موت کا۔آنے کا۔جانے کا وقت مقرر ہے۔ایک ایک اس کے علم میں ہے تو حق تعالیٰ اپنی اس قدرت کو بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ ہے کوئی جوان کاموں کو کر سکتا ہو اور جب نہیں کر سکتا تو وہ عبادت کے لائق بھی نہیں ہو سکتا۔بات یہ ہے کہ مشرکین عقل سے پوری طرح کام نہیں لیتے ورنہ غور کریں تو صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں۔لیکن وہ غور و فکر ہی نہیں کرتے۔

باقی مضطر کی دعا جو اخلاص کی بنا پر ہوتی ہے یعنی دنیا کے سب سہاروں سے مایوس اور تمام علائق سے منقطع ہو کر صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز اور فریاد رس سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہونا اور اس سے دعا کرنا تو ایسے مضطر کی دعا حق تعالیٰ رد نہیں فرماتے خواہ وہ کسی بندہ کی طرف سے ہو۔وہ مومن ہو یا کافر۔متقی و پرہیزگار ہو یا فاسق فاجر۔ بندہ کے اضطرار اور اخلاص کی وجہ سے رحمت حق متوجہ ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی حکمت و مصلحت ربانی

سے اس کا ظہور دیر میں ہو۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو کبھی رد نہیں کروں گا اگرچہ وہ کسی کافر کے منہ سے ہو (قرطبی بحوالہ معارف القرآن جلد ششم) ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ایک مظلوم کی دعاء دوسرے مسافر کی دعا۔ تیسرے باپ جو اپنی اولاد کے لئے بددعا کرے۔ امام قرطبیؒ نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا کہ ان تینوں دعاؤں میں بھی وہی صورت ہے جو دعاء مضطر میں ہوتی ہے کہ جب کوئی مظلوم دنیا کے سہاروں اور مددگاروں سے مایوس ہو کر دفع ظلم کے لئے اللہ کو پکارتا ہے وہ بھی مضطر ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح مسافر حالت سفر میں اپنے عزیز و اقربا اور ہمدردوں اور غمگساروں سے الگ بے سہارا ہوتا ہے۔ اسی طرح باپ اولاد کے لئے اپنی فطرت اور پدری شفقت کی بنا پر کبھی بددعا نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اس کا دل بالکل ٹوٹ جائے اور اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے لئے اللہ کو پکارے (معارف القرآن جلد ۶) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اخلاص کے ساتھ ہر معاملہ میں اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لی جائے کہ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ بندہ کے حسب مرضی فریاد قبول ہی کر لیتے ہیں اور ہمیشہ مصیبت کو بندہ کی حسب منشا دور ہی فرما لیتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کبھی بھی فریاد سنی جاتی اور دعا قبول ہوتی ہے تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے کسی اور کی طرف سے نہیں ہوتی۔

ابھی اگلی آیات میں بھی یہی مضمون توحید جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر حال میں ہم کو اپنی ہی ذات پاک کی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ حق تعالیٰ ہی کی فریاد رسی اور دادرسی پر ہمارا اعتماد ہو اور ہر مصیبت میں خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی ہم اسی سے فریاد کرنے والے ہوں۔ اور وہی ہماری فریاد کو سن کر ہماری فریاد رسی کرنے والا ہو۔

حق تعالیٰ ہم کو توحید کی حقیقت نصیب فرمائیں اور ہمارے دلوں میں یہ یقین کامل عطا فرمائیں کہ ہماری ہر چھوٹی بڑی مصیبت کو دور کرنے والی صرف اللہ پاک کی ذات عالی ہے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ

(یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو تم کو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ سجھاتی ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتی ہے جو خوش کر دیتی ہیں

رَحْمَتِهِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ

کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود ہے (ہرگز نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہے۔ (یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو

وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ

دوبارہ زندہ کرے گا اور جو کہ آسمان (سے پانی برسا کر) اور زمین سے (نباتات نکال) تم کو رزق دیتا ہے، کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود ہے، آپ کہیئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٤﴾

اگر تم سچے ہو۔

أَمَّنْ بھلا کون	يَهْدِيكُمْ تمہیں راہ دکھاتا ہے	فِي ظُلُمَاتِ اندھیروں میں	الْبَرِّ خشکی	وَالْبَحْرِ اور سمندر	وَ اور	مَنْ کون	يُرْسِلُ چلاتا ہے
الرِّيَاحَ ہوائیں	بُشْرًا خوشخبری دینے والی	بَيْنَ يَدَيْ پہلے	رَحْمَتِهِ اس کی رحمت	أَإِلَٰهٌ کیا کوئی معبود	مَعَ اللَّهِ اللہ کے ساتھ	تَعَالَى اللَّهُ برتر ہے اللہ	
عَمَّا اس سے جو	يُشْرِكُونَ وہ شریک ٹھہراتے ہیں	أَمَّنْ بھلا کون	يَبْدَأُ پہلی بار پیدا کرتا ہے	الْخَلْقَ مخلوق	ثُمَّ يُعِيدُهُ پھر وہ اسے دوبارہ (زندہ) کریگا		
وَمَنْ اور کون	يَرْزُقُكُمْ تمہیں رزق دیتا ہے	مِنَ السَّمَاءِ آسمان سے	وَالْأَرْضِ اور زمین	أَإِلَٰهٌ کیا کوئی معبود	مَعَ اللَّهِ اللہ کے ساتھ		
	قُلْ فرمادیں	هَاتُوا لے آؤ تم	بُرْهَانَكُمْ اپنی دلیل	إِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صَادِقِينَ سچے	

تفسیر وتشریح:۔ توحید کے اثبات کے سلسلہ میں گذشتہ سے مضمون اس طرح بیان ہوتا چلا آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عجائبات قدرت مشرکین کو یاد دلاتے جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ بتلاؤ اللہ کے سوا یہ کس کے کام ہیں؟ اس طرح اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق اور وحدہ لاشریک لہ ہونے پر گذشتہ آیات میں چند دلائل بیان فرمائے گئے مثلاً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا پھر اوپر سے پانی برسا کر سبزہ۔ درخت اور پودوں کا اگانا۔ زمین کو جانداروں کے رہنے کے لائق بنانا۔ اس میں دریا ندی نالے بہانا اور پہاڑوں کا اس پر قائم کرنا۔ پھر انسان کی بے بسی اور بے کسی کے وقت اس کی فریاد کو سننا اور فریاد رسی کرنا۔ اسی طرح گذشتہ میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی چند نشانیاں بیان ہوئیں۔ جو توحید باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہیں۔ اب آگے اسی سلسلہ میں ان آیات میں مزید قدرت کی چند نشانیاں بیان فرمائی جاتی ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اوپر ستارے بنا کر انہیں چمکایا اور ان کے لئے جگہ اور مقام مقرر کئے اسی نظام کی بدولت تم خشکی اور سمندر میں راستہ ڈھونڈ لیتے ہو۔ رات کی تاریکی میں جبکہ آدمی جنگل بیابان میں ہو یا دریا یا سمندر میں کشتی یا جہاز میں ہو تو مشرق مغرب شمال جنوب کا تعین ستاروں کے ذریعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ تدبیروں میں سے ایک ہے کہ اس نے بحری اور بری سفروں میں انسانوں کی رہنمائی کے لئے وہ ذرائع پیدا کر دیئے جن سے وہ اپنی سمت سفر اور منزل مقصود کی طرف اپنی راہ متعین کرتا ہے۔ دن کے وقت زمین کی مختلف علامتیں اور آفتاب کے طلوع غروب کی سمتیں اس کی مدد کرتی ہیں اور رات کی اندھیری میں ستارے اس

کی رہنمائی کرتے ہیں پھر ایک اور انتظام انسانوں کے لئے زمین پر قدرت نے یہ کیا کہ ضرورت کے وقت باران رحمت کا بندوبست کر دیا۔ بارش برسنے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں جو بارش کی آمد کی بشارت دیتی ہیں اور لوگ ان ہواؤں کے چلنے سے خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش آئے گی۔ خشکی و گرمی دفع ہوگی۔ کیا یہ انتظام سوائے ایک واحد ذوالجلال کے کوئی اور کر سکتا ہے۔ یقیناً خدا کے سوا ان کاموں کا کرنے والا کوئی اور نہیں تو پھر اس کے سوا کسی اور کو معبود ماننے کے کیا معنی۔ اللہ ہر اس چیز سے جسے تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو بلند و برتر ہے۔ کہاں وہ قادر مطلق اور حکیم برحق اور کہاں عاجز و ناقص مخلوق جسے اس کی خدائی کا شریک بتلایا جا رہا ہے۔ اب آگے ایک دلیل اللہ کی وحدانیت اور قدرت کی اور دی جا رہی ہے اور مشرکوں سے پوچھا جاتا ہے کہ بتاؤ یہ مخلوق کس نے پیدا کی؟ یہ حقیقت ہے کہ اس سوال کا کوئی معقول جواب آج تک کسی مشرک یا دہریئے سے بن نہ آیا۔ کسی نے کہا کہ یہ کائنات آپ ہی آپ بن گئی۔ کسی نے کہا بے جان مادے کا ٹھیک تناسب کے ساتھ اتفاقاً جمع ہو جانا زندگی کا آپ ہی آپ وجود میں آ جانے کا سبب بنا۔ قرآن کریم نے انسان کو بتایا کہ اللہ عزوجل نے اپنی قدرت کاملہ سے مادہ کو ظاہر کیا اور پھر اس سے تمام مخلوقات بنائی۔ ایک سیدھے سادے بدوی عرب کا مقولہ مشہور ہے کہ جب مینگنیاں دیکھ کر اونٹ کو ماننا پڑتا ہے تو زمین و آسمان کو دیکھ کر اس کا بھی خواہ مخواہ کوئی بنانے والا ماننا پڑے گا۔ پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جس نے پہلے بنایا مرنے کے بعد بھی دوبارہ وہی بنائے گا۔ پھر یہی نہیں کہ مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے صرف پیدا کیا بلکہ آسمان اور زمین سے اس کی پرورش اور قیام کا سامان بھی مہیا کیا۔ چنانچہ جیسے وہ خالق ہے ایسے ہی وہ رب اور رازق بھی ہے۔ پھر رزق دینے کا معاملہ بھی اتنا سادہ نہیں جتنا سرسری طور پر کوئی شخص خیال کرتا ہے۔ اس زمین پر لاکھوں قسمیں حیوانات کی اور لاکھوں ہی نباتات کی پائی جاتی ہیں۔ پھر ہر قسم میں لاکھوں کروڑوں اور اربوں کی تعداد موجود ہیں اور ہر ایک کی غذائی ضروریات الگ الگ ہیں۔ خالق نے اپنی شان رزاقی سے ہر ایک کی غذا کا سامان اس طرح فراہم فرمایا ہے کہ کوئی نوع اس دنیا میں غذا پانے سے محروم نہیں۔ پھر اس رزق کے انتظام میں زمین و آسمان کی اتنی مختلف قوتیں مل جل کر کام کرتی ہیں جن کا شمار مشکل ہے۔ گرمی روشنی، ہوا پانی اور زمین کے مختلف قسم کے مادوں کے درمیان اگر ٹھیک تناسب کے ساتھ تعاون نہ ہو تو غذا کا ایک ذرہ بھی وجود میں نہیں آ سکتا۔ تو کون احمق یہ گمان کر سکتا ہے کہ یہ حکیمانہ انتظام ایک زبردست حکیم علیم اور خبیر کے ارادے اور مشیت اور حکم کے بغیر یونہی اتفاقاً ہو سکتا ہے اور یا خدا کے انتظام میں کسی اور کا بھی کوئی دخل ہو سکتا ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ایسے صاف نشانات اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور شرک کی قباحت کو تسلیم نہیں کرتے تو جو کوئی دلیل تم اپنے دعوے باطل کے ثبوت میں رکھتے ہو پیش کرو۔ ابھی تمہارا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ مگر وہاں دلیل و برہان کہاں وہاں تو بس محض اندھی تقلید ہے اور حق سے عناد۔

اب یہاں تک تو توحید کے متعلق مضمون تھا اور اللہ تعالیٰ کے اِلٰہ واحد یعنی اکیلے خدا اور اکیلے مستحق عبادت ہونے پر استدلال کیا گیا تھا۔ اب آگے قیامت و آخرت کے متعلق ذکر فرمایا جاتا ہے جس کی کفار تکذیب کرتے تھے اور اسکی ایک وجہ یہ قرار دیتے تھے کہ قیامت کا وقت پوچھنے پر بھی نہیں بتلایا جاتا۔ اگلی آیات میں اس کے متعلق ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾

آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے، اور ان کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جاویں گے

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم نیست ہوگیا بلکہ یہ لوگ اس سے شک میں ہیں بلکہ یہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔

قُلْ فرمادیں	لَا يَعْلَمُ نہیں جانتا	مَنْ جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	الْغَيْبَ غیب	اِلَّا اللّٰهُ سوائے اللہ کے
وَمَا يَشْعُرُوْنَ اور وہ نہیں جانتے	اَيَّانَ کب	يُبْعَثُوْنَ وہ اٹھائے جائیں گے	بَلِ ادّٰرَكَ بلکہ تھک کر رہ گیا	عِلْمُهُمْ ان کا علم		
فِي الْاٰخِرَةِ آخرت (کے بارے) میں	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	فِيْ شَكٍّ شک میں	مِّنْهَا اس سے	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	مِّنْهَا اس سے	عَمُوْنَ اندھے

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں شروع پارہ سے حق تعالیٰ کی قدرت تامہ۔ رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان ہوا تھا کہ جب وہ ان صفات وکمالات میں واحد ویکتا ہے تو الوہیت اور معبودیت میں بھی واحد ویکتا ہونا چاہئے۔ اب ان آیات میں حق تعالیٰ کی الوہیت پر ایک دوسری حیثیت سے استدلال کیا جارہا ہے یعنی معبود ہونے کی مستحق وہی ذات ہوسکتی ہے جو قدرت کاملہ کے ساتھ علم کامل اور محیط بھی رکھتا ہے اور یہ وہ صفت ہے جو زمین وآسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں اسی ایک ذات واحد کے ساتھ مخصوص ہے پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کے لائق اسی کی ذات ہوئی۔ اس طرح اس آیت میں گویا مضمون سابق کی تکمیل فرمائی گئی۔ لیکن بعض مفسرین نے ان آیات کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ جس قیامت کے دن سے تم ہمیں ڈراتے ہو اور اس میں سخت عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو تو ہمیں یہ تو بتاؤ کہ وہ قیامت کا دن کب آئے گا؟ حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال کا کہ قیامت کب آئے گی یہ جواب دیں کہ یہ تو غیب کی بات ہے اور غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس کے سوا زمین وآسمان میں یعنی فرشتے جن انسان وغیرہ کوئی بھی غیب دان نہیں اس لئے مجھے معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی۔

اور کب دوبارہ سب زندہ کرکے کھڑے کئے جائیں گے۔ لیکن قیامت کا وقت نہ بتلانے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ قیامت آوے ہی گی نہیں جیسا کہ یہ مشرکین اور کفار خیال کرتے ہیں۔ آگے عام مشرکین وکفار کے بارہ میں تین باتیں ارشاد ہوئیں۔ اول یہ کہ وہ سرے سے یہی نہیں جانتے کہ آخرت کبھی ہوگی بھی یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کی بے خبری اس بنا پر نہیں ہے کہ انہیں اس کی اطلاع ہی نہیں دی گئی بلکہ اس بنا پر ہے کہ جو خبر انہیں دی گئی ہے اس پر انہوں نے یقین نہیں کیا بلکہ اس کی صحت میں شک کرنے لگے۔ تیسرے یہ کہ انہوں نے کبھی غور وخوض کرکے ان دلائل کو سوچنے اور جانچنے کی زحمت نہیں اٹھائی جو آخرت کے وقوع کے بارہ میں پیش کئے گئے بلکہ اس کی طرف سے اندھے بن کر رہنے ہی کو ترجیح دی۔

یہاں اس آیت میں یہ جملہ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔ یہ آیت منجملہ اور بہت سی آیات قرآنیہ کے اس پر نص صریح ہے کہ کلی علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے اور اس میں کوئی فرشتہ یا نبی یا ولی یا جن اس کا شریک نہیں اسی بنا پر یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں

36 میں سے جس پر چاہے اور جس قدر چاہے اپنی معلومات کا کوئی گوشہ کھول دے اور کسی جزئیہ کا علم جسے چاہے عطا فرمادے اور کسی غیب یا بعض غیوب کو اس پر روشن کردے لیکن علم غیب بحیثیت مجموعی اور کلی کسی اور کو نصیب نہیں۔ اس لئے عالم الغیب ہونے کی صفت صرف اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہے۔ ایسی متعدد قرآنی تصریحات کے علاوہ احادیث بھی اس کی تائید و تشریح میں موجود ہیں۔ صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا گیا ہے آپ فرماتی ہیں ''جس نے یہ دعویٰ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کل کیا ہونے والا ہے اس نے اللہ پر سخت جھوٹ کا الزام لگایا کیونکہ اللہ تو فرماتا ہے **قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ** یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ غیب کا علم اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کو بھی نہیں ہے بخاری اور مسلم کی مشہور روایت ہے جس میں ذکر ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کے مجمع میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے انسانی شکل میں آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوالات کئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قیامت کب آئے گی جس کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس سے پوچھا جارہا ہے وہ خود پوچھنے والے سے زیادہ اس بارے میں کوئی علم نہیں رکھتا پھر فرمایا یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور پھر آپ نے سورۂ لقمان کی آخری آیت تلاوت فرمائی **ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم مافی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت۔ ان اللہ علیم خبیر** یعنی اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش نازل کرنے والا ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا پرورش پارہا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا۔ اور کسی شخص کو خبر نہیں کہ کس سرزمین میں اس کو موت آئے گی۔ بلاشبہ اللہ ہی علیم وخبیر ہے۔

غیب جس کے لفظی معنی مخفی۔ پوشیدہ اور مستور کے ہیں اور اصطلاحاً اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو معلوم نہ ہو اور جس تک ذرائع معلومات کی رسائی نہ ہو۔ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو فرداً فرداً بعض انسانوں کے علم میں ہیں اور بعض کے علم میں نہیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بحیثیت مجموعی پوری نوع انسانی کے علم میں نہ کبھی تھیں۔ نہ آج ہیں۔ نہ آئندہ کبھی آئیں گی۔ ایسا ہی معاملہ جنات۔ فرشتوں اور دوسری مخلوقات کا ہے کہ بعض چیزیں ان میں سے کسی سے مخفی اور کسی کو بھی معلوم نہیں۔ لیکن تمام اقسام کے غیب صرف ایک ذات پر روشن ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہے۔

الغرض قرآن اور حدیث کی صاف اور واضح تصریحات کے بعد اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب سمجھا جائے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی دوسرا بھی جمیع ما کان ما یکون کا علم رکھتا ہے اسلامی اور قرآنی عقیدہ کے بالکل خلاف ہے۔

الغرض یہاں بتلایا گیا کہ قیامت کا وقت علم غیب میں سے ہے جس کی اطلاع اور علم صرف حق تعالیٰ کو ہے۔ اب کفار جو اس سے یہ استدلال کرتے کہ قیامت وآخرت کوئی چیز ہی نہیں تو اس کا جواب آگے دیا گیا کہ انبیاء ومرسلین کا کہنا حق ہے اور ان کی تکذیب اور ان کی باتوں کو نہ ماننا موجب تباہی ہے جیسا کہ گذشتہ منکرین کے ساتھ ہوچکا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! آخرت وقیامت کی طرف سے یہ غفلت کے پردہ جو اب دلوں پر پڑ گئے ہیں آپ ہی ان کو دور فرمادیں۔ اور ہمیں عقل سلیم اور فکر صحیح نصیب فرمادیں تاکہ ہم آخرت کی طرف سے بیدار ہوجائیں اور شب وروز وہاں کی تیاری میں لگ جائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ

اور یہ کافریوں کہتے ہیں کہ کیا ہم لوگ جب (مر کر) خاک ہو گئے اور (اسی طرح) ہمارے بڑے بھی تو کیا (پھر) ہم (زندہ کر کے قبروں سے) نکالے جاویں گے اس کا تو ہم سے

وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

اور ہمارے بڑوں سے پہلے سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا۔ اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہوں۔ اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب وقہر کا) کب پورا ہوگا

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ

اگر تم سچے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو اُس میں سے کچھ تمہارے پاس ہی آلگا ہو۔

بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

اور (اب تک جو دیر ہو رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ) آپ کا رب لوگوں پر (اپنا) بڑا فضل رکھتا ہے، ولیکن ہے اکثر آدمی

لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾

شکر نہیں کرتے۔ اور آپ کے رب کو سب خبر ہے جو کچھ اُن کے دلوں میں مخفی ہے اور جس کو وہ علانیہ کرتے ہیں۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾

اور آسمان اور زمین میں ایسی کوئی مخفی چیز نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔

وَقَالَ اور کہا	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	ءَاِذَا کیا جب	كُنَّا ہم ہو جائیں گے	تُرٰبًا مٹی	وَاٰبَآؤُنَا اور ہمارے باپ دادا	اَئِنَّا کیا ہم		
لَمُخْرَجُوْنَ نکالے جائیں گے البتہ	لَقَدْ وُعِدْنَا تحقیق وعدہ کیا گیا ہم سے	هٰذَا یہ۔یہی	نَحْنُ ہم	وَاٰبَآؤُنَا اور ہمارے باپ دادا				
مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	اِنْ نہیں	هٰذَا یہ	اِلَّا مگر۔صرف	اَسَاطِيْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِيْنَ اگلے	قُلْ فرما دیں	سِيْرُوْا چلو پھرو تم	
فِي الْاَرْضِ زمین میں	فَانْظُرُوْا پھر دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الْمُجْرِمِيْنَ مجرم	وَ اور	لَا تَحْزَنْ تم غم نہ کھاؤ	عَلَيْهِمْ ان پر
وَلَا تَكُنْ اور آپ نہ ہوں	فِيْ ضَيْقٍ تنگی میں	مِمَّا اس سے جو	يَمْكُرُوْنَ وہ مکر کرتے ہیں	وَيَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے ہیں	مَتٰى کب	هٰذَا یہ		
الْوَعْدُ وعدہ	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	قُلْ فرما دیں	عَسٰى شاید	اَنْ کہ	يَّكُوْنَ ہو گیا ہو	رَدِفَ قریب
لَكُمْ تمہارے لئے								
بَعْضُ کچھ	الَّذِيْ وہ جو۔وہ جس	تَسْتَعْجِلُوْنَ تم جلدی کرتے ہو	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	لَذُوْ فَضْلٍ البتہ فضل والا			
عَلَى النَّاسِ لوگوں پر	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَهُمْ ان کے اکثر	لَا يَشْكُرُوْنَ شکر نہیں کرتے	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب			

لَيَعْلَمُ خوب جانتا ہے	مَا تُكِنُّ جو چھپی ہوئی ہے	صُدُوْرُهُمْ ان کے دل	وَمَا اور جو	يُعْلِنُوْنَ وہ ظاہر کرتے ہیں
وَمَا اور نہیں	مِنْ کچھ	غَآئِبَةٍ غائب	فِي السَّمَآءِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین
اِلَّا مگر	فِيْ میں	كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کتاب روشن		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ مخلوق میں سے کسی کو قیامت کے وقوع اور تعین کا علم نہیں کہ کب آئے گی۔ اس کی خبر فقط اللہ عزوجل کو ہے۔ تو کفار اور مشرکین قیامت کا وقت نہ بتلانے سے یہ استدلال کرتے کہ قیامت وآخرت کوئی چیز ہی نہیں چنانچہ ان آیات میں پہلے کفار کا قول نقل کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار بطور تعجب اور انکار کے کہتے ہیں کہ ہم کیسے مان لیں کہ جب مرنے کے بعد خاک میں مل گئے اور مٹی ہوگئے تو ہم اور ہمارے باپ دادا جن کو مٹی میں ملے ہوئے مدت گزری۔ پھر مٹی سے نکل کر دوبارہ زندہ کیسے ہوجائیں گے یہ نری باتیں ہی ہیں اور پرانی داستان ہے۔ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی اسی طرح سنتے چلے گئے۔ ہزار ہا برس گزر گئے ہم نے تو کسی انسان کو مٹی سے دوبارہ پیدا ہوتے نہ سنا نہ دیکھا۔ بس جو پہلے کہہ گئے تھے ان ہی کی نقل آج یہ پیغمبر بھی اتار رہے ہیں۔ کفار کے اس باطل قول کے جواب میں حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرماتے ہیں کہ آپ ان کفار سے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ دنیا میں چل پھر کر مجرموں کے انجام بد کو دیکھو یعنی دنیا میں اللہ اور اس کے پیغمبروں کا کہنا نہ ماننے والوں کا وہی انجام بد ہوا اور ویسے ہی تباہ ہوئے جیسا کہ پیغمبروں نے انہیں ڈرایا تھا اس سے صاف ثابت ہوا کہ انبیاء ومرسلین کا کہنا حق تھا اور ان کی تکذیب وانکار موجب تباہی ہوا۔ اسی پر قیاس کرلو کہ مر کر دوبارہ زندہ ہونے اور عذاب آخرت کی جو خبر انبیاء دیتے چلے آئے ہیں یقیناً سچ ہیں اور پوری ہوکر رہیں گی۔ یہ کارخانہ دنیا یوں ہی بے سرا تو نہیں کہ اس پر کوئی حاکم نہ ہو اور وہ اپنی رعایا کو یونہی مہمل چھوڑ دے اگر تمہاری یہی تکذیب رہی تو مکذبین کا جو انجام دنیا میں ہوا تمہارا بھی وہی ہوسکتا ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ اگر یہ کفار اس پر بھی نہ مانیں اور اپنی حماقت اور جہل وعناد پر اصرار کرکے عذاب الٰہی کے مستحق بننا ہی چاہتے ہیں تو آپ نے تو سمجھانے کا حق ادا کردیا اب ان کو اس تکذیب کے انجام پر مطلع کرکے الگ ہوجایئے۔ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ بہت زیادہ غم اور تاسف نہ کریں اور نہ ان کے مکروفریب اور حق کے خلاف تدبیریں کرنے سے تنگدل ہوں۔ یہ جو کچھ چالیں چل رہے ہیں ان پر آپ کو کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی پشت پر خدا کی حمایت اور طاقت ہے۔ یہ آپ کی بات نہ مانیں گے تو اپنا ہی کچھ بگاڑیں گے آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ضدی مجرموں سے خود نبٹ لے گا اور جس طرح پہلے مجرموں کو سزائیں دی گئی ہیں ان کو بھی دے گا۔ چنانچہ ۱۳ برس تک قرآن پاک کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو سمجھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے وقت تک ان میں سے صرف ایک سو کے اندر ہی اندر ایمان لائے باقی اہل مکہ آپ کی ایذا رسانی ہی کی تدبیروں میں لگے رہتے تھے۔ موسم حج میں باہر کے لوگوں کو آپ تبلیغ فرماتے تو یہ اہل مکہ ان کو بہکاتے۔ غرض کہ ہجرت تک کفار مکہ کا یہی حال رہا اور اہل اسلام کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اور کسر انہوں نے اٹھا نہ رکھی۔ عین ہجرت کے وقت بھی کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کا مشورہ کیا۔ بعضوں نے کہا کہ آپ کو قید کرنا چاہئے۔ بعضوں نے کہا کہ جان سے ہلاک کرنا چاہئے بعضوں نے کہا کہ مکہ سے نکال دینا چاہئے۔ چنانچہ ابوجہل کے اس منصوبہ پر سب کا اتفاق ٹھہرا کہ مکہ میں جتنے قبیلہ اور جتھے ہیں ان سب میں کا ایک ایک آدمی تلوار لے کر مستعد ہو اور یکدم سب مل کر آپ پر حملہ کردیں اور یہ تجویز اس لئے ٹھہرائی تھی کہ پھر سارے مکہ کے قبیلوں سے آپ کے ساتھیوں کو بدلہ لینے کا قابو بھی نہ رہے۔ کفار کے اس مشورہ

اور سازش کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کا حکم دیا اور عزت وحرمت سے اپنے رسول کو مدینہ پہنچا دیا اور اللہ کی قدرت اور تدبیر کے آگے کفار کا کوئی داؤ وفریب آپ پر نہ چل سکا لیکن ان لوگوں کی ایذ ارسانی اور راہ راست پر نہ آنے کا حال دیکھ کر جب تک آپ مکہ میں رہے آپ کو ہمیشہ ایک طرح کا غم اور رنج رہتا اور وہ بھی اس درجہ کا رنج وغم کہ حق تعالیٰ کی طرف سے متعدد بار مکی سورتوں میں آپ کی تسلی فرمائی گئی چنانچہ ان آیات میں بھی آپ کی تسلی فرمائی گئی کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار کے ایمان نہ لانے پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگدل نہ ہو جایئے۔

الغرض کفار مکہ کا ایک قول تو یہ تھا کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے تو پھر ہم کس طرح دوبارہ زندہ ہو کر مٹی سے نکالے جاویں گے۔ اس طرح موت کے بعد کی زندگی اور آخرت کا وہ انکار کرتے تھے جب کہ تمام پیغمبر یہی بتلاتے اور کہتے رہے کہ قیامت آنی ضرور ہے جب کہ حشر نشر ہوگا اور جزا سزا ملے گی۔ آگے کفار کا ایک دوسرا قول نقل کر کے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں بھی کہتے کہ یہ وعدۂ عذاب آخرت جس کی تم دھمکیاں دیا کرتے ہو آخر کب پورا ہوگا؟ چونکہ کفار کو روز قیامت اور جزاوسزا کا تو یقین تھا نہیں اس لئے وہ بطور طنز یا بصورت استہزا بے باکانہ کہتے کہ یہ وعدۂ عذاب آخرت جس سے ڈرایا جاتا ہے کب پورا ہوگا۔ تم کہتے ہو کہ یہ عذاب قیامت میں ہوگا۔ تو ہزاروں برس ہو گئے قیامت تو اب تک آئی نہیں پھر کب آئے گی۔ گویا وہ فوری طور پر نزول عذاب کے خواستگار تھے۔ کفار کے اس قول کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ ان کفار سے جواب میں یوں کہہ دیجئے کہ گھبراؤ نہیں وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور کچھ بعید نہیں کہ وعدہ کا کچھ حصہ قریب ہی آ لگا ہو چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد جنگ بدر میں سزا کی ایک قسط پہنچ گئی۔ رہی قیامت کبریٰ سو اس کے بھی بعض آثار وعلامات ظاہر ہو گئے۔ پھر حق تعالیٰ اگر اپنے فضل سے عذاب میں تاخیر کرتا ہے تو چاہئے تو یہ تھا کہ اس مہلت کو غنیمت سمجھتے اور اس مہربانی کے شکر گزار ہو کر ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کرتے لیکن یہ کفار اس کے خلاف ناشکری کرتے اور اپنے منہ سے عذاب مانگتے ہیں۔ تاخیر عذاب چونکہ بمصلحت ہے اس لئے اس تاخیر سے یوں نہ سمجھیں کہ ان کے افعال کی کبھی سزا ہی نہ ہوگی۔ ان کے ظاہری اور پوشیدہ اعمال۔ دلوں کے بھید۔ نیتیں۔ ارادے اور زمین آسمان کے چھپے سے چھپے راز سب اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر اور اس کے دفتر میں درج ہیں۔ ہر بات اسی کے موافق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوگی۔ جلدی مچانے یا دیر لگانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جو چیز علم الٰہی میں طے شدہ جلد یا بدیر اپنے وقت پر آوے گی اور ہر ایک کو اس کے عمل۔ نیت اور عزم کے موافق پھل مل کر رہے گا۔

اب چونکہ قیامت وآخرت اور جزاوسزا کی خبر قرآن پاک نے دی ہے اس لئے آگے قرآن پاک کا مخبر صادق ہونا ظاہر ہونا فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت وآخرت۔ حشر ونشر۔ جزاوسزا کا ایسا یقین کامل نصیب فرمائیں کہ ہم اس دنیا میں ہمہ وقت آخرت کی تیاری میں مشغول رہیں۔ یا اللہ آپ نے جیسے کفار مکہ کے زور کو توڑا ایسے ہی کفار عالم کی قوت کو توڑ دے اور ایمان کی جیسے ابتدا میں مدد اور تائید فرمائی یا اللہ اب بھی اپنی قدرت سے اہل ایمان کی مدد فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ أَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾

بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں (کی حقیقت) کو ظاہر کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں

وَإِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ

اور بالیقین وہ ایمانداروں کے لئے (خاص) ہدایت اور (خاص) رحمت ہے۔ بالیقین آپ کا رب اُن کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ (قیامت کے دن) کرے گا اور وہ

الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى

زبردست اور علم والا ہے۔ سو آپ اللہ پر توکل رکھئے، یقیناً آپ صریح حق پر ہیں۔ آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے

وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ أَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۖ

اور نہ بہروں کو اپنی آواز سُنا سکتے ہیں جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ اور نہ آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے (بچا کر) راستہ دکھلانے والے ہیں،

إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا

آپ تو صرف اُنہی کو سنا سکتے ہیں، جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں پھر وہ مانتے (بھی) ہیں۔ اور جب وعدہ (قیامت کا) اُن پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم اُن کیلئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے

لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ أَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾

کہ وہ اُن سے باتیں کرے گا کہ (کافر) لوگ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی) آیتوں پر یقین نہ لاتے تھے۔

إِنَّ بیشک	هٰذَا یہ	الْقُرْاٰنَ قرآن	يَقُصُّ بیان کرتا ہے	عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل پر	أَكْثَرَ اکثر	الَّذِيْ وہ جو	هُمْ وہ
فِيْهِ اس میں	يَخْتَلِفُوْنَ اختلاف کرتے ہیں	وَإِنَّهٗ اور بیشک یہ	لَهُدًى البتہ ہدایت	وَرَحْمَةٌ اور رحمت	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والوں کیلئے		
إِنَّ بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	يَقْضِيْ فیصلہ کرتا ہے	بَيْنَهُمْ ان کے درمیان	بِحُكْمِهٖ اپنے حکم سے	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الْعَلِيْمُ علم والا
فَتَوَكَّلْ پس بھروسہ کرو	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	إِنَّكَ بیشک تم	عَلَى پر	الْحَقِّ الْمُبِيْنِ واضح حق	إِنَّكَ بیشک تم	لَا تُسْمِعُ تم نہیں سنا سکتے	الْمَوْتٰى مُردوں کو
وَلَا تُسْمِعُ اور تم نہیں سنا سکتے	الصُّمَّ بہروں کو	الدُّعَآءَ پکار	إِذَا وَلَّوْا جب وہ مڑ جائیں	مُدْبِرِيْنَ پیٹھ پھیر کر	وَ اور	مَآ أَنْتَ تم نہیں	
بِهٰدِي ہدایت دینے والے	الْعُمْيِ اندھوں کو	عَنْ سے	ضَلٰلَتِهِمْ ان کی گمراہی	إِنْ نہیں	تُسْمِعُ تم سناتے	إِلَّا مگر۔صرف	
مَنْ جو	يُّؤْمِنُ ایمان لاتا ہے	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں پر	فَهُمْ پس وہ	مُّسْلِمُوْنَ فرمانبردار	وَإِذَا اور جب	وَقَعَ الْقَوْلُ واقع (پورا) ہوجائیگا وعدہ	
عَلَيْهِمْ ان پر	أَخْرَجْنَا ہم نکالیں گے	لَهُمْ ان کیلئے	دَآبَّةً ایک جانور	مِّنَ الْأَرْضِ زمین سے	تُكَلِّمُهُمْ وہ ان سے باتیں کریگا		
أَنَّ النَّاسَ کیونکہ لوگ	كَانُوْا تھے	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیات پر	لَا يُوْقِنُوْنَ یقین نہ کرتے				

تفسیر وتشریح: ظہور اسلام کے وقت عرب میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جس کے پاس کوئی مذہبی اور علمی ذخیرہ نہ تھا۔ نہ ان کو کسی آسمانی یا الہامی کتاب کے حامل ہونے کا دعویٰ تھا۔ یہ گروہ عموماً بت پرست مشرکین کا تھا جن کے پاس نہ کوئی مذہبی کتاب

تھی نہ آسمانی اور الہامی ذخیرہ تھا۔ بس اسلاف کا رسم ورواج ہی ان کا دستور زندگی تھا۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اسی گروہ میں سے ہوئی۔ دوسرا گروہ علم کا مدعی اور مذہبی کتابوں کا حامل تھا۔ اس گروہ کو علوم کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔ یہی اہل کتاب کا گروہ کہلاتا تھا جس میں کچھ لوگ عیسائی تھے اور کچھ یہودی۔ لیکن کثرت انقلابات اور زمانہ کی درازی نے اہل کتاب میں بھی باہم اختلاف پیدا کردیئے تھے۔ ان کی مذہبی کتابیں بھی کچھ سے کچھ بن گئی تھیں۔ الہامی تصریحات اور آسمانی منصوصات میں ردوبدل ہوگیا تھا کتب الٰہیہ کے الفاظ اور معانی کو بگاڑ لیا گیا جس کی وجہ سے اصل مطلب فوت ہوگیا۔ ان کے علماء اور دینی پیشوا متفرق ہوگئے تھے اور ہر عالم نے اپنا ایک گروہ بنالیا تھا اور ہر گروہ اپنی ہی حقانیت کا دعویدار تھا۔ ایسی حالت میں قران پاک نازل ہوا اور عقائد۔ احکام اور قصص وروایات کے متعلق ان کے شدید اختلافات کا فیصلہ کن تصفیہ قرآن پاک نے سنایا۔ اہل کتاب نے اللہ کی ذات وصفات کے متعلق بہت غلط عقائد قائم کرلئے تھے جن کی اصلاح قرآن پاک نے کی۔ ملائکہ اور انبیاء کے متعلق زنا کاری بت پرستی شراب خواری اور قتل وغارت وغیرہ کی سینکڑوں تہمتیں اسرائیلی کتب میں مذکور ہیں۔ قرآن پاک نے انبیاء اور ملائکہ کو معصوم قرار دیا۔ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ کوئی یہودی جہنم میں نہیں جائے گا ہم اللہ کے پیارے ہیں ہم کو خدا عذاب نہ دے گا۔ کوئی جماعت قائل تھی کہ عذاب تو ہم پر ہوگا مگر صرف گنتی کے چند دن جتنی مدت کہ ہم نے گوسالہ کی پرستش کی تھی۔ قرآن کریم نے اس کا فیصلہ ایسے غیر مبہم الفاظ میں کردیا جس میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ قرآن کریم نے صاف طور پر کہہ دیا کہ جو مومن نیکوکار ہوگا وہ عذاب سے محفوظ ہوگا اور جو مشرک بدکار ہوگا جہنم میں جائے گا۔ باہم عیسائی فرقوں میں سخت اختلافات تھے کوئی مسیح کو خدا کا بیٹا اور حضرت مریم کو خدا کی بیوی کہتا تھا۔ کوئی مسیح کو خدائی کا جزو قرار دیتا تھا کوئی اقانیم ثلثہ یعنی باپ بیٹا اور روح القدس کی ربوبیت کا قائل تھا۔ قران پاک نے اس کا فیصلہ کردیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عبداللہ۔ کلمۃ اللہ قرار دیا اور خدا کو وحدہ لاشریک لہ بتایا۔ تو فی الحقیقت قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو خداوند قدوس کا آخری فیصلہ کن پیغام پہنچایا اور ایمان لانے والوں کی رہبری کی تاکہ لوگ اس دن کے لئے تیاری کررکھیں جبکہ ہر معاملہ کا عملی اور آخری فیصلہ ہوگا۔ قرآن کریم میں انسان کو برائی اور بھلائی سے پوری طرح آگاہ کردیا گیا ہے باقی قرآن تو آیا ہے سمجھانے اور آگاہ کرنے کو رہا تمام معاملات کا حکیمانہ اور حاکمانہ فیصلہ تو یہ خدائے قادر وتوانا کرے گا جس میں قوت بھی پوری ہے اور جس کا علم بھی بھرپور ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ کسی کے اختلاف اور تکذیب سے متاثر نہ ہوں۔ خدا پر بھروسہ کرکے اپنا کام کئے جائیں۔ جس صحیح اور صاف اور صریح حق راستہ پر آپ چل رہے ہیں اس میں کوئی کھٹکا نہیں۔ اس لئے آپ کو کاہے کا غم۔ یہ لوگ جو آپ کی بات نہیں سنتے اور مانتے تو یہ مردہ دل اور اندھے اور بہرے ہیں اور وہ اس حالت سے نکلنا بھی نہیں چاہتے تو پھر ان سے توقع ہدایت اور فہم کی بیکار ہے۔ یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جارہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو اس کے حق میں سودمند نہیں یہی حال ان مکذبین کا ہے جن کے قلوب مرچکے ہیں اور دل کے کان بہرے ہوگئے ہیں اور سننے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے۔ ایک نپٹ اندھے کو آپ کس طرح کوئی راستہ یا چیز دکھلا سکتے ہیں۔ یہ لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے بھی نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں تو آپ کے کہنے سننے سے وہ اثر کیسے قبول کریں۔ آپ کا نصیحت سنانا تو ان کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں اور اثر قبول کرنا یہی ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کرکے فرمانبردار بنیں۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ ابھی تو یہ منکرین قیامت کو نہیں مانتے لیکن جب وعدہ قیامت کا ان لوگوں پر پورا ہونے کو ہوگا یعنی جب وقوع قیامت کا زمانہ قریب

آ پہنچے گا تو اس وقت ایک جانور زمین سے نکلے گا اور وہ لوگوں سے باتیں کرے گا کہ منکرین قیامت خدا کی باتوں کا یقین نہ کرتے تھے اب قیامت قریب آ پہنچی ہے۔تو اس جانور جس کا نام دابۃ الارض ہوگا اس کے ذریعہ سے کفار کو یہ دکھلایا جائے گا کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے آج وہ ایک جانور کی زبانی سن کر ماننی پڑ رہی ہے مگر اس وقت کا ماننا مفید اور نافع نہیں۔ ماننے کا جو وقت تھا وہ گزر چکا ہوگا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جانور دابۃ الارض کا ظہور بالکل اخیر وقت میں سورج کے مغرب سے نکلنے کے بعد ہوگا۔حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قیامت نامہ میں تحریر کیا ہے کہ ماہ ذی الحجہ میں یوم نحر کے بعد رات اس قدر لمبی ہوجائے گی کہ مسافر تنگدل۔ بچے خواب سے بیدار اور مویشی چراگاہ کے لئے بے قرار ہوجائیں گے۔ یہاں تک کہ لوگ ہیبت اور بے چینی کی وجہ سے نالہ وزاری شروع کر کے توبہ توبہ پکاریں گے آخر تین چار رات کی مقدار کے برابر دراز ہونے کے بعد حالت اضطرابی میں آفتاب مانند چاند گرہن کے ایک قلیل روشنی کے ساتھ مغرب سے طلوع ہوگا۔اس وقت تمام لوگ خدائے قدوس کی وحدانیت کا اعتراف واقرار کرلیں گے مگر اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا اور کسی کافر کا ایمان قبول نہ ہوگا اس کے بعد سورج اپنی معمولی روشنی کے ساتھ مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا۔ دوسرے روز لوگ اسی تذکرہ و چرچا میں ہوں گے کہ کوہ صفا جو خانۂ کعبہ کے مشرقی جانب واقع ہے زلزلہ سے پھٹ جائے گا جس میں سے ایک نادر شکل کا جانور برآمد ہوگا۔ بلحاظ شکل یہ حسب ذیل سات جانوروں سے مشابہت رکھتا ہوگا۔

(١) چہرے میں آدمی سے۔ (٢) پاؤں میں اونٹ سے (٣) گردن میں گھوڑے سے (٤) دم میں بیل سے (۵) سرین میں ہرن سے () سینگوں میں بارہ سنگھے سے (٧) ہاتھوں میں بندر سے اور نہایت فصیح اللسان ہوگا۔ اس کے ایک ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور دوسرے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی اور تمام شہروں میں ایسی سرعت اور تیزی کے ساتھ دورا کرے گا کہ کوئی فرد وبشر اس کا پیچھا نہ کرسکے گا اور کوئی بھاگنے والا اس سے چھٹکارا نہ پاسکے گا۔ ہر شخص پر نشان لگاتا جائے گا۔ اگر وہ صاحب ایمان ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے اس کی پیشانی پر ایک نورانی خط کھینچ دے گا جس کی وجہ سے اس کا تمام چہرہ منور ہوجائے گا۔اگر صاحب ایمان نہ ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری سے اس کی ناک یا گردن پر سیاہ مہر لگائے گا جس کے سبب سے اس کا تمام چہرہ مکدر اور بے رونق ہوجائے گا یہاں تک کہ اگر ایک دسترخوان پر چند آدمی جمع ہوجائیں گے تو ہر ایک کے کفر وایمان میں بخوبی امتیاز ہوسکے گا اس جانور کا نام دابۃ الارض ہے جو اس کام سے فارغ ہوکر غائب ہوجائے گا۔آفتاب کے مغرب سے طلوع اور دابۃ الارض کے ظہور سے نفخ صور تک ١٢٠ سال کا عرصہ ہوگا۔ دابۃ الارض کے غائب ہوجانے کے بعد جنوب کی طرف سے ایک نہایت فرحت افزا ہوا چلے گی جس کے سبب سے ہر صاحب ایمان کی بغل میں ایک درد پیدا ہوگا جس کے باعث اہل ایمان بالترتیب پہلے افضل۔ پھر فاضل۔ پھر ناقص پھر فاسق مرنے شروع ہوجائیں گے۔ جب تمام اہل ایمان اس جہان سے کوچ کر جائیں گے اور صرف کافر اس دنیا میں رہ جائیں گے اور کوئی لفظ اللہ تک کہنے والا نہ رہے گا تو کافروں پر قیامت قائم کی جائے گی۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے قیامت کے حال مفصلاً قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرج کئے ہیں۔

الغرض وہ عجیب جانور دابۃ الارض جب ظاہر ہوگا تو بالاضطرار کفار ومنکرین قیامت بھی اس کی تصدیق کریں گے مگر چونکہ یہ مغرب سے سورج نکلنے کے بعد ہوگا اس لئے وہ تصدیق مقبول نہ ہوگی۔اس کے بعد پھر قیامت ہی آجاوے گی اور پھر آگے قیامت کے بعض واقعات واحوال۔ظاہر کئے جاتے ہیں جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى إِذَا جَآءُوْ

اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے ایک ایک گروہ اُن لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے پھر اُن کو روکا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب (موقف میں) حاضر ہو جائیں گے

قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ

تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماوے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم اُن کو اپنے احاطۂ علمی میں بھی نہیں لائے بلکہ اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے۔ اور اُن پر وعدہ (عذاب کا)

عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ

پورا ہو گیا بوجہ اس کے کہ (دنیا میں) انہوں نے زیادتیاں کی تھیں سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے۔ کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی تاکہ لوگ اس میں آرام کریں اور دن

مُبْصِرًا ۭ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

بنایا جس میں دیکھیں، بلاشبہ اس میں بڑی بڑی دلیلیں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

وَيَوْمَ اور جس دن	نَحْشُرُ ہم جمع کریں گے	مِنْ سے	كُلِّ أُمَّةٍ ہر امت	فَوْجًا ایک گروہ	مِّمَّنْ سے + جو	يُّكَذِّبُ جھٹلاتے تھے	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں
فَهُمْ پھر وہ	يُوْزَعُوْنَ انکی جماعت بندی کی جائے گی	حَتّٰى یہاںتک	إِذَا جَآءُوْ جب وہ آجائیں گے	قَالَ فرمائے گا	أَكَذَّبْتُمْ کیا تم نے جھٹلایا		
بِاٰيٰتِيْ میری آیات کو	وَلَمْ تُحِيْطُوْا حالانکہ احاطہ میں نہیں لائے تھے	بِهَا ان کو	عِلْمًا علم کے	أَمَّاذَا یا۔کیا	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے		
وَوَقَعَ اور واقع (پورا) ہو گیا	الْقَوْلُ وعدہ (عذاب)	عَلَيْهِمْ اُن پر	بِمَا ظَلَمُوْا اس لئے کہ انہوں نے ظلم کیا	فَهُمْ پس وہ	لَا يَنْطِقُوْنَ نہ بول سکیں گے وہ		
أَلَمْ يَرَوْا کیا وہ نہیں دیکھتے	أَنَّا کہ ہم	جَعَلْنَا ہم نے بنایا	الَّيْلَ رات	لِيَسْكُنُوْا کہ آرام حاصل کریں	فِيْهِ اس میں	وَالنَّهَارَ اور دن	
مُبْصِرًا دیکھنے کو	إِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں	لِّقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	يُّؤْمِنُوْنَ ایمان رکھتے ہیں		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ منکرین ابھی تو قیامت کے وقوع کا انکار کر رہے ہیں اور سینکڑوں دلیلیں سننے کے بعد بھی ایک بات ان کے دل میں نہیں بیٹھتی لیکن ایک وقت وہ آئے گا جبکہ قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ ایک غیبی نشان دابۃ الارض اسی زمین سے برآمد کرے گا جو جانور ہونے کے باوجود انسانوں کی طرح کلام کرے گا اور کفر و ایمان کا قطعی فیصلہ کر دے گا اس وقت نیک و بد اور مومن و کافر بالکل ممتاز ہو جائیں گے۔ دل کی بات پیشانی پر نمودار ہو جائے گی اور حق و باطل کے امتیاز کا یہ آخری درجہ ہوگا اس وقت یہ منکرین بھی نمایاں طور پر حق و باطل میں فرق دیکھیں گے لیکن اس وقت سمجھنا۔ دیکھنا اور سننا بے سود ہوگا اس کے بعد اس دنیا کی بساط الٹ جائے گی اور یہ فنا ہو جائے گی۔ غرض قیامت سے پہلے ایسی غیر معمولی باتیں ہوں گی جن سے کہ انبیاء کی بتلائی ہوئی باتوں میں شبہ نہ رہے گا اب آگے ان آیات میں قیامت کے بعض واقعات و حالات بیان فرمائے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن فنا ہو جانے کے بعد پھر سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور تمام امتوں میں سے ایسے لوگوں کا گروہ چھانٹ کر جمع کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور اس کے پیغمبروں کی تکذیب کیا کرتے تھے پھر ان کو حساب کے لئے روانہ کیا جائے گا اور چونکہ ایسے گروہوں کی کثرت ہوگی اس لئے اگلوں کو روکا جائے گا تاکہ پچھلے بھی سب آ کر مل جائیں۔ جب سب منکرین و مکذبین اکٹھے جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائیں گے کہ تم

نے میری آیتوں۔ رسولوں اور نشانیوں کو بے سمجھے بوجھے جھوٹا کہہ دیا۔ ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی گئیں لیکن تم نے اس کان سنا اس کان اڑا دیا کبھی سوچنے سمجھنے اور غور وفکر کرنے کا وقت ہی نہ ملا کہ ان میں کیا کہا جارہا ہے اور ان کا کیا مطلب ہے۔ بتاؤ تم اور کن کاموں میں پھنسے ہوئے تھے جو ہمارے ارشادات پر غور کرنے کا وقت ہی نہ نکال سکے اور پھر یاد تو کرو کہ صرف تکذیب ہی پر اکتفا نہیں کیا اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے مثلاً انبیاء اور اہل ایمان کو آزار دیا جو تکذیب سے بھی بڑھ کر ہے اور اسی طرح اور عقائد و اعمال کفریہ وفسقیہ میں مبتلا رہے۔ اب چونکہ ان کی شرارت اور جرائم کا یقینی ثبوت ہو چکا ہوگا اور خدا کی حجت تمام پوری ہو چکی ہوگی۔ اب ان منکرین سے کچھ بولتے نہ بن پڑے گی۔ آگے منکرین کے تنبیہ کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ کیسے کھلے کھلے نشان اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں دکھلائے پر انہوں نے ذرا بھی غور نہ کیا۔ اور کچھ نہ سہی اگر یہ ایک رات دن کے روزانہ ادل بدل پر غور کر لیتے تو اللہ کی توحید۔ پیغمبروں کی ضرورت وصداقت اور مر کر پھر دوبارہ زندہ ہونا سب کچھ سمجھ سکتے تھے۔ آخر وہ کون ہستی ہے جو ایسے مضبوط اور محکم انتظام کے ساتھ برابر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کو نمودار کرتا ہے اور جس نے ہماری ظاہری بصارت کے لئے شب کی تاریکی کے بعد دن کا اجالا کیا۔ کیا وہ ہماری باطنی بصیرت کے لئے جہالت اور ضلالت کی تاریکیوں میں معرفت و ہدایت کی روشنی نہ بھیجتا پھر رات کیا ہے؟ نیند اور سونے کا وقت ہے جسے ہم موت کا ایک نمونہ قرار دے سکتے ہیں رات کے بعد دن آیا پھر آنکھیں کھول کر ادھر ادھر چلنے پھرنے لگے اسی طرح اگر حق تعالیٰ ہم پر موت طاری کرے اور موت کے بعد مثل نیند سے جاگنے کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھا لے تو اس میں کیا ناممکنات ہے؟ پھر اس شب وروز کی تخلیق سے قیامت پر ہی استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اس دنیا کی کل زندگی درحقیقت ایک رات ہے۔ جس میں تمام اعمال کے نتائج پر پردہ پڑا ہوا ہے اور کسی کو اپنے کرتوت کی پاداش نہیں دکھائی دیتی اور اسی بنا پر ایک قسم کا سکون حاصل ہے لیکن جس طرح ہر رات کی انتہا صبح پر ہوتی ہے اسی طرح یہ زندگی کی رات بھی ختم ہوگی اور صبح قیامت نکلے گی اس وقت آنکھیں کھلیں گی۔ تمام مخلوق بیدار ہوگی اور سب کیا کرایا سامنے آئے گا تو فطرت پکار پکار کر جگا رہی ہے مگر انسان ہے کہ غافل اور خواب سرمستی میں غرق۔ الغرض یقین کرنے والوں کے لئے اسی ایک نشان میں تمام ضروری چیزوں کا حل موجود ہے اور صرف اسی ایک چیز کو دیکھ کر وہ جان سکتے تھے کہ اللہ نے اپنے رسول اور اپنی کتاب کے ذریعہ سے جو حقیقت بتائی ہے یہ رات دن کی گردش اس کی تصدیق کر رہی ہے اور یہ کوئی سمجھ میں نہ آسکنے والی بات بھی نہیں تھی۔ آخر انہی کے بھائی بندانہی کے قبیلہ کنبے اور برادری کے لوگ انہی جیسے انسان وہ بھی تھے جو یہی نشانیاں دیکھ کر مان گئے تھے کہ اللہ عزوجل کی ہستی برحق ہے۔ اس کے رسولوں کا دنیا میں آنا برحق ہے۔ اس کی کتابیں برحق ہیں۔ تو ایمان والے سمجھتے ہیں کہ اس دن رات کے تغیر میں اللہ کی قدرت کی پوری نشانیاں موجود ہیں مگر منکرین نے ان نشانیوں سے نہ فائدہ اٹھایا اور نہ اللہ کو پہچانا۔

اب ثبوت قیامت کے اس ضمنی تذکرہ کے بعد آغاز قیامت کی کیفیت ظاہر فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت وآخرت کا یقین کامل عطا فرمائیں اور ہمہ وقت وہاں کی تیاری کا فکر نصیب فرمائیں۔

یا اللہ آپ کی باتوں کو سن کر ان سے اثر نہ لینا جو کفار کی خصلت ہے اس سے یا اللہ ہم کو کامل طور پر بچائیے گا اور شب وروز اپنی اطاعت گزاری میں لگے رہنے کی توفیق نصیب فرمائیے گا۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ

اور جس دن صور میں پھونک ماری جاوے گی سو جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں سب گھبرا جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے

شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ

اور سب کے سب اُسی کے سامنے دبے جھکے حاضر رہیں گے۔ اور تو (جن) پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے اور ان کو خیال کر رہا ہے کہ یہ (اپنی جگہ سے) جنبش نہ کریں گے

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے اُڑے پھریں گے، یہ خدا کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) مضبوط بنا رکھا ہے یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب افعال کی پوری خبر ہے۔ جو شخص نیکی لائے گا

فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ

سو اس شخص کو اس (نیکی کے اجر) سے بہتر (اجر) ملے گا، اور وہ لوگ بڑی گھبراہٹ سے اُس روز امن میں رہیں گے۔ اور جو شخص بدی (یعنی کفر و شرک) لاوے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے

فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

(اُن سے کہا جاوے گا کہ) تم کو تو ان ہی عملوں کی سزا دی جارہی ہے جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

وَيَوْمَ اور جس دن	يُنْفَخُ پھونک ماری جائے گی	فِي الصُّوْرِ صور میں	فَفَزِعَ تو گھبرا جائیگا	مَنْ جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں		
وَمَنْ اور جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	اِلَّا سوا	مَنْ جسے	شَآءَ اللّٰهُ اللہ چاہے	وَكُلٌّ اور سب	اَتَوْهُ اس کے آگے آئیں گے	
دٰخِرِيْنَ عاجز ہوکر	وَتَرَى اور تو دیکھتا ہے	الْجِبَالَ پہاڑ	تَحْسَبُهَا تو خیال کرتا ہے انہیں	جَامِدَةً جما ہوا	وَهِيَ اور وہ	تَمُرُّ چلیں گے	
مَرَّ السَّحَابِ بادلوں کی طرح چلنا	صُنْعَ اللّٰهِ اللہ کی کاری گری	الَّذِيْ وہ جس نے	اَتْقَنَ خوبی سے بنایا	كُلَّ شَيْءٍ ہر شے	اِنَّهٗ بیشک وہ		
خَبِيْرٌ باخبر	بِمَا اس سے جو	تَفْعَلُوْنَ تم کرتے ہو	مَنْ جَآءَ جو آیا	بِالْحَسَنَةِ کسی نیکی کے ساتھ	فَلَهٗ تو اس کیلئے	خَيْرٌ بہتر	مِنْهَا اس سے
وَهُمْ اور وہ	مِنْ فَزَعٍ گھبراہٹ سے	يَوْمَئِذٍ اس دن	اٰمِنُوْنَ محفوظ ہوں گے	وَ اور	مَنْ جو	جَآءَ آیا	بِالسَّيِّئَةِ برائی کے ساتھ
فَكُبَّتْ اوندھے ڈالے جائیں گے	وُجُوْهُهُمْ ان کے منہ	فِي النَّارِ آگ میں	هَلْ کیا نہیں	تُجْزَوْنَ بدلہ دیئے جاؤ گے تم	اِلَّا مگر۔صرف		
مَا جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے						

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا کہ ہر قوم کے اور ہر زمانے کے منکرین اور مکذبین کو چھانٹ چھانٹ کر میدان حشر میں جمع کیا جائے گا اور پھر سب کو اکٹھا کر کے عدالت خداوندی میں حاضر کیا جائے گا۔ جہاں ان سے باز پرس ہوگی مگر ان سے کوئی جواب نہ بن پڑے گا اور وہ کچھ نہ بول سکیں گے۔ دنیا میں جو ظلم اور زیادتی انہوں نے کی تھیں وہ ان کے ذمہ ثابت ہو جائیں گی اس وقت یہ ہکا بکا اور حیران رہ جائیں گے اور اپنے ظلم کا بدلہ خوب پائیں گے۔ اب آگے ان آیات میں کچھ قیامت کے حالات بیان فرمائے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ جس روز صور پھونکا جائے گا تو جو مخلوقات آسمانوں اور زمین میں

ہوں گے یعنی فرشتے جنات انسان سب گھبرا جائیں گے اور پھر مرجائیں گے مگر جس کو خدا چاہے اس گھبراہٹ اور موت سے محفوظ رہے گا۔ احادیث میں ہے کہ صور پھونکنے والے فرشتہ اسرافیل علیہ السلام ہیں جو حکم الٰہی کے انتظار میں صور لئے تیار کھڑے ہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صور کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جاوے گا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ ایک سینگ ہے بڑے دائرے والا آسمان اور زمین کے مطابق اس میں اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ صور یعنی نرسنگا جس کا کہ قائم مقام آج کل بگل ہے جو فوج وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے تو قدیم زمانہ میں لوگوں کو جمع کرنے یا کسی اہم بات کا اعلان کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی ایسی چیز پھونکی جاتی رہی ہے جو صور یعنی نرسنگھا یا بگل سے ملتی جلتی ہو۔ اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ ایک ایسی ہی چیز قیامت کے روز پھونکی جائے گی جس کی نوعیت ہمارے نرسنگے کی سی ہوگی۔ ایک دفعہ وہ پھونکی جائے گی تو سب پر موت طاری ہوجائے گی۔ دوسری دفعہ پھونکنے پر سب زندہ ہو کر اٹھ بیٹھیں گے اور زمین کے چپے چپے سے نکل کر میدان حشر کی طرف دوڑنے لگیں گے۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کائنات کے نظم کو سمجھانے کے لئے وہ الفاظ اور اصطلاحیں استعمال فرماتے ہیں جو خود انسانی زندگی میں اس کے ملتے جلتے نظم کے لئے استعمال ہوتی ہیں اور مقصود ان الفاظ کے استعمال سے ہمارے تصور کو اصل چیز کے قریب تک لے جانا ہے نہ یہ کہ سلطنت الٰہی کے نظم کی مختلف چیزوں کو ہم بعینہ ان محدود معنوں میں لے لیں اور ان محدود صورتوں کی چیزیں سمجھ لیں جیسی کہ وہ ہماری زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ تو ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن جب اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے تو سب مخلوقات زمین و آسمان میں گھبرا جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے گا گھبراہٹ سے بچالے گا۔ مراد ان سے حسب حدیث حضرت جبرئیل۔ میکائیل۔ اسرافیل اور ملک الموت اور حاملان عرش ہیں پھر ان سب کی بھی وفات ہوجاوے گی۔ پھر دنیا میں جیسے عادت ہے کہ جس سے گھبراہٹ اور ڈر ہوتا ہے اس سے بھاگ جاتے ہیں لیکن وہاں اللہ تعالیٰ سے کوئی بھاگ نہ سکے گا بلکہ سب کے سب اس کے سامنے دبے جھکے حاضر رہیں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس صور پھونکنے کا اثر یہ ہوگا کہ یہ پہاڑ جو اس وقت تمہیں مضبوطی سے ایک جگہ جمے ہوئے نظر آرہے ہیں اس دن بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے اور اس پر کچھ تعجب نہ کرنا چاہئے کہ پہاڑ جیسی وزنی ثقیل اور بھاری چیز کا یہ حال کیسے ہوجائے گا کہ وہ روئی کے گالے کی طرح فضا میں اڑتے پھریں گے تو وجہ یہ ہے کہ یہ خدا کا کام ہوگا۔ جس نے آج پہاڑوں کو ایسا بھاری اور مضبوط بنایا ہے وہی ان کو ایک دن ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔ غرض کہ اس عالم کو توڑ پھوڑ کر اس حالت پر پہنچا دیا جائے گا۔ جہاں پہنچانے کے لئے ہی اسے پیدا کیا ہے تو یہ سب اسی صانع حقیقی کی کاری گری ہوئی جس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں۔ پھر اس توڑ پھوڑ اور انقلاب عظیم کے بعد بندوں کو حساب کتاب کے لئے کھڑا کیا جائے گا اور چونکہ حق تعالیٰ بندوں کے ذرہ ذرہ عمل سے خبردار ہیں تو ہر ایک کو ٹھیک اس کے عمل کے موافق جزا و سزا دی جائے گی۔ نہ ظلم ہوگا نہ حق تلفی ہوگی۔ آگے قیامت میں جزاوسزا کی کچھ تفصیل بیان کی جاتی ہے کہ جو نیکیاں اور بھلائیاں یعنی ایمان اور عمل صالح لے کر آئے گا اسے اس کا بدلہ اس سے بھی بہتر ملے گا جس اجر کا وہ مستحق ہے اور نیک لوگ اس دن ایک بڑی گھبراہٹ سے امن

میں رہیں گے۔ یعنی قیامت اور حشر نشر کی وہ ہولناکیاں جو منکرین اور مکذبین کے حواس باختہ کئے دے رہی ہوں گی وہیں مومنین مطمئن ہوں گے اس لئے کہ وہ پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کی دی ہوئی خبروں کے مطابق اچھی طرح جانتے تھے کہ قیامت قائم ہونی ہے اور اس میں یہی سب کچھ ہونا ہے جس کی خبریں دنیا کی زندگی میں دی گئی تھیں اس لئے ان پر وہ بدحواسی اور گھبراہٹ طاری نہ ہوگی جو مرتے دم تک اس چیز کا انکار کرنے والوں اور اس سے غافل رہنے والوں پر طاری ہوگی۔ پھر ان کے اطمینان کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ انہوں نے اس زندگی کی فکر کی تھی اور وہاں کی کامیابیوں کے لئے دنیا سے سامان کر کے آئے تھے اس لئے ان پر وہ گھبراہٹ نہ ہوگی جو ان لوگوں پر طاری ہوگی جنہوں نے اپنا سارا سرمایہ حیات بس دنیا ہی کی کامیابیوں کے لئے حاصل کرنے میں لگا دیا تھا اور کبھی نہ سوچا تھا کہ آخرت بھی کوئی چیز ہے جس کے لئے کچھ سامان کرنا ہے۔

ان مومنین کے برعکس منکرین و مکذبین جو کفر و شرک لے کر حاضر ہوں گے تو ان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالدیا جائے گا اور ان سے کہا جاوے گا کہ تم کو تو انہی عملوں کی سزا دی جارہی ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ کچھ بے وجہ تو عذاب نہیں ہورہا جیسا کیا ویسا بھرو۔

اب شروع سورۃ سے یہاں تک جو مضامین توحید نبوت و آخرت بیان ہوئے آگے خاتمہ کی آیات میں سب کا خلاصہ ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی خاتمہ کی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قیامت کی ہولناکیوں سے ہم کو اپنے حفظ و امان میں رکھیں اور اس دنیا میں ہم کو ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیں کہ جو ہمارے لئے ذخیرہ آخرت ہوں۔

یا اللہ ہم کو اس زندگی میں آخرت کا فکر نصیب فرما اور ہمہ وقت وہاں کی تیاری میں مشغول رہنے کی توفیق عطا فرما۔ ہم سے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں ان پر توبہ کی توفیق عطا فرما کر ان کو معاف فرمادے تاکہ قیامت کے روز ہم کو اپنے گناہوں پر ندامت نہ اٹھانی پڑے۔

یا اللہ ہمارا حشر اپنے مومنین صالحین بندوں کے ساتھ فرما اور انہی کے ساتھ اپنی بہشت میں ہمارا داخلہ فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِىْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَىْءٍ ۡ وَّ أُمِرْتُ أَنْ

مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے مالک (حقیقی) کی عبادت کیا کروں جس نے اس (شہر) کو محترم بنایا ہے اور (اس کی عبادت کیوں نہ کی جائے جبکہ وہ ایسا ہے کہ) سب چیزیں اسی کی (ملک ہیں)

أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَأَنْ أَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ

اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں۔ اور یہ کہ میں قرآن کریم پڑھ پڑھ کر سناؤں، سو جو شخص راہ پر آوے گا سو وہ اپنے ہی فائدہ کیلئے راہ پر آوے گا،

وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ

اور جو شخص گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے میں تو صرف ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ہوں۔ اور آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں خالص اللہ ہی کیلئے ثابت ہیں وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں (یعنی قیامت کے واقعات) دکھلاوے گا

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

سو تم (وقوع کے وقت) اُن کو پہچانو گے اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم سب لوگ کر رہے ہو۔

إِنَّمَا اس کے سوا نہیں	أُمِرْتُ مجھے حکم دیا گیا	أَنْ کہ	أَعْبُدَ عبادت کروں	رَبَّ رب	هٰذِهِ اس	الْبَلْدَةِ شہر	الَّذِىْ وہ جسے
حَرَّمَهَا اس نے محترم بنایا ہے	وَلَهٗ اور اسی کیلئے	كُلُّ شَىْءٍ ہر شے	وَأُمِرْتُ اور مجھے حکم دیا گیا	أَنْ کہ	أَكُوْنَ میں رہوں	مِنَ سے	
الْمُسْلِمِيْنَ جمع مسلم۔ مسلمان۔ فرمانبردار	وَأَنْ اور یہ کہ	أَتْلُوَا میں تلاوت کروں	الْقُرْاٰنَ قرآن	فَمَنِ پس جو	اهْتَدٰى ہدایت پائی		
فَإِنَّمَا تو اسکے سوا نہیں	يَهْتَدِىْ وہ ہدایت پاتا ہے	لِنَفْسِهٖ اپنی ذات کیلئے	وَمَنْ اور جو	ضَلَّ گمراہ ہوا	فَقُلْ تو فرمادیں	إِنَّمَا اس کے سوا نہیں	
أَنَا میں	مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ڈرانے والوں میں سے (ڈرانے والا ہوں)	وَقُلِ اور فرمادیں	الْحَمْدُ تمام تعریفیں	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	سَيُرِيْكُمْ وہ جلد دکھادیگا تمہیں		
اٰيٰتِهٖ اپنی نشانیاں	فَتَعْرِفُوْنَهَا پس تم پہچان لوگے انہیں	وَمَا اور نہیں	رَبُّكَ تمہارا رب	بِغَافِلٍ غافل (بے خبر)	عَمَّا اس سے جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	

تفسیر و تشریح:۔ یہ سورۂ نمل کی آخری آیات ہیں۔ شروع سورۃ سے جو تین مضامین خاص یعنی توحید و نبوت و آخرت مفصل یہاں تک بیان ہوئے اب خاتمہ سورۃ پر ان تینوں مضامین کا اجمال اور خلاصہ بیان کر کے سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔ یہ سورۃ چونکہ اس زمانہ میں نازل ہوئی تھی جبکہ ایمان اور اسلام کی دعوت زیادہ تر مکہ معظمہ تک محدود تھی اور اولین مخاطب اس شہر کے لوگ تھے اس لئے ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر کہا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر مکہ کے مالک حقیقی کی عبادت و بندگی کیا کروں جس نے اس شہر مکہ کو محترم اور باحرمت بنایا ہے۔ گویا اس سے کفار مکہ کو خصوصاً اور اہل عرب کو عموماً متنبہ کرنا مقصود ہے کہ جس خدا کا تم پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے عرب کی انتہائی بدامنی۔ اور فساد اور خونریزی سے لبریز سرزمین میں تمہارے اس شہر مکہ کو امن کا گہوارہ بنا رکھا ہے اور جس کے فضل سے تمہارا یہ شہر پورے ملک عرب کا مرکز عقیدت بنا ہوا ہے تم اس کی پرستش اور بندگی سے ہٹتے ہو اور اسکی ناشکری کرتے ہو تو کرو مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس کا شکر گزار بندہ بنوں اور اسی کے آگے سر نیاز جھکاؤں اور اسی کو اپنا معبود بناؤں جس نے مکہ کو حرمت عطا فرمائی۔ سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے دوسرے دن قبیلہ

بنوخزاعہ کے لوگوں نے بنو ہذیل کے ایک مشرک آدمی کو حملہ کر کے قتل کر دیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا۔ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے جس دن زمین و آسمان پیدا کئے اسی دن مکہ کو حرمت کی جگہ قرار دیا پس وہ اس وقت سے برابر حرمت کی جگہ چلا آ رہا ہے اور قیامت تک اسی طرح محرم رہے گا۔ لہٰذا کسی بھی ایسے آدمی کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے یہ بات جائز نہیں کہ مکہ میں کسی کا خون بہائے اور نہ اس میں کوئی درخت کاٹے۔ مجھ سے پہلے کسی بھی شخص کے لئے مکہ حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد آنے والے کسی شخص کے لئے حلال ہوگا۔ میرے لئے بھی حلال نہیں ہوا ہاں صرف اس وقت کے لئے محض اس وجہ سے حلال کر دیا گیا کہ اہل مکہ پر اللہ کو اظہار غضب مقصود تھا۔ سن لو اس وقت کے بعد اس کی حرمت کل کی طرح لوٹ آئی لہٰذا تمہیں چاہئے کہ جو بھی یہاں موجود ہے اور میری یہ بات سن رہا ہے وہ اس کو ہر اس شخص تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں۔ پس تم سے جو یہ کہے کہ رسول اللہ نے مکہ میں قتال کیا تو اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول کے لئے اسے حلال کیا تھا۔ تمہارے لئے حلال نہیں کیا۔ اے گروہ خزاعہ اب قتل سے اپنا ہاتھ اٹھا لو۔ قتل بہت ہو چکا ہے اس میں کوئی نفع نہیں۔ تم نے ایک آدمی قتل کیا ہے میں اس کی دیت دوں گا۔ میرے اس قیام کے بعد جو قتل کیا جائے تو مقتول کے ورثا کو دو چیزوں میں اختیار ہوگا اگر وہ چاہیں تو قاتل سے قصاص لے لیں اور چاہیں تو خون بہا لے لیں۔ اس خطبے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوخزاعہ کے قتل کئے ہوئے شخص کا خون بہا ادا فرمایا۔

الغرض یہاں آیت میں کفار مکہ کو متنبہ فرمایا گیا کہ اس خدا کی پرستش کرو جس نے مکہ کو باحرمت بنایا آگے بتلایا گیا ولہ کل شیء اور سب چیزیں اسی کی ملک ہیں یعنی ہر چیز جب اسی کی ملک ہے تو وہ جس چیز کو بھی چاہے محترم و متبرک ٹھہرا دے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں عقائد اور اعمال سب میں اللہ کا مطیع اور فرمانبردار رہوں۔ گویا پہلے حکم توحید کا دیا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی جملہ احکام میں اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کامل اتباع شریعت صرف عبادت الٰہیہ کا نام نہیں بلکہ اپنی پوری زندگی کی ہر حرکت و سکون گفتار اطوار، کردار سب کو تابع حکم بنانا یہی حقیقت اسلام ہے اور یہی اتباع شریعت کی تکمیل ہے۔ پھر ان احکام سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب عقائد۔ اعمال۔ عبادت اور تعمیل احکام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی مستثنیٰ نہیں تو اور کسی ولی اور بزرگ کے شرعی فرائض سے سبکدوش ہونے کا کیا ذکر اس میں تنبہ ان جاہل صوفیوں کے لئے ہے جو درویشی کے مدعی ہیں اور فرائض اسلامی اور اتباع شریعت میں کوتاہی کرتے ہیں۔ آگے تیسرا حکم سنایا گیا کہ مجھ کو یہ بھی حکم ملا ہے کہ میں دوسروں کو قرآن سنا کر اللہ کا راستہ بتلاتا رہوں اور تبلیغ احکام کرتا رہوں تو جو بھی میری تبلیغ و ہدایت کے بعد راہ راست پر آئے گا اس میں اسی کا فائدہ ہے۔ اس کو اجر و ثواب اور نجات ابدی حاصل ہوگی۔ میں اس سے کسی مالی یا جانی نفع کا خواہاں نہیں ہوں اور جو شخص نہ مانے گا تو اپنا برا کرے گا۔ خود ہلاکت ابدی کے غار میں گرے گا۔ اس میں میرا کوئی ضرر نہیں میں نصیحت کر کے فارغ الذمہ ہو چکا۔ نہ سمجھو گے تو اس کا وبال خود تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ گویا یہ مسئلہ رسالت کا بیان ہو گیا۔ سورۃ کے اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہوتی ہے کہ آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ تم جو قیامت کا اس بنا پر انکار کرتے ہو

کہ اب تک واقع نہیں ہوئی اور یہ جو مطالبہ کرتے ہو کہ اگر واقعی قیامت ہے تو واقع کر کے دکھلاؤ تو تمہاری مجھ سے یہ درخواست محض بے کار اور غلط ہے اس لئے کہ میں نے تو دعویٰ کبھی ایسی قدرت کا نہیں کیا بلکہ سب خوبیاں خالص اللہ ہی کے لئے ثابت ہیں۔ قدرت بھی علم بھی حکمت بھی۔ سو اپنے علم کے موافق اپنی قدرت سے جب اس کی حکمت کا مقتضا ہوگا قیامت واقع کردے گا۔ البتہ اجمالاً اس قدر معلوم ہے کہ اب بہت زیادہ مدت نہیں ہے بلکہ وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں یعنی قیامت کے واقعات دکھلاوے گا سو تم اس وقت ان کو پہچانو گے اور اب انکار کررہے ہو۔ اس وقت صرف دکھلانے ہی پر کفایت نہ ہوگی بلکہ اپنے اعمال کے موافق پھر تم کو نتیجہ بھی بھگتنا پڑے گا کیونکہ وہ رب لوگوں کے کاموں سے بے خبر نہیں۔ (پس پیغمبر اور مومنین کو جزا اور کفار ومکذبین کو سزا دے گا یہ قیامت کا بیان ہوا)'' اس طرح خاتمہ میں تمام سورت کے مضامین اجمالاً آ گئے۔

محققین نے کہا ہے کہ سورۃ کے اخیر میں الحمدللہ کی تلقین میں تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کو بھی اپنے سارے احوال وامور کا خاتمہ اللہ کی حمد وثنا ہی پر کرنا چاہئے۔ اور اس ارشاد میں وما ربک بغافل عما تعملون (اور آپ کا پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کررہے ہو) جہاں عاصی اور نافرمانوں کے حق میں اس کا تنبیہ ہونا ظاہر ہے وہیں اہل ایمان کے لئے اس میں بشارت بھی ہے اور عشاق اہل سوز کے لئے تسلی بھی ہے کہ انکی آہ وزاری محبوب حقیقی سے ذرا بھی مخفی نہیں بلکہ ان کی ساری بے قراری اس پر آئینہ ہے۔ مشہور مفسر ومحدث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر حقانی میں ان آیات کے تحت لکھتے ہیں کہ یہاں جس ترتیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام تلقین فرمائے گئے یعنی پہلے اپنے رب کی عبادت کا حکم ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری یعنی جملہ نیک باتوں کا بجالانا اور بری باتوں سے بچنا اور پھر تیسرا حکم تلاوت قرآن یعنی تبلیغ احکام کا ہوا تو علامہ فرماتے ہیں کہ اس ترتیب میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تبلیغ اسی کا کام ہے جو خود توحید اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہو۔ اسی کی بات اثر بھی کرتی ہے۔

الحمدللہ کہ حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کی توفیق وعنایت سے اس سورۂ نمل کا بیان جس میں ۷ رکوعات تھے پورا ہوگیا۔

دعا کیجئے

یا اللہ۔ یا معبود حقیقی ہم کو بھی اخلاص کے ساتھ شب وروز اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو جملہ احکام میں ظاہر میں اور باطن میں شریعت مطہرہ کی کامل پابندی نصیب فرمائیں۔ دین کو دوسروں تک پہنچانے اور بتلانے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو احکام الٰہیہ اور ہدایات نبویہ ہمارے علم میں آئیں ان پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کا عزم وارادہ نصیب فرمائیں۔

اے اللہ قیامت کی ندامت اور وہاں کی رسوائی سے ہم سب کو بچالیجئے اور اس زندگی میں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیے کہ جو آپ کی رضا کا سبب ہوں اور ان اعمال سے بچالیجئے جو آپ کی ناراضگی کا باعث ہوں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ

طٰسٓمّٓ۔ یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں۔ ہم آپؐ کو موسیٰؑ اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں

بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③

اُن لوگوں کیلئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں۔

طٰسٓمّٓ طسم	تِلْكَ یہ	اٰيٰتُ آیتیں	الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ واضح کتاب	نَتْلُوْا ہم پڑھتے ہیں	عَلَيْكَ تم پر	مِنْ نَّبَاِ کچھ خبر (احوال)
مُوْسٰى موسیٰ	وَ اور	فِرْعَوْنَ فرعون	بِالْحَقِّ ٹھیک ٹھیک	لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں		

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ بیسویں پارہ کی سورۂ قصص کا بیان شروع ہورہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی تین ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں جن کی تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ موضوع ومباحث اور تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کی پچیسویں آیت میں لفظ قصص استعمال ہوا ہے۔ قصص کے معنی قصہ کے ہیں۔ اس سورۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اس لئے علامت کے طور پر اس سورۃ کا نام سورۂ قصص رکھا گیا ہے یہ سورۃ بھی مکی ہے اور موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ ۲۸ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۷۹ بیان کیا گیا یعنی ۷۸ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہوچکی تھیں اور ۱۱ سورتیں اس کے بعد ہجرت سے قبل مکہ میں نازل ہوئیں اور پھر ۲۴ سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اس سورۃ میں ۸۸ آیات ۹ رکوعات ۱۴۵۴ کلمات اور ۶۰۱۱ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

مثل دوسری مکی سورتوں کے اس میں بھی توحید ورسالت کا اثبات۔ شرک کی مذمت، مصدقین رسالت کی مدح اور مکذبین رسالت کی مذمت۔ آخرت کی تعلیم۔ کفار مکہ کے شبہات و اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کا جو زمانۂ نزول ہے اس وقت مکہ کے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین اہل اسلام کو حد سے زیادہ تنگ کر رکھا تھا۔ مسلمان تعداد میں تھوڑے تھے اور کفار ان کو ہر ممکن طریقہ سے تکلیف ونقصان پہنچانے کے درپے رہتے اور ایسی ایسی جسمانی اذیتیں پہنچاتے کہ ان کا برداشت کرنا مشکل تھا۔ مگر یہ قرآن ہی کا معجزانہ اثر تھا۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صحبت وتعلیم کا نتیجہ تھا کہ آپ کے متبعین اہل اسلام سخت سے سخت مصیبت کے سامنے سینہ سپر رہتے اور ہمت میں ذرا فرق نہ آنے دیتے۔ اس سورۃ میں پہلے تفصیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اہل اسلام کی ڈھارس اور تسلی کے لئے سنایا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ یہ ساری اذیتیں اور صعوبتیں کچھ عرصہ کے لئے ہیں۔ عنقریب اللہ کے فضل سے کامیابی اور کامرانی کا زمانہ بھی آنے والا ہے۔ ان مجبور بے بس اور بے کس اہل اسلام کو جو دشمنان دین کے ظلم وستم میں چاروں طرف گھرے ہوئے تھے ان کو یہ سبق دیا گیا کہ اللہ

3 کے فرمانبردار بندوں کا قدم بڑی بڑی مصیبتوں میں دین سے نہیں ڈگمگایا۔ وہ صبر وہمت سے کام لیتے ہیں اور دنیا میں بظاہر ان کا کوئی مددگار نہیں معلوم ہوتا کہ جو انہیں ظالموں کے پنجے سے چھڑائے لیکن جب ظالموں کی دست درازی حد سے گزر جاتی ہے تو دنیا کے نگہبان اور اس نظام کائنات کے محافظ رب العالمین کی طرف سے مظلوموں کی مدد کا غیب سے سامان ہو جاتا ہے۔

بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں شام سے مصر میں چلے آئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مصر میں نبوت کے ساتھ اقتدار دنیوی بھی عطا فرمایا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب مصر میں قبطیوں کا زور ہوا اور فرعونیوں کی بادشاہت قائم ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام کے سارے احسانات اور کارنامے بھول گئے اور بنی اسرائیل کو غیر ملکی سمجھ کر ان کو ستانا اور ان پر ظلم توڑنا شروع کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک معزز گھرانے میں مصر کے اندر پیدا ہوئے اس وقت حالت یہ تھی کہ فرعون بادشاہ مصر نے حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل میں سے کہیں اور کسی کے گھر لڑکا پیدا ہو تو اسے فوراً قتل کر ڈالو اور لڑکیوں کو خدمت گزاری کے لئے زندہ رہنے دو بنی اسرائیل کو یوں تو فرعون نے طرح طرح کی مصیبتوں میں پہلے ہی مبتلا کر رکھا تھا مگر یہ اسرائیلی بچوں کا قتل ان پر اضافہ تھا چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعونیوں کو خبر ملتے ہی اس بچہ کو بھی قتل کر دیا جائے گا تو اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں ایک بات ڈالی اور انہوں نے اس پر عمل کیا جس کے نتیجہ میں موسیٰ علیہ السلام خود فرعون کی سرپرستی میں پل کر جوان ہوئے۔ اس کے بعد ایک ناگہانی حادثہ کی وجہ سے آپ کو مصر چھوڑنا پڑا اور آپ مدین چلے گئے اور وہاں دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہے۔ وہیں حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا۔ پھر جب آپ مدین سے واپس آ رہے تھے تو راستہ میں آپ کو پیغمبری سے سرفراز فرمایا گیا اور بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے نکالنے کے لئے آپ کو مصر فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا۔ آپ نے مصر پہنچ کر بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا مگر فرعون ان کو اپنے پنجہ سے کہاں رہائی دینے والا تھا۔ بالآخر ایک عرصہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جاؤ جس پر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا مگر بحکم الٰہی فرعون اور اس کا تمام لشکر تو سمندر میں غرق ہو کر ہلاک ہوا اور بنی اسرائیل آزاد ہو گئے اور پھر محکوم سے حاکم ہو گئے۔

الغرض موسیٰ علیہ السلام کا جو قصہ یہاں بیان فرمایا گیا ہے اس سے کئی باتیں ذہن نشین کرانی ہیں۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے وہ غیر محسوس طریقہ سے ظاہری اسباب و ذرائع فراہم کر دیتا ہے۔ جس بچہ کے ہاتھوں آخر کار فرعون کا تختہ الٹنا تھا اسے اللہ نے خود فرعون ہی کے گھر میں اسی سے پرورش کرایا اور فرعون یہ نہ جان سکا کہ وہ کسے پرورش کر رہا ہے۔ اس خدا کی مشیت سے کون لڑ سکتا ہے اور کس کی چالیں اس کے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ نبوت کسی کو کسی جشن اور زمین و آسمان سے کسی بھاری اعلان کے ساتھ نہیں دی جاتی۔ کفار مکہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض تھا کہ بیٹھے بٹھائے آپ چپکے سے نبی کہاں سے بن گئے تو ان کو جتلایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی طرح راہ چلتے نبوت مل گئی تھی۔ کوہ طور کی وادی میں آپ آگ لینے گئے تھے کہ پیغمبری عطا ہو گئی۔

تیسرے یہ کہ اللہ اپنے جس بندے سے دین کا کوئی کام لینا چاہتا ہے تو وہ بغیر کسی لاؤ لشکر اور ظاہری ساز و سامان کے تن تنہا اٹھتا ہے مگر بڑے بڑے لاؤ لشکر اور ساز و سامان والے اس کے مقابلہ میں دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ کہاں فرعون کی ظاہری قوت و شوکت اور کہاں موسیٰ علیہ السلام کی بے سروسامانی۔ مگر دیکھ لو کہ آخر کس کا کیا انجام ہوا۔ کون کامیاب رہا اور کون ناکام رہا۔

چوتھے یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور اس کے بعد قارون کے اس قصہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ثبوت قرار دیا گیا کہ امی ہونے کے باوجود دو ہزار سال پہلے گزرے ہوئے تاریخی واقعات اس تفصیل کے ساتھ من وعن سنا رہے ہیں حالانکہ آپ کے شہر اور آپ کی قوم کے لوگ خوب جانتے تھے کہ آپ نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ آپ کے پاس ان معلومات کے حاصل کرنے کا کوئی ظاہری ذریعہ نہیں تھا۔ مگر بذریعہ وحی الٰہی آپ کو اس تفصیل کے ساتھ واقعات وحالات کی اطلاع ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ اس سورۃ کو حقیقت قرآن سے افتتاح کر کے نصف سورۃ میں قصہ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ اور ختم سورت کے قریب قارون کے ساتھ مذکور ہے اور دونوں قصوں کے درمیان رسالت محمدیہ کا اثبات اور مومنین کی مدح اور منکرین کی مذمت۔ پھر آخرت کا بیان اور اس کے ساتھ شرک کی مذمت اور توحید کے دلائل مذکور ہوئے ہیں۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آئیں گی۔ اس تمہید کے بعد ان آیات زیر تفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو۔

سورۃ کی ابتداء حروف مقطعات طٰسٓمٓ سے فرمائی گئی۔ حروف مقطعات کا بیان پہلے متعدد بار ہو چکا ہے کہ دراصل یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے اور ان کا حقیقی اور صحیح مطلب حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں یا پھر حق تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا ان کے متعلق یہی عقیدہ رکھنا چاہئے۔ آگے بطور تمہید کے ارشاد فرمایا تلک ایت الکتب المبین۔ یعنی یہ مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں کتاب واضح یعنی قرآن کی آیتیں ہیں۔ یہاں آیت میں کتاب مبین سے مراد قرآن ہے۔ مبین کے دو معنی ہیں۔ ایک ظاہر اور روشن کرنے والا۔ دوسرے خود ظاہر اور روشن ہونا۔ قرآن پاک میں دونوں صفات موجود ہیں۔ قرآن حق کو باطل سے صحیح کو غلط سے خیر کو شر سے راستی کو کجی سے۔ اور ہدایت کو گمراہی سے جدا کرنے والا ہے۔ راہ سعادت اور طریق نجات اس سے واضح ہو جاتی ہے۔ پھر خود بھی اپنی صداقت وحقانیت میں اتنا روشن ہے کہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں جیسا کہ آفتاب اپنے وجود کی آپ دلیل ہے۔ قرآن کی اس حقیقت کو بطور تمہید بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ہم آپ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر یعنی نازل کر کے سناتے ہیں ان لوگوں کے نفع کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے کل واقعات کا مفصل بیان تو مقصد قرآنی سے غیر متعلق ہے۔ قرآن کوئی تاریخ یا داستان کی کتاب نہیں۔ درحقیقت یہ ایک ہدایت نامہ ہے جو اہل ایمان کو راہ نجات دکھاتا ہے اور اس سلسلہ میں وعظ وتذکیر کے لئے جتنے قصہ کی جہاں ضرورت ہے اتنا قرآن نے بیان کر دیا تا کہ سننے والے عبرت حاصل کریں اسی لئے یہاں فرمادیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ قصہ ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں یعنی اتنا بیان کرتے ہیں جتنا ہدایت اور اصلاح کے لئے ضروری ہے۔ پھر اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں تحریفات وتغیرات بکثرت کر لئے تھے۔ بعض مقامات پر تو کتب الٰہیہ کو مجموعۂ داستان بنالیا تھا۔ تمام صحیح وغلط قصے بغیر کسی ثبوت کے درج کر دیئے تھے مگر قرآن نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے جتنا قصہ بیان کیا وہ من وعن بالکل صحیح ہے اور ہر قسم کی خرافات سے پاک ہے اسی لئے یہاں آیت میں بالحق فرمایا یعنی موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا جتنا قصہ بیان کیا گیا ہے وہ بالکل سچا اور صحیح ہے۔ خلاف واقعہ آمیزشوں سے پاک ہے۔ پھر یہ بھی تصریح فرمادی کہ ہم یہ واقعہ ایمانداروں کے فائدے کے لئے سناتے ہیں۔ تاکہ وہ دشمنوں کی زیادتی سے بددل نہ ہوں اور ان کی ڈھارس بندھ جائے کہ یہ ساری اذیتیں اور مصیبتیں تھوڑے دنوں کی ہیں۔ اور بالآخر کامیابی اہل ایمان ہی کی ہوگی۔

اب آگے فرعون کے مظالم جو اس نے بنی اسرائیل پر اپنی حکومت وسلطنت میں کر رکھے تھے ان کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ

فرعون سرزمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا کہ ان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا تا تھا، اُن کے

يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٤﴾ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ

بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا، وہ واقعی بڑا مفسد تھا۔ اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن

عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ﴿٥﴾

لوگوں کا زور زمین میں گھٹایا جارہا تھا ہم ان پر احسان کریں، اور ان کو پیشوا بنادیں اور ان کو مالک بنادیں۔

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴿٦﴾

اور ان کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان کی جانب سے وہ واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔

إِنَّ بیشک	فِرْعَوْنَ فرعون	عَلَا سرکشی کر رہا تھا	فِي الْأَرْضِ زمین (ملک) میں	وَ اور	جَعَلَ اس نے کردیا	أَهْلَهَا اس کے باشندے
شِيَعًا الگ الگ گروہ	يَسْتَضْعِفُ کمزور کر رکھا تھا	طَائِفَةً ایک گروہ	مِّنْهُمْ ان میں سے	يُذَبِّحُ ذبح کرتا تھا	أَبْنَاءَهُمْ انکے بیٹوں کو	
وَيَسْتَحْيِي اور زندہ چھوڑ دیتا تھا	نِسَاءَهُمْ ان کی عورتوں کو	إِنَّهُ بیشک وہ	كَانَ تھا	مِنَ سے	الْمُفْسِدِينَ مفسد	وَنُرِيدُ اور ہم چاہتے تھے
أَن کہ	نَّمُنَّ ہم احسان کریں	عَلَى الَّذِينَ ان لوگوں پر جو	اسْتُضْعِفُوا کمزور کردیئے گئے تھے	فِي الْأَرْضِ زمین (ملک) میں		
وَنَجْعَلَهُمْ اور ہم بنائیں انہیں	أَئِمَّةً پیشوا	وَنَجْعَلَهُمُ اور ہم بنائیں انہیں	الْوَارِثِينَ وارث	وَنُمَكِّنَ اور ہم قدرت (حکومت) دیں		
لَهُمْ انہیں	فِي الْأَرْضِ زمین (ملک) میں	وَنُرِيَ اور ہم دکھادیں	فِرْعَوْنَ فرعون	وَهَامَانَ اور ہامان	وَجُنُودَهُمَا اور ان کے لشکر	
	مِنْهُم ان سے	مَّا جس چیز	كَانُوا يَحْذَرُونَ وہ ڈرتے تھے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بطور تمہید کے یہ فرمایا گیا تھا کہ یہ قرآن کتاب مبین ہے اور ایمان والوں کے نفع کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے کچھ واقعات و حالات ٹھیک ٹھیک بیان کئے جاتے ہیں کہ حقیقت شناس نظروں کے لئے اس میں عبرت و موعظت یعنی حق کا غلبہ۔ باطل کی شکست۔ نافرمانوں کی تباہی۔ فرمانبرداروں کی کامیابی کا سبق موجود ہے۔ اس واقعہ کے سنانے سے اہل اسلام کو ڈھارس اور تسلی دی گئی کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو باوجود کمزوری کے فرعونیوں کی طاقت کے مقابلہ میں کامیاب کیا ایسے ہی اہل اسلام جو مکہ میں قلیل ضعیف اور ناتواں نظر آتے ہیں اپنے بیشمار حریفوں اور دشمنوں کے مقابلہ پر کامیاب ہوں گے۔

اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور پھر قارون کے واقعات وحالات دور تک اس سورۃ میں بیان ہوتے چلے گئے ہیں۔ ان آیات میں مملکت مصر کے اس بادشاہ کا حال جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کا حکمران تھا بتلایا جاتا ہے کہ وہ کیسا ظالم اور جابر اور سرکش ومفسد بادشاہ تھا مصر میں اس وقت دو قوم آباد تھیں ایک قبطی جو فرعون کی قوم تھی اور دوسرے سبطی جو بنی اسرائیل کہلاتے تھے۔ قرآن کریم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بتلایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا عبرانی زبان میں نام اسرائیل ہے وہ اور آپ کا خاندان کنعان سے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے مصر میں آئے۔

اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا تمام خاندان مصر ہی میں آباد ہوگیا کیونکہ اس وقت کے بادشاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اصرار کے ساتھ یہ کہا کہ آپ اپنے خاندان کو مصر ہی میں آباد کریں میں ان کو بہت عمدہ زمین دوں گا اور ہر طرح عزت کروں گا۔ اس طرح بنی اسرائیل مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں آباد ہوگئے اور اس کے بعد صدیوں تک مصر میں آباد رہے حتیٰ کہ ۴۳۰ سال کے قیام کے بعد بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں مصر سے خروج کر کے فرعونیوں سے نجات حاصل کی۔ فرعون شاہان مصر کا لقب ہے کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں ہے۔ فراعنہ کی سلطنت مصر میں تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوکر عہد سکندر تک یعنی ۳۳۲ قبل مسیح تک رہی اور ۳۱ فرمانروا حکمران رہے۔ سب سے آخری فرعون فارس کی شہنشاہی کا تھا جو ۳۳۲ قبل مسیح سکندر کے ہاتھوں مفتوح ہوگیا۔ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں داخل ہوئے تھے وہ فراعنہ کے سولھویں خاندان کا زمانہ تھا۔ وہ فرعون جس کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے مصر کے حکمرانوں کا انیسواں خاندان تھا۔ فرعون کو بنی اسرائیل کے ساتھ اس لئے عداوت ہوگئی تھی کہ اس زمانہ کے کاہنوں و نجومیوں نے اس کو بتایا تھا کہ تیری حکومت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ سے ہوگا اور بعض تاریخی روایات میں ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ مصر میں پھیلی اور اس سے مصریوں کے تمام گھر جل کر راکھ ہوگئے لیکن بنی اسرائیل کی آبادی ہلاکت سے بچ گئی اس کی تعبیر نجومیوں نے یہ دی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تیری سلطنت تباہ ہوگی۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ بنی سرائیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک پیشین گوئی بہت مشہور تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ ایک اسرائیلی جوان کے ہاتھ پر مصر کی تباہی مقدر ہے۔ اور اس وقت وہ اس کی پیدائش کے منتظر تھے۔ یہ خبر شدہ شدہ فرعون تک پہنچی۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو نجومیوں کے تعبیر کے سبب یا بنی اسرائیل کی موروثی بشارت کی وجہ سے فرعون نے پیش بندی کے طور پر یہ احمقانہ اور ظالمانہ تدبیر سوچی کہ بنی اسرائیل کو ہمیشہ کمزور کرتے رہنا چاہئے تاکہ انہیں حکومت کے مقابلہ کا کبھی حوصلہ ہی نہ ہو۔ علاوہ اس کے کہ فرعون نے ظلم اور تکبر کی راہ سے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا ان سے ذلیل کام اور بیگاریں لیتے اور ان کو کسی طرح اس قابل نہ ہونے دیتے کہ ملک میں کوئی قوت اور وقعت حاصل کر سکیں۔ اس نے قضا و قدر کی روک تھام کے لئے ظلم و ستم کی یہ اسکیم رائج کی کہ آئندہ جو لڑکے اسرائیلیوں کے ہاں پیدا ہوں ان کو ایک طرف سے ذبح کر ڈالنا چاہئے۔ اس طرح آنے والی مصیبت رک جائے گی البتہ لڑکیوں سے چونکہ کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں رہنے دیا جائے جو بڑی ہوکر باندیوں کی طرح ہماری خدمت کیا کریں گی۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ جب اولاد اسرائیل کا قتل عام ہوا تو فرعونیوں کو اندیشہ ہوا کہ اب اگر یہی رواج رہا تو ہماری خدمت اور نوکری چاکری کون کرے گا اس لئے فرعون سے جا کر کہا کہ نہ تو بنی اسرائیل کو اتنا موقع دیا جائے کہ ان کی مردم شماری بڑھ جائے اور نہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہم خدمت گزاروں سے بھی محروم ہو جائیں اس لئے بہتر ہو کہ ایک سال کی پیداوار باقی رکھی جائے اور ایک سال کی ہلاک کردی جائے۔ فرعون نے یونہی حکم جاری کر دیا۔ لکھا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے وہ اس سال پیدا ہوئے جو نجات کا سال تھا اس لئے کسی نے پرشش نہ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل عام کے سال پیدا ہوئے۔ چنانچہ آپ کی والدہ کو آثار حمل دیکھ کر ہی سخت فکر تھی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ تورات میں یہ اور اضافہ ہے کہ فرعون نے دایہ مقرر کردی تھیں کہ قلمرو مصر میں جس اسرائیلی کے یہاں لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے مگر ان عورتوں کے دلوں میں ایسی ہمدردی پیدا ہوئی کہ انہوں نے اس عمل میں کوئی خاطر خواہ اقدام نہیں کیا جب فرعون نے باز پرس کی تو یہ معذرت پیش کی کہ اسرائیلی عورتیں شہری عورتوں کی طرح نازک اندام نہیں ہیں وہ خود ہی بچہ جن لیتی ہیں اور ہم کو مطلق خبر نہیں دیتیں۔ اس پر فرعون نے ایک جماعت کو اس لئے مقرر کیا کہ وہ تفتیش اور تلاش کے ساتھ اسرائیلی لڑکوں کو قتل کردیں اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا کریں۔ فرعون

اپنے وقت کا نہایت جابر اور قاہر اور مطلق العنان حکمران تھا اس نے مصر کے اصلی باشندوں یعنی قبطیوں کو اور غیر ملکیوں یعنی بنی اسرائیلیوں کو پہلے ہی الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اب اسرائیلیوں کو اپنی مملکت کے استحکام کے لئے ایک خطرہ تصور کر کے مستقبل میں ان کی نسل کو بڑھنے اور کمزور بنادینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دیا جائے۔

اس جگہ یہ مضمون لکھتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ واقعی فرعون احمق ہی تھا کہ جو بنی اسرائیل کی نسل کو ختم اور کمزور کرنے کے لئے اس نے بچوں کے قتل کی ایسی ظالمانہ اور جابرانہ اسکیم پر عملدرآمد کیا کہ رہتی دنیا اس پر لعنت ملامت ہوتی رہے گی۔ اس کو کیوں نہ ایسی تدبیر سوجھی یا کسی نے اس کو ایسا مشورہ کیوں نہ دیا کہ جو وہ اپنے مقصد میں بھی کامیاب ہو جاتا اور اس بدنامی اور لعنت ملامت سے بھی بچ جاتا۔ اور وہ یہ تدبیر تھی کہ آج کل کے نام نہاد عقلمندوں کی طرح خاندانی ''منصوبہ بندی'' کی اسکیم اسرائیلیوں میں کسی تدبیر سے رائج کر دیتا اور بنی اسرائیلیوں کی خیر خواہی کے پردہ میں اپنے مقصد کو حاصل کر لیتا۔ خیر یہ بات تو بیچ میں ضمناً آ گئی۔ تو فرعون اپنی تدبیروں سے تقدیر الٰہی یا تعبیر خواب کو بدلنا چاہتا تھا اور چونکہ مفسد اور زمین میں خرابی پھیلانے والا تو تھا ہی لہٰذا اسے کوئی ظلم و ستم کرنے میں کیا جھجک ہوتی۔ بس جو دل میں آیا اپنے کبر و غرور کے نشہ میں بے سوچے سمجھے کر گزرا۔ تو اس ملعون کے انتظامات تو وہ تھے اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کمزوروں کو قوی اور پست کو بالا کیا جائے جس قوم کو فرعونیوں نے ذلیل غلام بنا رکھا تھا ان ہی کے سر پر دین کی امامت اور دنیوی بادشاہت کا تاج رکھ دیں اور فرعون و ہامان جو وزیر تھا اور ظلم و ستم میں فرعون کا آلۂ کار تھا ان کو دکھا دیں کہ جس حکومت کے زوال کا ان کو اندیشہ ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے اللہ کا منشا پورا ہوا۔ شام۔ فلسطین اور عراق کا بیشتر حصہ بنی اسرائیل کے زیر حکومت آ گیا اور فرعون وغیرہ غارت ہوئے اور ہزار برس سے زیادہ بنی اسرائیل کی سلطنت رہی۔ تو جس خطرہ کی وجہ سے فرعون نے بنی اسرائیل کے ہزار ہا معصوم بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ اللہ نے چاہا کہ وہی ''خطرہ'' ان کے سامنے آئے۔ فرعون نے امکانی کوشش کر دیکھی اور پورے زور خرچ کر لئے کہ کسی طرح اس اسرائیلی بچہ سے مامون ہو جائے جس سے ان کو تباہی کا خطرہ تھا۔ لیکن تقدیر الٰہی کہاں ٹلنے والی تھی۔ خداوند قدیر نے اس بچہ کو اسی کی گود میں اسی کے بستر پر اسی کے محلات کے اندر شاہانہ ناز و نعم سے پرورش کرایا اور دکھلا دیا کہ خدائے ذوالجلال جو انتظام کرنا چاہے کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں فرعون کی بحیثیت حاکم اور فرمانروا کے دو صفات مذمت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ ایک تو **جعل اهلها شيعا** فرمایا یعنی اس نے وہاں کے باشندوں کو الگ الگ گروہ بنا دیا تھا۔ اس سے یہ امر واضح ہوا کہ رعایا میں پھوٹ ڈال کر حکومت کرنی تعلیم قرآن کے خلاف ہے۔ دوسرے **يستضعف طائفة منهم** فرمایا یعنی ان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ پر لازم ہے کہ تمام رعایا کو ایک نظر سے دیکھے اور انصاف کے مقابلہ میں کسی کی جانب داری نہ کرے۔ نہ کسی خاص طبقہ کو کمزور کرنے کی کوشش کرے ورنہ ظالم ٹھہرے گا تو معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں عموماً ظالم حکومتوں کی اپنی رعایا کے متعلق وہی پالیسی ہوتی ہے جو فرعون کی بنی اسرائیل کے متعلق تھی یعنی پھوٹ ڈالنا۔ گروہ بندی کرانا۔ رعایا کی طاقت کو کمزور کرنا پھر چین سے حکومت کرنا۔ انگریز نے اپنی سو سالہ دور حکومت میں ہندوستان میں یہی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ کہیں ہندو اور مسلمانوں کو لڑوانا اور کہیں مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانا۔ یہ قادیانی مذہب انگریزی حکومت ہی کی پیداوار ہے۔

اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور آپ کی والدہ کا حکم الٰہی کے موافق آپ کو صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں چھوڑ دینے اور پھر صندوق بہتے ہوئے فرعون کے محل میں پہنچنے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پرورش کرنے کا حال ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَ لَا

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو اُن کی نسبت اندیشہ ہو تو ان کو دریا میں ڈال دینا اور نہ تو اندیشہ کرنا

تَخَافِیْ وَ لَا تَحْزَنِیْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۞۷ فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ

اور نہ غم کرنا ہم ضرور اُن کو پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے اور پیغمبر بنا دیں گے۔ تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو اُٹھالیا

فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا

تاکہ وہ اُن لوگوں کیلئے دشمن اور غم کا باعث بنیں، بلاشبہ فرعون اور ہامان اور اُن کے تابعین بہت چوکے۔

خٰطِـِٕیْنَ ۞۸ وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَ لَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖۗ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ

اور فرعون کی بی بی نے کہا کہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اس کو قتل مت کرو عجب نہیں کہ ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۞۹

یا ہم اس کو بیٹا ہی بنالیں اور اُن لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ تھی۔

وَ اَوْحَیْنَاۤ اور ہم نے الہام کیا	اِلٰۤى طرف۔کو	اُمِّ مُوْسٰۤى موسیٰ کی ماں	اَنْ اَرْضِعِیْهِ کہ تو دودھ پلاتی رہ اسے	فَاِذَا پھر جب
خِفْتِ عَلَیْهِ تو اس پر ڈرے	فَاَلْقِیْهِ تو ڈالدے اسے	فِی الْیَمِّ دریا میں	وَ اور	لَا تَخَافِیْ نہ ڈر	وَ لَا تَحْزَنِیْ اور نہ غم کھا	اِنَّا بیشک ہم
رَآدُّوْهُ اسے لوٹا دیں گے	اِلَیْكِ تیری طرف	وَ جَاعِلُوْهُ اور اسے بنادیں گے	مِنَ سے	الْمُرْسَلِیْنَ رسولوں	فَالْتَقَطَهٗ پھر اٹھالیا اسے
اٰلُ فِرْعَوْنَ فرعون کے گھر والے	لِیَكُوْنَ تاکہ وہ ہو	لَهُمْ ان کیلئے	عَدُوًّا دشمن	وَ اور	حَزَنًا غم کا باعث	اِنَّ بیشک	فِرْعَوْنَ فرعون
وَ هَامٰنَ اور ہامان	وَ جُنُوْدَهُمَا اور اُن کے لشکر	كَانُوْا تھے	خٰطِـِٕیْنَ خطا کار	وَ قَالَتِ اور کہا	امْرَاَتُ بیوی	فِرْعَوْنَ فرعون	قُرَّتُ ٹھنڈک
عَیْنٍ لِّیْ میری آنکھوں کیلئے	وَ لَكَ اور تیرے لئے	لَا تَقْتُلُوْهُ تو قتل نہ کر اسے	عَسٰۤى شاید	اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ کہ نفع پہنچائے ہمیں	اَوْ یا
نَتَّخِذَهٗ ہم بنالیں اسے	وَلَدًا بیٹا	وَ هُمْ اور وہ	لَا یَشْعُرُوْنَ (حقیقتِ حال) نہیں جانتے تھے	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مصر کے اس ظالم سرکش فرعون کا ذکر ہوا تھا جس نے اپنی خواہشات پر بنی اسرائیل کو بھینٹ چڑھا رکھا تھا۔ اپنی سلطنت میں ان کو شہری حقوق و آزادی سے محروم کر دیا تھا۔ اور جن کا فرض ہی یہ تھا کہ فرعونیوں کی خدمت کریں۔ پھر محنت شاقہ پر اجرت قلیل۔ عموماً بیگار ہی لی جاتی۔ حاملہ عورتوں سے تین تین منزلوں کے مکانوں پر پتھر اٹھوائے جاتے اور ان سے ذلیل سے ذلیل کام لینا ان کے آقاؤں کا طرۂ امتیاز تھا۔ پھر ظالموں نے انہی سفاکیوں پر بس نہیں کیا بلکہ فرعون کی ایک موہوم خواب کی تعبیر پر اور اپنی حکومت کے بے جا تحفظ کے تخیل کے باعث بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کو تہ تیغ کر دیا۔ انہی حالات کے تحت ایک اسرائیلی والدین کے ہاں وہ بچہ پیدا ہوا جسے دنیا نے موسیٰ علیہ السلام کے نام سے جانا۔ جدید

تحقیقات کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سنہ ولادت ۱۵۲۰ قبل مسیح ہے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ۲۰۹۰ سال پہلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ آپ کے والد کا نام عمران تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ان کے ہاں دو بچے مصر ہی میں پیدا ہو چکے تھے۔ سب سے بڑی لڑکی مریم نامی تھیں جن کا ذکر آگے اسی سورۃ میں آرہا ہے۔ ان سے چھوٹے حضرت ہارون علیہ السلام تھے اور حضرت ہارون کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو بنی اسرائیل کے لڑکے عام طور پر تہ تیغ ہو رہے تھے فرعونی عورتیں گشت کرتی رہتی تھیں اور حاملہ عورتوں کے نام لکھ لئے جاتے تھے۔ وضع حمل کے وقت یہ عورتیں پہنچ جاتیں تھیں۔ اگر لڑکی ہوتی تو واپس چلی جاتیں اور اگر لڑکا ہوتا تو فوراً جلادوں کو خبر کر دیتی تھیں۔ یہ لوگ تیز چھرے لئے ہوئے اسی وقت آجاتے تھے اور ماں باپ کے سامنے ان کے بچہ کے ٹکڑے کر کے چلے جاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جب آپ کا حمل ٹھہرا تو عام حمل کی طرح وہ ظاہر نہ ہوا اور جو عورتیں اس تحقیق پر مامور تھیں۔ اور جتنی دائیاں آئی تھیں کسی کو حمل کا پتہ ہی نہ چلا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تولد بھی ہو گئے۔ آپ کی والدہ اور اہل خاندان آپ کی ولادت کے وقت سخت پریشان تھے کہ کس طرح بچہ کو قاتلوں کی نگاہ سے محفوظ رکھیں؟ بہر حال جوں توں کر کے تین مہینہ تک آپ کو ہر ایک کی نگاہ سے اوجھل رکھا اور آپ کی پیدائش کی مطلق کسی کو خبر نہ ہونے دی لیکن جاسوسوں کی دیکھ بھال اور حالات کی نزاکت کی وجہ سے زیادہ دیر تک اس واقعہ کے پوشیدہ رہنے کی توقع نہ ہوسکی اور اس لئے آپ کی والدہ سخت پریشان ہونے لگیں۔ اس سخت اور نازک وقت میں آخر خدائے قدوس نے مدد کی اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام ہوا یا خواب دیکھایا اور کسی ذریعہ یعنی فرشتہ سے معلوم کرا دیا گیا کہ جب تک بچہ کے قتل کا اندیشہ نہ ہو برابر دودھ پلاتی رہو اور جب اندیشہ بچہ کے قتل کا ہو تو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ لکھا ہے کہ دریائے نیل کے کنارہ ہی پر آپ کا مکان تھا۔ ساتھ ہی آپ کی والدہ کو تسلی کر دی گئی کہ ڈرنا مت۔ بے کھٹکے بچہ کو نیل میں چھوڑ دیں۔ بچہ کی طرف سے ہرگز ہراساں اور آزردہ خاطر نہ ہوں ہم بہت جلد اس بچہ کو پھر تمہاری ہی آغوش شفقت میں پہنچا دیں گے۔ خدا کو اس سے بڑے کام لینے ہیں وہ منصب رسالت پر بھی سرفراز کیا جائے گا کوئی طاقت اللہ کے ارادہ میں حائل نہیں ہوسکتی۔ تمام رکاوٹیں دور کر کے وہ مقصد پورا کرنا ہے جو اس بچہ کی پیدائش سے متعلق ہے۔ آخر آپ کی والدہ نے ایسا ہی کیا اور جب افشائے راز کا خوف ہوا تو بچہ کو لکڑی کے ایک صندوق میں رکھ کر اللہ کے نام پر دریائے نیل میں چھوڑ دیا اور ساتھ ہی اپنی بڑی لڑکی مریم یعنی موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کو مامور کیا کہ وہ اس صندوق کے بہاؤ کے ساتھ کنارے کنارے چل کر صندوق کو نگاہ میں رکھے اور دیکھے کہ خدا اس کی حفاظت کا وعدہ کس طرح پورا فرماتا ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو خدائے تعالیٰ نے یہ بشارت پہلے ہی سنا دی تھی کہ ہم اس بچہ کو تیری ہی جانب واپس کر دیں گے اور یہ ہمارا پیغمبر اور رسول ہوگا۔ حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ برابر صندوق کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ کنارے کنارے اجنبی بن کر نگہداشت کرتی جارہی تھیں کہ انہوں نے دیکھا کہ صندوق تیرتے ہوئے شاہی محل کے کنارہ آلگا اور فرعون کے

لوگوں نے اسے اٹھالیا اور شاہی محل میں لے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے جب یہ دیکھا تو حالات کی صحیح تفصیل معلوم کرنے کے لئے شاہی محل کی خادماؤں میں شامل ہوگئیں۔ بہرحال وہ صندوق شاہی محل کے اندر لے جا کر کھولا گیا تو دیکھا کہ ایک حسین جمیل تندرست بچہ آرام سے لیٹا ہوا انگوٹھا چوس رہا ہے۔ یہاں تک واقعات بیان کرنے کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے پالنے کی غرض سے بچہ کو اٹھالیا مگر اس اٹھانے کا آخری نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ بچہ بڑا ہو کر فرعون اور فرعونیوں کا دشمن ثابت ہوا اور ان کے حق میں سوہان روح بنے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے کا موقع دیا۔ فرعون کو کیا خبر تھی کہ جس دشمن کے ڈر سے ہزارہا معصوم بچے تہ تیغ کرا چکا ہوں وہ یہی ہے۔ فی الحقیقت فرعون اور اس کے وزیر و مشیر اپنے ناپاک مقصد کے اعتبار سے بہت چوکے کہ بے شمار اسرائیلی بچوں کو ایک شبہ پر قتل کرنے کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو زندہ رہنے دیا۔ لیکن نہ چوکتے تو کیا کرتے۔ کیا خدا کی لکھی ہوئی تقدیر کو بدل سکتے تھے یا مشیت ایزدی کو روک سکتے تھے۔ رب العالمین کی کرشمہ سازی کہ وہ اپنی نادانی اور بے خبری میں اپنے دشمن کی پرورش پر نگراں مقرر کئے گئے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ فرعون کی بیوی جن کا نام آسیہ تھا انہوں نے بچہ کو دیکھا تو باغ باغ ہوگئیں اور انتہائی محبت سے اس کو پیار کیا اور کہنے لگیں کہ کیسا پیارا بچہ ہے۔ ہمارے کوئی لڑکا نہیں لاؤ اسی سے دل بہلائیں اور آنکھیں ٹھنڈی کیا کریں۔ حدیث کی ایک روایت میں مروی ہے کہ فرعون نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہوگا میرے لئے تو ٹھنڈک نہیں ہے۔ گویا تقدیر ازلی یہ الفاظ اس کی زبان سے کہلوا رہی تھی اور آخر وہی ہوا۔ فرعون کے بعض خدام نے قیاس سے کہا کہ یہ تو اسرائیلی بچہ معلوم ہوتا ہے اور ہمارے دشمنوں کے خاندان کا ہے اس کا قتل کرنا ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی ہمارے بادشاہ کے خواب کی تعبیر ثابت ہو۔ اس بات کو سن کر فرعون کو بھی یہی خیال پیدا ہوا اور اس بات کو بآسانی قیاس بھی کیا جا سکتا تھا کہ یہ ضرور کسی اسرائیلی کا بچہ ہے کیونکہ یہ صندوق اس جانب سے بہہ کر آیا ہے جدھر بنی اسرائیل رہتے تھے اور انہی کے بیٹے اس زمانہ میں قتل کئے جا رہے تھے اور انہی کے متعلق یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ کسی نے بچہ کو چھپا کر کچھ مدت تک پالا ہے اور پھر جب زیادہ دیر چھپ نہ سکا تو اب اسے اس امید پر دریا میں ڈال دیا کہ شاید اسی طرح اس کی جان بچ جائے اور کوئی اسے نکال کر پال لے تو انہی قیاسات کی بنا پر بعض وفادار غلاموں نے عرض کیا کہ حضور اسے فوراً قتل کرا دیں مگر فرعون کی بیوی نے کہا کہ اسے قتل نہ کرو بلکہ لے کر پال لو یہ جب ہمارے ہاں پرورش پائے گا اور ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں گے تو اسے کیا خبر ہوگی کہ میں اسرائیلی ہوں یہ اپنے آپ کو آل فرعون ہی کا ایک فرد سمجھے گا اور یہ بڑا ہو کر ہمارے کام آئے گا اور اگر یہ بنی اسرائیل ہی میں سے کسی نے خوف سے ڈالا ہے تو ایک لڑکا نہ مارا تو کیا ہوا کیا ضرور ہے کہ یہی وہ بچہ ہو جس سے ہمیں خوف ہے پھر جب ہم پرورش کریں گے تو خود ہی ہم سے شرمائے گا۔ کس طرح ممکن ہے کہ ہم سے ہی دشمنی کرنے لگے۔ فرعونیوں کو اللہ کی حکمت بالغہ کا علم نہ تھا۔ وہ واقف نہ تھے کہ پردہ ہی پردہ میں کیا گل کھلنے والا ہے اور گھر کے ہی چراغ سے گھر کو آگ لگنے والی ہے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام کو محل میں پرورش کرنا طے ہوگیا۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کی بیوی جن کا نام آسیہ تھا یہ نہایت ہی برگزیدہ۔ فضیلت مآب اور مومنہ خاتون تھیں ان کو موت کا یقین تھا۔ فرعون کے خدائی کی وہ قائل نہ تھیں۔ غیر اللہ کی

پرستش سے بیزار تھیں۔ فرعون کے کفر اس کے مظالم اور اس کی بداعمالیوں سے سخت بیزار اور نالاں تھیں اور خدا کی درگاہ میں فرعون کے مآل بد سے پناہ اور اپنی بخشش کی دعا مانگا کرتی تھیں۔ ان کی برگزیدگی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ تحریم ۲۸ ویں پارہ میں ان کا ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کے ساتھ اس طرح فرمایا:

"اور اللہ ان لوگوں کے لئے جو مومن ہیں مثال بیان کرتا ہے فرعون کی بیوی کی جبکہ انہوں نے دعاء کی کہ اے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنادے اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل کے اثر سے بچادے اور مجھے ظالم لوگوں سے بھی بچادے۔" (سورۃ التحریم آیت ۱۱)

لکھا ہے کہ جب فرعون پر ان کا حال کھلا تو ان کو چومیخا کر کے طرح طرح کی ایذائیں دیتا تھا اس حالت میں اللہ کی طرف سے جنت کا محل ان کو دکھلایا جاتا جس سے سب سختیاں آسان ہوجاتی تھیں۔ آخر فرعون نے ان کو سیاستۃً قتل کر دیا اور یہ جام شہادت نوش کر کے مالک حقیقی کے پاس جا پہنچیں۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مردوں میں تو بہت لوگ کمال کو پہنچے لیکن عورتوں میں آسیہ فرعون کی بیوی۔ اور مریم بنت عمران درجۂ کمال کو پہنچی تھیں اور عائشہ کی دیگر عورتوں پر فضیلت ایسی ہے جیسے ثرید کی دیگر کھانوں پر۔ حضرت آسیہ یعنی فرعون کی بیوی کی یہ فضیلت ضمناً درمیان میں آ گئی جو موقع کی مناسبت سے بیان کردی گئی۔

اب اصل مضمون کی طرف آیئے۔ یعنی جب شاہی محل میں موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مشورہ سامنے آیا تو فرعون کی بیوی نے کسی نہ کسی طرح فرعون کو اس پر راضی کرلیا کہ بچہ کو قتل نہ کیا جائے بلکہ محل میں پرورش کے لئے رکھ لیا جائے۔

عارفین نے لکھا ہے کہ اہل اللہ سے محبت رائیگاں نہیں جاتی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے محبت کا نتیجہ حضرت آسیہ نے مشاہدہ کرلیا کہ مشرف بایمان ہی نہیں ہوئیں بلکہ اپنے وقت میں تمام عالم کی عورتوں پر افضل قرار پائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کامل ہونے کا اعلان فرمایا۔ اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں ان کی پاک روح پر۔

الغرض ادھر تو محل میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ معاملہ ہوا اور ادھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بچہ کو دریا میں ڈال تو دیا تھا مگر ماں کی مامتا کہاں چین سے رہنے دیتی۔ رہ رہ کر موسیٰ علیہ السلام کا خیال آتا تھا اور دل بے قرار ہوجاتا تھا کہ پھر حق تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور ان کے دل کو مضبوط کردیا جس کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اے اللہ! بے شک تمام کاموں کی تدبیر آپ ہی فرمانے والے ہیں اور کوئی طاقت آپ کے ارادہ اور مشیت میں حائل نہیں ہوسکتی۔ اے اللہ آپ جس کام کا ارادہ کرلیں اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور آپ جس کی حفاظت فرمانا چاہیں تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یا اللہ! آپ نے اپنی جس قدرت کاملہ سے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے دشمن فرعون سے ظاہر میں پرورش کرایا۔ اس قدرت کاملہ پر ہم کو پورا اور پکا یقین وایمان نصیب فرما۔ یا اللہ آپ کی لکھی ہوئی تقدیر اور مشیت کو کون روک سکتا ہے جو آپ چاہتے ہیں وہ ہو کر رہتا ہے۔ یا اللہ! جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے بچہ کی جان کی پروانہ کی اور آپ کے امتثال حکم میں دریائے نیل میں ڈال دیا۔ یا اللہ ہم کو بھی وہ جذبہ عطا فرما کہ ہم بھی ہر حال میں اگرچہ کیسے ہی ناموافق حالات ہوں آپ کے احکام کی اطاعت اور فرمانبرداری سے نہ چوکیں۔ یا اللہ اپنی برکتوں اور رحمتوں کو ہر حال میں ہمارے شامل فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى

اور موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہوگیا قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال ظاہر کردیتیں اگر ہم اُن کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہیں کہ یہ

قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ

(ہمارے وعدہ پر) یقین کئے (بیٹھی) رہیں۔انہوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى

سو انہوں نے موسیٰ کو دور سے دیکھا اور اُن لوگوں کو خبر نہ تھی۔اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلائیوں کی بندش کر رکھی تھی سو وہ کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں

اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا

جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ دل سے اس کی خیر خواہی کریں۔غرض ہم نے موسیٰ کو اُن کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا تا کہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں

وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور تا کہ غم میں نہ رہیں اور تا کہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں رکھتے۔

وَاَصْبَحَ اور ہوگیا	فُؤَادُ دل	اُمِّ مُوْسٰى موسیٰ کی ماں	فٰرِغًا صبر سے خالی (بیقرار)	اِنْ تحقیق	كَادَتْ قریب تھا	لَتُبْدِیْ کہ ظاہر کردیتی
بِهٖ اس کو	لَوْلَا اگر نہ ہوتا	اَنْ رَّبَطْنَا کہ گرہ لگاتے ہم	عَلٰى قَلْبِهَا اس کے دل پر	لِتَكُوْنَ کہ وہ رہے	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ یقین کرنیوالے
وَقَالَتْ اور اس نے (موسیٰ کی والدہ نے) کہا	لِاُخْتِهٖ اسکی بہن کو	قُصِّيْهِ اس کے پیچھے جا	فَبَصُرَتْ پھر دیکھتی رہ	بِهٖ اس کو	عَنْ جُنُبٍ دور سے	
وَهُمْ اور وہ	لَا يَشْعُرُوْنَ (حقیقت حال) نہ جانتے تھے	وَحَرَّمْنَا اور ہم نے روک رکھا	عَلَيْهِ اس سے	الْمَرَاضِعَ دودھ پلانیوالی	مِنْ قَبْلُ پہلے سے	
فَقَالَتْ وہ (موسیٰ کی بہن) بولی	هَلْ اَدُلُّكُمْ کیا میں بتلاؤں تمہیں	عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ ایک گھر والے	يَّكْفُلُوْنَهٗ وہ اس کی پرورش کریں			
لَكُمْ تمہارے لئے	وَهُمْ اور وہ	لَهٗ اس کے لئے	نٰصِحُوْنَ خیر خواہ	فَرَدَدْنٰهُ تو ہم نے لوٹا دیا اس کو	اِلٰۤى اُمِّهٖ اس کی ماں کی طرف	
كَيْ تَقَرَّ تاکہ ٹھنڈی رہے	عَيْنُهَا اس کی آنکھ	وَلَا تَحْزَنَ اور وہ غمگین نہ ہو	وَلِتَعْلَمَ اور تاکہ جان لے	اَنَّ کہ	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	
	حَقٌّ سچا	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَهُمْ ان میں سے بیشتر	لَا يَعْلَمُوْنَ وہ نہیں جانتے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی والدہ نے بحکم الٰہی صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیا۔ اور یہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے کنارہ جا لگا جہاں اس کو فرعون کے لوگوں نے اٹھا کر محل میں پہنچایا۔ وہاں صندوق کو کھولا تو ایک جیتا جاگتا خوبصورت اور پیارا بچہ نکلا۔ فرعون کی بیوی اس بچہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور کسی طرح فرعون کو راضی کرلیا کہ بچہ کو پال لیا جائے اور بنی اسرائیل کا بچہ ہونے کے محض شک میں اس کو قتل نہ کیا جائے۔ چنانچہ ادھر محل میں تو بچہ کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ادھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب ان کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دیا تو اس کے بعد ان کا دل بہت بے چین ہوا۔ جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے۔ محبت مادری نے جوش مارا اور موسیٰ علیہ السلام کی یاد کے سوا کوئی

خیال ہی دل میں باقی نہ رہا اور قریب تھا کہ صبر وضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے اور کل معاملہ کو ظاہر کردیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے کسی سے ہوسکے تو خیر خبر لاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو صبر عطا فرما کر ان کا دل مضبوط باندھ دیا کہ خدائی راز قبل از وقت نہ کھلنے پائے اور انہیں ڈھارس اور تسکین دے دی اور راز کو فاش ہونے سے بچالیا۔ اور ان کے قلب میں اطمینان اور سکون نازل کیا اور انہیں یقین کامل کرادیا کہ تمہارا بچہ تمہیں ضرور مل جائے گا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہایا تھا تو اپنی بڑی لڑکی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ جو ذرا سمجھ دار تھیں ان سے کہا تھا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظریں جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ اور دیکھو کہ کیا انجام ہوتا ہے؟ چنانچہ یہ اس کو دور سے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجان پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ صندوق کا خیال رکھتے ہوئے اس کے ساتھ جارہی ہے۔ چنانچہ جب اس صندوق کو فرعون کے لوگ اٹھا کر شاہی محل میں لے گئے تو یہ بھی کسی حیلہ سے اندر پہنچیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ شاہی محل کی خادماؤں میں شامل ہوگئیں۔ الغرض جب حضرت آسیہ نے بچہ کو اپنی پرورش میں لے لیا تو اب یہ سوال پیدا ہوا کہ بچہ کے لئے کوئی دودھ پلائی یعنی اَنا مقرر کی جائے۔ چنانچہ شاہی محل میں جتنی اَنائیں تھیں سب کو بچہ دیا گیا اور ہر ایک نے بڑی محبت و پیار سے دودھ پلانا چاہا لیکن بحکم خدا بچہ نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے بچہ کی طبیعت میں یہ بات پیدا کردی کہ وہ کسی عورت کے پستان کو منہ ہی نہیں لگاتا۔ اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا کہ بچہ اپنی والدہ کے سوا اور کسی کا دودھ پئے اور اس میں راز یہ تھا کہ اس بہانے سے حضرت موسیٰ اپنی والدہ تک پہنچ جائیں۔ تو محل میں یہ سارا حال موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ انجان بن کر دیکھ رہی تھیں اور ایسی بے غرضی کے ساتھ حقیقت واقعہ کو معلوم کرلیا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ جب بچہ نے کسی کا دودھ نہ پیا اور محل والوں کو تشویش ہوئی کہ اب پرورش کی کیا صورت ہوگی تو موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے موقع پا کر کہا کہ کہ ایک گھر مجھے معلوم ہے جہاں ایک دودھ پلائی رہتی ہے اگر اس کے سپرد کردیا جائے تو وہ اور اس کے گھر والے خیر خواہی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیں گے۔ وہ اس کے بہی خواہ بھی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ بہی خواہی کا لفظ سن کر محل کی بعض عورتیں چوکنا ہوئیں اور یہ خیال کیا کہ یہ لڑکی شاید اس بچہ کے نسب اور ماں باپ سے واقف ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ تجھے کیا معلوم کہ وہ عورت اس کی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ تو سبحان اللہ! سمجھ دار بچی نے فوراً جواب دیا کہ میں اس وجہ سے کہتی ہوں کہ شہزادہ کو دودھ پلانا بڑی عزت کی بات ہے۔ کون نہ چاہے گا کہ شاہی محل میں اس کی عزت ہو اور انعام و اکرام کے خاطر کون اس بچہ سے ہمدردی نہ کرے گا؟ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی کے مشورہ کے موافق حضرت موسیٰ کی والدہ محل میں طلب کی گئیں۔ ادھر لطیفۂ غیبی کے انتظار میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ چشم براہ تھیں کہ لڑکی نے آ کر پوری داستان کہہ سنائی اور بتایا کہ جب موسیٰ نے کسی دایہ کا بھی دودھ نہ پیا تو میں نے کہا کہ ایک نہایت شریف اور نیک عورت ہے وہ اس بچہ کو اپنی اولاد کی طرح پرورش کرسکتی ہے۔ فرعون کی بیوی نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ فوراً آپ کو لے کر آؤں۔ یہ ہم پر خدا کا بڑا احسان اور فضل و کرم ہوا اب تم چل کر بچہ کو سینہ سے لگاؤ اور آنکھیں ٹھنڈی کرو اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کردیا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ شاہی محل میں پہنچیں اور بچہ کو چھاتی سے لگانا تھا کہ اس نے دودھ پینا شروع کردیا۔ فرعون کے گھر والوں کو بہت غنیمت معلوم ہوا کہ بچہ نے ایک عورت کا دودھ قبول کرلیا۔ حضرت آسیہ فرعون کی بیوی کو خبر دی گئی۔ آپ بہت خوش ہوئیں اور انا کو بہت کچھ انعام و اکرام

دیا لیکن انہیں یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہ بچہ کی والدہ ہیں۔ فقط اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پیا تھا وہ ان سے بہت خوش ہوئیں۔ اس کے بعد حضرت آسیہ نے کہا کہ میری خوشی ہے کہ تم محل ہی میں آجاؤ۔ یہیں رہو سہو اور اسے دودھ پلاتی رہو۔ ام موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہوسکتا میں بال بچوں والی ہوں میں اپنے گھر لے جا کر اس کی پرورش کروں گی اور کبھی کبھی آپ کے ہاں بھیج دیا کروں گی چنانچہ فرعون کی بیوی اس پر رضامند ہوگئیں۔ اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ قدیم زمانہ میں ان ممالک کے بڑے اور خاندانی لوگ بچوں کو اپنے ہاں پالنے کی بجائے عموماً اناؤں کے سپرد کر دیتے تھے اور وہ اپنے ہاں ان کی پرورش کرتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ مبارک میں بھی یہ ذکر آتا ہے کہ مکہ میں وقتاً فوقتاً اطراف ونواح کی عورتیں انا گیری کی خدمت کے لئے آتی تھیں اور سرداروں کے بچے دودھ پلانے کے لئے اچھے اچھے معاوضوں پر حاصل کر کے ساتھ لے جاتی تھیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں صحرا میں پرورش پائی۔ یہی طریقہ مصر میں بھی تھا اسی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے یہ نہیں کہا کہ میں ایک اچھی انا لا کر دیتی ہوں بلکہ یہ کہا کہ میں ایسے گھر کا پتہ بتاتی ہوں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں گے اور اسے خیر خواہی کے ساتھ پالیں گے۔ تو یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ میں اس بچہ کو اپنے گھر لے جا کر پرورش کر سکتی ہوں۔ اور پھر کبھی کبھی آپ کے پاس لے آیا کروں گی۔ جس پر حضرت آسیہ راضی ہوگئیں اور شاہی محل سے ام موسیٰ علیہ السلام کا روزینہ مقرر ہوگیا۔ کھانا کپڑا شاہی طریق پر ملتا اور انعام واکرام پاتیں۔ اللہ تعالیٰ نے کس حیرت انگیز طریقہ سے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام امن واطمینان کے ساتھ پھر آغوش مادری میں پہنچ گئے اور ام موسیٰ کا خوف بھی امن سے اور فقیری امیری سے بدل گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں ”جو شخص اپنی روزی کمانے کے لئے کام کرے اور اس کام میں اللہ کی خوشنودی پیش نظر رکھے اس کی مثال اُم موسیٰ کی سی ہے کہ انہوں نے اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلایا اور اس کی اجرت بھی پائی۔“ مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اگرچہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے کام کرتا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پیش نظر رکھ کر ایمانداری سے کام کرتا ہے۔ جس کے ساتھ معاملہ بھی کرتا ہے اس کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کرتا ہے اور رزق حلال سے اپنے نفس اور اپنے بال بچوں کی پرورش اللہ کی عبادت سمجھتے ہوئے کرتا ہے اس لئے وہ اپنی روزی کمانے پر بھی اللہ کے ہاں اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ گویا روزی بھی کمائی اور اللہ سے اجر وثواب بھی پایا۔ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور انہیں اپنے بچہ کی مفارقت کا صدمہ بھی نہ رہے اور تاکہ وہ اور زیادہ یقین کے ساتھ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے کہ اکثر آدمی مادہ پرست اور ظاہری اسباب کے گورکھ دھندے میں پھنسے ہوئے ہیں ان کو دست قدرت کی ہمہ گیری کا یقین نہیں۔ ان کی نظر صرف ظاہر پر ہوتی ہے۔ اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ جو کچھ خدا چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اگرچہ تمام دنیا مل کر اس کی مخالفت کرے بلکہ مخالفت کرنے والوں ہی سے خدا اس کام کو کراتا ہے اور ان کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔

یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا ذکر فرمایا گیا کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایام رضاعت اپنی والدہ کی آغوش میں اور ایام طفولیت فرعون کے محلات میں گزر ہوئے اور آپ پل کر جوان ہوئے۔ اب جوانی کے بعض واقعات اور پھر اس واقعہ کا ذکر فرمایا گیا کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر چھوڑنے کا باعث بنا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۴

اور جب اپنی بھری جوانی کو پہنچے اور (قوت جسمانیہ وعقلیہ سے) درست ہوگئے ہم نے اُن کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیک کاروں کو یونہی صلہ دیا کرتے ہیں

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ

اور موسیٰ شہر میں (یعنی مصر میں کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے باشندے بے خبر (سو رہے) تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَي الَّذِيْ مِنْ

ایک تو اُن کی برادری میں کا تھا اور دوسرا اُن کے مخالفین میں سے تھا سو وہ جو اُن کی برادری کا تھا اُس نے موسیٰ سے

عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۡ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ

اُسکے مقابلہ میں جو کہ اُن کے مخالفین میں سے تھا مدد چاہی تو موسیٰ نے اُس کو (ایک) گھونسا مارا سو اس کا کام ہی تمام کردیا۔ موسیٰ کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہوگئی بیشک شیطان کھلا دشمن ہے

مُّبِيْنٌ ۝۱۵ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۶

غلطی میں ڈال دیتا ہے۔ عرض کیا کہ اے پروردگار مجھ سے قصور ہوگیا ہے آپ معاف کردیجئے سو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا، بلاشبہ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۷

موسیٰ نے (یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپ نے مجھ پر بڑے بڑے انعامات فرمائے ہیں سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا۔

وَلَمَّا اور جب	بَلَغَ اَشُدَّهٗ وہ پہنچا اپنی جوانی	وَاسْتَوٰى اور پورا (توانا) ہوگیا	اٰتَيْنٰهُ ہم نے عطا کیا ہے	حُكْمًا حکمت	وَّعِلْمًا اور علم		
وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	نَجْزِي ہم بدلہ دیا کرتے ہیں	الْمُحْسِنِيْنَ نیکی کرنے والے	وَدَخَلَ اور وہ داخل ہوا	الْمَدِيْنَةَ شہر	عَلٰي حِيْنِ وقت پر		
غَفْلَةٍ غفلت	مِّنْ اَهْلِهَا اس کے باشندے	فَوَجَدَ تو اس نے پایا	فِيْهَا اس میں	رَجُلَيْنِ دو آدمی	يَقْتَتِلٰنِ وہ باہم لڑتے ہوئے		
هٰذَا یہ (ایک)	مِنْ سے	شِيْعَتِهٖ اس کی برادری	وَهٰذَا اور وہ (دوسرا)	مِنْ سے	عَدُوِّهٖ اس کے دشمن کا	فَاسْتَغَاثَهُ تو اس نے اس (موسیٰ) سے مدد مانگی	
الَّذِيْ وہ جو	مِنْ شِيْعَتِهٖ اس کی برادری سے	عَلَي اس پر	الَّذِيْ وہ جو	مِنْ عَدُوِّهٖ اس کے دشمن سے	فَوَكَزَهٗ تو ایک مکا مارا اس کو		
مُوْسٰى موسیٰ	فَقَضٰى پھر کام تمام کردیا	عَلَيْهِ اس کا	قَالَ اس نے کہا	هٰذَا یہ	مِنْ سے	عَمَلِ الشَّيْطٰنِ شیطان کا کام (حرکت)	اِنَّهٗ بیشک وہ
عَدُوٌّ دشمن	مُّضِلٌّ بہکانے والا	مُّبِيْنٌ صریح (کھلا)	قَالَ اس نے عرض کی	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّىْ بیشک میں	ظَلَمْتُ میں نے ظلم کیا	نَفْسِيْ اپنی جان
فَاغْفِرْ لِيْ پس بخشدے مجھے	فَغَفَرَ تو اس نے بخشدیا	لَهٗ اس کو	اِنَّهٗ بیشک	هُوَ وہی	الْغَفُوْرُ بخشنے والا	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان	قَالَ اس نے کہا
رَبِّ بِمَا اے میرے رب جیسا کہ	اَنْعَمْتَ تو نے انعام کیا	عَلَيَّ مجھ پر	فَلَنْ اَكُوْنَ تو میں ہرگز نہ ہوں گا	ظَهِيْرًا مددگار	لِّلْمُجْرِمِيْنَ مجرموں کا		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ایام طفولیت کا بیان ہوا کہ کس طرح آپ نے ایام رضاعت اپنی والدہ کی گود میں گزارے اور پھر ایام طفولیت شاہی تربیت میں فرعون کے محل میں بسر کئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ

السلام ایک عرصہ تک شاہی تربیت میں بسر کرتے کرتے جوانی کے دور میں داخل ہوئے تو نہایت قوی الجثہ اور بہادر جوان نکلے۔ چہرے سے رعب ٹپکتا اور گفتگو سے ایک خاص وقار اور شان عظمت ظاہر ہوتی تھی اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ وہ اسرائیلی ہیں اور مصری خاندان سے ان کا کوئی رشتہ قرابت نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا کہ بنی اسرائیل پر سخت مظالم ہو رہے ہیں اور مصر میں نہایت ذلت اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ کا خون کھولنے لگتا اور موقع بموقع آپ بنی اسرائیلیوں کی نصرت وحمایت میں پیش پیش ہو جاتے۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے جسمانی طاقت اور قوت کے ساتھ آپ کو علم و دانش سے بھی نوازا اور آپ کو خصوصی علم وفہم عطا فرمایا کیونکہ بچپن ہی سے آپ نیک کردار تھے موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے تو فرعون کی قوم سے بسبب ان کے ظلم اور کفر کے بیزار رہتے اور بنی اسرائیل آپ کے ساتھ لگے رہتے تھے آپ کی والدہ کا گھر شہر سے باہر تھا۔ حضرت موسیٰ کبھی وہاں جاتے اور کبھی فرعون کے محل میں آتے۔

ایک روز آپ شہر میں ایسے وقت پہنچے کہ سب لوگ غافل سو رہے تھے شاید رات کا وقت ہوگا تو دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک اسرائیلی ہے دوسرا قبطی۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر فریاد کی کہ مجھے اس قبطی کے ظلم سے چھڑائیے۔ لکھا ہے کہ وہ قبطی فرعون کا باورچی تھا جو ایک اسرائیلی کو بیگار کے لئے مجبور کر رہا تھا اور اس کو گھسیٹ رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی قبطیوں کے ظلم وستم کو جانتے تھے۔ اس وقت آنکھ سے اس کی زیادتی دیکھ کر جوش حمیت جاگ اٹھا۔ ممکن ہے سمجھانے بجھانے میں قبطی نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کوئی سخت لفظ کہہ دیا ہو جیسا کہ بعض تفاسیر میں ہے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام نے مظلوم کو ظالم کے ہاتھ سے بچانے کی نیت سے آگے بڑھ کر قبطی کے ایک گھونسہ رسید کیا۔ موسیٰ علیہ السلام اس وقت ماشاء اللہ پورے جوان اور بڑے طاقتور تھے۔ ایک ہی گھونسہ میں قبطی نے دم دے دیا۔ خود موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک گھونسہ میں اس کم بخت کا کام تمام ہو جائے گا اس لئے آپ پچھتائے کہ بے قصد خون ہوگیا کیونکہ آپ کا ارادہ ہرگز اس کے قتل کا نہ تھا اور ایک گھونسہ سے صرف تادیب وتنبیہ منظور تھی۔ جان سے مار ڈالنے کی نیت نہ تھی۔ پھر مصر میں آپ کے رہنے سہنے کا جو طرز عمل شروع سے رہا تھا اس سے لوگ مطمئن تھے کہ یونہی کسی کی جان و مال لینے والے نہیں پھر اس بلا ارادہ قتل سے فرقہ وارانہ اشتعال پیدا ہو کر دوسرے مصائب اور فتن کا دروازہ کھل جانے کا اندیشہ ہوا اس لئے آپ اپنے اس فعل پر دل میں نادم ہوئے اور سمجھے کہ اس میں کسی درجہ تک شیطان کا دخل ہے کیونکہ انسان کو وہی غلط راہ پر لگاتا ہے اس لئے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کرنے لگے کہ یہ جو کچھ ہوا نادانستگی میں ہوا۔ میں آپ سے مغفرت کا خواستگار ہوں۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ''انبیاء علیہم السلام کی فطرت ایسی پاک وصاف اور ان کی استعداد اس قدر اعلیٰ ہوتی ہے کہ نبوت ملنے سے پیشتر ہی وہ اپنے ذرہ ذرہ عمل کا محاسبہ کرتے ہیں اور ادنیٰ سی لغزش یا خطائے اجتہادی پر بھی حق تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی تقصیر کا اعتراف کر کے معافی چاہی۔ جو دیدی گئی اور غالباً اس معافی کا علم ان کو بذریعہ الہام وغیرہ ہوا ہوگا۔ آخر پیغمبر نبوت سے پہلے ولی تو ہوتے ہیں۔'' تو یہ قتل اگرچہ عمداً نہ تھا محض اتفاق تھا تاہم موسیٰ علیہ السلام اس فعل پر نادم ہوئے اور اپنی شان اور درجہ علم وحکمت کے لحاظ سے اس کو خطا تصور کر کے خدا سے مغفرت کے خواستگار ہوئے اور مغفرت ان کو

عطا فرمادی گئی۔ اس موقع پر آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ بنی اسرائیل اپنے محبوب ترین پیغمبر کا دامن بھی بے داغ نہیں چھوڑتے۔ موجودہ محرف توراۃ کا بیان ہے کہ معاذ اللہ حضرت موسیٰ نے دانستہ اور بالارادہ اس قبطی کو قتل کیا تھا اور اس کو ریت میں چھپا دیا تھا۔ موجودہ توراۃ کے کتاب خروج میں لکھا ہے۔

"اس نے دیکھا کہ ایک مصری اس کے ایک عبرانی بھائی کو مار رہا ہے۔ پھر اس نے ادھر ادھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اس نے مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا"۔

تو غور کیجئے کہ بنی اسرائیل خود اپنے اکابر کی سیرتوں کو کس طرح داغدار کرتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کے یہ نام نہاد معترف آپ پر دانستہ اور بالارادہ قتل کا الزام لگاتے ہیں جب کہ قرآن پاک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پوزیشن کس طرح صاف کرتا ہے۔

الغرض جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بشارت مغفرت سنادی گئی تو آپ نے کہا کہ اے میرے رب آپ نے جیسے اپنے فضل سے مجھ کو عزت۔ راحت اور قوت عطا فرمائی اور میری تقصیر کو معاف کیا اس کا شکریہ یہ ہے کہ میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔

ابن جریر اور متعدد دوسرے مفسرین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عہد میں کہ کبھی مجرموں کی مدد نہ کروں گا یہ مطلب لیا ہے کہ اسی روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی حکومت سے قطع تعلق کر لینے کا عہد کر لیا کیونکہ وہ ایک ظالم حکومت تھی اور اس نے خدا کی زمین پر ایک مجرمانہ نظام قائم کر رکھا تھا چنانچہ خدا کی قدرت کہ اگلے ہی روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے باہر جانے کے سامان ہو گئے جس کی تفصیل انشاء اللہ اگلی آیات میں آئے گی۔

علماء نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عہد سے استدلال کیا ہے کہ ایک مومن کو ظالم کی اعانت سے کامل اجتناب کرنا چاہئے خواہ وہ ظالم ایک فرد ہو یا گروہ یا حکومت وسلطنت۔ مشہور تابعی حضرت عطاؒ سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ میرا بھائی بنو امیہ کی حکومت میں کوفے کے گورنر کا کاتب ہے۔ معاملات فیصلہ کرنا اس کا کام نہیں ہے۔ البتہ جو فیصلے کئے جاتے ہیں وہ اس کے قلم سے جاری ہوتے ہیں اب اگر یہ نوکری وہ نہ کرے تو مفلس ہو جائے۔ حضرت عطاؒ نے جواب میں یہی آیت پڑھی اور فرمایا تیرے بھائی کو چاہئے کہ اپنا قلم پھینک دے رزق دینے والا اللہ ہے۔ الغرض اسی قبطی کے موت کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی مگر قاتل کا کچھ پتہ نہ چلا آخر مصریوں نے فرعون کے پاس استغاثہ کیا کہ یہ کام کسی اسرائیلی کا ہے آپ دادرسی فرمائیے۔ فرعون نے کہا کہ تم قاتل کا پتہ لگاؤ میں ضرور اس کو سزا دوں گا۔ اس مصری کے موت کے دوسرے ہی دن اتفاق سے یہ ظاہر ہوگیا کہ اس کے مارنے والے موسیٰ ہیں۔ یہ راز کیسے کھلا یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو ہر حال میں حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ظلم یا اس کی اعانت سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔ یا اللہ تمام برے کاموں اور شیطانی عملوں سے ہم کو بچائیے اور حق کی حمایت اور باطل سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائیے۔ یا اللہ! جس کو آپ حکمت اور علم کی دولت عطا فرمادیں تو یہ آپ کا خاص فضل کرم اور احسان ہے۔ یا اللہ اپنی شان غفور الرحیمی سے ہماری تمام گذشتہ تقصیرات کو معاف فرمادے اور آئندہ ہر چھوٹی بڑی غلطی سے بچنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۚ

پھر موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت کی حالت میں کہ اچانک وہی شخص جس نے کل گذشتہ میں اُن سے مدد چاہی تھی وہ پھر اُن کو پکار رہا ہے،

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ

موسیٰ اس سے فرمانے لگے بیشک تو صریح بدراہ آدمی ہے۔ سو جب موسیٰ نے اُس پر ہاتھ بڑھایا جو اُن دونوں کا مخالف تھا

لَهُمَا قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِنْ تُرِيدُ

وہ اسرائیلی کہنے لگا اے موسیٰ کیا مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک آدمی قتل کرچکے ہو بس تم دنیا میں

إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۹﴾ وَجَاءَ

اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے۔اور ایک شخص شہر کے کنارہ سے

رَجُلٌ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ

دوڑے ہوئے آئے کہنے لگے کہ اے موسیٰ اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کررہے ہیں کہ آپ کو قتل کردیں سو آپ (یہاں سے) چل دیجئے

فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي

میں آپ کی خیرخواہی کررہا ہوں۔ پس (یہ سُن کر) موسیٰ وہاں سے (کسی طرف کو) نکل گئے خوف اور وحشت کی حالت میں، کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو

مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۱﴾

ان ظالم لوگوں سے بچالیجئے۔

فَأَصْبَحَ پس صبح ہوئی اس کی	فِي الْمَدِينَةِ شہر میں	خَائِفًا ڈرتا ہوا	يَتَرَقَّبُ انتظار کرتا ہوا	فَإِذَا الَّذِي تو ناگہاں وہ جس	اسْتَنْصَرَهُ اس نے مدد مانگی تھی اس سے			
بِالْأَمْسِ کل	يَسْتَصْرِخُهُ وہ (پھر) اس سے فریاد کررہا ہے	قَالَ کہا	لَهُ اس کو	مُوسَىٰ موسیٰ	إِنَّكَ بیشک تو	لَغَوِيٌّ البتہ گمراہ	مُبِينٌ کھلا	
فَلَمَّا پھر جب	أَنْ کہ	أَرَادَ ان سے چاہا	أَنْ کہ	يَبْطِشَ ہاتھ ڈالے	بِالَّذِي اس پر جو	هُوَ وہ	عَدُوٌّ لَهُمَا ان دونوں کا دشمن	قَالَ اس نے کہا
يَا مُوسَىٰ اے موسیٰ	أَتُرِيدُ کیا تو چاہتا ہے	أَنْ کہ	تَقْتُلَنِي تو قتل کردے مجھے	كَمَا قَتَلْتَ جیسے قتل کیا تو نے	نَفْسًا ایک آدمی			
بِالْأَمْسِ کل	إِنْ نہیں	تُرِيدُ تو چاہتا	إِلَّا مگر۔صرف	أَنْ تَكُونَ کہ تو ہو	جَبَّارًا زبردستی کرتا	فِي الْأَرْضِ سرزمین میں	وَ اور	
مَا تُرِيدُ تو نہیں چاہتا	أَنْ کہ	تَكُونَ تو ہو	مِنَ سے	الْمُصْلِحِينَ (واحد) مصلح	وَجَاءَ اور آیا	رَجُلٌ ایک آدمی	مِنْ سے	
أَقْصَا الْمَدِينَةِ شہر کا پرلا سرا	يَسْعَىٰ دوڑتا ہوا	قَالَ اس نے کہا	يَا مُوسَىٰ اے موسیٰ	إِنَّ بیشک	الْمَلَأَ سردار	يَأْتَمِرُونَ وہ مشورہ کررہے ہیں		
بِكَ تیرے بارے میں	لِيَقْتُلُوكَ تاکہ قتل کرڈالیں تجھے	فَاخْرُجْ پس تو نکل جا	إِنِّي بیشک میں	لَكَ تیرے لئے	مِنَ سے	النَّاصِحِينَ خیرخواہ		

فَخَرَجَ پس وہ نکلا	مِنْهَا وہاں سے	خَآئِفًا ڈرتے ہوئے	يَتَرَقَّبُ انتظار کرتے ہوئے	قَالَ اس نے کہا(دعا کی)	رَبِّ اے میرے پروردگار
	نَجِّنِيْ مجھے بچالے	مِنَ سے	الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ظالموں کی قوم		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ مصری اور اسرائیلی کے جھگڑے میں جس میں مصری کی زیادتی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تادیباً تنبیہ کی غرض سے ایک گھونسہ مصری کو رسید کیا اور اتفاق امر کہ وہ گھونسہ لگتے ہی مرگیا جس کا شہر میں چرچا ہوگیا اور فرعون تک شکایت پہنچی جس نے قاتل کا پتہ لگانے کا حکم دیا۔ اس واقعہ سے بجز اس اسرائیلی کے اور کوئی واقف نہ تھا اور چونکہ اس کی حمایت میں یہ واقعہ ہوا تھا اس لئے اس نے اظہار نہیں کیا اور کسی کو اطلاع نہ ہوئی مگر موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ رہا کہ مقتول کے وارث فرعون کے پاس فریاد لے گئے ہوں گے دیکھئے کس پر جرم ثابت ہو اور مجھ سے کیا سلوک کریں۔ الغرض رات گزری۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ صبح کے وقت آپ اس واقعہ کے نتیجہ کے انتظار اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے تو اتفاق امر آپ نے دیکھا کہ وہی اسرائیلی کسی دوسرے مصری سے جھگڑ رہا ہے اور مصری غالب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر کل کی طرح آج بھی اس نے فریاد کی اور موسیٰ علیہ السلام سے دادرسی کا خواستگار ہوا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوہری ناگواری محسوس کی۔ ایک جانب قبطی کا ظلم تھا دوسری جانب اسرائیلی کا شور غوغا اور گذشتہ واقعہ کی یاد تھی۔ اس حالت میں ایک طرف تو آپ نے مصری کو باز رکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور ساتھ ہی اسرائیلی کو بھی جھڑکتے ہوئے فرمایا کہ بیشک تو صریح بدراہ آدمی ہے کہ روز جھگڑے مول لے کر داد فریاد کیا کرتا ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ کو ہاتھ بڑھاتے اور پھر اپنے متعلق تلخ و ناگوار الفاظ کہتے سنا تو یہ سمجھا کہ مجھ کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور مجھ کو گرفت میں لینا چاہتے ہیں اس لئے فوراً چیخ اٹھا کہ کل آپ نے اس قبطی کو مار ڈالا آج میری جان لینا چاہتے ہیں مصری نے جب یہ سنا تو اسی وقت فرعونیوں سے کہہ کر ساری داستان جا سنائی۔ اب تک کل کے قبطی کا قتل جو پردۂ راز میں تھا وہ ظاہر ہوگیا۔ چنانچہ فرعون کو اطلاع دی گئی کہ کل کے مصری کے قاتل موسیٰ ہیں فرعون نے جو یہ سنا تو جلاد کو حکم دیا کہ موسیٰ کو گرفتار کر کے حاضر کرے اور مشورہ میں موسیٰ علیہ السلام کا قتل کرنا طے پایا۔ مصریوں کے اس مجمع میں ایک نیک طینت اور پاک باطن شخص بھی تھا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی ہمدردی اور خیر خواہی پیدا کردی تھی۔ اس نے فرعون کا جو یہ حکم سنا تو فرعونی جلادوں سے پہلے ہی دربار سے نکل کر بعجلت تمام دوڑتا بھاگتا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان سے سارا قصہ بیان کیا اور ان کو مشورہ دیا کہ اس وقت مصلحت یہی ہے کہ آپ فی الفور شہر چھوڑ کر چلے جائیں اور کہیں ایسی جگہ چلے جائیں جہاں مصریوں کی دسترس نہ ہوسکے۔ ورنہ آپ کی جان اب سخت خطرہ میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے مشورہ کو قبول کیا اور خدا سے دعا کی اور ڈرتے ڈرتے مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تو راستہ سے واقف نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ سیدھے راستہ پر چلائیے اور ان ظالموں سے بچائیے۔

لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تو راستہ سے واقف نہ تھے اور چونکہ فرعون کے خوف سے نکلے تھے آپ کے ہمراہ نہ کوئی رفیق رہنما تھا اور نہ زادراہ اور تیز روی کی وجہ سے برہنہ پا تھے لکھا ہے کہ اس تمام سفر میں موسیٰ علیہ السلام کی خوراک درختوں کے پتوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھی اور برہنہ پا ہونے کی وجہ سے سفر کی طوالت نے پاؤں کے تلوؤں کی کھال تک اڑادی تھی۔ اس پریشان حالی میں موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین آٹھ دس دن کی مسافت پر پہنچے۔ اب جب مدین کی سرزمین میں پہنچے تو وہاں کیا حالات وواقعات پیش آئے یہ اگلی آیات میں ظاہر کردیا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا

اور جب موسیٰ مدین کی طرف ہولئے کہنے لگے کہ امید ہے کہ میرا رب مجھ کو سیدھا راستہ چلائے گا۔اور جب

وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۟ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ

مدین کے پانی (یعنی کنویں) پر پہنچے تو اُس پر آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو پانی پلا رہے تھے،اور ان لوگوں سے ایک طرف (الگ) کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں،

امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا

موسیٰ نے (اُن سے) پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے وہ دونوں بولیں کہ ہم (اپنے جانوروں کو) اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ چرواہے پانی پلا کر (جانوروں کو) ہٹا کر نہ لیجاویں اور ہمارے باپ

شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ

بہت بوڑھے ہیں۔پس یہ (سن کر) موسیٰ نے اُن کیلئے پانی (کھینچ کر اُن کے جانوروں کو) پلایا پھر (وہاں سے) ہٹ کر سایہ میں جا بیٹھے پھر (دعاء کی کہ اے میرے پروردگار اسوقت جو نعمت بھی

فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ

آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا سخت حاجت مند ہوں۔سو موسیٰ کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تا کہ تم کو اس کا صلہ دیں

مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ

جو تم نے ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلا دیا تھا سو جب اُن کے پاس پہنچے اور اُن سے تمام حال بیان کیا تو اُنہوں نے کہا کہ (اب) اندیشہ نہ کرو

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

تم ظالم لوگوں سے بچ آئے۔

وَلَمَّا اور جب	تَوَجَّهَ اس نے رُخ کیا	تِلْقَآءَ طرف	مَدْيَنَ مدین	قَالَ کہا	عَسٰى امید ہے	رَبِّيْ میرا رب	اَنْ يَّهْدِيَنِيْ کہ مجھے دکھائے	
سَوَآءَ السَّبِيْلِ سیدھا راستہ	وَلَمَّا اور جب	وَرَدَ وہ آیا	مَآءَ پانی	مَدْيَنَ مدین	وَجَدَ اس نے پایا	عَلَيْهِ اس پر	اُمَّةً ایک گروہ	مِنَ سے۔کا
النَّاسِ لوگ	يَسْقُوْنَ پانی پلا رہے ہیں	وَوَجَدَ اور اس نے پایا (دیکھا)	مِنْ دُوْنِهِمُ ان سے علیحدہ	امْرَاَتَيْنِ دو عورتیں	تَذُوْدٰنِ روکے ہوئے ہیں			
قَالَ اس نے کہا	مَا خَطْبُكُمَا تمہارا کیا حال ہے	قَالَتَا وہ دونوں بولیں	لَا نَسْقِيْ ہم پانی نہیں پلاتیں	حَتّٰى جب تک کہ	يُصْدِرَ واپس لے جائیں			
الرِّعَآءُ چرواہے	وَاَبُوْنَا اور ہمارے ابا	شَيْخٌ كَبِيْرٌ بہت بوڑھے	فَسَقٰى تو اس نے پانی پلایا	لَهُمَا ان کے لئے	ثُمَّ تَوَلّٰٓى پھر وہ پھر آیا	اِلَى الظِّلِّ سایہ کی طرف		
فَقَالَ پھر عرض کیا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّيْ بیشک میں	لِمَآ اس کا جو	اَنْزَلْتَ تو اُتارے	اِلَيَّ میری طرف	مِنْ خَيْرٍ کوئی بھلائی (نعمت)		
فَقِيْرٌ محتاج	فَجَآءَتْهُ پھر اسکے پاس آئی	اِحْدٰىهُمَا اُن دونوں میں سے ایک	تَمْشِيْ چلتی ہوئی	عَلَى اسْتِحْيَآءٍ شرم سے	قَالَتْ وہ بولی	اِنَّ بیشک		
اَبِيْ میرا والد	يَدْعُوْكَ تجھے بلاتا ہے	لِيَجْزِيَكَ تا کہ تجھے دے وہ	اَجْرَ صلہ	مَا سَقَيْتَ جو تو نے پانی پلایا	لَنَا ہمارے لئے	فَلَمَّا پس جب		

جَآءَهٗ اس کے پاس گیا	وَ قَصَّ اور بیان کیا	عَلَيْهِ اس سے	الْقَصَصَ احوال	قَالَ اس نے کہا	لَا تَخَفْ ڈرو نہیں	نَجَوْتَ تم بچ آئے
	مِنَ سے	الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ظالموں کی قوم				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ قبطی کے قتل کا راز معلوم ہوجانے پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم جاری کردیا اور مشورہ میں طے پایا کہ آپ کو قتل کردیا جائے۔ تو جس وقت فرعون کے دربار میں یہ مشورہ ہورہا تھا ایک نیک طینت کے دل میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ہمدردی پیدا فرمادی اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلدی سے واقعہ کی اطلاع دے کر مشورہ دیا کہ آپ فوراً اب شہر سے کہیں نکل جائیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ تن وتنہا سفر وہ بھی پیادہ پا۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ کانٹوں نے پاؤں چھلنی کردیئے پھر راستہ میں کچھ کھانے پینے کو نہ ملا۔ درختوں کے پتوں۔ پر گزر کی۔ راستہ معلوم نہ تھا سفر کے عادی نہ تھے۔ شدائد کو برداشت کرنے کے خوگر نہ تھے لیکن اللہ کا نام لے کر چل کھڑے ہوئے۔ اللہ کے منتخب اور برگزیدہ بندے وہی ہیں جو عیش وراحت میں پڑ کر نہ خدا کو بھولتے ہیں نہ رنج وغم میں اپنا مرکز توجہ اس سے ہٹاتے ہیں۔ سکھ میں یاد الٰہی اور دکھ میں صبر وامید قائم رکھتے ہیں۔ اور چونکہ مقبولین کا عیش وسرور اور غم والم مراتب اور درجات میں اضافہ کرنے کے لئے ہوتا ہے اس لئے ان کو نہ راحت میں غرور پیدا ہوتا ہے اور نہ دکھ میں شکوہ۔ پھر ایسے بندوں کی کارسازی عالم غیب سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ راہ نجات اور طریق کامرانی خود ان کو بتا دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی یہی حالت تھی۔ اگرچہ آپ نے فرعون کے محل میں شاہزادوں کی طرح پرورش پائی تھی لیکن فرعون کی پر جبروت طاقت اور شاہانہ عیش وآرام نے فرعونی مذہب کی طرف آپ کو مائل نہیں کیا۔ اور غیر اللہ کی پرستش سے آپ کو فطری نفرت رہی اور فرعون کی ظلم وزیادتی سے آپ بیزار ہوگئے تھے جس کی بنا پر آپ نے حق تعالیٰ سے عہد فرمایا تھا فلن اکون ظهيراً للمجرمين۔ سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا اور آپ نے فرعون اور اس کی حکومت سے قطع تعلق کر لینے کا عہد کر لیا تھا کیونکہ وہ ظالم اور مجرم حکومت تھی تو اصل بات تو یہ تھی لیکن اتفاقاً قتل قبطی کا واقعہ پیش آ گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے ساری راحت ونعمت پر لات مار کر مصر سے روانہ ہوگئے۔ اس وقت ممکن تھا کہ نیچے کی جانب اتر کر افریقہ کے صحرا میں چلے جاتے یا کسی اور طرف کا رخ کر لیتے لیکن بمشیت الٰہی آپ مدین کے راستہ پر پڑ گئے۔ لکھا ہے کہ مصر سے مدین کو تین راستہ گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درمیانی راستہ اختیار کیا تھا اور یہ صرف غیبی رہنمائی تھی۔ اور آپ کا پیچھا کرنے والے فرعونی سپاہی دائیں بائیں کے راستوں پر گئے۔ الغرض آپ بھوکے پیاسے اور پریشان حالی میں مدین جو مصر سے آٹھ دس دن کی مسافت پر تھا پہنچے جب مدین کی سرزمین پر قدم رکھا تو ایک جگہ دیکھا کہ کنویں کے سامنے گڈریوں اور چرواہوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور جانوروں کو پانی پلایا جارہا ہے مگر اس جماعت اور بھیڑ سے ذرا فاصلہ پر دولڑکیاں کھڑی ہیں جو اپنے جانوروں کو پانی پر جانے سے روک رہی ہیں۔ اور خاموشی سے مجمع کے منتشر ہوجانے کا انتظار کررہی ہیں موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر یہ بے چاری عورتیں نہ پانی نکال کر پلاسکتی ہیں اور نہ دوسرے چرواہوں میں سے کوئی اس کا روادار ہے کہ اپنے کھینچے ہوئے پانی میں سے ان کی بکریوں کو بھی پلادے۔ تو آپ کو رحم وترس آیا اور آگے بڑھ کر لڑکیوں سے پوچھا کہ تم پانی کیوں نہیں پلاتیں۔ پیچھے کس لئے کھڑی ہو تو ان میں سے ایک نے دونوں کی طرف

سے جواب دیا کہ ہم تو پانی نکال نہیں سکتے۔ جب یہ دوسرے چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تو بچا کھچا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلا دیں گے۔ ہمارے والد ہیں لیکن وہ بہت ہی بوڑھے ہیں اس لئے مجبوراً ہم کو خود یہ کام کرنا پڑتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ترس آیا اور کمزور کی اعانت کا جذبہ کارفرما ہوا۔ آپ آگے بڑھے اور تمام بھیڑ کو چیرتے ہوئے کنویں پر جا پہنچے اور کنویں کا بڑا ڈول اٹھایا اور تنہا کھینچ کر لڑکیوں کے مویشیوں کو پانی پلا دیا۔ لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مجمع کو چیرتے ہوئے کنویں کے پاس جانے لگے تو اگرچہ لوگوں کو ناگوار گزرا مگر آپ کی پرجلال صورت اور جسمانی طاقت سے مرعوب ہو گئے اور ڈول کو تنہا کھینچتے دیکھ کر آپ کی قوت کو مان گئے۔ غرض ان لڑکیوں کے گلے نے پانی پی لیا تو وہ گھر کو واپس چلیں۔ گھر پہنچیں تو خلاف عادت جلد واپسی پر ان کے والد کو تعجب ہوا اور دریافت کرنے پر لڑکیوں نے تمام ماجرا کہہ سنایا کہ کس طرح ایک نوجوان نے جو نووارد اور مسافر معلوم ہوتا تھا ان کی مدد کی۔ ان کے والد نے کہا کہ جاؤ اور ان کو میرے پاس لے آؤ۔ اکثر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ لڑکیوں کے باپ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ تو ادھر تو باپ بیٹی کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی تھی اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پانی پلانے کے بعد قریب ہی ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر سستانے لگے۔ مسافرت۔ غربت اور پھر بھوک پیاس۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر اے پروردگار تو جو عافیت اور بھلائی مجھے عطا فرمائے میں اس کا محتاج ہوں یعنی غریب الوطن بھی ہوں۔ کوئی دوست یا رشتہ دار بھی ساتھ نہیں۔ مفلس بھی ہوں۔ فاقہ سے بھی ہوں۔ تھکا ماندہ بھی ہوں اس وقت جو بھی بہتر سامان تو اپنی قدرت سے کر دے میں اس کا ضرور تمند اور محتاج ہوں۔ ابھی موسیٰ علیہ السلام دعاء سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی جیسا کہ شریف اور پاکباز عورتوں کا قاعدہ ہے۔ شرم وحیا سے اپنی چادر میں لپٹی ہوئی۔ منہ بھی چادر کے کنارے سے چھپائے ہوئے۔ چنانچہ نیچی نظریں کئے ہوئے لڑکی نے کہا ''آپ ہمارے گھر چلئے۔ ہمارے والد بلاتے ہیں وہ آپ کے اس احسان کا بدلہ دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ خدا نے میری دعا سن لی اور یہ اسی کا پیش خیمہ ہے اس لئے چلنا ہی بہتر ہے اور اس دعوت کو رد کرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ آپ چلنے کے لئے کھڑے ہوئے اور لڑکی کو ہدایت فرمائی کہ میں آگے چلوں گا تم پیچھے پیچھے چلو چنانچہ لڑکی پیچھے پیچھے راستہ بتلاتی گھر لے کر پہنچی۔ موسیٰ علیہ السلام ان بزرگ صورت و سیرت انسان کی خدمت میں پہنچ کر شرف ملاقات سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ان بزرگ نے پہلے کھانا کھلایا اور پھر اطمینان کے ساتھ بٹھا کر ان کے حالات سنے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے من وعن اپنی ولادت و حسب نسب سے شروع کر کے آخر تک ساری داستان کہہ سنائی۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ اب تم کچھ اندیشہ نہ کرو۔ یہاں فرعون کی دسترس نہ ہوگی۔ تم ظالموں کے پنجہ سے نکل آئے۔ خدا کا شکر کرو اب کوئی خوف کا مقام نہیں۔

علماء لکھتے ہیں کہ جن کے رتبہ ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ سب سے سخت امتحان اور ابتلاء انبیاء کا ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لق و دق صحرا میں بھوکا پیاسا پیادہ پا حالت خوف میں سفر کرانا یہ آپ کی آزمائش تھی اس میں تعلیم اور اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر راحت وعیش کے بعد مصیبت آپڑے تو آدمی کو صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے۔ رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ سیدھا راستہ ملنے کی دعا اسی سے کرنا چاہئے۔ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ پھر یہاں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کمزوروں کی خدمت بغیر لالچ کے

کرنی اہل طاقت کا شعار ہونا چاہئے اور پھر خدمت کر کے احسان جتانا اہل ایمان وصلاح کا شیوہ نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی لڑکیوں پر اپنی خدمت کا احسان نہ رکھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر محرم سے بضرورت بخلوص نیت کلام کرنا جائز ہے لیکن بلا ضرورت ناجائز ہے۔جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا اول لڑکیوں سے ان کا کام دریافت کیا پھر خاموشی سے کام کرنے کے بعد کوئی گفتگو نہ کی ان واقعات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کمزور کی خدمت رائیگاں نہیں جاتی پروردگار عالم غیب سے اجر عطا فرماتا ہے اور ایسا عظیم الشان اجر عطا فرماتا ہے کہ جو خدمت سے زیادہ ہوتا ہے مگر بیکسوں کی خدمت کے وقت معاوضہ کی خواہش دل میں نہ ہونی چاہئے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس خدمت کے عوض وہ اجر ملا جس کا آپ کو گمان بھی نہ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔ اے میرے پروردگار آپ جو نعمت بھی عطا کریں میں اس کا حاجتمند ہوں۔اس کے متعلق بزرگان دین نے لکھا ہے کہ سخت حاجت کی حالت میں بندہ کا اضطراری کیفیت سے اس دعا کا مانگنا تجربہ سے اکسیر ثابت ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مقبولین کی اتباع میں سخت حاجت کی حالت میں اس دعا کے ذریعہ اپنے طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اس دعا کے کیا برکات وثمرات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوئے۔ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! آپ ہم کو جس حال میں بھی رکھیں حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو راحت یا تکلیف جو بھی پیش آئے ہر حال میں صبر وشکر کی توفیق نصیب ہو۔اور آپ کی غیبی امداد اور نصرت ہمارے شامل حال ہو۔

یا اللہ آپ کی رضا کے لئے ہمیں بھی اپنے ضعیف اور کمزور بندوں کی خدمت کی توفیق اور مواقع نصیب فرما۔

یا اللہ آپ اپنے مقبولین ومحبوبین کا امتحان وآزمائش بھی سخت لیتے ہیں۔ ہم ضعیف الایمان ہیں کسی ابتلا اور آزمائش کی طاقت نہیں رکھتے۔

یا اللہ ہمارے ساتھ اپنے کرم سے احسان ہی کا معاملہ فرمائیں اور ہماری ہر مشکل کو آسان فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَتْ إِحْدٰىهُمَا يٰٓأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنِّيْٓ أُرِيْدُ

ایک لڑکی نے کہا کہ ابا جان آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہے جو مضبوط امانت دار ہو۔وہ کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں

أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى أَنْ تَأْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا

کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو، پھر اگر تم دس سال پورے کردو

فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَآ أُرِيْدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٢٧﴾

تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے،اور میں (اس معاملہ میں) تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا تم مجھ کو ان شاء اللہ تعالیٰ خوش معاملہ پاؤ گے۔

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٢٨﴾ ع

موسیٰ کہنے لگے کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان (پکی) ہو چکی، میں ان دونوں مدتوں میں سے جس کو بھی پوری کردوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا،اور ہم جو (معاملہ کی) بات چیت کررہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا گواہ (کافی) ہے۔

قَالَتْ بولی وہ	إِحْدٰىهُمَا ان میں سے ایک	يٰٓأَبَتِ اے میرے باپ	اسْتَأْجِرْهُ اسے ملازم رکھ لو	إِنَّ بیشک	خَيْرَ بہتر	مَنِ جو۔جسے	
اسْتَأْجَرْتَ تم ملازم رکھو	الْقَوِيُّ طاقتور	الْأَمِيْنُ امانت دار	قَالَ (شعیب نے) کہا	إِنِّيْٓ أُرِيْدُ بیشک میں چاہتا ہوں	أَنْ کہ	أُنْكِحَكَ نکاح کردوں تجھ سے	
إِحْدَى ایک	ابْنَتَيَّ اپنی دو بیٹیاں	هٰتَيْنِ یہ دو	عَلٰٓى (اس شرط) پر	أَنْ کہ	تَأْجُرَنِيْ تم میری ملازمت کرو	ثَمٰنِيَ حِجَجٍ آٹھ سال	فَإِنْ پھر اگر
أَتْمَمْتَ تم پورے کرو	عَشْرًا دس	فَمِنْ عِنْدِكَ تو تمہاری طرف سے	وَ اور	مَآ أُرِيْدُ نہیں چاہتا میں	أَنْ أَشُقَّ کہ میں مشقت ڈالوں	عَلَيْكَ تم پر	
سَتَجِدُنِيْٓ عنقریب تم پاؤ گے مجھے	إِنْ شَآءَ اللّٰهُ ان شاء اللہ (اگر اللہ نے چاہا)	مِنَ سے	الصّٰلِحِيْنَ نیک (خوش معاملہ) لوگ	قَالَ اس نے کہا			
ذٰلِكَ یہ	بَيْنِيْ میرے درمیان	وَبَيْنَكَ اور تمہارے درمیان	أَيَّمَا جو	الْأَجَلَيْنِ مدت دونوں میں	قَضَيْتُ میں پوری کروں	فَلَا عُدْوَانَ کوئی جبر (مطالبہ) نہیں	
	عَلَيَّ مجھ پر	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلٰى پر	مَا نَقُوْلُ جو ہم کہہ رہے ہیں	وَكِيْلٌ گواہ		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ مصر سے نکل کر کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام قبیلہ مدین کے بزرگ میزبان حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے سارا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سن کر اپنی پیغمبرانہ فراست سے سمجھ لیا ہوگا کہ آج مدین میں کس درجہ برگزیدہ مسافر وارد ہوا ہے یا الہام کے ذریعہ سے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جلیل القدر اور اولوالعزم ہونا معلوم ہو گیا ہو اور ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے حضرت شعیب علیہ السلام مامور ہو گئے ہوں کہ موسیٰ کو اپنے پاس رکھو تا کہ ان کی روح میں روشنی قلب میں سکون اور قوتوں میں اعتدال پیدا ہو جائے اور آپ کی فطرت اور طبیعت اس خاص معیار پر پہنچ جائے جس کے لئے مشیت ایزدی پہلے سے مقدر ہو چکی تھی اور جس کی بشارت آپ کی ولادت ہی کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ کو دے دی گئی تھی یعنی منصب نبوت ملنے کی۔ الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام اب حضرت شعیب علیہ السلام کے مہمان تھے۔

اب آگے کے واقعات وحالات ان آیات میں بیان کئے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ وہی صاحبزادی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کنویں پر سے بلانے گئی تھیں انہوں نے اپنے والد

سے کہا آپ اس مہمان کو اپنے مویشیوں کے چرانے اور پانی وغیرہ پلانے کے لئے ملازم رکھ لیجئے اس وجہ سے کہ بہترین ملازم کی دو صفتیں ہیں۔قوت اور امانت اور یہ دونوں صفتیں ان میں موجود ہیں۔مفسرین نے لکھا ہے کہ اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے بیٹی سے دریافت کیا کہ تم کو اس مہمان کی قوت و امانت کا حال کیا معلوم؟ تو لڑکی نے جواب دیا کہ مہمان کی قوت کا اندازہ تو اس سے کیا کہ پورے مجمع کو ہٹا کر کنویں کا بڑا ڈول جو کئی آدمی مل کر کھینچتے ہوں گے انہوں نے تنہا بھر کر کھینچ لیا اور امانت کا اندازہ اس طرح ہوا کہ جب میں ان کو بلانے گئی تو انہوں نے مجھے دیکھ کر نیچی نظریں کرلیں اور گفتگو کے دوران میں ایک مرتبہ بھی میری طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا اور جب گھر آنے لگے تو مجھ کو پیچھے چلنے کو کہا اور خود آگے چلے اور صرف اشاروں سے میں ان کی رہنمائی کرتی رہی۔ بزرگ باپ نے بیٹی کی ان باتوں کو سنا تو بہت مسرور ہوئے اور بیٹی کے مشورہ پر غور کرنے کے بعد آپ نے یہ رائے قائم کی کہ آدمی شریف سہی مگر جوان بیٹیوں کے گھر میں ایک جوان تندرست و توانا آدمی کو یونہی ملازم رکھ چھوڑنا مناسب نہیں۔ جب یہ شریف تعلیم یافتہ، مہذب اور خاندانی آدمی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ کا قصہ سن کر انہیں سب معلوم ہو چکا تھا تو کیوں نہ انہیں داماد بنا کر ہی گھر میں رکھا جائے اس رائے پر پہنچنے کے بعد آپ نے کسی مناسب وقت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کردوں بشرطیکہ تم کم از کم آٹھ سال تک میری خدمت میں رہو اور اگر دو سال تم اپنی مرضی سے زائد کردو تو یہ تمہارا احسان ہے۔اور میں کوئی سخت خدمت تم سے نہیں لوں گا تم کو میرے پاس رہ کر انشاء اللہ خود تجربہ ہو جائے گا کہ میں بری طبیعت کا آدمی نہیں بلکہ خدا کے فضل سے نیک بخت ہوں۔میری صحبت میں تم گھبراؤ گے نہیں بلکہ مناسبت طبع کی وجہ سے انس حاصل کرو گے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اس وقت کسی ٹھکانے کے طالب تھے آپ نے اس تجویز کو قبول کرلیا اور کہا کہ میں نے اس شرط کو منظور کرلیا۔اب یہ میری خوشی پر چھوڑ یئے کہ میں ان دونوں مدتوں میں سے جس کو چاہوں پورا کردوں یعنی ۸ سال کی مدت یا ۱۰ سال کی مدت۔اگر میں نے آٹھ سال آپ کا کام کیا اور پھر جانا چاہا تو آپ کو مزید دو سال روکنے کا حق نہ ہوگا اور ہماری اس قرارداد کا خدا کفیل ہے۔ یعنی خدا گواہ کر کے ہم یہ اقرار کرتے ہیں۔طرفین کی اس باہمی رضامندی کے بعد بزرگ میزبان نے اس بیان کردہ مدت کو مہر قرار دے کر موسیٰ علیہ السلام سے اس بیٹی کا عقد کردیا۔

مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ۸ سال کے قیام کی شرط کیوں لگائی تھی؟ اس کے دو سبب ہیں اول تو وہی کہ جس کی آپ نے خود بھی صراحت کردی تھی کہ مجھے کام کاج کی ضرورت ہے کہ میں کمزور بوڑھا ہوں گھر کی دیکھ بھال اور کاروبار کی سرانجام دہی نہیں کرسکتا۔دوسرا حقیقی سبب یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی عزت و بزرگی اور صلاح و استعداد سے بفراست یا بالہام حضرت شعیب علیہ السلام واقف ہو چکے تھے اور پورا قصہ سننے کے بعد سمجھ گئے تھے کہ موسیٰ خدا کا کوئی برگزیدہ بندہ ہے اس لئے اپنے دامن نبوت کے زیر سایہ ایک مدت تک موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنا ضروری سمجھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں کتنی مدت رہے؟ تو ۸ سال کی مدت تو بطور لزوم قرآن پاک سے ظاہر ہی ہے کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام نے معاہدہ کرلیا تو اس کو پورا بھی کیا ہوگا لیکن حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے آٹھ کی بجائے دس سال کی مدت پوری کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے وہ مدت پوری کی جو زیادہ کامل اوران کے خسر کے لئے زیادہ خوشگوار تھی یعنی ۱۰ سال۔

اس موقع پر حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ اپنی تفسیر موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وطن سے نکلے اور آٹھ برس پیچھے آ کر مکہ فتح کیا اور اگر چاہتے تو اسی وقت کافروں سے شہر خالی کرا لیتے لیکن اپنی خوشی سے ۱۰ برس پیچھے کافروں سے پاک کیا۔'' بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معاہدہ کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں رہنا شروع کیا اور حضرت شعیب علیہ السلام نے بکریاں چرانے کی خدمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کی۔ گویا فرعون کے محل سراؤں میں پلا ہوا شاہزادہ اب مدین کا ایک چرواہا تھا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بکریاں چرانے کی خدمت سپرد کرنے سے غالباً اس طرف ایماء ہے کہ آگے چل کر انسانوں کے ریوڑ کو چرانا ہوگا۔ بھیڑ بکری بہت ہی کم عقل جانور ہے۔ جدھر سے روکو پھر اسی طرف جاتی ہے۔ اور کمزور بھی ہے کہ ایک لٹھ میں مر بھی سکتی ہے اور بھیڑیا خصوصیت کے ساتھ اس کو شکار کرنے کی تاک میں لگا رہتا ہے۔ چرواہے کو بہت ضبط وتحمل محبت اور چوکسی سے کام کرنا پڑتا ہے۔ نبی کو بھی انہی احوال سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ شیطان بھیڑیا ہے۔ ہر شخص کو شکار کرنے کی تاک میں لگا رہتا ہے۔ اس سے حفاظت کرنی۔ نافرمان انسانوں کی نافرمانی پر ضبط کرنا اور باوجود ان کی مخالفت وعداوت کے ہر وقت ان کی اصلاح میں سرگرم رہنا معمولی کام نہیں۔ خواہش اور غیض وغضب کے تمام جذبات کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ قوت عقلیہ کی روشنی میں انسانوں کی چوکسی کرنی پڑتی ہے۔ تو چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی نبی ہونا تھا اس وجہ سے آپ کو بکریاں چرانے کی خدمت سپرد کی گئی۔ اور بکریاں چرانے کی یہ حکمت نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے بلکہ ہر نبی اور پیغمبر نے اسی حکمت کے ماتحت بکریاں چرائی ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں نے بھی مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کی مزدوری پر چرائی ہیں۔

الغرض موسیٰ علیہ السلام نے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے دس سال کی مدت کو پورا فرمایا اور پھر اس مدت کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے اپنی اہلیہ کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہونے کے ارادے سے مدین سے رخصت ہوئے تو بعد کے واقعات وحالات اگلی آیات میں ظاہر فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہماری ظاہری وباطنی تربیت وہدایت کے سامان غیب سے فرمادیں۔ اور ہر حال میں کرم وفضل کا معاملہ ہم سے فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں ہم کو خوش معاملہ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہر طرح سے ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی شریعت مطہرہ کا ظاہر میں اور باطن میں پابند بنائیں اور ہمارے دین کی حفاظت کاملہ فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ

غرض جب موسیٰ اس مدت کو پورا کر چکے اور (باجازت شعیبؑ کے) اپنی بی بی کو لے کر روانہ ہوئے تو اُن کو کوہ طور کی طرف سے ایک آگ دکھلائی دی، انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا

امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

کہ تم (یہاں ہی) ٹھیرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں تمہارے پاس وہاں سے (راستہ کی) کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا انگارا لے آؤں

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ

تاکہ تم سینکو۔ سو جب وہ اُس آگ کے پاس پہنچے تو اُن کو اس میدان کی داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی

يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ

کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں۔ اور یہ کہ تم اپنا عصا ڈالدو، سو اُنہوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ ہوتا ہے

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ

تو پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن میں ہو۔ تم اپنا ہاتھ

فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ

گریبان کے اندر ڈالو وہ بلا کسی مرض کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اور خوف (رفع کرنے) کے واسطے اپنا ہاتھ (پھر) اپنے (گریبان) سے ملا لینا

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

سو یہ دو سندیں ہیں تمہارے رب کی طرب سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے کیونکہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

فَلَمَّا پھر جب	قَضٰى پوری کردی	مُوْسَى موسیٰ	الْاَجَلَ مدت	وَسَارَ اور چلا وہ	بِاَهْلِهٖ ساتھ اپنے گھر والی	اٰنَسَ اس نے دیکھی	مِنْ سے	
جَانِبِ طرف	الطُّوْرِ کوہ طور	نَارًا ایک آگ	قَالَ اس نے کہا	لِاَهْلِهِ اپنے گھر والوں سے	امْكُثُوْٓا تم ٹھہرو	اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ بیشک میں نے دیکھی		
نَارًا آگ	لَّعَلِّيْٓ شاید میں	اٰتِيْكُمْ میں لاؤں تمہارے لئے	مِّنْهَا اس سے	بِخَبَرٍ کوئی خبر	اَوْ جَذْوَةٍ یا چنگاری	مِّنَ النَّارِ آگ سے	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	
تَصْطَلُوْنَ آگ تاپو	فَلَمَّا پھر جب	اَتٰىهَا وہ آیا اسکے پاس	نُوْدِيَ ندا دی گئی	مِنْ شَاطِئِ کنارہ سے	الْوَادِ الْاَيْمَنِ میدان دایاں	فِي الْبُقْعَةِ جگہ میں		
الْمُبٰرَكَةِ برکت والی	مِنَ الشَّجَرَةِ ایک درخت سے	اَنْ کہ	يّٰمُوْسٰٓى اے موسیٰ	اِنِّيْٓ اَنَا بیشک میں	اللّٰهُ اللہ	رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ جہانوں کا پروردگار		
وَاَنْ اور یہ کہ	اَلْقِ ڈالو	عَصَاكَ اپنا عصا	فَلَمَّا رَاٰهَا پھر جب اس نے اسے دیکھا	تَهْتَزُّ لہراتے ہوئے	كَاَنَّهَا گویا کہ وہ	جَاۗنٌّ سانپ	وَّلّٰى وہ لوٹا	
مُدْبِرًا پیٹھ پھیر کر	وَ اور	لَمْ يُعَقِّبْ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا	يٰمُوْسٰٓى اے موسیٰ	اَقْبِلْ آگے آ	وَ اور	لَا تَخَفْ تو ڈر نہیں	اِنَّكَ بیشک تو	مِنَ سے
الْاٰمِنِيْنَ امن پانے والے	اُسْلُكْ تو ڈال لے	يَدَكَ اپنا ہاتھ	فِيْ جَيْبِكَ اپنے گریبان	تَخْرُجْ وہ نکلے گا	بَيْضَاۗءَ روشن سفید	مِنْ سے۔ کے		

غَيْرِ سُوْٓءٍ بغیر کسی عیب	وَاضْمُمْ اور ملالینا	اِلَيْكَ اپنی طرف	جَنَاحَكَ اپنی بازو	مِنَ الرَّهْبِ خوف سے	فَذٰنِكَ پس یہ دونوں	بُرْهَانٰنِ دو دلیلیں	
مِنْ رَّبِّكَ تیرے رب (کی طرف) سے	اِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون	وَمَلَا۟ئِهٖ اور اسکے سردار	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا ہیں	قَوْمًا ایک گروہ	فٰسِقِيْنَ نافرمان

تفسیر وتشریح:۔ ابتدا سے اس وقت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے واقعات کس قدر حیرت افزا اور تعجب خیز ہیں۔ وقت کی سب سے بڑی سلطنت کا جابر وقاہر حکمراں نجومیوں کی دی ہوئی تعبیر پر کہ غلام قوم میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو اس کی حکومت اور اس کی قوم کے لئے ہلاکت کا موجب ہوگا اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے شاہی فرمان سے غلام قوم میں پیدا ہونے والے ہزارہا معصوم بچے قتل کئے جا چکے ہیں لیکن جب یہ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی پرورش اس کے سب سے بڑے دشمن سے کرائی جاتی ہے۔ اس طرح شاہانہ نوازشات میں نازونعم سے پل کر جوان ہوتے ہیں تو ایک دن ایک مصری کے قتل کا راز فاش ہونے سے آپ کو مجبوراً بالکل غیر متوقع طور پر ان تمام آسائشوں اور راحتوں کو خیر باد کہہ کر ایک اجنبی اور غیر ملک کی طرف تن تنہا جانا پڑتا ہے جہاں نہ کوئی مونس وغمگسار ہے۔ نہ کوئی ہمدرد و خیر خواہ۔ یہاں اتفاقیہ کنویں پر دو لڑکیاں دیکھتے ہیں جن کی بے بسی کمزوری اور لاچاری پر ترس کھا کر آپ ان کے لئے پانی کنویں سے کھینچ دیتے ہیں اور اس طرح ان لڑکیوں کے والد محترم تک آپ کی رسائی ہوتی ہے جو بالآخر اس اجنبی وطن میں صرف آپ کو مہمان ہی نہیں بلکہ اپنا داماد بھی بنا لیتے ہیں۔ وہ لوگ جو پیغمبر اور اہل اللہ کی زندگی میں معجزوں اور عجوبوں کی تلاش میں بھٹکتے ہیں اگر وہ ان کی زندگی کا بغور مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ خود ان کی زندگی ہی سراسر معجزہ اور عجوبہ ہوتی ہے۔ اگرچہ اب تک اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اوپر ظاہر ہو چکے تھے مگر ابھی سب سے بڑا انعام ظاہر ہونا باقی تھا اور وہ تھا ظہور منصب نبوت جس کی استعداد کی تکمیل کے لئے دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں آپ کو رکھا گیا۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ دس سال کی موعودہ مدت پوری کرنے کے بعد آپ کو اپنے رشتہ داروں کو دیکھنے کا شوق ہوا تو مصر کو پھر آنے کا ارادہ کیا چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے اپنی اہلیہ اور کچھ بکریوں کو ساتھ لے کر پیادہ پا چل دیئے۔ دوران سفر ایک جگہ راستہ گم ہو گیا۔ رات کا وقت۔ سردی کا زمانہ مجبوراً کوہ طور کے پاس وادی طویٰ میں ایک گوشہ میں ٹھہر گئے۔ اب جو چاروں طرف نظر دوڑائی تو ایک جانب سے آگ کی روشنی نظر آئی۔ آپ نے اس کو ظاہری دنیا کی آگ سمجھ کر اہلیہ سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں تاکہ تمہارے تاپنے کے لئے آگ لے آؤں اور وہاں کوئی رہبر مل گیا تو راستہ کا پتہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ اسی موقع پر کسی شاعر نے کیا خوب کیا ہے۔

خدا کے فضل کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

تو جس روشنی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ سمجھا تھا وہ آگ نہ تھی بلکہ تجلی الٰہی کا نور تھا۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام اس روشنی کے پاس پہنچے تو عجیب منظر دیکھا کہ ایک درخت سے عجیب وغریب اور پرہیبت شعلے بھڑک رہے ہیں اور آگ جس قدر بڑھتی ہے درخت اسی قدر زیادہ سرسبز وشاداب ہوتا جاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی وشادابی میں اضافہ ہوتا ہے آگ کا اشتعال بھی تیز ہوتا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے قریب جانے کا قصد کرتے ہیں کہ درخت کی کوئی شاخ جل کر گرے تو اٹھا لائیں مگر جتنا وہ آگے بڑھتے ہیں آگ

پیچھے ہٹتی جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو کچھ خوف سا پیدا ہوا۔ ارادہ کیا کہ واپس ہوجائیں اور جوں ہی آپ پلٹنے لگے آگ قریب آ گئی۔اسی حیرت کے عالم میں ایک آواز آتی ہے کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں۔ اس موقع کی تفصیلات سورۂ طٰہٰ سولہویں پارہ میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ جہاں بتلایا گیا ہے کہ منصب نبوت ورسالت کے لئے منتخب کر لینے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب سے پہلے خالص توحید کی تعلیم فرمائی گئی اور پھر ہر قسم کی بدنی و مالی عبادت کا حکم دیا گیا۔ نماز چونکہ اہم العبادات ہے اس لئے اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا گیا اور اس حقیقت پر بھی متنبہ فرمادیا گیا کہ نماز کا مقصود اصلی یاد خدا اور ذکر الٰہی ہے گویا نماز سے غفلت خدا کی یاد سے غفلت ہے۔ چونکہ تمام عبادات و اعمال کی جڑ بنیاد عقیدۂ آخرت ہے اس لئے توحید کی تعلیم اور عبادت کے حکم کے بعد قیامت پر ایمان لانے کا حکم ہوا تا کہ ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے ساتھ ہی یہ امر بھی واضح فرمادیا کہ مختلف مصالح اور حکمتوں کی بنا پر قیامت کے آنے کا وقت سب سے مخفی رکھا گیا ہے۔ الغرض عطائے نبوت ورسالت کے ساتھ اب اس کے لوازم یعنی معجزات عطا ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اول سب سے بڑا معجزہ یہ عطا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لاٹھی زمین پر ڈالنے کا حکم ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی اور جونہی لاٹھی زمین پر ڈالی تو وہ ایک سانپ بن گئی اور سانپ بھی اژدہا۔ لیکن اژدہا حرکت نہیں کرسکتا اور وہ چھوٹے تیز سانپ کی طرح پھرتی سے کودتا پھرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام راز سے واقف نہ تھے اس لئے بتقاضائے بشریت خوف زدہ ہوکر بھاگنے لگے۔ یہاں آیت میں فرمایا گیا ہے کہ **ولی مدبرًا ولم یعقب** یعنی وہ پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ سانپ۔ شیر اور اژدھے وغیرہ زہریلے اور خطرناک جانوروں سے ڈرنا بالکل ایک امر طبعی ہے اور بڑے سے بڑے کمالات ولایت یہاں تک کہ نبوت و رسالت کے بھی منافی نہیں اور حضرت کلیم اللہ کا یہ خوف تمام تر طبعی ہی تھا۔ یہاں سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑجاتی ہے کہ معجزہ تمام تر ایک فعل خداوندی ہوتا ہے۔ پیغمبر اس کے اظہار کا صرف واسطہ ہوتا ہے۔ پیغمبر کو اس معجزہ کے پیدا کرنے میں مطلق دخل نہیں ہوتا ورنہ خود اپنے معجزہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف کیوں ہوتا۔ الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب لاٹھی کا اژدہا بنتے ہوئے حیرت انگیز واقعہ کو دیکھا تو طبعًا گھبرا گئے اور بشریت کے تقاضہ سے متاثر ہوکر بھاگنے لگے تو فورًا حکم الٰہی ہوا کہ اے موسیٰ ڈرومت۔ خوف نہ کرو۔ آگے آؤ تم ہر طرح امن میں ہو اور یہ کوئی ڈر کی بات نہیں بلکہ تمہارا معجزہ ہے اور تم کو ایک دوسرا معجزہ اور عنایت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ تم اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر بغل سے ملالو پھر نکالو تو سفید چمکتا ہوا اور روشن نکلے گا اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی طرح نہ ہوگی جو عیب سمجھا جائے۔ اور اگر مثل معجزۂ عصا کے اس معجزہ سے بھی طبعًا خوف و حیرت پیدا ہو تو خوف کو رفع کرنے کے واسطے اپنا وہ ہاتھ پھر گریبان میں داخل کر کے بغل سے ملالو تو وہ پھر بدستور اپنی اصلی حالت پر ہوجاوے گا جیسا کہ اژدھے پر ہاتھ ڈالنے سے وہ پھر اپنی اصلی حالت یعنی لاٹھی کی شکل میں بن جاتا ہے۔ آگے موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا گیا کہ یہ دو خاص معجزے آپ کی نبوت کی دو دلیل اور سند ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا کئے گئے اب آپ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جائیے اور اس کو راہ ہدایت دکھایئے۔ انہوں نے بہت سرکشی اور نافرمانی اختیار کر رکھی ہے اور اپنے غرور و تکبر اور انتہائی ظلم کے ساتھ بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے سو ان کو اس غلامی سے چھٹکارا دلایئے۔

الغرض اب حضرت موسیٰ علیہ السلام خدائے تعالیٰ کے پیغمبر

اور جلیل القدر رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو انبیاء کے سچے دین کی تلقین اور فرعون کی غلامی سے بنی اسرائیل کی رہائی کی اہم خدمات کے لئے چن لیا۔ وہ اب وادی مقدس میں حق تعالیٰ سے شرف کلامی حاصل کررہے ہیں۔ وہ موسیٰ علیہ السلام جو مدین کی راہ سے بھٹک گئے تھے اب مصر جیسے ملک اور اس کے سرکش ومغرور بادشاہ کی رہنمائی کرنے کے لئے منتخب کئے گئے ہیں اور جو کل تک اونٹوں اور بکریوں کی گلہ بانی کررہے تھے آج انسانوں کی قیادت کے فرض کو انجام دینے کے لئے چنے گئے اور جو نصاب زندگی کل بکریوں کے گلہ کی چرائی سے شروع ہوا تھا وہ آج وادی مقدس میں خدا کی اشرف المخلوقات حضرت انسان کی گلہ بانی پر تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔ اب جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد رسالت کی خدمت سپرد کی گئی تو موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ فرعون کی فرعونیت معلوم تھی اس لئے خیال کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے مصر پہنچتے ہی فرض رسالت کو ادا کرنے سے پہلے ہی مجھے قتل کردیا جائے خصوصاً جب کہ ایک ظاہری سبب موجود بھی تھا کہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ ایک قبطی کا قتل ہو چکا تھا۔

اس قبطی کے انتقال کا بہانہ فرعونیوں کے لئے کافی تھا اس خیال کو پیش نظر رکھ کر حق تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے کچھ معروضات پیش کیں اور ان کے جوابات حق تعالیٰ نے عنایت فرمائے جس کا اظہار اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی معرفت وہدایت کے نور سے ہمارے دلوں کو بھی منور فرمائیں اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری کی دولت سے ہم سب کو نوازیں۔ اور ظاہر اور باطن میں اپنے رضا کے طریق پر ہم سب کو چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور جو راہ ہدایت ہم کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دکھلائی ہے اس پر ہم کو جم جانے اور دوسروں کو بھی وہی راہ دکھانے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ

اُنہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے اُن میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں۔ اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے

لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ

تو اُن کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیدیجئے کہ وہ میری تقریر کی تائید اور تصدیق کریں گے کیونکہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں۔ ارشاد ہوا کہ ہم ابھی تمہارے بھائی کو

عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَآ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ

تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں اور ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت عطا کرتے ہیں جس سے ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی، ہمارے معجزے لے کر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارا پیرو ہوگا

اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

غالب رہو گے۔ غرض جب ان لوگوں کے پاس موسیٰ ہماری صریح دلیلیں لے کر آئے تو اُن لوگوں نے کہا کہ یہ تو ایک جادو ہے کہ افترا کیا جاتا ہے

مُّفْتَرًی وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰی رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ

اور ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سُنی کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے وقت میں بھی ہوئی ہو۔ اور موسیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے

جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

جو صحیح دین اس کے پاس سے لے کر آیا ہے اور جس کا انجام اِس عالَم سے اچھا ہونے والا ہے بالیقین ظالم لوگ کبھی فلاح نہ پاویں گے۔

قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّیْ قَتَلْتُ بیشک میں نے مار ڈالا	مِنْهُمْ ان (میں) سے	نَفْسًا ایک شخص	فَاَخَافُ سو میں ڈرتا ہوں		
اَنْ یَّقْتُلُوْنِ کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے	وَاَخِیْ اور میرا بھائی	هٰرُوْنُ ہارونؑ	هُوَ وہ	اَفْصَحُ زیادہ فصیح	مِنِّیْ مجھ سے	لِسَانًا زبان	فَاَرْسِلْهُ سو بھیج دے اسے
مَعِیَ میرے ساتھ	رِدْاً مددگار	یُّصَدِّقُنِیْٓ اور تصدیق کرے میری	اِنِّیْٓ اَخَافُ بیشک میں ڈرتا ہوں	اَنْ کہ	یُّكَذِّبُوْنِ وہ جھٹلائیں گے مجھے	قَالَ فرمایا	
سَنَشُدُّ ہم ابھی مضبوط کر دیں گے	عَضُدَكَ تیرا بازو	بِاَخِیْكَ تیرے بھائی سے	وَنَجْعَلُ اور ہم عطا کریں گے	لَكُمَا تمہارے لئے	سُلْطٰنًا غلبہ		
فَلَا یَصِلُوْنَ پس وہ نہ پہنچیں گے	اِلَیْكُمَا تم تک	بِاٰیٰتِنَا ہماری نشانیوں کے سبب	اَنْتُمَا تم دونوں	وَمَنِ اور جس	اتَّبَعَكُمَا پیروی کی تمہاری	الْغٰلِبُوْنَ غالب رہو گے	
فَلَمَّا پھر جب	جَآءَهُمْ آیا ان کے پاس	مُّوْسٰی موسیٰ	بِاٰیٰتِنَا ہماری نشانیوں کیساتھ	بَیِّنٰتٍ کھلی۔ واضح	قَالُوْا وہ بولے	مَا هٰذَآ نہیں ہے یہ	
اِلَّا مگر	سِحْرٌ ایک جادو	مُّفْتَرًی افترا کیا ہوا	وَ اور	مَا سَمِعْنَا نہیں سنا ہے ہم نے	بِهٰذَا یہ۔ ایسی بات	فِیْٓ میں	اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ اپنے اگلے باپ دادا
وَقَالَ اور کہا	مُوْسٰی موسیٰ	رَبِّیْٓ میرا رب	اَعْلَمُ خوب جانتا ہے	بِمَنْ اس کو جو	جَآءَ لایا	بِالْهُدٰی ہدایت	مِنْ عِنْدِهٖ اسکے پاس سے
وَمَنْ اور جس	تَكُوْنُ ہوگا۔ ہے	لَهٗ اس کیلئے	عَاقِبَةُ الدَّارِ آخرت کا اچھا گھر	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَا یُفْلِحُ نہیں فلاح پائیں گے	الظّٰلِمُوْنَ ظالم	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دس سال کی مدت پوری کر کے مدین سے مصر کی طرف مع اپنی

اہلیہ محترمہ کے روانہ ہوئے۔ راستہ میں کوہ طور کے پاس رات کے وقت سردی کی حالت میں ٹھہرنا ہوا جبکہ راہ بھی بھول گئے تھے۔ کوہ طور کے دامن میں ایک روشنی نظر پڑی تو آپ اہلیہ کو وہیں بٹھا کر آگ لینے کی غرض سے روشنی کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ روشنی کوئی دنیا کی آگ کی روشنی نہ تھی بلکہ تجلی الٰہی کا نور تھا۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر آپ کو حق تعالیٰ سے شرف مکالمہ نصیب ہوا اور منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرمائے گئے اور فرعون کے پاس بحیثیت پیغمبر خدا جانے اور اسکو اور اس کی قوم کو ایمان و اسلام کی تلقین اور بنی اسرائیل کو غلامی سے رہائی دلانے کی خدمات سپرد ہوئیں اور آپ کو پیغمبری کی سند ودلالت میں دو معجزے عطا ہوئے۔ ایک تو لاٹھی کا معجزہ کہ جوزمین پر ڈالنے سے اژدہا بن جاتی تھی اور پھر ہاتھ ڈالنے سے لاٹھی ہو جاتی تھی۔ اور دوسرا معجزہ ید بیضا یعنی بغل میں ہاتھ دے کر نکالنے سے روشن اور چمکدار ہو کر نکلتا اور پھر بغل میں دینے سے اپنی اصلی حالت پر ہو جاتا۔

جب وادیٔ مقدس میں آپ کو منصب نبوت عطا ہونے کے بعد فرعون کے پاس بغرض تبلیغ دین جانے کا حکم ہوا تو جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے رب میں فرعون کے پاس جانے کے لئے حاضر ہوں مگر آپ کی خاص امداد کی ضرورت ہے کیونکہ میرے ہاتھ سے ایک فرعونی کا خون ہو گیا تھا اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے فرعون کے پاس پہنچتے ہی وہ مجھے قتل نہ کر دیں اور تبلیغ بھی نہ ہو سکے۔ یہاں مفسرین نے ایک شبہ نقل کر کے ساتھ ہی اس کا جواب بھی لکھا ہے۔ شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور نبی کے شایان شان نہیں کہ اللہ کے سوا کسی سے خوف کرے تو پھر آپ کو اپنی جان کا خوف کیوں ہوا؟ اس کا جواب لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرض رسالت ادا کرنے کے مقابلہ میں اپنی جان عزیز نہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام تو جلیل القدر نبی تھے ایک معمولی مجاہد بھی اللہ کے راستہ میں اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ تو دراصل موسیٰ علیہ السلام کو حکم خداوندی کے مقابلہ میں اپنی جان عزیز نہ تھی۔ اندیشہ صرف اس بات کا تھا کہ تبلیغ حکم سے پہلے ہی اگر مجھے قتل کر دیا گیا تو ادائے فرض رسالت میں کوتاہی ہو جائے گی اور ممکن ہے مجھ سے اس کا مواخذہ کیا جائے۔ تو درحقیقت یہ قتل کا خوف نہ تھا بلکہ ادائے رسالت میں قصور کی بازپرس کا اندیشہ تھا اس لئے حق تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ آپ کی طرف سے کوئی ایسا انتظام ہو جائے کہ جو میرے پہنچتے ہی تبلیغ اور ادائے رسالت کی نوبت آنے سے پہلے ہی وہ مجھے گرفتار کر کے قتل نہ کر دیں۔ دوسری عرض یہ کہ میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح بیان ہیں۔ ان کو بھی میرا مددگار بنا دیجئے اور ان کو بھی نبوت سے سرفراز فرما دیجئے تاکہ وہ میری تائید اور تصدیق کر سکیں اور اگر بحث ومناظرہ کی نوبت آ جائے تو بھائی ہارون کی رفاقت مفید ہو گی کیونکہ ان کی زبان زیادہ تیز اور صاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہم تمہاری دونوں درخواستیں منظور کرتے ہیں تمہارے بھائی ہارون کو بھی تمہارا شریک کار بناتے ہیں وہ تمہارے قوت بازو رہیں گے اور فرعونیوں کو تم پر کچھ دسترس نہ ہو گی۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہماری مدد ونصرت تمہارے ساتھ ہے اور جو نشانات ہم نے تم کو بخشے ہیں وہ تمہاری کامیابی کا باعث ہوں گے اور انجام کار تم اور تمہارے ساتھی ہی غالب ومنصور رہیں گے۔ اب جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام منصب نبوت سے سرفراز ہو چکے۔ کلام ربانی سے فیضیاب ہوئے اور دعوت وتبلیغ حق میں کامیابی وکامرانی کا مژدہ پا چکے تو وادیٔ مقدس سے اُترے اور اپنی اہلیہ کے پاس پہنچے جو وادی کے سامنے جنگل میں ان کی منتظر اور چشم براہ تھیں۔ وہیں سے انکو ساتھ لیا اور بنیت تعمیل حکم الٰہی مصر کے لئے روانہ ہو گئے۔ منزلیں طے کرتے ہوئے جب مصر پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ لکھا ہے کہ آپ خاموشی کے ساتھ مصر میں داخل ہو کر اپنے مکان پہنچے مگر اندر داخل نہ ہوئے اور والدہ کے سامنے ایک مسافر کی حیثیت میں ظاہر ہوئے۔ یہ بنی اسرائیل میں مہمان نواز گھر تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوب خاطر و مدارات کی گئی۔ اسی دوران میں آپ کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام آ پہنچے۔ یہاں پہنچنے سے قبل ہی ہارون علیہ السلام کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت عطا ہو چکا تھا اس لئے ان کو بذریعہ وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سارا قصہ بتا دیا گیا تھا۔ وہ چھوٹے بھائی سے آ کر لپٹ گئے اور پھر ان کو اور ان کی اہلیہ کو گھر کے اندر لے گئے اور والدہ کو سارا حال سنایا۔ تب سب خاندان آپس میں گلے ملا اور بچھڑے ہوئے بھائیوں نے ایک دوسرے کی گذشتہ زندگی سے تعارف پیدا کیا اور والدہ کی دونوں آنکھوں نے ٹھنڈک حاصل کی۔ بہر حال حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان جب ملاقات اور گفتگو کا سلسلہ ختم ہوا تو اب دونوں نے طے کیا کہ خدا تعالیٰ کے امتثال حکم کے لئے فرعون کے پاس چلنا اور اس کو پیغام الٰہی سنانا چاہئے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب دونوں بھائی فرعون کے دربار میں جانے لگے تو والدہ نے غایت شفقت کی بنا پر روکنا چاہا کہ تم ایسے شخص کے پاس جانا چاہتے ہو جو صاحب تخت و تاج بھی ہے اور ظالم و مغرور بھی۔ وہاں نہ جاؤ۔ وہاں جانا بے سود ہوگا۔ مگر دونوں نے والدہ کو سمجھایا کہ خدائے تعالیٰ کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا اور اس کا وعدہ ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے۔ غرض دونوں بھائی خدا کے سچے پیغمبر اور نبی فرعون کے دربار میں پہنچے اور بغیر خوف و خطر اندر داخل ہو گئے۔ جب فرعون کے تخت کے قریب پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی اور گفتگو شروع ہوئی۔ اس موقع کی تفصیلات سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں بیان ہو چکی ہیں یہاں اس سورۃ میں ان کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو معجزات دکھلائے تو فرعون اور اس کے درباری سب کہنے لگے کہ یہ سب محض ایک جادو ہے اور جو باتیں خدا کی طرف منسوب کر کے یہ کہتا ہے وہ بھی جادو کی باتیں ہیں جو خود تصنیف کر کے لے آیا اور دعویٰ کرنے لگا کہ خدا نے مجھ پر وحی کی ہے۔ حقیقت میں وحی وغیرہ کچھ نہیں محض ساحرانہ تخیل اور افترا ہے اور جو باتیں یہ کرتا ہے مثلاً خدا ایک ہے۔ اس نے ساری دنیا کو پیدا کیا۔ اور ایک وقت پھر سب کو فنا کر دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر حساب کتاب ہوگا اور مجھ کو اس نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب باتیں اپنے بڑوں سے ہمارے کان میں کبھی نہیں پڑیں۔ تو گویا ان کافروں کو اپنی صداقت کا دعویٰ صرف اس بنا پر تھا کہ وہ باپ دادا کے طریقہ پر قائم تھے اور باپ دادا ہی کا طریقہ ان کی نظر میں طریقۂ ہدایت تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مقابلہ میں برہانی اور عقلی طور پر ہدایت و ضلالت اور صدق و کذب کا ایک معیار قائم فرمایا اور فرعونیوں کے اس قول کے جواب میں کہ ہم نے تو اپنے باپ دادوں کے وقت میں بھی ایسی بات نہیں سنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہدایت تو وہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور خدا ہی خوب واقف ہے اور خوب جانتا ہے کہ کون اس کے پاس سے پیام ہدایت لے کر آیا ہے یعنی تمہارے باپ دادا خدا کی طرف سے پیام ہدایت لے کر نہ آئے تھے اور میں خدا کا فرستادہ ہوں۔ اس کی تعلیم کے مطابق راستہ بتا رہا ہوں اس لئے میرا بتایا ہوا راستہ صحیح اور تمہارے باپ دادا کا طریق زندگی غلط۔ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں اور اسی کے پاس سے ہدایت لایا ہوں اس لئے انجام میرا ہی بہتر ہوگا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں دیکھ کر اور دلائل صداقت سن کر ناانصافی سے حق کو جھٹلاتے ہیں وہ انجام کار کامیاب نہیں ہو سکتے اور ان کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

اب فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے دلائل و معجزات دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے معتقدین فرعونی ان کی طرف مائل نہ ہو جاویں تو لوگوں کو جمع کر کے یا تو استہزا اور تمسخر کی راہ سے یا اس قدر بدحواس اور پاگل ہو گیا کہ مضحکہ خیز اور لچر پوچ تجویزیں سوچنے لگا جس کا اظہار اگلی آیات میں فرمایا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ ۚ فَاَوْقِدْ لِىْ يٰهَامٰنُ عَلَى

اور فرعون کہنے لگا کہ اے اہل دربار مجھ کو تو تمہارا اپنے سوا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا،تو اے ہامان تم ہمارے لئے

الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّىْ صَرْحًا لَّعَلِّىْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

مٹی کو آگ میں پکواؤ پھر میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ تاکہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا

اور فرعون اور اُس کے تابعین نے ناحق دُنیا میں سر اُٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ اُن کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے۔

يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

تو ہم نے اُس کو اور اُس کے تابعین کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا(یعنی غرق کردیا)سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِىْ

اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا رئیس بنایا تھا جو(لوگوں کو)دوزخ کی طرف بُلاتے رہے،اور قیامت کے روز کوئی اُن کا ساتھ نہ دے گا۔اور دنیا میں بھی ہم نے

هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع

اُن کے پیچھے لعنت لگادی،اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ اور کہا فرعون نے	يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اے سردارو	مَا عَلِمْتُ نہیں جانتا میں	لَكُمْ تمہارے لئے	مِّنْ کوئی	اِلٰهٍ معبود	غَيْرِىْ اپنے سوا		
فَاَوْقِدْ لِىْ پس آگ جلا میرے لئے	يٰهَامٰنُ اے ہامان	عَلَى الطِّيْنِ مٹی پر	فَاجْعَلْ لِّىْ پھر میرے لئے بنا(تیار کر)	صَرْحًا ایک بلند محل	لَّعَلِّىْٓ تاکہ میں			
اَطَّلِعُ میں جھانکوں	اِلٰٓى طرف	اِلٰهِ معبود	مُوْسٰى موسیٰ	وَاِنِّىْ اور بیشک میں	لَاَظُنُّهٗ البتہ سمجھتا ہوں اسے	مِنَ سے	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹے	
وَاسْتَكْبَرَ اور مغرور ہوگیا	هُوَ وہ	وَجُنُوْدُهٗ اور اس کا لشکر	فِى الْاَرْضِ زمین(دنیا)میں	بِغَيْرِ الْحَقِّ ناحق	وَظَنُّوْٓا اور وہ سمجھ بیٹھے	اَنَّهُمْ کہ وہ		
اِلَيْنَا ہماری طرف	لَا يُرْجَعُوْنَ نہیں لوٹائے جائیں گے	فَاَخَذْنٰهُ تو ہم نے پکڑا اسے	وَجُنُوْدَهٗ اور اس کا لشکر	فَنَبَذْنٰهُمْ پھر ہم نے پھینک دیا انہیں				
فِى الْيَمِّ دریا میں	فَانْظُرْ سو دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	وَ اور	جَعَلْنٰهُمْ ہم نے بنایا انہیں	اَئِمَّةً سردار
يَدْعُوْنَ وہ بلاتے ہیں	اِلَى النَّارِ جہنم کی طرف	وَ اور	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	لَا يُنْصَرُوْنَ وہ مدد نہ دیئے جائیں گے	وَاَتْبَعْنٰهُمْ اور ہم نے لگادی انکے پیچھے			
فِىْ میں	هٰذِهِ الدُّنْيَا اس دنیا	لَعْنَةً لعنت	وَ اور	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	هُمْ وہ	مِّنَ سے	الْمَقْبُوْحِيْنَ بدحال لوگ	

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دلائل اور معجزات کے ساتھ اپنی حقانیت کو ثابت کیا تو معجزات کو دیکھ کر فرعونیوں نے کہہ دیا کہ ہم نے ایسی باتیں باپ دادا کے وقتوں سے بھی نہیں سنی تاہم فرعون کو اندیشہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ودلائل سے کہیں میرے معتقدین ان کی طرف مائل نہ ہوجائیں اور ارکان حکومت اور عام رعایا کہیں میرے خدائی کے اقرار سے نہ پھر

39 جائے اس لئے ایک طرف تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو قید کرنے کی دھمکی دی جیسا کہ دوسری آیات میں تصریح ہے اور دوسری طرف اپنی الوہیت کو جمانے کے لئے اہل دربار سے کہنے لگا کہ مجھے تو اپنے سوا تمہارا کوئی اور خدا معلوم نہیں۔ اس سے مراد اس کی یہ تھی کہ چونکہ میں تم سے زیادہ عالم ہوں اور مجھے موسیٰ جسے رب العالمین کہتے ہیں اس کے ثبوت و وجود کا علم نہیں اس لئے تم کو میری خدائی کے اقرار اور موسیٰ کے خدا کے انکار میں کچھ تامل نہ ہونا چاہئے۔ اگر واقع میں موسیٰ کا کوئی خدا ہوتا اور جیسا موسیٰ نے بیان کیا وہ سچ ہوتا تو مجھے ضرور معلوم ہوتا پھر لوگوں کو مغالطہ میں ڈال کر اپنی الوہیت پر جمائے رکھنے کی ایک تجویز سوچی اور اپنے وزیر جس کا نام یا لقب ہامان تھا اس کو کہا کہ پختہ اینٹوں کی ایک بلند اور خوب اونچی عمارت بنواؤ تا کہ اس پر چڑھ کر اور آسمان کے قریب ہو کر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں کہ کہاں ہے اور کیسا ہے؟ کیونکہ زمین میں تو مجھے اپنے سوا کوئی دوسرا خدا نظر نہیں پڑتا۔ آسمان میں بھی خیال تو یہی ہے کہ کوئی نہ ہوگا تاہم موسیٰ کی بات کا جواب ہو جائے گا۔ میرے خیال میں تو موسیٰ اس دعوے میں کہ کوئی اور خدا ہے جھوٹے ہیں یعنی جب عمارت پر چڑھ کر مجھے کوئی خدا نظر نہ آئے گا تو سمجھ لو کہ موسیٰ جھوٹا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) یہ بات کہہ کر یا تو فرعون ملعون دانستہ دھوکہ دینا چاہتا تھا اپنے معتقدین کو یا واقع میں وہ اس قدر کوتاہ نظر تھا کہ مادیت سے بلند اس کی نگاہ کو رسائی نہ تھی اس لئے وہ خدا کو بلند منارہ سے جھانک کر دیکھنا چاہتا تھا اور آنکھوں سے نظر نہ آنے سے وہ اللہ کے موجود نہ ہونے پر استدلال کرنا چاہتا تھا۔ (جیسا کہ روس کے خلابازوں نے چاند سے زمین پر واپس آ کر ماسکو ریڈیو سے اعلان کیا تھا کہ ہم تو اتنے ہزاروں لاکھوں میل بلندی پر ہو آئے ہم کو تو کہیں اللہ نظر آیا نہیں)۔ بہرحال مقصد ہر صورت میں موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب تھی اور تکذیب بھی غرور و تکبر کے ساتھ۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ فرعون اور اس کے ساتھی انجام سے بالکل غافل ہو کر لگے ملک میں تکبر کرنے اور یہ نہ سمجھا کہ ان کی گردن نیچے کرنے والا اور سر توڑنے والا بھی کوئی موجود ہے۔ آخر خداوند قہار نے اس کو لاؤ لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق کر دیا تا کہ یادگار رہے کہ بدبخت ظالموں کا جو انجام سے غافل ہوں ایسا انجام ہوا کرتا ہے۔ یہ فرعون اور اس کے ساتھی یہاں دنیا میں ضلالت و گمراہی اور سرکشی و نافرمانی میں پیش پیش تھے اور لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے تھے۔ قیامت میں بھی ان کو دوزخیوں کے آگے امام بنا کر رکھا جائے گا۔ یہاں کا لاؤ لشکر وہاں کچھ کام نہ دے گا نہ کسی کی طرف سے کوئی مدد پہنچ سکے گی اپنے لاؤ لشکر سمیت جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ وہاں کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور آخرت کی برائی اور بدانجامی جو انہیں نصیب ہوگی وہ تو الگ رہی دنیا ہی میں لوگ رہتی دنیا ایسوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے چنانچہ اہل اسلام ہوں یا یہود و نصاریٰ سب ہی اس ملعون فرعون پر لعنت ملامت کرتے ہیں اور رہتی دنیا کرتے رہیں گے۔

یہاں ان آیات میں فرعون کا انجام بتلا کر یعنی سمندر میں غرق کر کے دوزخ میں لے جانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ کم فہم اور بیوقوف انسان اس زندگی میں جس چیز کو سرمایۂ عیش و راحت سمجھے ہوئے ہے وہی اس کے لئے موجب ہلاکت ہے۔ شیطان دنیوی عیش و عشرت کی چیزوں میں انسان کو مشغول کر کے اللہ کا نافرمان بناتا ہے اور پھر یہی اسباب عیش و طرب آدمی کو ہلاک کر کے دار العذاب میں پہنچا دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی لیڈر یا پیشوائے قوم یا حاکم سلطنت اللہ کی نافرمانی کی طرف لے جائے تو اگرچہ اس کی پیروی میں تمام عیش و عشرت اور دولت و حشمت حاصل ہو لیکن سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انجام کے لحاظ سے بربادی کی طرف لئے جا رہے ہیں۔

ان آیات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ ختم ہوا۔ اب آگے اس قصہ کے اعظم مقاصد یعنی اثبات رسالت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا مضمون مذکور ہے مع بعض شبہات و اعتراضات کفار کے اور ان کے جوابات کے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اگلی اُمتوں کے ہلاک کے پیچھے کتاب دی تھی جو لوگوں کیلئے دانشمندیوں کا سبب

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى

اور ہدایت اور رحمت تھی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔اور آپ (طور کی) مغربی جانب میں موجود نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام دیئے تھے

مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ

اور آپ اُن لوگوں میں سے (بھی) نہ تھے جو (اس زمانہ میں) موجود تھے۔ولیکن ہم نے موسیٰ کے بعد بہت سی نسلیں پیدا کیں پھر اُن پر زمانہ دراز گذر گیا،

الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا

اور آپ اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہ تھے کہ آپ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سُنا رہے ہوں ولیکن ہم ہی (آپ کو) رسول بنانے والے ہیں۔

مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ

اور آپ طور کی جانب میں اس وقت (بھی) موجود نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) پکارا تھا ولیکن (اس کا علم بھی اسی طرح حاصل ہوا کہ) آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے

قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کرلیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور تحقیق ہم نے عطا کی	مُوْسَى موسیٰ	الْكِتٰبَ کتاب (توریت)	مِنْۢ بَعْدِ اس کے بعد	مَآ اَهْلَكْنَا کہ ہلاک کیں ہم نے		
الْقُرُوْنَ اُمتیں	الْاُوْلٰى پہلی	بَصَآئِرَ بصیرت	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَهُدًى اور ہدایت	وَّرَحْمَةً اور رحمت	لَّعَلَّهُمْ تا کہ وہ
يَتَذَكَّرُوْنَ نصیحت پکڑیں	وَمَا كُنْتَ اور آپ نہ تھے	بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ مغرب جانب	اِذْ قَضَيْنَآ جب ہم نے بھیجا			
اِلٰى مُوْسَى موسیٰ کی طرف	الْاَمْرَ حکم وحی	وَ اور	مَا كُنْتَ آپ نہ تھے	مِنَ سے	الشّٰهِدِيْنَ دیکھنے والے	وَلٰكِنَّآ اور لیکن ہم نے
اَنْشَاْنَا ہم نے پیدا کیں	قُرُوْنًا بہت سی امتیں	فَتَطَاوَلَ طویل ہوگئی	عَلَيْهِمُ ان کی ان پر	الْعُمُرُ مدت	وَمَا كُنْتَ اور آپ نہ تھے	
ثَاوِيًا رہنے والے	فِيْ میں	اَهْلِ مَدْيَنَ اہل مدین	تَتْلُوْا تم پڑھتے	عَلَيْهِمْ ان پر	اٰيٰتِنَا ہمارے احکام	وَلٰكِنَّا اور لیکن ہم
كُنَّا ہم تھے	مُرْسِلِيْنَ رسول بنا کر بھیجنے والے	وَمَا كُنْتَ اور آپ نہ تھے	بِجَانِبِ کنارہ	الطُّوْرِ طور	اِذْ نَادَيْنَا جب ہم نے پکارا	
وَلٰكِنْ اور لیکن	رَحْمَةً رحمت	مِّنْ رَّبِّكَ اپنے رب سے	لِتُنْذِرَ تا کہ ڈرسناؤ	قَوْمًا وہ قوم	مَآ اَتٰىهُمْ نہیں آیا انکے پاس	
مِّنْ کوئی	نَّذِيْرٍ ڈرانے والا	مِّنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے	لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	يَتَذَكَّرُوْنَ نصیحت پکڑیں		

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کو بیان فرمایا گیا تھا۔قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بہت سے مقامات میں آیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے بیشتر حالات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک

حالات سے بہت زیادہ مطابقت رکھتے ہیں۔ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ حق و باطل کے معرکوں میں ایک عظیم الشان معرکہ ہے اور اس کے اندر عبرت و نصیحت کا نادر ذخیرہ جمع ہے اسی لئے قرآن کریم نے حسب ضرورت اور حسب موقع و محل جگہ جگہ اس قصہ کے اجزاء کو کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اس معرکہ میں ایک جانب غرور و تکبر۔ جبر وظلم۔ قہرمانیت اور انانیت کی ذلت و رسوائی ہے تو دوسری جانب مظلومیت۔ خدا پرستی اور صبر و استقامت کی فتح و کامرانی ہے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے گذشتہ آیات میں اس قصہ کو بیان فرما کر فرعون اور اس کے ساتھیوں کی ہلاکت دنیوی کے بعد عبرت و بصیرت کے لئے اس طرف پھر توجہ دلائی کہ اس قسم کے لوگوں کے لئے دنیا کی پھٹکار اور لعنت و ملامت کے علاوہ آخرت اور ابدی زندگی میں سخت عذاب اور ذلت و رسوائی کے سامان مہیا ہیں تا کہ عقل و فہم رکھنے والا انسان اور سلیم و صالح طبائع رکھنے والی ہستیاں ان کا مطالعہ کریں اور ایسے اعمال بد اور انجام بد سے اپنے کو بچائیں اور دوسروں کو بھی بچنے کی ترغیب دیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قصہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ثبوت بھی قرار دیا جاتا ہے کہ آپ امی ہونے کے باوجود دو ہزار برس پہلے گزرا ہوا ایک تاریخی واقعہ کس تفصیل کے ساتھ سنا رہے ہیں اور بالکل سچے اور صحیح واقعات کو اس طرح بیان کر رہے ہیں جیسے کہ آپ کے چشم دید ہوں اور جیسے کہ آپ اس وقت موجود ہوں تو کیا یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ خدائے تعالیٰ آپ کو اپنی وحی کے ذریعہ سے یہ تمام باتیں بتلاتے ہیں۔ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ پر وحی آتی ہے۔

الغرض گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ تمام کر کے اب اس قصہ کے نتائج کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ رسالت کا سلسلہ اصلاح و ہدایت کے لئے دنیا میں ہمیشہ سے چلا آیا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کہ جن کا قصہ گذشتہ میں بیان ہوا اگلی امتوں یعنی قوم نوح و عاد و ثمود وغیرہ کے ہلاک ہو جانے کے بعد جب کہ ان زمانوں کے انبیاء کی تعلیم نایاب ہو گئی تھیں اور لوگ ہدایت کے سخت حاجتمند تھے تو موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ دی گئی تھی کہ جو بصارت۔ ہدایت اور رحمت تھی سمجھ دار لوگوں کے لئے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد جب گمراہی کا ایک زمانہ دراز گزر گیا تو خلق کی ہدایت کے لئے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مبعوث کیا اور آپ پر قرآن نازل کیا جس میں گذشتہ انبیاء کے صحیح صحیح واقعات آپ پر ظاہر کئے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو آپ کوہ طور کے غرب کی جانب جہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی موجود تھے کہ جو اس وقت کے واقعات کو ایسی صحت و صفائی اور تفصیل سے بیان کر رہے ہیں جیسے کہ آپ کوہ طور کے پاس کھڑے دیکھ رہے ہوں۔ حالانکہ آپ کا موقع پر موجود نہ ہونا ظاہر ہے اور ویسے بھی سب جانتے ہیں کہ آپ اُمی ہیں یعنی ظاہری لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ پھر غور کرنے کا مقام ہے کہ علم کہاں سے آیا حقیقت یہ ہے کہ اقوام دنیا پر مدتیں اور قرن گزر گئے اور گذشتہ انبیاء کی ہدایات مٹتی جا رہی تھیں لہٰذا اس علیم و خبیر کا ارادہ ہوا کہ ایک اُمی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے بھولے ہوئے سبق یاد دلائے جائیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے قیام مدین کا مشاہدہ آپ نے نہیں فرمایا تو وہاں جو واقعات موسیٰ علیہ السلام کو پیش آئے ان کا اس خوبی اور صحت سے بیان تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا آپ اس وقت وہیں سکونت پذیر تھے۔ حالانکہ یہ چیز صریحاً منفی ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے پیغمبر بھیجتے رہے ہیں جو دنیا والوں کو غفلت سے

چونکاتے اور گذشتہ عبرتناک واقعات یاد دلاتے رہے ہیں۔ اسی عام عادت کے موافق اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں آپ کو رسول بنا کر دنیا جہان والوں کے پاس بھیجا کہ خواب غفلت سے مخلوق کو بیدار کریں اس لئے ضروری ہوا کہ ٹھیک ٹھیک واقعات کا صحیح علم آپ کو دیا جائے اور آپ کی زبان سے ادا کرایا جائے۔ اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آواز دی انی انا اللہ رب العالمین تو آپ وہاں کھڑے سن نہیں رہے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ جو آپ نبی بنائے گئے اور اللہ نے اپنے فضل سے آپ کو یہ باتیں وحی کے ذریعہ بتائیں تا کہ آپ لوگوں کو یہ چیزیں بتا کر خطرناک عواقب سے آگاہ کردیں۔ ممکن ہے کہ وہ سن کر یاد رکھیں اور نصیحت پکڑیں۔

یہاں آیت میں فرمایا گیا ہے ولکن رحمۃ من ربک لتنذر قوما مآ اتٰھم من نذیر من قبلک۔ ولیکن آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تو اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام عالم کے لئے عام تھی لیکن آپ کی بعثت سرزمین عرب میں ہوئی اس لئے سب سے پہلے ایمان لانا عرب پر واجب ہوا یہی وجہ ہے کہ عرب کو جزیہ لے کر چھوڑنے کا حکم نہیں ہوا بلکہ ایمان لانا ان کے لئے ضروری قرار دیا گیا۔ اس آیت میں اس بات کا ثبوت ہے کہ عرب جس سے مراد سرزمین حجاز۔ نجد اور یمامہ ہے یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ تقریباً ۲۲۴۰ سال کی مدت میں دوسرے اطراف اور جگہوں کے انبیاء کی دعوتیں تو ضرور وہاں پہنچیں مثلاً حضرت موسیٰ۔ حضرت سلیمان۔ حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی دعوتیں مگر کسی نبی کی بعثت خاص اس سرزمین حجاز۔ نجد اور یمامہ میں نہیں ہوئی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد آپ کی ہی نسل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اور اس شان کی ہوئی کہ آپ تمام عالم کے لئے اور قیامت تک کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اب آگے ایک وجہ اور بیان کی جاتی ہے جس بنا پر اتمام حجت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مکرم بنا کر بھیجا گیا جس کا اظہار اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نعمت عظمیٰ کی حقیقی قدر اور شکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت وعظمت کے ساتھ آپ کا اتباع کامل بھی ظاہر میں اور باطن میں نصیب فرمائیں۔ اور آپ کے ارشادات وہدایات کی تابعداری دل وجان سے نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ

اورہم رسول نہ بھی بھیجتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر ان کے کرداروں کے سبب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا

اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ

تاکہ ہم آپ کے احکام کا اتباع کرتے اور ایمان لانے والوں میں ہوتے۔ سو جب ہماری طرف سے ان لوگوں کے پاس امر حق پہنچا تو کہنے لگے

عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰىؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی تھی، کیا جو کتاب موسیٰ کو ملی تھی، اس کے قبل لوگ اُس کے منکر نہیں ہوئے

مِنْ قَبْلُۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَاۗ وَقَالُوْآ اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ فَاْتُوْا

یہ لوگ تو یوں کہتے ہیں کہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے موافق ہیں، اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم تو دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں مانتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو

بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا

تم کوئی اور کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا اگر تم سچے ہو۔

لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى

پھر اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں، اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو نفسانی خواہش پر چلتا ہو

مِّنَ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٠﴾

بدوں اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل (اس کے پاس) ہو، اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

وَلَوْلَآ اور اگر نہ ہوتا	اَنْ تُصِيْبَهُمْ کہ پہنچے انہیں	مُصِيْبَةٌ کوئی مصیبت	بِمَا قَدَّمَتْ اس کے سبب جو بھیجا	اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھ (ان کے اعمال)			
فَيَقُوْلُوْا تو وہ کہتے	رَبَّنَا اے ہمارے رب	لَوْلَآ کیوں نہ	اَرْسَلْتَ بھیجا تو نے	اِلَيْنَا ہماری طرف	رَسُوْلًا کوئی رسول		
فَنَتَّبِعَ پس پیروی کرتے ہم	اٰيٰتِكَ تیرے احکام	وَنَكُوْنَ اور ہم ہوتے	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	فَلَمَّا پھر جب		
جَآءَهُمْ آیا ان کے پاس	الْحَقُّ حق	مِنْ عِنْدِنَا ہماری طرف سے	قَالُوْا کہنے لگے	لَوْلَآ اُوْتِيَ کیوں نہ دیا گیا	مِثْلَ جیسا		
مَآ اُوْتِيَ جو دیا گیا	مُوْسٰى موسیٰ	اَوَ کیا	لَمْ يَكْفُرُوْا نہیں انکار کیا انہوں نے	بِمَآ اُوْتِيَ اس کا جو دیا گیا	مُوْسٰى موسیٰ	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	
قَالُوْا انہوں نے کہا	سِحْرٰنِ وہ دونوں جادو	تَظٰهَرَا ایک دوسرے کے پشت پناہ	وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	اِنَّا ہم بیشک	بِكُلٍّ ہر ایک کا		
كٰفِرُوْنَ انکار کرنیوالے	قُلْ فرمادیں	فَاْتُوْا پس لاؤ	بِكِتٰبٍ کوئی کتاب	مِنْ سے	عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کے پاس	هُوَ وہ	اَهْدٰى زیادہ ہدایت
مِنْهُمَا ان دونوں سے	اَتَّبِعْهُ میں پیروی کروں اسکی	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	فَاِنْ پھر اگر	لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا وہ قبول نہ کریں		

لَكَ تمہارے لئے (تمہاری بات)	فَاعْلَمْ تو جان لو	اَنَّمَا کہ صرف	يَتَّبِعُوْنَ وہ پیروی کرتے ہیں	اَهْوَآءَهُمْ اپنی خواہشات	وَمَنْ اور کون
اَضَلُّ زیادہ گمراہ	مِمَّنِ اتَّبَعَ اس سے جس نے پیروی کی	هَوٰىهُ اپنی خواہش	بِغَيْرِ هُدًى ہدایت کے بغیر	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے منجانب اللہ	
	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَا يَهْدِي ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ظالم لوگ		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ثبوت کے متعلق مضمون بیان ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے رسالت کا سلسلہ دنیا میں ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ جب ایک نبی کی تعلیم اور ہدایت کو بھلا دیا گیا یا اللہ تعالیٰ کی کتاب یا قدسی صحیفہ جو عالم غیب سے نبی کو دیا گیا ہو اس میں تغیر وتبدل اور ترمیم وتحریف کر لی گئی ہو تو پھر دوسرے نبی کا اصلاح کے لئے آنا لازم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ دی گئی۔ دور موسوی کے بعد لوگوں نے اس میں قدرے قدرے تغیر کرنا شروع کر دیا۔ مختلف انبیاء آئے انہوں نے آکر ان تغیرات کو اپنے اپنے زمانہ میں دور کر کے اصل کتاب کو پاک صاف شکل میں پھر پیش کر دیا۔ جب توراۃ میں تغیرات بہت زیادہ ہو گئے تو زبور اور زبور کے بعد انجیل کا نزول ہوا۔ یہ دونوں کتابیں بھی گویا توراۃ کی اصلاحی شکلیں تھیں۔ لیکن جب زمانہ بہت گزر گیا اور توراۃ کے پیغامات کو نہ صرف فراموش کر دیا بلکہ بالکل مسخ کر دیا گیا تو پروردگار عالم نے اپنی رحمت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا اور جدید ہدایت نامہ جس کا نام قرآن رکھا نازل کیا گیا۔ تو جیسا کہ اوپر بتلایا گیا جب آسمانی کتاب یا قدسی صحیفہ میں لوگ قدرے قدرے تغیر کر لیتے ہیں تو نبی کا آنا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ تغیر کو دور کر کے اصلاح کی جا سکے اور جب تبدیلیاں کثرت سے ہو جاتی ہیں تو پھر نئی کتاب آتی ہے جو انسانوں کی ہر تراش وخراش سے پاک ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر آسمانی کتاب اصلی حالت میں موجود ہو اور اس میں کچھ تغیر نہ پیدا ہوا ہو اور عبارت میں تراش خراش اور مسخ ونسخ نہ کر لیا گیا ہو تو کسی آئندہ نبی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ جب کتاب اللہ اپنی اصلی حالت میں موجود ہو تو پھر کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں۔ رہا موعظت۔ پند ونصیحت تو اس کے لئے کتابی امت میں سے علماء وصلحا کافی ہیں یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ قرآن اصلی شکل میں موجود ہے اور حسب صراحت اسی طرح قیامت تک باقی رہے گا جس طرح نازل ہوا پس نہ کسی جدید کتاب کی ضرورت رہی اور نہ کسی نئے نبی کی نہ اب۔ نہ آئندہ۔ رہی تلقین وتعلیم اور ہدایت وموعظت اس کے لئے علمائے ربانی وحقانی کافی ہیں۔

الغرض جب گذشتہ انبیاء کی تعلیم اور آسمانی کتب کے علوم نایاب ہوئے تو حق تعالیٰ کی رحمت مقتضی ہوئی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ورسالت سے مشرف فرمایا۔ اب آ گے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ پیغمبر کا بھیجنا یہ لوگوں کی خوش قسمتی ہے اگر بدوں پیغمبر بھیجے اللہ تعالیٰ لوگوں کی کھلی ہوئی بے عقلیوں اور بے ایمانیوں پر سزا دینے لگے تب بھی ظلم نہ ہوتا لیکن اس نے احسان فرمایا اور کسی قسم کی عذر داری کا موقع نہیں چھوڑا۔ ممکن تھا سزا دہی کے وقت مجرمین کہنے لگتے کہ صاحب ہمارے پاس پیغمبر تو بھیجا نہیں جو ہم کو ہماری غلطیوں پر کم ازکم متنبہ کر دیتا۔ اگر کوئی پیغمبر آتا تو ہم کیسے نیک اور ایماندار ثابت ہوتے اور اس عذاب کو نہ دیکھتے اس لئے کہ ہم پھر برے کام ہی نہ کرتے تو اس الزام اور عذر کو رفع کرنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے تاکہ پھر کسی کو کوئی عذر باقی نہ رہے کہ رسول نہ بھیجتے تو کہتے کہ رسول کیوں نہ بھیجا اور اب رسول تشریف لائے جو تمام پیغمبروں سے شان اور رتبہ میں

بڑھ کر ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت اس کو مانتے جب دیکھتے کہ ان سے موسیٰ علیہ السلام کی طرح ''عصا'' اور ''ید بیضا'' وغیرہ کے معجزات ظاہری وحسی ظاہر ہوتے اور ان کے پاس بھی توراۃ کی طرح ایک دم لکھی لکھائی کتاب اترتی یہ کیا کہ دو دو چار چار آیتیں پیش کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہود مدینہ نے قریش کو سکھایا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہی معجزات کے طلبگار ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے جیسے لاٹھی کا سانپ ہوجانا اور ہاتھ کا سورج کی طرح روشن اور چمکدار ہوجانا وغیرہ وغیرہ۔ اس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور کتاب الٰہی کو کہاں سب نے مان لیا تھا؟ شبہے نکالنے والے ان کو بھی ساحر اور مفتری کہتے رہے۔ بس جن کو ماننا منظور نہیں ہوتا وہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ احتمالات نکال لیتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث ومفسر دہلویؒ لکھتے ہیں ''مکہ کے کافر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سن کر کہنے لگے کہ ویسا معجزہ اس نبی کے پاس ہوتا تو ہم مانتے۔ جب یہود سے پوچھا اور توراۃ کی باتیں اس نبی کے موافق اور اپنی مرضی کے خلاف سنیں مثلاً یہ کہ بت پرستی کفر ہے۔ آخرت کا جینا برحق ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو مردار ہے اور عرب میں ایک نبی آخر الزمان آئیں گے جن کی یہ نشانیاں ہوں گی وغیرہ وغیرہ تب لگے دونوں کو جواب دینے کہ توراۃ اور قرآن دونوں جادو ہیں اور موسیٰ اور محمد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اس کا جواب تلقین ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ آسمانی کتابوں میں مشہور یہی دو کتابیں ہیں یعنی توراۃ اور قرآن۔ اگر یہ دونوں جادو ہیں تو تم کوئی کتاب الٰہی پیش کرو جو ان سے بہتر اور ان سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو۔ بفرض محال اگر ایسی کتاب لے آؤ تو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا لیکن تم قیامت تک نہیں لا سکتے۔ اس سے زیادہ بدبختی کیا ہوگی کہ خود ہدایت ربانی سے قطعی تہی دست ہو اور جو کتاب ہدایت آتی ہے تو اسے جادو کہہ کر رد کردیتے ہو۔ اس پر حق تعالیٰ آگے فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ نہ ہدایت قرآن کو قبول کرتے ہیں اور نہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز پیش کرسکتے ہیں تو یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کو راہ ہدایت پر چلنا مقصود ہی نہیں۔ محض اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی ہے۔ جس چیز کو دل چاہا مان لیا جس کو اپنی مرضی اور خواہش کے خلاف پایا رد کردیا تو بتلایئے ایسے ہوا پرست ظالموں کو کیا ہدایت ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت اسی قوم کو ہدایت کرنے کی ہے جو ہدایت پانے کا ارادہ کرے اور جو شخص خود قصد کرتا ہے گمراہ رہنے کا تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتے اور ایسا شخص ہمیشہ گمراہ ہی رہتا ہے۔

یہاں آیت میں یہ ارشاد **ومن اضل ممن اتبع هوٰه بغير هدى من الله ان الله لايهدى القوم الظلمين**۔ جو شخص اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنے جی کی چاہت پر چلے اس سے زیادہ کون گمراہ ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ تو اگرچہ یہ ارشاد یہاں کفار ومشرکین کے حق میں ہے مگر اس سے سبق اس وقت کے جدید تہذیب کے شیدائیوں کو بھی لینا چاہئے کہ جو خود ساختہ قوانین کو قرآنی احکام کے مقابلہ میں پسند کرتا ہے اور مغربی نظریات کو قرآنی اصول وضوابط پر ترجیح دیتا ہے اور کہتا ہے کہ شریعت کے بعض قوانین اس زمانہ کے موافق تھے جب کہ تہذیب وتمدن اپنی انتہائی بلندی پر نہیں پہنچا تھا تو ایسے تمام لوگوں کو دل کے کان کھول کر یہ ارشاد ربانی سن لینا چاہئے کہ ''ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بدوں اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل اس کے پاس ہو اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔'' اسی مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا

ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہوجائے۔ مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جبھی حاصل ہوسکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہوسکتی ہیں کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایات نبوی کے تابع اور ماتحت ہوجائیں۔لیکن آج قرآن و حدیث سے بغاوت قولاً یا فعلاً کے باوجود اسلام اور ایمان کے دعوئے بلند کئے جاتے ہیں۔شارحین نے اس حدیث شریف کی تشریح میں لکھا ہے کہ ہوٰی یعنی خواہشات نفس اور ہُدٰی یعنی اللہ و رسول کی ہدایات یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر وشر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے۔اور جس سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے۔ ہر گمراہی اور بد عملی اتباع ہوٰی کا نتیجہ ہے جس طرح کہ ہر خیر اور ہر نیکی اتباع ہدٰی سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہوسکتا ہے کہ ہوٰی کو یعنی اپنے نفس کی چاہتوں کو ہُدٰی کے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات وتعلیم کے تابع کردیا جائے اور جس نے ہُدٰی کو چھوڑ کر ہوٰی کی غلامی اختیار کی اور بجائے ربانی ہدایات کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہوگیا تو گویا خود ہی اس نے مقصد ایمان کو پامال کردیا۔اور اسی کے متعلق دوسری جگہ قرآنی فیصلہ ہے۔ **فاما من طغٰی واٰثر الحیٰوۃ الدُّنیا فان الجحیم ھی الماوٰی واما من خاف مقام ربه ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنة ھی الماوٰی** یعنی جس کسی نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو ایسے کا ٹھکانہ بس دوزخ ہی ہوگا اور جو کوئی ڈرا ہوگا اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا تو ایسے کا ٹھکانہ جنت ہی ہوگا۔ اب آگے کی آیات میں قرآن پاک کی صداقت وحقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر منصف اہل کتاب کے ایمان لانے سے استدلال فرمایا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو ایمان واسلام کی حقیقت نصیب فرماویں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی ظاہر میں اور باطن میں ہم کو اتباع اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔اللہ تعالیٰ ہم کو نفس کی بے جا خواہشات سے رکنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائیں۔اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات کے موافق زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔یا اللہ! آج ہماری اکثریت باوجود دعوئے اسلام وایمان کے اتباع ہُوٰی میں گرفتار ہے۔ اور نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کو مقصد زندگی بنا رکھا ہے۔اور دنیوی زندگی کو ترجیح دے رکھی ہے۔اور ہدایات ربانی سے منہ موڑ رکھا ہے۔یا اللہ! اس ظلم وستم سے امت کے ایک ایک فرد کو بچا لیجئے۔ہوٰی کی غلامی سے نکال کر ہم کو ہُدٰی کا اتباع نصیب فرما دیجئے۔شقاوت کی راہ سے یا اللہ بچا کر سعادت کی راہ پر آجانا نصیب فرمائیے۔یا اللہ! ہمارے دلوں میں اپنے سامنے کھڑا ہونے کا خوف وخشیت عطا فرمادے تا کہ ہم قرآنی فیصلہ **واما من خاف مقام ربه ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنة ھی الماوٰی** کے مصداق ہوجائیں۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ

اور ہم نے اس کلام (یعنی قرآن) کو ان لوگوں کیلئے وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے بھیجا تا کہ یہ لوگ نصیحت مانیں۔ جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے (آسمانی) کتابیں دی ہیں (ان میں جو منصف ہیں)

هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ

وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب قرآن اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے (نازل ہوا ہے اور) ہم تو اس (کے آنے)

مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

سے پہلے بھی مانتے تھے۔ ان لوگوں کو اُن کی پختگی کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا اور وہ لوگ نیکی سے بدی کا دفعیہ کر دیتے ہیں

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ اور جب کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اُس کو ٹال جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا کیا ہمارے سامنے آوے گا اور تمہارا کیا

اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

تمہارے سامنے آوے گا ہم تم کو سلام کرتے ہیں ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا اور البتہ ہم نے مسلسل بھیجا	لَهُمُ ان کیلئے	الْقَوْلَ (اپنا) کلام	لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	يَتَذَكَّرُوْنَ نصیحت پکڑیں	اَلَّذِيْنَ وہ لوگ جو
اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ جنہیں ہم نے کتاب دی	مِنْ قَبْلِهٖ اس سے قبل	هُمْ بِهٖ وہ اس (قرآن) پر	يُؤْمِنُوْنَ ایمان لاتے ہیں	وَاِذَا اور جب	
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ پڑھا جاتا ہے ان پر (سامنے)	قَالُوْا وہ کہتے ہیں	اٰمَنَّا بِهٖ ہم ایمان لائے اس پر	اِنَّهٗ بیشک یہ	الْحَقُّ حق	
مِنْ رَّبِّنَا ہمارے رب (کی طرف) سے	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	مِنْ قَبْلِهٖ اس کے پہلے ہی	مُسْلِمِيْنَ فرماں بردار	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	
يُؤْتَوْنَ دیا جائے گا انہیں	اَجْرَهُمْ ان کا اجر	مَّرَّتَيْنِ دُہرا	بِمَا صَبَرُوْا اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا	وَيَدْرَءُوْنَ اور وہ دُور کرتے ہیں	
بِالْحَسَنَةِ بھلائی سے	السَّيِّئَةَ برائی کو	وَمِمَّا اور اس سے جو	رَزَقْنٰهُمْ ہم نے دیا انہیں	يُنْفِقُوْنَ وہ خرچ کرتے ہیں	وَاِذَا اور جب
سَمِعُوا وہ سنتے ہیں	اللَّغْوَ بیہودہ بات	اَعْرَضُوْا وہ کنارہ کرتے ہیں	عَنْهُ اس سے	وَقَالُوْا اور کہتے ہیں	لَنَآ اَعْمَالُنَا ہمارے لئے ہمارے عمل
وَلَكُمْ اور تمہارے لئے	اَعْمَالُكُمْ تمہارے عمل	سَلٰمٌ سلام	عَلَيْكُمْ تم پر	لَا نَبْتَغِيْ ہم نہیں چاہتے	الْجٰهِلِيْنَ جاہل

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ کا ایک الزام اور اعتراض نقل کیا گیا تھا کہ یہ قرآن مثل موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توراۃ کے یکبارگی پورے کا پورا کیوں نہیں نازل ہوا تو اس کا ایک الزامی جواب تو وہاں بیان ہوا تھا۔ اب ایک دوسرا تحقیقی جواب ان آیات میں دیا جاتا ہے کہ جس میں قرآن کے دفعتہً پورے کا پورا نازل نہ ہونے کی حکمت بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اس کلام یعنی قرآن کو وقتاً فوقتاً بتدریج ایک آیت کے پیچھے دوسری آیت کو نازل کیا تا کہ بار بار تازہ بتازہ سننے سے غور کرنے اور سمجھنے کا کافی موقع ملے اور یاد رکھنے میں بھی سہولت ہو تو ان ہی کی مصلحت سے تھوڑا تھوڑا نازل کیا جاتا ہے۔ پھر غضب ہے کہ یہ اپنی ہی مصلحت کی مخالفت کرتے

ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان جاہل معاندین و مشرکین کا حال تو یہ ہے کہ یہ نہ اگلی کتابوں کو مانیں نہ پچھلی کو اور ان کے بالمقابل انصاف پسند اہل کتاب کو دیکھو کہ وہ پہلے سے توراۃ وانجیل پر یقین رکھتے تھے اب جب قرآن آیا تو اس پر بھی ایمان لائے اور کہا کہ بلاشبہ یہ کتاب برحق ہے اور ہمارے رب کی اتاری ہوئی ہے۔ ہم اس پر اپنے یقین و اعتقاد کا اعلان کرتے ہیں اور ہم تو اس کے آنے سے پہلے بھی اس کو بربنائے بشارات اپنی کتب کے مانتے تھے اب بھی قبول کرتے ہیں۔ کتب سابقہ پر ہمارا ایمان تھا جن میں پیغمبر آخر الزمان اور ان کی کتاب قرآن کریم کے متعلق صاف بشارات موجود تھیں لہٰذا ان پیشین گوئیوں پر بھی ہمارا پہلے سے ایمان تھا۔ آج اس کی تفصیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ تمام اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ اس پر ایمان لاتے ہیں بلکہ یہ اشارہ دراصل اس واقعہ کی طرف ہے جو اس سورۃ کے نزول کے زمانہ میں پیش آیا تھا اور اس سے کفار مکہ کو شرم دلانی مقصود ہے کہ تم کو اپنے گھر کی نعمت کی قدر نہیں حالانکہ دور دور کے لوگ اس نبی اور اس قرآن کی خبر سن کر آ رہے ہیں اور ان کی قدر پہچان کر ان پر ایمان لا کر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس واقعہ کو ابن ہشام وغیرہ نے اس طرح روایت کیا ہے کہ ہجرت حبشہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دعوت کی خبریں ملک حبشہ میں پھیلیں تو وہاں سے تقریباً ۲۰ عیسائیوں کا ایک وفد تحقیق حال کے لئے مکہ معظمہ آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد حرام میں ملا۔ کعبہ کے آس پاس جو قریش کے مشرک موجود تھے وہ بھی آ کھڑے ہوئے۔ وفد کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے جن کا آپ نے جواب دیا پھر انہوں نے ان تمام اوصاف کا بخوبی مطالعہ کیا جو کتب سابقہ میں آنے والے نبی کے متعلق انہوں نے پڑھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی اور پھر کچھ قرآن کریم کو پڑھ کر سنایا۔ قرآن سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انہوں نے اس کے کلام الٰہی ہونے کی تصدیق کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو ابوجہل اور اس کے چند ساتھیوں نے ان وفد کے لوگوں کو راستہ میں جا پکڑا اور انہیں سخت ملامت کی اور کہا کہ تم لوگ بڑے نامراد ہو۔ تمہارے ہم مذہب لوگوں نے تم کو اس لئے بھیجا تھا کہ تم اس شخص کے حالات تحقیق کر کے آؤ اور انہیں ٹھیک ٹھیک خبر دو مگر تم تھوڑی ہی دیر اس کے پاس بیٹھے تھے کہ اپنا دین چھوڑ کر اس پر ایمان لے آئے۔ تم سے زیادہ احمق وفد تو کبھی ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ اس پر انہوں نے جواب دیا۔ ''سلام ہے بھائیو تم کو۔ ہم تمہارے ساتھ جہالت نہیں کر سکتے۔ ہمیں ہمارے طریقہ پر چلنے دو اور تم اپنے طریقہ پر چلتے رہو۔ ہم اپنے آپ کو جان بوجھ کر بھلائی سے محروم نہیں رکھ سکتے۔'' تو ان منصف اور حق شناس اہل کتاب کے ایمان لانے کی حق تعالیٰ تعریف فرماتے ہیں اور ان کی فضیلت میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دوہرا اجر دیا جائے گا۔ یعنی ایک اجر اس ایمان کا جو وہ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر رکھتے تھے اور دوسرا اجر اس ایمان کا جو وہ اب نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لائے یا ایک اجر سابق کتب پر ایمان رکھنے اور ان پر عمل کرنے کا اور دوسرا اجر قرآن کو ماننے اور اس کے احکام پر چلنے کا۔ یہی بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمائی ہے جو بخاری و مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین فریق ہیں جن کو دوگونہ اجر ملے گا۔ ایک وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لایا تھا پھر مجھ پر ایمان لایا۔ دوسرا وہ غلام جس نے اللہ کا حق بھی ادا کیا اور

اپنے آقاؤں کا بھی تیسرا وہ شخص جس کے پاس کوئی مسلمان باندی تھی پھر اس باندی کو ادب یعنی مسائل اسلام اچھی طرح سکھا کر آزاد کر کے اس کی رضامندی سے نکاح کر لیا۔ تو ان ایمان لانے والے اہل کتاب کی یہ جزا ہوگی کہ انہیں دوہرا ثواب ملے گا۔ اب آگے ان انصاف پسند۔ حق شناس اور صداقت شعار مسلمان ہو جانے والے اہل کتاب کے اعمال اور اخلاق کا بیان ہے اور ان کے تین خصوصی اوصاف اللہ تعالیٰ نے اس جگہ بیان فرمائے۔

اول یہ کہ وہ نیکی اور تحمل سے بدی اور ایذاء کا دفعیہ کر دیتے ہیں یعنی وہ بدی کا جواب بدی سے نہیں بلکہ نیکی سے دیتے ہیں۔ ظلم کو ظلم سے نہیں بلکہ انصاف سے دفع کرتے ہیں شرارتوں کا سامنا شرارت سے نہیں بلکہ شرافت سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ اخلاق حسنہ ہم کو بھی عطا فرمائیں۔

دوسرے یہ کہ وہ راہِ حق میں مالی ایثار بھی کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ وہ لوگ محض حق کی تلاش میں حبش سے سفر کر کے مکہ آئے تھے۔ اس سفر کی مشقت اور صرف مال سے کوئی مادی منفعت ان کے پیش نظر نہ تھی بلکہ جب انہوں نے سنا کہ مکہ میں ایک شخص نے اللہ کا پیغمبر اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو انہوں نے ضروری سمجھا کہ خود جا کر تحقیق کریں تا کہ اگر وہ واقعی خدا کی طرف سے مبعوث ہوئے ہیں تو پھر ان پر ایمان لانے اور ہدایت پانے سے محروم نہ رہ جائیں اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان اہل حبش نے مکہ میں آ کر مسلمانوں کو تنگدست اور خستہ حال دیکھا تو بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس بکثرت مال ہے اگر اجازت ہو تو ہم جا کر لے آئیں اور مسلمان بھائیوں کی کچھ ہمدردی کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور انہوں نے وعدہ کے مطابق تکمیل کی تو ممکن ہے کہ **مما رزقنھم ینفقون**۔ میں اشارہ اس طرف بھی ہو۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جب ان سے کوئی شخص بیہودہ طور پر الجھتا ہے تو یہ اس سے نہیں الجھتے اور جھگڑا ختم کرنے کے لئے یہ کہتے ہوئے الگ ہو جاتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ تمہاری باتوں کو دور سے سلام۔ ہم کو بے سمجھ لوگوں سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں اشارہ ہے اس بیہودہ بات کی طرف جو ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے اس وفد سے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس نیک صفت کو اپنانے کی توفیق ہم کو بھی عطا فرمائیں۔

ان آیات میں اہل کتاب کے ایمان اور انقیاد کا بیان تھا اور اس سے اوپر گذشتہ آیات میں مشرکین قریش کا کفر و عناد مذکور تھا۔ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار اور اہل کتاب غیر قرابت دار تھے۔ اور غیر قرابت داروں کے ایمان لانے کو دیکھ کر قرابت داروں کے ایمان نہ لانے پر طبعاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اور پھر ان قرابت داروں میں بھی بعض کے ایمان لانے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص اہتمام اور شوق غالب تھا۔ اس میں کامیابی نہ ہونے سے اور زیادہ رنج ہوتا تھا اس لئے آگے تسلی کا مضمون ارشاد ہے کہ کسی کو ایمان کی توفیق ہو جانا یہ خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں نہ کہ آپ کے تو پھر آپ کسی کے ایمان نہ لانے پر رنج کیوں کریں یہ مضمون اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی بدی کو نیکی سے اور برائی کو بھلائی سے دفع کرنے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّکَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ﴿۵۶﴾

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کردیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اُسی کو ہے۔

اِنَّکَ بیشک تم	لَا تَهۡدِیۡ ہدایت نہیں دے سکتے	مَنۡ اَحۡبَبۡتَ جس کو تم چاہو	وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ اور لیکن (بلکہ) اللہ	یَهۡدِیۡ ہدایت دیتا ہے
مَنۡ یَّشَآءُ جس کو وہ چاہتا ہے	وَهُوَ اور وہ	اَعۡلَمُ خوب جانتا ہے	بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ہدایت پانے والوں کو	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کریم کی صداقت وحقانیت کی ایک دلیل یہ دی گئی تھی کہ اہل کتاب میں سے جو منصف مزاج ہیں وہ کتب سابقہ کی بشارات کی بنا پر قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام سمجھ کر اس پر ایمان لے آتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول وپیغمبر تسلیم کر لیتے ہیں۔ اسی بنا پر ایسے اہل کتاب کو جو اسلام لے آئیں دوہرے اجر وثواب کی بشارت سنائی گئی تھی۔ گذشتہ آیات میں جن اہل کتاب کے ایمان لے آنے کی طرف اشارہ تھا وہ حبشہ کی ایک عیسائیوں کی جماعت تقریباً ۲۰ نفر کی تھی جو تحقیق حال کے لئے مکہ معظمہ آئی تھی اور انہوں نے قرآن پاک کو سن کر اس کے کلام اللہ ہونے کی تصدیق کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے جس پر قریش کے بعض مشرکین ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے ان اہل وفد کی بے عزتی کی اور ان کو اسلام قبول کر لینے کے باعث برا بھلا بھی کہا۔ تو مشرکین قریش جو آپ کے قرابت دار بھی تھے ان کا تو یہ سلوک اور رویہ کہ اسلام دشمنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں پیش پیش تھے اور باہر کے ملک سے آنے والے قرآن کریم کی صداقت پر ایمان لاویں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کر لیں تو اس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعاً رنج ہوتا تھا اور ان قریش میں سے بھی آپ بعض کے ایمان لے آنے کے بڑے خواہشمند تھے۔ اور بحکم قرآنی آپ نے تبلیغ اسلام کا آغاز بھی اپنے گھر والوں سے کیا اور پھر قریب ترین رشتہ داروں کو دعوت دی۔ پھر ان رشتہ داروں میں بھی آپ کے چچا ابو طالب جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی وتربیت اپنی اولاد کی طرح کی تھی اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی دعوت کے بعد بھی مددگار رہے۔ ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوی ترین خواہش یہی تھی اور قرابت کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ ابوطالب اسلام لے آئیں اور کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا انتقال آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہوگیا تھا اور جب آپ کی عمر چھ برس کی تھی تو والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ پھر دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش ونگرانی اپنے ذمہ لی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف آٹھ برس ۱۰ دن کی ہوئی تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے بھی وفات پائی تو ابوطالب جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا تھے وہ آپ کی نگرانی اور تربیت کے ذمہ دار بنے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی دعوت اور منادی شروع کی اور قریش واہل مکہ نے آپ کی مخالفت وعداوت کی تو ابوطالب برابر آپ کے مددگار رہے۔ سیرت ابن ہشام جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت پر ایک مستند اور اولین تصنیف ہے اور عربی کتابوں میں اس کا درجہ اب تک خاصا بلند مانا جاتا ہے اس میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابوطالب دونوں کا ایک ہی سال میں انتقال ہوگیا (گویا نبوت کے دسویں سال میں آپ کے چچا ابوطالب کی وفات ہوئی اور اس کے تین دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوگئی۔ اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو غم کا سال فرمایا ہے) تو حضرت خدیجہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے سبب جو آپ کے لئے تبلیغ دین میں سچی مددگار تھیں اور آپ کے چچا ابو طالب کے انتقال کے باعث جو آپ کے کاموں میں قوت بازو اور قوم کے مقابلہ میں محافظ و مددگار تھے پے در پے مصیبتیں آنے لگیں۔ جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو قریش کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کے لئے ایسے مواقع میسر آ گئے کہ ابو طالب کی زندگی میں ان کی امید بھی نہ ہو سکتی تھی۔ ایک دفعہ ایک شریر نے آپ کے سر پر کیچڑ ڈال دی تو آپ اسی حالت میں گھر میں تشریف لائے تو صاحبزادیوں میں سے ایک صاحبزادی اٹھیں اور آپکے سر مبارک کی کیچڑ پانی سے دھونے لگیں اور وہ روتی جاتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے جاتے تھے لا تبکی یابنیة فان اللہ مانع اباک۔ اے میری پیاری بیٹی رو ؤ مت۔ اللہ تیرے باپ کا محافظ ہے اسی اثنا میں آپ یہ بھی فرماتے جاتے کہ ابو طالب کے مرنے تک قریش مجھ سے ایسا کوئی برتاؤ نہ کر سکے۔ آگے لکھا ہے کہ ابو طالب جب بیمار ہوئے اور ان کی بیماری کی خبر قریش کو ہوئی تو ان میں سے بعض نے کہا کہ حمزہ اور عمر دونوں نے اسلام اختیار کر لیا ہے اور قریش کے تمام قبیلوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تبلیغ پھیل چکی ہے ہمیں چاہئے کہ ابو طالب کے پاس جائیں کہ وہ اپنے بھتیجے سے ہمارے متعلق کوئی عہد لیں اور ہم سے کوئی عہد لے کر انہیں دیں کیونکہ ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ یہ لوگ ہماری امارت چھین لیں گے۔ چنانچہ ابو جہل۔ امیہ بن خلف۔ عتبہ۔ ابوسفیان۔ اور ان کے علاوہ قوم کے اور سر برآوردہ افراد بھی تھے۔ ان لوگوں نے کہا اے ابو طالب آپ سے جیسے ہمارے تعلقات ہیں آپ خوب جانتے ہیں اب آپ کے پاس وہ چیز آ چکی ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں اور ہمیں آپ کے متعلق مر جانے کا خوف ہے۔ آپ کے بھتیجے اور ہمارے درمیان جیسے تعلق ہیں ان سے بھی آپ واقف ہیں اس لئے انہیں بلائیے اور ان کے لئے ہم سے عہد لیجئے اور ہمارے لئے ان سے

عہد لیجئے کہ وہ ہم سے دست کش رہیں اور ہم ان سے دست کش رہیں۔ ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا آپ آئے تو آپ سے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے! یہ لوگ تمہاری قوم کے سر برآوردہ ہیں اور تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں کہ کچھ عہد تم سے لیں اور کچھ تمہیں دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا ایک بات کا تم مجھے قول دو جس کے عوض تم عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور اس کے سبب سے عجم بھی تمہاری اطاعت کرنے لگیں گے۔ ابو جہل بولا۔ بہت اچھا۔ تمہارے باپ کی قسم ایک نہیں دس باتوں کا قول لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اقرار کرو لا الہ الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں کہو گے اور اس کے سوا جس کی بھی تم پرستش کرتے ہو اسے چھوڑ دو گے اس پر وہ تالیاں بجانے لگے اور اس کے بعد کہا واللہ ان باتوں میں سے جو تم چاہتے ہو کسی بات پر بھی یہ شخص تمہیں قول دینے والا نہیں۔ پس چلو اور اپنے بڑوں کے دین پر چلتے رہو۔ پھر وہ لوگ ادھر ادھر چلے گئے۔ اور ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ بھتیجے واللہ تم نے ان سے کوئی بعید بات کا سوال نہیں کیا۔ جب ابو طالب نے یہ بات کہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ان کے متعلق امید پیدا ہو گئی اور آپ نے ان سے فرمایا اے چچا جان تو آپ وہی بات کہہ دیجئے تا کہ اس کے سبب سے قیامت کے روز میری سفارش آپ کے لئے جائز ہو جائے۔ جب ابو طالب نے اپنے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش دیکھی تو کہا بھتیجے! اگر میرے بعد تم پر اور تمہارے بھائیوں پر طعنہ زنی کا اور قریش کی اس بدگمانی کا خوف نہ ہوتا کہ میں نے یہ الفاظ موت کی سختی پر صبر نہ کر کے کہہ دیئے تو ضرور کہتا اور یہ الفاظ بھی تم سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ان سے تمہیں خوش کر دوں۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ جب ابو طالب کے انتقال کا وقت قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے وہاں ابو جہل اور عبداللہ بن اُبی بن مغیرہ کو بیٹھا پایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا چچا کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ دو تا کہ میں اس کی حجت خدا کے سامنے پیش کرسکوں۔ابوجہل نے کہنا شروع کیا۔ابو طالب کیا تم عبدالمطلب کے مذہب سے پھر جاؤ گے۔حضور برابر کلمہ پڑھنے کی تلقین فرمارہے تھے اور وہ دونوں بھی یعنی ابوجہل اور ابن مغیرہ اپنا قول دہرا رہے تھے یہاں تک کہ ابو طالب نے کہا کہ میں عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ ابو طالب نے کہا کہ اگر مجھے خوف نہ ہوتا کہ قریش مجھے عار دیں گے اور کہیں گے کہ موت کے ڈر سے ابو طالب نے کلمہ پڑھ لیا تو میں صرف تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے یہ کلمہ کہہ دیتا۔اس کے بعد ابو طالب کا انتقال ہوگیا۔حضور والا غمگین ہوکر یہ فرماتے ہوئے نکل آئے کہ میں اللہ سے تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا جب تک مجھے ممانعت نہ ہوجائے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔اور پھر بعد میں سورۂ توبہ کی آیت ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولوکانوا اولی قربیٰ من بعد ماتبین لھم انھم اصحب الجحیم نازل ہوئی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ مشرکین رشتہ دار ہی ہوں جب ان پر یہ ظاہر ہوچکے کہ وہ اہل دوزخ ہیں۔

تو ابو طالب کے احسانات اور شفقت کی بنا پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں شدید ترین تمنا ان کے مسلمان ہوجانے کی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے کہا جاتا ہے کہ آپ کو جس سے طبعی محبت ہو یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہوجائے تو لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہوکر رہے۔آپ کا کام صرف راستہ بتانا ہے۔آگے یہ کہ کون راستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے کون نہیں پہنچتا یہ آپ کے قبضہ اختیار سے خارج ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی کو اختیار ہے جسے چاہے ایمان اور قبول حق کی توفیق بخشے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ کسی کو کسی کے راہ پر لانے کا اختیار تو کیا ہوتا یہ علم بھی نہیں کہ کون راہ پر آنے والا ہے یا آنے کی استعداد و لیاقت رکھتا ہے۔بہرحال اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمادی کہ آپ جاہلوں کی لغوگوئی اور معاندانہ شوروشغب یا اپنے خاص اعزہ واقارب کے اسلام نہ لانے سے رنجیدہ خاطر اور غمگین نہ ہوں۔جس قدر آپ کا فرض ہے وہ ادا کئے جائیں آگے اللہ ہی کے علم و اختیار میں ہے کہ ان میں سے کسے راہ ہدایت پر لایا جائے

اس آیت کے تحت حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ صریح ہے اس میں کہ ہدایت کسی کی قدرت میں نہیں۔بجز اللہ تعالیٰ کے تو جیسا کہ بعض جہلا کا گمان ہے کہ شیخ یا پیر جس کو چاہے اپنے تصرف سے واصل الی اللہ کردے یہ غلط ہے۔کسی کو ہدایت یا ایمان کی توفیق ہوجانا یہ خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

الغرض اوپر دور سے کفار کے ایمان نہ لانے کا بیان ہوتا چلا آرہا ہے اور ان کے مختلف شبہات اور اعتراضات نقل کرکے ان کے جوابات دیئے گئے۔اب آگے کفار مکہ کا ایک دوسرا بہانہ ایمان نہ لانے کا بیان کیا جاتا ہے اور اس کا جواب بھی دیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ہمارے لئے ہدایت کے فیصلہ فرمادیں۔اور ہم کو ایسی ہدایت نصیب فرمادیں کہ جس کے بعد کبھی گمراہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو صراط مستقیم پر جمائے رکھیں۔اور ہر طرح کی کجروی سے محفوظ فرمائیں۔

اے اللہ اسلام اور ایمان کی زندگی نصیب فرما اور اسلام اور ایمان کے ساتھ موت نصیب فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت پر چلنے لگے تو فی الفور اپنے مقام سے مار کر نکال دیئے جائیں، کیا ہم نے اُن کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی

يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ

جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں ولیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔اور ہم بہت سی

اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا

ایسی بستیاں ہلاک کرچکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھے،سو (دیکھ لو) یہ اُن کے گھر ہیں کہ اُن کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر

قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا

تھوڑی دیر کیلئے،اور آخر کار (اُن کے ان سب سامانوں کے) ہم ہی مالک رہے۔اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ ان کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے

رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَآ

کہ وہ ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ہم ان بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے بہت ہی شرارت کرنے لگیں۔

اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ

اور جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کیلئے ہے اور یہیں کی زینت ہے، اور جو (اجر وثواب) اللہ کے پاس ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

کیا تم لوگ نہیں سمجھتے۔

وَقَالُوْا اور وہ کہتے ہیں	اِنْ نَّتَّبِعِ اگر ہم پیروی کریں	الْهُدٰى ہدایت	مَعَكَ تمہارے ساتھ	نُتَخَطَّفْ ہم اُچک لئے جائینگے		
مِنْ اَرْضِنَا اپنی سرزمین سے	اَوَ کیا	لَمْ نُمَكِّنْ نہیں دیا ٹھکانہ ہم نے	لَّهُمْ انہیں	حَرَمًا اٰمِنًا حُرمت والا مقامِ امن	يُّجْبٰٓى کھنچے چلے آتے ہیں	
اِلَيْهِ اسکی طرف	ثَمَرٰتُ پھل	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے (قسم)	رِّزْقًا بطور رزق	مِّنْ لَّدُنَّا ہماری طرف سے	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَهُمْ ان میں اکثر
لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے	وَكَمْ اور کتنی	اَهْلَكْنَا ہلاک کردیں ہم نے	مِنْ قَرْيَةٍ بستیاں	بَطِرَتْ اِتراتی	مَعِيْشَتَهَا اپنی معیشت	
فَتِلْكَ سو۔یہ	مَسٰكِنُهُمْ ان کے مسکن	لَمْ تُسْكَنْ نہ آباد ہوئے	مِّنْ بَعْدِهِمْ ان کے بعد	اِلَّا مگر	قَلِيْلًا قلیل	
وَكُنَّا اور ہوئے ہم	نَحْنُ ہم	الْوٰرِثِيْنَ وارث	وَمَا كَانَ اور نہیں ہے	رَبُّكَ تمہارا رب	مُهْلِكَ ہلاک کرنے والا	الْقُرٰى بستیاں
حَتّٰى جب تک	يَبْعَثَ بھیج دے	فِيْٓ اُمِّهَا اسکی بڑی بستی میں	رَسُوْلًا کوئی رسول	يَّتْلُوْا وہ پڑھے	عَلَيْهِمْ ان پر	اٰيٰتِنَا ہماری آیات
وَ اور	مَا كُنَّا ہم نہیں	مُهْلِكِي ہلاک کرنیوالے	الْقُرٰى بستیاں	اِلَّا مگر (جب تک)	وَاَهْلُهَا اس کے رہنے والے	ظٰلِمُوْنَ ظالم

وَ اور	مَآ اُوْتِیْتُمْ جو دی گئی تمہیں	مِّنْ شَیْءٍ کوئی چیز	فَمَتَاعُ سو سامان	الْحَیٰوةِ زندگی	الدُّنْیَا دنیا	وَ زِیْنَتُهَا اور اسکی زینت
وَمَا اور جو	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	خَیْرٌ بہتر	وَّ اَبْقٰی اور باقی رہنے والا۔تادیر	اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ سو کیا تم سمجھتے نہیں؟		

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں دور سے کفار کے ایمان نہ لانے کا ذکر ہوتا چلا آ رہا ہے۔ انسان کو ہدایت سے روکنے والی کئی چیزیں ہیں ایک ان میں سے نقصان کا اندیشہ اور جان و مال کا خوف بھی ہے۔ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں بھی بعض مشرکین کو اگر چہ اسلامی اصول کی حقانیت کسی قدر معلوم ہوگئی تھی لیکن یہ خیال پیش نظر رہتا کہ مسلمان مٹھی بھر ہیں ان کے پاس مال و جاہ نہیں۔ شوکت وسطوت نہیں۔ عزت وحکومت نہیں۔ اگر ہم بھی مسلمان ہو گئے تو عرب کے لوگ ہمارے دشمن بن جائیں گے۔ چاروں طرف سے ہم پر چڑھ آئیں گے۔ مال اسباب لوٹ لیں گے۔ ہمارا گھر برباد اور کاروبار تباہ ہوجائے گا۔ روزی کے ذرائع مفقود ہوجائیں گے۔ چنانچہ بعض مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس اندیشہ کو ظاہر کیا اور کہا کہ بیشک ہم سمجھتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں لیکن اگر ہم دین اسلام قبول کر کے آپ کے ساتھ ہوجائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہوجائے گا۔ اردگرد کے تمام قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور سب مل کر ہمارا لقمہ کرلیں گے۔ نہ جان سلامت رہے گی نہ مال۔ تو ان کے اس اندیشہ کا ایک جواب حق تعالیٰ کی طرف سے ان آیات میں یہ دیا جاتا ہے کہ دوسروں سے خطرہ محسوس کر کے اور ظاہری طاقتوں سے مرعوب ہوکر اسلام سے منکر اور روگرداں ہونا سخت غلطی ہے۔ کوئی دنیوی طاقت اللہ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتی۔ نہ فائدہ پہنچاسکتی ہے نہ نقصان۔ جس کا ایک کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ حرم کو اللہ نے امن کا مقام بنایا ہے اگر چہ تمام جزیرۂ نما عرب میں لوٹ مار۔ جدال وقتال کا بازار گرم رہتا ہے لیکن حرم کے اندر کسی کی مجال نہیں کہ لشکر کشی یا قتل وغارت کرسکے باوجودیکہ کوئی دنیوی طاقت روکنے والی موجود بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی حرم کے اندر والے ہر خطرہ سے محفوظ ہیں یہاں تک کہ جو جانور حرم کے اندر رہتے ہیں یا بھاگ کر اندر چلے آتے ہیں ان کو بھی کوئی شکار نہیں کرتا۔ ان کے لئے بھی حرم امن کا مقام ہے۔ حرم کے اندر مقتول کے ورثہ قاتل سے ملتے ہیں اور ان کو انتقام لینے کا خیال بھی نہیں پیدا ہوتا۔ تو یہ حرم کا ادب ہی مانع ہے کہ باوجود آپس کی سخت عداوتوں کے باہر والے چڑھائی کر کے تم کو مکہ سے نہیں نکال دیتے۔ پھر قدرت کی کارسازی یہ بھی عجیب ہے کہ سرزمین مکہ ہر قسم کی پیداوار سے خالی ہے۔ کہیں کہیں کھجوروں کے علاوہ غلہ اور میوہ یہاں پیدا نہیں ہوتا تو بظاہر ایسے مقام پر لوگوں کو بھوکا مرجانا چاہئے تھا لیکن خدائے تعالیٰ نے ان کے رزق کا مکمل انتظام فرمادیا۔ ہر اطراف سے ہر قسم کا غلہ اور پھل یہاں آتا ہے۔ یہ قدرت کی کارسازی ہے۔ مگر ناواقف نہیں سمجھتے وہ تو صرف ظاہری اسباب پر نظر رکھتے ہیں۔ حقیقت کا ان کو کیا علم۔ تو جس خدا نے ایسی کارسازی کی کیا وہ یہ نہیں کرسکتا کہ اگر یہ لوگ اسلام قبول کرلیں تو کافروں کے دست برد سے ان کے جان و مال اور اہل و عیال کو محفوظ رکھے۔ پھر ان کے کفر وشرک کے باوجود تو انہیں امن اور پناہ دے رکھی ہے۔ ایمان اور تقویٰ اختیار کرنے پر کیا وہ پناہ نہ دے گا؟ ہاں ان کے ایمان کو پرکھنے کے لئے اگر چند روزہ امتحان کے طور پر کوئی بات پیش آئے تو گھبرانا نہیں چاہئے اور بالفرض اسلام اور ایمان کی بدولت گھر بار چھوڑنا بھی پڑے تو ان کے مقدر کا رزق ہر جگہ ان کو پہنچے گا۔ یہ وطن کو کیوں اپنا رزق سمجھے ہوئے ہیں۔ یہاں تو کوئی چیز پیدا بھی نہیں ہوتی۔ مشرکین مکہ کے اسلام نہ لانے کے عذر کا ایک جواب تو یہ دیا گیا۔

آگے دوسرا جواب دیا جاتا ہے کہ عرب کی دشمنی سے کیا ڈرتے ہو۔ اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ دیکھتے نہیں کتنی قومیں گزر چکی ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر غرہ ہوگیا تھا۔ جب انہوں نے تکبر اور سرکشی اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تباہ و برباد کر ڈالا کہ آج صفحۂ ہستی پر ان کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ ان کی بستیوں کے کھنڈر پڑے ہوئے ہیں جن میں کوئی بسنے والا نہیں بجز اس کے کہ کوئی مسافر تھوڑی دیر

ستانے یا قدرت الٰہی کا عبرتناک تماشہ دیکھنے کے لئے وہاں جا اترے تو مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین مکہ جس مال و دولت اور خوشحالی پر اترائے ہوئے ہیں اور جس کے کھوئے جانے کے خطرہ سے باطل پر جمے رہنا اور حق سے منہ موڑنا چاہتے ہیں تو یہی چیز کبھی عاد وثمود اور مدین اور قوم لوط کے لوگوں کو بھی حاصل تھی مگر باوجود مرفہ حالی اور خوش عیشی کے وہ کس طرح برباد کردی گئیں اور ان کی اس بربادی کا اصل سبب ان کا غرور وتکبر تھا کہ جس میں پڑ کر انہوں نے اللہ کے پیغمبروں کی ہدایت سے منہ موڑا اور احکام الٰہیہ کو ٹھکرادیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو برباد کردیا تو معلوم ہوا کہ تباہی لانے والی چیز وہی ہے جس کو یہ لوگ سبب آبادی سمجھتے ہیں یعنی مال وجاہ قوت وطاقت پر غرور کرنا اور اللہ کے حکم کو نہ ماننا۔ 40

آگے ان کے عذر کا تیسرا جواب دیا جاتا ہے کہ پہلی جو قومیں تباہ ہوئیں ان کے باشندے ظالم ہو چکے تھے مگر خدا نے ان کو تباہ کرنے سے پہلے اپنے رسول بھیج کر متنبہ کیا اور جب خدا کے پیغمبروں کی تنبیہ پر بھی وہ اپنی کج روی سے باز نہ آئے تب پھر انہیں ہلاک کیا گیا۔ اب یہی معاملہ اے مشرکین مکہ تمہیں درپیش ہے کہ تم بھی ظالم ہو چکے ہو اور ایک رسول تمہیں بھی متنبہ کرنے کے لئے آگئے ہیں اب تم کفر وانکار کی روش اختیار کر کے اپنے عیش اور اپنی خوشحالی کو بچاؤ گے نہیں بلکہ الٹا خطرہ میں ڈالو گے جس تباہی کا تمہیں اندیشہ ہے وہ ایمان لانے سے نہیں بلکہ انکار کرنے سے تم پر آئے گی۔

آگے ان کے عذر کا چوتھا جواب دیا جاتا ہے کہ آدمی کو عقل سے کام لے کر اتنا تو سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں کتنے دن جینا ہے اور یہاں کی بہار اور چہل پہل اور عیش وعشرت کا مزہ کب تک اٹھا سکتے ہو۔ فرض کرو دنیا میں عذاب بھی نہ آئے تاہم موت کا ہاتھ تم سے یہ سب سامان جدا کر کے رہے گا۔ پھر خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے اگر وہاں کا عیش وآرام میسر ہو گیا تو یہاں کا عیش اس کے سامنے محض لاشے اور ہیچ ہے۔ دنیا کی ہر چیز ناپائیدار اور فنا پذیر ہے اور آخرت کی ہر نعمت ابدی۔ دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ لہٰذا دنیوی عیش پر ریجھنا یہ عقلمندی کا کام نہیں۔ لازوال نعمت پر ناپائیدار عیش کو ترجیح دینا یہ حماقت ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ اگر ہم اسلام لے آئیں گے تو چاروں طرف سے کفار چڑھائی کردیں گے اور ہمارا گھر لٹ جائے گا اور روزی کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ بیوقوفی ہے آج بھی مادیت پر نظر رکھنے والے یہی شبہ ظاہر کر رہے ہیں کہ اگر پاکستان میں اسلامی نظام شریعت جاری ہو گیا تو امریکہ ہم سے ناراض ہو جائے گا۔ روس ہم سے بگڑ جائے گا چین ہم سے خفا ہو جائے گا۔ ہندوستان تو ہمارا پہلے ہی سے دشمن ہے۔ تو ہم زندہ کیسے رہیں گے۔ **استغفر اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ**۔ بات یہ ہے کہ ایسے مادہ پرستوں کا قرآن اور اللہ کی قدرت پر صحیح ایمان ہی نہیں اس وجہ سے یہ خدشات مشرکین عرب کی طرح ان کے دلوں میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔ غرضیکہ یہاں بتلایا گیا کہ یہاں کا عیش تو ناقابل توجہ ہے۔ راحت تو وہی ہے جو ناقابل زوال اور ابدی ہو اور وہ خدا کے پاس ہے جو آخرت میں نصیب ہوگی اور اس کے حصول کا ذریعہ صرف اسلام ہے۔ تو اگر ناپائیدار مال ودولت اور عیش کو کھو کر بھی لازوال سعادت و دولت مل جائے اور ایک روپیہ دینے سے لاکھوں کروڑوں بلکہ ان گنت دولت نصیب ہو جائے تو کیا نقصان ہے تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے کہ فانی کے بجائے باقی کو اختیار کرو۔

ان آیات سے نتیجہ کے طور پر مفسرین نے یہ اخذ کیا ہے کہ کسی دنیوی لالچ یا خوف کی وجہ سے شریعت کے حکم سے سرتابی نہ کرنی چاہئے۔ کارساز حقیقی اللہ تعالیٰ کو سمجھنا لازم ہے۔ نفع اور ضرر کا مالک اور قادر مطلق اسی کو یقین کرنا چاہئے۔ ملازمت یا تجارت یا دوسرے مشاغل حیات کی خرابی کا اندیشہ وخیال قبول حق سے ہرگز مانع نہ ہونا چاہئے۔ تو یہاں تک کفار کے مختلف اشکالات واعتراضات نقل فرما کر ان کے جوابات دیئے گئے تھے اور ان کے اعتراضات کا رد فرمایا گیا تھا اب آگے کفر وایمان اور ہدایت و ضلالت کے جو نتائج قیامت میں ظاہر ہوں گے ان کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا جاتا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ

بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ شخص اس (وعدہ کی چیز کو) پانیوالا ہے کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چندروزہ فائدہ دے رکھا ہے پھر وہ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ

قیامت کے روز اُن لوگوں میں سے ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جاویں گے۔ اور جس دن خدا تعالیٰ ان کافروں کو (توبیخاً) پکار کر کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم (ہمارا شریک) سمجھ رہے تھے۔

تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا

جن پر خدا کا فرمودہ ثابت ہو چکا ہوگا وہ بول اُٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار بیشک یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ہم نے ان کو ویسا ہی (بلا جبر و اکراہ) بہکایا جیسا

غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ

ہم خود بہکے تھے اور ہم آپ کی پیشی میں ان سے دستبرداری کرتے ہیں یہ لوگ ہم کو نہ پوجتے تھے۔ اور کہا جاوے گا کہ (اب) اپنے ان شرکاء کو بلاؤ چنانچہ وہ اُن کو پکاریں گے

فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾

سو وہ جواب ہی نہ دیں گے اور (اس وقت) یہ لوگ (اپنی آنکھوں) سے عذاب دیکھ لیں گے اے کاش یہ لوگ (دنیا میں) راہ راست پر ہوتے (تو یہ مصیبت نہ دیکھتے)

اَفَمَنْ سو کیا جو	وَّعَدْنٰهُ ہم نے وعدہ کیا اس سے	وَعْدًا حَسَنًا وعدہ اچھا	فَهُوَ پھر وہ	لَاقِيْهِ پانے والا اس کو	كَمَنْ اسکی طرح جسے	
مَّتَّعْنٰهُ ہم نے بہرہ مند کیا اسے	مَتَاعَ سامان	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	ثُمَّ پھر	هُوَ وہ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	مِنَ سے
الْمُحْضَرِيْنَ حاضر کئے جانیوالے	وَيَوْمَ اور جس دن	يُنَادِيْهِمْ وہ پکارے گا انہیں	فَيَقُوْلُ پس کہے گا وہ	اَيْنَ کہاں	شُرَكَآءِيَ میرے شریک	
الَّذِيْنَ وہ جنہیں	كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ تم گمان کرتے تھے	قَالَ کہیں گے	الَّذِيْنَ وہ جو	حَقَّ ثابت ہوگیا	عَلَيْهِمُ اُن پر	الْقَوْلُ حکم عذاب
رَبَّنَا اے ہمارے رب	هٰٓؤُلَآءِ یہ ہیں	الَّذِيْنَ وہ جنہیں	اَغْوَيْنَا ہم نے بہکایا	اَغْوَيْنٰهُمْ ہم نے بہکایا انہیں	كَمَا جیسے	غَوَيْنَا ہم بہکے
تَبَرَّاْنَآ ہم بیزاری کرتے ہیں	اِلَيْكَ تیری طرف	مَا كَانُوْٓا وہ نہ تھے	اِيَّانَا صرف ہماری	يَعْبُدُوْنَ بندگی کرتے	وَقِيْلَ اور کہا جائے گا	
ادْعُوْا تم پکارو	شُرَكَآءَكُمْ اپنے شریکوں کو	فَدَعَوْهُمْ سو وہ انہیں پکاریں گے	فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا تو وہ جواب نہ دیں گے	لَهُمْ انہیں		
	وَرَاَوُا اور وہ دیکھیں گے	الْعَذَابَ عذاب	لَوْ اَنَّهُمْ کاش وہ	كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ وہ ہدایت یافتہ ہوتے		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ مکہ کے بعض کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام قبول نہ کرنے کا یہ عذر اور بہانہ پیش کیا تھا کہ اگر ہم مسلمان ہو جائیں گے تو عرب ہمیں مکہ سے نکل باہر کریں گے حالانکہ اب تک باوجود دشمنی کے وہ ایسا نہیں کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کی سرزمین کو احترام والی اور قتل و غارتگری سے پاک بنایا ہے اور یہاں گھر بیٹھے سب جگہ کی پیداوار کھنچی چلی آرہی ہے مگر انہیں اللہ کا خوف نہیں جو پہلے بہت سی قوموں کو نافرمانی کی سزا میں تباہ و برباد کر چکا ہے۔ پھر بتلایا گیا تھا کہ انہیں اتنا تو سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں موت ایک نہ ایک دن آنی ضرور ہے جو دنیا کے سارے عیش و عشرت کو ختم کر دینے والی ہے تو اس ناپائیدار اور فانی سامان عیش و عشرت پر یہ لٹو کیوں ہو رہے ہیں۔ یہ تو وقتی طور پر فائدہ اٹھانے کے لئے دیا گیا ہے لیکن اللہ کے پاس اس سے بہتر عیش و راحت کا سامان ہے جو دائمی اور ابدی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا

ہے۔اس طرح آخرت کے مقابلہ میں دنیا تو کچھ بھی نہیں لیکن افسوس کہ لوگ دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اوپر کفر وضلالت پر توبیخ اور تنبیہ اور ہدایت و ایمان کی ترغیب دی گئی تھی اب آگے کفر و ایمان اور ہدایت وضلالت کے جو ثمرات قیامت کے روز ظاہر ہوں گے ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے اوران آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مومن اور کافر دونوں انجام کے اعتبار سے کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ایک شخص جس نے اللہ کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے بہت اچھا انعام دینے کا وعدہ کیا جو اسے قیامت کے دن یقیناً مل کر رہے گا کیا اس کے برابر وہ ہو سکتا ہے جس نے کچھ دن اللہ کے دیئے ہوئے مال متاع سے دنیا میں گلچھرے اڑائے اور پھر کفر پر مر گیا اور قیامت کے دن گرفتار ہو کر مجرم کی حیثیت سے پیش ہوگا۔اس کی مثال ایسی سمجھئے کہ ایک شخص خواب میں دیکھے کہ میرے سر پر تاج شاہی رکھا ہے اور نوکر چاکر خدم و حشم سب میری خدمت کے لئے کھڑے ہیں اور محل میں شاہی دسترخوان بچھا ہوا ہے اور طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے ہیں جن سے میں لذت اندوز ہو رہا ہوں مگر آنکھ کھلی تو دیکھا کہ پولیس انسپکٹر گرفتاری کا وارنٹ اور ہتھکڑی بیڑی لئے کھڑا ہے۔بس وہ پکڑ کر لے گیا اور فوراً ہی پیشی ہو کر حبس دوام کی سزا مل گئی تو بتلایئے اسے وہ خواب کی بادشاہت اور پلاؤ قورمے کی لذت کیا یاد آئے گی۔

آگے قیامت میں کفار و مشرکین اور ان کے معبودان باطل کا حال بتلایا جاتا ہے کہ قیامت میں مشرکوں سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے وہ فرضی معبود جن کو تم لوگ اپنے زعم سے خدا کی صفات میں شریک سمجھتے تھے۔نفع نقصان۔کارسازی اور کاربرآری کا مالک جانتے تھے اور قیامت کے دن جن کی حمایت کرنے کا تم کو بھروسہ تھا آج وہ کہاں ہیں؟اپنی حمایت کے لئے ان کو بلاؤ تو سہی۔یہ سوال تو ہوگا عام مشرکین سے مگر وہ شیاطین جن وانس اور مشرکین کے وہ لیڈر اور پیشوا جن کو دنیا میں خدا کا شریک اور خدائی حصہ دار بنایا گیا تھا اور جن کے حکم اور بات کے مقابلہ میں خدا اور اس کے رسولوں کی بات کو رد کیا گیا تھا اور جن کے کہنے پر صراط مستقیم اور راہ ہدایت کو چھوڑ کر زندگی کے غلط راستہ اختیار کئے گئے تھے اور جن کی اطاعت اس طرح کی گئی تھی جیسے خدا کی ہونی چاہئے اور اس طرح انہیں خدائی میں شریک کیا گیا تھا۔وہ سمجھ جائیں گے کہ اب ہماری بھی شامت آ گئی یہ ہمارے پیرو ضرور کہیں گے کہ یہ لوگ ہماری گمراہی کے اصل ذمہ دار ہیں اس لئے مشرکین کے بولنے سے پہلے وہ خود سبقت کر کے اپنی صفائی پیش کرنی شروع کر دیں گے۔اور کہیں گے کہ خداوند!بیشک ہم نے ان کو گمراہ کیا تھا جیسے کہ ہم خود گمراہ تھے مگر ہم پر ان کے گمراہ کرنے کا الزام حقیقتاً عائد نہیں ہوتا کیونکہ ان پر ہمارا کوئی جبر واکراہ نہ تھا کہ زبردستی اپنی بات منوا لیتے ہم نے ان کی دیکھنے۔سننے اور سوچنے سمجھنے کی قوتوں کو چھین نہیں لیا تھا کہ یہ تو راہ راست کی طرف جانا چاہتے ہوں مگر ہم ان کا ہاتھ پکڑ کر جبراً ان کو غلط راستہ پر لے گئے ہوں۔بلکہ جس طرح ہم خود اپنی مرضی سے گمراہ ہوئے تھے اسی طرح ان کے سامنے بھی ہم نے گمراہی پیش کی اور انہوں نے اپنی مرضی سے اسے قبول کیا ورنہ ان کو اپنے خیال میں آزادی تھی۔یہ کیوں بغیر کسی دلیل وثبوت کے ہمارے اشارہ پر چلے یہ اپنے فعل کے ذمہ دار ہیں ہم ان سے بیزار ہیں ان کا ہم سے اب کوئی تعلق نہیں۔یہ ہمارے پرستار نہ تھے بلکہ اپنے ہی نفس کے بندے بنے ہوئے تھے۔اگر ان کی نفسانی خواہشیں انہیں نہ ابھارتیں تو یہ ضرور ہمیں دھتا بتاتے اور سیدھا راستہ اختیار کرتے۔تو دراصل یہ ان کی خود کی ہوا اور نفس پرستی تھی کہ جو یہ ہمارے بہکائے میں آ گئے اور اس طرح یہ ہماری پرستش نہ کرتے تھے بلکہ اپنے نفس وخواہشات اور تخیل کے پرستار تھے۔ہم ان کی عبادت اور بندگی سے آج آپ کے سامنے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔پس آپ ہمیں دعوے معبودیت کے جرم میں نہ پکڑیئے۔جب یہ بیان مشرکین کے پیشواؤں کا ہوگا اور اس طرح وہ مشرکین سے بیزاری اور بے رخی ظاہر کریں گے تو مشرکین سے کہا جائے گا کہ لو اب اپنی مدد اور بچانے کے لئے اپنے ان معبودوں کو پکارو اور ان سے کہو کہ آئیں اور تمہاری مدد کریں اور عذاب سے بچائیں۔چنانچہ وہ مشرکین حیرت سے بالاضطرار ان کو پکاریں گے مگر وہ جواب بھی نہ دیں گے اس لئے کہ وہ خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے اس وقت عذاب الٰہی کو یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے پھر کہیں گے کہ اے کاش ہم دنیا میں راہ راست پر ہوتے تو آج یہ مصیبت نہ دیکھتے۔

ابھی اسی سلسلہ میں آگے بھی قیامت کے احوال کو بیان فرمایا گیا ہے۔جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَآ أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنبَآءُ يَوْمَئِذٍ

اور جس دن ان کافروں سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا۔ سو اُس روز اُن سے سارے مضامین گم ہوجاویں گے

فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰٓ أَن يَكُونَ مِنَ

تو وہ آپس میں پوچھ پاچھ بھی نہ کرسکیں گے۔ البتہ جو شخص (کفر و شرک سے) توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے لوگ اُمید ہے کہ (آخرت میں) فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔

الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَٰنَ اللَّهِ وَتَعَٰلَىٰ

اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جس حکم کو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے ان لوگوں کو تجویز (احکام) کا کوئی حق حاصل نہیں، اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے

عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا

پاک اور برتر ہے۔ اور آپ کا رب سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو اُن کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور اللہ وہی ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

هُوَ ۖ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٧٠﴾

حمد کے لائق دنیا اور آخرت میں وُہی ہے، اور حکومت بھی (قیامت میں) اُسی کی ہوگی تم سب اُسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔

وَيَوْمَ اور جس دن	يُنَادِيهِمْ وہ پکارے گا انہیں	فَيَقُولُ تو فرمائے گا	مَاذَا کیا	أَجَبْتُمُ تم نے جواب دیا	الْمُرْسَلِينَ پیغمبر	
فَعَمِيَتْ پس نہ سوجھے گی	عَلَيْهِمُ ان کو	الْأَنبَآءُ خبریں (باتیں)	يَوْمَئِذٍ اس دن	فَهُمْ پس وہ	لَا يَتَسَآءَلُونَ آپس میں سوال نہ کرینگے	
فَأَمَّا سو لیکن	مَن تَابَ جس نے توبہ کی	وَءَامَنَ اور وہ ایمان لایا	وَعَمِلَ صَالِحًا اور اس نے عمل کئے اچھے	فَعَسَىٰ تو امید ہے	أَن يَكُونَ کہ وہ ہو	
مِنَ سے	الْمُفْلِحِينَ کامیابی پانے والے	وَرَبُّكَ اور تمہارا رب	يَخْلُقُ پیدا کرتا ہے	مَا يَشَآءُ جو وہ چاہتا ہے	وَيَخْتَارُ اور وہ پسند کرتا ہے	
مَا كَانَ نہیں ہے	لَهُمُ ان کیلئے	الْخِيَرَةُ اختیار	سُبْحَٰنَ اللَّهِ اللہ پاک ہے	وَتَعَٰلَىٰ اور برتر	عَمَّا يُشْرِكُونَ اس سے جو وہ شریک کرتے ہیں	
وَرَبُّكَ اور تمہارا رب	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	تُكِنُّ چھپا ہے	صُدُورُهُمْ ان کے سینے	وَمَا اور جو	يُعْلِنُونَ وہ ظاہر کرتے ہیں
وَهُوَ اللَّهُ اور وہی اللہ	لَآ إِلَٰهَ نہیں کوئی معبود	إِلَّا هُوَ اس کے سوا	لَهُ الْحَمْدُ اسی کیلئے تمام تعریفیں	فِي الْأُولَىٰ دنیا میں	وَالْآخِرَةِ اور آخرت	
وَلَهُ الْحُكْمُ اور اسی کیلئے فرمانروائی	وَإِلَيْهِ اور اسی کی طرف	تُرْجَعُونَ تم لوٹ کر جاؤ گے				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جب مشرکوں سے قیامت میں ان کے دنیا میں شرک کرنے کے متعلق پوچھا جائے گا تو کوئی جواب ان مشرکوں سے نہ بن پڑے گا سوائے اس کے کہ دنیا میں جوانہوں نے گمراہی اختیار کی تھی اس پر پچھتائیں اور حسرت وافسوس کریں کہ کاش ہم دنیا میں ہدایت حاصل کر لیتے اور سیدھا راستہ اختیار کر لیتے تو یہ مصیبت نہ دیکھنی پڑتی۔ تو قیامت میں جب مشرکین پر توحید اختیار نہ کرنے سے الزام قائم ہوجائے گا تو پھر دوسرا سوال پوچھا جائے گا کہ تم نے ہمارے رسولوں کی بات دنیا میں کیوں نہیں مانی؟ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن ان کفار و مشرکین سے باز پرس کی جائے گی کہ علاوہ عقل و فہم عطا کرنے اور دلائل فطرت پیدا کرنے کے جو پکار پکار کر توحید کی طرف بلا رہے تھے

اللہ نے جو تمہارے پاس پیغمبر بھیجے تھے اور انہوں نے تم کو راہ راست کی طرف بلایا تھا تو تم نے ان کی بات کیوں نہ سنی اور ان کے دعوت اور پیغام کا کیا جواب دیا تھا؟ یہ سوال بھی سن کر کفار ومشرکین کے حواس باختہ ہو جائیں گے اور دنیا میں اگرچہ پیغمبروں کے مقابلہ میں وہ کٹ حجتیاں کرتے اور تکبر اور غرور سے سرمست ہو کر پیغمبروں کے ماننے والوں کو ذلیل اور رذیل کہتے لیکن قیامت کے دن ان کو کوئی جواب نہ بن پڑے گا اور نہ یہ ممکن ہوگا کہ باہم پوچھ پاچھ کر کوئی جواب دے سکیں۔ کافروں اور مشرکوں کی قیامت کے دن یہ ناگفتہ بہ حالت بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے کہ آخرت میں نجات کا دارومدار صرف اس پر ہے کہ انسان دنیا ہی میں سرکشی چھوڑے۔ خواہشات کا بندہ نہ بنے۔ اللہ پر سچے دل سے ایمان لائے۔ کسی کو اس کی ذات و صفات میں شریک نہ کرے اور اس کے رسول جو نیک کام کرنے کو بتائیں انہیں بے چون و چرا اختیار کرے اور جن کاموں کو وہ برا کہیں ان سے رکیں ان کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ ایسے لوگوں کو امید رکھنی چاہئے کہ انہیں آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی۔ تو مفلحین یعنی آخرت میں فلاح پانے والوں کی یہاں تین شرائط بیان کی گئیں۔ اول **من تاب** یعنی جو توبہ کرے۔ اس میں کفر و شرک اور تمام معاصی سے توبہ کرنا داخل ہے۔ دوسری شرط **اٰمن** فرمائی یعنی جو ایمان لے آئے اس میں توحید رسالت۔ قیامت۔ آخرت۔ جزا سزا سب پر ایمان لانا شامل ہے۔ تیسری شرط فرمائی **عمل صالحاً** اور جو نیک کام کیا کرے۔ اس میں تمام احکام۔ اوامر و نواہی سب پر عمل کرنا داخل ہے۔ تو ایسوں کے لئے فرمایا گیا **فعسیٰ ان یکون من المفلحین** یعنی امید ہے کہ ایسے لوگ فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔ یہاں لفظ **عسیٰ** جس کے معنی امید کے ہیں لانے میں یہ تعلیم دی گئی کہ کسی کو اپنی توبہ اور عمل صالحہ پر مغرور نہ ہو جانا چاہئے اور یہ یقین نہ کر لینا چاہئے کہ چونکہ میرے اعمال اچھے ہیں اس لئے جنت کا ملنا لازم ہو گیا ایسا عقیدہ صحیح نہیں بلکہ یہ امید رکھنا چاہئے کہ میں اللہ کے احکام کو مانتا ہوں اس لئے پروردگار کی رحمت کی مجھے امید ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اعمال کے رد ہونے اور گرفت میں ماخوذ ہونے کا خوف بھی دل میں لگا رہے اس لئے ممکن ہے کہ توبہ نہ قبول ہوئی ہو یا اعمال نہ پسند آئے ہوں اور قیامت کے دن خالی ہاتھ رہنا پڑے اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ کوئی اپنے اعمال کے سبب جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ اللہ کی رحمت شامل نہ ہو۔

الغرض یہاں تک شرک کی مذمت مذکور ہوئی اور کفر و شرک سے توبہ کی ترغیب دی گئی اب آگے توحید کا بیان ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ہر چیز کا پیدا کرنا اللہ کی مشیت اور اختیار سے ہے۔ یعنی کسی مخلوق کو تخلیق کا اختیار نہیں۔ نہ پیدائش میں کسی کی مشیت اور مرضی کو دخل ہے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے مگر افسوس ہے ہمارے خاندانی منصوبہ بندی والوں کی سمجھ پر جنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اولاد کا پیدا کرنا نہ کرنا اپنے اختیار میں ہے۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** اور جس طرح تکوینی اور تخلیقی اختیارات اللہ ہی کو حاصل ہیں اسی طرح تشریعی اختیارات بھی اسی کو حاصل ہیں یعنی جس حکم کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اور انبیاء کے ذریعہ سے نازل فرماتا ہے۔

یہ توحید کا مثبت پہلو تھا آگے منفی پہلو بھی واضح فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو تجویز احکام کا کوئی حق حاصل نہیں کہ جو حکم چاہیں تجویز کر لیں جیسے یہ مشرکین اپنی طرف سے شرک کو جائز تجویز کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنے چند خصوصی اوصاف کا تذکرہ فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو واحد۔ منفرد۔ اور یگانہ ثابت کرتے ہیں چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا علم کامل رکھتا ہے کہ بندوں کے ہر فعل و عمل کو خواہ وہ پوشیدہ ہوں یا ظاہر سب جانتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ دل میں جو خیالات اور عقیدے یا نیت رکھتے ہیں وہ بھی سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور وہی ہر شخص کی پوشیدہ استعداد و قابلیت سے آگاہ ہے اسی

کے موافق معاملہ کرے گا۔اور چونکہ کسی کا ایسا علم نہیں ہے اس لئے اس سے بھی اس کا واحد و یکتا ہونا ثابت ہوا جس طرح تخلیق۔اختیار اورعلم میں وہ واحد ہے ایسے ہی اس کی ذات الوہیت میں بھی یگانہ ہے۔بجز اس کے کسی کی بندگی نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کی ذات میں تمام کمالات وخوبیاں جمع ہیں۔دنیا اور آخرت میں جو تعریف بھی ہو خواہ وہ کسی کے نام پر رکھ کر کی جائے حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے۔اسی کا حکم چلتا ہے۔اسی کا فیصلہ ناطق ہے۔اسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اور انجام کار سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے یعنی قیامت میں بھی حکومت اسی کی ہوگی یہ نہیں کہ کوئی اس کے سامنے حاضر ہونے سے بچ جائے یا کہیں چھپ کر پناہ لے لے پس فنا ہونے اور مرنے کے بعد بھی اسی سے واسطہ پڑنا ہے اس سے بھی ذات باری تعالیٰ منفرد ہونا ثابت ہوا۔

اب یہاں ظاہر ہے کہ کفار و مشرکین سے تو یہ سوال ہوگا کہ دنیا میں تم نے توحید و رسالت کو کیوں قبول نہ کیا تھا اور تمہارے پاس جو اللہ کے پیغمبر دعوت اور پیغام لے کر آئے تھے تو تم نے اس کا کیا جواب دیا تھا؟ مگر یہاں ذرا ان کے لئے بھی غور وفکر کی ضرورت ہے کہ جو دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں اور کتاب وسنت۔ قرآن وحدیث یعنی اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات اور تعلیمات سے نہ صرف نافرمانی بلکہ بغاوت برت رہے ہیں۔تو اگر ان سے بھی پوچھا گیا اور یقیناً پوچھا جائے گا کہ تم نے توحید و رسالت کا اقرار کرکے اللہ اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے طریق سے بیزاری اور بغاوت پر کیوں کمر بستہ رہے تو سوچ لیں کہ میدان حشر میں وہ کیا جواب دیں گے؟ کیا یہ جواب دیں گے کہ بس ہمارا ایمان واسلام تو یہی تھا۔

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

(استغفر اللہ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ)

ایسے مدعیان اسلام کے سنانے کے لئے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ کی ایک عبارت آپ کی کتاب ''بوادر النوادر'' سے یاد آئی جو یہاں نقل کرتے ہوئے دل کانپتا ہے مگر موقع کی مناسبت سے ضرورتاً نقل کی جاتی ہے کہ شاید کسی کی آنکھ کھل جانے کا ذریعہ بن جائے۔بوادر النوادر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے آخری تصنیف ہے اور مضامین کے اعتبار سے روح التصانیف ہے۔اور یہ کتاب حضرت اقدسؒ کے مرض وفات میں آپ کی وفات سے صرف تقریباً بیس روز پہلے طبع ہو کر تھانہ بھون پہنچی تھی جس سے حضرت والا بہت ہی مسرور ہوئے۔نور اللہ مرقدہ تو اس کتاب بوادر النوادر میں نیز بیان القرآن میں سورۂ اعراف تیسرے رکوع کی آیت نمبر ۳۰ **فریقاً ھدٰی وفریقاً حق علیھم الضللة انھم اتخذوا الشیطین اولیآء من دون اللہ ویحسبون انھم مھتدون** (بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے۔ان لوگوں نے شیطانوں کو رفیق بنالیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں) کے تفسیر کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے۔''جیسے قلب سے تکذیب کرنا کفر ہے۔اسی طرح زبان سے تکذیب کرنا اور برتاؤ میں مخالفت وعداوت انبیاء سے کرنا بھی کفر ہے۔خوب سمجھ لو۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے ہم کو وہ ایمان واسلام حقیقی نصیب فرمائیں کہ جو میدان حشر میں ہمیں ندامت وشرمندگی سے واسطہ نہ پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حوض کوثر سے سیراب ہونا نصیب ہو۔جس سے کہ کچھ نام نہاد امتی محروم رکھے جائیں گے جس کا کچھ بیان انشاء اللہ اگلے درس میں آئے گا۔جہاں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ رات دن میں جس قدر نعمتیں اور بھلائیاں تم کو پہنچتی ہیں اللہ ہی کے فضل وانعام سے ہیں بلکہ خود رات دن کا ادل بدل کرنا بھی اللہ کا ایک مستقل احسان ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِن جَعَلَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمُ ٱلَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ مَنْ إِلَٰهٌ

آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کیلئے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے

غَيْرُ ٱللَّهِ يَأْتِيكُم بِضِيَآءٍ ۖ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿٧١﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِن جَعَلَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمُ ٱلنَّهَارَ

جو تمہارے لئے روشنی کو لے آوے، تو کیا تم (توحید کے ایسے صاف دلائل کو) سنتے نہیں۔ آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کیلئے

سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ ٱللَّهِ يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٧٢﴾

قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آوے جس میں تم آرام پاؤ، کیا تم (اس مشاہدہ قدرت کو) دیکھتے نہیں۔

وَمِن رَّحْمَتِهِۦ جَعَلَ لَكُمُ ٱلَّيْلَ وَٱلنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا۟ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا۟ مِن فَضْلِهِۦ

اور اُس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تا کہ تم رات میں آرام کرو اور تا کہ (دن میں) اس کی روزی تلاش کرو

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِىَ ٱلَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٧٤﴾

اور تا کہ (ان دونوں پر) تم شکر کرو۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ اُن کو پکار کر فرماوے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے۔

وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا۟ بُرْهَٰنَكُمْ فَعَلِمُوٓا۟ أَنَّ ٱلْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ

اور ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے، پھر ہم (ان مشرکین سے) کہیں گے کہ اپنی دلیل (صحت شرک کے دعوے پر) پیش کرو سو (اُس وقت) اُن کو معلوم ہو جاوے گا کہ سچی بات خدا ہی کی تھی

عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَفْتَرُونَ ﴿٧٥﴾

اور (دنیا میں) جو کچھ باتیں گھڑا کرتے تھے (آج) کسی کا پتہ نہ رہیگا۔

قُلْ فرمادیں	أَرَءَيْتُمْ بھلا تم دیکھو تو	إِنْ اگر	جَعَلَ کردے (رکھے)	ٱللَّهُ اللہ	عَلَيْكُمْ تم پر	ٱلَّيْلَ رات	سَرْمَدًا ہمیشہ
إِلَىٰ تک	يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ روز قیامت	مَنْ کون	إِلَٰهٌ معبود	غَيْرُ ٱللَّهِ اللہ کے سوا	يَأْتِيكُم لے آئے تمہارے پاس	بِضِيَآءٍ روشنی	
أَفَلَا تَسْمَعُونَ تو کیا تم سنتے نہیں؟	قُلْ فرمادیں	أَرَءَيْتُمْ بھلا تم دیکھو تو	إِنْ اگر	جَعَلَ ٱللَّهُ بنائے (رکھے) اللہ	عَلَيْكُمْ تم پر	ٱلنَّهَارَ دن	
سَرْمَدًا ہمیشہ	إِلَىٰ تک	يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ روز قیامت	مَنْ کون	إِلَٰهٌ معبود	غَيْرُ ٱللَّهِ اللہ کے سوا	يَأْتِيكُم لے آئے تمہارے لئے	
بِلَيْلٍ رات	تَسْكُنُونَ تم آرام کرو	فِيهِ اس میں	أَفَلَا تُبْصِرُونَ تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں؟	وَ اور	مِن رَّحْمَتِهِۦ اپنی رحمت سے		
جَعَلَ لَكُمُ اس نے تمہارے لئے بنایا	ٱلَّيْلَ رات	وَٱلنَّهَارَ اور دن	لِتَسْكُنُوا۟ تا کہ تم آرام کرو	فِيهِ اس میں	وَلِتَبْتَغُوا۟ اور تا کہ تم تلاش کرو		
مِن فَضْلِهِۦ اسکا فضل (روزی)	وَلَعَلَّكُمْ اور تا کہ تم	تَشْكُرُونَ تم شکر کرو	وَيَوْمَ اور جس دن	يُنَادِيهِمْ وہ پکارے گا انہیں	فَيَقُولُ تو وہ کہے گا		
أَيْنَ کہاں؟	شُرَكَآءِىَ میرے شریک	ٱلَّذِينَ وہ جو	كُنتُمْ تَزْعُمُونَ تم گمان کرتے تھے	وَ اور	نَزَعْنَا ہم نکال کر لائینگے	مِن سے	

كُلِّ اُمَّةٍ ہر امت	شَهِيْدًا ایک گواہ	فَقُلْنَا پھر ہم کہیں گے	هَاتُوْا تم لاؤ (پیش کرو)	بُرْهَانَكُمْ اپنی دلیل	فَعَلِمُوْٓا سو وہ جان لیں گے	
	اَنَّ کہ	الْحَقَّ سچی بات	لِلّٰهِ اللہ کی	وَضَلَّ اور گم ہو جائیں گی	عَنْهُمْ ان سے	مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ جو وہ گھڑتے تھے

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ کی توحید کے متعلق مضمون بیان ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ جس طرح تخلیق۔ اختیار اور علم میں وہ منفرد ہے اسی طرح الوہیت اور معبودیت میں بھی یگانہ ہے۔ اسی کی ذات میں تمام کمالات اور خوبیاں جمع ہیں۔ اسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اب بھی اور قیامت میں بھی۔ اب آگے اسی سلسلہ میں اظہار قدرت کے لئے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر سورج کو طلوع نہ ہونے دے یا اس سے روشنی سلب کرلے تو تم اپنے کاروبار اور کام کاج کے لئے ایسی روشنی کہاں سے لاسکتے ہو۔ یہ بات ایسی صاف اور توحید کے دلائل میں ایسی روشن ہے کہ ایک کم عقل کی بھی سمجھ میں آجائے۔ پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ اگر آفتاب کو غروب نہ ہونے دے اور ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رہے تو جو راحت اور سکون اور دوسرے فوائد رات کے آنے سے حاصل ہوتے ہیں ان کا سامان کونسی طاقت کرسکتی ہے۔ یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے کہ جو بیوقوف سے بیوقوف آدمی کو بھی نظر آتی ہے تو معلوم ہوا کہ شبانہ روز کا دور اور نور ظلمت کا چکر اسی کے دست قدرت میں ہے اور کسی دوسرے کو تصرف کائنات میں کوئی دخل نہیں۔ یہاں آیت میں یہ دلیل دے کر کہ اگر قیامت تک رات ہوجائے تو پھر کس میں طاقت ہے کہ دن نکال دے۔ **افلا تسمعون** فرمایا چونکہ رات میں صورت نہیں دکھائی دیتی اور آواز سنائی دیتی ہے اس لئے رات کے ساتھ **افلا تسمعون** فرمایا یعنی کیا تم سنتے بھی نہیں اور دن میں صورت دکھائی دیتی ہے اور آواز رات کی نسبت کم سنائی دیتی ہے اس لئے دن کے ساتھ **افلا تبصرون** فرمایا یعنی کیا اسی حقیقت بھی تم کو دکھلائی نہیں دیتی۔ آگے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی رحمت سے رات دن کا الٹ پھیر کرتا رہتا ہے تاکہ رات کی تاریکی میں سکون وراحت حاصل کرو یعنی نیند سے حواس اور اعضاء کی تکان دور ہوجاتی ہے اور دماغی اور جسمانی راحت حاصل ہوتی ہے اور دن کے اجالے میں کاروبار جاری رکھ سکو اور اپنی روزی کو تلاش کرو۔ یہاں آیت میں دن میں روزی تلاش کرنے کو **لتبتغوا من فضله** فرمایا یعنی اس کے فضل میں سے کچھ تلاش کرو۔ اس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ روزی ظاہر میں دینے والے کو حقیقۃً دینے والا نہ سمجھ لینا چاہئے بلکہ اس کو صرف دینے کا ذریعہ خیال کرنا چاہئے اور جو کوئی بھی کچھ دے دراصل اس کو فضل خداوندی یقین کرنا لازم ہے اس لئے آگے **لعلکم تشکرون** فرمایا یعنی جب اس روزی کو فضل الٰہی جان لو تو اللہ ہی کا شکر ادا کرو اور کفران نعمت نہ کرو کہ عطا تو فرمائے خدا اور دینے والا سمجھو تم کسی اور کو۔ یہ دلائل توحید بیان فرما کر پھر شرک اور مشرکین کی مذمت فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ معبود حقیقی کو چھوڑ کر اور دوسرے معبود جو یہ مشرکین قرار دیتے ہیں اور جن کو یہ اپنے زعم میں اپنا حامی اور ناصر اور شفیع خیال کرتے ہیں قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے اور اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اور قیامت کے دن ہر امت کے پیغمبر کی شہادت طلب کی جائے گی اور وہ بتلائیں گے کہ ان کی امت نے آسمانی شریعت اور احکام الٰہیہ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اس وقت کفار اور مشرکین سے سرکشی اور کفر وشرک کی دلیل طلب کی جائے گی کہ بتاؤ خدا تعالیٰ کے شریک کس سند اور دلیل سے ٹھہرائے اور حلال وحرام وغیرہ کے احکام کہاں سے لئے۔ خدا کے پیغمبر کو تو تم نے مانا نہیں پھر کس

نے بتلایا کہ خدا کا یہ حکم ہے اور یہ نہیں۔ لیکن کافروں کو کوئی جواب بن نہ پڑے گا اور اس وقت ان کو نظر آ جائے گا کہ سچی بات اللہ ہی کی تھی اور معبودیت صرف اسی کا حق ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ دنیا میں پیغمبر جو بتلاتے تھے وہی ٹھیک تھا۔ مشرکین نے جو عقیدے گھڑ رکھے تھے اور جو باتیں اپنے دل سے جوڑ رکھی تھیں اس روز سب کافور ہو جائیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ شب و روز کا دورہ اگرچہ ظاہر میں سورج کے طلوع اور غروب کی وجہ سے ہے لیکن فی الحقیقت اذن خداوندی اور تاثیر الٰہی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے عارف کی نظر میں عالم میں جو انقلاب و تغیر ہوتا ہے اس سب کا بانی اور فاعل حقیقی خدا ہی ہے انسان جو متصرف یا حاکم نظر آتے ہیں وہ حقیقت میں متصرف اور حاکم نہیں بلکہ ذرائع اور آلات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یوں سمجھئے کہ ایک ہوشمند انسان ہتھیار والے سپاہی کو قاتل کہتا ہے نہ کہ تلوار کو جس سے سپاہی کسی کو قتل کرتا ہے۔ پس اگر خوشامد کرنی اور درگزر اور عفو کی طلب کرنی ہوتی ہے تو سپاہی سے کرتا ہے نہ کہ تلوار سے۔ اگر ڈرتا ہے تو سپاہی سے نہ کہ ہتھیار سے۔ ہاں عارضی خوف جو ہتھیار سے دل پر چھا جاتا ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ کہیں سپاہی اس ہتھیار کو ہمارے خلاف نہ استعمال کرے۔ تو واقع میں ہتھیار نہ فاعل ہے۔ نہ مختار۔ نہ کوئی خوف کی چیز بلکہ اس سے ضرر سپاہی کے ارادے سے وابستہ ہے بس یہی حالت کل کائنات کی ہے۔ نہ کسی سے نفع وابستہ ہے نہ ضرر۔ حقیقی کارساز اور آلات و ذرائع پیدا کرنے والا حق تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اور بغیر حکم الٰہی کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رات اللہ تعالیٰ نے آرام کے لئے بنائی ہے اس لئے جو لوگ رات کو کام کرتے ہیں بغیر کسی خاص مجبوری کے اور دن کو سوتے ہیں وہ خلاف فطرت عمل کرتے ہیں۔

ان آیات میں ایک اور اہم بات کی طرف بھی آپ کو توجہ دلانی ہے۔ یہاں آیت میں فرمایا گیا **ونزعنا من کل امة شهیداً** اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکال کر لائیں گے اور مفسرین نے یہاں گواہ سے مراد پیغمبر امت کو لیا ہے۔ تو اگرچہ یہاں بیان کفار و مشرکین کے متعلق ہے کہ جن کے متعلق پیغمبر کی شہادت طلب کی جائے گی لیکن آپ یقین کیجئے کہ قیامت میں ایک وقت وہ بھی آنے والا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو حوض کوثر سے سیراب کرنے کے لئے ابتدائی انتظامات میں مصروف اور اپنی امت کے لوگوں کی آمد کے منتظر ہوں گے تو اس وقت کچھ لوگوں کو آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی روک دیا جائے گا۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے اللہ یہ لوگ تو میرے امتی ہیں اور مجھ سے تعلق رکھنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو جواب ملے گا کہ ہیں تو بیشک یہ آپ کے امتی ہی لیکن آپ کو ان کے کرتوت معلوم نہیں کہ یہ لوگ دین میں طرح طرح کی بدعات نکالتے رہے ہیں۔ دین میں تبدیلیاں کرتے رہے ہیں اور صراط مستقیم سے ہمیشہ ہٹے رہے اس لئے حوض کوثر سے ان کو پانی نہیں ملے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پھر جھڑک دیں گے کہ دور ہوں مجھ سے یہ لوگ اور دور ہوں خدا کی رحمت سے کہ جنہوں نے میرے بعد دین میں تبدیلی کی۔ اس کے متعلق صحیح احادیث جو بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت کی گئی ہیں سنیئے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض (کوثر) پر تم سے پہلے پہنچوں گا اور تم میں سے کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے پھر ان کو میرے سامنے سے ہٹا دیا

جائے گا تو میں عرض کروں گا اے پروردگار یہ تو میری امت کے لوگ ہیں تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں جوشر وفساد بپا کیا ہے آپ اسے نہیں جانتے۔(بخاری)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے میری امت کے کچھ لوگ حوض پر اتریں گے یہاں تک کہ میں ان کو پہچان لوں گا تو وہ میرے سامنے سے کھینچ کرلے جائے جائیں گے اس پر میں عرض کروں گا کہ یہ تو میری امت کے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے جو دین میں بگاڑ پیدا کیا ہے۔(بخاری)

(۳) حضرت ابوسعید خدری اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں حوض کوثر پر تمہارا پیش خیمہ ہوں گا اور جو شخص میرے پاس سے گزرے گا وہ پیئے گا۔ اور جس نے پی لیا اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی کچھ لوگ میرے پاس ایسے بھی آئیں گے جن کو میں پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل کردیا جائے گا تو میں عرض کروں گا کہ یہ لوگ تو میری امت کے ہیں۔ پس کہا جائے گا کہ آپ کے بعد جو کچھ ان لوگوں نے کیا ہے آپ اسے نہیں جانتے تو اس وقت میں کہوں گا کہ وہ لوگ دور ہوں جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔(بخاری)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ میرے سامنے قیامت کے دن حوض پر اتریں گے پھر ان کو حوض سے دور ہٹا دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا یارب یہ تو میری امت کے لوگ ہیں تو جواب ملے گا کہ آپ کو اس کا علم نہیں جو ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں نئی بات پیدا کی۔ وہ الٹے پاؤں دین سے پھر گئے تھے۔(بخاری)

(۵) حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض کوثر پر ہوں گا۔ تم میں سے جو آئے گا اسے دیکھوں گا اور کچھ لوگوں کو مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی پکڑ لیا جائے گا تو میں عرض کروں گا یارب یہ تو میرے امتی ہیں اور میرے آدمی ہیں تو جواب دیا جائے گا کہ آپ کو معلوم بھی ہے کہ وہ آپ کے بعد کیا کرتے رہے۔ خدا کی قسم یہ لوگ الٹے پاؤں پھرتے رہے ہیں۔(بخاری)

(۶) ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں تشریف رکھتے ہوئے فرمایا میں حوض کوثر پر تمہاری آمد کا منتظر ہوں گا۔ خدا کی قسم اس وقت یہ واقعہ رونما ہوگا کہ کچھ لوگوں کو مجھ سے ادھر ہی دور کرلیا جائے گا تو میں عرض کروں گا کہ اے اللہ یہ تو میرے اپنے آدمی ہیں اور میرے امتی ہیں تو ارشاد ہوگا کہ آپ کے بعد انہوں نے جو کرتوت کئے ہیں وہ آپ کو معلوم نہیں ہیں۔ یہ آپ کے بعد دین سے روگردانی کرتے رہے(صحیح مسلم)

آج دین کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے کہ طریقہ مسنونہ کو چھوڑ کر نئی نئی بدعات نکالی جا رہی ہیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا جا رہا ہے۔ سنن و مستحبات کا تو کیا ذکر۔ فرائض وواجبات کا جو حشر بن رہا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے اس لئے دین کا درد اور دین کا خیال رکھنے والوں کو ان احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف کھا کر اپنے دین وایمان کو صحیح معنی میں سنبھالنے کی فکر رکھنی چاہئے۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مشکوٰۃ شریف کی اور سن لیجئے۔

حضرت عرباض بن ساریہ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ ہماری طرف منہ

کر کے بیٹھ گئے اور ہم کو نہایت مؤثر الفاظ میں نصیحت کی کہ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دلوں میں خوف پیدا ہو گیا پس ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) شاید یہ آخری وصیت ہے پس آپ ہم کو کچھ اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم للہ سے ڈرتے رہو اور نصیحت کرتا ہوں تم کو سننے اور اطاعت کرنے کی اگر چہ تم کو حبشی غلام کی اطاعت کرنی پڑے۔ پس تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے وہ اختلاف کثیر کو دیکھے گا۔ ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میرے اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو مضبوط پکڑ لے۔ اسی طریقہ پر بھروسہ رکھو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور بچو تم دین میں نئی باتیں پیدا کرنے سے اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اب اصل مضمون کی طرف آئیے۔ گذشتہ رکوع میں یہ بیان ہوا تھا کہ دنیا کے یہ ناز و نعم بے ثبات ہیں اور آخرت کی نعمتیں دائمی اور ابدی ہیں۔ پھر آخرت کی مناسبت سے کچھ احوال عالم آخرت کے بیان ہوئے۔ اب پھر اسی بات کو سمجھانے کے لئے کہ یہ دنیا کا ساز و سامان اور مال دولت دنیا میں بھی ہمیشہ نہیں رہتا۔ ہمیشہ رہنے والی دولت وہ ہے کہ جو آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزار بندوں کو عطا فرمائے گا۔ اسی بات کو سمجھانے کے لئے اب اگلی آیات سے قارون کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو بڑا مالدار تھا مگر جس نے مال کے غرور میں دارِ آخرت کی محرومی حاصل کی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یہ شب و روز کے انقلابات ہمارے لئے معرفت الٰہیہ کا باعث ہوں اور ہم شب و روز کی نعمتوں کو منعم حقیقی کی طرف سے جان کر ان نعمتوں پر حق تعالیٰ کے شکر گزار رہیں۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ہم کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و ہدایت پر چلنا نصیب فرمائیں تا کہ قیامت میں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندگی نہ ہو۔ بلکہ آپ کی شفاعت نصیب ہو اور آپ کے حوض کوثر سے سیراب ہونا نصیب ہو۔

یا اللہ! قرآن کریم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو احوال آخرت بتلائے گئے ہیں یقیناً ہونا تو وہی ہیں مگر آج امت پر کیسی غفلت چھائی ہوئی ہے کہ نہ آخرت کا فکر ہے۔ نہ خدا کے خوف سے دل لرزاں و ترساں ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا غم ہے۔ یا اللہ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو امت کو یہ وصیت و نصیحت فرمائی تھی کہ میرے اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور دین میں نئی باتیں اور بدعات پیدا کرنے سے بچتے رہو مگر آج امت کی اکثریت بالکل حضور کی ہدایت کے خلاف چل رہی ہے۔ یا اللہ! اس کا نتیجہ ہے کہ جو آج دنیا میں امت بدحالی میں گرفتار ہے اور آخرت میں جو پیش آنا ہے وہ اس سے بھی سخت ہوگا۔ یا اللہ! ہم آپ کے رحم و کرم کے طالب ہیں۔ آپ سے ہدایت کے بھکاری ہیں۔ یا اللہ! ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرما دے۔ اپنا فرمانبردار بندہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا امتی ہونا نصیب فرما دے۔ یا اللہ! آخرت کا فکر ہم کو نصیب فرما دے اور میدان حشر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حوض کوثر سے سیراب ہونا نصیب فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ

قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی برادری میں سے تھا سو وہ (کثرتِ مال کی وجہ سے) ان لوگوں میں تکبر کرنے لگا اور ہم نے اُس کو اس قدر خزانے دیئے تھے

مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

کہ اُن کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گرانبار کر دیتی تھیں، اُس کو اُس کی برادری نے کہا کہ تو اِترا مت واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا

اور تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالمِ آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دُنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش مت کر

وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ

اور جس طرح خداتعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا مت خواہاں ہو،

لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾

بیشک اللہ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔

إِنَّ بیشک	قَارُونَ قارون	كَانَ تھا	مِن سے	قَوْمِ مُوسَىٰ موسیٰ کی قوم	فَبَغَىٰ سو اس نے زیادتی کی	عَلَيْهِمْ ان پر
وَآتَيْنَاهُ اور ہم نے دیئے تھے اس کو	مِنَ الْكُنُوزِ خزانے	مَا إِنَّ اتنے کہ	مَفَاتِحَهُ اس کی کنجیاں	لَتَنُوءُ بھاری ہوتیں		
بِالْعُصْبَةِ ایک جماعت پر	أُولِي الْقُوَّةِ زور آور	إِذْ قَالَ جب کہا	لَهُ اس کو	قَوْمُهُ اس کی قوم	لَا تَفْرَحْ نہ خوش ہو (نہ اترا)	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ
لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا	الْفَرِحِينَ خوش ہونے (اترانے) والے	وَابْتَغِ اور طلب کر	فِيمَا اس سے جو	آتَاكَ اللَّهُ تجھے دیا اللہ نے		
الدَّارَ الْآخِرَةَ آخرت کا گھر	وَلَا تَنسَ اور نہ بھول تو	نَصِيبَكَ اپنا حصہ	مِنَ سے	الدُّنْيَا دنیا	وَأَحْسِن اور نیکی کر	كَمَا جیسے
أَحْسَنَ اللَّهُ اللہ نے نیکی کی	إِلَيْكَ تیری طرف (ساتھ)	وَلَا تَبْغِ اور نہ چاہ	الْفَسَادَ فساد	فِي الْأَرْضِ زمین میں	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	
لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا	الْمُفْسِدِينَ فساد کرنے والے					

تفسیر وتشریح:۔ ایک کم ظرف چھوٹے حوصلہ اور بڑے دعوے والا انسان کبھی خیال کرنے لگتا ہے کہ اگر قوانین شریعت اور احکام الٰہیہ کی پابندی کی گئی تو مال و دولت سمیٹنے کے تمام ذرائع بند ہو جائیں گے حلال وحرام کی قید تحصیل مال سے روک دے گی۔ پھر صدقات وزکوٰۃ اور امداد کا قانون رہے سہے سرمایہ کو بھی ختم کردے گا اور میں تہی دست کنگال ہو کر رہ جاؤں گا۔ رہا اجر آخرت تو وہ کس نے دیکھا ہے۔ نقد چھوڑ کر ادھار کی امید پر جینا خام خیالی ہے۔ جب ایسے باطل خیالات رکھنے والے انسان سے کہا جاتا ہے کہ ذرا غور تو کر کہ یہ مال کہاں سے آیا؟ کیا یہ تمام دھن ودولت خداداد نہیں ہے؟ کیا تم ماں کے پیٹ سے دنیا میں یہ مال دولت ساتھ لے کر آئے تھے؟ اگر خداداد ہے تو حکم خدا کے موافق اس کو خرچ بھی کرو۔ بندگان خدا کو بھی اس میں سے دو تو وہ انتہائی سرکشی اور غرور سے کہنے لگتا ہے تم بیوقوف ہوا تنا نہیں سمجھتے کہ اگر یونہی خداداد دولت ہوتی تو دوسروں کے پاس بھی ہوتی۔

فی الحقیقت یہ میری کمائی ہوئی ہے۔ میری قوت بازو کا نتیجہ ہے۔ میں نے اپنے علم و ہنر اور پیہم محنت و مشقت سے اسے حاصل کیا ہے۔ دوسروں کا اس میں کیا حق ہے۔ میں کیوں کسی کو کچھ دوں۔ یہ ننگے بھوکے لوگ زکوٰۃ و صدقات کے بہانہ میری دولت کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ غرض ایسے کج فہم اور کوتاہ بصیرت آدمی کے نزدیک جاہ و جلال۔ حشم و خدم۔ شان و شوکت۔ مال و دولت اور نام و نمود ہی سرمایۂ افتخار ہوتا ہے اور وہ کسی طرح یہ تصور اپنے دماغ میں نہیں آنے دیتا کہ یہ جاہ و مال زوال پذیر ہے ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں۔ یہ نفس کا بندہ مساوات و ہمدردی اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم کیا جانے۔ جو لوگ ظاہر پرست اور دنیا کی نمائش اور نام و نمود پر ریجھنے والے ہوتے ہیں وہ ایسے مغرور کی دولت کو دیکھ کر منہ میں پانی بھر لاتے ہیں اور دل سے تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہمارے پاس بھی اس کی طرح مال ہوتا تو ہم بھی ایسے ہی مزے اور گلچھرے اڑاتے لیکن جن کو اللہ نے دین کی سمجھ اور فہم عطا کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ شخص اللہ کی آزمائش میں مبتلا ہے۔ اس کا مال وبال اور جی کا جنجال ہے۔ درحقیقت ثواب آخرت اور اجر الٰہی لازوال نعمت ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ دنیوی مال و دولت کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ آن کی آن میں یہ سرمایہ برباد اور جاہ و جلال تباہ ہوسکتا ہے۔ سرمایہ پر بھروسہ کر کے اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کا انجام بد ہوتا ہے۔ آخرت تباہ ہوتی ہے اور دنیا میں یونہی ایڑیاں رگڑ کر بصد حسرت و یاس جان دینی ہوتی ہے اور سب دنیا کا دنیا ہی میں دھرا رہ جاتا ہے۔ ایسے متکبر اور سرکش سرمایہ دار ہر زمانہ میں ہوتے رہے ہیں اور ان کا انجام انتہائی حسرت آمیز اور عبرت انگیز ہوتا ہے۔ اسی گروہ میں سے ایک قارون بھی تھا جس کا ذکر ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ قارون کا واقعہ بھی کفار مکہ کو اسی عذر کے جواب میں سنایا جا رہا ہے کہ جو قریش کے بڑے بڑے سرمایہ داروں نے اسلام قبول نہ کرنے کے لئے عذر کے طور پر پیش کیا تھا جس کا ذکر گذشتہ میں ہو چکا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ اگر ہم اہل عرب کے آبائی دین کو چھوڑ کر اس نئے دین توحید کو قبول کر لیں تو اس زمین عرب میں ہمارے لئے کوئی جائے پناہ تک باقی نہ رہے گی۔ تمام قبائل ہمارے دشمن ہو جائیں گے۔ ہماری معاشی خوشحالی ختم ہو جائے گی۔ ہماری سرمایہ داری پر اثر پڑے گا اور کچھ بعید نہیں کہ ہمیں سرے سے مکہ ہی چھوڑنا پڑے۔ تو چونکہ سرداران قریش جو دراصل مکہ کے بڑے بڑے سیٹھ۔ ساہوکار۔ اور سرمایہ دار تھے اور سود خوری نے جنہیں قارون وقت بنا رکھا تھا ان کی حق دشمنی کا اصل سبب یہی زر پرستی تھا اس لئے حق تعالیٰ نے اس پر آخر سورۃ تک مفصل کلام فرمایا ہے اور اس کے ایک ایک پہلو پر روشنی ڈال کر نہایت حکیمانہ طریقہ سے ان تمام بنیادی امراض کا مداوا کیا ہے جن کی وجہ سے یہ لوگ حق و باطل کا فیصلہ دنیوی مفاد کے نقطۂ نظر سے کرتے تھے۔ لکھا ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا اور باوجود بنی اسرائیل ہونے کے فرعون کی پیشی میں رہتا تھا اور اپنی قوم سے باغی ہو کر اس دشمن طاقت کا پٹھو بن گیا تھا جو بنی اسرائیل کو جڑ سے ختم کر دینے پر تلی ہوئی تھی۔ جیسا کہ ظالم حکومتوں کا دستور ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لئے انہی میں سے بعض افراد کو آلۂ کار بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح فرعون نے بنی اسرائیل میں سے اس ملعون قارون کو چن لیا تھا جو باوجود بنی اسرائیل ہونے کے فرعون کے ساتھ جا ملا تھا اور اس کا مقرب بن کر اس درجہ کو پہنچ گیا تھا جیسا کہ ۲۴ویں پارہ سورۂ مومن میں بتلایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلہ میں فرعون کے بعد مخالفت کے جو دو سب سے بڑے سرغنے تھے ان میں ایک فرعون کا وزیر ہامان تھا اور دوسرا یہی قارون تھا۔ تو قارون نے اس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیوی اقتدار حاصل کیا جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر حکم آئے اور فرعون غرق ہوا تو اس کی مالی ترقی کے ذرائع بھی ختم ہو گئے اور سرداری جاتی رہی اور یہ موسیٰ علیہ السلام سے دل میں خلش رکھنے لگا۔ اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی خداداد عزت و وجاہت دیکھ کر جلتا اور

کہتا کہ آخر میں بھی انہی کے چچا کا بیٹا ہوں یہ کیا معنیٰ کہ وہ دونوں تو نبی اور مذہبی سردار بن جائیں مجھے کچھ بھی نہ ملے۔ کبھی شیخی مارتا کہ انہیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا میرے پاس مال دولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کو میسر نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ اب تک تو موسیٰ جو احکام لائے تھے ہم نے تم نے برداشت کئے مگر کیا تم یہ بھی برداشت کرلوگے کہ وہ ہمارا مال بھی ہم سے وصول کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے اس کی تائید میں کہا کہ نہیں ہم برداشت نہیں کرسکتے۔ آخر ملعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرنے کی ایک گندی تجویز سوچی۔ کسی عورت کو بہکا سکھلا کر آمادہ کیا کہ بھرے مجمع میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام زنا کی حد بیان فرمائیں تو اپنے ساتھ ان کو متہم کرنا۔ چنانچہ عورت مجمع میں کہہ گزری۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو شدید قسمیں دیں اور اللہ کے غضب سے ڈرایا تو اس کا دل کانپ اٹھا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ قارون نے مجھے بہکایا سکھلایا تھا اس وقت قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے اپنے گھر اور خزانوں سمیت زمین کے اندر دھنسا دیا گیا۔ اسی قارون کے قصہ کو یہاں ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ قارون کا حال دیکھ لو کہ کفر وخلاف پیغمبر کرنے سے اس کو کیا ضرر پہنچا اور اس کا مال ومتاع کچھ کام نہ آیا بلکہ اس کے ساتھ وہ مال ومتاع بھی برباد ہوگیا اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی برادری یعنی بنی اسرائیل میں سے بلکہ ان کا چچازاد بھائی تھا۔ اور تکبر مال کی وجہ سے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا مقابلہ کرنے لگا۔ مفسرین نے وجہ نزاع حکم زکوٰۃ کو قرار دیا ہے یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ذلیل کرنے پر کمر باندھی اور ایک فاحشہ عورت کو کچھ مال دے کر آمادہ کیا کہ وہ علی الاعلان حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائے لیکن بحکم الٰہی بوجۂ ہیبت حضرت موسیٰ علیہ السلام عورت نے بھرے جلسہ میں موسیٰ علیہ السلام کے پاکدامن اور قارون کے اغوا کرنے کا اعلان کردیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا پر زمین میں دھنسا دیا گیا۔ اور اس کے پاس مال کی اتنی کثرت تھی اور اتنے صندوق تھے کہ جن کی کنجیاں اٹھاتے ہوئے کئی زور آور آدمی تھک جائیں۔ قارون کو اپنے مال ودولت کے اوپر تکبر کرنے پر اس کی قوم اور برادری کے بعض سمجھ دار لوگوں نے اس کو سمجھانے کے طور پر کہا کہ اس فانی اور زائل ہوجانے والی دولت پر کیا اتراتا ہے جس کی وقعت اللہ کے ہاں مچھر کے پر کی برابر بھی نہیں۔ اور یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کو اکڑنے اور اترانے والے بندے اچھے نہیں معلوم ہوتے اور جو چیز اس مالک کو نہ بھائے اس کا نتیجہ بجز تباہی وہلاکت کے کیا ہے۔ اور یہ خدا کا دیا ہوا مال اس لئے ہے کہ انسان اسے آخرت کا توشہ بنائے نہ کہ غفلت کے نشہ میں چور ہوکر غرور اور تکبر کی چال چلنے لگے۔ دیکھ ایک دن تجھے مرنا ہے۔ اس دولت سے کچھ آخرت بھی کمالے۔ اللہ نے تجھ پر یہ احسان کیا ہے تو بھی اس کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کر اور اس مال دولت سے ان کی امداد کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ضد نہ کر۔ اور خدا کی زمین پر سیدھی طرح رہ۔ خوامخواہ ملک میں ادھم مچانا اور خرابیاں ڈالنا اچھا نہیں۔ اللہ کو فساد پھیلانے والے پسند نہیں۔

یہ سب نصیحت سمجھ دار لوگوں کی طرف سے ہوئی اور غالباً یہ مضامین اول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمائے ہوں گے پھر مکرر دوسرے لوگوں نے ان کا اعادہ کیا ہوگا۔ بہرحال یہ سن کر قارون نے جو جواب دیا کہ وہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یااللہ! اپنے نیک، مخلص اور اطاعت گزار بندوں سے ہم کو تعلق نصیب فرما۔ ان کے ادب۔ احترام واکرام کی توفیق عطا فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ

قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنر مندی سے ملا ہے، کیا اُس نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گذشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے

مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ

جو قوت میں اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور مجمع (بھی) انکا زیادہ تھا، اور اہل جرم سے اُن کے گناہوں کا سوال نہ کرنا پڑے گا۔

الْمُجْرِمُوْنَ ۝۷۸ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

پھر وہ اپنی آرائش سے اپنی برادری کے سامنے نکلا، جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا

يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۷۹ وَ قَالَ الَّذِيْنَ

جیسا کہ قارون کو ملا ہے واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے۔ اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ (ان حریصوں سے) کہنے لگے

اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ

ارے تمہارا ناس ہو (تم دنیا پر کیا للچاتے ہو) اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور (پھر) وہ ثواب کامل طور پر اُن ہی کو دیا جاتا ہے

اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝۸۰

جو صبر کرنے والے ہیں

قَالَ کہنے لگا	اِنَّمَا یہ تو	اُوْتِيْتُهٗ مجھے دیا گیا ہے	عَلٰى عِلْمٍ ایک علم (ہنر) سے	عِنْدِيْ میرے پاس	اَوَ کیا	لَمْ يَعْلَمْ وہ نہیں جانتا	
اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	قَدْ اَهْلَكَ بلاشبہ ہلاک کر دیا ہے	مِنْ قَبْلِهٖ اس سے قبل	مِنَ سے (کتنی)	الْقُرُوْنِ جماعتیں	مَنْ جو	هُوَ اَشَدُّ وہ زیادہ سخت	
مِنْهُ اس سے جو	قُوَّةً قوت میں	وَ اَكْثَرُ اور زیادہ	جَمْعًا جمعیت	وَلَا يُسْئَلُ اور نہ سوال کیا جائیگا	عَنْ سے (بابت)	ذُنُوْبِهِمُ انکے گناہ	
الْمُجْرِمُوْنَ مجرم	فَخَرَجَ پھر وہ نکلا	عَلٰى پر (سامنے)	قَوْمِهٖ اپنی قوم	فِيْ میں (ساتھ)	زِيْنَتِهٖ اپنی زیب و زینت	قَالَ کہا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو
يُرِيْدُوْنَ چاہتے تھے طالب تھے	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	يٰلَيْتَ اے کاش	لَنَا مِثْلَ ہمارے پاس ہوتا ایسا	مَآ اُوْتِيَ جو دیا گیا			
قَارُوْنُ قارون	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَذُوْ حَظٍّ نصیب والا	عَظِيْمٍ بڑا	وَ قَالَ اور کہا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	اُوْتُوا الْعِلْمَ دیا گیا تھا علم	
وَيْلَكُمْ افسوس تم پر	ثَوَابُ اللّٰهِ اللہ کا ثواب	خَيْرٌ بہتر	لِّمَنْ اس کیلئے جو	اٰمَنَ ایمان لایا	وَ اور	عَمِلَ اس نے عمل کیا	صَالِحًا اچھا
وَ لَا يُلَقّٰهَا اور وہ نصیب نہیں ہوتا	اِلَّا سوائے	الصّٰبِرُوْنَ صبر کرنے والے					

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ قارون کو مال دولت کے اترانے پر بنی اسرائیل کے سمجھدار لوگوں نے سمجھایا کہ مال دولت پر اترانا شیخی بگھارنا اور تکبر و غرور کرنا یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یہ دولت تو اللہ نے اس لئے دی ہے کہ اس سے آخرت کی کمائی کی جائے اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے نہ یہ کہ اس دولت کے بل بوتہ پر فتنہ اور فساد برپا کیا جائے۔ قارون نے یہ سن کر وہی جواب دیا جو آج بھی اکثر سرمایہ داروں کی زبان پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے۔ قارون نے کہا کہ تم مجھے نصیحت کرنے والے کون ہوتے ہو۔ بس

اپنی نصیحت رہنے دو۔ یہ دولت تو میں نے اپنے علم و ہنر سے کمائی ہے۔ میں تجارت میں ماہر۔ ذی علم اور تجربہ کار ہوں۔ اس میں کسی کے احسان کی کیا بات اور اس میں کسی کا استحقاق کیسا۔ میں مالیات و معاشیات کا ماہر ہوں۔ مجھے جو کچھ بھی ملا ہے یہ میں نے اپنے قوت بازو سے اپنے علم و ہنر کے زور سے کمایا ہے۔ اس میں کسی کا میرے اوپر کیا احسان۔ آگے قارون کی حماقت اور کج فہمی کا بیان ہوتا ہے کہ یہ نادان یہ نہ سمجھا کہ اللہ اس سے پہلے سرکشوں کو تباہ کر چکا ہے جو تخت و تاج کے مالک بھی تھے اور جن کے پاس دولت چاروں طرف سے کھچی چلی آتی تھی اور لشکر بھی بے شمار تھا اور مال سے خزانے اٹے پڑے تھے۔ آخر اللہ عزوجل کو ان کی سرکشی نہ بھائی اور چشم زدن میں ان کا تختہ الٹ دیا گیا۔ نہ وہ دولت رہی۔ نہ سلطنت نہ حکومت۔ سب کچھ یہیں چھوڑ کر چل بسے آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے گناہ کو گناہ نہ سمجھا۔ احکام الٰہیہ کی نافرمانی کی اور رسولوں کی بات کو ٹھکرایا تو صرف یہی نہیں کہ بس ہلاک ہو کر چھوٹ گئے ہوں بلکہ بوجہ ان کے ارتکاب جرم کے اور اللہ تعالیٰ کو یہ جرم معلوم ہونے کے قیامت میں بھی عذاب دیئے جائیں گے اور ان اہل جرم سے ان کے گناہوں کی تحقیق کرنے کی غرض سے سوال نہ کرنا پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہی ہے۔ پھر فرشتے ان کے ہر کام کو جو وہ کر رہے ہیں ان کے نامۂ اعمال میں لکھ رہے ہیں۔ پھر مجرموں سے سوال کی کیا ضرورت۔ ہاں اگر سوال ہوگا بھی تو جرم ثابت کرنے کے لئے نہیں بلکہ ان کو عار دلانے۔ شرمندہ کرنے اور ان کی یاس و حسرت بڑھانے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لئے ہوگا تو مطلب یہ کہ اگر قارون اس مضمون پر نظر کرتا تو ایسی جہالت کی بات نہ کہتا۔ پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ قارون نہایت قیمتی پوشاک پہن کر زرق برق ہو کر عمدہ سواری پر سوار ہو کر۔ اپنے غلاموں کو بیش بہا پوشاکیں پہنائے ہوئے بڑے شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ سے اتراتا اور اکڑتا ہوا نکلا۔ اس کا یہ ٹھاٹھ باٹھ اور زینت و تجمل دیکھ کر دنیا داروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور کہنے لگے کہ کاش ہمارے پاس بھی اتنا مال ہوتا اور ہم کو بھی ایسا ساز و سامان ملا ہوتا جیسا اس قارون کو ملا ہے۔ کاش ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے جو اس کو حاصل ہوا۔ واقعی یہ بڑا ہی صاحب اقبال، اور بڑا خوش نصیب ہے۔ اسکے سارے ارمان پورے ہوئے۔ بڑے مزے اور شان کی زندگی بسر کرتا ہے آج ہمارے اکثر مسلمان بھائی بھی شب و روز دوسرے بد دین اور کافر قوموں کو ظاہری مادی ترقیاں دیکھ کر للچاتے ہیں اور اسی کی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ انہیں جیسی مادی ترقیاں ہم کو بھی حاصل ہوں تو ان دنیا کے حریصوں اور ظاہری شان و شوکت کے لالچیوں کی باتیں سنکر بعض دین کا علم اور سمجھ رکھنے والے لوگوں نے کہا کہ ارے کم بختو! تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ اس عارضی اور فانی چمک دمک میں کیا رکھا ہے۔ یہ کتنے دن کی بہار ہے۔ اللہ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار بندوں کے لئے اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے اس کے سامنے یہ ٹیپ ٹاپ محض ہیچ اور لاشے ہے۔ اللہ نے اپنے مومن اور نیک بندوں کیلئے جو سامان تیار کر رکھا ہے وہ اس سے کروڑہا درجہ بارونق عمدہ اور دیرپا ہے لیکن وہ تو ان لوگوں کو نصیب ہوگا جو اس چند روزہ زندگی کو صبر و سہار سے گزارتے ہیں۔ جو دنیا میں مالداروں کو دیکھ کر بے صبری سے جزع فزع نہیں کرتے بلکہ صبر کیساتھ اللہ کے دیئے ہوئے پر قناعت کر کے اس کے احکام بجالانے میں لگے رہتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مال و دولت کو اپنی طاقت۔ ہنرمندی اور علم کا نتیجہ سمجھنا غلطی ہے۔ یہ خداداد نعمت ہے اور اس کے ذریعہ سے دین اور آخرت کو حاصل کرنا لازم ہے نہ کہ ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ۔ پھر اس میں ان دنیاداروں کی بھی مذمت آ گئی جو دین سے قطع نظر کر کے غیر مسلموں اور بد دینوں کی سی نام نہاد دنیوی مادی ترقی کے خواہشمند اور درپے ہیں۔ اور جس کے حصول میں دن رات سرگرداں ہیں اور جس کے پیچھے دین اور اللہ اور رسول کے احکام کو خیر باد کہنے اور قربان کرنے کو تیار ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اب آگے قارون کا انجام اور ایسی دنیا کہ جس سے اللہ کی نافرمانی سرزد ہو اور عالم آخرت کی بھلائی نصیب نہ ہو۔ اور ایسی نیکی اور تقویٰ کہ جس سے دار آخرت میں فلاح نصیب ہو اس کو ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ 41

پھر ہم نے اُس قارون کو اور اُس کے محل سرائے کو زمین میں دھنسا دیا، سو کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی جو اس کو اللہ (کے عذاب) سے بچالیتی

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ

اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا۔ اور کل جو لوگ اُس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (آج اُس کو زمین میں دھنستا دیکھ کر) کہنے لگے

وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ

بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دے دیتا ہے اور (جس کو چاہے) تنگی سے دینے لگتا ہے، اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی

عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا

تو ہم کو بھی دھنسا دیتا۔ بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔ یہ عالمِ آخرت ہم اُن ہی لوگوں کیلئے خاص کرتے ہیں

لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ

جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا، اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔ جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آوے گا

بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ

اس کو اس سے بہتر (بدلہ) ملے گا، اور جو شخص بدی لے کر آوے گا سو ایسے لوگوں کو جو کہ بدی کے کام کرتے ہیں

اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے۔

فَخَسَفْنَا پھر ہم نے دھنسا دیا	بِهٖ اس کو	وَبِدَارِهٖ اور اس کے گھر کو	الْاَرْضَ زمین	فَمَا كَانَ سو نہ ہوئی	لَهٗ اس کیلئے	مِنْ فِئَةٍ کوئی جماعت
يَنْصُرُوْنَهٗ مدد کرتی اس کی	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوائے	وَمَا كَانَ اور نہ ہوا وہ	مِنَ سے	الْمُنْتَصِرِيْنَ بدلہ لینے والے	وَاَصْبَحَ اور صبح کے وقت	
الَّذِيْنَ جو لوگ	تَمَنَّوْا تمنا کرتے تھے	مَكَانَهٗ اس کا مقام	بِالْاَمْسِ کل	يَقُوْلُوْنَ کہنے لگے	وَيْكَاَنَّ ہائے شامت	اللّٰهَ اللہ
يَبْسُطُ فراخ کر دیتا ہے	الرِّزْقَ رزق	لِمَنْ يَّشَآءُ جس کیلئے چاہے	مِنْ سے	عِبَادِهٖ اپنے بندے	وَيَقْدِرُ اور تنگ کر دیتا ہے	
لَوْلَآ اگر نہ	اَنْ یہ کہ	مَنَّ اللّٰهُ احسان کرتا اللہ	عَلَيْنَا ہم پر	لَخَسَفَ بِنَا البتہ ہمیں دھنسا دیتا	وَيْكَاَنَّهٗ ہائے شامت	لَا يُفْلِحُ فلاح نہیں پاتے
الْكٰفِرُوْنَ کافر	تِلْكَ یہ	الدَّارُ الْاٰخِرَةُ آخرت کا گھر	نَجْعَلُهَا ہم کرتے ہیں اسے	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے جو	لَا يُرِيْدُوْنَ وہ نہیں چاہتے	
عُلُوًّا برتری	فِى الْاَرْضِ زمین میں	وَ اور	لَا فَسَادًا نہ فساد	وَالْعَاقِبَةُ اور انجام نیک	لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	مَنْ جَآءَ جو آیا
بِالْحَسَنَةِ نیکی کیساتھ	فَلَهٗ تو اس کیلئے	خَيْرٌ مِّنْهَا اس سے بہتر	وَمَنْ اور جو	جَآءَ آیا	بِالسَّيِّئَةِ برائی کے ساتھ	فَلَا يُجْزَى تو بدلہ نہ ملے گا
الَّذِيْنَ ان لوگوں کو جنہوں نے	عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ انہوں نے برے کام کئے	اِلَّا مگر۔سوا	مَا جو	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے ہیں		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ قارون کی شان وشوکت دیکھ کر دنیا کے طلبگاروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ تمنا کرنے لگے کہ کاش ہمیں بھی ایسا ہی مال و دولت اور ساز وسامان نصیب ہوتا جیسا کہ قارون کو ملا ہے۔ یہ ہے بڑا نصیبے والا۔ یہ تو دنیاداروں کا قول تھا۔اور جو دین دار اور سمجھ دار لوگ تھے انہوں نے ان دنیا کے طلبگاروں کو سمجھایا کہ تم یہ کیا تمنا کر رہے ہو۔ارے اس عارضی اور چندروزہ چمک دمک اور ٹھاٹھ باٹھ میں کیا رکھا ہے۔ یہ بہار کے دن کی ہے عیش و آرام تو آخرت ہی کا ہے اور وہاں جو سامان اللہ کے مومن اور نیک بندوں کو ملنے والا ہے اس کے سامنے یہ دنیا کے مال ودولت کی کیا حقیقت ہے۔

اب آگے ان آیات میں قارون کا انجام اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی بھلائی اور وہاں کا قانون اجر بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ قارون کی شرارت بڑھ جانے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کی محل سرا کو زمین میں دھنسا دیا۔ قارون جس شرارت کی وجہ سے زمین میں دھنسا گیا اس کی نسبت محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کو احکام شرعیہ خصوصاً حکم زکوٰۃ کی وجہ سے عداوت تھی اس لئے قارون نے کسی فاحشہ عورت کو کچھ روپیہ دے کر بہکایا کہ تو مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگانا چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم میں کھڑے خطبہ دے رہے تھے اس عورت نے یہی کیا۔ مفسر ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس الزام کو سن کر کانپ اٹھے اور اسی وقت آپ نے نماز کی نیت باندھ لی دو رکعت ادا کر کے اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے تجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے سمندر میں سے راستہ دیا اور تیری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی تو جو کچھ سچا واقعہ ہے بیان کر۔ یہ سن کر اس عورت کا رنگ بدل گیا اور اس نے صحیح واقعہ سب کے سامنے بیان کر دیا اور خدا سے استغفار کی اور سچے دل سے توبہ کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر سجدے میں گئے اور قارون کی سزا چاہی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ میں نے زمین کو آپ کے تابع کر دیا ہے۔ آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور زمین سے کہا کہ تو قارون اور اس کے محل کو نگل لے۔ الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے قارون مع اپنے مال دولت کے زمین کے اندر دھنسا دیا گیا پھر اسے نہ تو اس کے حمایتی بچا سکے اور نہ وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا اور وہ مال و دولت اور جاہ وحشم اس کے کچھ کام نہ آیا۔ سب مٹ گئے۔ جب قارون کا یہ حشر دیکھا تو اس وقت ان کی آنکھیں بھی کھل گئیں۔ جو قارون کے مال و دولت کو اور اس کی جاہ وحشم کو للچاتی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتے تھے اور اسے نصیبے والا سمجھ کر لمبے سانس لیا کرتے تھے اور رشک کرتے تھے کہ کاش ہم بھی ایسے ہی دولت مند ہوتے اور ہمیں بھی ایسا ہی عروج اور ترقی حاصل ہوتی۔ قارون کا یہ انجام دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے اور اب ان کو ہوش آیا کہ ایسی دولت حقیقت میں ایک خوبصورت سانپ ہے جس کے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے۔ کسی شخص کی دنیوی ترقی اور شان بان کو دیکھ کر ہم کو ہرگز یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہئے کہ اللہ کے ہاں بھی وہ کچھ عزت ووجاہت رکھتا ہے۔ یہ مال دولت کسی بندے کے مقبول و مردود ہونے کا معیار نہیں بس یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ جس پر اپنی حکمت سے مناسب چاہے روزی کے دروازے کھول دے اور جس پر چاہے تنگ کر دے۔ مال دولت کی فراخی مقبولیت اور خوش انجامی کی دلیل نہیں۔ بلکہ بسا اوقات اس کا نتیجہ تباہی اور ابدی ہلاکت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اب وہی جو کل تک قارون جیسا بننے کی تمنا کر رہے تھے آج اس کا انجام دیکھ کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہم کو قارون کی طرح نہ بنایا ورنہ یہی گت ہماری بنتی۔ اپنی طرف سے تو ہم حرص کے مارے آرزو قارون جیسا بننے کی کر ہی چکے تھے۔ خدا نے خیر کی کہ ہماری آرزو کو پورا نہ کیا اور نہ ہماری حرص پر سزا دی بلکہ قارون کا حشر آنکھوں سے دکھلا کر بیدار کر دیا۔ اب ہمیں خوب کھل گیا کہ محض مال و زر کی ترقی سے حقیقی فلاح و

کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی اور یہ کہ ناشکر گزار منکروں کے لئے عذاب الٰہی سے چھٹکارا نہیں۔ اس پر آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا کا مال و دولت جاہ و مرتبہ کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز آخرت ہے اور خوب سمجھ لو کہ آخرت کا گھر ہمیشہ کی مسرت والا ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو اللہ کے ملک میں شرارت و بغاوت کرنا اور بگاڑ ڈالنا نہیں چاہتے اور جو دنیا میں اوروں سے بڑا بن کر رہنے کی دھن میں نہیں رہتے بلکہ اللہ عزوجل کے ڈر سے بری باتوں سے بچتے ہیں اور تواضع و انکساری اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کی کوشش بجائے اپنی ذات کے اونچا رکھنے کی یہ ہوتی ہے کہ اپنے دین کو اونچا رکھیں۔ حق کا بول بالا کریں اور دین کو سربلند کرنے میں پوری ہمت صرف کرڈالیں۔ وہ دنیا کے حریص نہیں ہوتے۔ آخرت کے عاشق ہوتے ہیں آگے آخرت کے جزا و سزا کا قانون بتلایا جاتا ہے کہ جو دنیا میں اچھے کام کرے گا اور آخرت میں نیکیاں اور بھلائیاں لے کر آئے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے کاموں سے بھی اچھا بدلہ دیں گے برخلاف ان کے جنہوں نے برے کام کئے ہیں ان کو صرف اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا کہ وہ کرتے تھے۔ گویا عالم آخرت کا قانون یہ ہے کہ بدی کا معاوضہ تو صرف اسی قدر ملے گا جتنا اس عمل بد کا مقتضا ہے اور نیکی کا معاوضہ اس کے اصل مقتضا سے کہیں زیادہ ملے گا جس کا کم از کم مرتبہ حدیث نبوی کے مطابق دس گنا ہے۔

ان آیات پر قصہ قارون ختم فرمایا گیا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس قصہ میں ان لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے جو کفار اور بے دینوں کے جاہ و مال پر رشک کرتے ہیں اور ان کو ترقی یافتہ اقوام کہہ کر ہر وقت انہی جیسی ترقی کی دھن میں رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی طرف مائل کرتے ہیں اور جو ان کے ساتھ موافقت نہیں کرتے ان کو پست خیال۔ دقیانوس اور لکیر کے فقیر وغیرہ کہتے ہیں اس قصہ میں حق تعالیٰ نے قارون کی ترقی و عروج پر رشک کرنے والوں کو طالب دنیا قرار دیا اور ان کے مخالفین کو اہل علم و فہم بتلایا گیا۔

دوسری بات قابل عبرت یہ ہے کہ قارون کے جاہ و مال پر رشک کرنے والوں کو اس کا انجام دیکھ کر اپنی غلطی پر تنبہ تو ہو گیا۔ لیکن افسوس ہمارے تہذیب فرنگی کے فدائیوں اور مغرب کے شیدائیوں اور طالبان ترقی کے دلدادوں کو کسی طرح تنبہ نہیں ہوتا۔

تیسری بات قابل عبرت یہ ہے کہ جن لوگوں نے قارون پر رشک کیا تھا انہوں نے محض دنیاوی حیثیت سے کہا تھا اور اس کی حالت کو مطلوب شرعی نہیں بنایا تھا اور ہمارے طالبان ترقی اس ترقی کو نہ صرف مطلوب شرعی بلکہ اس کو اسلام کا مقصود اصلی قرار دیتے ہیں۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔ اللہ تعالیٰ سوئے فہم اور فتنۂ جہل سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ نیز یہاں جو یہ فرمایا گیا **تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لایریدون علوا فی الارض ولافسادا** یعنی یہ عالم آخرت ہم انہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا یعنی نہ تکبر کرتے ہیں جو باطنی گناہ ہے اور نہ کوئی ظاہری گناہ ایسا کرتے ہیں جس سے زمین میں فساد برپا ہو تو اس آیت میں دارِ آخرت کی نجات و فلاح کو ان لوگوں کے لئے مخصوص فرمایا جو زمین میں علو اور فساد کا ارادہ نہ کریں۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ علو سے مراد تکبر ہے یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا بنانے اور دوسروں کو حقیر کرنے کی فکر اور فساد سے مراد ظلم و معصیت ہے۔

حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے اس آیت کے تحت ایک فائدہ یہ تحریر فرمایا کہ "تکبر جس کی حرمت اور وبال آیت میں ذکر کیا گیا وہ وہی ہے کہ لوگوں پر تفاخر اور ان کی تحقیر مقصود ہو ورنہ اپنے لئے اچھے لباس۔ اچھی غذا۔ اور اچھے مکان کا انتظام جب وہ دوسروں سے تفاخر کے لئے نہ ہو مذموم نہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے" اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں ان باتوں اور خصلتوں سے بچالیں جن پر دارِ آخرت سے محروم رہنے کی وعید ہے۔

اب آگے سورۃ کے خاتمہ پر نزول قرآن کا احسان خداوندی ہونا۔ اس کا تقاضہ اور رسالت و توحید کے مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ

جس خدانے آپ پر قرآن (کے احکام پر عمل اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے وہ آپ کو اصلی وطن (یعنی مکہ) میں پھر پہنچادے گا۔آپ (ان سے) فرمادیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے

بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ

کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے۔اور آپ کو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جاوے گی

إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ

مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے اس کا نزول ہوا سو آپ ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے۔اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہو چکے

آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ ۖ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾

تو ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ لوگ آپ کو ان احکام سے روک دیں اور آپ (بدستور) اپنے رب (کے دین) کی طرف (لوگوں کو) بلاتے رہیئے اور اُن مشرکوں میں شامل نہ ہوئیں۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ

اور اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکارنا اس کے سوا کوئی معبود نہیں (اس لئے کہ) سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے

لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾

اُسی کی حکومت ہے اور اسی کے پاس تم کو جانا ہے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِي وہ اللہ	جس نے	فَرَضَ لازم کیا	عَلَيْكَ تم پر	الْقُرْآنَ قرآن	لَرَادُّكَ ضرور پھیر لائے گا تمہیں	إِلَىٰ مَعَادٍ لوٹنے کی جگہ
قُلْ فرمادیں	رَبِّي میرا رب	أَعْلَمُ خوب جانتا ہے	مَنْ کون	جَاءَ آیا	بِالْهُدَىٰ ہدایت کے ساتھ	وَمَنْ هُوَ اور وہ کون	
فِي میں	ضَلَالٍ مُّبِينٍ کھلی گمراہی	وَمَا كُنتَ اور تم نہ تھے	تَرْجُو امید رکھتے	أَن يُلْقَىٰ کہ اتاری جائے گی	إِلَيْكَ تمہاری طرف		
الْكِتَابُ کتاب	إِلَّا مگر	رَحْمَةً رحمت	مِّن سے	رَبِّكَ تمہارا رب	فَلَا تَكُونَنَّ سوتو ہرگز نہ ہوتا	ظَهِيرًا مددگار	لِّلْكَافِرِينَ کافروں کیلئے
وَلَا يَصُدُّنَّكَ اور وہ تمہیں ہرگز نہ روکیں	عَنْ سے	آيَاتِ اللَّهِ اللہ کے احکام	بَعْدَ بعد	إِذْ جبکہ	أُنزِلَتْ نازل کئے گئے	إِلَيْكَ تمہاری طرف	
وَادْعُ اور آپ بلائیں	إِلَىٰ رَبِّكَ اپنے رب کی طرف	وَ اور	لَا تَكُونَنَّ تم ہرگز نہ ہونا	مِنَ سے	الْمُشْرِكِينَ مشرک	وَلَا تَدْعُ اور نہ پکارو تم	
مَعَ اللَّهِ اللہ کیساتھ	إِلَٰهًا کوئی معبود	آخَرَ دوسرا	لَا نہیں	إِلَٰهَ کوئی معبود	إِلَّا هُوَ اس کے سوا	كُلُّ شَيْءٍ ہر چیز	هَالِكٌ فنا ہونے والی
إِلَّا سوا	وَجْهَهُ اسکی ذات	لَهُ اسی کیلئے۔کا	الْحُكْمُ حکم	وَ اور	إِلَيْهِ اس کی طرف	تُرْجَعُونَ تم لوٹ کر جاؤ گے	

تفسیر وتشریح:۔یہ سورۂ قصص کی آخری آیات ہیں جن پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے۔گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ دنیا چندروزہ ہے۔ہمیشہ رہنے کا گھر آخرت ہے اس لئے اسے حاصل کرنے کا فکر کرنا چاہئے اور آخرت کی کامیابی صرف انہی کو حاصل ہوگی جو اس دنیا میں ظلم وتکبر اور فساد سے بچیں گے اور اوروں سے بڑا بن کر رہنے کی دھن میں نہ لگے رہیں اور تقویٰ و پرہیز گاری کی زندگی بسر کریں۔تو گذشتہ آیت میں والعاقبۃ للمتقین فرمایا گیا تھا کہ

انجام بخیر آخرت میں پرہیز گاروں ہی کا ہے۔

اب یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں بھی آخری فتح ان ہی متقین کی ہوتی ہے چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ان آیات میں کہا جاتا ہے کہ آج کفار کے ظلم وستم سے تنگ آ کر آپ کو مکہ چھوڑنے کی نوبت آ رہی ہے مگر جس خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا اور قرآن جیسی کتاب عطا فرمائی وہ یقیناً آپ کو نہایت کامیابی کے ساتھ اسی جگہ واپس لائے گا۔ لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے لئے مکہ کو چھوڑا تو جحفہ پہنچ کر آپ کو مکہ کا جو کہ آپ کا وطن تھا اور جہاں خانہ کعبہ تھا اشتیاق ہوا وہاں بطور وعدہ کے یہ آیت ان الذی فرض علیک القرآن لرآدک الی معادٍ نازل ہوئی جس میں آپ کو مکہ میں دوبارہ جانے کی خبر دی گئی جو فتح مکہ کے دن نہایت خوبی و کامیابی کے ساتھ پوری ہوئی۔ پھر کفار باوجود اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عقلاً و نقلاً ثابت تھی معاذ اللہ آپ کو غلطی پر اور اپنے کو حق پر سمجھتے اس کے متعلق ارشاد ہوا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے فرما دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لے کر منجانب اللہ آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں مبتلا ہے یعنی میرے حق پر ہونے اور تمہارے باطل پر ہونے کے دلائل قطعیہ موجود ہیں مگر جب تم ان سے کام نہیں لیتے اور ان کو نہیں سمجھتے تو اخیر جواب یہی ہے کہ خدا کو خوب معلوم ہے کہ کون ہدایت پر ہے اور کون گمراہی پر اور یقیناً وہ ہر ایک کے ساتھ ان کے احوال کے موافق معاملہ کرے گا۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی یہ دولت نبوت محض خداداد ہے حتیٰ کہ خود آپ کو نبی ہونے کے قبل یہ توقع نہ تھی یعنی آپ پہلے سے کچھ پیغمبری کے انتظار میں نہ تھے یہ تو محض عطائے خداوندی اور رحمت الٰہیہ ہے جو حق تعالیٰ نے آپ کو پیغمبری و وحی سے سرفراز فرمایا وہی اپنی مہربانی اور رحمت سے دنیا اور آخرت میں کامیاب فرمائے گا لہٰذا اسی کی امداد پر ہمیشہ بھروسہ رکھئے اور آپ ان کفار و مشرکین کی خرافات کی طرف توجہ نہ دیجئے اور جس طرح ان سے اب تک الگ تھلگ رہے آئندہ بھی اسی طرح ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے۔ یہاں مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو یہ احتمال ہی نہ تھا کہ آپ کافروں کی کفر میں پشت پناہی یا کوئی تائید فرمائیں گے یا کبھی خود معاذ اللہ شرک آمیز اعمال کے مرتکب ہوں گے درحقیقت یہاں کلام تعریض آمیز ہے یعنی خطاب گو آپ کی طرف ہے مگر مقصود اور غرض خطاب عام اہل اسلام کی طرف ہے اور مدعا یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کے مقابلہ میں کافروں کی پشت پناہی نہ کرنا چاہئے۔ کافروں کی دوستی، قرابت اور رشتہ داری یا حکومت و تسلط کی وجہ سے کبھی ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے جو کفر نواز ہو بلکہ مشرکوں کے گروہ سے بھی الگ ہو جانا چاہئے۔ مسلمانوں کے لئے زیبا نہیں کہ ظاہراً یا باطناً کسی طرح کفر نوازی ہو اس لئے اہل کفر و شرک سے اجتناب ضروری ہے اور اللہ کے احکام کی تعمیل لازمی ہے اور یہ صرف اس لئے کہ دنیا کا ہر رشتہ ناطہ دوستی اور محبت فانی ہے۔ ہر لالچ اور خوف زوال پذیر ہے۔ ہر دکھ سکھ ناپائیدار ہے۔ آخر میں کوئی کام آنے والا نہیں۔ حکومت اور قدرت تو اللہ ہی کو حاصل ہے۔ آخر میں اسی سے واسطہ پڑے گا پھر اس کے حکم کو چھوڑ کر دوسروں کے کہنے پر چلنا خود اپنے کو تباہی کے غار میں گرانا اور اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارنا ہے۔ سب کو اسی کی عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں تنہا اسی کا حکم چلے گا اور صورۃً اور ظاہراً بھی کسی کا اقتدار اور حکم باقی نہ رہیگا۔

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت اہل اسلام کو فتح مکہ کی بشارت اور بشارت میں اتباع قرآنی کی ضمنی ہدایت اور اس بات کی طرف نہایت لطیف اشارہ ہے کہ آئندہ کامرانی کا ذریعہ صرف تعمیل شریعت اور اتباع قرآنی ہے۔ یہاں یہ بھی تعلیم موجود ہے کہ کسی کو زیبا نہیں کہ خود ساختہ راہ زندگی کو موجب فلاح اور صحیح سمجھے۔ سیدھا راستہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتلایا۔ اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی پشت پناہی ہرگز نہ کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دینی اور جہاں تک ممکن ہو اسلام کی طرف بلانا لازم ہے۔ اسلئے مسلمان پر ضروری ہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ تبلیغ اسلام کو پیش نظر رکھے اور مسلمان کہلانے سے کبھی شرم نہ کرے۔ اور اللہ کے سوا دنیا کی ہر چیز کو فنا پذیر اور ناپائیدار جانے۔

الحمدللہ آج کے درس میں سورۂ قصص کا بیان جس میں ۹ رکوع تھے ختم ہوا۔ اس کے بعد انشاء اللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ② وَلَقَدْ

الٓمّٓ۔ (بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو) کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جاویں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور انکو آزمایا نہ جاویگا

فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③

اور ہم تو اُن لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔

الٓمّٓ الٓم	اَحَسِبَ کیا گمان کیا ہے	النَّاسُ لوگ	اَنْ يُّتْرَكُوْٓا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے	اَنْ کہ	يَّقُوْلُوْٓا انہوں نے کہہ دیا	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے
وَهُمْ اور وہ	لَا يُفْتَنُوْنَ وہ نہ آزمائے جائیں گے	وَ اور	لَقَدْ فَتَنَّا البتہ ہم نے آزمایا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	
فَلَيَعْلَمَنَّ تو ضرور معلوم کریگا	اللّٰهُ اللہ	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	صَدَقُوْا سچے ہیں	وَ اور	لَيَعْلَمَنَّ وہ ضرور معلوم کریگا	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹے

تفسیر و تشریح:۔ الحمد للہ اب بیسویں پارہ کی سورۂ عنکبوت کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی تین ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں جن کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصہ مضامین اور تعداد آیات۔ رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے چوتھے رکوع میں لفظ عنکبوت آیا ہے۔ عنکبوت کے معنی مکڑی کے ہیں۔ اس سورۃ کی ایک آیت میں کفار کے اعتقادات کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی گئی ہے جو نہایت کمزور اور بودا ہوتا ہے اس لئے اس سورۃ کا علامتی نام عنکبوت قرار دیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔ اور اس کے نزول کا زمانہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے لئے بڑے مصائب و شدائد کا زمانہ تھا۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی انتیسویں (۲۹) سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۸۱ لکھا ہے یعنی ۸۰ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھیں اور ۹ سورتیں اس کے بعد مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں اور پھر ۲۴ سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۶۹ آیات۔ سات رکوعات۔ ۹۹۰ کلمات اور ۴۴۱۰ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

جس زمانہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی ہے اس زمانہ میں مکہ کے مسلمان مشرکوں اور کفار کے ہاتھوں سخت اذیت اٹھا رہے تھے۔ کفار کی طرف سے اسلام کی مخالفت پورے زور شور سے ہو رہی تھی اور ایمان لانے والوں پر سخت ظلم و ستم توڑے جا رہے تھے ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی تاکہ ایک طرف صادق الایمان لوگوں میں عزم و ہمت اور استقامت پیدا ہو اور دوسری طرف کفار مکہ کو سخت تنبیہ و تہدید کی گئی۔ مسلمان جو اس وقت سخت سے سخت تکالیف جھیل رہے تھے ان کو اس سورۃ میں صبر کی تلقین کی گئی اور ان سے کہا گیا کہ دنیا میں اللہ عزوجل اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ جو لوگ مصیبتیں جھیل کر ثابت قدم رہتے ہیں وہی آخر کامیاب ہوتے ہیں۔ مشقت اٹھائے بغیر راحت نہیں ملتی اور نہ کسوٹی پر گھسے بغیر کھوٹا کھرا پہچانا جاتا ہے۔ مسلمانو! جب زبان سے اللہ کا اقرار کیا ہے تو اب آزمائش کے لئے تیار رہو ایمان کوئی زبانی جمع خرچ نہیں ہے کہ زبان

سے کلمہ پڑھ لے اور پھر جو چاہے کرتا پھرے۔ یہ بات نہیں بلکہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے احکام کی پابندی کرے اور اس کے راستہ میں مشقتیں اور مصیبتیں پڑیں تو انہیں ثابت قدمی سے برداشت کرے اور لاکھ کوئی ہلائے مگر دین سے ہلنے کا نام نہ لے۔ ایمان کا امتحان ہر زمانہ کے لوگوں کا لیا گیا ہے جو امتحان میں پورے اترے وہ دنیا اور آخرت کی کامیابیوں سے مالا مال ہوئے۔ کفار مکہ کے متعلق بتلایا گیا کہ یہ نادان لوگ جو مسلمانوں کو ستا رہے ہیں ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے کفار کا ستانا مسلمانوں کے درجہ بڑھنے کا باعث بن رہا ہے۔ دیکھو ایسا ہرگز نہ ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرنے لگو۔ اگر ماں باپ بھی کہیں کہ ایمان چھوڑ دو اور کفر و شرک اختیار کرو تو انکا کہنا بھی اس بارے میں مت مانو۔ مشرکین تمہیں ہر طرح ورغلائیں گے کہ اسلام چھوڑ کر پرانا طریقہ کفر و شرک اختیار کرو لیکن تم ان کے کہنے میں نہ آنا۔ پچھلی قوموں کا حال دیکھو کہ اللہ کو نہ مان کر کیسی کیسی تباہیوں میں پھنسے اور کس بری طرح ہلاک و برباد ہوئے اللہ کے عذاب سے انہیں کوئی نہ بچا سکا اور جو اللہ کے فرمانبردار ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی اپنی نعمتوں سے نوازا اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑے درجہ ہیں۔ یہ دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں ہے۔ یہ کچھ دن کی چہل پہل ہے جو مٹ کر رہے گی اور جنہوں نے اس میں دل لگا رکھا ہے مرنے کے بعد ہی ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا اور ہاتھ ملتے رہ جائیں گے مگر اس وقت کی ندامت اور پچھتانے سے کیا فائدہ۔ مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی کی گئی کہ اگر ظلم و ستم تمہارے لئے ناقابل برداشت ہو جائے تو ایمان چھوڑنے کی بجائے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ۔ خدا کی زمین وسیع ہے جہاں خدا کی بندگی کر سکو وہاں چلے جاؤ۔ سورۃ کے اخیر میں یہ جان فزا پیغام ہے کہ جو ہمارے لئے محنت کرے گا ہم اس کے لئے کامیابی کا راستہ کھول دیں گے اور اللہ اپنے مخلص وفاداروں کے ساتھ ہے۔ الغرض مثل دوسری مکی سورتوں کے اس سورۃ میں توحید و رسالت و آخرت کو ذہن نشین کرایا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ شرک کی مذمت و ابطال فرمایا گیا ہے۔ یہ ہے خلاصہ اس تمام پوری سورۃ کا جس کی تفصیلات آئندہ درسوں میں انشاء اللہ آپ کے سامنے آئیں گی۔

اس تمہید کے بعد اب ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔

اس سورۃ کی بھی ابتدا حروف مقطعات الٓمّٓ سے فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ پہلے متعدد بار عرض کیا جا چکا ہے ان کا حقیقی مطلب اور معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں یا پھر حق تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ ان پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہئے۔ آگے سورۃ کی ابتدا اس ارشاد سے فرمائی گئی کہ بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو کیا ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو طرح طرح کے مصائب سے آزمایا نہ جائے گا۔ جن حالات میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے وہ یہ تھے کہ مکہ میں اس وقت جو بھی اسلام قبول کرتا تھا اس پر آفات اور مصائب کا ایک طوفان ٹوٹ پڑتا تھا۔ کوئی غلام یا غریب ہوتا تو اس کو بری طرح مارا پیٹا جاتا۔ تپتی ہوئی گرم ریت پر برہنہ بدن لٹا کر اوپر سے گرم اور بھاری پتھر سینہ پر رکھ دیا جاتا۔ کبھی دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا جاتا۔ غریب بے کس مومنوں کی پشت ریت اور آگ کی گرمی سے جھلس جاتی اور زخمی ہو جاتی اور زمین پر مچھلی کی طرح تڑپتے۔ کوئی دکاندار یا کاریگر ہوتا تو اس کی روزی کے دروازے بند کر دیئے جاتے کہ فاقوں کی نوبت آتی۔ کوئی

بااثر خاندان کا آدمی ہوتا تو اس کو اپنے خاندان کے لوگ طرح طرح سے تنگ کرتے اور اس کی زندگی دشوار بنا دیتے۔ ان حالات نے اگرچہ راسخ الایمان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عزم وثبات میں کوئی تزلزل پیدا نہ کیا تھا لیکن انسانی فطرت کے تقاضہ سے اکثر ان پر بھی شدید اضطراب کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور اپنے دکھ کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کرتے اور دعا کے ملتجی ہوتے۔ اسی کیفیت کا ایک نمونہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت پیش کرتی ہے جو بخاری وغیرہ نے روایت کی ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ چادر مبارک کی ٹیک لگائے ہوئے کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے اور ہم لوگوں پر دن رات مشرکین کی جانب سے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے۔ میں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ اللہ پاک سے ہمارے لئے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ سنبھل کر بیٹھے اور آپ کا چہرہ مبارک جوش اور جذبہ سے سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا تم سے جو پہلے اہل ایمان گزر چکے ہیں ان پر اس سے زیادہ سختیاں توڑی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی کو زمین میں گڑھا کھود کر بٹھا دیا جاتا اور اس کے سر پر آرا چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت نوچ ڈالا گیا سوائے ہڈیوں اور پٹھوں کے کچھ نہ چھوڑا گیا۔ ایسی سختیوں نے بھی ان کو ان کے دین سے نہ روکا۔ خدا کی قسم اللہ پاک اپنے اس دین کو پورا کر کے رہے گا تم لوگ دیکھ لو گے کہ اکیلا سوار صنعا یمن سے حضر موت تک آئے گا اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا ڈر و ہراس اس کے دل میں نہ ہوگا۔

لیکن تم لوگ ہر کام میں جلدی چاہتے ہو۔ تو اس اضطرابی کیفیت کو ٹھنڈے صبر اور تحمل میں تبدیل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو سمجھاتے ہیں کہ ہمارے جو وعدے دنیا اور آخرت کی کامرانیوں کے لئے ہیں وہ محض زبانی دعویٰ ایمان پر نہیں۔ زبان سے ایمان کا اقرار کرنے والوں کی آزمائش اور امتحان ہوگا۔ ہماری خاطر مشقتیں اٹھانی ہوں گی۔ جان و مال کا نقصان بھی برداشت کرنا ہوگا۔ طرح طرح کی سختیاں بھی جھیلنی ہوں گی۔ خطرات ومصائب ومشکلات کا مقابلہ بھی کرنا ہوگا۔ ہر چیز جسے عزیز ومحبوب رکھتے ہو ہماری رضا پر اسے قربان کرنا پڑے گا۔ ہر تکلیف جو تمہیں ناگوار ہے ہمارے لئے برداشت کرنا ہوگی تب کہیں یہ بات کھلے گی کہ ہمیں ماننے کا جو دعویٰ تم نے کیا تھا وہ سچا تھا یا جھوٹا۔ آزمائش ہی وہ کسوٹی ہے جس سے کھوٹا اور کھرا پرکھا جاتا ہے۔ حدیث میں بھی ارشاد ہے کہ ہر شخص کی آزمائش اس کے مرتبہ کے موافق کی جاتی ہے۔ سب سے سخت امتحان انبیاء کا لیا جاتا ہے۔ ان کے بعد صالحین کا پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں کا جو ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں۔ نیز امتحان آدمی کا اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتا ہے جس قدر کوئی شخص دین میں مضبوط اور سخت ہوگا اسی قدر امتحان سخت ہوگا۔ پھر آگے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کوئی نیا معاملہ نہیں ہے کہ جو تمہارے ہی ساتھ پیش آ رہا ہو۔ پہلے زمانہ والوں کا بھی ایمان کا اقرار کرنے پر امتحان لیا گیا۔ گزشتہ انبیاء کی امتوں کے برگزیدہ انسان بھی گوناگوں اذیتیں اٹھا چکے ہیں۔ کسی کو آرہ سے چیرا گیا کسی کا گوشت قینچیوں سے کاٹا گیا۔ کسی کو آگ کے بھرے ہوئے گڑھوں میں ڈال کر جلایا گیا۔ کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی پر لٹکایا گیا۔ بنی اسرائیل کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی ذبح کرا دیا گیا۔ وغیرہ

وغیرہ پس امت محمدیہ کے پرخلوص اہل ایمان کو بھی ضرور آزمائشوں کی بھٹی میں ڈال کر جانچا جائے گا مگر ان کو صبر واستقامت کے ساتھ دین کے لئے ہر تکلیف اٹھانی اور قربانی کرنی پڑے گی۔ اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کو اپنی صفات کمالیہ کے باعث ہر چیز سے واقفیت ہے لیکن وہ لوگوں کے امتحان کے بعد ان کے صداقت وکذب کا حال علانیہ ظاہر کرنا چاہتا ہے تاکہ امتیاز ہو سکے کہ کون دعوائے ایمان میں سچا نکلتا ہے اور کون جھوٹا اور پھر اسی کے موافق ہر ایک کو جزا دی جائے۔

معلوم ہوا کہ حقیقی مسلمان ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ زبان سے کلمہ پڑھ لے اور پھر چھٹی ہوئی جو جی چاہے کرتا پھرے۔ یہ بات نہیں بلکہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے جملہ احکام کی دیانت داری سے پابندی کرے اور اس کی اطاعت میں مشقتیں اٹھائے۔ مصیبتیں برداشت کرے اور دین پر پوری طرح ثابت قدم رہے۔ یہی اس کا امتحان ہے اور جو اس امتحان میں کامیاب ہوا اس کو اصلی کامیابی دنیا و آخرت میں دونوں جگہ نصیب ہوگی۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن پر بلاؤں کا نزول اس کے ایمان کے صدق اور کذب کی جانچ کے لئے ہوتا ہے۔ مومن صادق مصائب نازلہ کو اللہ کی طرف سے سمجھ کر صبر کرتا اور اپنے دل میں طمانیت اور سکون پاتا ہے اور کچے ایمان والا جان و مال میں مصیبت۔ اہل وعیال کی ہلاکت۔ تجارت میں خسارہ اور جسمانی امراض میں اپنے کو گھرا ہوا دیکھ کر گھبرا جاتا ہے۔ اور ناشکری اور کلمات نازیبا تک بکنے لگتا ہے۔ امتحان اور آزمائش کے بعد دونوں فریق الگ الگ سامنے آجاتے ہیں۔ ابھی یہی سلسلہ مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو دین پر استقلال وثابت قدمی نصیب فرمائیں۔ اور ہر حال میں ہم کو صبر وشکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور دین کے لئے ہم کو ہر طرح کی تکلیف ومشقت برداشت کرنے کا عزم وہمت عطا فرمائیں۔

اے اللہ ہم تو بہت ہی کمزور ایمان والے ہیں ہم کسی ابتلا اور آزمائش کے لائق نہیں آپ اپنے فضل وکرم سے ہمارے ایمان واسلام کی حفاظت کا سامان عطا فرمائیں۔ اے اللہ ان صحابہ کرام کے ایمان اور اسلام کے طفیل میں جن کے عزم وثبات میں بڑے سے بڑے آفات ومصائب سے بھی لغزش نہ آئی ہم کو بھی ہر حال میں اپنا ایمان اور اسلام سنبھالنے کی ہمت اور توفیق عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾ مَنْ كَانَ

ہاں کیا جولوگ بُرے بُرے کام کررہے ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے،اُن کی یہ تجویز نہایت ہی بیہودہ ہے۔جو شخص

يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۵﴾ وَمَنْ جَاهَدَ

اللہ سے ملنے کی اُمید رکھتا ہے سو اللہ کا وہ معین وقت ضرور آنے والا ہے،اور وہ سب کچھ سنتا سب کچھ جانتا ہے۔اور جو شخص محنت کرتا ہے

فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے،خداتعالیٰ کو تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں۔اور جولوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں

الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾

ہم اُن کے گناہ اُن سے دُور کردیں گے اور اُن کو اُن اعمال کا زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔

اَمْ حَسِبَ کیا گمان کیا ہے	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	يَعْمَلُوْنَ کرتے ہیں	السَّيِّاٰتِ بُرے کام	اَنْ کہ	يَّسْبِقُوْنَا وہ ہم سے باہر بچ نکلیں گے
سَآءَ بُرا ہے	مَا يَحْكُمُوْنَ جو وہ فیصلہ کررہے ہیں	مَنْ جو	كَانَ يَرْجُوْا وہ امید رکھتا ہے	لِقَآءَ اللّٰهِ اللہ سے ملاقات کی	فَاِنَّ تو بیشک
اَجَلَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	لَاٰتٍ ضرور آنے والا	وَهُوَ اور وہ	السَّمِيْعُ سننے والا	الْعَلِيْمُ جاننے والا	وَمَنْ اور جو
جَاهَدَ کوشش کرتا ہے	فَاِنَّمَا تو صرف	يُجَاهِدُ کوشش کرتا ہے وہ	لِنَفْسِهٖ اپنی ذات کیلئے	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ
لَغَنِيٌّ البتہ بے نیاز	عَنِ سے	الْعٰلَمِيْنَ جہان والے	وَالَّذِيْنَ اور جولوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اورانہوں نے اچھے عمل کئے
لَنُكَفِّرَنَّ البتہ ہم ضرور دُور کردیں گے	عَنْهُمْ ان سے	سَيِّاٰتِهِمْ ان کی بُرائیاں	وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اور ہم ضرور جزا دیں گے انہیں	اَحْسَنَ زیادہ بہتر	الَّذِيْ وہ جو
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے					

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں ان مسلمانوں سے خطاب تھا جورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے کفار کے ہاتھوں طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا تھے۔ان کو مصائب پر صبر کرنے اور اعدائے اسلام کے مقابلہ میں استقامت سے دین پر جمے رہنے کی تلقین فرمائی گئی تھی اوران کی تسلی اور ہمت بڑھانے کے لئے یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ اہل ایمان کا تکالیف میں مبتلا ہونا اور اللہ کی خوشنودی کے لئے مصائب کو برداشت کرنا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔گذشتہ انبیاء کی امتوں کے اہل ایمان بھی سخت سے سخت اذیتیں کفار کے ہاتھوں اٹھا چکے ہیں۔اب آگے ایک کلمۂ زجروتوبیخ ان لوگوں کو خطاب کرکے فرمایا جاتا ہے جوحق پرستوں پرظلم وستم ڈھارہے تھے۔یہ خطاب اگرچہ عام ہے اور اس سے مراد وہ تمام لوگ ہوسکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں لیکن یہاں خاص طور پر روئے سخن ان کفارومشرکین اور قریش کے ظالم سرداروں کی طرف ہے جواسلام کی مخالفت میں اسلام قبول کرنے والوں پر ہرطرح کے مظالم ڈھارہے تھے۔ان کفارومشرکین کو سنایا جاتا ہے کہ ان کو یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ہمیشہ یونہی مسلمانوں پرظلم وستم کرتے رہیں گے اور یونہی مسلمان مارکھاتے اور تکلیف اٹھاتے رہیں گے۔ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ان سے ضرور انتقام لیا جائے گا۔مسلمانوں کوضرور ترقی اور غلبہ نصیب ہوگا اور اس سرزمین میں کافروں کو اپنی تباہی و بربادی سے دوچار

ہونا پڑے گا۔ اس وقت کی عارضی مہلت سے ان کفار نے جو یہ رائے قائم کرلی ہے کہ ہم مزے سے ظلم کرتے رہیں گے اور خود ہمیشہ مامون رہیں گے تو حقیقت میں یہ نہایت احمقانہ فیصلہ ہے وہ ہم سے بچ کر کہاں جاسکتے ہیں اور ہماری گرفت سے نکل کر کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ آگے پھر مسلمانوں کی طرف روئے سخن فرمایا جاتا ہے کہ جو شخص اس توقع پر سختیاں اٹھا رہا ہے کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں ہر بات کی باز پرس ہوگی۔ اگر میں ناکامیاب رہا تو یہاں کی سختیوں سے کہیں بڑھ کر وہاں سختیاں جھیلنی پڑیں گی اور کامیاب رہا تو ساری کلفتیں ڈھل جائیں گی۔ اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار نصیب ہوگا۔ ایسا شخص یاد رکھے کہ اللہ کا وعدہ آ رہا ہے۔ کوئی طاقت اسے پھیر نہیں سکتی۔ اس کی اعلیٰ توقعات پوری ہو کر رہیں گی اور اس کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے کسی کی محنت رائیگاں نہ کرے گا۔ تو اس کلام میں مسلمانوں کو مجاہدہ کرنے اور مصائب پر صبر کر کے دین پر جمے رہنے کی مزید تلقین و ترغیب ہے کیونکہ جب موت ضرور آنے والی ہے اور اس کا وقت مقرر ہے تو اسلام سے روگرداں ہونے اور مصائب سے گھبرا کر راہ فرار اختیار کرنے کے بعد بھی موت کے پنجہ سے رہائی ناممکن ہے پھر قیامت ضرور ہونی ہے اللہ کے سامنے ضرور جانا ہے۔ مصائب چند روزہ کا اختتام لازمی طور پر ہوگا۔ اور آخرت میں حساب فہمی کے بعد عذاب ثواب بھی ضرور ہوگا لہٰذا آخرت کی فلاح کے اسباب حاصل کرنا اور اخروی سرخروئی کے موجبات کو فراہم کرنا لازمی ٹھہرا۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ہم جو تم کو مشقتوں کے برداشت کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں سو اس میں ظاہر اور مسلم ہے کہ ہماری کوئی منفعت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی طاعت سے کیا نفع اور کسی کی معصیت سے کیا نقصان۔ وہ تو کلی طور پر بے نیاز ہے۔ اگر تمام عالم اس کی عبادت میں ہر وقت غرق رہے تب اس کی ذات کو کوئی نفع نہیں پہنچتا اور سب نافرمان اور سرکش ہو جائیں تب بھی اس کا کوئی نقصان نہیں۔ ہاں بندہ اپنے پروردگار کی طاعت میں جس قدر محنت اٹھائے گا اس کا پھل دنیا اور آخرت میں اسی کو ملے گا پس مجاہدہ کرنے والے یہ خیال کبھی نہ آنے دیں کہ ہم خدا کے راستہ میں اتنی محنت کر کے کچھ اس پر احسان کر رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ) ارے یہ تو اس کا احسان ہے کہ خود تمہارے فائدہ کے لئے طاعت اور ریاضت کی توفیق بخشی۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ تمام جہان سے بے پروا اور بے نیاز ہونے کے باوجود اپنی رحمت و شفقت سے تمہاری محنت کو ٹھکانے لگاتا ہے اور ایمان و عمل صالح کی برکت سے نیکیاں ملیں گی اور برائیاں معاف ہوں گی۔

یہاں ''ایمان'' اور ''عمل صالح'' کی تعریف بھی مختصراً سمجھ لی جائے ایمان سے مراد ان تمام باتوں کو سچے دل سے ماننا ہے جنہیں تسلیم کرنے کی دعوت اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب نے دی ہے اور ''عمل صالح'' سے مراد اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت کے موافق عمل کرنا ہے۔ اس ایمان اور عمل صالح کے دو نتیجہ بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ آدمی کی برائیاں اس سے دور کر دی جائیں گی اور دوسرے یہ کہ اس کے اعمال سے بہتر جزا دی جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ یہاں یہ بتلایا گیا کہ بدکردار لوگوں کو یہ خیال نہ کرلینا چاہئے کہ وہ اللہ کی گرفت سے باہر ہیں۔ انسان کی کوششوں سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ انسان کی جدوجہد خود اسی کے لئے اچھا یا برا نتیجہ پیدا کرتی ہے عمل صالح سے اہل ایمان کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ نیکیوں کی بھی پوری جزا ملتی ہے۔ تو مقصود بیان یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح پر قائم رہو اور اسلام کے راستہ میں پیش آنے والی مصیبت کو استقلال کے ساتھ برداشت کرو اور اعانت دین کے لئے ہمہ تن کوشش کرو۔

اسی سلسلہ میں آگے بتلایا جاتا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اگرچہ حسن سلوک کی اسلام تاکید کرتا ہے مگر شرک و کفر کے لئے اگر ماں باپ بھی زور ڈالیں تب بھی ان کا کہنا نہیں ماننا چاہئے اور ایمان و عمل صالح پر مستقیم رہنا چاہئے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۗ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے

بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۗ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں ہے تو تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے سو میں تم کو تمہارے سب کام جتلا دوں گا۔ جو لوگ ایمان لائے ہوں گے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ﴿٩﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

اور نیک عمل کئے ہوں گے ہم اُن کو نیک بندوں میں داخل کردیں گے۔ اور بعضے آدمی ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے

فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۗ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ

پھر جب اُن کو راہ خدا میں کچھ تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کو ایسا سمجھ جاتے ہیں جیسے خدا کا عذاب، اور اگر کوئی مدد آپ کے رب کی طرف سے آپہنچتی ہے

لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۗ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ

تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے، کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہاں والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿١١﴾

معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا۔

وَوَصَّيْنَا اور ہم نے حکم دیا	الْاِنْسَانَ انسان کو	بِوَالِدَيْهِ ماں باپ سے	حُسْنًا حسن سلوک کا	وَاِنْ اور اگر	جَاهَدٰكَ تجھ سے کوشش کریں		
لِتُشْرِكَ بِيْ کہ تو شریک ٹھہرائے میرا	مَا لَيْسَ جس کا نہیں	لَكَ تجھے	بِهٖ عِلْمٌ اسکا کوئی علم	فَلَا تُطِعْهُمَا تو کہا نہ مان ان کا			
اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ میری طرف تمہیں لوٹ کر آنا	فَاُنَبِّئُكُمْ تو میں ضرور بتلاؤں گا تمہیں	بِمَا وہ جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ			
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا وہ ایمان لائے اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	لَنُدْخِلَنَّهُمْ ہم ضرور انہیں داخل کریں گے	فِي الصّٰلِحِيْنَ نیک بندوں میں				
وَمِنَ اور سے۔کچھ	النَّاسِ لوگ	مَنْ يَّقُوْلُ جو کہتے ہیں	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِاللّٰهِ اللہ پر	فَاِذَآ پھر جب	اُوْذِيَ ستائے گئے	
فِي اللّٰهِ اللہ (کی راہ) میں	جَعَلَ بنالیا	فِتْنَةَ ستانا	النَّاسِ لوگ	كَعَذَابِ جیسے عذاب	اللّٰهِ اللہ	وَلَئِنْ اور اگر	جَآءَ آئے
نَصْرٌ کوئی مدد	مِّنْ رَّبِّكَ تمہارے رب سے	لَيَقُوْلُنَّ تو وہ ضرور کہتے ہیں	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ			
اَوَلَيْسَ کیا نہیں ہے	اللّٰهُ اللہ	بِاَعْلَمَ خوب جاننے والا	بِمَا وہ جو	فِيْ صُدُوْرِ سینوں (دلوں) میں	الْعٰلَمِيْنَ جہان والے		
وَلَيَعْلَمَنَّ اور البتہ ضرور معلوم کریگا	اللّٰهُ اللہ	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَلَيَعْلَمَنَّ اور البتہ ضرور معلوم کریگا الْمُنٰفِقِيْنَ منافق			

تفسیر وتشریح:۔ جیسا کہ اس سورۃ کے ابتدائی درس میں بیان ہوا کفار مکہ طرح طرح سے مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کی فکر اور تدبیریں کرتے تھے۔ بعضے سخت جسمانی ایذائیں پہنچاتے تھے۔ بعضے دوسرے طریقوں سے مجبور کرتے تھے۔ چنانچہ آیت ووصینا الانسان

بوالدیہ حسنا اور ۲۱ ویں پارہ سورۂ لقمان کی وہ آیت جس میں والدین کا حکم شرک اور کفر کا ماننے کی ممانعت ہے حضرت سعد بن ابی وقاص کے حق میں نازل ہوئیں۔ حضرت سعد ان چند بزرگ ہستیوں میں سے ایک تھے جن کو سبقت فی الاسلام کا شرف حاصل تھا اور جو عشرہ مبشرہ میں داخل تھے۔ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی آپ کی عمر ۱۸، ۱۹ سال کی تھی جب آپ نے اسلام قبول کیا۔ آپ اپنی والدہ کی خدمت بہت زیادہ کرتے تھے اور ماں بھی دوسری اولاد سے زیادہ آپ کو چاہتی تھی۔ جب حضرت سعد نے اسلام قبول کرلیا اور ماں کو اطلاع ہوئی تو وہ بہت ناراض ہوئی اور کہنے لگی کہ تو باپ دادا کے دین سے پھر گیا۔ واللہ جب تک اسلام سے نہ پھرے گا میں نہ کھاؤں گی۔ نہ پیوں گی نہ سایہ میں بیٹھوں گی یونہی مرجاؤں گی۔ تاکہ عمر بھر تو مطعون خلائق رہے اور لوگ تجھے ماں کا قاتل کہیں چنانچہ ایک رات دن وہ اسی حالت پر رہی۔ حالت بگڑنے لگی۔ دوسرے دن بھی بھوک ہڑتال قائم رکھی۔ لکھا ہے کہ یہ تاریخ میں پہلی مثال بھوک ہڑتال بلکہ بھوک اور پیاس ہڑتال کی تھی جو خالص کافرانہ چیز تھی مگر اب ناواقف مسلمان بھی اسی کافرانہ ہتھیار کو استعمال کرنے لگے ہیں۔ اسلام نے ہڑتال کا سبق نہیں دیا ہے۔ اسلام نے تو دو ہی باتیں بتلائی ہیں اگر قوت ہو تو ناحق اور ظلم کا مقابلہ قوت سے کیا جائے اگر قوت نہ ہو تو صبر کیا جائے جہاں تک کہ دین سالم رہ سکے اور اگر دین محفوظ نہ ہو تو پھر ہجرت کر جانے کا حکم ہے۔ الغرض حضرت سعد کی ماں نے دوسرے دن بھی بھوک ہڑتال قائم رکھی۔ آخر لوگوں نے زبردستی منہ چیر کر حلق میں کچھ کھانا پانی ڈالا مگر ضد پر قائم رہی اور کہنے لگی سعد! کیا تجھے اللہ نے ماں کی فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا ہے اگر اطاعت والدین کا حکم دیا ہے تو میں تجھے حکم دیتی ہوں کہ اپنے سابق دین پر آجا۔ ماں کا حق ادا کرنا تو اللہ کا حکم ہے۔ تو میری بات نہ مانے گا تو اللہ کی بھی نافرمانی کرے گا۔ حضرت سعد اس پر سخت پریشان ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر

ہو کر تمام ماجرا عرض کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ممکن ہے ایسے ہی حالات سے دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی دوچار ہوئے ہوں جو مکہ معظمہ کے ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے تھے اسی لئے اس مضمون کو سورۂ لقمان ۲۱ ویں پارہ میں بھی پورے زور کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔ حضرت سعد کے متعلق بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے ماں کا کہنا نہ مانا اور فرمایا اے ماں اگر تیری سو جانیں ہوں اور اگر ایک ایک کر کے نکل جائیں تب بھی خدا کی قسم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت و ہدایت کا انکار نہ کروں گا۔ اب تیرا دل چاہے کھا اور تیرا دل نہ چاہے نہ کھا۔ یہ سن کر ماں مایوس ہوگئی اور بالآخر کھانے پینے لگی۔ تو یہاں آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم ہے کہ والدین کے ساتھ دنیوی معاملات میں اچھا سلوک کیا جائے خواہ والدین کافر ہوں یا مسلم۔ لیکن اگر والدین شرک اور کفر کرنے کے لئے کتنے ہی اصرار سے کہیں تب بھی ہرگز ان کا کہنا نہ ماننا چاہئے۔ اس آیت میں اور قرآن پاک کی دوسری آیات میں نیز صحیح احادیث میں اطاعت والدین کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے مدنظر علما نے صراحت کی ہے کہ ماں باپ کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مالی سلوک اور جسمانی خدمت کے لحاظ سے والدہ کا حق مقدم ہے اور ادب اور فرمان پذیری میں والد کا حق اول ہے۔ تو انسان پر مخلوقات میں سے کسی کا حق سب سے بڑھ کر ہے تو وہ اس کے ماں باپ ہیں لیکن ماں باپ بھی اگر انسان کو شرک پر مجبور کریں تو ان کی بات قبول نہ کرنی چاہئے اور اس معاملہ میں ان کی بات نہ ماننے کے لئے مالیس لک بہ علم فرما کر ایک معقول دلیل بھی دے دی گئی یعنی بے شک ماں باپ کا یہ حق تو ہے کہ اولاد ان کی خدمت کرے۔ ان کا ادب و احترام کرے۔ ان کی جائز باتوں میں اطاعت بھی کرے لیکن یہ حق ان کو نہیں پہنچتا کہ آدمی کسی دلیل صحیح کے خلاف ان کی دین میں پیروی اور اندھی تقلید بھی کرے۔ یہ کوئی وجہ نہیں کہ ایک بیٹا یا بیٹی صرف اس بنا پر ایک مذہب کی پیروی کئے جائے کہ اس کے ماں باپ کا

مذہب ہے یا طریقہ ہے اگر اولاد کو دلیل صحیح سے یہ علم حاصل ہوجائے کہ والدین کا مذہب یا دین غلط ہے تو اسے اس مذہب اور طریقہ کو چھوڑ کر صحیح مذہب اختیار کرنا چاہئے اوران کے دباؤ ڈالنے اوراصرار کرنے پر بھی اس غلط طریقہ کی پیروی نہ کرنی چاہئے جس کی غلطی اور گمراہی اس پر دلائل سے واضح ہو۔ پھر جب یہ معاملہ والدین کے ساتھ ہے تو دنیا کے ہر شخص کے ساتھ یہی معاملہ ہونا چاہئے کہ کسی کی اندھی تقلید اور پیروی جائز نہیں جب تک کہ آدمی یہ نہ جان لے کہ وہ حق پر ہے۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **لاطاعة المخلوق فی معصية الخالق** خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی رشتہ داریاں اوران کے حقوق تو بس اسی دنیا تک ہیں آخر کار ماں باپ کو بھی اور اولاد کو بھی سب کو اپنے خالق کے حضور پلٹ کر جانا ہے یعنی سب کو عدالت خداوندی میں حاضر ہونا ہے اس وقت بتلا دیا جائے گا کہ اولاد اور والدین میں سے کس کی زیادتی تھی اور کون حق پر تھا کون ناحق پر تو جو لوگ اس قسم کی زبردست رکاوٹوں کے باوجود بھی ایمان اور نیکی کی راہ پر قائم رہے حق تعالیٰ ان کا حشر اپنے خاص نیک بندوں میں کرے گا۔ اب آگے ان لوگوں کا ذکر ہے جو زبان سے اپنے کو مومن کہتے تھے مگر دلوں میں ایمان راسخ نہیں تھا ان کو جہاں اللہ کے راستہ میں کوئی تکلیف پہنچی یا دین کی وجہ سے لوگوں نے ستایا تو اس آزمائش کو خدائی عذاب سمجھنے لگے یعنی جس طرح آدمی عذاب الٰہی سے گھبرا کر جان بچانا چاہتا ہے اور اپنے پہلے دعوؤں سے دست بردار ہونے لگتا ہے اور ناچار اعتراف کرتا ہے کہ میں غلطی پر تھا یہی حال بعض اسلام کا نام لینے والوں کا ہے کہ جہاں دین کے معاملہ میں کوئی سختی پہنچی بس گھبرا کر دعوئے ایمان سے دست بردار ہونا شروع کر دیا اور زبان سے یا عمل سے گویا اقرار کرنے لگے کہ ہم اس دعوائے میں غلطی پر تھے۔ لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں بعض دیہاتی دوسروں کے دیکھا دیکھی یا کسی خاص غرض کو پیش نظر رکھ کر مسلمان ہو جاتے۔ مسلمان ہونے کے بعد اگر ان کی بیویوں کے نرینہ اولاد ہوتی۔ مویشیوں کی نسل بکثرت ہوتی۔ کھجوروں کی فصل اچھی ہوتی یا اور کوئی دنیوی فائدہ ہوتا تو کہتے یہ دین مبارک ہے اور اگر اتفاق سے لڑکی پیدا ہوئی یا فصل خراب ہوگئی یا نسل میں کمی ہوگئی تو منحوس سمجھ کر اسلام سے پھر جاتے اسی طرح بعض لوگ بے دلی سے مسلمان تو ہو جاتے لیکن جہاں دشمنان اسلام کی یورش کا خطرہ ہوا یا افلاس کا فقر کا حملہ ہوا یا اور کوئی سختی جھیلنی پڑی تو منہ موڑ کر چل دیتے اور مسلمان ہونے کو نزول مصائب کا موجب قرار دینے لگتے لیکن اگر کسی طرف سے مسلمانوں کی ترقی کی کوئی راہ دکھائی دی تو پھر مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو جاتے اور کہنے لگتے کہ ہم بغیر کسی شک کے تمہارے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس عمل اور خیال کے رد میں فرماتے ہیں کہ جیسے کچھ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اللہ کو سب معلوم ہے۔ کیا زبانی دعویٰ کر کے اللہ سے اپنے دلوں کا حال چھپا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم پہلے ہی سے سب کچھ ہے لیکن اب ان کے اعمال اور افعال کو دیکھ لے گا کہ کون اپنے کو سچا مومن ثابت کرتا ہے اور کون جھوٹا دغاباز منافق ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ دنیوی معاملات میں ماں باپ سے حسن سلوک کرنا واجب ہے۔ ان کی مالی امداد اور جسمانی خدمت لازم ہے اگرچہ وہ کافر ہوں لیکن کسی گناہ کے کام خصوصاً شرک وکفر کی تعلیم سے انحراف کرنا اور حکم نہ ماننا ضروری ہے خواہ کتنا ہی وہ اصرار سے حکم دیں۔ اللہ کے معاملہ میں کسی کے تعلقات کی پروا نہ ہونی چاہئے یہاں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے ان لوگوں کو جو معمولی تعلقات کے نبھاؤ اور دنیوی شرم کا بہانہ کر کے رسم و رواج کے جال میں پھنس کر خلاف شرع امور کو کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا کریں بیوی بچوں اور دوستوں سے مجبور ہیں۔ جانتے ہیں کہ یہ کام اچھا نہیں مگر آخر دنیا میں رہ کر دنیاداری کرنی ہی پڑتی ہے۔ تو ان خیالات کا رد یہاں صاف صاف فرمایا گیا ہے۔ آگے کفر وشرک وعصیان ونافرمانی کا انجام بیان فرما کر اس سے ڈرایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ

اور کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ ہماری راہ چلو اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ، حالانکہ یہ لوگ اُن کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے

مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ

یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں۔اور یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر لادے ہوں گے اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ گناہ اور۔

وَلَيُسْـَٔــلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ

اور یہ لوگ جیسی جیسی جھوٹی باتیں بناتے تھے قیامت میں اُن سے باز پُرس ضرور ہوگی۔اور ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا سو وہ اُن میں

اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ

پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے، پھر اُن کو طوفان نے آدبایا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے۔پھر ہم نے اُن کو اور کشتی والوں کو بچالیا

السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کیلئے موجب عبرت بنایا۔

وَقَالَ اور کہا	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر) لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان لوگوں کو جو ایمان لائے	اتَّبِعُوْا تم چلو	سَبِيْلَنَا ہماری راہ					
وَلْنَحْمِلْ اور ہم اٹھالیں گے	خَطٰيٰكُمْ تمہارے گناہ	وَمَا هُمْ حالانکہ وہ نہیں	بِحٰمِلِيْنَ اٹھانے والے	مِنْ سے	خَطٰيٰهُمْ ان کے گناہ			
مِنْ شَيْءٍ کچھ	اِنَّهُمْ بیشک وہ	لَكٰذِبُوْنَ البتہ جھوٹے	وَلَيَحْمِلُنَّ اور وہ البتہ ضرور اٹھائیں گے	اَثْقَالَهُمْ اپنے بوجھ	وَاَثْقَالًا اور بہت سے بوجھ			
مَعَ ساتھ	اَثْقَالِهِمْ اپنے بوجھ	وَلَيُسْـَٔلُنَّ اور البتہ ان سے ضرور باز پرس ہوگی	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	عَمَّا اس سے جو				
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ وہ جھوٹ گھڑتے تھے	وَ اور	لَقَدْ اَرْسَلْنَا بیشک ہم نے بھیجا	نُوْحًا نوح کو	اِلٰى قَوْمِهٖ اس کی قوم کی طرف	فَلَبِثَ تو وہ رہے			
فِيْهِمْ ان میں	اَلْفَ سَنَةٍ ہزار سال	اِلَّا مگر کم	خَمْسِيْنَ پچاس	عَامًا سال	فَاَخَذَهُمْ پھر انہیں آ پکڑا	الطُّوْفَانُ طوفان	وَهُمْ اور وہ	ظٰلِمُوْنَ ظالم تھے
فَاَنْجَيْنٰهُ پھر ہم نے اسے بچالیا	وَ اور	اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ کشتی والوں کو	وَجَعَلْنٰهَا اور اسے بنایا	اٰيَةً ایک نشانی	لِّلْعٰلَمِيْنَ جہان والوں کیلئے			

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے تو انہیں آزمائش اور امتحان سے بھی گزرنا ہوگا تاکہ یہ ظاہر ہوجائے کہ وہ اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں یا نہیں۔پھر تلقین فرمائی گئی تھی کہ اگر اللہ کے دین پر قائم رہنے اور اسلام کے احکام بجالانے میں کفار ومشرکین کے ہاتھوں تکلیف اور ایذائیں اٹھانی پڑیں تو اسے جھیلنا اور برداشت کرنا چاہئے کیونکہ بہرحال یہ تکلیف دنیا کی اس عذاب سے یقیناً کم ہوگی جو اسلام اور ایمان سے منہ موڑنے پر آخرت میں مقرر ہے تو ایمان والوں کی یہ شان نہیں کہ تکلیفوں سے گھبرا کر دین سے بھاگیں۔مسلمانوں کو چاہئے کہ ایمان پر مضبوط رہیں اور کوئی چیز اس کے پائے ثبات کو استقامت سے نہ ہٹا سکے۔ماں۔باپ جیسے قابل تکریم وتعظیم سرپرست بھی اگر دین سے ہٹنے کو کہیں تو ان کا کہنا بھی نہ ماننا چاہئے۔اور کفار مکہ ہر طرح سے چاہتے تھے کہ مسلمان اپنا دین چھوڑ دیں وہ انہیں ڈراتے دھمکاتے۔مارتے

پیٹتے اور دوسرے طریقوں سے اسلام سے ہٹانے کی کوشش کرتے۔ایسے ہی ایک طریقہ کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہےاور وہ یہ کہ کفار نومسلموں سے کہتے کہ اس نئے دین میں سب چیزیں جن کے تم خوگر رہے ہو حرام ہیں۔تم دنیا کی نعمتیں چھوڑ کر کس جنجال میں پھنس گئے۔کیسا گناہ کیسا عذاب۔دنیا ہی ہے جو کچھ ہے خوب گلچھرے اڑاؤ۔بے خوف وخطر جو چاہو کرو اول تو موت کے بعد زندگی اور حشر نشر اور جزا وسزا کہاں۔یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں لیکن اگر بالفرض کوئی دوسری زندگی بھی ہے اور اس میں کوئی باز پرس بھی ہونی ہے تو ہم ذمہ لیتے ہیں کہ ہم تمہارا سارا عذاب اپنی گردن پر لے لیں گے۔تم ہمارے کہنے سے اس نئے دین کو چھوڑ دو اور اپنے آبائی دین کی طرف واپس آجاؤ۔چنانچہ یہاں ان آیات میں پہلے کفار کا قول نقل کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر پھر اپنی برادری میں آملو اور ہماری راہ پر چلو۔تمام تکلیفوں اور ایذاؤں سے بچ جاؤ گے۔مفت میں کیوں مصیبتیں جھیل رہے ہو اور اگر ایسا کرنے میں گناہ سمجھتے اور مواخذہ کا اندیشہ رکھتے ہو تو خدا کے ہاں بھی ہمارا نام لے دینا کہ فلانے نے ہم کو یہ مشورہ دیا تھا اگر ایسی صورت پیش آئی تو ساری ذمہ داری ہم اٹھالیں گے اور تمہارے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیں گے۔حق تعالیٰ کفار کے اس قول کا رد فرماتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار جھوٹے ہیں۔تمہارا بوجھ رتی برابر بھی ہلکا نہیں کر سکتے۔یہ جو دوسرے کے گناہوں کو اپنے اوپر اٹھانے کا دعویٰ کر رہے ہیں تو قیامت کے دن ذرہ برابر دوسرے کے گناہوں کو اس طور پر نہ اٹھا سکیں گے کہ سب بار اپنے اوپر لے کر اصل خطا کاروں کو سبکدوش کر دیں۔ہاں یہ ضرور ہوگا کہ جن کو گمراہ کیا ہے ان کا بار بھی ان گمراہ کرنے والوں پر ڈالا جائے گا اور دونوں گروہ سزایاب ہوں گے اور جو جھوٹی باتیں یہ بناتے ہیں یہ خود مستقل گناہ ہے۔جس پر یہ ماخوذ ہوں گے۔حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ دنیا میں جو کوئی کسی کو ناحق قتل کرے تو اس کے اس گناہ کا حصہ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے قابیل کو پہنچتا ہے کیونکہ ناحق قتل کرنے کا طریقہ اسی نے ایجاد کیا ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل شاہ روم کو جو تبلیغی نامہ مبارک بھیجا تھا اس میں تحریر فرمایا تھا کہ اگر تو نے میری ہدایت سے منہ موڑا تو تجھ پر تیری غریب رعایا کی گمراہی کا بھی بوجھ ہوگا۔جتنا ان میں سے ہر ایک پر ہوگا ان سب کا مجموعہ تیرے اوپر قیامت میں ہوگا کیونکہ ہدایت و ضلالت میں وہ تیرے تابع اور پیرو ہیں تو ہدایت پر ہوگا تو وہ بھی ہدایت پر آجائیں گے تو گمراہی پر جمار ہے گا تو وہ بھی جمے رہیں گے اور ان کا درحقیقت گمراہی پر جمنا تیری وجہ سے ہوگا لہٰذا تجھے ان سب کا بار اٹھانا پڑے گا۔ایک دوسری صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے قیامت تک جو لوگ اس ہدایت پر چلیں گے ان سب کو جتنا ثواب ہوگا اتنا ہی اس ایک کو ہوگا لیکن ان کے ثوابوں میں سے گھٹ کر نہیں۔اسی طرح جس نے برائی پھیلائی اس پر بھی جو عمل پیرا ہوں ان سب کو جتنا گناہ ہوگا اتنا ہی اس ایک کو ہوگا لیکن ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔الغرض کفار کے اس قول کا کہ ہم تمہارا بار قیامت میں اٹھالیں گے تم بے کھٹکے اسلام سے ہٹ جاؤ۔صاف رد فرمادیا گیا اور ان کو اس بات میں جھوٹا قرار دیا گیا۔اب آگے چند قصص کے ضمن میں متنبہ کیا گیا ہے کہ سچوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سے جھوٹے اغوا اور شرارت کرتے رہے ہیں۔اور اہل ایمان کو مدتوں تک امتحان اور ابتلا کے دور میں گزرنا پڑا ہے مگر آخری نتیجہ انہی کے حق میں بہتر ہوا۔منکر اور شریر خائب و خاسر رہے۔سچے کامیاب اور سربلند ہوئے۔گویا ان قصص میں کافروں کو تنبیہ ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے درپئے آزار اسی طرح رہے اور ظلم وستم سے باز نہ آئے اور خود سچے دل سے مسلمان نہ ہوئے تو ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو گذشتہ اعدائے دین کا ہوا اور ان قصوں سے مسلمانوں کو صبر کی

42 تلقین برداشت مصائب کی حوصلہ افزائی اور انجام کار کامیابی کی بشارت بھی دینی مقصود ہے۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی یاددہانی کرائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو برس دعوت و تبلیغ اور سعی واصلاح میں مصروف رہے۔ مشرک قوم کو توحید کی طرف بلایا شرک و کفر کے انجام بد سے ڈرایا۔ بدکاروں کو نیک اعمال کرنے کی نصیحت کی۔ لیکن قوم نے نہ مانا۔ اپنے کفر و شرک پر قائم رہے انجام کار طوفان عظیم آیا اور سب ظالموں کو پانی کے راستہ آگ میں لے گیا۔ صرف نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی جو کشتی میں سوار تھے وہ محفوظ رہے اور اس عظیم الشان واقعہ کو بعد والوں کے لئے نشان عبرت بنادیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ۴۰ سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔ نوسو پچاس برس دعوت و تبلیغ اور قوم کی اصلاح کی کوشش فرماتے رہے۔ جب قوم نے نہ مانا تو پھر طوفان آیا اور پھر طوفان کے بعد ۶۰ سال زندہ رہے گویا اس طرح کل عمر حضرت نوح علیہ السلام کی ۱۰۵۰ سال ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سورۂ ہود میں مفصلاً گزر چکا ہے۔ یہاں صرف اس قصہ کی طرف اشارہ فرمادیا گیا ہے۔

خلاصہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کا جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے یہی ہے کہ نوح علیہ السلام نے اتنی طویل مدت تک تبلیغ کی اور روزانہ سینکڑوں برس تک کافروں کے پتھر کھائے اور ان کی ایذائیں برداشت کیں لیکن راہ حق پر جمے رہے اور جو چند اہل ایمان آپ کے ساتھ ہوگئے تھے وہ بھی کافروں کے ظلم و ستم کا شکار ہوتے رہے لیکن برداشت کرتے رہے اور کافروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر ڈھیل ملتی رہی کہ ایک ہزار سال تک خوب پھلے پھولے دولت اور مال کی فراوانی اور نسل کی افزونی رہی۔ طاقت اور شوکت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ بالآخر جب ان کی گرفت کا وقت آ گیا تو غیبی قہاریت نے طوفان کی شکل میں ظہور کیا جس نے کافروں کے وجود سے روئے زمین کو خالی کردیا۔ صرف اہل حق بچ گئے۔ پس مسلمانوں کو نوح علیہ السلام اور اصحاب نوح علیہ السلام کے احوال پر غور کرنے کے بعد کفار کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنا اور اللہ کی غیبی مدد پر یقین رکھنا چاہئے۔

اب آگے دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی مشرک قوم کا سنایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ آج ہم کو بھی ایسے معاشرہ سے واسطہ پڑ رہا ہے کہ دین اسلام کو سنبھالنا اور اس پر پوری طرح قائم رہنا مشکل ہورہا ہے۔ منکرات دن دگنے رات چوگنے بڑھتے جاتے ہیں۔ بے دینی کے اثرات پھیلتے جارہے ہیں آخرت اور قیامت کا خوف اٹھتا جارہا ہے۔

یا اللہ! ان صحابہ کرام کے طفیل اور صدقہ میں جنہوں نے بڑے بڑے شدائد و مصائب برداشت کر کے اپنے دین کو سنبھالا اور حق پر قائم رہے۔ یا اللہ ہماری امداد و نصرت فرما اور اسی دین حق پر ہم کو قائم رکھئے اور ہر طرح کے ظاہری و باطنی فتنہ سے ہماری حفاظت فرمائیے اور دین حق کو لے کر اسے دربار میں حاضر ہونا نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو۔تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو

اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ

وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے سو تم رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کا شکر کرو اور تم کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم لوگ مجھ کو جھوٹا سمجھو تو تم سے پہلے بھی بہت سی اُمتیں جھوٹا سمجھ چکی ہیں، اور پیغمبر کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اور ابراہیم	اِذْ قَالَ جب اس نے کہا	لِقَوْمِهٖ اپنی قوم کو	اعْبُدُوا تم عبادت کرو	اللّٰهَ اللہ	وَاتَّقُوْهُ اور اس سے ڈرو	ذٰلِكُمْ یہ
خَيْرٌ لَّكُمْ بہتر تمہارے لئے	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے ہو	اِنَّمَا اس کے سوا نہیں	تَعْبُدُوْنَ تم پرستش کرتے ہو	مِنْ سے	
دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	اَوْثَانًا بتوں کو	وَتَخْلُقُوْنَ اور تم گھڑتے ہو	اِفْكًا جھوٹ	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ وہ جن کی تم	تَعْبُدُوْنَ پرستش کرتے ہو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	لَا يَمْلِكُوْنَ وہ مالک نہیں	لَكُمْ تمہارے لئے	رِزْقًا رزق کے	فَابْتَغُوْا پس تم تلاش کرو	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	
الرِّزْقَ رزق	وَ اور	اعْبُدُوْهُ اس کی عبادت کرو	وَاشْكُرُوْا اور شکر کرو	لَهٗ اس کا	اِلَيْهِ اس کی طرف	تُرْجَعُوْنَ تمہیں لوٹ کر جانا ہے
وَاِنْ اور اگر	تُكَذِّبُوْا تم جھٹلاؤ گے	فَقَدْ كَذَّبَ تو جھٹلا چکی ہیں	اُمَمٌ بہت سی امتیں	مِّنْ قَبْلِكُمْ تم سے پہلی	وَمَا اور نہیں	
عَلَى الرَّسُوْلِ پر ذمے رسول	اِلَّا مگر	الْبَلٰغُ پہنچا دینا	الْمُبِيْنُ صاف طور پر			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کا اجمالاً ذکر فرمایا تھا اب یہاں سے دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شروع کیا جاتا ہے۔ اس کی بھی وہی غرض ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی تھی یعنی مسلمانوں کو برداشت مصائب کی تلقین اور کافروں کو تباہی و بربادی کی وعید۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان میں قریب ایک ہزار سال کا فصل تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی نسل طوفان کے بعد عراق و عرب میں آباد ہوگئی تھی۔ یہاں انہوں نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرلی تھی جس کا دارالسلطنت بابل شہر تھا۔ سام ہی کی نسل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ کی قوم صابی مذہب تھی یعنی ستارہ پرست تھی۔ بڑے بڑے مندر ستاروں کے نام پر بنا رکھے تھے اور ان میں ستاروں کی فرضی شکلوں میں مورتیاں ڈھال کر رکھ چھوڑی تھیں۔ بادشاہ وقت کے بت بھی مندروں میں نصب تھے۔ ان کی پوجا بھی ہوتی تھی۔ ان بتوں کو یہ قاضی الحاجات رزاق۔ دافع البلیات وغیرہ جانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نبوت سے سرفراز فرما کر قوم کو توحید کی دعوت کا حکم دیا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر ہر طرح برہان اور

دلائل سے قوم کو فہمائش کی۔ بت پرستی کی مذمت کی اور توحید اختیار کرنے کو کہا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ ایک اللہ کی پرستش کرو اور اس سے ڈر کر برے کاموں سے بچو۔ اگر تم میں سمجھ ہے تو سمجھ جاؤ کہ تمہاری خیریت اسی میں ہے۔ یہ بت جن کو تم اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو اور جن کی پوجا میں تم دن رات مصروف ہو اور اپنے حقیقی معبود اللہ عزوجل کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ یہ تو خود تمہارے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔ مٹی سے کوئی صورت بنالو تو وہ بھی مٹی ہی رہے گی۔ پتھر کو تراش کر کوئی مورت بنالو تو وہ بھی پتھر ہی رہے گا کچھ اور نہ بن جائے گا۔ ان کی بابت جو تم نے عقیدے بنا رکھے ہیں وہ محض تمہارے گھڑے ہوئے ہیں۔ بے بنیاد باتوں پر مبنی ہیں۔ یہ جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجنے میں لگے ہوئے ہو تمہاری روزی کے ذرہ بھر کے بھی مالک نہیں۔ یہ تمہیں کو کچھ جب ہی دیتے جب ان کے پاس کچھ ہوتا۔ ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ دینے والا تو اللہ عزوجل ہے جس کے خزانہ میں ہر چیز ہے اور سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہی ہر ایک کو روزی دیتا ہے۔ تو تم فقط اللہ کی بندگی کرو۔ اسی کی حمد وثنا کرو۔ اسی سے روزی مانگو۔ یہ اللہ ہی نے سب کچھ دیا ہے اور وہی دے گا اس لئے اسی کا شکر کرو اور سن لو کہ ایک دن آنے والا ہے جب تم سب کے سب اس کے دربار میں حاضر ہو گے۔ تم کہیں رہو اور کچھ ہی کرو آخر لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے۔ اگر یہاں اس کا حکم نہ مانا تو کل اس کے سامنے کس منہ سے حاضر ہو گے اور جب وہ تم سے پوچھے گا کہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف کیوں گئے تو کیا جواب دو گے۔ تو یہاں چند جملوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کے خلاف تمام دلائل سمیٹ کر رکھ دیئے کہ کسی کو معبود بنانے کے لئے کوئی تو معقول وجہ ہونی چاہئے۔

ایک معقول وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی ذات میں معبودیت کا استحقاق رکھتا ہو۔

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ آدمی کا خالق ہو۔

تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ آدمی کا رازق ہو۔

چوتھی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آدمی کا مستقبل اس سے وابستہ ہو۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھایا کہ ان چاروں وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی بت پرستی کے حق میں نہیں بلکہ ہر ایک وجہ خالص اللہ کی پرستش کا تقاضہ کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کہہ کر کہ یہ محض بت ہیں پہلی وجہ کو ختم کر دیا کیونکہ جو نرا بت ہو۔ نہ نفع نقصان کا مالک ہو۔ نہ کارسازی کر سکتا ہو۔ اور نہ حاجت روا ہو اس کو معبود ہونے کا حق کیسے حاصل ہوسکتا ہے پھر یہ کہہ کر کہ تم ان کے خالق ہو دوسری وجہ بھی ختم فرمادی پھر یہ بتلا کر کہ یہ تمہیں کسی قسم کا رزق نہیں دے سکتے تیسری وجہ بھی ختم کر دی اور یہ بتلا کر کہ تمہیں خدا ہی کی طرف پلٹنا ہے نہ کہ ان بتوں کی طرف چوتھی وجہ بھی ختم فرمادی تو اس طرح شرک کا پورا ابطال کر کے یہ بات آپ نے واضح فرمادی کہ جتنے وجوہ سے بھی ایک انسان کسی کو معبود قرار دے سکتا ہے وہ سب اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کسی میں پائی نہیں جاتیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم میرا کہنا نہ مانو گے اور مجھے جھوٹا سمجھو گے تو میرا کیا نقصان کرو گے۔ میرا کام تو پیام ہدایت پہنچادینا ہے سو میں اپنا فرض ادا کر چکا۔ اللہ کا پیغام صاف صاف پہنچا چکا۔ ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے اگر تم مجھے جھٹلاتے ہو تو پہلے بھی کتنی قومیں انبیاء کی تکذیب کر چکی ہیں۔ اللہ کے رسول انہیں سمجھانے کے لئے آئے تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتے تم یہ سب جھوٹ کہہ رہے ہو آخر اس جھٹلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قومیں تباہ کر دی گئیں۔ اب تم خود دیکھ لو کہ

انہوں نے جھٹلا کر ان نبیوں کا کچھ بگاڑا یا اپنا انجام خراب کیا۔

یہاں آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول **فابتغوا عندالله الرزق واعبدوه واشكروا له اليه ترجعون٥** سو تم لوگ رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے صاف بتا رہا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی رزاق نہیں اور طلب رزق اللہ ہی سے کرنی چاہئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ رزق کا لفظ ہر نعمت و راحت کو شامل ہے۔ خواہ روحانی ہو یا جسمانی۔ علم و معرفت ہو یا قوانین زندگی یا کھانے پینے کی چیزیں یا پہننے کا لباس یا رہنے کے لئے مکان یا عزت و حکومت یا مال و دولت یہ سب رزق کے وسیع لفظ میں شامل ہیں تو **فابتغوا عندالله الرزق** (یعنی اللہ ہی کے پاس سے رزق طلب کرو) کے مطلب یہ ہوئے کہ روحانی نعمتوں کی طلب بھی اللہ ہی سے کرے اور جسمانی زندگی کے لئے جو چیزیں مطلوب ہوں ان کے حصول کے لئے بھی دست طلب خدا ہی کی طرف بڑھے۔ خلق میں سے کسی کو کارساز۔ معطی اور مالک عطا نہ سمجھے۔ پھر آگے **واعبدوه واشكروا له اليه ترجعون** اسی کی عبادت کرو۔ اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے فرما کر یہ مزید واضح کر دیا کہ اس وقت بھی اللہ ہی کارساز و حاجت روا ہے اور آخر میں بھی لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے اور اسی سے واسطہ پڑنا ہے لہٰذا اسی کا شکر قولاً۔ اعتقاداً اور عملاً واجب ہوا اور اسی کی طاعت و عبادت اور بندگی لازم ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خطاب اپنی قوم کے کافروں سے تھا مگر آج اگر آپ یہی صدا مسجد سے باہر نکل کر لگائیں کہ بھائی اپنا رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے تو معلوم ہے کہ آپ کو کیا جواب ملے گا (الا ماشاءاللہ) کہ یہ کیا ملا گیری پھیلائی۔ کہیں اس ترقی کے زمانہ میں ہمارے مسئلہ رزق کا حل اس ملا پن میں ہے۔ مگر سبحان اللہ حق تعالیٰ کے کلام کا کیا اعجاز ہے کہ اس کا جواب آج بھی وہی مناسب و موزوں ہے جو آگے یہاں آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے کہلوایا یعنی **وان تكذبوا فقد كذب امم من قبلكم وما على الرسول الا البلغ المبين** اور اگر تم لوگ مجھے جھوٹا سمجھو تو تم سے پہلے بھی بہت امتیں اپنے اپنے پیغمبروں کو جھوٹا سمجھ چکی ہیں اور پیغمبر کے ذمہ تو صرف صاف طور پر احکام کا پہنچا دینا ہے۔ اب قوم نے جو جواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا وہ آگے بیان کیا گیا ہے مگر اس قوم کے جواب سے پہلے درمیان میں کفار مکہ کو خطاب کیا جاتا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قرآن پر حقیقی ایمان نصیب فرمائیں اور ایمان کے ساتھ اس کی تعلیمات و ہدایات کا اتباع کامل نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائیں اور ہماری تمام دینی و دنیوی حاجات کو اپنی شان رزاقی و کارسازی سے پورا فرمائیں اور اس پر ہم کو شکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور جب ہم کو اس دنیا سے لوٹ کر یا اللہ آپ کے پاس پہنچنا ہو تو ہمارے ساتھ رحمت و مغفرت و کرم و رحم کا معاملہ فرمائیں۔ اور اپنی خوشنودی اور رضامندی سے نوازیں۔

یا اللہ! ہمیں دین کی فہم اور سمجھ عطا فرما اور ہمیں اپنا فرمانبردار اور شکر گزار اور عبادت گزار بندہ بن کر جینا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ سِيرُوا

کیا اُن لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کرے گا، یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی آسان بات ہے۔ آپ کہئے

فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

کہ تم لوگ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو کس طور پر اول بار پیدا کیا ہے پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا أَنْتُمْ

جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے رحمت فرماوے گا، اور تم سب اُسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ اور تم نہ زمین میں

بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٢٢﴾

ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں اور خدا کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ وَلِقَائِهِ أُولٰئِكَ يَئِسُوا مِنْ رَحْمَتِي وَأُولٰئِكَ لَهُمْ

اور جو لوگ خدا کی آیتوں کے اور اُس کے سامنے جانے کے منکر ہیں وہ لوگ میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور یہی ہیں جن کو

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٣﴾

عذاب دردناک ہوگا۔

أَوَ کیا	لَمْ يَرَوْا نہیں دیکھا انہوں نے	كَيْفَ کیسے	يُبْدِئُ ابتداء کرتا ہے	اللّٰهُ اللہ	الْخَلْقَ پیدائش	ثُمَّ يُعِيدُهُ پھر دوبارہ پیدا کریگا اس کو	
إِنَّ بیشک	ذٰلِكَ یہ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	يَسِيرٌ آسان	قُلْ فرمادیں	سِيرُوا چلو پھرو تم	فِي الْأَرْضِ زمین میں	فَانْظُرُوا پھر دکھو
كَيْفَ بَدَأَ کیسے ابتدا کی	الْخَلْقَ پیدائش	ثُمَّ پھر	اللّٰهُ اللہ	يُنْشِئُ اٹھائے گا	النَّشْأَةَ اٹھان	الْآخِرَةَ آخری (دوسری)	إِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيرٌ قدرت رکھنے والا	يُعَذِّبُ وہ عذاب دیتا ہے	مَنْ يَشَاءُ جس کو چاہے	وَيَرْحَمُ اور رحم فرماتا ہے		
مَنْ يَشَاءُ جس پر چاہے	وَإِلَيْهِ اور اسی کی طرف	تُقْلَبُونَ تم لوٹائے جاؤ گے	وَمَا أَنْتُمْ اور نہ تم	بِمُعْجِزِينَ عاجز کرنے والے			
فِي الْأَرْضِ زمین میں	وَلَا اور نہ	فِي السَّمَاءِ آسمان میں	وَمَا اور نہیں	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنْ دُونِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مِنْ وَلِيٍّ کوئی حمایتی	
وَلَا اور نہ	نَصِيرٍ کوئی مددگار	وَالَّذِينَ اور وہ لوگ جنہوں نے	كَفَرُوا انکار کیا	بِآيَاتِ اللّٰهِ اللہ کی نشانیوں کا	وَلِقَائِهِ اور اس کی ملاقات		
أُولٰئِكَ یہی ہیں	يَئِسُوا وہ ناامید ہوئے	مِنْ رَحْمَتِي میری رحمت سے	وَأُولٰئِكَ اور یہی ہیں	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب	أَلِيمٌ دردناک	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب اپنی قوم سے نقل فرمایا گیا تھا۔ اس پر قوم نے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیا وہ ان آیات کے بعد بیان فرمایا گیا ہے۔ درمیان میں یہاں یہ آیات بطور جملہ معترضہ کے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کا سلسلہ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے۔ بیچ میں یہ مضمون اس مناسبت

سے لایا گیا ہے کہ کفار مکہ جنہیں سبق دینے کے لئے یہ قصہ سنایا جا رہا ہے دو بنیادی گمراہیوں میں مبتلا تھے۔ ایک شرک و بت پرستی۔ دوسرے انکار آخرت۔ ان میں سے پہلی گمراہی یعنی شرک اور بت پرستی کا رد تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر میں آچکا جو اوپر کی آیات میں نقل فرمائی گئی تھی۔ اب دوسری گمراہی یعنی انکار آخرت کے رد میں یہ چند فقرے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ارشاد فرما رہے ہیں تا کہ کفار مکہ کے باطل عقائد کی تردید ایک ہی سلسلہ کلام میں ہو جائے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان مشرکین کی سمجھ میں نہیں آتا کہ مرنے کے بعد دوبارہ جینا کیسے ہوگا؟ آخر تم دیکھ رہے ہو کہ دنیا میں بے شمار اشیاء عدم سے وجود میں آتی ہیں۔ مشرکین مکہ کو اللہ کے خالق ہونے کا انکار نہ تھا وہ اس بات کو مانتے تھے کہ یہ عالم اور اس کی بے شمار چیزیں یہ سب اللہ کی صفت خلق اور ایجاد کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ان کی اپنی مانی ہوئی بات پر یہ دلیل قائم کی گئی کہ جو خدا تمہارے نزدیک اشیاء کو عدم سے وجود میں لاتا ہے اور پھر ایک ہی دفعہ تخلیق کر کے نہیں رہ جاتا بلکہ تمہاری آنکھوں کے سامنے مٹ جانے والی اشیاء کی جگہ پھر ویسے ہی اشیا پے در پے وجود میں لاتا چلا جاتا ہے تو اس خالق کے بارہ میں آخر تم نے یہ کیوں سمجھ رکھا ہے کہ تمہارے مر جانے کے بعد وہ پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے کھڑا نہیں کر سکتا جس طرح قادر مطلق کی قدرت سے عالم میں چیزوں کا بننا اور بگڑنا بار بار اپنے سامنے دیکھ رہے ہو اسی طرح اللہ تمہارے مرنے کے بعد تمہیں پھر پیدا کر دے گا اور یہ اس قدرت والے کے لئے بہت آسان بات ہے۔ آگے اور زیادہ اہتمام کے لئے پھر یہی مضمون قدرے عنوان بدل کر سنانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم لوگ ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے کیسی کیسی مخلوق پیدا کی ہے۔ اسی پر دوسری زندگی کو قیاس کر لو۔ اس

کی قدرت اب کچھ محدود تو نہیں ہوگئی۔ اس طرح قیامت و آخرت کے امکان کو ثابت فرمایا گیا۔ اب آگے قیامت و آخرت کی ضرورت کو نہایت بلیغ طرز ادا کے ساتھ ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کا مختار مطلق ہونا بھی معلوم ہو جاتا ہے اور قیامت کی ضرورت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ دنیا دار العمل ہے اس لئے یہاں کے تمام اعمال کی جزا و سزا لازم ہے۔ کوئی عمل بے نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ کا مقام کوئی دوسرا ہونا لازمی ہوا۔ اور وہی دار آخرت ہے۔ تو جو شخص اللہ کے ماننے کا دعویٰ کرے لیکن قیامت کی جزا و سزا کا قائل نہ ہو اور آخرت کو نہ مانے تو اس نے دراصل اللہ کو جیسا ماننا چاہئے مانا ہی نہیں۔ اس لئے جب اللہ کو مانو تو اس کے قانون کو بھی مانو جس کی رو سے مقرر ہو چکا ہے کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اس کے بعد پھر کبھی نہ مرے گا لیکن اس دائمی زندگی کا عیش و آرام اس پر موقوف ہے کہ آدمی یہاں اس دنیا میں اللہ کے حکم کے مطابق چلے ورنہ وہاں کی زندگی دکھ اور مصیبت میں گزرے گی اور وہ زندگی موت سے بدتر ہوگی۔ تو یہاں بتایا جا رہا ہے کہ انسان پھر پیدا ہوگا اور اللہ عزوجل کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے حاضر کیا جائے گا۔ وہاں بجز اس احکم الحاکمین کے کسی کی کچھ نہ چلے گی وہ جسے چاہے گا اس کے کرتوتوں کے بدلے عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا اس کی نیکیوں کے عوض اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔ ہر ایک کو اس کے پاس واپس آنا ضروری ہے۔ زمین اور آسمان میں کہیں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی اس سے بھاگ کر چھپ جائے۔ اور اس کی گرفت سے بچ نکلے یہ ناممکن ہے۔ ہر جگہ سے بہر حال تمہیں پکڑ لایا جائے گا اور تم اپنے رب کے سامنے حاضر کر دیئے جاؤ گے پھر آگے بتایا گیا کہ نہ تمہارا اپنا اتنا زور ہے کہ خدا کی پکڑ سے بچ جاؤ اور نہ تمہارا کوئی ولی یا سرپرست مددگار ایسا زور آور ہے کہ خدا کے مقابلہ میں تمہیں پناہ دے سکے اور اس کے مواخذہ سے تمہیں

بچالے۔ ساری کائنات میں یہ کسی کی مجال نہیں ہے کہ جن لوگوں نے کفر و شرک کا ارتکاب کیا ہے۔ جنہوں نے احکام خداوندی کے آگے جھکنے سے انکار کیا ہے۔ جنہوں نے جرأت اور جسارت کے ساتھ خدا کی نافرمانیاں کی ہیں اور اس کی زمین میں ظلم و فساد کے طوفان اٹھائے ہیں ان کا حمایتی بن کر اٹھ سکے اور خدا کے فیصلۂ عذاب کو ان پر نافذ ہونے سے روک سکے یا خدا کی عدالت میں کسی کو حاضر ہونے سے بچالے۔ اب جو لوگ آیات الٰہیہ یعنی توحید۔ الوہیت۔ ربوبیت اور دیگر احکام قطعیہ کے منکر ہیں خصوصاً اللہ کے پاس جانے اور قیامت بپا ہونے کو نہیں مانتے تو ان کے متعلق ارشاد خداوندی ہے کہ ان کا کوئی حصہ میری رحمت میں نہیں ہے۔ ان کے لئے کوئی گنجائش اس امر کی نہیں ہے کہ وہ میری رحمت میں سے حصہ پانے کی امید رکھ سکیں اور یہ ظاہر بات ہے کہ جب انہوں نے اللہ کی آیات کو ماننے سے انکار کیا اور آخرت کو تسلیم نہ کیا اور اللہ کے حضور میں پیش ہونے کو نہ مانا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے خدا کی بخشش و مغفرت کے ساتھ کوئی رشتۂ امید سرے سے وابستہ ہی نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ قیامت کے دن وہ اس کی رحمت سے مایوس بھی رہیں گے اور قطعاً بغیر شک وشبہ کے ان کو سخت ترین دکھ کی مار کھانی پڑے گی۔

یہاں آیت میں کافروں کے متعلق رحمت سے مایوس ہونے کی صراحت کردی گئی تو اس سے کافروں کے علاوہ دوسرے لوگ خواہ نیکوکار ہوں یا بداعمال بشرطیکہ عقیدۃً مومن ہوں۔ ضرور امیدوار رحمت قرار پائے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جس پر چاہے ابتداءً ہی سے رحم فرمادے جس پر نہ چاہے کچھ سزا دے کر رحم فرمائے مگر کافر کے علاوہ کسی کو اپنی رحمت سے مایوس نہیں فرمایا اسی مضمون کو ایک اور آیت میں بصراحت ذکر فرمایا ہے ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذٰلک لمن یشآءُ۔ یعنی اللہ جرم شرک کو تو معاف نہیں فرمائے گا اور شرک کے علاوہ ہر گناہ جس شخص کے لئے چاہے گا معاف کردے گا۔ تو معلوم ہوا کہ آخرت میں کفر و شرک کے ساتھ اللہ کی رحمت و مغفرت سے قطعاً محرومی ہوگی۔

اب اوپر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو نصیحت فرمائی تھی اس پر قوم نے جو جواب دیا وہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو کفر و شرک سے بچا کر ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم و فضل سے ہمارے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمائیں اور اپنی نصرت و حمایت سے ہم کو کسی حال میں محروم نہ فرمائیں۔ اور قیامت کے عذاب و سختیوں سے ہم سب کو محفوظ و مامون فرمائیں۔ دار آخرت کے ابدی راحت و آرام ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ دنیا میں اپنے احکام کی پابندی اور اطاعت کاملہ ہم کو نصیب فرمائیں۔ اور آخرت میں اپنی رحمت سے اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں۔ یا اللہ! اپنی نصرت اور کارسازی کا ہم کو یقین کامل عطا فرما کہ ہم آپ ہی کی امداد اور حمایت و نصرت پر بھروسہ کریں اور آپ ہی کی رحمت دین و دنیا دونوں جہان میں ہماری کارسازی فرمائے۔

یا اللہ! ہمیں وہ نور ہدایت عطا فرما کہ جو ہم آپ کے سامنے آخرت میں کھڑے ہونے کو ہر وقت مدنظر رکھیں اور اس طرح ہم آپ کی رحمت کے مورد بن جائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ

سو اُن کی قوم کا جواب بس یہ تھا کہ کہنے لگے اُن کو یا تو قتل کر ڈالو یا اُن کو جلا دو سو اللہ نے اُن کو اس آگ سے بچالیا۔ بے شک اس واقعہ میں

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ

اُن لوگوں کیلئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں کئی نشانیاں ہیں۔اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو تجویز کر رکھا ہے،بس یہ تمہارے باہمی دُنیا کے

بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ

تعلقات کی وجہ سے ہے،پھر قیامت میں تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہوجاوے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا،

بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّىْ

اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔سو صرف لوط علیہ السلام نے ان کی تصدیق فرمائی اور ابراہیمؑ نے فرمایا میں اپنے پروردگار کی طرف

مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٦﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا

ترکِ وطن کر کے چلا جاؤں گا،بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے۔اور ہم نے اُن کو اسحاق اور یعقوب عنایت فرمایا اور ہم نے

فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٢٧﴾

اُن کی نسل میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا اور ہم نے اُن کو اُن کا صلہ اُن کو دنیا میں بھی دیا،اور وہ آخرت میں بھی نیک بندوں میں ہوں گے۔

فَمَا كَانَ سو نہ تھا	جَوَابَ جواب	قَوْمِهٖٓ اسکی قوم	اِلَّآ سوائے	اَنْ یہ کہ	قَالُوا انہوں نے کہا	اقْتُلُوْهُ قتل کردو اس کو	اَوْ یا
حَرِّقُوْهُ جلادو اس کو	فَاَنْجٰىهُ سو بچالیا اس کو	اللّٰهُ اللہ	مِنَ النَّارِ آگ سے	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ نشانیاں ہیں	
لِقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	يُّؤْمِنُوْنَ جو ایمان رکھتے ہیں	وَ اور	قَالَ ابراہیمؑ نے	کہا	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	اتَّخَذْتُمْ تم نے بنالئے ہیں	
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	اَوْثَانًا بت	مَّوَدَّةَ دوستی	بَيْنِكُمْ اپنے درمیان (آپس میں)	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی میں	ثُمَّ پھر		
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	يَكْفُرُ کافر (مخالف) ہوجائیگا	بَعْضُكُمْ تم میں سے بعض (ایک)	بِبَعْضٍ بعض (دوسرے) کا	وَيَلْعَنُ اور لعنت کریگا			
بَعْضُكُمْ تم میں سے بعض (ایک)	بَعْضًا بعض (دوسرے) کا	وَ اور	مَاْوٰىكُمُ تمہارا ٹھکانا	النَّارُ جہنم	وَمَا لَكُمْ اور نہیں تمہارے لئے		
مِنْ نّٰصِرِيْنَ کوئی مددگار	فَاٰمَنَ پس ایمان لایا	لَهٗ اس پر	لُوْطٌ لوطؑ	وَقَالَ اور اس نے کہا	اِنِّيْ بیشک میں	مُهَاجِرٌ ہجرت کرنیوالا	
اِلٰى رَبِّيْ اپنے رب کی طرف	اِنَّهٗ بیشک وہ	هُوَ وہ	الْعَزِيْزُ زبردست غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا فرمائے	لَهٗ اس کو	
اِسْحٰقَ اسحٰق	وَيَعْقُوْبَ اور یعقوبؑ	وَجَعَلْنَا اور ہم نے رکھی	فِيْ ذُرِّيَّتِهِ اس کی اولاد میں	النُّبُوَّةَ نبوت	وَالْكِتٰبَ اور کتاب		
وَاٰتَيْنٰهُ اور ہم نے دیا اسکو	اَجْرَهٗ اس کا اجر	فِي الدُّنْيَا دنیا میں	وَاِنَّهٗ اور بیشک وہ	فِي الْاٰخِرَةِ آخرت میں	لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ البتہ نیکوکاروں میں سے		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ کو سمجھانے کے لئے آخرت کے متعلق مضمون درمیان میں آگیا تھا۔اس سے پہلے حضرت

براہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانے کا ذکر ہوا تھا کہ آپ نے اپنی قوم کو شرک و بت پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کرنے کی دعوت دی اور سمجھایا کہ یہ بت جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ نہ نفع نقصان کے مالک ہیں نہ کسی چیز کے خالق ہیں۔ نہ کسی کے رازق ہیں۔ یہ تو محض مٹی اور پتھر کے بت ہیں۔ ان کو چھوڑ کر ایک اللہ کی پرستش کرو جو تمہارا خالق بھی ہے اور تمہارا رازق بھی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معقول دلائل کا کوئی جواب قوم والوں سے نہ بن پڑا اور جیسا کہ جہالت کا دستور ہے قوم والے آپ کی جان کے دشمن ہوگئے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس بدبخت قوم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت کا کچھ اثر نہ پڑا سوائے اس کے کہ آپ کی جان کے دشمن بن گئے اور مشورہ کرنے لگے کہ اس شخص کو جو ہماری غلطی ہم پر واضح کرتا ہے اور ہم کو اپنے دیوتاؤں کی پرستش سے باز رکھنا چاہتا ہے اس کو یا تو قتل کر ڈالو یا آگ میں جلا کر ختم کر دو اور بالآخر آگ میں جلا دینے پر اتفاق رائے ہوگیا اور ممکن ہے کہ اس اتفاق کی وجہ یہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا تھا۔ اس لئے ضد میں آ کر انہوں نے آپ کو آگ میں جلا دینے کی ٹھان لی۔ تو جیسا کہ سورۂ انبیاء سترہویں پارہ میں مفصلاً بیان ہو چکا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ ان بدبختوں نے یہ سمجھا تھا کہ حق مارنے سے مر جاتا ہے اور صداقت جلانے سے جل کر ختم ہو جاتی ہے مگر یہ ان کی خام خیالی تھی اسی لئے وہ اپنے مقصد کو پورا نہ کر سکے اور اپنی کوششوں میں ناکام رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو ضرور گیا اور وہ بھی حقیقتہً اس وجہ سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان اور آزمائش حق تعالیٰ کو مقصود تھی چنانچہ آگ میں ڈالے جاتے ہی آپ کے ایمان اور صبر و استقامت کا امتحان ختم ہوا اور دور ابتلا و آزمائش گزر گیا فوراً ہی حق تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور آگ کو حکم ہوا کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔ خبردار ابراہیم کا بال بیکا نہ ہو۔ چنانچہ آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی اور غیر مضر ہوگئی۔ اس واقعہ کی صراحت سورۂ انبیاء میں قدرے تفصیل کے ساتھ ہو چکی ہے یہاں آیت میں صرف اتنی بات کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آگ سے بچا لیا۔ اس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوئی کہ تمام اسباب سے نتائج بغیر اذن الٰہی کے نہیں پیدا ہوتے اور تمام اشیاء کی خاصیتیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر مبنی ہیں۔ وہ جس وقت جس چیز کی خاصیت کو چاہے بدل سکتا ہے۔ معمول کے مطابق آگ کا عمل یہی ہے کہ وہ جلائے اور ہر آتش پذیر چیز اس میں پڑ کر جل جائے لیکن آگ کا یہ معمول اس کا اپنا قائم کیا ہوا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا ہے اور اس معمول نے خدا تعالیٰ کو پابند نہیں کر دیا کہ وہ اس کے خلاف کوئی حکم نہ دے سکے۔ وہ اپنی آگ کا مالک ہے کسی وقت بھی وہ اسے حکم دے سکتا ہے کہ وہ جلانے کا عمل چھوڑ دے اور وہ اپنے ایک اشارہ سے آتش کدہ کو گلزار میں تبدیل کر سکتا ہے۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو بیان کر کے فرمایا جاتا ہے کہ بیشک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں کئی نشانیاں ہیں۔ اب مفسرین نے ان نشانیوں کی تشریح فرمائی ہے۔ یعنی اس واقعہ میں دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کی۔ ابراہیم علیہ السلام کے نبی ہونے کی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کی۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تک کو آزمائشوں سے گزارے بغیر نہ چھوڑا اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے ڈالے ہوئے امتحان سے کامیابی کے ساتھ گزر گئے تب اللہ کی مدد ان کے لئے آئی اور کیسے معجزانہ طریقہ سے آئی۔ پھر اس واقعہ سے ایمان والوں کو یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کافروں کو مومنوں پر عارضی تسلط عطا کرنا بھی خدائے حکیم و قدیر ہی

کا کام ہے اور اس میں بھی اس کی مصلحت وحکمت ہوتی ہے۔

کافروں کو ڈھیل دینے اور چیرہ دست بنانے سے کبھی مقصود یہ ہوتا ہے کہ اہل ایمان کی آزمائش ہو جائے ان کے مراتب میں اضافہ اور درجات میں ترقی دی جائے ورنہ دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ اور فرمانروا بھی اللہ کے ایک دوست کی جان نہیں لے سکتا۔ جب تک اللہ ہی کا حکم نہ ہو۔ حق تعالیٰ کی ادنیٰ غیبی طاقت کے مقابلہ میں یہ تمام دنیوی مادی طاقتیں ہیچ ہیں۔ تو خلاصہ یہ کہ اس واقعہ سے مومن کو گوناگوں عبرتیں اور نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان کو اللہ کی غیبی طاقت کا مشاہدہ۔ اہل حق کی نجات کا یقین۔ اور انجام کار حق کا باطل پر غالب آ جانا واضح ہو جاتا ہے اس لئے وہ راہ صداقت پر ہر سختی اور مصیبت پر صبر کرتے ہیں۔ کافروں سے کوئی خوف ان کو نہیں رہتا۔ ان کی نظر ہر وقت اللہ پر رہتی ہے اور آخر میں اپنے غالب ہونے کا یقین ان کو حاصل ہوتا ہے۔ تو آگ سے بسلامت نکل آنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر دعوت وتبلیغ کا سلسلہ قوم میں جاری رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگوں نے جو یہ بت پرستی آپس کے تعلقات کو قائم رکھنے اور میل ومحبت کو برقرار رکھنے کے لئے اختیار کی ہے یعنی بت پرستی اور شرک پر جمے رہنے سے تمہارا مقصد یہ ہے کہ آپس کی محبت اور یگانگت اور ربط وضبط قائم رہے۔ اگر شرک چھوڑیں گے تو اپنے عزیزوں دوستوں اور پیشواؤں سے تعلقات ترک کرنے پڑیں گے تو خوب یاد رکھو کہ یہ تعلقات و روابط صرف دنیا میں ہیں۔ قیامت کے دن ان میں سے کوئی ساتھ نہ دے گا۔ نہ کوئی مدد کر سکے گا اور نہ آگ سے بچا سکے گا بلکہ ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کرے گا اور جن کو تم دنیا میں اپنا عزیز اور مددگار سمجھے ہو وہ آخرت میں تمہاری مدد تو درکنار الٹے تم سے بیزار ہوں گے اور بڑے بڑے پیشوا اپنے تابعین کو کورا جواب دے دیں گے کہ ہم نے تم پر جبر نہ کیا تھا تم کیوں ہمارے راستہ پر چلے آج ہم تمہارے اعمال سے بری ہیں۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکرر وعظ ونصیحت پر قوم نے دین ابراہیمی کو قبول نہ کیا۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے صحیح وسالم نکل آنے پر کچھ لوگ دل میں آپ کی صداقت کے قائل ہو گئے ہوں لیکن پوری قوم اور سلطنت کی طرف سے دین ابراہیمی کے خلاف جس غضبناک رویہ کا اظہار اس وقت سب کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا اسے دیکھتے ہوئے کوئی دوسرا شخص حق کو ماننے اور اس کا ساتھ دینے کی جرأت نہ کر سکا بس یہ سعادت صرف ایک شخص کے حصہ میں آئی اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط تھے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی اور پھر ہجرت میں بھی اپنے چچا اور چچی کا ساتھ دیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھ لیا کہ قوم آپ کا دین الٰہی ماننے کے لئے بالکل تیار نہیں تو پھر وطن سے آپ نے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا اور اعلان کر دیا کہ میں اپنے رب کی خاطر قوم اور وطن کو چھوڑ کر یہاں سے نکلتا ہوں۔ اب جہاں میرا رب لے جائے گا چلا جاؤں گا چنانچہ آپ نے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی جس میں صرف آپ کی بی بی حضرت سارہ اور آپ کے بھتیجے حضرت لوط شامل رہے۔ آخر میں بطور نتیجہ کلام کے یہ بتلایا جاتا ہے کہ بابل کے وہ حکمران اور مشرک جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نیچا دکھانا چاہا تھا وہ تو دنیا سے ایسے مٹ گئے کہ آج ان کا نام ونشان تک باقی نہیں۔ مگر وہ شخص جسے اللہ کا کلمہ اور دین بلند کرنے کے جرم میں ان لوگوں نے جلا کر خاک کر دینا چاہا تھا اور جسے آخر کار وطن سے بے سروسامانی کے عالم میں نکل جانا پڑا تھا اللہ نے انہیں دنیا ہی میں یہ صلہ دیا کہ باوجود پیرانہ سالی کے ان کو اسحاق علیہ السلام بیٹا عطا کیا اور نہ فقط بیٹا بلکہ ایک پوتا حضرت یعقوب بھی دیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بیٹے تھے لیکن چونکہ آپ کی پیدائش

کسی غیر معمولی کرامت کے تحت نہ ہوئی تھی۔ نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت ایسی پیرانہ سالی کو پہنچے تھے۔ نہ حضرت ہاجرہ اس سن کو پہنچی تھیں کہ جو اولاد کی طرف سے مایوسی ہو جاتی اس لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ یہاں نہیں فرمایا۔ ہاں حضرت اسحاق کی ولادت خاص اہمیت رکھتی تھی اس لئے اسی کا ذکر فرمادیا۔

الغرض ایک انعام جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سرفراز فرمایا گیا یہ تھا کہ باوجود اسباب ظاہری نہ ہونے کے ایک سعید بیٹا عنایت فرمایا بلکہ ایک پوتا بھی دیا۔ پھر دوسرا انعام یہ عطا فرمایا کہ آپ کی نسل میں نبوت کا سلسلہ جاری رکھا چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ۔ حضرت ہارون علیہ السلام ۔ حضرت یوشع علیہ السلام ۔ حضرت یونس علیہ السلام ۔ حضرت زکریا علیہ السلام ۔ حضرت داؤد علیہ السلام ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہاں تک کہ افضل الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہی میں پیدا ہوئے۔ پھر تیسرا انعام یہ فرمایا گیا کہ آسمانی کتابیں بھی آئندہ آپ ہی کی نسل کو عطا کی گئیں۔ چنانچہ توراۃ ۔ زبور ۔ انجیل اور آخر میں قرآن بھی اولاد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اترا۔ اور چوتھا انعام یہ عطا فرمایا کہ ان کو دنیا ہی میں اللہ نے ان کا اجر عطا فرمایا۔ اکثر مفسرین نے اس سے مراد آپ کا ذکر خیر اور نیک نامی کی شہرت کو قیامت تک قائم رکھنے کو لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سرفرازی آپ کو عطا فرمائی کہ چار ہزار برس سے دنیا میں آپ کا نام روشن ہے اور قیامت تک رہے گا۔ ہر آسمانی کتاب والا خواہ وہ مسلمان ہو۔ یا عیسائی ۔ یا یہودی اس خلیل رب العالمین کو سب اپنا پیشوا مانتے ہیں یہ عزت تو آپ کو دنیا ہی میں ملی اور آخرت میں جو اجر عظیم ملے گا وہ تو ملے ہی گا۔

مفسرین نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ جب آدمی اپنے سینہ میں دلائل و براہین کا جواب نہیں پاتا اور طاقت حق اس کو لاجواب کر دیتی ہے تو پھر باطل اہل حق کو دھمکیاں دینے پر اتر آتا ہے مگر جو حق کا حامی اور صداقت کا علمبردار ہوتا ہے اہل باطل کے مقابلہ میں اللہ اس کی حمایت کرتا ہے اور کوئی طاغوتی طاقت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی مگر آزمائشی دور سے اس کو ضرور گزرنا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہجرت فرمانا تعلیم دے رہا ہے کہ دین کو بچانے اور ایمان کو محفوظ رکھنے کے لئے اعزہ واحباب اور گھر بار چھوڑ کر کسی ایسے مقام پر چلا جانا جہاں آزادی سے دین برحق پر عمل کیا جا سکے ضروری ہے۔ دین کو بچانے کے لئے دنیا کو قربان کرنا لازم ہے۔ دین کو بچانے ۔ ایمان پر استقامت رکھنے اور اعمال صالحہ پر کاربند رہنے سے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اجر عنایت فرماتا ہے اور اخروی اجر تو بہرحال عطا فرمائے گا۔

اب آگے تیسرا قصہ لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور باطل کے مقابلہ میں ہم کو استقامت نصیب فرمائیں۔ اور حق کو سربلند رکھنے کا عزم وہمت عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کے مقابلہ میں دنیا قربان کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں اپنے دین کو گھر بار ملک وطن دوست احباب عزیز واقارب سب سے زیادہ محبوب رکھنے کا جذبہ عطا فرمائیں۔ اور اپنی قدرت کاملہ سے ہر حال میں ہماری تائید ونصرت فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ

اور ہم نے لوط علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے کسی نے دُنیا جہاں والوں میں

مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ

نہیں کیا۔ کیا تم مَردوں کے پاس جاتے ہو اور تم ڈاکہ ڈالتے ہو اور اپنی بھری مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو

نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ

سواُن کی قوم کا جواب بس یہ تھا کہ تم ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾

اگر تم سچے ہو۔ لوط علیہ السلام نے دُعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو اِن مفسد لوگوں پر غالب کردے۔

وَلَمَّا جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ

اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے، تو اُن فرشتوں نے کہا کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں

اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۡ

(کیونکہ) وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں۔ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ وہاں تو لوطؑ ہیں، فرشتوں نے کہا کہ جو جو وہاں (رہتے) ہیں ہم کو سب معلوم ہیں،

لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

ہم اُنکو اور اُن کے خاص متعلقین کو بچالیں گے، بجز اُن کی بی بی کے، کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔

وَلُوْطًا اور لوطؑ	اِذْ یاد کرو	جب	قَالَ اس نے کہا	لِقَوْمِهٖٓ اپنی قوم کو	اِنَّكُمْ بیشک تم	لَتَاْتُوْنَ تم کرتے ہو	الْفَاحِشَةَ بے حیائی
مَا سَبَقَكُمْ نہیں پہلے کیا تم نے	بِهَا اس کو	مِنْ اَحَدٍ کسی نے	مِنَ سے	الْعٰلَمِيْنَ جہان والے	اَئِنَّكُمْ کیا تم واقعی	لَتَاْتُوْنَ البتہ تم کرتے ہو	
الرِّجَالَ مرد	وَتَقْطَعُوْنَ اور مارتے ہو	السَّبِيْلَ راہ	وَتَاْتُوْنَ اور تم کرتے ہو	فِيْ نَادِيْكُمُ اپنی محفلوں میں	الْمُنْكَرَ ناشائستہ حرکات		
فَمَا كَانَ سو نہ تھا	جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اس کی قوم کا جواب	اِلَّآ سوائے	اَنْ کہ	قَالُوا انہوں نے کہا	ائْتِنَا لے آ ہم پر	بِعَذَابِ اللّٰهِ اللہ کا عذاب	
اِنْ كُنْتَ اگر تو ہے	مِنَ سے	الصّٰدِقِيْنَ سچے لوگ	قَالَ کہا	رَبِّ اے میرے رب	انْصُرْنِيْ میری مدد فرما	عَلَى پر	
الْقَوْمِ قوم۔لوگ	الْمُفْسِدِيْنَ مفسد	وَلَمَّا اور جب	جَاۗءَتْ آئے	رُسُلُنَا ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے)	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم		
بِالْبُشْرٰى خوشخبری لے کر	قَالُوْٓا انہوں نے کہا	اِنَّا بیشک ہم	مُهْلِكُوْٓا ہلاک کرنے والے	اَهْلِ لوگ	هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اس بستی	اِنَّ بیشک	
اَهْلَهَا اسکے لوگ	كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ظالم (بڑے شریر)	ہیں	قَالَ ابراہیم نے کہا	اِنَّ فِيْهَا بیشک اس میں	لُوْطًا لوط	قَالُوْا وہ بولے	

نَحْنُ ہم	اَعْلَمُ خوب جانتے ہیں	بِمَنْ فِيْهَا اس کو جو اس میں	لَنُنَجِّيَنَّهٗ البتہ ہم بچالیں گے اس کو	وَ اَهْلَهٗ اور اس کے گھر والے	
اِلَّا سوا	امْرَاَتَهٗ اس کی بیوی	كَانَتْ وہ ہے	مِنَ سے	الْغٰبِرِيْنَ پیچھے رہ جانے والے	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی مشرک قوم کا حال بیان ہوا تھا اب یہاں تیسرا قصہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا سنایا جاتا ہے۔ یہ گذشتہ آیات میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور بابل سے ہجرت کر کے شام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ آئے تھے۔ شام پہنچ کر یہ قرار پایا کہ دونوں بزرگ بغرض تبلیغ جدا جدا رہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو فلسطین میں جا کر مقیم ہوئے اور حضرت لوط علیہ السلام نے شرق اردن کو اپنا مسکن بنایا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرما دیا گیا تھا اس لئے آپ اللہ کے پیغمبر کی حیثیت سے شرق اردن کے علاقہ سدوم اور عامورہ بغرض تبلیغ دین حنیف چلے گئے۔ اردن کی وہ جانب جہاں بحیرۂ مردار یا بحر لوط واقع ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سدوم اور عامورہ کی بستیاں واقع تھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آ کر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندہ حد درجہ فواحش اور معصیتوں میں مبتلا ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان کی بے حیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی اور ان سے کہا کہ تم نے ایسی بے حیائی پر کمر باندھی ہے جو تم سے پہلے جہان بھر میں کسی نے نہیں کی۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم نے انسانیت کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ یہ کیا حیا سوز حرکت ہے کہ تم مردوں کے پاس اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے آتے ہو اور تمہاری شیطانی حرکات کے ڈر سے لوگوں نے اس طرف کے راستوں سے گزرنا چھوڑ دیا ہے۔ تم اپنی بھری محفلوں میں بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو۔ تم نے حیا و شرم کو اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ بہر حال لوط علیہ السلام نے ان کو جو ممکن طریقہ سمجھانے کے ہو سکتے تھے ان کو سمجھایا اور گذشتہ اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج و ثمرات بتا کر عبرت دلائی مگر قوم پر شہوت پرستی کا بھوت سوار تھا۔ ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ ہوا اور آپ کی نصیحتوں کو سن کر غم و غصہ سے تلملا اٹھی۔ اور کہنے لگی کہ اے لوط بس یہ نصیحتیں ختم کرو۔ اگر ہمارے ان اعمال سے تمہارا خدا ناراض ہے تو وہ عذاب لا کر دکھلاؤ۔ جس کا ذکر کر کے بار بار ہم کو ڈراتے ہو۔ اگر تم واقعی اپنے قول میں سچے ہو تو ایسا کر دکھاؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس منحوس قوم کی عقل پر چربی چھا گئی تھی۔ وہ عیش و عشرت کے نشہ سے مست تھے۔ ان کے دل و دماغ مسخ ہو چکے تھے۔ اچھے برے خیر و شر کا امتیاز ان سے اٹھ گیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور ان کے پیرو تھے۔ شرف نبوت سے بھی سرفراز ہو چکے تھے اس لئے سدوم اور عامورہ میں ہمہ قسم کے مصائب اور دشمنوں کے نرغہ کی تکالیف کے باوجود انہوں نے صبر و استقامت سے کام لیا اور اپنے بزرگ چچا اور خاندان کی مدد کی طلب کے بجائے صرف خدائے عز و جل پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس کے احکام کے سامنے رضا و تسلیم کا ثبوت دیا اور درگاہ رب العزت میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار یہ لوگ تباہی اور فساد پھیلانے پر تلے ہوئے ہیں اور میری کچھ نہیں سنتے۔ میرے پروردگار سوائے تیرے کوئی نہیں۔ میں تیرے سوا کس سے کہوں۔ اے میرے رب! میری مدد فرما اور مجھے اس مفسد قوم پر غالب فرما۔ مراد یہ تھی کہ مجھے ان سے علیحدہ کر دے لیکن اس طور پر کہ ان کو بھی اپنی حرکات کی سزا مل جائے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی۔ اور اس بدکار و بدعمل قوم کی تباہی کا وقت آ گیا۔ ادھر ملک شام میں رحمت کو نازل کرنا بھی مقصود تھا اس لئے فرشتوں کو حکم

ہوا کہ جاؤ ہمارے خلیل کو فرزند سعید کی بشارت سناؤ اور قوم لوط کو برباد کردو اور اہل ایمان کو بچالو۔ حسب الحکم فرشتے پہلے نوجوانوں کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت متواضع اور مہمان نواز تھے۔ ان تینوں نوجوانوں کو مسافر سمجھ کر خوش خلقی کے ساتھ ٹھہرایا۔ کھانے کے لئے روٹیاں اور بچھڑا ذبح کر کے بھنا ہوا گوشت مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔ مگر مہمانوں نے ہاتھ کھانے کی طرف نہ بڑھایا اس زمانہ کا دستور تھا کہ دشمن کے گھر کا نمک نہ چکھتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کچھ اندیشہ ہوا کہ شاید یہ دشمن ہیں جو میری مہمانی کو قبول نہیں کرتے۔ مہمانوں نے جو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اضطراب دیکھا تو کہا آپ گھبرائیں نہیں ہم خدا کے فرشتے ہیں آپ کو فرزند کی بشارت دینے آئے ہیں اور قوم لوط کی تباہی کے لئے بھیجے گئے ہیں اس لئے یہاں سے اب سدوم جارہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان ہوگیا کہ یہ کوئی دشمن نہیں ہیں بلکہ ملائکۃ اللہ ہیں تو اب قوم لوط کا خیال آیا اور فرمانے لگے کہ تم اس قوم کو کیسے برباد کرنے جارہے ہو جس میں لوط خدا کا برگزیدہ نبی موجود ہے اور میرا حقیقی بھتیجا بھی ہے اور دین حنیف کا پیرو بھی۔ فرشتوں نے کہا کہ یہ سب کچھ ہم جانتے ہیں مگر خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ قوم لوط اپنی سرکشی۔ بدعملی۔ بے حیائی اور فواحش پر اصرار کی وجہ سے ضرور ہلاک کی جائے گی اور لوط اور ان کا خاندان اس عذاب سے محفوظ رہیں گے البتہ لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کی حمایت کی وجہ سے قوم لوط ہی کے ساتھ عذاب پائے گی۔

غرض کہ ملائکۃ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوکر سدوم پہنچے اور یہ اپنی شکل وصورت میں حسین خوبصورت نوجوانوں کی حیثیت میں تھے۔ سدوم پہنچ کر لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان ہوئے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان مہمانوں کو دیکھا تو گھبرائے اور ڈرے کہ بدبخت قوم نہ معلوم ان مہمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرے کیونکہ ابھی تک لوط علیہ السلام کو یہ نہیں فرمایا گیا تھا کہ یہ خدا کے پاک فرشتے ہیں۔ بہر حال یہ فرشتے جب حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان کی حیثیت سے ٹھہرے تو پھر کیا صورت حال پیش آئی یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ظاہر میں اور باطن میں ہر طرح کے فسق وفجور سے پاک صاف رکھیں اور شریعت مطہرہ کی پابندی ظاہراً و باطناً نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے ظاہری باطنی دینی فتنہ وفساد سے ہم کو محفوظ فرمائیں اور مفسدوں سے ہم کو علیحدہ رکھیں۔ اور اپنے نیک اور فرمانبردار بندوں میں ہم کو شامل رکھیں۔ اور اپنی نصرت وحمایت کو ہمارے شامل حال رکھیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ

اور جب ہمارے وہ فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ اُن کی وجہ سے مغموم ہوئے اور اُن کے سبب تنگ دل ہوئے اور وہ فرشتے کہنے لگے آپ اندیشہ کریں

وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ

اور نہ مغموم ہوں ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو بچالیں گے۔ بجز آپ کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی۔ ہم اس بستی کے باشندوں پر

عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا

ایک آسمانی عذاب اُن کی بدکاریوں کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہر نشان (اب تک)

مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

رہنے دیئے ہیں ان لوگوں (کی عبرت) کیلئے جو عقل رکھتے ہیں۔

وَلَمَّا اور جب	اَنْ کہ	جَآءَتْ آئے	رُسُلُنَا ہمارے فرشتے	لُوْطًا لوطؑ کے پاس	سِیْٓءَ پریشان ہوا	بِهِمْ ان سے	وَضَاقَ اور تنگ ہوا
بِهِمْ ان سے	ذَرْعًا دل میں	وَقَالُوْا اور وہ بولے	لَا تَخَفْ ڈرو نہیں تم	وَلَا تَحْزَنْ اور نہ غم کھاؤ	اِنَّا مُنَجُّوْكَ بیشک ہم بچانے والے ہیں تجھے		
وَاَهْلَكَ اور تیرے گھر والے	اِلَّا سوا	امْرَاَتَكَ تیری بیوی	كَانَتْ وہ ہے	مِنَ سے	الْغٰبِرِيْنَ پیچھے رہ جانے والے	اِنَّا بیشک ہم	
مُنْزِلُوْنَ نازل کرنیوالے	عَلٰی پر	اَهْلِ لوگ	هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اس بستی	رِجْزًا عذاب	مِّنَ السَّمَآءِ آسمان سے	بِمَا اس وجہ سے کہ	
كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ وہ بدکاری کرتے تھے	وَلَقَدْ تَرَكْنَا اور البتہ ہم نے چھوڑا	مِنْهَا اس سے	اٰيَةً بَيِّنَةً کچھ واضح نشانی	لِّقَوْمٍ لوگوں کیلئے	يَّعْقِلُوْنَ وہ عقل رکھتے ہیں		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ پہلے عذاب کے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور انہیں بڑھاپے میں فرزند کی خوشخبری دی۔ اس وقت تک حضرت سارہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ اور ساتھ ہی ان فرشتوں نے یہ بتایا کہ ہم قوم لوط کی بستیوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں کیونکہ وہاں کے لوگ برے کام سے باز نہیں آتے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت لوط علیہ السلام کا فکر ہوا کہ بروں کے ساتھ کہیں اچھے بھی نہ پس جائیں مگر فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے متعلقین اور جو ان پر ایمان لائے ہیں وہ بچالئے جائینگے۔ بجز لوط علیہ السلام کی بی بی کے کہ وہ قوم کے ساتھ عذاب میں گرفتار ہوگی۔ یہ کہہ کر فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوئے اور لوط علیہ السلام کے ہاں پہنچے۔ یہ اپنی شکل و صورت میں حسین خوبصورت جوانوں کی حیثیت سے تھے اور انہوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ ہم آج آپ کے مہمان ہوں گے۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی حالت سے واقف تھے کہ وہ باہر سے آنے والے نو وارد مسافروں کو خاص طور پر ستاتے تھے اس لئے حضرت لوط علیہ السلام بجائے اس کے کہ مہمانوں کے آنے سے خوشی ہوتی جیسا کہ مہمان نواز لوگوں اور خاص کر اللہ والوں کو خوشی ہوا کرتی ہے ان کے آنے سے بڑے پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ قوم کے موذیوں سے ان شریف مہمانوں کی حفاظت کیسے کروں۔ حضرت لوط علیہ السلام کو ابھی تک یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ خدا کے پاک فرشتے ہیں۔ حضرت

لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کو دیکھ کر فرشتوں نے کہا کہ آپ ہماری ظاہر صورت کو دیکھ کر نہ گھبرائیں اور نہ پریشان خاطر ہوں۔ ہم ملائکہ عذاب ہیں اور خدا کا فیصلہ ان کے حق میں اٹل ہے وہ اب ان کے سر سے ٹلنے والا نہیں۔ اس بستی والوں کی شامت آ گئی ہے اور ہم ان لوگوں پر سخت عذاب نازل کرنے والے ہیں کیونکہ ان کی بے حیائی اور ان کے گندے کاموں کی نحوست ان پر پوری طرح چھا گئی ہے۔ آپ اور آپ کا خاندان عذاب سے محفوظ رہے گا مگر آپ کی بیوی ان ہی بے حیاؤں کی رفاقت میں رہے گی اور عذاب میں گرفتار ہو گی چنانچہ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو ہدایت کی کہ رات ہوتے ہی آپ اپنے گھر والوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں اور کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے چنانچہ ابتدائے شب ہی میں حضرت لوط علیہ السلام بستی سے باہر چلے گئے لیکن آپ کی بیوی ان بستی والوں ہی میں رہ گئی اور آپ کی رفاقت سے انکار کر دیا۔ آخر شب ہوئی تو اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا۔ پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ آخر میں بتلایا جاتا ہے کہ ہم نے اس بستی کی ایک کھلی نشانی چھوڑ دی ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔ اس کھلی نشانی سے مراد بحیرۂ مردار ہے جسے بحر لوط بھی کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کفار مکہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اس ظالم قوم پر اس کے کرتوتوں کی بدولت جو عذاب آیا تھا اس کی ایک نشانی آج بھی شاہراہ عام پر موجود ہے جسے تم شام کی طرف اپنے تجارتی سفروں میں جاتے ہوئے شب و روز دیکھتے ہو۔ موجودہ زمانہ میں یہ بات قریب قریب یقین کے ساتھ تسلیم کی جا رہی ہے کہ بحیرہ مردار ایک ہولناک زلزلے کی وجہ سے زمین میں دھنس جانے کی بدولت وجود میں آیا ہے۔ اس کے قریب بسنے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلے یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے۔ جب قوم لوط پر عذاب آیا اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلہ اور بھونچال آئے تب یہ زمین تقریباً ۴۰۰ میٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا اسی لئے اس کا نام بحر لوط، بحیرۂ مردار یا بحر میت ہے۔ اس طرح یہ بحر لوط خود ایک عبرت کا نشان ہے۔ اس حصہ میں پانی کے نیچے کچھ ڈوبی ہوئی بستیوں کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ حال ہی میں جدید آلات غوطہ زنی کی مدد سے یہ کوشش شروع ہوئی ہے کہ کچھ لوگ نیچے جا کر ان آثار کی جستجو کریں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بھی یہاں ختم ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے ان واقعات سے بعض علمائے محققین نے ان لوگوں کا رد فرمایا ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء عالم الغیب ہوتے اور جمیع ما کان و یکون یعنی جو ہوا اور ہو گا سب کا علم ان کو حاصل ہوتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عظیم القدر پیغمبر تھے۔ مگر جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہ خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں تھے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو وہ اس بنا پر گھبرائے کہ یہ مہمان ہیں اور میری قوم بد عادت میں مبتلا ہے۔ وہ ضرور اپنی نفسانی خواہش کے تحت ان سے چھیڑ چھاڑ کریں گے اور یہ چیز میرے لئے انتہائی تکلیف دہ ثابت ہو گی اور باعث شرم ہو گی کیونکہ اس میں مہمانوں کی رسوائی ہے۔ تو یہ سارا خطرہ اور فکر حضرت لوط علیہ السلام کو اسی وجہ سے تھا کہ اس وقت تک آپ کو یہ علم نہ تھا کہ یہ مہمانوں کی شکل میں اللہ کے فرشتے ہیں اگر آپ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ اللہ کے فرشتے ہیں تو اس قدر پریشان ہونے اور دل میں خطرہ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کو علم غیب نہ تھا اور وہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے فرشتوں کو نہ پہچان سکے چنانچہ جب فرشتوں نے دیکھا کہ حضرت لوط علیہ السلام ان کی وجہ سے بے چین و مضطرب ہیں تو انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء و رسل میں افضل سمجھے جاتے ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے "خلیل" کا لقب عطا

جدید ایڈیشن

قرآن کریم کے معانی ومطالب سے واقف کرانے کیلئے
بامحاورہ اور لفظی ترجمہ کے ساتھ آسان تعلیمی

درسِ قرآن

پارہ ۲۶ تا ۳۰

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوذر! اگر تو صبح کو ایک آیت کلام پاک کی سیکھ لے تو نوافل کی سو رکعت سے افضل ہے، اور اگر عمل کا ایک باب سیکھ لے تو ہزار رکعت نفل پڑھنے سے افضل ہے

تسہیل شدہ ترجمہ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات

مولانا محمد اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

تفسیر ملخص از تفسیر ابنِ کثیر، معارف القرآن، بیان القرآن و دیگر تفاسیر

اگر آپ روزانہ
پندرہ بیس منٹ "درسِ قرآن"
سے ایک درس پڑھیں تو ان شاء اللہ
آپ اس کے معانی ومطالب کو سمجھنے
میں کامیاب ہو جائیں گے

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

1

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲

حم۔ یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔

حٰمٓ حامیم	تَنْزِيْلُ نازل کرنا	الْكِتٰبِ کتاب	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے	الْعَزِيْزِ غالب	الْحَكِيْمِ حکمت والا	

تفسیر وتشریح: الحمد للہ اب ۲۶ ویں پارہ کی ابتدا سے سورۂ احقاف کا بیان شروع ہورہا ہے۔ تلاوت کردہ ابتدائی آیت کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ مقام وزمانہ نزول' تاریخی پس منظر خلاصہ مضامین تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے تیسرے رکوع کی ابتدا میں لفظ احقاف آیا ہے۔ احقاف حقف کی جمع ہے اس کے لفظی معنیٰ ہیں ریت کے لمبے لمبے بلند ٹیلے لیکن اصطلاحاً یہ صحرائے عرب کے جنوبی مغربی حصہ کا نام ہے جہاں اس وقت کوئی آبادی نہیں اور بجز ریت کے ٹیلوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا لیکن قدیم زمانہ میں یہاں قوم عاد آباد تھی۔ جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں آندھی کا عذاب بھیج کر نیست و نابود کر دیا تھا چونکہ اس سورۃ میں اسی بڑے حادثہ کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام احقاف مقرر ہوا۔ یہ سورۃ بھی باتفاق جمہور مکہ میں نازل ہوئی تھی اور سرکش قوم یعنی کفار قریش کو قوم عاد کی تباہی و بربادی یاد دلا کر خوف دلانے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ یہ ان سات سورتوں میں سے جو حٰم سے شروع ہوتی ہیں ساتویں اور آخری سورۃ ہے۔ ان سات سورتوں کی فضیلت پہلے بیان ہو چکی ہے جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ حٰم سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازہ ہیں۔ ہر حٰم جہنم کے کسی ایک دروازہ پر ہوگی اور دربار الٰہی میں عرض کرے گی کہ یا اللہ جس نے مجھے پڑھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو اس دروازہ سے داخل نہ کیجیو۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۴۶ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۸۸ بیان کیا گیا ہے یعنی قرآن پاک کی ۸۷ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۲۶ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۳۵ آیات' ۴ رکوعات' ۵۰۷ کلمات اور ۲۷۰۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کا زمانہ نزول نبوت کے دسویں سال کے آخر یا گیارہویں سال کی ابتدا بیان کیا گیا ہے جو اس تاریخی واقعہ سے متعین ہوتا ہے جو اس سورۃ کے آخری رکوع میں جنات کے آنے اور قرآن سن کر اس سے متاثر ہوئے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حدیث اور سیرۃ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ یعنی جنات کی ایک جماعت کا حاضر ہونا اور قرآن پاک کو سن کر اس سے متاثر ہو کر اپنی قوم جنات میں جا کر ایمان و اسلام کی تبلیغ کرنا اس وقت پیش آیا تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قیام مکہ کے زمانہ میں طائف بغرض تبلیغ و دعوت اسلام تشریف لے گئے تھے اور بظاہر وہاں سے ناکامی اور خستہ دلی کے ساتھ واپس مکہ تشریف لا رہے تھے کہ رات کے وقت نخلہ کے مقام پر آپ نے قیام فرمایا تھا اور صبح کی نماز میں بآواز بلند قرآن کریم پڑھ رہے تھے کہ جنات کی ایک جماعت کا ادھر سے گزر ہوا اور وہ قرآن سننے لگے جس کا مفصل بیان سورۂ جن ۲۹ ویں پارہ میں آیا ہے اور تمام معتبر تاریخی روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف بغرض تبلیغ تشریف لے جانے کا واقعہ مکہ سے ہجرت سے ۳ سال پہلے

کا واقعہ ہے۔اس طرح اس سورۃ کے نزول کا زمانہ نبوت کے دسویں سال کا متعین ہو جاتا ہے اور یہ ۱۰ نبوی کا وہ سال ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ طیبہ میں انتہائی سختی کا سال تھا۔اس سال کو آپ نے غم کا سال فرمایا ہے۔یوں تو کفار مکہ قریش کی مخالفت اعلان نبوت کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی مگر جب قریش نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود ان کی اذیتوں اور تکلیفوں کے اپنی دعوت اور تبلیغ دین پر قائم ہیں اور بے نظیر جرات سے اپنا کام برابر کئے جا رہے ہیں تو تمام قریش نے یہ طے کیا کہ بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے سپرد کر دیں ورنہ ہم ان سے بالکل قطع تعلق کر دیں گے۔مگر بنی عبدالمطلب نے اس کو منظور نہ کیا تو باتفاق رائے قریش میں یہ عہد نامہ لکھا گیا کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ تھا مکمل مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کیا جائے۔ رشتے، ناطے، نکاح بیاہ خرید و فروخت، لین دین حتیٰ کہ کھانے پینے کی چیزیں سب بند کر دیئے جائیں اور یہ عہد نامہ لکھ کر بیت اللہ کے اندر معلق کر دیا گیا یہ نبوت کے ساتویں سال کا واقعہ ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام رفقاء اور اقربا مجبور ہو گئے اور گھر بار چھوڑ کر پہاڑ کی ایک گھاٹی میں محبوس اور محصور ہو کے رہنے لگے۔بنی ہاشم کے تمام افراد سوائے ابولہب کے بلا امتیاز مسلم و کافر سب کے سب ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ساتھ اس گھاٹی میں مقید اور محصور رہے۔سب طرف کے آمد و رفت کے راستے بند تھے۔خورد و نوش کا جو سامان ساتھ تھا وہ ختم ہو گیا تو سخت اضطراب پیش آیا۔ شدت بھوک کی وجہ سے درختوں کے پتے کھانے کی نوبت آئی۔ سوکھا چمڑا ملتا تو اسے بھون کر کھاتے۔بنی ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس قدر رویا کرتے کہ ان کی آواز گھاٹی کے باہر سنائی دیتی۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے لئے فرمایا اور اس مرتبہ ایک بڑے

قافلہ نے ہجرت کی جس کی تعداد ۸۳ مرد اور ۱۲ عورتیں بیان کی جاتی ہے۔ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی آل اصحاب نے تقریباً تین سال انہی مظالم اور مصائب کے ساتھ بسر کئے۔آخر ان ظالموں میں سے کچھ کو رحم آیا اور اس عہد کے توڑنے اور آپ سے محاصرہ اٹھانے پر آمادہ ہوئے۔ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتلایا گیا کہ قریش کے عہد نامہ کو دیمک نے کھالیا ہے اور بجز خدا کے نام کے اس میں کوئی حرف نہیں چھوڑا۔آپ نے لوگوں سے بیان کیا۔دیکھا گیا تو ٹھیک اسی طرح نکلا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ الغرض اس وقت آپ سے محاصرہ اٹھا دیا گیا۔اب گھاٹی سے نکل کر اپنے گھروں میں آئے تو چند ہی دن گزرے تھے کہ اسی نبوت کے دسویں سال آپ کے چچا ابو طالب نے جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد تھے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر مددگار رہے تھے وفات پائی جن کے انتقال کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ ہوا۔آپ کے چچا کی وفات کے تین ہی دن بعد آپ کی غمگسار زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ نے انتقال فرمایا۔یہ وہ زوجہ مطہرہ ہیں کہ جنہوں نے اپنا سارا مال و دولت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی پر قربان اور راہ خدا میں صرف کر دیا تھا۔یہ عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لائی تھیں۔ آپ کی دو مونس و غمگسار اسی سال آگے پیچھے چل بسے۔قریش کے ظالموں کو آپ کے چچا ابو طالب کے رعب داب اور حضرت خدیجہ کی خاطر سے کچھ رکاوٹ تھی وہ بھی ان دونوں کے اٹھ جانے پر دور ہو گئی اور آپ کی ایذا رسانی میں اب کوئی دقیقہ کفار نے نہ چھوڑا۔اور اب قریش نے زیادہ تر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ آپ راہ میں جا رہے تھے کسی شریر نے آپ کے سر مبارک پر کیچڑ پھینک دی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح گھر میں داخل ہوئے۔صاحبزادیوں میں سے ایک اٹھیں پانی لے کر آئیں سر مبارک دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔آپ نے فرمایا اے پیاری بیٹی روؤ نہیں۔اللہ تیرے باپ کا محافظ ہے۔ایک دفعہ آپ کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے۔قریش کے سردار بھی جلسہ

جمائے بیٹھے تھے۔ نماز پڑھتے دیکھ کر کہنے لگے کہ کوئی اونٹ کی اوجھڑی لاکران کی گردن پر رکھ دے۔ چنانچہ ایک شریر نے یہ کام کیا۔ اس بوجھ سے آپ کی پشت مبارک دب گئی۔ کسی نے آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے جا کر اس کی خبر کی وہ آئیں تو کسی طرح اس گندگی کو ہٹا کر دور کیا۔ ایک دفعہ ایک شریر نے آپؐ کی گردن میں چادر کا پھندا ڈال کر چاہا کہ گلا گھونٹ دے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دوڑ کر آپ کو بچایا۔ مکہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر طائف کا سرسبز اور شاداب شہر تھا۔ آپ نے مکہ کے لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر طے کیا کہ طائف جائیں اور وہاں کے سرداروں کو اسلام کا پیغام سنائیں۔ آپ اسی سال یعنی ۱۰ نبوی میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے اور یہ سارا سفر مکہ سے طائف تک پیدل طے فرمایا اور اہل طائف کو دین حق کی طرف دعوت دی اور ایک ماہ تک متواتر ان کی تبلیغ و ہدایت میں مصروف رہے۔ ایک ایک سردار و رئیس کے پاس جا کر بات کی مگر افسوس کہ ان میں سے ایک نے بھی آپ کی بات نہ مانی بلکہ آپ کو صاف صاف نوٹس دے دیا کہ آپ ان کے شہر سے نکل جائیں اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ظالموں نے اپنے شہر کے چند اوباش لوگوں کو ابھار دیا کہ وہ آپ کو دق کریں۔ وہ راستہ کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے اور جب آپ ادھر سے گزرنے لگے تو آپ کے پاؤں پر پتھر مارے جس سے آپ کے پاؤں مبارک لہولہان ہو گئے۔ آپ درد کے مارے کہیں بیٹھ جاتے تو وہ شریر بازو تھام کر اٹھا دیتے۔ یہ سنگدل بدنصیب اس سرور کائنات کے درپے تھے کہ اگر شان رحمت للعالمین مانع نہ ہوتی تو آپ کی ایک جنبش لب میں ان کی ساری بدمستیوں کا خاتمہ ہو سکتا تھا اور طائف کے بسنے والوں کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹایا جا سکتا تھا۔ آپ زخموں سے چور تھے اور جوتیاں آپ کی خون سے بھر گئی تھیں۔ اس حالت میں آپ نے طائف کے باہر ایک باغ کی دیوار کے سایہ میں پناہ لی اور وہاں بیٹھ کر رب العالمین سے فریاد کی۔ آپ کی اس وقت کی دعا احادیث میں منقول ہے جس کا اردو میں ترجمہ یہ ہے۔

''اے اللہ! میں اپنی کمزوری، بے بسی اور بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کی فریاد تیرے حضور میں کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین تو سارے کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ تو مجھے کس کے حوالہ کر رہا ہے؟ کیا ایسے بیگانہ کے حوالہ جو مجھ سے ترش رو ہو کر پیش آئے یا کسی دشمن کے حوالے جو مجھ پر قابو پالے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پروا نہیں ہے مگر تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لئے زیادہ کشادگی ہے۔ میں تیری ذات کے اس نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور جو دنیا و آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے۔ مجھے اس بات سے بچا لے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہو جاؤں۔ تیری ہی رضامندی کی طلب ہے حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے''۔

احادیث میں روایت ہے کہ اس وقت جبرئیل علیہ السلام آپ کے سامنے آئے اور عرض کیا کہ آپ کی قوم نے جو کچھ آپ کو جواب دیا ہے اور آپ کے ساتھ کیا اللہ تعالیٰ نے اسے سن لیا اور دیکھ لیا۔ اب یہ پہاڑوں کا منتظم فرشتہ اللہ نے بھیجا ہے آپ جو حکم دینا چاہیں اسے دے سکتے ہیں۔ پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے آپ کو سلام کر کے عرض کیا کہ اللہ کے رسول اگر آپ فرمائیں تو دونوں طرف کے پہاڑ ان لوگوں پر الٹ دوں اور یہ پس کر رہ جائیں۔ آپ کی ذات تو رحمۃ للعالمین تھی آپ نے فرمایا ''نہیں۔ بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل سے وہ لوگ پیدا کرے گا جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی کریں گے''۔

اب یہاں ہمیں بھی اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچنا چاہئے کہ یہ ''اسلام'' جو ہمیں ورثہ میں بیٹھے بٹھائے مفت مل گیا ہے دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے کتنی قربانیوں سے پھلا پھولا ہے۔ اور اس کی تبلیغ و دعوت میں کیسی کیسی مشقتیں ایذائیں اور صعوبتیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم نے برداشت کی ہیں۔ اسی اسلام کی آج ہم چودھویں صدی والے یہ قدردانی کررہے ہیں کہ گویا الٹی چھری سے بے دریغ اسلام کو ذبح کرنے کو تیار ہیں۔ اس کی جڑوں پر کلہاڑیاں چل رہی ہیں۔ اسی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو پامال کیا جارہا ہے آپ کے ایک ایک ارشاد سے نہ صرف مقابلہ بلکہ تحقیر اور تمسخر کا معاملہ برتا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرمادیں اور اسلام کے پھلنے پھولنے اور سربلندی کے سامان اپنی رحمت سے پھر فرمادیں۔ آمین۔ الغرض اللہ کے محبوب رحمت عالم سرکار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ بعد طائف سے اس طرح واپس ہوئے کہ آپ کے پاؤں مبارک لہولہان تھے مگر زبان پر کوئی حرف بددعا اس وقت بھی نہ آتا تھا۔ طائف سے واپسی پر چند روز آپ نخلہ کے مقام پر ٹھہر گئے۔ یہیں ایک روز نماز فجر میں آپ قرآن کریم کی تلاوت فرمارہے تھے کہ جنات کے ایک گروہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے قرآن سنا۔ ایمان لائے اور واپس جا کر اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ شروع کردی اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوشخبری سنائی کہ انسان چاہے آپ کی دعوت سے بھاگ رہے ہوں مگر بہت سے جنات جو طبعاً انسانوں سے بھی زیادہ سرکش ہوتے ہیں اس کے گرویدہ ہوگئے ہیں اور اسے وہ اپنی قوم میں پھیلا رہے ہیں۔ یہ تھے وہ حالات جن میں کہ یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس سورۃ میں بتایا گیا کہ یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو بڑی عزت قوت اور حکمت والا ہے اور جس نے یہ زمین و آسمان یعنی کل جہان ایک مقررہ نظام کے تحت پیدا فرمایا ہے اور ایک معین میعاد تک یہ نظام چلتا رہے گا۔ اور بالآخر ایک دن ختم ہو کر قیامت قائم ہوگی اس دن ان لوگوں کا جنہوں نے اللہ اور رسول اور قرآن کے ماننے سے دنیا میں انکار کردیا تھا اور دوسرے معبودان باطل کو پکارتے تھے ان کا برا حال ہوگا اور قیامت کے دن جھوٹے معبودان کے دشمن ہوں گے اور کہیں گے کہ تم نے ہماری عبادت ہی نہیں کی۔ پھر جتلایا گیا کہ

منکرین قرآن کو سن کر اور اس کے اثرات کو دیکھ کر اسے جادو یا گھڑا ہوا کلام بتلاتے اور کہتے کہ نعوذ باللہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے آپ بنا کر خدا کے نام لگا دیا ہے۔ اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا گیا کہ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں ایسا کرتا تو مجھے اللہ کی گرفت سے نہ تم بچا سکتے نہ کوئی اور۔ میں تو اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا نہ میں کوئی انوکھا رسول ہوں میں بھی پہلے رسولوں ہی کی طرح ہوں اور جس بات کی میری طرف وحی کی جاتی ہے اسی کے مطابق میں احکام پہنچاتا ہوں۔ اہل کتاب میں سے بعض اپنی کتابوں کی پیشین گوئی کے مطابق مجھے اللہ کا رسول مان چکے ہیں اور وہ ایمان بھی لاچکے ہیں اس پر بھی تم مجھے اللہ کا رسول نہ مانو تو تم بہت بڑے ہٹ دھرم ہو اور گویا کہ تم فیصلہ کرچکے ہو کہ کچھ بھی ہو ہم اسلام کو نہ مانیں گے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لئے قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس میں اسلام کا راستہ صاف کھول کر بتا دیا گیا ہے اور کہہ دیا گیا ہے کہ جو اللہ کو دنیا میں اپنا رب مان کر اس پر جمے رہیں گے وہ آخرت میں خوف و غم سے نجات پائیں گے اور جو نہ مانیں گے وہ پچھتائیں گے۔ پھر بتلایا گیا کہ سعادت مند انسان دنیا میں اللہ کا اور ماں باپ کا حق ادا کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ انہیں نیک کاموں کی توفیق عطا فرمائے اور بدبخت لوگ وہ ہیں جو اللہ کو نہیں مانتے اور ماں باپ کے سمجھانے سے بگڑ کر ان سے بھی سخت کلامی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بڑے نقصان میں رہیں گے اور آخرت میں سوائے عذاب جہنم کے اور کچھ نہ ملے گا۔ اس کے بعد مشرکین عرب اور کفار مکہ کو قوم عاد کے حال سے عبرت دلائی گئی اور بتلایا گیا کہ وہ تم سے قوت میں زیادہ زبردست تھے۔ مگر اللہ کی نافرمانی کرکے تباہ ہوئے اور اللہ کے عذاب کے سامنے کسی کی کچھ نہ چلی۔ اس کے بعد قوم جنات پر قرآن کا اثر ہونے کا ذکر فرمایا گیا اور انسان کو سمجھایا گیا کہ وہ اللہ کو مانے۔ قیامت کو برحق سمجھے ورنہ آخرت میں سخت سزا ملے گی۔ اور یہ قرآن کا پیغام ہے جو اس کی نہ سنے گا آخر تباہ ہوگا۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا

جن کی تفصیلات آئندہ درسوں میں انشاء اللہ بیان ہوں گی۔

اب اس سورۃ کی ابتدا بھی حروف مقطعات حٰم سے فرمائی ہے۔

حروف مقطعات کے متعلق پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ اسرار الٰہیہ میں سے ہیں۔ ان کے حقیقی معنیٰ و مطلب کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ یہ اصل میں طویل عبارتوں کے مخففات ہیں اور کلام عرب میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ قرآن حکیم چونکہ اہل عرب کی زبان میں نازل ہوا اس لئے قرآن نے بھی ان کو استعمال کیا تاکہ عربی زبان کی کوئی خوبی یا کوئی شق ایسی نہ رہے جو قرآن میں استعمال نہ کر لی جائے۔ گو بعض مفسرین نے اپنے اپنے گمان کے مطابق ان کے مطلب بیان کئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا حقیقی مطلب صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں چونکہ کفار مکہ یہ الزام لگاتے تھے کہ نعوذ باللہ یہ کلام خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے یا کسی کے سکھانے سے یہ کہتے ہیں اور اس کی نسبت خدا کے کلام کی طرف کرتے ہیں تو اس الزام کی تردید میں گذشتہ متعدد سورتوں میں ابتدا ہی میں یہ فرمایا گیا کہ اس کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو عزیز بھی ہے یعنی زبردست ہے اور حکیم بھی ہے یعنی دانا اور حکمت والا ہے۔ گویا منکرین کے الزام کی ابتدا ہی میں تردید فرما دی گئی کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام نہیں ہے جیسا کہ منکرین کہتے ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے خود نازل فرمایا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی دو صفات یعنی عزیز اور حکیم بیان فرما کر اس امر پر متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ زبردست ہے۔ دوسرا کوئی ایسا نہیں کہ جو اس کے احکام ارادے اور فیصلوں میں مزاحمت کر سکے دوسرے یہ کہ وہ حکیم ہے یعنی جو ہدایات وہ اس کتاب میں دے رہا ہے وہ سراسر دانائی پر مبنی ہیں اور انسانوں کی فلاح و بہبود دونوں جہاں میں اس کے ماننے اور ان کے آگے سر تسلیم خم کرنے ہی میں ہے۔

اس کے بعد توحید کا مضمون اگلی آیات میں شروع فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور تمام امت مسلمہ کو اس کتاب قرآن کریم پر ایمان کے ساتھ اس کا سچا اور پکا اتباع بھی نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اس کتاب کا اور اپنے احکام کا اور شریعت کا اور اپنے رسول پاک کا سچا احترام نصیب فرمائیں تاکہ ہم کو آخرت میں فلاح و صلاح نصیب ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو اُن کے درمیان میں ہیں حکمت کے ساتھ ایک میعاد معین کیلئے پیدا کیا ہے، اور جو لوگ کافر ہیں

كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا

انکو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے وہ اس سے بے رخی کرتے ہیں آپ کہیئے کہ یہ تو بتلاؤ جن چیزوں کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھ کو یہ دکھلاؤ کہ انہوں نے کونسی زمین پیدا کی ہے

مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ

یا اُن کا آسمان میں کچھ ساجھا ہے، میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے کی ہو یا کوئی اور مضمون منقول لاؤ

عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ

اگر تم سچے ہو۔ اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے

لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً

اور ان کو ان کے پکارنے کی بھی خبر نہ ہو۔ اور جب سب آدمی جمع کئے جائیں تو وہ ان کے دشمن ہوجائیں

وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝

اوران کی عبادت ہی کاانکار کربیٹھیں۔

مَا خَلَقْنَا نہیں پیدا کیا ہم نے	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَآ اور جو ان دونوں کے درمیان	اِلَّا مگر				
بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	وَ اور	اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک میعاد مقرر	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور جن لوگوں نے کفر کیا	عَمَّا جس سے				
اُنْذِرُوْا وہ ڈرائے جاتے ہیں	مُعْرِضُوْنَ رُوگردانی کرنیوالے	قُلْ فرمادیں	اَرَءَيْتُمْ بھلاتم دیکھو	مَّا تَدْعُوْنَ جن کو تم بلاتے ہو				
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	اَرُوْنِيْ دکھاؤ مجھے تم	مَاذَا کیا	خَلَقُوْا انہوں نے پیدا کیا	مِنَ الْاَرْضِ زمین سے	اَمْ یا	لَهُمْ ان کیلئے		
شِرْكٌ کچھ ساجھا	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	اِيْتُوْنِيْ لے آؤ میرے پاس	بِكِتٰبٍ کوئی کتاب	مِّنْ قَبْلِ سے پہلے	هٰذَآ اس	اَوْ یا		
اَثٰرَةٍ آثار	مِّنْ عِلْمٍ علم سے۔کی	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	وَمَنْ اور کون	اَضَلُّ بڑا گمراہ	مِمَّنْ يَّدْعُوْا اس سے جو وہ پکارتا ہے	
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مَنْ جو	لَّا يَسْتَجِيْبُ جواب نہ دے گا	لَهٗٓ اس کو	اِلٰى تک	يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت کا دن	وَهُمْ اور وہ		
عَنْ سے	دُعَاۗىِٕهِمْ ان کا پکارنا	غٰفِلُوْنَ بے خبر ہیں	وَاِذَا اور جب	حُشِرَ النَّاسُ جمع کئے جائیں گے لوگ	كَانُوْا وہ ہوں گے			
لَهُمْ انکے	اَعْدَاۗءً دشمن	وَكَانُوْا اور وہ ہوں گے	بِعِبَادَتِهِمْ ان کی عبادت سے	كٰفِرِيْنَ منکر (جمع)				

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیت میں بطور تمہید کے قرآن کریم کی حقانیت کو بتلایا گیا تھا کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے یعنی نہ کسی انسان کی تصنیف ہے نہ جن کا الہام' نہ سحر' نہ کہانت' نہ فرشتہ کا کلام بلکہ یہ کتاب اپنے پورے الفاظ اور عبارت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہے۔ اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عزیز وحکیم ہے یعنی جو غلبہ والا زبردست بھی ہے اور حکیم ودانا بھی۔ اس تمہید سے ذہن میں یہ

بات بتائی گئی کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی تو اس کے احکام اس کے پند ونصائح اس کے مضامین سب قابل غور وفکر اور لائق اہتمام کے ہیں۔ اس تمہید کے بعد سب سے زیادہ مہتم بالشان مضمون یعنی توحید باری تعالیٰ کو بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ آسمان وزمین اور سب کارخانہ عالم اللہ تعالیٰ نے بیکار اور عبث نہیں بنایا بلکہ کسی خاص غرض ومقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور نہایت اعلیٰ حکمت اور بہترین تدبیر کے ساتھ بنایا ہے جو ایک معین میعاد اور مقررہ وعدہ تک یونہی چلتا رہے گا تا آنکہ اس کا نتیجہ ظاہر ہو اور اسی نتیجہ کو آخرت کہتے ہیں۔ یہاں آیت میں واجل مسمی فرمایا یعنی ایک میعاد معین کے لئے پیدا کیا ہے یہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ زمین وآسمان اور سارا کارخانہ عالم دائمی اور ابدی نہیں بلکہ عارضی اور فانی ہے۔ ایک وقت مقررہ تک کے لئے یہ سب کچھ پیدا کیا گیا ہے جس کے بعد یہ سب فنا اور ختم ہو جائے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے خدا کے رسول اور اس کی کتاب کو ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ ان حقائق سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ انہیں اس بات کی کچھ فکر ہی نہیں کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب انہیں اپنے اعمال دنیا کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ وہ چونکہ برے انجام سے ڈرتے نہیں اس لئے آخرت کی تیاری بھی نہیں کرتے۔ جب آخرت کی بات سنی ایک کان سنی دوسرے کان نکال دی۔ آگے دلائل توحید میں یہ فرمایا جاتا ہے کہ خداوند قدوس نے تو یہ آسمان وزمین اور کل مخلوقات بنائی۔ اب کوئی ان مشرکین سے پوچھے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات واحد کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی پرستش و بندگی کرتے ہیں کیا ان کے معبودوں نے زمین کا کوئی ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ بنایا ہے یا بنا سکتا ہے؟ جب یہ ہے کہ اس کائنات کے جزو کل کا خالق ایک ہی ہے اور ان سب کا پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ بجز اس کے کسی کو ایک ذرہ کا بھی اختیار نہیں تو معبودیت الوہیت اور ربوبیت میں کوئی دوسرا کیسے شریک ہو جائے گا؟ مشرکین اس ایک اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ کیوں اس کے سوا دوسروں کو اپنی مصیبتوں میں پکارتے ہیں؟ انہیں یہ تعلیم کس نے دی اور کس نے یہ شرک سکھایا؟ شرک کے جواز کی تو کوئی عقلی یا نقلی شہادت نہیں۔ اگر یہ مشرکین اپنے دعوئے شرک میں سچے ہیں تو کسی آسمانی کتاب کی سند لائیں یا کسی ایسے علمی اصول سے ثابت کریں جو عقلا کے نزدیک مسلم چلا آتا ہو تمام کتب آسمانی وہی توحید پیش کرتی ہیں جس کی طرف قرآن دعوت دے رہا ہے اور علوم اولین میں سے بھی کہیں اس امر کی شہادت نہیں ملتی کہ کسی نبی ولی یا مرد صالح نے کبھی لوگوں کو خدائے واحد کے سوا کسی اور کی بندگی کی تعلیم دی ہو تو جس چیز پر کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہ ہو اسے کیسے تسلیم کیا جائے۔ تو جب کوئی عقلی ونقلی دلیل پیش نہ کر سکے اور اپنے شرک سے بھی باز نہ آئے تو ایسے شخص سے بڑھ کر اور زیادہ کون گمراہ ہوگا۔ اس سے بڑی حماقت اور گمراہی کیا ہوگی کہ ایک خدا کو چھوڑ کر ایسی بے جان اور بے اختیار مخلوق کو اپنی حاجت براری کے لئے پکارا جائے جو اپنے مستقل اختیار سے کسی کی پکار کو نہیں پہنچ سکتی۔ بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو پکارنے کی خبر بھی ہو۔ پتھر کی بے جان مورتوں کا تو کہنا ہی کیا۔ فرشتے اور پیغمبر بھی وہی کام کر سکتے ہیں جس کی اجازت وقدرت حق تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی گم کردہ راہ نہیں جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پکارے اور ان سے حاجات طلب کرے اور ان کی پرستش اور بندگی کرے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یوم محشر میں جبکہ امداد و اعانت کی زیادہ حاجت ہوگی تو یہ معبودان باطل اپنے عابدین کی مدد تو کیا کر سکیں گے ہاں اور الٹے دشمن بن کر ان کے مقابل کھڑے ہوں گے اور سخت بیزاری کا اظہار کریں گے بلکہ یہاں تک کہہ دیں گے کہ یہ لوگ ہماری پرستش کرتے ہی نہ تھے۔ تو اے مشرکین ذرا سوچو اس وقت کیسی ندامت وحسرت کا سامنا ہوگا۔

یہ توحید کے اثبات کا مضمون تھا۔ آگے تحقیق رسالت کا مضمون ہے جو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ

اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں ان لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ منکر لوگ اُس سچی بات کی نسبت جب کہ وہ ان تک پہنچتی ہے یوں کہتے ہیں کہ یہ صریح جادو

مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ هُوَ

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنایا ہوگا تو پھر تم لوگ مجھ کو خدا سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے، وہ

اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۸﴾ قُلْ

خوب جانتا ہے تم قرآن میں جو جو باتیں بنا رہے ہو، میرے اور تمہارے درمیان میں وہ کافی گواہ ہے۔ اور وہ بڑی مغفرت والا رحمت والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے

مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ

کوئی میں انوکھا رسول تو ہوں نہیں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا اور نہ (یہ معلوم کہ) تمہارے ساتھ (کیا کیا جائے گا) میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعہ

وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ

آتا ہے، اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ آپ یہ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ

مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾

اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آوے اور تم تکبر ہی میں رہو، بے شک اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

وَاِذَا اور جب	تُتْلٰى عَلَيْهِمْ پڑھی جاتی ہیں ان پر	اٰيٰتُنَا آیات ہماری	بَيِّنٰتٍ واضح	قَالَ کہتے ہیں وہ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے انکار کیا		
لِلْحَقِّ حق کا	لَمَّا جب	جَآءَهُمْ انکے پاس آگیا وہ	هٰذَا سِحْرٌ یہ جادو	مُّبِيْنٌ کھلا	اَمْ کیا	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	افْتَرٰىهُ اس نے خود بنالیا ہے اسے
قُلْ فرمادیں	اِنِ اگر	افْتَرَيْتُهٗ میں نے خود بنالیا ہے اسے	فَلَا تَمْلِكُوْنَ تو تم اختیار نہیں رکھتے	لِيْ میرے لئے	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے	شَيْئًا کچھ بھی	
هُوَ اَعْلَمُ وہ خوب جانتا ہے	بِمَا وہ جو	تُفِيْضُوْنَ تم باتیں بناتے ہو	فِيْهِ اس میں	كَفٰى بِهٖ وہ کافی ہے اس کا	شَهِيْدًا گواہ	بَيْنِيْ میرے درمیان	
وَبَيْنَكُمْ اور تمہارے درمیان	وَهُوَ اور وہ	الْغَفُوْرُ بخشنے والا	الرَّحِيْمُ رحم کرنے والا	قُلْ فرمادیں	مَا كُنْتُ نہیں ہوں میں	بِدْعًا نیا	مِنَ الرُّسُلِ رسولوں میں سے
وَمَآ اَدْرِيْ اور نہیں جانتا	مَا يُفْعَلُ کیا کیا جائے گا	بِيْ میرے ساتھ	وَلَا بِكُمْ اور نہ تمہارے ساتھ	اِنْ اَتَّبِعُ نہیں پیروی کرتا میں	اِلَّا سوائے۔صرف		
مَا يُوْحٰى جو وحی کیا جاتا ہے	اِلَيَّ میری طرف	وَمَآ اَنَا اور نہیں ہوں میں	اِلَّا مگر۔صرف	نَذِيْرٌ ڈر سنانے والا	مُّبِيْنٌ صاف صاف	قُلْ فرمادیں	
اَرَءَيْتُمْ بھلا تم دیکھو تو	اِنْ اگر	كَانَ ہے	مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کے پاس سے	وَكَفَرْتُمْ اور تم نے انکار کیا	بِهٖ اس کا	وَشَهِدَ اور گواہی دی	
شَاهِدٌ ایک گواہ	مِنْ سے	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل	عَلٰى مِثْلِهٖ اس جیسی (ایک کتاب) پر	فَاٰمَنَ پھر وہ ایمان لے آیا	وَاسْتَكْبَرْتُمْ اور تم نے تکبر کیا		
اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَا يَهْدِيْ ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ لوگ	الظّٰلِمِيْنَ ظالم (جمع)			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں توحید کے سلسلہ میں بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح مانو کہ اس کے ساتھ کسی بات میں کوئی شریک نہ ٹھہراؤ اور جو باوجود واضح دلائل کے توحید سے انکار کرے اور شرک پر مصر رہے تو ایسے شخص کو حد درجہ گمراہ بتلایا گیا تھا کہ جو ایک خدا کو چھوڑ کر ایسے معبودان باطل کو اپنی حاجت روائی کے لئے پکارے کہ

جونہ اس کی پکار سنے اور نہ کوئی چیز بھی عطا کر سکے اور بتلایا گیا تھا کہ یہ مشرکین آج دنیا میں تو ان معبودان باطلہ کی پرستش کر رہے ہیں لیکن کل قیامت میں ان کے یہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور الٹا انہی کو ملزم گردانیں گے اور ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اب آگے ان آیات میں انہی مشرکین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو اپنے انجام کی کچھ فکر نہیں۔ کسی نصیحت اور فہمائش پر کان ہی نہیں دھرتے۔ بلکہ جب قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن میں بالکل سچی سچی باتیں بتائی جاتی ہیں تو یہ اسے جادو اور سحر کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ ایام جاہلیت میں عرب اپنی طاقت وقدرت سے بڑھ کر ہر چیز کو سحر کہتے تھے۔ چونکہ قرآن مجید کی خوبیاں اس کی فصاحت و بلاغت اس کے مضامین کی لطافت اس کے اثرات اہل زبان ہونے کے سبب کفار و مشرکین کے ذہن میں آتیں اور وہ اس کو اپنی طاقت وقدرت سے بالا پاتے کہ ایسے مضمون اور الفاظ سے وہ عاجز ہیں تو الزام لگاتے کہ یہ کلام تو سحر ہے اور بعض مشرکین اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ الزام لگاتے کہ (معاذ اللہ) یہ کلام تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود بنا لائے ہیں اور خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کفار و مشرکین کے اس الزام کی تردید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کے جواب میں ان سے کہہ دیجئے کہ خدا پر جھوٹ لگانا اور افترا باندھنا انتہائی جرم ہے۔ اگر بفرض محال میں ایسی جسارت کروں جیسا کہ تم الزام لگاتے ہو تو گویا جان بوجھ کر میں اپنے کو اللہ کے غضب اور اس کی سخت ترین سزا کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ بھلا خیال کرو جو ساری عمر بندوں پر جھوٹ نہ لگائے اور ذرا ذرا سے معاملہ میں اللہ کے خوف سے ڈرتا ہو وہ ایک دم بیٹھے بٹھائے اللہ پر جھوٹ طوفان باندھ کر اپنے کو ایک عظیم ترین آفت و مصیبت میں پھنسائے گا جس سے بچانے والی اور پناہ دینے والی کوئی طاقت دنیا میں موجود نہیں۔ اگر میں خدا پر جھوٹ باندھوں تو کیا تم خدا کے غضب وقہر سے جو جھوٹے مدعی نبوت پر ہوتا ہے مجھ کو نجات دلا سکو گے؟ اور جب اللہ مجھ کو برائی پہنچانا چاہے گا تو تم میرا کچھ بھلا کر سکو گے؟ میری چالیس سال کی زندگی سے جو تمہارے ہی درمیان میں گزری ہے اتنا تو تم بھی جانتے ہو کہ میں اس قدر بے خوف اور بے باک نہیں ہوں اور نہ ایسا بے عقل ہوں کہ بعض انسانوں کو خوش کر کے خداوند قدوس کا غصہ مول لوں۔ بہرحال اگر میں (معاذ اللہ) مفتری ہوں اور غیر اللہ کے کلام کو اللہ کی طرف نسبت دوں تو اس کا وبال مجھ پر ہی پڑے گا۔ لیکن یاد رکھو کہ جو باتیں تم نے شروع کر رکھی ہیں اور جو الزامات تم لگاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی خوب جانتا ہے اگر خدا کے سچے رسول کو جھوٹا اور مفتری کہا تو سمجھ لو کہ اس کا کیا حشر ہوگا خدا پر میری اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں اس لئے میں اسی کو اپنے اور تمہارے درمیان گواہ ٹھہراتا ہوں۔ وہی بتلا دے گا اور ظاہر فرما دے گا کہ کون حق پر ہے اور کون جھوٹ بول رہا ہے اور افترا کر رہا ہے۔ دیکھو اگر اپنے افعال واقوال سے اب بھی باز آ جاؤ تو اللہ غفور الرحیم ہے وہ بخش دے گا اور یہ اس کی بردباری اور مہربانی ہے کہ باوجود جرائم پر مطلع ہونے اور کامل قدرت رکھنے کے تم کو ہلاک نہیں کر دیتا۔ اب بھی اس ہٹ دھرمی سے باز آ جاؤ تو خدا کی رحمت کا دروازہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے اور جو کچھ اب تک تم نے کیا یا کہا ہے وہ معاف ہو سکتا ہے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منکرین سے یوں بھی کہئے کہ آخر تم میری رسالت پر اتنا شدید انکار کیوں کر رہے ہو؟ میری باتوں سے تم اس قدر کیوں بدکتے ہو؟ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور کوئی انوکھی چیز تو لے کر نہیں آیا ہوں۔ مجھ سے پہلے بھی دنیا میں اور رسول ہو چکے ہیں۔ جو وہ کہتے تھے وہی میں کہتا ہوں میں کسی اور عجیب بات کا دعویٰ نہیں کرتا اور مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا اس لئے میں اپنی طرف سے عذاب وثواب کی خبریں نہیں دے سکتا۔ بلکہ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے اس لئے جو مجھے حکم ربی ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں اور کفر و عصیان کے سخت خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کئے دیتا ہوں۔ دیکھو تم بنی اسرائیل کو بڑا پڑھا لکھا سمجھتے ہو ان کے علم وفضل سے مرعوب ہو۔ ان کو آسمانی کتاب وعلم کا حامل سمجھتے ہو تم نے ان کے عالموں سے بھی پوچھ کر دیکھ لیا اور انہوں نے گواہی دی کہ ہاں آخری رسول آخری کتاب لے کر آنیوالا ہے۔

تو اب وہ قرآن جس کو تم تراشیدہ بتاتے ہو اگر خدا کی طرف سے ہے جیسا کہ درحقیقت وہ ہے اور تم اسے نہ مانو تو پھر کیا ہوگا؟ کیا تمہیں سزا نہ دی جائے گی۔ ضرور دی جائے گی۔ پس تم عناد سے کام نہ لو اور خالی الذہن ہو کر اس میں غور کرو۔ اگر بنی اسرائیل میں سمجھدار علمائے یہود تو اس کے صدق کی گواہی دیں اور تم اس کتاب کے ماننے سے انکار کرو اور اپنی شیخی اور غرور سے اس کو قبول نہ کرو تو سمجھ لو کہ اس سے بڑھ کر ظلم اور گناہ کیا ہوگا۔ بالخصوص جبکہ تم گزشتہ میں یہ بھی کہہ چکے تھے کہ اگر ہمیں کتاب دی جاتی تو ہم ان سے یعنی اہل کتاب سے زیادہ راہ پر ہوتے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گو یہ باتیں بہت صاف ہیں مگر یہ منکرین ہٹ دھرم انہیں بھی نہ مانیں گے کیونکہ وہ سراسر ظلم پر کمربستہ ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ حق تعالیٰ ظلم پر کمربستہ لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا (تو ایسے ظالم کی نجات وفلاح کی کیا توقع ہو سکتی ہے)

ابھی آگے منکرین کے بعض اقوال جو وہ اہل ایمان کے متعلق کہتے نقل فرما کر اس کی تردید کی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ

اور یہ کافر ایمان والوں کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ کرتے، اور جب اُن لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہ کہیں گے

هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ

کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب جو راہ نما اور رحمت تھی، اور یہ ایک کتاب ہے جو اس کو سچا کرتی ہے

لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾

عربی زبان میں ظالموں کے ڈرانے کیلئے اور نیک لوگوں کو بشارت دینے کیلئے۔

وَقَالَ اور کہا	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا (کافر)	لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان کیلئے جو ایمان لائے (مومن)	لَوْ كَانَ اگر ہوتا	خَيْرًا بہتر				
مَا سَبَقُوْنَا نہ وہ پہل کرتے ہم پر	اِلَيْهِ اس کی طرف	وَاِذْ اور جب	لَمْ يَهْتَدُوْا نہ ہدایت پائی انہوں نے	بِهٖ اس سے	فَسَيَقُوْلُوْنَ تو اب کہیں گے	هٰذَا یہ		
اِفْكٌ جھوٹ	قَدِيْمٌ پرانا	وَ اور	مِنْ قَبْلِهٖ اس سے پہلے	كِتٰبُ کتاب	مُوْسٰى موسیٰ	اِمَامًا رہنما۔امام	وَرَحْمَةً اور رحمت	وَهٰذَا اور یہ
كِتٰبٌ کتاب	مُصَدِّقٌ تصدیق کرنیوالی	لِسَانًا زبان	عَرَبِيًّا عربی	لِيُنْذِرَ تاکہ وہ ڈرائے	الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا (ظالم)			
وَبُشْرٰى اور خوشخبری	لِلْمُحْسِنِيْنَ نیکوکاروں کیلئے							

تفسیر وتشریح: زمانہ جاہلیت میں عرب کے جاہل مشرک اہل کتاب بنی اسرائیل کے علم وفضل سے مرعوب تھے اور یہود کو آسمانی کتاب کے عالم اور پہلے زمانہ کے حالات سے بڑا باخبر جانتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا ہوا تو مشرکین نے اس معاملہ میں علمائے بنی اسرئیل کا عندیہ لینا چاہا اور امید ان کو یہ تھی کہ وہ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائیں گے اور آپ کی علانیہ تکذیب کر دیں گے تو کہنے کو ان مشرکین کے یہ بات ہاتھ آجائے گی کہ دیکھو اہل علم اور اہل کتاب بھی ان کی باتوں کو (نعوذ باللہ) جھوٹا کہتے ہیں لیکن مشرکین کی یہ امید بر نہ آئی۔ یہود کے عالموں نے صاف کہہ دیا کہ ہاں ایک آخری رسول آخری کتاب لے کر آنے والے ہیں۔ جن کی آمد کی خبر تورات میں ہے اور یہ رسول وہی معلوم ہوتے ہیں علمائے یہود کی یہ شہادتیں فی الحقیقت ان پیشین گوئیوں پر مبنی تھیں جو ان کی کتابوں میں منقول چلی آتی تھیں۔ تو کفار ومشرکین اس مقصد میں بھی ناکام رہے اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے علما سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق وتائید کرادی۔ مشرکین عرب یہاں بھی مایوس ہوئے تو اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار اور قرآن کے نہ ماننے کا ایک نیا بہانہ تراشا جیسا کہ ان آیات میں ظاہر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور اس میں کچھ بہتری ہوتی تو کیا ہم سے پہلے غریب کمزور نادار لوگ اور لونڈی وغلام اس کو قبول کرتے۔ بلکہ سب سے پہلے ہم مانتے اگر یہ دین بہتر ہوتا تو بہتر لوگ اس کی طرف جھپٹتے کیا یہ چیز اچھی ہوتی تو اس کے حاصل کرنے میں ہم جیسے عقلمند عزت اور دولت والے سردار ان لونڈی غلاموں سے پیچھے رہ جاتے۔ مکہ میں سب سے پہلے غریب لوگ ایمان لائے تھے منجملہ ان کے حضرت عمرؓ کے ایک لونڈی بھی تھی جس کو دین اسلام قبول کرنے پر مارتے مارتے تھک جاتے تھے مگر وہ دین اسلام سے پھرنے پر تیار نہ تھی۔ تو اس بات پر کفار قریش تمسخر کرتے اور کہتے کہ اگر یہ قرآن حق ہوتا تو سب سے پہلے ہم قبول کرتے۔ کیا فلاں لونڈی ہم سے پہل کر جاتی؟ اور گرے پڑے غلام جیسے بلال عمار صہیب خباب وغیرہ جیسے سبقت کر جاتے؟ گویا قریش کے سردار

عوام الناس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہکانے کے لئے یہ پرفریب دلیل استعمال کرتے کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی صحیح بات پر دعوت دے رہے ہوتے تو قوم کے بڑے سردار اور معززین اور مال دار آگے بڑھ کر اس کو قبول کرتے یہ کیا بات ہوئی کہ چند ناتجربہ کار لڑکے اور چند ادنیٰ درجہ کے غلام اور مفلس کم حیثیت لوگ ایک بات کو مان لیں اور قوم کے بڑے بڑے لوگ رئیس سردار اور معزز مال دار اور جہاں دیدہ جن کی عقل وتدبیر پر قوم اعتماد کرتی رہی وہ اس کو رد کردیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس نئی دعوت میں ضرور کچھ خرابی ہے لہذا عوام بھی اس سے دور بھاگیں۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ان منکرین کو تکبر اور عناد کے سبب قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہ یہی کہیں گے کہ یہ بھی ایک قدیم جھوٹ ہے۔ (معاذ اللہ) پرانے لوگوں کی پرانی غلط باتیں ہیں۔ کفار و مشرکین کا یہ قول بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ آج کل کے نام نہاد ''ترقی پسند'' اور ''تجدد پسند'' اور ''مغرب زدہ'' بے دین دین داروں کو لکیر کے فقیر پرانے دقیانوسی خیالات والے ترقی کے دشمن زمانہ سے ناواقف ہونے کا طعنہ دیتے ہیں تو سنئے حق تعالیٰ کفار کے اس الزام میں کہ معاذ اللہ یہ قرآن بھی ایک قدیمی جھوٹ اور پرانی غلط بات ہے کیا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ پرانا جھوٹ نہیں بلکہ بہت پرانا سچ ہے۔ نزول قرآن سے سینکڑوں برس پہلے تورات نے بھی یہی اصولی تعلیم دی تھی جس کی انبیاء اور اولیاء اقتدا کرتے رہے اور اس نے پیچھے آنے والی نسلوں کے لئے اپنی تعلیمات و بشارات سے راستی وہدایت کی راہ ڈال دی اور رحمت کے دروازے کھول دیئے۔ اب قرآن اترا تو اس کو سچا ثابت کرتا ہوا غرض دونوں کتابیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور یہی حال دوسری کتب سماویہ کا ہے غرض کہ اس قرآن سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب تورات امام اور رحمت تھی اور اب یہ کتاب یعنی قرآن مجید جو اپنے سے پہلے کی تمام کتابوں کو منزل من اللہ اور سچی کتابیں مانتا ہے عربی زبان میں نازل ہوا ہے تاکہ شریروں اور ظالموں کو انجام بد سے خبردار کردے اور نیک لوگوں کو خوشخبری سنادے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا اچھا ہونا ہے۔

اب چونکہ یہاں ظالمین کے حق میں وعید اور محسنین یعنی نیک کاروں کے حق میں بشارت کا ذکر ہوا ہے۔ آگے اسی وعدہ و وعید کی کسی قدر تفصیل ہے جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اس امت مسلمہ کو قرآن کی حق شناسی اور قدردانی کی توفیق عطا فرمائیں۔ آج بھی جو غافل قرآن کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ چودہ سوسال پرانی کتاب کے احکام وقوانین اس ترقی کے زمانہ میں اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں کیسے چل سکتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی آنکھیں کھول دے اور ان کے قلوب میں قرآن پاک کی عظمت وسچائی اتار دے۔

اے اللہ پھر اس دنیا میں قرآنی تعلیمات کا دور دورہ زندہ فرمادے اور اس امت حامل قرآن کو قرآن پر ایمان کے ساتھ عمل بھی نصیب فرمادے۔ یا اللہ قرآن کریم کے متعلق کفار و مشرکین نے جو کچھ کہا یا اب بھی کہتے ہیں اس کی حکایت شکایت ہم کیا کریں ہمیں تو رونا اب یہ ہے کہ بعض مدعیان اسلام ہی قرآن کی خوبیوں سے بے بہرہ ہوگئے ہیں اور اس آسمانی کتاب کی بے قدری قولاً نہ سہی عملاً تو یقینی کر رہے ہیں۔ یا اللہ ہماری حالت پر رحم وکرم فرما اور ہم کو اپنی کتاب قرآن عظیم پر ایمان کے ساتھ اور عمل کی توفیق بھی نصیب فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝۱۳ أُولَٰئِكَ

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے، اُن لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ لوگ

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۱۴ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ

اہل جنت ہیں جو اُس میں ہمیشہ رہیں گے، بعوض ان کاموں کے جو وہ کرتے تھے۔اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے،

إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا

اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا، اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے (میں پورا ہوتا ہے) یہاں تک کہ جب

بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي

وہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے، اور چالیس برس کو پہنچتا ہے، تو کہتا ہے اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں

أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ

جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں، اور میں نیک کام کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی مرے لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے،

إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝۱۵ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ

میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے کاموں کو قبول کرلیں گے

مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝۱۶

اور ان کے گناہوں سے درگذر کریں گے اس طور پر کہ یہ اہل جنت میں سے ہوں گے، اس وعدۂ صادقہ کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِينَ قَالُوا جن لوگوں نے کہا	رَبُّنَا اللَّهُ ہمارا رب اللہ	ثُمَّ پھر	اسْتَقَامُوا وہ قائم رہے	فَلَا خَوْفٌ تو کوئی خوف نہیں	عَلَيْهِمْ ان پر
وَلَا هُمْ اور نہ وہ	يَحْزَنُونَ غمگین ہوں گے	أُولَٰئِكَ یہی لوگ	أَصْحَابُ الْجَنَّةِ اہل جنت	خَالِدِينَ ہمیشہ رہیں گے	فِيهَا اس میں	جَزَاءً جزا
بِمَا اس کی جو	كَانُوا يَعْمَلُونَ وہ عمل کرتے تھے	وَوَصَّيْنَا اور ہم نے حکم دیا	الْإِنْسَانَ انسان	بِوَالِدَيْهِ ماں باپ کیساتھ	إِحْسَانًا حسن سلوک کا	
حَمَلَتْهُ وہ اس کو اٹھائے رہی	أُمُّهُ اس کی ماں	كُرْهًا تکلیف کے ساتھ	وَ اور	وَضَعَتْهُ كُرْهًا اس نے اس کو جنا تکلیف کیساتھ	وَحَمْلُهُ اور اس کا حمل	
وَفِصَالُهُ اور اسکا دودھ چھڑانا	ثَلَاثُونَ شَهْرًا تیس مہینے	حَتَّىٰ یہاںتک	إِذَا جب	بَلَغَ وہ پہنچا	أَشُدَّهُ اپنے زور (جوانی) کو	وَبَلَغَ اور وہ پہنچا (ہوا)
أَرْبَعِينَ چالیس	سَنَةً سال	قَالَ ان نے عرض کیا	رَبِّ اے میرے رب	أَوْزِعْنِي توفیق دے مجھے	أَنْ أَشْكُرَ کہ میں شکر کروں	
نِعْمَتَكَ تیری نعمت	الَّتِي وہ جو	أَنْعَمْتَ عَلَيَّ تو نے انعام فرمائی مجھ پر	وَ اور	عَلَىٰ وَالِدَيَّ میرے ماں باپ پر	وَأَنْ اور یہ کہ	أَعْمَلَ میں عمل کروں
صَالِحًا نیک عمل	تَرْضَاهُ تو پسند کرے اسے	وَأَصْلِحْ اور اصلاح کردے	لِي میرے لئے	فِي ذُرِّيَّتِي میری اولاد میں	إِنِّي تُبْتُ بیشک میں نے توبہ کی	
إِلَيْكَ تیری طرف	وَإِنِّي اور بیشک میں	مِنَ سے	الْمُسْلِمِينَ مسلمانوں (فرمانبرداروں)	أُولَٰئِكَ یہی لوگ	الَّذِينَ وہ جو کہ	

نَتَقَبَّلُ ہم قبول کرتے ہیں	عَنْهُمْ ان سے	اَحْسَنَ بہترین (عمل)	مَا جو	عَمِلُوْا انہوں نے کئے	وَ اور	نَتَجَاوَزُ ہم درگزر کرتے ہیں					
عَنْ سے	سَيِّاٰتِهِمْ انکی برائیوں	فِيْٓ میں	اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ اہل جنت	وَعْدَ الصِّدْقِ سچا وعدہ	الَّذِيْ وہ جو	كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ انہیں وعدہ دیا جاتا تھا					

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ آسمانی دین کو پہلے توراۃ نے پھیلایا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے اور ہدایت ورحمت کا راستہ انسانوں کے لئے کھولا اور اب اسی کی تائید اور تصدیق کرتا ہوا یہ قرآن کریم نازل ہوا۔ عربی زبان میں تاکہ ان ظالموں کو خطرہ سے آگاہ کرے اور ان کے انجام بد سے ڈراوے جو اس کا انکار کرتے ہیں اور نیک لوگوں کو جو اس کو مان کر اس کی ہدایات پر چلیں ان کو خوشخبری وبشارت سنادے کہ ان کا انجام کیسا اچھا ہوگا۔ تو گویا اس وعدہ وعید میں یہ جتلا دیا گیا تھا کہ جو لوگ اس دین کو نہ مانیں گے جسے قرآن کریم نے انسانوں کے سامنے صاف صاف پیش کیا ہے وہ لوگ ظالم ہیں اور ان کا وہی حشر ہوگا جس سے قرآن مجید نے انہیں ڈرایا ہے اور جو لوگ اس کو مان کر اس راستہ پر چلیں گے جس کا قرآن مطالبہ کرتا ہے تو ان کو وہ سب انعامات ملیں گے جن کی قرآن کریم نے بشارت وخوشخبری دی ہے اسی وعدہ ووعید کی مزید تشریح ان اور اگلی آیات میں ظاہر فرمائی گئی ہے اور سمجھایا گیا کہ انسان اگر چاہتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد اس کا انجام اچھا ہو اور وہ ناگوار اور رنج وغم کی باتیں پیش آنے سے نجات پا جائے تو اس کا ایک ہی راستہ ہے جو کوئی اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو اس دنیا کی زندگی کے بعد وہ رنج وغم سے چھٹکارا نہیں پاسکتا۔ اب وہ راستہ کیا ہے یہ یہاں پہلی مختصر سی آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ دو باتیں اس دنیا میں اختیار کرے۔ ایک تو سچے دل سے اقرار کرے کہ میرا رب اللہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اس پر ایمان اس کی الوہیت وربوبیت سب کا اقرار آگیا یعنی اللہ کی ربوبیت والوہیت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور دل سے یقین کرے کہ میں ہر حال اور ہر آن میں اور ہر قدم میں اللہ تعالیٰ کے زیر تربیت ہوں۔ مجھے ایک سانس کے بعد دوسرا سانس بھی بغیر اس کی رحمت کے نہیں آسکتا۔ اور دوسری بات یہ کہ اس قول وقرار پر تازندگی قائم اور ثابت قدم رہے یعنی اس یقین اور اقرار سے مرتے دم تک نہ ہٹے جو کچھ زبان سے کہا ہے اس کے مقتضا پر اعتقاداً اور عملاً جما رہے یعنی اللہ کی ربوبیت کا حق پہچانے اور اپنے رب کے عائد کئے ہوئے حقوق و فرائض کو سمجھے اور ادا کرے۔ یہ نہیں کہ ابن الوقت بن کر گرگٹ کی طرح رنگ بدلا کرے کہ دعویٰ تو ایمان اور اسلام کا اور اتباع ہو کفار ومشرکین یہود ونصاریٰ کا تو گویا اس مختصر سے جملہ میں یعنی قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا یعنی جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے بڑی بلاغت کے ساتھ پورے اسلام اور ایمان اور اعمال صالحہ سب کو جمع کر دیا گیا ہے اسی کی تشریح اور تائید مسلم شریف کی ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ جب حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کی ایک ایسی جامع بات بتلا دیجئے کہ جس کے بعد مجھے کسی اور سے کچھ نہ پوچھنا پڑے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قل اٰمنت باللہ ثم استقم یعنی تم اللہ پر ایمان لانے کا اقرار کرو پھر اس پر مستقیم رہو تو لفظ مستقیم یا استقامت ایک لفظ مختصر ہے مگر تمام شرائع اسلامیہ کو جامع ہے جس میں تمام احکام الٰہیہ پر عمل اور تمام محرمات ومکروہات ومنہیات سے اجتناب و پرہیز دائمی طور پر شامل ہے۔ اسی لئے لفظ استقامت کی تفسیر میں حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام اوامر اور نواہی پر سیدھے جمے رہو اس سے ادھر ادھر راہ فرار لومڑیوں کی طرح نہ نکالو (تفسیر مظہری) اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ ہمیں بھی اس پر مستقیم رہنا نصیب فرمائیں آمین۔

تو جس نے دنیا میں یہ دو باتیں پوری کر دیں یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور توحید کا اقرار کیا اور پھر اس پر تازندگی وہ مستقیم بھی رہا وہ یقیناً اس دنیا کی زندگی کے بعد خوف اور رنج وغم سے نجات پا جائے گا اور یہی وہ لوگ جنہیں آخرت میں جنت میں جگہ ملے گی اور وہ بھی عارضی نہیں بلکہ دائمی ہمیشہ کے لئے جہاں نہ کسی قسم کا خوف اور فکر اس کے پاس پھٹکے گا اور نہ کوئی غم وہراس ان پر آئے گا کیونکہ ہر

چیز خواہش کرتے ہی فوراً ملے گی۔ ایسی ہی بشارت چوبیسویں پارہ سورۃ حم سجدہ میں ذکر ہو چکی ہے جہاں ارشاد ہوا تھا ''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور خوش ہو جنت کے ملنے پر جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے واسطے اس جنت میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کو تمہارا جی چاہے اور تمہارے واسطے موجود ہے جو کچھ بھی تم مانگو۔ یہ بطور مہمانی کے خدائے غفور الرحیم کی طرف سے (آیات ۳۰'۳۲)۔''

خلاصہ یہ کہ یہ آیات مومن کے حق میں بہت بڑی بشارت ہیں اور وعدہ ہے کہ اس بات کا کہ اسے کوئی غم و رنج نہ موت کے وقت ہوگا نہ برزخ میں نہ آخرت میں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے کرم سے اپنے ایسے ہی مومنین بندوں میں شامل فرماویں۔ آمین۔ تو اوپر چونکہ خدائے تعالیٰ کی توحید و ربوبیت والوہیت کا اس کی عبادت و فرمانبرداری کا اور اس پر استقامت کرنے کا حکم ہوا جس میں تمام حقوق اللہ کی بجا آوری آ گئی تو مناسب ہوا کہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی حکم کر دیا جائے۔ قرآن کریم میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کا حق بیان فرمایا ہے کیونکہ موجد حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اس عالم اسباب میں ماں باپ اولاد کے وجود کا سبب ظاہری اور حق تعالیٰ کی شان ربوبیت کا مظہر خاص بنتے ہیں اس لئے یہاں بھی پہلے اللہ تعالیٰ کے حقوق کا ذکر فرما کر والدین کا حق بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین یعنی ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے ان کی تعظیم و محبت اور خدمت گزاری کو اپنی سعادت سمجھے۔ دوسری جگہ بتلایا گیا ہے کہ اگر والدین مشرک ہوں تب بھی ان کے ساتھ دنیا میں معاملہ اچھا رکھنا چاہئے۔ خصوصاً ماں کی خدمت گزاری کہ بعض وجوہ سے اس کا حق اولاد پر باپ سے بھی زائد ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں بھی اس امر کی طرف اشارہ ہے اور صحیح احادیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ایسا ہی ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ کی روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں عرض کیا کہ پھر کون۔ آپ نے فرمایا تمہاری ماں پوچھا پھر کون آپ نے پھر فرمایا تمہاری ماں پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارا باپ۔ گویا ۳ مرتبہ ماں کے حق کی طرف اشارہ فرمایا اور چوتھی مرتبہ باپ کے حق کی طرف۔ یہاں آیت میں بھی ماں کے تہرے حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے پہلے یہ کہ انسان کو اس کی ماں نے اسے مشقت اٹھا کر پیٹ میں رکھا۔ یعنی حمل جب کئی ماہ کا ہو جاتا ہے تو اس کا ثقل و گرانی اور بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے جس کو ماں برداشت کرتی ہے۔ دوسرے مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنتی ہے۔ بچہ کی پیدائش کے وقت ماں کیسی سختی برداشت کرتی ہے۔ تیسرے دودھ پلانے اور بچہ کی نگہداشت کرنے میں صعوبت برداشت کرتی ہے۔ ماں اپنی آسائش اور راحت کو بچہ کی آسائش اور راحت پر قربان کر دیتی ہے اور اس حمل اور دودھ پلانے کے زمانہ میں ۳۰ ماہ یعنی اڑھائی سال لگ جاتے ہیں۔ حمل اور دودھ پلانے کی مدت جو ۳۰ مہینہ یہاں فرمائی گئی سو جمہور کے نزدیک اس حساب پر مبنی ہے کہ کم از کم ۶ ماہ مدت حمل اور زیادہ سے زیادہ مدت رضاعت یعنی دودھ پلانا دو سال اس طرح مجموعہ اڑھائی سال یعنی ۳۰ ماہ ہو گیا یا یہ حساب رکھا جائے کہ طبعی مدت حمل ۹ مہینہ اور طبعی مدت رضاعت ۲۱ مہینہ یوں بھی اڑھائی برس ہو گئے۔ اتنے دنوں تک ماں طرح طرح کی مصیبت اٹھاتی ہے اور کم و بیش ان مصیبتوں میں باپ کی بھی شرکت ہوتی ہے بلکہ اکثر امور کا انتظام عادۃً باپ ہی کو کرنا پڑتا ہے اس لئے بھی ماں باپ کا حق انسان پر زیادہ واجب کیا گیا۔ غرض کہ اس کے بعد بچہ نشو و نما پاتے پاتے اپنی جوانی یعنی بلوغ کو پہنچ جاتا ہے اور پھر بلوغ کے بعد ایک زمانہ میں چالیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو جو انسان سعید ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق کو پہچانتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے جو احسانات اس پر اور اس کے ماں باپ پر ہو چکے ہیں ان کا شکر ادا کرتا ہے اور آئندہ نیک عمل کرنے کی توفیق بھی خدا سے مانگتا ہے اور اپنی اولاد کے حق میں بھی نیکی کی دعا مانگتا ہے اور جو کوتاہی حقوق اللہ یا حقوق العباد میں رہ گئی اس پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کر کے معافی مانگتا ہے اور از راہ

تواضع و بندگی اپنی مخلصانہ عبدیت وفرمانبرداری کا اعتراف کرتا ہے غرض کہ جو بندہ سعید ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق تو براہ راست ادا کرتا ہی ہے اور ساتھ ہی بندوں کے حقوق کو بھی پہچانتا ہے اور انہی بندوں کے حقوق میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ان کی خدمت گزاری میں بھی لگا رہتا ہے۔

یہاں آیت میں جو اربعین سنۃ فرمایا یعنی جب ۴۰ سال کو پہنچتا ہے تو علما نے لکھا ہے کہ ۴۰ برس کی عمر میں عموماً انسان کی عقلی اور اخلاقی قوتیں پختہ ہو جاتی ہیں اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ۴۰ برس سے پہلے نہ ہوتی تھی۔ تو یہاں یہ تاکید مقصود ہے کہ ۴۰ برس کے بعد پھر غفلت نہ ہونی چاہئے کیونکہ جوانی میں قوت عقلیہ مغلوب ہوتی ہے اور ۴۰ سال پر قوت عقلیہ کامل غالب ہوتی ہے تو اس وقت توجہ الی اللہ بہت ضرور ہے اور ۴۰ سال کی عمر کو پہنچ کر انسان کو پختہ دل سے اللہ کی طرف توبہ کرنی چاہئے اور نئے سرے سے خدا کی طرف رغبت اور رجوع کر کے اس پر جم جانا چاہئے بعض مفسرین سے منقول ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور آپ نے یہ بات چالیس سال کی عمر میں کہی تھی اور وہ اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ مع اپنی اولاد کے پہلے ہی اسلام لائے ہوئے تھے۔ فتح مکہ کے بعد آپ کے والد ابوقحافہ بھی مسلمان ہو گئے تھے اور آپ کی والدہ ام الخیر بھی مسلمان تھیں۔ گویا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑے ہی خوش قسمت تھے کہ خود ان کو ان کے ماں باپ کو اور اولاد کو ایمان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی۔ صحابہ کرام میں یہ خصوصیت سوائے آپ کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ مگر اکثر مفسرین ان آیات کو عموم پر محمول کرتے ہیں آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسے بندوں کی نیکیاں قبول اور کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں اور ان کا مقام اللہ کے سچے وعدہ کے موافق جنت میں ہے۔ قرآن مجید میں یہ حقیقت دسیوں جگہ آ چکی ہے اور یہاں پھر اسی کا اعادہ ہے کہ بڑے بڑے کاملین اور مقبولین سے بھی تقصیرات اور خطائیں ہو جاتی ہیں لیکن ان کی خطاؤں سے درگزر کر دیا جاتا ہے۔

عام حکم ان آیات سے سب مسلمانوں کے لئے یہ نکلتا ہے اور جملہ اہل اسلام کو یہ ہدایت کرنا مقصود ہے کہ آدمی کی عمر جب ۴۰ سال کے قریب ہو جائے تو اس کو آخرت کی فکر غالب ہو جانا چاہئے۔ پچھلے گناہوں سے توبہ کی تجدید کرے اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا پورا اہتمام کرے کیونکہ ۴۰ سال کی عمر میں جو اخلاق و عادات کسی شخص کے ہو جاتے ہیں پھر ان کا بدلنا مشکل ہوتا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ مومن جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب آسان فرما دیتے ہیں اور جب ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو اس کو اپنی طرف رجوع وانابت نصیب فرما دیتے ہیں اور جب ستر سال کی عمر کو پہنچ جائے تو تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حسنات کو قائم فرما دیتے ہیں اور اس کے سیأت کو مٹا دیتے ہیں اور جب نوے سال کی عمر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور اس کو اپنے اہل بیت کے متعلق شفاعت کرنے کا حق دے دیتے ہیں اور آسمان میں اس کے نام کے ساتھ لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ اسیر اللہ فی الارض ہے یعنی زمین میں اللہ کی طرف سے قیدی ہے (ابن کثیر) اور یہ ظاہر ہے کہ مراد اس سے وہی بندہ مومن ہے جس نے اپنی زندگی احکام شرع کے تابع ہو کر تقویٰ کے ساتھ گزاری ہے۔ (معارف القرآن۔ جلد ہفتم ص ۸۰۸)

الغرض یہاں تک تو اہل سعادت اور نیکوکار مومنین کا بیان ہوا آگے ان کے مقابلہ میں اہل شقاوت وظالمین کا ذکر ہے جو کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو ضائع کرتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی سچی توحید نصیب فرمائیں اور تازندگی اسی پر قائم رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ أَتَعِدَانِنِيْٓ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تف ہے تم پر کیا تم مجھ کو یہ وعدہ (یعنی خبر) دیتے ہو کہ میں (دوبارہ زندہ ہوکر) قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گذر چکیں

يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٧﴾

اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کررہے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو ایمان لا، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، تو یہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آرہی ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول پورا ہوکر رہا جو ان سے پہلے جن اور انسان ہو گذرے ہیں،

وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ

بے شک یہ خسارہ میں رہے۔ اور ہر ایک کیلئے ان کے اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے اور تا کہ اللہ تعالیٰ سب کو ان کے اعمال پورے کردے اور ان پر

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ

ظلم نہ ہوگا۔ اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے

الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ

اور ان کو خوب برت چکے سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے،

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾

اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

وَالَّذِيْ اور وہ جس	قَالَ اس نے کہا	لِوَالِدَيْهِ اپنے ماں باپ کیلئے	اُفٍّ تف	لَّكُمَآ تمہارے لئے۔پر	اَتَعِدَانِنِيْٓ اَنْ کیا تم مجھے وعدہ (خبر) دیتے ہو کہ
اُخْرَجَ میں نکالا جاؤں گا	وَقَدْ خَلَتِ حالانکہ گزر چکے	الْقُرُوْنُ (بہت سے) گروہ	مِنْ قَبْلِيْ مجھ سے پہلے	وَهُمَا اور وہ دونوں	يَسْتَغِيْثٰنِ فریاد کرتے ہیں
اللّٰهَ اللہ	وَيْلَكَ تیرا بُرا ہو	اٰمِنْ تو ایمان لے آ	اِنَّ بیشک	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	حَقٌّ سچا
فَيَقُوْلُ تو وہ کہتا ہے	مَا نہیں	هٰذَآ یہ	اِلَّآ مگر۔صرف		
اَسَاطِيْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِيْنَ پہلوں	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	الَّذِيْنَ وہ جو	حَقَّ ثابت ہوگئی	عَلَيْهِمُ ان پر
الْقَوْلُ بات (عذاب)					
فِيْٓ اُمَمٍ امتوں میں	قَدْ خَلَتْ گزر چکیں	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل	مِنَ سے	الْجِنِّ وَالْاِنْسِ جنات اور انسان (جمع)	اِنَّهُمْ بیشک وہ
كَانُوْا تھے	خٰسِرِيْنَ خسارہ پانیوالے	وَلِكُلٍّ اور ہر ایک کیلئے	دَرَجٰتٌ درجے	مِمَّا عَمِلُوْا اس سے جو انہوں نے کیا	وَلِيُوَفِّيَهُمْ اور تا کہ وہ پورا دے انکو
اَعْمَالَهُمْ ان کے اعمال	وَهُمْ اور وہ۔اُن	لَا يُظْلَمُوْنَ اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا	وَيَوْمَ اور جس دن	يُعْرَضُ لائے جائیں گے	
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ جنہوں نے کفر کیا (کافر)	عَلَى النَّارِ آگ کے سامنے	اَذْهَبْتُمْ تم لے گئے حاصل کر چکے	طَيِّبٰتِكُمْ اپنی نعمتیں	فِيْ میں	
حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا اپنی دنیا کی زندگی	وَاسْتَمْتَعْتُمْ اور تم فائدہ اٹھا چکے	بِهَا ان کا	فَالْيَوْمَ پس آج	تُجْزَوْنَ تمہیں بدلہ دیا جائے گا	

2

عَذَابَ الْهُوْنِ رسوائی کا عذاب	بِمَا اس لئے کہ	كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ تم تکبر کرتے تھے	فِي الْأَرْضِ زمین میں	بِغَيْرِ الْحَقِّ ناحق
وَبِمَا اور اس لئے کہ	كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ تم نافرمانیاں کرتے تھے			

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ انسان اگر چاہتا ہے کہ اس کا انجام اچھا ہو اور اس دنیا کے بعد آنے والی زندگی میں ناگوار باتوں اور خوف و غم کے پیش آنے سے نجات پا جائے تو اس کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ وہ دنیا میں دو باتیں اختیار کرلے۔ ایک تو سچے دل سے اقرار کرے کہ میرا رب اللہ ہے دوسرے اس قول پر مرتے وقت تک ثابت قدم رہے۔ ایسے لوگوں کو بشارت دی گئی تھی کہ انہیں آخرت میں جنت ملے گی۔ اس کے بعد بتلایا گیا تھا کہ اچھے اور نیک لوگ وہ ہوتے ہیں جو بالغ ہو جانے پر خاص کر جب کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو وہ اللہ کے حکم کے آگے سر جھکانے اور اللہ کے فرمانبردار ہونے کا پختہ ارادہ کر لیتے ہیں ماں باپ کا ادب بجا لاتے ہیں اور اللہ سے نیکیوں کی توفیق مانگتے ہیں۔ اپنی تقصیرات پر توبہ کرتے رہتے ہیں ایسے سعادت مند لوگ جو کہ اللہ کے اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے پر کمر بستہ رہتے ہیں ان کو یہ بشارت دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو قبول فرما لیتا ہے اور یہی لوگ اللہ کی رضا کے مقام جنت میں جانے والے ہیں۔ ایسے سعادت مند انسانوں کے مقابلہ میں اب آگے ان آیات میں بے ادب نافرمان اور نالائق انسانوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور اس کا انجام بتلایا جاتا ہے کہ جو نہ ماں باپ کے احسانات کا خیال کرتا ہے نہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے بلکہ ماں باپ کے ساتھ سخت کلامی اور بدتہذیبی سے پیش آتا ہے چنانچہ ان آیات میں ایسے ہی اہل شقاوت اور ظالمین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ جس نے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو ضائع کیا۔ اس طرح کہ اس نے اپنے مسلمان ماں باپ سے کہا کہ میں تمہارے طریقے پر دین کو پسند نہیں کرتا تم مجھے یہ کیا سکھاتے ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر قبر سے نکلوں گا میں ایسی دھمکیوں سے نہیں ڈرتا بھلا کتنی قومیں اور جماعتیں مجھ سے پہلے گزر چکی ہیں کوئی شخص بھی ان میں سے اب تک دوبارہ زندہ ہو کر واپس آیا؟ لوگ ہمیشہ سے یونہی سنتے چلے آتے ہیں اور ہر زمانے میں پیغمبر یونہی وعدہ دیتے چلے آئے مگر آج تک کسی وعدہ کا ظہور نہ ہوا اور اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں تو میں اس پر کیونکر اعتبار کرلوں۔ اس کے غریب ماں باپ اس کے اس انکار سے کہ کفر عظیم ہے گھبرا کر اللہ سے فریاد کرتے ہیں اور اس کو سمجھاتے ہیں کہ کمبخت تیرا ستیاناس اب بھی باز آ جا۔ دیکھ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے۔ قیامت کی اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے کی جو خبر دی گئی ہے وہ ضرور اپنے وقت میں پوری ہو کر رہے گی اس وقت تیرا یہ انکار رنگ لائے گا۔ اس پر وہ گستاخ کہتا ہے کہ ایسی کہانیاں میں نے بہت سنی ہیں۔ پرانے وقتوں کے قصہ اسی طرح مشہور ہو جاتے ہیں اور واقعہ میں ان کا مصداق کچھ نہیں ہوتا۔ ایسا شقی شخص کہ جو اللہ سے کفر کرتا ہے۔ اور اپنے ماں باپ سے بھی مخالفت کے ساتھ پیش آتا ہے اور اپنے کلام میں بھی بدتمیزی اور درشتی کرتا ہے۔ اس کا انجام حق تعالیٰ آگے بتلاتے ہیں کہ جس طرح بہت سی جماعتیں کافر جنات اور کافر انسانوں کی پہلے جہنم کی مستحق ہو چکی ہیں۔ یہ بدبخت بھی انہیں میں شامل ہے۔ اور یقیناً ایسے لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے اور ان کے لئے آئندہ سوائے آفتوں اور مصیبتوں کے کچھ نہیں یہاں تک پہلے سعادت مند اور نیکوکار اور پھر شقی بدبخت نافرمان دونوں کا تذکرہ اور انجام ظاہر کرنے کے بعد بتلایا جاتا ہے کہ قیامت میں ہر شخص کے اور ہر قوم کے اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ہوں گے کسی کو جنت کے اور کسی کو دوزخ کے درجے ملیں گے اور یہ مختلف درجے اس لئے ملیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ان کے اعمال کی جزا پوری کردے اور ہر ایک کو اپنے کئے کا پورا پورا پھل مل جائے اور کسی پر ظلم زیادتی نہ ہو۔ نہ کسی کی نیکی کا ثواب کم کیا جائے اور نہ کسی کے جرم کی سزا حد سے زائد دی جائے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کافر کے کسی نیک کام میں چونکہ ایمان کی روح نہیں ہوتی محض

صورت اور ڈھانچہ نیکی کا ہوتا ہے تو ایسی فانی نیکیوں کا اجر بھی فانی ہے جو اسی دنیا کی زندگی میں مال و دولت حکومت اولاد تندرستی عزت شہرت وغیرہ کی شکل میں مل جاتا ہے چنانچہ کافروں سے قیامت کے دن جب وہ جہنم کے پاس لاکر کھڑے کر دیئے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے آخرت چھوڑ کر دنیا اختیار کی تھی۔ تم جو کچھ کرتے تھے وہ اس لئے کہ اس کا فائدہ دنیا میں ہی مل جائے۔ نام ہو شہرت ہو دولت ہو اور عیش و راحت ہو تو یہ لذت کی چیزیں تم اپنی دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے اب آخرت کے عیش میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ آج تمہاری جھوٹی شیخی اور نافرمانیوں کی سزا میں ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب دیا جائے گا۔ بس یہی ایک چیز تمہارے لئے یہاں باقی ہے پس تمہاری سزا کے لئے اب جہنم ہے اور ذلت میں یہ ملامت اور پھٹکار ہے۔ اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے لہٰذا اب اپنے کئے کی سزا بھگتو۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ناحق تکبر اور احکام الٰہیہ کی نافرمانی یہ کفار کی خاص خصلتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تکبر اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچاویں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان آیات میں کفار سے جو آخرت میں خطاب فرمایا جائے گا کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں خوب برت چکے تو معلوم ہوا کہ دنیا میں لذات میں پڑنا یہ کفار کی خصلت ہے نہ کہ مومنین صالحین کی۔ چونکہ یہاں آیت میں کفار کو ان کے دنیوی لذات میں منہمک رہنے کی بنا پر عتاب کیا گیا اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے لذائذ دنیا کو ترک کرنے کی عادت اختیار فرمائی جیسا کہ ان حضرات کی سیرت اس پر شاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے اتباع کی توفیق نصیب فرمائیں۔

حدیث میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے تھوڑا رزق لینے پر راضی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاتے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا اس پر پورا عمل تھا کہ خود بھی آپ تکلف اور لذت و راحت کے کھانے پینے اور سامان سے پرہیز کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس قسم کی نصیحت فرماتے تھے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں حضرت عمرؓ کو دنیا کی راحت کی چیزوں سے اس قدر پرہیز نہ تھا چنانچہ صحیحین میں خود حضرت عمرؓ سے جو روایت ہے۔ اس میں آپ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا تھا کہ فارس اور روم کے لوگ باوجود مشرک ہونے کے چین اور مزے اڑاتے ہیں۔ اور آپؐ اور آپ کی امت پر تنگ دستی غالب ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی فارغ البالی کی دعا فرمایئے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کی اس بات کے جواب میں نصیحت فرمائی کہ اے عمر تم کو اس بات پر قناعت کرنی چاہئے کہ مشرک لوگوں کے لئے دنیا کا چین ہے اور ہم لوگوں کے لئے عقبیٰ کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کا حضرت عمرؓ کے دل پر یہ اثر ہوا کہ اس دن سے آپ کے دل سے دنیا کی راحت کا خیال بالکل اٹھ گیا۔ لیکن آج آپ کے نام لیواؤں کا کیا حال ہے کہ دن و رات، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے بس دنیا کی ترقی اس کے عیش و آرام یہاں کی لذتیں و راحتیں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ اور بے دین دہریئے اور نیچریوں کی سی معیشت اور طور طریق اور مغرب کی اندھی تقلید و نقالی کے دلدادہ بنے ہوئے ہیں اور زندگی کا معیار ہی یورپ کے دہریوں کا سا عیش آرام اور رہن سہن نصیب ہو جانا سمجھ رکھا ہے۔ الا ماشآء الله ۔ انا لله و انا اليه راجعون.

اللہ تعالیٰ اس دنیا کی زندگی کی حقیقت کو ہمارے دلوں پر بھی کھول دیں اور یہاں کے عیش و آرام لذات و راحتوں کے پیچھے پڑنے سے بچا لیں اور آخرت کی فکر نصیب فرمائیں۔ آمین اب یہاں جو کفر اور انہماک فی الدنیا کی برائی اور مذمت فرمائی گئی تو اسی کی تاکید اور مضمون بالا کی تاکید میں عرب کی قوم عاد کا قصہ آگے بیان فرمایا جاتا ہے تاکہ کفار مکہ کو تنبیہ ہو جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ

اور آپ قوم عاد کے بھائی کا ذکر کیجئے، جب کہ انہوں نے اپنی قوم کو جو کہ ایسے مقام پر رہتے تھے کہ وہاں ریگ کے مستطیل خمدار تودے تھے اس پر ڈرایا کہ تم خدا کے سوا کسی کی عبادت مت کرو

خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا

اور ان سے پہلے اور ان سے پیچھے، بہت سے ڈرانے والے (پیغمبر اب تک) گذر چکے ہیں، مجھ کو تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس ارادہ سے آئے ہو

عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٢﴾ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ

کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو، سو اگر تم سچے ہو تو جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اس کو ہم پر واقع کر دو۔ انہوں نے فرمایا کہ پورا علم تو خدا ہی کو ہے،

وَأُبَلِّغُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ

اور مجھ کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے میں تم کو وہ پہنچا دیتا ہوں لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کرتے ہو۔ سو ان لوگوں نے جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتا دیکھا

قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٤﴾ تُدَمِّرُ

تو کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا، نہیں نہیں بلکہ یہ وہی ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے، ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے

كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾

وہ ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دے گی چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا، ہم مجرموں کو یوں ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

وَاذْكُرْ اور یاد کر	أَخَا عَادٍ عاد کے بھائی	إِذْ جب	أَنذَرَ اسنے ڈرایا	قَوْمَهُ اپنی قوم	بِالْأَحْقَافِ احقاف میں	وَقَدْ خَلَتِ اور گزر چکے	النُّذُرُ ڈرانیوالے
مِن بَيْنِ يَدَيْهِ اس سے پہلے	وَمِنْ خَلْفِهِ اور اس کے بعد	أَلَّا تَعْبُدُوا کہ تم عبادت نہ کرو	إِلَّا اللَّهَ اللہ کے سوا	إِنِّي أَخَافُ بیشک میں ڈرتا ہوں			
عَلَيْكُمْ تم پر	عَذَابَ عذاب	يَوْمٍ عَظِيمٍ ایک بڑا دن	قَالُوا وہ بولے	أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا کیا تو ہمارے پاس آیا کہ تو پھیر دے ہمیں	عَنْ سے		
آلِهَتِنَا ہمارے معبود	فَأْتِنَا پس لے آ ہم پر	بِمَا تَعِدُنَا جو کچھ تو وعدہ کرتا ہے ہم سے	إِنْ اگر	كُنتَ تو ہے	مِنَ سے	الصَّادِقِينَ سچے (جمع)	
قَالَ اسنے کہا	إِنَّمَا اسکے سوا نہیں	الْعِلْمُ علم	عِندَ اللَّهِ اللہ کے پاس	وَأُبَلِّغُكُمْ اور میں پہنچاتا ہوں تمہیں	مَا أُرْسِلْتُ بِهِ جو میں بھیجا گیا ہوں اس کیساتھ		
وَلَٰكِنِّي اور لیکن میں	أَرَاكُمْ دیکھتا ہوں تمہیں	قَوْمًا گروہ۔ لوگ	تَجْهَلُونَ تم جہالت کرتے ہو	فَلَمَّا رَأَوْهُ پھر جب دیکھا انہوں نے اسکو	عَارِضًا ایک ابر		
مُّسْتَقْبِلَ سامنے (چلا) آرہا ہے	أَوْدِيَتِهِمْ ان کی وادیاں	قَالُوا وہ بولے	هَٰذَا یہ	عَارِضٌ ایک بادل	مُّمْطِرُنَا ہم پر بارش برسانے والا		
بَلْ هُوَ بلکہ وہ	مَا جس	اسْتَعْجَلْتُم تم جلدی کرتے تھے	بِهِ اس کی	رِيحٌ ایک ہوا۔ آندھی	فِيهَا اس میں	عَذَابٌ أَلِيمٌ دردناک عذاب	
تُدَمِّرُ وہ تہس نہس کر دیگی	كُلَّ ہر	شَيْءٍ شے	بِأَمْرِ حکم سے	رَبِّهَا اپنا رب	فَأَصْبَحُوا پس رہ ہوگئے	لَا يُرَىٰ نہ دکھائی دیتا تھا	إِلَّا سوائے
مَسَاكِنُهُمْ ان کے مکان	كَذَٰلِكَ اسی طرح	نَجْزِي ہم بدلہ دیتے ہیں	الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ مجرم (جمع) لوگ				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اللہ کے نافرمان انسانوں کو ان کے انجام بد سے ڈرایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ قیامت کے دن یہ اللہ کا انکار کرنے والے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ضائع کرنے والے جب جہنم کے کنارے لا کھڑے کئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے

گا کہ تم نے دنیا میں بہت مزے اڑا لئے دنیا کے عیش و آرام میں ایسے محو تھے کہ آخرت کو بالکل بھول گئے تھے اور اس کے لئے کوئی فکر نہ کی اب اپنے تکبر اور نافرمانی کی وجہ سے ذلت کا عذاب اٹھاؤ۔ کفار مکہ بھی باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و دعوت کے دنیوی شہوات ولذات میں پڑے ہوئے تھے اور ہدایت وآخرت کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے اس لئے ان کو قوم عاد کا قصہ سنایا جاتا ہے کہ جو لذات اور دنیا پرستی میں ایسے غرق تھے کہ دار آخرت کی طرف مطلق متوجہ نہ ہوئے اور اپنے ہادی اور پیغمبر کا کہنا نہ مانا اس لئے ان کی نافرمانی کی وجہ سے ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا جس سے وہ پوری قوم تباہ و برباد ہوئی۔ قوم عاد ایک قدیم عرب قوم تھی جو جنوبی عرب میں کبھی آباد تھی اور اپنے زمانہ کے ایک بڑے زبردست تمدن کی مالک تھی حضرت ہود علیہ السلام اسی قوم عاد میں سے تھے اور اسی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ وہ اپنی قوم کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ قوم عاد کے بھائی یعنی حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر ان اہل مکہ سے کیجئے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر مقرر کیا تھا تاکہ وہ اپنی سرکش قوم کو ڈراویں کہ اگر تم نے اللہ عزوجل کی عبادت و بندگی سے منہ موڑ کر اوروں کی بندگی اختیار کی تو تمہارا انجام برا ہو گا اور تمہارے کفر و سرکشی کی وجہ سے تم پر ایک ہولناک عذاب نازل ہوگا قوم عاد جو اپنی شوکت وقوت میں مست تھے اور بتوں کی پرستش کرتے تھے انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت و توحید ونصیحت کفر و شرک سے باز رہنے کی سن کر کہا کہ کیا تم ہمارے پاس اس ارادہ سے آئے ہو کہ ہم کو اپنے آبائی مذہب سے دور کر دو اور ان بتوں کی بندگی و پرستش چھڑا دو تو ہم اپنے آبائی طریقہ سے ہٹنے والے نہیں اور تم جو توحید کے قبول نہ کرنے پر عذاب الٰہی سے ڈراتے ہو تو تم اگر اپنی دھمکیوں میں سچے ہو تو دیر کیا ہے۔ جو زبان سے کہتے ہو کر کے دکھلا دو اور وہ عذاب ہم پر واقع کر دو۔ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو جواب دیا کہ اس قسم کا مطالبہ کرنا تمہاری نادانی اور جہالت ہے۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں جو پیغام مجھے بھیجا جاتا ہے وہ پہنچا دیتا ہوں اس سے زائد کا نہ مجھے علم نہ اختیار۔ یہ علم خدا ہی کو ہے کہ سرکش اور منکر قوم کس وقت دنیوی سزا کی مستوجب ہوتی ہے اور کس وقت تک اسے مہلت ملنی چاہئے اللہ کا عذاب کب اور کس وقت آئے گا۔ یہ تو صرف حق تعالیٰ کے ہی علم میں ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت پر اتر آئے ہو اور بڑی نادانی کر رہے ہو ایک تو اللہ کی توحید کو قبول نہیں کرتے پھر اپنے منہ سے عذاب مانگتے ہو۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب کسی طرح انہوں نے حق کو قبول نہ کیا تو عذاب کا اس طرح سامان شروع ہوا کہ قوم عاد نے دیکھا کہ ایک سیاہ بادل ان کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے چونکہ اس وقت خشک سالی تھی اور گرمی سخت تھی یہ خوشیاں منانے لگے کہ اچھا ہوا ابر چڑھا ہے اور گہری گھٹا اٹھی ہے اور اسی طرف رخ ہے۔ اب بارش خوب برسے گی اور ہمارے سب ندی نالے پانی سے بھر جائیں گے۔ اور پانی کا کال نہ رہے گا۔ اس پر ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ نادانو یہ برسنے والا بادل نہیں بلکہ عذاب الٰہی کی آندھی ہے۔ اور یہ وہی عذاب ہے کہ جس کی تم جلدی مچاتے تھے۔ اور جس میں بڑا دکھ بھرا عذاب پوشیدہ ہے اور اس کی سخت طوفانی ہوا ہر چیز کو تباہ کر کے چھوڑے گی کیونکہ اللہ نے ایسا حکم دیا ہے۔ چنانچہ سات رات اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا وہ غضبناک طوفان چلا کہ جس کے سامنے درخت آدمی اور جانوروں کی حقیقت تنکوں سے زیادہ نہ تھی۔ ہوا آدمیوں کو اور مویشیوں کو اٹھا اٹھا کر پٹک دیتی تھی۔ ہر چیز ہوا نے اکھاڑ پھینکی اور چاروں طرف تباہی نازل ہوگئی۔ آخر مکانوں کے کھنڈرات کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی یہ واقعہ سنا کر منکرین کو جتلایا جاتا ہے کہ دیکھ لو اللہ کے مجرموں کا حال ایسا ہوتا ہے تم کو چاہئے کہ ان واقعات کو سن کر ہوش میں آجاؤ ورنہ تمہارا بھی یہی حال ہو سکتا ہے۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا تدمر کل شیء بامر ربھا وہ (یعنی آندھی ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے ہلاک کر دے گی)

ں تصریح نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ آندھی میں خود کوئی اختیار نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ بھی ہلاکت پیش آئی تمام تر پروردگار عالم کے ہی حکم سے پیش آئی۔ احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ کو کبھی کھل کھلا کر اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے مسوڑھے نظر آئیں آپ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے اور جب ابر اٹھتا اور آندھی چلتی تو آپ کے چہرۂ مبارک سے فکر کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ ایک روز میں نے آپ سے کہا یا رسول اللہ لوگ تو ابر و باد کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش برسے گی لیکن آپ کی اس کے بالکل برعکس حالت ہو جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا عائشہ میں اس بات سے کہ کہیں اس میں عذاب ہو۔ کیسے مطمئن ہو جاؤں؟ ایک قوم ہوا ہی سے ہلاک کی گئی۔ اس قوم نے عذاب کے بادل کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ابر ہے۔ جو ہم پر بارش برسائے گا ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب شدت سے ہوا چلتی تو آپ کہتے یا اللہ میں تجھ سے اس ہوا کی بھلائی مانگتا ہوں اور بھلائی اس چیز کی جو اس میں ہے اور بھلائی اس کی جس کے واسطے یہ ہوا بھیجی ہے اور پناہ مانگتا ہوں تیری اس کی برائی سے اور جو کچھ اس میں ہے۔ اس کی برائی سے اور جس کے واسطے یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے اور جب آسمان پر بادل ہوتا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور گھر سے باہر اندر آتے جاتے اور پھر جب مینہ برسنے لگتا تو آپ کا خوف و اضطراب جاتا رہتا حضرت عائشہؓ نے اس کا آپ سے سبب پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید یہ بادل ایسا ہی ہو جیسا قوم عاد کا کہ جب انہوں نے دیکھا تو کہا کہ یہ بادل ہے مینہ برسانے والا۔ علماء کرام نے ان روایات کو نقل کر کے لکھا ہے کہ بڑے رتبے والے جو خدا کی باتوں سے واقف ہوتے ہیں وہ ہر وقت اس سے حالت خوف و امید میں رہتے ہیں۔ مگر نافرمان اور لاابالی لوگ کچھ پروا نہیں کرتے۔ دنیا میں اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ بادشاہ کے مقرب لوگ اس کے قانون کی عزت کرتے اور حالت خوف اور امید میں رہتے ہیں مگر چور ڈاکو کچھ پروا نہیں کرتے۔

یا اللہ ہمارے دلوں میں بھی اپنی وہ عظمت عطا فرما کہ ہم کسی حال میں بےخوف اور آپ کی کبریائی سے لاتعلق ہو کر نہ رہیں۔ آمین۔

اب آگے کفار مکہ کو خطاب فرما کر تنبیہ کی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نافرمان قوموں کے واقعات سے ہمیں بھی عبرت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرمائیں اور اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی کامل توفیق عطا فرمائیں۔

حق تعالیٰ ہم کو اپنا وہ خوف و خشیت عطا فرمائیں جو ہم کو ہر طرح کی نافرمانی سے روک دے۔

یا اللہ اپنے غصہ اور عذاب سے دنیا میں بھی ہماری حفاظت فرمایئے اور آخرت میں بھی بچایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى

اور ہم نے اُن لوگوں کو ان باتوں میں قدرت دی تھی کہ تم کو ان باتوں میں قدرت نہیں دی، اور ہم نے ان کو کان اور آنکھ اور دل دیئے تھے، سو چونکہ وہ لوگ

عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

آیات الٰہیہ کا انکار کرتے تھے اس لئے نہ اُن کے کان اُن کے ذرا کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دِل اور جس کی وہ ہنسی کیا کرتے تھے

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا

اُسی نے اُن کو آگھیرا۔ اور ہم نے تمہارے آس پاس کی اور بستیاں بھی غارت کی ہیں اور ہم نے بار بار

الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ

اپنی نشانیاں بتلادی تھیں تا کہ وہ باز آئیں۔ سو خدا تعالیٰ کے سوا جن جن چیزوں کو انہوں نے خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کو اپنا معبود بنا رکھا ہے انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی،

بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

بلکہ وہ سب ان سے غائب ہوگئے، اور وہ محض ان کی تراشی ہوئی اور گھڑی ہوئی بات ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ اور البتہ ہم نے انکو قدرت دی تھی	فِيْمَآ اس میں	اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ نہیں ہم نے قدرت دی تمہیں	فِيْهِ اس میں۔ پر			
وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنائے۔ دیئے	لَهُمْ انہیں	سَمْعًا کان	وَّاَبْصَارًا اور آنکھیں	وَّاَفْـِٕدَةً اور دل (جمع)	فَمَآ تو نہ	اَغْنٰى عَنْهُمْ کام آئے انکے
سَمْعُهُمْ ان کے کان	وَلَآ اَبْصَارُهُمْ اور نہ ان کی آنکھیں	وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ اور نہ دل ان کے	مِّنْ شَيْءٍ کچھ بھی	اِذْ جب		
كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ وہ انکار کرتے تھے	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیات کا	وَحَاقَ اور اس نے گھیر لیا	بِهِمْ ان کو	مَا كَانُوْا جو وہ تھے	بِهٖ اس کا	
يَسْتَهْزِءُوْنَ وہ مذاق اڑاتے	وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا اور تحقیق ہم نے ہلاک کردیا	مَا حَوْلَكُمْ جو تمہارے اِرد گرد	مِّنَ سے	الْقُرٰى بستیاں		
وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ اور ہم نے بار بار دکھائیں اپنی نشانیاں	لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	يَرْجِعُوْنَ لوٹ آئیں	فَلَوْ پھر کیوں	لَا نَصَرَهُمْ نہ مدد کی انکی		
الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا جنہیں بنالیا انہوں نے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	قُرْبَانًا قرب حاصل کرنیکو	اٰلِهَةً معبود	بَلْ بلکہ		
ضَلُّوْا عَنْهُمْ وہ گم (غائب) ہوگئے اُن سے	وَذٰلِكَ اور یہ	اِفْكُهُمْ ان کا بہتان	وَمَا اور جو	كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ وہ افترا کرتے تھے		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیت میں کفار مکہ اور نافرمان انسانوں کو عرب کی قوم عاد کا حال سنایا گیا تھا جن کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو اللہ کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا تا کہ وہ بت پرستی اور غیر اللہ کی پرستش و بندگی سے باز آئیں اور اللہ کی بندگی و عبادت اختیار کریں۔

مگر قوم عاد جو اپنی قوت و طاقت اور سامان عیش و راحت میں مست تھے انہوں نے اپنے پیغمبر کا کہنا نہ مانا اور سرکشی و کفر پر برابر اصرار کیا جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور سخت ہوا کا طوفان ان پر ایسا مسلط ہوا کہ آدمی درخت اور جانور سب تنکوں کی طرح اڑ کر اور گر گر کر مرے اور ان کے مکانات کے کھنڈرات کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔ اب آگے ان آیات میں کفار مکہ کو خطاب کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ دیکھو قوم عاد کیسی زبردست قوم تھی۔ اس کے پاس جسمانی طاقت، مال و دولت اور جتھے اور مددگار اور راحت و آرام کے سامان اس قدر تھے کہ تمہارے پاس ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں مگر جب ان پر عذاب آیا تو کوئی چیز کام نہ آئی پھر تم اے اہل مکہ کس برتے پر

مغرور ہو جو اللہ اور اس کے رسول سے تکبر اور مخالفت برت رہے ہو۔
دیکھو قوم عاد کو نصیحت سننے کے لئے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے بوجھنے کے لئے دل و دماغ دیئے تھے پر وہ کسی قوت کو صحیح کام میں نہ لائے۔ اندھے بہرے اور پاگل بن کر پیغمبر کے مقابل ہو گئے آخر انجام یہ ہوا کہ عذاب الٰہی نے آ گھیرا۔ کوئی اندرونی یا بیرونی طاقت اس کو دفع نہ کر سکی اور وہی سزا جس سے اللہ کے پیغمبر انہیں ڈراتے تھے اور جسے سن کر وہ ہنسی اور ٹھٹھوں میں اڑا دیتے تھے ان کو مل کر رہی اور عذاب نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ پس تمہیں ان کی طرح نہ ہونا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کے سے عذاب تم پر بھی آ جائیں اور تم بھی ان کی طرح جڑ سے کاٹ دیئے جاؤ۔ پھر مزید سمجھایا جاتا ہے کہ اے اہل مکہ تم اپنے آس پاس ہی کی بستیوں پر ایک نظر ڈالو اور دیکھو کہ علاوہ ''عاد'' کے قوم ثمود اور قوم لوط اور اصحاب مدین اور اہل یمن اور قوم سبا وغیرہ کی بستیاں تھیں اور وہ سب اسی وجہ سے تباہ ہوئیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کا طریقہ اختیار کیا۔ تم تو اکثر تجارت وغیرہ کے سفر میں آتے جاتے رہتے ہو اور وہ تباہ شدہ بستیاں تمہارے راستہ ہی میں پڑتی ہیں پھر ان سے ہی عبرت حاصل کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے سے پہلے ان کی فہمائش کے لئے بار بار اپنی نشانیاں ان کو بتلا دی تھیں اور واضح طور پر ظاہر کر دیا تھا تا کہ وہ کفر و شرک سے باز آ جائیں مگر اتنا سمجھانے پر بھی وہ کسی طرح باز نہ آئے اور اللہ کے رسولوں کی ایک نہ مانی۔ اللہ کے سوا دوسروں سے مرادیں مانگتے رہے اور بت پرستی کا ایک بہانہ یہ تراشا کہ خدا کی درگاہ تو بہت بلند ہے ہماری اس تک پہنچ کہاں۔ یہی ہمارے بت خدا کے قریب ہمیں پہنچاتے ہیں اور ہمیں بڑے بڑے درجے دلواتے ہیں تو عذاب الٰہی کے وقت جبکہ ان کو ان کی مدد کی پوری ضرورت تھی تو اس آڑے وقت میں کیوں کام نہ آئے؟ انہیں چاہئے تھا کہ ان کو مدد کے لئے پکارتے کہ اس مشکل وقت میں ہمیں بچاؤ۔ وہ ان کو عذاب میں گرفتار دیکھ کر کہاں چل دیئے جو ایسی مصیبت میں بھی کام نہ آ سکے؟ معلوم ہوا کہ بتوں کو خدا بنانا اور ان سے امیدیں قائم رکھنا اور ان کی پوجا پاٹ کرنا محض جھوٹی اور من گھڑت باتیں تھیں اور صاف افترا اور فضول بہتان تھا کہ یہ انہیں معبود سمجھ رہے تھے۔ پس ان کی عبادت کرنے میں اور ان پر اعتماد کرنے میں یہ دھوکے اور نقصان ہی میں رہے۔

اب آگے بعض جنات کے اسلام لانے کا قصہ بیان کیا جاتا ہے جس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ جنات جو کہ تکبر و سرکشی میں انسان سے بھی زیادہ ہوتے ہیں وہ تو تکبر چھوڑ کر کفر سے دست بردار ہو گئے مگر تم اے اہل مکہ انسان ہو کر کفر و تکبر سے باز نہیں آئے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے جو ہم کو یہ آنکھ کان اور دل و دماغ عطا فرمائے ہیں تو ان کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائیں اور دین کو سمجھنے اور حق کو دیکھنے اور باطل کو جاننے میں یہ ہمارے مددگار ہوں۔ یا اللہ ہمیں اپنے اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی وہ عظمت و وقعت نصیب فرما کہ ہم سے کسی معاملہ میں آپ کے احکام کی نافرمانی نہ ہو اور ہم ان کو ہلکا سمجھ کر ان سے لاپروائی نہ برتیں۔ یا اللہ آپ نے دنیا میں نافرمان قوموں کی ہلاکت و تباہی کی جو خبریں دی ہیں وہ ہماری عبرت کے لئے کافی ہوں تا کہ ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچیں اور آپ کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کریں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا

اور جب کہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے، غرض جب وہ قرآن کے پاس آپہنچے، کہنے لگے کہ خاموش رہو، پھر جب

قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ

قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے کے واسطے واپس گئے۔ کہنے لگے کہ اے بھائیو ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے

مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ

جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے حق اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو

اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ

اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو عذاب دردناک سے محفوظ رکھے گا۔ اور جو شخص

لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِى الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗئِكَ

اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین میں ہرا نہیں سکتا، اور خدا کے سوا اس کا کوئی حامی بھی نہ ہوگا۔ ایسے لوگ

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

صریح گمراہی میں ہیں۔

وَاِذْ اور جب	صَرَفْنَآ ہم پھیر لائے	اِلَيْكَ آپ کی طرف	نَفَرًا ایک جماعت	مِّنَ الْجِنِّ جنات کی	يَسْتَمِعُوْنَ وہ سنتے تھے	الْقُرْاٰنَ قرآن	
فَلَمَّا پس جب	حَضَرُوْهُ وہ حاضر ہوئے انکے پاس	قَالُوْٓا انہوں نے کہا	اَنْصِتُوْا چپ رہو	فَلَمَّا پھر جب	قُضِيَ (پڑھنا) تمام ہوا	وَلَّوْا وہ لوٹے	
اِلٰى طرف	قَوْمِهِمْ اپنی قوم	مُّنْذِرِيْنَ ڈرساتے ہوئے	قَالُوْا انہوں نے کہا	يٰقَوْمَنَآ اے ہماری قوم	اِنَّا سَمِعْنَا بیشک ہم نے سنی	كِتٰبًا ایک کتاب	
اُنْزِلَ نازل کی گئی	مِنْۢ بَعْدِ بعد	مُوْسٰى موسیٰ	مُصَدِّقًا تصدیق کرنیوالی	لِّمَا اسکی جو	بَيْنَ يَدَيْهِ اس سے (اپنے سے)	يَهْدِيْٓ وہ رہنمائی کرتی ہے	
اِلَى الْحَقِّ حق کی طرف	وَاِلٰى اور طرف	طَرِيْقٍ راہ	مُّسْتَقِيْمٍ راست	يٰقَوْمَنَآ اے ہماری قوم	اَجِيْبُوْا قبول کرلو	دَاعِيَ اللّٰهِ اللہ کی طرف بلانے والا	
وَاٰمِنُوْا اور ایمان لے آ	بِهٖ اس پر	يَغْفِرْ لَكُمْ بخش دیگا تمہیں	مِّنْ سے	ذُنُوْبِكُمْ تمہارے گناہ	وَ اور	يُجِرْكُمْ وہ پناہ دے گا تمہیں	مِّنْ سے
عَذَابٍ اَلِيْمٍ دردناک عذاب	وَمَنْ اور جو	لَّا يُجِبْ نہ قبول کریگا	دَاعِيَ اللّٰهِ اللہ کیطرف بلانے والا	فَلَيْسَ تو نہیں	بِمُعْجِزٍ عاجز کرنے والا		
فِى الْاَرْضِ زمین میں	وَلَيْسَ اور نہیں	لَهٗ اس کیلئے	مِنْ دُوْنِهٖٓ اس کے سوا	اَوْلِيَآءُ حمایتی	اُولٰۗئِكَ یہی لوگ	فِيْ میں	ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ گمراہی کھلی

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں انسانوں کے تکبر اور سرکشی و نافرمانی کا بیان ہوا تھا اور اہل مکہ کو سمجھایا گیا تھا کہ اللہ کو نہ ماننے اور اس کے رسول کی نافرمانی کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اب آگے ان آیات میں نافرمان و سرکش انسانوں کے مقابل جنات کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حال سنایا جاتا ہے جس سے کفار مکہ کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ جنات جو طبعی طور پر تکبر و سرکشی میں انسان سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ اس کے بعض افراد کس طرح اللہ کا کلام سن کر موم ہو جاتے ہیں اور تکبر چھوڑ کر کفر سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔

دنیا میں انسان وحیوان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق جنات بھی ہے جس طرح انسان کی ابتدائی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے جنات کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے۔ انسانوں کی طرح یہ بھی آسمانی شریعت اور احکام شرعیہ کے مکلّف ہیں اور انسانوں کی طرح جنات میں بھی توالد وتناسل کا سلسلہ جاری ہے ان میں بھی نیک وبد کافر ومسلم ہوتے ہیں لفظ جن کے معنیٰ پوشیدہ کے ہیں چونکہ یہ عام طور پر نظروں سے غائب رہتے ہیں اس لئے ان کا نام جن ہوا۔ یہ اپنی اصلی شکل میں انسانوں کو نظر نہیں آتے اور جب اور جہاں جو شکل چاہیں اختیار کر لیتے اور ادھر ادھر دنیا میں جہاں چاہیں پھرتے رہتے ہیں تمام ارباب مذاہب جو کسی آسمانی مذہب کے قائل ہیں وہ ''جن'' کا وجود تسلیم کرتے ہیں لیکن دنیا میں انسان افراط وتفریط سے بھی کم ہی محفوظ رہتے ہیں چنانچہ بعض عقل کے دشمنوں نے ان کے وجود کو ماننے سے انکار کر دیا ہے حالانکہ عقلاً کوئی وجہ انکار کی نہیں سوائے اس کے کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہیں اور ہمیں دکھائی نہیں دیتے لیکن کسی چیز کا ہم کو نظر نہ آنا یا اس کی کیفیت کا ہمیں معلوم نہ ہونا اس کے وجود میں نہ ہونے کی دلیل کب ہے۔ قرآن مجید اور احادیث متواترہ کے نصوص جب صراحت کے ساتھ ''جن'' کے وجود کو ثابت کر رہے ہیں اور بہت سی احادیث میں تو رویت جن کا بھی ذکر ہے تو پھر کسی مسلمان کا ان کو ماننے سے انکار کرنا کیا معنیٰ خصوصاً جبکہ ہر زمانہ میں ایسے سچے لوگ بھی گزرے ہیں جو بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنات کو مختلف صورتوں میں دیکھا ہے مگر یورپ کے دہریئے ہوں یا روس کے کمیونسٹ ہوں یا بے دین نیچری ہوں یا بعض محض نام کے مسلمان ان بے دینوں کے مقلد ہوں ایسی چیزوں کا صفحہ عالم پر وجود ہی نہیں سمجھتے اور جو چیز محسوس نہ ہو اس کو لاشئے محض کہتے ہیں۔ وہ نہ جنات ملائکہ اور شیاطین کے جداگانہ وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ نہ کسی رسول پیغمبر نبی کے معجزہ کو حق مانتے ہیں نہ اولیاء کی کرامت کے قائل ہوتے ہیں نہ خدا اور رسول کے مقر ہوتے ہیں۔ نہ خدائے قدیر کی بے انتہا قدرتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ایسے ملحدوں اور بے دینوں سے تو یہاں خطاب ہی نہیں باقی جو اللہ

کے کلام اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کو صادق تسلیم کرتے ہیں ان کو جنات کے وجود میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ کتب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قبل جنات کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہو جاتی تھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنا شروع ہوئی تو وہ سلسلہ تقریباً بند ہو گیا اور بہت کثرت سے شہب یعنی آگ کے شعلوں کی مار جنات پر پڑنے لگی۔ جنات کو خیال ہوا کہ ضرور دنیا میں کوئی نیا اور خاص واقعہ رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر بہت سخت پہرے بٹھلا دیئے گئے ہیں۔ اسی کی جستجو میں جنات کے مختلف گروہ مشرق ومغرب میں پھیل پڑے۔ ان میں سے ایک جماعت ''بطن نخلہ'' جو طائف اور مکہ کے درمیان ایک جگہ ہے وہاں گزری وہاں اتفاق سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر ادا فرما رہے تھے اور قرآن پاک کی بآواز بلند تلاوت فرما رہے تھے جنات کی جو جماعت ادھر آ گئی تو قرآن انہیں بہت عجیب موثر اور دلکش معلوم ہوا اور قرآن کی عظمت وہیبت ان کے دلوں پر چھا گئی وہ آپس میں کہنے لگے کہ خاموشی کے ساتھ کلام پاک سنو۔ آخر قرآن کریم نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا اور وہ سمجھ گئے کہ یہی وہ نئی چیز ہے جس نے جنات کو آسمانی خبروں سے روکا ہے۔ بہر حال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ کر فارغ ہوئے تو یہ جنات اپنے دلوں میں ایمان ویقین لے کر واپس گئے اور اپنی قوم کو نصیحت کی بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ جنات کی حاضری کا اس وقت کا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے بڑی خستہ حالی کے ساتھ واپس مکہ تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں آپ نے نخلہ میں قیام کیا اور یہاں آپ نماز میں تلاوت قرآن فرما رہے تھے کہ جنات کا ایک گروہ جس کا ادھر سے گزر ہوا آپ کی قرأت سننے کے لئے ٹھہر گیا۔ بہر حال تمام اکابر مفسرین ومحدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ جنات کی پہلی حاضری کا واقعہ ہے جو یہاں ان آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے اور اس پر بھی تمام روایات متفق ہیں کہ اس موقع پر جنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں آئے تھے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو ان کے آنے جانے اور قرآن سننے سنانے کا پتہ لگا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات کے آنے اور قرآن سننے کی تفصیلاً خبر دی اور سورۂ جن نازل فرمائی۔ اس کے بعد پے در پے جنات کے وفود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور بہت بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھنے کے لئے رو در رو ملاقاتیں ہونے لگیں۔ اس بارے میں جو روایات کتب احادیث میں منقول ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے کم از کم چھ وفود جنات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان ہی میں سے ایک وفد کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رات بھر غائب رہے اور ہمیں رہ رہ کر بار بار یہی خیال گزرتا کہ شاید کسی دشمن نے آپ کو دھوکہ دے دیا اور خدانخواستہ آپ کے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ وہ رات ہماری بڑی بری طرح کٹی۔ صبح صادق سے کچھ ہی پہلے ہم نے دیکھا کہ آپ غار حرا کی طرف سے واپس آ رہے ہیں تو ہم نے رات کی ساری کیفیت بیان کر دی۔ تو آپ نے فرمایا میرے پاس جنات کا قاصد آیا تھا جس کے ساتھ جا کر انہیں میں نے قرآن سنایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کی ایک اور روایت ہے کہ ایک مرتبہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ آج رات تم میں سے کون میرے ساتھ جنوں کی ملاقات کے لئے چلتا ہے میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا مکہ کے بالائی حصہ میں ایک جگہ لکیر کھینچ کر حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اس سے آگے نہ بڑھنا پھر آپ آگے تشریف لے گئے اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے اشخاص ہیں کہ جنہوں نے آپ کو گھیر رکھا ہے اور وہ میرے اور آپ کے درمیان میں حائل ہیں۔

الغرض کفار مکہ کے تکبر اور کفر کی مذمت میں یہ واقعہ سنایا جا رہا ہے کہ جنات جو کہ تکبر میں انسان سے زیادہ ہوتے ہیں وہ تو تکبر چھوڑ کے کفر سے دست بردار ہو گئے مگر تم اے اہل مکہ گو انسان ہو مگر کفر و تکبر سے باز نہیں آتے۔ تو ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار سے اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے جبکہ اللہ تعالیٰ جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آیا اور وہ قرآن کی آواز سن کر اس کے سننے کی طرف متوجہ ہوئے اور جب وہ آپ کے پاس آ پہنچے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش ہو جاؤ اور اس کلام کو سنو کہ کیا پڑھا جا رہا ہے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرآن پڑھ چکے تو وہ جنات اس پر ایمان لے آئے اور چپ چاپ اپنی قوم کے پاس یہ خبر پہنچانے واپس گئے اور جا کر اپنی قوم جنات سے انہوں نے کہا کہ ہم ایک عجیب کلام سن کر آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کیا گیا ہے اور جو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور جس میں سچے عقیدہ اور عمل کا صحیح راستہ بتلایا گیا ہے تو اے قوم جنات تم اس اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ اور ان کی رسالت پر یقین کر لو اور جو گناہ حالت کفر میں کر چکے ہو۔ اسلام کی برکت سے سب معاف ہو جائیں گے اور جو کہنا نہ مانے گا تو وہ کہیں بھاگ کر خدا کی مار سے نہیں بچ سکتا اور نہ کوئی اسے بچا سکتا ہے اور ایسے لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں کہ باوجود داعی الی اللہ کے حق ہونے پر ان کی بات نہیں مانتے۔

یہاں آیت میں جنات نے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب انجیل کا ذکر چھوڑ دیا تو اس کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ انجیل اکثر شرائع میں توراۃ کے تابع تھی اور وہ دراصل توراۃ کو پورا کرنے والی تھی۔ اس میں زیادہ تر وعظ کے اور دل کو نرم کرنے کے بیانات تھے حرام و حلال کے مسائل بہت کم تھے۔ پس اصل چیز یعنی مستقبل کتاب توراۃ ہی رہی اسی لئے ان جنات نے اسی کا ذکر کیا۔

اب خاتمہ کی آیات میں مر کر دوبارہ زندہ ہونے اور کفار و منکرین کو اپنے کفر کی بنا پر سزا پانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ایذائیں پہنچا رہے تھے ان پر آپ کو صبر و تحمل کرنے کی تلقین فرمائی گئی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ

کیا اُن لوگوں نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا نہیں تھکا وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے،

الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَلَيْسَ

کیوں نہ ہو بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس روز وہ کافر لوگ دوزخ کے سامنے لائے جاویں گے (ان سے پوچھا جاوے گا) کیا یہ دوزخ

هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ كَمَا

امرِ واقعی نہیں ہے وہ کہیں گے کہ ہم کو اپنے پروردگار کی قسم ضرور امرِ واقعی ہے، ارشاد ہوگا تو اپنے کفر کے بدلے میں اس کا عذاب چکھو۔ تو آپ صبر کیجئے، جیسے

صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ

اور ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا، اور ان لوگوں کیلئے انتقام (الٰہی) کی جلدی نہ کیجئے، اور جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھیں گے

لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے، تو گویا یہ لوگ دن بھر میں ایک گھڑی رہے ہیں، یہ پہنچا دینا ہے، سو وہی برباد ہوں گے جو نافرمانی کریں گے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا کیا نہیں دیکھا انہوں نے	اَنَّ کہ	اللّٰهَ اللہ	الَّذِيْ وہ جس نے	خَلَقَ السَّمٰوٰتِ پیدا کیا آسمانوں کو	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَلَمْ يَعْيَ اور وہ تھکا نہیں	
بِخَلْقِهِنَّ ان کے پیدا کرنے سے	بِقٰدِرٍ وہ قادر ہے	عَلٰٓى پر	اَنْ يُّحْيِۦَ کہ وہ زندہ کرے	الْمَوْتٰى مُردے	بَلٰى ہاں	اِنَّهٗ بیشک وہ	عَلٰى پر
كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرٌ قدرت رکھنے والا	وَيَوْمَ اور جس دن	يُعْرَضُ پیش کیے جائیں گے	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا (کافر)			
عَلَى النَّارِ آگ کے سامنے	اَلَيْسَ کیا نہیں	هٰذَا یہ	بِالْحَقِّ حق	قَالُوْا وہ کہیں گے	بَلٰى ہاں	وَرَبِّنَا ہمارے رب کی قسم	قَالَ وہ فرمائے گا
فَذُوْقُوا پس تم چکھو	الْعَذَابَ عذاب	بِمَا وہ جس	كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ تم انکار کرتے تھے	فَاصْبِرْ پس آپ صبر کریں	كَمَا جیسے	صَبَرَ صبر کیا	
اُولُوا الْعَزْمِ اولو العزم	مِنَ سے	الرُّسُلِ رسولوں	وَلَا تَسْتَعْجِلْ اور جلدی نہ کریں	لَهُمْ ان کیلئے	كَاَنَّهُمْ گویا کہ وہ		
يَوْمَ يَرَوْنَ جس دن دیکھیں گے وہ	مَا يُوْعَدُوْنَ جس کا وعدہ کیا جاتا ہے ان سے	لَمْ يَلْبَثُوْا وہ نہیں ٹھہرے	اِلَّا مگر۔صرف	سَاعَةً ایک گھڑی			
مِنْ نَّهَارٍ دن کی	بَلٰغٌ پہنچانا	فَهَلْ يُهْلَكُ پس نہیں ہلاک ہوں گے	اِلَّا مگر	الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ نافرمان لوگ			

تفسیر وتشریح: یہ سورۂ احقاف کی خاتمہ کی آیات ہیں گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنات کی ایک جماعت نے قرآن کریم سن کر بڑا اثر لیا اور انہوں نے واپس جا کر اپنی قوم جنات کو سمجھایا کہ ہم ایک عجیب کلام سن کر آئے ہیں جو دین حق اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لئے تم سب اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اگر ایسا کرو گے تو جیسا اس کلام میں وعدہ کیا گیا ہے تمہارے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور آخرت میں تم کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا ورنہ قیامت کے دن نافرمانی کی سخت سزا بھگتنی ہوگی تو جنات کے قرآن کریم سے متاثر ہو کر ایمان لانے اور قیامت وجزاو سزا پر یقین لے آنے کا واقعہ سنا کر سورۃ کے اخیر میں پھر کفار ومنکرین قیامت وحشر ونشر کو وقوع قیامت کا یقین دلایا جاتا ہے اور ایسے منکرین کو جو قیامت میں سزا ہوگی وہ یاد دلائی جاتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو جنہیں کفار ومشرکین ہر طرح کی شرارتوں اور ایذاؤں سے اس وقت ستا رہے تھے ہمت کے ساتھ صبر وسہار کی تلقین فرمائی جاتی ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ کیا ان لوگوں نے جو مرنے کے بعد پھر زندہ ہونے کے منکر ہیں اور قیامت کے دن جسموں سمیت جی اٹھنے کو محال جانتے ہیں یہ نہیں

دیکھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آسمان وزمین جیسی عظیم الشان چیزوں کو اپنی قدرت سے پیدا فرمایا اور بنا کر کھڑا کر دیا اور اس آسمان وزمین کے بنانے میں حق تعالیٰ کو کوئی محنت ومشقت نہیں اٹھانی پڑی کہ اسے تکان ہو جاتی بلکہ صرف اس کے حکم ''کن'' سے موجود ہو گئے۔ تو جواتنی کامل قدرت اور قوت والا ہو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر دے اور زندہ کر کے ان کے دنیا کے اعمال کا حساب لے اور اچھوں کو اچھائی کی جزا اور بروں کو برائی کی سزا دے؟ اس کا جواب حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ بلاشبہ وہ تو ہر شے پر قادر ہے اور اسی میں موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنا بھی شامل ہے۔ آگے وقوع قیامت اور یوم حشر ونشر کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن جب یہ منکرین جہنم میں ڈالے جانے سے پہلے جہنم کے کنارہ پر لا کر کھڑے کئے جائیں گے تو ایک مرتبہ پھر لا جواب اور بے حجت کیا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں اللہ کے وعدے اور دوزخ کا عذاب اب تو صحیح نکلے یا اب بھی شک وشبہ اور انکار وتکذیب ہے؟ یہ جادو تو نہیں؟ تمہاری آنکھیں تو اندھی نہیں؟ جو دیکھ رہے ہو صحیح دیکھ رہے ہو یا درحقیقت صحیح نہیں؟ جہنم کا عذاب اور اس کا وجود واقعی چیز ہے یا نہیں؟ اس وقت یہ دنیا کے منکرین اور متکبرین سے سوائے اقرار کے کچھ بن نہ پڑے گا اور سب ذلیل ہو کر اقرار کریں گے کہ بے شک سب واقعی ہے جو دنیا میں کہا گیا تھا وہ سب حق نکلا۔ ہم غلطی پر تھے جو اس کا انکار کیا کرتے تھے خدا کی قسم اب ہمیں رتی برابر بھی شک نہیں۔ اس وقت کہا جائے گا کہ اچھا اب اس انکار وتکذیب کا مزہ چکھو تو یہاں سے صاف سمجھ میں آیا کہ انسان کو دنیا میں جتنی سمجھ بوجھ اور عقل ودانائی دی گئی ہے وہ اگر اس سے صحیح طور پر اور ٹھیک طریقہ سے کام لے تو تین باتیں اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

(۱) ایک آسمان وزمین کو دیکھ کر وہ ضرور پہچان لے گا کہ اس کا بنانے والا کوئی ایک قادر مطلق ضرور ہے پھر کائنات کے اس باقاعدہ نظام کو دیکھ کر وہ سمجھ لے گا کہ اس کا قائم رکھنے والا بھی وہی ایک ہے اور اس کا مقابل ومزاحم کوئی دوسرا نہیں اور وہ اللہ کی ذات عالی ہے۔

(۲) دوسرے انسان کو دنیا میں غلط راستہ سے بچانے اور صحیح راستہ پر ڈالنے کے لئے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ ان میں اپنے رسول ہادی اور پیغمبر بھیجے اور ان کو ہدایت نامہ دے چنانچہ دنیا میں رسولوں کا سلسلہ اور ان کو کتابوں کا ملنا برحق ہے جس کی آخری کڑی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو آخری کتاب قرآن کریم عطا ہوئی۔

(۳) تیسرے انسان کی اس دنیا کی زندگی کے عمل اور کارنامہ کی جزا وسزا از روئے عدل وانصاف لازمی اور ضروری ہونی چاہئے اور اس کے لئے ایک دوسری زندگی ہونی چاہئے جس میں وہ جزا وسزا پوری ہوں اور اسی کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے۔

سورۃ کے اخیر میں بطور تسلی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ آپ کی قوم نے اگر آپ کو جھٹلایا آپ کی قدر وقعت نہ کی آپ کی مخالفت اور ایذا رسانی کے درپے ہوئے تو یہ کوئی آپ کے ساتھ نئی بات نہیں ہے۔ اگلے اولوالعزم پیغمبروں کو یاد کیجئے کہ کیسی کیسی ایذائیں اور مصیبتیں اور تکلیفیں سہیں؟ اور کن کن مخالفوں کی مخالفت کو برداشت کیا؟ تو جب آپ کو معلوم ہو چکا کہ ان منکرین کو سزا ملنی ضرور ہے آخرت میں ملے یا دنیا میں بھی۔ تو آپ ان کے معاملہ میں جلدی نہ کریں بلکہ میعاد معین تک صبر کرتے رہیں جیسا اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے۔ بعض علمائے سلف نے لکھا ہے کہ یوں تو سبھی پیغمبر اولوالعزم یعنی ہمت والے ہوتے ہیں لیکن عرف میں پانچ پیغمبر خصوصی طور پر اولوالعزم کہلاتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے آپ کے متبعین کو ہمت دلائی گئی کہ ان کافروں کی شرارت وایذاؤں سے نہ گھبرائیں اور ان کے معاملہ میں انتقام الٰہی کی جلدی نہ کریں اور معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ جب ان کو آخرت میں سزا ملے گی اور جب یہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو اس وقت غایت شدت عذاب سے انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا یہ لوگ دنیا میں صرف ایک گھڑی رہے ہیں یعنی دنیا کی طویل مدت اتنی قصیر اور چھوٹی معلوم ہوگی سورۃ کے آخری جملہ میں تمام باتوں کا لب لباب اور خلاصہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کو نصیحت کی بات پہنچا دی اور سب نیک وبد سمجھا دیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اتمام حجت ہو چکا کہ اب تبلیغ کے بعد کسی کو کوئی عذر نہیں رہا۔ اب جو نہ مانیں گے اور نافرمانی کریں گے وہی برباد ہوں گے اللہ تعالیٰ کسی کو بے قصور نہیں پکڑتے اس کی طرف سے حجت تمام ہو چکی اور تمام انسانوں کو ایک پیغام پہنچا دیا اب جو اس پیغام کو نہ مانیں گے اور اس کے نافرمان ہو کر رہیں گے انہی کی شامت آئے گی۔

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّ اَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے روکا خدا نے اُن کے عمل کالعدم کر دیئے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ

اور وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے اور وہ ان کے رب کے پاس سے امر واقعی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے گناہ ان پر سے اتار دے گا، اور ان کی حالت

بَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ

درست رکھے گا یہ اسی وجہ سے کہ کافر تو غلط راستہ پر چلے اور اہلِ ایمان صحیح راستہ پر چلے۔ جو ان کے رب کی طرف سے ہے،

رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝

اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کیلئے اُن کے حالات بیان فرماتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ جو لوگ	كَفَرُوْا کافر ہوئے	وَصَدُّوْا اور انہوں نے روکا	عَنْ سے	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	اَضَلَّ اکارت کر دیئے		
اَعْمَالَهُمْ ان کے اعمال	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	وَاٰمَنُوْا اور وہ ایمان لائے		
بِمَا نُزِّلَ اس پر جو نازل کیا گیا	عَلٰى مُحَمَّدٍ محمدؐ پر	وَهُوَ اور وہ	الْحَقُّ حق	مِنْ سے	رَّبِّهِمْ ان کا رب	كَفَّرَ اس نے دُور کر دیئے	عَنْهُمْ ان سے
سَيِّاٰتِهِمْ انکی بُرائیاں (گناہ)	وَاَصْلَحَ اور درست کر دیا	بَالَهُمْ ان کا حال	ذٰلِكَ بِاَنَّ یہ اس لئے کہ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا			
اتَّبَعُوا انہوں نے پیروی کی	الْبَاطِلَ باطل	وَاَنَّ اور یہ کہ	الَّذِيْنَ جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	اتَّبَعُوْا انہوں نے پیروی کی	الْحَقَّ حق	
مِنْ رَّبِّهِمْ اپنے رب (کی طرف) سے	كَذٰلِكَ اسی طرح	يَضْرِبُ اللّٰهُ اللہ بیان کرتا ہے	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	اَمْثَالَهُمْ ان کی مثالیں			

تفسیر و تشریح: الحمدللہ ۲۶ ویں پارہ کی سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بیان شروع ہو رہا ہے اس سورۃ کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ مقام و زمانہ نزول خلاصہ مضامین تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کی ابتداء ہی میں ایمان والوں کے متعلق بتلایا گیا وامنوا بما نزل علیٰ محمد (اور وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے) اس سورۃ کا نام محمد اسی جملہ سے ماخوذ ہے یہ سورۃ مدنی ہے اور مدینہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۴۷ ویں سورۃ ہے۔ مگر بحساب نزول اس کا شمار ۹۶ لکھا ہے یعنی ۹۵ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۱۸ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۳۸ آیات ۴ رکوعات ۵۵۸ کلمات اور ۲۴۷۵ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں اس سورۃ کے مرکزی مضامین حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اسلام کی مخالفت کرنے والے اور دین الٰہی کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرنے والے دشمنان حق سے جہاد و قتال کی اجازت دی جاتی ہے۔

(۲) جہاد و قتال سے متعلق اصولی ہدایت و احکام دیئے جاتے ہیں۔

(۳) منافقین اوران کی ریشہ دوانیوں کی نشان دہی فرمائی جاتی ہے۔

(۴) اطاعت الٰہی اوراتباع رسول کی تاکید فرمائی جاتی ہے۔

(۵) دنیا کی زندگی کی حقیقت بتلائی جاتی ہے کہ یہ ایک زمانہ مہلت ہےاور آزمائش کا دور ہے۔

(۶) بخل کی مذمت فرما کر اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

(۷) کفار و مشرکین کی دنیا اور آخرت میں نامرادیوں کی پیشین گوئی فرمائی جاتی ہےاور مسلمانوں کوانجام کار کامیابی کی بشارت دی جاتی ہے۔

یہ تو ہیں خاص مضامین اس سورت کے لیکن خلاصہ پوری سورت کا یہ ہے کہ سورت کی ابتدا میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ اوراس کے رسول اوراس کی کتاب اوراس کے دین کا دنیا میں انکار کر دیا وہ اپنے گمان میں چاہے جتنے نیک کام کریں لیکن اللہ کے ہاں آخرت میں وہ سب بیکار ہیں۔ اوران سے انہیں آخرت میں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ہاں جولوگ اللہ کو مان کر اور قرآن کوسچا جان کر نیک کام کریں گے اور قرآن کواپنا رہنما قرار دیں گے ان کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گے پھر اہل اسلام کوحکم دیا جاتا ہے کہ اگر کافراپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور ان سے لڑنا ہی پڑ جائے تو ہمت اور بہادری سے کام لواوران کی گردنیں اڑاؤ اوران کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرو کیونکہ دنیا سے فساد کااورفسادیوں کا مٹانا امن وامان کا قائم کرنا ضروری ہے جب فسادی پست ہو جائیں اورلڑائی رک جائے تو باقی ماندہ فسادیوں کو قید کرلواس کے بعد جیسی مصلحت ہوان کے ساتھ سلوک کرو اگر چھوڑ دینے میں مصلحت ہو یوں ہی چھوڑ دو ورنہ ان سے کچھ معاوضہ لے لو۔ اللہ تعالیٰ فسادیوں کو یوں بھی ہلاک و تباہ کرسکتا تھا لیکن چونکہ بندوں کی آزمائش مقصود ہے اس لئے ان سے لڑنے کا حکم دیا گیا تا کہ دین اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کوانعام واکرام سے مالا مال کیا جائے۔ اور جو اللہ کے لئے لڑتا ہوا مارا جائے اس کو اس کی قربانی کی پوری پوری جزا دی جائے۔ پھر ایمان والوں کونصیحت کی جاتی ہے کہ اے ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا پھر کافروں کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ ان کو پہلے زمانہ کے کافروں کے حالات دیکھ کر اورسن کر ان سے عبرت لینی چاہئے وہ لوگ ان منکرین سے بہت زیادہ زبردست تھے لیکن ان کے اعمال کی شامت سے اللہ نے انہیں تباہ کر دیا۔ جب وہی نہیں بچے تو یہ کیا بچیں گے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ پھر منافقوں کی قلعی کھول دی گئی ہے جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اور بہت بڑھ چڑھ کر باتیں بناتے تھے لیکن جب دشمنوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا تو لگے بزدلی دکھانے اور جان چرانے ایسے منافقوں کے متعلق بتایا گیا کہ یہ سب اپنی خواہشوں کے غلام ہیں اور سیدھی راہ سے بہت دور ہیں ان کی آنکھیں قیامت ہی کو کھلیں گی لیکن اس وقت کی بیداری سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اخیر میں اہل اسلام کو ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ تم توحید کومضبوط پکڑو اور اپنے لئے اور ایمان والوں کے لئے بخشش کی دعا کرتے رہو اسلام کا سیدھا راستہ سچے دل سے اختیار کرو اللہ کی اوراس کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور تمام ارکان اسلام مثل زکوٰۃ وغیرہ ادا کرو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو اور ایسا کرنے میں تمہارا ہی بھلا ہے دین کا بھی اور دنیا کا بھی اور اگر بخل کرو گے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے جان چراؤ گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ اللہ کو تو تمہارے مال کی ضرورت نہیں وہ تو احتیاج سے پاک ہے البتہ تم ہر طرح اللہ کے محتاج ہو اس لئے اگر تم حکم ماننے سے جی چراؤ گے تو اللہ تمہارے بدلہ کوئی اور قوم کھڑی کر دے گا جو تمہاری طرح نافرمانی نہ کرے گی یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا جس کی تفصیلات آئندہ درسوں میں انشاءاللہ بیان ہوں گی۔

اب ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ سورۃ کی ابتدا کافر اور مومن کے درمیان جو امتیاز ہے اس کے بیان سے فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں کفر کا ارتکاب کیا یعنی اللہ کی وحدانیت اوراس کی الوہیت کوتسلیم نہ کیا اللہ کے رسول کا کہنا نہ مانا۔ اللہ کی کتاب کے احکام وقوانین کے مطابق اپنی زندگی نہ گزاری اور

اس کے بتلائے ہوئے عقیدوں کے خلاف عقیدہ رکھے اور پھر یہ سب کچھ صرف اپنی ذات ہی سے نہ کیا بلکہ دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے روکا اور اسلام دشمنی میں ہر طرح سے کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے اور ان کی نیکیاں جو انہوں نے اپنے زعم میں کی تھیں سب آخرت میں بیکار ہو گئیں بوجہ عدم ایمان کے اس لئے آخرت میں ان کو ان کا کوئی بہتر نتیجہ نہیں مل سکتا اور برخلاف ان کے جو لوگ دنیا میں دل سے ایمان لائے اور جسم سے مطابق شرع کام کئے یعنی ظاہر و باطن دونوں خدا کی طرف جھکا دیئے اور احکام الٰہیہ کی فرمانبرداری اختیار کی اور اس وحی الٰہی کو بھی مان لیا جو پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی ہے یعنی اس کتاب کو مانا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات اور گناہوں کو معاف فرما دے گا اور دونوں جہاں میں ان کی حالت درست رکھے گا دنیا میں تو اس طرح کی ان کو اعمال صالحہ کی توفیق بڑھتی جائے گی اور آخرت میں اس طرح کہ ان کو مغفرت ونجات حاصل ہوگی یہاں جو مومنین کی خوشحالی اور کفار کی بدحالی بیان فرمائی گئی آگے اس کی وجہ بیان فرمائی جاتی ہے کہ کفار کے اعمال آخرت میں غارت کر دینے اور مومنوں کی برائیاں معاف فرما دینے اور ان کی شان سنوار دینے کی وجہ یہ ہے کہ کافر تو غلط راستہ پر چلے اور اہل ایمان صحیح راستہ پر چلے جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ اس طرح کھول کھول کر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے بھلے برے احوال پر متنبہ کرتا ہے تاکہ باطل پرستی کی نحوست وشامت اور حق پرستی کی برکت ان کے پوری طرح ذہن نشین ہو جائے۔

یہاں آیت والذین اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت و اٰمنوا بما نزل علیٰ محمد میں یہ لائق غور ہے کہ یہاں دو مرتبہ اٰمنوا کا لفظ استعمال کیا گیا حالانکہ پہلے اٰمنوا میں یعنی جو لوگ ایمان لائے اس میں اللہ پر ایمان لانا رسول اللہؐ پر ایمان لانا قرآن پر ایمان لانا سب شامل ہے مگر قرآن کی بزرگی اور بلندی مرتبہ کے اظہار میں پہلے اٰمنوا کے ساتھ پھر تخصیص سے فرمایا و اٰمنوا بما نزل علیٰ محمد وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ تو یہاں صاف اس بات کی خبر ہے کہ ایمان جب پورا ہوتا ہے کہ جب قرآن پر پورا یقین ہو اور بڑا رکن ایمان کا یہی ہے اب یہاں ایک صحیح حدیث بخاری شریف کی سنئے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری تمام امت جنت میں جائے گی مگر جو انکار کرے صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ وہ کون ہے جو آپ کا انکار کرتا ہے۔ آپ نے جواب دیا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی اس نے مجھے نہ مانا اور میرا انکار کیا۔ اس حدیث شریف پر محدثین نے لکھا ہے کہ انکار دو قسم پر ہے ایک یہ صاف زبان سے انکار کرے ایسا منکر تو کھلا ہوا کافر ہے اور وہ کبھی جنت میں نہیں داخل ہو سکتا دوسرا یہ کہ زبان سے تو اقرار کرتا ہے مگر اپنے طرز عمل میں کھلے منکر کے مشابہ یہ گویا اقرار تو کر رہا ہے مگر جب نافرمانی کرنے میں زبان سے انکار کرنے والے کے برابر ہے تو ایک نظر میں گویا یہ بھی منکر ہے لہذا اسے بھی ان منکرین کے ساتھ کچھ عرصہ رہنا ہوگا گو اپنے قلبی اقرار کی وجہ سے پھر نجات ہو جائے تو معلوم ہوا کہ رسول کا یا قرآن کا محض زبان سے اقرار کرنا کافی نہیں جبکہ طرز عمل سے اس زبانی اقرار کے خلاف کرے کیونکہ نافرمان اور منکر صورت میں یکساں ہیں تو زبانی دعویٰ تو آج ہر ایک مسلمان قرآن پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا کرتا ہے مگر اس حدیث سے اور و اٰمنوا بما نزل علیٰ محمد یعنی اس پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ صاف معلوم ہوا کہ حقیقت ایمان کی اطاعت کے ساتھ ہے اور ایمان کی اصل بنیاد اس پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن کریم کی تمام تعلیمات کو صدق دل سے قبول کیا جائے اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا ہی ایمان نصیب فرمائیں۔

الغرض یہاں کفار کا مفسد اور اللہ کے راستہ سے روکنے والا اور غلط راستہ پر چلنے والا بیان فرمایا گیا آگے ان مفسدین کے فساد دفع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے یعنی بعض احکام متعلقہ جہاد بیان فرمائے جاتے ہیں جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا

سو تمہارا جب کفار سے مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خوں ریزی کر چکو تو خوب مضبوط باندھ لو، پھر اس کے بعد

مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۖ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ

یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا جب تک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں، یہ حکم بجالانا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا

وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿٤﴾

لیکن تا کہ تم میں ایک کا دوسرے کے ذریعہ سے امتحان کرے، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿٥﴾ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اللہ تعالیٰ اُن کو مقصود تک پہنچا دے گا اور ان کی حالت درست رکھے گا۔ اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس کی اُن کو پہچان کرا دے گا۔ اے ایمان والو اگر تم

إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿٧﴾

اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جما دے گا۔

فَإِذَا پھر جب تم	لَقِيتُمُ بھڑ جاؤ	الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر)	فَضَرْبَ تو مارو تم	الرِّقَابِ گردنیں	حَتَّىٰ یہانتک	إِذَا جب
أَثْخَنتُمُوهُمْ خوب خونریزی کرچکو انکی	فَشُدُّوا تو مضبوط کرلو	الْوَثَاقَ قید فَإِمَّا	پس یا	مَنًّا احسان کرو	بَعْدُ اس کے بعد	وَإِمَّا اور یا
فِدَاءً معاوضہ	حَتَّىٰ یہانتک	تَضَعَ الْحَرْبُ رکھ دے لڑائی (لڑنے والے)	أَوْزَارَهَا اپنے ہتھیار	ذَٰلِكَ یہ	وَلَوْ اور اگر	يَشَاءُ اللَّهُ اللہ چاہتا
لَانتَصَرَ ضرور انتقام لیتا	مِنْهُمْ ان سے	وَلَٰكِن اور لیکن	لِّيَبْلُوَ تاکہ آزمائے	بَعْضَكُم تم سے بعض کو	بِبَعْضٍ بعض (دوسرے) سے	
وَالَّذِينَ اور جو لوگ	قُتِلُوا مارے گئے	فِي میں	سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کا راستہ	فَلَن يُضِلَّ تو وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا	أَعْمَالَهُمْ ان کے اعمال	
سَيَهْدِيهِمْ وہ جلد ان کو ہدایت دے گا	وَيُصْلِحُ اور سنوارے گا	بَالَهُمْ ان کا حال	وَيُدْخِلُهُمُ اور داخل کرے گا انہیں	الْجَنَّةَ جنت		
عَرَّفَهَا لَهُمْ اسنے جس سے شناسا کردیا ہے انہیں	يَا أَيُّهَا اے	الَّذِينَ آمَنُوا جو لوگ ایمان لائے (مومن)	إِن اگر	تَنصُرُوا اللَّهَ تم مدد کروگے اللہ کی		
	يَنصُرْكُمْ وہ مدد کریگا تمہاری	وَيُثَبِّتْ اور جما دے گا	أَقْدَامَكُمْ تمہارے قدم			

تفسیر و تشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں مومن اور کافر کے اعمال میں امتیاز و فرق بتلایا گیا تھا کہ اللہ کے دین کو قبول کر لینے کے باعث مومن کی نیکیاں ثابت اور برائیاں معاف فرما دی جاتی ہیں اور کافر کے نہ ماننے کے باعث یہ سزا ہے کہ نیکی برباد اور گناہ لازم تو مومن اور کافر کے اعمال کا آخرت میں فرق بتلا کر جتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کھول کھول کر لوگوں کو ان کے برے بھلے اعمال پر متنبہ کرتا ہے تا کہ وہ باطل پرستی کی نحوست اور شامت سے بچیں اور حق پرستی کی برکت کو حاصل کریں اور کفار کے متعلق یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ یہ خود تو کافر ہوئے لیکن اور دوسروں کو بھی اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور اسلام دشمنی میں ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب کفار ایسے مفسد ہیں تو اللہ تعالیٰ اب اہل ایمان کو ان کے فساد دفع کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ سو جب حق و باطل کا مقابلہ ہو جائے اور اہل ایمان اور کفار میں جنگ چھڑ جائے تو مسلمانوں کو پوری مضبوطی اور بہادری سے کام لینا چاہئے باطل کا

3

زور جب ہی ٹوٹے گا کہ بڑے بڑے مفسد اور شریر مارے جائیں اوران کے جتھے توڑ دیئے جائیں اس لئے ہنگامہ کارزار میں کسل وسستی بزدلی اور توقف وتردد کو ذرا راہ نہ دو اور دشمنان خدا کی گردنیں مارنے میں کچھ باک نہ کرو۔ جب ان کی کافی خون ریزی کے بعد اہل ایمان کی دھاک بیٹھ جائے اوران مفسدین کا زور ٹوٹ جائے اس وقت ان کو قیدی بھی بنا سکتے ہو۔ یہ قید و بند ان کے لئے ممکن ہے تازیانہ عبرت کا کام دے اور مسلمانوں کے پاس رہ کر ان کو اپنی اور اہل اسلام کی حالت جانچنے اور اسلامی تعلیمات میں غور کرنے کا موقع ملے اور شدہ شدہ وہ لوگ حق و صداقت کا راستہ اختیار کرلیں یا اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو بدوں کسی معاوضہ کے ان پر احسان کر کے قید سے رہا کر دیں اس صورت میں بہت سے افراد ممکن ہے کہ مسلمانوں کے احسان اور خوبی اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف راغب ہوں اور مسلمانوں کے دین سے محبت کرنے لگیں اور مسلمان یہ بھی کر سکتے ہیں کہ زرفدیہ لے کر یا مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں ان کفار قیدیوں کو چھوڑ دیں۔ اس میں کئی طرح کے فائدے ہیں۔ بہرحال حکم یہ ہے کہ اگر ان اسران جنگ کو ان کے وطن کی طرف مسلمان واپس کریں تو دو ہی صورتیں ہیں۔ معاوضہ میں چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کرنا۔ ان میں جو صورت بھی امام المسلمین کے نزدیک اصلح ہو اختیار کر سکتا ہے۔ ہاں اگر قیدیوں کو ان کے وطن کی طرف واپس کرنا مصلحت نہ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں ذمی بنا کر بطور رعیت کے رکھنا یا غلام بنا لینا یا قتل کر دینا۔ احادیث سے قیدی کو قتل کرنے کا ثبوت صرف خاص خاص حالات میں ملتا ہے جبکہ وہ کسی ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہوا ہو جس کی سزا قتل سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔ البتہ غلام یا رعیت بنا کر رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں اور یہ قید و قتل اس وقت تک ہے جب تک کہ یہ حرب ضرب کا سلسلہ جاری ہے اگر لڑنے والے دشمن اپنے ہتھیار رکھ دیں اور جنگ موقوف ہو جائے یا مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لیں یا مصلحت کر لیں تو یہ سلسلہ قید و بند بھی موقوف ہو جائے گا۔

یہاں ان قرآنی احکام سے متعلق ان آیات کے تحت حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر میں ایک اہم بات یہ بھی لکھی ہے کہ ''یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم صرف اباحت اور جواز کی حد تک ہے یعنی اگر اسلامی حکومت مصالح کے مطابق سمجھے تو انہیں غلام بنا سکتی ہے۔ ایسا کرنا مستحب یا واجب فعل نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کے مجموعی ارشادات سے آزاد کرنے کا افضل ہونا سمجھ میں آتا ہے اور یہ اجازت بھی اس وقت تک کے لئے ہے جب تک اس کے خلاف دشمن سے کوئی معاہدہ نہ ہوا اور اگر دشمن سے یہ معاہدہ ہو جائے کہ نہ وہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنائیں گے نہ ہم ان کے قیدیوں کو تو پھر اس معاہدہ کی پابندی لازم ہوگی۔ ہمارے اس زمانہ میں دنیا کے بہت سے ملکوں نے ایسا معاہدہ کیا ہوا ہے۔ لہذا جو اسلامی ممالک اس معاہدہ میں شریک ہیں ان کے لئے غلام بنانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معاہدہ قائم ہے''۔ (معارف القرآن جلد ۸ ص ۲۷)

آگے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب میں اس کی وجہ بتائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو یہ قدرت ہے کہ ان کافروں اور دشمنان اسلام کو کوئی آسمانی عذاب بھیج کر ''عاد'' و ''ثمود'' وغیرہ کی طرح ہلاک کر ڈالے لیکن جہاد و قتال مشروع کر کے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا امتحان لینا تھا۔ وہ دیکھتا ہے کہ کتنے مسلمان اللہ کے نام پر جان و مال نثار کرنے کے لئے تیار ہیں اور کفار میں سے کتنے لوگ ان تنبیہی کارروائیوں سے بیدار ہوتے اور اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہیں کہ جو اللہ نے دے رکھی ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستہ میں اس جہاد و قتال میں شہید ہوئے خواہ بظاہر یہاں کامیاب نظر نہ آتے ہوں لیکن حقیقۃً وہ کامیاب ہیں اللہ ان کے کام ضائع نہ کرے گا بلکہ انجام کار ان کی محنت ٹھکانے لگائے گا ان کو جنت کی طرف راہ دے گا اور آخرت کے تمام منازل واحوال میں ان کا حال درست رکھے گا اور جس جنت کا حال ان کو انبیاء علیہم السلام کی زبان سے معلوم ہو چکا تھا وہ اس میں داخل کئے جائیں گے اور وہاں پہنچ کر ہر جنتی اپنے ٹھکانے کو خود بخود پہچان لے گا اس کے دل کی کشش ادھر ہی ہوگی جہاں اس کو رہنا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہوگا کہ

جنتیوں کے دلوں میں خود بخود جنت کے اپنے اپنے مقام اور اس میں ملنے والی نعمتوں حور و قصور سے ایسی واقفیت کر دیجائے گی جیسے وہ ہمیشہ انہی میں رہتے اور ان سے مانوس تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جنت ایک نیا عالم ہونے کی بنا پر اس میں ایک جنتی کو اپنا مقام تلاش کرنے میں اور وہاں کی چیزوں سے مناسبت اور تعلق قائم ہونے میں وقت لگتا اور ایک مدت تک اجنبیت کے احساس سے قلب مطمئن نہ ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دین حق دے کر بھیجا ہے کہ تم دنیا میں جس طرح اپنی بیبیوں اور گھروں سے واقف اور مانوس ہو اس سے بھی زیادہ اپنے جنت کے مقام اور وہاں کی بیبیوں سے واقف اور مانوس ہو جاؤ گے۔ (مظہری، معارف القرآن جلد ۹)

اور شہداء یعنی اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کر دینے والوں کی خصوصیت میں حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شہید کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس چھ باتیں ہیں۔ اول خون ٹپکنے میں اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں دوسرے بہشت میں جو اس کی جگہ ہے وہ دکھائی جاتی ہے۔ تیسرے وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے اور بڑی گھبراہٹ سے بے خوف رہتا ہے۔ چوتھے عزت کا تاج اس کے سر پر رکھا جاتا ہے کہ ایک یاقوت اس میں کا دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے بہتر ہے اور پانچویں ۷۲ حوروں سے اس کا نکاح ہوتا ہے اور چھٹے اس کے قرابت داروں میں سے ستر آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول ہوتی ہے۔ اخیر میں ایمان والوں کو خطاب ہوتا ہے کہ اے ایمان والو اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو گے اور اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم رکھے گا اور دشمنوں کے مقابلہ میں تمہارے قدم جما دے گا۔

یہاں یہ آیت بڑی قابل غور ہے یآیھا الذین امنوآ ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔ تو اللہ کی مدد سے مراد ہے اللہ کے دین کی مدد یہاں صاف فرمایا گیا کہ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا اور جب اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں تو پھر کامیابی میں کیا شک؟ تو گویا اللہ کی مدد مشروط ہے اللہ کے دین کی مدد کے ساتھ اسی سے اس کی ضد بھی سمجھ لی جائے کہ اگر اللہ کے دین کی مدد نہیں کی جائے گی تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل حال نہ ہو گی اور پھر جب اللہ کی مدد شامل نہ ہو گی تو پھر جو درگت مسلمانوں کی بنے اور جو سزا ملے اور جو ناکامی پیش آئے وہ تھوڑی ہے مسلمانوں سے یہ خطاب صاف ظاہر فرما رہا ہے کہ اے مسلمانو اگر تم اللہ کی مدد کو اپنے شامل حال رکھنا چاہتے ہو تو پھر اللہ کے دین کی مدد کی شرط پوری کرنا بھی لازمی ہے اور اللہ کے دین کی مدد کیا ہے؟ یہی کہ زندگی کے ہر شعبہ میں دین کو قائم کیا جائے احکام شریعت جاری و ساری ہوں تو انین خداوندی کی پابندی ہو۔ شعائر اسلام کا قیام ہو ان کی عظمت و بلندی ہو۔ قرآنی اوامر و نواہی کا نفاذ ہو جن باتوں کے کرنے کا اللہ و رسول نے حکم دیا ہے ان کا اتباع اور فرمانبرداری ہو اور جن باتوں سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے ان سے کامل اجتناب اور دوری اور پرہیز ہو حکومت ہو تو قرآن و سنت کے موافق عدالت و انصاف ہو تو قرآن و حدیث کے مطابق تعزیرات اور سزائیں ہوں تو اسلامی قوانین کے ماتحت الغرض قرآن میں ایک دو جگہ نہیں دسیوں جگہ یہ صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی حمایت و نصرت بندوں کے ساتھ ان کے ایمان و اسلام کے ساتھ ہے اس لئے اللہ کی حمایت اور نصرت اور تائید حاصل جبھی ہو سکتی ہے جب ایمان و اسلام کا دامن مضبوطی سے تھاما جائے اللہ تعالیٰ دین و اسلام کی سچی محبت و اطاعت ہم سب کو ہماری قوم کو ہمارے ملک کو اور تمام عالم کے مسلمانوں کو نصیب فرمائیں آمین۔ غرض کہ یہاں تک تو خطاب اور بیان اہل ایمان کے متعلق ہوا آگے کفار کے متعلق بیان ہے کہ دین و دنیا میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا جو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے کہ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿٨﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ

اور جولوگ کافر ہیں اُن کیلئے تباہی ہے اوراُن کے اعمال کوخدا تعالیٰ کالعدم کردے گا۔یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کوناپسند کیا،سواللہ تعالیٰ نے ان کے

اَعْمَالَهُمْ ﴿٩﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ دَمَّرَ اللّٰهُ

اعمال کواکارت کردیا۔کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں،اورانہوں نے دیکھانہیں کہ جولوگ ان سے پہلے ہوگذرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا،کہ خدا تعالیٰ نے اُن پر

عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿١٠﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ

کیسی تباہی ڈالی،اوران کافروں کیلئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں،یہ اس سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی

لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿١١﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

کارساز نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۖ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿١٢﴾

نہریں بہتی ہوں گی،اور جولوگ کافر ہیں وہ عیش کررہے ہیں اوراس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور جہنم ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے۔

وَ اور	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	فَتَعْسًا تو تباہی ہے	لَّهُمْ ان کیلئے	وَاَضَلَّ اور اس نے ضائع کردیئے	اَعْمَالَهُمْ ان کے عمل		
ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا اس لئے انہوں نے ناپسند کیا	مَآ جو	اَنْزَلَ اللّٰهُ نازل کیا اللہ نے	فَاَحْبَطَ تو اکارت کردیئے	اَعْمَالَهُمْ ان کے عمل		
اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا کیا وہ چلے پھرے نہیں؟	فِي الْاَرْضِ زمین میں	فَيَنْظُرُوْا تو وہ دیکھ لیتے	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الَّذِيْنَ ان لوگوں کا جو	
مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	دَمَّرَ تباہی ڈال دی	اللّٰهُ اللہ	عَلَيْهِمْ ان پر	وَلِلْكٰفِرِيْنَ اور کافروں کیلئے	اَمْثَالُهَا ان کی مانند	ذٰلِكَ یہ	
بِاَنَّ اللّٰهَ اسلئے کہ اللہ	مَوْلَى کارساز	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان لوگوں کا جو ایمان لائے	وَاَنَّ اور یہ کہ	الْكٰفِرِيْنَ کافروں	لَا مَوْلٰى کوئی کارساز نہیں		
لَهُمْ ان کیلئے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	يُدْخِلُ داخل کرتا ہے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جولوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے نیک عمل کئے			
جَنّٰتٍ باغات	تَجْرِيْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	وَالَّذِيْنَ اور جن لوگوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا	يَتَمَتَّعُوْنَ وہ فائدہ اٹھاتے ہیں	
وَ اور	يَاْكُلُوْنَ وہ کھاتے ہیں	كَمَا جیسے	تَاْكُلُ کھاتے ہیں	الْاَنْعَامُ چوپائے	وَالنَّارُ اور آگ	مَثْوًى ٹھکانا	لَهُمْ ان کیلئے

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اہل اسلام کو جہاد وقتال کا حکم اور اس کی فرضیت کی حکمت بتلائی گئی تھی اوراس کی ترغیب میں کہا گیا تھا کہ جواہل ایمان اللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں مارے جاویں گے اور شہید ہوجائیں گے تو گوان کی جان جاوے گی مگران کواس جانبازی کا یہ نتیجہ ملے گا کہ وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے اس لئے اہل ایمان کوترغیب دی گئی تھی کہ وہ جہاد میں قتل وقتال سے نہ ڈریں اور جی کھول کر بہادری سے کفار سے لڑیں۔پھر ساتھ ہی یہ بھی سنادیا گیا تھا کہ اللہ کا حکم بجالانے والوں اوراس کا بول بالا کرنے والوں اوراس کے دین کی خاطر جان ومال قربان کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نصرت و مدد فرمائے گا اور دشمنوں کے مقابلہ میں اہل ایمان کے قدم جمادے گا۔یہ تو حال اہل ایمان کا بیان فرمایا گیا تھا اب ان کے مقابلہ میں مکر چھپا ہے ان آیات میں کفار کا حال بیان فرمایا جاتا ہے کہ جس طرح مومنین کے قدم جمادیئے جاتے ہیں اس کے برعکس منکروں کو منہ کے بل گرادیا جاتا ہے اور جیسے خدا کی طرف سے مومنین کی مدد کی جاتی

ہے اس کے خلاف کافروں کے کام برباد کر دیئے جاتے ہیں جب ان کافروں نے اللہ کی باتوں کو ناپسند کیا تو اللہ ان کے کام کیوں پسند کرے گا اور جو چیز خدا کو ناپسند ہو وہ محض اکارت ہے۔ دنیا ہی میں دیکھ لو منکروں کی کیسی گت بنی اور کس طرح ان کے منصوبے خاک میں ملا دیئے گئے۔ تو کیا آج کے کافروں کو ایسی سزائیں نہیں مل سکتیں۔ چنانچہ کفار مکہ کو ایمان والوں کے ہاتھوں دنیا میں بھی سزا ہوئی اور آخرت میں تو ظاہر ہی ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ مومنین صالحین کا رفیق ہے جو وقت پر ان کی مدد کرتا ہے۔ کافروں کا ایسا رفیق کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں کام آ سکے۔ لکھا ہے کہ غزوۂ احد میں ابوسفیان جو اس وقت کافروں کے سردار تھے انہوں نے رجزیہ اشعار فخریہ پڑھنے شروع کئے اور کہا **اعلی ھبل اعلی ھبل** یعنی ھبل بت کا بول بالا ہو۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے۔ **اللہ اعلیٰ واجل** یعنی سب سے زیادہ بلندی والا اور سب سے زیادہ عزت اور اکرام والا اللہ ہی ہے۔ ابوسفیان نے پھر کہا **لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم** ہمارا عزیٰ بت ہے تمہارا نہیں۔ اس کے جواب میں بفرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ نے کہا **اللہ مولانا ولا مولا لکم** اللہ ہمارا مولیٰ ہے تمہارا مولیٰ کوئی نہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایماندار قیامت کے دن جنت نشین ہوں گے اور کفر کرنے والے خواہ دنیا میں کچھ ہی مزہ اڑا لیں لیکن ان کا اصلی ٹھکانہ جہنم ہے۔ دنیا میں ان کی زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور پیٹ بھرنا ہے۔ جسے یہ جانوروں کی طرح اناپ شناپ سے بھر رہے ہیں۔ نہ حلال حرام کی تمیز نہ جائز ناجائز کا امتیاز۔ بس پیٹ بھرنے سے مقصود۔ نتیجہ کی خبر نہیں کہ کل یہ کھایا پیا کس طرح نکلے گا۔ اچھا چند روزہ دنیا کے مزے اڑا لیں آگے آگ کا گھر ان کے لئے تیار ہے۔

اب یہاں ان آیات میں خالص کافروں کی دنیا اور آخرت کی تباہی کا سبب یہ بتلایا گیا کہ یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا۔ اب غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکامات کو ناپسند کرنا یہ خالص کفار کی صفت بیان کی گئی اور کس درجہ کا شدید جرم ہے مگر آج اسلام کا لیبل لگا کر ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کے نازل کئے ہوئے احکامات کو ناپسند کرتے ہیں۔ مثلاً پانچ وقت کی جماعت سے مسجد میں آ کر نماز پڑھنا ان کے لئے تضیع اوقات ہے۔ مہینہ بھر کے روزہ رکھنا یہ ایک ان کے لئے صریح جبر ہے۔ مالداروں پر حج کا فرض ہونا اور قومی دولت کو غیر ملک میں جا کر خرچ کر دینا یہ ایک ناگوار امر ہے۔ شراب کو کیسے بند کیا جا سکتا ہے جبکہ غیر ملکیوں کی مہمانی کا یہ لازمی جزو ہے۔ چور کا ہاتھ کیونکر کاٹا جا سکتا ہے کیونکہ یورپ والے اسے غیر مہذب سزا کہتے ہیں۔ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیسے کیا جائے کہ یہ بے رحمی کی سزا ہے۔ سود کو بند کیسے کیا جائے کہ بغیر اس کے لئے دیئے تجارت اور معاشرہ میں ترقی کیسے ہو سکتی ہے۔ غرض اللہ کے نازل کئے ہوئے احکامات کو ناپسند کرنے والا ایک ایسا طبقہ بھی موجود ہے کہ جو شریعت اسلامیہ کے قوانین اور احکام انہیں ایک نظر نہیں بھاتے اور پھر بوالعجبی یہ کہ ساتھ ہی اسلام اور ایمان کا دعویٰ ہے۔ اے کاش کوئی ان کو یہ آیات ہی سنا دے۔ اور کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صحیح حدیث سنا دے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ بن جائے جو میں لایا ہوں۔ اب تو وہ وقت ہے کہ اپنی خواہشات کو دین کے تابع بنانا تو درکنار اب تو مظلوم دین کو اپنی خواہشات کا تابع بنایا جا رہا ہے۔ (الا ماشاء اللہ) اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر بس رحم ہی فرمائیں۔ اور ہماری اصلاح کی صورتیں غیب سے پیدا فرماویں۔ آمین۔ الغرض دین ایمان و اسلام اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی اور تعلق یہ دونوں جہان میں کامیابی کا باعث ہے۔ اور ان سے دوری اور بیزاری اور علیحدگی دین و دنیا دونوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہے خواہ دیر ہو یا سویر۔ اسی کی کچھ مزید تشریح اور تائید اگلی آیات میں فرمائی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيٓ أَخْرَجَتْكَ ۚ أَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

اور بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں جس کے رہنے والوں نے آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا، ہم نے ان کو ہلاک کر دیا سو اُن کا کوئی مددگار نہ ہوا۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوٓا أَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ

تو جو لوگ اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر ہوں گے کیا وہ ان شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بد عملی اُن کو مستحسن معلوم ہوتی ہے اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہوں۔

الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۖ فِيْهَآ أَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَأَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہیں ہوگا، اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا،

وَأَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَأَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ

اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی، اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوگا، اور اُن کیلئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے

الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ أَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

اور اُن کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی، کیا ایسے لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی ان کو پینے کو دیا جاوے گا سو وہ اُن کی انتریوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

وَكَأَيِّنْ اور بہت سی	مِّنْ قَرْيَةٍ بستیاں	هِيَ وہ	أَشَدُّ بہت ہی سخت	قُوَّةً قوت میں	مِّنْ قَرْيَتِكَ آپ کی بستی سے	الَّتِيْ وہ جس		
أَخْرَجَتْكَ آپ کو نکال دیا	أَهْلَكْنٰهُمْ ہم نے ہلاک کر دیا انہیں	فَلَا نَاصِرَ تو کوئی نہ مدد کرنیوالا	لَهُمْ ان کیلئے	أَفَمَنْ پس کیا جو	كَانَ ہے	عَلٰى پر		
بَيِّنَةٍ روشن راستہ	مِّنْ رَّبِّهٖ اپنے رب سے۔ کے	كَمَنْ اس کی طرح	زُيِّنَ لَهٗ آراستہ دکھائے گئے اس کو	سُوٓءُ عَمَلِهٖ اس کے بُرے عمل				
وَاتَّبَعُوْا اور انہوں نے پیروی کی	أَهْوَآءَهُمْ اپنی خواہشات	مَثَلُ مثال (کیفیت)	الْجَنَّةِ جنت	الَّتِيْ وُعِدَ وہ جو وعدہ کی گئی	الْمُتَّقُوْنَ پرہیزگاروں			
فِيْهَا اس میں	أَنْهٰرٌ نہریں	مِّنْ سے۔ کی	مَّآءٍ پانی	غَيْرِ اٰسِنٍ بدبو نہ کرنیوالا	وَأَنْهٰرٌ اور نہریں	مِّنْ لَّبَنٍ دودھ کی	لَّمْ نہ	يَتَغَيَّرْ متغیر ہونے والا
طَعْمُهٗ اس کا ذائقہ	وَأَنْهٰرٌ اور نہریں	مِّنْ خَمْرٍ شراب کی	لَّذَّةٍ سراسر لذت	لِّلشّٰرِبِيْنَ پینے والوں کیلئے	وَأَنْهٰرٌ اور نہریں	مِّنْ عَسَلٍ شہد کی		
مُّصَفًّى مصفی	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	فِيْهَا اس میں	مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ہر قسم کے پھل	وَمَغْفِرَةٌ اور بخشش	مِّنْ رَّبِّهِمْ انکے رب سے	كَمَنْ اسکی طرح جو		
هُوَ وہ	خَالِدٌ فِي النَّارِ ہمیشہ رہنے والا آگ میں	وَ اور	سُقُوْا انہیں پلایا جائے گا	مَآءً حَمِيْمًا پانی گرم	فَقَطَّعَ ٹکڑے ٹکڑے ڈالیگا	أَمْعَآءَهُمْ انکی انتریاں		

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں اہل ایمان اور کفار دونوں کا حال و انجام بیان فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو جو دنیا میں ایمان لائے اور ساتھ ہی اعمال صالحہ بھی کئے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کی۔ دنیا میں جن اعمال کے کرنے کو کہا ان کو کیا اور جن اعمال سے منع کیا گیا ان سے باز رہے تو ایسے لوگوں کو آخرت میں بہشت کے باغات میں داخل کیا جائے گا جہاں وہ ہر طرح عیش و آرام سے رہیں گے اور جنہوں نے کہ دنیا میں کفر کو اختیار کیا اور اللہ و رسول کی نافرمانی کی تو وہ اس دنیا کی چند روزہ زندگی میں دنیا کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوں گے اور یوں کھائیں گے کہ جیسے جانور کھاتے ہیں کہ ان کو صرف کھانے سے غرض ہے اور نہ اس سے بحث کہ اسے کھانا چاہئے یا نہیں اور نہ اس سے غرض کہ یہ کس نے دیا ہے اور کیوں دیا ہے اور کھا کر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ بہرحال چند روزہ عیش دنیا کا اڑا لیں پھر انجام کار آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ پھر یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ساتھی اور کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز

نہیں تو کفار جب یہ وعدہ و وعید سنتے تو طعن کرتے کہ اللہ ایمانداروں کا مددگار ہے تو اس کی حمایت کہاں گئی؟ ہم نے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مکہ سے نکال دیا تو اس پر کچھ تعجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ترک وطن کرنے کا رنج ہوا ہو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہجرت کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے جانے لگے تو آپ نے مکہ کی طرف مڑ کر دیکھا اور مکہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ خدا کی قسم تو مجھے دنیا بھر کے شہروں میں زیادہ پیارا اور عزیز شہر ہے اگر قریش زبردستی مجھے اس شہر سے جانے میں مجبور نہ کرتے تو میں ہرگز تجھ کو نہ چھوڑتا۔ بہرحال کفار کے طعن کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے بہت سی بستیاں جو تمہاری اس بستی سے یعنی مکہ سے جو تم سے چھڑایا گیا طاقت اور زور میں بڑھ کر تھے مگر ان کی نافرمانی کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا اور کوئی انکا یار و مددگار نہ اٹھا جو ان کو بچا لیتا پھر یہ اہل مکہ کیا گھمنڈ کرتے ہیں یونہی اس بستی کے مجرموں کو بھی ہلاک کیا جا سکتا ہے کہ کوئی ان کا مددگار نہ ہو۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بدر کے معرکہ اور پھر فتح مکہ نے ان متکبروں کا فیصلہ کر دیا اس کے بعد کفر اور ایمان کا ایک فرق اور واضح کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ایک شخص جو اللہ کو اپنا رب مان چکا اور اس کے مقرر کئے ہوئے راستہ پر قائم ہے اور فہم و بصیرت کے ساتھ سچائی کی صاف اور کشادہ سڑک پر بے کھٹکے چلا جا رہا ہے اور دوسرا جو اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھاتا ہے جس کو سیاہ سفید یا نیک و بد کی کوئی تمیز نہیں حتیٰ کہ اپنی بے تمیزی سے برائی کو بھلائی سمجھتا ہے اور خواہشات کی پیروی میں اندھا ہو رہا ہے کیا ان دونوں کا مرتبہ اور انجام برابر ہو جائے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ حق تعالیٰ کے عدل و انصاف کے منافی ہے۔ انصاف تو یہی چاہتا ہے کہ بھلوں کو انعام اور بروں کو سزا ملے چنانچہ ایسا ہی ہوگا کہ اللہ کے فرمانبردار مومن متقی بندے جنت میں داخل کئے جائیں گے اور بدکار نافرمان جہنم میں جھونکے جائیں گے اور اس جنت کا جس کا متقی بندوں سے وعدہ کیا جاتا ہے یہ حال ہے کہ اس میں صاف شفاف پانی کی نہریں ہوں گی جو دنیوی پانی کے خلاف کبھی خراب گدلا یا ناقص نہ ہوگا۔ پھر اس میں دودھ کی نہریں ہوں گی مگر دنیوی دودھ کے خلاف وہ کبھی بگڑے گا نہیں۔ پھر وہاں شراب کی نہریں ہوں گی مگر دنیوی شراب کے خلاف ہر تلخی سے پاک اور ہر نشہ اور خمار سے بری نہ اس میں نشہ ہے نہ گرانی نہ کوئی اور عیب و نقصان پھر وہاں صاف اور شفاف شہد کی نہریں ہوں گی مگر دنیوی شہد کے خلاف ہر آمیزش اور میل کچیل سے پاک تو یہاں جنت کی چار قسم کی نہروں کا ذکر ہوا پانی کی دودھ کی شراب کی اور شہد کی دنیا میں بھی یہ چیزیں انسان استعمال کرتے ہیں پانی تو ایسی چیز ہے کہ انسان کی زندگی اس سے ہے اور دودھ غذائے لطیف کا کام دیتا ہے اور شراب سرور اور نشاط کی چیز ہے اور شہد مقوی اور بیماریوں کا دفع کرنے والا ہے مگر دراصل جنت کی کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کا مثل دنیا میں کبھی دستیاب ہو سکے پھر وہاں کی نعمتوں کا حال بندوں کو سمجھایا کس طرح جاوے؟ اس لئے دنیا کی جن چیزوں کو وہاں کی چیزوں سے ذرا بھی مناسبت ہے ان کے پیرایہ میں سمجھایا گیا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں یہ خیال نہ کرنا کہ جنت کی نہریں بھی دنیا کی نہروں کی طرح کھدی ہوئی زمین میں اور گڑھوں میں بہتی ہیں۔ نہیں نہیں قسم خدا کی وہ صاف زمین پر یکساں جاری ہیں ان کے کنارے کنارے لؤلؤ اور موتیوں کے خیمے ہیں۔ ان کی مٹی مشک خالص ہے ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ دودھ جانوروں کے تھن سے نکلا ہوا نہیں بلکہ قدرتی ہے اور نہریں ایسی صاف شراب کی جو پینے والے کا دل خوش کر دیں۔ دماغ کشادہ کر دیں جو شراب نہ تو بدبودار ہے نہ تلخی والی ہے نہ بدمنظر ہے بلکہ دیکھنے میں بہت اچھی پینے میں بہت لذیذ نہایت خوشبودار جس سے نہ عقل میں فتور آئے نہ دماغ میں چکر آئے نہ نشہ چڑھے نہ عقل جائے حدیث میں ہے کہ یہ شراب بھی کسی کے ہاتھوں کی کشید کی ہوئی نہیں بلکہ خدا کے حکم سے تیار ہوئی ہے خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے جنت میں شہد کی نہریں بھی ہیں جو بہت صاف ہے اور خوشبودار اور ذائقہ کا تو کہنا ہی کیا اور یہ شہد بھی مکھیوں کے پیٹ سے نہیں بلکہ قدرتی ہے۔ الغرض مشروبات کے بعد آیت میں ماکولات کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جنت میں کھانے کو ہر طرح کے میوے اور پھل ہیں اور ان تمام مادی نعمتوں کے ساتھ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ رب

کریم خوش ہے وہ اپنی مغفرت وخوشنودی سے انہیں نواز چکا ہے۔ ان کی سب خطائیں معاف ہو چکی ہیں اور پھر وہاں جنت میں پہنچ کر بھی خطاؤں کا ذکر بھی نہ آئے گا جو ان کی کلفت کا سبب بنے۔ اور نہ آئندہ کسی بات پر گرفت ہوگی۔ سبحان اللہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو بھی ان نعمتوں سے نوازے۔ آمین۔

یہ تو متقی پرہیزگار ایمانداروں کا مقام تھا آگے بدکار نافرمان کفار کا مقام بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جاوے گا جس سے آنتیں کٹ کر باہر آپڑیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقام سے اپنی پناہ میں رکھیں۔ اس کے بعد فرمایا جاتا ہے کہ کیا دونوں برابر ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں بھلا کہاں جنتی اور کہاں جہنمی؟ کہاں نعمت کہاں زحمت؟ یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ جو ذرا بھی طبیعت سلیمہ رکھتا ہے اس کے لئے یہ فرق سمجھنا آسان ہے۔

غرض یہ کہ جب مومن صالح اور کافر بدکار کے اعمال میں تفاوت ہے تو ان کے انجام میں بھی لازمی تفاوت ہوگا۔ تو یہاں تک کفار اور مومنین کے احوال واعمال اور ان کے لئے وعدے وعید مذکور تھے اب آگے کفار کی ایک قسم منافقین تھے ان کی حالت اور مذمت اور ان کے لئے وعید بیان کی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی دنیا میں اپنا متقی اور اطاعت گزار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اپنی رحمت سے وہ جنت ہم کو بھی نصیب فرمائیں اور اپنی مغفرت سے ہم سب کو نوازیں اور عذاب جہنم سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

یا اللہ کفار ومشرکین نے آج بھی آپ کے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض امتیوں کو گھر سے بے گھر کر رکھا ہے اور وہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

یا اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ان مہاجر امتیوں کی مدد اور نصرت فرما اور ان کے ستانے والوں کو ہلاک تباہ وبرباد فرما۔

یا اللہ ہم کو اپنے واضح راستہ صراط مستقیم پر استقامت کے ساتھ قائم رکھئے اور نفسانی خواہشات پر چلنے سے بچا لیجئے۔

یا اللہ بدعملی اور خلاف شرع امور سے ہم کو نفرت وکراہت عطا فرما تا کہ بدعملی ہم کو بھلی اور مستحسن نہ معلوم ہو۔

یا اللہ اس دور فتن میں جبکہ ممنوعات اور منکرات وبا کی طرح پھیلتے جا رہے ہیں ہمیں ہر ظاہری وباطنی فتنہ سے اپنی پناہ میں رکھئے اور شریعت مطہرہ پر ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہماری لغزشوں اور تقصیرات سے درگزر فرمایئے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ

اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں کہ حضرتؐ نے ابھی کیا بات فرمائی تھی

آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٦﴾ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى

یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مُہر کر دی ہے اور یہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔اور جو لوگ راہ پر ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتے ہے

وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿١٧﴾ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ

اور اُن کو اُن کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے۔سو یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اُن پر دفعتہً آپڑے، سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں تو جب قیامت اُن کے سامنے آکھڑی ہوئی

لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ ﴿١٨﴾ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ

اس وقت ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا۔تو آپ اس کا یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے، اور سب مسلمان مَردوں اور سب مسلمان عورتوں کیلئے بھی

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ﴿١٩﴾

اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے۔

وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَنْ جو	يَسْتَمِعُ سنتا ہے	إِلَيْكَ آپ کی طرف	حَتَّىٰ یہاں تک کہ	إِذَا جب	خَرَجُوا وہ نکلتے ہیں	مِنْ عِنْدِكَ آپ کے پاس سے
قَالُوا وہ کہتے ہیں	لِلَّذِينَ ان لوگوں سے جنہیں	أُوتُوا الْعِلْمَ علم دیا گیا (اہل علم)	مَاذَا کیا	قَالَ اس نے کہا	آنِفًا ابھی	أُولَٰئِكَ یہی لوگ	الَّذِينَ وہ جو
طَبَعَ اللَّهُ مہر کر دی اللہ نے	عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ انکے دلوں پر	وَاتَّبَعُوا اور انہوں نے پیروی کی	أَهْوَاءَهُمْ اپنی خواہشات	وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی			
زَادَهُمْ اور زیادہ دی انہیں	هُدًى ہدایت	وَآتَاهُمْ اور انہیں عطا کی	تَقْوَاهُمْ انکی پرہیزگاری	فَهَلْ پس نہیں	يَنْظُرُونَ وہ منتظر	إِلَّا مگر	
السَّاعَةَ قیامت	أَنْ کہ	تَأْتِيَهُمْ آجائے اُن پر	بَغْتَةً اچانک	فَقَدْ جَاءَ سو آچکی ہیں	أَشْرَاطُهَا اس کی علامات	فَأَنَّىٰ تو کہاں	لَهُمْ ان کیلئے۔کو
إِذَا جب	جَاءَتْهُمْ وہ آگئی ان کے پاس	ذِكْرَاهُمْ ان کا نصیحت قبول کرنا	فَاعْلَمْ سو جان لو	أَنَّهُ یہ کہ	لَا نہیں	إِلَٰهَ کوئی معبود	إِلَّا اللَّهُ اللہ کے سوا
وَاسْتَغْفِرْ اور بخشش مانگیں آپؐ	لِذَنْبِكَ اپنے ذنب اپنے اوپر لگائے گئے الزام (کیلئے)	وَلِلْمُؤْمِنِينَ اور مومن مردوں کیلئے	وَالْمُؤْمِنَاتِ اور مومن عورتوں				
وَاللَّهُ اور اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مُتَقَلَّبَكُمْ تمہارا چلنا پھرنا	وَمَثْوَاكُمْ اور تمہارے رہنے سہنے کا مقام				

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں مومنوں اور کافروں کے انجام کے تسلسل میں بتلایا گیا تھا کہ متقی اور پرہیزگار اہل ایمان تو اہل جنت میں سے ہوں گے اور اس جنت میں انہیں ہر قسم کی مادی اور روحانی نعمت نصیب ہوں گی۔دنیا کی تو ہر مادی نعمت فنا پذیر ہوتی ہے پانی سڑ جاتا ہے دودھ بگڑ جاتا ہے شراب میں نشہ و تلخی ہوتی ہے۔شہد میں گدلا پن اور میل کچیل شامل رہتا ہے مگر جنت کی کسی مادی نعمت میں بھی کوئی خرابی نہ پیدا ہونے پائے گی۔مشروبات میں اہل جنت کے لئے صاف پانی کی نہریں دودھ کی نہریں اور شراب کی نہریں جس میں پینے والوں کے لئے لذت ہی لذت ہوگی اور صاف شہد کی نہریں اور ماکولات میں ہر قسم کے میوے اور پھل ہوں گے۔یہ تو ہوئیں مادی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت و رحمت کی روحانی نعمتیں بھی میسر ہوں گی ان کے مقابل کفار و مشرکین کی یہ حالت بتلائی گئی تھی کہ یہ لوگ ہمیشہ آگ میں رہنے والے ہوں گے اور طرح طرح کے عذاب جہنم بھگتیں گے۔سخت پیاس کی حالت میں پینے کو ایسا کھولتا اور گرم پانی پینے کو دیا جائے گا کہ جو ان کی

انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔انہی کافروں اور اشقیا کے گروہ میں سے ایک گروہ منافقین کا زمان نبوت میں موجود تھا کہ جو ظاہر میں تو اسلام کا دعویٰ کرتا تھا اور باطن میں اس سے انحراف تھا۔ان آیات میں ایسے ہی لوگ یعنی منافقین کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان کی شرارت اور محرومی کو بیان کیا جاتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن کافروں کا اوپر ذکر ہوا جو کہ دائمی جہنمی ہوں گے وہ تو ایسے کافر ہیں کہ جو آپ کی باتوں سے متوحش ہیں۔آپ کی بات کو سننا ہی گوارا نہیں کرتے لیکن اس شقی گروہ میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو بظاہر آپ کی بات کو سنتے ہیں مگر نہ دلی توجہ ہے نہ سمجھ نہ اعتقاد و یقین۔ یہ گو آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں وعظ و نصیحت سننے کو بیٹھتے ہیں مگر ان کے دلوں میں عزت و عظمت نہیں۔چہرہ اور بشرہ سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کی گفتگو کو غور اور توجہ سے سن رہے ہیں مگر حقیقت یہ نہیں چنانچہ جب یہ مجلس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اٹھ کر جاتے ہیں تو باہر نکل کر اہل علم صحابہ کرام سے کہتے ہیں کہ ابھی ابھی حضرت نے کیا بیان کیا تھا؟ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منجملہ ان اہل علم کے کہ جن سے وہ باہر نکل کر پوچھتے تھے ایک میں بھی تھا اور میں اس وقت کم سن لڑکا تھا۔تو مفسرین نے لکھا ہے کہ منافقین کا یہ پوچھنا اس اعنوان اور طرز سے تھا کہ جس سے مومنین تو سمجھتے کہ انہوں نے سنا نہیں اور یہ صرف دریافت کرنا چاہتے ہیں لیکن ان منافقین کا مطلب آپؐ کی باتوں کی تحقیر اور توہین ہوتی تھی اور مطلب ان کا یہ ہوتا تھا کہ جو کچھ کہا گیا (معاذ اللہ) وہ قابل توجہ ہی نہ تھا اور اس لائق نہ تھا کہ دھیان اور توجہ سے سنا جائے۔علمانے یہاں لکھا ہے کہ دیکھئے یہ مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھ کر بھی کورے ہی رہتے ہیں جس کی وجہ یہ تھی قصد ہی ان کا افادہ کا نہ تھا۔اسی سے علمانے یہ بھی نتیجہ نکالا ہے کہ بڑے سے بڑے مرشد کی صحبت و ہمنشینی بھی بے اثر رہتی ہے۔جب تک کہ بیٹھنے والے کے دل میں اعتقاد اور قصد استفادہ نہ ہو۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا قرآن کی یا دین کی باتوں کو ارادی بے توجہی سے سننا کس درجہ مذموم ہے اور یہ خاص منافقین کی خصلتوں میں سے ہے۔تو منافقین کی اس حرکت پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کی ایسی نالائق حرکتوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے کہ پھر نیکی اور بھلائی کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔بس محض خواہشات کی پیروی رہ جاتی ہے۔حق کا اتباع نہیں ہوتا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ ہدایت کا قصد کرتے ہیں ایسے ایمانداروں کو ہمارے رسول کی باتوں سے اور وعظ و نصیحت سے اور زیادہ ہدایت ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ بھی انہیں توفیق دیتا ہے وہ اپنی ہدایت میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں اور ان کی سوجھ بوجھ اور تقویٰ و پرہیزگاری بڑھتی چلی جاتی ہے۔تو یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ راہ ہدایت پر چلنے اور احکام پر عمل کرتے رہنے سے ایک خاص برکت یہ پیدا ہوتی ہے کہ رشد و ہدایت اور بڑھتی رہتی ہے اور عمل کی توفیق اور زیادہ نصیب ہوتی رہتی ہے۔آگے منافقین کو وعید سنائی جاتی ہے کہ جب ہمارے رسول کی باتیں بھی ان کی ہدایت کے لئے کافی نہ ہوئیں قرآن کریم کی ہدایتیں بھی یہ سن چکے مگر راستی اور سچائی کے ساتھ انہیں بھی قبول نہ کیا۔گذشتہ اقوام کی عبرتناک مثالیں اور نافرمانوں کے انجام بھی سن چکے مگر یہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔جنت و دوزخ کے وعدہ اور وعید سب سن چکے مگر کان پر جوں تک نہ رینگی تو اب ان منکرین و منافقین کو ماننے کے لئے کس وقت کا انتظار ہے؟ کیا یہ لوگ اسی کی راہ دیکھ رہے ہیں کہ قیامت ان کے سر پر اچانک آ کھڑی ہو اور وہ ان کو اچھی طرح سمجھا دے سو قیامت کی کئی نشانیاں تو آ چکیں اور جب خود قیامت آ کھڑی ہوگی تو اس وقت ان کے لئے سمجھ حاصل کرنے اور ماننے کا موقع کہاں باقی رہے گا؟ یعنی اس وقت سمجھنا اور ماننا بیکار ہے کیونکہ اس پر نجات نہیں ہو سکتی۔یہاں جو آیت میں فرمایا گیا فقد جآء اشراطھا (سو اس کی یعنی قیامت کی علامتیں تو آ چکی ہیں) تو علمانے لکھا ہے کہ بروئے حدیث خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا علامات قیامت میں سے ہے۔صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا مبعوث ہونا اور قیامت کا آنا اس طرح سے ہیں اور آپ نے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کو ملا کر دکھایا۔محدثین نے اس حدیث کا مطلب لکھا ہے کہ جس طرح بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی میں تھوڑا سا فرق ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ

وسلم اور قیامت کے درمیان تھوڑا فرق ہے گویا جیسے بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے ذرا آگے نکلی ہوئی ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت سے ذرا آگے مبعوث ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ معجزۂ شق القمر یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا اس کو بھی حدیث میں علامات قیامت میں سے کہا گیا ہے نیز لوگوں کا جھوٹا دعویٰ نبوت کرنا بھی علامات قیامت سے فرمایا گیا ہے جیسا کہ مسیلمہ کذاب نے زمانہ نبوت ہی میں دعویٰ نبوت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہو کر دنیا میں آنا یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک خاص اور بڑی نشانی ہے اس لئے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور رسولوں کی آمد دنیا میں ختم کرنے والے ہیں۔ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو کامل کر دیا اور اپنی حجت اپنی مخلوق پر پوری کر دی اور مقصود تخلیق عالم کا حاصل ہو چکا۔ اب قیامت ہی کا آنا باقی ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامتیں اس طرح بیان فرما دیں کہ آپ سے پہلے کسی نبی نے اس قدر وضاحت نہیں فرمائی تھی۔ الغرض کفار و منافقین کو جتلایا جاتا ہے کہ قیامت قائم ہو جانے پر نصیحت و عبرت کیا سودمند ہو گی؟ اور اس وقت سمجھنے کا موقع کہاں ملے گا؟ اب یہاں تک مومنین کافرین و منافقین کے احوال اور ان کے انجام اور ان کے ساتھ وعدہ و وعید بیان فرمانے کے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ سب کچھ بتلانے اور سمجھانے پر بھی کفر پر جمے ہوئے ہیں تو انہیں جما رہنے دیجئے اور آپ مثل ماضی کے مستقبل میں بھی اس کا یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرتے رہئے یعنی پورے طور پر اس کی اطاعت کرتے رہئے۔ جمیع اوامر ونواہی کے امتثال پر مداومت رکھئے اور اگر کبھی احیاناً کوئی اجتہادی لغزش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگئے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے بھی معافی مانگئے کیونکہ وہ بھی انسان ہیں اور ان سے بھی دانستہ یا نادانستہ قصور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارا چلنا اور پھرنا اور رہنا وسہنا گویا ہر حال ہمہ وقت خوب معلوم ہے اس پر تمہاری کوئی بات مخفی نہیں۔ پس اس کو پیش نظر رکھو اور اس کو حاضر ناظر سمجھ کر کوئی کام کسی حال میں ایسا نہ کرو جس سے تم کو حق تعالیٰ کے سامنے ندامت ہو اور اس کے وعدوں کے امیدوار اور اس کی وعیدوں سے خائف رہو۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت **فاعلم انه لا اله الا الله و استغفر لذنبک وللمومنین والمومنٰت** جس میں اگرچہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر تمام انسانوں کو سنایا گیا ہے کہ اسی دنیا میں قیامت کی مصیبتوں اور پکڑ سے بچنے کی فکر کر لو جس کے لئے سب سے اول یہ سمجھ لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے بعد اپنی خطاؤں اور گناہوں کی معافی مانگو۔ پھر دوسرے اہل ایمان مرد اور عورتوں کے لئے بھی استغفار کرو۔

یہاں ان آیات سے متعلق ایک مفید تنبیہ بھی علما نے لکھی ہے کہ لفظ ذنب (جس کے لفظی معنیٰ ہیں۔ خطا قصور گناہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق قرآن کریم میں جا بجا آیا ہے جیسا کہ ان آیات میں بھی **و استغفر لذنبک** فرمایا ہے۔ یعنی آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے۔ تو ایسے تمام مواقع میں لفظ ذنب سے مراد ذنب مجازی ہے یعنی اجتہادی لغزش اور ایسے ذنب یعنی اجتہادی لغزش کی مثال یہ ہے کہ مثلاً آپ کی خدمت میں ایک بار ابن ام مکتوم صحابیؓ نابینا آئے اور آپ اس وقت بعض سرداران قریش مکہ کو اسلام کے متعلق کچھ سمجھا رہے تھے حضرت ابن ام مکتوم نے آپ کو بیچ میں ٹوک دیا اور خود کچھ پوچھنے لگے اس وقت آپ کو کچھ ناگوار ہوا جس کا ذکر تیسویں پارہ سورۂ عبس وتولیٰ میں فرمایا گیا جس کا بیان تفصیلاً انشاء اللہ اسی موقع پر ہوگا بہرحال حق تعالیٰ کو آپ کی ناگواری حضرت ابن ام مکتوم سے پسند نہ آئی جس پر سورۂ عبس کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو اس قسم کی اجتہادی لغزشوں پر آپ کو استغفار کا حکم فرمایا گیا اور اگلی سورۂ فتح میں ایسی ہی تمام لغزشوں کی معافی کی بشارت بھی آپ کو دی گئی ہے۔ تاہم احادیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر دن میں ستر بار اور بعض روایات میں ہے کہ سو بار سے بھی زیادہ استغفار فرماتے ہیں۔

ابھی انہی منافقین کے متعلق مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ

اور جولوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے رہتے ہیں کہ کوئی (نئی) سورت کیوں نہ نازل ہوئی، سو جس وقت کوئی صاف صاف (مضمون کی) سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا بھی ذکر ہوتا ہے

رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى

تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو، سو عنقریب

لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ

ان کی کمبختی آنے والی ہے۔ ان کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے، پس جب سارا کام تیار ہی ہو جاتا ہے، تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہتے تو اُن کیلئے بہت ہی بہتر ہوتا۔ سو اگر

عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ

تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم دُنیا میں فساد مچا دو، اور آپس میں قطع قرابت کردو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دُور کر دیا

فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

پھر اُن کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔

وَ اور	يَقُوْلُ وہ کہتے ہیں	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ جولوگ ایمان لائے	لَوْ کیوں	لَا نُزِّلَتْ نہ اتاری گئی	سُوْرَةٌ ایک سورۃ	فَاِذَا سو جب	اُنْزِلَتْ اتاری جاتی ہے
سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ صاف معانی والی سورۃ	وَذُكِرَ اور ذکر کیا جاتا ہے	فِيْهَا اس میں	الْقِتَالُ جنگ	رَاَيْتَ تم دیکھو گے	الَّذِيْنَ وہ لوگ		
فِيْ قُلُوْبِهِمْ انکے دلوں میں	مَّرَضٌ بیماری	يَّنْظُرُوْنَ وہ دیکھتے ہیں	اِلَيْكَ آپ کی طرف	نَظَرَ دیکھنا	الْمَغْشِيِّ بے ہوشی طاری ہوگئی	عَلَيْهِ اس پر	
مِنَ الْمَوْتِ موت کی	فَاَوْلٰى لَهُمْ سوخرابی اُن کیلئے	طَاعَةٌ اطاعت	وَّقَوْلٌ اور بات	مَّعْرُوْفٌ معقول	فَاِذَا پھر جب	عَزَمَ الْاَمْرُ پختہ ہوجائے کام	
فَلَوْ صَدَقُوا تو اگر وہ سچے ہوتے	اللّٰهَ اللہ	لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ البتہ ہوتا بہتر ان کیلئے	فَهَلْ عَسَيْتُمْ سو تم اسکے نزدیک	اِنْ اگر			
تَوَلَّيْتُمْ تم والی (حاکم) ہوجاؤ	اَنْ تُفْسِدُوْا کہ تم فساد مچاؤ	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَتُقَطِّعُوْا اور تم کاٹو (توڑ ڈالو)	اَرْحَامَكُمْ اپنے رشتے			
اُولٰٓئِكَ یہی ہیں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جن	لَعَنَهُمُ اللّٰهُ اللہ نے لعنت کی	فَاَصَمَّهُمْ پھر انکو بہرا کردیا	وَاَعْمٰى اور اندھا کردیا	اَبْصَارَهُمْ ان کی آنکھیں		
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ تو کیا وہ غور نہیں کرتے؟	الْقُرْاٰنَ قرآن	اَمْ کیا	عَلٰى قُلُوْبٍ دلوں پر	اَقْفَالُهَا ان کے تالے			

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں منافقوں کی شرارت اور ان کا حال بیان کیا گیا تھا۔ ہجرت سے پہلے جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ میں تھا تو اسلام کا چنداں زور نہ تھا اس واسطے مکہ میں جن لوگوں کے دلوں میں اللہ نے اسلام کی خوبیاں جمائیں اور وہ اسلام لائے تو ان کا اسلام خالص دل سے تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ ان کا ظاہر کچھ اور ہو باطن کچھ اور لیکن ہجرت کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور اسلام کا دن بدن زور اور غلبہ شروع ہوا تو مدینہ کے بہت سے لوگ خصوصاً یہود مدینہ اپنی عزت اور جان و مال بچانے کی غرض سے اس طرح داخل اسلام ہو گئے تھے کہ بظاہر تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ لیکن دل سے مسلمان نہ تھے اور جب موقع پاتے درپردہ مسلمانوں کی بدخواہی کی باتیں کرتے تا کہ تمام مسلمانوں کو ان کی بدخواہی کی باتوں کی خبر نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب والشہادہ ہیں۔ جو بات بھی منافق بناوٹ کے طور پر یا درپردہ اسلام اور مسلمانوں کی

بدخواہی کی کرتے تو اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی آیات نازل فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کومطلع فرما دیتے۔ اس لئے قرآن پاک میں منافقوں کی پوشیدہ باتوں ان کی دلی خواہشوں اور بدنیتوں کا جا بجا مدنی آیات میں ذکر ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا ذکر فرما کر ان کو ذلیل و رسوا فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی تادیب وتنبیہ بھی فرمائی گئی ہے۔ گذشتہ آیات میں انہی منافقین کا ذکر فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ جب قرآن کی ہدایتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں بھی ان کی ہدایت کے لئے کافی نہ ہوئیں تو کیا اب ان کو قیامت کا انتظار ہے کہ وہ ان کے پاس اچانک آ جاوے اور ان کو اچھی طرح سمجھا دے؟ مگر جب قیامت آ جائے گی اور اس کو دیکھ کر ایمان بھی لے آویں گے مگر اس وقت کا ایمان لانا محض بے نتیجہ ہوگا اور انہیں بجز پچھتانے کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ انہی منافقین کے بعض احوال کی تفصیل ان آیات میں ظاہر فرمائی گئی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ سچے ایمان والے ہیں جن سے یہاں صحابہ کرامؓ مراد ہیں وہ تو ہمیشہ اس بات کے مشتاق رہتے ہیں کہ کلام الٰہی اور نازل ہوتا کہ ایمان تازہ ہو اور احکام جدید آویں تو ان پر عمل کر کے ثواب حاصل کریں اور احکام سابقہ کی تاکید ہو تو اور زیادہ ثبات حاصل ہو چنانچہ وہ اس اشتیاق میں کہتے رہتے ہیں کہ کوئی نئی سورۃ کیوں نہ نازل ہوئی اور اگر نازل ہو تو تمنا پوری ہو سو جس وقت کوئی صاف صاف مضمون کی سورۃ نازل ہوتی ہے اور اتفاق سے اس میں جہاد کا بھی صاف صاف ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ تو ان آیات کو سن کر گویا نیم مردہ ہو جاتے ہیں اور ان آیات کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بھیانک نگاہوں سے دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو یعنی جہاد کا حکم سن کر ان پر خوف اور بزدلی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اس خیال سے کہ اب اپنے اسلام کو نبھانے کے لئے جہاد میں جانا پڑے گا اور ایک یہ مصیبت آئی۔ حق تعالیٰ اس پر ارشاد فرماتے ہیں کہ جو اس طرح خدا کے حکم سے جی چراتے ہیں تو دراصل بات یہ ہے کہ عنقریب ان کی کمبختی آنے والی ہے خواہ دنیا میں بھی کہ کسی وبال میں گرفتار ہوں ورنہ بعد موت تو ضرور ہی ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ظاہر میں تو یہ لوگ یعنی منافقین اپنی فرمانبرداری کا اظہار اور زبان سے اسلام اور احکام اسلام کا اقرار کرتے ہیں مگر کام کی بات یہ ہے کہ عملاً خدا اور رسول کا حکم مانیں اور بات اچھی اور معقول کہیں پھر جب جہاد وغیرہ میں اللہ کے سامنے سچے ثابت ہوں تو یہ صورت ان کی بہتری اور بھلائی کی ہوگی۔ آگے جہاد کے ترک پر منافقین کو براہ راست خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ تم جو جہاد سے کراہت کرتے ہو اور جان چراتے ہو تو اس میں دین کے علاوہ دنیا کا بھی نقصان ہے چنانچہ اگر تمہاری طرح سب جہاد سے کنارہ کش ہو جائیں تو دنیا میں لوگوں میں فساد جھگڑے اور آپس کی کشمکش اور غرض پرستی کے جھگڑے کھڑے ہو جائیں جن کا آخری نتیجہ عام فتنہ وفساد اور ایک دوسرے سے قطع تعلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے اعراض کرو گے تو ظاہر ہے کہ دنیا میں امن وانصاف قائم نہیں ہو سکتا۔ اور جب دنیا میں امن وانصاف نہ رہے گا تو ظاہر ہے کہ فساد بدامنی اور حق ناشناسی کا دور دورہ ہوگا یہاں سے معلوم ہوا کہ جہاد سے بڑا فائدہ اقامت عدل اور اصلاح وامن کا ہے اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو مفسدین کا غلبہ ہو جائے جس سے فتنہ وفساد اور اضاعت حقوق لازمی ہے پس جہاد سے دنیوی فائدہ بھی ہوا آگے انہی منافقین مذکورین کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دور کر دیا اس لئے اس کے احکام پر عمل کی توفیق نہ رہی پھر رحمت سے بعید کر دینے پر یہ اثر مرتب ہوا کہ ان کو احکام الٰہیہ سے سننے سے بہرہ کر دیا اور راہ حق کے دیکھنے سے ان کی باطنی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور یہ سب کچھ انہی کے سوء اختیار اور قصور استعداد سے ہوا۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافقین قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کی شرارتوں کی بدولت دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں کہ نصیحت کے اندر جانے کا راستہ ہی نہیں رہا اگر قرآن کے سمجھنے کی توفیق ملتی تو بآسانی سمجھ لیتے کہ جہاد میں کس قدر دنیاوی واخروی فوائد ہیں۔

ابھی آگے بھی انہی منافقین کے بارے میں مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ

جو لوگ پشت پھیر کر ہٹ گئے، بعد اس کے کہ سیدھا راستہ ان کو صاف معلوم ہوگیا، شیطان نے ان کو چکمہ دیا ہے، اور ان کو دُور دُور کی سوجھائی ہے

لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

یہ اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ بعضی باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے خفیہ باتیں کرنے کو

إِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا

خوب جانتا ہے۔ سو ان کا کیا حال ہوگا جب کہ فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہوں گے، اور ان کے مونہوں پر اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے۔ یہ اس سبب سے کہ جو طریقہ

مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

خدا کی ناراضی کا موجب تھا یہ اُسی پر چلے اور اس کی رضا سے نفرت کیا کئے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سب اعمال کالعدم کردیئے۔ جن لوگوں کے دل میں مرض ہے

أَن لَّن يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُم بِسِيمَاهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ

کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا، اور ہم اگر چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتہ بتا دیتے سو آپ ان کو حلیہ سے پہچان لیتے، اور آپ ان کو طرز کلام

فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾

سے ضرور پہچان لیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِينَ جو لوگ	ارْتَدُّوا پلٹ گئے	عَلَىٰ أَدْبَارِهِم اپنی پشت پر	مِّن بَعْدِ اسکے بعد	مَا تَبَيَّنَ جب واضح ہوگئی	لَهُمُ ان کیلئے	الْهُدَى ہدایت
الشَّيْطَانُ شیطان	سَوَّلَ آراستہ کردکھایا	لَهُمْ ان کیلئے	وَأَمْلَىٰ اور ڈھیل دی	لَهُمْ ان کو	ذَٰلِكَ یہ	بِأَنَّهُمْ اس لئے کہ وہ	قَالُوا انہوں نے کہا
لِلَّذِينَ ان لوگوں سے جنہوں	كَرِهُوا انہوں نے ناپسند کیا	مَا نَزَّلَ جو نازل کیا	اللَّهُ اللہ	سَنُطِيعُكُمْ عنقریب ہم تمہارا کہنا مان لیں گے			
فِي میں	بَعْضِ بعض	الْأَمْرِ کام	وَاللَّهُ اور اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	إِسْرَارَهُمْ انکی خفیہ باتیں	فَكَيْفَ پس کیسا	إِذَا تَوَفَّتْهُمُ جب انکی روح قبض کرینگے
الْمَلَائِكَةُ فرشتے	يَضْرِبُونَ وہ مارتے ہوں گے	وُجُوهَهُمْ ان کے چہروں	وَأَدْبَارَهُمْ اور ان کی پیٹھوں	ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ یہ اس لئے کہ انہوں نے			
اتَّبَعُوا پیروی کی	مَا جو۔جس	أَسْخَطَ اللَّهَ اللہ کو ناراض کیا	وَكَرِهُوا اور انہوں نے پسند نہ کیا	رِضْوَانَهُ اس کی رضا	فَأَحْبَطَ تو اس نے اکارت کردیئے		
أَعْمَالَهُمْ ان کے اعمال	أَمْ حَسِبَ کیا گمان کرتے ہیں؟	الَّذِينَ وہ لوگ (جن)	فِي قُلُوبِهِم ان کے دلوں میں	مَّرَضٌ مرض۔روگ			
أَن کہ	لَّن يُخْرِجَ ہرگز ظاہر نہ کرے گا	اللَّهُ اللہ	أَضْغَانَهُمْ ان کے دل کی عداوتیں	وَلَوْ نَشَاءُ اور اگر ہم چاہیں	لَأَرَيْنَاكَهُمْ تو تمہیں دکھادیں وہ لوگ		
فَلَعَرَفْتَهُم سو البتہ تم انہیں پہچان لو	بِسِيمَاهُمْ ان کے چہرے سے	وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ اور تم ضرور پہچان لو گے انہیں	فِي میں۔سے				
لَحْنِ الْقَوْلِ طرز کلام	وَاللَّهُ اور اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	أَعْمَالَكُمْ تمہارے اعمال				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات سے منافقین کا ذکر ہوتا چلا آ رہا ہے جو بظاہر تو مسلمان بنے ہوئے تھے مگر دل سے انہوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ سچے مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں حصہ لینے سے جان چراتے تھے جس پر ان کو گذشتہ آیات میں تنبیہ کی گئی تھی اور وعید سنائی گئی

تھی۔انہی منافقین کی مذمت ان آیات میں بھی فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافقین اسلام کا اقرار کرنے اور اس کی سچائی ظاہر ہو جانے کے بعد وقت آنے پر اپنے قول و قرار سے پھرے جاتے ہیں اور جہاد میں شرکت نہیں کرتے۔ یہ شیطان کے بہکاوے میں آ گئے ہیں اور اس نے ان کو یہ بات سجھادی ہے کہ بھلا لڑ کر جان دینے سے کیا فائدہ۔لڑائی میں نہ جائیں گے تو دیر تک زندہ رہیں گے۔ خواہ مخواہ جہاد میں جا کر مرنے سے کیا فائدہ۔اسی طرح شیطان گمراہی کی باتیں سجھاتا ہے اور دور دراز کے لمبے چوڑے وعدے دیتا ہے کہ ابھی تو تمہیں بہت دن زندہ رہنا ہے اور بہت کچھ کام کرنے ہیں۔خواہ مخواہ لڑ کر جان دینے میں کیا دھرا ہے تو شیطان کا یہ قابو ان منافقین پر اس وجہ سے چل گیا کہ سچے دل سے ایمان نہیں لائے۔فقط مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے کلمہ پڑھ لیا ہے اور انہوں نے یہود وغیرہ سے کہہ رکھا ہے کہ بعض باتوں میں ہم تمہارے طرف دار ہیں۔گو ہم ظاہر میں مسلمان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان کی خفیہ باتوں سے خوب واقف ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافق لوگ یہ نہیں سوچتے کہ آخر ایک دن تو انہیں مرنا ہے اور فرشتے جب ان کی جان نکالنے آئیں گے اور ان کے منہ اور پیٹھ پر ضرب لگائیں گے اور کوڑے برسائیں گے تو اس وقت ان کا کیا حال ہو گا اور اس وقت موت سے اور فرشتوں کی مار سے کیونکر بچیں گے اور یہ گت ان کی اس لئے بنے گی کہ انہوں نے وہی باتیں اختیار کیں جو اللہ کو ناراض کرتی ہیں اور ان باتوں سے بھاگتے رہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اس لئے موت کے وقت یہ بھیانک سماں دیکھنا پڑے گا اور اللہ نے ان کے کفر و طغیان کی بدولت ان کے سب عمل بیکار کر دیئے کوئی عمل ان کو دوسری زندگی میں فائدہ بخش نہ ہو گا۔تو یہاں سے معلوم ہوا کہ بدکار نافرمان کفار و منافقین وغیرہ کی پٹائی موت کے وقت ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور چونکہ یہ پٹائی روح کی ہوتی ہے اس لئے ہم کو نظر نہیں آتی اور موت کے وقت سے یہ پٹائی گویا ابتدا ہے۔اس کے بعد قبر میں یعنی عالم برزخ میں بھی پٹائی کوٹائی ہو گی اور پھر جہنم میں تو اچھی طرح اور پوری طرح جسمانی بھی اور روحانی بھی کوٹائی پٹائی ہو گی (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور اس ساری عقوبت اور کوٹائی اور پٹائی کی وجہ بھی صاف ظاہر فرما دی کہ یہ اس وجہ سے ہو گی کہ دنیا میں جو طریقہ خدا کی ناراضگی کا موجب تھا یہ اسی پر چلے اور جو اس کی رضا اور خوشنودی کے اعمال تھے ان سے نفرت ہی کیا کئے اس لئے دنیا کی زندگی کے ختم ہوتے ہی سزا کے مستحق ہوئے اور چونکہ اس دنیا کی زندگی کے بعد آنے والی زندگی ابدی اور دائمی ہے اس لئے ان کی سزا بھی ابدی و دائمی ہو گی عالم برزخ میں روحانی اور عالم آخرت میں روحانی اور جسمانی دونوں طرح سزا ہو گی اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا کی زندگی میں اپنی رضا والے راستہ پر چلائے اور اپنی ناراضگی والے راستہ سے بچائے۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافقین اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جو حاسدانہ عداوتیں اور کینے رکھتے ہیں تو کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ان کا کینہ اور دشمنی یوں ہی چھپا رہے گا اور اللہ اس کو تشت از بام نہ کرے گا؟ اور مسلمان ان کے مکر و فریب پر مطلع نہ ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ان کا خبث باطن ضرور ظاہر ہو کر رہے گا اور یہ ایسے امتحان کی بھٹی میں ڈالے جائیں گے جہاں کھوٹا کھرا بالکل الگ ہو جائے گا۔آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ چاہے تو تمام منافقین کو معین کر کے آپ کو دکھلا دے اور نام بنام مطلع کر دے کہ مجمع میں فلاں فلاں آدمی منافق ہے مگر اس کی حکمت بالفعل اس دوٹوک اظہار کو مقتضی نہیں۔ویسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کا نور فراست دیا ہے کہ ان کے چہرے اور بشرے سے آپ پہچان لیتے ہیں اور آگے چل کر ان لوگوں کے طرز گفتگو سے آپ کو مزید شناخت ہو جائے گی کیونکہ منافق اور مخلص کی بات کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے۔جو زور، شوکت، پختگی اور خلوص کا رنگ مخلص کی باتوں میں جھلکتا ہے منافق کتنی ہی کوشش کرے وہ رنگ اپنے کلام میں پیدا نہیں کر سکتا۔آگے سب مومنین و منافقین کو خطاب میں جمع کر کے بطور ترغیب اور ترہیب کے فرمایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے پس مسلمانوں کو ان کے اخلاص پر جزا اور منافقین کو ان کے نفاق پر سزا دے گا۔

اب آگے جہاد و قتال کے احکام کی حکمت بیان فرمائی جاتی ہے اور مومنین کو جہاد کے متعلق نصیحت فرمائی گئی اور بشارت دی گئی کہ تم ہی غالب رہو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور کفار کو جنہوں نے مرتے وقت تک توبہ نہ کی کبھی نہ بخشے جانے کی وعید سنائی گئی جس کا بیان اگلی آیات میں آئندہ درس میں انشاء اللہ ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا

اور ہم ضرور تم سب کے اعمال کی آزمائش کریں گے تاکہ ہم ان لوگوں کو معلوم کرلیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور جو ثابت قدم رہنے والے ہیں، اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کرلیں۔ بے شک جو لوگ

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان کو راستہ نظر آچکا تھا، یہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے،

وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾

اور اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مٹا دے گا۔ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾ فَلَا

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستہ سے روکا پھر وہ کافر ہی رہ کر مر گئے خدا تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشے گا سو تم

تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾

ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ، اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہ کرے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں	حَتّٰى یہاں تک کہ	نَعْلَمَ ہم معلوم کریں	الْمُجٰهِدِيْنَ مجاہدوں	مِنْكُمْ تم میں سے	وَالصّٰبِرِيْنَ اور صبر کرنیوالے		
وَنَبْلُوَا اور ہم جانچ لیں	اَخْبَارَكُمْ تمہاری خبریں (حالات)	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	وَصَدُّوْا اور انہوں نے روکا	عَنْ سے		
سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	وَشَآقُّوا اور انہوں نے مخالفت کی	الرَّسُوْلَ رسول	مِنْۢ بَعْدِ اس کے بعد	مَا تَبَيَّنَ جب واضح ہوگئی	لَهُمُ ان پر		
الْهُدٰى ہدایت	لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ وہ ہرگز نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا	شَيْـًٔا کچھ بھی	وَسَيُحْبِطُ اور وہ جلد اکارت کردیئے گئے	اَعْمَالَهُمْ ان کے اعمال			
يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے (مومنو)	اَطِيْعُوا اللّٰهَ اطاعت کرو اللہ کی	وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اور اطاعت کرو رسول کی	وَلَا تُبْطِلُوْا اور باطل نہ کرو			
اَعْمَالَكُمْ اپنے اعمال	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	وَصَدُّوْا اور انہوں نے روکا	عَنْ سے	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	ثُمَّ پھر	
مَاتُوْا وہ مر گئے	وَهُمْ اور وہ	كُفَّارٌ کافر ہی	فَلَنْ يَّغْفِرَ تو ہرگز نہیں بخشے گا	اللّٰهُ اللہ	لَهُمْ ان کو	فَلَا تَهِنُوْا پس تم سستی نہ کرو	وَتَدْعُوْا اور نہ بلاؤ
اِلَى طرف	السَّلْمِ صلح	وَاَنْتُمُ اور تم ہی	الْاَعْلَوْنَ غالب	وَاللّٰهُ اور اللہ	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ	وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اور وہ ہرگز کمی نہ کریگا	اَعْمَالَكُمْ تمہارے اعمال

تفسیر وتشریح: گذشتہ سے منافقین کا ذکر ہوتا چلا آیا ہے اور وہ اپنے نفاق کی وجہ سے جہاد سے جان چراتے تھے اس پر ان کی مذمت فرمائی گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جہاد وغیرہ کے احکام سے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی آزمائش مقصود ہے اور اسی سخت آزمائش میں کھلتا ہے کہ کون اللہ کے راستہ میں لڑنے والے اور جان و مال لگانے والے اور ایسے سخت وقت میں ثابت قدم رہنے والے ہیں اور کون ایسے نہیں ہیں تاکہ ہر ایک کے ایمان واطاعت اور دعوئے اسلام و ایمان کا وزن معلوم ہو جائے اور سب کے اندرونی احوال کی خبریں ظاہر ہو جائیں آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ بھی اللہ و رسول کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں اور راہ خدا کی بندش کرنے والے ہیں اور رسول کی مخالفت کرنے والے ہیں اور ہدایت کے موجود ہوتے ہوئے گمراہ ہونے والے ہیں تو یہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا کیا نقصان ہے۔ یہ مخالفت وانکار سے نہ اس کے دین کو دنیا میں پھیلنے سے روک سکتے ہیں نہ پیغمبر کی مخالفت کر کے کچھ ان کا بگاڑ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ تو ایسی قدرت والا ہے کہ وہ ان کے سارے منصوبے غلط اور ان کی ساری چالیں اور تدبیریں بیکار اور ان کے تمام کام اکارت کردے گا اور

ان کی سب کوششیں خاک میں ملادے گا۔ یہ تو منافقین کے متعلق بتلایا گیا آگے اہل ایمان کو نصیحت فرمائی جاتی ہے کہ جہاد یا اللہ کے راہ میں اور کوئی محنت و ریاضت اسی وقت مقبول ہے جب اللہ اور رسول کے حکم کے موافق ہو۔ محض اپنی طبیعت کے شوق یا نفس کی خواہش پر وہ کام نہ ہو ورنہ ایسا عمل یونہی بیکار ضائع جائے گا اور مسلمان کا کام نہیں کہ جو نیک عمل کر چکا ہے یا کر رہا ہے اس کو کسی صورت سے ضائع ہونے دے۔ اسی میں ریا عجب نام ونمود اور غرور وتکبر وغیرہ سب آ گئے کہ جو مومن کے اعمال کو ضائع کرنے والے ہیں اور نہ صرف ضائع ہوتے ہیں بلکہ نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق ہوتے ہیں احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی بتلایا ہے کہ تمام اچھے اعمال واخلاق کی روح و جان ''اخلاص'' اور ''للّٰہیت'' ہے۔ اگر بظاہر اچھے سے اچھے اعمال اس سے خالی ہوں اور ان کا مقصد رضائے الٰہی نہ ہو بلکہ نام ونمود یا اور کوئی ایسا ہی جذبہ ان کا محرک ہو تو اللہ کے نزدیک ان اعمال کی کوئی قیمت نہیں اور ان پر کوئی ثواب ملنے والا نہیں بلکہ بجائے ثواب کے خدا کے عذاب کا مستحق ہوگا۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ جب الحزن غم کے کنویں یا غم کی خندق سے پناہ مانگا کرو بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جہنم میں ایک وادی یا خندق ہے جس کا حال اتنا برا ہے کہ خود جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس میں کون لوگ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا وہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھانے کے لئے اعمال کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ دیکھئے قرآن کا پڑھنا کتنے اعلیٰ درجہ کا اور دینداری کا کام ہے مگر ریا کی بدولت اور اخلاص وللّٰہیت نہ ہونے کی وجہ سے کتنی سخت سزا اس کی بیان فرمائی گئی اور مسلم شریف کی وہ حدیث بھی مشہور ہے کہ قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریا کار عالم و عابد ریا کار مجاہد و شہید اور ریا کار سخی کے بارہ میں کیا جائے گا۔ کس قدر لرزا دینے والی ہیں یہ احادیث روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ان احادیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ یہ حدیث ان کے سامنے بیان کی گئی تو وہ بہت روئے اور روتے روتے بے حال ہو گئے۔ اب غور کیجئے کہ جب ایسے اعلیٰ اعمال کا انجام بھی ریا اور نام ونمود اور طلب شہرت کے باعث ایسا عبرتناک ہو سکتا ہے تو دوسرے اعمال کا تو

کہنا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہماری حفاظت فرمائیں اور ہم کو اخلاص اور للّٰہیت کی توفیق عطا فرمائے ورنہ آج تو معاشرہ کی جان ہی نام ونمود بڑائی شہرت اور ریا بن رہی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) الغرض یہاں آیت میں ایمان والوں کو نصیحت فرمائی گئی کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ و رسول کے احکام کے خلاف کر کے اعمال کو برباد مت کرو۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کسی کافر کی یعنی اللہ و رسول کا انکار کرنے والے کی اور خصوصاً ان کافروں کی جو دوسروں کو بھی خدا کے راستہ سے روکنے میں لگے ہوئے ہیں اور انہی اعمال واحوال میں مر گئے یعنی ساری زندگی اس کفر پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسوں کی بخشش ہرگز نہیں۔ چونکہ مضمون جہاد کے متعلق بیان ہو رہا تھا اس لئے پھر اہل ایمان کو خطاب ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کے مقابلہ میں سست اور کم ہمت نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں ورنہ دشمن شیر ہو کر دباتے چلے جائیں گے اور جماعت اسلام کو مغلوب اور رسوا ہونا پڑے گا ہاں کسی وقت اسلام کی مصلحت اور اہل اسلام کی بھلائی صلح میں نظر آئے تو اس وقت صلح کر لینے میں بھی مضائقہ نہیں جیسا کہ اگلی سورۃ فتح میں آیا ہے۔ بہرحال صلح کی بنا اپنی کم ہمتی اور نامردی پر نہ ہونا چاہئے آگے تسلی بھی دی جاتی ہے اور بشارت بھی دی جاتی ہے کہ گھبرانے کی کچھ بات نہیں اگر صبر واستقلال سے جمے رہو گے اور خدا کے احکام پر ثابت قدم رہو گے تو خدا تمہارے ساتھ ہے۔ اس کی نصرت وحمایت تمہاری مددگار ہے۔ وہ تم کو آخر کار غالب کرے گا اور کسی حالت میں تم کو نقصان اور گھاٹے میں نہ رہنے دے گا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں جو آیت میں فرمایا گیا ہے۔ **وانتم الاعلون** اور تم ہی غالب رہو گے تو یہ بشارت مقید ہے کامل الایمانی کے ساتھ جیسا کہ دوسری جگہ قرآن پاک میں فرمایا گیا **انتم الاعلون ان کنتم مومنین** تم ہی سربلند رہو گے اگر تم پورے ایمان والے ہو گے۔ یا جیسے چھٹے پارۂ سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا **من یتول اللہ و رسولہ والذین امنوا فان حزب اللہ ھم الغلبون** اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے دوستی و رفاقت رکھے گا سو بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔ یہاں غلبہ کی بشارت اللہ اور رسول اور مومنین سے رفاقت اور دوستی پر فرمائی گئی ہے۔ قرآن نے محض نام کے مسلمان اور گوشت کھانے کے مسلمان کو غلبہ کی بشارت کہیں نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی اور اپنے رسول پاک ﷺ کی سچی رفاقت اور دوستی نصیب فرمائیں اور ایمان واسلام کے ساتھ اعمال صالحہ کی دولت عطا فرمائیں۔

إِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ 4

دنیوی زندگی تو محض ایک لہو ولعب ہے، اور اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا، اور تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا۔

إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾ هَا أَنتُمْ هٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا

اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری ظاہر کردے ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ ۖ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ ۚ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ

بلایا جاتا ہے، سو بعضے تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں، اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے سے بخل کرتا ہے، اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں،

وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم ﴿٣٨﴾

اور تم سب محتاج ہو، اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

إِنَّمَا اسکے سوا نہیں	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	لَعِبٌ کھیل	وَّلَهْوٌ اور کود	وَإِن اور اگر	تُؤْمِنُوا ایمان لے آؤ تم	وَتَتَّقُوا اور تقویٰ اختیار کرو
يُؤْتِكُمْ وہ تمہیں دیگا	أُجُورَكُمْ تمہارے اجر(جمع)	وَلَا يَسْأَلْكُمْ اور نہ طلب کریگا تم سے	أَمْوَالَكُمْ تمہارے مال	إِن اگر		
يَسْأَلْكُمُوهَا وہ تم سے (مال) طلب کرے	فَيُحْفِكُمْ پھر تم سے چمٹ جائے	تَبْخَلُوا تم بخل کرو	وَيُخْرِجْ اور ظاہر ہو جائیں	أَضْغَانَكُمْ تمہاری عداوتیں		
هَا أَنتُمْ وہ تم ہو	هٰؤُلَاءِ ہاں! وہ لوگ	تُدْعَوْنَ تمہیں پکارا جاتا ہے	لِتُنفِقُوا کہ تم خرچ کرو	فِي میں	سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کا راستہ	فَمِنكُم پھر تم میں سے
مَن يَبْخَلُ کوئی ایسا ہے کہ بخل کرتا ہے	وَمَن اور جو	يَبْخَلْ بخل کرتا ہے	فَإِنَّمَا يَبْخَلُ تو اسکے سوا نہیں وہ بخل کرتا ہے	عَن نَّفْسِهِ اپنے آپ سے		
وَاللَّهُ اور اللہ	الْغَنِيُّ بے نیاز	وَأَنتُمُ اور تم	الْفُقَرَاءُ محتاج(جمع)	وَإِن اور اگر	تَتَوَلَّوْا تم روگردانی کرو گے	يَسْتَبْدِلْ وہ بدل دے گا
قَوْمًا غَيْرَكُمْ دوسری قوم تمہارے سوا	ثُمَّ پھر	لَا يَكُونُوا وہ نہ ہوں گے	أَمْثَالَكُم تمہارے جیسے			

تفسیر وتشریح: یہ اس سورۃ کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا گیا تھا کہ تم کفار کے مقابلہ میں ہمت مت ہارو اور ہمت ہار کر ان کو صلح کی طرف مت بلاؤ۔ پھر ساتھ ہی یہ بشارت بھی دی گئی تھی کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور تم ہی غالب رہو گے۔ یہ تو تھی دنیا کی کامیابی اور آخرت میں یہ کامیابی ہوگی کہ اللہ تمہارے اعمال کا پورا پورا اجر وثواب عطا فرمائے گا اور اس میں ہرگز ذرا کمی نہ کی جائے گی۔ اب دین کے لئے اللہ کے راستہ میں جان کے علاوہ مال کا بھی خرچ ہوتا ہے اس لئے جہاد وقتال کے بعد اب ان آیات میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اور ترغیب دی جاتی ہے اور چونکہ جان ومال کو اللہ کے راستہ میں لگانے میں سب سے بڑی رکاوٹ دنیوی زندگی کی لالچ اور تمتع کی ہے اس لئے بتلایا جاتا ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت ایک کھیل تماشہ جیسی ہے قرآن کریم نے دنیوی زندگی کو لہو ولعب جہاں بھی قرار دیا ہے ہمیشہ آخرت کے مقابلہ میں ایسا کہا ہے اور ظاہر ہے کہ لامحدود کا محدود سے اور نامتناہی کا متناہی سے مقابلہ ہی کیا؟ آگے سمجھایا جاتا ہے کہ اگر تم اس دنیوی زندگی میں ایمان وتقویٰ اختیار کرو گے یعنی اللہ سے ڈر اور خوف والی زندگی بسر کرو گے اور اس دنیا کے کھیل تماشا سے بچ کر چلو گے تو اللہ تم کو اس کا پورا بدلہ دے گا اور حق تعالیٰ تم سے کسی نفع کا طالب نہ ہوگا۔ اسے کیا حاجت ہے وہ تو خود سب کو دینے والا ہے اور اگر تمہارا مال تم سے طلب بھی کرے تو مالک حقیقی وہی ہے۔ تمام مال اسی کا عطیہ ہے۔ مگر اس کے باوجود دین کے معاملہ میں جب مالک حقیقی خرچ کرنے کو کہتا ہے تو سارے کے سارے مال کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ ایک تھوڑا سا حصہ طلب کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے ہی فائدہ کو۔ تمہیں جو زکوٰۃ یا خیر خیرات کا حکم دیا

ہے اس میں تمہارے ہی غربا وفقرا کی پرورش ہے اور پھر تم دار آخرت میں مستحق ثواب بنو گے اگر اللہ تعالیٰ کا تمہیں یہ حکم ہوتا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے سب اللہ کے لئے خرچ کردو اور پھر اس کی تاکید کی جاتی اور اس پر اصرار کیا جاتا تو پھر کتنے مردان خدا ہیں جو کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے اس حکم پر لبیک کہتے؟ اکثر تو وہی ہوتے جو بخل اور تنگدلی کا ثبوت دیتے اور کنجوسی پر کمر باندھ لیتے اور کھلم کھلا ناراضی اور خفگی کا اظہار کرنے لگتے۔

یہاں سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ انسان مال و دولت کو یہ نہ سمجھے کہ میں اس کا مالک ہوں اور یہ میری کمائی ہوئی ہے۔ اور اس لئے اس پر اترانے لگے اور جہاں اور جس طرح چاہے اس کو خرچ کرنے کا اپنے کو مختار سمجھے۔ نہیں بلکہ اس کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس مال و دولت کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس نے اپنی مہربانی سے یہ مال و دولت مجھے دے رکھا ہے۔ آگے سمجھایا جاتا ہے کہ تمہارا یہ اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنا خود اپنے فائدہ کے لئے ہے اور نہ خرچ کرو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ اللہ کو تمہارے دینے یا نہ دینے کی کیا پرواہ وہ تمہاری دولت کا محتاج نہیں اللہ تعالیٰ جس حکمت اور مصلحت سے بندوں کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس کا حاصل ہونا کچھ تم پر منحصر نہیں۔ فرض کرو تم اگر بخل اور کنجوسی کرو اور اس کے حکم سے روگردانی کرو تو وہ یہ قدرت بھی رکھتا ہے کہ وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم کھڑی کردے جو مال کے خرچ کرنے میں بخیل اور کنجوس نہ ہو بلکہ نہایت فراخدلی سے اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی راہ میں خرچ کرے۔ بہر حال اللہ کی حکمت اور مصلحت تو پوری ہو کر رہے گی ہاں تم اس سعادت سے محروم ہو جاؤ گے۔ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آخری آیت تلاوت فرمائی۔ **وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لایکونو آ امثالکم** اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے تو یہ آیت سن کر صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہؐ یہ کون لوگ ہیں کہ جو ہمارے بدلے لائے جاتے اور ہم جیسے نہ ہوتے؟ اس پر حضورؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ''اس کی قوم'' اور فرمایا خدا کی قسم اگر ایمان ثریا پر جا پہنچے تو فارس کے لوگ وہاں سے بھی اس کو اتار لائیں گے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس حدیث کو ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ ''الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ صحابہ کرامؓ نے اس بے نظیر ایثار اور جوش ایمانی کا ثبوت دیا کہ ان کی جگہ دوسری قوم کو لانے کی نوبت نہ آئی۔ تاہم اہل فارس نے اسلام میں داخل ہو کر علم اور ایمان کا وہ شاندار مظاہرہ کیا اور ایسی زبردست دینی خدمات انجام دیں جنہیں دیکھ کر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے موافق یہی قوم تھی جو بوقت ضرورت اہل عرب کی جگہ پر کرسکتی تھی۔ ہزاروں علما اور ائمہ سے قطع نظر کر کے تنہا امام اعظم ابوحنیفہؒ اللہ ان کی قبر پر اپنے رحمتوں کی بارش فرمائے کا وجود ہی اہل فارس میں اس پیشین گوئی کے صدق پر کافی شہادت ہے''۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ جن کے فقہ کے ہم مقلد ہیں آپ فارسی تھے اور بڑے بڑے ائمہ کا اتفاق ہے کہ حدیث کی اس بشارت عظمیٰ کے کامل اور اولین مصداق امام ابوحنیفہؒ ہی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اہل اسلام کو اللہ کے راستہ میں جان مال کھول کر لگانے کی ترغیب دی جارہی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ ایسا کرنے میں خود اپنا ہی فائدہ ہے۔ باقی اگر کوئی قوم اللہ کے احکام سے روگردانی کرے گی تو اسلام کسی قوم کا محتاج نہیں اللہ تعالیٰ کسی اور قوم کو اسلام کی توفیق دے کر اس سے اسلام کی خدمت لے سکتے ہیں۔

یہاں حق تعالیٰ نے صاف واضح فرمادیا کہ اللہ کو تمہارے اموال کی تو کیا خود تمہارے وجود کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر سب کے سب اہل اسلام بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کی تعمیل چھوڑ دیں تو جب تک اللہ تعالیٰ کو دنیا کو اور اس میں اسلام کو باقی رکھنا ہے تو وہ اپنے دین حق کی حفاظت اور اپنے احکام کی تعمیل کے لئے کوئی دوسری قوم ایسی پیدا فرمادے گا جو حق تعالیٰ کی پوری اطاعت گزار ہو گی تو اس سورۃ کا یہ آخری جملہ **و ان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لایکونو آ امثالکم** (یعنی اگر تم ہمارے احکام سے روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا اور پھر وہ تم جیسے روگردانی کرنے والے نہ ہوں گے)۔ ہم پاکستانیوں کے لئے بھی بڑا خوف کھانے کے لائق ہے اگر ہم من حیث القوم احکام الٰہیہ سے روگردانی میں بڑھتے گئے تو پھر اس اسلام ناقدری کے وبال میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قدرت خداوندی ہم ناقدروں سے اسلام کی دولت چھین لے اور کسی دوسری قوم کو اسلام کے قدردانی اور عظمت واتباع کی دولت عطا فرمادے اور وہ اس کے احکام گزار بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو اور ہماری قوم اور ملک کو اسلام سے سچی محبت عطا فرمائیں اور ہمیں اسلام حقیقی سے وابستہ رکھیں اور ایمان و اسلام کی حقیقت نصیب فرمائیں اور اسی پر جینا اور مرنا نصیب فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا اَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ①

بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔

اِنَّا فَتَحْنَا بیشک ہم نے فتح دی	لَكَ آپ کو	فَتْحًا فتح	مُّبِيْنًا کھلی	

تفسیر وتشریح: الحمد للہ اب ۲۶ ویں پارہ کی سورۃ الفتح کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت کا بیان مقصود ہے جس کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ مقام و زمانہ نزول تاریخی پس منظر خلاصہ مضامین تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے انا فتحنالک فتحاً مبیناً بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی۔ گویا اس سورۃ کی ابتداء ہی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک فتح کی بشارت دی گئی اس لئے اس سورۃ کا نام ہی سورۃ الفتح مقرر ہوا یہ سورۃ مدنی ہے اور ۶ ھ میں آپ صلح حدیبیہ سے واپس مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۴۸ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۱۰۸ لکھا ہے یعنی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۱۰۷ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور صرف ۶ سورتیں مزید مدینہ منورہ میں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۲۹ آیات ۴ رکوعات ۵۶۸ کلمات اور ۲۵۵۵ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کی مختلف آیات میں متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہے اس لئے اس سورۃ کو سمجھنے کے لئے ان واقعات کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے جو مختصراً بیان کئے جاتے ہیں۔

واقعہ اول:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ ہم مکہ امن وامان کے ساتھ گئے اور عمرہ کر کے حلق وقصر کیا یعنی سر کے بال منڈوائے اور کتروائے۔ آپ نے یہ خواب صحابہ سے بیان فرمایا۔ گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعین مدت کی نہ فرمائی تھی مگر شدت اشتیاق سے اکثر صحابہ کرام کا خیال اس طرف گیا کہ اسی سال عمرہ میسر ہوگا اور اتفاقاً آپ کا قصد بھی اسی سال یعنی ۶ ھ میں عمرہ کا ہو گیا۔

واقعہ دوم:۔ آپ ۶ ھ میں بقصد عمرہ تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو قریش اور کفار مکہ نے بہت سا مجمع کر کے اتفاق کر لیا کہ آپ کو مکہ میں نہ آنے دیں گے چنانچہ آپ نے حدیبیہ میں جو مکہ سے قریب تین میل ہے قیام فرمایا۔

واقعہ سوم:۔ آپ نے مکہ میں ایک قاصد بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں ہم کو مکہ میں داخل ہونے دو صرف عمرہ کر کے واپس چلے جائیں گے مگر اس کا کچھ جواب نہ ملا یہاں تک کہ اس کام کے لئے آپ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا اور ان کی زبانی بھی قریش کو یہی پیغام کہلا بھیجا اور بعضے مسلمان مرد اور عورت جو مکہ میں مغلوب اور مظلوم تھے ان کو بشارت کہلا بھیجی کہ اب عنقریب مکہ میں اسلام غالب ہو جاوے گا۔ حضرت عثمانؓ کو قریش نے مکہ میں روک لیا۔ ان کی واپسی میں جو دیر لگی تو مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ شاید اب لڑائی کا موقع ہو جاوے تمام صحابہ کرام سے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر جہاد کی بیعت لی۔ جو اسلامی تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہوئی۔ جب قریش نے بیعت کی خبر سنی تو ڈر گئے اور حضرت عثمانؓ کو واپس بھیج دیا۔

واقعہ چہارم:۔ پھر مکہ کے چند رؤسا بغرض صلح حدیبیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ لکھنا قرار پایا جس پر اول بسم اللہ

لکھنے ہی میں قریش نے جھک جھک کی کہ ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھنے دیں گے اور وہی پرانا کلمہ باسمک اللّٰھم لکھا جائے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھنے پر تکرار کی کہ صرف ابن عبداللہ لکھا جائے۔ اس پر گفتگو ہوتی رہی اور صحابہ کرام کو جوش اور غصہ بھی آیا کہ تلوار سے معاملہ ایک طرف کر دیا جائے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخران دونوں باتوں کو منظور فرمایا اور مسلمانوں نے بھی ضبط کیا اور صلح نامہ لکھا گیا جس میں ایک شرط یہ تھی کہ آپؐ اس سال واپس چلے جائیے اور سال آئندہ آ کر عمرہ کر لیجئے اور ایک شرط یہ تھی کہ دس سال تک قریش سے لڑائی نہ ہوگی چنانچہ آپؐ نے حدیبیہ ہی میں قربانی کی اور حلق وقصر کر کے احرام کھول دیا اور مدینہ کو واپس تشریف لے چلے۔

واقعہ پنجم:۔ حدیبیہ میں قبل صلح ایک واقعہ یہ ہوا کہ ایک جماعت مسلح اہل مکہ میں سے خفیہ حدیبیہ اس ارادہ سے آئی کہ موقع پا کر نعوذ باللہ آپ کا کام تمام کر دیں لیکن صحابہ نے ان کو پکڑ لیا مگر آپ نے ان کو رہا کر دیا۔

واقعہ ششم:۔ جب آپ مدینہ منورہ سے مکہ کو بغرض عمرہ چلے تھے تو آپ کو بھی قریش کی طرف سے لڑائی کا شبہ تھا۔ اس لئے آپ نے زیادہ مجمع کے ساتھ عمرہ کو جانا مصلحت سمجھا چنانچہ آپ نے اطراف مدینہ اہل دیہات میں بھی اس کا اعلان کرا دیا کہ تم کو بھی چلنا چاہئے مگر بعض لوگ بوجہ نفاق کے نہیں گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ مکہ میں بڑا مجمع ہوا ہے ہم تو ان کے مقابلہ میں نہیں جاتے اور آپ کی اور مومنین صادقین کی نسبت کہا کہ یہ لوگ بچ کر نہیں آویں گے اور جب آپ واپس تشریف لائے تو ان منافقین نے حاضر ہو کر جھوٹے جھوٹے عذر کر دیئے۔

واقعہ ہفتم:۔ آپ حدیبیہ سے مدینہ کو واپس تشریف لاتے تھے کہ راہ میں یہ سورۂ فتح نازل ہوئی اور یہ سب واقعات ذیقعدہ ۶ ھ میں ہوئے۔

واقعہ ہشتم:۔ آپ حدیبیہ سے واپس تشریف لا کر محرم ۷ ھ میں فتح خیبر کے لئے جو مدینہ سے شمال میں چار منزل پر شام کی سمت میں یہود کا ایک شہر تھا تشریف لے چلے اور وہ فتح ہو گیا۔

واقعہ نہم:۔ سال آئندہ یعنی ذیقعدہ ۷ ھ میں آپ حسب معاہدہ گذشتہ سال کے فوت شدہ عمرہ کی بجائے پھر عمرہ کے لئے تشریف لے چلے چنانچہ آپ نے مکہ پہنچ کر امن وامان سے عمرہ ادا فرمایا۔

واقعہ دہم:۔ صلح نامہ حدیبیہ میں جو دس سال تک قریش سے لڑائی موقوف رہنے کا معاہدہ لکھا گیا تھا اس کے خلاف قریش نے نقض عہد کیا جس پر آپ نے رمضان ۸ ھ میں مکہ پر چڑھائی کی اور اس کو فتح کر لیا۔

یہ ہیں مختصراً وہ متعدد واقعات کہ جن کی طرف اس سورۃ میں مختلف آیات میں اشارہ فرمایا گیا ہے جن کو ذہن میں رکھنے سے آئندہ تفسیر وتشریح کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

الغرض خلاصہ اس سورۃ کا یہ ہے کہ صلح حدیبیہ ایک بڑی فتح بتلائی گئی اور مستقبل میں فتح ونصرت کی بشارت کے علاوہ مومنین کے لئے جنت کی بشارت اور منافقین کے لئے اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کی خبر دی گئی۔ اور منافقین کی بدکرداریوں کا ذکر فرمایا گیا۔ بیعت رضوان اور اس میں شریک صحابہ کرامؓ کے لئے رضائے الٰہی کی بشارت دی گئی پھر صلح حدیبیہ کی ان حکمتوں میں اور مصلحتوں میں سے چند کا تذکرہ فرمایا گیا جن کو نہ جاننے سے مسلمان آزردہ خاطر تھے اور جن کا علم اللہ تعالیٰ کو تھا یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ رسالت وہاں تک پہنچی ہوگی۔ حضورؐ کے مدینے کے خواب کا تذکرہ فرمایا گیا کہ وہ بالکل صحیح تھا اور اس کی تعبیر جلد ہی سامنے آئے گی۔ اخیر میں صحابہ کرام کی چند عظمتوں کا بیان فرمایا گیا اور ان کی عادتوں اور باتوں کو سراہا گیا اور ان کو باقی مسلمانوں کے لئے دنیا کے ختم ہونے تک نمونہ قرار دیا گیا اور بتلایا گیا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے قدم بقدم چلیں اور وہی عادتیں اور باتیں اختیار کریں جو صحابہؓ نے کی تھیں۔ ایمان والوں کو آپس میں ملاپ محبت اور اخلاص سے رہنے کی تلقین فرمائی گئی اور بشارت سنائی گئی کہ جو لوگ اللہ کو مان کر نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ ان سے اللہ نے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کی خطائیں بخش دی جائیں گی اور ان کو آخرت میں مغفرت اور اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔ یہ ہے خلاصہ اس تمام سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں بیان ہوں گی۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا

تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔ اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل کردے اور آپ کو سیدھے راستہ

مُّسْتَقِيْمًا ۝۲ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝۳

پر چلائے۔ اور اللہ آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو۔

لِيَغْفِرَ تاکہ بخشدے	لَكَ آپ کیلئے	اللّٰهُ اللہ	مَا تَقَدَّمَ جو پہلے گزرے	مِنْ سے	ذَنْۢبِكَ آپ کے ذنب (الزام)	وَمَا تَاَخَّرَ اور جو پیچھے ہوئے
وَ اور	يُتِمَّ وہ مکمل کردے	نِعْمَتَهٗ اپنی نعمت	عَلَيْكَ آپ پر	وَيَهْدِيَكَ اور آپ کی رہنمائی کرے	صِرَاطًا راستہ	مُّسْتَقِيْمًا سیدھا
وَيَنْصُرَكَ اور آپ کو نصرت دے	اللّٰهُ اللہ	نَصْرًا نصرت	عَزِيْزًا زبردست			

تفسیر و تشریح: گذشتہ ابتدائی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا تھا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ تعالیٰ نے اس صلح حدیبیہ سے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔ یعنی اس صلح حدیبیہ سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ سبب ہوگئی فتح عظیم یعنی فتح مکہ اور نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر بلکہ آئندہ کی کل فتوحات اسلامیہ کے لئے صلح حدیبیہ بطور جڑ بنیاد کے تھی اور اس تحمل اور توکل اور تعظیم حرمات اللہ کی بدولت جو صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں آپ سے ظاہر ہوئی اور جن خصوصی انعامات و احسانات اور اعزاز و اکرام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے نوازا اس کی طرف آگے ان آیات میں اشارہ فرمایا جاتا ہے۔ دنیا کے بھی بادشاہوں کا قاعدہ اور دستور ہے کہ وہ اپنے بہت بڑے فاتح جنرل اور امیر لشکر کو خصوصی انعام و اعزاز سے نوازتے ہیں خداوند قدوس نے بھی اس ''فتح مبین'' کے صلہ میں آپ کو چار چیزوں سے سرفراز فرمایا جو ان آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں جن میں بتلایا جاتا ہے کہ پہلی چیز جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا گیا وہ غفران ذنوب ہے۔ یعنی اگلے اور پچھلے تمام گناہوں کی معافی۔ یہاں جیسے پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے یہ سمجھ لیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے نبی اور پیغمبر ہونے کے باعث معصوم تھے اور تمام گناہوں سے پاک و مبرا۔ پھر آپ کے حق میں غفران ذنوب یعنی گناہوں سے معافی کی بشارت کے کیا معنیٰ؟ یہ تو مسلم ہے کہ مسئلہ ''عظمت انبیاء'' اسلامی عقائد میں سے ایک بنیادی عقیدہ ہے یعنی ''نبی'' ہر قسم کے عملی اور ارادی گناہوں سے پاک ہوتے ہیں تو پھر ذنب کا لفظ جس کے لفظی معنیٰ خطا و گناہ کے ہوتے ہیں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی قرآن کریم میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے اس کی کیا حقیقت ہے اور یہ لفظ کس معنیٰ میں استعمال ہوا ہے اس کی تشریح ضروری ہے اس لئے پہلے ''عصمت انبیاء'' کا مفہوم مختصر الفاظ میں سمجھ لیجئے تا کہ قرآن کریم کے ایسے مقامات سمجھنے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

عصمت نبی کے معنیٰ

خالق کائنات نے انسان کی تخلیق متضاد قوتوں کے ساتھ فرمائی ہے یعنی اس کو نیک و بد دونوں قسم کی قوتیں عطا کی گئی ہیں۔ اس لئے انسان گناہ بھی کرسکتا ہے اور نیکی بھی۔ وہ ارادہ بد کا بھی حامل ہے اور ارادۂ خیر کا بھی اور یہی اس کے انسانی شرف کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان متضاد قوتوں کے حامل جنس انسان میں سے حضرت حق تعالیٰ انسانی رشد و ہدایت اور وصول الی اللہ کے لئے کبھی کبھی کسی ذات کو چن لیتے اور اس کو اپنا رسول نبی اور پیغمبر بنا لیتے اور اس سلسلہ کی آخری کڑی ذات اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سو جب کوئی ہستی نبوت کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے چن لی جاتی ہے تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عمل اور ارادہ کی زندگی میں ہر قسم کی نافرمانیوں سے منزہ ہو تا کہ پیغام الٰہی کے منصب میں خدا کی صحیح نیابت ادا کر

یک ۔ س طرح اللہ کے نبی جہاں انسان ہیں کھاتے ہیں پیتے ہیں سوتے ہیں اور اہل وعیال کی زندگی سے بھی وابستہ رہتے ہیں اور خوشی اور غم کے مواقع سے خوش اور غمگین بھی ہوتے رہتے ہیں تاہم وہ ہر قسم کے عملی اور ارادی گناہوں سے پاک بھی ہیں کیونکہ وہ ہر قسم کی نیکی کے لئے ہادی و مرشد اور خدا کے نائب و خلیفہ ہیں اگر چہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح متضاد قوتوں کے حامل ضرور ہیں لیکن عمل اور ارادہ میں ان سے ہر قسم کی بدی کے ظہور کو ناممکن اور محال کر دیا گیا ہے تاکہ ان کا ہر ارادہ اور ہر عمل اور ہر قول ۔غرض ہر حرکت وسکون کائنات کے لئے اسوہ نمونہ بن سکے۔ البتہ بشریت وانسانیت سے متصف ہونے کی بنا پر سہو۔ نسیان اور لغزش کا امکان باقی رہتا اور کبھی کبھی عملی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے۔ جس پر فوراً ہی حق تعالیٰ کی طرف سے متنبہ کر دیا جاتا ہے۔ایسی لغزش اور بھول چوک کا اطلاق ایسی حقیقت پر ہوتا ہے جہاں نہ عمل میں اور نہ کردار میں تمرد اور سرکشی کا دخل ہو اور نہ قصد و ارادہ کے ساتھ حکم کی خلاف ورزی کا اور ساتھ ہی وہ عمل اپنی حقیقت اور ماہیت کے اعتبار سے قبیح بد اور شر بھی نہ ہو بلکہ اپنی ذات میں اباحت اور جواز کا درجہ رکھتا ہو مگر کرنے والے کی ہستی کے شایان شان نہ ہو چونکہ نبی پر حق تعالیٰ کی مستقل حفاظت و نگرانی رہتی ہے اس لئے فوراً ہی ان کو متنبہ کر دیا جاتا ہے کہ یہ عمل تمہاری جلالت قدر اور عظمت مرتبہ کے شایان شان نہیں ہے۔ یہ ہے مختصراً تحقیق عصمت انبیاء کی اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود معصوم ہونے کے لفظ ذنب یا اس کا مرادف جہاں بھی استعمال ہوا ہے وہاں وہی اجتہادی لغزش مراد ہے جو آپ کے مرتبہ رفیع کے اعتبار سے بارگاہ خداوندی میں کوتاہی سمجھی جائے جس کی کہ ایک مثال وہ ہے جس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بار ایک نابینا صحابی حضرت ابن مکتوم آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سرداران کفار قریش کو سمجھا رہے تھے اور ان سے گفتگو فرما رہے تھے۔ ان نابینا صحابی نے بیچ میں آ کر ٹوک دیا اور خود پوچھنے لگے۔اس وقت یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار خاطر ہوا جس کا ذکر ۳۰ ویں پارہ کی سورۂ عبس وتولیٰ کی ابتدا میں فرمایا گیا ہے اب ظاہر ہے کہ اگر ایک طرف مسلمان ہو اور ایک طرف ایک کافر تو اس وقت مسلمان کے فرعی سوال کو ملتوی کر کے اس کافر کو اصل دین کی طرف متوجہ کرنا کون نہیں جانتا کہ عبادت ہے اور آپ نے اجتہاد سے اس کو مقدم رکھا مگر آپ کا یہ اجتہاد حق تعالیٰ کو پسند نہ آیا جیسا کہ سورۂ عبس میں حق تعالیٰ نے ظاہر فرمایا اور ناپسندیدگی کی وجہ بھی ظاہر فرمادی کہ وہ اندھے صحابی طالب صادق تھے اور آپ کے فیض توجہ سے ان کا حال سنور جاتا اور ان کا نفس مزکی ہو جاتا اور آپ کی بات ان کے کان میں پڑتی تو وہ اخلاص سے اس کو سوچتے اور سمجھتے اور ان کے کام آتی اور یہ کفار قریش جو اپنے غرور اور شیخی سے حق کی پروا نہیں کرتے اور ان کا تکبر اجازت نہیں دیتا کہ اللہ و رسول کے آگے جھکیں آپ ان کے درپے ہیں کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں۔ حالانکہ اللہ کی طرف سے آپ پر کوئی الزام نہیں کہ یہ مغرور اور شیخی باز آپ کی ہدایت سے درست کیوں نہ ہوئے؟ آپ کا فرض دعوت وتبلیغ کا تھا وہ ادا کر چکے اور کر رہے ہیں آگے ان لاپروا متکبروں کی فکر میں اس قدر انہماک کی ضرورت نہیں کہ سچے طالب اور مخلص ایماندار توجہ سے محروم ہونے لگیں غرض کہ ایسے امور میں آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا اور یہاں آیت میں اس بات کی بشارت دی گئی کہ ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب لغزشیں جو آپ کے مرتبہ اعلیٰ کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں بالکلیہ معاف ہیں۔ یہ بشارت حق تعالیٰ نے اور کسی بندے کے لئے نہیں فرمائی مگر باوجود اس بشارت کے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس آیت مبارک کے نزول کے بعد حضور اقدسؐ اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو نماز میں کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے اور صحابہ اور اہل بیت کو دیکھ کر رحم آتا تھا صحابہ عرض کرتے یا رسول اللہؐ آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تو آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا تو آپ ارشاد فرماتے افلا اکون عبداً شکوراً تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اللہ اکبر یوم محشر میں شفاعت کی ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر حضرت آدمؑ سے لے کر یکے بعد دیگرے

حضرت عیسیٰ کے پاس پہنچے گی اور شفاعت کی درخواست کرے گی تو حضرت عیسیٰ فرمائیں گے کہ مجھ میں اس کام کی ہمت نہیں میری امت نے مجھ کو کبھی تو خدا کا بیٹا قرار دیا اور کبھی عین خدا اور ان اقوال کی تعلیم کو میری طرف منسوب کیا۔ پس میں ان اقوال کی تحقیقات کے مواخذہ سے ڈرتا ہوں اور تاب شفاعت نہیں رکھتا البتہ تم حضرت محمد مصطفیٰ کے پاس جاؤ کہ آپ محبوب خدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اگلے پچھلے تمام گناہوں کی معافی کی خوشخبری دی ہے۔ وہ خاتم النبیین ہیں اور بجز ان کے یہ شفاعت اور کسی کا کام نہیں تو معلوم ہوا کہ حضور اقدس کی یہ خصوصیت کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا ہے حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء کرام اور تمام مخلوق جو یوم محشر میں جمع ہوگی سب پر ظاہر ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے مقدس و معظم رسول کے طفیل سے ہم گناہ گار امتیوں کی خطاؤں اور گناہوں کو بھی معاف فرمادیں۔

الغرض ان چار چیزوں میں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے حضور کو سرفراز فرمایا پہلی چیز یہ تھی کہ اگلی اور پچھلی تمام کوتاہیاں آپ کی معاف فرمادی گئیں۔

دوسرا اعزاز واکرام یہ بیان فرمایا کہ صرف تقصیرات سے درگزر نہیں کیا گیا بلکہ جو کچھ ظاہری اور باطنی اور جسمانی و روحانی انعامات و احسانات اب تک ہو چکے ہیں ان کی پوری تکمیل اور تتمیم کی جائے گی۔

تیسرا اعزاز واکرام بیان فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی آپ کو عبدیت اور استقامت کی سیدھی راہ پر اللہ تعالیٰ قائم رکھے گا اور معرفت الٰہی کے غیر محدود مراتب پر فائز فرمائے گا۔ لوگ جوق در جوق آپ کی ہدایت سے اسلام کے سیدھے راستہ پر آئیں گے اور اس طرح آپ کے اجر وحسنات کے ذخیرہ میں بے شمار اضافہ ہوگا۔

چوتھا اعزاز واکرام جس سے آپ کو نوازا گیا یہ بیان فرمایا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ایسی مدد آپ کے لئے آئے گی جسے نہ کوئی روک سکے گا نہ دبا سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا غلبہ عنایت فرمائے گا کہ جس میں عزت ہی عزت ہوگی۔ اے اللہ اپنے اس عزت والے رسول کے صدقہ اور طفیل میں آپ کی امت اور آپ کے دین کو بھی عزت مرحمت فرما۔ آمین۔

یہاں ان آیات میں ان نعمتوں کا ذکر تھا جو اس واقعہ صلح حدیبیہ میں حضورؐ کے متعلق تھیں آگے ان نعمتوں کا ذکر ہے جو اس واقعہ میں آپ کے ہمراہی مومنین یعنی صحابہ کرامؓ کے متعلق تھیں۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جو ہم کو سیدنا حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اشرف الانبیاء والمرسلین کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔

اے اللہ ایسے نبی معظم۔ اور رسول مکرم کی مخالفت اور نافرمانی سے آپ امت مسلمہ کے ایک ایک فرد کو بچالیجئے۔ اور اس امت کو پھر بھولا ہوا سبق یاد کر لینے کی توفیق مرحمت فرمادیجئے۔ اور اسلام اور مسلمین کو وہ غلبہ عطا فرمادیجئے کہ جس میں عزت ہی عزت ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ

وہ خدا ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا ہے تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو، اور آسمان وزمین کا سب لشکر

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۙ﴿۴﴾ لِّیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

اللہ ہی کا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی بہشت میں داخل کرے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَیُکَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۙ﴿۵﴾

جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ کو رہیں گے اور تاکہ اِن کے گناہ دُور کردے، اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔

هُوَ وہی	اَلَّذِیْ وہ جس	اَنْزَلَ اتاری	السَّکِیْنَةَ سکینہ (تسلی)	فِیْ میں	قُلُوْبِ (جمع) دل	الْمُؤْمِنِیْنَ مومنوں	لِیَزْدَادُوْا تاکہ وہ بڑھائے
اِیْمَانًا ایمان	مَعَ ساتھ	اِیْمَانِهِمْ ان کا ایمان	وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	جُنُوْدُ لشکر (جمع)	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَکَانَ اور ہے
اللّٰهُ اللہ	عَلِیْمًا جاننے والا	حَکِیْمًا حکمت والا	لِیُدْخِلَ تاکہ وہ داخل کرے	الْمُؤْمِنِیْنَ مومن مردوں	وَالْمُؤْمِنٰتِ اور مومن عورتیں	جَنّٰتٍ جنت	
تَجْرِیْ جاری ہیں	مِنْ تَحْتِهَا انکے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِیْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	فِیْهَا ان میں	وَیُکَفِّرَ اور دور کردے گا	عَنْهُمْ ان سے	
	سَیِّاٰتِهِمْ ان کی برائیاں	وَکَانَ اور ہے	ذٰلِکَ یہ	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	فَوْزًا عَظِیْمًا بڑی کامیابی		

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس ''صلح حدیبیہ'' کو ایک شاندار فتح بتایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صلح میں صبر وتحمل سے کام لینے میں بطور اعزاز و اکرام کے چار چیزوں سے نوازا۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ساری اگلی پچھلی خطاؤں اور بھول چوک کی معافی کی بشارت دی۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال انعامات آپ پر پورے کرکے رہیں گے۔ تیسرے یہ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سیدھے راستہ سے کبھی ہٹنے نہ دیں گے اور چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی زبردست نصرت ومدد آپ کے شامل حال رہے گی چنانچہ الحمد للہ یہ سب کچھ پورا ہوا۔ اسلام میں بے روک ٹوک لوگوں کے جتھے کے جتھے داخل ہونے لگے۔ تمام جزیرۃ العرب میں اسلام ہر طرف پھیل گیا اور دشمنوں کے دلوں پر اسلام اور مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا اور بڑی بڑی شاندار لڑائیاں آسانی سے فتح ہوتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ سارے جزیرۃ العرب میں کوئی مخالف اسلام سر اٹھانے کے لائق نہ رہا۔ روایات میں آتا ہے کہ جب گذشتہ آیات **انا فتحنالک فتحاً مبیناً** سے **نصراً عزیزاً** تک نازل ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو پڑھ کر سنائیں تو حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کی خدمت میں مبارکباد عرض کی اور کہا یا رسول اللہؐ یہ تو آپ کے لئے ہوا۔ ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور ان نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا جو اس واقعہ صلح حدیبیہ میں صحابہ کرام سے متعلق ہیں چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اطمینان اور سکینہ اتار کر مومنین کا ایمان بڑھایا۔ یعنی صحابہ کرام باوجود یہ صلح خلاف طبع ہونے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مطمئن ہوگئے اور ضدی کافروں کے ساتھ ضد نہیں کرنے لگے۔ اس کی برکت سے ان کے ایمان کا درجہ بڑھا۔ عرفان ویقین میں ترقی ہوئی اول بیعت جہاد کرکے صحابہ کرام نے ثابت کردیا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے اور اپنی جان کو قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ ایمان کا ایک رنگ تھا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور کرلی تو ان کے ایمان کا یہ دوسرا رنگ تھا کہ اپنے پرجوش جذبات کو زور

سے دبا کر اللہ و رسول کے فیصلہ کے آگے گردن جھکا دیں۔ تو صحابہ کرامؓ پر اس موقع صلح حدیبیہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا کہ مومنین کے دلوں میں تحمل پیدا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت اختیار کی اور آپ کی اطاعت سے ان کا نور ایمان اور بڑھا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس وقت قتال کا حکم دینا تمہارے لئے مصلحت ہے اور کس موقع پر قتال سے باز رکھنا اور صلح کرنا حکمت ہے۔ تم کو اگر قتال کا حکم ہو تو کبھی کفار کی کثرت کا خیال کر کے پس و پیش نہ کرنا کیونکہ آسمان و زمین کے لشکروں کا مالک اللہ ہی ہے۔ جو تمہاری قلت کے باوجود اپنے غیبی لشکروں سے تمہاری مدد کر سکتا ہے اور اگر صلح کرنے اور قتال سے رکنے کا حکم اللہ دے تو اس کی تعمیل کرو اور یہ خیال نہ کرنا کہ افسوس صلح ہو گئی اور کفار بچ نکلے اور ان کو سزا نہ ملی۔ اگر قتال کا حکم مل جاتا تو ہم ان کافروں کو ہلاک کر ڈالتے تو سمجھ لو کہ ان کا ہلاک ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے دوسرے لشکروں سے کافروں کو ہلاک کر سکتے ہیں۔ اب یہاں یہ بات تو انہی کی سمجھ میں آ سکتی ہے جن کا ایمان کامل اور یقین صادق قرآن پر ہو۔ اور جن کے نزدیک قرآن میں ان کے مسائل کا حل ہی موجود نہیں وہ اللہ کے غیبی لشکروں کو کیا سمجھیں گے۔

بہرحال یہاں بتلایا گیا کہ زمین اور آسمان کے لشکروں کا مالک جو حکم دے گا تو ضرور اسی میں بہتری اور حکمت ہو گی۔ مومنین کا کام تعمیل حکم ہے۔ آگے اطاعت اور تعمیل حکم کا ثمرہ بیان فرمایا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس اطاعت کی بدولت اہل ایمان کو خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں ان کو جنت میں داخل فرمائے اور تاکہ اس اطاعت کی بدولت اہل ایمان کو وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں جنت میں داخل فرمائے اور تاکہ اس اطاعت کی بدولت ان کے گناہوں کو دور کر دے اور ان کی برائیوں اور کمزوریوں کو معاف فرما دے اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں کی بڑی کامیابی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جن اصحاب نے حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ان میں سے ایک بھی دوزخ میں داخل نہ ہو گا۔

دیکھئے یہاں بھی آخرت میں گناہوں کی معافی اور جنت میں داخلہ اس کو فوز عظیم یعنی بڑی زبردست کامیابی فرمایا گیا ہے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس جگہ لکھا ہے کہ بعض نقال صوفی یا کوئی مغلوب الحال کہہ دیا کرتے ہیں کہ جنت طلب کرنا تو ناقصوں کا کام ہے لیکن یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کا بڑا کمال یہی ہے کہ آخرت میں خدائے ذوالجلال والاکرام کی ناراضگی کی جگہ یعنی جہنم سے بچ جائے اور اس کی رضا کے مقام یعنی جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے۔ **اللّٰھم انا نسئلک رضاک والجنۃ ونعوذبک من غضبک والنار آمین**

الغرض ان آیات میں مومنین و مومنات کا ذکر خیر فرمایا گیا۔ آگے ان کے مقابل یعنی مشرکین و مشرکات اور منافقین و منافقات کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آخرت کی سرخروئی اور کامیابی ہم سب کو نصیب فرمائیں اور اپنی دائمی و ابدی جنتوں میں ہمارا داخلہ مقدر فرمائیں۔

یا اللہ ہمیں ہر حال میں اپنے احکام کی ظاہری و باطنی اطاعت نصیب فرمایئے اور اس کے ثمرہ میں ہمارے دلوں میں نور ایمان زیادہ سے زیادہ فرمایئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ

اور تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں، ان پر

دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ

برا وقت پڑنے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان پر غضبناک ہوگا، اور ان کو رحمت سے دُور کردے گا اور اُن کیلئے اُس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے وہ برا ٹھکانہ ہے۔

جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝

اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانیوالا کرکے بھیجا ہے۔

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح وشام اس کی تسبیح میں لگے رہو۔

وَيُعَذِّبَ اور وہ عذاب دے گا	الْمُنٰفِقِيْنَ منافق مردوں	وَالْمُنٰفِقٰتِ اور منافق عورتوں	وَالْمُشْرِكِيْنَ اور مشرک مردوں	وَالْمُشْرِكٰتِ اور مشرک عورتوں		
الظَّآنِّيْنَ گمان کرنیوالے	بِاللّٰهِ اللہ کیساتھ	ظَنَّ السَّوْءِ گمان برے	عَلَيْهِمْ ان پر	دَآئِرَةُ دائرہ (گردش)	السَّوْءِ بری	وَغَضِبَ اللّٰهُ اور اللہ نے غضب کیا
عَلَيْهِمْ ان پر	وَلَعَنَهُمْ اور ان پر لعنت کی	وَاَعَدَّ لَهُمْ اور تیار کیا ان کیلئے	جَهَنَّمَ جہنم	وَسَآءَتْ اور برا ہے	مَصِيْرًا ٹھکانا	وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے
جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ لشکر (جمع) آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ	عَزِيْزًا غالب	حَكِيْمًا حکمت والا	اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بیشک ہم نے آپ کو بھیجا	
شَاهِدًا گواہی دینے والا	وَمُبَشِّرًا اور خوشخبری دینے والا	وَنَذِيْرًا اور ڈرانے والا	لِتُؤْمِنُوْا تا کہ تم ایمان لاؤ	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرَسُوْلِهٖ اور اسکا رسول	
وَتُعَزِّرُوْهُ اور اسکی مدد کرو	وَتُوَقِّرُوْهُ اور اسکی تعظیم کرو	وَتُسَبِّحُوْهُ اور اس (اللہ) کی تسبیح کرو	بُكْرَةً صبح	وَّاَصِيْلًا اور شام		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر صحابہ کرامؓ نے بیعت رضوان کے سلسلہ میں جس بہادری اور جان نثاری کا بے مثال ثبوت دیا اور پھر اپنی مرضی اور جذبات کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر جو سر تسلیم خم کر دیا اس کی مثال صحابہ کرام کے علاوہ تاریخ میں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی۔ پھر اس اطاعت اور فرمانبرداری کا نتیجہ بھی بیان فرما دیا گیا تھا کہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو جنت کے باغات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنے کو جگہ دی جائے گی اور انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہی بڑی کامیابی ہے کہ اس کی خطا وقصور معاف فرما کر اس کو اللہ تعالیٰ اپنے رضا کے مقام جنت میں داخل فرما دے گا۔ تو جہاں اس صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مومنین کے دلوں میں صلح کی طرف سے اطمینان پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی جڑ مضبوط کر دی اور اسلامی فتوحات وترقیات کا دروازہ کھول دیا اسی طرح یہ صلح حدیبیہ کافروں اور منافقوں پر مصیبت ٹوٹنے اور انجام کار ان کو پوری طرح سزا ملنے کا ذریعہ بن گئی۔ جیسا اس سورۃ کے ابتدائی درس میں بتلایا جا چکا ہے کہ ذیقعدہ ۶ ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ ہمراہی تخمیناً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ کے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ بغرض عمرہ روانہ ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قریش کی طرف سے لڑائی کا خطرہ اور شبہ تھا اس لئے آپؐ نے زیادہ مجمع کے ساتھ جانا مصلحت سمجھا اس لئے آپ نے اطراف مدینہ اہل دیہات میں بھی اس کا اعلان کرا دیا کہ تم کو بھی عمرہ میں چلنا چاہئے مگر جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اور درحقیقت منافقین

[illegible] ان کے ساتھ مکہ نہیں آئے اور بہانہ بنا کر بیٹھ رہے اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ مکہ میں قریش کا بڑا مجمع ہوا ہے۔ مڈبھیڑ ضرور ہوکر رہے گی اور یہ مسلمان لڑائی میں تباہ ہوں گے اور ایک بھی زندہ واپس نہ آئے گا۔ کیونکہ وطن سے دور دشمن کا دیس ہوگا ان کے پاس نہ فوج ہے نہ ہتھیار ہم کیوں ان کے ساتھ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں اور ہمراہ جا کر تباہی مول لیں چنانچہ مدینہ سے چلتے وقت بجز ایک شخص جد بن قیس کے کوئی منافق عمرے کے لئے نہ نکلا۔ ادھر مشرکین مکہ نے سوچا کہ مسلمان عمرہ کے نام سے آ رہے ہیں لیکن فریب و دغا سے چاہتے ہیں کہ مکہ معظمہ ہم سے چھین لیں اور مکہ پر قبضہ جما لیں تو یہاں ان دونوں یعنی مشرکین اور منافقین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ ان دونوں نے اللہ کے ساتھ برا گمان کیا۔ منافقین نے سوچا کہ ان مسلمانوں کی مدد نہ ہوگی اور یہ ہلاکت میں پڑیں گے اور مشرکین نے اللہ کے ماننے والوں کو دغا باز سمجھا ان دونوں گروہوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی شامت ان کو گھیرنے ہی والی ہے۔ یہ مصیبت کے چکر میں پھنس کر رہیں گے۔ یہ کہاں تک احتیاطیں اور پیش بندیاں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہے اور ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ یہ جہنم میں جائیں گے جو برا ٹھکانہ ہے اور جب خدا سزا دینا چاہے تو کون ہے جو بچا سکتا ہے۔ خدائی لشکر ایک لمحہ میں چاہے تو پیس کر رکھ دے مگر اللہ تعالیٰ زبردست ہونے کے ساتھ حکمت والا بھی ہے حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ فوراً ہاتھوں ہاتھ ان کا استیصال کیا جائے آگے اللہ و رسول کے حقوق کا اور ان حقوق کے بجالانے والوں کی فضیلت اور نہ بجالانے والوں کی مذمت کا بیان ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو اعمال امت پر قیامت کے دن گواہی دینے والا اور دنیا میں اہل ایمان کے لئے بشارت و خوشخبری دینے والا کہ آخرت میں ایمان و عمل صالح کے عمدہ نتائج ملیں گے اور کفار و مشرکین کو خوف دلانے والا اور ان کو آخرت کی بربادی سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ اے بنی آدم تم اللہ کی اور اس کے رسول کی تصدیق کرو۔ ایمان لاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی عزت و توقیر کرو۔

علما نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واجب و فرض ہے۔ ذرا بھی کوئی توہین کرے گا وہ فیض رسالت سے محروم رہے گا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ **تعزروہ و توقروہ** یعنی اللہ کے رسول کی مدد کرو اور آپ کی تعظیم کرو۔ تو یہاں آپ کی مدد کرنے سے آپ کے دین کی مدد کرنا مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی مدد آپ کے دین ہی کی مدد ہے پھر آپ کی توقیر و عزت میں آپ کے سنت کی اتباع اور اجراء اور اس کے قیام اور تبلیغ میں اعانت اور جان و مال سے شریک ہونا یہی آپ کی سچی توقیر و عزت ہے۔ قرآن کریم کے اس ایک جملہ **وتعزروہ و توقروہ** اور اس رسول کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اس میں اجمالاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی طرف اشارہ فرما دیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل اور تفسیر میں علما نے بہت کچھ وضاحت اور طویل تقریریں تحریر فرمائی ہیں جس کے بیان کی اس درس میں گنجائش نہیں۔ مختصراً آپ کے سارے حقوق ان تین الفاظ میں آ جاتے ہیں۔ آپ کی محبت، آپ کی عظمت اور آپ کا اتباع۔ اگر ان تین میں سے ایک چیز بھی نہ ہوگی تو یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں کوتاہی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق کاملہ عطا فرمائیں۔

اخیر میں فرمایا جاتا ہے کہ صبح و شام اللہ کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہو اور اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔

اب آگے صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں جو واقعہ بیعت رضوان واقع ہوا تھا اس کے متعلق اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ

جولوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں، خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، پھر جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے عہد توڑنے کا

عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾

وبال اُسی پر پڑے گا، اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر خدا سے عہد کیا ہے سو عنقریب خدا اس کو بڑا اجر دے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ بیشک جولوگ	يُبَايِعُونَكَ آپ سے بیعت کر رہے ہیں	إِنَّمَا اسکے سوانہیں کہ	يُبَايِعُونَ اللَّهَ وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں	يَدُ اللَّهِ اللہ کا ہاتھ	
فَوْقَ أَيْدِيهِمْ انکے ہاتھوں کے اوپر	فَمَن نَّكَثَ پھر جس نے توڑ دیا عہد	فَإِنَّمَا تو اس کے سوانہیں	يَنكُثُ اس نے توڑ دیا	عَلَىٰ نَفْسِهِ اپنی ذات پر	
وَمَنْ اور جس	أَوْفَىٰ پورا کیا	بِمَا عَاهَدَ جو اس نے عہد کیا	عَلَيْهُ اللَّهَ اللہ پر۔ سے	فَسَيُؤْتِيهِ تو وہ عنقریب اسے دیگا	أَجْرًا عَظِيمًا اجر عظیم

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کے ابتدائی درس میں یہ بتلایا جاچکا ہے۔اس سورۃ کا نزول صلح حدیبیہ ۶ ھ سے واپسی پر مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہوا تھا۔اس سورۃ میں جن متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہے وہ ابتدائی درس میں مختصراً بیان کئے جاچکے ہیں۔اس آیت میں بھی ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو تاریخ اسلام میں "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔اسی سورۃ میں آگے تیسرے رکوع کی ابتدا میں اسی بیعت رضوان کے واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔جب قریش مکہ کو یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام کے ہمراہ مکہ آ رہے ہیں تو قریش نے بہت سا مجمع کر کے اتفاق کرلیا کہ آپ کو مکہ میں ہرگز نہ آنے دیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام کرنے کے بعد ایک صحابی حضرت خراش بن امیہ خزاعیؓ کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اہل مکہ کے پاس بھیجا کہ ان کو خبر کردیں کہ ہم فقط بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں جنگ کے لئے نہیں آئے۔اہل مکہ نے اسلام دشمنی میں ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور ارادہ کیا کہ ان صحابی کو بھی قتل کر ڈالیں مگر آپس ہی کے بعض لوگوں نے درمیان میں پڑ کر ان کو بچا دیا۔حضرت خراشؓ اپنی جان بچا کر واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا۔تب آپ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت عمرؓ کو پیام دے کر اہل مکہ کے پاس بھیجیں تو حضرت عمرؓ نے معذرت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر برہم ہیں اور کس درجہ میرے دشمن ہیں۔مکہ میں میرے قبیلہ کا کوئی شخص نہیں جو مجھے بچا سکے۔اگر آپ حضرت عثمان کو بھیجیں جن کی مکہ میں قرابتیں ہیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔آپؐ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو بلا کر یہ حکم دیا کہ ابوسفیان اور روسائے مکہ کو ہمارا پیام پہنچا دو کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں۔ہم تو آنے دو۔عمرہ کر کے چلے جائیں گے اور یہ بھی فرمایا کہ جو کمزور مسلمان مکہ میں مغلوب اور مظلوم تھے ان کو یہ بشارت سنادو کہ گھبرائیں نہیں۔عنقریب اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائے گا اور اپنے دین کو غالب کرے گا۔حضرت عثمانؓ اپنے ایک عزیز کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پہنچایا اور ضعفاء مسلمین کو بشارت سنائی۔ابوسفیان وغیرہ نے بالاتفاق جواب دیا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے دوسرے رفقاء کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔تم اگر تنہا طواف بیت اللہ کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ یہ تو میں ہرگز نہیں کرسکتا کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف اور عمرہ کو تنہا ادا کرلوں۔قریش نے جب حضرت عثمانؓ کا یہ اصرار دیکھا تو ان کو واپس جانے سے روک لیا۔ادھر مسلمانوں میں یہ خبر اس طرح پہنچی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے۔مسلمانوں کے لئے یہ خبر ایک بہت بڑا سانحہ تھا جس سے ہر شخص مضطرب اور بے قابو ہوا جا رہا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بہت صدمہ ہوا اور یہ فرمایا کہ جب تک میں ان سے بدلہ نہ لے لوں گا۔یہاں سے حرکت نہ کروں گا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرام سے اس بات پر بیعت لی کہ

جب تک جان میں جان ہے کافروں سے جہاد وقتال کریں گے۔ مر جائیں گے مگر راہ فرار اختیار نہیں کریں گے تمام صحابہ کرام نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور احادیث صحیحہ میں ان حضرات صحابہ کی بڑی فضیلت آئی ہے جو اس بیعت میں شریک تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ حضرت عثمان غنیؓ چونکہ آپ کے حکم سے مکہ گئے ہوئے تھے اور اس بیعت کے وقت حاضر نہ تھے اس لئے ان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ عثمان کی بیعت ہے۔ یہ خصوصی فضیلت حضرت عثمانؓ کو نصیب ہوئی کہ آپ نے اپنے ہی دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت کر لی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں سے بیعت لے چکے تو ہر ایک مسلمان کے دل میں ایک والہانہ جوش وخروش پیدا ہو گیا۔ جس کی خبر مکہ میں بھی پہنچی مشرکین مکہ اس سے گھبرائے اور خوف زدہ ہو کر مسلمانوں تک یہ خبر پہنچائی کہ قتل عثمان کی خبر غلط ہے اور ہم ان کو صحیح سلامت آپ کے پاس بھیجتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمان صحیح سلامت حدیبیہ واپس تشریف لے آئے۔ چونکہ جہاد کی یہ بیعت بہت ہی نازک اور اہم موقع پر لی گئی اور حضرات صحابہ نے پورے ولولہ اور جذبہ ایثار کے ساتھ اس بیعت کو کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس جانبازی اور فدا کاری کی قدر منزلت فرمائی اور اپنی رضا اور خوشنودی کا پروانہ مرحمت فرما کر ان کے اس کارنامہ کو زندہ جاوید بنا دیا اور اسی حقیقت کے پیش نظر اسلامی تاریخ میں اس کا نام "بیعت رضوان" قرار پایا جس کا ذکر اس آیت میں بھی فرمایا گیا اور آگے تیسرے رکوع کی ابتدا میں بھی فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی تھی تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا خدا سے بیعت کرنا ہے کیونکہ حقیقت میں نبی خدا ہی کی طرف سے بیعت لیتا ہے اور اسی کے احکام کی تعمیل وتاکید بیعت کے ذریعہ سے کراتا ہے جب بیعت نبوی کی یہ حقیقت ہوئی تو یقیناً خدا تعالیٰ کا دست شفقت وحمایت ان کے ہاتھ کے اوپر ہوگا۔ یہاں یہ واضح رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے کبھی اسلام پر کبھی جہاد پر کبھی کسی دوسرے امر خیر پر بیعت لیتے تھے۔ مشائخ طریقت کی بیعت جن کا سلسلہ حضورؐ سے لے کر آج تک جاری ہے اگر بطریق مشروع ہو تو اس کی اصل بھی یہی بیعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ بیعت کے وقت جو قول وقرار کیا جاتا ہے اگر کوئی اس کو توڑے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا اللہ ورسول کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ اسی کو عہد شکنی کی سزا ملے گی اور جس نے استقامت دکھلائی اور اپنے عہد وپیمان کو مضبوطی سے پورا کیا تو اس کا بدلہ بھی بہت پورا حق تعالیٰ کی طرف سے ملے گا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں بیعت کا لفظ چونکہ عام ہے اس لئے جس عہد واجب الایفاء کو توڑے گا سو اس کے لئے یہی وعید ہے جو یہاں آیت میں ظاہر فرمائی گئی یعنی جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اب یہاں ہر کلمہ گو اپنے ذہن میں اس بات کو تازہ کر لے کہ وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر کیا اقرار و عہد کرتا ہے اور اپنے اس عہد کو کہاں تک پورا کرتا ہے۔ ایک کلمہ گو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں اس بات کا عہد واقرار کرتا ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کو خدائے برحق معبود واحد اور یکتا مالک مانتا ہوں اور صرف اسی کی عبادت وبندگی کروں گا۔ اور بندے کو جس طرح اپنے مولا وآقا کے حکموں پر چلنا چاہئے اسی طرح میں اس کے حکموں پر چلوں گا۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں خدا کا برحق رسول تسلیم کرتا ہوں میں ایک امتی کی طرح آپ کی اطاعت وپیروی کروں گا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرتا رہوں گا۔ اسی عہد واقرار کا نام دراصل ایمان ہے اور توحید ورسالت کی شہادت دینے کا بھی یہی مقصد ومطلب ہے لہٰذا ہر کلمہ پڑھنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے کو اس عہد وشہادت کا پابند سمجھے اور اس کی زندگی اسی اصول کے مطابق گزرے اس صورت میں وہ بے شک اللہ کے نزدیک ایک سچا مسلم ومومن ہوگا ورنہ زبان سے کلمہ پڑھنا اور عملاً کلمہ میں کئے ہوئے اقرار کے خلاف اپنا طرز عمل رکھنا یہ عہد وپیمان اور قول وقرار کو توڑنا اور عہد شکنی کرنا ہے جس کی عام وعید یہاں سنائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نقض عہد سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ

جو دیہاتی پیچھے رہ گئے وہ عنقریب آپ سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال وعیال نے فرصت نہ لینے دی سو ہمارے لئے معافی کی دعا مانگئے یہ لوگ

بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا

اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ سو وہ کون ہے جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو

أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١١﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ

اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے، بلکہ اللہ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے۔ بلکہ تم نے یوں سمجھا کہ رسول

وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ

اور مومنین اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہ آویں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں اچھی بھی معلوم ہوئی تھی اور تم نے بُرے بُرے گمان کیے، اور تم

قَوْمًا بُورًا ﴿١٢﴾ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿١٣﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ

برباد ہونے والے لوگ ہوگئے۔ اور جو شخص اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان نہ لاوے گا سو ہم نے کافروں کیلئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ اور تمام

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٤﴾

آسمان و زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے، وہ جس کو چاہے بخش دے، اور جس کو چاہے سزا دے، اور اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔

سَيَقُولُ اب کہیں گے	لَكَ آپ سے	الْمُخَلَّفُونَ پیچھے رہ جانے والے	مِنَ سے	الْأَعْرَابِ دیہاتی	شَغَلَتْنَا ہمیں مشغول رکھا	أَمْوَالُنَا ہمارے مالوں	
وَأَهْلُونَا اور ہمارے گھر والے	فَاسْتَغْفِرْ لَنَا اور بخشش مانگئے ہمارے لئے	يَقُولُونَ وہ کہتے ہیں	بِأَلْسِنَتِهِمْ اپنی زبانوں سے	مَا لَيْسَ جو نہیں			
فِي قُلُوبِهِمْ انکے دلوں میں	قُلْ فرمادیں	فَمَنْ تو کون	يَمْلِكُ اختیار رکھتا ہے	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنَ اللَّهِ اللہ کے سامنے شَيْئًا کس چیز کا		
إِنْ أَرَادَ اگر وہ چاہے	بِكُمْ تمہیں	ضَرًّا کوئی نقصان	أَوْ یا	أَرَادَ بِكُمْ چاہے تمہیں	نَفْعًا کوئی فائدہ	بَلْ بلکہ	كَانَ اللَّهُ ہے اللہ
بِمَا تَعْمَلُونَ اس سے جو تم کرتے ہو	خَبِيرًا خبردار	بَلْ بلکہ	ظَنَنْتُمْ تم نے گمان کیا	أَنْ کہ	لَنْ يَنْقَلِبَ ہرگز واپس نہ لوٹیں گے	الرَّسُولُ رسول	
وَالْمُؤْمِنُونَ اور مومن (جمع)	إِلَىٰ طرف	أَهْلِيهِمْ اپنے اہل خانہ	أَبَدًا کبھی	وَزُيِّنَ اور بھلی لگی	ذَٰلِكَ یہ	فِي قُلُوبِكُمْ تمہارے دلوں میں۔کو	
وَظَنَنْتُمْ اور تم نے گمان کیا	ظَنَّ السَّوْءِ برا گمان	وَكُنْتُمْ اور تم تھے۔ہوگئے	قَوْمًا بُورًا ہلاک ہونے والی قوم	وَمَنْ اور جو	لَمْ يُؤْمِنْ ایمان نہیں لاتا		
بِاللَّهِ اللہ پر	وَرَسُولِهِ اور اسکا رسول	فَإِنَّا أَعْتَدْنَا تو بیشک ہم نے تیار کی	لِلْكَافِرِينَ کافروں کیلئے	سَعِيرًا دہکتی آگ	وَلِلَّهِ اور اللہ کیلئے		
مُلْكُ السَّمَاوَاتِ آسمانوں کی بادشاہت	وَالْأَرْضِ اور زمین	يَغْفِرُ وہ بخش دے	لِمَنْ يَشَاءُ جس کو وہ چاہے	وَيُعَذِّبُ اور عذاب دے			
مَنْ يَشَاءُ جس کو وہ چاہے	وَكَانَ اور ہے	اللَّهُ اللہ	غَفُورًا بخشنے والا	رَحِيمًا مہربان			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرامؓ نے جس جانبازی کے جذبے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر جہاد وقتال کے لئے بیعت کی اس کی تعریف فرمائی گئی تھی اس کے بعد اب ان لوگوں کا حال بیان فرمایا جاتا ہے جو مدینہ کے قرب وجوار میں

رہنے والے بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے تھے مگر دل سے ایمان نہ لائے تھے۔ ۶ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے عمرہ کے لئے روانہ ہونے کا قصد فرمایا تو اس وقت آپ نے اپنی روانگی کا عام اعلان کر دیا اور مسلمانوں کو ساتھ چلنے کی ترغیب دی شاید قرائن سے آپ کو بھی قریش کے ساتھ لڑائی کا احتمال ہوا ہو اس پر مدینہ کے قرب وجوار کے دیہاتی جنہوں نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ جان چرا کر بیٹھے رہے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ مسلمان اس سفر سے واپس آنے والے نہیں سب وہیں ختم ہو ویں گے۔ انہیں منافقین کا راز ان آیات میں اور اگلی آیات میں فاش کیا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ سے واپسی پر مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل راستہ میں بذریعہ وحی بتلا دیا جاتا ہے کہ آپ کے مدینہ صحیح وسالم پہنچ جانے پر وہ لوگ اپنی غیر حاضری کے جھوٹے عذر اور حیلے بہانے کرتے ہوئے آئیں گے اور کہیں گے کہ کیا ہم کو گھر بار کے دھندوں سے فرصت نہ ملی۔ کوئی ہمارے پیچھے اہل وعیال کی خبر لینے والا نہ تھا بہر حال ہم سے کوتاہی ضرور ہوئی۔ اب اللہ سے ہمارا قصور معاف کرا دیجئے۔ اس پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ دل میں یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ عذر بالکل غلط ہے۔ اور استغفار کی درخواست کرنا بھی محض ظاہر داری کے لئے ہے۔ سچے دل سے نہیں وہ دل میں نہ اس کو گناہ سمجھتے ہیں اور نہ آپ پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ ان سے جو عذر و معذرت کرنے آئیں اس طرح کہہ دیجئے کہ ہر طرح کا نفع و نقصان اللہ کے قبضہ میں ہے۔ جس کی مشیت وارادہ کے سامنے کسی کا کچھ بس نہیں چلتا۔ تم جو کہتے ہو کہ اپنے مال اور گھر والوں کی حفاظت کی وجہ سے سفر میں نہ جا سکے تو خدا اگر تمہارے مال واولاد وغیرہ میں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرلے تو کیا تم گھر میں رہ کر اسے روک دو گے یا فرض کرو اللہ تم کو کچھ فائدہ مال و عیال میں پہنچانا چاہے اور تم سفر میں ہو تو کیا کوئی اسے روک سکتا ہے۔ جب نفع ونقصان کو کوئی روک نہیں سکتا تو اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے مقابلے میں ان چیزوں کی پروا کرنا محض حماقت وضلالت ہے ان حیلوں بہانوں سے مت سمجھو کہ ہم اللہ کو خوش کر لیں گے بلکہ یاد رکھو اللہ تمہارے سب کھلے چھپے اعمال اور احوال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ واقع میں تمہارے نہ جانے کا سبب یہ نہیں کہ جو تم بیان کر رہے ہو بلکہ تمہارا خیال یہ تھا کہ اب پیغمبر اور مسلمان اس سفر سے بچ کر واپس نہ آئیں گے یہی تمہاری آرزو تھی اور یہ غلط اٹکل اور تخمینہ تمہارے دلوں میں خوب جم گیا تھا۔ اس لئے اپنی حفاظت اور نفع کی صورت تم نے علیحدہ رہنے میں سمجھی حالانکہ یہ صورت تمہارے خسران اور تباہی کی تھی اور اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ نہ بخشنا چاہے اس کی بخشش کیسے ممکن ہے ہاں اس کی مہربانی ہو تو تم کو توبہ کی توفیق مل جائے اور بخشش ہو جائے اس کی رحمت بہت بڑی ہے اور وہ معافی چاہنے والے کے لئے غفور الرحیم بھی ہے۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد ان میں سے کچھ تائب و مخلص ہو گئے تھے اور بعض پھر بھی در پردہ منافقین رہے۔ ابھی انہی منافقین کے متعلق مضمون اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو حقیقی اور سچا و پکا ایمان واسلام نصیب فرمائیں اور شکوک وشبہات سے ہمارے دلوں کو پاک رکھیں ہم کو ہر حال میں اپنی ذات پاک سے نیک گمان رکھنے اور برے گمان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو اسلام اور ایمان کی پکار پر ہمہ وقت لبیک کہنے کی توفیق عطا فرمائیے اور دین کی خدمت میں جان چرانے کی منافقانہ خصلت سے ہمارے قلوب کو پاک رکھئے۔

یا اللہ اپنی رحمت سے ہمارے تمام ظاہری و باطنی گناہوں کو معاف فرما دیجئے اور اپنی شان غفور الرحیمی سے ہماری ہر چھوٹی بڑی ظاہری و باطنی تقصیر و کوتاہی سے درگزر فرمائیے۔ اعدائے دین اسلام جو دن رات اپنی تدبیروں سے اہل اسلام کی بدحالی دیکھنا چاہتے ہیں۔

یا اللہ ان اعدائے دین کو تباہ و برباد فرمائیے اور ان کی چالوں کو ملیامیٹ فرمائیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا

جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم غنیمتیں لینے چلو گے کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں، وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں

كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ

آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے، خدا تعالیٰ نے پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے، تو وہ لوگ کہیں گے بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو،

بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾ قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ

بلکہ خود یہ لوگ بہت کم بات سمجھتے ہیں۔ آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں کی طرف

أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِن تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِن

بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع ہو جائیں، سو اگر تم اطاعت کرو گے تو تم کو اللہ تعالیٰ نیک عوض دے گا، اور اگر تم

تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُم مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦﴾ لَّيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى

روگردانی کرو گے جیسا اس کے قبل روگردانی کر چکے ہو تو وہ دردناک عذاب کی سزا دے گا۔ نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے

الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن

اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے، اور جو شخص اللہ و رسول کا کہنا مانے گا اُس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧﴾

جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور جو شخص روگردانی کرے گا اس کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔

سَيَقُولُ عنقریب کہیں گے	الْمُخَلَّفُونَ پیچھے بیٹھ رہنے والے	إِذَا جب	انطَلَقْتُمْ تم چلو گے	إِلَىٰ مَغَانِمَ غنیموں کی طرف	لِتَأْخُذُوهَا کہ تم انہیں لے لو		
ذَرُونَا ہمیں چھوڑ دو (اجازت دو)	نَتَّبِعْكُمْ ہم تمہارے پیچھے چلیں	يُرِيدُونَ وہ چاہتے ہیں	أَن يُبَدِّلُوا کہ وہ بدل ڈالیں	كَلَامَ اللَّهِ اللہ کا فرمان			
قُلْ فرما دیں	لَن تَتَّبِعُونَا تم ہرگز ہمارے پیچھے نہ آؤ	كَذَٰلِكُمْ اسی طرح	قَالَ اللَّهُ کہا اللہ نے	مِن قَبْلُ اس سے قبل	فَسَيَقُولُونَ پھر اب وہ کہیں گے		
بَلْ بلکہ	تَحْسُدُونَنَا تم حسد کرتے ہو ہم سے	بَلْ بلکہ۔ جبکہ	كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ وہ سمجھتے نہیں ہیں	إِلَّا قَلِيلًا مگر تھوڑا	قُلْ فرما دیں		
لِلْمُخَلَّفِينَ پیچھے بیٹھ رہنے والوں کو	مِنَ سے	الْأَعْرَابِ دیہاتیوں	سَتُدْعَوْنَ عنقریب تم بلائے جاؤ گے	إِلَىٰ قَوْمٍ ای قوم کی طرف			
أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ سخت لڑنے والی (جنگجو)	تُقَاتِلُونَهُمْ تم ان سے لڑتے رہو	أَوْ يُسْلِمُونَ یا وہ اسلام قبول کر لیں	فَإِن اگر	تُطِيعُوا تم اطاعت کرو گے			
يُؤْتِكُمُ تمہیں دے گا	اللَّهُ اللہ	أَجْرًا اجر	حَسَنًا اچھا	وَإِن اور اگر	تَتَوَلَّوْا تم پھر گئے	كَمَا تَوَلَّيْتُم جیسے تم پھر گئے تھے	مِن قَبْلُ اس سے قبل
يُعَذِّبْكُمْ وہ تمہیں عذاب دیگا	عَذَابًا عذاب	أَلِيمًا درد ناک	لَيْسَ نہیں	عَلَى الْأَعْمَىٰ اندھے پر	حَرَجٌ کوئی تنگی گناہ	وَلَا اور نہیں	
عَلَى الْأَعْرَجِ لنگڑے پر	حَرَجٌ کوئی گناہ	وَلَا اور نہ	عَلَى الْمَرِيضِ مریض پر	حَرَجٌ کوئی گناہ	وَمَن اور جو	يُطِعِ اللَّهَ اطاعت کریگا اللہ کی	

5

وَرَسُوْلَهٗ اور اسکے رسول کی	يُدْخِلْهُ وہ داخل کریگا اسے	جَنّٰتٍ باغات	تَجْرِيْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	وَمَنْ اور جو	
يَّتَوَلَّ پھر جائے گا	يُعَذِّبْهُ وہ عذاب دے گا اسے	عَذَابًا اَلِيْمًا عذاب دردناک					

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں ان منافقین کا ذکر ہوا تھا جو مدینہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عمرہ کے لئے مکہ نہ گئے تھے اور جان چرا کر پیچھے بیٹھ رہے تھے۔ اس خیال سے کہ مسلمان مکہ میں مشرکین مکہ کے ہاتھوں مار کھائیں گے۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ ہی میں یہ سورۃ نازل ہوئی تھی جس میں منافقین کا راز فاش کیا گیا تھا کہ یہ واپسی پر جھوٹے حیلہ بہانہ اور عذر پیش کریں گے۔ اب آگے ان آیات میں انہی منافقین کا ایک دوسرا راز فاش کیا جاتا ہے۔ حدیبیہ سے واپس ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر پر چڑھائی کرنے کا حکم ہوا جہاں غدار یہود آباد تھے اور جو معاہدہ کے خلاف جوانہوں نے مسلمانوں سے کر رکھا تھا بدعہدی کر کے جنگ احزاب میں کافر قوموں کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے جس کا تفصیلی تذکرہ سورۂ احزاب ۲۱ ویں پارہ میں ہو چکا ہے۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں حضور صلی اللہ عیہ وسلم کو خبر دی ہے کہ وہ منافقین جو حدیبیہ نہیں گئے اب خیبر کے معرکہ میں آپ کے ساتھ چلنے کو کہیں گے کیونکہ وہاں خطرہ کم اور غنیمت کی امید زیادہ ہے تو آپ ان سے فرمادیں کہ تمہاری استدعا سے پیشتر اللہ تعالیٰ ہم کو بتلا چکا ہے کہ تم اس سفر میں ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گے۔ اس صورت میں کیا تم ہمارے ساتھ جا سکتے ہو اگر جاؤ گے تو یہ معنی ہوں گے کہ گویا اللہ کا کہا بدل دیا گیا جو کسی طرح ممکن نہیں۔ آگے حق تعالیٰ نے بتلایا کہ جب آپ ان سے یہ کہیں گے جو اوپر ذکر ہوا تو یہ کہیں گے کہ اللہ نے تو کچھ بھی نہیں فرمایا۔ محض یہ چاہتے ہو کہ ہمارا فائدہ نہ ہو۔ سب مال غنیمت بلاشرکت غیرے تمہارے ہی ہاتھ آجائے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہیں بہت تھوڑی سمجھ ہے۔ احمق یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کے زہد وقناعت کا کیا حال ہے؟ کیا وہ مال کے حریص ہیں جو تم پر حسد کریں گے اور کیا پیغمبر از راہ حسد خدا پر جھوٹ بول دیں گے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ ان منافقین سے کہہ دیں کہ اگر تم لڑنے کے ایسے ہی شوقین ہو تو ذرا صبر کرو اس لڑائی یعنی جنگ خیبر میں تو تم جا نہیں سکتے لیکن آگے بہت معرکے پیش آنے ہیں۔ بڑی جنگجو قوموں سے مسلمانوں کے مقابلہ ہوں گے جن کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ وہ قومیں مسلمان ہو کر یا جزیہ وغیرہ دے کر اسلام کی مطیع ہو جائیں۔ اگر واقعی تم کو شوق جہاد ہے تو اس وقت میدان میں آکر داد شجاعت دینا اس موقع پر خدا کا حکم مانو گے تو اللہ بہترین بدلہ دے گا۔ اور اگر جیسے پہلے حدیبیہ جانے سے پیچھے ہٹ گئے تھے اگر آئندہ ان معرکوں سے پیچھے ہٹے تو اللہ تعالیٰ سخت دردناک سزا دے گا اور وہ سزا شاید آخرت سے پہلے دنیا ہی میں مل جائے۔ آگے ارشاد ہے کہ جہاد معذور لوگوں پر فرض نہیں یعنی اندھے لنگڑے اور بیماروں پر اس میں شامل ہونا فرض نہیں وہ جتنا کر سکتے ہیں کر سکیں۔ ان پر کوئی تنگی نہیں اس کے بعد عام ضابطہ اور قاعدہ تمام لوگوں کے لئے بیان کیا جاتا ہے کہ ہر معاملہ میں اور ہر کام جو کوئی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اختیار کرے گا اسے اللہ تعالیٰ بہشت کے باغوں میں داخل کرے گا جن میں ہر طرف نہریں بہہ رہی ہوں گی اور جو اللہ کی طرف سے منہ پھیر لے گا اسے ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جس میں دکھ ہی دکھ ہے۔

اب منافقین کا ذکر کرنے کے بعد پھر ان اہل ایمان کا جنہوں نے برضا ورغبت حدیبیہ میں مشرکین سے جنگ کرنے پر بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر کی تھی ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ

بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا پس اللہ تعالیٰ

السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح دے دی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ تحقیق راضی ہوا	اللّٰهُ اللہ	عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں سے	اِذْ جب	يُبَايِعُوْنَكَ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے	تَحْتَ نیچے	الشَّجَرَةِ درخت
فَعَلِمَ سو اس نے معلوم کرلیا	مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ جو انکے دلوں میں	فَاَنْزَلَ تو اس نے اتاری	السَّكِيْنَةَ سکینہ (تسلی)	عَلَيْهِمْ ان پر		
وَاَثَابَهُمْ اور بدلہ میں دی انہیں	فَتْحًا قَرِيْبًا ایک فتح قریب	وَّمَغَانِمَ اور غنیمتیں	كَثِيْرَةً بہت سی	يَّاْخُذُوْنَهَا انہوں نے وہ حاصل کیں		
وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ	عَزِيْزًا غالب	حَكِيْمًا حکمت والا				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ جب مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہی تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ کو مکہ معظمہ میں عمرہ کے لئے داخل ہونے سے روکا تو آپ نے حدیبیہ میں قیام کر کے مکہ والوں کے پاس حضرت عثمانؓ کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں فقط عمرہ کر کے واپس ہو جائیں گے۔ مکہ والوں نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا اور افواہ اڑ گئی کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ یہ خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرام سے عہد لیا کہ اگر لڑائی ہو گئی تو دل و جان سے جنگ کریں گے اور راہ فرار کبھی اختیار نہ کریں گے۔ اسی کو اسلامی تاریخ میں "بیعت رضوان" کہا جاتا ہے اور اس کو بیعت رضوان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بیعت کرنے والے صحابہ کرامؓ سے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ اور احادیث صحیحہ میں بھی اس بیعت میں شریک ہونے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ امام احمدؒ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے یہ بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا اور بھی احادیث میں ان کے جنتی ہونے کا وعدہ ہوا ہے اور اصحاب بدر کے بعد ان ہی حضرات کا درجہ ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

یہاں اس موقع پر مفسر حضرت علامہ عبدالحق صاحب حقانی دہلویؒ نے اپنی تفسیر حقانی میں لکھا ہے کہ یہ بات باتفاق مورخین ثابت ہے کہ اس بیعت رضوان میں خلفائے اربعہ شریک تھے اور حضرت عثمانؓ اگرچہ موقع پر موجود نہ تھے مگر ان کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی۔ محدثین نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ عثمان اللہ اور رسول کے کام میں ہے ان کی طرف سے آپ نے اپنا ایک ہاتھ رکھ کر اس پر دوسرا ہاتھ رکھا اور بیعت کی اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ جب یہ ثابت ہو چکا تو خلفائے اربعہ کے قطعی جنتی ہونے میں اور اس بات میں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور یہ حضرات مومن مخلص تھے کوئی شک نہیں رہا۔ ان حضرات کے لئے یہ دستاویز آسمانی اور تمسک قرآنی یعنی آیت لقد رضی اللہ عن المؤمنین کافی ہے۔ حضرت علامہ شیخ آگے لکھتے ہیں کہ ہم افسوس کرتے ہیں ان لوگوں پر (مراد اس سے اہل شیعہ ہیں) جو رطب و یابس روایات سے جن میں محض تعصب وطرفداری ہے حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن بتا کر نامناسب الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور ان حضرات کی شان میں بدگوئی کرتے ہیں اور پھر اس بدگوئی اور بدزبانی کو محبت اہل بیت قرار دے کر اس کو نجات کا باعث کہتے ہیں تو ان حضرات کے محامد تو قرآن سے ثابت ہوں اور برائیاں ایرے غیرے متعصب راویوں کے بیان سے ثابت کر کے اس آسمانی تمسک کو چاک کیا جائے تو جس کو ذرا بھی عقل سلیم ہوگی وہ اس بات کو کبھی جائز اور روا نہ رکھے گا۔ یہ مضمون بیچ میں اضطراراً آ گیا تھا۔

الغرض ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے جو آپ کے ہم سفر ہیں خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے جہاد میں ثابت قدم رہنے پر بیعت کر رہے تھے اور اس وقت ان کے دلوں میں جو عزم و توکل حسن نیت صدق و اخلاص اور حب اسلام وغیرہ تھا اللہ تعالیٰ کو وہ بھی معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان کے دلوں میں ایسا اطمینان پیدا کر دیا جس سے ان کو خدا کا حکم ماننے میں ذرا پس و پیش نہ ہوا اور اس کے ساتھ ان کو ایک فتح دی جس سے مراد فتح خیبر ہے جو حدیبیہ سے واپس آتے ہی مسلمانوں کو نصیب ہوئی اور جس میں مسلمانوں کو بہت کثرت سے مال غنیمت ہاتھ لگا۔ خیبر مدینہ سے شام کی جانب تین منزل پر ایک مقام کا نام ہے۔ یہ یہودیوں کی خالص آبادی کا قصبہ تھا اور آبادی کے گرداگرد مستحکم قلعے بنائے ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر حدیبیہ سے مدینہ پہنچے ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے کہ سننے میں آیا کہ خیبر کے یہودی پھر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور جنگ احزاب کی ناکامی کا بدلہ لینے اور اپنی کھوئی ہوئی جنگی عزت و قوت کو ملک بھر میں بحال کرنے کے لئے ایک خونخوار جنگ کی تیاری کر چکے ہیں۔ مسلمان محاصرہ کی سختی کو جو ایک سال پہلے انہیں جنگ احزاب میں اٹھانی پڑی تھی ہنوز نہیں بھولے تھے۔ اس لئے سب مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ اس حملہ آور دشمن کو آگے بڑھ کر لینا چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں صرف انہی صحابہ کرام کو ہمرکاب چلنے کی اجازت دی جو ان آیات لقد رضی اللہ عن المؤمنین کی بشارت سے ممتاز تھے اور جن کو واثابھم فتحاً قریباً و مغانم کثیرۃً کا مژدہ مل چکا تھا۔ قصبہ خیبر کے قلعے جو آبادی کے گرداگرد واقع تھے شمار میں دس تھے جن کے اندر دس ہزار جنگی مرد رہتے تھے۔

قتل و قتال کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور یہود کے تمام قلعے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے اس جہاد میں ۱۵ اصحاب کرام شہید ہوئے اس جہاد میں حضرت علیؓ نے نمایاں حصہ لیا اور باب خیبر کو ہاتھ سے تنہا اکھاڑ دیا حالانکہ ۷۰ آدمی اس کے ہلانے سے عاجز تھے اور بعض روایات میں ہے کہ اس دروازہ کو آپ نے بجائے ڈھال کے استعمال کیا۔ فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چند روز خیبر میں ٹھہرے اگرچہ یہود کے ساتھ بعد فتح پوری مراعات برتی گئی تھیں اور ان کو ہر طرح امن و امان بخشا گیا تھا مگر پھر بھی ان کی فطری بدنیتی نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ایک یہودی عورت نے آپ کی اور آپ کے ساتھ کچھ ہمراہیوں کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپ نے لقمہ منہ میں رکھ کر کھانے سے ہاتھ روک لیا اور فرمایا کہ اس کھانے میں زہر ملایا گیا ہے لیکن ایک صحابی نے کچھ کھانا کھا لیا۔ آپ نے اس یہودی عورت کو بلا کر پوچھا تو اس نے جرم کا اقرار کیا اس پر بھی آپ نے اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لیا اور اس کو چھوڑ دیا لیکن جب ان صحابی نے اس زہریلے کھانے سے وفات پائی تو قصاص میں یہ یہودن قتل کی گئی۔

الغرض فتح خیبر سے جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد فوراً مل گئی مال غنیمت بہت ہاتھ آیا جس سے صحابہ آسودہ حال ہو گئے۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے زور اور حکمت سے حدیبیہ کی کسر یہاں نکال دی۔ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اور تمام مصلحتوں سے واقف ہے۔

یہاں فتح خیبر کی بشارت اور اس فتح خیبر میں مسلمانوں کو کثرت سے مال غنیمت ملنے کی پیشگوئی فرما کر آگے بتلایا جاتا ہے کہ کچھ اسی فتح خیبر پر بس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی اور بھی بہت سی فتوحات اور بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جو تم کو ملیں گی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ان صحابہ کرام کے طفیل میں جن کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی ان آیات میں بشارت سنائی گئی اور جنہیں مژدہ فتح سنایا گیا اور جن کے ہم بھی نام لیوا ہیں یا اللہ ہمیں بھی اپنی رضا کی دولت سے نواز دیجئے اور ہر حال میں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ

اللہ تعالیٰ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے سو سر دست تم کو یہ دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے، اور تا کہ یہ (واقعہ)

اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا

اہل ایمان کیلئے ایک نمونہ ہو جائے اور تا کہ تم کو ایک سیدھی راہ پر ڈال دے۔ اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی خدا تعالیٰ اس کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے،

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر نہ ان کو کوئی یار ملتا

يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ

اور نہ مددگار۔ اللہ تعالیٰ نے (کفار کیلئے) یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے۔ اور آپ خدا کے دستور میں

اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ

ردّوبدل نہ پاویں گے۔ اور وہ ایسا ہے کہ اُس نے اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے عین مکہ میں روک دیئے بعد اس کے

اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔

وَعَدَكُمْ وعدہ کیا تم سے	اللّٰهُ اللہ	مَغَانِمَ غنیمتیں	كَثِيْرَةً کثرت سے	تَاْخُذُوْنَهَا تم لوگے انہیں	فَعَجَّلَ تو جلد دیدی اس نے	لَكُمْ تمہیں		
هٰذِهٖ یہ	وَكَفَّ اور روک دیئے	اَيْدِيَ ہاتھ	النَّاسِ لوگ	عَنْكُمْ تم سے	وَلِتَكُوْنَ اور تا کہ ہو	اٰيَةً ایک نشانی	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں کیلئے	
وَيَهْدِيَكُمْ اور وہ ہدایت دے تمہیں	صِرَاطًا ایک راستہ	مُّسْتَقِيْمًا سیدھا	وَّاُخْرٰى اور ایک اور (فتح)	لَمْ تَقْدِرُوْا تم نے قابو نہیں پایا	عَلَيْهَا اس پر			
قَدْ اَحَاطَ گھیر رکھا ہے	اللّٰهُ اللہ	بِهَا اس کو	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرًا قدرت رکھنے والا	وَلَوْ اور اگر
قٰتَلَكُمْ تم سے لڑتے	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ جنہوں نے کفر کیا (کافر)	لَوَلَّوُا البتہ وہ پھرتے	الْاَدْبَارَ پیٹھ (جمع)	ثُمَّ پھر	لَا يَجِدُوْنَ وہ نہ پاتے			
وَلِيًّا کوئی دوست	وَّلَا نَصِيْرًا اور نہ کوئی مددگار	سُنَّةَ اللّٰهِ اللہ کا دستور	الَّتِيْ وہ جو	قَدْ خَلَتْ گزر چکا	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل			
وَلَنْ تَجِدَ اور تم ہرگز نہ پاؤ گے	لِسُنَّةِ اللّٰهِ اللہ کے دستور میں	تَبْدِيْلًا کوئی تبدیلی	وَهُوَ اور وہ	الَّذِيْ كَفَّ جس نے روکا	اَيْدِيَهُمْ ان کے ہاتھ			
عَنْكُمْ تم سے	وَاَيْدِيَكُمْ اور تمہارے ہاتھ	عَنْهُمْ ان سے	بِبَطْنِ مَكَّةَ درمیان (وادی) مکہ میں	مِنْۢ بَعْدِ اس کے بعد				
اَنْ اَظْفَرَكُمْ کہ فتح مند کیا تمہیں	عَلَيْهِمْ ان پر	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ تم جو کچھ کرتے ہو اسے	بَصِيْرًا دیکھنے والا			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کرامؓ کو اپنی رضا مندی کی بشارت سے ممتاز فرمایا تھا جنہوں نے بیعت رضوان میں شرکت فرمائی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر جہاد میں ثابت قدم رہنے پر بیعت کی تھی۔ ساتھ ہی اس بشارت کے یہ مژدہ بھی سنایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو فتح خیبر نصیب فرمائیں گے جس میں کثرت سے مال غنیمت ہاتھ لگے گا۔ اسی سلسلہ میں

آ گے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ کچھ اسی فتح خیبر پر بس نہیں۔ آ گے چل کر اور بھی بہت سی فتوحات اور بے شمار غنیمتیں ملنے والی ہیں۔ سردست اللہ تعالیٰ نے یہ فتح خیبر دے دی ہے پھر اس کا یہ احسان بھی ہے کہ کفار کے بداراودں کو اس نے پورا نہ ہونے دیا۔ نہ مکے کے کافروں کے اور نہ ان منافقین کے جو پیچھے مدینہ میں رہ گئے تھے۔ مسلمانوں کی غیر حاضری میں ان کے اہل وعیال پر ان کو دراز دستی کی ہمت نہ ہوئی۔ نیز اس احسان سے یہ بھی مقصود تھا کہ مسلمان عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ اصل حافظ وناصر اللہ ہی ہے اور سمجھ لیں کہ اللہ کی قدرت کیسی ہے اور یہ کہ اسی طرح آئندہ کے وعدے بھی پورے ہو کر رہیں گے اور یہ بھی یقین کر لیں کہ ہر کام کے انجام کا علم اللہ ہی کو ہے۔ بندوں کے حق میں بہتری یہی ہے کہ وہ اس کے فرمان پر عامل رہیں اور اسی میں اپنی خیر سمجھیں گو وہ فرمان بظاہر خلاف طبع ہی ہو۔ بہت ممکن ہے کہ تم جسے ناپسند رکھتے ہو وہی تمہارے حق میں بہتر ہو۔ پھر اس احسان سے مسلمانوں کو اللہ کے وعدوں پر وثوق اور اس کی لامحدود قدرت پر بھروسہ ہوگا جس سے اور زیادہ طاعت اور فرمانبرداری کی ترغیب ہوگی اور یہی سیدھی راہ ہے۔ آ گے بتلایا جاتا ہے کہ اس بیعت رضوان کے صلہ میں فی الحال فتح خیبر دی اور ایک فتح اور بھی موعود ہے جو اس وقت تک تمہارے قابو میں نہیں آئی۔ مراد اس سے فتح مکہ ہے جو اب تک واقع نہ ہوئی تھی مگر سمجھ لو کہ وہ بھی گویا مل ہی چکی ہے کیونکہ اللہ نے اس کا وعدہ کر لیا۔ جب چاہے گا تم کو عطا فرما دے گا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے دو سال بعد جب مصلحت ہوئی تو مکہ بھی فتح ہو گیا۔ آ گے مسلمانوں کو خوشخبری سنائی جاتی ہے کہ اگر تم سے یہ صلح اس وقت نہ ہوتی بلکہ یہ کافر تم سے لڑتے تو تم ہی غالب رہتے اور کفار پیٹھ پھیر کر بھاگتے۔ اور کوئی مددکر کے ان کو آفت وشکست سے نہ بچا سکتا۔ مگر اللہ کی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ فی الحال صلح ہو جائے اور اس کی عظیم الشان برکات سے مسلمان مستفید ہوں اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے یہی دستور کر رکھا ہے کہ جب اہل حق اور اہل باطل کا کسی فیصلہ کن موقع پر مقابلہ ہو جائے تو آخر کار اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب ومقہور کئے جاتے ہیں۔ یہی عادت اللہ کی ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ جس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں۔ ہاں شرط یہ ہے کہ اہل حق بحثیت مجموعی پوری طرح حق پرستی پر قائم رہیں آ گے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ مشرکین کی کچھ ٹولیاں ''حدیبیہ'' پہنچی تھیں کہ موقع پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں یا اکیلے دکیلے مسلمانوں کو ستائیں چنانچہ انہوں نے کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کی بلکہ ایک مسلمان کو قتل بھی کر ڈالا اور اشتعال انگیز کلمات بکتے پھرے آخر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو زندہ گرفتار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کر دیا۔ آپ نے ان کو معاف فرما دیا اور کچھ انتقام نہیں لیا انہی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو بھی نہ بھولو کہ جس نے مشرکوں کے ہاتھ مسلمانوں تک نہ پہنچنے دیئے اور مسلمانوں کے ہاتھ بھی کفار کے قتل و قتال سے عین مکہ کے قریب میں یعنی حدیبیہ میں روک دیئے اور تم میں اور ان میں صلح کرا دی جو دراصل تمہارے حق میں سراسر بہتری تھی کیا دنیا کے اعتبار سے کیا آخرت کے اعتبار سے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی شرارتیں اور تمہارا عفو وتحمل سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

ابھی آ گے مزید وہ مصلحتیں اور حکمتیں بیان فرمائی جاتی ہیں کہ جن کی بنا پر صلح حدیبیہ عمل میں لائی گئی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اور حضرات صحابہ کرام کے نام لیوا جہاں جہاں مخالفین اسلام اور کفار ومشرکین سے مقابلہ ومقاتلہ میں لگے ہوئے ہیں یا اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طفیل سے اہل ایمان کو نصرت وغلبہ عطا فرما اور مخالفین کے دلوں میں اہل ایمان کا رعب ڈال دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ

یہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو جو رکا ہوا رہ گیا اس کے موقع میں پہنچنے سے روکا

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِّنْهُمْ

اور اگر (مکہ میں) بہت مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی یعنی اُن کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی

مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا

بے خبری سے ضرر پہنچتا تو سب قصہ طے کر دیا جاتا، لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر دے، اگر یہ ٹل گئے ہوتے تو ان میں جو کافر تھے

مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٢٥﴾ إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ

ہم ان کو درد ناک سزا دیتے۔ جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی، اور عار بھی جاہلیت کی سو اللہ تعالیٰ نے

اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا

اپنے رسول اور مومنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا کیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں

وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢٦﴾

اور وہ اس کے اہل ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

هُمْ وہ-یہ	الَّذِينَ كَفَرُوا جنہوں نے کفر کیا	وَصَدُّوكُمْ اور تمہیں روکا	عَنِ سے	الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مسجد حرام	وَالْهَدْيَ اور قربانی کے جانور		
مَعْكُوفًا رکے ہوئے	أَنْ يَبْلُغَ کہ وہ پہنچے	مَحِلَّهُ اپنا مقام	وَلَوْلَا اور اگر نہ	رِجَالٌ کچھ مرد	مُّؤْمِنُونَ مومن	وَنِسَاءٌ اور عورتیں	مُّؤْمِنَاتٌ مومن
لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ تم نہیں جانتے انہیں	أَنْ کہ	تَطَئُوهُمْ تم انکو پامال کردیتے	فَتُصِيبَكُمْ پس تمہیں پہنچ جاتا	مِّنْهُمْ ان سے			
مَّعَرَّةٌ صدمہ۔نقصان	بِغَيْرِ عِلْمٍ نادانستہ	لِيُدْخِلَ تاکہ داخل کرے	اللَّهُ اللہ	فِي رَحْمَتِهِ اپنی رحمت میں	مَنْ يَشَاءُ جسے وہ چاہے		
لَوْ تَزَيَّلُوا اگر وہ جدا ہوجاتے	لَعَذَّبْنَا البتہ ہم عذاب دیتے	الَّذِينَ ان لوگوں کو	كَفَرُوا جو کافر ہوئے	مِنْهُمْ ان میں سے	عَذَابًا عذاب		
أَلِيمًا درد ناک	إِذْ جَعَلَ جب کی	الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر (کافر)	فِي قُلُوبِهِمُ اپنے دلوں میں	الْحَمِيَّةَ ضد	حَمِيَّةَ ضد		
الْجَاهِلِيَّةِ زمانہ جاہلیت	فَأَنْزَلَ اللَّهُ تو اللہ نے اتاری	سَكِينَتَهُ اپنی تسلی	عَلَىٰ رَسُولِهِ اپنے رسول پر	وَ اور	عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مومنوں پر		
وَأَلْزَمَهُمْ اور ان پر لازم فرمادیا	كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ تقویٰ کے بات	وَكَانُوا اور وہ تھے	أَحَقَّ بِهَا زیادہ حقدار اس کے	وَأَهْلَهَا اور اس کے اہل			
وَكَانَ اور وہ تھے	اللَّهُ اللہ	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے کو	عَلِيمًا جاننے والا				

تفسیر وتشریح: صلح حدیبیہ کے متعلق یہ گذشتہ آیات میں ذکر ہو چکا ہے کہ اس کی شرائط حسب ذیل تھیں جن پر اہل اسلام اور کفار قریش میں عہد نامہ لکھا گیا تھا: (۱) دس سال تک آپس میں لڑائی موقوف رہے گی۔ (۲) قریش میں کا جو شخص بغیر اپنے ولی اور آقا کی اجازت کے مدینہ جائے گا وہ واپس کیا جائے گا اگر چہ وہ مسلمان ہو کر جائے۔ (۳) اور جو شخص مسلمانوں میں سے مدینہ سے مکہ آ جائے تو اس کو واپس نہ دیا جائے گا۔

(۴) اس درمیان میں کوئی ایک دوسرے پر تلوار نہ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔

(۵) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) امسال بغیر عمرہ کئے مدینہ واپس ہو جائیں مکہ میں داخل نہ ہوں۔ سال آئندہ صرف تین دن مکہ میں رہیں اور عمرہ کر کے واپس ہو جائیں سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہوں اور تلواریں بھی نیام یا غلاف میں ہوں۔

(۶) قربانی کے جانور جہاں ہیں وہیں ذبح کئے جائیں۔ مکہ لے جانے کی اجازت نہیں۔

یہ تمام شرائط اگرچہ مسلمانوں کے خلاف تھیں اور یہ صلح بظاہر مغلوبانہ صلح تھی اس لئے صحابہ کرامؓ کو اس طرح کفار سے دب کر صلح کرنا سخت ناگوار تھا۔ اور یہ شرائط مسلمانوں پر شاق گزر رہی تھیں۔ روایات میں ہے کہ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ آپ نے فرمایا بیشک۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا پھر یہ ذلت کیوں گوارا کریں آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول اور برحق نبی ہوں اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا۔ وہ میرا معین و مددگار ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ آپ نے فرمایا یہ میں نے کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس گئے اور جا کر ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لفظ بلفظ وہی جواب دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں اپنی اس گستاخی پر بہت نادم ہوا اور اس کے کفارہ میں بہت سی نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے۔ اور صدقہ و خیرات کی اور بہت سے غلام آزاد کئے۔ صحیح مسلم میں ایک روایت حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس شرط پر کیسے صلح کی جائے کہ ہم میں سے جو ان کی طرف چلا جائے تو اس کو واپس نہ کیا جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں جو شخص ہم میں کا ان سے جا ملے ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان میں کا جو شخص ہماری طرف مسلمان ہو کر آئے گا تو اگرچہ از روئے معاہدہ وہ واپس کر دیا جائے لیکن گھبرانے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ قریب ہی میں اس کے لئے نجات کی صورت ضرور پیدا فرمائے گا۔ مگر الحمد للہ ایسی صورت پیش نہیں آئی کہ کوئی مسلمان مدینہ سے بھاگ کر مکہ گیا ہو۔ الغرض ان شرائط کے ساتھ صلح نامہ مکمل ہو گیا اور فریقین کے دستخط ہو گئے۔ مسلمان جوش میں بھرے ہوئے تھے اس لئے کچھ مسلمانوں کو ان شرائط کے ماننے میں تامل ہو رہا تھا مگر جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان شرائط کو مان چکے تھے تو پھر کس کو انکار کی جرأت ہو سکتی تھی۔ مگر صحابہ کرام ان شرائط صلح سے اس قدر مغموم اور شکستہ خاطر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد تکمیل صلح کے صحابہ کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا مگر ایک شخص بھی نہ اٹھا۔ جب آپ نے یہ دیکھا تو ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور بطور شکایت یہ واقعہ بیان فرمایا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری ہے جس کی وجہ سے وہ افسردہ دل اور شکستہ خاطر ہیں اس وجہ سے فوراً تعمیل ارشاد نہ کر سکے۔ آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں باہر تشریف لے جایئے اور آپ قربانی کر کے سر منڈا یئے۔ دوسرے خود بخود آپ کی اتباع کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے قربانی کرتے ہی سب نے قربانی شروع کر دی۔ مقصد ان روایات کو یہاں بیان کرنے سے یہ ہے کہ اس صلح کو صحابہ کرام اپنی شکست اور ذلت و ناکامی سمجھے ہوئے تھے لیکن تقریباً دو ہفتہ قیام کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس ہوئے۔ جب مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے مابین پہنچے تو یہ سورۂ فتح نازل ہوئی جس کی ابتدا ہی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا فتحنا لک فتحاً مبیناً اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔ غرض جس صلح کو صحابہ کرام اپنی شکست سمجھے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح مبین فرمایا پھر جیسا کہ گزشتہ درسوں میں بیان ہو چکا اللہ تعالیٰ نے اس صلح کے سلسلہ میں اہل ایمان کے صبر، ضبط و تحمل کی مدح فرمائی اور ساتھ ہی فتح خیبر کی

بشارت سنائی گئی اور کثرت سے مال غنیمت اس میں ہاتھ لگنے کی پیشنگوئی فرمائی گئی اور مزید فتوحات اور غنیمتوں اور مصلحتوں کا اظہار فرمایا گیا تا کہ اہل ایمان کے قلوب کو کامل تسلی وسکون حاصل ہو اور اللہ کی مشیت وحکمت کو جان کر اور زیادہ ایمان میں تقویت پیدا ہو۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مکہ والوں نے کفر پر کمر باندھی اور اے مسلمانو تمہیں مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ تک پہنچنے سے روک دیا اور قربانی کے جانور حرم کے اس حصہ تک پہنچنے نہ دیئے جہاں لے جا کر ذبح کرنے کا عام دستور اور معمول ہے یعنی منیٰ تک۔ ان قربانی کے جانوروں کو بھی انہوں نے حدیبیہ ہی میں روک دیا یہ سب ان کی شرارتیں تھیں اور اگر ان شرارتوں پر اللہ تعالیٰ اجازت دے دیتے کہ جاؤ ان کافروں سے لڑو اور ان کو تباہ و برباد کر دو تو کچھ بعید نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ قدیر ہونے کے ساتھ حکیم بھی ہیں۔ اس لئے اپنی حکمت سے اس موقع پر قتال کا حکم نہیں دیا اور ایک حکمت اس میں یہ بھی تھی کہ کچھ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں مکہ میں ایسے مظلوم اور مستور الحال تھے کہ ان کو پوری طرح مسلمان بھی نہ جانتے تھے۔ تو اگر لڑائی اور قتال کا حکم دیا جاتا تو بے خبری میں یہ مستور الحال غریب مظلوم مسلمان بھی تمہارے ہاتھ سے مارے جاتے اور پھر تمہیں افسوس ہوتا کہ ہائے لاعلمی میں یہ کیسی غلطی ہوئی کہ اپنے ہی بھائیوں کو مار ڈالا اس لئے اللہ تعالیٰ نے لڑائی کا حکم نہیں دیا اور حدیبیہ پر باہم صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ جس سے ایک یہ بھی فائدہ ہوا کہ ایک طرف تو اللہ کی طرف سے مکہ کے مظلوم مسلمان قتل ہونے سے بچ گئے اور دوسری طرف ان کافروں میں سے بھی جن کا اسلام لانا مقدر تھا ان کو بھی جنگ کے قتل وقتال سے بچا کر اپنی رحمت میں داخل کر دینا منظور تھا کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اس طرح اللہ کی خاص رحمت کا حصہ ان کو بھی مل جائے۔ آگے بتلایا گیا کہ اگر مکہ کے مسلمان وہاں کے کافروں کے ساتھ رلے ملے نہ رہتے ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ تم کو اجازت دے دیتے کہ جاؤ اور کافروں کو تباہ کر دو اور ان پر بڑی دکھ درد بھری آفتیں نازل ہو جائیں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے ان کو دردناک سزا دلواتے کیونکہ ان کفار نے تو ایسا اندھیر مچایا اور ایسی جہالت کی ضد پر اتر آئے کہ امسال عمرہ نہ کرنے دیا اور یہ شرط لگائی کہ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر جائے اسے پھر واپس بھیج دو اور اگلے سال عمرہ کو آؤ تو تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہرو اور ہتھیار کھلے نہ لاؤ اور صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھو اور بجائے محمد رسول اللہ کے صرف محمد بن عبداللہ تحریر کرو یہ سب باتیں مسلمانوں کو غضبناک کرنے والی تھیں اور مسلمانوں نے سخت انقباض و اضطراب کے باوجود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے سر جھکا دیا اور بالآخر اس فیصلہ پر ان کے قلوب مطمئن ہو گئے اور اللہ سے ڈر کر نافرمانی کی راہ سے بچے اور کعبہ کے ادب پر مضبوطی سے قائم رہے اور کیوں نہ رہتے وہ دنیا میں خدائے واحد کے سچے پرستار اور کلمہ لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے زبردست حامل و عامل تھے۔ ایک پکا موحد اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مطیع و وفادار ہی اپنے جذبات و رجحانات کو عین جوش وخروش کے وقت اللہ کی خوشنودی پر قربان کر سکتا ہے حقیقی توحید یہی ہے کہ آدمی اس اکیلے مالک کا حکم سن کر اپنی ذلت وعزت کے سب خیالات بالائے طاق رکھ دے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چن لیا تھا اور بلاشبہ وہی اس کے مستحق اور اہل تھے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات بستی یا شہر یا آبادی کے بعض نفوس کی وجہ سے ساری آبادی اور شہر کسی مصیبت اور وبال سے جو اس بستی کے اکثریت کے شامت اعمال سے ان پر آنے والا ہوتا ہے وہ اس بستی کے بعض لوگوں کی وجہ سے ٹال دیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ بعض اوقات اپنے بعض مقبولین کے طفیل میں ساری بستی عذاب کی لپیٹ میں آجانے سے بچالی جاتی ہے۔

اب آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مدینہ میں خواب دیکھا تھا کہ ہم مکہ گئے ہیں اور عمرہ ادا کیا ہے اور سر کے بالوں کو کسی نے منڈایا اور کسی نے کترایا تو حدیبیہ میں رک جانے اور وہاں سے مدینہ بغیر عمرہ کے واپس ہونے پر بعض صحابہ نے تعبیر خواب کے متعلق حضورؐ سے سوال کیا تھا کہ تعبیر خواب تو پوری نہ ہوئی اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے خواب کی تصدیق وتحقیق فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقع کے ہے، کہ تم لوگ مسجد حرام میں ان شاء اللہ ضرور جاؤ گے امن وامان کے ساتھ

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ

کہ تم میں کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کتراتا ہوگا، تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا، سو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں، پھر اس سے پہلے ایک فتح

فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾

دے دی، وہ اللہ ایسا ہے کہ اُس نے اپنے رسول کو ہدایت دی، اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اُس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ یقیناً سچا دکھایا	اللّٰهُ اللہ	رَسُوْلَهُ اپنے رسول کو	الرُّءْيَا خواب	بِالْحَقِّ حقیقت کے مطابق	لَتَدْخُلُنَّ البتہ تم ضرور داخل ہوگے			
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ مسجد حرام	اِنْ اگر	شَآءَ اللّٰهُ اللہ نے چاہا	اٰمِنِيْنَ امن و امان کے ساتھ	مُحَلِّقِيْنَ منڈاتے ہوئے	رُءُوْسَكُمْ اپنے سر			
وَمُقَصِّرِيْنَ اور کتراتے ہوئے	لَا تَخَافُوْنَ تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا	فَعَلِمَ پس اس نے معلوم کرلیا	مَا لَمْ تَعْلَمُوْا جو تم نہیں جانتے	فَجَعَلَ پس کردی اس نے				
مِنْ دُوْنِ اس سے ورے (پہلے)	ذٰلِكَ اس	فَتْحًا قَرِيْبًا ایک قریبی فتح	هُوَ وہ	الَّذِيْٓ اَرْسَلَ جس نے بھیجا	رَسُوْلَهٗ اپنا رسول	بِالْهُدٰى ہدایت کے ساتھ		
وَدِيْنِ اور دین	الْحَقِّ حق	لِيُظْهِرَهٗ تاکہ اسے غالب کردے	عَلَى پر	الدِّيْنِ دین	كُلِّهٖ تمام	وَكَفٰى اور کافی ہے	بِاللّٰهِ اللہ	شَهِيْدًا گواہ

تفسیر وتشریح: ابتدائے سورۃ میں ذکر ہو چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چھٹے سال مدینہ منورہ میں خواب دیکھا تھا کہ ہم مسجد حرام یعنی حرم کعبہ میں امن سے گئے ہیں۔ ارکان حج وعمرہ باطمینان بجالا رہے ہیں اور سر منڈا کر اور بال کتروا کر حلال ہو رہے ہیں۔ جیسا کہ حج یا عمرہ میں کیا کرتے ہیں۔ اس خواب کو آپ نے بعض اصحاب سے بیان بھی فرمادیا تھا اتفاق سے آپ کا قصد اسی سال عمرہ کا ہوگیا۔ صحابہ نے یہ خیال عموماً دل میں جما لیا کہ اسی سال ہم مکہ پہنچیں گے اور عمرہ ادا کریں گے چنانچہ جب صلح مکمل ہو کر حدیبیہ سے واپسی ہوئی تو بعض صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن وامان سے مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ کریں گے آپ نے فرمایا کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ امسال ایسا ہوگا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو بیشک یونہی ہو کر رہے گا۔ تم امن وامان سے مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرو گے اور تم میں سے کوئی سر منڈوا کر اور کوئی بال کترواکر احرام کھولے گا اور وہاں جانے کے بعد کسی طرح کا کھٹکا نہ ہوگا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ سے اگلے سال یعنی ۷ ھ میں ایسا ہی ہوا۔ اسی خواب کے متعلق ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خواب میں دکھایا تھا وہ بالکل سچا تھا اور واقع میں یونہی ہو کر رہے گا لیکن اس سال اس کو ملتوی کردینے میں بہت سی مصلحتیں تھیں جنہیں تم نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ ان مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں مکہ میں فی الحال جنگ وقتال ہونا مناسب نہ تھا اس لئے اس وقت وہاں صلح ہوگئی اب انشاء اللہ ایک سال بعد خواب کی تعبیر پوری ہوگی اور تم اطمینان کے ساتھ بے خوف وخطر مکہ آؤ گے مسجد حرام میں داخل ہوگے۔ عمرہ کے ارکان ادا کرو گے اور سر منڈا کر یا بال تراشوا کر احرام کھولو گے۔ اس وقت مکہ پر لڑائی روک کر اس کے بدلہ ایک اور فتح تمہارے لئے مقرر کی اور تم عنقریب خیبر پر چڑھائی کر کے اسے فتح کرو گے اور وہاں سے بہت سا مال غنیمت تمہارے ہاتھ آئے گا آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ ہی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ اور اصول وفروع عقائد واحکام ہر اعتبار سے یہ ہی دین سچا اور یہی راہ سیدھی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اور اسی دین کو وہ سب دینوں پر غالب بھی کرے گا۔ چنانچہ الحمدللہ اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سینکڑوں برس تک سب مذاہب پر غالب کیا اور مسلمانوں نے تمام مذاہب والوں پر صدیوں تک بڑی شان وشوکت سے حکومت کی اور

آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے جیسا کہ احادیث میں پیشگوئی فرمائی گئی ہے جبکہ دنیا میں ہر چہار طرف دین برحق کی حکومت ہوگی۔ باقی حجت اور دلیل کے اعتبار سے تو دین اسلام ہمیشہ ہی غالب رہا کیا اور رہے گا۔ اللہ اس دین کی حقانیت کا گواہ ہے اور اس کی گواہی سے بڑھ کر کسی کی گواہی نہیں ہوسکتی۔

یہاں اس آیت کے ماتحت هو الذی ارسل رسوله بالهدٰی و دین الحق لیظهره علی الدین کله علمانے دین اسلام کی حقانیت اور دوسرے مذاہب پر اس کی برتری اور اس کی صداقت کے دلائل اجمالاً وتفصیلاً کثرت سے بیان فرمائے ہیں اور بلا مبالغہ سینکڑوں مصنفین نے حقانیت وصداقت اسلام پر مستقل کتابیں لکھی ہیں یہاں اس مختصر درس میں اس کی تو گنجائش نہیں کہ کوئی طول طویل مضمون اس موضوع پر نقل کیا جائے تاہم وہ ۲۱ خصوصیات دین اسلام جو سیرت نبوی ''رحمۃ للعالمین'' کے مصنف علامہ قاضی محمد سلیمان صاحبؒ نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین میں لکھی ہیں ان کے صرف عنوانات بیان کئے جاتے ہیں ہر عنوان پر تفصیلی اور مدلل مضمون خود کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے وہ ۲۱ عنوان خصائص اسلام کے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اسلام ہی دین التوحید ہے

(۲) اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے۔

(۳) اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلم ہے۔

(۴) اسلام ہی نے رحم وعدل کے مسئلہ کو حل کر دیا ہے۔

(۵) اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے۔

(۶) اسلام ہی دین العمل ہے۔

(۷) اسلام ہی مذہب اخوت ہے۔

(۸) اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجہ کو بلند تر کیا ہے۔

(۹) اسلام ہی غیر متعصب دین ہے۔

(۱۰) اسلام ہی دین المحبت ہے۔

(۱۱) اسلام ہی مساوات کا بانی ہے۔

۱۲) اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا ہے۔

(۱۳) اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے۔

(۱۴) اسلام ہی اپنے مہد وگہوارہ میں آج تک قائم ہے۔

(۱۵) اسلام ہی دین تمدن ہے۔

(۱۶) اسلام ہی وہ فیض رساں دین ہے جس سے اقوام عالم نے بالواسطہ فیوض بھی حاصل کئے۔

(۱۷) اسلام ہی نے ہدایت الٰہیہ کو ربوبیت خالقیہ کی طرح کل عالم کے لئے عام بنایا۔

(۱۸) اسلام ہی دین البر یعنی نیکی کا مذہب ہے۔

(۱۹) اسلام ہی دین التقویٰ یعنی پارسائی کا مذہب ہے۔

(۲۰) اسلام ہی دین الصدق یعنی سچائی کا مذہب ہے۔

(۲۱) اسلام ہی دین الحسن والجمال ہے۔

علامہ موصوف نے ہر عنوان پر قرآن وحدیث کی تعلیمات کے ساتھ غیر مذاہب کی روایات وتعلیمات بھی پیش کر کے عقلاً ونقلاً اسلام کی برتری وصداقت کو بیان کیا ہے جو غیر مسلموں کے لئے بھی قابل دید ہے۔

یہاں آیت میں لتدخلن المسجد الحرام ان شآء الله اٰمنین جو فرمایا گیا یعنی صحابہ کرامؓ کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ تم لوگ مسجد حرام میں انشاء اللہ ضرور جاؤ گے تو یہاں حق تعالیٰ نے آئندہ ہونے والے داخلہ مسجد حرام کے ساتھ انشاء اللہ کا لفظ استعمال فرمایا حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنی مشیت کے عالم اور مالک ہیں۔ حق تعالیٰ کو انشاء اللہ کہنے کی کیا ضرورت تھی لیکن مفسرین نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سب بندوں کو تعلیم دینے کے لئے اس جگہ لفظ انشاء اللہ حق تعالیٰ نے بھی استعمال فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے کاموں کے لئے انشاء اللہ کہنے کی تاکید ہے اور کہنا چاہئے۔

الغرض یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تصدیق فرمائی گئی اور بشارت سنائی گئی کہ انشاء اللہ خواب کے مطابق مسلمان مکہ میں امن وامان سے عمرہ ادا کریں گے۔ آگے مشرکین مکہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ رسول اللہ لکھے جانے پر اعتراض کیا تھا اور کہا تھا کہ محمد رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھا جائے۔ حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق فرماتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

مُحَمَّدٌ محمد	رَّسُوْلُ اللّٰهِ اللہ کے رسول	

تفسیر وتشریح: یہ سورۂ فتح کی آخری آیت کا ایک جملہ ہے یہ درس اسی ایک جملہ کی تشریح وتفسیر سے متعلق ہے۔ گذشتہ آیت کے خاتمہ پر فرمایا گیا تھا۔ وَ کَفیٰ باللہ شھیداً (اور اللہ تعالیٰ آپ کی رسالت پر کافی گواہ ہے) جس سے یہ جتلایا گیا تھا کہ وہ منکرین و مشرکین جو آپ کی رسالت کے منکر ہیں تو ہوا کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی رسالت کی تصدیق فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی رسالت پر کافی گواہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی گواہی یہی ہے کہ اس نے آپ کی رسالت پر ناقابل تردید دلائل قائم کئے۔ پس دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں جس سلسلہ میں کہ اس سورۃ کا نزول ہوا یعنی صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں تو اس مناسبت سے اس جملہ محمد رسول اللہ میں اثبات رسالت کے ساتھ آپ کے لئے ایک تسلی بھی ہے۔ یہ صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ قریش کے قاصد جب حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صلح کی غرض سے حاضر ہوئے تو دیر تک صلح اور شرائط صلح پر گفتگو ہوتی رہی۔ چنانچہ جب شرائط صلح طے ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو تحریر معاہدہ کا حکم دیا اور سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا حکم دیا۔ قریش کے قاصد نے اس پر اعتراض کیا کہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہیں جانتا۔ قدیم دستور کے موافق صرف باسمک اللّٰھم لکھا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا یہی لکھو۔ پھر فرمایا کہ یہ لکھو "یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد اللہ کے رسول نے صلح کی ہے"۔ قاصد نے کہا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول سمجھتے تو پھر نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے لڑتے۔ بجائے محمد رسول اللہ کے محمد بن عبداللہ لکھا جائے آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگرچہ تم میری تکذیب کرو اور حضرت علیؓ سے فرمایا یہ الفاظ مٹا کر ان کی خواہش کے مطابق خالی میرا نام لکھ دو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا وہ جگہ دکھلا دو جہاں تم نے لفظ رسول اللہ لکھا ہے۔ حضرت علیؓ نے انگلی رکھ کر وہ جگہ بتلائی آپ نے خود اپنے دست مبارک سے لفظ رسول اللہ کو مٹایا اور حضرت علیؓ کو محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا۔ تو اس جملہ محمد رسول اللہ میں اثبات رسالت کے ساتھ آپ کی تسلی بھی ہے کہ اگر ان منکرین نے صلح نامہ میں آپ کے نام کے ساتھ لفظ رسول اللہ نہیں لکھنے دیا تو حق تعالیٰ اپنے قرآن میں آپ کے نام کے ساتھ یہ لفظ قیامت تک باقی رہنے کے لئے لکھ دیتے ہیں۔ تو اس قرآنی جملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب بھی بتا دیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد اور احمد لائے گئے ہیں۔ باقی متعدد اسمائے صفات والقاب ہیں۔ آپ کا اسم گرامی محمد جو آپ کا پیدائشی نام تھا۔ قرآن پاک میں چار جگہ آیا ہے۔ ایک چوتھے پارہ سورۂ آل عمران میں دوسرے ۲۲ ویں پارہ سورۂ احزاب میں۔ تیسرے ۲۶ ویں پارہ سورۂ محمد میں اور چوتھے اس سورۂ فتح میں اور دوسرا ذاتی نام احمد صرف ایک جگہ ۲۸ ویں پارہ سورۂ صف میں آیا ہے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے مناسب معلوم ہوا کہ اس جگہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو ناموں کی قدرے مزید تشریح کر دی جائے جو سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحب محدث مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ترجمان السنۃ میں ایک حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو اسمائے اعلام کے متعلق لکھا ہے کہ قاضی عیاضؒ جو مشہور مشائخ طریقت میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک بے نظیر تھی اس طرح آپ کے یہ اسماء یعنی محمد احمد بھی بے مثل تھے۔ آپ سے پہلے کسی کے ذہن میں ان اسماء کا تصور بھی نہ

آیا تھا۔حتیٰ کہ جب آپ کی ولادت کا زمانہ نزدیک آ گیا۔کاہنوں، منجموں اور اہل کتاب نے نام لے کر آپ کی آمد کی بشارتیں دیں تو لوگوں نے اس نبی منتظر کی طمع میں اپنی اولاد کا نام محمد واحمد رکھنا شروع کر دیا۔ جہاں تک تاریخ سے ثابت ہوتا ہے جن کے نام عرب میں آپ سے قبل محمد واحمد رکھے گئے تھے ان کی کل تعداد چھ تک ہے۔ ساتواں کوئی شخص ثابت نہیں ہوتا۔ حافظ ابن قیم اسم محمد کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محمد وہ ہے جس میں بکثرت تعریف کے اوصاف پائے جائیں اور جس کی اتنی تعریف کی جائے جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے اس کو محمد کہتے ہیں اسی لئے تورات میں آپ کا نام محمد ہی ذکر کیا گیا کیونکہ آپ کے اوصاف حمیدہ۔ آپ کی امت اور آپ کے دین کے فضائل و کمالات کا اتنی کثرت سے اس میں ذکر تھا کہ حضرت موسیٰ جیسے اولوالعزم رسول کو بھی آپ کی امت میں ہونے کی آرزو ہونے لگی۔ صلی اللہ علیہ وسلم احمد یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں معنے میں مستعمل ہوسکتا ہے پہلی صورت میں اس کے معنیٰ ہیں ''تمام تعریف کرنے والوں میں اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا''۔ اور دوسری صورت میں اس کے معنیٰ ہیں۔ ''تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تعریف کے قابل اور ثناء کا مستحق' ان دونوں ناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اپنے خلق و خصائل کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ سب سے کامل تعریف آپ کی ہو۔ اس تحقیق کے بعد ان دونوں مفہوموں کے لحاظ سے سطح عالم پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اسماء جتنی حقیقت اور جتنی صداقت کے ساتھ آپ کی ذات مبارک کے ساتھ چسپاں ہیں اتنے کسی اور پر نہیں۔ خالق سے مخلوق تک۔ انبیاء علیہم السلام سے لے کر جن و ملک تک حیوانات سے لے کر جمادات تک غرض ہر ذی روح اور ہر غیر ذی روح سب ہی نے آپ کی تعریفیں کی ہیں اور آج بھی کروڑوں انسانوں کی زبانیں دن میں نہ معلوم کتنی بار آپ کی تعریف کے لئے متحرک رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ کفار میں بھی ایک معقول طبقہ ایسا ہے جو اگرچہ آپ کا دین تسلیم نہیں کرتا مگر آپ کی دیانت و امانت عدل و انصاف صداقت و راست بازی، فراست اور عقلمندی کا ثنا خواں ہے اس لئے اگر آپ ازل سے ابد تک دنیا کی طرف کان لگائیں تو جس کی سب سے زیادہ اور سب سے بہتر تعریف آپ کے کان سنیں گے وہ مبارک ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ہوگی۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حمد کو ہر پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی خصوصیت حاصل ہے۔ اسی بنا پر سورۃ الحمد خاص کر آپ کو ہی مرحمت ہوئی۔ آپ کی ہی امت کا لقب حمادوں یعنی خدا کی بڑی تعریف کرنے والی امت ہے اور محشر میں لواء الحمد یعنی حمد کا جھنڈا بھی آپ ہی کے ہاتھوں میں ہوگا اور آپ ہی کے مخصوص مقام کا نام مقام محمود ہے۔ آپ کی شریعت میں بھی کھانے کے بعد پینے کے بعد دعا کے بعد سفر سے واپسی کے بعد چھینک کے بعد غرض بہت سے مختلف مواضع پر خدا کی حمد سکھائی گئی ان تمام تعریفوں کو بجا طور پر آپ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے کیونکہ مختلف تعریفیں ہر زمانہ میں بے شمار انسانوں کی زبانوں سے جو ہوتی ہیں وہ درحقیقت آپ ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہیں۔ اس کے بعد غور کیجئے کہ جتنی خدا کی تعریف فضاء عالم میں آپ کے ذریعہ سے گونجی کیا کبھی کسی اور کے ذریعہ سے گونجی ہے اور اسی کے ساتھ جتنی کثرت کے ساتھ خدا کی غیر متناہی مخلوق نے آپ کی تعریفیں کیں اتنی کسی اور شخصیت کی کی ہیں؟ پس ہر اعتبار سے حمد کی جتنی خصوصیت آپ کی ذات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے اتنی کسی اور ذات کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے احمد و محمد نام پانے کے لئے بھی آپ ہی کی ذات منتخب ہونی چاہئے اس لئے آپ سے پہلے بھی جس نے یہ نام رکھا آپ کی اتباع میں رکھا اور بعد میں جس نے اس نام کو اختیار کیا آپ ہی کے اتباع میں کیا۔ **اللّٰھم صل وسلم وبارک علیہ** شیخ اکبرؒ ایک عجیب اور نکتہ لکھ گئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حمد ہمیشہ آخر میں ہوتی ہے جب کھا پی کر فارغ ہو لیتے ہیں تو خدا کی حمد کرتے ہیں جب سفر ختم کر کے گھر واپس آتے ہیں تو خدا کی حمد کرتے ہیں اسی طرح جب دنیا کا طویل و عریض سفر ختم کر کے جنت میں داخل ہوں گے تو خدا کی حمد کریں گے اور کہیں گے **واخر دعونآ ان الحمد للہ رب العٰلمین** اس دستور کے موافق مناسب ہے کہ جب سلسلہ رسالت ختم ہو تو یہاں بھی آخر میں خدا کی حمد ہو اس لئے جو نبی سب سے آخر میں آئے ان کا نام محمد رکھا گیا ہے۔

بے شک جو ذات پاک کہ حسن وخوبی کی تمام رعنائیوں اور زیبائشوں کا مجموعہ ہو اس کے اسماء بھی حسن وخوبی کا مجموعہ ہونے چاہئیں۔

الغرض اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک بھی اپنے معانی کے لحاظ سے مختلف خوبیوں کا مرقع اور بہتیرے فضائل کا خلاصہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم اب یہاں کچھ اس نام محمد یا احمد رکھنے کی عام فضیلت بھی سن لیجئے۔ رفاہ المسلمین فی شرح مسائل اربعین میں حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب دہلویؒ جو نواسے اور جانشین تھے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے وہ ایک سوال کے جواب میں کہ جب فرزند تولد ہو تو اس لڑکے کا نام محمد یا احمد رکھنا کیسا ہے اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ لڑکے کا نام محمد یا احمد رکھنا مستحب ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکوں کا نام میرے نام پر رکھو اور سنن ابی داؤد میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکوں نام پیغمبروں کے نام پر رکھا کرو اور طبرانی نے جامع کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص کے تین لڑکے ہوں پھر اس نے ان میں سے ایک کا نام بھی محمد نہ رکھا تو بڑی نادانی کی یعنی بسبب اپنی نادانی کے ایسی بڑی نعمت و برکت سے محروم رہا۔ مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبداللہ اور عبدالرحمٰن سب ناموں سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ سب ناموں میں بہتر وہ نام ہے جو مشتق حمد سے ہو۔ جیسے محمد، احمد، حامد، محمود وغیرہ اور وہ نام جو منسوب بعبدیت ہو۔ جیسے عبداللہ، عبدالرحمٰن، اور عبدالرحیم، عبدالکریم وغیرہ مگر ہم اپنی دینی بدحالی کے کس کس پہلو کو روئیں۔ اگرچہ عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم وغیرہ بہترین ناموں میں سے ہیں مگر اب دین کی کمی اور ادب کی قلت کی وجہ سے علماء ان ناموں کو رکھنے سے منع کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی بے ادبی ہوتی ہے چنانچہ اب انگریزی دانوں میں فیشن ہو گیا ہے کہ عبدالرحمٰن کو اے رحمٰن A. RAHMAN لکھتے ہیں اور اپنے دکانوں کے نام رحمٰن اینڈ کو RAHMAN&Co یا رحمٰن اینڈ سنز RAHMAN&Sons یا رحمٰن برادرس RAHMAN BROS رکھتے ہیں یہ بالکل ناجائز اور گناہ ہے۔ احیاء العلوم میں امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جس لڑکے کا نام محمد رکھو تو اس کی تعظیم کیا کرو اور اخبار و روایات میں وارد ہے کہ جس شخص کا نام محمد ہو گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اس کی شفاعت فرما کر بہشت میں لاویں گے اور اشرف الوسائل شرح الشمائل میں لکھا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ اپنی اولاد کا نام قصداً و تاکیداً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں سے رکھے اس واسطے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے رسول قسم کھاتا ہوں میں اپنی عزت اور جلال کی کہ جس شخص کا نام تیرے نام سے موسوم ہو گا میں اس کو ہرگز آتش دوزخ سے عذاب نہ دوں گا اور ایک روایت میں یوں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر عہد کر لیا ہے کہ جس کسی کا نام محمد یا احمد ہو گا میں اس کو ہرگز دوزخ میں نہ ڈالوں گا۔ سبحان اللہ۔ پاک ہے وہ ذات اللہ جس نے اپنے نبی کا ایسا پاک نام رکھا اور پاکیزہ ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے نوازا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

دعا کیجئے

اے اللہ ہم بھی لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی اور شہادت دیتے ہیں اے اللہ آپ ہماری اس گواہی لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو قبول فرما کر اس شہادت کو ہماری مغفرت ونجات کا ذریعہ بنا دیجئے اور ہمیں اس کلمہ کے مطالبہ اور حقوق کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما دیجئے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ

اور جولوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں

اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ

اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ اُن کے اوصاف توریت میں ہیں، اور انجیل میں اُن کا

فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

یہ وصف ہے، کہ جیسے کھیتی کہ اُس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگے،

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾

تاکہ ان سے کافروں کو جلاوے، اللہ تعالیٰ نے اُن صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں، مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

وَالَّذِينَ اور جولوگ	مَعَهُ ان کے ساتھ	أَشِدَّاءُ بڑے سخت	عَلَى الْكُفَّارِ کافروں پر	رُحَمَاءُ رحم دل	بَيْنَهُمْ آپس میں	تَرَاهُمْ تو انہیں دیکھے گا
رُكَّعًا رکوع کرتے	سُجَّدًا سجدہ ریز ہوتے	يَبْتَغُونَ وہ تلاش کرتے ہیں	فَضْلًا فضل	مِنَ اللَّهِ اللہ سے۔کا	وَرِضْوَانًا اور رضامندی	
سِيمَاهُمْ ان کی علامت	فِي وُجُوهِهِمْ ان کے چہروں میں۔پر	مِنْ سے	أَثَرِ السُّجُودِ سجدوں کا اثر	ذَٰلِكَ یہ	مَثَلُهُمْ انکی مثال (صفت)	
فِي التَّوْرَاةِ توریت میں	وَمَثَلُهُمْ اوران کی مثال (صفت)	فِي الْإِنْجِيلِ انجیل میں	كَزَرْعٍ جیسے ایک کھیتی	أَخْرَجَ اس نے نکالی	شَطْأَهُ اپنی سوئی	
فَآزَرَهُ پھر اسے قوی کیا	فَاسْتَغْلَظَ پھر وہ موٹی ہوئی	فَاسْتَوَىٰ پھر وہ کھڑی ہوگئی	عَلَىٰ سُوقِهِ اپنی جڑ (نال) پر	يُعْجِبُ وہ بھلی لگتی ہے	الزُّرَّاعَ کسان (جمع)	
لِيَغِيظَ تاکہ غصہ میں لائے	بِهِمُ ان سے	الْكُفَّارَ کافروں	وَعَدَ اللَّهُ وعدہ کیا اللہ نے	الَّذِينَ ان سے جو	آمَنُوا ایمان لائے	
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اورانہوں نے اعمال کئے اچھے	مِنْهُمْ ان میں سے	مَغْفِرَةً مغفرت	وَأَجْرًا اوراجر	عَظِيمًا عظیم		

تفسیر وتشریح: یہ اس سورۂ فتح کی آخری آیت ہے۔ گذشتہ درس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہو چکا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات فرمایا گیا تھا۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برحق رسول ہیں۔ اب اس کے آگے آیت میں آپ کے صحابہ کرام کی صفت وثنا بیان فرمائی جاتی ہے یہ گذشتہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ یہ سورۃ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی اور صلح حدیبیہ بظاہر صحابہ کرام کی نظر میں مغلوبانہ صلح تھی جس سے ان حضرات کے دل بے چین ہو گئے تھے لہذا اس پوری سورۃ میں شروع سے آخر تک عجیب عجیب طریقہ سے صحابہ کرام کی دلداری اور دلدہی فرمائی گئی ہے کہیں فتح ونصرت کے وعدے دیئے گئے کہیں دشمنوں کو ان کے ہاتھوں ذلیل کرنے کی خوشخبری سنائی گئی کہیں جنہوں نے سفر حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر نہ کیا تھا ان کو تہدید وتنبیہ کی گئی۔ اور جنہوں نے بیعت رضوان میں شرکت فرمائی ان کو حق تعالیٰ کی رضامندی کی بشارت سنائی گئی پھر کہیں اس موقع پر جنگ نہ ہونے اور صلح ہو جانے کی مصلحت وحکمت بیان فرمائی گئی کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تصدیق فرما کر صحابہ کرام کے قلوب کو تسکین عنایت کی گئی۔ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر آپ کی صفت رسالت کو ظاہر فرمایا تھا اور اس کے بعد اس آخری آیت میں صحابہ کرامؓ کے فضائل بیان فرمائے جاتے ہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سورۃ کے شان نزول سے ظاہر ہے کہ یہ فضائل جو یہاں بیان

فرمائے گئے ہیں ان صحابہ کرامؓ کے ہیں جو سفر حدیبیہ میں آپ کے ہمراہ تھے جن میں خلفائے اربعہ بھی شامل ہیں۔ تو یہاں صحابہ کرامؓ کے چار صفات ومضامین اس آیت میں بیان فرمائے گئے:۔

پہلی صفت بیان فرمائی گئی اشدآء علی الکفار یعنی خدا کے دشمنوں کفار ومشرکین پر سخت ہیں جس سے کافروں پر رعب پڑتا ہے اور کفر سے نفرت و بیزاری کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ کفار کے مقابلہ میں ڈھیلے نہیں پڑتے اور کسی طرح پر ان سے مرعوب نہیں ہوتے بغض فی اللہ کے یہی معنیٰ ہیں۔ اشدآء علی الکفار سے مراد یہ نہیں ہے کہ کافروں پر ظلم کرتے ہیں بلکہ شدت سے مراد یہی ہے کہ کفار کو مرعوب ومقہور رکھتے ہیں۔

دوسری صفت بیان فرمائی رحمآء بینھم یعنی آپس میں مسلمانوں کے ساتھ مہربان ہیں۔ یعنی ان کا برتاؤ اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ شفقت محبت و ہمدردی کا رہتا ہے اور حب فی اللہ کے یہی معنیٰ ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص اپنی محبت اور بغض وعداوت دونوں کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ دونوں صفات اور خصوصیات ہر مسلمان سے مطلوب ہیں اور ہر مسلمان میں یہ صفات ہونا چاہئیں لیکن اب اس دور کے مسلمان اس آیت کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ کر اپنے حال پر غور کریں کہ کفر و بے دینی کے مقابلہ میں کتنی سختی اور ایمان اور مسلمانوں کے معاملہ میں کتنی نرمی شفقت و ہمدردی ہم میں پائی جاتی ہے۔ اب تو یہ حال ہے الا ماشآء اللہ کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا مخالف اور وہ بھی محض دنیا کے لئے تو ایک دوسرے کے ساتھ نرمی شفقت اور ہمدردی تواضع اور انکساری کا تو کیا ذکر بلکہ ایک دوسرے کی جان مال عزت آبرو ہر چیز کو مٹانے کے درپے ہو جاتا ہے اور بے دینوں کفار ومشرکین اور اعدائے اسلام جن کے مقابلہ میں سختی ہونا چاہئے ان سے دبتے ہیں اور مرعوب ہیں اور ان کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ آپس کی محبت اور نرم دلی میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ اگر کسی ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ملا کر بتائیں۔

الغرض یہ دو صفات صحابہ کرامؓ کی جو اوپر بیان ہوئیں یہ تو ان کے معاملات بنی نوع انسان کے ساتھ جو تھے اس کے متعلق بیان ہوئیں۔ اب آگے ان کے وہ معاملات جو اپنے خدا کے ساتھ تھے وہ بیان فرمائے جاتے ہیں۔

چنانچہ تیسری صفت یہ بیان فرمائی جاتی ہے کہ وہ ہر وقت عبادت الٰہی میں لگے رہتے ہیں یعنی نمازیں کثرت سے پڑھتے ہیں۔ جب دیکھو رکوع و سجود میں پڑے ہوئے اللہ کے سامنے نہایت اخلاص کے ساتھ وظیفۂ عبودیت ادا کر رہے ہیں اور پھر ریا اور نمود کا شائبہ نہیں بس اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش ہے۔ یہ صحابہ کرامؓ کے کمال اخلاص کا بیان ہے کہ ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا اور وہ بڑے عبادت گزار اور باخدا لوگ تھے۔ علما نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام کو بری باتوں سے متصف کرنا اور ان میں سے کسی کے متعلق بدزبانی یا بدگمانی کرنا یہ بڑی خباثت اور بدباطنی کی بات ہے اور اس آیت کی مخالفت کرنی ہے۔

احادیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملے میں۔ میرے بعد ان کو طعن وتشنیع کا نشانہ مت بناؤ کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کا قصد کرے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا (معارف القرآن جلد ۸)

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی سی محبت ہم کو نصیب فرمائے اور ان کے نقش قدم پہ چلنا نصیب فرمائے آمین۔

آگے صحابہ کرام کی چوتھی صفت بیان فرمائی گئی کہ ان کی بزرگی اور نیکی کے آثار وانوار ان کے چہروں سے ظاہر ہیں۔ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے گویا خشیت وخشوع اور حسن نیت واخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کررہی ہیں۔

اس کے بعد آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان برگزیدہ بندوں یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل توریت اور انجیل میں بیان کئے تھے۔مقصود یہ کہ یہ لوگ آج سے ہمارے محبوب نہیں ہوئے بلکہ روز ازل سے ہمارے منظور نظر ہیں۔ہم ان کے دنیا میں آنے سے صدیوں پہلے توریت وانجیل میں ان کا تذکرہ کر چکے ہیں اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی شان پہلی کتابوں میں بھی بیان ہو چکی ہیں پھر صحابہ کرام کے بتدریج ترقی کرنے کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی۔کھیتی کی چار حالتیں بیان کی گئیں:۔

پہلی حالت دانہ سے پھوٹ کر کھونٹی کا نکلنا۔یہ حالت آغاز وجود کی ہےاور نہایت کمزوری حالت ہے۔یہی حالت صحابہ کرام کی قبل ہجرت تھی۔

دوسری حالت کہ وہ کھونٹی جو نکلی تھی یا ڈنٹھل جو چھوٹا تھا اس کا مضبوط ہونا جس سے امید پیدا ہوتی ہے کہ یہ کونپل جو پھوٹی ہے ضائع نہ ہوگی بلکہ درخت بنے گا۔یہ حالت بعد ہجرت پیدا ہوئی۔ ہجرت کرنے سے ظالموں کے ظلم سے رہائی ملی اور آئندہ امیدوں کے اسباب پیدا ہوئے۔

تیسری حالت کھیتی کے پودوں کا موٹا ہو جانا ہے یہ حالت حضرات شیخینؓ کی خلافت میں حاصل ہوئی کہ کسریٰ اور قیصر کی سلطنتیں اور بڑے بڑے ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔

چوتھی حالت اس کھیتی کے پودوں کا اپنے تنوں پر سیدھا کھڑا ہو جانا ہےاور یہ انتہائی کمال کی حالت ہے جو حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت میں حاصل ہوا کہ اطراف وجوانب کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر بھی اسلام کا قبضہ ہو گیا اور ہر جگہ باقاعدہ معلم وقاضی مقرر ہو گئے۔غرض کہ کوئی حالت منتظرہ کمال کی باقی نہ رہی تو اس کھیتی کی مثال بیان فرمانے سے دو باتیں ظاہر ہوئیں۔

اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ترقی بتدریج ہوگی۔

دوسرے یہ کہ ترقی انتہائے کمال تک پہنچنے کے بغیر نہ رکے گی۔

چنانچہ الحمدللہ ایسا ہی ہوا۔اس مثال کے بعد فرمایا کہ کسان اپنی کھیتی کو اس طرح ترقی کرتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتا ہے تو اسی طرح خدا اور رسول جو اس دین اسلام کی کھیتی کے بونے والے ہیں وہ اپنی اس کھیتی کو سرسبز دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور اس اسلامی کھیتی کی یہ بہار رونق اور تازگی دیکھ کر کافروں اور بدخواہوں کے دل غیظ وحسد سے جلتے ہیں۔یہ ترقی چونکہ دنیاوی ترقی تھی اس لئے ضروری ہوا کہ صحابہ کرام کے اخروی انعامات بھی بیان فرما دیئے جائیں لہٰذا ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے دو چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے:۔

ایک مغفرت کا یعنی اگر ان سے کوئی خطا سرزد ہو جائے گی تو وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دیں گے۔

دوسرے اجر عظیم کا کہ آخرت میں بڑے بلند مراتب عطا ہوں گے۔

اسی مغفرت واجر عظیم کی بشارت پر سورۃ کو ختم فرمایا۔الحمدللہ سورۂ فتح کا بیان اس درس پر ختم ہوا۔اس کے بعد انشاءاللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

یااللہ دین اسلام کی کھیتی کو پھر از سر نو سرسبز شاداب فرما دیجئے اور بے دینی کی فضاؤں کو ختم فرما دیجئے۔یااللہ صحابہ کرام کے طفیل میں ہم کو آخرت میں اپنی مغفرت اور اجرِ عظیم نصیب فرما دیجئے۔یااللہ اپنے دین برحق کو آپ ہی سنبھالیں اور اس کو اجاگر کرنے کی صورتیں غیب سے ظاہر فرمائیں۔آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

6

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيْ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

اے ایمان والو، اللہ اور رسول سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جولوگ ایمان لائے (مومن)	لَا تُقَدِّمُوْا نہ آگے بڑھوتم	بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ اللہ کے سامنے۔آگے	وَرَسُوْلِهٖ اوراس کا رسول	
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اورڈرواللہ سے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	سَمِيْعٌ سننے والا	عَلِيْمٌ جاننے والا		

تفسیر وتشریح: الحمدللہ اب ۲۶ ویں پارہ کی سورۂ حجرات کا بیان شروع ہورہا ہے۔اس وقت اس سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت کی تشریح کی جائے گی جس سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ مقام وزمانہ نزول خلاصۂ مضامین تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔اس سورۃ کے پہلے رکوع کی چوتھی آیت میں لفظ حجرات استعمال ہوا ہے جوحجرہ کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں وہ بند جگہ جوسونے والے کی حفاظت کرے اور کسی کو باہر سے نہ گھسنے دے۔یعنی کوٹھڑی خلوت خانہ' پردہ کا مکان' یہاں حجرات سے مراد ازواج مطہرات کے مکانات ہیں۔چونکہ آگے اس سورۃ میں ایک ادب سکھلایا گیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ یعنی مکان کے اندر تشریف فرما ہوں۔تو حجرہ کے باہر سے آپ کو پکارا نہ جائے کہ یہ گستاخانہ انداز ہے بلکہ صبر کے ساتھ باہر انتظار کیا جائے۔جب آپ حجرہ سے باہر تشریف لائیں تو اس وقت ملاقات کی جائے۔اسی بناء پر نشان کے طور پر اس سورۃ کا نام حجرات مقرر ہوا یہ سورۃ مدنی ہے اور مدینہ منورہ میں ہجرت کے نویں سال نازل ہوئی۔موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۴۹ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۱۱۲ لکھا ہے۔یعنی ۱۱۱ سورتیں اس سے قبل نازل ہوچکی تھیں اور صرف دوسورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔اس سورۃ میں ۱۸ آیات ۲ رکوعات ۳۵۰ کلمات ۱۵۷۳ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

ہجرت کے نویں سال عرب کے قبائل جوق در جوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کا اعلان کیا اس لئے ان کو اور دوسرے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وعزت کے احکام اور آپس کے میل جول کے ادب وقاعدے اور اصلاح معاشرت اور حسن معاشرت کے اہم احکام بتلائے گئے گویا یہ سورۃ اسلامی تہذیب وتمدن کا گہوارہ ہے اس سورۃ میں سب سے پہلے خوف خدا کی تاکید فرمائی گئی اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وادب سکھلایا گیا اور ہدایت کی گئی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی رائے مت چلاؤ۔تمہاری اپنی رائے اللہ ورسول کے حکم کے آگے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہیں سرجھکا کر سنو اور خلوص کے ساتھ اس پر عمل کرو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے مت بولو۔اندر حجرہ میں تشریف رکھتے ہوں تو پکار کر مت بلاؤ بلکہ صبر سے انتظار کرو۔جب آپ خود باہر تشریف لائیں تو ادب کے ساتھ آپ سے ملاقات کرو۔ہرکسی کی بات سن کر بے تحقیق مت مان لیا کرو تاکہ بیکار الجھنوں اور بعد کی پشیمانی سے بچے رہو۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی تعلیم دی گئی کہ جب تمہارے اندر اللہ کے رسول موجود ہیں تو تمہیں آپ کی قدر ومنزلت پہنچانی چاہئے اور یادرکھو کہ ایمان والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی کو کسی پر زیادتی نہ کرنا چاہئے اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں آپس میں اختلاف ہوجائے تو ان کے آپس میں صلح کرادو اور اگر کوئی مصالحت پر آمادہ نہ ہو تو جو زیادتی کرے اس سے لڑکر اس کو سیدھا کردو اور دیکھو آپس میں بدمزگی تلخی اور جھگڑے ذرا ذرا سی باتوں سے پیدا ہوسکتے ہیں مثلاً کسی سے تمسخر کرنا کسی کو برے نام اور

برے القاب سے پکارنا۔ کسی کے عیب ظاہر کرنا پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرنا غیبت کرنا چغلی کھانا کسی کی طرف سے بدگمانی کرنا کسی کے کچے چھپے اور بھید معلوم کرنے کی کوشش کرنا یہ سب بری باتیں ہیں۔ ان سب سے بچو تمام انسان حضرت آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔ ذات پات، خاندان، قوم، کنبہ برادری یہ محض ایک دوسرے کی شناخت کے لئے ہیں ایک دوسرے پر بڑائی اور فوقیت جتانے کے لئے نہیں۔ سب اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے نزدیک زیادہ مرتبہ والا وہی شخص ہوگا جو اس سے زیادہ ڈرے گا اور اس کے ڈر سے تمام گناہوں اور بری باتوں سے بچے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے حتیٰ کہ وہ تمہارے دلوں تک کی باتوں سے واقف ہے۔ جس نے کفر و شرک سے تائب ہو کر کلمہ پڑھ لیا وہ مسلمان ہے اب اسے چاہئے کہ اسلام کے مقرر کئے ہوئے طریقہ پر چلے۔ نیک کام کرے برے کاموں سے بچے تاکہ اس کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا ہو۔ اسلام میں داخل ہو کر کسی پر اپنا احسان مت جتاؤ۔ ایمان کی دولت تو ایک احسان خداوندی ہے اور اللہ کی نعمت ہے اور یہ مت سمجھو کہ جیسے انسان کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے اسی طرح اللہ کو بھی دھوکہ دے لو گے۔ اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں وہ آسمان اور زمین کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔ خوب سمجھ لو کہ وہ تمہارے سب کام دیکھ رہا ہے۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا۔ جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں سامنے آئیں گی۔

اب اس آیت کی تشریح ملاحظہ ہو۔ اس سورۃ کی ابتدا ہی سے ایمان والوں کو خطاب کر کے آداب و احکام کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسلام میں سب سے اول اور اہم مسئلہ اللہ و رسول کی تعظیم و عظمت کا ہے کیونکہ حب اللہ اور رسول کی عظمت و عزت دل میں ہوگی تو ان کے احکام کی تعمیل بھی ہوگی۔ اس آیت میں سب سے پہلا حکم ایمان والوں کو یہ دیا جاتا ہے کہ جس معاملہ میں اللہ و رسول کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہو۔ اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو بلکہ حکم الٰہی کا انتظار کرو اور جس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ ارشاد فرمائیں خاموشی سے کان لگا کر سنو۔ آپ کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جرات نہ کرو جو حکم ادھر سے ملے اس پر بے چون و چرا اور بلا پس و پیش عامل بن جاؤ۔ اپنی غرض اور رائے کو آپ کے احکام پر مقدم نہ رکھو بلکہ اپنی خواہشات و جذبات کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع بناؤ۔ یہ تو ہے اس قرآنی آیت کا مفہوم اور اسی کے مطابق ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس یعنی اس کی خواہشات اور نفسی میلانات میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائیں۔ پس قرآن کریم کی اس آیت کا تقاضا اور مطالبہ بھی یہی ہے جو اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہو سکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہو سکتی ہیں جب کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر احکام الٰہیہ اور ہدایات و ارشادات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع و ماتحت ہو جائیں۔ تجربہ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمانوں میں آپس میں بیشتر نزاعات و مناقشات خود رائی اور غرض پرستی ہی کے ماتحت وقوع پذیر ہوتے ہیں جس کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان اپنی شخصی رایوں اور غرضوں کو کسی ایک بلند معیار کے تابع کر دیں اور ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد سے بلند کوئی معیار مومن کے لئے نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا کرنے میں ہو سکتا ہے کہ وقتی اور عارضی طور پر کسی تکلیف یا نقصان کو اٹھانا پڑے لیکن اس کا آخری انجام یقینی طور پر دین دنیا کی سرخروئی اور کامیابی ہے اور اسی سے اس کی ضد کو بھی سمجھ لیا جائے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات وارشادات چھوڑ کر دوسری باتوں میں خواہ وقتی اور عارضی کیسی ہی دلربائی نظر آتی ہو لیکن اس کا آخری انجام مسلمان کے لئے یقینی طور پر دین دنیا کے خسارہ اور نقصان کے علاوہ ہرگز کچھ نہیں۔ تو گویا پہلا حکم یہاں اہل ایمان کو آیت میں یہ دیا گیا ہے کہ اللہ اور رسول سے کسی معاملہ میں پیش قدمی نہ کی جائے بلکہ سچی فرمانبرداری اور تعظیم اختیار کی جائے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ اور رسول کی سچی فرمانبرداری اور تعظیم اس وقت میسر ہو سکتی ہے جب خدا کا خوف دل میں ہو۔ اگر دل میں خوف خداوندی نہیں تو بظاہر دعوئے اسلام کو نباہنے کے لئے اللہ و رسول کا نام بار بار زبان پر لائے گا اور بظاہر اللہ و رسول

کے احکام کو سامنے رکھے گا لیکن فی الحقیقت اپنی اندرونی خواہشات و اغراض کی تحصیل کے لئے ایک حیلہ اور آلہ کار بنائے گا۔ اس لئے آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ یاد رہے کہ جو زبان پر ہے اللہ تعالیٰ اسے سنتا ہے اور جو دل میں ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے پھر اس کے سامنے یہ فریب کہ ظاہر کچھ اور باطن کچھ کیسے چل سکے گا اس لئے آدمی کو چاہئے کہ حق تعالیٰ سے سچا خوف وڈر دل میں رکھ کر کام کرے۔

الغرض اس سورۃ میں یہ پہلا حکم ایمان والوں کے لئے بیان ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پہلے تم کسی قول یا فعل میں سبقت مت کیا کرو اور اس آیت کے تحت بعض علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ علمائے دین اور مشائخ دین کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ وارث انبیاء ہیں اور دلیل میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ کسی موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابودرداءؓ جو ایک صحابی ہیں وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے آگے چل رہے ہیں تو یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابودرداءؓ کو تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا وآخرت میں تم سے بہتر ہے اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع وغروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد ابوبکر سے بہتر وافضل ہو۔ (ماخذ معارف القرآن جلد ۸) اسی لئے علماء نے فرمایا کہ اپنے استاد اور مرشد کے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس ادب پر عمل پیرا ہونے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائیں۔

یہ تو تھا اس ابتدائی آیت میں پہلا حکم۔ اب آگے دوسرا اور تیسرا حکم اگلی آیات میں ارشاد فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنے اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی سچی توقیر واحترام عطا فرمائیں۔ تاکہ ہر معاملہ میں ہم کو قرآن اور سنت کی ہدایت کا اتباع نصیب ہو۔

یا اللہ! ہمارے دلوں میں اپنی اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور پکی محبت وعظمت وعزت اتار دے اور ہمارے لئے اپنے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر چلنا آسان فرمادے کہ اسی میں ہماری دین ودنیا کی بہتری اور بھلائی ہے۔

یا اللہ! ہمیں علمائے ربانی وحقانی کے ادب واحترام کی توفیق نصیب فرما کہ جن کے واسطے ہم کو قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حاصل ہوا۔ یا اللہ! ہمارے دلوں میں اپنا وہ خوف وخشیت عطا فرما کہ ہم آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے باز آجائیں اور آپ کے اطاعت گذار اور فرمانبردار بندے بن کر زندہ رہیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ

اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبرؐ کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ اُن سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں

بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝٢ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ

ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو، کبھی تمہارے اعمال برباد ہوجائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو، بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٣

رسُول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خاص کر دیا ہے، ان لوگوں کیلئے مغفرت اوراجر عظیم ہے۔

یٰٓاَیُّهَا اے	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مومنو	لَا تَرْفَعُوْٓا نہ اونچی کرو	اَصْوَاتَكُمْ اپنی آوازیں	فَوْقَ اوپر۔پر	صَوْتِ النَّبِیِّ نبی کی آواز	وَلَا تَجْهَرُوْا اور نہ زور سے بولو
لَهٗ اس کے سامنے	بِالْقَوْلِ گفتگو میں	كَجَهْرِ جیسے بلند آواز	بَعْضِكُمْ تمہارے بعض (ایک)	لِبَعْضٍ بعض (دوسرے) سے	اَنْ کہیں	
تَحْبَطَ اکارت ہوجائیں	اَعْمَالُكُمْ تمہارے عمل	وَاَنْتُمْ اور تم	لَا تَشْعُرُوْنَ نہ جانتے (خبر بھی نہ ہو)	اِنَّ بیشک	الَّذِیْنَ جو لوگ	
یَغُضُّوْنَ پست رکھتے ہیں	اَصْوَاتَهُمْ اپنی آوازیں	عِنْدَ نزدیک	رَسُوْلِ اللّٰهِ اللہ کا رسول	اُولٰٓئِكَ یہ وہ لوگ	الَّذِیْنَ جو۔جن	امْتَحَنَ آزمایا ہے
اللّٰهُ اللہ	قُلُوْبَهُمْ ان کے دل	لِلتَّقْوٰى پرہیزگاری کیلئے	لَهُمْ ان کیلئے	مَغْفِرَةٌ مغفرت	وَاَجْرٌ اوراجر	عَظِیْمٌ عظیم

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیت میں سب سے پہلا حکم جو مسلمانوں کوخطاب کرکے ارشادفرمایا گیا وہ یہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کے سامنے اپنی رائے مت چلاؤ اور کسی قول یا فعل میں اللہ اور رسول کی اجازت سے پہلے سبقت مت کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو وہ تمہاری ساری باتیں سنتا اور تمہاری ساری حالتیں جانتا ہے اب آگے دوسرا و تیسرا حکم ان آیات میں دیا جاتا ہے اور اہل ایمان کو مخاطب کرکے فرمایا جاتا ہے کہ اپنی آوازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کیا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نہ شوروشغب کیا جائے اور نہ چیخ کر بات کی جائے اور جیسے آپس میں بے تکلفی سے بات چیت کرتے ہو اس طرح آپ سے بات چیت نہ کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلاف ادب ہے۔ آپ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے تعظیم واحترام کے لہجہ میں ادب وشائستگی کے ساتھ۔ آپ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہئے ایسا نہ ہو کہ تمہارا اونچا بولنا آپ کو ناگوار خاطر ہو اور آپ کو تکدر و اذیت پیش آئے اگر ایسا ہوا تو تم کہیں کے نہ رہو گے اور تمہارا سارا کیا کرایا اکارت ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں۔ تو بلند آوازی اور بے تکلفی سے حضورؐ سے گفتگو کرنے سے منع فرمایا گیا اور یہ اس لئے کہ کہیں کسی وقت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور ایذا کا باعث نہ ہو جائے۔ اور آپ کو ایذا دہی موجب حبط عمل ہے تو ایسا کرنے سے خدشہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ تمام اعمال حبط کرلے اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہ چلے علاوہ مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے یوں بھی زبان سے بات نکالنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص اللہ کی رضامندی کا کوئی کلمہ ایسا کہہ گزرتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کلمہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کو وہ اتنا پسند آتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ جنتی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی انسان خدا کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن خدا تعالیٰ اسے اس کلمہ کی وجہ سے جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں پہنچا دیتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) تو ان آیات میں اللہ رب العزت نے جو آداب نبوت تعلیم فرمائے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان آداب کی درجہ کمال میں تعمیل فرمائی صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا ادب کرتے تھے کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے تھے۔ سامنے مجلس نبوی میں بیٹھتے تو معلوم ہوتا کہ ان کے سروں

پہ پرندہ بیٹھے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو خاموشی چھا جاتی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو محبت اور ادب میں صحابہ وضو کا پانی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے اور اپنے چہرہ اور بدنوں پر مل لیتے ۔

جب یہ آیات نازل ہوئی ہیں تو جن صحابہ کرام کی آواز قدرۃً بلند تھی وہ بہت گھبرائے اور پریشان خاطر ہوئے کہ کہیں بلند آوازی سے گفتگو کرنے پر اعمال حبط ہو جانے کی وعید کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسا کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو اور حضرت عمرؓ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا اور تفسیر ابن جریر میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضرت ثابت بن قیسؓ راستہ ہی میں بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ حضرت عاصم بن عدیؓ جب وہاں سے گزرے اور انہیں روتے دیکھا تو سبب دریافت کیا۔ جواب ملا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل نہ ہوئی ہو۔ میری آواز بلند ہے۔ حضرت عاصمؓ یہ سن کر چلے گئے اور حضرت ثابتؓ کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ گھر گئے اور اپنی بیوی صاحبہ سے کہا کہ میں اپنے گھوڑے کے طویلہ میں جا رہا ہوں تم اس کا دروازہ باہر سے بند کر کے لوہے کی کیل سے اسے جڑ دو۔ خدا کی قسم میں اس میں سے نہ نکلوں گا۔ یہاں تک کہ یا تو مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مجھ سے رضامند کر دے۔ یہاں تو یہ ہوا وہاں جب دربار رسالت میں حضرت عاصمؓ نے حضرت ثابتؓ کی یہ حالت بیان کی تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم جاؤ اور ثابت کو میرے پاس بلا لاؤ لیکن حضرت عاصم اس جگہ آئے جہاں حضرت ثابت بیٹھے رو رہے تھے تو ان کو نہ پایا مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ گھوڑے کے طویلے میں ہیں۔ یہاں آکر کہا کہ ثابت چلو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔ حضرت ثابت نے کہا کہ بہت اچھا۔ کیل نکال ڈالو اور دروازہ کھول دو۔ پھر باہر نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے رونے کی وجہ پوچھی جس کا سچا جواب حضرت ثابت نے عرض کیا۔ آپ نے سن کر فرمایا کہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم قابل تعریف زندگی جیو اور شہید ہو کر مرو اور جنت میں جاؤ۔ اس پر حضرت ثابتؓ کا سارا رنج کافور ہو گیا اور خوش ہو گئے اور فرمانے لگے یارسول اللہ میں اللہ تعالیٰ کی اور آپ کی اس بشارت پر بہت خوش ہوں اور اب آئندہ کبھی بھی اپنی آواز آپ کی آواز سے اونچی نہ کروں گا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحیح

بخاری میں یہ روایت اس طرح ہے کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کئی دن تک حضورؐ کی مجلس میں نظر نہ آئے اور ایک روایت (مسند احمد) میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے دریافت فرمایا تھا کہ ثابت کہاں ہیں نظر نہیں آتے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ میں ان کی بابت معلوم کر کے بتلاؤں گا۔ وہ حضرت ثابت کے مکان پر آئے۔ دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھے ہوئے ہیں پوچھا کیا حال ہے جواب ملا کہ برا حال ہے۔ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کرتا تھا۔ میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں تو جہنمی ہو گیا۔ یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے اور سارا واقعہ آپ سے کہہ سنایا تو حضورؐ کے فرمان سے ایک زبردست بشارت لے کر دوبارہ حضرت ثابت کے ہاں گئے حضورؐ نے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان سے کہو کہ تم جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہو۔ ایک روایت میں ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے بعد ہم انہیں زندہ چلتے پھرتے دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ اہل جنت ہیں۔ یمامہ کی جنگ میں دشمنوں سے لڑتے ہوئے حضرت ثابت بن قیسؓ شہید ہوئے تھے۔ مقصود ان روایات کے سنانے سے یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا سی بھی ناراضگی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ پھر جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں آپ کے سامنے یا آپ کی مجلس میں بلند آواز سے بولنا ممنوع تھا۔ علما نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی قبر شریف کے پاس بھی بلند آواز سے بولنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنی حیات مبارکہ میں قابل احترام وعزت تھے اسی طرح اب بھی آپ اپنی قبر شریف میں بھی باعزت اور قابل احترام ہی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم روایات میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے دو شخصوں کی کچھ بلند آوازیں مسجد نبوی میں سن کر وہاں آکر ان سے دریافت فرمایا تمہیں معلوم بھی ہے کہ تم کہاں ہو؟ پھر ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ طائف کے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مدینہ کے ہوتے تو میں تمہیں بری سزا دیتا۔ الغرض ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کو آداب نبوت تعلیم فرمائے۔ آگے ان آداب کی بجا آوری کی رغبت میں فرمایا کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تواضع اور ادب اور تعظیم وتکریم سے بولتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے سامنے اپنی آواز پست اور دھیمی رکھتے ہیں یہ وہ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے خالص تقویٰ وطہارت کے

واسطے تیار کردیا ہے اور اس اخلاص اور حق شناسی کی برکت سے پچھلی کوتاہیاں معاف ہوں گی اور بڑا بھاری اجر وثواب ملے گا۔

ان آیات سے متعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نکتہ لکھا ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہی ادب چاہئے اور قبر شریف کے پاس جو حاضر ہو وہاں بھی ان اداب کو ملحوظ رکھے۔ نیز آپ کے خلفاء علمائے ربانین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی ادب سے پیش آنا چاہئے تاکہ جماعتی نظام قائم رہے۔ فرق مراتب نہ کرنے سے بہت سے مفاسد اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔"

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ کے احکام وارشادات سننے کے بعد ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا جرم وگناہ ہوگا جو کہ ہمارے معاشرہ میں ایک طبقہ کا محبوب مشغلہ بنا ہوا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی اس پرفتن دور میں ہمارے دین وایمان کی حفاظت فرمائیں آمین۔

یہاں جوفرمایا گیا **ان تحبط اعمالکم و انتم لاتشعرون** یعنی اپنی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو بسبب اس خطرہ اور خوف کے کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو اس کے متعلق ایک اشکال اور اس کا جواب حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے وہ بھی سمجھ لینے کے قابل ہے:۔

لکھتے ہیں کہ اس جگہ کلیات شرعیہ اور اصول مسلمہ کے اعتبار سے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ حبط اعمال یعنی اعمال صالحہ کو ضائع کردینے والی چیز تو باتفاق اہل سنت والجماعت صرف کفر ہے۔ کسی ایک معصیت اور گناہ سے دوسرے اعمال صالحہ ضائع نہیں ہوتے اور یہاں خطاب مومنین اور صحابہ کرامؓ کو ہے اور لفظ **یآیھا الذین امنوا** کے ساتھ ہے جس سے اس فعل کا کفر نہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو حبط اعمال کیسے ہوا؟ دوسرے یہ کہ جس طرح ایمان ایک فعل اختیاری ہے۔ جب تک کوئی شخص اپنے اختیار سے ایمان نہ لائے مومن نہیں ہوتا اسی طرح کفر بھی امر اختیاری ہے۔ جب تک کوئی شخص اپنے قصد سے کفر کو اختیار نہ کرے وہ کافر نہیں ہوسکتا اور یہاں آیت کے آخر میں یہ تصریح ہے کہ **انتم لاتشعرون** یعنی تمہیں خبر بھی نہ ہو تو حبط اعمال جو خالص کفر کی سزا ہے وہ کیسے جاری ہوئی۔

سیدی حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اس کی توجیہ ایسی فرمائی ہے جس سے یہ سب اشکالات اور سوالات ختم ہوجاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ معنیٰ آیت کے یہ ہیں کہ مسلمانو تم رسول اللہ کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنے اور بے محابا جہر کرنے سے بچو کیونکہ ایسا کرنے میں خطرہ ہے کہ تمہارے اعمال حبط اور ضائع ہوجائیں اور وہ خطرہ اس لئے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش قدمی یا آپ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرکے غالب کرنا ایک ایسا امر ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہونے کا احتمال ہے جو سبب ہے ایذائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگرچہ صحابہ کرام سے یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ بالقصد کوئی ایسا کام کریں جو آپ کی ایذاء کا سبب بنے لیکن بعض اعمال وافعال جیسے تقدم اور رفع صوت اگرچہ بقصد ایذاء نہ ہوں پھر بھی ان سے ایذاء کا احتمال ہے اسی لئے ان کو مطلقاً ممنوع اور معصیت قرار دیا ہے اور بعض معصیتوں کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے کرنے والے سے توبہ اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہوجاتی ہے اور وہ گناہوں میں منہمک ہوکر انجام کار کفر تک پہنچ جاتا ہے جو سبب ہے حبط اعمال کا۔ کسی اپنے دینی مقتداء استاد یا مرشد کی ایذا رسانی ایسی ہی معصیت ہے جس سے سلب توفیق کا خطرہ ہوتا ہے اسی طرح یہ افعال یعنی تقدم علی النبی اور رفع الصوت ایسی معصیت ٹھہریں کہ جن سے خطرہ ہے کہ توفیق سلب ہوجائے اور یہ خذلان آخر کار کفر تک پہنچادے جس سے تمام اعمال صالحہ ضائع ہوجاتے ہیں اور کرنے والے نے چونکہ قصد ایذا کا نہ کیا تھا اس لئے اس کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی کہ اس ابتلاء کفر اور حبط اعمال کا اصل سبب کیا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی صالح بزرگ کو کسی نے اپنا مرشد بنایا ہو اس کے ساتھ گستاخی و بے ادبی کا بھی یہی حال ہے کہ بعض اوقات وہ سلب توفیق اور خذلان کا سبب بن جاتی ہے جو انجام کار متاع ایمان کو بھی ضائع کردیتی ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

ابھی آگے مزید آداب نبوت کی تعلیم وہدایات فرمائی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ الْحُجُرَٰتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ

جولوگ حُجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں اُن میں اکثروں کو عقل نہیں ہے۔ اور اگر یہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ

تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوٓا إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ

آپ خود باہران کے پاس آجاتے تو یہ ان کیلئے بہتر ہوتا، اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے

بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا أَن تُصِيبُوا قَوْمًۢا بِجَهَـٰلَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَـٰدِمِينَ ﴿٦﴾ وَاعْلَمُوٓا

تو خوب تحقیق کرلیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔ اور جان رکھو کہ

أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِى كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَـٰنَ

تم میں رسول اللہ ہیں، بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مانا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہنچے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی

وَزَيَّنَهُۥ فِى قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَـٰٓئِكَ هُمُ الرَّٰشِدُونَ ﴿٧﴾

اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کردیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل

فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٨﴾

اور انعام سے راہ راست پر ہیں، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِينَ جولوگ	يُنَادُونَكَ آپ کو پکارتے ہیں	مِن وَرَآءِ باہر سے	الْحُجُرَٰتِ حجروں	أَكْثَرُهُمْ ان میں سے اکثر	لَا يَعْقِلُونَ عقل نہیں رکھتے		
وَلَوْ اور اگر	أَنَّهُمْ البتہ وہ	صَبَرُوا صبر کرتے	حَتَّىٰ یہاںتک کہ	تَخْرُجَ آپ نکل آتے	إِلَيْهِمْ ان کے پاس	لَكَانَ البتہ ہوتا	خَيْرًا بہتر	لَّهُمْ ان کیلئے
وَاللَّهُ اور اللہ	غَفُورٌ بخشنے والا	رَّحِيمٌ مہربان	يَـٰٓأَيُّهَا اے	الَّذِينَ ءَامَنُوٓا جولوگ ایمان لائے (مومن)	إِن اگر	جَآءَكُمْ آئے تمہارے پاس		
فَاسِقٌ کوئی فاسق بدکردار	بِنَبَإٍ خبر لے کر	فَتَبَيَّنُوٓا تو خوب تحقیق کرلیا کرو	أَن کہیں	تُصِيبُوا تم ضرر پہنچاؤ	قَوْمًا کسی قوم کو	بِجَهَـٰلَةٍ نادانی سے		
فَتُصْبِحُوا پھر ہو تم	عَلَىٰ پر	مَا فَعَلْتُمْ جو تم نے کیا (اپنا کیا)	نَـٰدِمِينَ نادم (جمع)	وَاعْلَمُوٓا اور جان رکھو	أَنَّ کہ	فِيكُمْ تمہارے درمیان		
رَسُولَ اللَّهِ اللہ کا رسول	لَوْ يُطِيعُكُمْ اگر وہ تمہارا کہا مانیں	فِى میں	كَثِيرٍ اکثر	مِّنَ الْأَمْرِ کاموں سے۔ میں	لَعَنِتُّمْ البتہ تم ایذا میں پڑو	وَلَـٰكِنَّ اور لیکن		
اللَّهَ اللہ	حَبَّبَ محبت دی	إِلَيْكُمُ تمہیں	الْإِيمَـٰنَ ایمان کی	وَزَيَّنَهُۥ اور اُسے آراستہ کردیا	فِى قُلُوبِكُمْ تمہارے دلوں میں	وَكَرَّهَ اور ناپسند کردیا		
إِلَيْكُمُ تمہارے سامنے	الْكُفْرَ کفر	وَالْفُسُوقَ اور گناہ	وَالْعِصْيَانَ اور نافرمانی	أُولَـٰٓئِكَ یہی لوگ	هُمُ وہ	الرَّٰشِدُونَ ہدایت پانیوالے		
	فَضْلًا فضل	مِّنَ اللَّهِ اللہ سے۔ کے	وَنِعْمَةً اور نعمت	وَاللَّهُ اور اللہ	عَلِيمٌ جاننے والے	حَكِيمٌ حکمت والا		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اہل ایمان کو خطاب کر کے ہدایت دی گئی تھی کہ تم اپنی آوازیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند نہ کیا کرو اور اس طرح نہ بولو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو ایسا نہ ہو کہ یہ زور سے بولنا بیباکی کی صورت اختیار کر لے جو ترک ادب ہے اور اذیت نبی کا باعث ہوسکتا ہے اور اذیت نبی حرام ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس اذیت نبی کے باعث تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں

اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

اب آگے ان آیات میں بعض دوسری ہدایات آداب نبوت کی دی جاتی ہیں۔ شان نزول کی روایت میں آتا ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا۔ آپ مکان کے اندر تشریف فرما تھے۔ ان آنے والے لوگوں نے باہر ہی سے آپ کو پکارنا شروع کر دیا اور وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تعلیم و ہدایت دی گئی کہ اس طرح باہر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دینا بے عقلی اور بے تہذیبی کی بات ہے۔ کیا معلوم کہ اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو یا کسی اور اہم کام میں مشغول ہوں۔ پھر اللہ کے رسول کا ادب و احترام بھی کوئی چیز ہے۔ چاہئے یہ تھا کہ یہ آنے والے کسی کی زبانی اندر اطلاع کراتے اور آپ کے باہر تشریف لانے تک صبر و انتظار کرتے۔ جب آپ باہر تشریف لا کر ان کی طرف متوجہ ہوتے اس وقت خطاب کرنا چاہئے تھا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسا کیا جاتا تو ان آنے والوں کے حق میں بہتر اور قابل ستائش ہوتا۔ تاہم بے عقلی اور نادانستگی سے جو بات اتفاقاً سرزد ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مہربانی سے بخشنے والا ہے چاہئے کہ اپنی تقصیر پر نادم ہو کر آئندہ ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔

آگے ایک دوسری ہدایت دی جاتی ہے اکثر نزاعات و مناقشات اور لڑائی جھگڑوں کی ابتدا جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے اسلئے اس اختلاف اور تفریق کے سرچشمہ ہی کو بند کرنے کی تعلیم دی گئی یعنی کسی خبر کو یونہی بے تحقیق قبول نہ کرنا چاہئے۔ اس دوسری آیت کے شان نزول کے متعلق کئی روایات آئی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قاصد کو ایک نو مسلم آبادی کے قبیلہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ زمانہ جاہلیت میں ان قاصد سے اور ان قبیلہ والوں سے کچھ عداوت تھی اس آبادی کے لوگ اس قاصد کی پیشوائی کے لئے نکلے۔ قاصد نے یہ جانا کہ یہ پرانی دشمنی کی بنا پر شاید مجھ کو قتل کرنے آ رہے ہیں۔ اس لئے یہ مدینہ واپس ہو گئے اور اس بات کی وہاں خبر کر دی جس پر مسلمان جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ اللہ رب العزت نے بذریعہ وحی اصل حقیقت کو آشکارا کیا اور آئندہ کے لئے اس قسم کی باتوں کو روک دیا اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری کسی خبر یا رائے پر عمل نہ کریں تو برا نہ مانو حق لوگوں کی خواہش یا رایوں کے تابع نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہو تو زمین و آسمان کا سارا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ الغرض خبروں کی تحقیق کر لیا کرو اور حق کو اپنی خواہش یا رائے کے تابع نہ بناؤ بلکہ اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھو۔ اس طرح تمام جھگڑوں کی جڑ کٹ جائے گی اگر تم یہ چاہتے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہاری ہر بات مانا کریں تو بڑی مشکل ہوتی لیکن اللہ کا شکر کرو کہ اس نے اپنے فضل و احسان سے مومنین کے دلوں میں ایمان کو محبوب بنا دیا اور کفر و معصیت کی نفرت ڈال دی۔ جس سے وہ ایسی بیہودگی کے پاس بھی نہیں جا سکتے جس مجمع میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوں وہاں کسی کی رائے اور خواہش کی پیروی کہاں ہو سکتی ہے؟ علماء نے یہاں لکھا ہے کہ آج گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں بظاہر موجود نہیں۔ مگر آپ کی تعلیم اور آپ کے وارث نائب یقیناً موجود ہیں۔ اور رہیں گے اس لئے قرآن پاک کا یہ حکم اب بھی مسلمانوں کے لئے موجب عمل ہے۔ آگے **واللہ علیمٌ حکیمٌ** فرما کر یہ جتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور وہ بڑی حکمت والا ہے اس لئے وہ افعال کی راستی و ناراستی سے واقف ہے اور صحیح افعال کا حکم اور انہی کی ترغیب دیتا ہے۔

اس قرآنی حکم کہ خبروں کی تحقیق کر لیا کرو کہ آیا یہ صحیح ہے یا غلط کے نہ برتنے سے نہ معلوم کتنے فتنے پیدا ہوتے ہیں اور کتنے گھر و خاندان جنگ و جدل میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ آج کل یہ بڑی مصیبت ہے کہ جہاں کسی نے کوئی بات خواہ کیسی جھوٹی اور لغو ہو کہہ دی بس فوراً اس کو مان لیا۔ جس سے نہ کسی عزت والے کی عزت محفوظ ہے اور نہ کسی شریف کا شرف بچا ہوا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے حکم دیا کہ جب بھی کسی کے متعلق کوئی بات سنے پہلے اس کی جانچ پڑتال اور تحقیق ہونی چاہئے۔ پھر اس پر یقین کرنا چاہئے اب یہ مسئلہ مستقل ہے جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ

تحقیق کہاں واجب ہے کہاں جائز ہے کہاں ممنوع ہے سواس میں قول مجمل یہ ہے کہ جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہو وہاں واجب ہے مثلاً سلطان کسی کے ارتداد کی خبر سنے تو چونکہ ارتداد کی صورت میں اس پر واجب کہ اس کو توبہ کرادے ورنہ قتل کرے اس لئے تحقیق واجب ہوگی یا مثلاً سلطان نے سنا کہ فلاں شخص فلاں کو قتل کرنا چاہتا ہے تو چونکہ بوجہ سلطان ہونے کے حفاظت رعایا کی اس کے ذمہ واجب ہے اس لئے اس خبر کی تحقیق اور انتظام واجب ہے اور جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہیں ہوتا اور تحقیق نہ کرنے سے اس دوسرے شخص کا بھی کوئی ضرر نہیں ہوتا تو وہاں تحقیق جائز ہے مثلاً کسی نے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھے جسمانی یا مالی ضرر پہنچانا چاہتا ہے تو اپنے دفع مضرت کے لئے ایسے موقع پر تحقیق جائز ہے اور اگر تحقیق کرنے سے اپنی کوئی دفع مضرت نہیں اور اس دوسرے کو ناگواری ہے تو تحقیق حرام ہے مثلاً کسی نے سنا کہ فلاں شخص خفیہ شراب پیتا ہے تو تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی ضرر نہیں اور تحقیق کرنے سے اس شخص کی رسوائی اور فضیحت ہوتی ہے تو یہ تحقیق جائز نہیں۔'' اس کا پوشیدہ رکھنا اور چھپانا ضروری ہے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر کسی میں کوئی عیب ہے تو خود مجھ میں اس سے کئی گنا زیادہ عیب موجود ہیں۔ لہٰذا اکرام مسلم کا خیال ضروری ہے اور جھٹ کسی کے کہہ دینے سے کسی کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کرلینا یا غلط اقدام کردینا قرآنی تعلیم کے بھی خلاف ہے اور عقل سلیم کے بھی منافی ہے۔ مگر افسوس کہ آج کثرت سے مسلمان اس مرض میں گرفتار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنا فضل فرمادیں اور ہماری اصلاح کی صورتیں پیدا فرمادیں۔ آمین۔

ابھی مزید ہدایات اگلی آیات میں جاری ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ جملہ قرآنی ہدایات وتعلیمات پر ہم کو عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات ہم تک پہنچیں ان پر دل و جان سے ہم کو عمل کرنا محبوب بنادیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے خلاف کرنے سے ہمیں کراہت ونفرت نصیب فرمائیں اور ہماری رائے وخواہش کو شریعت مطہرہ کا پابند بنادیں۔ اور ابتک جو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں کوتاہیاں سرزد ہوئیں ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرمادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى

اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کردو، پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے

الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ

تو اس گروہ سے لڑو، جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جاوے، پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کردو

وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ

اور انصاف کا خیال رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔ مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کردیا کرو،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰ ع

اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

وَاِنْ اور اگر	طَآئِفَتٰنِ دو گروہ	مِنَ سے۔کے	الْمُؤْمِنِيْنَ (جمع) مومن	اقْتَتَلُوْا باہم لڑ پڑیں	فَاَصْلِحُوْا تو صلح کرادو تم	
بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	فَاِنْۢ بَغَتْ پھر اگر زیادتی کرے	اِحْدٰىهُمَا ان دونوں میں سے ایک	عَلَى الْاُخْرٰى دوسرے پر	فَقَاتِلُوْا تو تم لڑو		
الَّتِيْ اس سے جو	تَبْغِيْ زیادتی کرتا ہے	حَتّٰى یہانتک کہ	تَفِيْٓءَ رجوع کرے	اِلٰٓى طرف	اَمْرِ اللّٰهِ حکم الٰہی	فَاِنْ فَآءَتْ پھر اگر جب وہ رجوع کرے
فَاَصْلِحُوْا تو صلح کرادو تم	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	بِالْعَدْلِ عدل کے ساتھ	وَاَقْسِطُوْا اور تم انصاف کیا کرو	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ		
يُحِبُّ دوست رکھتا ہے	الْمُقْسِطِيْنَ انصاف کرنے والے	اِنَّمَا اس کے سوا نہیں	الْمُؤْمِنُوْنَ مومن (جمع)	اِخْوَةٌ بھائی فَاَصْلِحُوْا پس صلح کرادو		
بَيْنَ درمیان	اَخَوَيْكُمْ اپنے بھائی	وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور ڈرو اللہ سے	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم پر	تُرْحَمُوْنَ رحم کیا جائے		

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں ایمان والوں کو خطاب کر کے ہدایت دی گئی تھی کہ ہر کس و ناکس کی بات سن کر اس پر فوراً اعتماد مت کرلیا کرو۔ اگر کوئی قانون اسلام سے بے پروا شخص کوئی خبر آ کر سنائے تو اس کی خوب تحقیق کرلیا کرو اور اس سے پہلے اس کی بات پر یقین مت کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس کی خبر پر یقین کر کے جلدی سے کسی کے خلاف قدم اٹھالو اور بعد میں معلوم ہو کہ یہ کام غلط ہوا تو پھر پچھتانا پڑے۔ تو یہ ہدایت دے کر اور یہ نصیحت کر کے قرآن کریم نے بہت سے آپس کے اختلافات اور جھگڑے جو غلط افواہوں کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں ان کا خاتمہ کردیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر قوم مسلم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہو جاتے ہیں اور یہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوۃ کا نظام قائم ہے اس لئے اوپر کی ہدایت کے ساتھ ہی اہل ایمان کو یہ بھی بتلایا گیا کہ دیکھو تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں تو تمہیں آپ کی قدر پہچاننی چاہئے۔ آپ کے مشورہ اور حکم کو قبول کرنا چاہئے اور اپنی خواہش اور رائے کو آپ کے حکم کے تابع بنانا چاہئے۔ پھر یہ بھی جتلایا گیا تھا کہ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ جو مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کی محبت پیدا فرمادی اور کفر و فسق و عصیان سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا کردی اس لئے دل سے اطاعت رسول کرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ الغرض مسلمانوں میں نزاع اور اختلاف کو روکنے اور پیدا ہی نہ ہونے کی پیش بندیاں بیان فرمائی گئیں۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ باوجود ان تمام پیش بندیوں کے اگر اتفاق سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہو جائے اور وہ آپس میں لڑ پڑیں تو پھر دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ پوری کوشش کریں کہ اختلاف رفع ہو جائے اور اس میں اگر کامیابی نہ ہو اور کوئی فریق دوسرے پر چڑھا چلا جائے اور ظلم و زیادتی ہی پر کمر باندھ لے تو یکسو ہو کر نہ بیٹھ رہو بلکہ جسکی زیادتی ہو سب

مسلمان مل کر اس سے لڑائی کریں یہاں تک کہ وہ فریق مجبور ہو کر اپنی زیادتیوں سے باز آئے اور خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو کر صلح کے لئے اپنے کو پیش کر دے۔ پھر اس وقت چاہئے کہ مسلمان دونوں فریق کے درمیان مساوات اور انصاف کے ساتھ صلح اور میل ملاپ کرادیں کسی ایک کی طرف داری میں جادہ حق سے ادھر ادھر نہ جھکیں۔ پوری طرح عدل وانصاف کو ملحوظ رکھیں اور صلح و جنگ ہر حالت میں یہ خیال رہے کہ دو بھائیوں کی لڑائی یا دو بھائیوں کی مصالحت ہے۔ دشمنوں اور کافروں کی طرح برتاؤ نہ کیا جائے اس لئے جب دو بھائی آپس میں ٹکرا جائیں تو یونہی ان کے حال پر نہ چھوڑ دو بلکہ ان کے درمیان اصلاح کی پوری کوشش کرو اور ایسی کوشش کرتے وقت خدا سے ڈرتے رہو۔ کسی کی بیجا طرفداری یا انتقامی جذبہ سے کام لینے کی نوبت نہ آئے۔ یہاں آیت میں جو یہ فرمایا انما المؤ منون اخوۃ بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اخوۃ کا لفظ قابل غور ہے جو حقیقی بھائیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ رشتے ناتے کے بھائیوں کے لئے لفظ اخوان آتا ہے تو قرآن پاک نے یہاں اخوۃ کا لفظ لا کر بتلادیا کہ مسلمانوں کا ایک دوسرے سے تعلق اور رشتہ بالکل سگے بھائیوں کا سا ہے جو انتہائی محبت کا رشتہ ہے یہ تو ہوئی قرآنی تصریح۔ اب احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس لئے اس پر ظلم وستم نہ کرنا چاہئے ایک دوسری صحیح حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے جب کوئی مسلمان اپنے غیر حاضر مسلمان بھائی کے لئے اس کی پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے آمین۔ اور تجھے بھی خدا ایسا ہی دے ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مسلمان سارے کے سارے اپنی محبت رحمدلی۔ میل جول میں مثل ایک جسم کے ہیں جب کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم تڑپ اٹھتا ہے کبھی بخار چڑھ آتا ہے کبھی نیند نہ آنے کی تکلیف ہوتی ہے ایک اور صحیح حدیث میں ہے مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے پھر آپ نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر بتایا۔ ایک حدیث میں ہے کہ مومن کا تعلق اہل ایمان سے ایسا ہے جیسے سر کا تعلق جسم سے۔ مومن اہل ایمان کے لئے وہی دردمندی کرتا ہے جو دردمندی جسم کو سر کے ساتھ ہے پھر آپس میں عدل وانصاف کرنے کے متعلق ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں جو عدل وانصاف کرتے رہے وہ موتیوں کے منبروں پر رحمٰن عزوجل کے سامنے ہوں گے اور یہ بدلہ ہوگا ان کے عدل و انصاف کا۔ او پر شروع سورۃ سے حقوق نبویہ ذکر کرنے کے بعد اب بعض باہمی حقوق اور آداب معاشرت بیان فرمائے جاتے ہیں جن میں پہلا حکم ان آیات میں بیان فرمایا گیا کہ اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں یا دو شخصوں میں لڑائی ہو جائے تو باہم صلح صفائی اور میل ملاپ کرادو اور عدل وانصاف ملحوظ رکھو۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی وحدت قائم رکھنے کے لئے اور ایک سطح پر مرکوز کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت موجود رہے جو اختلافات کا جائزہ لیتی رہے اور جب مسلمانوں کے دو فریق میں کوئی نزاع اختلاف یا مناقشہ پیدا ہو تو بیچ میں پڑ کر صلح صفائی کرادے اور جو فریق نہ مانے تو اس کے خلاف قوت و طاقت کا استعمال کریں حتیٰ کہ وہ فریق سرکشی سے باز آجائے اور خدا کے حکموں کے آگے سر تسلیم خم کردے۔

دوسری بات جو ان آیات نے بتائی وہ یہ ہے کہ دین کا اشتراک ہر مادی۔ مالی۔ ملکی۔ نسلی نسبی تفریق وامتیاز سے بالاتر ہے اور بڑے چھوٹے امیر غریب۔ سب کو اخوت دینی کے رشتہ میں پرو کر اسلام دین فطرت نے مسلم قومیت کی بنیاد صرف وحدت کلمہ پر رکھی ہے نہ کہ ملک قوم وطن زبان وغیرہ پر۔ آج جو مسلمان نت نئے ہمہ گیر فتنوں میں گرفتار ہو رہے ہیں اور خصوصاً جو افتاد پاکستان پر پڑی ہوئی ہیں اس کی وجہ صرف اور محض یہی ہے کہ اللہ و رسول۔ قرآن وحدیث کتاب وسنت نے جو ہدایات اور تعلیمات دی ہیں ان کو تو خیر باد کہہ دیا اور کہیں قوم پرستی کہیں وطن پرستی کہیں صوبہ پرستی کہیں زبان پرستی وغیرہ کے بت بنا کر کھڑے کر لئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اپنے مسائل کا حل غیروں کی نقالی میں منحصر سمجھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور قرآن وسنت کو اپنانے کی سعادت نصیب فرمائیں۔

ابھی آگے مزید بعض ہدایات مسلمانوں کو دی جارہی ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہونے سے آپس میں نفرت وعداوت اور اختلاف اور افتراق کے جذبات ہی پیدا نہ ہوں اور آپس کے بھائی چارہ میں فرق ہی نہ آنے پائے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ

اے ایمان والو نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیئے، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو

نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ ج وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط بِئْسَ

عورتوں پر ہنسنا چاہیئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد

الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ج وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے، اور جو باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا اے	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے (مومن)	لَا یَسْخَرْ نہ مذاق اڑائے	قَوْمٌ ایک گروہ	مِّنْ قَوْمٍ (دوسرے) گروہ کا		
عَسٰٓی کیا عجب	اَنْ یَّکُوْنُوْا کہ وہ ہوں	خَیْرًا بہتر	مِّنْھُمْ ان سے	وَلَا نِسَآءٌ اور نہ عورتیں	مِّنْ نِّسَآءٍ عورتوں سے۔کا	عَسٰٓی کیا عجب
اَنْ یَّکُنَّ کہ وہ ہوں	خَیْرًا بہتر مِّنْھُنَّ ان سے	وَلَا تَلْمِزُوْٓا اور نہ عیب لگاؤ	اَنْفُسَکُمْ باہم (ایک دوسرے)	وَ اور	لَا تَنَابَزُوْا باہم نہ چڑاؤ	
بِالْاَلْقَابِ برے القاب سے	بِئْسَ الِاسْمُ برا نام	الْفُسُوْقُ گناہ	بَعْدَ الْاِیْمَانِ ایمان کے بعد	وَمَنْ اور جو۔جس		
	لَمْ یَتُبْ توبہ نہ کی (باز نہ آیا)	فَاُولٰٓئِکَ تو یہی لوگ	ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ وہ ظالم (جمع)			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں مسلمانوں میں نزاع اور اختلاف کو روکنے کی تدابیر بتلائی گئی تھیں پھر بتلایا گیا کہ اگر اتفاقاً اختلاف رونما ہو جائے تو پرزور اور موثر طریقہ سے اس نزاع کو ختم کرایا جائے اور عدل انصاف کے ساتھ میل ملاپ اور صلح صفائی کرادی جائے۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا تو ایک دوسرے کا تمسخر اور استہزا کرنے لگتا ہے۔ ذرا سی بات ہاتھ لگ گئی اور مخالفت میں ہنسی مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ جس کا مذاق اڑا رہا ہے وہ شاید اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔ بلکہ بسا اوقات یہ خود بھی اختلاف سے پہلے اس کو بہتر سمجھتا تھا مگر ضد اور نفسانیت میں آدمی کو دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے۔ اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اس طرح جذبات منافرت ومخالفت اور زیادہ مشتعل ہوتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نفرت و عداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے اور قلوب میں بعد بڑھتا جاتا ہے اس لئے خداوند قدوس نے دین اسلام کے ماننے والوں کو اس قسم کی باتوں سے منع فرمایا تا کہ جذبات مخالفت تیز نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ اس آیت میں ایمان والوں کو خطاب کر کے ہدایت دی جاتی ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ نہ مسخرا پن کرے۔ نہ ایک دوسرے پر آوازے کسے جائیں۔ نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں اور نہ برے ناموں اور برے القاب سے فریق مقابل کو یاد کیا جائے کیونکہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی ہے اور فتنہ وفساد کی آگ زیادہ تیزی سے پھیلتی ہے۔ سبحان اللہ! یہ کیسی بیش بہا قرآنی ہدایات ہیں آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب سے بڑے مرض کا مکمل علاج اسی ایک سورہ حجرات میں موجود ہے۔

اس آیت میں پہلی چیز جس سے مسلمانوں کو ممانعت فرمائی گئی وہ تمسخر ہے تمسخر وہ ہنسی ہے جس سے دوسرے کی تحقیر اور دل شکنی اور دل آزاری ہو اور یہ حرام ہے اور وہ ہنسی جس سے دوسرے کا دل خوش ہو وہ مزاح اور خوش طبعی کہلاتی ہے اور ایسی ہنسی جائز ہے اور بلکہ بہت سے حالات میں مستحب ہے۔ تمسخر یعنی ہنسی اور ٹھٹھہ میں کسی کو بے عزت کرنا یہ باہمی عداوت کی جڑ ہے پھر کسی کا مذاق اڑانا اس بات کی دلیل ہے کہ خود تو عیوب سے پاک صاف ہے اور دوسرا قابل مذمت اور لائق تمسخر ہے یہ رعونت اور تکبر کی شاخ ہے جو اسلام میں قطعاً ممنوع ہے۔

دوسری چیز جس کی آیت میں ممانعت کی گئی وہ طعنہ ہے۔ طعنہ

زنی بھی دل دکھانے والی چیز ہے جس سے اتفاق ومحبت میں نہ صرف فرق آ جاتا ہے بلکہ اس کی جڑیں ہل جاتی ہیں۔

تیسری چیز جس سے یہاں ممانعت فرمائی گئی وہ ولاتنا بزوا ہے یعنی کسی کو چڑانے والے ناموں سے نہ پکارو مثلاً اندھا کانا لنگڑا لولا ایسے القاب سے یاد کرنا خواہ کسی میں وہ باتیں موجود ہوں اس سے منع فرمایا گیا۔ اسی طرح کسی کو جاہلیت کے نام اور صفات سے یاد کرنا یا فسق اور برائی کے ناموں سے یاد کرنا یہ سب ممنوع ہے اور یہ سب اتنے بڑے گناہ ہیں کہ اگر اس کا مرتکب توبہ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ظالم ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے اصل مقام تک پہنچنے کے لئے اور اس کی خاص برکتیں حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی خودغرضی سے پاک ہو اور اس کے دل میں اپنے دوسرے بھائیوں کے لئے اتنی خیرخواہی ہو کہ جو نعمت اور جو بھلائی اور جو بہتری وہ اپنے لئے چاہے وہی دوسرے بھائیوں کے لئے بھی چاہے اور جو بات اور جو حال وہ اپنے لئے پسند نہ کرے اس کو کسی دوسرے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو۔ کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتلاؤں کہ اگر اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اس کو عام کرو''۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والی کسی قوم اور کسی معاشرہ کے ایمان کی تکمیل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں باہم محبت ومودت ہو اگر ان کے دل ایک دوسرے کی محبت سے خالی ہیں تو سمجھنا چاہئے کہ وہ حقیقت ایمان اور اس کے برکات و ثمرات سے محروم ہیں ایک دوسری مشہور حدیث ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے ''مسلم وہ ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف وخطر نہ ہو''۔ اس حدیث شریف میں زبان اور ہاتھ سے ایذارسانی کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ بیشتر ایذاؤں کا تعلق انہیں دونوں سے ہوتا ہے ورنہ مقصد ومطلب یہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے لیکن یہ بھی واضح رہے کہ قرآن اور حدیث میں جس ایذارسانی کو منافی اسلام فرمایا گیا ہے۔ وہ وہ ہے جو بغیر کسی صحیح وجہ اور معقول سبب کے ہو۔ ورنہ بشرط قدرت مجرموں کو سزا دینا اور ظالموں کی زیادتیوں اور مفسدوں کی فساد انگیزیوں کو بزور دفع کرنا تو مسلمانوں کا فرض منصبی ہے جیسا کہ گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو دنیا امن وراحت سے محروم ہو جائے۔ ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ مومن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ فحش گو اور بدکلام ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ بدکلامی اور فحش گوئی اور دوسروں کے خلاف زبان درازی یہ عادتیں ایمان کے منافی ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنے بھائی کے عیب کو ظاہر نہ کر شاید اللہ تعالیٰ اس کو معاف کردے اور تجھ کو مبتلا کردے اسی طرح فرمایا گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں اور یہ کسی کو خبر نہیں کہ کس نے کب توبہ کی ہو سکتا ہے جس کو تم برا کہتے ہو اس نے توبہ کرلی ہو اور جس کو تم تکبر اور غرور میں قابل مذاق سمجھتے ہو وہ تو اپنے عجز وانکسار کی وجہ سے معزز ومکرم ہو جائے۔ اور تم اپنی بلندی وپاکی کے زور میں اللہ کے مجرم ٹھہرو۔ خلاصہ یہ کہ قرآن اور حدیث میں واضح ہو رہا ہے کہ شریعت کو معاشرتی اصلاح کے باب میں کس درجہ اہتمام ہے اور جو معاشرہ ان ہدایات وقوانین پر عامل ہو جائے کیا اس میں باہمی رنجشیں اور دلی عداوتیں اور ایک دوسرے سے بغض ومنافرت رخنہ انداز ہو سکتی ہیں؟ مگر افسوس اور رونا تو یہی ہے کہ قرآن اور حدیث کی تعلیمات کو پیش در پیش اور مقدم رکھنا تو درکنار اب تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ ملاّ نا پن یعنی قرآن وحدیث کا سیکھنا سکھانا اور اس پر عمل کرنا یہ تو ہماری ترقی میں رکاوٹ بنتا ہے اب تو سائنس اور ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے جس قوم اور معاشرہ کا یہ حال ہو اس کو اپنی صلاح اور فلاح قرآن حدیث میں کہاں نظر آنے لگی۔ بس اس کو تو اپنی صلاح وفلاح سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہی نظر آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالتوں پر رحم فرمائیں اور قرآن اور حدیث کی طرف سے ہماری آنکھیں کھول دیں۔

ابھی مزید ہدایات کا سلسلہ اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا

اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو اور کوئی

يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا

کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو،

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲

بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوا جو لوگ ایمان لائے (مومن)	اجْتَنِبُوْا بچو	كَثِيْرًا بہت سے	مِّنَ الظَّنِّ گمانوں سے	اِنَّ بیشک	
بَعْضَ الظَّنِّ بعض گمان	اِثْمٌ گناہ	وَّلَا تَجَسَّسُوْا اور ٹٹول میں نہ رہا کرو ایک دوسرے کی	وَلَا يَغْتَبْ اور غیبت نہ کرے	بَّعْضُكُمْ تم میں سے (ایک)		
بَعْضًا بعض (دوسرے) کی	اَيُحِبُّ کیا پسند کرتا ہے؟	اَحَدُكُمْ تم میں سے کوئی	اَنْ يَّاْكُلَ کہ وہ کھائے	لَحْمَ اَخِيْهِ اپنے بھائی کا گوشت		
مَيْتًا مردہ کا	فَكَرِهْتُمُوْهُ تو اس سے تم گھن کرو گے	وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو تم	اِنَّ اللّٰهَ بیشک	تَوَّابٌ توبہ قبول کرنیوالا	رَّحِيْمٌ نہایت مہربان	

تفسیر وتشریح: گذشتہ سے وہ ہدایات بیان ہو رہی ہیں کہ اول تو مسلمانوں میں نزاع و اختلاف پیدا ہی نہ ہوں۔ اور اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اس کو ختم کرنے کی ہدایت دی گئی اور ایسی باتوں سے منع فرمایا گیا جس سے اختلاف بڑھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں گذشتہ آیات میں یہ ہدایت دی گئی تھی کہ مسلمانوں کی ایک جماعت دوسری جماعت سے یا ایک فرد دوسرے فرد سے تمسخر نہ کرے۔ نہ کھوج کرید کر ایک دوسرے کے عیب نکالے جاویں۔ نہ برے ناموں اور برے القاب سے مقابل کو یاد کیا جاوے کیونکہ ان سب باتوں سے عداوت ونفرت میں ترقی ہی ہوتی ہے۔

اب آگے اس آیت میں مزید ان باتوں سے منع کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو روکا جاتا ہے جن سے اختلاف اور تفریق باہمی بڑھتی ہے:۔

پہلی چیز جس سے اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی وہ بدگمانی ہے۔ بدگمانی بھی فساد کی جڑ ہے۔ جب ایک فریق دوسرے فریق سے بدگمان ہو جاتا ہے اور حسن ظن کی گنجائش نہیں چھوڑتا تو مخالف کی کوئی بات ہو۔ اس کا محل اپنے خلاف نکال لیتا ہے۔ اس کی بات میں ۹۰ احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک پہلو برائی کا نکلتا ہو تو ہمیشہ بدگمانی کرنے والے کی طبیعت برے پہلو کی طرف چلے گی اور اس برے اور کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مقابل پر الزام اور تہمتیں لگانا شروع کر دے گا اور پھر یہی نہیں کہ صرف بدگمانی پر اکتفا ہو نہیں بلکہ اس جستجو میں بھی رہتا ہے کہ دوسری طرف کے اندرونی بھید معلوم ہوں جس پر خوب حاشئے چڑھائیں اور پھر اس کی غیبت سے اپنی مجلس گرم کریں۔ اس آیت میں قرآن کریم نے ان تینوں باتوں سے منع فرمایا۔ اگر مسلمان اسی زیر تفسیر ایک آیت پر عامل ہو جائیں تو آپس میں جو اختلافات پیش آ جاتے ہیں وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں اور چند روز میں نفسانی اختلافات کے نام و نشان باقی نہ رہیں۔ پہلی چیز جس کی یہاں اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی ہے وہ سوءظن یا بدگمانی ہے۔ یہ بدگمانی ایسی بری چیز ہے کہ اس سے دلوں کے اندر کینے کے اژدھے پلتے ہیں اور جماعت میں افتراق وتشتت پیدا ہوتا ہے۔ اس بدگمانی کی بدولت اچھے اچھے دوست اور رشتہ دار بھی جدا ہو جایا کرتے ہیں اور برخلاف اس خراب عادت کے نیک گمانی ایسی اچھی صفت ہے کہ برے تعلقات کو بھی الفت ومحبت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ احادیث میں بھی رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک گمانی کی بڑی تاکید اور بدگمانی سے بچنے کی سخت ضرورت و اہمیت بیان فرمائی ہے۔ ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے خانہ کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا تو کتنا پاک گھر ہے۔ تو کیسی اچھی خوشبو والا ہے۔ تو کس قدر عظمت والا ہے اور کیسی بڑی حرمت والا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ مومن کی حرمت۔ اس کے مال اور اس کے جان کی حرمت اور اس کے ساتھ نیک گمان کرنے کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت بڑی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا تیرے مسلمان بھائی کی زبان سے جو کلمہ نکلا ہو جہاں تک تجھ سے ہو سکے اسے بھلائی اور اچھائی پر محمول کر۔ ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ بدگمانی سے بچو گمان سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ بدگمانیوں کی عام عادت بطور وبا کے ہم لوگوں میں اس طرح پھیلی ہوئی ہے کہ بات بات پر بلا وجہ بھائیوں سے بدگمانی۔ بیوی بچوں سے بدگمانی۔ پڑوسیوں سے بدگمانی۔ دوستوں اور ساتھیوں سے بدگمانی۔ نوکروں اور خادموں سے بدگمانی۔ گویا بدگمانی کو ہم لوگوں نے اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ جس کی اس آیت میں قطعاً ممانعت فرمائی گئی ہے۔ یہ بدگمانی کی خلش اگر دل سے دور ہو جائے تو ہم میں سے ہر ایک کی زندگی کتنی راحت سے بسر ہونے لگے۔

دوسری چیز جس کی اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی وہ کسی کے عیبوں اور کمزوریوں کی تفتیش اور جستجو میں نہ پڑنے کی ہے۔ یہ تجسس اور دوسروں کے عیبوں کی دریافت اور ٹٹول بھی کمینہ حرکات ہیں تاوقتیکہ کوئی شرعی مصلحت یا ضرورت ہی اس کی نہ آپڑے۔ ایک شخص کو حضرت ابن مسعودؓ کے پاس لایا گیا کہ اس کی داڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہمیں بھید ٹٹولنے اور عیبوں کی تفتیش سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں جو بات ظاہر ہو گی ہم اس پر مواخذہ کریں گے۔ ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اگر تو مسلمانوں کے عیب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا تو کام خراب ہو جائے گا۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی کسی کی پردہ پوشی دنیا میں کرے گا خدا اس کی پردہ پوشی آخرت میں کرے گا۔

تیسری چیز جس کی اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ کوئی کسی کی غیبت اور بدگوئی نہ کرے۔ غیبت یعنی کسی کی غیر حاضری میں اس کے عیوب بیان کرنا ایک تو بزدلی ہے دوسرے اس کے ساتھ چھپی دشمنی ہے اور تیسرے اس کی تذلیل ہے۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے؟ آپ نے فرمایا کے کسی کی پس پشت ایسی بات کرنی جو اسے ناگوار ہو۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر اس میں دراصل وہ بات موجود ہو تو پھر کیا؟ فرمایا یہی تو غیبت ہے۔ اگر واقعتاً وہ بات موجود نہ ہو تب تو بہتان ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گذر ہوا تو حضورؐ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے۔ ایک کو لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے دوسرے کو پیشاب سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الغیبت اشد من الزنا۔ یعنی غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایک شخص زنا کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے اور غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے لے جایا گیا تو میرا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور بدن کا گوشت نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرئیل امین سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل امین نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائی کی غیبت کرتے اور ان کی آبروریزی کرتے تھے۔ الامان والحفیظ۔

ایک بار کسی بزرگ کی کسی نے غیبت کی ان کو جب اس کا علم ہوا تو

انہوں نے بہت سا حلوہ پکوا کر اس غیبت کرنے والے شخص کے پاس بھجوا دیا اور کہلایا کہ یہ حقیر سا تحفہ ہے اس کرم کے عوض میں جو آپ نے مجھ پر فرمایا۔ جب یہ حلوہ اس کے پاس پہنچا تو بہت تعجب کیا۔ حلوہ بھیجنے والے بزرگ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس کی غیبت کی جاتی ہے خدا اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کو عطا کر دیتا ہے پس اس احسان کے عوض میں نے یہ تحفہ حاضر کیا تھا۔

اللہ اللہ غیبت میں آج مسلمان کیسے مشغول اور مبتلا ہیں۔ ایسی حرام اور ناپاک شے جو زنا سے بھی بدتر ہو جو اپنی نیکی کے زوال کا باعث ہو وہ مسلمانوں کی مجلسوں کی رونق اور مسلمانوں کا محبوب مشغلہ ہو۔ معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے حفظ وامان میں رکھے کہ ہم لوگ اس سے بہت ہی غافل ہیں۔ عوام کا ذکر نہیں خواص اس میں مبتلا ہیں۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جو دنیا دار کہلاتے ہیں دین داروں کی مجالس بھی بالعموم اس سے کم خالی ہوتی ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ غضب کہ اس کو غیبت بھی نہیں سمجھا جاتا۔ آگے آیت میں اس غیبت کی برائی کو ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے کہ بھلا کوئی بھائی کا مردہ گوشت کھانا پسند کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی کو پسند نہیں ہوسکتا تو جس کی غیبت ہوتی ہے۔ وہ غائب ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو مردہ سے تشبیہ دی۔ یعنی وہ مردہ کے مانند بے خبر ہے اور یہ اس کی برائی کرنا اس کا گوشت کھانا ہے۔ انسان اور وہ بھی بھائی اس کا زندہ گوشت کوئی کھانا پسند نہیں کرتا ہے چہ جائیکہ مردار گوشت۔ احادیث میں بکثرت اس قسم کے واقعات ارشاد فرمائے گئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کی غیبت کی گئی اس کا حقیقۃً گوشت کھایا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ دانتوں میں خلال کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے تو آج گوشت چکھا بھی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں شخص کا گوشت تمہارے دانتوں کو لگ رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کی غیبت کی تھی۔ احادیث میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو عورتوں نے روزہ رکھا روزہ میں اس شدت سے بھوک لگی کہ ناقابل برداشت بن گئی۔ ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں۔ صحابہ کرامؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو حضورؐ نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا اور ان دونوں کو اس میں قے کرنے کا حکم فرمایا۔ دونوں نے قے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے حق تعالیٰ شانہٗ کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں عورتیں لوگوں کی غیبت کرتی رہیں۔

الغرض یہاں آیت میں بتایا گیا کہ مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسا گندہ اور گھناؤنا کام ہے جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھائے۔ اخیر میں فرمایا جاتا ہے کہ ان نصیحتوں پر کاربند وہی ہوگا۔ جس کے دل میں خدا کا ڈر ہے تو ایمان اور اسلام کا دعویٰ رکھنے والوں کو واقعی طور پر اس خداوند قدوس کے غضب سے ڈر کر ایسی ناشائستہ حرکتوں کے قریب بھی نہ جانا چاہئے۔ اور اگر پہلے کچھ غلطیاں اور کمزوریاں سرزد ہوئی ہیں تو اللہ کے سامنے صدق دل سے توبہ کرے وہ اپنی مہربانی سے معاف فرماوے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ تواب الرحیم ہے۔

قرآن مجید کی ان اخلاقی اور معاشری ہدایتوں پر عمل کرنا اگر ہم سیکھ لیں تو آج دنیا میں بھی ایک حد تک جنت کا مزہ آنے لگے۔ آج جبکہ مسلمانوں میں باہم نظم اور اتحاد اور اتفاق کی شدید ضرورت ہے۔ تو یہ چیزیں یعنی بدگمانی۔ جاسوسی۔ غیبت اس اتفاق اور اتحاد کے لئے سم قاتل اور زہر ہلاہل سے کم نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے اسلام اور ایمان کی حفاظت فرمائیں۔ اور ہماری زبانوں کو غیبت کے گناہ سے خصوصاً محفوظ رکھیں۔

یہاں چند فقہی مسائل غیبت سے متعلق ملاحظہ ہوں:۔

مسئلہ نمبر ۱: غیبت کا بقصد واختیار سننا بھی ایسا ہی ہے جیسے خود غیبت کرنا۔ (معارف القرآن جلد ۸)

مسئلہ نمبر ۲: بچے اور مجنون اور کافر ذمی کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ ان کی ایذاء بھی حرام ہے۔ اور جو کافر حربی ہیں اگرچہ ان کی ایذاء حرام نہیں مگر اپنا وقت ضائع کرنے کی وجہ سے پھر بھی غیبت مکروہ ہے (۔ایضاً۔)

7 مسئلہ نمبر۳: غیبت جیسے قول وکلام سے ہوتی ہے ایسے ہی فعل یا اشارہ سے بھی ہوتی ہے۔(ایضاً)

مسئلہ نمبر۴: بعض صورتوں میں غیبت کی اجازت ہے مثلاً کسی شخص کی برائی کسی ضرورت یا مصلحت سے کرنا پڑے تو وہ غیبت میں داخل نہیں۔ بشرطیکہ وہ ضرورت و مصلحت شرعاً معتبر ہو جیسے کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص سے کرنا جو ظلم کو دفع کر سکے۔ یا کسی کی اولاد یا بیوی کی شکایت اس کے باپ اور شوہر سے کرنا جو ان کی اصلاح کر سکے یا کسی واقعہ کے متعلق فتویٰ حاصل کرنے کے لئے صورت واقعہ کا اظہار یا مسلمانوں کو کسی شخص کے دینی یا دنیوی شر سے بچانے کے لئے کسی کا حال بتلانا۔ یا کسی معاملہ کے متعلق مشورہ لینے کے لئے اس کا حال ذکر کرنا۔ یا جو شخص سب کے سامنے کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور اپنے فسق کو خود ظاہر کرتا ہے اس کے اعمال بد کا ذکر بھی غیبت میں داخل نہیں مگر بلاضرورت اپنے اوقات ضائع کرنے کی بنا پر مکروہ ہے۔(معارف القرآن جلد ۸)

مسئلہ نمبر۵: کسی کی برائی اور عیب ذکر کرنے سے مقصود اس کی تحقیر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت اور مجبوری سے ذکر کیا گیا ہو۔(معارف القرآن جلد ۸)

ابھی اسی سلسلہ میں مزید ہدایات اگلی آیات میں جاری ہیں جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ان قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں اور ہماری زبانوں کو اور اعضا و جوارح کو تمام گناہوں سے عموماً اور غیبت و بدگمانی و تجسس کے گناہوں سے خصوصاً محفوظ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا حقیقی خوف و ڈر ہمارے دلوں کو نصیب فرمائیں تاکہ ہم کو تمام گناہوں سے توبہ نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری گذشتہ تقصیرات کو معاف فرمادیں۔ اور ان پر سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمادیں اور اپنی رحمت سے ہماری توبہ کو قبول فرمادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ

اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو

اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا

اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو، اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے، یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے

وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا

آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مان لو تو

يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہ کرے گا، بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو!	اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ بے شک ہم نے پیدا کیا تمہیں	مِّنْ ذَكَرٍ ایک مرد سے	وَّاُنْثٰى اور ایک عورت	وَجَعَلْنٰكُمْ اور بنایا تمہیں	
شُعُوْبًا ذاتیں	وَّقَبَآئِلَ اور قبیلے	لِتَعَارَفُوْا تاکہ تم ایکدوسرے کی شناخت کرو	اِنَّ اَكْرَمَكُمْ بیشک تم میں سب سے زیادہ عزت والا	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	
اَتْقٰكُمْ تم میں سب سے بڑا پرہیزگار	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	خَبِيْرٌ باخبر	قَالَتِ کہتے ہیں	الْاَعْرَابُ دیہاتی / اٰمَنَّا ہم ایمان لائے
قُلْ فرمادیں	لَّمْ تُؤْمِنُوْا تم ایمان نہیں لائے	وَلٰكِنْ اور لیکن	قُوْلُوْٓا تم کہو	اَسْلَمْنَا ہم اسلام لائے ہیں	وَلَمَّا اور ابھی نہیں / يَدْخُلِ داخل ہوا
الْاِيْمَانُ ایمان	فِىْ قُلُوْبِكُمْ تمہارے دلوں میں	وَاِنْ اور اگر	تُطِيْعُوا تم اطاعت کرو گے	اللّٰهَ اللہ	وَرَسُوْلَهٗ اور اسکا رسول
لَا يَلِتْكُمْ تمہیں کمی نہ کریگا	مِّنْ سے	اَعْمَالِكُمْ تمہارے اعمال	شَيْـًٔا کچھ بھی	اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا / رَّحِيْمٌ مہربان

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں اہل ایمان کو خطاب کر کے ایک دوسرے سے بدگمانی، کسی کے عیوب کی تفتیش اور کسی کی غیبت یعنی بدگوئی کرنے کی ممانعت فرمائی گئی تھی۔ اب چونکہ کسی کی غیبت عیب جوئی۔ اور طعن و تشنیع کا منشا محض کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے اس لئے آگے ان آیات میں قرآن پاک نے اس کبر کی بھی جڑ کاٹ دی اور بتلایا کہ اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا یا معزز و حقیر ہونا کچھ ذات پات۔ خاندان و نسب سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت متقی پرہیز گار ہو اور اللہ سے ڈرنے والا ہو اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز و مکرم ہے۔ نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے انسان ایک مرد اور ایک عورت یعنی حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں شیخ۔ سید۔ مغل۔ پٹھان۔ صدیقی۔ فاروقی۔ عثمانی۔ انصاری سب کا سلسلہ حضرت آدمؑ اور حوا پر منتہی ہوتا ہے۔ یہ ذاتیں قومیت اور خاندانی تقسیم یہ تو اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت اور پہچان کے لئے مقرر کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں شرف۔ فضیلت۔ اور مقبولیت تمام تر ذاتی تقویٰ اور پرہیزگاری ہے گویا فضیلت کے لحاظ سے اسلام نے انسانی آبادی کی تقسیم صرف دو ہی طبقوں میں رکھی ہے۔ متقی اور غیر متقی اس کے علاوہ اسلام میں حقیقی تقسیم نہ امیر و غریب کی ہے۔ نہ نسلی شریف اور نہ نسلی رذیل کی ہے۔ نہ کالے گورے کی ہے بلکہ صرف متقی اور غیر متقی کی ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور معزز اور بزرگ گھرانے میں پیدا کر دے وہ ایک موہوب شرف ہے اور غیر اختیاری فضل جیسے کسی کو حسین و خوبصورت بنا دیا جائے لیکن یہ چیز ناز اور فخر کرنے کے

لائق نہیں کہ اسی کو معیار کمال اور فضیلت کا ٹھہرالیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے ہاں جس کو یہ نسبی شرف حاصل ہو اس کو شکر کرنا چاہئے کہ اللہ نے بلا اختیار وکسب کے یہ نعمت مرحمت فرمائی۔ اور شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور اور فخر سے باز رہے اور اس نعمت کو برے اخلاق اور بدخصلتوں سے خراب نہ ہونے دے۔ حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف فرمایا تا کہ سب لوگ دیکھ سکیں اور طواف سے فارغ ہو کر آپ نے خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا۔

''شکر ہے اللہ کا جس نے فخر جاہلیت کو اور اس کے تکبر کو تم سے دور کر دیا۔ اب تمام مسلمانوں کی صرف دو قسمیں ہیں ایک نیک اور متقی جو اللہ کے نزدیک شریف اور محترم ہے دوسرا فاجر شقی جو اللہ کے نزدیک ذلیل وحقیر ہے''۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ **یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثٰی وجعلنکم شعوبا وقبآئل لتعارفوا ط ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ط ان اللہ علیم خبیرo**

الغرض انسان کی فضیلت۔ شرف اور عزت کا اصلی معیار نسب نہیں بلکہ تقویٰ وطہارت ہے اور متقی آدمی دوسرے کو حقیر کب سمجھے گا۔ پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ ظاہری تقویٰ بھی دنیا میں کسی کی شیخی۔ تعلّی اور تفاخر کی بنیاد نہیں بن سکتا کیونکہ تقویٰ اصل میں دل سے ہے اور دل کا حال اللہ تعالیٰ ہی پر روشن ہے کہ کون واقعی کس حد تک متقی ہے اور جو ظاہر میں متقی نظر آتا ہے وہ باطن میں کیسا ہے اور آئندہ کیسا رہے گا؟ تو یہاں دعوے تقدس وتقویٰ سے ممانعت کی طرف اشارہ ہے آگے ایک ایسی ہی خاص جماعت کا ذکر فرمایا گیا جنہوں نے بطور ریا کے اس کا اظہار بھی اور دعویٰ کیا تھا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں آیت میں اعراب سے مراد قبیلہ بنواسد کے دیہاتی ہیں کہ قحط شدید کے ایام میں صدقہ لینے کی غرض سے مدینہ طیبہ آئے اور اظہار کیا کہ ہم ایمان لائے مگر دراصل دل میں ایمان اور اللہ و رسول کی اطاعت مقصود نہ تھی۔ لیکن بعض مفسرین نے اعراب سے یہاں عام دیہاتی لوگ مراد لئے ہیں جو اسلام میں داخل ہوتے ہی ایمان کا بڑھا چڑھا دعویٰ کرنے لگتے تھے حالانکہ دراصل ان کے دل میں اب تک ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دعوے سے روکا۔ یہ اعرابی دعویٰ کرتے کہ ہم ایمان لائے اس پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیہاتی جو آپ کے پاس آ کر ایمان لانے کے مدعی ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے تو آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے یعنی امنا کے بجائے اسلمنا کہو اور باقی ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اس لئے ایمان کا دعویٰ مت کرو۔ لیکن اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا سب باتوں میں کہنا مان لو جس میں یہ بھی داخل ہے کہ دل سے ایمان لے آؤ تو اللہ تمہارے اعمال میں سے جو کہ بعد ایمان کے ہوں گے ذرا بھی کم نہ کرے گا بلکہ سب کا پورا پورا ثواب دے گا کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ کامل مومن کون ہیں اور اگر کامل مومن بنا جائے تو کیسا بنا جائے یہ اگلی خاتمہ کی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:

اللہ تعالیٰ ہمیں حسب ونسب پر فخر کرنے سے بچائیں اور تقویٰ اور پرہیزگاری جو اصل دولت ہے وہ عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ تقویٰ پر ثابت قدم رکھیں اور حقیقی ایمان سے ہمارے قلوب کو منور فرمائیں۔ اسلام کے ساتھ ہمیں ایمان کامل بھی نصیب فرمائیں اور اپنی شان غفور الرحیمی سے ہمارے ناقص اعمال قبول فرما کر ثواب کامل عطا فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ

پورے مومن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہیں کیا، اور اپنے مال اور جان سے خدا کے راستہ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿۱۵﴾ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

میں جہاد کیا، یہ لوگ ہیں سچے۔ آپ فرما دیجئے کہ کیا خدائے تعالیٰ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو، حالانکہ اللہ کو تو سب آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے،

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ

اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔ یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو،

إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۷﴾ إِنَّ اللَّهَ

بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی بشرطیکہ تم سچے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ

يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾

آسمان اور زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے، اور اللہ تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے۔

إِنَّمَا اسکے سوا نہیں	الْمُؤْمِنُونَ مومن (جمع)	الَّذِينَ وہ لوگ جو	آمَنُوا ایمان لائے	بِاللَّهِ اللہ پر	وَرَسُولِهِ اور اس کا رسول	ثُمَّ پھر
لَمْ يَرْتَابُوا نہ پڑے شک میں وہ	وَجَاهَدُوا اور انہوں نے جہاد کیا	بِأَمْوَالِهِمْ اپنے مالوں سے	وَأَنفُسِهِمْ اور اپنی جانوں سے	فِي میں		
سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کی راہ	أُولَٰئِكَ یہی لوگ	هُمُ وہ	الصَّادِقُونَ سچے	قُلْ فرما دیں	أَتُعَلِّمُونَ کیا تم جتلاتے ہو؟	اللَّهَ اللہ / بِدِينِكُمْ اپنا دین
وَاللَّهُ اور اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مَا جو	فِي السَّمَاوَاتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِي الْأَرْضِ زمین میں	وَاللَّهُ اور اللہ / بِكُلِّ ہر ایک / شَيْءٍ چیز
عَلِيمٌ جاننے والا	يَمُنُّونَ وہ احسان رکھتے ہیں	عَلَيْكَ آپ پر	أَنْ کہ	أَسْلَمُوا وہ اسلام لائے	قُلْ فرمادیں	لَا تَمُنُّوا نہ احسان رکھو تم
عَلَيَّ مجھ پر	إِسْلَامَكُمْ اپنے اسلام لانے کا	بَلِ اللَّهُ بلکہ اللہ	يَمُنُّ احسان رکھتا ہے	عَلَيْكُمْ تم پر	أَنْ هَدَاكُمْ کہ اس نے ہدایت دی تمہیں	
لِلْإِيمَانِ ایمان کی طرف	إِنْ اگر	كُنتُمْ تم ہو	صَادِقِينَ سچے	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	غَيْبَ السَّمَاوَاتِ پوشیدہ باتیں آسمانوں کی
وَالْأَرْضِ اور زمین	وَاللَّهُ اور اللہ	بَصِيرٌ دیکھنے والا	بِمَا وہ جو	تَعْمَلُونَ تم کرتے ہو		

تفسیر و تشریح: یہ سورہ حجرات کی آخری اور خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ حسب و نسب کوئی فخر کرنے کی چیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام سے جاری کیا اور مختلف قومیں اور خاندان جو بنائے تو وہ محض باہم شناخت اور ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے بنائے نہ کہ فخر و تکبر کے لئے۔ پھر بتلایا گیا تھا کہ بڑائی اور بزرگی اللہ کے نزدیک تقویٰ اور پرہیزگاری میں ہے نہ کہ حسب و نسب پر۔ اور تقویٰ چونکہ دل سے تعلق رکھنے والی چیز ہے اس لئے اس کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو خوب معلوم ہے کہ کون واقعی متقی ہے اور کس درجہ کا۔ اس لئے تقویٰ بھی ایسی چیز نہیں کہ کوئی اس پر فخر کرے اور دعویٰ اپنے متقی اور مقدس ہونے کا کرے۔ اسی سلسلہ میں قبیلہ بنی اسد کے بعض دیہاتیوں کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قحط کے زمانہ میں آئے اور کہا کہ ہم مومن ہیں اور دیکھئے دوسرے قبائل کی طرح ہم نے آپ کی مخالفت نہیں کی۔ ہمارے ساتھ ہمارے

اہل و عیال بھی ہیں۔ غرض ان کی یہ تھی کہ آپ ہمارے ممنون ہو کر ہماری مدد کریں۔ اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے ان دیہاتیوں کو کہا گیا تھا کہ تم آمنا کہہ کر دعوے ایمان مت کرو بلکہ اسلمنا کہہ سکتے ہو کہ مخالفت چھوڑ کر آپ کے مطیع ہو گئے۔ انہی بنی اسد کے دیہاتیوں کو ان کے دعوے ایمان کرنے پر ان آیات میں جتلایا جاتا ہے کہ کامل مومن کون ہیں اور اگر تم کو کامل مومن بننا ہے تو کیسے بنو۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ سچے اور پکے مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ اور رسول پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو اور ان کی راہ میں ہر طرح جان و مال سے حاضر رہے یعنی اپنے مالوں کو بھی اور اپنی جانوں کو بھی راہ خدا میں جس میں جہاد بھی شامل ہے خرچ کرتے ہیں یہ سچے لوگ ہیں جو کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایمان لائے یہ ان لوگوں کی طرح نہیں جو صرف زبان ہی سے ایمان کا دعویٰ کر کے رہ جاتے ہیں۔ تو یہاں مومنوں یعنی کامل ایمان والوں کی تین صفات بتلائی گئیں ایک یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور دل سے یقین رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس خالص تصدیق اور کامل یقین پر پوری طرح جم جاتے ہیں اور جمے ہی رہتے ہیں اور اس میں شک و تردد میں نہیں پڑتے اور تیسرے یہ کہ اللہ کے دین کے لئے جان و مال کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اگر یہ تینوں باتیں کسی میں موجود نہ ہوں تو وہ کامل الایمان نہیں کہلایا جا سکتا گو وہ زبانی کیسے ہی اسلام اور ایمان کے بلند دعوے کرتا ہو۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر واقعی سچا دین و ایمان اور کامل یقین تم کو حاصل ہے تو اپنے کہنے اور جتلانے سے کیا ہوگا؟ جس سے معاملہ ہے وہ آپ خبردار ہے۔ اور ایسا جاننے والا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیہاتی جو اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں تو آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان مت رکھو۔ تم جو اسلام قبول کرو گے میری اطاعت و فرمانبرداری کرو گے اور میری دین میں مدد کرو گے تو اس کا نفع تمہیں کو ملے گا تمہارے اسلام نہ لانے سے میرا کیا ضرر ہے اور اگر واقعی تم دعوے ایمان و اسلام میں سچے ہو تو یہ تمہارا احسان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ایمان کی طرف آنے کا راستہ دیا اور دولت اسلام سے سرفراز کیا۔ گویا خاتمہ سورت پر متنبہ کر دیا گیا کہ اگر تم کو قرآنی ہدایات اور اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کی توفیق نصیب ہو تو اس کا احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان کا شکر ادا کرو جس نے تم کو ایسی توفیق عطا فرمائی۔ سورۃ کے خاتمہ پر فرمایا کہ دلوں کے بھید اور ظاہر کا عمل سب کو خدا خوب جانتا ہے اور اسی کے موافق تم کو جزا اور بدلہ دے گا پھر اس کے سامنے دعوے اور باتیں بنانے سے کیا فائدہ۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ خالی خولی زبانی ایمان و اسلام کے دعوے اور لن ترانی نہ مطلوب ہے نہ محمود ہے بلکہ حقیقت ایمان کی یہ ہے کہ صدق دل سے اللہ اور رسول پر ایمان لائے جس کی پہچان اور شناخت یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل پیرا ہو اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے قطعاً گریز ہو۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تو کہے کہ شراب قطعاً حرام ہے۔ ہم کہیں کہ غیر ملکیوں کی مہمانداری کرنی بھی تو ضروری ہے اللہ اور اس کا رسول تو کہے کہ سود یکسر حرام ہے ہم کہیں کہ سودی لین دین چھوڑ کر پھر ''ترقی'' کیسے ہوگی اور یورپ و امریکہ کے بے دین ملکوں میں ہماری عزت اور ساکھ کیسے بنے گی۔ اللہ اور اس کا رسول تو کہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو۔ زانی کو کوڑے اور رجم یعنی سنگساری کی سزا دو۔ ہم کہیں کہ اس ترقی اور تہذیب کے زمانہ میں یہ سزائیں کیسے دی جا سکتی ہیں۔ یورپ والے ہم کو ظالم اور بے رحم کہیں گے۔ اللہ اور رسول تو کہیں کہ مالدار پر حج فرض ہے اگر استطاعت ہوتے ہوئے حج نہ کیا تو اس کو اختیار ہے خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مگر ہم کہیں کہ حج کی عام اجازت کیسے دی جا سکتی ہے جبکہ ملک کی دولت غیر ملک میں خرچ کرنے سے زرمبادلہ کی مشکلات پیش آتی ہیں تو یہ ایمان اور اسلام خوب ہے کہ ایک ایک بات میں اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف اور ضد پر عمل ہو اور دعویٰ ہو کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ درس اب سے قریب ۱۷ سال پہلے یعنی ۱۹۶۹ کا

لکھا ہوا ہے جس وقت ملک میں یہی حالت تھی۔ تو جیسا کہ ان آیات سے صاف معلوم ہوا حقیقت ایمان کی یہ ہے کہ صدق دل سے اللہ اور رسول پر ایمان و یقین ہو۔ اور دوسری بات یہ کہ اس ایمان و یقین میں شک و شبہ اور تردد نہ ہو اور تیسری بات حقیقت ایمان کے لئے یہ فرمائی کہ دین کی بلندی کے لئے اللہ کے نام کی بڑائی اور عظمت کے لئے اپنے جان و مال کی قربانی کرنا۔ اپنی چاہت کے حال کو اللہ کے راستہ میں قربان کرنا اور اپنی عزیز جان کو اللہ کی رضا میں لگانا اور فدا کرنا تو کھرے کھوٹے ایمان کی کسوٹی ہے

یہ آیت انما المؤ منون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یر تابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ ط اولئک ھم الصدقون. ایمان والے تو وہی ہیں کہ جو:۔

۱-اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے

۲- پھر انہوں نے کسی طرح شک و شبہ نہیں کیا

۳- اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرتے رہے وہی سچے بھی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو بھی اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں۔ آمین۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں بھی حقیقی ایمان و اسلام نصیب فرمائیں اور ہم کو اپنی اور اپنے رسول پاک کی سچی اطاعت و فرمانبرداری نصیب فرمائیں اور ہمارے دلوں کو شکوک و شبہات سے پاک فرمائیں۔

یا اللہ اپنے دین کے لئے اور اپنی رضا کے لئے ہمیں اپنا جان مال خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمایئے۔

اے اللہ آپ نے ہم کو اسلام عطا فرما کر ہم پر بڑا احسان و انعام فرمایا۔

اے اللہ ہم کو اس نعمت کی قدر و عظمت عطا فرما اور ہم کو اسی اسلام پر تازیست قائم رکھ اور اسی پر موت نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا

ق قسم ہے قرآن مجید کی۔ بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ڈرانے والا آگیا سو کافر لوگ کہنے لگے کہ یہ

شَيْءٌ عَجِيْبٌ ② ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ③ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ

عجیب بات ہے۔ جب ہم مرگئے اور مٹی ہوگئے تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید بات ہے۔ ہم اُن کے اُن اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی کم کرتی ہے،

مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ⑤

اور ہمارے پاس کتاب محفوظ ہے۔ بلکہ سچی بات کو جبکہ وہ ان کو پہنچتی ہے جھٹلاتے ہیں غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں۔

قٓ قاف	وَالْقُرْاٰنِ قسم ہے قرآن	الْمَجِيْدِ مجید	بَلْ بلکہ	عَجِبُوْٓا انہوں نے تعجب کیا	اَنْ کہ	جَآءَهُمْ انکے پاس آیا	مُّنْذِرٌ ایک ڈرسنانے والا
مِّنْهُمْ ان میں سے	فَقَالَ تو کہا	الْكٰفِرُوْنَ کافروں	هٰذَا یہ	شَيْءٌ شے	عَجِيْبٌ عجیب	ءَاِذَا مِتْنَا کیا جب ہم مرگئے	وَكُنَّا اور ہوگئے
تُرَابًا مٹی	ذٰلِكَ یہ	رَجْعٌ دوبارہ لوٹنا	بَعِيْدٌ دور	قَدْ عَلِمْنَا تحقیق ہم جانتے ہیں	مَا تَنْقُصُ جو کچھ کم کرتی ہے	الْاَرْضُ زمین	
مِنْهُمْ ان میں سے	وَعِنْدَنَا اور ہمارے پاس	كِتٰبٌ حَفِيْظٌ محفوظ رکھنے والی کتاب	بَلْ كَذَّبُوْا بلکہ انہوں نے جھٹلایا	بِالْحَقِّ حق کو			
لَمَّا جَآءَهُمْ جب وہ آیا ان کے پاس	فَهُمْ پس وہ	فِيْٓ اَمْرٍ ایک بات میں	مَّرِيْجٍ اُلجھی ہوئی				

تفسیر وتشریح: الحمدللہ اب ۲۶ ویں پارہ کی سورہ ق کا بیان ہورہا ہے اور یہیں سے قرآن پاک کی ساتویں منزل جو آخری منزل ہے شروع ہوتی ہے۔ اس وقت اس سورہ ق کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام وزمانہ نزول۔ خلاصہ مضامین۔ تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔

اس سورۃ کی ابتداہی حرف ق سے ہوئی ہے جو مقطعات قرآنی میں سے ہے۔ اس لئے علامت کے طور پر اس سورۃ کا نام ق مقرر ہوا۔ یہ سورۃ مکی ہے اور مکی دور کے ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں سے ہے۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۵۰ ویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۵۴ لکھا ہے یعنی ۵۳ سورتیں اس سے قبل نازل ہوچکی تھیں اور ۶۰ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔

اس سورۃ میں ۴۵ آیات ۳ رکوعات۔ ۳۷۶ کلمات اور ۱۵۲۵ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ چونکہ یہ سورۃ مکی ہے اس لئے اس میں عقائد سے متعلق مضامین بیان فرمائے گئے ہیں۔ سورۃ کی ابتدا قرآن پاک کے ذکر سے فرمائی گئی کہ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے اور جو کچھ اس میں قیامت۔ حشر نشر وغیرہ کے بارہ میں بتلایا گیا ہے وہ سراسر حق ہے لیکن مخالفین محض ہٹ دھرمی سے کام لے کر ان باتوں کا ناحق انکار کرتے ہیں چنانچہ کفار ومنکرین کہتے کہ جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہوجائیں گے تو پھر ہم دوبارہ کیونکر زندہ ہوں گے۔ کفار کے ان اشکالات کا جواب دیتے ہوئے بتلایا گیا کہ یہ مانا کہ انسان مرکر مٹی ہوجائے گا اور اس کے اجزا زمین میں بکھر جائیں

گے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اس کے بدن کا ذرہ ذرہ کہاں ہے اس لئے ہر جگہ سے سمیٹ کران اجزاء کو پھر اکٹھا کر کے انسان کو دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کیا جاوے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوگا اور اس کی قدرت کی نشانیاں اب بھی دنیا میں ظاہر ہیں آسمان کی طرف دیکھو اتنی بڑی چھت بغیر کسی ستون اور سہارے کے کس طرح کھڑی ہے اور کس طرح ستارے جگمگاتے ہیں پھر اس آسمان میں نہ کوئی سوراخ نظر آتا ہے نہ کوئی دراڑ نظر آتی ہے۔ پھر زمین کو دیکھو کہ کس طرح دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور وزنی پہاڑ اس پر جمے ہوئے ہیں اور قسم قسم کی چیزیں اس زمین سے اگ رہی ہیں۔ پھر آسمان سے بارش ہوتی ہے مردہ خشک زمین زندہ ہو کر ہری بھری ہو جاتی ہے اور اس میں جان پڑ جاتی ہے اسی طرح انسان بھی مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہو جائے گا۔ پھر بتلایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کر کے کسی نے بھی اچھا پھل نہ پایا بلکہ انکار کرنے والے بری طرح ہلاک ہوئے چنانچہ پہلے قوم نوح۔ اصحاب الرس۔ عاد۔ ثمود۔ قوم فرعون۔ قوم لوط۔ اصحاب الایکہ۔ اور قوم تبع ہر ایک نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تکذیب کرنے والے ہلاک کر دیئے گئے۔ اس لئے لوگوں کو گذشتہ قوموں کے حالات سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ پھر خود انسان کی پیدائش اور اس کے متعلق خدائی قدرت کا اظہار کیا گیا کہ یہ انسان آپ ہی آپ نہیں بن گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ارادہ سے پیدا کیا ہے اور اس کے قول وفعل کے نگران دو فرشتہ اس کے ساتھ لگا دیئے ہیں جو اس کی نیکی اور بدی فوراً لکھتے رہتے ہیں اور آخر ایک وقت اس انسان پر ایسا آنا ہے کہ جب اس پر موت کی بے ہوشی طاری ہوتی ہے اور موت کا آنا یقینی ہے پھر جب انسان کو موت آ گئی اور اس کی دنیا کی زندگی ختم ہو گئی تو اس کے بعد ایک وقت آئے گا کہ جب صور میں پھونک ماری جائے گی اس وقت تمام انسان جہاں بھی ہوں گے پھر زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور وہ ہولناک دن شروع ہو جائے گا جس سے تمام اللہ کے نبی اور رسول ڈراتے چلے آئے ہیں قیامت میں انسان اپنے اعمال کے مطابق دوزخ میں جائے گا یا جنت میں۔ پھر جنت و جہنم کی کچھ کیفیت بیان کی گئی اور بتلایا گیا کہ انسان اللہ سے منہ موڑ کر دنیا میں جن کو اپنا ساتھی بنا رہا ہے۔ وہ قیامت کے دن اس کے کچھ کام نہ آئیں گے وہاں تو اسی کی نجات ہوگی جو دنیا میں بن دیکھے اللہ سے ڈرتا رہے گا اور دل سے اللہ کی طرف رجوع کرتا رہے گا اور اس سے غافل نہ ہوگا۔ سورۃ کے خاتمہ پر فرمایا گیا کہ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتے ہیں اور وہی موت دیتے ہیں اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہوگا اور گو یہ منکرین ان باتوں کو نہ مانیں مگر حقیقت یہ ہے کہ سب کو ایسا ہی جمع ہونا ہے اور یہ اللہ کے نزدیک کچھ مشکل بات نہیں بلکہ بڑی آسان بات ہے اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا گیا کہ آپ کو ان منکرین سے زبردستی بات منوانے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہے آپ کا کام اچھی طرح سمجھا کر کہہ دینا ہے آگے کوئی مانے یا نہ مانے۔ پس آپ قرآن پڑھ پڑھ کر اچھی طرح سمجھا دیں گو نصیحت وہی حاصل کرے گا جو اللہ کی وعید سے ڈرتا ہو یہ ہے خلاصہ اس تمام سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں سامنے آئیں گی۔

اب ان آیات زیر تفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو سورۃ کی ابتداق جو حروف مقطعات میں سے ہے فرمائی گئی جس کے حقیقی معنیٰ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ پھر قرآن کریم کی عظمت اور بزرگی ظاہر کرنے کے لئے اس کی قسم کھا کر بتلایا گیا کہ اس قرآن کی بزرگی اور عظمت شان کا کیا کہنا لیکن اس کے باوجود منکرین پھر بھی اس کو قبول نہیں کرتے اور یہ اس لئے نہیں کہ ان کے پاس اس کے خلاف کوئی حجت و برہان ہے بلکہ محض اپنے جہل و حماقت سے اس پر تعجب کرتے ہیں کہ ان ہی کے خاندان۔ قبیلہ اور نسل کا ایک آدمی ان کی طرف رسول ہو کر آیا اور بڑا بن کر سب کو نصیحتیں کرنے لگا اور بات بھی ایسی عجیب کہی جسے کوئی باور نہ کر سکے۔ بھلا جب ہم مر کر مٹی ہو گئے کیا پھر زندگی کی طرف واپس کئے جائیں گے۔ یہ واپسی تو عقل سے بہت دور اور ہماری سمجھ سے بعید ہے کفار کے ان اشکالات کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے علم میں ہے کہ بدن کے اجزا

تحلیل ہو کر جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہیں اس کو قدرت ہے کہ ہر جگہ سے اجزاء اصلیہ کو جمع کر کے ڈھانچہ کھڑا کر دے اور دوبارہ جان اس میں ڈال دے اور یہی نہیں کہ آج سے معلوم ہے بلکہ اللہ کا علم قدیم ہے اور قبل وقوع ہی سب اشیاء کے حالات ایک کتاب میں جولوح محفوظ کہلاتی ہے لکھ دیئے تھے اور اب تک وہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس موجود چلی آتی ہے جس میں ذرا کمی بیشی نہیں ہوسکتی تو یہ منکرین بلا وجہ تعجب میں ہیں اور یہ تعجب ہی نہیں بلکہ کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ اللہ کے رسول کا انکار۔ قرآن کا انکار۔ مرکر دوبارہ زندہ ہونے کا انکار۔ غرض ہر چیز کو جھٹلاتے ہیں اور عجیب الجھی ہوئی باتیں کرتے ہیں۔ بے شک جو شخص سچی باتوں کو جھٹلاتا ہے اسی طرح شک واضطراب کی الجھنوں میں پڑا رہتا ہے۔

یہاں آیت میں جو فرمایا گیا ہے **وعندنا کتب حفیظ** ٥ اور ہمارے پاس کتاب محفوظ ہے تو اس کتاب سے مفسرین نے لکھا ہے کہ لوح محفوظ مراد ہے لوح محفوظ جس کو ام الکتٰب بھی کہا گیا ہے کیا ہے؟ کیسی ہے؟ درحقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ بس مراد اللہ تعالیٰ کی علمی کتاب ہے جسمیں ہر چیز موجود ہے سابق ولاحق۔ حاضرو غائب کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں۔ جسطرح لوح اپنی تحریر کو ظاہر کر دیتی ہے واقعات گزر جاتے ہیں لوح پر تحریر باقی رہتی ہے اور اپنے مضمون کو ظاہر کرتی رہتی ہے۔ (لغات القرآن جلد ۵)

آگے ذکر ہے قدرت الٰہی کا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو یہ عظمت والی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی ہے ہم کو اس نعمت کی قدردانی اور شکر گذاری کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اس کے احکام وقوانین پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ہمیں اپنی عظمت والی کتاب قرآن کریم کی حقیقی عظمت عطا فرما دے اور ہمیں اپنے بھولے ہوئے سبق کو پھر یاد کر لینے کی توفیق نصیب فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾ وَالْاَرْضَ

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی طرف آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا اور اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ نہیں۔ اور زمین کو

مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۷﴾ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى

ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جما دیا اور اس میں ہر قسم کی خوش نما چیزیں اُگائیں۔ جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا

لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿۹﴾

ہر رجوع ہونے والے بندے کیلئے۔ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا پھر اس سے بہت سے باغ اُگائے اور کھیتی کا غلہ

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾

اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ بندوں کے رزق دینے کیلئے اور ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح زمین سے نکلنا ہوگا۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا تو کیا وہ نہیں دیکھتے؟	اِلَى السَّمَآءِ آسمان کی طرف	فَوْقَهُمْ ان کے اوپر	كَيْفَ کیسے	بَنَيْنٰهَا بنایا اسکو	وَزَيَّنّٰهَا اور اس کو آراستہ کیا			
وَمَا لَهَا اور اس میں نہیں	مِنْ کوئی	فُرُوْجٍ شگاف	وَالْاَرْضَ اور زمین	مَدَدْنٰهَا ہم نے پھیلایا	وَاَلْقَيْنَا اور ڈالے جمائے	فِيْهَا اس میں		
رَوَاسِيَ پہاڑ (جمع)	وَاَنْۢبَتْنَا اور اُگائے	فِيْهَا اس میں	مِنْ سے۔کے	كُلِّ زَوْجٍ ہر قسم	بَهِيْجٍ خوشنما	تَبْصِرَةً ذریعہ بینائی	وَذِكْرٰى اور نصیحت	
لِكُلِّ لئے۔ہر	عَبْدٍ مُّنِيْبٍ رجوع کرنیوالا بندہ	وَنَزَّلْنَا اور ہم نے اتارا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	مَآءً پانی	مُّبٰرَكًا بابرکت	فَاَنْۢبَتْنَا پھر ہم نے اُگائے		
بِهٖ اس سے	جَنّٰتٍ باغات	وَحَبَّ اور دانہ (غلہ)	الْحَصِيْدِ کاٹے (کھیتی)	وَالنَّخْلَ اور کھجور کے درخت	بٰسِقٰتٍ بلند وبالا	لَهَا جن کے	طَلْعٌ خوشے	
نَضِيْدٌ تہ بہ تہ	رِزْقًا رزق	لِلْعِبَادِ بندوں کیلئے	وَاَحْيَيْنَا اور ہم نے زندہ کیا	بِهٖ اس سے	بَلْدَةً شہر (زمین)	مَّيْتًا مردہ	كَذٰلِكَ اسی طرح	الْخُرُوْجُ نکلنا

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں کفار ومنکرین کا قول نقل فرمایا گیا تھا کہ جو یہ کہتے تھے کہ بھلا مر جانے کے بعد جب ہم مٹی ہو گئے تو پھر دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے یعنی وہ حشر نشر کو ناممکن سمجھتے تھے۔ تو اس کا ایک جواب وہاں دیا گیا تھا کہ بدن کے اجزا تحلیل ہو کر جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہیں وہ سب اللہ کے علم میں ہیں اور اس کو قدرت حاصل ہے کہ وہ انسانی بدن کے ایک ایک ذرہ کو جہاں کہیں بھی وہ ہو انہیں جمع کر کے دوبارہ اس میں زندگی ڈال دے دوسرا جواب ان آیات میں دیا جاتا ہے کہ یہ منکرین جو مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں اور اس کو ناممکن خیال کرتے ہیں دراصل ان منکرین نے اللہ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ یہ لوگ جس چیز کو ناممکن خیال کرتے ہیں پروردگار عالم اس سے زیادہ بڑھے چڑھے اپنی قدرت کے نمونے سامنے رکھ کر فرماتا ہے کہ ایک آسمان ہی کو دیکھ لو جو ان کے سر پر ہر طرف چھایا ہوا ہے نہ بظاہر اس میں کوئی کھمبا نظر آتا ہے نہ ستون وسہارا تو اتنا بڑا عظیم الشان جسم کیسا مضبوط اور محکم کھڑا ہوا ہے اور رات کو جب اس پر ستاروں کی قندیل روشن ہوتی ہے تو یہ آسمان کس قدر پر رونق اور خوبصورت نظر آتا ہے پھر لطف یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں برس گذر گئے نہ اس چھت میں کہیں سوراخ ہوا۔ نہ کوئی حصہ ٹوٹا پھٹا۔ نہ رنگ خراب ہوا آخر وہ کس کی قدرت ہے جس نے یہ مخلوق بنائی اور پھر بنا کر اس کی ایسی حفاظت کی۔ پھر آسمان کے بعد زمین کی صناعی کی طرف توجہ دلائی کیا یہ منکرین زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس قدر دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور کس طرح اس پر بڑے بڑے وزنی اور بھاری بھر کم پہاڑ جمے ہوئے ہیں اور اس

زمین میں سے کس طرح طرح کی خوشنما اور دلفریب چیزیں پھل پھلار۔ میوے۔ غلہ ترکاری سبزی وغیرہ اگتی ہیں۔ یہ چیزیں ہرایک کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور اس آسمان وزمین کی تخلیق وتنظیم میں دانائی اور بینائی کے کتنے سامان ہیں جن میں ادنیٰ غور کرنے سے انسان صحیح حقیقت تک پہنچ سکتا ہے اور ان باتوں کو یاد دلانے والی ہیں جنہیں انسان غفلت میں پڑکر بھول گیا ہے۔ پھر ایسی روشن نشانیوں کی موجودگی میں بھی یہ منکرین کیونکر حق کو جھٹلانے کی جرأت کرتے ہیں۔ پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس پر بھی غور کرو کہ اللہ نے نفع دینے والا پانی آسمان سے برسا کر زمین سے باغات اگائے جن میں میوہ دار درخت پھولتے اور پھلتے ہیں اور کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں جو کاٹی جاتی ہیں اور جن کے اناج کھلیان میں ڈالے جاتے ہیں اور کھجور کے اونچے اونچے درخت اگادیئے جو بھرپور میوے لاتے ہیں اور کھجوروں کے گچھوں سے لدے رہتے ہیں۔ یہ سب سامان اللہ نے اپنے بندوں کے رزق کے لئے کیا ہے اور یہی پانی ہے کہ جب برستا ہے تو مردہ خشک زمین میں جان پڑجاتی ہے اور خشک سوکھی ہوئی زمین پھر تروتازہ ہوکر لہلہانے لگتی ہے اور سوکھے چٹیل میدان سرسبز ہوجاتے ہیں تو ان سب چیزوں پر غور کرنے سے اللہ کی قدرت صاف نظر آتی ہے خاص کر پانی سے مردہ زمین میں دوبارہ جان پڑتی دیکھ کر تو کسی عقلمند کو اس میں شبہ نہ رہنا چاہئے کہ اسی طرح انسان مردہ ہوکر پھر دوبارہ زندہ ہوگا جس طرح بارش ہونے پر خشک زمین کو از سر نو سرسبز شاداب ہوتے دیکھتے ہو اسی طرح حکمت الٰہی اور قدرت خداوندی مردہ انسانوں کو بھی زمین سے نکال کھڑا کرے گی۔ اس کا ناممکن ہونا تو الگ رہا اس میں تعجب کی بھی کیا بات ہے۔ کیا قدرت کی یہ نشانیاں نہیں بتلاتیں کہ بلاشک وشبہ وہ قادر تمام باتوں پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

صرف یہیں اس سورت میں نہیں بلکہ قرآن کریم میں متعدد جگہ حق تعالیٰ نے اپنی لامحدود قدرت کو جاننے اور اس سے حق تعالیٰ کے وجود کو پہچاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے لئے انسانوں کو اپنی مخلوقات اور مصنوعات میں غور وفکر کرنے کے لئے فرمایا۔ اور اسی کو ذریعہ بتلایا تبصرة وذکریٰ لکل عبد منیب o یعنی ہر ایسے شخص کے لئے جو اللہ کی قدرت کی معرفت حاصل کرنا چاہے وہ اس غرض کے لئے اللہ کی مصنوعات میں فکر کرنے کی طرف متوجہ ہو یہی ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لئے۔ تو یہاں حشر ونشر اور بعث بعد الموت یعنی مرکر دوبارہ زندہ ہونے پر کفار ومشرکین مکہ کو یہ جواب دیا گیا کہ انسان اپنے محدود علم وقدرت وبصیرت پر اللہ تعالیٰ کے غیر محدود اور غیر متناہی علم اور قدر کو قیاس کرکے اس گمراہی میں پڑتا ہے کہ قیامت اور حشر ونشر کا انکار کرتا ہے خلاصہ یہ کہ یہاں ثابت کیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان وزمین جیسی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو ایک مردہ کو دوبارہ زندہ کردینے پر اس کو قدرت کیوں نہ ہوگی۔ ضرور ہوگی اور اس میں تعجب اور تکذیب کی کیا بات ہے۔

اب آگے منکرین ومکذبین کو وعید سنائی جاتی ہے اور گذشتہ بعض مشہور قوموں کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جنہوں نے انکار قیامت سے اپنے رسولوں کی تکذیب کرکے اپنے سر عذاب مول لیا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ آپ نے ہماری پرورش کیلئے دنیا میں طرح طرح کے سامان رزق عطا فرمائے ہیں۔ اپنی ان نعمتوں کا شکر گذار اور قدردان بنا کر زندہ رکھئے اور ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾

ان سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس اور ثمود۔ اور عاد اور فرعون اور قوم لوط

وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ

اور اصحاب ایکہ اور قوم تبع تکذیب کر چکے ہیں، سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا سو میری وعید محقق ہوگئی۔ کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے،

بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾ ع وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ

بلکہ یہ لوگ از سرِ نو پیدا کرنے کی طرف سے شبہ میں ہیں۔ اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں،

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ

اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ۔ جب دو اخذ کرنے والے فرشتے اخذ کرتے رہتے ہیں جو کہ داہنی اور بائیں طرف

قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ

بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔ اور موت کی سختی حقیقۃً آپہنچی،

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾

یہ وہ چیز ہے جس سے بدکتا تھا۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	قَوْمُ نُوْحٍ نوح کی قوم	وَ اور	اَصْحٰبُ الرَّسِّ اہلِ رس	وَثَمُوْدُ اور ثمود	وَعَادٌ اور عاد	وَفِرْعَوْنُ اور فرعون
وَاِخْوَانُ اور بھائی (جمع)	لُوْطٍ لوط	وَاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ اور اہلِ ایکہ (بن کے رہنے والے)	وَقَوْمُ تُبَّعٍ اور قوم تبع	كُلٌّ كَذَّبَ سب نے جھٹلایا			
الرُّسُلَ رسولوں	فَحَقَّ پس ثابت ہوگیا	وَعِيْدِ وعدہ عذاب	اَفَعَيِيْنَا تو کیا ہم تھک گئے	بِالْخَلْقِ پیدا کرنے سے	الْاَوَّلِ پہلی بار	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	
فِيْ لَبْسٍ شک میں	مِنْ سے	خَلْقٍ جَدِيْدٍ پیدا کرنا از سرِ نو	وَلَقَدْ خَلَقْنَا اور تحقیق ہم نے پیدا کیا	الْاِنْسَانَ انسان	وَنَعْلَمُ اور ہم جانتے ہیں		
مَا تُوَسْوِسُ جو وسوسے گزرتے ہیں	بِهٖ اس کے	نَفْسُهٗ اس کا جی	وَنَحْنُ اور ہم	اَقْرَبُ بہت قریب	اِلَيْهِ اس کے	مِنْ سے	
حَبْلِ الْوَرِيْدِ رگِ گردن (شہ رگ)	اِذْ يَتَلَقَّى جب لیتے (لکھ لیتے) ہیں	الْمُتَلَقِّيٰنِ دو لینے (لکھ لینے) والے	عَنِ الْيَمِيْنِ دائیں سے	وَ اور			
عَنِ الشِّمَالِ بائیں سے	قَعِيْدٌ بیٹھا ہوا	مَا يَلْفِظُ اور نہیں نکالتا	مِنْ قَوْلٍ کوئی بات	اِلَّا مگر	لَدَيْهِ اس کے پاس	رَقِيْبٌ ایک نگہبان	عَتِيْدٌ تیار بیٹھا ہوا
وَ اور	جَآءَتْ آگئی	سَكْرَةُ الْمَوْتِ موت کی بے ہوشی	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	ذٰلِكَ یہ	مَا كُنْتَ جس سے تو تھا	مِنْهُ اس سے	تَحِيْدُ بھاگتا (بدکتا)

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں منکرین کے قیامت وحشر ونشر کے بارہ میں اشکالات نقل فرما کر ان کے جوابات ارشاد فرمائے گئے تھے اور بتلایا گیا تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بارش کے پانی سے مردہ یعنی خشک زمین کو زندہ اور سرسبز فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح مردہ انسان دوبارہ زندہ ہوکر زمین سے اٹھ کھڑے ہوں گے اس لئے قیامت میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر نہ تعجب ہونا چاہئے نہ انکار مگر ضدی وہٹ دھرم کفار مکہ کہاں ماننے والے تھے۔ اس لئے ان کو انکار وتکذیب پر وعید سنائی جاتی ہے کہ پہلے بھی بہت سی مشہور قومیں اور امتیں اپنے رسولوں کا انکار

اوران کی باتوں کی تکذیب کر چکی ہیں مگر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ ان پر عذاب خداوندی نازل ہوا اور وہ ہلاک کیئے گئے۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ ان کفار مکہ سے پہلے قوم نوح نے اور اصحاب الرس نے اور قوم ثمود اور قوم عاد اور قوم فرعون اور قوم لوط اور اصحاب ا یکہ اور قوم تبع یہ سب بھی اپنے رسولوں کی اوران کی باتوں کی جو وہ قیامت وحشر ونشر کے بارہ میں بتلاتے تھے انکار وتکذیب کر چکی ہیں۔ ان تمام اقوام کے قصہ سورہ حجر سورہ فرقان اور سورہ دخان وغیرہ میں گزر چکے ہیں۔ تو ان تمام امتوں کو ان کی سرکشی وکفر اور مخالفت حق کا نتیجہ وہی ملا جس سے انہیں ڈرایا گیا تھا یعنی عذاب خداوندی سے ہلاک کر دیئے گئے تو اہل مکہ اور دیگر مخاطبین کو سمجھایا جاتا ہے کہ اس انکار وتکذیب کی بدخصلت سے پرہیز کرنا چاہئے اور باز آ جانا چاہئے ورنہ ایسا نہ ہو کہ عذاب کا کوڑا ان پر بھی برس پڑے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اول بار میں عدم محض سے تو تمام مخلوق اور چیزوں کا خالق اللہ تعالیٰ کا ہونا یہ بھی تسلیم کرتے ہیں تو پھر کیا ان منکرین کا یہ خیال ہے کہ اب اللہ کی قدرت تخلیق جواب دے گئی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ اول بار مخلوق کو پیدا کر کے (معاذ اللہ) تھک گئے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر وہ انسانوں کے دوسری بار پیدا کرنے میں شبہ کیوں کرتے ہیں جو ایک بار پیدا کر سکتا ہے وہ مٹا کر دوسری بار بھی پیدا کر سکتا ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس انسان کو اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے ارادہ سے پیدا کیا ہے یہ نہ آپ ہی آپ بن گیا اور نہ کسی دوسرے نے اسے پیدا کیا اور پھر اس کو پیدا کر کے یہ نہیں کہ چھوڑ دیا اور بے خبر ہو گئے۔ نہیں بلکہ اس کے ہر قول وفعل سے اللہ تعالیٰ خبردار ہیں حتیٰ کہ جو وساوس وخطرات انسان کے دل میں گزرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بھی واقف ہیں اور وہ انسان سے اتنے قریب ہیں کہ اس کی اپنی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں اور پھر یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل کے خطرات و وساوس کو جانتے ہیں اور انسان کی شہ رگ سے زیادہ اس کے نزدیک ہیں بلکہ دو فرشتے بھی خدا کے حکم سے ہر وقت اس کی تاک میں لگے رہتے ہیں اور جو لفظ انسان کے منہ سے نکلے وہ لکھ لیتے ہیں دائیں طرف والا نیکی لکھتا ہے اور بائیں طرف والا بدی۔ ادھر انسان نے کچھ کیا یا کہا ادھر ان میں سے کوئی ایک فوراً لکھ لیتا ہے اور وہ اس کے اعمال کی تاک میں تیار بیٹھا رہتا ہے کہ ادھر اس نے کچھ کیا یا کہا ادھر اس نے جھٹ لکھ لیا۔ آخر ایک وقت انسان پر ایسا آتا ہے کہ وہ نہ کچھ کہہ سکتا ہے اور نہ کر سکتا ہے اور اس پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور موت کی علامتیں شروع ہو جاتی ہیں اس وقت وہ سب سچی باتیں نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں جن کی خبر اللہ کے رسولوں نے دی تھیں۔ یہ پیش آنا ہر انسان کے لئے قطعی یقینی ہے۔ آگے انسان کو براہ راست خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے انسان یہی موت ہے جس سے تو بچتا تھا اور کتراتا تھا اور بہت کچھ تو نے اس کو ٹلانا چاہا اور اس وقت سے بہت کچھ بھاگتا رہا پر یہ گھڑی ٹلنے والی کہاں تھی۔ آخر سر پر آ کھڑی ہوئی کوئی تدبیر وحیلہ دفع الوقتی کا نہ چل سکا۔

یہاں آیت میں جو فرمایا گیا نحن اقرب الیه من حبل الوریدo کہ ہم انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں تو اس کا جمہور مفسرین نے یہی مطلب لیا ہے کہ قرب سے مراد قرب علمی اور احاطہ علمی ہے۔ قرب مسافت مراد نہیں۔ اور شہ رگ ہر جاندار میں خون کی وہ رگیں ہیں جو جاندار کے دل سے نکلتی ہیں جن پر انسان وحیوان کی زندگی موقوف ہے یہ رگیں کاٹ دی جائیں تو جاندار کی روح نکل جاتی ہے خلاصہ مطلب اس جملہ کا یہی ہوا کہ جس چیز پر انسان کی زندگی موقوف ہے اللہ تعالیٰ اس چیز سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں یعنی اس کی ہر چیز کا علم رکھتے ہیں۔

پھر ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالتا جس کو یہ نگران فرشتے محفوظ نہ کر لیتے ہوں اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

''انسان بعض اوقات کوئی کلمہ خیر بولتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے مگر یہ اس کو معمولی بات سمجھ کر بولتا ہے۔ اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اس کا ثواب کہاں تک پہنچا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے

اپنی رضائے دائمی قیامت تک کی لکھ دیتے ہیں۔اسی طرح کوئی کلمہ انسان اللہ کی ناراضی کا معمولی سمجھ کر زبان سے نکال دیتا ہے اور اس کو گمان نہیں ہوتا کہ اس کا گناہ اور وبال کہاں تک پہنچے گا۔اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص سے اپنی دائمی ناراضی قیامت تک کے لئے لکھ دیتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زبانوں کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنی رضا مندی کے کلمات ہماری زبانوں سے نکلنا نصیب فرمائیں۔

اب آگے موت کے بعد جو قیامت اور حشر نشر واقع ہوگا اس کے بعض واقعات بیان فرمائے جاتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو انسان بنا کر پیدا فرمایا اور کفر وشرک سے بچا کر ہم کو ایمان واسلام کی دولت سے نوازا۔

یا اللہ نافرمان قوموں کی خصلت واعمال سے ہم کو بچایئے اور ہم کو کامل اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرمایئے۔

یا اللہ ہمارے اقوال واعمال میں حفاظت فرمایئے اور وہ اعمال واقوال جو آپ کی رضا کے باعث ہوں ہمارے لئے آسان اور سہل فرما دیجئے اور وہ اعمال واقوال جو آپ کی ناراضگی کا باعث ہوں ہم سے محال وناممکن کر دیجئے اور اُن سے کامل طور پر بچنے کی توفیق عطا فرمایئے۔

یا اللہ موت کی سختی ہمارے لئے آسان فرمایئے گا اور ایمان واسلام کی موت ہم سب کو نصیب فرمایئے گا۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿٢٠﴾

اور صور پھونکا جاوے گا، یہی دن ہوگا وعید کا۔

وَنُفِخَ	اور پھونکا گیا	فِي الصُّورِ	صور میں	ذَٰلِكَ	یہ	يَوْمُ الْوَعِيدِ	وعید کا دن

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ اے انسان موت کی بے ہوشی تجھ پر یقیناً آ کر رہے گی اور آدمی نے موت کو بہت کچھ ٹلانا چاہا اور اس وقت سے بچنے کے لئے بھاگتا اور کتراتا رہا مگر یہ موت کی گھڑی انسان کے سر سے ٹلنے والی کہاں تھی۔ آخر سر پر آ کر کھڑی ہوتی ہے اور کسی کی کوئی تدبیر اور حیلہ موت سے بچنے کا نہ چل سکا۔ اب جب انسان کو موت آ گئی اور اس کی دنیا کی زندگی ختم ہوئی تو اب اس کو آگے کیا واقعات پیش آنے ہیں یہ اس آیت اور آئندہ آیات میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ ایک وقت آئے گا تو صور میں پھونک ماری جائے گی اس وقت جہاں بھی جو انسان مرا ہوگا پھر زندہ ہو کر کھڑا ہوگا اور وہ ہولناک دن شروع ہو جائے گا جس سے اللہ کے نبی اور رسول اور اللہ کی سب کتابیں ڈراتی چلی آئی ہیں یہاں جس صور پھونکے جانے کا ذکر ہے وہ دوسری بار کا صور ہوگا جب کہ سب مردہ زندہ ہو جائیں گے اور پہلے بار کے صور پھونکے جانے پر سب کا دنیا میں خاتمہ ہو جائے گا۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث مفسر دہلویؒ نے اپنی کتاب قیامت نامہ میں احادیث کی روشنی میں جو صور پھونکے جانے کی کیفیت لکھی ہے وہ موقع کی مناسبت سے یہاں نقل کی جاتی ہے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

''قرب قیامت کی آخری علامت کے بعد قیام قیامت کی اول علامت یہ ہوگی کہ لوگ تین چار سال تک غفلت میں پڑے رہیں گے (یہاں لوگوں سے مراد بے دین اور کفار ہیں جو اخیر میں دنیا میں باقی رہیں گے اور قیامت انہی پر قائم ہوگی کیونکہ اہل ایمان تو اس جہان سے سب کوچ کر چکے ہوں گے حتیٰ کہ کوئی روئے زمین پر لفظ اللہ تک کہنے والا نہ ہوگا) دنیاوی نعمتیں۔ اموال اور شہوت رانیاں بکثرت ہو جائیں گی کہ جمعہ کے دن جو یوم عاشورہ بھی ہوگا صبح ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں گے کہ ناگاہ ایک باریک لمبی آواز آدمیوں کو سنائی دے گی۔ یہی نفخ صور اول ہوگا۔ تمام اطراف کے لوگ اس کے سننے میں یکساں ہوں گے اور حیران ہوں گے کہ یہ آواز کیسی ہے اور کہاں سے آتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ آواز مانند کڑک بجلی کے سخت و بلند ہوتی جائے گی۔ آدمیوں میں اس کی وجہ سے بڑی بے چینی و بے قراری پھیل جاوے گی۔ جب وہ پوری سختی پر آ جائے گی تو لوگ خوف و ہیبت سے مرنے شروع ہو جائیں گے زمین میں زلزلہ آئے گا جس کے ڈر سے لوگ گھروں کو چھوڑ کر میدانوں میں بھاگیں گے اور وحشی جانور خائف ہو کر لوگوں کی طرف میل کریں گے۔ زمین جا بجا شق ہو جائے گی۔ سمندر ابل کر قرب و جوار کے مواضعات پر چڑھ جائیں گے۔ آگ بجھ جائے گی۔ نہایت محکم اور بلند پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تیز ہوا کے چلنے سے ریت کے موافق اڑیں گے۔ گرد و غبار کے اٹھنے اور آندھیوں کے آنے کے سبب جہاں تیرہ و تار ہو جائے گا۔ وہ آواز دم بدم سخت ہوتی جائے گی یہاں تک کہ اس کے نہایت ہولناک ہونے پر آسمان پھٹ جائیں گے۔ ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ جب تمام انسان مر جائیں گے تو ملک الموت ابلیس کی روح قبض کرنے کے لئے متوجہ ہوں گے یہ ملعون چاروں طرف دوڑتا پھرے گا ملائکہ گرز ہائے آتشیں سے مار مار کر لوٹا دیں گے اور اس کی روح قبض کر لیں گے سکرات موت کی جتنی تکالیف تمام افراد بنی آدم پر گذری ہیں اس پر تنہا گذریں گی۔ نفخ صور کے مسلسل چھ ماہ تک پھکنے کے بعد نہ آسمان رہے گا۔ نہ ستارے۔ نہ پہاڑ۔ نہ سمندر۔ نہ اور کوئی چیز سب کے سب نیست و نابود ہو جائیں گے حتیٰ کہ ایک مرتبہ تو فرشتے بھی مر جائیں گے مگر لکھا ہے کہ آٹھ چیزیں فنا سے مستثنیٰ ہیں اول عرش۔ دوسرے

کرسی۔ تیسرے لوح۔ چوتھے قلم۔ پانچویں بہشت۔ چھٹے صور۔ ساتویں دوزخ۔ آٹھویں ارواح۔ لیکن ارواحوں کو بھی بےخودی و بیہوشی لاحق ہو جائے گی۔ بعضوں کا قول ہے کہ یہ آٹھ چیزیں بھی تھوڑی دیر کے لئے معدوم ہو جائیں گی۔ حاصل کلام جب سوائے ذات باری تعالیٰ کوئی اور باقی نہ رہے گا۔ تو خداوند رب العزت فرمائے گا **لمن الملک الیوم** کہاں ہیں بادشاہان و مدعیان سلطنت؟ کس کے لئے آج کی سلطنت ہے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمائے گا **للہ الواحد القھار** (خدائے یکتا و قہار کے لئے ہے) پس ایک وقت تک ذات واحد ہی رہے گی۔ پھر ایک مدت کے بعد جس کی مقدار سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا از سر نو سلسلہ پیدائش کی بنیاد قائم ہو گی۔ آسمان۔ زمین۔ فرشتوں کو پیدا کرے گا۔ زمین کی ہیئت اس وقت ایسی ہو گی کہ اس میں عمارتوں۔ درختوں۔ پہاڑوں اور سمندروں وغیرہ کا نشان نہ ہو گا اس کے بعد جس جس مقام سے لوگوں کو زندہ کرنا منظور ہو گا تو اسی جگہ پہلے ان کی ریڑھ کی ہڈی کو پیدا کر کے رکھ دیا جائے گا اور ان کے دیگر اجزائے جسمانی کو اس ہڈی کے متصل رکھ دیں گے۔ ترتیب اجزا کے بعد ان اجزائے مرکبہ پر گوشت و پوست چڑھا کر جو جو صورت ان کے مناسب حال ہو عطا ہو جائے گی۔ قالب جسمانی کے تیار ہونے کے بعد تمام ارواحوں کو صور میں داخل کر کے حضرت اسرافیل کو حکم ہو گا کہ ان کو پوری طاقت سے پھوکیں اور خود خداوند کریم ارشاد فرمائے گا قسم ہے میرے عز و جلال کی کوئی روح اپنے قالب سے خطا نہ کرے۔ پس روحیں اپنے اپنے جسموں میں اس طرح آئیں گی جیسے گھونسلوں میں پرندے۔ صور اسرافیل میں تعداد ارواح کے موافق سوراخ ہیں جن میں سے روحیں پھونکے پر اپنے اپنے قالبوں میں داخل ہو جائیں گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کا رابطہ جسموں سے قائم ہو جائے گا اور سب کے سب زندہ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد صور دوم پھر پھونکا جائے گا جس کی وجہ سے زمین پھٹ کر تمام لوگ برآمد ہوں گے اور گرتے پڑتے آواز صور کی جانب دوڑیں گے یہ صور بیت المقدس کے اس مقام پر جہاں صخرہ معلق ہے پھونکا جائے گا۔ قبروں میں سے آدمی اسی شکل میں پیدا ہوں گے جیسے کہ بطن مادر سے یعنی برہنہ تن۔ بے ختنہ۔ بے ریش ہوں گے صرف سروں پر بال اور منہ میں دانت ہوں گے۔ سب سے پہلے زمین میں سے حضرت رسول مقبول محبوب رب العالمین۔ اشرف الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیں گے۔ آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر جگہ جگہ سے انبیاء صدیقین شہداء۔ صالحین اٹھیں گے۔ بعد ازاں عام مومنین پھر فاسقین۔ پھر کفار تھوڑی تھوڑی دیر بعد یکے بعد دیگرے برآمد ہوں گے۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوں گے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کے پاس اور دیگر امتیں اپنے اپنے پیغمبر کے پاس مجتمع ہو جائیں گی............."؟

قیامت نامہ کی اس عبارت سے صور کے پھونکے جانے کی کچھ تفصیل آپ کے سامنے آگئی۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث میں حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں کیونکر آرام و سکون سے بیٹھوں جبکہ حالت یہ ہے کہ صور پھونکنے والا (یعنی حضرت اسرافیل علیہ السلام) صور کو منہ میں دبائے ہوئے ہیں۔ کان حکم سننے کے لئے لگائے ہوئے ہیں پیشانی جھکائے ہوئے ہیں اور انتظار میں ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ملے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب یہ حالت ہے تو آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا **حسبنا اللہ و نعم الوکیل** پڑھا کرو۔ تو یہاں آیت میں **ونفخ فی الصور ذلک یوم الوعید** یعنی قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جاویں گے یہی دن ہو گا وعید کا جس سے لوگوں کو ڈرایا جاتا تھا۔ تو یہاں دوسری مرتبہ کا صور پھونکا جانا مراد ہے۔ جس کی تشریح اوپر قیامت نامہ سے سنائی گئی۔

اب اس کے بعد آگے میدان قیامت و حشر کی حاضری کا حال اور کفار وغیرہ کے جہنم میں پھینکے جانے کا حکم ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا 8

اور ہر شخص اس طرح آوے گا کہ اس کے ساتھ ایک اس کو اپنے ہمراہ لاوے گا اور ایک گواہ ہوگا۔ تو اس دن سے بے خبر تھا سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا دیا

عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا

سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔ اور فرشتہ جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے۔ ہر ایسے شخص کو

فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

جہنم میں ڈال دو جو کفر کرنے والا اور ضد رکھتا ہو۔ اور نیک کام سے روکتا ہو اور حد سے باہر جانے والا ہو اور شبہ پیدا کرنے والا۔ جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو سو ایسے شخص کو

فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾

سخت عذاب میں ڈال دو۔ وہ شیطان جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا کہ اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا لیکن یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ

ارشاد ہوگا کہ میرے سامنے جھگڑے کی باتیں مت کرو اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا تھا۔ میرے ہاں بات نہیں بدلی جاوے گی

اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ ع

اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔

وَجَآءَتْ اور آئیگا (حاضر ہوگا)	كُلُّ نَفْسٍ ہر شخص	مَعَهَا اسکے ساتھ	سَآئِقٌ ایک چلانے والا	وَ اور	شَهِيْدٌ گواہی دینے والا	لَقَدْ كُنْتَ تحقیق تو تھا	
فِيْ غَفْلَةٍ غفلت میں	مِنْ هٰذَا اس سے	فَكَشَفْنَا تو ہم نے ہٹا دیا	عَنْكَ تجھ سے	غِطَآءَكَ تیرا پردہ	فَبَصَرُكَ پس تیری نظر	الْيَوْمَ آج	
حَدِيْدٌ بڑی تیز	وَقَالَ اور کہے گا	قَرِيْنُهٗ اس کا ہمنشین	هٰذَا یہ	مَا لَدَيَّ جو میرے پاس	عَتِيْدٌ حاضر	اَلْقِيَا تم دونوں ڈالدو	فِيْ جَهَنَّمَ جہنم میں
كُلَّ كَفَّارٍ ہر ناشکرا	عَنِيْدٍ سرکش	مَنَّاعٍ منع کرنے والا	لِلْخَيْرِ مال کیلئے	مُعْتَدٍ حد سے گزرنے والا	مُرِيْبٍ شبہات ڈالنے والا	الَّذِيْ وہ جس	
جَعَلَ ٹھہرایا	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	اِلٰهًا معبود	اٰخَرَ دوسرا	فَاَلْقِيٰهُ پس اسے ڈالدو تم	فِي الْعَذَابِ عذاب میں	الشَّدِيْدِ سخت	قَالَ کہے گا
قَرِيْنُهٗ اسکا ہمنشین	رَبَّنَا اے ہمارے رب	مَآ اَطْغَيْتُهٗ میں نے اسے سرکش نہیں بنایا	وَلٰكِنْ اور لیکن وہ	كَانَ تھا	فِيْ ضَلٰلٍ گمراہی میں	بَعِيْدٍ پرلے درجے کی	
قَالَ فرمائے گا	لَا تَخْتَصِمُوْا تم نہ جھگڑو	لَدَيَّ میرے پاس۔سامنے	وَقَدْ قَدَّمْتُ اور میں پہلے بھیج چکا ہوں	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف			
بِالْوَعِيْدِ وعدۂ عذاب	مَا يُبَدَّلُ نہیں بدلی جاتی	الْقَوْلُ بات	لَدَيَّ میرے پاس ہاں	وَ اور	مَآ اَنَا نہیں میں	بِظَلَّامٍ ظلم کرنیوالا	لِلْعَبِيْدِ بندوں پر

تفسیر وتشریح: گذشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ جب انسان کو موت آ گئی اور اس کی دنیا کی زندگی ختم ہوئی تو اس کے بعد ایک وقت آئے گا کہ جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو اس وقت پھر سب مردہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور وہ یوم جزا و سزا جس سے اللہ کے نبی انسانوں کو دنیا میں ڈراتے تھے شروع ہو جائے گا۔ اب آ گے ان آیات میں محشر کی کیفیت بیان کی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ میدان حشر میں تمام انسان دوبارہ زندہ کر کے اس طرح حاضر کئے جائیں گے کہ ایک فرشتہ پیشی کے میدان کی طرف دھکیلتا ہوگا اور دوسرا فرشتہ اعمالنامہ لئے ہوگا جس

میں اس کی زندگی کے سب احوال درج ہوں گے۔ یہ وہی دو فرشتے ہوں گے جو کراماً کاتبین کہلاتے ہیں اور جو دنیا میں انسان کی نیکی و بدی لکھتے رہتے ہیں جب قیامت میں میدان حشر میں سب حاضر ہوں گے تو ان میں جو کافر ہوں گے ان سے خطاب ہوگا کہ دنیا کے مزوں میں پڑ کر تو آج کے دن سے بے خبر تھا اور تیری آنکھوں کے سامنے شہوات و خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پیغمبر جو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹا دیئے اور نگاہ خوب تیز کر دی۔ اب دیکھ لے جو باتیں کہی گئی تھیں صحیح ہیں یا غلط اس کے بعد فرشتہ کاتب اعمال جو اس کے ساتھ رہتا تھا اعمال نامہ سامنے کر کے کہے گا کہ یہ تیرا کچھا چٹھا ہے جو میرے پاس تیار اور موجود ہے۔ جب فرشتے اعمال نامہ سامنے رکھ دیں گے اور مجرم جرم کا اقبال کرلیں گے تو دو فرشتوں کو حکم ہوگا خواہ یہ کراماً کاتبین ہوں یا اور کوئی کہ ہر ایسے شخص کو جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا تھا اور حق سے ضد رکھتا تھا اور نیک کام سے روکتا تھا اور شرارت میں حد سے آگے بڑھا ہوا تھا اور دین کی باتوں میں شک و شبہ ڈالا کرتا تھا اور خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود ٹھہراتا تھا ہر ایسے شخص کو جہنم میں جھونک دو۔ یہ کم بخت سخت عذاب کے قابل ہیں۔ جب ایسے کافر کو معلوم ہوگا کہ اب دائمی خسارہ اور عذاب میں پڑنے والا ہے اس وقت اپنے بچاؤ کے واسطے گمراہ کرنے والوں کے ذمہ الزام رکھے گا اور کہے گا کہ مجھے تو شیطان مردود نے بہکایا جو ہر دم میرے ساتھ لگا رہتا تھا۔ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے ساتھ جیسے دو فرشتے ساتھی بنائے گئے ہیں جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں اسی طرح ایک شیطان بھی ہر انسان کا ساتھی رہتا ہے جو اس کو گمراہی اور گناہوں کی طرف بلاتا ہے اور رغبت دلاتا ہے تو جب جہنم میں جانے والا یہ عذر کرے گا کہ مجھے تو اس شیطان نے بہکایا تھا ورنہ میں نیک کام کرتا۔ اس پر وہ شیطان جو اس کے ساتھ لگا رہتا تھا کہے گا کہ اے ہمارے رب میں نے اس کو جبراً گمراہ نہیں کیا تھا نہ میں نے اس پر زبردستی کی تھی کہ برے کام کر اور شرارت کے لئے ہر وقت تیار رہ۔ یہ تو ایک اشارہ اور شہ میں خود ہی جھٹ پٹ گمراہی کے راستہ پر لگ گیا تھا اور نجات و فلاح کے راستہ سے دور جا پڑا تھا۔ اس پر ارشاد باری ہوگا کہ اب بک بک مت کرو دنیا میں سب کو نیک و بد سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اب ہر ایک کو اس کے جرم کے موافق سزا ملے گی جو گمراہ ہوا یا جس نے اغوا کیا سب اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتیں گے میں پہلے ہی دنیا میں اپنے رسول اور کتاب بھیج کر آج کے دن کے عذاب سے ڈرا چکا ہوں آج وہی ہوگا جو میں نے اپنی کتاب میں کہہ دیا تھا۔ میری بات بدلی نہیں جاتی جو کہہ دیا وہی ہو کر رہتا ہے اور ہمارے ہاں ظلم نہیں جو کچھ فیصلہ ہوگا عین حکمت اور انصاف سے ہوگا جیسا جس نے کیا ویسا ہی آج بھگتے گا۔

اب یہاں ان آیات سے **القیافی جھنم کل کفار عنید مناع للخیر معتد مریب ن الذی جعل مع اللہ الھا فالقیہ فی العذاب الشدید** جس میں فرشتوں کو حکم باری تعالیٰ ہوگا کہ ہر ایسے شخص کو جہنم میں سخت عذاب میں ڈال دو جو

(۱) کفر کرنے والا ہو۔ (۲) حق سے ضد رکھتا ہو۔ (۳) نیک کام سے رکتا ہو۔ (۴) حد سے باہر ہو جانے والا ہو۔ (۵) دین میں شبہ پیدا کرنے والا ہو۔ (۶) جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو۔

معلوم ہوا کہ یہ چھ صفات انسان میں خالص کافرانہ اور مشرکانہ صفات ہیں کہ جن پر جہنم میں جھونک دینے اور عذاب شدید میں ڈالے جانے کا حکم ہوگا۔ اب یہاں جو بات خوف کھانے کی ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت کے مسلمان میں تو ان صفات میں سے کوئی صفت نہیں پائی جاتی۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ کیا اس وقت کا مسلمان نیک کام سے روکنے والا تو نہیں۔ حق سے ضد رکھنے والا تو نہیں۔ حد سے باہر ہو جانے والا تو نہیں۔ دین میں شبہ پیدا کرنے والا تو نہیں۔ اس کا فیصلہ عام حالات دیکھ کر خود کر لیجئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگئے کہ ہمیں ان کافرانہ صفات سے بچنا نصیب ہو۔

اب میدان حشر میں جزا و سزا کا انجام جہنم یا جنت ہوگا اس لئے آگے کچھ کیفیت جہنم اور جنت کی بیان کی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝۳۰ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

جس دن کہ ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر گئی اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے۔ اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے

غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝۳۱ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝۳۲ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ

کہ کچھ دور نہ رہے گی، یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر ایسے شخص کیلئے ہے جو رجوع ہونے والا پابندی کرنے والا ہو جو شخص خدا سے بے دیکھے ڈرتا ہوگا

وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ۝۳۳ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝۳۴ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا

اور رجوع ہونے والا دل لے کر آوے گا اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ، یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا ان کو بہشت میں سب کچھ ملے گا جو چاہیں گے اور ہمارے پاس

مَزِيْدٌ ۝۳۵ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ

اور بھی زیادہ ہے۔ اور ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے زیادہ تھے اور تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے،

مِنْ مَّحِيْصٍ ۝۳۶ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝۳۷

کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی۔ اس میں اس شخص کیلئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا وہ متوجہ ہو کر کان ہی لگا دیتا ہو۔

يَوْمَ جس دن	نَقُوْلُ ہم کہیں گے	لِجَهَنَّمَ جہنم سے	هَلِ امْتَلَأْتِ کیا تو بھر گئی؟	وَتَقُوْلُ اور وہ کہے گی	هَلْ کیا	مِنْ سے۔ کچھ	مَزِيْدٍ مزید ہے		
وَأُزْلِفَتِ اور نزدیک کردی جائیگی	الْجَنَّةُ جنت	لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	غَيْرَ بَعِيْدٍ نہ دور	هٰذَا یہ	مَا تُوْعَدُوْنَ جو تم سے وعدہ کیا جاتا تھا				
لِكُلِّ أَوَّابٍ ہر رجوع کرنے والے کیلئے	حَفِيْظٍ نگہداشت کرنے والے	مَنْ جو	خَشِيَ ڈرا	الرَّحْمٰنَ رحمٰن (اللہ)	بِالْغَيْبِ بن دیکھے				
وَجَآءَ اور آیا	بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ رجوع کرنیوالے دل کے ساتھ	ادْخُلُوْهَا تم اس میں داخل ہوجاؤ	بِسَلٰمٍ سلامتی کے ساتھ	ذٰلِكَ یہ					
يَوْمُ الْخُلُوْدِ ہمیشہ رہنے کا دن	لَهُمْ ان کیلئے	مَا يَشَآءُوْنَ جو وہ چاہیں گے	فِيْهَا اس میں	وَلَدَيْنَا اور ہمارے پاس	مَزِيْدٌ اور بھی زیادہ				
وَكَمْ أَهْلَكْنَا اور کتنی ہلاک کیں ہم نے	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	مِنْ قَرْنٍ امتیں	هُمْ أَشَدُّ وہ زیادہ سخت	مِنْهُمْ ان سے	بَطْشًا پکڑیں				
فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ پس کریدنے (گشت کرنے) لگے شہروں میں	هَلْ کیا	مِنْ سے (کہیں)	مَّحِيْصٍ بھاگنے کی جگہ	إِنَّ بیشک	فِيْ میں				
ذٰلِكَ اس	لَذِكْرٰى نصیحت	لِمَنْ اس کیلئے جو	كَانَ ہو	لَهٗ اس کا	قَلْبٌ دل	أَوْ یا	أَلْقَى السَّمْعَ ڈالے (لگائے) کان	وَهُوَ اور وہ	شَهِيْدٌ متوجہ

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بتلا گیا تھا کہ قیامت میں فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ہر ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دو جو دنیا میں کفر کرنے والا تھا اور حق سے ضد اور بیر رکھتا تھا اور لوگوں کو نیک کام سے روکتا تھا اور حد عبدیت سے باہر ہوجانے والا تھا اور دین حق میں شک وشبہ پیدا کرتا تھا اور جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا تھا۔ ہر ایسے شخص کو سخت عذاب جہنم میں ڈال دو۔ اب آگے ان آیات میں اس جہنم کی کچھ کیفیت بیان کی جاتی ہے۔ جس میں یہ کفار جھونکے جائیں گے۔ پھر آگے ان کفار کے مقابلے میں متقی اور پرہیزگار اہل ایمان جو جنت میں داخل کئے جائیں گے ان کا ذکر فرما کر جنت کی کچھ کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے اور جہنم سے خوف اور جنت کا شوق دلا کر منکرین کو پھر تنبیہ کی جاتی ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ وہ دن ان منکر لوگوں کو یاد دلائیے کہ جب کفار کو

جہنم میں داخل کر دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ جہنم سے خطاب فرمائیں گے کیا تو بھر چکی؟ تو جہنم جس کا پھیلاؤ اس قدر جن وانس سے بھی نہ بھرے گا۔ وہ شدت غیظ سے اور زیادہ کافروں اور نافرمانوں کو طلب کرے گی اور کہے گی کہ اور کچھ ہو جو میرے اندر ڈال دیا جائے۔ کفار اور جہنمی یہ سن کر اور بھی زیادہ خائف ہوں گے کہ ہم کیسے غضب کے ٹھکانے میں پھنسے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جہنم ھل من مزید ہی کہتی رہے گی۔ یعنی کچھ اور بھی ہو تو میرے اندر ڈالا جائے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھ دیں گے۔ اور وہ دب جائے گی اور سمٹ جاوے گی اور عرض کرے گی بس بس اب میں بھر گئی۔ اللہ تعالیٰ اس جہنم کے آزار سے اپنی رحمت سے ہم سب کو بچائیں۔ یہ تو جہنم کا حال ہوا کہ جو کفار و مشرکین کا ٹھکانہ ہوگا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ پرہیز گار متقی اہل ایمان کے لئے جنت ان کے قریب کر دی جائے گی۔ اور وہ بہت نزدیک سے اس کی تروتازگی اور بناؤ سنگھار دیکھیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ لو دیکھو یہ ہے وہ جنت جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اور کہا گیا تھا کہ یہ ان لوگوں کے لئے تیار ہے۔ جنہوں نے دنیا میں خدا کو یاد رکھا اور گناہوں سے بچ کر اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور بے دیکھے اس کے قہر و جلال سے ڈرتے رہے اور ایک پاک صاف رجوع ہونے والا دل لے کر دربار خداوندی میں حاضر ہوئے۔ اس جنت کا وعدہ ایسے ہی لوگوں سے کیا گیا تھا۔ وقت آ گیا ہے کہ سلامتی اور عافیت کے ساتھ اب جاؤ اور امن وچین کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ جسے یہ جنت مل گئی وہ اس میں ہمیشہ رہنے کا حقدار ہو گیا۔ جو اس میں گیا وہ ہمیشہ وہیں رہے گا۔ نہ کبھی اس میں سے نکالا جائے گا اور نہ اکتا کر خود نکلنا چاہے گا۔ کیونکہ اس میں ہر وہ چیز ملے گی جس کی جنتی خواہش کرے گا۔ اور اس کے علاوہ وہ نعمتیں ملیں گی جو ان کے خیال میں بھی نہیں۔ مثلاً دیدار الٰہی کی لذت بے قیاس۔ غرض کہ جنت میں بہت کچھ ہے۔ جنتی کتنا ہی مانگے سب کچھ دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنا دینے پر بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔ آگے کفار منکرین کی تنبیہ کے لئے فرمایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو ان لوگوں کے حال سے سبق حاصل کرنا چاہئے جو ان سے پہلے گذرے اور سوچنا چاہئے کہ انہوں نے کیا کیا اور جو کچھ کیا اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت سے پہلے دنیا میں کتنی شریر اور سرکش قوموں کو تباہ کر چکے ہیں۔ جو زور اور قوت میں ان موجودہ کفار منکرین سے بڑھ چڑھ کر تھیں اور جنہوں نے بڑے بڑے شہر چھان مارے تھے۔ پھر جب عذاب الٰہی آیا تو بھاگ جانے کو روئے زمین پر کہیں ٹھکانہ نہ ملا۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ ان عبرت ناک واقعات میں غور فکر کر کے وہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جن کے سینہ میں سمجھنے والا دل ہو کہ از خود ایک بات کو سمجھ لیں یا کم از کم کسی سمجھانے والے کے کہنے پر دل کو حاضر کر کے کان دھریں کیونکہ یہ بھی ایک درجہ سمجھ کا ہے کہ آدمی متنبہ نہ ہو تو دوسرے کے متنبہ کرنے پر ہوشیار ہو جائے۔ لیکن جو شخص نہ خود سمجھے نہ کسی کے کہنے پر توجہ کے ساتھ کان لگائے۔ ایسے بے حس کا درجہ تو اینٹ پتھر سے زیادہ نہیں۔

کفار اور مشرکین کی ان صفات و خصائل کے مقابلہ میں جن کا ذکر گذشتہ درس میں ہوا اور جن کی وجہ سے ان کو جہنم میں جھونکے جانے کا حکم ہوگا۔ متقین و مومنین جن کو سلامتی کے ساتھ بہشت کے باغات میں داخل ہونے کی بشارت سنائی جاتی ہے ان کی یہاں ان آیات میں چار صفات بیان کی گئی ہیں:۔

پہلی صفت **اواب** فرمائی۔ اواب کے معنیٰ حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے والے کے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اواب وہ شخص ہے جو تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان سے استغفار کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اواب وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس اور ہر نشست میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگے۔

دوسری صفت **حفیظ** فرمائی۔ حفیظ کے معنیٰ حضرت ابن عباسؓ سے

یہ منقول ہیں کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد رکھے تا کہ ان سے رجوع کر کے تلافی کرے اور ایک روایت میں آپ ہی سے یہ منقول ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کو یاد رکھے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شروع دن میں چار رکعتیں اشراق کی پڑھ لے وہ اواب اور حفیظ ہے۔

تیسری صفت من خشی الرحمٰن بالغیب فرمائی یعنی جو خداوند ذوالجلال والاکرام سے بے دیکھے ڈرتا ہو۔

چوتھی صفت فرمائی وجآء بقلب منیب یعنی جو اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت میں قلب منیب لے کر آئے۔ منیب کے بھی لفظی معنیٰ رجوع کرنے اور تائب ہونے والے کے ہیں۔ اور مفسرین نے منیب کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے ادب و احترام کو ہر وقت مستحضر رکھے اور اللہ جل شانہٗ کے سامنے تواضع اور عاجزی سے رہے اور اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو بھی کسی درجہ میں یہ متقین کی صفات عطا فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے خاتمہ کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی جاتی ہے اور پھر وقوع قیامت کا مکرر ذکر فرمایا جاتا ہے اور آنحضرتؐ کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ اس قرآن کے ذریعہ سے تبلیغ و تذکیر کرتے رہئے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے والدین کو ہمارے متعلقین کو اہل وعیال کو ہمارے اکابر واصاغر کو ہمارے دوست اور احباب کو اور تمام امت مسلمہ کو جہنم کے عذاب سے دور رکھیں اور اپنی رحمت سے ہم سب کو اس جنت میں داخلہ نصیب فرمائیں۔ جس کا متقیوں سے وعدہ فرمایا گیا ہے۔

یا اللہ اِس دنیا کی زندگی میں ہم کو وہ دل عطا فرمایئے جو ہر حال میں آپ کی طرف رجوع ہونے والا ہو اور ہم کو اپنی اطاعت کی پابندی نصیب فرمایئے اور ہم کو اپنی ذات کا وہ خوف عطا فرمایئے کہ جس کے باعث ہم ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنے والے ہوں۔

یا اللہ نافرمان امتوں کے واقعات سے ہم کو عبرت اور نصیحت عطا فرمایئے تا کہ ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچیں۔

یا اللہ ہمیں ایمان واسلام کی سچی محبت نصیب فرمایئے تا کہ ہمارا جینا اور مرنا اسلام اور ایمان پر ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى

اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس سب کو چھ دن میں پیدا کیا، اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں۔ سو ان کی باتوں پر صبر کیجئے

مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ

اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور چھپنے سے پہلے۔ اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ

اور نمازوں کے بعد بھی۔ اور اے مخاطب سن رکھ جس دن ایک پکارنے والا پاس ہی سے پکارے گا۔ جس روز اس چیخنے کو بالیقین سب سُن لیں گے،

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا

یہ دن ہوگا نکلنے کا۔ ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف پھر کر آنا ہے۔ جس روز زمین ان پر سے کھل جائے گی جب وہ ڈرتے ہوں گے،

ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ

یہ ہمارے نزدیک ایک آسان جمع کر لینا ہے۔ جو جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں ہم خوب جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں، تو آپ قرآن کے ذریعہ سے

مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہیئے جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔

وَلَقَدْ اور تحقیق	خَلَقْنَا ہم نے پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو ان دونوں کے درمیان	فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ چھ دن میں		
وَ اور	مَا مَسَّنَا نہیں چھوا ہمیں	مِنْ لُّغُوْبٍ کسی تکان نے	فَاصْبِرْ پس صبر کرو تم	عَلٰى پر	مَا يَقُوْلُوْنَ جو وہ کہتے ہیں	وَسَبِّحْ اور پاکیزگی بیان کرو	
بِحَمْدِ رَبِّكَ اپنے رب کی تعریف کیساتھ	قَبْلَ قبل	طُلُوْعِ الشَّمْسِ سورج کا طلوع	وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ اور غروب ہونے قبل	وَمِنَ الَّيْلِ اور رات میں			
فَسَبِّحْهُ پس اسکی پاکیزگی بیان کرو	وَاَدْبَارَ اور بعد	السُّجُوْدِ سجدوں (نماز)	وَاسْتَمِعْ اور سنو تم	يَوْمَ جس دن	يُنَادِ الْمُنَادِ پکارنے والا پکارے گا		
مِنْ سے	مَّكَانٍ قَرِيْبٍ جگہ قریب	يَّوْمَ جس دن	يَسْمَعُوْنَ وہ سُنیں گے	الصَّيْحَةَ چیخ	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	ذٰلِكَ یہ	يَوْمُ الْخُرُوْجِ باہر نکلنے کا دن
اِنَّا نَحْنُ بیشک ہم	نُحْيٖ زندگی دیتے ہیں	وَنُمِيْتُ اور مارتے ہیں	وَاِلَيْنَا اور ہماری طرف	الْمَصِيْرُ پھر لوٹ کر آتا ہے	يَوْمَ تَشَقَّقُ جس دن شق ہوجائے گی		
الْاَرْضُ زمین	عَنْهُمْ اُن سے	سِرَاعًا جلدی کرتے ہوئے	ذٰلِكَ یہ	حَشْرٌ حشر	عَلَيْنَا ہمارے لئے	يَسِيْرٌ آسان	نَحْنُ اَعْلَمُ ہم خوب جانتے ہیں
بِمَا وہ جو	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	وَمَآ اَنْتَ اور نہیں آپ	عَلَيْهِمْ ان پر	بِجَبَّارٍ جبر کرنیوالے	فَذَكِّرْ پس نصیحت کریں	بِالْقُرْاٰنِ قرآن سے	
مَنْ جو	يَّخَافُ وہ ڈرتا ہے	وَعِيْدِ میری وعید					

تفسیر وتشریح: یہ سورہ ق کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ شروع سورۃ سے مرکزی مضمون یہی بیان ہوتا چلا آ رہا ہے کہ تمام انسانوں کو اس دنیوی زندگی کے خاتمہ کے بعد پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور ان کو جزا و سزا دی جائے گی۔ کفار و مشرکین اپنے کفر و شرک کی وجہ سے جہنم میں داخل کیے جائیں گے اور اہل ایمان متقی ایمان و عمل صالحہ کی بنا پر جنت میں داخل کیے جائیں گے جہاں دائمی اور ابدی راحت آرام کے سامان

ہوں گے۔منکرین قیامت وحشر ونشر کو مختلف دلائل و پہلو سے سمجھایا گیا تھا کہ قیامت واقع ہوگی۔اور تمام مرے ہوئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اسی سلسلہ میں اب خاتمہ کی آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اگر یہ منکرین دوبارہ زندہ ہونے اور جزاوسزا کے انکاری اس بنا پر ہیں کہ ایسا کرنا کسی کی قدرت میں نہیں تو ان کا یہ خیال باطل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی تو ایسی قدرت ہے کہ اس نے آسمان وزمین جیسی عظیم مخلوق اور جو کچھ کہ ان کے درمیان میں ہے سب کو چھ دن کے مقدار کے موافق زمانہ میں پیدا کیا اور ایسا کرنے میں کوئی اللہ تعالیٰ کو تکان نہیں ہوئی تو انسان کو دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جب یہ منکرین ایسی موٹی باتوں کو بھی نہ سمجھیں اور انکار ہی پر اصرار کرتے رہیں تو آپ غمگین نہ ہوں بلکہ ان کی بیہودہ بکواس پر صبر کریں۔اور اپنے پروردگار کی یاد میں دل لگائے رکھیں اور اس کی تسبیح وتحمید کرتے رہیں اسی میں نماز بھی داخل ہے۔اور یہ اللہ کی عبادت اور یاد آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے چھپنے سے پہلے اور رات کے اوقات میں کرتے رہیں۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تین ہی نمازیں فرض تھیں۔فجر اور عصر اور تہجد۔اس کے بعد معراج والی رات میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں جن میں فجر اور عصر کی نماز جوں کی توں رہی اور تہجد آپ پر اور آپ کی امت پر ایک سال تک واجب رہی اس کے بعد آپ کی امت سے اس کا وجوب منسوخ ہوگیا۔بہر حال اب بھی ان تین وقتوں کو طاعت وعبادت کے لحاظ سے خصوصی شرف وفضل حاصل ہے۔نماز اور ذکر و دعاء وغیرہ سے ان اوقات کو معمور رکھنا چاہئے۔اور فرض نمازوں کے بعد بھی کچھ تسبیح و تہلیل کرنی چاہئے۔احادیث میں بھی نمازوں کے بعد تسبیح کی بہت فضیلت آئی ہے۔بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مفلس مہاجر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال دار لوگ بلند درجے اور ہمیشگی والی نعمتیں حاصل کر چکے۔آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہماری طرح نماز روزہ تو وہ بھی کرتے ہیں لیکن جو وہ صدقہ دیتے ہیں وہ ہم نہیں دے سکتے۔وہ غلام آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے۔آپ نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں کہ جب تم اسے کرو تو سب سے آگے نکل جاؤ اور تم سے افضل کوئی نہ نکلے لیکن جو اس عمل کو کرے۔تم ہر نماز کے بعد ۳۳'۳۳ مرتبہ **سبحان اللہ' الحمد للہ ' اللہ اکبر'** پڑھ لیا کرو۔وہ پھر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ ہمارے مال دار بھائیوں نے بھی آپ کی اس حدیث کو سنا اور وہ بھی اس پر عمل کرنے لگے آپ نے فرمایا پھر یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت کرے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار۔الحمد للہ ۳۳ بار۔اللہ اکبر ۳۴ بار اور ایک بار یہ کلمہ **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر** کہے تو اس کے تمام گناہ صغیرہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

صحیح بخاری ومسلم کی ایک حدیث ہے کہ جس شخص نے دن میں ۱۰۰ مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اگر چہ وہ سمندر کی موجوں سے بھی زیادہ ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت اور شام کے وقت سو ۱۰۰ اسو ۱۰۰ امرتبہ سبحان اللہ پڑھا کرے تو قیامت کے روز کوئی آدمی اس سے بہتر عمل لے کر نہیں آئے گا بجز اس کے کہ وہ بھی یہ تسبیح اتنی یا اس سے زیادہ پڑھتا ہو۔

ان تسبیحات کی اتنی فضیلت سن کر ہم میں سے ہر ایک کو نمازوں کے بعد تسبیح پڑھنے کا کوئی نہ کوئی معمول ضرور بنا لینا چاہئے۔اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے مخاطب اس بات کو توجہ سے سن رکھ کہ جس روز حضرت اسرافیل بذریعہ نفخ صور مردوں کو قبر سے نکلنے کے لئے پاس ہی سے پکاریں گے تو ان کی آواز تمام انسانوں کو یکساں سنائی دے گی۔روایات میں ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام جو صور

پھونکنے پر متعین ہیں۔ وہ موجودہ بیت المقدس کے صخرہ پر کھڑے ہو کر ساری دنیا کے مردوں کو خطاب کر کے کہیں گے کہ اے گلی سڑی ہڈیو! اور ریزہ ریزہ ہو جانے والی کھالو اور بکھر جانے والے بالو سن لو تم کو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ حساب کے لئے جمع ہو جاؤ۔ یہ نفخہ ثانیہ ہوگا جس سے دوبارہ عالم کو زندہ کیا جائے گا۔ اور یہاں آیت میں مکان قریب فرمایا ہے تو اس سے مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ اس وقت اس فرشتہ یعنی حضرت اسرافیل علیہ السلام کی آواز نزدیک اور دور کے سب لوگوں کو اس طرح پہنچے گی کہ گویا پاس ہی سے پکار رہے ہیں۔ باقی صور پھونکنے کے سوا اور بھی ندائیں حق تعالیٰ کی طرف سے اس روز ہوں گی آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب زمین سے نکل کھڑے ہوں گے اور چونکہ موت وحیات سب خدا کے قبضہ قدرت میں ہے اور ہر پھر کر آخر سب کو اسی طرف جانا ہے اس لئے بچ کر کوئی نکل نہیں سکتا۔ زمین پھٹے گی اور مردے اس سے نکل کر میدان حشر کی طرف جھپٹیں گے۔ خدا تعالیٰ سب اگلوں پچھلوں کو ایک میدان میں اکٹھا کر دے گا اور ایسا کرنا اس کو کچھ مشکل نہیں۔ احادیث کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب زمین پھٹ کر مردے نکل آویں گے اور میدان حشر کی طرف دوڑتے ہوں گے تو یہ انسانوں کا دوڑنا ملک شام کی طرف ہوگا جہاں صخرہ بیت المقدس پر حضرت اسرافیل علیہ السلام ندا کرتے ہوں گے۔ جو لوگ حشر کا انکار کرتے ہیں اور واہی تباہی کلمات بکتے ہیں تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بکنے دیجئے اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ آپ کا یہ منصب نہیں کہ جبر اور زبردستی سے ہر ایک کو یہ باتیں منوا کر چھوڑیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ قرآن سنا سنا کر بالخصوص ان کو نصیحت وفہمائش کرتے رہئے جو اللہ کے ڈرانے سے ڈرتے ہیں۔ ان معاندین ومنکرین کے پیچھے زیادہ نہ پڑیئے۔

یا اللہ ہم کو بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرمالیجئے جو آپ کی وعید سے ڈرتے ہیں۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے ذکر وفکر اور طاعت وبندگی کو توفیق دائمی ہم کو بھی عنایت فرمائیں۔ اور شب وروز اپنی طاعات میں مصروف رکھیں۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا کی زندگی میں قیامت وآخرت کو ہمہ وقت پیش نظر رکھنے کی توفیق نصیب کریں اور وہاں کے لئے ذخیرہ جمع کرنے کی ہمت عطا فرمائیں۔ یا اللہ ان اعمال صالحہ کو ہمارے لئے آسان فرما دیجئے کہ جو ہمارے لئے آخرت میں کامیابی کا باعث ہوں اور ان عمال سے بچا لیجئے جو قیامت میں رسوائی کا باعث ہوں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ

قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو اڑاتی ہیں پھر ان بادلوں کی جو بوجھ کو اٹھاتے ہیں پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں۔ پھر ان فرشتوں کی جو چیزیں تقسیم کرتے ہیں۔ تم سے جس کا وعدہ کیا جاتا ہے

لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿۷﴾ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾

وہ بالکل سچ ہے۔ اور جزا ضرور ہونے والی ہے۔ قسم ہے آسمانوں کی جس میں راستے ہیں۔ کہ تم لوگ مختلف گفتگو میں ہو۔

يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ﴿۹﴾ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾

اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا ہوتا ہے۔ غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے۔ جو کہ جہالت میں بھولے ہوئے ہیں۔

وَالذّٰرِيٰتِ قسم ہے پراگندہ کرنیوالی (ہواؤں)	ذَرْوًا اڑا کر	فَالْحٰمِلٰتِ پھر اٹھانے والی	وِقْرًا بوجھ	فَالْجٰرِيٰتِ لیکر چلنے والی	يُسْرًا نرمی سے	
فَالْمُقَسِّمٰتِ پھر تقسیم کرنیوالے	اَمْرًا حکم سے	اِنَّمَا اس کے سوانہیں	تُوْعَدُوْنَ تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے	لَصَادِقٌ البتہ سچ ہے	وَّاِنَّ اور بیشک	
الدِّيْنَ جزاوسزا	لَوَاقِعٌ البتہ واقع ہونیوالی	وَالسَّمَآءِ اور قسم ہے آسمان کی	ذَاتِ الْحُبُكِ راستوں والے	اِنَّكُمْ بیشک ہم	لَفِيْ البتہ میں	قَوْلٍ بات
مُّخْتَلِفٍ جھگڑنے والی	يُّؤْفَكُ پھیرا جاتا ہے	عَنْهُ اس سے	مَنْ اُفِكَ جو پھیرا جاتا ہے	قُتِلَ مارے گئے	الْخَرّٰصُوْنَ اٹکل دوڑانے والے	
	الَّذِيْنَ وہ جو	هُمْ وہ	فِيْ غَمْرَةٍ غفلت میں	سَاهُوْنَ بھولے ہوئے ہیں		

تفسیر وتشریح: الحمدللہ ۲۶ویں پارہ کی آخری سورۃ الذّٰریٰت کا بیان شروع ہو رہا ہے اس وقت اس سورۃ کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام وزمانہ نزول۔ خلاصہ مضامین۔ تعداد آیات ورکوعات بیان کئے جاتے ہیں۔

اس سورۃ کے پہلے ہی فقرہ میں والذّٰریٰت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ذاریات ان ہواؤں کو کہتے ہیں جو غبار وغیرہ اڑاتی ہیں۔ اس سورۃ کا نام ذاریات اسی ابتدائی فقرہ سے ماخوذ ہے یہ سورۃ مکی ہے اور مکی دور کے ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں سے ہے۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۵۱ویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۴۳ لکھا ہے یعنی ۴۲ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۹۱ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں اس سورۃ میں ۶۰ آیات۔ ۳ رکوعات۔ ۳۶۰ کلمات اور ۱۵۵۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

چونکہ یہ سورۃ مکی ہے اس لئے اس میں عقائد یعنی توحید۔ رسالت۔ قیامت۔ آخرت۔ جزاوسزا۔ جنت وجہنم کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سورۃ کی ابتدا قیامت کے ذکر سے اس طرح فرمائی گئی کہ تم ہواؤں کو دیکھتے ہو کہ جب گرمی اور خشکی بڑھ جاتی ہے تو تیزی کے ساتھ گرد وغبار اڑانے والی آندھیاں آتی ہیں پھر یہی ہوائیں پانی سے بھرے ہوئے بادل اٹھا لاتی ہیں اور پھر ان بادلوں کو جگہ جگہ لے جاتی ہیں اور ادھر ادھر اللہ کے حکم کے مطابق بارش برساتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہواؤں کے چلنے کا ایک مقصد ہے۔ اسی طرح انسان کی اس دنیا کی زندگی کا بھی

ایک مقصد ہے۔ اس کے دنیا میں کئے ہوئے کاموں کے نتیجہ ایک دن نکلیں گے اور عدل وانصاف کے ساتھ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ یہ فیصلہ قیامت میں ہوگا جس کی طرف سے بہت لوگ غفلت میں پڑے ہیں حتیٰ کہ بعض اس کے وقوع ہی کا انکار کرتے ہیں مگر ان منکرین کے انکار سے کیا ہوتا ہے یہ تو اپنی انکل چلاتے ہیں اور رسول و قرآن کے کہنے کا یقین نہیں کرتے حالانکہ قیامت کا آنا لازمی ہے اور اس قیامت کے دن میں گمراہ بدکاروں کو جہنم میں ڈالا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ انہی شرارتوں کی سزا ہے جو تم نے دنیا میں کیں اور جس کا تم دنیا میں مذاق اڑاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ قیامت آنی ہے تو آ کیوں نہیں جاتی۔ ان کے برخلاف جو دنیا میں ایمان لائے اور عمل صالح کئے اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کی وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر امکان قیامت پر بطور دلیل کے بتلایا گیا کہ آسمان اور زمین کی ساری نشانیاں اور خود انسان کے اندر نشانیاں یہی بتاتی ہیں کہ یہ کارخانہ ایک دن ختم ہوگا اور قیامت قائم ہوگی۔ اللہ کے تمام رسولوں نے یہی بتایا ہے جنہوں نے ان کی بات نہ مانی اور ان کو جھٹلایا وہ تباہ ہوئے اور اس بات کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور قوم لوط اور قوم فرعون۔ قوم عاد۔ وثمود اور قوم نوح کا ذکر فرمایا اور جتلایا گیا کہ دیکھو جنہوں نے اللہ اور رسول کا کہنا مانا ان پر اللہ کا کیسا فضل ہوا اور جنہوں نے نافرمانی کی ان کی کیسی گت دنیا ہی میں بنی اور دنیا میں ان پر کیا آفتیں آئیں۔ اس لئے اخیر میں سمجھایا گیا کہ اگر تمہیں آفتوں سے بچنا ہے تو اللہ کی ذات پر یقین کرو اور سمجھ لو کہ یہ زمین و آسمان ایک اللہ کے بنائے ہوئے ہیں تم اسی کی پناہ لو اور کسی کی طرف مت جھکو۔ شرک مت کرو۔ اللہ کا انکار مت کرو وہی تمہیں رزق دیتا ہے اور تمہاری پرورش کے سامان فرماتا ہے اور تم سے یہی چاہتا ہے کہ تم اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرو اس کے حکموں پر چلو اور اس کے مقرر کئے ہوئے راستہ کو اختیار کرو۔ اب جو اللہ کے حکم کو نہیں مانتا اور اپنی خواہش پر چلتا ہے وہ ظالم ہے اور قیامت آنے والی ہے۔ اس دن ایسے لوگوں کی بری گت بنے گی اور وہ دن جب وعدہ کے مطابق آ جائے گا تو پھر ان منکرین کے بنائے کچھ نہ بنے گی۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا جن کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں سامنے آئیں گی۔

اب ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ سورۃ کی ابتدا کلام کو پرزور بنانے کے لئے قسم سے فرمائی گئی۔ جاہلیت کے اہل عرب میں گو صدہا عیوب تھے مگر ان میں کچھ ہنر بھی تھے ایک یہ ہنر بھی تھا کہ وہ جھوٹ بولنے کو خصوصاً قسم کھا کر بہت برا سمجھتے تھے اور ان کا یقین تھا کہ جو کوئی قسم کھا کر جھوٹ بولتا ہے برباد ہو جاتا ہے اس لئے قسم کھا کر بات کہنے سے ان کو یقین آ جاتا تھا اس لئے یہاں قیامت اور جزا وسزا کو قسم کھا کر حق ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں متعدد جگہ اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھائی ہیں جن میں زیادہ تر حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی اور صرف ۷ مقام پر اپنی ذات پاک کی قسم کھائی ہے۔ علما نے لکھا ہے کہ قسم تاکید کے لئے ہوتی ہے اور حق تعالیٰ نے قسمیں اس لئے کھائی ہیں کہ بندوں پر حجت پوری ہو جائے۔ بعض علما نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن کریم عربوں کی زبان میں نازل ہوا اور عربوں کا طریقہ تھا کہ کوئی کلام اور بیان اس وقت تک فصیح و بلیغ نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ اس میں قسمیں نہ ہوں اس لئے قرآن کریم میں بھی قسمیں کھائی گئیں تا کہ فصاحت عرب کی یہ قسم بھی کلام ربانی میں رہنے نہ پاوے۔ اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی قسمیں کیوں کھائی ہیں تو علماء نے اس کے کئی وجوہ لکھے ہیں۔ اوّل یہ کہ ایسی قسموں میں مضاف پوشیدہ ہے مثلاً جہاں قسم ہے آفتاب و ماہتاب کی وہاں آفتاب و ماہتاب کے رب کی قسم سمجھا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ عرب ایام جاہلیت میں ان اشیاء کی تعظیم کرتے تھے اس لئے قرآن نے قسمیں کھائی ہیں۔ تیسرے اس وجہ سے قسمیں کھائی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے خالق وصانع کی عظمت کا اظہار کیا جا سکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہاں ان آیات میں پہلے چار چیزوں کی قسم کھائی گئی پہلی قسم ہے والذّٰریٰت ذروا یعنی قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو اڑاتی ہیں۔ دوسری قسم ہے فالحملت وقرا یعنی قسم ہے ان بادلوں کی جو بوجھ اٹھاتے ہیں۔ تیسری قسم ہے فالجریت یسرا یعنی قسم ہے ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں چوتھی قسم ہے فالمقسمت امرا یعنی قسم ہے ان فرشتوں کی جو مخلوقات میں مادی وغیر مادی ہر طرح کی تقسیمات بامرالٰہی کرتے ہیں تو حق تعالیٰ ان چار چیزوں کی قسمیں کھا کر تمام انسانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے انسانو تم سے جس قیامت کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور دنیا میں کئے ہوئے اعمال کی جزاوسزا ضرور ہونے والی ہے۔ آگے پھر ایک قسم ہے یعنی قسم ہے آسمان کی جس میں فرشتوں کے اترنے چڑھنے کے راستہ ہیں کہ تم لوگ یعنی جمیع انسان قیامت کے بارہ میں مختلف گفتگو میں ہو۔ کوئی تصدیق کرتا ہے کوئی تکذیب کرتا ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ قیامت وآخرت کی بات میں خواہ مخواہ جھگڑے ڈال رکھے ہیں۔ اس کو وہی تسلیم کرے گا جس کو بارگاہ ربوبیت سے کچھ تعلق ہو اور جو شخص راندہ درگاہ ہے اور خیر وسعادت کے راستوں سے پھیر دیا گیا ہے وہ اس چیز کے تسلیم اور قبول کرنے سے ہمیشہ باز رہے گا حالانکہ انسان اگر صرف آسمان کے نظم ونسق میں غور کرے تو یقین ہو جائے کہ اس مسئلہ میں جھگڑنا محض حماقت ہے آگے قیامت کے منکرین کی مذمت ہے کہ غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے جو کہ جہالت میں بھولے ہوئے ہیں اور غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اب یہاں ہمارے غور کے لئے یہ بات ہے کہ حق تعالیٰ ان آیات میں ۵ بار قسم کھا کر آخرت وقیامت کی کہ جہاں دنیا میں کئے ہوئے اعمال کی پوری جزاوسزا ملنی ہے یاد دہانی کرا رہے ہیں کہ قیامت وآخرت جس کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور دنیا میں کئے ہوئے اعمال کی جزاوسزا ضرور ملنے والی ہے۔ تو مقصد اس قسمیہ کلام سے آخرت پر یقین لانے کی تاکید ہے۔ دیکھئے قرآن پاک کے شروع ہی میں سورہ بقرہ میں جہاں متقین یعنی خدا سے ڈرنے والے بندوں کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں وہاں یہ بھی فرمایا ہے وبالاٰخرۃ ھم یوقنون (اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔) تو آخرت کے ساتھ یوقنون فرمایا ہے یومنون نہیں فرمایا یعنی آخرت میں ایمان رکھنے کے لئے نہیں فرمایا بلکہ یقین رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی تو معلوم ہوا کہ ایمان اور یقین دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ آخرت کے لئے ایسا یقین ہونا چاہئے کہ جس میں ذرا شک وتردد نہ ہو اور دل ودماغ میں یہ ہمہ وقت مستحضر رہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور حساب کتاب اور جزاوسزا دنیا کے اعمال کی ہوتی ہے۔ دیکھئے دنیا کے کاموں میں یقین کی ایک ظاہری مثال ہے کہ اگر ریل یا ہوائی جہاز سے سفر کرنا چاہتے ہیں تو روانگی کے دن اور وقت کو پہلے سے معلوم کرتے ہیں اور چونکہ یہ یقین ہوتا ہے کہ مقررہ وقت پر ریل یا جہاز روانہ ہو جائے گا اور اگر ہم نے کاہلی۔ سستی یا غفلت برتی تو ریل ہمارا انتظار نہ کرے گی تو ہم پہلے سے سب ضروری سامان سفر تیار کر لیتے ہیں اور عین وقت سے پہلے اسٹیشن پر سفر کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔ تو آخرت کے متعلق بھی یقین کی ضرورت ہے کہ ضرور وہ آنی ہے اور جتنا یہ یقین پختہ اور کامل ہوگا اسی قدر آدمی آخرت کے لئے تیاری میں لگا رہے گا۔ اور جتنا یہ یقین کمزور ہوگا اسی قدر آخرت سے غفلت وبے پروائی ہوگی۔ اب آج مسلمانوں میں جو آخرت کی طرف سے عام غفلت طاری ہے اس کی وجہ یقین کی کمزوری ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کا یقین کامل نصیب فرمائیں۔

ابھی انہیں منکرین کے متعلق جو آخرت وقیامت کے منکر تھے مضمون اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ
پوچھتے ہیں کہ روز جزا کب ہوگا۔ جس دن وہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے۔ اپنی سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم
كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ
جلدی مچایا کرتے تھے۔ بے شک متقی لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان کے رب نے ان کو جو عطا کیا ہوگا،
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ
وہ اس کو لے رہے ہوں گے وہ لوگ اس کے قبل نیکوکار تھے۔ وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے۔ اور اخیر شب میں
يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ
استغفار کیا کرتے تھے۔ اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا۔ اور یقین لانے والوں کیلئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور خود
اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ
تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا۔ اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے۔ تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ وہ
لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝ۧ
روز جزا برحق ہے اور ایسا یقینی جیسا تم باتیں کر رہے ہو۔

يَسْـَٔلُوْنَ وہ پوچھتے ہیں	اَيَّانَ کب؟	يَوْمُ الدِّيْنِ جزا وسزا کا دن	يَوْمَ اس دن	هُمْ وہ	عَلَى النَّارِ آگ پر	يُفْتَنُوْنَ اُلٹے سیدھے پڑیں گے		
ذُوْقُوْا تم چکھو	فِتْنَتَكُمْ اپنی شرارت	هٰذَا یہ	الَّذِيْ وہ جو	كُنْتُمْ بِهٖ تم تھے اس کی	تَسْتَعْجِلُوْنَ جلدی کرتے	اِنَّ بیشک	الْمُتَّقِيْنَ متقی (جمع)	
فِيْ جَنّٰتٍ باغات میں	وَّعُيُوْنٍ اور چشمے	اٰخِذِيْنَ لینے والے	مَآ اٰتٰىهُمْ جو دیا انہیں	رَبُّهُمْ ان کا رب	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا تھے	قَبْلَ قبل	
ذٰلِكَ اس	مُحْسِنِيْنَ نیکوکار	كَانُوْا وہ تھے	قَلِيْلًا تھوڑا	مِّنَ الَّيْلِ رات سے۔ میں	مَا يَهْجَعُوْنَ وہ سوتے	وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ اور وقتِ صبح		
هُمْ وہ	يَسْتَغْفِرُوْنَ استغفار کرتے	وَ اور	فِيْ میں	اَمْوَالِهِمْ انکے مال (جمع)	حَقٌّ حق	لِّلسَّاۗىِٕلِ سوالی کیلئے	وَالْمَحْرُوْمِ اور تنگدست (غیر سوالی)	
وَفِي الْاَرْضِ اور زمین میں	اٰيٰتٌ نشانیاں	لِّلْمُوْقِنِيْنَ یقین کرنیوالوں کیلئے	وَ اور	فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ تمہاری ذات میں	اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ تو کیا تم دیکھتے نہیں؟			
وَفِي اور میں	السَّمَاۗءِ آسمانوں	رِزْقُكُمْ تمہارا رزق	وَمَا تُوْعَدُوْنَ اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے	فَوَرَبِّ قسم ہے رب کی	السَّمَاۗءِ آسمانوں			
وَالْاَرْضِ اور زمین	اِنَّهٗ بیشک یہ	لَحَقٌّ حق ہے	مِّثْلَ جیسے	مَآ اَنَّكُمْ جو تم	تَنْطِقُوْنَ بولتے ہو			

تفسیر و تشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں قسمیہ کلام کے ساتھ یہ فرمایا گیا تھا کہ قیامت ضرور آنی ہے اور جزا و سزا ضرور ہونے والی ہے۔ کفار مکہ جب کلام پاک کی ایسی آیات جس میں قیامت کا آنا اور ہر شخص کا دوبارہ زندہ ہو کر دنیا کے اعمال کی آخرت میں جزا و سزا پانا۔ اور نتیجہ میں جہنم کے عذاب یا جنت کی راحت کا ملنا سنتے تو وہ اعتراض کے طور پر تمسخر اور ہنسی سے کہتے کہ آخر وہ قیامت آئے گی کب؟ وہ جزا و سزا کا دن کب ہوگا؟ ہم تو انتظار ہی میں ہیں۔ اب تک تو آیا نہیں۔ پھر منکرین قیامت و آخرت یہ بھی کہتے کہ یہ جو قیامت میں عذاب کی دھمکیاں ہم کو سنائی جاتی ہیں تو اس قیامت کو لے آؤ نا؟

ہم بھی تو دیکھیں وہ کیسا عذاب اور کیسی قیامت ہے جس سے ہم کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔ اسی کو ان آیات میں جتلایا جاتا ہے کہ یہ قیامت کے منکرین انکار اور ہنسی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ ہاں صاحب! وہ انصاف اور جزا کا دن کب آئے گا؟ آخر اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ حق تعالیٰ کی طرف سے ان منکرین کو جواب دیا گیا کہ ذرا صبر کرو۔ وہ دن آیا چاہتا ہے کہ جب تم آگ میں الٹے سیدھے کئے جاؤ گے اور خوب جلا تپا کر کہا جائے گا کہ لو اب اپنی شرارت اور استہزا کا مزا چکھو! جس دن کی جلدی مچا رہے تھے وہ دن آ گیا۔ یہ جواب اسی طرز کا ہے جیسے کسی مجرم کے لئے پھانسی کا حکم ہو جاوے مگر وہ احمق محض اس وجہ سے کہ اس کو تاریخ نہیں بتلائی گئی تکذیب ہی کئے جاوے اور کہے کہ اچھا وہ دن کب آئے گا؟ اس لئے جواب میں بجائے تاریخ بتلانے کے یہ کہنا نہایت مناسب ہوگا کہ وہ دن اس وقت آئے گا جب تم پھانسی پر لٹکا دیئے جاؤ گے تو اسی طرز کا جواب حق تعالیٰ نے منکرین قیامت کو دیا کہ وہ قیامت کا دن وہ ہوگا جب تم آگ پر تپائے جاؤ گے اور تم سے کہا جاوے گا کہ اپنی اس سزا کا مزہ چکھو۔ یہی وہ عذاب ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے اور بے پروائی سے دنیا میں کہا کرتے تھے کہ ہر وقت عذاب کی دھمکیاں کہاں تک سنائی جائیں گی۔ عذاب آنا ہے تو کیوں نہیں آ جاتا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ برخلاف ان کفار و منکرین کے متقین یعنی اہل ایمان پرہیزگار جنہوں نے دنیا میں اللہ کے آگے سر جھکایا اور جن باتوں سے منع کیا گیا ان کو اللہ کے ڈر سے چھوڑا تو ایسے لوگوں کو قیامت کے دن بڑا انعام و اکرام ملے گا۔ ان میں ہر ایک کو رہنے کے لئے بہشت کے باغات دیئے جائیں گے جن کے اندر جا بجا چشمے بہتے ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نعمتیں دے رہا ہوگا اور وہ ان نعمتوں کو شکر گذاری کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے لے رہے ہوں گے۔ دنیا سے جو نیکیاں سمیٹ کر لائے تھے ان کا نیک پھل مل رہا ہوگا۔ آگے ان کی نیکیوں کی قدرے تفصیل ہے یعنی جنت میں رہنے والے متقیوں کی دنیا میں یہ حالت تھی کہ وہ ساری رات سو کر غفلت سے نہیں گذارتے تھے بلکہ نیند چھوڑ کر رات کا اکثر حصہ اللہ کی عبادت و بندگی میں گذارتے تھے اور پھر صبح کے وقت جب رات ختم ہونے کو آتی تو اللہ سے اپنی تقصیرات کی معافی مانگتے کہ الٰہی حق عبودیت ادا نہ ہو سکا۔ جو کوتاہی رہی وہ اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے یعنی کثرت عبادت ان کو مغرور نہ کرتی تھی بلکہ جس قدر بندگی میں ترقی کرتے جاتے خوف اور خشیت بڑھتا جاتا تھا۔ یہ تو عبادت بدنیہ میں ان کی حالت تھی اور عبادت مالیہ میں ان کی یہ کیفیت تھی کہ ان کے مال دولت میں سوالی اور غیر سوالی سب کا حق تھا یعنی علاوہ فرض زکوٰۃ کے اپنے مال میں اپنی خوشی سے سائلوں اور محتاجوں کا حصہ مقرر کر رکھا تھا جو ایسے التزام اور اہتمام سے دیتے تھے جیسے کہ ان کے ذمہ ان کا کچھ آتا ہو۔ یہ متقین کی صفات کا مضمون تو بیچ میں آ گیا تھا اصل مضمون یہ بیان ہو رہا تھا کہ قیامت ضرور آنے والی ہے۔ اور چونکہ کفار قیامت کی صحت کا انکار کرتے تھے اس لئے آگے اس کی دلیل کی طرف اشارہ ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ یقین لانے کی کوشش اور طلب کرنے والوں کے لئے امکان قیامت پر بہت سی نشانیاں اور دلیلیں ہیں اور انسان اگر خود اپنے اندر یا روئے زمین کے حالات میں غور کرے تو بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ ہر نیک و بد کی جزا و سزا کسی نہ کسی رنگ میں ضرور مل کر رہے گی۔ جلد یا بدیر۔ مثلاً انسان ہر رات کا اپنا سونا اور پھر جاگنا ہی دیکھ لے یہ بھی ایک نمونہ اور دلیل ہے بعث بعد الموت کی۔ پس جبکہ انسانوں کی آنکھوں کے سامنے اتنے دلائل موجود ہیں تو آگے تو تو بیخاً فرمایا جاتا ہے کہ جب ایسے دلائل موجود ہیں تو کیا تم کو پھر بھی مطلوب دکھائی نہیں دیتا کہ تم اس کا انکار کرتے ہو۔ آگے ایک اور دلیل امکان قیامت پر دی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو کچھ زمین میں ہو رہا ہے اس کا حکم آسمان ہی سے اترا ہے یہاں تک کہ رزق کا دار مدار بھی نرا تمہاری کمائی اور جدوجہد پر نہیں رکھا گیا بلکہ اس کا انتظام بھی اوپر ہی سے ہوتا ہے۔ بس جس طرح تمہارا مقدر رزق تمہارے پاس پہنچتا ہے یونہی وہ قیامت بھی تمہارے پاس آ پہنچے گی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے کیونکہ دونوں یعنی تمہارا رزق اور قیامت ایک وقت میں معدوم اور اس کے بعد خدا کی قدرت سے موجود ہونے میں دونوں برابر ہیں پھر ایک چیز کا اقرار کر کے دوسری کا انکار کرنا محض بے معنیٰ ہے۔ اور اب تو مادیت اور دہریت اور سائنسی ترقیات کا زمانہ ہے۔ آج **وفی السماء رزقکم** اور

تمہارا رزق آسمان میں ہے کون یقین کرنے کو تیار ہے۔ یورپ کے دہریوں۔نیچریوں اور بے دینوں کو چھوڑ یئے۔اب تو وہ جو قرآن کو آسمانی کتاب بھی بظاہر تسلیم کرتے ہیں ان کی اکثریت کا بھی حقیقی اور پختہ عقیدہ اس پر نظر نہیں آتا کہ ہمارا اور تمام مخلوق کا رزق آسمان میں ہے۔اب تو دنیا والوں کی اکثریت کا یہ عقیدہ ہے کہ امریکہ اور کناڈا اور آسٹریلیا وغیرہ جہاں غلہ ان کی ضروریات سے زیادہ پیدا ہوتا ہے وہ ہمیں اناج دے کر ہماری غذائی ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں اور ہمیں قحط اور غذائی کال سے بچا سکتے ہیں۔اخبار بین حضرات جانتے ہیں کہ دنیا بھر کی قومیں صلاح و مشورہ کیلئے اور اپنے ملک کی غذائی ضروریات کو فراہم کرنے کیلئے یورپ کے شہر روم میں ۵ نومبر ۷۴ء سے جمع ہیں اور اس عالمی غذائی کانفرنس پر نظریں لگائے ہوئے ہیں اور اخبارات لکھ رہے ہیں کہ یہ غذائی عالمی کانفرنس اپنے بارہ روزہ اجلاس میں جو فیصلہ کرے گی وہ کروڑوں انسانوں کی موت وزیست کے فیصلہ ہوں گے (حریت اداریہ ۱۰ نومبر ۷۴ء) دنیا کے ملکوں کی ہنگامی غذائی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے ایک عالمی ذخیرہ کے قیام کی تجویز پر غور ہو رہا ہے اور اقوام متحدہ کی خوراک وزراعت کی تنظیم نے عالمی ذخیرہ کیلئے ہر سال ۱۰ کروڑ ٹن غلہ کی مقدار مقرر کی ہے (حریت ۹ نومبر ۱۹۷۴ء) جس کے لئے ۱۰ لاکھ ٹن غلہ سالانہ ۔تین سال تک ۔کناڈا نے دینے کا وعدہ کیا اور اسی طرح آسٹریلیا نے ۱۰ لاکھ ٹن غلہ سالانہ تین سال تک دینے کا وعدہ کیا اور ایسے ہی وعدہ امریکہ اور دوسرے فاضل اناج پیدا کرنے والے ملکوں سے لینے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور اپنی اس لایعقل اور موہوم تجویز سے دنیا کے کروڑوں انسانوں کو بھوک سے نہ مرنے دینے کا حل تجویز کر رہے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ذرا غور تو کیجئے کہ یہ جوان داتا بننے کی کوشش کر رہے ہیں تو ان بے عقلوں کی عقل میں یہ نہیں آتا کہ جن اسباب و وجوہات اور قدرتی آفات کی وجہ سے دنیا کے بعض ملک جیسے ہندوستان اور بنگلہ دیش وغیرہ قحط کے شکار ہو رہے ہیں (یہ ۱۹۷۴ء کے واقعات کی طرف اشارہ ہے) کیا وہی آفات اور اسباب امریکہ۔اور کناڈا اور آسٹریلیا وغیرہ پر نہیں آسکتے۔اور قدرت خداوندی تو دنیا والوں کو نمونہ دکھلاتی رہتی ہے۔ابھی

تھوڑے ہی عرصہ کی بات ہے کہ امریکہ ہی کے ایک حصہ میں ایسا سیلاب اور طوفان آیا اور اسی تباہی و بربادی ہوئی کہ اس ترقی یافتہ دنیا میں ایسی تباہی شاید دوسری جگہ نہ آئی ہو۔تو کیا امریکہ نے باوجود اپنی سائنسی ترقیات ان قدرتی آفات کو آنے سے روک دیا۔ جو مصیبت قحط کی ہندوستان یا بنگلہ دیش پر اس وقت یعنی ۱۹۷۴ء میں پڑی ہوئی ہے کیا وہی قدرتی آفات آئندہ امریکہ۔اور کناڈا وغیرہ پر نہیں پڑسکتیں اور بنگلہ دیش و ہندوستان کی طرح بھوک سے سسک سسک کر لوگ وہاں نہیں مر سکتے اخبار بین حضرات کو معلوم ہوگا کہ بنگلہ دیش کی کیا صورت حال ہے (یعنی ۱۹۷۴ء میں) اخبارات کی خبر ہے کہ ڈھاکہ جیسے شہر اور دارالسلطنت میں ہر رات میں ۲۰ سے لے کر ۴۰ افراد بھوک سے سسک کر سڑکوں اور گلیوں میں مرے ہوئے پائے جاتے ہیں اور صبح سویرے مینوسپلٹی کی گاڑیاں ان لوگوں کی لاشیں اٹھا کر جن میں بچہ زیادہ ہوتے ہیں ایک اجتماعی گڑھے میں دفن کر دیتے ہیں۔اسی بنگلہ دیش کے ضلع رنگ پور کا حال لکھا ہے کہ رنگ پور کی پوری آبادی جو قریب ۱۵ لاکھ ہے اس کی تقریباً ۱۳ لاکھ کی آبادی کو سرکاری تنوروں سے روزانہ ایک روٹی فی کس کے حساب سے دی جاتی ہے۔سرکاری اعداد وشمار کے مطابق اسی رنگ پور میں روزانہ تقریباً ۱۳۰ افراد موت کی نیند سو جاتے ہیں اور غیر سرکاری اعداد وشمار کے مطابق اب تک بھوک سے مرنے والوں کی تعداد صرف رنگ پور میں ایک لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔اسی طرح دوسرے علاقوں میں بھی تباہ کن صورت حال ہے۔یہ سنا کر یہاں موقع کی مناسبت سے ایک بات یہ عرض کرنے کو دل چاہتا ہے کہ اب جب آپ کے سامنے کھانا آئے تو دل میں اس وقت یہ محسوس کیجئے کہ اس وقت روئے زمین پر اللہ کی کتنی مخلوق ہے کہ جو آسمانی رزق سے محروم ہونے کی وجہ سے سسک سسک کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بھوک سے جان دے رہی ہے اور ہمیں اللہ نے اپنے فضل وکرم سے کیسی سہولت اور عزت و عافیت اور راحت وچین وسکون سے رزق عطا فرما رکھا ہے۔ آخر ہمارے اعمال کون سے اچھے ہیں۔اور وہ کون سا گناہ نہیں ہے کہ جو اس ملک کی سرزمین پر نہ ہو رہا ہو۔بس اللہ کا ہی فضل ہے اور نہ معلوم کن مقبول بندوں کی بدولت ہم کو بھی باسانی رزق مل رہا ہے۔اس لئے

سامنے کھانا آجانے پر دل سے اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور اللہ کے وہ سعادتمند اور نیک بندے جو دوسروں کو کھلا پلا کر کھاتے ہیں ان کو دوہرا شکر ادا کرنا چاہئے کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ نے خود ان کو کھلایا پلایا بلکہ دوسروں کو بھی کھلانے پلانے کی سعادت نصیب فرمائی۔ اور اسی قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لئن شکرتم لا زید نکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ضرور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بیشک میرا عذاب بڑا سخت ہے تو حقیقت یہ ہے کہ ہمارا اور ساری مخلوق کا رزق آسمان میں ہے جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا وفی السمآء رزقکم ۔تو مخلوق کو وہی رزق نصیب ہوگا جو آسمان سے ان کے لئے اترے گا۔ اس لئے اس پر اگر صحیح اور سچا یقین ہو تو اسی سے رزق طلب کرنا چاہئے جس کے پاس رزق کے حقیقی ذخیرہ موجود ہیں اور جو حقیقی رزاق اور روزی رساں ہے۔ کاش کہ کوئی ان محض مادی اسباب پر نظر رکھنے والوں کو سنادے و فی السمآء رزقکم کہ تمہارا رزق آسمان میں ہے۔ اس لئے اسی حقیقی رزاق سے رزق طلب کرو۔ وہ اگر رزق بند کر دے یا کم کر دے تو دنیا کی کون سی حکومت اور طاقت ہے کہ وہ بند کئے ہوئے رزق کو کھول سکے یا کم کو زیادہ کر سکے۔ اور اگر وہ رزق کھول دے تو وہ کون ہے کہ جو اس کو بند کر دے یا روک لے۔ مگر رونا تو یہی ہے کہ یہ بات تو دین کے ذریعہ سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ اور دین ہی سے بیر ہے۔ الا ما شآء اللّٰہ۔

اس جملہ و فی السمآء رزقکم کے سلسلہ میں بات کہیں سے کہیں طویل ہوگئی۔ الغرض یہاں قیامت کے سلسلہ میں بتلایا گیا کہ جس طرح تمہارا رزق تمہارے پاس آسمان سے پہنچتا ہے۔ یونہی وہ قیامت بھی تمہارے پاس آپہنچے گی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ آگے منکرین کو یقین دلانے کے لئے قسم کھا کر ارشاد ہوتا ہے کہ قسم ہے آسمان و زمین کے پروردگار کی کہ وہ قیامت ایسی ہی برحق ہے اور واقعی اور یقینی ہے جیسے تمہارا بولنا یعنی جیسے تمہیں اپنے بولنے میں کچھ شک وشبہ نہیں ہوتا ایسے ہی قیامت میں بھی شک کی گنجائش نہیں۔

یہاں ان آیات میں متقین کی جو یہ صفات بیان کی گئی کہ وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے تو احادیث میں بھی اس کی یعنی رات میں عبادت کرنے کی بہت فضیلت آئی ہے۔ مسند امام احمد میں ایک حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسے بالا خانہ ہیں جن کے اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے نظر آتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کن کے لئے ہیں؟ ارشاد فرمایا ان کے لئے جو نرم کلام کریں اور دوسروں کو کھلاتے پلاتے رہیں اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں یہ نماز پڑھتے رہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو اسلام لانے سے پہلے یہود میں سے تھے فرماتے ہیں جب شروع شروع رسول اللہؐ مدینہ شریف میں تشریف لائے تو لوگ آپ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ میں بھی اس مجمع میں تھا واللہ آپ کے مبارک چہرہ پر نگاہ پڑتے ہی اتنا تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہوسکتا۔ سب سے پہلی بات جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میرے کان میں پڑی یہ تھی کہ آپ نے فرمایا اے لوگو کھانا کھلاتے رہو۔ صلہ رحمی کرتے رہو اور سلام کیا کرو اور راتوں کو جب لوگ سوتے ہوئے ہوں نماز ادا کرو تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو بھی یہ سعادتیں نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اوپر کی اور ان آیات میں منکرین و مکذبین کی مذمت اور ساتھ ہی مصدقین و متقین کی تعریف فرمائی گئی۔ اسی کی تائید میں آگے بعض پیغمبروں اور ان کی امتوں کے قصہ بیان فرمائے جاتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ محسنین و متقین کے ساتھ کیا ہے اور مکذبین و منکرین کے ساتھ اس کا کیا برتاؤ رہا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ اپنے متقین اور محسنین بندوں میں ہم کو بھی شامل ہونے کی سعادت نصیب فرمادیں اور انہی کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمادیں۔ اور جس جنت کا ان سے وعدہ فرمایا گیا ہے ہمیں بھی اس میں داخلہ اپنی رحمت سے نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۘ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ

کیا ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے۔ جب کہ وہ ان کے پاس آئے پھر ان کو سلام کیا، ابراہیمؑ نے بھی کہا سلام

مُّنْكَرُوْنَ ۚ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۙ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۡ

انجان لوگ ہیں۔ پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا لائے۔ اور اس کو ان کے پاس لا کر رکھا کہنے لگے کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں۔

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۚ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ

تو ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے، انہوں نے کہا کہ تم ڈرو مت، اور ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا، اتنے میں ان کی بی بی بولتی پکارتی آئیں

فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۚ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۚ

پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ بڑھیا بانجھ۔ فرشتے کہنے لگے کہ تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے، کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا جاننے والا ہے۔

هَلْ کیا	اَتٰىكَ آئی تمہارے پاس	حَدِيْثُ بات خبر	ضَيْفِ مہمان	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ	الْمُكْرَمِيْنَ معزز	اِذْ جب
دَخَلُوْا وہ آئے	عَلَيْهِ اس کے پاس	فَقَالُوْا تو انہوں نے کہا	سَلٰمًا سلام	قَالَ اس نے کہا	سَلٰمٌ سلام	قَوْمٌ لوگ
مُّنْكَرُوْنَ ناشناسا	فَرَاغَ پھر وہ متوجہ ہوا	اِلٰٓى اَهْلِهٖ اپنے اہل خانہ کی طرف	فَجَاۗءَ پس لایا	بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ فربہ بچھڑا	فَقَرَّبَهٗٓ پھر وہ سامنے رکھا	اِلَيْهِمْ ان کے
قَالَ کہا	اَلَا تَاْكُلُوْنَ کیا تم کھاتے نہیں؟	فَاَوْجَسَ تو اس نے محسوس کیا	مِنْهُمْ ان سے	خِيْفَةً کچھ ڈر	قَالُوْا وہ بولے	لَا تَخَفْ تم ڈرو نہیں
وَبَشَّرُوْهُ اور انہوں نے بشارت دی	بِغُلٰمٍ ایک بیٹے کی	عَلِيْمٍ دانش مند	فَاَقْبَلَتِ پھر آگے آئی	امْرَاَتُهٗ اس کی بیوی	فِيْ صَرَّةٍ حیرت سے بولتی ہوئی	فَصَكَّتْ اس نے ہاتھ مارا
وَجْهَهَا اپنا چہرہ	وَقَالَتْ اور بولی	عَجُوْزٌ بڑھیا	عَقِيْمٌ بانجھ	قَالُوْا انہوں نے کہا	كَذٰلِكِ یونہی	قَالَ فرمایا
رَبُّكِ تیرا رب	اِنَّهٗ بیشک	هُوَ وہ	الْحَكِيْمُ حکمت والا	الْعَلِيْمُ جاننے والا		

تفسیر وتشریح: شروع سورۃ سے منکرین ومکذبین کو متعدد دلائل وبراہین سے بتلایا گیا کہ قیامت اور یوم جزا وسزا یقیناً واقع ہونے والا ہے اور جو اس کے منکر ہیں ان کو عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی تھی اور ان کے مقابل وہ متقی وپرہیزگار جو اللہ سے ڈر کر اس کے حکموں کی فرمانبرداری دنیا میں کرتے ہیں ان کو بہشت کے باغات اور وہاں کی دوسری نعمتوں کے ملنے کی بشارت سنائی گئی تھی۔ اب آگے منکرین کو مزید متنبہ کرنے کے لئے کچھ واقعات گذشتہ پیغمبروں کے سنائے جاتے ہیں جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دنیا ہی میں متقین ومحسنین کے ساتھ کیا رہا اور مکذبین ومنکرین کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا گیا۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا جاتا ہے۔ جو قصہ ان آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے وہ سورہ ہود اور سورہ حجر میں بھی گذر چکا ہے۔ خلاصہ قصہ کا یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر کے ملک شام میں آگئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ۸۶ برس کی عمر میں حضرت اسماعیلؑ حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے مگر حضرت سارہ کے بطن سے آپ کے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اور وہ اسی امید میں بوڑھی ہوگئی تھیں اور کوئی اولاد نہ ہونے کا ان کو غم رہتا تھا۔ ایک روز جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دوپہر کے وقت مہمانوں کی صورت میں کچھ نو وارد نظر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی عادت ومہمان نوازی کے موافق ان کو کھانا کھلانے کا انتظام فرمایا اور ایک بچھڑے کا تلا ہوا گوشت تیار

9 کرا کے مہمانوں کے سامنے لا کر رکھا مگر مہمانوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کچھ تعجب بھی ہوا کہ کھانا کیوں نہیں کھاتے اور ساتھ ہی طبیعت میں کچھ خوف بھی آیا کہ کہیں یہ دشمن نہ ہوں کیونکہ اس زمانہ میں یہ مشہور دستور تھا کہ دشمن اپنے دشمن کے گھر کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ جب فرشتوں نے جو بشکل انسانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان بنے ہوئے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کھانا نہ کھانے پر کچھ متعجب اور ساتھ ہی فکر مند دیکھا تو فرشتوں نے ظاہر کر دیا کہ ہم فرشتے ہیں ہم کو کھانے پینے سے کیا غرض۔ ہم تو آپ کو ایک خوشخبری دینے آئے ہیں کہ آپ کے ایک فرزند یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوں گے جو بڑا عالم ہوگا۔ حضرت سارہ پیچھے کھڑی ہوئی یہ باتیں سن رہی تھیں۔ حضرت سارہ نے جو اولاد کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنی تو وہ بولتی پکارتی ہوئیں آئیں اور بڑے تعجب سے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہنے لگیں کہ اوّل تو میں بڑھیا اور پھر بانجھ تو اس وقت بچہ پیدا ہونا عجیب بات ہے۔ اس پر فرشتوں نے کہا کہ تم تعجب نہ کرو۔ تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں۔ کیونکہ الہ العالمین نے ایسا ہی فرمایا ہے اور وہ بڑی حکمت والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ چنانچہ جس وقت اس بشارت کے مطابق حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہؓ کی عمر ۹۹ سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ سال کی تھی۔

ان آیات سے متعلق ایک مفید اور کارآمد تنبیہ بھی ملتی ہے اور وہ یہ کہ انبیاء کرام کلی عالم الغیب نہیں ہوتے۔ اس چودھویں صدی کے فتنوں میں سے ایک اہم فتنہ بعض اہل بدعت کا وہ عقیدہ ہے کہ انبیاء و اولیاء عالم الغیب ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ساری کائنات میں خدا کے پیغمبروں سے نہ کوئی فضیلت اور بزرگی میں بڑھ کر ہے اور نہ ہی علم وحکمت میں برتر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو اپنی وحی سے سرفراز فرمایا۔ انہیں دین کا سارا اور کامل علم عطا فرمایا۔ اور تمام انسانوں میں علم ودانش۔ عقل وفہم۔ حکمت وفراست اور دیگر کمالات ایمانیہ میں بے مثل و یگانہ بنایا اور حسب ضرورت بعض تکوینی امور کا علم بھی فرمایا مگر پھر بھی انبیاء کا علم ”محیط کل“ نہیں کلی اور تفصیلی غیب وشہادت کا علم خاصہ خداوندی ہی ہے۔ یہ صفت حق تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص فرمائی۔ قرآن کریم کی صدہا آیات اس پر شاہد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کلی غیب داں نہیں تھے۔ مگر افسوس کہ باوجود ایسی کھلی ہوئی صاف اور علانیہ تصریحات کے اس امت کے کچھ لوگ یہود ونصاریٰ کی طرح افراط و تفریط میں مبتلا ہوئے۔ عیسائیوں نے فرط محبت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے رتبہ سے بڑھا کر خدا بنا دیا یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے حق میں گستاخی کی اور بہتان لگائے۔ اس افراط و تفریط کی بنا پر دونوں یہود ونصاریٰ کو قرآن کریم میں مغضوب ملعون اور کافر قرار دیا گیا۔ اس وقت یہ افراط وتفریط کے فتنہ اس امت میں بھی پھیل رہے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء اور اللہ کے برگزیدہ بندوں سے عقیدۃ ومحبت عین ایمان ہے مگر محبت وعقیدت اپنی حدود کے اندر ہی رہنی چاہئے۔ جب محبت حد اعتدال سے بڑھ کر غلو کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے تو اس سے شرک کا دروازہ کھل جاتا ہے جیسا کہ روافض نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر ائمہ اہل بیتؓ کی محبت میں انتہائی کی غلو کیا یہاں تک کہ ان کے لئے خدائی صفات ثابت کیں۔ انہیں عالم الغیب۔ حاجت روا اور متصرف امور سمجھا جیسا کہ ان کی نہایت معتبر کتابوں سے ثابت ہے۔ ان کے برعکس بعض فرقوں نے جیسے قادیانی۔ پرویزی۔ بہائی انہوں نے شان رسالت میں کوتاہی اور گستاخی کی اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا انکار کر کے جھوٹی نبوتیں کھڑی کر دیں۔ اسی طرح منکرین حدیث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت اور وجوب اطاعت کا انکار کیا اور آپ کے اسوہ حسنہ آپ کی سنت اور حدیث کے دین میں حجت ہونے کے اجماعی عقیدہ کو رد کر دیا۔ اس طرح یہ لوگ تفریط کے راستے گمراہی میں مبتلا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ افراط وتفریط کی گمراہیوں سے ہمارے دین وایمان کو محفوظ رکھیں۔

الغرض دیگر انبیاء کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی عالم

الغیب نہ تھے جیسا کہ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے فرستادوں کو نہیں پہچانا اور ان فرشتوں کو یہی سمجھے کہ یہ انسان ہیں کیونکہ وہ انسانی شکلوں میں آئے تھے اسی لئے آپ ان کے لئے بچھڑا تل کر لے آئے۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو فرشتوں کو انسان نہ سمجھتے اور نہ ہی ان کے لئے بچھڑا تل کرلاتے۔ دوسرے یہ کہ جب فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے رویہ سے دل ہی دل میں ڈرے کہ مبادا یہ دشمن ہوں۔ حالانکہ وہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے کے لئے آئے تھے۔ بہرحال خوف کی وجہ صرف یہی تھی کہ آپ کو اصل حقیقت معلوم نہ تھی۔ جب فرشتوں کے بتانے سے اصل حقیقت معلوم ہوئی کہ وہ فرشتے ہیں اور خوشخبری دینے آئے ہیں تو آپ کا خوف جاتا رہا۔ الحاصل اس واقعہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء ورسل میں افضل تھے کلی علم غیب ان کو بھی عطا نہیں کیا گیا تھا۔ علم غیب کلی خاصہ خداوندی ہے اور صرف حق جل وعلیٰ کی ذات عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ اب حضرت ابراہیمؑ اور آنے والے فرشتوں میں جو مزید گفتگو ہوئی وہ اگلی آیات میں ظاہر کی گئی ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح اور سچے اسلامی عقائد رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور افراط وتفریط سے ہمارے دین کو محفوظ رکھیں۔ اور حقیقی اسلام وایمان پر ہم کو استقامت نصیب فرمائیں۔

یا اللہ اس امت میں جو ظاہری و باطنی فتنہ پھیل رہے ہیں اُن سے ہماری حفاظت فرمایئے اور اپنے متقی ومحسنین بندوں میں ہم کو شامل فرمایئے۔

یا اللہ اپنی قدرت کاملہ کا ہم کو یقین کامل نصیب فرمایئے آپ اپنی قدرت سے جو چاہیں وہ کرسکتے ہیں۔ مخلوق کیلئے جو ناممکن اور محال ہو وہ آپ کیلئے بالکل آسان اور سہل ہے۔

یا اللہ ہم کو اپنی قدرت کاملہ پر توکل اور بھروسہ عطا فرمایئے اور ہماری ہر مشکل کو اپنے فضل وکرم سے آسان اور سہل فرمایئے۔

یا اللہ اپنی ذات پاک سے صحیح اور قوی تعلق ہم کو نصیب فرمایئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ

ابراہیمؑ کہنے لگے اچھا تو تم کو بڑی مہم کیا درپیش ہے اے فرشتو! فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تا کہ ہم ان پر

حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ

کنکر کے پتھر برسائیں جن پر آپ کے رب کے پاس سے خاص نشان بھی ہے حد سے گذرنے والوں کیلئے۔ تو ہم نے جتنے ایماندار تھے سب کو وہاں سے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ

علیحدہ کردیا۔ سو بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر ہم نے نہیں پایا۔ اور ہم نے اس واقعہ میں ایسے لوگوں کیلئے

يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

قَالَ اس نے کہا	فَمَا تو کیا	خَطْبُكُمْ مقصد تمہارا	اَيُّهَا اے	الْمُرْسَلُوْنَ بھیجے ہوئے (فرشتو) قَالُوْٓا انہوں نے جواب دیا	اِنَّآ اُرْسِلْنَآ بیشک ہم بھیجے گئے ہیں
اِلٰى طرف	قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ مجرم قوم (مجرموں کی قوم) لِنُرْسِلَ تاکہ ہم بھیجیں (برسائیں)	عَلَيْهِمْ ان پر	حِجَارَةً پتھر	مِّنْ طِيْنٍ سنگ گل	مُّسَوَّمَةً نشان کئے ہوئے
عِنْدَ رَبِّكَ تمہارے رب کے ہاں	لِلْمُسْرِفِيْنَ حد سے گزر جانیوالوں کیلئے	فَاَخْرَجْنَا پس ہم نے نکال لیا	مَنْ كَانَ جو تھا	فِيْهَا اس میں	مِنَ سے
الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والے	فَمَا وَجَدْنَا پس ہم نے نہ پایا	فِيْهَا اس میں	غَيْرَ بَيْتٍ ایک گھر کے سوا	مِّنَ سے۔ کا	الْمُسْلِمِيْنَ مسلمانوں / وَتَرَكْنَا اور ہم نے چھوڑ دی
فِيْهَا اس میں	اٰيَةً ایک نشانی	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے	يَخَافُوْنَ جو ڈرتے ہیں	الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ دردناک عذاب	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان فرشتوں سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ اور کسی خاص مقصد سے آئے ہیں؟ اس پر ان فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم قوم لوط کی سزا دہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ ہم ان پر سنگساری اور پتھروں کی بارش برسا کر ہلاک کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پتھروں پر نشان کر دیئے گئے ہیں خدا کے حکم سے ہر ہر مجرم کے لئے الگ الگ پتھر مقرر کردیئے گئے ہیں اور جو پتھر جس مجرم کے لئے خاص کر دیا گیا ہے اسی کے لگنے سے اس کی ہلاکت ہوگی۔ تو جیسا کہ سورہ ہودؑ سورہ حجر اور سورہ عنکبوت وغیرہ میں ذکر ہو چکا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط پر عذاب کا حال سن کر فرمایا کہ وہاں تو لوط علیہ السلام بھی موجود ہیں؟ کیا لوط علیہ السلام کی موجودگی میں بستی کو تباہ کیا جائے گا؟۔

فرشتوں نے کہا کہ اس کا علم ہمیں بھی ہے کہ لوط علیہ السلام وہاں ہیں اور ہم سب کو جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ ہمیں حکم مل چکا ہے کہ ہم لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھ ان کے گھرانے کے تمام ایمانداروں کو بچالیں ہاں ان کی بیوی نہیں بچ سکتی وہ بھی مجرموں کے ساتھ اپنے جرم کے بدلے ہلاک کردی جائے گی۔ گویا تمام بستی میں صرف ایک حضرت لوط علیہ السلام کا گھرانہ مسلمانی گھرانہ ہے جو عذاب سے بچالیا جائے گا اور باقی سب کو تباہ کردیا جائے گا۔ مذکورہ گذشتہ سورتوں میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ کس طرح لوط علیہ السلام کی قوم تباہ و برباد کی گئی اور حضرت لوط

علیہ السلام اور آپ کے ساتھ آپ کے ایماندار گھر والوں کو بچالیا گیا۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اب تک یعنی نزول قرآن کے زمانہ تک وہاں تباہی کے نشان موجود ہیں اور ان کی غیر معمولی ہلاکت کے قصہ میں ڈرنے والوں کے لئے عبرت کا بڑا سامان ہے۔

چنانچہ عذاب الٰہی سے خوف کھانے والے آج تک اس ناپاک قوم کی داستان ہلاکت سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ بحر مردار یا بحر لوط اور آس پاس شہر سدوم کے کھنڈر آج تک ہر صاحب دل کو قوم لوط کی تباہی کی داستان عبرت سنا رہے ہیں۔

آگے دوسرا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا عبرت کے لئے بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ان نافرمان قوموں کے انجام سے ہمیں بھی عبرت و نصیحت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرمایئے۔ اور ہمیں اپنے احکام اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرمایئے۔

یا اللہ ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو ہر ظاہری و باطنی عذاب سے بچا لیجئے۔ اور ہماری کوتاہیوں اور تقصیرات سے درگذر فرمایئے۔ اور ان پر گرفت اپنی رحمت سے نہ فرمایئے۔ اس وقت ہمارا ملک جو اختلاف و افتراق کے عذاب میں مبتلا ہے۔

یا اللہ اسلام کی برکت سے اس وبال کو رفع فرما دیجئے۔ اور ہمیں اسلام و ایمان سے سچا تعلق اور لگاؤ نصیب فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَفِیْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾

اور موسیٰ کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے اُن کو فرعون کے پاس ایک کھلی ہوئی دلیل دے کر بھیجا۔ سو اُس نے مع اپنے ارکان سلطنت کے سرتابی کی اور کہنے لگا کہ یہ ساحر یا مجنون ہیں۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ

سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا۔ اور عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے ان پر

الْعَقِیْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ

نامبارک آندھی بھیجی۔ جس چیز پر گذرتی تھی اس کو ایسا کر چھوڑتی تھی جیسے کوئی چیز گل کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ اور ثمود کے قصہ میں بھی عبرت ہے

تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا

جبکہ ان سے کہا گیا اور تھوڑے دنوں چین کرلو۔ سو اُن لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی سو ان کو عذاب نے آلیا اور وہ دیکھ رہے تھے۔ سو نہ تو کھڑے ہی ہو سکے

مِنْ قِیَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۴۶﴾

اور نہ بدلہ لے سکے۔ اور ان سے پہلے قوم نوح کا یہی حال ہو چکا تھا، وہ بڑے نافرمان لوگ تھے۔

وَ اور	فِیْ مُوْسٰى موسیٰ میں	اِذْ اَرْسَلْنٰهُ جب ہم نے اسے بھیجا	اِلٰى فِرْعَوْنَ فرعون کی طرف	بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ روشن دلیل (معجزہ) کیساتھ			
فَتَوَلّٰى تو اسنے سرتابی کی	بِرُكْنِهٖ اپنی قوت کیساتھ	وَقَالَ اور کہا	سٰحِرٌ جادوگر	اَوْ مَجْنُوْنٌ یا دیوانہ	فَاَخَذْنٰهُ پس ہم نے اسے پکڑا	وَجُنُوْدَهٗ اور اسکا لشکر	
فَنَبَذْنٰهُمْ پھر ہم نے انہیں پھینک دیا	فِی الْیَمِّ دریا میں	وَهُوَ اور وہ	مُلِیْمٌ ملامت زدہ	وَفِیْ عَادٍ اور عاد میں	اِذْ اَرْسَلْنَا جب ہم نے بھیجی		
عَلَیْهِمُ ان پر	الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ نامبارک آندھی	مَا تَذَرُ وہ نہ چھوڑتی تھی	مِنْ شَیْءٍ کسی شے کو	اَتَتْ آتی	عَلَیْهِ جس پر	اِلَّا جَعَلَتْهُ مگر اُسے کردیتی	
كَالرَّمِیْمِ گلی سڑی ہڈی کی طرح	وَفِیْ ثَمُوْدَ اور ثمود میں	اِذْ قِیْلَ جب کہا گیا	لَهُمْ اُن کو	تَمَتَّعُوْا فائدہ اٹھالو	حَتّٰى حِیْنٍ ایک رات تک		
فَعَتَوْا تو انہوں نے سرکشی کی	عَنْ سے	اَمْرِ رَبِّهِمْ اپنے رب کا حکم	فَاَخَذَتْهُمْ پس انہیں پکڑا	الصّٰعِقَةُ بجلی کی کڑک	وَهُمْ اور وہ	یَنْظُرُوْنَ دیکھتے تھے	
فَمَا اسْتَطَاعُوْا پس ان میں سکت نہ رہی	مِنْ قِیَامٍ کھڑا ہونے کی	وَمَا كَانُوْا اور وہ نہ تھے	مُنْتَصِرِیْنَ بدلہ لینے والے	وَقَوْمَ نُوْحٍ اور نوحؑ کی قوم			
مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا تھے	قَوْمًا فٰسِقِیْنَ لوگ نافرمان				

تفسیر وتشریح: منکرین قیامت وآخرت کی شروع سورۃ ہی میں مذمت فرمائی گئی تھی اور ان کو آخرت و جزا وسزا کے انکار پر جہنم کی وعید سنائی گئی تھی۔ پھر اس بات کی تائید میں کہ منکرین ومکذبین کی دنیا میں بھی پکڑ ہوئی ہے آخرت میں تو لازماً ہونا ہی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا ذکر گذشتہ آیات میں ذکر فرمایا گیا تھا۔ اور عبرت دلائی گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ اور ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا قصہ اور حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کا قصہ اور قوم نوح علیہ السلام کا انجام مختصراً ذکر فرما کر منکرین ومکذبین کو سرکشی ونافرمانی سے عبرت دلائی جاتی ہے اور جتلایا جاتا ہے کہ گذشتہ قومیں اسی کفر وانکار اور سرکشی نافرمانی کی بدولت ہلاک وتباہ کی جا چکی ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جس طرح قوم لوط کے انجام کو دیکھ کر لوگ عبرت حاصل کر سکتے ہیں اسی قسم کا فرعونیوں کا واقعہ ہے۔ موسیٰ علیہ

السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے سمجھانے کے لئے بھیجا کہ سرکشی کو چھوڑ اور اللہ کا بندہ بن کر رہ لیکن اسے اپنی قوت وسلطنت اور لاؤلشکر پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اس نے اپنے زور وقوت پر مغرور ہو کر حق کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنی قوم اور ارکان سلطنت کو بھی ساتھ لے ڈوبا۔ اس نے اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام سے بے رخی برتی اور ان کی تکذیب کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے معجزے دکھلائے تو کہنے لگا (معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد) کہ موسیٰ یا تو چالاک جادوگر ہے اور یا دیوانہ ہے۔ ان دو حال سے خالی نہیں۔ پس انجام میں اللہ تعالیٰ نے اس کافر۔ معاند اور متکبر کو مع اس کے لاؤلشکر کے پکڑا اور سمندر میں غرق کر کے ہلاک کیا۔ ایسا کرنے میں اللہ نے اس پر زیادتی نہیں کی۔ الزام اسی پر ہے کہ اس نے کفر وسرکشی اختیار کی' سمجھانے پر بھی باز نہ آیا۔ آخر جو بویا تھا وہی کاٹا۔ اسی طرح قوم عاد جس کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام تھے اس کے واقعات بھی عبرتناک ہیں جن کی سرکشی اور سیہ کاری کے وبال میں ان پر عذاب کی آندھی آئی جو خیر وبرکت سے یکسر خالی تھی۔ اس نے مجرموں کی جڑ کاٹ ڈالی اور جس پر گزری اس کا چورا کر کے رکھ دیا آخر وہ سب بالکل دنیا سے مٹ گئے۔ ٹھیک اسی طرح قوم ثمود کا بھی برا انجام ہوا۔ ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمادیا تھا کہ اچھا کچھ دن اور دنیا کے مزے اڑالو اور یہاں کا سامان برت لو آخر عذاب الٰہی میں پکڑے جاؤ گے بالآخر عذاب کی ہولناک چیخ نے ان کے پتے پانی کر دیئے اور کلیجے پھاڑ دیئے اور یہ صرف ان کی سرکشی' نافرمانی اور سیہ کاری کا بدلہ تھا ان کا سب زور وطاقت۔ متکبرانہ دعوے اور طنطنے خاک میں مل گئے کسی ایک سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ پچھاڑ کھانے کے بعد ذرا اٹھ کھڑا ہوتا۔ بھلا بدلہ تو کیا لے سکتے تھے اور اپنی مدد پر کسے بلاتے۔ اسی طرح ان اقوام سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم اپنی بغاوت وسرکشی کی بدولت تباہ کی جا چکی تھی۔ وہ لوگ بھی نافرمانی میں حد سے نکل گئے تھے۔ ان تمام قوموں کے مفصل واقعات پہلی سورتوں میں گزر چکے ہیں۔

غرض کہ انجام کفر وشرک نافرمانی وسرکشی کا دنیا میں بھی اچھا نہ رہا اور آخرت میں تو دائمی مصیبت جہنم کی ہی ہے۔

اب یہ جو قرآنی واقعات نافرمان قوموں کی سزا کے بار بار قرآن کریم میں دہرائے گئے ہیں اب ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ یہ رہ گئی ہے کہ کسی مسجد میں کوئی ملا مولوی چند نمازیوں کے سامنے ان کو پڑھ لے اور سن لیں اور بس قصہ ختم۔ نہ قوم کے لئے یہ قرآنی واقعات عبرت کے باعث ہیں نہ نصیحت کا ذریعہ کیونکہ اب اس قوم اور ملک میں قرآن کی حیثیت دین ودنیا کی صلاح وفلاح اور دونوں عالم کے نجات دہندہ کی تو حقیقت میں سمجھی نہیں جاتی۔ اس میں ہمیں ہمارے مسائل کا حل نظر ہی نہیں آتا۔ تو اس کے اوپر کان دھرنا۔ اس سے عبرت حاصل کرنا اس سے نصیحت پکڑنا۔ اس کے احکام کی پابندی کرنا اس کی ممانعتوں سے بچنا اس کا کیا سوال۔

بقول اکبر الہ آبادی مرحوم

رقیبوں نے رپٹ لکھائی ہے جا جا کے تھانوں میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

بہرحال قرآن کا قرآن ہونا کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ کوئی قوم اور ملک اسے اپنائے یا نہ اپنائے۔ کوئی اسے اپنا نجات دہندہ سمجھے یا نہ سمجھے۔ قرآنی احکام اور خبریں اپنی جگہ اٹل ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نتائج احکام خداوندی سے نافرمانی کے بتلا دیئے ہیں وہ پیش آنا لازمی اور لابدی ہیں۔ اب دیر یا سویر یہ اللہ کی حکمت اور مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قرآن کی حقیقی عظمت اور اس کی قدردانی اس ملک اور قوم کو بھی نصیب فرمادیں اور اس سے انحراف کے وبال کو ہم پر سے ٹال دیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالسَّمَآءَ بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡىدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰهَا فَنِعۡمَ الۡمٰهِدُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنۡ كُلِّ

اور ہم نے آسمان کو قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں۔ اور ہم نے زمین کو فرش بنایا سو ہم اچھے بچھانے والے ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز کو

شَىۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَيۡنِ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجۡعَلُوۡا

دو دو قسم کا بنایا تا کہ تم سمجھو۔ تو تم اللہ ہی کی طرف دوڑو، میں تمہارے واسطے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور خدا کے ساتھ

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ

کوئی اور معبود مت قرار دو، میں تمہارے واسطے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا

اِلَّا قَالُوۡا سَاحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوۡا بِهٖ ۚ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ ﴿۵۴﴾

جس کو انہوں نے ساحر یا مجنون نہ کہا ہو۔ کیا اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آئے تھے بلکہ یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں۔ سو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے

وَّذَكِّرۡ فَاِنَّ الذِّكۡرٰى تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۵۵﴾

کیونکہ آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں۔ اور سمجھاتے رہیئے کیونکہ سمجھانا ایمان (لانے) والوں کو (بھی) نفع دے گا۔

وَالسَّمَآءَ اور آسمان	بَنَيۡنٰهَا ہم نے اسے بنایا	بِاَيۡىدٍ ہاتھ (قوت) سے	وَاِنَّا اور بیشک ہم	لَمُوۡسِعُوۡنَ وسیع القدرت ہیں	وَالۡاَرۡضَ اور زمین		
فَرَشۡنٰهَا ہم نے فرش بنایا اسے	فَنِعۡمَ الۡمٰهِدُوۡنَ پس ہم کیسا اچھا بچھانوالے ہیں	وَمِنۡ اور سے	كُلِّ شَىۡءٍ ہر شے	خَلَقۡنَا ہم نے پیدا کئے	زَوۡجَيۡنِ دو جوڑے (قسم)		
لَعَلَّكُمۡ تا کہ تم	تَذَكَّرُوۡنَ نصیحت پکڑو	فَفِرُّوۡۤا پس تم دوڑو	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	اِنِّىۡ بیشک میں	لَـكُمۡ تمہارے لئے	مِّنۡهُ اس سے	نَذِيۡرٌ ڈرسنانے والا
مُّبِيۡنٌ واضح	وَلَا تَجۡعَلُوۡا اور تم نہ ٹھہراؤ	مَعَ اللّٰهِ اللہ کیساتھ	اِلٰهًا اٰخَرَ کوئی دوسرا معبود	اِنِّىۡ بیشک میں	لَـكُمۡ تمہارے لئے	مِّنۡهُ اس سے	نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ واضح ڈرسنانوالا
كَذٰلِكَ اسی طرح	مَاۤ اَتَى نہیں آیا	الَّذِيۡنَ وہ جو	مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ان سے پہلے	مِّنۡ رَّسُوۡلٍ کوئی رسول	اِلَّا مگر	قَالُوۡا انہوں نے کہا	سَاحِرٌ جادوگر
اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ یا دیوانہ	اَتَوَاصَوۡا بِهٖ بَلۡ هُمۡ کیا انہوں نے ایکدوسرے کو وصیت کی اسکی بلکہ وہ	قَوۡمٌ لوگ	طَاغُوۡنَ سرکش	فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ پس آپ منہ موڑلیں ان سے			
فَمَاۤ اَنۡتَ تو نہیں آپ	بِمَلُوۡمٍ کوئی الزام	وَّذَكِّرۡ آپ سمجھائیں	فَاِنَّ تو بیشک	الذِّكۡرٰى سمجھانا	تَنۡفَعُ نفع دیتا ہے	الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ایمان لانے والے	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کی قدرت کا اندازہ کچھ اسی سے کرلو کہ اس نے آسمان جیسی وسیع چیز اپنی قدرت سے پیدا کی پھر زمین کو اپنی مخلوقات کے لئے مثل بچھونے کے بچھا دیا۔ پھر خالق کائنات نے اس جہان میں ہر چیز عجیب وغریب کاریگری سے بنائی اور پھر ہر چیز کو بنا کر اس کے مقابل کی چیز بھی بنائی گویا ہر چیز کو قدرت نے دو دو قسم کا بنایا مثلاً رات دن۔ گرمی سردی۔ سیاہی سفیدی۔ اندھیرا اجالا۔ خشکی تری۔ شیریں تلخ، چھوٹی بڑی، خوشنما بدنما۔ صحت مرض۔ کفرو ایمان۔ موت حیات۔ بدی ونیکی۔ نر مادہ وغیرہ وغیرہ یہاں تک کہ حیوانات ونباتات میں بھی جوڑے بنائے تو اس سے انسان کو سبق لینا چاہئے کہ جب زمین وآسمان اور تمام کائنات ایک اللہ کی عجیب صنعت اور کاریگری سے پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کے زیر حکومت ہر چیز ہے تو بندہ کو چاہئے کہ اللہ کی توحید کی طرف دوڑے اس کا انکار نہ کرے۔ نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے ہر

طرف سے ہٹ کر اسی کی طرف رجوع کرے اور اگر ایسا نہ کیا اور بندہ اس کی طرف رجوع نہ ہوا یا کسی اور ہستی کی طرف رجوع ہو گیا تو یہ بہت ڈر کی بات ہے اور اس کا انجام برا ہونا ہے۔ ان دونوں صورتوں کے خوفناک انجام سے بندوں کو صاف صاف ڈرایا جاتا ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی جاتی ہے کہ ایسی صاف تنبیہ اور ڈرانے پر بھی اگر یہ منکرین و مکذبین کان نہ دھریں اور اللہ اور اس کے رسول کی بات نہ سنیں تو آپ غم نہ کیجئے اور صبر کیجئے کیونکہ جس طرح یہ منکرین و مکذبین آپ کو (نعوذ باللہ) کبھی ساحر اور کبھی مجنون کہتے ہیں اسی طرح ان سے پہلے جن کافر قوموں کی طرف اللہ کا کوئی پیغمبر آیا تو اسی طرح اس کو دیوانہ یا جادوگر کہہ کر اس کی نصیحتوں کو ہنسی میں اڑایا گیا۔ گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کے کافر ایک دوسرے کو وصیت کر مرے ہیں کہ جو رسول آئے اسے ساحر اور مجنون کہہ کر چھوڑ دینا یعنی شرارت اور ڈھٹائی اور سرکشی و نافرمانی میں یہ سب ایک ہی جیسے ہیں جیسے پہلوں نے سرکشی کی ایسے ہی موجودہ منکرین و مکذبین بھی سرکشی کر رہے ہیں۔ بہر حال اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنا فرض ادا کر چکے اور سمجھانے کا حق ادا کر چکے اب اگر یہ نہ مانیں تو آپ پر کوئی الزام نہیں۔ نہ ماننے کا جو کچھ الزام رہے گا ان ہی معاندین پر رہے گا۔ ہاں بتلانا اور سمجھانا آپ کا کام ہے سو یہ سلسلہ جاری رکھیئے جس کی قسمت میں ایمان لانا ہوگا اس کو یہ سمجھانا کام دے گا یا جو ایمان لا چکے ہیں ان کو مزید نفع پہنچے گا اور منکروں پر خدا کی حجت تمام ہوگی بہر حال تذکیر و نصیحت میں عام فوائد اور حکمتیں سب کے اعتبار سے ہیں اس لئے اس کو جاری رکھیئے اور کسی کے ایمان نہ لانے کا غم نہ کیجئے۔

اب آگے سورۃ کے خاتمہ پر مقصود اصلی یعنی بندوں سے عبادت کی مطلوبیت کی تاکید فرمائی جاتی ہے اور اسی کی ترغیب و ترہیب دی جاتی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو ایمان اور اسلام کی دولت سے نوازا اور کفر و شرک سے بچایا۔

یا اللہ ہمیں اپنے اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع و فرمانبردار بنا کر زندہ رکھیئے اور اسی پر موت نصیب فرمایئے۔

یا اللہ اپنی مصنوعات اور مخلوقات میں تدبر اور تفکر کی ہم کو توفیق و صلاحیت عطا فرما تا کہ ہماری توحید مضبوط اور قوی ہو اور ہم آپ کے مطیع اور فرمانبردار بندے بنے رہیں اور آپ کی اطاعت اور بندگی میں لگے رہیں اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچے رہیں۔ یا اللہ! اپنی ذات پاک کی عظمت اور بڑائی ہمارے دلوں میں اتار دے تا کہ ہم آپ کی توحید کی طرف دوڑنے والے بنے رہیں اور آپ کی معرفت حاصل کر کے آپ کی عبادت گذاری میں لگے رہیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ﴿۵۷﴾

اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے (مخلوق کی) رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا، اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿۵۸﴾ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ

اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا نہایت قوت والا ہے۔ تو ان ظالموں کیلئے (سزا کی) بھی باری (علم الٰہی میں) مقرر ہے جیسے ان کے (گذشتہ) ہم مشربوں کی باری (مقرر) تھی

فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۶۰﴾

سو مجھ سے (عذاب) جلدی طلب نہ کریں۔ غرض ان کافروں کیلئے اس دن کے آنے سے بڑی خرابی ہوگی جس کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ اور نہیں پیدا کیا میں نے	الْجِنَّ جن	وَالْإِنْسَ اور انسان	إِلَّا مگر۔صرف	لِيَعْبُدُونِ اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں	
مَا أُرِيدُ میں نہیں مانگتا	مِنْهُمْ ان سے	مِنْ رِزْقٍ کوئی رزق	وَمَا أُرِيدُ اور میں نہیں چاہتا	أَنْ کہ	يُطْعِمُونِ وہ مجھے کھلائیں	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ
هُوَ وہ الرَّزَّاقُ رزاق	ذُو الْقُوَّةِ قوت والا	الْمَتِينُ نہایت قدرت والا	فَإِنَّ پس بیشک	لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا	
ذَنُوبًا ڈول (پیمانے)	مِثْلَ جیسے	ذَنُوبِ پیمانے	أَصْحَابِهِمْ ان کے ساتھی	فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ پس وہ جلدی نہ کریں	فَوَيْلٌ سو بربادی
لِلَّذِينَ كَفَرُوا ان لوگوں کیلئے جنہوں نے انکار کیا	مِنْ سے۔کا	يَوْمِهِمُ ان کا دن	الَّذِي وہ جس	يُوعَدُونَ ان سے وعدہ کیا جاتا ہے	

تفسیر و تشریح: یہ سورۃ الذّریٰت کی آخری آیات ہیں۔ خاتمہ سورت پر انسانوں کو زندگی کا اصل مقصد بتلایا جاتا ہے اور اس کی ترغیب دی جاتی ہے اور جو اس کے خلاف کریں اور کفر و شرک پر مصر ہیں ان کو تنبیہ کے ساتھ وعید سنائی جاتی ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات و انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں جنات اور انسان یہی دو مخلوق ایسی ہیں کہ جو پوری طرح ذمہ دار بنا کر دنیا میں بھیجی گئی ہیں اور ان کے اندر ابتلا اور اختیار دونوں کی صلاحیتیں جمع کر دی ہیں بخلاف فرشتوں کے جو ابتلا سے خالی رکھے گئے ہیں اور بخلاف حیوانات کے جنہیں اختیار کی پوری قوت نہیں دی گئی ہے۔ عقل اور ارادہ کی پوری قوت انہی دو مخلوق یعنی انسان اور جنات کو دی گئی ہے اس لئے ان ہی سے مطالبہ کیا گیا کہ عقل سے اللہ کو پہچانیں اور ارادہ کر کے اس کے حکم بجا لائیں۔ اگر ایسا نہ کیا تو گویا انہوں نے اپنی عقل اور ارادہ سے ٹھیک کام نہیں لیا۔ عقل انسانوں کو اسی لئے دی ہے کہ اس سے سمجھیں کہ ہمارا پیدا کرنے والا اللہ ہے اور اس نے ہماری رہنمائی کے لئے اپنے رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں جن میں آخری رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آخری کتاب قرآن کریم ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ اس کے مطابق عقیدہ اختیار کرو اور اس کے مطابق زندگی دنیا میں بسر کرو۔ اسی کا نام اللہ کی عبادت ہے اور جنات و انسان کا یہی فرض ہے اور ان کے پیدا کرنے کا یہی مقصد ہے کہ یہ اپنے عقل۔ ارادہ اور اختیار سے اللہ کے مقرر کئے ہوئے راستے پر چلیں۔ اب جنہوں نے اپنی عقل نری دنیا ہی کے کاموں میں صرف کر دی۔ اور سائنس اور ٹیکنالوجی ہی کے پیچھے پڑ گئے اور دنیا کے آرام اور مزے کے لئے نئی نئی ایجادات اور مشینیں بنالیں اور دنیا کی عیش و عشرت کے لئے

نئے نئے ذریعے دریافت کر لئے اور ایک دوسرے کو دبانے اور نیچا رکھنے کے لئے تباہ کن ہتھیار بنا لئے تو انہوں نے عقل کی اصلی غرض پوری نہیں کی۔ اگر اس عقل سے اللہ کو نہ پہچانا اور اس کی عبادت نہ کی تو کچھ بھی نہ کیا۔ یہاں آیت میں عبادت سے مراد صرف متعارف عبادات۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ نہیں ہیں بلکہ لفظ عبادت اپنے وسیع و عام مفہوم میں طلب رضائے الٰہی کے مرادف ہے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ ساری عبادتوں کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں ایک امر الٰہی کی تعظیم دوسرے خلق اللہ پر شفقت۔ گویا دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی۔ یہی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جنات اور انسان کی عبادت و بندگی سے اللہ تعالیٰ کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ اس میں انہیں کا نفع ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ مالک نہیں کہ جو غلاموں سے کہے کہ میرے لئے کمائی کر کے لاؤ یا میرے سامنے کھانا لا کر رکھو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تخیلات سے پاک اور برتر ہے اللہ تعالیٰ بندوں سے اپنے لئے کیا روزی طلب کرتا وہ تو خود بندوں کو روزی اپنے پاس سے پہنچاتا ہے اب جو جنات و انسان اس کی بندگی کی طرف نہیں آتے تو سمجھ لو کہ وہ ظالم ہیں اور دوسرے ظالموں کی طرح ان کا پیمانہ بھی لبریز ہو جانے پر ڈوب کر رہے گا۔ جیسے دوسرے منکرین و مکذبین کو خدائی سزا کا حصہ پہنچا ان کو بھی پہنچ کر رہے گا۔ یہ لوگ اگر کفر و شرک پر مصر رہیں گے تو سن رکھیں کہ ان ظالموں کو سزا کی بھی باری علم الٰہی میں مقرر ہے جیسے ان کے گذشتہ ہم مشربوں کی باری مقرر تھی یعنی ہر مجرم ظالم کے لئے اللہ کے علم میں خاص خاص وقت مقرر ہے۔ اس طرح نوبت بہ نوبت ہر مجرم ظالم کی باری آتی ہے تو وہ عذاب میں پکڑا جاتا ہے کبھی دنیا و آخرت دونوں میں اور کبھی صرف آخرت میں۔ اب یہ جو کفار و منکرین بطور تکذیب اور انکار کے یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم واقعی مجرم ہیں اور مجرمین پر عذاب آنا آپ کے قول سے ثابت ہے تو پھر ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب اپنے مقرر وقت پر اور اپنی باری پر آتا ہے تمہاری باری بھی آنے والی ہے جلد بازی نہ کرو۔ قیامت آنے والی ہے اور وہ دن وعدہ کے مطابق آ کر رہے گا اور جب سر پر آ جائے گا تو پھر کچھ بنائے نہ بنے گی۔

یہ سورۃ اس وعدہ سے شروع ہوئی تھی اور قسمیہ کلام کے ساتھ فرمایا گیا تھا کہ جس قیامت و آخرت کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور اعمال کی جزا و سزا ضرور ہونے والی ہے اور اسی وعدہ پر اس کو ختم فرمایا گیا۔

الحمدللہ اب سورہ ذاریٰت کا بیان ختم ہوا۔

سورۃ الذاریات

۱......اگر مریض کے پاس سورۃ الذاریات پڑھی جائے تو وہ تندرست ہو جاتا ہے۔

۲......اگر بچہ جننے کے وقت سورۃ الذاریات لکھ کر عورت کو پہنا دی جائے تو بچہ کی پیدائش آسانی سے ہو جاتی ہے۔ (الدر النظیم)

دعا کیجئے

یا اللہ! آپ کی عبادت جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی خاطر خواہ ادائیگی کا نام ہے ہمیں زندگی کے ہر لحظہ میں اس کی توفیق کاملہ عطا فرما۔

یا اللہ! ہمیں اپنی زندگی کا مقصد وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کا مصداق بنا لینے کی توفیق نصیب فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وَالطُّوْرِ ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿۳﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴿۴﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴿۵﴾

قسم ہے طور (پہاڑ) کی۔ اوراس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے۔ اور (قسم ہے) بیت المعمور کی۔ اور (قسم ہے) اونچی چھت کی (مراد آسمان ہے)

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴿۸﴾

اور (قسم ہے) دریائے شور کی جو (پانی سے پر ہے۔ کہ بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا۔ کوئی اُس کو ٹال نہیں سکتا۔

وَالطُّوْرِ قسم طور (سینا)	وَكِتٰبٍ اور کتاب	مَّسْطُوْرٍ لکھی ہوئی	فِيْ رَقٍّ اوراق میں	مَّنْشُوْرٍ کھلے	وَّ اور	الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ بیت معمور	وَالسَّقْفِ اور چھت	الْمَرْفُوْعِ بلند	
وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ اور دریا جوش مارتا	اِنَّ بیشک	عَذَابَ رَبِّكَ تیرے رب کا عذاب	لَوَاقِعٌ ضرور واقع ہونیوالا	مَا لَهٗ نہیں اسکو	مِنْ دَافِعٍ کوئی ٹالنے والا				

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی ابتدا بھی قسمیہ کلام سے ہوتی ہے اور پانچ چیزوں کی قسم کھائی جاتی ہے۔

پہلی قسم ہے طور کی یعنی وہ کوہ طور جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے شرف ہم کلامی نصیب ہوا اور توراۃ عطا فرمائی گئی۔

دوسری قسم ہے اس کتاب کی جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہے یہاں کتاب سے کیا مراد ہے اس میں مفسرین کے کئی قول ہیں کسی نے لوح محفوظ مراد لیا ہے کسی نے لوگوں کے اعمال نامے۔ کسی نے طور کی مناسبت سے توراۃ۔ کسی نے قرآن کریم یا تمام آسمانی کتب۔ یہ سب احتمالات ہیں۔

تیسری قسم ہے بیت معمور کی۔ بیت معمور ساتویں آسمان میں فرشتوں کا کعبہ ہے اور دنیا کے خانہ کعبہ کے ٹھیک بالمقابل ساتویں آسمان میں ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ شب معراج میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان پر پہنچے تو آپ کو بیت معمور کی طرف لے جایا گیا جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت طواف کے لئے داخل ہوتے ہیں اور پھر کبھی ان کو دوبارہ وہاں پہنچنے کی نوبت نہیں آتی۔ یعنی ہر روز ستر ہزار نئے فرشتوں کی باری ہوتی ہے۔

چوتھی قسم ہے سقف مرفوع کی یعنی اونچی چھت کی اس سے مراد یا تو آسمان ہے یا عرش عظیم مراد ہے جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے۔

پانچویں قسم ہے بحر مسجور کی یعنی ابلتے ہوئے سمندر کی۔ بعض مفسرین نے بحر مسجور کے مطلب یہ لئے ہیں کہ قسم ہے سمندر کی کہ جو آگ بنا دیا جائے گا جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ قیامت کے روز سارا سمندر آگ بن جائے گا جیسا کہ سورۃ تکویر میں ہے واذا البحار سجرت جس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ شمس وقمر اور تمام ستاروں کو سمندر میں ڈال دیں گے اور پھر اس پر تیز ہوا چلے گی جس سے سارا سمندر آگ ہو جاوے گا جو پھر جہنم میں شامل ہو جاوے گا۔ (معارف القرآن)

تو یہ پانچ قسمیں کھا کر فرمایا جاتا ہے ان عذاب ربک لواقع یعنی بیشک آپ کے رب کا عذاب منکرین ومکذبین کے لئے ضرور ہو کر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا۔ یہ تمام چیزیں جن کی یہاں قسم کھائی گئی شہادت دیتی ہیں کہ وہ خدا بہت بڑی قدرت اور عظمت والا ہے پھر اس کی نافرمانی کرنے والوں پر عذاب کیوں نہیں آئے گا اور کس کی طاقت ہے جو اس کے بھیجے ہوئے عذاب کو الٹا واپس کر دے تو گویا انسانوں کو یہاں سنایا گیا

کہ خوب کان کھول کر سن لو کہ اللہ کا عذاب منکرین و مکذبین کو پکڑ کر رہے گا اس کو آنے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی تو تنبیہ اس میں یہ ہے کہ اگر اس عذاب سے بچنا ہے تو اللہ پر ایمان لا کر اس کی باتوں کو سچ جانو اور ان کو مانو۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت لکھی ہے کہ ایک رات حضرت عمر فاروقؓ شہر کی دیکھ بھال کے لئے نکلے تو ایک مکان سے کسی مسلمان کی قرآن خوانی کی آواز کان میں پڑی وہ یہی سورۃ والطّور پڑھ رہے تھے۔ آپ نے سواری روک لی اور کھڑے ہو کر قرآن سننے لگے جب وہ اس آیت پر پہنچے ان **عذاب ربک لواقع ماله من دافع** تو آپ کی زبان سے نکل گیا کہ رب کعبہ کی قسم سچی ہے پھر سواری سے اتر پڑے اور دیوار سے سہارا لگا کر بیٹھ گئے۔ چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد جب ہوش وحواس ٹھکانے آئے تو اپنے گھر پہنچے لیکن خدا کے کلام کی اس ڈراونی آیت کے اثر سے دل کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ مہینہ بھر تک بیمار پڑے رہے لوگ بیمار پرسی کو آتے تھے گو کسی کو معلوم نہ تھا کہ بیماری کیا ہے؟ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی تلاوت میں یہ آیت آئی اس وقت ہچکی بندھ گئی اور اس قدر قلب پر اثر پڑا کہ بیمار ہو گئے چنانچہ ۲۰ دن تک آپ کی عیادت کی جاتی رہی۔ اللہ اکبر یہ تھا قرآن کی تاثیر کا عالم ان حضرات کے قلوب پر اور ایک ہم بھی ان ہی حضرات کے نام لیوا ہیں کہ جن کے نزدیک اب قرآن ۱۴ سو سال پرانی کتاب ہو گئی اب اس میں ہمارے مسائل کا حل کہاں؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہی قرآن تھا کہ ہمارے سلف صالحین اس کے عامل ہو کر دین و دنیا کی عزت و کامرانی لے گئے اور اسی قرآن سے انحراف کر کے ہم دین و دنیا میں ناکامی و نامرادی مول لے رہے ہیں۔ مگر اب یہ کس سے کہا جائے اور کس کی سمجھ میں یہ بات آنے والی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے طفیل میں ہمارے قلوب کو بھی قرآنی اثرات سے جلوہ گر فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے جس روز یعنی قیامت میں عذاب ہوگا اس دن کی کچھ کیفیت بیان کی جاتی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو اسلام اور ایمان سے نوازا اور کفر و شرک سے بچایا۔

اللہ تعالیٰ اس اسلام اور ایمان کی برکت سے دین و دنیا دونوں جہاں میں اپنے عذاب سے ہم کو محفوظ رکھیں اور قیامت کی سختیوں سے بچائیں۔

اللہ تعالیٰ ہی ہمارے حال پر رحم فرما کر ہم کو دین اسلام کو مضبوطی سے تھامنے کی توفیق عطا فرمادیں اور دین اسلام کی برکت سے ہمارے مسائل حل فرمائیں اور ہماری مشکلات کو دور فرمائیں اور ہماری ذلت و ناکامی کو عزت و شوکت سے بدل دیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿٩﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿١٠﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ الَّذِيْنَ هُمْ

(اور یہ اس روز واقع ہوگا) جس روز آسمان تھرتھرانے لگے گا۔ اور پہاڑ ہٹ جاویں گے۔ تو جو لوگ جھٹلانے والے ہیں (اور) جو (تکذیب کے) مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگ رہے ہیں

فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿١٣﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا

اُن کی اُس روز کم بختی آئے گی۔ جس روز کہ ان کو آتش دوزخ کی طرف دھکے دے دے کر لاویں گے۔ یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٤﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿١٥﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ

تو کیا یہ (بھی) سحر ہے (دیکھ کر بتلاؤ) یا یہ کہ تم کو (اب بھی) نظر نہیں آتا۔ اس میں داخل ہو پھر خواہ (اس کی) سہار کرنا یا سہار نہ کرنا، تمہارے حق میں

عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

دونوں برابر ہیں، جیسا تم کرتے تھے ویسا ہی بدلہ تم کو دیا جائے گا۔

يَوْمَ تَمُوْرُ جس دن تھرتھرائے گا	السَّمَآءُ آسمان	مَوْرًا تھرتھرا کر	وَّتَسِيْرُ اور چلیں گے	الْجِبَالُ پہاڑ	سَيْرًا چلنے کی طرح	فَوَيْلٌ سو بربادی	يَوْمَئِذٍ اس دن	
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے	الَّذِيْنَ وہ جو	هُمْ وہ	فِيْ خَوْضٍ مشغلہ میں	يَلْعَبُوْنَ کھیلتے ہیں	يَوْمَ جس دن	يُدَعُّوْنَ وہ دھکیلے جائیں گے		
اِلٰى طرف	نَارِ جَهَنَّمَ جہنم کی آگ	دَعًّا دھکے دے کر	هٰذِهِ یہ ہے	النَّارُ الَّتِيْ وہ آگ جو	كُنْتُمْ تم تھے	بِهَا اس کو	تُكَذِّبُوْنَ جھٹلاتے	اَفَسِحْرٌ تو کیا جادو؟
هٰذَا یہ	اَمْ اَنْتُمْ یا تم	لَا تُبْصِرُوْنَ دکھائی نہیں دیتا تمہیں	اِصْلَوْهَا اس میں داخل ہو جاؤ	فَاصْبِرُوْا پھر تم صبر کرو	اَوْ یا	لَا تَصْبِرُوْا نہ صبر کرو	سَوَآءٌ برابر	
	عَلَيْكُمْ تم پر	اِنَّمَا تُجْزَوْنَ سوا کے سوا نہیں تمہیں بدلہ دیا جائے گا	مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ جو تم کرتے تھے					

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں قسمیہ کلام کے ساتھ یہ فرمایا گیا تھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا عذاب قیامت میں منکرین ومکذبین پر آ کر رہے گا اور اس کو آنے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ اب آگے اس قیامت کے دن کی کچھ کیفیت بیان کی جاتی ہے کہ وہ کیسا ہولناک دن ہو گا اور اس روز منکرین ومکذبین کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان جو کیسی عظیم مخلوق ہے وہ بھی لرز کر اور کانپ کر پھٹ پڑے گا۔ اور پہاڑ جو کتنے بھاری' مضبوط اور وزنی ہوتے ہیں قیامت کے دن اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ اس دنیا کی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ اس کی ہر چیز ایک دن بگڑ کر اور ختم ہو کر رہے گی۔ اور اس کے بعد نیا انتظام ہوگا اور انسان اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے میدان حشر میں حاضر کیا جائے گا۔ تو جب قیامت کا دن آئے گا تو لوگ دیکھ لیں گے کہ قیامت کے متعلق جو کچھ اللہ اور اس کے رسولؐ نے بتایا تھا وہ بالکل ٹھیک اور درست تھا لیکن جو لوگ آج دنیا کے مزوں میں پڑے ہوئے ہیں اور کھیل کود میں مشغول ہیں اور طرح طرح کی باتیں بناتے اور آخرت کی تکذیب کرتے ہیں ان کے لئے اس روز سخت خرابی اور تباہی ہے۔ فرشتے ان کو سخت ذلت کے ساتھ دھکیلتے ہوئے دوزخ کی طرف ہانک کر لے جائیں گے اور وہاں پہنچا کر کہا جائے گا کہ یہ جہنم کی آگ حاضر ہے۔ جس کو تم دنیا میں جھوٹ جانتے تھے اور اللہ کے رسولوں کو جادوگر اور ان کی وحی کو جادو کہا کرتے تھے۔ ذرا اب بتلاؤ کہ یہ جہنم جس کی خبر انبیاء نے دنیا میں دی تھی کیا واقعی جادو یا نظر بندی ہے یا جیسے تم دنیا میں حق کی طرف سے اندھے تھے اور کچھ نہ سوجھتا تھا اسی طرح کیا اب بھی نہیں سوجھتا۔ اچھا اب اس جہنم میں جاؤ اور اس میں پڑ کر گھبراؤ اور چلاؤ گے تب بھی کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں اور بفرض محال صبر کر کے چپ رہو تب بھی تم پر کوئی رحم

کھانے والا نہیں۔غرض دونوں حالتیں برابر ہیں۔اس جیل خانہ سے نکلنے کی تمہارے لئے کوئی سبیل نہیں اور جو کچھ تمہیں سزا ملی یہ کوئی ظلم نہیں۔تم نے کرتوت ہی دنیا میں ایسے کئے تھے جس کی سزا یہی حبس دوام اور ابدی عذاب ہے۔اس سے اب تمہاری رہائی کی کوئی صورت نہیں۔

اب یہاں ان آیات میں احوال قیامت میں سے صرف دو چیزوں کا تذکر فرمایا گیا ہے۔ایک تو یوم تمور السمآء موراً. یعنی جس روز آسمان کانپنے اور تھرتھرانے لگے گا۔دوسرے وتسیر الجبال سیراً. اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جاویں گے۔اسی طرح کے دوسرے ہولناک حوادث وواقعات کا ذکر قرآن کریم کی دوسری سورتوں میں آیا ہے۔مثلاً تیسویں پارہ کی سورہ اذالشمس کورت میں اور اذالسمآ ء انفطرت میں۔ایک حدیث صحیح میں وارد ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چاہے کہ قیامت کے روز کو دنیا میں آنکھوں سے دیکھ لے تو اس کو چاہئے کہ اذا الشمس کورت کو پڑھے۔اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر اتنی جلدی بڑھاپا کیوں آ گیا؟ یعنی آپ کے مزاج مبارک کی قوت سے یہ توقع نہ تھی کہ اتنی عمر میں آثار بڑھاپے کے آپ پر ظاہر ہوں گے۔یہ بات ہمارے قیاس کے خلاف وقوع میں آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو ان پانچ سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔سورہ ھود. سورہ واقعه. سورہ والمرسلٰت. سورہ عمّ یتسآ ءلون. اور سورہ اذالشمس کورت. ان سورتوں میں احوال قیامت اور عذاب الٰہی جو دنیا وآخرت میں لوگوں پر گزرا اور گزرے گا مذکور ہے تو مجھ کو اس کے سننے سے اپنی امت کا غم نہایت غلبہ کرتا ہے۔اور غم کا خاصہ یہ ہے کہ آدمی کو بوڑھا کر دیتا ہے۔تو قرآن کریم کے آیات کی حیرت انگیز تاثیر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قلوب پر ہوتی تھی اس کا تو کیا ہی کہنا۔مشرکین عرب اور کفار مکہ جنہوں نے قرآن کا نام جادو رکھا تھا وہ اس کی کلامی تاثیر سے بچنے کے لئے اس امر کی انتہائی کوشش کرتے تھے کہ ان کے اور ان کے اہل وعیال کے کانوں میں قرآن کی آواز نہ پڑنے پائے۔حضرت صدیق اکبرؓ کو مکہ سے نکالنے کا عذر کفار نے یہی پیش کیا تھا کہ وہ قرآن بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور اس کی آیتیں سن کر ہمارے بال بچے متاثر ہوتے ہیں۔ہمیں ڈر ہے کہ وہ کہیں قرآن سے متاثر ہو کر مسلمان نہ ہو جائیں اور خود اسی قرآن کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لوانزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرایته خاشعاً متصدعاً من خشیة الله (اگر یہ قرآن پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ خدا کے ڈر کی وجہ سے ریزہ ریزہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا) لیکن افسوس صد ہزار افسوس کہ آج اسی قرآن کی تلاوت مسلمانوں پر کی جاتی ہے اور بار بار کی جاتی ہے لیکن ان کے گوشت کے بنے ہوئے دل سخت پتھر والے پہاڑوں سے زیادہ سخت ثابت ہوتے ہیں کہ نہ اللہ جل جلالہ کا خوف وخشیت دل میں پیدا ہوتا ہے۔نہ عذاب آخرت کا ڈر ان کو رلاتا ہے۔نہ قیامت اور حشر کے ہولناک احوال سے ان کے دل پسیجتے ہیں۔انا للہ وانا الیه راجعون۔آخر یہ کیا بدنصیبی ہے؟ یہ ہمارے قلوب کی شقاوت کس طرح دور ہو؟ بس اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد ہے کہ مولائے کریم اپنا رحم وکرم ہم پر فرما دیں اور ہمارے مردہ قلوب میں زندگی پیدا فرما دیں اور ہمارے قلوب کی صلاحیتیں درست فرما دیں اور ہمارے دلوں میں سچا خوف آخرت پیدا فرما دیں کہ جو ہم اللہ جل شانہ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے اس دنیا میں بچ جائیں۔

غرض کہ ان آیات میں یہاں بیان ہوئے منکرین ومکذبین کے احوال ان کو قیامت میں پیش آئیں گے۔آگے ان کے مقابلہ میں اہل ایمان متقی بندوں کا حال بیان فرمایا جاتا ہے کہ ان کے لئے قیامت میں کیا صورت حال ہوگی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ

متقی لوگ بلاشبہ (بہشت کے) باغوں اور سامانِ عیش میں ہوں گے۔ (اور) ان کو جو چیزیں اُن کے پروردگار نے دی ہوں گی اس سے خوش دل ہوں گے، اور ان کا پروردگار

الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ

اُن کو عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔ خوب کھاؤ اور پیو مزہ کے ساتھ اپنے عملوں کے بدلے میں۔ تکیہ لگائے ہوئے تختوں پر جو برابر بچھائے ہوئے ہیں، اور ہم ان کا گوری گوری

بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ

بڑی بڑی آنکھوں والیوں (یعنی حوروں) سے بیاہ کر دیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا، ہم اُن کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے،

مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا

اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے، ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس رہے گا۔ اور ہم ان کو میوے اور گوشت جس قسم کا اُن کو مرغوب ہو روز افزوں دیتے رہیں گے۔

يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ

(اور) وہاں آپس میں (بطور خوش طبعی کے) جام شراب میں چھینا جھپٹی بھی کریں گے اس میں نہ بک بک لگے گی اور نہ کوئی بیہودہ بات ہوگی۔ اور اُن کے پاس ایسے لڑکے آویں جاویں گے

كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا

جو خالص اُنہی کیلئے ہوں گے گویا وہ حفاظت میں رکھے ہوئے موتی ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے۔ یہ بھی کہیں گے کہ ہم تو اس سے پہلے اپنے گھر

مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾

(یعنی دنیا میں انجامِ کار سے) بہت ڈرا کرتے تھے۔ سو خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیا۔ ہم اس سے پہلے (یعنی دنیا میں) اُس سے دعائیں مانگا کرتے تھے، واقعی وہ بڑا محسن مہربان ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ بیشک متقی (جمع)	فِيْ جَنّٰتٍ باغوں میں	وَنَعِيْمٍ اور نعمتوں	فٰكِهِيْنَ خوش ہوں گے	بِمَآ اٰتٰهُمْ اسکے ساتھ جو دیا انہیں	رَبُّهُمْ انکے رب نے		
وَوَقٰهُمْ اور بچایا انہیں	رَبُّهُمْ انکے رب نے	عَذَابَ عذاب	الْجَحِيْمِ دوزخ	كُلُوْا تم کھاؤ	وَاشْرَبُوْا اور تم پیو	هَنِيْٓـًٔا رچتے پچتے	بِمَا اسکے بدلے میں
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ جو تم کرتے تھے	مُتَّكِـِٕيْنَ تکیہ لگاتے ہوئے	عَلٰى سُرُرٍ تختوں پر	مَّصْفُوْفَةٍ صف بستہ	وَزَوَّجْنٰهُمْ اور اُنکی زوجیت میں دیا ہم نے			
بِحُوْرٍ عِيْنٍ بڑی آنکھوں والی حوریں	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَاتَّبَعَتْهُمْ اور انہوں نے پیروی کی	ذُرِّيَّتُهُمْ اُن کی اولاد	بِاِيْمَانٍ ایمان کیساتھ		
اَلْحَقْنَا ہم نے ملا دیا	بِهِمْ انکے ساتھ	ذُرِّيَّتَهُمْ اُن کی اولاد	وَمَا اور جو	اَلَتْنٰهُمْ کمی نہیں کی ہم نے	مِّنْ عَمَلِهِمْ ان کے عمل سے	مِّنْ شَيْءٍ کوئی چیز کچھ	
كُلُّ امْرِئٍ ہر آدمی	بِمَا اسمیں جو	كَسَبَ اس نے کمایا (اعمال)	رَهِيْنٌ رہن	وَاَمْدَدْنٰهُمْ اور ہم انکی مدد کریں گے	بِفَاكِهَةٍ پھلوں کیساتھ	وَّلَحْمٍ اور گوشت	
مِّمَّا اس سے	يَشْتَهُوْنَ جو انکا جی چاہیگا	يَتَنَازَعُوْنَ چھینا جھپٹی کریں گے	فِيْهَا اس میں	كَاْسًا وہ پیالہ	لَا لَغْوٌ نہ بکواس	فِيْهَا اس میں	وَلَا تَاْثِيْمٌ اور نہ گناہ کی بات
وَيَطُوْفُ اور ارد گرد پھریں گے عَلَيْهِمْ ان پر۔ کے غِلْمَانٌ خدمتگار لڑکے لَهُمْ ان کیلئے كَاَنَّهُمْ گویا وہ لُؤْلُؤٌ موتی مَّكْنُوْنٌ چھپا کر رکھے ہوئے							
وَاَقْبَلَ اور متوجہ ہوگا	بَعْضُهُمْ ان میں سے بعض (ایک)	عَلٰى بَعْضٍ بعض پر (دوسرے کی طرف)	يَّتَسَآءَلُوْنَ آپس میں پوچھتے ہوئے	قَالُوْٓا وہ کہیں گے			

10

إِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	قَبْلُ پہلے	فِيٓ أَهْلِنَا اپنے اہل خانہ میں	مُشْفِقِيْنَ ڈرتے تھے	فَمَنَّ اللّٰهُ تو احسان کیا اللہ نے	عَلَيْنَا ہم پر	وَوَقٰنَا اور ہمیں بچالیا	عَذَابَ عذاب
السَّمُوْمِ گرم ہوا (لو)	إِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	نَدْعُوْهُ ہم اسکو پکارتے	إِنَّهٗ بیشک وہ	هُوَ وہی	الْبَرُّ احسان کرنیوالا	الرَّحِيْمُ رحم کرنیوالا

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں منکرین ومکذبین کا حال جو قیامت میں ہوگا۔ بیان فرمایا گیا تھا۔

اب ان کے ضد اور مقابلہ میں قیامت میں اہل ایمان متقین کو کس طرح نوازا جائے گا اور ان کو وہاں کیا نعمتیں میسر ہوں گی یہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتے تھے وہ وہاں بالکل مامون اور بے فکر ہوں گے اور انہیں جنت کے باغات میں داخل کیا جائے گا جہاں ہر قسم کے راحت و آرام کے سامان موجود ہوں گے اور وہ خوشی خوشی وہاں کی نعمتوں کو کھاپی رہے ہوں گے اور یہ نعمت کیا کم ہوگی کہ انہیں اللہ تعالیٰ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ خوب کھاؤ پیو مزہ کے ساتھ یعنی بے مشقت' بے رنج' بے کھٹکے' نہ مرض کا کھٹکا نہ کسی تکلیف کا ڈر۔ نہ پکانے اور کما کر لانے کا فکر۔ نہ کم ہو جانے کا اندیشہ اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ بدلہ ہے ان نیک اعمال کا جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جنتیوں کی مجلس اس طرح ہوگی کہ سب جنتی بادشاہوں کی طرح اپنے اپنے تخت پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آرام سے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور ان کی شادیاں گوری گوری بڑی آنکھوں والی حوروں سے کر دی جائے گی یہ حال تو سب اہل ایمان متقین کا ہوا۔ آگے ان خاص مومنین کا ذکر ہے جن کی اولاد بھی صاحب ایمان تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے متقین کی اولاد کو ان ہی کے درجہ اور مقام پر پہنچا دے گا اور جنت میں ان کے ساتھ کر دے گا گو اس اولاد کے اعمال واحوال اپنے بزرگوں کے رتبہ کے نہ ہوں گے۔ یہ متقین کے اکرام اور عزت افزائی کے لئے ہوگا کہ ان کی ایماندار اولاد کو بھی ان کے درجہ میں ان کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا اور یہ شامل کر دینا اور ساتھ رکھنا اس طرح نہ ہوگا کہ متقین کے اعمال میں سے کچھ لے کر ان کی اولاد کو دے دیا جائے اور کاملین کی بعض نیکیوں کا ثواب کاٹ کر ان کی ذریت کو دے دیا جائے۔ نہیں بلکہ اللہ کا یہ فضل واحسان ہوگا کہ کمتروں کو ابھار کر کاملین کے درجہ میں پہنچا دیا جائے گا۔ کاملین اور ان کی ذریت کو جنت میں دونوں کو برابر کر دینے کی مثال ایسی سمجھی جائے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس چھ سو روپے ہوں اور ایک کے پاس چار سو اور دونوں کو برابر کرنا مقصود ہو تو اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ ۶۰۰ والے سے ۱۰۰ روپیہ لے کر اس ۴۰۰ والے کو دے دیئے جائیں کہ دونوں کے پاس پانچ پانچ سو ہو گئے اور دوسری صورت جو کریموں کے شان کے لائق ہے یہ ہے کہ ۶۰۰ والے سے کچھ نہ لیا جائے بلکہ اس ۴۰۰ والے کو ۲۰۰ روپیہ اپنے پاس سے دیدیں اور دونوں کو برابر کر دیں تو جنت میں متقین کے ساتھ پہلی صورت واقع نہ ہوگی بلکہ دوسری صورت واقع ہو گی کہ کاملین اپنے درجہ عالیہ میں بدستور رہیں گے اور کم درجہ والی اولاد کو وہاں پہنچا دیا جاوے گا لیکن اس اولاد میں ایمان کی شرط ہونا ضروری ہے اگر وہ ذریت مومن نہیں تو مومنین آباء کے ساتھ الحاق نہیں ہو سکتا کیونکہ بغیر ایمان کے تو جنت ہی میں داخلہ نہیں اور کافروں میں سے ہر شخص اپنے اعمال کفریہ کی وجہ سے جہنم میں ماخوذ رہے گا اور کفر کی وجہ سے نجات کی کوئی صورت نہیں اس لئے مومنین متقین کے ساتھ ملا دینے میں اولاد میں ایمان کا ہونا شرط ہے آگے پھر مطلق اہل ایمان اور اہل جنت کا بیان ہے کہ ان کو جس قسم کا گوشت مرغوب ہو اور جس جس میوے و پھل پھلار کو دل چاہے بلاتوقف لگاتار حاضر کئے جائیں گے اور جنتی وہاں آپس میں بطور خوش طبعی کے آپس میں شراب سے بھرے ہوئے پیالہ ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی بھی کریں گے جیسا کہ اکثر دنیا میں بے تکلف احباب کیا کرتے ہیں مگر

وہ جنت کی شراب دنیا جیسی شراب نہ ہوگی کہ جس میں نشہ اور فتور عقل ہو۔ وہ جنت کی شراب تمام گندگیوں سے دور۔ رنگ میں سفید۔ پینے میں خوش ذائقہ۔ نہ اس کے پینے سے حواس معطل ہوں۔ نہ عقل زائل ہو۔ نہ دردسر ہو۔ نہ بک بک جھک جھک۔ نہ ہذیان نہ بے ہوشی نہ کوئی اور گناہ کی بات۔ پھر وہاں جنت میں جنتیوں کی خدمت کے لئے کمسن نوعمر خوبصورت خدمت گزار ہوں گے۔ جن کی صفائی اور پاکیزگی کا یہ حال ہوگا جیسے موتی اپنے غلاف کے اندر بالکل صاف شفاف رہتا ہے۔ گرد و غبار کچھ نہیں پہنچتا۔ جنتی ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت بھی کریں گے اور اثنائے گفتگو میں یہ بھی کہیں گے کہ بھائی ہم تو دنیا میں انجام کار سے بہت ڈرا کرتے تھے کہ دیکھئے مرنے کے بعد کیا انجام ہو۔ یہ کھٹکا برابر لگا رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان دیکھو کہ آج اس نے کیسا مامون و مطمئن کر دیا کہ دوزخ کی بھاپ بھی ہم کو نہ لگی۔ ہم اپنے رب کو ڈر کر اور امید باندھ کر پکارا کرتے تھے۔ آج دیکھ لیا کہ اس نے اپنی عنایت و مہربانی سے ہماری پکار سنی اور ہمارے ساتھ کیسا اچھا کریمانہ سلوک کیا۔

ان آیات زیر تفسیر سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ جنتیوں کو جنت میں پہنچ کر دنیا کا حال بھی سب یاد رہے گا اسی طرح جہنمیوں کو بھی دنیا کی سب باتیں یاد ہوں گی۔

۲۔ دوسرے یہ کہ دنیا میں آخرت کو بکثرت یاد کرتے رہنا۔ اپنے انجام سے ڈرتے رہنا اور اپنے حسن انجام کی دعائیں دنیا میں کرتے رہنا یہ متقین مومنین کی علامات میں سے ہیں۔

۳۔ تیسرے یہ کہ بزرگوں اور دین داروں کے ساتھ نسبی تعلق آخرت میں باعث نفع ہوگا بشرط ایمان۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنین صالحین کی اولاد کو بھی ان کے بزرگ آباء کے درجہ میں پہنچا دیں گے اگرچہ وہ عمل کے اعتبار سے جنت کے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں تاکہ ان بزرگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت ہے کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو وہ اپنے ماں باپ بیوی اور اولاد کے متعلق دریافت کرے گا کہ وہ کہاں ہیں؟ ان سے کہا جائے گا کہ وہ تمہارے درجہ کو نہیں پہنچے اس لئے ان کا جنت میں اپنا الگ مقام اور درجہ ہے یہ شخص حق تعالیٰ سے عرض کریگا کہ اے میرے پروردگار میں نے دنیا میں جو کچھ کیا تھا وہ اپنے لئے اور ان سب کے لئے کیا تھا تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو بھی اسی درجہ جنت میں ان کے ساتھ رکھا جائے۔ تو ان روایات سے بھی یہ ثابت ہوا کہ آباء صالحین کی برکت سے ان کی اولاد اور متعلقین کو آخرت میں فائدہ پہنچے گا۔

اب اوپر جو جنت و دوزخ اور جہنمیوں کے بعض عجیب احوال کا ذکر ہوا تو منکرین و مکذبین ان کو کب مانتے اور ایسی باتوں پر معاذ اللہ کبھی تو آنحضرتؐ کو دیوانہ کبھی کاہن وغیرہ بتاتے جس سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کو تکلیف ہوتی تھی اس لئے آگے آپ کی تسلی فرمائی جاتی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہم سب کو انجام کی خیر و خوبی نصیب فرما اور اپنے کرم سے عذاب جہنم سے بچا کر جنت نعیم میں داخل ہونا نصیب فرما۔
یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے ہمارے اہل و عیال کو بھی اس دنیا کی زندگی میں عذاب جہنم سے پناہ مانگنے کی توفیق نصیب فرما۔
اور ہمارے اہل و عیال کو دنیا میں بھی ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ بنا اور آخرت میں ان کی نجات اور مغفرت سے ہم کو خوشی اور مسرت نصیب فرما۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝٢٩ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ

تو آپ سمجھاتے رہیئے کیونکہ آپ بفضلہ تعالیٰ نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں۔ (جیسا کہ یہ مشرکین کہتے ہیں)۔ ہاں کیا یہ لوگ یوں (بھی) کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں (اور) ہم

الْمَنُوْنِ ۝٣٠ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝٣١ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ

ان کے بارے میں حادثۂ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ (بہتر) تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ کیا اُن کی عقلیں اُن کو ان باتوں کی تعلیم کرتی ہیں، یا یہ ہے کہ یہ شریر

طَاغُوْنَ ۝٣٢ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝٣٣ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝٣٤

لوگ ہیں۔ ہاں کیا یہ (بھی) کہتے ہیں کہ انہوں نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ لوگ تصدیق نہیں کرتے۔ تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام (بنا کر) لے آئیں اگر یہ (اس دعویٰ میں) سچے ہیں۔

فَذَكِّرْ پس آپ نصیحت کریں	فَمَآ اَنْتَ تو آپ نہیں	بِنِعْمَتِ فضل سے	رَبِّكَ اپنا رب	بِكَاهِنٍ کاہن	وَّلَا اور نہ	مَجْنُوْنٍ دیوانہ	اَمْ کیا
يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	شَاعِرٌ شاعر	نَّتَرَبَّصُ ہم منتظر ہیں	بِهٖ اس کے ساتھ	رَيْبَ حوادث	الْمَنُوْنِ زمانہ	قُلْ فرمادیں	تَرَبَّصُوْا تم انتظار کرو
فَاِنِّيْ بیشک میں	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ	مِّنَ سے	الْمُتَرَبِّصِيْنَ انتظار کرنے والے	اَمْ تَاْمُرُهُمْ کیا حکم دیتی (سکھائی) ہیں انہیں	اَحْلَامُهُمْ ان کی عقلیں		
بِهٰذَآ یہی	اَمْ هُمْ یا وہ	قَوْمٌ طَاغُوْنَ سرکش لوگ	اَمْ يَقُوْلُوْنَ کیا وہ کہتے ہیں؟	تَقَوَّلَهٗ اس نے اسے گھڑ لیا ہے	بَلْ بلکہ	لَّا يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہیں لاتے	
فَلْيَاْتُوْا تو چاہیے کہ وہ لے آئیں	بِحَدِيْثٍ ایک بات	مِّثْلِهٖٓ اس جیسی	اِنْ كَانُوْا اگر وہ ہیں	صٰدِقِيْنَ سچے			

تفسیر و تشریح: منکرین و مکذبین ازراہ انکار و تکذیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) کبھی دیوانہ کہتے کبھی کاہن بتاتے یعنی جنات اور شیاطین سے خبریں لے کر بتاتے ہیں اور کبھی شاعر بتاتے۔ کفار و منکرین کے ان الزامات کی تردید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منکرین کے کہنے کی پرواہ نہ کیجئے۔ اور ان کو بھلا برا سمجھاتے رہیئے اور پیغمبرانہ نصیحتیں کرتے رہئے۔ آپ ان کی بکواس سے دل گیر نہ ہوں۔ جب اللہ کے فضل و رحمت سے نہ آپ کاہن ہیں۔ نہ مجنون بلکہ اس کے مقدس رسول ہیں تو نصیحت کرتے رہنا آپ کا فرض منصبی ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے رسول کو شاعر بتلاتے ہیں اور آپ کی باتوں اور نصیحتوں کو محض ایک شاعر کی سی باتیں سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح قدیم زمانہ کے بہت سے شعراء گردش زمانہ سے یونہی مر مرا کر ختم ہو گئے ہیں۔ یہ بھی اسی طرح معاذ اللہ ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ کوئی کامیاب مستقبل ان کے ہاتھ میں نہیں۔ محض چند روز کی وقتی واہ واہ ہے اور بس۔ کفار کے ان خیالات کے تردید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب تلقین فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے فرما دیجئے کہ اچھا تم میرا انجام دیکھتے رہو۔ میں تمہارا انجام دیکھتا ہوں۔ عنقریب کھل جائے گا کہ کون کامیاب ہے اور کون ناکام و خاسر؟ گویا اس میں اشارۃً پیشین گوئی فرما دی گئی کہ میرا انجام فلاح و کامیابی ہے اور تمہارا انجام خسارہ اور ناکامی ہے۔ اور الحمد للہ دنیا نے دیکھ لیا کہ یونہی ہوا۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ منکرین ہمارے پیغمبر کو مجنون کہہ کر گویا اپنے کو بڑا عقلمند ثابت کرتے ہیں۔ کیا ان کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں جو ان کو یہ سکھاتی ہے کہ ایک انتہائی صادق۔ امین۔ عاقل۔ کامل اور فرزانہ اور سچے پیغمبر کو شاعر۔ یا کاہن یا دیوانہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر یہ شاعروں اور پیغمبر کے

کلام میں تمیز بھی نہیں کر سکتے۔تو کیسے عقلمند ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ دل میں سمجھتے سب کچھ ہیں محض شرارت اور ضد وعناد سے باتیں بناتے ہیں۔ان منکرین کا کیا یہ خیال ہے کہ پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو کچھ سنا رہے ہیں وہ اللہ کا کلام نہیں؟ بلکہ اپنے دل سے گھڑ لیا؟ اور جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کر دیا؟ (معاذ اللہ) سو نہ ماننے کے تو ہزار بہانے ہیں۔جو شخص ایک بات پر یقین نہ رکھے اور اسے تسلیم نہ کرنا چاہے وہ اسی طرح کے بے سروپا احتمالات نکالا کرتا ہے ورنہ انسان ماننا چاہے تو اتنی بات سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر کے بھی اس قرآن کا مثل نہیں لا سکتے۔اور قرآن تو بڑی چیز ہے اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورۃ بھی قیامت تک نہیں بنا سکتے۔جیسے خدا کی زمین جیسی زمین اور اس کے آسمان جیسا آسمان بنانا کسی سے ممکن نہیں اس طرح اس کے قرآن جیسا قرآن بنالانا بھی محال اور ناممکن ہے۔تو گویا کفار کے قرآن کو کلام الٰہی نہ ماننے کے دو طور پر رد ہو گئے ایک تحقیقی جواب سے ایک الزامی جواب سے۔تحقیقی جواب تو یہ فرمایا گیا کہ یہ جو قرآن کو نہیں مانتے تو صرف اس وجہ سے کہ یہ لوگ بوجہ ضد وعناد کے اس کی تصدیق نہیں کرتے اور قاعدہ ہے کہ جس چیز کی آدمی تصدیق نہیں کرتا ہزار وہ حق ہو مگر اس کی ہمیشہ نفی ہی کیا کرتا ہے اور دوسرا الزامی جواب یہ دیا گیا کہ اچھا اگر یہ قرآن کسی کا بنایا ہوا ہے تو یہ مشرکین عرب بھی عربی اور بڑے فصیح و بلیغ قادر الکلام ہیں اس طرح کا کوئی کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں۔اور جب نہیں لا سکتے تو پھر اس کو اللہ کا کلام ماننا پڑے گا۔یہ قرآن کی حقانیت اور کلام الٰہی ہونے میں ایسا کھلا ہوا چیلنج تمام دنیا کے انسانوں کو دیا گیا ہے کہ جس کے سامنے آج تک سب عاجز رہے اور قیامت تک عاجز رہیں گے۔

اب غور کیجئے کہ نبی کریم۔محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم تو کفار مکہ اور مشرکین عرب کو کس دلسوزی کے ساتھ دین و دنیا کی سعادتوں اور نعمتوں کی طرف بلاتے ہیں اور اسلام اور ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور منکرین و مکذبین اس کے بدلہ میں آپ کی ابتدائے بعثت کے وقت ظاہری مجبوری اور بے بسی کو دیکھ کر آپ کی شان میں کیسی گستاخیاں کرتے اور کیسے کیسے ناز یبا الزامات واتہامات آپ پر لگاتے۔کبھی آپ کو مجنون و دیوانہ کہا جاتا (معاذ اللہ) کبھی کاہن کہا جاتا جن کا تعلق شیاطین و جنات سے ہوتا تھا۔کبھی بے تکی خیالی اور فرضی مبالغہ آمیز باتیں کرنے والا شاعر کہا جاتا۔ظاہر ہے کہ ان بے جا الزامات واتہامات سے آپ کو کیسی قلبی اذیت پہنچتی ہوگی۔پھر معاندین اور منکرین و مکذبین نے محض زبانی گستاخی پر اکتفانہ کیا بلکہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی ایذائیں بھی پہنچانے کی سعی کرتے رہتے۔آپ کے راستہ میں کانٹے بچھادیئے جاتے۔آپ کے سر مبارک پر کیچڑ ڈالی جاتی۔آپ کے بدن مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال کر آلودہ کر دیا جاتا۔تین سال تک آپ کو اور آپ کے متبعین کو شعب ابی طالب میں محصور رکھا گیا اور کھانے پینے کی تمام چیزوں کا بائیکاٹ کر کے فاقہ کشی پر مجبور کیا گیا۔اور جب آپ طائف میں تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے گئے تو ظالموں نے آپ پر اس قدر پتھر برسائے کہ آپ زخمی ہو گئے اور آپ کے نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔اور جب آپ زخموں کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تو مظالم آپ کے بازو پکڑ کر دوبارہ پتھر برسانے کے لئے کھڑا کر دیتے اور ہنستے۔ایک حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا۔اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا اور ایک دفعہ تیس رات دن مجھ پر اس حال میں گذرے کہ میرے اور بلال کے لئے کھانے کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے سوائے

اس کے جو بلال نے اپنی بغل کے اندر چھپا رکھا تھا۔

کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر طرح طرح کے الزامات اور اتہامات لگاتے اور کلمات گستاخی بکتے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کیا تلقین فرماتے ہیں؟ یہاں پہلی ہی آیت میں ارشاد ہے:۔

فذکر فمآ انت بنعمت ربک بکاھن ولا مجنون

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ سمجھاتے رہئے کیونکہ آپ بفضلہٖ تعالیٰ نہ تو کاہن ہیں نہ مجنون ہیں۔ اس ارشاد خداوندی کی تعمیل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھانے کا حق ادا کر دیا۔ اور امت کے لئے کوئی دقیقہ اور گوشہ ایسا نہیں چھوڑا کہ جہاں تذکیر یعنی سمجھانے بجھانے نصیحت و ہدایت کرنے۔ تعلیم و تلقین سے چھوڑا ہو۔ اب کفارؔ و مشرکین اور منکرین و مکذبین کا تو کیا ذکر۔ آج جو آپ کا کلمہ پڑھنے والے ہیں وہ بھی اکثر آپ کی تذکیر یعنی سمجھانے بجھانے اور نصیحت و تعلیم و تلقین سے نہ صرف بے گانہ بلکہ روگرداں ہیں۔ جس نبی رحمتؐ نے کیسے شدائد اور سخت حالات میں بھی امت کی تذکیر کو نہ چھوڑا وہ امت آج آپ کی تذکیر کی کیسی قدر دانی کر رہی ہے؟ پس اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد اور دعاء ہے کہ مولائے کریم اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل اور صدقہ میں ہم کو اپنے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تذکیر و تعلیم کا قدر دان بنا دے۔ اور کفار نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی میں ستایا۔ ہم آپ کے نام لیوا آپ کو اس دنیا سے ظاہری رحلت کے بعد تو اپنی بدعملی سے نہ ستاویں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

الغرض ان آیات میں مضامین رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان ہوئے آگے توحید باری تعالیٰ کے متعلق گفتگو ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی باتیں خود سمجھنے کی اور دوسروں کو بھی سمجھانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ دشمنان دین نے جو جو الزامات و اتہامات اس دین حق پر تراشے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی شرارتوں سے بھرے ہوئے سروں کو نیچا کریں اور ان کو ناکام و خاسر بنائیں اور اسلام اور اس کے متبعین کو عزت و بلندی عطا فرمائیں۔ اور انجام کی کامیابی اور خیر و خوبی نصیب فرمائیں۔

یا اللہ آپ کے محبوب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تو امت کو سمجھانے کا حق ادا کر دیا۔ یا اللہ ہم کو آپ کی ہدایات و نصائح کا دل و جان سے عامل و حامل بنا دے اور ہمارے وجود کو آپ کی راحت و سرور کا ذریعہ بنا دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا

کیا یہ لوگ بدوں کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں، یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔ یا اُنہوں نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے، بلکہ یہ لوگ (بوجہ جہل کے توحید کا)

یُوْقِنُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ

یقین نہیں لاتے۔ کیا اِن لوگوں کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں یا یہ لوگ (اس محکمۂ نبوت کے) حاکم ہیں۔ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر (چڑھ کر آسمان کی) باتیں سُن لیا کرتے ہیں

فِیْهِ فَلْیَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿٣٨﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا

تو اُن میں جو (وہاں کی باتیں سُن آتا ہو وہ (اس دعویٰ پر) کوئی صاف دلیل پیش کرے۔ کیا خدا کیلئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے (تجویز ہوں) کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ

فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿٤١﴾ اَمْ یُرِیْدُوْنَ كَیْدًا فَالَّذِیْنَ

(تبلیغ احکام کا) مانگتے ہیں کہ وہ تاوان اُن کو گراں معلوم ہوتا ہے۔ کیا اُن کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ لکھ لیا کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ کچھ بُرائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، سو یہ کافر

كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِیْدُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿٤٣﴾

خود ہی (اس) بُرائی میں گرفتار ہوں گے۔ کیا اُن کا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے، اللہ تعالیٰ اُن کے شرک سے پاک ہے۔

اَمْ خُلِقُوْا کیا وہ پیدا کئے گئے ہیں	مِنْ سے	غَیْرِ شَیْءٍ بغیر کسی شے	اَمْ هُمُ یا وہ	الْخٰلِقُوْنَ پیدا کرنیوالے	اَمْ خَلَقُوا کیا انہوں نے پیدا کئے؟		
السَّمٰوٰتِ آسمان (جمع)	وَالْاَرْضَ اور زمین	بَلْ بلکہ	لَا یُوْقِنُوْنَ وہ یقین نہیں رکھتے	اَمْ عِنْدَهُمْ کیا ان کے پاس	خَزَآئِنُ خزانے	رَبِّكَ تیرا رب	
اَمْ هُمُ یا وہ	الْمُصَیْطِرُوْنَ داروغے	اَمْ لَهُمْ کیا ان کیلئے۔ پاس	سُلَّمٌ کوئی سیڑھی	یَسْتَمِعُوْنَ وہ سنتے ہیں	فِیْهِ اس میں۔ پر	فَلْیَاْتِ تو چاہیے کہ لائے	
مُسْتَمِعُهُمْ انکا سننے والا	بِسُلْطٰنٍ کوئی سند	مُّبِیْنٍ کھلی	اَمْ لَهُ کیا اس کیلئے	الْبَنٰتُ بیٹیاں	وَلَكُمُ اور تمہارے لئے	الْبَنُوْنَ بیٹے	اَمْ تَسْئَلُهُمْ کیا تم ان سے مانگتے ہو
اَجْرًا کوئی اجر	فَهُمْ تو وہ	مِّنْ مَّغْرَمٍ تاوان سے	مُّثْقَلُوْنَ دبے جاتے ہیں	اَمْ عِنْدَهُمُ کیا ان کے پاس	الْغَیْبُ غیب	فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ پس وہ لکھ لیتے ہیں	
اَمْ یُرِیْدُوْنَ کیا وہ ارادہ رکھتے ہیں	كَیْدًا کسی داؤ	فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا تو جن لوگوں نے کفر کیا	هُمُ وہی	الْمَكِیْدُوْنَ داؤ میں گرفتار ہونگے			
	اَمْ لَهُمْ کیا ان کیلئے	اِلٰهٌ کوئی معبود	غَیْرُ اللّٰهِ اللہ کے سوا	سُبْحٰنَ اللّٰهِ پاک ہے اللہ	عَمَّا یُشْرِكُوْنَ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں		

تفسیر وتشریح: گذشتہ سے منکرین ومکذبین کے متعلق بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔ اوران کے اس الزام کی تردید میں کہ نعوذ باللہ یہ قرآن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنا لیا ہے جواب دیا گیا تھا کہ اگر یہ قرآن کسی کا بنایا ہوا ہے تو یہ مشرکین عرب بھی عربی زبان کے ماہر اور قادر الکلام ہیں یہ اس جیسا کلام بنا کر لائیں اور جیسا کہ قرآن پاک میں دوسری جگہ فرمایا گیا کہ اگر تمام جن وانس مل کر بھی چاہیں کہ اس قرآن جیسی ایک سورۃ ہی بنالیں تو یہ قیامت تک بھی ہرگز ایسا نہ کرسکیں گے۔ انہی منکرین و مکذبین کے متعلق مضمون ان آیات میں بھی جاری ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین اللہ کے پیغمبر کی بات کیوں نہیں مانتے؟ کیا ان کے اوپر کوئی خدا نہیں جس کی بات ماننا ان کے ذمہ لازم ہو؟ کیا یہ منکرین بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے آپ خالق ہیں؟ یا ان کا یہ خیال ہے کہ آسمان و زمین ان کے بنائے ہوئے ہیں لہٰذا اس قلمرو میں جو چاہیں کرتے پھریں کوئی ان کو روکنے ٹوکنے کا اختیار نہیں رکھتا؟ منکرین کے یہ سب خیالات باطل اور مہمل ہیں۔ وہ بھی دلوں

میں جانتے ہیں کہ ضرور خدا موجود ہے جس نے ان کو اور تمام زمین و آسمان کو نیست سے ہست کیا اور عدم سے وجود میں لایا مگر اس علم کے باوجود جو ایمان و یقین ان سے شرعاً مطلوب ہے اس سے منکر اور بے بہرہ ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کیا ان منکرین کا یہ خیال ہے کہ گو زمین و آسمان خدا کے بنائے ہوئے ہیں مگر اس نے اپنے خزانوں کا مالک ان کو بنا دیا ہے یا اس کے ملک اور خزانوں پر انہوں نے زور سے تسلط اور قبضہ حاصل کر لیا ہے اور خود صاحب تصرف اقتدار ہو گئے ہیں کہ جو وہ کسی کے مطیع کیوں بنیں؟ کیا ان منکرین و مکذبین کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور وہاں سے ملاء اعلیٰ کی باتیں سن آتے ہیں اور پھر جب ان کی رسائی براہ راست اس بارگاہ تک ہو تو انہیں کسی بشر کے اتباع کی کیا ضرورت رہی؟ اگر منکرین میں سے کسی کا یہ دعویٰ ہو تو آگے آئے اور اپنی سند اور حجت پیش کرے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کیا یہ منکرین (معاذ اللہ) خدا کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں جیسا کہ ان کی بیٹے اور بیٹیوں کی تقسیم سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ منکرین توحید فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں اور خود اپنے لئے بیٹوں کا ہونا پسند کرتے ہیں کیا اس لئے اس کے احکام و ہدایات کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ کیا یہ منکرین آپ کی بات اس لئے نہیں مانتے کہ خدانہ کردہ آپ ان سے اس تبلیغ و دعوت پر کوئی معاوضہ طلب کر رہے ہیں جس کے بوجھ سے وہ دبے جا رہے ہیں۔ کیا خود ان پر اللہ اپنی وحی بھیجتا ہے اور پیغمبروں کی طرح اپنے بھید پر مطلع کرتا ہے جسے یہ لوگ لکھ لیتے ہیں جیسے انبیاء کی وحی لکھی جاتی ہے کیا اس لئے ان کو آپ کی پیروی کی ضرورت نہیں؟ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں تو پھر کیا ان منکرین کا یہی ارادہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر کے ساتھ داؤ پیچ کھیلیں اور مکر و فریب اور خفیہ تدبیریں گانٹھ کر حق کو مغلوب یا نیست و نابود کر دیں۔ اگر ایسا ہے تو یاد رہے کہ یہ سب داؤ پیچ انہی پر الٹنے والے ہیں۔ عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ حق مغلوب ہوتا ہے یا وہ نابود ہوتے ہیں۔ اخیر میں بتلایا گیا کہ کیا ان منکرین نے خدا کے سوا کوئی اور حاکم اور معبود تجویز کر رکھے ہیں جو مصیبت پڑے ان کی مدد کریں گے؟ اور جن کی پرستش نے خدا کی طرف سے ان کو بے نیاز کر رکھا ہے؟ سو یاد رہے کہ یہ سب اوہام و وساوس ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک و مثیل یا مقابل و مزاحم ہو۔

بہرحال شرک کی مذمت اور تردید یہاں نہایت پرزور الفاظ میں فرمائی گئی۔ اب آگے مشرکین کو آخرت کی وعید سنائی جاتی ہے اور پھر خاتمہ کی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی فرما کر سورۃ کو ختم کیا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اے اللہ آپ ہمارے خالق ہیں۔ رازق ہیں۔ معبود ہیں۔ احکم الحاکمین ہیں۔ آپ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ آپ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو کفر و شرک سے بچایا اور اسلام و ایمان کی دولت عطا فرمائی۔

یا اللہ ہم کو اسی توحید کے راستہ پر قائم رکھئے اور ہر طرح کی کجروی اور گمراہی سے ہماری حفاظت فرمایئے اور صراط مستقیم پر ہم کو تازیست قائم رکھئے۔ اے اللہ کفار نے ہمیشہ سے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف برائی کا ارادہ رکھا مگر آپ نے ان کی چالوں سے اہل ایمان کو بچایا۔ اے اللہ اب بھی تمام عالم کے کفار کی چالوں سے اور بد ارادوں سے اہل اسلام کو بچا لیجئے اور اہل اسلام کے حامی و مددگار ہو جایئے۔ اے اللہ ہم کو اسلام کا وفادار اور متبع بنا کر زندہ رکھئے اور اسلام کی برکت سے ہمارے مسائل کو حل فرما دیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ

اور اگر وہ آسمان کے ٹکڑے کو دیکھ لیں کہ گرتا ہوا آرہا ہے تو یوں کہہ دیں کہ یہ تو تہ بتہ جما ہوا بادل ہے۔تو ان کو رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو

الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ

جس میں اُن کے ہوش اڑ جائیں گے۔جس دن اُن کی تدبیریں ان کے کچھ بھی کام نہ آویں گی اور نہ (کہیں سے) اُن کو مدد ملے گی۔اور ان ظالموں کیلئے

ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا

قبل اس (عذاب) کے بھی عذاب ہونے والا ہے لیکن ان میں اکثر کو معلوم نہیں۔اور آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیئے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

اور اُٹھتے وقت اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجئے۔اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے اور ستاروں سے پیچھے بھی۔

وَاِنْ اور اگر	يَرَوْا وہ دیکھیں	كِسْفًا کوئی ٹکڑا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	سَاقِطًا گرتا ہوا	يَقُوْلُوْا وہ کہتے ہیں	سَحَابٌ بادل	مَرْكُوْمٌ تہ بہ تہ (جما ہوا)
فَذَرْهُمْ پس چھوڑ دو ان کو	حَتّٰى یہانتک کہ	يُلٰقُوْا وہ ملیں	يَوْمَهُمُ اپنا دن	الَّذِيْ وہ جو	فِيْهِ اس میں	يُصْعَقُوْنَ بے ہوش کردیئے جائیں گے	
يَوْمَ جس دن	لَا يُغْنِيْ نہ کام آئے گا	عَنْهُمْ ان سے۔کے	كَيْدُهُمْ ان کا داؤ	شَيْئًا کچھ بھی	وَلَا هُمْ اور نہ وہ	يُنْصَرُوْنَ مدد کئے جائیں گے	
وَاِنَّ اور بیشک	لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا	عَذَابًا عذاب	دُوْنَ ذٰلِكَ ورے۔علاوہ اس	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَهُمْ ان میں سے اکثر		
لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے	وَاصْبِرْ اور آپ صبر کریں	لِحُكْمِ رَبِّكَ اپنے رب کے حکم پر	فَاِنَّكَ بیشک آپ	بِاَعْيُنِنَا ہماری آنکھوں (حفاظت) میں			
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اور آپ پاکیزگی بیان کریں اپنے رب کی تعریف کیساتھ	حِيْنَ جس وقت	تَقُوْمُ آپ اُٹھیں	وَمِنَ اور سے (میں)	الَّيْلِ رات			
فَسَبِّحْهُ پس اس کی پاکیزگی بیان کریں	وَاِدْبَارَ اور پیٹھ پھیرنے	النُّجُوْمِ ستاروں					

تفسیر وتشریح: یہ سورہ طور کی خاتمہ کی آیات ہیں۔گذشتہ آیات میں منکرین ومکذبین کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ ان کے خیالات کیسے باطل اور مہمل ہیں اور ان کی سرکشی۔ضد اور عناد اور ہٹ دھرمی کا کیا حال ہے کہ یہ لوگ ہر سچی بات کے جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں۔اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین و مکذبین کی سرکشی۔ضد وعناد کا تو یہ حال ہے کہ اگر ان کو قائل کرنے کے لئے ان کا کہنا بھی کر دیا جائے تب بھی یہ نہ مانیں گے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔منکرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ٹالنے اور نہ ماننے کے لئے اپنے خیال میں مشکل سے مشکل شرط لگاتے کہ اگر فلاں بات ہو جائے تو ہم مانیں کہ تم سچے ہو۔چنانچہ یہ منکرین آپ کی نفی رسالت کے لئے ایک بات یہ بھی کہا کرتے کہ۔ہم تو آپ کو اس وقت رسول جانیں جب ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر گر پڑے۔ایسے منکرین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ ان کا تو یہ حال ہے کہ اگر ان کی فرمائش کے موافق فرض کیجئے کہ آسمان سے ایک ٹکڑا ان پر گرنے لگے اور یہ کھلی آنکھوں دیکھ لیں کہ ہاں سر پر آسمان کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر گر رہا ہے تب بھی یہ ماننے والے نہیں۔اس کی بھی یہ کوئی تاویل کر دیں گے اور اس وقت کہہ دیں گے کہ یہ آسمان کا ٹکڑا نہیں بلکہ بادل کا ایک حصہ گاڑھا اور منجمد ہو کر گر پڑا ہے جیسے بڑے بڑے اولے بھی گرتے ہیں۔تو بھلا ایسے متعصب معاندوں سے ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔اسلئے آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ ایسے معاندوں کے پیچھے پڑنے کی زیادہ ضرورت نہیں۔انہیں انکے حال

پر چھوڑ دیجئے کہ چند روز اور کھیل لیں اور باتیں بنالیں آخر وہ دن آنا ہے جب قہر الٰہی کی کڑک بجلی سے ان کے ہوش وحواس جاتے رہیں گے۔اس دن ان کی ساری فریب کاریاں رکھی کی رکھی رہ جائیں گی۔ کوئی مکاری حیلہ وتدبیر وہاں کام نہ دے گی اور ساری چوکڑی اور چالاکی بھول جائیں گے۔آج جن جن کو یہ پکارتے ہیں اور اپنا حامی اور مددگار جانتے ہیں اس دن سب کے منہ تکیں گے اور کوئی نہ ہوگا جو ان کی ذرا بھی مدد کر سکے یا ان کی طرف سے کچھ عذر بھی پیش کر سکے اور یہی نہیں کہ انہیں صرف قیامت کے دن عذاب ہو اور یہاں اطمینان اور آرام کے ساتھ زندگی گزار لیں بلکہ ان ناانصافوں اور ہٹ دھرموں کے لئے آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں بھی ان کے لئے ایک سزا ہے جو مل کر رہے گی۔ جیسے قحط۔قید اور قتل وغیرہ۔ اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کی سزا کے لئے ایک وقت معین کر چکے ہیں تو آپ صبر واستقامت کے ساتھ اپنے رب کی تجویز کا انتظار کیجئے جو آپ کے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گی اور آپ کو مخالفین کی طرف سے کوئی ضرر اور نقصان بھی نہ پہنچے گا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے اور اسکے زیر حفاظت ہیں اور اگر ان کے کفر کا غم دل پر آئے تو اس کا علاج یہ ہے کہ توجہ الی اللہ رکھا کیجئے مثلاً یہ کہ اٹھتے وقت یعنی مجلس سے یا سونے سے اٹھتے وقت اپنے رب کی تسبیح تحمید اور عبادت گزاری میں لگے رہئے اور رات کے کسی حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے حاصل یہ کہ اپنے دل کو ادھر مشغول رکھئے پھر فکر وغم کا غلبہ نہ ہوگا۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا **وسبح بحمد ربک حین تقوم** اور اٹھتے وقت اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجئے تو اس کا ایک مطلب تو مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوں اور دوسرا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ جب آپ رات کو جاگیں تو یہ دونوں ہی مطلب درست ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نماز کو شروع کرتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔ **سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولآ الہ غیرک** یعنی اے اللہ تو پاک ہے۔تمام تعریفوں کا مستحق ہے تیرا نام برکتوں والا ہے تیری بزرگی بہت بلند وبالا ہے۔تیرے سوا معبود برحق اور کوئی نہیں۔اور ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات کو جاگے اور کہے **لآ الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شی ء قدیر. سبحان اللہ والحمد للہ ولآ الہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الاباللہ** ط پھر خواہ اپنے لئے بخشش کی دعا کرے خواہ جو چاہے طلب کرے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے پھر اگر اس نے پختہ ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز بھی ادا کی تو وہ نماز قبول کی جاتی ہے۔ اب رہا مجلس سے اٹھنے کے وقت کی تسبیح تحمید تو ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی کہ جب کبھی کسی مجلس سے کھڑے ہوں تو **سبحٰنک اللھم وبحمدک اشھد ان لآ الہ الا انت استغفرک واتوب الیک** پڑھیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ کلمات ایسے ہیں کہ جو انہیں کسی مجلس سے اٹھتے وقت تین مرتبہ کہہ لے تو اس کے لئے یہ کفارہ ہو جاتے ہیں۔مجلس خیر اور مجلس ذکر میں انہیں پڑھنے سے یہ مثل مہر کے ہو جاتے ہیں۔اسی تلقین وتعلیم پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔

سورۃ الطور کے خواص

۱......قیدی اگر سورۃ الطور کی تلاوت کی کثرت رکھے تو اس کی رہائی کے اسباب پیدا ہو جائیں گے۔۲......مسافر اگر سورۃ الطور کی تلاوت کرتا رہے تو ہر تکلیف وپریشانی سے محفوظ رہے گا۔۳......اگر سورۃ الطور پانی پر دم کر کے وہ پانی بچھو پر چھڑکا جائے تو بچھو مر جاتا ہے۔(الدر النظیم)

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ضد اور ہٹ دھرمی کی کافرانہ خصلتوں سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں۔اور دین کی بات سن کر ہمارے قلوب ایمان ویقین کے ساتھ مان لینے کے لئے تیار ہوں۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی ذلت اور رسوائیوں سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں اور ہم کو ہمہ وقت اپنے ذکر وفکر اور تسبیح وتحمید کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سورۃ النجم مکیۃ وھی اثنتان وستون اٰیۃ وثلٰث رکوعات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وَالنَّجۡمِ اِذَا ہَوٰی ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی ﴿۲﴾ وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ﴿۳﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ﴿۴﴾

قسم ہے ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے۔ یہ تمہارے (ہمہ وقت) ساتھ کے رہنے والے نہ راہ (حق) سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ ہولئے۔

اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

وَالنَّجۡمِ ستارے کی قسم	اِذَا جب	ہَوٰی وہ غائب ہونے لگے	مَا ضَلَّ نہ بہکے	صَاحِبُکُمۡ تمہارے رفیق	وَمَا اور نہ	غَوٰی وہ بھٹکے	وَمَا یَنۡطِقُ اور وہ نہیں بات کرتے	
عَنِ سے	الۡہَوٰی خواہش	اِنۡ نہیں	ہُوَ وہ۔ یہ	اِلَّا مگر۔ صرف	وَحۡیٌ وحی	یُّوۡحٰی بھیجی جاتی ہے		

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی ابتدا بھی قسمیہ کلام سے فرمائی گئی کہ قسم ہے ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے۔ یہاں یہ بات پھر سمجھ لیجئے کہ حق تعالیٰ کو جو خالق ہیں ہر چیز کا ان کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں جس کی چاہیں قسم کھا سکتے ہیں چنانچہ قرآن پاک میں متعدد جگہ اللہ پاک نے اپنی مخلوق کی قسمیں کھائی ہیں لیکن مخلوق سوائے اپنے خالق کے کسی اور کی قسم نہیں کھا سکتی اسی لئے شریعت اسلامیہ میں انسانوں کے لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی قسم کھانا جائز نہیں۔ تو یہاں حق تعالیٰ ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے قسم کھا کر فرماتے ہیں اور تمام اہل مکہ کو سنایا جاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہارے رفیق ہیں نہ آپ غلط فہمی کی بنا پر راہ حق سے بھٹکے نہ اپنے قصد و اختیار سے جان بوجھ کر سیدھی راہ سے بے راہ ہولئے بلکہ جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے غروب تک ایک مقرر رفتار سے معین راستہ پر چلے جاتے ہیں۔ کبھی ادھر ادھر ہٹنے کا نام نہیں لیتے۔ آفتاب نبوت بھی اللہ کے مقرر کئے ہوئے راستہ پر برابر چلا جاتا ہے۔ ممکن نہیں کہ ایک قدم ادھر ادھر پڑ جائے۔ انبیائے علیہم السلام آسمان نبوت کے ستارہ ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی رہنمائی ہوتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہو جانے کے بعد آفتاب طلوع ہوتا ہے ایسے ہی تمام انبیاء کے تشریف لے جانے کے بعد آفتاب محمدی مطلع عرب سے طلوع ہوا۔ پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا انتظام کس قدر مضبوط اور محکم ہونا چاہئے جن سے ایک عالم کی ہدایت و سعادت وابستہ ہے۔ تو یہاں جس مضمون کے لئے قسم کھائی گئی وہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور جس راستہ کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں وہ صراط مستقیم یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کا صحیح اور سیدھا راستہ ہے نہ آپ راستہ بھولے ہیں نہ غلط راستہ پر چلے ہیں۔ یہاں آیت **ماضل صاحبکم وما غویٰ** (یعنی یہ تمہارے ہمہ وقت کے ساتھ رہنے والے نہ راہ حق سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ پر ہولئے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک یا لفظ رسول یا نبی ذکر کرنے کی بجائے لفظ **صاحبکم** فرمایا یعنی اہل مکہ کے ہمہ وقت کے ساتھ رہنے والے تو اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں باہر سے اچانک نہیں آ گئے۔ مکہ میں کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں کہ جن کے حالات سے اہل مکہ کو آگاہی

نہ ہو۔ وہ تو اے اہل مکہ تمہارے ہر وقت کے ساتھی ہیں۔ اسی سرزمین مکہ میں پیدا ہوئے۔ یہیں بچپن گزارا۔ یہیں جوان ہوئے۔ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ تم اہل مکہ سے مخفی نہیں۔ تم نے تجربہ کرلیا ہے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کسی غلط اور برے کام میں تم نے ان کو بچپن میں بھی نہیں دیکھا۔ ان کے اخلاق و عادات۔ ان کی امانت و دیانت پر تم سب کو اتنا اعتماد تھا کہ سارے مکہ والے آپ کو نبوت سے قبل امین کہا کرتے تھے۔ اب دعوائے نبوت کے بعد تم ان کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے لگے۔ تو جس ہستی نے انسانوں کے معاملہ میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ خدا تعالیٰ کے معاملہ میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے اس لئے آگے فرمایا ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یو حیٰ یعنی آپ نبی برحق ہیں آپ کی زبان مبارک سے ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو بلکہ آپ جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ آپ کا کوئی قول اور کوئی فرمان اپنے نفس کی خواہش اور ذاتی غرض سے نہیں ہوتا بلکہ جس چیز کی تبلیغ کا آپ کو خدا تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے آپ اسے ہی زبان سے نکالتے ہیں جو وہاں سے کہا جائے وہی آپ کی زبان سے ادا ہوتا ہے تو اس بات کا قطعاً کوئی امکان نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں۔ ہرگز ایسا نہیں۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا اسے حفظ کرنے کے لئے لکھ لیا کرتا تھا پس بعض قریشیوں نے مجھے اس سے روکا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان ہیں کبھی کبھی غصہ اور غضب میں بھی کچھ فرما دیا کرتے ہیں چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا پھر میں نے اس کا ذکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو۔ خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میری زبان سے سوائے حق بات کے اور کوئی کلمہ نہیں نکلتا۔

اب آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے کا جو واسطہ تھا اس کے متعلق اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کامل اور اسلام صادق نصیب فرماویں۔ تاکہ احکام الٰہیہ اور شریعت اسلامیہ کے سامنے ہماری گردن جھکی رہیں۔ یا اللہ یہود و نصاریٰ کی سی بے دینی اور غفلت سے ہم کو بچائیے۔ اور ہم کو ہر چھوٹے بڑے گناہ سے سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیے۔ یا اللہ ہمارے قلوب کو غفلت و قساوت سے محفوظ فرمائیے اور ہمارے مردہ قلوب کو اپنے نور ہدایت سے زندہ رکھیے۔

یا اللہ گذشتہ میں جو ہم سے تقصیرات سرزد ہوچکی ہیں ان پر ندامت اور توبہ کی توفیق عطا فرما کر ہماری توبہ کو قبول فرمالیجئے۔ اور آئندہ ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے کامل طور پر بچنے کا عزم نصیب فرمائیے۔

یا اللہ ہر طرح کے ظاہری اور باطنی فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائیے۔ اور ہمیں ایمان کامل اور اسلام صادق کے ساتھ اس جہان سے کوچ کرنا نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ۵ ذُوْ مِرَّۃٍ ؕ فَاسْتَوٰی ۶ وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۸ فَکَانَ

ان کو ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے پیدائشی طاقتور ہے۔ پھر وہ فرشتہ اصلی صورت پر نمودار ہوا۔ ایسی حالت میں کہ وہ (آسمان کے) بلند کنارہ پر تھا۔ پھر وہ فرشتہ (آپ کے) نزدیک آیا پھر

قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۹ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ۱۰ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۱۱ اَفَتُمٰرُوْنَہٗ

اور نزدیک آیا۔ سو دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی۔ قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی۔

عَلٰی مَا یَرٰی ۱۲ وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی ۱۳ عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی ۱۴ عِنْدَھَا جَنَّۃُ

تو کیا ان (پیغمبر) سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو۔ اور انہوں نے (یعنی پیغمبر نے) اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی (صورت اصلیہ میں) دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

الْمَاْوٰی ۱۵ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۱۷ لَقَدْ رَاٰی مِنْ

اس کے قریب جنۃ الماویٰ ہے۔ جب اس سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں لپٹ رہی تھیں۔ نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار

اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ۱۸

(کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔

عَلَّمَہٗ اس نے اسے سکھایا	شَدِیْدُ الْقُوٰی سخت قوتوں والا	ذُوْ مِرَّۃٍ طاقتوں والا	فَاسْتَوٰی پھر اس نے قصد کیا	وَھُوَ اور وہ	بِالْاُفُقِ کنارے پر	الْاَعْلٰی سب سے بلند
ثُمَّ دَنَا پھر وہ نزدیک ہوا	فَتَدَلّٰی پھر اور نزدیک ہوا	فَکَانَ تو وہ تھا (رہ گئی)	قَابَ کمان	قَوْسَیْنِ دو کنارے	اَوْ اَدْنٰی یا اس سے کم	فَاَوْحٰی تو اس نے وحی کی
اِلٰی طرف	عَبْدِہٖ اپنا بندہ	مَآ اَوْحٰی جو اس نے وحی کی	مَا کَذَبَ نہ جھوٹ کہا	الْفُؤَادُ دل	مَا رَاٰی جو اس نے دیکھا	اَفَتُمٰرُوْنَہٗ تو کیا تم جھگڑتے ہو اس سے
عَلٰی پر	مَا یَرٰی جو اس نے دیکھا	وَلَقَدْ اور تحقیق	رَاٰہُ اس نے دیکھا اسے	نَزْلَۃً اُخْرٰی دوسری مرتبہ	عِنْدَ نزدیک	سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی سدرۃ المنتہیٰ
عِنْدَھَا اس کے نزدیک	جَنَّۃُ الْمَاْوٰی جنت الماویٰ	اِذْ یَغْشَی جب چھا رہا تھا	السِّدْرَۃَ سدرہ	مَا یَغْشٰی جو چھا رہا تھا	مَا زَاغَ نہ کجی کی	الْبَصَرُ آنکھ
	وَمَا طَغٰی اور نہ حد سے بڑھی	لَقَدْ رَاٰی تحقیق اس نے دیکھی	مِنْ سے	اٰیٰتِ رَبِّہٖ نشانیاں	الْکُبْرٰی بڑی	

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وحقانیت کا اعلان فرمایا گیا اور بتلایا گیا کہ آپ نبی برحق ہیں اور کوئی دین کی بات آپ کی زبان سے ایسی نہیں نکلتی جو خواہش نفس اور ذاتی غرض پر مبنی ہو بلکہ وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتی ہے۔

اب آگے ان آیات میں وحی آنے کا واسطہ بتلایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بھیجنے والا تو اصل میں اللہ تعالیٰ ہے لیکن جس کے ذریعہ سے وہ وحی آپ تک پہنچتی ہے اور جو اس وحی کی منجانب اللہ تعلیم کرتے ہیں وہ ایک بڑا طاقتور فرشتہ ہے جسے ''جبرئیل امین'' کہتے ہیں۔ تیسویں پارہ سورہ تکویر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی صفات کے متعلق فرمایا گیا ہے انه لقول رسول کریم. ذی قوۃ عند ذی العرش مکین. مطاع ثم امین۔ یعنی وہ کریم (عزت والے) ہیں۔ بڑی قوت والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہے۔ سب فرشتوں سے زیادہ بارگاہ الوہیت میں قرب اور رسائی حاصل ہے۔ وہ مطاع ہیں یعنی آسمانوں کے فرشتے ان کی بات مانتے اور ان کا حکم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کے امین اور معتبر

ہونے میں کسی کو شبہ نہیں اور ایک روایت میں خود حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی طاقت کا بیان فرمایا کہ میں نے قوم لوط علیہ السلام کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر آسمان کے قریب اس کو لیجا کر چھوڑ دیا۔ اب یہاں شبہ ہوسکتا تھا کہ اس وحی لانے والے کا فرشتہ اور جبرئیل امین ہونا تو اس وقت معلوم ہوسکتا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پہچانتے ہوں اور پوری صحیح پہچان موقوف ہے اصلی صورت دیکھنے پر تو کیا آپؐ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے؟ اس کی نسبت فرمایا جاتا ہے کہ ہاں یہ بھی ہوا ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ چند بار تو دوسری صورت میں دیکھا پھر ایک بار ایسا بھی ہوا کہ ابتدائے نبوت میں ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے اس وقت آسمان ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ان کے وجود سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا ان کے ۶۰۰ بازو تھے۔ یہ غیر معمولی اور مہیب منظر پہلی بار آپ نے دیکھا تھا تو حسب روایات حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو کر گر پڑے اس وقت جبرئیل علیہ السلام بصورت انسانی آپ کے پاس تسکین کے لئے اتر آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر نزدیک ہو گئے کہ دونوں کے درمیان دو کمانوں سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ دو کمانوں کا مطلب محاورہ عرب میں کمال قرب سے ہوتا ہے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب دو عرب آپس میں باہم غایت درجہ کا اتفاق اور اتحاد کرنا چاہتے تو دونوں اپنی اپنی کمانوں کو لے کر انہیں باہم ملاتے تھے یہاں تک کہ دونوں کے چلے مل جاتے پھر دونوں کو اکٹھا کھینچتے اور دونوں سے ایک ہی تیر چلاتے۔ یہ گویا علامت تھی قرب واتحاد کی۔ غرض کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھنے سے جو گھبراہٹ پیدا ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام فوراً شکل انسانی میں تبدیل ہو کر آپ کے پاس آ گئے اور آپ کی تسکین فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کے ذریعہ

سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی (غالباً اس سے مراد سورہ مدثر کی آیات ہیں) آگے بتلایا جاتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو آپ نے آنکھ سے دیکھا اور اندر سے دل نے کہا کہ اس وقت آنکھ ٹھیک ٹھیک جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ رہی ہے کوئی غلطی نہیں کر رہی کہ کچھ کا کچھ نظر آتا ہو اور ایسا کہنے میں آپ کا دل سچا تھا۔ حق تعالیٰ اسی طرح پیغمبروں کے دلوں میں فرشتہ کی معرفت ڈال دیتے ہیں۔ آگے منکرین رسول و وحی سے خطاب ہوتا ہے کہ کیسے غضب کی بات ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نزاع اس چیز میں کر رہے ہو جو ان کو خوب اچھی طرح دیکھی بھالی ہو یعنی وحی بھیجنے والے اللہ تعالیٰ لانے والا فرشتہ جس کی تمام قوتیں کامل۔ پھر اتنا قریب ہو کر وحی پہنچائے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کو آنکھ سے دیکھیں اور آپ کا روشن اور صاف دل اس کی تصدیق کرے تو ایسی دیکھی بھالی چیز میں منکرین کو کیا حق ہے کہ اس میں فضول بحث وتکرار کریں اور جھگڑے نکالیں۔

اوپر دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھنے کا ذکر تھا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دنیا کے علاوہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرشتہ یعنی جبرئیل امین کو ایک دفعہ اور بھی عالم بالا میں دیکھا یعنی معراج کی رات میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ سدرۃ کہتے بیری کے درخت کو۔ احادیث میں آیا ہے کہ یہ ایک درخت ہے بیری کا ساتویں آسمان میں۔ عالم بالا سے جو احکام وغیرہ آتے ہیں وہ اول سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے ملائکہ زمین پر لاتے ہیں اسی طرح یہاں دنیا سے جو اعمال چڑھا کر اوپر لیجائے جاتے ہیں وہ بھی پہلے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے اوپر اٹھا لئے جاتے ہیں۔ باقی جس طرح جنت کے پھل میوے اور دوسری نعمتوں کو دنیا کے پھلوں اور میوؤں پر قیاس نہیں کر سکتے محض دونوں میں نام کی شرکت ہے اسی طرح سدرۃ المنتہیٰ یعنی بیری کے درخت کو بھی یہاں کی بیریوں پر قیاس نہ کیا

جائے۔اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ بیری کس طرح کی ہوگی مجموعہ روایات احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے اور اس کا پھیلاؤ ساتویں آسمان میں۔اس عالم اور اس عالم کے درمیان ایک نقطہ اتصال ہے۔عالم بالا سے جتنے احکام وغیرہ صادر ہوتے ہیں وہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہلے آتے ہیں پھر ملائکہ وہاں سے زمین پر لاتے ہیں۔تو دنیا کے علاوہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین کو ان کی اصلی شکل میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس بھی دیکھا۔اب چونکہ یہاں سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر آ گیا تھا اس لئے کچھ اس کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کیسے شرف کی جگہ ہے کہ اس کے قریب ہی جنت الماویٰ ہے ماویٰ کے معنیٰ ہیں رہنے کی جگہ۔چونکہ جنت نیک بندوں کے رہنے کی جگہ ہے اس لئے جنت الماویٰ کہتے ہیں تو ایک شرف سدرۃ المنتہیٰ کا یہ بتلایا گیا کہ اس کے قریب ہی جنت الماویٰ ہے آگے بتلایا گیا کہ اس سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں کہ لپٹ رہی تھیں۔یہ سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹنے والی چیزیں روایات کے مطابق یا تو فرشتے تھے جو مثل سونے کے پروانوں کی طرح لپٹے ہوئے تھے یا حق تعالیٰ کے انوار وتجلیات اس درخت پر چھائے ہوئے تھے اور فرشتوں کی کثرت وہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے کے ساتھ ایک فرشتہ نظر آتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے تو ملائکہ نے حق تعالیٰ سے اجازت چاہی تھی کہ ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں ان کو اجازت ہوگئی اور وہ سب اس سدرۃ پر جمع ہو گئے تھے۔آگے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ جب آپ معراج کے لئے تشریف لے گئے اور یہ عجائبات قدرت جو دیکھیں تو ان عجائبات الٰہیہ کو بڑے استقلال سے دیکھا نہ نگاہ ٹیڑھی ترچھی ہو کر دائیں بائیں ہٹی۔نہ دیکھنے والی چیز سے تجاوز کر کے آگے بڑھی۔بس اسی چیز پر جمی رہی جس کو دکھلانا مقصود تھا بادشاہوں کے دربار میں جو چیز دکھلائی جائے اس کو نہ دیکھنا اور جو نہ دکھلائی جائے اس کو تاکنا دونوں عیب ہیں۔تو وہاں عجائبات الٰہیہ دیکھنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان عیوب سے پاک رہے اور ہر چیز کے دیکھنے میں آپ کی یہی شان رہی۔**مازاغ البصر وما طغیٰ** یعنی نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی۔وہ عجائبات جو آپ نے دیکھے احادیث معراج میں آئے ہیں۔مثلاً انبیآ علیہم السلام کو دیکھنا ارواح کو دیکھنا جنت وغیرہ کو دیکھنا۔

یہاں آیت **عندها جنة الماوىٰ** یعنی اس سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنت الماویٰ ہے تو اس آیت نے بھی بتلا دیا کہ جنت اس وقت بھی موجود ہے جیسا کہ جمہور امت کا عقیدہ یہی ہے کہ جنت ودوزخ قیامت کے بعد پیدا نہیں کی جائیں گی بلکہ جنت و دوزخ دونوں پیدا ہو چکی ہیں۔اس آیت نے جنت کا محل وقوع بھی بتلا دیا کہ وہ ساتویں آسمان کے اوپر اور عرش رحمٰن جل شانہ کے نیچے ہے گویا ساتواں آسمان جنت کی زمین اور عرش رحمٰن اس کی چھت ہے۔دوزخ کا محل وقوع کسی آیت قرآن یا روایت حدیث میں صراحۃً نہیں بتلایا۔(معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۲۰۰)

خلاصہ یہ کہ ان تمام آیات میں یہی بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔یہ اللہ کا کلام ہے جو آپ کو اس طرح دیا گیا ہے کہ اس میں کسی التباس وتلبیس یا خطاء اور غلطی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان اعزاز واکرام بیان فرما کر آگے مشرکین اور منکرین کو خطاب ہوتا ہے اور شرک کی مذمت اور توحید کا مضمون سمجھایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ﴿٢٠﴾ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ إِذًا

بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں غور بھی کیا ہے۔کیا تمہارے لئے تو بیٹے (تجویز) ہوں اور خدا کیلئے بیٹیاں۔اس حالت میں تو یہ بہت

قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوهَآ أَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا

بے ڈھنگی تقسیم ہوئی۔یہ (معبودات مذکورہ) نرے نام ہی نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھیرا لیا ہے خدا تعالیٰ نے تو ان (کے معبود ہونے) کی

مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ

کوئی دلیل بھیجی نہیں، (بلکہ) یہ لوگ صرف بے اصل خیالات پر اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں، حالانکہ ان کے پاس اُن کے رب کی جانب سے

الْهُدٰى ﴿٢٣﴾ أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿٢٤﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْأُوْلٰى ﴿٢٥﴾

ہدایت آچکی ہے۔کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے۔سو خدا ہی کے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا (کی بھی)

افرءيتم تو کیا تم نے دیکھا؟	اللّٰت لات	والعزّٰی اور عزّیٰ	ومنٰوۃ اور منات	الثالثۃ الاخرٰی تیسری آخری	الکم کیا تمہارے لئے	الذّکر مرد	
ولہ اور اس کیلئے	الانثٰی عورتیں	تلک بڑی	اذًا قسمۃ یہ بانٹ تقسیم	ضیزٰی بے ڈھنگی	ان نہیں	ھی یہ	الا اسمآء مگر۔صرف نام
سمیتموھا تم نے وہ نام رکھ لئے ہیں	انتم تم	وابآؤکم اور تمہارے باپ دادا	مآ انزل نہیں اتاری	اللہ اللہ	بھا اسکی	من کوئی	سلطن سند
ان یتبعون وہ نہیں پیروی کرتے	الا مگر۔صرف	الظن گمان	وما تھوی اور جو خواہش	الانفس (جمع) نفس	ولقد جآءھم اور (حالانکہ) پہنچ چکی انکے پاس		
من ربھم انکے رب سے	الھدٰی ہدایت	ام کیا	للانسان انسان کیلئے	ما تمنّٰی جسکی وہ تمنا کرے	فللہ پس اللہ ہی کیلئے	الاخرۃ آخرت	والاولٰی اور دنیا

تفسیر وتشریح: شروع سورۃ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وحقانیت کا بیان ہوتا چلا آیا ہے گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نشانیاں معراج کے موقع پر دیکھیں جن میں اشارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز ومکرم ہونے کی طرف بھی ہوگیا۔اس طرح مضمون تحقیق رسالت بیان ہوا تھا اب اس کے بعد توحید کا مضمون ہے۔جس میں شرک کی مذمت بھی آ گئی۔اس لئے ان آیات میں مشرکین سے خطاب فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اے مشرکو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وحقانیت ثابت ہوگئی اور آپ پر اللہ تعالیٰ کی وحی آنا بتلایا جاچکا اور آپ اس وحی کے مطابق توحید کا حکم دیتے ہیں جو کہ دلائل عقلیہ سے بھی ثابت ہے تو پھر تم بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو اور اس لامحدود عظمت۔بزرگی اور جلال والے خدا کے مقابلہ میں لات اور عزیٰ اور منات کے نام کیوں لیتے ہو۔لات۔عزیٰ اور منات یہ مشرکین کی دیویاں تھیں جن کی عرب ایام جاہلیت میں پوجا کرتے تھے۔لات طائف والوں کی دیوی تھی۔قریش اور بنی کنانہ وغیرہ عزیٰ کے بت کو پوجتے تھے اور منات مدینہ کے اوس وخزرج قبیلہ کے بت تھے۔ان میں سے مشرکین کے نزدیک لات اور عزیٰ مکہ کے قریب ہونے کی وجہ سے زیادہ مقبول تھے اور منات دور ہونے کی وجہ سے تیسرے درجہ کا بت تھا۔تو یہ کفار ومشرکین ان بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔(العیاذ باللہ تعالیٰ) اول تو یہی غضب کہ خدائے تعالیٰ لم یلد و لم یولد کے لئے اولاد کا نظریہ تسلیم کیا جائے اور پھر مشرکین کی یہ تقسیم کہ اپنے لئے تو بیٹے پسند ہوں اور خدا کے لئے بیٹیاں تجویز ہوں (العیاذ باللہ) یعنی جن لڑکیوں کو مشرکین اپنے لئے مکروہ وقابل نفرت سمجھتے وہ خدا کی طرف نسبت کی جائیں تو مشرکین کی یہ تقسیم کیسی بھونڈی اور مہمل ہوئی کہ

اچھی چیز تو اپنے حصہ میں اور بری چیز خدا تعالیٰ کے حصہ میں۔ (نعوذ باللہ منہ) آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان مشرکین نے جو یہ بتوں کے نام رکھ چھوڑے ہیں تو ان کی خدائی کی کوئی سند نہیں بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں۔ان کو مشرکین اپنے خیال میں خواہ بیٹیاں کہہ لیں یا کچھ اور یہ محض ان کے کہنے کی بات ہے جس کے نیچے حقیقت کچھ بھی نہیں آگے بتلایا جاتا ہے کہ باوجود یکہ اللہ کے پاس سے ہدایت کی روشنی آ چکی اور وہ سیدھی راہ دکھا چکا مگر یہ کم عقل مشرکین ضلالت کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جو کچھ اٹکل پچو ذہن میں آ گیا اور دل نے سمجھایا وہی کر گزرے۔ تحقیق و بصیرت اور سمجھ بوجھ سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ مشرکین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بت ہمارے سفارشی بنیں گے اور جو کچھ دلائیں گے سفارشی بن کر دلائیں گے تو یہ خالی خیالات اور آرزوئیں ہیں۔ کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے کہ جو تمنا کرے وہ مل جائے۔ سو ایسا نہیں ہے بلکہ دنیا اور آخرت کی ہر تمنا اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے پس وہ جس کو چاہیں پورا فرما دیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ نص قطعی میں بتلا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کی یہ تمنائے باطل کہ بت ان کی شفاعت کریں گے پورا نہیں کریں گے نہ دنیا میں کہ حاجات میں شفاعت کریں نہ آخرت میں کہ نجات میں شفاعت کر سکیں۔

اب غور کیجئے حق تعالیٰ جل شانہ کی صفت ''حلم'' کو کہ کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخیاں کرتے تھے۔ علاوہ کفر و شرک کہیں حق تعالیٰ کے لئے بیٹیاں تجویز کیں۔ کہیں کسی کو حق تعالیٰ کی اولاد بنایا۔ معاذ اللہ۔ اور رحمۃ للعالمین۔ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول اور پیغمبر ہونے کی حیثیت سے مکہ میں کیسی کیسی ایذائیں قولاً اور فعلاً پہنچائیں مگر حق تعالیٰ نے منکرین کی گرفت فوراً نہیں فرمائی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو قدرت تھی کہ چشم زدن میں منکرین و معاندین کو قہر کی بجلی سے جلا کر خاک کر دیتے۔ یا زمین کو شق کر کے اس میں زندہ دھنسا دیتے مگر نہیں کی دور کے قریب ۱۳ سال تک قرآن پاک کفار مکہ کو سمجھاتا رہا اور کیسے معقول اور دلنشین دلائل توحید کے بتلاتا رہا۔

یہاں ان آیات میں اخیر میں منکرین توحید و رسالت کے متعلق یہی بتلایا گیا **ان یتبعون الا الظن و ما تهوی الا نفس و لقد جآء هم من ربهم الهدیٰ** (یہ منکرین بے اصل خیالات اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے ہدایت آ چکی ہے)۔آپ کفار و مشرکین کو تو چھوڑیئے۔ آج کتنے ایسے ہیں کہ جو اللہ پاک کی ذات عالی پر ایمان بھی رکھنے کا دعوٰی کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کو خالق۔ رازق اور مالک بھی جانتے ہیں مگر قرآن و سنت کی ہدایت کے باوجود اپنے نفس کی خواہشات پر چل رہے ہیں۔ اور جس چیز کا الزام قرآن نے کافروں کو دیا تھا کہ تم اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہو حالانکہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ہدایت آ چکی ہے اس الزام کے مورد کتنے اسلام کے آج دعوے دار ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی واضح ہدایات کے باوجود شب و روز اللہ و رسول کی نافرمانی میں زندگی گذار رہے ہیں اور نفس کی خواہشات میں مگن اور مست ہیں۔تو حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کا حلم ہے جو فوراً گرفت نہیں فرمائی جاتی اور ڈھیل پر ڈھیل دی جاتی ہے مگر تابکے۔ کیا یہ مسلمان کی شان ہے کہ وہ کافروں والی صفات اختیار کر کے اللہ اور رسول کو ناراض کرے اور قرآن و سنت کی ہدایات کے خلاف چلے۔اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور اپنی بھیجی ہوئی ہدایات یعنی قرآن و سنت اور اسلام و ایمان کی سچی پیروی نصیب فرمائیں اور نفسانی اور شیطانی خواہشات سے باز رہنے کی توفیق ہم کو عطا فرمائیں۔

ابھی سلسلہ مضمون توحید اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ 11

اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں اُن کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہیں اجازت دیں اور (اس کیلئے شفاعت کرنے سے)

يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُمْ

راضی ہوں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو (خدا کی) بیٹی کے نام سے نامزد کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے پاس

بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿٢٨﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ

اس پر کوئی دلیل نہیں، صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں، اور یقیناً بے اصل خیالات امر حق (کے اثبات) میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے۔ تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے

تَوَلّٰى ۥ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دُنیوی زندگی کے اس کو کوئی (اخروی مطلب) مقصود نہ ہو۔ ان لوگوں کی فہم کی رسائی کی حد بس یہی (دنیوی زندگی) ہے تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿٣٠﴾

کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے، اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہے۔

وَكَمْ اور کتنے	مِّنْ مَّلَكٍ فرشتے	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	لَا تُغْنِيْ نفع نہیں دیتی	شَفَاعَتُهُمْ ان کی سفارش	شَيْـًٔا کچھ	اِلَّا مگر	مِنْۢ بَعْدِ اسکے بعد
اَنْ کہ	يَّاْذَنَ اللّٰهُ اجازت دے اللہ	لِمَنْ يَّشَآءُ جس کیلئے چاہے وہ	وَيَرْضٰى اور وہ پسند فرمائے	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ایمان نہیں رکھتے	
بِالْاٰخِرَةِ آخرت پر	لَيُسَمُّوْنَ البتہ وہ رکھتے ہیں نام	الْمَلٰٓئِكَةَ فرشتوں	تَسْمِيَةَ نام	الْاُنْثٰى عورتوں جیسا	وَمَا لَهُمْ اور نہیں انہیں	بِهٖ اس کا	مِنْ عِلْمٍ کوئی علم
اِنْ نہیں	يَّتَّبِعُوْنَ وہ پیروی کرتے	اِلَّا الظَّنَّ مگر۔صرف گمان	وَاِنَّ اور بیشک	الظَّنَّ گمان	لَا يُغْنِيْ نفع نہیں دیتا	مِنَ الْحَقِّ یقین سے۔مقابلہ	
شَيْـًٔا کچھ	فَاَعْرِضْ پس منہ پھیرلیں	عَنْ سے	مَّنْ جو	تَوَلّٰى روگرداں ہوا	عَنْ ذِكْرِنَا ہماری یاد سے	وَلَمْ يُرِدْ اور وہ نہ چاہتا ہو	اِلَّا سوائے
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	ذٰلِكَ یہ	مَبْلَغُهُمْ ان کی رسائی	مِنَ الْعِلْمِ علم کی	اِنَّ بیشک	رَبَّكَ تیرارب	هُوَ اَعْلَمُ وہ خوب جانتا ہے	بِمَنْ اسے جو
	ضَلَّ گمراہ ہوا	عَنْ سَبِيْلِهٖ اس کے راستے سے	وَهُوَ اور وہ	اَعْلَمُ خوب جانتا ہے	بِمَنِ اسے۔جس	اهْتَدٰى ہدایت پائی	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں تعلیم توحید کے سلسلہ میں کفار ومشرکین کے عقائد کی مذمت اور تردید فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ اب تک جو یہ مشرکین اور ان کے باپ دادا غلط باتوں میں پھنسے رہے تو اس کی بنا محض جہالت ونادانی تھی۔

اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان بتوں کی جن کو مشرکین پوجتے ہیں اور جن سے شفاعت اور سفارش کی امید رکھتے ہیں ان کی حقیقت ہی کیا ہے۔ یہ بیچارے بت تو کیا شفاعت کرتے کہ ان میں خود اہلیت ہی شفاعت کی نہیں۔ اس دربار میں تو جو لوگ اہل ہیں ان کی بھی بغیر اجازت کے کچھ نہیں چلتی چنانچہ آسمان کے رہنے والے مقرب فرشتوں کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں اللہ تعالیٰ ہی جس کے حق میں سفارش کرنے کا حکم دیں اور اس سے راضی ہوں تو وہاں سفارش بیشک کام دے گی۔ اور ظاہر ہے کہ نہ اس نے بتوں کو سفارش کا حکم دیا اور نہ وہ کفار سے راضی ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار ومشرکین جو آخرت کو نہیں مانتے اور اس کا یقین نہیں کرتے تو انہیں اس کا فکر تو ہوتا ہی نہیں کہ مرنے کے بعد ہماری ہر بات کی جانچ پڑتال کی جائے گی اور منہ سے کوئی غلط بات نکلے گی تو اس کی پکڑ ہوگی اس لئے وہ

سزا کی طرف سے بےفکر ہو کر ایسی گستاخیاں کرتے ہیں مثلاً فرشتوں کو زنانہ قرار دے کر خدا کی بیٹیاں کہہ دیا اور عورتوں جیسے ان کے نام رکھ دیئے ۔ یہ ان کی محض جہالت ہے۔ بھلا فرشتوں کو مرد وعورت ہونے سے کیا واسطہ اور خدا کے لئے اولاد کیسی؟ لیکن اٹکل پچو جوان کے منہ میں آیا بک دیا۔ بھلا حقیقت اور اصلی بات کہیں اٹل پچو باتوں سے حاصل ہوتی ہے؟ اور کیا تخمینے اور اٹکلیں حقائق ثابتہ کے قائم مقام ہو سکتے ہیں؟ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھلا جس کا اوڑھنا بچھونا یہی دنیا کی چند روزہ زندگی ہو کہ اس میں منہمک ہو کر کبھی خدا کو اور آخرت کو دھیان میں نہ لائے تو ایسے شخص کی بکواس کو آپ دھیان میں نہ لائیں۔ وہ خدا سے منہ موڑتا ہے۔ آپ اس کی شرارت اور کجروی کی طرف سے منہ پھیر لیں۔ سمجھانا تھا سو سمجھا دیا۔ ایسے بدطینت اشخاص سے قبول حق کی توقع رکھنا اور ان کے غم میں اپنے کو گھلانا بےکار ہے۔ ان کی سمجھ تو بس اسی دنیا کے فوری نقصان تک پہنچتی ہے۔ اس سے آگے ان کی رسائی ہی نہیں۔ وہ کیا سمجھیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی عدالت میں حاضر ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ ان کی تمام تر جدو جہد صرف جانوروں کی طرح پیٹ بھرنے اور شہوات ولذات کو پورا کرنے کیلئے ہے۔ اس پر حق تعالیٰ آگے فرماتے ہیں کہ جو گمراہی میں پڑا رہا اور جو راہ پر آیا۔ ان سب کو اور ان کے مخفی ارادوں اور نیتوں کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے اسی کے موافق ہو کر رہے گا۔ ہزار جتن کرو اس کے علم کے خلاف ہرگز واقع نہیں ہو سکتا۔ نیز وہ اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک سے ٹھیک اس کے احوال کے مناسب معاملہ کریگا۔ لہٰذا آپ یکسو ہو کر ان معاندین کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیں۔

اب غور کیجئے کہ یہاں اس شخص کی کیسی مذمت فرمائی گئی ہے کہ جس نے اپنی زندگی کا مقصد فقط دنیا ہی کی کامیابی اور عیش وعشرت کو سمجھ رکھا ہے اور جو دن رات بس اسی دنیوی زندگی کے ادھیڑ بن میں رہے کہ ہمیں یہاں کی زندگی کی خوب سہولتیں ملیں۔ اچھا کھانے کو ہو۔ اچھا پہننے کو ہو۔ اور اچھا رہنے کو ہو۔ ہم سامان عیش وعشرت میں خوب ترقی کریں۔ طرح طرح کی مشینیں ایجاد کر لیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر ہلاکت خیز اسلحہ تیار کر لیں تا کہ اللہ کی مخلوق کو دبا کر اپنا کام نکالیں اور اپنی بالادستی قائم کر کے کسی کو اپنے آگے ابھرنے نہ دیں۔ کفار ومشرکین یہود ونصاریٰ کا یہی مقصود زندگی ہے۔ مگر یہاں نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب تو مسلمان نے بھی الا ماشاء اللہ اپنی معراج اسی میں سمجھ رکھی ہے کہ بس دنیا کی ترقی ہو۔ رہی آخرت کی کامیابی جو مسلمان کا اصل مقصود ہونا چاہئے۔ یہ تو اب ملانہ پن ہے۔ دقیانوسیت ہے۔ لکیر کا فقیر۔ ترقی کا دشمن۔ دو رکعت کا امام۔ اور نہ معلوم کیسے کیسے تحقیر آمیز خطابات اور طنز وطعن کا نشانہ بنتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جب قرآن وسنت کے نظریات سے مسلمان من حیث القوم اتنا دور ہو جائے اور دنیا کی جگہ آخرت اور آخرت کی جگہ دنیا لے لے تو پھر ایسے مسلمان کی جو درگت دنیا ہی میں آج بن رہی ہے وہ ہم سب دیکھ رہے ہیں۔ اور جو آخرت میں پیش آنا ہے وہ اللہ ہی کو خوب علم ہے۔

اس آیت **فاعرض عن من تولیٰ عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوٰۃ الدنیا** جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دنیوی زندگی کے اس کو کوئی اور مقصود نہ ہو۔ اس کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایک ضروری تنبیہ یہ لکھی ہے کہ قرآن کریم نے یہ ان کا حال بیان کیا ہے جو آخرت وقیامت کے منکر ہیں۔

افسوس ہے کہ انگریزوں کی تعلیم اور دنیا کی ہوا وہوس نے آج کل مسلمانوں کا بھی یہی حال بنا دیا ہے کہ ہمارے سارے علوم وفنون اور علمی ترقی کی ساری کوششیں صرف معاشیات کے گرد گھومنے لگیں۔ معادیات یعنی معاملات آخرت کا بھول کر بھی دھیان نہیں آتا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہیں اور آپ کی شفاعت کی امید لگائے ہوئے ہیں مگر حالت یہ ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت والوں سے رخ پھیر لینے کی ہدایت کرتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ وفہم عطا فرمائیں اور دین ودنیا میں مراتب فرق کو جاننے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ الغرض توحید کے سلسلہ میں یہاں اللہ تعالیٰ کے علم کو ظاہر کیا گیا آگے اس کی قدرت اور اختیار کو بتلایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا

اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے، انجام کار یہ ہے کہ بُرا کام کرنیوالوں کو اُن کے (بُرے) کام کے عوض میں (خاص طور کی) جزا دے گا اور نیک کام

بِالْحُسْنٰی ۝ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ

کرنیوالوں کو اُن کے نیک کاموں کے عوض میں جزا دیگا وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں، مگر ہلکے ہلکے گناہ، بلاشبہ آپکے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے۔

وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	مَا جو	فِی میں	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَمَا اور جو	فِی الْاَرْضِ زمین میں	لِیَجْزِیَ تا کہ وہ بدلہ دے	الَّذِیْنَ انہیں جنہوں نے	اَسَآءُوْا برائی کی
بِمَا عَمِلُوْا اسکی جوانہوں نے کئے (اعمال)	وَیَجْزِیَ اور جزا دے	الَّذِیْنَ ان لوگوں کو جنہوں نے	اَحْسَنُوْا نیکی کی	بِالْحُسْنٰی بھلائی کے ساتھ	الَّذِیْنَ جو لوگ		
یَجْتَنِبُوْنَ وہ بچتے ہیں	کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ کبیرہ (بڑے) گناہوں سے	وَالْفَوَاحِشَ اور بے حیائیوں	اِلَّا مگر۔سوائے	اللَّمَمَ چھوٹے گناہ	اِنَّ بیشک		
رَبَّکَ تمہارا رب	وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ وسیع مغفرت والا						

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب ہر شخص کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور زمین آسمان کی ہر چیز پر اس کا قبضہ ہے پھر قیامت میں نیک و بد کو بدلہ دینے سے کیا چیز مانع ہوسکتی ہے۔ بلکہ غور سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ یہ زمین و آسمان کا سارا کارخانہ پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ اس کے نتیجہ میں زندگی کا ایک دوسرا غیر فانی سلسلہ قائم کیا جائے جہاں بروں کو ان کی برائی کا بدلہ ملے اور نیکوں کے ساتھ ان کی بھلائی کے صلہ میں بھلائی کی جائے۔ اب آگے جن لوگوں نے دنیا میں بھلے کام کئے اور جنہیں قیامت میں اچھا بدلہ ملے گا ان کی ایک صفت بیان کی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ نیک کاروہ لوگ ہیں جو دنیا میں کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں اور کاموں یعنی صغیرہ گناہوں سے بچتے ہیں اور جان بوجھ کر ان میں نہیں پھنستے۔ ایسے نیک اور اچھے لوگوں کے چھوٹے موٹے قصور سے اللہ تعالیٰ درگذر فرماتا ہے اور توبہ کو قبول کر لیتا ہے۔ اگر وہ ہر چھوٹی بڑی خطا پر گرفت کرنے اور پکڑنے لگے تو بندہ کا ٹھکانہ کہاں۔

کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی تشریح اور ایسے گناہوں کی فہرست ۲۵ویں پارہ سورہ شوریٰ کی آیت والذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش کی تفسیر میں بیان ہوچکی ہے جہاں بتلایا گیا کہ اللہ کی آخرت کی نعمتیں جن لوگوں کے لئے ہیں ان کی ایک صفت یہ بھی ہے جو بڑے بڑے گناہوں سے اور فواحش یعنی بے حیائی کی باتوں سے دوسرے الفاظ میں کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ اسی طرح پانچویں پارہ سورہ نسآء میں فرمایا گیا ان تجتنبوا کبآئر ما تنهون عنه نکفر عنکم سیاٰتکم و ندخلکم مدخلا کریما (اگر تم ان بڑے گناہوں سے جو تمہیں منع کئے گئے ہیں بچتے رہے تو ہم تم سے تمہاری چھوٹی برائیاں دور کر دیں گے اور تمہیں ایک عزت کے مقام یعنی جنت میں داخل کر دیں گے)۔ اسی طرح یہاں آیت میں فرمایا گیا کہ نیک کام کرنے والے لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں مگر لمم جو کبھی کبھار ان سے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے کیونکہ وہ بڑی وسیع مغفرت والا ہے۔ لمم کے معنی اور اس سے مراد کیا ہے اس میں مفسرین کے کئی قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ جو خیالات وغیرہ گناہ کے دل میں آئیں مگر ان کو عمل میں نہ لائے

وہ لمم ہیں۔بعض نے صغیرہ گناہ مراد لئے ہیں۔بعض نے کہا کہ جس گناہ پر اصرار نہ کرے یا اس کی عادت نہ ٹھہرائے یا جس گناہ سے توبہ کرلے وہ مراد ہیں۔

یہاں چونکہ نیکوکاروں کی صفت کبائر اور فواحش سے بچنا بتلائی ہے اور آج کل کبائر اور فواحش کا طوفان وبائے عام کی طرح پھیلا ہوا ہے اور جس نے خشکی وتری اور مشرق ومغرب کو گھیر رکھا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ بعض مشہور کبائر کو یہاں پھر بیان کر دیا جائے تاکہ علم تو صحیح ہو جائے کہ مرض کو مرض اور گناہ کو گناہ سمجھا جائے اور جس کا ثمرہ یہ ہو کہ گناہوں پر ندامت اور افسوس ہو اور ندامت ہی توبہ کا اعلیٰ رکن ہے جس سے سب گناہ مٹ جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب کوئی گناہ کو گناہ سمجھے گا اور ان کو نظر میں رکھے گا تو ان شاء اللہ کسی نہ کسی وقت توبہ اور اجتناب کی بھی توفیق ہو جائے گی۔ اور ایک نہایت اہم مسئلہ یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ شریعت مطہرہ میں جس بات کو ''فرض'' کہا گیا ہے اگر کوئی اس کی فرضیت سے انکار کر دے تو وہ اسلام ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نماز نہیں پڑھتا یا رمضان کا روزہ نہیں رکھتا مگر سمجھتا ہے کہ میں تارک نماز فرض یا صوم فرض ہو کر گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوں تو وہ مسلمان ضرور رہے گا اگرچہ گناہ گار ہے لیکن اگر کہیں اس نے یہ سمجھ لیا کہ فرض نماز کوئی ضروری چیز نہیں یعنی نماز کی فرضیت سے انکار کیا تو اسی وقت خارج از اسلام ہو گیا۔ اب وہ اپنے کو مسلمان سمجھتا رہے مگر شریعت اسلامیہ اس کو مسلمان اس عقیدہ کی بنا پر نہیں سمجھتی۔ اسی طرح جن چیزوں کو یا باتوں کو شریعت اسلامیہ نے حرام قرار دیا ہے تو ان کا مرتکب جب تک یہ سمجھتا ہے کہ میں حرام کا مرتکب ہو رہا ہوں اور اس طرح گناہ کا ارتکاب کر رہا ہوں اس وقت تک اس کا اسلام اور ایمان باقی ہے کہیں اگر کسی حرام کو حرام ہی کوئی نہ جانے یعنی اس کی حرمت کا منکر ہو تو پھر اس کا اسلام باقی نہیں رہتا۔ اب یوں تو کبائر کی فہرست بڑی طویل ہے لیکن بعض عام اور مشہور کبائر حسب ذیل ہیں:۔

کبائر

زنا۔ ہم جنسیت' شراب خوری اسی طرح تاڑی' گانجہ بھنگ وغیرہ نشہ کی چیزیں پینا' چوری کرنا' پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا' ناحق کسی کو قتل کرنا' شہادت کو چھپانا' جھوٹی شہادت دینا' جھوٹی قسم کھانا' کسی کا مال غصب کرنا' سود کھانا' یتیم کا مال ناحق کھانا رشوت لینا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' قطع رحمی کرنا' ناپ تول میں کمی کرنا' رمضان میں بلاعذر کے روزہ نہ رکھنا' زکوٰۃ یا روزہ کو اپنے وقت پر ادا نہ کرنا' فرض حج کیے بغیر مر جانا' کسی مسلمان کو ظلماً نقصان پہنچانا' کسی صحابی کو برا کہنا' علمائے حق اور اہل اللہ کو برا کہنا اور ان کو بدنام کرنے کے درپے ہونا' جادو سیکھنا یا سکھانا یا اس پر عمل کرنا' اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا' اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بےخوف ہونا' مردار جانور کا گوشت کھانا' خنزیر کا گوشت کھانا' چغل خوری کرنا' جوا کھیلنا' کسی مسلمان یا غیر مسلم کی غیبت کرنا' مال میں اسراف یعنی ضرورت سے زائد خرچ کرنا' زمین میں فساد پھیلانا' ڈاکہ زنی کرنا' کسی صغیرہ گناہ پر مداومت کرنا' لوگوں کے سامنے بلاضرورت شرعی ستر کھولنا' خودکشی کرنا' پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا' قضا وقدر یعنی تقدیر کا انکار کرنا' نجومی یا کاہن کی تصدیق کرنا' تہ بند یا پاجامہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا' لوگوں کے پوشیدہ عیوب کو تلاش کرنا اور ان کے درپے ہونا' چوسر کھیلنا' طبلہ سارنگی وغیرہ بجانا' مسلمان کا کسی

مسلمان کو کافر کہنا' ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے حقوق میں برابری نہ کرنا' حائضہ عورت سے جماع کرنا' گانے بجانے کے ساتھ رقص کرنا' دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا یا کسی دوسرے کے گھر میں جھانکنا' ان کے علاوہ اور بھی بعض گناہوں کو کبیرہ کی فہرست میں علمانے شامل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہر چھوٹے بڑے صغیرہ کبیرہ۔ظاہر و باطن گناہ سے بچنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائیں۔اور جو گناہ ہم سے سرزد ہو چکے ہیں عمداً وسہواً ان پر سچی توبہ کی توفیق نصیب فرمائیں۔اور اپنی وسیع رحمت ومغفرت سے معاف فرمائیں۔

اب چونکہ یہاں خدا کے خوف سے ہر چھوٹے بڑے صغیرہ۔ کبیرہ گناہ سے بچنے کا ذکر آ گیا اور اسی کا دوسرا نام تقویٰ ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ اگر کسی کو یہ اللہ کی توفیق سے میسر ہو جائے تو اس پر عجب وناز نہ چاہئے کہ اپنے کو متقی پرہیزگار سمجھنے لگے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے جو اپنے فضل وکرم سے ہم کو یہ دنیا کی فانی زندگی عطا فرمائی ہے تو اس زندگی کو اپنی رضا والی زندگی گذارنا نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے رضا والے اعمال صالحہ کی ہمیں توفیق نصیب فرمائیں اور ہر چھوٹے بڑے صغیرہ کبیرہ گناہ سے بچنے کی ہمت وعزم نصیب فرمائیں۔ اور گذشتہ میں جو تقصیرات اور گناہ ہم سے سرزد ہو چکے ہیں ان پر توبہ اور سچی ندامت نصیب فرمائیں اور اپنی رحمت سے اُن کو معاف فرمائیں۔

اے اللہ ہمیں ظاہر و باطن میں شریعت اسلامیہ کی پابندی نصیب فرما۔اور ہمارے ظاہر و باطن کو اپنی مرضیات پر قائم فرما۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْٓا

وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تم کو زمین سے پیدا کیا تھا، اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے، تو تم اپنے کو مقدس نہ سمجھا کرو

اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

(بس) تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

هُوَ اَعْلَمُ اور خوب جانتا ہے وہ	بِكُمْ تمہیں	اِذْ جب	اَنْشَاَكُمْ اس نے پیدا کیا تمہیں	مِّنَ الْاَرْضِ زمین سے	وَاِذْ اور جب	اَنْتُمْ تم	اَجِنَّةٌ بچے	فِيْ میں
بُطُوْنِ پیٹ (جمع)	اُمَّهٰتِكُمْ اپنی مائیں	فَلَا تُزَكُّوْٓا پس پاکیزہ نہ سمجھو	اَنْفُسَكُمْ اپنے آپ	هُوَ اَعْلَمُ وہ خوب جانتا ہے	بِمَنِ اسے جو۔ جس	اتَّقٰى پرہیزگاری کی		

تفسیر وتشریح: اب ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اگر تقویٰ کی توفیق اللہ تعالیٰ نے کسی کو دے دی اور وہ کبیرہ وصغیرہ گناہوں سے بچا تو یہ کوئی ناز کرنے اور شیخی مارنے اور اپنے کو بزرگ و برتر سمجھنے کی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ضعیف انسان کی بزرگی اور پاکبازی کو خوب جانتا ہے اور اس وقت سے جانتا ہے جبکہ اس انسان نے اپنی ہستی کے دائرہ میں بھی قدم نہ رکھا اور جس کی ابتدا مٹی کے گارے سے ہوئی تھی (مراد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے) اور پھر دوسرے عام انسان اپنی ماں کے پیٹ میں ناپاک خون سے پرورش پاتے رہے۔ تو انسان کی اصل جب ایسی ہو تو اسے چاہئے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے اور اپنی کمزوریوں کو سامنے رکھے اگر کسی کو اللہ نے اپنے فضل سے تقویٰ و پرہیزگاری کے بلند مقام پر پہنچا دیا تو اس کو اس پر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے اور بزرگی جتانے کا حق نہیں۔ اسی لئے جو واقعی متقی ہوتے ہیں وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ باوجود تقویٰ کے پھر بھی پوری طرح کمزوریوں سے پاک ہو جانا بشریت کی حد سے باہر ہے۔ کچھ نہ کچھ آلودگی سب کو ہو ہی جاتی ہے۔

اس آیت میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔ ”وہ تم کو اور تمہارے احوال کو اس وقت سے خوب جانتا ہے جب تم کو یعنی تمہارے جد امجد آدم علیہ السلام کو زمین کی خاک سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے اور ان دونوں حالتوں میں تم کو اپنا علم نہ تھا تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو۔ بس تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے کہ فلاں متقی ہے فلاں نہیں گو صورۃً افعال تقویٰ کے دونوں سے صادر ہوتے ہوں“۔

یہاں اس آیت میں فلا تزکوآ انفسکم تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو فرما کر اہل ایمان کو خود پسندی اور عجب سے منع فرمایا گیا۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ کا نام ان کے والدین نے برہ رکھا تھا جس کے معنی ہیں نیکوکار۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ نام سنا تو یہی آیت فلا تزکوآ انفسکم تلاوت فرما کر اس نام سے منع کیا کیونکہ اس میں اپنے نیک ہونے کا دعویٰ ہے اور نام بدل کر زینب رکھ دیا۔

بزرگان دین۔ اور سلف صالحین اس قرآنی حکم فلا تزکوا انفسکم کے کس درجہ عامل تھے وہ ان کے اقوال وملفوظات سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت حمدون جن کی وفات ۲۷۱ھ میں ہوئی ہے فرماتے ہیں جو شخص یہ خیال کرے کہ میرا نفس فرعون کے نفس سے بہتر ہے اس نے اپنا تکبر ظاہر کر دیا۔ اس ملفوظ کی شرح میں حضرت حکیم الامتہ مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس کی عام فہم توجیہ یہ ہے کہ جب تک اس عالم سے گذر نہ جائے اس کا اطمینان نہیں ہو سکتا کہ وہ

فرعون سے بہتر ہے کیونکہ انجام کا حال معلوم نہیں تو بلا دلیل اپنے کو اس سے بہتر سمجھنا تکبر ہے اور اہل حال حضرات اس امر کو وجدانا محسوس کرتے ہیں انہیں توجیہ کی حاجت نہیں۔ باقی نفس کے بدتر ہونے سے افعال کا بدتر ہونا لازم نہیں چنانچہ اس کے ساتھ ہی اپنے اعمال ایمانیہ کو فرعون کے اعمال کفریہ سے یقیناً بہتر سمجھا جائے گا۔ خود حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانویؒ کا اپنا ایک ملفوظ ہے کہ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں تو بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا نہ علمی نہ عملی نہ حالی نہ قالی بلکہ مجھ میں تو سراسر عیوب بھرے پڑے ہیں۔ میری اگر کوئی برائی کرتا ہے تو یقین جانئے مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق نہیں بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں بھلا کونسی تعریف کی بات ہے جو اس کا یہ خیال ہے۔ اس کو دھوکہ ہوا ہے۔ حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ کر رکھا ہے اس لئے مجھے کسی کا برا بھلا کہنا مطلق ناگوار نہیں ہوتا اور اگر کوئی میری ایک تعریف کرتا ہے تو اسی وقت دس عیب مجھے پیش نظر ہو جاتے ہیں"۔ (کمالات اشرفیہ حصہ دوم ملفوظ نمبر ١٩٩)

سبحان اللہ! یہ ہوتے ہیں قرآنی احکام کے اثرات اہل اللہ کے طبائع پر۔ اس کے مقابل اب ہم اپنی حالت میں غور کریں تو عجب۔ رعونت۔ خود پسندی۔ تکبر گویا کوٹ کوٹ کر ہم میں بھرا ہوا ہے۔ اور غضب یہ کہ ان مہلک امراض سے نجات حاصل کرنے کا فکر بھی دامن گیر نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اس آیت میں تعلیم دی گئی کہ محسنین کو عجب نہ کرنا چاہئے اور خود پسندی سے بچنا چاہئے کیونکہ مدار محسنیت کا خاتمہ پر ہے اور اپنے خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ جس طرح کہ انسان اپنی ابتدا کو نہیں جانتا وہ اللہ ہی کو معلوم ہے اسی طرح یہ خاتمہ کی حالت کو نہیں جانتا۔ اس کا علم بھی اللہ ہی کو ہے پھر شیخی۔ عجب۔ ناز کیا کوئی اپنی بزرگی اور تقویٰ پر کرسکتا ہے۔

الغرض یہاں محسنین یعنی نیکوں کی نیکی کی کچھ توضیح فرمائی اب آگے بدوں کی برائی کی کچھ توضیح فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمارے نفوس کو عجب وخود پسندی وغیرہ مہلک امراض سے نجات بخشیں اور تواضع وعبدیت نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی کمزوریاں اور عیوب رکھنے اور دوسروں کی بھلائیاں پیش نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے تقویٰ وطہارت کی دولت دنیا میں نصیب فرمائیں اور اس کی برکت سے حُسن خاتمہ اور انجام کی خیر خوبی عطا فرمائیں۔ یا اللہ! ہمیں اپنا وہ خوف وخشیت اس دنیا میں عطا فرما دے کہ جو ہم ہر چھوٹے بڑے گناہ اور نافرمانی سے بچتے رہیں۔ اور یہ آپ ہی کی توفیق اور دستگیری واعانت سے ممکن ہے۔

یا اللہ! ہم سے جو شب وروز تقصیرات سرزد ہوتی رہتی ہیں ان کا احساس ہم کو عطا فرما دے تاکہ ہم توبہ واستغفار سے آپ کی طرف رجوع رہیں اور آپ اپنی شان کریمی ورحیمی سے ہماری خطاؤں سے درگذر فرماتے رہیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿٣٣﴾ وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ ﴿٣٤﴾ أَعِندَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَىٰ ﴿٣٥﴾ أَمْ

تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے (دین حق سے) روگردانی کی۔ اور تھوڑا مال دیا اور (پھر) بند کردیا۔ کیا اس شخص کے پاس علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ کیا اس کو

لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴿٣٧﴾ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿٣٨﴾

اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے۔ اور نیز ابراہیم کے جنہوں نے احکام کی پوری بجا آوری کی (اور وہ مضمون) یہ (ہے) کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ﴿٤١﴾

اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔ اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھی جائے گی۔ پھر اُس کو پورا بدلہ دیا جائے گا۔

أَفَرَءَيْتَ تو کیا تو نے دیکھا	الَّذِي تَوَلَّىٰ جس نے روگردانی کی	وَأَعْطَىٰ اور اس نے دیا	قَلِيلًا تھوڑا سا	وَأَكْدَىٰ اور اس نے بند کردیا	أَعِندَهُ کیا اسکے پاس	
عِلْمُ الْغَيْبِ علم غیب	فَهُوَ يَرَىٰ تو وہ دیکھ رہا ہے	أَمْ کیا	لَمْ يُنَبَّأْ وہ خبر نہیں دیا گیا	بِمَا وہ جو	فِي میں	صُحُفِ صحیفے	مُوسَىٰ موسیٰ
وَإِبْرَاهِيمَ اور ابراہیم	الَّذِي وہ جو۔ جس	وَفَّىٰ پورا کیا	أَلَّا تَزِرُ کہ نہیں اٹھاتا	وَازِرَةٌ کوئی بوجھ اٹھانے والا	وِزْرَ أُخْرَىٰ کسی دوسرے کا بوجھ	
وَأَن اور یہ کہ	لَيْسَ نہیں	لِلْإِنسَانِ کسی انسان کیلئے	إِلَّا مگر	مَا سَعَىٰ جو اس نے سعی کی	وَأَنَّ اور یہ کہ	سَعْيَهُ اس کی سعی
سَوْفَ يُرَىٰ عنقریب دیکھی جائے گی	ثُمَّ پھر	يُجْزَاهُ اسے بدلہ دیا جائے گا	الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ بدلہ پورا پورا			

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں نیکوکاروں یعنی محسنین و متقین کا ذکر فرمایا گیا تھا اور نصیحت فرمائی گئی تھی کہ اپنی نیکی اور تقویٰ پر ناز اور عجب نہ کریں۔

اب آگے نیکوکاروں کے مقابلہ میں بروں اور بدکاروں کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ آپ نے نیکوں کی صفت تو سن لی اب آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا کہ جو دین حق سے روگردانی کرتا ہے اور اللہ کی یاد سے منہ پھیرتا ہے اور جس نے اپنی اصل کو بھول کر خالق اور مالک حقیقی کی طرف سے منہ پھیر لیا اور سچائی سے اعراض کیا۔ اور کبھی کچھ کہنا مان لیا تو پھر رسی کاٹ کر علیحدہ ہو گیا۔ کچھ تھوڑا سا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور پھر دل سکیڑ لیا۔

یہاں آیت میں افرء یت الذی تولی فرمایا یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے منہ پھیر لیا اور تھوڑا مال دیا اور بند کردیا۔ تو بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیات ایک مشرک ولید بن مغیرہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر اس کو اسلام کی طرف تھوڑی سی رغبت ہو چلی تھی اور کفر کی سزا سے ڈر کر قریب تھا کہ مشرف باسلام ہو جائے تو ایک دوسرے کافر نے کہا کہ ایسا مت کر۔ میں تیرے سب جرائم اپنے اوپر لئے لیتا ہوں۔ تیری طرف سے میں سزا بھگت لوں گا بشرطیکہ اس قدر مال مجھ کو دیا جائے۔ ولید بن مغیرہ نے وعدہ کر لیا اور مقررہ رقم کی کچھ قسط ادا کر کے باقی سے انکار کر دیا تو یہاں آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن قرآن کریم کا طریقہ یہی ہے اور وعظ و نصیحت میں مناسب بھی یہی ہے کہ تعمیم کی جائے کہ جس شخص کی ایسی حالت ہو آیت سب کو شامل ہے۔ تو ولید بن مغیرہ نے اگرچہ مال دینے کا وعدہ اپنے مطلب کے واسطے کیا تھا لیکن وہ بھی پورا نہ دیا جس سے مفہوم ہوا کہ ایسا شخص دوسروں کی نفع رسانی کے لئے کیا خرچ کرے گا جب اپنے ہی مطلب کے لئے پورا خرچ نہ کر سکا اور مال کی محبت میں ہاتھ روک لیا۔ اسی شخص کے متعلق آگے بتلایا جاتا ہے کہ کیا یہ شخص غیب کی

بات دیکھ آیا ہے یا اس کو کسی صحیح ذریعہ سے یہ غیب کی بات معلوم ہوگئی کہ آئندہ اس کو کفر کی سزا نہ ملے گی اور دوسرے کو اپنی جگہ پیش کر کے چھوٹ جائے گا اور کوئی دوسرا اس کی طرف سے عذاب کا متحمل ہو جائے گا۔ یہ اس شخص نے کیسے یقین کرلیا کہ اس کی طرف سے دوسرا عذاب بھگت لے گا۔ لہٰذا اس سے کہہ دیا جائے کہ کیا تو نے وہ باتیں نہیں سنی جو حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں لکھی ہوئی تھی کہ خدا کے ہاں کوئی مجرم دوسرے مجرم کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی جواب دہی بذات خود کرنا ہوگی۔ تو جب کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر ایسے طور سے نہیں لے سکتا کہ گناہ کرنے والا بری ہو جائے پھر یہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ اس کا سارا گناہ دوسرا اپنے سر لے گا۔ پھر ان صحیفوں میں یہ بھی مضمون تھا کہ انسان کو ایمان کے بارہ میں صرف اپنی ہی کمائی ملے گی یعنی کسی دوسرے کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو کرے گا سو بھرے گا۔ ہر شخص اپنے کیے کا ذمہ دار ہوگا جس کا اسے قیامت میں پورا بدلہ ملے گا جو وہ دنیا میں کر جائے گا۔ اور یہ مضمون بھی ان صحیفوں میں آ چکا ہے کہ سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے اور وہیں سے اس کو پورا بدلہ ملنا ہے تو جتلانا نتیجہ میں یہ مقصود ہے کہ ہر شخص کو ایمان لانا اور اسلام کا فرمانبردار ہونا چاہئے خدا تعالیٰ سے ڈر کر گناہوں کو چھوڑنا چاہئے اور نیکی کمانے میں اپنی کوشش کرنی چاہئے۔ مشرکین میں ایام جاہلیت میں تو یہ عقیدہ تھا ہی کہ بتوں کی سفارش اور شفاعت سے ہمارے سب کام بن جائیں گے لیکن یہود اہل کتاب کے ہاں بھی یہ عقیدہ پختہ طور پر قائم ہو گیا تھا کہ بزرگوں کا مقبولین اور انبیاء میں سے ہونا ان کی اولاد کے لئے بالکل کافی ہے جو لوگ پیغمبروں کی نسل میں سے ہیں ان کو ان کے بزرگ نجات دلا دیں گے اور عیسائیوں نے تو نجات کے سارے مسئلہ کا دار مدار ہی کفارہ اور شفاعت کے عقیدہ پر ٹھہرا دیا۔ ان کے عقیدہ کے موافق عیسیٰ مسیح سولی پر چڑھ کر سب کی طرف سے کفارہ ادا کر گئے۔ قرآن پاک نے اس کے برخلاف سارا زور ہر فرد کی ذمہ داری اور اس سے حساب کتاب پر دیا ہے اور نجات کا دار مدار بعد فضل خداوندی کے اپنے ذاتی ایمان اور عمل پر رکھا ہے یہ نہیں کہ ایک کا ایمان اور دوسرے کی نجات' یہاں اسی مسئلہ کو ثابت فرمایا گیا ہے رہا ایصال ثواب کا مسئلہ کہ کوئی خوشی سے اپنے بعض حقوق دوسرے کو ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ اس کو منظور کر لے تو یہ الگ بات ہے جو احادیث متعددہ کی بنا پر اپنی جگہ پر بالکل ثابت ہے اس لئے مسئلہ ایصال ثواب اس آیت کے ہرگز منافی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ آخرت میں کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر اس طور پر نہیں لے سکتا کہ گناہ کرنے والا بری ہو جائے۔ یہاں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کے بعض مضمون عقائد سے متعلق ذکر فرمائے گئے ابھی اگلی آیات میں انہی صحیفوں کے بعض دیگر مضامین متعلق عقائد ذکر فرمائے گئے ہیں۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہم کو تمام اسلامی عقائد پر ایمان و یقین کامل نصیب فرما۔ اور اپنے فضل و کرم سے ہمارے ایمان وسعی کو قبول فرما کر ہماری نجات کا ذریعہ بنا۔ حق تعالیٰ ہم کو ایمان کے ساتھ عمل صالح کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اور ہم کو آخرت کی کمائی کی فکر نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! امت مسلمہ میں سے آخرت سے غفلت کے مرض کو دور فرما دے۔ ایمان واسلام کی صحیح قدردانی ان کو نصیب فرما دے۔ نجات آخرت کا صحیح فکر اور اس کے لئے سعی کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ

اور یہ کہ (سب کو) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے۔ اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رُلاتا ہے۔ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ اور یہ کہ وہی دونوں قسم

الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ

یعنی نر اور مادہ کو نطفہ سے بناتا ہے۔ جب (رحم میں ڈالا) جاتا ہے۔ اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا اُس کے ذمہ ہے۔ اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور سرمایہ

اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَا فَمَآ

(دیکر محفوظ اور) باقی رکھتا ہے۔ اور یہ کہ وہی مالک ہے ستارہ شعریٰ کا بھی۔ اور یہ کہ اُس نے قدیم قوم عاد کو (اُس کے کفر کی وجہ سے) ہلاک کیا۔ اور ثمود کو بھی کہ (ان میں سے)

اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾

کسی کو باقی نہ چھوڑا۔ اور ان سے پہلے قوم نوحؑ کو (ہلاک کیا)، بے شک وہ سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے۔ اور اُلٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا۔

فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ

پھر ان بستیوں کو گھیر لیا جس چیز نے کہ گھیر لیا۔ سو اپنے رب کی کونسی نعمت میں شک (وانکار) کرتا رہے گا۔ یہ (پیغمبر) بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں۔ (ان کو مان لو کیونکہ) وہ جلدی

الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَ

آنے والی چیز قریب آ پہنچی ہے کوئی غیر اللہ اس کا ہٹانے والا نہیں۔ سو کیا (ایسے خوف کی باتیں سُن کر بھی) تم لوگ اس کلام (الٰہی) سے تعجب کرتے ہو۔ اور ہنستے ہو

لَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

اور (خوف عذاب سے) روتے نہیں ہو۔ اور تم تکبر کرتے ہو۔ سو اللہ کی اطاعت کرو (اس کی بلا شرکت) عبادت کرو۔

وَاَنَّ اور یہ کہ	اِلٰى طرف	رَبِّكَ تمہارا رب	الْمُنْتَهٰى انتہا	وَاَنَّهٗ اور بیشک	هُوَ اَضْحَكَ وہی ہنساتا ہے	وَاَبْكٰى اور وہ رلاتا ہے	وَاَنَّهٗ اور بیشک وہ
هُوَ اَمَاتَ وہی مارتا ہے	وَاَحْيَا اور جلاتا ہے	وَاَنَّهٗ اور بیشک وہ	خَلَقَ اس نے پیدا کئے	الزَّوْجَيْنِ جوڑے	الذَّكَرَ مرد	وَالْاُنْثٰى اور عورت	
مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ سے	اِذَا تُمْنٰى جب وہ ڈالا جاتا	وَاَنَّ اور یہ کہ	عَلَيْهِ اسی پر	النَّشْاَةَ (جی) اٹھانا	الْاُخْرٰى دوبارہ	وَاَنَّهٗ اور بیشک وہ	هُوَ وہی
اَغْنٰى اس نے غنی کیا	وَاَقْنٰى اور سرمایہ دار کیا	وَاَنَّهٗ اور بیشک وہ	هُوَ وہی	رَبُّ الشِّعْرٰى شعریٰ (ستارے) کا رب	وَاَنَّهٗ اور بیشک وہ		
اَهْلَكَ اس نے ہلاک کیا	عَادَا الْاُوْلٰى عاد پہلی (قدیم)	وَثَمُوْدَا اور ثمود	فَمَآ اَبْقٰى پس اس نے باقی نہ چھوڑا	وَقَوْمَ اور قوم	نُوْحٍ نوحؑ	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	
اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا وہ تھے	هُمْ وہ	اَظْلَمَ بڑے ظالم	وَاَطْغٰى اور بہت سرکش	وَالْمُؤْتَفِكَةَ اور الٹنے والی بستیاں	اَهْوٰى دے مارا	
فَغَشّٰىهَا تو اسکو ڈھانپ لیا	مَا غَشّٰى جس نے ڈھانپ لیا	فَبِاَيِّ پس کس	اٰلَآءِ نعمت	رَبِّكَ اپنا رب	تَتَمَارٰى تو شک کرے گا	هٰذَا یہ	نَذِيْرٌ ایک ڈرانیوالا
مِنَ سے	النُّذُرِ الْاُوْلٰى پہلے ڈرانے والے	اَزِفَتِ قریب آ گئی	الْاٰزِفَةُ قریب آنے والی	لَيْسَ نہیں	لَهَا اس کیلئے اس کا	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	
كَاشِفَةٌ کوئی کھولنے والا	اَفَمِنْ تو کیا۔ سے	هٰذَا الْحَدِيْثِ اس بات	تَعْجَبُوْنَ تم تعجب کرتے ہو	وَتَضْحَكُوْنَ اور تم ہنستے ہو	وَلَا تَبْكُوْنَ اور تم نہیں روتے		
	وَاَنْتُمْ اور تم	سٰمِدُوْنَ غفلت کرتے (غافل) ہو	فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ پس تم سجدہ کرو اللہ کے آگے	وَاعْبُدُوْا اور اس کی عبادت کرو			

تفسیر و تشریح: حضرت موسیٰ و حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں جو خاص ہدایات یا تعلیمات تھیں ان میں چند کا ذکر گذشتہ آیات میں ہوا۔ انہی صحیفوں کے مزید مضامین کا ذکر ان آیات میں فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ باتیں بھی حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں میں بیان ہو چکی ہیں۔

(۵) سب کو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنا ہے۔

(۶) خوشی اور غم خدا کی طرف سے ہے۔

(۷) مارنا اور جلانا بھی اسی کے قدرت میں ہے۔

(۸) ایک قطرہ منی سے وہی نر و مادہ بناتا ہے۔

(۹) مرنے کے بعد وہی بار دیگر حشر میں زندہ کرے گا۔

(۱۰) غنیٰ اور تنگدستی وہی دیتا ہے۔

(۱۱) ستارہ شعریٰ کا مالک بھی وہی ہے۔ جاہلیت میں مشرکین اس ستارہ کو معبود سمجھ کر اس کی پرستش کرتے تھے ستارہ پرستی کا شرک اس وقت نہ صرف عربوں بلکہ دوسری مشرک قوموں یعنی مصریوں، یونانیوں، رومیوں، ہندیوں وغیرہ میں بھی پایا جاتا تھا۔

(۱۲) ان صحیفوں میں یہ بھی بتایا گیا تھا یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بداعمالی اور سرکشی و نافرمانی کا دنیا میں ثمرہ نہیں ملتا۔ قوم عاد کو اسی نے ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کیا۔ اور ثمود کو بھی اور قوم نوحؑ کو بھی جو سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے کہ ساڑھے نوسو برس کی دعوت میں بھی راہ پر نہ آئے اور قوم لوطؑ کی بستیوں کو بھی الٹ کر ہلاک کر دیا گیا تھا اور اوپر سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی تھی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے برگزیدہ اور جلیل القدر انبیاء کے یہ مضامین بیان فرما کر حق تعالیٰ عام انسانوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے انسان جب ایسے ایسے مضامین سے تجھ کو آگاہ کیا جاتا ہے جو بوجہ ذریعہ ہدایت ہونے کے ہر ہر مضمون بجائے خود ایک نعمت ربانی ہے تو اے انسان تو اپنے رب کی کون کون سی نعمت میں شک و انکار کرتا رہے گا اور ان مضامین کی تصدیق کر کے ان سے نفع حاصل نہ کرے گا۔ اس کے بعد خاتمہ کی آیات میں تمام نصیحت کا لب لباب بیان فرمایا جاتا ہے اور منکرین کو سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو یہ پیغمبر یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں اور مجرموں کو اسی طرح برے انجام سے ڈرانے والے ہیں جیسا ان سے پیشتر دوسرے انبیاء ڈرا چکے ہیں۔ تو ان کو مان لو کیونکہ قیامت قریب ہی آ لگی ہے جس کا ٹھیک وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کھول کر نہیں بتا سکتا اور جب وقت معین آ جائے گا تو کوئی طاقت اس کو دفع نہیں کر سکتی تو اے منکرین قیامت تم کو اس کے قرب کا ذکر سن کر چاہئے تھا کہ خوف خدا سے رونے لگتے اور گھبرا کر اپنے بچاؤ کی تیاری کرتے مگر تم اس کے برخلاف قیامت سے تعجب کرتے ہو اور ہنس کر اسے ٹال دیتے ہو اور غافل و بےفکر ہو کر تم تکبر کرتے ہو۔ دیکھو عاقل کو زیبا نہیں کہ انجام سے غافل ہو کر نصیحت و فہمائش کی باتوں پر ہنسے اور مذاق اڑائے بلکہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کی راہ اختیار کرے اور مطیع فرمانبردار ہو کر سر نیاز خداوند قہار کے سامنے جھکا دے۔

عام تعلیمات جو ان خاتمہ کی آیات میں دی گئی ہیں وہ یہی ہیں کہ آخر کار سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ رہی دنیا میں خوشی یا غمی یا امیری و فقیری تو یہ سب بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔ کسی دوسرے کے قبضہ میں نہیں وہی اسباب کو پیدا کرتا ہے اور پھر اسباب میں تاثیر دیتا ہے۔ وہی ستاروں، آسمانوں اور زمینوں کا خالق اور مالک ہے۔ اس کی نافرمانی پر قوموں پر دنیا ہی میں ہلاکت و بربادی کے عذاب آئے۔ اس لئے غور و فکر کرنے

والے انسان کو جو عبرت و نصیحت کا سبق یہ خاتمہ کی آیات دیتی ہیں اس کا مقتضا یہی ہے کہ اے انسانو تم سب اللہ تبارک تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آؤ۔ اس کی طاعت وعبادت کو لازم سمجھو اور اسی ایک اللہ کے سامنے جھکو اور صرف اسی کو سجدہ کرو۔ بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم کی تلاوت فرمائی اور اخیر میں سجدہ تلاوت ادا کیا اور آپ کے ساتھ سب حاضرین مجلس جس میں مومنین ومشرکین اس وقت دونوں شامل تھے سب نے سجدہ کیا بجز ایک بوڑھے قریشی کے جس نے زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھا کر پیشانی سے لگالی اور کہا کہ مجھے یہی کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ پھر میں نے اس شخص کو حالت کفر میں مقتول پڑا ہوا دیکھا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں مسلمانوں کو تو سجدہ کرنا تھا ہی۔ لیکن جو مشرکین اس وقت حاضر تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی کچھ ایسی حالت غالب کردی کہ سب سجدہ کرنے پر مجبور ہوگئے۔ گو اس وقت ان کا سجدہ بوجہ کفر کے کچھ ثواب نہ رکھتا تھا مگر وہ بھی اپنا ایک اثر یہ چھوڑ گیا کہ بعد میں ان سب کو اسلام وایمان کی توفیق ہوگئی صرف ایک آدمی کفر پر مرا جس نے سجدہ سے گریز کیا تھا۔ (معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۲۲۲)

الحمدللہ اس درس پر سورہ نجم کا بیان پورا ہوگیا۔

سورۃ النجم کے خواص

ا.....اگر کوئی آدمی ناکامیوں کا سامنا کررہا ہو تو وہ ہرن کے چمڑے کے ٹکڑے پر سورۃ النجم لکھ کر گلے میں یا بازو میں لٹکائے تو وہ جس سے بحث کرے گا اس پر غالب آئے گا جہاں بھی جائے گا کامیاب وکامران ہوگا۔

والنجم اذھوی ...... الکبری

اگر کسی آدمی کو حافظہ کی کمزوری، دل کی کمزوری وغیرہ کی شکایت ہو، بھول جاتا ہو، قرآن کریم حفظ کرنے میں مشکل ہے تو وہ مذکورہ آیات کو شیشہ کے برتن میں عرق گلاب اور کستوری سے لکھے، آب زمزم سے دھوئے اور سات دن مسلسل نہار منہ پیئے تو اس کا دل ودماغ تروتازہ اور حافظہ مضبوط ہوجائے گا۔

(الدرر النظیم)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے ہم کو جو زندگی دنیا میں عطا فرمائی ہے اس میں آخرت کا فکر نصیب فرمائیں اور اپنے رضا والے اعمال کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ گذشتہ قوموں کے واقعات وحالات سے ہم کو عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی توفیق مرحمت ہو اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے ہم کو بچنا نصیب ہو۔

یا اللہ گذشتہ زندگی میں جو ہم سے تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان پر ندامت قلب کے ساتھ توبہ کی توفیق نصیب ہو اور آئندہ میں اپنے احکام کی فرمانبرداری واطاعت کے ساتھ زندہ رہنا اور مرنا نصیب ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّ ثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۲﴾

قیامت نزدیک آپہنچی اور چاند شق ہوگیا۔ اور یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ قریب آگئی	السَّاعَةُ قیامت	وَانْشَقَّ اور شق ہوگیا	الْقَمَرُ چاند	وَاِنْ يَّرَوْا اور اگر وہ دیکھتے ہیں	اٰيَةً کوئی نشانی	يُّعْرِضُوْا وہ منہ پھیر لیتے ہیں
وَيَقُوْلُوْا اور وہ کہتے ہیں	سِحْرٌ جادو	مُّسْتَمِرٌّ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا				

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں، وانشق القمر کا جملہ آیا ہے یعنی چاند پھٹ گیا جس میں اشارہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ شق القمر کی طرف اس لئے علامت کے طور پر اس سورۃ کا نام قمر مقرر رہوا۔

ان آیات کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ ہجرت مدینہ سے تقریباً ۵ سال پہلے ایک مرتبہ مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوکر آئے اور آپ سے یہ درخواست کی کہ اگر آپ خدا کے سچے نبی ہیں تو اپنی نبوت کا کوئی خاص نشان دکھلائیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا کہ چاند کے دوٹکڑے کر کے دکھلائیں۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ کفار نے علمائے یہود سے دریافت کیا تھا کہ ہم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کی صداقت کا نشان کیا طلب کرنا چاہئے؟۔ انہوں نے کہا کہ سحر کا اثر صرف زمین تک محدود ہے۔ تم کہو کہ ہم کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلا دیں۔ امید ہے کہ وہ ایسا نہ دکھلا سکیں گے۔ انہیں یہود کے سکھلاوے سے کفار مکہ نے آپ سے شق قمر کا سوال کیا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ چودھویں شب کا چاند طلوع کئے ہوئے تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان لے آؤ گے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں ایمان لے آئیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ سے دعاء کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ کیا۔ اسی وقت چاند کے دوٹکڑے ہوگئے۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر تھا دوسرا ٹکڑا دوسرے پہاڑ پر۔ لوگوں نے حیرت سے دیکھا اور ان کے حیرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی آنکھوں کو کپڑے سے پونچھتے تھے اور پھر چاند کی طرف دیکھتے تھے تو صاف دوٹکڑے نظر آتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت فرمارہے تھے۔ اشہدوا اشہدوا یعنی اے لوگو گواہ رہو۔ اے لوگو گواہ رہو۔ کچھ دیر تک چاند اسی طرح رہا اور اس کے بعد پھر جڑ کر ویسا ہی ہوگیا۔ مشرکین نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو اور ان سے دریافت کرو۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام لوگوں پر جادو کر دیں اگر وہ بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کر دیں تو سچ ہے اور وہ اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا تو سمجھنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر سحر کیا ہے۔ چنانچہ مسافروں سے دریافت کیا گیا۔ ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر یعنی چاند کو پھٹکر دوٹکڑے ہونا دیکھا ہے مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے اور یہ کہا کہ یہ سحر مستمر ہے یعنی عنقریب اس کا اثر زائل ہو جائے گا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ قیامت نزدیک آگئی اور ان مشرکین کی

درخواست پر چاند ٹکڑے ہو گیا جو کہ رسول کے صدق کی ایک نشانی اور قرب قیامت کی ایک علامت ہے اور باوجود اس کے یہ لوگ اپنی ضد پر قائم ہیں چنانچہ اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو کہ ابھی ختم ہوا چاہتا ہے۔

معجزہ شق القمر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں واقع ہونا قرآن کریم اور احادیث متواتر اور اسانید صحیحہ سے ثابت ہے اور اسی پر تمام سلف و خلف کا اجماع ہے۔ مخالفین اسلام خصوصاً عیسائی اس معجزہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اوّل تو یہ بات محال اور ناممکن الوقوع ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں۔ علمائے کرام نے اس اعتراض کے متعدد جوابات لکھے ہیں لیکن جو جواب شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے وہ بڑا جامع اور مختصر ہے جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔ مولانا لکھتے ہیں:۔ ''جواب یہ ہے کہ آج تک کسی دلیل عقلی سے اس قسم کے واقعہ کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس طرح اجسام سفلیہ میں کون و فساد عقلاً محال اور ناممکن نہیں اسی طرح اللہ کی قدرت اور مشیت سے اجسام علویہ میں بھی کون و فساد محال نہیں خداوند ذوالجلال کی قدرت کے اعتبار سے آسمان و زمین۔ شمس و قمر۔ شجر و حجر سب برابر ہیں جس خدا نے شمس و قمر کو بنایا ہے وہ خدا ان کو توڑ بھی سکتا ہے اور توڑ کر جوڑ بھی سکتا ہے۔ بہر حال اس قسم کے خوارق کا ظہور قطعاً محال نہیں۔ ہاں مستبعد ضرور ہے اور ہر معجزہ کے لئے مستبعد ہونا ضروری ہے (کیونکہ معجزہ تو نام ہی اس فعل کا ہے جو عام عادت کے خلاف اور عام لوگوں کی قدرت سے خارج حیرت انگیز ہو) رہا یہ امر کہ اس واقعہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں تو صد ہا اور ہزاروں ایسے عجیب و غریب واقعات ہیں کہ جو وقوع میں آئے مگر تاریخوں میں ان کا ذکر نہیں۔ توریت اور انجیل میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کا کسی تاریخ میں کہیں نام و نشان نہیں۔ نیز شق قمر کا واقعہ رات کا واقعہ ہے جو عموماً لوگوں کے آرام کا وقت ہے اور جو صرف تھوڑی دیر کے لئے رہا اس لئے اگر عام طور پر لوگوں کو اس کا علم نہ ہوا ہو تو تعجب نہیں۔ بسا اوقات چاند اور سورج گہن ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو علم بھی نہیں ہوتا نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے بہت مقامات پر اس وقت دن ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات ہوگی عموماً لوگ سوتے ہوں گے۔ نیز اس معجزہ سے مقصود فقط اہل مکہ کو دکھلانا اور ان پر حجت قائم کرنا تھا وہ مقصود حاصل ہو گیا۔ تمام عالم کو دکھلانا مقصود بھی نہ تھا۔ نیز کسی شے کا دیکھنا اللہ کے دکھلانے پر موقوف ہے۔ اگر کوئی شے نظروں کے سامنے بھی ہو اور اللہ تعالیٰ نہ دکھلانا چاہیں تب بھی وہ شے نظر نہیں آتی۔ (سیرۃ المصطفٰی جلد اوّل''۔)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہو سکتی بایں ہمہ ہندوستان کی مشہور و مستند ''تاریخ فرشتہ'' وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ہندوستان میں مہاراجہ مالیبار کے اسلام کا سبب اسی واقعہ کو لکھتے ہیں کہ مہاراجہ مالیبار نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا اور اپنے روز نامچہ میں لکھوایا۔

حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث و مفسر دہلویؒ اپنی تفسیر حقانی میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے راجہ بھوج کی متواتر نقل وہاں کے باشندوں میں مشہور ہے اور غالباً کسی ہندو کی تاریخ میں بھی ہو جو راجہ بھوج کے عہد میں ان کی حکومت کے حالات میں لکھی گئی ہو کہ راجہ نے جو اس وقت اپنے بام کی چھت پر بیٹھا تھا یہ واقعہ شق قمر دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر اپنے علما و فضلا سے پوچھا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ سے یہ معجزہ سرزد ہونا

بحوالہ اپنے علوم متوارث کے بیان کیا جس سے وہ راجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔

الغرض اس زمانہ میں آج کل کی طرح رصدگاہیں وغیرہ اس حد تک ترقی یافتہ نہ تھیں کہ آسمان میں پیش آنے والے ہر واقعہ کا نوٹس لیتیں اور اس کو ریکارڈ پر محفوظ کرلیتیں۔ بہر حال اس معجزہ کی توثیق قرآن کریم سے ہوتی ہے اور صحیح احادیث سے بھی بخاری و مسلم میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ اہل مکہ (کفار) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ ان کو کوئی بڑا نشان دکھایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھلایا۔ اس کے دو ٹکڑے تھے کوہ حرا ان دونوں کے درمیان تھا۔ اجلہ صحابہ میں سے تین بزرگوں یعنی حضرت علیؓ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ کی شہادت شق قمر کی چشم دید ہے۔

الغرض یہاں اللہ تعالیٰ دنیا کے خاتمہ کی اور قیامت کے قرب کی اطلاع دیتے ہیں۔ اور حقیقۃً قیامت کے نزدیک ہونے میں شبہ بھی کیا ہے۔ اول تو جب ایک انسان مرا اس کی انفرادی قیامت تو اسی وقت سے شروع ہوگئی۔ رہی اجتماعی قیامت تو جب وہ یقینی ہے اور لازمی ہے تو پھر اس کی دوری کو بھی نزدیک ہی سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قرب قیامت کا یقین کامل عطا فرمائیں۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرا آنا اور قیامت اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں اور بھی چند روایات حدیث میں آپ کا قیامت کے قریب ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک بڑی علامت قیامت کی یہ بھی ہے کہ آپ کے معجزہ کے طور پر چاند کے دو ٹکڑے ہو کر الگ الگ ہو جاویں گے پھر باہم جڑ جاویں گے۔

آگے منکرین کے متعلق مضمون ہے کہ جو اس معجزہ شق القمر کو بھی دیکھ کر تکذیب پر جمے رہے۔ جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! قرآن و حدیث کی تمام بتلائی ہوئی باتوں پر ہمیں یقین کامل اور ایمان صادق نصیب فرما۔ اور دین کی باتوں سے منہ پھیر لینا اور مکر جانا اور ان کو ٹال دینا جو کافرانہ خصلت ہیں اس سے ہمیں محفوظ فرما۔

یا اللہ! آپ نے تو اپنے کلام پاک میں فرما دیا کہ قیامت نزدیک آ پہنچی مگر ہم کفار و مشرکین اور منکرین کو کیا کہیں ہمیں تو رونا اپنے اہل اسلام کے لئے ہے جو قیامت و آخرت سے بالکل غافل اور نڈر ہو کر دنیا میں زندگی گذار رہے ہیں۔ اور شب و روز معاصی اور منکرات میں مشغول ہیں۔ یا اللہ! قرب قیامت کا ہم کو وہ خوف وخشیت عطا فرما جو ہمارے دلوں سے آخرت کی طرف سے غفلت اور لاپروائی کو دور کردے اور ہمہ وقت آخرت کا فکر ہم کو نصیب ہو جائے۔

یا اللہ! اولیاء اللہ کی کرامات اور انبیائے کرام کے معجزات جو حق ہیں ان پر ہمیں یقین صادق عطا فرما اور ان کی طرف سے کوئی شک وشبہ وخطرہ ہمارے دلوں میں نہ آنے دے۔ یا اللہ! موجود زمانہ جو منکرات اور ممنوعات سے لبریز ہے ہمیں اسلام حقیقی پر استقامت کاملہ نصیب فرما۔ اور ہر طرح کے ظاہری و باطنی فتنہ سے ہماری حفاظت فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ

ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر بات کو قرار آجاتا ہے۔ اور اُن لوگوں کے پاس (تو امم ماضیہ کی بھی) خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں کہ ان میں (کافی) عبرت ہو۔

مُزْدَجَرٌ ۝۴ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝۶

یعنی اعلیٰ درجہ کی دانشمندی (حاصل ہوسکتی) ہے۔ سو خوف دلانے والی چیزیں ان کو کچھ فائدہ ہی نہیں دیتیں۔ تو آپ ان کی طرف سے خیال نہ کیجئے جس روز ایک بُلانے والا فرشتہ

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝۷ مُّهْطِعِيْنَ

(ان کو) ایک ناگوار چیز کی طرف بلاوے گا۔ اُن کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی (اور) قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے۔ (اور پھر نکل کر)

اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝۸

بلانے والے کی طرف دوڑے چلے جارہے ہوں گے، کافر کہتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے۔

وَكَذَّبُوا اورانہوں نے جھٹلایا	وَاتَّبَعُوٓا اور پیروی کی	اَهْوَآءَهُمْ اپنی خواہشات	وَكُلُّ اَمْرٍ اور ہر کام	مُّسْتَقِرٌّ وقت مقرر	وَلَقَدْ جَآءَهُمْ اور تحقیق آگئی ان کے پاس
مِّنَ سے	الْاَنْبَآءِ (جمع) خبریں	مَا فِيْهِ جس میں	مُزْدَجَرٌ ڈانٹ (عبرت)	حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ حکمت بالغہ (کامل دانشمندی)	فَمَا تُغْنِ تو نہ فائدہ دیا
النُّذُرُ ڈرانیوالے	فَتَوَلَّ سو تم منہ پھیرلو	عَنْهُمْ ان سے	يَوْمَ جس دن	يَدْعُ بلائے گا	الدَّاعِ ایک بلانے والا
اِلٰى طرف	شَيْءٍ نُّكُرٍ شے ناگوار				
خُشَّعًا جھکی ہوئی	اَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں	يَخْرُجُوْنَ وہ نکلیں گے	مِنَ الْاَجْدَاثِ قبروں سے	كَاَنَّهُمْ گویا کہ وہ	جَرَادٌ ٹڈیاں
مُّنْتَشِرٌ پراگندہ					
مُّهْطِعِيْنَ لپکتے ہوئے	اِلَى الدَّاعِ پکارنے والے کی طرف	يَقُوْلُ کہیں گے	الْكٰفِرُوْنَ کافر (جمع)	هٰذَا یہ	يَوْمٌ عَسِرٌ بڑا سخت دن

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں سورۃ کی ابتدا قیامت کے ذکر سے فرمائی گئی تھی کہ قیامت کو بس آیا ہی سمجھو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے چاند کا پھٹ جانا یہ ایک نمونہ اور نشانی ہے قیامت کی کہ آگے سب کچھ یونہی پھٹے گا اور مٹے گا۔ منکرین وکفار کو چاہئے تو یہ تھا کہ ایسا عظیم الشان معجزہ دیکھ کر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آتے مگر ان کفار کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو یہ کہہ کر کہ یہ جادو ہے اس کو ٹال دیتے ہیں۔ اب آگے ان آیات میں انہی منکرین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے ہر قسم کے احوال اور تباہ شدہ قوموں کے واقعات ان منکرین کو بتلائے جاچکے ہیں جن میں اگر غور وفکر کریں تو ان سے اعلیٰ درجہ کی دانشمندی اور کافی عبرت حاصل ہوسکتی ہے قرآن کریم پوری حکمت اور عقل کی باتوں کا مجموعہ ہے۔ کوئی ذرا نیک نیتی سے توجہ کرے تو دل میں اس کی نصیحتیں اترتی چلی جائیں مگر افسوس کہ اتنے سامان ہدایت کی موجودگی میں بھی ان منکرین پر کچھ اثر نہیں ہوتا اور کوئی نصیحت وفہمائش ان کو کام نہیں دیتی۔ کتنا ہی سمجھاؤ کان پر جوں تک نہیں رینگتی لہٰذا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے سنگدل بدبختوں کو منہ نہ لگائیے۔ آپ فرض تبلیغ ودعوت پوری طرح ادا کرچکے۔ اب زیادہ ان کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ اس وقت ماننے والے نہیں۔ یہ تو قیامت کو دیکھ کر ہی مانیں گے جس روز ایک پکارنے والا فرشتہ مراد حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں پکاریں گے کہ چلو میدان حشر کی طرف اس وقت خوف اور ہیبت کے مارے ذلت وندامت کے ساتھ یہ منکرین آنکھیں جھکائے ہوں گے کیونکہ قبروں سے نکلتے ہی انہیں محسوس ہوجائے گا کہ یہ وہی دوسری زندگی ہے جس کا ہم انکار کرتے تھے اور جس کے لئے ہم کوئی تیاری کرکے نہیں آئے اور اب ہم کو مجرم کی حیثیت سے پیش ہونا ہے چنانچہ تمام اگلے پچھلے قبروں سے نکل کر ٹڈی دل کی طرح پھیل پڑیں گے اور خداوند قدوس کی عدالت میں حاضری دینے کے لئے تیزی

12

کے ساتھ دوڑتے ہوں گے۔ یہاں انسانوں کے قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف جانے کی مثال ٹڈی دل سے دی گئی ہے۔ انسانوں کے اس انبوہ عظیم کی قریب ترین مثال جو اس دنیا میں دی جا سکتی ہے وہ ٹڈی دل ہی کی ہے۔ بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ ٹڈی دل جب کبھی اپنی پوری قوت کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے تو ساری فضائے آسمانی پر میلوں بلکہ منزلوں تک ٹڈیوں کے دل کے بادل تہ بتہ چھا جاتے ہیں اور دن کی روشنی ماند ہو کر تاریکی پھیل جاتی ہے۔ مبصرین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مشرقی افریقہ میں جب ٹڈی دل پوری قوت کے ساتھ آیا ہے تو عرض میں تین میل اور طول میں ساٹھ میل تک تھا اور ٹڈیوں کی تعداد کا تخمینہ اس وقت سو کھرب یا ایک نیل (1,..............) کا کیا گیا اور بعض دل اس سے بھی بڑے بڑے مشاہدہ میں آ چکے ہیں (تفسیر ماجدی۔سورۃ قمر)

پھر یہاں جو آیت میں قبروں سے نکلنا فرمایا گیا ہے تو اس سے مراد زمین میں کھود کر جو قبر بنائی جاتی ہے وہ قبر مراد نہیں ہے بلکہ عالم قبر مراد ہے اور جو مرنے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے جس کو عالم برزخ یا عالم مثال بھی کہتے ہیں اور جو عالم آخرت شروع ہونے تک قائم رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص جہاں بھی مرا ہوگا اور جس جگہ اس کی خاک پڑی ہوگی وہیں سے وہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوگا۔ تو کفار منکرین اس دن یعنی یوم حشر کے ہولناک احوال اور اپنے جرائم کا تصور کر کے کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت آیا ہے دیکھو اب کیا گزرے گی۔

اب یہاں یہ غور کیجئے کہ منکرین ومکذبین کی بدخصلت جو اس جگہ ظاہر فرمائی گئی وہ واتبعوآ اھوآء ھم فرمائی گئی یعنی انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی تو معلوم ہوا کہ نفسانی خواہشات کی پیروی کتنا شدید جرم ہے کہ ایک کافر مشرک کا کفر وشرک پر جمے رہنا۔ اسی اتباع ہوٰی کی بدولت ہوا۔ ھوٰی یعنی خواہشات نفس اور اس کے مقابل ھدیٰ یعنی انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایات یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر وشر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے اور جس سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے۔ ہر گمراہی اور بدعملی اتباع ھوٰی کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح ہر خیر ونیکی اتباع ھدیٰ سے پیدا ہوتی ہے۔ تو جہاں کافروں کے لئے اتباع ھوٰی مہلک ہے وہیں اہل اسلام کے لئے اتباع ہوٰی ایمان کو پامال کرنے والی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائے مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل کر سکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہو سکتی ہیں کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایات نبویؐ کے تابع وماتحت ہو جائیں۔ تو اتباع ہوٰی ایسی بری چیز ہے کہ نہ صرف کافر مشرک کو کفر وشرک کی دلدل میں پھنسائے رکھتی ہے۔ بلکہ ایک مومن کو بھی حقیقی ایمان سے محروم رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری حالتوں پر رحم فرمائے اور ہمیں بھی اپنی حالتوں پر غور کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ آیا ہماری اکثریت اتباع ہوٰی کا شکار ہے اور نفسانی خواہشات کے جال میں پھنسی ہوئی ہے یا اتباع ھدیٰ پر گامزن ہے اور ہدایات نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تابع وماتحت اپنا شب وروز گزار رہی ہے۔ ملک اور قوم کی حالت سے ہر فرد خوب واقف ہے۔ خود ہی فیصلہ کر لے۔ تفصیل عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب بتائیے اتباع تو ہو ھوٰی کا اور انجام ونتیجہ ہم چاہیں اتباع ھدیٰ کا تو اس کم عقلی کا بھی کچھ ٹھکانا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ہی اس ملک اور قوم کو اتباع ہوٰی کی دلدل سے نکالنے والے ہیں۔

اب آگے بتلایا جاتا ہے کہ اتباع ہوٰی میں پھنس کر جو کفر وشرک اور نافرمانی وسرکشی میں گرفتار رہتے ہیں وہ آخرت میں تو اس کا نتیجہ بھگتیں گے ہی لیکن ایسی نافرمان وسرکش قوم کو دنیا میں بھی سخت حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر چند گذشتہ نافرمان اقوام کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝۹ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ

ان لوگوں سے پہلے قوم نوحؑ نے تکذیب کی۔یعنی ہمارے بندے (خاص نوحؑ) کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون ہے اور نوحؑ کو دھمکی دی گئی۔تو نوحؑ نے اپنے رب سے دعاء کی کہ میں درماندہ ہوں

فَانْتَصِرْ ۝۱۰ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝۱۱ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ

سو آپ (ان سے) انتقام لے لیجئے۔پس ہم نے کثرت سے برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے۔اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے پھر (آسمان اور زمین کا) پانی

عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝۱۲ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝۱۳ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ

اس کام کے (پورا ہونے کے) لئے مل گیا جو (علم الٰہی میں) تجویز ہو چکا تھا۔اور ہم نے نوحؑ کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر جو کہ ہماری نگرانی میں رواں تھی (مع مومنین کے) سوار کیا۔

كَانَ كُفِرَ ۝۱۴ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۱۵ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝۱۶ وَلَقَدْ

یہ سب کچھ اس شخص کا بدلہ لینے کیلئے کیا جس کی بے قدری کی گئی تھی۔اور ہم نے اس واقعہ کو عبرت کے واسطے رہنے دیا، کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔پھر (دیکھو) میرا عذاب

يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۱۷

اور میرا ڈرانا کیسا ہوا۔اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	قَوْمُ نُوْحٍ قوم نوح	فَكَذَّبُوْا تو انہوں نے جھٹلایا	عَبْدَنَا ہمارے بندے	وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	مَجْنُوْنٌ دیوانہ
وَازْدُجِرَ اور ڈرایا دھمکایا گیا	فَدَعَا پس اُس نے پکارا	رَبَّهٗ اپنا رب	اَنِّيْ کہ میں	مَغْلُوْبٌ مغلوب	فَانْتَصِرْ پس میرا انتقام لے	فَفَتَحْنَا تو ہم نے کھولدیئے
اَبْوَابَ السَّمَآءِ آسمان کے دروازے	بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ کثرت سے برسنے والے پانی سے	وَفَجَّرْنَا اور ہم نے جاری کردیئے	الْاَرْضَ زمین	عُيُوْنًا چشمے		
فَالْتَقَى پس مل گیا	الْمَآءُ پانی	عَلٰٓى اَمْرٍ اس کام پر	قَدْ قُدِرَ (جو) مقرر ہو چکا تھا	وَحَمَلْنٰهُ اور ہم نے سوار کیا اسے	عَلٰى پر	ذَاتِ اَلْوَاحٍ تختوں والی
وَّدُسُرٍ اور کیلوں والی	تَجْرِيْ چلتی تھی	بِاَعْيُنِنَا اپنی آنکھوں کے سامنے	جَزَآءً بدلہ	لِّمَنْ اس کیلئے جس	كَانَ كُفِرَ ناقدری کی گئی	
وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا اور تحقیق ہم نے اسے رہنے دیا	اٰيَةً ایک نشانی	فَهَلْ تو کیا ہے	مِنْ مُّدَّكِرٍ کوئی نصیحت پکڑنے والا	فَكَيْفَ كَانَ پس کیسا ہوا		
عَذَابِيْ میرا عذاب	وَنُذُرِ اور میرا ڈرانا	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا اور تحقیق ہم نے آسان کیا	الْقُرْاٰنَ قرآن	لِلذِّكْرِ نصیحت کیلئے	فَهَلْ تو کیا ہے	مِنْ مُّدَّكِرٍ کوئی نصیحت پکڑنے والا

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں منکرین ومکذبین کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ قیامت کے دن ہولناک احوال اور اپنے جرائم کا تصور کر کے منکرین کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت آیا ہے دیکھئے اب کیا گزرے گی؟ اسی سلسلہ میں آگے بتلایا جاتا ہے کہ منکرین کے لئے قیامت اور آخرت کا عذاب تو اپنے وقت پر ضرور آئے گا لیکن بہت سے منکرین ومکذبین کے لئے عذاب آخرت سے قبل دنیا ہی میں ایک سخت دن آچکا ہے چنانچہ مثال کے طور پر پچھلی قوموں میں سے قوم نوح، عاد، ثمود۔قوم لوط اور آل فرعون کا حال مختصراً الفاظ میں بیان کر کے جتلایا گیا کہ خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تعلیمات کو جھٹلا کر یہ قومیں کس درد ناک عذاب سے دوچار ہوئیں اور ہر قوم کے قصہ اور انجام کو بیان کرنے کے بعد یہ بات دہرائی گئی ہے کہ یہ قرآن نصیحت کا آسان ذریعہ ہے جس سے اگر کوئی سبق لے کر راہ راست پر آجائے اور اس کی تعلیمات واحکام کو مان لے تو ان عذابوں کی نوبت نہیں آسکتی جو ان قوموں پر نازل ہوئے اس طرح پچھلی قوموں کی عبرتناک تاریخی مثالیں دینے کے بعد کفار مکہ کو اخیر

میں خطاب کر کے فرمایا گیا کہ جس طرز عمل پر دوسری قومیں سزا پا چکی ہیں اور دنیا میں تباہ ہو چکی ہیں وہی طرز عمل یعنی انکار و تکذیب اگر تم نے اختیار کیا تو تم کو بھی وہی سزا ملے گی۔ یہاں پہلے قوم نوح کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ان کفار مکہ سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم انکار و تکذیب کر چکی ہے اور قیامت و آخرت کو جھٹلا چکی ہے اور اپنے نبی اور ان کی تعلیم کو ماننے سے انکار کر چکی ہے اور محض نبی اور اس کی تعلیم سے انکار و تکذیب ہی نہیں برتا بلکہ الٹا نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے منکرین نے دیوانہ قرار دیا۔ دھمکیاں دیں۔ لعنت ملامت کی۔ برا بھلا کہا اور نوح علیہ السلام کو تبلیغ دین سے باز رکھنے کی کوشش کی اور ان کا جینا دوبھر کر دیا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بعض لوگ جب حضرت نوح علیہ السلام کو کہیں پاتے تو بعض اوقات ان کا گلا گھونٹ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو جاتے پھر جب افاقہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے۔ یا اللہ میری قوم کو معاف کر دے وہ حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ساڑھے نو سو برس قوم کی ایسی ایذاؤں کا جواب دعاؤں سے دے کر اور سینکڑوں برس ہر طرح سمجھانے بجھانے پر بھی جب قوم کے منکرین نہ سمجھے تو نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میں ان سے عاجز آ چکا ہوں۔ ہدایت اور فہمائش کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اب آپ ہی اپنے دین کا اور پیغمبر کا بدلہ لیجئے اور زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑیئے۔ حق تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا اور اس قدر پانی ٹوٹ کر برسا کہ گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور نیچے سے زمین کے پردے پھٹ پڑے اور اتنا پانی ابلا کہ گویا ساری زمین چشموں کا مجموعہ بن کر رہ گئی پھر اوپر اور نیچے کا یہ سب پانی مل کر اس کام کے لئے اکٹھا ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پہلے سے مقدر ہو چکا تھا یعنی قوم نوح کے کفار منکرین کی ہلاکت و غرقابی۔ ادھر اس ہولناک طوفان کے وقت نوح علیہ السلام کی کشتی جو طوفان آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے موافق نوح علیہ السلام نے بنائی تھی وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگرانی میں نہایت امن چین سے چلتی رہی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کفار و منکرین نے حضرت نوح علیہ السلام کی بے قدری کی اور اللہ کی باتوں کا انکار کیا یہ غرقابی اور ہلاکت اس کی سزا ملی۔ اب اس واقعہ پر نصیحت فرمائی جاتی ہے کہ سوچنے اور غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس واقعہ میں عبرت کی نشانیاں ہیں۔ منکرین نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کیسا ہولناک اور اس کا ڈرانا کس قدر سچا ہے۔ اخیر میں بتلایا گیا کہ اس قرآن پاک سے نصیحت حاصل کرنا بالکل آسان ہے کیونکہ جو مضامین ترغیب و ترہیب اور وعظ و تلقین کے اس میں بیان کئے گئے ہیں وہ بالکل صاف۔ سہل اور موثر ہیں پر کوئی سوچنے سمجھنے کا ارادہ کرے تو سمجھے۔

اب یہاں قوم نوحؑ پر دنیا میں غرقابی کی ہلاکت کا عذاب بیان فرما کر جو اخیر میں **فهل من مدكر** o فرمایا یعنی ہے کوئی اس واقعہ سے نصیحت حاصل کرنے والا؟ مطلب یہ کہ اس واقعہ سے ہر ایک کو نصیحت حاصل کرنی چاہئے۔ اب کفار و مشرکین اور منکرین و مکذبین کے لئے تو ایک نصیحت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی مخالفت نافرمانی اور تکذیب اور انکار سے باز آ جاؤ۔ اور دیکھو نوح علیہ السلام کی قوم باز نہ آئی تو نتیجہ میں دنیا ہی میں ہلاک تباہ و برباد ہوئی۔ اور ایک دوسری نصیحت **جزآء لمن كان كفر** o کے جملہ سے دی جاتی ہے کہ یہ سب کچھ یعنی قوم نوح کی تباہی بربادی اور ہلاکت اس شخص کا بدلہ لینے کے لئے کیا گیا جس کی بے قدری کی گئی تھی جس کا انکار کیا گیا تھا یعنی نوح علیہ السلام کے لئے انتقام اور بدلہ لیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اپنے مقبولین کے لئے انتقام لیتے ہیں لہٰذا ان کی نافرمانی اور مخالفت کر کے ان کو ایذاء ہرگز نہ دینا چاہئے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے انتقام اور غضب کو دعوت دینا ہے۔ اب یہ تو کفار و مشرکین اور منکرین و مکذبین کے لئے نصیحتیں ہیں۔ مگر کیا اس میں کوئی نصیحت ان کے لئے بھی ہے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول

اللہ کہہ کر قرآنی احکام سے نہ صرف انحراف اور اعراض ہے بلکہ بغاوت اور کھلم کھلا مخالفت ہے؟ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان کا دعویٰ رکھنے کے باوجود خدائی احکام کو دن رات ٹھکرا رہے ہیں؟ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول تسلیم کر کے آپ کی شریعت۔ آپ کی ہدایت آپ کی تعلیم سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح اللہ کے رسول کی بے قدری کر کے ایک درجہ میں آپ کی ایذا ہی کے مرتکب بھی ہو رہے ہیں۔ کیا خداوند قدوس کا فرمان فکیف کان عذابی ونذر o (پھر دیکھو میرا عذاب اور ڈرانا اور مجرم قوم سے انتقام لینا کیسا ہوا؟) آج اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اس کی کتاب کی نافرمانی کرنے والوں کے لئے کوئی ڈر اور خوف پیدا کرنے کی چیز نہیں؟ مولائے کریم ہماری حالتوں پر رحم فرما دیں۔ اور نافرمان قوموں کے عبرتناک انجام سے ہمیں سبق و نصیحت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرمائیں۔

دیکھئے یہاں ایک عبارت بہت ہی ڈرتے ہوئے اور کانپتے ہوئے دل سے حضرت اقدس حکیم الامتہ۔ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی مشہور تفسیر بیان القرآن سے نقل کرتا ہوں جو آٹھویں پارہ سورہ اعراف کی ایک آیت کے تحت حضرت رحمتہ اللہ نے لکھی ہے۔ ذرا غور سے ملاحظہ ہو۔ حضرت والا لکھتے ہیں۔

''جیسے قلب سے تکذیب کرنا کفر ہے اسی طرح زبان سے تکذیب کرنا اور برتاؤ میں مخالفت و عداوت انبیاء سے کرنا بھی کفر ہے خوب سمجھ لو''۔ (بیان القرآن سورہ اعراف صفحہ ۳۲۱)

اللہ تعالیٰ ہی ہمارے قلب اور زبان اور برتاؤ و طرز عمل کی حفاظت فرمائیں اور ہمیں اسلام صادق نصیب فرمائیں۔

اب آگے دوسری نافرمان انکار و تکذیب کرنے والی قوم عاد کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے جب ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی اور ہم کو خاتم الانبیاء سردار انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا ہے تو ہمیں ان نعمتوں کی سچی قدردانی کی توفیق بھی عطا فرمائیں۔ اور نافرمان قوموں کی طرح اللہ کے رسول اور اس کی کتاب کی بے قدری سے بچنا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ نافرمان قوموں کے واقعات سے ہم کو نصیحت و عبرت عطا فرما اور اپنی اور اپنے رسول پاک ﷺ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنا نصیب فرما۔

یا اللہ ہمیں اپنے عذاب سے دنیا و آخرت دونوں جہان میں پناہ بخشئے اور ہم کو اپنی رضا والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ

عاد نے (بھی اپنے پیغمبر کی) تکذیب کی سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے ان پر ایک تند ہوا بھیجی ایک دوامی نحوست کے دن میں۔

نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ

وہ ہوا لوگوں کو اس طرح اُکھاڑ اُکھاڑ پھینکتی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔ سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔

وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا

اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کردیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ ثمود نے (بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی۔ اور کہنے لگے کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں گے،

مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ

جو ہماری جنس کا آدمی ہے اور اکیلا ہے تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور (بلکہ) جنون میں پڑ جاویں۔ کیا ہم سب میں سے (منتخب ہو کر) اسی پر وحی نازل ہوئی ہے (ہرگز ایسا نہیں) بلکہ یہ بڑا جھوٹا

اَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ

اور بڑا شیخی باز ہے۔ ان کو عنقریب (مرتے ہی) معلوم ہوجائے گا کہ جھوٹا (اور) شیخی باز کون تھا۔ ہم اونٹنی کو نکالنے والے ہیں ان کی آزمائش کیلئے سو اُن کو دیکھتے بھالتے رہنا

وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى

اور صبر سے بیٹھے رہنا۔ اور ان لوگوں کو یہ بتلا دینا کہ پانی (کنویں کا) ان میں بانٹ دیا گیا ہے، ہر ایک باری پر باری والا حاضر ہوا کرے گا۔ سو انہوں نے اپنے رفیق کو بلایا سو اس نے (اونٹنی پر) وار کیا

فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ

اور مار ڈالا۔ سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے ان پر ایک ہی نعرہ (فرشتہ کا) مسلط کیا سو وہ (اس سے) ایسے ہوگئے جیسے کانٹوں کی باڑ لگانے والے (کی باڑ) کا چورا۔

الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کردیا ہے سو کیا کوئی نصیحت کرنے والا ہے۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	عَادٌ عاد	فَكَيْفَ تو کیسا	كَانَ ہوا	عَذَابِيْ میرا عذاب	وَنُذُرِ اور میرا ڈرانا	اِنَّآ اَرْسَلْنَا بیشک ہم نے بھیجی	عَلَيْهِمْ ان پر	رِيْحًا ہوا
صَرْصَرًا تیز	فِيْ میں	يَوْمِ نَحْسٍ نحوست کے دن	مُّسْتَمِرٍّ چلتی گئی	تَنْزِعُ وہ اکھاڑ دیتی (پھینکتی)	النَّاسَ لوگ	كَاَنَّهُمْ گویا کہ وہ	اَعْجَازُ تنے	
نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ جڑ سے اُکھڑی ہوئی کھجور	فَكَيْفَ سو کیسا	كَانَ ہوا	عَذَابِيْ میرا عذاب	وَنُذُرِ اور میرا ڈرانا	وَلَقَدْ اور البتہ تحقیق			
يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ ہم نے آسان کردیا قرآن	لِلذِّكْرِ نصیحت کیلئے	فَهَلْ تو کیا ہے	مِنْ مُّدَّكِرٍ کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا	كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ جھٹلایا ثمود نے				
بِالنُّذُرِ ڈرانیوالوں کو	فَقَالُوْٓا پس انہوں نے کہا	اَبَشَرًا کیا ایک بشر	مِّنَّا اپنے میں سے	وَاحِدًا ایک	نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا ہم پیروی کریں اسکی بیشک ہم اس صورت میں			
لَفِيْ ضَلٰلٍ البتہ گمراہی میں	وَّسُعُرٍ اور دیوانگی	ءَاُلْقِيَ کیا ڈالا (نازل) کیا گیا	الذِّكْرُ ذکر (وحی)	عَلَيْهِ اس پر	مِنْۢ بَيْنِنَا ہمارے درمیان (ہم میں سے)			
بَلْ هُوَ بلکہ وہ	كَذَّابٌ بڑا جھوٹا	اَشِرٌ خود پسند	سَيَعْلَمُوْنَ وہ جلد جان لیں گے	غَدًا کل	مَّنِ کون	الْكَذَّابُ بڑا جھوٹا	الْاَشِرُ خود پسند	اِنَّا بیشک ہم

مُرۡسِلُوا بھیجنے والے	النَّاقَةِ اونٹنی	فِتۡنَةً آزمائش	لَّهُمۡ ان کیلئے	فَارۡتَقِبۡهُمۡ سوتو انتظار کر ان کا	وَاصۡطَبِرۡ اور صبر کر	وَنَبِّئۡهُمۡ اور انہیں خبر دے		
أَنَّ الۡمَآءَ کہ پانی	قِسۡمَةٌ تقسیم کردیا گیا	بَيۡنَهُمۡ ان کے درمیان	كُلُّ ہر	شِرۡبٍ پینے کی باری	مُّحۡتَضَرٌ حاضر کیا گیا (حاضر ہونا)	فَنَادَوۡا تو انہوں نے پکارا		
صَاحِبَهُمۡ اپنے ساتھی کو	فَتَعَاطَىٰ سو اس نے دست درازی کی	فَعَقَرَ اور کونچیں کاٹ دیں	فَكَيۡفَ تو کیسا	كَانَ ہوا	عَذَابِي میرا عذاب	وَ اور	نُذُرِ میرا ڈرانا	
إِنَّا أَرۡسَلۡنَا بیشک ہم نے بھیجی	عَلَيۡهِمۡ ان پر	صَيۡحَةً چنگھاڑ	وَاحِدَةً ایک	فَكَانُوا سو وہ ہوگئے	كَهَشِيمِ الۡمُحۡتَظِرِ طرح سوکھی روندی ہوئی باڑ باڑ لگانے والا			
وَلَقَدۡ اور البتہ تحقیق	يَسَّرۡنَا الۡقُرۡآنَ ہم نے آسان کیا قرآن	لِلذِّكۡرِ نصیحت کیلئے	فَهَلۡ تو کیا ہے	مِن مُّدَّكِرٍ کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ اس قوم نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی اور ان کا کہنا ماننے سے انکار کیا۔

اب آگے دوسرا اور تیسرا واقعہ قوم عاد اور قوم ثمود کی نافرمانی اور اس کا انجام سنا کر منکرین کو ڈرایا اور سمجھایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ دیکھو عاد نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اپنے پیغمبر ہود علیہ السلام کی باتوں کو جھٹلایا پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہوا کا عذاب بھیجا اور ایسا سخت آندھی کا طوفان آیا کہ ہوا نے آدمیوں کو اٹھا اٹھا کر دے پٹکا اور قوم عاد کے لحیم شحیم۔ موٹے تازے اور لمبے تڑنگے ایسے نظر آتے تھے جیسے کھجور کا تنہ جڑ سے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا جائے۔ سورہ الحاقہ ۲۹ ویں پارہ میں فرمایا گیا کہ ہوا کا یہ طوفان مسلسل سات رات اور آٹھ دن جاری رہا جس نے عاد کو نیست نابود کر کے رکھ دیا۔ اس واقعہ کو بیان کر کے جتلایا جاتا ہے کہ دیکھ لو کیسا تھا اللہ تعالیٰ کا عذاب اور کیسا تھا اس کا ڈرانا۔ اس سے عبرت حاصل کرو اور قرآن سے نصیحت حاصل کرو۔ اور قرآن سے نصیحت حاصل کرنا آسان ہے بشرطیکہ کوئی نصیحت سننے اور ماننے کے لئے تیار ہو۔ قوم عاد کے بعد قوم ثمود کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ اس قوم نے بھی سرکشی کی اور اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ ان کی باتوں کو جھٹلایا اور جب حضرت صالح علیہ السلام نے سمجھایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ کو مانو اور میرا کہنا سنو تو قوم کے لوگ کہنے لگے کہ کیا خوب ہمارے ہی جیسا آدمی اور وہ بھی بے یار و مددگار۔ نہ کوئی اس کے ساتھ جتھا۔ نہ لاؤ لشکر۔ ایسے بے حیثیت آدمی کی بات مانیں تو کیا ہماری عقل ماری گئی ہے۔ کوئی آسمان کا فرشتہ ہوتا۔ یا سردار مالدار یا بادشاہ ہوتا تو ایک بات بھی تھی۔ کیا ہم میں بس ایک یہی رہ گیا تھا کہ جس کو ہمارا سمجھانے والا مقرر کیا گیا۔ کیا پیغمبری کے لئے بس یہی رہ گیا تھا؟ کچھ نہیں سب جھوٹ ہے۔ خوانخواہ کی بڑائی مارتا ہے کہ خدا نے مجھے اپنا رسول بنا دیا اور ساری قوم کو میری اطاعت کا حکم دیا ہے۔ (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) منکرین و مکذبین کے ان اقوال پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ دونوں فریق میں جھوٹا اور بڑائی مارنے والا کون ہے۔ پھر قوم کے لوگوں نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ پتھر کی چٹان سے اونٹنی پیدا ہو۔ اس پر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ ہم ان کی فرمائش کے مطابق پتھر سے اونٹنی نکال کر بھیجتے ہیں اس کے ذریعہ سے جانچا جائے گا کہ کون اللہ و رسول کی بات مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔ پس اے پیغمبر یعنی حضرت صالح علیہ السلام آپ صبر سے ان کی حالت دیکھتے رہیں کہ ان کی نافرمانی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے اور ان کی گت بننے والی ہے اور ان لوگوں کو جب اونٹنی پیدا ہو بتلا دینا کہ پانی پلانے کی باری مقرر کر لو۔ ایک دن قوم کے مویشی پئیں گے دوسرے دن یہ اونٹنی پئے گی۔ پھر باری کا خیال رکھا جائے۔ الغرض قوم ثمود کے مالداروں کو یہ بات ناگوار گزری اور سازش ہوئی کہ یہ باری کا جھگڑا اور پابندی ختم کی جائے۔ آخر ایک شخص ان میں سے آمادہ ہو گیا کہ اونٹنی کو ختم کیا جائے چنانچہ اس کمبخت نے اونٹنی پر وار کیا اور اس کو مار ڈالا۔ جس پر عذاب خداوندی ان پر نازل ہوا اور ایک زور کی چنگھاڑ ہوئی

اور سارے ثمودی جو ایمان نہ لائے تھے سب اس آواز سے ہلاک ہو گئے۔ قوم ثمود کے واقعہ کو سنا کر اخیر میں پھر وہی تنبیہ و نصیحت ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے اور قرآن سے نصیحت حاصل کرنا چاہئے اور اس سے نصیحت حاصل کرنا آسان ہے بشرطیکہ کوئی سوچنا سمجھنا چاہے۔

الغرض یہ عاد و ثمود کے قصے بھی اسی لئے سنائے گئے کہ اپنے پیغمبر کی نافرمانی کر کے اور سرکشی برت کے گذشتہ قومیں کس طرح ہلاکت۔ تباہی و بربادی سے دنیا ہی میں دوچار ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ اس امت مسلمہ کو اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نام ہی ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا اور نافرمانی اطاعت کی ضد ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا خاصہ ہی انسان کے لئے تباہ کن ہے۔ اور آج جو یہ امت باوجود اللہ اور اس کے رسول نبی رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمانی کے دنیا میں قائم ہے یہ محض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے امت کے ساتھ شفقت اور دعا کا صدقہ ہے کیونکہ احادیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ میری ساری امت کسی عذاب عام سے ہلاک نہ فرمائی جائے گذشتہ امتوں کی طرح اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت بھی سنا دی کہ میرے خدا نے میری یہ دعا قبول فرمالی۔ اس بنا پر یہ امت عذاب عام سے دنیا میں بچی ہوئی ہے اور آئندہ بچی رہے گی۔ مگر آخرت کا معاملہ جدا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری تمام امت جنت میں جائے گی مگر جو انکار کرے۔ صحابہ نے دریافت فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہے جو آپ کا انکار کرتا ہے۔ آپ نے جواب دیا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی اس نے مجھے نہ مانا اور میرا انکار کیا۔

حضرت علامہ مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''ترجمان السنۃ'' میں اس حدیث شریف کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ انکار دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ زبان سے انکار کرے۔ ایسا منکر تو کافر ہے اور کبھی جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ دوسرا یہ کہ زبان سے اقرار کرتا ہے مگر اپنے طرز عمل میں کھلے منکر کے مشابہ ہے یہ گو اقرار کر رہا ہے مگر جب نافرمانی کرنے میں زبان سے انکار کرنے والے کے برابر ہے تو ایک نظر میں یہ بھی گویا منکر ہے۔ لہٰذا اسے بھی ان منکرین کے ساتھ کچھ دن رہنا ہوگا گو اپنے قلبی اقرار کی وجہ سے پھر نجات ہو جائے۔ رسول کے لائے ہوئے دین کو ماننا ایمان ہے اور اس کی اطاعت کرنا قلبی ایمان کی علامت ہے۔ نافرمان اور منکر صورت میں یکساں ہیں'' (ترجمان السنۃ۔ جلد اول صفحہ ۳۴۷)

اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل اطاعت نصیب فرمائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح کی نافرمانی سے قول میں۔ فعل میں۔ ظاہر میں باطن میں کامل طور پر بچائیں۔

اب قوم عاد و ثمود کے بعد چوتھا قصہ لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نافرمان قوموں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے بچائیں۔ قرآن پاک کی نصیحتوں کو دل و جان سے اپنانے اور اُن پر عمل پیرا ہونے کا عزم نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً

قوم لوطؑ نے (بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی۔ ہم نے اُن پر پتھروں کا مینہ برسایا، بجز متعلقین لوطؑ کے (یعنی بجز مومنین کے) کہ ان کو اخیر شب میں بچالیا۔ اپنی جانب سے

مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ

فضل کر کے جو شکر کرتا ہے ہم اُسے ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ اور (قبل عذاب آنے کے) لوطؑ نے اُن کو ہمارے دارو گیر سے ڈرایا تھا انہوں نے اس ڈرانے میں جھگڑے پیدا کئے۔

رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً

اور ان لوگوں نے لوطؑ سے ان کے مہمانوں کو بااراده بد لینا چاہا، سو ہم نے اُن کی آنکھیں چوپٹ کردیں کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور (پھر) صبح سویرے ان پر

عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾

عذاب دائمی آپہنچا۔ کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت کرنے کیلئے آسان کردیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے

كَذَّبَتْ جھٹلایا	قَوْمُ لُوْطٍ لوط کی قوم نے	بِالنُّذُرِ ڈرانیوالے (رسول)	اِنَّا بیشک ہم	اَرْسَلْنَا ہم نے بھیجی	عَلَيْهِمْ ان پر	حَاصِبًا پتھر برسانے والی آندھی
اِلَّا سوائے	اٰلَ لُوْطٍ لوط کے اہل خانہ	نَجَّيْنٰهُمْ ہم نے بچالیا انہیں	بِسَحَرٍ صبح سویرے	نِعْمَةً فضل فرما کر	مِّنْ عِنْدِنَا اپنی طرف سے	كَذٰلِكَ اسی طرح
نَجْزِيْ ہم جزا دیتے ہیں	مَنْ شَكَرَ جو شکر کرے	وَ اور	لَقَدْ اَنْذَرَهُمْ تحقیق (لوطؑ نے) انہیں ڈرایا	بَطْشَتَنَا ہماری پکڑ سے	فَتَمَارَوْا تو وہ جھگڑنے لگے	
بِالنُّذُرِ ڈرانے میں	وَلَقَدْ اور البتہ تحقیق	رَاوَدُوْهُ انہوں نے (لوطؑ سے) لینا چاہا	عَنْ سے	ضَيْفِهٖ اس کے مہمان	فَطَمَسْنَا تو ہم نے مٹادیں	
اَعْيُنَهُمْ انکی آنکھیں	فَذُوْقُوْا پس چکھو تم	عَذَابِيْ میرا عذاب	وَنُذُرِ اور میرا ڈرانا	وَلَقَدْ اور تحقیق	صَبَّحَهُمْ صبح آن پڑا ان پر	بُكْرَةً سویرے
عَذَابٌ عذاب	مُّسْتَقِرٌّ ٹھہرنے والا (دائمی)	فَذُوْقُوْا پس چکھو تم	عَذَابِيْ میرا عذاب	وَنُذُرِ اور میرا ڈرانا	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا اور البتہ تحقیق ہم نے آسان کیا	
الْقُرْاٰنَ قرآن	لِلذِّكْرِ نصیحت کیلئے	فَهَلْ تو کیا ہے	مِنْ مُّدَّكِرٍ کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا			

تفسیر وتشریح: کفار مکہ اور مشرکین عرب کی عبرت ونصیحت کے لئے گذشتہ آیات میں قوم نوح قوم عاد اور قوم ثمود کا حال بیان کیا گیا۔

اسی سلسلہ میں اب چوتھا قصہ مختصراً قوم لوط کا بیان فرمایا جارہا ہے۔ لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کے واقعات تفصیلاً سورہ ہود بارہویں پارہ میں اور سورہ حجر چودھویں پارہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ جب حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور شب وروز کی پندونصائح کا قوم پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اپنی بداخلاقیوں اور بدکرداریوں پر اسی طرح مصر رہی تو پھر اس قوم کو بھی وہی پیش آیا جو خدا کے بنائے ہوئے قانون جزا کا یقینی فیصلہ ہے۔ یعنی بدکرداریوں پر اصرار کی سزا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمایا تو چند فرشتوں کو نہایت حسین وخوبصورت جوانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں مہمانوں کے طور پر بھیج دیا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل، انسانی صورتوں میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان بن کر آئے۔ حضرت لوط علیہ السلام ان مہمانوں کو جو اپنی شکل وصورت میں حسین وخوبصورت اور عمر میں نوجوان لڑکوں کی حیثیت میں دیکھا تو گھبرا گئے اور

خوف کیا کہ نہ معلوم بد بخت قوم میرے ان مہمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرے کیونکہ ابھی تک آپ کو یہ نہ بتایا گیا تھا کہ وہ خدا کے پاک فرشتے ہیں۔قوم کے بدکردار لوگوں کو جب خبر لگی کہ حضرت لوط کے ہاں ایسے خوبصورت مہمان آئے ہیں تو وہ آپ کے گھر پر چڑھ آئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ ان مہمانوں کو ان کے حوالہ کر دیں حضرت لوط علیہ السلام نے بہت سمجھایا کہ کیا تم میں کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو انسانیت کو برتے اور حق کو سمجھے۔ ان کو اس ذلیل حرکت سے باز رہنے کے لئے ہر طرح سمجھایا مگر وہ نہ مانے اور گھر میں گھس کر زبردستی مہمانوں کو نکال لینے کی کوشش کی۔ اس مرحلہ پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا پر ان کی آنکھوں پر پھیر دیا جس سے وہ بالکل اندھے ہو گئے اور ٹٹولتے ہوئے وہاں سے واپس ہوئے۔ پھر فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہماری ظاہری صورتوں کو دیکھ کر گھبرائیں نہیں ہم ملائکہ ہیں اور بغرض عذاب آئے ہیں خدا کا فیصلہ ان کے حق میں ہو چکا ہے اور اب عذاب الٰہی ان کے سر سے ٹلنے والا نہیں۔ آپ اور آپ کے گھر والے رات ہوتے ہی اس بستی سے رخصت ہو جائیں کیونکہ صبح ہونے سے پہلے ہی ان پر عذاب نازل ہوگا۔ آپ اور آپ کا خاندان عذاب سے محفوظ رہے گا مگر آپ کی بیوی ان ہی بدکرداروں کی رفاقت میں رہے گی۔ ملائکہ کے اشارہ پر حضرت لوط علیہ السلام مع اپنے گھر انے کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ بیوی نے آپ کی رفاقت سے انکار کر دیا۔ اخیر شب ہوئی تو اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اس بستی والوں کو تہ و بالا کر دیا پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔

ان تمام نافرمان قوموں کے قصوں کو بیان کر کے گو منکرین و مکذبین کو مخاطب کر کے قرآن فہمی کی دعوت دی گئی ہے اور اس قرآن پر ایمان لانے اور اس کا اتباع کرنے کو بار بار کہا گیا ہے۔ مگر اس میں اس قرآن پر ایمان رکھ کر پھر اس سے انحراف اور اس کی عدول حکمی اور نافرمانی اور سرکشی اور اس کے احکام سے بغاوت کرنے والوں کے لئے بھی تنبیہ ہے۔ مسلمان خدارا اپنی حالتوں پر غور کریں اور ان قرآنی واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین۔

اسی سلسلہ میں آگے فرعون اور اس کی قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کے بعد کفار مکہ کو خطاب کر کے تنبیہ فرمائی گئی اور خاتمہ میں مجرمین و متقین کے انجام کو بیان کر کے سورۃ کو ختم فرمایا گیا جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو اپنے فرمانبردار بندوں میں شامل فرماویں اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے کامل طور پر بچنے کی توفیق و ہمت عطا کریں۔

یا اللہ! ہمیں سچی توبہ اور ندامت کے ساتھ اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرما دے اور اپنی نصرت و حمایت کو ہمارے شامل حال فرما دے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ

اور (فرعون اور) فرعون والوں کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں پہنچیں۔ان لوگوں نے ہماری (ان) تمام نشانیوں کو جھٹلایا، سو ہم نے اُن کو زبردست قدرت کا پکڑنا پکڑا۔ کیا تم میں جو کافر ہیں

خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ

اُن میں اُن (مذکور) لوگوں سے کچھ فضیلت ہے، یا تمہارے لئے (آسمانی) کتابوں میں کوئی معافی ہے۔ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے جو غالب ہی رہیں گے۔ عنقریب

الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ

(ان کی) یہ جماعت شکست کھاوے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بلکہ قیامت ان کا (اصل) وعدہ ہے اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے۔ یہ مجرمین (یعنی کفار)

ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ

بڑی غلطی اور بے عقلی میں ہیں۔ جس روز یہ لوگ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ (کی آگ) کے لگنے کا مزہ چکھو۔ ہم نے ہر چیز کو

شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ

اندازے سے پیدا کیا۔ اور ہمارا حکم یکبارگی ایسا ہو جاوے گا جیسے آنکھوں کا جھپکانا۔ اور ہم تمہارے ہم طریقہ لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں،

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾

سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ اور جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں سب اعمالناموں میں (بھی مندرج) ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

پرہیزگار لوگ باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے۔ ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

وَلَقَدْ جَآءَ اور تحقیق آئے	اٰلَ فِرْعَوْنَ فرعون والے	النُّذُرُ ڈرانیوالے (رسول)	كَذَّبُوْا انہوں نے جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں کو	كُلِّهَا تمام			
فَاَخَذْنٰهُمْ پس ہم نے انہیں آ پکڑا	اَخْذَ پکڑ	عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ غالب صاحب قدرت	اَكُفَّارُكُمْ کیا تمہارے کافر	خَيْرٌ بہتر	مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ ان سے			
اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ یا تمہارے لئے نجات (معافی نامہ)	فِي الزُّبُرِ صحیفوں میں	اَمْ کیا	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	نَحْنُ ہم	جَمِيْعٌ جماعت	مُّنْتَصِرٌ بدلہ لینے والے		
سَيُهْزَمُ عنقریب شکست کھائے گی	الْجَمْعُ جماعت	وَيُوَلُّوْنَ اور وہ پھیر لینگے (بھاگیں گے)	الدُّبُرَ پیٹھ	بَلِ السَّاعَةُ بلکہ قیامت	مَوْعِدُهُمْ وعدہ گاہ انکی			
وَالسَّاعَةُ اور قیامت	اَدْهٰى وہ سخت	وَاَمَرُّ اور بڑی تلخ	اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ بیشک مجرم (جمع)	فِيْ ضَلٰلٍ گمراہی میں	وَسُعُرٍ اور جہالت	يَوْمَ جس دن		
يُسْحَبُوْنَ وہ گھسیٹے جائینگے	فِي النَّارِ جہنم میں	عَلٰى پر بل	وُجُوْهِهِمْ اپنے منہ (جمع)	ذُوْقُوْا تم چکھو	مَسَّ لگنا	سَقَرَ جہنم	اِنَّا كُلَّ بیشک ہم ہر	شَيْءٍ شے
خَلَقْنٰهُ ہم نے اسے پیدا کیا	بِقَدَرٍ یاک اندازہ کے مطابق	وَمَآ اَمْرُنَآ اور نہیں ہمارا حکم	اِلَّا مگر۔صرف	وَاحِدَةٌ ایک	كَلَمْحٍ جیسے جھپکنا	بِالْبَصَرِ آنکھ کا		
وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اور البتہ ہم ہلاک کر چکے ہیں	اَشْيَاعَكُمْ تمہارے ہم مشرب	فَهَلْ تو کیا ہے	مِنْ مُّدَّكِرٍ کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا	وَكُلُّ شَيْءٍ اور ہر بات				
فَعَلُوْهُ جوانہوں نے کی	فِي الزُّبُرِ صحیفوں میں	وَكُلُّ اور ہر	صَغِيْرٍ چھوٹی	وَّكَبِيْرٍ اور بڑی	مُّسْتَطَرٌ لکھی ہوئی	اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ بے شک متقی (جمع)		
فِيْ جَنّٰتٍ باغات میں	وَنَهَرٍ اور نہریں	فِيْ میں	مَقْعَدِ صِدْقٍ مقام سچائی	عِنْدَ نزدیک	مَلِيْكٍ بادشاہ	مُّقْتَدِرٍ صاحب قدرت		

تفسیر وتشریح: یہ سورہ قمر کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ اور مشرکین عرب کی عبرت وتنبیہ کے لئے چار اقوام یعنی قوم لوح، قوم عادؑ قوم ثمود اور قوم لوط کا ذکر فرمایا گیا

اسی سلسلہ میں اب پانچواں قصہ قوم فرعون کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ گزشتہ امتوں کی طرح مصر کے فرعونیوں نے بھی سرکشی اختیار کی اور غلط راستہ پر چلے ان کے پاس ڈرانے والے بھی آئے یعنی حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام اور ان کی یعنی قوم فرعون کی ہدایت کے لئے ان حضرات نے بہت سی نشانیاں اور معجزات بھی دکھلائے لیکن انہوں نے سب کو جھوٹا اور سحر کہہ کر ٹال دیا۔ آخر خدا کی پکڑ جو بڑے زبردست کی پکڑ تھی اس سے کوئی نکل کر بھاگ نہ سکا۔ دیکھ لو تمام فرعونیوں کا بیڑہ کس طرح بحر قلزم میں غرق ہوا کہ ایک بچ کر نہ نکل سکا۔ گذشتہ اقوام کے واقعات سنا کر کفار مکہ کو خطاب ہے کہ تم میں کے کافر کیا پہلے کافروں سے کچھ اچھے ہیں جو کفر و طغیان کی سزا میں تباہ نہیں کئے جاویں گے؟ یا خدا کے ہاں سے کوئی پروانہ لکھ دیا گیا ہے کہ تم جو چاہو شرارت کرتے رہو سزا نہیں ملے گی؟ یا یہ سمجھے ہوئے ہو کہ ہمارا مجمع اور جتھا بہت بڑا ہے اور سب مل کر جب ایک دوسرے کی مدد پر آ جائیں گے تو کسی کو اپنے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونے دیں گے؟ اگر تم اپنی جمعیت میں پھولے ہوئے ہو تو سن لو عنقریب تمہاری یہ جمعیت شکست کھا کر بھاگتی نظر آئے گی۔ یہ قرآن پاک کی ایک صریح پیشین گوئی تھی جو ہجرت سے قریب ۵ سال پہلے کر دی گئی تھی کہ کفار مکہ جن کو اس سورۃ کے نزول کے وقت اپنی جمعیت وطاقت پر بڑا زعم تھا عنقریب یہ شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے۔ تو اس وقت یہ تصور بھی مشکل تھا کہ عنقریب یہ انقلاب کیسے ہوگا اس وقت مسلمانوں کی بے بسی کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کفار کے مظالم سے تنگ آ کر سرزمین عرب کو چھوڑ کر ملک حبش میں پناہ گزین ہو چکا تھا۔ مکہ میں رہنے والے اہل ایمان شعب ابی طالب میں محصور تھے جنہیں قریش کے بائیکاٹ اور محاصرہ نے کھانے پینے کا سامان تک بند کر رکھا تھا۔ اور یہ محاصرہ اور بائیکاٹ کی سختی دو چار دن یا دو چار ہفتہ یا دو چار ماہ کی نہیں تھی بلکہ مسلسل تین سال کا عرصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء نے اس حصار میں سخت تکالیف کے ساتھ گزارا۔ یہاں تک کہ بھوک سے بچوں کے بلبلانے کی آواز گھاٹی کے باہر سنائی دینے لگی جس کو سنگدل قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے۔ اس محاصرہ اور بائیکاٹ میں مسلمانوں نے کیکر کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کی اور شدت بھوک کے عالم میں جو کچھ بھی کسی کو مل گیا وہ کھا لینے کی نوبت آ گئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں فرماتے ہیں کہ میں بھوکا تھا اور بھوک کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اتفاق سے میرا پیر شب میں کسی تر چیز پر پڑا۔ فوراً زبان پر رکھ کر نگل گیا اب تک معلوم نہیں کہ وہ کیا شے تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنا ایک اور واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ شب کو پیشاب کے لئے نکلا راستہ میں ایک اونٹ کی کھال کا سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ لگا۔ پانی سے دھو کر اس کو جلایا اور کوٹ کر اس کا سفوف بنایا اور پانی سے اس کو پی لیا۔ اور تین راتیں اسی سہارے پر بسر کیں۔

الغرض ایسی سختیاں مسلمان جھیل رہے تھے ان حالات میں کون یہ سمجھ سکتا تھا کہ چند برس کے اندر ہی یہ نقشہ بدل جانے والا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ جب سورہ قمر کی یہ آیت سیھزم الجمع ویولون الدبر یعنی عنقریب یہ جماعت شکست کھاوے گی اور پیٹھ پھر کر بھاگیں گے نازل ہوئی تو میں حیران تھا کہ آخر یہ کون سی جمعیت ہے جو

شکست کھائے گی مگر جب جنگ بدر میں کفار شکست کھا کر بھاگ رہے تھے اس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے ہوئے آگے کی طرف جھپٹ رہے ہیں اور آپ کی زبان مبارک پر یہی آیت جاری ہے سیھزم الجمع ویولون الدبر تب میری سمجھ میں آیا کہ یہ تھی وہ پیشین گوئی جس کی خبر اس آیت میں دی گئی تھی۔ آگے فرمایا جاتا ہے کہ یہی نہیں کہ ان منکرین ومکذبین کو دنیا میں شکست اور سزا ہو کر معاملہ ختم ہو جائے۔ ان کی اصل شکست اور سزا کا وقت تو وہ ہوگا جب قیامت سر پر آ کھڑی ہوگی وہ بہت سخت مصیبت کا وقت ہوگا۔ یہ منکرین تو اس وقت غفلت کے نشہ میں پاگل بن رہے ہیں لیکن یہ سودا دماغ سے اس وقت نکلے گا جب اوندھے منہ دوزخ کی آگ میں گھسیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ لواب ذرا اس کا مزہ چکھو۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ہر چیز جو پیش آنے والی ہے اللہ کے علم میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے۔ دنیا کی عمر اور قیامت کا وقت بھی اس کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے۔ جو وقت اس دنیا کے خاتمہ کا مقرر کر دیا گیا ہے نہ اس سے ایک گھڑی پہلے یہ ختم ہوگی نہ اس کے ایک گھڑی بعد یہ باقی رہے گی اور اللہ تعالیٰ چشم زدن میں جو چاہیں کر ڈالیں کسی چیز کے بنانے یا بگاڑنے میں ان کو دیر نہیں لگتی نہ کچھ مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ بس ایک حکم صادر کرنے کی دیر ہے پھر کفار مکہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اے کفار مکہ تمہاری طرح کے بہت سے کافروں کو پہلے تباہ کیا جا چکا ہے پھر تم میں کوئی اتنا سوچنے والا نہیں کہ گذشتہ کافروں کے حال سے عبرت حاصل کرے اور یہ لوگ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ ان کا کیا دھرا کہیں غائب ہو گیا ہے۔ نہیں ہر شخص۔ ہر گروہ۔ ہر قوم کی ہر ایک نیکی و بدی عمل کے بعد ان کے اعمال ناموں میں لکھی گئی ہے۔ وقت پر ساری مسل سامنے کر دی جائے گی۔ یہ نہیں کہ کچھ لکھ لیا گیا ہو اور کچھ رہ گیا ہو بلکہ ہر چھوٹی اور بڑی بات اس میں لکھی ہوئی ہے پس منکرین کے لئے وقوع عذاب میں کوئی شبہ نہ رہا۔ یہ تو کفار کا حال ہوا اور جو متقی پرہیزگار لوگ ہیں وہ اپنی سچائی کی بدولت اللہ و رسول کے سچے وعدوں کے موافق ایک پسندیدہ مقام میں ہوں گے جہاں اس شہنشاہ مطلق کا قرب حاصل ہوگا یعنی جنت کے ساتھ قرب الٰہی بھی حاصل ہوگا۔

اس سورہ قمر کو قرب قیامت کے ذکر سے شروع کیا گیا تھا تاکہ کفار و مشرکین جو دنیا کی ہوا اور ہوس میں مبتلا اور آخرت سے غافل ہیں وہ ہوش میں آئیں پھر آخرت میں میدان حشر میں جمع ہونے کا نقشہ دکھلا کر ڈرایا گیا۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی نافرمانی اور مخالفت کے انجام بد کو ذہن نشین کرنے کے لئے نزول قرآن سے پہلے کی پانچ مشہور اقوام عالم کے حالات اور انکار و تکذیب کی بدولت ان کا دنیا ہی میں طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونا بیان کیا گیا۔ سب سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا گیا کیونکہ یہی سب سے پہلے دنیا کی قوم ہے جو عذاب الٰہی میں پکڑی گئی۔ پھر عاد۔ ثمود۔ قوم لوط اور قوم فرعون کا اجمالی ذکر فرما کر ان پر نافرمانی انکار و تکذیب کی بدولت اللہ کا عذاب آنا بتلایا گیا۔ یہ پانچوں اقوام دنیا میں اپنے اپنے وقت کی قوی ترین قومیں تھیں جن کو کسی طاقت سے مغلوب کرنا کسی کے لئے آسان نہ تھا مگر جب ایسی قوی اور بھاری تعداد والی قوم پر اللہ کا عذاب آیا تو وہ کس طرح بے بسی اور بے کسی کی ذلت کی موت مارے گئے۔ ساتھ ہی ہر قوم کے ذکر کے بعد مومنین اور کفار کی عام نصیحت کے لئے اس جملے کو بار بار دھرایا گیا ولقد یسرنا القراٰن للذکر فھل من مدکر۔ یعنی اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب عظیم سے بچنے کا راستہ اب قرآن کریم ہے اور قرآن کو نصیحت و عبرت حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت آسان

کر دیا ہے۔ پس بڑا بدنصیب اور محروم ہے جو اس سے فائدہ نہ اٹھائے اور دین و دنیا دونوں جہان میں نقصان و خسارہ سے نہ بچے۔ اب کفار و مشرکین اور منکرین و مکذبین قرآن کو تو کیا کہا جائے۔ ہمیں رونا تو یہی ہے کہ مدعیان اسلام اور قرآن پر ایمان کے دعوے داروں ہی نے قرآن کی کماحقہ اطاعت سے منہ موڑ رکھا ہے۔ الا ما شآء اللہ اور اطیعو االلہ اور اطیعوا الرسول کے سبق کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ قرآن سے غفلت اور شریعت اسلامیہ سے بیزاری ہے بلکہ قرآن کی بتلائی ہوئی مغضوب اور ملعون اقوام یہود و نصاریٰ ہی کے اتباع و تقلید کو مایہ ناز اور قابل فخر سمجھنے لگے ہیں۔ اور افسوس صد افسوس کہ یہاں تک تو کہا گیا کہ اب یہ قرآن ۱۴۰۰ سال پرانی کتاب ہوگئی اس میں ہمارے مسائل کا حل اس زمانہ میں کہاں ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بہر حال اس سورہ قمر کی ان خاتمہ کی آیات میں حق تعالیٰ نے دنیا والوں کو فیصلہ کن انجام سنا دیا کہ ان المجرمین فی ضلل و سعر ○ یوم یسحبون فی النار علیٰ وجوھھم ذوقوا مس سقر ○ بلا شبہ یہ مجرمین بڑی غلطی اور بے عقلی میں ہیں۔ جس روز یہ لوگ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جاویں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے لگنے کا مزہ چکھو اور ان المتقین فی جنٰت و نھر ○ فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر بلا شبہ متقی پرہیزگار بہشت کے باغوں اور نہروں میں ہوں گے ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس یعنی جنت کے ساتھ قرب الٰہی بھی نصیب ہوگا۔

مولائے کریم محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو اپنے متقی بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمائیں اور انجام میں اپنی دائمی جنتوں میں اپنا قرب نصیب فرمائیں۔ آمین۔

الحمدللہ سورہ قمر مکیہ کا بیان ختم ہوا۔ اس کے بعد ان شاء اللہ اگلی سورہ رحمٰن کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ القمر کے خواص

۱......جو آدمی کسی مشکل میں مبتلا ہو وہ جمعہ کے دن سورۃ القمر لکھ کر اپنے سر پر لٹکائے تو اس کی مشکلات آسان ہو جائیں گی۔

۲......جو آدمی سورۃ القمر جمعہ کے دن لکھ کر اپنے سر پر لٹکائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مرتبہ پائے گا۔ (الدرر النظیم)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا فضل و کرم اور شکر و احسان ہے کہ ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت سے نوازا اور کفر و شرک کی ضلالت سے بچایا۔ یا اللہ میدان حشر میں مجرمین کے گروہ میں شامل ہونے سے ہمیں بچا لیجئے اور اپنے متقی بندوں میں شامل ہونے کی سعادت نصیب فرما دیجئے۔ یا اللہ آخرت کی طرف سے ہماری غفلت اور بے فکری کو دور فرما دیجئے۔ اور ہمیں ہمہ تن اپنی رضا والی زندگی گزارنا اس دنیا میں نصیب فرما دیجئے اور اسی پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝

رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔

اَلرَّحْمٰنُ رحمٰن (اللہ)	عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اس نے سکھایا قرآن	

تفسیر وتشریح: الحمدللہ اب سورۃ الرحمٰن کا بیان شروع ہو رہا ہے سورۃ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے عطیہ اور سب سے اونچی نعمت کے ذکر سے فرمائی گئی اور ان آیات میں فرمایا گیا کہ رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی یعنی قرآن نازل کیا جو اس کے عطایا میں سے سب سے بڑا عطیہ اور اس کی نعمتوں میں سے سب سے اونچی نعمت ورحمت ہے۔ بھلا انسان کی بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور علم قرآن کے اس بحر ذخار کو دیکھو۔ بلاشبہ ایسی ضعیف البنیان ہستی کو آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری چیز کا حامل بنا دینا رحمٰن جل شانہ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ کہاں۔ بشر اور کہاں خدائے ذوالجلال والاکرام کا کلام۔ تو معلوم ہوا کہ بندوں کی ہدایت کے لئے قرآن کریم کا نازل کیا جانا سراسر اللہ کی رحمت ہے اور وہ چونکہ اپنی مخلوق پر بے انتہا مہربان ہے اس لئے اس کی رحمت اس بات کو مقتضی ہوئی کہ یہ قرآن کریم بھیج کر وہ علم عطا فرمائے جس سے مخلوق کو ہدایت اور نجات کا راستہ ملے اور اس کے قرب ورضا کو حاصل کر سکے۔

اب غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو نزول قرآن اور اس کی تعلیم کو سب سے بڑا عطیہ اور سب سے اونچی رحمت ونعمت فرماویں تاکہ بندے اس پر ایمان لا کر اس کا علم حاصل کریں اور اس پر عمل کر کے دنیا وآخرت کا نفع اٹھائیں۔ اور اس نعمت کی قدر دانی کریں۔ مگر افسوس اس روشن دماغی کے زمانہ میں بچوں کو اس کی تعلیم دلانا ان کی عمر ضائع کرنا سمجھا جاتا ہے اور جب اس کا ناظرہ پڑھنا پڑھانا ہی روشن دماغوں کے خیال میں تضیع اوقات ہے تو اس کا حافظہ۔ اس کے مطالب معانی۔ اس کی تفسیر وتشریح۔ اس کی دعوت وتبلیغ اس کے احکام و ہدایات اس کے اوامر ونواہی کی اشاعت کا کیا سوال۔ اس قرآن پاک سے من حیث القوم انحراف۔ اس کے احکام سے لاپروائی۔ اس کی ہدایات سے غفلت۔ اللہ تبارک ذوالجلال والاکرام کی سب سے بڑی نعمت کی ناقدری اور ناشکری ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل قانون ہے کہ جس نعمت کی ناقدری اور ناشکری کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس نعمت کی برکتوں کو چھین لیتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میری امت دینار و درہم کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی۔ اسلام کی وقعت وہیبت اس سے جاتی رہے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دے گی تو برکت وحی یعنی فہم قرآن سے محروم ہو جاوے گی۔ آج اس حدیث کی صداقت کو آپ کھلی آنکھوں دیکھ لیجئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی اس نعمت عظمیٰ کی قدر دانی کے لئے ہمارے دل کی آنکھیں کھول دیں۔ آمین۔

آگے اللہ تعالیٰ کی بعض دوسری اہم نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو اس قرآن پاک سے عشق ومحبت نصیب فرمائیں۔ اور اس کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۝٣ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝٤ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝٥ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝٦

اُس نے انسان کو پیدا کیا (پھر) اُس کو گویائی سکھائی۔ سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں۔ اور بے تنے کے درخت اور تنے دار درخت (اللہ کے) مطیع ہیں

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝٧ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝٨ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ

اور اُسی نے آسمان کو اونچا کیا اور اُسی نے (دُنیا میں) ترازو رکھ دی۔ تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو

وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝٩ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝١٠ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝١١

اور تول کو گھٹاؤ مت۔ اور اُسی نے خلقت کے واسطے زمین کو (اس کی جگہ) رکھ دیا۔ کہ اس میں میوے ہیں، اور کھجور کے درخت ہیں جن (کے پھل) پر غلاف ہوتا ہے۔

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝١٢ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝١٣

اور (اس میں) غلہ ہے جس میں بھوسا (بھی) ہوتا ہے اور (اس میں غذا کی چیز (بھی) ہے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ اس نے پیدا کیا انسان	عَلَّمَهُ الْبَيَانَ اس نے سکھایا۔ بات کرنا	الشَّمْسُ سورج	وَالْقَمَرُ اور چاند	بِحُسْبَانٍ ایک حساب سے		
وَالنَّجْمُ اور جھاڑیاں۔ ستارے	وَالشَّجَرُ اور درخت	يَسْجُدَانِ وہ سجدہ میں (سربسجود ہیں)	وَالسَّمَاءَ اور آسمان	رَفَعَهَا اس نے اسے بلند کیا		
وَوَضَعَ اور رکھی	الْمِيزَانَ ترازو	أَلَّا کہ نہ	تَطْغَوْا حد سے تجاوز کرو	فِي الْمِيزَانِ ترازو (تول) میں	وَأَقِيمُوا اور قائم کرو	الْوَزْنَ وزن (تول)
بِالْقِسْطِ انصاف سے	وَلَا تُخْسِرُوا اور نہ گھٹاؤ	الْمِيزَانَ تول	وَالْأَرْضَ اور زمین	وَضَعَهَا اس نے اسکو رکھا (بچھایا)	لِلْأَنَامِ مخلوق کیلئے	
فِيهَا اس میں	فَاكِهَةٌ میوے	وَالنَّخْلُ اور کھجوریں	ذَاتُ الْأَكْمَامِ غلاف والے	وَالْحَبُّ اور غلہ	ذُو الْعَصْفِ بھوسے والا	
وَالرَّيْحَانُ اور خوشبو کے پھول	فَبِأَيِّ آلَاءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبَانِ تم جھٹلاؤ گے			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں مزید نعمتوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کی ذات کو پیدا کیا اور اس کو گویائی کی قوت عطا کی تاکہ یہ اپنے مافی الضمیر کو حسن خوبی سے ادا کر سکے اور دوسروں کی بات سمجھ سکے۔ اسی صفت کے ذریعہ انسان قرآن کو سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔ یہاں علمہ البیان فرمایا گیا یعنی انسان کو گویائی کی طاقت دی اور بولنا سکھلایا۔ تو یہ قوت گویائی محض ایک اکیلا ہی انعام نہیں ہے بلکہ غور کیا جائے تو اس ایک قوت گویائی کے پیچھے متعدد دوسری قوتیں بھی کارفرما ہوتی ہیں۔ مثلاً عقل وشعور، فہم وادراک۔ تمیز وارادہ وغیرہ کہ جن کے بغیر انسان کی قوت ناطقہ کام نہیں کر سکتی تو انسان کو یہ نعمت جتلائی جاتی ہے کہ انسان کو اللہ ہی نے پیدا کیا اور پھر اس کو گویائی سکھلائی جس سے ہزاروں کیا لاکھوں منافع مرتب ہوتے ہیں۔ آگے دوسری نعمتوں کا ذکر ہے۔ یعنی چاند وسورج اس کے حکم سے ایک مقررہ نظام اور حساب کے ساتھ چلتے ہیں۔ ان کے طلوع غروب اور گھٹنے بڑھنے سے دن رات مہینہ سال اور موسمی اثرات یعنی گرمی سردی مرتب ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ ایک خاص حساب اور ضابطہ اور مضبوط نظام کے ماتحت ہے مجال نہیں کہ چاند سورج اپنے راستہ اور دائرہ کار سے ذرا باہر قدم رکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو خدمات ان دونوں یعنی چاند و سورج کے ذمہ سپرد کر دی ہیں ان میں کوتاہی نہیں کر سکتے اور ہمہ وقت انسان کی خدمت میں مشغول ہیں۔ پھر دوسری نعمت کا ذکر ہے کہ بے تنہ کے درخت جیسے پودے۔ بیل بوٹے۔ ترکاریاں سبزیاں اور خربوزہ وتربوز وغیرہ کی بیلیں اور تنہ دار درخت دونوں

اللہ کے حکم کے مطیع ہیں۔ انسان ان کو اپنے کام میں لائیں تو وہ انکار نہیں کر سکتے۔ آگے ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا **والسمآء رفعھا** اور آسمان کو اسی نے اونچا کیا اور کتنا اونچا کیا کہ انسانی عمارتیں۔ اونچے سے اونچے مینار گنبد اور اونچے سے اونچے پہاڑ اور بلند سے بلند تر ہوائی جہازوں کی پرواز اس میں بآسانی اور بفراغت سما جاتے ہیں۔ آگے ایک نعمت یہ بیان فرمائی کہ اسی نے دنیا میں ترازو رکھ دی یعنی ایسی کارآمد چیز ایجاد کر دی تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ اب اگر غور کیا جائے کہ انسان کے پاس بڑی اور چھوٹی۔ بھاری اور ہلکی چیزوں کے وزن کرنے کا آلہ موجود نہ ہوتا تو تجارت۔ خرید۔ فروخت۔ لین دین۔ سارے کاروباری دھندے کیسے وجود میں آتے۔ چونکہ اس میزان یعنی ترازو کے ساتھ بہت سے معاملات کی درستی۔ اور حقوق کی حفاظت وابستہ تھی اس لئے آگے ہدایت فرما دی کہ وضع میزان کی یہ غرض جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ نہ لیتے وقت زیادہ تولو۔ نہ دیتے وقت کم۔ اوزان باٹ وغیرہ میں کمی بیشی نہ ہو۔ نہ تو تولتے وقت ڈنڈی ماری جائے۔ بلکہ بدون کمی بیشی کے دیانتداری کے ساتھ بالکل ٹھیک ٹھیک تولا جائے۔ آگے ایک نعمت یہ ذکر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہی نے خلقت کے فائدہ کے واسطے زمین کو رکھ دیا کہ اس پر آرام سے چلیں پھریں اور کاروبار جاری رکھیں۔ اور زمین کی پیداوار یعنی ہر قسم کے نباتات' میوہ جات' پھل پھلار' سبزیاں۔ ترکاریاں اور کھجور کے درخت یہ سب نعمتیں انسان ہی کے کام آنے کے لئے ہیں۔ اور جس طرح غلہ انسان کے لئے ضروری ہے بھوسا۔ گھاس وغیرہ جانوروں کی غذائیں ہیں۔ اور بعض چیزیں زمین سے وہ پیدا ہوتی ہیں جو کھانے کے کام میں نہیں آتیں لیکن ان کی خوشبو وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اب ان متعدد نعمتوں کو گنا کر جنات و انسان دونوں کو خطاب فرمایا۔ **فبای الاء ربکما تکذبٰن** یعنی اوپر کی آیات میں جو اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں تم ان میں سے کس کس کے جھٹلانے کی جرأت کرو گے۔ کیا یہ نعمتیں اور نشانیاں ایسی ہیں جن میں سے کسی کا انکار کیا جا سکے؟ علماء نے ایک حدیث صحیح کی بنا پر جس کا ذکر گذشتہ درس میں ہو چکا ہے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص یہ آیت **فبای الاء ربکما تکذبٰن** سنے تو جواب میں کہے اے ہمارے رب ہم آپ کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے اور سب حمد وثنا آپ ہی کیلئے سزاوار ہے۔

اب یہاں یہ سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے دنیا میں سب سے بڑی نعمت قرآن کریم ہے جس کے ذکر سے سورۃ کی ابتدا کی گئی اور سب سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر فرمانے کے بعد انسان کی تخلیق اور پیدائش کا ذکر کیا گیا جس میں اس طرف اشارہ ہو گیا کہ تخلیق انسان کا اصل مقصد ہی تعلیم قرآن اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہے جیسا کہ ۲۷ ویں پارہ سورہ الذریات میں فرمایا گیا **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** یعنی ہم نے جن وانس کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کیا کریں اور ظاہر ہے کہ عبادت بغیر تعلیم قرآن کے نہیں ہو سکتی۔ الغرض معلوم ہوا کہ انسان کی پیدائش کا مقصد و مدعا اسلام وقرآن کے نزدیک اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت وعبدیت میں لگا رہے۔ اور عبادت صرف نماز روزہ ہی کا نام نہیں بلکہ عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے ہر لمحہ میں اور ہر گوشہ میں اور ہر وقت میں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کو اس طرح بجالانا جیسا کہ اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم فرمایا اور ہدایت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مقصد پیدائش کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آج کا ایسا انسان جس کا مقصد زندگی روٹی کپڑا اور مکان ہی ہو بننے سے بچائیں۔ اور زندگی کے ہر لمحہ میں اپنی عبادت اور بندگی کی توفیق نصیب فرمائیں۔

تخلیق انسان کے بعد جو نعمتیں انسان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں وہ بے حد و بیشمار ہیں جن میں سے چند کا ذکر ان آیات میں فرمایا گیا اور یہی سلسلہ مضامین ابھی جاری ہے اور مزید نعمتوں کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

یا اللہ کفران نعمت سے ہم سب کو بچا لیجئے اور ہمیں جو زندگی آپ نے عطا فرمائی ہے اس میں حقیقی زندگی کو پورا کرنے کی توفیق نصیب فرمایئے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

13

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝١٤ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ ۝١٥ فَبِأَيِّ

اسی نے انسان (کی اصل یعنی آدمؑ) کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا۔ اور جنات کو خالص آگ سے پیدا کیا۔ سوائے جن وانس

آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝١٦ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝١٧ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝١٨

تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا مالک ہے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝١٩ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ۝٢٠ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝٢١ يَخْرُجُ

اُسی نے دو دریاؤں کو (صورۃً) ملایا کہ (ظاہر میں) باہم ملے ہوئے ہیں (اور حقیقۃً) ان دونوں کے درمیان میں ایک حجاب (قدرتی) ہے کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں سے

مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝٢٢ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝٢٣ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ

موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اسی کے (اختیار اور ملک میں) ہیں جہاز جو پہاڑوں کی طرح اُونچے کھڑے

كَالْأَعْلَامِ ۝٢٤ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝٢٥

(نظر آتے) ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ اس نے پیدا کیا انسان	مِنْ سے	صَلْصَالٍ کھنکھناتی مٹی	كَالْفَخَّارِ ٹھیکری جیسی	وَخَلَقَ اور اس نے پیدا کیا	الْجَانَّ جنات	
مِنْ مَارِجٍ شعلہ مارنے والی	مِنْ نَارٍ آگ سے	فَبِأَيِّ آلَاءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبَانِ تم جھٹلاؤ گے	رَبُّ رب	
الْمَشْرِقَيْنِ دونوں مشرقوں	وَرَبُّ اور رب	الْمَغْرِبَيْنِ دونوں مغرب	فَبِأَيِّ آلَاءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبَانِ تم جھٹلاؤ گے	
مَرَجَ اس نے بہائے	الْبَحْرَيْنِ دو دریا	يَلْتَقِيَانِ ایکدوسرے سے ملے ہوئے	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	بَرْزَخٌ ایک آڑ		
لَا يَبْغِيَانِ وہ زیادتی نہیں کرتے (نہیں ملتے)	فَبِأَيِّ آلَاءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبَانِ تم جھٹلاؤ گے	يَخْرُجُ نکلتے ہیں	مِنْهُمَا ان دونوں کے	
اللُّؤْلُؤُ موتی	وَالْمَرْجَانُ اور مونگے	فَبِأَيِّ آلَاءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبَانِ تم جھٹلاؤ گے	وَلَهُ اور اس کیلئے	الْجَوَارِ کشتیاں
الْمُنْشَآتُ چلنے والی	فِي الْبَحْرِ دریا میں	كَالْأَعْلَامِ پہاڑوں کی طرح	فَبِأَيِّ آلَاءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبَانِ تم جھٹلاؤ گے	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی بعض عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی تھیں

اب آگے ان آیات میں مزید نعمتوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ایک نعمت اور یہ ہے کہ تمام انسانوں کی اصل اوّل آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا اور جنات کی اصل اوّل کو خالص آگ کے شعلہ سے پیدا کیا اور پھر دونوں نوع میں پیدائش کے ذریعہ نسل چلی تو انسان وجنات کو جتلایا گیا کہ تمہاری خلقت یہ حق تعالیٰ کا تصرف عجیب اور کمال قدرت ہے اور انسان وجنات کے حق میں اس کا نعمت ہونا بھی ظاہر ہے۔ تو اس نعمت کی طرف اشارہ کر کے جن وانس سے پوچھا جاتا ہے کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے ایک دوسری نعمت کا ذکر فرمایا کہ وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک ہے۔ دو مشرقوں اور دو مغربوں سے مراد مفسرین نے جاڑے کے چھوٹے سے چھوٹے دن

اور گرمی کے بڑے سے بڑے دن کے مشرق ومغرب لئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی میں جس جس نقطہ سے سورج طلوع ہوتا ہے وہ دو مشرق اور جہاں جہاں غروب ہوتا ہے وہ دو مغرب ہوئے۔ جاڑے کے سب سے چھوٹے دن میں سورج ایک نہایت تنگ زاویہ بنا کر طلوع وغروب ہوتا ہے اور اس کے برعکس گرمی کے سب سے بڑے دن میں وہ انتہائی وسیع زاویہ بناتے ہوئے نکلتا اور ڈوبتا ہے اور ان دونوں کے درمیان ہر روز سورج کا نکلنا اور ڈوبنا مختلف نقطہ سے ہوتا رہتا ہے اس طرح بہت سے مشارق و مغارب بھی ہوئے جس کے لئے ۲۹ ویں پارہ سورہ معارج میں رب المشارق والمغرب فرمایا یعنی جمع کا صیغہ اور یہاں سورہ رحمٰن میں تثنیہ کا صیغہ رب المشرقین و رب المغربین فرمایا اور سورہ مزمل ۲۹ پارہ میں واحد کا صیغہ یعنی رب المشرق ورب المغرب فرمایا۔ تو مشرقین ومغربین کے تغیر وتبدل سے موسم اور فصلیں بدلتی ہیں اور گرمی۔ جاڑا۔ بہار۔ برسات کے طرح طرح کے انقلابات ہوتے ہیں۔ اور زمین والوں کے ہزار ہا فوائد ومصالح ان تغیرات سے وابستہ ہیں تو ان کا ادل بدل بھی خدا کی بڑی بھاری نعمت اور اس کی قدرت عظیمہ کی نشانی ہوئی۔ اور اس کو یاد دلا کر تمام جن وانس سے پوچھا جاتا ہے کہ اے جن وانس باوجود اس کثرت نعمت کے تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے ایک اور نعمت ظاہر کی جاتی ہے کہ اسی نے دو دریاؤں کو صورۃً ملایا کہ ظاہر میں باہم ملے ہوئے ہیں اور حقیقتاً ان دونوں کے درمیان ایک قدرتی حجاب ہے کہ اس کی وجہ سے دونوں اپنے موقع سے بڑھ نہیں سکتے۔ دنیا میں پانی کے دو مستقل نظام جاری ہیں۔ ایک سلسلہ شور اور کھارا ہے جو عموماً سمندروں سے ظاہر ہوتا ہے دوسرا سلسلہ آب شیریں کا ہے جو عموماً کنویں چشمہ دریاؤں سے نکلتا ہے۔ کائنات انسانی کے لئے دونوں اپنی اپنی جگہ نہایت ضروری ہیں تا کہ دونوں سے مختلف قسم کے فائدہ حاصل ہوں۔ تو یہ اللہ کی حکمت وصنعت ہے کہ دونوں نظام پوری طرح قائم بھی ہیں اور ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے اور اس آیت کا مصداق کہ دو دریا آپس میں ملے ہوئے ہیں اور پھر بھی ان دونوں کے درمیان ایک قدرتی حجاب ہے۔ احقر مؤلف نے اپنی آنکھوں سے اپنی جائے پیدائش ہندوستان کے شہر الہ آباد میں دریائے جمنا اور گنگا کے سنگم کو دیکھا کہ دونوں دریا مل جاتے ہیں مگر ملنے کے باوجود فرق قائم رہتا ہے۔ گنگا کا پانی سفیدی مائل اور جمنا کا پانی نیلگوں صاف علیحدہ علیحدہ نظر آتا ہے مل جانے کے بعد بھی۔ تو آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ میٹھے اور کھاری۔ پانی کے دونوں نظام قائم ہیں اور دونوں کے منافع بھی ظاہر ہیں۔ یہ بھی اللہ کی نعمت ہے اور اس نعمت کو یاد دلا کر پوچھا جاتا ہے کہ اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ اب پانی سے متعلق دو نعمتیں آگے یاد دلائی جاتی ہیں ایک یہ نعمت ہے کہ ان سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے۔ موتی اور مونگے دونوں کے تجارتی۔ تمدنی۔ معاشی اور طبی فوائد کے وجود کا نعمت میں سے ہونا بالکل ظاہر ہے۔ تو پانی سے نکلے ہوئے موتی اور مونگے کی نعمت کو یاد دلا کر پوچھا جاتا ہے کہ اے جن وانس باوجود اس کثرت نعمت کے تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے پانی کی ایک دوسری نعمت کا ذکر فرمایا گیا کہ بڑے بڑے جہاز جو سمندروں میں پہاڑوں کی طرح اونچے نظر آتے ہیں تو یہ اسی نے انسان کو صلاحیت بخشی کہ جو سمندروں کے پار کرنے کے لئے جہاز بنائے۔ اور جہازوں کے سیاسی۔ تجارتی۔ تمدنی ومعاشرتی منافع وفوائد انسانوں کے لئے بالکل ظاہر ہیں۔ یہاں آیت وله الجوار المنشئٰت فی البحر کالاعلام یعنی اسی کے ہیں جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہوتے ہیں یہ ظاہر فرما دیا کہ جہاز گو بظاہر تمہارے بنائے ہوئے ہیں مگر خود تم کو اللہ نے بنایا اور اسی نے وہ قوتیں اور سامان عطا کئے جن سے جہاز تیار کرتے ہو۔ لہذا اے انسانو تم اور تمہاری مصنوعات سب کا مالک وخالق حقیقی وہی خدا ہے اور یہ سب اسی کی نعمتیں ہوئیں۔ اس لئے یہ بتلا کر پھر جن وانس سے پوچھا جاتا ہے کہ باوجود اس کثرت نعمتوں کے تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

اب جو مقصود ان نعمتوں کے جتلانے سے ہے یعنی توحید باری تعالیٰ اور اطاعت پروردگار اور اس کی نعمتوں کا شکر اس کو اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا

جتنے (ذی روح) روئے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے۔ اور (صرف) آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت اور احسان والی ہے باقی رہ جائے گی۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی

تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا

نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اُسی سے (اپنی اپنی حاجتیں) سب آسمان اور زمین والے مانگتے ہیں، وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی

تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ سوائے جن وانس ہم عنقریب تمہارے (حساب وکتاب کے) لئے خالی ہوجاتے ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اے گروہ جن اور انسان کے

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾

اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو مگر بدون زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے نہیں پس نکلنے کا وقوع بھی محتمل نہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

كُلُّ ہر کوئی	مَنْ عَلَيْهَا جو اس (زمین) پر	فَانٍ فنا ہونے والا	وَ اور	يَبْقٰى باقی رہے گا	وَجْهُ چہرہ (ذات)	رَبِّكَ تیرا رب
ذُو الْجَلٰلِ صاحب عظمت	وَالْاِكْرَامِ احسان کرنیوالا	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے		
يَسْـَٔلُهٗ اس سے مانگتا ہے اسے	مَنْ جو، کوئی	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین میں	كُلَّ يَوْمٍ ہر روز	هُوَ وہ	فِيْ شَاْنٍ کسی نہ کسی کام میں
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	سَنَفْرُغُ ہم جلد فارغ (متوجہ ہوتے ہیں)	لَكُمْ تمہاری طرف		
اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ اے جن وانس	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	يٰمَعْشَرَ اے گروہ	الْجِنِّ جن	وَالْاِنْسِ اور انس
اِنْ اگر	اسْتَطَعْتُمْ تم سے ہوسکے	اَنْ کہ	تَنْفُذُوْا تم نکل بھاگو	مِنْ سے	اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ آسمانوں کے کناروں	وَالْاَرْضِ اور زمین
فَانْفُذُوْا تو نکل بھاگو	لَا تَنْفُذُوْنَ تم نہیں نکل سکو گے	اِلَّا بِسُلْطٰنٍ زور کے سوا	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ روئے زمین کی کل مخلوق فنا ہونے والی ہے۔ ایک دن ہوگا کہ اس پر کچھ نہ ہوگا ساری مخلوق کو موت آجائے گی اور فقط اللہ تعالیٰ کی ذات عالی جو عظمت اور بڑائی والی ہے باقی رہ جائے گی اور یہ بھی دلیل ہے اس بات کی کہ صرف حق تعالیٰ ہی معبود ہونے کے لائق ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی بقا ایک نعمت ہے کیونکہ وہی منشا ہے تمام انعامات کا۔ اسی طرح اس عالم کا فنا ہونا بھی ایک نعمت ہے کیونکہ وہ مبنی ہے ظہور آخرت کا۔ اس عالم کے فنا ہونے کے بعد عالم باقی میں جانا میسر ہوگا جو بڑی نعمت ہے اس لئے اس پر بھی مثل دوسری نعمتوں کے جن وانس سے فرمایا جاتا ہے کہ تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ یہاں چونکہ حق تعالیٰ کے ذوالجلال والاکرام ہونے کا ذکر آگیا تھا اس لئے آگے ایک خاص طور پر اس کی عظمت و

اکرام کے متعلق مضمون ہے یعنی وہ ایسا باعظمت ہے کہ زمین وآسمان کی تمام مخلوق زبان حال وقال سے اپنی حاجات اسی خدا سے طلب کرتی ہیں۔ کسی کو ایک لمحہ کے لئے اس سے استغنا نہیں۔ زمین والوں کی حاجتیں تو ظاہر ہیں اور آسمان والے گو کھانے پینے کے محتاج نہ ہوں لیکن رحمت وعنایت کے تو محتاج ہیں۔ اور حق تعالیٰ ہی سب کی حاجت روائی اپنی حکمت سے موافق کرتے ہیں اور ہر وقت اور ہر آن کائنات میں ان کے تصرفات جاری رہتے ہیں۔ کسی کو بڑھانا کسی کو گھٹانا۔ کسی کو دینا کسی سے لینا کسی کو عزت بخشنا کسی کو ذلت دینا۔ غرض کہ ہر آن اس کی ایک شان ہے اور باوجود عظمت کے ایسا احسان فرمانا یہ بھی ایک نعمت عظیمہ ہے اس لئے پھر فرمایا جاتا ہے کہ اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دنیا کے یہ کام ودھندے عنقریب ختم ہونے والے ہیں اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوگا جبکہ اے جن و انس تمہارا حساب کتاب ہوگا۔ مجرموں کی پوری طرح خبر لی جائے گی اور وفاداروں کو پورا صلہ دیا جائے گا۔ تو اس حساب کتاب کی خبر دینا بھی ایک نعمت عظیمہ ہے تاکہ انسان اس کے لئے پہلے سے تیاری کی فکر وکوشش میں لگا رہے اور ایسے کام کرتا رہے جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو اور ایسے امور سے بچتا رہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو۔ اس لئے اس کے بعد پھر جن وانس سے خطاب کیا جاتا ہے کہ اے جن وانس باوجود اس کثرت نعمتوں کے تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے یا معشر الجن و الا نس فرما کر یعنی اے گروہ جنوں کے اور انسانوں کے دونوں کو براہ راست خطاب فرمایا جاتا ہے کہ خدا کی خدائی سے اور اللہ کی حکومت سے بچ نکلنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ وقت آنے پر خواہ تم کسی جگہ بھی ہو۔ بہرحال پکڑ کر لائے جاؤ گے۔ خدا سے بھاگ کر اور نکل کر کوئی جائے گا کہاں؟ دوسری قلمرو کونسی ہے جہاں وہ پناہ لے گا؟ اس طرح کھول کھول کر سمجھانا اور تمام نشیب و فراز پر متنبہ کر دینا کتنی بڑی نعمت ہے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

قرآن پاک کی یہی ایک ایسی سورت ہے کہ جس میں انسانوں کے ساتھ زمین کی دوسری مخلوق جنات کو بھی براہ راست خطاب کیا گیا ہے۔ اگرچہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ایسی تصریحات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی طرح جنات بھی ایک جواب دہ مخلوق ہیں اور ان میں بھی انسانوں کی طرح کافر و مومن۔ مطیع وسرکش ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سورۃ اس امر کی قطعی صراحت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کریم کی دعوت روئے زمین کے جن وانس دونوں کے لئے ہے۔ اور ان دونوں گروہوں کو یہاں خبردار کیا گیا ہے کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب تم سے باز پرس کی جائے گی اور اس باز پرس سے بچ کر تم کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ خدا کی خدائی تمہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے نکل کر بھاگ جانا انسان اور جنات کسی کے بس میں نہیں۔ اب یہ باز پرس جس روز یعنی یوم قیامت میں ہونے والی ہے اس روز مجرم جنات وانسانوں کا کیا حال ہوگا اور کس انجام سے ان کو واسطہ پڑے گا یہ اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے ہم کو جو دین و دنیا کی نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں ان کی حقیقی قدر دانی اور شکر گذاری کی توفیق بھی ہم کو عطا فرمائیں۔ اور یوم قیامت کی فکر اور وہاں کی تیاری اور نجات کے سامان ہمارے لئے مہیا فرمائیں۔

اے اللہ کریم رب ہمارا حساب کتاب آسان فرمائے گا۔ اور قیامت کی ذلت اور رسوائیوں اور وہاں کی سختیوں سے اپنی پناہ میں رکھے گا۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۳۵ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۳۶

تم دونوں پر (قیامت کے روز) آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا، پھر تم (اس کو) ہٹا نہ سکو گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاۗءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۳۷ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۳۸ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْــَٔـلُ

غرض جب (قیامت آئے گی جس میں) آسمان پھٹ جاوے گا اور ایسا سُرخ ہو جاویگا جیسے سُرخ نری (یعنی چمڑا) سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تو اس روز

عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ ۳۹ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۴۰ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ

(اللہ تعالیٰ کے معلوم کرنے کیلئے) کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے متعلق نہ پوچھا جائے گا۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ مجرم لوگ اپنے حلیہ سے پہچانے جاویں گے۔

فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۴۱ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۴۲ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ

سو (ان کے) سر کے بال اور پاؤں پکڑ لئے جائیں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ یہ ہے وہ جہنم جس کو مجرم لوگ

بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۴۳ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۴۴ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۴۵

جھٹلاتے تھے۔ وہ لوگ دوزخ کے اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان دورہ کرتے ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

يُرْسَلُ بھیج دیا جائے گا	عَلَيْكُمَا تم پر	شُوَاظٌ ایک شعلہ	مِّنْ نَّارٍ آگ سے	وَّنُحَاسٌ اور دھواں	فَلَا تَنْتَصِرٰنِ تو مقابلہ نہ کرسکو گے	
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فَاِذَا پھر جب	انْشَقَّتِ پھٹ جائے گا	السَّمَاۗءُ آسمان	فَكَانَتْ تو وہ ہوگا
وَرْدَةً گلابی	كَالدِّهَانِ جیسے سُرخ چمڑا	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فَيَوْمَىِٕذٍ پس اس دن	لَّا يُسْــَٔـلُ نہ پوچھا جائیگا
عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اس کے گناہوں کے متعلق	اِنْسٌ کسی انسان	وَّلَا جَاۗنٌّ اور نہ جن	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	
يُعْرَفُ پہچانے جائیں گے	الْمُجْرِمُوْنَ مجرم (جمع)	بِسِيْمٰهُمْ اپنی پیشانی سے	فَيُؤْخَذُ پھر وہ پکڑے جائیں گے	بِالنَّوَاصِيْ پیشانیوں سے		
وَالْاَقْدَامِ اور قدموں	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ اور کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	هٰذِهٖ یہ	جَهَنَّمُ جہنم	الَّتِيْ وہ جسے
يُكَذِّبُ بِهَا اسے جھٹلاتے ہیں	الْمُجْرِمُوْنَ مجرم (جمع) گنہگار	يَطُوْفُوْنَ وہ پھریں گے	بَيْنَهَا اسکے درمیان	وَبَيْنَ اور درمیان	حَمِيْمٍ گرم پانی	
	اٰنٍ کھولتے ہوئے	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں جنات وانسانوں دونوں گروہوں کو خبردار کیا گیا تھا کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب تم سے دنیا میں کئے ہوئے اعمال کی باز پرس کی جائے گی۔ اور یہ باز پرسی قیامت کے دن ہونے والی ہے جس سے کہ بچ کر کوئی کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا۔ اب اس باز پرسی کے نتیجہ میں کوئی تو اللہ کا مجرم ثابت ہوگا اور کوئی مومن متقی خدا سے ڈرنے والا ثابت ہوگا۔ اس لئے آگے دونوں کا انجام اور ان کے ساتھ کیا معاملہ قیامت میں کیا جائے گا وہ بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلے ان آیات میں مجرمین کے متعلق بیان ہے اور آئندہ آیات میں مومنین متقین کے متعلق احوال ہے۔ چنانچہ مجرمین جنت وانسان سے ان آیات میں خطاب فرمایا جاتا ہے کہ اے مجرمین جنات وانسان تم پر قیامت کے دن آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا اور کوئی اس کو دفع نہ کر سکے گا اور نہ کوئی اس

سزا کا کچھ بدلہ دے سکے گا۔ تو مجرموں کو اپنے جرائم کی پاداش سے قبل از وقت مطلع کر دینا اور آگاہ و خبردار کر دینا بھی ایک نعمت ہے کہ توبہ اور کفارہ کا موقع ابھی باقی ہے اور ان سزاؤں کی خبریں کر ان سے بچنے کا سامان ابھی دنیا میں کیا جا سکتا ہے اس لئے پھر جن وانس سے خطاب ہوتا ہے کہ اے جن وانس باوجود اس کثرت نعم کے تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے قیامت کا حال بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان پھٹے گا اور رنگ میں سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ شاید یہ سرخ رنگ اس لئے ہو کہ علامت غضب کی ہے جیسا کہ غضب میں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ تو یہ خبر قبل از وقت دینا بھی ایک نعمت ہے اس لئے پھر فرمایا جاتا ہے کہ اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن کسی جن وانس سے اس کے گناہوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کو معلوم کرنے کے لئے سوال نہ کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو پہلے سے سب معلوم ہے۔ ہاں بطور الزام اور توبیخ ضابطہ کا سوال کیا جائے گا جیسا کہ سورہ حجر چودھویں پارہ میں فرمایا گیا فوربک لنسئلنھم اجمعین سو آپ کے پروردگار کی قسم کہ ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے۔ تو خود مجرمین کو معلوم کرانے اور جتلانے کے لئے سوال اور حساب ہوگا۔ اور یہ خبر قبل از وقوع دے دینا بھی ایک نعمت ہے اس لئے پھر خطاب ہوتا ہے کہ اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ مجرم لوگ قیامت میں اپنے حلیہ سے پہچانے جاویں گے کہ ان کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوں گی اور فرشتے ان کے سر کے بال اور کسی کو ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیں گے اور یہ خبر دنیا میں پہلے سے دے دینا بھی اللہ کی ایک نعمت ہے کہ جس کو ان احوال سے بچنا ہے وہ اسی دنیا میں ابھی بچنے کا انتظام کرلے اس لئے پھر خطاب فرمایا گیا کہ اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ پھر جب مجرمون کو جہنم میں گھسیٹ کر ڈال دیا جائے گا تو اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ دیکھو یہ وہی جہنم ہے جس کا تم دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان مجرمین کا جہنم میں پیاس کے مارے برا حال ہوگا۔ بھاگ بھاگ کر پانی کے چشموں کی طرف جائیں گے۔ مگر کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جس کے پینے سے پیاس بجھنا تو درکنار آنتیں بھی کٹ کر باہر آ جائیں گی۔ اس طرح جہنم کے اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان یہ مجرمین دورہ کرتے ہوں گے یعنی کبھی جہنم کا عذاب بھگتیں گے اور کبھی گرم کھولتے ہوئے پانی کا۔ اور یہ خبر دنیا میں دے دینا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے کہ ان سزاؤں کی خبر سن کر ان سے بچنے کا اہتمام اور فکر کرنا ابھی ممکن ہے۔ اس لئے پھر خطاب ہوتا ہے کہ اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

یہاں ان آیات میں مجرمین کی بعض ایسی سخت سزاؤں کا ذکر ہے کہ جن سے ان کو آخرت میں بوجہ اللہ کا مجرم ہونے کا واسطہ پڑے گا۔ اب اللہ تعالیٰ کا مجرم ہونے میں کفر و شرک تو سب سے بڑا جرم ہے اور اگر اس جرم سے دنیا میں سچی توبہ نہ کی گئی تو عذاب جہنم سے کبھی نجات نصیب نہ ہوگی جیسا کہ قرآن و حدیث میں سیکڑوں صریح تصریحات موجود ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے جرائم میں کیا صرف کفر و شرک ہی باعث عذاب جہنم ہیں اور قیامت میں میدان حشر میں کیا صرف کفار و مشرکین ہی مجرموں کے کٹہرے میں ہوں گے؟ اور کیا مردم شماری میں مسلمان کہلانے والے اور مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو کر مسلمانوں کے سے نام رکھ لینے والے اور گائے کا گوشت کھانے والے۔ یا صرف کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر شریعت اور دین سے آزاد رہنے والے بلکہ دین کا مذاق اڑانے اور اس کا تمسخر کرنے والے کیا ایسے مسلمان آخرت میں اللہ کے مجرم نہ ٹھہرائے جائیں گے؟ اور کیا ان کو عذاب جہنم سے واسطہ نہ پڑے گا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ جہنم کے سات طبقہ ہیں جس میں اوّل طبقے گناہگار

مسلمانوں کیلئے اوران کفار کے لئے مخصوص ہے جو باوجود شرک پیغمبروں کی حمایت کرتے تھے اور دیگر طبقات مشرکین۔ آتش پرست۔ دہریے یہود و نصاریٰ اور منافقین کیلئے مقرر ہیں۔ کیا احادیث میں میدان حشر کے احوال میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ مسلمانوں کی حالت حسب مراتب گونا گوں ہوگی۔ اور یہ مختلف گروہوں پر تقسیم کردیئے جائیں گے جہاں اللہ کے مطیع۔ تابعدار۔ نیک۔ متقی پرہیزگار اور ایماندار بندوں کے گروہ حسب مراتب ہوں گے وہیں مجرمین کے گروہ بھی ہوں گے۔ مثلاً ظالم حکام خونی قاتل زانی۔ چور۔ رہزن۔ ڈاکو۔ ماں باپ کو ستانے اور تکلیف دینے والے۔ سودخور۔ رشوت خوار۔ حقوق العباد کے تلف کرنے والے۔ شراب خوار۔ یتیموں اور بے کسوں کے مال کھانے والے زکوٰۃ نہ دینے والے۔ امانت میں خیانت کرنے والے۔ عہد کے توڑنے والے وغیرہ وغیرہ مختلف گروہوں میں منقسم ہوکر اپنی جنس میں جا ملیں گے؟ کیا یہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتلایا کہ مویشیوں کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کو میدان حشر میں پشت کے بل لٹا کر جانوروں کو حکم ہوگا کہ ان پر سے گذر کر پائمال کرو پس وہ جانور بار بار ان پر گذر کر ان کو روندتے رہیں گے؟ کیا سودخواروں کے پیٹوں کو پھلا کر ان میں سانپ اور بچھو بھر دیئے جانے کی خبر حدیث میں نہیں دی گئی؟ کیا مصوروں کو یہ عذاب نہ دیا جائے گا کہ وہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں روح ڈالیں؟ کیا چغلخوروں کے کانوں میں سیسا پگلا کر نہ ڈالا جائے گا؟ کیا احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص نماز کا اہتمام اور حفاظت نہ کرے اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا۔ نہ اس کے پاس کوئی حجت ہوگی اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ اور اس کا حشر فرعون۔ ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ میرے عزیزو اور دوستو! اللہ تعالیٰ کے مجرم ہونے کی فہرست تو بڑی طویل ہے۔ بس دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو مجرموں میں شامل ہونے سے بچائیں۔ اور ہم سے جو تقصیرات اور جرائم اب تک سرزد ہو چکے ہیں ان پر سچی توبہ و استغفار اور ان کا تدارک ابھی اسی دنیا اور اس زندگی میں نصیب فرما کر ہماری مغفرت کاملہ فرمادیں۔ اور آخرت کے مواخذہ سے بری فرمادیں۔ میدان حشر کی ذلت اور رسوائیوں سے بچالیں۔ اور عذاب جہنم کے دھویں سے بھی دور رکھیں۔

اب ان آیات میں تو مجرمین کے متعلق بیان تھا آگے خدا سے ڈرنے والے مومنین کا حال بیان فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے کرم سے اسلام اور ایمان سے نوازا ہے تم ہم کو اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں اور ہم کو اس دنیا سے ایمان ویقین کے ساتھ کوچ کرنا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ اس زندگی میں ہم کو اپنی آخرت سنوارنے کی فکر عطا فرمادے۔ اور اپنی رضا والے اعمال ہمارے لئے آسان فرمادے اور اپنی ناراضگی والے اعمال سے ہمیں بچالے۔

یا اللہ جہنم اور اس کے آزار سے ہمیں دور رکھے گا اور قیامت کی ذلت و رسوائیوں سے اپنی پناہ بخشئے گا۔

یا اللہ میدان حشر میں ہم کو اپنے نیک اور صالح بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمائیے گا اور مجرموں میں شامل ہونے سے بچالیجئے گا۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت) ڈرتا رہتا ہے اُس کیلئے (جنت میں) دو باغ ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ (اور وہ) دونوں باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے۔ سوائے جن و انس تم اپنے

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ

رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ بہتے چلے جاویں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی

فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ

دو دو قسمیں ہوں گی۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ لوگ تکیہ لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے،

وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ

اور ان دونوں باغوں کا پھل بہت نزدیک ہوگا۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں نیچی نگاہ والیاں (یعنی حوریں) ہوں گی

یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ

کہ ان (جنتی) لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ گویا وہ یاقوت

وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ

اور مرجان ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ بھلا غایت اطاعت کا بدلہ بجز عنایت کے اور بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ سو

اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

وَلِمَنْ اور اس کیلئے	خَافَ جو ڈرا	مَقَامَ رَبِّهٖ اپنے رب کے حضور کھڑا ہونا	جَنَّتٰنِ دو باغ	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّکُمَا اپنے رب	
تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ بہت سی شاخوں	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّکُمَا اپنے رب	تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فِیْهِمَا ان دونوں میں	
عَیْنٰنِ دو چشمے	تَجْرِیٰنِ جاری ہیں	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّکُمَا اپنے رب	تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فِیْهِمَا ان دونوں میں	مِنْ سے۔ کی
کُلِّ ہر	فَاکِهَةٍ میوے	زَوْجٰنِ دو قسمیں	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتیں	رَبِّکُمَا اپنے رب	تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	مُتَّکِـِٕیْنَ تکیہ لگائے ہوئے
عَلٰی فُرُشٍ فرشوں پر	بَطَآئِنُهَا ان کے استر	مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ریشم کے	وَجَنَا اور میوے	الْجَنَّتَیْنِ دونوں باغ	دَانٍ نزدیک	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں
رَبِّکُمَا اپنے رب	تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فِیْهِنَّ ان میں	قٰصِرٰتُ بند (نیچے) رکھنے والی	الطَّرْفِ نگاہیں	لَمْ یَطْمِثْهُنَّ ان کو ہاتھ نہیں لگایا کسی	
اِنْسٌ انسان نے	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	وَلَا جَآنٌّ اور نہ کسی جن	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّکُمَا اپنے رب	تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	

كَاَنَّهُنَّ گویا کہ وہ	الْيَاقُوْتُ یاقوت	وَالْمَرْجَانُ اور مونگے	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	
هَلْ جَزَآءُ نہیں بدلہ	الْاِحْسَانِ احسان	اِلَّا سوا	الْاِحْسَانُ احسان	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں مجرمین جنات و انسان کا انجام قیامت میں جو ہوگا بیان فرمایا گیا تھا کہ کسی کے پیشانی کے بال اور کسی کی ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دیکھو یہ ہے وہ جہنم جسے دنیا میں تم جھٹلاتے تھے اور جسے ایک خیال اور فرضی چیز سمجھتے تھے پھر وہ کبھی جہنم کی آگ میں جلیں گے اور کبھی کھولتے ہوئے پانی میں ڈالے جائیں گے۔ اب آگے ان مجرمین کے مقابلہ میں ان اہل ایمان کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان کا انجام قیامت میں بتلایا جاتا ہے جو دنیا میں اللہ کے ڈر اور خوف سے برے کاموں سے بچتے رہے اور اللہ کی رضا کے لئے نیک کام کرتے رہے۔ یہ اہل ایمان دو قسم کے ہوں گے ایک تو خواص۔ دوسرے عوام۔ تو پہلے ان آیات میں خواص اہل جنت کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ اہل سعادت جنہیں دنیا میں ڈر لگا رہا کہ ایک روز اپنے رب کے آگے کھڑا ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اور اسی ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہے۔ نفس کی بے جا خواہشات سے رکے رہے۔ دنیوی زندگی کے پیچھے پڑ کر آخرت سے غافل نہ ہوئے بلکہ آخرت کی فکر زیادہ رکھتے رہے اور پوری طرح تقویٰ و پرہیز گاری کے راستہ پر چلا کیے تو ان کے لئے جنت میں دو عالیشان باغ ہوں گے اور یہ بشارت جنات وانسان دونوں کے لئے ہے اس لئے آگے فرمایا کہ اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اب جنت کے ان عالیشان باغات کی صفات بیان فرمائی جاتی ہیں۔ جنت کی یہ نعمتیں بتلا کر ارشاد ہوتا ہے کہ بھلا غایت اطاعت و فرمانبرداری کا بدلہ بجز عنایت و مہربانی کے کچھ اور ہو سکتا ہے؟ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خاطر دنیا میں اپنے نفس پر پابندیاں لگائے ہوئے ہوں۔ حرام سے بچتے اور حلال پر اکتفا کرتے رہے ہوں۔ فرض کو فرض جان کر اپنے فرائض بجالاتے رہے ہوں۔ حق کو حق مان کر تمام حق داروں کے حقوق ادا کرتے رہے ہوں اور شر کے مقابلہ میں خیر کی ہر طرح حمایت و طرفداری کرتے رہے ہوں ہر طرح کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کر کے دین پر ثابت قدم رہنے والے ہوں تو ایسی نیک زندگی کا بدلہ نیک ثواب کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ ہر ہر مذکورہ نعمت جتلا کر ہر بار جن و انس سے خطاب کر کے پوچھا گیا کہ اے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

یہ تو خواص اہل جنت کے باغوں کی صفات مذکور ہوئیں آگے عام مومنین اہل جنت کے باغوں کا بیان ہے جس کا ذکر اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے اور اسی پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! آپ ہی سے آپ کے انعامات و احسانات پر شکر کی توفیق کے طالب ہیں۔ یا اللہ! ہم آپ کی کسی ایک نعمت کے بھی منکر نہیں ہیں ہمیں اپنے شکر گذار بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمایئے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

اور ان دونوں باغوں سے کم درجہ میں دو باغ اور ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ دونوں باغ گہرے سبز ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی

تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیْهِمَا فَاکِهَةٌ

نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ جوش مارتے ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں میوے

وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں خوب سیرت خوبصورت عورتیں ہوں گی (یعنی حوریں) سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی

تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ

نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ عورتیں گوری رنگت کی ہونگی (اور) خیموں میں محفوظ ہوں گی۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) اُن (جنتی) لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا

قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ

اور نہ کسی جن نے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ سبز مشجر اور عجیب خوبصورت کپڑوں (کے فرشوں) پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔

حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ﴿۷۸﴾

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ بڑا بابرکت نام ہے آپ کے رب کا جو عظمت والا اور احسان والا ہے۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا اور ان دونوں کے علاوہ	جَنَّتٰنِ دو باغ	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّکُمَا اپنے رب	تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے		
مُدْهَآمَّتٰنِ نہایت گہرے سبز رنگ کے	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّکُمَا اپنے رب	تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فِیْهِمَا ان دونوں میں		
عَیْنٰنِ دو چشمے	نَضَّاخَتٰنِ بشدت جوش مارنے والے	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّکُمَا اپنے رب کی	تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے		
فِیْهِمَا ان دونوں میں	فَاکِهَةٌ میوے	وَّنَخْلٌ کھجور کے درخت	وَّرُمَّانٌ اور انار	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّکُمَا اپنے رب	
تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فِیْهِنَّ ان میں	خَیْرٰتٌ خوب سیرت	حِسَانٌ خوبصورت	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتیں	رَبِّکُمَا اپنے رب	تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے
حُوْرٌ حوریں	مَّقْصُوْرٰتٌ رُکی رہنے والی پردہ نشین	فِی الْخِیَامِ خیموں میں	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتیں	رَبِّکُمَا اپنے رب کی	تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	
لَمْ یَطْمِثْهُنَّ انہیں ہاتھ نہیں لگایا	اِنْسٌ کسی انسان	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	وَلَا جَآنٌّ اور نہ کسی جن	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّکُمَا اپنے رب	
تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	مُتَّکِـِٕیْنَ تکیہ لگائے ہوئے	عَلٰی رَفْرَفٍ مسندوں پر	خُضْرٍ سبز	وَّعَبْقَرِیٍّ اور خوبصورت	حِسَانٍ نفیس	
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّکُمَا اپنے رب	تُکَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	تَبٰرَکَ برکت والا	اسْمُ نام	رَبِّکَ تمہارا رب	
ذِی الْجَلٰلِ صاحب جلال	وَالْاِکْرَامِ اور احسان کرنے والا					

تفسیر وتشریح: یہ سورہ رحمٰن کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں مقربین اور خواص اہل جنت کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ ان کو آخرت

میں بہشت کے عالی شان باغات عطا ہوں گے جن میں ہر طرح کی جسمانی و روحانی راحت و آرام کے سامان ہوں گے۔ اب آگے ان آیات میں عام مومنین اہل جنت کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان کو آخرت میں جو انعامات ملیں گے اس کو بیان فرمایا جاتا ہے۔

چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ بہشت کے ان دو باغوں کا جس کا ذکر گذشتہ آیات میں ہوا اور جو مقربین اور خواص اہل جنت کے لئے ہوں گے۔ ان کے علاوہ ان باغوں سے کم درجہ میں دو باغ اور ہیں جو ہر ہر مومن کی جنت میں ملیں گے۔ اہل جنت کی تقسیم دو قسموں میں اگلی سورہ واقعہ میں صاف صاف بیان فرمائی گئی ہے ایک تو سابقین جن کو مقربین بھی کہا گیا ہے جو جنت میں اعلیٰ درجہ کے اور خاص قرب رکھنے والے حضرات ہوں گے۔ جیسے انبیاء اولیاء۔ صدیقین۔ شہداء وغیرہ۔ دوسری قسم اصحاب الیمین جن کو اصحاب المیمنہ بھی کہا گیا ہے بتلائی گئی جو سابقین یعنی پہلی قسم سے کم درجہ کے ہوں گے جس میں عام مومنین و صالحین شامل ہوں گے چنانچہ بخاری شریف کی ایک صحیح حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو باغ ہیں جن کے برتن اور وہاں کی تمام چیزیں چاندی کی ہوں گی اور دو باغ ایسے ہیں کہ ان کے برتن اور وہاں کی تمام چیزیں سونے کی ہوں گی۔ تو گذشتہ آیات میں جنت کے جن دو باغوں کا ذکر ہوا وہ تو مقربین کے لئے تھے اور ان آیات میں جن دو باغوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے یہ اصحاب یمین یعنی عام مومنین صالحین کے لئے ہیں۔ آگے ان باغوں کی صفات بیان کی جاتی ہیں:۔

پہلی صفت فرمائی مدھامتٰن یعنی وہ باغ گہرے سبز ہوں گے۔

دوسری صفت فرمائی **فیھما عینٰن نضاختٰن** یعنی ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے جو جوش مارتے ہوں گے۔

تیسری صفت فرمائی **فیھما فاکھۃ و نخل و رمان** ۔ ان دونوں باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ مگر جنت کے میوے اور کھجور اور انار کو دنیا کے انار اور کھجوروں پر قیاس نہ کیا جائے۔ ان کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کیونکہ وہاں کی نعمتوں کو نہ کسی نے دیکھا ہے نہ کسی دماغ میں آسکتی ہیں۔

چوتھی صفت فرمائی **فیھن خیرٰت حسان** ان میں خوب سیرت اور خوبصورت عورتیں ہوں گی (مراد حوریں ہیں)۔

آگے حوروں کے متعلق بتلایا کہ وہ نہایت خوبصورت گوری رنگت کی ہوں گی۔ حدیث میں آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر اہل جنت کی بیویوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے درمیان یعنی جنت سے لے کر زمین تک روشنی ہی روشنی ہو جائے اور مہک و خوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کی اوڑھنی بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ آگے دوسری صفت حوروں کی بتلائی گئی **لم یطمثھن انس قبلھم ولا جآن**۔ یعنی ان جنتیوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا نہ کسی جن نے۔ آگے جنتیوں کی شاہانہ نشست کا ذکر ہے کہ یہ جنتی سبز رنگ کے اعلیٰ فرشوں اور غالیچوں پر تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ہر ہر نعمت کے بعد پوچھا گیا کہ اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

سورۃ کے خاتمہ پر حق تعالیٰ کی ثنا وصفت بیان فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ذوالجلال والاکرام کا نام بڑا بابرکت ہے جو بڑی عظمت والا اور احسان والا ہے یعنی اسی کی ذات اس لائق ہے کہ اس کا جلال و بزرگی مانا جائے اور اس کی بڑائی اور عظمت کا پاس کر کے اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔

دیکھئے قرآن پاک میں اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مومنین کو جو جنت اور وہاں کی نعمتوں کی بشارت دی گئی ہے وہ دو چیزوں کے ساتھ دی گئی ہے ایک ایمان اور دوسرے اعمال صالحہ۔ مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ کوئی یہ وسوسہ تک دل میں نہ لائے کہ کوئی اپنے اعمال پر ناز اور گھمنڈ کرنے لگے اور یہ سمجھنے لگے کہ ان نیک اعمال کی بدولت میں جنت کا اور اس کی نعمتوں کا حق دار بن جاؤں گا۔ مسلم شریف کی ایک صحیح حدیث ہے حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں نہ لے جائے گا اور نہ اس کو دوزخ سے بچائے گا اور نہ میرا عمل مگر اللہ کی رحمت وکرم سے اور بخاری اور مسلم میں ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو جنت میں اس کا عمل داخل نہیں کرے گا تو اصحاب نے عرض کیا کہ آپ کو بھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو بھی میرا عمل جنت میں نہ لے جائے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنے فضل ورحمت میں ڈھانپ لے۔ تو ان روایت حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں جانا اور جہنم سے بچ جانا صرف رحمت الٰہی اور فضل خداوندی کے باعث ہوگا۔ مگر اس سے یہ بھی نہ خیال کیا جائے کہ پھر اعمال صالحہ کچھ کام نہ آئے۔ تو یہ بات نہیں۔ مطلب ان احادیث کا یہ ہے کہ کوئی اپنے اعمال صالحہ پر ناز اور گھمنڈ نہ کرے اور اعمال صالحہ بھی خالص نیت سے بدون توفیق وتائید خداوندی کے نہیں ہوسکتا تو اعمال صالحہ میں بھی اصل خدا کی رحمت ہی ٹھہری یعنی اصل سبب جنت میں جانے اور جہنم سے بچ جانے کا خدا کی رحمت ہوئی اور نیک عمل اس کا اثر اور نشان ہوا جیسا کہ ۲۱ویں پارہ سورہ روم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **ومن عمل صالحاً فلانفسهم يمهدون ليجزى الذين اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت من فضله** (اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لئے سامان کر رہے ہیں تاکہ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح بھی کئے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے جزا دے گا) معلوم ہوا کہ باوجود ایمان اور عمل صالح کے جنت کی نعمتوں کی امید حق تعالیٰ کے فضل وکرم ہی سے رکھنا چاہئے اور اس کے فضل عظیم کو طلب کرنا چاہئے۔ **اللهم انا نسئلك من فضلك العظيم**۔ آمین۔

الحمدللہ اس درس پر سورہ رحمٰن کا بیان پورا ہوگیا جس میں تین رکوع تھے۔ اس کے بعد انشاء اللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ الرحمٰن کے خواص

۱- اگر کسی کو آشوب چشم ہو تو وہ سورۃ الرحمٰن لکھ کر گلے میں پہنے، تندرست ہوجائے گا۔ ۲- اگر کسی کو تلی کا مرض ہو تو سورۃ الرحمٰن لکھ کر پاک پانی سے دھولے اور وہ پانی پی لے۔

۳- اگر کسی مکان میں کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض تنگ کرتے ہوں تو جس دیوار کی طرف زیادہ ہوں اس پر سورۃ الرحمٰن لکھ دی جائے تو سب بھاگ جائیں گے۔

يامعشر الجن والانس ...... من نار ونحاس

جو آدمی مذکورہ آیات کو لکھ کر اپنے دائیں بازو پر باندھے وہ ہر خطرہ سے محفوظ رہے گا۔ (الدر النظیم)

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو بھی اہل جنت میں شامل فرمالیں اور جنت کی دائمی اور ابدی نعمتیں میسر فرمائیں۔

یا اللہ اپنی ہر ایک نعمت کی ہم کو قدردانی اور شکرگذاری کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور ہر حال میں اپنی حمد وثنا اور بڑائی وعظمت بیان کرنے اور اپنے ذکر وفکر کی توفیق عطا فرمائیے۔ یا اللہ جنت جو آپ کی رضا کا مقام ہے اُس کا مل جانا اور جہنم جو آپ کے قہر وغضب کا مقام ہے اس سے بچ جانا یہ محض آپ کے فضل وکرم ورحم ہی سے ممکن ہے۔ جب اشرف الانبیاء والمرسلین آپ کے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ میرا عمل بھی مجھ کو جنت میں نہ لے جائے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنے فضل ورحمت میں ڈھانپ لے تو اور کون ہے جو اپنے اعمال پر نظر کر کے جنت کی امید کرسکے۔ یا اللہ! اس دنیا میں ہم پر فضل فرما اور اپنی رضا کے اعمال کی توفیق نصیب فرما۔ اور آخرت میں بھی اپنے فضل وکرم ہی سے ہمارا بیڑہ پار لگا اور اپنی رضا کے مقام جنت میں ہمارا ابدی ٹھکانا ہونا نصیب فرما۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ سِتٌّ وَّتِسْعُوْنَ اٰیَۃً وَّثَلٰثُ رُکُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ ﴿۱﴾ لَیْسَ لِوَقْعَتِھَا کَاذِبَۃٌ ﴿۲﴾ خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ﴿۳﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾

جب قیامت واقع ہوگی۔ جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں ہے۔ تو وہ (بعض کو) پست کردے گی (اور بعض کو) بلند کردے گی۔ جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آوے گا۔

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾ فَکَانَتْ ھَبَآءً مُّنْبَثًّا ﴿۶﴾

اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے۔

اِذَا جب	وَقَعَتِ واقع ہوجائیگی	اَلْوَاقِعَۃُ واقع ہونے والی	لَیْسَ نہیں	لِوَقْعَتِھَا اسکے واقع ہونے میں	کَاذِبَۃٌ کچھ جھوٹ
خَافِضَۃٌ پست کرنیوالی	رَافِعَۃٌ بلند کرنیوالی	اِذَا جب	رُجَّتِ لرزنے لگے گی	اَلْاَرْضُ زمین	رَجًّا سخت زلزلہ
وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا اور ریزہ ریزہ ہوجائیں پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر		فَکَانَتْ پھر ہوجائیں گے	ھَبَآءً غبار	مُنْبَثًّا پراگندہ	

تفسیر وتشریح: یہ پوری سورۃ قیامت کے واقع ہونے کی خبر اور قیامت کے لرزہ خیز حالات و کیفیات پر مشتمل ہے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "یارسول اللہ آپ بوڑھے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا "ہاں" مجھے سورہ ہود نے اور سورہ واقعہ نے اور سورہ والمرسلٰت نے اور سورہ عم یتسآء لون نے اور سورہ اذاالشمس کورت نے بوڑھا کردیا"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص سورہ واقعہ کو ہر رات پڑھ لیا کرے اسے ہرگز ہرگز فاقہ نہ پہنچے گا۔

سورہ واقعہ کے فضائل متعدد روایات میں وارد ہوئے ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص سورہ حدید اور سورہ واقعہ اور سورہ رحمٰن پڑھتا ہے وہ جنت الفردوس کے رہنے والوں میں پکارا جاتا ہے (یہ تینوں سورتیں یعنی سورہ رحمٰن، سورہ واقعہ، سورہ حدید لگاتار یکے بعد دیگرے ہیں) ایک روایت میں ہے کہ سورہ واقعہ سورہ الغنیٰ ہے۔ اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو اپنی بیبیوں کو سکھلاؤ اور حضرت عائشہؓ سے بھی اس کے پڑھنے کی تاکید منقول ہے۔

اب ان تلاوت کردہ آیات کی تشریح ملاحظہ ہو سورۃ کی ابتدا قیامت اور اس کے اثرات کے بیان سے فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت واقع ہوگی اس وقت کھل جائے گا کہ یہ کوئی جھوٹی اور غلط بات نہ تھی۔ نہ اسے کوئی ٹلا سکے گا۔ نہ واپس کر سکے گا۔ یہ آغاز کلام دراصل ان باتوں کا جواب ہے جو اس وقت کفار مکہ قیامت و آخرت کے متعلق کہتے تھے اور اس کو ناقابل یقین قرار دیتے تھے۔ انہیں یہ بعید از عقل و امکان نظر آتا تھا کہ زمین و آسمان کا یہ سارا نظام کیا درہم برہم ہو جائے گا اور پھر ایک دوسرا عالم برپا ہوگا جس میں سب اگلے پچھلے مرے ہوئے انسان دوبارہ زندہ کئے جاویں گے اور ان کا رتی رتی حساب کتاب کیا جائے گا اور دنیا کے اعمال و عقائد کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔ اور کچھ بہشت کے باغات میں رہیں گے اور کچھ جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔ یہ سب کفار کے نزدیک خواب و خیال کی باتیں تھیں اور جن کو ماننے کے لئے وہ تیار نہ تھے۔ اس

لئے انہیں سنایا جاتا ہے کہ جب وہ ہونے والا واقعہ یعنی قیامت و آخرت پیش آ جائے گی تو اس وقت کوئی اسے جھٹلانے والا نہ ہوگا اور نہ کوئی ٹال سکے گا۔ نہ ہٹا سکے گا وہ اپنے مقررہ وقت پر آ کر رہے گی اور جب وہ دن آ جائے گا تو ایک گروہ کو پست کرنے والا ہوگا اور ایک گروہ کو اوپر اٹھانے والا ہوگا۔ بڑے بڑے متکبرین کو جو دنیا میں بہت معزز اور سربلند سمجھے جاتے تھے۔ اسفل السافلین کی طرف دھکیل کر جہنم میں پہنچا دیا جائے گا اور بہت سے کمزور۔ ضعیف اور متواضع جو دنیا میں پست اور حقیر نظر آتے تھے جنت میں جائیں گے دشمنان خدا ذلیل ہو کر جہنمی بن جائیں گے اور مقبولین مومنین عزیز ہو کر اکرام کے ساتھ جنت میں جائیں گے اور جب وہ دن یعنی یوم قیامت آئے گا تو یہ زمین ساری کی ساری لرزنے لگے گی۔ چپہ چپہ کپکپانے لگے گا۔ طول وعرض زمین میں زلزلہ پڑ جائے گا۔ پہاڑ اس دن ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور غبار کی طرح اڑتے پھریں گے۔

دیکھئے بلا مبالغہ قرآن پاک کا ایک بڑا حصہ قیامت و آخرت ہی کے بیان پر مشتمل ہے اور قرآن پاک کی ابتدائی سورۃ یعنی سورہ بقرہ کے شروع ہی میں متقین یعنی اللہ سے ڈرنے والوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں ایک صفت **و بالآخرۃ ھم یوقنون** فرمائی گئی ہے یعنی وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اور دوسری باتوں کے متعلق **یؤمنون** فرمایا کہ وہ ان پر ایمان رکھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ایمان رکھنا کسی امر پر اور بات ہے اور یقین رکھنا کسی امر پر اور بات ہے۔ تو قیامت و آخرت کے متعلق یقین رکھنے کا حکم ہے اور کسی بات پر یقین رکھنے کا اثر جو طبیعت پر ہوتا ہے وہ دنیا ہی کی ایک عام مثال سے سمجھ لیجئے مثلاً آپ کو ریل یا ہوائی جہاز سے کہیں کا سفر کرنا ہے اور آپ کو یہ یقین ہوتا ہے کہ ریل یا جہاز کی روانگی کا جو وقت مقرر ہے وہ بالکل اٹل ہے۔ ریل یا جہاز ٹھیک اپنے مقرر کردہ وقت پر روانہ ہو جائے گا۔ تو اس یقین کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آپ ہفتوں اور کئی دنوں پہلے سے ہمہ وقت اس سفر کی تیاری میں لگے رہتے ہیں اور روانگی کے مقررہ وقت سے پہلے ریل یا جہاز پر پہنچ جاتے ہیں اس میں غفلت۔ ٹال مٹول۔ سستی۔ کاہلی یا شک وشبہ کا گزر نہیں ہوتا۔ اسی طرح قیامت و آخرت کے متعلق اگر یقین پختہ ہوگا تو پھر وہاں کی تیاری میں بھی انسان لگا رہے گا۔ اب ہم ذرا غور کریں کہ آخرت پر ہمارا یقین کتنا پختہ ہے؟ کیا آخرت کا یقین ہم کو ہمہ وقت وہاں کی تیاری میں لگائے ہوئے ہے؟ اگر ہم کو یہ یقین ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ دربار خداوندی میں حاضر ہونا ہے اور ہم سے ہمارے اعمال کی باز پرس ہونے والی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی خداوند ذوالجلال والاکرام کے غصہ اور ناراضگی کا سبب بننے والی ہے تو پھر اس یقین کے ساتھ جرات اور دیدہ دلیری سے عمداً اور دانستہ اللہ کی معصیت اور گناہوں پر اصرار کیوں ہے؟ ہم میں سے اکثر کا مسلک یوں کیوں بنا ہوا ہے کہ

اب تو آرام سے گزرتی ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔ دیکھئے سورہ تکاثر ۳۰ ویں پارہ میں خود حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیوی ساز و سامان پر فخر کرنا تم کو آخرت سے غافل کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستان میں پہنچ جاتے ہو یعنی مر جاتے ہو۔ ہرگز نہیں یعنی نہ دنیوی سامان قابل فخر ہے اور نہ آخرت قابل غفلت۔ اگر تم یقینی طور پر جان لیتے (یعنی غور و توجہ سے کام لیتے اور اس کا یقین آ جاتا تو کبھی آخرت سے غفلت میں نہ پڑتے۔ (بیان القرآن) اللہ تعالیٰ قیامت و آخرت کی طرف سے غفلت ہمارے دلوں سے دور فرمائیں اور ہم کو آخرت کا ایسا یقین کامل نصیب فرمائیں کہ ہم ہمہ وقت وہاں کی تیاری میں لگے رہیں۔ چنانچہ آگے بتلایا گیا ہے کہ تمام انسان اگلے اور پچھلے قیامت و آخرت میں تین گروہوں میں تقسیم ہو جاویں گے اور ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاوے گا یہ ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں بیان ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ

اور تم تین قسم کے ہوجاؤ گے۔ سو جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں۔ اور جو بائیں والے ہیں،

مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾

وہ بائیں والے کیسے بُرے ہیں۔ اور جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں۔ (اور) وہ (خدا تعالیٰ کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں۔ یہ مقرب لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٤﴾

ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں ہوں گے۔

وَّكُنْتُمْ اور تم ہوجاؤ گے	اَزْوَاجًا جوڑے (قسم)	ثَلٰثَةً تین	فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ تو دائیں ہاتھ والے	مَآ کیا	اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ دائیں ہاتھ والے				
وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ اور بائیں ہاتھ والے	مَآ کیا	اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ بائیں ہاتھ والے	وَالسّٰبِقُوْنَ اور سبقت لے جانے والے						
السّٰبِقُوْنَ سبقت لے جانیوالے ہیں	اُولٰٓئِكَ یہی ہیں	الْمُقَرَّبُوْنَ مقرب (جمع)	فِيْ میں	جَنّٰتِ باغات	النَّعِيْمِ نعمت	ثُلَّةٌ بڑی جماعت			
مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ پہلوں سے۔ میں	وَقَلِيْلٌ اور تھوڑے	مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ پچھلوں سے۔ میں							

تفسیر وتشریح: ان آیات میں وقوع قیامت کے بعد یعنی آخرت میں تمام نوع انسانی کا تین گروہوں میں تقسیم ہو جانے اور پھر ان تینوں گروہوں کے احوال کی تفصیل بیان فرمائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان آیات میں تمام نوع انسانی کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ اے انسانو! بلحاظ اپنے انجام وثمرات عمل کے آخرت میں تمام نسل انسانی شروع دنیا سے جو قیامت تک پیدا ہوں گے تین طبقوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ ایک عام مومنین اہل جنت۔ دوسرے خواص مقربین جو جنت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے۔ تیسرے کفار ومنکرین جو اہل جہنم ہوں گے گذشتہ سورہ رحمٰن میں بھی یہی تین قسمیں ذکر فرمائی گئی تھیں۔ اس سورۃ میں خواص اہل جنت کو مقربین اور سابقین کہا گیا ہے اور عوام مومنین اہل جنت کو اصحاب الیمین یا اصحاب المیمنۃ اور کفار ومنکرین کو اصحاب المشئمۃ یا اصحاب الشمال کہا گیا ہے۔ آگے ان تینوں قسموں کا حال بیان فرمایا گیا ہے پہلے اجمالاً اور پھر تفصیلاً۔ اجمالاً پہلے اصحاب المیمنۃ یعنی داہنے والوں کا ذکر فرمایا۔ مراد اس سے وہ مومنین ہیں جو عرش عظیم کے داہنی طرف ہوں گے اور جن کا اعمالنامہ بھی داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور جن کی ارواح کو عہد لینے کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کے داہنے پہلو سے نکالا گیا تھا اور فرشتے بھی ان کو داہنی طرف سے لیں گے۔ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی نسبت دیکھا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی داہنی طرف نظر کر کے ہنستے اور خوش ہوتے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔ تو ایک قسم جو اصحاب المیمنہ یعنی داہنے والے ہیں ان کے متعلق اجمالاً فرمایا کہ یہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں۔ مراد اس سے عوام مومنین اہل جنت ہوں گے جن کے حال کی تفصیل آگے بیان فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم کو بھی اس داہنے والے گروہ میں شامل فرمالیں۔

دوسرا گروہ اصحاب المشئمۃ یعنی بائیں والوں کا ذکر فرمایا۔ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے نکالے گئے۔ عرش کے بائیں جانب کھڑے کئے جائیں گے اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتہ بائیں طرف سے ان کو پکڑیں گے۔ تو یہ دوسری قسم جو اصحاب المشئمۃ یعنی بائیں والے ہیں ان کے متعلق اجمالاً فرمایا گیا کہ ان کی بدبختی اور نحوست کا کیا ٹھکانہ۔ یہ کیسے برے ہیں کہ سب اہل جہنم ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم سب کو اس گروہ میں شامل ہونے سے بچالیں۔ آمین۔

تیسرا گروہ جو عرش کے سامنے ہوگا۔ یہ خاص الخاص جماعت ہوگی جو اصحاب یمین سے بھی زیادہ باوقعت اور خاص مقربین الٰہی میں سے ہوں گے۔ اور حق تعالیٰ کی رحمتوں۔ قرب ووجاہت میں سب سے آگے ہوں گے اور یہ جماعت انبیاء کرام۔ صدیقین۔ شہداء اور اولیاء اللہ متقین کاملین کی ہوگی۔ ان حضرات سابقین کے متعلق فرمایا گیا کہ یہ جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص قرب رکھنے والے ہیں اور یہ مقربین آرام اور نعمتوں سے بھرے ہوئے باغات بہشت میں ہوں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان مقربین خاص کا ایک بڑا گروہ تو اولین یعنی اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے آخرین یعنی پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔ اب یہاں آیت میں اوّلین و آخرین سے کون مراد ہیں اس میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ اوّلین یعنی اگلوں سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک جتنی امتیں گذری ہیں وہ اولین ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد قیامت تک کے لوگ آخرین یعنی پچھلے لوگ ہیں۔ اس لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بعثت محمدی سے پہلے ہزار ہا برس کے دوران جتنے انبیاء اور پیغمبر اور رسول گذرے ہیں ان میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سے قیامت تک آنے والے انسانوں میں سابقین کی تعداد کم ہوگی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس کی وجہ کہ اوّلین میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی یہ فرمائی ہے کہ اوّلین یعنی آدم علیہ السلام سے زمانہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کا زمانہ بہت طویل ہے بہ نسبت امت محمدیہ کے جو قرب قیامت میں پیدا ہوئی ہے تو باقتضاء عادت زمانہ اس طویل زمانہ کے خواص بہ نسبت امت محمدیہ کے مختصر زمانہ کے خواص کے تعداد میں ان سے کم ہوں گے کیونکہ اس طویل زمانہ میں ایک دولاکھ کے درمیان تو انبیاء ہی ہیں اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی اور نبی نہیں اس لئے خواص مقربین کا بڑا گروہ اولین کا ہوگا اور آخرین یعنی امت محمدیہ میں ان کی تعداد کم ہوگی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں اولین و آخرین سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّلین و آخرین مراد ہیں یعنی آپ کی امت میں ابتدائی دور کے لوگ اوّلین ہیں۔ یعنی صحابہ تابعین۔ تبع تابعین وغیرہ۔ جن میں سابقین مقربین کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اور بعد کے لوگ آخرین ہیں جن میں سابقین مقربین کی تعداد کم ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ تو ہوا اجمالاً بیان تینوں قسموں کا۔ اب آگے ان تینوں قسموں کا تفصیلی بیان ہے۔ پہلے سابقین یعنی مقربین خاص کی تفصیل بیان کی گئی ہے جس کا ذکر اگلی آیات میں ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ

(وہ لوگ) سونے کے تاروں سے بُنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ان کے آس پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمدورفت کیا کریں گے۔

وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾

آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا نہ اس سے ان کو دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا۔اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے۔

وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءً

اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا۔اور (اُن کیلئے) گوری گوری بڑی آنکھوں والی عورتیں ہونگی۔(مراد حوریں ہیں) جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

یہ اُن کے اعمال کے صلہ میں ملے گا۔(اور) وہاں نہ بک بک سُنیں گے اور نہ کوئی (اور) بیہودہ بات بس (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آواز آئے گی۔

عَلٰى سُرُرٍ تختوں پر	مَّوْضُوْنَةٍ سونے کے تاروں سے بُنے ہوئے	مُّتَّكِـِٕيْنَ تکیہ لگائے ہوئے	عَلَيْهَا اس پر	مُتَقٰبِلِيْنَ آمنے سامنے	
يَطُوْفُ اردگرد پھریں گے	عَلَيْهِمْ ان کے	وِلْدَانٌ لڑکے	مُّخَلَّدُوْنَ ہمیشہ رہنے والے	بِاَكْوَابٍ آبخوروں کے ساتھ	وَّاَبَارِيْقَ اور آفتابے
وَكَاْسٍ اور پیالے	مِّنْ سے۔کے	مَّعِيْنٍ صاف شراب	لَّا يُصَدَّعُوْنَ نہ انہیں دردسر ہوگا	عَنْهَا اس سے	وَلَا يُنْزِفُوْنَ اور نہ ان کی عقل میں فتور آئیگا
وَفَاكِهَةٍ اور میوے	مِّمَّا اس سے جو	يَتَخَيَّرُوْنَ وہ پسند کریں گے	وَلَحْمِ طَيْرٍ اور پرندوں کا گوشت	مِّمَّا وہ جو	يَشْتَهُوْنَ وہ چاہیں گے
وَ اور	حُوْرٌ عِيْنٌ بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں	كَاَمْثَالِ جیسے	اللُّؤْلُؤِ موتی	الْمَكْنُوْنِ (سیپی میں) چھپے ہوئے	جَزَآءً جزا
بِمَا اس کی	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ جو وہ کرتے ہیں	لَا يَسْمَعُوْنَ وہ نہ سُنیں گے	فِيْهَا اس میں	لَغْوًا بے ہودہ بات	وَلَا تَاْثِيْمًا اور نہ گناہ کی بات
اِلَّا مگر	قِيْلًا کلام	سَلٰمًا سَلٰمًا سلام سلام			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ آخرت میں تمام نسل انسانی جو دنیا میں پہلے گذر چکے یا جواب موجود ہیں اور یا جو آئندہ قیامت تک پیدا ہوں گے بلحاظ اپنے انجام کے تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ایک تو سابقین یعنی اللہ تعالیٰ کے مخصوص مقبول بندے اور خاص قرب الٰہی رکھنے والے۔دوسرے اصحاب یمین یعنی داہنے والے اور تیسرے اصحاب الشمال یعنی بائیں والے۔ان تینوں قسموں کے لوگوں کا اجمالاً حال گذشتہ آیات میں بیان فرمایا گیا تھا۔اب قدرے تفصیلاً ان تینوں گروں کا حال جو آخرت میں ہوگا بیان فرمایا جاتا ہے۔پہلے

ان آیات میں سابقون یعنی اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور خاص قرب رکھنے والے بندے جیسے انبیاء۔صدیقین۔شہدا اور اولیاء اللہ۔ان کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ آخرت میں ان کے کیا درجات ہوں گے۔اس کے بعد اگلی آیات میں اصحاب یمین اور اصحاب الشمال کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ ان کا آخرت میں کیا حال ہو گا۔چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ سابقین جو بہشت کے باغات میں ہوں گے ان کے بیٹھنے کے لئے سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تخت ہوں گے جن پر یہ تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔یعنی نشست ایسی ہوگی کہ کسی ایک کی پیٹھ

دوسرے کی طرف نہ رہے گی۔ ان کی خدمت کے لئے لڑکے ہوں گے جن کی عمر ہمیشہ ایک حالت میں رہے گی۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث ومفسر دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اہل جنت کے خدام تین قسم کے ہوں گے:۔

ایک ملائکہ جو خدائے قدوس اور اہل جنت کے مابین بطور قاصد ہوں گے۔

دوسرے غلمان جو حوروں کی طرح جنت میں ایک جدا مخلوق ہیں جو جنت ہی میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ اور وہ ہمیشہ ایک عمر کے رہیں گے اور مثل بکھرے ہوئے موتیوں کے چاروں طرف خدمت کرتے پھریں گے۔ روایات حدیث سے ثابت ہے کہ ایک ایک جنتی کے پاس ہزاروں خادم ہوں گے۔

تیسرے اولاد مشرکین جو بچپن میں قبل از بلوغ انتقال کر چکی ہوگی۔ یہ بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ مگر محدثین میں یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ غیر مسلموں کی اولاد صغیر یعنی نابالغ اولاد جنت میں جائے گی یا دوزخ میں۔ کیونکہ ایسے بچوں کے بارہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے مر جاتے ہیں۔ اسی بنا پر بعض حضرات محدثین کے نزدیک ان کا حشر اپنے ماں باپ کے ساتھ ہوگا۔ یعنی کافروں اور مشرکوں کے بچے اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ بعض محدثین و علمائے کرام کا قول ہے کہ وہ جنتی ہیں کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان پر ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے گرد بچے ہی بچے جمع ہیں اور جب کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اولاد مشرکین کے بارہ میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ بھی وہیں موجود ہیں۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔ کچھ علماء کی رائے اس مسئلہ میں سکوت اختیار کرنے کی ہے کیونکہ بعض روایات کے پیش نظر اس مسئلہ میں توقف ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور دیگر بعض علما نے اس بارے میں توقف اختیار کیا ہے۔ محدث امام نوویؒ نے نزدیک تمام احادیث میں تطبیق دینے کے بعد قول راجح یہی ہے کہ غیر مسلموں کے نابالغ بچے مرنے کے بعد آخرت میں جنت ہی میں جائیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الغرض ذکر سابقین مقربین کا ہو رہا تھا۔ جن کے متعلق آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان کے پینے کے لئے صاف ستھری شراب ہوگی جس کے قدرتی چشمے جاری ہوں گے۔ قرآن پاک کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت کے لئے مشروب یعنی پینے کی چیزیں چار قسم کی ہوں گی اور ان کی نہریں جاری ہوں گی:۔

ایک وہ نہریں جن کا پانی نہایت شیریں وٹھنڈا ہے۔

دوسری وہ نہریں جو ایسے قدرتی دودھ سے لبریز ہیں جس کا مزہ کبھی نہیں بگڑتا۔

تیسری وہ نہریں جو ایسی شراب کی ہیں جو نہایت فرحت افزا اور خوش رنگ اور خوش مزہ ہے۔

چوتھی وہ نہریں جو نہایت صاف وشفاف شہد کی ہیں۔

علاوہ ان نہروں کے تین قسم کے چشمے ہیں:۔

ایک کا نام کافور ہے جس کی خاصیت خنکی ہے۔

دوسرے کا نام زنجبیل ہے جس کو سلسبیل بھی کہتے ہیں اس کی خاصیت گرم ہے مثل چاء وقہوہ۔

تیسرے کا نام تسنیم ہے جو نہایت لطافت کے ساتھ ہوا میں معلق جاری ہے۔ ان تینوں چشموں کا پانی مقربین کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن اصحاب یمین کو بھی جو مقربین سے کم درجہ کے جنتی ہیں ان چشموں میں سے سربمہر گلاس مرحمت ہوں گے جو پانی پینے کے وقت گلاب اور کیوڑہ کی طرح سے اس میں تھوڑا تھوڑا املا کر پیا کریں گے۔

اب چونکہ یہاں آیت میں جنت کی شراب طہورہ کا ذکر آ گیا تھا اس لئے ہوسکتا تھا۔ کہ کوئی دنیا کی شراب پر جنت کی شراب کو قیاس کرے اس لئے آگے فرمایا **لا یصدعون عنها ولا ینزفون** ۔ نہ اس کے پینے سے ان اہل جنت کو درد سر ہوگا ۔ اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا یعنی اس جنت کی پاک شراب میں سرور ہی سرور ہوگا باقی جتنے نقصانات اور خرابیاں اس دنیا کی شراب میں ہوتے ہیں وہ کوئی بھی اس میں نہ ہوں گے ۔ سبحان اللہ کیا قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ہے کہ چند لفظوں میں جنت کی شراب کی ساری ہی خرابیوں کی نفی کر دی ۔ آگے ارشاد ہے کہ ان مقربین کو جس وقت جو میوہ یا پھل پسند ہو اسی وقت وہ بدوں تعب یا مشقت کے پہنچے گا ۔ روایات میں ہے کہ جنت کے درخت باوجود نہایت بلند اور بزرگ ہونے کے اس قدر باشعور ہیں کہ جس وقت کوئی جنتی کسی میوہ یا پھل کو رغبت کی نگاہ سے دیکھے گا تو اس کی شاخ اس قدر نیچے کو جھک جائے گی کہ بغیر کسی مشقت کے وہ اس کو توڑ لیا کرے گا اور جنت کے بعض بڑے بڑے میوے ایسے ہوں گے کہ جس وقت جنتی اس کو توڑے گا اس میں سے نہایت خوبصورت پاکیزہ عورت مع لباس فاخرہ و زیور برآمد ہوگی اور اپنے مالک کی ہمنشین و خدمت گذار ہوگی ۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے میوے بھی ہمیشگی والے ہیں نہ کبھی ختم ہوں نہ کبھی ان سے روکا جائے ۔ یہ نہیں کہ جاڑے میں ہیں تو گرمیوں میں نہیں ۔ یا گرمیوں میں ہیں تو جاڑے میں نہیں ۔ بلکہ یہ میوے ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔ خدا کی قدرت سے ہر وقت وہ موجود رہیں گے اور ادھر پھل توڑا ادھر اس کے قائم مقام دوسرا پھل لگ گیا ۔ ایک حدیث میں ذکر ہے کہ انگور کا ایک دانہ جنت میں ایک بکرے کی کھال کے ڈول کے برابر ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث میں جس میں آپ نے سورج کے گہن ہونے کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج گہن کا نماز ادا کرنے کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے یہ بھی ہے کہ بعد فراغت نماز آپ کے ساتھ کے نمازیوں نے آپ سے پوچھا ۔ یا رسول اللہ ہم نے آپ کو اس جگہ آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹتے دیکھا کیا بات تھی؟ آپ نے فرمایا میں نے جنت دیکھی اور جنت کے میوے کا خوشہ لینا چاہا ۔ اگر میں لے لیتا تو رہتی دنیا تک وہ رہتا اور تم کھاتے رہتے ۔ اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ ظہر کی فرض نماز پڑھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے پھر آپ نے کوئی چیز لینی چاہی پھر پیچھے ہٹ آئے ۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت ابی بن کعبؓ نے پوچھا یا رسول اللہ آج تو آپ نے ایسی بات کی جو اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی ۔ آپ نے فرمایا میرے سامنے جنت لائی گئی اور جو اس میں ترو تازگی اور سرسبزی ہے میں نے اس میں سے انگور کا خوشہ توڑنا چاہا تا کہ لا کر تمہیں دوں ۔ پس میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا اور اگر میں اسے تمہارے درمیان لے آتا تو زمین اور آسمان کے درمیان کی مخلوق اسے کھاتی رہتی تب بھی اس میں ذرا سی بھی کمی نہ آتی ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں رہ کر جنت و آخرت کی نعمتوں کا خواہ وہ میوے یا پھل پھلار ہوں یا دوسری نعمتیں اندازہ ہی نہیں لگا سکتے اور اصل حقیقت کو ہم یہاں دنیا میں پوری طرح سمجھ ہی نہیں سکتے ۔ بس ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگا ۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اب جنت کے شوق و طلب کا تو کیا سوال اب تو اس کا ذکر اذکار بھی معیوب معلوم ہونے لگا ۔

سابقین کے لئے جنت کی جو نعمتیں بیان ہو رہی ہیں اس سلسلہ میں آگے ارشاد ہے ولحم طير مما يشتهون اور پرندوں کا گوشت جوان کو مرغوب ہو ملے گا۔ ویسے تو پرند کا گوشت ہی مزیدار ہوتا ہے پھر ان میں سے بھی وہ کہ جو مرغوب ہو۔ احادیث کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنتی کا دل جس پرندے کے گوشت کو کھانے کا چاہے گا وہ اس کے سامنے آجائے گا۔ جو جتنا چاہے گا اور جس پہلو کا گوشت پسند کرے گا کھائے گا پھر وہ پرند اڑ جائے گا اور جیسا تھا ویسا ہی ہو جاوے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں جنت کے جس پرند کو تو چاہے گا وہ بھنا بھنایا تیرے سامنے آجاوے گا۔ آگے فرمایا کہ ان سابقین کے لئے حوریں ہوں گی جو رنگت میں ایسی صاف شفاف ہوں گی جیسے حفاظت سے پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔ پھر فرمایا کہ یہ ساری نعمتیں ان اعمال کے جزا کے طور پر انہیں ملیں گی جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔ اخیر میں فرمایا گیا کہ یہ مقربین جنت میں کوئی لغو اور واہیات باتیں نہیں سنیں گے۔ یعنی وہاں بیہودگی۔ جھوٹ۔ غیبت۔ بہتان۔ طنز و تمسخر۔ طعن و تشنیع کچھ نہ ہوگا۔ بس ہر طرف سے سلام۔ سلام کی آوازیں آئیں گی یعنی جنتی ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ اور فرشتے جنتیوں کو سلام کریں گے اور رب کریم کا سلام جنتیوں کو پہنچے گا اور سلام کی اس کثرت کا اس طرف اشارہ ہے کہ اب یہاں پہنچ کر تمام آفات و مصائب سے محفوظ و مامون ہو گئے۔ اب نہ کسی طرح کا آزار پہنچے گا۔ نہ موت آئے گی نہ فنا ہوگی۔

یہاں تک تو جزائے سابقین اور مقربین کا بیان ہوا۔ آگے اصحاب الیمین یعنی داہنے والوں کی جزا کی تفصیل کو ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے سابقین مقبولین و مقربین کے طفیل میں ہم کو بھی ان کا کفش بردار ہو کر جنت میں داخلہ نصیب فرمائیں۔ اور جنت کی دائمی اور ابدی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔

یا اللہ ہمیں اس دنیا میں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما دیجئے جن سے آپ راضی ہو جائیں اور آخرت کی کامیابی و کامرانی ہم کو نصیب فرما دیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ؕ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ﴿۲۹﴾

اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی۔ اور تہ بتہ کیلے ہوں گے۔

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ

اور لمبا لمبا سایہ ہوگا۔ اور چلتا ہُوا پانی ہوگا۔ اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ جو نہ ختم ہوں گے اور نہ اُن کی روک ٹوک ہوگی۔ اور اونچے اونچے

مَّرْفُوْعَةٍ ؕ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ

فرش ہوں گے۔ ہم نے (وہاں کی) اُن عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے۔ یعنی ہم نے اُن کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں۔ محبوبہ ہیں ہم عمر ہیں۔ یہ سب چیزیں

الْيَمِيْنِ ؕ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ؕ﴿۴۰﴾

داہنے والوں کیلئے ہیں ان (اصحاب الیمین) کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں ہوگا۔ اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں ہوگا۔

وَ اور	اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ دائیں ہاتھ والے	مَا کیا	اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ دائیں ہاتھ والے	فِيْ سِدْرٍ بیریوں میں	مَّخْضُوْدٍ بے خار والی	
وَّطَلْحٍ اور کیلے	مَّنْضُوْدٍ تہہ در تہہ	وَّظِلٍّ اور سایہ	مَّمْدُوْدٍ لمبا۔دراز	وَّمَآءٍ اور پانی	مَّسْكُوْبٍ گرتا ہوا	وَّفَاكِهَةٍ اور میوے
كَثِيْرَةٍ کثیر	لَّا مَقْطُوْعَةٍ نہ ختم ہونے والا	وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ اور نہ کوئی روک ٹوک	وَّفُرُشٍ اور فرش (جمع)	مَّرْفُوْعَةٍ اونچے	اِنَّا بیشک ہم	
اَنْشَاْنٰهُنَّ انہیں اُٹھان دی	اِنْشَآءً خوب اُٹھان	فَجَعَلْنٰهُنَّ پس ہم نے انہیں بنایا	اَبْكَارًا کنواری (جمع)	عُرُبًا اَتْرَابًا محبوب ہم عمر		
لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ دائیں ہاتھ والوں کیلئے	ثُلَّةٌ بہت سے	مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ اگلوں میں سے	وَ اور	ثُلَّةٌ بہت سے	مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ پچھلوں میں سے	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں اصحاب یمین کے جزا کی تفصیل ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ اصحاب بھی بہت ہی خوب لوگ ہیں۔ ان کی خوش قسمتی کا کیا کہنا۔ ان کے لئے بھی جنت میں خوب خوب نعمتیں ہیں۔ وہ بہشت کے ان باغات میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی یعنی ایسی بیریاں جن کے درختوں میں کانٹے نہ ہوں گے۔ اب کوئی اس پر تعجب نہ کرے کہ بیر کونسا نفیس اوراعلیٰ پھل ہے کہ جس کے جنت میں ہونے کی خوشخبری سنائی گئی۔ تو واقعہ یہ ہے کہ جنت کے بیروں کا تو کیا کہنا خود اس دنیا کے بعض علاقوں میں یہ پھل اتنا لذیذ۔ خوشبودار اور میٹھا ہوتا ہے کہ ایک دفعہ منہ کو لگنے کے بعد اس کا چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور بیر جتنے اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں ان کے درختوں میں کانٹے اتنے ہی کم ہوتے ہیں۔ اس لئے جنت کے بیروں کی یہ تعریف کی گئی کہ ان کے درخت جنت میں بالکل ہی کانٹوں سے خالی ہوں گے یعنی ایسی بہترین قسم کے ہوں گے کہ جو دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ احادیث میں ایک روایت ہے۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ اعرابیوں یعنی دیہاتیوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنا اور آپ سے مسائل پوچھنا ہمیں بہت نفع دیتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے آ کر کہا۔ یارسول اللہ میں سمجھتا ہوں کہ جنت میں کوئی تکلیف دینے والا درخت نہیں اور قرآن میں ایسے درخت کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کونسا؟ اس نے کہا سدر یعنی بیری کا درخت۔ آپ نے فرمایا پھر تو نے اس کے ساتھ ہی لفظ مخضو د نہیں پڑھا؟ اس کے کانٹے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیئے ہیں اور ان کے بدلہ پھل پیدا کر دیئے۔ ہر

ہر بیری میں ۷۲ قسم کے ذائقہ ہوں گے جن کا رنگ و مزہ مختلف ہوگا۔ آگے فرمایا اور تہ بتہ کیلے ہوں گے یعنی قسم قسم کے مزیدار پھلوں سے لدے ہوں گے۔ اور بڑے بڑے سایہ دار درخت ہوں گے صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت کے درخت کے سایہ تلے تیز سوار سو (۱۰۰) سال تک چلتا رہے لیکن سایہ ختم نہ ہوگا اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو **وظل ممدود** اور لمبا لمبا سایہ ہوگا۔ اس آیت وظل ممدود کی تشریح علماء نے اس طرح بھی کی ہے کہ نہ دھوپ ہوگی۔ نہ گرمی سردی۔ نہ اندھیرا ہوگا۔ صبح صادق کے بعد اور طلوع شمس سے پہلے جیسا درمیانی وقت ہوتا ہے ایسا معتدل سایہ سمجھو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جنت میں ہمیشہ وہ وقت رہے گا جو صبح صادق کے بعد سے لے کر آفتاب کے طلوع ہونے کے درمیان درمیان رہتا ہے۔ پھر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں روشنی چاند و سورج کی نہ ہوگی بلکہ عرش کے نور کی ہوگی۔ آگے فرمایا **وماء مسکوب** اور چلتا ہوا جاری پانی ہوگا مگر یہ نہریں کھدی ہوئی زمین میں نہ ہوں گی بلکہ ہوا میں معلق ہوں گی۔ آگے فرمایا کہ کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے جیسے دنیا کے میوے کہ فصل ختم ہونے سے پھل بھی ختم ہو جاتے ہیں اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی جیسے دنیا میں باغ والے اس کی روک تھام کرتے ہیں۔ یہ پھلوں کے توڑنے اور کھانے میں کوئی امر مانع ہوگا نہ درختوں کی بلندی کی وجہ سے کوئی زحمت پیش آئے گی۔ آگے فرمایا اور اونچے اونچے فرش ہوں گے۔ یعنی بلند تختوں پر نرم اور گدگدے راحت و آرام دینے والے شاندار فرش ہوں گے جن پر وہ بیٹھیں گے۔ تو چونکہ یہ مقام خوش عیشی کے ذکر کا ہے اور خوش عیشی بدون عورتوں کے کامل نہیں ہوتی اس لئے بہشتی عورتوں کا بھی ذکر فرمایا جاتا ہے اور آگے بتلایا جاتا ہے کہ خواہ جنت کی حوریں ہوں یا دنیا کی بیویاں جو اپنے ایمان اور عمل صالح کی بنا پر جنت میں جائیں گی وہاں خدا کی قدرت سے وہ ہمیشہ جوان اور خوبصورت بنی رہیں گی خواہ وہ دنیا میں کتنی ہی بوڑھی ہو کر مری ہوں۔ احادیث میں ایک

روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتی ہیں یا رسول اللہ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ نے فرمایا اے ام فلاں! جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی۔ وہ روتی ہوئی واپس ہوئیں تو آپ نے فرمایا۔ جاؤ انہیں سمجھا دو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں داخل جنت نہ ہوں گی یعنی جن جنت میں جائیں گی تو جوان ہوں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **انا انشاء نھن انشاء فجعلنھن ابکارا** ہم نے ان بیبیوں کو خاص طور پر بنایا ہے اور ہم نے انہیں کنواریاں کر دی ہیں۔ یعنی دنیا کی نیک ایمان دار خواتین خواہ دنیا میں کنواری مری ہوں یا بال بچوں والی ہو کر۔ ان بیبیوں کو جنت میں نوعمر کنواریاں کر کے جنت میں رکھا جائے گا اور وہ بوجہ اپنے حسن صورت کے اور جسامت کے اور خوش خلقی اور حلاوت کے اپنے جنتی شوہروں کو بڑی پیاری ہوں گی۔ ایک صفت جنت کی عورتوں کی اور بیان فرمائی گئی کہ وہ اہل جنت شوہروں کی ہم عمر ہوں گی۔ یعنی یہ عورتیں بھی جوان ہوں گی اور ان کے شوہر بھی جوان ہوں گے چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ اہل جنت کے قد و قامت مانند حضرت آدم علیہ السلام کے ساٹھ ساٹھ ہاتھ ہوں گے اور دیگر اعضا بھی انہی قد و قامت کے مناسب ہوں گے بلحاظ صورت نہایت حسین و جمیل ہوں گے اور ہر ایک عین شباب کی حالت میں ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے جسم بالوں سے صاف ہوں گے بے ریش گورے چٹے رنگ کے خوش خلق اور خوبصورت سرگین آنکھوں والے ۳۳ برس کی عمر کے ۶۰ ہاتھ لمبے اور ۷ ہاتھ چوڑے چکلے مضبوط بدن والے ہوں گے۔ تو یہاں جنت کی عورتوں کے متعلق جس میں حوریں بھی داخل ہیں اور اس دنیا کی جنتی بیویاں بھی بتلایا گیا کہ جنت میں ان کی بناوٹ ایک خاص قسم کی ہوگی۔ ان کا شباب ان کا حسن و جمال۔ اہل جنت کے ساتھ ان کی ہم عمری یہ سب چیزیں مستقل۔ پائیدار۔ اور دائمی ہوں گی۔ اس دنیا کی نعمتوں کی طرح فنا

پذیر نہ ہوں گی اور یہ سب مذکورہ نعمتیں اصحاب یمین یعنی داہنے والوں کے لئے ہوں گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو بھی۔ ہمارے والدین کو ہمارے اولادوں کو۔ ہماری بیویوں کو۔ ہمارے اعزا واقارب کو۔ ہمارے احباب کو سب کو اصحاب یمین میں شامل فرما دیں۔ آمین۔ اخیر میں فرمایا گیا ثلة من الا ولین وثلة من الاٰخرین یعنی ان اصحاب یمین کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس موقع پر ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے بیان فرمایا کہ میرے سامنے انبیاء مع اپنے تابعدار امتیوں کے پیش ہوئے۔ یہ نبی گذرتے تھے اور بعض نبی کے ساتھ ایک جماعت ہوتی تھی۔ اور بعض نبی کے ساتھ صرف تین آدمی ہوتے تھے اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ بن عمران گذرے جو بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت ساتھ لئے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا پروردگار یہ کون ہیں؟ جواب ملا یہ تمہارے بھائی موسیٰ بن عمران ہیں اور ان کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والی امت ہے۔ میں نے پوچھا خدایا پھر میری امت کہاں ہے۔ ارشاد ہوا اپنی داہنی جانب نیچے کی طرف دیکھئے۔ میں نے دیکھا تو بہت بڑی جماعت نظر آئی۔ لوگوں کے بکثرت چہرے دمک رہے تھے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہو اب تو خوش ہو؟ میں نے کہا ہاں خدایا خوش ہوں۔ مجھ سے پھر فرمایا اب اپنی بائیں جانب کناروں کی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو وہاں بھی بے شمار لوگ تھے۔ پھر مجھ سے پوچھا اب تو راضی ہو گئے۔ میں نے کہا ہاں میرے رب میں راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور سنو۔ ان کے ساتھ ستر ہزار اور لوگ ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ سن کر حضرت عکاشہؓ جو بدری صحابی ہیں کھڑے ہو گئے اور عرض کی یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان ہی میں شامل فرما دے۔ آپ نے دعاء کی۔ پھر ایک اور صحابی کھڑے ہوئے اور کہا اے نبی اللہ میرے لئے بھی دعا کیجئے آپ نے فرمایا عکاشہ تم پر سبقت کر گئے پھر آپ نے فرمایا لوگو اگر تم سے ہو سکے تو تم ان ہزار میں سے بنو جو بے حساب جنت میں جائیں گے۔ ورنہ کم از کم داہنی جانب والوں میں سے ہو جاؤ۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کنارے والوں میں سے بن جاؤ پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم تمام جنت کی تہائی والے ہو گے۔ حضرت قتادہؓ راوی حدیث کہتے ہیں کہ ہم نے پھر تکبیر کہی۔ فرمایا اور سنو تم آدھوں آدھ اہل جنت کے ہو گے۔ ہم نے پھر تکبیر کہی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیات ثلة من الا ولین و ثلة من الاٰخرین تلاوت کیں۔ اب ہم میں آپس میں مذاکرہ ہوا کہ یہ ستر ۷۰ ہزار کون لوگ ہیں پھر ہم نے کہا وہ لوگ جو اسلام ہی میں پیدا ہوئے اور شرک نہ کیا ہوگا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرواتے اور فال نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

اب اصحاب یمین کا ذکر فرمانے کے بعد تیسرے گروہ اصحاب الشمال یعنی بائیں والوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو بھی اصحاب یمین میں شامل ہونا نصیب فرمائیں۔ اور ان کے ساتھ جنت کی دائمی اور ابدی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے والدین کو اور ہماری نسلوں کو اور ہماری بیویوں کو اور تمام امت مسلمہ کے مومنین کو اہل جنت ہونا مقدر فرمائیں۔ اے اللہ اپنے کرم سے ہمیں اُن اعمال کی توفیق عطا فرما دے کہ آخرت میں ہمیں اصحاب یمین میں شامل فرما لیا جائے اور ان کے ساتھ جنت میں جانا نصیب ہو جائے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ

اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں۔ وہ لوگ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں۔ اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں۔ جو نہ ٹھنڈا ہوگا

وَّلَا كَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾

اور نہ فرحت بخش ہوگا۔ وہ لوگ اس کے قبل (یعنی دنیا میں) بڑی خوشحالی میں رہتے تھے۔ اور بڑے بھاری گناہ (یعنی شرک وکفر) پر اصرار کیا کرتے تھے۔

وَكَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ اَىِٕذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا

اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں (ہوکر) رہ گئے تو کیا (اس کے بعد) ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی

الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ

(زندہ کئے جاویں گے)۔ آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے۔ جمع کئے جاویں گے، ایک معین تاریخ کے وقت پر۔ پھر (جمع ہونے کے بعد) تم کو

اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ

اے گمراہو جھٹلانے والو۔ درختِ زقوم سے کھانا ہوگا۔ پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی ہوگا۔

عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۵۶﴾

پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کا سا۔ (غرض) اُن لوگوں کی قیامت کے روز یہ دعوت ہوگی۔

وَ اور	اَصْحٰبُ الشِّمَالِ بائیں ہاتھ والے	مَا کیا	اَصْحٰبُ الشِّمَالِ بائیں ہاتھ والے	فِیْ میں	سَمُوْمٍ گرم ہوا	وَحَمِیْمٍ اور کھولتا ہوا پانی	وَ اور
ظِلٍّ سایہ	مِنْ سے۔کے	یَحْمُوْمٍ دھواں	لَا بَارِدٍ نہ کوئی ٹھنڈی	وَلَا كَرِیْمٍ اور نہ فرحت	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا تھے	قَبْلَ ذٰلِكَ اس سے قبل
مُتْرَفِیْنَ نعمت میں پلے ہوئے	وَكَانُوْا اور وہ تھے	یُصِرُّوْنَ اڑے ہوئے	عَلَى پر	الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ گناہ بھاری	وَكَانُوْا یَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے تھے		
اَىِٕذَا کیا جب	مِتْنَا ہم مرگئے	وَكُنَّا اور ہوگئے	تُرَابًا مٹی	وَّعِظَامًا اور ہڈیاں	ءَاِنَّا کیا ہم	لَمَبْعُوْثُوْنَ ضرور دوبارہ اٹھائے جائیں گے	
اَوَ کیا	اٰبَآؤُنَا ہمارے باپ دادا	الْاَوَّلُوْنَ پہلے	قُلْ آپ کہہ دیں	اِنَّ بیشک	الْاَوَّلِیْنَ پہلے	وَالْاٰخِرِیْنَ اور پچھلے	لَمَجْمُوْعُوْنَ ضرور جمع کئے جائیں گے
اِلٰى طرف۔پر	مِیْقَاتِ وقت	یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ایک مقررہ دن	ثُمَّ پھر	اِنَّكُمْ بیشک تم	اَیُّهَا اے	الضَّآلُّوْنَ گمراہ لوگو	الْمُكَذِّبُوْنَ جھٹلانے والے
لَاٰكِلُوْنَ البتہ کھانے والے	مِنْ سے	شَجَرٍ درخت	مِّنْ زَقُّوْمٍ تھوہر	فَمَالِئُوْنَ پس بھرنا ہوگا	مِنْهَا اس سے	الْبُطُوْنَ پیٹ (جمع)	
فَشٰرِبُوْنَ سو پینا ہوگا	عَلَیْهِ اس پر	مِنَ سے	الْحَمِیْمِ کھولتا ہوا پانی	فَشٰرِبُوْنَ سو پینا ہوگا	شُرْبَ الْهِیْمِ پیاسے اونٹ کی طرح پینا		
هٰذَا یہ	نُزُلُهُمْ ان کی مہمانی	یَوْمَ الدِّیْنِ روز جزا					

تفسیر وتشریح: اب ان آیات میں اصحاب والشمال کا جو حال آخرت میں ہوگا وہ بیان فرمایا جاتا ہے۔ یہ اصحاب والشمال یعنی بائیں طرف والے کفار ومشرکین کا گروہ ہوگا جو میدان حشر میں عرش کے بائیں جانب کھڑے کئے جائیں گے۔ اور اعمال نامے ان

کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور فرشتے بائیں طرف سے ان کو پکڑیں گے۔ اس وجہ سے ان کا لقب اصحاب الشمال ہو گا یعنی بائیں طرف والے اور یہ گروہ اہل جہنم میں سے ہوگا۔ ان کے متعلق ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ آخرت میں یہ بائیں طرف والے کیسے برے حال میں ہوں گے۔ آگے ان کے حال کی تفصیل ہے کہ جہنم کی آگ سے کالا دھواں اٹھے گا اس کے سایہ میں یہ لوگ رکھے جائیں گے جس میں کوئی جسمانی یا روحانی آرام نہ ملے گا۔ نہ اس سایہ سے ٹھنڈک پہنچے گی اور نہ وہ عزت کا سایہ ہوگا۔ ذلیل وخوار ہو کر اس کی تپش میں بھنتے رہیں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ ان سزاؤں کے مستحق اس لئے ہوئے کہ دنیا میں جو خدا کی نعمتیں انہیں ملی تھیں ان میں یہ مست ہو گئے اور دنیوی خوشحالی کے غرور کے نشہ میں اللہ اور رسول سے ضد باندھی تھی۔ یہ اپنے سامنے کسی کو کچھ سمجھتے نہ تھے اور خوشحالی کے غرہ میں بڑے بھاری گناہ یعنی کفروشرک اور تکذیب کرتے تھے اور عقلی دلیلیں پیش کرتے کہ مرنے کے بعد مٹی میں مل کر پھر بھی کہیں کوئی زندہ ہوسکتا ہے؟ جب ہڈیاں بھی گل سڑ گئیں تو ان میں دوبارہ جان کیسے پڑ جائے گی؟ ہمارے باپ دادا مدتوں سے مرے پڑے ہیں آج تک تو ان میں سے کوئی دوبارہ زندہ ہو کر نہیں آیا تو ہم کیسے زندہ ہو جائیں گے؟ تو یہ منکرین قیامت جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے انہیں جواب مل رہا ہے کہ اگلے اور پچھلے جتنے دنیا میں پیدا ہو کر مریں گے سب دوبارہ زندہ ہو کر قیامت کے مقررہ دن ٹھیک وقت پر سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے اور اس میں منکرین ومکذبین بھی شامل ہوں گے لیکن یہ اچھی طرح کان کھول کر سن لیں اور آگاہ ہو جائیں کہ قیامت کے دن جس کا وقت اللہ کے علم میں مقرر ہے جب یہ بھوک سے مضطر اور پریشان ہوں گے تو انہیں زقوم کھانے کو ملے گا اور اسی سے پیٹ بھرنا پڑے گا۔ پھر اس کے اوپر سے جب پیاس سے تڑپیں گے تو کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور وہ اسے پیاسے اونٹوں کی طرح پئیں گے کیونکہ بھوک و پیاس دونوں شدت کی ہوں گی۔ اخیر میں فرمایا جاتا ہے کہ یہ منکرین ومکذبین کیا دنیا میں اکڑتے پھر رہے ہیں۔ انہیں ایک دن آخر مرنا ہے اور مر کر پھر دوبارہ زندہ ہونا ہے اور انصاف کا دن آنا ہے۔ اس دن ان کی مہمانی یہی ہوگی کہ زقوم کھانے کو ملے گا اور حمیم پینے کو ملے گا۔ زقوم ایک درخت ہے جو عرب میں اپنی تلخی کے لئے مشہور تھا۔ فارسی میں اسے حنظل اور اردو میں تھوہر کہتے ہیں۔ یہ زہریلا اور تلخ ہونے کی وجہ سے انسانی غذا کے قابل نہیں ہوتا اور پھر جہنم کا زقوم جو جہنم کی آگ سے پیدا ہوگا۔ الامان الحفیظ۔ ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی **اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون**۔ اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور فیصلہ کرلو کہ ہرگز نہ مرو گے مگر اس حال میں کہ تم مسلم یعنی اللہ کے فرمانبردار بندے ہو گے اور آپ نے فرمایا کہ زقوم جس کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ وہ جہنم میں پیدا ہونے والا ایک درخت ہے اور وہ دوزخیوں کی خوارک بنے گا۔ اگر اس کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپک جائے تو زمین پر بسنے والوں کے سارے سامان زندگی کو خراب کردے۔ پس کیا گذرے گی اس شخص پر جس کا کھانا وہی زقوم ہوگا۔ تو اصحاب الشمال یعنی اہل جہنم کی غذا تو زقوم ہوگا اور پینے کو حمیم ملے گا۔ جہنم میں ایک تالاب ہے جس کا نام حمیم ہے پانی اس کا اتنا گرم ہے کہ لبوں تک پہنچنے سے اوپر کا ہونٹ اس قدر سوج جائے

گا کہ ناک اور آنکھیں تک ڈھک جائیں گی اور نیچے کا ہونٹ سوج کر سینے وناف تک پہنچے گا۔ حمیم حلق سے نیچے اترتے ہی پھیپھڑے۔ معدے اور انتڑیوں کو پھاڑ دے گا قرآن پاک کی دوسری آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جہنم کو علاوہ دیگر عذابوں کے بھوک کا عذاب اس قدر سخت کر دیا جائے گا جو تمام عذابوں کے مجموعہ کے برابر ہوگا۔

جہنمی بھوک سے بے قرار اور بے چین ہو کر غذا طلب کریں گے۔ ارشاد باری ہوگا کہ درخت زقوم کے پھل جو نہایت تلخ۔ خاردار اور سخت ہے اور جو حمیم کی تہ میں پیدا ہوتا ہے ان کو کھانے کو دو۔ جب اس کو کھانا شروع کریں گے تو گلے میں پھنس جائے گا۔ اس پر اہل جہنم کہیں گے کہ دنیا میں جب ہمارے گلوں میں لقمہ اٹک جاتا تھا تو پانی سے نگل لیا کرتے تھے لہٰذا طالب آب ہوں گے۔ حکم ہوگا کہ حمیم میں سے پانی پلا دو۔ پانی کے ہونٹ تک پہنچتے ہی ہونٹ جل کر اتنے سوج جائیں گے کہ پیشانی اور سینے تک پہنچ جائیں گے۔ زبان سکڑ جائے گی۔ حلق ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ انتڑیاں پھٹ کر پاخانہ کے راستہ سے نکل پڑیں گی۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

تو ان مجرموں یعنی اہل جہنم کی ضیافت اور مہمانی قیامت میں اس زقوم اور حمیم سے ہوگی۔

یہاں اس تلخ حقیقت کا ذکر کرنا بھی ناموزوں نہ ہوگا کہ اب تو اس زمانہ میں جنت اور دوزخ کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اور بطور طعن اور تشنیع کے کہا جاتا ہے کہ ان ملانوں کو تو بس جنت اور جہنم کا سبق یاد ہے۔ دنیا والے تو پرواز کر کے خلا میں پہنچ رہے ہیں چاند اور ستاروں میں اتر چکے ہیں یہ جنت اور جہنم ہی کے قصوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ تو ایسے بے دین کان کھول کر سُن لیں کہ عالم آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ایک مومن کیلئے ضروری ہے اور جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن و مسلم نہیں ہوسکتا انہی میں سے جنت اور جہنم بھی ہیں اور یہی دونوں مقام انسانوں کا آخری اور پھر ابدی ٹھکانہ ہیں۔ جس طرح قرآن کریم میں جنت اور اس کی نعمتوں کا اور جہنم کی تکلیفوں کا ذکر کثرت سے کیا گیا ہے اسی طرح رسول اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ میں بھی کثرت سے ان کا ذکر ہے اور مقصد اس سے یہ نہیں ہے کہ جنت وجہنم کا مکمل جغرافیہ اور وہاں کے احوال کا پورا نقشہ سامنے آجائے بلکہ اس کثرت ذکر کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسانوں میں جہنم اور اس کے عذابوں کا خوف پیدا ہو اور وہ اللہ کی نافرمانیوں اور ان برائیوں سے بچیں جو جہنم میں لے جانے والی ہیں اور جنت اور اس کی نعمتوں کا شوق ابھرے تاکہ وہ اچھے اعمال وعقائد اختیار کریں جو اللہ کی رضا کا باعث اور جنت میں پہنچانے والے ہوں۔ اور ایسی قرآنی آیات اور احادیث کا حق یہی ہے کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے شوق اور خوف کی یہ کیفیتیں پیدا ہوں۔

الغرض انسانوں کے انجام کو بیان فرما کر اب آگے اصل مضمون یعنی توحید و آخرت کی صداقت کو بیان کیا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہمارا آخری ٹھکانا اپنی رضا اور خوشنودی کے مقام جنت میں بنایئے اور جہنم اور وہاں کے آزاروں سے اپنی پناہ میں رکھیئے اور بچایئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ

ہم نے تم کو (اوّل بار) پیدا کیا ہے (جس کو تم بھی تسلیم کرتے ہو) پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو (عورتوں کے رحم میں) منی پہنچاتے ہو۔ اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم

الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ

بنانے والے ہیں۔ ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو (معین وقت پر) ٹھہرا رکھا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں۔ کہ تمہاری جگہ تمہارے جیسے اور (آدمی)

اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

پیدا کردیں اور تم کو ایسی صورت میں بنادیں جن کو تم جانتے ہی نہیں۔ اور تم کو اول پیدائش کا علم حاصل ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ ہم نے پیدا کیا تمہیں	فَلَوْ سو کیوں	لَا تُصَدِّقُوْنَ تم تصدیق نہیں کرتے	اَفَرَءَيْتُمْ بھلا تم دیکھو تو	مَا تُمْنُوْنَ جو تم ڈالتے ہو		
ءَاَنْتُمْ کیا تم	تَخْلُقُوْنَهٗ تم اسے پیدا کرتے ہو	اَمْ یا	نَحْنُ ہم	الْخٰلِقُوْنَ پیدا کرنیوالے	نَحْنُ ہم	قَدَّرْنَا ہم نے مقرر کیا
بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	الْمَوْتَ موت	وَمَا نَحْنُ اور نہیں ہم	بِمَسْبُوْقِيْنَ اس سے عاجز	عَلٰى پر	اَنْ نُّبَدِّلَ کہ ہم بدل دیں	
اَمْثَالَكُمْ تم جیسے	وَ اور	نُنْشِئَكُمْ ہم پیدا کردیں تمہیں	فِيْ میں	مَا جو	لَا تَعْلَمُوْنَ تم نہیں جانتے	وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ یقیناً تم جان چکے ہو
النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى پیدائش پہلی	فَلَوْ تو کیوں	لَا تَذَكَّرُوْنَ تم غور نہیں کرتے				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں منکرین سے خطاب فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اس بات کو تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اول بار پیدا کیا ہے تو پھر اس بات کو کیوں نہیں مانتے کہ جیسے اس نے پہلے پیدا کیا وہی دوبارہ بھی پیدا کردے گا۔ آگے ان منکرین کو اپنی پیدائش یاد دلا کر ایک سوال کیا جاتا ہے کہ رحم مادر میں نطفہ سے انسان کون بناتا ہے؟ کیا اس قطرہ ناچیز کو جیتا جاگتا انسان بنا کر پیدا کرنا ایک خدا کے سوا کسی اور کا بھی کام ہے؟ اور کیا کسی اور کا اس میں ذرہ برابر بھی کوئی دخل ہے؟ کیا یہ کام ماں باپ خود کرتے ہیں؟ یا کوئی حکیم ڈاکٹر اور دیوی دیوتا کرتا ہے؟ کیا یہ کسی مرد یا عورت یا دنیا کی کسی طاقت کے اختیار میں ہے کہ اس نطفہ ناچیز سے حمل قرار پائے اور پھر ماں کے پیٹ میں درجہ بدرجہ تخلیق و پرورش ہو اور جیتا جاگتا بچہ بنے۔ اس کے اندر مختلف ذہنی اور جسمانی قوتوں کا تناسب ہو؟ کیا یہ سب کچھ ایک خدا کے سوا کوئی دوسرا کرسکتا ہے؟ پھر کیا یہ فیصلہ کرنا بھی خدا کے سوا کسی اور کے اختیار میں ہے کہ بچہ لڑکی ہو یا لڑکا؟ خوبصورت ہو یا بدصورت؟ کالا ہو یا گورا ہو؟ طاقتور ہو یا کمزور۔ صحیح سالم ہو یا ناقص ہو؟ اندھا۔ بہرا۔ لولا۔ لنگڑا ہو یا تمام اعضا کا صحیح سالم؟ کیا خدا کے سوا کوئی اور یہ طے کرتا ہے؟ مشرک یا دہریہ ان سوالات کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکتا۔ ان سب سوالوں کا معقول جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ یہ انسان ہر لحاظ سے پورا کا پورا خدا ہی کا بنایا اور پیدا کیا ہوا ہے۔ تو جب یہ حقیقت سامنے آگئی کہ یہ انسان خدا ہی کا بنایا اور پیدا کیا ہوا ہے تو پھر اس انسان کو کیا حق پہنچتا ہے کہ یہ اپنے خالق کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی پرستش کرے اور اسکی بندگی بجالائے۔ کیا خدا کے وجود اور اسکی توحید اور اس کے معبود ہونے کیلئے یہ دلیل فیصلہ کن نہیں۔

پھر تمام انسان اس دنیا میں شب وروز اپنے ہی جیسے انسانوں

کی پیدائش کا یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔ جو خدا آج نیست سے ہست اور عدم سے وجود میں لاکر اور انسان بنا کر پیدا کر رہا ہے کیا وہ آئندہ اپنے ہی پیدا کئے ہوئے انسان کو دوبارہ پیدا نہ کر سکے گا؟ پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ خدا ہی نے تمہارے درمیان میں موت کو معین وقت پر ٹھیرا رکھا ہے۔ یعنی یہ خدا ہی کے اختیار میں ہے اور وہی یہ طے کرتا ہے کہ کس کو ماں کے پیٹ ہی میں مر جانا ہے اور کسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہو کر مر جانا ہے۔ اور کسے کس عمر تک بچپن۔ یا جوانی یا بڑھاپے کو پہنچ کر مرنا ہے۔ جس کی موت کا جو وقت اس ایک خدا نے مقدر کر دیا ہے اس سے پہلے دنیا کی کوئی طاقت اسے مار کر ختم نہیں کر سکتی اور اس کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ نہیں رکھ سکتی پھر نہ کوئی موت کے وقت کو جان سکا ہے ۔ نہ آئی ہوئی موت کو روک سکا ہے نہ یہ معلوم کر سکا ہے کہ کس کی موت کس ذریعہ سے کس مقام پر کس طرح واقع ہونے والی ہے۔ تو جس طرح انسان کو بنایا اور پیدا کرنا ایک خدائے ذوالجلال کا کام ہے اسی طرح اس انسان کو ایک خاص وقت تک دنیا میں باقی رکھنا یہ بھی اسی خدائے ذوالجلال کا کام ہے۔ تو گویا انسان کی تخلیق اس کی بقا اور اس کی فنا یہ سب خدا تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ بھی خدا کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہ اس سے عاجز نہیں ہے کہ اے منکرین و مکذبین تمہاری جگہ تم جیسے اور آدمی پیدا فرما دے اور تم کو ایسی صورت میں بنا دے کہ جس کو تم جانتے بھی نہیں مثلاً انسان سے جانور کی صورت میں مسخ کر دے جس کا گمان بھی نہ ہو۔ اخیر میں تنبیہ کے طور پر فرمایا گیا کہ اے انسانو تم جانتے ہو اور اب بتانے سے بھی تمہیں معلوم ہو گیا کہ خدا ہی نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا اب اس سے تم یہ کیوں نہیں سمجھ لیتے کہ جیسے خدا نے پہلی بار بنایا ایسے ہی دوبارہ بھی بنا سکتا ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پر یعنی قیامت و آخرت پر تعجب ہو یا اس کا انکار کیا جائے۔ غرض یہ کہ اللہ کو اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پہچانو اور یقین کرو کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور جزا و سزا قیامت میں دیئے جاؤ گے۔

اب یہاں قرآنی فصاحت و بلاغت اور دلائل کی خوبی قابل غور ہے کہ چند الفاظ میں حق تعالیٰ نے اس غفلت شعار انسان کو جس کی ظاہر بین نظریں سلسلہ اسباب میں الجھ کر رہ جاتی ہیں یہ سمجھایا کہ اس عالم کائنات میں اے انسان خود تیرا وجود یا جو کچھ موجود ہے یا وجود میں آ رہا ہے یا آئندہ آنے والا ہے یہ سب درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہٗ ہی کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے کرشمے ہیں۔ یہاں غافل انسان کو خود انسان کی اپنی پیدائش جس کو کہ وہ روزمرہ مشاہدہ کرتا رہتا ہے یاد دلا کر حق تعالیٰ کی قدرت اور توحید پر ایمان لانے کی طرف رہنمائی فرمائی گئی۔

ابھی مزید دلائل توحید و آخرت اگلی آیات میں پیش کئے گئے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو انسان بنا کر پیدا کیا پھر اپنی ذات کی معرفت عطا فرمائی اور ایمان اور اسلام کی دولت سے نوازا۔ اے اللہ بے شک ہماری حیاۃ آپ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور ہم کو مر کر پھر دوبارہ زندہ ہونا اور آپ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

اے اللہ اب بھی آپ ہی ہماری دستگیری فرما رہے ہیں اور قیامت میں بھی آپ ہی دستگیری فرمائیں اور آخرت کی کامیابی و کامرانی اور سرخروئی نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝٦٣ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ۝٦٤ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا

اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ (تخم وغیرہ) بوتے ہو۔ اُس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چُورا چُورا کر دیں

فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۝٦٥ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۝٦٦ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝٦٧ أَفَرَءَيْتُمُ ٱلْمَآءَ ٱلَّذِى

پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ گے۔ کہ (اب کے تو) ہم پر تاوان ہی پڑ گیا۔ بلکہ ہم بالکل ہی محروم رہ گئے (یعنی سارا ہی سرمایہ گیا گذرا) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو

تَشْرَبُونَ ۝٦٨ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ ٱلْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنزِلُونَ ۝٦٩ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ أُجَاجًا

تم پیتے ہو۔ اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اُس کو کڑوا کر ڈالیں

فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۝٧٠ أَفَرَءَيْتُمُ ٱلنَّارَ ٱلَّتِى تُورُونَ ۝٧١ ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَآ أَمْ نَحْنُ

سو تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ جس آگ کو تم سلگاتے ہو۔ اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔

ٱلْمُنشِـُٔونَ ۝٧٢ نَحْنُ جَعَلْنَٰهَا تَذْكِرَةً وَمَتَٰعًا لِّلْمُقْوِينَ ۝٧٣ فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ ۝٧٤ ع

ہم نے اس کو یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے۔ سو آپ عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔

أَفَرَءَيْتُمْ بھلا تم دیکھوتو	مَا تَحْرُثُونَ جو تم بوتے ہو	ءَأَنتُمْ کیا تم	تَزْرَعُونَهُ اس کی کاشت کرتے ہو	أَمْ یا	نَحْنُ ہم	الزَّارِعُونَ کاشت کرنیوالے	
لَوْ نَشَاءُ اگر ہم چاہیں	لَجَعَلْنَاهُ البتہ ہم اسے کردیں	حُطَامًا ریزہ ریزہ	فَظَلْتُمْ پھر تم ہوجاؤ	تَفَكَّهُونَ باتیں بناتے	إِنَّا بیشک ہم		
لَمُغْرَمُونَ تاوان پڑجانے والے	بَلْ بلکہ	نَحْنُ ہم	مَحْرُومُونَ محروم رہ جانیوالے	أَفَرَءَيْتُمُ بھلا تم دیکھوتو	الْمَاءَ پانی	الَّذِي جو	
تَشْرَبُونَ تم پیتے ہو	ءَأَنتُمْ کیا تم	أَنزَلْتُمُوهُ تم نے اسے اتارا	مِنَ سے	الْمُزْنِ بادل	أَمْ نَحْنُ یا ہم	الْمُنزِلُونَ اُتارنے والے	لَوْ اگر
نَشَاءُ ہم چاہیں	جَعَلْنَاهُ ہم کردیں اسے	أُجَاجًا کڑوا	فَلَوْلَا تو کیوں	لَا تَشْكُرُونَ تم شکر نہیں کرتے	أَفَرَءَيْتُمُ بھلا تم دیکھوتو	النَّارَ آگ	
الَّتِي جو	تُورُونَ تم سُلگاتے ہو	ءَأَنتُمْ کیا تم	أَنشَأْتُمْ تم نے پیدا کئے	شَجَرَتَهَا اس کے درخت	أَمْ نَحْنُ یا ہم	الْمُنشِئُونَ پیدا کرنے والے	
نَحْنُ ہم	جَعَلْنَاهَا ہم نے بنایا اسے	تَذْكِرَةً نصیحت	وَمَتَاعًا اور منفعت	لِلْمُقْوِينَ مسافروں کیلئے	فَسَبِّحْ پس تو پاکیزگی بیان کر		
بِاسْمِ نام سے۔کی	رَبِّكَ اپنے رب	الْعَظِيمِ عظمت والے					

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں توحید وآخرت کی صداقت پر انسان کی پیدائش اور موت سے استدلال فرمایا گیا تھا۔ اسی سلسلہ میں مزید دلائل ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں اور منکرین توحید وآخرت کو خطاب فرما کر کہا جاتا ہے کہ رحم مادر کے اندر بچہ کو بنانے اور پیدا کرنے کی کیفیت تو اوپر کی دلیل میں تم نے سن لی اب دوسری دلیل توحید وآخرت کی صداقت میں تم اپنی کھیتی میں دیکھو کہ تم زمین میں بیج ڈالتے ہو لیکن زمین کے اندر اس کی پرورش کرنا پھر باہر نکال کر ایک لہلہاتی کھیتی بنا دینا کس کا کام ہے؟ منکرین سے یہ سوال کر کے ایک اہم حقیقت کی طرف ان کی توجہ دلائی جاتی ہے کہ جس رزق پر تم پلتے ہو وہ بھی اللہ ہی تمہارے لئے پیدا کرتا ہے۔ انسان کی ظاہری کوشش کا دخل اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہ وہ کھیتی کے لئے زمین میں بیج ڈال دے آگے زمین جس میں کھیتی بوئی جاتی ہے یہ

تمہاری بنائی ہوئی نہیں۔اس زمین میں اگانے کی طاقت تم نے نہیں بخشی۔اس زمین میں جو بیج ڈالا جاتا ہے اس میں یہ صلاحیت کہ ہر بیج سے اسی نوع کا درخت پھوٹے جس کا وہ بیج ہے کسی انسان کی پیدا کی ہوئی نہیں۔ پھر اس بیج سے پودا اگانے میں ہوا۔روشنی۔گرمی۔ سردی اور موسمی کیفیت کی جو ضرورت ہے وہ سب قدرت کی عطا کردہ ہے۔جب یہ سب اللہ کی قدرت اور اسی کی پروردگاری کا کرشمہ ہے اور تم اسی کے پیدا کیئے ہوئے رزق سے پل رہے ہو تو اس کے سوا کسی اور کی بندگی کا حق تمہیں کہاں سے پہنچتا ہے۔ پھر ایک بیج جو مثل مردہ کے زمین میں ڈالا جاتا ہے اس سے زندگی کے آثار جس طرح ثابت ہوتے ہیں اور کونپل پھوٹ کر پودا اگتا ہے اسی طرح زمین میں دفن کئے ہوئے انسان ایک دن زندہ ہو کر زمین میں سے نکلیں گے جیسا کہ یہ قرآن خبر دے رہا ہے۔ پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ کھیتی پیدا کرنے کے بعد اس کا محفوظ اور باقی رکھنا یہ بھی خدا ہی کا کام ہے۔اگر خدا چاہے تو کوئی آفت بھیج دے جس سے ساری کھیتی ایکدم میں تہس نہس ہو کر رہ جائے پھر تم سر پکڑ کر روؤ اور آپس میں بیٹھ کر باتیں بنانے لگو کہ میاں ہمارا تو بڑا بھاری نقصان ہو گیا اور سب کچھ کیا کرایا ختم ہو گیا اور اور ہم تو بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔

آگے توحید کی تیسری دلیل دی جاتی ہے کہ بارش کے پانی کو دیکھو کہ بارش بھی خدا کے حکم سے آتی ہے اور بادلوں سے پانی برستا ہے اور پھر وہ پانی زمین کے خزانوں میں جمع ہو کر چشموں اور کنوؤں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ پانی جو تمہاری زندگی کے لئے روٹی سے بھی زیادہ ضروری ہے تمہارا فراہم کیا ہوا نہیں بلکہ یہ بھی خدا ہی کا فراہم کیا ہوا ہے ۔تو تمہاری پرورش کے یہ سارے انتظامات جن کے بغیر تم دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتے یہ ایک خدا ہی فرما رہے ہیں پھر اسی کا رزق کھا کر اور اسی کا پانی پی کر تمہیں یہ حق کہاں سے پہنچ گیا کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی بجا لاؤ۔ پھر اگر خدا چاہے تو میٹھے پانی کو بدل کر کھاری اور کڑوا بنا دے جو نہ پینے کے کام آسکے۔نہ کھیتی کے کام آسکے۔یہ خدا ہی کا احسان ہے کہ اس نے میٹھے پانی کے خزانے تمہارے ہاتھ میں دے رکھے ہیں۔

آگے چوتھی دلیل دی جاتی ہے کہ اس آگ کو دیکھو جس کو سبز درختوں میں سے لے کر سفر میں سلگایا کرتے ہو۔عرب میں ایک قسم کا درخت ہوتا تھا جب اس کی شاخوں کو باہم رگڑا جاتا یا از خود ہوا سے رگڑ کھاتیں تو آگ پیدا ہوتی۔جیسا کہ سورہ یٰسین شریف ۲۳ویں پارہ میں فرمایا گیا الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارًا فاذآ انتم منه توقدون۔ وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ بعض ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو۔منکرین سے سوال کیا جاتا ہے کہ ان ہرے درختوں میں آگ کس نے رکھی ہے؟ یہ کسی انسان کا کام ہے یا خدا کا کام ہے؟ آگے تنبیہ فرمائی جاتی ہے کہ یہ آگ دیکھ کر دوزخ کی آگ کو یاد کرو کہ یہ بھی اسی کا ایک حصہ اور ادنیٰ نمونہ ہے اور سوچنے والے کو یہ بات بھی یاد آسکتی ہے کہ جو خدا سبز درخت سے آگ نکالنے پر قادر ہے وہ یقیناً مردہ کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہوگا۔ جنگل والوں اور مسافروں کو آگ سے بہت کام پڑتا ہے خصوصاً جاڑے کے موسم میں اور یوں تو اکثر کا کام اس آگ سے چلتا ہے کہ اس آگ ہی کی بدولت کچی غذائیں کھانے کے بجائے ان کو پکا کر کھایا جاتا ہے۔جس خدا نے ایسی مختلف اور کارآمد چیزیں پیدا کیں۔اور محض اپنے فضل واحسان سے انسانوں کو ان چیزوں سے نفع اٹھانا آسان کیا تو اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور بڑا شکر عقیدہ توحید کو اختیار کرنا اور کفر وشرک کو ترک کرنا ہے۔آخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس خدا کی ایسی قدرت ہے اپنے اس عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس کا مبارک نام لے کر یہ اعلان کر دیجئے کہ وہ ان تمام عیوب نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے جو یہ کفار ومشرکین اور منکرین ومکذبین اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اب یہاں تک جو توحید وآخرت کی صداقت کے دلائل بیان ہوئے یہ سب عقلیہ تھے۔آگے قرآن کریم کی حقانیت بیان کر کے گویا دلیل نقلیہ بھی دی جاتی ہے۔جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ

سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی۔ اور اگر غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے۔ کہ یہ ایک مکرم قرآن ہے۔ جو ایک محفوظ کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں

مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ

درج ہے۔ کہ اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگانے پاتا۔ یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ سو کیا تم لوگ اس کلام کو

اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾

سرسری بات سمجھتے ہو۔ اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔ سو جس وقت روح حلق تک آ پہنچتی ہے۔

وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ

اور تم اس وقت تکا کرتے ہو۔ اور ہم (اس وقت) اس (مرنے والے) شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے لیکن تم سمجھتے نہیں ہو۔ تو (فی الواقع) اگر تمہارا

غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾

حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے۔ تو تم اس روح کو (بدن کی طرف) پھر کیوں نہیں لوٹاتے اگر تم سچے ہو۔ پھر (جب قیامت واقع ہوگی تو) جو شخص مقربین میں سے ہوگا اس کیلئے تو راحت ہے۔

فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ

اور (فراغت کی) غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے۔ اور جو شخص داہنے والوں میں سے ہوگا۔ تو اس سے کہا جاوے گا کہ تیرے لئے

اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾

امن و امان ہے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے۔ اور جو شخص جھٹلانے والوں (اور) گمراہوں میں سے ہوگا۔ تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی۔

وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔ بیشک یہ (جو کچھ مذکور رہا) تحقیقی یقینی بات ہے۔ سو اپنے (اُس) عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔

فَلَآ اُقْسِمُ سو میں قسم کھاتا ہوں	بِمَوٰقِعِ گرنے کی	النُّجُوْمِ ستارے (جمع)	وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ	لَقَسَمٌ ایک قسم ہے	لَوْ اگر	تَعْلَمُوْنَ تم جانو غور کرو	
عَظِيْمٌ بڑی	اِنَّهٗ بیشک یہ	لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ قرآن ہے گرامی قدر	فِيْ میں	كِتٰبٍ ایک کتاب	مَّكْنُوْنٍ پوشیدہ	لَّا يَمَسُّهٗٓ اُسے ہاتھ نہیں لگاتے	
اِلَّا سوائے	الْمُطَهَّرُوْنَ پاک لوگ	تَنْزِيْلٌ اتارا ہوا	مِنْ سے	رَبِّ رب	الْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں	اَفَبِهٰذَا تو کیا اس	الْحَدِيْثِ بات
اَنْتُمْ تم	مُّدْهِنُوْنَ سستی کرنیوالے (منکر)	وَتَجْعَلُوْنَ اور تم بناتے ہو	رِزْقَكُمْ اپنا رزق (وظیفہ)	اَنَّكُمْ کہ تم	تُكَذِّبُوْنَ جھٹلاتے ہو		
فَلَوْلَآ پھر کیوں نہیں	اِذَا جب	بَلَغَتِ پہنچتی ہے	الْحُلْقُوْمَ حلق کو	وَاَنْتُمْ اور تم	حِيْنَئِذٍ اس وقت	تَنْظُرُوْنَ تکتے ہو	وَنَحْنُ اور ہم
اَقْرَبُ زیادہ قریب	اِلَيْهِ اس کے	مِنْكُمْ تم سے	وَلٰكِنْ اور لیکن	لَّا تُبْصِرُوْنَ تم نہیں دیکھتے	فَلَوْلَآ تو کیوں نہیں	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم	

غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ کسی کے قہر میں آنیوالے (خود مختار)	تَرْجِعُوْنَهَا تم اسے لوٹا لو	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم	صٰدِقِيْنَ سچے (جمع)	فَاَمَّا پس جو			
اِنْ كَانَ اگر ہو	مِنَ سے	الْمُقَرَّبِيْنَ مقرب لوگوں	فَرَوْحٌ تو راحت	وَّرَيْحَانٌ اور خوشبودار پھول	وَّجَنَّتُ اور باغ	نَعِيْمٍ نعمتوں کے	
وَاَمَّا اور البتہ	اِنْ كَانَ اگر وہ ہو	مِنْ سے	اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ دائیں ہاتھ والے	فَسَلٰمٌ سو سلامتی	لَّكَ تیرے لئے	مِنْ سے	
اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ دائیں ہاتھ والوں	وَاَمَّا اور البتہ	اِنْ كَانَ اگر وہ ہو	مِنَ سے	الْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں	الضَّآلِّيْنَ گمراہ (جمع)		
فَنُزُلٌ تو مہمانی	مِّنْ سے	حَمِيْمٍ کھولتا ہوا پانی	وَّتَصْلِيَةُ اور اسے ڈالدیا	جَحِيْمٍ دوزخ	اِنَّ بیشک	هٰذَا یہ	لَهُوَ البتہ یہ
حَقُّ الْيَقِيْنِ یقینی بات	فَسَبِّحْ پس آپ پاکیزگی بیان کریں	بِاسْمِ نام کی	رَبِّكَ اپنے رب	الْعَظِيْمِ عظمت والے			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں کلام کو پرزور بنانے کے لئے پہلے ستاروں کے چھپنے کی قسم کھائی جاتی ہے اور پھر قسم کے بعد تاکیداً فرمایا جاتا ہے کہ یہ بڑی مکرم اور بلند پایہ کتاب ہے جو لوح محفوظ میں پہلے سے درج ہے اور وہ لوح محفوظ ایسی کہ اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی شیطان وغیرہ ہاتھ نہیں لگانے پاتا۔ جس کو کہ رب العلمین نے عالم کی ہدایت وتربیت کے لئے نازل فرمایا ہے یعنی یہ کوئی جادو نہیں۔ نہ کاہنوں کی بے سروپا باتیں ہیں۔ نہ شاعرانہ تک بندی ہے جیسا کہ کفار الزام لگاتے تھے بلکہ بڑی مقدس ومعزز کتاب ہے جو تمام جہانوں کے پالنے والے نے نازل فرمائی ہے یہاں جو ستاروں کے غروب ہونے اور چھپنے کی قسم کھائی ہے تو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ جو ستاروں کا نہایت محکم اور عجیب وغریب نظام قائم ہے اور یہ ستارے ایک اٹل قانون کے ماتحت اپنے روزانہ غروب سے اسی کی عظمت و وحدانیت اور تصرف واقتدار کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں اور زبان حال سے شہادت دیتے ہیں کہ جس اعلیٰ اور برتر ہستی کے ہاتھ میں ہماری باگ ہے وہی اکیلا اس کائنات کے ذرہ ذرہ کا مالک و خالق ہے اور کیا ایک عاقل اس عظیم الشان نظام فلکی پر نظر ڈال کر اتنا نہیں سمجھ سکتا کہ ایک دوسرا باطنی نظام شمسی بھی اسی پروردگار عالم کا قائم کیا ہوا ہے جس نے اپنی قدرت سے یہ ظاہری نظام قائم فرمایا۔ وہی پاک خدا ہے جس نے روحانی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد آفتاب قرآن کو چمکایا اور اپنی مخلوق کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا۔ آج تک یہ آفتاب برابر چمک رہا ہے کسی کی مجال ہے جو اس کو بدل سکے یا اس کو غائب کردے۔

الغرض آگے اسی صداقت قرآن کے سلسلہ میں منکرین و مکذبین کو خطاب فرما کر کہا جاتا ہے کہ کیا یہ ایسی دولت ہے جس سے منتفع ہونے میں تم سستی اور کاہلی کرو اور اپنا حصہ اتنا ہی سمجھو کہ اس کو اور اس کے بتلائے ہوئے حقائق کو جھٹلاتے رہو جیسے بارش کو دیکھ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں آ گیا تھا اس سے بارش ہوگئی۔ گویا خدا سے کوئی مطلب ہی نہیں۔ اسی طرح اس باران رحمت کی قدر نہ کرنا جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے اور یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ کی اتاری ہوئی نہیں۔ سخت بدبختی اور حرمان نصیبی ہے۔ کیا اس نعمت کی شکرگزاری یہی ہے کہ اس کو جھٹلاتے رہو؟ تم اپنے بےخوفی اور بےفکری سے اللہ کی باتیں جھٹلاتے ہو گویا تم کسی دوسرے کے حکم اور اختیار ہی میں نہیں۔ یا کبھی مرنا اور خدا کے ہاں جانا ہی نہیں۔ آگے انہی منکرین ومکذبین سے پوچھا جاتا ہے کہ اچھا جس وقت تمہارے کسی عزیز اور محبوب کی جان نکلنے والی ہو۔ سانس حلق میں اٹک

15 جائے۔ موت کی سختیاں گزر رہی ہوں اور تم پاس بیٹھے اس کی بے بسی اور بے کسی کا تماشہ دیکھتے ہو اور دوسری طرف خدایا اس کے فرشتے تم سے زیادہ سے زیادہ اس کے نزدیک ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے۔ اگر تم کسی دوسرے کے قابو میں نہیں تو اس وقت کیوں اپنے پیارے کی جان کو اپنی طرف نہیں پھیر لیتے اور کیوں بادل ناخواستہ اپنے سے جدا ہونے دیتے ہو؟ دنیا کی طرف واپس لا کر اسے آنے والی سزا سے کیوں نہیں بچا لیتے؟ اے منکرین اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ایسا کر کے دکھاؤ لیکن یاد رکھو تم ایک منٹ کے لئے نہیں روک سکتے۔ اس کو اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ضروری ہے۔ اگر وہ مردہ مقربین میں سے ہو گا تو اعلیٰ درجہ کی جسمانی و روحانی راحت وعیش و آرام کے سامانوں میں پہنچ جائے گا اور اصحاب یمین میں سے ہوا تب بھی کچھ کھٹکا نہیں اس کے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے اور اگر وہ جھٹلانے اور گمراہ رہنے والوں میں سے ہوا تو اس کا انجام یہ ہو گا کہ جہنم کی آگ اور کھولتے ہوئے پانی سے اس کو سابقہ پڑے گا۔ اور اے منکرین ومکذبین اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہاری تکذیب سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو کچھ اس سورۃ میں یا اس قرآن میں مومنین ومجرمین کی خبر دی گئی ہے وہ بالکل یقینی ہے اور اسی طرح ہو کر رہیگا۔ تو خوامخواہ شبہ کر کے اپنے نفس کو دھوکہ مت دو بلکہ آنے والے وقت کی تیاری کرو۔ اور اللہ کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہو جاؤ کہ وہاں کی یہی بڑی تیاری ہے۔

احادیث میں روایت ہے کہ قرآن مجید کی آیت **فسبح باسم ربک العظیم** جب نازل ہوئی یعنی اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو یعنی آیت کے حکم کی تعمیل میں **سبحان ربی العظیم** نماز میں رکوع میں کہا کرو پھر جب آیت **سبح اسم ربک الاعلیٰ** کا نزول ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے سجدہ میں رکھو یعنی اس کی تعمیل میں **سبحان ربی الاعلیٰ** سجدے میں کہا کرو۔ (معارف الحدیث جلد سوم)

خلاصہ یہ کہ اس خاتمہ کے رکوع میں کئی باتیں ثابت کی گئیں۔

اول یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ رب العزت کا کلام ہے اس میں کسی شیطان وجن وغیرہ کا کوئی تصرف نہیں ہو سکتا۔ اور جو کچھ اس میں بتلایا گیا ہے وہ یقینی ہے اور بالکل حق ہے۔

دوسری بات جو قرآنی مسائل میں خاص اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ قیامت کا آنا اور سب مردوں کا زندہ ہونا اور اللہ جل شانہ کے سامنے حساب کے لئے پیش ہونا اور حساب کے بعد جزا وسزا ہونا یقینی ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

تیسرے یہ کہ جزا وسزا کے نتیجہ میں کل مخلوق کا تین گروہوں میں تقسیم ہو جانا لازمی ہے اگر یہ شخص مقربین یعنی سابقین کے گروہ میں سے ہے تو راحت ہی راحت' آرام ہی آرام۔ عزت ہی عزت ہے۔ اور اگر اصحاب الیمین یعنی عام مومنین صالحین میں سے ہے تو بھی جنت کی دائمی نعمتوں سے سرفراز ہو گا اور اگر تیسرے گروہ یعنی اصحاب الشمال میں سے ہے تو جہنم کی آگ اور کھولتے ہوئے پانی سے سابقہ اس کو پڑنا ہے۔

چوتھے یہ کہ قیامت اور آخرت کے حساب کتاب اور جزا سزاء سے انکار گویا منکرین کی طرف سے اس بات کا دعویٰ ہے کہ ان کی جان اور روح خود ان کے قبضہ میں ہے۔ تو ان کے اس خیال باطل کی تردید میں ایک قریب الرگ انسان کی مثال سے بتلایا گیا کہ جب مرنے والے کی روح حلق میں پہنچتی ہے اور تم سب یعنی مرنے والے کے اعزا واقارب' دوست احباب سب یہ چاہتے ہیں کہ اس کی روح نہ نکلے اور یہ زندہ رہے مگر اس وقت سب کو اپنی عاجزی اور بیچارگی کا احساس ہوتا ہے اور کوئی اس

مرنے والے کی جان بچا نہیں سکتا اور جس لمحہ اللہ تعالیٰ اس کی روح نکالنا طے فرما چکے ہیں اس کو کوئی روک نہیں سکتا تو اگر منکرین یہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد قیامت میں ان کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ اتنے بہادر ہیں کہ خدا تعالیٰ کی پکڑ اور سزا سے باہر رہیں گے تو اپنی قدرت اور قوت کا امتحان اسی مرنے والے انسان کے ساتھ کر دیکھو کہ اس مرنے والے کی روح کو نکلنے سے بچالو یا روح نکلنے کے بعد اس مردے میں لوٹا دو اور جب تم اس سے عاجز ہو اور یہ نہیں کر سکتے تو پھر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی گرفت سے باہر سمجھنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے انکار کرنا کس قدر جہل اور بے عقلی کی علامت ہے۔

اب اس قدر واضح اور اٹل دلائل قرآنی کے سامنے بھی کوئی اپنے جہل وتعصب وعناد و بے عقلی پر اصرار کرتا ہے اور کفر وشرک کی دلدل میں پھنسا رہنا چاہتا ہے تو رہے اور عذاب جہنم کے لئے اپنے کو تیار رکھے۔ سمجھانے بجھانے کا جو حق تھا وہ خداوند کریم نے بطریق احسن پورا فرما دیا۔

سورۃ الواقعہ کے خواص

۱- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو آدمی ہر رات کو سورۃ الواقعہ پڑھے اسے کبھی فاقہ نہیں ہوگا اور جو ہر صبح کو سورۃ الواقعہ پڑھے اسے فقر و تنگدستی کا اندیشہ نہیں رہے گا۔

۲- اگر کسی میت پر سورۃ واقعہ پڑھی جائے تو اس پر آسانی ہو جاتی ہے۔

۳- اگر مریض بے چین ہو تو اس پر سورۃ واقعہ پڑھنے سے اسے راحت پہنچتی ہے۔

۴- جسے سکرات لگی ہوئی ہو اس پر اگر سورۃ الواقعہ پڑھی جائے تو موت آسان ہو جاتی ہے۔

۵- جو آدمی صبح شام باوضو ہو کر سورۃ واقعہ پڑھنے کا معمول رکھے وہ بھوکا پیاسا نہ رہے گا اور نہ اسے کوئی سختی وخطرہ پیش آئے گا نہ غربت ستائے گی۔ (الدر النظیم)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قیامت و آخرت پر یقین صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں اور قیامت میں اپنے فضل و کرم سے ہم کو اہل جنت میں شامل فرمائیں اور آخرت کی دائمی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔ اور جہنم کے عذاب اور قیامت کی ذلت اور رسوائیوں سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

اے اللہ اپنے ذکر فکر کی توفیق دائمی ہم کو نصیب فرما اور اس قرآن کریم پر جو آپ کا نازل کیا ہوا ہے ایمان کے ساتھ اس کا اتباع کامل بھی نصیب فرما۔

یا اللہ جو اس قرآن پر ایمان رکھ کر اس کے احکام اور اتباع سے گریز کر رہے ہیں ان کو ہدایت اور دین کی سمجھ عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

سَبَّحَ پاکیزگی سے یاد کرتا ہے	لِلّٰهِ اللہ کو	مَا جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا

تفسیر وتشریح: سورۃ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفات کے بیان سے فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی کائنات کی ہر چیز بیان کرتی ہے خواہ قالاً خواہ حالاً۔ یہاں ابتدائی آیت میں لفظ سبح بصیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے جس کے لفظی معنے یہ ہوئے کہ اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے دوسری سورتوں میں یسبح بصیغہ مضارع فرمایا جس میں حال و مستقبل دونوں کا مفہوم شامل ہے اور کہیں بصیغہ امر سبح فرمایا تو مطلب یہ ہوئے کہ اس کی تسبیح وتقدیس، پاکی وبزرگی۔ کسی وقت اور کسی حال میں منقطع نہیں۔ ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے۔ ہوتی رہتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ پھر اس ابتدائی آیت سبح للہ مافی السمٰوٰت والارض میں اشارہ ہے کہ اے بنی آدم کچھ تمہیں پر اس کی تسبیح وتقدیس موقوف نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز نے اس حقیقت کا اظہار اور اعلان کیا ہے کہ اس کا خالق و پروردگار۔ ہر عیب اور نقص اور کمزوری اور خطا سے پاک ہے آسمانوں کے فرشتے۔ زمین کے رہنے والے انسان۔ دریا اور سمندر کے جانور۔ جنگلوں اور بیابانوں کے چرند درند و پرند۔ نباتات۔ جمادات۔ غرضیکہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ غرض اس ارشاد سے کہ اسی کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے خصوصاً شروع سورۃ میں یہ بھی ہے کہ اے مشرکو اور کافرو! تم نے جو اپنے اوہام باطلہ۔ اور قیاسات فاسدہ سے خدا تعالیٰ کی ذات پاک میں عیوب تجویز کر رکھے ہیں کہ کسی نے اس کے لئے (معاذ اللہ) بیٹیاں تجویز کیں۔ کسی نے بیٹا۔ کسی نے اس کے کارخانہ قضاوقدر میں شریک سمجھ رکھے ہیں۔ کسی نے نعوذ باللہ انسان کو خدا کا ہم شکل قرار دیا۔ کسی نے انسانوں یا حیوانات کی شکل میں اس کا متشکل ہو کر ظاہر ہونا مانا۔ کسی نے آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے کے بعد اس کے لئے تکان ثابت کیا۔ کسی نے اس کو بعض امور کی نسبت عاجز تصور کیا۔ وہ ان سب باتوں سے بالکل پاک ہے اور اس کی پاکی زمین وآسمان کی ہر چیز بیان کر رہی ہے اس کے بعد اپنی قدرت اور کمال کے ثبوت میں جو تسبیح وتقدیس کے اسباب ہیں چند دلائل بیان فرمائے جاتے ہیں۔ پہلی دلیل فرمائی وھو العزیز الحکیم۔ عزیز کے معنیٰ ہیں ایسا زبردست اور قادر اور قاہر جس کے فیصلے کو نافذ ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ جس کی مزاحمت کوئی نہیں کرسکتا۔ جس کی اطاعت ہر ایک کو لازمی ہے خواہ کوئی چاہے یا نہ چاہے جس کی نافرمانی کرنے والا اس کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ حکیم کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت اور دانائی کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کی تخلیق۔ اس کی تدبیر اس کی فرمانروائی۔ اس کے احکام۔ اس کی ہدایات سب حکمت پر مبنی ہیں اس کے کسی کام میں نادانی کا شائبہ تک نہیں۔

ابھی مزید دلائل اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کمال کے ثبوت میں اگلی آیات میں ظاہر فرمائے گئے ہیں۔

جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ

اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی وہی حیات دیتا ہے اور موت دیتا ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے

وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ

اور وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے، اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔ وہ ایسا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا

اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ

پھر عرش پر قائم ہوا، وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز

مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ

اس میں چڑھتی ہے، اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو، اور وہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ

اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ ہی کی طرف سے امور لوٹ جاویں گے۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور وہی دن کو رات میں

فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

داخل کرتا ہے، اور وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے۔

لَهٗ اس کیلئے	مُلْكُ بادشاہت	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	يُحْيٖ وہ زندگی دیتا ہے	وَيُمِيْتُ وہ موت دیتا ہے	وَهُوَ اور وہ	عَلٰى پر	
كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرٌ قدرت رکھنے والا	هُوَ وہی	الْاَوَّلُ اول	وَالْاٰخِرُ اور آخر	وَ اور	الظَّاهِرُ ظاہر	وَالْبَاطِنُ اور باطن	وَهُوَ اور وہ
بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے کو	عَلِيْمٌ خوب جاننے والا	هُوَ وہی	الَّذِيْ جس نے	خَلَقَ پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَ اور	الْاَرْضَ زمین	فِيْ میں
سِتَّةِ اَيَّامٍ چھ دن	ثُمَّ پھر	اسْتَوٰى اس نے قرار پکڑا	عَلَى الْعَرْشِ عرش پر	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا يَلِجُ جو داخل ہوتا ہے	فِي الْاَرْضِ زمین میں		
وَ اور	مَا يَخْرُجُ جو نکلتا ہے	مِنْهَا اس سے	وَمَا يَنْزِلُ اور جو اترتا ہے	مِنَ السَّمَاۗءِ آسمانوں سے	وَمَا يَعْرُجُ اور جو چڑھتا ہے	فِيْهَا اس میں		
وَهُوَ اور وہ	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ	اَيْنَ مَا جہاں کہیں	كُنْتُمْ تم ہو	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِمَا اسے جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	بَصِيْرٌ دیکھنے والا ہے	
لَهٗ اسی کیلئے	مُلْكُ السَّمٰوٰتِ بادشاہت آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَاِلَى اللّٰهِ اور اللہ کی طرف	تُرْجَعُ بازگشت	الْاُمُوْرُ تمام کاموں			
يُوْلِجُ وہ داخل کرتا ہے	الَّيْلَ رات	فِي النَّهَارِ دن میں	وَيُوْلِجُ اور داخل کرتا ہے	النَّهَارَ دن	فِي الَّيْلِ رات میں	وَهُوَ اور وہ		
عَلِيْمٌ جاننے والا	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دلوں کی بات کو							

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیت میں بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی زمین وآسمانوں کی ہر چیز بیان کرتی ہے اس کے بعد اپنی توحید۔ قدرت اور کمال کے ثبوت میں جو تسبیح وتقدیس کے اسباب ہیں پہلی دلیل وھو العزیز الحکیم فرمائی گئی تھی یعنی وہ زبردست قدرت اور حکمت والا ہے۔ مزید دلائل اپنی قدرت وکمال کے ثبوت میں ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جن میں بتلایا جاتا ہے کہ آسمانوں وزمین

میں سب جگہ اسی کا حکم اور اختیار چلتا ہے۔ حقیقی بادشاہ جس کی ملکیت میں زمین وآسمان ہیں وہی ہے پھر خلق میں متصرف وہی ہے۔ زندگی اور موت اسی کے قبضہ میں ہیں۔ وہی پیدا کرتا ہے وہی فنا کرتا ہے گو اس عالم اسباب میں انسان وحیوان اور جملہ موجودات کا وجود وعدم جس کو حیات وموت سے تعبیر کیا جاتا ہے بظاہر اسباب کی طرف منسوب ہے مگر جب کوئی عقل کی گہرائی سے دیکھے گا تو ان جملہ اسباب کا سلسلہ اسی کی طرف جا کر منتہی ہوتا ہوا معلوم ہوگا اس لئے آخر میں یہی کہنا پڑے گا کہ وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے۔ پھر ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے کوئی طاقت اس کے تصرف کو روک نہیں سکتی۔ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے جو نہ چاہے نہیں ہوسکتا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب کوئی نہ تھا وہ موجود تھا اور جب کوئی نہ رہے گا وہ موجود رہے گا۔ پھر ہر چیز کا وجود وظہور اس کے وجود سے ہے عرش سے فرش تک اور ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے لیکن اسی کے ساتھ اس کی ذات اور حقائق صفات تک عقل وادراک کی رسائی نہیں اس ذات پاک کی کسی ایک صفت کا احاطہ بھی کوئی نہیں کرسکتا۔ نہ اپنی رائے اور قیاس سے کچھ اس کی کیفیت بیان کرسکتا ہے بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ باطن اور پوشیدہ کوئی نہیں۔ تو جہاں اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی حقیقت کے اعتبار سے نہایت مخفی ہے کہ کسی عقل وخیال کی وہاں تک رسائی نہیں مگر اس عالم میں اس سے زیادہ کوئی چیز ظاہر بھی نہیں کہ اس کی حکمت وقدرت کے مظاہر دنیا کے ہر ہر ذرہ میں نمایاں ہیں۔ اس طرح وہ ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی ہے اور کھلے اور چھپے ہر قسم کے احوال کا جاننے والا ہے آگے اپنی قدرت وکمال کے ثبوت میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ ایسا قادر ہے کہ اس نے آسمان وزمین کو چھ روز کی مقدار میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح قائم وجلوہ فرما ہوا جو کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ اس سورۃ میں اور قرآن پاک میں ۶ دوسری سورتوں میں یعنی سات مواقع میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا فرمایا اب چھ دن سے دنیا کے چھ دن مراد ہیں۔ یا عالم غیب کے چھ دن اس میں مفسرین کا اختلاف ہے اور واضح ہو کہ عالم غیب یا عالم آخرت کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے جیسا کہ سورہ حج سترھویں پارہ میں ارشاد ہے **وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون** o اور آپ کے پروردگار کے پاس کا ایک دن مثل ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے موافق۔ بہرحال مقصود ستة ایام سے یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کو دفعتہ بنا کر نہیں کھڑا کر دیا گیا بلکہ بتدریج یہ موجودہ شکل میں مع تمام متعلقات کے مرتب ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آج تک اس دنیا میں بھی انسان وحیوان اور نباتات وغیرہ کی پیدائش کا سلسلہ تدریجی طور پر جاری ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ آسمانوں وزمین یعنی کل عالم کو پیدا فرما چکا تو خلق عالم کے بعد اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ فرما ہوا یا عرش پر ٹھہرا۔ یہ جملہ **ثم استویٰ علی العرش** ط پھر عرش پر قائم ہوا متشابہات میں سے ہے اور یہ جملہ بھی قرآن پاک میں سات جگہ آیا ہے چھ جگہ پہلے آ چکا ہے اور ساتویں بار اس سورہ حدید میں آیا ہے۔ جس کے حقیقی مطلب تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور اسپر ایمان اسی طرح بغیر تفتیش کیفیت کے رکھنا چاہئے۔ اس جملہ **ثم استویٰ علی العرش** کی مکمل تشریح سورہ اعراف (درس نمبر ۴۶۷) جلد چہارم میں ہو چکی ہے اس لئے یہاں اس کا اعادہ نہیں کیا جاتا۔ مختصراً یہ سمجھ لیا جائے کہ عرش پر اس کے ٹھہرنے کی کیفیت کسی کو معلوم نہیں وہ اسی طرح ہوگا جیسا اس کی شان کو سزاوار ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

(۱) جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے مثلاً بارش کا پانی اور بیج زمین کے اندر جاتا ہے اور کھیتی و درخت باہر اس سے نکلتے ہیں۔ (۲) وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز اس زمین میں سے نکلتی

ہے مثلاً نباتات۔ (۳) وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیزیں آسمان سے اترتی ہیں۔ مثلاً فرشتے واحکام قضا وقدر کے فیصلہ اور بارش وغیرہ۔ (۴) وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز آسمان میں چڑھتی ہیں۔ مثلاً ملائکہ کا چڑھنا۔ بندوں کے اعمال کا چڑھنا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ کسی وقت وہ تم سے غائب نہیں بلکہ جہاں کہیں تم ہو اور جس حال میں ہو وہ خوب جانتا ہے اور تمام کھلے چھپے اعمال کو دیکھتا ہے تم کسی جگہ اس سے مخفی نہیں رہ سکتے۔ پھر بتلایا جاتا ہے کہ اس کی قلمرو سے نکل کر کوئی کہیں جا نہیں سکتا۔ تمام آسمان وزمین میں اسی ایک اکیلے کی حکومت ہے ور آخر کار سب کاموں کا فیصلہ وہیں سے ہوگا۔ یہ اسی کی شان ہے کہ وہ کبھی دن کو گھٹا کر رات بڑی کر دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس رات کو گھٹا کر دن بڑا کر دیتا ہے۔ اور قدرت کے ساتھ علم اس کا ایسا ہے کہ وہ دلوں میں جو نیتیں اور ارادے پیدا ہوں یا خطرات ووساوس آویں وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔

یہ سورہ حدید اور چار آگے آنے والی سورتیں یعنی سورہ حشر۔ سورہ صف۔ سورہ جمعہ اور سورہ تغابن یعنی یہ پانچ سورتیں جن کے شروع میں لفظ سبح یا یسبح آیا ہے ان کو حدیث میں مسبحات فرمایا گیا ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان مسبحات میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے یہ حدیث نقل کر کے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ افضل آیت سورہ حدید کی یہ آیت ہے **هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شيء عليم**o جس کا ابھی درس میں بیان ہوا۔ اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر کبھی تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ اور دین حق کے معاملہ میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو یہ آیت آہستہ سے پڑھ لیا کرو یعنی **هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شيء عليم**o اللہ تعالیٰ ہی ہمارے قلوب کو شیطانی وساوس سے محفوظ فرمائیں۔

ان آیات میں یہ جملہ جو فرمایا گیا **وهو معكم اين ما كنتم** یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ تو اس معیت کی حقیقت اور کیفیت کسی مخلوق کے احاطہ علم میں نہیں آ سکتی مگر اس معیت کا وجود یقینی ہے اس کے بغیر نہ انسان کا وجود قائم رہ سکتا ہے۔ نہ کوئی کام اس سے ہو سکتا ہے اس کی مشیت اور قدرت ہی سے سب کچھ ہوتا ہے جو ہر حال اور ہر جگہ میں ہر انسان کے ساتھ ہے۔ (معارف القرآن جلد ہشتم)

اللہ تعالیٰ اپنی معیت کی ہمیں ایسی معرفت عطا فرمائیں کہ جو ہم کسی آن اور کسی حال میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت کی جرات نہ کر سکیں۔

اب جب گزشتہ اور ان آیات میں توحید الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وکمال کو اچھی طرح ظاہر فرما دیا تو آگے اس توحید کے قبول کرنے کا حکم دیا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کی معرفت کاملہ ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ اپنی بے انتہا اور لازوال قدرت کا ہم کو یقین کامل نصیب فرما کہ ہم آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچیں اور خوف کھائیں اور شب وروز یا اللہ آپ کے ذکر وفکر اور تسبیح تقدیس میں لگے رہیں۔

یا اللہ اپنے اس ارشاد وھو معکم این ما کنتم (یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو) ہم کو ایسا ایمان اور یقین کامل نصیب فرما کہ جو کسی آن اور کسی حال میں آپ کی نافرمانی کی جرات نہ کر سکیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا

تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس مال میں تم کو اس نے دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے اسمیں سے خرچ کرو سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آویں اور خرچ کریں

لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ (۷) وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ

اُن کو بڑا ثواب ہوگا۔ اور تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تم کو اس بات کی طرف بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور خود خدا نے

مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۸)

تم سے عہد لیا تھا اگر تم کو ایمان لانا ہو۔

اٰمِنُوْا تم ایمان لاؤ	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرَسُوْلِهٖ اور اس کے رسول	وَاَنْفِقُوْا اور خرچ کرو	مِمَّا اس سے جو	جَعَلَكُمْ اس نے تمہیں بنایا	مُّسْتَخْلَفِيْنَ جانشین
فِيْهِ اس میں	فَالَّذِيْنَ پس جو لوگ	اٰمَنُوْا وہ ایمان لائے	مِنْكُمْ تم میں سے	وَاَنْفَقُوْا اور انہوں نے خرچ کیا	لَهُمْ ان کیلئے	اَجْرٌ كَبِيْرٌ بڑا اجر
وَمَا لَكُمْ اور کیا (ہوگیا ہے) تمہیں	لَا تُؤْمِنُوْنَ تم ایمان نہیں لاتے	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَالرَّسُوْلُ اور رسول	يَدْعُوْكُمْ وہ تمہیں بلاتے ہیں		
لِتُؤْمِنُوْا کہ تم ایمان لاؤ	بِرَبِّكُمْ اپنے رب پر	وَقَدْ اَخَذَ اور یقیناً وہ لے چکا ہے	مِيْثَاقَكُمْ تم سے عہد	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان والے	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں شروع سورۃ سے توحید باری تعالیٰ۔ قدرت وصفات وکمالات الٰہیہ کا مضمون بیان فرمایا گیا تھا اب جب توحید الٰہی کو اچھی طرح ظاہر فرما دیا گیا تو اب آگے اس توحید کو قبول کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب تم کو اللہ تعالیٰ کی صفات اور قدرت اور کمالات معلوم ہو چکے تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو نجات اور حیاۃ ابدی کا ذریعہ ہے اور دوسری زندگانی کی روح ہے۔ مگر صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں بلکہ ایمان کے بعد عمل صالح کی بھی ضرورت ہے اور اعمال میں خلق خدا کے ساتھ سلوک کرنا اور صدقات۔ خیرات وغیرہ سے ان کی اعانت کرنا بڑا عمدہ کام ہے۔ خصوصاً ابتدائے اسلام میں جبکہ اہل اسلام کے لئے سخت بے سروسامانی کا زمانہ تھا اور اس دور میں کفار اور اعدائے دین سے سخت کشمکش کا معرکہ جاری تھا تو اس وقت دین اور اہل اسلام کے لئے اپنا مال خرچ کرنا بڑی سعادت اور بڑا زبردست خیر اور ثواب کا عمل تھا اس لئے ایمان لانے کے حکم کے بعد مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی تلقین فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو مال تمہارے ہاتھ میں ہے اس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے تم صرف امین اور خزانچی کی حیثیت میں ہو۔ لہٰذا جہاں مالک حقیقی بتلائے وہاں اس کے نائب کی حیثیت سے خرچ کرو۔ اب چونکہ مال کا خرچ کرنا آسان کام نہیں۔ طبیعت کا بخل مانع آیا کرتا ہے اس لئے مختلف دلائل اور طریقوں سے انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین وتاکید فرمائی جاتی ہے پہلے بتلایا جاتا ہے کہ دیکھو یہ مال پہلے دوسروں کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے جانشین تم بنے یعنی باپ دادا کی میراث میں۔ یا کسی کے عطیہ سے یا کسی اور سبب مثل تجارت، حرفت وصنعت وغیرہ سے مال تمہیں حاصل ہوا اور ظاہر ہے کہ تمہارا جانشین کوئی اور بنایا جائے گا یعنی تمہارے بعد کسی اور کے ہاتھ میں چلا جاوے گا۔ پھر جب معلوم ہے کہ یہ چیز نہ پہلوں کے پاس رہی۔ نہ تمہارے پاس رہے گی تو ایسی زائل اور فانی چیز

سے دل لگانا اور محبت کرنا اچھا نہیں اور اس کو اس طرح جوڑ جوڑ کر رکھنا کہ ضروری مصرف میں بھی خرچ نہ کیا جاوے محض حماقت اور کم عقلی ہے کہ ضروری اور مناسب مواقع میں بھی آدمی خرچ کرنے سے کترائے۔ آگے دوسری طرح پر انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں میں یہ خصلت اور صفت موجود نہیں۔ ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر پیدا کریں اور جن میں موجود ہے وہ اس پر ہمیشہ مستقیم رہیں اور ایمان و اسلام کے مقتضی پر عمل رکھیں اور سمجھ لیں کہ جو ایمان لا کر اللہ کے راستہ میں خرچ کریں گے ان کے لئے بڑا عمدہ بدلہ ملے گا اور ان کا اجر و ثواب ضائع نہ جائے گا۔ کبھی تو اس دنیا میں بھی مل جاتا ہے ورنہ آخرت میں تو ضرور ہی ملے گا۔ اسی لئے اللہ کے نیک بندوں نے جو کچھ ملا اللہ کی راہ میں صرف کر دیا۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے گھر میں تمہارا کچھ مال و اسباب دکھائی نہیں دیتا۔ کیا کرتے ہو انہوں نے کہا کہ بھائی یہ میرا گھر نہیں ہے۔ مسافر خانہ ہے۔ چند روز مہمان ہوں مجھے جو ملتا ہے اس کو اپنے اصل گھر میں بھیج دیتا ہوں جس کو نہ کوئی چور لے سکے نہ ظالم چھین سکے۔ یہ جواب سن کر سائل پھوٹ پھوٹ کر اپنی غفلت اور حب مال پر رونے لگا۔ آگے کفار کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ تم کس لئے ایمان نہیں لاتے حالانکہ اللہ کے رسول تم کو ایمان لانے کے لئے برابر کہہ رہے ہیں۔ تو اے منکر و اللہ پر ایمان لانے یا یقین و معرفت کے راستوں پر چلنے سے تم کو کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟ اور اس معاملہ میں سستی اور انکار کیوں ہو جبکہ خدا کا رسول اے منکرو تم کو کسی اجنبی اور غیر معقول چیز کی طرف نہیں بلکہ تمہارے حقیقی پرورش کرنے والے کی طرف دعوت دے رہے ہیں جس کی ربوبیت والٰہیت کا اقرار تم دنیا میں آنے سے پہلے عالم ارواح میں کر چکے ہو۔ پھر دلائل و براہین۔ اور رسولوں کے ذریعہ سے اس ازلی عہد و پیمان کی یاد دہانی اور تجدید بھی کی گئی اور انبیائے سابقین نے اپنی اپنی امتوں سے یہ عہد بھی لیا کہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں گے تو ان مبادی کے بعد کہاں گنجائش ہے کہ جو ماننے کا ارادہ رکھتے ہوں وہ نہ مانیں اور جو مان چکا ہو وہ اس سے انحراف کرنے لگے۔

ابھی مزید ترغیبات اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کے لئے اگلی آیات میں دی گئی ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ آپ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ آپ نے ہم کو ایمان کی دولت سے نوازا اور ہم کو اپنا اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننے والا بنایا۔

اے اللہ جو مال دولت آپ نے ہم کو دنیا میں عطا فرمایا ہے اس کو اپنی مرضیات میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ اس تمام مال کے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے حقیقی مالک آپ ہی ہیں آپ اپنے حکم کے موافق اس مال کو اپنے راستہ میں اپنی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرنا ہمارے لئے آسان فرما دیں۔ اور جو کچھ آپ کی توفیق سے آپ کے راستہ میں خرچ ہو جائے اسے اپنی رحمت سے قبول فرمالیجئے اور ہمارے لئے باعث اجر و ثواب آخرت بنا دیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ

وہ ایسا ہے کہ اپنے بندہ پر صاف صاف آیتیں بھیجتا ہے تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاوے، اور بے شک اللہ تعالیٰ

بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝۹ وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

تمہارے حال پر بڑا شفیق مہربان ہے۔اور تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ سب آسمان اور زمین اللہ ہی کا رہ جاوے گا،

لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا

جو لوگ فتح مکہ سے پہلے خرچ کرچکے اور لڑ چکے برابر نہیں وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ کیا

مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْاؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰىؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝۱۰

اور لڑے اور اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

هُوَ الَّذِیْ وہی ہے جو	یُنَزِّلُ نازل فرماتا ہے	عَلٰی پر	عَبْدِہٖ اپنا بندہ	اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ واضح آیات	لِیُخْرِجَكُمْ تاکہ وہ تمہیں نکالے	مِنَ سے	
الظُّلُمٰتِ اندھیروں سے	اِلَی النُّوْرِ روشنی کی طرف	وَ اِنَّ اور بیشک	اللّٰهَ اللہ	بِكُمْ تم پر	لَرَءُوْفٌ شفقت کرنیوالا	رَّحِیْمٌ نہایت مہربان	
وَ مَا لَكُمْ اور کیا (ہوگیا ہے) تمہیں	اَلَّا تُنْفِقُوْا تم خرچ نہیں کرتے	فِیْ سَبِیْلِ راستہ میں	اللّٰهِ اللہ	وَ لِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	مِیْرَاثُ میراث		
السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَ الْاَرْضِ اور زمین	لَا یَسْتَوِیْ برابر نہیں	مِنْكُمْ تم میں سے	مَنْ اَنْفَقَ جس نے خرچ کیا	مِنْ قَبْلِ پہلے	الْفَتْحِ فتح	وَ قٰتَلَ اور قتال
اُولٰٓىِٕكَ یہ لوگ	اَعْظَمُ بڑے	دَرَجَةً درجہ میں	مِنَ سے	الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا جنہوں نے خرچ کیا	مِنْ بَعْدُ بعد میں	وَ قٰتَلُوْا اور انہوں نے قتال کیا	
وَ كُلًّا اور ہر ایک	وَعَدَ وعدہ کیا	اللّٰهُ اللہ نے	الْحُسْنٰى اچھا	وَ اللّٰهُ اور اللہ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ اس سے جو تم کرتے ہو	خَبِیْرٌ باخبر	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں توحید کے دلائل اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں بیان فرما کر دو باتوں کا حکم دیا گیا تھا۔ایک تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا۔

آگے ان آیات میں بھی انہی دو باتوں کے متعلق مزید مضمون ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور اللہ کے دیئے ہوئے مال سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا۔چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ نے اپنا رسول بھیج کر اور قرآن اتار کر صداقت وہدایت کے نشان دیئے تاکہ ان کے ذریعہ سے انسانوں کو کفر وجہل کی اندھیریوں سے نکال کر ایمان اور عمل کے اجالے میں لے آئے۔یہ اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر بہت بڑی شفقت اور مہربانی ہے۔اگر وہ سختی کرتا تو انہی اندھیریوں میں پڑا ہوا چھوڑ کر ہلاک ہونے دیتا مگر نہیں اللہ تعالیٰ رؤف ہے اور ساتھ ہی رحیم ہے یہ اس کا سلوک اور کرم ہے کہ لوگوں کی رہنمائی کے لئے کتاب اتاری اور رسول بھیجا۔اس طرح ایمان کی رغبت دلا کر پھر انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ سب آسمان وزمین اخیر میں اللہ ہی کا رہ جاوے گا (جب سب فنا ہو کر ختم ہو جاویں گے) اور وہی رہ جاوے گا پس جب سب مال ایک روز چھوڑنا ہے تو خوشی سے کیوں اللہ کے راستہ میں نہ خرچ کیا جائے۔اس کے مال میں سے اس کے حکم کے موافق خرچ کرنا بھاری کیوں معلوم ہو؟ جب سب مال ایک روز چھوڑنا ہے تو خوشی سے کیوں نہ دیا جائے کہ ثواب بھی ہو۔اگر خوشی اور اختیار سے مال تم

اللہ کے راستہ میں نہ دو گے تو بے اختیار اسی کے پاس پہنچے گا بندگی کا اقتضا تو یہ ہے کہ خوش دلی سے پیش کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے فقر وافلاس سے نہ ڈرے کیونکہ اللہ تو زمین وآسمان کے خزانوں کا مالک ہے۔ کیا اس کے راستہ میں خوش دلی سے خرچ کرنے والا بھوکا رہے گا؟ اب آگے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے مراتب بیان فرمائے جاتے ہیں کہ انفاق فی سبیل اللہ اگرچہ ہر حال میں بہتر ہے مگر بعض اوقات کہ جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں فتح مکہ ہونے سے پہلے فقرائے اسلام پر بڑی تنگدستی اور سختی کا دور تھا اس لئے اس وقت کا مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا باعث زیادہ اجر وثواب تھا۔ یوں تو اللہ کے راستہ میں کسی وقت بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جائے وہ اچھا ہے۔ خدا اس کا بہترین بدلہ دنیا وآخرت میں دے گا لیکن جن خوش قسمت ہستیوں نے ''فتح مکہ'' سے پہلے اپنا مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ بڑے درجے حاصل کرنے والے تھے۔ بعد والے مسلمان ان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنے والے اقل قلیل تھے اور دنیائے عرب کافروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس وقت اسلام کو جانی ومالی قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی اور مجاہدین کو بظاہر اس وقت مال غنیمت وغیرہ کی توقعات بھی کم تھیں۔ ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستہ میں جان ومال لٹا دینا بڑے اولوالعزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم انسانوں کا کام تھا فتح مکہ کے بعد تو اسلام کو کھلا غلبہ ملا اور مسلمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہو گئی اور فتوحات کی وسعت ہوئی۔ ساتھ ہی مال بھی نظر آنے لگا۔ ابتدا کا دیا ہوا مال اور لگائی ہوئی جان بعد میں جان ومال لگانے سے بڑھ کر تھی گو جس نے بعد میں بھی ایسا کیا ثواب اور نیک وعدہ اس کے لئے بھی ہے۔ آگے بتلایا گیا کہ اللہ کو سب خبر ہے کہ کس کا عمل کس درجہ کا ہے اور اس میں اخلاص کا وزن کتنا ہے۔ اپنے اسی علم کے موافق اللہ تعالیٰ معاملہ فرمائے گا۔

ان آیات کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:۔

''آیات مذکورہ میں حق تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے دو طبقے قرار دیئے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام لا کر اسلامی خدمات میں حصہ لیا۔ دوسرے وہ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد یہ کام کیا۔ پہلے حضرات کا مقام بہ نسبت دوسرے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند ہونے کا اعلان یہاں فرمایا گیا ہے۔ فتح مکہ سے پہلے جو ایمان لائے ان کے سامنے مسلمانوں کی قلت اور ضعف اور اس کی وجہ سے مشرکین کی ایذاؤں کا سلسلہ تھا۔ خصوصاً ابتدائے اسلام کے وقت اسلام اور ایمان کا اظہار کرنا اپنی جان کی بازی لگانے اور اپنے گھر بار کو ہلاکت کے لئے پیش کر دینے کے مرادف تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ان حالات میں جنہوں نے اسلام قبول کر کے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور دین کی خدمت میں اپنے جان ومال کو لگایا ان کی قوت ایمان اور اخلاص عمل کو دوسرے نہیں پہنچ سکتے۔ رفتہ رفتہ حالات بدلتے گئے۔ مسلمانوں کو قوت حاصل ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہو کر پورے عرب پر اسلام کی حکومت قائم ہوگئی۔ اس وقت جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے یدخلون فی دین اللہ افواجا یعنی لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج ہو کر داخل ہوں گے اس کا ظہور ہوا کیونکہ بہت سے لوگ اسلام کی حقانیت پر تو یقین رکھتے تھے مگر اپنے ضعف اور مخالفین اسلام کی قوت وشوکت اور ان کی ایذاؤں کے خوف سے اسلام اور ایمان کا اظہار کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ ان کی راہ سے یہ رکاوٹ دور ہوگئی تو فوج درفوج ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ قرآن کریم کے ارشاد و کلاً وعداللہ الحسنیٰ (اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے خوبی اور بھلائی کا (یعنی ثواب آخرت کا) سب سے ان کا بھی اکرام واحترام کیا ہے اور ان کے لئے بھی مغفرت ورحمت کا وعدہ دیا ہے لیکن یہ بتلا دیا کہ ان لوگوں کا درجہ اور مقام ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتا جن اولین سابقین نے اپنی ہمت اور اولوالعزمی اور قوت ایمان کے سبب مخالفوں اور ایذاؤں کے خوف وخطر سے بالاتر ہو کر اسلام کا اعلان کیا اور آڑے وقت میں اسلام کے کام آئے۔۔۔ اگرچہ صحابہ کرام

میں باہمی درجات کا تفاضل یہاں ذکر کیا گیا ہے لیکن آخر میں فرمایا وکلاً وعداللہ الحسنیٰ یعنی باوجود باہمی فرق مراتب کے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ یعنی جنت اور مغفرت کا وعدہ سب ہی کے حق میں کر لیا ہے۔

یہ وعدہ صحابہ کرام کے ان دونوں طبقوں کے لئے ہے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے یا بعد میں اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور مخالفین اسلام کا مقابلہ کیا۔اس میں تقریباً صحابہ کرام کی پوری جماعت شامل ہو جاتی ہے۔

پھر صرف ان حضرات کی خطاؤں کی مغفرت کا عام اعلان ہی نہیں فرمایا بلکہ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ فرما کر اپنی رضا کی بھی سند دے دی۔اس لئے صحابہ کرام کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے ان کی وجہ سے ان میں سے کسی کو برا کہنا یا طعن و تشنیع کرنا قطعاً حرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق موجب لعنت اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔آج کل تاریخ کی جھوٹی سچی قوی ضعیف روایات کی بنا پر جو بعض لوگوں نے بعض حضرات صحابہ کو مورد طعن والزام بنایا ہے۔اول تو اس کی بنیاد جو تاریخی روایات پر ہے وہ بنیاد ہی متزلزل ہے اور اگر کسی درجہ میں ان روایات کو قابل التفات مان بھی لیا جائے تو قرآن و حدیث کے کھلے ہوئے ارشادات کے خلاف ان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔صحابہ کرامؓ کے بارہ میں پوری امت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کی تعظیم وتکریم۔ان سے محبت رکھنا۔ان کی مدح وثنا کرنا واجب ہے اور ان حضرات کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے ان کے معاملہ میں سکونت کرنا۔کسی کو مورد الزام نہ بنانا لازم ہے۔عقائد اسلامیہ کی تمام کتابوں میں اس اجماعی عقیدہ کی تصریحات موجود ہیں"۔(معارف القرآن جلد ہشتم بہ اختصار)

یہ تحقیق اور تفصیل حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ میں اس لئے نقل کی گئی کہ اس پر فتن دور میں ایک عظیم فتنہ یہ بھی پیدا کیا گیا اور پھیلایا گیا کہ تمام صحابہ کرام کے عادل وثقہ ہونے پر پوری امت کے اجماعی عقیدہ کو زخمی کیا گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بھلا دیا۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ سے ڈرو۔اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں میرے بعد ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ مت بناؤ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ کو ایذاء پہنچانے کا قصد کرے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا۔(معارف القرآن جلد ہشتم صفحہ ۹۶ رواہ الترمذی از جمع الفوائد)

اور صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو (ان کی قوت ایمانی کی وجہ سے ان کا حال یہ ہے کہ) اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو وہ ان کے (یعنی صحابہؓ کے) خرچ کئے ہوئے کے ایک مد جو کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور نہ نصف مد کے برابر (مد عرب کا ایک پیمانہ ہے جس میں تقریباً ہمارے حساب سے ایک سیر جو آتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی پوری پوری عظمت ومحبت ہم کو نصیب فرمائیں اور صحابہ کرام میں عیب چینی اور تنقیص وتنقید کے ایمان سوز فتنہ سے ہم کو محفوظ فرمائیں آمین۔

الغرض اللہ کے راستہ میں جان و مال خرچ کرنے والوں کی یہاں مدح فرمائی گئی اور ابھی یہی سلسلہ مضمون اگلی آیات میں جاری ہے اور اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کی مزید ترغیب دلائی گئی ہے۔جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو قرآن پاک کی دولت عطا فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان نعمتوں کی قدر دانی اور انکی صحیح گذاری کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَ لَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ یَوْمَ تَرَى

کوئی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر خدا تعالیٰ اس کو اس شخص کیلئے بڑھاتا چلا جاوے اور اس کیلئے اجر پسندیدہ ہے۔ جس دن آپ

الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ

مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑتا ہوگا آج تم کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے سے

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ کون ہے جو	یُقْرِضُ اللّٰہَ قرض دے اللہ کو	قَرْضًا حَسَنًا قرض حسنا	فَیُضٰعِفَهٗ پھر وہ اس کا دو چند دے	لَهٗ اس کو	
وَ لَهٗ اور اس کیلئے	اَجْرٌ كَرِیْمٌ اجر بڑا عمدہ	یَوْمَ جس دن	تَرَى تم دیکھو گے	الْمُؤْمِنِیْنَ مومن مردوں	وَ الْمُؤْمِنٰتِ اور مومن عورتوں
یَسْعٰى دوڑتا ہوگا	نُوْرُهُمْ ان کا نور	بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ان کے سامنے	وَ بِاَیْمَانِهِمْ اور ان کے دائیں	بُشْرٰىكُمُ خوشخبری ہے تمہیں	الْیَوْمَ آج
جَنّٰتٌ باغات	تَجْرِیْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِیْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	فِیْهَا اس میں / ذٰلِكَ یہ
هُوَ وہ۔ یہ	الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ کامیابی بڑی				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں ایک اور طریقہ سے اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو کچھ تم اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہو وہ گویا اللہ کو قرض دیتے ہو جو بڑا غنی اور دگنا کر کے واپس کرنے والا ہے پھر اس کا اجر وثواب بھی عطا کرنے والا ہے۔ یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ حق تعالیٰ کو کسی کے مال کی کوئی حاجت نہیں۔ معاذ اللہ نہ وہ محتاج ہے۔ نہ اس کو قرض لینے کی ضرورت ہے اور حق تعالیٰ کو قرض دے ہی کون سکتا ہے۔ لیکن یہ اس کی کریمی اور رحیمی ہے کہ جو کوئی اس کے راستہ میں اس کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کرتا ہے یا کسی حاجتمند کو اللہ کی رضا کے لئے دیتا ہے تو اس پر حق تعالیٰ اپنی ضمانت دیتے ہیں کہ یہ مال خرچ کرنے والے نے گویا اللہ کو قرض دیا یعنی اس کا اجر اس قدر قطعی اور یقینی ہے کہ گویا وہ اللہ پر قرض ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے بندے میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہ کی۔ میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا کہ الٰہی تو ان باتوں سے پاک تھا۔ باری تعالیٰ فرماویں گے تیرے پاس میرا بندہ بیمار تھا تو اس کی عیادت کرتا گویا میری عیادت کرتا۔ اور میرا بندہ تیرے پاس بھوکا تھا اس کو کھانا کھلاتا گویا مجھ کو کھانا کھلاتا کیونکہ یہ سب کام میرے ہی واسطے ہوتے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسکین پر اس کے الطاف کی تجلی ہوتی ہے اور اسی طرح ہر دردمند پر۔ تو یہاں تک اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی کس قدر بلیغ تاکید فرمائی گئی۔ اول یہ کہ مسکین کو دینا گویا اللہ کو قرض دینا ہے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے دگنا کر دیتے ہیں۔ سوم یہ کہ اس پر آخرت میں اجر بھی عنایت فرماتے ہیں۔ اب چونکہ آخرت میں اجر وثواب کا ذکر آ گیا اس لئے آگے بتلایا جاتا ہے کہ آخرت میں مومنین صالحین کا کیا حال ہوگا اور جس اجر وثواب کا وعدہ کیا جا رہا ہے اس کے ایفاء کا کونسا وقت ہوگا۔ چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ اس دن ہوگا جس روز ایماندار مردوں اور عورتوں کے آگے نور دوڑتا ہوا چلے گا اور ان کو جنت کا مژدہ دیا جاوے گا۔ اب یہاں مومنین و مومنات کے آگے نور دوڑنے کا جو ذکر فرمایا گیا تو اس سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کس موقع پر ہوگا؟ تو جمہور مفسرین اس کے قائل ہیں کہ یہ نور دوڑنے کا قصہ پل صراط کا واقعہ ہے جو جہنم کے اوپر قائم ہوگی اور جس پر سے گزر کر جنت میں

پہنچنا ہوگا۔ پل صراط اور اس کے اوپر سے گزرنے کے واقعہ کو حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث ومفسر دہلویؒ نے قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں اپنی کتاب قیامت نامہ میں اس طرح لکھا ہے۔

"قبل اس کے کہ میدان حشر سے پل صراط پر گزرنے کا حکم ہو تمام میدان محشر میں اندھیرا چھا جائے گا پس ہر امت کو اپنے اپنے پیغمبر کے ساتھ چلنے کا حکم ہوگا۔ اہل ایمان کو نور کی دو دو مشعلیں عنایت ہوں گی۔ ایک آگے چلے گی دوسری دائیں جانب اور جو ان سے کمتر ہوں گے ان کو ایک ایک مشعل دی جائے گی اور جو ان سے کمتر ہوں گے ان کے صرف پاؤں کے انگوٹھے کے پاس خفیف روشنی ہوگی۔ اور جو ان سے بھی گئے گزرے ہوں گے ان کو ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح روشنی دی جائے گی جو کبھی بجھے گی اور کبھی روشن ہوگی۔ اور جو منافق ہوں گے وہ ذاتی نور سے بالکل خالی ہوں گے۔ بلکہ دوسروں کے نور کی مدد سے چلیں گے یہاں تک کہ جس وقت یہ سب لوگ دوزخ کے کنارے کے قریب جا پہنچیں گے تو دیکھیں گے کہ دوزخ کے اوپر پل صراط ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ حکم ہوگا کہ اس پر سے ہو کر جنت میں چلو۔ وہ پل صراط ۱۵ ہزار سال کی مسافت میں ہے جن میں سے ۵ ہزار سال تو اوپر چڑھنے کے اور ۵ ہزار سال بیچ میں چلنے کے اور ۵ ہزار سال اترنے کے ہیں۔ الغرض جب میدان حشر سے پل صراط پر پہنچیں گے تو آواز ہوگی کہ اے لوگو اپنی آنکھوں کو بند کر لو تاکہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پل سے گزر جائیں۔ اس کے بعد بعض لوگ تو بجلی کی چمک کی طرح۔ بعض ہوا' بعض گھوڑے۔ بعض اونٹ' بعض معمولی رفتار کی مانند پل صراط سے گزر جائیں گے۔ بعض لوگ نہایت محنت ومشقت کے ساتھ پل پر چلیں گے۔ اس وقت دوزخ میں سے بڑے بڑے آنکس نکلیں گے جو ان میں سے بعض کو تو چھوڑ دیں گے۔ بعض کو کچھ کچھ کاٹیں گے اور بعض کو کھینچ کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔ اس وقت اعمال صالحہ مثلاً نماز۔ روزہ۔ درود۔ وظائف وغیرہ لوگوں کے دستگیر ہوں گے۔ اور خیرات آگ کے اور ان کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ قربانی سواری کا کام دے گی اور اس مقام کے ہول کی وجہ سے کسی کی آواز تک نہ نکلے گی۔ مگر پیغمبر اپنی امتوں کے حق میں رب سلم سلم کہیں گے۔ وہ مسلمان جو بجلی وہوا کی رفتار کے موافق پل صراط پر سے گزریں گے وہ پل کو عبور کر کے کہیں گے کہ ہم نے تو سنا تھا کہ راستہ میں دوزخ آئے گی لیکن ہم نے تو دیکھا بھی نہیں اور وہ لوگ جو سلامتی کے ساتھ گزریں گے وہ بھی پل صراط سے اتر کر میدان میں ان سے جا ملیں گے دنیا میں جو ایک دوسرے سے شکایت رکھتے تھے وہ سب ایک ہو جائیں گے۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جنت کا قفل کھول کر لوگوں کو داخل فرمائیں گے"۔

الغرض یہاں تو اہل ایمان کا ذکر ہوا اب آگے منافقین کا کہ جو حقیقی ایمان سے محروم ہوں گے ان کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان کو پل صراط پر چلنے میں کیا گزرے گی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے یہ جان اور مال ہم کو دنیا میں جو عطا فرمایا ہے اس کو اپنے راستہ میں لگانے اور خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ آپ کے راستہ میں آپ ہی کی توفیق سے ہم سے جو جان و مال لگ جائے اس کو اپنی رحمت سے قبول فرما کر ہمارے لئے باعث اجر آخرت بنا دیجئے۔

یا اللہ پل صراط پر سے گزرنے کے لئے ہم کو بھی نور عطا فرمائیے اور پل صراط سے بآسانی گزار کر اپنی جنت میں داخلہ نصیب فرمائیے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا

جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کرلو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں، ان کو جواب دیا جاوے گا

وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ

کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر روشنی تلاش کرو، پھر ان کے درمیان میں ایک دیوار قائم کردی جاوے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہوگی

مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ⑬ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

اور بیرونی جانب کی طرف عذاب ہوگا۔ یہ اُن کو پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، وہ کہیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑭

اور تم منتظر رہا کرتے تھے اور تم شک کیا کرتے تھے اور تم کو تمہاری بے ہودہ تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ تم پر خدا کا حکم آپہنچا اور تم کو دھوکہ دینے والے نے اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ

غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جاوے گا اور نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے، وہی تمہاری رفیق ہے،

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑮

اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

يَوْمَ يَقُوْلُ جس دن کہیں گے	الْمُنٰفِقُوْنَ منافق مرد (جمع)	وَ اور	الْمُنٰفِقٰتُ منافق عورتیں	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کو جو	اٰمَنُوْا وہ ایمان لائے		
انْظُرُوْنَا ہماری طرف نگاہ کرو	نَقْتَبِسْ ہم حاصل کرلیں	مِنْ سے	نُّوْرِكُمْ تمہارا نور	قِيْلَ کہا جائے گا	ارْجِعُوْا لوٹ جاؤ تم	وَرَآءَكُمْ اپنے پیچھے	
فَالْتَمِسُوْا پھر تم تلاش کرو	نُوْرًا نور	فَضُرِبَ پھر ماری (کھڑی کردی) جائیگی	بَيْنَهُمْ انکے درمیان	بِسُوْرٍ ایک دیوار	لَّهٗ اس کا	بَابٌ ایک دروازہ	
بَاطِنُهٗ اسکے اندر	فِيْهِ اس میں	الرَّحْمَةُ رحمت	وَ اور	ظَاهِرُهٗ اس کے باہر	مِنْ قِبَلِهِ اس کی طرف سے	الْعَذَابُ عذاب	
يُنَادُوْنَهُمْ وہ انہیں پکاریں گے	اَلَمْ نَكُنْ کیا ہم نہ تھے	مَّعَكُمْ تمہارے ساتھ	قَالُوْا وہ کہیں گے	بَلٰى ہاں	وَلٰكِنَّكُمْ اور لیکن تم		
فَتَنْتُمْ تم نے فتنہ میں ڈالا	اَنْفُسَكُمْ اپنی جانوں کو	وَتَرَبَّصْتُمْ اور تم انتظار کرتے	وَارْتَبْتُمْ اور تم شک کرتے تھے	وَغَرَّتْكُمُ اور تمہیں دھوکے میں ڈالا			
الْاَمَانِيُّ تمہاری جھوٹی آرزوئیں حَتّٰى یہانتک کہ جَآءَ آگیا اَمْرُ اللّٰهِ اللہ کا حکم وَغَرَّكُمْ اور تمہیں دھوکے میں ڈالا بِاللّٰهِ اللہ کے بارے میں							
الْغَرُوْرُ دھوکہ دینے والے	فَالْيَوْمَ سو آج	لَا يُؤْخَذُ نہ لیا جائے گا	مِنْكُمْ تم سے	فِدْيَةٌ کوئی فدیہ	وَّلَا اور نہ	مِنَ سے	
الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا	مَاْوٰىكُمُ تمہارا ٹھکانہ	النَّارُ جہنم	هِيَ یہ	مَوْلٰىكُمْ تمہارا رفیق	وَبِئْسَ اور بری	الْمَصِيْرُ جائے بازگشت

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں منافق تھے یعنی ظاہر میں مسلمانوں میں ملے ہوئے تھے مگر دل میں ان کے خلاف دکھلانے کو اسلام کے دعوے مگر محض زبانی خرچ۔ دل میں اسلام کی طرف سے شک شبہ اور شریعت کے احکام کے خلاف نفرت اور

بغض وعناد تو ایسے منافق مرد ہوں یا عورتیں ان کو بھی پل صراط ر سے گذرنے کا حکم ہوگا اس وقت ایمان والوں کے پاس تو اپنے اعمال اور ایمان کی برکت سے روشنی ساتھ ہوگی جیسا کہ گذشتہ آیات میں بیان فرمایا گیا اور وہ اس سخت اندھیرے میں اپنے نور کی روشنی میں پل صراط سے گذرنا شروع ہو جائیں گے تو اس وقت یہ منافقین بھی جن کے ساتھ اپنی کوئی روشنی نہ ہوگی مسلمانوں کے ساتھ ان کی روشنی میں پیچھے چلنا چاہیں گے لیکن مومن تو جلد آگے بڑھ جائیں گے اس لئے اُن کی روشنی منافقین سے دور ہوتی جائے گی تب وہ مسلمانوں سے ٹھہرنے کو کہیں گے اور پکاریں گے کہ میاں ذرا ٹھہرو۔ ہم کو اندھیرے میں پیچھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ تھوڑا انتظار کرو کہ ہم بھی تم سے مل جائیں اور تمہاری روشنی سے استفادہ کریں۔ آخر ہم دنیا میں تمہارے ساتھ ہی رہتے تھے اور ہمارا شمار بھی بظاہر مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ اب اس مصیبت کے وقت ہم کو اندھیرے میں پڑے چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ کیا رفاقت کا حق یہی ہے تو ان کو جواب دیا جائے گا کہ پیچھے لوٹ کر روشنی تلاش کرو۔ اگر مل سکے تو وہاں سے لے آؤ۔ پیچھے سے وہ جگہ مراد ہے جہاں پل صراط پر چڑھنے سے پہلے نور تقسیم کیا گیا تھا۔ یہ سن کر منافق مرد اور عورتیں پیچھے ہٹیں گے اتنے میں ایک دیوار دونوں فریق کے درمیان حائل ہو جائے گی جس میں ایک دروازہ بھی ہوگا اور اس دیوار کی کیفیت یہ ہوگی کہ اس کے اندرونی جانب تو رحمت ہوگی یعنی مومنین کی طرف والی جانب میں اور بیرونی جانب کی طرف یعنی منافقین کی طرف سخت عذاب ہوگا غرض جب ان منافقین میں اور اہل ایمان میں دیوار حائل ہو جائے گی اور یہ خود تاریکی میں رہ جاویں گے اور جب یہ منافقین مسلمانوں کو پکاریں گے اور دنیا میں اپنا ساتھ ہونا یاد دلائیں گے تو ان منافقین کو جواب دیا جائے گا وہ مسلمان کہیں گے کہ بے شک دنیا میں بظاہر تم ہمارے ساتھ تھے اور زبان سے دعویٰ اسلام کا کرتے تھے لیکن اندرونی حال یہ تھا کہ لذات اور شہوات میں پڑ کر تم نے نفاق کا راستہ اختیار کیا اور اپنے نفس کو دھوکہ دے کر ہلاکت میں ڈالا۔ پھر توبہ نہ کی بلکہ راہ دیکھتے رہے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑتی ہے اور دین کے متعلق شکوک اور شبہات کی دلدل میں پھنسے رہے۔ یہی دھوکہ رہا کہ آگے ان منافقانہ چالوں کا کچھ خمیازہ بھگتنا نہیں بلکہ یہ خیالات اور امیدیں پکالیں کہ چندروز میں اسلام اور مسلمانوں کا قصہ ختم ہو جائے گا آخر ہم ہی غالب ہوں گے۔ رہا آخرت کا قصہ سو وہاں بھی کسی نہ کسی طرح چھوٹ ہی جائیں گے۔ انہی خیالات میں مست تھے کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور موت نے آدبایا اور اس بڑے دغاباز شیطان نے تم کو دھوکہ میں رکھ کر ایسا بہکایا کہ اب تمہارے لئے چھٹکارے کی سبیل نہ رہی۔ اس لئے آج ہماری روشنی تمہارے کچھ کام نہ آئے گی اور نہ تم کچھ دے دلا کر جان چھڑا سکو گے۔ کافروں کا اور تمہارا اس بارہ میں ایک سا حال ہے اور تم سب کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہی ہمیشہ کے لئے تمہاری رفیق ہے اور وہ واقعی برا ٹھکانہ ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ جواب یا مومنین کا ہو یا حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔

میدان حشر میں پل صراط پار کرنے کے معاملے میں جس نور کا ذکر یہاں اور گذشتہ آیات میں ہوا اس میں کفار ومشرکین کا ذکر نہیں فرمایا گیا کیونکہ ان میں کفر وشرک کی وجہ سے نور کا کوئی احتمال ہی نہیں صرف مومنین اور منافقین کا ذکر فرمایا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ پل صراط کے ذریعہ جہنم کو پار کرنا یہ صرف مومنین کے لئے ہوگا۔ کفار ومشرکین پل صراط پر نہیں چڑھیں گے۔ وہ جہنم کے دروازوں کے راستہ جہنم میں پہنچا دیئے جائیں گے اور مومنین چڑھیں گے۔ مومنین پل صراط کے راستہ سے گذریں گے۔ پھر گناہ گار مسلم جن کے لئے ان کے بداعمالی کی سزا میں کچھ وقت تک جہنم میں رہنا ہے وہ اس پل پر سے گر کر جہنم میں جا پہنچیں گے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ امن وسلامتی کے ساتھ تیز رفتاری سے پل صراط پار کرنا ہمیں نصیب فرمائیں۔ رہے منافقین جو ابتداء حشر میں مومنین کے ساتھ ہوں گے مگر جب مومنین پل صراط پر چڑھ جائیں گے تو منافقین اندھیرے میں گرفتار ہو کر

مومنین سے فریاد کریں گے مگر پل صراط کے سرے پر ایک دیوار قائم کر دی جائے گی اور اسی اثناء میں آگ کے شعلے ان کو گھیر کر جہنم کے سب سے نیچے کے درجہ میں پہنچا دیں گے (العیاذ باللہ)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ اصل منافقین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے ان کو تو شروع ہی سے کفار کی طرح کوئی نور نہ ملے گا (جن کے متعلق سورہ توبہ دسویں پارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی گئی تھی ولا تصل علیٰ احد منهم مات ابدا ولا تقم علیٰ قبره انهم كفروا بالله ورسوله و ما تو و هم فاسقون ان میں کوئی مر جائے تو آپ کبھی اس کے جنازہ پر نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور فسق کی حالت میں مرے ہیں۔ مگر وہ منافقین جو اس امت میں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں گے جن کو منافقین کا نام تو اس لئے نہیں دیا جا سکے گا کہ وحی کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا اور کسی کے بارہ میں بغیر وحی قطعی کے یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ دل سے مومن نہیں صرف زبان کا ظاہری اقرار ہے اس لئے امت میں اب کسی کو یہ حق نہیں کہ کسی کو قطعی منافق ٹھہرائے لیکن اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے کہ کس کے دل میں ایمان ہے کس کے دل میں نہیں تو ان میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں منافق ہیں گو ظاہر میں ان کی منافقت نہیں کھلی ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا کہ شروع میں ان کو بھی کچھ نور دے دیا جائے گا مگر بعد میں سلب کر لیا جائے گا۔ اس قسم کے منافقین امت کے وہ لوگ ہیں جو قرآن و حدیث میں تحریف کر کے ان کے معانی کو بگاڑتے اور اپنے مطلب کے موافق بناتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے نفاق سے اور منافقین کی خصلتوں سے ہمارے قلوب کو محفوظ فرمائیں۔ آمین۔

الغرض پہلے گذشتہ آیات میں اہل ایمان کا ذکر ہوا تھا۔ یہاں ان آیات میں منافقین کا ذکر ہوا۔ اب آگے ان مسلمانوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو طاعات ضروریہ میں نہیں لگتے اور باوجود اسلام کے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں ان کو نصیحت فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی اسلام اور سچا ایمان نصیب فرماویں۔ اور ہر طرح کی منافقانہ خصلت و عادت سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں اور شیطان کے دھوکہ سے ہمیں بچاویں۔

یا اللہ ہمیں آخرت کی فکر اس دنیا میں نصیب فرما اور وہاں کا سامان آج اس زندگی میں جمع کرنے کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ مومنین مخلصین کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمائے اور ان کے ساتھ ہمیں اپنی جنت کی نعمتیں عطا فرمائے اور ہر طرح کے عذاب آخرت سے محفوظ رکھیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا 16

کیا ایمان والوں کیلئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے سامنے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں، اور اُن لوگوں کی طرح

كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

نہ ہو جاویں جن کو ان سے قبل کتاب ملی تھی پھر اُن پر ایک زمانہ دراز گذر گیا پھر ان کے دل سخت ہوگئے، اور بہت سے آدمی ان میں کافر ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے، ہم نے تم سے نظائر بیان کر دیئے ہیں تا کہ تم سمجھو۔

اَلَمْ يَاْنِ کیا نزدیک (وقت) نہیں آیا	لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اُن لوگوں کیلئے جو ایمان لائے (مومن)	اَنْ کہ	تَخْشَعَ جھک جائیں	قُلُوْبُهُمْ ان کے دل		
لِذِكْرِ اللّٰهِ اللہ کی یاد کیلئے	وَمَا نَزَلَ اور جو نازل ہوا	مِنَ سے	الْحَقِّ حق	وَلَا يَكُوْنُوْا اور وہ نہ ہو جائیں	كَالَّذِيْنَ ان لوگوں کی طرح	
اُوْتُوا الْكِتٰبَ جنہیں کتاب دی گئی	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	فَطَالَ تو دراز ہوگئی	عَلَيْهِمُ ان پر	الْاَمَدُ مدت	فَقَسَتْ پھر سخت ہوگئے	قُلُوْبُهُمْ ان کے دل
وَكَثِيْرٌ اور اکثر	مِّنْهُمْ ان میں سے	فٰسِقُوْنَ (جمع) فاسق (نافرمان)	اِعْلَمُوْٓا تم جان لو	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يُحْيِ زندہ کرتا ہے	الْاَرْضَ زمین
بَعْدَ مَوْتِهَا اس کے مرنے کے بعد	قَدْ بَيَّنَّا تحقیق ہم نے بیان کردی	لَكُمُ تمہارے لئے	الْاٰيٰتِ نشانیاں	لَعَلَّكُمْ تا کہ تم	تَعْقِلُوْنَ سمجھو	

تفسیر وتشریح: آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ کیا مومنوں کے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ذکر خدا' وعظ ونصیحت' آیات قرآنی' اور احادیث نبوی سن کر ان کے دل موم ہو جائیں دین کی باتیں سنیں احکام بجالائیں اور ممنوعات سے پرہیز کریں۔ یعنی مسلمان کو دل سے عزم کر لینا چاہئے۔ کہ طاعات ضروریہ کا پابند ہو اور معاصی کو ترک کر دے اللہ کے سامنے عاجزی سے جھکے اور دین حق کی سچی باتوں کو دل سے مانے۔ آگے نصیحت فرمائی جاتی ہے کہ اے مسلمانو! تم کو ان پہلے لوگوں یعنی یہود ونصاریٰ کی طرح نہ ہونا چاہئے کہ جن کے پاس اللہ کے رسول کتاب لے کر آئے اور ان کو اچھی اچھی باتیں تعلیم کیں لیکن انہوں نے کتاب اللہ کو بدل دیا۔ تھوڑے مول پر اسے فروخت کر دیا۔ یہ کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر رائے اور قیاس کے پیچھے پڑ گئے اور از خود ایجاد کردہ اقوال کو ماننے لگے۔ اپنے علما کی بے سند باتیں دین میں داخل کر دیں تو پھر ان بداعمالیوں کی سزا میں خدا نے انکے دل سخت کر دیئے۔ کوئی وعظ و نصیحت ان پر اثر نہیں کرتا۔ کوئی وعدہ و وعید ان کے دل خدا کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ ان میں کے اکثر وبیشتر فاسق اور کھلے بدکار بن گئے۔ اے مسلمانو دیکھو تم ایسا نہ کرنا۔ معصیت احیاناً ہو جائے تو جلدی توبہ کر لینا چاہئے کیونکہ بعض اوقات توبہ میں دیر کرنے سے پھر توبہ کی توفیق نہیں رہتی اور بعض وقت کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ آگے مزید نصیحت کی جاتی ہے کہ اگر تم لوگوں کے دلوں میں معاصی سے کوئی خرابی کم وبیش پیدا ہوگئی ہو تو یہ وہم دل میں نہ لاؤ کہ اب توبہ سے کیا اصلاح ہوگی بلکہ یہ یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی شان ہے کہ جس طرح وہ مردہ زمین کو دوبارہ تروتازہ اور جاندار کر دیتا ہے۔ اسی طرح توبہ کرنے پر اپنی رحمت سے قلب مردہ کو زندہ اور درست کر دیتا ہے پس مسلمان کیلئے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں سچی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ پھر اسکے قلب میں روح حیاۃ پھونک دے گا بس شرط یہی ہے کہ ہو سچی توبہ۔

اب ان آیات میں کئی باتیں قابل غور ہیں:۔

(۱) معلوم ہوا کہ ایمان وہ اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے جو کامل ہو یعنی اس میں اقرار کے ساتھ تصدیق بھی ہو اور اعمال صالحہ بھی ہوں۔ اور جو بشارات آخرت قرآن وحدیث میں دی گئی ہیں وہ مومنین کاملین ہی کے لئے دی گئی ہیں۔ (۲) ایمان ناقص رکھنے والے مومنین کو

ہدایت اور نصیحت کی جارہی ہے اور ترغیب دی جارہی ہے کہ ترک معاصی اور طاعت ضروریہ کی پابندی کا عزم دل سے کرلیں اور اس توبہ اور رجوع میں جلدی کریں ورنہ بعض اوقات رفتہ رفتہ توفیق ہی جاتی رہتی ہے اور بعض حالات میں العیاذ باللہ نوبت کفر تک پہنچتی ہے۔ (۳) یہود ونصاریٰ کا اتباع نہ ہو کہ ان میں بے دینی اور کفر اپنی آسمانی کتاب کی ہدایات سے غفلت اور معاصی کے انہماک ہی کی وجہ سے آیا۔ (۴) غفلت پر قائم رہنے سے دل سخت ہو جاتا ہے کہ پھر نصیحت اثر نہیں کرتی اور پھر نوبت کفر تک پہنچ سکتی ہے۔ (۵) کثرت معاصی سے قلوب مردہ ہو جاتے ہیں۔ پھر خیر وشر۔ نیکی و بدی۔ ہدایت وضلالت کی حس باقی نہیں رہتی۔ (۶) مسلمان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے سچی توبہ کرنے میں مومن کو دیر نہ کرنی چاہئے۔ توبہ میں ٹال مٹول اور غفلت میں پڑا رہنا مسلمان کے لئے ہرگز مناسب نہیں۔ (۷) سچی توبہ سے قلب درست اور پھر زندہ ہو جاتا ہے۔

اب غور کیجئے کہ کیسے دلکش عنوان سے حق تعالیٰ نصیحت فرما رہے ہیں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ نہ معلوم غفلت کی کیسی کائی ہمارے دلوں پر جمی ہوئی ہے۔ کہ بہت سے ایسے گناہ ہیں کہ جن کے متعلق ہم اکثر قرآن وحدیث کے احکام سنتے رہتے ہیں اور علمائے کرام بھی ان سے آگاہ کرتے رہتے ہیں مگر ہم ان گناہوں کو چھوڑنے اور ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور ان سے توبہ کرنے میں غفلت اور لاپرواہی سے کام لیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب ہمارے غفلت زدہ دلوں پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتوں کا اثر نہ ہو تو غریب علماء تو کس شمار میں ہیں کہ ان کے وعظ ونصیحت سے ہم گناہوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔

بہر حال اس تنبیہ کا ماحصل جو ان آیات میں فرمایا گیا یہی ہے کہ مومنین کو مکمل اطاعت اور عمل صالح کے لئے مستعد رہنا چاہئے۔

اب ان آیات میں ارشاد خداوندی کے جواب میں کہ کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے سامنے جھک جائیں۔ ہم دل سے اقرار کریں کہ اے خداوند قدوس ہم نے آپ کی نصیحت سن لی اور ہمارے دل آپ کی نصیحت کے سامنے جھک گئے اب اپنے کرم سے آپ ہی ہم کو اپنا مطیع بندہ بننے اور دین پر مستقیم رہنے کی سعادت اور توفیق عطا فرمائیں۔

الغرض شروع سورۃ میں توحید اور کمالات وصفات الٰہیہ بیان کرنے کے بعد دو باتوں کا حکم دیا گیا تھا ایک تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا اور دوسرے انفاق فی سبیل اللہ کا یعنی اللہ کے رستہ میں مال خرچ کرنے کا۔ اور ایسے ہی مومنین کو آخرت میں نور اور روشنی حاصل ہونے اور جنت ملنے کی بشارت دی گئی تھی اور ان دونوں امور کی کئی طرح سے ترغیب دی گئی تھی۔ ان میں جو کمی اور نقص ہوسکتا تھا اس کی خرابی بھی منافقین اور غافل مسلمین کی حالت بیان کر کے ترغیب ونصیحت کی گئی۔ اور تکمیل ایمان کی ہدایت فرمائی گئی۔ اب آگے پھر انہی دو امور یعنی کمال ایمان اور انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت اور انجام اور اس کے خلاف پر وعید سنائی گئی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہمارے قلوب کو غفلت وقساوت سے محفوظ فرمائیے اور ہمارے مُردہ قلوب کو اپنے نور ہدایت سے زندہ رکھیئے۔

یا اللہ گذشتہ میں جو ہم سے تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان پر ندامت اور توبہ کی توفیق عطا فرما کر ہماری توبہ کو قبول فرمالیجئے۔ اور آئندہ ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے کامل طور پر بچنے کا عزم نصیب فرمائیے۔

یا اللہ ہر طرح کے ظاہری اور باطنی فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائیے۔ اور ہمیں ایمان کامل اور اسلام صادق کے ساتھ اس جہان سے کوچ کرنا نصیب فرمائیے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾

بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور یہ اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں وہ صدقہ ان کیلئے بڑھا دیا جاوے گا اور ان کیلئے اجر پسندیدہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ

اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کیلئے

اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾

ان کا اجر اور ان کا نور ہوگا اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں۔

اِنَّ بیشک	اَلْمُصَّدِّقِيْنَ خیرات کرنے والے مرد	وَالْمُصَّدِّقٰتِ اور خیرات کرنے والی عورتیں	وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ اور جنہوں نے قرض دیا اللہ				
قَرْضًا قرض	حَسَنًا حسنہ (اچھا)	يُّضٰعَفُ وہ دوچند کر دیا جائے گا	لَهُمْ ان کیلئے	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	اَجْرٌ اجر	كَرِيْمٌ بڑا عمدہ	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ
اٰمَنُوْا ایمان لائے	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرُسُلِهٖ اور اس کے رسول (جمع)	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	هُمُ وہی	الصِّدِّيْقُوْنَ (جمع) صدیق		
وَالشُّهَدَآءُ اور (جمع) شہید	عِنْدَ رَبِّهِمْ اپنے رب کے نزدیک	لَهُمْ ان کیلئے	اَجْرُهُمْ ان کا اجر	وَ اور	نُوْرُهُمْ ان کا نور	وَالَّذِيْنَ اور جنہوں نے	
كَفَرُوْا کفر کیا	وَكَذَّبُوْا اور جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں کو	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ دوزخ والے			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اہل ایمان میں سے صدقہ دینے والے مرد ہوں یا عورتیں ہوں وہ حقیقت میں اللہ جل شانہ کو قرض دیتے ہیں اس لئے کہ یہ بھی قرض کی طرح ہے کہ صدقہ دینے والوں کو واپس ملتا ہے اور یہ بہت زیادہ معاوضہ اور بدلہ لے کر ایسے وقت میں واپس ہوگا جو وقت صدقہ کرنے والے کی سخت حاجت اور سخت ضرورت اور سخت مجبوری کا ہوگا۔ دنیاوی ضرورتوں کے واسطے تھوڑا تھوڑا آدمی جمع کر کے رکھتا ہے کہ فلاں ضرورت کا وقت آ رہا ہے۔ اولاد کی شادی کرنی ہے یا فلاں سفر اختیار کرنا ہے۔ اس کے لئے ہر وقت فکر میں لگا رہتا ہے کہ جو گنجائش ملے جمع کر کے رکھے تاکہ ضرورت کے وقت دقت نہ ہو۔ آخرت کا وقت تو ایسی سخت حاجت اور ضرورت کا ہے کہ اس وقت نہ کسی سے کچھ خریدا جا سکتا ہے۔ نہ قرض لیا جا سکتا ہے۔ نہ بھیک مانگی جا سکتی ہے ایسے اہم اور کٹھن وقت کے واسطے تو جتنا بھی زیادہ سے زیادہ ممکن ہو جمع کرتے رہنا نہایت ہی دور اندیشی اور کارآمد بات ہے۔ تھوڑا تھوڑا جمع کرتے رہنا تو یہاں دنیا میں معلوم بھی نہ ہوگا اور آخرت میں پہاڑوں کے برابر ملے گا۔ ایک بات یہاں یہ بھی سمجھ لی جائے کہ صدقہ کے لئے مال ہی دینا ضروری نہیں ہے اور صدقہ اسی میں منحصر نہیں بلکہ جو بھلائی کسی کے ساتھ کی جائے یا جو نیکی اللہ کو خوش کرنے کے لئے کی جائے وہ ثواب کے اعتبار سے صدقہ ہے جیسا کہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرمائی ہے ایک روایت میں ہے کہ آدمی کے اندر ۳۶۰ جوڑ ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ ایک صدقہ کیا کرے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی طاقت کس کو ہے؟ کہ ۳۶۰ صدقہ روزانہ کیا کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں تھوک پڑا ہو اس کو ہٹا دو یہ بھی صدقہ ہے۔ راستہ میں کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہو اس کو ہٹا دو یہ بھی صدقہ ہے اور کچھ نہ ملے تو چاشت کی دو رکعت نفل سب کے قائم مقام ہو جاتی ہے اس لئے

کہ نماز میں ہر جوڑ کو اللہ کی عبادت میں حرکت کرنا پڑتی ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ روزانہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو آدمی پر ہر جوڑ کے بدلے میں ایک صدقہ ہے دو آدمیوں کے درمیان انصاف کردو یہ بھی صدقہ ہے کسی شخص کی سواری پر سوار ہونے میں مدد کردو یہ بھی صدقہ ہے۔اس کا سامان اٹھا کر دیدو یہ بھی صدقہ ہے۔کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ پڑھنا بھی صدقہ ہے۔ ہر وہ قدم جو نماز کے لئے چلے صدقہ ہے کسی کو راستہ بتا دو یہ بھی صدقہ ہے راستہ سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دو یہ بھی صدقہ ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ روزانہ آدمی کے ہر جوڑ کے بدلہ میں اس پر صدقہ ضروری ہے۔ ہر نماز صدقہ ہے ہر روزہ صدقہ ہے۔ حج صدقہ ہے۔سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے۔ الحمد للہ کہنا صدقہ ہے۔ اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ایک اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی راستہ میں مل جائے اس کو سلام کرنا بھی صدقہ ہے۔نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے۔ برائی سے منع کرنا صدقہ ہے اور بھی اس قسم کی متعدد روایات وارد ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بھلائی ۔ ہر نیکی ۔ ہر احسان صدقہ ہے بشرطیکہ اللہ کے واسطے ہو یعنی مقصد اس بھلائی اور نیکی کے عمل سے اللہ پاک کو خوش اور راضی کرنا مقصود ہو۔تو یہاں مصدقین اور مصدقات یعنی صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتوں کی فضیلت بیان کی گئی کہ اللہ کو خوش کرنے اور خدا کی مرضی کی جستجو میں جو لوگ اپنے حلال مال نیک نیتی سے راہ خدا میں صدقہ دیتے ہیں ان کے بدلہ بہت کچھ بڑھا چڑھا کر خدا تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا۔ آگے ایمان کامل کی فضیلت میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں جس کا مطلوب ہونا اوپر ظاہر کیا جا چکا ہے تو ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں یعنی یہ مراتب کمال۔ ایمان کامل ہی کی بدولت نصیب ہوتے ہیں۔ آخرت میں ان سچے ایمانداروں کو اپنے اپنے عمل اور درجہ ایمان کے موافق اجر و ثواب اور نور عطا ہوگا۔ یہاں آیت میں لفظ صدیق اس معنیٰ میں ہے جس معنیٰ میں اردو میں ''ولی'' بولتے ہیں لفظی معنیٰ صدیق کے اس شخص کے ہیں جو بڑی کثرت سے صدق سے کام لیتا ہو یا جو اپنی زبان سے۔ قلب سے۔ عمل سے سب سے تصدیق کرتا ہو۔ شہدا۔ شہید کی جمع یہاں لغوی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے یعنی حق کے گواہ۔ باقی اگر شہید سے یہاں مراد اصطلاحی شہید یا قتیل فی سبیل اللہ ہو جیسا کہ بعض اکابر مفسرین کا قول ہے تو پھر یہ معنیٰ کئے جائیں گے کہ مومن کامل اپنی جان اور مال دونوں کو اپنی جگہ پر اللہ کی راہ میں وقف اور خدمت دین کے نذر کر ہی دیتا ہے رہا یہ کہ اس کے بعد بھی جان گئی یا رہی تو یہ تو اس کے اختیار کی چیز نہیں۔ آگے ان کامل الایمان لوگوں کے مقابلہ اور ضد میں کفر و انکار و تکذیب کرنے والوں کا حال بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ اصحاب الجحیم یعنی جہنمی اور دوزخی ہیں۔

اب آخرت کے ثواب و عقاب کے ذکر کے بعد آگے آخرت کا واجب الاہتمام اور باقی ہونا اور دنیا کہ جو مانع ہوتی ہے اہتمام آخرت سے اس کا نا قابل التفات اور فانی ہونا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے مصدقین بندوں میں شامل فرماویں اور اس زندگی میں صدقہ ۔ بھلائی ۔ نیکی اور احسان کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو صدقہ اور نیکی و بھلائی اللہ کی توفیق سے ہو جائے اس کو اپنے کرم سے قبول فرمالیں آمین ۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّ زِیْنَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ

تم خوب جان لو کہ دنیوی حیات محض لہو ولعب اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے

وَالْاَوْلَادِ ۭ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰىہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا ۭ

جیسے مینہ ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاری کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہوجاتی ہے سو اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہوجاتی ہے،

وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ

اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضا مندی ہے اور دنیوی زندگانی محض دھوکہ کا اسباب ہے۔

الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ

تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کے وسعت کی برابر ہے

لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ۭ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۭ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝

وہ ان لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہیں عنایت کریں، اور اللہ بڑے فضل والا ہے

اِعْلَمُوْٓا تم جان لو	اَنَّمَا اس کے سوانہیں	اَلْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا دنیا کی زندگی	لَعِبٌ کھیل	وَّلَھْوٌ اور کود	وَّ زِیْنَۃٌ اور زینت	وَّ تَفَاخُرٌ اور فخر کرنا
بَیْنَکُمْ باہم	وَتَکَاثُرٌ اور کثرت کی خواہش	فِی الْاَمْوَالِ مالوں میں	وَالْاَوْلَادِ اور اولاد	کَمَثَلِ غَیْثٍ بارش کی طرح	اَعْجَبَ بھلی لگی	
اَلْکُفَّارَ کاشتکار	نَبَاتُہٗ اسکی پیداوار	ثُمَّ یَھِیْجُ پھر وہ زور پکڑتی ہے	فَتَرٰىہُ سوتو اس کو دیکھتا ہے	مُصْفَرًّا زرد	ثُمَّ پھر	یَکُوْنُ وہ ہوجاتی ہے
حُطَامًا چورا چورا	وَفِی الْاٰخِرَۃِ اور آخرت میں	عَذَابٌ شَدِیْدٌ سخت عذاب	وَّمَغْفِرَۃٌ اور مغفرت	مِّنَ سے	اللّٰہِ اللہ	وَرِضْوَانٌ اور رضا مندی
وَمَا اور نہیں	اَلْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا دنیا کی زندگی	اِلَّا مگر۔صرف	مَتَاعُ الْغُرُوْرِ دھوکے کا سامان	سَابِقُوْٓا تم دوڑو	اِلٰی طرف	مَغْفِرَۃٍ مغفرت
مِّنْ رَّبِّکُمْ اپنے رب کی طرف سے	وَجَنَّۃٍ اور جنت	عَرْضُھَا اسکی چوڑائی (وسعت)	کَعَرْضِ السَّمَآءِ جیسی آسمان کی چوڑائی وسعت			
وَالْاَرْضِ اور زمین	اُعِدَّتْ وہ تیار کی گئی	لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کیلئے جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	بِاللّٰہِ اللہ پر	وَرُسُلِہٖ اور اس کے رسولوں	ذٰلِکَ یہ
فَضْلُ اللّٰہِ اللہ کا فضل	یُؤْتِیْہِ وہ اسکو دیتا ہے	مَنْ یَّشَآءُ جسے وہ چاہے	وَاللّٰہُ اور اللہ	ذُو الْفَضْلِ فضل والا	الْعَظِیْمِ بڑے	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں دنیا اور اس کی زندگی کا نقشہ پیش کر کے آخرت کے مقابلہ میں اس دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو ظاہر فرمایا گیا اور سمجھایا گیا کہ دنیا کی زندگی محض چندروز کی بہار اور ایک متاع غرور ہے۔ یہاں کا کھیل کود یہاں کی آرائش وزیبائش۔ یہاں کی بڑائیوں پر فخر یہاں کے مال ودولت کے کثرت کی فکر یہ سب کچھ فانی اور ناپائیدار ہے۔ اس

دنیا کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جو پہلے سرسبز ہوتی ہے۔ پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آخر کار کاٹ کر چورا چورا ہو جاتی ہے تو دنیا کی زندگی بھی ایسی ہی ناپائیدار ہے اور اس کے مقابلہ میں آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے اور اس کے لئے سعی وکوشش کرنی چاہئے۔ چنانچہ ان آیات میں یہی بتلایا جاتا ہے کہ دنیا کی زندگی کی حقیقت سن لو۔ کھیل کود۔ تماشا۔ بناؤ سنگھار۔ آپس

میں ایک دوسرے پر فوقیت جتانا۔ ہر ایک کا اس کوشش میں لگے رہنا کہ کس طرح میرے پاس سب سے زیادہ مال و دولت جمع ہو جائے اور اولاد کی بھی کثرت ہو تا کہ میں اوروں سے ہر بات میں زیادہ رہوں یعنی اہل دنیا عمر کے ہر دور میں انہی کے الٹ پھیر میں رہتے ہیں۔ بچپن کا زمانہ کھیل کود کی نظر ہو جاتا ہے جوانی آئی تو حسن وعشق کے جھمیلے میں پڑ گئے یا تجارت و ملازمت وغیرہ زرکشی کے پیشوں میں لگ گئے۔ بڑھاپا آیا تو مال واولاد کی فکر کہ میرے پیچھے گھر بنا رہے اور اولاد آسودگی سے بسر کرے۔ بس یہ اہل دنیا کی زندگی کی کائنات ہے اب آپ اس قرآنی بیان کو سامنے رکھئے اور دنیا داروں کی زندگی کو دیکھ لیجئے خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں۔ یا روسی و امریکی ہوں۔ یا چینی و جاپانی ہوں۔ ان ساری آخرت فراموش دنیا پرست قوموں اور حکومتوں کا مقصد زندگی سوائے لہولعب و زینت تفاخر اور تکاثر فی الماں والاولاد کے سوا اور کیا ہے؟ مگر آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ سب ٹھاٹھ سامان فانی زوال پذیر ہیں جیسے کھیتی کی رونق اور بہار چندروزہ ہوتی ہے۔ پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آدمی اور جانور اس کو روند کر چورا چورا کر دیتے ہیں۔ اس کی شادابی اور خوبصورتی کا نام ونشان نہیں رہتا۔ یہی حال دنیا کی زندگانی اور اس کے ساز و سامان کا سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ آدمی اس کی عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے حالانکہ موت کے بعد یہ چیزیں کام آنے والی نہیں وہاں کچھ اور ہی کام آئے گا یعنی ایمان اور عمل صالح۔ جو شخص دنیا سے یہ کما کر لے گیا۔ سمجھو بیڑا پار ہے۔ آخرت میں اس کے لئے خدائے ذوالجلال کی خوشنودی و رضا مندی ہے اور جو دولت ایمان سے تہی دست رہا اور کفر وعصیان کا بوجھ لے کر پہنچا اس کے لئے سخت عذاب ہے اور جس نے ایمان کے باوجود اعمال صالحہ میں کوتاہی کی اور گناہوں میں جری رہا تو اس کے لئے جلد یا بدیر۔ چھوٹی یا موٹی سزا اٹھا کر معافی ہے پھر آگے حکم ہوتا ہے کہ موت سے پہلے زندگی میں وہ سامان کرلو جس سے آخرت میں کوتاہیاں معاف ہوں۔ اللہ کی مغفرت نصیب ہو اور جنت کی لازوال نعمتیں حاصل ہوں۔

یہاں جو سابقوآ الیٰ مغفرة من ربکم فرمایا یعنی مسابقت کرو اپنے رب کی مغفرت کی طرف۔ تو مسابقت کرنے سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ صحت و تندرستی کا کچھ بھروسہ نہیں۔ نیک اعمال میں سستی اور ٹال مٹول نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بیماری یا عذر آ کر تمہیں کسی کام کے لائق نہ چھوڑے۔ یا موت ہی آ جائے تو حاصل مسابقت کا یہی ہوا کہ کمزوری' بیماری وغیرہ آنے سے پہلے پہلے ایسے اعمال کا ذخیرہ کرو جو جنت تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکیں۔ اور مسابقت کے معنیٰ یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ نیک اعمال میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو جیسا کہ حضرت علیؓ نے اپنی نصائح میں فرمایا کہ تم مسجد میں سب سے پہلے جانے والے اور سب سے اخیر میں نکلنے والے بنو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جہاد کی صفوف میں سے پہلی صف میں رہنے کے لئے بڑھو۔ اور حضرت انسؓ نے فرمایا کہ جماعت نماز میں پہلی تکبیر میں حاضر رہنے کی کوشش کرو۔ (معارف القرآن)

آگے جنت کی وسعت کا حال بتلایا جاتا ہے کہ آسمان اور زمین دونوں کو اگر ملا کر رکھا جائے تو اس کے برابر جنت کا عرض ہوگا۔

سورہ آل عمران چوتھے پارہ میں بھی جنت کی وسعت کے مضمون کی یہ آیت آ چکی ہے۔ وسارعوآ الیٰ مغفرة من ربکم وجنة عرضها السمٰوٰت والارض اعدت

للمتقین ٥ یعنی اپنے پروردگار کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑو اور وہ جنت ایسی وسیع ہے جیسے سب آسمان اور زمین اور وہ تیار کی گئی ہے متقین یعنی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اس آیت سے معلوم ہوا کہ ساتوں آسمان اور زمین کی وسعت کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو وہ جنت کا عرض یعنی چوڑائی ہوگی اور جب اتنا عرض ہوگا تو طول کتنا ہوگا؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی جانے۔ ایسی وسیع جنت ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ آگے یہ بھی بتلا دیا کہ بے شک ایمان وعمل صالحہ حصول جنت کے اسباب ہیں لیکن حقیقت میں جنت ملتی ہے اللہ کے فضل سے۔ اس کا فضل نہ ہو تو سزا سے چھوٹنا ہی مشکل ہے جنت ملنے کا تو کیا ذکر۔ گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ اپنے اعمال پر کوئی نازاں اور مغرور نہ ہو اور اپنے اعمال پر استحقاق جنت کا مدعی نہ ہو۔ بزرگان دین نے لکھا ہے کہ انسان کے عمر بھر کے اعمال تو ان نعمتوں کا بدلہ بھی نہیں ہو سکتے جو دنیا میں اس کو مل چکی ہیں تو ہمارے یہ اعمال جنت کی دائمی ابدی اور لازوال نعمتوں کی قیمت کیا بن سکتے ہیں۔ جنت میں جو بھی داخل ہوگا وہ اللہ کے فضل واحسان ہی سے داخل ہوگا۔

اب یہاں غور کیجئے اللہ تعالیٰ تو فرمادیں کہ تم اپنے پروردگار کی جنت کی طرف دوڑو یعنی اس کے حصول کی حد درجہ کوشش کرو۔

اب دنیا کی دو حالتیں ہیں ایک مسرت اور ایک مضرت اور یہ دونوں حالتیں مختلف صورتوں سے حصول آخرت میں مانع اور رکاوٹ بنتی ہیں۔ یہاں ان آیات میں مسرت یعنی لہو ولعب' زینت وتفاخر وتکاثر کا ذکر فرمایا گیا۔ آگے مصیبت ومضرت کا ذکر ہے کہ اس کو بھی تقدیر الٰہی سمجھ کر مانع آخرت نہ بنانا چاہئے جس کا ذکر اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور جس دنیا کی قرآن اور حدیث نے مذمت فرمائی ہے اس دنیا سے اللہ تعالیٰ ہمیں بچائیں۔ اس دنیوی زندگی میں یا اللہ ہمیں ان عقائد اور اعمال کی توفیق عطا فرما دیجئے کہ جو آخرت میں آپ کی مغفرت اور رضا مندی ہمیں نصیب ہو اور آپ کی رضا کے مقام جنت میں ہمارا دائمی اور ابدی ٹھکانہ ہو جائے۔

اے اللہ اے مولائے کریم آپ اپنے فضل عظیم کو ہمارے لئے مقدر فرمادیں اور دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں آپ کا فضل عظیم ہمارے شامل حال ہو اور اس فانی دنیا میں باقی اور دائمی آخرت سنوارنے اور بنانے کی توفیق ہم کو نصیب ہو جائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہیں قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں

نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٢٢﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے۔ تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں، اور اللہ تعالیٰ

لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ﴿٢٣﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ

کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ جو ایسے ہیں کہ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہیں، اور جو شخص اعراض کرے گا

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٤﴾

تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں سزاوار حمد ہیں۔

مَآ اَصَابَ نہیں پہنچی	مِنْ مُّصِيْبَةٍ کوئی مصیبت	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَلَا اور نہ	فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ تمہاری جانوں میں	اِلَّا مگر	
فِيْ كِتٰبٍ کتاب میں	مِّنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ نَّبْرَاَهَا کہ ہم پیدا کریں اس کو	اِنَّ بیشک	ذٰلِكَ یہ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	يَسِيْرٌ آسان
لِّكَيْلَا تَاْسَوْا تاکہ تم غم نہ کھاؤ	عَلٰي پر	مَا فَاتَكُمْ جو تم سے جاتی رہے	وَلَا تَفْرَحُوْا اور نہ تم خوش ہو	بِمَآ اٰتٰىكُمْ اس پر جو اس نے تمہیں دیا	وَاللّٰهُ اور اللہ	
لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا	كُلَّ ہر ایک (کسی)	مُخْتَالٍ اترانے والا	فَخُوْرٍ فخر کرنیوالا	الَّذِيْنَ جو لوگ	يَبْخَلُوْنَ بخل کرتے ہیں	وَيَاْمُرُوْنَ اور حکم (ترغیب) دیتے ہیں
النَّاسَ لوگ	بِالْبُخْلِ بخل کا	وَمَنْ اور جو	يَّتَوَلَّ منہ پھیر	فَاِنَّ اللّٰهَ تو بیشک اللہ	هُوَ الْغَنِيُّ وہ بے نیاز	الْحَمِيْدُ سزاوار حمد

تفسیر وتشریح: ان آیات میں سمجھایا جاتا ہے کہ دنیا میں راحت و مصیبت جو بھی آتی ہے وہ تقدیر الٰہی اور اللہ کے پہلے سے لکھے ہوئے فیصلے کے مطابق آتی ہے۔ لہٰذا مومن کی حالت یہ ہونا چاہئے کہ مصیبت یا تکلیف آئے تو بھی گھبرا کر ہمت نہ ہار بیٹھے اور احکام الٰہیہ کے خلاف کوئی کام یا کوئی بات کر کے اپنی آخرت کا نقصان نہ کرلے اور اگر حکم الٰہی سے راحت آئے تو اترا نہ جائے اور فخر وغرور نہ کرنے لگے بلکہ اُس نعمت وراحت کو اللہ کا عطیہ سمجھے اور اللہ کی طرف سے جانے۔ بڑائی اور شیخی نہ مارے اور نہ اُس نعمت کو نعمت دینے والے خدا کے کام میں خرچ کرنے سے تنگدل ہو یا بخیلی برتے اور اس طرح اپنی آخرت کا نقصان کرے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو کوئی مصیبت زمین پر آتی ہے جیسا کہ قحط۔ وبا۔ طوفان۔ زلزلہ۔ بدامنی۔ خونریزی وغیرہ وغیرہ یا خود کوئی مصیبت انسانوں کی ذات پر پڑتی ہے جیسے مرض۔ تنگدستی۔ اولاد واحباب کا مرنا۔ بے عزتی۔ ذلت وناکامی وغیرہ کا ہونا تو یہ مصیبت تم پر یا زمین پر آنے سے پہلے اللہ کے دفتر قضا وقدر میں لکھی ہوئی ہوتی ہے چنانچہ مسلم شریف کی ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی ہیں۔ یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لی جائے کہ اس آیت میں اور حدیث شریف میں جو اللہ تعالیٰ کے تقدیر لکھنے کا ذکر فرمایا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ تو ہے نہیں کہ جس طرح ہم انسان ہاتھ میں قلم لے کر کاغذ یا تختی پر کچھ لکھ لیتے ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے لکھا ہو۔ ایسا خیال کرنا اللہ تعالیٰ کی شان اقدس سے ناواقفی ہے دراصل اللہ تعالیٰ کے افعال وصفات کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے ہم قاصر ہیں اور چونکہ اس کے لئے الگ کوئی زبان یا لغت نہیں ہے اس لئے ہم مجبوراً انہیں الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے افعال وصفات کی تعبیر کرتے ہیں جو دراصل ہمارے افعال وصفات کے لئے وضع کئے گئے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کے اور ہمارے افعال وصفات

کی حقیقت اور کیفیت میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ اس کی عالی ذات اور ہماری مجبور ذات میں فرق ہے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں جس کتاب تقدیر کا ذکر کیا گیا ہے اس کی حقیقت اور نوعیت کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی واقعہ ہے کہ عربی زبان میں کسی چیز کے طے کر دینے اور معین ومقرر کر دینے کو بھی کتابت سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اسی معنیٰ کے اعتبار سے روزہ کی فرضیت کو کتب علیکم الصیام سے اور قصاص کے حکم کو کتب علیکم القصاص سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس یہاں بھی اگر کتابت سے یہی مراد ہو تو مطلب حدیث شریف کا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں معین کیں اور جو کچھ ہونا ہے اس کو مقرر فرمایا۔ مسئلہ قضاء و قدر یعنی تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروریات دین اور شرط ایمان میں سے ہے مگر قضا وقدر کا مسئلہ بلاشبہ مشکل اور نازک مسئلہ ہے لہذا مومن کو چاہئے کہ اگر یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہ آئے تو بحث اور حجت نہ کرے بلکہ اپنے دل دماغ کو اس پر مطمئن کرلے کہ اللہ کے صادق ومصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کو جس طرح بیان کیا ہے، ہم اس پر ایمان لائے۔ تقدیر کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کو نازک اور مشکل ہونا ہی چاہئے۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ اسی دنیا کے بہت سے معاملات اور بہت سے رازوں کو ہم میں سے بہت سے نہیں سمجھ سکتے پس جب اللہ کے سچے پیغمبر نے ایک حقیقت بیان فرمادی تو جن لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے ان کے لئے بھی ایمان لانے کے بعد صحیح طریق کار یہی ہے کہ وہ اس کے بارہ میں کوئی بحث اور کٹ حجتی نہ کریں بلکہ اپنی عقل وذہن کی نارسائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر ایمان لائیں۔ مسئلہ تقدیر کی اہمیت کی بناپر یہاں یہ ضروری باتیں عرض کردی گئی ہیں۔ الغرض یہاں فرمایا گیا کہ کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص انسانوں کی جانوں میں مگر وہ سب ایک کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں اُسی کے موافق دنیا میں ظہور ہوکر رہے گا۔ ایک ذرّہ بھر کم وبیش یا پس وپیش نہیں ہوسکتا۔ اور ایسا کرنا کوئی اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ذاتی ہے اس لئے اپنے علم محیط کے موافق تمام

واقعات وحوادث کو قبل از وقوع کتاب یعنی لوح محفوظ میں درج کر دینا اس کے لئے کیا مشکل ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس حقیقت پر اس لئے مطلع کر دیا کہ تم خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جو بھلائی تمہارے لئے مقدر ہے ضرور پہنچ کر رہے گی اور جو مقدر نہیں وہ کبھی ہاتھ نہیں آسکتی۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ٹھہر چکا ہے ویسا ہی ہوکر رہے گا لہٰذا جو فائدہ کی چیز ہاتھ نہ لگے اس پر غمگین اور مضطرب ہوکر پریشان نہ ہو اور جو قسمت سے ہاتھ لگ جائے اس پر اکڑو اور اتراؤ نہیں بلکہ مصیبت اور ناکامی کے وقت صبر وتسلیم اور راحت وکامیابی کے وقت شکر اور تحمید سے کام ہو۔ یہاں آیت میں کسی چیز کے جاتے رہنے پر جورنج نہ کرنے کا حکم ہے تو اس سے طبعی رنج مراد نہیں بلکہ وہ رنج وغم مراد ہے کہ جو حد سے زیادہ ہو جو طاعات الٰہیہ میں حائل ہو جائے اور اشتغال آخرت سے مانع ہو جائے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی نعمت یا مال ودولت عطا فرمادے تو اس پر اپنی بڑائی مارنا اور اترانا کہ میں بڑا مالدار ہوں۔ پیسہ والا ہوں یہ نہ چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسا شخص پسند نہیں جو اپنے مال و دولت پر اتراتا ہو اور لوگوں کے سامنے اپنی بڑائیاں مارتا ہو۔ ایسے ہی متکبر مالدار ہوتے ہیں جو خود بھی بخیل اور کنجوس ہوتے ہیں اور دوسروں سے بھی کہتے رہتے ہیں کہ پیسہ لٹانے کی چیز نہیں۔ اسے جوڑ کر جمع کر کے رکھو۔ آگے ارشاد ہے کہ ہم نے تو حکم دے دیا کہ پیسہ مال و دولت ہو۔ تو اللہ کی راہ میں جیسے اس نے بتایا خرچ کرو۔ اب اگر کوئی ہمارے حکم سے منہ موڑے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اللہ کو تو کسی چیز کی حاجت نہیں وہ تو بے نیاز اور بے پرواذات ہے اور تمام خوبیاں علی وجہ الکمال اس کی ذات میں جمع ہیں۔ تمہارے کسی فعل سے اس کی کسی خوبی میں اضافہ نہیں ہوتا جو کچھ نفع نقصان ہے تمہارا اپنا ہے۔ خرچ کرو گے فائدہ اٹھاؤ گے نہ کرو گے گھاٹے میں رہو گے نقصان اٹھاؤ گے۔

اب یہاں تک دنیا کا غیر مہتم بالشان ہونا اور آخرت کا مہتم بالشان ہونا ارشاد فرمایا گیا۔ آگے اسی آخرت کی درستگی اور اصلاح کے متعلق انبیاء اور رسولوں کو دنیا میں بھیجنا ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا تا کہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ ۚ

اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں اور تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٥﴾

اللہ تعالیٰ قوی اور زبردست ہے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا تحقیق ہم نے بھیجا	رُسُلَنَا اپنے رسولوں	بِالْبَيِّنَاتِ واضح دلائل کے ساتھ	وَأَنْزَلْنَا اور ہم نے اتاری	مَعَهُمْ ان کے ساتھ	
الْكِتَابَ کتاب	وَالْمِيزَانَ اور میزان (عدل)	لِيَقُومَ النَّاسُ تا کہ لوگ قائم رہیں	بِالْقِسْطِ انصاف پر	وَ اور	أَنْزَلْنَا ہم نے اتارا	الْحَدِيدَ لوہا
فِيهِ اس میں	بَأْسٌ شَدِيدٌ لڑائی (خطرہ) سخت	وَمَنَافِعُ اور منافع	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَلِيَعْلَمَ اور تا کہ معلوم کرے	اللَّهُ اللہ
مَنْ يَنْصُرُهُ کون مدد کرتا ہے اسکی	وَ اور	رُسُلَهُ اور اس کے رسول	بِالْغَيْبِ بن دیکھے	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	قَوِيٌّ قوی	عَزِيزٌ غالب

تفسیر وتشریح: اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے آخرت کے نفع کے لئے ہدایت کا پورا پورا سامان اور بندوبست کر دیا ہے چنانچہ دنیا میں اس نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ انہیں کتاب دی تا کہ لوگ عقائد اور اخلاق اور اعمال میں سیدھے انصاف کی راہ چلیں۔ افراط وتفریط کے راستہ پر قدم نہ ڈالیں اور اس کتاب میں بالخصوص انصاف کرنے کے حکم کو نازل کیا تا کہ لوگ اخلاق اور معاملات میں افراط وتفریط کو چھوڑ کر اعتدال کی راہ پر قائم رہیں یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پوری رعایت کریں اور اس میں ساری شریعت آ گئی آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو پیدا کیا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ اب یہاں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے ذکر کے ساتھ معاً یہ فرمانا کہ ہم نے لوہا نازل کیا جس میں بڑا زور اور لوگوں کے لئے منافع ہیں اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو آسمانی کتاب اور اس کی تعلیمات وہدایات سے راہ راست پر نہ آئیں اور عدل وانصاف کو دنیا میں قائم نہ رکھیں تو ضرورت پڑے گی کہ ان کی گوشمالی کی جائے اور ظالم اور کجرو معاندین پر اللہ اور رسول کے احکام وقار اور اقتدار قائم رکھا جائے۔ اس وقت شمشیر کے قبضہ پر ہاتھ ڈالنا اور خالص دینی جہاد میں اسی لوہے سے کام لینا ہوگا۔ عموماً تمام آلات جنگ و حرب میں لوہا استعمال ہوتا ہے۔ تلوار۔ بندوق۔ نیزہ۔ تیر۔ گرز۔ توپ۔ زرہ وغیرہ تمام آلات جس سے سرکشوں کی گردن توڑی جاتی ہے لوہے کے ہوتے ہیں۔ کلام کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو ہدایت کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی جس میں انصاف اور عدل کو بالخصوص قائم رکھنے کا حکم دیا اس کتاب کی ہدایات کو عملاً نافذ کرنے اور فی الواقع عدل کو قائم رکھنے میں اگر ضرورت ہو تو مزاحمت کرنے والوں کا زور توڑا جائے اور آسمانی ہدایات کو درہم برہم کرنے والوں کو تنبیہ وسزا دی جا سکے گویا اس میں جہاد کی ضرورت اور ترغیب کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں لوہے کا استعمال لازمی ہے یہاں حدید یعنی لوہے کو پیدا کرنے کی دو حکمتیں آیت میں بیان فرمائی

گئیں ۔ ایک تو یہ کہ مخالفین پر اس کا رعب پڑتا ہے اور سرکشوں کو اس کے ذریعہ احکام الٰہیہ اور عدل و انصاف کے احکام کا پابند بنایا جاسکتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ اس میں لوگوں کے حق تعالیٰ نے بہت سے منافع رکھے ہیں کہ جس قدر صنعتیں اور ایجادات و مصنوعات دنیا میں ہوئی یا ہو رہی ہیں ان سب میں لوہے کی ضرورت ہے لوہے کے بغیر کوئی صنعت نہیں چل سکتی ۔ اب آگے لوہے کے استعمال یعنی تیر ۔ تلوار تفنگ ۔ توپ کو جہاد میں کام لانے اور طاقت سے کام لینے کی حکمت کو بیان فرمایا جاتا ہے کہ جہاد کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کمزور ہے اور اس کو مدد کی ضرورت ہے ۔ نہیں اللہ تعالیٰ تو قوی زبردست ہے اور ہر وقت یہ قدرت رکھتا ہے کہ جب چاہے ایک اشارہ سے تمام کافروں اور اعدائے دین کو مغلوب کر دے اور اپنے رسولوں کو ان پر غلبہ اور تسلط عطا فرما دے جہاد کی تعلیم و ترغیب اس لئے نہیں دی گئی کہ اللہ کچھ تمہاری امداد و اعانت کا محتاج ہے بلکہ اس میں بندوں کی وفاداری کا امتحان مقصود ہے یہ کھل جائے اور علانیہ ظاہر ہو جائے کہ کون سے خدا کے وفادار بندے ہیں جو خدا کو بن دیکھے خدا کی محبت میں اور خدا کے دین کی محبت میں ۔ اور آخرت کے غائبانہ اجر و ثواب پر یقین کر کے اس کے دین اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں اور اعدائے دین سے جنگ و جہاد کرتے ہیں اور جو خدا کی خاطر دنیا میں حق کو غالب کرنے کے لئے جان مال کی بازی لگا دیتے ہیں دراصل اس جہاد میں بندوں کی وفاداری کا امتحان مقصود ہے تاکہ جو بندے اس میں کامیاب ہوں ان کو اعلیٰ مقامات پر پہنچایا جائے ۔

اس آیت سے بھی اور قرآن کریم کی متعدد دوسری آیات اور بکثرت احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا کہ جہاد اسلام کے فرائض میں سے ایک اہم فرض ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ الجہاد ماض الیٰ یوم القیٰمۃ یعنی جہاد جاری رہے گا قیامت تک ۔ تو قرآن و سنت کی بے شمار نصوص اور اجماع امت جہاد کی فرضیت کا اعلان کرتے ہیں ۔ اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اس کی تجویزیں سوچیں اور نہ تمنا کی تو وہ نفاق کی ایک صفت پر مرا''۔ یعنی ایسی زندگی جس میں دعوےٰ ایمان کے باوجود نہ کبھی راہ خدا میں جہاد کی نوبت آئے اور نہ دل میں اس کا شوق اور اس کی تمنا ہو تو یہ منافقوں کی زندگی ہے اور جو اسی حال میں اس دنیا سے جائے گا تو وہ نفاق کی ایک صفت کے ساتھ جائے گا ۔ تو معلوم ہوا کہ مسلمان کے دل میں ہمیشہ جہاد کا عزم اور تمنا ہونی چاہئے ۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اب جیسے تمام ارکان اسلامیہ اور فرائض دینیہ کی حقیقت اور روح عنقا ہے ۔ اگر تھوڑا بہت کچھ باقی ہے تو صرف ظاہری شکل اور ظاہری رسم باقی ہے اور وہ بھی غنیمت ہے ۔ کیونکہ اگر یہی تنزل چلتا رہا تو خوف ہے کہ خدانخواستہ یہ ظاہری شعائر اور رسوم اسلامیہ بھی عنقا نہ ہو جائیں ۔ آج تمام عالم میں مسلمانوں کے ساتھ کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کا جو معاملہ ہو رہا ہے اس کا سبب اگر غور کیا جائے تو درحقیقت عام اہل اسلام کا حقیقی جذبہ جہاد سے دلوں کا خالی ہو جانا ہے ۔ جہاد کے حکم سے خداوند قدوس کا مقصود ہی یہ ہے کہ اللہ کا دین اسلام دنیا میں حاکم بن کر رہے اور اہل اسلام عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں اور امن و عافیت کے ساتھ حق تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کر سکیں ۔ کافروں سے کوئی خطرہ نہ رہے کہ ان کے دین میں خلل انداز ہو سکیں ۔ (سیرۃ المصطفیٰ حصہ دوم)

اب یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اصطلاح شریعت میں جہاد کس چیز کا نام ہے اور کیا اس کی تعریف ہے؟ علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ اپنی طاقت اور قوت کو مال دولت کے لئے نہیں ۔ عصبیت اور

قومیت اور وطنیت اور اظہار مردانگی وشجاعت اور توسیع سلطنت و مملکت کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے اپنی طاقت کو پانی کی طرح بہا دینا اس کو اصطلاح شریعت میں جہاد کہتے ہیں۔اعلاء کلمتہ اللہ یعنی اللہ کا بول بالا کرنا اگر مقصود نہ ہو بلکہ فقط مال وزر مطلوب ہو۔یا قطع نظر حق و باطل سے وطن اور قوم کی حمایت مقصود ہو یا اپنی بہادری اور شجاعت کا اظہار منظور ہو تو اللہ جل اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک وہ جہاد نہیں بلکہ ایک قسم کی جنگ ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ انسان کبھی اظہار شجاعت کے لئے جنگ کرتا ہے اور کبھی قومی غیرت وحمیت کی بنا پر اور کبھی دنیاوی نام ونمود اور شہرت کے لئے۔ان میں سے کون سی جنگ جہاد فی سبیل اللہ کا مصداق ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔''جو شخص فقط اس لئے لڑے اور جنگ کرے تا کہ اللہ ہی کا بول بالا رہے بس وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے''۔تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے وفاداروں کا خدا تعالیٰ کے باغیوں سے محض خدا کا باغی ہونے کی وجہ سے لڑنا اور اس کی راہ میں انتہائی جانبازی اور سرفروشی کا نام جہاد ہے بشرطیکہ وہ جانبازی اور سرفروشی محض اس لئے ہو کہ اللہ کا بول بالا ہو۔اس کے احکام بے حرمتی سے محفوظ ہو جائیں اور دنیا کا کسی قسم کا نفع مقصود نہ ہو ایسی جانبازی اور سرفروشی کو شریعت اسلام میں جہاد کہتے ہیں۔چونکہ بنی نوع انسان کی طبائع یکساں نہیں تو کسی کے لئے خداوند قدوس نے کتاب اتاری اور انبیاء کو مبعوث فرمایا اور کسی کے لئے لوہا اتارا۔خداوند ذوالجلال کی یہ قدیم سنت ہے کہ وہ اپنے مخلصین کو جہاد کا حکم دیتا رہا تا کہ مفسدین اور فتنہ پردازوں کے شر اور فساد کو دفع فرمائے۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسلام حقیقی کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ صادقہ عطا فرمائیں اور اسی جذبہ کے ساتھ اس جہان سے کوچ کرنا نصیب فرمائیں۔آمین۔

اب ان آیات میں عام انبیاء ورسل کا اجمالی ذکر تھا۔اس کے بعد بعض خاص پیغمبروں کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔اور قرآن کریم جیسی کتاب عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہم کو قرآن کریم کی ہدایات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی اور ہر حال میں ہم کو انصاف وحق پر قائم رکھیں۔

یا اللہ اپنے دین حق کی ہم کو بھی کسی درجہ میں خدمت کی توفیق عطا فرما دے۔اور اپنے فضل سے ہمارے دین ودنیا کے تمام معاملات کو درست وراست فرما دے۔ یا اللہ مفسد کفار ومشرکین کے ساتھ ہم کو اسلام کا بول بالا کرنے کیلئے جہاد کی توفیق عطا فرما اور اپنی تائید اور نصرت کو ہمارے شامل حال فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی سو ان لوگوں میں بعضے تو ہدایت یافتہ ہوئے، اور بہت سے

مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ

ان میں نافرمان تھے۔ پھر ان کے بعد اور رسولوں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل دی،

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا

اور جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور ترحم پیدا کیا، اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا ہم نے اُن پر اس کو واجب نہ کیا تھا

عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ

لیکن انہوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے اس کو اختیار کیا تھا سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی، سو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر دیا،

وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۲۷﴾

اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا اور تحقیق ہم نے بھیجا	نُوحًا نوح	وَ اور	إِبْرَاهِيمَ ابراہیم	وَجَعَلْنَا اور ہم نے رکھی	فِي ذُرِّيَّتِهِمَا ان کی اولاد میں	النُّبُوَّةَ نبوت	
وَالْكِتَابَ اور کتاب	فَمِنْهُمْ سو ان میں سے کچھ	مُهْتَدٍ ہدایت یافتہ	وَكَثِيرٌ اور اکثر	مِنْهُمْ ان میں سے	فَاسِقُونَ نافرمان	ثُمَّ پھر	قَفَّيْنَا ہم انکے پیچھے لائے
عَلَىٰ آثَارِهِمْ انکے قدموں کے نشانات پر	بِرُسُلِنَا اپنے رسول	وَقَفَّيْنَا اور ہم انکے پیچھے لائے	بِعِيسَى عیسیٰ	ابْنِ مَرْيَمَ ابن مریم	وَآتَيْنَاهُ اور ہم نے اسے دی		
الْإِنْجِيلَ انجیل	وَجَعَلْنَا اور ہم نے ڈال دی	فِي قُلُوبِ دلوں میں	الَّذِينَ وہ لوگ جنہوں نے	اتَّبَعُوهُ اسکی پیروی کی	رَأْفَةً نرمی	وَرَحْمَةً اور رحمت	
وَرَهْبَانِيَّةً اور ترکِ دنیا	ابْتَدَعُوهَا جو انہوں نے خود نکالی	مَا كَتَبْنَاهَا ہم نے وہ واجب نہیں کی	عَلَيْهِمْ ان پر	إِلَّا مگر	ابْتِغَاءَ چاہنا		
رِضْوَانِ اللَّهِ اللہ کی رضا	فَمَا تو نہ	رَعَوْهَا اس کو نباہا	حَقَّ رِعَايَتِهَا اس کو نباہنے کا حق	فَآتَيْنَا تو ہم نے دیا	الَّذِينَ آمَنُوا ان لوگوں کو جو ایمان لائے		
مِنْهُمْ ان میں سے	أَجْرَهُمْ ان کا اجر	وَكَثِيرٌ اور اکثر	مِنْهُمْ ان میں سے	فَاسِقُونَ نافرمان			

تفسیر و تشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی اصلاح آخرت خلق کے لئے نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا تھا۔ اور یہ دونوں پیغمبر اس شان کے تھے کہ دنیا میں پیغمبری اور کتاب آسمانی جاری رکھنے کے لئے ان ہی دو پیغمبروں کی نسلوں کو چن لیا گیا کہ ان کے بعد یہ دولت پیغمبری ان کی نسل سے باہر نہ جائے۔ چنانچہ دنیا میں جو رسول بھی اللہ کی کتاب لے کر آئے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی اور ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اور ان پیغمبروں میں کچھ تو صاحب کتاب تھے جیسے حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور کچھ صاحب کتاب نہ تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تابع تورات بہت سے پیغمبر آئے۔ تو جن جن لوگوں کے پاس یہ پیغمبر آئے ان لوگوں میں سے بعضے تو ہدایت یافتہ ہوئے کہ انہوں نے پیغمبروں کی ہدایت کو قبول کیا اور بہت سے ان میں سے نافرمان ثابت ہوئے کہ جنہوں نے اپنے

پیغمبروں کی تکذیب کی اور اُن کا کہنا نہ مانا اور ان کی ہدایات وتعلیمات کو قبول نہ کیا۔ اور پچھلے رسول اپنے پہلے رسولوں کے نقش قدم پر تھے یعنی اصولی حیثیت سے سب کی تعلیم ایک تھی حتیٰ کہ آخر میں انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دے کر بھیجا گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین جو واقعی ان کے طریقہ پر چلنے والے تھے ان کے دلوں میں اللہ نے نرمی رکھی تھی۔ وہ خلق خدا کے ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ آگے چل کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین نے بے دین بادشاہوں سے تنگ ہو کر اور دنیا کے مخمصوں سے گھبرا کر ایک بدعت رہبانیت کی نکالی۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں میں سے کچھ تارک الدنیا ہو جاتے اور دنیوی زندگی سے بھاگ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں رہ کر عبادت اور سخت مجاہدے کرتے۔ نہ ایسے لوگ شادی بیاہ کرتے۔ نہ عمدہ لباس پہنتے۔ نہ عمدہ کھانا کھاتے۔ ایسے لوگوں کا نام راہب ہوتا تھا۔ تو ان کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ اس رہبانیت کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں دیا گیا تھا۔ مگر نیت ان کی یہی تھی کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔ یعنی رہبانیت اللہ تعالیٰ کی فرض کی ہوئی نہ تھی بلکہ انہوں نے از خود اپنے اوپر یہ فرض کر لیا تھا اللہ کی خوشنودی کی طلب میں مگر پھر اس کو پوری طرح نباہ نہ سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے عیسائی راہبوں میں بہت سی بری باتیں شرمناک پیدا ہو گئی تھیں جن کا ذکر مورخین نے بہت کچھ کیا ہے قرآن کریم نے اپنے اخلاق کریمانہ سے ان کا صراحۃً ذکر کرنا مناسب نہ جانا۔ اور اشارۃً فرمایا **فما رعوها حق رعايتها** سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی۔ یعنے جن پابندیوں کو اپنے نزدیک اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھ کر خود اپنے اوپر عائد کر بیٹھے تھے ان کا حق ادا نہ کیا اور وہ حرکتیں کیں کہ جن سے اللہ کی خوشنودی کے بجائے اس کا غصہ اور غضب مول لے بیٹھے۔ اسی لئے شریعت اسلامیہ نے اعتدال فطری سے متجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی کیونکہ یہ غیر فطری چیز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے **لا رهبانية في الاسلام** اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں۔ ایک اور حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ کیونکہ مجاہد اپنے سب حظوظ وتعلقات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے رستہ میں نکلتا ہے۔

بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ صحابہؓ میں سے ایک صاحب نے کہا کہ میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔

دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ اور کبھی ناغہ نہ کروں گا۔

تیسرے نے کہا کہ میں کبھی شادی نہ کروں گا اور عورت سے کوئی واسطہ نہ رکھوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا خدا کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا اور اس سے تقویٰ کرتا ہوں۔ مگر میرا طریقہ یہ ہے کہ روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ راتوں کی نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جس نے میری سنت سے رغبت نہ کی یعنے میرا طریقہ پسند نہ کیا تو وہ مجھ سے نہیں یعنی اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں ابوداؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ تم پر سختی کرے۔ ایک گروہ نے یہی تشدد اختیار کیا تھا تو اللہ نے بھی پھر اسے سخت پکڑا۔ دیکھ لو وہ ان کے بقایا راہب خانوں اور کنیسوں میں موجود ہیں''۔ الغرض نصرانیوں کی بدعت رہبانیت کا ذکر فرمایا گیا کہ جو ان کی شریعت میں تو نہ تھی لیکن انہوں نے

خود اپنی طرف سے اسے ایجاد کرلیا تھا مگر یہ اسے بھی نبھا نہ سکے اور جیسا چاہئے تھا اس طرح اس پر جم نہ سکے پس ان کے لئے دوہری خرابی آئی۔ ایک اپنی طرف سے نئی بات دین خدا میں ایجاد کرنے کی۔ دوسرے اس پر بھی قائم نہ رہنے کی۔ یہاں نصرانیوں کا دین میں نئی بات یعنی بدعت رہبانیت ایجاد کرنے کو جو ذکر فرمایا گیا۔ تو یہ سمجھ لیا جائے کہ بدعت اسلام شریعت میں بھی نہایت ایجاد کرنے کو جو ذکر فرمایا گیا۔ تو یہ سمجھ لیا جائے کہ بدعت اسلامی شریعت میں بھی نہایت درجہ مذموم اور ممنوع سمجھی گئی ہے۔ جو امر کہ شریعت کی کسی دلیل یعنی قرآن۔ حدیث۔ اجماع۔ قیاس سے ثابت نہ ہو اور اس کو دین میں داخل کیا جائے تو شریعت کی اصطلاح میں ایسے امر کو بدعت کہتے ہیں اور یہ بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے وہ گویا حق تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے اس لئے کہ شریعت حق تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہے اس میں کمی بیشی کا کسی کو حق حاصل نہیں پس جس نے اس شریعت میں کسی ایسی بات کو شامل کیا جو اس دین سے خارج ہے تو اس نے اس شریعت الٰہیہ کو ناکافی سمجھا پھر اور باتیں جو داخل کیں تو ایک نئی شریعت خود گھڑی یہ دوسرا جرم ہوا۔ پھر چونکہ بدعت عبادت کا رنگ لئے ہوئے ہوتی ہے یعنی بدعت کا مرتکب اس کو عبادت سمجھتا ہے اور ذریعہ قرب خداوندی خیال کرتا ہے اس لئے ایسے شخص کو توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی کیونکہ توبہ تو گنہگار کیا کرتا ہے اور بدعتی اپنے کو گناہ گار نہیں سمجھتا بلکہ وہ اپنے کو تابعدار سمجھتا ہے تو پھر وہ توبہ کیوں کرے۔ حق تعالیٰ ہر چھوٹی بڑی بدعت سے ہم کو بچاویں اور سیدھی راہ دکھاویں اور اس پر استقامت عطا فرمائیں۔ اخیر میں بتلایا گیا کہ ان اہل کتاب نصاریٰ میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر تھے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے حق تعالیٰ نے ان کو اجر عطا فرمایا مگر ایسے نصاریٰ کم ہی تھے اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں کہ آپ پر ایمان نہ لائے۔

یہاں تک تو اہل کتاب عیسائیوں میں سے آپ پر ایمان لانے والوں اور ایمان نہ لانے والوں کو خبر دی گئی تھی آگے ایمان لانے کا صریح امر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی خاتمہ کی آیات میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانبردار اور متبع بنا کر زندہ رکھیں اور آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچاویں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور سچی محبت کے ساتھ سچی عظمت اور اس کے ساتھ سچا اتباع بھی نصیب فرماویں اور ظاہر میں اور باطن میں ہم کو شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرماویں۔

اللہ تعالیٰ اس پرفتن زمانہ میں ہر چھوٹی بڑی بدعت سے ہم کو بچائیں۔ اور سیدھی راہ ہدایت پر ہم کو مستقیم رکھیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ

اے ایمان رکھنے والو تم اللہ سے ڈرو اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دے گا اور تم کو ایسا نور

لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۸ لِّـئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا

عنایت کرے گا کہ تم اس کو لئے ہوئے چلتے پھرتے ہوگے اور تم کو بخش دے گا، اور اللہ غفور رحیم ہے۔ تاکہ اہل کتاب کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ

يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی دسترس نہیں اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیدے،

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹

اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

يٰاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جولوگ ایمان لائے	اتَّقُوا اللّٰهَ ڈرو اللہ سے تم	وَاٰمِنُوْا اور ایمان لاؤ	بِرَسُوْلِهٖ اسکے رسولوں پر	يُؤْتِكُمْ وہ تمہیں عطا کریگا		
كِفْلَيْنِ دو حصے	مِنْ سے	رَّحْمَتِهٖ اپنی رحمت	وَيَجْعَلْ اور کردے گا	لَّكُمْ تمہارے لئے	نُوْرًا ایسا نور	تَمْشُوْنَ تم چلوگے	بِهٖ اسکے ساتھ
وَيَغْفِرْ اور وہ بخش دے گا	لَكُمْ تمہیں	وَاللّٰهُ اور اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ مہربان	لِّـئَلَّا يَعْلَمَ تاکہ نہ جانیں جان لیں		
اَهْلُ الْكِتٰبِ اہل کتاب	اَلَّا يَقْدِرُوْنَ کہ وہ قدرت نہیں رکھتے	عَلٰي شَيْءٍ کسی شے پر	مِّنْ سے	فَضْلِ اللّٰهِ اللہ کا فضل	وَاَنَّ اور یہ کہ		
الْفَضْلَ فضل	بِيَدِ اللّٰهِ اللہ کے ہاتھ میں	يُؤْتِيْهِ وہ دیتا ہے اسے	مَنْ يَّشَاۗءُ جس کو وہ چاہتا ہے	وَاللّٰهُ اور اللہ	ذُو الْفَضْلِ فضل والا	الْعَظِيْمِ بڑا	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے والوں کو عام خطاب فرمایا جاتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین اور آپ پر ایمان رکھنے والو! تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی مان چکے ہو اب اللہ سے ڈرو نفسانیت اور تعصب کو چھوڑ و اور اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لاؤ اور آپ کو اللہ کا رسول مانو تا کہ اللہ تعالیٰ تم کو دوہرا ثواب دے۔ ایک عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی وجہ سے اور دوسرا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ اہل کتاب کو اسلام قبول کرنے پر دوہرے ثواب عطا کئے جانے کی تصریح بیسویں پارہ سورہ قصص میں بھی ہو چکی ہے جہاں فرمایا گیا تھا اولٰئک یوتون اجرھم مرتین ان لوگوں کو یعنی اہل کتاب کو دوہرا ثواب ملے گا۔ تو اہل کتاب نصاریٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے پر ایک بشارت تو یہ دی گئی کہ اللہ تعالیٰ تم کو دوہرا اجر وثواب عنایت فرمائے گا۔ دوسری بشارت یہ دی گئی کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ جو ہر حال میں تمہارا رفیق رہے گا دنیا میں بھی۔ مرنے کے بعد بھی اور آخرت میں بھی اور تیسری بشارت یہ دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گذشتہ گناہوں کو بخش دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے اور یہ دولتیں تم کو اس لئے عنایت کرے گا تا کہ قیامت میں جس وقت ان عطایا کا ظہور ہو اس وقت ان اہل کتاب کو جو دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے ان کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ عدم ایمان محمدیؐ کی حالت میں فضل خداوندی سے ذرا بھی مستفید نہ ہو سکیں گے۔ یہ اہل کتاب کے اس زعم باطل کی تردید میں

1 ارشاد فرمایا گیا کہ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم موسیٰ اور عیسیٰ کا دامن پکڑے ہوئے ہیں ہمیں کیا غم و اندیشہ ہے۔ انہیں جتلایا گیا کہ اب خاتم الانبیاء کی بعثت کے بعد محض انبیاء قدیم حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان ظاہر کرنا اور جتلانا انہیں مومن رہنے کے لئے کافی نہیں اس لئے قیامت میں وہ اللہ کے فضل سے محروم رہیں گے اور جو اہل کتاب میں سے خاتم الانبیاء پر ایمان لائے ان پر یہ فضل ہوا کہ ان کو دوگنا اجر ملا۔ گذشتہ خطاؤں کی معافی اور نور ایمان مرحمت ہوا اور جو ایمان نہ لائے وہ ان انعامات سے محروم رہے۔

یہاں اہل کتاب یعنی نصاریٰ کو سمجھایا گیا کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تو ایمان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں تو اس حالت میں وہ اللہ کے کسی فضل کے آخرت میں مستحق نہیں جب تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء پر ایمان نہ لے آئیں۔ اب دیکھئے کہ ضد۔ تعصب۔ عناد۔ ہٹ دھرمی کا تو دنیا میں کوئی علاج نہیں باقی کسی کلام یا کسی بات کو معقول طریقہ سے سمجھانے اور بتلانے کے دو ہی طریقے مسلم ہیں یا اس بات کو عقلی دلائل سے ثابت کیا جائے اور یا نقلی یعنی کتابی دلائل سے۔ اب یہاں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے جو عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین یعنی نصاریٰ سے کہا گیا تو نقلی یعنی کتابی دلائل سے قطع نظر کر کے اگر عقلی دلائل سے سمجھا جائے جس کا آج کل دنیا میں بڑا زور ہے تو بھی خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کسی صاحب فہم و عقل سے ممکن نہیں۔ اگر آج آپ کسی عیسائی یا یہودی اہل کتاب سے دریافت کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام یا دوسرے انبیاء جن کو یہود و نصاریٰ بھی اللہ کا نبی تسلیم کرتے ہیں ان کے نبی ہونے کی کیا عقلی دلیل ہے۔ تو ایک عیسائی یا یہودی جن عقلی دلائل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا پیغمبر اور نبی ہونا ثابت کرے گا انہی دلائل سے خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ کا نبی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول ماننے کے لئے دلیل دے گا کہ ان سے بڑے بڑے معجزات ظاہر ہوئے۔ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات بروایات صحیحہ ثابت ہیں ان کی تعداد ہر نبی کی تعداد سے زیادہ اور ان کی شان بھی اعلیٰ ہے۔ اگر ایک عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ثبوت میں ان پر اللہ کی وحی کا آنا اور انجیل کا ان پر نازل ہونا بیان کرے تو اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی وحی کا آنا اور قرآن کا نازل ہونا ثابت ہے اور قرآن نے جو دعوے کئے یا پیشین گوئیاں کی ان کا صادق ہونا آج تک ثابت ہوا۔ اگر ایک عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ثبوت میں آپ کی پاکیزہ زندگی۔ اعلیٰ اخلاق۔ بلند کردار صداقت و امانت کو پیش کرے تو اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و محاسن۔ صفات و محامد۔ آپ کی سچائی اور دیانت نبوت سے پہلے ہی اتنی مشہور تھی کہ نبوت سے پہلے ہی لوگوں نے ''امین'' کا لقب آپ کو دے رکھا تھا۔ دشمنان اسلام نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کرادار اور حضور کی پاکیزہ اور مطہر زندگی کی مدح و ستائش کی ہے۔ منصف مزاج غیر مسلم مورخین اور مصنفین نے بھی کی ہے۔ اگر ایک عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ثبوت میں آپ کی دینی تعلیم و تبلیغ اور امت کی تربیت کو پیش کرے تو اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی امت کو ایسی شریعت کی تعلیم دی کہ جو قیامت تک کے لئے کافی و شافی ہے اور جس میں کسی ترمیم و تنسیخ کی احتیاج

نہیں۔آپ کی تعلیم وتربیت اور فیض صحبت سے قلیل مدت میں ہی کایا پلٹ گئی اور صحابہ کرام کے اخلاق وکردار انتہائی پستی کی حالت سے ایسے اعلیٰ ہو گئے کہ جس کو غیر مسلم محققین وفضلا بھی تسلیم کرتے ہیں اور اسے ایک حیرت انگیز واقعہ بلکہ حضور کا معجزہ سمجھتے ہیں۔

الغرض انبیائے سابقین علیھم السلام کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے اہل کتاب جو عقلی دلیل بھی پیش کرے گا انہی دلائل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کیا جا سکتا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء والرسل پر ایمان نہ لانے اور آپ کو اللہ کا رسول نہ ماننے کی کیا وجہ؟

اور اگر آپ کتابی دلائل کی طرف آئیں تو قرآن مجید۔انجیل۔تورات۔زبور جس کا بھی مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر نبی نے اپنے سے پہلے آنے والے نبی کی تصدیق کی ہے اور اپنے بعد آنے والے نبی کی پیشین گوئی اور اپنی امت کو ان پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ ہمارے نبی کریم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے پیشتر انبیائے کرام کی تصدیق فرمائی لیکن اپنے بعد کسی نبی کی پیشین گوئی نہیں فرمائی جس کی وجہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ تھا۔اگر کوئی نبی آنے والا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو ضرور اس کی آمد سے آگاہ فرماتے اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیتے۔ ہاں آپ نے اطلاع دی تو یہ دی کہ آئندہ میری امت میں ۳۰ سخت جھوٹے پیدا ہوں گے ان میں ہر ایک اپنے متعلق گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں سب نبیوں کے آخر میں آیا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (رواہ مسلم)

الغرض انبیاء کرام کا سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے اس سلسلہ نبوت کی انتہا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتی ہے۔اس لئے متبعین عیسیٰ علیہ السلام کو نجات آخرت حاصل کرنے کے لئے یہاں خاتمہ سورۃ پر اللہ سے ڈرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ہے اور اس پر بشارت سنائی جاتی ہے۔اور اسی پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے۔

الحمد للہ اس درس پر سورہ حدید کا بیان پورا ہو گیا۔

سورۃ الحدید کے خواص

۱......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے کہ اسم اعظم سورۃ حدید کی چھ آیات میں ہے۔

۲......اگر جنگ میں جانے والا سورۃ الحدید لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اسے دشمن کا کوئی ہتھیار نقصان نہ پہنچائے گا۔

۳......جسے بخار ہو اس پر سورۃ الحدید پڑھی جائے۔

۴......جسے ورم ہو اس پر سورۃ الحدید پڑھ کر دم کیا جائے۔

(الدر النظیم)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا یہ فضل عظیم ہے کہ جو ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے اور تمام اپنے پیغمبروں پر ایمان رکھنے کا شرف عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پکا اور سچا امتی ہونا نصیب فرمائیں۔اور آپ کی محبت وعظمت کے ساتھ آپ کا اتباع بھی نصیب فرمائیں۔اور قیامت میں اپنا فضل عظیم ہمارے لئے مقدر فرمائیں اور اپنی شان غفور رحیمی سے ہماری مغفرت فرمائیں اور ہم پر رحمت فرمائیں۔آمین۔　وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سُن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی، اور اللہ تعالیٰ تم دونوں

تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

کی گفتگو سن رہا تھا، اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ یقیناً سُن لی	اللّٰهُ اللہ	قَوْلَ بات	الَّتِيْ وہ عورت جو	تُجَادِلُكَ آپ سے بحث کرتی تھی	فِيْ زَوْجِهَا اپنے خاوند کے بارہ میں	
وَتَشْتَكِيْٓ اور شکایت کرتی تھی	اِلَى طرف۔کی	اللّٰهِ اللہ	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَسْمَعُ سنتا تھا	تَحَاوُرَكُمَا تم دونوں کی گفتگو	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
سَمِيْعٌ سُننے والا	بَصِيْرٌ دیکھنے والا					

تفسیر وتشریح: سورۃ کی ابتدائی آیات کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ یہ آیات حضرت حولہ بنت ثعلبہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں جن کے شوہر حضرت اوس بن صامت انصاریؓ نے غصہ میں ایک بار اپنی بی بی حولہ کو یوں کہہ دیا انت علی کظھر امی یعنی تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت اور چونکہ جاہلیت میں ان الفاظ سے ہمیشگی کی علیحدگی طلاق سے بڑھ کر سمجھی جاتی تھی تو حضرت حولہ اس بارہ میں حکم دریافت کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور سب ماجرا کہہ سنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بنا پر کہ ابھی تک اس قول مشہور کے خلاف وحی نازل نہیں ہوئی تھی اس قول کو قابل عمل خیال کر کے فرما دیا کہ میری رائے میں تم حرام ہو گئیں۔ وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگیں کہ پھر میرا اور میرے بچوں کا کیسے گذر ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت حولہ نے کہا کہ میرے شوہر نے طلاق کو تو کہا نہیں پھر طلاق کیسے ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے اور فریاد کرنے لگیں کہ یا اللہ میں اپنی تنہائی اور مصیبت کی فریاد تجھ سے کرتی ہوں۔ ان بچوں کو اگر اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مریں گے اور شوہر کے پاس چھوڑ دوں تو یونہی کسمپرسی کی حالت میں ضائع ہو جائیں گے۔ اے اللہ تو اپنے نبی کی زبان سے میری مشکل کو حل کر۔ اس پر یہ ابتدائی آیات اس سورۃ کی نازل ہوئیں اور ''ظہار'' کا حکم ارشاد فرمایا گیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان صحابیہ کی فریاد کا بارگاہ الٰہی میں قبول ہونا اور فوراً ہی وہاں سے ان کی فریاد رسی کے لئے فرمان مبارک نازل ہو جانا ایک ایسا واقعہ تھا جس کی وجہ سے حضرت حولہ کو صحابہ کرام میں ایک خاص قدر و منزلت حاصل ہو گئی۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کچھ اصحاب کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک عورت ملیں۔ انہوں نے آواز دے کر آپ کو ٹھہرالیا۔ اور حضرت عمرؓ فوراً ٹھہر گئے اور ان کے پاس جا کر توجہ اور

ادب سے سر جھکائے ان کی باتیں سننے لگے۔ جب وہ اپنی باتیں پوری کر چکیں اور خود لوٹ گئیں تب امیر المومنین حضرت عمرؓ بھی واپس ہوئے۔ ساتھیوں میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ امیر المومنین آپ ایک بڑھیا کے کہنے سے رک گئے اور اتنے آدمیوں کو آپ کی وجہ سے اب تک رکنا پڑا۔ آپ نے فرمایا جانتے بھی ہو یہ کون تھیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں فرمایا کہ یہ وہ عورت ہیں کہ جن کی شکایت اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر سنی۔ یہ حضرت حولہ بنت ثعلبہ ہیں۔ خدا کی قسم اگر یہ رات تک مجھے کھڑا رکھتیں تو میں کھڑا رہتا بس نمازوں کے اوقات پر نماز ادا کر لیتا اور میں ان کی خدمت سے نہ ٹلتا۔ اللہ اکبر! تو اس آیت میں حضرت حولہ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی مثلاً یہ کہتی تھی کہ شوہر نے طلاق کا صیغہ تو ذکر کیا نہیں پھر حرمت کیسے ہوگئی اور کبھی اللہ کے آگے رونے اور فریاد کرنے لگتی اور اپنے رنج وغم کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تو اللہ تعالیٰ آپ کی اور اس عورت کی گفتگو سن رہا تھا اور اللہ تعالیٰ تو سب ہی کچھ سنتا اور دیکھتا ہے جو گفتگو آپ کے اور اس عورت کے درمیان ہوئی وہ کیوں نہ سنتا بے شک وہ مصیبت زدہ عورت کی فریاد کو پہنچا اور ہمیشہ کے لئے اس قسم کے حوادث سے عہدہ برآ ہونے کا راستہ بتا دیا۔

اب آگے حکم ہے ظہار کا جس سے حضرت حولہ کی دادرسی فرمائی گئی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اے فریاد کرنے والوں کی فریاد کو سننے والے آقا! اور اے رنج وغم کے دور فرمانے والے مالک! تیرے ہی کرم ورحم کا ہم گناہ گاروں کو بھی آسرا ہے آپ ہی ہماری فریاد رسی فرمانے والے ہیں۔

اے اللہ ہماری ہر چھوٹی بڑی۔ دینی ودنیاوی مشکل کو آسان فرما اور ہمارے تمام معاملات کو اپنی رحمت سے درست وراست فرما۔

یا اللہ ہم کو اپنی ہر مشکل میں اپنی ہی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الَّذِينَ يُظٰهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَآئِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهٰتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهٰتُهُمْ إِلَّا الّٰٓـِٔي

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔ وہ اُن کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے ان کو

وَلَدْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿٢﴾ وَالَّذِينَ

جنا ہے، اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کردینے والے بخش دینے والے ہیں۔ اور جو لوگ

يُظٰهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن

اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں

يَتَمَآسَّا ۚ ذٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

باہم اختلاط کریں اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ پھر جس کو میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پیاپے

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ

دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں، پھر جس سے یہ بھی نہ ہوسکیں تو اسی کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے،

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤﴾

وہ حکم اس لئے ہے تاکہ اللہ اور اور رسول پر ایمان لے آؤ، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور کافروں کیلئے سخت دردناک عذاب ہوگا۔

الَّذِينَ جو لوگ	يُظٰهِرُونَ ظہار کرتے ہیں	مِنكُمْ تم میں سے	مِّن نِّسَآئِهِمْ اپنی بیویوں سے	مَّا هُنَّ وہ نہیں	أُمَّهٰتِهِمْ ان کی مائیں		
إِنْ نہیں	أُمَّهٰتُهُمْ ان کی مائیں	إِلَّا مگر صرف	الّٰٓـِٔي وہ عورتیں	وَلَدْنَهُمْ جنہوں نے جنا ہے انہیں	وَإِنَّهُمْ اور بیشک وہ	لَيَقُولُونَ البتہ کہتے ہیں	
مُنكَرًا نامعقول	مِّنَ الْقَوْلِ بات سے	وَزُورًا اور جھوٹ	وَإِنَّ اور بیشک	اللَّهَ اللہ	لَعَفُوٌّ البتہ معاف کرنیوالا	غَفُورٌ بخشنے والا	وَالَّذِينَ اور جو لوگ
يُظٰهِرُونَ ظہار کرتے ہیں	مِن نِّسَآئِهِمْ اپنی بیویوں سے	ثُمَّ پھر	يَعُودُونَ وہ رجوع کرلیں	لِمَا قَالُوا اس سے جو انہوں نے کہا (قول)			
فَتَحْرِيرُ تو آزاد کرنا لازم ہے	رَقَبَةٍ ایک غلام	مِّن قَبْلِ اس سے قبل	أَن يَتَمَآسَّا کہ ایکدوسرے کو ہاتھ لگائیں	ذٰلِكُمْ یہ			
تُوعَظُونَ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے	بِهِ اس سے۔کی	وَاللَّهُ اور اللہ	بِمَا تَعْمَلُونَ اس سے جو تم کرتے ہو	خَبِيرٌ باخبر ہے	فَمَن تو جو کوئی		
لَّمْ يَجِدْ نہ پائے	فَصِيَامُ تو روزے	شَهْرَيْنِ دو مہینے	مُتَتَابِعَيْنِ لگاتار	مِن قَبْلِ اس سے قبل	أَن يَتَمَآسَّا کہ وہ ایکدوسرے کو ہاتھ لگائیں		
فَمَن پھر جس	لَّمْ يَسْتَطِعْ اسے مقدور نہ ہو	فَإِطْعَامُ تو کھانا کھلائے	سِتِّينَ ساٹھ	مِسْكِينًا مساکین کو	ذٰلِكَ یہ	لِتُؤْمِنُوا اسلئے کہ تم ایمان رکھو	
بِاللَّهِ اللہ پر	وَرَسُولِهِ اور اسکا رسول	وَتِلْكَ اور یہ	حُدُودُ اللَّهِ اللہ کی حدیں	وَ اور	لِلْكَافِرِينَ نہ ماننے والوں کیلئے	عَذَابٌ أَلِيمٌ دردناک عذاب	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تم میں سے جو ظہار کر بیٹھتے ہیں یعنی مثلاً بیوی کو یوں کہہ دیا کہ تو میری ماں کے مثل ہے تو اس کہنے سے بیوی واقعی ماں تو نہیں بن جاتی کہ محض اتنے لفظ پر ہمیشہ کے لئے حقیقی ماں کی طرح حرام ہوجائے۔ ماں تو دراصل وہ

ہے کہ جس نے اولاد کو جنا ہے۔ تو بیوی جس نے اس کو جنا نہیں وہ کیونکر ماں بن سکتی ہے۔ ہاں آدمی جب اپنی بدتمیزی سے ایک جھوٹی نامعقول اور بیہودہ بات کہہ دے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ کفارہ دے تب بیوی کے پاس جائے پر عورت اسی کی رہی۔ محض ظہار سے طلاق نہیں پڑ گئی۔ آگے بتلایا گیا کہ جاہلیت میں جو ایسی حرکت کر چکے وہ معاف ہے اب ہدایت آچکنے کے بعد ایسا مت کرو۔ اگر غلطی سے کر گذرے تو توبہ کر کے اللہ سے معاف کراؤ اور عورت کے پاس جانے سے پہلے کفارہ ادا کرو۔ اور کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام یا باندی کا آزاد کرنا قبل اس کے کہ میاں بیوی اختلاط کریں۔ آگے بتلایا گیا کہ یہ کفارہ کی مشروعیت تمہاری تنبیہ و نصیحت کے لئے ہے کہ پھر ایسی غلطی نہ کرو اور دوسرے بھی باز آئیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے احوال کے مناسب احکام بھیجتا ہے اور خبر رکھتا ہے کہ تم کس حد تک ان پر عمل کرتے ہو۔ آگے کفارہ کی مزید تشریح فرمائی جاتی ہے کہ اگر کسی کو غلام لونڈی آزاد کرنے لئے میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ لگاتار پے در پے دو مہینہ کے روزہ ہیں۔ پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے یعنی نہ غلام آزاد کرنے کا مقدور ہو۔ اور روزہ رکھنے سے بھی مجبور ہو تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

فقہا نے کتب فقہ میں ان کفاروں کی مزید تفصیلات اور قیود و حدود بیان کی ہیں۔ مثلاً کھانا کھلانے کے قائم مقام یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو فی کس ایک صدقہ فطر کی مقدار گندم یا اُس کی قیمت دے دے۔ فطرہ کی مقدار ہمارے وزن کے اعتبار سے آدھی چھٹانک اوپر پونے دو سیر گندم ہیں یعنی احتیاطاً پورے دو سیر گندم فی کس ۶۰ مسکینوں کو دے دے۔ یا اتنے گندم کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔ اخیر میں ہدایت فرمائی ہے کہ جاہلیت کی باتیں چھوڑ کر اللہ و رسول کے احکام پر چلو جو مومن کامل کی شان ہے۔ مومنین کا یہ کام نہیں کہ اللہ کی مقررہ کردہ اور باندھی ہوئی حدود سے تجاوز کریں۔ باقی کافر جو حدود اللہ کی پروا نہیں کرتے اور اپنی رائے اور خواہش پر چلتے ہیں تو ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ حدیث کی روایات میں آتا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہوگیا ہے جیسا کہ نزول وحی کی حالت میں ہوتا تھا تو حضرت عائشہؓ نے ان صحابیہ سے کہا کہ دور ہٹ کر بیٹھو۔ یہ دور کھسک کر بیٹھ گئیں ادھر وحی نازل ہونا شروع ہوئی۔ جب وحی نازل ہو چکی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عورت کہاں ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے انہیں آواز دے کر بلایا آپ نے فرمایا کہ جاؤ اپنے خاوند کو لے آؤ۔ یہ دوڑتی ہوئی گئیں اور اپنے شوہر کو بلا لائیں۔ آپ نے اعوذ و بسم اللہ پڑھ کر اس سورۃ کی یہ آیات سنائیں اور فرمایا کہ کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ لگاتار دو مہینہ کے روزہ رکھ سکتے ہو؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اگر دو تین دفعہ دن میں نہ کھاؤں تو بینائی بالکل جاتی رہتی ہے۔ فرمایا کیا ۶۰ مسکینوں کو کھانا دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ لیکن آپ میری امداد فرمائیں تو اور بات ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اعانت فرمائی اور ان کو کچھ غلہ عطا فرمایا اور کچھ دوسرے صحابہ نے جمع کر دیا اس طرح ۶۰ مسکینوں کو فطرے کی مقدار دے کر کفارہ ادا ہو گیا۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم طلاق کو ہٹا کر اسے شرعی ظہار مقرر فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں ظہار کے شرعی احکام بیان کئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ اہل اسلام کو پوری سختی کے ساتھ متنبہ فرمایا گیا ہے کہ اسلام کے بعد بھی جاہلیت کے طریقوں پر قائم رہنا اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کو توڑنا یہ ایمان کے منافی حرکت ہے۔

آگے اللہ و رسول کے عام احکامات کی مخالفت کرنے والوں کو تنبیہ و ہدایت فرمائی گئی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ان کے اصلاح کی صورتیں ظاہر فرما دے اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے کی توفیق ہم کو نصیب فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَقَدْ

جو لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ایسے ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے اور ہم نے کھلے

أَنزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا

احکام نازل کئے ہیں، اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہوگا۔جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرے گا

فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٦﴾

پھر ان کا سب کیا ہوا اُن کو بتلادے گا، اللہ تعالیٰ نے وہ محفوظ کررکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ

کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے،کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی

إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ

جس میں چوتھا وہ نہ ہو اور نہ پانچ کی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ

إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ

مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ لوگ کہیں بھی ہوں، پھر ان کو قیامت کے روز ان کے کئے ہوئے کام بتلادے گا، بے شک

اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧﴾

اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِينَ جو لوگ	يُحَادُّونَ وہ مخالفت کرتے ہیں	اللَّهَ اللہ	وَرَسُولَهُ اور اس کا رسول	كُبِتُوا وہ ذلیل کئے جائیں گے			
كَمَا كُبِتَ جیسے ذلیل کئے گئے	الَّذِينَ وہ لوگ جو	مِن قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	وَقَدْ أَنزَلْنَا اور یقینا ہم نے نازل کی	آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ واضح آیتیں				
وَلِلْكَافِرِينَ اور کافروں کیلئے	عَذَابٌ عذاب	مُّهِينٌ ذلت	يَوْمَ جس دن	يَبْعَثُهُمُ وہ انہیں اٹھائے گا	اللَّهُ اللہ	جَمِيعًا سب		
فَيُنَبِّئُهُم تو وہ انہیں آگاہ کرے گا	بِمَا عَمِلُوا وہ جو انہوں نے کیا	أَحْصَاهُ اس نے اسے گن رکھا تھا	اللَّهُ اللہ	وَنَسُوهُ اور وہ اسے بھول گئے تھے				
وَاللَّهُ اور اللہ	عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ ہر شے پر	شَهِيدٌ نگران	أَلَمْ تَرَ کیا آپ نے نہیں دیکھا	أَنَّ اللَّهَ کہ اللہ	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو		
فِي السَّمَاوَاتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِي الْأَرْضِ زمین میں	مَا يَكُونُ نہیں ہوتی	مِن کوئی	نَّجْوَىٰ سرگوشی	ثَلَاثَةٍ تین لوگوں میں	إِلَّا مگر	
هُوَ وہ	رَابِعُهُمْ ان میں چوتھا	وَلَا اور نہ	خَمْسَةٍ پانچ کی	إِلَّا هُوَ مگر وہ	سَادِسُهُمْ ان میں چھٹا	وَلَا اور نہ (خواہ)	أَدْنَىٰ کم	مِن ذَٰلِكَ اس سے
وَلَا أَكْثَرَ اور نہ زیادہ	إِلَّا هُوَ مگر وہ	مَعَهُمْ انکے ساتھ	أَيْنَ مَا جہاں کہیں	كَانُوا وہ ہوں	ثُمَّ پھر	يُنَبِّئُهُم وہ انہیں بتلائے گا		
بِمَا عَمِلُوا جو کچھ انہوں نے کیا	يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	بِكُلِّ تمام۔ہر	شَيْءٍ شے کا	عَلِيمٌ جاننے والا			

تفسیر و تشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کچھ ظہار ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ کوئی حکم بھی ہو اس میں اللہ اور رسول کی خلاف ورزی اچھی بات نہیں۔ ایسے لوگ یعنی حدود اللہ کی پروا نہ کرنے والے یا اپنی رائے و خواہش سے حدیں مقرر کرنے والے پہلے زمانہ میں بھی ذلیل و خوار ہوئے ہیں۔ اللہ کی روشن اور صاف صاف آیتیں سن لینے کے بعد انکار پر جمے رہنا اور خدائی احکام کی عزت و احترام نہ کرنا اپنے کو ذلت کے عذاب میں پھنسانا ہے۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا ان الذین یحآدون اللہ ورسولہ کبتوا یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے رہتے ہیں یہ ذلیل و خوار ہوں گے تو بعض مفسرین نے اس آیت کو وسیع مفہوم میں لیا ہے اور لکھا ہے کہ مسلمان بادشاہ یا حاکم کہ جو بھی شریعت اسلامی سے الگ ہو کر قانون نکالے وہ سب اس وعید کبتوا میں داخل ہیں۔ یعنی ذلیل و خوار ہوں گے۔ اور بعض مفسرین نے اس آیت کے تحت کفار مکہ اور مشرکین و یہود عرب مراد لئے ہیں کہ جن کے حقیر و ذلیل ہونے کی پیشین گوئی جلد ہی پوری ہو کر رہی۔ الغرض یہاں صاف فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ہوں گے اور یہ ذلت کی سزا تو دنیا میں ہوگی رہا کافروں کو تو ان کو آخرت میں بھی ذلت کا عذاب ہوگا۔

آگے اس عذاب کا وقت بتلایا جاتا ہے کہ یہ اس روز ہوگا جس روز کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھا دے گا اور جو جو کام جس نے دنیا میں کئے تھے ان سب کا نتیجہ سامنے آ جائے گا اور کوئی ایک عمل بھی غائب نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ سارا زندگی کا ریکارڈ محفوظ کر رکھا ہے گو ان لوگوں کو یعنی مخالفت کرنے والوں کو اپنی زندگی کے بہت سے کام یاد بھی نہ رہے ہوں گے یا ان کی طرف توجہ نہ رہی ہوگی لیکن اللہ کے ہاں وہ سب ایک ایک کر کے محفوظ ہیں۔ وہ سارا دفتر اس دن کھول کر سامنے رکھ دیا جائے گا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ صرف ان کے اعمال ہی پر کیا منحصر ہے۔ اللہ کے علم میں تو آسمان و زمین کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہے۔ کوئی مجلس، کوئی سرگوشی، کوئی خفیہ سے خفیہ مشورہ نہیں ہوتا جہاں اللہ اپنے علم محیط کے ساتھ موجود نہ ہو مثلاً جہاں تین آدمی چھپ کر مشورہ کرتے ہوں تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہاں کوئی چوتھا نہیں سن رہا۔ اور پانچ کی کمیٹی یہ خیال نہ کرے کہ کوئی چھٹا سننے والا نہیں۔ تو خوب سمجھ لو کہ تین ہوں یا پانچ یا اس سے کم زیادہ اور پھر کہیں ہوں۔ کسی حالت میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے علم محیط کے ساتھ وہاں موجود ہے کسی وقت ان سے جدا نہیں۔ پھر ان سب کو ان کے کئے ہوئے کام قیامت میں بتلا دیئے جائیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی جس معیت کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ اللہ جل شانہ کے علیم و خبیر۔ سمیع و بصیر ہونے کے لحاظ سے ہے اور اس ارشاد سے دراصل یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ کوئی خواہ کیسے ہی محفوظ مقام پر خفیہ مشورہ کرے تو اس کی بات دنیا بھر سے چھپ سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتی۔

الغرض چونکہ یہاں سرگوشیوں اور خفیہ باتوں کا ذکر آ گیا کہ آدمیوں کی کوئی سرگوشی اور خفیہ مشورہ ایسا نہیں ہوتا کہ جہاں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ نہ ہو اس لئے آگے منافقین کی سرگوشیوں اور خفیہ مشوروں پر جو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کرتے تھے ان کو تنبیہ کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی کہ منافقین کی یہ سرگوشیاں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنا مطیع و فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہمارے حکام اور امرا کے بھی یہ دل میں ڈال دے کہ اللہ کے احکام کی مخالفت دنیا میں بھی ذلت لاتی ہے اور آخرت میں تو باز پرس ہونی ہی ہے تا کہ وہ خلاف شرع قوانین کو ختم کریں۔ یا اللہ ہم کو جملہ قرآنی و اسلامی احکام پر چلنا نصیب فرما اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ

کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا پھر وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کر دیا گیا تھا اور گناہ اور زیادتی

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ

اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں، اور وہ لوگ جب آپ کے پاس آتے ہیں آپ کو ایسے لفظ سے سلام کہتے ہیں

وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا ۖ

جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس کہنے پر سزا کیوں نہیں دیتا۔ اُن کے لئے جہنم کافی ہے، اس میں یہ لوگ داخل ہوں گے

فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝٨ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

سو وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ اے ایمان والو جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝٩

مت کرو اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو، اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔

إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا

ایسی سرگوشی محض شیطان کی طرف سے ہے تاکہ مسلمانوں کو رنج میں ڈالے اور وہ بدون خدا کے ارادہ کے ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا،

بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝١٠

اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

أَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	إِلَى طرف۔کو	الَّذِينَ وہ جنہیں	نُهُوا منع کیا گیا	عَنِ النَّجْوَىٰ سرگوشی سے	ثُمَّ پھر	يَعُودُونَ وہ (وہی) کرتے ہیں
لِمَا نُهُوا جس سے منع کیا گیا انہیں	عَنْهُ اس سے	وَيَتَنَاجَوْنَ وہ باہم سرگوشی کرتے ہیں	بِالْإِثْمِ گناہ سے۔کی	وَالْعُدْوَانِ اور سرکشی		
وَمَعْصِيَتِ اور نافرمانی	الرَّسُولِ رسول	وَإِذَا اور جب	جَاءُوكَ وہ آتے ہیں آپ کے پاس	حَيَّوْكَ آپکو سلام دعا دیتے ہیں	بِمَا جس سے	
لَمْ يُحَيِّكَ آپ کو دعا نہیں دی	بِهِ لفظ (اس سے)	اللَّهُ اللہ	وَيَقُولُونَ وہ کہتے ہیں	فِي أَنفُسِهِمْ اپنے دل (جمع) میں		
لَوْلَا يُعَذِّبُنَا کیوں ہمیں عذاب نہیں دیتا	اللَّهُ اللہ	بِمَا نَقُولُ اس کی جو ہم کہتے ہیں	حَسْبُهُمْ ان کیلئے کافی ہے	جَهَنَّمُ جہنم		
يَصْلَوْنَهَا وہ ڈالے جائینگے اس میں	فَبِئْسَ سو بُرا	الْمَصِيرُ ٹھکانا	يَا أَيُّهَا اے	الَّذِينَ آمَنُوا ایمان والو	إِذَا جب	تَنَاجَيْتُمْ تم باہم سرگوشی کرو
فَلَا تَتَنَاجَوْا تو سرگوشی نہ کرو	بِالْإِثْمِ گناہ کی	وَالْعُدْوَانِ اور سرکشی	وَمَعْصِيَتِ اور نافرمانی	الرَّسُولِ رسول	وَتَنَاجَوْا اور سرگوشی کرو	
بِالْبِرِّ نیکی میں	وَالتَّقْوَىٰ اور پرہیزگاری	وَ اور	اتَّقُوا اللَّهَ اللہ سے ڈرو	الَّذِي وہ جو	إِلَيْهِ اسکی طرف۔پاس	تُحْشَرُونَ تم جمع کئے جاؤ گے
إِنَّمَا اسکے سوا نہیں	النَّجْوَىٰ سرگوشی	مِنَ الشَّيْطَانِ شیطان سے	لِيَحْزُنَ تاکہ وہ غمگین کرے	الَّذِينَ ان لوگوں کو جو	آمَنُوا ایمان لائے	
وَلَيْسَ اور نہیں	بِضَارِّهِمْ وہ ان کا بگاڑ سکتا	شَيْئًا کچھ	إِلَّا بغیر	بِإِذْنِ اللَّهِ اللہ کے حکم کے	وَ اور	عَلَى اللَّهِ اللہ پر

فَلْيَتَوَكَّلِ تو بھروسہ کرنا چاہئے	الْمُؤْمِنُوْنَ مومن (جمع)

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں یہ ذکر ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں زمین وآسمان کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہے۔کوئی مجلس۔کوئی میٹنگ۔کوئی خفیہ سرگوشی اور کوئی مشورہ گو کتنے ہی راز میں کیا جائے مگر اللہ تعالیٰ اپنے محیط کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے۔تو مقصد یہ جتلانا تھا کہ یہ باطل سرگوشی کرنے والے اور چھپ کر اللہ کے دین اور اللہ کے رسول کی مخالفت کرنے والے ان کو خدا سے ڈرنا چاہئے اس لئے کہ خدا کو ان کی سب باتوں کی خبر ہے اور وہ ان کو سزا دے گا۔اسی سلسلہ میں بعض جزئیات وواقعات کا ذکر فرمایا جاتا ہے جن کو مفسرین نے ان آیات کے اسباب نزول میں ذکر کیا ہے۔

منافقین مدینہ جو عموماً یہودی تھے مگر بظاہر مسلمانوں کا بڑھتا ہوا اثر دیکھ کر مسلمان بن گئے تھے۔یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرتے۔کانا پھوسی کر کے مجلس والوں کا مذاق اڑاتے۔ان پر عیب پکڑتے ایک دوسرے کے کان میں اس طرح بات کہتا اور آنکھوں سے اشارہ کرتا جس سے مخلص مسلمانوں کو تکلیف ہوتی۔اس پر ان آیات کا نزول ہوا جن میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ان لوگوں کو بھی دیکھا کہ جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا مگر وہ پھر بھی وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور سرگوشی بھی ایسی کرتے ہیں جس میں گناہ زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں ہوں۔تو ایک گستاخی اور شرارت ان منافقین کی یہ بیان ہوئی۔دوسری شرارت ان منافقین کی جو عموماً یہود تھے یہ تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو براہ شرارت بجائے السلام علیکم کے دبی زبان سے السام علیکم کہتے۔اس کے متعلق آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے تو آپ کو دوسرے انبیاء کے ساتھ یہ دعائیں دی ہیں جیسے سلام علی المرسلین اور سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اور مومنین کی زبانوں سے کہلوایا السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مگر بعض یہودی جب آپ کے پاس آتے تو بجائے السلام علیکم کے دبی زبان سے السام علیک کہتے جو ایک بددعا ہے جس کے معنیٰ ہوئے۔(نعوذ باللہ) تمہیں موت آئے۔گویا اللہ نے جو سلامتی کی دعا آپ کو دی تھی یہ اس کے خلاف بددعا دیتے تھے۔پھر آپس میں کہتے کہ اگر یہ واقعی رسول ہیں تو اس کہنے سے ہم پر فوراً عذاب کیوں نہیں آتا۔اس کا جواب دیا گیا حسبھم جھنم یعنی جلدی نہ کرو ایسا کافی عذاب جہنم کا آئے گا کہ جس کے سامنے دوسرے عذاب کی ضرورت نہ رہے گی۔

احادیث میں یہود کے متعلق آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب کوئی یہودی السام علیکم کہتا تو آپ صرف وعلیک فرمادیتے اور اس طرح السام علیکم کی بددعا انہی پر الٹ کر پڑتی۔اس کے بعد مسلمانوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ سچے مسلمانوں کو منافقین کی خو سے بچنا چاہئے اور ان کو بھی ان منافقین کی سی حرکت نہ کرنا چاہئے۔مسلمانوں کے مشورہ اور سرگوشیاں۔ظلم وعدوان۔اور اللہ ورسول کی نافرمانی کے لئے نہیں بلکہ نیکی وتقویٰ۔اور معقول باتوں کی اشاعت کے لئے ہونی چاہئیں۔تو اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ تم کبھی ان منافقین کی سی حرکتیں نہ کرنا۔جب کبھی خفیہ باتیں کرو تو وہ گناہ۔بے ادبی اور نافرمانی کی نہیں بلکہ نیکی۔بھلائی۔تقویٰ اور احسان کی باتیں ہونی چاہئیں اور دیکھو ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ تم سب کو ایک دن اللہ کے دربار میں جمع ہونا ہے ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے اس سے کسی کا ظاہر وباطن پوشیدہ نہیں۔لہٰذا اس سے ڈر کر نیکی اور پرہیزگاری کی بات چیت کرو۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ کانا پھوسی اور سرگوشی شیطانی حرکت ہے اور یہ کانا پھوسی منافقین کی اس غرض سے تھی کہ مسلمان رنجیدہ اور دلگیر ہوں اور گھبرا جائیں کہ نہ معلوم ہماری نسبت یہ لوگ کیا منصوبے سوچ رہے ہوں گے۔یہ کام شیطان ان سے کرا رہا تھا مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔اس کے قبضہ میں کیا ہے؟ نفع نقصان سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔اس کا حکم نہ ہو تو کتنے ہی مشورہ کرلیں اور منصوبے گانٹھ لیں تمہارا بال بیکا نہ ہوگا لہٰذا تم کو غمگین و دلگیر ہونے کی بجائے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔تو یہاں آیت میں سرگوشی یعنی کانا پھوسی کو شیطانی حرکت بتلایا گیا ہے اسی لئے حدیث میں ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص آپس میں کانا پھوسی کرنے لگیں کیونکہ اس سے وہ تیسرا شخص غمگین ہوگا اور فکرمند ہوگا کہ یہ شاید میرے ہی متعلق میری کسی حرکت پر کانا پھوسی کر رہے ہیں۔تو اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

اب آگے اہل ایمان کو مجلسی تہذیب کے کچھ آداب بتلائے گئے ہیں اور بعض معاشرتی عیوب کے دور کرنے کی ہدایات دی ہیں جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ

اے ایمان والو جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں. جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو اللہ تعالیٰ تم کو کھلی جگہ دے گا،

لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ

اور جب یہ کہا جاوے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے

اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١١﴾

جن کو علم عطا ہوا ہے درجے بلند کردے گا، اور اللہ تعالیٰ کو سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

یٰٓاَیُّھَا اے	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مومنو!	اِذَا قِیْلَ جب کہا جائے	لَكُمْ تمہیں	تَفَسَّحُوْا تم کھل کر بیٹھو	فِی الْمَجٰلِسِ مجلسوں میں
فَافْسَحُوْا تو تم کھل کر بیٹھ جایا کرو	یَفْسَحِ اللّٰهُ کشادگی بخشے گا اللہ	لَكُمْ تمہیں	وَ اور	اِذَا قِیْلَ جب کہا جائے	اُنْشُزُوْا تم اُٹھ کھڑے ہو
فَانْشُزُوْا تو اٹھ جایا کرو تم	یَرْفَعِ اللّٰهُ بلند کردے گا اللہ	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	مِنْكُمْ تم میں سے	وَالَّذِیْنَ اور جن لوگوں کو	
اُوْتُوا الْعِلْمَ علم عطا کیا گیا	دَرَجٰتٍ درجے	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِمَا اس سے جو کچھ	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	خَبِیْرٌ باخبر

تفسیر وتشریح: ان آیات کا نزول بھی ایک واقعہ سے متعلق ہے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے چھپر کے نیچے تشریف رکھتے تھے۔ مجلس میں مجمع زیادہ تھا اور جگہ تنگ تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جو مہاجر اور انصارؓ بدر کی لڑائی میں آپ کے ساتھ تھے آپ ان کی بڑی عزت اور تکریم کیا کرتے تھے۔ اس دن اتفاق سے چند بدری صحابہ ذرا دیر سے مجلس میں آئے اور بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ ملی۔ وہ حضرات اس امید پر کھڑے رہے کہ ذرا مجلس میں کشادگی دیکھیں تو بیٹھ جائیں لیکن اہل مجلس میں سے کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا جوان بدری صحابہ کے لئے جگہ ہو جاتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو نام لے لے کر بعض اہل مجلس کو اٹھنے کے لئے فرمادیا اور ان کی جگہ بدری صحابیوں کو بیٹھنے کے لئے فرمایا۔ جو اہل مجلس کھڑے کرائے گئے تھے ان کو کچھ گراں گزرا اور منافقین کے ہاتھ ایک شغلہ لگ گیا۔ لگے طعن کرنے کہ یہ کون سی انصاف کی بات ہے کہ جو لوگ شوق سے پہلے آئے۔ اپنے نبی کے قریب جگہ لی۔ اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ انہیں تو اپنی جگہ سے کھڑا کر دیا گیا اور دیر سے آنے والوں کو ان کی جگہ دلوادی۔ یہ کیا عدل وانصاف ہے ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تاکہ کھڑے ہونے والوں کے دل میلے نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنے بھائی کے لئے مجلس میں جگہ کھول دے۔ اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنتے ہی صحابہ نے فوراً خود بخود اپنی جگہ سے ہٹنا اور آنے والوں کو جگہ دینا شروع کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اہل ایمان کو کچھ مجلس کے آداب تعلیم فرمائے گئے۔ بعض مفسرین نے اس آیت کے حکم کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس تک محدود سمجھا ہے لیکن بعض مفسرین نے اس حکم کو عام فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ مسلمانوں کی مجالس کے لئے یہ ایک عام ہدایت ہے کہ اگر کسی مجلس میں پہلے سے لوگ بیٹھے ہوں اور بعد میں مزید کچھ لوگ آئیں تو پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو چاہئے کہ وہ خود نئے آنے والوں کو جگہ دیں اور حتی الامکان کچھ سکڑ اور سمٹ کر ان

کے لئے کشادگی پیدا کریں۔ یہ حکم تو آیت میں پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیا گیا اور بعد میں آنے والوں کو رسول اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں یہ ہدایت فرمائی کہ کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ تم لوگ خود دوسروں کے لئے جگہ کشادہ کردو۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر گھس جائے۔ اس میں ہدایت آنے والوں کے لئے ہے کہ وہ زبردستی مجلس کے اندر نہ گھسیں اور کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی کوشش نہ کریں۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ اب بھی اس قسم کی انتظامی چیزوں میں صدر مجلس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہئے۔ اسلام ابتری اور بدنظمی نہیں سکھلاتا بلکہ انتہائی نظم اور شائستگی سکھلاتا ہے اور جب عام مجالس میں یہ حکم ہے تو میدان جہاد اور صفوف نماز اور صفوف جنگ میں تو اس سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی صفوں کی درستی کے وقت ہمارے مونڈھے خود پکڑ پکڑ کر ٹھیک ٹھاک کرتے اور زبانی بھی فرماتے جاتے۔ سیدھے رہو اور ٹیڑھے ترچھے نہ کھڑے ہوا کرو۔ دانائی اور عقلمندی والے مجھ سے بالکل قریب رہیں پھر درجہ بہ درجہ۔

الغرض آیت میں ایک ہدایت تو ایمان والوں کو مخاطب کرکے یہ دی گئی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اولی الامر یا واجب الاطاعت لوگوں میں سے کوئی کہے کہ مجلس میں جگہ کھول دو جس میں آنے والے کو بھی جگہ مل جائے تو تم جگہ کھول دیا کرو اور آنے والے کو جگہ دے دیا کرو۔ دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ جب کسی ضرورت سے یہ کہا جاوے کہ مجلس سے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ آگے بتلایا گیا کہ سچا ایمان اور صحیح علم انسان کو ادب وتہذیب سکھلاتا اور متواضع بناتا ہے اہل علم و اہل ایمان جس قدر کمالات و مراتب میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر جھکتے اور اپنے کو ناچیز سمجھتے جاتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ ان کے درجہ اور زیادہ بلند کرتا ہے یہ متکبر یا جاہل گنوار کا کام ہے کہ اتنی سی بات پر لڑے کہ مجھے یہاں سے کیوں اٹھا دیا اور وہاں کیوں بٹھا دیا۔ یا مجلس سے اٹھ جانے کو کیوں کہا؟ اس میں منافقین کے طرز عمل اور ان کے طعن کا جواب بھی ہوگیا۔

آگے ایمان والوں کو خطاب کر کے بعض دوسرے احکام دیئے جارہے ہیں جن کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا پورا پورا متبع اور فرمانبردار بنا کر زندہ رکھیں۔ اور آپ کے ہر چھوٹے بڑے حکم کی دل و جان سے اطاعت کرنے کا جذبہ عطا فرمائیں۔ یا اللہ دین کی صحیح فہم اور دین کا علم ہم کو عطا فرما اور منافقانہ خصلتوں سے ہمارے قلوب کو پاک فرما۔ اور جو منافقین اور اعدائے دین اس وقت بھی اسلام دشمنی میں لگے ہوئے ہیں یا اللہ انکی شرارتوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت فرما۔ یا اللہ شریعت اسلامیہ نے جو ہر معاملہ مین ہم کو نظم اور انتظام کی تعلیم دی ہے اس سے ہم اب بے بہرہ ہوتے جارہے ہیں اسی وجہ سے ہمارے معاملات میں بدنظمی اور ابتری نے جگہ لے لی ہے یا اللہ ہماری دین دنیا کی صلاح وفلاح کیلئے جو تعلیمات و آداب زندگی شریعت مطہرہ نے تعلیم فرمائے ہیں ہمیں ان کا علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما اور پھر ان پر عمل پیرا ہونے کی سعادت عطا فرما۔ یا اللہ یہود و نصاریٰ کے اور مغربیت کے جو اطوار ہم میں گھستے آرہے ہیں ان سے ہمیں کراہت اور نفرت عطا فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ

اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو

صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے، پھر اگر تم کو مقدور نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ

کیا تم اپنی سرگوشی کے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے سو جب تم نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی

عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ

تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور رسول کا کہنا مانا کرو، اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

پوری خبر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا مومنو!	اِذَا جب	نَاجَيْتُمُ تم کان میں بات کرو	الرَّسُوْلَ رسول	فَقَدِّمُوْا تو تم دے دو	بَيْنَ يَدَيْ پہلے
نَجْوٰىكُمْ اپنی سرگوشی	صَدَقَةً کچھ صدقہ	ذٰلِكَ یہ	خَيْرٌ لَّكُمْ بہتر تمہارے لئے	وَاَطْهَرُ اور زیادہ پاکیزہ	فَاِنْ پھر اگر	
لَّمْ تَجِدُوْا تم نہ پاؤ	فَاِنَّ اللّٰهَ تو بیشک اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ رحم کرنے والا	ءَاَشْفَقْتُمْ کیا تم ڈر گئے	اَنْ تُقَدِّمُوْا کہ تم دے دو	
بَيْنَ يَدَيْ پہلے	نَجْوٰىكُمْ اپنی سرگوشی	صَدَقٰتٍ صدقات	فَاِذْ سو جب	لَمْ تَفْعَلُوْا تم نہ کر سکے	وَتَابَ اور درگزر فرمایا	اللّٰهُ اللہ
عَلَيْكُمْ تم پر	فَاَقِيْمُوا تو قائم کرو تم	الصَّلٰوةَ نماز	وَ اور	اٰتُوا الزَّكٰوةَ ادا کرو زکوٰۃ	وَاَطِيْعُوا اور تم اطاعت کرو	اللّٰهَ اللہ
وَرَسُوْلَهٗ اور اس کا رسول	وَاللّٰهُ اور اللہ	خَبِيْرٌ باخبر	بِمَا تَعْمَلُوْنَ اس سے جو تم کرتے ہو			

تفسیر وتشریح: منافقین مدینہ جو عموماً یہودی تھے مسلمانوں اور اسلام کا بڑھتا ہوا زور اور شوکت دیکھ کر بظاہر مسلمان ہو گئے تھے لیکن دل سے انہوں نے اسلام کو قبول نہ کیا تھا اس لئے در پردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اہل ایمان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیا کرتے تھے۔ انہی منافقین کی شرارتوں کے واقعات گزشتہ سے بیان ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ منجملہ ان کی ایذارسانیوں کے ایک امر یہ بھی تھا کہ منافقین وقت بے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے لئے آ جایا کرتے تھے۔ منافقین بے فائدہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کان میں کرتے کہ لوگوں میں اپنی بڑائی جتائیں۔ دیکھا دیکھی بعض مسلمانوں میں سے غیر مہم باتوں میں سرگوشی کر کے اتنا وقت لے لیتے تھے کہ دوسروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید ہونے کا موقع نہ ملتا تھا۔ یا کسی وقت آپ خلوت چاہتے تو اس میں بھی تنگی ہوتی تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مروت اور اپنے اخلاق کریمانہ کے سبب کسی کو منع نہ فرماتے اگرچہ آپ کو تکلیف ہی ہوتی۔ اللہ رب العزت نے اس کی بندش یوں فرمائی کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ یا راز کی باتیں کرنے آئیں۔ وہ فقرا اور مساکین کے لئے صدقہ بھی

کچھ لائیں۔ چنانچہ ان آیات میں حکم ہوا کہ جو صاحب مقدرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہے وہ اس سے پہلے کچھ خیرات کر کے آیا کرے۔ تو اس صدقہ کے حکم میں کئی مصلحتیں اور فائدے تھے۔ اوّل تو یہ کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہے۔ دوسرے یہ کہ مخلصین اور غیر مخلصین کا امتحان ہو جائے۔ تیسرے غربا اور فقرا کو فائدہ پہنچانا چوتھے صدقہ کرنے والے کے نفس کا تزکیہ اور پانچویں سب سے بڑھ کر مصلحت سرگوشیوں کا انسداد تھا۔ ہاں جس کے پاس خیرات وصدقہ کرنے کو کچھ بھی نہ ہو اس سے یہ قید معاف ہے۔ جب یہ حکم اترا تو منافقین نے مارے بخل وکنجوسی کے وہ عادت چھوڑ دی اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سرگوشیاں کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اسی لئے یہ قید صدقہ کرنے کی لگائی گئی ہے چنانچہ اس لطیف تدبیر کے ساتھ سرگوشی بہت کم ہو گئی۔

روایات میں ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ حکم آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کتنا صدقہ مقرر کیا جائے؟ کیا ایک دینار؟ میں نے عرض کیا کہ یہ لوگ کی مقدرت سے زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا نصف دینار؟ میں نے عرض کیا کہ لوگ اس کی بھی قدرت نہیں رکھتے۔ فرمایا پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا ایک جو برابر سونا۔ آپؐ نے فرمایا تم تو بڑے ہی زاہد ہو یعنی تم نے اتنی کم مقدار کا مشورہ دیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں پس میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف کر دی۔ اس صدقہ کے حکم کے بعد دوسرا حکم بعد میں نازل ہو گیا جس نے صدقہ کے وجوب کو منسوخ کر دیا چنانچہ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ صدقہ کا حکم دینے سے جو مقصد تھا حاصل ہو گیا اب یہ وقتی حکم اٹھا لیا گیا اور اس کا وجوب منسوخ ہو گیا لیکن اب چاہئے کہ ان احکام کی اطاعت میں ہمہ تن لگے رہو جو کبھی منسوخ ہونے والے نہیں مثلاً مقررہ نمازیں باقاعدہ ادا کرتے رہو۔ زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری پر کمر باندھ لو اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سارے کاموں کی خبر ہے۔

اب یہاں اہل ایمان کو تین باتوں کا حکم دیا گیا ایک فاقیموا الصلوٰۃ. دوسرے واتوا الزکوۃ اور تیسرے واطیعو اللہ ورسولہ. یعنی نماز کے قائم کرنے کا۔ زکوٰۃ کے ادا کرنے کا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کا۔ اب یہ تینوں چیزیں جس میں تمام ایمان واسلام کا خلاصہ آ گیا عمل سے تعلق رکھتی ہیں اور عمل کے لئے پہلے علم کی ضرورت ہے اگر عمل کا صحیح علم نہ ہوگا تو وہ عمل خاطر خواہ طریقہ پر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر نماز کے متعلق صحیح علم نہ ہوگا کہ کیا اس کے فرائض ہیں۔ کیا واجبات ہیں۔ کیا سنن و مستحبات ہیں۔ کیا ظاہری آداب اور کیا باطنی آداب ہیں تو وہ خاطر خواہ نماز کیسے ادا کر سکتا ہے۔ الغرض ہر عمل سے پہلے اس کے متعلق ضروری علم حاصل ہونا لازمی ہے۔ اب یہاں جانی عبادات میں سب سے اہم عبادت نماز کا ذکر فرمایا گیا۔ اور مالی عبادات میں نہایت اہم زکوٰۃ ادا کرنے کو فرمایا گیا اور دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں ہر وقت اور ہر آن کے عمل میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اب ۲۴ گھنٹہ دن رات میں اللہ رسول کی اطاعت جب ہی ہو سکے گی جبکہ ہر عمل کے وقت اللہ اور رسول کے حکم کا علم ہو۔ پس معلوم ہوا کہ مسلمان بننے اور مومن ہونے کے لئے ضروری دین کا علم پہلے ہونا چاہئے اور اس کے بعد عمل۔ یہ تو قرآنی حکم ہے اللہ جل شانہ کا اب اس حکم کی تعمیل کے لئے ہم اپنی حالت پر غور کریں اور اپنے علم وعمل کو ان تینوں امور کے متعلق ذرا جانچ لیں۔ یعنی اقیموا الصلوٰۃ اور اتوا الزکوٰۃ کے متعلق اور ۲۴ گھنٹہ کی زندگی میں اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کے متعلق اور اس ۲۴ گھنٹہ کی زندگی میں آپ کے تمام امور زندگی آ گئے۔ خواہ تجارت ہو۔ خواہ صنعت وحرفت ہو۔ خواہ لین دین ہو۔ خواہ کھانا پینا ہو۔ خواہ سونا جاگنا۔ آرام کرنا ہو۔ خواہ تفریح ہو۔ بہرحال اگر آپ کو یآیھا الذین امنوا کے لقب سے پکارا جانا منظور ہے تو ۲۴ گھنٹہ کی دن رات کی زندگی کے ہر آن اور ہر ساعت میں اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا ہوگی ورنہ اس کے خلاف کرنے پر پھر یآیھا الذین امنوا کے خلاف اور کوئی لقب اپنے لئے تجویز کرنا ہوگا۔ اب فیصلہ ہر ایک کو کرنا ہے کہ وہ اپنے لئے کیا لقب پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو یآیھا الذین امنوا ہی کے لقب کو پسند کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے اور عمل سے پہلے ضروری علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اب اس کے بعد منافقین کو جو سچے دل سے اسلام نہیں لائے تھے اور درپردہ مخالفین اسلام یعنی یہود سے ملے ہوئے تھے ان کو وعید سنائی جاتی ہے اور اس منافقت کا انجام بتلایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِم مَّا هُم مِّنكُمْ وَلَا مِنْهُمْ

کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا ہے، یہ لوگ نہ تو تم میں ہیں اور نہ ان ہی میں ہیں،

وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ

اور جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، بے شک وہ بُرے بُرے

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ

کام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر خدا کی راہ سے روکتے رہتے ہیں سو ان کیلئے

عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٦﴾ لَّن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ

ذلت کا عذاب ہونے والا ہے۔ ان کے اموال اور اولاد اللہ سے ان کو ذرا نہ بچا سکیں گے، یہ لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا

دوزخی ہیں وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جس روز ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا سو یہ اس کے روبرو بھی قسمیں کھا جاویں گے جس طرح

يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٨﴾ اسْتَحْوَذَ

تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں اور یوں خیال کریں گے، کہ ہم کسی اچھی حالت میں ہیں خوب سن لو یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں ان پر شیطان نے

عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ

پورا تسلط کرلیا ہے سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی یہ لوگ شیطان کا گروہ ہے، خوب سن لو کہ یہ شیطان کا گروہ

هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٩﴾

ضرور برباد ہونے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	اِلٰی طرف۔کو	الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا جو لوگ دوستی کرتے ہیں	قَوْمًا ان لوگوں سے	غَضِبَ اللّٰہُ اللہ نے غضب کیا			
عَلَیْهِمْ ان پر	مَا هُمْ نہ وہ	مِنْکُمْ تم میں سے	وَلَا اور نہ	مِنْهُمْ ان میں سے	وَیَحْلِفُوْنَ اور وہ قسم کھا جاتے ہیں	عَلَی الْکَذِبِ جھوٹ پر	
وَهُمْ حالانکہ وہ	یَعْلَمُوْنَ جانتے ہیں	اَعَدَّ اللّٰہُ تیار کیا اللہ نے	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابًا عذاب	شَدِیْدًا سخت	اِنَّهُمْ بیشک وہ	سَآءَ برا
مَا جو کچھ	کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے	اِتَّخَذُوْا انہوں نے بنالیا	اَیْمَانَهُمْ اپنی قسمیں	جُنَّةً ڈھال	فَصَدُّوْا پس انہوں نے روک دیا		
عَنْ سے	سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ کا راستہ	فَلَهُمْ تو ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب	مُّهِیْنٌ ذلت کا	لَنْ تُغْنِیَ ہرگز نہ بچا سکیں گے	عَنْهُمْ ان سے۔کو	
اَمْوَالُهُمْ انکے مال	وَلَا اور نہ	اَوْلَادُهُمْ ان کی اولاد	مِنَ اللّٰہِ اللہ سے	شَیْئًا کچھ۔ذرا	اُولٰٓئِکَ یہی لوگ	اَصْحٰبُ النَّارِ دوزخ والے۔جہنمی	
هُمْ وہ	فِیْهَا اس میں	خٰلِدُوْنَ ہمیشہ رہینگے	یَوْمَ جس دن	یَبْعَثُهُمُ انہیں اٹھائے گا	اللّٰہُ اللہ	جَمِیْعًا سب	فَیَحْلِفُوْنَ تو وہ قسمیں کھائیں گے

14

لَہٗ اس کیلئے	کَمَا جیسے	یَحْلِفُوْنَ وہ قسمیں کھاتے ہیں	لَکُمْ تمہارے لئے۔سامنے	وَیَحْسَبُوْنَ اور وہ گمان کرتے ہیں	اَنَّھُمْ کہ وہ			
عَلٰی شَیْءٍ کسی شے پر	اَلَآ یادرکھو	اِنَّھُمْ بیشک وہ	ھُمُ وہی	الْکٰذِبُوْنَ جھوٹے	اِسْتَحْوَذَ غالب آگیا	عَلَیْھِمُ ان پر	الشَّیْطٰنُ شیطان	
فَاَنْسٰھُمْ تو اس نے انہیں بھلا دی	ذِکْرَ اللّٰہِ اللہ کی یاد	اُولٰٓئِکَ یہی لوگ	حِزْبُ الشَّیْطٰنِ شیطان کا گروہ	اَلَآ یادرکھو	اِنَّ بیشک			
	حِزْبَ الشَّیْطٰنِ شیطان کا گروہ	ھُمُ وہی	الْخٰسِرُوْنَ گھاٹا پانے والے					

تفسیر وتشریح: گذشتہ ایک رکوع میں برابر منافقین سے متعلق بعض واقعات بتائے گئے کہ یہ کس طرح باہم مسلمانوں کیخلاف سرگوشیاں کیا کرتے تھے۔ آگے منافقین کا انجام جو آخرت میں منافقت کی وجہ سے ہوگا وہ سنایا جاتا ہے اوران کو شیطان کا گروہ قرار دیا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان منافقین نے ایسے لوگوں سے دوستی اور میل جول کررکھا ہے جن پر اللہ نے اپنا غضب نازل کیا ہے مراداس سے مدینے کے یہودی ہیں۔ منافقین چونکہ پہلے یہودی تھے اس لئے ان کی دوستی بھی یہود سے تھی کیونکہ یہ دل سے تو ایمان لائے نہ تھے محض ظاہر میں پالیسی کے ماتحت مسلمان بن گئے تھے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافق نہ پوری طرح مسلمانوں میں شامل ہیں کیونکہ دل سے کافر ہیں اور نہ پوری طرح یہود میں شامل ہیں کیونکہ بظاہر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں یعنی مخلصانہ اور سچا تعلق ان منافقین کا نہ اہل ایمان سے ہے اور نہ یہود سے انہوں نے دونوں طرف رشتہ محض اپنی اغراض کے لئے جوڑ رکھا ہے۔ آگے ان منافقین کے متعلق مزید بتلایا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے آگے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ سچے ایماندار ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیشوا اور ہادی مانتے ہیں اور اسلام اور اہل اسلام کے ہم وفادار ہیں اور پھر ستم یہ کہ بے خبری اورغفلت سے ایسی قسمیں نہیں کھاتے بلکہ جان بوجھ کر دیدہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں آگے ان کو وعید سنائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ سورہ نسآء پانچویں پارہ میں ارشاد ہوا ہے ان المنافقين في الدرك الاسفل من النار۔ یقیناً منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ لکھا ہے کہ جہنم کے سات طبقہ ہیں اول طبقہ گناہ گار مسلمانوں اوران کفار کے لئے جو باوجود شرک پیغمبروں کی حمایت کرتے تھے مخصوص ہے۔ دیگر طبقات مشرکین۔ آتش پرست' دھریئے' یہود۔ نصاریٰ اور منافقین کے لئے مقرر ہیں۔ الغرض مناقوں کے لئے جہنم کا سب سے نیچا طبقہ مقرر ہے جس میں سب طبقوں سے زیادہ شدید عذاب ہوگا۔ یہ ہے سزا نفاق کی کیونکہ نفاق سے بدتر کام کونسا ہوگا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنے جان و مال کو بچاتے ہیں اوراپنے کو مسلمان ظاہر کرکے دوستی کے پیرایہ میں دوسروں کو اللہ کی راہ پر آنے سے روکتے ہیں سو یاد رہے کہ یہ لوگ اس طرح کچھ عزت نہیں پاسکتے بلکہ سخت ذلت کے عذاب میں گرفتار ہوکر رہیں گے اور جب سزا کا وقت آئے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی نہ بچاسکے گا نہ مال کام آئے گا نہ اولاد جن کی حفاظت کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں۔ آگے ان کے نفاق کی سزا کو صراحت وتعین کے ساتھ فرمادیا کہ یہ لوگ جہنمی ہیں اور جہنم میں بھی ہمیشہ ہمیشہ کو رہنے والے کہ کبھی بھی وہاں سے چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ اور پھر ان منافقین کی یہاں دنیا میں پڑی ہوئی جھوٹی قسمیں کھانے کی عادت آخرت میں بھی نہ جائے گی۔ جس طرح آج مسلمانوں کے سامنے جھوٹ بول کر بچ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں

اور بڑی اچھی چال چل رہے ہیں اللہ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھانے کو تیار ہو جاویں گے کہ پروردگار ہم تو ایسے نہ تھے تو خوب سن لو کہ یہ منافقین بڑے ہی جھوٹے ہیں کہ جو خدا کے سامنے بھی جھوٹ بولنے سے نہ چوکیں گے اور یہ جتنی حرکات منافقین کی اوپر مذکور ہوئیں وجہ اس کی یہ ہے کہ ان پر شیطان نے پورا تسلط کر لیا ہے اور شیطان جس پر پوری طرح قابو کر لے اس کا دل دماغ اسی طرح مسخ ہو جاتا ہے اور اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ خدا بھی کوئی ہے۔ واقعی یہ لوگ یعنی منافقین شیطان کا گروہ ہے اور یہ سمجھ لو کہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے۔ شیطانی لشکر کا انجام یقیناً خراب ہے نہ دنیا میں ان کے منصوبے آخری کامیابی کا منہ دیکھ سکتے ہیں۔ نہ آخرت میں عذاب شدید سے نجات پانے کی کوئی سبیل ہے۔

یہاں ان آیات میں منافقین کی جن کو شیطانی گروہ قرار دیا گیا چند مخصوص خصلتیں اور عادتیں ظاہر فرمائی گئی ہیں۔

اوّل یہ کہ منافقین کی دوستی اللہ کے دشمنوں اور مغضوب بندوں اور بیدینوں سے بھی رہتی ہے۔

دوسرے یہ کہ منافقین قسمیں بہت کھاتے ہیں حتیٰ کہ جھوٹ بات پر بھی قسمیں کھا لیتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ وہ حقیقی دین سے اور خدائی احکام سے دوسروں کو روکتے اور بہکاتے رہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بتلا دیا کہ یہ لوگ خواہ کتنی ہی قسمیں کھا کھا کر اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلائیں لیکن درحقیقت یہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں اور انجام کار تباہ و برباد ہو کر رہیں گے۔

اب آگے سورۃ کے خاتمہ پر ان منافقین کے مقابلہ میں سچے اہل ایمان کی صفات اور شناخت بتائی گئی اور ان کا انجام بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی خاتمہ کی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں اہل باطل کی دوستی سے بچائیں اور بے دینوں کی رفاقت سے علیحدہ رکھیں اور ہم کو اہل اسلام اور اہل ایمان سے سچی دوستی و محبت نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہمیں شیطانی گروہ سے علحدہ رکھئے۔ اور ان میں شامل ہونے سے بچایئے۔

یا اللہ نفاق کی خصلتوں اور عادتوں سے ہمارے قلوب کو پاک رکھئے اور منافق قسم کے لوگوں کی شرارتوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ سخت ذلیل لوگوں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں

وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے، بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے۔ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں

يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ

آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں گویا وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی

أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ

یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کردیا ہے اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی ہے، اور ان کو ایسے باغوں میں داخل

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ

کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے،

أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾

یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے خوب سُن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

اِنَّ بیشک	اَلَّذِیْنَ جو لوگ	یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی	وَرَسُوْلَہٗ اور اسکے رسول	اُولٰٓئِکَ یہی لوگ	فِیْ میں	الْاَذَلِّیْنَ ذلیل لوگ	
کَتَبَ اللّٰہُ لکھ دیا (فیصلہ کردیا) اللہ	لَاَغْلِبَنَّ میں ضرور غالب آؤں	اَنَا میں	وَرُسُلِیْ اور میرے رسول	اِنَّ اللّٰہَ بیشک اللہ	قَوِیٌّ قوی		
عَزِیْزٌ غالب	لَا تَجِدُ تم نہ پاؤ گے	قَوْمًا وہ قوم (لوگ)	یُّؤْمِنُوْنَ وہ ایمان رکھتے ہیں	بِاللّٰہِ اللہ پر	وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کا دن		
یُوَآدُّوْنَ وہ دوستی رکھتے ہوں	مَنْ جو۔جس	حَآدَّ اللّٰہَ مخالفت کی اللہ کی	وَرَسُوْلَہٗ اور اس کے رسول کی	وَلَوْ خواہ	کَانُوْا وہ ہوں		
اٰبَآءَھُمْ انکے باپ دادا	اَوْ یا	اَبْنَآءَھُمْ انکے بیٹے	اَوْ یا	اِخْوَانَھُمْ ان کے بھائی	اَوْ یا	عَشِیْرَتَھُمْ ان کا کنبہ	اُولٰٓئِکَ یہی لوگ
کَتَبَ لکھ دیا (ثبت کردیا)	فِیْ قُلُوْبِھِمْ ان کے دلوں میں	الْاِیْمَانَ ایمان	وَاَیَّدَھُمْ اور ان کی مدد کی	بِرُوْحٍ رُوح (غیبی فیض) سے			
مِنْہُ اپنے سے	وَیُدْخِلُھُمْ اور وہ داخل کریگا انہیں	جَنّٰتٍ باغات	تَجْرِیْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِھَا ان کے نیچے	الْاَنْھٰرُ نہریں		
خٰلِدِیْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِیْھَا ان میں	رَضِیَ راضی ہوا	اللّٰہُ اللہ	عَنْھُمْ ان سے	وَرَضُوْا اور وہ راضی	عَنْہُ اُس سے	اُولٰٓئِکَ یہی لوگ
حِزْبُ اللّٰہِ اللہ کا گروہ	اَلَآ اِنَّ خوب یاد رکھو بیشک	حِزْبَ اللّٰہِ اللہ کا گروہ	ھُمُ وہی	الْمُفْلِحُوْنَ کامیاب ہونیوالے			

تفسیر وتشریح: یہ سورہ مجادلہ کی آخری آیات ہیں۔ اوپر منافقین جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے مگر دل سے کافر تھے۔ ان کے متعلق بتلا دیا گیا تھا آگے سچے اہل ایمان کی شناخت بتلائی جاتی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان لائے اور انہوں نے قیامت و

آخرت پر یقین کر لیا نا ممکن ہے کہ وہ دشمنان خدا سے دلی محبت رکھیں اگر چہ رشتہ ناطہ میں وہ ان کے باپ بیٹے بھائی اور کنبہ برادری ہی والے کیوں نہ ہوں۔ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے پختہ ایمان جما دیا ہے اور پتھر کی لکیر کی طرح ثبت کر دیا ہے اور ان کے قلوب کو اپنے فیض سے قوت دے کر قوی بنا دیا ہے اور ان کو جنت کے ایسے باغات میں داخل کیا جائے گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور جہاں سے کبھی نہ نکالے جائیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گا اور یہ خدا سے خوش ہوں گے۔ ایسے پکے اور سچے ایمان والے لوگ اللہ کے گروہ میں شامل ہوں گے اور یہی کامیاب گروہ ہے۔

ان آیات کے صحیح مصداق اور ان مذکورہ صفات کے حامل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے ان کی شان یہی تھی کہ اللہ و رسول کے معاملہ میں انہوں نے کسی چیز اور کسی شخص کی پروا نہیں کی روایات میں آتا ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے کفار قیدیوں کی نسبت صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ان سے فدیہ لے لیا جائے تا کہ مسلمانوں کی مالی مشکلات دور ہو جائیں اور مشرکوں سے جہاد کرنے کے لئے آلات حرب جمع کر لیں اور یہ چھوڑ دیئے جائیں کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل اسلام کی طرف پھیر دے اور پھر یہ ہمارے مددگار اور معین ثابت ہوں لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی رائے اس کے خلاف پیش کی اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جس مسلمان کا جو رشتہ دار مشرک ہے اس کے حوالہ کر دیا جائے اور اسے حکم دیا جائے کہ وہ اسے قتل کر دے۔ ہم اللہ تعالیٰ کو دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ان مشرکوں کی کوئی محبت نہیں۔ مجھے میرا فلاں رشتہ دار سونپ دیجئے۔ اور حضرت علی کے حوالہ عقیل کو کر دیجئے اور فلاں صحابی کو فلاں کا فردے دیجئے۔ مگر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے پسند فرمائی۔ اسی جنگ بدر میں حضرت مصعب بن عمیر کے حقیقی بھائی ابو عزیز بن عمیر کو ایک انصاری پکڑ کر باندھ رہے تھے۔ حضرت مصعب نے جو دیکھا تو پکار کر کہا کہ ذرا مضبوط باندھنا۔ اس کی ماں بڑی مالدار ہے اس کی رہائی کے لئے وہ تمہیں بہت سا فدیہ دے گی۔ ابو عزیز قیدی نے کہا کہ تم بھائی ہو کر یہ بات کہہ رہے ہو؟ حضرت مصعب نے جواب دیا۔ اس وقت تم میرے بھائی نہیں ہو بلکہ یہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمہیں گرفتار کیئے ہوئے ہے۔ جنگ احد میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں نکلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا۔ حضرت علیؓ حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ بن حارث نے اپنے اپنے اقارب عتبہ۔ شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہؓ نے جو مخلص مسلمان تھے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر آپ حکم دیں تو اپنے باپ کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کروں۔ آپ نے منع فرمایا دیا الغرض صحابہ کرام نے ہر موقع پر اپنے مشرک اقربا سے دل کھول کر جنگ کی اور ہر موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حیاۃ طیبہ میں بھی اور بعد میں بھی دین پر ایسے ہی ثابت قدم رہے جیسا کہ ان آیات میں فرمایا گیا۔ یہ جملہ صفات اور خوبیاں جو ان آیات میں بیان فرمائی گئیں حضرات صحابہ کو نصیب ہوئیں۔ یہاں آیت میں رضی اللہ عنہم جو فرمایا تو اسی لئے صحابہ کرام کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنے اور لکھنے کا دستور اہل سنت والجماعت میں قدیم سے ہو گیا۔ جو اب بھی جاری ہے اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

سورۃ المجادلتہ کے خواص

۱- مریض اگر بے چین ہو تو اس کے پاس سورۃ المجادلہ پڑھنے سے اسے تسکین ملے گی اور سو جائے گا اگر تکلیف و درد ہے تو جاتا رہے گا۔

۲...... جو آدمی دن رات کو سورۃ المجادلہ پڑھے تو وہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ (الدرر النظیم)

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شرع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِىْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو

كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا

ان کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کرکے نکال دیا، تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا

اور انہوں نے یہ گمان کررکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے سو ان پر خدا ایسی جگہ سے پہنچا کہ اُن کو خیال بھی نہ تھا،

وَقَذَفَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِى الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ

اور اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اُجاڑ رہے تھے

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِى الْاَبْصَارِ ②

سو اے دانش مندو! عبرت حاصل کرو۔

سَبَّحَ پاکیزگی بیان کرتا ہے	لِلّٰهِ اللہ کی	مَا جو	فِى السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِى الْاَرْضِ زمین میں	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيْزُ غالب
الْحَكِيْمُ حکمت والا	هُوَ الَّذِىْ وہی ہے جس نے	اَخْرَجَ نکالا	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر)	مِنْ سے۔کے			
اَهْلِ الْكِتٰبِ اہل کتاب	مِنْ سے	دِيَارِهِمْ انکے گھروں	لِاَوَّلِ الْحَشْرِ پہلے اجتماع (لشکر) پر	مَا ظَنَنْتُمْ تمہیں گمان نہ تھا			
اَنْ يَّخْرُجُوْا کہ وہ نکلیں گے	وَظَنُّوْٓا اور وہ خیال کرتے تھے	اَنَّهُمْ کہ وہ	مَّانِعَتُهُمْ انہیں بچالیں	حُصُوْنُهُمْ ان کے قلعے	مِّنَ اللّٰهِ اللہ سے		
فَاَتٰىهُمُ تو ان پر آیا	اللّٰهُ اللہ	مِنْ حَيْثُ جہاں سے	لَمْ يَحْتَسِبُوْا انہیں گمان نہ تھا	وَقَذَفَ اور اس نے ڈالا	فِىْ قُلُوْبِهِمُ انکے دلوں میں		
الرُّعْبَ رعب	يُخْرِبُوْنَ وہ برباد کرنے لگے	بُيُوْتَهُمْ اپنے گھر	بِاَيْدِيْهِمْ اپنے ہاتھوں سے	وَاَيْدِى اور ہاتھوں	الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں		
فَاعْتَبِرُوْا تو تم عبرت پکڑو	يٰٓاُولِى الْاَبْصَارِ اے آنکھوں والو						

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی دوسری آیت میں حشر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ حشر کے لفظی معنی ہیں لوگوں کو اکٹھا کرنا۔ ان کو گھیرنا۔ اس میں یہود کے اکٹھا کرنے اور ان کو گھیرنے اور گھروں سے نکالنے کا ذکر ہے۔ اس لئے اس سورۃ کا علامتی نام سورہ حشر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس سورۃ کا نام سورہ بنی نضیر کہا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ پوری سورۃ غزوہ بنی نضیر ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

بنی نضیر جو یہود کا ایک بڑا قبیلہ تھا اور جو مدینہ سے مشرق کی طرف قریب دو میل کے فاصلہ پر آباد تھا اور بڑی بڑی جائدادوں۔ باغات اور سرسبز زمینوں اور مضبوط قلعوں کا مالک تھا ۔ہجرت کے چوتھے سال ان پر مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت حملہ کیا جو غزوہ بنی نضیر کے نام سے مشہور ہے۔ اس لئے اس سورۃ کے مضامین کو سمجھنے کے لئے غزوہ بنی نضیر کے متعلق معلوم ہونا ضروری ہے جس کا مختصراً حال اس طرح ہے کہ مدینہ سے مشرقی جانب پر ایک قبیلہ یہود آباد تھا جس کو ''بنی نضیر'' کہتے تھے۔ یہ لوگ بڑے جتھے والے اور سرمایہ دار تھے اور اپنے مضبوط قلعوں پر ان کو بڑا ناز تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو شروع میں یہود سے معاہدہ صلح ہو گیا۔ منجملہ ان کے یہ قبیلہ بنی نضیر بھی تھا اور ان سے بھی صلح کا معاہدہ تھا۔ معاہدہ کے کچھ ہی عرصہ بعد یہ قبیلہ بنی نضیر مکہ کے کافروں سے نامہ و پیام کرنے لگا حتیٰ کہ ان کے ایک بڑے سردار کعب بن اشرف نے چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچ کر خانہ کعبہ کے سامنے مسلمانوں کے خلاف قریش سے عہد و پیمان باندھا۔ اور بنی نضیر کی طرف سے بدعہدی کا سلسلہ شروع ہونے لگا۔

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ ایک خونبہا کے سلسلہ میں ان کی بستی میں تشریف لے گئے اور ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ بنو نضیر نے بظاہر خندہ پیشانی سے ملاقات کی اور خونبہا میں شرکت کا وعدہ کیا لیکن اندرونی طور پر خفیہ یہ مشورہ کیا کہ ایک شخص چھت پر چڑھ کر اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا دے تا کہ آپ کا کام تمام ہو جائے چنانچہ کچھ دیر نہ گزری کہ جبرئیل امین وحی لے کر نازل ہوئے اور آپ کو ان کے مشورہ سے مطلع کر دیا۔ آپ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر مدینہ تشریف لے آئے اور بنو نضیر کو کہلا بھیجا کہ تم نے نقض عہد کیا ہے۔ دس روز کی تم کو مہلت ہے اس مدت کے اندر اندر جہاں چاہو چلے جاؤ ورنہ جو شخص اس مدت کے بعد نظر آئے گا اس کی گردن ماری جاوے گی۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے ان سے کہلا بھیجا کہ تم اپنی بستی سے کہیں مت جاؤ۔ میرے ساتھ دو ہزار آدمیوں کی جمعیت ہے وہ اپنی جان دے دیں گے اور تم پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ کچھ اور بھی اعدائے اسلام نے بنو نضیر کی مدد کا وعدہ کیا چنانچہ وہ لوگ ان کے کہنے میں آ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ہم کہیں نہیں جاتے۔ جو آپ سے ہو سکے کر لیجئے۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جمع کیا اور بنو نضیر کی متعدد غداریوں اور عیاریوں کی وجہ سے آپ نے ان پر حملہ کا حکم دیا۔ آپ صحابہ کے ساتھ چلے۔ وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے اور منافقین منہ چھپا کر بیٹھ رہے آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان کے باغات کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیا وہ مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے۔ عام لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ انہوں نے آخر گھبرا کر صلح کی التجا کی اور امن کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے فرمایا دس دن کی مہلت ہے۔ مدینہ خالی کر دو۔ اہل و عیال بچوں اور عورتوں کو جہاں چاہو لے جاؤ اور جتنا اسباب و سامان اونٹ اور سواریوں پر ساتھ لیجا سکو لے جاؤ سوائے ہتھیاروں کے۔ غرض کہ بنی نضیر کے یہود کچھ شام کچھ خیبر کو نکل گئے اور مال کی حرص و طمع میں مکانوں کے دروازے اور چوکھٹ تک اکھاڑ کر لے گئے اس غزوہ میں بنی نضیر میں سے صرف دو شخص مسلمان ہوئے ان کے مال واسباب سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا اور وہ اپنے گھروں میں اپنی املاک پر قابض رہے۔ باقی مکان۔ زمین باغات وغیرہ پر مسلمان قابض ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال اسباب جائیداد زمین وغیرہ کو مہاجرین پر تقسیم فرمایا تا کہ انصار مدینہ سے ان کا بوجھ ہلکا ہو اگر چہ انصار اپنے اخلاص اور ایثار کی بنا پر مہاجرین کو بار نہیں بلکہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی بہار سمجھتے تھے۔

یہ قصہ بدر کے بعد ربیع الاول ۴ھ میں ہوا پھر حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں ان جلاوطن یہود کو ملک شام کی طرف نکال دیا۔ یہود کی یہ دونوں جلاوطنی حشر اول اور حشر ثانی کہلاتی ہیں۔ اس

سورۃ میں انہی واقعات کا بیان ہے
سورۃ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی پاکی کے ذکر سے فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی مخلوقات ہیں سب خواہ قالاً خواہ حالاً اپنی اپنی زبان اور اپنے اپنے طریقہ پر اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے چنانچہ اس کے زبردست غلبہ اور حکمت کے آثار میں سے ایک واقعہ یہ ہے جو پہلے بیان ہو چکا۔
آگے فرمایا کہ اہل بصیرت کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ کفر وظلم و شرارت اور بدعہدی کا انجام کیسا ہوتا ہے اور یہ کہ محض ظاہری اسباب پر تکیہ کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے غافل ہو جانا عقلمند کا کام نہیں۔
یہاں آخری جملہ میں حق تعالیٰ حکم دے رہے ہیں۔
فاعتبروا یآ اولی الابصار۔ یعنی کفار اہل کتاب یہود مدینہ کی اس سزا اور جلاوطنی کو خیال کرو اور عبرت حاصل کرو۔
خدارا مسلمان بھی اپنی حالت پر غور کریں۔ اور اپنے ماضی پر نظر ڈال کر اپنے موجودہ حال پر عبرت حاصل کریں۔
الغرض یہاں بتلایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کا انجام دنیا میں بھی برا ہوتا ہے اور پھر آخرت کی جو بربادی آنے والی ہے اس کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو جو اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے تو اس کی قدردانی کی توفیق بھی عطا فرمائیں اور ہم کو اسلام پر سچی استقامت نصیب فرمائیں اور اعدائے دین پر فتح ونصرت عطا فرمائیں روئے زمین پر جہاں جہاں اہل اسلام کا مقابلہ اہل باطل سے ہو رہا ہے۔ یا اللہ دشمنان دین کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دے اور مسلمانوں کی غیب سے امداد کی صورتیں ظاہر فرمادے۔

یا اللہ ہمیں اپنی بدحالی ہی دیکھ کر عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی توفیق نصیب ہو جائے اور ہم اپنا بھولا ہوا سبق اَطِیۡعُوا اللّٰہَ اور اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ پھر یاد کرلیں۔ اور آپ کے فرمانبردار بندے اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار امتی بن جائیں اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچ جائیں۔

یا اللہ اس امت مسلمہ پر نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اپنے کرم ورحم کی نظر فرمادے اور اپنی ہدایت کے دروازے ان پر کھول دے۔

یا اللہ آپ مقلب القلوب ہیں۔ ہمارے دلوں کو راستی کی طرف مائل کردے اور پھر صداقت۔ دیانت اور امانت کی راہ پر چلنا نصیب فرمادے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا ۚ وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ

اور اگر اللہ تعالیٰ ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھ چکتا تو ان کو دنیا ہی میں سزا دیتا، اور ان کیلئے آخرت میں

عَذَابُ النَّارِ ﴿۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ

دوزخ کا عذاب ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴﴾ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا

سخت سزا دینے والا ہے۔ جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو خدا ہی کے حکم کے موافق ہیں

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِىَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۵﴾ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ

اور تاکہ کافروں کو ذلیل کرے۔ اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوا دیا سو تم نے اس پر

عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى

نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو

كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۶﴾

ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

وَلَوْ لَا اور اگر نہ	اَنْ یہ کہ	كَتَبَ اللّٰهُ اللہ نے لکھ رکھا ہوتا	عَلَيْهِمُ ان پر	الْجَلَآءَ جلا وطن ہونا	لَعَذَّبَهُمْ تو وہ انہیں عذاب دیتا	
فِى الدُّنْيَا دنیا میں	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	فِى الْاٰخِرَةِ آخرت میں	عَذَابُ النَّارِ جہنم کا عذاب	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهُمْ اس لئے کہ وہ	
شَآقُّوا انہوں نے مخالفت کی	اللّٰهَ اللہ	وَرَسُوْلَهٗ اور اسکا رسول	وَمَنْ اور جو	يُّشَآقِّ اللّٰهَ مخالفت کرے اللہ کی	فَاِنَّ اللّٰهَ تو بیشک اللہ	
شَدِيْدُ سخت	الْعِقَابِ سزا دینے والا	مَا قَطَعْتُمْ جو تم نے کاٹ ڈالے	مِّنْ سے	لِّيْنَةٍ درخت کے تنے	اَوْ یا	تَرَكْتُمُوْهَا تم نے اسکو چھوڑ دیا
قَآئِمَةً کھڑا	عَلٰٓى اُصُوْلِهَا اس کی جڑوں پر	فَبِاِذْنِ اللّٰهِ تو اللہ کے حکم سے	وَلِيُخْزِىَ اور تاکہ وہ رسوا کرے	الْفٰسِقِيْنَ نافرمانوں	وَمَا اور جو	
اَفَآءَ اللّٰهُ دلوایا اللہ نے	عَلٰى رَسُوْلِهٖ اپنے رسول کو	مِنْهُمْ ان سے	فَمَآ تو نہ	اَوْجَفْتُمْ تم نے دوڑائے تھے	عَلَيْهِ ان پر	مِنْ خَيْلٍ گھوڑے
وَلَا اور نہ	رِكَابٍ اونٹ	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اور لیکن (بلکہ) اللہ	يُسَلِّطُ مسلط فرماتا ہے	رُسُلَهٗ اپنے رسولوں	عَلٰى پر	مَنْ يَّشَآءُ جس پر وہ چاہتا ہے
وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلٰى پر	كُلِّ شَىْءٍ ہر شے	قَدِيْرٌ قدرت رکھتا ہے			

تفسیر و تشریح: انہی بنی نضیر کے یہود کے متعلق ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے جلاوطنی کی سزا لکھی تھی سو انہیں پہنچی۔ یہ بات نہ ہوتی تو کوئی دوسری سزا دنیا میں دی جاتی قتل وغیرہ۔ غرض سزا سے بچ نہیں سکتے تھے۔ یہ خدا کی حکمت ہے کہ قتل کی بجائے محض جلاوطنی پر اکتفا کیا گیا لیکن یہ تخفیف صرف دنیوی سزا میں ہے۔ آخرت کی ابدی سزا کسی طرح ان کافروں سے ٹل نہیں سکتی اور یہ جہنم کی آگ میں جھونکے جائیں گے اور یہ سزا ان

کو دنیا و آخرت میں اسی لئے ملی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی تھی۔ اور مخالفوں کو ایسی ہی سخت سزا ملتی ہے آگے یہود کے ایک طعن کا جواب ہے کہ جو درختوں کے کاٹنے اور جلانے کے باب میں انہوں نے کیا تھا۔ جب بنونضیر قلعہ بند ہو گئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ ان غداروں اور عیاروں کے درخت کاٹے جائیں اور باغ اجاڑے جائیں تاکہ اس کے درد سے قلعوں سے باہر نکلنے اور لڑنے پر مجبور ہوں اور کھلی ہوئی جنگ کے وقت درختوں کی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اس پر کچھ درخت کاٹے گئے اور کچھ چھوڑ دیئے گئے کہ فتح کے بعد مسلمانوں کے کام آئیں گے تو یہود نے طعن کرنا شروع کیا کہ خود تو فساد سے منع کرتے ہیں اور کیا یہ درختوں کا کاٹنا اور جلانا فساد نہیں؟ اس کا جواب دیا گیا کہ یہ سب کچھ اللہ جل شانہ کے حکم سے ہے۔ حکم الٰہی کی تعمیل کو فساد نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ گہری حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے دیا تاکہ مسلمانوں کو عزت دے اور کافروں کو ذلیل کرے۔ چنانچہ جو درخت چھوڑ دیئے گئے ہیں اس میں مسلمانوں کی ایک کامیابی اور کفار کو غیظ میں ڈالنا ہے کہ یہ مسلمان اس کو برتیں گے اور نفع اٹھائیں گے اور جو کاٹے یا جلائے گئے اس میں مسلمانوں کی دوسری کامیابی یعنی ظہور آثار غلبہ اور کفار کو غیظ و غضب میں ڈالنا ہے کہ مسلمان ہماری چیزوں میں کیسے تصرفات کر رہے ہیں لہٰذا دونوں امر جائز اور حکمت پر مشتمل ہیں۔ آگے مسلمانوں کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان یہود بنی نضیر سے دلوا دیا اس میں تم کو کوئی خاص مشقت جنگ کرنے اور سفر کرنے کی نہیں پڑی اس لئے اس میں تمہارا استحقاق تقسیم و تملیک کا نہیں جسطرح کہ مال غنیمت میں ہوتا ہے کہ اس میں چار حصہ لشکر کو تقسیم کئے جاتے ہیں اور پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کیلئے ہوتا ہے اور یہی فرق ہے مال غنیمت کا جو کفار سے جنگ کے بعد حاصل ہوتا ہے اور فیئے کا جو بغیر جنگ کے ہاتھ آتا ہے جیسا کہ یہود بنی نضیر سے مال حاصل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے چونکہ محض رعب سے اپنے رسول کو کفار پر مسلط فرما دیا اور انہیں مغلوب کر دیا اس لئے اے مسلمانو اس مال میں تمہارا کوئی حق نہیں مثل مال غنیمت کے بلکہ اس میں مالکانہ تصرف کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے پس وہ جس طرح چاہے دشمنوں کو مغلوب کرے اور جس طرح چاہے اپنے رسول کو اختیار اور تصرف دے۔

چنانچہ جیسا کہ گذشتہ درس میں بتلایا گیا تھا یہ مال و زمین اور جائیداد وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ کی رضا مندی سے مہاجرین مکہ پر تقسیم فرما دیا۔

اب یوں تو سارا ہی قرآن اور ذخیرہ حدیث شریف اس بات سے پُر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت دین و دنیا دونوں کو تباہ کرنے والی ہے یہاں ان آیات میں یہود مدینہ کو جو جلاوطنی کی دنیا میں سزا دی گئی اور ساتھ ہی آخرت میں عذاب نار کی وعید سنائی گئی۔ تو اس کی وجہ بتلائی گئی۔ **ذلک بانهم شآقو االله ورسوله**۔ یعنی یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے یعنی یہود نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اب کوئی یہ سمجھنے لگے کہ یہ صرف یہود بے بہبود ہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ تھا اور دوسرے مخالفت کرتے رہیں تو انہیں کوئی دنیا یا دین میں نقصان نہ پہنچے گا تو اس خام خیالی کو بھی دفع کر دیا گیا۔ اور یہود کی سزا کی وجہ بیان کر کے آگے عام قانون بیان فرما دیا **و من یشآق الله فان الله شدید العقاب** اور جو شخص بھی اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس وقت ملک میں اور قوم میں جو اللہ اور رسول کی مخالفت عام وبا کی طرح پھیلتی جا رہی ہے تو اس کا انجام ملک اور قوم کیلئے دیر یا سویر آخر کیا ہونا ہے؟ اس کا جواب ہر شخص جس میں ادنیٰ عقل و فہم بھی باقی ہے تو خود سوچ لے اور اگر اللہ و رسول کی مخالفت کے وبال میں عقل ہی مسخ ہو گئی اور نیک و بد کی تمیز ہی اٹھ گئی تو یہ تو اور بھی زیادہ خطرناک بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنا فضل و کرم فرمائیں۔

الغرض قبیلہ بنی نضیر جلاوطن کئے جانے پر اس کے اموال و زمین و جائیداد وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار اور تصرف کے موافق مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ اسی سلسلہ میں دوسرے کافروں سے حاصل ہونے والے مال کے احکام آگے بیان فرمائے جاتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے لوگوں سے دلوا دے وہ اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ

اور مسافروں کا، تاکہ وہ تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آجاوے اور رسول تم کو

اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۷

سخت سزا دینے والا ہے۔

مَآ اَفَآءَ جو دلوا دے	اللّٰهُ اللہ	عَلٰى رَسُوْلِهٖ اپنے رسول کو	مِنْ سے	اَهْلِ الْقُرٰى بستیوں والے	فَلِلّٰهِ تو اللہ کیلئے	وَلِلرَّسُوْلِ اور رسول کیلئے
وَلِذِى الْقُرْبٰى اور قرابت داروں کیلئے	وَالْيَتٰمٰى اور یتیموں	وَالْمَسٰكِيْنِ اور مسکینوں	وَابْنِ السَّبِيْلِ اور مسافروں	كَيْ تاکہ		
لَا يَكُوْنَ نہ رہے	دُوْلَةً (گھومنا، ہاتھ لگنا، گردش)	بَيْنَ درمیان	الْاَغْنِيَآءِ مال داروں	مِنْكُمْ تم میں سے۔ تمہارے	وَمَآ اور جو	
اٰتٰىكُمُ تمہیں عطا فرمائے	الرَّسُوْلُ رسول	فَخُذُوْهُ تو وہ لے لو	وَمَا اور جس	نَهٰىكُمْ تمہیں منع کرے	عَنْهُ اس سے	
	فَانْتَهُوْا تو تم باز رہو	وَاتَّقُوْا اور تم ڈرو	اللّٰهَ اللہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	شَدِيْدُ الْعِقَابِ سخت سزا دینے والا	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اہل اسلام کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا تھا کہ اس غزوہ بنی نضیر میں تم کو کوئی خاص مشقت نہیں پڑی۔ نہ سفر کی نہ جنگ وقتال کی۔ کیونکہ بنی نضیر کی بستی مدینہ سے دو میل پر تھی اور چونکہ یہود بنی نضیر مرعوب ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے بغیر جنگ کئے اور بغیر مقابلہ کے مغلوب ہونا تسلیم کر لیا اور مدینہ سے جلاوطن ہو گئے۔ تو چونکہ اس فتح میں اللہ نے اپنی قدرت سے یہود بنی نضیر کے اموال و املاک و باغات وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلوائے اس لئے حکم ہوا تھا کہ اموال بنی نضیر میں مثل مال غنیمت کے تقسیم نہیں ہوگی بلکہ اس پر محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مالکانہ اختیار وتصرف ہو گا۔ دسویں پارہ کی ابتدا سورہ انفال میں مال غنیمت جو کفار سے جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے اس کے احکام بیان ہوئے تھے کہ کل حاصل شدہ مال غنیمت کا 4/5 حصہ تو غازیوں اور مجاہدوں میں تقسیم ہو گا اور 1/5 اللہ کی نذر ہو گا جس کو آج کی اصطلاح میں یوں سمجھئے کہ یہ حصہ اسلامی اسٹیٹ کا ہو گا اور بیت المال یعنی مسلمانوں کے خزانہ میں جمع ہو گا جس کے مصارف بھی بتلا دیئے گئے تھے۔ اور جو مال اہل حرب سے بلا قتال حاصل ہو اس کو شرعی اصطلاح میں فئی کہا جاتا ہے جیسا کہ بنی نضیر کے یہود سے اموال حاصل ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اموال فئی خالص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار وتصرف میں ہوتے تھے۔ پہلی گذشتہ آیات میں یہ بتلا دیا کہ اموال بنی نضیر "فئی" کی طرح ہوں گے اور مثل مال غنیمت کے تقسیم نہ ہوں گے۔

اب ان آیات میں پہلے اموال فئی یعنی جو خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار وتصرف میں ہوگا اس کے متعلق عام ضابطہ بتلایا

جاتا ہے کہ وہ اللہ ورسول کا حق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں یتیموں غریبوں اور مسافروں کا حق ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ مصارف اس لئے بتلائے کہ ہمیشہ یتیموں محتاجوں۔ بیکسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے۔ اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پا سکیں اور یہ اموال محض دولت مندوں کی الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں جن سے سرمایہ دار مزے لوٹیں اور غریب فاقوں مریں۔ احکام الٰہیہ اور قوانین ربانی کی خبر آج عام مسلمانوں کو تو ہے نہیں اور نہ وہ قرآن وحدیث کے احکام اور اس کے مطابق طرز زندگی گزارنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اس لئے کہیں سوشلزم کا نعرہ لگ رہا ہے۔ کہیں کمونزم کا خیر مقدم ہو رہا ہے۔ قرآن حدیث نے مال دولت کے مصارف جس طرح بتلائے ہیں اس سے بڑھ کر کہیں انسانی تجاویز اور انسانی قوانین ہو سکتے ہیں مگر جب ہم قرآن وحدیث کو ہی نظر انداز کر دیں اور اس کے قوانین اپنانے کو تیار نہ ہوں تو لامحالہ کافروں اور مشرکوں کے بنائے ہوئے قوانین کے چکر میں پھنسیں گے اور جو اس کے نتائج فساد در فساد کے رونما ہوں گے وہ بھگت رہے ہیں اور بھگتیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اوپر اموال فئی کے مصارف بتلا کر آگے ان احکام کو بخوشی قبول کرنے کی ہدایت دی جاتی ہے اور اہل ایمان سے خطاب فرمایا جاتا ہے کہ مال جائیداد وغیرہ جس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم سے تقسیم کریں اسے بخوشی ورغبت قبول کرو۔ جو ملے لے لو۔ جس سے روکا جائے رک جاؤ اور اسی طرح رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتلائے ہوئے تمام احکام اور اوامر ونواہی کی پابندی رکھو۔ آگے یہ بھی سمجھا دیا کہ دیکھو رسول کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ ڈرتے رہو کہ کہیں رسول کی نافرمانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کوئی سخت عذاب مسلط نہ کر دے کیونکہ وہ شدید العقاب بھی ہے یعنی سخت سزا دینے والا ہے۔

یہاں آیت میں **وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا** جو فرمایا یعنی (اور رسول جو کچھ تم کو دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں رک جایا کرو) تو اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ یہاں حکم کے الفاظ عام ہیں اس لئے یہ صرف اموال فئی کی تقسیم تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ تمام معاملات میں اہل اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں۔ اور یہی بات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمائی۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ممکن ہو اس پر عمل کرو اور جس بات سے روک دوں اس سے اجتناب کرو۔

ابھی اسی مال فئی کی تقسیم اور مصرف کے بارہ میں مزید ہدایت اگلی آیات میں دی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام امت مسلمہ کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری پوری اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ اور آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے ہم کو بچائیں۔

یا اللہ! ہمیں ہدایت فرمادے کہ ہم اس قرآنی حکم کے دل وجان سے پابند ہو جائیں تاکہ ہمارے سب بگڑے ہوئے کام درست وراست ہو جائیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ

ان حاجت مند مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کردیئے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۸﴾

اور رضا مندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ

اور ان لوگوں کا جو دارالاسلام میں اور ایمان میں ان سے قبل قرار پکڑے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں

فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ

اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر

خَصَاصَةٌ ط وقف وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ

فاقہ ہی ہو، اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جاوے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور ان لوگوں کا جو اُن کے بعد آئے

بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا

جو دُعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور

تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

لِلْفُقَرَآءِ حاجتوں کیلئے	الْمُهٰجِرِيْنَ مہاجروں	الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا وہ جو نکالے گئے	مِنْ دِيَارِهِمْ اپنے گھروں سے	وَ اَمْوَالِهِمْ اور اپنے مالوں				
يَبْتَغُوْنَ وہ چاہتے ہیں	فَضْلًا فضل	مِنَ اللّٰهِ اللہ کا سے	وَ رِضْوَانًا اور رضا	وَيَنْصُرُوْنَ اور وہ مدد کرتے ہیں	اللّٰهَ اللہ	وَرَسُوْلَهٗ اور اسکا رسول		
اُولٰٓئِكَ اور یہی لوگ	هُمْ وہ	الصّٰدِقُوْنَ سچے	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	تَبَوَّؤُ مقیم رہے	الدَّارَ اس گھر	وَالْاِيْمَانَ اور ایمان		
مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل	يُحِبُّوْنَ وہ محبت کرتے ہیں	مَنْ جس	هَاجَرَ ہجرت کی	اِلَيْهِمْ انکی طرف	وَلَا يَجِدُوْنَ اور وہ نہیں پاتے			
فِيْ میں	صُدُوْرِهِمْ اپنے سینوں (دلوں)	حَاجَةً کوئی حاجت	مِّمَّآ اس کی	اُوْتُوْا دیا گیا انہیں	وَيُؤْثِرُوْنَ اور وہ اختیار کرتے ہیں			
عَلٰى پر	اَنْفُسِهِمْ اپنی جانوں	وَلَوْ كَانَ اور خواہ ہو	بِهِمْ انہیں	خَصَاصَةٌ تنگی	وَمَنْ اور جو۔جس	يُّوْقَ بچایا	شُحَّ بخل	نَفْسِهٖ اپنی ذات
فَاُولٰٓئِكَ تو یہی لوگ	هُمُ وہ	الْمُفْلِحُوْنَ فلاح پانیوالے	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	جَآءُوْ وہ آئے	مِنْ بَعْدِهِمْ انکے بعد	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں		
رَبَّنَا اے ہمارے رب	اغْفِرْ لَنَا ہمیں بخشدے	وَلِاِخْوَانِنَا اور ہمارے بھائیوں کو	الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	سَبَقُوْنَا ہم سے سبقت کی				
بِالْاِيْمَانِ ایمان میں	وَلَا تَجْعَلْ اور نہ ہونے دے	فِيْ قُلُوْبِنَا ہمارے دلوں میں	غِلًّا کوئی کینہ	لِّلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے جو	اٰمَنُوْا وہ ایمان لائے			
رَبَّنَا اے ہمارے رب	اِنَّكَ بیشک تو	رَءُوْفٌ شفقت کرنیوالا	رَحِيْمٌ رحم کرنیوالا					

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بھی مال فئے کے مزید مستحقین کا ذکر فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اس مال فئے میں ان جاں نثاروں اور سچے مسلمانوں کا بھی حق ہے جنہوں نے محض اللہ کی خوشنودی اور رسول کی محبت واطاعت میں دین کے لئے اپنے گھر بار اور مال دولت سب کو خیر باد کہا اور بالکل خالی ہاتھ ہو کر وطن سے نکل آئے تا کہ اللہ اور رسول کے کاموں میں آزادانہ مدد کر سکیں۔ یہاں فقرائے مہاجرین سے مراد وہ حضرات صحابہ ہیں جو اس وقت مکہ معظمہ اور عرب کے دوسرے علاقوں سے محض اس بنا پر اپنا وطن اور گھر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ دین کی خاطر دارالاسلام مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ بنی نضیر کے اموال واملاک حاصل ہونے سے قبل ان فقرائے مہاجرین کے لئے گزر بسر کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک مہاجر اور ایک انصار کا آپس میں بھائی چارہ کرا دیا تھا۔ اور ہر انصار اپنے مہاجر بھائی کا خرچ برداشت کرتا تھا تو اس مال فئے میں عام مساکین۔ یتامیٰ اور مسافروں کے علاوہ فقرائے مہاجرین کا حق بھی بتلایا گیا۔ ساتھ ہی ان حضرات کی تعریف بھی کی گئی کہ یہ غریب مہاجر وہ ہیں کہ جنہوں نے اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنی قوم کو ناراض کر لیا یہاں تک کہ انہیں اپنا وطن عزیز اور اپنے ہاتھوں کا کمایا ہوا مال سب چھوڑ چھاڑ کر ہجرت کرنی پڑی۔ اللہ کے دین کی اور اس کے رسول کی مدد میں برابر مشغول ہیں۔ خدا کے فضل وخوشنودی کے متلاشی ہیں۔ ان حضرات مہاجر صحابہ کے متعلق فرمایا گیا **اولٰئک هم الصدقون** یہی لوگ قول وعمل کے سچے ہیں۔ یعنی کلمہ اسلام پڑھ کر جو عہد اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھا تھا اس میں بالکل سچے اور پورے اترے۔ اس ارشاد خداوندی **اولٰئک هم الصدقون** نے تمام صحابہ مہاجرین رضی اللہ عنہم کے صادق ہونے کا عام اعلان فرما دیا۔ فقرائے مہاجرین کے بعد فقرائے انصار کو بھی اس مال فئے کا حق دار قرار دیا گیا۔ انصار سے مراد وہ ساکنان مدینہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے قبل مدینہ میں رہتے تھے اور ایمان لے آئے تھے۔ پھر ان حضرات انصار صحابہ کی مدح فرمائی گئی اور ان کی فضیلت، شرافت اور بزرگی کا اظہار فرمایا گیا۔ ان کی کشادہ دلی۔ نیک نفسی۔ ایثار وسخاوت کا ذکر فرمایا گیا کہ انہوں نے مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی مدینہ میں بود وباش رکھی اور ایمان کو دل میں جگہ دی اور اسلام پر مستقیم رہے۔ یہ انصار محبت کے ساتھ مہاجرین کی خدمت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے اموال میں ان کو برابر کا شریک بنانے کے لئے تیار ہیں اور جو بھی راہ خدا میں ہجرت کر کے ان کے پاس پہنچے یہ اسے اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں۔ اور اپنا جان ومال ان پر نثار کرنے میں اپنا فخر جانتے ہیں اور مہاجرین کو اللہ تعالیٰ جو فضل وشرف عطا فرمائے یا اموال فئے میں سے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ عنایت فرمائیں اسے دیکھ کر ان انصار کے دل تنگ نہیں ہوتے۔ نہ حسد کرتے ہیں بلکہ خوش ہوتے ہیں اور ہر اچھی چیز میں ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔ خود سختیاں اور فاقہ اٹھا کر بھی اگر مہاجر بھائی کو بھلائی پہنچا سکیں تو دریغ نہیں کرتے۔ یہ ایثار بڑی اولوالعزمی کی بات ہے۔ ہر ایک کو نصیب نہیں کہ آپ بھوکا رہے اور اپنے بھائی کو کھلائے۔ حضرات انصار کے اس ایثار کا کیا ٹھکانا ہے کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے گھر اور مال بانٹ دیئے تھے جس کے پاس ایک مکان یا باغ تھا تو آدھا اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا تھا۔ دو کپڑے تھے تو ایک مہاجر کو دے دیا تھا اور اسی طرح سب چیزوں میں کیا تھا۔ یہاں انصارؓ کی مدح میں جو یہ فرمایا گیا **ویؤثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصة** ط (اور اپنی ذات سے دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو) تو اس کے شان نزول کے متعلق ایک روایت یہ ہے جس کو امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ

سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے ان کو مہمان بنایا۔ آپ نے کسی کو اپنے گھر بھیجا کہ پوچھو کھانے کو کچھ موجود ہے؟ ازواج مطہراتؓ نے عرض کیا کہ بجز پانی کے ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ پھر آپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کون ہے جو ان کو مہمان بنائے۔ ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ میں مہمان بناتا ہوں پھر ان کو وہ...... اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا کہ رسول اللہ کے مہمان کی خاطر کر۔ بیوی نے عرض کیا کہ لڑکوں کے کھانے کے سوا اور کوئی چیز ہمارے ہاں نہیں۔ صحابی نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سلا دو اور جب وہ سو جاویں تو کھانا لے کر مہمان کے ساتھ بیٹھ جاویں گے اور تم چراغ کو درست کرنے کے بہانہ سے اٹھ کر اسے بجھا دینا چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ اندھیرے میں مہمان کو بھی معلوم ہوا کہ میرے ساتھ میزبان بھی کھانا کھا رہے ہیں مگر اس صحابی نے کچھ نہ کھایا کہ کھانا تھوڑا تھا مہمان نے کھانا کھا لیا اور ان دونوں میاں بیوی اور بچوں نے فاقہ سے رات گزاری صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری رات کی بات سے خدا تعالیٰ نہایت خوش ہوا اور یہ آیت **یؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ** نازل ہوئی۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ مہاجرین نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ہم نے تو دنیا میں ان انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے۔ تھوڑے میں تھوڑا اور بہت میں بہت برابر ہمیں دے رہے ہیں مدتوں سے ہمارا کل خرچ اٹھا رہے ہیں بلکہ ناز برداریاں کر رہے ہیں اور کبھی چہرہ پر شکن بھی نہیں بلکہ خدمت کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ دیتے ہیں اور احسان نہیں رکھتے۔ کام کاج خود کریں اور کمائی ہمیں دیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا سارا کا سارا اجر انہی کو نہ مل جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ نہیں۔ جب تک تم ان کی تعریف کرتے رہو گے اور ان کے لئے دعائیں مانگتے رہو گے تم کو بھی اجر ملتا رہے گا۔ انصار صحابہؓ کے ایثار کے واقعات سے سیرت کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ تو حق تعالیٰ نے ان انصار صحابہ کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بڑے کامیاب اور بامراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کی توفیق و دستگیری نے ان کے دل کو لالچ اور حرص و بخل سے محفوظ رکھا۔ لالچی اور بخیل آدمی اپنے بھائیوں کے لئے کہاں ایثار کر سکتا ہے۔ الغرض مال فئی میں سے فقرائے انصار کا بھی حق ٹھہرا۔ بنی نضیر کے چھوڑے ہوئے مال میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی رضامندی سے مہاجرین ہی میں تقسیم کئے اور انصار میں سے صرف حضرت ابودجانہؓ۔ حضرت سہلؓ بن حنیف کو بھی حصہ دیا گیا۔ آگے فرمایا جاتا ہے کہ اس مال فئی میں ان لوگوں کا بھی حق ہے جو ان مہاجرین وانصار کے بعد عالم وجود میں آئے یا ان کے بعد حلقہ اسلام میں آئے یا مہاجرین سابقین کے بعد ہجرت کر کے آئے یا آویں گے اور وہ سابقین کے لئے دعا مغفرت کرتے ہیں اور کسی مسلمان بھائی کی طرف سے دل میں بیر اور بغض وعناد نہیں رکھتے۔ امام مالکؒ نے یہیں سے فرمایا ہے کہ جو شخص حضرات صحابہ سے بغض رکھے اور ان کی بدگوئی کرے اس کے لئے مال فئی میں سے کوئی حصہ نہیں۔ تو یہاں تک جو احکام ارشاد ہوئے ان میں یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ مال فئی میں اللہ اور رسول اور اقربائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یتامیٰ و مساکین اور مسافروں اور مہاجرین و انصار اور قیامت تک آنے والی مسلمان نسلوں کے حقوق ہیں۔

یہاں اہل ایمان کی جو دعا نقل فرمائی گئی کہ وہ اپنی دعا میں حق تعالیٰ سے یہ عرض کرتے ہیں **ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا** یعنی اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے تو کسی مسلمان کے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ نہ ہونا یہ اتنی

بڑی خوبی اور سعادت کی علامت ہے کہ علامہ ابن کثیرؒ نے مسند احمد کی ایک حدیث حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ دیکھو ابھی تمہارے سامنے ایک شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے تھوڑی دیر میں ایک انصاریؓ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں لئے ہوئے تازہ وضو کر کے آ رہے تھے جن کی داڑھی سے تازہ وضو کے قطرات ٹپک رہے تھے۔ دوسرے دن بھی اسی طرح ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے یہی فرمایا اور وہی انصاری اسی طرح آئے۔ تیسرے دن بھی یہی ہوا اور وہی انصاری آئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھ گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ دیکھتے بھالتے رہے اور یہ بھی ان کے پیچھے ہو لئے (اس غرض سے کہ ان کے اہل جنت ہونے کا راز معلوم کریں) اور ان انصاری سے کہا کہ میں نے کسی جھگڑے میں قسم کھالی ہے کہ میں تین روز تک اپنے گھر نہ جاؤں گا۔ اگر آپ مہربانی فرما کر اجازت دے دیں تو میں یہ تین دن آپ کے ہاں گزار دوں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ نے یہ تین راتیں ان کے گھر ان کے ساتھ گزاریں تو دیکھا کہ رات کو وہ تہجد کی لمبی نماز بھی نہیں پڑھتے۔ صرف اتنا کرتے ہیں کہ جب آنکھ کھلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی بڑائی اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لئے اٹھیں۔ ہاں یہ ضروری بات تھی کہ اس پورے عرصہ میں میں نے ان کی زبان سے بجز کلمہ خیر کے کوئی کلمہ نہیں سنا۔ جب تین راتیں گزر گئیں تو مجھے ان کا عمل بہت ہلکا سا معلوم ہونے لگا تو اب میں نے اپنا راز ان پر کھول دیا کہ حضرت دراصل نہ میں نے ناراضگی کے باعث گھر چھوڑا تھا بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین روز تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ابھی ایک جنتی شخص آ رہا ہے اور تینوں مرتبہ آپ ہی آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں رہ کر دیکھوں تو سہی کہ آپ ایسی کون سی عبادتیں کرتے ہیں جو جیتے جی بہ زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے جنتی ہونے کی خبر ہم تک پہنچ گئی چنانچہ میں نے یہ بہانا کیا اور تین رات تک آپ کی خدمت میں رہا کہ آپ کے اعمال دیکھ کر میں بھی ویسے ہی شروع کر دوں۔ لیکن میں نے تو آپ کو نہ تو کوئی نیا اور اہم عمل کرتے ہوئے دیکھا۔ نہ عبادت ہی میں اوروں سے زیادہ بڑھا ہوا دیکھا۔ اب جا رہا ہوں لیکن زبانی ایک سوال ہے کہ آپ ہی بتلائیے کہ آخر وہ کونسا عمل ہے جس کی وجہ سے آپ کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی بتایا۔ انہوں نے کہا کہ بس تم میرے اعمال کو دیکھ چکے ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل تو ہے نہیں۔ چنانچہ میں ان سے رخصت ہو کر چلا۔ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ جو انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا ہاں میرا ایک عمل سنتے جاؤ وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان کی طرف سے کینہ۔ حسد یا بغض کا ارادہ بھی نہیں ہوا۔ میں کبھی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ بس یہی وہ صفت ہے کہ جس نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے اور یہی وہ اعلیٰ صفت ہے جو ہر ایک کے بس کی نہیں''۔ (ابن کثیرؒ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کینہ اور حسد سے دل کا پاک ہونا یہ کتنی بڑی نیکی اور سعادت ہے اور جنتی ہونے کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو بھی مسلمانوں کی طرف سے کینہ وحسد سے پاک رکھیں۔

الغرض ذکر غزوہ بنی نضیر کا ہو رہا تھا اور اسی سلسلہ میں فئی یعنی اموال بنی نضیر کے احکام اور مصرف بتلائے گئے۔ اب آگے منافقین نے جو طرز عمل اس غزوہ بنی نضیر میں ظاہر کیا اس کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ

کیا آپ نے ان منافقین کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں کہتے ہیں کہ واللہ اگر تم

اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ

نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جاویں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے، اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے،

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١١﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا

اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر اُن سے لڑائی ہوئی تو یہ اُن کی

لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١٢﴾ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ

مدد نہ کریں گے، اور اگر ان کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر اُن کی کوئی مدد نہ ہوگی۔ بے شک تم لوگوں کا خوف

صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿١٣﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ

ان کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے، یہ اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھتے نہیں۔ یہ لوگ سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر

قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا

حفاظت والی بستیوں میں یا دیوار کی آڑ میں، ان کی لڑائی آپس میں بڑی تیز ہے، اے مخاطب تو ان کو متفق خیال کرتا ہے

وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٤﴾ۚ

حالانکہ ان کے قلوب غیر متفق ہیں، یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔

اَلَمْ تَرَ کیا آپ نے نہیں دیکھا	اِلَى طرف۔ کو	الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وہ لوگ جنہوں نے نفاق کیا۔ منافق	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	لِاِخْوَانِهِمْ اپنے بھائیوں کو		
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا۔ کافر	مِنْ سے	اَهْلِ الْكِتٰبِ اہل کتاب	لَئِنْ البتہ اگر	اُخْرِجْتُمْ تم نکالے گئے	لَنَخْرُجَنَّ تو ہم ضرور نکل جائینگے	
مَعَكُمْ تمہارے ساتھ	وَلَا نُطِيْعُ اور نہ مانیں گے ہم	فِيْكُمْ تمہارے بارے میں	اَحَدًا کسی کا	اَبَدًا کبھی	وَاِنْ اور اگر	قُوْتِلْتُمْ تم سے لڑائی ہوئی
لَنَنْصُرَنَّكُمْ تو ہم ضرور تمہاری مدد کرینگے	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَشْهَدُ گواہی دیتا ہے	اِنَّهُمْ بیشک وہ	لَكٰذِبُوْنَ البتہ جھوٹے ہیں	لَئِنْ اگر	
اُخْرِجُوْا وہ جلاوطن کیے گئے	لَا يَخْرُجُوْنَ وہ نہ نکلیں گے	مَعَهُمْ ان کے ساتھ	وَلَئِنْ اور اگر	قُوْتِلُوْا ان سے لڑائی ہوئی		
لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ وہ انکی مدد نہ کرینگے	وَلَئِنْ اور اگر	نَصَرُوْهُمْ وہ اُنکی مدد کرینگے	لَيُوَلُّنَّ تو وہ یقینا پھیرینگے	الْاَدْبَارَ پیٹھ (جمع)	ثُمَّ پھر	
لَا يُنْصَرُوْنَ وہ مدد نہ کیے جائیں گے	لَاَنْتُمْ یقینا تم۔ تمہارا	اَشَدُّ بہت زیادہ	رَهْبَةً ڈر	فِيْ صُدُوْرِهِمْ انکے سینوں (دلوں) میں		
مِنَ اللّٰهِ اللہ سے	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهُمْ اس لئے کہ وہ	قَوْمٌ ایسے لوگ	لَا يَفْقَهُوْنَ کہ وہ سمجھتے نہیں	لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ وہ تم سے نہ لڑیں گے	
جَمِيْعًا اکٹھے سب مل کر	اِلَّا مگر	فِيْ قُرًى بستیوں میں	مُّحَصَّنَةٍ قلعہ بند	اَوْ یا	مِنْ وَّرَاۗءِ پیچھے سے	جُدُرٍ دیواریں
بَاْسُهُمْ ان کی لڑائی						

بَيْنَهُمْ انکے آپس میں	شَدِيْدٌ بہت سخت	تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا تم گمان کرتے ہو انہیں۔ اکٹھے	وَّقُلُوْبُهُمْ حالانکہ ان کے دل	
شَتّٰى الگ الگ	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهُمْ اس لئے کہ وہ	قَوْمٌ ایسے لوگ	لَّا يَعْقِلُوْنَ وہ عقل نہیں رکھتے

19

تفسیر وتشریح: گذشتہ واقعات کی روشنی میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ منافقین نے یہود بنی نضیر کو خفیہ پیغام بھیجا تھا کہ گھبرانا نہیں اور اپنے کو اکیلے مت سمجھنا اگر مسلمانوں نے تم کو نکالا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور جنگ کی نوبت آئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ ہمارا یہ بالکل اٹل اور قطعی فیصلہ ہے۔اس کے خلاف ہم تمہارے معاملہ میں کسی کی بات ماننے والے اور پروا کرنے والے نہیں۔ اس پر حق تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ منافقین یہ باتیں دل سے نہیں کر رہے۔ محض مسلمانوں کے خلاف اکسانے کو ایسی باتیں بنا رہے ہیں اور جو کچھ زبان سے وعدہ وعید کر رہے ہیں ہرگز اس پر عمل نہیں کریں گے۔ چنانچہ قرآن کی یہ پیشین گوئی اسی طرح ثابت ہوئی اور جب بنی نضیر محصور ہو گئے تو ایسی نازک صورت حال میں کوئی منافق ان کی مدد کو نہ پہنچا اور آخر کار جب بنی نضیر نکالے گئے تو یہ منافقین آرام سے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔ آگے پیشین گوئی فرمائی جاتی ہے کہ اگر بفرض محال منافقین ان کی مدد کو نکلے بھی تو نتیجہ کیا ہوگا۔ بجز اس کے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر بنی نضیر کی مدد تو کیا کر سکتے خود ان کی مدد کو بھی کوئی نہ پہنچے گا۔ آگے اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ یہ منافقین اگر اللہ کی عظمت کو سمجھتے اور ان کے دل میں خدا کا خوف ہوتا تو کفر ونفاق ہی کیوں اختیار کرتے۔ ہاں مسلمانوں کی شجاعت اور دلیری اور جانبازی سے خوف کھاتے ہیں۔ اسی لئے مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے نہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔ آگے بتلایا گیا چونکہ ان منافقین کے دل مسلمانوں سے مرعوب اور خوفزدہ ہیں اس لئے یہ منافقین کھلے میدان میں جنگ ہرگز نہیں لڑ سکتے۔ ہاں گنجان بستیوں میں قلعہ نشین ہو کر یا دیواروں اور درختوں کی آڑ میں چھپ کر لڑ سکتے ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ آپس کی لڑائی میں بڑے تیز اور سخت ہیں جیسا کہ اسلام سے پہلے ''اوس'' اور ''خزرج'' کی جنگ میں تجربہ ہو چکا ہے مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی ساری بہادری اور شیخی کرکری ہو جاتی ہے تو تم اے اہل ایمان ان منافقین و یہود وغیرہ کے ظاہری اتفاق سے دھوکہ مت کھاؤ ان کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہیں۔ ہر ایک ان میں اپنی غرض وخواہش کا بندہ ہے اور خیالات میں ایک دوسرے سے جدا ہے پھر حقیقی یکجہتی انہیں کہاں میسر آ سکتی ہے۔ اگر عقل ہو تو سمجھیں کہ یہ نمائشی اتحاد کس کام کا۔ اتحاد تو اسے کہتے ہیں جو مومنین صادقین مہاجرین وانصار میں پایا جاتا ہے کہ تمام اغراض و خواہشات سے یکسو ہو کر سب نے اللہ کی رسی کو تھام رکھا ہے اور ان سب کا مرنا جینا اسی خدائے واحد کے لئے ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کفار میں حقیقی اتحاد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ عقائد و نظریئے ان کے جدا جدا ہیں اور سچے اور پکے اہل اسلام ہی میں حقیقی اتحاد اور اتفاق ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے اتفاق اور اتحاد کی بنیاد اللہ اور رسول اور دین اسلام ہے۔ اب جو مسلمانوں میں آپ اگر اس کے خلاف دیکھیں تو قرآنی صداقت پر ذرہ برابر حرف نہیں آ سکتا بلکہ یہی سمجھا جائے گا کہ اتفاق اور اتحاد کی جڑ بنیاد یعنی حقیقی ایمان واسلام ہی مسلمانوں میں مفقود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائیں اور اللہ اور رسول کے لئے جینے اور مرنے کا جذبہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

ابھی اگلی آیات میں یہی مضمون منافقین کی مذمت کا جاری ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اُن لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں جو اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں، اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ

شیطان کی سی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہوجا پھر جب وہ کافر ہوجاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں

اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ

میں تو اللہ ربُّ العالمین سے ڈرتا ہوں۔ سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ رہیں گے

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع

اور ظالموں کی یہ ہی سزا ہے۔

كَمَثَلِ حال جیسا	الَّذِيْنَ جولوگ	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل	قَرِيْبًا قریبی زمانہ	ذَاقُوْا انہوں نے چکھ لیا	وَبَالَ وبال	اَمْرِهِمْ اپنے کام	
وَلَهُمْ اوران کیلئے	عَذَابٌ عذاب	اَلِيْمٌ دردناک	كَمَثَلِ حال جیسا	الشَّيْطٰنِ شیطان	اِذْ جب	قَالَ اس نے کہا	لِلْاِنْسَانِ انسان سے
اكْفُرْ توکفراختیارکر	فَلَمَّا كَفَرَ توجب اس نے کفر کیا	قَالَ اس نے کہا	اِنِّيْ بیشک میں	بَرِيْٓءٌ لاتعلق	مِّنْكَ تجھ سے	اِنِّيْٓ اَخَافُ تحقیق میں ڈرتا ہوں	
اللّٰهَ اللہ	رَبَّ رب	الْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں	فَكَانَ پس ہوا	عَاقِبَتَهُمَآ ان دونوں کا انجام	اَنَّهُمَا بیشک وہ دونوں	فِي النَّارِ آگ میں	
خَالِدَيْنِ وہ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهَا اس میں	وَذٰلِكَ اور یہ	جَزٰٓؤُا جزا۔سزا	الظّٰلِمِيْنَ ظالموں			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں یہود بنی نضیر اور منافقین کی بدحالتوں کے متعلق دو مثالیں دی جاتی ہیں۔ ایک مثال خاص بنی نضیر کی اور دوسری منافقین کی۔ بنی نضیر کے متعلق پہلے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان کی مثال تو ان لوگوں کی مانند ہے جو ان سے کچھ ہی مدت پہلے اپنے کیے کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں اشارہ یہود قینقاع اور کفار قریش کی طرف ہے۔ یہود بنی قینقاع کا واقعہ بدر کے واقعہ کے بعد ۲ھ میں یہ ہوا کہ انہوں نے نقض عہد کر کے جنگ مسلمانوں سے کی مگر اہل اسلام سے شکست ہوئی۔ اور مدینہ سے نکالے گئے اور ان کے اموال مال غنیمت کی طرح تقسیم ہوئے تو جس طرح یہود بنی قینقاع اپنی غداری کا مزہ چکھ چکے اور ذلت کے ساتھ مدینہ سے جلاوطن ہو چکے اور اس سے پیشتر کفار قریش جنگ بدر میں سزا پا چکے ہیں تو وہی انجام بنی نضیر کا ہوا کہ دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سزا ملی اور آخرت کا عذاب جوں کا توں الگ رہا۔ دوسری مثال منافقین کے متعلق دی گئی یعنی منافقین کے جھوٹے وعدوں پر یہود بنی نضیر کا شرارت پر آمادہ ہونا اور پھر منافقین کا موقع پر ان کے کام نہ آنا۔ نہ محاصرہ کے وقت مدد پہنچانا۔ نہ جلاوطنی میں ساتھ دینا۔ تو ان منافقین کی مثال شیطان ابلیس کی سی ہے جیسے شیطان اول انسان کو کفر ومعصیت پر ابھارتا ہے اور جب انسان دام اغوا میں پھنس جاتا ہے اور کفر کر چکتا ہے تو خود بھی شیطان اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تجھ سے الگ اور تیرے کام سے بھی بیزار۔ مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ شیطان ہر کافر سے کرتا ہے اور ایسا

ہی معاملہ اس نے کفار قریش کے ساتھ جنگ بدر میں کیا تھا جس کا تذکرہ دسویں پارہ سورہ انفال میں آیا ہے کہ پہلے تو ابلیس لعین کفار قریش کو بڑھاوے چڑھاوے دے کر بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ میں لے آیا اور وعدہ کیا کہ آج تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں اور میں تمہاری پشت پر ہوں مگر جب کفار کا اہل اسلام سے مقابلہ ہوا اور دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو شیطان الٹا پھر گیا اور کفار سے کہنے لگا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ میں تم سے بری الذمہ ہوں مجھے وہ کچھ نظر آ رہا ہے جو تمہیں نظر نہیں آتا یعنی خدا کے فرشتوں کے ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود بھی جہنم کا کندہ بنا اور اس انسان کو بھی بنایا۔

اب جب کفر و نافرمانی کا انجام سنا دیا تو اب ایمان والوں سے خطاب ہوتا ہے اور ان کو نصیحت کی جاتی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں گمراہ اور گمراہ لوگوں سے علیحدہ رکھیں اور شیطان کے دام فریب اور وساوس میں پھنسنے سے بچائیں۔

یا اللہ ہمیں اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل فرمانبرداری ظاہراً و باطناً نصیب فرما اور تادم مرگ ایمان اور اسلام پر استقامت عطا فرما اور حُسن خاتمہ اور انجام کی خیر خوبی نصیب فرما۔

یا اللہ قرآن کریم نے تو صاف صاف کھول کر شیطان لعین کے مکروفریب سے دنیا والوں کو آگاہ کر دیا ہے مگر افسوس ہے کہ ہم دنیاوی لذات کے پیچھے پڑ کر شیطان لعین کے مکروفریب میں پھنستے جا رہے ہیں اور آپ کی اور آپ کے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نافرمانیوں میں مبتلا ہو رہے ہیں یا اللہ امت مسلمہ پر کرم و رحم کی نظر فرما دے اور ان کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرما دے۔ ان کے قلوب کو نور ہدایت سے مزین فرما دے تا کہ یہ حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔ حق کو اختیار کریں۔ باطل سے گریز کریں۔ اور شیطان کے مکروفریب سے بچ کر آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کریں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک

اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ

اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے۔ اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ سے بے پروائی کی سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے انکو بے پروا بنا دیا

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

یہی لوگ نافرمان ہیں۔ اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں، جو اہل جنت ہیں

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ

وہ کامیاب لوگ ہیں۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا،

اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور ان مضامین عجیبہ کو ہم لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ایمان والو	اتَّقُوا اللّٰهَ تم اللہ سے ڈرو	وَلْتَنْظُرْ اور چاہیے کہ دیکھے	نَفْسٌ ہر شخص	مَّا قَدَّمَتْ کیا اس نے آگے بھیجا	
لِغَدٍ کل کیلئے	وَاتَّقُوا اور تم ڈرو	اللّٰهَ اللہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	خَبِيْرٌ باخبر	بِمَا تَعْمَلُوْنَ اس سے جو تم کرتے ہو	وَلَا تَكُوْنُوْا اور نہ ہو جاؤ تم
كَالَّذِيْنَ ان لوگوں کی طرح	نَسُوا اللّٰهَ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا	فَاَنْسٰهُمْ تو اللہ نے بھلا دیا انہیں	اَنْفُسَهُمْ خود انہیں	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ		
هُمُ وہ	الْفٰسِقُوْنَ نافرمان (جمع)	لَا يَسْتَوِيْٓ برابر نہیں	اَصْحٰبُ النَّارِ دوزخ والے	وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اور جنت والے	اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ جنت والے	
هُمُ وہی ہیں	الْفَآئِزُوْنَ مراد کو پہنچنے والے	لَوْ اَنْزَلْنَا اگر ہم نازل کرتے	هٰذَا یہ	الْقُرْاٰنَ قرآن	عَلٰى جَبَلٍ پہاڑ پر	لَّرَاَيْتَهٗ تو تم دیکھتے اس کو
خَاشِعًا دبا ہوا	مُّتَصَدِّعًا ٹکڑے ٹکڑے ہوا	مِّنْ سے	خَشْيَةِ اللّٰهِ اللہ کا خوف	وَتِلْكَ اور یہ	الْاَمْثَالُ مثالیں	نَضْرِبُهَا ہم وہ بیان کرتے ہیں
لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	يَتَفَكَّرُوْنَ غور و فکر کریں				

تفسیر و تشریح: ان آیات میں ایمان اور اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کو خطاب کر کے نصیحت فرمائی جاتی ہے کہ اے ایمان والو تم نے نافرمانوں کا انجام تو او پر سن لیا تو اب تم اللہ سے ڈر کر طاعات اور نیکیوں کا ذخیرہ جمع کرو اور سوچو کہ کل کے لئے یعنی قیامت کے لئے کیا سامان تم نے آگے بھیجا ہے جو مرنے کے بعد وہاں پہنچ کر تمہارے کام آئے۔ اور جس طرح اللہ سے ڈر کر اعمال صالحہ میں کوشش کرنا اور ذخیرہ آخرت کو جمع کرنا لازم ہے اسی طرح اللہ سے ڈر کر تمام سیئات اور معاصی سے بچنے کا تم کو حکم ہے اور سمجھ لو کہ اللہ سے تمہارا کوئی کام پوشیدہ نہیں لہٰذا اس سے ڈر کر تقویٰ کا راستہ اختیار کرو اور معاصی سے پرہیز رکھو۔ آگے ان احکام کی مزید تاکید کے لئے بتلایا جاتا ہے کہ تم ایمان لا کر ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ کے احکام سے بے پروائی کی کہ اللہ کے حقوق کو بھلا دیا۔ اس کی یاد سے غفلت اور بے پروائی برتی۔ اس کے اوامر کے خلاف کیا اور

نواہی کا ارتکاب کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی عقل ایسی ماری گئی کہ خود اپنے نفع حقیقی کو نہ سمجھا اور نہ حاصل کیا اور آنے والی آفات سے بچاؤ کی فکر نہ کی اور نافرمانیوں میں غرق ہو کر دائمی خسارہ اور ابدی ہلاکت میں پڑ گئے۔ اور ایسے نافرمان اپنی نافرمانی کی سزا بھگتیں گے۔ تو اوپر دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا۔ ایک وہ جو اہل تقویٰ ہوں یعنی اللہ سے ڈر کر طاعات و اعمال صالحہ بجا لاتے ہوں اور گناہوں و معاصی سے بچتے ہوں اور دوسرے وہ جو اللہ تعالیٰ سے لاپرواہوں۔ تارک احکام ہوں اور نافرمان ہوں۔ ان میں ایک اہل جنت ہیں اور دوسرے اہل نار اور یہ دونوں قسمیں یعنی اہل جنت اور اہل نار برابر نہیں بلکہ جو اہل جنت ہیں وہ کامیاب اور بامراد لوگ ہیں اور اہل نار ناکام اور نامراد ہیں۔ تو تم کو اہل جنت میں سے ہونا چاہئے جس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ قرآن کریم کی بتلائی ہوئی راہ پر چلے اور اس کی ہدایات کے سامنے سر جھکا دے اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہو۔ لیکن مقام حسرت اور افسوس ہے کہ آدمی کے دل پر قرآن کا اثر کچھ نہ ہو حالانکہ قرآن کی تاثیر اس قدر زبردست اور قوی ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی سخت چیز اور عظیم الشان مخلوق پر اتارا جاتا اور اس میں سمجھ کا مادہ موجود ہوتا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام کی عظمت کے سامنے دب جاتا اور مارے خوف کے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا۔ اخیر میں فرمایا گیا کہ ان مضامین عجیبہ کو اللہ تعالیٰ انسانوں کے نفع کے لئے بیان فرماتے ہیں تا کہ لوگ سوچیں۔ غور و فکر کریں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔

اب غور کیجئے کس حکیمانہ انداز میں یہ نصائح فرمائی گئی ہیں کہ ترغیب و ترہیب کے دونوں پہلو سامنے رکھ دیئے گئے اور نفع و ضرر دونوں کو سمجھا دیا گیا۔ اب اس پر بھی کوئی اپنے انجام کی فکر نہ کرے اور خدا کا خوف و خشیت اپنے قلب میں نہ پیدا کرے اور تقویٰ کی راہ نہ اختیار کرے اور فسق و نافرمانی میں پڑا رہے۔ اور اہل جنت میں سے نہ بننا چاہے بلکہ اہل نار میں شامل ہونا پسند کرے تو وہ جانے اور سمجھ لے کہ اہل سعادت اور بدکار برابر کے نہ ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں اہل اسلام کو قیامت اور آخرت کی بے فکری سے متنبہ کر دیا گیا کہ قیامت کو کچھ دور نہ سمجھو۔ وہ یوم جزا و سزا یقینی اور قریب ہی آنے والا ہے۔ اور قیامت ایک تو پورے عالم کی ہے جب زمین و آسمان اور تمام کائنات سب فنا ہو جائیں گے اور ایک قیامت ہر انسان کی اپنی ہے جو اس کی موت ہی کے وقت آ جاتی ہے کیونکہ قبر ہی سے عالم آخرت کے آثار شروع ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی موت کا وقت اور حال یقینی طور پر انسان مقرر نہیں کر سکتا۔ ہر آن انسان اس خطرے سے باہر نہیں کہ شاید اگلا دن کیا اگلا گھنٹہ بھی زندگی کی حالت میں نہ آئے۔ اور اب تو ہارٹ (دل) فیل ہونے کے واقعات نے اس کو ایک عام بات بنا دیا ہے تو زندگی میں دین سے غفلت اور لاپروائی جو آخرت سے غفلت و لاپروائی ہوئی مسلمان کے لئے تو کسی طرح زیبا نہیں۔ اور یہ قرآن جو اللہ رب العزت خالق کائنات کا کلام ہے اس سے کسی مسلمان کا اعراض و انحراف اور اس کی نصائح سے متاثر نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے فطری شعور کو کھو بیٹھا ہے اور نفس و شیطان کے جال میں پھنس گیا ہے کہ جو اس کا دل قرآن سے متاثر نہیں ہوتا۔ ارے یہ قرآن تو ایسی عظمت والا ہے کہ پہاڑ جیسی سخت اور ثقیل چیز پر بھی اگر یہ نازل کیا جاتا تو پہاڑ بھی اس کی عظمت و بزرگی کے بار سے دب جاتا بلکہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ تو افسوس اور صد افسوس ہے ایسے مسلمان پر کہ جن کا دل قرآن سے متاثر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو آخرت کی فکر اور قرآن کی عظمت نصیب فرمائیں۔

الغرض یہاں تو قرآن کی عظمت کا ذکر ہوا آگے جس خداوند قدوس کا یہ کلام ہے اس کی عظمت و رفعت اور صفات کمال بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان آئندہ خاتمہ کی آیات میں ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ

وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا، وہی بڑا مہربان رحم والا ہے وہ ایسا

اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ

معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے پاک ہے سالم ہے امن دینے والا ہے نگہبانی کرنے والا ہے زبردست ہے

الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ

خرابی کا درست کرنے والا ہے بڑی عظمت والا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے پاک ہے۔ وہ معبود ہے پیدا کرنے والا ہے ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے صورت بنانے والا ہے اسکے اچھے اچھے نام ہیں

یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾

سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ وہ اللہ	الَّذِیْ وہ جس	لَآ اِلٰهَ نہیں کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	عٰلِمُ الْغَیْبِ جاننے والا پوشیدہ کا	وَ الشَّهَادَةِ اور آشکارا	
هُوَ الرَّحْمٰنُ وہ بڑا مہربان	الرَّحِیْمُ رحم کرنیوالا	هُوَ اللّٰهُ وہ اللہ	الَّذِیْ وہ جس	لَآ اِلٰهَ نہیں کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	اَلْمَلِكُ بادشاہ
الْقُدُّوْسُ نہایت پاک	السَّلٰمُ سلامتی والا	الْمُؤْمِنُ امن دینے والا	الْمُهَیْمِنُ نگہبان	الْعَزِیْزُ غالب	الْجَبَّارُ جبار	الْمُتَكَبِّرُ بڑائی والا
سُبْحٰنَ پاک	اللّٰهِ اللہ	عَمَّا اس سے جو	یُشْرِكُوْنَ وہ شریک کرتے ہیں	هُوَ اللّٰهُ وہ اللہ	الْخَالِقُ خالق	الْبَارِئُ ایجاد کرنیوالا
الْمُصَوِّرُ صورتیں بنانیوالا	لَهُ اس کیلئے	الْاَسْمَآءُ نام (جمع)	الْحُسْنٰی اچھے	یُسَبِّحُ پاکیزگی بیان کرتا ہے	لَهٗ اسکی	مَا جو
فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَ الْاَرْضِ اور زمین	وَ هُوَ اور وہ	الْعَزِیْزُ غالب	الْحَكِیْمُ حکمت والا		

تفسیر وتشریح: یہ سورہ حشر کی آخری آیات ہیں گذشتہ آیات میں ایمان والوں کو خطاب کر کے نصیحت و ہدایت فرمائی گئی تھی کہ تقویٰ اختیار کریں۔ طاعات اور اعمال صالحہ بجا لائیں۔ اور سیئات و معاصی سے بچیں اور ان غافلوں کی طرح نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے اور اس سے لاپرواہو گئے۔ پھر یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ یہ ہدایات اور مفید نصائح جس قرآن کے ذریعہ سے انسانوں کو سنائے جاتے ہیں وہ ایسا باعظمت کلام ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس قرآن کریم کو پہاڑ جیسی مضبوط اور عظیم چیز پر نازل کرتے اور پہاڑ میں فہم کا مادہ رکھ دیتے تو وہ بھی خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا مگر ایک غافل انسان ہے کہ یہ پتھر سے بھی گیا گذرا ہوا کہ جو یہ مواعظ قرآنیہ سے اثر نہیں لیتا اور اپنے معبود حقیقی کو نہیں پہچانتا اور اس کے احکام کی اطاعت نہیں بجالاتا۔ اب آگے خاتمہ سورۃ پر بتلایا جاتا ہے کہ وہ معبود حقیقی کیسا ہے؟ کیا اس کی صفات کمال ہیں؟ اور مقصد ان صفات کے بیان سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت قلب پر نقش ہو تاکہ انسان کو اس کے احکام کی بجا آوری آسان ہو۔ اگرچہ قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا بیان ہوا ہے لیکن تمام قرآن کریم میں دو مقامات ایسے ہیں جہاں صفات کمالیہ کا بیان ہوا ہے۔ ایک سورہ بقرہ میں آیت الکرسی اور دوسرے اس سورہ حشر کی یہ آخری آیات۔ مسند احمد و ترمذی کی

حدیث میں ہے کہ جو شخص صبح کو تین مرتبہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم پڑھ کر سورہ حشر کے آخر کی تین آیات پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ۷۰ ہزار فرشتے مقرر فرماتا ہے جو شام تک اس کے لئے دعا خیر کرتے ہیں اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہادت کا مرتبہ پاتا ہے اور جو شخص ان کی تلاوت شام کے وقت کرے وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ مومن کو چاہئے کہ صبح و شام ان آیات کی تلاوت پر مواظبت رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان آیات کے ورد کی صبح و شام توفیق عطا فرماویں۔ آمین۔

الغرض ان آیات میں بتایا گیا کہ وہ معبود حقیقی جس کی طرف سے یہ باعظمت قرآن تمہاری طرف بھیجا گیا اور تم کو یہ نصائح و احکام و ہدایات دی گئیں وہی ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود بننے کے لائق نہیں اور اس کے سوا کسی کی یہ حیثیت اور مقام اور مرتبہ نہیں کہ اس کی بندگی و پرستش کی جائے۔ اب آگے اس معبود حقیقی کی متعدد صفات بیان فرمائی گئی ہیں:۔

پہلی صفت بیان فرمائی گئی **علم الغیب والشھادۃ**۔ وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا یعنی جو کچھ مخلوقات سے پوشیدہ ہے اس کو بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان پر ظاہر ہے اس کا بھی اس کو علم ہے۔ اس کے علم سے اس کائنات میں کوئی شے بھی پوشیدہ نہیں۔ ماضی یعنی گذشتہ میں جو کچھ ہو چکا۔ یا حال میں موجود ہے یا مستقبل میں جو کچھ ہوگا۔ ہر چیز اور ہر بات اس کو براہ راست معلوم ہے۔

دوسری صفت بیان فرمائی **ھو الرحمٰن الرحیم**۔ وہی بڑا مہربان اور رحم والا ہے یعنی وہی ایک ہستی ہے جس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اور تمام کائنات پر پھیلی ہوئی ہے۔ سارے جہانوں میں کوئی دوسرا اس ہمہ گیر اور غیر محدود رحمت کا حامل نہیں۔

تیسری صفت بیان فرمائی گئی **الملک** وہ بادشاہ ہے۔ یعنی اصل بادشاہی اسی کی ہے کہ سارے جہان اور پوری کائنات پر اس کی فرمانروائی محیط ہے۔ ہر چیز کا وہ مالک ہے۔ ہر شے اس کے تصرف اور حکم کے تابع ہے۔ جو کچھ وہ کرے کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں کہ ایسا کیوں کیا۔ اور جو فیصلہ کر دے تو کوئی اس کے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے والا نہیں وہ جس کو چاہتا ہے ملک عطا فرما دیتا ہے جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ اس کی حقیقی بادشاہی اور حاکمیت میں کوئی اس کا شریک۔ ساجھی اور ساتھی نہیں۔

چوتھی صفت بیان فرمائی گئی **القدوس** وہ سب عیبوں سے پاک ہے۔ یعنی تمام بری صفات سے اس کی ذات پاکیزہ۔ منزہ اور مبرا ہے۔ اس کی ذات میں کوئی نقص یا عیب نہیں اور وہ ایک ایسی پاکیزہ ترین ہستی ہے کہ تمام نقائص۔ کمزوریوں اور عیوب سے بالکل پاک ہے۔

پانچویں صفت فرمائی گئی **السلام** وہ سب عیبوں سے سالم ہے۔ اس کی ذات سراسر سلامتی ہے۔ اس کی ذات اس سے بالا تر ہے کہ کوئی خامی۔ کوئی کمزوری کوئی آفت اس کو لاحق ہو یا کبھی اس کے کمال پر زوال آئے۔

چھٹی صفت فرمائی گئی **المومن**۔ امن دینے والا ہے۔ امن کے معنیٰ ہیں خوف سے محفوظ ہونا یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس خوف سے بالکل محفوظ ہے کہ وہ کبھی اس پر ظلم کرے گا یا اس کا حق مارے گا یا اس کا اجر ضائع کرے گا۔ یا اس کے ساتھ اپنے کئے ہوئے وعدوں کی خلاف ورزی کرے گا۔ اور اس کا امن ساری کائنات اور اس کی ہر چیز کے لئے ہے۔

ساتویں صفت فرمائی گئی **المھیمن** نگہبانی کرنے والا ہے۔ حفاظت کرنے والا ہے یعنی تمام مخلوقات کی نگہبانی و حفاظت

فرماتا ہے۔

آٹھویں صفت فرمائی گئی العزیز زبردست ہے یعنی وہ ایسی زبردست ہستی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی سر نہ اٹھا سکتا ہو۔ جس کے آگے سب بے بس اور بے زور ہوں۔

نویں صفت فرمائی گئی الجبار خرابی کا درست کر دینے والا ہے۔ جبر کے معنیٰ ہیں کسی شے کو طاقت سے درست کرنا۔ کسی چیز کی بزور اصلاح کرنا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کائنات کا نظم بزور درست رکھنے والا ہے۔

دسویں صفت بیان فرمائی گئی المتکبر بڑی عظمت والا ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کے مقابلہ میں حقیر ہے۔ وہی حقیقت میں بڑا ہے اور بڑائی فی الواقع اسی کے لئے ہے۔

گیارھویں صفت فرمائی سبحٰن اللہ عما یشرکون۔ وہ لوگوں کے شرک سے پاک ہے یعنی اس کی شان عظمت۔ ربوبیت۔ حکومت۔ قدرت۔ صفات میں جو بھی کسی مخلوق کو اس کا شریک وساجھی قرار دے رہے ہیں وہ بہت بڑا جھوٹ ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ کسی معنیٰ میں بھی کوئی اس کا شریک ہو۔ اس کی ذات۔ صفات اور اعمال میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

بارھویں صفت فرمائی گئی ھو اللہ الخالق وہ پیدا کرنے والا ہے۔ یعنی پوری دنیا اور دنیا کی ہر ہر چیز خود بخود وجود میں نہیں آ گئی اور نہ اتفاقاً پیدا ہوگئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔

تیرھویں صفت فرمائی گئی الباریٔ۔ ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے۔ یعنی ہر چیز کو حکمت کے موافق بناتا ہے۔

چودھویں صفت فرمائی گئی المصور صورت شکل بنانے والا ہے۔ نطفہ پر انسان کی تصویر کھینچ دی۔ ہر جنس۔ ہر نوع۔ ہر فرد کی صورت لاجواب بنائی۔

پندرھویں صفت فرمائی گئی لہ الا سمآء الحسنیٰ۔ اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔ یعنی وہ نام جو اعلیٰ درجہ کی خوبیوں اور کمالات پر دلالت کرتے ہیں اور اس کی صفات کمالیہ کا اظہار کرتے ہیں۔

سولھویں صفت بیان فرمائی گئی یسبح لہ ما فی السموٰت والارض۔ سب چیزیں اسی کی تسبیح وتقدیس کرتی ہیں حالاً یا قالاً جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ یعنی زبان قال یا زبان حال سے یہ بیان کررہی ہیں کہ ان کا خالق ہر عیب۔ نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔

سترھویں صفت فرمائی وھو العزیز الحکیم۔ وہی زبر دست حکمت والا ہے۔ اور سورۃ کو اسی جملہ پر ختم فرمایا گیا۔ جس سے مقصود یہ جتلانا ہے کہ جو معبود ایسی صفات کمالیہ کا مالک ہو اور جو ایسا باعظمت ہو اس کے احکام کی بجا آوری ضروری اور نہایت ضروری ہے اور اس کے احکام سے غفلت ولاپروائی اور ان سے انحراف اور ان کی نافرمانی کیسا شدید جرم ہے۔

الحمد للہ کہ اس درس پر سورہ حشر کا بیان پورا ہو گیا جس میں ۳ رکوع تھے۔ آئندہ بتوفیق الٰہی ہر رکوع کا خلاصہ عرض کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سورۃ الحشر

۱......جو آدمی سورۃ الحشر پڑھے اسے دنیا وآخرت کا امن حاصل ہوگا۔

۲......سورۃ فاتحہ، سورۃ حشر کی آخری چار آیات اور قل ھو اللہ احد تین مرتبہ، معوذتین تین تین مرتبہ لکھے پھر یہ لکھے

اللھم رب الناس الہ الناس اذھب الباس واشف حامل کتابی ھذا شفاء لا یغادر ہ سقم بحولک وقوتک و قدرتک انک علیٰ کل شیءِ قدیر وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ الہ و صحبہ وسلم

یہ سب چیزیں لکھ کر مریض کو پہنائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی

قدرت سے تندرست ہو جائے گا۔

۳......حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی صبح کے وقت یہ پڑھے

اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم

پھر سورہ حشر کی پہلی تین آیات پڑھے

تو اللہ تعالیٰ ستر فرشتے مقرر فرماتے ہیں جو اس کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اگر وہ آدمی اسی دن مر جائے تو شہادت کی موت مرے گا۔

اور جو شام کے وقت پڑھے تو اس کے لئے بھی یہی انعام ہے اور اگر اسی رات کو فوت ہو جائے تو اس پر شہداء کی مہر لگائی جاتی ہے۔

۴......حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کھجوروں کا ایک ڈھیر رکھا تھا' آپؓ نے محسوس کیا کہ کھجوریں کسی نے چرائی ہیں' جب رات ہوئی تو آپ تاک میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک آیا' آپؓ نے اس سے پوچھا کون ہو؟ اس نے کہا نصیبین میں رہنے والے جنوں میں سے ہوں' ہم اس بیت اللہ کی زیارت کے ارادہ سے آئے تھے ہم نے اپنے ساتھیوں کو آگے بھیجا تو وہ ہم سے بچھڑ گئے اور ہم تمہاری کھجوریں کھاتے رہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اگر تم سچے ہو تو مجھے اپنا ہاتھ دو' تو اس کا ہاتھ کتے کے ہاتھ کی طرح تھا۔ آپؓ نے اس سے فرمایا میری کھجوروں سے تم نے جو کھایا وہ تمہارے لئے حلال ہے اور بھی جو حاجت ہے وہ تجھے ملے گی کیا تم مجھے وہ چیز نہیں بتاتے جس کے سبب ہم سرکش جنوں سے بچ سکیں۔

تو اس نے سورۃ الحشر کے آخر کے کلمات لو انزلنا ہذا القرآن سے لے کر آخر سورۃ تک بتلائے۔

۵......جو آدمی اچھی طرح وضو کر کے چار رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھے پھر رکوع میں سورۃ الحشر پڑھے تو جس حاجت کی وہ نیت کرے گا اس کا پورا ہونا اس کے لئے آسان ہو جائے گا۔

۶......جو آدمی ذہن کا کمزور اور سست ہو اور بھول جاتا ہو تو وہ شیشہ کے گلاس میں سورۃ الحشر لکھے اور بارش کے پانی سے دھو کر پی لے تو اس کا ذہن قوی اور چست ہو جائے گا' بھولنے کی بیماری ختم ہو جائے گی۔

۷......اگر کسی عضو میں درد ہو تو سورۃ الحشر کے خاتمہ کی آیات پڑھ کر دم کر دے' اللہ تعالیٰ کے حکم سے درد جاتا رہے گا۔

(الدرر النظیم)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی ذات پاک وصفات کی معرفت کاملہ ہم سب کو نصیب فرمائیں اور ہر طرح کے چھوٹے بڑے شرک سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔ یا اللہ اپنی عبادت وبندگی کی توفیق کاملہ نصیب فرما۔ اور اپنے جملہ احکام کی فرمانبرداری کے ساتھ ہم کو زندہ رکھئے اور اسی پر موت نصیب فرمائے۔

یا اللہ اپنے احکام سے غفلت ولا پروائی ہم سے دور فرما کر اپنا مطیع اور فرمانبردار بندہ ہونے کی سعادت عطا فرمائے۔ اور صبح وشام ان آیات مبارکہ کے ورد کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ

اے ایمان والوتم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ اُن سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے

وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ

وہ اس کے منکر ہیں رسول کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے

رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ

شہر بدر کرچکے ہیں۔ اگر تم میرے رستہ میں جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈھنے کی غرض سے نکلے ہو

اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ

تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو، اور جو شخص تم میں سے ایسا کریگا

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

وہ راہ راست سے بہک گیا۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	لَا تَتَّخِذُوْا تم نہ بناؤ	عَدُوِّيْ میرا دشمن	وَعَدُوَّكُمْ اور اپنے دشمن	اَوْلِيَآءَ دوست	تُلْقُوْنَ تم پیغام بھیجتے ہو
اِلَيْهِمْ ان کی طرف	بِالْمَوَدَّةِ دوستی سے۔کا	وَقَدْ كَفَرُوْا اور وہ منکر ہو چکے ہیں	بِمَا جَآءَكُمْ اس کے جو تمہارے پاس آیا	مِّنَ الْحَقِّ حق سے		
يُخْرِجُوْنَ وہ نکالتے (جلا وطن) کرتے ہیں	الرَّسُوْلَ رسول	وَاِيَّاكُمْ اور تمہیں بھی	اَنْ کہ	تُؤْمِنُوْا تم ایمان لاتے ہو	بِاللّٰهِ اللہ پر	
رَبِّكُمْ تمہارا رب	اِنْ اگر	كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ تم نکلتے ہو	جِهَادًا جہاد کیلئے	فِيْ سَبِيْلِيْ میرے راستے میں	وَابْتِغَآءَ اور چاہنے کیلئے	
مَرْضَاتِيْ میری رضا	تُسِرُّوْنَ تم چھپا کر بھیجتے ہو	اِلَيْهِمْ ان کی طرف	بِالْمَوَدَّةِ دوستی کا پیغام	وَاَنَا اَعْلَمُ اور میں خوب جانتا ہوں		
بِمَا وہ جو	اَخْفَيْتُمْ تم چھپاتے ہو	وَمَا اور جو	اَعْلَنْتُمْ تم ظاہر کرتے ہو	وَمَنْ اور جو	يَّفْعَلْهُ یہ کرے گا	مِنْكُمْ تم میں سے
فَقَدْ تو تحقیق	ضَلَّ وہ بھٹک گیا	سَوَآءَ سیدھا	السَّبِيْلِ راستہ			

تفسیر وتشریح: اس سورۃ میں مسلمان کے کفار کے ساتھ تعلقات سے متعلق اصولی طور پر یہ ہدایت دی گئی کہ وہ کفار جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہیں ان سے ہر طرح پر ترک تعلقات ضروری ہے۔ لیکن جو غیر مسلم جنگ نہیں کررہے ہیں ان سے احسان کرنے اور انصاف کرنے کا حکم ہے۔ اب اس آیت کی تشریح کے سلسلہ میں پہلے اس سورۃ کے شان نزول کے متعلق ایک واقعہ حضرت حاطبؓ بن

ابی بلتعہ کا جاننا ضروری ہے۔ اکابرین مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس سورۃ کا نزول اس وقت ہوا تھا جب مشرکین مکہ کے نام حضرت حاطب کا ایک خط پکڑا گیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ جب قریش مکہ نے صلح حدیبیہ کا معاملہ توڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کا ارادہ فرمایا اور خاموشی کے ساتھ فوج جمع کر کے مکہ کو فتح کر لینے کا ارادہ ہوا اور خبروں کی بندش کر دی گئی تا کہ کفار مکہ کو اس بات کا علم نہ ہو ورنہ وہ آپ کی تیاریوں کا حال سن کر لڑائی کا سامان شروع کر دیتے۔ اور بڑے کشت وخون کی نوبت آتی اور مکہ کو پر امن طریقہ سے فتح کرنے کے تمام فوائد ضائع ہو جاتے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ جو کہ اہل بدر میں سے ہیں یعنی غزوہ بدر میں کفار مکہ سے جنگ میں شامل تھے اور جو یمن کے رہنے والے تھے وہ مکہ میں آ گئے تھے اور پھر ہجرت کر کے تنہا مدینہ منورہ آ گئے ان کے بھائی والدہ۔ اور اولا داور ان کے اموال ابھی سب مکہ ہی میں تھے۔ حضرت حاطب نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر چڑھائی کرنے والے ہیں اور یہ خط ایک عورت کو دے دیا کہ مکہ والوں کو پہنچا دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بذریعہ وحی معلوم ہوگئی اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عورت فلاں مقام تک پہنچ چکی ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ اور چند صحابہؓ کو حکم دیا کہ فلاں جگہ مکہ کے راستہ میں وہ عورت ملے گی اس سے وہ خط لے آؤ۔ یہ حضرات تیزی سے روانہ ہوئے اور اس عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پالیا۔ اور اس عورت سے خط مانگا اس نے صاف انکار کر دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ان حضرات نے تلاشی لی مگر کوئی خط نہ ملا۔ آخر کو ان حضرات نے اس عورت سے کہا کہ خط ہمارے حوالہ کر دے ورنہ ہم برہنہ کر کے تلاشی لیں گے جب اس نے دیکھا کہ بچنے کی کوئی صورت نہیں تو اپنی چوٹی میں سے وہ خط نکال کر دے دیا۔ ان حضرات نے خط کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ خط کھول کر پڑھا گیا تو اس میں قریش کے لوگوں کو اطلاع دی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب سے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ واقعی خط میرا ہی لکھا ہوا ہے لیکن یہ خط میں نے مخالفت اسلام کے سبب نہیں لکھا اور نہ میں نے کفر اختیار کیا ہے نہ اسلام سے پھرا ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ میرے اہل وعیال مکہ میں ہیں اور وہاں ان کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں۔ میں نے کافروں پر ایک احسان کر کے یہ چاہا کہ وہ لوگ اس کے معاوضہ میں میرے اہل وعیال کو کچھ نہ کہیں اور ان سے اچھا سلوک کریں میں نے اس سے سمجھا کہ اس میں میرا کچھ فائدہ ہو جائے گا اور اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ فتح ونصرت کے جو وعدے اللہ نے آپ سے کئے ہیں وہ یقیناً پورے ہو کر رہیں گے۔ کسی کے روکے رک نہیں سکتے۔ آپ کو تو ضرور فتح ہوگی اور میرا نفع ہو جاوے گا کہ اہل مکہ اس کا احسان مان کر میرے اہل وعیال اور اموال کی حفاظت کریں گے اور ان کو ایذا اور ضرر نہ پہنچائیں گے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کو سخت غصہ آیا اور اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اہل بدر میں سے ہیں۔ انہوں نے سچ کہا ہے۔ ان کے معاملہ میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے گناہ معاف فرما دیئے ہیں اور ان کے لئے وعدہ جنت کا اعلان فرما دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ رو دیئے اور کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس پر یہ اور اگلی آیات نازل ہوئیں اور اس سورۃ کا بڑا حصہ اسی قصہ کے متعلق ہے چنانچہ اس آیت میں اہل ایمان سے خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار مکہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے بھی دشمن ہیں ان سے دوستانہ برتاؤ کرنا اور دوستانہ پیغام ان کی طرف بھیجنا ایمان والوں کو زیبا نہیں۔ تمہارے پاس جو دین حق آ چکا ہے وہ اس کے منکر ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور تم کو کیسی کیسی ایذائیں دے کر ترک وطن پر مجبور کیا۔ محض اس قصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو تمہارا سب کا رب ہے کیوں مانتے ہو۔ اس سے بڑی دشمنی اور ظلم کیا ہوگا۔ تعجب ہے کہ تم ایسوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے

ہو۔ تمہارا گھر اور وطن سے نکلنا اگر اللہ کی خوشنودی اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے ہے اور خالص اس کی رضا کے واسطے تم نے سب کو دشمن بنایا ہے تو پھر انہی دشمنوں سے دوستی گانٹھنے کا کیا مطلب؟ کیا جنہیں ناراض کر کے اللہ کو راضی کیا تھا اب انہیں راضی کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

آگے بتلایا گیا کہ آدمی کوئی کام دنیا سے چھپا کر کرنا چاہے تو کیا اس کو اللہ سے بھی چھپالے گا؟ دیکھو لاکھ چاہا اور کس قدر کوشش کی کہ خط کی اطلاع کسی کو نہ ہو مگر اللہ نے اپنے رسول کو مطلع کر دیا اور راز قبل از وقت فاش ہو گیا۔ مسلمان ہو کر کوئی ایسا کام کرے اور یہ سمجھے کہ میں اس کے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا تو سخت غلطی اور بہت بڑی بھول ہے۔

حضرت حاطب پر بدری صحابی ہونے کے باوجود جو اتنی سخت گرفت ہوئی تو اس سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی میں دشمن حربی سے خط و کتابت رکھنا یا تعلقات دوستانہ قائم رکھنا کیسا شدید جرم ہے۔

ان آیات میں گو نزول کا موقع حضرت حاطبؓ کا واقعہ ہے لیکن حکم عام ہے اور اہل ایمان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ تعلیم دی گئی کہ کفر و اسلام کا جہاں مقابلہ ہو اور جہاں لوگ اہل ایمان سے محض ان کے مسلمان ہونے کی بنا پر دشمنی کر رہے ہوں تو کسی مسلمان کا کسی غرض اور کسی مصلحت سے بھی کوئی ایسا کام کرنا جس سے اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہو ہرگز کسی مومن کے لئے روا نہیں۔ ساتھ ہی اس واقعہ سے فضائل اصحاب بدریین کا بھی علم ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ میں حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا جیسا کہ بخاری و دیگر کتب احادیث میں روایت ہے کہ ''تحقیق اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف نظر فرمائی اور یہ کہہ دیا جو چاہے کرو۔ جنت تمہارے لئے واجب ہو چکی ہے''۔

معلوم ہوا کہ اصحاب بدر کی اس عظیم الشان نیکی کے بعد ان سے کوئی ایسی غلطی نہ ہوگی کہ جو ان کی اس نیکی شرکت غزوہ بدر کو محو کر سکے بلکہ یہ عظیم الشان نیکی ہی آئندہ کی غلطی کا کفارہ بن جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حاطب کی اس غلطی کو فساد مزاج پر محمول کر کے ان پر نفاق کا حکم لگایا اور ان کے قتل کی اجازت چاہی مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عمر! حاطب کا قلب نفاق کے مرض سے بالکل پاک ہے۔ یہ نفاق نہیں بلکہ غفلت سے غلطی ہو گئی۔ روحانی مزاج اس کا صحیح ہے۔ بدر کی شرکت نے اس کو کندن بنا دیا ہے اتفاق سے بد پرہیزی ہو گئی۔ صحیح المزاج کو بھی کبھی کبھی نزلہ زکام کی شکایت پیش آ جاتی ہے جس کے لئے ایک معمولی سا جوشاندہ کافی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حاطب کو بلا کر فقط یہ دریافت فرمانا ما هذا یا حاطب؟ اے حاطب یہ کیا معاملہ ہے۔ ان کی عارضی شکایت کے لئے یہی کافی جوشاندہ تھا۔ سنتے ہی بد پرہیزی کا اثر ایسا دور ہوا کہ مرتے دم تک پھر کبھی کوئی شکایت ہی پیش نہ آئی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ کے نام دعوت اسلام کا خط لکھوایا تو انہی حضرت حاطب کو سفیر بنا کر بھیجا۔

الغرض اسی حضرت حاطب کے واقعہ میں یہ اور اگلی آیات اس سورۃ کی نازل ہوئیں اور کفار و مشرکین سے موالات اور دوستانہ تعلقات رکھنے کی حرمت و ممانعت اور دیگر احکام بیان فرمائے گئے۔ آگے مزید اسی کا بیان ہے کہ یہ کفار تو دینی و دنیوی ہر اعتبار سے مسلمانوں کے دشمن اور بدخواہ ہیں تو اعدائے دین کے ساتھ دوستی کا تعلق کیسا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنْ يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ

اگر ان کو تم پر دسترس ہو جاوے تو اظہار عداوت کرنے لگیں اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور وہ اس بات کے متمنی ہیں

وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ۝٢ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ

کہ تم کافر ہو جاؤ۔ تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن کام نہ آویں گے خدا تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا،

بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝٣ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ

اور اللہ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔ تمہارے لئے ابراہیمؑ میں اوران لوگوں میں جو کہ ان کے شریک حال تھے

وَالَّذِينَ مَعَهُ ۚ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ

ایک عمدہ نمونہ ہے، جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں

اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا

ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کیلئے عداوت اور بغض ظاہر ہوگیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ

بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ

لیکن ابراہیمؑ کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے مجھ کو خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں،

اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝٤ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

اے ہمارے پروردگار ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو

فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٥

کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کردیجئے، بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

اِنْ اگر	يَثْقَفُوْكُمْ وہ تمہیں پائیں	يَكُوْنُوْا وہ ہو جائیں	لَكُمْ تمہارے	اَعْدَآءً دشمن	وَيَبْسُطُوْا اور وہ کھولیں	اِلَيْكُمْ تم پر	اَيْدِيَهُمْ اپنے ہاتھ
وَاَلْسِنَتَهُمْ اور اپنی زبانیں	بِالسُّوْءِ برائی کے ساتھ	وَوَدُّوْا اور وہ چاہتے ہیں	لَوْ تَكْفُرُوْنَ کاش تم کافر ہو جاؤ	لَنْ تَنْفَعَكُمْ تمہیں ہرگز نفع نہ دیں گے			
اَرْحَامُكُمْ تمہارے رشتے	وَ اور	لَا نہ	اَوْلَادُكُمْ تمہاری اولاد	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	يَفْصِلُ وہ (اللہ) فیصلہ کردے گا		
بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ جو تم کرتے ہو	بَصِيْرٌ دیکھتا ہے	قَدْ كَانَتْ بیشک ہے	لَكُمْ تمہارے لئے		
اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ چال (نمونہ) بہترین	فِيْ میں	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم	وَالَّذِيْنَ اور جو	مَعَهٗ اسکے ساتھ	اِذْ قَالُوْا جب انہوں نے کہا	لِقَوْمِهِمْ اپنی قوم کو	
اِنَّا بُرَءٰٓؤُا بیشک ہم لاتعلق	مِنْكُمْ تم سے	وَ اور	مِمَّا ان سے جن کی	تَعْبُدُوْنَ تم بندگی کرتے ہو	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	كَفَرْنَا ہم منکر ہیں	
بِكُمْ تمہارے	وَبَدَا اور ظاہر ہوگئی	بَيْنَنَا ہمارے درمیان	وَ اور	بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	الْعَدَاوَةُ عداوت	وَ اور	الْبَغْضَآءُ بغض (دشمنی)

اَبَدًا ہمیشہ کیلئے | حَتّٰی یہانتک کہ | تُؤْمِنُوْا تم ایمان لے آؤ | بِاللّٰہِ اللہ پر | وَحْدَهٗ واحد | اِلَّا قَوْلَ مگر کہنا | اِبْرٰهِیْمَ ابراہیم | لِاَبِیْهِ اپنے باپ سے
لَاَسْتَغْفِرَنَّ البتہ میں ضرور مغفرت مانگوں گا | لَکَ تمہارے لئے | وَمَا اور نہیں | اَمْلِکُ میں اختیار رکھتا | لَکَ تمہارے لئے | مِنَ اللّٰہِ اللہ کے آگے
مِنْ شَیْءٍ کچھ بھی | رَبَّنَا اے ہمارے رب | عَلَیْکَ تجھ پر | تَوَکَّلْنَا ہم نے بھروسہ کیا | وَاِلَیْکَ اور تیری طرف | اَنَبْنَا ہم نے رجوع کیا | وَاِلَیْکَ اور تیری طرف
الْمَصِیْرُ بازگشت | رَبَّنَا اے ہمارے رب | لَا تَجْعَلْنَا ہمیں نہ بنا | فِتْنَةً آزمائش (تختۂ مشق) | لِلَّذِیْنَ اُن کیلئے جنہوں نے | کَفَرُوْا کفر کیا۔ کافر
وَاغْفِرْ اور بخش دے | لَنَا ہمیں | رَبَّنَا اے ہمارے رب | اِنَّکَ بیشک تو | اَنْتَ تو ہی | الْعَزِیْزُ غالب | الْحَکِیْمُ حکمت والا

تفسیر وتشریح: گذشتہ درس میں اس سورۃ کے شان نزول کے سلسلہ میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ ان آیات کا تعلق حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے واقعہ سے ہے جنہوں نے اہل مکہ کو خفیہ طور پر ایک خط لکھا تھا۔

اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تم ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو۔ خواہ تم کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کرو گے وہ کبھی مسلمان کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ باوجود انتہائی رواداری کے اگر تم پر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے گریز نہ کریں۔ زبان سے ہاتھ سے ہر طرح ایذائیں پہنچائیں اور یہ چاہیں کہ جیسے خود صداقت سے منکر ہیں کسی طرح تم کو بھی منکر بنا ڈالیں۔ کیا ایسے شریر اور بد باطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔ پھر حضرت حاطبؓ نے وہ خط اپنے اہل وعیال کی خاطر لکھا تھا اس پر تنبیہ فرمائی گئی کہ اولاد اور رشتہ دار قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے اللہ تعالیٰ سب کا رتی رتی عمل دیکھتا ہے اسی کے موافق فیصلہ فرمائے گا اس کے فیصلہ کو کوئی بیٹا۔ پوتا۔ بیوی بچہ۔ بھائی بہن۔ عزیز واقارب ہٹا نہیں سکیں گے پھر یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ ایک مسلمان اہل وعیال کی خاطر اللہ کو ناراض کر لے۔ یاد رکھو ہر چیز سے مقدم اللہ کی رضا مندی ہے وہ راضی ہو تو اس کے فضل سے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن وہ ناخوش ہو تو کوئی کچھ کام نہ آئے گا۔ غرض کہ یہاں سے یہ سمجھایا گیا یہ کافر تو دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے مسلمانوں کے دشمن اور بدخواہ ہیں اور کافروں اور بے دینوں سے تعلقات بڑھانے اور دوستی کرنے کا محرک اکثر دنیا کا نفع اور اپنے اہل وعیال کی فلاح کا خیال ہوتا ہے تو یہاں اس خیال کی جڑ کاٹ دی گئی کہ جن اہل و عیال اور عزیز واقارب کی خاطر آج تم اللہ کی ناراضگی مول لے رہے ہو۔ آخرت میں جو مستقل فیصلہ کا وقت ہوگا یہ تمہیں اللہ کی عقوبت سے ذرا بھی نہ بچا سکیں گے۔

اس کی نظیر میں آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ اس بارہ میں کفار سے ایسا برتاؤ رکھنا چاہئے جیسا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے متبعین نے کیا کہ اپنے اپنے وقت میں سب ہی نے کفار ومشرکین سے علیحدگی اور بیزاری کا اعلان کیا اور اپنی بت پرست قوم سے یہ کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں۔ تم اللہ سے منکر ہو اور اس کے احکام کی پروا نہیں کرتے۔ ہم تمہارے طریقہ سے منکر ہیں اور ذرا برابر تمہاری پروا نہیں کرتے اور ہمارے اور تمہارے درمیان یہ دشمنی اور بیر اسی وقت ختم ہو سکتا ہے جب تم شرک کو چھوڑ کر اسی ایک آقا و مالک کے غلام بن جاؤ جس کے ہم ہیں۔ غرض ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین نے کفار سے صاف قطع تعلق کر دیا۔ ہاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اتنا ضرور کہا تھا کہ میں اللہ سے تیرے لئے استغفار کروں گا اور تمہارے لئے استغفار سے زیادہ مجھ کو خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں کہ دعا کو قبول ہی کرا لوں یا ایمان نہ لانے کے باعث تم کو عذاب سے بچا لوں یہ کہہ کر وہ اپنی قوم اور وطن کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے اور پھر ان کی طرف منہ نہیں کیا اور ہجرت کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہم اس اظہار عداوت مع الکفار میں آپ پر توکل کرتے ہیں اور سب کو چھوڑ کر آپ کی ذات پر

بھروسہ کیا اور قوم سے ٹوٹ کر آپ کی طرف رجوع ہوئے اور خوب جانتے ہیں کہ سب کو پھر آپ ہی کی طرف آنا ہے۔ اے ہمارے پروردگار آپ ہمیں کفار کا ذریعہ امتحان و آزمائش نہ بنایئے کہ وہ ہمیں جس طرح چاہیں ستائیں اور اے رب ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما اور تقصیرات سے درگزر کر۔ آپ بڑے زبردست اور حکمت والے ہیں اور اس لئے آپ جو کرنا چاہیں نہ اس میں کوئی مزاحمت کر سکتا ہے اور نہ اس پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ الغرض یہ کام تھے اور یہ دعا تھی حضرت ابراہیم السلام اور ان کے متبعین کی پس تم کو یہی کام کرنے چاہیئے تھے نہ کہ ان سے دوستی کرنا۔

یہاں ان آیات سے عام تعلیم جو ملتی ہے وہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی ہے۔ یعنی صرف اللہ کے واسطے کی محبت اور صرف اللہ کے واسطے کی دشمنی۔ بزرگان دین نے لکھا ہے کہ ایمان کے بعد حب فی اللہ اور بغض فی اللہ ہی کا مرتبہ ہے جیسا کہ ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا بتلاؤ ایمان کی کونسی دست آویز زیادہ مضبوط ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا۔ اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا موالات فی اللہ۔ والحب فی اللہ والبغض فی اللہ یعنی اللہ کے لئے باہم تعلق و تعاون۔ اور اللہ کے واسطے کسی سے محبت اور اللہ ہی کے واسطے کسی سے بغض و عداوت۔ مطلب یہ ہے کہ بندہ کا دنیا میں جس کے ساتھ جو برتاؤ ہو خواہ موالات ہو یا ترک موالات۔ محبت ہو یا عداوت۔ وہ اپنے نفس کے تقاضہ۔ یا کسی نفسانی جذبہ سے نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے لئے اور اس کے حکم کے ماتحت ہو۔ (معارف الحدیث) ایک حدیث میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے ایک سوال کے جواب میں کہ ایمان کا افضل اور اعلیٰ درجہ کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ کامل ایمان جب نصیب ہوگا جبکہ یہ تین باتیں پیدا ہو جائیں۔ ایک اللہ ہی کے لئے دوستی اور دشمنی۔ دوسرے زبان کا یاد الٰہی میں مشغول رکھنا۔ تیسرے بندگان خدا کی ایسی خیر خواہی کہ جو اپنے لئے چاہے وہی دوسرے لوگوں کے لئے بھی چاہے اور جو اپنے لئے پسند نہ کرے دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی صفت محمودہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

ابھی آگے اسی حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے معاملہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تقلید کی ترغیب مزید دی گئی ہے اور اس کے خلاف پر وعید سنائی گئی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی صفات ہم کو بھی عطا فرمائیں اور اپنے دوستوں سے دوستی اور اپنے دشمنوں کی دشمنی نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ دین کے معاملہ میں ہم کو دنیا کے تعلقات سے بے نیاز رکھیں۔

یا اللہ ہم کو اور پوری امت مسلمہ کو دعا ابراہیمی مانگنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن

بے شک اُن لوگوں میں تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کیلئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کا اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہو، اور جو شخص

يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝٦ عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ

روگردانی کرے گا سو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز اور سزاوار حمد ہے۔اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے

عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٧ لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ

تمہاری عداوت ہے دوستی کردے، اور اللہ کو بڑی قدرت ہے، اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان

لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا

اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا،

إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝٨ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ

اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارہ میں لڑے ہوں

وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ

اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝٩

سو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔

لَقَدْ كَانَ تحقیق (یقینا) ہے	لَكُمْ تمہارے لئے	فِيهِمْ ان میں	أُسْوَةٌ چال (نمونہ)	حَسَنَةٌ بہترین	لِمَنْ اس کیلئے جو		
كَانَ يَرْجُوا امید رکھتا ہے	اللَّهَ اللہ	وَالْيَوْمَ الْآخِرَ اور آخرت کا دن	وَمَنْ اور جو۔جس	يَتَوَلَّ روگردانی کریگا	فَإِنَّ اللَّهَ تو بیشک اللہ		
هُوَ الْغَنِيُّ وہ بے نیاز	الْحَمِيدُ ستودہ صفات	عَسَى اللَّهُ قریب ہے کہ اللہ	أَنْ کہ	يَجْعَلَ وہ کردے	بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان		
وَبَيْنَ اور درمیان	الَّذِينَ ان لوگوں کے	عَادَيْتُمْ تم عداوت رکھتے ہو	مِنْهُمْ ان سے	مَوَدَّةً دوستی	وَاللَّهُ اور اللہ	قَدِيرٌ قدرت رکھنے والا	
وَاللَّهُ اور اللہ	غَفُورٌ بخشنے والا	رَحِيمٌ رحم کرنیوالا	لَا يَنْهَاكُمُ تحقیق منع نہیں کرتا	اللَّهُ اللہ	عَنِ سے	الَّذِينَ جولوگ	لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ تم سے نہیں لڑتے
فِي الدِّينِ دین میں	وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ اور انہوں نے تمہیں نہیں نکالا	مِنْ سے	دِيَارِكُمْ تمہارے گھر (جمع)	أَنْ تَبَرُّوهُمْ کہ تم دوستی کروان سے			
وَتُقْسِطُوا اور تم انصاف کرو	إِلَيْهِمْ ان سے	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	يُحِبُّ محبوب رکھتا ہے	الْمُقْسِطِينَ انصاف کرنیوالے	إِنَّمَا اس کے سوانہیں		
يَنْهَاكُمُ تمہیں منع کرتا ہے	اللَّهُ اللہ	عَنِ سے	الَّذِينَ جولوگ	قَاتَلُوكُمْ تم سے لڑے	فِي الدِّينِ دین میں	وَأَخْرَجُوكُمْ اور انہوں نے تمہیں نکالا	
مِنْ سے	دِيَارِكُمْ تمہارے گھر	وَ اور	ظَاهَرُوا انہوں نے مدد کی	عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ تمہارے نکالنے پر	أَنْ تَوَلَّوْهُمْ کہ تم دوستی کروان سے		
وَمَنْ اور	يَتَوَلَّهُمْ ان سے دوستی رکھے گا	فَأُولَٰئِكَ تو وہی لوگ	هُمُ وہ	الظَّالِمُونَ ظالم (جمع)			

تفسیر و تشریح: اوپر شروع سورۃ سے مضمون حضرت حاطبؓ کے کفار مکہ کو پیغام بھیجنے اور ان سے دوستی کے تعلق کو ظاہر کرنے کے متعلق بیان ہوتا چلا آ رہا ہے

اسی امر کی تاکید اور مزید ترغیب کے لئے ان آیات میں فرمایا جاتا ہے کہ تم مسلمانوں کو یا بالفاظ دیگر ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور آخرت کے قائم ہونے کے امیدوار ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے متبعین کی چال اختیار کرنی چاہئے۔ دنیا خواہ تم کو کتنا ہی متعصب اور تنگدل کہے تم اس راستہ سے منہ نہ موڑو جو دنیا کے موحد اعظم حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے طرز عمل سے قائم کر دیا۔ مستقبل کی ابدی کامیابی اسی راستہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے اگر اس کے خلاف چلو گے اور خدا کے دشمنوں سے دوستانہ گانٹھو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی دوستی یا دشمنی کی کیا پروا ہے۔ وہ تو بذات خود تمام کمالات اور ہر قسم کی خوبیوں کا مالک ہے۔ اس کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ اب چونکہ کچھ کفار کی عداوت سن کر مسلمانوں کو فکر ہو سکتی تھی۔ کچھ رشتہ ناطہ کے قطع سے طبعاً رنج ہو سکتا تھا۔ اس لئے بطور بشارت کے آگے پیشین گوئی فرمائی جاتی ہے کہ اللہ کی قدرت و رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ جو آج بدترین دشمن ہیں کل انہیں مسلمان کر دے اور اس طرح تمہارے اور ان کے درمیان دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ چنانچہ فتح مکہ میں ایسا ہی ہوا کہ ان آیات کے نازل ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد تقریباً سب مکہ والے فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے اور جو لوگ ایک دوسرے پر تلوار اٹھا رہے تھے اب ایک دوسرے کے رفیق غمگسار بن گئے۔ تو یہاں آیت میں یہ پیشین گوئی فرما کر کہ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کرا دے مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ مکہ والوں کے مقابلہ میں یہ ترک موالات کا جہاد صرف چند روز کے لئے ہے پھر اس کی ضرورت نہیں رہے گی اس لئے تم کو چاہئے کہ بحالت موجودہ تم مضبوطی سے ترک موالات پر قائم رہو اور جس کسی سے اس باب میں بے اعتدالی ہو گئی ہو اللہ سے اپنی خطا معاف کرائے۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔ اب یہاں تک تو کفار سے دوستانہ تعلق کی نسبت حکم فرمایا گیا تھا کہ ان سے قطع تعلق واجب ہے آگے کفار سے محسنانہ تعلقات کے حکم کی تفصیل بیان فرمائی جاتی ہے۔ مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خود تو مسلمان نہ ہوئے تھے لیکن مسلمان ہونے والوں سے ضد اور پرخاش بھی نہیں رکھتے تھے۔ نہ دین کے معاملہ میں مسلمانوں سے لڑے نہ ان کو ستانے اور وطن سے نکالنے میں ظالموں کے مددگار بنے۔ اس قسم کے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسر پیکار ہے تو تمام کافروں کو بلا تمیز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیں ایسا کرنا حکمت اور انصاف کے خلاف ہوگا۔ کفار کے ساتھ ان کے حالات کے فرق کے اعتبار سے معاملہ کرنے کی تفصیل سورہ مائدہ اور ال عمران میں گزر چکی ہے اس لئے پھر اخیر میں فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے تم کو منع فرماتے ہیں جو تم سے دین کے بارہ میں لڑے ہوں یا لڑنے کا عزم رکھتے ہوں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو یعنی ہجرت پر مجبور کیا ہو یا تمہارے نکالنے میں ظالموں کی مدد کی ہو۔ ایسے لوگوں سے یعنی اہل حرب کفار سے جو دوستی کا برتاؤ کرے گا تو پھر وہ گناہ گار ہوگا۔

اب آگے ایسی عورتوں کا حکم بیان فرمایا گیا ہے جو ہجرت کر کے مدینہ آ جائیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آویں تو تم اُن کا امتحان کرلیا کرو، اُن کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ

پس اگر ان کو مسلمان سمجھوتو اُن کو کفار کی طرف واپس مت کرو نہ تو وہ عورتیں اُن کافروں کے لئے

وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ

حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں کیلئے حلال ہیں۔اوران کافروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ اُن کوادا کردواورتم کوان عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہ ہوگا

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا

جب کہ تم اُن کے مہران کودیدو، اورتم کافرعورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھواور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو مانگ لواور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو

مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِنْ فَاتَكُمْ

وہ مانگ لیں، یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے، اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے۔ اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے

شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ

کوئی بی بی کافروں میں رہ جانے سے تمہارے ہاتھ نہ آوے پھر تمہاری نوبت آوے تو جن کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں

اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا اس کے برابر تم ان کودیدو، اور اللہ سے کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہوڈرتے رہو۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	اِذَا جَآءَكُمُ جب تمہارے پاس آئیں	الْمُؤْمِنٰتُ مومن عورتیں	مُهٰجِرٰتٍ مہاجر عورتیں		
فَامْتَحِنُوْهُنَّ تو ان کا امتحان کرلیا کرو	اَللّٰهُ اَعْلَمُ اللہ خوب جانتا ہے	بِاِيْمَانِهِنَّ انکے ایمان کو	فَاِنْ پس اگر	عَلِمْتُمُوْهُنَّ تم انہیں جان لو		
مُؤْمِنٰتٍ مومن عورتیں	فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ تو تم انہیں واپس نہ کرو	اِلَى طرف	الْكُفَّارِ کافروں	لَا هُنَّ وہ عورتیں نہیں	حِلٌّ حلال	
لَّهُمْ اُن کیلئے	وَلَا هُمْ اور نہ وہ مرد	يَحِلُّوْنَ وہ حلال ہیں	لَهُنَّ ان عورتوں کیلئے	وَاٰتُوْهُمْ اورتم انکو دیدو	مَّآ اَنْفَقُوْا جو انہوں نے خرچ کیا	
وَلَا جُنَاحَ اور کوئی گناہ نہیں	عَلَيْكُمْ تم پر	اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ کہ تم ان عورتوں سے نکاح کرلو	اِذَآ جب	اٰتَيْتُمُوْهُنَّ تم انہیں دے دو		
اُجُوْرَهُنَّ ان کے مہر	وَلَا تُمْسِكُوْا اورتم نہ قبضہ رکھو	بِعِصَمِ ناموس	الْكَوَافِرِ کافرعورتیں	وَسْـَٔلُوْا اورتم مانگ لو	مَآ اَنْفَقْتُمْ جوتم نے خرچ کیا	
وَ اور	لْيَسْـَٔلُوْا چاہیے کہ وہ مانگ لیں	مَآ اَنْفَقُوْا جو انہوں نے خرچ کیا	ذٰلِكُمْ یہ	حُكْمُ اللّٰهِ اللہ کا حکم	يَحْكُمُ وہ فیصلہ کرتا ہے	
بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	حَكِيْمٌ حکمت والا	وَ اور	اِنْ اگر	فَاتَكُمْ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے
شَيْءٌ کوئی	مِّنْ سے	اَزْوَاجِكُمْ تمہاری بیویاں	اِلَى الْكُفَّارِ کفار کی طرف	فَعَاقَبْتُمْ تو ان (کفار) کوسزادو	فَاٰتُوا پس دو	الَّذِيْنَ انکو جن کی

ذَهَبَتْ جاتی رہیں	اَزْوَاجُهُمْ ان کی عورتیں	مِثْلَ اس قدر	مَآ اَنْفَقُوْا جو انہوں نے خرچ کیا	وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور ڈرو	الَّذِیْٓ وہ جس	اَنْتُمْ تم	
بِهٖ اس پر	مُؤْمِنُوْنَ ایمان رکھتے ہو						

تفسیر وتشریح: ان آیات میں احکام بیان فرمائے گئے ہیں کہ ان عورتوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے جو دارالحرب سے دارالاسلام میں آئیں یا دارالحرب میں مقیم رہیں۔ ۲۶ویں پارہ سورہ فتح میں صلح حدیبیہ کا مفصل تذکرہ بیان ہو چکا ہے۔ اس صلح کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان جو شرائط طے ہوئی تھیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص قریش کا مدینہ جائے گا وہ واپس کیا جائے گا اگرچہ وہ مسلمان ہو کر جائے اور جو مدینہ سے مکہ آجائے گا وہ واپس نہ کیا جائے گا۔ اول اول تو مسلمان مرد مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچ جاتے تو اس معاہدہ کی شرائط کے موافق کفار کے مطالبہ پر انہیں واپس کیا جاتا رہا۔ پھر مسلمان عورتوں کے مکہ سے نکل کر مدینہ آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے ام کلثوم بنت عقبہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں تو کفار نے صلح حدیبیہ کے معاہدہ کا حوالہ دے کر ان کی واپسی کا بھی مطالبہ کیا اور ام کلثوم کے دو بھائی انہیں واپس لے جانے کے لئے مدینہ پہنچ گئے۔ اس وقت یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا صلح حدیبیہ کے معاہدہ کا اطلاق عورتوں پر بھی ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اسی صورت حال کے متعلق یہ آیات نازل فرما کر یہ صاف حکم دے دیا کہ اگر مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور یہ اطمینان کر لیا جائے کہ وہ ایمان اور اسلام ہی کی خاطر ہجرت کر کے آئی ہیں تو انہیں واپس نہ کیا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ام کلثوم بنت عقبہ کی واپسی کا مطالبہ لے کر ان کے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس کرنے سے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ شرط مردوں کے بارہ میں تھی نہ کہ عورتوں کے بارہ میں۔ اس وقت تک قریش کے لوگ اس غلط فہمی میں تھے کہ معاہدے کا اطلاق ہر طرح کے مہاجرین پر ہوتا ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کے معاہدہ کے الفاظ کی طرف توجہ دلائی تو ان کو بھی خاموش ہونا پڑا کیونکہ (حسب روایت بخاری شریف) معاہدہ میں لفظ رجل استعمال ہوا تھا اور عربی زبان میں رجل مرد ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ معاہدہ کی اس شرط کے لحاظ سے مسلمانوں کو حق تھا کہ جو عورت بھی مکہ چھوڑ کر مدینہ آتی خواہ وہ کسی غرض سے آئے تو اسے واپس کرنے سے انکار کر دیتے لیکن اسلام کو صرف مومن عورتوں کی حفاظت سے تعلق تھا۔ ہر طرح کی بھاگ کر پہنچ جانے والی عورت کے لئے مدینہ طیبہ کو پناہ گاہ بنانا مقصود نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں حکم فرمایا کہ جو عورتیں ہجرت کر کے مدینہ آئیں اور اپنے مومن ہونے کا اظہار کریں تو دل کا حال تو اللہ ہی خوب جانتا ہے لیکن ظاہری طور سے ان عورتوں کو جانچ کر لیا کرو کہ آیا وہ واقعی مسلمان ہیں اور محض اسلام اور ایمان کی خاطر وطن چھوڑ کر آئی ہیں۔ کوئی دنیاوی یا نفسانی غرض تو ہجرت کا سبب نہیں بنا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ ان کا امتحان کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان سے بیعت لیتے تھے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس بیعت لیا کرتے تھے۔

آگے حکم ہوا کہ زوجین میں اگر ایک مسلمان اور دوسرا مشرک ہو تو اس اختلاف دین کے بعد تعلق نکاح قائم نہیں رہتا پس اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آجائے تو جو

مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ ہے کہ اس کافر نے جتنا مہر عورت پر خرچ کیا تھا وہ اسے واپس کر دے اور اب جو عورت کا مہر قرار پائے وہ جدا اپنے ذمہ رکھے تب نکاح میں لا سکتا ہے۔ دوسری طرف دارالاسلام میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو یعنی جو تمہاری بیویاں دارالکفر میں کفر کی حالت میں رہ گئیں ان کا نکاح تم سے زائل ہو گیا۔ آغاز اسلام میں بہت سے ایسے مرد تھے کہ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا مگر ان کی بیویاں مسلمان نہ ہوئیں اور بہت سی ایسی عورتیں تھیں جو مسلمان ہو گئیں مگر ان کے شوہروں نے اسلام قبول نہ کیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص غیر مسلم تھے اور کئی سال تک غیر مسلم رہے تو ابتدائی دور میں ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ مسلمان عورت کے لئے اس کا کافر شوہر اور مسلمان مرد کے لئے اس کی کافر بیوی حلال نہیں۔ اس لئے ان کے درمیان ازدواجی رشتے برقرار رہے۔ ہجرت کے بعد بھی کئی سال تک یہ صورت حال رہی۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیات نازل ہوئیں تو ان کی رو سے مسلمانوں اور کفار و مشرکین کے درمیان سابق ازدواجی رشتوں کو ختم کر دیا اور آئندہ کے لئے ایک قطعی اور واضح قانون کا حکم فرما دیا گیا۔ تو پہلا حکم یہاں ہجرت کر کے آنے والی مومن عورتوں کے بارہ میں یہ دیا گیا کہ وہ اپنے کافر شوہروں کے لئے حلال نہیں رہیں۔ جنہیں وہ دارالکفر میں چھوڑ آئی ہیں۔ دوسری طرف مہاجر مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی ان کافر بیویوں کو جو دارالکفر میں رہ گئی ہیں ان کو چھوڑ دیں اور ان سے تعلق نکاح ختم کر دیں۔ پھر جو کافر اس عورت سے نکاح کرے اس مسلمان مہاجر کا خرچ کیا ہوا مہر واپس کرے۔ جب یہ احکام نازل ہوئے تو مسلمان ان احکام کے مطابق مہر کی رقم دینے کو بھی اور لینے کو بھی تیار ہو گئے لیکن کافروں نے دینا قبول نہ کیا اس کے متعلق حکم دیا گیا کہ جس مسلمان کی کافر عورت رہ گئی اور کافر اس مسلمان کا کیا ہوا خرچ واپس نہیں کرتے تو جس کافر کی عورت مسلمانوں کے ہاں آئے اس کو جو خرچ دینا تھا اس کافر کو نہ دیں بلکہ اسی مسلمان کو دیں جس کا حق مارا گیا ہے ہاں اس مسلمان کا حق دے کر جو بچ رہے وہ واپس کر دیں بعض علما نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان۔ کافر کو خرچ کیا ہوا واپس نہیں کر سکتا تو بیت المال میں سے دیا جائے۔ اللہ اکبر! کس قدر عدل انصاف کی تعلیم ہے لیکن اس پر کاربند وہی ہو گا جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو اور اس پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتا ہو۔

اب آگے خاتمہ کی آیات میں مومن عورتوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے اور شروع سورۃ میں جو مضمون بیان فرمایا گیا تھا خاتمہ پر پھر وہی یاد دلایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہماری عورتوں کو سب کو سچا اور پکا اسلام اور ایمان نصیب فرمائیں اور شریعت اسلامیہ کے قوانین کے موافق ہم کو اپنی زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ آپ نے اپنی حکمت سے جو احکام ہم پر مقرر فرمائے ہیں ان کی دل و جان سے اطاعت کرنا ہم کو نصیب فرمایئے۔ اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے ہم کو بچائے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ

اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آویں کہ آپ سے بیعت کریں اِس پر کہ اللہ کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی

وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ

اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لاویں گی جس کو اپنے ہاتھوں

وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ

اور پاؤں کے درمیان بنالیویں اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے اوران کیلئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کیجئے، بیشک اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا

غفور رحیم ہے۔ اے ایمان والو ان لوگوں سے دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے کہ وہ آخرت سے

مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ﴿۱۳﴾

ایسے نا اُمید ہوگئے ہیں جیسا کفار جو قبروں میں نا اُمید ہوں گے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبیؐ	إِذَا جب	جَاءَكَ آپکے پاس آئیں	الْمُؤْمِنَاتُ مومن عورتیں	يُبَايِعْنَكَ آپ سے بیعت کرنے کیلئے	عَلَىٰ أَن اس پر کہ	
لَا يُشْرِكْنَ وہ شریک نہ کریں گی	بِاللَّهِ اللہ کے ساتھ	شَيْئًا کسی شے کو	وَلَا يَسْرِقْنَ اور نہ وہ چوری کریں گی	وَلَا يَزْنِينَ اور نہ زنا کریں گی		
وَلَا يَقْتُلْنَ اور نہ وہ قتل کریں گی	أَوْلَادَهُنَّ اپنی اولاد	وَلَا يَأْتِينَ اور نہ لائیں گی	بِبُهْتَانٍ بہتان سے	يَفْتَرِينَهُ جوانہوں نے باندھا ہو		
بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ اپنے ہاتھوں کے درمیان	وَأَرْجُلِهِنَّ اور اپنے پاؤں	وَلَا يَعْصِينَكَ اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی	فِي مَعْرُوفٍ نیک کاموں میں			
فَبَايِعْهُنَّ تو آپ ان سے بیعت لے لیں	وَاسْتَغْفِرْ اور مغفرت مانگیں	لَهُنَّ ان کیلئے	اللَّهَ اللہ	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	غَفُورٌ بخشنے والا	رَحِيمٌ رحم کرنیوالا
يَا أَيُّهَا اے	الَّذِينَ آمَنُوا ایمان والو	لَا تَتَوَلَّوْا تم دوستی نہ رکھو	قَوْمًا وہ لوگ	غَضِبَ اللَّهُ اللہ نے غضب کیا	عَلَيْهِمْ ان پر	قَدْ يَئِسُوا وہ ناامید ہوچکے
مِنَ سے	الْآخِرَةِ آخرت	كَمَا جیسے	يَئِسَ مایوس ہیں	الْكُفَّارُ کافر (جمع)	مِنْ سے	أَصْحَابِ الْقُبُورِ قبروں والوں (مردے)

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں ایمان والوں کو خطاب کر کے یہ حکم بیان ہوا تھا کہ جب مسلمان عورتیں ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو ان کا امتحان اوران کے مومن ہونے کی جانچ پڑتال کرلیا کرو اور جب معلوم ہوجائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کیا جائے ۔صحیح بخاری شریف میں روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے جو مسلمان عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کر کے آتی تھیں ان کا امتحان اسی آیت یاایھا النبی سے ہوتا تھا۔ جو عورت ان تمام باتوں کا اقرار کرلیتی تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے کہ میں نے بیعت کرلی ہے۔ آپ صرف گفتگو کے ذریعہ بیعت کرتے اور خدا کی قسم بیعت میں کبھی آپ کے ہاتھ نے کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا۔ یہ ''آیت بیعت'' کہلاتی ہے۔

اب یہاں موقع کی مناسبت سے بیعت کی حقیقت اوراس کی فضیلت کے متعلق بھی کچھ عرض کیا جاتا ہے بیعت بیع سے مشتق ہے جس کے معنی فروخت کرنے کے ہیں اصطلاح شریعت میں اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اپنے جان اور مال کو خداوند ذوالجلال کے ہاتھ بمعاوضہ جنت فروخت کر دینے کا نام ''بیعت'' ہے۔ تو گویا اس معاملہ بیعت میں انسان بائع یعنی

فروخت کرنے والا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مشتری یعنی خرید کرنے والے ہیں جو چیز کہ فروخت کی جاتی ہے وہ انسان کی اپنی جان ہے اور جس قیمت اور معاوضہ پر یہ خرید فروخت کی جاتی ہے وہ جنت ہے۔ تمام عقلا کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ بیع ہوجانے کے بعد جو چیز فروخت کی جاتی ہے وہ بائع یعنی بیچنے والے کی ملک سے نکل کر مشتری یعنی خریدار کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے اور مشتری ہی تمام تصرفات کا مالک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن بیعت کر لینے کے بعد اپنے نفس کا مالک نہیں رہتا اس لئے مومن کو چاہئے کہ اب نفس میں اپنی رائے سے اور اپنی خواہش سے کوئی تصرف نہ کرے۔ مگر یہ معاملہ بیعت حق جل وعلا سے براہ راست نہیں ہوتا۔ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے وارثین کے توسط سے ہوتا ہے۔ حضرات صحابہ نے جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دست مبارک پر بیعت کی اصل بیعت اللہ تبارک وتعالیٰ سے تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں وکیل اور کفیل تھے۔

اسی لئے یہ عمل بیعت سلف سے لے کر خلف تک اہل اللہ اور بزرگان میں جاری وساری ہے۔ تو یہ آیت جو "آیت بیعت" کے نام سے مشہور ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس ہجرت کر کے آویں تو اگر وہ ان شرطوں کو قبول کر لیں تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے اب وہ شرائط بیان فرمائے جاتے ہیں۔

1- اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی۔ عرب میں طرح طرح کے شرک عام تھے اور عورتیں اس بلا میں زیادہ مبتلا تھیں اس لئے سب سے اول اس اہم شرط کو پیش کیا گیا۔

2- چوری نہ کریں گی۔ چوری اگرچہ مردوں کے لئے بھی سخت عیب اور بدنما دھبہ ہے لیکن عورت کے حق میں اور بھی زیادہ عیب ہے خصوصاً خانہ داری میں خاوند سے چوری۔ اس لئے شرک باللہ کے بعد اس کو منع کیا گیا۔

3- زنا نہ کریں گی۔ زنا مردوں کے لئے بھی برا کام ہے مگر معاذ اللہ عورت کے لئے تو اور بھی شرمناک دھبہ ہے جو اس کی اولاد اور خاندان سے بھی دور نہیں ہوتا۔ یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ زنا جس طرح ممنوع ہے اسی طرح اس کے دواعی بھی ممنوع ہیں یعنی وہ باتیں جو زنا کا باعث اور سبب بنیں مثلاً غیر محرم کا گھر میں آنا جانا۔ اس سے بے ضرورت باتیں کرنا۔ غیروں کے ساتھ سیر وتفریح میں جانا یا فحش اور شہوت انگیز قصہ کہانی یا ناولوں کا پڑھنا یا ناچ رنگ کی محفلوں میں شریک ہونا۔ لوگوں کو اپنے کپڑے زیور کی جھلکیاں دکھلانا۔ شراب یا نشہ آور چیزوں کا استعمال کرنا یہ ساری باتیں زنا کاری کے دروازے ہیں۔

4- اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ عرب میں ایام جاہلیت میں دستور تھا کہ دامادی کی عار ونگ سے بیٹیوں کو مار ڈالتے تھے۔

5- نہ کوئی بہتان کی اولاد لائیں گی۔ جاہلیت میں بعض عورتوں کا دستور تھا کہ کسی غیر کا بچہ اٹھا لائیں اور کہہ دیا کہ میرے خاوند کا ہے اور یا کسی سے بدکاری کی اور اس نطفہ حرام کو اپنے خاوند کا بتلا دیا۔

6- مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی۔ اس میں سب احکام شرعیہ آ گئے تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر عورتیں ان چھ باتوں پر عہد کر لیں اور اس پر بیعت کریں تو آپ ان کی بیعت قبول کر لیں اور ان کے پہلے گناہوں پر اللہ سے مغفرت ان کے لئے طلب کریں۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

آج اگر ہم غور کریں تو نہ صرف اس ملک میں بلکہ تمام عالم اسلام میں تشبہ بالاغیار والیہود والنصاریٰ کی بیماری وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم حقیقی اسلام سے دن بدن دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور قرآن وسنت کے اتباع کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

الحمدللہ اس درس پر سورہ ممتحنۃ کا بیان ختم ہو گیا۔

سورۃ الممتحنۃ کے خواص

جس آدمی کی تلی کی کوئی بیماری ہو وہ سورۃ الممتحنۃ لکھ کر اس کا پانی پیئے' تین دن مسلسل ایسا کرے اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحت یاب ہو جائے گا۔ (الدر النظیم)

سُوْرَۃُ الصَّفِّ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ اَرْبَعَ عَشْرَۃَ اٰیَۃً وَّفِیْھَا رُکُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ① یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ

سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔ اے ایمان والو

اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③

ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے جس میں سیسہ پلایا گیا ہے۔

سَبَّحَ پاکیزگی بیان کرتا ہے	لِلّٰہِ اللہ کی	مَا جو	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِی الْاَرْضِ زمین میں	وَھُوَ اور وہ	
الْعَزِیْزُ غالب	الْحَکِیْمُ حکمت والا	یٰاَیُّھَا اے	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	لِمَ کیوں	تَقُوْلُوْنَ تم کہتے ہو	مَا جو	لَا تَفْعَلُوْنَ تم کرتے نہیں
کَبُرَ بڑی	مَقْتًا ناپسندیدہ	عِنْدَ اللّٰہِ اللہ کے نزدیک	اَنْ کہ	تَقُوْلُوْا تم کہو	مَا جو	لَا تَفْعَلُوْنَ تم کرتے نہیں	اِنَّ اللّٰہَ بیشک اللہ
یُحِبُّ دوست رکھتا ہے	الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ جو لوگ لڑتے ہیں	فِیْ سَبِیْلِہٖ اس کے راستہ میں	صَفًّا صف بستہ ہوکر	کَاَنَّھُمْ گویا کہ وہ			
بُنْیَانٌ ایک عمارت	مَّرْصُوْصٌ سیسہ پلائی ہوئی						

تفسیر وتشریح: مثل گذشتہ سورۃ کے اس سورۃ کو بھی اللہ کے تسبیح کے ذکر سے شروع فرمایا گیا کہ تمام مخلوقات جو کچھ آسمانوں میں ہیں یا زمین میں ہیں سب قالاً یا حالاً اللہ تبارک وتعالیٰ کی پاکی اور بڑائی اور تسبیح وتقدیس بیان کرتی ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔ اس کے بعد اہل ایمان کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ زبان سے ایک بات کہہ دینا تو آسان ہے لیکن اسکا نباہنا اور عملاً پورا کرنا آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے سخت ناراض اور بیزار ہوتا ہے جو زبان سے کہے تو بہت کچھ مگر کرے کچھ نہیں۔ تو اہل ایمان نے کہا تھا کہ ہم کو اگر معلوم ہو جائے کہ کونسا کام اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے تو ہم وہی اختیار کریں اس پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں کہ دیکھو دعوے کی بات سے ڈرنا چاہئے اور سنبھل کر کوئی دعویٰ کرنا چاہئے۔ لو ہم بتلائے دیتے ہیں کہ اللہ کو سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت ہے جو اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں کے مقابلہ پر ایک آہنی دیوار کی طرح ڈٹ جاتے ہیں اور میدان جنگ میں اس شان سے صف آرائی کرتے ہیں کہ گویا وہ سب مل کر ایک مضبوط دیوار ہیں جس میں سیسہ پلا دیا گیا ہے۔ جس میں کسی جگہ کوئی رخنہ نہیں پڑ سکتا۔ تو مقصود یہ بتلانا ہے کہ محض زبان سے دعوے مت کرو بلکہ خدا کی راہ میں قربانی پیش کرو۔

ان آیات سے کئی اہم امور معلوم ہوئے ایک یہ کہ ایک سچے اور پکے مومن ومسلم کے قول وعمل میں مطابقت ہونی چاہئے۔ جو زبان سے کہے اسے کر کے دکھائے اور اگر کرنے کی نیت وہمت

نہ ہو تو زبان سے بھی نہ نکالے۔ کہنا کچھ اور کرنا کچھ اس طرح لاف زنی اور زبان سے تعلّی و تفاخر کی باتیں یہ انسان کی ایسی بری صفات میں سے ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگرچہ کسی کے دل میں عزم و ارادہ بھی کسی کام کے کرنے کا ہو پھر بھی اپنے نفس پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا کہ ہم فلاں کام کریں گے۔ یہ شان عبدیت کے خلاف ہے۔ اول تو اس کے کہنے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ جب موقع ملے کر گذرنا چاہئے اور اگر کسی مصلحت سے کہنا بھی پڑے تو اس کو انشاء اللہ کے ساتھ مقید کر دے تو پھر وہ دعویٰ نہیں رہے گا۔ (معارف القرآن ۸)

تیسری بات ان آیات کے تحت علماء نے یہ لکھی ہے کہ ان آیات کا تعلق دعوے سے ہے کہ جو کام آدمی کو کرنا نہیں اس کا دعویٰ کرنا اللہ کی ناراضی کا سبب ہے۔ رہا معاملہ دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کا کہ جو کام آدمی خود نہیں کرتا تو اس کی نصیحت دوسروں کو کرے وہ ان آیات کے مفہوم میں شامل نہیں۔ اس بات کے احکام دوسری آیات و احادیث میں مذکور ہیں مثلاً قرآن کریم میں فرمایا اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم یعنی تم لوگوں کو تو نیک کام کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو کہ خود اس نیکی پر عمل نہیں کرتے۔ اس آیت نے وعظ و نصیحت کرنے والوں کو اس بات پر شرمندہ کیا ہے کہ لوگوں کو ایک نیک کام کی دعوت دو اور خود اس پر عمل نہ کرو۔ تنبیہ یہ کرنا ہے کہ جب دوسروں کو نصیحت کرتے ہو تو خود اپنے آپ کو نصیحت کرنا اس سے مقدم ہے اور جس کام کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہو خود بھی اس پر عمل کرو۔

لیکن یہ نہیں فرمایا کہ جب خود نہیں کرتے تو دوسروں کو کہنا بھی چھوڑ دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس نیک کام کرنے کی خود ہمت و توفیق نہیں ہے اس کی طرف دوسروں کو بلانے اور نصیحت کرنے کا سلسلہ نہ چھوڑے۔ (معارف القرآن جلد ہشتم)

چوتھی بات جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت اور اہمیت میں یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجاہدین اسلام کی وہ صف قتال بڑی محبوب ہے جو اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے قائم ہو اور مجاہدین کے عزم و ہمت کی وجہ سے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو کہ ان کے قدموں میں کوئی تزلزل نہ آنے پائے۔ اسی وجہ سے ہر مسلمان کے دل میں ہمیشہ جہاد کا عزم اور تمنا ہونی چاہئے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اس کی تجویزیں سوچیں اور تمنا کی تو وہ نفاق کی ایک صفت پر مرا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں بھی دشمنان دین سے جہاد فی سبیل اللہ کا سچا جذبہ عطا فرمائیں۔

اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جو زبان سے تو بہت بڑھ چڑھ کر دعوے کرتے تھے لیکن عمل کے میدان میں صفر تھے۔ جہاں کوئی موقع کام کا آیا تو پھسل گئے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ اپنی تسبیح و تقدیس کی ہم کو بھی توفیق عطا فرمائیں اور ہماری زبانوں کو ہمہ وقت اپنے ذکر سے تر رکھیں۔

یا اللہ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم جو زبان سے کہیں وہ عملاً پورا کرنے والے بھی ہوں۔ یا اللہ اپنے دین کیلئے ہمیں بھی جان و مال کی قربانی اور جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ صادقہ عطا فرما۔ یا اللہ اس وقت جو یہود و نصاریٰ اور کفار مشرکین اہل اسلام پر غالب نظر آ رہے ہیں حتیٰ کہ اسلام کا قبلہ اوّل بیت المقدس پر بھی یہود نے قبضہ کر رکھا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اہل اسلام کے دلوں میں جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ سرد ہو گیا ہے۔

یا اللہ ہمیں اس بھولے ہوئے سبق کو پھر یاد کر لینے اور صدق دل سے اللہ کا کلمہ بلند کرنے کیلئے جذبۂ جہاد عطا فرما دے اور اہل اسلام کو اعدائے دین کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کی توفیق مرحمت فرما دے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ

اور جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ کو کیوں ایذا پہنچاتے ہو حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں،

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى

پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا اور اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور جبکہ عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا

ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ

کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے جو پہلے توراۃ ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں

التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت دینے والا ہوں۔ پھر جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى

تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے۔ اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام

اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷

کی طرف بلایا جاتا ہو، اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

وَاِذْ اور جب	قَالَ کہا	مُوْسٰى موسیٰ	لِقَوْمِهٖ اپنی قوم سے	يٰقَوْمِ اے میری قوم	لِمَ کیوں	تُؤْذُوْنَنِيْ تم مجھے ایذا پہنچاتے ہو
وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اور یقیناً تم جان چکے ہو	اَنِّيْ کہ میں	رَسُوْلُ اللّٰهِ اللہ کا رسول	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	فَلَمَّا پس جب	زَاغُوْٓا انہوں نے کج روی کی	
اَزَاغَ اللّٰهُ اللہ نے کج کر دیئے	قُلُوْبَهُمْ ان کے دل	وَاللّٰهُ اور اللہ	لَا يَهْدِيْ ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ لوگ	الْفٰسِقِيْنَ نافرمان (جمع)	وَاِذْ اور جب
قَالَ کہا	عِيْسَى عیسیٰ	ابْنُ مَرْيَمَ مریم کا بیٹا	يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اے بنی اسرائیل	اِنِّىْ بیشک میں	رَسُوْلُ اللّٰهِ اللہ کا رسول	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف
مُّصَدِّقًا تصدیق کرنیوالا	لِّمَا اس کی جو	بَيْنَ يَدَيَّ مجھ سے پہلے	مِنَ سے	التَّوْرٰىةِ توریت	وَمُبَشِّرًا اور خوشخبری دینے والا	
بِرَسُوْلٍ ایک رسول کی	يَّاْتِيْ وہ آئے گا	مِنْۢ بَعْدِي میرے بعد	اسْمُهٗٓ اس کا نام	اَحْمَدُ احمد	فَلَمَّا پھر جب	جَاۗءَهُمْ وہ آئے ان کے پاس
بِالْبَيِّنٰتِ واضح دلائل کے ساتھ	قَالُوْا انہوں نے کہا	هٰذَا یہ	سِحْرٌ مُّبِيْنٌ کھلا جادو	وَمَنْ اور کون	اَظْلَمُ بڑا ظالم	مِمَّنِ اس سے جو
افْتَرٰى وہ بہتان باندھے	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	الْكَذِبَ جھوٹ	وَهُوَ بلکہ وہ	يُدْعٰٓى بلایا جاتا ہے	اِلَى الْاِسْلَامِ اسلام کی طرف	
وَاللّٰهُ اور اللہ	لَا يَهْدِيْ ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ظالم لوگوں				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں اسی بات کی تائید میں کہ یہ خصلت اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے کہ زبانی دعوے تو بہت لمبے چوڑے کرے اور باتیں بڑھ چڑھ کر بنائے لیکن عمل اس کے مطابق نہ ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر مذمت کے ساتھ فرمایا جاتا ہے کہ زبانی دعوے تو بہت بڑھ چڑھ کر بناتے تھے لیکن جب موقع عمل اور کام کا آیا تو فوراً پھسل گئے اور

نہایت تکلیف دہ باتیں کرنے لگے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل سے فرمایا کہ روشن دلائل اور کھلے کھلے معجزات دیکھ کر تم دل میں یقین رکھتے ہو کہ میں اللہ کا سچا پیغمبر ہوں پھر سخت نازیبا اور نہایت تکلیف دہ باتیں کر کے مجھے کیوں ستاتے ہو۔ یہ معاملہ تو کسی معمولی ناصح اور خیر خواہ کے ساتھ بھی نہ ہونا چاہئے۔ چہ جائیکہ ایک اللہ کے رسول کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو۔ کیا میرے دل کو تمہاری ان حرکات اور نازیبا کلمات سے دکھ نہیں پہنچتا؟

اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو آپ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں اللہ کا پیغمبر ہو کر تمہاری طرف آیا ہوں اور موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یعنی اصل توریت کے من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کے احکام واخبار پر یقین رکھتا ہوں اور جو کچھ میری تعلیم ہے فی الحقیقت انہی اصول کے ماتحت ہے جو توراۃ میں بتلائے گئے تھے۔ میں پچھلے انبیاء کی تصدیق کرتا ہوں اور اگلے نبی کی بشارت سناتا ہوں یوں تو دوسرے انبیاء سابقین بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مژدہ برابر سناتے آئے ہیں لیکن جس صراحت ووضاحت اور اہتمام کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی اور سے منقول نہیں۔ شاید قرب عہد کی بنا پر یہ خصوصیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حصہ میں آئی ہو کیونکہ آپ کے بعد نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ یہود ونصاریٰ کی مجرمانہ غفلت اور متعمدانہ دستبرد نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل توریت وانجیل وغیرہ کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا جس سے ہم کو ٹھیک پتہ لگ سکتا کہ انبیاء سابقین خصوصاً حضرت مسیح علیہ السلام نے "خاتم الانبیاء" صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کن الفاظ میں اور کس عنوان سے بشارت دی تھی مگر یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے محرفین کو اس قدر قدرت نہیں دی کہ وہ اللہ کے آخری پیغمبر کے متعلق تمام پیشینگوئیوں کو بالکلیہ محو کر دیں کہ ان کا نشان باقی نہ رہے۔ موجودہ بائبل میں بھی بیسوں مواقع میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر موجود ہے اور عقل وانصاف والوں کے لئے اس میں تاویل وانکار کی قطعاً گنجائش نہیں۔ چنانچہ بعض علمائے اہل کتاب کو بھی اس کا اعتراف یا نیم اقرار کرنا پڑا۔ علمائے اسلام نے بحمد اللہ تعالیٰ ایسی بشارات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

اب یہاں ان آیات سے ایک بات یہ نہایت اہم معلوم ہوئی کہ کسی قوم کا اپنے نبی کو ستانا اور ایذا دینا خواہ وہ قولاً ہو یا فعلاً اور اس سے باز نہ آنا اس کا وبال ایسا سخت ہوتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اس قوم سے ہدایت وسعادت کے آثار اٹھالیتا ہے۔ دیکھئے موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کے متعلق جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی فرمایا گیا **فلما زاغوا ازاغ الله قلوبهم** (پھر جب وہ لوگ یعنی بنی اسرائیل ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا) یعنی ان کے دلوں میں مادہ مخالفت اور اس مخالفت کی وجہ سے جو ایذا نبی کو پہنچی اس کا وبال اور دنیا ہی میں اس کی سزا نافرمان قوم کو یہ دی گئی کہ ان کے قلوب ٹیڑھے ہو گئے اور ہدایت سے بعد اور دوری ہوتی گئی جس کی پوری سزا آخرت میں بھگتنا ہو گی۔ اور پھر یہ معاملہ صرف بنی اسرائیل ہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نہیں تھا بلکہ آگے عام قانون اور عام معمول بیان فرما دیا **والله لا يهدى القوم الفاسقين** اور اللہ تعالیٰ کا معمول ہے کہ وہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

اب یہاں توجہ جس بات کی طرف دلائی مقصود ہے وہ یہ کہ ذرا ہم بھی اس امر کی طرف غور کر لیں کہ کہیں ہم تو (العیاذ باللہ تعالیٰ) اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ایذا دہی کا باعث نہیں بن رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے عام قانون **والله لا يهدى القوم الفاسقين** کے مصداق تو نہیں ٹھہر رہے؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے پہلے تو یہ سن لیجئے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ

ہے اور تمام اہل سنت والجماعت عرب اور عجم کے حضرات متکلمین اور محدثین اور مفسرین اور اولیاء و عارفین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسام مطہرہ تغیرات ارضی سے بالکل محفوظ ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیاۃ اگر چہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیاۃ حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی حیاۃ تو عامہ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حیاۃ انبیاء کے بارہ میں احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہیں اور فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ اپنی قبر مطہر میں اور تمام انبیاء کرام کی حیاۃ اپنی اپنی قبر میں علم قطعی اور یقینی سے معلوم ہے۔ اس لئے کہ حیاۃ انبیاء دلائل سے ثابت ہے اور احادیث متواترہ اس پر شاید ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ جلد۴) پھر احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اعمال امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اور آپ امت کے احوال سے خوش یا رنجیدہ بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ احادیث سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہفتہ اولاد کے اعمال اُن کے والدین کے سامنے عالم برزخ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اچھے اعمال سے ان کو خوشی اور برے اعمال سے رنج ہوتا ہے۔ (ماثر حکیم الامت صفحہ ۳۸۳) علمائے محققین و محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور جو شخص مسجد نبوی میں آواز بلند کرتا تو اس کو یہ فرماتے۔ ''تحقیق تو نے آواز بلند کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں ایذا پہنچائی''۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ حال تھا کہ اگر مسجد نبوی کے متصل مکانات میں دیوار میں کسی کیل اور میخ ٹھونکنے کی آواز حجرہ نبوی تک پہنچتی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ فوراً اس کے پاس یہ کہلا کر بھیجتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیل اور میخ ٹھونکنے کی آواز سے اذیت اور تکلیف مت پہنچاؤ اور بھی بے شمار روایات ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ احوال امت سے آپ متاثر ہوتے ہیں مثل حیاۃ مبارکہ کے جس سے ثابت ہوا کہ ہمارے افعال و اعمال و احوال اب بھی یا تو آپ کی خوشی۔ راحت اور سرور کا ذریعہ ہوتے ہیں یا العیاذ باللہ آپ کے رنج و غم اور اذیت کا سبب بنتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ کفار مشرکین اور دشمنان دین نے جو آپ کو اذیتیں اور تکلیفیں حیاۃ مبارک میں پہنچائیں ان کا تو کیا ذکر۔ اب یہ بات کیا رونے کی نہیں ہے کہ آپ کا کوئی امتی کہلا کر اور آپ کا کلمہ پڑھ کر پھر آپ کو قبر مبارک میں بھی چین وسکون سے نہ آرام فرمانے دے بلکہ آپ کو اپنی بداعمالی اور بداحوالی سے صدمہ اور رنج پہنچا کر آپ کی اذیت کا سبب بنے۔ تو ایسے امتی جو اپنے نبی کو اذیت اور تکلیف پہنچانے والے ہوں تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کے عام قانون اور ارشاد واللہ لا یھدی القوم الفاسقین کے مصداق نہ ٹھہریں گے؟ جس قوم سے کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بیزار ہوں اس کا پھر ٹھکانہ کہاں؟ بہت ہی ڈرنے اور اللہ سے پناہ مانگنے کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور اپنی موجودہ بداحوالی اور بداعمالی پر خون کے آنسو رونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اس امت مسلمہ کے ایک ایک فرد کو فسق و فجور کی ظلمت سے نکل کر نور ہدایت کی روشنی میں آجانے کی سعادت و توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

الغرض یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ کیسے بے انصاف نافرمان اور ظالم تھے کہ جنہوں نے اپنے نبی کا کہنا نہ مان کر ان کو ایذا پہنچائی اور گمراہی کا شکار ہوئے۔ انہی ظالم۔ نافرمان اور بے انصاف لوگوں کے متعلق اگلی آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان کی خواہش اور ارادے اسلام کے متعلق کیا ہیں اور یہ کیا چاہتے ہیں جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ هُوَ

یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر کیسے ہی ناخوش ہو۔ وہ ایسا ہے

الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ

جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے گو

الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۹﴾

مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

يُرِيْدُوْنَ وہ چاہتے ہیں	لِيُطْفِـُٔوْا کہ بجھا دیں	نُوْرَ اللّٰهِ اللہ کا نور	بِاَفْوَاهِهِمْ اپنے مونہوں سے	وَ اللّٰهُ اور اللہ	مُتِمُّ پورا کرنیوالا	نُوْرِهٖ اپنا نور
وَ لَوْ خواہ	كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ کافر ناخوش ہوں	هُوَ الَّذِیْ وہی جس نے	اَرْسَلَ اس نے بھیجا	رَسُوْلَهٗ اپنا رسول	بِالْهُدٰی ہدایت کیساتھ	
وَ دِیْنِ الْحَقِّ اور دین حق	لِیُظْهِرَهٗ تاکہ وہ اسے غالب کردے	عَلَی الدِّیْنِ دین پر	كُلِّهٖ تمام	وَ لَوْ كَرِهَ اور خواہ ناخوش ہوں	الْمُشْرِكُوْنَ مشرک (جمع)	

تفسیر وتشریح: منکرین اور اعدائے دین کے متعلق ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار مشرکین تو یہ چاہتے ہیں کہ دین حق کو باطل سے مٹا دیں۔ ان کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی احمق نور آفتاب کو منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہے۔ تو جس طرح یہ محال اور ناممکن ہے کہ کسی احمق کی پھونک سے سورج کی روشنی بجھ جائے اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ اللہ کا دین ان کفار کی کوششوں سے مٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ اپنے نور یعنی دین حق کو پورا کر کے ہی رہے گا۔ یہ کفار مشرکین برا مانیں تو مانتے رہیں۔ یہ قرآنی پیشینگوئی جو بحمد اللہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اس وقت فرمائی گئی جبکہ اسلام کی ابتدا ایک چراغ کی روشنی کی طرح تھی جسے بجھا دینے کے لئے ہر طرف سے زور کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ اور جس طرح چراغ پھونک مار کر بجھا دیا جاتا ہے مخالفین اور معاندین اسلام چاہتے تھے کہ اسی طرح اسلام کا چراغ بھی گل کر دیں۔ مگر قرآن میں پیشینگوئی فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر کیسے ہی ناخوش ہوں اور اسی اتمام نور کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کا سامان یعنی قرآن اور سچا دین اسلام دے کر بھیجا ہے تا کہ اس دین کو بقیہ تمام دینوں پر غالب کر دے۔

ابو داؤد کی ایک حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے اور عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ وہ ضرور آسمان سے اتریں گے۔ جب تم ان کو دیکھنا تو پہچان لینا کہ وہ میانہ قد سرخ وسفید رنگ کے اور دو زعفرانی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔ ان پر وہ شگفتگی وتازگی ہوگی اور یوں معلوم ہوگا کہ ان کے سر سے پانی کے قطرے اب ٹپکے اگرچہ ان پر پانی کی نمی بھی نہ ہوگی۔ وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے۔ صلیب کو چورا چورا کر ڈالیں گے۔ سور کو قتل کریں گے۔ جزیہ کی رسم اٹھا دیں گے ان کے دور میں اللہ تعالیٰ تمام مذاہب ختم کر دے گا اور صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ دجال کو قتل کرے گا۔ چالیس سال تک وہ زمین پر زندہ رہیں گے اس کے بعد ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے (ترجمان السنة) صحیح مسلم شریف کی متعدد احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں دجال کا

تذکرہ فرمایا اور اس کے فتنہ فساد کی بعض تفصیل بیان فرمائی ہیں وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق کی جامع مسجد میں دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے نازل ہونا اور پھر دجال کا قتل کرنا۔ اور یہود جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سب سے بڑے دشمن تھے ان سب کا موت کے گھاٹ اتار دیا جانا۔ پھر یاجوج وماجوج کا خروج اور ان کا فتنہ فساد دنیا میں پھیلانا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یاجوج ماجوج کا ایک ہی رات میں تباہ وہلاک ہوجانا۔ اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی برکات اور اس وقت صرف تمام روئے زمین پر اہل اسلام کا باقی رہنا۔ اور صرف ایک خدا کی توحید اور ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت وبندگی کا نہ ہونا۔ یہ سب صراحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔

الغرض ایک زمانہ دنیا پر ایسا بھی آنے والا ہے کہ جب حق اسلام کا ایسا غلبہ ہوگا کہ تمام باطل ادیان مغلوب ہوکر دنیا سے مٹ جائیں گے ۔ اس کے بعد جیسا کہ قرب قیامت کی احادیث سے ثابت ہے پھر کچھ زمانہ کے بعد جہل وغفلت بڑھے گی ۔علم بہت کم ہو جائے گا۔ اہل ایمان دنیا سے کوچ کر جائیں گے اور پھر خدا ترسی ۔حق شناسی ۔خوف آخرت معدوم ہو جائے گا۔شرم وحیا جاتی رہے گی۔ظلم وجہل رفتہ رفتہ بڑھ جائے گا حتیٰ کہ خانہ کعبہ کو مسمار کردیا جائے گا۔ حج موقوف ہوجائے گا۔ قرآن کریم دلوں ۔ اور کاغذوں سے اٹھا لیا جائے گا۔ اور جہالت یہاں تک بڑھے گی کہ کوئی اللہ کا نام تک لینے والا نہ ہوگا اور ایسے ہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی اور نفخ صور ہوگا۔

موجودہ دور میں بھی جبکہ مسلمانوں کی اپنی ایمانی اور عملی قوت بہت کچھ گری ہوئی حالت میں ہے اور یہود۔ نصاریٰ۔ مشرکین۔ دہریے۔ غرض ہر مخالف ومعاند مکر وحیلہ زور وجبر۔ طمع ولالچ کے ہر ممکن طریقہ سے اسلام کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود اسلام ہے کہ پھیلتا ہی جاتا ہے ۔ دنیا کا کوئی ملک نہ ہوگا جہاں مسلمان موجود نہ ہوں۔ افریقہ کے ممالک میں اسلام جس سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے عیسائی مشنریوں کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ بے دریغ روپیہ خرچ کرنے کے باوجود۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکام ہو رہے ہیں۔ اللھم اعز الا سلام والمسلمین۔ اللھم انصر الاسلام والمسلمین۔اللھم اید الاسلام والمسلمین۔

اب یہاں یہ صاف فرما دیا گیا کہ اس دین اسلام کو تمام دوسرے دینوں پر غالب کرنا تو اللہ کا کام ہے لیکن ایمان والوں کا فرض بھی اس سلسلہ میں کچھ ہے جو اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل کرم سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امّتی ہونا اور قرآن پاک پر ایمان رکھنا اور دین اسلام کو اپنا دین بنانا نصیب فرمایا۔

یا اللہ ہم کو اسلام سے سچی محبت عطا فرمادے اور اسلام کیلئے اپنی جان ومال کی قربانیاں پیش کرنے والا بنادے۔

یا اللہ اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ وشوکت عطا فرما اور اعدائے دین اور مخالفین اسلام کو پست وذلیل وخوار فرما۔

یا اللہ بے شک آپ کا دین تو تمام دنیا میں تمام ادیان پر غالب ہوا۔ اے اللہ اپنے دین کی خدمت کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمادے۔ اور دین کے خدمت گذاروں میں ہمارا شمار فرمالے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۱۰ تُؤْمِنُوْنَ

اے ایمان والو کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے۔ تم لوگ اللہ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۲ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا

اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور ایک اور بھی ہے کہ تم اس کو پسند کرتے ہو۔

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳

اللہ کی طرف سے مدد اور جلدی فتح یابی۔ اور آپ مؤمنین کو بشارت دے دیجئے۔

يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	هَلْ کیا	اَدُلُّكُمْ میں تمہیں بتلاؤں	عَلٰى تِجَارَةٍ تجارت پر	تُنْجِيْكُمْ تمہیں نجات دے	مِّنْ سے	
عَذَابٍ اَلِيْمٍ دردناک عذاب	تُؤْمِنُوْنَ تم ایمان لاؤ	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرَسُوْلِهٖ اور اس کا رسول	وَتُجَاهِدُوْنَ اور تم جہاد کرو	فِيْ میں		
سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	بِاَمْوَالِكُمْ اپنے مالوں سے	وَاَنْفُسِكُمْ اور اپنی جانوں	ذٰلِكُمْ یہ	خَيْرٌ لَّكُمْ تمہارے لئے بہتر	اِنْ اگر		
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے ہو	يَغْفِرْ وہ بخش دیگا	لَكُمْ تمہیں	ذُنُوْبَكُمْ تمہارے گناہ	وَيُدْخِلْكُمْ اور وہ تمہیں داخل کریگا	جَنّٰتٍ باغات		
تَجْرِيْ جاری ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے سے	الْاَنْهٰرُ نہریں	وَمَسٰكِنَ اور مکانات	طَيِّبَةً پاکیزہ	فِيْ میں	جَنّٰتِ باغات	عَدْنٍ ہمیشہ
ذٰلِكَ یہ	الْفَوْزُ کامیابی	الْعَظِيْمُ بڑی	وَاُخْرٰى اور ایک اور	تُحِبُّوْنَهَا تم اسے بہت چاہتے ہو	نَصْرٌ مدد	مِّنَ اللّٰهِ اللہ سے	
وَفَتْحٌ اور فتح	قَرِيْبٌ قریب	وَبَشِّرِ اور خوشخبری دیں	الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے سنایا جاتا ہے کہ اے ایمان والو تمہارا فرض یہ ہے کہ ایمان پر پوری طرح مستقیم رہ کر اللہ کے رستہ میں جان و مال سے جہاد کرو۔ ساتھ ہی جان و مال سے جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت بتلائی جاتی ہے کہ یہ وہ سوداگری ہے جس میں کبھی خسارہ نہیں۔ دنیا میں لوگ سیکڑوں طرح کے بیوپار اور تجارتیں کرتے ہیں اور اپنا کل سرمایہ تجارت میں لگا دیتے ہیں محض اس امید پر کہ اس سے نفع حاصل ہوگا اور اس طرح اصل مال بھی گھٹنے اور تلف ہونے سے بچ جائے گا پھر وہ بذات خود اور اس کے اہل و عیال تنگدستی اور افلاس کی تلخیوں سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن حق تعالیٰ مومنین کو یہاں ایک اعلیٰ درجہ کی تجارت کی تعلیم و تلقین فرماتے ہیں اور وہ یہ کہ مومنین اپنے جان و مال کا سرمایہ جہاد فی سبیل اللہ

کی اعلیٰ تجارت میں لگائیں گے تو آخرت کے دردناک عذاب اور تباہ کن خسارہ سے مامون ہو جائیں گے۔ اب اس تجارت پر مسلمان اور اہل ایمان کو کیا ملے گا وہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ یہ تجارت دنیا کی سب تجارتوں سے بہتر ہے جس کا نفع کامل مغفرت اور دائمی اور ابدی جنت کی صورت میں ملے گا جس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔ یعنی اعلیٰ درجہ کے پاکیزہ ستھرے مکانات ان باغوں کے اندر ہوں گے جن میں مومنین کو آباد ہونا ہے۔ یہ تو آخرت کی کامیابی رہی۔ آگے دنیا کی اعلیٰ اور انتہائی کامیابی کا ذکر ہے کہ اصل اور بڑی کامیابی اس تجارت کی وہی ہے جو آخرت میں ملے گی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی کوئی چیز نہیں لیکن دنیا میں بھی اہل ایمان کو ایک چیز جسے وہ طبعاً محبوب رکھتے ہیں دی جائے گی۔ وہ کیا ہے؟ نصر من اللہ وفتح قریب (اللہ کی طرف سے ایک مخصوص امداد اور جلد حاصل ہونے والی فتح وظفر) اور اس کا خاص طور پر محبوب ہونا اس لئے ہے کہ انسان طبعاً فوری ثمرہ بھی چاہتا ہے۔ اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان تمام امور کی مومنین کو بشارت دے دیجئے۔ چنانچہ جس صفائی کے ساتھ پورا ہوا وہ دنیا نے دیکھ لیا اور آج بھی مسلم قوم اگر سچے معنیٰ میں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ پر ثابت قدم ہو جائے تو یہی قرآنی وعدہ اور بشارت اب بھی ہے۔

ایمان والوں کو خطاب کر کے تین باتوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ایک ایمان باللہ کا۔ دوسرے ایمان بالرسول کا اور تیسرے جہاد فی سبیل اللہ کا۔ اور ان تین امور پر دین و دنیا دونوں میں کامیابی کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ یعنی آخرت میں مغفرت و جنت اور دنیا میں نصرت۔ غیبی امداد اور تائید الٰہی۔ اب پہلی بات تو یہاں یہ قابل غور ہے کہ ایمان والوں ہی سے یہاں خطاب ہوا ہے یعنی وہ اللہ اور رسول اور قیامت و آخرت و جنت دوزخ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور انہی سے فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے بعد کہا گیا کہ اپنی جان مال سے اللہ کے رستہ میں جہاد کرو۔ تو اس کو یوں سمجھئے کہ اگر آپ ایک مسلمان سے یوں کہیں کہ میاں مسلمان ہو جاؤ تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ صحیح معنیٰ میں پورے پورے مسلمان بن جاؤ۔ خالی نام کے مسلمان ہونا کافی نہیں۔ بلکہ کام کے مسلمان بن جاؤ۔ اسی طرح حق تعالیٰ کا ایمان والوں سے فرمانا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول پوری پوری طرح دل میں رکھو اور پھر اللہ کے رستہ میں جان مال سے جہاد کرو۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ تو ایمان باللہ جس پر اسلام کا دارومدار ہے اور جو دین کی جڑ بنیاد ہے اور جس میں توحید کا اقرار ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا یعنی یگانہ اور یکتا سمجھنا اور یہ یقین رکھنا کہ اللہ جل شانہٗ کی ذات یا ان کی صفات میں ان کا جیسا نہ کوئی ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور جو صفات کمال ان میں موجود ہیں ان میں سے کوئی صفت بھی کسی دوسرے میں نہیں پائی جا سکتی اس لئے صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ہستی عبادت اور بندگی کے لائق ہے۔

اس کے بعد دوسرا مطالبہ ایمان بالرسول کا ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ اس لئے ایمان بالرسول کا مطلب سمجھئے۔ رسول عربی زبان میں اس شخص کو کہتے ہیں جسے کوئی شخص کہیں بھیجے۔ تو رسول اللہ کے معنیٰ ہوئے اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہم رسول اللہ کہتے ہیں تو اس کے مطلب یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا اور آپ پر اللہ جل شانہٗ کی طرف سے وحی اترتی تھی اس لئے جو احکام وہدایات وتعلیمات آپؐ نے

دنیا کو بتلائیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے خاص اور یقینی علم حاصل کر کے بتلائیں اس لئے وہ سب بالکل حق اور صحیح ہیں جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی کوئی بات ہماری عقل میں نہیں آتی تو ہمیں اپنی عقل کو الزام دینا چاہئے اور اپنی عقل کی کوتاہی کا اعتراف کرنا چاہئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو صحیح اور حق ہی سمجھنا چاہئے۔ اسی طرح آپ کو رسول اللہ ماننے سے یہ خود بخود لازم ہو جاتا ہے کہ آپ کی ہر ہدایت اور ہر حکم کو دل وجان سے مانا جائے اور تسلیم کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا رسول اسی واسطے ہی بناتے ہیں کہ اس کی پوری اطاعت کی جائے۔

اب ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کے بعد جہاد فی سبیل اللہ کا مطالبہ ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ میں نفس کی ناجائز خواہشات اور شیطانی خیالات کا مقابلہ اور دین کے کھلے دشمن سے مقابلہ اور جنگ وقتال یہ سب شامل ہیں۔ اور ایک حدیث میں زبان کے جہاد کو بھی جہاد قرار دیا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مشرکین کے خلاف جہاد کرو اپنے مالوں سے۔ اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے اور قلم چونکہ ادائے مضمون میں زبان ہی کے حکم میں ہے اس لیے علمائے امت نے قلمی دفاع اور مقابلہ کو بھی جہاد قرار دیا ہے۔ مال کا جہاد تو یہ ہے کہ جہاد کے کاموں میں مال صرف کیا جائے اور زبان کا جہاد یہ ہے کہ لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے کر اس پر آمادہ کرنا اور جہاد کے احکام بتلانا اور اپنی گفتگو اور تقریر سے دشمن کو مرعوب کرنا۔ اور جان سے جہاد اللہ کے رستہ میں دشمن سے جنگ کرتے ہوئے اپنی جان دے کر شہید ہو جانا ہے اور شہید فی سبیل اللہ کا کیا مقام ہے اور کیا درجہ ہے؟ اس کا اندازہ بخاری اور مسلم کی اس حدیث سے لگایئے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں اور پھر مجھے زندہ کیا جائے۔ پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کر دیا جائے۔ پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کر دیا جائے۔ پھر قتل کیا جاؤں''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور قرآن و سنت کی تعلیمات و ہدایات کو دل وجان سے اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا قصہ یاد دلا کر دین اسلام کی مدد اور نصرت کی ترغیب اہل ایمان کو دی جاتی ہے اور اسی پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ایمان کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کی بھی توفیق و ہمت عطا فرمائیں۔ اور اس کے اخروی و دنیوی ثمرات نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو آخرت کی کامیابی کے ساتھ دنیوی کامرانی بھی اپنی نصرت اور تائید سے عطا فرما۔ اور جو بشارات ان آیات میں مومنین کو دی گئی ہیں ان کا مصداق ہم کو بھی بنا دے۔

یا اللہ نفس و شیطان کی خباثت سے ہم کو بچالے۔ اور ہماری جان اور مال کو اپنے رستہ میں کھپانے کی توفیق مرحمت فرمادے۔

یا اللہ روئے زمین پر جہاں جہاں اہل اسلام کفار و مشرکین سے جہاد فی سبیل اللہ میں لگے ہوئے ہیں۔

یا اللہ ان کی تائید اور نصرت فرما۔ ان کو فتح و ظفر عطا فرما۔ ان کے دشمنوں کو مغلوب۔ خوار اور ذلیل فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

2 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ

اے ایمان والو تم اللہ کے مدد گار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریین سے فرمایا کہ مددگار ہیں

اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْۤ

اللہ کے واسطے میرا کون مدد گار ہوتا ہے وہ حواریین بولے ہم اللہ کے مددگار ہیں سو بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے

اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا

اور کچھ لوگ منکر رہے، سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی سو وہ

ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

غالب ہوگئے۔

يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	كُوْنُوْا تم ہو جاؤ	اَنْصَارَ اللّٰهِ اللہ کے مددگار	كَمَا جیسے	قَالَ کہا	عِيْسَى عیسیٰ	
ابْنُ مَرْيَمَ مریم کا بیٹا حواریوں کو	مَنْ کون	اَنْصَارِيْۤ میرا مددگار	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	قَالَ کہا	الْحَوَارِيُّوْنَ حواریوں	نَحْنُ ہم	
اَنْصَارُ اللّٰهِ اللہ کے مددگار	فَاٰمَنَتْ تو ایمان لایا	طَّآئِفَةٌ ایک گروہ	مِّنْ سے۔ کا	بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل	وَكَفَرَتْ اور کفر کیا	طَّآئِفَةٌ ایک گروہ	
فَاَيَّدْنَا تو ہم نے مدد کی	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والے	عَلٰى عَدُوِّهِمْ انکے دشمنوں پر	فَاَصْبَحُوْا سو وہ ہوگئے	ظٰهِرِيْنَ غالب			

تفسیر وتشریح: یہ سورۃ الصف کی آخری آیت ہے۔ اس آیت میں اہل ایمان کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ اے ایمان والو اللہ کے مددگار رہو جاؤ۔ اب اللہ پاک تو بے نیاز ہے اسے کسی کی مدد کی کیا حاجت؟ تو یہاں اللہ کے مددگار ہونے سے مراد اللہ کے دین کے مددگار ہونے سے ہے یعنی دین الٰہی کے عامل اس کے پھیلانے اور اور اس کی دعوت وتبلیغ میں سرگرم اور آمادہ ہو جاؤ اور اس کام کے لئے کمر باندھ کر تیار رہو۔ اسی بات کی تائید اور تاکید کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی مثال دی جاتی ہے کہ اے ایمان والو تم دین کے لئے ایسے ہی سرگرم اور مستعد ہو جاؤ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری سرگرم اور مستعد ہو گئے تھے۔ حواری کون لوگ تھے اور یہ لقب ان کا کس وجہ سے ہوا اس میں علمائے مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ حواری کے لفظی معنیٰ کپڑا دھو کر اسے صاف اور اجلا کر دینے کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو سب سے پہلے تابع ہوئے قول مشہور کے موافق وہ دھوبی تھے اور کپڑے صاف کرنے کی وجہ سے حواری کہلاتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو کہا کہ کپڑے کیا دھوتے ہو آؤ میں تم کو دل کا دھونا سکھا دوں وہ ساتھ ہو لئے پھر ایسے ہی سب ساتھیوں کا لقب حواری پڑ گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی مرید چونکہ عموماً دریا کے کنارے کام کرنے والے ماہی گیر تھے۔ ان حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو سب سے پہلے قبول کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہمدردی و محبت میں نہایت سرگرم مستعد اور مخلص تھے۔ یہ بستی بستی میں پہنچے اور عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی منادی کیلئے سفر کیا اور لوگوں کی بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ ان کا طرز معاشرت درویشانہ تھا کسی سے کچھ لیتے دیتے نہ تھے۔ ان کے خلوص کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو کرامت بھی دی تھی کہ ان کی دعاء سے بیمار تندرست ہو جاتے۔ ان حواریوں کی کوشش اور جانکاہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے بنی اسرائیل ایمان

لے آئے لیکن بہت سے منکر بھی رہے اور اس عرصہ میں گھر گھر لڑائی اور جنگ بھی ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے اور نہ ماننے والوں میں۔ اور یہ حواری بھی مخالفین کے ہاتھوں سے قتل ہوئے مگر آخر کار خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو منکروں پر غلبہ دیا۔ تو اس آیت میں امت محمد یہ کو اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص حواریوں جیسے ہونے کی ترغیب دلاتے ہیں کہ تم بھی اشاعت اسلام کے لئے ویسے ہی کوشش دل و جان سے کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری بن جاؤ چنانچہ اس حکم کی تعمیل خدا کے فضل و توفیق سے صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین نے ایسی کی کہ سرزمین عرب کے علاوہ ایک طرف اسپین۔ یورپ اور افریقہ کے ممالک تک دوسری طرف ہند۔ چین۔ ایران۔ ترکستان تک اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مقصد یہ کہ اے ایمان والو اسی طرح تم دین محمدی کے لئے کوشش اور جہاد کرو تو تم کو بھی اللہ تعالیٰ غلبہ عطا فرمائے گا۔

اس آیت کا آخری جملہ ہے **فایدنا الذین اٰمنوا علیٰ عدوھم فاصبحوا ظٰھرین** سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی سو وہ غالب ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان والوں کو اپنے دشمنوں پر غلبہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی تائید ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ۱۴۰۰ سالہ اسلامی تاریخ بھی اس پر شاہد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تائید الٰہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کو خوش کرنے اور راضی رکھنے سے ملے گی یا اللہ اور ان کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی اور مخالفت۔ اور قرآن و سنت سے غفلت اور نہ صرف غفلت بلکہ انحراف و اعراض اور بغاوت سے ملے گی؟ اس کو ہر ادنیٰ سے ادنیٰ عقل و علم رکھنے والا مسلمان بھی جانتا ہے۔ اب کام تو ہم کریں اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور غصہ و غضب کے تو تائید الٰہی ہم کو کیسے حاصل ہو؟ اور جب تائید الٰہی شامل حال نہ ہو تو دشمنوں پر غلبہ کیسے نصیب ہو؟ بلکہ ہمارے دشمنوں کا ہم پر غلبہ تو یہی ظاہر کرتا ہے کہ شاید ہم تائید الٰہی سے محروم ہیں۔ اور ہمارے دشمن ہم پر مسلط کئے گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عقل حیران ہے کہ اس وقت کے مسلمانوں کو کس طرح بتلایا اور سمجھایا جائے۔

غرض اس آخری آیت کے آخری جملہ سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ دشمنوں پر غلبہ اللہ کی تائید سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح اس کے خلاف کا حال بھی قرآن و حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے اور قرآن کریم میں تو متعدد آیات ہیں جن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بندوں کی بداعمالیوں کی سزا ہے کہ جو دنیا میں خرابی پھیلتی ہے مثلاً سورہ روم میں ارشاد ہے **ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون** خشکی اور تری میں یعنی تمام دنیا میں لوگوں کے برے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کی سزا کا مزہ ان کو چکھادے تاکہ وہ اپنے ان اعمال سے باز آجاویں۔

خلاصہ مقصود یہی ہے کہ اہل اسلام کو اللہ کے دین کی مدد کرنے پر اللہ کی تائید و مدد و نصرت کا وعدہ ہے اور دشمنوں پر غلبہ کی بشارت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا نہ کرنے پر کسی تائید الٰہی کا وعدہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد یہی ہے کہ خود بھی قرآن و سنت کے احکام و ہدایات پر عمل کرے اور دین محمدی کے پھیلانے اور دوسروں کو پہنچانے کی حتی الوسع کوشش و سعی کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور اس دین اسلام کی عظمت اور قدر ہمارے دلوں میں عطا فرمائیں۔ اور اس دین پر سچائی کے ساتھ ہم کو عمل پیرا ہونے اور اس کی خدمت کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

الحمد للہ اس درس پر سورۃ الصف کا بیان ختم ہوا۔ اس کے بعد اگلی سورۃ کا بیان ان شاء اللہ شروع ہوگا۔

سورۃ الصّف کے خواص

جو آدمی سفر میں سورۃ الصّف کی تلاوت کا معمول رکھے تو وہ اپنے سفر کے دوران ہر قسم کے خطرات و نقصانات سے محفوظ رہے گا۔

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ...... قریب

جو آدمی ان آیات کو سفید ریشم میں کستوری، زعفران اور چنبیلی کے پانی سے لکھ کر اپنی قمیص کے گھیرے میں رکھے، وہ جہاں جائے گا اس کا احترام ہوگا، عزت اور غلبہ حاصل ہوگا۔ (الدر النظیم)

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کہ بادشاہ ہے پاک ہے زبردست ہے حکمت والا ہے۔

يُسَبِّحُ پاکیزگی بیان کرتا ہے	لِلّٰهِ اللہ کی	مَا جو کچھ	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	الْمَلِكِ بادشاہ حقیقی
الْقُدُّوْسِ کمال پاک	الْعَزِيْزِ غالب	الْحَكِيْمِ حکمت والا				

تفسیر وتشریح: سورۃ کی ابتدا اللہ تبارک وتعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کے ذکر سے فرمائی گئی کہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اس خدا کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کہ تمام عالم کا بادشاہ۔ اور تمام عیوب ونقائص سے پاک اور نہایت زبردست اور بڑا حکمت والا ہے۔ اس تمہیدی مضمون میں مسئلہ توحید کا بیان عجیب لطیف پیرایہ میں فرمادیا گیا۔ یہ فرمانا کہ تمام کائنات اسی کی تسبیح کر رہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی کے مسخر اور زیرحکم ہیں۔ زمین کے حالات اور آفتاب و ماہتاب اور دیگر ستاروں اور سیاروں کی حالت کہہ رہی ہے کہ کوئی طاقت ہے جس کے زیرحکم یہ سب ایک خاص نظام کے ماتحت حرکت کرنے پر مجبور ہیں۔ پھر یہ آفتاب اور دیگر یہ سیارات جو زمین سے ہزاروں حصہ بڑے اور کروڑوں میل دور ہیں اور اس سرعت کے ساتھ دورہ کرتے ہیں کہ منٹوں میں ہزارہا میل کا فاصلہ طے کرتے ہیں۔ پھر یہ بے شمار ہونے میں آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرانے نہیں پاتے تو ان کی یہ حالت اپنے خالق۔ مالک اور مدبر کی تسبیح ہی تو ہے۔ پھر احادیث میں آیا ہے کہ آسمانوں پر ایک چپہ بھر بھی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں ملائکہ حق تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل نہ کرتے ہوں اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ یہ انسان کیوں باطل معبودوں کی پرستش میں گرفتار ہے اس کو بھی اسی کی تسبیح کرنی چاہئے جس کی تسبیح کائنات کی ہر چیز کر رہی ہے اور جو ملک ہے یعنی زمین وآسمان کا بادشاہ۔ حاکم مطلق اور تمام کائنات پر پورا تصرف اور اٹل حکم جاری کرنے والا۔ پھر وہ قدوس بھی ہے یعنی تمام نقصانات سے پاک اور تمام عیوب سے مبرا۔ اور تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف۔ پھر وہ عزیز یعنی زبردست بھی ہے یعنی تمام عزت اور غلبہ اسی کو ہے۔ اس سے لڑکر کوئی جیت نہیں سکتا۔ اس کے فیصلہ کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ پھر یہ کہ وہ حکیم بھی ہے یعنی جو کچھ کرتا ہے وہ عین مقتضائے حکمت ودانش ہوتا ہے۔ اس کی تدبیریں ایسی محکم ہوتی ہیں کہ دنیا میں ان کا کوئی توڑ نہیں کرسکتا۔ اس صفت حکیم میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انتظام دنیاوی جس طرح اس کی حکمت بالغہ کا مقتضی ہے اسی طرح دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا۔ کتابوں کا نازل کرنا بھی بندوں کی آخرت درست کرنے کے لئے اسی حکیم کی حکمت کاملہ کا مقتضی ہے۔

اب یہاں توحید کا بیان فرما کر اس کے بعد اگلی آیات میں مسئلہ نبوت ورسالت کو بیان فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور اُن کو

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢﴾ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۚ

کتاب اور دانشمندی سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔ اور دوسروں کیلئے بھی جو ان میں سے ہونے والے ہیں لیکن ہنوز اُن میں شامل نہیں ہوئے

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣﴾ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٤﴾

اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے وہ فضل جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

هُوَ الَّذِي وہی جس نے	بَعَثَ اٹھایا بھیجا	فِي الْأُمِّيِّينَ ان پڑھوں میں	رَسُولًا ایک رسول	مِّنْهُمْ ان میں سے	يَتْلُوا پڑھ کر سناتا ہے	عَلَيْهِمْ انہیں
آيَاتِهِ اسکی آیتیں	وَيُزَكِّيهِمْ اور وہ انہیں پاک کرتا ہے	وَيُعَلِّمُهُمُ اور سکھاتا ہے	الْكِتَابَ کتاب	وَالْحِكْمَةَ اور حکمت (دانشمندی کی باتیں)		
وَإِن كَانُوا اور تحقیق وہ تھے	مِن قَبْلُ اس سے قبل	لَفِي ضَلَالٍ البتہ گمراہی میں	مُّبِينٍ کھلی	وَآخَرِينَ اور علاوہ	مِنْهُمْ ان کے	لَمَّا يَلْحَقُوا کہ وہ ابھی نہیں ملے
بِهِمْ ان سے	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيزُ غالب	الْحَكِيمُ حکمت والا	ذَٰلِكَ یہ	فَضْلُ اللَّهِ اللہ کا فضل	يُؤْتِيهِ وہ دیتا ہے اسے
مَن جس کو	يَشَاءُ وہ چاہتا ہے	وَاللَّهُ اور اللہ	ذُو الْفَضْلِ فضل والا	الْعَظِيمِ بڑے		

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیت میں مضمون توحید سے سورۃ کی ابتدا فرمائی گئی تھی توحید کے بعد مسئلہ نبوت و رسالت کا مضمون بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں سے یعنی ان کی قوم سے ایک رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا۔ پھر آپ کی بعثت کے اغراض و مقاصد کیا تھے؟ آپ کو رسول کس کام کے لئے بنا کر بھیجا گیا؟ اس کے جواب میں چار چیزوں کا صراحتہً ذکر فرمایا گیا:۔

پہلی چیز بعثت نبوی کے مقاصد میں فرمائی گئی یتلوا علیھم ایٰته جو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں یعنی تلاوت قرآن کے ذریعہ اللہ کا کلام پہنچانا۔

دوسری غرض فرمائی گئی ویزکیھم یعنی جو دلوں کو پاک کرتے ہیں عقائد باطلہ سے اور اخلاق ذمیمہ سے یعنی لوگوں کے اخلاق۔ عادات اور معاملات کو ہر طرح کی برائیوں اور گندگیوں سے پاک فرما کر ان کو اعلیٰ درجہ کے اخلاقی فضائل سے آراستہ کرتے ہیں۔

تیسری غرض فرمائی گئی ویعلمھم الکتٰب. اور ان کو کتاب کی تعلیم دیتے ہیں یعنی صرف آیات الٰہیہ سنانے ہی پر اکتفا نہیں فرماتے بلکہ ہر وقت اپنے قول و عمل سے اپنی تعلیمات اور ارشادات سے اور اپنی زندگی کے نمونہ سے لوگوں کو کتاب الٰہی کا منشا۔ اس کے احکام اور اسرار و معانی بھی سمجھاتے ہیں۔

چوتھی چیز فرمائی والحکمة یعنی حکمت اور دانائی کی باتیں بھی آپ سکھاتے ہیں۔ اس میں تمام امور وقوانین عدل وانصاف۔ سیاست و اخلاق وطہارت ظاہری و باطنی یعنی جملہ احکام و مسائل شرعیہ ان کے اسرار ومصالح سب حکمت میں داخل ہیں۔

اہل عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جس گمراہی میں مبتلا تھے اس کے متعلق مؤرخین نے بہت کچھ لکھا ہے

اسی قوم عرب میں سے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغمبر بنا کر اٹھایا اور ایک عظیم الشان شریعت اور کامل و مکمل دین دے کر دنیا والوں کی طرف بھیجا کہ اس فساد کی اصلاح کریں۔ اہل دنیا کو اصل احکام الٰہیہ پہنچائیں۔ خدا کی مرضی اور نا مرضی کے احکام لوگوں کو معلوم کرا دیں۔ ساری مخلوق کے ہادی

بنیں۔ اصول و فروع سب سکھائیں۔ کوئی چھوٹی یا بڑی بات ہدایت کی نہ چھوڑیں۔ تمام جہل وضلالت کے شک وشبہ سب دور کردیں اور ایسے دین پر لوگوں کو ڈال دیں جس میں ہر بھلائی اور بہتری موجود ہو۔ اس بلند و بالا خدمت کے لئے آپ میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام بزرگیاں اور برتریاں جمع کردیں جو نہ آپ سے پہلے کسی میں تھیں اور نہ آپ کے بعد کسی میں ہوسکیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور پھر یہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور یہ آفتاب ہدایت صرف عرب قوم تک محدود ہو۔ نہیں بلکہ دنیا بھر کی ان دوسری قوموں اور نسلوں کے لئے بھی ہے جو قیامت تک آنے والی ہیں۔ یہ اللہ کی قدرت وحکمت کا کرشمہ ہے کہ ایسی جہالت وضلالت میں ڈوبی ہوئی قوم میں اللہ نے ایسا عظیم الشان نبی پیدا کیا جس کی تعلیم وہدایت سے تمام نوع انسانی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنمائی حاصل کرسکتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اور اس کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فضل خاص اور بڑائی و بزرگی عنایت فرمائی گئی وہ جتلا کر مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس انعام و اکرام کی قدر پہچاننی چاہئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتزکیہ سے مستفید اور منتفع ہونے میں کوتاہی نہ کرنا چاہئے۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ کوئی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی بات ایسی باقی نہیں چھوڑی جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور کھلے ہوئے احکام نہ بیان فرمادئے ہوں اور ان کے نفع ونقصان نہ بتادیئے ہوں۔ اور پھر یہ سب کچھ محض زبانی تعلیم وتلقین نہیں بلکہ اللہ کے سچے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور آپ کی عاشق اور فریفتہ جماعت صحابہ کرامؓ نے ان سب کو عملی جامہ پہنا کر اور ان پر عمل کر کے تجربہ بھی کرادیا۔ مگر واہ رے ہماری اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدردانی! کیا خوب آپ کی تعلیمات و ہدایات کا اتباع کیا! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ہدایت۔ تعلیم وتلقین اور ایک ایک حرکت وسکون حضرات صحابہ کرام ومحدثین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طفیل آج کتابوں میں محفوظ ہے۔ اگر ایک طرف ان کو سامنے رکھا جائے اور دوسری طرف ہم اپنے حالات کو سامنے رکھیں تو بلا شک وتردد یہی فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہم کس ظلم عظیم کے مرتکب ہورہے ہیں۔ الامان والحفیظ! جتنی ہدایات واحکام کرنے کے ملیں گے ان میں نہ صرف تغافل وتساہل بلکہ انکار تک ملے گا اور جتنی ہدایات اور امور نہ کرنے کے ہوں گے ان میں نہ صرف کھلم کھلا ابتلا ملے گا بلکہ جرأت و بے باکی بھی ہوگی۔ الامان والحفیظ! یہ ہے ہماری اس نبی رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدردانی کہ جن کی تمام رات امت کے درد میں روتے گذر جاتی تھی۔ اور جن کی مقبول دعاؤں کی برکت ہے کہ باوجود ہر طرح کے معاصی وطغیان کے سب کے سب ہلاک نہیں ہوجاتے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بصیرت عطا فرمائیں کہ ہم اپنے نبی رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدردان بن کر آپ کے سچے پکے اور وفادار امتی بن کر زندہ رہیں۔ آمین۔

اب آگے اہل اسلام کی عبرت ونصیحت کے لئے یہود کی مثال بیان فرمائی جاتی ہے جنہوں نے اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب کی حق شناسی میں سخت غفلت اور کوتاہی برتی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔

یا اللہ ہمیں اس نعمت عظمیٰ کی سچی قدر اور حقیقی شکر گذاری کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ ہمارے دلوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ونور ہدایت سے منور فرما۔ اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور آپ کی عظمت اور آپ کا اتباع ظاہراً و باطناً نصیب فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ

جن لوگوں کو توارۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اس گدھے کی سی حالت ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

ان لوگوں کی بُری حالت ہے جنہوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا، اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے یہودیو!

هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ

اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم بلا شرکت غیرے اللہ کے مقبول ہو تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔

صٰدِقِيْنَ ۝۶ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷

اور وہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں کی۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

آپ کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو آ پکڑے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر جاننے والے کے پاس لیجائے جاؤ گے

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸

پھر وہ تم کو تمہارے سب کیے ہوئے کام بتلا دے گا۔

مَثَلُ مثال	الَّذِيْنَ جن لوگوں پر	حُمِّلُوا ان پر لادی گئی	التَّوْرٰىةَ توریت	ثُمَّ پھر	لَمْ يَحْمِلُوْهَا انہوں نے نہ اٹھایا اسے	كَمَثَلِ مثال کی طرح	
الْحِمَارِ گدھا	يَحْمِلُ وہ لادے ہوئے	اَسْفَارًا کتابیں	بِئْسَ بری	مَثَلُ مثال (حالت)	الْقَوْمِ وہ لوگ	الَّذِيْنَ جنہوں نے	كَذَّبُوْا انہوں نے جھٹلایا
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیتوں کو	وَاللّٰهُ اور اللہ	لَا يَهْدِي ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ظالم لوگوں	قُلْ آپ فرمادیں	يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ هَادُوْا یہودیو	
اِنْ اگر	زَعَمْتُمْ تمہیں زعم (گھمنڈ) ہے	اَنَّكُمْ کہ تم	اَوْلِيَاۗءُ دوست	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	مِنْ سے	دُوْنِ النَّاسِ دوسرے لوگوں کے علاوہ	
فَتَمَنَّوُا تو تم تمنا کرو	الْمَوْتَ موت	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اور وہ اسکی تمنا نہ کریں گے	اَبَدًا کبھی بھی	
بِمَا اسکے سبب جو	قَدَّمَتْ بھیجا آگے	اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھوں	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِيْمٌ خوب جانتا ہے	بِالظّٰلِمِيْنَ ظالموں کو		
قُلْ آپ فرمادیں	اِنَّ الْمَوْتَ بیشک موت	الَّذِيْ جس سے	تَفِرُّوْنَ تم بھاگتے ہو	مِنْهُ اس سے	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	مُلٰقِيْكُمْ تمہیں ملنے والی	
ثُمَّ پھر	تُرَدُّوْنَ تم لوٹائے جاؤ گے	اِلٰى طرف۔ سامنے	عٰلِمِ الْغَيْبِ جاننے والا پوشیدہ	وَالشَّهَادَةِ اور ظاہر	فَيُنَبِّئُكُمْ پھر وہ تمہیں آگاہ کردیگا		
بِمَا اس سے جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے						

تفسیر وتشریح: ان آیات میں عبرت کے لئے یہود کی مثال بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہود پر آسمانی کتاب توراۃ کا بوجھ رکھا گیا تھا اور وہ اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے لیکن انہوں نے اس کی تعلیمات و ہدایات کی کچھ پروا نہ کی۔ نہ اس کو محفوظ رکھا۔ نہ دل میں جگہ

دی۔ نہ اس پر عمل کر کے اللہ کے فضل واحسان سے بہرہ ور ہوئے۔ بلا شبہ یہ توراۃ جس کے یہ لوگ حامل بنائے گئے تھے حکمت وہدایت کا ایک ربانی خزینہ تھا مگر جب اس سے وہ منتفع نہ ہوئے تو ان کی مثال اس گدھے جیسی ہوگئی کہ جس پر علم وحکمت کی پچاسوں کتابیں لاد دو مگر اس گدھے کو سوائے بوجھ میں دبنے کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ اس گدھے کو اس بات سے کچھ سروکار نہیں کہ اس کی پیٹھ پر کیا لعل وجواہر لدے ہوئے ہیں اور اگر وہ گدھا اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں لہٰذا میں بڑا عالم اور معزز ہوں تو یہ اور زیادہ گدھا پن ہوگا۔ اس مثال کو بیان فرما کر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بری قوم ہے وہ جس کی یہ مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس برائی سے امت مسلمہ کو اپنی پناہ میں رکھیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ وغیرہ میں جو بشارت نبی آخر الزمان کی دی تھی اور جو دلائل وبراہین آپ کی رسالت پر قائم کیں ان کو جھٹلانا آیات اللہ کو جھٹلانا ہے۔ ایسے معاند۔ ہٹ دھرم اور بے انصاف لوگوں کو (اشارہ یہود کی طرف ہے) اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ یہود جو کتابوں سے لدے ہوئے گدھے کے مشابہ ہیں اپنے جہل وحماقت کے باوجود دعوٰی یہ کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے کے باعث ہم ہی اللہ کے دوست اور ولی اور تنہا جنت کے حقدار ہیں۔ پس دنیا سے چلے اور جنت میں پہنچے۔ یہود کے اس باطل دعوے پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر واقعی یہ دل میں یہی یقین رکھتے ہیں اور اپنے دعوے میں سچے ہیں تو انہیں دنیا کے عیش سے دل برداشتہ ہو کر جنت کے شوق اور تمنا میں مرنے کی آرزو کرنا چاہئے۔ جس کو یقیناً معلوم ہو جائے کہ میرا اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہے اور کوئی خطرہ نہیں وہ بے شک مرنے سے خوش ہوگا اور جنت کے اشتیاق میں موت کی تمنا کرے گا لیکن ان جھوٹے مدعیوں کے افعال وحرکات پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ان سے بڑھ کر موت سے ڈرنے والا کوئی نہیں۔ وہ مرنے کا نام سن کر گھبراتے ہیں اور موت سے بھاگتے ہیں اور اسلئے نہیں کہ زیادہ دن زندہ رہیں تو زیادہ نیکیاں کمائیں گے۔ نہیں بلکہ دنیا کی حرص سے ان کا پیٹ نہیں بھرتا اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جو کرتوت دنیا میں کیئے ہیں یہاں سے چھوٹتے ہی انکی سزا میں پکڑے جائیں گے۔ غرض کہ ان کے اطوار وافعال سے یہ بالکل ظاہر ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے موت کی آرزو نہیں کر سکتے بلکہ موت سے ڈر کر بھاگتے ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ موت سے ڈر کر کہاں بھاگ سکتے ہو۔ ہزار کوشش کرو۔ مضبوط قلعوں میں دروازے بند کر کے بیٹھ رہو وہاں بھی موت چھوڑنے والی نہیں اور موت کے بعد پھر وہی اللہ کی عدالت ہے اور تم ہو۔ اس عالم الغیب کو تمہاری ہر کھلی چھپی حالت اور بات کا علم ہے اس وقت جو جو دنیا میں کیا کرتے تھے سب جتلا دیا جائیگا۔

الغرض یہاں تو یہود کی حالت عبرت کے لئے سنائی گئی۔ جہاں تک ان کا اپنی آسمانی کتاب یعنی توراۃ پر عمل کا تعلق تھا۔ اب آگے انہی یہود کی ایک دوسری حالت ان کے متبرک دن یوم سبت کے متعلق بتلا کر اس پر اہل اسلام کو خطاب کر کے عبرت دلائی جاتی ہے کہ وہ اپنے متبرک دن یوم جمعہ کی عظمت اور احترام بجالائیں اور جمعہ کی نماز کے بعض احکام تلقین فرمائے گئے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا اور ہم کو قرآن کریم جیسی کتاب عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے رسول اور اپنی کتاب قرآن کریم کا وفادار اور اطاعت گذار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ اور اس وقت امت مسلمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق وعظمت میں جو کوتاہی ہو رہی ہے اور جو قرآن کریم کے احکامات سے غفلت اور اعراض برتا جارہا ہے ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرمادیں اور ہماری ہدایت کی صورتیں غیب سے ظاہر فرمادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا

اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کیلئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد کی طرف چل پڑا کرو اور خرید فروخت چھوڑ دیا کرو،

الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨

یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ایمان والو	اِذَا جب	نُوْدِيَ پکارا جائے	لِلصَّلٰوةِ نماز کیلئے	مِنْ سے۔کی	يَوْمِ الْجُمُعَةِ جمعہ کا دن	
فَاسْعَوْا تو تم لپکو	اِلٰى طرف	ذِكْرِ اللّٰهِ اللہ کی یاد	وَذَرُوا اور تم چھوڑ دو	الْبَيْعَ خرید و فروخت	ذٰلِكُمْ یہ	خَيْرٌ بہتر	لَّكُمْ تمہارے لئے
اِنْ اگر	كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے ہو						

تفسیر و تشریح: یہاں اس آیت میں نماز جمعہ اذان جمعہ۔ اذان کے بعد خرید فروخت کا ترک کر دینا اور نماز کے لئے سعی کرنے کے احکام دیئے گئے ہیں۔ یہاں موقع کی مناسبت سے ان جملہ امور کے متعلق جو آیت میں مذکور ہیں قدرے تفصیلی بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے سب سے پہلے یوم الجمعۃ یعنی جمعہ کے دن کے فضائل بیان کئے جاتے ہیں۔

فضیلت یوم الجمعۃ:۔ صحیح مسلم شریف کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام دنوں سے بہتر جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور پھر اسی دن وہ جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت کا وقوع بھی اسی دن ہوگا۔

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ تمہارے سب دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے۔ اسی دن صور پھونکا جائیگا۔ اس روز کثرت سے مجھ پر درود شریف پڑھا کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہفتہ کا ایک دن عبادت کے لئے مخصوص کرنے اور اس کو شعار ملت قرار دینے کا رواج اہل کتاب یہود میں موجود تھا۔ یہود نے اس غرض کے لئے سبت یعنی سنیچر کا دن مقرر کیا تھا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دی تھی۔ نصاریٰ نے اپنی ملت کو یہود سے علیحدہ رکھنے کے لئے اپنا شعار ملت اور عبادت کا دن اتوار کو قرار دیا۔ اس خیال سے کہ یہ دن ابتدائے آفرینش کا ہے یا اس خیال سے جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ (معاذ اللہ) صلیب پر جان دینے کے بعد حضرت عیسیٰ اسی روز قبر سے نکل کر آسمان کی طرف گئے تھے۔ بہرحال عیسائیوں نے اتوار کو اپنی عبادت کا دن مقرر کیا۔ شریعت اسلامیہ نے ان دونوں ملتوں سے اپنی ملت کو جدا رکھنے کے لئے جمعہ کو اجتماعی عبادت کے لئے اختیار کیا۔ احادیث کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی فرضیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے قبل مکہ معظمہ ہی میں معلوم ہوگئی تھی مگر غلبہ کفر کے سبب سے اس کے ادا کرنے کا موقع نہ ملتا۔ بعد ہجرت کے مدینہ منورہ میں تشریف لاتے ہی آپ نے نماز جمعہ شروع کر دی۔ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے آپ پیر کے روز قبا پہنچے۔ چار دن وہاں قیام فرمایا۔ پانچویں دن جمعہ کے روز وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں نماز جمعہ کا وقت آ گیا اور آپ نے پہلا جمعہ ادا فرمایا۔ نماز جمعہ شریعت اسلامیہ میں فرض عین ہے۔ قرآن مجید اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اعظم شعائر اسلام سے ہے۔ منکر اس کا کافر ہے اور بے عذر اس کا تارک فاسق گناہ گار ہے۔ نماز جمعہ کی فضیلت اور تاکید اور اس کے ترک پر وعید بہت سی احادیث صحیحہ میں آئی ہیں۔ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل و

طہارت بقدر امکان کرے بعد اس کے اپنے بالوں میں تیل لگائے اور خوشبو کا استعمال کرے اس کے بعد نماز کے لئے چلے اور جب مسجد میں آئے تو کسی آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر نہ بیٹھے۔ پھر جس قدر نوافل اس کی قسمت میں ہوں۔ پڑھے جب امام خطبہ پڑھنے لگے تو سکوت کرے تو گزشتہ جمعہ سے اس وقت تک کے گناہ اس شخص کے معاف ہو جائیں گے۔

اب اس جمعہ کے آداب جو احادیث میں فرمائے گئے ہیں اور جو سلف برتتے تھے وہ بھی مختصراً ملاحظہ ہوں۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ جمعہ کا اہتمام جمعرات سے کرے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے جمعرات کے دن بعد عصر کے استغفار وغیرہ زیادہ کرے اور اپنے پہننے کے کپڑے صاف کر رکھے اور خوشبو گھر میں نہ ہو اور ممکن ہو تو اسی دن لا کر رکھ لے تاکہ پھر جمعہ کے دن اس کو ان کاموں میں مشغول ہونا نہ پڑے۔ بزرگان سلف نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ جمعہ کا فائدہ اس کو ملے گا جو اس کا منتظر رہتا ہو اور اس کا اہتمام جمعرات سے کرتا ہو اور سب سے زیادہ بدنصیب وہ ہے جس کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ جمعہ کب ہے حتیٰ کہ صبح کو لوگوں سے پوچھے کہ آج کون دن ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ جامع مسجد میں بہت سویرے جائے جو شخص جتنا سویرے جائے گا اسی قدر اس کو ثواب ملے گا۔

آگے امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں شرم نہیں آتی یہود و نصاریٰ سے کہ وہ لوگ اپنی عبادت کے دن یعنی یہود سنیچر کو اور نصاریٰ اتوار کو اپنے عبادت خانوں اور گرجا گھروں میں کیسے سویرے جاتے ہیں اور طالبان دنیا کتنے سویرے بازاروں میں خرید فروخت کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔ پس طالبان دین کیوں پیش قدمی نہیں کرتے۔

الغرض یہاں اس آیت میں اہل اسلام کو براہ راست خطاب کر کے حکم دیا گیا کہ جب جمعہ کی اذان ہو تم ذکر اللہ کی طرف دوڑو۔ فاسعوا کے لفظی معنیٰ دوڑنے کے ہیں۔ لیکن دوڑنے سے یہاں مراد بھاگنے کے نہیں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کھڑی ہو تو اس کی طرف سکون و وقار کے ساتھ چل کر آؤ۔ بھاگتے ہوئے نہ آؤ پھر جتنی نماز بھی مل جائے اس میں شامل ہو جاؤ اور جتنی چھوٹ جائے اسے بعد میں پورا کر لو۔ تو مفسرین نے بالاتفاق یہاں فاسعوا سے مراد اہتمام اور مستعدی کے لئے ہیں یعنی اذان کی آواز سن کر فوراً مسجد پہنچنے کی فکر میں لگ جائے۔ یہاں مفسرین نے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ جس اذان کا یہاں ذکر ہے وہ وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے۔ حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمعہ کی صرف ایک ہی اذان ہوتی تھی اور وہ آپ کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں جب آبادی بڑھ گئی تو آپ نے پہلے ایک اذان اور دلوانی شروع کر دی اور تمام صحابہ کے اجماع سے مقرر ہوئی۔ چنانچہ اب تک ملت اسلامیہ میں جمعہ کی دو اذانیں رائج ہیں۔ اور آیت کے اس حکم کے ماتحت کہ جب جمعہ کے روز نماز کی اذان کہی جائے تو خرید فروخت چھوڑ دیا کرو فقہائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد بیع یعنی خرید فروخت اور ہر قسم کا کاروبار حرام ہے۔ اور حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ حرمت بیع میں پہلی اذان کا حکم بھی مثل دوسری اذان کے ہے باتفاق فقہائے امت یہاں بیع سے مراد فقط فروخت کرنا نہیں۔ بلکہ ہر وہ کام جو جمعہ کی طرف اذان جمعہ کے بعد جانے کے اہتمام میں مخل ہو وہ سب بیع کے مفہوم میں داخل ہے۔ اس لئے اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا۔ سونا۔ کسی سے بات کرنا یہاں تک کہ کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب ممنوع ہیں۔ صرف جمعہ کی تیاری کے متعلق جو کام ہوں وہ کئے جا سکتے ہیں۔

یہ احکام تو آیت میں نماز و خطبہ سے متعلق نماز جمعہ سے پہلے کے تھے اب جب نماز جمعہ سے فارغ ہو چکے تو اس کے بعد کے احکام اگلی آیت میں ظاہر فرمائے گئے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا

پھر جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین پر چلو اور خدا کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو

اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ

تاکہ تم کو فلاح ہو۔ اور وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کیلئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو

قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ جو چیز خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے۔

فَاِذَا پھر جب	قُضِيَتِ پوری ہو چکے	الصَّلٰوةُ نماز	فَانْتَشِرُوْا تو تم پھیل جاؤ	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَابْتَغُوْا اور تم تلاش کرو	مِنْ سے			
فَضْلِ اللّٰهِ اللہ کا فضل	وَاذْكُرُوا اور تم یاد کرو	اللّٰهَ اللہ	كَثِيْرًا بکثرت	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تُفْلِحُوْنَ فلاح پاؤ	وَاِذَا اور جب			
رَاَوْا وہ دیکھتے ہیں	تِجَارَةً تجارت	اَوْ یا	لَهْوَا کھیل تماشہ	اِنْفَضُّوْا وہ دوڑے جاتے ہیں	اِلَيْهَا اس کی طرف	وَتَرَكُوْكَ اور آپ کو چھوڑ جاتے ہیں			
قَآئِمًا کھڑا	قُلْ فرما دیں	مَا جو	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	خَيْرٌ بہتر	مِنَ سے	اللَّهْوِ کھیل تماشہ	وَ اور	مِنَ سے	التِّجَارَةِ تجارت
وَاللّٰهُ اور اللہ	خَيْرُ بہتر	الرّٰزِقِيْنَ رزق دینے والا							

تفسیر وتشریح: اس آیت میں فرمایا کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو چکو تو تمہیں اجازت ہے کہ اپنے کاروبار اور رزق و روزی کی تلاش میں چلو پھرو لیکن اپنے کاروبار میں لگ کر بھی اللہ کو نہ بھولو بلکہ ہر حال میں کو یاد رکھو۔ تسبیح وتحمید۔ استغفار۔ ذکر قلبی۔ ذکر لسانی سے ہر حال میں اللہ کو یاد رکھو گویا دست بکار اور دل بیار کے مصداق بنے رہو۔ اسی لئے سنت ہے کہ جب کوئی بازار جائے تو یہ کلمہ پڑھے لاالٰه الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحي ويميت وهو علىٰ كل شيء قدير. حدیث شریف میں اس کے بڑے فوائد مذکور ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بازار میں داخل ہونے کے وقت یہ کلمہ مبارک پڑھے اس کے لئے ایک لاکھ ثواب لکھے جاتے ہیں اور ایک لاکھ گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور ایک لاکھ درجات بلند کئے جاتے ہیں اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنایا جاتا ہے یہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے اور بعض صحابہ کرام سے مروی ہے کہ وہ کبھی صرف اس کلمہ کو پڑھنے

اور اس کا ثواب عظیم حاصل کرنے کے لئے ہی بازار جایا کرتے تھے۔ سبحان اللہ ان حضرات کے تقویٰ اور ذکر کرنے بازاروں کو بھی ان کے لئے گویا مساجد بنا دیا تھا اور وہ دنیا کے بازاروں میں سے بھی آخرت کا سامان اور عظیم الشان نفع ڈھونڈھ لیتے تھے۔ لیکن افسوس آج ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ ہم نے مساجد کو بھی بازار بنا رکھا ہے۔ الا ماشآء اللہ۔ بہر حال مسجد سے فارغ ہو کر بھی ہر حال میں کثرت ذکر کا حکم دیا گیا اور ساتھ ہی بغرض ترغیب اس کا نفع بھی بتلا دیا لعلكم تفلحون تاکہ تمہارا دین دنیا کا بھلا ہو۔ تم کو دونوں جہان کی فلاح حاصل ہو۔ خاتمہ کی آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ فرما کر ہدایت وتنبیہ کی جاتی ہے جس کا ذکر سورۃ کے ابتدائی درس میں کیا گیا تھا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے۔ اسی وقت ایک تجارتی قافلہ شام سے غلہ لے کر آ پہنچا۔ قافلہ کے ساتھ اعلان کی غرض سے ڈھول وتاشہ ونقارہ وغیرہ بجتا تھا۔ پہلے سے شہر میں اناج کی کمی تھی۔ لوگ دوڑے کہ اس کو

ٹھہرائیں۔ چونکہ اس وقت تک خطبہ کے احکام معلوم نہ تھے اس لئے اکثر لوگ حاضرین میں سے قافلہ کی ٹھہرنے کی جگہ چلے گئے۔ صرف ۱۲ انفوس جن میں حضرات خلفائے راشدینؓ بھی شامل تھے باقی رہ گئے۔ اسی واقعہ کے متعلق یہ آخری آیت نازل ہوئی۔

حضرت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا جواب لکھا کہ جو صحابہ اٹھ کر چلے گئے تھے وہ ان کی ابتدائی حالت تھی۔ خطبہ کے احکام معلوم نہ تھے پھر بعض روایت کے مطابق زمانہ قحط اور بھوک کا تھا۔ پھر کبرائے صحابہ سے اس کا صدور نہیں ہوا۔ پھر جانے والے حضرات کی یہ اجتہادی غلطی تھی۔ بعض روایات احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ابتدا میں خطبہ بعد نماز کے ہوا کرتا تھا جیسے اب بھی عیدین میں ہوتا ہے تو یہ حضرات یوں سمجھے کہ نماز جو اصل مقصود ہے وہ ہو ہی چکی ہے خطبہ اگر نہ سنا جائے تو کچھ حرج نہیں اور خیال کیا کہ خطبہ کا حکم عام وعظوں کی طرح ہے اس لئے اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اسی واقعہ کے متعلق آیت میں اشارہ فرما کر تادیب وتنبیہ فرمائی جاتی ہے کہ سوداگری اور دنیا کا کھیل تماشہ کیا چیز ہے۔ وہ ابدی دولت حاصل کرو جو اللہ کے پاس ہے اور جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور مجالس ذکر میں ملتی ہے باقی قحط کی وجہ سے روزی کا کھٹکا جس کی بنا پر تم اٹھ کر چلے گئے سو یاد رکھو کہ روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہی بہترین روزی دینے والا ہے وہ طاعات ضروریہ میں مشغول رہنے پر بھی رزق مقدر پہنچاتا ہے جب یہ آخری آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے معاملہ میں اپنا طرز عمل بدل دیا اور نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے کا معمول بنالیا اور یہی اب سنت ہے

خلاصہ یہ کہ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد تجارتی کاروبار اور اپنے دوسرے رزق حاصل کرنے کے ذرائع کا اہتمام سب کر سکتے ہیں بلکہ بزرگان دین اور سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد تجارتی کاروبار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ۷۰ مرتبہ برکات نازل فرماتے ہیں۔ ہاں بعد نماز جمعہ اور کسب معاش وتجارت وغیرہ میں یہ تاکید ضرور فرمائی گئی ہے کہ خداوند قدوس کے ذکر وفکر سے پھر بھی غافل نہ رہو۔ کفار کی طرح غافل ہو کر تجارت یا کسب میں نہ لگو بلکہ مشغلہ تجارت اور خرید وفروخت اور مزدوری وغیرہ کے وقت بھی اللہ کی یاد جاری رکھو۔ ایک صحابی حضرت عراک بن مالکؓ کا یہ عمل لکھا ہے کہ وہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو کر باہر آتے تو دروازہ مسجد پر کھڑے ہو کر یہ دعاء کرتے:۔

”یا اللہ میں نے آپ کے حکم کی اطاعت کی اور آپ کا فرض ادا کیا اور جیسا کہ آپ نے حکم دیا ہے نماز پڑھ کر باہر جاتا ہوں۔ آپ اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرمائیے اور آپ سب سے بہتر رزق دینے والے ہیں“۔

الحمد للہ سورہ جمعہ کا بیان ختم ہوا۔ اب آئندہ درس میں سورہ منافقون کا بیان شروع ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سورة الجمعہ کے خواص

جو آدمی سورة الجمعہ کی تلاوت ہمیشہ کرتا رہے وہ شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے۔

ذلک فضل اللہ ...... مکمل آیت

اس آیت کو کسی سیپ میں جمعہ کے دن لکھ کر اپنے مال وغیرہ میں رکھ دے تو اس میں برکت ہوگی اور اللہ کے حکم سے وہ محفوظ رہے گا۔ (الدرر النظیم)

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یوم جمعہ اور نماز جمعہ کے حقوق بجالانے کی سعادت نصیب فرمائیں۔ اور ہم کو ظاہراً وباطناً شریعت مطہرہ کی پابندی ہر حال میں نصیب فرمائیں۔ اور اپنے ہمہ وقت ذکر وفکر کی توفیق حسن عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو درست کرنے میں ہماری امداد فرمائیں اور کوئی دنیوی مشغلہ اور تجارت ہم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر سے مانع نہ بنے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ط

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں،

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ①

اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔

اِذَا جَآءَكَ جب آپکے پاس آتے ہیں	الْمُنٰفِقُوْنَ منافق	قَالُوْا وہ کہتے ہیں	نَشْهَدُ ہم گواہی دیتے ہیں	اِنَّكَ بیشک آپ	لَرَسُوْلُ اللّٰهِ البتہ اللہ کے رسول
وَاللّٰهُ اور اللہ	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	اِنَّكَ یقیناً آپ	لَرَسُوْلُهٗ البتہ اس کے رسول	وَاللّٰهُ جبکہ اللہ	يَشْهَدُ گواہی دیتا ہے
اِنَّ بیشک	الْمُنٰفِقِيْنَ (جمع) منافق	لَكٰذِبُوْنَ البتہ جھوٹے			

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کے پہلے ہی فقرہ میں اذا جاء ک المنفقون کے الفاظ آئے ہیں (یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں) چونکہ اس سورۃ میں منافقین کے اقوال اور طرز عمل پر تبصرہ فرمایا گیا ہے اس لئے اس سورۃ کا نام ہی منافقون مقرر ہوا۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور ایک خاص واقعہ اس سورۃ کا سبب نزول ہے

جس خاص واقعہ کے بارہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی ہے اس کو بیان کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ مدینہ کے منافقین کے بارہ میں کچھ تاریخی معلومات بیان کر دی جائے مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے اور مدینہ طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے مدینہ میں دو مشہور قبیلے آباد تھے اوس اور خزرج۔ اور یہ دونوں قبیلہ ایک عرصہ تک آپس کی خانہ جنگی میں مبتلا رہے آخر کو تھک کر یہ دونوں قبیلہ اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ یہ اپنا کسی کو بادشاہ بنا کر اس کے ماتحت رہیں۔ چنانچہ انہوں نے قبیلے خزرج کے رئیس عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانا طے کر لیا تھا۔ تاج بھی اس کے لئے بنا لیا گیا تھا اور تاج پوشی کی رسم کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اسی درمیان میں اسلام کا چرچا بھی مدینہ میں پہنچ چکا تھا اور دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کے بعض بااثر لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے تھے حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ پہنچے ہیں تو اوس وخزرج کے اکثر گھرانوں میں اسلام پھیل چکا تھا اور وہ انصار مدینہ بن چکے تھے۔ عبداللہ بن ابی بے بس سا ہو گیا اور اس کی تاجپوشی کھٹائی میں پڑ گئی اب اس کو اپنی سرداری بچانے کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ وہ بھی مسلمانوں میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی جو بعد میں اسلامی تاریخ میں رئیس المنافقین کے لقب سے مشہور ہوا یہ بھی اپنے بہت سے حامیوں کے ساتھ جن میں اوسی اور خزرجی دونوں شامل تھے بظاہر داخل اسلام ہو گیا حالانکہ دل ان سب کے جل رہے تھے اور خاص کر عبداللہ بن ابی کو تو اس کا بڑا غم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے سے اس کی بادشاہی چھن گئی۔

اب اس واقعہ کو مختصراً سنیئے کہ جب اس سورۃ کا نزول ہوا۔ ایک غزوہ سے واپسی کے سفر میں دو مسلمانوں میں کچھ ترش کلامی کی نوبت

آ گئی۔ ایک مہاجرین میں سے تھے ایک انصار کے۔ دونوں نے اپنی حمایت کے لئے اپنی جماعت کو پکارا قریب تھا کہ بات بڑھ جاتی لیکن یہ شور سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ تم لوگ کہاں اور یہ جاہلیت کی پکار کہاں؟ اسے چھوڑو یہ بڑی گندی چیز ہے۔ اس پر دونوں طرف کے صالح لوگوں نے آگے بڑھ کر معاملہ رفع دفع کرادیا۔ یہ خبر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو بھی پہنچی جو اتفاق سے مسلمانوں کے اس سفر میں ہمراہ تھا۔ تو اپنے پارٹی والوں سے کہنے لگا کہ اگر ہم ان مہاجرین کو اپنے شہر میں جگہ نہ دیتے تو ہم سے مقابلہ کیوں کرتے۔ تم انصار ہی ان کی خبر گیری کرتے ہو تو یہ لوگ رسول کے ساتھ جمع رہتے ہیں۔ ان کی خبر گیری چھوڑ دو ابھی خرچ سے تنگ آ کر متفرق ہو جائیں اور سب مجمع ان کا بچھڑ جائے اور یہ بھی کہا کہ اس سفر سے واپس ہو کر ہم مدینہ پہنچیں تو جس کا اس شہر میں زور اور اقتدار ہے چاہئے ذلیل بے قدروں کو نکال دے یعنی ہم جو معزز لوگ ہیں ان ذلیل مہاجر مسلمانوں کو نکال دیں گے۔ ایک صحابی حضرت زید بن ارقمؓ نے یہ باتیں سن لیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نقل کردیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی وغیرہ کو بلا کر تحقیق کی تو قسمیں کھا گئے کہ زید بن ارقم نے ہماری دشمنی سے جھوٹ کہہ دیا ہے۔ لوگ حضرت زیدؓ پر آوازے کسنے لگے۔ آپ رنجیدہ ہو کر اپنی جگہ بیٹھ رہے یہ تھی وہ صورت حال کہ جب اس سورۃ کا نزول ہوا اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کا جھوٹ بولنا ظاہر فرمایا۔ اور اس سورۃ میں منافقوں کی بابت بتلایا گیا کہ یہ منہ پر تو کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں لیکن دل میں اس کا انکار کرتے ہیں اور یہ لوگ پرلے درجہ کے جھوٹے ہیں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان سے کام چل جائے گا اور مسلمان انہیں سچا سمجھ کر ان کی بات مان لیں گے۔ ان کی زبان پر ایمان اور دل میں کفر ہے۔ ان کا ڈیل ڈول تو

خاصہ ہے مگر دل بڑا بودا کمزور ہے۔ یہ بزدل اور ڈرپوک لوگ ہیں اور اس پر شیخیاں مارتے پھرتے ہیں کہ ہمارے برابر کوئی نہیں۔ یہی منافق تو ہیں جن کا سردار کہتا پھرتا ہے کہ ان مہاجرین کو مالی امداد مت دو۔ یہ تنگ آ کر خود ہی بھاگ جائیں گے اور ایک سفر میں اس نے یہ بھی کہا کہ اب کے مدینہ پہنچتے ہی ہم سارے معزز لوگ ان ذلیل اور پست مہاجر مسلمانوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔ اس کے اس قول پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان منافقین کا جہل محض ہے کہ جو یہ ایسا کہتے ہیں بلکہ عزت ذلت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ عزت والے اللہ۔ اس کے رسول اور مومنین ہی ہیں۔ اخیر میں اہل ایمان کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ دیکھو ان بے وقوفوں کی طرح تم دنیا کے مال اور اولاد ہی میں جی لگا کر مت بیٹھو جانا۔ ایسا نہ ہو کہ تم مال اور اولاد کی محبت میں پھنس کر اللہ کی یاد چھوڑ بیٹھو اور جو مال اللہ نے دیا ہے یہ جمع کرنے کے لئے نہیں دیا جاتا بلکہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے اس لئے حسب مقدور مال خرچ کرتے رہا کرو ورنہ مرتے وقت پچھتانا پڑے گا کہ خرچ کرنے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کا سارا موقع جاتا رہا۔ اس وقت خرچ کرنے کی تمنا پھر غیر مفید ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کی میعاد عمر ختم ہونے پر آ جاتی ہے تو پھر مہلت نہیں دیتے۔ باقی اللہ تمہارے کاموں سے خوب واقف ہے جیسا کرو گے ویسے ہی جزا کے مستحق ہو گے۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا جس کی تفصیلات آئندہ درسوں میں انشاء اللہ سامنے آئیں گی۔

اب اس آیت کی تشریح ملاحظہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم آپ کے رسول ہونے پر دل سے اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ کہتے ہیں کہ ان کو دل سے آپ کی رسالت پر اعتقاد ہے۔ واقع میں وہ آپ کی رسالت کے قائل نہیں محض اپنی اغراض کے پیش نظر زبان

سے باتیں بناتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں تو جھوٹ بولنا ان کی امتیازی خصلت اور شعار بن چکا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین کی سب سے زیادہ نمایاں خصلت جھوٹ بولنے کی ہے۔ اور جھوٹ بولنے کی عادت اور ایمان میں کیسی منافات ہے یہ ایک حدیث سے اندازہ لگائیے:۔

حضرت صفوان بن سلیمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا مسلمان بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں (یعنی مسلمان میں یہ کمزوری ہوسکتی ہے)۔ پھر عرض کیا گیا۔ کیا مسلمان بخیل ہوسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں (یعنی مسلمان میں یہ کمزوری بھی ہوسکتی ہے۔ پھر عرض کیا گیا۔ کیا مسلمان کذاب ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یعنی ایمان کے ساتھ بیبا کانہ جھوٹ کی ناپاک عادت جمع نہیں ہوسکتی اور ایمان جھوٹ کو برداشت نہیں کرسکتا۔ (معارف الحدیث جلد اول) مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ بخیل اور بزدلی اگرچہ بری عادتیں ہیں لیکن یہ دونوں انسانوں کی کچھ ایسی فطری کمزوریاں ہیں کہ ایک مسلمان میں بھی یہ ہوسکتی ہیں لیکن جھوٹ کی عادت میں اور ایمان میں ایسی منافات ہے کہ یہ ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔ اور کیسے جمع ہوسکتے ہیں جب کہ خود قرآن کریم میں ارشاد ہے لعنت الله علی الکذبین (پارہ ۳ رکوع ۱۴) تو معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ کفر وشرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کفر وشرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ منافقانہ سیرت او رمنافقانہ اعمال واخلاق کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہماری زبانوں کو اور ہمارے دلوں کو جھوٹ کی ناپاکی سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

ابھی آگے انہی منافقین کے متعلق مضمون جاری ہے جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں پکا اور سچا مومن بننے کی توفیق عطا فرمائیں اور منافقانہ خصلتوں اور عادتوں سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں۔

یا اللہ ہم نے جو کلمہ لَآ اِلٰهَ اللهُ مُحَمَّدٌرَّسُوْلُ پڑھا ہے تو ہمیں اس شہادت میں مخلص اور صادق بنا کر زندہ رکھیئے اور اسی شہادت لَآ اِلٰهَ اللهُ مُحَمَّدٌرَّسُوْلُ الله پر دل وزبان سے قائم رہتے ہوئے موت نصیب فرمائیے۔

یا اللہ اِس اسلامی ملک میں کچھ ایسے بھی نظر آتے ہیں جو بظاہر اسلام کا لبادہ پہنے ہوئے ہیں اور مردم شماری میں مسلمان کہلاتے ہیں مگر ان کے قال وحال سے یہی ظاہر ہے کہ ان کو نہ حقیقی اسلام سے محبت ہے نہ اسکی عظمت ہے اور درپردہ اسلام اور ملک کیلئے مارِ آستین بنے ہوئے ہیں۔ یا اللہ ایسے منافقین کو ہدایت نصیب فرمادے اگر ان کیلئے ہدایت مقدر ہے ورنہ ایسے مارِ آستینوں سے اس سرزمین کو پاک فرمادے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ

ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر یہ لوگ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، بے شک ان کے یہ اعمال بہت ہی بُرے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ

بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ

یہ لوگ ایمان لے آئے پھر کافر ہو گئے سو ان کے دلوں پر مہر کردی گئی تو یہ نہیں سمجھتے۔ اور جب آپ اُن کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت

اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ

آپ کو خوشنما معلوم ہوں، اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی بات سن لیں، گویا یہ لکڑیاں ہیں جو سہارے سے لگائی ہوئی ہیں، ہر غل پکار کو

كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴

اپنے ہی اوپر خیال کرنے لگتے ہیں، یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہیئے، خدا اُن کو غارت کرے کہاں پھرے چلے جاتے ہیں۔

اِتَّخَذُوْا انہوں نے پکڑا (بنالیا)	اَيْمَانَهُمْ اپنی قسموں کو	جُنَّةً ڈھال	فَصَدُّوْا پس وہ روکتے ہیں	عَنْ سے	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	اِنَّهُمْ بیشک وہ
سَاۗءَ مَا برا جو	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے ہیں	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهُمْ اس لئے کہ وہ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	ثُمَّ كَفَرُوْا پھر انہوں نے کفر کیا	فَطُبِعَ تو مہر لگا دی گئی
عَلٰي پر	قُلُوْبِهِمْ انکے دل	فَهُمْ پس وہ	لَا يَفْقَهُوْنَ نہیں سمجھتے	وَاِذَا اور جب	رَاَيْتَهُمْ آپ انہیں دیکھیں	تُعْجِبُكَ تو آپکو خوشنما معلوم ہوں
اَجْسَامُهُمْ ان کے جسم	وَ اور	اِنْ يَّقُوْلُوْا اگر وہ بات کریں	تَسْمَعْ آپ سنیں	لِقَوْلِهِمْ ان کی باتوں کو	كَاَنَّهُمْ گویا کہ وہ	خُشُبٌ لکڑیاں
مُّسَنَّدَةٌ دیوار سے لگائی ہوئی	يَحْسَبُوْنَ وہ گمان کرتے ہیں	كُلَّ صَيْحَةٍ ہر بلند آواز	عَلَيْهِمْ اپنے اوپر	هُمْ وہ	الْعَدُوُّ دشمن	
فَاحْذَرْهُمْ پس آپ اُن سے بچیں	قٰتَلَهُمُ انہیں مارے (غارت کرے)	اللّٰهُ اللہ	اَنّٰى کہاں	يُؤْفَكُوْنَ وہ پھرے جاتے ہیں		

تفسیر و تشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹی قسمیں کھالیتے ہیں۔ جہاں کوئی بات قابل گرفت ان سے سرزد ہوئی اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذہ کا خوف ہوا تو فوراً جھوٹی قسمیں کھا کر بری ہو گئے۔ ان قسموں سے مراد وہ قسمیں بھی ہو سکتی ہیں جو وہ اپنے مسلمان اور مومن ہونے کا یقین دلانے کے لئے قسمیں کھایا کرتے تھے اور وہ قسمیں بھی ہو سکتی ہیں جو کسی منافقانہ حرکت کے پکڑے جانے پر وہ کھاتے تھے تاکہ مسلمانوں کو یہ یقین دلائیں کہ وہ حرکت انہوں نے نہیں کی۔ اور وہ قسمیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو عبداللہ بن ابی نے حضرت زید بن ارقمؓ کی دی ہوئی خبر کو جھٹلانے کے لئے کھائی تھیں۔ الغرض جھوٹی قسمیں کھانے میں ان منافقین کو ذرا باک نہ تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال عزت آبرو محفوظ رکھنے کے لئے ان ہی قسموں کی آڑ پکڑتے تھے۔

تو پہلی خصلت ان منافقین کی جھوٹ بولنے کی بتلائی گئی دوسری خصلت جھوٹی قسمیں کھانے کی بتلائی گئی۔ آگے تیسری خصلت بتلائی جاتی ہے کہ یہ لوگ دوسروں کو بھی اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں یعنی اسلام اور مسلمانوں کی نسبت طعن، تشنیع اور عیب جوئی کر کے دوسروں کو اسلام سے بدظن کرتے ہیں اور اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور لوگ ان کو بظاہر مسلمان جان کر دھوکہ کھا جاتے ہیں تو اس سے بڑھ کر اور برا کام کیا ہوگا کہ خود بھی اللہ کے رستے سے رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ اور یہ واضح رہے کہ ایک شخص جب تک بظاہر توحید و

رسالت کے ساتھ ضروریات دین کا اقرار کرتا ہے خواہ جھوٹ اور فریب ہی سے کیوں نہ ہو اسلام اس کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ آگے انہی منافقین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ یہ ایمان کا زبانی اقرار کر کے مسلمانوں میں شامل ہوئے مگر دل سے ایمان نہ لائے اور دل میں منکر ہی رہے اور مدعی ایمان ہو کر کافروں جیسے کام کئے۔ اس بے ایمانی اور انتہائی دغا و فریب کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی اور ایمان و خیر اور حق و صداقت کے سرایت کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں رہی۔ جب آدمی کا قلب اس کی بدکاریوں اور بے ایمانیوں سے بالکل مسخ ہو جائے تو پھر حق و باطل اور نیک و بد کے سمجھنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان کے دل تو مسخ ہو چکے ہیں لیکن جسم دیکھو تو بہت ڈیل ڈول کے۔ باتیں کریں تو بہت چکنی چپڑی۔ چرب زبانی سے لچھے دار کہ خوامخواہ سننے والا ادھر متوجہ ہو۔ حضرت عبدا للہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی بڑے ڈیل ڈول کا تندرست۔ خوش شکل اور چرب زبان آدمی تھا اور یہی شان اس کے بہت سے ساتھیوں کی تھی۔ یہ سب مدینہ کے رئیس لوگ تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آتے تو دیواروں سے سہارا اور تکیہ لگا کر بیٹھتے۔ اس پر تشبیہ دی گئی کہ یہ مثل اس خشک اور بیکار لکڑی کے ہیں کہ جو دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جائے جو محض بے جان اور لایعقل۔ دیکھنے میں کتنی موٹی مگر ایک منٹ بھی بدون سہارے کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ہاں ضرورت پڑے تو جلانے کے کام آ سکتی ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ ان کے موٹے اور فربہ جسم اور تن و توش سب ظاہری خول ہیں اندر سے جوہر انسانیت سے خالی اور بے جان۔ محض جہنم کا ایندھن بننے کے لائق ہیں۔ آگے ان منافقین کے مجرم ضمیر کی حالت بیان فرمائی گئی کہ یہ نہایت بزدل اور ڈرپوک۔ ذرا کہیں شور وغل ہو تو سہم جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم ہی پر کوئی بلا آئی۔ سنگین جرموں اور بے ایمانیوں کی وجہ سے ہر وقت ان کے دل میں دغدغہ لگا رہتا ہے کہ کہیں ہماری دغابازیوں کا پردہ تو چاک نہیں ہو گیا۔ یا ہماری حرکات کی پاداش میں کوئی افتاد تو پڑنے والی نہیں۔ پھر بتلایا گیا کہ کھلے ہوئے دشمنوں کی بہ نسبت یہ چھپے ہوئے دشمن زیادہ خطرناک ہیں لہٰذا ان کی چالوں سے ہوشیار رہا جائے۔ عرب کے محاورہ کے مطابق ان پر لعنت اور پھٹکار کی جاتی ہے کہ خدا کی مار ہو ان پر کہ ایمان کا اظہار کر کے یہ بے ایمانی۔ اور حق و صداقت کی روشنی آ چکنے کے بعد یہ ظلمت پسندی اور ہدایت کا چشمہ پاس ہوتے ہوئے اس سے محروم اور پیاسا رہنا۔

یہاں ان آیات میں منافقین کی ایک دوسری نمایاں خصلت جھوٹی قسمیں کھانے کی بتلائی گئی۔ اول تو بے ضرورت بات بات میں قسم کھانا ہی بہت بری عادت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی بڑی بے تعظیمی اور بے حرمتی ہوتی ہے۔ جہاں تک ہو سکے سچی بات پر بھی قسم نہ کھانا چاہئے (بہشتی زیور حصہ سوم) اور جھوٹی بات پر جان بوجھ کر قسم کھانا تو گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ احادیث میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے اب قسم کھانے کے متعلق چند ضروری مسائل ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ نمبر۱۔ اگر غلطی اور دھوکہ میں جھوٹی قسم کھائی مثلاً کسی نے کہا کہ خدا کی قسم ابھی فلانا آدمی نہیں آیا اور اپنے دل میں یقین کے ساتھ یہی سمجھتا ہے کہ سچی قسم کھا رہا ہوں۔ پھر معلوم ہوا کہ اس وقت وہ آدمی آ گیا تھا تو یہ معاف ہے اس میں گناہ نہ ہوگا اور کچھ کفارہ بھی نہیں (بہشتی زیور حصہ سوم)

مسئلہ نمبر۲۔ جو بات ہو چکی ہے یا گزر گئی ہے اس پر جھوٹی قسم کھانا بڑا سخت گناہ ہے مثلاً کسی نے نماز نہیں پڑھی اور جب کسی نے پوچھا تو کہہ دیا کہ خدا کی قسم میں نماز پڑھ چکا ہوں۔ یا مثلاً کسی سے گلاس ٹوٹ گیا اور جب پوچھا گیا تو کہہ دیا کہ خدا کی قسم میں نے نہیں توڑا۔ جان بوجھ کر اس طرح جھوٹی قسم کھائی تو اس کے گناہ کی کوئی حد نہیں اور اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں۔ بس دن رات اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کر کے اپنا گناہ معاف کرائے۔ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ نمبر۳۔ اگر ایسی بات پر قسم کھائی جو ابھی نہیں ہوئی بلکہ آئندہ ہوگی جیسے کوئی کہے کہ خدا کی قسم آج میرا بھائی آوے گا اور وہ نہیں آیا تو کفارہ دینا پڑے گا اور قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس محتاجوں کو دووقتہ کھانا دے یا کچا اناج دیدے اور ہر محتاج کو آدھی چھٹانک اوپر پونے دو سیر گیہوں۔ احتیاطاً پورے دو سیر گیہوں دے یا دس فقیروں کو کپڑا دے جس سے بدن کا زیادہ حصہ ڈھک جاوے اور اگر فقیر عورت کو کپڑا دیا تو اتنا کپڑا ہونا چاہئے کہ سارا دن ڈھک جائے اور وہ غریب عورت اس کپڑے سے نماز پڑھ سکے۔

مسئلہ نمبر۴۔ کفارے میں ان ہی مساکین کو کپڑا یا کھانا دینا درست ہے جن کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔

مسئلہ نمبر۵۔ کسی نے گناہ کی بات پر قسم کھالی مثلاً کہا کہ خدا کی قسم میں ماں باپ سے کبھی نہ بولوں گا یا یہ کہا کہ میں خدا کی قسم فلاں کی یہ چیز چرالاؤں گا تو ایسے گناہ کی بات پر قسم کو توڑ دینا واجب ہے۔ قسم توڑ کر کفارہ دیدے۔

مسئلہ نمبر۶۔ اگر کوئی ایسا غریب ہے کہ نہ کپڑا دے سکتا ہے کفارہ میں نہ کھانا کھلاسکتا ہے تو لگا تار تین روزہ رکھے۔ اگر کسی عذر سے بیچ میں کوئی روزہ چھوٹ گیا تو پھر سے لگا تار تین روزہ رکھے۔ (بہشتی زیور حصہ سوم) یہ چند ضروری مسائل تھے جو اس ضمن میں بیان کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ جھوٹ سے اور جھوٹی قسم سے ہم کو بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ابھی مضمون آگے بھی انہیں منافقین کے متعلق جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر اور باطن کو یکساں رکھیں اور منافقانہ خصلتوں سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں۔ منافقین جو اسوقت بھی اسلام اور ایمان کے دعوے بلند کرتے ہیں اور درپردہ دین کے دشمن ہیں۔

یا اللہ ان کی پوشیدہ چالوں سے اہل ایمان کو محفوظ رکھئے۔ اور ان کی منافقانہ سرگرمیوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت فرمایئے۔ یا اللہ ہمیں اسلام سے سچا تعلق اور لگاؤ نصیب فرمایئے اور دل وجان سے ہم کو اسلام اور ایمان کا قدردان بنادیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لئے رسول اللہ استغفار کریں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ اُنکو دیکھیں گے

وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۞ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ

کہ وہ تکبر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں۔ ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ ان کیلئے استغفار کریں یا اُن کیلئے استغفار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞

اُن کو ہرگز نہ بخشے گا، بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

وَاِذَا اور جب	قِيْلَ لَهُمْ کہا جائے ان سے (تم آؤ)	يَسْتَغْفِرْ بخشش کی دعا کریں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُوْلُ اللّٰهِ رسول اللہ	لَوَّوْا وہ پھیر لیتے ہیں
رُءُوْسَهُمْ اپنے سروں کو	وَرَاَيْتَهُمْ اور آپ اُنہیں دیکھیں	يَصُدُّوْنَ وہ منہ پھیر لیتے ہیں	وَهُمْ اور وہ	مُسْتَكْبِرُوْنَ بڑا ہی تکبر کرنیوالے ہیں	
سَوَآءٌ برابر	عَلَيْهِمْ اُن پر	اَسْتَغْفَرْتَ آپ بخشش مانگیں	لَهُمْ ان کیلئے	اَمْ یا	لَمْ تَسْتَغْفِرْ آپ نہ بخشش مانگیں	لَهُمْ ان کیلئے
لَنْ يَّغْفِرَ ہرگز نہیں بخشے گا	اللّٰهُ اللہ	لَهُمْ ان کو	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَا يَهْدِي ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ نافرمان لوگوں

تفسیر وتشریح: عبداللہ بن ابی اپنے قوم کا رئیس اور سردار تھا۔ اور بظاہر مسلمانوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اپنی خیر خواہی جتانے کے لئے اس کا معمول تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ کے لئے ممبر پر تشریف لاتے تو یہ عبداللہ بن ابی کھڑا ہو جاتا اور کہتا لوگو یہ اللہ کے رسول ہیں جو تم میں موجود ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارا اکرام کیا اور تمہیں عزت دی اب تم پر فرض ہے کہ تم آپ کی مدد کرو۔ اور آپ کی عزت وتکریم کرو۔ آپ کا فرمان سنو اور جو فرمائیں بجالاؤ۔ یہ کہہ کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔ جنگ احد میں اس کا نفاق کھل گیا تھا یہ وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی نافرمانی کرکے عین وقت پر اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان جنگ سے الٹا واپس آ گیا جبکہ قریش کے لوگ قریب ۳ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مقابلہ کے لئے صرف ایک ہزار نفوس ساتھ لے کر مدافعت کے لئے نکلے تھے ان ایک ہزار میں سے بھی یہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابیّ ۳۰۰ آدمی توڑ لایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ۷۰۰ مجاہدین کی جمعیت سے کفار کا مقابلہ کرنا پڑا۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد سے فارغ ہوئے اور مع الخیر مدینہ منورہ تشریف لائے اور جمعہ کا دن آیا اور خطبہ کے لئے آپ ممبر پر تشریف لائے تو حسب عادت یہ عبداللہ بن ابی آج بھی کھڑا ہوا اور کہنا ہی چاہتا تھا کہ بعض صحابہ ادھر ادھر سے کھڑے ہو گئے اور اس کے کپڑے پکڑ کر کہنے لگے کہ دشمن خدا بیٹھ جا۔ تو اب یہ کہنے کا منہ نہیں رکھتا۔ تو نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اب تو اس کا اہل نہیں کہ زبان سے جو جی میں آئے کہے۔ یہ عبداللہ بن ابی کو سخت ناگوار گزرا اور ناراض ہو کر گردنیں پھلانگتا ہوا مسجد سے باہر چلا اور کہتا جاتا تھا کہ گویا میں کسی بری بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ میں تو ان کا کام اور مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ چند انصاریوں نے اس سے مسجد کے دروازہ پر

کہا یہ کیا بات ہے؟ تو کہا کہ میں تو ان کا کام مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا جو چند اصحاب مجھ پر اچھل کر آ گئے مجھے گھسیٹنے لگے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے گویا میں کسی بری بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا حالانکہ میری نیت یہ تھی کہ میں آپ کی باتوں کی تائید کروں۔ انہوں نے کہا کہ خیر اب تم واپس چلو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں گے آپ تمہارے لئے خدا سے بخشش چاہیں گے اس نے کہا کہ مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ اسی کی طرف آیت میں اشارہ کر کے فرمایا گیا کہ ان منافقین کے تکبر اور شرارت کی یہ کیفیت ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آؤ اور آپ سے اپنے لئے استغفار کراؤ تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں جو اشارہ اس امر کی طرف ہوا کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ غایت رحمت وشفقت سے ممکن ہے ان کے لئے بحالت موجودہ معافی طلب کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ کسی صورت سے ان کو معاف کرنے والا نہیں اور نہ ایسے نافرمانوں کو اس کے ہاں سے ہدایت کی توفیق ملتی ہے یہی بات سورہ توبہ میں جو اس سورہ کے قریب تین سال بعد نازل ہوئی اور زیادہ تاکید کے ساتھ فرما دی گئی اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے منافقین کے متعلق صاف فرما دیا گیا کہ آپ چاہے ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہ کریگا اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے اس آیت کے بعد وہیں سورہ توبہ میں فرمایا گیا۔ ''کہ اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے اور یہ فاسق ہونے کی حالت میں مرے ہیں''۔ تو یہاں آیت **سوآء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفرلھم ط لن یغفراللہ لھم ط ان اللہ لایھدی القوم الفٰسقین** ٥ (ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا) اور سورہ توبہ کی مذکورہ بالا آیات میں دو باتیں بیان کی گئیں۔ ایک یہ کہ دعائے مغفرت صرف اہل ایمان ہی کے حق میں مفید ہوسکتی ہے جس نے ایمان کے بجائے کفر اختیار کیا (اور نفاق بھی کفر کی ایک بدترین شکل ہے) تو اس کے لئے کسی کی دعاء مغفرت حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دعائے مغفرت کارآمد اور نفع بخش نہیں ہوسکتی اور اس کو بخشا نہیں جاسکتا۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ یہاں سے گناہ گار اور بداعتقاد کا فرق بھی معلوم ہوگیا۔ گناہ ایسا کون ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بخشوانے سے نہ بخشا جائے۔ سورہ نسآء پانچویں پارہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے **ولوانھم اذ ظلموا انفسھم جآءوک فاستغفرو االلہ واستغفرلھم الرسول لوجدااللہ توابار حیما** ط (اور اگر وہ لوگ جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھتے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ کا قبول کرنے والا رحمت کرنے والا پاتے) لیکن بداعتقاد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر مرتبہ استغفار کرنا بھی فائدہ نہ دے۔ اللہ تعالیٰ بداعتقادی سے ہم کو بچائیں۔

اور ہمارے قلوب کو اس مرض سے پاک رکھیں۔ آمین۔

دوسری بات یہاں آیت میں یہ فرمائی گئی کہ ایسے لوگوں کو ہدایت بخشنا اللہ کا طریقہ نہیں کہ جو اس کی ہدایت کے طالب نہ ہوں۔ اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے منہ موڑ رہا ہو۔ بلکہ ہدایت کی طرف اسے بلایا جائے تو سر جھٹک کر غرور کے ساتھ اس دعوت کو رد کر دے تو پھر اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہدایت ربانی اس کے پیچھے پیچھے پھرے اور اسے راہ راست پر لائے۔

یہاں ان آیات میں منافقین کی خصلت تکبر کی مذمت فرمائی گئی۔ اور تکبر ایسی بدخصلت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔

اس لئے ہمیں بھی تمام امراض باطنی خصوصاً تکبر کے ازالہ کے لئے فکر کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائیں اور اپنی توفیق و ہدایت ہمارے شامل حال رکھیں اور اس مہلک مرض سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں۔

ابھی اگلی آیات میں بھی مضمون انہی منافقین کے متعلق جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ منافقانہ خصلتوں اور عادتوں سے ہم کو بچائیں اور ہم کو صحیح اور سچا و پکا اسلام و ایمان نصیب فرمائیں۔

اے اللہ پہلے بھی منافقین نے اسلام دشمنی برتی اور قاتلهم الله کی پھٹکار اور لعنت ان پر پڑی۔

اے اللہ اب بھی جو منافق اسلام دشمنی میں در پردہ پڑے ہوئے ہیں اس اسلامی سلطنت کو ان کے شر سے محفوظ فرما۔ اور ان کے ناپاک وجود سے پاکستان کو پاک فرما۔

اے اللہ تو سچے اور محب اسلام حاکم ہم کو عطا فرما جو اس ملک میں اسلام کو فروغ دین اور اسلامی قوانین جاری کریں اور اسلامی فضا پیدا کریں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ

یہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جولوگ رسول اللہ کے پاس ہیں اُن پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جاویں گے اور اللہ ہی کے ہیں سب خزانے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ

آسمانوں اور زمین کے، ولیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔ یہ یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم اب

اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ

مدینہ میں لوٹ کر جاویں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا، اور اللہ ہی کی ہے عزت اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی

لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞

ولیکن منافقین جانتے نہیں۔

هُمُ وہی	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	لَا تُنْفِقُوْا نہ تم خرچ کرو	عَلٰى پر	مَنْ جو	عِنْدَ پاس	رَسُوْلِ رسول	اللّٰهِ اللہ
حَتّٰى یہاں تک کہ	يَنْفَضُّوْا وہ منتشر ہو جائیں	وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	خَزَآئِنُ خزانے	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَلٰكِنَّ اور لیکن		
الْمُنٰفِقِيْنَ منافق (جمع)	لَا يَفْقَهُوْنَ وہ نہیں سمجھتے	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	لَئِنْ رَّجَعْنَآ اگر ہم لوٹ کر گئے	اِلَى الْمَدِيْنَةِ مدینہ کی طرف				
لَيُخْرِجَنَّ ضرور نکال دیگا	الْاَعَزُّ معزز ترین	مِنْهَا وہاں سے	الْاَذَلَّ نہایت ذلیل	وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	الْعِزَّةُ عزت	وَلِرَسُوْلِهٖ اور اسکے رسول کیلئے		
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اور مومنوں کیلئے	وَلٰكِنَّ اور لیکن	الْمُنٰفِقِيْنَ منافق (جمع)	لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے					

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کے ابتدائی درس میں سبب نزول کے سلسلہ میں یہ تفصیل کیساتھ بتایا جا چکا ہے کہ ایک غزوہ سے مدینہ کو واپسی میں راستہ میں دو مجاہدین میں کچھ ناگوار واقعہ پیش آ گیا تھا۔

ان آیات میں اسی عبداللہ بن ابی کے اقوال کی طرف اشارہ ہے کہ جس نے یہ کہا تھا کہ ان مہاجر مسلمانوں پر جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جمع ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جاویں گے اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام آسمان وزمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہے۔ کیا جو لوگ خالص اس کی رضا جوئی کے لئے اس کے پیغمبر کی خدمت میں رہتے ہیں وہ ان کو رزق سے محروم کر کے کیا بھوکوں مار دے گا۔ اور لوگ اگر ان کی امداد بند کر لیں گے تو وہ بھی کیا اپنی روزی کے سب دروازہ بند کر لے گا اور سچ تو یہ ہے کہ جو بندے ان اللہ والوں پر خرچ کر رہے ہیں وہ بھی اللہ ہی کراتا ہے۔ اس کی توفیق نہ ہو تو نیک کام میں کوئی ایک پیسہ خرچ نہ کر سکے۔ پھر اسی عبداللہ بن ابی نے یہ بھی کہا تھا کہ اب ہم مدینہ لوٹ کر جاویں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا یعنی ان مہاجرین مسافر پر دیسیوں کو نکال باہر کر دیں گے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ منافق نہیں جانتے کہ زوردار اور عزت والا کون ہے؟ یاد رکھو کہ اصلی اور ذاتی عزت تو اللہ کی ہے اس کے بعد اسی سے تعلق رکھنے کی بدولت درجہ بدرجہ رسول کی اور ایمان والوں کی ہے یعنی تمام عزت اللہ کے لئے بالذات مخصوص ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بربنائے رسالت اور مومنین کے لئے بربنائے ایمان۔ رہے کفار وفساق اور منافقین تو یہ حقیقی عزت سے محروم ہی ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ جو

پکے اور سچے مسلمان تھے اس مذکورہ واقعہ کے بعد دوران سفر ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے سنا ہے کہ میرے باپ نے جو بکواس کی ہے اس کے بدلے آپ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں؟ کیونکہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ مجھے اس کی اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں تو عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر یوں ہی ہے تو آپ اس کے قتل کا حکم کسی اور کو نہ دیجئے۔ میں خود جاتا ہوں اور ابھی اس کا سر آپ کے قدموں میں لا ڈالتا ہوں۔ قسم خدا کی قبیلہ خزرج کا ایک ایک شخص جانتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے احسان و سلوک اور محبت و عزت کرنے والا نہیں لیکن میں فرمان رسول پر اپنے باپ کی گردن مارنے کو تیار ہوں۔ آپ میرے باپ کے قتل کا حکم مجھے دیجئے۔ اللہ اکبر! صحابہ کرام کے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کا یہ عالم تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے طفیل میں ان کی اس ایمانی صفت کا کوئی حصہ ہم ناکاروں کو بھی عطا فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا نہیں میں اسے قتل کرنا نہیں چاہتا۔ ہم تو اس سے اور نرمی برتیں گے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم لشکر سمیت مدینہ پہنچے تو اس منافق عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ مدینہ شریف کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور تلوار کھینچ لی۔ لوگ مدینہ میں داخل ہونے لگے یہاں تک کہ ان کا باپ عبداللہ بن ابی آیا تو یہ فرمانے لگے کہ خبردار مدینہ میں داخل مت ہو۔ عبداللہ بن ابی نے کہا کیا بات ہے؟ مجھے کیوں روک رہا ہے؟ بیٹے حضرت عبداللہؓ نے فرمایا تو مدینہ میں نہیں جا سکتا جب تک کہ اللہ کے رسول تیرے لئے اجازت نہ دیں۔ عزت والے آپ ہی ہیں اور تو ذلیل ہے۔ عبداللہ بن ابی رک کر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ لشکر کے آخری حصہ میں ہوتے تھے۔ آپ کو دیکھ کر عبداللہ بن ابی نے بیٹے کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اسے کیوں روک رکھا ہے؟ انہوں نے کہا قسم ہے خدا کی جب تک آپ کی اجازت نہ ہو یہ اندر مدینہ میں نہیں جا سکتا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ اب حضرت عبداللہؓ نے اپنے باپ عبداللہ بن ابی کو شہر میں داخل ہونے دیا اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ نے اپنے باپ سے کہا کہ جب تک تو اپنی زبان سے یہ نہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں اور میں ذلیل تب تک تو مدینہ میں نہیں جا سکتا۔ یہ گویا جواب تھا عبداللہ بن ابی کے اس قول کا کہ جو اس نے سفر میں کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا۔

الغرض شروع سورۃ سے یہاں تک منافقین کی مذمت۔ ان کی تقبیح و توبیخ فرمائی گئی۔ اب اس کے بعد آگے خاتمہ کی آیات میں مومنین مخلصین کو خطاب فرما کر چند ہدایات دی گئی ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو دین اسلام اور رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم کی سچی اور پکی محبت نصیب فرمائیں اور آپ کی محبت کے ساتھ آپ کی عظمت اور اور اتباع بھی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ آپ نے منافقین اور اعدائے دین و اسلام کو جیسے پہلے ذلیل و خوار کیا اور مومنین کو عزت و رفعت بخشی اسی طرح اب بھی دشمنان دین کو خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ذلیل و خوار فرما اور ان کے شر سے اہل اسلام کو محفوظ و مامون فرما۔ یا اللہ اہل اسلام میں آپس میں سچا اور پکا اتحاد نصیب فرما۔ اور وطنی اور قومی اور زبان اور رنگ و نسل کی تفرقہ آمیز لعنتوں سے ان کو محفوظ فرما۔　وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پاویں، اور جو ایسا

يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔ اور ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے پہلے خرچ کرلو

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ

کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو پھر وہ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اور تھوڑے دنوں کی مہلت کیوں نہ دی، کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾

کرنے والوں میں شامل ہو جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جبکہ اس کی میعاد آ جاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا، اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	لَا تُلْهِكُمْ تمہیں غافل نہ کردیں	اَمْوَالُكُمْ تمہارے مال	وَلَآ اَوْلَادُكُمْ اور نہ تمہاری اولاد		
عَنْ سے	ذِكْرِ اللّٰهِ اللہ کی یاد	وَمَنْ اور جو	يَّفْعَلْ کرے گا	ذٰلِكَ یہ	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ تو وہی لوگ وہ	الْخٰسِرُوْنَ خسارہ پانے والے
وَاَنْفِقُوْا اور تم خرچ کرو	مِنْ سے	مَّا رَزَقْنٰكُمْ ہم نے تمہیں دیا	مِّنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ يَّاْتِيَ کہ آجائے	اَحَدَكُمْ تم میں سے کسی کو	
الْمَوْتُ موت	فَيَقُوْلَ تو وہ کہے	رَبِّ اے میرے رب	لَوْلَآ کیوں نہ	اَخَّرْتَنِيْٓ تو نے مجھے مہلت دی	اِلٰٓى تک	اَجَلٍ قَرِيْبٍ ایک قریب کی مدت
فَاَصَّدَّقَ تو میں صدقہ کرتا ہوں	وَ اور	اَكُنْ میں ہوتا	مِّنَ سے	الصّٰلِحِيْنَ نیکوکاروں	وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اور ہرگز ڈھیل نہ دے گا	
اللّٰهُ اللہ	نَفْسًا کسی کو	اِذَا جَآءَ جب آگئی	اَجَلُهَا اس کی اجل	وَاللّٰهُ اور اللہ	خَبِيْرٌ باخبر	بِمَا اس سے جو / تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو

تفسیر وتشریح: ان آیات میں اہل ایمان کو خطاب کر کے سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو آدمی کے لئے بڑے خسارے اور ٹوٹے کی بات یہ ہے کہ باقی کو چھوڑ کر فانی میں مشغول ہو جائے اور اعلیٰ سے ہٹ کر ادنیٰ میں پھنس جائے۔ مال اور اولاد وہی اچھی ہے جو اللہ کی یاد اور اس کی اطاعت سے غافل نہ کرے اگر ان دھندوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو گیا تو آخرت بھی کھوئی اور دنیا میں بھی قلبی سکون واطمینان نصیب نہ ہوا۔ تو جو لوگ دنیا ہی میں پھنسے ہوئے ہیں اور مال اور اولاد ہی کی محبت میں گرفتار ہیں اور اللہ کو بھول گئے تو وہ بڑے سخت گھاٹے میں رہنے والے لوگ ہیں۔ یہاں آیت میں مال اور اولاد ہی کا ذکر خاص طور پر فرمایا ہے کیونکہ انسان زیادہ تر انہی کی خاطر دین وایمان سے منہ موڑ کر نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے ورنہ درحقیقت مراد دنیا کی ہر وہ چیز ہے جو انسان کو یاد خدا سے غافل کر دے۔ اور یہ خدا کی یاد سے غفلت ہی ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔ اگر انسان کو یہ یاد رہے اور وہ اس تصور کو اپنے ذہن میں قائم رکھے کہ وہ ایک خدا کا بندہ ہے اور وہ خدا اس کے تمام اعمال وافعال سے باخبر ہے اور ایک دن اس کے سامنے جا کر اپنے زندگی بھر کے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے تو پھر وہ حتی الامکان کسی گمراہی اور بدعملی میں مبتلا نہ ہوگا اور اگر بشری کمزوری سے کبھی اس سے کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہو جائے گا تو فوراً اس کو تنبہ ہو کر ہوش آ جائے گا اور توبہ سے اس کی تلافی کی کوشش کرے گا۔ پھر منافقین نے جو یہ کہا تھا کہ اپنا مال ان پر مت خرچ کرو جو رسول اللہ کے ساتھ رہتے ہیں تو اس کے متعلق ایک جواب تو گزشتہ آیات میں منافقین کو دیا گیا تھا کہ یہ احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام آسمان وزمین کے

خزانوں کا مالک تو اللہ ہے اسی سے متعلق ایک ہدایت اہل ایمان کو دی جاتی ہے کہ دیکھو مال جوڑ کر اور جمع کر کے رکھنے کے لئے نہیں بلکہ یہ نیک کاموں میں اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے اور اس طرح خرچ کرنے میں خود تمہارا بھلا ہے جو کچھ صدقہ خیرات کرنا ہے جلدی کرلو ورنہ موت سر پر آ پہنچے گی تو پھر پچھتاؤ گے کہ کیوں ہم نے خدا کے رستہ میں مال خرچ نہ کیا۔ اس وقت یعنی موت کے وقت بخیل تمنا کریگا کہ اے میرے پروردگار چندروز اور میری موت کو ملتوی کردیجئے کہ میں خوب صدقہ خیرات کر کے اور نیک وصالح بن کر حاضر ہوں لیکن وہاں التوا کیسا؟ جس شخص کی جس قدر عمر لکھ دی گئی ہے اور جو میعاد زندگی مقرر کردی گئی ہے اس کے پورا ہو جانے پر ایک لحہ کی ڈھیل اور تاخیر نہیں ہوسکتی۔

اخیر میں واللہ خبیر بما تعملون اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو فرما کر یہ جتلا دیا کہ اللہ کو یہ بھی خبر ہے کہ اگر بالفرض تمہاری تمنا کے موافق تمہاری موت ملتوی کردی جائے اور دنیا کی طرف تمہیں لوٹا دیا جائے تب تم کیسے عمل کرو گے وہ سب کی اندرونی استعدادوں کو جانتا ہے اور سب کے ظاہری و باطنی اعمال سے پوری طرح خبردار ہے اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

اس لئے تمام اہل اسلام کو نصیحت کی گئی کہ موت کے آثار سامنے آنے سے پہلے پہلے صحت اور قوت کی حالت میں اپنے اموال اللہ کی رضا میں خرچ کر کے آخرت کے درجات حاصل کر لو۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا صدقہ سب سے زیادہ اجر وثواب رکھتا ہے تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے وقت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا جبکہ انسان تندرست ہو اور اپنی آئندہ ضروریات کے پیش نظر یہ خوف بھی ہو کہ مال خرچ کر ڈالا تو کہیں بعد میں خود محتاج نہ ہو جاؤں اور فرمایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو اس وقت تک نہ ٹلاؤ جب تک کہ روح تمہارے حلق میں آ جائے اور مرنے لگو تو اس وقت بھی کہو کہ اتنا مال فلاں کو دیدو اتنا فلاں کام میں خرچ کردو یعنی انفاق فی سبیل اللہ دنیا کی زندگی میں آخری وقت تک جاری رکھو۔ پھر پچھتانے اور یہ آرزو و تمنا کرنے کی نوبت نہ آئے گی کہ موت میں کچھ تاخیر ہو جائے اور مہلت مل جائے تو اعمال صالحہ کرلوں اور صالحین میں داخل ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ ہماری غفلت کو دور فرمائیں۔ اور ابھی ہمیں زندگی۔ صحت اور قوت میں اعمال صالحہ اور اپنے ذکر فکر کی توفیق نصیب فرمائیں۔

الحمدللہ اس درس پر سورہ منفقون کا بیان ختم ہوگیا۔ اب اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ المنافقون کے خواص

۱...... اگر کسی کو آشوب چشم ہو اس پر سوۃ المنافقون پڑھ کر دم کرنے سے صحت ہوجاتی ہے۔

۲...... اگر کسی کو پھوڑے ہوں تو اس پر سورۃ المنافقون دم کرنے سے صحت ہوجاتی ہے۔

۳...... کسی قسم کا درد ہو اس پر سورۃ المنافقون دم کرنے سے صحت ہو جاتی ہے۔

واذارایتھم ...... انی یؤ فکون

اگر کسی ظالم دشمن کا خوف ہو تو مذکورہ آیت پاک مٹی پر پڑھ کر اس کے چہرے کی طرف چھڑکے بشرطیکہ اسے معلوم نہ ہو تو وہ ظالم اپنے ارادہ سے باز آ جائے گا۔ (الدرر النظیم)

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمیں آخری وقت پر پچھتانے اور ندامت کرنے سے بچائیں اور ہمیں زندگی میں اپنی مرضیات والے اعمال کی توفیق نصیب فرماویں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيْ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ

سب چیزیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ کہ زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں اسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے، اور وہ ہر شے پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲

قادر ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا سو تم میں بعضے کافر ہیں اور بعضے مومن ہیں، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

يُسَبِّحُ وہ پاکیزگی بیان کرتا ہے	لِلّٰهِ اللہ کی	مَا جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	لَهُ اسی کیلئے	
الْمُلْكُ بادشاہی	وَلَهُ اور اسی کیلئے	الْحَمْدُ تمام تعریفیں	وَهُوَ اور وہ	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرٌ قدرت رکھنے والا	هُوَ الَّذِيْ وہی جس نے
خَلَقَكُمْ تمہیں پیدا کیا	فَمِنْكُمْ تو تم میں سے	كَافِرٌ کوئی کافر	وَمِنْكُمْ اور تم میں سے	مُّؤْمِنٌ کوئی مومن	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِمَا اس کو جو	
تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	بَصِيْرٌ دیکھنے والا						

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کے پہلے رکوع میں قیامت کو یوم التغابن یعنی تغابن کا دن کہا گیا ہے۔ تغابن ہار جیت کو کہتے ہیں ۔ زندگی کی بازی کی ہار جیت کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ اس مناسبت سے قیامت کو یوم التغابن کہا گیا ہے اور اسی سے سورۃ کا نام تغابن ماخوذ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز بے جان ہو یا جاندار۔ آسمان میں ہو یا زمین میں اپنی حالت سے ظاہر کر رہی ہے اور اگر زبان رکھتی ہے تو منہ سے بھی کہہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص سے پاک۔ منزہ اور مبرا ہے۔ پھر یہ پوری کائنات تنہا اسی کی سلطنت ہے اور عملاً وہ ہر آن اس پر حکومت کر رہا ہے۔ اس حکومت اور فرمانبروائی میں کسی دوسرے کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔ دوسروں کو اگر عارضی طور پر یا محدود پیمانہ پر کسی جگہ تصرف۔ یا ملکیت یا حکمرانی کے اختیارات حاصل ہیں تو وہ ان کے ذاتی اختیارات نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے دیئے ہوئے ہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے انہیں حاصل رہتے ہیں اور جب وہ چاہے انہیں چھین لے یا سلب کر سکتا ہے۔ پھر تمام تعریف کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ دوسری جس ہستی میں بھی کوئی قابل تعریف خوبی پائی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی ہے۔ پھر وہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اللہ کی ذات قادر مطلق ہے۔ جو کچھ کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ کوئی طاقت اس کی قدرت کو محدود کرنے یا روکنے والی نہیں۔ پھر اسی نے سب انسانوں کو بنایا اور پیدا کیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ سب اس پر ایمان لاتے اور اس منعم حقیقی کی اطاعت کرتے مگر ہوا یہ کہ بعض منکرین بن گئے اور بعض ایماندار۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان میں دونوں طرف جانے کی استعداد اور قوت رکھی تھی مگر اولاً سب کو فطرت صحیحہ پر پیدا کیا تھا پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے گردوپیش کے حالات سے متاثر ہو کر اس کے خلاف راہ اختیار کر لی۔ اسی مضمون کو ۲۱ ویں پارہ سورہ روم میں فرمایا گیا ہے:۔ ''تو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو۔ اللہ کی دی ہوئی فطرت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ

نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہئے۔ پس سیدھا دین یہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔ اسی مضمون کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس طرح فرمایا ہے کہ ہر انسان صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور بعد میں خارج سے کفر و شرک اور گمراہی اس پر عارض ہوتی ہے۔ اخیر میں ارشاد ہے واللہ بما تعملون بصیر. اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ تو یہاں دیکھنے کا مطلب محض دیکھنا ہی نہیں ہے بلکہ اس سے یہ مفہوم بھی خود بخود نکلتا ہے کہ جیسے تمہارے اعمال و افعال ہیں انہی کے مطابق تم کو جزا یا سزا دی جائے گی۔

یہاں آیت میں فرمایا گیا ہے خلقکم فمنکم کافرو منکم مومن۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا پھر تم میں بعض کافر ہو گئے بعض مومن رہے۔ تو اس جملہ کی تشریح کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے لکھا ہے کہ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ اول تخلیق و آفرینش میں کوئی کافر نہیں تھا یہ کافر اور مومن کی تقسیم بعد میں اس کسب و اختیار کے تابع ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بخشا ہے اور اسی کسب و اختیار کی وجہ سے اس پر گناہ و ثواب عائد ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اس جگہ انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے کافر و مومن۔ جس سے معلوم ہوا کہ اولاد آدم علیہ السلام سب ایک برادری ہے اور دنیا کے پورے انسان اس برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کو قطع کرنے اور ایک الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے۔ جو شخص کافر ہو گیا۔ اس نے انسانی برادری کا رشتہ توڑ دیا۔ اس طرح پوری دنیا میں انسانوں میں گروہ بندی صرف ایمان اور کفر کی بنا پر ہو سکتی ہے۔ رنگ اور زبان نسب و خاندان۔ وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔ ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہو جاتے۔ اختلاف رنگ و زبان اور وطن و ملک کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی ہی ہوتے ہیں۔ کوئی سمجھدار انسان ان کو مختلف گروہ نہیں قرار دے سکتا۔

زمانہ جاہلیت میں نسب اور قبائل کی تفریق کو قومیت اور گروہ بندی کی بنیاد بنا دیا گیا۔ اسی طرح ملک و وطن کی بنیاد پر کچھ گروہ بندی ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب بتوں کو توڑا اور مومن مسلمان خواہ کسی ملک اور کسی خطہ کا ہو۔ کسی رنگ اور خاندان کا ہو۔ کوئی زبان بولتا ہو ان سب کو ایک برادری قرار دیا بنص قرآن کریم انما المومنون اخوۃ (مومنین سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ اسی طرح کفار کسی ملک اور قوم کے ہوں وہ اسلام کی نظر میں ملت واحدہ یعنی ایک قوم ہیں۔

قرآن کریم کا یہ جملہ فمنکم کافرو منکم مومن (تم میں بعض کافر ہو گئے اور بعض مومن رہے) اس پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل بنی آدم کو صرف کافر و مومن دو گروہوں میں تقسیم فرمایا۔ اختلاف رنگ و زبان کو قرآن نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی اور انسان کے لئے بہت سے معاشی فوائد پر مشتمل ہونے کی بنا پر ایک عظیم نعمت تو قرار دیا ہے مگر اس کو بنی آدم کی گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی۔

اور ایمان و کفر کی بنا پر دو قوموں کی تقسیم یہ ایک امر اختیاری پر مبنی ہے۔ کیونکہ ایمان بھی اختیاری امر ہے اور کفر بھی اختیاری امر ہے۔ اگر کوئی شخص ایک قومیت چھوڑ کر دوسری میں شامل ہونا چاہے تو آسانی سے اپنے عقائد بدل کر دوسرے میں شامل ہو سکتا ہے۔ بخلاف نسب و خاندان اور رنگ و زبان اور ملک و وطن کے یہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ اپنا نسب بدل دے۔ یا رنگ

بدل دے۔ زبان اور وطن اگرچہ بدلے جاسکتے ہیں مگر زبان اور وطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کو عادۃً اپنے اندر جذب کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتیں خواہ ان کی زبان بولنے لگے اور ان کے وطن میں آباد ہو جائے۔ یہی وہ اسلامی برادری اور ایمانی اخوت تھی جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں مشرق و مغرب کے اور شمال وجنوب کے اور عرب وعجم کے اور کالے اور گورے بے شمار افراد کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا جس کی قوت و طاقت کا مقابلہ دنیا کی قومیں نہ کرسکیں۔ جب انہوں نے پھر ان بتوں کو زندہ کیا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام نے پاش پاش کر دیا تھا تو مسلمانوں کی عظیم ترین ملت واحدہ کو ملک و وطن اور زبان اور رنگ اور نسب وخاندان کے مختلف ٹکڑوں میں اور گروہ بندیوں میں تقسیم کر کے ان کو باہم ٹکرا دا۔ اس طرح دشمنان اسلام کی یلغار کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ جس کا نتیجہ آنکھیں آج دیکھ رہی ہیں کہ مشرق و مغرب کے مسلمان جو ایک قوم اور ایک دل تھے اب چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منحصر ہو کر ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں اور ان کے مقابلہ پر کفر کی طاغوتی طاقتیں باہمی اختلاف رکھنے کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں ملت واحدہ ہی معلوم ہوتی ہیں''۔ (معارف القرآن۔جلد ہشتم)

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور اسلام جیسی نعمت عظمیٰ کی قدر دانی کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور اپنے بھولے ہوئے سبق کو پھر یاد کر لینے کی سعادت نصیب فرمائیں۔

الغرض سورۃ کی ابتدا مضمون توحید سے فرمائی گئی اور ابھی یہی مضمون توحید اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو انسان بنا کر پیدا کیا اور پھر ایمان واسلام کی دولت سے نوازا۔ اور اشرف الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ یا اللہ ہم کو اس زندگی کے آخری سانس تک اسلام دین فطرت پر قائم رکھئے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمایئے۔

یا اللہ اپنے ذکر و فکر اور اپنی تسبیح وتحمید کی ہم کو بھی دائمی توفیق عطا فرمایئے اپنے ذاکر اور تسبیح خواں بندوں میں ہمارا شمار فرمالیجئے۔

یا اللہ بے شک آپ ہر شے پر قادر ہیں آپ اپنی رحمت سے ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق ایمانی پھر یاد کر لینے کی توفیق عطا فرمادیجئے اور امت مسلمہ کو پھر ملت واحدہ بن جانے اور آپس میں شیر وشکر ہو جانے کی توفیق نصیب فرمادیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ يَعْلَمُ مَا فِي

اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا اور اسی کے پاس لوٹنا ہے۔ وہ سب چیزوں کو جانتا ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾

جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سب چیزوں کو جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کا جاننے والا ہے۔

خَلَقَ اس نے پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	وَصَوَّرَكُمْ اور تمہیں صورتیں دیں	فَاَحْسَنَ تو بہت اچھی
صُوَرَكُمْ تمہیں صورتیں دیں	وَاِلَيْهِ اور اسی کی طرف	الْمَصِيْرُ بازگشت	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین
وَيَعْلَمُ اور جانتا ہے	مَا تُسِرُّوْنَ جو تم چھپاتے ہو	وَمَا تُعْلِنُوْنَ اور جو تم ظاہر کرتے ہو	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دلوں کے بھید

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس۔ پاکی و بزرگی کا ذکر فرما کر تمام انسانوں کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو تم کو فطرت سلیمہ پر پیدا کیا تھا جس کا تقاضا یہ تھا کہ تم سب ایمان کی راہ اختیار کرتے مگر اس صحیح فطرت پر پیدا ہونے کے بعد تم میں سے بعض لوگوں نے کفر اختیار کیا اور بعض نے ایمان کی راہ اختیار کی۔ اب آگے ان آیات میں اسی سلسلہ خطاب میں انسانوں کو بتلایا جاتا ہے کہ کچھ تم ہی کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیمہ پر پیدا نہیں کیا بلکہ یہ کائنات بھی اللہ تعالیٰ نے برحق پیدا کی ہے۔ یعنی یہ زمین و آسمان اور یہ کائنات یونہی بلا مقصد نہیں بنا دی گئی بلکہ ہر چیز کی تخلیق ایک مقصد رکھتی ہے اور معقول حکمت پر مبنی ہے۔ آج سائنس کی جتنی بھی ترقیاں ہو رہی ہیں وہ سب اس امر کی شہادت دے رہی ہیں کہ یہ کائنات اور اس کی ہر چیز اس خالق حکیم نے کیسی مقررہ حکمت اور کیسے منظم اصول اور اٹل ضوابط کے ساتھ پیدا فرمائی ہے۔ آج جتنی بھی حیرت انگیز ایجادات جاری ہو رہی ہیں وہ ہرگز ممکن نہ ہوتیں اگر یہ کائنات اور اس کی ہر چیز باحکمت اور بااصول طور پر ایک مقررہ ضابطہ پر پیدا نہ فرمائی گئی ہوتی۔ مثلاً ہوا۔ پانی۔ آگ۔ مٹی یہ چار عناصر ہیں۔ ہر ایک کی ماہیت و خاصیت اور خواص قدرت نے علیحدہ علیحدہ رکھے ہیں۔ اب اگر یہ نظام نہ ہوتا۔ اور پانی کے خواص کبھی آگ سے ظاہر ہو جاتے۔ اور مٹی کے خواص کبھی ہوا سے ظاہر ہو جاتے۔ اور ہوا کے خواص کبھی پانی سے ظاہر ہونے لگتے تو سائنس کی ایجادات اور ترقیاں تو در کنار انسان کی زیست اس دنیا میں محال ہو جاتی۔ پھر اس کائنات کی پیدائش میں انسان اشرف المخلوقات ہے اس لئے آگے فرمایا گیا کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت اور نقشہ پر پیدا کیا۔ یہاں آیت میں صورت سے مراد محض انسان کا چہرہ نہیں بلکہ اس سے مراد انسان کی پوری جسمانی ساخت ہے اور وہ قوتیں اور صلاحیتیں بھی اس کے مفہوم میں شامل ہیں جو اس دنیا میں کام کرنے کے لئے انسان کو عطا کی گئی ہیں۔ تو یہاں آیت میں جو فرمایا گیا کہ اے انسان تو تمہارا نقشہ خدا نے بنایا اور کیسا عمدہ نقشہ بنایا کہ تمہارے چلنے کے لئے مناسب ترین پاؤں دیئے۔ تمہارے کام کرنے کے لئے موزوں ترین ہاتھ دیئے گئے۔ تمہارے دیکھنے کو کیسی عجیب آنکھیں دی گئیں۔ تمہارے سننے کو کیا خوب کان دیئے گئے۔ تمہارے سونگھنے کو ناک دی گئی۔ پھر سوچنے سمجھنے کے لئے کیسے حواس اور آلات ادراک و علم دیئے گئے۔ پھر حق تعالیٰ خالق کائنات کی یہ کیسی حیرت انگیز صنعت اور صورت گری ہے کہ انسانوں میں ایک ہی طرح کا چہرہ ہونے کے باوجود یعنی سب یکساں دو آنکھیں۔ ایک ناک۔ دو کان۔ ایک منہ۔ ایک سر رکھتے ہیں مگر عقل حیران رہ جاتی ہے کہ ایک انسان کی صورت بالکلیہ دوسرے انسان کی صورت سے ایسی نہیں ملتی کہ پہچاننا دشوار ہو جائے تو ایک فرد کی شکل و صورت کا دوسرے سب سے علیحدہ اور ممتاز ہونا یہ حق تعالیٰ ہی کی صناعی اور صورت گری ہے اور اس کی مخصوص صفت ہے۔ حق تعالیٰ کے مشہور ۹۹ اسمائے حسنہ ہیں

ان میں ایک المصور بھی ہے یعنی تصویر بنانے والا۔ تو انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر جو اللہ تعالیٰ نے بہترین صورت اور نقشہ پر پیدا کیا اور بہترین صلاحیتیں اور قوتیں اس کو عطا فرمائیں۔ تو یہ سب کیوں اور کس لئے دی گئیں؟ اس کا منشا اگلے فقرہ والیہ المصیر سے ظاہر ہے کہ آخرکار اسی کی طرف تم کو پلٹنا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جب ایسے با مقصد اور حکیمانہ نظام کائنات میں ایک انسان جیسی بہترین مخلوق پیدا کی گئی تو حکمت کا تقاضہ یہی ہونا چاہئے کہ اس انسان کو دنیا میں شتر بے مہار کی طرح غیر ذمہ دار بنا کر نہ چھوڑ دیا جائے بلکہ لازماً اس کی با حکمت تخلیق کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ مخلوق اس ہستی کے سامنے جواب دہ ہو جس نے اپنی کائنات میں اسے یہ مقام و درجہ عنایت فرمایا ہے۔ تو یہاں آیت اسی کے پاس لوٹنا ہے اس سے مراد محض لوٹنا نہیں بلکہ جواب دہی کے لئے لوٹنا مراد ہے اور کس کے پاس لوٹنا ہے اس کی کیا صفات ہیں یہ اگلی آیت میں بتلایا جاتا ہے یعنی جس کے پاس اے انسانوں تمہیں لوٹ کر جانا ہے وہ ایسا علیم ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور تمہارے تمام اعمال وافعال کو جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو یا علانیہ کرتے ہو اور پھر یہی نہیں کہ وہ ظاہری اعمال وافعال کو جانتا ہے بلکہ وہ ایسا علیم ہے کہ انسانوں کے دلوں میں جو بھید اور راز چھپے ہوئے ہیں ان کو بھی جانتا ہے۔

تو خلاصہ یہ کہ ابتدائے سورۃ سے یہاں تک تمام انسانوں کو خطاب کر کے چار بنیادی حقیقتوں سے آگاہ کیا گیا۔

اول یہ کہ یہ کائنات جس میں تم بستے ہو بے خدا نہیں ہے بلکہ اس کا خالق و مالک اور فرمانروا ایک ایسا قادر مطلق ہے جس کے کامل اور بے عیب ہونے کی شہادت ہر چیز دے رہی ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ کائنات بے مقصد اور بے حکمت نہیں ہے بلکہ اس کے خالق نے اسے سراسر برحق پیدا کیا ہے۔

تیسرے یہ کہ انسانوں کو جس بہترین صورت اور نقشہ کے ساتھ خدا نے پیدا کیا ہے اس کے باعث یہ ایک ذمہ دار اور جواب دہ مخلوق ہے۔

چوتھے یہ کہ آخرکار انسانوں کو اپنے خالق کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور اس ہستی سے سابقہ پیش آنا ہے جو کائنات کی ہر چیز سے واقف ہے جس سے انسانوں کی کوئی بات پوشیدہ نہیں اور جو دلوں کے چھپے ہوئے راز تک سے واقف ہے۔

اب یہاں جو یہ فرمایا گیا وصورکم فاحسن صورکم (اس نے تمہاری صورت اور نقشہ بنایا سو کیسا عمدہ نقشہ بنایا) تو علماء نے لکھا ہے کہ تصویر کشی درحقیقت خلاق عالم کا وہ امتیازی وصف ہے کہ جو اس کی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں کوئی جن وانس اس کا سہیم وشریک نہیں۔ اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے تصویر کشی کو جو ایک طرح سے خلاق عالم کی نقل اتارنا ہے اور جس میں مشابہت خلق اللہ لازم آتی ہے حرام اور سخت کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سخت ترین عذاب قیامت کے دن ان لوگوں کو ہوگا جو خداوند عالم کے فعل خلق کی مشابہت کرنا چاہتے ہیں۔

بخاری ومسلم کی ایک حدیث ہے جو حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو تصاویر بناتے ہیں قیامت کے روز عذاب دیئے جائیں گے۔ ان کو عاجز کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ جو صورت تم نے بنائی ہے اس میں جان بھی ڈالو۔ یعنی جب خالق کے ساتھ مشابہت کا دم بھرا تھا تو اس کو پورا کر کے دکھلاؤ اور اپنی بنائی ہوئی ذی روح کی تصویر میں روح بھی ڈالو۔ جس کا جواب ان مصوروں کے پاس کچھ نہ ہوگا اور اپنے کئے ہوئے کے عذاب کو بھگتیں گے۔ (التصویر لاحکام التصویر از حضرت مفتی صاحبؒ)

اس لئے جن حضرات کو دینی احکام پر چلنے کی فکر ہو وہ اس تصویر کے مسئلہ میں مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب تصویر کے شرعی احکام کو ملاحظہ کر لیں جس میں شرعی مسائل کے ساتھ جس قدر شرعی سہولتیں تصاویر کے متعلق ممکن ہیں ان کو بھی ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائیں۔

الغرض ان آیات میں تو حق تعالیٰ کا عام انسانوں کو خطاب تھا۔ اب آگے ان لوگوں سے خطاب فرمایا گیا کہ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے پہلے کفر کیا پھر انہوں نے اعمال کا وبال چکھا اور ان کیلئے عذاب دردناک ہونے والا ہے۔

اَلِيْمٌ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا

یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر دلائل واضحہ لے کر آئے تو ان لوگوں نے کہا کہ کیا بشر یعنی آدمی ہم کو ہدایت کریں گے، غرض انہوں نے کفر کیا

وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۶ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ

اور اعراض کیا اور خدا نے پروانہ کی، اور اللہ بے نیاز ستودہ صفات ہے۔ یہ کافر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ نہ زندہ کئے جاویں گے

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۷

آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں واللہ ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے، پھر جو کچھ تم نے کیا ہے تم کو سب جتلا دیا جاویگا، اور یہ اللہ کو بالکل آسان ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ کیا نہیں آئی تمہارے پاس	نَبَؤُا خبر	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	فَذَاقُوْا تو انہوں نے چکھ لیا		
وَبَالَ وبال	اَمْرِهِمْ اپنے کام	وَلَهُمْ اوران کیلئے	عَذَابٌ اَلِيْمٌ عذاب دردناک	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهٗ اسلئے کہ وہ	كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ آتے تھے انکے پاس
رُسُلُهُمْ انکے رسول	بِالْبَيِّنٰتِ واضح نشانیوں کیساتھ	فَقَالُوْا تو وہ کہتے	اَبَشَرٌ کیا بشر	يَّهْدُوْنَنَا وہ ہدایت دیتے ہیں	فَكَفَرُوْا تو انہوں نے کفر کیا	
وَتَوَلَّوْا اور وہ پھر گئے	وَّاسْتَغْنَى اور بے نیازی فرمائی	اللّٰهُ اللہ	وَاللّٰهُ اور اللہ	غَنِيٌّ بے نیاز	حَمِيْدٌ ستودہ صفات	زَعَمَ دعویٰ کیا
الَّذِيْنَ ان لوگوں نے جو	كَفَرُوْا وہ کافر ہوئے	اَنْ کہ	لَّنْ يُّبْعَثُوْا وہ ہرگز نہ اٹھائے جائینگے	قُلْ فرمادیں	بَلٰى ہاں	وَرَبِّيْ میرے رب کی قسم
لَتُبْعَثُنَّ البتہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے	ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ پھر البتہ تمہیں ضرور جتلایا جائیگا	بِمَا عَمِلْتُمْ جو تم کرتے تھے	وَذٰلِكَ اور یہ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	يَسِيْرٌ آسان	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں لوگوں سے جو دنیا کی حقیقتوں کے منکر ہیں خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ اے منکر انسانو کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے اسی دنیا میں رہتے تھے اور اللہ کا انکار کرتے تھے۔ انہوں نے جو کچھ کیا ان کے سامنے آیا اور اپنے بداعمالی کا خمیازہ بھگتا اور ان کے کرتوت دنیا ہی میں رنگ لائے۔

اصلی اور پوری سزا تو انہیں ابھی آخرت میں بھگتنی ہے۔ جو بہت ہی دکھ دینے والا عذاب ہے تو غور وفکر کرو کہ ان کی یہ گت کیوں بنی؟ اس کا جواب آگے خود حق تعالیٰ دیتے ہیں کہ ایسے منکر انسانوں کی تباہی کے بنیادی اسباب دو تھے۔

ایک تو یہ کہ انہوں نے جن رسولوں کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا ان کی بات ماننے سے انکار کیا۔

دوسری بنیادی وجہ ان منکرین کی تباہی کی یہ بتلائی گئی کہ انہوں نے آخرت کے عقیدہ کو بھی رد کر دیا اور اپنے زعم میں یہ سمجھ لیا کہ بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔ اس کے بعد کوئی اور زندگی نہیں جس میں ہمیں اپنے خدا کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ یہی گمراہی بالآخر ان کی تباہی کا موجب ہوئی۔

اب یہاں ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں اور انبیاء کے منکرین کا قول یہ نقل فرمایا گیا ہے "فقالوا ابشر یھدوننا۔ یعنی ان منکرین نے رسولوں کے متعلق یوں کہا کہ کیا بشر یعنی آدمی ہم کو ہدایت کریں گے (یعنی بشر کہیں پیغمبر اور ہادی ہوسکتا ہے) اب خوب یاد رکھئے اور غور کیجئے کہ یہ کفار اور منکرین کا قول ہے

جوانبیاء اور رسل کی نسبت نقل فرمایا گیا ہے۔ حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے کفار کے اس قول **ابشر یھدوننا** کے متعلق اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ ''بشریت کو نبوت ورسالت کے منافی سمجھنا سبھی کفار کا خیال باطل تھا۔ جس پر قرآن میں جا بجا رد کیا گیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اب مسلمانوں میں بھی بعض لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکر پائے جاتے ہیں۔ انہیں سوچنا چاہئے کہ وہ کدھر جا رہے ہیں؟ بشر ہونا نہ نبوت کے منافی ہے۔ نہ رسالت کے بلند مقام کے منافی ہے۔ نہ رسول کے نور ہونے کے منافی ہے۔ وہ نور بھی ہیں۔ بشر بھی ہیں۔ ان کے نور کو چراغ اور آفتاب اور ماہتاب کے نور پر قیاس کرنا غلطی ہے''۔

تمام علمائے اسلام اور فقہائے ملت جن میں صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین اور علمائے سلف و خلف سب شامل ہیں اس کی صراحت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر یعنی انسان ہونے کا عقیدہ و اقرار ضروریات دین میں سے ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کے بشر ہونے کا انکار تو کیا لاعلمی کا اظہار بھی کرے تب بھی وہ کافر ہے کہ اس نے ایک ضروری اور بنیادی عقیدہ کو معلوم نہیں کیا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا اقرار ایک بنیادی عقیدہ ہے اور وہ شخص اس سے بے خبر ہے اور تمام علمائے اسلام اور فقہائے ملت اس بات پر متفق ہیں کہ سب حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر تھے جس کو صاف اور صریح الفاظ میں اپنی کتابوں میں وہ بلاخوف تردید اظہار اور اعلان کرتے رہے ہیں۔ علامہ استاذ الحدیث مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ترجمان السنۃ میں ''اسلام میں رسول کا تصور'' کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا ہے اختصار کر کے نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت علامہؒ لکھتے ہیں۔

''...... رسول ایک انسان ہوتا ہے اور عام انسانوں پر اس کی برتری سمجھنے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا فرستادہ اور اس کا پیغمبر ہے۔ اس کی جانب سے منصب اصلاح پر کھڑا کیا گیا ہے اور اس لئے اس کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان ہو کیونکہ اصلاح کے لئے صرف علم کافی نہیں۔ احساس کی بھی ضرورت ہے جو غم نہیں کھا سکتا وہ ایک غمزدہ کی پوری تسلی بھی نہیں کر سکتا۔ جو بھوک سے آزاد ہے وہ ایک بھوکے کے ساتھ صحیح دلسوزی کرنا بھی نہیں جانتا۔ جو فطرت انسانی کی کمزوریوں سے آشنا نہیں وہ ان کمزوریوں پر اغماض بھی نہیں کر سکتا اسی لئے قرآن کریم نے جابجا بعثت کے ساتھ رسولوں کا انسان ہونا ایک مستقل انجام قرار دیا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق چوتھے پارہ سورہ ال عمران میں ارشاد فرمایا۔ **لقد من اللہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم۔** (حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں انہی کی جنس سے ایک پیغمبر کو بھیجا) یعنی اس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انسانوں میں تو بھیجا ہی تھا مگر انسانوں میں عرب۔ اور عربوں میں قریش اور قریش میں ہاشمی بنایا مگر ان چند در چند خصوصیات کے باوجود پھر بھی آپ ایک انسان ہی رہے اور یہی وہ عقیدہ تھا جو ابتدا میں اولاد آدم کو بنیادی طور پر بتا دیا گیا تھا چنانچہ آٹھویں پارہ سورہ اعراف میں ارشاد ہے **یبنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایٰتی فمن اتقیٰ واصلح فلاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔** یعنی ہم نے عالم ارواح ہی میں کہہ دیا تھا کہ اے اولاد آدم کی اگر تمہارے پاس رسول آویں جو تم ہی میں سے ہوں گے جو میرے احکام تم سے بیان کریں گے سو ان کے آنے پر جو تقویٰ کی راہ اختیار کرے اور نیک رہے سو ان پر آخرت میں نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے تو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن باتوں کی اولاد آدم کو بنیادی طور پر تعلیم دی گئی تھی ان میں ایک بعثت رسول۔ دوم رسولوں کے انسان ہونے کا عقیدہ تھا اسی عقیدہ کے مطابق دنیا میں خدا کے بہت سے رسول آئے جن کی صحیح تعداد خدا ہی کو معلوم ہے اس درمیان میں دنیا کی مقرر عمر آخر جب ہونے لگی ادھر رسولوں کی مقرر تعداد بھی پوری ہو گئی اس لئے آخری رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر اس سلسلہ کو ختم کر دیا گیا۔ اس تمام سلسلہ میں جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع

ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے کوئی رسول ایسا نہ تھا جو انسان نہ ہوتا۔ علاوہ اس کے کہ رسول اگر انسان نہ ہوں تو وہ انسانوں کی پوری اصلاح نہیں کر سکتے اور نسل انسانی پر یہ ایک بدنما داغ ہوتا کہ اشرف المخلوقات کا مصلح و مربی کسی اور نوع میں پیدا کیا جائے اس لئے خود رسول اور نوع انسانی کا شرف و کمال یہی تھا کہ رسول انسانوں میں سے ایک انسان ہوتا۔ (ترجمان السنۃ جلد اول)

اب یہاں ایک ممکن غلط فہمی جو ہو سکتی ہے اس کا رفع کر دینا بھی ضروری ہے وہ یہ جیسا کہ حضرت علامہ بدر عالم صاحب مہاجر مدنیؒ نے ترجمان السنۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بشر ضرور ہوتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ وہ بالکل ایسے ہی بشر ہوتے ہیں جیسے کہ عام بشر ہوا کرتے ہیں بلکہ وہ ان سے اتنے ممتاز بھی ہوتے ہیں کہ اگر بیک وقت دونوں پر نظر ڈالی جائے تو یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ علیحدہ علیحدہ دو صنفوں کے افراد ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نفس بشریہ میں گو سب انسانوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں لیکن پھر بھی وہ تمام نوع بشر سے ممتاز بھی ہوتے ہیں اور صرف اپنی سیرت میں نہیں۔ بلکہ اپنے جسم اور جوارح میں بھی اور ان کے خواص میں بھی۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم مبارک کی امتیازی خصوصیت میں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی پشت کی جانب سے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جیسا کہ اپنے سامنے کی جانب سے یا مثلاً ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ جو انبیاء ہوتے ہیں ہماری صرف آنکھیں ہی آنکھیں سوتی ہیں ہمارے دل نہیں سوتے یعنی عام بشر پر جن حالات میں پوری غفلت طاری ہوتی ہے انبیاء کرام ان حالات میں بھی پورے ہشیار رہتے ہیں یا جیسا کہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی نبی کی وفات نہیں ہوتی جب تک کہ جنت میں اس کا مقام اس کو دکھا نہیں دیا جاتا اور پھر اس کے بعد یہ اس کو اختیار بھی دیا جاتا ہے کہ وہ جو چاہے پسند کرے یعنی خواہ اور جینا پسند کرے یا وفات کو پسند کرے یعنی انبیاء کی روح ان کی اجازت کے بعد قبض کی جاتی ہے پھر انبیاء علیہم السلام کا گو خاکی قالب وہی ہوتا ہے جو عام انسانوں کا مگر ان کا جوہر فطرت خلقۃً اور پیدائشی ایسا پاکیزہ اور منور بنایا جاتا ہے کہ ان کی معصومیت پر فرشتوں کی معصومیت بھی رشک کرتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام پیدائشی طور پر نفس مطمئنہ رکھتے ہیں جو فطرۃً ہر معصیت سے نفور اور نشہ عبودیت سے چور ہوتا ہے۔ (ماخذ ترجمان السنۃ)

اب اس بحث کے خاتمہ پر ہم وہ الفاظ نقل کرتے ہیں جو حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ شیخ التفسیر والحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے اپنی تالیف ''تنقید متین'' میں تحریر کئے ہیں کہ ہمارا ایمان اور تحقیق یہ ہے کہ امام الرسل خاتم النبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر بھی ہیں اور نور بھی جنس اور ذات کے لحاظ سے تو آپ بشر ہیں اور صفت و ہدایت کے اعتبار سے آپ نور ہیں۔ آپ کی بدولت دنیائے ظلمت کو روشنی نصیب ہوئی کفر و شرک کی تاریکی کافور ہوئی اور نور ایمان و توحید کی شعاعوں سے سطح ارضی منور ہوئی جو لوگ خواہشات نفسانی کی تاریکیوں اور باہمی شقاق و خلاف کے گہرے گڑھوں میں پڑے دھکے کھا رہے تھے آپ کی وساطت سے وہ سلامتی کی کھلی اور روشن راہوں پر گامزن ہو گئے۔ کوئی مسلمان اس حقیقت کا منکر نہیں۔ ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں معنی نور سمجھا کہ معاذ اللہ آپ کی بشریت۔ آدمیت اور انسانیت ہی کا سرے سے انکار کر دیا جائے تو یہ نصوص صریحہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہم اس کے قطعاً منکر ہیں۔ (تنقید متین)

یہ احقر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بزرگی اور بڑائی کے بارہ میں بس اس مصرع کا اعتقاد رکھتا ہے

ع کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

غرضکہ ان آیات میں منکرین کو خطاب کر کے حقائق بیان کئے گئے اور منکرین کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ہوش میں آئیں اور اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پر صحیح اور سچے طریقہ سے ایمان لائیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۸ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ 2

سو تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو کہ ہم نے نازل کیا ہے ایمان لاؤ اور اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ جس دن کہ تم سب کو

لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ

اس جمع ہونے کے دن میں جمع کرے گا وہ یہی دن ہے نفع اور نقصان کا اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کر دے گا

وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹

اور اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۰ ع

اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا یہ لوگ دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

فَاٰمِنُوْا پس تم ایمان لاؤ	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرَسُوْلِهٖ اور اسکے رسولؐ	وَالنُّوْرِ اور نور	الَّذِيْٓ وہ جو	اَنْزَلْنَا ہم نے نازل کیا	وَاللّٰهُ اور اللہ	
بِمَا تَعْمَلُوْنَ جو تم کرتے ہو اس سے	خَبِيْرٌ باخبر	يَوْمَ جس دن	يَجْمَعُكُمْ وہ جمع کریگا تمہیں	لِيَوْمِ الْجَمْعِ جمع ہونے (قیامت) کے دن			
ذٰلِكَ یہ	يَوْمُ التَّغَابُنِ نقصان اٹھانے (ہار جیت) کا دن	وَمَنْ اور جو	يُّؤْمِنْ وہ ایمان لائے	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَ اور	يَعْمَلْ وہ کام	صَالِحًا ()
يُّكَفِّرْ وہ دور کردیگا	عَنْهُ اس سے	سَيِّاٰتِهٖ اس کی برائیاں	وَيُدْخِلْهُ اور وہ اسے داخل کریگا	جَنّٰتٍ باغات	تَجْرِيْ جاری ہیں	مِنْ تَحْتِهَا انکے نیچے	
الْاَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہینگے	فِيْهَآ ان میں	اَبَدًا ہمیشہ	ذٰلِكَ یہ	الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ بڑی کامیابی	وَ اور	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا
وَكَذَّبُوْا اور انہوں نے جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَآ ہماری آیتوں کو	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	اَصْحٰبُ النَّارِ دوزخ والے	خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهَا اس میں		
وَبِئْسَ اور بری	الْمَصِيْرُ جائے بازگشت (ٹھکانا)						

تفسیر و تشریح: ان آیات میں ان منکرین حق کو سمجھایا جاتا ہے کہ تم اللہ کے رسول کی بات نہ مان کر اور آخرت کا انکار کر کے گزشتہ منکرین کی طرح اپنی ہلاکت اور تباہی کو دعوت مت دو اور تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اللہ پر۔ اس کے رسول پر اور اللہ کی نورانی کتاب یعنی قرآن کریم پر سچے دل سے ایمان لے آؤ۔ اور یہ سمجھ لو کہ جو کچھ بھی تم دنیا میں کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے اور تمہیں اس حقیقت کا پتہ اس روز معلوم ہو جائے گا جو سب کے جمع ہونے کا دن ہے۔ مراد اس سے قیامت کا دن ہے جب کہ تمام انسانوں کو بیک وقت زندہ کر کے میدان حشر میں اکٹھا کیا جائے گا۔ اس دن کوئی گھاٹے اور نقصان میں رہے گا اور کوئی فائدہ اور نفع میں رہے گا۔ اسی کو آیت میں یوم التغابن فرمایا ہے۔ اب کون نفع میں رہے گا اور کون نقصان میں رہے گا یہ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جس نے دنیا میں اللہ پر ایمان لا کر عمل صالح کئے ہوں گے وہ فائدہ اٹھائیں گے اور نفع میں رہیں گے۔

یہاں آیت میں آخرت میں نفع اور فائدہ اٹھانے کے لئے صاف دو باتیں فرمائی گئی ہیں۔ من یو من باللہ ویعمل صالحاً جو دنیا میں اللہ پر ایمان لایا اور اس کے ساتھ عمل صالح یعنی نیک کام بھی کئے۔ اور اللہ پر ایمان لانے 2

سے مراد محض یہ مان لینا نہیں ہے کہ اللہ موجود ہے بلکہ اس طریقہ سے اور ان شرائط سے ماننا اور ایمان لانا مراد ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ سے بتایا ہے اس طرح اللہ پر ایمان لانے سے مراد اللہ کی وحدانیت وصفات وکمالات اس کے تمام احکام وقوانین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر ایمان ویقین لانے میں شامل ہے اسی طرح عمل صالح یعنی نیک کام سے مراد ہر وہ عمل نہیں ہے جسے انسان نے خود نیک سمجھ کر اختیار کیا ہو بلکہ مراد وہ عمل صالح ہے جو خدا کے بھیجے ہوئے قانون واحکام کے مطابق ہو۔ اور جس کام کو اللہ اور اس کے رسول نے عمل صالح بتلایا ہو۔ تو دنیا میں ایمان باللہ اور ساتھ ہی عمل صالح کا نتیجہ آخرت میں یہ ہوگا کہ ایسے شخص سے جو تقصیرات دنیا میں سرزد ہوئی ہوں گی وہ ایمان باللہ اور عمل صالح کی برکت سے معاف کر دی جائیں گی اور انہیں بہشت کے باغات میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل کر دیا جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ جو جنت میں پہنچ گیا اس کو ساری کامیابیاں حاصل ہو گئیں۔ اللہ کی رضا اور اس کے دیدار کا مقام یہی ہے۔ یہ تو ہوئے آخرت میں نفع اور فائدہ اٹھانے والے اور نقصان اور گھاٹے والے وہ ہوں گے کہ جنہوں نے دنیا میں کفر کیا اور اللہ کی آیتوں کو جھوٹا بتلایا اور اس کے رسول کی تکذیب کی ایسے لوگوں کو جہنم میں جھونکا جائے گا جہاں ان کو ہمیشہ رہنا پڑے گا اور جو بہت برا ٹھکانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس برے ٹھکانہ سے اور اس کی ہوا سے بھی ہم سب کو بچائیں۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے قیامت کے خسارہ اور حسرت وندامت سے بچالیں۔ اور یوم تغابن میں ہمیں کامیابی اور کامرانی سے سرفراز فرمائیں۔

الغرض یہاں تک سورۃ میں پہلے عام انسانوں سے خطاب فرمایا گیا اس کے بعد کفر کی راہ اختیار کرنے والوں سے خطاب فرمایا گیا اب اس کے بعد ایمان کی راہ اختیار کرنے والوں کو مخاطب کر کے بعض اہم ہدایات دی جاتی ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور ایمان بالقرآن کی دولت سے نوازا۔

یا اللہ ہم کو اس جہان سے حقوق العباد سے سبکدوش ہو کر کوچ کرنا نصیب فرما اور قیامت جو یَوۡمُ التَّغَابُنِ ہے وہاں سرخ روئی اور کامیابی وکامرانی نصیب فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ

کوئی مصیبت بدون خدا کے حکم کے نہیں آتی اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو راہ دکھا دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۱ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ

خوب جانتا ہے۔ اور اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم اعراض کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

الْمُبِيْنُ ۝۱۲ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۳

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیے۔

مَآ اَصَابَ نہیں پہنچی	مِنْ مُّصِيْبَةٍ کوئی مصیبت	اِلَّا مگر	بِاِذْنِ اللّٰهِ اذن سے اللہ	وَمَنْ اور جو	يُّؤْمِنْ وہ ایمان لاتا ہے	بِاللّٰهِ اللہ پر
يَهْدِ ہدایت دیتا ہے	قَلْبَهٗ اس کا دل	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے کا	عَلِيْمٌ جاننے والا	وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ اور تم اطاعت کرو اللہ کی	وَاَطِيْعُوْا اور اطاعت کرو
الرَّسُوْلَ رسول کی	فَاِنْ پھر اگر	تَوَلَّيْتُمْ پھر گئے تم	فَاِنَّمَا تو اس کے سوا نہیں	عَلٰي رَسُوْلِنَا ہمارے رسول پر۔ ذمے	الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ صاف صاف پہنچا دینا	
اَللّٰهُ اللہ	لَآ اِلٰهَ نہیں کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	وَعَلَي اللّٰهِ اور اللہ پر	فَلْيَتَوَكَّلِ پس بھروسہ کرنا چاہیے	الْمُؤْمِنُوْنَ ایمان والے	

تفسیر وتشریح: اس رکوع میں خطاب اہل ایمان سے ہے اوران کو چند اہم ہدایات دی جاتی ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اس سورۃ کا نزول مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے مکہ سے ہجرت کے بعد ہوا ہے اور وہ مسلمانوں کے لئے بڑی سختی اور مصائب کا زمانہ تھا۔ مکہ سے برسوں ظلم وستم کفار کے سہنے کے بعد اہل ایمان اپنا وطن۔ گھر بار سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہجرت پر مجبور کردیئے گئے تھے۔ ادھر مدینہ میں انصار پر ایسا وقت آپڑا کہ ایک طرف تو سیکڑوں مہاجرین کو سہارا دینا تھا دوسری طرف پورے عرب کے اعدائے اسلام ان کے دشمن اور درپے آزاد ہو گئے تھے۔ تو ان آیات میں اہل ایمان کو تسلی دی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں جو تکلیف ومصیبت بھی آتی ہے اللہ کے حکم سے آتی ہے

یہ تو سراسر مشیت الٰہی اور حکم خداوندی پر موقوف ہے کہ کسی پر کوئی مصیبت نازل ہونے دے یا نہ ہونے دے اور اللہ کا حکم بہر حال کسی نہ کسی مصلحت کی بنا پر ہوتا ہے جسے انسان نہ سمجھ سکتا ہے نہ جان سکتا ہے۔ تو مومن کو یہاں یہ بات ذہن نشین کرانی مقصود ہے کہ جب ان کو اس بات کا یقین ہے کہ مصیبت اور سختی اللہ کی مشیت اور ارادہ کے بغیر نہیں پہنچتی تو مومن کو بددل اور غمگین و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بہرصورت میں مالک حقیقی کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہئے اور صبر وسہار سے برداشت کرنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر سے مجھے یہ تکلیف پہنچی ہے۔ اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت اور حکمت ہے۔

اسی بات کو ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے حق میں جو فیصلہ بھی کرتے ہیں وہ اس کے لئے اچھا ہی ہوتا ہے۔ مصیبت پڑے تو صبر کرتا ہے اور وہ اس کے لئے اچھا ہوتا ہے اور اگر کوئی خیر پہنچے تو شکر کرتا ہے اور وہ بھی اس کے لئے اچھا ہی ہوتا ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی اور کو

نصیب نہیں ہوتی'' آگے واللہ بکل شئی علیم (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے) فرما کر جتلا دیا کہ جو تکلیف و مصیبت اس نے بھیجی عین علم وحکمت سے بھیجی اور وہی جانتا ہے کہ کون تم میں سے واقعی صبر واستقامت اور تسلیم ورضا کی راہ پر چلا اور کس کا دل کن احوال و کیفیات کا مورد بننے کے قابل ہے۔ اسی سلسلۂ کلام میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اچھے حالات ہوں یا برے حالات۔ نرمی ہو یا سختی۔ تکلیف ہو یا راحت غرض ہر حالت میں اللہ اور رسول کی اطاعت پر قائم رہو۔ اور ان کے حکم کو مانو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خود تمہارا ہی نقصان ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سب نیک و بد سمجھا کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ اللہ کو تمہاری طاعت یا معصیت سے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ خدائی کے سارے اختیارات تنہا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ معبود و مستعان تنہا اسی کی ذات ہے۔ اچھا وقت آ سکتا ہے تو اسی کے لانے سے آ سکتا ہے اور برا وقت ٹل سکتا ہے تو اسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے۔ لہٰذا جو شخص سچے دل سے اللہ کو خدائے واحد مانتا ہو اس کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ وہ اللہ کی ذات عالی پر بھروسہ رکھے اور یقین کرے کہ اللہ ہی کی مدد۔ تائید اور توفیق سے کام بنتا ہے اور مشکلات۔ مصائب وخطرات سے وہی بچانے والا ہے۔ دوسرا کوئی بچانے والا نہیں۔

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم مومنین مسلمین ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ مصیبت پر صبر کرتے ہیں۔ راحت پر شکر کرتے ہیں اور قضا پر راضی رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بخدا تم سچے مومن ہو۔ اللہ تعالیٰ انہی صفات کا مومن و مسلم بنا کر ہمیں زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

الحاصل ان آیات سے یہی معلوم ہوا کہ ایمان کی شان یہی ہے کہ ہر کام میں اور ہر حال میں مسلمان کا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہو اور اسباب کو صرف اسباب ہی سمجھے اور اسباب ترک کر کے بیٹھ رہنے کا نام توکل نہیں۔ یہ تو تعطل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اسباب بھی اختیار فرماتے تھے اور تدابیر بھی عمل میں لاتے تھے مگر کام کے ہونے نہ ہونے یا بننے۔ نہ بننے کا یقین اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر ہوتا تھا اور یہی ان آیات کی تعلیم ہے۔

ابھی بعض مزید ہدایات اہل ایمان کو اگلی آیات میں دی گئی ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنی ذات پاک پر ہر حال میں بھروسہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنی اطاعت و فرمانبرداری ہر حال میں ہم کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ آپ ہم کو راحت اور خوشی عطا فرمائیں تو ہم کو شکر کی توفیق نصیب ہو اور رنج وغم پہنچے تو صبر اور رضا بالقضا کی کیفیت نصیب ہو۔

یا اللہ ہمیں وہ ایمان صادق نصیب فرمائیے کہ ہم آپ کے ہر فیصلہ پر دل وجان سے راضی ہوں اور ہر حال میں آپ کے فضل کے امیدوار رہوں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا

اے ایمان والو تمہاری بعضی بیبیاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں سو تم ان سے ہوشیار رہو، اور اگر تم معاف کر دو

وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ

اور درگذر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے، اور اللہ

عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا

کے پاس بڑا اجر ہے۔ تو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور مانو اور خرچ کیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا،

لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٦﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے

يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

بڑھاتا چلا جاوے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اور اللہ بڑا قدردان ہے بڑا بردبار ہے۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے زبردست ہے حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ایمان والو	اِنَّ بیشک	مِنْ سے (بعض)	اَزْوَاجِكُمْ تمہاری بیویاں	وَاَوْلَادِكُمْ اور تمہاری اولاد	عَدُوًّا دشمن		
لَّكُمْ تمہارے لئے	فَاحْذَرُوْهُمْ پس تم ان سے بچو	وَاِنْ اور اگر	تَعْفُوْا تم معاف کردو	وَتَصْفَحُوْا اور تم درگزر نہ کرو	وَ اور	تَغْفِرُوْا تم بخش دو		
فَاِنَّ اللّٰهَ تو بے شک اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ مہربان	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	اَمْوَالُكُمْ تمہارے مال	وَاَوْلَادُكُمْ اور تمہاری اولاد			
فِتْنَةٌ آزمائش	وَاللّٰهُ اور اللہ	عِنْدَهٗ اس کے پاس	اَجْرٌ عَظِيْمٌ بڑا اجر	فَاتَّقُوا اللّٰهَ پس تم ڈرو اللہ سے	مَا اسْتَطَعْتُمْ جہاں تک تم سے ہو سکے			
وَاسْمَعُوْا اور تم سنو	وَاَطِيْعُوْا اور تم اطاعت کرو	وَاَنْفِقُوْا اور تم خرچ کرو	خَيْرًا بہتر	لِّاَنْفُسِكُمْ تمہارے حق میں	وَمَنْ اور جو	يُّوْقَ بچالیا گیا		
شُحَّ بخیلی	نَفْسِهٖ اپنی جان	فَاُولٰۗىِٕكَ تو یہی لوگ	هُمُ وہ	الْمُفْلِحُوْنَ فلاح پانیوالے	اِنْ اگر	تُقْرِضُوا تم قرض دو گے	اللّٰهَ اللہ	قَرْضًا قرض
حَسَنًا حسنہ	يُّضٰعِفْهُ وہ اسے دو چند کردیگا	لَكُمْ تمہارے لئے	وَيَغْفِرْ لَكُمْ اور وہ تمہیں بخش دیگا	وَاللّٰهُ اور اللہ	شَكُوْرٌ قدر شناس			
حَلِيْمٌ بردبار	عٰلِمُ الْغَيْبِ جاننے والا۔ پوشیدہ	وَالشَّهَادَةِ اور ظاہر	الْعَزِيْزُ غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا				

تفسیر وتشریح: یہ سورہ تغابن کی خاتمہ کی آیات ہیں اوپر اہل ایمان کی طرف مخاطب ہو کر بتلایا گیا تھا کہ دنیا میں جو تکلیف یا مصیبت آتی ہے وہ اللہ کے حکم اور مشیت سے آتی ہے۔ ایسے حالات میں جو شخص ایمان پر ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت بخشتے ہیں اور اس کو صبر و تسلیم کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا کیسے ہی حالات ہوں مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگا رہے اگر مصائب سے گھبرا کر اور پریشان ہو کر اس نے اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے روگردانی کی تو وہ خود اپنا نقصان کرے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سب نیک و بد سمجھا کر اپنا فرض ادا کر چکے اس لئے مومن کو ہر حال میں اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے اور اللہ اور اس کے رسول کے احکامات پر کمربستہ رہنا چاہئے۔ اب اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بیوی بچوں کی

محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ کو اور اس کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ان تعلقات کے پیچھے کتنی ہی برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے اور کتنی ہی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے۔ بیوی اور اولاد کی فرمائشیں اور رضا جوئی اسے کسی وقت دم نہیں لینے دیتی۔ اس چکر میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو اہل وعیال اتنے بڑے دینی خسارہ اور دینی نقصان کا باعث بنیں وہ حقیقتہً اس کے دوست نہیں کہلائے جا سکتے بلکہ نتیجہ کے لحاظ سے بدترین دشمن ہیں۔ اور جس دشمن کا احساس بھی بسا اوقات آدمی کو نہیں ہوتا اس لئے حق تعالیٰ ان آیات میں اہل ایمان کو متنبہ فرماتے ہیں کہ ان دشمنوں سے ہوشیار رہو اور ایسا رویہ اختیار کرنے سے بچو جس کا نتیجہ اہل وعیال کی دنیا سنوارنے کی خاطر اپنا دین ایمان برباد کرنے کے سوا کچھ نہ ہو۔ لیکن یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ دنیا میں ساری بیویاں اور ساری اولاد اسی قماش کی نہیں ہوتی ہیں۔ بہت اللہ کی بندیاں ہیں جو اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتی ہیں اور نیک کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں اور کتنی ہی سعادت مند اولاد ہے جو اپنے والدین کے لئے باقیات صالحات بنتی ہے پھر جن مخصوص حالات میں ان آیات کا نزول ہوا ہے اس وقت بکثرت مسلمانوں کو یہ حالات درپیش تھے کہ ایک مرد ایمان لے آیا ہے تو بیوی بچے نہ صرف اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ خود اس مرد کو اسلام سے پھیر دینے کے لئے کوشاں ہوتے۔ اس لئے اہل ایمان کو خطاب کر کے ان آیات میں ہدایات دی جاتی ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ بعض عورتیں اپنے مردوں کو اور بعض اولاد اپنے ماں باپ کو یاد خدا اور نیک اعمال سے روک دیتے ہیں جو درحقیقت دشمنی ہے۔ اس لئے ہدایت دی گئی کہ ایسے بیوی بچوں سے ہوشیار رہو اور اپنے دین کی نگہبانی ان کی ضروریات اور فرمائشات کے پورا کرنے پر مقدم رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ بیوی بچوں کی محبت میں پھنس کر احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بعض اہل مکہ اسلام قبول کر چکے تھے مگر زن وفرزند کی محبت نے انہیں ہجرت سے روک دیا۔ (حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ مکہ سے ہجرت کرنا ہر مسلمان پر فرض تھا) پھر جب اسلام خوب پھیل گیا تب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت دیکھا کہ ان سے پہلے کے مہاجرین نے بہت کچھ علم دین حاصل کر لیا ہے اس پر ان دیر سے آنے والے مہاجرین کے دل میں آیا کہ اپنے بال بچوں کو سزا دیں۔ اس پر یہ ہدایت دی گئی کہ اب درگزر کرو آئندہ کے لئے ہوشیار رہو۔ اگر ان بیوی بچوں نے تمہارے ساتھ دشمنی کی اور تم کو کوئی دینی یا دنیوی نقصان پہنچ گیا تو اس کا اثر یہ نہ ہونا چاہئے کہ ایمان والے انتقام کے درپے ہو جائیں اور ان پر نامناسب سختی شروع کر دیں اور تشدد و بے رحمی کا معاملہ ان سے کرنے لگیں ایسا کرنے سے دنیوی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ جہاں تک عقلاً وشرعاً گنجائش ہو۔ ان کی حماقتوں اور کوتاہیوں کو معاف کرو اور عفو ودرگزر سے کام لو۔ ان مکارم اخلاق پر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ مہربانی کرے گا۔ یہیں سے علما نے یہ مسئلہ استدلال کیا ہے کہ اہل وعیال سے کوئی کام خلاف شرع بھی ہو جائے تو ان سے بیزار ہو جانا اور ان سے بغض رکھنا یا ان کے لئے بددعا کرنا مناسب نہیں۔ آگے ایمان والوں کو ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مال و اولاد دے کر جانچتا ہے کہ کون ان فانی اور زائل چیزوں میں پھنس کر آخرت کی باقی ودائم نعمتوں کو فراموش کرتا ہے اور کس نے ان سامانوں کو اپنی آخرت کا ذخیرہ بنایا ہے اور کون وہاں کے اجر عظیم کو دنیا کے وقتی فائدوں اور حظوظ پر ترجیح دیتا ہے۔ اس لئے اے ایمان والو اللہ سے ڈر کر جہاں تک ہو سکے اس جانچ وآزمائش میں ثابت قدم رہو اور اللہ کی بات سنو اور مانو۔ یہ تو حکم ہوا بیوی بچوں کے متعلق اور مال کے متعلق یہ ہے کہ اس کو بھلائی کے لئے خرچ کرو اس لئے کہ جو دے دو گے وہ تمہارے ساتھ چلے گا جس کا اجر یقیناً ملے گا اور جو چھوڑ گئے وہ تمہارے پاس سے جاتا رہا۔ اس لئے مال کو اللہ کے

راستہ میں خرچ کرنے سے تمہارا ہی بھلا ہوگا اور سمجھ لو کہ جس کو اللہ تعالیٰ حرص و بخل سے محفوظ رکھے اور دل کے لالچ سے بچاوے تو یہ اس کی بڑی کامیابی ہے اور ایسا ہی شخص مراد کو پہنچتا ہے۔ آگے اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں اخلاص اور نیک نیتی سے طیب مال خرچ کرو تو اللہ اس سے کہیں زیادہ دے گا۔ اور تمہاری کوتاہیوں کو معاف فرمادے گا اور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان بڑا برد بار اور تمام چھپی کھلی چیزوں کو جاننے والا ہے اور نہایت زبردست اور حکمت والا ہے لہٰذا اس کے احکام تمہیں ماننا چاہئیں اور اس کی مخالفت نہ کرنی چاہیے۔

یہاں جو فرمایا گیا انمآ اموالکم و اولاد کم فتنة ط تو فتنہ کے معنیٰ ابتلا اور امتحان کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مال اور اولاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کی آزمائش کرتے رہتے ہیں کہ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر احکام و فرائض سے غفلت کرتا ہے۔ ناجائز اور حرام میں مبتلا ہوتا ہے یا محبت کو اپنی حد میں رکھ کر اپنے فرائض دینیہ اور احکام الٰہیہ سے غافل نہیں ہوتا اور اللہ کے ذکر و فکر کو نہیں بھلاتا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مال و اولاد انسان کے لئے بڑا فتنہ اور آزمائش ہیں۔ اکثر گناہوں میں خصوصاً حرام کمائی، رشوت اور ناجائز امور میں انسان اہل و عیال کی بے جا محبت کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بعض اشخاص کو لایا جائے گا تو اس کو دیکھ کر لوگ یعنی اہل محشر کہیں گے اکل عياله حسناته یعنی اس کی نیکیوں کو اس کے عیال نے کھالیا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے اہل و عیال کے حقوق دین کے تحت پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ان کو ہمارے لئے دین میں معاون اور مددگار بنائیں۔ آمین۔

الحمدللہ اس درس پر سورہ تغابن کا بیان پورا ہو گیا۔ اب ان شاء اللہ اگلی سورہ کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ التغابن کے خواص

اگر کسی ظالم و جابر حکمران وغیرہ کا خوف ہو تو اس کے پاس جانے سے پہلے سورۃ التغابن پڑھ لے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے شر سے اسے کافی ہو جائیں گے۔ (الدر النظیم)

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہماری بیبیوں اور اولادوں کو ہمارے لئے دین میں معاون اور مددگار بنائیں۔

یا اللہ ہم کو اور ہمارے بیوی بچوں کو سب کو اسلام اور ایمان کی سچی محبت نصیب فرما۔

یا اللہ ہمارے مال و اولاد کو اپنی مرضیات کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنایئے اور ہر حال میں ہم کو اپنے احکام کا پابند رکھیے۔ مال دولت کی حرص سے ہمارے قلوب کو پاک فرمایئے اور جو کچھ ہم کو عطا کیا ہے اسے اپنے رستہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَا عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ

اے پیغمبر آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو تو اُن کو عدت سے پہلے طلاق دو

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبیؐ	اِذَا جب	طَلَّقْتُمْ تم طلاق دو	النِّسَآءَ عورتوں	فَطَلِّقُوْهُنَّ تو انہیں طلاق دو	لِعِدَّتِهِنَّ انکی عدت کے وقت	

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کے شان نزول کے سلسلہ میں یہ روایت لکھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بی بی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ناراض ہوئے اور حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ حیض میں طلاق دینی ناجائز ہے۔ رجعت کرلو۔ اسی سلسلہ میں سورۃ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور طلاق کا طریقہ تعلیم فرمایا گیا۔

نکاح وطلاق کی شرعی حیثیت اسلام میں بڑی اہمیت رکھتی ہے نکاح کو اسلام نے صرف ایک معاملہ اور معاہدہ ہی نہیں رکھا ہے بلکہ اس کو ایک گونہ عبادت کی حیثیت بخشی ہے اور چونکہ معاملہ ازدواج کی درستی پر عام نسل انسانی کی درستی موقوف ہے اس لئے قرآن کریم میں ان عائلی مسائل کو تمام دوسرے دنیوی مسائل ومعاملات سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کو بغور پڑھنے والا یہ عجیب مشاہدہ کرے گا کہ دنیا کے تمام معاشی مسائل میں سب سے اہم تجارت، شرکت اجارہ وغیرہ ہیں۔ قرآن حکیم نے ان کے تو صرف اصول بتلانے پر اکتفا فرمایا ہے۔ ان کے فروعی مسائل قرآن کریم میں شاذونادر ہیں۔ بخلاف نکاح وطلاق کے کہ ان میں صرف اصول بتلانے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ان کے بیشتر فروع اور جزئیات کو بھی براہ راست حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمایا ہے۔ یہ مسائل قرآن کی اکثر سورتوں میں متفرق اور سورہ نسآء میں کچھ زیادہ تفصیل سے آئے ہیں۔ یہ سورۃ جو سورہ طلاق کے نام سے موسوم ہے اس میں خصوصیت سے طلاق وعدت وغیرہ کے احکام کا ذکر ہے۔ (معارف القرآن)

یہاں خطاب یٰایها النبی کے الفاظ سے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر مفسرین نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر خطاب ساری امت سے ہے۔ اب خطاب فرما کر حکم عام دیا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی ضرورت اور مجبوری سے اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ زمانہ عدت یعنی حیض سے پہلے طہر یعنی پاکی کی حالت میں طلاق دے۔ حیض کی حالت میں طلاق نہ دے۔ طلاق سے متعلق یہ اس سورۃ کا پہلا حکم ہے اور حکمت اس حکم کی علماء نے یہ لکھی ہے کہ حیض میں عورت کی طرف دل راغب نہیں ہوتا اور وہ گندگی سے ملوث رہتی ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس نفرت طبعی نے کسی رنجش وغیرہ کو طلاق دینے پر ابھارا دیا ہو اس لئے حکم ہوا کہ طہر یعنی عورت کے پاکی کے زمانہ میں طلاق دینی چاہئے تاکہ اصلی مصلحت کا تقاضا معلوم ہو۔

اب یہاں جو یہ فرمایا گیا اذا طلقتم النسآء جب تم عورتوں کو طلاق دے دو۔ شریعت اسلامیہ نے طلاق کو مجبوری کی حالت میں روا رکھا ہے اور بجز قوی سبب کے اس کی اجازت نہیں دی اور عورتوں کی کج خلقی پر صبر و برداشت کی تاکید فرمائی۔ حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حلال چیزوں میں زیادہ مبغوض اور زیادہ ناپسندیدہ چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ مطلب یہ کہ طلاق سخت حاجت کے وقت رکھی گئی ہے اور حلال ہے مگر بلا حاجت بہت بری

بات ہے اس لئے کہ نکاح تو باہم الفت و محبت اور زوج وزوجہ کی راحت کے واسطے ہوتا ہے اور طلاق سے یہ سب باتیں جاتی رہتی ہیں۔حق تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہوتی ہے۔ایک دوسرے کو کلفت ہوتی ہے۔باہم عداوت ہوتی ہے۔نیز اس کی وجہ سے بیوی کے رشتہ داروں سے بھی عداوت ہوتی ہے اس لئے اسلام نے طلاق کو اسی وقت جائز رکھا ہے جبکہ نباہ کی کوئی صورت نہ ہو۔اس وقت ایک دوسرے سے علیحدگی کے لئے طلاق میں مضائقہ نہیں۔ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ نکاح کرو اور طلاق نہ دو اس لئے کہ طلاق دینے سے عرش ہلتا ہے۔(بہشتی زیور حصہ چہارم)۔قرآن وحدیث کے احکام کے ماتحت فقہا نے لکھا ہے کہ طلاق دینے کے جب کسی ضرورت سے طلاق دی جائے تین طریقے ہیں۔ایک بہت اچھا۔دوسرا اچھا۔ تیسرا بدعت وحرام۔تشریح ان تینوں طریقوں کی یہ ہے کہ بہت اچھا طریقہ تو یہ ہے کہ مرد بیوی کو پاکی کے زمانہ میں یعنی ایسے وقت جس میں حیض وغیرہ سے عورت پاک ہو ایک طلاق دے مگر یہ بھی شرط ہے کہ اس تمام پاکی کے زمانہ میں صحبت نہ کی ہو اور عدت گذرنے تک پھر کوئی طلاق نہ دے۔عدت گذرنے سے خود ہی نکاح جاتا رہے گا۔ ایک سے زیادہ طلاق دینے کی حاجت نہیں اس لئے کہ طلاق سخت مجبوری میں جائز رکھی گئی ہے لہٰذا بقدر ضرورت کافی ہے۔بہت سی طلاقوں کی کیا حاجت ہے۔یہ تو ہوا بہت اچھا طریقہ اور دوسرے نمبر پر اچھا طریقہ یہ ہے کہ عورت کو تین پاکی کے زمانوں میں تین طلاق دے۔دو حیضوں کے درمیان جو پاکی رہتی ہے اس کو ایک زمانہ پاکی کا کہتے ہیں سو ہر پاکی کے زمانہ میں ایک طلاق دے اور ان پاکی کے زمانوں میں بھی صحبت نہ کرے۔اور بدعت ناجائز اور حرام طریقہ وہ ہے جو ان دونوں صورتوں کے خلاف ہو مثلاً تین طلاق یکبارگی دے دے یا حیض کی حالت میں طلاق دے۔یا جس پاکی میں صحبت کی تھی اس میں طلاق دے تو اس تیسری قسم کی سب صورتوں میں گو طلاق تو واقع ہو جائے گی مگر آدمی گناہ گار ہوگا۔

یہاں یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ حکم جو دیا گیا ہے یہ اس صورت میں ہے کہ عورت سے قربت اور خلوت صحیحہ ہو چکی ہو اور جس سے ایسا اتفاق نہ ہوا ہو مثلاً کسی عورت سے نکاح کر لیا مگر رخصتی کی نوبت نہ آئی یعنی خلوت یا صحبت نہیں کی ایسی عورت کو خواہ حیض کے زمانہ میں طلاق دے یا پاکی کے زمانہ میں ہر طرح درست ہے مگر ایک طلاق دے۔(بہشتی زیور حصہ ۴)

چونکہ یہاں طلاق کا ذکر آ گیا ہے اور طلاق کا مسئلہ جتنا اہم ہے اتنا ہی نازک بھی ہے۔اس لئے اگر کسی کو ایسا موقع درپیش ہو تو کسی حنفی محقق عالم اور مفتی سے رجوع کر کے حکم معلوم کر لیا جائے۔طلاق سے متعلق بعض اہم اور ضروری مسائل کہ

(۱) طلاق کتنی قسم کی ہوتی ہیں۔(۲) طلاق دینے کا اختیار کس کو ہے (۳) کن الفاظ سے طلاق پڑ جاتی ہے اور کن الفاظ سے طلاق نہیں پڑتی۔(۴) کسی شرط پر طلاق دینے کے احکام۔

(۵) رخصتی سے پہلے طلاق ہو جانے کے احکام۔

(۶) بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کے احکام وغیرہ وغیرہ بہشتی زیور حصہ چہارم میں یا کسی مستند فقہ کی کتاب میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

الغرض طلاق سے متعلق اس ابتدائی آیت کے حصہ میں پہلا حکم بیان ہوا۔اس سلسلہ میں مزید احکام آیت کے اگلے حصہ میں بیان کئے گئے ہیں جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہم کو جملہ قرآنی احکام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں شریعت کے احکام کی پابندی نصیب ہو۔ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی۔

یا اللہ ہمارے ملک میں بھی شرعی قوانین کے نفاذ کی صورت غیب سے ظاہر فرما دے اور غیر شرعی خصوصاً عائلی قوانین جو رائج ہیں ان کے ختم ہو جانے اور مٹ جانے کی صورت فرما دے۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ

اور تم عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے ان عورتوں کو ان کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں

يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ

کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے، اور یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا اُس نے اپنے اوپر ظلم کیا

نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ

تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس کے کوئی نئی بات پیدا کردے۔ پھر جب وہ عورتیں اپنی عدت گذرنے کے قریب پہنچ جاویں

بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ

تو ان کو قاعدہ کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدے کے موافق اُن کو رہائی دو اور آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو اور تم ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے گواہی دو

يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ڛ

اس مضمون سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتا ہو،

وَاَحْصُوا اور تم شمار رکھو	الْعِدَّةَ عدت	وَاتَّقُوا اور تم ڈرو	اللّٰهَ اللہ	رَبَّكُمْ تمہارا رب	لَا تُخْرِجُوْهُنَّ تم نہ نکالو انہیں	مِنْ سے
بُيُوْتِهِنَّ ان کے گھروں	وَلَا يَخْرُجْنَ اور نہ وہ (خود) نکلیں	اِلَّآ مگر	اَنْ يَّاْتِيْنَ یہ کہ وہ کریں	بِفَاحِشَةٍ بے حیائی	مُّبَيِّنَةٍ کھلی	وَتِلْكَ اور یہ
حُدُوْدُ اللّٰهِ اللہ کی حدود	وَمَنْ اور جو	يَّتَعَدَّ آگے نکلے گا	حُدُوْدَ اللّٰهِ اللہ کی حدود	فَقَدْ ظَلَمَ تحقیق اس نے ظلم کیا	نَفْسَهٗ اپنی جان	
لَا تَدْرِيْ تمہیں خبر نہیں	لَعَلَّ اللّٰهَ ممکن ہے اللہ	يُحْدِثُ وہ پیدا کردے	بَعْدَ ذٰلِكَ اسکے بعد	اَمْرًا کوئی اور بات	فَاِذَا پھر جب	بَلَغْنَ وہ پہنچ جائیں
اَجَلَهُنَّ اپنی میعاد	فَاَمْسِكُوْهُنَّ تو ان کو روک لو	بِمَعْرُوْفٍ اچھے طریقے سے	اَوْ یا	فَارِقُوْهُنَّ تم انہیں جدا کردو	بِمَعْرُوْفٍ اچھے طریقے سے	
وَاَشْهِدُوْا اور تم گواہ کرلو	ذَوَيْ عَدْلٍ دو انصاف پسند	مِّنْكُمْ اپنے میں سے	وَاَقِيْمُوا اور تم قائم کرو (دو)	الشَّهَادَةَ گواہی	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	
ذٰلِكُمْ یہی ہے	يُوْعَظُ بِهٖ جس کی نصیحت کی جاتی ہے	مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ جو ایمان رکھتا ہے	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کا دن		

تفسیر وتشریح: ان آیات میں طلاق کے بارہ میں مزید احکام دیئے جاتے ہیں چنانچہ دوسرا حکم یہ دیا جاتا ہے کہ عدت کا شمار کرتے رہو۔ عدت یہ ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر طلاق دے دے یا کسی اور طرح سے نکاح ٹوٹ جائے یا شوہر مر جائے تو ان سب صورتوں میں تھوڑی مدت تک عورت کو ایک گھر میں رہنا پڑتا ہے۔ جب تک یہ مدت ختم نہ ہو چکے اس وقت تک وہ عورت کہیں دوسری جگہ نہیں جاسکتی نہ کسی اور مرد سے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ عورت کے اس مقررہ مدت گذارنے کو "عدت" کہتے ہیں۔ اگر شوہر نے طلاق دے دی تو عورت تین حیض آنے تک شوہر ہی کے گھر جس میں طلاق ملی ہے عدت گذارے۔ اور کسی کا شوہر مر گیا تو عدت کا زمانہ چار ۴ مہینہ دس دن ہے۔ تو یہاں دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ مرد عورت دونوں کو چاہئے کہ عدت کو یاد رکھیں کہیں غفلت اور سہو کی وجہ سے کوئی بے احتیاطی اور گڑ بڑ نہ ہو جائے۔ اس حکم کے بعد فرمایا واتقوا اللّٰہ ربکم اور اللہ سے

ڈرو جو تمہارا پرورش کرنے والا ہے یعنی اللہ سے ڈر کر احکام شرعیہ کی پابندی رکھنی چاہئے۔ اس کے بعد تیسرا حکم ذکر فرمایا گیا کہ ان مطلقہ عورتوں کو ایام عدت میں ان کے رہنے کے گھروں سے نہ نکالا جائے اور عورتیں خود بھی اپنی مرضی سے نہ نکلیں۔ ہاں کوئی کھلی ہوئی بدکاری۔ یا چوری یا بقول بعض مفسرین زبان درازی اور ہر وقت کا رنج وتکرار کریں تو گھر سے نکالنا جائز ہے۔ ایسے موقع پر ایک دوسرے سے رنج پیدا ہونا طبعی بات ہے اور اس سے مزید فسادات کے اندیشے ہیں جس میں ایک دوسرے پر بلا وجہ ظلم وزیادتی بھی ہوسکتی ہے اس لئے ان احکام کے استحکام کے لئے آگے فرمایا گیا کہ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود ہیں اور ان احکام میں صدہا مصلحتیں اللہ تعالیٰ نے ودیعت رکھی ہیں۔ تو جس نے اللہ کے حدود سے تجاوز کیا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ گنہگار ہوگا اور اللہ کے ہاں سزا کا مستوجب ٹھہرے گا۔ کسی کو کیا معلوم کہ ان احکام کی پابندی کے بعد خدائے تعالیٰ کیا نتیجہ دکھلاتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس طلاق رجعی کے بعد اللہ کوئی اور بات پیدا کردے اور دوبارہ میل ملاپ کی شکل پیدا ہو جائے اس لئے عدت کے اندر عورت کو گھر سے علیحدہ نہ کرنا ہی مصلحت ہے۔

آگے چوتھا حکم بیان فرمایا جاتا ہے کہ طلاق رجعی میں جب عدت ختم ہونے کو آئے تو مرد کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کو دستور کے موافق رجعت کر کے اپنے نکاح میں رہنے دے اور یا عدت ختم ہونے پر معقول طریقہ سے اس کو جدا کردے۔ مطلب یہ کہ رکھنا ہو تب اور الگ کرنا ہو تب ہر حالت میں انسانیت اور شرافت کا برتاؤ کرے۔ یہ بات نہ کرے کہ رکھنا بھی مقصود نہ ہو اور خواہ مخواہ عدت لمبا کرنے کے لئے رجعت کرلیا کرے یا رکھنے کی صورت میں عورت کو ایذا پہنچانا اور طعن وتشنیع کرنا مقصد ہو۔ اس کے بعد پانچواں حکم دیا جاتا ہے کہ طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے اگر نکاح میں رکھنا چاہے تو رجعت پر دو گواہ کرلے تاکہ لوگ تہمت یا کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں اور آئندہ کوئی جھگڑا ہو تو اس کے فیصلہ میں سہولت ہو۔ یعنی زبان سے کہہ دے میں نے اپنی طلاق سے رجوع کرلیا اور اس پر دو گواہ بھی بنالے۔

اس موقع پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ مفتی اعظم پاکستان نے تحریر فرمایا ہے کہ آج کل دین سے بے پروائی اور اس کے احکام سے غفلت بری طرح عام ہوتی جارہی ہے جاہلوں کا تو کہنا ہی کیا ہے لکھے پڑھے بھی تین طلاق سے کم کو گویا طلاق ہی نہیں سمجھتے۔ اور رات دن اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ تین طلاقیں دینے والے بعد میں پچھتاتے ہیں اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ کسی طرح بیوی ہاتھ سے نہ جائے۔ حدیث صحیحہ میں تین طلاق بیک وقت دینے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت غضبناک ہونا نقل کیا ہے اس لئے بیک وقت تین طلاق دینا باجماع امت حرام وناجائز ہے .... مگر جس طرح تین طلاق بیک وقت دینے کے حرام ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ حرام ہونے کے باوجود کوئی شخص ایسا کر گذرے تو تینوں طلاق واقع ہو کر آئندہ آپس میں نکاح جدید بھی حلال نہیں ہوگا۔ پوری امت میں بعض غیر مقلد (جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں) اور اہل تشیع کے سوا تمام اہل سنت والجماعت کے مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں کہ تین طلاق بیک وقت بھی دے دی گئیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی کیونکہ کسی فعل کے حرام ہونے سے اس کے آثار کا وقوع متاثر نہیں ہوا کرتا۔ جیسے کوئی کسی کو بے گناہ قتل کردے تو یہ فعل حرام ہونے کے باوجود مقتول تو بہر حال مر ہی جائے گا۔ اسی طرح تین طلاق بیک وقت حرام ہونے کے باوجود تینوں کا وقوع لازمی امر ہے اور صرف مذاہب اربعہ ہی کا نہیں بلکہ اس پر صحابہ کرام کا بھی اجماع حضرت فاروق اعظمؓ کے

زمانہ میں منقول ومعروف ہے''۔ (معارف القرآن)

چھٹا حکم آگے گواہوں کے لئے ہے کہ گواہی کے وقت ٹیڑھی ترچھی بات نہ کریں سچی اور سیدھی بات کہنی چاہئے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب میں عورتوں پر بہت ظلم ہوتا تھا ان کو گائے بھینس جانوروں کی طرح یا نہایت مجبور اور ذلیل قیدیوں کی طرح سمجھتے تھے حتیٰ کہ جاہلیت میں بعض لوگ عورت کو سو۱۰۰۔ سو۱۰۰ مرتبہ طلاق دیتے تھے اور اس کے بعد بھی عورت کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوتا تھا۔ قرآن نے جا بجا ان وحشیانہ مظالم اور بے رحمیوں کے خلاف آواز بلند کی اور نکاح وطلاق کے حقوق وحدود پر نہایت صاف روشنی ڈالی اور حکیمانہ ہدایات ونصائح فرمائیں لیکن ان زرین نصیحتوں سے نفع وہی شخص اٹھا سکتا ہے جس کو خدا پر اور یوم آخرت پر یقین ہو کیونکہ یہی یقین انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا کرتا ہے اور اسی ڈر سے آدمی کو یہ خیال ہوتا ہے کہ جس طرح ایک عورت ہمارے قبضہ اور اقتدار میں آ گئی ہے۔ ہم سب بھی کسی قہار ہستی کے قبضہ اقتدار میں ہیں۔ یہی ایک خیال ہے جو آدمی کو ظلم وتعدی سے ہر حال میں روک سکتا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ابھارتا ہے۔ اسی لئے اس سورۃ میں خصوصی طور پر تقویٰ یعنی خدا سے ڈرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔

اب چونکہ یہاں تقویٰ یعنی خوف خداوندی کا ذکر آ گیا تھا اس لئے آگے تقویٰ کی متعدد فضیلتیں ذکر فرمائی گئی ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو جملہ شریعت کے احکام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنے تمام احکام کی تقویٰ اور خوف خداوندی کے باعث ہم کو پابندی نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو زندگی کے ہر معاملہ میں حدود اللہ کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائیے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی دولت نصیب فرمائیے۔

یا اللہ آپ نے اپنے کلام میں صاف فرما دیا ہے کہ جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہے۔

یا اللہ اس میں کیا شک وشبہ ہے کہ اس وقت ہم نے احکام خداوندی سے نہ صرف تجاوز بلکہ انحراف اور بغاوت تک برت رکھی ہے اور اس طرح ہم نے اپنے اوپر ظلم عظیم کر رکھا ہے۔

یا اللہ! ہماری آنکھیں اب دین کی طرف سے کھول دے اور ہمیں اپنے اوپر ظلم کرنے کا احساس عطا فرما کر اپنی طرف رجوع ہونے کی ہدایت اور توفیق نصیب فرما دے۔ اور ظاہر میں وباطن میں شریعت اسلامیہ کی پابندی ہر معاملہ میں نصیب فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝٢ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے۔ اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝٣ وَالّٰٓئِیْ

توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے کافی ہے، اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کا ایک انداز مقرر کر رکھا ہے۔ اور تمہاری بیبیوں

يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ

میں سے جو عورتیں حیض آنے سے ناامید ہوچکی ہیں اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور اسی طرح جن عورتوں کو حیض نہیں آیا۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ

اور حاملہ عورتوں کی عدت اُن کے اس حمل کا پیدا ہوجاتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کردے گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے

يُسْرًا ۝٤ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝٥

جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کردے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔

وَمَنْ اور جو	يَتَّقِ اللّٰهَ وہ اللہ سے ڈرتا ہے	يَجْعَلْ لَّهٗ وہ اس کیلئے نکال دیتا ہے	مَخْرَجًا نجات کی راہ	وَّيَرْزُقْهُ اور وہ اسے رزق دیتا ہے			
مِنْ حَيْثُ جہاں سے	لَا يَحْتَسِبُ اسے گمان نہیں ہوتا	وَمَنْ اور جو	يَّتَوَكَّلْ وہ بھروسہ کرتا ہے	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	فَهُوَ تو وہ	حَسْبُهٗ اس کیلئے کافی ہے	
اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	بَالِغُ پہنچنے (پورا کرنے) والا	اَمْرِهٖ اپنا کام	قَدْ جَعَلَ بیشک کررکھا ہے	اللّٰهُ اللہ	لِكُلِّ شَيْءٍ ہر بات کیلئے	قَدْرًا اندازہ	
وَالّٰٓئِیْ اور جو عورتیں	يَئِسْنَ ناامید ہوگئی ہوں	مِنَ سے	الْمَحِيْضِ حیض	مِنْ سے	نِّسَآئِكُمْ تمہاری بیبیاں	اِنِ ارْتَبْتُمْ اگر تمہیں شبہ ہو	
فَعِدَّتُهُنَّ تو ان کی عدت	ثَلٰثَةُ تین	اَشْهُرٍ مہینے	وَّالّٰٓئِیْ اور جو	لَمْ يَحِضْنَ انہیں حیض نہیں آیا	وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اور حمل والیاں		
اَجَلُهُنَّ ان کی عدت	اَنْ يَّضَعْنَ کہ وضع ہوجائیں	حَمْلَهُنَّ ان کے حمل	وَمَنْ اور جو	يَّتَّقِ اللّٰهَ اللہ سے ڈریگا	يَجْعَلْ وہ کردے گا		
لَّهٗ اس کیلئے	مِنْ اَمْرِهٖ اس کے کام میں	يُسْرًا آسانی	ذٰلِكَ یہ	اَمْرُ اللّٰهِ اللہ کے حکم	اَنْزَلَهٗ اس نے یہ اتارا ہے	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	
وَمَنْ اور جو	يَّتَّقِ اللّٰهَ اللہ سے ڈرے گا	يُكَفِّرْ وہ دور کردے گا	عَنْهُ اس سے	سَيِّاٰتِهٖ اسکی برائیاں	وَيُعْظِمْ اور بڑا دے گا	لَهٗ اس کو	اَجْرًا اجر

تفسیر وتشریح: اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کا ڈر دارین کے خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے۔ اس سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ بے قیاس وگمان روزی ملتی ہے۔ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ جنت ہاتھ آتی ہے۔ اجر بڑھتا ہے۔ اور ایک عجیب قلبی اطمینان وسکون نصیب ہوتا ہے جس کے بعد کوئی سختی سختی نہیں رہتی اور تمام پریشانیاں اندر ہی اندر کافور ہو جاتی ہیں۔ نیز بتلایا گیا کہ ایک شعبہ اس تقویٰ کا توکل یعنی اللہ پر بھروسہ رکھنا ہے لہٰذا اللہ پر بھروسہ رکھو۔ محض اسباب پر تکیہ مت کرو۔ اللہ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں۔ جو کام اسے کرنا منظور ہوتا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اسباب بھی اسی کی مشیت کے تابع ہیں۔ ہاں ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ ہے اسی کے موافق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے اس لئے اگر کسی چیز کے حاصل ہونے میں دیر ہو تو متوکل کو گھبرانا نہیں چاہئے۔

توکل کی فضیلت اور برکت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے کہ اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ اس کا حق ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس طرح رزق دیتا جیسے پرندے جانوروں کو دیتا ہے کہ صبح کو اپنے گھونسلوں سے بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے واپس ہوتے ہیں۔ توکل کے معنیٰ یہ نہیں کہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے اسباب و آلات کو چھوڑ دے بلکہ مراد یہ ہے کہ اسباب عادیہ اختیاریہ کو ضرور اختیار کرے مگر بھروسہ اور اعتماد اسباب پر کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ پر کرے کہ جب تک اس کی مشیت اور ارادہ نہ ہو جائے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ الغرض تقویٰ و توکل کے فضائل و برکات بیان کرنے کے بعد پھر اصل مضمون یعنی احکام بسلسلہ طلاق کی طرف عود فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ مطلقہ کی عدت قرآن نے جیسا سورہ بقرہ میں فرمایا گیا تین حیض بتلائی۔ لیکن اگر کسی عورت کو کم عمری کی وجہ سے حیض نہیں آیا یا زیادہ عمر کی وجہ سے حیض آنا موقوف ہو گیا تو اس صورت میں عدت تین ماہ کی ہوگی۔ اور اگر عورت حاملہ ہے تو ایسی عورت کی عدت وضع حمل تک ہے۔ خواہ ایک منٹ کے بعد ہی وضع حمل ہو جائے یا کتنی ہی طویل مدت کے بعد ہو۔ اور وضع حمل خواہ کامل ہو یا ناقص بشرطیکہ کوئی عضو بن گیا ہو گو ایک انگلی ہی سہی۔ تو حاملہ کی عدت خواہ طلاق کی وجہ سے ہو یا شوہر کی موت کی وجہ سے ہو ہر حالت میں وضع حمل یعنی بچہ پیدا ہونے تک ہے۔ جب بچہ پیدا ہو گیا تو عدت ختم ہو گئی۔ اس حکم کے بعد پھر تقویٰ کا مضمون دہرایا گیا ہے تا کہ پڑھنے والا بار بار متنبہ ہو اور ان احکام کی تاکید بھی ظاہر ہو چنانچہ بتلایا گیا کہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کا کام آسان کر دے گا۔ پھر تاکید امتثال احکام کے لئے ارشاد ہے کہ یہ جو کچھ حکم ہوا یہ اللہ نے تمہارے لئے نازل فرمایا ہے لہٰذا اللہ سے ڈرو اور اس پر عمل کرو اور جو شخص ان معاملات میں بھی اور دوسرے امور میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اس سے دور کر دے گا اور اس کو اجر عظیم عنایت فرمائے گا۔

ان آیات مبارکہ کے نزول کے سلسلہ میں مفسرین نے ایک روایت یہ لکھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک صحابی عوف بن مالک اشجعیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے لڑکے سالم کو دشمن گرفتار کر کے لئے گئے۔ اس کی والدہ سخت پریشان ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اور لڑکے کی والدہ کو حکم دیتا ہوں کہ تم کثرت کے ساتھ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کرو اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان صحابی اور ان کی بیوی کو جب لڑکے کی مفارقت نے زیادہ بے چین کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ الغرض دونوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور کثرت سے کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا اثر یہ دکھلایا کہ جن دشمنوں نے لڑکے کو قید کر رکھا تھا وہ کسی روز ذرا غافل ہوئے اور لڑکا کسی طرح ان کی قید سے نکل گیا اور ان کی کچھ بکریاں ہنکا کر ساتھ لے کر اپنے والد کے پاس پہنچ گیا اور بعض روایت میں ہے کہ ان کا ایک اونٹ لڑکے کو مل گیا اس پر سوار ہو کر دوسرے اونٹوں کو ساتھ لگایا اور سب کو لے کر والد کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے والد یہ خبر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ سوال بھی کیا کہ یہ اونٹ بکریاں جو میرا لڑکا ساتھ لے آیا ہے۔ یہ ہمارے لئے جائز و حلال ہیں یا نہیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ فقہا نے اس حدیث سے یہ مسئلہ استنباط کیا کہ کوئی مسلمان کفار کی قید میں آ جائے اور وہ ان کا کچھ مال لے کر واپس ان کی قید سے آ جائے تو یہ مال بحکم مال غنیمت حلال ہے اور مال غنیمت کے تمام قاعدہ کے مطابق اس کا پانچواں حصہ بیت المال کو دینا بھی اس کے ذمہ نہیں جیسا کہ واقعہ حدیث میں اس مال میں سے خمس یعنی پانچواں حصہ نہیں لیا گیا۔

اس واقعہ مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عوف بن مالکؓ کو اس لڑکے کو قید کی مصیبت سے نجات اور حصول مقصد کے لئے یہ تلقین فرمائی تھی کہ کثرت کے ساتھ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کریں۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دینی اور دنیاوی ہر قسم کے مصائب اور مضرتوں سے بچنے اور منافع و مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کلمہ کی کثرت بہت مجرب عمل ہے اور اس کثرت کی مقدار حضرت مجدد صاحبؒ نے یہ بتلائی ہے کہ روزانہ ۵۰۰ مرتبہ یہ کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے اور سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ مرتبہ درود شریف اس کے اول و آخر میں پڑھ کر اپنے مقصد کے لئے دعاء کیا کرے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کلمہ مبارکہ کے ورد کی توفیق عطا فرمائیں۔

اب آگے مزید احکام مطلقہ کے نان نفقہ کے متعلق بتلائے گئے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ

تم ان عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کیلئے تکلیف مت پہنچاؤ

وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ

اور اگر وہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو خرچ دو پھر اگر وہ عورتیں تمہارے لئے دودھ پلاویں

فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ⑥

تو تم ان کو اجرت دو، اور باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو اور اگر تم باہم کش مکش کرو گے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلاوے گی۔

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ

وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہیئے، اور جس کی آمدنی کم ہو تو اس کو چاہیئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے،

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ⑦

خدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے، خدا تعالیٰ تنگی کے بعد جلدی فراغت بھی دے گا۔

اَسْكِنُوْهُنَّ تم انہیں رکھو	مِنْ حَيْثُ جہاں	سَكَنْتُمْ تم رہتے ہو	مِنْ وُّجْدِكُمْ اپنی استطاعت کے مطابق	وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ اور تم انہیں ضرر نہ پہنچاؤ		
لِتُضَيِّقُوْا کہ تم تنگی کرو	عَلَيْهِنَّ انہیں	وَاِنْ اور اگر	كُنَّ وہ ہوں	اُولَاتِ حَمْلٍ حمل والیاں (حمل سے)	فَاَنْفِقُوْا تو خرچ کرو تم	عَلَيْهِنَّ ان پر
حَتّٰى يَضَعْنَ یہاں تک کہ وضع ہو جائیں	حَمْلَهُنَّ ان کے حمل	فَاِنْ پھر اگر	اَرْضَعْنَ وہ دودھ پلائیں	لَكُمْ تمہارے لئے	فَاٰتُوْهُنَّ تو تم انہیں دو	
اُجُوْرَهُنَّ ان کی اجرت	وَاْتَمِرُوْا اور تم باہم مشورہ کرلیا کرو	بَيْنَكُمْ آپس	بِمَعْرُوْفٍ معقول طریقے سے	وَاِنْ اور اگر	تَعَاسَرْتُمْ تم باہم کشمکش کرو گے	
فَسَتُرْضِعُ تو دودھ پلادے گی	لَهٗ اس کو	اُخْرٰى کوئی دوسری	لِيُنْفِقْ چاہیے کہ خرچ کرے	ذُوْ سَعَةٍ وسعت والا	مِنْ سے۔ مطابق	
سَعَتِهٖ اپنی وسعت	وَمَنْ اور جو	قُدِرَ تنگ کر دیا گیا	عَلَيْهِ اس پر	رِزْقُهٗ اس کا رزق	فَلْيُنْفِقْ تو اسے خرچ کرنا چاہئے	مِمَّا اس میں سے جو
اٰتٰىهُ اللّٰهُ اسے اللہ نے دیا	لَا يُكَلِّفُ وہ تکلیف نہیں دیتا	اللّٰهُ اللہ	نَفْسًا کسی کو	اِلَّا مگر	مَآ اٰتٰىهَا جس قدر اس نے اسے دیا	سَيَجْعَلُ وہ جلد کریگا
اللّٰهُ اللہ	بَعْدَ عُسْرٍ تنگی کے بدلہ	يُسْرًا آسانی				

تفسیر و تشریح: ان آیات میں مطلقہ کے عدت کے زمانہ کے نان نفقہ کا بیان فرمایا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مرد کے ذمہ ضروری ہے کہ مطلقہ کو عدت تک رہنے کے لئے مکان دے۔ اور جب مکان رہنے کے لئے دینا واجب ہے تو نفقہ یعنی کھانا کپڑا بھی اس زمانہ کا مرد کے ذمہ ہونا چاہئے کیونکہ عورت اتنے دنوں تک یعنی عدت کے معینہ زمانہ میں مرد ہی کی وجہ سے مقید اور محبوس رہے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خواہ طلاق رجعی عدت کے زمانہ میں مکان کے ساتھ مطلقہ کے لئے نفقہ بھی ضروری ہے۔ الغرض یہاں مطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان عدت کے زمانہ تک کے لئے دینا واجب ٹھہرا اس میں تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ بعض احادیث کی بناپر حنفیہ کے ہاں مکان کے ساتھ نفقہ بھی ہر

قسم کی مطلقہ کو عدت کے زمانہ کا واجب اور ضروری ہے تو شروع سورۃ میں حکم ہوا تھا کہ مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو ۔یہاں اسی حکم کا ایجابی پہلو ذکر فرمایا گیا کہ مطلقہ عورتوں کو عدت پوری ہونے تک اپنی وسعت وقدرت کے مطابق رہنے کا مکان دو یعنی جہاں تم خود رہتے ہو اسی مکان کے کسی حصہ میں مطلقہ کو رہنے دو۔ یہاں فقہانے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ اگر مطلقہ کو طلاق رجعی دی گئی ہے جس میں مرد کو رجعت کرنے کا حق حاصل ہے جب تو میاں بیوی میں باہم کسی پردہ کی بھی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر طلاق بائن دی ہے یا تین طلاق دے دی ہیں تو اب رشتہ نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ وہ عورت اب اس مرد کے لئے حرام ہوگئی اس صورت میں سابق شوہر سے پردہ کرنا چاہئے۔ اس لئے ایسی مطلقہ کے لئے پردہ کے ساتھ اسی مکان میں رہنے کا انتظام کیا جائے۔آگے اللہ تعالیٰ نے مطلقہ پر تنگی کر کے ضرر پہنچانے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ مطلقہ عورت کو تکلیف پہنچا کر اس قدر تنگ نہ کرو کہ وہ مجبور ہو کر مکان سے نکلنے پر آمادہ ہو جائے اور اگر مطلقہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک گو وہ کیسی ہی طویل مدت ہو اس کو نفقہ دینا ہوگا۔ یہ احکام تو عدت کے متعلق تھے پھر اگر عدت کے بعد وہ مطلقہ عورتیں جبکہ پہلے سے بچہ والی ہوں یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو تو اگر مرد کی خاطر بچہ کو دودھ پلائے تو جو اجرت کسی دوسری انا کو دیتے وہ اس مطلقہ عورت کو دی جائے اور معقول طریقہ سے دستور کے موافق باہم مشورہ کر کے مقرر کرلیں۔خواہ مخواہ ضد اور کجروی اختیار نہ کریں۔ یہ عورت دودھ پلانے سے انکار کرے۔ یہ مرد اس کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے پلوائے۔اور اگر آپس کی ضد اور تکرار سے عورت دودھ پلانے پر راضی نہ ہو تو کچھ اس پر موقوف نہیں کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی مل جائے گی اور اگر مرد خواہ مخواہ بچہ کو اس کی ماں سے دودھ پلوانا نہیں چاہتا تو بہر حال کوئی دوسری عورت دودھ پلانے کو آئے گی آخر اس کو بھی کچھ دینا پڑے گا۔ پھر وہ بچہ کی ماں ہی کو کیوں نہ دے۔تو جب تک شوہر کے نکاح میں ہے اس وقت تک تو بچوں کو دودھ پلانا خود ماں کے ذمہ بحکم قرآن واجب ہے لیکن جب مطلقہ کی عدت وضع حمل سے ختم ہوگئی اور عورت آزاد ہوگئی تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہ رہا۔اب اگر یہ عورت اس بچہ کو دودھ پلائے تو اس کا تو یہاں آیت میں معاوضہ یا اجرت لینے دینے کو جائز قرار دیا اور ساتھ ہی یہ ہدایت زوجین کو دی گئی کہ بچہ کو دودھ پلانے کے معاملہ میں کسی نزاع او جھگڑے کی نوبت نہ آنے دیں۔ یہ مطلقہ بیوی عام اجرت سے زیادہ مانگے۔اور نہ شوہر عام اجرت کے مطابق دینے سے انکار کرے۔ ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا معاملہ کریں۔

آگے بتلایا گیا کہ ایسے بچہ کی تربیت و پرورش کا خرچ باپ پر ہے۔وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق اور کم حیثیت کو اپنی حیثیت کے موافق خرچ کرنا چاہئے۔اگر کسی شخص کو زیادہ فراخی نصیب نہ ہو محض نپی تلی روزی اللہ نے دی ہو تو وہ اسی میں سے اپنی گنجائش کے موافق خرچ کرے۔اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔جب تنگی کی حالت میں اس کے حکم کے موافق خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تنگی اور سختی کو فراخی اور آسانی سے بدل دے گا۔

اب غور کیجئے کہ یہ خدائی احکام ہیں اور ان میں کس طرح ہر حالت کی رعایت فرمائی گئی ہے۔اس سے بڑھ کر اسلام اور ایمان کا دعویٰ کرنے والی قوم کی بدنصیبی کیا ہوگی کہ ان خدائی احکام کے مقابلہ میں یہود ونصاریٰ بے دینوں کے وضع کردہ عائلی قوانین کو اپنایا جائے اور ان احکام الٰہیہ کو پس پشت ڈال دیا جائے

اس لئے اہل ایمان کو ڈرایا گیا کہ عقلمند ایمانداروں کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ ہم سے کوئی ایسی بے اعتدالی نہ ہو جائے کہ خدا کی پکڑ میں آ جائیں جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا 2

اور بہت سی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی سو ہم نے اُن کا سخت حساب کیا، اور ہم نے اُن کو

عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

بڑی بھاری سزا دی۔ غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور ان کا انجام کار خسارہ ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کیلئے

عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ

ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، تو اے سمجھ دارو جو کہ ایمان لائے ہو تم خدا سے ڈرو خدا نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ بھیجا۔

ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ایک ایسے رسول جو تم کو اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں تا کہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لاویں اور اچھے عمل کریں

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

تاریکیوں سے نور کی طرف لے آویں، اور جو شخص اللہ پر ایمان لاوے گا اور اچھے عمل کریگا خدا اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿١١﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ

جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے، بے شک اللہ نے اچھی روزی دی۔ اللہ ایسا ہے جس نے سات

سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ

آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین بھی ان سب میں احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تا کہ تم کو معلوم ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے

وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

وَكَاَيِّنْ اور کئی	مِّنْ قَرْيَةٍ بستیاں	عَتَتْ انہوں نے سرکشی کی	عَنْ سے	اَمْرِ رَبِّهَا اپنے رب کے حکم	وَرُسُلِهٖ اور اس کے رسولوں	
فَحَاسَبْنٰهَا تو ہم نے ان کا حساب لیا	حِسَابًا حساب	شَدِيْدًا سختی سے	وَعَذَّبْنٰهَا اور ہم نے انہیں عذاب دیا	عَذَابًا عذاب	نُّكْرًا بہت بڑا	
فَذَاقَتْ پھر انہوں نے چکھا	وَبَالَ وبال	اَمْرِهَا اپنا کام	وَكَانَ اور ہوا	عَاقِبَةُ انجام و اَمْرِهَا ان کا کام	خُسْرًا خسارا	اَعَدَّ اللّٰهُ اللہ نے تیار کیا ہے
لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابًا عذاب	شَدِيْدًا سخت	فَاتَّقُوا اللّٰهَ پس تم ڈرو اللہ سے	يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ اے عقل والو	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	
قَدْ اَنْزَلَ تحقیق نازل کی	اللّٰهُ اللہ	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	ذِكْرًا نصیحت (کتاب)	رَّسُوْلًا اور رسول	يَّتْلُوْا وہ پڑھتا ہے	عَلَيْكُمْ تم پر
اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیتیں	مُبَيِّنٰتٍ روشن	لِّيُخْرِجَ تا کہ وہ نکالے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو ایمان لائے	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے اچھے عمل کئے		
مِنَ الظُّلُمٰتِ تاریکیوں سے	اِلَى النُّوْرِ نور کی طرف	وَمَنْ اور جو	يُّؤْمِنْ ایمان لائے گا	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَيَعْمَلْ اور وہ عمل کریگا	صَالِحًا اچھے

يُدْخِلْهُ وہ اسے داخل کریگا	جَنّٰتٍ باغات	تَجْرِيْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِيْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهَآ ان میں	
اَبَدًا ہمیشہ ہمیشہ	قَدْ اَحْسَنَ بیشک بہت اچھی رکھی	اللّٰهُ اللہ	لَهٗ اس کیلئے	رِزْقًا روزی	اَللّٰهُ الَّذِيْ اللہ وہ جس نے	خَلَقَ پیدا کئے	سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سات آسمان
وَ اور	مِنَ الْاَرْضِ زمین سے بھی	مِثْلَهُنَّ ان کی طرح	يَتَنَزَّلُ اُترتا ہے	الْاَمْرُ حکم	بَيْنَهُنَّ ان کے درمیان	لِتَعْلَمُوْٓا تاکہ وہ جان لیں	
اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ ہر شے پر	قَدِيْرٌ قدرت رکھتا ہے	وَّاَنَّ اور یہ کہ	اللّٰهَ اللہ	قَدْ اَحَاطَ احاطہ کیا ہوا ہے	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے	عِلْمًا علم سے

تفسیر و تشریح: سابقہ آیات احکام بیان فرما کر ان جملہ احکام الٰہیہ و نیز دوسرے احکام شرعیہ کی پوری پابندی کی تاکید اس طرح فرمائی جاتی ہے کہ اگر تم ان احکام کی خلاف ورزی کرو گے یا ان سے تجاوز کرو گے یا ان کی نافرمانی کرو گے تو یاد رکھو کہ پہلے کتنی ہی قومیں اور بستیاں اللہ و رسول کی نافرمانی کی پاداش میں تباہ کی جا چکی ہیں۔ جس وقت انہوں نے احکام خداوندی سے تکبر برتا اور حد سے نکل گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو سختی کے ساتھ پکڑ لیا اور ان کو ایسی آفت و سزا میں پھنسایا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ آخر انہوں نے اپنی بداعمالیوں کی سزا چکھی اور عمر بھر جو سودا کیا تھا اس میں سخت خسارہ اٹھایا اور جو پونجی تھی سب کھو کر رہے۔ اللہ کے احکام سے انحراف اور اس کے قوانین سے سرتابی کر کے مجرموں نے یہ نتیجہ تباہی و خسران تو دنیا میں دیکھا اور اس کے علاوہ آخرت کا عذاب اور وہاں کی سزا بھی ان کے لئے تیار ہے تو گویا دونوں جہان میں اللہ کی نافرمانی کا وبال نافرمانی کرنے والوں نے دنیا میں بھی چکھا۔ اور آخرت میں اور بھگتیں گے یہ جتلا کر عقلمند ایمانداروں کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ دیکھو تمہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ہم سے کوئی نافرمانی یا کوئی بے اعتدالی ایسی نہ ہو جائے کہ خدا کی پکڑ میں آ جائیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ یعنی قرآن کریم بھیجا اور ایک ایسے رسول کے ذریعہ بھیجا کہ جو اللہ کے صاف صاف احکام سناتے ہیں تاکہ لوگ کفر و جہل کی اندھیریوں سے نکل کر ایمان اور علم و عمل کے اجالے میں آ دیں۔

آگے ایمان اور عمل صالح پر وعدہ ہے کہ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے گا اور اس کی ذات و صفات کے متعلق عقیدہ درست کرے گا اور پھر اچھے کام بھی کرے گا جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے تو عالم آخرت میں اس کو ایسے جنت کے باغات میں داخل کیا جائے گا جہاں نہریں بہتی ہوں گی اور جہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا۔ تو ایسے لوگوں کے نصیب کھل گئے اور اللہ نے انہیں بہت اچھا انعام دیا یعنی بہشت کی روزی اور راحتیں۔ آگے خاتمہ کی آیت میں اللہ تعالیٰ کا واجب الاطاعت ہونا بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ جس نے سات آسمان پیدا کئے اور اسی طرح سات زمینیں پیدا کیں۔ اور ان آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں اور یہ سب اس لئے بتلایا گیا تاکہ تم کو معلوم ہو کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ حق تعالیٰ ہر چیز کو اپنے علم سے گھیرے ہوئے ہے اور کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی اور مخالفت سے ڈرو۔

اب غور کیجئے کہ اس سے زیادہ واضح اور صاف ہدایات اللہ تعالیٰ کی ہر طرح کی نافرمانی سے بچنے اور ایمان و عمل صالح اختیار کرنے کی اور کیا ہو سکتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی، اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور اللہ کی کتاب کی اطاعت کی ترغیب اور اس سے بڑھ کر کس طرح دی جا سکتی ہے؟ اب اس پر بھی اسلام و ایمان کا دعویٰ کرنے والے اگر جان بوجھ کر قصداً احکام الٰہیہ سے انحراف اور روگردانی کریں اور نہ صرف انحراف و روگردانی بلکہ تحقیر و استہزا کے ساتھ پیش آئیں اور پھر ان کا حساب سخت ہو اور دنیا میں بھی ذلت اور رسوائی ان کے حصہ میں ان کے اعمال کے وبال میں ان کو دیکھنا نصیب ہو تو ان قرآنی آیات کے مطابق

اس میں کیا تعجب ہے؟

نیز ان آیات میں اور قرآن کریم میں جہاں کہیں ایمان والوں کو بشارت اور نعمائے آخرت اور دخول جنت کی خوشخبری دی گئی ہے وہاں ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی شرط ضرور لگی ہوئی ہے۔ اور درحقیقت ایمان کامل بغیر اعمال صالحہ کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق بھی ہم کو عطا فرمائیں۔

یہاں آخری آیت الله الذی خلق سبع سمٰوٰت و من الارض مثلهن اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور آسمانوں کی طرح زمین بھی سات پیدا کیں تو اس سے اتنی بات تو واضح طور پر ثابت ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں ایسی ہی زمینیں بھی سات ہیں۔ باقی یہ بات کہ یہ سات زمینیں کہاں کہاں ہیں۔ کس وضع اور صورت میں ہیں ان میں کوئی مخلوق آباد ہے یا نہیں تو قرآن کریم نے اس کی کوئی خبر نہیں دی نہ ہماری کوئی دینی یا دنیوی ضرورت اس کی تحقیق پر موقوف ہے نہ ہم سے قبر میں یا حشر میں اس کا سوال ہوگا اس لئے علمائے محققین نے لکھا ہے کہ سلامتی کی صورت بس یہی ہے کہ اس پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہی ہیں اور سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا ہے۔ حضرات سلف صالحین کا ایسی صورت میں یہی طرز عمل رہا ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا ہے تم بھی اسے مبہم رہنے دو جبکہ اس میں تمہارے لئے کوئی عملی حکم نہیں اور تمہاری کوئی دینی یا دنیوی ضرورت اس سے متعلق نہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ان سات زمینوں میں احتمال ہے کہ نظر نہ آتی ہوں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ نظر آتی ہوں اور اس دنیا والے ان کو کواکب سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ مریخ کی نسبت بعض کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ دریا وغیرہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

الحمد للہ اس درس پر سورہ طلاق مدنی کا بیان ختم ہوگیا۔ آئندہ درس میں ان شاء اللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ الطلاق کے خواص

۱......اگر سورۃ الطلاق لکھ کر پانی سے دھولیا جائے اور کسی آباد گھر کے دروازے پر وہ پانی چھڑک دیا جائے تو اس گھر میں جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ طلاق وفراق تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

۲......اور اگر سورۃ الطلاق لکھ کر پانی سے دھولیا جائے اور وہ پانی کسی جگہ میں چھڑک دیا جائے تو وہ جگہ کبھی آباد نہیں ہوگی ہمیشہ ویران ہی رہے گی۔

ومن قدر علیه رزقه ...... مکمل آیت

جس آدمی پر روزی تنگ ہوگئی ہو تو وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرلے اور نیکی وفرمانبرداری کا پختہ ارادہ کرلے اور پھر جمعہ کی رات میں سحری کے وقت اٹھ کر سو بار استغفار پڑھے اور یہی آیت پڑھتا ہوا سو جائے تو اسے اس تنگی سے نکلنے کا راستہ معلوم ہوجائے گا اور رزق کا دروازہ کھل جائے گا۔ الدرر النظیم

دعا کیجئے: یا اللہ آپ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ آپ نے ہم کو ایمان واسلام عطا فرمایا۔ قرآن کریم جیسی نصیحت کی کتاب عطا فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نبی عطا فرمائے۔

اے اللہ! ہمیں اپنی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچالیجئے اور جو گذشتہ زندگی میں ہم سے تقصیرات ہوچکی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرمادیجئے اور دین دنیا دونوں جہاں میں ہم کو کامیابی وکامرانی نصیب فرمایئے اور ذلت ونا کامی اور حسران سے بچالیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوۡرَۃُ التَّحۡرِیۡمِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اثۡنَتَا عَشۡرَۃَ اٰیَۃً وَّفِیۡھَا رُکُوۡعَانِ

شروع کرتا ہوں اللہ کا نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ تَبۡتَغِیۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِکَ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱﴾

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کیلئے حلال کیا ہے آپ اس کو کیوں حرام فرماتے ہیں۔ اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

قَدۡ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمۡ تَحِلَّۃَ اَیۡمَانِکُمۡ ۚ وَ اللّٰہُ مَوۡلٰىکُمۡ ۚ وَ ھُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲﴾

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کیلئے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر فرمادیا ہے، اور اللہ تمہارا کارساز ہے۔ اور وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اے نبی	لِمَ تُحَرِّمُ تم کیوں حرام ٹھہراتے ہو!	مَاۤ اَحَلَّ اللّٰہُ جو اللہ نے حلال کیا	لَکَ تمہارے لئے	تَبۡتَغِیۡ چاہتے ہوئے		
مَرۡضَاتَ خوشنودی	اَزۡوَاجِکَ اپنی بیبیوں	وَاللّٰہُ اور اللہ	غَفُوۡرٌ بخشنے والا	رَّحِیۡمٌ مہربان	قَدۡ فَرَضَ تحقیق مقرر کردیا	اللّٰہُ اللہ
لَکُمۡ تمہارے لئے						
تَحِلَّۃَ کھولنا (کفارہ)	اَیۡمَانِکُمۡ تمہاری قسمیں	وَاللّٰہُ اور اللہ	مَوۡلٰىکُمۡ تمہارا کارساز	وَھُوَ اور وہ	الۡعَلِیۡمُ جاننے والا	الۡحَکِیۡمُ حکمت والا

تفسیر و تشریح: اس سورۃ کی ابتدا ہی میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حلال چیز کے استعمال سے قسم کھا کر اس چیز کو اپنے اوپر حرام فرمالیا تھا۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام تحریم معین ہوا۔ تحریم کے لفظی معنیٰ ہیں حرام کر دینا۔ یہ سورۃ بھی مدنی ہے اور اس کے شان نزول کے سلسلہ میں متعدد روایات نقل کی گئی ہیں۔ چنانچہ سب سے مشہور روایت جو اکثر مفسرین نے اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول شریف تھا کہ بعد نماز عصر کھڑے کھڑے ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے ہاں معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد نوش فرمایا۔ پھر کئی روز یہ معمول رہا تو مجھ کو رشک آیا۔ میں نے حفصہ سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس کے پاس تشریف لائیں وہ یوں کہے کہ کیا آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے۔ مغافیر ایک گوند کی قسم سے ہے جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے فرمایا میں نے تو شہد پیا ہے۔ اس پر کہا گیا کہ شاید کوئی شہد کی مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھ گئی ہوگی اور اس کا عرق چوس لیا ہوگا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدبو سے بڑی کراہت اور نفرت تھی۔ آپ نے بقسم فرمایا کہ میں پھر شہد نہ پیوں گا۔ نیز یہ خیال فرما کر کہ زینب کو اس کی اطلاع ہوگی تو خواہ مخواہ رنجیدہ و دلگیر ہوں گی اس لئے حضرت حفصہ کو منع کر دیا کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ کرنا۔ مگر حضرت حفصہ نے اطلاع چپکے سے حضرت عائشہ کو کر دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اور کسی سے نہ کہنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمادیا۔ آپ نے حضرت حفصہ کو جتلایا کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع عائشہ کو کر دی حالانکہ منع کر دیا گیا تھا وہ متعجب ہو کر کہنے لگیں کہ آپ سے کس نے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی۔ اور ابھی کئی روایات شان نزول کے سلسلہ میں روایت کی گئی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس شے کو جس کو آپ کے لئے خدا نے حلال کیا ہے آپ قسم کھا کر اس کو اپنے لئے کیوں حرام فرماتے ہیں

اور وہ بھی اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔ اب یا تو اس میں شہد والے مذکورہ واقعہ کی طرف اشارہ ہے یا اور کسی واقعہ کی طرف الحاصل ہدایت یہ فرمائی گئی کہ آپ ایسا نہ کیجئے کہ حلال شے کو اپنے اوپر حرام ٹھہرایا جائے۔ اور یہاں حلال کو اپنے اوپر حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کو عقیدۃً حلال ومباح سمجھتے ہوئے آپ نے جو عہد کرلیا تھا کہ آئندہ اس کو استعمال نہ کروں گا۔ ایسا کرنا اگر کسی مصلحت صحیحہ کی بنا پر ہو تو شرعاً جائز تو ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کے مناسب نہ تھا کہ بعض ازواج کی خوشنودی کے لئے اس کا اسوہ قائم کریں جو آئندہ امت کے حق میں تنگی کا موجب ہو۔ اس لئے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ازواج کے ساتھ بیشک خوش اخلاقی برتنے کی ضرورت ہے مگر اس حد تک ضروری نہیں کہ ان کی وجہ سے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر کے تکلیف اٹھائیں۔ آگے واللہ غفور رحیم فرما کر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ یہ خلاف اولیٰ بات بھی آپ کی معاف کر دی گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر آپ کو یہ خیال ہو کہ میں تو قسم کھا چکا ہوں پھر میں کیسے اس کام کو کروں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے اپنی قسموں کو توڑنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے اور وہ کفارہ کی ادائیگی ہے پس اس طریق سے اپنی قسم کو توڑ ڈالیں اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔ اس مالک نے اپنے علم وحکمت سے اپنے بندوں کے لئے مناسب احکام وہدایات بھیجے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی نامناسب بات پر قسم کھا لے تو کفارہ دے کر اپنی قسم کھول سکتا ہے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ آپ نے کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا۔ قسم کے کفارہ کا ذکر ساتویں پارہ سورہ مائدہ میں آچکا ہے۔

اب آگے دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زوجہ مطہرہ سے کوئی راز کی بات کہی تھی اور وہ انہوں نے کسی دوسری زوجہ مطہرہ سے ظاہر کر دی تھی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو ظاہر میں و باطن میں شریعت مطہرہ کی کامل پابندی نصیب فرمادیں۔ اور جملہ احکام قرآنیہ کی اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ اور اس میں جو کوتاہی ہم سے اس وقت تک ہوچکی ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنی شان غفور الرحیمی سے معاف فرمادیں۔

اور ہم کو اپنے نبی پاکؐ کے اسوہ حسنہ پر چلنا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ آپ نے اپنی رحمت سے ہمارے لئے جو احکام وہدایات دی ہیں ان ہی کے اتباع میں ہماری دین دنیا کی بہتری اور صلاح وفلاح ہے۔

یا اللہ ہمیں توفیق عطا فرما کر ہم آپ کے احکام کے مطیع وفرمانبردار بن جائیں۔ اور اس طرح آپ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرسکیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ

اور جب کہ پیغمبرؐ نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات چپکے سے فرمائی پھر جب اس بی بی نے وہ بات بتلادی اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر کردی

عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا قَالَ

تو پیغمبرؐ نے تھوڑی سی بات تو جتلادی اور تھوڑی بات کو ٹال گئے، سو جب پیغمبرؐ نے اس بی بی کو وہ بات جتلائی تو وہ کہنے لگیں کہ آپ کو کس نے خبر کردی آپ نے فرمایا

نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴿٣﴾ إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا

مجھ کو بڑے جاننے والے بڑی خبر رکھنے والے نے خبر کردی۔ اے دونوں بیبیو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو بہتر ہے ورنہ تمہارے دل تو مائل ہی ہو گئے، اور اگر پیغمبرؐ کے مقابلہ میں

عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ

تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں تو پیغمبرؐ کا رفیق اللہ ہے اور جبریل ہیں اور نیک مسلمان ہیں، اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں۔

ظَهِيرٌ ﴿٤﴾ عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ

اگر پیغمبرؐ تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دیگا جو اسلام والیاں ایمان والیاں

قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا ﴿٥﴾

فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں ہوں گی۔ کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں۔

وَإِذْ اور جب	أَسَرَّ النَّبِيُّ نبیؐ نے راز کی بات کہی	إِلَىٰ تک۔ سے	بَعْضِ بعض ایک	أَزْوَاجِهِ اپنی بی بی	حَدِيثًا ایک بات	فَلَمَّا پھر جب
نَبَّأَتْ اس نے خبر کردی	وَأَظْهَرَهُ اور اسکو ظاہر کردیا	اللَّهُ اللہ	عَلَيْهِ اس پر	عَرَّفَ اس (نبی) نے خبر دی	بَعْضَهُ اس کی کچھ	وَأَعْرَضَ اور اعراض کیا
عَنْ بَعْضٍ بعض سے	فَلَمَّا پھر جب	نَبَّأَهَا اس (عورت) کو جتلائی	بِهِ وہ بات	قَالَتْ وہ بولی	مَنْ أَنْبَأَكَ کس نے آپ کو خبر دی	
هَٰذَا اس	قَالَ فرمایا	نَبَّأَنِيَ مجھے خبر دی	الْعَلِيمُ علم والا	الْخَبِيرُ خبر رکھنے والا	إِنْ تَتُوبَا اگر تم دونوں توبہ کرو	إِلَى اللَّهِ اللہ کے سامنے
فَقَدْ صَغَتْ تو یقیناً کج ہوگئے	قُلُوبُكُمَا تمہارے دل	وَإِنْ اور اگر	تَظَاهَرَا تم ایکدوسری کی مدد کروگی	عَلَيْهِ اس پر	فَإِنَّ اللَّهَ تو بیشک اللہ	
هُوَ وہ	مَوْلَاهُ اس کا رفیق	وَجِبْرِيلُ اور جبریل	وَصَالِحُ اور نیک	الْمُؤْمِنِينَ مومن (جمع)	وَالْمَلَائِكَةُ اور فرشتے	بَعْدَ ذَٰلِكَ اسکے بعد (انکے علاوہ)
ظَهِيرٌ مددگار	عَسَىٰ قریب ہے	رَبُّهُ ان کا رب	إِنْ طَلَّقَكُنَّ اگر وہ تمہیں طلاق دیدیں	أَنْ يُبْدِلَهُ کہ وہ ان کیلئے بدل دے	أَزْوَاجًا بیبیاں	
خَيْرًا بہتر	مِنْكُنَّ تم سے	مُسْلِمَاتٍ اطاعت گزار	مُؤْمِنَاتٍ ایمان والیاں	قَانِتَاتٍ فرمانبرداری کرنے والیاں	تَائِبَاتٍ توبہ کرنیوالیاں	
عَابِدَاتٍ عبادت گزار	سَائِحَاتٍ روزہ دار	ثَيِّبَاتٍ شوہر دیدہ	وَ اور	أَبْكَارًا کنواریاں		

تفسیر و تشریح: ان آیات میں گذشتہ بیان کردہ واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ مطہرہ سے ایک بات چپکے سے فرمائی (اور جیسا کہ اوپر کی روایت سے معلوم ہوا وہ بات یہی تھی کہ میں اب شہد نہ پیوں گا مگر کسی

سے یہ بات کہنا نہیں) پھر جب انہوں نے وہ بات کسی دوسری زوجہ مطہرہ سے کہہ دی۔ اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے یہ بات کہی تھی۔ تو چونکہ اس معاملہ میں ان ازواج مطہرات کی طرف سے کچھ بے اعتدالی ہوئی تھی جس پر حق تعالیٰ کو تنبیہ کرنا مقصود تھا اس لئے یہ معاملہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی ظاہر فرما دیا۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت اور وسعت اخلاق کو ظاہر فرمایا جاتا ہے کہ آپ خلاف طبع کارروائیوں پر کس قدر تسامح فرماتے اور کس طرح ازراہ عفو و کرم بعض باتوں کو ٹلا جاتے۔ گویا شکایت کے موقع پر بھی آپ پورا الزام نہ دیتے تھے۔ اسی کو آیت میں فرمایا گیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راز کی بات کو ظاہر کردینے والی زوجہ مطہرہ کو تھوڑی سی بات تو جتلا دی یعنی یہ کہ آپ نے فرمایا کہ تم نے ہماری یہ بات دوسری زوجہ مطہرہ سے کہہ دی اور تھوڑی بات کو ٹلا دیا یعنی آپ کا کرم اس غایت تک ہے کہ اپنے حکم کے خلاف کرنے پر جو شکایت فرمائی تو اس کہی ہوئی بات کے پورے اجزا کا اعادہ نہیں فرمایا کہ تم نے میری یہ بات بھی کہہ دی اور یہ بات بھی کہہ دی کہ اس سے مخاطبہ کو شرمندگی و ندامت زیادہ ہوگی۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو وہ بات جتلائی۔ اب چونکہ اس معاملہ میں رشک و رقابت سے کام لیا گیا تھا اس لئے حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کو براہ راست خطاب فرما کر تنبیہ فرمائی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں بیبیو! اگر تم اللہ کے سامنے دونوں توبہ کرلو تو بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل جادہ اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف جھک گئے ہیں۔ تمہارے دل ضرور مائل تھے کہ آپ زینبؓ سے یہ خصوصیت ترک کردیں۔ خبردار ایسے رشک و رقابت کی بے اعتدالیوں سے باز آؤ اور اگر تم دونوں اسی طرح کی کارروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں تو یاد رکھو ایسی باتوں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ضرر نہ پہنچے گا کیونکہ اللہ اور فرشتے اور نیک بخت ایماندار درجہ بدرجہ جس کے رفیق و مددگار ہوں تو اس کے خلاف مزاج کارروائیاں کرنے کا انجام ظاہر ہے کہ برا ہی برا ہے۔ تمہاری ان کارروائیوں سے آپ کا تو کوئی ضرر نہیں بلکہ تمہارا ہی ضرر ہے۔ یہ خطاب تنبیہ تو تثنیہ کے صیغہ میں صرف دو ازواج مطہرات سے عام خطاب ہے کیونکہ بعض روایات اسباب نزول سے یہ بھی ظاہر ہے کہ علاوہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے دوسری ازواج مطہرات بھی شامل تھیں۔ اس لئے تمام ازواج کو خطاب ہے کہ تم یہ وسوسہ دل میں نہ لانا کہ آخر تو مرد کو بیبیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں اس لئے لامحالہ ہماری سب باتیں سہی جاویں گی۔ تو یاد رکھو اللہ چاہے تو تم سے بھی بہتر بیبیاں اپنے نبی کے لئے پیدا کردے اس کے ہاں کس چیز کی کمی ہے؟ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تم بیبیوں سے ناراض ہوکر طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلہ تم سے اچھی بیبیاں عطا فرمادے گا جو ان صفات کی ہوں گی:۔

(۱) مسلمٰت یعنی ان کا ظاہر بھی اسلام ہوگا۔ (۲) مؤمنٰت یعنی دل سے بھی ایماندار ہوں گی۔ (۳) قانتات عبادت کرنے والیاں یعنی نماز پڑھنے والیاں۔ دعائیں مانگنے والیاں۔ (۴) تائبات توبہ کرنے والیاں یعنی از روئے بشریت جو غلطی ہو جائے تو اس پر ضد و اصرار نہ ہو بلکہ اللہ کی طرف رجوع ہوکر توبہ کرلی جائے۔ (۵) عبدٰت۔ ہر قسم کی عبادت کرنے والیاں۔ اس میں صدقہ خیرات۔ حج و زکوٰۃ۔ خدمت شوہر۔ پرورش اولاد۔ عزت و مال کی حفاظت۔ صلہ رحمی خاوند کی اطاعت اور اس کے ساتھ ہمدردی۔ خوش خلقی۔ نرم مزاجی وغیرہ سب شامل ہیں اور عورت کے حق میں عبادت ہیں۔

(۶) سٰئحٰت۔ روزہ رکھنے والیاں۔

(۷) ثیبٰت و ابکارًا۔ بیوہ اور کنواریاں۔

غرض کہ سیرۃ کے اعتبار سے ہر طرح کامل و مکمل ہوں گی تو جب یہ سب ممکن ہے تو تم کو حد کے اندر رہنا چاہئے اور اس قسم کی کارروائیوں سے باز آنا چاہئے۔

شروع سورۃ میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا گیا۔ اس کے بعد ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا گیا اب اس کے بعد اگلی آیات میں تمام اہل ایمان کو خطاب فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ عَلَيْهَا

اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تندخو مضبوط

مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦﴾ يَٰٓأَيُّهَا

فرشتے ہیں جو خدا کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجا لاتے ہیں۔ اے کافرو!

ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَا تَعْتَذِرُوا۟ ٱلْيَوْمَ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧﴾

آج تم عذر مت کرو بس تم کو تو اسی کی سزا مل رہی ہے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

يَٰٓأَيُّهَا اے	ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ایمان والو	قُوٓا۟ تم بچاؤ	أَنفُسَكُمْ اپنے آپ کو	وَأَهْلِيكُمْ اور اپنے گھر والوں	نَارًا آگ	وَقُودُهَا اور اس کا ایندھن		
ٱلنَّاسُ آدمی	وَ اور	ٱلْحِجَارَةُ پتھر	عَلَيْهَا اس پر	مَلَٰٓئِكَةٌ فرشتے	غِلَاظٌ درشت خو	شِدَادٌ زور آور	لَّا يَعْصُونَ وہ نافرمانی نہیں کرتے	ٱللَّهَ اللہ
مَآ جو	أَمَرَهُمْ وہ حکم دیتا ہے انہیں	وَيَفْعَلُونَ اور وہ کرتے ہیں	مَا جو	يُؤْمَرُونَ انہیں حکم دیا جاتا ہے	يَٰٓأَيُّهَا اے	ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ جن لوگوں نے کفر کیا (کافرو)		
لَا تَعْتَذِرُوا۟ تم عذر نہ کرو	ٱلْيَوْمَ آج	إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا اسکے سوا نہیں کہ تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو	كُنتُمْ تَعْمَلُونَ تم کرتے تھے					

تفسیر و تشریح: ان آیات میں تمام اہل ایمان کو خطاب کر کے ہدایت دی جا رہی ہے کہ ایمان والوں کو چاہئے کہ خود بھی فرائض و واجبات کی تعمیل کریں اور ایسے کام نہ کریں کہ جن کے باعث جہنم کی آگ میں جانا پڑے اور ساتھ ہی اپنے گھر والوں کو بھی شریعت کے موافق چلنا سکھائیں۔ دین کی اور قرآن و سنت کی تعلیم ان کو بھی دیں۔ فرائض و واجبات کی تاکید کریں۔ یہاں آیت میں اہل کا لفظ آیا ہے جس کا عام ترجمہ تو گھر والے ہیں مگر اہل کے لفظ میں بڑی وسعت ہے اور انسان کے سارے ہی متعلقین و متوسلین اس کے تحت آ جاتے ہیں۔ بیوی۔ بچے۔ ملازم۔ رعایا۔ شاگرد۔ مرید وغیرہ سب اہل کے تحت میں آ جاتے ہیں تو احکام الٰہی کی تعمیل خود کرنا اور اپنے متعلقین میں بقدر امکان ان احکام کی تبلیغ کرنا اور ان کی تعمیل کرانا واجب ہے اور یہی دوزخ کی آگ سے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا ہے۔ اب وہ جہنم کی آگ کیسی ہے اس کے متعلق بتلایا گیا کہ معمولی آگ نہیں بلکہ ایسی تیز آگ ہے کہ جس کا ایندھن انسانوں کے جسم اور پتھر ہیں۔ اور پتھر سے یا تو عام پتھر مراد ہیں یا تو وہ پتھر ہیں جن کی دنیا میں پرستش اور پوجا پاٹ ہوتی تھی یا گندھک کے نہایت بدبودار پتھر مراد ہیں اور وہ آگ دنیا کی آگ سے کہیں زیادہ تیز اور جلانے والی ہے۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ اس دنیا کی آگ سے ستر حصہ زیادہ تیز ہوگی۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخ کو ہزار برس تک دھونکایا یہاں تک کہ اس کا رنگ سرخ ہو گیا۔ پھر ہزار برس تک دھونکایا یہاں تک کہ سفید ہو گئی۔ پھر ہزار برس تک اور دھونکایا یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی۔ اب وہ بالکل سیاہ تاریک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نار سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھیں۔ آمین۔ آگے اس نار کی دوسری کیفیت بتلائی جاتی ہے کہ اس کے داروغہ یا محافظ فرشتے ہیں جو نہایت سخت دل اور سخت مزاج اور تندخو ہیں اور بڑے قد آور اور طاقت والے کہ جن پر نہ کوئی مجرم زور سے غالب آ سکے نہ وہ فرشتے کسی پر رحم و مہربانی کریں۔ یہ فرشتے نہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور نہ اس کے احکام بجا لانے میں کوئی سستی یا دیر کرتے ہیں۔ جو ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو فوراً بجا لاتے ہیں۔ غرض کہ اس جہنم پر ایسے فرشتے

مقرر ہیں اور وہ کافروں کو دوزخ میں داخل کریں گے اور اس وقت کافروں سے کہا جائے گا کہ اب تم عذر معذرت اور حیلہ بہانہ مت بناؤ۔ آج کوئی بہانہ چلنے والا نہیں بلکہ جو کچھ دنیا میں کرتے تھے آج اس کی پوری پوری سزا بھگتنے کا دن ہے اور اس عذاب کے دیئے جانے میں تم پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں۔ یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو عذاب کی صورت میں نظر آرہے ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ تم کو ناحق عذاب دیا جاتا ہے۔ جو بویا تھا اسی کو کاٹ رہے ہو۔ یہاں آیت میں نار جہنم کے ذکر کے بعد جو کفار کو مخاطب بنایا گیا تو اس سے ظاہر ہوا کہ جہنم کی اصل غرض و غایت کافروں کی تعذیب ہے۔ اسی کو سورہ بقرۃ میں اس طرح صاف فرمایا گیا فاتقو النار التی وقود ھا الناس والحجارۃ اعدت للکفرین. پس اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور وہ کافروں کے لئے تیار کی ہوئی ہے) تو معلوم ہوا کہ جہنم کی اصل غذا تو اہل کفر و شرک ہی ہوں گے۔ اہل اسلام میں سے اہل فسق و عصیان عارضی طور پر تادیب اور تزکیہ کے لئے اس میں داخل کر دیئے جائیں گے اور ایمان و اسلام کی برکت سے بعد تادیب اور گناہوں کی نجاست سے پاک صاف ہونے کے بعد وہاں سے نکال لئے جاویں گے۔ اور دائمی طور پر صرف کفار و مشرکین ہی جہنم میں پڑے رہیں گے۔

اب غور کیجئے کہ حق تعالیٰ تو کس شفقت اور رحمت سے نصیحت فرما رہے ہیں کہ اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اور اس کے مقابل ہم ایمان والوں کی حالت کیا ہے ؟ ذرا اس کا اندازہ بھی کر لیجئے۔ ایمان کے بعد سب سے اوّل اور پہلی چیز جس کا قیامت میں ایک مسلمان سے محاسبہ ہوگا وہ "نماز" ہے۔ اگر اس میں کامیاب ہو گیا تو پھر دوسرے فرائض اور واجبات کا حساب ہوگا۔ اور اگر نماز ہی کے معاملہ میں پکڑ ہو گئی تو لکھا ہے کہ وہیں جہنم کے مؤکلوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس بھروسہ پر نہیں رہنا چاہئے کہ ایمان کی بدولت جہنم سے آخر نکل جائیں گے۔ اتنے سال یعنی دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس جلنے کے بعد نکلنا ہوگا وہ بھی جب ہی کہ اور کوئی وجہ زیادہ پڑے رہنے کی نہ ہو۔ الامان الحفیظ۔

حضرت ابواللیث سمرقندیؒ نے قرۃ العیون میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک فرض نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے اس کا نام جہنم کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو اس میں جانا ضروری ہے۔ تو نماز چھوڑ کر اور اس سے غفلت برت کر ایسے مسلمان نار جہنم سے بچنے کے سامان کر رہے ہیں یا معاذ اللہ معاذ اللہ اس میں جانے کے سامان کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور اپنے کریم رب کی طرف رجوع ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

اب چونکہ یہاں کفار کے لئے نار جہنم کا ذکر آ گیا تھا اس لئے آگے اس نار جہنم سے بچنے کا طریقہ مسلمانوں کو بتلایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں اس زندگی میں اپنے مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں اور ظاہراً و باطناً ہم کو شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اہل و عیال و متعلقین کو بھی نیک ہدایت اور نیک سیرۃ عطا فرمائیں۔ اور ہم سب کو اور ہمارے اہل کو نار جہنم سے بچائیں۔

یا اللہ ہمیں ایمان و اسلام اور ایسے اعمال صالحہ کے ساتھ اس دنیا سے جانا نصیب فرما کہ جو آخرت میں ہمیں نجات اور مغفرت نصیب ہو اور عذاب جہنم سے ہم کو دور رکھا جائے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

اے ایمان والو تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کردے گا

وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مسلمان ان کے ساتھ ہیں

مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ

ان کو رسوانہ کرے گا ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا یوں دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھیئے،

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور ہماری مغفرت فرمادیجئے آپ ہر شے پر قادر ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	تُوْبُوْٓا تم توبہ کرو	اِلَى اللّٰهِ اللہ کے آگے	تَوْبَةً توبہ	نَّصُوْحًا خالص	عَسٰى امید ہے	رَبُّكُمْ تمہارا رب
اَنْ يُّكَفِّرَ کہ وہ دور کردیگا	عَنْكُمْ تم سے	سَيِّاٰتِكُمْ تمہاری برائیاں (گناہ)	وَيُدْخِلَكُمْ اور وہ داخل کریگا تمہیں	جَنّٰتٍ باغات	تَجْرِيْ جاری ہیں		
مِنْ تَحْتِهَا انکے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	يَوْمَ اس دن	لَا يُخْزِي وہ رسوانہ کریگا	اللّٰهُ اللہ	النَّبِيَّ نبی	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور جولوگ ایمان لائے	مَعَهٗ اس کیساتھ
نُوْرُهُمْ انکا نور	يَسْعٰى دوڑتا ہوگا	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ انکے سامنے	وَبِاَيْمَانِهِمْ اور انکے داہنے	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے (دعا کرتے) ہونگے	رَبَّنَآ اے ہمارے رب		
اَتْمِمْ لَنَا پورا کردے ہمارے لئے	نُوْرَنَا ہمارا نور	وَاغْفِرْ لَنَا اور ہماری مغفرت فرمادے	اِنَّكَ بیشک تو	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرٌ قدرت رکھنے والا	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے ایمان والو! ابھی دنیا میں توبہ کا وقت ہے۔ بشریت سے جو گناہ سرزد ہو جائے اور جو غلطی نادانی سے کر بیٹھو تو اس سے توبہ کرلو۔ لیکن توبہ ہو ''توبة النصوح'' یعنی سچی توبہ۔ دل میں اپنی معصیت پر کامل ندامت ہو۔ آئندہ کے لئے اس کے ترک کا مصمم عزم ہو۔ پھر آگے ایسی سچی توبہ کے نتائج وثمرات بتلائے جاتے ہیں۔ پہلا نتیجہ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ سچی توبہ کر لینے سے تمہارے گناہ سے مٹادے گا۔ توبہ سے گناہوں کا معاف ہو جانا یا ان کا مٹایا جانا قرآن وحدیث سے ثابت ہے مگر یہ سمجھ لیا جائے کہ توبہ سے حقوق العباد ساقط نہیں ہوتے۔ مثلاً کسی کا مال ناحق دبالیا یا چوری کرلی تو اس حالت میں توبہ کی تکمیل جب ہی ہوگی جب حق العباد بھی ادا کردے یعنی یا تو چرایا ہوا مال واپس کرے یا صاحب حق سے معاف کرائے اس ارشاد کے تحت یایها الذین امنو ا توبوآ الی الله توبه نصوحا توبہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔

تو یہاں پہلا ثمرۃ توبۃ النصوح کا یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ دوسرا ثمرہ یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور یہ اس روز ہوگا یعنی قیامت کے دن جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور جو اہل ایمان دین کی رو سے آپ کے ساتھ ہیں ان کو رسوا اور شرمندہ نہ کرے گا۔ اس میں ترغیب ہے کہ قیامت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کے سوا منکرین ومکذبین سب رسوا وذلیل ہوں گے اور ظلمت میں گھرے ہوں گے۔ روشنی اور نور

بس ایمان والوں کے پاس ہوگا جو ایمان۔توبہ اور عمل صالح کی روشنی ہوگی اور ان کے آگے آگے اور دائیں طرف دوڑتی ہوئی چلے گی اور وہ ظلماتی راہ کو طے کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔ یہ میدان قیامت میں پل صراط سے پہلے ہوگا تو جب اہل ایمان پل صراط پر گذرنے سے پہلے دیکھیں گے کہ منافقوں کی روشنی چمک کر بجھ گئی تو دعا کریں گے کہ اے ہمارے رب ہماری روشنی آخر تک قائم رہے۔ بجھنے نہ پائے اور ہماری مغفرت فرما دیجئے بیشک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔آپ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت اور توفیق نصیب فرمائیں۔اور توبہ کی طرف سے ہماری غفلت کو دور فرمائیں۔آمین۔

الغرض یہاں اہل ایمان کو مخاطب کر کے توبہ کا حکم اور ترغیب دی گئی۔اب اہل ایمان کے ذکر کے بعد کفار و منافقین کا ذکر فرمایا گیا اور ان کا انجام بد بتلایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی دائمی توبۃ النصوح کی توفیق عطا فرمائیں اور اس توبہ کی برکت سے حق تعالیٰ ہمارے تمام صغیرہ کبیرہ۔ظاہر و باطن۔چھوٹے اور بڑے۔عمداً وسہواً تمام گناہوں کو معاف فرما دیں اور اپنے فضل سے قیامت میں ہماری مغفرت فرما کر جنت کی دائمی نعمتیں عطا فرمائیں۔

یا اللہ قیامت وحشر کی ذلت و رسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھئے اور اپنی رحمت و مغفرت سے ہم سب کو نواز دیجئے۔

یا اللہ آپ کا وعدہ ہے کہ جو اہل ایمان آپ کے نبی مکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونگے ان کو آپ میدان حشر میں رسوا نہ فرمائیں گے اور ان کو وہ نور عطا فرمائیں گے کہ وہ سلامتی کے ساتھ آپ کی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

یا اللہ اس دنیا کی زندگی میں ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اتباع۔محبت اور عظمت نصیب فرما کہ میدان حشر میں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہونا نصیب ہو جائے اور ہم آپ کے مقام رضا یعنی جنت میں پہنچ جائیں۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

اے نبیؐ کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور اُن پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بُری جگہ ہے

الْمَصِيْرُ ﴿٩﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا

اللہ تعالیٰ کافروں کیلئے نوحؑ کی بی بی اور لوطؑ کی بی بی کا حال بیان فرماتا ہے، وہ دونوں ہمارے

تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا

خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں سو ان عورتوں نے ان دونوں بندوں کا حق ضائع کیا تو وہ دونوں نیک بندے

وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿١٠﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ

اللہ کے مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آسکے اور حکم ہوگیا کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کیلئے فرعون کی بی بی

فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ

کا حال بیان کرتا ہے، جب کہ ان بی بی نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنائیے اور مجھ کو فرعون سے اور اس کے عمل سے محفوظ رکھیے

وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١١﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

اور مجھ کو تمام ظالم لوگوں سے محفوظ رکھیئے۔ اور عمرانؑ کی بیٹی مریم کا حال بیان کرتا ہے جنہوں نے اپنی ناموس کو محفوظ رکھا سو ہم نے ان کے چاک گریبان

فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿١٢﴾

میں اپنی روح پھونک دی اور انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبی	جَاهِدِ جہاد کیجئے	الْكُفَّارَ کافروں	وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور منافقوں	وَاغْلُظْ اور سختی کیجئے	عَلَيْهِمْ اُن پر	وَمَاْوٰىهُمْ اور انکا ٹھکانا	
جَهَنَّمُ جہنم	وَبِئْسَ اور بری	الْمَصِيْرُ جگہ	ضَرَبَ بیان کی	اللّٰهُ اللہ	مَثَلًا مثال	لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا کافروں کیلئے	امْرَاَتَ نُوْحٍ نوحؑ کی بیوی
وَامْرَاَتَ لُوْطٍ اور لوطؑ کی بیوی	كَانَتَا وہ دونوں تھیں	تَحْتَ نیچے گھروں میں	عَبْدَيْنِ دو بندے	مِنْ سے	عِبَادِنَا ہمارے بندے		
صَالِحَيْنِ دو صالح	فَخَانَتٰهُمَا سو انہوں نے ان دونوں کی خیانت کی	فَلَمْ يُغْنِيَا تو ان دونوں کے کام نہ آیا	عَنْهُمَا اُن کے	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے آگے			
شَيْئًا کچھ	وَقِيْلَ اور کہا گیا	ادْخُلَا النَّارَ تم دونوں داخل ہو جاؤ جہنم	مَعَ ساتھ	الدّٰخِلِيْنَ داخل ہونیوالے	وَضَرَبَ اور بیان کی	اللّٰهُ اللہ	
مَثَلًا مثال	لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا مومنوں کیلئے	امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ فرعون کی بیوی	اِذْ جب	قَالَتْ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب		
ابْنِ لِيْ میرے لئے بنادے	عِنْدَكَ اپنے پاس	بَيْتًا ایک گھر	فِي الْجَنَّةِ جنت میں	وَنَجِّنِيْ اور مجھے بچالے	مِنْ سے	فِرْعَوْنَ فرعون	
وَعَمَلِهٖ اور اسکا عمل اور	نَجِّنِيْ مجھے بچالے	مِنَ سے	الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ظالموں کی قوم	وَمَرْيَمَ اور مریم	ابْنَتَ عِمْرٰنَ عمران کی بیٹی		
الَّتِيْ وہ جس نے	اَحْصَنَتْ حفاظت کی	فَرْجَهَا اپنی شرمگاہ	فَنَفَخْنَا سو ہم نے پھونکی	فِيْهِ اس میں	مِنْ رُّوْحِنَا اپنی روح سے		
وَصَدَّقَتْ اور اس نے تصدیق کی	بِكَلِمٰتِ باتوں کی	رَبِّهَا اپنا رب	وَكُتُبِهٖ اور اسکی کتابوں	وَكَانَتْ اور وہ تھی	مِنَ سے	الْقٰنِتِيْنَ فرمانبرداری کرنیوالیاں	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ دنیا میں فساد مچانا چاہتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو کھلم کھلا کہتے ہیں کہ ہم اللہ ورسول کو نہیں مانتے۔ بس ہم آزاد ہیں جو چاہیں کریں۔ کوئی ہم سے باز پرس کرنے والا نہیں تو یہ لوگ امن وامان اور سلامتی اور راستی کے کھلے دشمن ہیں۔ یہ اگر سیدھی طرح نہ مانیں تو ان سے جنگ و جہاد کر کے ان کا قلع قمع کیا جائے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو بظاہر تو مسلمانوں میں ملے جلے ہیں لیکن دل سے وہ ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی پر کمربستہ ہیں تو ایسے لوگ جن کی منافقت علانیہ ظاہر ہو جائے اور ان کا قصور قانوناً ثابت ہو جائے تو اس وقت ان کے ساتھ بھی سختی کی جائے اور ان کو سخت سزا دی جائے۔ دنیا میں تو یہ دونوں گروہ اسی کے مستحق ہیں کہ ان سے جہاد کیا جائے اور ان پر سختی کی جائے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جو رہنے کے لئے بہت ہی بری جگہ ہے۔

اب آگے کافروں کی عبرت کے لئے اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کی بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی کا حال بیان فرماتے ہیں کہ کفر ایسی بری چیز ہے کہ انبیاء کی بیویوں کو بھی سزا سے نہیں بچا سکتا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے کیسے خاص اور نیک بندے اور اللہ کے پیغمبر تھے مگر دونوں کے گھر میں ان کی بیویاں بظاہر ان کے ساتھ تھیں لیکن دل سے کافروں کے شریک حال تھیں جن کا انجام یہ ہوا کہ عام دوزخیوں کے ساتھ اس دونوں بیبیوں کو بھی اللہ نے جہنم میں داخل کر دیا۔ پیغمبروں کا رشتہ زوجیت ذرا بھی کام نہ آیا اور انہیں عذاب الٰہی سے نہ بچا سکا۔ یہاں آیت میں ان دونوں عورتوں کا جرم یہ بتلایا گیا کہ باوجود پیغمبروں کی بیبیاں ہونے کے ان عورتوں نے ان دونوں صالح بندوں کا حق ضائع کیا۔ یعنی بوجہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کے نبی ہونے کے ان کا یہ بھی حق تھا کہ دین میں ان کی اطاعت کی جاتی۔ ان عورتوں نے دین میں اپنے خاوندوں کی خیانت کی اور ان کا ساتھ نہ دیا۔

نوح علیہ السلام کی بیوی طوفان میں غرق ہوئی اور لوط علیہ السلام کی بیوی نافرمان قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی۔ تو کافروں اور منافقوں کی عبرت کے لئے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کا ذکر مثال کے طور پر فرمایا گیا۔ آگے ان کے مقابلہ میں اہل ایمان اور اہل اسلام کیلئے دو نیک عورتوں کی مثال بیان فرمائی جاتی ہے جو دنیاداروں کے پنجہ اور ظلم میں مبتلا تھیں مگر اپنی ایمانداری اور نیکی سے نہ ہٹیں۔ ان میں سے ایک تو حضرت آسیہ فرعون کی بیوی کا ذکر فرمایا جو پکی ایماندار اور ولیہ کاملہ تھیں جبکہ ان کا شوہر فرعون۔ خدا تعالیٰ کا سب سے بڑا باغی تھا۔ لکھا ہے کہ فرعون کی بیوی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتی تھیں۔ جب کافروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کھلم کھلا مقابلہ ہوا تو فرعون کو اس بیوی پر غصہ آیا کہ اس نے حضرت موسیٰ کی پرورش کی تھی۔ جب فرعون کو ان کے ایمان کا حال کھلا تو طرح طرح سے سخت اذیتیں دیتا تھا۔

حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کامل الایمان ہونے کا اعلان فرمایا ہے اور حضرت مریم کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ کی ہزار ہار حمتیں ہوں ان کی پاک روح پر۔ مسلمانوں کی تسلی کے لئے دوسری مثال عمران کی بیٹی حضرت مریم علیہا السلام کی ذکر فرمائی کہ جو نہایت پاک دامن تھیں اور جنہوں نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا۔ قرآن کریم نے حضرت مریم علیہا السلام کے حق میں یہ شہادت اس وجہ سے دی کہ ملعون یہود ان پر معاذ اللہ معاذ اللہ زنا کی تہمت لگاتے تھے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی وجہ سے۔ اس لئے آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا راز ظاہر فرمایا جاتا ہے کہ فرشتے کے ذریعے سے حضرت مریم علیہا السلام کے اندر ایک روح پھونک دی گئی جس کا نتیجہ استقرار حمل ہوا اور حضرت مسیح علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ پھر حضرت مریم کی تعریف فرمائی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی جو ان کو ملائکہ کے ذریعہ سے پہنچے تصدیق کی اور اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں یعنی تورۃ وانجیل پر ایمان لائیں۔ یہ تو بیان تھا حضرت مریم کے عقائد کا اور اعمال کا یہ حال تھا کہ وہ پوری فرمانبردار تھیں اور کامل مردوں کی طرح بندگی اور طاعت پر ثابت قدم تھیں۔

ان آیات کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ ان چار عورتوں کی مثال میں بہت سے فوائد ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ اس میں تنبیہ ہے صلحا کے اہل کو کہ وہ بزرگان دین یا اولیا اللہ کی قرابت کے غرور میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے سرتابی نہ کریں ورنہ یہ قرابت کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔

دوسرے یہ کہ دین پر اگر کوئی سختی سے قائم رہے اور اپنا دینی تعلق اللہ اور اس کے رسول سے مضبوطی سے قائم کر لے تو بد سے بد کی صحبت بھی ان کو مضرت نہیں پہنچاتی۔

تیسرے یہ کہ صلحا کا بدوں کو حتیٰ کہ اولاد۔ بیوی۔ خاندان۔ قبیلہ کو رشد و ہدایت ان کے دلوں میں زبردستی ڈال دینا اور ان کے قلوب کو پلٹ دینا ممکن نہیں۔ نبی اور پیغمبر کا کام رشد و ہدایت کا پیغام پہنچا دینا ہے نہ کہ زبردستی عائد کرنا۔

چوتھے یہ کہ ہر بلا و مصیبت سے نجات دنیوی و اخروی کے لئے حق تعالیٰ کی طرف تضرع و رجوع کرنا سیرت صالحین میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

الحمد للہ کہ اس درس پر سورہ تحریم کا بیان جو ۲۸ ویں پارہ کی آخری سورۃ تھی ختم ہوا۔

سورۃ التحریم کے خواص

۱......اگر کوئی بیمار ہو تو سورۃ التحریم پڑھنے سے شفاء ہوگی۔

۲......اگر کسی کو بے خوابی کا مرض ہو تو وہ سورۃ التحریم پڑھے اس کی یہ تکلیف جاتی رہے گی۔

۳......اگر کوئی مقروض ہے تو وہ سورۃ التحریم پڑھے اس کا قرضہ اترنے کے راستے پیدا ہو جائیں گے۔ (الدر النظیم)

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کفار و منافقین سے ہم کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کرنے کا عزم و جذبہ عطا فرمائیں۔ اور ہم کو دین پر سختی سے ہر حال میں قائم رہنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنا اور اپنے رسول پاک کا وہ تعلق نصیب فرمائیں کہ جو بے دینی کے ماحول اور فضا میں ہم اپنے دین کو بچا سکیں اور ہدایت پر قائم رہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں ہم کو اپنی طرف رجوع ہونے اور تضرع کرنے کی توفیق فرمائیں اور اپنی نصرت و اعانت ہمارے شامل حال رکھیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ﴿۱﴾

وہ (خدا) بڑا عالی شان ہے جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تَبٰرَكَ بڑی برکت والا	الَّذِيْ وہ جس	بِيَدِهِ اس کے ہاتھ میں	الْمُلْكُ بادشاہی	وَهُوَ اور وہ	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرُ قدرت رکھنے والا	

تفسیر وتشریح: سورۃ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفات باری تعالیٰ کے ذکر سے فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ سارے جہان کی بادشاہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ سارا زور اور قوت اسی کے قبضہ میں ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسی نے تم کو زندگی بخشی ہے اور وہی تم کو موت دے گا اور اس مرنے اور جینے کا مقصد یہ ہے کہ تمہارا امتحان لیا جائے کہ اس عارضی زندگی میں کون اچھے کام کرتا ہے اور کون برے کام۔ پھر بتایا گیا ہے کہ یقین کرو کہ سارے جہان میں حکم اللہ ہی کا چلتا ہے۔ ہر طرف اسی کی قدرت کا ظہور ہے۔ ساتوں آسمان اسی نے پیدا کئے جو ایک دوسرے کے اوپر چھائے ہوئے ہیں۔ اور ان میں ہر بات ایک مضبوط نظام اور قاعدے کے موافق چل رہی ہے جس میں کوئی خلل یا خلا نہیں ہے۔ ہر چیز کو اس نے قاعدہ اور طریقہ سے بنایا ہے اور ہر چیز اپنی اپنی مناسب جگہ موجود ہے اور اپنا کام پورا کر رہی ہے۔ پھر بتایا گیا کہ جتنا اس کی مخلوقات کو غور سے دیکھو گے تمہاری حیرت بڑھتی جائے گی۔ دیکھتے دیکھتے تم تھک جاؤ گے لیکن اس کے عجائبات ختم نہ ہوں گے۔ دیکھو تمہارے قریب کے آسمان میں ستارے روشن چراغوں کی طرح روشن ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو شیطانوں کو مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے جو اوپر چڑھ کر غیب کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ شیاطین انسانوں کو سوائے غلط اور گمراہی کی باتوں کے اور کچھ بھی نہیں بتاتے۔ اب جو لوگ ان کی پیروی کریں گے وہ ان ہی کے ساتھ آخرت میں جہنم رسید ہوں گے اور جب یہ منکرین گروہ در گروہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے تو جہنم کا جوش وخروش دیکھ کر ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔ جہنم کے نگہبان فرشتے ان سے کہیں گے کہ کیا دنیا میں تمہیں اس آگ سے ڈرانے والے نہیں آئے تھے۔ اس کا جواب وہ نہایت حسرت وندامت سے دیں گے کہ ڈرانے والے آئے تو ضرور تھے مگر ہم ان کا کہنا خاطر میں نہ لائے۔ ان کو جھوٹا سمجھا۔ اگر ہم سمجھ سے کام لیتے اور رسولوں کی بات مان لیتے تو آج جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں نہ جھونکے جاتے۔ برخلاف ان کے اللہ سے ڈرنے والے بندے اس دن چین اور آرام سے ہوں گے اور ان کو بڑا اجر ملے گا کیونکہ وہ دنیا میں اپنے رب کو دیکھے بغیر اس پر ایمان لائے اور اس سے ڈرتے رہے۔ آگے انسان کو نصیحت کی گئی کہ ہر حال میں اللہ کی رحمت کے امیدوار رہو اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نہ ماننے والوں کو دنیا میں بڑی بڑی سزائیں دی ہیں۔ پھر تمام انسانوں کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ تم خود ہی سوچو کہ ایک شخص منہ اٹھائے ہوئے سیدھے راستہ پر چل رہا ہے اور دوسرا منہ اوندھائے گرتا پڑتا ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہا ہے تو کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں۔ اس لئے اللہ کی اور اسکے رسول کی بات مانو۔ قیامت پر یقین کرو۔ وہ ضرور آئے گی۔ رہا اس کا وقت تو وہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کب آئیگی۔ لیکن جب آ گئی تو پھر منکروں کی خیر نہیں۔ مارے ہول کے ان کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ آخر میں منکروں کو سمجھایا جاتا ہے کہ تم مسلمانوں کی فکر چھوڑو اپنی فکر کرو کہ اللہ کے عذاب سے کیسے بچو گے۔ مسلمانوں کا تو والی وارث اللہ ہی ہے۔ وہی ان کے سارے کام بنائے گا۔ تم اپنی سوچو کہ تمہیں اسکے عذاب سے کون بچائے گا۔ یہ ہے خلاصہ مضامین اس پوری سورۃ کا جسکی تفصیلات ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ درسوں میں بیان ہونگی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْ

جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔ اور وہ زبردست بخشنے والا ہے۔ جس نے

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ

سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا سو تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو

تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ ﴿۴﴾

خلل نظر آتا ہے پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ (آخر کار) نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آوے گی۔

اَلَّذِیْ وہ جس	خَلَقَ پیدا کیا	اَلْمَوْتَ موت	وَ اور	اَلْحَیٰوةَ زندگی	لِیَبْلُوَكُمْ تا کہ وہ آزمائے تمہیں	اَیُّكُمْ تم میں سے کون	اَحْسَنُ سب سے بہتر
عَمَلًا عمل میں	وَهُوَ اور وہ	اَلْعَزِیْزُ غالب	اَلْغَفُوْرُ بخشنے والا	اَلَّذِیْ خَلَقَ جس نے بنائے	سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سات آسمان	طِبَاقًا تہہ در تہہ	
مَا تَرٰى تو نہ دیکھے گا	فِیْ میں	خَلْقِ بنانا (تخلیق)	اَلرَّحْمٰنِ رحمٰن (اللہ)	مِنْ تَفٰوُتٍ کوئی فرق	فَارْجِعِ پھر لوٹا	اَلْبَصَرَ نگاہ	هَلْ تَرٰى کیا تو دیکھتا ہے
مِنْ فُطُوْرٍ کوئی شگاف	ثُمَّ پھر	ارْجِعِ تو دوبارہ لوٹا	اَلْبَصَرَ نگاہ	كَرَّتَیْنِ دوبارہ	یَنْقَلِبْ وہ لوٹ آئیگی	اِلَیْكَ تیری طرف	
اَلْبَصَرُ نگاہ	خَاسِئًا خوار ہو کر	وَهُوَ اور وہ	حَسِیْرٌ تھکی ماندہ				

تفسیر وتشریح: آیت میں جو یہ دعویٰ فرمایا گیا تھا کہ ہر چیز اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور ہر شے پر اسی کا تصرف کامل ہے اور ہر چیز پر وہ قدرت رکھتا ہے۔ تو اس دعوے کی صداقت اور ثبوت میں اب کچھ نشانیاں اور ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کی قدرت اور صفات کاملہ کی کچھ نشانیاں تو خود انسانوں میں موجود ہیں۔ یعنی موت وحیات کی پیدائش۔ کچھ آسمانوں میں موجود ہیں۔ کچھ زمین میں موجود ہیں۔ کچھ زمین وآسمان کے درمیان میں موجود ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا قدرت والا ہے کہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا یعنی مرنے اور جینے کا سلسلہ اسی نے قائم کیا۔ ہم پہلے کچھ نہ تھے اسے موت ہی سمجھا جائے پھر پیدا کیا اور زندگی دی اس کے بعد پھر موت ہے اور پھر اس موت کے بعد آخرت کی زندگی ہے۔ تو یہاں پہلی نشانی قدرت الٰہی کی یہ بتلائی گئی کہ اسی نے موت وحیات کا سلسلہ قائم کیا۔ اب یہ موت وحیات کا سارا سلسلہ کس لئے قائم کیا گیا اس کی علت اور وجہ بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ موت وحیات کا سارا سلسلہ اس لئے ہے کہ

اے انسانو تمہارے اعمال کی جانچ وامتحان ہو کہ کون اس عارضی زندگی میں برے کام کرتا ہے۔ کون اچھے کام کرتا ہے اور کون اچھے سے اچھے کام کرتا ہے اور کون اوامر ونواہی کا پابند ہو کر زندگی گذارنے والا ہے۔ تو تخلیق موت وحیات کی حکمت یہ فرمائی گئی کہ فرمانبردار اور نافرمان کا جدا جدا ظہور ہو جائے۔ تو اس دنیا کی پہلی زندگی میں یہ امتحان ہوا اور آخرت کی دوسری زندگی میں اس امتحان کا مکمل نتیجہ دکھلا دیا جائے گا۔ اب اگر پہلی زندگی نہ ہوتی تو عمل کون کرتا اور موت نہ آتی تو آخرت سے غافل اور بے فکر ہو کر عمل چھوڑ بیٹھتے اور دوسری زندگی نہ ہوتی تو پہلی زندگی کے بھلے اور برے کا بدلہ کہاں ملتا۔ اب چونکہ بندوں کے اعمال اس زندگی میں دو قسم کے ہیں۔ بد یا نیک۔ اور ان کے وقوع ہونے کے بعد اس قادر مطلق کی طرف سے دو ہی باتیں پیش آتی ہیں یا تو پوری سزا و جزا یا درگذر و بخشش اس لئے آگے فرما دیا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ یعنی وہ زبردست ہے۔ ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے نیک کاموں کا بدلہ بھی دے سکتا ہے۔ برے کاموں کی سزا بھی دے سکتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور باوجود

عزیز یعنی زبردست غالب اور قادر ہونے کے وہ غفور بھی ہے یعنی معاف کرنے والا ۔عیب ڈھانکنے والا اور درگذر کرنے والا بھی ہے۔اگر بندے اس کی طرف رجوع کریں اور سچی توبہ کریں ۔تو معاف کرنے اور بخشنے والا بھی ہے۔آگے آسمان کا استحکام بیان فرمایا جاتا ہے کہ اے دیکھنے والے تو اوپر نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ کہیں کوئی عیب ٹوٹ پھوٹ اونچ نیچ یادراڑ وشگاف دکھائی دیتا ہے؟ قدرت کے نظام اور کاریگری میں کوئی کمی اور عیب نہیں پائے گا بلکہ تو دیکھے گا کہ وہ صاف ہموار متصل اور مربوط ہے اور باوجود اتنا طویل زمانہ گذر جانے کے آج تک کوئی فرق نہیں آیا اور ممکن ہے کہ ایک آدھ مرتبہ دیکھنے میں نگاہ خطا کر جائے اس لئے اے مخاطب! کوشش کر بار بار دیکھ کہ کہیں کوئی رخنہ تو دکھائی نہیں دیتا؟ خوب غور وفکر اور نظر ثانی کر کہ قدرت کے نظام اور کاریگری میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ تو نہیں؟ یادرکھ تیری نگاہ تھک جائے گی اور ناکام ہو کر نیچی ہو جائے گی لیکن خدائی صنعت میں کوئی قصور اور عیب نہ نکال سکے گی۔

یہاں انسان کی آزمائش اور حسن عمل میں موت کا پہلے ذکر فرمایا گیا اور حیات کا بعد میں ۔اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی آزمائش حسن عمل میں بہ نسبت حیات کے موت میں زیادہ ہے۔اور وہ اس طرح کہ جس انسان کو موت کی فکر ہوگی اور اپنی موت کا استحضار رکھے گا وہ اچھے اعمال کی پابندی زیادہ سے زیادہ کر سکے گا اور موت سے جتنی غفلت ہوگی اتنی ہی اصلاح عمل اور حسن عمل سے بے فکری ہوگی۔اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ موت وعظ ونصیحت کے لئے کافی ہے یعنی موت انسان کو دنیا سے بیزار کرنے اور آخرت کی طرف رغبت وشوق دلانے کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی موت کو ہمہ وقت پیش نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہاں لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا میں یہ بھی قابل غور ہے کہ انسان کی اس آزمائش میں جو اس کی موت وحیات سے وابستہ ہے حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم میں سے کس کا عمل اچھا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ کس کا عمل زیادہ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی عمل کی مقدار کا زیادہ ہونا قابل توجہ نہیں بلکہ عمل کا اچھا صحیح اور مقبول ہونا معتبر ہے۔اسی لئے قیامت میں انسان کے اعمال کو گنا نہیں جائے گا بلکہ تولا جائے گا جس میں بعض ایک ہی عمل کا وزن ہزاروں اعمال سے بڑھ جائے گا۔اللہ تعالیٰ اخلاص نیت کے ساتھ اپنی محبت ورضا کے لئے ہم کو ہر نیک عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے وجود اسکی قدرت اور صفات کاملہ اور حکمت بالغہ کے ثبوت میں ان آیات میں دو دلیلیں پیش کی گئیں ایک تو موت و حیات کی پیدائش دوسرے آسمانوں کی تخلیق ۔آگے قدرت الہیہ کی ایک تیسری دلیل بیان فرمائی گئی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ آپ نے ہم کو جو زندگی عطا فرمائی ہے اس کو اپنی مرضیات کے موافق گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔اور جو اس زندگی کا مقصد ہے اس کو پورا کر کے اس جہان سے جانا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو اپنی زندگی میں اپنی موت کو یادرکھنے کی توفیق نصیب ہو۔

یا اللہ اپنی شان غفاری کا معاملہ ہمارے ساتھ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی فرمایئے۔ ہماری کوتاہیوں اور تقصیرات سے درگذر فرمایئے۔اور ہمیں اپنی ہی طرف رجوع اور سچی توبہ اور ایمان واسلام کی موت نصیب فرمایئے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ

اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں سے آراستہ کررکھا ہے اور ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنادیا ہے اور ہم نے ان (شیاطین) کیلئے

عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝۵ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۶

دوزخ کا عذاب تیار کررکھا ہے اور جولوگ اپنے رب کا انکار کرتے ہیں اُن کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ اور وہ بُری جگہ ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا اور یقیناً ہم نے آراستہ کیا	السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا آسمانِ دنیا	بِمَصَابِيْحَ چراغوں سے	وَجَعَلْنٰهَا اور ہم نے اسے بنایا	رُجُوْمًا مارنے کا آلہ
لِلشَّيٰطِيْنِ شیطانوں کیلئے	وَاَعْتَدْنَا اور ہم نے تیار کیا	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابَ السَّعِيْرِ دہکتی آگ (جہنم) کا عذاب	وَلِلَّذِيْنَ اور ان لوگوں کیلئے
كَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا	بِرَبِّهِمْ انکے رب کی طرف سے	عَذَابُ جَهَنَّمَ جہنم کا عذاب	وَبِئْسَ اور بُری	الْمَصِيْرُ لوٹنے کی جگہ

تفسیر وتشریح: اب ان آیات میں تیسری نشانی بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ آسمان دنیا یعنی سب سے نچلا آسمان جو زمین سے بہ نسبت دوسرے آسمانوں کے قریب ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے ان قدرتی چراغوں یعنی ستاروں سے بارونق بنا رکھا ہے۔ چنانچہ رات کے وقت ستاروں کی جگمگاہٹ سے کیسی رونق اور شاندار معلوم ہوتی ہے گویا یہ قدرتی چراغ ہیں جن سے دنیا کے بہت سے منافع وابستہ ہیں۔ تو ان بے شمار ستاروں کا آسمان پر مثل قندیلوں کے روشن ہونا یہ بھی ایک قوی دلیل آثار قدرت اور حکمت الٰہیہ کی ہے۔ اہل ہیئت یعنی ماہر فلکیات سائنس دانوں نے ثابت کیا ہے کہ آسمان کے تارے دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو ایک جگہ قائم ہیں اور حرکت نہیں کرتے ان کو ثوابت کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو حرکت کرتے ہوئے گردش میں رہتے ہیں ان کو سیارات کہتے ہیں۔ اندھیری رات میں جب ہم آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں بے شمار چمکتے ہوئے ستارے اور سیارے نظر آتے ہیں اور ان میں سے کچھ چھوٹے نظر آتے ہیں کچھ بڑے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو ہم کو چھوٹے نظر آتے ہیں وہ درحقیقت چھوٹے ہی ہوں کیونکہ ان کی ظاہری چھوٹائی اور بڑائی کا دارومدار تو ان کے فاصلہ پر ہے۔ اور جن کا فاصلہ بہت ہی زیادہ ہے وہ ہمیں نظر بھی نہیں آتے تو جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ چھوٹے نظر آئیں گے گو وہ فی نفسہ اس کرہ زمین سے لاکھوں اور ہزاروں گنا بڑے ہیں ہمارا کرہ زمین سورج کے مقابلہ میں بہت چھوٹا ہے۔ ماہرین فلکیات و ہیئت کہتے ہیں کہ "اگر ہم یہ کہیں کہ ان کی تعداد اتنی ہے جتنے روئے زمین پر ریت کے ذرات یا دنیا بھر کے سمندروں میں پانی کے قطرات تو یہ مبالغہ نہ ہوگا"۔ قدیم ماہرین فلکیات و ہیئت میں سے تو بہت سے محققین نے تمام عمر کی کاوشوں کے بعد کھلے لفظوں میں یہ اقرار کیا ہی تھا کہ ان معاملات میں جو کچھ غور وتحقیق کی گئی اور لکھا گیا وہ سب تخمینی قیاس آرائی سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور یہ میدان اتنا وسیع ہے کہ ہمارے قیاس اور وہم وگمان کی بھی رسائی اس کی انتہا تک نہیں ہو سکتی۔ تو یہاں آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے کمال قدرت کے اثبات میں فرماتے ہیں کہ اس آسمانی دنیا کو ہم نے ان قدرتی چراغوں یعنی ستاروں اور سیاروں سے بارونق بنا رکھا ہے۔ پھر ان ستاروں کا ایک فائدہ اور غرض آگے بیان فرمایا گیا کہ ان سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے یعنی ان ستاروں میں سے آگ کے شعلہ ان شیاطین پر گرتے ہیں کہ جو آسمان میں ملائکہ کی باتیں چوری سے سننا چاہتے ہیں۔ اور غیب کی باتیں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو ان شیاطین کی دنیا میں ایک رسوائی اور عذاب یہ ہوا کہ جب یہ ملائکہ کی باتیں چوری چھپے آسمان میں سننا چاہتے ہیں تو آگ کے گولے اور مجسم شعلے ان ستاروں سے ٹوٹ کر ان شیاطین پر گرتے ہیں۔ یہ تو ہوا دنیا کا عذاب اور آخرت میں بھی ان کے لئے جلانے اور جھلسانے والا عذاب یعنی نار جہنم تیار اور موجود

ہے۔ اب چونکہ یہاں کلام میں شیاطین کے عذاب کا ذکر آ گیا تھا اس لئے اس سے متصل عام کافروں کے عذاب کا ذکر فرمایا جاتا ہے کیونکہ شیاطین بھی کافروں کے گروہ میں شامل ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ جو بھی دنیا میں اللہ کی توحید کا اقرار نہیں کرتے بلکہ اس کے انکار پر تلے ہوئے ہیں وہ سن رکھیں کہ ان کے لئے بھی وہی نار جہنم ہے اور ان کا ٹھکانا بھی وہی دوزخ ہے جو شیاطین کے لئے ہے اور وہ جہنم برا ٹھکانہ ہے۔ کہ وہاں عذاب ہی عذاب ہے۔ چنانچہ آگ کی سوزش۔ زمہریر کی سردی۔ سانپ اور بچھوؤں کا کاٹنا۔ زنجیر اور طوقوں کا پہننا۔ زقوم اور زخموں کی پیپ کا کھانا اور کھولتا ہوا گرم پانی پینا وغیرہ وغیرہ۔ جس کی قدرے تفصیل متعدد جگہ قرآن پاک میں بتلائی ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔ مولائے کریم اپنے کرم سے ہم سب کو عذاب جہنم سے محفوظ و مامون فرمائیں۔ آمین

اب جس جہنم میں یہ منکرین ڈالے جائیں گے آگے اس کی کچھ کیفیت بیان کی گئی ہے اور جہنم کے نگران اور محافظ فرشتوں سے ان کفار کی جو گفتگو ہوگی اس کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:

اللہ تبارک وتعالےٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو کفر وشرک سے بچا کر اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو اسلام اور ایمان پر استقامت نصیب فرمائیں۔ اور عذاب جہنم جو کفار کے لئے تیار کیا گیا ہے اس سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں۔ یا اللہ! اپنی قدرت کاملہ کا ہم کو یقین کامل نصیب فرما کہ جس سے ہماری توحید درست ہو اور آپ کی ذات عالی سے قوی اور صحیح تعلق نصیب ہو۔ یا اللہ! اس نظام کائنات کا ذرہ ذرہ اور چپہ چپہ آپ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر شاہد ہے جس کی معرفت کی ہم کو وہ بصیرت عطا فرما کہ ہم آپ کے اطاعت گذار اور فرمانبردار بندے بنے رہیں اور آپ کی نافرمانی سے بچے رہیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِذَآ أُلۡقُواْ فِيهَا سَمِعُواْ لَهَا شَهِيقٗا وَهِيَ تَفُورُ ۝٧ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ ٱلۡغَيۡظِۖ كُلَّمَآ أُلۡقِيَ

جب یہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑے زور کی آواز سنیں گے اور وہ اس طرح جوش مارتی ہوگی۔ جیسے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ کے مارے پھٹ پڑے گی۔ جب اس میں کوئی گروہ ڈالا جائیگا

فِيهَا فَوۡجٞ سَأَلَهُمۡ خَزَنَتُهَآ أَلَمۡ يَأۡتِكُمۡ نَذِيرٞ ۝٨ قَالُواْ بَلَىٰ قَدۡ جَآءَنَا نَذِيرٞ فَكَذَّبۡنَا

تو اسکے محافظ ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانیوالا (پیغمبر) آیا تھا۔ سو ہم نے (اسکو) جھٹلا دیا

وَقُلۡنَا مَا نَزَّلَ ٱللَّهُ مِن شَيۡءٍ إِنۡ أَنتُمۡ إِلَّا فِي ضَلَٰلٖ كَبِيرٖ ۝٩ وَقَالُواْ لَوۡ كُنَّا نَسۡمَعُ

اور کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا۔ تم بڑی غلطی میں پڑے ہو۔ اور کہیں گے کہ ہم اگر سنتے

أَوۡ نَعۡقِلُ مَا كُنَّا فِيٓ أَصۡحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ ۝١٠ فَٱعۡتَرَفُواْ بِذَنۢبِهِمۡ فَسُحۡقٗا لِّأَصۡحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ ۝١١

یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے۔ غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے۔ سو اہل دوزخ پر لعنت ہے۔

إِذَآ أُلۡقُواْ جب وہ ڈالے جائیں گے	فِيهَا اس میں	سَمِعُواْ وہ سنیں گے	لَهَا وہاں	شَهِيقٗا چیخنا چلانا	وَهِيَ اور وہ	تَفُورُ جوش مار رہی ہوگی
تَكَادُ تَمَيَّزُ قریب ہے کہ پھٹ پڑے	مِنَ ٱلۡغَيۡظِ غضب سے	كُلَّمَا جب بھی	أُلۡقِيَ فِيهَا ڈالا جائیگا اس میں	فَوۡجٞ کوئی گروہ		
سَأَلَهُمۡ وہ ان سے پوچھیں گے	خَزَنَتُهَآ اسکے داروغہ	أَلَمۡ يَأۡتِكُمۡ کیا نہیں آیا تمہارے پاس	نَذِيرٞ کوئی ڈرانے والا	قَالُواْ وہ کہیں گے		
بَلَىٰ ہاں	قَدۡ جَآءَنَا ضرور آیا ہمارے پاس	نَذِيرٞ ڈرانے والا	فَكَذَّبۡنَا سو ہم نے جھٹلایا	وَقُلۡنَا اور ہم نے کہا	مَا نَزَّلَ نہیں نازل کی	
ٱللَّهُ اللہ	مِن شَيۡءٍ کچھ	إِنۡ أَنتُمۡ نہیں تم	إِلَّا مگر (صرف)	فِي ضَلَٰلٖ گمراہی میں	كَبِيرٖ بڑی	وَقَالُواْ اور وہ کہیں گے — لَوۡ اگر
كُنَّا نَسۡمَعُ ہم سنتے	أَوۡ نَعۡقِلُ یا ہم سمجھتے	مَا كُنَّا ہم نہ ہوتے	فِيٓ میں	أَصۡحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ دوزخیوں	فَٱعۡتَرَفُواْ سو انہوں نے اعتراف کرلیا	
بِذَنۢبِهِمۡ اپنے گناہوں کا	فَسُحۡقٗا تو دوری (لعنت)	لِّأَصۡحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ دوزخیوں کے لئے				

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں شیاطین کا ذکر آیا تھا کہ آخرت میں ان کے لئے عذاب جہنم تیار ہے اور انہی کے ساتھ وہ سب انسان بھی جو اللہ کی توحید سے انکار کریں گے وہ بھی جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ اب چونکہ جہنم کا ذکر آ گیا تھا اس لئے آگے کچھ اس کی کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب یہ کفار گروہ در گروہ بنا کر جہنم میں داخل کرنے کے لئے اس کے سامنے لائے جائیں گے تو جہنم کے اندر سے نہایت سخت زوردار اور ڈراونی آوازیں نکلتی ہوئی سنیں گے اور اس قدر جوش و خروش میں جہنم ہوگی کہ گویا غیض و غضب میں آپے سے باہر ہوا چاہتی ہے کہ عنقریب پھٹ پڑے گی۔ العیاذ باللہ

میرے عزیز دوستو۔ اور بھائیو اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو دنیا میں اسلام و ایمان سے نوازا اور کفر و شرک سے بچایا اور اس طرح اس خطاب فَسُحۡقٗا لِّأَصۡحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ کو قیامت میں سننے سے بچا لیا۔ مگر اس موقع پر بخاری و مسلم کی ایک صحیح حدیث یاد آتی ہے کہ قیامت کے دن جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو حوض کوثر سے سیراب کرنے کے لئے ابتدائی انتظامات میں مصروف اور اپنی امت کے لوگوں کی آمد کے منتظر ہوں گے تو اس وقت کچھ لوگوں کو آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی روک دیا جائے گا اور حوض کوثر کی سیرابی سے محروم کرکے

جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے اللہ! یہ لوگ تو میرے امتی ہیں۔اور مجھ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب ملے گا کہ ہیں تو بے شک یہ آپ کے امتی ہی۔لیکن آپ کو ان کے کرتوتوں کی خبر نہیں۔یہ لوگ دین میں طرح طرح کی بدعات نکالتے رہے ہیں۔دین میں تبدیلیاں کرتے رہے ہیں۔اس لئے حوض کوثر سے ان کو پانی نہیں ملے گا۔

اور بھی متعدد احادیث ایسی ہی بخاری شریف اور مسلم شریف میں دوسرے راویوں سے منقول ہیں۔تو آج کی آیات کے سلسلہ میں اس حدیث شریف کو سنانے سے مقصود یہ ہے کہ کفار کو تو قیامت میں حق تعالیٰ کی طرف سے فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ سننا پڑے گا یعنی اہل جہنم دفع ہو جائیں! ان پر لعنت ہو! ان کو اللہ تعالیٰ سے دوری ہو!! لیکن اسلام کا کلمہ پڑھ لینے کے بعد اگر ہم حوض کوثر پر شافع محشر نبی الرحمۃ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے آرزومند ہیں۔اور آپ کی نظر عنایت و کرم کے محتاج ہیں اور میدان حشر میں آفتاب کی گرمی سے پیاس کی شدت بجھانے کے لئے آب کوثر سے سیراب ہونا چاہتے ہیں تو سچائی سے اور مضبوطی سے ہم کو اس دین پر قائم رہنا چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے لائے تھے اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد اور ردوبدل کرنے اور بدعات سے دین کو ملوث کرنے کی ہرگز جرأت نہ کرنی چاہئے اور اگر ایسی حرکات ہو چکی ہیں تو اس سے تائب ہو جانا چاہئے۔ورنہ آج جو دین میں نئی نئی باتیں اور طرح طرح کی بدعات نکال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اور بتلائے ہوئے دین میں پیوندکاری اور کاٹ چھانٹ کر رہے ہیں اور حقیقی اسلام کو ماڈرن اسلام میں تبدیل کرنے کے درپے اور کوشاں ہیں ان کو اس حدیث شریف میں **سحقا سحقا لمن غیر بعدی** کے الفاظ ہوش کے کانوں سے سن لینا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔یعنی ''دوری ہو دوری ہو ان کے لئے جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا'' اور دین میں نئی نئی باتیں نکالیں۔الامان والحفیظ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام کی سچی، محبت، عظمت، اطاعت اور خدمت نصیب فرمائیں۔اور چھوٹی بڑی بدعت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

الغرض یہاں ان آیات میں تو انجام بیان ہوا اس شقی گروہ کا جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و الحاد کا برتاؤ رکھے گا۔آگے ان کے مقابلہ میں ان اہل سعادت کو بشارت اور خوش خبری دی گئی ہے جو دنیا میں بغیر دیکھے ہوئے اپنے رب پر ایمان لائے اور اس سے ڈرتے رہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی حقیقی سمجھ عطا فرمائیں اور اس دنیا کی زندگی میں ہم کو اپنا تابعدار بندہ بنا کر اور اسلام کا وفادار رکھ کر زندہ رکھیں۔

یا اللہ آپ اپنے کرم و رحم سے ہم کو عذاب جہنم سے دور رکھئے اور آخرت کی ندامت و شرمندگی سے بچا لیجئے۔

یا اللہ! اس دنیا میں ہم کو دین و آخرت کا فکر اور اس کی سوچ و سمجھ عطا فرما اور آخرت میں ہمارا حشر و نشر اپنے اطاعت گذار بندوں میں فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۱۲﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا

بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں اُن کیلئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو یا پکار کر کہو

بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾ هُوَ الَّذِیْ

وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب واقف ہے۔ کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین پُورا باخبر ہے وہ ایسا ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ

تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا سو تم اس کے راستوں میں چلو (پھرو) اور خدا کی روزی میں سے کھاؤ (پیئو) اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔ کیا تم لوگ

مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ

اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے۔ پھر وہ زمین تھر تھرا (کر الٹ پلٹ ہو) نے لگے۔ یا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں (بھی اپنا حکم و تصرف رکھتا) ہے

یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کہ وہ تم پر ایک ہوائے تند بھیج دے سو عنقریب (مرتے ہی) تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ میرا ڈرانا (عذاب سے) کیسا (صحیح) تھا۔ اور ان سے پہلے جو لوگ ہو گذرے ہیں

فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۱۸﴾

اُنہوں نے (دینِ حق کو) جھٹلایا تھا سو (دیکھ لو اُن پر) میرا عذاب کیسا (واقع) ہوا

اِنَّ بیشک	اَلَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ جو لوگ ڈرتے ہیں	رَبَّهُمْ اپنا رب	بِالْغَیْبِ بن دیکھے	لَهُمْ ان کیلئے	مَّغْفِرَةٌ بخشش	وَّاَجْرٌ اور اجر	كَبِیْرٌ بڑا
وَاَسِرُّوْا اور تم چھپاؤ	قَوْلَكُمْ اپنی بات	اَوِاجْهَرُوْا یا بلند آواز سے کہو	بِهٖ اس کو	اِنَّهٗ بیشک وہ	عَلِیْمٌ جاننے والا	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ سینوں (دلوں) کے بھید	
اَلَا یَعْلَمُ کیا وہ نہیں جانتا	مَنْ خَلَقَ جس نے پیدا کیا	وَهُوَ اور وہ	اللَّطِیْفُ باریک بین	الْخَبِیْرُ بڑا باخبر	هُوَ وہی	الَّذِیْ جَعَلَ وہ جس نے کیا	
لَكُمُ تمہارے لئے	الْاَرْضَ زمین	ذَلُوْلًا مسخر	فَامْشُوْا تا کہ تم چلو	فِیْ مَنَاكِبِهَا اسکے راستوں میں	وَكُلُوْا سو تم کھاؤ	مِنْ رِّزْقِهٖ اس کے رزق سے	
وَاِلَیْهِ اور اسی کی طرف	النُّشُوْرُ جی اُٹھ کر جانا	ءَاَمِنْتُمْ کیا تم بے خوف ہو	مَنْ جو	فِی السَّمَآءِ آسمان میں	اَنْ یَّخْسِفَ کہ وہ دھنسا دے		
بِكُمُ تمہیں	الْاَرْضَ زمین	فَاِذَا تو ناگہاں	هِیَ تَمُوْرُ وہ جنبش کرے	اَمْ اَمِنْتُمْ کیا تم بے خوف ہو	مَنْ جو	فِی السَّمَآءِ آسمان میں	
اَنْ کہ	یُّرْسِلَ وہ بھیجے	عَلَیْكُمْ تم پر	حَاصِبًا پتھروں کی بارش	فَسَتَعْلَمُوْنَ سو تم جلد جان لوگے	كَیْفَ کیسا	نَذِیْرِ میرا ڈرانا	
وَلَقَدْ كَذَّبَ اور بالتحقیق جھٹلایا	الَّذِیْنَ وہ لوگ جو	مِنْ سے	قَبْلِهِمْ ان سے قبل	فَكَیْفَ تو کیسا	كَانَ ہوا	نَكِیْرِ میرا عذاب	

تفسیر وتشریح: اب اہل جہنم کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوشخبری سنا رہے ہیں کہ جو دنیا میں اپنے پروردگار سے بغیر اسے دیکھے ہوئے ڈرتے ہیں اور خوف خدا سے اس کی نافرمانی کے کام نہیں کرتے اور اگر ازروئے بشریت کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو عذاب الٰہی سے ڈر کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لیتے ہیں۔ تو ایسے مومنین کو بشارت دی گئی کہ آخرت میں ان کو مغفرت اور بہترین اجر و ثواب عنایت فرمایا جائے گا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا

جاتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو ان آنکھوں سے دیکھا نہیں مگر اس کی ذات پر اور اس کی صفات پر پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی عظمت وجلال کے تصور سے لرزتے اور اس کے عذاب کا خیال کر کے کانپتے ہیں اور لرزاں و ترساں رہتے ہیں تو ایسے مؤمنین کے لئے آخرت میں دو چیزوں کا وعدہ فرمایا جاتا ہے۔ایک مغفرت یعنی دنیا میں ان سے جو کوتاہیاں اور تقصیرات سرزد ہوئی ہوں گی ان کو آخرت میں معاف کر دیا جائے گا اور ان کے گناہوں کی مغفرت فرما دی جائے گی۔اور دوسرے اَجْرٌ كَبِيْرٌ یعنی ان کو اللہ سے ڈرنے اور اعمال صالحہ بجا لانے پر زبردست ثواب اور بہترین اجر عنایت فرمایا جائے گا یعنی جنت کے باغات میں ہمیشہ کے لئے داخل کر دیا جائے گا جہاں ہر طرح کے انعامات ان پر دائما اور ابداً ہوتے رہیں گے۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ گو تم اللہ کی ذات عالی کو نہیں دیکھتے مگر وہ تم کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے اور تمہاری ہر کھلی چھپی بات۔خلوت میں ہو یا جلوت میں تنہائی میں ہو یا مجمع میں سب کو جانتا ہے بلکہ تمہارے دلوں میں اور سینوں میں جو خیالات گذرتے ہیں ان تک کی بھی وہ خبر رکھتا ہے۔غرض وہ تم سے غائب ہے پر تم اس سے غائب نہیں وہ تمہارے دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔اور کیوں نہ واقف ہو بھلا جس نے تم کو پیدا کیا اور جو تمہارا خالق و مختار ہے تو یہ ناممکن ہے کہ جو خالق ہو وہ عالم نہ ہو۔یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس نے تم کو بنایا اور پیدا کیا وہی تمہارے اندرونی اور بیرونی حال سے واقف نہ ہو۔وہ تو لطیف اور خبیر ہے یعنی بہت باریک بین ہے اور بڑا خبردار ہے۔اس لئے کوئی چیز اور کوئی بات اور کوئی حال اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتا اس لئے علی الاعلان تو درکنار تم کوئی بات چھپا کر بھی اس کے خلاف نہ کہو اور کہنا تو درکنار اس کو اپنے دل میں بھی نہ رکھو۔آگے اللہ تعالیٰ اپنی بعض نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ ہی ایسا منعم حقیقی ہے کہ جس نے زمین کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے کہ جو چاہے اس میں تصرفات کرو۔تمہارے لئے زمین کو ایسا بنا دیا کہ تم آسانی کے ساتھ اس میں چل پھر سکتے ہو۔پھر قسم قسم کے فائدے اس میں تمہارے لئے رکھ دیئے ہیں۔پھل پھلار۔غلہ۔میوہ۔اناج سب اسی زمین سے نکل رہا ہے۔طرح طرح کے تمہارے روزی کے سامان اسی زمین سے پیدا ہو رہے ہیں۔یہ نعمتیں تم کو دیں تا کہ تم ان نعمتوں کو کھاؤ پیو مگر اتنا یاد رکھو کہ دنیا میں چلنا، پھرنا، کھانا پینا مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ چند روزہ منزل ہے پہنچنا اور جمع ہونا سب کو اسی کے پاس ہے۔تو دنیا اور اس کی نعمتوں پر ایسا فریفتہ نہ ہونا چاہئے کہ منزل مقصود ہی کو بھول جاؤ اور کفر و شرک بدکاری اور نفس و شہوت پرستی میں پڑ جاؤ۔اس کے بعد دنیا اور اس کے لذائذ کے متوالوں اور خدا کی زمین پر رہ کر اس سے بغاوت کرنے والوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اے بے خبر! زمین بے شک تمہارے لئے مسخر کر دی گئی مگر یاد رہے کہ اس پر حکومت اسی آسمان والے کی ہے۔وہ اگر چاہے تو تم کو زمین میں دھنسا دے اور زمین زلزلہ سے لرزنے لگے اور پھٹ جائے اور تم اس کے اندر اترتے چلے جاؤ لہٰذا آدمی کو یہ نہ چاہئے کہ اس مالک مختار سے نڈر ہو کر شرارتیں کرنے لگے اور اس کے ڈھیل دینے پر مغرور ہو جائے۔پھر وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر ایک سخت آندھی بھیج دے یا پتھروں کا مینہ برسا دے۔پھر تم کیا کرو گے۔ساری دوڑ دھوپ رکھی رہ جائے گی۔الغرض اگر اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو گیا تو پھر تمہاری خیر نہیں۔تم پر دنیا ہی میں عذاب آ سکتا ہے ورنہ آخرت میں تو سزا مل کر ہی رہے گی اور ان باتوں کا یقین کرو ورنہ وہ وقت قریب ہے جب یہ باتیں جن سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے تمہارے سامنے آ جائیں گی اور پھر تم کچھ نہ کر سکو گے۔اس کے بعد گذشتہ واقعات سے عبرت دلائی جاتی ہے کہ ان کفار مکہ سے پہلے بھی لوگ اللہ کے رسولوں کو جھوٹا کہہ چکے ہیں۔لیکن اس کا نتیجہ یہی ہوا کہ وہ انکار و تکذیب کر کے تباہ ہو گئے تو ان کفار مکہ کو ان گذشتہ لوگوں کے حال سے سبق لینا چاہئے کہ انہوں نے دین حق کو جھٹلایا تھا سو ان پر کیسا عذاب ہوا۔

اللہ تعالیٰ اپنا وہ خوف وخشیت جو وہ اپنے مقبولین اور خاص بندوں کو عطا فرمایا کرتے ہیں ہم کو بھی وہ عطا فرمائیں کہ جو ہماری سعادت اور نیک بختی اور خوش انجامی کا سبب بن جائے۔آمین۔

ابھی آگے مزید قدرت الٰہیہ کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جو ایک طرح توحید کے بھی دلائل ہیں۔جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَٰفَّٰتٍ وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ﴿۱۹﴾

کیاان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف نظرنہیں کی۔ کہ پر پھیلائے ہوئے ہیں اور (کبھی اسی حالت میں) پرسمیٹ لیتے ہیں۔ بجز (خدائے) رحمٰن انکوکوئی تھامے ہوئے نہیں ہے۔ بیشک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ﴿۲۰﴾

ہاں رحمٰن کے سوا وہ کون ہے کہ وہ تمہارا لشکر بن کر تمہاری حفاظت کرسکے۔ کافر تو نرے دھوکے میں ہیں۔

أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ بَل لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ﴿۲۱﴾ أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا

ہاں (یہ بھی بتلاؤ کہ) وہ کون ہے جوتم کوروزی پہنچادے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی بند کرلے بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت (عن الحق) پر جم رہے ہیں۔ سوکیا جوشخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو

عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۲۲﴾

وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہوگا یا وہ شخص جوسیدھا ایک ہموار سڑک پر چلا جارہا ہو۔

أَوَلَمْ يَرَوْا کیانہیں دیکھا انہوں نے	إِلَى الطَّيْرِ پرندوں کو	فَوْقَهُمْ اپنے اوپر	صَٰفَّٰتٍ پر پھیلائے	وَيَقْبِضْنَ اور سکوڑتے	مَا يُمْسِكُهُنَّ نہیں تھام سکتا انہیں			
إِلَّا سوا	الرَّحْمَٰنُ رحمٰن (اللہ)	إِنَّهُ بیشک وہ	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے کو	بَصِيرٌ دیکھنے والا	أَمَّنْ هَٰذَا بھلا کون ہے وہ	الَّذِي جو	هُوَ وہ	جُندٌ لشکر
لَّكُمْ تمہارا	يَنصُرُكُم وہ مدد کرے تمہاری	مِّن سے	دُونِ الرَّحْمَٰنِ رحمٰن (اللہ) کے سوا	إِنِ نہیں	الْكَافِرُونَ کافر (جمع)	إِلَّا مگر	فِي غُرُورٍ دھوکے میں	
أَمَّنْ هَٰذَا بھلا کون ہے	الَّذِي يَرْزُقُكُمْ وہ جو رزق دے تمہیں	إِنْ اگر	أَمْسَكَ وہ روک لے	رِزْقَهُ اپنا رزق	بَل لَّجُّوا بلکہ جمے (ڈھیٹ بنے) ہوئے			
فِي عُتُوٍّ سرکشی	وَنُفُورٍ اور بھاگنے میں	أَفَمَن پس کیا جو	يَمْشِي وہ چلتا ہے	مُكِبًّا گرتا ہوا	عَلَىٰ وَجْهِهِ اپنے منہ کے بل	أَهْدَىٰ زیادہ ہدایت یافتہ		
أَمَّن یا وہ جو	يَمْشِي چلتا ہے	سَوِيًّا برابر (سیدھا)	عَلَىٰ پر	صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ سیدھا راستہ				

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی ابتداء توحید کے مضمون سے فرمائی گئی تھی اور اب آگے زمین وآسمان کے درمیان فضا میں قدرت خداوندی کی نشانی کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ہستی۔ اس کی قدرت اور صفات کاملہ کا اظہار ہوتا ہے۔ گذشتہ آیات میں منکرین کو پہلے تو اللہ تعالیٰ کے بعض انعامات یاددلائے گئے تھے کہ کس طرح اللہ نے زمین کو تمہارے لئے مسخر کردیا اور طرح طرح کے روزی کے سامان اس زمین سے پیدا فرمائے۔ پھر اپنی شان قہر اور انتقام کو یاد دلا کر ڈرایا گیا تھا کہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اگر چاہے تو تم کو زمین میں دھنسادے یا تم پر کوئی سخت ہوا کا طوفان بھیج دے یا اوپر سے پتھروں کا مینہ برسادے پھر عبرت کے لئے گذشتہ منکرین کے ساتھ جو معاملہ ہو چکا ہے وہ جتلایا گیا تھا۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ زمین وآسمان میں تو اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کا تصرف چلتا ہی ہے۔ ان کی درمیانی فضا میں بھی وہی حکمران ہے اور اپنی قدرت کاملہ کا تصرف زمین وآسمان کے درمیان فضا میں اس طرح ظاہر فرماتا ہے کہ خدا کی قدرت یہاں بھی دیکھو کہ پرندے زمین وآسمان کے درمیان کبھی پر کھول کر اور کبھی بازو سمیٹے ہوئے کس طرح اڑتے رہتے ہیں۔ اور باوجود جسم ثقیل کے اور زمین کی کشش کے نیچے نہیں گرتے۔ تو وہ کس کی قدرت ہے اور کس کا ہاتھ ہے کہ جس نے ان پرندوں کو فضا میں تھام رکھا ہے؟ یہ اس رحمٰن ہی کی ذات ہے کہ اس نے اپنی رحمت و حکمت سے ان پرندوں کی ساخت ایسی بنائی اور اس میں وہ قوت رکھی

جس سے وہ بے تکلف ہوا میں گھنٹوں ٹھیر سکیں اور اڑتے رہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پرندوں کی مثال بیان کرنے میں شاید اس طرف بھی اشارہ ہو کہ جیسا اوپر بیان ہوا اللہ تعالےٰ آسمان سے عذاب بھیجنے پر قادر ہے اور منکرین و مکذبین اپنے کفر و شرارت سے اس کے مستحق بھی ہیں لیکن جس طرح رحمٰن کی رحمت نے پرندوں کو ہوا میں روک رکھا ہے۔ عذاب بھی اسی کی رحمت سے رکا ہوا ہے تو پرندوں کی قوت پرواز۔ ان کا ہوائی موجوں کو چیرتے ہوئے اڑنا اور اتنی بلندیوں پر اپنے جسم کا توازن قائم رکھنا۔ یہ حیرت انگیز مشاہدات ہیں جن سے ہر انسان حق تعالیٰ کی قدرت وصنائع کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔ تو پھر وہ خدا کو کیوں نہیں مانتا؟ کیوں اس کی قدرت کا منکر ہوتا ہے؟ کیوں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرنے میں عار کرتا ہے؟ کیوں اس کے رسول کا منکر ہوتا ہے؟ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ منکر سخت دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے باطل معبودوں اور فرضی دیوتاؤں کی فوج ان کو اللہ کے عذاب۔ اس کی گرفت اور آنے والی آفت سے بچالے گی تو خوب سن لو اور سمجھ لو کہ خدائے رحمٰن سے الگ ہو کر کوئی مدد کو نہ پہنچے گا۔ دفع مضرت پر بجز خدائے رحمٰن کے کوئی قادر نہیں اور اسی طرح نفع پہنچانے پر بھی بجز خدائے رحمٰن کے کوئی قادر نہیں۔ مثلاً بتلایا جاتا ہے کہ اللہ اگر رزق و روزی کے سامان بند کردے تو کس کی طاقت ہے کہ جو تم پر روزی کا دروازہ کھول دے۔ اسباب رزق مثلاً بارش کا برسنا' ہوا چلنا۔ سورج کی گرمی' چاند کی سہانی ٹھنڈک۔ اگر ایک بھی سبب ان اسباب میں سے بند ہو جائے تو ان منکروں کے بت اور معبودان کی فریادرسی نہیں کر سکتے اور ان کی مصیبت میں کام نہیں آسکتے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دل میں یہ منکرین بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ سے الگ ہو کر نہ کوئی نقصان کو روک سکتا ہے اور نہ نفع پہنچا سکتا ہے مگر محض شرارت اور سرکشی ہے کہ توحید و اسلام کی طرف آتے ہوئے بدکتے ہیں۔ آخر میں ایک موحد اور ایک مشرک کے فرق کو ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے کہ منزل مقصود تک ظاہری کامیابی کی راہ طے کر کے وہی پہنچ سکتا ہے کہ جو سیدھے راستہ پر سیدھا منہ اٹھائے ہوئے اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا ہو اور جو اوندھے منہ کے بل ناہموار اور ٹیڑھے راستہ پر چلے وہ کیسے کامیابی کا منہ دیکھے گا اور اس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہوسکتی ہے اور دونوں کو برابر کوئی نہیں کہے گا۔ تو اس مثال سے یہ سمجھایا گیا کہ جو کوئی آسمانی قانون اور انبیاء علیہم السلام کے راستہ پر سیدھا اور صاف چلا جاتا ہے وہ مومن ہے اور ضرور منزل مقصود کو پہنچے گا اور یہ کافر سرکش اسلام سے نفرت کرنے والا نفس و شہوت اور جہالت اور رسم آبائی کے راستہ پر چلتا ہے جو بڑا خاردار اور خطرناک راستہ ہے جس میں بڑے بڑے گہرے گڑھے اور غار ہیں اور یہ ٹھوکر کھا کر کسی گڑھے یا غار میں گر کر ہلاک ہوگا اور منزل مقصود تک ہرگز نہ پہنچ سکے گا۔

سبحان اللہ! منکرین کے لئے یہاں تک کیسے واضح دلائل حق تعالیٰ کے وجود اور توحید اور بے نظیر علم و قدرت کے بیان فرمائے گئے اور کیسے پرحکمت طریقہ سے ان کو راہ حق سمجھائی گئی لیکن اگر وہ اس پر بھی راہ پر نہ آئیں اور اپنی کج فہمی سے اصل مطلب کو نہ سمجھیں تو آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا جاتا ہے کہ آپ دوسری طرح دوسرے دلائل سے ان کو سمجھائیں۔ اور پھر سورت کے خاتمہ پر کفار و فجار' منکرین اور بدعمل لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۲۳

آپ (اُن سے) کہئے کہ وہی (ایسا قادر ومنعم) ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے۔ (مگر) تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو

قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۲۴ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ

(آپ) کہیئے کہ وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلایا اور تم اُسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۲۵ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۠ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۲۶ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً

اگر تم سچے ہو (تو بتلاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ یہ علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ پھر جب اس (عذاب موعود) کو پاس آتا ہوا دیکھیں گے

سِيْۗـــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۲۷ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

تو کافروں کے منہ بگڑ جاویں گے اور (اُن سے) کہا جاوے گا یہی ہے جس کو تم مانگا کرتے تھے۔ آپ کہئے کہ تم یہ بتلاؤ

اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۲۸

کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحمت فرماوے تو کافروں کو عذاب دردناک سے کون بچا لے گا۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۲۹

آپ (اُن سے یہ بھی) کہیئے کہ وہ بڑا مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اس پر توکل کرتے ہیں۔ سو عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاۗؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَاۗءٍ مَّعِيْنٍ ۳۰ ع

آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی (جو کنوؤں میں ہے) نیچے کو اُتر کر غائب ہو جائے۔ سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے

قُلْ هُوَ فرمادیں	الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وہ جس نے پیدا کیا تمہیں	وَجَعَلَ اور اس نے بنائے	لَكُمُ تمہارے لئے	السَّمْعَ کان	وَالْاَبْصَارَ اور آنکھیں			
وَالْاَفْـِٕدَةَ اور دل (جمع)	قَلِيْلًا بہت کم	مَّا تَشْكُرُوْنَ جو تم شکر کرتے ہو	قُلْ فرمادیں	هُوَ وہی	الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ وہ جس نے پھیلایا تمہیں			
فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَاِلَيْهِ اور اسی کی طرف	تُحْشَرُوْنَ تم اٹھائے جاؤ گے	وَيَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے ہیں	مَتٰى کب	هٰذَا الْوَعْدُ یہ وعدہ	اِنْ اگر		
كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	قُلْ فرمادیں	اِنَّمَا اسکے سوانہیں	الْعِلْمُ علم	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	وَاِنَّمَآ اور اسکے سوانہیں	اَنَا میں	نَذِيْرٌ ڈرانیوالا
مُّبِيْنٌ صاف صاف	فَلَمَّا پھر جب	رَاَوْهُ وہ اسے دیکھیں گے	زُلْفَةً نزدیک آتا	سِيْۗـــَٔتْ بُرے (سیاہ) ہو جائیں گے	وُجُوْهُ چہرے			
الَّذِيْنَ ان لوگوں کے جو	كَفَرُوْا انہوں نے کفر کیا	وَقِيْلَ اور کہا جائے گا	هٰذَا یہ	الَّذِيْ وہ جو	كُنْتُمْ تم تھے	بِهٖ اس کو	تَدَّعُوْنَ تم مانگتے	
قُلْ آپ فرمادیں	اَرَءَيْتُمْ کیا تم نے دیکھا (بھلا دیکھو)	اِنْ اگر	اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ مجھے ہلاک کردے اللہ	وَمَنْ اور جو	مَّعِيَ میرے ساتھ			
اَوْ رَحِمَنَا یا وہ رحم فرمائے ہم پر	فَمَنْ تو کون	يُّجِيْرُ پناہ دے گا	الْكٰفِرِيْنَ کافروں	مِنْ سے	عَذَابٍ اَلِيْمٍ دردناک عذاب	قُلْ فرمادیں		
هُوَ الرَّحْمٰنُ وہی رحمن	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِهٖ اس پر	وَعَلَيْهِ اور اسی پر	تَوَكَّلْنَا ہم نے بھروسہ کیا	فَسَتَعْلَمُوْنَ سو تم جلد جان لو گے			

مَنْ هُوَ کون وہ؟	فِيْ میں	ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کھلی گمراہی	قُلْ فرمادیں	اَرَءَيْتُمْ کیا تم نے دیکھا (بھلا دیکھو)	اِنْ اَصْبَحَ اگر ہو جائے	
مَآؤُكُمْ تمہارا پانی	غَوْرًا نیچے اترا ہوا	فَمَنْ تو کون؟	يَّاْتِيْكُمْ لے آئے گا تمہارے پاس	بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ رواں پانی		

تفسیر وتشریح: یہ اس سورت کی آخری آیات ہیں۔ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ مزید ان کے آگے دلائل پیش کریں اور ان سے کہیں کہ نادانو وہ خدا جس کی توحید ماننے۔ جس کی اطاعت اور جس کا دین حق قبول کرنے کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے وہ وہی خدا ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ نیست سے ہست میں لایا۔ پھر تمہیں سننے کے لئے کان۔ دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے کے لئے دل یعنی عقل' ہوش وحواس تم کو دیئے تا کہ تم اللہ کو پہچان کر اس کا حق مانتے اور اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگاتے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں خرچ کرتے مگر ایسے شکر گزار اور احسان ماننے والے بندے بہت ہی کم ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منکرین سے کہئے کہ وہ خدا جس پر ایمان لانے کے لئے تمہیں کہا جاتا ہے وہ وہی خدا ہے جس نے تمہیں پیدا کر کے زمین پر پھیلا دیا۔ کوئی ملک اور چپہ ایسا نہیں کہ جہاں اولاد آدم نہ ہو۔ پھر تمہاری زبانیں جداگانہ۔ تمہارے رنگ روپ جداگانہ۔ تمہاری شکلوں' صورتوں میں اختلاف پھر اس پراگندگی اور پھیلا دینے کے بعد ایک وقت وہ بھی آئے گا کہ تم سب کو جس نے پھیلایا ہے وہی سمیٹ کر اپنے پاس جمع کرلے گا تا کہ ہر کوئی اپنے اپنے کئے کے عوض پائے تو گویا ابتداء بھی اسی سے ہوئی اور انتہا بھی اسی پر ہوگی جہاں سے آئے تھے وہیں سب کو جانا ہے تو چاہئے تو یہ تھا کہ اس ذات پاک سے ایک دم بھر غافل نہ ہوتے اور ہمہ وقت اس کی فکر رکھتے کہ مالک کے سامنے خالی ہاتھ نہ جائیں مگر یہ کفار ومنکرین تو مر کر دوبارہ زندہ ہونے کے قائل ہی نہیں۔ وہ اس دوسری زندگی کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں اور اعتراضاً کہتے ہیں کہ اچھا پھر وہ وقت کب آئے گا جس کی ہمیں خبر دیتے ہو؟ ہم کب اکٹھا کئے جائیں گے اور قیامت کب آئے گی؟ اگر تم سچے ہو تو اس دن کا تعین کرو۔ اس پر حق تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں اس کا جواب دے دیجئے اور کہئے کہ میں قیامت کا تعین بھی نہیں کر سکتا۔ اس کا علم مجھے نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی اسے تو صرف علام الغیوب جانتا ہے۔ ہاں مجھے اتنا کہا گیا ہے کہ وہ وقت آئے گا ضرور اور جو چیز یقیناً آنے والی ہے اس سے آگاہ کر دینا اور اس دن کی ہولناکیوں سے مطلع کر دینا اور خوفناک مستقبل سے ذرا دینا یہ میرا فرض تھا جسے میں ادا کر چکا۔ آگے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اس وقت تو یہ کفار منکرین قیامت قائم ہونے کی جلدی مچار ہے ہیں' لیکن جس وقت وہ وعدہ قریب آئے گا اور یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور معلوم کر لیں گے کہ اب قیامت آگئی تو بڑے بڑے سرکشوں کے منہ بگڑ جائیں گے اور چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی اور قیامت کی ہولناکیاں انہیں بدحواس کئے ہوئے ہوں گی اسوقت اس سے بطور زجر وتوبیخ کے اور بطور ذلیل کرنے کے کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ وقت جس کی تم جلدی کررہے تھے اور جس کے جلدی لانے کا دنیا میں تقاضا کرتے تھے۔ آگے پھر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار ومنکرین جو خدا تعالیٰ کی توحید کا انکار کررہے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ یہ توحید کے داعی مسلمان کہیں جلد مرمرا کر ان کا قصہ ختم ہو جائے (العیاذ باللہ)۔ اہل باطل ہمیشہ اہل حق کے لئے یہی منتظر رہتے ہیں اور پھر سوچتے ہیں کہ یہ مریں تو قصہ ختم ہو۔ کفار مکہ بھی یہی تمنا کرتے تھے کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی مرمرا کر ختم ہوں تو قصہ پاک ہو۔ حق تعالیٰ اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ فرض کرو تمہارے زعم کے موافق میں اور میرے ساتھی دنیا میں سب ہلاک کر دیئے جائیں یا ہمارے عقیدہ کے موافق مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کامیاب و بامراد کرے۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورۃ بھی ہو مگر تم کو اس سے کیا فائدہ ہے؟ ہمارا انجام دنیا میں جو کچھ ہو بہرحال آخرت میں بہتری ہے کہ ہم دین حق' ایمان اور

اسلام کے داعی ہیں اور کوشاں ہیں لیکن اے منکرین تم اپنی فکر کرو کہ اس کفر و سرکشی پر جو دردناک عذاب آنا یقینی ہے تم کو اس سے کون بچائے گا۔ ہماری موت اور ہمارا نقصان چاہنے سے تمہارا چھٹکارا تو نہیں ہو سکتا؟ تمہاری نجات کی صورت تو یہ نہیں؟ تم ہمارا خیال چھوڑ کر اپنی بخشش اور نجات کی صورت تلاش کرو اور اپنی فکر کرو کیونکہ کافر کسی طرح بھی خدائی عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا۔ پھر آگے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منکرین سے کہہ دیجئے کہ ہم رب العالمین۔ رحمٰن ورحیم پر ایمان لا چکے اور اپنے تمام امور میں ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی ذات پاک پر ہے۔ اور جب ہمارا ایمان اس پر ہے تو ایمان کی بدولت نجات یقینی ہے اور جب ہم صحیح معنوں میں اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں تو مقاصد میں کامیابی یقینی ہے لیکن تم میں تو دونوں چیزیں نہیں۔ نہ ایمان۔ نہ توکل۔ پھر تم عذاب الٰہی سے کیسے بے فکر ہو؟ تم عنقریب جان لو گے کہ دنیا اور آخرت میں فلاح و بہبود کسے ملتی ہے اور نقصان و خسران میں کون پڑتا ہے؟ رب کی رحمت کس پر ہے؟ اور خدا کا غضب کس پر ہے؟ ہدایت پر کون ہے؟ اور گمراہی پر کون ہے؟ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منکرین سے کہہ دیجئے کہ زندگی اور ہلاکت کے اسباب سب اسی اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ ایک پانی ہی کو لے لو جس سے انسانوں کی زندگی قائم ہے۔ اگر فرض کرو کہ چشموں، کنوؤں، دریاؤں وغیرہ کا پانی خشک ہو کر زمین کے اندر اتر جائے جیسا کہ اکثر موسم گرما میں پیش آجاتا ہے تو کس کی قدرت ہے کہ موتی کی طرح صاف شفاف پانی اس قدر کثیر تعداد میں مہیا کر دے جو تمہاری زندگی اور بقا کے لئے کافی ہو۔

گویا اس سورت کے خاتمہ کی آیت میں تمام انسانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ تم جو کنواں کھود کر پینے کا پانی اور کھیتی وغیرہ سینچنے کے لئے پانی وافر مقدار میں حاصل کرتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ یہ بھی حق تعالیٰ ہی کا عطیہ ہے اور غور کرو کہ چند فٹ یا چند گز زمین کھود کر بآسانی پانی کس طرح مل جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے بارش نازل فرماتے ہیں اور مینہ برستا ہے پھر روئے زمین کے بعض حصوں پر یعنی بلند اور اونچے پہاڑوں پر وہ پانی برف کی شکل میں جما کر اسطرح اسٹور کر دیا جاتا ہے کہ نہ وہ سڑے نہ گلے اور نہ خراب و گندہ ہو سکے۔ پھر اس برف کو آہستہ آہستہ پگھلا کر پہاڑوں کی رگوں میں سے گزار کر زمین کے اندر پہنچا دیا اور بغیر کسی پائپ لائن کے پوری زمین میں اس کا ایسا جال پھیلا دیا کہ جہاں چاہو زمین کھود کر صاف شفاف پانی نکال لو۔ تو یہاں جتلایا یہ گیا کہ اے انسانو! تم جو پانی بآسانی کنوؤں سے نکال کر پی رہے ہو اگر وہ پانی زمین کی گہرائی میں اتر جائے اور زمین کی اتنی نیچی سطح پر چلا جائے کہ جہاں تک انسان کی رسائی ممکن نہ ہو تو وہ کون سی طاقت ہے کہ پھر اس جاری پانی کو حاصل کر سکے۔

اس آخری آیت قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۞ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی نیچے ہی غائب ہو جائے تو وہ کون ہے جو تمہارے پاس صاف پانی لے آئے گا۔ اس آیت سے متعلق بعض تفاسیر میں یہ حکایت منقول ہے کہ کسی متکبر نے یہ آیت سن کر کہا کہ اگر ایسا اتفاق ہووے تو ہم پھاوڑے اور کدال کے زور پانی زمین سے کھود کر نکال لاویں گے۔ یہ بات اس کے منہ سے نکلتے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں کا پانی خشک کر دیا اور اس کی دونوں آنکھیں اندھی ہو گئیں اور روشنی جاتی رہی اور غیب سے ایک آواز آئی کہ پہلے یہ پانی اپنی آنکھ میں تو لے آ پھر زمین سے کنواں یا چشمہ کھود کر پانی نکالنا۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی سے ڈرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اس اخیر کی آیت کو پڑھے اس کو چاہئے کہ اس کے بعد یہ کلمہ کہے۔

اَللّٰهُ يَاْتِيْنَا بِهٖ وَهُوَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

یعنی اللہ تعالیٰ پانی لاوے گا اور وہ رب العالمین ہے

سورۃ الملک کے خواص

۱-حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

کہ قرآن کریم میں تیس آیات کی ایک سورۃ ہے جو آدمی کی شفاعت کرتی رہے گی۔ حتیٰ کہ اس کی بخشش ہو جائے گی اور وہ سورۃ تبارک الذی (سورۃ الملک) ہے۔

۲- جس کی آنکھوں میں آشوب ہو اس پر تین دن مسلسل اس سورۃ کو پڑھا جائے تو اسے صحت ہو جائے گی۔

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝

ن ۔ قسم ہے قلم کی اور ان (فرشتوں) کے لکھنے کی (جو کہ کاتب اعمال ہیں) کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔

نٓ وَالْقَلَمِ ن قسم ہے قلم کی	وَمَا اور جو	يَسْطُرُوْنَ وہ لکھتے ہیں	مَآ اَنْتَ نہیں آپ	بِنِعْمَةِ نعمت (فضل) سے	رَبِّكَ اپنا رب	بِمَجْنُوْنٍ مجنون

تفسیر وتشریح: سورت کی ابتداء حرف ن سے فرمائی گئی جو حروف مقطعات میں سے ہے۔ حروف مقطعات کے متعلق پہلے تشریح ہو چکی ہے کہ ان کے حقیقی معنیٰ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ ان پر اسی طرح اعتقاد رکھنا چاہئے۔ امت کو ان کی تحقیق میں پڑنے سے روک دیا گیا ہے۔ اس کے بعد قسمیہ کلام سے ابتدا فرمائی گئی کہ قسم ہے قلم کی جس سے لوح محفوظ کی تحریر لکھی گئی ہے اور قسم ہے ان فرشتوں کے لکھنے کی جو کہ کاتب اعمال ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں اس کے متعلق پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے متعدد جگہ قسمیں کھائی ہیں جس میں زیادہ تر حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی اور صرف سات مقام پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے۔ قسم تاکید کے لئے ہوتی ہے تو حق تعالیٰ نے یہ قسمیں اس لئے کھائی ہیں کہ بندوں پر حجت پوری ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار کیا جا سکے۔ یہاں دو قسمیں کھائی گئیں ایک تو قلم کی۔ اس قلم سے مراد مفسرین نے وہ نور کا قلم لیا ہے جس سے تمام خلق کی تقدیریں لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب سے اول اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا کہ لکھ قلم نے عرض کیا کہ کیا لکھوں۔ ارشاد فرمایا تقدیر کو لکھ چنانچہ قلم نے ہر وہ چیز لکھ دی جو گزر گئی اور آئندہ کبھی بھی ہونے والی ہے۔ باقی نور محمدی کا اول الخلق ہونا بھی اپنی جگہ درست اور صحیح ہے اور جس کے متعلق حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی مشہور روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کونسی چیز پیدا کی۔ آپ نے فرمایا اے جابر۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم اور نہ بہشت تھی نہ دوزخ اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا اور نہ جن تھا نہ انسان تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے۔ اور ایک حصہ سے قلم پیدا کیا اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش آگے طویل حدیث ہے (فی نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ) اس حدیث کو نقل کر کے حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا۔ کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آسمان اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں تو یہاں پہلی قسم قلم کی کھائی گئی جس سے تمام خلق کی تقدیریں لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں۔

دوسری قسم فرمائی گئی وَمَا يَسْطُرُوْنَ یعنی اس چیز کی قسم جس کو

وہ لکھتے ہیں۔اکثر مفسرین نے یہاں اعمال نامے لکھنے والے فرشتے مراد لئے ہیں۔تو یہاں دو قسمیں کھا کر فرمایا گیا۔ مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں جیسا کہ آپ کی قوم کے جاہل منکرین کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار نبوت سے پہلے آپ کی دانائی، عقلمندی فراست، دیانت اور امانت کے نہ صرف قریش بلکہ اطراف و جوانب کے لوگ بھی قائل تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا دعویٰ فرمایا اور مکہ کے لوگوں سے کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں بتادوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ بت جنہیں تم پوجتے ہو یہ پتھر کی بے جان مورتیاں ہیں۔ یہ سب اور ان کے پجاری جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اور اگر تم نے میرا کہا نہ مانا تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔ کفار مکہ جو اپنی پرانی رسموں پر جمے ہوئے تھے ان کے خلاف یہ نئی باتیں سن کر کوئی کہتا کہ بیٹھے بٹھائے قوم کی مخالفت مول لی۔اور ایسی حالت میں کہ نہ آپ مالدار ہیں نہ مال دار ساتھی ہیں سب لوگوں کی مخالفت مول لے کر ایسا دعویٰ کرنا یہ دیوانہ ہی کا کام ہے۔کوئی کہتا معاذ اللہ آپ پر شیطان کا اثر ہے جو یک بیک تمام قوم سے الگ ہو کر ایسی باتیں کرنے لگے ہیں جن کو کوئی نہیں مان سکتا۔حق تعالیٰ نے ان منکرین کے خیال باطل کی تردید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمادی کہ جس پر اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے فضل وانعام ہوں جن کو ہر آنکھ والا مشاہدہ کر رہا ہے مثلاً اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور حکمت اور دانائی کی باتیں۔ اتنے بلند اور پاکیزہ اخلاق و اطوار۔ انہیں دیوانہ کہنا خود اپنی دیوانگی کی دلیل ہے یہاں پہلی آیت میں قلم اور فرشتوں کے لکھنے کی جو قسم کھا کر یہ فرمایا کہ آپ مجنون نہیں ہیں تو علماء نے لکھا ہے کہ اس قسم میں اور جواب قسم میں مناسبت یہ ہے کہ قلم کے ذریعہ سے تحریر لکھی جاتی ہے تو آپ کے ذکر خیر اور آپ کے بے مثال کارناموں اور علوم و معارف کو تحریریں ہمیشہ کے لئے روشن رکھیں گی اور آپ کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہے گا اور ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ کی حکمت اور دانائی کی معترف ہوگی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کے عقیدے کو تسلیم کرے گی۔ بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت اور برتری کو ازل میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا کس کی طاقت ہے کہ اس کے ایک شوشے کو مٹا سکے آپ کو مجنون کہنے والا خود پرلے درجے کا مجنون یا جاہل ہے۔

آپ کی رسالت کی صداقت وعظمت کا بیان ابھی اگلی آیات میں جاری ہے۔جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا یہ بے انتہا فضل واحسان ہے کہ جس نے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کا پکا امتی ہونے کے حق کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آپ کی سچی محبت وعظمت ہم کو نصیب فرمائیں اور محبت وعظمت کے ساتھ آپ کا اتباع بھی نصیب فرمائیں۔ظاہراً وباطناً۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ ۝

اور بے شک آپ کیلئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ سو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے

بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝

کہ تم میں کس کو جنون تھا۔ آپ کا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ اور وہ راہ (راست) پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

وَاِنَّ لَکَ اور بیشک آپ کیلئے	لَاَجْرًا البتہ اجر	غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ختم نہ ہونے والا	وَاِنَّکَ اور بیشک آپ	لَعَلٰی یقیناً۔ پر	خُلُقٍ خُلق	عَظِیْمٍ عظیم	
فَسَتُبْصِرُ پس آپ جلد دیکھ لیں گے	وَیُبْصِرُوْنَ اور وہ بھی دیکھ لیں گے	بِاَیِّکُمُ تم میں سے کون؟	الْمَفْتُوْنُ دیوانہ	اِنَّ رَبَّکَ بیشک آپ کا رب			
هُوَ اَعْلَمُ وہ خوب جانتا ہے	بِمَنْ اس کو جو	ضَلَّ وہ گمراہوا	عَنْ سَبِیْلِهٖ اس کی راہ سے	وَهُوَ اَعْلَمُ اور وہ خوب جانتا ہے	بِالْمُهْتَدِیْنَ ہدایت یافتہ لوگوں کو		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیت میں فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے فضل سے آپ دیوانہ یا مجنون نہیں ہیں جیسا کہ یہ کفار مکہ کہتے ہیں بلکہ آپ نبی برحق ہیں۔ اسی سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور آپ کی رسالت کی صداقت وعظمت کو ظاہر کرنے کے لئے اور کفار مکہ کی اس تہمت جنون کی مکمل اور پر زور تردید کے لئے ان آیات میں فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار کے جاہلانہ قول سے غمگین نہ ہوں۔ ان کے دیوانہ کہنے سے آپ کا اجر بڑھتا ہے۔ ان کی باتیں برداشت کرنے اور احکام رسالت پہنچانے کا آپ کے لئے بڑا اجر۔ اور ثواب بے پایاں ہے۔ پھر جو فیض بنی نوع انسان کو آپ کی ذات سے پہنچنے والا ہے اس کا بے انتہا اجر و ثواب آپ کو یقیناً ملنے والا ہے۔ پھر جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا بڑا ہو اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پرواہ ہونی چاہئے۔ پھر اس ارشاد سے اِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ کہ آپ کے لئے بے انتہا اجر ہے کفار کے آپ پر دیوانہ ہونے کی تہمت کی بھی مزید تردید اس طرح ہوگئی کہ دیوانہ کی کوئی بات قابل مدح اور سبب اجر نہیں ہوتی کیونکہ اس کا کوئی کام عقل و ہوش سے نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے آپ کو اجر ہے ان تمام مساعیٔ جمیلہ کا اور اجر بھی کیسا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ یعنی بے انتہا جو کبھی منقطع نہ ہو۔ اس لئے کہ دنیا میں توحید، خدا پرستی اور مکارم اخلاق قریب قریب مٹ چکے تھے۔ ان کے مٹ جانے کے بعد آپ ہی ان کے مروج ومعلم ہیں تو جب تک دنیا میں یہ باتیں جاری رہیں گی آپ کو بھی برابر اجر ملتا رہے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ ہر نبی کو اس کی امت کے ایمان والوں کے نیک عملوں کا ثواب ملتا ہے۔ اس واسطے کہ امتی جو نیک کام بھی کرتا ہے وہ اس نبی کی دلالت اور ارشاد سے کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الدال علی الخیر کفاعله یعنی نیک بات بتلانے والے کا ثواب مثل اس کے کرنے والے کے ہوتا ہے۔

یہاں موقع کی مناسبت سے چند روایات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق بطور نمونہ بیان کی جاتی ہیں:۔

۱۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور اس تمام عرصہ میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں نہ کیا اور یہ کام کیوں کیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو کوئی چیز نہیں ماری۔ نہ کسی خادم کو مارا نہ عورت کو۔ اور نہ کسی حق تلفی کرنے والے سے انتقام لیتے تھے۔ ہاں اگر کوئی حدود اللہ اور ضوابط الٰہیہ کی خلاف ورزی کرتا تھا تو اس کو اللہ کے واسطے حضور سزا دیتے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

2

احادیث اور سیرۃ کی کتابیں تو آپ کے اخلاق حمیدہ سے پر ہیں۔

الغرض خداوند قدوس نے آپ کی سرشت اور جبلت ہی میں پسندیدہ اخلاق بہترین خصلتیں اور پاکیزہ عادتیں رکھی تھی وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ فرما کر یہ ظاہر فرما دیا کہ جس شخص کا خلق اس قدر عظیم اور اتنا بلند ہو جو عقل کے کامل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پھر اس کی طرف دیوانگی کی نسبت کرنا سراسر حماقت اور جہل نہیں تو اور کیا ہے۔

کفار کے اس طعن اور تہمت کا جواب دے کر آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ ان کی بکواس کا غم نہ کیجئے۔ عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ دونوں میں سے کون ہوشیار اور عقل والا تھا اور کس کی عقل ماری گئی تھی اور چونکہ آپ کے پروردگار کو پورا علم ہے اور وہ بخوبی واقف ہے کہ کون اس کے راستہ سے بہکا ہوا ہے یعنی حقیقت میں کافر ہی دیوانے ہیں جو راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اور راہ حق سے بھٹک جانا دیوانگی کی نشانی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے بھی خوب واقف ہے جو کمال عقل کی وجہ سے کامیاب ہیں۔ اور ہدایت کے راستہ پر ہونے کی وجہ سے اللہ تک پہنچے ہوئے ہیں۔

اسی سلسلہ میں ابھی آگے کفار کی مذمت کا مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق کا کوئی عکس اور ذرہ ہم کو بھی حق تعالےٰ نصیب فرمائیں۔ اور آپ کی ظاہراً و باطناً اتباع کا جذبہ اور شوق عطا فرمائیں۔

یا اللہ! اپنی ہدایت کے راستہ پر ہم کو قائم رکھئے اور ہر طرح کی کجی و گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیے۔

یا اللہ! کفار و مشرکین ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے ہیں اور اب بھی دشمن بنے ہوئے ہیں۔

یا اللہ! ان دشمنان دین کو آپ ہی سمجھ لیں۔ اپنی شان قہاری سے ان کی قوتوں کو پاش پاش فرمادیں۔

یا اللہ! ان ظالم و دشمنان دین نے اہل اسلام کو جو اذیت اور جان و مال کی تکالیف پہنچائی ہیں یا پہنچا رہے ہیں اس کا انتقام آپ لے لیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَیُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ ﴿۱۰﴾

تو آپ ان تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانیئے یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ڈھیلے ہو جائیں تو یہ لوگ بھی ڈھیلے ہو جائیں۔ اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ

بے وقعت ہو طعنے دینے والا ہو۔ چغلیاں لگاتا پھرتا ہو نیک کام سے روکنے والا ہو حد (اعتدال) سے گذرنے والا ہو گناہوں کا کرنیوالا ہو اور سخت مزاج ہو ان (سب) کے علاوہ ولد الزنا (بھی) ہو

ذَا مَالٍ وَّبَنِیْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

اس سبب سے کہ وہ مال واولاد والا ہو۔ جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں۔ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے۔

فَلَا تُطِعِ پس آپ کہا نہ مانیں	الْمُكَذِّبِیْنَ جھٹلانے والوں	وَدُّوْا وہ چاہتے ہیں	لَوْ تُدْهِنُ کاش آپ نرمی کریں	فَیُدْهِنُوْنَ تو وہ نرمی کریں		
وَلَا تُطِعْ اور آپ کہا نہ مانیں	كُلَّ حَلَّافٍ ہر بڑی قسمیں کھانے والا	مَهِیْنٍ بے وقعت	هَمَّازٍ عیب نکالنے والا	مَشَّآءٍ پھرنے والا	بِنَمِیْمٍ چغلی لئے	
مَنَّاعٍ روکنے (بخل کرنیوالا)	لِلْخَیْرِ مال میں	مُعْتَدٍ حد سے بڑھنے والا	اَثِیْمٍ گنہگار	عُتُلٍّ سخت خو	بَعْدَ ذٰلِكَ اس کے بعد	زَنِیْمٍ بداصل
اَنْ اس لئے کہ	كَانَ وہ ہے	ذَا مَالٍ مال والا	وَبَنِیْنَ اور اولاد	اِذَا جب	تُتْلٰی عَلَیْهِ پڑھ کر سناتی ہیں اسے	اٰیٰتُنَا ہماری آیتیں
قَالَ وہ کہتا ہے	اَسَاطِیْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِیْنَ اگلے لوگ	سَنَسِمُهٗ ہم جلد داغ دیں گے اس کو	عَلَی الْخُرْطُوْمِ سونڈ (ناک) پر		

تفسیر وتشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ راہ پر آنے والے یا نہ آنے والے سب اللہ کے علم محیط میں طے شدہ ہیں لہٰذا دعوت حق وتبلیغ دین کے معاملہ میں آپ کو کسی رو رعایت کی ضرورت نہیں۔ جس کو راہ پر آنا ہوگا وہ آ جائے گا اور جو محروم ازلی ہے وہ کسی نرمی۔ مروت اور پاس ولحاظ سے بھی ماننے والا نہیں۔ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ بت پرستی کی نسبت اپنا سخت رویہ ترک کر دیں اور ہمارے معبودوں کی برائی اور تردید نہ کریں تو ہم بھی آپ کی مخالفت کرنا چھوڑ دیں گے اور آپ کے مسلک اور مشرب سے معترض نہ ہوں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل وغیرہ مکے کے چند سردار ورئیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اگر اس پند ونصیحت سے آپ کی یہ غرض ہے کہ دنیا کی عیش وعشرت میسر آئے تو فرمایئے۔ اگر عورتوں سے رغبت ہے تو اچھی سے اچھی کنواری لڑکیاں آپ کے لئے حاضر کریں اور آپ جس سے کہیں نکاح کرا دیں۔ اگر دولت مقصود ہو تو ہم مال و دولت جمع کر دیں۔ اگر سرداری مقصود ہے تو ہم آپ کو سردار بنا لیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ان باتوں میں سے کوئی بات مطلوب نہیں مجھے تو صرف تمہاری بھلائی مقصود ہے کہ تم ہلاکت میں نہ پڑو۔ اس پر ان کفار سرداروں نے کہا کہ اچھا آپ اپنی عبادت کیا کریں مگر ہمارے بتوں کی مذمت اور ان کی پرستش سے منع نہ کریں تو ہم بھی آپ پر طعن وتشنیع نہ کریں گے۔ تو ممکن تھا کہ ایک مصلح اعظم کے دل میں جو خلق عظیم پر پیدا کیا گیا ہو نیک نیتی سے یہ خیال آ جائے کہ تھوڑی سی نرمی اختیار کرنے اور ڈھیل دینے سے کام بنتا ہے تو برائے چند نرم روش اختیار کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ فرما دیا کہ آپ ان مکذبین کا کہنا نہ مانئے۔ ان کی غرض محض آپ کو ڈھیلا کرنا ہے اور آپ کے بعثت کی اصل غرض اس صورت میں حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے آپ ہر طرف سے قطع نظر کر کے اپنا فرض پورا کرتے رہئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان

آیات سے معلوم ہوا کہ دین کے معاملہ میں ایسی نرمی کہ جس سے مداہنت ہو ممنوع ہے۔ اس لئے کفار و فجار سے یہ سودا کر لینا کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے تم ہمیں کچھ نہ کہو یہ مداہنت فی الدین اور حرام ہے یعنی بلا کسی اضطرار اور مجبوری کے ایسا معاہدہ جائز نہیں۔ تو پہلے ان کفار روسائے مکہ کی بات سننے اور ماننے سے عمومی مخالفت فرمائی گئی۔ مگر ان سب کفار سرداروں میں ولید بن مغیرہ بڑا بدذات تھا اور اس کی بدذاتی یہ تھی کہ بات بات پر جھوٹی قسمیں کھانے والا تھا۔ طعنہ دینے والا تھا اور چغلخوری کرتا تھا۔ نیک کاموں سے روکنے والا بدمزاج سرکش ولدالزنا یعنی حرام زادہ بھی تھا۔ مال اور اولاد کا اس کو بڑا گھمنڈ تھا اور اپنی امارت اور ریاست کے نشہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو حقیر سمجھتا تھا اور اپنی حکومت کی کوشش کرتا تھا کہ میرا کہنا مانیں۔ اس لئے بالخصوص اس کا کہنا ماننے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ممانعت فرمائی گئی۔ اور فرمایا گیا کہ ایک شخص اگر دنیا میں مال و دولت اور اولاد کی کثرت رکھتا ہے اور بظاہر بڑا خوش قسمت معلوم ہوتا ہے تو محض اتنی بات سے اس لائق نہیں ہو جاتا کہ اس کی بات مانی جائے جبکہ اس کی یہ عادت ہو کہ جب اللہ کی آیتیں اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہوں تو بجائے اپنے اخلاق درست کرنے اور اللہ کی طرف رجوع ہونے کے وہ منکر کہتا ہے کہ یہ سب بے سند باتیں ہیں جو اگلے لوگوں سے منقول چلی آتی ہیں تو ایسے ناشکرے منکر کے لئے دنیا ہی میں ایسی سزا دی جائے گی کہ جو اس کے کبر و غرور کو مٹا دے اور وہ سزا فرمائی گئی سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ یعنی ہم عنقریب اس کی ناک پر جو بڑی اور بے ڈول ہونے کے سبب ہاتھی کی سونڈ جیسی ہے داغ اور نشان لگا دیں گے۔ یہ ناک پر داغ لگانے کی تشریح مفسرین نے دو طرح کی ہے ایک تو یہ کہ قیامت میں اس کے چہرہ اور ناک پر اس کے کفر کی وجہ سے کوئی علامت ذلت اور پہچان کی لگا دی جائے گی جس سے وہ خوب رسوا ہو۔ دوسری تشریح ناک پر داغ لگانے کی یہ کی ہے کہ دنیا میں ایسا ہی ہوا۔ بدر کی لڑائی میں کسی انصاری کی تلوار سے اس کی ناک پر زخم لگا۔ مکہ میں بھاگ کر آیا اور بہت کچھ اس زخم کی دوا کی مگر وہ اچھا نہ ہوا اور اس مرض میں سخت تکلیف اٹھا کر واصل بہ جہنم ہوا۔

یہاں ان آیات میں اگر چہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے کہ ایسے منکرین و مکذبین کا کہنا نہ مانا جائے لیکن حکم عام ہے کہ ایسے لوگوں کی بات نہ مانی جائے۔ حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تالیف'' زادالسعید'' میں لکھا ہے کہ جس طرح حدیث شریف کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کے اشارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع میں ایک گستاخی کرنے سے (نعوذ باللہ منہا) اس شخص پر منجانب اللہ دس لعنتیں نازل ہوتی ہیں' جیسا کہ ان آیات میں ولید بن مغیرہ کے حق میں اللہ تعالےٰ نے بسزائے استہزاء یہ دس کلمات ارشاد فرمائے:۔ **حلاف . مهين . همازٍ . مشآء . بنميم . مناع للخير . معتد . اثيم . عتل . زنيم.**

آگے ان کفار کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جھٹلا رہے تھے اور خدا کی ایک نعمت یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ناشکری کر رہے تھے ان کی عبرت کے لئے ایک قصہ باغ والوں کا اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو جو نعمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی عطا فرمائی ہے تو اس نعمت عظمیٰ کی قدردانی اور شکرگذاری کی توفیق بھی عطا فرمائیں۔ اور ہم کو اپنے رسول پاک کی سچی محبت و عظمت کے ساتھ آپ کا اتباع کامل بھی نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا

ہم نے اُن کی آزمائش کر رکھی ہے جیسا ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ اس (باغ) کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لینگے۔ اور انہوں نے

يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾

ان شاءاللہ بھی نہیں کہا۔ سو اس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا پھر گیا۔ اور وہ سو رہے تھے۔ پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کٹا ہوا کھیت

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾ فَانطَلَقُوا وَهُمْ

سو صبح کے وقت ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تم کو پھل توڑنا ہے۔ پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے

يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾

کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ آنے پائے۔ اور اپنے کو اس کے نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے۔

فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا إِنَّا لَضَآلُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ

پھر جب اس باغ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم بیشک راستہ بھول گئے بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ ان میں جو کسی قدر اچھا آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم کو کہا نہ تھا

لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ

اب تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ سب کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بیشک ہم قصور وار ہیں پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم

يَتَلٰوَمُونَ ﴿٣٠﴾ قَالُوا يٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا طٰغِينَ ﴿٣١﴾ عَسَىٰ رَبُّنَآ أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ إِنَّآ إِلَىٰ

الزام دینے لگے۔ کہنے لگے بیشک ہم حد سے گذرنے والے تھے۔ شاید ہمارا پروردگار ہم کو اس سے اچھا باغ اس کے بدلہ میں دے دے ہم اپنے رب کی

رَبِّنَا رٰغِبُونَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾

طرف رجوع ہوتے ہیں۔ اسی طرح عذاب ہوا کرتا ہے۔ اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ جان لیتے

إِنَّا بَلَوْنٰهُمْ بیشک ہم نے آزمایا انہیں	كَمَا جیسے	بَلَوْنَا ہم نے آزمایا	أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ باغ والوں کو	إِذْ أَقْسَمُوا جب انہوں نے قسم کھائی	
لَيَصْرِمُنَّهَا ہم ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل	مُصْبِحِينَ صبح ہوتے	وَلَا يَسْتَثْنُونَ اور انہوں نے استثناء نہ کہا (ان شاءاللہ نہ کہا)	فَطَافَ پس پھر گیا		
عَلَيْهَا ان پر	طَآئِفٌ ایک پھرنے والا عذاب	مِّن رَّبِّكَ تیرے رب سے	وَهُمْ اور وہ	نَآئِمُونَ سوئے ہوئے تھے	فَأَصْبَحَتْ تو وہ صبح کو رہ گیا
كَالصَّرِيمِ جیسے کٹا ہوا کھیت	فَتَنَادَوْا تو وہ ایکدوسرے کو پکارنے لگے	مُصْبِحِينَ صبح ہوتے	أَنِ اغْدُوا کہ صبح سویرے چلو	عَلَىٰ پر	
حَرْثِكُمْ اپنے کھیت	إِن كُنتُمْ اگر تم ہو	صَارِمِينَ کاٹنے والے	فَانطَلَقُوا پھر وہ چلے	وَهُمْ اور وہ	يَتَخَافَتُونَ آپس میں چپکے چپکے کہتے تھے
أَن کہ	لَّا يَدْخُلَنَّهَا وہاں داخل نہ ہونے پائے	الْيَوْمَ آج	عَلَيْكُم تم پر	مِّسْكِينٌ کوئی مسکین	وَغَدَوْا اور وہ صبح سویرے چلے
عَلَىٰ حَرْدٍ بخیلی پر	قَادِرِينَ وہ قادر ہیں	فَلَمَّا پھر جب	رَأَوْهَا انہوں نے اسے دیکھا	قَالُوا وہ بولے	إِنَّا لَضَآلُّونَ بیشک ہم راہ بھول گئے ہیں

بَلْ نَحْنُ بلکہ ہم	مَحْرُوْمُوْنَ محروم ہوگئے ہیں	قَالَ کہا	اَوْسَطُهُمْ انکے بہترین۔اوسط	اَلَمْ اَقُلْ کیا میں نے نہیں کہا تھا	لَكُمْ تم سے	
لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے	قَالُوْا وہ بولے	سُبْحٰنَ پاک ہے	رَبِّنَا ہمارا رب	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	ظٰلِمِيْنَ ظالم (جمع)	
فَاَقْبَلَ پس متوجہ ہوا	بَعْضُهُمْ ان کا بعضا یک	عَلٰى بَعْضٍ بعض (دوسرے) پر	يَّتَلَاوَمُوْنَ ایکدوسرے کوملامت کرتے ہوئے	قَالُوْا وہ بولے		
يٰوَيْلَنَا ہائے ہماری خرابی	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	طٰغِيْنَ سرکش (جمع)	عَسٰى امید ہے	رَبُّنَا ہمارارب	اَنْ کہ	يُّبْدِلَنَا ہمیں بدلے میں دے
خَيْرًا بہتر	مِّنْهَا اس سے	اِنَّا بیشک ہم	اِلٰى رَبِّنَا اپنے رب کی طرف	رٰغِبُوْنَ راغب (رجوع کرنیوالے) ہیں	كَذٰلِكَ یوں ہوتا ہے	
الْعَذَابُ عذاب	وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اور البتہ آخرت کا عذاب	اَكْبَرُ سب سے بڑا	لَوْ کاش	كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وہ جانتے ہوتے		

تفسیر وتشریح: مکہ کے روساء اور سرداروں کا اور ان میں خصوصاً ولید بن مغیرہ کا ذکر مذمت کے ساتھ فرمایا گیا تھا کہ جو اپنی دولت وثروت اور سامان عیش پر مغرور اور نازاں تھے اور اپنی سرداری اور دولت پر گھمنڈ کر کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سرکشی کرتے تھے اور فقرائے اسلام سے بے رحمی برتتے تھے اور اسلام وایمان کی ناشکری اور بے قدری کر کے کفر وانکار کرتے تھے تو ان مغرور اور سرکش اہل مکہ کو سنایا جاتا ہے کہ یہ مال ودولت کی کثرت نازاں ومغرور ہونے اور اس پر اترانے کی چیز نہیں بلکہ یہ تو دنیا میں انسان کی آزمائش اور امتحان کا ایک ذریعہ ہے کہ کون ان کی وجہ سے غفلت اور گمراہی اور سرکشی میں مبتلا ہوتا ہے اور کون ان نعمتوں کی صحیح قدردانی اور سچی شکر گذاری بجالا کر ایمان پر قائم رہتا ہے تو اہل مکہ کو متنبہ فرمایا جاتا ہے کہ وہ اپنی اس سرداری اور مال ودولت پر مغرور نہ ہوں یہ تو اللہ کی طرف سے ان کی ایک جانچ ہے جیسے پہلے لوگوں کی بھی ایسی جانچ وآزمائش ہو چکی ہے۔ اسی سلسلہ میں عبرت ونصیحت کے لئے اصحاب الجنتہ یعنی باغ والوں کا ایک قصہ ذکر فرمایا جاتا ہے۔ اہل مکہ اس قصہ کو بخوبی جانتے تھے اس لئے کہ یہ باغ کا قصہ جیسا کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے۔ ملک یمن میں واقع ہوا تھا اور اہل مکہ تجارت کے سلسلہ میں یمن آتے جاتے رہتے تھے۔ کفار مکہ گو مشرک تھے مگر دہریئے نہ تھے۔ خدا کی ذات کو اور اس کی قدرت اور اس کے خالق ورازق ہونے کو مانتے تھے مگر اپنے خیال فاسد میں شرک میں گرفتار تھے اور خدائی امور میں اپنے دیوی دیوتاؤں کو شریک سمجھتے تھے۔ اور وہ اس کو تسلیم بھی کرتے تھے کہ مال ودولت کو نیک کاموں میں خرچ کرنا اچھا پھل لاتا ہے اور بخل وکنجوسی برے نتائج دکھاتا ہے۔ عرب میں حاتم طائی جو ایام جاہلیت کے زمانہ میں تھا اس کی سخاوت آج تک مشہور اور ضرب المثل ہے۔ تو ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان روسائے مکہ کو جو مال ودولت یا سامان عیش دے رکھا ہے اور جس پر یہ مغرور ہو کر کفر وشرک پر جمے ہوئے ہیں تو اس مال ودولت سے اللہ تعالیٰ کو ان کی آزمائش منظور ہے کہ دیکھیں یہ نعمتوں کے شکر میں ایمان لاتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرتے ہیں یا ناشکری اور بے قدری کر کے کفر وانکار کرتے ہیں۔ اور یہ آزمائش ایسی ہی ہے۔ جیسا کہ ان کفار مکہ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ اب یہ باغ والے کون تھے؟ کس زمانہ میں تھے؟ اور ان کی کیا آزمائش تھی؟ اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے اور ملک یمن میں شہر صنعا کے قریب یہ باغ واقع تھا جس کا مالک ایک بڑا باخدا شخص تھا۔ باغ کی آمدنی میں سے فقرا اور مساکین کے حصے مقرر کر رکھے تھے اور باغ کی پیداوار اور پھل اور میووں میں بھی حصے مقرر تھے اور باغ کے اندر جو کھیتی ہوتی تھی اس میں سے بھی فقراء ومساکین کے خیرات کے لئے حصے تھے۔ جب اس مرد خدا کا انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے اس باغ کے وارث ہوئے اور ان کی نیت میں فرق آ گیا اور کہنے لگے کہ ہم عیالدار ہیں اگر باپ کی طرح فقراء اور مساکین پر لٹائیں گے تو ہمارا کیسے پورا پڑے گا۔ جس قدر باپ خیر خیرات کر دیتا تھا اگر یہ سب گھر میں آوے تو کس قدر فراغت ہو۔ الغرض یہ سب شیطانی وساوس ان کے دلوں میں گھس آئے اور تجویز یہ قرار پائی کہ صبح سویرے ہی تڑکے میں اٹھ کر باغ چلو اور ساری پیداوار اور پھل توڑ کر گھر میں لے آو۔ فقیر مسکین جائیں گے تو وہاں کچھ نہ پائیں گے اور اپنی اس تدبیر پر ایسا یقین چھایا کہ لفظ انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ مگر ان بھائیوں میں ایک بھائی خدا ترس بھی تھا اس نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ فقرا ومساکین کو للہ دینے سے خیر وبرکت ہوتی ہے اور ان کی دعاؤں کے لشکر نگہبانی کیا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم کرنے سے مہربان ہوتا ہے۔ اپنے خدائے پاک کو نہ بھولو اپنی تدابیر پر ناز نہ کرو۔ وہی تدابیر کو درست کر دیتا ہے اور وہی بگاڑ دیتا ہے مگر بقول آج کل کے عقلمندوں اور ترقی یافتوں کے اس ملانے کی بات نہ سنی اور بڑے صبح سویرے اٹھ کر چلے۔ ادھر خدا کی طرف سے رات ہی میں ان کی نیت بدلنے سے اس تیار باغ پر آفت آ گئی

۔رات کو بگولا اٹھا آگ لگی جس نے سب کھیت اور باغ کو جلا کر برباد کر دیا۔ جب یہ صبح سویرے باغ کے قریب پہنچے تو جھلسا اور جلا ہوا دیکھتے ہیں۔ پہلے سمجھے کہ یہ ہمارا باغ نہیں ہے ہم راہ بھول کر کسی اور کے اس برباد باغ پر آنکلے ہیں۔ ہمارا باغ تو سرسبز و شاداب اور پھلوں سے بھرپور تیار تھا۔ یعنی اس کی حیثیت ایسی بگڑ گئی تھی کہ یکا یک پہچان بھی نہ سکے مگر جب خوب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہمارا ہی باغ ہے اس پر آسمانی مصیبت آپڑی اور ہماری تو قسمت ہی پھوٹ گئی۔ اب لگے باہم کڑھنے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے کہ تو نے یہ صلاح دی تھی۔ دوسرا کہنے لگا کہ تو نے ہی تو کہا تھا۔ اس پر اس خداترس بھائی نے انہیں متنبہ کیا کہ کیوں جی میں نے نہیں کہا تھا کہ خدا کو مت بھولو۔ یہ سب اسی کا انعام سمجھو اور فقرا محتاجوں کی خدمت سے دریغ مت کرو۔ جب اس بھائی نے انہیں پہلی کہی ہوئی باتیں یاد دلائیں تو اپنی تقصیر کا اعتراف کر کے سب مل کر کہنے لگے کہ واقعی ہماری سب کی زیادتی تھی کہ جو ہم نے فقیروں اور محتاجوں کا حق مارنا چاہا اور حرص اور طمع میں آکر اصل بھی کھو بیٹھے۔ یہ جو کچھ خرابی آئی اس میں ہم ہی قصوروار ہیں۔ مگر خیر ہم اب بھی اپنے رب سے ناامید نہیں کیا عجب ہے کہ وہ اپنی رحمت سے پہلے باغ سے بہتر باغ ہم کو عطا کر دے۔ یہ قصہ بیان فرما کر آگے اس قصہ کی غرض کو اہل مکہ کے لئے ظاہر کیا گیا کہ یہ تو دنیا کے عذاب کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا جسے کوئی ٹال نہ سکا بھلا آخرت کی اس بڑی آفت کو کون ٹال سکتا ہے۔ کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ اس بات کو سمجھ لیتے اور ایمان لے آتے۔

ان آیات کریمہ سے اور اس قصہ سے کئی باتیں بطور نصیحت معلوم ہوئیں:۔

ایک یہ کہ جو اہل غفلت اپنی تدبیروں پر نازاں ہیں اور اہل حقوق کی حق تلفی میں لگے رہتے ہیں وہ آخر خود ہی خسارہ اور نقصان میں پڑتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگو گناہوں سے بچو۔ گناہوں کی شامت کی وجہ سے انسان اس روزی سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کر دی گئی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی تلاوت کی کہ یہ لوگ بسبب اپنے گناہ کے اپنے باغ کے پھل اور اس کی پیداوار سے محروم ہو گئے۔

دوسرے یہ کہ ناگہانی زمینی یا آسمانی آفت باغوں۔ کھیتوں اور فصلوں پر جو برابر آتی رہتی ہیں مثلاً کبھی گرم اور تیز لو نے سبزہ زار کو جھلسا دیا۔ کبھی تند ہوا اور آندھی نے درختوں کا ناس مار دیا۔ کبھی پالا پڑ گیا تو کھیتی برباد ہو گئی۔ کہیں آسمان سے اولے برسے تو پتیاں تک باقی نہ رہیں۔ کبھی ٹڈی دل نے آکر باغات اور کھیتوں کا صفایا کر دیا۔ کبھی سیلاب اور طوفانوں نے کھڑی فصلیں برباد کر دیں۔ یہ سب دنیوی عذاب کے نمونے ہیں جو خدا کی نافرمانیوں اور خلاف حکم عمل کرنے کی بدولت آتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر مصیبت آپڑنے کے بعد بھی آدمی سمجھ جائے اور توبہ استغفار سے اپنی غلطی کا تدارک کرے اور غلطیوں سے تہ دل سے تائب ہو جائے اور اللہ سے اس کے فضل کی امید رکھے اور ہر مصیبت کے وقت اللہ ہی کی طرف رجوع کرے تو اس مصیبت یا تلف شدہ چیز کا بدل اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مومن پر کوئی مصیبت آئے تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہئے تاکہ دنیا اور آخرت میں اس کا بدلہ ملے۔

چوتھے یہ معلوم ہوا کہ جو آدمی کسی غلط کام اور گناہ سے لوگوں کو نصیحت کرے اور روکے مگر لوگ اس کی بات نہ مانیں اور اس گناہ سے نہ رکیں پھر اگر وہ نصیحت کرنے والا خود بھی ان غلط کام کرنے والوں کے ساتھ لگا رہے اور گناہ میں شریک رہے۔ تو یہ بھی انہیں گناہ اور غلط کام کرنے والوں کے حکم میں ہوتا ہے اس کو چاہئے کہ دوسرے لوگ اگر گناہ سے نہ رکیں تو خود اپنے آپ کو وہ نصیحت کرنے والا گناہ سے بچائے اور دوسروں سے علیحدہ رہے۔ جیسے اس باغ والے واقعہ میں وہ درمیانہ بھائی جس نے اپنے دوسرے بھائیوں کو نصیحت کی تھی کہ غربا اور مساکین کو نہ دینے کی خراب نیت مت کرو۔ مگر جب دوسرے سب بھائی نہ مانے تو یہ بھی ان کے ساتھ ہو لیا جس نے نصیحت کی تھی اور صحیح بات کہی تھی۔ تو اگرچہ یہ بھائی دوسروں سے بہتر تھا مگر بہرحال اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ ہو لیا اور انہیں کی غلط رائے پر عمل کے لئے تیار ہو گیا تھا اس لئے نتیجہ اس کو بھی بھگتنا پڑا اور تمام باغ جس میں اس ناصح کا بھی حصہ تھا سب برباد ہو گیا۔

اب یہاں ان آیات میں چونکہ دنیوی باغات کا ذکر آگیا تھا جن پر خدا کی نافرمانی اور خلاف حکم کرنے سے بلا اور مصیبت آجاتی ہے۔ آگے جنت کے باغات جو آخرت میں متقی پرہیزگاروں کو ملیں گے اور جن کی نعمتیں نہ کبھی فنا ہوں گی۔ نہ گھٹیں گی۔ نہ ختم ہوں گی اس کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿٣٤﴾ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾

بیشک پرہیزگاروں کیلئے اُن کے رب کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں۔ کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کر دیں گے

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿٣٨﴾ أَمْ

تم کو کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیز (لکھی) ہو جو تم پسند کرتے ہو

لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ

کیا ہمارے ذمہ کچھ قسمیں چڑھی ہوئی ہیں جو تمہاری خاطر سے کھائی گئی ہوں اور قسمیں قیامت تک باقی رہنے والی ہوں کہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جو تم فیصلہ کر رہے ہو۔ ان سے پوچھئے کہ ان میں

بِذٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صٰدِقِينَ ﴿٤١﴾

اس کا کون ذمہ دار ہے۔ کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک ہیں۔ سو ان کو چاہیئے کہ یہ اپنے ان شریکوں کو پیش کریں اگر یہ سچے ہیں۔

إِنَّ بیشک	لِلْمُتَّقِينَ پرہیزگاروں کیلئے	عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے رب کے پاس	جَنّٰتِ النَّعِيمِ نعمتوں کے باغات	أَفَنَجْعَلُ تو کیا ہم کر دیں گے		
الْمُسْلِمِينَ مسلمانوں	كَالْمُجْرِمِينَ مجرموں کی طرح	مَا لَكُمْ کیا ہوا تمہیں	كَيْفَ کیسا	تَحْكُمُونَ تم فیصلہ کرتے ہو	أَمْ لَكُمْ کیا تمہارے پاس	
كِتٰبٌ کوئی کتاب	فِيهِ اس میں	تَدْرُسُونَ تم پڑھتے ہو	إِنَّ بیشک	لَكُمْ تمہارے لئے	فِيهِ اس میں	لَمَا تَخَيَّرُونَ البتہ جو تم پسند کرتے ہو
أَمْ لَكُمْ کیا تمہارے لئے	أَيْمَانٌ کوئی پختہ عہد	عَلَيْنَا ہم پر (ہمارے ذمے)	بَالِغَةٌ پہنچنے والا	إِلٰى تک	يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	إِنَّ بیشک
لَكُمْ تمہارے لئے	لَمَا البتہ جو	تَحْكُمُونَ تم فیصلہ کرتے ہو	سَلْهُمْ تو ان سے پوچھ	أَيُّهُمْ ان میں سے کون	بِذٰلِكَ اس کا	زَعِيمٌ ضامن (ذمہ دار)
أَمْ لَهُمْ یا ان کے	شُرَكَاءُ شریک (جمع)	فَلْيَأْتُوا تو چاہیے کہ وہ لائیں	بِشُرَكَائِهِمْ اپنے شریکوں	إِنْ اگر	كَانُوا وہ ہیں	صٰدِقِينَ سچے

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اہل مکہ کی عبرت و نصیحت کے لئے اصحاب الجنۃ یعنی باغ والوں کا قصہ ذکر فرمایا گیا تھا آگے اس کے مقابلہ میں آخرت کے باغ کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ دنیا کے باغ و بہار کو کیا لئے پھرتے ہو۔ جنت کے باغات ان سے کہیں بہتر ہیں جن میں ہر قسم کی نعمتیں جمع ہیں۔ پھر وہ نعمتیں نہ کبھی فنا ہوں گی۔ نہ گھٹیں گی۔ نہ ختم ہوں گی۔ نہ ان میں کوئی خرابی نقصان اور زوال کبھی واقع ہوگا۔ تو یہ جنت کے باغات جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور جن میں ہر طرح کی دائمی اور ابدی نعمتیں ہیں۔ وہ متقی پرہیزگار اللہ سے ڈرنے والے بندوں یعنی مؤمنین کے لئے ہیں۔ آگے کفار مکہ کے ایک خیال کی تردید فرمائی جاتی ہے۔ کفار مکہ جب اہل ایمان سے یہ سنتے کہ ہم کو اللہ کے ہاں آخرت میں بڑے درجے ملیں گے تو کفار وغیرہ غرور و تکبر سے کہتے کہ اگر قیامت و آخرت کے دن مسلمان پر عنایت و بخشش ہوگی تو ہم پر ان سے بڑھ کر اور بہتر عنایت ہوگی اور ہم کو ان سے بھی بڑھ کر درجے ملیں گے کیونکہ ہمیں ان سے دنیا میں بڑھ کر درجہ حاصل ہے۔ پھر آگے چل کر کیوں نہ حاصل ہوگا۔ جس طرح دنیا میں ہم کو عیش و سرداری میں رکھا گیا ہے تو آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ کفار کے اس خیال کی تردید فرمائی جاتی ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ اپنے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو برابر کر دے گا۔ اگر ایسا ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ ایک وفادار غلام جو ہمیشہ اپنے آقا کی حکم برداری کے لئے تیار رہتا ہے وہ اور ایک جرائم پیشہ باغی دونوں کا انجام یکساں ہو جائے۔ بلکہ مجرم باغی وفاداروں سے بھی اچھا رہے۔ یہ تو وہ بات ہے کہ جس کو عقل سلیم اور

فطرت صحیحہ بھی تسلیم نہیں کرتی۔ یہ بات کہ فرمانبردار اور نافرمان دونوں برابر کردیئے جائیں ظاہر ہے عقل وفطرت کے خلاف ہے۔ اب دنیا میں تو یہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے اور کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ دنیا میں تو عموماً فساق۔ فجار۔ ظالم۔ چور۔ ڈاکو۔ بدکار۔ رشوت خوار۔ مزے اڑاتے پھرتے ہیں اور نیک' شریف' حیادار' غیرتمند اکثر ناکام نظر آتے ہیں۔ اب اگر آگے بھی کوئی وقت ایسا نہ آئے کہ جس میں حق وناحق کا صحیح انصاف ہو۔ نیک کو نیکی کرنے کا اچھا بدلہ ملے اور بد کو برائی کی سزا ملے تو پھر عدل وانصاف کے کوئی معنیٰ ہی باقی نہیں رہتے اور جو لوگ خدا کی ذات عالی کے وجود کے قائل ہیں وہ اس کا کیا جواب دیں گے کہ خدا تعالیٰ کا انصاف کہاں گیا۔ تو قرآن کریم نے اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ كَالۡمُجۡرِمِيۡنَ فرما کر یعنی کیا اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کردیں گے؟ یعنی ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تو فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں کیا فرق و امتیاز نتیجہ کے لحاظ سے رہ جاوے گا جس سے فرمانبرداروں کی افضلیت اور برتری ثابت ہو۔ اس لئے ایسا کوئی وقت آنا ضروری ہوا کہ جہاں سب کا حساب ہو اور انصاف ہی انصاف ہو اور نیک و بد کا کھل کر امتیاز ظاہر ہو۔ اور قیامت وآخرت کی یہ عقلی دلیل ہے کہ جہاں جزا وسزا عقلاً ضروری ہوا ورنہ تو پھر دنیا میں کوئی برا کام برا نہیں اور کوئی جرم جرم نہیں پھر خدائی عدل وانصاف کے کوئی معنیٰ نہیں رہتے۔ آگے مشرکین جو یہ دعویٰ کرتے تھے ان کو خطاب کرکے کہا جاتا ہے کہ عقلی دلیل سے تو تمہاری یہ بات خلاف عقل ہے۔ پھر کیا کوئی نقلی یعنی کتابی دلیل تمہارے پاس اپنے اس قول کی تائید میں موجود ہے کہ مسلم اور مجرم۔ فرمانبردار اور نافرمان دونوں برابر کردیئے جائیں گے؟ کیا تم کسی معتبر کتاب میں یہ مضمون پڑھتے ہو کہ جو تم اپنے لئے پسند کرلو گے آگے چل کر وہی تم کو ملے گا اور تمہاری من مانی خواہشات پوری کی جائیں گی۔ یا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے کوئی قسم کھالی ہے اور عہد وپیمان کرلیا ہے کہ تم

جو کچھ اپنے دل سے من گھڑت ٹھہرالو گے وہی دیا جائے اور جس طرح آج عیش وسرداری میں ہو قیامت تک اسی حال میں رکھے جاؤ گے؟ جو شخص ان مشرکین میں سے ایسا دعویٰ کرے اور اس کے ثابت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے تو اے مشرکین لاؤ اسے سامنے پیش کرو۔ معلوم تو ہو کہ وہ کون سی دلیل سے اور کہاں سے ایسی بات کہتا ہے۔ آگے بتایا جاتا ہے کہ جب عقلی یا نقلی کوئی دلیل ان مشرکین کے پاس اپنے قول کی تائید وثبوت میں نہیں۔ محض جھوٹے اور وہمی دیوی دیوتاؤں کے بل بوتے پر یہ دعویٰ کئے جا رہے ہیں کہ وہ ہم کو یوں کردیں گے۔ اور یوں مرتبے دلادیں گے اور یوں ہماری سفارش کریں گے کیونکہ وہ خدائی کے شریک اور حصہ دار ہیں تو اس دعوے میں ان کا سچا ہونا اسی وقت ثابت ہوگا جب وہ ان شرکاء کو خدا کے مقابلہ پر بلالائیں اور اپنی من مانی کارروائی کرادیں۔ لیکن یاد رہے کہ وہ معبود عابدوں سے زیادہ عاجز اور بے بس ہیں۔ اے مشرکین! وہ تمہاری کیا مدد کریں گے وہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے۔ غرض جب یہ بات کہ فرمانبردار اور نافرمان دونوں قیامت میں برابر ہوجائیں گے نہ کسی آسمانی کتاب میں موجود ہے نہ علاوہ کتاب کے اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا وعدہ ہے اور نہ کوئی شخص یا اس کا باطل معبود اس کی ذمہ داری لے سکتا ہے تو پھر یہ مشرکین کس بنا پر دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو اللہ کے ہاں بڑے درجات ملیں گے تو ہم کو بھی ان سے بڑھ کر بڑے درجات ملیں گے۔ مطلب یہ کہ ان مشرکین کا یہ قول محض باطل اور خلاف عقل و نقل ہے۔ اور ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ ایک فرمانبردار اور ایک نافرمان برابر کردیئے جائیں۔

اور ان کی آنکھیں دہشت وشرمندگی سے نیچی ہوجائیں گی جیسا کہ اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ

جس دن کہ ساق کی تجلی فرمائی جائے گی اور سجدہ کی طرف لوگوں کو بُلایا جائے گا۔ سو یہ (کافر) لوگ سجدہ نہ کرسکیں گے۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ

نیز اُن پر ذلت چھائی ہوگی اور یہ لوگ سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے اور وہ صحیح سالم تھے تو مجھ کو اور جو اس

يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَأُمْلِيْ لَهُمْ

کلام کو جھٹلاتے ہیں اُن کو رہنے دیجئے۔ ہم ان کو بتدریج (جہنم کی طرف) لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ اُن کو خبر بھی نہیں۔ اور ان کو مہلت دیتا ہوں

إِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿٤٥﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ

بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان سے دبے جاتے ہیں۔ یا ان کے پاس غیب (کا علم ہے)

فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٤٧﴾

کہ یہ (اسکو) لکھ لیا کرتے ہیں۔

يَوْمَ جس دن	يُكْشَفُ کھول دیا جائے گا	عَنْ سے	سَاقٍ پنڈلی	وَيُدْعَوْنَ اور وہ بلائے جائیں گے	إِلَى السُّجُوْدِ سجدوں کیلئے	
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تو وہ نہ کرسکیں گے	خَاشِعَةً جھکی ہوئی	أَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں	تَرْهَقُهُمْ ان پر چھائی ہوئی	ذِلَّةٌ ذلت	وَقَدْ اور تحقیق	
كَانُوْا يُدْعَوْنَ بلائے جاتے ہیں	إِلَى السُّجُوْدِ سجدوں کیلئے	وَهُمْ جبکہ وہ	سَالِمُوْنَ (صحیح) سالم (جمع)	فَذَرْنِيْ پس مجھے چھوڑ دو تم		
وَمَنْ يُّكَذِّبُ اور وہ جو جھٹلاتا ہے	بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اس بات کو	سَنَسْتَدْرِجُهُمْ جلد ہم انہیں آہستہ آہستہ کھینچیں گے	مِنْ حَيْثُ اس طرح			
لَا يَعْلَمُوْنَ وہ جانتے نہ ہوں گے	وَأُمْلِيْ اور میں ڈھیل دیتا ہوں	لَهُمْ ان کو	إِنَّ بیشک	كَيْدِيْ میری خفیہ تدبیر	مَتِيْنٌ بڑی قوی	
أَمْ تَسْأَلُهُمْ کیا آپ مانگتے ہیں ان سے	أَجْرًا کوئی اجر	فَهُمْ کہ وہ	مِنْ سے	مَغْرَمٍ تاوان	مُثْقَلُوْنَ بوجھل (دبے جاتے) ہیں	
أَمْ یا	عِنْدَهُمْ ان کے پاس	الْغَيْبُ (علم) غیب	فَهُمْ کہ وہ	يَكْتُبُوْنَ لکھ لیتے ہیں		

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت میں ان کے افترا اور خیالی ڈھکوسلہ کی حقیقت کھلے گی کہ جب میدان حشر میں مومن وکافر مخلص ومنافق صاف طور پر کھل جائیں گے اور ہر ایک کی اندرونی حالت حسی اور ظاہری طور پر مشاہدہ ہو جائے گی اور قیامت میں یہ اس وقت ہوگا جبکہ ''ساق'' کی تجلی فرمائی جائے گی۔ یہاں آیت میں فرمایا گیا ہے۔ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ یعنی جس دن کھول دی جائے گی ساق۔ ''ساق'' کے لفظی معنی ہیں پنڈلی کے۔

محققین علمائے مفسرین کا قول ہے کہ صفات باری تعالیٰ میں سے یہ کوئی مخصوص صفت ہے۔ جس کی تجلی اس وقت ہوگی اور اس کو کسی خاص مناسبت سے ''ساق'' سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کے لئے ید یعنی ہاتھ اور وجہ یعنی چہرہ اور حدیث میں رجل اور قدم یعنی پیر کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ یہ سب کلمات متشابہات کہلاتے ہیں اور ان کی متعدد توجیہات اور تاویلات ہوسکتی ہیں۔ ان پر اسی طرح بلا کیف ایمان رکھنا چاہئے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات۔ اس کا

وجود۔ اس کی حیات۔ اس کے سمع اور بصر یعنی سننے اور دیکھنے کی صفات پر ایمان رکھتے ہیں بغیر اس کی حقیقت کو جانے اور سمجھے ہوئے ۔ پھر محاورہ عرب میں کشف ساق سے مراد کسی عظیم الشان اور دشوار امر سے ہوتی ہے۔ اور اکثر ائمہ تفسیر بلکہ صحابہ اور تابعین سے یہی معنیٰ مراد ہیں چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس کشف ساق (یعنی پنڈلی کھل جانے) سے مراد ہے کہ وہ دن تکلیف دکھ درد اور شدت کا دن ہوگا۔ بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ ہمارا پروردگار اپنی پنڈلی کھولے گا پس ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت سجدہ میں گر پڑے گی لیکن دنیا میں جو لوگ دکھانے یا سنانے یعنی منافقانہ سجدہ کرتے تھے وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی کمر تختہ کی طرح ہو جائے گی یعنی وہ سجدہ نہ کرسکیں گے۔

الحاصل قیامت میں حق تعالیٰ کی اس تجلی ساق کی ایک یہ تاثیر طبعی ہوگی کہ تمام انسان یعنی کافر ومومن سب ہی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن مومن تو اس وقت اس پر باآسانی قادر ہو جائیں گے اور سجدہ میں چلے جائیں گے لیکن کافر ومنافق باوجود سجدہ کے ارادہ اس پر قادر نہ ہوں گے۔ اور اس وقت ندامت اور شرمندگی کے مارے آنکھیں اوپر نہ اٹھ سکیں گی اور نہایت ذلیل و پست ہو جائیں گے کیونکہ دنیا میں بڑے سرکش کبروغرور والے تھے۔ دنیا میں صحت و سلامتی کی حالت میں جب انہیں سجدہ کا حکم دیا گیا تھا اور باختیار خود سجدہ کرسکتے تھے۔ مگر وہاں کبھی اخلاص سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کیا جس کی سزا یہ ملی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ اب اگر سجدہ کرنا چاہیں بھی تو نہیں کرسکتے۔ یہاں آیت میں کفار کے لئے خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ فرمایا گیا یعنی ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی شرمندگی و ذلت کے باعث۔ قرآن کریم میں کبھی ذکر نگاہوں کے اوپر اٹھے رہنے کا بھی آیا ہے۔ تو ان دونوں باتوں میں کوئی معارضہ نہیں کیونکہ حشر میں شدید ہولناکی کے مختلف احوال پیدا ہوں گے اور انہی کے لحاظ سے کفار ومشرکین کے تاثرات بھی بدلتے رہیں گے۔ کبھی غلبہ انتہائی ندامت وشرمندگی کا ہوگا اس وقت نظریں نیچی ہو جائیں گی۔ کبھی غلبہ حیرت اور استعجاب کا ہوگا اس وقت نظریں اوپر کو اٹھ جائیں گی۔ الغرض قیامت میں خداوند تعالیٰ کی تجلی ساق دیکھ کر مومن تو سب سجدہ میں گر جائیں گے اور کفار ومنافق سجدہ نہ کرسکیں گے۔ کمر تختہ ہو جائے گی اور بجائے سجدہ کے پیٹھ کے بل چت گر پڑیں گے۔ گویا جیسے دنیا میں ان کی حالت مومنوں کے خلاف تھی وہاں قیامت میں بھی خلاف ہی رہے گی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ان کفار کو عذاب ہونا تو یقینی ہے لیکن چندے عذاب کے توقف سے آپ ان کی باتوں پر رنج نہ کیجئے اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیجئے۔ وہ خود ان سے نبٹ لے گا اور اس طرح بتدریج آہستہ آہستہ جہنم کی طرف لے جائے گا اس طرح کہ ان کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ لیکن اندر ہی اندر ان کی جڑیں کٹتی چلی جائیں گی اس کی خفیہ اور لطیف تدابیر ایسی ہیں جس کو یہ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ بھلا اس کا توڑ تو کیا کرسکتے ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے انکار نبوت پر تعجب ہے کہ یہ لوگ اس طرح تباہی کی طرف چلے جا رہے ہیں لیکن آپ کی باتیں نہیں مانتے۔ آپ ان سے کوئی مالی یا جاہی معاوضہ بھی طلب نہیں کرتے کہ جس کے بوجھ میں یہ دبے جا رہے ہوں اور اس لئے آپ کی اطاعت سے نفرت ہو۔ یا ان کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں اور اسے وہ لکھ لیتے ہیں اس لئے آپ کے اتباع کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اگر یہ بات بھی نہیں تو یہ لوگ صرف اپنی جہالت' عناد اور ہٹ دھرمی کے باعث آپ کو جھٹلا رہے ہیں۔ جس پر آپ صبر کریں۔

اب ان کفار کی تکذیب نبوت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دکھ اور رنج ہوتا تھا آگے اس پر آپ کی مزید تسلی فرمائی جاتی ہے اور اسی پر سورت کو ختم فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی خاتمہ کی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَنْ

تو آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیئے اور (تنگدلی میں) مچھلی والے پیغمبر یونس کی طرح نہ ہو جایئے جبکہ یونس نے دُعا کی اور وہ غم سے گھٹ رہے تھے اگر

تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ

خداوندی احسان ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ میدان میں بدحالی کے ساتھ ڈالے جاتے۔ پھر اُن کے رب نے اُن کو اور برگزیدہ کرلیا اور ان کو صالحین

الصَّالِحِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ

میں سے کردیا اور یہ کافر جب قرآن سنتے ہیں تو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے

وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿٥١﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٥٢﴾

اور کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہے۔ حالانکہ یہ تمام جہان کے واسطے نصیحت ہے۔

فَاصْبِرْ پس آپ صبر کریں	لِحُكْمِ حکم کیلئے	رَبِّكَ اپنا رب	وَلَا تَكُنْ اور نہ ہوں آپ	كَصَاحِبِ الْحُوتِ مچھلی والے (یونس) کی طرح	
إِذْ نَادَىٰ جب اس نے پکارا	وَهُوَ اور وہ	مَكْظُومٌ غم سے بھرا ہوا	لَوْلَا أَن تَدَارَكَهُ اگر نہ اسکو پایا (سنبھالا) ہوتا	نِعْمَةٌ نعمت	مِّن رَّبِّهِ اسکے رب کا
لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ البتہ وہ ڈالا جاتا چٹیل میدان میں	وَهُوَ اور وہ	مَذْمُومٌ ملامت زدہ (ابترحال)	فَاجْتَبَاهُ پس اسکو برگزیدہ کیا	رَبُّهُ اس کا رب	
فَجَعَلَهُ پس اسکو کرلیا	مِنَ سے	الصَّالِحِينَ نیکو کاروں	وَإِن يَكَادُ اور تحقیق قریب ہے	الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کیا کافر	
لَيُزْلِقُونَكَ کہ وہ آپ کو پھسلا دیں گے	بِأَبْصَارِهِمْ اپنی نگاہوں سے	لَمَّا جب	سَمِعُوا وہ سنتے ہیں	الذِّكْرَ کتاب نصیحت	وَيَقُولُونَ اور وہ کہتے ہیں
إِنَّهُ بیشک یہ	لَمَجْنُونٌ البتہ دیوانہ	وَمَا هُوَ حالانکہ یہ نہیں	إِلَّا مگر	ذِكْرٌ نصیحت	لِّلْعَالَمِينَ تمام جہانوں کیلئے

تفسیر وتشریح: یہ سورہ نٓ کی آخری آیات ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات میں خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صبر وتحمل سے کام لیتے رہئے اور ان کی ایذا رسانیوں سے ہراساں نہ ہوں اور اللہ نے فی الحال جوان کو ڈھیل دے رکھی ہے اس فیصلہ خداوندی پر صبر رکھیں اور بے صبری اور عجلت پسندی سے مچھلی کے پیٹ میں جانے والے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جایئے کہ جس طرح وہ منکرین ومکذبین سے تنگدل ہوئے اور بددل اور ملول خاطر ہو کر بلا اجازت خداوندی قوم کو چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ پہلے سورہ یونس گیارہویں پارہ اور سورہ انبیاء سترھویں پارہ اور والصّٰفّٰت تیئسویں پارہ میں بیان ہو چکا ہے مختصراً حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ آیات قرآنی کی روشنی میں اس طرح

ہے کہ حضرت یونسؑ کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر سرفراز فرمایا اور عراق کے مشہور مقام نینوا کے باشندوں کی رشد وہدایت کے لئے مامور فرمایا یونس علیہ السلام ایک عرصہ تک ان کو تبلیغ فرماتے رہے اور توحید کی دعوت دیتے رہے مگر انہوں نے اعلان حق پر کان نہ دھرے اور کفر وشرک پر اصرار کرتے رہے اور خدا کے سچے پیغمبر کی دعوت کا تمسخر اور مذاق اڑاتے رہے۔ قوم کی مسلسل مخالفت سے متاثر ہو کر یونس علیہ السلام قوم سے دل برداشتہ ہو کر ان کے لئے عذاب الٰہی کی بددعا کر کے ان کے درمیان سے غصہ سے بھرے ہوئے روانہ ہو گئے۔ جب دریائے فرات کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی مسافروں سے لدی ہوئی تیار کھڑی تھی۔ حضرت یونسؑ کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی نے لنگر اٹھا دیا۔ راہ میں طوفانی ہواؤں نے کشتی کو آ گھیرا۔ جب کشتی ڈگمگانے لگی اور اہل کشتی کو غرق

ہونے کا یقین ہونے لگا تو اپنے عقیدہ کے موافق وہ کہنے لگے:۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا بیٹھا ہے جب تک اس کو کشتی سے جدا نہ کیا جائے گا کشتی کا کنارے لگنا مشکل ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ سنا تو آپ کو تنبہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو میرا نینوا سے وحی کا انتظار کئے بغیر اس طرح چلا آنا پسند نہیں آیا اور یہ میری آزمائش کے آثار ہیں یہ سوچ کر آپ نے اہل کشتی سے فرمایا کہ وہ غلام میں ہوں کہ جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے۔ مجھ کو کشتی سے باہر پھینک دو۔ مگر ملاح جو آپ کی پاکبازی سے متاثر تھے انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر یہ طے ہوا کہ قرعہ اندازی کی جائے۔ چنانچہ تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی اور ہر مرتبہ یونس علیہ السلام کے نام پر قرعہ نکلا۔ تب مجبور ہو کر انہوں نے یونس علیہ السلام کو دریا میں ڈال دیا یا خود یونس علیہ السلام دریا میں کود گئے۔ اسی وقت خدائے تعالیٰ کے حکم سے ان کو ایک مچھلی نے نگل لیا۔ یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں زندہ پہنچ گئے تو درگاہ الٰہی میں اپنی اس ندامت کا اظہار کیا کہ کیوں وہ وحی الٰہی کا انتظار کئے بغیر اور اللہ تعالیٰ سے اجازت لئے بغیر قوم سے ناراض ہو کر نینوا سے نکل آئے اور عفو تقصیر کے لئے اس طرح دعا گو ہوئے:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ.

”الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہی یکتا ہے، میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں، بلاشبہ میں اپنے نفس پر خود ہی ظلم کرنے والا ہوں“۔

اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی دردبھری معذرت کو سنا اور قبول فرمایا چنانچہ مچھلی کو حکم ہوا کہ وہ دریا کے کنارے جا کر یونسؑ کو اگل دے۔ چنانچہ مچھلی نے یونسؑ کو ساحل پر اگل دیا۔ اس وقت آپ نہایت کمزور اور ناتوان ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ایک بیل دار درخت اگا دیا کہ جس کے سایہ میں آپ رہ سکیں۔ اور بذریعہ وحی مخاطب فرمایا کہ آپ جو وحی کا انتظار کئے بغیر قوم کو بددعا دے کر ان کے درمیان سے نکل آئے تو ایک نبی کی شان کے شایاں نہ تھا کہ قوم کے حق میں عذاب کی بددعا کر کے اور ان سے نفرت کر کے جدا ہو جانے میں عجلت پسندی سے کام لے اور وحی الٰہی کا بھی انتظار نہ کرے۔ ادھر یونس علیہ السلام کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوا ادھر اہل نینوا نے یونسؑ کے بستی چھوڑنے پر آپ کی بددعا کے آثار محسوس کئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ وہ ضرور خدا کے سچے پیغمبر تھے اور اب ہماری ہلاکت یقینی ہے تب ہی تو یونس علیہ السلام ہم سے جدا ہو گئے یہ سوچ کر تمام اہل نینوا کے دل خوف و دہشت سے کانپ اٹھے اور حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے لگے ساتھ ہی سب آبادی سے باہر نکل کر میدان میں آئے اور خدائے تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ و استغفار کرنے لگے اور گریہ وزاری کے ساتھ متفقہ آواز سے یہ اقرار کرتے رہے کہ پروردگار یونس علیہ السلام تیرا جو پیغام ہمارے پاس لے کر آئے تھے ہم اس کی تصدیق کرتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کو دولت ایمان سے نوازا اور ان کو عذاب سے محفوظ کر دیا۔ ادھر یونسؑ کو دوبارہ حکم ہوا کہ نینوا جائیں اور قوم میں رہ کر ان کی رہنمائی فرمائیں۔ چنانچہ یونسؑ نے اس حکم کا امتثال کیا اور نینوا میں واپس تشریف لائے۔ قوم نے جب آپ کو دیکھا تو بے حد مسرت وخوشی کا اظہار کیا اور آپ کی رہنمائی میں دین و دنیا کی کامرانی حاصل کرتی رہی۔

حضرت یونس علیہ السلام کے انہی واقعات کی طرف ان آیات میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ جب یونس علیہ السلام قوم کی طرف سے غصہ میں بھرے ہوئے تھے عذاب کی بددعا بلکہ پیشین گوئی کر کے سب کو چھوڑ کر چلے گئے تو وہ غم سے گھٹ رہے تھے اور یہ غم مجموعہ تھا کئی غموں کا ایک قوم کے ایمان نہ لانے کا پھر بلا اجازت خداوندی شہر چھوڑ کر چلے آنے کا۔ پھر مچھلی کے پیٹ میں محبوس رہنے کا۔ اس وقت اللہ کو پکارا اور دعا کی اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔ آگے بتلایا گیا کہ اگر قبول توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ کا مزید فضل واحسان دستگیری نہ کرتا تو اسی چٹیل میدان میں جہاں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈالے گئے تھے الزام کھائے ہوئے پڑے رہتے اور وہ کمالات باقی نہ رہنے دیئے جاتے

جو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس ابتلا کے وقت بھی باقی رہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اور زیادہ ان کا رتبہ بڑھایا اور ان کو اور زیادہ برگزیدہ کر لیا اور اعلیٰ درجہ کے صالحین میں داخل رکھا تو یہ قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کر تلقین فرمائی گئی کہ آپ اپنی رائے سے کفار کے عذاب کے بارہ میں عجلت نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے اور اس کی تجویز پر مطمئن رہئے۔ خاتمہ پر پھر کفار کے اس قول کا بطلان فرمایا گیا جس کا شروع سورت میں بطلان تھا کہ جب یہ کفار آپ سے قرآن سنتے ہیں تو غیظ وغضب سے بھر جاتے ہیں اور شدت عداوت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے۔ یہ ایک محاورہ ہے جیسا ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ فلاں شخص اس طرح دیکھتا ہے جیسے کھا جائے گا۔ مطلب یہ کہ شدت عداوت سے آپ کو بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اسی عداوت سے کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ مجنون ہیں، حالانکہ یہ قرآن جس کو آپ سناتے ہیں وہ تمام عالم کے لئے اعلیٰ ترین پند ونصیحت کا ذخیرہ ہے۔ اسی سے بنی نوع انسان کی اصلاح اور دنیا کی کایا پلٹ ہوگی۔

''اس سورت کی خاتمہ کی آخری دو آیات یہ ہیں۔

وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۞ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۞ یعنی جب یہ کافر قرآن سنتے ہیں تو شدت عداوت سے ایسے معلوم ہوتے کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے مطلب یہ کہ شدت عداوت سے آپ کو بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اسی عداوت سے آپ کی نسبت کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ یہ مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن تمام جہان والوں کے واسطے نصیحت ہے۔ تو ان آیات سے متعلق بعض مفسرین نے ایک خاص واقعہ نقل کیا ہے کہ انسان کی نظر بد لگ جانا اور اس سے کسی کو نقصان یا بیماری پہنچ جانا اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ملتا ہے چنانچہ مکہ میں ایک شخص اس معاملہ میں بڑا مشہور تھا اور اس کی نظر کسی جانور یا اونٹ وغیرہ کو لگ جاتی تو وہ بیمار ہو کر مر جاتا۔ کفار مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت تو تھی ہی اور ہر طرح سے آپ کو ایذا اور تکلیف پہنچانے کی وہ کوشش کیا کرتے تھے چنانچہ ان کو یہ سوجھی کہ اس شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر بد لگواؤ اور اس غرض سے اس کو بلا کر لائے اور اس نے اپنی نظر بد لگانے کی پوری کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور اس کی نظر بد کا کوئی اثر آپ پر نہ ہوا۔ تو بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں اور ان میں اسی نگاہ بد لگانے کو بیان فرمایا گیا ہے حضرت امام حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بد کسی انسان کی لگ گئی ہو اس پر یہ آیات پڑھ کر دم کر دینا نظر بد کے اثر کو زائل کر دیتا ہے۔

الحمدللہ سورہ قلم کا بیان اس درس پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد ان شاء اللہ اگلی سورت کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ ن کے خواص

۱- ظالموں کے گھر ویران کرنے ہوں اور ان کے حالات خراب کرنے ہوں تو سورۃ ن لکھ کر ان کے گھروں میں چھپا دو۔

وان یکادالذین کفرو...... آخیر سورۃ تک

جس آدمی کو بدنظری کا خطرہ ہو یا حاسدوں کے حسد کا ڈر ہو تو وہ ایک کاغذ پر پہلے ۲۵ مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھے پھر ایک دفعہ مذکورہ آیات لکھ کر اپنے پاس رکھے تو حسد اور نظر بد سے محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو دنیا میں تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آخرت میں ہم کو اپنے متقی بندوں میں شامل فرمائیں اور جو جنت کی نعمتیں اپنے متقی بندوں کے لئے تیار کر رکھی ہیں وہ ہم کو بھی نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثِنْتَانِ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ۝۱ مَا الْحَآقَّةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا

وہ ہونیوالی چیز کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی چیز (یعنی قیامت) کی تکذیب کی

ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ

سو ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کردیئے گئے۔ اور عاد جو تھے سو وہ ایک تیز وتند ہوا سے ہلاک کئے گئے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر

سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ

سات رات اور آٹھ دن متواتر مسلط کردیا تھا سو (اے مخاطب اگر) تو (اس وقت وہاں موجود ہوتا) تو اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے

خَاوِيَةٍ ۝۷ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝۸

تنے (پڑے) ہیں سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے۔

اَلْحَآقَّةُ سچ مچ ہونیوالی (قیامت)	مَا الْحَآقَّةُ کیا ہے قیامت؟	وَمَآ اور کیا	اَدْرٰىكَ تم سمجھے	مَا الْحَآقَّةُ کیا ہے قیامت؟	كَذَّبَتْ جھٹلایا		
ثَمُوْدُ ثمود	وَعَادٌ اور عاد	بِالْقَارِعَةِ کھڑکھڑانے والی کو	فَاَمَّا پس جو	ثَمُوْدُ ثمود	فَاُهْلِكُوْا تو وہ ہلاک کئے گئے	بِالطَّاغِيَةِ بڑی دور کی آواز سے	
وَاَمَّا اور جو	عَادٌ عاد	فَاُهْلِكُوْا تو وہ ہلاک کئے گئے	بِرِيْحٍ ہوا سے	صَرْصَرٍ تند وتیز	عَاتِيَةٍ حد سے زیادہ بڑھی ہوئی	سَخَّرَهَا اس نے اس کو مسخر کیا	
عَلَيْهِمْ ان پر	سَبْعَ لَيَالٍ سات رات	وَثَمٰنِيَةَ اور آٹھ	اَيَّامٍ دن	حُسُوْمًا لگاتار	فَتَرَى الْقَوْمَ پھر تو دیکھتا اس قوم کو	فِيْهَا اس میں	
صَرْعٰى گری ہوئی	كَاَنَّهُمْ گویا وہ	اَعْجَازُ تنے	نَخْلٍ کھجور	خَاوِيَةٍ کھوکھلے	فَهَلْ تَرٰى تو کیا تو دیکھتا ہے	لَهُمْ ان کا	مِّنْ بَاقِيَةٍ کوئی بقیہ

تفسیر وتشریح: سورت کی ابتدا قیامت کے ذکر سے فرمائی جاتی ہے۔ قیامت چونکہ حق ہے اور امر واقع ہے اور اس کے وقوع میں کوئی شک نہیں اس لئے اس کو حاقہ کہا گیا اور بتلایا گیا کہ قیامت کی گھڑی جس کا آنا ازل سے علم الٰہی میں ثابت اور مقرر ہو چکا ہے۔ جانتے ہو وہ گھڑی کیا چیز ہے؟ اور کس قسم کے احوال و کیفیات اپنے اندر رکھتی ہے؟ یہاں جو یہ جملہ استفہامیہ لایا گیا تو یہ قیامت کی ہولناکی کو ظاہر کر رہا ہے۔ یعنی قیامت بڑی ہولناک چیز ہے اور اس کی حقیقت تم کو معلوم نہیں۔ اور کوئی بھی اس دنیا میں اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ کوئی کتنا ہی سوچے اور فکر کرے اس دن کی شدت اور ہولناکی کو پوری طرح ادراک نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد قوم ثمود و عاد کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ انہوں نے اس آنے والی گھڑی یعنی قیامت کو جھٹلایا تھا جو تمام زمین وآسمان۔ چاند۔ سورج اور ستارے اور پہاڑوں و انسانوں کو کوٹ کر رکھ دے گی اس تکذیب کی بدولت دونوں قوموں کا انجام دنیا ہی میں کیا ہوا؟ ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا نام تھا اور عاد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔ عاد وثمود کی ہلاکت کے قصے اہل عرب میں اتنے مشہور تھے جس کا کوئی عرب انکار نہیں کرسکتا ہے۔ دونوں قومیں ایک جرم میں شریک تھیں اور چند ان کے انبیاء نے سمجھایا جب وہ کسی

طرح نہ ماننے تو انتقام الٰہی کا وقت آ گیا۔ ثمود کا واقعہ عاد کی بہ نسبت قریبی زمانہ کا تھا اور قریب زمانہ کی بات زیادہ مؤثر ہوا کرتی ہے اس لئے پہلے ثمود کا ذکر فرمایا گیا۔ گذشتہ سورتوں میں ان دونوں قوموں کی ہلاکت کے تفصیلی واقعات متعدد جگہ بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں اجمالاً ذکر فرمایا گیا کہ ثمود نے قیامت کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے انکار کیا اس لئے تباہ کر دیئے گئے ایک سخت زلزلہ سے جو ایک نہایت ہی سخت آواز کے ساتھ آیا سب تہ و بالا کر دیئے گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک اتنی بلند چیخ ماری کہ سب مر کر رہ گئے اور سینوں کے اندر دل و جگر پارہ پارہ ہو گئے۔ یہ تو تکذیب قیامت کی وجہ سے انجام ہوا دنیا میں قوم ثمود کا۔ اور ان سے پہلے جو قوم عاد گذری تھی وہ اس تکذیب کی بدولت ایک بہت ہی تند و تیز ہوا سے ہلاک ہوئے اور وہ ہوا اس قدر تند و تیز تھی کہ جس پر کسی مخلوق کا قابو نہ چلتا تھا حتیٰ کہ فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مسلط ہیں ان کے ہاتھوں سے بھی نکلی جاتی تھی۔ یہ ہوا ان پر سات رات آٹھ دن پے در پے مسلط رہی جس نے نہ کوئی درخت چھوڑا نہ مکان اور وہ قوم جو دعویٰ کرتی تھی کہ ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے وہ ہوا کا مقابلہ بھی نہ کر سکے۔ اور ایسے قد و قامت اور قوت و طاقت والے گرانڈیل پہلوان ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے اور مرے کہ جیسے کھجور کے بڑے بڑے درخت کٹے پڑے ہوں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اے مخاطب کیا کوئی ان میں کا باقی اب دکھائی دیتا ہے یعنی ان قوموں کا بیج بھی باقی نہ رہا اور اس طرح صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دی گئیں۔

اب یہاں ذکر اور انجام قیامت اور آخرت کی تکذیب کرنے والی اقوام کا بیان ہوا۔ جس سے قیامت پر ایمان رکھنے والوں کو بھی متنبہ ہونے کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید جن حقیقتوں کو ماننے، قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے کی پرزور دعوت دیتا ہے اور ان کو دنیوی زندگی کی بنیاد بنانے پر پوری شدت کے ساتھ اصرار کرتا ہے۔ اور جن کی بار بار یاد دہانی کراتا ہے ان میں توحید و رسالت کے بعد آخرت و قیامت ہی کا مسئلہ ہے۔ یہ عالم تو دارالعمل ہے۔ اور یہاں کی زندگی کے بعد دوسرا عالم دارالجزاء ہے جس کا سلسلہ موت کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور جنت یا جہنم میں پہنچ جانے تک ابدالآباد کی سرمدی اور ابدی زندگی پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور قیامت و آخرت کا عقیدہ ہی انسان کو دنیوی زندگی میں صراط مستقیم پر قائم رکھ سکتا ہے۔ اس عقیدہ سے جتنی دُنیوی زندگی میں غفلت ہوگی اتنا ہی آخرت و قیامت کے استحضار میں کمی ہوگی۔ جس کے نتیجہ میں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں پر جری اور بے باک ہوگا۔ اور خوف خدا سے دل خالی ہوگا۔ اس لئے ہم کو بھی قیامت و آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ اس پر یقین کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے قرآن کریم کی ابتداء ہی میں سورہ بقرہ میں جہاں متقین مومنین کی صفات بیان کی گئی ہیں وہاں آخرت کے متعلق وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ فرمایا گیا ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ایمان و یقین دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ ایمان کا مقابل تو تکذیب و انکار ہے۔ اور یقین کا مقابل شک و تردد ہے۔ الغرض یہاں قیامت و آخرت کی تکذیب و انکار کرنے والی اقوام کا بیان ہوا جس سے ہمارے دلوں میں بھی خوف خدا پیدا ہونا چاہیئے تاکہ آخرت کا یقین مستحضر کر کے ہم اپنی بداعمالیوں سے باز رہیں اور تقویٰ و طہارت اور آخرت کو سنوارنے والی زندگی اختیار کریں۔ اللہ پاک ہمارے دلوں سے آخرت و قیامت کی غفلت کو دور فرمائیں اور ہمہ وقت آخرت کو مستحضر رکھنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اب آگے بعض دوسری اقوام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کہ اس عقیدہ آخرت و قیامت کی تکذیب کی بدولت ان کا دنیا ہی میں کیا انجام ہوا جس کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿٩﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ

اورفرعون نے اوراس سے پہلے لوگوں نے اور اُلٹی ہوئی بستیوں نے بڑے بڑے قصور کیے سوانہوں نے اپنے رب کے رسول کا کہنا نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو

اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿١٠﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ

بہت سخت پکڑا ہم نے جبکہ پانی کی طغیانی ہوئی تم کو کشتی میں سوار کیا تاکہ ہم اس معاملہ کو تمہارے لئے ایک یادگار بنائیں

اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ

اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں۔ پھر جب صُور میں یکبارگی پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ اُٹھالئے جاویں گے۔

فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ

پھر دونوں ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے۔ تو اس روز ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جاوے گا اور وہ اس روز

وَّاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾

بالکل بودا ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر آجائیں گے۔ اور آپ کے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوں گے۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾

جس روز تم پیش کئے جاؤ گے تمہاری کوئی بات اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہ ہوگی۔

وَجَآءَ اور آیا	فِرْعَوْنُ فرعون	وَمَنْ قَبْلَهٗ اور اس کے پہلے لوگ	وَالْمُؤْتَفِكٰتُ اور اُلٹی ہوئی بستیوں والے	بِالْخَاطِئَةِ خطاؤں کے ساتھ		
فَعَصَوْا سوانہوں نے نافرمانی کی	رَسُوْلَ رَبِّهِمْ اپنے رب کے رسول کی	فَاَخَذَهُمْ تو انہیں پکڑا	اَخْذَةً گرفت	رَّابِيَةً سخت	اِنَّا لَمَّا بیشک جب	
طَغَا طغیانی پر آیا	الْمَآءُ پانی	حَمَلْنٰكُمْ ہم نے تمہیں سوار کیا	فِي الْجَارِيَةِ کشتی میں	لِنَجْعَلَهَا تاکہ ہم اسکو بنائیں	لَكُمْ تمہارے لئے	تَذْكِرَةً یادگار
وَتَعِيَهَآ اور اسے یاد رکھے	اُذُنٌ کان	وَّاعِيَةٌ یاد رکھنے والا	فَاِذَا نُفِخَ پس جب پھونکی جائیگی	فِي الصُّوْرِ صُور میں	نَفْخَةٌ پھونک	
وَّاحِدَةٌ یکبارگی	وَّحُمِلَتِ اور اُٹھائی جائیگی	الْاَرْضُ زمین	وَالْجِبَالُ اور پہاڑ	فَدُكَّتَا پس ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے	دَكَّةً ریزہ ریزہ	
وَّاحِدَةً یکبارگی	فَيَوْمَئِذٍ پس اس دن	وَّقَعَتِ ہو پڑے گی	الْوَاقِعَةُ وہ ہونے والی	وَانْشَقَّتِ اور پھٹ جائے گا	السَّمَآءُ آسمان	فَهِيَ تو وہ
يَوْمَئِذٍ اُس دن	وَّاهِيَةٌ بالکل کمزور	وَّالْمَلَكُ اور فرشتے	عَلٰى پر	اَرْجَآئِهَا اس کے کناروں	وَيَحْمِلُ اور وہ اٹھائیں گے	
عَرْشَ رَبِّكَ تمہارے رب کا عرش	فَوْقَهُمْ اپنے اوپر	يَوْمَئِذٍ اُس دن	ثَمٰنِيَةٌ آٹھ	يَوْمَئِذٍ جس دن	تُعْرَضُوْنَ تم پیش کئے جاؤ گے	
	لَا تَخْفٰى نہ پوشیدہ رہے گی	مِنْكُمْ تم سے تمہاری	خَافِيَةٌ (کوئی چیز) پوشیدہ			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں عاد وثمود کا حال بیان فرمایا گیا تھا۔ اسی سلسلہ میں اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ عاد وثمود کے بعد فرعون بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہوا آیا اور اس سے پہلے اور کئی قومیں انکار وتکذیب کا گناہ وجرم سمیٹتی ہوئی آئیں مثلاً قوم نوحؑ اور قوم شعیبؑ اور قوم لوطؑ جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں' ان سبھوں نے قیامت وآخرت کا انکار کر کے اپنے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی تھی اور خدا

کے حکم کو ٹھکرایا اور خدا سے مقابلے باندھے آخر ان سب کو خدا نے بڑی سخت پکڑ سے پکڑا اور پھر کسی کی کچھ بھی پیش نہ چلی۔ اس کے بعد حق تعالیٰ تمام انسانوں پر اپنا ایک احسان جتلاتے ہیں کہ دیکھو جب نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پانی کا طوفان آیا تو بظاہر اسباب تم انسانوں میں سے کوئی بھی نہ بچ سکتا تھا۔ یہ ہماری ہی قدرت و حکمت اور انعام و احسان تھا کہ سب منکروں کو غرق کر کے نوح علیہ السلام کو مع ان کے ساتھیوں کے بچالیا۔ بھلا ایسے ہولناک اور خطرناک طوفان میں ایک کشتی کے سلامت رہنے کی کیا توقع ہوسکتی تھی لیکن ہم نے اپنی قدرت و حکمت کا کرشمہ دکھلایا تاکہ لوگ رہتی دنیا تک اس واقعہ کو یاد رکھیں اور جو کان کوئی معقول بات سن کر سمجھتے اور محفوظ رکھتے ہیں وہ کبھی نہ بھولیں کہ اللہ کا ہم پر ایک زمانہ میں یہ احسان ہوا ہے اور سمجھیں کہ جس طرح دنیا کے ہنگاموں میں فرمانبرداروں کو نافرمانوں اور مجرموں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ یہی حال قیامت کے ہولناک حادثہ میں ہوگا۔

کفار مکہ اور دوسرے منکرین و مکذبین کو پہلے تو گذشتہ قوموں کا حال جو دنیا میں ہوا قیامت پر یقین نہ رکھنے کی وجہ سے وہ سنایا گیا۔ اب اس کے بعد آخرت کا حال سنایا جاتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ صور میں ایک پھونک ماری جائے گی جس سے کہ زمین میں زلزلہ آئے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔ بس یہی وقت ہے قیامت کے شروع ہونے کا اس وقت آسمان پھٹ جائے گا۔ آج جو آسمان اس قدر مضبوط اور محکم ہے کہ لاکھوں برس گذرنے پر بھی کہیں ذرا سا شگاف نہیں پڑا اس روز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا اور جس وقت درمیان سے پھٹنا شروع ہوگا تو فرشتے اس کے کناروں پر چلے جائیں گے۔ اس کے بعد جب کہ تمام چیزیں فنا ہوجائیں گی الا ماشاء اللہ۔ تو پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا جس کی کیفیت ۲۴ ویں پارہ سورہ زمر میں بیان ہوئی کہ تمام چیزیں دوبارہ پیدا ہوں گی مردے زندہ ہوں گے۔ عدالت کے لئے تخت رب العلمین لاکر رکھا جائے گا جس کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ عرش کو اٹھانے والے ملائکہ اب تو چار ہیں۔ قیامت کے دن ان کی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ چار فرشتے اور مقرر فرمائیں گے۔

باقی عرش رحمٰن کے متعلق کہ وہ کیا چیز ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی شکل و صورت کیسی ہے؟ فرشتوں کا اس کو اٹھائے رکھنا کس صورت سے ہے؟ یہ سب وہ امور ہیں کہ نہ عقل انسانی ان کا احاطہ کرسکتی ہے۔ نہ ان مباحث میں غور و فکر کرنے اور سوالات کرنے کی اجازت ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ تابعین۔ تبع تابعین اور سلف صالحین کا مسلک ان جیسے تمام معاملات میں یہی رہا ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے کہ اس سے جو کچھ اللہ جل شانہٗ کی مراد ہے وہ حق ہے اور اس کی حقیقت ہم کو نامعلوم ہے (معارف القرآن جلد ہشتم) آگے تمام انسانوں کو خطاب کیا جاتا ہے کہ اس دن تم سب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر کئے جاؤ گے اور کسی کی کوئی نیکی یا بدی مخفی نہ رہے گی اور سب نیکی و بدی آنکھوں کے سامنے آجائے گی اور تمہارا کوئی بھید اس روز اللہ سے چھپ نہ سکے گا۔

یہاں ان آیات میں ہمارے لئے قابل غور یہ آیت ہے:۔ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً سو انہوں نے یعنی گذشتہ نافرمان قوموں نے اپنے رب کے رسول کا کہنا نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سخت پکڑا۔ اب یہ تو ہماری انتہائی خوش نصیبی تھی کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء۔ رحمۃ للعٰلمین۔ اشرف الانبیاء والمرسلین۔ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی امت میں پیدا فرمایا اور آپ کا امتی ہونا نصیب فرمایا جس کے لئے بعض انبیاء تک نے بھی تمنا کی تھی مگر اس بدنصیبی کا کیا کہنا کہ باوجود اس شرف و عزت کے اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی امتی نے کہنا نہ مانا اور جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ آپ کی نافرمانی پر کمربستہ رہا۔ تو کیا گذشتہ نافرمان قوموں کے خلاف اللہ تعالیٰ آج کے ایسے امتی کو نظر انداز فرمائیں گے اور اس کی پکڑ نہ فرمائیں گے؟ ارے یہ بھی نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا طفیل ہے کہ جو آج اس امت کے نافرمان بن کر بھی روئے زمین پر موجود ہیں۔ اور گذشتہ نافرمان امتوں کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا نہیں دیئے جاتے۔ ورنہ وہ کونسا گناہ ہے کہ جو آج اس امت کے افراد سے سرزد نہیں ہو رہا العیاذ باللہ تعالیٰ۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ تین مرتبہ خدائے قدوس کے سامنے پیش کئے جائیں گے پہلی اور دوسری بار تو عذر و معذرت اور جھگڑا ٹنٹا کرتے رہیں گے لیکن تیسری پیشی جو آخری ہوگی اس وقت نامہ اعمال اڑائے جائیں گے کسی کے داہنے ہاتھ میں آئے گا اور کسی کے بائیں ہاتھ میں۔ چنانچہ آگے اسی کا بیان ہے کہ جن خوش نصیب لوگوں کو ان کے اعمالنامے داہنے ہاتھ میں ملیں گے ان کا کیا احوال ہوگا جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ

پھر جس شخص کا نامۂ عمل اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تو خوشی سے کہے گا کہ لو میرا نامۂ اعمال پڑھ لو۔ میرا اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا

مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾

حساب پیش آنے والا ہے غرض وہ شخص پسندیدہ عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا۔ جس کے میوے جھکے ہوں گے

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے گذشتہ ایام میں کئے ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ پس جس کو	اُوْتِيَ دیا گیا	كِتٰبَهٗ اسکی کتاب (اعمالنامہ)	بِيَمِيْنِهٖ اسکے دائیں ہاتھ میں	فَيَقُوْلُ تو وہ کہے گا	هَآؤُمُ اقْرَءُوْا لو پڑھو	
كِتٰبِيَهْ میرا اعمالنامہ	اِنِّيْ ظَنَنْتُ میں بیشک یقین رکھتا تھا	اَنِّيْ مُلٰقٍ کہ میں ملوں گا	حِسَابِيَهْ اپنے حساب سے	فَهُوَ پس وہ		
فِيْ میں	عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ پسندیدہ زندگی	فِيْ میں	جَنَّةٍ عَالِيَةٍ بہشت بریں	قُطُوْفُهَا جس کے میوے	دَانِيَةٌ قریب	كُلُوْا تم کھاؤ
	وَاشْرَبُوْا اور تم پیو	هَنِيْٓـًٔا مزے سے	بِمَآ اَسْلَفْتُمْ اسکے بدلے جو تم نے بھیجا	فِيْ میں	الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ گزرے ہوئے ایام	

تفسیر و تشریح: الغرض ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جن خوش نصیب لوگوں کو قیامت کے دن ان کے اعمالنامے ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ سعادت مند حضرات بے حد خوش ہوں گے کیونکہ یہ ناجی اور مقبول ہونے کی علامت ہوگی اور وہ جوش مسرت میں بے ساختہ ہر ایک سے کہتے پھریں گے کہ لو دیکھو یہ میرا اعمالنامہ پڑھو۔ اس کی مثال بالکل ایسی سمجھئے کہ جو طالب علم امتحان کے نتیجہ میں کامیابی کا سرٹیفکیٹ حاصل کر لیتا ہے وہ خوشی کے مارے ہر ایک کو اپنا نتیجہ کارڈ دکھلاتا پھرتا ہے۔ اسی طرح داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیئے جانے والے بڑے سرور اور خوشی سے اپنا اعمالنامہ دکھاتے ہوں گے اور یہ اس لئے کہ جو گناہ بمقتضائے بشریت ان سے دنیا میں ہوگئے تھے وہ بھی ان کی توبہ کی وجہ سے ان کے نامہ اعمال میں سے مٹا دیئے گئے ہیں۔ نہ صرف مٹا دیئے گئے ہیں بلکہ ان کی بجائے نیکیاں لکھ دی گئی ہیں۔ پس یہ سراسر نیکیوں کا اعمال نامہ پا کر فرط مسرت میں پکار اٹھے گا۔ بخاری و مسلم کی صحیح حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کس طرح مومنوں کے گناہوں کا معاملہ پردہ ہی پردہ میں ختم فرما دیں گے اور اہل محشر کے سامنے صرف نیکیوں والا ہی اعمالنامہ آئے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایمان والے اپنے بندے کو اپنی رحمت سے قریب کرے گا اور اس پر اپنا خاص پردہ ڈالے گا اور دوسروں سے اس کو پردہ میں کر لے گا پھر اس سے پوچھے گا کیا تو پہچانتا ہے فلاں گناہ۔ فلاں گناہ یعنی کیا تجھے یاد ہے کہ تو نے یہ گناہ کئے تھے؟ وہ عرض کرے گا۔ ہاں اے پروردگار مجھے یاد ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہوں کا اس سے اقرار کرا لیں گے اور وہ بندہ اپنے دل میں خیال کرے گا کہ میں تو ہلاک ہوا۔ یعنی اس کو خیال ہوگا کہ جب اتنے میرے گناہ ہیں تو اب میں کیسے چھٹکارا پا سکوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کو چھپایا تھا اور آج میں ان کو بخشتا ہوں اور معاف دیتا ہوں۔ پھر اس کا نیکیوں والا اعمال نامہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا یعنی مومنوں کے گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ پردہ ہی پردہ میں

ختم فرما دیں گے اور اہل محشر کے سامنے صرف نیکیوں سے بھرا ہوا اس کا اعمال نامہ آئے گا۔ سبحان اللہ۔ حق تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے ساتھ کیسا کرم اور پردہ پوشی کا معاملہ فرمائیں گے! آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ داہنے ہاتھ میں اعمالنامہ ملنے والا قیامت میں کہے گا کہ میں نے تو دنیا میں خیال کر رکھا تھا کہ ایک دن ضرور میرا حساب کتاب ہوگا۔ اس خیال سے میں ڈرتا رہا اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا۔ آج اس کا دل خوش کن نتیجہ دیکھ رہا ہوں کہ خدا کے فضل سے میرا حساب بالکل صاف ہے۔ ایسے شخص کی جزا ارشاد فرمائی جاتی ہے کہ اس شخص کو راحت و آرام کی زندگی اس کی مرضی کے موافق ملے گی۔ وہ بلند و بالا بہشت میں رہے گا جس کے اونچے اونچے محلات ہوں گے۔ جس کی حوریں قبول صورت اور نیک سیرت ہوں گی۔ جہاں نعمتوں کے بھرپور خزانے ہوں گے اور یہ تمام نعمتیں نہ ختم ہونے والی نہ کم ہونے والی نہ ٹلنے والی ہوں گی۔ اور منجملہ دوسری نعمتوں کے ایک نعمت یہ ہوگی کہ جنت کے درخت باوجود نہایت بلند و بزرگ اور سایہ دار ہونے کے اس قدر باشعور ہوں گے کہ جس وقت کوئی جنتی کسی میوہ یا پھل کو رغبت کی نگاہ سے دیکھے گا تو اس کی شاخ اس قدر نیچے کو جھک جائے گی کہ بغیر کسی مشقت کے وہ اس کو توڑ لے گا اور کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس حال میں خواہش ہوگی نہایت سہولت سے حاصل ہو جائیں گے۔ اور جنتیوں سے کہا جائے گا کہ دنیا میں تم نے اللہ کے واسطے اپنے نفس کی بے جا خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ اب اس جنت میں کوئی روک ٹوک نہیں۔ جتنا دل چاہے خوب کھاؤ پیو۔ نہ کمی کا ڈر نہ زوال کا کھٹکا نہ بیماری اور نقصان کا اندیشہ، نہ بدہضمی اور گرانی شکم کا خوف۔ مسلم شریف کی حدیث حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت جنت میں کھائیں گے بھی اور پئیں گے بھی لیکن نہ تو انہیں تھوک آئے گا۔ اور نہ پیشاب پاخانہ ہوگا۔ نہ ان کی ناک سے ریزش آئے گی۔ بعض صحابہ نے عرض کیا تو کھانے کا کیا ہوگا؟ یعنی جب پیشاب پاخانہ کچھ بھی نہ ہوگا تو جو کچھ کھایا جائے گا اس کا فضلہ آخر کہاں جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: کہ ڈکار اور پسینہ یعنی غذاؤں کا فضلہ خوشبودار ڈکاروں اور معطر پسینہ سے نکل جایا کرے گا۔ اور ان اہل جنت کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اس طرح جاری ہوگی جس طرح تمہارا سانس جاری رہتا ہے۔

یہ تو انجام قیامت پر ایمان رکھنے والوں کا بیان ہوا جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔ اب آگے قیامت کے منکرین جن کو ان کے اعمال نامہ پیچھے سے اور بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے ان کا احوال بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ اعمال نامہ دیکھ کر کیا کہیں گے اور کیا ان کے ساتھ معاملہ ہوگا جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمارے اعمال نامے ہمارے داہنے ہاتھوں میں دیا جانا مقدر فرمائیں۔ مولائے کریم ہمارا حساب کتاب آسان فرمائیں۔ اور ہمارے گناہوں اور عیوب کی پردہ پوشی فرمائیں۔ اور اپنی مغفرت و رحمت سے نوازیں اور بہشت بریں میں ہمارا داخلہ عطا فرمائیں اور وہاں کی لازوال اور ابدی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔ یا اللہ! آج اس دنیا میں ہمیں ان اعمال کی توفیق عطا فرما دیجئے کہ جو آپ کی رضا والے ہوں اور جن کے صلہ میں آپ اپنے کرم سے ہماری نجات و مغفرت فرمائیں اور ہمیں اپنی دائمی اور ابدی جنتوں میں داخلہ نصیب فرما دیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا

اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا۔ اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی

حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾

کہ میرا حساب کیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ موت ہی خاتمہ کر چکتی میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گزرا۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾

اس شخص کو پکڑلو اور اس کو طوق پہنادو۔ پھر دوزخ میں اس کو داخل کردو پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیائش ستر گز ہے اس کو جکڑ دو۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ

یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا۔ اور خود تو کسی کو کیا دیتا اوروں کو (بھی) غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔ سو آج اس شخص کا

هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿۳۷﴾

نہ کوئی دوستدار ہے۔ اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے بجز زخموں کے دھوون کے۔ جس کو بجز بڑے گنہگاروں کے کوئی نہ کھاوے گا۔

وَ اَمَّا اور رہا	مَنْ جو۔جس	اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ اس کا اعمالنامہ دیا گیا	بِشِمَالِهٖ اس کے بائیں ہاتھ میں	فَيَقُوْلُ تو وہ کہے گا	يٰلَيْتَنِيْ اے کاش			
لَمْ اُوْتَ مجھے نہ دیا جاتا	كِتٰبِيَهْ میرا اعمالنامہ	وَلَمْ اَدْرِ اور میں نہ جانتا	مَا حِسَابِيَهْ کیا ہے میرا حساب؟	يٰلَيْتَهَا اے کاش	كَانَتِ (موت) ہوتی			
الْقَاضِيَةَ قصہ چکا دینے والی	مَآ اَغْنٰى کام نہ آیا	عَنِّيْ میرے	مَالِيَهْ میرا مال	هَلَكَ جاتی رہی	عَنِّيْ مجھ سے	سُلْطٰنِيَهْ میری بادشاہی		
خُذُوْهُ تم اس کو پکڑو	فَغُلُّوْهُ پس اسے طوق پہناؤ	ثُمَّ پھر	الْجَحِيْمَ جہنم	صَلُّوْهُ اسے ڈالدو	ثُمَّ پھر	فِيْ سِلْسِلَةٍ ایک زنجیر میں	ذَرْعُهَا جسکی پیائش	
سَبْعُوْنَ ستر	ذِرَاعًا ہاتھ	فَاسْلُكُوْهُ پس تم اس کو جکڑ دو	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ لَا يُؤْمِنُ ایمان نہیں لاتا تھا	بِاللّٰهِ اللہ پر	الْعَظِيْمِ بزرگ و برتر		
وَ اور	لَا يَحُضُّ وہ رغبت نہ دلاتا تھا	عَلٰى پر	طَعَامِ کھلانا	الْمِسْكِيْنِ محتاج	فَلَيْسَ لَهٗ پس نہیں اس کا	الْيَوْمَ آج	هٰهُنَا یہاں	حَمِيْمٌ کوئی دوست
وَلَا طَعَامٌ اور نہ کھانا	اِلَّا مگر۔سوا	مِنْ سے	غِسْلِيْنٍ پیپ	لَا يَاْكُلُهٗ اسے نہ کھائے گا	اِلَّا سوا	الْخَاطِئُوْنَ خطا کاروں		

تفسیر وتشریح: قیامت میں اعمالنامہ جس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ جو علامت ہوگی مجرم ہونے کی۔ ایسے ہی لوگوں کا حال ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ جس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ سمجھ لے گا کہ میری کم بختی آئی اور نہایت حسرت وافسوس سے کہے گا کہ کاش میرے ہاتھ میں اعمالنامہ نہ دیا جاتا۔ اور کاش کہ مجھے اپنے حساب کتاب کی خبر ہی نہ ہوتی۔ کاش کہ وہی موت جو مجھے دنیا میں آئی تھی میرا قصہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتی اور مرنے کے بعد میں دوبارہ زندہ ہی نہ ہوا ہوتا اور مجھے اٹھنا نصیب نہ ہوتا۔ یہ شخص اسی طرح حسرت وافسوس کے ساتھ پریشان و پشیمان ہو گا کہ بارگاہ الٰہی سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے پکڑو۔ طوق گلے میں ڈالو اور جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دو اور اس زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اسے جکڑ دو تا کہ ہل جل نہ سکے اور بے بس ہو کر پڑا رہے اور جلا کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان سب آزار جہنم سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھیں۔ آمین۔ علامہ ابن کثیرؒ نے یہاں روایات نقل کی

ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سنتے ہی کہ اسے پکڑو ستر ہزار فرشتے اس کی طرف لپکیں گے جن میں سے ایک فرشتہ کو بھی اس طرح اللہ حکم کرے تو ایک چھوڑ ستر ستر ۷۰ ہزار لوگوں کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دے۔ (العیاذ باللہ) تو فرشتے اس کی طرف غصہ سے دوڑیں گے جن میں کا ہر ایک سبقت کر کے چاہے گا کہ میں اسے طوق پہناؤں اور زنجیر میں جکڑوں اور جہنم کی آگ میں غوطہ دوں۔ یہاں آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ اس کو ستر ۷۰ گز کی زنجیر میں جکڑ دو تو اس سے دنیا کا گز جو ۳۶ انچ یا تین فٹ کا ہوتا ہے وہ مراد نہیں بلکہ آخرت کا گز جو فرشتوں کے عرف میں رائج اور مشہور ہے وہ مراد ہے جس کی لمبائی چوڑائی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ۷۰ گز سے تعداد مقصود نہیں۔ بلکہ کثرت طول مراد ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ یہ زنجیر اس کے جسم میں پرو دی جائے گی۔ پاخانہ کے راستہ سے ڈالی جائے گی اور منہ کے راستہ سے نکالی جائے گی اور اس طرح آگ میں بھونا جائے گا جیسے سیخ میں کباب (العیاذ باللہ تعالیٰ) آگے ان جہنمیوں کا اصل جرم بیان کیا جاتا ہے کہ جس کے سبب وہ ان مصائب میں گرفتار ہوئے اور وہ یہ کہ انہوں نے دنیا میں رہ کر نہ اللہ کو جانا اور نہ بندوں کے حقوق پہچانے۔ خدا کا حق تو مخلوق پر یہ ہے کہ اس کی توحید کو مانیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس کی اطاعت وفرمانبرداری بجالائیں اور بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر حق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے احسان وسلوک سے پیش آئیں۔ بھلے اور نیک کاموں میں ایک دوسرے کو امداد پہنچائے۔ تو ایک جرم تو اس جہنمی کا یہ تھا کہ اس خدائے بزرگ و برتر پر جس طرح ایمان لانا چاہئے تھا اس طرح ایمان نہ لایا۔ توحید وایمان کی روشنی نصیب نہ ہوئی۔ نہ خدا کی اطاعت وعبادت کی' دوسرا جرم نہ مخلوق خدا کے حق ادا کر کے اسے نفع پہنچایا۔ کسی غریب مسکین کی خدمت خود تو کیا کرتا دوسروں کو بھی اس کی صلاح وترغیب نہ دی۔ خلاصہ یہ کہ دنیا میں اللہ کے حق اور بندوں کے حق دونوں کو بھولا ہوا تھا اور دونوں یعنی حقوق اللہ وحقوق العباد کا تارک ومنکر تھا۔ آگے بتایا جاتا ہے کہ جب اس نے دنیا میں اللہ کو دوست نہ بنایا تو آج اس کا دوست کون بن سکتا ہے جو حمایت کر کے عذاب سے بچائے یا کوئی تسلی کی بات کرے یا سفارش کر کے عذاب میں کمی اور تخفیف کرائے۔ اگر دنیا میں اللہ بزرگ و برتر کو مانتا تو آج وہ اس پر رحم فرماتا اور اگر دنیا میں اس نے کسی محتاج کو کھانا کھلایا پلایا ہوتا تو آج اسے کھانے پینے کی نعمتیں ملتیں۔ اب اس کے کھانے کو کچھ نہیں بجز غسلین کے۔ غسلین کے کئی معنی مفسرین نے لکھے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ غسلین جہنم کا ایک درخت ہے اور ممکن ہے اسی کا دوسرا نام زقوم ہو۔ ایک معنی یہ لئے ہیں کہ جہنمیوں کے زخم سے جو پیپ ولہو بہے گا وہ غسلین ہے۔ بہر حال ان کافروں و مجرموں کو جہنم میں غذا ملے گی تو وہ بھی اتنی نفرت انگیز اور گندی کہ جس کو بجز بڑے گناہگاروں کے کوئی نہ کھاوے گا۔

یہاں ان آیات میں اہل جہنم کے جو دو جرم بتائے گئے لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ اور وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ یعنی خدائے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا اور مسکین یعنی غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا اس سے متعلق حضرت ابودرداءؓ انصاریوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جلیل القدر اور محبوب صحابی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا کہ ابودرداءؓ میری امت کا حکیم ہے۔ تو حضرت ابودرداءؓ سے منقول ہے کہ آپ اپنی بی بی سے کہا کرتے کہ شوربا سالن میں زیادہ کیا کروتا کہ غرباء مساکین کے کام آوے۔ ان کی بی بی نے پوچھا کہ شوربے کے زیادہ کرنے میں کیا فائدہ ہے اس واسطے کہ کھانے میں لذت نہیں رہتی۔ تو آپ نے کہا کہ تم نے نہیں سنا کہ ایمان نہ لانے اور مسکینوں کو کھانا نہ کھلانے کے سبب سے کافروں کو آگ کی زنجیروں میں جکڑ کے عذاب کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایمان لانے کے سبب سے ہم نے آدھی اس زنجیر کو اپنے سے کاٹ ڈالا ہے اور آدھی جو باقی ہے وہ بھی مسکینوں کو کھلانے کے سبب سے اپنے سے دور کئے دیتے ہیں۔

الغرض اوپر جو کچھ اصول قیامت' حساب کتاب' جزاوسزا' جنت وجہنم عذاب وثواب قرآن کریم نے بتلایا آگے اس کی صداقت اور قرآن کی حقانیت ارشاد فرمائی جاتی ہے۔ تاکہ اس کے یقین کرنے میں کسی کو شک و شبہ نہ رہے۔ جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ

پھر میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو۔ اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے۔ کہ یہ قرآن (اللہ) کا کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا۔ اور یہ

بِقَوۡلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾ تَنۡزِيۡلٌ

کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔ اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے۔ تم بہت کم سمجھتے ہو۔

مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ﴿۴۵﴾

رب العلمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ اور اگر یہ (پیغمبر) ہمارے ذمہ کچھ (جھوٹی) باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے

ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِيۡنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذۡكِرَةٌ

پھر ہم اُن کی رگِ دل کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا۔ اور بلاشبہ یہ قرآن متقیوں کیلئے

لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعۡلَمُ اَنَّ مِنۡكُمۡ مُّكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسۡرَةٌ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ

نصیحت ہے۔ اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعضے تکذیب کرنے والے بھی ہیں۔ اور یہ قرآن کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے۔ اور یہ قرآن تحقیق

لَحَقُّ الۡيَقِيۡنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۵۲﴾

یقینی بات ہے سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔

فَلَآ اُقۡسِمُ پس میں قسم کھاتا ہوں	بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ اس کی جو تم دیکھتے ہو	وَمَا اور جو	لَا تُبۡصِرُوۡنَ تم نہیں دیکھتے	اِنَّهٗ بیشک یہ	لَقَوۡلُ البتہ کلام			
رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ایک بزرگ پہنچانے والے (فرشتہ) کا	وَمَا هُوَ اور یہ نہیں	بِقَوۡلِ شَاعِرٍ کسی شاعر کا کلام	قَلِيۡلًا بہت کم	مَا تُؤۡمِنُوۡنَ تم ایمان لاتے ہو				
وَلَا بِقَوۡلِ اور نہ قول ہے	كَاهِنٍ کسی کاہن	قَلِيۡلًا بہت کم	مَا تَذَكَّرُوۡنَ تم نصیحت پکڑتے ہو	تَنۡزِيۡلٌ اُتارا ہوا	مِنۡ سے			
رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ تمام جہانوں کا رب	وَلَوۡ اور اگر	تَقَوَّلَ بنا کر لاتا	عَلَيۡنَا ہم پر	بَعۡضَ بعض۔ کچھ	الۡاَقَاوِيۡلِ باتیں (جمع قول)	لَاَخَذۡنَا تو یقیناً ہم پکڑ لیتے		
مِنۡهُ اس کا	بِالۡيَمِيۡنِ دایاں ہاتھ	ثُمَّ پھر	لَقَطَعۡنَا ہم البتہ کاٹ دیتے	مِنۡهُ اس کی	الۡوَتِيۡنَ رگ (گردن)	فَمَا سو نہیں	مِنۡكُمۡ تم میں سے	مِنۡ اَحَدٍ کوئی
عَنۡهُ اس سے	حٰجِزِيۡنَ روکنے والا	وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ	لَتَذۡكِرَةٌ البتہ ایک نصیحت	لِّلۡمُتَّقِيۡنَ پرہیزگاروں کیلئے	وَاِنَّا لَنَعۡلَمُ اور بیشک ہم البتہ جانتے ہیں			
اَنَّ کہ	مِنۡكُمۡ تم میں سے	مُّكَذِّبِيۡنَ جھٹلانے والے	وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ	لَحَسۡرَةٌ حسرت	عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ کافروں پر	وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ		
لَحَقُّ الۡيَقِيۡنِ یقینی حق	فَسَبِّحۡ پس تم پاکیزگی بیان کرو	بِاسۡمِ نام کے ساتھ۔ کی	رَبِّكَ اپنے رب	الۡعَظِيۡمِ عظمت والے				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتایا جاتا ہے کہ جو کچھ قیامت میں جزا وسزا اور جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہوا یہ کوئی شاعری نہیں۔ نہ کاہنوں کی اٹکل پچو باتیں ہیں، بلکہ یہ قرآن ہے۔ اللہ کا کلام ہے جس کو ایک بزرگ فرشتہ لے کر ایک بزرگ پیغمبر پر اترا۔ جو آسمان سے لایا وہ اور جس نے زمین والوں کو پہنچایا دونوں رسول کریم ہیں۔ ایک کو تم دیکھتے ہو ایک کو نہیں دیکھتے اور کلام کو پرزور بنانے کے لئے حق تعالےٰ نے یہ قسم کھا کر فرمایا کہ

میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے یعنی تمام مخلوق کی قسم ہے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس قسم کو یہاں مضمون سے ایک خاص مناسبت ہے کہ قرآن کریم کے لانے والے یعنی حضرت جبرئیل نظر نہ آتے تھے اور جن پر قرآن آتا تھا یعنی محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ نظر آتے تھے۔ کفار مکہ قرآن کریم کی زبان اور اس کی فصاحت و بلاغت۔ اور اس کے مضامین پر متعجب ہو کر کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر الزام لگاتے کہ معاذ اللہ یہ شاعر ہیں اور کبھی واقعات گذشتہ اور آئندہ کی خبریں سن کر کہتے کہ معاذ اللہ آپ کاہن ہیں۔ کاہن عرب میں وہ لوگ تھے جو جنات وشیاطین سے تعلق یا مناسبت رکھتے تھے۔ اور وہ ان لوگوں کو غیب کی بعض جزئی باتیں اور آئندہ کی خبریں بتاتے تھے۔ تو کفار کے ان الزامات کی تردید میں فرمایا گیا کہ یہ قرآن کسی شاعر کا کلام نہیں۔ بھلا شاعری کو قرآن سے کیا نسبت۔ شاعروں کا کلام اکثر بے اصل ہوتا ہے اور اس کے اکثر مضامین محض فرضی اور وہمی اور خیالی ہوتے ہیں جبکہ قرآن کریم میں تمام تر حقائق ثابتہ اور اصول محکمہ کو قطعی دلیلوں اور یقینی حجتوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ پھر یہ کسی کاہن کا بھی کلام نہیں۔ کاہنوں کے کلام بے کار اور بے فائدہ ہوتے ہیں اور اس کلام ربانی میں ایک حرف یا ایک شوشہ بھی بے کار و بے فائدہ نہیں۔ پھر کاہنوں کی باتیں چند مبہم جزئی اور معمولی خبروں پر مشتمل ہوتی ہیں بخلاف قرآن کریم کے جو علوم حقائق پر مطلع کرتا ہے۔ دین و شریعت کے اصول وقوانین اور معاش و معاد کے دستور و آئین بتاتا ہے اور فرشتوں اور آسمانوں پر چھپے ہوئے بھیدوں پر آگاہی دیتا ہے اور گذشتہ و آئندہ کے واقعات کو تحقیق کے ساتھ بیان کرتا ہے کیونکہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اسی لئے سارے جہان کی تربیت کے اعلیٰ اور محکم ترین اصول اس میں بیان ہوئے ہیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپؐ کے پاس کیا دیکھا کہ آپ مسجد حرام میں پہنچ گئے ہیں۔ میں بھی گیا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے سورہ حاقہ پڑھنا شروع کی جسے سن کر مجھے اس کی پیاری نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا آخر میں میرے دل میں خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے۔ ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ یعنی یہ قرآن کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے تم بہت کم ایمان لاتے ہو تو میں نے یہ سن کر خیال کیا اچھا شاعر نہ سہی کاہن تو ضرور ہیں۔ اس پر آپ کی تلاوت میں یہ آیت آئی وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ کہ یہ کسی کاہن کا کلام نہیں ہے تم بہت کم سمجھتے ہو۔ آپ پڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ پوری سورت ختم کی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں اسلام گھر کر گیا اور رونگٹے رونگٹے میں اسلام کی سچائی سما گئی۔ تو یہ واقعہ بھی منجملہ ان اسباب کے جو حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا باعث ہوئے ایک خاص سبب ہے۔ آگے کفار کے اس الزام کی تردید میں کہ یہ کلام معاذ اللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے فرمان باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اگر یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ذمہ کچھ جھوٹی باتیں لگا دیتے مثلاً جو ہمارا کلام نہ ہوتا اس کو ہمارا کلام کہتے یا جھوٹا دعویٰ نبوت کا کرتے تو یقیناً ہم انہیں سزا دیتے اور ان کی زندگی کی رگ دل کاٹ دیتے اور کوئی ہمارے اور ان کے درمیان بھی نہ آسکتا تھا کہ سزا سے بچالے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جب ایسا نہیں ہوا تو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سچے پاکباز رشد و ہدایت والے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زبردست تبلیغی فریضہ آپ کو سونپ رکھا ہے اور آپ کے صدق کی بہت سی نشانیاں آپ کو عطا کر رکھی ہیں۔ اخیر میں فرمایا گیا کہ خدا سے ڈرنے والے اس کلام کو سن کر نصیحت حاصل کریں گے اور جن کے دل میں ڈر ہی نہیں وہ جھٹلائیں گے لیکن ایک وقت آنے والا ہے کہ یہی کلام اور منکرین کا یہ جھٹلانا ان کے لئے سخت حسرت و پشیمانی کا موجب ہوگا۔ اس وقت پچھتائیں گے کہ افسوس ہم نے کیوں اس سچے کلام کو جھٹلایا تھا جو آج یہ آفت دیکھنی پڑی تو حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام تو ایسی چیز ہے۔ جس پر یقین سے بھی بڑھ کر یقین رکھا جائے کیونکہ اس کے مضامین سرتاپا صدق اور ہر طرح کے شک

وشبہ سے بالاتر ہیں۔ سورت کے خاتمہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی بڑی دولت دی ہے تو آپ اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح وتحمید کیجئے۔

حدیث میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت: ۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو یعنی اس حکم کی تعمیل میں **سبحان ربی العظیم** رکوع میں کہا کرو پھر جب آیت **سبح اسم ربک الاعلیٰ** کا نزول ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے سجدہ میں رکھو یعنی اس کی تعمیل میں سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ** کہا کرو۔

اب غور کیجئے کہ یہاں قسمیہ کلام کیساتھ حق تعالیٰ فرمارہے ہیں۔ تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِينَ کہ یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ گویا اس کے پند ونصائح' اوامر ونواہی' جزا وسزا' عذاب وثواب جو کچھ اس قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے وہ ارشاد خداوندی ہے۔ اور چونکہ حق تعالیٰ عالم الغیب بھی ہیں اس لئے نزول قرآن کیساتھ ہی دنیا والوں پر اس قرآن کا جو نتیجہ اور اثر ہوگا وہ بھی بتا دیا گیا یعنی وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ بلاشبہ یہ قرآن متقیوں کیلئے نصیحت ہے۔ یعنی اس قرآن سے فائدہ اور اس سے نصیحت حاصل کرنیوالے متقین ہی ہوں گے اور فرمایا وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِينَ اور یہ قرآن کافروں یعنی منکروں کے حق میں موجب حسرت ہے۔ یعنی دنیا میں ایک گروہ اس قرآن کا منکر بھی رہے گا جس کی وجہ سے ان کو آخرت میں حسرت و افسوس نصیب ہوگا۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک دنیا میں قرآن موجود ہے اس سے نصیحت حاصل کرنے والے بھی موجود رہیں گے اور اس کے منکر بھی موجود رہیں گے۔ اب یہاں ہر شخص فیصلہ کرلے کہ مجھے کس گروہ میں شامل ہونا منظور ہے۔ اگر متقین کے گروہ میں شامل ہونا ہے تو متقین کے عقائد واعمال اختیار کرنا ہوں گے اور سارا قرآن عقائد واعمال ہی کی درستی ورہنمائی کے لئے ہے۔ پس جو رب العالمین کی چاہت اور محبت چاہتا ہو اس کو رب العالمین کے کلام قرآن کریم پر حقیقی طور سے ایمان لاکر اس کا سچا وفادار۔ اس کے احکام پر عامل اور اس کے نواہی سے باز رہنے والا اور اس کی تعلیمات وہدایات کو پھیلانے اور رائج کرنے والا بننا ہوگا اور اسی طرح اور صرف اسی طرح متقین کے گروہ میں شامل ہوا جاسکتا ہے۔ اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے ہمارے حق میں متقین کے گروہ میں شامل ہونا مقدر فرمائیں۔

الحمد للہ کہ اس درس پر سورہ الحآقۃ کا بیان پورا ہوگیا۔ اگلی سورت کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں شروع ہوگا۔

سورۃ الحاقہ

۱- اگر کسی خاتون کا حمل ساقط ہو جاتا ہو تو حمل کے دوران سورۃ الحاقہ لکھ کر اس کو پہنائی جائے' اس کا حمل محفوظ رہے گا۔

۲- بچہ کی پیدائش ہوتے ہی اسے سورۃ الحاقہ سے دم کیا ہوا پانی پلادیا جائے تو وہ بچہ بہت ذہین ہوگا اور بچوں کو پہنچنے والی ہر تکلیف وبیماری سے محفوظ رہے گا۔

۳- اگر بچہ کے بارے میں حشرات الارض کے تکلیف پہنچانے کا خطرہ ہو تو زیتون کے تیل پر سورۃ الحاقہ پڑھ کر اس تیل سے بچہ کی مالش کی جائے' اللہ کے فضل سے کوئی کیڑا مکوڑہ وغیرہ بچہ کے پاس نہیں آئے گا۔

۴- بچہ کے جسم میں درد کی شکایت ہو تو زیتون کے تیل پر سورۃ الحاقہ پڑھ کر اس تیل سے بچہ کے جسم کی مالش کی جائے۔

دعا کیجئے: یا اللہ! آپ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ آپ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو یہ قرآن عطا فرمایا۔ اور اس پر ہم کو ایمان کی توفیق نصیب فرمائی۔ یا اللہ! اس سرچشمہ ہدایت سے ہم کو نصیحت حاصل کرنے والا بنا دیجئے اور اس کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرمائیے۔ یا اللہ! قرآن پاک کی عزت وعظمت کی طرف سے ہماری آنکھیں کھول دے اور اس کا متبع بن کر زندہ رہنا نصیب فرما دے۔ اور اس کے احکام کی خلاف ورزی ونافرمانی سے عملی طور پر بچالے آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾

ایک درخواست کرنے والا اس عذاب کی درخواست کرتا ہے جو کافروں پر واقع ہونیوالا ہے۔ جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ اور جو اللہ کی طرف سے واقع ہوگا جو کہ سیڑھیوں (یعنی آسمانوں کا)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾

مالک ہے۔ (جن سیڑھیوں سے) فرشتے اور روحیں اسکے پاس چڑھ کر جاتی ہیں۔ (اور وہ عذاب) ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال کی (برابر) ہے۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾

سو آپ صبر کیجئے اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو۔

سَاَلَ مانگا	سَآئِلٌ ایک مانگنے والا	بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ عذاب واقع ہونے والا	لِّلْكٰفِرِيْنَ کافروں کیلئے	لَيْسَ لَهٗ نہیں اس کیلئے	دَافِعٌ کوئی دفع کرنیوالا
مِّنَ اللّٰهِ اللہ کی طرف سے	ذِي الْمَعَارِجِ سیڑھیوں (درجات) کا مالک	تَعْرُجُ چڑھتے ہیں	الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے	وَالرُّوْحُ اور روح الامین	اِلَيْهِ اسکی طرف
فِيْ يَوْمٍ ایک دن میں	كَانَ مِقْدَارُهٗ جس کی مقدار ہے	خَمْسِيْنَ اَلْفَ پچاس ہزار	سَنَةٍ سال	فَاصْبِرْ پس آپ صبر کریں	صَبْرًا جَمِيْلًا صبر جمیل

تفسیر و تشریح: کفار مکہ کو جب قرآنی آیات سنائی جاتیں اور قیامت کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو وہ از راہ تمسخر اور طنز کہتے کہ عذاب آنا ہے تو ابھی کیوں نہیں آ جاتا؟ نضر بن حارث جو مکہ کا ایک کافر تھا اس نے یہی سوال کیا تھا۔ جس کو یہاں آیت میں سائل کہا گیا ہے اس کا نام نہیں لیا گیا کیونکہ قرآن کریم کی عادت نہیں کہ عیوب اور برائی بیان کرنے میں کسی کا نام لیا جائے اور اس میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ نام لینے میں ایک شخص کا تعین ہو جاتا اور اب تعمیم ہے کہ جو بھی اپنی حماقت سے ایسی بات کا خواستگار ہو وہ اس آیت کا مصداق سمجھا جائے گا۔ تو اس کافر نضر بن حارث نے اپنی انتہائی حماقت یا شوخ چشمی سے مطالبہ کیا کہ جس عذاب کا وعدہ ہے وہ جلد کیوں نہیں آتا۔ اس پر فرمایا گیا کہ یہ منکرین عذاب مانگنے والے ایک ایسی آفت مانگ رہے ہیں جو بالیقین ان پر پڑنے والی ہے۔ کسی کے ٹالے اور روکے رک نہیں سکتی۔ وہ عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا جو کہ سیڑھیوں کا یعنی آسمانوں کا مالک ہے۔ جن سیڑھیوں سے فرشتے

اور اہل ایمان کی روحیں عالم بالا میں چڑھ کر جاتی ہیں اور وہ عذاب ایسے دن میں واقع ہوگا جس کی مقدار دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ مراد قیامت کا دن ہے۔ قیامت کے دن کی اتنی طویل مدت دنیا کے مقدار کے حساب سے کافروں ہی کو معلوم ہوگی۔ رہے اہل ایمان جن کی شان میں بار بار لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی بشارت قرآن کریم میں دی گئی ہے۔ حسب تصریح احادیث یوم حشر ان کے لئے بالکل ہلکا پھلکا ہو جائے گا۔ ایک صحیح حدیث میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے اس آیت کے سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دن تو بہت بڑا ہوگا۔ اتنی مدت خوف اور بے چینی اور بے قراری میں گزارنا اور بغیر ٹھکانے کے رہنا نہایت مشکل ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ ایماندار آدمی کو وہ دن ایسا چھوٹا معلوم ہوگا جتنی دیر میں ایک فرض نماز کی ادائیگی دنیا میں کرتا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ

سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ وہ دن مومنین کے لئے اتنا ہلکا ہوگا جتنا وقت ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے تو ان روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ جس دن کا طول کفار کو پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا مومنین کے لئے کتنا مختصر ہوگا۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے فوائد تفسیر یہ میں لکھتے ہیں کہ پچاس ہزار برس کا دن جو قیامت کا ہے وہ پہلی مرتبہ صور پھونکنے کے وقت سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور جہنمیوں کے جہنم میں قرار پکڑنے تک پچاس ہزار سال کی مدت ہوگی لیکن حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق ایماندار آدمی کو اتنا لمبا زمانہ ایسا چھوٹا معلوم ہوگا جتنی دیر میں ایک نماز فرض ادا کر لینا۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جب ان کفار پر عذاب کا آنا ثابت ہے تو آپ ان کی مخالفت پر اور ان کے عذاب کے مانگنے کی جلدی پر جسے وہ اپنے نزدیک نہ آنے والا جانتے ہیں۔ آپ صبر وسہار کریں۔ اور صبر بھی ایسا کہ جس میں رنجیدگی' دل کی گھبراہٹ نہ پائی جائے یعنی ان کی تکذیب ومخالفت سے آپ ایسے تنگ نہ ہوں کہ شکایت زبان پر آجائے بلکہ یہ سمجھ کر تحمل کیجئے کہ بالآخر ان کو سزا ہونے والی ہے۔

اب غور کیجئے کہ حدیث شریف کی بشارت کے موافق جو دن اور زمانہ کہ کفار کیلئے شدت تکلیف اور بے چینی سے پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا وہ مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کتنا ہلکا پھلکا بنا دینگے کہ جسطرح پل صراط کہ جو دوزخ کے اوپر ہے کہ جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور جس پر گزر کر جنت میں جانا ہوگا تو یہ پل صراط پندرہ ہزار سال کی مسافت میں ہے جن میں پانچ ہزار سال تو اوپر چڑھنے کے ہیں اور پانچ ہزار سال بیچ میں چلنے کے اور پانچ ہزار سال اترنے کے ہیں۔ لیکن پندرہ ہزار سال کی پل صراط کی مسافت کو بعض مومنین کاملین تو بجلی کی چمک کی طرح۔ بعض ان سے کم درجہ کے مؤمنین ہوا کی طرح۔ اور ان سے بھی کم درجہ کے مومنین گھوڑے کی رفتار کی طرح۔ اور بعض ان سے بھی کم درجہ کے مومنین اونٹ کی رفتار کی طرح۔ اور بعض معمولی رفتار کے ساتھ پل صراط سے گزر جائیں گے اور بعض نہایت محنت ومشقت کے ساتھ پل پر چلیں گے اور بعض اس پل صراط کو پار کرتے ہوئے دوزخ میں جاگریں گے۔ تو حقیقت میں جتنا قوی' خالص اور پختہ ایمان کسی کا ہوگا اسی قدر عالم برزخ میں موت کے بعد۔ اور پھر عالم آخرت میں دوبارہ زندہ ہونے کے بعد راحت' چین' سکون نصیب ہوگا۔ اور جیسا ایمان کمزور ناقص اور خراب ہوگا اسی قدر عالم برزخ میں اور عالم آخرت میں شدائد سامنے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو ایمان صادق واسلام کامل اس دنیا میں عطا فرمائیں تا کہ اس جہان سے کوچ کرتے ہی ہمیں چین وسکون۔ راحت و آرام ہی نصیب ہو۔ اور آخرت کی تمام منزلیں جنت کے پہنچنے تک ہمارے لئے آسان اور ہلکی پھلکی ہوں۔

اب آگے اس قیامت کے دن کا کچھ احوال بیان فرمایا جاتا ہے کہ وہ کیسا سخت دن ہوگا اور مجرم اس روز کیا تمنا کرے گا۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:

حق تعالیٰ ہمارے لئے یوم قیامت کو آسان اور ہلکا پھلکا بنا دیں اور وہاں کی ذلت ورسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھیں۔ اور وہاں کی سختیوں اور عذابوں سے اور اپنی ناراضگی سے ہم کو بچا لیں۔

یا اللہ! آپ ہم سے اس دنیا میں بھی راضی رہیں اور آخرت میں بھی آپ کی رضا ہم کو نصیب ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝٦ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۝٧ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ۝٨ وَتَكُونُ الْجِبَالُ

یہ لوگ اُس دن کو بعید دیکھ رہے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں جس دن کہ آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جاوے گا۔ اور پہاڑ رنگین اُون کی طرح

كَالْعِهْنِ ۝٩ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۝١٠ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ

ہو جاویں گے۔ اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا باوجودیکہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جاوینگے۔ مُجرم (یعنی کافر) اس بات کی تمنا کرے گا کہ

عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ۝١١ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۝١٢ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ۝١٣ وَمَنْ فِي

اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کیلئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا۔ اور تمام اہلِ زمین کو

الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ۝١٤ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ۝١٥ نَزَّاعَةً لِلشَّوَىٰ ۝١٦ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ

اپنے فدیہ میں دےدے پھر یہ اسکو بچالے یہ ہرگز نہ ہوگا (بلکہ) وہ آگ ایسی شعلہ زن ہوگی جو کھال (تک) اُتار دے گی وہ اس شخص کو (خود) بلاویگی جس نے (دنیا میں حق سے)

وَتَوَلَّىٰ ۝١٧ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ۝١٨ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝١٩ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝٢٠

پیٹھ پھیری ہوگی اور (اطاعت سے) بیرخی کی ہوگی اور جمع کیا ہوگا پھر اسکو اُٹھا اُٹھا رکھا ہوگا۔ انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے۔ جب اسکو تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے۔

وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝٢١

اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔

إِنَّهُمْ بیشک وہ	يَرَوْنَهُ اسے دیکھ رہے ہیں	بَعِيدًا دور	وَنَرَاهُ اور ہم اسے دیکھتے ہیں	قَرِيبًا قریب	يَوْمَ تَكُونُ جس دن ہوگا	السَّمَاءُ آسمان	
كَالْمُهْلِ پگھلے ہوئے تانبے کیطرح	وَتَكُونُ اور ہونگے	الْجِبَالُ پہاڑ	كَالْعِهْنِ جیسے رنگین اُون	وَلَا يَسْأَلُ اور نہ پوچھے گا	حَمِيمٌ کوئی دوست		
حَمِيمًا کسی دوست	يُبَصَّرُونَهُمْ وہ دیکھ رہے ہونگے انہیں	يَوَدُّ خواہش کریگا	الْمُجْرِمُ مجرم	لَوْ يَفْتَدِي کاش وہ فدیہ میں دے دے			
مِنْ عَذَابِ عذاب سے	يَوْمِئِذٍ اس دن	بِبَنِيهِ اپنے بیٹوں کو	وَصَاحِبَتِهِ اور اپنی بیوی کو	وَأَخِيهِ اور اپنے بھائی کو	وَفَصِيلَتِهِ اور اپنے کنبے کو		
الَّتِي وہ جو	تُؤْوِيهِ اس کو جگہ دیتا ہے	وَمَنْ اور جو	فِي الْأَرْضِ زمین میں	جَمِيعًا سب کو	ثُمَّ پھر	يُنْجِيهِ یہ اسے بچالے	كَلَّا ہرگز نہیں
إِنَّهَا بیشک یہ	لَظَىٰ بھڑکتی ہوئی آگ	نَزَّاعَةً اُدھیڑنے والی	لِلشَّوَىٰ کھال کو	تَدْعُو وہ بلاتی ہے	مَنْ جس نے	أَدْبَرَ پیٹھ پھیری	
وَتَوَلَّىٰ اور منہ پھیرلیا	وَجَمَعَ اور (مال) جمع کیا	فَأَوْعَىٰ پھر اسے بند رکھا	إِنَّ الْإِنْسَانَ بے شک انسان	خُلِقَ پیدا کیا گیا	هَلُوعًا بڑا بے صبرا		
إِذَا جب	مَسَّهُ الشَّرُّ اُسے بُرائی پہنچے	جَزُوعًا گھبرا اُٹھنے والا	وَإِذَا اور جب	مَسَّهُ الْخَيْرُ اسے خیر (آرائش) پہنچے	مَنُوعًا بخل کرنیوالا		

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کافر اپنے خیال میں قیامت کے آنے کو بعید از امکان اور بعید از عقل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عقل اسے تسلیم نہیں کرتی۔ بھلا قیامت کہاں رکھی ہے؟ لیکن حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم بوجہ اپنے علم کے اس کے وقوع کو اس قدر قریب دیکھ رہے ہیں کہ گویا آئی رکھی ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت واقع ہوگی تو اس وقت یہ حال ہوگا کہ یہ آسمان ایسا ہو جائے گا جیسے تیل کی تلچھٹ یعنی آسمان سیاہ ہو جاوے گا اور پھٹ بھی جاوے گا اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جاویں گے۔ چونکہ پہاڑوں

کے رنگ مختلف ہیں جب ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑیں گے تو ایسا معلوم ہو گا کہ رنگین اون ہوا میں اڑ رہی ہے یہ تو پہلی مرتبہ کے صور پھونکنے پر حال ہو گا۔ پھر جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا اور سب از سر نو زندہ اور پیدا کئے جائیں گے تو دوست اپنے گہرے دوست کو بھی نہیں پوچھے گا۔ ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور سب نظروں کے سامنے ہوں گے مگر اپنی مصیبت میں ایسا مشغول ہو گا کہ دوسرے کو پوچھ نہ سکے گا۔ اور یہ بات مجرموں یعنی کفار و مشرکین کے ساتھ مخصوص ہو گی۔ رہے مومن وہ تو اپنے دوستوں کی خبر گیری کریں گے اور ان کے لئے شفاعت بھی کرینگے جیسا کہ بکثرت احادیث یہ ثابت کرتی ہیں۔ اور مجرموں کا ایک دوسرے کو پوچھنا تو درکنار اس روز تو ہر مجرم یعنی مشرک و کافر اس بات کی تمنا اور آرزو کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنی اولاد اور بیوی اور بھائی اور کنبہ‘ قبیلہ بلکہ ساری دنیا کو بدلہ میں دے کر اپنی جان عذاب سے بچا لے مگر یہ ممکن نہ ہو گا اور اسے عذاب سے نجات نہ ملے گی اور وہ آگ کے تیز شعلوں میں پھینکا جائے گا جو جلا کر کھال تک اتار دے گی اور اس روز جہنم کی یہ کیفیت ہو گی کہ وہ خود آواز دے کر اس شخص کو بلاوے گی جس نے دنیا میں حق کی طرف سے منہ موڑ رکھا تھا اور اطاعت و عمل صالح سے بے رخی کی تھی اور دوسروں کا حق مار مار کر براہ حرص مال کے جمع کرنے اور سمیٹنے میں لگا رہتا تھا۔ اور وہ سب جہنم کی طرف کھنچے چلے آویں گے۔ بعض آثار میں ہے کہ جہنم اول زبان قال سے پکارے گی کہ او کافر۔ او منافق۔ او مال سمیٹ کر رکھنے والے ادھر آ۔ لوگ ادھر ادھر بھاگیں گے لیکن ایک بہت لمبی گردن نکلے گی جو کفار کو چن چن کر اس طرح اٹھا لے گی جیسے جانور زمین سے دانہ اٹھا لیتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) آخر میں اس کافر انسان کی سرشت بتلائی جاتی ہے کہ جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو سخت گھبرا جانے اور ہائے واویلا کرنے والا ہو جاتا ہے کہ اس وقت جو کچھ اس سے مانگو سب کچھ دینے کو تیار ہوتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے کہ کسی کو کوڑی نہ دے جیسا کہ مجرم مذکور کی حالت سے معلوم ہو چکا کہ وہ دنیا میں کسی کو کچھ دینا پسند نہ کرتا تھا اور آخرت میں عذاب دیکھ کر سب کچھ دینے کو تیار ہو جائے گا۔

اب یہاں منکرین قیامت یعنی کفار و مشرکین کی بعض صفات بتلائی گئی ہیں جو عذاب جہنم میں گرفتار ہوں گے اور جن کو جہنم خود بلاوے گی اور چن چن کر اپنے اندر کھینچ لے گی۔ کفار و منکرین کی وہ صفات بد یہ بتلائی گئی ہیں۔ مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۙ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى (یعنی دنیا میں جس نے حق سے پیٹھ پھیری ہوگی اور اطاعت خداوندی سے بے رخی کی ہوگی اور دوسروں کا حق مار مار کر براہ حرص مال جمع کیا ہوگا‘ پھر اس کو اٹھا اٹھا کر رکھا ہوگا)

تو معلوم ہوا کہ یہ صفات موجب عذاب جہنم ہیں۔ اب یہ کتنے افسوس اور شرم کی بات ہے کہ اگر یہ صفات منکرین کی کسی مسلمان میں پائی جائیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

یہاں جس مال کے جمع کرنے اور روک کر رکھنے کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے اس سے مراد وہ مال ہے کہ جو خلاف شرع ناجائز طریقوں سے جمع کیا جائے اور روکنے سے مراد یہ ہے کہ مال پر عائد ہونے والے حقوق و فرائض اور واجبات ادا نہ کرے۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ آج ان صفات بد میں کتنے مسلمان کہے جانے والے افراد گرفتار ہیں۔ اور پھر غضب بالائے غضب یہ کہ نہایت بے فکری سے بقول کسی شاعر کے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ؎

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

انا للہ وانآ الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ان صفات بد سے ہم کو اور جملہ مسلمانوں کو بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور مؤمنین، مخلصین، کاملین کی صفات اختیار کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں، آمین۔

الغرض یہ تو کیفیت اور حالات ہوں گے منکرین قیامت یعنی کفار و مشرکین کے قیامت کے دن لیکن مؤمنین ان احوال سے مستثنیٰ ہوں گے جن کو جنت کے باغات میں اکرام و عزت کے ساتھ داخل کیا جاوے گا۔ مگر وہ مومنین کیسے ہیں اور ان کی کیا صفات ہیں یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝٢٢ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝٢٣ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ

مگر وہ نمازی (یعنی مومن) جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں اور جن کے مالوں میں سوالی

مَّعْلُومٌ ۝٢٤ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝٢٥ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝٢٦ وَالَّذِينَ هُم

اور بے سوالی سب کا حق ہے۔ اور جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جو

مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۝٢٧ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝٢٨ وَالَّذِينَ

اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔ اور جو

هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝٢٩ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ

اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی لونڈیوں سے کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں۔

مَلُومِينَ ۝٣٠ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝٣١ وَالَّذِينَ هُمْ

ہاں جو اس کے علاوہ طلبگار ہو ایسے لوگ حدِ (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی

لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝٣٢ وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ۝٣٣ وَالَّذِينَ هُمْ

امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ادا کرتے ہیں اور جو اپنی

عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝٣٤ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ۝٣٥

نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بہشتوں میں عزت کے ساتھ داخل ہوں گے۔

اِلَّا سوائے	الْمُصَلِّيْنَ نمازیوں	الَّذِيْنَ وہ جو	هُمْ وہ	عَلٰى پر	صَلَاتِهِمْ اپنی نماز	دَآئِمُوْنَ ہمیشہ (پابندی) کرتے ہیں	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو
فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ ان کے مالوں میں	حَقٌّ حق	مَّعْلُوْمٌ ایک معلوم (مقرر)	لِّلسَّآئِلِ مانگنے والے	وَالْمَحْرُوْمِ اور محروم (نہ مانگنے والے)			
وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	يُصَدِّقُوْنَ سچ مانتے ہیں	بِيَوْمِ الدِّيْنِ روزِ جزا کو	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	مِّنْ سے	عَذَابِ رَبِّهِمْ اپنے رب کا عذاب	
مُّشْفِقُوْنَ ڈرنے والا	اِنَّ بیشک	عَذَابَ رَبِّهِمْ انکے رب کا عذاب	غَيْرُ مَاْمُوْنٍ نڈر ہونے کی بات نہیں	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو			
هُمْ وہ	لِفُرُوْجِهِمْ اپنی شرمگاہوں کی	حٰفِظُوْنَ حفاظت کرنیوالے	اِلَّا سوائے	عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اپنی بیویوں سے	اَوْ یا	مَا جو	
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ انکے دائیں ہاتھ کی مِلک باندیاں	فَاِنَّهُمْ پس وہ بیشک	غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ کوئی ملامت نہیں	فَمَنِ ابْتَغٰى پھر جو جی چاہے				
وَرَآءَ ذٰلِكَ اس کے سوا	فَاُولٰٓئِكَ تو وہی لوگ	هُمُ وہ	الْعٰدُوْنَ حد سے بڑھنے والے	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	لِاَمٰنٰتِهِمْ اپنی امانتوں	
وَعَهْدِهِمْ اور اپنے عہد	رٰعُوْنَ رعایت (حفاظت) کرنیوالے	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ وہ اپنی گواہیوں پر	قَآئِمُوْنَ قائم رہنے والے			
وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	عَلٰى صَلَاتِهِمْ اپنی نماز کی	يُحَافِظُوْنَ حفاظت کرنیوالے	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	فِيْ جَنّٰتٍ باغات میں	مُّكْرَمُوْنَ مکرم ومعزز	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مجرمین قیامت کے گروہ سے وہ لوگ علیحدہ اور مستثنیٰ ہوں گے کہ جو دنیا میں نمازی ہیں۔ مگر کیسے نمازی؟ کبھی کبھار جمعہ یا عید کی نماز پڑھنے والے؟ نہیں۔ بلکہ اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ فرمایا جو ہمیشہ اپنی نمازوں میں لگے ہوئے ہیں یعنی اپنی نمازیں برابر ادا کرتے رہتے ہیں کبھی ترک نہیں کرتے۔ یہاں حق تعالیٰ نے اہل جنت کی صفات میں سے سب سے اول اور پہلی صفت نمازی ہونے کی بیان فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر مہتم بالشان عبادت ہے۔

اہل جنت کی یہ پہلی صفت ارشاد ہوئی۔ آگے دوسری صفت ارشاد ہے کہ جن کے مالوں میں سوالی اور بے سوالی سب کا حق ہے۔ یہاں آیت میں اموالهم جمع کا صیغہ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ سب قسم کے مالوں میں صدقات واجبہ اور خیر خیرات میں۔ خواہ وہ مال نقدی یا سونے چاندی کی شکل میں ہو۔ یا زراعت اور کھیتی باڑی کی شکل میں ہو۔ یا تجارت اور سوداگری کی صورت میں ہو۔ پھر یہ نہیں کہ کبھی دیا کبھی نہ دیا۔ یا جس قدر چاہا دیا اور جتنا نہ چاہا نہ دیا۔ نہیں بلکہ حق معلوم فرمایا یعنی وہ حق جو شرعاً معین ہے جیسے زکوٰۃ۔ صدقہ فطر اور دوسرے نفقات واجبہ۔ پھر یہ حق مال میں کن لوگوں کا ہے اس کے لئے فرمایا لِلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ کا حق ہے۔ سائل یعنی سوال کرنے والے کے واسطے جس کو کہ شریعت کی طرف سے سوال کرنے اور اپنے حق کا مطالبہ کرنے کی اجازت ہو جیسے بیوی' بچے' لونڈی' غلام' رشتہ دار' قرض خواہ' مسافر' مہمان وغیرہ کہ ان سب کو اپنے اپنے حق کا مطالبہ پہنچتا ہے۔ دوسرے محروم۔ محروم کے معنی میں علماء کے کئی قول ہیں ایک تو وہ لوگ جو حق مانگنے سے محروم ہیں اور شریعت کی راہ سے ان کو مطالبہ درست نہیں۔ جیسے غریب' مسکین' یتیم محتاج بعض نے کہا کہ محروم وہ محتاج اور مصیبت زدہ ہے جو اپنے گھر میں بیٹھا ہو اور کسی سے اپنی حاجت کا اظہار نہ کرتا ہو۔

تیسری صفت یہ بتلائی گئی کہ جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں یعنی یوم جزا پر یقین رکھتے ہیں۔ اس میں تمام نیکیوں کے حصول اور تمام برائیوں سے بچنے کے لئے اشارہ ہے اس لئے کہ جو شخص جزا کے دن کا معتقد ہوگا وہ نیکیاں دل کھول کر کرے گا اس یقینی امید پر کہ اس کا بدلہ ملے گا اور ہر طرح کے ظلم وزیادتی اور ناحق شناسی سے بچے گا اس خیال سے کہ اس پر پکڑ ہوگی۔ آگے چوتھی صفت بتلائی گئی کہ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں یعنی ان کو یہ خوف لگا رہتا ہے کہ آخرت تو آخرت دنیا میں کبھی برے کاموں کی سزا مل جاتی ہے اس لئے ان کو عذاب الٰہی سے ڈر لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم کب اور کس وقت نازل ہو جائے۔ چوتھی صفت بیان فرما کر بطور جملہ معترضہ کے ارشاد ہوتا ہے کہ واقعی اللہ کا عذاب ایسی چیز نہیں کہ بندہ اس کی طرف سے مامون اور بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔ آگے پانچویں صفت بیان کی گئی کہ جو اپنی شرمگاہوں کو حرام کاری سے روکتے ہیں۔ جہاں خدا کی اجازت نہیں اس جگہ سے بچاتے ہیں۔ ہاں اپنی بیویوں اور اپنی ملکیت کی شرعی لونڈیوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں۔ سو اس پر ان کو کوئی ملامت اور الزام نہیں لیکن جو شخص ان کے علاوہ اور جگہ یا اور طرح شہوت رانی کا طلب گار ہوگا اور قضائے شہوت کے لئے کوئی اور راستہ ڈھونڈھے تو وہ حد اعتدال اور حد جواز سے باہر قدم نکالتا ہے اور وہ یقیناً حدود خداوندی سے تجاوز کرنے والا ہے۔ اب چونکہ شرعی باندیوں اور لونڈیوں کا وجود قریب قریب ساری دنیا میں کہیں نہیں جو کہ بوقت نزول قرآن موجود تھا اس لئے جنسی خواہش صرف اپنی منکوحہ بیوی سے پوری کی جا سکتی ہے اور سب طریقے ممنوع ہیں۔ آگے چھٹی صفت ارشاد فرمائی گئی کہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں۔ امانت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو حق تعالیٰ کے حق کے ساتھ متعلق ہیں۔ مثلاً انسان کو عطا کردہ قویٰ اور اموال اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ ان کو بے جا اور اللہ کی مرضی کے خلاف استعمال نہ کرنا چاہئے۔ دوسری قسم امانت کی وہ ہے جو بندوں کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے مثلاً علماء کے پاس علم امانت ہے کہ اس کو نہ چھپائیں۔ حاکموں کے ذمہ انصاف کرنا یہ رعیت کی امانت ہے۔

اسی طرح آقا کی امانت خادم اور نوکر کے ذمہ ہے۔ ایک ہمسایہ کی امانت دوسرے ہمسایہ کے ذمہ ہے۔ اسی طرح عہد بھی دو قسم ہے۔ ایک وہ قول وقرار جو حق تعالیٰ سے کیا ہو۔ دوسرا وہ عہد اور قول وقرار جو بندوں کے ساتھ کیا ہو۔

آگے ساتویں صفت بیان فرمائی گئی کہ جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں یعنی ضرورت پڑے تو بلا کم وکاست اور بلا رو رعایت سچی اور واقعی گواہی دیتے ہیں۔ حق پوشی نہیں کرتے، چاہے اس سچی گواہی دینے میں دوستی جاتی ہو۔ چاہے قرابت ٹوٹے، چھوٹنے کا ڈر ہو۔ چاہے مخالف اور دشمن کو نفع پہنچتا ہو۔ گواہی کا چھپانا شریعت میں گناہ کبیرہ ہے اور اس کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ جان بوجھ کر گواہی دینے سے انکار کرے۔ یا کسی حیلے بہانے سے ٹالے۔ یا جھوٹی گواہی دے۔ اخیر میں آٹھویں صفت فرمائی ہے کہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یعنی نمازوں کے اوقات۔ اس کے شرائط وارکان وآداب کی خبر رکھتے ہیں اور اس کے ثواب کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔ یہاں یہ بات خاص توجہ کے لائق ہے کہ ان اہل جنت کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شروع وصف بھی نماز کی ادائیگی کا بیان کیا۔ اور ختم بھی اسی پر کیا۔ اور یہ تکرار نہیں ہے۔ شروع میں مداومت نماز کی صفت بیان فرمائی گئی تھی۔ اخیر میں محافظت نماز کی صفت فرمائی گئی اور ان دونوں میں فرق ہے۔ مداومت تو یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز ہمیشہ ادا کرتا رہے۔ ایک وقت بھی نماز کو جان بوجھ کر نہ چھوڑے۔ محافظت یہ ہے کہ شرائط وارکان کی بجا آوری۔ مفسدات اور مکروہات سے بچنے کا اہتمام کرنا۔ حضور قلب اور خشوع وخضوع سے ادا کرنا۔ تو جنتیوں کی یہ آٹھ صفتیں ہوئیں جن کو نماز سے شروع اور نماز ہی پر ختم کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز امر دین میں عظیم الشان کام ہے اور سب سے زیادہ شرف اور فضیلت والی چیز بھی ہے۔ تو یہ آٹھ صفات کا بیان فرما کر بتلایا گیا أُولَٰئِكَ فِي جَنَّٰتٍ مُّكْرَمُونَ ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہوں گے یعنی مرنے کے بعد دوسرے جہان میں عزت واکرام کے ساتھ جنت کی دائمی اور ابدی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔

اللھم اجعلنا منھم۔ اب یہاں ان آیات میں آٹھ صفات بیان فرما کر بتلایا گیا کہ ایسی صفات والے لوگ جنت میں عزت کے ساتھ داخل کئے جائیں گے اور جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ اس سے اس بات کی ضد بھی سمجھی جا سکتی ہے اور جو ان صفات کو دنیا میں اختیار نہیں کریں گے وہ جنت کی نعمتوں سے محروم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ صفات اختیار کرنے اور ان پر عامل ہونے کی توفیق کاملہ عطا فرمائیں۔ اب یہ موجبات سعادت وشقاوت بیان ہو جانے کے بعد بھی کفار مکہ اپنی حماقت وجہالت سے اپنے ہی کو حق پر سمجھتے۔ جس پر ان کی مذمت اگلی آیات میں فرمائی جاتی ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو اپنی نمازوں کی پابندی اور حفاظت کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور جو مال ہم کو دنیا میں عطا فرمایا ہے اس میں سے حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو قیامت کے دن کا ایسا یقین نصیب فرمایئے کہ جو ہم اس سے کسی آن غافل نہ ہوں

یا اللہ! ہمیں شریعت مطہرہ کی پابندی ظاہراً وباطناً نصیب فرمایئے اور اپنے فضل سے ہم کو قیامت میں اہل جنت کے گروہ میں داخل فرمایئے اور جنت کی ابدی نعمتوں سے سرفراز فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ

تو کافروں کو کیا ہوا کہ آپ کی طرف کو داہنے اور بائیں سے جماعتیں بن بنکر دوڑے آرہے ہیں۔ کیا ان میں

كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ۖ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ

ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کرلیا جاوے۔ گا یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہم نے ان کو ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جس کی ان کو بھی خبر ہے۔ پھر میں

اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا

قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی کہ ہم اس پر قادر ہیں۔ کہ اُن کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم

نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾

عاجز نہیں ہیں۔ تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجئے یہاں تک کہ اُن کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جسکا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً

جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہیں۔ ان کی آنکھیں

اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۗ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

نیچے کو جھکی ہوں گی اُن پر ذلت چھائی ہوگی۔ یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

فَمَالِ تو کیا ہوا	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جو لوگوں نے کفر کیا (کافر)	قِبَلَكَ آپ کی طرف	مُهْطِعِيْنَ دوڑتے آرہے ہیں	عَنِ الْيَمِيْنِ دائیں سے		
وَعَنِ الشِّمَالِ اور بائیں سے	عِزِيْنَ گروہ در گروہ	اَيَطْمَعُ کیا طمع (توقع) رکھتا ہے	كُلُّ امْرِئٍ ہر کوئی	مِّنْهُمْ ان میں سے	اَنْ يُّدْخَلَ کہ وہ داخل کیا جائیگا	
جَنَّةَ باغ	نَعِيْمٍ نعمتوں والا	كَلَّا ہرگز نہیں	اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ بیشک ہمنے پیدا کیا انہیں	مِّمَّا اس سے جو	يَعْلَمُوْنَ وہ جانتے ہیں	فَلَآ اُقْسِمُ پس میں قسم کھاتا ہوں
بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ مشرقوں کے رب کی	وَالْمَغٰرِبِ اور مغربوں	اِنَّا بیشک ہم	لَقٰدِرُوْنَ البتہ قادر ہیں	عَلٰٓى پر	اَنْ نُّبَدِّلَ کہ ہم بدل دیں	
خَيْرًا بہتر	مِّنْهُمْ اُن سے	وَمَا نَحْنُ اور نہیں ہم	بِمَسْبُوْقِيْنَ عاجز کئے جانیوالے	فَذَرْهُمْ پس انہیں چھوڑ دیں	يَخُوْضُوْا بیہودگیوں میں پڑے رہیں	
وَيَلْعَبُوْا اور وہ کھیلیں	حَتّٰى يُلٰقُوْا یہاں تک کہ وہ ملیں	يَوْمَهُمُ اپنے دن سے	الَّذِيْ وہ جس کا	يُوْعَدُوْنَ ان سے وعدہ کیا جاتا ہے	يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ جس دن وہ نکلیں گے	
مِنَ الْاَجْدَاثِ قبروں سے	سِرَاعًا جلدی جلدی	كَاَنَّهُمْ گویا کہ وہ	اِلٰى نُصُبٍ نشانہ کی طرف	يُّوْفِضُوْنَ لپک رہے ہیں	خَاشِعَةً جھکی ہوئی	
اَبْصَارُهُمْ اُن کی آنکھیں	تَرْهَقُهُمْ اُن پر چھا رہی ہوگی	ذِلَّةٌ ذلت	ذٰلِكَ الْيَوْمُ یہ ہے وہ دن	الَّذِيْ وہ جس کا	كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ان سے وعدہ کیا جاتا ہے	

تفسیر وتشریح: یہ سورہ معارج کی خاتمہ کی آیات ہیں ان آیات کے شان نزول کے سلسلہ میں بعض مفسرین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ کفار مکہ جب قرآنی آیات میں جنت کی عظیم الشان نعمتوں اور اہل جنت کے اعزاز واکرام کو سنتے تو ہنسی اور تمسخر کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو ہو کر آتے اور ارد گرد بیٹھ کر تمسخر کی راہ سے کہتے کہ اگر یہ تمہارا قول سچ ہے کہ قیامت کا ہونا ضرور ہے اور دار

2 آخرت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی تو ان غریب اور کم حیثیت اور بے مایہ لوگوں سے جنہوں نے تمہاری تابعداری اختیار کی ہے ہم ان نعمتوں کے زیادہ مستحق ہوں گے۔اس واسطے کہ ہم دنیا میں ان سے عزت وشوکت میں زیادہ ہیں۔ جب دنیا میں ہم کو عزت بڑائی اور طرح طرح کی نعمتیں ملی ہیں اور مال ورتبہ اور سرداری وریاست ہم کو ملی ہے تو یہ دلیل ہے اس بات کی آخرت میں بھی ہم کو بڑائی اور سرداری ملے گی اور یہ تمہارے تابعدار لوگ جو کہ غریب ومحتاج ہیں اور غلام اور کم حیثیت ہیں وہ ہرگز ان نعمتوں کے لائق نہیں۔کافروں کے ان خیالات باطلہ کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں بتلایا جاتا ہے کہ آخرت کی سعادت وشقاوت کے اسباب جہنم کے آزار اور جنت کی نعمتوں کا حال ان کو معلوم ہو چکا لیکن اس کے معلوم ہو جانے کے بعد بھی پھر ان کافروں کو کیا ہوا کہ ان مضامین کی تکذیب کے لئے آپ کے پاس جمع ہو ہو کر آتے ہیں یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ ان مضامین کی تصدیق کرتے لیکن یہ لوگ متفق ہو ہو کر آپ کے پاس اس غرض سے آتے ہیں کہ ان مضامین کی تکذیب اور ان کے ساتھ استہزا کریں اور پھر اس کے باوجود بھی یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ جنت کے باغوں میں داخل کئے جائیں گے؟ ہرگز نہیں۔اس خداوند عادل حکیم کے ہاں ایسا اندھیر نہیں ہوسکتا۔یہ انسان جو منی کے قطرہ ناپاک اور گندی اور گھناؤنی چیز سے پیدا ہوا ہے وہ کہاں لائق ہے بہشت کے جب تک کہ ایمان کی بدولت پاک صاف اور مکرم ومعظم نہ ہو۔اسی کی تائید میں حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے۔فرماتے ہیں سچ ہے انسان گندہ ہے جب تک ایمان اور عمل صالح سے نورانیت اور پاکیزگی حاصل نہ کرلے۔محض مال ودولت اور دنیا کی حشمت و شوکت کی وجہ سے اس عالم قدس تک نہیں پہنچ سکتا۔وہ پاک جگہ ناپاکوں کے قابل نہیں۔پھر کفار مکہ حشر ونشر کے منکر تھے اس لئے ان کو سنایا جاتا ہے کہ مشارق ومغارب کے رب کی قسم۔مشارق مشرق کی جمع ہے یعنی آفتاب نکلنے کی جگہ اور مغارب مغرب کی جمع ہے یعنی آفتاب غروب ہونے کی جگہ۔آفتاب کے طلوع اور غروب کی جگہ ہر روز بدلتی رہتی ہے اس لئے مشارق ومغارب کہے جاتے ہیں تو رَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ یعنی اپنی ذات کی قسم کھا کر فرمایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان کفار سے بہتر لوگ پیدا کردے اور خدا جب ان کی جگہ ان سے بہتر لاسکتا ہے تو خود ان کو دوبارہ کیوں نہیں پیدا کرسکتا۔کیا یہ خدا کے قابو سے نکل کر کہیں باہر جاسکتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہاں مشارق ومغارب کی قسم شاید اس لئے کھائی کہ خدا ہر روز مشرق ومغرب کو بدلتا رہتا ہے تو اس کو ان کافروں کا بدل دینا کیا مشکل ہے۔آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا مضمون فرمایا جاتا ہے کہ آپ ان سرکشوں اور غفلت میں پڑے رہنے والے بدمستوں کے حق میں زیادہ فکر وتردد نہ کیجئے ان کو تھوڑے دنوں کی ڈھیل ہے پھر سزا ملنی یقینی ہے اور اس دن سے سامنا ہونا لازمی ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔اس دن یعنی قیامت میں یہ اپنی قبروں سے زندہ ہو کر تخت رب العٰلمین کی طرف ایسے دوڑتے چلے آئیں گے کہ جس طرح دنیا میں اپنے بتوں اور خیالی معبودوں کی طرف دوڑتے ہیں اور اس روز آنکھیں شرمندگی کے مارے نیچے ہوں گی اور مونہوں پر لعنت کی سیاہی چڑھی ہوئی ہو گی اور ان سے کہا جائے گا یہی وہ دن ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا اور تم انکار کرتے تھے۔

الحمدللہ کہ سورہ معارج کا بیان ختم ہوگیا۔اب انشاء اللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ المعارج

جو آدمی کثرت سے احتلام ہو جانے اور برے خواب وخیالات آنے کا مریض ہو تو وہ رات کو سونے سے پہلے سورۃ المعارج پڑھ لے تو وہ اس مرض سے محفوظ ہو جائے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑامہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ

ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا کہ تم اپنی قوم کو ڈراؤ قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آوے۔

اَلِيْمٌ ﴿۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۳﴾

انہوں نے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ

تو وہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو وقت مقرر تک مہلت دے گا، اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آجاوے گا تو ٹلے گا نہیں

لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

کیا خوب ہوتا اگر تم سمجھتے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا بیشک ہم نے بھیجا	نُوْحًا نوح	اِلٰى قَوْمِهٖ اسکی قوم کی طرف	اَنْ اَنْذِرْ کہ ڈراؤ	قَوْمَكَ اپنی قوم کو	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	
اَنْ يَّاْتِيَهُمْ کہ ان پر آئے	عَذَابٌ اَلِيْمٌ دردناک عذاب	قَالَ اس نے کہا	يٰقَوْمِ اے میری قوم	اِنِّىْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ صاف صاف ڈرانے والا	اَنِ کہ	اعْبُدُوا اللّٰهَ تم اللہ کی عبادت کرو	وَاتَّقُوْهُ اور اس سے ڈرو	وَاَطِيْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو		
يَغْفِرْ وہ بخش دے گا	لَكُمْ تمہیں	مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ تمہارے گناہ	وَيُؤَخِّرْكُمْ اور تمہیں مہلت دیگا	اِلٰٓى تک	اَجَلٍ مُّسَمًّى وقت مقرر	اِنَّ بیشک
اَجَلَ اللّٰهِ اللہ کا مقرر کردہ وقت	اِذَا جَآءَ جب آجائے گا	لَا يُؤَخَّرُ موخر نہ ہوگا (ٹلے گا نہیں)	لَوْ کاش	كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے		

تفسیر وتشریح: حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک سے پہلے بھی مختلف سورتوں میں آچکا ہے اور آپ کے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان ۱۲۰۰ برس کا فاصلہ مؤرخین نے لکھا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نبی تو ہوئے مگر پہلے نبی جن کو رسالت سے نوازا گیا حضرت نوح علیہ السلام ہی تھے۔

نبی اور رسول میں فرق یہی ہے کہ نبی ہر صاحب وحی کو کہتے ہیں لیکن رسول کے لئے صاحب وحی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب شریعت ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ انبیاء اولوالعزم کا سلسلہ بھی حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوا اور وحی الٰہی سے سرتابی کرنے والوں پر بھی اول عذاب حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے تمام قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے نا آشنا ہو چکی تھی اور حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ بتوں کی پرستش ان کا شعار ہو گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ عذاب کے آنے سے پہلے اپنی قوم کو ہوشیار کر دو۔ اگر وہ توبہ کرلیں گے۔ اور کفر وشرک کا راستہ چھوڑ دیں گے اور خدا کی طرف جھکنے لگیں گے اور عبادت کا راستہ اختیار کرلیں گے تو اس سے پہلے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق تلف کئے ہیں وہ معاف ہو

جائیں گے اور کفر وشرارت پر جو عذاب آنا مقصود ہے ایمان لانے کی صورت میں وہ نہ آئے گا۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے یہ خدائی پیغام اپنی قوم کو پہنچا دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ دیکھو میں کھلے لفظوں میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں کہ خدا کی عبادت۔ اس کا ڈر اور میری اطاعت لازمی چیزیں ہیں۔ میں جو کچھ کہوں بجا لاؤ اور جس بات سے منع کروں اس سے رک جاؤ۔ میری رسالت کی تصدیق کرو۔ خدائے تعالیٰ تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا اور ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب کا جو وعدہ ہے اگر وہ سر پر آ کھڑا ہوا تو کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا۔ نہ ایک منٹ کی ڈھیل دی جائے گی۔ اگر تم کو سمجھ ہے تو یہ باتیں سمجھنے اور عمل کرنے کی ہیں۔ سمجھ لو اور ان پر عمل کرو اور میری بات مان لو۔

اب تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی اصولی تعلیمات ایک ہی رہی ہیں ان میں سے ایک اہم تعلیم تمام پیغمبروں کی یہی رہی ہے جو نوح علیہ السلام نے قوم کو فرمائی۔ یعنی اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ یعنی تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ یہی تعلیم ہمارے آقا نبی الرحمتہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تو گویا اس طرح خلاصہ تمام تعلیمات و ہدایات دین حق کا بس یہی ہوا وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی توفیق کاملہ عطا فرمائیں۔ اور اپنی اور اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اطاعت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب حضرت نوح علیہ السلام ایک مدت دراز تک اپنی قوم کو سمجھاتے رہے لیکن آپ کے نصائح کا قوم پر کچھ اثر نہ ہوا اور آپ کی بات مان کر نہ دی آخر جب آپ سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے اور قوم پر سمجھانے کا کوئی اثر نہ دیکھا تو بارگاہ الٰہی میں نوح علیہ السلام نے دعاء کی۔

وہ دعا کیا تھی یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا مطیع و تابعدار امتی بنا کر زندہ رکھیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنا وہ ڈر اور خوف عطا فرمائیں کہ جو ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے رک جائیں اور گذشتہ تقصیرات پر ہم کو ندامت و توبہ کی توفیق عطا فرمائیں اور ہماری خطاؤں و گناہوں کو اپنی رحمت سے معاف فرمائیں۔

یا اللہ اس امت مسلمہ پر رحم و کرم فرما اور اسے اپنے پیغمبر اشرف الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اطاعت و فرمانبرداری نصیب فرما تا کہ اسے دین و دنیا کی کامرانی نصیب ہو اور ذلت و خواری اس سے دور ہو۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَاِنِّیْ كُلَّمَا

نوح نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی اور دن کو بھی بلایا۔ سو میرے بلانے پر اور زیادہ بھاگتے رہے۔ اور میں نے جب بھی

دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا

ان کو بلایا تاکہ آپ ان کو بخش دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں اور اپنے کپڑے لپیٹ لئے اور اصرار کیا

وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ

اور غایت درجہ کا تکبر کیا۔ پھر میں نے ان کو باآواز بلند بلایا۔ پھر میں نے ان کو علانیہ بھی سمجھایا اور ان کو

لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ﴿۹﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ

بالکل خفیہ بھی سمجھایا۔ اور میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا۔

مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾

اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔

قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّیْ دَعَوْتُ بیشک میں نے بلایا	قَوْمِیْ اپنی قوم کو	لَیْلًا رات	وَّ نَهَارًا اور دن	فَلَمْ یَزِدْهُمْ تو ان میں زیادہ نہ کیا
دُعَآءِیْٓ میرا بلانا	اِلَّا فِرَارًا بھاگنے کے سوا	وَاِنِّیْ اور بیشک میں	كُلَّمَا جب بھی	دَعَوْتُهُمْ میں نے ان کو بلایا	لِتَغْفِرَ تاکہ تو بخش دے	لَهُمْ انہیں
جَعَلُوْٓا انہوں نے دے لیں	اَصَابِعَهُمْ اپنی انگلیاں	فِیْٓ اٰذَانِهِمْ اپنے کانوں میں	وَ اور	اسْتَغْشَوْا انہوں نے لپیٹ لئے		
ثِیَابَهُمْ اپنے کپڑے	وَاَصَرُّوْا اور اڑ گئے وہ	وَ اور	اسْتَكْبَرُوا انہوں نے تکبر کیا	اسْتِكْبَارًا بڑا تکبر	ثُمَّ پھر	اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ بیشک میں نے بلایا انہیں
جِهَارًا باآواز بلند	ثُمَّ پھر	اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ بیشک میں نے اعلانیہ سمجھایا	لَهُمْ انہیں	وَاَسْرَرْتُ اور میں نے پوشیدہ سمجھایا	لَهُمْ انہیں	اِسْرَارًا چھپا کر
فَقُلْتُ پس میں نے کہا	اسْتَغْفِرُوْا تم بخشش مانگو	رَبَّكُمْ اپنا رب	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ غَفَّارًا وہ ہے بڑا بخشنے والا	یُّرْسِلِ وہ بھیجے گا	السَّمَآءَ آسمان
عَلَیْكُمْ تم پر	مِّدْرَارًا مسلسل بارش	وَّیُمْدِدْكُمْ اور مدد دیگا تمہیں	بِاَمْوَالٍ مالوں کیساتھ	وَّبَنِیْنَ اور بیٹے	وَیَجْعَلْ اور وہ بنائیگا	لَّكُمْ تمہارے لئے
جَنّٰتٍ باغات	وَّیَجْعَلْ اور وہ بنائیگا	لَّكُمْ تمہارے لئے	اَنْهٰرًا نہریں			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے حضرت نوح علیہ السلام نے بطور شکایت کے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے تیرے حکم کی پوری طرح سرگرمی سے تعمیل کی اور میں نے اپنی طرف سے دعوت و تبلیغ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات بلکہ دھن باندھے ہر وقت انہیں راہ راست کی دعوت دیتا رہا لیکن اسے کیا کروں کہ جس دلسوزی سے میں انہیں نیکی کی طرف بلاتا رہا وہ اسی سختی سے مجھ سے بھاگتے رہے۔ جس قدر میری طرف سے شفقت اور ہمدردی کا اظہار ہوا ان کی جانب سے نفرت اور بیزاری ہی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ میں نے ان سے کہا کہ آؤ رب کی بات سنو تا کہ رب بھی تمہارے قصور بخش دے لیکن انہوں نے میرے ان الفاظ کا سننا بھی گوارا نہ کیا۔ اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں کہ میری بات سننے میں نہ آوے اور اسی پر بس نہ کیا بلکہ اپنے اوپر کپڑا ڈال

لیا منہ چھپالئے کہ میری صورت بھی نہ دیکھیں۔ اپنے کفر و شرک پر ضد کے ساتھ اڑ گئے اور اتباع حق سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اسے حقیر جان کر تکبر سے پیٹھ پھیر لی۔ اس پر بھی میں نے بس نہ کیا ان کے مجمعوں میں خطاب کیا اور مجلسوں میں جا کر سمجھایا اور بسا اوقات ایک ایک کو چپکے چپکے بھی سمجھایا۔ غرض کہ تمام جتن کر لئے اور نصیحت کا کوئی عنوان اور کوئی رنگ نہیں چھوڑا کہ کسی طرح یہ راہ راست پر آ جائیں۔ پھر میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ باوجود سینکڑوں برس سمجھانے کے اب بھی اگر میری بات مان کر اپنے مالک اور خالق رب کی طرف جھکو گے اور اس سے اپنی خطائیں معاف کراؤ گے تو وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ پچھلے سب قصور یکدم معاف فرما دے گا۔ پھر میں نے ان سے یہ بھی کہہ کر دیکھ لیا کہ علاوہ نفع اخروی کے تمہیں خدا سے استغفار کر لینے پر دنیوی فوائد بھی حاصل ہوں گے اور ایمان و استغفار کی برکت سے قحط و خشک سالی (جس میں وہ برسوں سے مبتلا تھے) دور ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ تم پر خوب موسلا دھار بارش برسائے گا جس سے کھیت اور باغ خوب سیراب ہوں گے۔ غلہ پھل اور میوہ کی افراط ہوگی۔ مویشی وغیرہ فربہ ہو جائیں گے۔ ان کا دودھ بڑھ جائے گا اور عورتیں جو کفر و معصیت کی شامت سے بانجھ ہو رہی ہیں بچے جننے لگیں گی۔ آخرت کے ساتھ دنیا کے عیش و بہار سے بھی وافر حصہ دیا جائے گا۔ غرض کہ ان کو رغبت بھی دلائی اور خوف بھی دلایا مگر یہ کسی طرح راہ راست پر نہ آئے۔

حضرت حسن بصری کی روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور قحط کا شکوہ کیا آپ نے اس سے کہا کہ استغفار کیا کرو۔ پھر دوسرا شخص آیا اس نے اپنے فقر و افلاس کا گلا کیا۔ آپ نے اس کو بھی یہی فرمایا کہ استغفار کیا کرو۔ پھر تیسرا شخص آیا۔ اس نے کہا کہ میرے لڑکا نہیں ہوتا آپ دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ مجھ کو لڑکا عنایت کرے آپ نے اس کو بھی فرمایا کہ استغفار کیا کرو۔ پھر چوتھا ایک شخص آیا اس نے اپنی کھیتی باڑی کے متعلق شکایت کی کہ کچھ پیدا نہیں ہوتا آپ نے اس کو بھی استغفار کرنے کی نصیحت کی۔ آپ کی مجلس کے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ نے ان چاروں کو ایک ہی امر کی نصیحت کی حالانکہ ہر ایک کا مطلب جدا جدا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میں نے کچھ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ حق تعالیٰ نے خود قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ ان چاروں آفتوں کا دفعیہ استغفار ہے اور پھر سورہ نوح کی ان آیات کو آپ نے پڑھا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ ان آیات کی دلیل سے فرماتے ہیں کہ استسقا حقیقت میں دعاء اور استغفار کرنا ہے۔ نماز اور خطبہ اور اس کے دوسرے لوازمات اگر ہوں تو بہتر ہے اور نہیں تو کچھ حرج نہیں۔ اصل مقصود اس میں دعاء اور استغفار سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اب بھی استغفار کی یہ خاصیت ہے کہ جو کوئی سچے دل سے اور عجز و نیاز سے اپنے رب سے معافی مانگتا رہے اور استغفار کرتا رہے تو اس کے مال و اولاد میں برکت ہوگی قحط سالی رفع ہوگی۔ زمین کی پیداوار اور زیادہ ہوگی۔ احادیث صحیحہ میں استغفار کے بہت سے فوائد بیان ہوئے ہیں۔ امام احمد۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بروایت حضرت ابن عباسؓ نقل فرمایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص استغفار کا التزام کرے گا حق تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی و مصیبت سے فراخی و راحت اور ہر غم سے نجات عطا فرمائیں گے اور بے گمان روزی عطا فرمائیں گے۔ مگر یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ علمائے کرام فرماتے ہیں صرف زبان سے استغفر اللہ کہنا کافی نہیں بلکہ گناہوں سے باز آوے اور دل و زبان کو پاک رکھے اور عجز و نیاز اور خلوص دل سے استغفار کرے (تفسیر حقانی) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی سچی استغفار کی توفیق عطا فرمائیں۔

غرض کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی دعا اور فریاد میں حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں نے اپنی قوم کو ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی اور ان کو اپنے گناہوں پر استغفار کرنے کی دینی اور دنیوی فضیلتیں بتلائیں اور سمجھائیں مگر انہوں نے میری کوئی بات مان کر نہ دی۔ ابھی نوح علیہ السلام کی دعاء و فریاد اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝١٣ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝١٤ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ

تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو۔ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ نے کس طرح سات

سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝١٥ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝١٦ وَاللّٰهُ

آسمان اوپر تلے پیدا کئے۔ اور ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا۔ اور اللہ نے تم کو

اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝١٧ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝١٨ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ

زمین سے ایک خاص طور پر پیدا کیا۔ پھر تم کو پھر زمین ہی میں لے جاوے گا اور تم کو باہر لے آوے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے

الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝١٩ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝٢٠ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا

تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا۔ تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو۔ نوحؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے شخصوں

مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ۝٢١ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝٢٢ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ

کی پیروی کی کہ جن کے مال اور اولاد نے ان کو نقصان ہی زیادہ پہنچایا۔ اور جنہوں نے بڑی بڑی تدبیریں کیں۔ اور جنہوں نے کہا

اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝٢٣ وَقَدْ اَضَلُّوْا

کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ وَد کو اور نہ سُواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو چھوڑنا۔ اور اُن لوگوں نے

كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝٢٤

بہتوں کو گمراہ کردیا اور ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے۔

مَا لَكُمْ کیا ہوا تمہیں	لَا تَرْجُوْنَ تم اعتقاد نہیں رکھتے	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	وَقَارًا وقار	وَ اور	قَدْ خَلَقَكُمْ اس نے پیدا کیا تمہیں	اَطْوَارًا طرح طرح	
اَلَمْ تَرَوْا کیا تم نہیں دیکھتے	كَيْفَ کیسے	خَلَقَ اللّٰهُ اللہ نے پیدا کئے	سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سات آسمان	طِبَاقًا اوپر تلے	وَجَعَلَ اور اس نے بنایا		
الْقَمَرَ چاند	فِيْهِنَّ ان میں	نُوْرًا ایک نور	وَجَعَلَ اور اس نے بنایا	الشَّمْسَ سورج	سِرَاجًا چراغ	وَاللّٰهُ اور اللہ	اَنْۢبَتَكُمْ اس نے اگایا تمہیں
مِنَ الْاَرْضِ زمین سے	نَبَاتًا سبزے کی طرح	ثُمَّ پھر	يُعِيْدُكُمْ وہ لوٹائے گا تمہیں	فِيْهَا اس میں	وَيُخْرِجُكُمْ اور پھر تمہیں نکالے گا		
اِخْرَاجًا نکالنا دوبارہ	وَاللّٰهُ اور اللہ	جَعَلَ اس نے بنایا	لَكُمُ تمہارے لئے	الْاَرْضَ زمین	بِسَاطًا فرش	لِتَسْلُكُوْا تاکہ تم چلو	مِنْهَا اس کے
سُبُلًا راستے	فِجَاجًا کشادہ	قَالَ کہا	نُوْحٌ نوح	رَبِّ اے میرے رب	اِنَّهُمْ بیشک انہوں نے	عَصَوْنِيْ میری نافرمانی کی	وَاتَّبَعُوْا اور انہوں نے پیروی کی
مَنْ جو۔جس	لَمْ يَزِدْهُ نہیں زیادہ کیا	مَالُهٗ اس کا مال	وَوَلَدُهٗ اور اسکی اولاد	اِلَّا خَسَارًا سوائے خسارہ	وَمَكَرُوْا اور انہوں نے چالیں چلیں		
مَكْرًا چالیں	كُبَّارًا بڑی بڑی	وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	لَا تَذَرُنَّ تم ہرگز نہ چھوڑنا	اٰلِهَتَكُمْ اپنے معبود	وَلَا تَذَرُنَّ اور ہرگز نہ چھوڑنا		
وَدًّا ود	وَلَا سُوَاعًا اور نہ سواع	وَلَا يَغُوْثَ اور نہ یغوث	وَيَعُوْقَ اور یعوق	وَنَسْرًا اور نسر	وَقَدْ اَضَلُّوْا اور تحقیق انہوں نے گمراہ کیا		
كَثِيْرًا بہت	وَلَا تَزِدِ اور نہ زیادہ کر	الظّٰلِمِيْنَ ظالموں	اِلَّا ضَلٰلًا گمراہی کے سوا				

تفسیر و تشریح: ان آیات میں بھی نوح علیہ السلام کا دعائیہ مضمون جاری ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ آپ نے بطور فریاد کے حق تعالیٰ سے یہ بھی عرض کیا کہ بارالٰہا میں نے اپنی قوم کو یوں بھی سمجھایا کہ آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت اور بڑائی کے قائل نہیں ہوتے اور اس کے آگے جھک کر دنیا اور آخرت کی نعمتیں نہیں لیتے۔ تمہیں اسی نے تو پیدا کیا ہے اور کن کن حالات اور کس کس لوٹ پھیر کے ساتھ پیدا کیا۔ پہلے ناپاک قطرہ یعنی نطفہ۔ پھر جما ہوا خون۔ پھر گوشت کا لوتھڑا۔ پھر اور صورت اور پھر اور حالت۔ پھر میں نے ان کو یوں بھی سمجھایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنی قدرت اور حکمت سے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے پھر چاند و سورج کو پیدا کیا۔ دونوں کی چمک دمک اور روشنی اور اجالا الگ الگ بنایا کہ دن رات کی تمیز ہو جاتی ہے۔ پھر ان کو میں نے یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے پیدا کیا یعنی انسانوں کے باپ حضرت آدم مٹی سے پیدا ہوئے اور پھر مرنے کے بعد تم کو اسی زمین میں لے جاتا ہے اور پھر قیامت میں اسی زمین سے تم کو زندہ کر کے باہر لے آئے گا۔ پھر میں نے ان کو یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو مثل فرش کے بنایا کہ اس پر لیٹتے۔ بیٹھتے چلتے پھرتے رہتے سہتے ہو۔ ادھر سے ادھر آتے جاتے ہو۔ زمین کے کشادہ راستوں پر چلتے پھرتے ہو غرض کہ میں نے قدرت خداوندی کے نمونہ بھی اپنی قوم کے سامنے رکھے اور توحید کی دعوت دی کہ اس عالیشان قدرت کے رکھنے والے کی طاعت و بندگی اختیار کرو اور صرف اسی کی عبادت کرو اور اس جیسا اس کا شریک اس کا ساجھی اور اس کا مثیل کسی کو نہ جانو۔ مگر انہوں نے میری کوئی بات مان کر نہ دی۔ پھر نوح علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا کہ اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میرا کہنا تو نہ مانا جو ان کے لئے سراسر نفع بخش تھا اور اپنے رئیسوں۔ سرداروں اور مالداروں کا کہنا مانا جن کے مال و اولاد میں کوئی خوبی اور بہتری نہیں کہ وہ اسی سبب سے دین سے محروم رہے اور اوروں کو بھی محروم رکھا اور اس قوم نے ایسے لوگوں کا اتباع کیا جنھوں نے حق کے مٹانے میں بڑی بڑی تدبیریں کیں اور جنھوں نے اپنے تابعین سے یہی کہا اور ان کو یہی سمجھایا کہ میری بات ہرگز نہ ماننا اور اپنے بتوں کو جن کو تم پوجتے رہے ہو ہرگز نہ چھوڑنا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت حق اور تبلیغ دین کا کام مسلسل ۹۵۰ سال تک قوم میں کیا اور پیغام حق پہنچایا اور عذاب الٰہی سے خوف دلایا لیکن آپ کی قوم آپ کو جھٹلاتی رہی اور آپ کا کہنا نہ مانا یہاں تک کہ لوگوں کی کئی پشتیں گذر گئیں۔ جو شخص اس قوم میں مرنے کے قریب ہوتا تو وہ اپنی اولاد کو تاکید اور تنبیہ کر جاتا کہ خبردار اس شخص یعنی حضرت نوح علیہ السلام سے بچے رہنا اور ہرگز اس کی بات مت سننا اور اپنے باپ دادوں کے طریقہ کو مت چھوڑنا اس واسطے کہ یہ بوڑھا دیوانہ ہو گیا ہے (معاذ اللہ! معاذ اللہ!) واہی تباہی باتیں کہا کرتا ہے۔ ہماری عمریں گذر گئیں کہ ہم کو جھوٹے وعدوں سے ڈرایا گیا اور آج تک تو کوئی عذاب وذاب آیا نہیں۔ غرض کہ اس قدر آپ کی ذلت و حقارت کے درپے رہتے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کرتے تاکہ ہنسی اور مسخری آپ کی کریں اور آپ کو پتھر ماریں اور جب حضرت نوح علیہ السلام عذاب خداوندی سے زیادہ ڈراتے اور خوف دلاتے تو وہ بدبخت آپ کو اس قدر مارتے کہ آپ کے بدن اور چہرہ سے خون بہنے لگتا لیکن حضرت نوح علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اس قدر حلم اور بردباری عطا کی تھی کہ باوجود اس ظلم و تعدی کے آپ ان کی خیر خواہانہ نصیحت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے الغرض حضرت نوح علیہ السلام تو قوم کو شرک و بت پرستی سے منع کرتے اور اس کے جواب میں قوم کے بڑے اپنے لوگوں سے کہتے کہ خبردار اپنے معبودوں کو اس شخص کے

کہنے سے نہ چھوڑنا اور خصوصاً اپنے ان پانچ بڑے معبودوں کو یعنی ود ۔سواع ۔ یغوث ۔ یعوق اور نسر کو تو ہرگز نہ چھوڑنا اور ان کی پرستش و بندگی کبھی ترک نہ کرنا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح میں ان ناموں کے صالح و بزرگ اولیاء اللہ تھے۔ جب ان صالحین کا انتقال ہو گیا جن کے نام ود ۔سواع ۔ یغوث ۔ یعوق اور نسر تھے لوگوں نے ان کی تصاویر بنالیں تاکہ ان کے احوال اور عبادات وغیرہ کی یاد تازہ رہے ۔ کچھ مدت کے بعد ان کے مجسمے تیار کر لئے گئے حتی کہ کچھ دنوں بعد ان کی پرستش ہونے لگی اور یہ بت ان ہی بزرگوں کے نام سے موسوم کئے گئے ۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قوم نوح کے بتوں کو آخر میں کفار عرب نے لے لیا۔ کوئی قبیلہ ودکو پوجتا تھا۔ کوئی قبیلہ سواع کا پرستار تھا۔ کوئی قبیلہ یغوث کی پوجا کرتا تھا۔ کوئی قبیلہ یعوق کا پجاری تھا اور کوئی نسر بت کا ماننے والا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ طوفان میں یہ مورتیاں ڈوب گئی تھیں اور مٹی کے اندر دب گئی تھیں مدتوں تک دفن رہیں آخر مکہ کے مشرکوں کے لئے شیطان نے ان کو برآمد کیا اور مشرکین عرب کو ان کی پرستش پر لگا دیا۔

الغرض حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں یہ بھی عرض کیا کہ اے میرے پروردگار یہ لوگ میری بات تو مانتے نہیں اور اپنے رئیسوں اور سرداروں کی بات سنتے اور مانتے ہیں جو اپنے مال پر مغرور اور کثرت اولاد پر نازاں ہیں اور وہ مال و اولاد ان کی تباہی کا باعث بنے ہوئے ہیں اور جنہوں نے دین حق کے مٹانے میں بڑی تدبیریں کیں اور جنہوں نے اپنے تابعین کو یہی سمجھایا کہ تم اپنے معبودوں کی پوجا ہرگز مت چھوڑنا اور بالخصوص اپنے بڑے پانچ معبودوں کی پرستش ہرگز نہ ترک کرنا۔ اور ان سرداروں نے بہکا بہکا کر بہتوں کو گمراہ کیا۔ اے اللہ میں ان کی ہدایت سے اب بالکل مایوس ہو گیا ہوں اس لئے دعاء کرتا ہوں کہ ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے تاکہ ان کا پیمانہ شقاوت لبریز ہو کر یہ عذاب الٰہی کے مورد بنیں اور مستحق ہلاکت ہو جاویں۔ مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بددعا ان کی ہدایت سے مایوس ہو کر کی خواہ مایوسی صدہا سال کے تجربہ کی بنا پر ہو یا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد سن چکے ہوں گے جو سورہ ہود بارھویں پارہ میں ذکر فرمایا گیا أُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (اور نوحؑ کے پاس وحی بھیجی گئی کہ تمہاری قوم میں سے اب اور کوئی ایمان نہیں لائے گا بجز ان کے جواب تک ایمان لا چکے) تو ایسی مایوسی کی حالت میں بددل ہو کر ایسی بددعا کرنا مستبعد نہیں ۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم فرعون کے لئے بددعا فرمائی تھی جیسا کہ گیارھویں پارہ سورہ یونس میں بتلایا گیا رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ (اے ہمارے پروردگار انکے مالوں کو نیست نابود کر دے اور ان کے دلوں کو اور زیادہ سخت کر دے سو یہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ عذاب دردناک کو دیکھ لیں)

حضرت نوح علیہ السلام کا بیان یہ دعا کرنا **ولا تزد الظلمین الا ضللاً** (اور ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے) اس سے مقصود گمراہی کی زیادتی نہیں بلکہ استحقاق ہلاکت کی دعاء ہے کہ انکا کفر و شرک بڑھ کر ان کیلئے موجب ہلاکت اور عذاب الیم ہو جاوے۔

اب آگے اس قوم کا جو انجام ہوا وہ بیان فرما کر حضرت نوح علیہ السلام کی بقیہ فریاد اور دعا کا مضمون بیان کیا گیا ہے جسکا بیان ان شاء اللہ اگلی خاتمہ کی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مِمَّا خَطِيٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾

اپنے ان ہی گناہوں کے سبب وہ غرق کئے گئے پھر آگ میں داخل کئے گئے اور خدا کے سوا ان کو کچھ حمایتی بھی میسر نہ ہوئے۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ

اور نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ۔ اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو یہ لوگ آپ کے بندوں کو

يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ

گمراہ کریں گے اور ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی۔ اے میرے رب مجھ کو اور میرے ماں باپ کو

لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع

اور جو مومن ہونے کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہیں ان کو اور تمام مسلمانوں مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دیجئے اور ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھا دیجئے۔

مِمَّا بسبب	خَطِيٓـٰٔتِهِمْ اپنی خطائیں	اُغْرِقُوْا وہ غرق کئے گئے	فَاُدْخِلُوْا پھر وہ داخل کئے گئے	نَارًا آگ	فَلَمْ يَجِدُوْا تو انہوں نے نہ پایا
لَهُمْ اپنے لئے	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	اَنْصَارًا کوئی مددگار	وَقَالَ اور کہا	نُوْحٌ نوح	رَّبِّ اے میرے رب / لَا تَذَرْ تو نہ چھوڑ
عَلَى الْاَرْضِ زمین پر	مِنَ الْكٰفِرِيْنَ کافروں میں سے	دَيَّارًا کوئی بسنے والا	اِنَّكَ بیشک تو	اِنْ اگر	تَذَرْهُمْ انہیں چھوڑ دیا
يُضِلُّوْا وہ گمراہ کرینگے	عِبَادَكَ تیرے بندے	وَلَا يَلِدُوْٓا اور نہ جنیں گے	اِلَّا سوائے	فَاجِرًا بدکار / كَفَّارًا ناشکرے	رَبِّ اے میرے رب
اغْفِرْ لِيْ مجھے بخشدے	وَلِوَالِدَيَّ اور میرے ماں باپ	وَلِمَنْ اور اُسے جو	دَخَلَ داخل ہو	بَيْتِيَ میرے گھر	مُؤْمِنًا ایمان لاکر
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اور مومن مردوں کو	وَالْمُؤْمِنٰتِ اور مومن عورتوں	وَلَا تَزِدِ اور نہ بڑھا	الظّٰلِمِيْنَ ظالموں	اِلَّا تَبَارًا ہلاکت کے سوا	

تفسیر و تشریح: یہ سورہ نوح کی آخری آیات ہیں۔ شروع سورۃ سے چند ابتدائی آیات چھوڑ کر حضرت نوح علیہ السلام کی فریاد والتجا نقل فرمائی گئی۔

ان آیات میں اس دعا اور شکایت کا اثر ظاہر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ آخر کار انجام اس نافرمان قوم کا یہ ہوا کہ نوح علیہ السلام کی نافرمانی اور اپنے کفر و شرک پر اصرار اور اپنے پیغمبر کی مخالفت اور طرح طرح سے ان کو ایذا رسانی کے گناہوں کے سبب وہ غرق آب کئے گئے۔ بظاہر طوفان آیا اور وہ پانی میں ڈوب کر ہلاک ہوئے۔ اور ان کو پانی میں غرق کر دینے سے صرف ان کو روئے زمین سے نیست و نابود کر دینا مقصود نہ تھا کہ جو اس ڈبونے پر کفایت کی جاتی بلکہ برزخ کا عذاب چکھانا بھی ان کو منظور تھا اس لئے بتلایا گیا کہ غرق ہونے کے بعد وہ نار میں داخل کئے گئے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں نار سے برزخ کی نار مراد ہے کیونکہ جہنم کی نار میں تو حشر نشر کے بعد داخلہ ہوگا۔ مرنے کے فوراً ہی بعد روح عالم دنیا سے برزخ جس کو عالم قبر بھی کہتے ہیں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کو نیک و بد اعمال کا بدلہ ملتا ہے۔ اس آیت سے عالم برزخ یعنی عالم قبر کا عذاب ثابت ہے۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حشر سے پہلے بھی مومن و کافر کو ثواب و عذاب اس کے اعمال و ایمان کے باعث ملتا ہے اس لئے کہ مرنے سے روح نہیں مر جاتی بلکہ ایک دوسرے عالم یعنی عالم برزخ یا عالم قبر میں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کو نیک و بد کا بدلہ ملتا ہے۔

ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیت بھی عذاب قبر و وجود برزخ میں ایک صریح دلیل ہے اور احادیث سے تو عذاب قبر کا ثبوت کثرت سے ملتا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز پڑھی ہو اور عذاب قبر سے اللہ کی پناہ نہ مانگی ہو۔ قبر میں فرشتوں کا سوال کرنا اور صحیح جوابات دینے پر جنت کا فرش ہونا اور جنت کا لباس ملنا اور جنت کی خوشبودار ہوائیں آنا

اور جنت کے نظارے دیکھنا۔اور صحیح جوابات نہ دینے پر دوزخ کا فرش اور دوزخ کا لباس اور دوزخ کی گرمی اور لپٹیں اور جھلسانے والی ہوائیں آنا متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے۔ نیز کافر کی قبر میں ہتھوڑوں سے کٹائی اور سانپوں واژدھوں کا مسلط ہونا اور ان کا کاٹنا اور ڈسنا متعدد احادیث میں ارشاد ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا حضرت آپ جنت دوزخ کے ذکر کے وقت تو نہیں روتے اور اس پر روتے ہیں۔فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات پالی تو بعد والی منزلیں اس سے آسان ہیں اور اس سے نجات نہ ملی تو بعد کی منزلیں اس سے سخت ہوں گی۔

الغرض یہاں آیت میں فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم نوح عالم برزخ میں عذاب قبر میں مبتلا کر دی گئی آگے ارشاد ہوتا ہے کہ پھر اس قوم نے اپنے واسطے اپنے ان معبودوں کو جن کو پوجتے تھے اس امید سے کہ وقت پڑنے پر کام آئیں گے اور مصیبت میں مدد کریں گے کوئی بھی ان کا حمایتی نہ ہوا۔ نہ ود نے ان سے محبت کی۔ نہ سواع نے ان کو بچایا۔ نہ یغوث ان کی فریاد کو پہنچا۔ نہ یعوق نے حمایت کی نہ نسر نے ان کو کچھ قوت دی کہ دنیا کے عذاب سے یعنی طوفان میں غرق ہونے سے ان کو بچاتے یا برزخ کے عذاب کو ان سے دفع کرتے۔ الغرض جب طوفان کے پانی کی زیادتی ہوئی اور حضرت نوح علیہ السلام مع اپنے متبعین کے کشتی میں سوار ہو لئے اور کافر ڈوبنے لگے تو حضرت نوح علیہ السلام نے بعض کافروں کو دیکھا کہ پہاڑ کی چوٹیوں پر اور اونچے مکانوں پر بھاگ کر جا بیٹھے ہیں اور بعضوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے طوفان کا حال سنا تھا تو اس خوف سے شیشہ کے مکانات پہاڑوں پر احتیاط کے واسطے بنا لئے تھے اور کئی مہینوں کا کھانا پانی بھی اس میں رکھ لیا تھا تو طوفان آنے پر ان مکانوں میں بے خوف ہو کر جا بیٹھے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ حال دیکھ کر اندیشہ کیا کہ ایسا نہ ہو کہ بعضے کافر اس عذاب سے اس حکمت سے بچ جاویں اور پھر ان کافروں کا تخم اس جہاں میں باقی رہے۔ یہ خیال کر کے آپ پھر درگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوئے کہ اے خدایا اب تو ان کافروں میں سے ایک کو بھی زمین پر چلتا پھرتا نہ چھوڑ۔ ان میں کوئی اس لائق نہیں کہ باقی رکھا جائے۔ جو کوئی زندہ رہے گا میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ اس سے بے حیا۔ ڈھیٹھ۔ منکر حق اور ناشکرے ہی پیدا ہوں گے اور جب تک ان میں سے کوئی موجود رہے گا خود تو راہ راست پر کیا آتا دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا اور ان سے جو نسل بھی پھیلے گی وہ بھی انہی جیسے بدکار کافر ہوں گے غرض ہر طرح سے یہ لوگ ہلاکی اور تباہی کے سزاوار ہیں۔ پھر یہی ہوا بھی کہ سارے کے سارے کافر غرقاب کر دیئے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا جو باپ سے الگ تھا وہ بھی نہ بچ سکا کیونکہ وہ پانی کا طوفان نہ تھا بلکہ عذاب الٰہی اور غضب خداوندی تھا۔اب جب نوح علیہ السلام نے قہر الٰہی کے شعلہ بلند ہوتے دیکھے تو اس کی شان کبریائی اور بے نیازی سے ڈرے اور ڈرنا چاہئے بھی اور یہی کمال ایمان بھی ہے تو اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے اور اپنے ساتھیوں کے لئے اور تمام اہل ایمان کے لئے درگاہ الٰہی میں اس طرح دعا مانگنے لگے کہ الٰہی مجھے بخش دے اور میرے مرتبہ کے موافق مجھ سے جو تقصیر ہوئی ہو اپنے فضل سے معاف کیجئے اور میرے والدین اور جو میری کشتی یا میرے گھر یا میری مسجد میں مومن ہو کر آئے ان سب کی خطاؤں سے درگذر فرمائیے بلکہ آئندہ قیامت تک جس قدر مرد اور عورتیں مومن ہوں سب کی مغفرت فرما دیجئے مگر ان ظالموں کو تو ہلاک ہی کر ڈال۔ یہ بدبخت نہ بچیں۔

اس دعاء سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے والد اور والدہ مومن تھے چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے آباء واجداد میں حضرت آدم علیہ السلام تک کوئی کافر نہ تھا سب مومن اور موحد تھے اور آپ کی والدہ بھی مومنہ تھیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعاء مغفرت میں بڑی خوشخبری ہے تمام ایمانداروں کے واسطے جو قیامت تک ہوتے جاویں گے اس واسطے کہ کافروں کے حق میں جو بددعا آپ نے کی تھی وہ درگاہ الٰہی میں مقبول ہوئی اور اس کی قبولیت کے آثار بھی ظاہر ہوئے یعنی سب کافر ہلاک ہوئے۔ تو ایمانداروں کے حق میں مغفرت کی دعا جو آپ نے کی وہ بھی بلاشبہ مقبول ہوئی ہوگی لیکن مومن ہونا شرط ہے تا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعاء سے حصہ ملے۔

الحمدللہ اس درس میں سورہ نوح کا بیان ختم ہو گیا۔

سورۃ نوح

۱- جو آدمی سورۃ نوح کی تلاوت کو اپنا معمول بنالے تو وہ مرنے سے پہلے جنت میں اپنا ٹھکانہ ضرور دیکھے گا۔

۲- کسی آدمی کو سخت حاجت درپیش ہو تو وہ اپنی حاجت روائی کی نیت سے سورۃ نوح پڑھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔ ۳- اگر کسی کو کسی ظالم کا سامنا ہو تو سورۃ نوح پڑھ لے ظالم کے شر سے محفوظ رہیگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٍ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى

آپ کہیئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سُنا پھر (اپنی قوم میں واپس جاکر) انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے۔ جو راہ راست

الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ﴿۲﴾

بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔

قُلْ آپ فرمادیں	اُوْحِيَ مجھے وحی کی گئی	اِلَيَّ میری طرف	اَنَّهُ اسْتَمَعَ کہ اُسے سُنا	نَفَرٌ ایک جماعت	مِنَ الْجِنِّ جنات سے (کی)
فَقَالُوْٓا تو انہوں نے کہا	اِنَّا سَمِعْنَا بیشک ہم نے سنا	قُرْاٰنًا قرآن	عَجَبًا ایک عجیب	يَهْدِيْ وہ رہنمائی کرتا ہے	اِلَى الرُّشْدِ ہدایت کی طرف
فَاٰمَنَّا تو ہم ایمان لائے	بِهٖ اس پر	وَ اور	لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ ہم ہرگز شریک نہ ٹھہرائیں گے اپنے رب کے ساتھ	اَحَدًا کسی کو	

تفسیر وتشریح: جن،، جس کے لغت میں معنی پوشیدہ کے ہیں یہ بھی اور مخلوقات کی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل مخلوق ہیں۔ ان کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے جیسا کہ اوّل انسان حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ لیکن ان جنات کی تخلیق کی تفصیلی کیفیت سے ہم کو آگاہی نہیں ہے بہر حال دنیا میں حضرت آدمؑ کی آمد اور انسانوں کی پیدائش سے پہلے جنات موجود تھے۔ انسانوں کی طرح اب یہ بھی احکام شرعیہ کے مکلف ہیں۔ چونکہ عام طور سے یہ انسانوں کی نظروں سے غائب رہتے ہیں اس لئے اکثر فلسفیوں اور نیچریوں اور دہریوں نے ان کے وجود کا انکار کیا حالانکہ عقلاً بھی کوئی وجہ انکار کی نہیں سوائے اس کے کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہیں اور عام طور سے ہر کسی کو دکھائی نہیں دیتے۔ لیکن کسی چیز کا ہم کو نظر نہ آنا یا اس کی کیفیت کا ہمیں معلوم نہ ہونا۔ اس کے نہ ہونے کی دلیل کب ہے۔ تمام ارباب مذاہب کے نزدیک جو کسی آسمانی مذہب کے قائل ہیں ''جنات'' کا وجود مسلم ہے۔ اور قرآن کریم واحادیث متواترہ کے نصوص جب صراحت کے ساتھ ''جنات'' کے وجود کو ثابت کر رہے ہیں اور بہت سی حدیثوں میں جن کو دیکھنے کا ذکر بھی ہے تو پھر کسی مسلمان کو ان کا وجود ماننے سے انکار کرنا ہرگز زیبا نہیں۔ خصوصاً جبکہ ہر زمانہ میں بکثرت ایسے سچے لوگ بھی ہوئے ہیں جو بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنات کو مختلف صورتوں میں دیکھا ہے ایسی صورت میں ان کے وجود سے وہی شخص انکار کرے گا جو دیدہ ودانستہ ہٹ دھرمی پر اتر آئے۔ قادیانیوں نے قرآن میں جہاں جہاں ''جن'' کا ذکر ہے۔ اس سے انسان ہی مراد لئے ہیں جس کی وجہ سے ان کو جگہ جگہ گمراہ کن اور مضحکہ خیز تاویلات کرنی پڑیں۔

الغرض انسانوں کی طرح جنات میں بھی پیدائش اور موت اور مذکر ومؤنث اور نیک وبد۔ اور کافر ومسلم کا سلسلہ جاری ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جن وانس سب کے لئے تھی۔ بعض علماء کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی کی بعثت جن وانس دونوں کے لئے نہیں ہوئی۔

چنانچہ جنات کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجی گئی جب وہ ایک جگہ جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آج رات کو جنات کو قرآن سناؤں۔ تم میں سے کون میرے ساتھ چلے گا۔ سب نے سن کر سر جھکا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ساتھ لے جانے کی خواہش کی تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ساتھ ہو لئے۔ حضرت عبد

اللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ میرے سوا اور کوئی ساتھ نہیں گیا۔ ہم چل دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھاٹی میں داخل ہو گئے اور میرے گرداگرد ہاتھ سے ایک لکیر یعنی حصار کر کے حکم دیا کہ اس کے اندر بیٹھے رہنا۔ جب تک میں نہ بلاؤں باہر نہ نکلنا۔ یہ حکم دے کر آپ چلد یئے اور کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا شروع کر دیا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ گدھوں کی طرح کچھ جانور تیزی کے ساتھ اترتے آ رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ مجھے بہت سخت شور و غل بھی سنائی دیا۔

مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فکر ہوئی پھر بکثرت پرچھائیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس چھا گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میری آڑ ہوگئی کہ آپ کی آواز بھی مجھے سنائی نہ دیتی تھی۔ کچھ دیر کے بعد بادل کے ٹکڑوں کی طرح ٹکڑیاں بنا کر جانا شروع ہو گئے اور فجر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا کیا تم سو گئے۔ میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ میں نہیں سویا۔ کئی مرتبہ میرا ارادہ ہوا کہ لوگوں کو مدد کے لئے پکاروں مگر لاٹھی کھٹکھٹا کر میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا کہ بیٹھ جاؤ تو مجھے کچھ اطمینان ہوا اور فرمایا اگر تم حصار سے باہر نکل آتے تو ڈر تھا کہ ان میں سے کوئی تم کو جھپٹا مار دیتا۔ اور بھی روایات ہیں کہ جنات کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا اور امر و نہی فرمایا۔

سورۃ کی ابتدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب سے ہوتی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ مجھے وحی سے بتایا گیا کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا اور اپنی قوم میں واپس جا کر انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب غریب کلام سنا ہے جو معرفت ربانی اور رشد و فلاح کی طرف رہبری کرتا ہے اور طالب خیر کا ہاتھ پکڑ کر نیکی اور تقویٰ کی منزل پر پہنچا دیتا ہے اس لئے ہم سنتے ہی بلا توقف اس پر یقین لائے اور ہم کو کچھ شک و شبہ باقی نہیں رہا کہ ایسا کلام اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ اب ہم اس کی تعلیم و ہدایت کے موافق عہد کرتے ہیں کہ آئندہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

اب آگے مزید مضمون جو ان ایمان لانے والے جنات نے اپنی قوم میں جا کر بیان کیا نقل فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جو ہم کو اپنے کلام پاک پر ایمان رکھنے والا بنایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ایمان پر استقامت اور مضبوطی نصیب فرمائیں اور ایمان کے ساتھ اس کلام پاک کا علم اور اس پر عمل اور اتباع بھی نصیب فرمائیں اور اس کے ذریعہ رشد و ہدایت پر بھی خود چلنا اور دوسروں کو بھی چلانا نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہم ایسے انسانوں کی بدحالی پر کس سے فریاد کریں سوائے آپ کی ذات عالی سے۔ یا اللہ اپنے اس کلام پاک قرآن کریم کی سچی عظمت و محبت ہمارے دلوں میں اتار دے تاکہ ہم اس کے عاشق ہو کر زندہ رہیں اور اس کے اتباع کی دولت سے سرفراز ہو کر دین و دنیا کی کامرانی و کامیابی پھر حاصل کریں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ﴿٣﴾ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى

اور (انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ) ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے اُس نے نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد۔ اور ہم میں جو احمق ہوئے ہیں وہ اللہ کی شان میں

اللَّهِ شَطَطًا ﴿٤﴾ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن تَقُولَ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ﴿٥﴾ وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ

حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے۔ اور ہمارا یہ خیال تھا کہ انسان اور جنات کبھی خدا کی شان میں جھوٹ بات نہ کہیں گے۔ اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے

مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ﴿٦﴾ وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنتُمْ

کہ وہ جنات میں سے بعضے لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے سو ان آدمیوں نے جنات کی بد دماغی اور بڑھا دی۔ اور جیسا تم نے خیال کر رکھا تھا ویسا ہی

أَن لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ﴿٧﴾ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ﴿٨﴾

آدمیوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا۔ اور ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہا سو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا

وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿٩﴾ وَأَنَّا

(اور اس کے قبل) ہم آسمان (کی خبریں سننے) کے موقعوں میں (خبر) سننے کیلئے جا بیٹھا کرتے تھے سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے

لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾

اور ہم نہیں جانتے کہ (ان جدید پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث فرمانے سے) زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا اُن کے رب نے ان کو ہدایت کرنے کا قصد فرمایا ہے۔

وَأَنَّهُ اور یہ کہ	تَعَالَىٰ برتر	جَدُّ شان	رَبِّنَا ہمارا رب	مَا اتَّخَذَ اس نے نہیں بنایا	صَاحِبَةً بیوی	وَلَا وَلَدًا اور نہ اولاد	وَأَنَّهُ اور یہ کہ
كَانَ يَقُولُ کہتے تھے	سَفِيهُنَا ہم میں سے بیوقوف	عَلَى اللَّهِ اللہ پر	شَطَطًا بڑھا کر باتیں	وَأَنَّا ظَنَنَّا اور یہ کہ ہم نے گمان کیا	أَنْ کہ		
لَن تَقُولَ ہرگز نہ کہیں گے	الْإِنسُ انسان	وَالْجِنُّ اور جن	عَلَى اللَّهِ اللہ پر	كَذِبًا جھوٹ	وَأَنَّهُ اور یہ کہ	كَانَ تھے	رِجَالٌ کچھ آدمی
مِّنَ الْإِنسِ انسانوں میں سے	يَعُوذُونَ پناہ لیتے (تھے)	بِرِجَالٍ لوگوں سے	مِّنَ الْجِنِّ جنات سے	فَزَادُوهُمْ تو انہوں نے (جنات) کو بڑھا دیا			
رَهَقًا تکبر میں	وَأَنَّهُمْ اور یہ کہ وہ	ظَنُّوا انہوں نے گمان کیا	كَمَا ظَنَنتُمْ جیسے تم نے گمان کیا تھا	أَن لَّن کہ ہرگز نہ	يَبْعَثَ اللَّهُ رسول بنا کر بھیجے گا اللہ		
أَحَدًا کسی کو	وَأَنَّا لَمَسْنَا اور یہ کہ ہم نے چھوا (ٹٹولا)	السَّمَاءَ آسمان	فَوَجَدْنَاهَا تو ہم نے اسے پایا	مُلِئَتْ بھرا ہوا	حَرَسًا پہریدار	شَدِيدًا سخت	
وَشُهُبًا اور شعلے	وَأَنَّا اور یہ کہ ہم	كُنَّا نَقْعُدُ ہم بیٹھا کرتے تھے	مِنْهَا اس کے	مَقَاعِدَ ٹھکانے	لِلسَّمْعِ سننے کیلئے	فَمَن پس جو	يَسْتَمِعِ سنتا ہے
الْآنَ اب	يَجِدْ لَهُ وہ اپنے لئے پاتا ہے	شِهَابًا شعلہ	رَّصَدًا گھات لگایا ہوا	وَأَنَّا اور یہ کہ ہم	لَا نَدْرِي نہیں جانتے	أَشَرٌّ آیا برائی	أُرِيدَ ارادہ کیا گیا
بِمَن انکے ساتھ	فِي الْأَرْضِ جو زمین میں	أَمْ أَرَادَ یا ارادہ فرمایا ہے	بِهِمْ ان سے	رَبُّهُمْ ان کا رب	رَشَدًا ہدایت		

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان ایمان لے آنے والے جنات نے اپنی قوم سے یہ بھی کہا کہ ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے۔ اس کی عظمت و بزرگی انتہا درجہ کی ہے کہ کوئی اس کا شریک نہ ہو سکے اور یہی وجہ ہے کہ نہ اس کے کوئی بیوی ہے نہ اولاد اور یہ سب باتیں ہمارے احمقوں نے گھڑی ہیں۔ یعنی ان ایمان لانے والے جنات نے اپنے اعتقادات سابقہ کی جو سنی سنائی باتوں پر مبنی تھے اس کی لغویت بیان کی کہ جن کو ہم پہلے

عقلمند اور دانا سمجھ کر ان کی باتوں پر یقین کرتے تھے اور جو کچھ وہ حق سبحانہ کی نسبت زن و فرزند ہونے کی روایت کرتے تھے اور ہم اس کو برحق جانتے تھے اب معلوم ہوا کہ وہ احمق اور نادان خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولتے تھے اور غلط باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم نے ان کی باتوں کو کسی دلیل و برہان سے برحق نہیں سمجھ رکھا تھا بلکہ محض تقلید باطل سے یہ غلط خیال قائم کر لیا تھا اور ہم کو پہلے یہ خیال تھا کہ اس قدر کثیر التعداد جن وانس مل کر جن میں بڑے بڑے عاقل و دانا بھی ہیں اللہ تعالیٰ کی نسبت جھوٹی بات کہنے کی جرأت نہ کریں گے۔ اب قرآن سن کر معلوم ہوا کہ بہت سے جن وانس اللہ تعالیٰ کی بابت جھوٹی باتیں بناتے ہیں اور اپنی عاقبت برباد کر کے اوروں کی عقبیٰ بھی تباہ کر رہے ہیں پھر ان ایمان لے آنے والے جنات نے اپنی قوم سے یہ بھی کہا کہ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے انسان جنات کو اپنا محافظ اور مددگار مان لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان جنات کا دماغ اور بھی بگڑ جاتا ہے کہ او ہو ہم اتنے بڑے ہیں کہ انسان ہماری پناہ میں آنا چاہتے ہیں۔ یہاں عربوں کی ایام جاہلیت کی اس حالت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جنات سے غیب کی خبریں پوچھتے۔ ان کے نام کی نذر و نیاز کرتے۔ چڑھاوے چڑھاتے اور جب کسی قافلہ کا گزر یا پڑاؤ کسی خوفناک جنگل یا وادی میں ہوتا تو کہتے کہ اس حلقہ کے جنوں کا جو سردار ہے ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں تا کہ وہ اپنے ماتحت جنوں سے ہماری حفاظت کرے۔ جنات نے جب یہ دیکھا کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتے ہیں تو ان کی سرکشی اور بڑھ گئی۔ لکھا ہے کہ پہلے جنات انسانوں سے ڈرا کرتے تھے اور جس جنگل بیابان میں انسان پہنچ جاتا تھا تو وہاں سے جنات بھاگ کھڑے ہوتے تھے لیکن جب سے اہل شرک نے خود ان سے پناہ مانگنی شروع کی اور کہنے لگے کہ اس وادی کے سردار "جن" کی ہم پناہ میں آتے ہیں اس سے کہ ہمیں یا ہماری اولاد و مال کو ضرر پہنچے تو اب جنات نے سمجھا کہ یہ تو خود ہم سے ڈرتے ہیں تو ان کی جرأت بڑھ گئی اور انہوں نے انسانوں کو طرح طرح سے ڈرانا۔ ستانا اور چھیڑنا شروع کر دیا اور طغیانی و سرکشی میں اور بڑھ گئے۔ اسی امر کی طرف ان مسلمان جنات نے اپنی گفتگو میں جو وہ اپنی قوم سے کر رہے تھے اشارہ کیا کہ بہت سے مشرک انسانوں نے جنات کی مدد اور ان کی پناہ مانگ کر ان جنات کی بد دماغی اور سرکشی اور بڑھا دی اور کفر و عناد پر اور زیادہ مصر ہو گئے۔ یہاں تک تو ان مسلمان جنات نے توحید کے متعلق اپنی قوم میں مضمون بیان کیا آگے بعث بعد الموت یعنی مر کر دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق کہا کہ اے قوم جنات جیسا تمہارا خیال ہے بہت سے انسانوں کا بھی یہی خیال ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کر کے ہرگز نہ اٹھائے گا۔ اس لئے جو کچھ ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے آگے کچھ نہیں۔ لیکن اب قرآن سے معلوم ہوا کہ وہ لوگوں کو بتاتا ہے کہ تم سب موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور دنیا کی زندگی کا رتی رتی کا حساب دینا ہوگا۔ اس کے بعد ان مسلمان جنات نے رسالت کے متعلق مضمون بیان کیا اور قوم سے کہا کہ ہم نے اڑ کر آسمان کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ آج کل بہت جنگی پہرے لگے ہوئے ہیں جو کسی کو غیب کی خبر سننے نہیں دیتے اور جو ایسا ارادہ کرتا ہے تو اس پر آگ کے انگارے برستے ہیں۔ اس سے پیشتر اتنی سختی اور روک ٹوک نہ تھی۔ جن اور شیاطین آسمان کے قریب گھات میں بیٹھ کر ادھر کی کچھ خبریں سن آیا کرتے تھے مگر اب اس قدر سخت ناکہ بندی اور انتظام ہے کہ جو سننے کا ارادہ کرے تو فوراً شہاب ثاقب کے آتشیں گولے سے اس کا تعاقب کیا جاتا ہے اور یہ جدید انتظامات اور ناکہ بندیاں خدا جانے کس غرض سے عمل میں آئی ہیں۔ یہ تو ہم سمجھ چکے کہ قرآن کریم کا نزول اور پیغمبر عربی کی بعثت اس کا سبب ہوا لیکن نتیجہ کیا ہونے والا ہے اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس کا علم اس علام الغیوب ہی کو ہے کہ آیا زمین والے قرآن کو مان کر راہ پر آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ان پر الطاف خصوصی مبذول فرمائے گا یا یہ ارادہ ٹھہر چکا ہے کہ لوگ قرآنی ہدایات سے اعراض کرنے کی پاداش میں تباہ و برباد کئے جائیں اس کا ہم کو علم نہیں۔ یہاں ان مسلمان جنات کا نتیجہ کی لاعلمی ظاہر کرنے سے یہ ظاہر کرنا بھی شاید مقصود ہو کہ بعض لوگ جو جنات کی طرف غیب دانی کو منسوب کرتے ہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ ہم کو خبر نہیں کہ ان جدید پیغمبر کے مبعوث فرمانے سے اللہ تعالیٰ کو زمین والوں کے ساتھ کیا معاملہ مقصود ہے؟ معلوم نہیں کہ اس قرآن کو رسول سے سن کر سارے لوگ ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی رحمت و ہدایت کے مستحق ہوتے ہیں یا اس کا انکار اور مخالفت کر کے عذاب سمیٹیں گے۔ مسلمان جنات کے اس مضمون کے بیان کرنے میں اشارہ قوم کو اس طرف بھی ہے کہ انکار د مخالفت رسول اور قرآن میں عقوبت اور سزا ہے اور ان پر ایمان لے آنے اور اتباع کرنے سے رشد و ہدایت ہے۔ ابھی ان ایمان لانے والے جنات کا خطاب قوم سے جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ

اور ہم میں بعضے نیک ہیں اور بعضے اور طرح کے ہیں ہم مختلف طریقوں پر تھے۔ اور ہم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین میں اللہ تعالیٰ کو

نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْ

ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو ہرا سکتے ہیں۔ اور ہم نے جب ہدایت کی بات سن لی تو ہم نے تو اس کا یقین کر لیا۔ سو جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آوے گا

بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ

تو اس کو نہ کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا۔ اور ہم میں بعضے تو مسلمان (ہوگئے) ہیں اور بعضے ہم میں (بدستور سابق) بے راہ ہیں سو جو شخص مسلمان ہو گیا

فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

انہوں نے تو بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا۔ اور جو بے راہ ہیں وہ دوزخ کے ایندھن ہیں۔

وَّ اَنَّا اور یہ کہ	مِنَّا ہم میں سے	الصّٰلِحُوْنَ نیکوکار (جمع)	وَ مِنَّا اور ہم میں سے	دُوْنَ ذٰلِكَ اس کے علاوہ	كُنَّا ہم تھے	طَرَآئِقَ راہیں	قِدَدًا مختلف
وَّ اَنَّا اور یہ کہ	ظَنَنَّآ ہم نے گمان کیا	اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ کہ ہم ہرگز نہ ہرا سکیں گے	اللّٰهَ اللہ	فِی الْاَرْضِ زمین میں	وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ اور ہم اس کو ہرگز نہ ہرا سکیں گے		
هَرَبًا بھاگ کر	وَّ اَنَّا اور یہ کہ	لَمَّا سَمِعْنَا جب ہم نے سنی	الْهُدٰۤی ہدایت	اٰمَنَّا بِهٖ ہم ایمان لے آئے اس پر	فَمَنْ سو جو	یُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ اپنے رب پر ایمان لائے	
فَلَا یَخَافُ تو اسے خوف نہ ہوگا	بَخْسًا کسی نقصان	وَّ لَا رَهَقًا اور نہ کسی ظلم	وَّ اَنَّا اور یہ کہ	مِنَّا ہم میں سے	الْمُسْلِمُوْنَ مسلمان (جمع)		
وَ مِنَّا اور ہم میں سے	الْقٰسِطُوْنَ گنہگار	فَمَنْ اَسْلَمَ پس جو اسلام لایا	فَاُولٰٓئِكَ تو وہی ہیں	تَحَرَّوْا انہوں نے قصد کیا	رَشَدًا بھلائی	وَ اَمَّا اور رہے	
الْقٰسِطُوْنَ گنہگار (جمع)	فَكَانُوْا تو وہ ہوئے	لِجَهَنَّمَ جہنم کا	حَطَبًا ایندھن				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان جنات نے قوم سے یہ بھی کہا کہ ہمارے اندر پہلے ہی نیک و بد دونوں قسم کے جنات ہیں اور مختلف طریقوں پر ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ جس طرح مذہبوں کا اختلاف آدمیوں میں پایا جاتا ہے ایسا ہی اختلافات جنات بھی رکھتے ہیں چنانچہ بعضے ان میں یہودی ہیں بعضے نصرانی۔ بعضے مجوسی۔ بعضے مشرک۔ بعضے رافضی اور بعضے خارجی اور بعض نہایت صحیح العقیدہ مومن و مسلم بھی ہیں۔ تو ان اہل ایمان جنات نے بھی یہی کہا کہ ہم میں سے بعضے نیک ہوتے آئے ہیں اور بعضے بد۔ غرض ہم لوگ مختلف طریقوں پر تھے پھر اس کا فیصلہ کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر۔ بجز نبوت اور وحی الٰہی کے کون کر سکتا ہے۔ ہم کو تو یقین ہو گیا ہے کہ اگر ہم نے قرآن کو نہ مانا تو اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔ نہ زمین میں کسی جگہ چھپ کر۔ نہ ادھر ادھر بھاگ کر۔ نہ ہوا میں اڑ کر۔ گو جنات نہایت قوی اور زبردست ہیں مگر خدا تعالیٰ کے آگے کچھ حقیقت اور زور نہیں رکھتے۔ صرف آسمانی راز ہی بند کرنے پر دیکھ لیا کہ کسی کی تدبیر اور زور کارگر نہ ہوا۔ اوپر چڑھتے ہیں تو انگارے برستے ہیں پھر اگر ہم نے آسمانی ہدایات کے خلاف کیا اور اللہ کا قہر نازل ہوا تو ہم کہیں نکل کر نہ بھاگ سکیں گے۔ نہ پناہ گزین ہو سکیں گے۔ اس لئے اس قرآن اور نبی آخر الزمان کا ماننا ضروری ہوا اور اب اے قوم تم مانو یا نہ مانو لیکن ہم نے جب ہدایت یعنی قرآن سن لیا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ ہمارے لئے فخر کا موقع ہے کہ جنات میں سب سے پہلے ہم نے

قرآن سن کر بلاتوقف قبول کیا اور ایمان لانے میں ایک منٹ کی دیر نہیں کی۔ اس طرح گویا قوم کو بھی بلاتاخیر ایمان لانے کی ترغیب دی اور اسی ترغیب کے لئے مزید یہ کہا کہ سچے ایماندار کو اللہ کے ہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ نہ نقصان کا کہ اس کی کوئی نیکی اور محنت یونہی رائیگاں چلی جائے نہ زیادتی کا کہ زبردستی کسی دوسرے کے جرم اس کے سر تھوپ دیئے جائیں۔ غرض کہ ایمان والا نقصان۔ تکلیف۔ ذلت اور رسوائی سب سے مامون ومحفوظ ہے۔ اپنے خطاب کے اخیر میں ان اہل ایمان جنات نے یہ کہا کہ نزول قرآن کے بعد ہم میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ جنہوں نے اللہ کا پیغام سن کر قبول کیا اور اس کے احکام کے سامنے گردن جھکا دی۔ یہی ہیں جو تلاش حق میں کامیاب ہوئے اور نیکی کے راستہ پر پہنچ گئے دوسرا گروہ بے انصافوں کا ہے جو کجروی اور بے انصافی کی راہ سے اپنے پروردگار کے احکام کو جھٹلاتا اور اس کی فرمانبرداری سے انحراف کرتا ہے اور یہ وہ ہیں جن کو جہنم کا کندہ اور دوزخ کا ایندھن کہنا چاہئے۔ یہاں تک ان اہل ایمان جنات کا کلام نقل فرمایا گیا ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے کہا اور جس میں تبلیغ، ترغیب اور ترہیب کے سب پہلو آ گئے۔

قرآن کریم میں یہ واقعہ سنا کر کفار مکہ کو اس سے یہ جتلایا گیا کہ دیکھو وہ جنات جن کی تم پوجا کرتے ہو اور ان سے مدد مانگتے ہو اور ان سے غیب کی باتیں پوچھتے ہو ان کا تو یہ حال کہ وہ ایک بار ہی کے قرآن سننے پر ایمان لے آئے اور اپنے عیوب کا اقرار کر لیا اور کفر وشرک چھوڑ دیا اور پھر اپنی قوم میں بھی جا کر اسلام کی تبلیغ وتلقین کی حالانکہ وہ جنات نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم جنس تھے۔ نہ ہم وطن نہ ہم قوم نہ ہم زبان اور نہ آپ کی پہلے صحبت اٹھائی تھی اور ایک تم ہو کہ باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم جنس، ہم قوم، ہم وطن، ہم زبان، ہم صحبت ہو کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اور کفر وشرک پر اصرار ہے۔

اس کے بعد یہاں قرآن مجید میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ ان ایماندار جنات کے اس خطاب پر ان کے اہل قوم ایمان لائے یا نہیں مگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایمان لائے۔ اور بہت سے جنات صحابی کے درجہ کو پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ ایمان ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلویؒ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں بہت سے واقعات صحابہ کرام اور محدثین سے جنات کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لانے کے نقل فرمائے ہیں۔ ان روایت میں ایک عجیب وغریب روایت جو ابلیس کے پڑپوتے کی ہے وہ یہاں نقل کی جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "عقیلی اور بیہقی اور ابونعیم نے حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ ایک روز ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تہامہ کے ایک پہاڑ پر بیٹھے تھے کہ یکا یک ایک پیرمرد ہاتھ میں عصا لئے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا۔ آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ اس کی آواز جن کی سی ہے۔ پھر آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میرا نام ہامہ ہے میں ہیم کا بیٹا ہوں اور ہیم لاقیس کا بیٹا ہے اور لاقیس ابلیس کا بیٹا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابلیس کے اور تیرے درمیان میں دو ہی پشتیں ہیں۔ بتلا تو کہ تیری عمر کتنی ہوگی اس نے عرض کیا یا رسول اللہ جتنی دنیا کی عمر ہے اس سے کچھ تھوڑی ہی سی میری عمر کم ہے اس واسطے کہ جن دنوں میں قابیل نے ہابیل کو مارا تھا اس وقت میں بچہ تھا کئی برس کا لیکن بات سمجھتا تھا اور پہاڑوں پر دوڑتا پھرتا تھا اور لوگوں کا غلہ اور کھانا چرالاتا تھا اور لوگوں کے دلوں میں اپنے خویش و اقربا سے بدسلوکی کرنے کو وسوسے ڈالا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تیرے بڑھاپے کے عمل تو ایسے ہیں اور جوانی اور بچپن کے کام ویسے۔ تو بہت برا شخص ہے اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اب مجھ کو کچھ ملامت نہ کیجئے اس واسطے کہ میں اب توبہ کرنے کو آیا ہوں اور میں نے حضرت نوح علیہ السلام سے ملاقات کی ہے اور ان کی مسجد میں ان کی صحبت میں رہا ہوں۔ پہلے میں نے ان کے ہاتھ

2 پرتوبہ کی تھی اور ایک سال ان کی مسجد میں رہا ہوں۔ اور حضرت ہود اور حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کی صحبتوں میں رہا ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میں نے ملاقات کی ہے اور ان سے توریت سیکھی تھی اور ان کا سلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچایا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنا تو میرا سلام ان کو پہنچانا۔ سو اب اس امانت کے بار کے ادا کرنے کے واسطے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور یہ بھی میری آرزو ہے کہ آپ اپنی زبان فیض ترجمان سے مجھ کو کچھ قرآن شریف تعلیم فرمائیے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سورتیں جیسے سورہ واقعہ اور سورہ مرسلات اور عم یتسآء لون اور اذ الشمس کورت اور قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ بروب الفلق اور قل اعوذ بروب الناس اس کو تعلیم فرمائیں اور یہ بھی آپ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ اے ہامہ جس وقت تجھ کو کسی چیز کی احتیاج ہو تو میرے پاس آنا اور ہم سے ملاقات نہ چھوڑنا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو وفات پائی اور اس کی موت کی خبر ہم کو نہیں دی اب معلوم نہیں ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا''۔ کتنی عجیب وغریب اور عبرتناک حکایت ہے اور اللہ تعالیٰ کی کیسی قدرت وشان ظاہر کرتی ہے۔ شیطان کا پڑپوتا تو ایمان واسلام لاکر جنتی بن گیا اور آج کتنے انبیاء کی نسل اور اولادوں میں سے ایمان واسلام سے بے بہرہ ہو کر اپنے کو جہنم کا ایندھن بنا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مرتے دم تک ایمان واسلام پر استقامت نصیب فرمائیں۔

الغرض سورۃ میں یہاں تک مسلمان جنات کا کلام جو انہوں نے اپنی قوم جنات کو خطاب کر کے کہا تھا نقل فرمایا گیا۔ آگے حق تعالیٰ اپنی طرف سے چند نصیحت کی باتیں ارشاد فرماتے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت سے نوازا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ایمان اور اسلام پر استقامت نصیب فرمائیں اور اسلام وایمان کی برکت سے دونوں جہاں میں اپنی رحمتوں سے نوازیں۔ یا اللہ نفس وشیطان کی گمراہیوں سے ہماری حفاظت فرمائیے اور انجام کی خیر وخوبی اور حسن خاتمہ کی دولت ہم سب کو عطا فرمائیے۔

آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ

(اور مجھ کو ان مضامین کی بھی وحی ہوئی کہ) اگر یہ (مکہ والے) لوگ (سیدھے) راستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم اُن کو فراغت کے پانی سے سیراب کرتے۔ تاکہ اُس میں ان کا امتحان کریں۔

ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾

اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔

وَّاَنْ اور یہ کہ	لَّوِ اگر	اسْتَقَامُوْا وہ قائم رہتے	عَلَى الطَّرِيْقَةِ (سیدھے) راستے پر	لَاَسْقَيْنٰهُمْ تو البتہ ہم انہیں پلاتے	مَّآءً پانی	غَدَقًا وافر	
لِّنَفْتِنَهُمْ تاکہ ہم انہیں آزمائیں	فِيْهِ اس میں	وَمَنْ اور جو	يُّعْرِضْ روگردانی کریگا	عَنْ سے	ذِكْرِ رَبِّهٖ اپنے رب کی یاد	يَسْلُكْهُ وہ اسے داخل کریگا	
عَذَابًا عذاب	صَعَدًا سخت						

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اگر جن وانس حق کی سیدھی راہ اور اللہ کے پسندیدہ دین اسلام پر چلتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایمان واطاعت کی بدولت ظاہری وباطنی برکات سے سیراب کر دیتے اور اس میں بھی ان کی آزمائش ہوتی کہ نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر شکر بجالاتے اور طاعت میں اور ترقی کرتے ہیں یا کفران نعمت کر کے اصل سرمایہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت مکہ والوں کے ظلم وشرارت کی سزا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے کئی سال کا قحط پڑا تھا۔ لوگ خشک سالی سے پریشان وتباہ حال ہو رہے تھے اس لئے متنبہ فرمادیا کہ اگر سب لوگ ظلم وشرارت سے باز آ کر اللہ کے راستہ پر چلیں جیسے اہل ایمان جنات نے طریقہ اختیار کیا تو قحط دور ہو اور باران رحمت سے ملک سرسبز وشاداب کر دیا جائے۔ اور اللہ کی یاد سے منہ موڑ کر آدمی کو چین نصیب نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ایسے راستہ پر چل رہا ہے جہاں پریشانی اور عذاب ہی چڑھا چلا آتا ہے۔

یہاں آیت وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا (اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا) میں ایک عام قانون الٰہی بتلایا گیا کہ ذکر سے روگردانی کرنے والوں کے لئے عذاب کو لازم قرار دیا ہے اب اسی سے اس کے تقابل اور ضد کو سمجھ لیا جائے یعنی ظاہری و باطنی جو اعراض کرنے والے نہیں ہیں یعنی شریعت الٰہیہ پر استقامت رکھنے والے ہیں ان کو حسن زندگانی عطا کیا جائے گا۔ جیسا کہ چودھویں پارہ سورہ نحل میں فرمایا۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (جو عمل صالح کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس کو حیٰوۃ طیبہ یعنی بالطف زندگی عطا کریں گے)۔

یہاں آیت میں **عذاباً صعداً** یعنی سخت عذاب اونچے درجہ کا عذاب فرمایا گیا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں عذاب سے مراد عذاب دنیا ہے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ عذاب آخرت مراد ہے۔ محققین علماء نے لکھا ہے کہ بظاہر اس جگہ عذاب دنیا مراد ہے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں۔ ''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مال تھوڑا ہو یا بہت اگر تقویٰ نہ ہو تو ایسے مال میں کوئی بھلائی نہیں۔ یہی زندگی کی تنگی ہے جو لوگ حق سے روگرداں ہوتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی مالدار اور کیسے ہی فراخ دست ہوں لیکن ان کی زندگی تنگ ہی ہوتی ہے کیونکہ ان کو خیال ہوتا ہے کہ موجودہ مال صرف ہو گیا تو اس کی جگہ ان کو دوسرا مال نہیں ملے گا۔ اللہ کے متعلق اس بدگمانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگیاں تنگ ہی گزرتی ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؓ نے کہا کہ قناعت ان سے چھین لی جاتی ہے اس لئے ان کو سیری حاصل ہی نہیں ہوتی۔ اس کے بعد حضرت علامہ قاضی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے کہ دنیاداروں سے قناعت

چھین لی جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کمائی کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ کماتے ہیں اور مال کا چوکیدارا کرتے ہیں اور ہر وقت مال کے ضائع ہونے کا ان کو اندیشہ لگا رہتا ہے۔ باہمی بغض وحسد کی یہی بنیاد ہے۔ دشمنوں اور حاسدوں کی کثرت ان کو چین نہیں لینے دیتی یہی عذاب الیم اور تنگی حیات ہے وہ نہیں جانتے کہ اہل اللہ کی زندگی کیسی خوشگوار گزرتی ہے۔ ذکر الٰہی سے اطمینان قلب اور کشائش صدر کا حصول' تھوڑے پر قناعت' دنیا سے استغنا۔ مخلوق پر رحم و مہربانی' ان کے خصوصی اوصاف ہوتے ہیں۔ مصائب سے بھی راضی رہتے ہیں اور شکر کرتے ہیں کیونکہ ان کو تکالیف سے گناہوں کا کفارہ اور حسن ثواب کے حصول کی امید ہوتی ہے۔ فراخئی حال اور آسائش کا تو ذکر ہی کیا۔ اللہ جس کو چاہتا ہے دنیا اور آخرت کی راحت عطا فرماتا ہے۔''

قرآن پاک کا بیان کردہ یہ آسمانی قانون وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا (اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا) اگر بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو اس آیت کی صداقت آج بھی ظاہر ہے اور قیامت تک دنیا میں ظاہر رہے گی اور پھر دنیا کے بعد آخرت میں بھی ایسا ہی ہونا ہے مگر جن کے دل دماغ یورپ و امریکہ کی تہذیب سے موثر ہیں اور مغربیت کا بھوت ان میں سرایت کر گیا ہے اور بے دینی کا رنگ جن کے دلوں پر جم گیا ہے ان کو شاید اس آیت کی صداقت میں کچھ تردد ہو۔ اور ان کی مسخ شدہ ذہنیت میں ذکر اللہ سے اعراض کا نتیجہ عذاب دنیا میں گرفتار ہونا سمجھ میں نہ آئے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ جو ذکر اللہ یعنی ایمان و اطاعت سے اعراض کرے گا اس کو دنیا ہی میں عذاب دیکھنا ہو گا۔ آج مغربی تہذیب و تمدن کے پرستار یورپ اور امریکہ کی سی ترقی۔ ان کا جیسا تمدن اور ان کی جیسی تہذیب اور معاشرت کے ظاہر کو دیکھ کر ان کے تمدن و تہذیب اور معاشرت کے دلدادہ بنے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے مزے اور آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن اگر ذرا گہری نظر سے خود یورپ اور امریکہ کے محققین اور مفکرین کی تحقیقات جو خود انہوں نے اپنے ملکوں اور اپنی معاشرت اور تہذیب کے بارہ میں لکھی ہیں پڑھیں تو شاید اس آیت کی صداقت ماننے پر مجبور ہو جائیں۔

ابھی آگے مزید نصائح کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت کی سیدھی اسلامی راہ پر چلنا نصیب فرمائیں اور ایمان و اسلام کی برکات و ثمرات سے دونوں جہاں میں نوازیں۔

یا اللہ! کون ہماری حالت کو بدل سکتا ہے سوائے آپ کی ذات مقلب القلوب کے۔ یا اللہ! امت مسلمہ پر رحم و کرم فرما دے۔ ہمیں اپنا اور اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانبردار بنا لے۔ ہمیں اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ

اور جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہیں سو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو۔ اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندہ

عَلَیْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا

بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے نہ کسی ضرر کا

رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا

اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔ آپ کہہ دیجئے کہ (اگر خدانخواستہ میں ایسا کروں تو) مجھ کو خدا (کے غضب) سے کوئی نہیں بچا سکتا، اور نہ میں اس کے سوا کوئی پناہ پا سکتا ہوں۔ لیکن خدا کی

مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغاموں کا ادا کرنا یہ میرا کام ہے، اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً ان لوگوں کیلئے آتش دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

(لیکن یہ کفار اس جہالت سے باز نہ آئیں گے) یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اس وقت جانیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے۔

وَاَنَّ اور یہ کہ	الْمَسٰجِدَ مسجدیں	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	فَلَا تَدْعُوْا تو تم نہ پکارو (بندگی نہ کرو)	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	اَحَدًا کسی کی	وَاَنَّهٗ اور یہ کہ	
لَمَّا قَامَ جب کھڑا ہوا	عَبْدُ اللّٰهِ اللہ کا بندہ	یَدْعُوْهُ کہ وہ اسکی عبادت کرے	كَادُوْا قریب تھا	یَكُوْنُوْنَ وہ ہو جائیں	عَلَیْهِ اس پر	لِبَدًا حلقہ در حلقہ	
قُلْ فرما دیں	اِنَّمَا اس کے سوا نہیں	اَدْعُوْا رَبِّیْ صرف میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں	وَلَاۤ اُشْرِكُ اور میں شریک نہیں کرتا	بِهٖ اس کے ساتھ			
اَحَدًا کسی کو	قُلْ فرما دیں	اِنِّیْ بیشک میں	لَاۤ اَمْلِكُ اختیار نہیں رکھتا	لَكُمْ تمہارے لئے	ضَرًّا کسی ضرر	وَلَا رَشَدًا اور نہ کسی بھلائی	قُلْ فرما دیں
اِنِّیْ بیشک مجھے	لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مجھے ہرگز پناہ نہ دیگا	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے	اَحَدٌ کوئی	وَلَنْ اَجِدَ اور میں ہرگز نہ پاؤں گا	مِنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا		
مُلْتَحَدًا کوئی جائے پناہ	اِلَّا بَلٰغًا مگر (پیغام) پہنچانا	مِنَ اللّٰهِ اللہ کی طرف سے	وَرِسٰلٰتِهٖ اور اسکے پیغام (جمع)	وَمَنْ اور جو	یَّعْصِ اللّٰهَ نافرمانی کرے اللہ کی		
وَرَسُوْلَهٗ اور اسکے رسول کی	فَاِنَّ لَهٗ تو بیشک اس کیلئے	نَارَ جَهَنَّمَ جہنم کی آگ	خٰلِدِیْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِیْهَاۤ اس میں	اَبَدًا ہمیشہ ہمیشہ	حَتّٰۤى یہاں تک کہ	
اِذَا رَاَوْا جب وہ دیکھیں گے	مَا یُوْعَدُوْنَ جو انہیں وعدہ دیا جاتا ہے	فَسَیَعْلَمُوْنَ تو وہ عنقریب جان لینگے	مَنْ کس	اَضْعَفُ کمزور ترین			
نَاصِرًا مددگار	وَّاَقَلُّ اور کم تر	عَدَدًا تعداد میں					

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں جنات کے کلام کے خاتمہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے طور پر بتلایا گیا تھا حق تعالیٰ کا ایک ارشاد یہ ہوا تھا کہ اگر جن وانس اس دنیا میں حق کی سیدھی راہ پر چلتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایمان واطاعت کی برکت سے ظاہری و باطنی نعمتوں سے سیراب کر دیتے۔ دوسرا ارشاد یہ ہوا تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی یاد اور ایمان واطاعت سے روگردانی کرے گا اس کو سخت عذاب میں داخل کیا جائے گا۔ آگے تیسرا ارشاد ان آیات میں یہ ہوتا ہے کہ مساجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے واسطے بنائی جاتی ہیں۔ اللہ کے سوا ان میں کوئی اور پکارے جانے اور عبادت کئے جانے کا مستحق نہیں۔ یہاں آیت میں لفظ مساجد کے مفسرین نے کئی معنی

بیان کئے ہیں۔ایک معنٰی تو مسجد کے عبادتگاہوں کے لئے ہیں جو گر جا کنیسہ اور اہل اسلام کی مسجد سب کو شامل ہے اس صورت میں وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ کے یہ معنٰی ہوئے کہ دنیا میں کوئی عبادت خانہ اللہ کی عبادت کے سوا اور کے لئے نہ ہونا چاہئے۔ (۲) بعض مفسرین نے مساجد سے مراد سجدے لئے ہیں کہ سجدہ اللہ کے سوا اور کے لئے نہ ہونا چاہئے۔ (۳) بعض نے مساجد سے مراد وہ اعضا لئے ہیں جو سجدہ کے وقت زمین پر رکھے جاتے ہیں یعنی ہاتھ۔ پاؤں۔ گھٹنے۔ پیشانی۔ ناک یعنی یہ خدا کے دیئے ہوئے اور بنائے ہوئے اعضا ہیں ان کو اس مالک اور خالق کے سوا کسی دوسرے کے آگے جھکانا جائز نہیں۔ (۴) بعض نے یہ معنٰی مراد لئے ہیں کہ مساجد خاص عبادت کے لئے ہیں اور دنیوی کام وہاں نہ ہونے چاہئیں جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی مسجد میں گمشدہ چیز کو ڈھونڈنے آوے تو کہدو کہ خدا کرے نہ ملے اس لئے کہ مساجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسجد میں خرید وفروخت اور دوسرے جتنے معاملات دنیاوی ہیں کسی کو نہ کرنا چاہئے حتیٰ کہ مسجد میں چلانا۔ زور سے بولنا اور دنیا کی گفتگو بھی نہ کرنا چاہئے اور مسجد کو گھر نہ بنانا چاہئے کہ کھانا پینا۔سونا سب وہیں کرے۔ ہاں معتکف اور مسافر شرعی کے لئے البتہ جائز ہے کہ وہ مسجد میں کھا پی اور سو سکتا ہے۔اور ناسمجھ بچوں اور دیوانوں کو مسجد میں نہ آنے دینا چاہئے اس واسطے کہ نادانی اور بے عقلی سے کہیں مسجد کو نجاست سے آلودہ نہ کریں (۵) ایک معنٰی و مراد مساجد کے تمام مقامات کے لئے ہیں کیونکہ اس امت کے لئے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے اس صورت میں یہ مطلب ہوئے کہ یوں تو خدا کی ساری زمین اس امت کے لئے مسجد بنا دی گئی ہے لیکن خصوصیت سے وہ مکانات جو مسجدوں کے نام سے خاص عبادت الٰہی کے لئے بنائے جاتے ہیں ان کو اور زیادہ امتیاز حاصل ہے

وہاں جا کر اللہ کے سوا کسی اور ہستی کو پکارنا ظلم عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے۔ان میں سے ہر ایک معنٰی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ غرضکہ اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو ہدایت فرما رہے ہیں کہ اس کی عبادت کی جگہوں کو شرک سے پاک رکھیں وہاں کسی دوسرے کا نام نہ پکاریں نہ کسی اور کو خدا کی عبادت واطاعت میں شریک کریں۔ اس میں کفار مکہ کے لئے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مشرکین نے خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھ چھوڑے تھے وہ خانہ کعبہ کی حرمت کے خلاف ہے کیونکہ مساجد تو صرف اللہ کی عبادت کے لئے ہیں۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب اللہ کے خاص بندہ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں خدا کی توحید کا اعلان کرتے ہیں یا قرآن پڑھ کر جب آپ ایمان واسلام کی دعوت دیتے ہیں تو یہ کفار جن کے کان دعوت حق اور توحید کی آواز سے مدتوں سے غیر مانوس ہو چکے تھے عداوت سے آپ پر ہجوم کر لیتے اور بھیڑ لگا لیتے ہیں یعنی تعجب اور عداوت سے ہر شخص آپ کو اس طرح دیکھتا ہے کہ جیسے اب حملہ کرنے لئے بھیڑ لگا چاہتی ہے۔ آگے مشرکین کے اس تعجب اور عداوت کے متعلق جواب دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے کہد یجئے کہ تم مخالفت کی راہ سے بھیڑ کیوں کرتے ہو۔کونسی بات ایسی ہے جس پر تمہاری خفگی ہے۔ میں کوئی بری اور نامعقول بات تو نہیں کہتا۔صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں سمجھتا تو اس میں لڑنے جھگڑنے کی کونسی بات ہے۔اور اگر تم سب مل کر مجھ پر ہجوم کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو میرا بھروسہ اکیلے اسی خدا پر ہے جو ہر قسم کی شرکت سے پاک اور بے نیاز ہے۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ بھی ان کفار مخالفین سے کہ دیجئے کہ میرے اختیار میں نہیں کہ تم کو ہدایت بخش دوں اور راہ پر لے آؤں اور نہ آؤ تو کچھ نقصان پہنچا دوں۔سب نفع نقصان اور برائی بھلائی پہنچانا اسی

خدائے واحد کے قبضہ میں ہے اور تم کو نفع نقصان پہنچانا تو کجا اپنا نفع وضرر بھی میرے قبضہ میں نہیں۔ اگر بالفرض میں اپنے فرائض میں تقصیر کروں تو کوئی شخص نہیں کہ جو مجھ کو اللہ کے ہاتھ سے بچالے اور کوئی جگہ نہیں جہاں بھاگ کر پناہ حاصل کرسکوں۔ اللہ کی طرف سے پیغام کا آنا اور اس کو اس کے بندوں کو پہنچا دینا یہی چیز ہے جو اس نے میرے اختیار میں دی اور یہی فرض ہے جس کے ادا کرنے سے میں اس کی حمایت اور پناہ میں رہ سکتا ہوں۔ تمہارے نفع نقصان اور ہدایت و ضلالت اور خیر وشر کا مالک میں نہیں۔ ہاں تبلیغ احکام اور پیام رسانی کا فرض خدا کی طرف سے مجھ پر ہے اگر میں اللہ کا حکم اور پیام نہ پہنچاؤں تو اس کے عذاب سے مجھے کوئی نہیں بچائے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ توحید کے معاملہ میں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور رسول پر ایمان نہیں لائے گا تو ایسے نافرمانوں کے لئے ہمیشگی والی نارجہنم ہے جس میں سے نہ وہ کبھی نکل سکیں گے نہ بھاگ سکیں گے۔

اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار اس وقت ان نصائح ودلائل سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ الٹا مسلمانوں کو ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کی تھوڑی جماعت پر نظر کر کے اپنی قوت وشوکت کا گھمنڈ کر کے اللہ کے رسول کی توہین اور ان کے گرد جاہلانہ ہجوم کرنے سے باز نہیں آتے اور ایمانداروں کو ایذائیں دیتے ہیں تو یہ اس جہالت سے باز نہ آویں گے جب تک کہ یہ عذاب کو نہ دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ جب یہ مرنے کے بعد کا عذاب اور قیامت کے مصائب دیکھ لیں گے اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے یعنی یہ کافر ہی ایسے ہوں گے کہ کوئی ان کے کام نہ آوے گا۔

اب کفار کو جب عذاب قیامت کی وعید سنائی جاتی تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ تو بتاؤ کہ آخر وہ قیامت کب ہوگی؟ اس کا جواب اگلی آیات میں دیا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو توحید کامل اور خالص اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائیں اور ہر طرح کے چھوٹے بڑے شرک سے ہم کو بچائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے مطیع اور فرمانبردار بندوں میں شامل فرمائیں اور اپنی اطاعت اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو ماننے والا بنائیں۔ اور قیامت میں اپنے فرمانبردار بندوں کے ساتھ ہمارا حشر ونشر فرمائیں۔ ہر طرح کی کجی اور گمراہی اور شرک کی باتوں سے ہماری حفاظت فرمائیں اللہ تعالیٰ ان مساجد کے حقوق کی ادائیگی کی ہم کو توفیق عطا فرمائیں اور ان کے ادب واحترام کے خلاف باتوں سے ہم کو بچائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَہٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک ہے یا میرے پروردگار نے اس کیلئے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے۔ (اور) غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے

عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ

غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو تو (اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اس پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے، (اور یہ

خَلۡفِہٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّہِمۡ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیۡہِمۡ وَ اَحۡصٰی کُلَّ

انتظام اس لئے کیا جاتا ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جاوے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام احوال کا

شَیۡءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے۔

قُلۡ فرمادیں	اِنۡ نہیں	اَدۡرِیۡ میں جانتا	اَقَرِیۡبٌ آیا قریب ہے	مَّا تُوۡعَدُوۡنَ جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے	اَمۡ یَجۡعَلُ یا کردے گا	لَہٗ اس کیلئے	رَبِّیۡ میرا رب
اَمَدًا امدت	عٰلِمُ الۡغَیۡبِ غیب کا جاننے والا	فَلَا یُظۡہِرُ وہ مطلع نہیں کرتا	عَلٰی غَیۡبِہٖ اپنے غیب پر	اَحَدًا کسی کو	اِلَّا سوائے	مَنِ جس کو	
ارۡتَضٰی وہ پسند کرتا ہے	مِنۡ رَّسُوۡلٍ رسولوں میں سے	فَاِنَّہٗ تو بیشک وہ	یَسۡلُکُ چلاتا ہے	مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ اس کے آگے سے	وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ اور اسکے پیچھے سے		
رَصَدًا محافظ (فرشتے)	لِیَعۡلَمَ تاکہ وہ معلوم کرلے	اَنۡ کہ	قَدۡ اَبۡلَغُوۡا انہوں نے تحقیق پہنچا دیئے	رِسٰلٰتِ پیغام (جمع)	رَبِّہِمۡ اپنے رب کے		
وَ اَحَاطَ اور اس نے احاطہ کیا ہوا ہے	بِمَا لَدَیۡہِمۡ جو ان کے پاس	وَ اَحۡصٰی اور اس نے شمار کر رکھی ہے	کُلَّ شَیۡءٍ ہر شئے	عَدَدًا گنتی میں			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ قیامت کب واقع ہوگی اس کا علم مجھے نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ جلد آنے والی ہے یا دیر میں کیونکہ قیامت کا وقت معین کر کے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے غیوب میں سے ہے جو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا آگے بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بھید کی پوری خبر کسی کو نہیں دیتا ہاں رسولوں کو جس قدر ان کی شان و منصب کے لائق اور ضروری ہو بذریعہ وحی خبر دیتا ہے اور اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ وحی کے ساتھ فرشتوں کے پہرے اور چوکیاں رکھی جاتی ہیں تاکہ کسی طرف سے شیاطین کا گذر نہ ہو اور شیاطین اس وحی میں دخل کرنے نہ پائیں یا وحی کو فرشتہ سے سن کر اور کسی سے نہ جا کہیں یا کسی وسوسہ وغیرہ کا القانہ کر سکیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسے پہرہ دار فرشتے چار تھے یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں کو اپنے علوم و اخبار میں عصمت حاصل ہوتی ہے اور ان کی معلومات بذریعہ وحی میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ انتظام محافظت اس غرض سے کئے جاتے ہیں تاکہ ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ فرشتوں نے پیغمبروں کو یا پیغمبروں نے دوسرے بندوں کو اس کے پیغامات ٹھیک ٹھیک بغیر کمی بیشی کے پہنچا دیئے ہیں اور اس میں کسی کا دخل و تصرف نہیں ہوا۔ اخیر میں خاتمہ سورۃ پر بتلایا گیا کہ ہر چیز اس کی نگرانی اور قبضہ میں ہے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ وحی الٰہی میں تغیر و تبدل یا کاٹ چھانٹ۔ کمی بیشی کر سکے اور یہ فرشتوں کے پہرہ اور چوکیاں بھی شان حکومت کے اظہار اور سلسلہ اسباب کی محافظت کے لئے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں ورنہ جس کا علم اور قبضہ ہر چیز پر حاوی ہو اس کو ان چیزوں کی کوئی احتیاج نہیں اور یہ حق تعالیٰ کے علم کا محیط ہونا کچھ رسولوں اور وحی کے محافظ فرشتوں کے احوال کے ساتھ مخصوص نہیں

بلکہ عام ہے۔ تمام موجودات ومخلوقات کو شامل ہے اور کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی سب کا حساب وہاں موجود ہے حتیٰ کہ دریا کے قطرے۔ ریگستان کے ذرے اور درختوں کے پتے سب کی گنتی اور شمار اس کو معلوم ہے۔

ان آیات سے بھی معلوم ہوا اور قرآن پاک کی متعدد آیات اس بات کی شاہد ہیں اور اس بات پر پوری امت محمدیہ کا اتفاق بھی ہے کہ قیام قیامت کی مخصوص گھڑی کا علم خزائن غیب میں سے ہے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ یہ علم اللہ تعالیٰ نے نہ کسی مقرب فرشتے کو عطا فرمایا ہے اور نہ ہی کسی برگزیدہ پیغمبر کو۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اسی کی مقتضی ہے کہ قیام قیامت کا علم ساری مخلوق سے مخفی رکھا جائے۔ مفسرین نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن عزیز سے پہلی تمام آسمانی کتابوں میں بھی علم قیامت کو پوشیدہ ہی رکھا ہے مگر افسوس ہے کہ باوجود قرآنی نصوص قطعیہ و صریحہ کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات واضحہ صحیحہ کے اور باوجود اجماع صحابہ کرام۔ اقوال مجتہدین وائمہ دین۔ وتصریحات علمائے مفسرین کے بعض مدعیان اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ''عالم الغیب'' کہہ کر آپ کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کے کمال کا اعتراف سمجھتے ہیں۔ اور اس عقیدہ ''علم غیب کلی یا علم جمیع ما کان و ما یکون'' کو انہوں نے بارگاہ رسالت کے تقرب خصوصی کا ذریعہ سمجھا ہے ایسے ہی گرفتاران باطل عقیدہ کے متعلق ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جو ائمہ محدثین حنفیہ میں مشہور ومعروف شخصیت ہیں اپنی مشہور کتاب ''موضوعات کبیر'' (عربی) میں ایک جگہ لکھتے ہیں جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:۔

''اور بے شک ان لوگوں کو اس گمراہی پر ان کے اس خیال نے مجبور کیا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ان کے لئے کفارہ سیئات بن جائے گا اور اس کی وجہ سے وہ جنت میں پہنچ جائیں گے اور جس قدر بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بڑھائیں گے اس قدر آپ کا تقرب حاصل ہوگا۔ درحقیقت یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ نافرمان ہیں اور آپ کی سنت کے سب سے بڑے مخالف ہیں۔ ان میں نصاریٰ کی ظاہر باہر مشابہت ہے۔ انہوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں بڑے غلو سے کام لیا اور ان کی شریعت اور ان کے دین کے بالکل خلاف عقیدہ قائم کر لئے''

اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بعد کمال علمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو علوم ومعارف آپؐ کو عطا فرمائے وہ بحیثیت مجموعی کسی دوسرے رسول اور کسی مقرب ترین فرشتے کو بھی عطا نہیں ہوئے لیکن باینہمہ کلی اور تفصیلی غیب و شہادت کا علم خاصہ خداوندی ہے۔ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو کامل علم نبوت اور حسب ضرورت بعض تکوینی اور امور غیبیہ کا جب چاہا علم بھی عطا فرمایا پھر بھی انبیاء علیہم السلام کا علم محیط کل نہیں تھا اور وہ قرآنی اصطلاح میں عالم الغیب نہ تھے۔ چونکہ اس زمانہ کے بعض مبتدعین نے اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا اور ما کان و ما یکون ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو کلام الٰہی کی صریح تحریف ہے اس لئے یہاں مختصر سی تشریح اس مسئلہ کی کر دی گئی ہے ورنہ علمائے محققین نے اس باب میں بڑی عالمانہ اور فاضلانہ بحث فرمائی ہے اور سلف سے خلف تک امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ ہی عالم الغیب والشہادہ ہیں اور علم غیب کلی و تفصیلی خاص حق تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

سورۃ الجن

۱...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو آدمی سورۃ الجن پڑھے اسے ہر ایک جن و شیطان کے بدلے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔

۲...... اگر کسی آدمی کو بادشاہ، حاکم یا افسر کا خوف ہو تو سورۃ الجن پڑھ لے وہ اس پر کوئی زیادتی نہ کر سکے گا۔

۳...... کوئی چیز اگر رکھی ہے اور چوری وغیرہ سے حفاظت کی فکر ہے تو اس کی حفاظت کی نیت سے سورۃ جن پڑھ لیں ان شاء اللہ محفوظ رہے گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ

اے کپڑوں میں لپٹنے والے۔ رات کو کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس نصف سے کسی قدر کم کردو۔ یا نصف سے کچھ بڑھا دو

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾

اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو۔

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ اے کپڑوں میں لپٹنے والے (محمدؐ)	قُمِ الَّيْلَ رات میں قیام کریں	اِلَّا مگر	قَلِيْلًا تھوڑا	نِّصْفَهٗ اس کا نصف	اَوْ یا	انْقُصْ کم کرلیں	
مِنْهُ اس میں سے	قَلِيْلًا تھوڑا	اَوْ زِدْ یا زیادہ کرلیں	عَلَيْهِ اس پر سے	وَرَتِّلِ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں	الْقُرْاٰنَ قرآن	تَرْتِيْلًا ترتیل کے ساتھ	

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کے شان نزول کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ ابتدائے نبوت میں قریش مکہ نے ''دارالندوہ'' میں جمع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشورہ کیا کہ آپ کی حالت کے موافق کوئی لقب آپ کے لئے تجویز کرنا چاہئے کہ سب اس پر متفق رہیں اور اسی نام کو لے کر مکہ کے باہر نکلیں اور وہ نام اطراف ملک میں مشہور ہو جائے کسی نے کہا کہ آپ کاہن ہیں۔ پھر رائے قرار پائی کہ کاہن نہیں ہیں کسی نے مجنون کہا پھر اس کو بھی آپس میں غلط قرار دیا۔ پھر ساحر کہا اس کو بھی رد کیا اور بعض کہنے لگے کہ ساحر اس لئے ہیں کہ دوست کو دوست سے جدا کر دیتے ہیں (معاذ اللہ! معاذ اللہ!) آپ کو جب یہ خبر پہنچی تو رنج ہوا اور رنج کی حالت میں کپڑا اوڑھ کر لیٹ گئے جیسا کہ اکثر سوچ وغم میں مغموم آدمی ایسا کر لیتا ہے اس پر حق تعالیٰ نے آپ کو يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ سے خطاب فرمایا اور آپ کی تسلی فرمائی کہ آپ ان کفار کی باتوں پر رنج نہ کریں اور حکم دیا کہ آپ رات میں اٹھ کر اللہ کی یاد کیجئے اور تقریباً آدھی رات یا اس سے کچھ کم وبیش نماز پڑھئے اور نماز میں جتنا قرآن کریم نازل ہو چکا ہے خوب ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک حرف الگ الگ کر کے پڑھئے۔ اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ سب سے یکسو ہو کر اللہ کی طرف متوجہ رہا کریں کیونکہ اس کے سوا آپ کا اور اس سارے جہان کا پالنے والا کوئی نہیں اس لئے اپنے سب کام اسی کے سپرد کیجئے۔ اور یہ کفار و مشرکین جو باتیں آپ کی نسبت کہتے ہیں آپ ان پر صبر وتحمل کریں۔

سورۃ کی ابتدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب سے فرمائی جاتی ہے اور يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کے لقب سے مخاطب فرمایا جاتا ہے یعنی اے کپڑوں میں لپٹنے والے۔ وجہ اس عنوان کے خطاب کرنے کی شان نزول کی اوپر بیان کردہ روایت سے ظاہر ہے کہ کفار کے ناحق و بے جا الزامات سے آپ رنجیدہ خاطر ہوئے اور حالت غم میں کمبل یا چادر اوڑھ کر لیٹ رہے۔ حق تعالیٰ کو یہ ادا ایسی پسند آئی کہ مزمل کے لفظ سے خطاب فرمایا اور پھر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام قرار پایا۔ غرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا گیا کہ آپ ان کفار ومشرکین کی باتوں کا رنج وغم نہ کریں بلکہ حق تعالیٰ کی طرف ہمیشہ توجہ رکھیں اور اس کے لئے آپ رات کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہیں۔ ہاں تھوڑا سا حصہ شب کا آرام کرلیں تو مضائقہ نہیں۔ پھر قیام لیل کے مقدار کی مزید تشریح فرمائی کہ آدھی رات یا آدھی رات سے کچھ کم یا آدھی رات سے کچھ زائد۔ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ اس سورۃ کی ان ابتدائی آیات کے حکم کے تحت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے صحابہ کرامؓ پر ابتدائے اسلام میں پنجگانہ نماز فرض ہونے سے پہلے رات کی عبادت فرض تھی اور یہ حکم قریب ایک برس کے رہا۔ چنانچہ احادیث میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے اوّل میں قیام لیل فرض کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ ایک برس تک تہجد کی نماز بطور فرضیت کے ادا کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پیروں پر ورم آ گیا۔ پھر ایک برس کے بعد اس سورۃ کا آخری حصہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ نازل ہوا اس سے تخفیف کی گئی اور امت کے لئے یہ حکم فرض نہ رہا۔ نفل رہ گیا۔ آگے فرمایا گیا کہ اس قیام لیل میں یعنی تہجد کی نماز میں قرآن ترتیل کے ساتھ پڑھئے یعنی ٹھہر ٹھہر کر اس طرح پڑھئے کہ ایک ایک حرف صاف سمجھ میں آ جائے۔ اس طرح پڑھنے سے فہم وتدبر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اور ذوق شوق بڑھتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم غیر نماز میں بھی ہے۔ اب یہاں قدرے ترتیل کی تشریح بھی سمجھ لی جائے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ ترتیل لغت میں تو واضح اور صاف پڑھنے کو کہتے ہیں مگر شریعت میں قرآن شریف کے پڑھنے میں کئی چیزوں کی رعایت کو ترتیل کہا جاتا ہے:۔

۱۔ اوّل حرفوں کو صحیح نکالنا یعنی حروف کو اپنے مخارج اور صفات کے ساتھ ادا کرنا۔

۲۔ دوسرے وقف کی جگہ پر اچھی طرح سے ٹھہرنا تاکہ وصل سے کلام بے موقع نہ ہونے پائے۔

۳۔ تیسرے حرکات یعنی زبر۔ زیر۔ پیش کو امتیاز دینا تاکہ ایک دوسرے سے ملنے اور مشتبہ ہونے نہ پائے۔

۴۔ چوتھے آواز کو تھوڑا بلند کرنا تاکہ قرآن شریف کے الفاظ زبان سے کان تک پہنچیں اور وہاں سے دل پر اثر کریں۔ اور ذوق شوق۔ خوف وامید وغیرہ کی کیفیات پیدا کریں۔

۵۔ پانچویں اپنی آواز کو اچھا کرنا اس طور سے کہ اس میں درد مندی پائی جائے تاکہ دل پر جلدی تاثیر کرے۔

۶۔ چھٹے تشدید ومد کا جس جگہ پر ہیں۔ وہاں لحاظ رکھے اس واسطے کہ شد ومد کی رعایت سے کلام الٰہی میں عظمت پیدا ہوتی ہے۔

۷۔ ساتویں اگر قرآن شریف میں کوئی خوف کا مضمون ہے تو وہاں تھوڑا ٹھہر جائے اور حق تعالیٰ سے پناہ طلب کرے۔ اگر کوئی مضمون کسی نعمت کا ہے تو وہاں اس چیز کو اپنے واسطے حق تعالیٰ سے طلب کرے۔ اگر کوئی دعا یا ذکر پڑھنے کے واسطے حکم ہو تو وہاں ٹھہر کر کم از کم ایک مرتبہ وہ دعا یا ذکر پڑھ لے۔

یہ سات چیزیں ہیں جن کی رعایت کرنا ترتیل میں ضروری ہے۔ الغرض قیام لیل اور قرأت قرآن کا حکم ان آیات میں دیا گیا اب آگے ان احکام کی علت اور ان کے بعض فوائد کو ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی نماز تہجد اور رات میں اپنے ذکر وتلاوت کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور قرآن پاک کی تلاوت ترتیل کے ساتھ نصیب فرمائیں قرآن پاک کا ذوق شوق اور اس کا علم اور اس پر عمل نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! اب ہم اپنی اس بدحالی پر کتنا تاسف اور رنج ظاہر کریں کہ قرآن شریف کا نماز اور غیر نماز میں تو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر اب تو قرآن کریم ناظرہ پڑھنے پڑھانے ہی کے لالے پڑ گئے ہیں۔ ترتیل، تجوید۔ تعلیم۔ تفسیر وتبلیغ قرآن سے نئی نسل تو محروم ہی ہوتی جا رہی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝۵ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ۝۶ اِنَّ لَكَ

ہم تم پرایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں۔(مراد قرآن مجید ہے)۔ بے شک رات کا اُٹھنا خوب مؤثر ہے(نفس کے کچلنے میں)اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔ بیشک تم کو دن میں

فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۝۷ وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ۝۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ

بہت کام رہتا ہے۔ اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اُسی کی طرف متوجہ رہو۔ وہ مشرق

وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا ۝۹

اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں تو اُسی کو اپنے کام سپرد کردینے کیلئے قرار دیئے رہو۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ بیشک ہم عنقریب ڈالدیں گے	عَلَیْكَ آپ پر	قَوْلًا ثَقِیْلًا ایک بھاری کلام	اِنَّ بیشک	نَاشِئَةَ اُٹھنا	الَّیْلِ رات
هِیَ اَشَدُّ وَطْاً یہ سخت (نفس کو) روندنے والا	وَّ اَقْوَمُ اور زیادہ درست	قِیْلًا الفاظ کے۔تلفظ میں	اِنَّ لَكَ بیشک آپ کیلئے	فِی النَّهَارِ دن میں	
سَبْحًا شغل	طَوِیْلًا طویل	وَ اذْكُرِ اور آپ یاد کریں	اسْمَ رَبِّكَ اپنے رب کا نام	وَ تَبَتَّلْ اور چھوٹ جائیں	اِلَیْهِ اسکی طرف
تَبْتِیْلًا (سب سے) چھوٹ کر	رَبُّ الْمَشْرِقِ رب مشرق کا	وَ الْمَغْرِبِ اور مغرب کا	لَآ نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا
فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا پس پکڑلو (بنالو) اس کو کارساز					

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں یعنی پے در پے پورا قرآن آپ پر نازل کریں گے جو اپنی قدر ومنزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور وزن دار اور اپنی کیفیات کے اعتبار سے بہت بھاری اور گرانبار ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت گرانی اور سختی گذرتی تھی سخت جاڑے کے موسم میں بھی آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اگر نزول وحی کے وقت آپ کسی سواری پر سوار ہوتے تو سواری جھک جاتی اور اپنی گردن گرادیتی اور جب تک وحی ختم نہ ہولیتی سواری سے قدم نہ اٹھایا جاتا اور حرکت نہ کرسکتی۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتری اس وقت آپ کی ران مبارک میری ران پر رکھی ہوئی تھی۔ وحی کا اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں میری ران بوجھ سے نہ پھٹ جائے۔ غرضکہ وحی کا اترنا خود ایک بوجھ تھا پھر اس کا محفوظ رکھنا پھر دوسروں تک پہنچانے میں کلفتیں برداشت کرنا۔ اس ماحول میں قرآن کی دعوت وتبلیغ اور اس کے حقوق کا پوری طرح ادا کرنا سخت مشکل اور دشوار کام تھا۔ غرضکہ ان تمام وجوہ کا خیال کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ہم آپ پر ایک بھاری کلام یعنی قرآن کریم نازل کرنے والے ہیں اس لئے آپ رات کو اللہ کی عبادت میں مشغول رہا کریں اور اس عبادت خاص کے انوار سے اپنے تئیں مشرف کر کے اس فیض اعظم کی قبولیت کی استعداد اپنے اندر مستحکم فرمائیں۔ آگے قیام لیل یعنی رات کی عبادت کے بعض فوائد بیان فرمائے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ بیشک رات کا اٹھنا اور اللہ کی عبادت میں لگنا کچھ آسان کام نہیں بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس خوب روندا اور کچلا جاتا ہے اور نیند وآرام وغیرہ خواہشات پامال کی جاتی ہیں۔ نیز اس وقت دعاء اور ذکر سیدھے دل سے ادا ہوتا ہے۔ زبان اور دل موافق ہوتے ہیں جو بات زبان سے نکلتی ہے ذہن میں خوب جمتی چلی جاتی ہے کیونکہ اس وقت ہر قسم کے شور وغل اور چیخ وپکار سے یکسو ہونے اور خداوند قدوس کے سماء دنیا پر نزول فرمانے سے قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون وقرار اور لذت واشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے۔ بخاری شریف کی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے تو ہمارا رب نچلے آسمان پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کوئی ہے کہ مجھ سے دعاء کرے اور میں قبول کروں کوئی ہے کہ مجھ سے مانگے اور میں عطا کروں۔کوئی ہے کہ مجھ سے مغفرت کا طالب ہو اور میں اس کے گناہ معاف کر دوں۔ نماز شب کے فضائل میں حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔نماز شب کا التزام کرو۔ یہ تم سے پہلے گذرے ہوئے صالحین کا طریقہ ہے رب کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔گناہوں کو ساقط کرنے والا اور خطاؤں سے روکنے والا ہے۔ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ بندہ سے رب کا قرب رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے۔اگر تم سے ہو سکے کہ اس وقت اللہ کی یاد کرنے والوں میں سے ہو جاؤ تو ہو جاؤ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام لیل کے حکم کی ایک اور علت بیان فرمائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ آپ کو دن میں بہت کام رہتا ہے دنیوی بھی جیسے امور خانہ داری اور ضروری کاموں کی تکمیل اور دینی بھی جیسے تبلیغ اور دعوت دین۔تو اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دن کے مشاغل بھی آپ کے حق میں بالواسطہ عبادت ہی تھے تاہم بلا واسطہ پروردگار کی عبادت اور مناجات کے لئے رات کا وقت مخصوص فرمایا گیا۔آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ علاوہ رات کی عبادت کے دن میں بھی جبکہ بظاہر مخلوق سے معاملات اور علاقے رکھنے پڑتے ہیں آپ دل سے اسی پروردگار کا علاقہ سب پر غالب رکھئے اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہمہ وقت اسی کی یاد میں مشغول رہئے۔غیر اللہ کا کوئی تعلق ایک آن کے لئے ادھر سے توجہ کو ہٹنے نہ دے بلکہ سب تعلق کٹ کر باطن میں اسی ایک کا تعلق باقی رہ جائے۔اب اس تعلیم و تلقین سے کسی دماغ میں وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ ہر انسان دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے۔تمدن کے بغیر معاشیات اور ضروریات حیاۃ کی فراہمی کا نظام ابتر ہو جائے گا۔ پھر مخلوق سے قطع تعلق کی صورت میں نظام معاشی کیسے چلے گا اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے آگے فرمایا

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۔یعنی سارے جہان کا مالک و حاکم اللہ ہے۔تمام دنیا اور اس کے جمیع اسباب اور سارے سلسلے سب اسی کے دست قدرت میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اس کے سوا نہ کوئی حاکم اعلیٰ ہے نہ معبود برحق نہ اس کی اجازت اور مشیت کے بغیر کوئی کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے لہٰذا اسی کے سپرد اپنے تمام معاملات کر دیجئے۔ اسی کو اپنا کارساز بنالیجئے۔وہی سب سے اچھا کارساز ہے اس کی کارسازی کے بعد آپ کو کسی دوسرے کی ضرورت ہی نہیں۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ کی تفسیر میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ مشرق دن کا نشان ہے اور مغرب رات کا نشان گویا اشارہ کر دیا کہ دن و رات دونوں کو اسی مالک مشرق و مغرب کی یاد اور رضا جوئی میں لگانا چاہئے اس لئے بندگی بھی اسی کی اور توکل بھی اسی پر ہونا چاہئے جب وہ وکیل و کارساز ہو تو دوسروں سے کٹ جانے اور الگ ہونے کی کیا پروا۔

یہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالذات اور آپ کے متبعین کو طبعاً چار باتوں کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی۔

۱-ایک قیام شب برائے نماز و قرأت قرآن۔

۲-دوسرے ہر وقت اور ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھنا۔

۳-تیسرے سب علائق کو توڑ کر اللہ کی طرف متوجہ رہنا۔

۴-چوتھے اسی پر توکل کرنا کیونکہ تمام دنیا کا وہی کارساز ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ ان احکام میں عجیب ترتیب طبعی ملحوظ ہے اس لئے کہ شب بیدار کو از خود ذکر میں حلاوت پیدا ہو جاتی ہے پھر وہ دن میں بھی اس محبوب حقیقی کو نہیں بھولتا اور جب یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو خود بخود دل سے قطع تعلقات بھی ہو جاتے ہیں اور پھر اس کی آنکھ میں کوئی اور دکھائی نہیں دیتا کہ جس پر وہ توکل کرے یا اس کو کارساز سمجھے سوائے محبوب حقیقی کے۔خلاصہ یہ کہ آغاز سورۃ سے یہاں تک مختلف مقامات سلوک کی طرف اشارہ ہے یعنی رات کی خلوت۔ تلاوت ذکر۔ نفئی ماسوا اور توکل علی اللہ۔لیکن مقامات سلوک میں سب سے اونچا درجہ اعداء کی جفا پر صبر رکھنے کا ہے اس لئے آگے اس کی تعلیم دی گئی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝۱۰ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي

اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو، اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہوجاؤ اور مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں کو نازونعمت میں

النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝۱۱ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝۱۲ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳

رہنے والوں کو چھوڑ دو اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں اور مہلت دے دو ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے۔ اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے۔

وَاصْبِرْ اور آپ صبر کریں	عَلٰى پر	مَا يَقُوْلُوْنَ جو وہ کہتے ہیں	وَاهْجُرْهُمْ اور انہیں چھوڑ دیں	هَجْرًا کنارہ کش ہوکر	جَمِيْلًا اچھی طرح	
وَذَرْنِيْ اور مجھے چھوڑ دو	وَالْمُكَذِّبِيْنَ اور جھٹلانے والوں	اُولِي النَّعْمَةِ خوشحال لوگوں	وَمَهِّلْهُمْ اور ان کو مہلت دیدیں	قَلِيْلًا تھوڑی	اِنَّ بیشک	
لَدَيْنَآ ہمارے ہاں	اَنْكَالًا عذاب	وَّجَحِيْمًا اور دہکتی آگ	وَّطَعَامًا اور کھانا	ذَا غُصَّةٍ گلے میں اٹک جانیوالا	وَّعَذَابًا اور عذاب	اَلِيْمًا دردناک

تفسیر و تشریح: عارفین کاملین کو جن میں انبیائے کرام کا درجہ سب سے ارفع و بلند ہوتا ہے ان کو دو امور سے واسطہ پڑتا ہے ایک وہ کہ جن کا تعلق اپنی ذات اور اپنے خالق اللہ رب العالمین سے ہے۔ دوسرے وہ کہ جن کا تعلق اوروں سے ہے۔ گذشتہ آیات میں قسم اوّل کی تعلیم تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے آپ کے متبعین کو قیام لیل۔ تلاوت۔ وذکر۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دائمی توجہ اور توکل علی اللہ کا حکم فرمایا گیا تھا۔ اب آگے قسم دوم کے متعلق احکام دیئے جاتے ہیں اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار آپ کو شاعر۔ کاہن۔ ساحر اور مجنون و مسحور وغیرہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں سو ان کی باتوں کو صبر و استقلال سے برداشت کرتے رہئے اور ان کے ظلم و زیادتی پر تحمل اور بردباری سے کام لیجئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ کفار و مشرکین کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو زبانی ایذا دی جاتی تھی ان کی تین قسمیں تھیں۔ اول یہ کہ آپ کے معبود حقیقی خداوند ذوالجلال والاکرام اللہ جل شانہ کے شان میں بے ادبی اور گستاخی کی باتیں کہتے مثلاً یہ کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ اولاد رکھتا ہے۔ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں۔ وہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ وہ فقیر ہے ہم غنی ہیں۔ اور اسی طرح کے کلمات کفر بکتے تھے۔ دوسری قسم کی ایذائیں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی ذات مبارکہ سے متعلق تھیں مثلاً آپ کو معاذ اللہ ساحر اور شاعر اور دیوانہ بتلاتے۔ آپ کی ہجو کرتے۔ اگر کبھی وحی آنے میں وقفہ ہوتا تو آپ کو طعنہ دینا شروع کر دیتے اور تیسری قسم کی ایذا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جاتیں وہ آپ کے اہل وعیال سے متعلق تھیں۔ آپ کے عزیز و اقربا اور اصحاب کے حق میں بے ادبی اور گستاخیاں کرتے اور طعن و تشنیع دیتے کہ معاذ اللہ تم سب نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر نئے دین میں داخل ہو کر بے دینی اختیار کر لی۔

تو پہلی ہدایت یہاں یہ دی گئی کہ مخالفین و معاندین جو جو ایذا دہ باتیں کہتے ہیں ان پر صبر کیجئے۔ دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ ان معاندین سے خوبصورتی کے ساتھ الگ ہو جایئے یعنی نہ ان کی بدسلوکی کی شکایت کسی کے سامنے ہو۔ نہ انتقام لینے کی فکر ہو۔ نہ گفتگو یا مقابلہ کے وقت کج خلقی کا اظہار ہو اور باوجود ان سے جدائی اور مفارقت کے ان کی نصیحت میں کوئی کمی نہ کیجئے بلکہ جس طرح بن پڑے ان کی ہدایت و رہنمائی میں سعی کرتے رہئے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھئے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور مکہ کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی اور آیات قتال و جہاد کا نزول بعد میں مدینہ میں ہوا۔ اس لئے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیات کا حکم آیات قتال سے منسوخ ہے۔ آگے ان منکرین و معاندین کے گرفت اور عذاب کی خبر دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی جاتی ہے اور آپ کو تقویت دی جاتی ہے کہ یہ حق و صداقت کو جھٹلانے والے جو دنیا میں عیش و آرام کر رہے ہیں ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے۔ وہ خود ان سے نبٹ لے گا اور وہ آپ کی طرف سے ان کو سزا دینے کے لئے کافی ہے۔ آپ رنجیدہ نہ ہوں اور ان لوگوں کو تھوڑے دن اور مہلت دے دیجئے۔ اوّل تو ایسے گمراہ منکرین و معاندین کو جو

اپنے خداداد مال و جاہ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ اس کو الٹا خدا کے مقابلہ میں صرف کرتے ہیں دنیا ہی میں سزا مل جایا کرتی ہے۔ اور اگر کسی مصلحت سے دنیا میں سزا نہ بھی ملی تو آخرت و قیامت میں تو ضرور ہی ملے گی اور انجام کار یہ سخت عذابوں میں مبتلا ہوں گے اور عذاب بھی کونسے؟۔ اوّل اسخت قید و بند کے یعنی ان کی گرفتاری کے لئے بیڑیاں تیار ہیں جو ان کے پیروں میں مثل قیدیوں کے پہنائی جائیں گی اور زنجیریں تیار ہیں جن میں یہ جکڑ کر باندھے جائیں گے۔ دوسرے دہکتی ہوئی اور بھڑکتی ہوئی نار جہنم۔ احادیث میں آتا ہے کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ۷۰ حصہ زیادہ گرم ہے اور اس کی آگ کو ہزار برس دھکایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار برس جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی پھر ایک ہزار برس اور جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی۔ اب وہ سیاہ و تاریک ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

تیسرے گلے میں پھنس جانے والے کھانے کا عذاب کہ وہ کھانا حلق میں جا کر اٹک جائے گا نہ اندر اترے گا نہ باہر نکلے گا۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس کھانے سے زقوم یعنی تھوہر کا درخت مراد ہے کہ جو جہنم میں پیدا ہونے والا ایک خاردار درخت ہے جو جہنمیوں کی خوراک بنے گا اور اس قدر زہریلی تلخ اور گندی چیز ہوگی حدیث میں آتا ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپک جائے تو زمین پر بسنے والوں کے سارے سامان زندگی کو خراب کردے تو جس کی بد بو۔ گندگی اور زہریلے پن کا یہ عالم ہو تو اس پر کیا گذرے گی جس کو زقوم کھانا پڑے گا۔ (الامان والحفیظ) چوتھے اور بھی طرح طرح کے المناک عذاب ہوں گے مثلاً غساق یعنی وہ سڑی ہوئی پیپ جو جہنمیوں کے زخموں سے نکلے گی انتہائی بھوک میں بطور غذا دیا جانا۔ حمیم یعنی کھولتا ہوا گرم پانی پینے کو دیا جانا۔ بڑے بڑے پہاڑوں پر چڑھا کر نیچے پھینکا جانا۔ آگ کے کنوؤں میں گرایا جانا۔ آہنی صندوقوں میں بند کر کے آگ میں ڈالا جانا۔ آہنی چکیوں میں پیسا جانا۔ کانٹوں کا چبھونا۔ کھال کا چیرنا۔ مکھیوں کو زخم پر بٹھانا۔ سانپوں اور بچھوؤں کا کاٹنا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جہنم میں سانپ ہیں جو اپنی جسامت میں اونٹوں کے برابر ہیں اور اس قدر زہریلے ہیں کہ ان میں کوئی سانپ جس دوزخی کو ایک مرتبہ ڈسے گا تو چالیس سال کی مدت تک وہ اس کے زہر کا اثر پائے گا اور تڑپے گا اور اسی طرح دوزخ میں بچھو ہیں جو اپنی جسامت میں خچروں کے مانند ہیں اور وہ بھی ایسے ہی زہریلے ہیں کہ ان میں سے کوئی کسی دوزخی کو ایک دفعہ ڈنک مارے گا تو چالیس ۴۰ سال تک وہ اس کے زہر کی تکلیف پاوے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

گویا طرح طرح کے دردناک عذاب ان منکرین کے لئے ہیں۔

اور یہ سزا ان کو قیامت کے دن دی جائے گی اور وہ قیامت کا دن کیسا ہوگا اس کو اگلی آیت میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو حق پر قائم رکھیں اور باطل سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ اس دنیا میں ہمیں ان اعمال کی توفیق عطا فرما دیجئے جو آخرت میں ہماری نجات و مغفرت کا ذریعہ بنیں اور ہمیں ان اعمال سے بچا لیجئے جو کہ آخرت میں عذاب کا سبب بنیں۔ یا اللہ عذاب نار سے ہم کو اپنے فضل سے بچنا نصیب فرما۔

یا اللہ آپ نے تو رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے متبعین اسلام کو دشمنان دین اور اعدائے اسلام کی باتوں پر ان کے طعن و تشنیع پر اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی اور صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حکم کی تعمیل کا حق ادا کر کے اور صبر کر کے دکھلا دیا۔ یا اللہ ایک ہم انہی حضرات کے نام لیوا ہیں ہم اب اپنے کلمہ گو اہل اسلام بھائیوں ہی کی طرف سے پہنچنے والی کسی تکلیف پر صبر تو کیا کرتے الٹا انتقام کے درپے ہو جاتے ہیں اور انتقام میں بھی ظلم و زیادتی سے گریز نہیں کرتے۔ یا اللہ! صحابہ کرامؓ کے صبر و سہار کے طفیل میں ہمیں بھی اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ صبر و سہار کا معاملہ کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ اور ایک دوسرے سے درگزر کرنے کی خصلت مرحمت فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٤﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا

جس روز کہ زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے، اور پہاڑ ریگ رواں ہوجاویں گے۔ بیشک ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے

شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ

جو تم پر گواہی دیں گے جیسا ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سخت پکڑنا پکڑا۔

أَخْذًا وَبِيلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿١٧﴾ السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ

سو اگر تم کفر کرو گے تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کردے گا۔ جس میں آسمان پھٹ جاوے گا

بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ﴿١٨﴾ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿١٩﴾

بے شک اس کا وعدہ ضرور ہو کر رہے گا۔ یہ تمام مضمون ایک نصیحت ہے، سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے۔

يَوْمَ جس دن	تَرْجُفُ کانپے گی	الْأَرْضُ زمین	وَالْجِبَالُ اور پہاڑ	وَكَانَتِ اور ہوجائیں گے	الْجِبَالُ پہاڑ	كَثِيبًا ریت کے تودے	مَّهِيلًا ریزہ ریزہ
إِنَّا أَرْسَلْنَا بیشک ہم نے بھیجا	إِلَيْكُمْ تمہاری طرف	رَسُولًا ایک رسول	شَاهِدًا گواہی دینے والا	عَلَيْكُمْ تم پر	كَمَا أَرْسَلْنَا جیسے ہم نے بھیجا		
إِلَىٰ فِرْعَوْنَ فرعون کی طرف	رَسُولًا ایک رسول	فَعَصَىٰ پس کہنا نہ مانا	فِرْعَوْنُ فرعون	الرَّسُولَ رسول	فَأَخَذْنَاهُ تو ہم نے اسے پکڑلیا	أَخْذًا پکڑ	
وَبِيلًا بڑے وبال	فَكَيْفَ تو کیسے	تَتَّقُونَ تم بچوگے	إِن كَفَرْتُمْ اگر تم نے کفر کیا	يَوْمًا اس دن	يَجْعَلُ کردے گا	الْوِلْدَانَ بچوں کو	شِيبًا بوڑھا
السَّمَاءُ آسمان	مُنفَطِرٌ پھٹ جائے گا	بِهِ اس سے	كَانَ ہے	وَعْدُهُ اس کا وعدہ	مَفْعُولًا پورا ہوکر رہنے والا	إِنَّ هَٰذِهِ بیشک یہ	تَذْكِرَةٌ نصیحت
فَمَن تو جو	شَاءَ چاہے	اتَّخَذَ اختیار کرلے	إِلَىٰ رَبِّهِ اپنے رب کی طرف	سَبِيلًا راہ			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں ظاہر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اس مذکورہ سزا اور عذاب کی تمہید اس وقت سے شروع ہوگی جب زمین اور پہاڑوں پر زلزلہ پڑا ہوگا پہاڑوں کی جڑیں ڈھیلی ہو جائیں گی اور وہ لرز کر گر پڑیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر اڑتے پھریں گے یعنی قیامت کے دن۔ آگے اہل مکہ کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ دیکھو ہم نے تمہاری طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے جو تم پر قیامت کے روز گواہی دیں گے کہ لوگوں نے تبلیغ دین کے بعد کیا برتاؤ کیا۔ کس نے کہنا مانا اور کس نے کہنا نہیں مانا۔ کفار مکہ جو اپنے تکبر اور سرکشی کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاتے تھے اور ان کو فرعون بادشاہ مصر اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی معلوم تھا اس لئے بطور وعید وتنبیہ کے ان کو جتلایا گیا کہ اللہ نے تمہارے پاس بھی ویسا ہی رسول بھیجا جیسا کہ فرعون کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا تھا تو جب فرعون نے سرکشی کی اور اپنے رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اسے سختی کے ساتھ پکڑ لیا اور بری طرح برباد کیا کہ اس کو مع اس کے لاؤ لشکر کے سب کو سمندر میں غرق کر کے ہلاک کر دیا گیا تو کفار مکہ کو پکڑ و ہلاکت کا واقعہ سنانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم نے بھی اپنے رسول کی نافرمانی کی اور ان کی بات نہ مانی تو پھر تمہاری بھی خیر نہیں۔ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جاوے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اہل مکہ سات برس کے قحط میں گرفتار ہوئے۔ بڑے بڑے سرکش اور نافرمان قریش بدر میں قتل وقید ہوئے اور پھر فتح مکہ کے دن کفار مکہ ہمیشہ کے لئے مغلوب اور ختم ہوئے اور در پردہ فرعون اور موسیٰ کے واقعہ میں اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ جس طرح

بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کی تو قید فرعون سے نجات پائی شام کی سرزمین نصیب ہوئی۔ وہاں کی سرداری اور حکومت حاصل ہوئی اسی طرح اس نبی کے فرمانبردار اور مطیع کفار کے غلبہ اور تسلط سے نجات پائیں گے دین دنیا کے سردار اور بادشاہت کے مالک ہوں گے چنانچہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا۔ اخیر میں کفار مکہ کو پھر متنبہ کیا جاتا ہے کہ اگر تم نے ہمارے رسول کا کہنا نہ مانا اور اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو پھر اللہ کے عذاب سے کیسے بچو گے اور اگر بالفرض تم نبی الرحمۃ کے کمال حلم اور بردباری کے سبب دنیا کے عذاب سے بچ بھی گئے تو اس دن کیونکر بچو گے جس دن کی شدت اور درازی بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہوگی یعنی قیامت کے دن تو نہیں بچ سکتے اور وہ ایسا ہولناک دن ہوگا کہ آسمان پھٹ جائے گا اور یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ اٹل ہے ضرور پورا ہو کر رہے گا خواہ تم اس کو کتنا ہی دور اور بعید از امکان سمجھو۔ بہر حال ہم نے یہ قرآن سمجھانے اور یاد دلانے کے لئے بھیج دیا ہے جس میں محض تمہاری نصیحت اور خیر خواہی سے تم کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ اس میں تمہاری بھلائی کی ساری باتیں سمجھا دی گئی ہیں۔ اب جو اپنا فائدہ چاہے اس نصیحت پر عمل کر کے اپنے رب کا تقرب اور رضامندی حاصل کرے راستہ کھلا ہوا ہے کوئی روک ٹوک نہیں ورنہ دوسرے راستہ کا انجام جہنم اور مصیبت دائمی ہے۔

حضرت عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ دن قیامت کا ہوگا اور یہ کیفیت اس وقت ہوگی جبکہ اللہ رب العزت میدان حشر میں حضرت آدمؑ کو فرمائے گا کہ اے آدم اپنی ذریت میں جہنم کا ایندھن نکال لو۔ یعنی جو جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ تو حضرت آدمؑ پوچھیں گے کتنے عدد میں کتنے جہنم کے لئے نکالوں۔ تو فرمایا جائے گا ہر ہزار میں سے ۹۹۹ تو یہ سن کر سب اہل محشر گھبرا جائیں گے کہ ہر ہزار کی تعداد میں صرف ایک آدمی نجات پائے گا باقی جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جب یہ گھبراہٹ دیکھی تو فرمایا اے مسلمانو! تمہیں بشارت ہو۔ ہر ہزار میں کا ایک تم میں سے ہوگا اور باقی یاجوج ماجوج سے پورے کر دیئے جائیں گے اور دیگر امتوں کے کفار سے۔ نتیجہ جس کا الحمدللہ یہ ہوگا کہ امت محمدیہ حق تعالیٰ کے فضل سے سب کی سب ہی کسی نہ کسی طرح نجات پالے گی اور جہنم کا ایندھن یا جوج ماجوج اور دیگر ملتوں کے کفار سے پورا کر دیا جائے گا۔ اور اگر دیکھا جائے تو کل انسانوں کی تعداد کے لحاظ سے امت محمدیہ کا عدد شاید اتنا ہی نکلے۔ یعنی ایک فی ہزار تو اس اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وضاحت ایک عظیم بشارت ہوگی۔ فللہ الحمد حمداً کثیراً۔

(معارف القرآن۔ جلد ہفتم از حضرت مالک کاندھلوی مدظلہٗ)

اس سورۃ کا رکوع اوّل ان آیات پر ختم ہوتا ہے۔ اور اس رکوع میں ابتدائے سورۃ میں جو قیام لیل کا حکم دیا گیا تھا وہ ایک سال تک قائم رہا۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ سال بھر تک رات کو قیام کرتے رہے یہاں تک کہ پاؤں سوج گئے۔ سورۃ کے دوسرے رکوع کو اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے تک آسمان پر روکے رکھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے رحم فرما کر قیام لیل کے حکم میں تخفیف فرما دی اور سال بھر کے بعد دوسرا رکوع نازل فرمایا جس کے بعد قیام شب نفل ہو گیا اور امت کے حق میں نہ نماز تہجد فرض رہی نہ وقت کی یا مقدار تلاوت کی کوئی قید رہی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں دوسرے رکوع کی ابتدا سے آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو دین اسلام سے نوازا۔ اور ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

3

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ

آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے بعضے آدمی (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز میں)

الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

کھڑے رہتے ہیں، اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کرسکتا ہے، اُس کو معلوم ہے کہ تم اس کو ضبط نہیں کرسکتے تو اُس نے تمہارے حال پر عنایت کی

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ

سو (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو، اس کو (یہ بھی) معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں بیمار ہوں گے اور بعضے تلاش معاش کیلئے

فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا

ملک میں سفر کریں گے اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے سو تم لوگوں سے جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے

مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا

پڑھ لیا کرو اور نماز (فرض) کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دو، اور جو

تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا

نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے، اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو،

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ بیشک آپ کا رب	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	اَنَّكَ کہ آپ	تَقُوْمُ قیام کرتے ہیں	اَدْنٰى قریب ہے
مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ دو تہائی رات کے	وَنِصْفَهٗ اور آدھی رات	وَثُلُثَهٗ اور اس کا تہائی	وَطَآئِفَةٌ اور ایک جماعت	مِنَ سے
الَّذِيْنَ مَعَكَ جو آپ کیساتھ	وَاللّٰهُ اور اللہ	يُقَدِّرُ اندازہ فرماتا ہے	الَّيْلَ وَالنَّهَارَ رات اور دن	عَلِمَ اس نے جانا
اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ کہ تم ہرگز نباہ نہ کرسکو گے	فَتَابَ عَلَيْكُمْ تو اس نے تم پر عنایت کی	فَاقْرَءُوْا تو تم پڑھا کرو	مَا تَيَسَّرَ جس قدر آسانی سے ہوسکے	مِنَ الْقُرْاٰنِ قرآن سے
عَلِمَ اس نے جانا	اَنْ سَيَكُوْنُ کہ البتہ ہوں گے	مِنْكُمْ تم میں سے	مَّرْضٰى کوئی بیمار	وَاٰخَرُوْنَ اور کوئی اور
يَضْرِبُوْنَ وہ سفر کریں گے	فِى الْاَرْضِ زمین میں	يَبْتَغُوْنَ تلاش کرتے ہوئے	مِنْ سے	فَضْلِ اللّٰهِ اللہ کا فضل روزی
وَاٰخَرُوْنَ اور کئی دوسرے	يُقَاتِلُوْنَ وہ جہاد کریں گے	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کی راہ	فَاقْرَءُوْا پس پڑھ لیا کرو	مَا تَيَسَّرَ جس قدر آسانی سے ہوسکے
مِنْهُ اس سے	وَاَقِيْمُوْا اور تم قائم کرو	الصَّلٰوةَ نماز	وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور ادا کرتے رہو زکوٰۃ	وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ اور اللہ کو قرض دو
قَرْضًا حَسَنًا قرض حسنہ اخلاص سے	وَمَا اور جو	تُقَدِّمُوْا تم آگے بھیجو گے	لِاَنْفُسِكُمْ اپنے لئے	مِنْ خَيْرٍ اسے کوئی نیکی
تَجِدُوْهُ تم اسے پاؤ گے	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے ہاں	هُوَ خَيْرًا وہ بہتر	وَاَعْظَمَ اور عظیم تر	اَجْرًا اجر میں

وَاسْتَغْفِرُوا اور تم بخشش مانگو	اللّٰهَ اللہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ نہایت رحم کرنے والا			

تفسیر وتشریح: جیسا کہ گذشتہ درس میں بتلایا گیا تھا کہ اس سورۃ کا صرف پہلا رکوع اول نازل ہوا جس میں قیام لیل کا وجوبی حکم دیا گیا تھا اس کے ایک سال کے بعد یہ دوسرا رکوع نازل ہوا۔ ایک سال تک برابر صحابہ کرام رات کو قیام کرتے رہے حتیٰ کہ پاؤں پر ورم آ گیا تھا۔ تقریباً ایک سال بعد قیام لیل کے حکم میں تخفیف ہوئی جس کا حکم ان آیات میں ظاہر فرمایا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اس کے حکم کی پوری تعمیل کی کبھی آدھی کبھی تہائی اور کبھی دو تہائی رات کے قریب اللہ کی عبادت میں گذاری چنانچہ روایات میں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاؤں رات میں کھڑے کھڑے سوج جاتے اور پھٹنے لگتے تھے بلکہ بعض صحابہ تو اپنے بال رسی سے باندھ لیتے تھے کہ نیند آئے تو جھٹکا لگ کر تکلیف سے آنکھ کھل جائے۔ پھر اس زمانہ میں گھڑی اور گھنٹوں کا سامان نہ تھا۔ روزانہ آدھی۔ تہائی اور دو تہائی رات کی پوری حفاظت کرنا آسان کام نہ تھا۔ اس لئے بعض صحابہ رات بھر نہ سوتے تھے کہ کہیں نیند کی غفلت میں ایک تہائی رات بھی جاگنا نصیب نہ ہو۔ اس پر آگے فرمایا گیا کہ رات دن کا صحیح اندازہ اور اس کی پوری پیمائش تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ وہی ایک خاص اندازہ سے کبھی رات کو دن سے گھٹاتا کبھی بڑھاتا اور کبھی دونوں کو برابر کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس مقدار وقت کی پابندی میں تم کو سخت محنت لاحق ہوئی ہے۔ ان وجوہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے معافی بھیج دی اور پہلے حکم کو منسوخ فرما دیا اب جس کو رات میں جب اٹھنے کی توفیق ہو اور وہ جتنی نماز اور اس میں جتنا قرآن چاہے پڑھ لے یہاں قرآن پڑھنے سے مراد تہجد کی نماز پڑھنا ہے کہ نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے تو اب امت کے حق میں نہ نماز تہجد فرض ہے۔ نہ وقت کی یا مقدار تلاوت کی کوئی قید ہے۔ آگے حکم سابق کے نسخ کی دوسری علت بیان فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور روزی کمانے کے لئے یا علم دین وغیرہ حاصل کرنے کے لئے ملک میں سفر کریں گے۔ پھر بعضے وہ مرد مجاہد بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور ان حالتوں میں پابندی تہجد کی اور اوقات کی مشکل تھی اور شب بیداری کے حکم پر عمل کرنا سخت دشوار ہوگا اس لئے بھی تم پر تخفیف کر دی اور اب تم کو اجازت ہے کہ نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا آسان ہو وہ پڑھ لیا کرو۔ اپنی جان کو زیادہ تکلیف میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ فرض نمازیں نہایت اہتمام سے پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرتے رہو کہ انہی باتوں کی پابندی سے بہت کچھ روحانی فوائد اور ترقیات حاصل ہوسکتی ہیں۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ اولین صحابہؓ سے ایک سال تک بہت تاکید کے ساتھ یہ ریاضت شاقہ اس لئے کرائی کہ وہ آئندہ تمام امت کے ہادی و معلم بننے والے تھے۔ ضرورت تھی کہ وہ اس قدر منجھ جائیں اور روحانیت کے رنگ میں ایسے رنگے جائیں کہ تمام دنیا ان کے آئینہ میں کمالات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نظارہ کر سکے اور یہ نفوس قدسیہ ساری امت کی اصلاح کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں آیت میں جو اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ یعنی نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو فرمایا گیا تو اس کے متعلق بعض محققین علما نے لکھا ہے کہ پنجگانہ نماز کی فرضیت تو شب معراج میں ہوئی اور یہ سورۃ شب معراج سے کئی برس پہلے نازل ہوئی اور نیز اس سورۃ کے نزول کے وقت زکوٰۃ مفروضہ بھی نہ تھی کیونکہ زکوٰۃ مدینہ آ کر فرض ہوئی ہے پھر آیت میں وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ گو پنجگانہ نماز اور زکوٰۃ موجود تھی اور مطلقاً سے مراد یہ ہے کہ رکوع سجود قیام وقعود میں تسبیح و دعا کرنا فرض تھا اور اسی کو نماز کہتے تھے اور خیرات کرنا بھی اس وقت فرض تھا گو کوئی تعداد خیرات کی معین نہ تھی جیسا کہ بعد میں ہوئی۔ سو اٰتوا الزکوٰۃ سے وہی خیرات مطلقہ مراد ہے۔ آگے اخلاص کے ساتھ اللہ کے راستہ

میں خرچ کرنے کی ترغیب میں بتلایا گیا کہ اللہ کی راہ میں اس کے احکام کے موافق اخلاص سے خرچ کرنا گویا اللہ کو قرض دینا ہے بایں معنیٰ کہ خدا اس کا بدلہ نفع کے ساتھ تم کو دنیا و آخرت میں دے گا۔ گویا وہ تمہارے اس دیئے ہوئے مال کی ضمانت کرتا ہے تا کہ تم کو اطمینان ہو ورنہ وہ ذات عالی قرض لینے سے پاک ہے اس کو کوئی حاجت نہیں۔ آگے خاتمہ سورۃ پر بتلایا گیا کہ جو نیکی بھی یہاں کرو گے اللہ کے ہاں اس کو نہایت بہتر صورت میں پاؤ گے اور بہت بڑا اجر اس پر ملے گا یہ مت سمجھو کہ جو نیکی ہم کرتے ہیں وہ یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ نہیں وہ سب سامان اللہ کے ہاں تم سے آگے پہنچ رہا ہے جو عین حاجت کے وقت تمہارے کام آئے گا اور پھر تمام احکام بجا لا کر۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ خیرات کر کے اللہ سے معافی مانگو کیونکہ کوئی کتنا ہی محتاط ہو اس سے بھی کچھ نہ کچھ تقصیر ہو جاتی ہے۔ کون ہے جو دعویٰ کر سکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق کما حقہ پوری طرح ادا کر دیا۔ تو تمام کاموں میں استغفار کرنے اور اللہ سے گناہ معاف کرانے کے حکم کے بعد بشارت دی گئی کہ بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ تمہارے قصوروں کو معاف کرنے والا اور تم پر رحم فرمانے والا ہے۔ اے غفور الرحیم تو اپنے فضل سے ہماری خطاؤں اور کوتاہیوں کو بھی معاف فرما دے۔

اس سورۃ کی ابتدا میں قم الیل یعنی رات کو عبادت کا حکم دیا گیا تھا مگر انسان اپنی فطری کمزوریوں کے باعث حق تعالیٰ کے شایان شان عبادت اور اس کی اطاعت کا حق پورا پورا ادا نہیں کر سکتا اس لئے سورۃ کے خاتمہ پر حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے کوتاہیوں سے نجات حاصل کرنے کا ایک سہل اور آسان نسخہ اپنے بندوں کو عطا فرما دیا اور وہ نسخہ استغفار ہے اس لئے وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ فرمایا جس کے ساتھ ہی غفور رحیم فرما کر مغفرت اور رحمت کی بشارت بھی سنا دی۔

استغفار کی فضیلت متعدد احادیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ استغفار پڑھے **استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم و اتوب الیه**۔ اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے اگر چہ اس نے میدان جہاد سے بھاگنے کا گناہ عظیم کیا ہو۔ مگر یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ استغفار کی حقیقت اپنی گذشتہ تقصیرات اور غلطیوں پر دل سے ندامت اور شرمندگی اور آئندہ کے لئے پھر ایسی غلطی نہ کرنے کا پختہ قصد اور ارادہ اور اگر اس تقصیر کا تدارک مشروع ہو تو اس کو بجا لائے ایسی استغفار پر مغفرت و رحمت کا وعدہ ہے۔

سورۃ المزمل کے خواص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی سورۃ المزمل پڑھے اللہ تعالیٰ اس سے دنیا و آخرت کی تنگی دور کر دیں گے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی ہر حال میں اپنی طرف رجوع ہونے اور استغفار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں اپنی مغفرت و رحمت سے نوازیں۔ حق تعالیٰ ہمیں اپنے جملہ احکام کی اطاعت نصیب فرمائیں اور اپنے فضل سے رات کو کسی درجہ میں ہم کو بھی اپنی عبادت و بندگی کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ اور ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادت کو اپنی رحمت سے قبول فرمائیں۔ اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو پھر (کافروں کو) ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور بتوں سے الگ رہو اور کسی کو

تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

اس غرض سے مت دو کہ (دوسرے وقت) زیادہ معاوضہ چاہو۔ اور (پھر انذار میں جو ایذا پیش آئے اس پر) اپنے رب کی خوشنودی کے واسطے صبر کیجئے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ اے کپڑے میں لپٹے ہوئے (محمدؐ)	قُمْ کھڑے ہو جاؤ	فَاَنْذِرْ پھر ڈراؤ	وَرَبَّكَ اور اپنا رب	فَكَبِّرْ بڑائی بیان کرو	وَثِيَابَكَ اور اپنے کپڑے
فَطَهِّرْ سو پاک کرو	وَالرُّجْزَ اور پلیدی	فَاهْجُرْ سو دور رہو	وَلَا تَمْنُنْ اور احسان نہ رکھو	تَسْتَكْثِرُ زیادہ لینے (کی غرض سے)	
وَلِرَبِّكَ اور اپنے رب کیلئے	فَاصْبِرْ صبر کرو				

تفسیر و تشریح: سورۃ کی ابتدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کے خطاب سے فرمائی جاتی ہے یعنی اے کپڑا اوڑھنے والے چونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھ کر کچھ ہیبت ہوئی تھی اور اس سے سردی معلوم ہوئی تھی اس لئے آپؐ کپڑا اوڑھے ہوئے تھے کہ اسی حالت پر مخاطب کر کے فرمایا کہ اے کپڑا اوڑھنے والے آپ اپنی جگہ سے اٹھئے اور مستعد ہو کر لوگوں کو ڈرایئے۔ یعنی فرشتہ کی ہیبت سے آپ کو گھبرانا اور ڈرنا نہیں چاہئے۔ آپ کا کام تو یہ ہے کہ سب آرام و چین چھوڑ کر دوسروں کو خدا کا خوف دلائیں اور کفر و معصیت کے برے انجام سے ڈرائیں جو کہ مقتضا منصب نبوت کا ہے۔ علماء نے یہاں لکھا ہے جیسے آپ نذیر تھے یعنی ڈرانے والے ویسے ہی آپ بشیر بھی تھے یعنی خوشخبری اور بشارت دینے والے مگر ابتدائی حالت میں بشارت کا موقع نہ تھا اس لئے کہ دنیا بدکاری اور بت پرستی کے گرداب میں پڑی ہوئی تھی اس لئے مقدم یہی بات تھی کہ ان کو ہلاکت کے کاموں سے ڈرایا اور بچایا جائے اس کے بعد اصول حسنات پر قائم ہونے سے بشارت کا موقع آئے گا اس لئے ابتدائے نبوت میں یہاں صرف انذار یعنی ڈرانے کا حکم دیا گیا۔ اب چونکہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانا اور عذاب آخرت کی خبر دینا بغیر اس کے مخاطبین کے ذہن نشین نہیں ہوتا کہ خداوند عالم کی بزرگی و عظمت کو بیان کیا جائے اس لئے آگے حکم وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ دیا گیا کہ اپنے رب کی بڑائی و بزرگی کا اظہار کیجئے کیونکہ رب کی بولنے اور اس کی بزرگی و عظمت بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے تاکہ مشرکوں کے دلوں سے خدا کی قدرت و یکتائی سن کر بتوں اور خیالی معبودوں کی وقعت کم ہو اور وہ توحید کی طرف مائل ہوں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ کفر و انکار پر جو بلا و مصیبت ان پر آئے گی وہ ان کے فرضی معبود دفع نہ کر سکیں گے۔ الغرض عقیدہ تکبیر یعنی اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس اور اس کی بڑائی و بزرگی ہر شخص پر سب سے اول لازم ہے اور تمام فرائض سے زیادہ اہم ہے اور تمام اعمال و اخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہئے۔ اس کی خلاف ورزی قابل معافی ہے۔ نہ کسی سے واجب ساقط ہو سکتا ہے اس لئے یہاں اور کسی فرض کو بیان کرنے سے پہلے خداوند عالم کی عظمت و جبروت بڑائی و بزرگی بیان کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب چونکہ تکبیر کا اثر طہارت کی حالت میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس کے بعد

وثیابک فطھر کا حکم دیا جاتا ہے یعنی اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے۔علماء کے اس کی تفصیل میں دو قول ہیں۔ پہلا قول تو یہ ہے کہ یہاں ظاہری کپڑوں کا ظاہری نجاست سے پاک رکھنے کا حکم ہے۔اور جب کپڑوں کو ظاہری نجاسات سے پاک رکھنا مراد ہوگا اس لئے بیان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ مشرکین اپنے کپڑے اور بدن کو نجاست سے پاک نہیں رکھتے تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت کو پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور ظاہری طہارت و پاکی کو باطنی طہارت و پاکی میں بڑا اثر ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں کپڑوں کے پاک رکھنے سے نفس کا برے اخلاق سے پاک رکھنا مراد لیا ہے آگے فرمایا گیا والرجز فاھجر یعنی گندگی سے دور رہئے۔اس کی تفسیر میں بھی مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض نے رجز سے مراد بت لئے ہیں یعنی بتوں سے دور رہئے ان کے قریب بھی نہ جائیے جیسے اب تک دور رہے ہیں۔اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ ایسے عقائد اور اعمال ترک کر دیجئے جو موجب عذاب ہیں۔اور بعض نے لغوی نجاستیں مراد لی ہیں جو آدمی کی روح کو گندہ کرتی ہیں۔غرض کہ اس آیت میں ہر طرح کی طہارت ظاہری و باطنی کی تاکید مقصود ہے آگے وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت بلند ہمتی اور اولوالعزمی کی تلقین فرمائی گئی کہ جو کچھ آپ کسی کو دیں یا کسی پر احسان کریں۔اس میں روپیہ پیسہ یا علم و ہدایت اور دعوت و تبلیغ وغیرہ سب شامل ہیں اس سے بدلا یا معاوضہ نہ چاہئے۔یعنی نہ کسی کو کوئی چیز اس نیت سے دیجئے۔کہ وہ عوض میں زیادہ کر کے دے۔آپ محض اپنے رب کے دیئے ہوئے پر شاکر و صابر رہئے اور جو شدائد دعوت و تبلیغ کے راستہ میں پیش آئیں ان کو اللہ کے واسطے صبر و تحمل سے برداشت کریں اور اسی کے حکم کی راہ دیکھیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ ان ابتدائی آیات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطے سے امت کے اہل علم اور اہل فضل لوگوں کو تبلیغ دین اور دعوت اسلامی کا پیغام تمام انسانوں تک پہنچانے کے لئے پانچ صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی ہدایت و تعلیم دی گئی:۔

اول اپنے قول و فعل یعنی زبان اور عمل سے ظاہر کریں کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا بزرگ و برتر ہے۔اس کے سوا نہ کسی سے ڈرنا اور نہ کسی سے اپنی حاجت براری اور کارسازی کی امید رکھنا۔نہ کسی سے نفع کی امید و رنہ نقصان کا خوف رکھنا۔

دوسرے کپڑوں کو بدن کو اور اپنے نفس اور قلب اور اخلاق کو صاف رکھنا یعنی ظاہر اور باطن دونوں کو پاکیزہ اور صاف ستھرا رکھنا۔

تیسرے ناپاک اور گندی باتوں اور کاموں سے دور رہیں۔اور سب سے بڑھ کر ناپاک اور گندہ عقیدہ شرک کا ہے اس لئے سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر اس سے بچیں۔

چوتھے ہر معاملہ میں ہمت اور اولوالعزمی سے کام لیں۔کسی پر کوئی احسان اس توقع سے نہ کریں کہ آگے چل کر وہ ان کے ساتھ اس سے بڑھ کر احسان کرے یعنی دوسروں کو دینی یا دنیوی فائدہ کسی اپنی ذاتی غرض کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لئے پہنچائیں۔

پانچویں اللہ کے احکام پر چلنے میں اور اس کی فرماں برداری میں اور دعوت و تبلیغ کے راستہ میں جو مشقتیں اور مشکلیں پیش آئیں انہیں اللہ کے واسطے صبر و تحمل سے برداشت کریں اور حوصلہ مندی اور صبر و استقلال سے اپنا کام برابر انجام دیتے رہیں۔

الغرض جب ان آداب کے ساتھ دعوت دین اسلام لوگوں کو پہنچا دی جائے اور پھر وہ لوگ از راہ تکبر و عناد توحید و رسالت اور قرآن و آخرت کے منکر بنے رہیں تو پھر ان لوگوں کو قیامت میں سخت سزا دی جائے گی۔جہنم میں داخل کیا جائے گا اور وہاں کے عذاب کیسے سخت ہوں گے یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿۸﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿۱۰﴾

پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا سو وہ وقت یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا۔ جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿۱۱﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ﴿۱۲﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿۱۳﴾ وَمَهَّدْتُ

مجھ کو اور اس شخص کو (اپنے اپنے حال پر) رہنے دو جسکو میں نے اکیلا پیدا کیا۔ اور اس کو کثرت سے مال دیا۔ اور پاس رہنے والے بیٹے دیئے۔ اور سب طرح کا سامان

لَهُ تَمْهِيدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿۱۶﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿۱۷﴾

اس کیلئے مہیا کردیا۔ پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ (اس کو) اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں (کیونکہ) وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔ اس کو عنقریب دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا۔

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾

اُس شخص نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی۔ سو اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی۔ (اور) پھر (مکرر) اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی۔ پھر (حاضرین کے چہروں کو) دیکھا۔ پھر منہ بنایا

ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾

اور زیادہ منہ بنایا۔ اور پھر منہ پھیرا اور تکبر کیا۔ پھر بولا کہ بس یہ جادو ہے (جو اوروں سے) منقول ہے۔ پس یہ تو آدمی کا کلام ہے۔ میں اس کو جلدی دوزخ میں داخل کروں گا۔

فَإِذَا نُقِرَ پھر جب پھونکا جائیگا	فِي النَّاقُورِ صور میں	فَذَٰلِكَ تو وہ	يَوْمَئِذٍ اس دن	يَوْمٌ دن	عَسِيرٌ بڑا دشوار	عَلَى الْكَافِرِينَ کافروں پر	
غَيْرُ يَسِيرٍ نہ آسان	ذَرْنِي مجھے چھوڑدو	وَمَنْ اور جسے	خَلَقْتُ میں نے پیدا کیا	وَحِيدًا اکیلا	وَجَعَلْتُ اور میں نے دیا	لَهُ اسے	مَالًا مَمْدُودًا مال کثیر
وَبَنِينَ اور بیٹے	شُهُودًا سامنے حاضر رہنے والے	وَمَهَّدْتُ اور بچھایا (مہیا کیا)	لَهُ اس کیلئے	تَمْهِيدًا بچھونا (سامان)	ثُمَّ پھر	يَطْمَعُ وہ طمع کرتا ہے	
أَنْ أَزِيدَ کہ (اور) زیادہ دوں	كَلَّا ہرگز نہیں	إِنَّهُ بیشک وہ	كَانَ ہے	لِآيَاتِنَا ہماری آیات کا	عَنِيدًا عناد رکھنے والا (مخالف)	سَأُرْهِقُهُ اب اس سے چڑھواؤنگا	
صَعُودًا بڑی چڑھائی	إِنَّهُ بیشک اس نے	فَكَّرَ سوچا	وَقَدَّرَ اور اسنے اندازہ کیا	فَقُتِلَ سو وہ مارا جائے	كَيْفَ کیسا	قَدَّرَ اس نے اندازہ کیا	
ثُمَّ قُتِلَ پھر وہ مارا جائے	كَيْفَ کیسا	قَدَّرَ اس نے اندازہ کیا	ثُمَّ پھر	نَظَرَ اس نے دیکھا	ثُمَّ عَبَسَ پھر اس نے تیوری چڑھائی	وَبَسَرَ اور منہ بگاڑ لیا	
ثُمَّ أَدْبَرَ پھر اس نے پیٹھ پھیر لی	وَاسْتَكْبَرَ اور اسنے تکبر کیا	فَقَالَ تو اس نے کہا	إِنْ هَٰذَا نہیں یہ	إِلَّا سِحْرٌ مگر (صرف) جادو	يُؤْثَرُ اگلوں سے نقل کیا جاتا ہے		
إِنْ هَٰذَا نہیں یہ	إِلَّا مگر (صرف)	قَوْلُ الْبَشَرِ آدمی کا کلام	سَأُصْلِيهِ عنقریب اسے ڈالدوں گا	سَقَرَ سقر (جہنم)			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت آئے گی اور صور پھونکا جائے گا تو وہ دن سراسر مشکلات اور سختیوں سے بھرا ہوگا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے دنیا میں اللہ کی توحید کا انکار کیا ہوگا اور اللہ کے رسول کو نہ مانا ہوگا۔ اس دن ایسے منکرین کے لئے ذرا آسانی اور سہولت نہ ہوگی بلکہ اس دن کی سختی دم بدم ان پر بڑھتی جائے گی بخلاف مؤمنین کے کہ اگر وہ سختی بھی دیکھیں گے تو پھر کچھ مدت کے بعد آسانی کردی جائے گی۔

احادیث اور قرآنی آیات کی روشنی میں نفخ صور کے متعلق لکھا ہے کہ قیام قیامت کی اول علامت یہ ہوگی کہ لوگ تین چار سال تک غفلت میں پڑے رہیں گے اور دنیاوی نعمتیں اموال اور شہوت رانیاں بکثرت ہو جائیں گی اور یہ دنیا صرف بدکرداروں اور خدا فراموشوں کی دنیا رہ جائے گی کہ جمعہ کے دن جو یوم عاشورہ بھی ہوگا یعنی محرم کا مہینہ صبح

ہوتے ہی جب کہ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں گے کہ ناگاہ ایک باریک لمبی آواز لوگوں کو سنائی دے گی۔ یہی نفخ صور ہوگا۔ تمام اطراف کے لوگ اس کے سننے میں یکساں ہوں گے اور حیران ہوں گے کہ یہ آواز کیسی ہے اور کہاں سے آتی ہے پس رفتہ رفتہ یہ آواز مانند کڑک بجلی کے سخت و بلند ہوتی جائے گی آدمیوں میں اس کی وجہ سے بڑی بے چینی و بے قراری پھیل جائے گی جب وہ آواز پوری سختی پر آ جائے گی تو لوگ خوف وہیبت کی وجہ سے مرنے شروع ہو جائیں گے زمین میں زلزلہ آئے گا جس کے ڈر سے لوگ گھروں کو چھوڑ کر میدانوں میں بھاگیں گے اور وحشی جانور خائف ہو کر لوگوں کی آبادی میں آ جائیں گے۔ زمین جا بجا شق ہو جائے گی۔ سمندر ابل کر قرب و جوار کے مواضعات پر چڑھ جائیں گے۔ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تیز ہواؤں کے چلنے سے ریت کے موافق اڑیں گے۔ گرد و غبار کے اٹھنے اور آندھیوں کے آنے کے سبب جہاں تیرہ و تار ہو جائے گا اور وہ آواز دم بدم سخت ہوتی جائے گی یہاں تک کہ اس کے نہایت ہولناک ہونے پر آسمان پھٹ جائیں گے اور چاند و سورج ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر اور آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے حتی کہ آسمانوں کے فرشتے بھی یکے بعد دیگرے سب فنا ہو جائیں گے اور بجز ذات ذوالجلال والاکرام کے کوئی باقی نہ رہے گا۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیونکر خوش اور بے غم ہو کر رہ سکتا ہوں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ صور والا فرشتہ (یعنی اسرافیل علیہ السلام) صور کو اپنے منہ میں لئے ہوئے ہے اور اپنا کان اس نے لگا رکھا ہے اور اس کی پیشانی جھکی ہوئی ہے۔ وہ انتظار میں ہے کہ کب اس کو صور پھونکنے کا حکم ہو اور وہ پھونک دے یعنی جب مجھے اس واقعہ کا علم ہے تو میں کیسے اس دنیا میں اطمینان اور خوشی سے رہ سکتا ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہمیں آپ کا کیا حکم ہے؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ جب معاملہ اتنا خطرناک ہے تو ہمیں آپ کا کیا حکم ہے۔ ہماری رہنمائی فرمایئے کہ قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں سے بچنے کے لئے ہم کیا کریں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پڑھتے رہا کرو۔

الغرض یہاں وعید سنائی گئی کہ وہ دن کافروں پر نہایت سخت ہوگا اور ان کے لئے مطلق کوئی آسانی اور سہولت نہ ہوگی۔ یہ تو تھی عام وعید تمام کفار و منکرین کے لئے آگے کفار میں سے بعض خاص کا ذکر ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا اور اگلی آیات مکہ کے ایک کافر رئیس و سردار ولید بن مغیرہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ولید بن مغیرہ کافر اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیوی مال و جاہ اور ثروت و لیاقت کے اعتبار سے عرب میں فرد واحد اور یکتا سمجھا جاتا تھا۔ اس کے دس ۱۰ بیٹے تھے جو اس کے پاس رہتے تھے اور بوجہ فراغت معاش کے ان کو تلاش معاش کے لئے کہیں جانا نہ پڑتا تھا۔ وہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے قرآن پڑھ کر سنایا جس سے وہ کسی قدر متاثر ہوا مگر ابو جہل نے اس کو ورغلایا اور قریش میں چرچا ہونے لگا کہ اگر ولید مسلمان ہو گیا تو بڑی خرابی ہوگی۔ غرض سب جمع ہوئے اور آپ کے بارہ میں گفتگو ہوئی۔ کسی نے کہا شاعر ہیں۔ کسی نے کاہن بتلایا۔ ولید نے کہا میں شعر و شاعری میں خود بڑا ماہر ہوں۔ اور کاہنوں کی باتیں بھی بہت سنی ہیں۔ قرآن نہ شعر ہے نہ کہانیت۔ لوگوں نے کہا کہ آخر تیری کیا رائے ہے کہنے لگا کہ ذرا سوچ لوں۔ آخر تیوری بدل کر اور منہ بنا کر کہا کچھ نہیں مجھ کو جادو معلوم ہوتا ہے جو جادوگروں سے نقل ہوتا چلا آتا ہے حالانکہ پیشتر قرآن سن کر کہہ چکا تھا کہ یہ سحر بھی نہیں اور مجنونانہ کلام بھی نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے مگر محض برادری کو خوش کرنے کے لئے اب یہ بات بنا دی۔ اس کافر ولید بن مغیرہ جس کے بارے میں بتلایا گیا کہ اس کو اللہ نے پیدا کیا تو یہ تنہا تھا۔ اپنے ساتھ دھن دولت مال اولاد کچھ نہ لایا تھا۔ اللہ ہی نے اسے مال و دولت حکومت سرداری۔ اولاد عزت سب کچھ عطا کیا۔ ہمہ وقت پاس رہنے والے

دس بیٹے دیئے۔ تجارتی کاروبار اور دوسرے کام کاج کے لئے نوکر چاکر دیئے تو چاہئے یہ تھا کہ اس مال و دولت آس اولاد کا شکر بجالاتا اور اللہ پر ایمان لے آتا مگر الٹا یہ اللہ کی آیتیں اور کلام سن کران کا منکر ہوا اور مخالفت پر کمر باندھ لی۔ اور کفر وشرک پر جما رہا اور زیادہ مال دولت جمع کرنے کی غرض میں منہمک رہا۔ اس کافر ولید بن مغیرہ کے سامنے اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جنت کی نعمتوں کا ذکر فرماتے تو کہتا کہ اگر یہ شخص اپنے بیان میں سچا ہے تو یقین ہے کہ وہاں کی نعمتیں بھی مجھے ہی ملیں گی۔ اس پر آیت میں فرمایا گیا کہ باوجود اس قدر ناشکری اور حق ناشناسی کے یہ بھی امید اور توقع رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کی نعمتیں اور زیادہ دے گا۔ ہرگز نہیں جب وہ منعم حقیقی کی آیتوں کا مخالف ہے تو اسے ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ ایسی توقع باندھے اور رخیالی پلاؤ پکائے۔ لکھا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد پے در پے اس کے مال دولت میں نقصان ہونا شروع ہوا آخر فقیر ہو کر ذلت کے ساتھ مر گیا۔ مگر خدا کی قدرت اور اسلام کی حقانیت کا کرشمہ کہ اسی ولید بن مغیرہ کی اولاد میں سے بعد میں چار دولت ایمان سے مشرف ہوئے یعنی ولید بن ولید خالد بن ولید اور عمارہ اور ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت خالدؓ ہیں جنہوں نے اس قدر جہاد کیا اور کفار کو اس قدر مارا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی امیر الامرائی کا منصب ان کو ملا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سیف اللہ کا خطاب دیا۔ اور ملک شام و عراق انہی کے ہاتھوں فتح ہوا۔ آگے اس کافر ولید بن مغیرہ جس کے بارہ میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں بتلایا جاتا ہے کہ یہ جھوٹی توقع رکھتا ہے کہ جنت و آخرت کی نعمتیں بھی اسی کو زیادہ ملیں گی تو وہ سن لے اور یاد رکھے کہ آخرت میں اسے سخت ترین مصائب میں گرفتار ہونا ہے اور وہ جہنم کے پہاڑ پر چڑھایا اور اتارا جائے گا۔ حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ صعود دوزخ میں ایک آگ کا پہاڑ ہے جس پر کافر ستر ۷۰ برس تک چڑھایا جائے گا اور پھر وہاں سے گرایا جائے گا اور ہمیشہ ایسا ہی اس کے ساتھ ہوتا رہے گا۔ اور ایک دوسری روایت میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صعود دوزخ میں آگ کا ایک پہاڑ ہے جس پر زبردستی کافر کو چڑھایا جائے گا اور اس کی سوزش کا یہ حال ہے کہ جب کافر اس پر ہاتھ رکھے گا تو رکھتے ہی جل کر بھسم ہو جائے گا اور پھر اسی وقت نیا بنے گا اور پھر جلے گا اور اسی طرح اس کے پاؤں کا حال ہوگا کہ اس پر رکھتے ہی جل جائیں گے اور پھر نئے بنیں گے اور اسی تکلیف اور مشقت سے اس کو زنجیروں سے فرشتے کھینچیں گے پھر جب اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے گا تو اس کو اوپر سے نیچے گرادیں گے پھر اس کو مار مار کر اوپر چڑھائیں گے اور پھر گرادیں گے اور اسی عذاب میں ابدالآباد تک رہے گا۔ تو اس وَلید بن مُغیرہ کافر کے متعلق بتلایا گیا کہ اس کو جہنم کے آتشی پہاڑ صَعُود پر چڑھایا جائے گا اور یہ سزا اس بدبخت کو اسی وجہ سے ہوگی کہ اس نے دل میں سوچ کر ایک بات تجویز کی کہ قرآن جادو ہے۔ خدا غارت کرے کیسی مہمل تجویز کی۔ پھر خدا غارت کرے اس کو کہ اپنی قوم کے جذبات کے لحاظ سے کیسی برمحل تجویز نکالی کہ کلام اللہ کو جادو بتلا کر ان کو خوش کیا۔ یہ ولید بن مغیرہ کی اسی گفتگو کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر اوپر ہوا یعنی قریش کے مجمع پر نگاہ ڈالی پھر خوب منہ بنایا کہ دیکھنے والے سمجھیں کہ اس کو قرآن سے بہت کراہت اور انقباض ہے۔ پھر پیٹھ پھیر لی گویا بہت ہی قابل نفرت چیز کے متعلق کچھ بیان کرنا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل اس کی حقانیت کا اقرار کر چکا تھا اب برادری کی خوشنودی کے لئے اس سے پھر گیا اور نہایت غرور و تکبر کے انداز میں کہنے لگا کہ بس اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور یقیناً یہ آدمی کا کلام ہے جو جادو بن کر باپ کو بیٹے سے اور دوست کو دوست سے جدا کر دیتا ہے۔ اس پر اسے وعید سنائی جاتی ہے کہ اس تکبر اور عناد کا مزہ اس کو جہنم میں ڈال کر چکھایا جائے گا۔

یہاں ان آیات میں کافر سردار ولید بن مغیرہ پر اللہ تعالیٰ نے جو دنیوی انعامات فرمائے تھے ان میں یہ بھی فرمایا وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا یعنی اس کے پاس رہنے والے بیٹے دیئے۔ اس دنیوی انعام کے متعلق حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:۔

وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا یعنی اولاد پاس حاضر اور موجود۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسا اولاد کا پیدا ہونا اور اس کا باقی رہنا اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں اسی طرح اولاد کا اپنے پاس حاضر اور موجود ہونا بھی ایک بڑا انعام ہے جو والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب کے سکون کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ان کی حاضری سے اپنی خدمت اور کاروبار میں امداد کا فائدہ مزید برآں ہے۔ اس (نام نہاد) معکوس ترقی نے جو یہ زمانہ کر رہا ہے صرف سونے چاندی کے سکوں بلکہ ان سکوں کے اب تو اقرار ناموں یعنی نوٹوں کا نام عیش و آرام رکھ لیا ہے جس کے لئے والدین بڑے فخر سے اولاد کو دوسرے ملکوں میں پھینک دیتے ہیں اور اس پر خوش ہوتے ہیں کہ اگرچہ سالہا سال بلکہ عمر بھر اولاد کی صورت بھی نہ دیکھیں مگر ان کی بڑی تنخواہ اور آمدنی کی خبر ان کے کانوں تک پہنچتی رہے اور یہ اس خبر کے ذریعہ اپنی برادری میں برتری ثابت کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ آرام و راحت کے مفہوم سے بھی بے خبر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کو بھلانے کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے کہ وہ خود اپنے آپ کو یعنی اپنی اصلی آرام و راحت کو بھی بھول جائے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا۔ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ (سورہ حشر) (جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دنیوی انعامات و احسانات کی کماحقہ قدر عطا فرمائیں اور ان کا حق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

الغرض یہاں ولید بن مغیرہ کو وعید عذاب آخرت کی سنائی گئی کہ وہ جہنم رسید ہوگا۔ اب وہ جہنم اور اس کی سزا کا کیا حال ہوگا۔ یہ آخری آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ قیامت کی سختیوں سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں اور وہاں کی ذلت اور رسوائیوں سے ہمیں بچالیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو مال و دولت اور اہل وعیال ہم کو عطا فرمائے ہیں اس پر ہم کو حقیقی شکرگزاری کی توفیق نصیب فرمائیں اور کفران نعمت سے بچائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم کو جو ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرمائی ہے۔ اس پر استقامت نصیب کریں اور اسی پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا

اور تم کو کچھ خبر بھی ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے۔ نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی۔ (اور) وہ (جلا کر) بدن کی حیثیت بگاڑ دیگی۔ اس پر اُنیس فرشتے ہوں گے۔ اور ہم نے

جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ

دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے جوان کی تعداد (ذکر میں) ایسی رکھی ہے جو کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہو۔ تو اس لئے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

تاکہ اہل کتاب یقین کرلیں۔ اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے۔ اور اہل کتاب

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا

اور مؤمنین شک نہ کریں۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں (شک کا) مرض ہے اور کافر لوگ کہنے لگیں کہ اس عجیب مضمون سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصود ہے۔

مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ

اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کردیتا ہے۔ اور تمہارے رب کے لشکروں کو بجز رب کے

وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

کوئی نہیں جانتا اور دوزخ (کا حال بیان کرنا) صرف آدمیوں کی نصیحت کیلئے ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ اور تم کیا سمجھے؟	مَا سَقَرُ سقر کیا ہے	لَا تُبْقِيْ وہ نہ باقی رکھے گی	وَلَا تَذَرُ اور نہ چھوڑے گی	لَوَّاحَةٌ جھلس دینے والی	لِّلْبَشَرِ آدمی کو
عَلَيْهَا اس پر ہیں	تِسْعَةَ عَشَرَ اُنیس (داروغہ)	وَمَا جَعَلْنَآ اور ہم نے نہیں بنائے	اَصْحٰبَ النَّارِ دوزخ کے داروغہ	اِلَّا مگر (صرف)	
مَلٰٓئِكَةً فرشتے	وَمَا جَعَلْنَا اور ہم نے نہیں رکھی	عِدَّتَهُمْ ان کی تعداد	اِلَّا فِتْنَةً مگر (صرف) آزمائش کو	لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان لوگوں کیلئے جو کافر ہوئے	
لِيَسْتَيْقِنَ تاکہ وہ یقین کرلیں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	اُوْتُوا الْكِتٰبَ کتاب دی گئی (اہل کتاب)	وَيَزْدَادَ اور زیادہ ہو	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا جو لوگ ایمان لائے	
اِيْمَانًا ایمان	وَلَا يَرْتَابَ اور شک نہ کریں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	اُوْتُوا الْكِتٰبَ کتاب دی گئی	وَالْمُؤْمِنُوْنَ اور مومن (جمع)	وَلِيَقُوْلَ اور تاکہ وہ کہیں
الَّذِيْنَ وہ لوگ	فِيْ قُلُوْبِهِمْ جن کے دلوں میں	مَّرَضٌ روگ	وَّالْكٰفِرُوْنَ اور کافر (جمع)	مَاذَآ کیا	اَرَادَ اللّٰهُ ارادہ کیا اللہ نے / بِهٰذَا اس
مَثَلًا مثال	كَذٰلِكَ اسی طرح	يُضِلُّ اللّٰهُ اللہ گمراہ کرتا ہے	مَنْ يَّشَآءُ جس وہ چاہتا ہے	وَيَهْدِيْ اور ہدایت دیتا ہے	مَنْ يَّشَآءُ جسے وہ چاہتا ہے
وَمَا يَعْلَمُ اور نہیں جانتا	جُنُوْدَ لشکروں	رَبِّكَ تیرے رب کے	اِلَّا هُوَ سوائے وہ (خود)	وَمَا هِيَ اور نہیں یہ	اِلَّا ذِكْرٰى مگر نصیحت / لِلْبَشَرِ آدمی کیلئے

تفسیر وتشریح: ان آیات میں کچھ جہنم اور اس کے آزار کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ کچھ خبر ہے کہ وہ دوزخ کیسی چیز ہے۔ وہ ایسی ہولناک ہے کہ دوزخیوں کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دے گی جو جلنے سے بچ جائے یعنی ہڈی۔ گوشت۔ پوست کوئی چیز جلنے سے نہ چھوٹے گی اور پھر جلانے کے بعد اسی حالت پر بھی نہ چھوڑے گی بلکہ دوبارہ اصلی حالت پر لوٹائے جائیں گے۔ اور نیا جسم تیار ہوگا اور پھر جلیں گے اور یہ سلسلہ

ہمیشہ ابدالآباد تک ہوتا رہے گا اور وہ آگ جلا کر بدن کی حیثیت بگاڑ دے گی۔اور اس دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کا لشکر ہوگا اس کے افسر ۱۹ فرشتے ہوں گے جن میں سب سے بڑے ذمہ دار کا نام ''مالک'' ہے۔یہاں آیت میں جو عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ فرمایا یعنی اس پر ۱۹ فرشتے مقرر ہوں گے تو مفسرین نے ۱۹ کے عدد کی حکمتیں تفصیل سے لکھی ہیں اور اس پر بہت کچھ کلام کیا ہے مگر اس سلسلہ میں جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے وہ دل کو سب سے زیادہ لگتا ہے اس لئے یہاں اسی تفصیل کو نقل کیا جاتا ہے۔حضرت رحمہ اللہ لکھتے ہیں ۱۹ فرشتوں کے مقرر ہونے سے ظاہر ہے کہ عذاب کا بہت ہی اہتمام ہوگا اور نکتہ خاص ۱۹ کے عدد میں حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے لیکن اوروں نے جو ذکر کیا ہے ان سب میں اقرب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس حقیر کے قلب میں القا فرمایا ہے وہ یہ کہ اصل تعذیب کفار کی عقائد حقہ کی مخالفت پر ہے اور عقائد قطعیہ جو عمل سے متعلق نہیں نو ۹ ہیں:۔

۱-ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر ۲-اعتقاد رکھنا کہ عالم حادث ہے۔
۳-ایمان لانا فرشتوں پر ۴-ایمان لانا اللہ کی سب کتابوں پر
۵-ایمان لانا تمام پیغمبروں پر ۶-ایمان لانا تقدیر پر
۷-ایمان لانا قیامت کے دن پر۔ ۸-جنت کا یقین کرنا
۹-دوزخ کا یقین کرنا۔

اور عقائد قطعیہ جو عملیات کے متعلق ہیں دس ہیں:۔

پانچ مامورات کے متعلق ہیں ان کے متعلق وجوب کا اعتقاد اور پانچ منہیات کے متعلق ہیں ان کی تحریم کا اعتقاد۔

وہ پانچ مامورات جو شعائر اسلام ہیں یہ ہیں:۔

۱-تلفظ بالشہادتین ۲-اقامت صلوٰۃ ۳-ایتاء زکوٰۃ
۴-صوم رمضان ۵-حج بیت اللہ

اور پانچ منہیات کے متعلق یہ ہیں:

۱-سرقہ ۲-زنا ۳-قتل ۴-بہتان
۵-عصیان فی المعروف جس میں غیبت۔ظلم یتیموں کا مال کھانا وغیرہ سب آ گیا۔

پس یہ سب عقائد مل کر ۱۹ ہوئے شاید ایک ایک عقیدہ کے مقابلہ میں ایک ایک فرشتہ معین ہوا اور چونکہ ان سب میں ایک عقیدہ سب سے بڑا ہے یعنی توحید اس لئے ان فرشتوں میں بھی ایک فرشتہ سب سے بڑا مقرر ہوا ہو یعنی ''مالک''۔واللہ اعلم باسرارہ۔

بہر حال جب قرآن پاک میں یہ خبر دی گئی کہ دوزخ پر ۱۹ فرشتے مقرر ہیں جو اس کے خازن ہیں تو ہمارا تو اسؓ پر ایمان ہے۔اب جب یہ آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی تو ۱۹ کا عدد سن کر مشرکین مکہ ٹھٹھ کرنے لگے ایک کافر جو ابولاشد کے لقب سے مشہور تھا اور وہ بڑا قوی تھا اس نے کہا کہ اے قریش تم اس سے مت ڈرنا میں دس فرشتوں کو تو داہنے شانہ سے اور ۹ کو بائیں شانہ سے ہٹا دوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ وہ فرشتے تو ۱۹ ہی ہیں اور تم بہت سے ہو کیا دس دس آدمی بھی ایک ایک کو کافی نہ ہوں گے۔ ایک پہلوان کافر بولا کہ سترہ ۱۷ کو تو میں اکیلا کافی ہوں دو کا تم مل کر تیا پانچا کر لینا اس پر اگلی آیت نازل ہوئی اور بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں جن کی قوت کا یہ حال ہے کہ ایک ایک فرشتہ کی قوت کا تمام جن و انس مقابلہ نہیں کر سکتے۔قوم لوط کی ساری بستی کو ایک فرشتہ نے ایک بار اوپر اٹھا کر پٹک دیا تھا۔تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کو عذاب دینے کے لئے انیس فرشتوں کی گنتی خاص حکمت سے رکھی ہے اور اس تعداد کے بیان کرنے میں منکروں کی جانچ ہے کہ کون اس تعداد کو سن کر ڈرتا ہے اور کون ہنسی مذاق اڑاتا ہے۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو ۱۹ کی تعداد کی اطلاع اس غرض سے دی کہ اہل کتاب آپ کی نبوت اور قرآن کا یقین کر لیں کیونکہ یہ تعداد ملائکہ اس تعداد کے موافق ہے جس کی صراحت توریت و انجیل میں کی گئی ہے اور اہل ایمان کے ایمان کیفیت میں اضافہ ہو اس وجہ سے بھی کہ ان کا اس تعداد پر ایمان

ہوگا اور اس لئے بھی کہ اہل کتاب اس کی تصدیق کریں گے اور اس تصدیق سے مومنوں کے ایمان ویقین میں اور زیادتی ہوگی۔غرضکہ اس ۱۹ کی تعداد کے بیان سے اہل کتاب کے دلوں میں قرآن کی حقیقت کا یقین پیدا ہوگا اور یہ دیکھ کر مومنین کا ایمان بڑھے گا اور ان دونوں جماعتوں کو قرآن کے بیان میں کوئی شک وتردد نہ رہے گا۔نہ مشرکین کے استہزاء وتمسخر سے وہ کچھ دھوکہ کھائیں گے۔ہاں جن لوگوں کے دلوں میں شک کا مرض ہے یا کھلے ہوئے منکر ہیں وہ کہیں گے کہ اس ۱۹ کے شمار کے بیان سے کیا غرض تھی۔بھلا ایسی بے تکی اور غیر موزوں بات کو کون مان سکتا ہے۔العیاذ باللہ تعالیٰ اس پر آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ایک ہی بات اور ایک ہی باب یعنی جہنم پر ۱۹ فرشتوں کا مقرر ہونا اس سے بداستعداد آدمی گمراہ ہو جاتا ہے اور سلیم الطبع راہ پالیتا ہے۔جسے ماننا مقصود نہ ہو وہ کام کی بات کو ہنسی مذاق میں اڑا دیتا ہے اور جس کے دل میں خوف خدا اور نور توفیق ہو اس کے ایمان و یقین میں ترقی ہوتی ہے۔پھر آگے بتلایا گیا کہ یہ ۱۹ کی تعداد تو صرف کارکنان یا جہنم کے افسران کو بتلائی گئی ہے ورنہ اللہ کے بے شمار لشکروں اور لاتعداد فرشتوں کی کثرت اس قدر ہے کہ اس کو بجز باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔اگر وہ چاہتے تو بے انتہا فرشتوں کو جہنم پر خازن بنا دیتے اور اب بھی گو خازن اور افسر کی حیثیت سے ۱۹ ہی ہیں مگر ان کے ماتحت ان کے مددگار بہت کثرت سے ہیں چنانچہ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جہنم اس حال میں حاضر کی جاوے گی کہ اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوں گے۔اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اصل مقصود جو جہنم کا ذکر کرنے سے ہے وہ عدد کی قلت یا کثرت کا تعین یا انکشاف حکمت تخصیص یا عدم انکشاف پر موقوف نہیں اصل مقصود یہ ہے کہ دوزخ کا حال بیان کرنا صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے تاکہ وہاں کے عذاب کو سن کر ڈریں اور ایمان لائیں۔

ابھی جہنم کی عقوبت اور اس میں گرفتار ہونے والوں کا حال اگلی آیات میں جاری ہے۔جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ جہنم کے آزار ومصائب سے ہمیں اور تمام امت مسلمہ کو بچائیں۔قرآن پاک نے جو غیب کی خبریں بتائی ہیں اس پر ہم کو ایمان کامل اور یقین صادق نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہر طرح کی گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں اور ہدایت کے راستہ پر ہم کو مستقیم رکھیں۔

اے اللہ آپ نے جو قرآن کریم میں جہنم وجنت کی خبریں دی ہیں وہ حق ہیں ان پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور ہم آپ سے جنت کا سوال اور جہنم کے عذاب سے پناہ چاہتے ہیں۔

یا اللہ ہمارے دلوں میں اپنا وہ خوف وخشیت اور نور توفیق وہدایت عطا فرما کہ ہم غیبی امور پر یقین کامل رکھ کر اپنے ایمان میں ترقی کرتے رہیں اور شک وشبہ کے مرض سے محفوظ رہیں۔

آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾

بالتحقیق قسم ہے چاند کی۔ اور رات کی جب جانے لگے۔ اور صبح کی جب روشن ہو جائے۔ کہ وہ دوزخ بڑی بھاری چیز ہے۔ جو انسان کیلئے بڑا ڈراوا ہے۔

لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾

(یعنی تم میں جو آگے کی طرف) کو بڑھے اس کیلئے بھی یا جو (خیر سے) پیچھے کو ہٹے اس کیلئے بھی۔ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں محبوس ہوگا۔ مگر وہ داہنے والے کہ وہ بہشتوں میں ہوں گے۔

فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾

(اور) مجرموں (یعنی کفار) کا حال (خود ان کفار ہی سے) پوچھتے ہوں گے۔ کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا۔ وہ کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے۔

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾

اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں رہا کرتے تھے۔ اور قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔

حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿٤٨﴾

یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی۔ سو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔

كَلَّا نہیں نہیں	وَالْقَمَرِ قسم ہے چاند کی	وَاللَّيْلِ اور رات	إِذْ أَدْبَرَ جب وہ پیٹھ پھیرے	وَالصُّبْحِ اور صبح	إِذَا أَسْفَرَ جب وہ روشن ہو
إِنَّهَا بیشک یہ	لَإِحْدَى ایک ہے	الْكُبَرِ بڑی (آفت)	نَذِيرًا ڈرانے والی	لِّلْبَشَرِ لوگوں کو	لِمَن شَاءَ اور جو کوئی چاہے
مِنكُمْ تم میں سے	أَن يَتَقَدَّمَ کہ وہ آگے بڑھے	أَوْ يَتَأَخَّرَ یا پیچھے رہے	كُلُّ نَفْسٍ ہر شخص	بِمَا اسکے بدلے جو	كَسَبَتْ اس نے کمایا (اعمال)
رَهِينَةٌ گروی	إِلَّا مگر	أَصْحَابَ الْيَمِينِ داہنی طرف والے	فِي جَنَّاتٍ باغات میں	يَتَسَاءَلُونَ وہ پوچھیں گے	عَنِ سے
الْمُجْرِمِينَ گنہگاروں	مَا سَلَكَكُمْ کیا (چیز) تمہیں لے گئی	فِي سَقَرَ جہنم میں	قَالُوا وہ کہیں گے	لَمْ نَكُ ہم نہ تھے	مِنَ سے
الْمُصَلِّينَ نماز پڑھنے والے	وَلَمْ نَكُ اور نہ تھے ہم	نُطْعِمُ ہم کھانا کھلاتے	الْمِسْكِينَ محتاجوں	وَكُنَّا نَخُوضُ اور ہم تھے (بیہودہ باتوں میں) دھنستے رہتے تھے	مَعَ ساتھ
الْخَائِضِينَ بیہودہ باتوں میں لگے رہنے والے	وَكُنَّا نُكَذِّبُ اور ہم جھٹلاتے تھے	بِيَوْمِ الدِّينِ روز جزا وسزا کو	حَتَّىٰ یہاں تک کہ	أَتَانَا ہمیں آگئی	الْيَقِينُ موت
فَمَا تَنفَعُهُمْ اور انہیں نفع نہ دیا	شَفَاعَةُ سفارش	الشَّافِعِينَ سفارش کرنے والوں			

تفسیر و تشریح: ان آیات میں قسم کھا کر بتلایا جاتا ہے کہ قیامت و آخرت میں جو بڑی بڑی ہولناک اور عظیم الشان چیزیں ظاہر ہونے والی ہیں جہنم ان میں کی ایک چیز ہے۔ عرب میں ایام جاہلیت میں بھی قسم کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اس لئے کہ وہ قسم کھا کر جھوٹ نہیں بولا کرتے تھے۔ تو یہاں چاند کی قسم۔ اور رات کی قسم اور صبح کی قسم کھا کر فرمایا گیا کہ وہ جہنم بڑی بھاری چیز ہے جو ہر انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور خوف دلانے والی ہے اس کے لئے بھی جو خیر و طاعت میں آگے بڑھنا چاہتا ہے اور اس کے لئے بھی جو شر و گناہ میں پڑا رہنا چاہتا ہے یعنی جمیع مکلفین کے لئے ڈراوے کی چیز ہے اور چونکہ اس ڈرانے کے عواقب و نتائج قیامت میں ظاہر ہوں گے اس لئے قسم ایسی چیزوں کی کھائی۔ یعنی چاند کی اور رخصت ہوتی ہوئی رات کی اور روشن ہوتی ہوئی صبح کی کہ یہ تینوں چیزیں خاص مناسبت واقعہ قیامت سے رکھتی ہیں۔ چاند کا اول بڑھنا پھر گھٹنا یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہو جانا ایک نمونہ اور مثال ہے اس دنیا کے

وجود۔نشوونما اور پھر انحطاط کا حتیٰ کہ فنا کا۔اسی طرح اس عالم کو عالم آخرت سے وہی نسبت ہے جو رات کو دن کے ساتھ ہوتی ہے۔اس عالم کا ختم ہو جانا مشابہ رات کے گزر جانے کے ہے اور آخرت کا ظہور مشابہ طلوع صبح کے ہے۔آگے اس جہنم اور اہل جہنم کے بعض احوال کا بیان ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کفریہ میں قیامت کے دن جکڑا بندھا ہوگا۔اوران کی بندش سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔البتہ وہ لوگ جو دنیا میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اوراس سیدھے راستہ پر چلے۔جو اللہ نے ان کے لئے اپنے رسول کی معرفت مقرر کیا تھا وہ کسی بندش میں جکڑے ہوئے نہ ہوں گے اور وہ جنت کے بالا خانوں میں چین سے رہیں گے۔یہاں آیت میں ان کو اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ فرمایا گیا یعنی داہنے والے۔مفسرین نے لکھا ہے کہ ان داہنے طرف والوں سے وہ گروہ مراد ہے جو قیامت میں عرش رب العالمین کے داہنی طرف کھڑا ہوگا جدھر بہشت ہے اور ان کے نامہ اعمال بھی داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور یہ لوگ عالم ارواح میں یوم میثاق میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے داہنی طرف سے نکلے تھے۔تو یہ اصحاب یمین یعنی داہنی طرف والے آخرت میں بندش میں پھنسے ہوئے نہ ہوں گے بلکہ جنت کے باغوں میں آزاد ہوں گے اور نہایت بےفکر اور فارغ البال ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے یا فرشتوں سے مجرموں کا حال پوچھیں گے کہ وہ کہاں گئے جو نظر نہیں پڑے؟ جب انہیں معلوم ہوگا کہ مجرموں کو جہنم میں داخل کیا گیا ہے تب یہ جنتی ان جہنمیوں کی طرف متوجہ ہو کر خطاب کریں گے اوران سے پوچھیں گے کہ تم باوجود عقل وہوشیاری کے اس جہنم کی آگ میں کیسے آ پڑے؟ اور کس بات نے تم کو اس آفت میں پھنسایا؟ واضح رہے کہ اہل جنت اور اہل جہنم باوجود ایک دوسرے سے دور اور علیحدہ ہونے کے ایک دوسرے سے گفتگو کر سکیں گے جبکہ درمیانی حجاب وقتی طور پر اٹھا دیا جائے گا جیسا آٹھویں پارہ سورہ اعراف میں ذکر فرمایا گیا ہے۔تو اہل جنت کے اس سوال پر کہ کس چیز نے تم کو جہنم میں پہنچایا؟۔اہل جہنم جواب دیں گے کہ ہم نے دنیا میں رہ کر نہ تو اللہ کا حق پہچانا اور نہ اس کی عبادت کی اور نہ بندوں ہی کے ساتھ احسان کیا اور نہ ان کی خبر لی۔بس اپنے عیش و عشرت میں پڑے رہے اور اپنے مال سے گلچھرے اڑاتے رہے۔کبھی غریبوں اور محتاجوں کی کوئی مالی خدمت نہ کی البتہ جو لوگ دین حق کے جھٹلانے میں لگے رہتے تھے ہم بھی ان کے ساتھ مل کر شب و روز حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے اور بدصحبتوں میں رہ کر شکوک وشبہات کی دلدل میں دھنستے چلے گئے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہم کو یقین نہ ہوا کہ قیامت اورانصاف کا دن بھی آنے والا ہے۔ ہمیشہ اس بات کو جھٹلایا کئے یہاں تک کہ موت کی گھڑی سر پر آن پہنچی اور پھر آنکھوں سے دیکھ کر ان باتوں کا یقین حاصل ہوا جن کی تکذیب کیا کرتے تھے۔مگر موت کے بعد خبردار ہونا اور پچھتانا ہمارے کام نہ آیا اس لئے کہ عمل اور توبہ کا وقت نہ رہا۔اہل جہنم کا یہ جواب نقل فرما کر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے نہ اپنی خلاصی کی فکر آپ کی نہ کہیں دوسری طرف سے ان کو امداد واعانت مل سکی اور نہ ان کو کسی کی شفاعت اور سفارش کام دے گی اس لئے کہ شفاعت وہاں کام دیتی ہے جہاں محل شفاعت ہو لیکن جن کا دم کفر پر نکلا ہو ان کے لئے شفاعت کہاں۔

اب یہاں اہل جنت جو مجرموں یعنی جہنم میں جانے والوں سے پوچھیں گے مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ کہ تم کو جہنم میں کس بات نے داخل کیا؟ تو مجرمین اس کے جواب میں ایک بات یہ کہیں گے لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ یعنی ہم نماز پڑھنے والے نہ تھے۔اب یہاں سوال یہ ہے کہ کفار ومشرکین اوامر شرعیہ کے تو مکلّف ہی نہیں یعنی ایک اسلامی حکومت میں بھی کافر سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تو نماز پڑھ۔روزہ رکھ۔یا زکوٰۃ ادا کر تو کافر کا نماز نہ پڑھنا کوئی قابل گرفت بات نہیں۔ہاں کفر کے باعث اس کی گرفت ضرور ہوگی تو ہو سکتا ہے کہ مجرمین میں سے یہ جواب کہ ہم نماز پڑھنے والے نہ تھے ان گناہ گار مسلمانوں کا ہو کہ جو نماز

دنیا میں نہ پڑھتے تھے۔ کیونکہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے پر بڑی سخت وعیدیں اور بہت سخت عذاب حدیث میں ذکر کیے گئے ہیں۔

جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑنے پر بڑے سخت عذاب کی وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں تو یہ بھی قابل قیاس ہے کہ یہ جواب لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ان گناہ گار مسلمانوں ہی کا ہو جو دنیا میں تارک نماز تھے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور اگر یہ جواب کفار و مشرکین ہی کا سمجھا جائے تو ان کے اس جواب کا کہ نماز نہ پڑھنے سے ہم جہنم میں داخل ہوئے یہ مطلب ہوگا کہ دنیا میں ہم نے اسلام و ایمان قبول نہ کیا تھا۔ کیونکہ دنیا میں اسلام و ایمان قبول کرنے والوں کی سب سے بڑی اور خاص پہچان اور شناخت نماز پڑھنا ہی ہے۔ تو یہاں تنبیہ ان لوگوں کے لئے بھی ہے کہ نماز نہ پڑھ کر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور حمیت اسلامی کے لمبے چوڑے وعدے کرتے ہیں۔

الغرض خلاصہ یہ کہ ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ دار آخرت میں کام آنے والی چیزیں یہی ہیں (۱) ایمان اور اطاعت خدا اور رسول۔ (۲) غربا اور اہل حاجات کی ضروریات پر مال خرچ کرنا۔ (۳) دین کی باتوں میں شک وشبہ نہ کرنا اور معاصی و فواحش سے بے زار اور علیحدہ رہنا اور (۴) قیامت اور جزا و سزا کا یقین صادق رکھنا۔ ان کی وجہ سے جہنم سے بچ جانا نصیب ہوگا ورنہ ان کے خلاف کرنے سے دوزخ میں داخلہ یقینی ہے۔

اب جب کہ قیامت کے مصائب کا حال بیان فرما دیا اور یہ بھی بتلا دیا گیا کہ ان کفار کو کسی کی سفارش بھی کام نہ آئے گی اور وہ دن بھی آنے والا یقینی ہے جس کا پہلا دروازہ موت ہے تو پھر کفار کی حالت پر تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ان کفار کو کیا ہو گیا جو اس روز کے لئے کار آمد نصیحتوں سے منہ پھیرتے ہیں اور بدک کر بھاگتے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ آپ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جو آپ نے ہم کو ایمان و اسلام کی دولت عطا فرمائی اور کفر و شرک سے بچایا۔

اے اللہ قیامت کے دن ہم کو اپنے فضل وکرم سے اصحاب یمین میں شامل فرمائیے۔

اور اپنے کرم واحسان سے جنت میں داخل فرمائیے گا۔

اے اللہ ہم کو اس زندگی میں ان اعمال و افعال کی توفیق عطا فرمائیے کہ قیامت میں آپ کی رضا اور خوشنودی کا سبب ہوں اور ہم کو ان اعمال و افعال سے بچا لیجئے۔ جو آپ کی ناراضگی کا باعث ہوں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۝٤٩ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۝٥٠ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ۝٥١

تو ان کو کیا ہوا کہ اس نصیحت (قرآنی) سے روگردانی کرتے ہیں۔ کہ گویا وہ وحشی گدھے ہیں۔ جو شیر سے بھاگے جارہے ہیں۔

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝٥٢ كَلَّا ۖ بَل لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ۝٥٣

بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے (آسمانی) نوشتے دیئے جائیں۔ ہرگز نہیں بلکہ یہ لوگ آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے۔

كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ۝٥٤ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ۝٥٥ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ

(پس یہ) ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ قرآن (ہی) نصیحت کیلئے کافی ہے۔ سو جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔ اور بدوں خدا کے چاہے یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کریں گے۔

وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝٥٦

وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیئے اور وہی ہے جو گناہ معاف کرتا ہے۔

فَمَا لَهُمْ تو انہیں کیا ہوا	عَنِ سے	التَّذْكِرَةِ نصیحت	مُعْرِضِينَ منہ پھیرتے ہیں	كَأَنَّهُمْ گویا کہ وہ	حُمُرٌ گدھے	مُّسْتَنفِرَةٌ بھاگے ہوئے	
فَرَّتْ بھاگے جاتے ہیں	مِن قَسْوَرَةٍ شیر سے	بَلْ بلکہ	يُرِيدُ چاہتا ہے	كُلُّ امْرِئٍ ہر آدمی	مِّنْهُمْ ان میں سے	أَن يُؤْتَىٰ کہ وہ دیئے جائیں	
صُحُفًا صحیفے	مُّنَشَّرَةً کھلے ہوئے	كَلَّا ہرگز نہیں	بَلْ بلکہ	لَّا يَخَافُونَ وہ نہیں ڈرتے	الْآخِرَةَ آخرت	كَلَّا ہرگز نہیں	إِنَّهُ بیشک یہ
تَذْكِرَةٌ نصیحت	فَمَن شَاءَ سو جو چاہے	ذَكَرَهُ اسے یاد رکھے	وَمَا يَذْكُرُونَ اور وہ یاد نہ رکھیں گے	إِلَّا مگر	أَن یہ	يَشَاءَ اللَّهُ اللہ چاہے	
هُوَ وہی	أَهْلُ التَّقْوَىٰ ڈرنے کے لائق	وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ مغفرت کے لائق					

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بطور تعجب کے فرمایا جاتا ہے کہ ان کفار ومنکرین کو کیا ہوا کہ یہ مصیبتیں سامنے ہیں لیکن کارآمد نصیحتیں سن کر ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ سننا بھی نہیں چاہتے اور حق کی باتوں سے ایسا منہ پھیر کر بدکتے اور بھاگتے ہیں جیسا کہ وحشی گدھے جنگل میں شیر کو دیکھ کر یا اس کی آواز سن کر بھاگتے ہیں۔ یہاں جو کفار ومنکرین کو وحشی گدھے سے تشبیہ دی گئی تو اس میں کئی امر کی رعایت ہے۔ اول تو گدھا حماقت اور بے وقوفی میں مشہور ہے پھر جنگلی گدھا اور زیادہ بدکتا اور بھاگتا ہے۔ پھر شیر سے اس کا ڈرنا اس صورت میں اس کا بھاگنا انتہاء درجہ کا ہوگا۔ گویا خدائی شیر یعنی اللہ کے پیغمبر کی آواز سن کر یہ کفار جنگلی گدھوں کی طرح بھاگتے ہیں کہ پیغمبر کی بات سننا اور ماننا پسند نہیں کرتے اور اس بھاگنے اور اعراض کرنے کے سبب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کا یعنی کفار ومنکرین کا تکبر اور غرور اجازت نہیں دیتا کہ وہ قرآن یا پیغمبر کی باتوں سے مستفید ہوں بلکہ ہر ایک ان میں سے یہ بھی چاہتا ہے کہ خود اس پر آسمان سے فرامین شاہی کے طور پر کھلی ہوئی کتاب اترے یعنی ہر ایک بغیر وسیلہ نبی مرسل خدائے پاک سے ہم کلام اور مخاطب ہونے کی ہوس رکھتا ہے یا یہ کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس براہ راست ایک نوشتہ خدا کی طرف سے آئے کہ جس میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع کا حکم دیا گیا ہو۔ روایت میں ہے کہ کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کا اتباع کریں تو خاص ہمارے نام آسمان سے ایسا نوشتہ آئے کہ یہ فرمان رب العالمین کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف ہے اور تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کہنا مانو۔ اس پر ارشاد ہوتا ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ نہ اس کی ضرورت اور نہ ان لوگوں کو اس کی لیاقت اور ان کی بیہودہ

درخواستیں بھی کچھ اس لئے نہیں کہ ایسا کر دیا جائے تو واقعی یہ مان جائیں گے اور ایمان لے آئیں گے بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے اس لئے حق کی طلب نہیں اور یہ درخواستیں محض حیلہ اور بہانہ ہیں اگر بالفرض یہ درخواستیں پوری بھی کر دی جائیں تب بھی یہ لوگ اتباع نہ کریں۔ آگے نتیجہ کے طور پر اس کا رد اور اس پر زجر ہے کہ جب ان کی درخواست کا بیہودہ ہونا ثابت ہو گیا پس یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہر ایک کو الگ الگ کتاب دی جائے۔ یہ کتاب قرآن کریم ہی نصیحت کو کافی ہے۔ سو اس حالت میں جس کا جی چاہے قرآن سے نصیحت حاصل کرے اور جس کا جی چاہے نہ کرے اور جہنم میں جائے اور قرآن کے نصیحت کامل اور تذکرہ ہونے میں اس سے شبہ نہ کیا جائے کہ بعض لوگوں کو اس سے نصیحت نہیں ہوتی تو بات یہ ہے کہ قرآن گو فی نفسہ تذکرہ ہے لیکن بدوں خدا کے چاہے یہ لوگ یعنی منکرین نصیحت قبول نہیں کریں گے۔ اور اللہ کا چاہنا نہ چاہنا یہ اس کی حکمتوں پر مبنی ہے جن کا احاطہ کوئی بشر نہیں کر سکتا وہی ہر شخص کی حالت۔ استعداد اور لیاقت کو کما حقہ جانتا ہے اور اس کے موافق معاملہ فرماتا ہے۔ اخیر میں خاتمہ سورۃ پر ارشاد ہوا کہ انسان کتنا ہی گناہ کرلے لیکن پھر جب تقویٰ کی راہ چلے گا اور خدا سے ڈرے گا تو وہ اس کے سب گناہ بخش دے گا اور اس کی توبہ کو قبول فرمالے گا۔

سورۃ کی ابتدا میں فرمایا گیا تھا کہ اے مدثر یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کھڑے ہوں اور لوگوں کو ڈرائیں اور اخیر میں کلام کو تمام اس پر کیا گیا کہ خدا ہی سے ڈرنا چاہئے اور انجام پوری سورۃ کا ''تقویٰ'' ہے جس کا پہلا مرتبہ شرک سے بچنا اور بعد اس کے اور مراتب ہیں جس کا انجام مغفرت ہے۔

سورۃ المدثر کے خواص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی سورۃ المدثر پڑھے اللہ تعالیٰ اسے مکہ میں رہنے والے تمام مومنین کی تعداد کے برابر اجر عطا فرمائیں گے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے ہم کو جو قرآن پاک کی دولت عطا فرمائی ہے تو اس نعمت عظمیٰ کی حق شناسی اور قدردانی کی بھی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو تمام قرآنی احکام کا ظاہراً و باطناً اتباع نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعٌ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿١﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿٢﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿٣﴾

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے۔

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿٤﴾

ہم ضرور جمع کریں گے کیوں کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پوریوں تک درست کر دیں۔

لَآ اُقْسِمُ میں قسم کھاتا ہوں	بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن کی	وَلَآ اُقْسِمُ اور میں قسم کھاتا ہوں	بِالنَّفْسِ دل کی	اللَّوَّامَةِ اپنے اوپر ملامت کرنیوالے
اَيَحْسَبُ کیا گمان کرتا ہے	الْاِنْسَانُ انسان	اَلَّنْ نَّجْمَعَ کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے	عِظَامَهٗ اس کی ہڈیاں	بَلٰى قٰدِرِيْنَ کیوں نہیں ہم قادر ہیں
عَلٰى پر	اَنْ نُّسَوِّيَ کہ ہم درست کریں	بَنَانَهٗ اسکے پورے پورے		

تفسیر وتشریح: سورۃ کی ابتداء قسمیہ کلام سے فرمائی جاتی ہے اور دو چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے ایک تو قیامت کے دن کی۔ دوسرے نفس لوامہ کی۔ یہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ قسمیں کھائی ہیں جن میں صرف سات مقام پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے اور باقی جگہ اپنے مخلوقات کی۔ قسم تاکید کے لئے ہوتی ہے تو حق تعالیٰ نے قسمیں اس لئے کھائی ہیں کہ بندوں پر حجت پوری ہو جائے۔ نیز قرآن کا نزول عرب کی زبان میں ہوا ہے اور اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ جس وقت کسی امر کی تاکید کا ارادہ کرتے تو اس وقت قسم کھا کر بات کرتے۔ باقی یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھا سکتے ہیں مگر کسی انسان کے لئے یہ بات کبھی درست نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری چیز کی قسم کھائے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کی سخت ممانعت ہے۔ بعض جہلا کہہ دیا کرتے ہیں فلانے سر کی قسم یا اپنی جان کی قسم۔ یا اپنے رزق کی قسم یا اس طرح قسم کھانا کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو یا ایمان پر خاتمہ نہ ہو۔ یہ سب صورتیں قسم کھانے کی سخت ممنوع ہیں اور ایسا کرنے یا کہنے سے بڑا شدید گناہ ہوتا ہے۔

تو یہاں حق تعالیٰ نے دو چیزوں کی قسم کھائی۔ ایک تو قیامت کے دن کی یعنی جس کا وقوع یقینی ہے اور جس کے صدق پر دلائل قطعیہ قائم ہیں کہ تم مرنے کے بعد یقیناً ایک دن زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اور ضرور بھلے برے کا حساب ہوگا اور جزا و سزا ہوگی۔ دوسرے نفس لوامہ کی قسم کھا کر فرمایا گیا کہ اگر آدمی کی فطرت اور اندرونی ضمیر صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے۔ اب یہاں نفس کی قسمیں اور نفس لوامہ کی تشریح ملاحظہ ہو۔ نفس جس سے مراد جان یا روح انسانی ہے ایک چیز ہے اور اس کی تین حالتیں ہوتی ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ذکر فرمایا گیا ہے اور تین حالتوں کے اعتبار سے نفس کے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری کی طرف پوری طرح مائل ہو کہ اللہ کی اطاعت میں اس کو خوشی حاصل ہوتی ہو اور شریعت کی پیروی میں چین و سکون محسوس کرتا ہو تو اس نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں۔ گویا نفس مطمئنہ نہ تخیلات شیطانی سے متزلزل ہوتا ہے نہ تحریکات نفسانی سے منتشر ہوتا ہے اور یہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء مقبولین اور مومنین کاملین کے ساتھ مخصوص ہے۔ نفس مطمئنہ کا ذکر سورہ فجر تیسویں پارہ میں اس طرح آیا ہے يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ

وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ یعنی اے نفس مطمئنہ یعنی اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح کہ تو اس سے خوش وہ تجھ سے خوش۔ پھر تو میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ دوسری قسم کا نام نفس امارہ ہے جو پہلی قسم یعنی نفس مطمئنہ کی بالکل ضد ہے کہ جو دنیا کی ناجائز لذات وخواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف راغب ہو اور شریعت کی پیروی اور پابندی سے بھاگے اور انسان کو برائی کا حکم دے۔ ایسا نفس سرکشوں اور مجرموں اور خود سروں و نافرمانوں فاسقوں اور کافروں کا ہوتا ہے۔ نفس امارہ کا ذکر سورہ یوسف تیرھویں پارہ میں فرمایا گیا اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ بے شک نفس یعنی نفس امارہ تو بری بات ہی کا بتلانے والا ہے۔ تیسری قسم جس کی یہاں سورہ قیامہ میں قسم کھائی گئی نفس لوامہ ہے کہ یہاں غفلت ہوئی اور کوئی لغزش یا گناہ صادر ہو گیا تو نفس نے فوراً اپنے کئے پر پچھتانا اور ملامت کرنا شروع کیا اور اپنی برائی یا کوتاہی پر شرمندہ ہو کر توبہ واستغفار کی طرف مائل ہو گیا۔ ایسا نفس مومنین صالحین کا ہوتا ہے کہ جو اپنے اوپر ملامت کرے یعنی نیکی اور خیر صادر ہو تو اس میں جرح کر کے اس میں عیب نکالا کرے مثلاً یہ کہے کہ میں نے کیا کیا۔ اس میں پوری طرح اخلاص نہ تھا۔ اس میں فلاں خرابی رہ گئی اور اس میں یہ کمی ہوگئی اور اگر کوئی معصیت۔ قصور یا گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر نادم اور شرمسار ہو۔ صوفیہ حضرات کہتے ہیں کہ نفس امارہ بدی کا حکم دیتا ہے لیکن انسان اگر کوشش کر کے ذکر اور فکر الٰہی میں لگ جائے اور اللہ کی طرف سے کشش اور توفیق بھی اس کی مددگار ہو تو اپنے نفس کی برائیاں اس پر کھل جاتی ہیں اس وقت وہ خود اپنے کو ملامت کرتا ہے اس مرتبہ میں پہنچ کر نفس کو نفس لوامہ کہا جاتا ہے لیکن جب اس کو فنافی اللہ اور بقاباللہ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ ماسوائے اللہ کے تعلق سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے اور ذکر الٰہی ہی سے اس کو چین واطمینان نصیب ہوتا ہے تو اس مرتبہ پر اس کے نفس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے نفس مطمئنہ قیامت کے ہولناک واقعات سے بالکل اطمینان میں ہوگا اور نفس امارہ ہر طرح کی سختیوں میں گرفتار ہو گا۔ البتہ نفس لوامہ متوسط ہے اور زیادہ قیامت کے معاملات سے خوف ورجاء میں اسی کو تعلق ہے اس لئے قیامت کی قسم کے بعد اسی نفس لوامہ کی قسم کھائی گئی جس میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا کہ اگر فطرت صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے تو ان دونوں قسموں سے جو بات کہنی ہے وہ یہی ہے کہ قیامت ضرور آئے گی اور اس دن انسان اپنی تقصیرات پر حسرت کرے گا اور سخت نادم ہوگا کیونکہ اس روز اس کی آنکھیں کھل جائیں گی مگر اس روز کی ندامت سے کیا فائدہ۔ ندامت تو اگر آج دنیا میں ہو تو فائدہ ہے۔ آگے منکرین قیامت پر رد ہے کہ یہ کافر انسان یوں خیال کرتا ہے کہ جب ہم دنیا میں مر گئے اور ہڈیوں تک کا چورہ ہو گیا اور ان کے ریزہ ریزہ مٹی کے ذرات میں جا ملے تو اب بھلا کس طرح ہمارے ذرات جمع کر کے جوڑ دیئے جائیں گے؟ منکرین قیامت کے اس قول کے جواب میں فرمایا جاتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ضرور جمع کریں گے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے اور یہ جمع کرنا اور زندہ کر کے اٹھانا اللہ تعالیٰ کو دشوار نہیں اللہ تعالیٰ اس انسان کی انگلیوں کی پور پور درست کرنے پر قادر ہیں۔ تو جو اس تک پر قادر ہے اس کے لئے ہڈیوں کو جمع کر کے اور ان میں جان ڈال دینا کیا مشکل ہے۔ یہاں انگلیوں کے پوروں کی تخصیص شاید اس لئے فرمائی کہ انسان کے بدن میں سب بدن تیار ہونے کے بعد اخیر میں انگلیوں کی کھال تیار ہوتی ہے۔ یہ اس کی تعمیر بدن کا خاتمہ ہے اور اسی پر انسان کی خلقت تمام ہوتی ہے تو صنعت کے لحاظ سے یہ نسبتاً زیادہ باریک اور دشوار کام ہے تو جو اس پر قادر ہوگا وہ آسان پر بطریق اولیٰ قادر ہوگا۔

اب آگے منکرین جو بطور انکار کے دریافت کیا کرتے تھے کہ قیامت کب آوے گی اس کا جواب اگلی آیات میں دیا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵ يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷

بلکہ بعضا آدمی یوں چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی فسق و فجور کرتا رہے۔ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا۔ سو جس وقت آنکھیں خیرہ ہو جاویں گی

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰ كَلَّا

اور چاند بے نور ہو جاوے گا۔ اور سورج اور چاند ایک حالت کے ہو جاویں گے۔ اس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں۔ ہرگز نہیں

لَا وَزَرَ ۝۱۱ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝۱۳ بَلِ

کہیں پناہ کی جگہ نہیں۔ اس دن صرف آپ ہی کے رب کے پاس ٹھکانہ ہے اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا ہوا جتلا دیا جاوے گا۔ بلکہ انسان

الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝۱۴ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝۱۵

خود اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا۔ گو اپنے حیلے پیش لاوے۔

بَلْ يُرِيْدُ بلکہ چاہتا ہے	الْاِنْسَانُ انسان	لِيَفْجُرَ کہ گناہ کرتا رہے	اَمَامَهٗ اپنے آگے کو بھی	يَسْئَلُ اور پوچھتا ہے	اَيَّانَ کب؟
يَوْمُ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	فَاِذَا پس جب	بَرِقَ الْبَصَرُ چندھیا جائیں گی آنکھیں	وَخَسَفَ اور گرہن لگ جائے گا	الْقَمَرُ چاند	
وَجُمِعَ اور جمع کردیئے جائیں گے	الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ سورج و چاند	يَقُوْلُ کہے گا	الْاِنْسَانُ انسان	يَوْمَئِذٍ آج کے دن	اَيْنَ کہاں
الْمَفَرُّ بھاگنے کی جگہ	كَلَّا ہرگز نہیں	لَا وَزَرَ نہیں کوئی بچاؤ	اِلٰى رَبِّكَ تیرے رب کی طرف	يَوْمَئِذٍ آج کے دن	الْمُسْتَقَرُّ ٹھکانا
يُنَبَّؤُا وہ جتلا دیا جائے گا	الْاِنْسَانُ انسان	يَوْمَئِذٍ آج کے دن	بِمَا قَدَّمَ وہ جو اس نے آگے بھیجا	وَاَخَّرَ اور اس نے پیچھے چھوڑا	
بَلِ الْاِنْسَانُ بلکہ انسان	عَلٰى نَفْسِهٖ اپنی جان (حالت پر)	بَصِيْرَةٌ باخبر	وَلَوْ اَلْقٰى اگرچہ لاڈالے	مَعَاذِيْرَهٗ اپنے عذر	

تفسیر و تشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور دوبارہ زندہ ہو کر حساب کتاب ہونے کو محال جانتے ہیں اس کا سبب یہ نہیں کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے اور اللہ کی قدرت کاملہ کے دلائل و نشانات غیر واضح ہیں بلکہ یہ منکر انسان قیامت کا منکر ہو کر یہ چاہتا ہے کہ اپنی تمام زندگی میں بے خوف ہو کر فسق و فجور کرتا رہے اور لذات و شہوات میں پڑا رہے کیونکہ اگر کہیں قیامت کا اقرار کر لیا اور اعمال کے حساب کتاب کا خوف دل میں بیٹھ گیا تو فسق و فجور میں اس قدر بے باکی اور ڈھٹائی اس سے نہ ہو سکے گی اس لئے ایسا خیال دل میں آنے ہی نہیں دیتا کہ جس سے اس کی لذت میں خلل پڑے اور اس کا عیش کرکرا ہو بلکہ استہزاء و طعن کی راہ سے سینہ زوری سے سوال کرتا ہے کہ ہاں صاحب وہ آپ کی قیامت جس کی شب و روز دھمکیاں دی جاتی ہیں کب آئے گی؟ اگر وہ واقعی آنے والی ہے تو اس کی تاریخ مہینہ اور سنہ تو بتلایئے؟ یہی ذہنیت آج کل کے مادہ پرست نیچریوں، دہریوں اور بے دینوں کی ہے چونکہ یہ اپنے کو باز پرس سے دور رکھنا چاہتے ہیں اس لئے وہ ایسے عقائد کے قائل ہی نہیں ہوتے کہ جس سے ان کی لذتوں میں فرق آئے اور پابندیوں کی مشقت اٹھانی پڑے۔ تو چونکہ کفار و منکرین کے اس سوال سے کہ قیامت کا دن کب آئے گا انکی غرض جستجوئے حق نہ تھی بلکہ محض طنز و استہزا کی راہ سے تھا اس لئے جواب میں ادھر توجہ ہی نہیں دی گئی کہ وقوع قیامت کی تاریخ، وقت اور ماہ و سنہ کا تعین کیا جائے بلکہ جواب میں اس یوم قیامت کی کیفیت کی تصویر پیش کر دی اور اس کے بعد علامات و حالات کو بتلایا گیا کہ قیامت اس وقت آئے گی

جب یہ نظام کائنات بالکل درہم و برہم کر دیا جائے گا اور حق تعالیٰ کی تجلیات قہری سے جب آنکھیں چندھیا نے لگیں گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی۔ سورج بھی سر کے قریب آ جائے گا اور انتہائی ہیبت ناک منظروں سے آنکھوں پر چکا چوند کی کیفیت طاری ہوگی اور مارے ہیبت و دہشت کے آنکھیں اوپر کو چڑھ جائیں گی اور وہ نشہ جس سے انکار قیامت کرتا تھا سب ہرن ہو جائے گا۔ یہ چاند جو آج چمکتا دمکتا ہے بے نور ہو جائے گا اور چاند ہی نہیں سورج کی روشنی بھی زائل ہو جائے گی اور دونوں چاند و سورج بے نور ہو جائیں گے۔ اس وقت تو منکر کہتا ہے کہ وہ دن کہاں ہے اور اس وقت بدحواس ہو کر کہے گا کہ آج کدھر بھاگوں اور کہاں پناہ لوں۔ اس پر ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ آج نہ بھاگنے کا موقع ہے نہ سوال کرنے کا۔ آج کوئی طاقت تیرا بچاؤ نہیں کر سکتی۔ نہ پناہ دے سکتی ہے۔ آج کے دن سب کو اپنے پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا اور اسی کی پیشی میں ٹھہرنا ہے پھر وہ جس کے حق میں جو کچھ فیصلہ کرے۔ اس وقت سب اگلے پچھلے اعمال نیک ہوں یا بد جتلا دیئے جائیں گے اور انسان کا اپنے اعمال سے آگاہ ہونا کچھ اس جتلانے پر موقوف نہ ہوگا بلکہ انسان اپنی حالت پر بوجہ انکشاف ضروری کے خود خوب مطلع ہوگا گو کفار مشرکین اس وقت بھی بہانے پیش کریں گے۔ جیسا کہ دوسری جگہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ کفار کہیں گے وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے مگر دل میں خود بھی جانیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں۔ غرض انسان اپنے سب حال کو خوب جانتا ہوگا۔ اور وہ کتنے ہی حیلے بہانے بنائے جھوٹی دلیلیں دے اور بے کار عذر پیش کرے ایک بھی قبول نہ کیا جائے گا غرض کوئی عذر معذرت انہیں قیامت کے دن کام نہ دیگا۔

شروع سورۃ سے مضمون قیامت کے متعلق چل رہا ہے۔ آگے بھی منکرین قیامت کو مخاطب کر کے قیامت کی حقانیت بیان فرمائی گئی ہے مگر درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے ایک تعلیم و ہدایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی تلاوت کے متعلق دی جاتی ہے جس کا ذکر اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قیامت کا یقین کامل نصیب فرمائیں اور اس زندگی میں قیامت کے بعد والی زندگی کو بنانے اور سنوارنے کی توفیق عطا فرمادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾

اے پیغمبرؐ آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تا کہ آپ اسکو جلدی لیں۔ ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا۔ تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾

پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ اے منکرو ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ آپؐ حرکت نہ دیں اس (قرآن) کیساتھ اپنی زبان کو	لِتَعْجَلَ بِهٖ کہ جلد (یاد کرلیں) اس کو	اِنَّ عَلَيْنَا بیشک ہم پر (ہمارے ذمے)	
جَمْعَهٗ اس کا جمع کرنا	وَقُرْاٰنَهٗ اور اس کا پڑھنا	فَاِذَا قَرَاْنٰهُ پس جب ہم اسے پڑھیں	فَاتَّبِعْ تو آپؐ پیروی کریں
قُرْاٰنَهٗ اس کے پڑھنے کی	ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا پھر بیشک ہم پر (ہمارے ذمے)	بَيَانَهٗ اس کا بیان	كَلَّا بَلْ ہرگز نہیں بلکہ
تُحِبُّوْنَ تم محبت رکھتے ہو	الْعَاجِلَةَ جلدی کو (دنیا)	وَتَذَرُوْنَ اور تم چھوڑ دیتے ہو	الْاٰخِرَةَ آخرت

تفسیر و تشریح: ایک مضمون ضمناً بطور جملہ معترضہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے وحی الٰہی کے متعلق بیان فرمایا جاتا ہے آپ کو تعلیم دی جاتی ہے کہ آپ فرشتے یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وحی کس طرح لیں۔ شروع میں جب وحی الٰہی نازل ہوتی تھی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے قرآن لاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اندیشہ سے کہ کہیں کوئی لفظ یاد کرنے سے رہ نہ جائے اور مبادا جبرئیل علیہ السلام چلے جائیں اور وحی پوری طرح محفوظ نہ ہو سکے آپ فرشتے کی تلاوت کے ساتھ ساتھ خود بھی تلاوت کرتے جاتے تھے جس کی وجہ سے بیک وقت آپکو دو کام کرنا پڑتے تھے ایک فرشتے کی تلاوت کو سننا دوسرے خود اپنی تلاوت کو ادا کرنا۔ اور اس صورت میں آپ کو بڑی مشقت ہوتی تھی۔ حق تعالیٰ کو آپ کی یہ تکلیف گوارا نہ ہوئی اور اس سلسلہ میں یہ ہدایت نازل ہوئی۔ سورہ طٰہٰ سولھویں پارہ میں ارشاد ہوا وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ اور آپ قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کیا کیجئے قبل اس کے کہ آپ پر وحی پوری نازل ہو چکے۔ اسی طرح ان آیات میں ہدایت دی گئی کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت آپ بس سکون و خاموشی کے ساتھ سنتے ہی رہا کیجئے اور یہ اندیشہ بھی دل میں نہ لایئے کہ وحی کا کوئی لفظ یا خفیف سا جزو بھی قلب سے نکل جائے گا۔ اس کی محفوظیت کے ذمہ دار خود ہم ہیں۔ اس قرآن کا آپ کے سینے میں حرف بحرف جمع کر دینا اور آپ کی زبان سے پڑھوانا اور اس کے علوم و معارف کا آپ کے اوپر کھولنا اور آپ کی زبان سے دوسروں تک پہنچانا ان سب باتوں کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ بوقت نزول وحی پڑھنا ترک کر دیا اور یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ آپ بوقت نزول وحی ساری وحی سنتے اور اس وقت زبان سے ایک لفظ نہ دہراتے لیکن حضرت جبرئیل کے چلے جانے کے بعد پوری وحی لفظ بلفظ کامل ترتیب کے ساتھ بدوں ایک زبر زیر کی تبدیلی کے فرفر سنا دیتے۔ تو یہاں صاف تین باتوں کی ذمہ داری حق تعالےٰ نے اپنے ذمہ رکھی ہے۔ ایک وحی کا آپ کے قلب میں جمع کر دینا۔ دوسرے آپ کی زبان سے اس کا پڑھوا دینا۔ تیسرے اس کا بیان بھی کرا دینا یعنی تفسیر مضمون اور توضیح مطالب کرانا ان تینوں امور کی کفایت حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی اور حق تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا۔ قرآن کریم اگرچہ تھوڑا تھوڑا ہو کر نازل ہوا لیکن باترتیب پورا قرآن کریم آپ کے سینہ میں جمع کرا دیا اسی ترتیب سے جس ترتیب سے لوح محفوظ میں تھا اور جو ترتیب آج قرآن حکیم کی ہے اور

آپ پورے قرآن کریم کے حافظ تھے۔ جس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے یعنی آپ کے آخری رمضان ۱۰ھ میں دو بار پورا قرآن شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو سنایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین راتوں میں صحابہ کرام کو سنادیا حتیٰ کہ مسجد نبوی میں اندر باہر تل رکھنے کی جگہ نہ تھی (ابوداؤد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت ایک اچھی خاصی جماعت حفاظ قرآن کی موجود تھی جن کو پورے کا پورا قرآن شریف اپنی موجودہ ترتیب الحمد سے والناس تک حفظ تھا۔ بعد میں امت میں بھی آج تک ہزاروں لاکھوں حفاظ قرآن موجود رہے ہیں جو ایک ایک حرف اور زبر اور زیر پر حاوی ہیں اور ان شاءاللہ قرب قیامت تک یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا یہاں تک کہ جب اہل ایمان اس جہان سے کوچ کر جائیں گے قرآن کریم دلوں زبانوں اور کاغذوں سے اٹھالیا جائے گا۔ اور یہ ایک عظیم الشان انعام اور مخصوص امتیاز صرف اس امت مرحومہ کے لئے ہے اور بوجہ ایک زبردست پیش گوئی ہونے کے ایک معجزہ بھی ہے اور حق تعالیٰ نے جو صورت اپنے وعدہ کے پورا کرنے کے لئے اختیار کی وہ بھی ایک معجزہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اس کتاب مبین سرچشمہ ہدایت اور آسمانی رحمت اور خزینہ سعادت کی حقیقی قدردانی کی توفیق عطا فرمائیں۔

الحاصل جب قیامت و آخرت کے متعلق یقین دلایا گیا کہ قیامت و آخرت ضرور آنی ہے تو اب آگے اس آخرت میں جزاوسزا کی کچھ تفصیل بتلائی جاتی ہے جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ جب تک آپ ہمیں اس دنیا میں زندہ رکھیں ہمیں غفلت اور انہماک فی الدنیا سے بچا کر رکھیں۔ آخرت کا فکر اور وہاں کی تیاری کرنے اور توشہ جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ رحمت و مغفرت کا معاملہ فرمایئے گا اور اس دن کی ذلت اور رسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھیئے گا۔

یا اللہ یہ قرآن کریم جو آپ کی عظیم الشان نعمت ہم کو عطا ہوئی ہے اور جس کی حفاظت کا خود آپ نے ذمہ لیا ہے اس کی محبت وعظمت ہم کو نصیب فرما۔ اس کا علم ہم کو عطا فرما۔ اس پر عمل ہم کو نصیب فرما اس کی تبلیغ وخدمت کا شرف عطا فرما۔ اور اس کا متبع بنا کر زندہ رکھیئے اور اسی کی اتباع میں موت نصیب فرمایئے۔

یا اللہ اس دنیا میں اس طرح مشغول اور منہمک ہوجانا کہ جس سے آخرت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری سے غفلت ہو اس کو قرآن کریم نے کفار کی خصلت بتلائی ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آج امت مسلمہ میں بھی یہ مرض پیدا ہوگیا ہے۔ اِلَّا مَاشَآءَ الله۔ آج ہم دین سے۔ قرآن وسنت سے اسی انہماک فی الدینا کے باعث دور ہوتے جارہے ہیں جس کے نتیجہ میں خسر الدنیا والاخرۃ کے مصداق بنتے جارہے ہیں۔

یا اللہ امت مسلمہ پر کرم ورحم فرما اور ان کی اصلاح کی صورتیں غیب سے ظاہر فرما اور ان کو دین کی طرف مائل ہوجانے کی سعادت عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ

بہت سے چہرے تو اس دن بارونق ہوں گے۔اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔اور بہت سے چہرے اس روز بدرونق ہوں گے خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ

بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ

کمر توڑنے والا معاملہ کیا جاوے گا۔ ہرگز ایسا نہیں جب جان ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے۔اور کہا جاتا ہے کہ کوئی جھاڑنے والا بھی ہے۔اور وہ یقین کر لیتا ہے کہ یہ مفارقت کا وقت ہے۔

السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ اِلْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾

اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ لپٹ جاتی ہے۔اس روز تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے۔

وُجُوْهٌ بہت سے چہرے	يَوْمَىِٕذٍ اس دن	نَاضِرَةٌ تازہ (بارونق)	اِلٰى رَبِّهَا اپنے رب کی طرف	نَاظِرَةٌ دیکھتے	وَوُجُوْهٌ اور بہت سے چہرے	
يَوْمَىِٕذٍ اس دن	بَاسِرَةٌ بگڑے ہوئے	تَظُنُّ خیال کرتے ہونگے	اَنْ کہ	يُفْعَلَ بِهَا ان سے کہا جائے گا	فَاقِرَةٌ کمر توڑنے والا	كَلَّآ ہاں ہاں
اِذَا جب	بَلَغَتِ پہنچ جائے	التَّرَاقِيَ ہنسلی تک	وَقِيْلَ اور کہا جائے	مَنْ رَاقٍ کون جھاڑ پھونک کرنیوالا	وَّظَنَّ اور وہ گمان کرے	اَنَّهُ کہ یہ
الْفِرَاقُ جدائی	وَالْتَفَّتِ اور لپٹ جائے	السَّاقُ ایک پنڈلی	بِالسَّاقِ دوسری پنڈلی سے	اِلٰى رَبِّكَ اپنے رب کی طرف	يَوْمَىِٕذٍ اس دن	اِلْمَسَاقُ چلنا

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں منکرین قیامت کو خطاب کر کے فرمایا گیا تھا کہ قیامت تو آنی ضرور ہے اور اے منکرو تم جو یہ سمجھ رہے ہو کہ نہ قیامت ہوگی اور نہ جزا و سزا تو یہ تمہاری نادانی اور غلطی ہے اور تم جو ایسا کہہ رہے ہو یہ صرف اس وجہ سے کہ تم دنیا کی محبت میں فریفتہ ہو گئے ہو اور اسی حب دنیا میں منہمک ہو کر آخرت و قیامت سے غافل ہوئے بیٹھے ہو حالانکہ قیامت ضرور بالضرور ہوگی اور ہر شخص کو اس کے اعمال مطلع کر کے ان اعمال کے مناسب جزا یا سزا ملے گی اور اس جزا و سزا کی ایک شکل یہ ہوگی جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مومنین کے چہرے اس روز تروتازہ ہشاش بشاش ہوں گے جو دنیا میں آخرت کی تیاری میں دن رات مصروف رہتے تھے فرحت و سرور کی وجہ سے اور دیدار الٰہی کی وجہ سے ان کے چہرہ روشن اور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے اور اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا وہ بھی آخرت میں دیکھنا اپنی نوعیت جدا رکھتا ہے۔ وہاں عالم آخرت میں اور طرح کی آنکھیں عطا ہوں گی۔ بہت سی صحیح احادیث میں متواتر سندوں سے جو ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں ان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ایمان والے آخرت میں اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ کیا ہم قیامت میں اپنے رب کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا تم آفتاب کے دیکھنے میں جب کہ بادل نہ ہو کچھ شک کرتے ہو یا کوئی مانع ہوتا ہے۔ عرض کیا کہ نہیں یارسول اللہ۔ پھر فرمایا کیا چودھویں رات کے چاند دیکھنے میں جب کہ کوئی حجاب اور بادل نہ ہو کوئی مانع ہوتا ہے لوگوں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ آپ نے فرمایا پھر تم اسی طرح قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ بحمد اللہ اس مسئلہ میں صحابہ۔ تابعین اور سلف امت کا اتفاق اور اجماع ہے اور تمام آئمہ اسلام اس پر متفق ہیں البتہ اس رویت و زیارت میں اہل جنت کے مختلف درجات ہوں گے۔ بعض کو یہ زیارت ہفتہ وار جمعہ کو حاصل ہوگی بعض کو روز صبح اور

بعض کے لئے یہ ہر وقت ہر حال میں رہے گی (مظہری)۔ یا اللہ اپنے دیدار کی نعمت سے ہم کو بھی محروم نہ فرمائیے گا۔ آمین۔

ان آیات میں بتلایا گیا کہ اس دن یعنی آخرت میں بہت سے لوگ تو وہ ہوں گے یعنی مومنین جن کے چہرے ہشاش بشاش، ترو تازہ، خوش وخرم ہونگے اور اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہوں گے اور بہت سے چہرے یعنی کفار ومشرکین وفساق وفجار کے چہرے پریشان اور بے رونق ہوں گے اور ان کے منہ بگڑے ہوئے سیاہ رنگ کے ہوں گے آخرت کی دہشت اور سخت سزاؤں کے خوف سے اور ان کو یہ یقین ہو گا کہ اب وہ معاملہ ہونے والا ہے اور وہ عذاب بھگتنا ہے جو بالکل ہی کمر توڑ دے گا اس لئے کہ آنکھوں کے سامنے جہنم جوش مارتی ہوگی اور فرشتے طوق وزنجیر لئے ہوئے اس قید خانہ میں داخل کرنے کے لئے تیار کھڑے ہوں گے اس لئے منکرین کو خطاب ہوتا ہے کہ اے منکرو تم قیامت وآخرت کو ہرگز دور مت سمجھو۔ اس سفر آخرت کی پہلی منزل تو موت ہے جو بالکل قریب ہے یہیں سے باقی منزلیں طے کرتے ہوئے آخری ٹھکانے پر پہنچو گے گویا ہر آدمی کی موت اس کے حق میں بڑی قیامت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے جبکہ مریض کی روح سمٹ کر ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور سانس حلق میں رکنے لگتی ہے ایسی مایوسی کے وقت طبیبوں اور ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی۔ جب لوگ ظاہری علاج وتدبیر سے عاجز آجاتے ہیں تو جھاڑ پھونک اور جنتر منتر کی سوجھتی ہے اور کہتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص ہے کہ جھاڑ پھونک کر کے اس کو مرنے سے بچالے۔ ایام جاہلیت میں عرب ٹوٹکے۔ جھاڑ پھونک اور جنتر منتر کے بڑے قائل تھے اس لئے یہاں آیت میں انہی کے خیال اور حال کا ذکر کیا گیا کہ قریب المرگ بیمار کو اس کے وارث بچانے کے لئے کسی جھاڑنے والے کی تلاش میں پھرتے ہیں کو کوئی جھاڑ سے اور منتر سے اس کو ٹھیک کر دے لیکن وہ بیمار قریب المرگ یہ سمجھ رہا ہے کہ اب فراق ہے۔ پیارے فرزند۔ اور محبوبہ بیوی اور یہ گھر کہ جس کی تعمیر میں سرگرم رہا کرتا تھا۔ اور یہ املاک وجائیداد اور مال وخزانے اور ہاتھی گھوڑے اور یہ احباب اور جانی دوست اور یہ مادر مہربان اور شفیق باپ اور یہ بھائی بہن سب آج مجھ سے چھوٹتے ہیں اور میرے کوچ کا وقت آگیا اور شدت سکرات موت سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ لپٹ جاتی ہے نیز نیچے کے بدن سے روح کا تعلق منقطع ہو جانے کے بعد پنڈلیوں کا ہلانا اور ایک کو دوسرے سے جدا رکھنا مرنے والے کے اختیار میں نہیں رہتا اس لئے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی پر بے اختیار جا گرتی ہے۔ ساق جس کے لفظی معنیٰ پنڈلی کے ہیں یہاں بعض علماء نے عرب محاورہ کے مطابق اس کے معنی سختی کے لئے ہیں اور وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "ملی ایک سختی دوسری سختی کے ساتھ" کیونکہ مرنے والے کو اس وقت دو سختیاں پیش آتی ہیں۔ پہلی سختی تو دنیا سے جانا۔ مال ودولت اہل وعیال، گھر بار جاہ وحشم، نوکر چاکر سب کو بڑی حسرت کے ساتھ چھوڑنا۔ دوسرے وہاں کی باز پرس اور گوناگوں عذاب میں مبتلا ہونا۔ جب یہ سامان موت سب مہیا ہو چکتے ہیں اور ملائکہ روح قبض کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں آج تجھ کو تیرے رب کی طرف جانا ہے یعنی سفر آخرت کی ابتداء یہاں سے ہے گویا بندہ اب اپنے رب کی طرف کھنچنا شروع ہوا مگر افسوس اس پر جس نے اپنی غفلت وحماقت سے کوئی سامان سفر کا پہلے سے درست نہ کیا۔ نہ اتنے بڑے سفر کے لئے کوئی توشہ ساتھ لیا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں یہ سمجھایا گیا کہ جب دنیا کو چھوڑنا اور آخرت کو جانا لازمی ہے تو پھر دنیا کی محبت میں منہمک ہو کر آخرت سے غافل ہونا اور اس کو چھوڑ بیٹھنا کس درجہ حماقت ونادانی ہے۔ قرآن کریم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینے کے ساتھ غور وفکر کرنے والے انسانوں کو بار بار جتلاتا ہے کہ آخرت کیوں ضروری ہے اور اس کا انکار کتنی سنگین گمراہی ہے اور اس کے کیا نتائج ہیں۔ چنانچہ اگلی آیات میں دنیا میں کفر وانکار کے نتیجہ کو ظاہر فرما کر اصل مضمون یعنی قیامت کے وقوع کا اثبات فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿٣١﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ اَوْلٰى

تو اس (یعنی منکرین قیامت) نے نہ تو تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی۔ لیکن تکذیب کی تھی اور منہ موڑا تھا۔ پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا۔ تیری کم بختی

لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً

پر کم بختی آنے والی ہے۔ پھر تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جاوے گا۔ کیا یہ شخص ایک قطرہ منی نہ تھا

مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

جو ٹپکایا گیا تھا۔ پھر وہ خون کا لوتھڑا ہوگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنایا پھر اعضاء درست کئے۔ پھر اس کی دو قسمیں کردیں مرد

وَالْاُنْثٰى ﴿٣٩﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿٤٠﴾

اور عورت۔ کیا وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مردوں کو زندہ کردے۔

فَلَا صَدَّقَ نہ اس نے تصدیق کی	وَلَا صَلّٰى اور نہ اس نے نماز پڑھی	وَلٰكِنْ اور لیکن (بلکہ)	كَذَّبَ جھٹلایا	وَتَوَلّٰى اور منہ موڑا	ثُمَّ ذَهَبَ پھر چلا گیا وہ	
اِلٰٓى اَهْلِهٖ اپنے گھر والوں کی طرف	يَتَمَطّٰى اکڑتا	اَوْلٰى لَكَ افسوس تجھ پر	فَاَوْلٰى پس افسوس	ثُمَّ پھر	اَوْلٰى لَكَ افسوس تجھ پر	فَاَوْلٰى پھر افسوس
اَيَحْسَبُ کیا وہ گمان کرتا ہے؟	الْاِنْسَانُ انسان	اَنْ يُّتْرَكَ کہ وہ چھوڑ دیا جائے گا	سُدًى مہمل (یونہی)	اَلَمْ يَكُ کیا نہ تھا؟	نُطْفَةً نطفہ	
مِّنْ سے۔کا	مَّنِيٍّ منی	يُّمْنٰى ٹپکایا گیا	ثُمَّ كَانَ پھر وہ ہوا	عَلَقَةً جما ہوا خون	فَخَلَقَ پھر اس نے اسے پیدا کیا	فَسَوّٰى پھر اسے درست کیا
فَجَعَلَ پھر بنائے	مِنْهُ اس سے	الزَّوْجَيْنِ دو جوڑے (قسمیں)	الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى مرد اور عورت	اَلَيْسَ کیا نہیں	ذٰلِكَ وہ	بِقٰدِرٍ قادر
عَلٰى پر	اَنْ يُّحْيِۦَ کہ وہ زندہ کرے	الْمَوْتٰى مردے (جمع)				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ چاہئے تو انسان کو یہ تھا کہ اتنے بڑے اور اہم سفر کے لئے پہلے سے سفر کا سامان درست کرتا اور توشہ ساتھ لے جاتا مگر افسوس کہ یہ اپنی غفلت اور حماقت سے قیامت ہی کا منکر ہے اور بجائے اس کے کہ ایمان لاتا۔ حق تعالیٰ کے کلام کو برحق مانتا۔ اللہ کے رسولوں کو سچا جانتا۔ الٹا بجائے سچا سمجھنے اور یقین لانے کے پیغمبروں کو جھوٹا بتلاتا رہا اور بجائے اللہ کی عبادت اور بندگی کے اور اپنے مالک کی طرف متوجہ ہونے کے ہمیشہ ادھر سے منہ موڑ کر چلا اور نہ صرف یہی بلکہ اپنی اس سرکشی اور بدبختی پر اتراتا اور اکڑتا ہوا اپنے متعلقین کے پاس جاتا تھا گویا کوئی بڑی بہادری کا کام کرکے آرہا ہے تو بجائے اس کے کفر وعصیان پر ندامت ہوا الٹا اس پر فخر کرتا ہے کہ ہم نے اس طرح حق کو رد کیا اور باطل پر جمے رہے تو ایسے منکر قیامت کافر کی بدحالی کا آگے بیان ہے کہ اس وقت ایسے شخص سے کہا جاوے گا کہ او بدبخت اب تیری کم بختی آئی اور اب تیرے لئے خرابی پر خرابی اور تباہی پر تباہی ہے تجھ سے بڑھ کر اللہ کی نئی نئی سزاؤں کا مستحق اور کون ہوگا۔ آگے خاتمہ سورۃ پر قیامت کے قائم ہونے پر ایک دلیل دی جاتی ہے اس انداز سے کہ معمولی فہم کا انسان بھی اس کو سمجھ سکے چنانچہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ اور امر ونہی کی کوئی قید اس پر نہ ہو گی؟ یا مرے پیچھے پھر یہ اٹھایا نہ جائے گا؟ اور اس سے نیک و بد کا حساب نہ لیا جائے گا؟ کیا انسان کا اس جہان میں آنا۔ عقل وحواس پانا

طرح طرح کے اسباب دیئے جانا بس اس لئے ہے کہ چند روز رہ کر دنیا سے غائب ہو جائے اور اس دنیا میں شتر بے مہار ہو کر رہے؟ جائز نا جائز مزے اڑایا کرے اور جانوروں کی طرح سونے، کھانے پینے کے سوا اس کو کچھ کام نہ ہو؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ دنیا میں اسے قدرت۔ اسباب اور عقل وفہم کا عطا کیا جانا اس بات کا مقتضیٰ ہے کہ اس کو چند نامناسب باتوں سے منع کیا جائے۔ اور چند ضروری باتوں کا حکم دیا جائے۔ اور یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جن کاموں سے منع کیا گیا ان کے کرنے پر اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ان کے نہ کرنے پر باز پرس اور سزا ہو اور اسی طرح جن کاموں سے منع کیا گیا ان سے باز رہنے پر اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ان کے بجالانے پر انعام و جزا ہو جس کا محل دار آخرت ہے۔

حاصل یہ کہ انسان مہمل نہیں مکلف پیدا کیا گیا ہے۔ اس سے حساب کتاب بھی یقینی ہے اور اس پر جزا و سزا بھی لازمی ہے۔ پھر جو یہ منکر انسان مر کر دوبارہ زندہ ہونے کو امر محال سمجھتا ہے تو یہ اس کی نادانی اور حماقت ہے۔ یہ انسان اپنی ہستی پر نظر اور غور کرے کہ یہ ابتدا میں نطفہ کی شکل میں بے جان اور بے بنیاد ایک ذلیل ناپاک قطرہ تھا جو مرد کی پشت سے عورت کے رحم میں آیا اور پھر خون کی پھٹکی اور گوشت کا لوتھڑا بنا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش کے مراحل پورے کر کے ایسی شکل وصورت دے کر اور ظاہری اعضا اور باطنی قوتیں ٹھیک کر کے۔ ایک نطفہ بے جان سے انسان عاقل بنا کر پیدا کیا پھر خدا کی قدرت۔ صنعت وکاریگری کہ اسی نطفہ سے عورت و مرد دو قسم کے انسان پیدا کئے جن میں سے ہر ایک قسم کی ظاہری و باطنی خصوصیات جداگانہ ہیں تو کیا وہ خدا قادر مطلق جس نے ابتدا میں سب کو اپنی حکمت اور قدرت سے بنایا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اسے فنا کر کے پھر دوبارہ پیدا کر دے؟ ضرور قادر ہے۔

الغرض یہاں قیامت کا اثبات اور منکرین قیامت کا رد فرمایا گیا۔ یہاں ان آیات میں ایسے انسان کے لئے جس نے کفر و تکذیب کو اپنا شعار زندگی بنائے رکھا اور دنیا کے عیش وعشرت اور مال دولت میں مست رہا اور پھر اسی حال پر مر گیا اس کے لئے اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى فرمایا گیا یعنی چار مرتبہ لفظ اولیٰ استعمال فرمایا گیا جو ویل سے ہے جس کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں۔ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں چار مرتبہ لفظ بربادی وتباہی استعمال کرنے میں اشارہ ہے کہ ایسے شخص کو اولیٰ پہلی مرتبہ مرتے وقت تباہی و بربادی سے واسطہ پڑے گا۔ دوسری مرتبہ پھر مرنے کے بعد عالم برزخ یا عالم قبر میں تباہی و بربادی کا سامنا ہوگا۔ تیسری مرتبہ حشر ونشر کے وقت اپنی تباہی کا سامان دیکھے گا۔ پھر آخیر میں چوتھی مرتبہ جہنم میں داخل ہو کر مصیبت پر مصیبت اور عذاب پر۔ عذاب یعنی کامل تباہی و بربادی کو اپنے حصہ میں پائے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ تو یہ سزا اس شخص کے لئے بتلائی گئی جس کا حال دنیا میں یہ تھا فَلَا صَدَّقَ یعنی آخرت پر یقین نہ لایا وَلَا صَلّٰى۔ یعنی ایمان لاکر نماز نہ پڑھی۔ وَلٰكِنْ كَذَّبَ یعنی قرآن کی آیات کو اور پیغمبروں کو سچا نہ جانا اور جھٹلایا و تولیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا۔ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى یعنی داعی حق سے منہ موڑ کر اینٹھتا اور اکڑتا ہوا اپنے گھر کو چل دیتا تھا۔ اب یہ ٹھیٹھ کافر یعنی خالص منکر قیامت و آخرت کی صفات ہیں جس کا عکس بھی کسی مسلم و مومن پر نہ پڑنا چاہئے چہ جائیکہ ان میں سے کسی صفت کا حامل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے ہم کو ایمان صادق اور اسلام کامل اور یقین واثق نصیب فرمائیں۔

سورۃ القیامۃ کے خواص

۱...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو سورۃ القیامۃ پڑھے وہ قیامت کے دن روشن چہرے کے ساتھ اٹھے گا۔

۲...... اگر کوئی آدمی گناہ میں پھنس چکا ہو اور اسے گناہ چھوڑنا مشکل لگتا ہو تو وہ سورۃ القیامۃ پڑھے اس سے وہ گناہ سے ہٹ کر توبہ تائب ہو جائے گا۔

الحمد للہ اس درس پر سورہ قیامہ کا بیان ختم ہوا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ

بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا۔ ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا

نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾

اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں تو ہم نے اُس کو سُنتا دیکھتا بنایا۔ ہم نے اس کو راستہ بتلایا یا تو وہ شکر گزار ہوگیا یا ناشکرا ہوگیا۔

هَلْ اَتٰى یقیناً آیا (گزرا)	عَلَى الْاِنْسَانِ انسان پر	حِيْنٌ ایک وقت	مِّنَ الدَّهْرِ زمانہ سے (میں)	لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا اور نہ تھا کچھ	مَّذْكُوْرًا قابلِ ذکر
اِنَّا خَلَقْنَا بیشک ہم نے پیدا کیا	الْاِنْسَانَ انسان	مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ	اَمْشَاجٍ مخلوط	نَّبْتَلِيْهِ ہم اسے آزمائیں	فَجَعَلْنٰهُ تو ہم نے اسے بنایا
سَمِيْعًا بَصِيْرًا سنتا دیکھتا	اِنَّا هَدَيْنٰهُ بیشک ہم نے اسے دکھائی	السَّبِيْلَ راہ	اِمَّا شَاكِرًا خواہ شکر کرنے والا	وَّاِمَّا اور خواہ	كَفُوْرًا ناشکرا

تفسیر وتشریح: ان آیات میں پہلے انسان کی حقیقت کو بتلایا جاتا ہے کہ یہ انسان پہلے کچھ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے وجود کو جسم دیا۔ انسان ماں کے پیٹ سے پیدا ہو کر دنیا میں آتا ہے لیکن اپنی پیدائش سے قبل اس انسان پر زمانہ میں ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے کہ جب اس کا کچھ نام ونشان نہ تھا یعنی نہ یہ دنیا میں موجود تھا۔ نہ اہل دنیا میں اس کا تذکرہ تھا۔ پھر کتنے ہی دور طے کر کے نطفہ کی شکل میں آیا اور مرد وعورت کے مخلوط نطفہ سے اللہ نے اسے ماں کے پیٹ سے پیدا کیا۔ انسانوں کے جد امجد اور سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا حال تو قرآن پاک میں متعدد جگہ بیان ہو چکا ہے کہ ان کو مٹی سے بنایا گیا۔ یہاں عام نسل انسانی کی خلقت کا ذکر ہے اور اس پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا ثبوت اور دہریوں کے عقائد کا رد ہے اور وہ اس طرح کہ در پردہ یہاں انسان سے خطاب ہے کہ تو جو زمین وآسمان کے قلابے ملاتا ہے اور خدا کا انکار کر کے کہیں دہر کو کہیں مادہ کو خالق کہتا ہے تو اے انسان تجھ کو علم و شعور ہی کیا ہے؟ پہلے تو اپنی اصل تو بیان کر کہ وہ مخلوط مرد وعورت کا نطفہ جو رحم مادر میں آیا وہ کون کون سی غذاؤں کے کھانے سے بنا تھا۔ اور رحم مادر میں اس پر کس کس وقت کیا کیا تغیرات پیدا ہوئے تھے اور اس سے پہلے اے انسان تو کیا تھا؟ تیرا نام ونشان بھی نہ تھا۔ جب تجھے اے انسان ان باتوں کا علم نہیں تو تو کس اعتماد پہ دہر اور مادہ کو خالق کہتا ہے۔ اگر تیرا کوئی بنانے والا اور پیدا کرنے والا نہیں تو پھر آپ ہی خود بخود تو بندر بچ کیسے بن گیا؟ فعل بغیر فاعل کیسے ہو گیا؟ پھر وہی نطفہ تو تھا جس میں انسان کی تمام قوتیں اور اعضاء ودیعت اور پنہاں تھے تو اب کوئی بتلا تو دے کہ نطفہ کے کونسے جزو میں کون سی قوت اور کونسا عضو ودیعت رکھا گیا تھا۔ تو جو اے انسان ایسے حقیر اور ناپاک چیز سے بنا ہو کہ جو کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو دھویا جائے اس کو یہ غرور کی باتیں کب زیبا ہیں؟ آگے اس دنیا میں انسان کو پیدا کرنے اور پھیلانے کا راز بتلایا جاتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کو اس کا امتحان منظور ہے تا کہ اس کو آزمایا جائے کہ یہ دنیا میں کیا کرتا ہے۔ اور اپنے خالق مالک اور رازق کو پہچانتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے یا دنیا کے لذات وشہوات ہی پر فریفتہ رہتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو انسان کی دنیا میں آزمائش منظور تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو سننے اور دیکھنے والا بھی کر دیا تا کہ اس کو احکام کا مکلف

اور امر و نہی کا مخاطب بنا کر امتحان لیا جائے اور دیکھا جائے کہ کہاں تک مالک کے احکام کی تعمیل میں وفاداری دکھلاتا ہے اسی لئے اس کو سننے۔ دیکھنے اور سمجھنے کی قوتیں دی گئیں۔ جن پر تکلیف شرعی کا مدار ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی باتیں سن کر ایمان لائے۔ اگلے کفار و مشرکین کے حالات سن کر اوران کی آفات سن کر عبرت لے اوران بیہودہ عقائد اور افعال سے بچے اور اچھے برے میں امتیاز کرے۔ لوگوں کے غلط افسانوں پر ہی نہ اڑا رہے اور دنیا کی بے ثباتی اور روا روی کو دیکھ کر اپنے چلنے اور ٹھکانے کی بھی فکر کرے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اوّلاً تو اصل فطرت اور پیدائشی عقل و فہم سے پھر دلائل عقلیہ و نقلیہ سے نیکی کی راہ سمجھائی اور برے بھلے سب سے آگاہ کر دیا جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ سب انسان ایک راہ پر چلتے لیکن گرد و پیش کے حالات اور خارجی عوارض سے متاثر ہو کر سب ایک راہ پر نہ رہے۔ بعض نے اللہ کو مانا اور اس کا حق پہچانا اور بعض نے ناشکری اور ناحق شناسی پر کمر باندھ لی اور کفر و شرک اختیار کیا۔

گویا انسان کے سامنے ہدایت اور گمراہی کے دونوں راستے واضح کر دیئے گئے۔ اب خواہ انسان اللہ کے بتلائے ہوئے راستہ کی قدر کرے اور اس پر چلے خواہ ناقدری کرے اور اس پر نہ چلے مگر ہر فریق اپنی جزا سن لے کہ نہ ماننے والے کے لئے کیا سزا ہونی ہے اور ماننے والوں کو کیا جزا ملنی ہے۔ یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو انسان بنا کر پیدا کیا۔ اور پھر ہم کو اسلام و ایمان کی دولت عطا فرمائی اور کفر و شرک سے بچایا۔

یا اللہ ہمیں اسلام کی سچی قدر دانی کی توفیق عطا فرما اور اپنے احکام کا پورا ظاہراً و باطناً متبع بنا کر زندہ رکھئے اور اسی پر موت نصیب فرمائے۔

یا اللہ ہمیں اپنے شاکر اور مومن بندوں میں شامل رکھئے اور انہی کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ سَلَٰسِلَا۟ وَأَغْلَٰلًا وَسَعِيرًا ﴿٤﴾ إِنَّ ٱلْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ

ہم نے کافروں کیلئے زنجیریں اور طوق اور آتش سوزاں تیار رکھی ہے۔ جو نیک ہیں وہ ایسے جام پیویں گے جس میں

مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴿٥﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ ٱللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ﴿٦﴾ يُوفُونَ بِٱلنَّذْرِ وَيَخَافُونَ

کافور کی آمیزش ہوگی۔ یعنی ایسے چشمے سے جس سے خدا کے خاص بندے پئیں گے جس کو وہ بہا کر لے جائیں گے۔ وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں

يَوْمًا كَانَ شَرُّهُۥ مُسْتَطِيرًا ﴿٧﴾ وَيُطْعِمُونَ ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّمَا

جس کی سختی عام ہوگی۔ اور وہ لوگ خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تم کو

نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ ٱللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَآءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا

محض خدا کی رضامندی کیلئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں اور نہ شکریہ۔ ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں۔

قَمْطَرِيرًا ﴿١٠﴾ فَوَقَىٰهُمُ ٱللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ ٱلْيَوْمِ وَلَقَّىٰهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿١١﴾

سو اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرماوے گا۔

إِنَّآ أَعْتَدْنَا بیشک ہم نے تیار کیا	لِلْكَٰفِرِينَ کافروں کیلئے	سَلَٰسِلَا۟ زنجیریں	وَأَغْلَٰلًا اور طوق	وَسَعِيرًا اور دہکتی آگ	إِنَّ بیشک	ٱلْأَبْرَارَ نیک بندے
يَشْرَبُونَ پئیں گے	مِن كَأْسٍ پیالے سے	كَانَ مِزَاجُهَا اسمیں آمیزش ہوگی	كَافُورًا کافور کی	عَيْنًا ایک چشمہ	يَشْرَبُ بِهَا اس سے پیتے ہیں	
عِبَادُ ٱللَّهِ اللہ کے بندے	يُفَجِّرُونَهَا اس سے رواں کرتے ہیں	تَفْجِيرًا نالیاں	يُوفُونَ وہ پوری کرتے ہیں	بِٱلنَّذْرِ (اپنی) نذریں		
وَيَخَافُونَ اور وہ ڈرتے ہیں	يَوْمًا اس دن سے	كَانَ ہوگی	شَرُّهُۥ اسکی برائی	مُسْتَطِيرًا پھیلی ہوئی	وَيُطْعِمُونَ اور وہ کھلاتے ہیں	ٱلطَّعَامَ کھانا
عَلَىٰ حُبِّهِۦ اسکی محبت پر	مِسْكِينًا محتاج۔مسکین	وَيَتِيمًا اور یتیم	وَأَسِيرًا اور قیدی	إِنَّمَا اسکے سوا نہیں	نُطْعِمُكُمْ ہم تمہیں کھلاتے ہیں	
لِوَجْهِ ٱللَّهِ رضائے الٰہی کیلئے	لَا نُرِيدُ ہم نہیں چاہتے	مِنكُمْ تم سے	جَزَآءً کوئی جزا	وَلَا شُكُورًا اور نہ شکریہ	إِنَّا نَخَافُ بیشک ہم ڈرتے ہیں	
مِن رَّبِّنَا اپنے رب سے	يَوْمًا اس دن کا	عَبُوسًا منہ بگاڑنے والا	قَمْطَرِيرًا نہایت سخت	فَوَقَىٰهُمُ ٱللَّهُ پس انہیں بچا لیا اللہ نے		
شَرَّ برائی	ذَٰلِكَ ٱلْيَوْمِ اس دن	وَلَقَّىٰهُمْ اور انہیں عطا کی	نَضْرَةً تازگی	وَسُرُورًا اور خوش دلی		

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اندھا دھند اپنی خواہشات کے پورا کرنے میں لگ گئے اور جو رسم و رواج اور اوہام وظنوں کی زنجیروں میں جکڑے رہے اور غیر اللہ کی اطاعت کے طوق اپنے گلوں سے نہ نکال سکے بلکہ حق اور قائلین حق کے خلاف دشمنی اور لڑائی کی آگ بھڑکانے میں عمریں گذار دیں۔ کبھی بھول کر اللہ کی نعمتوں کو یاد نہ کیا۔ نہ اس کی سچی فرمانبرداری کا خیال دل میں لائے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جہنم کے طوق اور زنجیریں اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے کہ لوہے کی زنجیروں میں باندھ کر اور گلے میں لوہے کے وزنی طوق ڈال کر جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے ترمذی شریف کی حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سیسہ کے ایک گول ٹکڑے کو جو کھوپڑی کے مانند ہو آسمان سے زمین کی طرف ڈالا جائے جس کا فاصلہ پانچ سو برس کی راہ کا ہے تو وہ

ایک رات گزرنے سے پہلے زمین پر پہنچ جائے۔لیکن اگراس سیسہ کے ٹکڑے کے اس زنجیر کے کنارہ سے چھوڑا جائے جس میں دو زخیوں کو باندھا جائے گا تو چالیس برس تک لڑھکتے رہنے کے باوجود اس زنجیر کی انتہا یا جڑ تک نہ پہنچے گا۔اس سے اس زنجیر کی لمبائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس قدر طویل ہوگی۔

آگے دوسرے گروہ ابرار یعنی اللہ کے نیک بندے جنہوں نے دنیا میں اپنے منعم حقیقی کو پہچانا اور اس کے احکام کے موافق اپنی زندگی دنیا میں گذاری اور خالق کی عبادت و بندگی کے ساتھ مخلوق خدا کے ساتھ بھی بھلائی و ہمدردی کی ان کو آخرت میں یہ جزا ملے گی کہ وہ جنت کے پانی کے ایسے جام پیویں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور یہ کافور دنیا کا نہیں بلکہ جنت کا ایک خاص چشمہ ہے جو خاص طور پر اللہ کے مخصوص اور مقرب بندوں کو ملے گا۔جیسا کہ قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر ذکر کیا گیا ہے جنت میں چار قسم کی نہریں ہوں گی یعنی ایک شیریں اور خنک پانی کی نہریں۔دوسرے دودھ کی نہریں۔تیسرے نہایت فرحت افزا اور خوش رنگ شراب طہور کی نہریں۔اور چوتھے صاف وشفاف شہد کی نہریں۔ان کے علاوہ تین قسم کے چشمہ ہیں ایک کا نام کافور ہے۔جس کی خاصیت خنکی ہے دوسرے کا نام زنجبیل ہے جس کو سلسبیل بھی کہتے ہیں اس کی خاصیت گرم ہے مثل چاء وقہوہ کے۔اور تیسرے کا نام تسنیم ہے جو نہایت لطافت کے ساتھ ہوا میں معلق جاری ہے ان تینوں چشموں کا پانی مقربین کے لئے مخصوص ہے لیکن دوسرے اصحاب جنت کو بھی جو ان سے کمتر ہیں ان میں سے سربمہر گلاس مرحمت ہوں گے جو پانی پینے کے وقت گلاب اور کیوڑہ کی طرح سے اس میں سے تھوڑا تھوڑا ملا کر پیا کریں گے۔ پھر اس چشمہ کافور کی جو مقربین کے لئے مخصوص ہوگا یہ کیفیت ہوگی کہ مقربین اہل جنت جدھر اشارہ کریں گے اسی طرف اس کی نالی بہنے لگے گی۔بعض کہتے ہیں کہ اس چشمہ کافور کا اصل منبع حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے قصر میں ہوگا وہاں سے انبیاء اور مقربین کے محلات تک اس کی نالیاں پہنچائی جائیں گی۔واللہ اعلم بالصواب۔یہ تو جزا ہوگی آخرت میں ابرار یعنی اللہ کے نیک بندوں کی۔

اب آگے ان ابرار کی کچھ خصلتیں اور صفات بتلائی جاتی ہیں کہ وہ لوگ واجبات یا جو منت مان کر واجب کر لی ہو اسے پورا کرتے ہیں۔اور ظاہر ہے کہ جب خود اپنی لازم کی ہوئی چیز کو پورا کریں گے تو اللہ کی لازم کی ہوئی باتوں کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔تو ابرار کی پہلی صفت یہ بیان ہوئی کہ جو عبادتیں خدا کی طرف سے ان کے ذمہ تھیں وہ تو بجا ہی لاتے ہیں بلکہ جو چیز یہ اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں یعنی نذر وہ بھی پوری کرتے ہیں۔دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتے رہتے ہیں کیونکہ قیامت کے دن کا ڈر ہے جس کی گھبراہٹ اور سختی عام طور پر سب کو گھیر لے گی۔مگر جس پر خدا کا کرم و رحم ہو وہی محفوظ رہ سکے گا۔تیسری صفت یہ بیان فرمائی گئی کہ یہ ابرار اللہ کی محبت میں اپنا کھانا باوجود خواہش اور احتیاج کے نہایت شوق او رخلوص سے مسکینوں۔یتیموں اور قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں گویا اللہ کی رضا کے لئے اللہ کی محبت میں مستحق لوگوں پر اپنی طاقت و وسعت کے مطابق خرچ بھی کرتے رہتے ہیں اور پھر اس حسن سلوک کا نہ تو ان لوگوں سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں۔اور نہ شکریہ یعنی نہ کوئی فعلی بدلہ چاہتے ہیں نہ قولی۔ بلکہ اپنے زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ یہ حسن سلوک محض لوجہ اللہ یعنی صرف خدا کی رضا مندی کے لئے کرتے ہیں۔روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ خیرات کسی کے گھر بھیجتی تھیں۔پھر واپسی کے بعد قاصد سے پوچھتی تھیں کہ ان گھر والوں نے کیا کہا۔اگر قاصد کہتا کہ آپ کے لئے دعا کی تھی تو ام المومنین بھی ان کو ویسی ہی دعا دیتی تھیں۔تاکہ خیرات خالص اللہ واسطے باقی رہے یعنی اجر آخرت کے لئے باقی رہے۔دنیوی کوئی اجر اس سے حاصل نہ ہو یہاں تک کہ اس کے عوض کلمہ دعائیہ بھی نہ ملے۔اللہ اکبر! یہ تھا ان حضرات کا اخلاص اور وہ ابرار یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس دن کے عذاب سے جو نہایت سخت اور دشوار گزار ہوگا۔اس دن کے عذاب اور ہولناکیوں سے بچنے کیلئے یہ ذخیرہ جمع کرتے ہیں۔آیت يُوفُونَ بِالنَّذْرِ سے لے

کر اِنَّانَخَافُ مِنۡ رَّبِّنَایَوۡمًاعَبُوۡسًاقَمۡطَرِیۡرًا تک کے متعلق بعض مفسرین نے جنہوں نے ان کو مدنی آیات مانا ہے ان کے شان نزول کے متعلق ایک روایت یہ لکھی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراؓ کے گھر تشریف لائے تو حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو بیمار پایا تو آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ کچھ اللہ کی منت مان لو کہ حسنین کو شفا ہو جائے۔ دونوں نے تین روزوں کی منت مان لی۔ شافی مطلق نے حضرات سبطینؓ کو صحت کلی عطا فرمائی۔ ایفائے نذر کی نیت سے روزے رکھے۔ شام کے وقت کچھ قرض لے کر پیسے اور روٹی پکا کر روزہ افطار کرنے بیٹھے ہی تھے کہ دروازہ پر ایک مسکین نے آکر سوال کیا کہ اے اہل بیت نبوت اللہ کے واسطے مجھ محتاج کا پیٹ بھرو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فوراً اپنے حصہ کی روٹی لا حاضر کی اس پر سارے گھر والوں نے اپنے اپنے حصہ کی روٹی فقیر کو لا کر دے دی۔ صرف پانی سے روزہ کھول کر اللہ کے نام پر سو رہے۔ دوسرا روز ہوا شام کو روٹی لے کر بیٹھے ہی تھے کہ دروازہ پر ایک یتیم نے صدا دی کہ بے ماں باپ کا بچہ ہوں روٹی کھلا دو۔ حضرت علیؓ نے پھر اپنا حصہ اس کو جا کھلایا اور تمام گھر والوں نے روز گزشتہ کی طرح اپنا اپنا کھانا یتیم کے حوالہ کیا۔ پھر پانی سے روزہ کھول کر سو رہے۔ تیسرے دن شام کے وقت ایک قیدی آ کھڑا ہوا۔ اس روز بھی گزشتہ دونوں دنوں کی طرح سب نے تمام کھانا اس اسیر کے حوالہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت نبوت کی مدح میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ بعض محدثین نے اس روایت کی صحت میں کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الغرض اوپر ابرار کے اوصاف بیان فرمائے گئے تھے اب آگے ان کی جزائے خیر کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جب وہ آخرت کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں اس دن کے شر اور برائی سے محفوظ رکھے گا اور ان پر کوئی مصیبت اور آفت اس روز نہ آئے گی بلکہ ان کو فرحت اور خوشی عطا کی جائے گی اور ان کے چہرے خوشی سے تر و تازہ اور خوش و خرم ہوں گے۔

ان آیات میں اخلاص کی ترغیب اور تعلیم دی گئی ہے اور اخلاص یعنی للّٰہیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ صرف اس لئے اور اس نیت سے کیا جائے۔ کہ ہمارا مولا اور پروردگار ہم سے راضی ہو۔ ہم پر رحمت فرمائے اور اس کی ناراضگی اور غضب سے ہم محفوظ رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات و تعلیمات میں یہی بتلایا ہے کہ تمام اچھے اعمال اور اخلاق کی روح اور جان یہی اخلاص نیت ہے۔

اگر بظاہر اچھے سے اچھے اعمال اس سے خالی ہوں اور ان کا مقصد رضائے الٰہی نہ ہو بلکہ نام و نمود۔ فخر و ریا یا کوئی اور جذبہ ان کا محرک ہو تو اللہ کے نزدیک ان کی کوئی قیمت نہیں اور ان پر کوئی ثواب ملنے والا نہیں بلکہ الٹا مواخذہ اور سزا کا ڈر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مخلص بندوں کے طفیل میں اخلاص کی دولت عطا فرمائیں۔ آمین۔

ابھی آگے مزید انعامات و احسانات اور جنت کی اعلیٰ نعمتیں جو کہ ابرار کو حاصل ہوں گی اُن کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا یقین کامل ہم کو نصیب فرمائیں اور اس زندگی میں آخرت کے سفر کی ہمہ وقت تیاری کا فکر عطا فرمائیں۔ یا اللہ اپنی رحمت سے ہم سے اس زندگی میں وہ کام کرالیجئے جو آخرت میں آپ کی مرضیات کے حصول کا ذریعہ بنیں اور ان کاموں سے بچالیجئے جو آپ کی ناراضگی کا سبب بنیں۔ وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا

اوران کی پختگی کے بدلہ میں ان کو جنت اور ریشمی لباس دے گا۔اس حالت میں کہ وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔وہاں نہ تپش پائیں گے

وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ

اور نہ جاڑا۔اور یہ حالت ہوگی کہ درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اوران کے میوے ان کے اختیار میں ہوں گے۔اوران کے پاس چاندی کے برتن

مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ

لائے جاویں گے اور آبخورے جو شیشے کے ہوں گے وہ شیشے چاندی کے ہوں گے۔جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا۔اور وہاں ان کو

فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

ایسا جام پلایا جاوے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمے سے جو وہاں ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا اوران کے پاس ایسے لڑکے آمدورفت کریں گے

مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾

جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔اے مخاطب اگر تو ان کو دیکھے تو یوں سمجھے کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں۔

وَجَزٰىهُمْ اور انہیں بدلہ دیا	بِمَا صَبَرُوْا انکے صبر پر	جَنَّةً جنت	وَحَرِيْرًا اور ریشمی لباس	مُّتَّكِـِٕيْنَ تکیہ لگائے ہوں گے	فِيْهَا اس میں	
عَلَى الْاَرَآئِكِ تختوں پر	لَا يَرَوْنَ وہ نہ دیکھیں گے	فِيْهَا اس میں	شَمْسًا دھوپ	وَّلَا زَمْهَرِيْرًا اور نہ سردی	وَدَانِيَةً اور نزدیک ہو رہے ہونگے	
عَلَيْهِمْ ان پر	ظِلٰلُهَا انکے سائے	وَذُلِّلَتْ اور نزدیک کردیئے گئے ہوں گے	قُطُوْفُهَا اس کے گچھے	تَذْلِيْلًا جھکا کر	وَيُطَافُ اور دور ہوگا	
عَلَيْهِمْ ان پر	بِاٰنِيَةٍ برتنوں کا	مِّنْ فِضَّةٍ چاندی کے	وَّاَكْوَابٍ اور آبخورے	كَانَتْ ہوں گے	قَوَارِيْرَا۠ شیشے کے	قَوَارِيْرَا۠ شیشے
مِنْ فِضَّةٍ چاندی کے	قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا انہوں نے انکا اندازہ کیا ہوگا مناسب اندازہ	وَ اور	يُسْقَوْنَ انہیں پلایا جائے گا	فِيْهَا اس میں		
كَاْسًا ایسا جام	كَانَ ہوگی	مِزَاجُهَا اسکی آمیزش	زَنْجَبِيْلًا سونٹھ	عَيْنًا ایک چشمہ	فِيْهَا اس میں	تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا موسوم کیا جاتا ہے سلسبیل
وَيَطُوْفُ اور گردش کریں گے	عَلَيْهِمْ ان پر	وِلْدَانٌ لڑکے	مُّخَلَّدُوْنَ ہمیشہ (نوعمر) رہنے والے	اِذَا رَاَيْتَهُمْ جب تو انہیں دیکھے		
حَسِبْتَهُمْ تو انہیں سمجھے	لُؤْلُؤًا موتی	مَّنْثُوْرًا بکھرے ہوئے				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بھی ابرار کے متعلق بیان جاری ہے کہ آخرت میں ان کو کیا کیا نعمتیں ملیں گی چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ ابرار دنیا کی تنگیوں اور سختیوں پر صبر کر کے معاصی سے رکے رہے تھے اور اللہ کی اطاعت پر جمے رہے تھے۔اپنی نذر کو پورا کرنے اور مسکینوں۔یتیموں اور محتاجوں کے کھلانے پلانے میں تکالیف برداشت کرتے تھے۔دنیا میں شرعی پابندیوں کو کشادہ دلی سے برداشت کرتے تھے۔پھٹے پرانے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن لیتے تھے اور خالص ریشمی کپڑوں سے دنیا میں ممنوع ہونے کی وجہ سے پرہیز کرتے تھے تو اس صبر کے عوض میں اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں جنت کے باغ رہنے کو اور ریشمی لباس فاخرہ پہننے کو عطا فرمائے گا۔روایات میں آتا ہے کہ ادنیٰ جنتی کو ہر صبح وشام ستر جوڑے حریر کے جن کے رنگ مختلف ہوں گے اور نہایت نفیس اور منقش اس کے خادم اس کے سامنے لایا کریں گے تاکہ ان میں سے جو مرغوب اور خوش معلوم ہو وہ اس کو پہنے اور باریکی میں وہ ایسے ہوں گے جیسے پھول کی پتی۔اور بعض ایسے باریک اور نازک ہوں گے کہ ستر تہوں میں سے بدن نظر

آ جائے گا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اگر وہاں کا لباس اور زیور زمین پر لایا جائے تو وہ اپنی چمک دمک سے جہان کو اس قدر روشن کر دے کہ آفتاب کی روشنی اس کے سامنے ماند ہو جائے اور نہ صرف یہ کہ انہیں ایسے قیمتی اور لباس فاخرہ ملیں گے بلکہ ان کے لیٹنے بیٹھنے کے لئے بہشت میں طلائی پلنگ اور سایہ دار تخت ہوں گے جیسے دنیا میں بادشاہوں کے تخت ہوتے ہیں جن پر گدے اور ریشمین توشکیں بچھی ہوں گی اور یہ ان پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ پھر جنت کا موسم نہایت معتدل اور خوشگوار ہوگا نہ گرمی کی تکلیف نہ سردی کی۔ نہ آفتاب کی شعاعیں نہ تاریکی۔ بلکہ ایسی حالت ہو گی جیسے طلوع آفتاب سے کچھ دیر پیشتر ہوتی ہے۔ وہاں عرش کے نور کی روشنی ہوگی نہ کہ چاند و سورج کی۔ اور جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے یہ چاند اور سورج تو جہنم میں ڈال دیئے جائینگے۔ پھر اس جنت کے درخت باوجود نہایت بلند و بزرگ وسایہ دار ہونے کے بڑے باشعور ہوں گے۔ جس وقت کوئی جنتی کسی میوہ کو رغبت کی نگاہ سے دیکھے گا تو اس کی شاخ اس قدر نیچے کو جھک جائے گی کہ بغیر کسی مشقت کے وہ اس کو توڑ لیا کریگا۔

درختوں کی شاخیں مع اپنے پھول اور پھلوں کے جنتیوں پر جھکی پڑتی ہوں گی اور پھلوں کے خوشے اس طرح لٹکے ہوں گے کہ جنتی کھڑے بیٹھے لیٹے جس حالت میں چاہیں گے بے تکلف لے سکیں گے۔ پھر جنت میں جنتیوں کے لئے قسم قسم کے میووں اور پھلوں ہی پر بس نہ ہوگی بلکہ اور بھی کھانے پینے کا شاہانہ سامان ہوگا۔ برتن اور آبخورے اور ظروف چاندی کے ہوں گے اور ایسے صاف شفاف اور چمکدار کہ شیشے کی طرح معلوم ہوں گے ان کے اندر کی چیز باہر سے صاف نظر آئے گی۔ پھر وہ آبخورے ایک عجیب صنعت اور اندازہ سے بنائے گئے ہوں گے ہر ایک برتن میں وقت حاجت کی رعایت ہوگی۔ جنتی کو جس قدر پینے کی خواہش ہوگی ٹھیک اسی اندازے کے موافق بھرے ہوئے ہوں گے کہ نہ کمی رہے اور نہ بچے۔ یہاں چاندی کے برتن اور آبخوروں کا ذکر ہے لیکن سونے کے برتن بھی جنت میں ہوں گے جیسا کہ سورہ زخرف ۲۵ویں پارہ میں فرمایا گیا یُطَافُ عَلَیۡھِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَھَبٍ وَّ اَکۡوَابٍ (ان کے پاس سونے کی رکابیاں لائی جائیں گی اور گلاس بھی۔ گویا موقع اور محل کے مناسب کہیں سونے کے اور کہیں چاندی کے برتن ہوں گے۔ الغرض کہ جنتیوں کو چاندی

وسونے کے گلاسوں میں مشروب پلایا جائے گا۔ گذشتہ درس میں ذکر ہوا تھا اِنَّ الۡاَبۡرَارَ یَشۡرَبُوۡنَ مِنۡ کَاۡسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوۡرًا (ابرار جنت میں ایسے جام پیئیں گے جس میں آمیزش کافور کی ہوگی) اور کافور جنت کا ایک چشمہ ہے جس کی خاصیت خنکی اور ٹھنڈک ہے۔ یہاں آیت میں بتلایا گیا کہ ان اہل جنت کو ایسا عمدہ مشروب پلایا جائے گا جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی اور زنجبیل ایک چشمہ ہے جنت میں جس کو سلسبیل بھی کہتے ہیں جس کی خاصیت گرم ہے۔ تو یہ اختلاف پینے والوں کی طبعی خواہش کے پیش نظر ہوگا۔ گرم مزاج والوں کو مشروب کی خنکی پسند ہوتی ہے ان کو ایسا مشروب مرغوب ہوگا جس میں کافور کی آمیزش ہو اور سرد مزاج والوں کو گرم مشروب پسند ہوتا ہے اس لئے ان کو وہ مشروب مرغوب ہوگا جس میں زنجبیل کی آمیزش ہو۔ گویا ہر جنتی کی رغبت خاطر جدا جدا ہوگی ویسے ہی اس کی رغبت کا سامان ہوگا۔ اب ان مشروبات اور لذائذ اور نعمتوں کو ہر وقت اہل جنت کے پاس لانے اور لے جانے کے لئے خدام ہوں گے جن کو غلمان کہا جاتا ہے۔ یہ جنت میں ایک جدا مخلوق ہے جو حسین و خوبصورت بچوں کی شکل میں ہوگی۔ یہ جنت میں ہمیشہ ایک عمر کے رہیں گے اور مثل بکھرے ہوئے موتیوں کے چاروں طرف خدمت کرتے ہوئے پھریں گے۔ غلمان جن کا لڑکپن ہمیشہ باقی رہے گا کبھی جوان یا بوڑھے نہ ہوں گے چونکہ لڑکوں میں ایک شوخی۔ شرارت۔ ترت۔ پھرت۔ اور بھولا پن ہوتا ہے اس لئے عیش و نشاط کی مجلسوں میں ان کے کھلانے پلانے میں کام کرنا ایک عجیب لطف دیتا ہے۔ یہ غلمان ہمہ وقت اہل جنت کے پاس کھانے اور پینے کی چیزیں لاتے اور لے جاتے رہیں گے اور ایسے حسین اور خوبصورت اور پرنور ہوں گے کہ ان کو خدمت میں ادھر ادھر آتے جاتے جو کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ گویا موتی ہیں جو بکھرے ہوئے ہیں۔ گویا ان کے حسن اور ادھر ادھر چلنے پھرنے کو بکھرے ہوئے موتیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ابھی اہل جنت کے انعامات اور جنت کی نعمتوں کا مزید حال اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿٢٠﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ

اور اے مخاطب اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے۔ ان جنتیوں پر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے

وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿٢١﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً

بھی اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جاویں گے اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا۔ یہ تمہارا صلہ ہے

وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿٢٢﴾

اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی۔

وَاِذَا رَاَيْتَ اور جب تو دیکھے گا	ثَمَّ وہاں	رَاَيْتَ تو دیکھے گا	نَعِيْمًا بڑی نعمت	وَّمُلْكًا كَبِيْرًا اور بڑی سلطنت	عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ اُن کے اوپر کی پوشاک	
سُنْدُسٍ باریک ریشم	خُضْرٌ سبز	وَّاِسْتَبْرَقٌ اور دبیز ریشم (اطلس)	وَّحُلُّوْٓا اور انہیں پہنائیں جائیں گے	اَسَاوِرَ کنگن	مِنْ فِضَّةٍ چاندی کے	
وَسَقٰىهُمْ اور انہیں پلائیگا	رَبُّهُمْ ان کا رب	شَرَابًا ایک شراب (مشروب)	طَهُوْرًا نہایت پاک	اِنَّ هٰذَا بیشک یہ	كَانَ ہے	لَكُمْ تمہاری
جَزَآءً جزا	وَّكَانَ اور ہوئی	سَعْيُكُمْ تمہاری سعی	مَّشْكُوْرًا مشکور (مقبول)			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ جو کچھ نعمتیں جنت کی بیان ہوئیں کچھ اس پر موقوف نہیں۔ جنت کا کیا حال کہا جائے۔ کوئی دیکھے تو معلوم ہو کہ کیسی عظیم الشان نعمت اور کتنی بھاری بادشاہت ہے جو ادنیٰ ترین جنتی کو نصیب ہوگی۔ دیکھنے والا جنت میں نظر کرے گا تو ایسی عظیم الشان نعمتیں اور ایسی زبردست سلطنت اور ایسے شاہانہ تجملات وتکلفات دیکھے گا کہ جو دنیا میں بڑے سے بڑے بادشاہوں کو بھی وہاں کا لاکھواں حصہ بھی نصیب نہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ کمترین مرتبہ والا جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغات کو بیویوں اور خادموں کو اور اپنے سامان عیش وعشرت کو ہزار برس اور ایک روایت میں دو ہزار برس ہے کی راہ مسافت سے دیکھے گا اور اس کو اپنی سلطنت کی حدود کا آخری کنارہ اس طرح نظر آئے گا جس طرح قریب ترین حصہ نظر آئے گا یعنی دور ونزدیک یکساں معلوم ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ سب سے آخر میں جو جہنم میں سے نکالا جائے گا اور جنت میں بھیجا جائے گا اس سے جناب باری تعالیٰ فرمائیں گے جا میں نے تجھے جنت میں وہ دیا جو مثل دنیا کے ہے بلکہ اس سے بھی دس حصہ زیادہ دیا۔ اللہ اکبر! یہ حال تو ہے ادنیٰ ترین جنتی کا پھر اعلیٰ ترین جنتی کا کیا درجہ ہوگا! اے کریم رب! اپنے کرم سے ہم کو بھی اپنی جنتوں کی نعمتوں سے سرفراز فرمایئے گا۔ گو ہمارے اعمال ایسے نہ ہوں مگر ہمارا ایمان ہے کہ آپ کی رحمت اعمال ہی پر موقوف نہیں۔ آمین۔

آیت وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا کے شان نزول کے سلسلہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ سرور کائنات فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور آپ کے جسم مبارک پر چٹائی کے تمام نشانات پڑ گئے ہیں۔ جسم کی یہ حالت دیکھ کر حضرت عمرؓ کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پڑی تو آپ نے پوچھا کہ یکا یک اس طرح رونے اور رنج کرنے کی کیا وجہ ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہؐ شاہ فارس اور شاہ روم کی طرف خیال چلا گیا تھا کہ وہ دنیاوی بادشاہ ہو کر کیسی کیسی نعمتوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپ حبیب خدا اور اشرف الانبیاء ہو کر چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی کپڑا تک بھی نہیں اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ ان کی فانی نعمتیں

دنیا ہی کے لئے ہوں اور ہماری دائمی نعمتیں اللہ تعالیٰ آخرت کے لئے ذخیرہ فرمائے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَاِذَا رَاَیْتَ نازل فرمائی یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم جنت کی جس جگہ نظر ڈالو تمہیں نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی سلطنت نظر آئے گی۔تم دیکھو گے کہ راحت و سرور نعمت ونور سے جنت کا چپہ چپہ معمور ہے۔اہل جنت کی سیر وتفریح کے واسطے ہوائی سواریاں اور تخت ہوں گے جو ایک ساعت میں ایک ماہ کا راستہ طے کرتے ہوں گے۔جنت میں ایسے قبے۔برج اور بنگلے ہوں گے جو ایک ہی یاقوت یا موتی یا زمرد یا دیگر جواہرات سے رنگ برنگ بنے ہوں گے۔جنت کی سب سے افضل و بہتر نعمت دیدار الٰہی ہے۔دیدار الٰہی سے مشرف ہونے کی حیثیت سے اہل جنت چار قسم کے ہوں گے۔ایک تو وہ جو سال بھر میں ایک مرتبہ۔دوسرے وہ جو ہر جمعہ کو۔تیسرے وہ جو دن میں دو دفعہ مشرف ہوں گے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صبح اور عصر کی نماز نہایت خشوع وخضوع سے پڑھنے سے اس دیدار میں بڑی مدد ملتی ہے۔چوتھی جماعت اخص الخاص ہر وقت بارگاہ الٰہی میں حاضر رہیں گے۔اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم وفضل سے اپنے دیدار کی نعمت عظمٰی سے ہم کو بھی مشرف فرمائیں۔آمین۔آگے اہل جنت کی پوشاک کا حال بیان فرمایا جاتا ہے کہ وہ سبز ہرے رنگ کا چمکدار ریشم ہوگا اور بیش بہا اور گرانقدر دبیز ریشم کا بھی ہوگا گویا جنتی کو جو لباس مرغوب ہوں گے اسی قسم کے شاہانہ لباس ان کو ملیں گے۔ساتھ ہی چاندی کے کنگن ہاتھوں میں ہوں گے۔یہاں آیت میں فرمایا گیا وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ (اور ان کو پہنائے جائیں گے چاندی کے کنگن) اور سورہ کہف پندرہویں پارہ میں فرمایا گیا یحلون فیھا من اساور من ذھب (پہنائے جائیں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے)۔تو دراصل کنگن یا ریشمی کپڑے اور اسی طرح جنت کی تمام نعمتوں کی خاص کیفیت اور اصل حقیقت ہم دنیا میں سمجھ نہیں سکتے کیونکہ ہماری محسوسات کی دنیا میں اس عالم آخرت کی کوئی پوری مثال موجود نہیں رہا یہ کہ یہاں چاندی کے کنگن فرمائے اور سورہ کہف میں سونے کے تو علما نے لکھا ہے کہ کسی کو چاندی کے ملیں گے اور کسی کو سونے کے مثلاً ابرار کو چاندی کے اور مقربین کو سونے کے یا کبھی چاندی کے ملیں اور کبھی سونے کے یا کسی کو ایک وقت چاندی کے پہنائے جائیں دوسرے وقت سونے کے۔اب یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے کہ زیور عورتوں کے لئے زینت ہے۔مردوں کے لئے معیوب ہے پھر جنت میں کنگن پہنانے کی کیا وجہ؟ اس کے جواب میں علما کے چند اقوال ہیں۔ایک یہ کہ ہر وطن کا مقتضا جدا ہے۔دنیا میں کسی امر کا عیب ہونا آخرت میں عیب ہونے کو لازم نہیں۔دوسرے یہ کہ مشرقی ممالک میں قدیم رواج ہے کہ سردار کے ہاتھ میں چاندی یا سونے کا کڑا یا کنگن ڈالا جاتا ہے کہ چاندی سونا اس کے ہاتھ میں ہے گویا یہ سرداری کی علامت ہے جیسا کہ موجودہ مغربی ملکوں میں تمغہ اور میڈل۔پس اسی قسم کا یہ بھی جنت میں ان کی سرداری و بادشاہی کا تمغہ ہوگا۔تیسرے یہ کہ دراصل یہ چاندی اور سونے کا زیور جنت کی عورتوں اور خادموں کو پہنایا جائے گا مگر لفظ میں جانب تذکیر کو غلبہ دے کر مذکر کے صیغے اس لئے لائے گئے کہ ان کی عورتوں اور خادموں کو پہنانا انہیں کی خوشنودی کا باعث ہے تو گویا ان کو ہی پہنایا گیا۔چوتھے یہ کہ یہ کنایہ ہے ان کے ان انوار و برکات سے جو دنیا میں انہوں نے ان متبرک ہاتھوں سے نیک اعمال کئے تھے۔یہ ان کی روشنی اور نور ہوگا جو ہاتھ میں کنگن معلوم ہوگا۔واللہ اعلم بالصواب۔

ابرار کی دنیا میں ایک ایک نیک صفت آخرت میں ایک ایک نعمت بن کر ان کے سامنے آئے گی۔اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جنت کی ان دائمی نعمتوں سے ہم سب کو بھی نوازیں۔آمین۔اب آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے حق تعالیٰ اپنا خاص کرم جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمایا یعنی یہ قرآن کریم بتدریج تھوڑا تھوڑا نازل کر کے آپ پر بھیجا اس کو یاد دلاتے ہیں اور اس اکرام کی شکر گذاری کی ہدایت فرماتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿٢٤﴾

ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے۔ سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر مستقل رہیے اور ان میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ

اور اپنے پروردگار کا صبح و شام نام لیا کیجئے۔ اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے اور رات کے بڑے حصہ میں اس کی تسبیح کیا کیجئے۔ یہ لوگ

هٰٓؤُلَاۗءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَاۗءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ

دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے

اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿٢٨﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاۗءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ

اور جب ہم چاہیں ان ہی جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں۔ یہ نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے۔

سَبِيْلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٣٠﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ

اور بدوں خدا کے چاہے تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے۔ وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔

فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣١﴾

اور ظالموں کیلئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ بیشک ہم	نَزَّلْنَا ہم نے نازل کیا	عَلَيْكَ آپ پر	الْقُرْاٰنَ قرآن	تَنْزِيْلًا بتدریج	فَاصْبِرْ پس صبر کریں	لِحُكْمِ رَبِّكَ اپنے رب کے حکم کیلئے
وَلَا تُطِعْ اور آپ کہا نہ مانیں	مِنْهُمْ ان میں سے	اٰثِمًا کسی گنہگار	اَوْ كَفُوْرًا یا ناشکرے کا	وَاذْكُرِ اور آپ یاد کریں	اسْمَ رَبِّكَ اپنے رب کا نام	
بُكْرَةً صبح	وَّاَصِيْلًا اور شام	وَمِنَ اور سے (کسی حصہ میں)	الَّيْلِ رات	فَاسْجُدْ پس آپ سجدہ کریں	لَهٗ اس کو	وَسَبِّحْهُ اور اسکی پاکیزگی بیان کریں
لَيْلًا طَوِيْلًا رات کا بڑا حصہ	اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ بیشک یہ (منکر) لوگ	يُحِبُّوْنَ وہ دوست رکھتے ہیں	الْعَاجِلَةَ دنیا	وَيَذَرُوْنَ اور چھوڑ دیتے ہیں		
وَرَاۗءَهُمْ اپنے پیچھے	يَوْمًا ایک دن	ثَقِيْلًا بھاری	نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ ہم نے انہیں پیدا کیا	وَشَدَدْنَآ اور ہم نے مضبوط کئے	اَسْرَهُمْ انکے جوڑے	
وَاِذَا شِئْنَا اور جب ہم چاہیں	بَدَّلْنَآ ہم بدل دیں	اَمْثَالَهُمْ ان جیسے لوگ	تَبْدِيْلًا بدل کر	اِنَّ هٰذِهٖ بیشک یہ	تَذْكِرَةٌ نصیحت	فَمَنْ شَاۗءَ پس جو چاہے
اتَّخَذَ اختیار کرے	اِلٰى رَبِّهٖ اپنے رب کی طرف	سَبِيْلًا راہ	وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اور تم نہیں چاہو گے	اِلَّآ سوائے	اَنْ جو	يَّشَاۗءَ اللّٰهُ اللہ چاہے
اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	كَانَ ہے	عَلِيْمًا جاننے والا	حَكِيْمًا حکمت والا	يُّدْخِلُ وہ داخل کرتا ہے	مَنْ يَّشَاۗءُ وہ جسے چاہے	فِيْ رَحْمَتِهٖ اپنی رحمت میں
وَالظّٰلِمِيْنَ اور (رہے) ظالم	اَعَدَّ لَهُمْ اس نے تیار کیا ہے ان کیلئے	عَذَابًا اَلِيْمًا دردناک عذاب				

تفسیر وتشریح: قرآن کریم میں جو جنت کی نعمتیں بیان ہوئیں اور وہاں کے عیش ونشاط اور حیات جاودانی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور اہل مکہ کو ان آیات کا سنانا شروع کیا تو کفار مکہ جنت کی عیش وعشرت کا مضمون سن کر آپس میں یہ مشورہ کرنے لگے کہ اس شخص کو

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نعمت و راحت وعیش کی لذت پیدا ہوئی ہے اسی واسطے بار بار انہی جنت کی لذتوں کا ذکر کرتے ہیں اور لوگوں کو انہی لذتوں اور راحتوں کا وعدہ دلا کر آبائی دین سے پھیرتے ہیں تو آؤ انہی لذتوں اور راحتوں کی طمع اور لالچ دے کر ان کو اس کام سے باز رکھیں اور دنیوی لالچ دے کر دعوت وتبلیغ کے کام سے روکیں۔ یہ مشورہ اور تدبیر آپس میں طے کر کے، دو سرداروں کو منتخب کیا ایک عتبہ بن ربیعہ اور دوسرا ولید بن مغیرہ اور وہ دونوں سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ سے بہت نزدیکی قرابت رکھتے ہیں اور ہمارا تمہارا گوشت پوست سب ملا ہوا ہے کسی طرح کی جدائی ہماری تمہاری نہیں ہے لیکن خدا کے واسطے ہم تم سے ایک بات کہتے ہیں کہ اگر تم کو خوبصورت عورتوں کا اور دنیا کی نعمتوں کا شوق ہو جیسے عمدہ کھانے۔ پاکیزہ لباس۔ چاندی وسونا اور کم عمر لڑکے خدمت کے واسطے جن کا ذکر بار بار کیا کرتے ہو اور ان چیزوں کی طرف تمہارے دل نے رغبت کی ہو تو بے تکلف ہم سے کہہ دو کہ ہم یہ سب چیزیں مہیا کر دیں چنانچہ عتبہ نے کہا کہ میری ایک بیٹی ہے کہ حسن وجمال میں اس کا ثانی اس شہر میں نہیں وہ لڑکی مع جہیز اور اسباب بے شمار تم کو میں دیتا ہوں اور تمہارے ساتھ اس کا نکاح کئے دیتا ہوں۔ اور ولید نے کہا کہ میری مالداری کا حال تم کو خوب معلوم ہے کہ مکہ سے طائف تک تمام باغات اور زراعت اور مویشی میرے ہیں۔ اس کے علاوہ موتیوں کی تجارت بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ غوطہ خور میرے نوکر ہیں سو وہ دریا اور سمندر سے عمدہ موتی نکالتے ہیں اور میں شام ومصر کی طرف ان کو بھیجتا ہوں اور اس میں بے انتہا نفع حاصل ہوتا ہے سو میں آدھا اپنا مال اور زر وجواہر تم کو دیتا ہوں لیکن اس شرط سے کہ بت پرستی سے لوگوں کو منع مت کرو اور ہمارے بتوں کی مذمت اور ہمارے بڑوں کی برائی ہر جگہ مت کیا کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کلام سن کر نہایت متحیر ہوئے کہ ان لوگوں نے آیات قرآنی کی تبلیغ کو کس چیز پر محمول کیا جو ایسا سوال مجھ سے کرتے ہیں۔ اب ابھی اس سوچ ہی میں تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیتیں لے کر نازل ہوئے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ہم نے آپ پر یہ قرآن بتدریج تھوڑا تھوڑا نازل کیا ہے تا کہ آپ کا دل مضبوط رہے اور لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنے نیک و بد کو سمجھ لیں اور معلوم کر لیں کہ جنت کن اعمال کی بدولت ملتی ہے۔ اور جو کچھ ہم نے جنت کی نعمتوں اور وہاں کی لذت وراحتوں کا بیان قرآن میں کیا ہے اس کی تبلیغ میں آپ کو کوئی عار محسوس نہ ہو۔ اس واسطے کہ آپ تو اپنے پروردگار کا کلام بیان کرتے ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے کہ اس کے بیان کرنے میں کچھ آپ کی طمع ان چیزوں میں سمجھی جائے اور اگر یہ کافر آپ پر اس بات کی تہمت رکھتے ہیں تو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر برابر جمے رہیئے اور عتبہ اور ولید وغیرہ کفار قریش آپ کو دنیوی لالچ دے کر اور چکنی چپڑی باتیں بنا کر چاہتے ہیں کہ آپ کو فرض تبلیغ و دعوت سے باز رکھیں۔ آپ ان میں سے ہرگز کسی کی بات نہ مانیں کیونکہ کسی گناہ گار فاسق یا ناشکرا کافر کا کہنا ماننے سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ آپ ایسے شریر بدبختوں کی بات پر کان نہ دھریں اور آپ پر جو حرص وطمع کی تہمت رکھتے ہیں اس کو دفع کرنے کے لئے آپ ایک دوسرا کام کریں تا کہ اس کے سبب سے یہ تہمت آپ سے بالکل دور ہو جائے اور ان لوگوں کو یقین ہو جائے کہ آپ دنیا اور اس کی لذتوں اور راحتوں کی طرف ہرگز میل وخواہش نہیں رکھتے اور ان نعمتوں کا ذکر محض تبلیغ قرآن کے لئے کرتے ہیں۔ اور وہ کام یہ ہے کہ صبح وشام یعنی ہمہ وقت اپنے رب کا نام لیا کیجئے۔ سب خرخشوں کا علاج یہی ذکر خدا ہے۔ اور کسی قدر رات کے حصہ میں اس کو سجدہ کیا کیجئے یعنی نماز پڑھا کیجئے اور شب کو تہجد کے علاوہ بہت زیادہ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہئے۔ گویا ان تعلیمات میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ

یہ تمام دن رات سونے اور عیش ونشاط کے لئے نہیں ہیں بلکہ دن رات کا بڑا حصہ یاد اور ذکر الٰہی میں گزرنا چاہئے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نصیحت اور ہدایت قبول نہیں کرتے اس کا سبب حب دنیا ہے۔ یہ تو دنیا اور اس کے لذات و شہوات پر فریفتہ ہیں۔ شب وروز مال وزر زن وفرزند واسباب دنیا کے جمع کرنے میں مصروف ہیں اور انہی چیزوں میں کامیابی حاصل کرنے کی خوش نصیبی اور فوز عظیم جانتے ہیں اور دار آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ دنیا چونکہ جلد ہاتھ آنے والی چیز ہے اسی کو یہ چاہتے ہیں اور قیامت کے دن سے غفلت میں ہیں۔ اس کی کچھ فکر نہیں بلکہ اس کے آنے کا یقین بھی سمجھتے ہیں کہ مرکر جب گل سڑ گئے پھر دوبارہ کون ہم کو ایسا ہی بنا کر کھڑا کر دے گا؟ اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ اول بار بھی اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا اور سب جوڑ وبند درست کئے اور اب بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سلب نہیں ہوگئی وہ جب چاہیں ان کی موجودہ ہستی کو ختم کر کے دوبارہ ایسی ہی ہستی بنا کر کھڑا کر دیں۔ اخیر میں فرمایا گیا کہ کسی پر جبر وزور نہیں۔ قرآن کے ذریعہ نصیحت کر دی گئی۔ آگے ہر ایک کو اختیار ہے جس کا جی چاہے اپنے رب کی خوشنودی تک پہنچنے کا رستہ بنالے۔ مگر حقیقت امر یہ ہے کہ اے انسانو تمہارا چاہنا بھی اللہ کے چاہے بدوں نہیں ہوسکتا۔ جب تک خدا ہی نہ چاہے تمہیں ہدایت کی چاہت نہ ہوگی کیونکہ بندہ کی مشیت اللہ کی مشیت کے تابع ہے اور اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے وہ جانتا ہے کہ کس کی استعداد وقابلیت کس قسم کی ہے اسی کے موافق اس کی مشیت کام کرتی ہے پھر وہ جس کو اپنی مشیت سے راہ راست پر لائے اور جس کو گمراہی میں پڑا چھوڑ دے عین صواب وحکمت ہے۔ جن کی استعداد اچھی ہوگی ان کو نیکی پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے گا۔ مستحقین ہدایت کو وہ ہدایت کی راہیں آسان کر دیتا ہے اور ہدایت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ اور جو اپنے آپ کو مستحق ضلالت بنالیتا ہے اسے وہ ہدایت سے ہٹا دیتا ہے۔

الغرض وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے سایہ میں کرلے اور راہ راست پر کھڑا کر دے اور جسے چاہے بے راہ چلنے دے تو اس کی گمراہی کو کوئی راستی وہدایت سے بدل نہ سکے گا۔ اور اس کے عذاب گناہ گاروں ظالموں اور ناانصافوں کے لئے ہی مخصوص ہے۔

اگر انسان اسی سورۃ مبارکہ کو بغور وتامل دیکھے تو انسان کی ہدایت کے لئے اعتقادیات سے لے کر عملیات تک کامل رہبر ہے جس میں دار آخرت کی ترغیب اور اس جہان کی نعمتیں بیان فرما کر کامل شوق اور بدکاروں اور سرکشوں اور منکروں کو وہاں کے مصائب یاد دلا کر خوف دلایا گیا ہے اور اصول حسنات بھی تعلیم فرمائے گئے۔ انسان اگر اپنے عقل وحواس سے کام لے اور اپنی ابتدا وانتہا کو سوچے اور راہ راست اختیار کرے تو وہ آخرت میں حیات جاودانی اور سلطنت عظیم کا مالک بنے گا اور جس نے اپنی عقل وحواس سے کام نہ لیا اور دنیا کی لذات وشہوات اور لہو ولعب میں غرق رہا اور انبیاء علیہم السلام کا مخالف اور مقابل رہا تو اس کے لئے عذاب الیم تیار رکھا ہے۔

اب ہر شخص خود اپنے متعلق فیصلہ کرلے۔ نیک وبد سب کو سمجھا دیا گیا ہے۔

الحمدللہ کہ سورہ دھر کا بیان ختم ہوا۔ اس کے بعد انشاءاللہ اگلی سورۃ کا بیان ہوگا۔

سورۃ الدھر کے خواص

۱- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

جو آدمی سورۃ الدھر پڑھے تو اللہ تعالیٰ پر اس کی جزا جنت وریشم کی شکل میں دینا لازم ہے۔

۲- ہر قسم کی آفات سے حفاظت کے لئے سورۃ الدھر کو قربانی کے مینڈھے کے چمڑے کے ٹکڑے میں کسی عالم کی قلم دوات سے لکھ لے اور اس پر موم چڑھا دے جو آدمی اسے اپنے پاس رکھے گا وہ ہر قسم کی آفت سے محفوظ رہے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ

قسم ہے اُن ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کیلئے بھیجی جاتی ہیں۔ پھر اُن ہواؤں کی جو تندی سے چلتی ہیں۔ اور اُن ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں۔ پھر ان ہواؤں کی جو بادلوں کو متفرق کر دیتی ہیں۔

ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾

پھر ان ہواؤں کی جو اللہ کی یاد یعنی توبہ کا یا ڈرانے کا القاء کرتی ہیں۔ کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والا ہے۔

وَالْمُرْسَلٰتِ ہواؤں کی قسم	عُرْفًا دل کو خوش کرنیوالی	فَالْعٰصِفٰتِ پھر تند و تیز چلنے والی ہواؤں کی قسم	عَصْفًا شدت سے	وَالنّٰشِرٰتِ بادل اٹھا کر لانیوالی ہواؤں کی قسم		
نَشْرًا پھیلانیوالی	فَالْفٰرِقٰتِ پھر پھاڑنیوالی ہواؤں کی قسم	فَرْقًا بانٹ کر	فَالْمُلْقِيٰتِ پھر اُلٹا کرنیوالے فرشتوں کی قسم	ذِكْرًا ذکر وحی	عُذْرًا حجت تمام کرنے کو	
اَوْ نُذْرًا یا ڈرانے کو	اِنَّمَا بیشک جو	تُوْعَدُوْنَ تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے	لَوَاقِعٌ ضرور ہونے والا			

تفسیر و تشریح: سورۃ کی ابتدا قسمیہ کلام سے فرمائی گئی اور یہاں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا گیا اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے۔ مراد قیامت و آخرت ہے۔ یہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ قسم سے تاکید مقصود ہوتی ہے۔ اہل عرب کا دستور تھا اور اب بھی ہے کہ جس وقت کسی امر کی تاکید کا ارادہ کرتے ہیں تو اس وقت قسم کھایا کرتے ہیں۔ چونکہ قرآن کا نزول اہل عرب کی زبان میں ہوا ہے اس لئے قرآن میں بھی قسمیں کھائی گئیں تاکہ اہل عرب کی فصاحت و بلاغت کی کوئی قسم قرآن پاک میں رہنے نہ پائے۔ تو حق تعالیٰ نے یہاں روز جزا کے واقع ہونے پر پانچ قسمیں کھائیں تاکہ حد درجہ کی تاکید ثابت ہو کہ بندوں پر حجت پوری ہو جائے۔ پہلی قسم یہ کھائی گئی وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں دوسری قسم کھائی گئی فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا پھر قسم ہے ان ہواؤں کی جو تندی سے چلتی ہیں جس سے مراد آندھیاں۔ طوفان۔ اور سخت ہوائیں ہیں جن سے انقلاب عظیم پیدا ہوتے ہیں مثلاً دریا میں طوفان ہوتا ہے۔ کشتیاں و جہاز ڈوب جاتے ہیں۔ درخت جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں۔ گھر کی چھتیں اڑ جاتی ہیں۔ تو ان دونوں قسموں میں جواب قسم یعنی قیامت و آخرت سے نہایت مناسبت ہے اور وہ اس طرح اول ہوا نرم و خوشگوار چلتی ہے جس سے مخلوق کی بہت سی توقعات اور منافع وابستہ ہوتے ہیں پھر بعد میں وہی ہوا ایک تند آندھی اور طوفانی جھکڑ کی شکل اختیار کر کے وہ خرابی اور غضب ڈھاتی ہے کہ لوگ بلبلا اٹھتے ہیں۔ یہی مثال دنیا و آخرت کی سمجھو۔ کتنے ہی کام ہیں جن کو لوگ فی الحال مفید اور نافع تصور کرتے ہیں اور ان پر بڑی بڑی امیدیں باندھتے ہیں لیکن وہی کام جب قیامت کے دن اپنی اصلی اور سخت ترین صورت میں ظاہر ہوں گے تو لوگ پناہ مانگنے لگیں گے۔ آگے تیسری قسم یہ کھائی گئی وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا اور قسم ان ہواؤں کی جو بادلوں کو اٹھا کر پھیلاتی ہیں جس کے بعد بارش ہونے لگتی ہے۔ چوتھی قسم یہ کھائی گئی فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا پھر قسم ان ہواؤں کی جو بادلوں کو متفرق کر دیتی ہیں جیسا بارش کے بعد ہوتا ہے کہ ہوائیں بادلوں کو پھاڑ کر ادھر ادھر متفرق کر دیتی ہیں۔ ہوا کی عام خاصیت یہ ہے کہ اشیاء کی کیفیات مثلاً خوشبو۔ بد بو وغیرہ کو پھیلائے۔ ان کے لطیف اجزا کو جدا کر کے لے اڑے اور ایک چیز کو اٹھا کر دوسری چیز سے جا ملائے۔ غرض یہ جمع و تفریق جو ہوا کا خاصہ ہے ایک نمونہ ہے آخرت کا جہاں حشر و نشر کے بعد لوگ جدا کئے

جا میں گے اور ایک جگہ جمع ہونے کے بعد الگ الگ ٹھکانوں پر پہنچا دیئے جائیں گے۔ پانچویں قسم یہ کھائی فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا پھر قسم ان ہواؤں کی جو دل میں اللہ کی یاد یعنی توبہ کا یا ڈرانے کا القا کرتی ہیں یعنی یہ ہوائیں اللہ کی طرف متوجہ ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہیں اور وہ توجہ دو طور سے ہوتی ہے ایک خوف سے جب کہ ان ہواؤں سے آثار خوف کے نمایاں ہوں اور دوسرا توبہ و معذرت سے کہ اگر ہوائیں نفع بخش ہوں تب تو خدا کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کا شکر اور اپنی تقصیرات سے عذر کرتے ہیں اور اگر وہ ہوائیں خوفناک ہوں تو خدا کے غضب سے ڈر کر اپنے معاصی سے توبہ کرتے ہیں۔

یہاں اس تشریح میں جمہور مفسرین کے اقوال کے مطابق المرسلٰت . العٰصفٰت . النّٰشرٰت. الفٰرقٰت. الملقیٰت. پانچوں کا مصداق ہواؤں کو ٹھہرایا ہے۔ بعض مفسرین نے فرشتوں کو اور بعض مفسرین نے پیغمبروں کو اور بعض مفسرین نے پہلی چار سے ہوائیں مراد لی ہیں اور پانچویں سے فرشتے۔ ان پانچوں قسموں کی تشریح میں اور بھی مفسرین کے اقوال ہیں۔ لیکن جمہور مفسرین کا قول جو یہاں اختیار کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد ہوائیں ہیں۔ آگے جو بات کہ ان مذکورہ پانچ قسموں کے بعد کہی جاتی ہے وہ یہ کہ اے انسانو! جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے یعنی قیامت کا آخرت کے حساب کتاب اور جزا و سزا کا وعدہ ضرور پورا ہونے والا ہے۔

اب آگے اس قیامت کے دن کے بعض احوال اور کیفیات ظاہر فرمائی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قیامت و آخرت کا یقین کامل نصیب فرمائیں۔ اور اس دنیا کی زندگی میں آخرت کا سامان جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ آج زندگی میں ہمیں ان اعمال کی توفیق عطا فرما دیجئے کہ جو آخرت میں آپ کی رضا کا باعث ہوں اور ان اعمال سے ہمیں بچا لیجئے کہ جو آپ کی ناراضگی کا باعث ہوں۔

یا اللہ آخرت کی طرف سے غفلت ہمارے دلوں سے دور فرما دیجئے اور ہم کو ہمہ وقت اور ہمہ آن آخرت کا فکر نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! نجات آخرت اور حصول جنت تو محض آپ کے فضل و کرم ہی سے نصیب ہوگی نہ کہ اعمال کے بل بوتہ پر۔ اور اعمال صالحہ کی توفیق بھی یا اللہ آپ ہی کی تائید سے حاصل ہوگی

یا اللہ! ہمیں اپنے کرم و رحم سے اپنی گرفت اور عذاب سے بچا لے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ہماری عیوب اور خطاؤں کی ستاری فرما کر ان سے درگذر فرمائیے اور آخرت میں اپنی رضا نصیب فرما کر ہماری نجات فرمائیے۔ اور اپنی دائمی جنت میں پہنچنا نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ﴿٨﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ﴿٩﴾ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ ﴿١١﴾

سو جب ستارے بے نور ہو جاویں گے۔ اور جب آسمان پھٹ جاوے گا۔ اور جب پہاڑ اڑتے پھریں گے۔ اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کئے جاویں گے

لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ﴿١٢﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿١٣﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿١٤﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

کس دن کے لئے پیغمبروں کا معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے۔ فیصلہ کے دن کیلئے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے۔ اس روز

لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٥﴾

جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

فَإِذَا پس جب	النُّجُومُ طُمِسَتْ ستارے مٹائے جائیں، بے نور ہو جائیں	وَإِذَا اور جب	السَّمَاءُ آسمان	فُرِجَتْ پھٹ جائے	وَإِذَا الْجِبَالُ اور جب پہاڑ
نُسِفَتْ اڑتے پھریں	وَإِذَا الرُّسُلُ اور جب رسول (جمع)	أُقِّتَتْ وقت پر جمع کئے جائیں گے	لِأَيِّ يَوْمٍ کس دن کیلئے	أُجِّلَتْ ملتوی رکھا گیا ہے	
لِيَوْمِ الْفَصْلِ فیصلے کے دن کیلئے	وَمَا أَدْرَاكَ اور تم کیا سمجھے؟	مَا يَوْمُ الْفَصْلِ کیا ہے فیصلے کا دن؟	وَيْلٌ خرابی ہے		
يَوْمَئِذٍ اس دن	لِلْمُكَذِّبِينَ جھٹلانیوالوں کیلئے				

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں اس سورۃ کی ابتدا بغرض تاکید و یقین دہانی قسمیہ کلام سے فرمائی گئی تھی اور جواب قسم میں فرمایا گیا تھا کہ جس قیامت کا اے انسانو تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ جس دن کہ تم سب کے سب اولین و آخرین دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اور ایک چٹیل میدان میں تم سب جمع کر دیئے جاؤ گے اور اپنے اپنے کئے کا پھل پاؤ گے۔ نیکی کی جزا بدی کی سزا۔ یہ وعدہ یقیناً حق ہے اور وہ یوم قیامت ضرور ہو کر رہنے والا اور لازمی طور پر آنے والا ہے۔

اب آگے اس یوم قیامت کی کچھ کیفیت اور بعض حالات بیان کئے جاتے ہیں اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب وہ یوم قیامت ہوگا اور اول مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو اس کے اثر سے ستارے بے نور ہو جاویں گے اور جیسا کہ ۳۰ ویں پارہ سورہ تکویر میں فرمایا وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے یا جیسا کہ ۳۰ ویں پارہ سورہ انفطار میں فرمایا گیا واذا الکواکب انتثرت اور جب ستارے ٹوٹ کر جھڑ پڑیں گے۔ یہ تو قیامت کی ایک علامت تھی۔ دوسری علامت فرمائی کہ جب آسمان پھٹ جائے گا اور پھٹنے کی وجہ سے ان میں شگاف اور جھروکے نظر آنے لگیں گے۔ تیسری علامت فرمائی اور جب پہاڑ اڑتے پھریں گے۔ قیامت کے دن جو دنیا کے پہاڑوں پر گذرے گا اس کا ذکر قرآن پاک میں متعدد جگہ متعدد الفاظ میں ہوا ہے اور ان سب کی مطابقت اس طور پر ہے کہ اول زلزلہ عظیم کے سبب پہاڑ آپس میں ٹکرا کر چورا چورا ہو جاویں گے۔ پھر اس چورا ہونے کے بعد ریزہ ریزہ ہو جاویں گے۔ پھر ہوا کی شدت سے ان کا غبار بادلوں کی طرح اڑتا پھرے گا۔ اور اس اڑنے میں پہاڑوں کی رنگتوں کے سبب ایک رنگت سرخی نما معلوم ہوگی۔ پھر زمین پہاڑوں سے صاف ہو جاوے گی اور زمین ہموار بغیر اونچ نیچ کے رہ جائے گی اور یہ سب اول مرتبہ کے صور پھونکے جانے کے بعد ہوگا یہاں تک کہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ اس کے بعد جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے تو اللہ تعالیٰ ایک نئی زمین اور نیا آسمان پیدا فرمائیں گے اور تمام اولین و آخرین بنی آدم زندہ کر کے حساب کتاب کے لئے میدان حشر میں جمع کیے جاویں گے۔ اس وقت کے حالات میں سے یہاں بتلایا جاتا ہے وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کئے جاویں گے تا کہ باری باری ہر ایک پیغمبر اپنے وقت مقررہ پر اپنی اپنی امت کے

ساتھ رب العزت کی سب سے بڑی پیشی میں حاضر ہوں اور اپنی اپنی امت کے متعلق شہادت پیش کریں لکھا ہے کہ میدان حشر میں کفار و مشرکین اول اپنے کفر و شرک سے صاف انکار کردیں گے کہ ہم نے ہرگز شرک نہیں کیا۔ پھر طرح طرح کے عذر پیش کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم احکام الٰہی کے جاننے سے بالکل بے خبر تھے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ میں نے اپنے پیغمبروں کو احکام دے کر بھیجا۔ انہوں نے میرے احکام کو نہایت امانت داری کے ساتھ پہنچایا۔ تم نے کیوں غفلت کی اور احکام کو کیوں نہیں تسلیم کیا۔ جواب میں کفار و مشرکین کہیں گے نہ تو ہمارے پاس کوئی پیغمبر آیا اور نہ کوئی حکم پہنچا۔ پس اول نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے سامنے پیش کیا جائے گا آپ ارشاد فرمائیں گے کہ اے جھوٹو۔ اے حق سے منہ موڑنے والو۔ کیا تم کو یاد نہیں کہ میں نے تم کو ساڑھے نو سو ۹۵۰ برس کی مدت دراز تک طرح طرح کے واعظ سنا کر عذاب الٰہی سے ڈرایا احکام الٰہی پہنچائے۔ کتنی محنت و کوشش کی۔ علانیہ و پوشیدہ ہر طرح پر خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کے اثبات میں کس قدر کوشش و جانفشانی کی۔ کھلی دلیلوں اور معجزوں سے ان کو ثابت کیا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ فلاں مجلس میں میں نے تم سے اس طرح کہا تھا اور تم نے ایسا جواب دیا تھا۔ اسی طرح اپنی تبلیغ اور ان کے انکار کے دیگر قصص یاد دلائیں گے مگر وہ صاف مکر جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو تمہیں جانتے بھی نہیں اور نہ کبھی تم سے کوئی خدائی حکم سنا۔ اس پر حق تعالےٰ کی طرف سے ارشاد فرمایا جائے گا کہ اے نوح اپنی تبلیغ رسالت کے گواہ پیش کرو۔ آپ عرض کریں گے۔ میرے گواہ اتباع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پس اس امت مسلمہ کے علماء صدیقین۔ شہداء حاضر کردیئے جائیں گے۔ وہ عرض کریں گے۔ ہاں ہم ان کے گواہ ہیں بے شک آپ نے ان کو رسول بنا کر تبلیغ احکام کے لئے اس قوم کے پاس بھیجا تھا۔ ہماری دلیل یہ قرآنی ارشاد ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا امت نوح کے کافر کہیں گے کہ نہ تو تم ہمارے زمانہ میں تھے۔ نہ تم نے ہماری حالت دیکھی۔ نہ ہماری گفتگو سنی۔ پھر تمہاری شہادت ہمارے مقدمہ میں کیوں کر قابل سماعت ہوسکتا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے کہ جو کچھ میری امت نے کہا وہ بالکل بجا اور درست ہے کیوں کہ ان کو اس حقیقت حال کا ثبوت دنیا میں بذریعہ خبر الٰہی جو معائنہ و مشاہدے سے کہیں قوی ہے پہنچا ہے۔ تب جا کر یہ کافر ساکت ہو کر ملزم قرار پائیں گے۔ ان کے بعد اسی طرح حضرت ہودؑ۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت شعیبؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ وغیرہ علیہم السلام کی امتیں بالترتیب مقابلہ و مباحثہ کر کے بالآخر قائل ہو جائیں گی اور ملزم قرار پائیں گی۔ پھر کفار عذر و معذرت کریں گے اور دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی درخواست کریں گے لیکن بارگاہ ایزدی سے جواباً ارشاد ہوگا کہ تمہارا عذر قابل سماعت نہیں۔ جو سمجھانے کا حق تھا وہ ادا ہو چکا۔ تم کو ہم نے مدت دراز تک فرصت دی تھی اب دنیا میں واپس جانا ناممکن ہے۔ اخیر میں حضرت آدم کو حکم ہوگا کہ اپنی اولاد میں سے دوزخیوں کا گروہ علیحدہ کردو۔ آپ عرض کریں گے کس حساب سے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ فی ہزار ایک آدمی جنت کے لئے اور ۹۹۹ دوزخ کے واسطے اس وقت میدان حشر میں ایسی ہل چل ہوگی کہ بیان سے باہر ہے۔ بخاری اور مسلم کی صحیح حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کو دوزخیوں کو علیحدہ کرنے اور ایک ہزار میں سے ۹۹۹ دوزخ میں جانے والی حدیث بیان فرمائی تو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ ایک جو ہزار میں سے جنت میں جائے گا ہم میں سے کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا خوش ہو جاؤ کہ ایک شخص تم میں سے ہوگا اور ہزار یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار میں سے ۹۹۹ جہنم میں جانے کی تعداد کا ذکر اور بھی مسلم کی ایک صحیح حدیث میں آیا ہے۔ اس حدیث کی شرح میں بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ان ۹۹۹ فی ہزار میں سے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوگی جو اگرچہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اول دوزخ کے قابل ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے یا شافعین کی سفارش سے بعد میں وہ نجات پا جائیں گے اور جہنم سے نکال لئے جائیں گے۔ اے اللہ اپنے کرم سے ہم کو اس ۹۹۹ کے گروہ میں شامل ہونے سے بچا لیجئے۔ آمین۔ یہ بیان آیت وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ (اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کئے جاویں گے اور اس وقت سب کا فیصلہ ہوگا) سے متعلق تھا۔ ذکر یوم قیامت کا ہو رہا

تھا کہ جب ستارے بے نور ہو جاویں گے اور جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑتے پھریں گے اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع ہو جاویں گے اس وقت سب کا فیصلہ ہوگا اور جن لوگوں نے اپنے پیغمبر کے پیغام کو قبول کر کے اس کے موافق عمل کیا تھا وہ جدا ہو جاویں گے ان لوگوں سے جنہوں نے اپنے رسول کے کہنے کو نہ مانا تھا اور نہ اس پر عمل کیا تھا۔ غرض کہ جو جس لائق ہے اور جس چیز کا مستحق ہے ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے گا۔

اب آگے جیسا کہ ایک خطیب اپنی دوران تقریر میں جوش اور اثر کے موقع پر خطیبانہ سوال کر بیٹھتا ہے اسی طرح یہاں سوال کیا جاتا ہے کہ جانتے ہو؟ ان امور کو کس دن کے لئے اٹھا رکھا ہے؟ پھر خود ہی ارشاد ہوتا ہے اس دن کے لئے جس میں ہر بات کا بالکل آخری اور دوٹوک فیصلہ ہو گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ چاہتے تو اسی دنیا میں ہاتھوں ہاتھ ہر چیز کا فیصلہ کر دیتے لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں ہوئی کہ ایسا کیا جائے بلکہ معاملہ کو فیصلہ کے دن کے لئے ملتوی رکھا جائے اور وہ فیصلہ کا دن کیا چیز ہے؟ بس یہ سمجھ لو کہ جھٹلانے والوں کو اس روز سخت تباہی اور مصیبت کا سامنا ہوگا کیوں کہ جس چیز کی انہیں امید نہ تھی جب وہ یکا یک اپنی ہولناک صورت میں آ پہنچے گی تو ہوش پراگندہ ہو جائیں گے اور حیرت و ندامت سے حواس باختہ ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ اے منکرین و مکذبین قیامت تمہاری سمجھ میں آوے یا نہ آوے وہ دن ضرور آنے والا ہے۔ جس میں وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ہے یعنی اس روز جھٹلانے والوں کو بڑی خرابی ہوگی۔

اس سورۃ میں یہ جملہ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی) دس ۱۰ جگہ ارشاد ہوا ہے چونکہ ان منکرین قیامت کو دس ۱۰ وجہ سے اس روز مصیبت و سختی پیش آئے گی تو ہر ایک وجہ کے لئے اس کلام وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کا اعادہ کیا گیا۔ پہلی مصیبت اور سختی یہ ہوگی کہ جس چیز کی امید نہ تھی وہ یکا یک آن پہنچی اور اس کے آنے سے مدہوش اور متحیر ہو جاویں گے اور یہ پہلی سختی ہر ایک قیامت کے منکر کو قیامت آنے کے وقت لازمی ہے۔ اس کے بعد مزید ۹ سختیاں اور ان کے اسباب کی طرف اگلی آیات میں ختم سورۃ تک اشارہ ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں اور آئندہ درسوں میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قیامت پر ایمان کامل اور یقین صادق نصیب فرمائیں اور اس دن کے لئے اس دنیا کی زندگی میں تیاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے کرم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع اور متبع گروہ میں شامل فرمائیں اور نافرمانوں کے گروہ سے علیحدہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کی جملہ سختیوں سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھیں اور اس دن ہر چھوٹی بڑی سختی سے ہم کو بچاویں۔

یا اللہ! یوم قیامت کی تکذیب تو عقیدۃً کفار و مشرکین ہی کرتے ہیں مگر اب امت مسلمہ کے بعض افراد سے بھی یہ جرم ثابت ہو رہا ہے۔ اور قیامت و آخرت سے بالکل بے نیاز اور لاپرواہ ہو کر ان جرائم اور معاصی کے مرتکب ہو رہے ہیں جن کی سزا جہنم بتلائی گئی ہے

یا اللہ! عذاب آخرت سے نڈر ہو کر گناہوں کی دیدہ دلیری سے جرأت کرنا یہ ایک مومن کا کام تو ہے نہیں۔ یا اللہ قیامت کے ذلت اور رسوائی سے ہر مسلمان کو بچالے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾

کیا ہم اگلے لوگوں کو ہلاک نہیں کر چکے۔ پھر پچھلوں کو بھی انہیں کے ساتھ ساتھ کر دیں گے۔ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ

اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی سے نہیں بنایا۔ پھر ہم نے اس کو ایک وقت مقرر تک ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔

مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾

غرض ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا۔ سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

اَلَمْ نُهْلِكِ کیا ہم نے ہلاک نہیں کیا؟	الْاَوَّلِيْنَ پہلے لوگوں کو	ثُمَّ نُتْبِعُهُمْ پھر ہم انکے پیچھے چلاتے ہیں	الْاٰخِرِيْنَ پچھلوں کو
كَذٰلِكَ اسی طرح	نَفْعَلُ ہم کرتے ہیں	بِالْمُجْرِمِيْنَ مجرموں کیساتھ	وَيْلٌ خرابی
يَوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے	اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ کیا ہم نے نہیں پیدا کیا تمہیں؟	مِّنْ مَّآءٍ پانی سے
مَّهِيْنٍ حقیر	فَجَعَلْنٰهُ پھر ہم نے اسے رکھا	فِيْ میں	قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ایک محفوظ جگہ
اِلٰى تک	قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ وقت معین	فَقَدَرْنَا پھر ہم نے اندازہ کیا	فَنِعْمَ تو کیسا اچھا
الْقٰدِرُوْنَ اندازہ کرنیوالے	وَيْلٌ خرابی	يَوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانیوالوں کیلئے

تفسیر و تشریح: اس سورۃ میں شروع ہی سے قیامت و آخرت کا ذکر ہو رہا ہے۔ پہلے قسمیہ کلام کے ساتھ فرمایا گیا کہ قیامت جس کا وعدہ انسانوں سے کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔ پھر اس یوم قیامت کے کچھ احوال بتلائے گئے کہ وہ کیسا سخت اور ہولناک دن ہوگا کہ چاند۔ سورج۔ ستارے۔ زمین۔ آسمان سب درہم برہم ہو کر ختم ہو جائیں گے۔ اور پھر جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا سب اوّلین و آخرین دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے اور میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے اور دنیا کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دیئے جائیں گے۔ اور منکرین قیامت جو دنیا کی زندگی میں قیامت کو جھٹلاتے رہے اس دن ان کی پوری کمبختی آئے گی اور ان کو بڑی مصیبت کا سامنا ہوگا۔

اب منکرین قیامت کو جب عذاب جہنم کی وعید اور آخرت میں طرح طرح کے عذاب بھگتنے کے احوال سنائے جاتے تو منکرین قیامت اس پر یقین نہ لاتے اور اپنی کج فہمی کے باعث یوں سمجھتے کہ بھلا اتنی بڑی دنیا کب ختم ہونے والی ہے؟ بھلا کون باور کرے گا کہ سب آدمی بیک وقت مر جائیں گے اور نسل انسانی دنیا سے بالکل نابود ہو جائے گی؟ یہ دوزخ اور عذاب کے ڈراوے سب فرضی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ منکرین کے ان باطل خیالات کا جواب دیا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ پہلے کتنے آدمی مر چکے اور کتنی قومیں اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ و ہلاک کی جا چکی ہیں۔ پھر ان کے پیچھے بھی موت و ہلاکت کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ جب اللہ عزوجل کی قدیم عادت مجرموں کی نسبت معلوم ہو چکی تو سمجھ لو کہ دور حاضر کے کفار کو بھی ان ہی اگلوں کے پیچھے چلتا کر دیا جائے گا۔ جو ہستی الگ الگ زمانوں میں بڑے بڑے مضبوط آدمیوں کو مار سکتی اور طاقتور مجرموں کو پکڑ کر ہلاک کر سکتی ہے وہ اس پر کیوں قادر نہ ہوگی کہ سب مخلوق کو ایک دم میں فنا کر دے اور تمام مجرموں کو بیک وقت عذاب کا مزہ چکھائے۔ اس کے بعد وہی جملہ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ فرمایا یعنی دوسری وجہ آخرت میں قیامت پر سختی کی یہ ہوگی کہ یہ لوگ دنیا میں حق تعالیٰ کو ایسا قادر نہ مانتے تھے کہ جو عام نوع انسان کو ایک وقت میں فنا کر دے اور تمام مجرموں کو بیک وقت گرفتار کر کے سزا دے۔ تو اس جواب میں

کفار قریش کے لئے اس طرف بھی اشارہ تھا کہ اے کفار قریش تم جو اپنی قوت وثروت پر غرور کر کے آسمانی حکم کا مقابلہ کرتے ہو تو کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا جو تم سے بھی زیادہ قوت اور شوکت میں تھے۔ عاد کا حال تم کو معلوم ہے اور ان کے بعد میں اور پچھلوں کو ہلاک کیا گیا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ قوم ثمود کو ہلاک کیا گیا اور قوم لوط کی بستیوں کو الٹ دیا گیا۔ یہ اللہ تعالےٰ کی عادت ہے کہ وہ مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ تو پھر تم کیا ہو جو اس سرکشی اور مقابلہ کی سزا نہ بھگتو گے؟ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ (ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں) یہ بدکار مجرموں کے لئے ایک اعلان ہلاکت ہے۔ جس سے ہر عاقل کو لرزنا چاہئے۔ کوئی بدکار قوم دنیا میں ہلاکت کی سزا سے نہیں بچی اور اب بھی اس کا یہ قانون برابر جاری ہے۔ اب یہ حق تعالےٰ کی مصلحت اور مشیت پر ہے کہ خواہ یہ سزا جلد ہو یا بدیر۔ دارین میں ہو خواہ آخرت میں۔

منکرین قیامت وآخرت کا زیادہ انکار انسان کی آخری حالت پر مبنی تھا کہ آخر انسان مر کر گل سڑ جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اجزائے بدن منتشر ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کا باہم جمع کرنا اور پہلے کی طرح اس قالب میں سیکڑوں ہزاروں برسوں کے بعد جان ڈالنا اور دنیوی زندگی کے تمام حالات افعال واقوال یاد کرانا جیسا کہ قرآن کہتا ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ تو منکرین کے ان خیالات فاسدہ اور عقائد باطلہ کی تردید میں انسان کو اس کی ابتدائی حالت یاد دلائی جاتی ہے کیونکہ ہر انسان اپنی ابتدائی حالت پر تو یقین رکھتا ہی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اے بنی آدم کیا اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلیل۔ بے قدر اور بدبودار پانی یعنی نطفہ سے نہیں بنایا۔ اس کو تو سب مانتے ہیں اور یہ مسلم الثبوت بات ہے کہ انسان کی پیدائش نطفہ سے ہے۔ پھر اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس نطفہ کے ٹھہرنے کی جگہ کو رحم مادر یا عورت کے بچہ دان کو بنایا اور وہاں کیسی حکمت بالغہ سے اس نطفہ پر مختلف حالات اور کیفیات گذرے اور نئی نئی صورتیں پیدا ہوتی رہیں اور اسی میں اعضاء قوی اور دیگر چیزیں نمودار ہوتی رہیں۔ کتب طب وسائنس جدید میں پیٹ کے اندر بچہ پیدا ہونے کے جو حالات اور کیفیات لکھی ہیں ان کے دیکھنے سے عقل دنگ اور حیران ہو جاتی ہے کہ ایک قطرہ منی سے کس طرح خداوند قدوس کی قدرت جیتا جاگتا بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا کرتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث ومفسر دہلویؒ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں اس کی کچھ تفصیل لکھی ہے کہ کس طرح پیٹ کے اندر بچہ بنتا ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے کہ اس سے خدا کی قدرت کا اندازہ لگائیے شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جب رحم یا عورت کی بچہ دانی منی سے پر ہو جاتی ہے تب اس کا منہ بند ہو جاتا ہے پھر کوئی چیز اس کے اندر نہیں جاسکتی تاکہ اس منی کو فاسد نہ کر دیوے۔ پھر اس منی سے جو رحم یعنی بچہ دانی کے اندر جلد سے ملی ہوئی ہوتی ہے اس کو باریک جھلی کی صورت میں کر دیا جاتا ہے تاکہ اس میں رگیں پیدا ہو سکیں اور ان رگوں کے ذریعہ خون کا پہنچنا آسان ہو۔ اور اس جھلی کے اندر ناف سے مثانہ تک ایک پردہ دوسرا اسی طرح کا تن دیا جاتا ہے تاکہ فضلات کو دفع کرتا رہے اور پھر اس کے اندر ایک پردہ اور رطوبات کی محافظت کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اور سورہ زمر ۲۳ ویں پارہ میں فِىْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ یعنی تین اندھیریوں میں جو فرمایا اس سے یعنی مفسرین نے یہی تینوں پردے مراد لئے ہیں۔ اور جو اس منی کا خلاصہ یا جوہر ہوتا ہے وہ بچہ دانی کے اندر کے خانوں میں چپک جاتا ہے اور آہستہ آہستہ جمنا شروع ہوتا ہے اور اس جمنے کے وقت میں اس مکان کی حرارت کے سبب سے جوش بھی مارتا ہے اور اس جوش سے کف نکلتا ہے اور وہ کف اس کے بیچ میں ٹھہرتا ہے۔ وہی دل ہوتا ہے اور یہ کف منی کے رحم میں جانے کے تیسرے دن ظاہر ہوتا ہے پھر چوتھے روز ایک سیاہ نقطہ اس کے اوپر ظاہر ہوتا ہے وہ دماغ ہوتا ہے پھر چھٹے روز ایک نقطہ دوسرا پیدا ہوتا ہے داہنی طرف اس کف کے جس نے بیچ میں قرار پکڑا ہے اور یہ جگر ہوتا ہے سو اس مدت تک کہ اکثر ایک ہفتہ ہوتا ہے اس نطفہ منی کو رغوہ اور کف کہتے ہیں پھر اس ہفتہ کے گزر جانے کے بعد رگوں کے خط کھینچے جاتے ہیں اور اکثر دسویں روز یہ امر واقع ہوتا ہے اور رنگ منی کا اس وقت سرخی پر آتا ہے۔ غرض کہ پندرہویں دن خوب سرخ ہو جاتا ہے پھر اس وقت اس کو علقہ کہتے ہیں یعنی خون جما ہوا اس واسطے کہ سوائے ان تین جھلیوں کے باقی سب سرخ ہو جاتا ہے اور جب ۲۷ واں دن آتا ہے تب وہ خون بستہ سخت ہونے لگتا ہے اور دماغ دونوں کاندھوں سے جدا ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اعضاء کا ڈول پڑنے لگتا ہے یہاں تک کہ ۴۱ ویں دن مختلف اعضا کی صورتیں

نمودار ہو جاتی ہیں پھر اس وقت اعضائے رئیسہ سے اعضاء خادمہ جمتے ہیں اور شریانیں یعنی رگیں جا نکی پیدا ہوتی ہیں اور یہ شرائیں رحم کی شرائیں میں چپک جاتی ہیں اور پھر ۶۵ دن گذر جانے کے بعد خون سے غذا لینا شروع کرتا ہے اور دموی اعضاء جیسے گوشت وغیرہ پیدا ہونا شروع ہوتے ہیں اور اس کے اوردہ یعنی رگ جگر ماں کے اوردہ سے مل کر خون چوسنا شروع کرتے ہیں یہاں تک کہ ۷۳ روز تمام ہونے کے بعد اس کا تمام بدن گوشت اور پوست کی پوشش سے تیار ہو جاتا ہے۔ اس کا منہ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے اور دونوں ہتھلیاں اس کے ہاتھ کی اس کے دونوں زانو پر اور دونوں طرف دونوں پاؤں اور دونوں پاؤں کے درمیان میں سر کو جھکا کے بیٹھتا ہے اور جس قدر روز بڑھتا جاتا ہے اسی قدر بچہ دان بھی کشادہ ہوتا جاتا ہے اور روح طبعی اور حرارت اس کے بڑھانے میں مشغول ہوتی ہے۔ پھر نطفہ کے وقوع سے ۹۰ دن گذرنے کے بعد حیوانی قوتیں اس میں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر جب ۱۰۰ دن پوری ہوتے ہیں تو اس کی حیوانی قوت دماغ کو پہنچتی ہے اور حرکت ارادی ضعیف سی اس میں پیدا ہوتی ہے جس طرح کوئی نقیح یا ضعیف کہ ہلنے ڈلنے کی قوت نہ رکھتا ہو اور پھر ۱۱۰ دن کے بعد اس شخص کے مانند ہوتا ہے جو کچھ جاگتا اور کچھ سوتا ہے یہاں تک کہ ۱۲۰ دن کے بعد قوت حیوانی اس میں کامل ہو جاتی ہے اور جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ تین چلہ گذرنے کے بعد بچہ میں روح آتی ہے اور جان پڑتی ہے سو اسی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ بعد گزرنے ۱۲۰ روز کے روح انسانی اس میں آتی ہے اس واسطے کہ حقیقت میں روح وہی ہے اور پہلے اس کے ایک حیوان تھا دوسرے حیوانوں کی طرح اور جب اس حد سے تجاوز کرتا ہے تو حرکت اس کی پیٹ کے اوپر سے معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ ۷ مہینے میں ہمیشہ اس کے ہلنے ڈلنے کے سبب سے اس کے اعضاء سخت ہو جاتے ہیں اور کچھ قوت پکڑتے ہیں گویا کہ اتنے دنوں اسی سے ورزش اور محنت لیتے تھے۔ پھر بعد اس کے جھلی کے تینوں پردے پھاڑنے پر قادر ہوتا ہے اور اپنی رگوں کو ماں کی رگوں سے جدا کرنے کی قوت پیدا کرتا ہے پھر چاہتا ہے کہ کسی طرح میں اس تنگ مکان سے نکلوں یہاں تک کہ نویں مہینے حق تعالیٰ کے حکم سے باہر آتا ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ الغرض انسان کی پیدائش حق تعالےٰ کی قدرت کاملہ کا ایک عجیب نمونہ

ہے اسی کو آگے فرمایا گیا کہ اس کو اس رحم میں ایک وقت معین تک رکھا جس سے مراد مدت حمل ہے جو کم تر چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ ۲ برس اور بعض کے نزدیک ۴ برس ہے اور کثیر الوقوع نو مہینے ہیں تو انسان دیکھے اور سمجھے اور اللہ تعالےٰ کیسی قدرت والے ہیں کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں کامل ہو چکا تو اپنی قدرت کاملہ سے اس کو کشاں کشاں اس تنگ و تاریک مکان سے باہر لایا گیا تو جب یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ بڑی اور کمال قدرت والے ہیں کہ ایک قطرہ منی کو بتدریج پورا کر کے انسان عاقل بنا دیا تو کیا اس انسان کو دوبارہ مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتے اور کیا اس کے اجزائے متفرقہ کو جمع کر کے بار دیگر اس میں روح پھونکنے پر قادر نہیں؟ ضرور قادر ہیں۔ تو اے منکر قیامت وحشر ونشر اپنی ابتدائی حالت پر انتہائی کا قیاس کیوں نہیں کرتے؟ پھر کس لئے حشر کا انکار کرتے ہو بلکہ یہ بھی انسانی تکمیل کا تتمہ ہے کہ جس طرح اس کو ماں کے پیٹ کی تنگ و تاریک کوٹھری سے باہر لائے اور وسیع جگہ میں رکھا اسی طرح یہ جہان اس دوسرے جہان کی نسبت سے ایسا ہی تنگ و تاریک ہے جیسا کہ ماں کا پیٹ دنیا کی یہ نسبت۔ تو اس جہان آخرت میں ان کم فہموں کی بڑی خرابی ہوگی جو اس جہان میں اس جہان کو جھٹلاتے رہے۔ اسی لئے پھر تیسری بار فرمایا وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ یعنی بڑی خرابی ہوگی اس دن ان قدرت الٰہی کے منکروں کی کہ باوجود اس کی قدرت کے آثار رات دن دیکھنے کے کہ ہمیشہ لوگ پیدا ہوتے جاتے ہیں پھر بھی متنبہ اور خبردار نہیں ہوتے اور اس مالک الملک علی الا طلاق کو اپنی طرح اسباب وآلات کا مقید جانتے ہیں کہ جو یوں کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر کس طرح زندہ کر دیئے جائیں گے۔ اس وقت ان لچر پوچ شبہات پر پچھتائیں گے اور ندامت سے ہاتھ کاٹیں گے۔

یہ تو حمل مادری میں اس کی قدرت کا نمونہ تھا جو خاص انسان کی پیدائش ہی سے متعلق تھا اور ان دلائل کو دلائل النفس کہتے ہیں۔ اب آگے بعض دلائل آفاق کو بیان فرمایا جاتا ہے جن سے معلوم ہوگا کہ جو اللہ ایسی قدرت والا ہے وہ دنیا کو فنا کر کے دوسری بار کیوں نہیں قائم کر سکتا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ

کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مُردوں کی سمیٹنے والی نہیں بنایا۔ اور ہم نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ بنا

وَّ اَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ

اور ہم نے تم کو میٹھا پانی پلایا۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ تم اس عذاب کی طرف چلو جس کو جھٹلایا کرتے تھے۔

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ

ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔ جس میں نہ سایہ ہے اور نہ گرمی سے

اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾

بچاتا ہے۔ وہ انگارے برسائے گا جیسے بڑے بڑے محل۔ جیسے کالے کالے اونٹ۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

اَلَمْ نَجْعَلِ کیا ہم نے نہیں بنایا	اَلْاَرْضَ زمین	كِفَاتًا سمیٹنے والی	اَحْيَآءً زندوں کو	وَّ اَمْوَاتًا اور مُردوں کو	وَّجَعَلْنَا اور ہم نے رکھے	
فِيْهَا اس میں	رَوَاسِيَ پہاڑ (جمع)	شٰمِخٰتٍ اونچے اونچے	وَّ اَسْقَيْنٰكُمْ اور ہم نے پلایا تمہیں	مَّآءً فُرَاتًا پانی میٹھا	وَيْلٌ خرابی	
يَّوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانیوالوں کیلئے	اِنْطَلِقُوْٓا تو تم چلو	اِلٰى طرف	مَا كُنْتُمْ بِهٖ جس کو تم تھے	تُكَذِّبُوْنَ تم جھٹلاتے	
اِنْطَلِقُوْٓا تم چلو	اِلٰى ظِلٍّ سایہ کی طرف	ذِيْ والا	ثَلٰثِ تین	شُعَبٍ شاخیں	لَّا ظَلِيْلٍ نہ گھرا سایہ	وَّلَا يُغْنِيْ اور نہ وہ بچائے
مِنَ سے	اللَّهَبِ شعلہ (تپش)	اِنَّهَا بیشک وہ	تَرْمِيْ پھینکتی ہے	بِشَرَرٍ شعلے	كَالْقَصْرِ محل جیسے	كَاَنَّهٗ گویا کہ
جِمٰلَتٌ اونٹ (جمع)	صُفْرٌ زرد	وَيْلٌ خرابی	يَّوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں انسان کی اپنی پیدائش اور حمل مادری کے زمانہ میں خدا کی عجیب وغریب قدرت کا ظہور ہونا بیان ہوا تھا اور جس سے قیامت اور حشر ونشر کا ثابت کرنا مقصود تھا بایں طرح کہ جو خدا اس پر قادر ہے کہ ایک ناچیز قطرہ سے جیتا جاگتا انسان عاقل بنا دے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ اسی انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کر دے۔ یہ تو قیامت کا ثبوت دلائل النفسی سے تھا یعنی انسان کی خود اپنی پیدائش سے متعلق اب آ گے ایک دوسری دلیل جس کو دلائل آفاقی کہتے ہیں اس سے قیامت کا برپا ہونا ثابت فرمایا جاتا ہے۔ اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ زندہ مخلوق اسی زمین پر بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کو زندگی کی ابتداء اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانہ ہوا تو دوبارہ اسی خاک سے اس کو اٹھا دینا کیوں مشکل ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسی زمین پر پہاڑ جیسی وزنی اور سخت چیز پیدا کر دی جو اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہیں کھاتے اور اسی زمین میں پانی کے چشمے جاری کر دیئے جو نرم اور سیال ہونے کی وجہ سے برابر بہتے رہتے ہیں اور سہولت سے پینے والے کو سیراب کرتے ہیں پس جو خدا اس حقیر زمین میں اپنی قدرت کے متضاد نمونے دکھلا سکتا ہے اور موت و حیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کرتا ہے کیا وہ میدان حشر میں سختی اور نرمی اور نجات و ہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھا سکتا نیز جس کے قبضہ میں پیدا کرنا۔ ہلاک کرنا۔ حیات و بقا کے سامان فراہم کرنا یہ سب کام ہوں اس کی قدرت کو انسانوں کے دوبارہ پیدا کر کے کھڑا کر دینے میں جھٹلانا کیوں کر درست و جائز ہوگا جیسا کہ یہ منکرین قیامت و آخرت خیال کرتے ہیں۔ اب یہاں چوتھی مرتبہ وہی جملہ ویل یومئذ للمکذبین

فرمایا گیا یعنی اس روز منکرین کی بڑی کم بختی آئے گی جو دنیا میں سمجھتے تھے کہ ایک جگہ اور ایک وقت میں تمام اولین و آخرین کو جمع کرنا اور ان کی جزا وسزا کے اس قدر مختلف اور متضاد کام سرانجام دینا کیوں کر ممکن ہوگا۔ 3

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو کفار و منکرین قیامت کے دن کو اور جزا وسزا کو اور جنت وجہنم کو دنیا میں جھٹلاتے تھے ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ چلو اس چیز کی طرف جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے یعنی حساب کتاب اور اعمال دنیا پر جزا وسزا اب چلو اس کو دیکھ لو۔ چونکہ میدان حشر میں جب سب جمع ہوں گے تو آفتاب سروں کے نزدیک کر دیا جائے گا اور آفتاب کی تپش اور گرمی کے مارے تمام کے بدنوں سے پسینہ جاری ہو جائیگا۔ انبیاء اور صلحاء کے تو صرف تلوے تر ہوں گے۔ عام مومنین کے ٹخنے، پنڈلی، گھٹنے، کمر، سینہ اور گردن تک حسب اعمال پسینہ چڑھ جائے گا کفار منہ اور کانوں تک پسینہ میں غرق ہو جائیں گے جس سے ان کو سخت تکلیف ہوگی۔ اور نہایت گریہ وزاری سے فریاد کریں گے کہ سردست ہم کو سایہ ملے کہ کچھ تو اس گرمی اور پسینہ کی بلا سے نجات پاویں۔ فرشتے ان کفار و مشرکین سے کہیں گے کہ چلو اس سایہ کی طرف جس کی تین شاخیں نمودار ہیں وہ دور سے سایہ نمودار ہوگا۔ وہاں آویں گے تو کچھ اور ہی پاویں گے کہ دراصل نہ وہ سایہ ہے کہ جس میں ٹھنڈک ہو اور بیرونی تپش کے دفع کرنے میں کارآمد ہو۔ وہ دراصل جہنم کا دھواں ہوگا جو کافروں کے سائے کے لئے جہنم سے اٹھے گا اور جو پھٹ کر کئی ٹکڑے ہو جائے گا۔ لکھا ہے کہ ان میں سے ہر شخص کو وہ دھواں تین طرف سے گھیر لے گا۔ ایک ٹکڑا سر پر سائبان کی طرح ٹھہرے گا۔ دوسرا ٹکڑا داہنے اور تیسرا بائیں ہو جائے گا حساب سے فارغ ہونے تک وہ لوگ اسی جہنم کے دھویں کے سایہ کے نیچے رہیں گے۔ اسی کو ۲۷ ویں پارہ سورہ واقعہ میں فرمایا گیا ہے **وظل من یحموم لابارد ولاکریم ٥** (وہ جہنم کے کالے دھویں کے سایہ میں رکھے جائیں گے جس میں کوئی ٹھنڈک یا جسمانی اور روحانی آرام نہ ملے گا۔ نہ وہ عزت کا سایہ ہوگا)۔ ذلیل وخوار اس کی تپش میں بھنتے رہیں گے۔

یہاں اس سورۃ میں تو ذکر نہیں فرمایا گیا کہ مومنین صالحین کو کیسا سایہ اس وقت نصیب ہوگا کیونکہ یہاں تو منکرین قیامت کا ذکر ہو رہا ہے مگر صحیح احادیث میں آتا ہے کہ ایمان دار اور نیک کردار یعنی مومنین صالحین عرش عظیم کے سایہ میں کھڑے ہوں گے۔ بموجب حدیث شریف عرش کے زیر سایہ سات گروہوں کو جگہ دی جائے گی۔ ۱- بادشاہ عادل ۲- نوجوان عابد ۳- وہ شخص جو محض ذکر الٰہی اور نماز کی غرض سے ہمیشہ مسجد سے دل لگاؤ رکھے ۴- وہ شخص جو خلوت وتنہائی میں شوق وخوف الٰہی کی وجہ سے گریہ زاری کرے۔ ۵- وہ دو شخص جو خالصاً لوجہ اللہ ایک دوسرے سے محبت کریں اور ظاہر و باطن میں یکساں ہوں۔ ۶- وہ شخص جو خیرات اس طرح چھپا کر کرے کہ سوائے خدا کے اور کسی کو خبر نہ ہو۔ ۷- وہ شخص جس کو زن حسینہ وجمیلہ اور صاحب ثروت بغرض فعل بد طلب کرے اور وہ محض خوف الٰہی کی وجہ سے باز رہے۔ بعض روایتوں میں ان کے علاوہ کچھ اور گروہوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو بھی اس دن اپنے عرش کے سایہ میں جگہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

تو یہاں ذکر منکرین قیامت وآخرت کا ہو رہا ہے کہ یہ کفار فراغ حساب کتاب تک اسی جہنم کے دھویں کے احاطہ میں رہیں گے کہ جس میں نہ ٹھنڈک ہوگی اور نہ گرمی سے بچنا۔ آگے اس دھویں کا کچھ حال مذکور ہے کہ وہ انگارے برساوے گا جیسے بڑے بڑے محل جیسے کالے کالے اونٹ' قاعدہ ہے کہ جب چنگاری آگ سے جھڑتی ہے تو پہلے بڑی ہوتی ہے پھر بہت سے چھوٹے ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتی ہے تو یہاں آیت میں پہلی تشبیہ كَالْقَصْرِ (جیسے بڑے بڑے محل) یہ ابتدائی حالت کے اعتبار سے ہے اور دوسری تشبیہ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ (جیسے کالے کالے اونٹ) یہ انتہائی حالت کے اعتبار سے ہے۔

آگے پانچویں مرتبہ وہی جملہ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ فرمایا گیا یعنی جو منکرین قیامت سمجھتے تھے کہ قیامت آنے والی نہیں اور اگر آئی بھی تو ہم دنیا کی طرح وہاں بھی آرام سے رہیں گے۔ تو وہ سمجھ لیں کہ اس روز ان جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

ابھی آگے اسی یوم قیامت کا حال کفار سے متعلق اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

یہ وہ دن ہوگا جس میں لوگ نہ بول سکیں گے۔ اور نہ ان کو اجازت ہوگی سو عذر بھی نہ کرسکیں گے۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ۝ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ۝ وَيْلٌ

یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے تم کو اور اگلوں کو جمع کرلیا۔ سو اگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہو تو مجھ پر تدبیر چلالو۔

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

هٰذَا يَوْمُ اس دن	لَا يَنْطِقُوْنَ وہ نہ بول سکیں گے	وَلَا يُؤْذَنُ اور نہ اجازت دی جائے گی	لَهُمْ انہیں	فَيَعْتَذِرُوْنَ کہ وہ عذر خواہی کریں	
وَيْلٌ خرابی	يَوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے	هٰذَا یہ	يَوْمُ الْفَصْلِ فیصلے کا دن	جَمَعْنٰكُمْ ہم نے جمع کیا تمہیں
وَ اور	الْاَوَّلِيْنَ پہلے لوگوں کو	فَاِنْ پھر اگر	كَانَ لَكُمْ ہے تمہارے پاس	كَيْدٌ کوئی داؤ	فَكِيْدُوْنِ تو تم مجھ پر داؤ کرلو / وَيْلٌ خرابی
يَوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے				

تفسیر وتشریح: شروع سورۃ سے اثبات قیامت اور منکرین قیامت کے متعلق بیان ہوتا چلا آ رہا ہے گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ یہ منکرین جو آج دنیا میں قیامت کو جھٹلا رہے ہیں جب میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے تو گرمی کی تپش اور جلن سے سایہ کی درخواست کریں گے اس وقت بجائے ٹھنڈے سایہ اور گرمی سے بچانے والے سایہ کے جہنم کے دھویں کا سایہ ان کو دیا جائے گا جو انہیں تین طرف اوپر دائیں بائیں سے گھیرے ہوگا اور اس میں سے آگ کی چنگاریاں برسیں گی۔ تو یہ منکرین جو قیامت کو آج جھٹلا رہے ہیں اس روز ان کی بڑی خرابی آئے گی اور ان کو طرح طرح کے عذاب اور سختیاں برداشت کرنا ہوں گی۔ اسی سلسلہ میں آگے کفار کے متعلق بعض احوال قیامت ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ ایسا دن ہوگا جس میں یہ منکرین قیامت نہ بول سکیں گے اور نہ انہیں عذر ومعذرت کی اجازت دی جائے گی۔ قرآن کریم میں اس موقع پر کافروں کا ساکت رہنا اور عذر آوری کی اجازت نہ ملنا مذکور ہے مگر دوسری آیات میں ان کفار کا بولنا۔ مکرنا۔ حق کو چھپانا اور غلط بیانی کرنا اور عذر کرنا بھی بیان ہوا ہے تو پھر ان آیتوں کے مختلف مضامین کی تطبیق کس طرح ہوسکتی ہے؟ اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قیامت کے دن مختلف مقامات میں متعدد مجلسیں درپیش ہوں گی۔ سو بعض جگہوں اور بعض مجلسوں میں کافروں کو بات کرنے کی ممانعت نہ ہوگی سوان جگہوں میں یہ گفتگو اور بات چیت کرسکیں گے اور بعض جگہوں اور بعض مجلسوں میں ان کو بات کرنے کا حکم نہ ہوگا سو وہاں لب بھی نہ ہلا سکیں گے۔ تو ان مختلف آیات کے مضامین کا اختلاف محشر کے مختلف مواقع اور وقتوں کے اختلاف کے سبب ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس موقع پر لکھا ہے کہ منکرین اور مکذبین قیامت کا نہ بول سکنا اور انہیں عذر معذرت کی اجازت نہ ملنا اس وقت ہوگا جبکہ ان پر حجت قائم ہوچکی ہوگی اور ظالموں پر خدا کی بات ثابت ہوچکی ہوگی تو اب انہیں بولنے کی اجازت نہ ہوگی۔ حجت قائم ہونے سے پہلے یہ عذر ومعذرت پیش کریں گے۔ جب سب توڑ دیا جائے گا اور دلیلیں قائم ہوجائیں گی تو اب بول چال عذر ومعذرت

سب ختم ہو جائے گی۔ الغرض میدان حشر کے یہاں اس موقع کا ذکر فرمایا گیا ہے جبکہ یہ کافر ساکت ہو کر بالآخر مجرم قرار دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد چھٹی مرتبہ پھر وہی جملہ دھرایا گیا۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ یعنی جو لوگ آج اس واقعہ حقہ کو جھٹلا رہے ہیں سمجھ رکھیں کہ اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہو گی۔ اور ان سے کہا جاوے گا کہ یہ ہے فیصلہ کا دن جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے۔ اب اگلے پچھلے سب یہاں جمع ہیں اگر تم کسی چالاکی اور مکاری سے ہوشیاری اور فریب دہی سے اللہ تعالیٰ کے قبضہ سے نکل سکتے ہو تو اس کی پوری کوشش کرلو۔ دنیا میں حق کے دبانے کی بہت تدبیریں کی تھیں۔ اب وہ چلت پھرت اور بے باکی کیا ہوئی؟ اب حسب وعدہ تم سب کو جمع کر دیا آج اگر کسی حکمت سے تم چھوٹ سکتے ہو تو کمی نہ کرو۔ اس کے بعد ساتویں مرتبہ پھر وہی جملہ دہرایا گیا وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ یعنی یہ کفار اس واقعہ حقہ کی بھی تکذیب کرتے ہیں سو سمجھ رکھیں کہ اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

یہاں تک تو منکرین و مکذبین قیامت کا ذکر تھا کہ قیامت میں اس تکذیب کی بدولت ان کو کیسی کیسی سختیاں اور دردناک عذاب و تکالیف پیش آئیں گی۔ اب ان کے مقابلہ میں اہل ایمان۔ خدا سے ڈرنے والے۔ اللہ کے احکام دنیا میں بجا لانے والے اور خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے والے۔ ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ ان کو قیامت میں کیا حالات پیش آئیں گے اور ان کا کیا اعزاز و اکرام کیا جائے گا اور ان کو کیسی راحتیں اور آرام نصیب ہونگے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اس دنیا کی زندگی میں آخرت کی زندگی بنانے اور سنوارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور آج جب ہم کو موقع حاصل ہے ہم کو ان اعمال کی توفیق عطا فرمادیں کہ جو آخرت میں ہماری مغفرت کا ذریعہ بن جائیں۔

یا اللہ قیامت کی سختیوں سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیئے اور مجرمین کے گروہ سے ہمیں علیحدہ رکھئے اور ہمارا حشر نشر اپنے مخلص مومن بندوں کے ساتھ فرما کر اپنی جنت میں ہمارا دائمی ٹھکانہ بنایئے۔

یا اللہ ان آیات میں مخاطبت تو کفار مشرکین اور منکرین قیامت و آخرت سے ہے کہ جس فیصلہ کے دن کی تم دنیا میں تکذیب کیا کرتے تھے دیکھو اب وہ دن آ پہنچا اور تم سب جمع کر لئے گئے۔ اب عذاب آخرت سے کسی تدبیر سے تم بچ سکتے ہو تو اپنے کو بچالو! تو کیا اس مخاطبت میں ان مسلمانوں کے لئے کوئی سبق اور عبرت نہیں جو اب اس دنیا میں قیامت و آخرت اور یوم حساب سے بالکل غافل ہو کر زندگی گزار رہے ہیں۔ یا اللہ ہماری آنکھیں اس یوم حساب کی طرف سے اس دنیا کی زندگی میں کھول دے اور اس فیصلہ کے دن کیلئے تیار ہو جانے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَّعُيُونٍ ﴿٤١﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا

پرہیز گار لوگ سایوں میں اور چشموں میں اور مرغوب میوؤں میں ہوں گے۔ اپنے اعمال کے صلہ میں

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٥﴾

خوب مزہ سے کھاؤ پیو۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مُّجْرِمُونَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ

تم تھوڑے دن اور کھالو برت لو تم بے شک مجرم ہو۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے

ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾

کہ جھکو تو نہیں جھکتے۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ تو پھر اس کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لاویں گے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ بیشک پرہیز گار (جمع)	فِيْ میں	ظِلٰلٍ سایوں	وَّعُيُوْنٍ اور چشموں	وَّفَوَاكِهَ اور میوے	مِمَّا اس (قسم کے) جو		
يَشْتَهُوْنَ وہ چاہیں گے	كُلُوْا تم کھاؤ	وَاشْرَبُوْا اور تم پیو	هَنِيْٓـئًا مزے سے	بِمَا كُنْتُمْ اس کے بدلے جو تم	تَعْمَلُوْنَ کرتے تھے		
اِنَّا كَذٰلِكَ بیشک ہم اسی طرح	نَجْزِي جزا دیتے ہیں	الْمُحْسِنِيْنَ نیکوکاروں کو	وَيْلٌ خرابی	يَّوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے		
كُلُوْا تم کھاؤ	وَتَمَتَّعُوْا اور تم فائدہ اٹھالو	قَلِيْلًا تھوڑا	اِنَّكُمْ بیشک تم	مُّجْرِمُوْنَ مجرم (جمع)	وَيْلٌ خرابی	يَّوْمَئِذٍ اس دن	
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے	وَاِذَا اور جب	قِيْلَ کہا جائے	لَهُمُ ان سے	ارْكَعُوْا تم رکوع کرو	لَا يَرْكَعُوْنَ وہ رکوع نہیں کرتے		
وَيْلٌ خرابی	يَّوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے	فَبِاَيِّ تو کون سی	حَدِيْثٍ بات	بَعْدَهٗ اس کے بعد	يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان لائیں گے	

تفسیر و تشریح: یہ سورہ مرسلت کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ شروع سورۃ میں پہلے قیامت کا حق ہونا بیان فرمایا گیا تھا اور پھر بتلایا گیا تھا کہ اس دن ہر انسان کے اعمال کی جو اس نے دنیا میں کئے تھے۔ جانچ پڑتال ہوگی اور جنہوں نے دنیا میں قیامت و آخرت کی تکذیب کی ہوگی۔ اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کو نہ مانا ہوگا ان کی وہاں بڑی خرابی ہوگی۔ ان کو میدان حشر میں جہنم کے دھویں کے سائباں میں رکھا جائے جس سے آگ کی چنگاریاں ان پر برسیں گی اور نہ انہیں سایہ کی ٹھنڈک ملے گی اور نہ تپش سے بچاؤ نصیب ہوگا اور وہاں کے سخت عذابوں سے بچ کر نکل سکنے کی بھی کوئی صورت نہ ہوگی۔

اب آگے ان منکرین قیامت اور مکذبین آخرت کے مقابلہ میں اہل ایمان۔ نیکوکار۔ متقی و پرہیز گار بندوں کی جزا کا بیان ہو رہا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جنہوں نے دنیا میں اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق زندگی بسر کی ہوگی اور اس کے غضب سے ڈر کر گناہوں سے بچتے اور برے کاموں سے پرہیز کرتے رہے ہوں گے۔ خدا کے عبادت گزار تھے۔ فرائض و واجبات کے پابند تھے وہ قیامت کے دن محشر میں عرش کے سایہ میں اور جنت کے اندر پہنچ کر وہاں کے سرسبز شاداب درختوں کے سایہ میں ہوں گے جہاں ہر طرف ٹھنڈے پانی اور دوسری پینے کی خوش گوار اور مزے دار مشروبات کے چشمہ و نہریں بہہ رہے ہوں گے اور ان کے دل پسند میوے اور پھل موجود ہوں گے جسے جب جی چاہے کھائینگے۔ نہ روک ٹوک ہوگی نہ کمی اور نقصان کا اندیشہ ہوگا۔ نہ فنا ہونے اور ختم

ہونے کا خطرہ ہوگا اور پھر ان کے حوصلہ بڑھانے اور دل میں فرحت و خوشی کو دوبالا کرنے کے لئے خداوند تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بار بار فرمان ہوگا کہ اے میرے بندو۔ اے جنتیو! تم یہ خوشی اور بافراغت خوب راحت سے کھاؤ پیو اور یہ اس کا بدلہ ہے کہ تم دنیا میں احتیاط کے ساتھ بچ بچ کر چلتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف ہو جاوے۔ ہمارے ہاں ایسے نیک کردار، پرہیزگار، مخلص صاحب ایمان لوگوں کے لئے ایسا ہی بھلا بدلہ اور نیک جزا ہے کہ آج انہیں عیش وعشرت کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ ہاں کفار جو نعماء جنت کی بھی تکذیب کرتے ہیں ان کی البتہ بڑی خرابی ہوگی اور بری طرح شامت آئے گی۔

یہاں ان آیات میں اہل سعادت متقین کا انجام و جزا بیان فرماتے ہوئے ظلل یعنی سائے اور عیون یعنی چشمے اور فواکہ یعنی میوے سب جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ایمان متقین کے لئے متعدد سائے ہوں گے۔ اول میدان محشر میں عرش رب العالمین کا سایہ ہوگا۔ پھر پل صراط سے گزرنے کے وقت اعمال صالحہ وصدقات کا سایہ ہوگا۔ پھر جنت میں پہنچ کر طوبیٰ کا سایہ ہوگا اور پر بہار درختوں کا اور جب اپنے منازل اور مکانات میں آویں گے تو جنت کے عمدہ اور عالی شان محلوں اور چھت گیریوں کا سایہ ہوگا اور سب سے بڑھ کر رحمت الٰہی کا سایہ ہوگا جو ہزاروں سایہ سے بہتر ہوگا۔ اسی طرح عیون بھی جمع کا لفظ ہے یعنی بہت سے چشمے چنانچہ اہل جنت کے لئے چشمے اور نہریں بھی متعدد ہوں گی۔ کسی میں کافور کی آمیزش۔ کسی میں زنجبیل کی ملاوٹ۔ کسی میں شہد کی شیرینی۔ کسی میں دودھ کی خاصیت اور اسی طرح فواکہ جمع کا لفظ ہے یعنی طرح طرح اور قسم قسم کے میوے جیسی دل رغبت رکھتے ہوں یعنی سرد گرم۔ کھٹے میٹھے۔ بہار کے خزاں کے گدر اور پکے۔ سب وہاں موجود ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرمائیں کہ جن کو قیامت میں یہ نعمتیں عطا فرمائی جائیں گی۔ آمین۔

تو اہل ایمان متقین کا اجر بیان فرما کر کہ جس کو دیکھ کر کفار و منکرین کو اور زیادہ غم و رنج ہوگا کہ دنیا میں ہم جن کو کم مایہ اور بے حیثیت اور ذلیل وخوار سمجھتے تھے آج ان کا تو یہ اعزاز اور اکرام ہوا اور ہمارے لئے یہ خرابی اور ذلت اور طرح طرح کے عذاب پھر ان کو اس سے بھی رنج ہوگا کہ ہم نے دنیا میں ایسے کریم کی کیوں نافرمانی کی کہ جو آج ایسے صلہ عطا فرما رہا ہے۔ اسی کو آٹھویں مرتبہ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کے جملہ کو دہرایا گیا کہ اس روز حق کو جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ آگے مکذبین آخرت ومنکرین قیامت کو خطاب ہے کہ اے کافرو! تم جو قیامت کے منکر ہو اور دنیا ہی کی لذات پر دلدادہ ہو تو تھوڑے دنوں کھا پی لو اور مزے اڑا لو۔ آخر یہ کھایا پیا بری طرح نکلے گا کیونکہ تم اللہ کے مجرم ہو۔ حبس دائمی اور سزائے ابدی میں گرفتار ہو گے اور جو لوگ سزائے جرم کو جھٹلاتے ہیں سمجھ رکھیں کہ اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی کہ اس دن دنیا کے مزے یاد کریں گے اور حسرت کے آنسوؤں سے روئیں گے کہ ہائے چند روزہ عیش ونشاط کے سبب جواب خواب و خیال ہو گئے ہمیشہ کا عذاب دردناک اور دکھ بھری زندگانی خریدی جہاں موت بھی نہیں کہ مر کر ہی اس بلا سے چھوٹ جائیں۔ اور اسی کو نویں مرتبہ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کے جملہ کو دہرا کر بتلایا گیا جو دنیا کے عیش وبہار اور لذتوں پر ریجھ رہے تھے وہاں معلوم ہوگا کہ جس چیز کو پھولوں کا ہار سمجھ کر گلے میں ڈال رہے ہیں وہ کالا ناگ بن کر آخرت میں ڈسے گا۔ اخیر میں ان منکرین قیامت و مکذبین آخرت کی سرکشی کی حالت بیان فرمائی جاتی ہے کہ وہ ایسے سرکش اور حق کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں کہ جب دنیا میں ان سے رسول یا ان کے نائب کہتے ہیں کہ خدا کی طرف جھکو اس کے احکام مانو اس کی نافرمانی سے بچو یعنی ایمان اور عبدیت اختیار کرو تو اس سے بھی جی چراتے ہیں بلکہ اس کہنے کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور تکبر کے ساتھ انکار کر دیتے ہیں گویا مومن اور کافر کا ایک بڑا امتیاز یہ ہے کہ مومن مصیبت کا وقت ہو یا راحت کا۔ بیماری میں ہو یا تندرستی میں۔ افلاس

میں ہو یا تونگری میں ہر حال میں خدا کی طرف جھکنے والا ہوتا ہے برخلاف کافر کے تو اس سے زیادہ ان منکرین اور مکذبین کا کیا جرم ہو گا کہ یہ لوگ اس کے جرم ہونے کو بھی جھٹلاتے ہیں۔ سو سمجھ رکھیں کہ اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ اور دسویں مرتبہ پھر وہی جملہ دہرایا گیا وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ یعنی یہ منکرین اس دن پچھتائیں گے کہ دنیا میں احکام الٰہی کے سامنے کیوں نہ جھکے۔ وہاں سر جھکاتے تو آج یہاں سربلند ہوتے۔ اب جبکہ ان منکرین قیامت و مکذبین آخرت کو اس قدر صاف صاف اور واضح قرآنی الفاظ اور آیات میں بتادیا گیا کہ منکرین کے لئے یہ خرابیاں اور یہ دردناک عذاب آخرت میں ہیں اور اہل ایمان کے لئے یہ انعامات واحسانات ہیں تو اس کو سن کر بھی اگر یہ مکذبین یقین نہیں لاتے تو اور کس بات پر ایمان لائیں گے۔ قرآن سے بڑھ کر کامل اور موثر بیان کس کا ہوگا۔ کیا قرآن کے بعد کسی اور کتاب کے منتظر ہیں کہ جو آسمان سے اترے گی اور اس کی یہ بات مانیں گے؟ اب کوئی دوسری کتاب تو آسمان سے نازل ہونے والی نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اس سورۃ کی آخری آیت فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝ پڑھے اس کو لازم ہے کہ اس کے بعد کہے امنا باللہ وحدہ یعنی ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ پر جو ایک ہے اور وحدہ لاشریک ہے۔

اسی پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تعصب وعناد سے خالی الذہن ہو کر کوئی منکر و کافر قرآن کا مطالعہ کرے تو اسلام اور قرآن کی حقانیت سے اس کا دل ضرور متاثر ہو گا۔ الحمد للہ سورہ مرسلت کے خاتمہ پر ۲۹واں پارہ بھی ختم ہوا۔ حق تعالیٰ بقیہ کے تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سورۃ المرسلات کے خواص

۱......رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس نے سورۃ المرسلات پڑھی وہ شرک سے بری ہو گیا۔

۲......اگر کسی دشمن و مقابل سے مقابلہ چل رہا ہو تو سورۃ المرسلات کی تلاوت کرلے یا لکھ کر اپنے پاس رکھ لے تو دشمن مغلوب ہو جائے گا۔

۳......جس آدمی کو پھوڑے پھنسیاں نہ چھوڑتی ہوں وہ سورۃ المرسلات لکھ کر گلے میں لٹکائے ان شاء اللہ تندرست ہو جائے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی دنیا میں اپنے متقی اور پرہیزگار بندوں میں شامل فرمالیں اور ہم کو اپنے احکام کی پوری اطاعت و فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ یا اللہ آخرت میں جو صلہ اپنے متقی بندوں کو آپ عطا فرمائیں ہم کو بھی اپنے کرم سے ان میں شامل فرمائیں۔ اور ہم کو بھی آخرت کی دائمی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔

یا اللہ آپ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو کفر و شرک سے بچا کر ایمان و اسلام کی دولت و نعمت عطا فرمائی ہے تو ہمیں اس نعمت عظمیٰ کے قدر کی توفیق عطا فرمایئے۔ اور ہم کو پکا اور سچا مسلمان بنا کر زندہ رکھیئے اور اسی حالت پر موت نصیب فرمایئے۔

یا اللہ اس قرآن پاک کا ہمیں متبع بنا کر اس کے احکام کی پیروی نصیب فرمایئے۔ یا اللہ یہ ملک جو اسلام کے نام پر بنا تھا اس ملک میں ہم کو قرآنی حکومت دیکھنا نصیب فرمایئے۔ جو اس میں کوشاں ہیں ان کو کامیاب و سرخرو فرمایئے اور جو مخالفین اس میں روڑے اٹکا رہے ہیں ان کو ہدایت نصیب فرمایئے اگر ہدایت ان کے لئے مقدر ہے ورنہ ان کی گردنیں توڑ دیجئے اور ان کے وجود سے اس سرزمین کو پاک کردیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ

عَمَّ يَتَسَآءَلُونَ

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۞١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۞٢ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۞٣ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۞٤

یہ لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں۔اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں۔جس میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔

ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۞٥ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۞٦ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۞٧ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۞٨

پھر ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔اور ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا بنایا۔

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۞٩ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۞١٠ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۞١١ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ

اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا۔اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنایا۔اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا۔اور ہم ہی نے تمہارے

سَبْعًا شِدَادًا ۞١٢ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۞١٣ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۞١٤ لِّنُخْرِجَ بِهٖ

اوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔اور ہم ہی نے ایک روشن چراغ بنایا۔اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا۔تاکہ ہم اس

حَبًّا وَّنَبَاتًا ۞١٥ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۞١٦

پانی کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں۔

عَمَّ کیا۔کس	يَتَسَآءَلُوْنَ آپس میں پوچھتے ہیں	عَنِ سے	النَّبَاِ الْعَظِيْمِ خبر بڑی	الَّذِيْ جو۔جس	هُمْ وہ	فِيْهِ اس میں	مُخْتَلِفُوْنَ اختلاف کرتے ہیں
كَلَّا ہرگز نہیں	سَيَعْلَمُوْنَ عنقریب جان لینگے	ثُمَّ پھر	كَلَّا ہرگز نہیں	سَيَعْلَمُوْنَ عنقریب جان لینگے	اَلَمْ کیا نہیں	نَجْعَلِ ہم نے بنایا	الْاَرْضَ زمین
مِهٰدًا بچھونا	وَّالْجِبَالَ اور پہاڑ	اَوْتَادًا میخیں	وَّ اور	خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تمہیں پیدا کیا	اَزْوَاجًا جوڑے جوڑے	وَّجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	نَوْمَكُمْ تمہاری نیند
سُبَاتًا آرام	وَّجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	الَّيْلَ رات	لِبَاسًا اوڑھنا پردہ	وَّجَعَلْنَا اور بنایا ہم نے	النَّهَارَ دن	مَعَاشًا معاش کا وقت	وَّبَنَيْنَا اور ہمنے بنائے
فَوْقَكُمْ تمہارے اوپر	سَبْعًا سات	شِدَادًا مضبوط آسمان	وَّجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	سِرَاجًا چراغ	وَّهَّاجًا چمکتا ہوا	وَّاَنْزَلْنَا اور ہم نے اُتاری	مِنَ سے
الْمُعْصِرٰتِ پانی بھری بدلیاں	مَآءً ثَجَّاجًا بارش موسلا دھار	لِنُخْرِجَ تاکہ ہم نکالیں	بِهٖ اس سے	حَبًّا دانہ	وَّنَبَاتًا اور سبزی	وَّ اور	جَنّٰتٍ اَلْفَافًا باغ پتوں میں لپٹے ہوئے

سورة کی وجہ تسمیہ: اس سورة کی ابتداء ہی میں فرمایا گیا عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ لفظ نبا کے معنی ہیں خبر اور نبا العظیم کے معنی بڑی خبر۔ چونکہ اس سورة میں قیامت کے وقوع کی خبر اور واقعات جزا وسزا کا بیان فرمایا گیا ہے۔جو کہ خبر عظیم ہے اس مناسبت سے اس کا نام سورۃ النباء مقرر ہوا۔ یہ سورة مکی ہے۔

شان نزول: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مبعوث ہوئے اور اہل مکہ کو آپ نے قیامت و آخرت کی خبر دی کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جس میں یہ دنیا بالکل ختم اور فنا کر دی جائے گی اور پھر تمام انسان دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔اور ان کے دنیا کے نیک و بداعمال کی ان کو جزا وسزا ملے گی۔نیک اعمال کی جزا میں لوگ جنت میں جائیں گے اور بُرے اعمال کی سزا میں جہنم میں ڈالے جائیں گے اور جنت یا جہنم یہی دو تمام انسانوں کے آخری ٹھکانہ ہوں گے۔جنت میں ہر طرح کی راحت و آرام ہوگا اور جہنم میں طرح طرح کے مصائب

آزار اور عذاب وتکالیف ہوں گی تو ان باتوں کو کفار مکہ سن کر از راہ انکار واستہزا آپس میں۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے سوال کرتے کہ ہاں صاحب وہ قیامت کب آئے گی؟ اور اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ ابھی کیوں نہیں آتی؟ یہ کیوں کر ہو گا کہ بوسیدہ ہڈیاں پھر زندہ ہوں گی؟ منکرین قیامت کے ان سوال اور تعجب پر اس سورۃ کا نزول ہوا اور ان کے عقائد کی تردید اور قیامت کے وقوع اور جزا وسزا کا یقینی ہونا اس سورۃ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

قیامت کا آنا یقینی ہے

اب ان آیات کی تشریح یہ ہے کہ سورۃ کی ابتداء ایک سوالیہ جملہ سے فرمائی جاتی ہے کہ یہ قیامت کا انکار کرنے والے لوگ کس چیز کی بابت دریافت کر رہے ہیں؟ تو خدائے تعالیٰ کو تو معلوم تھا جس چیز کا وہ سوال کرتے تھے مگر سوالیہ فقرہ سے خطابت کی ابتداء کرنا دوسری زبانوں کی طرح خطبات عرب میں حسن خطابت کا ایک بہترین نمونہ سمجھا گیا ہے اس لئے سوالیہ جملہ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ فرمایا گیا یعنی یہ لوگ کس چیز کی بات دریافت کر رہے ہیں؟ اور پھر اس کا جواب خود حق تعالیٰ آگے دیتے ہیں۔ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں یعنی قیامت جو بہت عظیم الشان چیز ہے اور جس میں لوگوں کا اختلاف ہے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ کوئی اس کے آنے پر یقین رکھتا ہے کوئی منکر ہے کہ قیامت وغیرہ کچھ نہیں۔ کوئی شک میں پڑا ہے کوئی کہتا ہے بدن اٹھے گا۔ کوئی کہتا ہے کہ سب عذاب ثواب روح پر گزرے گا۔ اس لئے آگے منکرین قیامت کے خیالات کی تردید کی جاتی ہے کہ تمہارے خیالات صحیح نہیں۔ قیامت ضرور آئے گی اور تم کو قیامت اور اس کی اصل کیفیت عنقریب معلوم ہو جائے گی اس لئے کہ دنیا آخر فانی اور چند روزہ ہے۔

قیامت آنے کے دلائل

قیامت کی خبر دے کر اس کے بعد چند دلائل فرمائے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو ثابت فرماتے ہیں۔

پہلی دلیل: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا یعنی اے انسانو! کیا ہم نے زمین کو تمہارے لئے فرش نہیں بنایا کہ جس پر سکون واطمینان سے رہ سکو۔ اگر زمین ہوا کی طرح خفیف اور پانی کی طرح نرم اور آگ کی طرح گرم ہوتی تو تم کہیں اس پر بس سکتے تھے؟ پھر جدید سائنس کے نزدیک کرۂ زمین حرکت کرتا ہے۔ تو یہ اس کی قدرت اور حکمت کا کتنا بڑا ثبوت ہے کہ زمین اس طرح حرکت کرتی ہے کہ اس پر رہنے والوں کو کچھ بھی لغزش نہیں تو جس قادر مطلق نے کرۂ ارض کو ایسا بنایا کیا وہ اس کو فنا نہیں کر سکتا۔ ضرور کر سکتا ہے۔

دوسری دلیل: وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا یعنی کیا ہم نے پہاڑوں کو میخوں کے مانند نہیں بنایا کہ اپنے بوجھ اور بھاری پن سے زمین کو ہلنے نہیں دیتے۔ یعنی جیسا کسی چیز میں میخ لگا دینے سے وہ چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی ایسے ہی ابتداء میں جو زمین کانپتی اور لرزتی تھی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کر کے اس کے اضطراب اور کپکپی کو دور کر دیا گویا زمین کو ایک طرح کا سکون حاصل ہوا۔

تیسری دلیل: وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا یعنی اے بنی آدم ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا۔ مرد کا جوڑا عورت اور عورت کا جوڑا مرد۔ ازواج کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ صفات کے لحاظ سے ایک کا مقابل دوسرا ہے۔ یعنی بادشاہ ہے تو فقیر بھی ہے۔ حسین ہے تو بدشکل بھی ہے۔ عقلمند ہے تو احمق بھی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اس میں اس کی قدرت کاملہ کا اظہار ہے کہ جس نے ایک ہی زمین پر ایک ہی مادہ سے کیسے مختلف انسان بنائے۔ پھر انسان کو اس کی فطرت اور آفرینش میں مجبوری بھی دکھادی کہ انسان اپنی فطری چیزوں میں تغیر نہیں کر سکتا اور ثابت کر دیا کہ انسان کو جو اللہ نے قدرت دی ہے وہ محدود ہے۔ پھر انسانوں کا اختلاف صاف بتلا رہا ہے کہ تمہارے مختلف اعمال وعقائد کی جزا وسزا کا کوئی اور عالم ہے تو جو قادر مطلق کہ تم کو نر مادہ بنا کر پہلی مرتبہ پیدا کر سکتا ہے وہ تم کو فنا کر کے دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔

چوتھی دلیل: وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا اور ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لئے راحت بنا دیا۔ اگر انسان رات کو یا دن میں اچھی طرح نہ سوئے تو دیکھئے حضرت انسان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ تمام اعضائے جسم اور دماغی قوتیں بیداری میں بیرونی کاموں میں مشغول رہتی ہیں۔ اس

مسلسل حرکت کی وجہ سے تمام اعصاب تھک جاتے ہیں اور انسان کی طاقت تحلیل ہوتی ہے۔ اس تحلیل کو روکنے اور تھکاوٹ کو دور کرنے اور اعضاء کو آرام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نیند مقرر کر دی ہے۔ نیند حق تعالیٰ کی ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی ساری راحتوں کا مدار یہی ہے۔ اور یہ نیند مخلوق کے لئے ایک عظیم الشان نعمت ہونے کے علاوہ موت کا ایک نمونہ بھی ہے کہ دنیا سے غفلت ہوگئی تو گویا مر گئے تو جو ہر روز تم کو مارتا ہے اور ہر روز جلاتا ہے پھر کیا وہ موت کی نیند کے بعد اس خواب سے بیدار نہ کرے گا؟ ضرور کرے گا۔ اور اصل بیداری وہی ہوگی۔

پانچویں دلیل: وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا اور رات کو ہم نے پردہ کی چیز بنایا گو اس میں کوئی بھلائی کرتا ہے کوئی برائی۔ چور رات کو چوری کرتا ہے۔ عابد زاہد نماز تہجد اور مراقبہ ذکر میں بیٹھا رہتا ہے۔ رات کی تاریکی مخلوق کی پردہ داری کرتی ہے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا کہ نکاح دن میں بہتر ہے یا رات میں۔ آپ نے فرمایا رات میں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو بھی قرآن میں لباس کہا ہے۔ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا اور نکاح والی عورتوں کو بھی لباس فرمایا ہے۔ هن لباس لكم اور ایک لباس کو دوسرے لباس کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔

چھٹی دلیل: وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا اور ہم نے دن کو تمہاری روزی کے لئے بنایا تا کہ تم دن کے اجالے میں کام دھندا کر سکو۔ کہیں آ جا سکو، سوداگری، تجارت لین دین کر سکو۔ اہل دنیا کی عمومی فطرت ہے کہ دن کو معاش کے کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں اگر ہمیشہ رات ہی رہتی یا دن ہی رہتا تو انسان کے لئے عافیت کا دائرہ تنگ ہو جاتا۔ جدید سائنس کا خیال ہے کہ اس نظام سے رات دن پیدا ہوتے ہیں تو یہ بھی اس کی قدرت وحکمت کی دلیل ہے کہ جو ان اجرام کو ایک خاص نظام پر حرکت دے رہا ہے تو جب تک اس کا حکم اور اس کی مشیت ہے وہ مقرر کردہ نظام میں بندھے ہوئے ہیں۔ جب اس کا حکم ہوگا یہ نظام ٹوٹ جائے گا اور چاند ستارے، سورج، زمین و آسمان سب فنا اور ختم ہو جائیں گے۔

ساتویں دلیل: وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے کہ جن میں آج تک باوجود اس مدت گزرنے کے کوئی رخنہ نہیں پڑا۔

آٹھویں دلیل: وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ بھی بنا دیا یعنی سورج کو بنایا جو تمام جہان کو روشن کر دیتا ہے اور دنیا کو منور کر دیتا ہے اور ہر چیز کو جگمگا دیتا ہے۔

نویں دلیل: وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا یعنی ابر سے پانی بکثرت برستا ہے پھر اس پانی سے جو پاک صاف نفع بخش ہے کھیتیاں اگاتے ہیں جن سے اناج پیدا ہوتا ہے جو انسان حیوان سب کے کھانے میں آتا ہے اور سبزیاں اگاتے ہیں جو تروتازہ کھائی جاتی ہیں اور باغات اس پانی سے پھلتے اور پھولتے ہیں اور قسم قسم کے ذائقوں اور رنگوں والے میوے اور پھل ان سے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ نو قدرت کی عظیم الشان نشانیاں بیان فرما کر بتلا دیا کہ جو خدا ایسی قدرت وحکمت والا ہے کیا اسے اے انسانو! تمہارا دوسری مرتبہ پیدا کر دینا اور حساب کتاب کے لئے اٹھانا کچھ مشکل ہوگا؟ اور کیا اس کی حکمت کے یہ بات منافی نہ ہوگی کہ اتنے بڑے کارخانہ دنیا کو یونہی خلط ملط بے نتیجہ چھوڑ دیا جائے۔ یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہئے اور اسی کو آخرت کہا جاتا ہے۔ جس کا آنا یقینی ہے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قیامت وآخرت پر ایمان کے ساتھ یقین کامل بھی نصیب فرمائیں کہ جو ہم آخرت سے کسی لمحہ اور کسی آن غافل نہ ہوں۔ یا اللہ اس زندگی میں ہمیں ان اعمال صالحہ کی توفیق نصیب فرما دیجئے کہ جو ہماری آخرت کو بنانے اور سنوارنے والے ہوں اور ان اعمال سے بچا لیجئے کہ جو آخرت کو بگاڑنے والے ہوں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝١٧ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۝١٨ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ

بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے۔یعنی جس دن صور پھونکا جاوے گا پھر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آ ؤ گے۔اور آسمان کھل جاوے گا پھر اُس میں دروازے ہی

فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۝١٩ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝٢٠ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝٢١ لِّلطَّاغِينَ

دروازے ہو جائیں گے۔اور پہاڑ ہٹا دیئے جاویں گے سو وہ ریت کی طرح ہو جاویں گے۔بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے۔سرکشوں کا

مَآبًا ۝٢٢ لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ۝٢٣ لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝٢٤ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ۝٢٥

ٹھکانا۔جس میں وہ بے انتہا زمانوں رہیں گے۔اس میں نہ وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا بجز گرم پانی اور پیپ کے

جَزَاءً وِفَاقًا ۝٢٦ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۝٢٧ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۝٢٨ وَكُلَّ شَيْءٍ

یہ پورا بدلہ ملے گا۔وہ لوگ حساب کا اندیشہ نہ رکھتے تھے اور ہماری آیتوں کو خوب جھٹلاتے تھے۔اور ہم نے ہر چیز کو

أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۝٢٩ فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝٣٠

لکھ کر ضبط کر رکھا ہے۔سو مزہ چکھو کہ ہم تم کو سزا ہی بڑھاتے چلے جائیں گے۔

إِنَّ بیشک	يَوْمَ الْفَصْلِ فیصلہ کا دن	كَانَ ہے	مِيقَاتًا مقررہ وقت	يَوْمَ دن	يُنفَخُ پھونکا جائے گا	فِي الصُّورِ صور میں	فَتَأْتُونَ پھر تم چلے آؤ گے
أَفْوَاجًا گروہ در گروہ	وَفُتِحَتِ اور کھولا جائیگا	السَّمَاءُ آسمان	فَكَانَتْ تو ہو جائیں گے	أَبْوَابًا دروازے	وَسُيِّرَتِ اور چلائے جائیں گے	الْجِبَالُ پہاڑ	
فَكَانَتْ پس ہو جائیں گے	سَرَابًا سراب	إِنَّ بیشک	جَهَنَّمَ جہنم	كَانَتْ ہے	مِرْصَادًا گھات میں	لِّلطَّاغِينَ سرکشوں کیلئے	مَآبًا ٹھکانہ
لَّابِثِينَ وہ رہیں گے	فِيهَا اس میں	أَحْقَابًا مدتوں	لَّا يَذُوقُونَ نہ وہ چکھیں گے	فِيهَا اس میں	بَرْدًا ٹھنڈک	وَلَا اور نہ	شَرَابًا پینے کی چیز
إِلَّا مگر	حَمِيمًا گرم پانی	وَغَسَّاقًا اور پیپ بہتی	جَزَاءً بدلہ	وِفَاقًا پورا	إِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوا لَا يَرْجُونَ توقع نہیں رکھتے تھے	حِسَابًا حساب
وَكَذَّبُوا اور جھٹلاتے تھے	بِآيَاتِنَا ہماری آیتیں	كِذَّابًا جھوٹ جان کر	وَكُلَّ شَيْءٍ اور چیز	أَحْصَيْنَاهُ ہم نے گن رکھی ہے	كِتَابًا لکھ کر		
فَذُوقُوا اب مزہ چکھو تم	فَلَن ہرگز نہیں	نَّزِيدَكُمْ بڑھاتے جائیں گے	إِلَّا مگر	عَذَابًا عذاب			

قیام قیامت اور نفخہ صور

اب قیامت کی کچھ تفصیل بیان فرمائی جاتی ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کا دن جو فیصلہ کا دن ہو گا اس کا ایک وقت اللہ کے علم میں مقرر ہے۔نہ کسی کے انکار سے وہ ٹل سکتا ہے اور نہ کسی کے اصرار سے وہ وقت جلد آ سکتا ہے۔بہرحال ایک نہ ایک روز یہ دنیا کا کارخانہ تمام ہونا ہے اور قیامت آنی ہے۔اب کب آئے گی؟ اس کا صحیح علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو نہیں۔پھر جب وہ دن آ جائے گا تو صور پھونکا جائے گا اور پہلا صور پھونکنے سے تمام دنیا الٹ پلٹ ہو کر نیست و نابود ہو جائے گی۔احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ صور جمعہ کے دن جو یوم عاشورہ بھی ہو گا صبح ہوتے ہی شروع ہو گا۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ محدث دہلوی نے اپنی کتاب قیامت نامہ میں لکھا ہے کہ "قیام قیامت کی اول علامت یہ ہو گی کہ لوگ تین چار سال تک غفلت میں پڑے رہیں گے اور دنیاوی نعمتیں،

اموال اور شہوت رانیاں بکثرت ہو جائیں گی کہ جمعہ کے دن جو یوم عاشور بھی ہوگا یعنی محرم کی ۱۰ تاریخ صبح ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں گے کہ ناگاہ ایک لمبی آواز آدمیوں کو سنائی دے گی یہی نفخ صور ہوگا۔ لوگ خوف وہیبت کی وجہ سے مرنے شروع ہو جائیں گے۔ زمین میں زلزلہ آئے گا جس کے ڈر سے لوگ گھروں کو چھوڑ کر میدان میں بھاگیں گے اور وحشی جانور خائف ہو کر لوگوں کی طرف میل کریں گے۔ سمندر ابل کر قرب و جوار کی جگہوں پر چڑھ جائیں گے۔ آگ بجھ جائے گی۔ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تیز ہوا کے چلنے سے ریت کے موافق اڑیں گے۔ وہ آواز دمبدم سخت ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ اس کے نہایت ہولناک ہونے پر آسمان پھٹ جائیں گے۔ ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

نفخ صور کے مسلسل چھ ماہ تک رہنے کے بعد نہ آسمان رہے گا نہ ستارے نہ سمندر نہ اور کوئی چیز سب کے سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ فرشتے بھی مر جائیں گے۔ مگر کہتے ہیں کہ آٹھ چیزیں فنا سے مستثنیٰ ہیں۔ اول عرش، دوم کرسی، سوم لوح، چہارم قلم، پنجم بہشت، ششم صور، ہفتم دوزخ، ہشتم ارواح۔ لیکن ارواح کو بھی بے خودی و بے ہوشی لاحق ہو جائے گی۔ بعضوں کا خیال ہے کہ یہ آٹھ چیزیں بھی تھوڑی دیر کے لئے معدوم ہو جائیں گی۔ حاصل کلام سوائے ذات باری تعالیٰ کے کوئی باقی نہ رہے گا۔ تو خداوند رب العزت فرمائے گا **لمن الملک الیوم** کس کے لئے آج کی سلطنت ہے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمائے گا۔ **للہ الواحد القہار** خدائے یکتا وقہار کے لئے پس ایک وقت تک ذات واحد خداوند قدوس ذوالجلال والاکرام ہی رہے گی۔ پھر ایک مدت کے بعد کہ جس کی مقدار سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا از سرنو سلسلہ پیدائش کی بنیاد قائم کرے گا۔ آسمان زمین اور فرشتوں کو پیدا کرے گا۔ زمین کی ہیئت اس وقت ایسی ہوگی کہ اس میں عمارتوں، درختوں، پہاڑوں سمندروں وغیرہ کا نشان نہ ہوگا پھر حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا۔ روحیں اپنے اپنے جسموں میں اس طرح آئیں گی جیسے گھونسلوں میں پرندے، ان کا رابطہ جسموں سے قائم ہو جائے گا اور سب کے سب زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔''

عقائد واعمال کے لحاظ سے لوگوں کی تقسیم

الغرض یہاں آیت میں فرمایا گیا کہ نفخۂ ثانیہ یعنی دوسری مرتبہ جب صور پھونکا جائے گا تو پھر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر میدان حشر میں آؤ گے یعنی کثرت سے الگ الگ جماعتیں اور ٹولیاں بن کر جن کی تقسیم ان کے ممتاز عقائد اور اعمال پر ہوگی۔ میدان حشر میں جمع ہوں گی۔ پس نیکوں کی جدا جماعت ہوگی۔ بدوں کی جدا۔ پھر نیکوں میں نمازیوں کی جدا۔ صدقات وخیرات دینے والوں کی جدا' صابروں کی جدا' شاکروں کی جدا' رات میں چھپ کر عبادت کرنیوالوں کی جدا' آفتاب پرستوں کی جدا' بت پرستوں کی جدا پھر زناکاروں کی جدا' ظالموں کی جدا' دغاباز جھوٹ بولنے والوں کی جدا' ہر ایک جماعت کا نشان ہوگا اور اس پر لکھا ہوگا کہ یہ فلاں جماعت ہے ہر ایک جماعت میدان قیامت میں حاضر ہوگی۔

آسمان و پہاڑ

آسمان کھل جائے گا کہ اس میں فرشتوں کے اترنے کے راستے اور دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔ پہاڑ ہٹا دیئے جائیں گے اور بالکل ریت کے ذرے بن جائیں گے۔

کفار ومشرکین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے

کفار ومشرکین اور نافرمان باغی مجرمین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ جہنم ایسے سرکشوں' بدکاروں اور نافرمانوں کی تاک میں ہوگی اور منتظر ہوگی کہ یہ کب میرے منہ کا لقمہ ہوتے ہیں۔ آخر اسی جہنم میں یہ ڈالے جائیں گے اور یہی ان کا ٹھکانہ ہوگا اور ٹھکانہ بھی گھڑی دو گھڑی کے لئے نہیں بلکہ لٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا سالہائے دراز اور قرنوں اور مدتوں اس میں جلیں گے۔ کافر اور مشرک تو ابدالآباد وہاں رہیں گے البتہ وہ عاصی گنہگار جو ایمان رکھتے ہوں گے وہ کبھی نہ کبھی وہاں سے نکل آئیں گے۔ یہاں آیت میں احقاب کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ ہیں بے شمار قرن۔ بے انتہا زمانے احقاب جمع ہے حقب کی اور حقب ایک مقرر مدت کا نام ہے۔

اکثر احادیث میں حقب کی مقدار ۸۰ برس کی آئی ہے اور ہر برس ۱۲ مہینہ کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن قیامت کا ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔ اسی

حساب سے حقب کی مقدار دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس ۲۸۸۰۰۰۰۰ ہوئی۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ اب حیات دنیا تو ۵۰، ۶۰ یا ۱۰۰ سال یا حد سے حد ۱۵۰ سال کی ہوگی جہاں لذات وشہوات کے مزے اڑائے گئے اور نافرمانی وسرکشی حق تعالیٰ کے قانون سے کی لیکن اس کے عوض آخرت میں ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں برس مبتلائے عذاب ہونا پڑا تو یہ کیسا برا سودا کیا اور کیسی بری کمائی کر کے وہاں پہنچے۔

جہنمیوں کی حالت

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِیْمًا وَّ غَسَّاقًا یعنی نہ ٹھنڈک کی راحت پائیں گے نہ کوئی خوشگوار چیز پینے کو ملے گی۔ ہاں ملے گا تو گرم پانی جس کی سوزش سے منہ جھلس جائیں گے اور آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آ پڑیں گی اور دوسری چیز پیپ پینے کو ملے گی جو دوزخیوں کے زخموں سے نکل کر بہے گی۔ الامان الحفیظ! اے اللہ اپنے کرم سے دنیا اور آخرت دونوں جہان میں اپنے ہر طرح کے چھوٹے بڑے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھئے گا۔ آمین

تو جہنم میں جہنمیوں کو ذرا بھی ٹھنڈک میسر نہ آئے گی۔ نہ بدن کی ٹھنڈک نہ دل کی ٹھنڈک نہ آنکھوں کی ٹھنڈک نہ کانوں کی ٹھنڈک نہ ٹھنڈا پانی، نہ ٹھنڈی ہوا، نہ ٹھنڈا مکان، نہ ٹھنڈا لباس اور تو اور جو دنیا میں ایک ہلکی اور معمولی چیز پانی ہے جو دنیا میں قیدی اور خونی کو بھی پلایا جاتا ہے وہاں ان کو وہ بھی نصیب نہ ہوگا بلکہ اس کے بدلہ حمیم یعنی کھولتا ہوا پانی جو منہ جھلسا دے اور غساق یعنی جہنمیوں کے زخموں کی پیپ۔

جہنم کی سزا کا سبب

جَزَآءً وِّفَاقًا اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا وَّكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كِذَّابًا جس بات کو دنیا میں جھٹلاتے تھے اور جس چیز کی ان کو امید نہ تھی وہی سامنے آئی اب دیکھیں کیسے جھٹلاتے اور منکر تے ہیں۔ یہاں ان اہل جہنم کے کسی خاص گناہ کا نام نہیں لیا کہ جس کی وجہ سے ان کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا حالانکہ ان کے بہت سے گناہ تھے بلکہ ان کی عمومی قوت عملیہ اور قوت نظریہ کا فساد ظاہر فرمایا کہ یہ ان کی بداعمالیوں کا پورا پورا بدلہ ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حساب کا کوئی دن آئے گا ہی نہیں اس لئے ہم نے جو جو دلیلیں اپنے نبی پر نازل فرمائیں یہ ان سب کو جھٹلاتے ہی رہے۔

ہر کسی کے تمام اعمال محفوظ ہیں

وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ كِتٰبًا ہم نے بندوں کے تمام افعال و اعمال کو گن رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اسی علم محیط کے موافق وہ سب دفاتر میں باقاعدہ مندرج ہیں۔ کوئی نیک و بد عمل اس کے احاطہ سے باہر نہیں سب کا بدلہ ہمارے پاس تیار ہے اور رتی رتی کا بھگتان کیا جائے گا۔ جیسے تم دنیا میں تکذیب و انکار میں برابر بڑھتے چلے گئے اور اگر بے اختیار موت نہ آ جاتی تو ہمیشہ بڑھتے ہی چلے جاتے اب جہنم میں پڑے ہوئے عذاب کا مزہ چکھتے رہو اور ہم بھی عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے جس میں کبھی کمی نہ ہوگی۔

جہنم کے عذاب کا سب سے سخت پہلو

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ کفار و مشرکین اہل جہنم کے لئے اس آیت فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا سے زیادہ سخت اور مایوس کن کوئی اور آیت نہیں کہ ان کے عذاب ہر وقت بڑھتے ہی رہیں گے۔ حضرت ابو برزۃ الاسلمیؓ سے روایت ہے کہ حسن بصریؒ نے ان سے دریافت کیا کہ اہل جہنم کے لئے کون سی آیت سب سے زائد شدید ہے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا جب جہنمی تمنا کریں گے یا اس بات کی درخواست کریں گے کہ کم از کم یہ عذاب ہی کچھ کم کر دیا جائے تو اس پر اعلان ہوگا فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کر کے فرمایا اس کے بعد تو اہل جہنم کی شدید پریشانی کی حد ہی باقی نہ رہے گی اور حسرت کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ فیصلہ کے دن ہم کو اپنے سعادت مند اور ابرار بندوں کیساتھ شامل ہو کر اٹھنا نصیب فرمائیں اور انہی کیساتھ ہمارا حشر فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾

خدا سے ڈرنے والوں کیلئے بیشک کامیابی ہے۔یعنی باغ اور انگور اور نوخاستہ ہم عمر عورتیں۔اور لبالب بھرے ہوئے جام شراب

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وہاں نہ کوئی بے ہودہ بات سُنیں گے اور نہ جھوٹ۔یہ بدلہ ملے گا جو کہ کافی انعام ہوگا آپ کے رب کی طرف سے۔جو مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا

وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا

اور ان چیزوں کا جوان دونوں کے درمیان میں رحمٰن ہے کسی کو اس کی طرف سے اختیار نہ ہوگا عرض معروض کر سکے۔جس روز تمام ذی ارواح اور فرشتے

لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ

صف بستہ کھڑے ہوں گے۔کوئی بول نہ سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اجازت دے دے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے۔یہ یقینی دن ہے سو جس کا جی چاہے

اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ

اپنے رب کے پاس اپنا ٹھکانا بنا رکھے۔ہم نے تم کو ایک نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے۔جس دن ہر شخص ان اعمال کو دیکھے گا جو اس نے اپنے ہاتھوں کئے ہوں گے

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا۔

اِنَّ بیشک	لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	مَفَازًا کامیابی	حَدَآئِقَ باغات	وَاَعْنَابًا اور انگور	وَكَوَاعِبَ اور نوجوان عورتیں	اَتْرَابًا ہم عمر	
وَكَاْسًا اور پیالے	دِهَاقًا چھلکتے ہوئے	لَا يَسْمَعُوْنَ نہ سُنیں گے وہ	فِيْهَا اس میں	لَغْوًا بیہودہ	وَلَا كِذّٰبًا اور نہ جھوٹ	جَزَآءً یہ بدلہ	مِّنْ سے
رَّبِّكَ تمہارا رب	عَطَآءً انعام	حِسَابًا حساب سے کافی	رَّبِّ رب	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو انکے درمیان	
الرَّحْمٰنِ بہت مہربان	لَا يَمْلِكُوْنَ وہ قدرت نہیں رکھتے	مِنْهُ اس سے	خِطَابًا بات کرنا	يَقُوْمُ الرُّوْحُ کھڑے ہونگے روح	وَالْمَلٰٓئِكَةُ اور فرشتے		
صَفًّا صف باندھے	لَا يَتَكَلَّمُوْنَ نہ بول سکیں گے	اِلَّا مگر	مَنْ جو۔جس	اَذِنَ اجازت دی	لَهُ اسکو	الرَّحْمٰنُ رحمٰن	وَقَالَ اور بولا
صَوَابًا ٹھیک بات	ذٰلِكَ دن	الْيَوْمُ دن	الْحَقُّ برحق	فَمَنْ پس جو	شَآءَ چاہے	اتَّخَذَ وہ بنائے	اِلٰى رَبِّهٖ اپنے رب کے پاس
مَاٰبًا ٹھکانا	اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ بیشک ہم نے ڈرایا تمہیں	عَذَابًا عذاب	قَرِيْبًا قریب کے	يَوْمَ جس دن	يَنْظُرُ دیکھ لے گا	الْمَرْءُ آدمی	
مَا جو	قَدَّمَتْ يَدٰهُ آگے بھیجا اس کا ہاتھ	وَيَقُوْلُ اور کہے گا	يٰلَيْتَنِيْ کاش میں	كُنْتُ ہوتا	تُرٰبًا مٹی		

متقین کے لئے ہمیشہ کی کامیابی ہوگی

گذشتہ آیات میں ان منکرین قیامت اور سرکش و باغی لوگوں کے احوال وانجام کو بیان فرمایا گیا تھا۔اب ان لوگوں کے مقابلہ میں ان بندوں کا ذکر ہے کہ جو دنیا میں اللہ کو مان کر اس کے حکموں کے مطابق چلتے تھے اور جو دنیا میں اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانی اور بُرے کاموں سے

بچتے تھے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ متقین یعنی پرہیزگاروں کو ضرور بالضرور وہاں ہر طرح کی کامیابی اور سعادت حیات جاودانی اور کامرانی حاصل ہوگی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں متقی قرآن کی ایک اصطلاح ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتا ہے اور اس کی ناخوشی اور ناراضی سے ڈرتا ہے اسے متقی کہتے ہیں۔ اسلام انسان کے اندر جو سب سے بڑی خوبی پیدا کرنا چاہتا ہے وہ یہی تقویٰ کی صفت ہے۔ انسانی زندگی کی اصلاح کا سب سے بڑا مدار اسی صفت پر ہے جو شخص اپنے تمام کاموں میں اس بات کی فکر رکھے کہ وہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ کرے اور اسے اس بات کا ڈر رہے کہ اس سے کوئی حرکت ایسی نہ ہو جائے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو تو اس کی زندگی نہایت کامیاب ہے۔

متقین کے لئے راحت ولذت کا سامان

متقین کو سیر وتفریح اور پھل ومیوہ کھانے کے لئے باغات ہوں گے۔ حدیقة عربی زبان میں اس باغ کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف دیوار ہو تو ایسا باغ زیادہ محفوظ اور پرلطف سمجھا جاتا ہے پھر باغات میں جو کچھ نعمتیں ہوتی ہیں عام لفظ باغ استعمال کرنے سے سب ہی نعمتیں آ گئیں مگر ان باغات میں جو چند دل پسند چیزیں ہوں گی ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ وہاں انگور بھی بکثرت اور عمدہ ہوں گے۔ جو غذا کا کام بھی دے سکتا ہے۔ نیز باغ میں انگور بیلوں پر ہوتا ہے اس کا سایہ اور بھی لطف دیتا ہے۔ پھر دل بہلانے کے لئے وہاں نوخاستہ ہم عمر عورتیں بھی ہوں گی اور پینے کو لبالب بھرے ہوئے شراب طہور کے جام چلیں گے جس سے ایک فرحت اور سرور تازہ ہوگا اور یہ شراب آخرت دنیا کی سی نہ ہوگی کہ جس میں بے ہوشی دردسر اہل مجلس کی بے ہودہ بکواس یا مار پیٹ گالی گلوچ ہو بلکہ وہاں ایذاء اور مار پیٹ تو کیا کوئی لغو بات بھی سننے میں نہ آئے گی۔ اور نہ کوئی جھوٹی بات اور نہ کوئی دل کو رنج دینے والی بات کہ اس کو کوئی جھٹلا دے اور رنج ہو۔ ایک پاکیزہ طبیعت اور خوش مذاق شخص کیلئے یہ بات سخت تکلیف دہ ہوتی ہے کہ اس کے کانوں میں گندی باتیں' بے ہودہ الفاظ' جھوٹ اور گالیاں پڑیں اس لئے جن لوگوں کی طبیعت پاکیزہ اور مذاق بلند ہیں وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جنت کی یہ کیسی بڑی نعمت ہوگی کہ وہاں نہ کوئی بے ہودہ بات کانوں میں پڑے گی اور نہ جھوٹ سننے کو ملے گا نہ کوئی کسی سے جھگڑے گا کہ جھوٹ بولنے اور مکر نے کی ضرورت پیش آئے۔ سبحان اللہ۔

ایمان واعمال صالحہ کا ثمرہ

آگے فرمایا کہ متقین کیلئے یہ سب نعمتیں بدلہ ہیں ان کے اعمال و عقائد اور معارف کا کہ رتی رتی کا حساب ہو کر تمام نیکیوں کا بدلہ ملے گا اور بہت کافی بدلہ ملے گا۔ اور یہ بدلہ بھی محض اللہ رب العالمین کی بخشش اور رحمت سے ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا فرض یا جبر نہیں انسان تو اپنے عمل کی بدولت عذاب سے بچ جائے یہ ہی مشکل ہے۔ رہی جنت وہ تو خالص اس کے فضل وکرم ورحمت سے ملتی ہے لیکن اس کو بندوں کے عمل کا بدلہ قرار دینا یہ رب العالمین کی دوسری بندہ نوازی اور عزت افزائی ہے اور آخرت کی نجات اور وہاں کی تمام راحتیں خداوند قدوس کی بخشش ہی بخشش ہے تو اس میں اس طرف اشارہ ہو گیا کہ جو یہاں بوئے گا وہی وہاں کاٹے گا۔

عظمت الٰہی

آگے اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و جلال کی خبر دے رہے ہیں۔ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا کہ وہ رب جو متقی بندوں کو بدلہ دینے کا وعدہ فرما رہا ہے وہ ہے کہ جو اس پوری کائنات کا مالک ہے۔ جس کی بادشاہت آسمانوں سے لے کر زمین تک پھیلی ہوئی ہے اور کوئی ذرہ اس کی حکومت سے باہر نہیں۔ وہ سب کا رب ہے اور ساتھ ہی بڑا مہربان ہے۔ جس کی رحمت کا کچھ حساب نہیں۔ جس کے رحم نے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے۔ مگر باوجود اس قدر لطف ورحمت کے عظمت وجلال بھی اس کا ایسا ہے کہ کوئی اس کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا ہے جب تک کہ اس کی اجازت نہ ہو اور اس ہیبت و جلال و کبریائی کا اظہار اس دن ہوگا کہ جس روز تمام ذی روح اور فرشتے دربار خداوندی میں صف بستہ کھڑے ہوں گے اور اس کی ہیبت وجلال و کبریائی سے ہر ایک کا دل لرزتا ہوگا اور کوئی خوف وہیبت سے کلام نہ کر سکے

گا۔ مگر ان میں سے وہی کلام کر سکے گا جس کو اللہ تعالیٰ کلام کرنے کی اجازت دیں گے۔ اور اجازت پا کر بھی بات وہی کہے گا جو ٹھیک اور معقول ہو یعنی بولنا بھی محدود اور مقید ہوگا یہ نہیں کہ جو چاہے بولنے لگے مثلاً کسی غیر مستحق کی سفارش نہ کرے گا اور کسی کی گواہی میں اجازت پا کر بولے گا تو کچھ رورعایت نہ کرے گا۔ نہ کمی زیادتی کرے گا۔ جو بات ٹھیک ہے اسی قدر کہہ سکے گا۔ یہاں ان آیات میں لَا یَمْلِکُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا کسی کو اس کی طرف سے اختیار نہ ہو گا کہ عرض معروض کر سکے اور لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا کوئی بول نہ سکے گا بجز اس کے جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے دے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے ان آیات میں مشرکین عرب کے اس باطل عقیدہ کا رد فرمادیا گیا کہ جس کی بناء پر وہ ملائکہ اور انبیاء وصلحاء وغیرہ اور دیگر بتوں کو بھی اس غرض سے پوجتے تھے کہ ان کو خدا کے گھر کا مختار سمجھتے تھے۔ دنیا میں تمام حاجات کے پورا کرنے کا ان ہی کو مسبب کہتے تھے اور اسی لئے ان کی خوشنودی اور تقرب کے لئے ان کی نذر و نیاز کرتے تھے۔ آڑے وقت میں ان کے نام کی دہائی دیتے تھے المدد المدد پکارتے تھے اور اول تو آخرت کے وہ قائل ہی نہ تھے اور جو کسی درجہ میں قائل بھی تھے تو ان بتوں کو آخرت میں اپنی بخشش کا وسیلہ جانتے تھے۔

سفارش: اجازت حق تعالیٰ سے انبیاء سفارش بھی کریں گے تو اسی کی جس نے دنیا میں حق بات کہی تھی اور سب سے بڑھ کر حق بات لآ الٰہ الا اللہ ہے نہ ان کی جنھوں نے کفر بکا اور خدا کی ذات وصفات میں شریک اور حصہ دار ٹھہرائے۔

جو چاہے آخرت کی تیاری کر لے

آگے فرمایا گیا ذٰلِکَ الْیَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا وہ دن برحق ہے اس دن کا آنا یقینی ہے تو اب جو اپنی بہتری چاہے اس دن کی تیاری کر رکھے اور تقویٰ اختیار کر کے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنائے۔ ایمان و پرہیزگاری ہی کا سیدھا راستہ ہے جو حق سبحانہ تک پہنچتا ہے اس راہ میں چلتے چلتے انسان اللہ کے قرب و جوار رحمت میں پہنچ جاتا ہے۔

قیامت نزدیک ہے کافر کو پچھتانا پڑے گا

اخیر میں بطور حجت کے تمام انسانوں سے فرمایا جاتا ہے کہ اے بنی آدم ہم نے تو تمہیں نزدیک ہی آنے والی مصیبت سے خبردار کر دیا۔ گو قیامت کا دن دور ہو مگر جو لازمی اور یقینی آنے والی چیز ہو گو دور ہو پر قریب ہی سمجھنا چاہئے۔ عقلمند تو ہزار کوس دور کی مصیبت کو قریب سمجھتا ہے اور دنیا کی زندگی تو بہت ہی بے ثبات ہے۔ موت ہر ایک کے سر پر کھڑی ہے اور موت اس یوم قیامت کا دروازہ ہے اس لئے مر کر جو کچھ انسان کو پیش آنے والا ہے وہ بہت ہی قریب ہے۔ اس روز یعنی یوم قیامت میں انسان وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو دنیا میں نیک و بد اس نے کیا تھا۔ پھر جب وہ پردہ کھل جائے گا اور کافر اپنے کفر اور بداعمالی کو ہیبت ناک صورتوں میں دیکھے گا اور کوئی ٹھکانا اور پناہ کی جگہ اور صورت نظر نہ آئے گی تو کافر کہے گا۔ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا اے کاش کہ میں خاک ہوا ہوتا یا خاک ہو جاتا اور انسان نہ پیدا ہوا ہوتا جو آج اس مصیبت کو نہ دیکھنا پڑتا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً اور موقوفاً روایت ہے کہ قیامت کے دن جانوروں سے حساب کتاب کے بعد ایک دوسرے سے بدلہ دلایا جائے گا جس جانور نے کسی دوسرے جانور کو سینگ یا کھر مارا ہوگا وہاں اس کا بدلہ دلا کر حکم ہوگا کہ سب کے سب خاک ہو جاؤ چنانچہ وہ سب خاک ہو جائیں گے۔ یہ دیکھ کر اس وقت کافر آرزو اور تمنا کرے گا کہ اے کاش میں بھی خاک ہو جاتا اور اس انسانیت سے کہ جو میری خرابی کا سبب ہوئی دور رہتا۔

سورۃ النبا کا خلاصہ

اس سورت کا موضوع ''بعث بعد الموت'' ہے سورت کی ابتداء میں مشرکین کا وہ سوال مذکور ہے جو وہ انکار اور استہزاء کے طور پر قیامت کے بارے میں کرتے تھے' فرمایا ''یہ لوگ کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں' اس بڑی خبر کے متعلق جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔ کوئی اس کا اقرار کرتا ہے اور کوئی انکار' کوئی تذبذب کا شکار ہے اور کوئی اس کا اثبات کرتا ہے' حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے ''نبا العظیم'' (بڑی خبر) سے مراد قرآن عظیم لیا ہے' اس میں شک ہی کیا ہے کہ واقعی سب سے بڑی خبر اور سب سے بڑا کلام قرآن ہی ہے لیکن

سورت کے عمومی مزاج کو دیکھتے ہوئے یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ "نبا العظیم" سے مراد قیامت ہی ہے' اگلی آیات میں قدرتِ الٰہیہ کے دلائل اور قیامت کے مختلف مناظر اور جنت اور جہنم کا تذکرہ ہے' بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ جو زمین کو بچھونا' پہاڑوں کو میخیں' انسانوں کو جوڑا جوڑا' نیند کو ذریعۂ سکون' رات کو لباس' دن کو وقتِ معاش اور آسمان پر ساری دنیا کو روشن کرنے والا چراغ بنا سکتا ہے۔ وہ دوبارہ زندگی بھی عطا کرسکتا ہے اور ایسی عدالت بھی قائم کرسکتا ہے جس میں اولین اور آخرین کو جمع کیا جائے گا اور ان کے درمیان عدل کیا جائے گا۔ عدل اور حساب کے بعد کسی کا ٹھکانہ جنت ہوگا اور کسی کا جہنم۔ سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ قیامت کا دن برحق ہے اس کے وقوع میں کوئی شک نہیں' باوجود اللہ کے بے حد مہربان اور رحمٰن ہونے کے کسی کو اللہ کے سامنے تابِ گویائی نہ ہوگی' اس دن ہر شخص کا اعمال نامہ اس کے سامنے کردیا جائے گا اور اس کے بارے میں قطعی فیصلہ سنادیا جائے گا' اس فیصلہ کو سن کر کافر یہ تمنا کرے گا اے کاش! میں مٹی ہوتا۔ مٹی ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا' دوسرا یہ کہ میں تکبر نہ کرتا اور مٹی کی طرح مسکینی اور عاجزی اختیار کرتا' تیسرا مطلب یہ کہ میں انسان نہیں' حیوان ہوتا اور مجھے بھی حیوانوں کی طرح دوبارہ زندہ کرنے کے بعد مٹی بنادیا جاتا' یوں میں دوزخ کے عذاب سے بچ جاتا۔ یہ تمنا وہ اس وقت کرے گا جب وہ دیکھے گا کہ ویسے تو انسانوں کی طرح حیوانوں کو بھی زندہ کیا گیا لیکن انہیں زندہ کرنے کے بعد اور ان کے باہمی معاملات طے کرنے کے بعد انہیں مٹی بن جانے کا حکم دے دیا گیا۔

سورۃ النباء کے خواص

۱...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو سورۃ النباء پڑھتا رہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ٹھنڈا مشروب پلائیں گے۔

۲...... سورۃ النباء کی تلاوت کا معمول رکھنے سے آدمی چوری کے خطرات سے محفوظ رہتا ہے۔

۳...... جہاں کسی بھی موذی کی ایذا کا خطرہ ہو وہاں سورۃ النباء کی تلاوت کرنے سے آدمی موذی کے شر سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

دعا کیجئے

یَااَللّٰہُ یوم قیامت میں ہمیں سختیوں اور ہولناکیوں سے بچالیجئے اور اپنی رضا کے مقام جنت میں ہمارا ٹھکانا بنادیجئے۔ اے ہمارے رب آج عمل کا وقت ہے ہماری آنکھیں کھول دے۔ غفلت کو ہم سے دور فرمادے اور ہم سے وہ اعمال صالحہ کرالے کہ جو آخرت میں آپ کی رضا کا سبب بنیں اور آپ کے انعامات کا ذریعہ بنیں۔

یَااَللّٰہُ میں ہر ایسے گناہ سے پناہ چاہتا ہوں جو گمراہی اور کفر کی طرف لے جائے' راہ سے بے راہ کردے' لوگوں میں بے وقار کردے' دنیا و آخرت میں رسوائی ہوجائے اور دیگر ایسے گناہ کر گزرا تو الٰہی مجھے معاف فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ﴿۴﴾

قسم ہے ان فرشتوں کی جو جان سختی سے نکالتے ہیں۔اور جو بند کھول دیتے ہیں اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں۔پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ﴿۵﴾

پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں۔

وَالنّٰزِعٰتِ قسم گھسیٹ کر کھینچنے والے	غَرْقًا غوطا لگا کر	وَالنّٰشِطٰتِ اور چھڑانے والے	نَشْطًا کھول کر	وَالسّٰبِحٰتِ اور تیرنے والے	سَبْحًا تیزی سے		
فَالسّٰبِقٰتِ پھر آگے بڑھنے والے	سَبْقًا دوڑ کر	فَالْمُدَبِّرٰتِ پھر تدبیر کرنیوالے	اَمْرًا حکم کے مطابق				

سورۃ کی وجہ تسمیہ

اس سورۃ کا پہلا لفظ ''وَالنّٰزِعٰتِ'' ہے جس کا مطلب ہے ''قسم ہے کھینچنے والوں کی'' جس سے اکثر مفسرین نے ان فرشتوں سے مراد لی ہے جو کافروں کی جان سختی سے نکالتے ہیں۔اسی ابتدائی لفظ کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام النازعت رکھا گیا۔

شانِ نزول اور مرکزی مضمون

ہٹ دھرم، معاند اور ضدی کفار اپنی عقل کے آگے فرمودۂ خلاق عالم کو بھی کچھ خیال میں نہ لاتے تھے حالانکہ قیامت کا حادثہ بار باران کو قرآن سے سنایا جاتا تھا اور قدرت خداوندی کا اقتدار ان کو بتایا جاتا تھا لیکن وہ معاند کفار جب کہتے یہی کہتے کہ ہماری سمجھ میں تو قیامت کا آنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔اس لئے اس سورۃ کو اللہ پاک نے نازل فرما کر بتاکید تمام اثبات قیامت فرمایا۔یہ سورۃ اس مکی دور میں نازل ہوئی ہے جب کہ کفار مکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور آخرت کی عدالت میں پیش ہو کر اپنی پوری زندگی کے بارہ میں جواب دہی کرنا انہیں بہت ہی عجیب اور محال معلوم ہوتا تھا اور وہ اس حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔اس سورۃ میں قسمیہ کلام کے ساتھ فرمایا گیا کہ قیامت ضرور آئے گی اور جس روز آئے گی تو زمین پر لگاتار زلزلے آئیں گے اور سب نظام دنیا درہم برہم ہو جائے گا اور جب دوبارہ زندہ کر کے میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے تو قیامت کی ہولناکیوں سے دل لرز رہے ہوں گے اور آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ یہ منکرین آج یقین نہیں کرتے کہ مرنے کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا بلکہ اس کو ہنسی اور تمسخر میں یہ کہہ کر اڑا دیتے ہیں کہ میاں مرجانے اور ہڈیاں گل سڑ جانے کے بعد بھی کوئی زندہ ہوا ہے اور دوبارہ پیدا ہوا ہے۔ یہ کوئی عقل میں آنے کی بات ہے کہ دنیا کے مزے اس لئے چھوڑے جائیں کہ دوبارہ پھر زندہ ہو کر عیش و راحت کی دائمی زندگی گزارنا ہے۔ ہم تو اس کو نہیں مانتے کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی بھی آنی ہے۔ایسے لوگوں کے لئے فرعون کا ذکر کیا گیا کہ پچھلی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ خدا کے باغیوں اور حق کی مخالفت کرنے والوں کو بڑی بڑی سزائیں بھگتنا پڑیں۔

روح کو زور سے کھینچنے والوں کی قسم

یہاں اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے پانچ قسمیں کھائی ہیں اور ان پانچوں قسموں کے بعد فرمایا کہ قیامت ضرور آئے گی پہلی قسم ہے وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا اس کا لفظی معنی ہیں قسم ہے زور سے اور سختی سے کھینچنے والوں کی لیکن اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہاں ان فرشتوں کی قسم مراد

ہے جو کافروں کی جان نہایت سختی سے نکالتے ہیں۔

روح کو آسانی سے نکالنے والوں کی قسم

دوسری قسم ہے وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا یعنی قسم ہے آسانی کے ساتھ کھول دینے والوں کی مراد اس سے وہ فرشتے ہیں کہ جو اہل ایمان کی روح آسانی سے نکالتے ہیں۔ گویا نیکوں کے روح کی جو گرہ جسم سے لگی ہوئی ہے وہ کھول دی جاتی ہے۔ اور ان کی روح کا جسم سے جدا ہونا ان کے لئے ایسا ہی آسان ہوتا ہے جیسے کہ کوئی گرہ کھل گئی۔

جانیں نکالتے وقت فرشتوں کا رویہ مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف ہوتا ہے۔ جو لوگ اس دنیا کی زندگی میں اللہ سے بغاوت و سرکشی کرتے رہے جنہوں نے اس کے احسانات اور خالقیت اور ربوبیت کو نہیں پہچانا اور اس کی بھیجی ہوئی ہدایات کو نہیں مانا اور اس کے احکام کی نافرمانی کرتے رہے اور زندگی بھر اپنے نفس یا اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کی پیروی میں لگے رہے ان کی روح نکالتے وقت اللہ کے یہ کارندے یعنی فرشتے ان کے ساتھ نہایت سختی اور ذلت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

تیرنے والوں کی قسم

آگے تیسری قسم ہے وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا اور قسم ہے تیزی سے تیرنے والوں کی یعنی قسم ہے ان فرشتوں کی جو ارواح لے کر زمین سے آسمان کی طرف اس طرح جلدی اور سہولت سے چلتے ہیں گویا کہ وہ تیرتے ہوئے چلتے ہیں۔ حضرت براء بن عازب ؓ کی ایک طویل حدیث ہے۔ اسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب فرشتے مومن کی قبض کی ہوئی روح کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے قریب سے وہ روح گزرتی ہے وہ جماعت یہ کہتی ہے کہ کون ہے یہ پاک روح وہ فرشتے جو اس کو لے جا رہے ہوتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ فلاں شخص ہے اور فلاں کا بیٹا ہے یعنی اس کے وہ بہترین نام ولقب بتاتے ہیں جو دنیا میں اس مومن کے ذکر کئے جاتے تھے یہاں تک کہ یہ فرشتے آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں۔ اسی طرح ہر آسمان کے دروازہ پر ہوتا ہے اور دروازہ اس کے لئے کھولا جاتا ہے اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک اس کے ساتھ جاتے ہیں یہاں تک کہ اس روح کو ساتویں آسمان تک پہنچایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے کے نامہ اعمال کو مقام علیین میں رکھو اور اس کو زمین کی طرف واپس لے جاؤ۔ یعنی اس کے جسم میں جو مدفون ہے لوٹا دو۔ میں نے زمین ہی سے جسموں کو پیدا کیا ہے۔ زمین ہی میں ان کو واپس بھیجتا ہوں اور زمین ہی سے ان کو دوبارہ نکالوں گا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس روح کو پھر اس کے جسم میں ڈال دیا جاتا ہے اور پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں پھر آگے حدیث میں سوال جواب وغیرہ کی تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں۔ پھر کافر کی روح کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے جب اس روح کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے قریب سے یہ روح گزرتی ہے وہ یہی کہتے ہیں کہ یہ کس کی ناپاک روح ہے، فرشتے جواب دیتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا یعنی اس کے تمام برے ناموں اور لقبوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے دنیا میں اس کو مخاطب کیا جاتا تھا یہاں تک کہ اس کو لے کر فرشتے آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں اور دروازہ کھولنے کے لئے کہتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ یعنی نہیں کھولے جاتے کافروں کے لئے دروازے آسمانوں کے اور نہ وہ داخل ہوں گے جنت میں جب تک داخل نہ ہو اونٹ سوئی کے ناکہ میں یعنی ان کا جنت میں جانا ناممکن ہے پھر خداوند تعالیٰ حکم دے گا کہ اس کے نامہ اعمال کو سجین میں رکھو پھر اس کی روح پھینک دی جائے گی۔ پھر ڈالی جاتی ہے روح جسم میں اور دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور پھر سوال و جواب کی تفصیلات وغیرہ بیان کی گئی ہیں۔

تیزی سے دوڑنے والوں کی قسم

چوتھی قسم فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا فرمائی یعنی قسم ان فرشتوں کی جو تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں یہ اوپر ذکر کی ہوئی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ جب ارواح کو لے کر فرشتے اوپر پہنچتے ہیں تو ان ارواح کے باب میں جو حکم خداوندی ہوتا ہے اس کے بجا لانے کے لئے فرشتے تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔ فرشتے چونکہ احکام خداوندی بجالانے میں بڑے مستعد ہیں

انہیں جوحکم ملتا ہے اسے تیزی اور مستعدی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

تدبیر کرنے والوں کی قسم

پانچویں قسم فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا فرمائی یعنی قسم ان فرشتوں کی جو ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں یہ اوپر حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ دنیا سے جو فرشتے ارواح قبض کر کے اوپر آسمان پر لے جاتے ہیں تو ان ارواح کے متعلق احکام خداوندی ہوتے ہیں یا تو ان کے ساتھ انعام واحسان کے اگر وہ مومنین کی ارواح تھیں یا عذاب وعقاب کے اگر وہ کفار کی تھیں۔ مثلاً مومنین کی ارواح جب قبر میں سوال و جواب کے لئے واپس لائی جاتی ہیں اور وہ ٹھیک ٹھیک جواب دیتی ہیں تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے اس کے لئے جنت کا بستر بچھاؤ۔ اور جنت کا لباس اس کو پہناؤ اور جنت کی طرف ایک کھڑکی کھول دو جس سے اس کو قبر میں جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے اور پھر اس کی قبر کو حد نظر تک کشادہ کر دیا جاتا ہے اور اس طرح کافر جب قبر میں فرشتوں کے سوال کے جواب صحیح نہیں دیتا تو اس کے لئے حکم ہوتا ہے کہ اس کے لئے آگ کا فرش کرو۔ ایک دروازہ جہنم کی جانب اس کے لئے کھول دو۔ چنانچہ جہنم کی طرف دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اور جہنم کی گرم ہوا اور گرمی اس کو پہنچے گی اور اس کی قبر کو تنگ کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر نکل جائیں گی۔ الغرض ارواح کے متعلق ثواب کا حکم ہو یا عذاب کا ہر امر کی تدبیر فرشتے کرتے ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا میں فرمایا گیا تو یہ پانچوں قسم کھا کر فرمایا گیا کہ قیامت ضرور آئے گی۔

ان سب کی قسم کہ قیامت ضرور آئے گی۔

یہ پانچوں قسمیں بطور دلائل کے ہیں اور اس امر پر شاہد ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی اور مرنے کے بعد باردیگر سب زندہ کئے جائیں گے اور سب سے حساب لیا جائے گا۔ اگر موت امر یقینی ہے تو قیامت بھی ایسے ہی یقینی امر ہے اور یہ موت قیامت کا ایک دروازہ ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ **من مات قامت قیامة** جو شخص مر گیا اس کی قیامت برپا ہو گئی۔

دعا کیجئے

یَااللّٰہ موت اور اس کے بعد والی تمام منازل کو ہمارے لئے آسان اور باعث راحت بنا دیجئے اور مرنے کے بعد ہمارے نامۂ اعمال کو علیین میں رکھا جانا نصیب فرمائیے۔

یَااللّٰہ موت آخرت کی پہلی منزل ہے اس منزل سے ہمیں کامیابی کے ساتھ گزارنا نصیب فرما حتیٰ کہ آخرت کی آخری منزل یعنی جنت تک ہمیں اپنے فضل وکرم سے پہنچا۔

یَااللّٰہ میں تو نافرمانی کرتا رہا لیکن آپ نے اپنے حلم سے مجھے ڈھیل دیدی' مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھ کر بھی مجھے چھوڑے رکھا' اس بداعمالی کے ساتھ میں نے جو مانگا آپ نے دیا۔ آپ کا کہاں تک شکر ادا کروں' مجھ پر میرے دشمنوں نے خفیہ وعلانیہ حملے کئے مجھے ایذا پہنچانی چاہی لیکن آپ نے مجھے ان سے ان کے حملوں سے بچالیا اور مجھے رسوا نہ ہونے دیا۔ آپ نے مجھ گنہگار و عاصی کی اس طرح مدد کی جیسے آپ اپنے اطاعت گزار بندوں کی مدد فرماتے ہیں۔ مجھے اس طرح رکھا جیسے اپنے پسندیدہ بندوں کو رکھا کرتے ہیں لیکن اے پروردگار! اس کرم کے ہوتے ہوئے بھی میں گناہوں کا ارتکاب کرتا رہا اور باز نہ آیا' الٰہی! مجھے محض اپنے فضل وکرم سے بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ﴿٨﴾ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾

جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی۔ جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجاوے گی۔ بہت سے دل اس روز دھڑک رہے ہوں گے۔ ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی۔

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ

کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے۔ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہوجاویں گے پھر واپس ہوں گے۔ کہنے لگے کہ اس صورت میں یہ واپسی بڑے

خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾

خسارہ کی ہوگی۔ تو وہ بس ایک ہی سخت آواز ہوگی۔ جس سے سب لوگ فوراً ہی میدان میں آموجود ہوں گے۔

يَوْمَ دن	تَرْجُفُ کانپے	الرَّاجِفَةُ کانپنے والی	تَتْبَعُهَا اسکے پیچھے آئے	الرَّادِفَةُ پیچھے آنے والی	قُلُوبٌ کتنے دل	يَوْمَئِذٍ اس دن	وَاجِفَةٌ دھڑکنے والے			
أَبْصَارُهَا ان کی نگاہیں	خَاشِعَةٌ جھکی ہوئی	يَقُولُونَ وہ کہتے ہیں	أَإِنَّا کیا ہم	لَمَرْدُودُونَ لوٹائے جائیں گے	فِي میں	الْحَافِرَةِ پہلی حالت	أَإِذَا کیا جب			
كُنَّا ہم ہونگے	عِظَامًا ہڈیاں	نَخِرَةً کھوکھلی	قَالُوا وہ بولے	تِلْكَ یہ	إِذًا پھر	كَرَّةٌ واپسی	خَاسِرَةٌ خسارہ والی	فَإِنَّمَا پھر تو صرف	هِيَ وہ	زَجْرَةٌ ڈانٹ
وَاحِدَةٌ ایک	فَإِذَا پھر اس وقت	هُمْ وہ	بِالسَّاهِرَةِ میدان میں							

قیامت کے ہولناک مناظر

ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت کا آئے گا تو وہ کیسا ہولناک اور سخت وقت ہوگا۔ قرآن کریم میں قیامت کی ہولناکی کا منظر مختلف انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ کہیں سورج چاند کے ٹکرائے جانے کا ذکر ہے کہیں اجرام فلکی کے پھٹ جانے کا تذکرہ ہے۔ کہیں پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہوکر دھنی ہوئی اون کی طرح اڑ جانے کا بیان ہے۔ کہیں زمین کو بری طرح ہلا ڈالنے کا نقشہ سامنے رکھا گیا ہے۔ یہ دراصل انسانوں کو اس ہولناک منظر کا کچھ نہ کچھ تصور دینے کے لئے ہے ورنہ واقعۃً اس دن جو کچھ ہوگا اس کا پورا پورا تصور انسانی ذہن میں نہیں آسکتا۔ لیکن اس واقعہ کی شدت اور اہمیت سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہی الفاظ میں جو ہم دنیا میں رہ کر سمجھتے ہیں قیامت کا تذکرہ بار بار فرمایا ہے۔

سب نیست و نابود ہوجائیں گے

چنانچہ یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت کا دن آئے گا اور پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو اس صور پھونکنے سے جس کی آواز رفتہ رفتہ بلند اور سخت ہوتی جائے گی حتیٰ کہ بجلی کی کڑک کے مانند سخت ہوجائے گی تو زمین اور پہاڑ وغیرہ جو اس میں ہیں سب لرزنے اور کانپنے لگیں گے اور شدید زلزلہ آئے گا اور یہ زمین وآسمان حیوان وانسان اور تمام کائنات سب نیست و نابود ہوجائیں گے۔

پھر سب زندہ ہوں گے

اس کے بعد جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو تمام انسان اولین وآخرین دوبارہ پیدا کر کے کھڑے کئے جاویں گے۔ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسان اسی شکل میں پیدا ہوں گے جیسے کہ بطن مادر سے برہنہ تن پیدا ہوئے تھے مگر شدت ہول وخوف کے سبب سب کی آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوں گی اور کوئی شخص کسی کی شرمگاہ پر نظر نہ ڈال سکے گا اگر ڈالے بھی تو بچوں کی طرح اس وقت دواعی شہوت سے خالی ہوگا۔ سب کو حساب وکتاب کے لئے میدان حشر میں جمع کیا جائے گا۔ اس وقت جن لوگوں نے دنیا میں قیامت کا انکار کیا تھا اور وہاں کے لئے سامان نہ کیا تھا اور بداعمالیوں میں اپنی دنیاوی زندگی رائیگاں کردی تھی ان کے قلوب اس وقت عذاب الٰہی کے خوف سے دھڑک رہے ہوں گے اور ان کی آنکھیں ندامت اور شرمندگی سے نیچی ہوں گی۔

منکرین قیامت کی حماقت

یوم قیامت کا یہ حال بیان فرما کر آگے کفار و منکرین قیامت کے اقوال کو نقل فرمایا گیا ہے کہ یہ منکرین آج دنیا میں قیامت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ دنیا میں مر جانے کے بعد پھر وہ دوبارہ کس طرح زندہ ہو جائیں گے کبھی تو وہ تعجب و حیرت کے ساتھ پوچھتے ہیں کہ جب ہماری ہڈیاں گل سڑ کر مٹی ہو جائیں گی تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ دوبارہ زندگی مل جائے اور یہ جسم جو گل سڑ کر مٹی ہو جائے گا کس طرح دوبارہ پیدا ہو سکتا ہے۔ گویا ایسا ہونا بالکل محال اور ناممکن ہے اور کبھی یہ منکر موت کے بعد والی زندگی کا مذاق اڑاتا ہے اور اس طرح گویا وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کی نظر میں وہ بات اس قابل نہیں کہ وہ اس پر سنجیدگی سے غور کرے۔ اسی طرح قیامت کا انکار کرنے والے منکرین بطور مذاق کے کہتے ہیں کہ اگر ہمیں دوبارہ زندگی ملی تو یہ بڑے گھاٹے کی بات ہوگی۔ یہ منکرین کا کہنا بطور تمسخر تھا کیوں کہ وہ اہل حق کے عقیدہ پر ہنسی اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے عقیدہ کے موافق تو ہم بڑے خسارہ میں رہیں گے۔ یہ ان کا کہنا اسی طرح تھا کہ کوئی شخص کسی کو خیر خواہی سے ڈرائے کہ اس راہ مت جانا شیر ملے گا اور مخاطب تکذیب کے طور پر کسی سے کہے کہ بھائی ادھر مت جانا شیر کھا جائے گا۔ مطلب یہ کہ وہاں شیر ویر کچھ نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ آگے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ قیامت کو بعید اور ناممکن سمجھ رہے ہیں۔

سب ایک ڈانٹ سے میدان میں جمع ہو جائیں گے

حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سب کام دم بھر میں ہو جائیں گے۔ جہاں ایک ڈانٹ پلائی یعنی صور پھونکا اسی وقت بلا توقف سب اگلے پچھلے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دیں گے۔ یہاں آیت میں فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ فرمایا یعنی سب لوگ میدان میں آموجود ہوں گے۔

ساھرۃ اس چٹیل میدان کو کہتے ہیں جہاں دشمن کے حملہ سے بچنے کے لئے کوئی آڑ یا پناہ نہ ہو اور اس میدان میں انسان کو ڈر کے مارے نیند نہ آسکے اور وہ رات بھر بے چینی کے ساتھ جاگ کر گزارے۔ تو اس لفظ **ساھرۃ** میں قیامت کی ہولناکی کا منظر پیش کرنے کے ساتھ ساتھ منکرین کی ان غلط آرزوؤں اور امیدوں کی تردید بھی کردی گئی کہ جو اس امید پر بے غم ہیں کہ اگر بالفرض قیامت آئی بھی تو وہاں سفارش کردی جائے گی اور اللہ کے سوا انہوں نے جن کو اپنا سرپرست و حمایتی و مددگار ٹھہرا لیا ہے وہ انہیں وہاں بچا لیں گے اگر کوئی سختی وہاں ہوئی تو انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ان کا خیال غلط ہے وہ قیامت میں اپنے آپ کو ایک میدان میں پائیں گے جہاں نہ ان کا کوئی یار ہوگا نہ مددگار۔

دعا کیجئے

یا اللہ اس دنیا میں ہمیں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما دیجئے جو آخرت میں آپ کی رضا اور مغفرت کا سبب ہوں اور ان اعمال سے بچا لیجئے جو گرفت اور مواخذہ کا سبب ہوں۔

یا اللہ قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھئے اور وہاں کے خسارہ اور نقصانات سے بچا لیجئے۔

یَا اَللّٰہُ میں ہر اس گناہ کی معافی چاہتا ہوں جس کی لذت سے میں نے ساری رات کالی کر دی، اس کی فکر میں دماغ سوزی کرتا رہا، رات سیاہ کاری میں گزاری اور صبح نیک بن کر باہر آیا حالانکہ میرے دل میں بجائے نیکی کے وہی گناہ کی گندگی بھری رہی۔

یَا اَللّٰہُ تیری ناراضگی کا کوئی خوف ہی نہ کیا، میرا کیا حال ہوگا۔ الٰہی! مجھے اپنی مہربانی سے معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ

کیا آپ کو موسیٰ کا قصہ پہنچا ہے۔ جب کہ اُن کو اُن کے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ

اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ

اُس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے۔ سو اس سے کہو کہ کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہو جائے۔ اور میں تجھ کو تیرے رب کی طرف سے رہنمائی کروں تو تو ڈرنے لگے

الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾

پھر اس کو بڑی نشانی دکھلائی۔ تو اس نے جھٹلایا اور کہنا نہ مانا۔ پھر جدا ہو کر کوشش کرنے لگا۔ اور جمع کیا پھر آواز بلند تقریر کی۔ اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾

سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا۔ بے شک اس میں ایسے شخص کیلئے بڑی عبرت ہے جو ڈرے۔

هَلْ کیا	اَتٰىكَ پہنچی تیرے پاس	حَدِيْثُ بات	مُوْسٰى موسیٰ	اِذْ نَادٰىهُ جب پکارا اسے	رَبُّهٗ اس کا رب	بِالْوَادِ میدان	الْمُقَدَّسِ مقدس			
طُوًى طویٰ	اِذْهَبْ جاؤ تم	اِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون	اِنَّهٗ بیشک اس	طَغٰى سرکشی کی	فَقُلْ پس کہو تم	هَلْ کیا	لَكَ تجھ کو	اِلٰى طرف	اَنْ کہ
تَزَكّٰى تو سنور جائے	وَاَهْدِيَكَ اور تجھے راہ دکھاؤں	اِلٰى طرف	رَبِّكَ تیرا رب	فَتَخْشٰى پس تو ڈرے	فَاَرٰىهُ اس کو دکھائی	الْاٰيَةَ نشانی				
الْكُبْرٰى بڑی	فَكَذَّبَ اسنے جھٹلایا	وَعَصٰى اور نافرمانی کی	ثُمَّ اَدْبَرَ پھر پیٹھ پھیر کر چلا	يَسْعٰى دوڑتا ہوا	فَحَشَرَ پھر جمع کیا	فَنَادٰى پھر پکارا				
فَقَالَ پھر اس نے کہا	اَنَا میں	رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى تمہارا رب سب سے بڑا	فَاَخَذَهُ تو اس کو پکڑا	اللّٰهُ اللہ	نَكَالَ سزا	الْاٰخِرَةِ آخرت	وَالْاُوْلٰى اور دنیا			
اِنَّ بیشک	فِيْ میں	ذٰلِكَ اس	لَعِبْرَةً عبرت	لِّمَنْ اس کیلئے جو	يَّخْشٰى ڈرے					

فرعون کے واقعہ سے عبرت پکڑو: قیامت کا ذکر کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر فرمایا جاتا ہے تا کہ منکرین کو اس قصہ سے درس عبرت حاصل ہو کہ اگر کفار مکہ نے نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہی کیا جو فرعون اور اس کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا کہ نہ انکا کہنا مانا۔ نہ ان کے معجزات کو تسلیم کیا بلکہ اسے جادو قرار دیا تو پھر ان کے لئے بھی دنیا اور آخرت میں وہی سزا ہو گی۔ یعنی جس طرح فرعون دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوا اور سمندر میں ڈبو کر مارا گیا اور آخرت میں عذاب جہنم اس کے لئے تیار ہے اسی طرح ان مکذبین و منکرین کو بھی دنیا اور آخرت میں سوائے خواری کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے منکرین ہوش میں آئیں اور اگر انہیں اپنی دین و دنیا کی صلاح و فلاح مطلوب ہے تو ایمان لائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانیں۔

فرعون کا مختصر تذکرہ: قرآن پاک میں ایک ہی واقعہ کو بار بار مختلف جگہ بیان کیا گیا ہے مگر ہر جگہ اس واقعہ یا اس کے خبر کو بیان کرنے میں کوئی غرض و غایت اور خاص وجہ ہوتی ہے اور یہ بات قرآن کی آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر تفصیلاً و اجمالاً متعدد جگہ گذشتہ سورتوں میں بیان ہو چکا ہے یہاں اجمالاً بعض واقعات کی طرف اشارہ ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کی طرف واپس آ رہے تھے تو طویٰ کی مقدس وادی میں جہاں آپ آگ کی تلاش میں گئے تھے آپ کو اللہ رب العالمین

کی طرف سے منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا گیا اور آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ فرعون بادشاہ مصر کے پاس اللہ کے رسول کی حیثیت سے جائیں اور اسے سیدھے راستہ کی طرف بلائیں اور دین حق اور توحید کی تبلیغ کریں کیونکہ فرعون اپنی شرارتوں میں حد سے تجاوز کر گیا ہے حتیٰ کہ انسان اور مخلوق ہو کر خدائی کا دعویدار بن بیٹھا ہے۔ تو آپ فرعون کے پاس جا کر اس سے کہیں کہ دیکھ تیرا یہ رویہ نہایت ناپاک ہے کہ جو مصر کے لوگوں کا خدا بن بیٹھا ہے۔ اگر تجھے سنورنے کی خواہش ہو تو میں اللہ کے حکم سے سنوار سکتا ہوں اور ایسی راہ بتا سکتا ہوں کہ جس پر چلنے سے تیری انسانیت کا سدھار ہو سکتا ہے اور تیرے اندر نفس کی شرارت و بغاوت سے جو گندگیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ دور ہو سکتی ہیں اور جس راہ پر چل کر تو اللہ کے نیک اور مقرب بندوں میں شامل ہو سکتا ہے اور اپنے حقیقی حاکم اور مالک کو راضی کر سکتا ہے اور جس راہ پر چل کر تیرے دل میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرکشی کرنے کی سزا کا خوف پیدا ہو جائے اور اسی کے نتیجہ میں آئندہ سرکشی و نافرمانی سے باز آ جائے اور تو اللہ کی ذات و صفات کو سن کر اس سے ڈرنے لگے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام تعمیل ارشاد خداوندی کرتے ہوئے فرعون کے پاس گئے اور اسے جا کر پیغام خداوندی پہنچایا اور رسالت کے ثبوت میں اپنے عصا اور ید بیضاء کے اعجازی نشانات بھی دکھائے لیکن وہ ضدی اور متکبر فرعون کب ماننے والا تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کے دعوے کو افتراء اور جھوٹ قرار دیا۔ اور آپ کی ہدایات قبول کرنے اور بات ماننے سے انکار کر دیا اور آپ کے معجزات کو جادو ٹھہرایا اور اتنا ہی نہیں بلکہ وہ حضرت موسیٰ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا اور اس بات کی کوشش اور فکر میں لگ گیا کہ اپنے ملک کے مشہور جادوگروں کو بلائے اور حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرا کر لوگوں کو یہ بتا دے کہ واقعی موسیٰ نے جو پیش کیا ہے وہ محض جادو ہے اور جادو کے ذریعہ سے آپ کو مغلوب کر کے آپ کے دعویٰ نبوت کو غلط ثابت کرے۔ اس غرض سے اس نے اپنی سلطنت کے مشہور جادوگروں کو جمع کیا اور یہ اعلان کرا دیا کہ موسیٰ جو کچھ کہہ رہے ہیں سب غلط ہے۔ حاکم اور مالک میں خود ہوں اور موسیٰ علیہ السلام کا یہ دعویٰ کہ اصل مالک اور حاکم کوئی اور ہے اور اس نے انہیں اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے بالکل غلط ہے۔ میرے سوا کوئی مالک و مختار نہیں۔ اطاعت میرے ملک میں میری ہوگی میرے سوا یہاں کسی دوسرے کا حکم نہیں چل سکتا۔ مجھ سے بالاتر اور کوئی وجود نہیں ہے۔ الغرض جادوگروں سے مقابلہ کرایا گیا جادوگروں کو شکست ہوئی اور جادوگر ایمان لے آئے۔ لیکن فرعون اور زیادہ متکبر ہو گیا اور اپنی سرکشی و نافرمانی پر قائم رہا۔ ایک عرصہ تک فرعون اور اس کی قوم کو مہلت دی گئی کہ وہ بات سمجھ لیں اور حق کو مان لیں اور اپنی غلط روش کو چھوڑ کر سیدھے راستہ پر آ جائیں لیکن جب ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ حق کو کبھی مان کر نہیں چلنے والے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مہلت ختم کر دی اور ان کے لئے عذاب کا فیصلہ فرما دیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا و آخرت میں رسوا کیا۔

فرعون کے لئے دنیا و آخرت کی رسوائی

دنیا میں تو اس طرح رسوا کیا کہ جب فرعون موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکل جانے پر گرفتار کرنے کے لئے اپنے لاؤ لشکر سمیت گیا تو بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں بحر قلزم سے پار اتر گئے کیونکہ بحکم خداوندی ان کو سمندر نے راستہ دے دیا مگر جب فرعون اور اس کا لشکر آیا تو پھر پانی اللہ کے حکم سے مل گیا اور فرعون آن کی آن میں بمعہ اپنے لشکر کے سب ڈوب کر مر گئے۔ اور آخرت میں اس طرح رسوائی ہوگی کہ وہاں ان کے عذاب کے لئے جہنم تیار ہے جس میں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب بھگتیں گے۔ اخیر میں فرمایا گیا کہ یہ ہے انجام اللہ کے مقابلہ میں سر اٹھانے کا اور اس کی ہدایات سے منہ موڑنے کا۔ اس قصہ میں بہت سی باتیں سوچنے اور عبرت پکڑنے کی ہیں لیکن اس کے لئے جس کے دل میں اللہ کا کچھ خوف ہو اور جو یہ مانتا ہو کہ واقعی اس جہان کا کوئی خالق و مالک ہے جو بڑا مہربان ہے کہ بندوں کی ہدایت کا بار بار انتظام فرماتا ہے اور نیکی کی راہ پر چلنے والوں کو اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازتا ہے اور غلط راہ پر چلنے والوں کو سزا دیتا ہے اور جو بڑی طاقت اور قدرت والا ہے کہ کوئی اس کی پکڑ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا

بھلا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا۔اللہ نے اس کو بنایا۔اس کی سقف کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا۔اور اس کی رات کو تاریک بنایا

وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾

اور اس کے دن کو ظاہر کیا۔اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔اُس سے اُس کا پانی اور چارہ نکالا

وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

اور پہاڑوں کو قائم کردیا۔تمہارے اور تمہارے مواشی کے فائدہ پہنچانے کیلئے۔

ءَاَنْتُمْ کیاتم	اَشَدُّ زیادہ مشکل	خَلْقًا بنانا	اَمِ یا	السَّمَآءُ آسمان	بَنٰىهَا اس کو بنایا	رَفَعَ بلند کیا	سَمْكَهَا اس کی چھت	فَسَوّٰىهَا پھر اس کو درست کیا
وَاَغْطَشَ تاریک کردیا	لَيْلَهَا اس کی رات	وَاَخْرَجَ اور نکالی	ضُحٰىهَا دن کی روشنی	وَالْاَرْضَ اور زمین	بَعْدَ بعد	ذٰلِكَ اس	دَحٰىهَا اس کو بچھایا	
اَخْرَجَ نکالا	مِنْهَا اس سے	مَآءَهَا اس کا پانی	وَمَرْعٰىهَا اور اس کا چارہ	وَالْجِبَالَ اور پہاڑ	اَرْسٰىهَا قائم کیا اسکو	مَتَاعًا فائدہ	لَكُمْ تمہارے لئے	
وَلِاَنْعَامِكُمْ اور تمہارے چوپایوں کیلئے								

قیامت کے واقع ہونے پر عقلی دلائل

گذشتہ آیات میں منکرین قیامت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ سنا کر درس عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔اس طرح جو منکرین قیامت کے وقوع کے منکر تھے ان کو ڈرایا گیا تھا اور ان کے لئے اس واقعہ میں دلیل نقلی بیان فرمائی گئی کیونکہ تمام انبیاء ورسل نے قیامت کو حق بتلایا ہے اور اس سے ڈرایا ہے۔ اب آگے قیامت کے وقوع پر عقلی دلائل بیان فرمائے جاتے ہیں اور ان آیات میں منکرین قیامت سے خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ ذرا سوچو اور بتاؤ تو سہی کہ تمہارا دوبارہ پیدا کرنا اور وہ بھی ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد آسمان وزمین اور پہاڑوں کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل تو نہیں جب اتنی بڑی بڑی چیزوں کا خالق تم اس کو مانتے ہو تو پھر اپنی دوبارہ پیدائش میں کیوں شک وتردد ہے۔آسمان کو خیال کرو کتنا عظیم الشان کس قدر اونچا' کتنا مضبوط' کیسا صاف وہموار اور کس درجہ مرتب ومنظم ہے۔کس قدر زبردست انتظام اور باقاعدگی کے ساتھ اس کے سورج کی رفتار سے رات ودن کا سلسلہ قائم ہے۔رات کی اندھیری میں اس کا سماں کچھ اور ہے اور دن کے اجالے میں ایک دوسری شان نظر آتی ہے۔پھر جس نے بساط ارضی میں وسعت بخشی اور اس کا پھیلاؤ اس طرح سے کردیا کہ تمہارے لئے موجب راحت ہو اور جس نے اسی زمین ہی سے تمہارے لئے جسمانی غذا کا سامان اس طرح کیا کہ اس میں سے پانی کے چشمے جاری کئے اور مختلف اقسام کے غلے' میوے' پھل سبزیاں پیدا کیں جن پر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے اور جس نے زمین پر بلند وبالا اور مضبوط پہاڑ قائم کئے کہ جو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھاتے اور زمین کو بھی بعض خاص قسم کے اضطرابات سے محفوظ رکھنے والے ہیں اور جن کی سردی سے ٹکرا کر بخارات آبی بادلوں اور پھر پانی کی صورت میں تبدیل ہو کر بارش برساتے ہیں جس سے لوگوں کے کھانے کے لئے اناج غلہ وغیرہ اور جانوروں کے لئے چارہ کی پیداوار ہوتی ہے تو جس قادر مطلق خالق ارض وسما نے یہ سب کچھ پیدا کیا اس کی قدرت لامتناہی کے بارہ میں تم کو کیوں شک ہے کہ تم کو تمہارے مرکھپ جانے کے بعد پھر دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا۔

تو ان آیات میں قیامت کے ثبوت کے سلسلہ میں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) انسان کا دوبارہ زندہ کیا جانا ممکن ہے۔ اللہ کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔

(۲) اس ساری کائنات کا نظم انتہائی حسن تدبیر کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کے ہر ہر کام سے انتہائی حکمت ظاہر ہوتی ہے تو ایک ایسا باحکمت نظام یونہی بے مقصد نہیں ہوسکتا۔ اس کا کوئی انجام اور مقصد ہونا چاہئے اور وہ انجام و مقصد ہی آخرت ہے۔

(۳) انسان پر اللہ تعالیٰ نے جو بے شمار انعامات کئے ہیں اور جن سے وہ ہر آن دنیا میں فائدہ اٹھارہا ہے تو ان انعامات کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ انعامات دینے والا یہ نہ دیکھے کہ کس نے انہیں پا کر شکر ادا کیا اور کس نے ناشکری کی حق و انصاف کا تقاضہ بھی ہے کہ ایک دن ایسا ضرور ہونا چاہئے جب یہ جانچا جائے کہ کس نے اللہ کی نعمتوں کا صحیح استعمال کیا اور اس کا شکر ادا کیا اور کون انہیں غلط طریقہ پر کام میں لایا اور اس کی ناشکری کی۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اس کائنات کے ذرہ ذرہ سے اپنی ذات عالی کی معرفت ہم کو نصیب فرمائیں اور اس دنیا کی زندگی میں جو حق تعالیٰ نے اپنے بے شمار احسانات و انعامات ہم پر فرما رکھے ہیں ان کا احساس ہم کو نصیب فرمائیں اور ان پر حقیقی شکر گزاری کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

یَااللہ میں اس گناہ کی بھی معافی چاہتا ہوں جس کے سبب آپ کے کسی ولی پر ظلم کیا ہو یا آپ کے کسی دشمن کی مدد کی ہو یا تیری مخالفت میں چل کھڑا ہوا ہوں یا تیرے اوامر و نواہی کے خلاف تگ ودو میں لگا رہا ہوں ایسے سب گناہ معاف فرما دیجئے۔

یَااللہ اس گناہ سے بھی معافی دے کہ میں نے مسلمانوں میں بغض و عداوت اور منافرت پھیلا دی ہو یا میرے گناہوں کے باعث مسلمانوں پر آفت و مصیبت آ گئی ہو یا میرے گناہ کی وجہ سے دشمنان اسلام کو ہنسنے کا موقع ملا ہو یا دوسروں کی میرے گناہ کی وجہ سے پردہ دری ہوئی ہو یا میرے گناہ کے باعث مخلوق پر بارش برسانے سے روک لی گئی ہو۔ الٰہی! میرے سب گناہ بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ

سو جب وہ بڑا ہنگامہ آوے گا جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا۔اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کی جاوے گی۔

لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا

تو جس شخص نے سرکشی کی ہوگی۔اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی۔ سو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگا۔اور جو شخص

مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾

اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا۔سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق اس کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے۔

اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾

آپ تو صرف اس شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو۔جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو ایسا معلوم ہوگا گویا (دنیا میں) صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں رہے ہیں۔

فَاِذَا پھر جب	جَآءَتِ وہ آئے	الطَّآمَّةُ ہنگامہ	الْكُبْرٰى بڑا	يَوْمَ دن	يَتَذَكَّرُ یاد کرے گا	الْاِنْسَانُ انسان	مَا جو	سَعٰى اس نے کمایا		
وَبُرِّزَتِ ظاہر کردی جائے گی	الْجَحِيْمُ جہنم	لِمَنْ اس کے لئے جو	يَرٰى وہ دیکھے گا	فَاَمَّا پس	مَنْ جو۔جس	طَغٰى سرکشی کی	وَاٰثَرَ ترجیح دی			
الْحَيٰوةَ زندگی	الدُّنْيَا دنیا	فَاِنَّ تو یقیناً	الْجَحِيْمَ جہنم	هِيَ وہ	الْمَاْوٰى ٹھکانہ	وَاَمَّا اور جو	مَنْ جو	خَافَ ڈرا	مَقَامَ کھڑا ہونا	رَبِّهٖ اپنے رب
وَنَهَى اور روکا	النَّفْسَ جی۔دل	عَنِ سے	الْهَوٰى خواہش	فَاِنَّ یقیناً	الْجَنَّةَ جنت	هِيَ وہ	الْمَاْوٰى ٹھکانہ	يَسْـَٔلُوْنَكَ وہ آپ سے پوچھتے ہیں		
عَنِ سے	السَّاعَةِ قیامت	اَيَّانَ کب	مُرْسٰهَا اس کا ٹھہرنا	فِيْمَ کیا	اَنْتَ تو	مِنْ سے	ذِكْرٰهَا اس کا ذکر	اِلٰى طرف	رَبِّكَ تمہارا رب	
مُنْتَهٰهَا اس کی انتہا	اِنَّمَا صرف	اَنْتَ آپ	مُنْذِرُ ڈرانے والے	مَنْ جو	يَّخْشٰهَا اس سے ڈرے	كَاَنَّهُمْ گویا وہ	يَوْمَ دن	يَرَوْنَهَا دیکھیں گے اسکو		
لَمْ نہیں	يَلْبَثُوْا ٹھہرے وہ	اِلَّا مگر	عَشِيَّةً ایک شام	اَوْ یا	ضُحٰهَا اسکی ایک صبح					

قیامت کی جزاء وسزا کا منظر

قیامت کے وقوع کے اثبات کے بعد قیامت کے جزاوسزا کا منظر بھی پیش کیا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت کا بڑا حادثہ وقوع پذیر ہوگا اس دن انسان کو اپنے نیک وبداعمال جواس نے اس دنیا کی زندگی میں کئے تھے سب یاد آ جائیں گے اور ان کی جزاوسزا اس کو ملے گی۔آج انسان نے دنیا کی زندگی ہی کو اہمیت دے رکھی ہے اور اسی زندگی کے منافع ولذات اس کے سامنے ہیں اور وہ یہ بھول گیا ہے کہ یہ زندگی دراصل ایک اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لئے سامان جمع کرنے کی مہلت ہے لیکن جب وہ وقت یعنی یوم قیامت آ جائے گا جسے اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک بہت بڑی آفت کہنا چاہئے۔تو اس وقت انسان اپنے ایک ایک کام کو یاد کرے گا۔اس وقت اس کا دنیا میں گزرا ہوا زمانہ اس کے سامنے ہو گا اور وہ یہ یاد کرکے پچھتا رہا ہوگا کہ اس نے اپنی قوتیں کن کاموں

میں لگا دیں۔ اپنی صلاحیتوں کو کہاں خرچ کیا اور اپنے وقت کا کیا استعمال کیا؟ جو کچھ اس نے کیا ہوگا سب کا انجام نظروں کے سامنے ہو گا اور اپنی ہر کوشش کا پھل اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور اس روز جہنم ظاہر ہو جاوے گی ہر ایک دیکھنے والے کے لئے۔ آج تو اس کو صرف اہل ایمان اور اہل بصیرت انبیاء کے بتلانے سے دیکھتے ہیں اوروں کو دکھائی نہیں دیتی اور اس لئے شتر بے مہار ہو کر لذات وشہوات میں الجھے رہتے ہیں اور اس دن کی کچھ پروا نہیں کرتے اور محسوس نہ ہونے کے سبب منکرین انکار بھی کرتے ہیں لیکن اس روز یعنی قیامت میں یہ نہ ہوگا ہر ایک کھلم کھلا دیکھ لے گا۔

سرکشوں کے لئے دوزخ اور ڈرنے والوں کے لئے جنت

مگر اس قہر الٰہی کے ظاہر ہونے سے یہ نہ ہوگا کہ تمام بنی آدم کو اس میں جھونک دیا جائے۔ نہیں بلکہ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى جس نے دنیا میں سرکشی کی ہو گی۔ حکم الٰہی سے سرتابی اور تجاوز کیا ہو گا۔ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا اور دنیوی زندگی کو سب کچھ سمجھ کر اسی پر ریجھ گیا ہوگا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا تو یہاں دنیا میں دو چیزیں یعنی طَغٰى اور وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا یعنی حکم الٰہی سے سرکشی اور دنیوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینا ان کا انجام ونتیجہ جہنم بتلایا گیا اور اس کے مقابل دنیا کی دو ہی چیزوں کا نتیجہ اور انجام آخرت میں جنت بتلایا گیا ایک وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا یعنی جس نے یہ سمجھا کہ مجھے اس جہان سے گزر کر ایک دن اللہ کے حضور میں کھڑا ہونا ہے اور اپنی زندگی کے اعمال کا حساب کتاب دینا ہے لہٰذا اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز اور سرکشی نہ چاہئے نہ تو وہاں پر رسوا ہی حاصل ہوگی اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دوسرے وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى اور اپنے نفس کو ناجائز اور حرام خواہش سے روکا ہوگا۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى تو اس کا ٹھکانہ بالتحقیق جنت ہوگا۔ تو ان آیات سے معلوم ہوا کہ

(۱) تمام برائیاں شقاوت' فسادات اور تمام قباحتوں کی جڑ دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں۔ طَغٰى اور وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا یعنی سرکشی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا اور اسی طرح

(۲) دنیا کی زندگی کی تمام حسنات اور تمام طاعات اور تمام نیک صفات اور تمام مکارم اخلاق کی کنجی اور بنیاد بھی دو ہی چیزیں ہیں یعنی خوف خداوندی اور نفس کو ناجائز خواہشات سے روکنا اور باز رکھنا۔

کافروں کے بے جا اعتراضات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب انکار کرنے والے قیامت کے حالات سنتے اور انہیں بتایا جاتا کہ اس روز کیا کیا پیش آئے گا تو بجائے اس کے کہ وہ تصدیق کرتے اور ایمان لاتے اور کفر سے باز آتے الٹا قیامت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق اڑانے کے لہجے میں پوچھتے کہ اچھا یہ تو بتلائیے کہ آخر وہ قیامت آئے گی کب؟ اور کس وقت واقع ہوگی؟ اس قسم کے سوالات سے فطری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا اور ان کے کمال نادانی سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی۔

اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار کی اس قسم کی باتوں سے کیوں فکر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ قیامت کا ٹھیک وقت متعین کر کے بتلانا آپ کا کام نہیں۔ قیامت کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر ہے وہی جانتا ہے کہ کب واقع ہوگی۔ آپ کا کام تو قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرا دینا ہے۔ اب جس کے دل میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ خوف ہوگا وہ سن کر ڈرے گا اور ڈر کر آخرت کی تیاری اور فکر کرے گا ورنہ نااہل تو انجام سے غافل ہو کر ایسے ہی فضول سوالات میں پڑے رہیں گے۔ کہ کس تاریخ کس مہینہ اور کس سال میں آ رہی ہے؟۔

قیامت کے دن پتہ چل جائے گا

سورۃ کے خاتمہ پر بتلایا گیا کہ اس وقت تو یہ منکرین بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں کبھی کچھ پوچھتے ہیں اور کبھی کچھ لیکن جب قیامت کا

دن آ جائے گا اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور اس دنیا کی یہ زندگی جس کی لذتوں اور مصروفیتوں نے انہیں انجام سے غافل بنا رکھا ہے اس وقت بالکل بے حقیقت معلوم ہوگی اور اس وقت انہیں ایسا معلوم ہوگا اور یہ خیال کریں گے کہ گویا دنیا میں صرف ایک صبح یا ایک شام ہی رہے ہیں گویا قیامت کے مقابلہ میں اس جہان کی زندگی ایسی کم معلوم ہوگی تو جب دنیاوی زندگی اس قدر قلیل معلوم ہوگی تو سمجھ لو کہ قیامت دور نہیں۔

سورۃ النازعات کا خلاصہ

اس سورت میں بھی قیامت کے مختلف احوال اور ہولناکیوں کا بیان ہے ابتداء میں اللہ نے مختلف کاموں پر مامور پانچ قسم کے فرشتوں کی قسم کھائی ہے لیکن جواب قسم ذکر نہیں فرمایا' سیاق کلام کو دیکھ کر جو جوابِ قسم سمجھ میں آتا ہے' وہ ہے ''لتبعثن'' (تمہیں قیامت کے دن ضرور زندہ کیا جائے گا)

سورۂ نازعات بتاتی ہے کہ قیامت کو جھٹلانے والوں کا قیامت کے دن یہ حال ہوگا کہ ان کے دل دھڑک رہے ہوں گے' دہشت' ذلت اور ندامت کی وجہ سے ان کی نظریں جھکی ہوں گی' لیکن آج دنیا میں وہ فرعون بنے بیٹھے ہیں اور اللہ کے نبی کی بات کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے لیکن شاید انہیں فرعون کا انجام معلوم نہیں۔ یہ عقل سے کورے اور احمق یہ نہیں سوچتے کہ جو اللہ مضبوط آسمان بنا سکتا ہے شب و روز کا نظام مقرر کرسکتا ہے' زمین کا فرش بچھا سکتا ہے' پہاڑوں کی میخیں گاڑ سکتا ہے کیا وہ انہیں دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا سورت کے اختتام پر مشرکین کا سوال مذکور ہے جو وہ وقوعِ قیامت کو محال سمجھ کر قیامت کے بارے میں کرتے تھے اور یہ سوال اس لیے کرتے تھے کہ وہ دنیا کی زندگی پر فریفتہ تھے اور ان کا خیال تھا کہ دنیا ہی کی زندگی' حقیقی اور دائمی زندگی ہے لیکن ''جس روز یہ قیامت کو دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی وہ دنیا میں رہے ہیں۔

سورۃ النازعات کے خواص

۱- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو سورۃ النازعات پڑھتا رہے وہ جنت میں داخل ہوگا اس حال میں کہ اس کا چہرہ مسکراتا ہوگا۔

۲- اگر کسی کو دشمن کا سامنا ہو اور وہ دشمن کے سامنے اس سورۃ کو پڑھ کر اس پر دم کردے تو اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہمارے دلوں سے آخرت کی طرف سے غفلت دور فرما دیجئے اور دنیا میں ہم کو ایمان اور عمل صالح پر استقامت نصیب فرمائیے۔ اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیے۔

یا اللہ اپنے مومنین مخلصین بندوں کے ساتھ ہمارا حشر نشر فرما کر انہیں کے ساتھ اپنے فضل سے ہمارا آخری اور ابدی ٹھکانا جنت میں ہم کو نصیب فرمائیے۔

یَااَللّٰہُ آپ کی ہدایت آ جانے کے بعد اور دین کی بات کا علم ہو جانے کے بعد بھی میں نے اپنے آپ کو غافل بنائے رکھا۔ آپ نے حکم دیا' یا منع کیا' کسی عمل کی رغبت دلائی' اپنی رضا و محبت کی طرف بلایا اور اپنے قریب کرنے کے لئے اعمال خیر کی دعوت دی۔ آپ نے سب کچھ انعام کیا لیکن میں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ الٰہی! میری ہر ایسی خطا کو معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَۃُ عَبَسَ مَکِّیَّۃٌ وَّهِیَ اثْنَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰیَۃً فِیْهَا رُکُوْعٌ وَّاحِدٌ کَذَا الخ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰی ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ﴿۲﴾ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰی ﴿۳﴾ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ﴿۴﴾

پیغمبر چیں بجبیں ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ انکے پاس اندھا آیا۔ اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا۔ یا نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ پہنچاتا۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ﴿۶﴾ وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ

تو جو شخص بے پروائی کرتا ہے۔ آپ اس کی فکر میں پڑتے ہیں۔ حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے۔ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا

یَسْعٰی ﴿۸﴾ وَهُوَ یَخْشٰی ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ﴿۱۰﴾ كَلَّا اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾

ہوا آتا ہے اور وہ ڈرتا ہے۔ آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ ہرگز ایسا نہ کیجئے قرآن نصیحت کی چیز ہے سو جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے۔

عَبَسَ تیوری چڑھائی	وَتَوَلّٰی اور منہ موڑلیا	اَنْ کہ	جَآءَهُ آیا اسکے پاس	الْاَعْمٰی ایک نابینا	وَمَا اور کیا	یُدْرِیْكَ خبر آپ کو	لَعَلَّهٗ شاید وہ	یَزَّكّٰی سنور جاتا
اَوْ یا	یَذَّكَّرُ نصیحت مانتا	فَتَنْفَعَهُ اسے نفع پہنچاتا	الذِّكْرٰی نصیحت کرنا	اَمَّا اور۔ جو	مَنِ جس	اسْتَغْنٰی بے پروائی کی	فَاَنْتَ تو آپ	لَهٗ اس کیلئے
تَصَدّٰی فکر کرتے ہو	وَمَا اور نہیں	عَلَیْكَ آپ پر	اَلَّا اگر نہ	یَزَّكّٰی وہ سنورے	وَاَمَّا اور جو	مَنْ جو	جَآءَكَ آیا آپ کے پاس	یَسْعٰی دوڑتا
وَهُوَ اور وہ	یَخْشٰی ڈرتا ہے	فَاَنْتَ تو آپ	عَنْهُ اس سے	تَلَهّٰی تغافل کرتے ہو	كَلَّا ہرگز نہیں	اِنَّهَا یہ تو	تَذْكِرَةٌ نصیحت	فَمَنْ سو جو
				شَآءَ چاہے	ذَكَرَهٗ اس سے نصیحت قبول کرے			

سورۃ کا نام ''عبس'' کیوں ہے؟

اس سورۃ کی ابتداء ہی لفظ عبس سے ہوئی ہے عبس کے معنیٰ ہیں اس نے تیوری چڑھائی۔ وہ ترش رو ہوا۔

چونکہ اس سورۃ کے نزول کا سبب ہی عبوس یعنی ترش روئی تھی جیسا کہ آگے شان نزول سے معلوم ہوگا اس لئے سورۃ کا نام ہی عبس مقرر ہوا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔

سبب نزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد الحرام میں تشریف رکھے تھے اور آپ کے پاس سرداران قریش و روسائے مشرکین جیسے عتبہ بن شیبہ اور ربیعہ بن شیبۃ، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف وغیرہ بیٹھے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دین اسلام کی خوبی اور شرک و بت پرستی کی برائی سمجھا رہے تھے اور کمال توجہ سے ان کے ساتھ باتوں میں مشغول تھے کہ اتنے میں ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن شریح بن مالک کہ ان کو ابن ام مکتوم بھی کہتے ہیں اس واسطے کہ مکتوم نابینا کو کہتے ہیں اور ان کی ماں کو ام مکتوم کہا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور قطع کلام کر کے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگے اور کہنے لگے کہ فلاں آیت کس طرح ہے؟ یارسول اللہ مجھے اس میں سے کچھ سکھلایئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بے وقت کا پوچھنا گراں خاطر ہوا اور آپ نے ان نابینا صحابی کی طرف التفات نہ فرمایا اور ناگواری کی وجہ سے آپ چیں بچیں

ہوئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت یہ خیال ہوا ہو گا کہ میں ایک بڑے اہم کام میں مشغول ہوں۔قریش کے یہ بڑے بڑے سردار اگر ٹھیک سمجھ کر اسلام لے آئیں تو بہت لوگوں کے مسلمان ہو جانے کی توقع ہے اور ابن مکتوم تو بہرحال مسلمان ہیں ان کو سمجھنے اور تعلیم حاصل کرنے کے تو بہت سے مواقع حاصل ہیں۔پھر ممکن ہے یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا ہو کہ ان کو تو دکھائی نہیں دیتا کہ میرے پاس اس وقت کیسے بااثر اور بارسوخ روسائے مکہ بیٹھے ہیں جن کو اگر ہدایت ہو جائے تو ہزاروں اشخاص ہدایت پر آ سکتے ہیں۔اب اگر میں ان لوگوں کی طرف سے ہٹ کر گوشہ التفات ان کی طرف کروں گا تو یہ ان سرداروں کو کس قدر شاق ہوگا۔شاید پھر وہ میری بات سننا بھی پسند نہ کریں۔غرض کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر آثار خفگی کے نظر آنے لگے اور آپ نے اپنا منہ ان نابینا کی طرف سے پھیر کر ان کی طرف متوجہ رہے۔آپ جب اس مجلس سے اٹھ کر گھر جانے لگے تو وحی کے آثار نمودار ہوئے اور اس حال میں اس سورۃ کی یہ ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

بعد نزول ان آیات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے گھر تشریف فرما ہوئے اور عذر کیا اور ان کو ہمراہ لے کر دولت خانہ کو تشریف لائے اور آپ نے اپنی چادر مبارک کو بچھا کر ان کو بٹھایا۔پھر جب کبھی وہ نابینا صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی خاطر فرماتے اور ارشاد فرماتے۔ **مرحبا بمن عاتبنی فیه ربی** یعنی خوش آمدید تو وہ شخص ہے جس کے واسطے میرے پروردگار نے مجھ کو عتاب فرمایا اور روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو دوبارہ آپ غزوہ کے سفر کو مدینہ منورہ سے جہاد کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام امام نماز کا انہی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو مقرر فرمایا تھا۔اسی سے عوام کے اس قول کی بھی تردید ہوتی ہے کہ جو کہتے ہیں کہ نابینا کی امامت مکروہ ہے۔یہ صحیح نہیں۔ہاں اگر نابینا امام طہارت و پاکی وغیرہ کا اہتمام نہ کر سکتا ہو تو یہ کراہت کا باعث ہوسکتی ہے۔نہ کہ بینائی کا نہ ہونا۔اور حضرت انس بن مالکؓ ایک عجیب احوال ان نابینا صحابی یعنی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کا روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان کو قادسیہ کی جنگ میں دیکھا زرہ پہنے اور ایک تازی گھوڑے پر سوار ان کے ہاتھ میں ایک سیاہ جھنڈا تھا اور باوجود اس نابینائی کے کافروں کی صفوں پر حملے کرتے تھے اور آخر اسی جنگ میں شہید ہوئے۔

آپ کی توجہ کا مستحق کون ہے؟

الغرض سبب نزول ان آیات کا یہی واقعہ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ نابینا طالب صادق تھا آپ کو کیا معلوم کہ آپ کے فیض توجہ سے اس کا حال سنور جاتا اور آپ کی باتوں سے اس کو دل و جان کی پاکیزگی نصیب ہو جاتی۔آپ کی کوئی بات یا قرآن کی کوئی آیت اس نابینا کے کان میں پڑتی اور وہ اس کو اخلاص سے سوچتا سمجھتا تو اسے اس سے نفع پہنچتا آگے ارشاد ہوا کہ یہ رؤسائے مشرکین جو اپنے غرور اور شیخی سے حق کی پرواہ نہیں کرتے اور نہ طالب حق ہیں آپ ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ اتنی دردسری اور عرقریزی کر رہے ہیں کہ یہ کسی طرح ایمان لے آئیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر کوئی الزام نہیں کہ یہ مغرور اور شیخی باز متکبرین آپ کی ہدایت سے درست کیوں نہ ہوئے۔آپ کا فرض دعوت و تبلیغ کا تھا وہ ادا کر چکے اور کر رہے ہیں آگے ان لاپرواہ متکبروں کی فکر میں اس قدر انہماک کی ضرورت نہیں کہ سچا طالب اور مخلص ایمان دار آپ کی توجہ سے محروم ہونے لگے جو دین کے شوق میں آپ کے پاس آیا اور جس کو خدا کا ڈر ہے۔اس لئے آپ کو اس طالب ہدایت اور دین کا شوق رکھنے والے کی طرف متوجہ ہونا چاہئے تھا کیوں کہ یہ قرآن تو محض ایک نصیحت کی چیز ہے اور آپ کے ذمہ صرف اس کی تبلیغ ہے سو جس کا جی چاہے قبول کرے۔اگر یہ متکبر اغنیاء قرآن کی نصیحت پر کان نہ دھریں تو قرآن کو ان کی کچھ پرواہ

نہیں وہ اپنا ہی برا کریں گے آپ کا کیا ضرر پھر آپ ان کے لئے اسلام وایمان کے لئے اس قدر اہتمام اور فکر کیوں کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ تبلیغ

ان آیات کے تحت بعض علماء نے لکھا ہے کہ آیات کے ظاہری الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ عتاب فرما رہے ہیں کہ آپؐ نے ایک نابینا صحابی کی طرف توجہ نہیں فرمائی بلکہ اس کے مقابلہ میں آپ قریش کے سرداروں کی طرف متوجہ رہے مگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو دراصل ان آیات میں آپ کے جوش تبلیغ و دعوت اور آپ کی اس بے انتہا شفقت کی تعریف کی گئی ہے کہ جو آپ کی خصوصیت تھی اور ساتھ ہی آپ کے نادار اور معذور صحابہ کی دلداری کی گئی جنہیں قریش کے سردار نیچا اور ذلیل سمجھتے تھے۔

مسلمانوں کی اصلاح مقدم ہے

ان آیات کے تحت حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ "اس موقع میں یہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے سامنے دو کام بیک وقت آ گئے ایک مسلمان کی تعلیم اور اس کی تکمیل اور دل جوئی۔ دوسرے غیر مسلموں کی ہدایت کے لئے ان کی طرف توجہ۔ قرآن کریم کے یہاں اس ارشاد نے یہ واضح کر دیا کہ پہلا کام دوسرے کام پر مقدم ہے۔ دوسرے کام کی وجہ سے پہلے کام میں تاخیر کرنا یا کوئی خلل ڈالنا درست نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی اصلاح کی فکر غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی فکر سے اہم اور مقدم ہے"۔ (معارف القرآن جلد ۸)

دعا کیجئے

یَا اَللّٰہُ ہم کو قرآن کی حکومت نصیب فرما اور اس کے احکام کا نفاذ اس ملک میں جاری فرما۔

یَا اَللّٰہُ یہ پاکستان اسلامی ملک ہے مگر ہم جتنا اسلامی تعلیم و ہدایات سے دور ہوتے جاتے ہیں اتنا ہی بدحالی میں بڑھتے جار ہے ہیں۔ اب ہم غیر مسلموں کو اسلامی تعلیم سے کیا آگاہ کریں جب ہم خود شریعت اسلامیہ سے بیگانہ ہوتے جار ہے ہیں۔ یا اللہ! ہم کو اپنی اور اپنے مسلمان بھائیوں کی تعلیم و اصلاح کی فکر نصیب فرما اور اس ملک اور قوم کو دین و دنیا کی اصلاح نصیب فرما۔ آمین۔

یَا اَللّٰہُ جس گناہ کو کر کے میں بھول گیا ہوں لیکن آپ کے یہاں وہ لکھا ہوا ہے میں نے اس کو ہلکا سمجھا لیکن نافرمانی پھر نافرمانی ہے وہ آپ کے یہاں موجود پاؤں گا۔ میں نے بارہا علانیہ گناہ کیا آپ نے چھپالیا' لوگوں نے دھیان نہ کیا اور ہر ایسا گناہ جس کو آپ نے اس لئے رکھ چھوڑا ہے کہ توبہ کرے گا تو معاف کریں گے الٰہی! میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں مجھے معاف فرما دیجئے اور میری توبہ قبول فرما لیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ 3

وہ ایسے صحیفوں میں ہے، جو مکرم ہیں۔ رفیع المکان ہیں مقدس ہیں۔ جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ وہ مکرم نیک ہیں۔ آدمی پر خدا کی مار

مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِیْلَ

وہ کیسا ناشکرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی چیز سے پیدا کیا۔ نطفہ سے اس کی صورت بنائی پھر اس کو انداز سے بنایا۔ پھر اس کو راستہ

یَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾

آسان کر دیا۔ پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا۔ پھر جب اللہ چاہے گا اس کو دوبارہ زندہ کر دے گا۔ ہر گز نہیں اس کو جو حکم کیا تھا اس کو بجا نہیں لایا۔

فِیْ میں	صُحُفٍ صحیفے	مُکَرَّمَةٍ باعزت	مَرْفُوْعَةٍ بلند مرتبہ	مُطَهَّرَةٍ انتہائی پاکیزہ	بِاَیْدِیْ ہاتھوں میں	سَفَرَةٍ لکھنے والے	كِرَامٍ بزرگ
بَرَرَةٍ نیکوکار	قُتِلَ مارا جائے	الْاِنْسَانُ انسان	مَآ اَكْفَرَهٗ کیسا ناشکرا	مِنْ سے	اَیِّ کس	شَیْءٍ چیز	خَلَقَهٗ اسے پیدا کیا	مِنْ سے	نُطْفَةٍ نطفہ
خَلَقَهٗ اسکو پیدا کیا	فَقَدَّرَهٗ اسے اندازہ پر رکھا	ثُمَّ پھر	السَّبِیْلَ راہ	یَسَّرَهٗ اسکو آسان کر دیا	ثُمَّ پھر	اَمَاتَهٗ اسے مردہ کیا	فَاَقْبَرَهٗ پھر اسے قبر میں رکھوایا
ثُمَّ پھر	اِذَا جب	شَآءَ چاہا	اَنْشَرَهٗ اسے نکالا	كَلَّا ہرگز نہیں	لَمَّا ابھی تک	یَقْضِ پورا کیا	مَا جو	اَمَرَهٗ اسکو حکم دیا	

عظمت قرآن

اس سورۃ کی گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ اگر یہ متکبر اغنیاء قرآن پر ایمان نہ لائیں اور اس کی نصیحت پر کان نہ دھریں تو اپنا ہی برا کریں گے قرآن کو ان کی کچھ پروا نہیں۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں قرآن پاک کی کچھ اہم صفتوں کو بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ کیا ان مغرور و متکبر اغنیاء اور سر پھرے سرداران قریش کے ماننے سے قرآن کی عزت و وقعت ہوگی؟ قرآن تو وہ عالی مقام اور بلند شان ہے جس کی آیتیں آسمان کے اوپر نہایت معزز، بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ مراد لوح محفوظ ہے جو ساتویں آسمان کے اوپر تحت العرش ہے اور وہیں سے وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا میں نازل ہوا کرتا تھا۔ تو پہلی صفت قرآن پاک کی فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ فرمائی گئی یعنی لوح محفوظ کے صحیفے ایسے معزز اور بلند مرتبہ اور مقدس ہیں کہ وہاں کسی ناپاک کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا اور شیاطین خبیثہ کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ دوسری صفت فرمائی بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ یعنی وہ صحیفے ایسے لکھنے والے فرشتوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں کہ وہ مکرم اور نیک ہیں۔ یہاں فرشتوں کو لکھنے والا اس لئے کہا گیا کہ وہ لوح محفوظ سے بامر الٰہی نقل کرتے اور اسی کے موافق وحی اترتی تو یہاں قرآن کریم کے بلند مقام کو واضح کرنے کے لئے یہ دو صفات ظاہر فرمائی گئیں لیکن یہ واضح رہے کہ یہ صفات اس عالم غیب سے متعلق ہیں کہ جس کا ٹھیک ٹھیک پورا علم ہم کو اس دنیا میں نہیں ہو سکتا۔

ناشکرا انسان

تو اس گراں قدر نعمت یعنی قرآن کریم کی عظمت و بزرگی بیان فرما کر ایسے انسانوں کی مذمت کی جاتی ہے کہ جنہوں نے اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہ کی اور اس کا حق نہ پہچانا۔ ایسے انسانوں کی اس روش پر غصہ اور نفرت کے اظہار کے لئے فرمایا گیا۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ مارا جائے یہ انسان کہ کس درجہ ناشکرا ہے کیسا ناقدرا اور کتنا بڑا احسان فراموش ہے کہ ایسی بڑی نعمت کی قدر نہیں پہچانتا اور اس کے احکام ماننے سے انکار کرتا ہے اور اس کے پیغام سے سرکشی کرتا ہے۔

انسان کی حقیقت ہی کیا ہے؟

اب اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں انسان کی سرکشی اور اس کی کتاب سے منہ موڑنے اور اس کے احکام سے انحراف کرنے کا ایک بڑا سبب

یہ ہوتا ہے کہ یہ انسان اپنے آپ کو کچھ سے کچھ سمجھنے لگتا ہے اپنی حقیقت اس کے سامنے نہیں رہتی اپنی بڑائی اور تکبر کے احساس میں مست ہو جاتا ہے۔ اس لئے انسان کو اس غلطی سے نکالنے کے لئے اس کے سامنے یہ سوال رکھا گیا۔ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ کہ انسان کو خدا نے کس چیز سے بنایا ہے؟ یعنی اس نے ذرا اپنی اصل پر تو غور کیا ہوتا کہ وہ بظاہر پیدا کس چیز سے ہوا ہے۔؟ پھر حق تعالیٰ خود ہی آگے جواب دیتے ہیں۔ مِنْ نُّطْفَةٍ ایک بوند یعنی منی کے ایک قطرہ ناپاک سے۔ تو اس سوال کے جواب سے انسان کو یہ جتلایا جاتا ہے کہ جس وجود کی ابتدا اتنی حقیر چیز سے ہوئی ہوا سے کیا حق ہے کہ وہ اس ذات کے مقابلہ میں سر اٹھائے جس نے اسے وجود بخشا اور ایک قطرۂ ناپاک کو ایک انسان کی شکل دے دی۔ پھر جس حقیر بوند سے انسان کی آفرینش شروع ہوتی ہے اس میں اللہ نے کیسی کیسی قوتیں رکھ دیں۔ کس طرح اعضائے بدن مناسب طور پر بنائے۔ پھر ان میں جان ڈالی پھر رحم میں حیض مادر سے اس کو غذا پہنچائی۔ اور حس وشعور حسن و جمال اور عقل وادراک سب کچھ عطا فرمایا۔ پھر جب اپنے عمر طبعی کا ایک زمانہ ماں کے پیٹ کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پورا کر چکتا ہے اور اب وہ مکان اس کی آئندہ ترقیوں کے قابل نہیں رہتا تو قدرت اس کو ایک تنگ راستہ سے باہر لاتی ہے اور اس تنگ راستہ کو اس سے نکلنے کے لئے اس پر سہل کر دیتی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ غور کیجئے کہ کہاں ایک اچھا خاصہ تنومند نو ماہ کا بچہ اور اس کا ایسے تنگ موقع سے صاف نکل آنا یہ قدرت الٰہی کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ تو یہ ہے انسان جو ایک طرف اللہ کی قدرت اور حکمت کا بے مثال شاہکار ہے پھر جیسے اس کا پیدا ہونا بے اختیاری ویسا ہی مرنا بھی بے اختیاری ہے۔ لاکھ تدبیر کرے کہ نہ مرے یا ضعف و پیری اور مرض وغیرہ نہ آنے دے تو ہرگز نہیں کر سکتا۔

جس نے پیدا کیا وہ موت دے گا

الغرض جس طرح ماں کے پیٹ کی منزل سے ترقی کرنے کے لئے انسان باہر آتا ہے اسی طرح اس دنیا کی منزل سے ترقی کرنے کے لئے یہاں سے جاتا ہے۔ یہ دنیا کی موت اس آئندہ عالم آخرت کی ولادت ہے۔ پھر بتلایا جاتا ہے کہ انسان کو موت دے کر نیست و نابود ہی نہیں کر ڈالتے بلکہ فَاَقْبَرَهٗ اس کو قبر میں داخل کرتے ہیں عرف میں تو قبر اس گڑھے کو کہتے ہیں کہ جس میں لاش دفنائی جاتی ہے۔ مگر اصطلاح شرع میں قبر عالم برزخ کا نام ہے۔ خواہ کوئی دریا میں ڈوب جائے یا آگ میں جل جاوے۔ یا اس کی لاش ہوا میں لٹکتی رہے یا درندوں پرندوں کے پیٹ میں چلی جائے بہرحال اس کی روح کو قبر یعنی عالم برزخ میں جانا ہوتا ہے۔ اور وہاں آخرت سے پہلے اس کو عذاب ثواب بھگتنا پڑتا ہے۔ تو جس نے ایک مرتبہ پیدا کیا اور پھر موت دی اسی کو اختیار ہے کہ جب چاہے دوبارہ زندہ کر کے قبر سے نکالے کیونکہ اس کی قدرت اب کسی نے (معاذاللہ) سلب نہیں کر لی۔ جو قدرت اس کی پہلے تھی وہ اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی تو انسان کا پیدا کر کے دنیا میں لانا پھر مار کر برزخ میں لے جانا پھر زندہ کر کے میدان حشر میں کھڑا کر دینا ان حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان اپنے خالق و مالک کا حق پہچانتا۔ اپنے پیدا کرنے والے کا مطیع و فرمانبردار ہوتا۔ اس کے احکام کو مانتا اس کے اشاروں پر چلتا اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرتا لیکن کیا اس انسان نے ایسا کیا؟ ہرگز نہیں۔ اس نے اپنے مالک کا حق نہ پہچانا اور جو کچھ اسے حکم ملا تھا اس نے اسے پورا نہ کیا تو بھلا اس سے زیادہ کیا ناشکری اور ناقدری ہوگی۔

موت بھی نعمت ہے

یہاں انسان کی موت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات ہی کے سلسلہ میں ذکر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت انسان کی موت کوئی مصیبت نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ بھی ایک نعمت ہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حدیث میں موت کو مومن کا تحفہ فرمایا ہے۔ تو یہاں ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (پھر اس کو موت دی اور اس کو قبر میں داخل کیا) تو قبر میں انسان کو داخل کرنا بھی ایک انعام و احسان فرمایا گیا۔ اور یہ انعام و احسان اس طرح ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے عام جانوروں کی طرح نہیں رکھا کہ مر گیا تو وہیں زمین پر سڑتا۔ پھولتا اور پھٹتا ہے بلکہ اس کا یہ اکرام کیا گیا کہ مرنے کے بعد اس کو نہلا دھلا کر پاک صاف کپڑوں میں ملبوس کر کے احترام کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے جو اسلام نے بدرجہ تاکید تعلیم فرمایا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ۙ‏ ۲۴ اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّا ۙ‏ ۲۵ ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا ۙ‏ ۲۶

سو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسایا۔پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا۔

فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا ۙ‏ ۲۷ وَّعِنَبًا وَّقَضۡبًا ۙ‏ ۲۸ وَّزَيۡتُوۡنًا وَّنَخۡلًا ۙ‏ ۲۹ وَّحَدَآئِقَ غُلۡبًا ۙ‏ ۳۰ وَّفَاكِهَةً

پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری۔اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے

وَّاَبًّا ۙ‏ ۳۱ مَّتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡؕ‏ ۳۲

اور چارہ پیدا کیا۔تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کیلئے۔

فَلۡيَنۡظُرِ پس چاہیے کہ دیکھے	الۡاِنۡسَانُ انسان	اِلٰى طرف	طَعَامِهٖ اپنا کھانا	اَنَّا کہ ہم	صَبَبۡنَا اوپر سے ڈالا	الۡمَآءَ پانی	صَبًّا گرتا ہوا	ثُمَّ پھر	شَقَقۡنَا پھاڑا
الۡاَرۡضَ زمین	شَقًّا پھاڑ کر	فَاَنۡۢبَتۡنَا پھر ہم نے اُگایا	فِيۡهَا اس میں	حَبًّا غلہ	وَّعِنَبًا اور انگور	قَضۡبًا اور ترکاری	وَّزَيۡتُوۡنًا اور زیتون	وَّنَخۡلًا اور کھجور
وَّحَدَآئِقَ اور باغات	غُلۡبًا گھنے	وَّفَاكِهَةً اور میوہ	وَّاَبًّا اور چارہ	مَّتَاعًا فائدہ	لَّكُمۡ تمہارے لئے	وَلِاَنۡعَامِكُمۡ اور تمہارے چوپایوں کیلئے		

انسانی زندگی کے بقاء کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی چند ایسی ظاہری نعمتوں کی طرف متوجہ فرماتے ہیں کہ جن کی بدولت دنیا میں اس کی زندگی قائم ہے تاکہ وہ اپنے خالق ورازق کا حق شناس بنے اور اس پر ایمان لاکر اس کی اطاعت بجالائے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ انسان ذرا اپنے کھانے ہی کی طرف نظر کرے اور اس انتظام پر غور کرے جو اس کو روزی بہم پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کئے ہیں۔ آسمان سے پانی برستا ہے اور پانی ہی کی وجہ سے زمین اس قابل ہوتی ہے کہ کچھ اگا سکے۔ اب اس پانی برسنے کے پیچھے کائنات کا کتنا بڑا نظم کام کر رہا ہے۔

پھر آسمان سے بارش کے بعد زمین سے جو کچھ اُگتا ہے اس پر انسان ذرا غور کرے۔ ایک گھاس کے تنکے کی کیا طاقت تھی کہ زمین کو چیر پھاڑ کر باہر نکل آتا۔ یہ خدا ہی کی قدرت ہے کہ زمین کو پھاڑ کر اس سے ضعیف نباتات بآسانی برآمد ہوتی ہے۔ پھر ایک ہی زمین ایک ہی پانی ایک ہی ہوا ایک ہی سورج کی روشنی وگرمی۔ کہیں اس سے اناج کی کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں جیسے گیہوں، جو، جوار، چنا، باجرہ وغیرہ کہ جو انسان کے کھانے میں آتے ہیں اور کہیں اس سے انگور کے باغات اگائے کہ اس میں غذائیت بھی ہے کہ صرف اس کو کھا کر انسان پیٹ بھر سکتا ہے اور لذت خوش ذائقگی میوہ پن بھی ہے پھر اس انگور کے شیرہ اور رس سے بیسیوں چیزیں بنتی ہیں۔ پھر کہیں اس سے ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں جیسے مولی، گاجر، شلغم، پیاز، کھیرا، ککڑی، خربوزہ، تربوز وغیرہ کہ جن کو بغیر پکائے یونہی توڑ کر کھا جاتے ہیں اور کہیں زیتون کے درخت اگائے اور زیتون پھل کو پیدا کیا کہ جو روٹی کے ساتھ سالن کا کام دیتا ہے اس کا تیل نکال کر اس سے مختلف فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اس کی لکڑی سے طرح طرح کی چیزیں بناتے ہیں اور کہیں کھجور کے باغات اگائے کہ جن سے کھجور جیسا پھل پیدا ہوتا ہے کہ جو مہینوں رہ سکے۔ دور دراز ملکوں تک جا سکے اور جس کو کھا کر انسان مدتوں زندہ رہ سکے۔ جو تر بھی کھائی جاتی ہے خشک بھی کھائی جاتی ہے۔ جو گدری بھی کھائی جاتی ہے اور پکی بھی کھائی جاتی ہے۔ اس کا شیرہ بھی بنایا جاتا ہے اور سرکہ بھی اور کہیں اسی زمین سے گھنے خوب بھرے ہوئے گہرے سایہ والے بڑے درختوں والے باغات پیدا کئے جن کے سایہ میں سرور اور دل کو نور حاصل ہوتا ہے۔ جن میں طرح طرح کے خوش ذائقہ خوش رنگ اور کارآمد پھول و پھل اور میوے ہوتے ہیں پھر علاوہ پھل اور میوے دینے کے ان کی لکڑی عمارت اور دیگر اشیاء میں کارآمد ہوتی ہے اور آسائش وراحت کے سامان تیار ہوتے ہیں پھر کہیں اس زمین سے خودرو گھاس پات، چارہ، جھاڑ، صحرائی درخت پیدا کئے کہ جو جانور، چوپائے، گائے، بیل، بھیڑ بکری،

گھوڑے اونٹ وغیرہ ان چیزوں کو کھا کر زندہ رہیں اور انسان ان چوپایوں اور جانوروں سے فائدہ اٹھائیں۔ کسی کا دودھ پئیں۔ کسی کے بالوں کو کام میں لائیں اور عمدہ عمدہ شال دوشالے اور کمبل بنائیں۔ کسی کا گوشت کھائیں۔ کسی پر سواری کریں کسی پر بوجھ لادیں۔ غرض کہ انسان کو اس کی زندگی اور بقاء کے سامان یاد دلائے جاتے ہیں کہ تمہاری زندگی قائم رکھنے اور تمہیں فائدہ پہنچانے اور تمہارے جانوروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے قدرت نے آسمان سے پانی برسا کر اور زمین سے سبزہ اگا کر کیا سلسلہ جاری فرمایا کہ جس سے تم فیضیاب ہو رہے ہو اور قیامت تک ہوتے رہو گے اور یہ وہ صورتحال ہے جسے ہر انسان جانتا ہے اور جس سے وہ مسلسل فائدہ اٹھا رہا ہے۔ قدرت کی یہ وہ نعمتیں ہیں جن سے وہ کسی حال میں انکار نہیں کر سکتا اور نہ ان کے بغیر وہ زندہ رہ سکتا ہے تو پھر یہ کتنی بڑی بدبختی اور نالائقی کی بات ہے کہ جو ذات عالی اللہ تعالیٰ کی اس انسان کو روزی بہم پہنچانے کے یہ انتظام فرما رہی ہے اور جس خالق کے اتنے انعامات اور عنایات اس پر ہیں کہ جن کا یہ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا اسی خالق، رازق، مالک اور منعم اور محسن کی یہ نافرمانی کرے اور اسی کی ناشکری بجالائے۔ اسی کا کفر اور انکار کرے اور اسی کے حکم سے منہ موڑے۔

دعا کیجئے

یَا اللّٰہُ ہم آپ ہی کا دیا ہوا رزق کھا کر اور آپ کی نعمتیں شب و روز برت کر آپ ہی کی نافرمانی کریں یہ تو ہماری انتہائی بدبختی اور نامرادی ہے۔

یَا اللّٰہُ ہمیں اس بدبختی اور نامرادی سے بچالیجئے اور اپنی ہر نعمت کا ہمیں احساس عطا فرما کر ہم کو اس پر ایسے شکر کی توفیق نصیب فرمائیے کہ جو آپ ہم سے راضی ہو جائیں اور اپنی نعمتوں میں اضافہ فرمائیں۔

یَا اللّٰہُ میں ہر ان گناہوں سے معافی چاہتا ہوں جو آپ کی رحمت سے دور کر دیں اور عذاب میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہوں۔ عزت سے محروم کر دیں اور برائی کے لائق کر دیں۔ آپ کی نعمتوں کے زوال کا سبب ہوں۔

یَا اللّٰہُ میں ہر اس گناہ سے معافی چاہتا ہوں جس سے میں نے آپ کی کسی مخلوق کو عار دلائی ہو یا آپ کی مخلوق کو فعل قبیح میں مبتلا کر دیا ہو اور خود میں بھی اس میں لگ گیا ہوں اور جرأت کے ساتھ کر رہا ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ

پھر جس وقت کانوں کا بہرہ کردینے والا شور برپا ہوگا۔ جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے۔ اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے

وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾

بھاگے گا۔ ان میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔ بہت سے چہرے اس روز روشن۔ خنداں شاداں ہوں گے۔

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾

اور بہت سے چہروں پر اس روز ظلمت ہوگی ان پر کدورت چھائی ہوگی۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

یہی لوگ کافر فاجر ہیں۔

فَاِذَا پھر جب	جَآءَتِ آئے	الصَّآخَّةُ کان پھوڑنے والی	يَوْمَ جس دن	يَفِرُّ بھاگے	الْمَرْءُ آدمی	مِنْ سے	اَخِيْهِ اپنے بھائی	وَاُمِّهٖ اور اپنی ماں
وَاَبِيْهِ اور اپنا باپ	وَصَاحِبَتِهٖ اور اپنی بیوی	وَبَنِيْهِ اور اپنے بیٹے	لِكُلِّ واسطے ہر ایک	امْرِئٍ آدمی	مِنْهُمْ ان سے	يَوْمَئِذٍ اس دن	شَاْنٌ حالت	
يُغْنِيْهِ اسے کافی ہوگی	وُجُوْهٌ بہت چہرے	يَوْمَئِذٍ اس دن	مُسْفِرَةٌ چمکتے	ضَاحِكَةٌ ہنستے	مُسْتَبْشِرَةٌ خوشیاں مناتے	وَوُجُوْهٌ اور بہت چہرے		
يَوْمَئِذٍ اس دن	عَلَيْهَا ان پر	غَبَرَةٌ غبار	تَرْهَقُهَا چھائی ہوئی	قَتَرَةٌ سیاہی	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	هُمُ وہ	الْكَفَرَةُ کافر	الْفَجَرَةُ گنہگار

قیامت کے دن عزیز و اقارب سب بھاگ جائیں گے

یہ سورۂ عبس کی آخری آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں انسان کو وہ ظاہری نعمتیں یاد دلائی گئی تھیں جو دنیا میں اس کی بقاء آرام و آسائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ انسان بھی یہ نعمتیں حاصل کر کے اور ان سے فائدہ اٹھا کر اپنے خالق۔ اپنے رازق اور مالک کا شکر گزار بندہ بنتا اور اس پر ایمان لا کر اس کے احکام بجالاتا۔ لیکن یہ اس کی انتہائی نالائقی ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں سرکشی اختیار کرتا ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دن یعنی قیامت و آخرت میں یہ اپنی ساری ناشکری کا مزہ چکھے اور انسانوں میں جو اپنے آقا کو پہچانتے ہیں اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری بجالاتے ہیں۔ ان کی شکر گزاری کا ایک دن انعام ملے۔ یہ دنیا کی زندگی تو انسان کے آزمائش و امتحان کا زمانہ ہے اور یہاں ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ چاہے شکر گزار ایماندار اور اطاعت گزار بندہ بن کر رہے چاہے کفر و انکار اور ناشکری اور احسان فراموشی کی روش اختیار کرے۔ انعام اور سزا کا وقت قیامت و آخرت میں آئے گا اور اس وقت انسان کو کن حالات سے دوچار ہونا پڑے گا اور اس دنیا میں شکر گزار ہونے یا منکر و نافرمان ہونے کا جو انجام آخرت میں ہوگا اس کو ان آیات میں مختصراً ظاہر فرمایا گیا ہے اور سب سے پہلے اس وقت کی ہولناکی اور اہمیت کو ظاہر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جس وقت کانوں کو بہرا کر دینے والا قیامت کا شور برپا ہوگا تو اس دن یہ حال ہوگا کہ نفسی نفسی ہوگی۔ اس دن انسان ان قریبی عزیزوں کو بھی بھول جائے گا جن کی خاطر وہ اس زندگی میں بڑی سے بڑی مصیبت جھیل لیتا ہے اور جن کے لئے وہ اپنا آرام و سکون سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ اس دن نہ بھائی بھائی کے کام آئے گا

اور نہ ماں باپ بیوی بچے یا کوئی دوسرے عزیز یا دوست اسے یاد رہیں گے۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ ہر شخص اپنی فکر میں مبتلا ہوگا کہ کسی نہ کسی طرح وہ بچ جائے۔ ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ انہیں ایک دفعہ دوزخ کا خیال آیا اور وہ رونے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تمہیں کس چیز نے رلایا؟ عرض کیا مجھے دوزخ یاد آئی اور اسی کے خوف نے مجھے رلایا ہے تو کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین جگہ تو کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا ایک وزن اعمال کے وقت جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کے اعمال کا وزن ہلکا ہے یا بھاری۔ اور دوسرے اعمال ناموں کے ملنے کے وقت یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ کس ہاتھ میں دیا جاتا ہے اس کا اعمال نامہ آیا داہنے ہاتھ میں یا پیچھے کی جانب سے بائیں ہاتھ میں۔ اور تیسرے پل صراط پر جب کہ وہ رکھا جائے گا جہنم کے اوپر اور سب کو اس پر سے گزرنے کا حکم دیا جائے گا۔ تو گویا یہ تین وقت ایسے نفسی نفسی کے ہونگے کہ ہر ایک اپنی اپنی فکر میں ڈوبا ہوگا۔ اور کوئی کسی کی خبر نہ لے سکے گا۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے ''قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پاؤں، برہنہ جسم اور بے ختنہ جمع کیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عورتوں اور مردوں سب کو ان میں سے ایک دوسرے کو دیکھے گا آپؐ نے فرمایا عائشہ! موقع اس سے زیادہ ہولناک ہوگا کہ لوگ ایک دوسرے پر نظر ڈالیں۔ یعنی کسی کو کسی کے دیکھنے کی فرصت کہاں ہوگی''۔

اقرباء کے بھاگ جانے کی وجہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث و مفسر دہلوی اس موقع پر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس دن اپنے اقربا سے بھاگنے کی کئی وجہ علماء نے لکھی ہیں بعض کہتے ہیں کہ حق کے طلب کرنے کے خوف سے بھاگے گا کہ مجھ سے جو کچھ اس کی حق تلفی ہوئی ہے کہیں یہ مجھ کو دیکھ کر اپنے حقوق نہ طلب کرنے لگے جیسے مفلس آدمی قرض خواہ سے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مدد اور شفاعت کے خوف سے بھاگے گا ایسا نہ ہو کہ اس کے ملنے والے دوست آشنا کو جہنم کی طرف لے چلیں اور مجھ کو اس کو چھڑانے کے واسطے اپنی نیکیوں میں سے کچھ دینا پڑے یا اس کے گناہ اپنے ذمہ لینا پڑیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سبب سے بھاگے گا کہ تکلیف اور عذاب ان کا دیکھا نہ جاوے گا اور قدرت شفاعت کی اور نیکیاں دینے کی بھی نہ رکھتا ہوگا۔ ناچار ان کی نگاہوں سے چھپ جائے گا۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ ان سب وجوہات کے سبب بھاگے گا۔ کوئی تو ایک جہت سے کوئی دو جہت سے اور کوئی تینوں جہت سے۔ ہر شخص اپنے حال میں گرفتار ہوگا۔ دوسرے کی طرف کچھ التفات نہ کرے گا۔ اسی کو یہاں آیت میں فرمایا گیا۔ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ ان میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔ تو یہ اس دن کی ہولناکی کا منظر ہے۔

کامیاب اور ناکام کی تقسیم

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس دن سارے انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک گروہ کامیاب لوگوں کا ہوگا اور دوسرا ناکام لوگوں کا۔ جن لوگوں نے اس دنیا کی زندگی میں اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کیا ہوگا اس کے احسانات کو مانا ہوگا اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گزاری ہوگی وہ اہل ایمان اس دن کامیاب ہوں گے۔ کامیابی کی خوشی میں ان کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور خوشی اور مسرت کے آثار ان پر ظاہر ہوں گے اور ان کے خلاف جن لوگوں نے دنیا میں اپنی من مانی زندگی گزاری اور اپنے رب کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اس کے حقوق کو نہ پہچانا اور اس کی بتائی ہوئی راہ پر نہ چلے تو ایسے نافرمان اور ناشکرے اس دن ناکام ہوں گے۔ ذلت اور ناکامی کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہوں گے۔ مایوسی کی سیاہی چھائی ہوئی ہوگی اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کفر وانکار کی روش اختیار کی اور زندگی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں بسر کی۔

خلاصہ

یہاں سے اِس سورت کی ابتداء میں نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور ہے جو طلبِ علم کیلئے ایسے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آگئے جب کہ آپ چند سردارانِ قریش کو دعوتِ اسلام دینے میں مصروف تھے ایسی اہم مصروفیت کے وقت ان کے آنے سے آپ کو طبعی طور پر ناگواری ہوئی اور آپ نے ان کی بات کا جواب دینے سے اعراض کیا اس پر سورۂ عبس کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ نے آپ کو تنبیہ فرمائی اس کے بعد جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو ان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے یہ ہیں وہ جن کی وجہ سے اللہ نے مجھے تنبیہ فرمائی تھی اور ان سے دریافت فرماتے کہ ''کوئی کام ہے تو بتاؤ'' آپ نے نابینا ہونے کے باوجود دو غزوات کے موقع پر انہیں مدینہ پر والی مقرر فرمایا یہ واقعہ اور اس جیسے دوسرے واقعات جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ فرمائی گئی ہے ان کا قرآن کریم میں مذکور ہونا اسکی صداقت وحقانیت کی دلیل ہے اگر معاذ اللہ! قرآن آپ کا خود تراشیدہ کلام ہوتا تو آپ ایسی آیات اس میں ہرگز ذکر نہ فرماتے جن میں خود آپ سے باز پرس کی گئی ہے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد یہ سورت انسان کے ناشکرا ہونے کو بتاتی ہے جو اپنی اصل کو بھول کر اللہ کے سامنے سرکشی اختیار کرتا ہے۔ اگلی آیات میں رب تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کے تکوینی دلائل ہیں اور اختتام پر قیامت کا وہ ہولناک منظر بیان کیا گیا ہے جب انسان خوفزدہ ہوکر قریب ترین رشتوں کو بھی بھول جائے گا نفسا نفسی کا عالم ہوگا کسی کو کسی کی فکر نہیں ہوگی ہر کسی کو اپنی ذات کا غم کھائے جارہا ہوگا بہت سے چہروں پر کامیابی کی چمک ہوگی اور بے شمار چہروں پر ناکامی کی ذلت اور تاریکی چھائی ہوگی۔

سورۃ عبس کے خواص

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو سورۃ عبس پڑھتا رہے تو وہ قیامت کے دن اس شان سے آئے گا کہ اس کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اس دنیا میں اپنا شکر گزار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اپنے اطاعت گزار اور فرمانبردار بندوں کے ساتھ ہمارا حشر نشر فرمائیں۔ یااللہ آخرت کی کامیابی وکامرانی ہم سب کو نصیب فرما۔ اور وہاں کی ناکامی ونامرادی سے ہم سب کو بچنا نصیب فرما۔

یَااَللّٰہُ گناہ کر کے توبہ اور توبہ کرنے کے بعد پھر وہی کیا۔ اپنی توبہ کو جانتا رہا اور گناہ کرتا رہا۔ رات کو معافی مانگی دن کو پھر وہیں چلا گیا اور بار بار یہی حال رہا۔ الٰہی! میں اپنے گناہوں کا اقراری ہوں اور آپ کی نعمتوں کا بھی اقرار کرتا ہوں مجھے معاف فرمادے۔

یَااَللّٰہُ میں نے آپ سے کوئی وعدہ کیا ہو یا نذر مان کر کوئی عبادت واجب کی ہو یا آپ کی کسی مخلوق سے وعدہ کر کے پھر گیا ہوں یا غرور میں آکر اس کو ذلیل وحقیر سمجھا ہو اے اللہ! اس کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما اور مجھے معاف فرمادے۔

یَااَللّٰہُ آپ نے نعمت پر نعمت عطا کی اس سے قوت آئی لیکن آپ کی دی ہوئی قوت کو میں نے آپ ہی کی نافرمانی میں خرچ کیا۔ کتنا برا کیا آپ نے تو کھلایا پلایا اور میں نے آپ ہی کی مخالفت کی آپ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کیا نادم ہوں برا کیا اے اللہ! مجھے معاف فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ هِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کا نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَإِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝٢ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝٣ وَإِذَا الْعِشَارُ

جب آفتاب بے نور ہو جاوے گا۔اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔اور جب پہاڑ چلائے جاویں گے۔اور جب دس مہینے کی گابھن

عُطِّلَتْ ۝٤ وَإِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝٥ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝٦

اونٹنیاں چھٹی پھریں گی۔اور جب وحشی جانور سب جمع ہو جاویں گے۔اور جب سمندر بھڑکائے جاویں گے۔

إِذَا جب	الشَّمْسُ سورج	كُوِّرَتْ لپیٹ دیا جائے	وَإِذَا اور جب	النُّجُوْمُ ستارے	انْكَدَرَتْ ماند پڑ جائیں	وَإِذَا اور جب	الْجِبَالُ پہاڑ
سُيِّرَتْ چلائے جائیں	وَإِذَا اور جب	الْعِشَارُ دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں	عُطِّلَتْ چھٹی پھریں	وَإِذَا اور جب	الْوُحُوْشُ وحشی جانور		
حُشِرَتْ اکھٹے کئے جائیں	وَإِذَا اور جب	الْبِحَارُ سمندر	سُجِّرَتْ بھڑکائے جائیں				

وجہ تسمیہ اور مضمون

اس سورۃ کی ابتداء ہی إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ سے ہوئی ہے (جب سورج لپیٹ دیا جائے گا یعنی بے نور ہو جائے گا) تکویر کسی چیز کے لپیٹ دینے کو کہتے ہیں۔اسی سے سورۃ کا نام ماخوذ ہے اور مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور قیامت و آخرت کے منظر کا نقشہ اس میں کھینچا گیا ہے۔ صحیح حدیث میں وارد ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چاہے کہ قیامت کے روز کو دنیا میں آنکھوں سے دیکھ لے تو اس کو چاہیے کہ وہ یہ تین سورتیں پڑھے۔ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ، إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ ایک روز امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر اس قدر جلد بڑھاپے کے آثار کیوں ظاہر ہونے لگے۔آپ کے مزاج مبارک کی قوت سے یہ توقع نہ تھی کہ اتنی عمر میں آثار بڑھاپے کے ظاہر ہوں گے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو ان پانچ سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔سورۂ ہودؑ سورۂ واقعہٗ سورۂ والمرسلات، سورۂ عم یتساء لون اور سورۂ اذا الشمس کورت۔ان سورتوں میں عذاب الٰہی جو کہ دنیا اور آخرت میں امتیوں پر بہ سبب مخالفت انبیاءؑ پر جو گزرا ہے اور گزرے گا مذکور ہے۔مجھ کو اس کے سننے سے اپنی امت کا غم نہایت غلبہ کرتا ہے اور غم کا خاصہ یہ ہے کہ آدمی کو بوڑھا کر دیتا ہے۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بوڑھا ہونے سے مراد آپ کے قویٰ اور بدن کا ضعف مراد ہے نہ کہ بالوں کا سفید ہونا۔کیونکہ آخر عمر شریف تک موئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے سفید نہیں ہوئے تھے کہ دیکھنے والوں پر ظاہر ہوں۔

اس سورۃ کا مرکزی مضمون آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہے اور آخرت پر یقین اسلام کی جان ہے۔اسی لئے قرآن پاک میں بار بار مختلف انداز سے آخرت کا ذکر آتا ہے کہ مومن کے ذہن سے کسی وقت آخرت کا تصور اور اس کا یقین اوجھل نہ ہونے پائے۔اس سورۃ میں بھی قیامت و آخرت کے حالات و مناظر نہایت مؤثر انداز میں بیان کئے گئے ہیں اور انسانوں کو غفلت کی نیند سے جگایا گیا ہے۔

قیام قیامت کے چھ حادثات

قرآن و حدیث میں یہ صاف بتلایا گیا ہے کہ یہ دنیا اور عالم کائنات اسی وقت تک قائم و آباد ہے جب تک کہ صور میں پھونک نہیں ماری جاتی۔قیامت کی ابتداء اسی پہلے نفخ صور سے ہوگی۔اور

ان آیات میں قیامت کے چھ واقعات یا حادثات کو بیان فرمایا گیا ہے جن کے بعد اس دنیا کا کوئی نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا۔

ان چھ واقعات کی تشریح کرنے سے پہلے ایک ضروری بات یہ ذہن میں رکھ لی جائے کہ ان قیامت کے چھ واقعات میں اللہ تعالیٰ نے ترتیب وقوع کو ظاہر نہیں فرمایا ہے کہ اول یہ ہوگا پھر یہ ہوگا۔ بلکہ محض ایک کے بعد دوسرے کو ذکر فرما دیا ہے اور جو حادثہ کہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے عظیم الشان ہوگا اس کا پہلے ذکر فرمایا۔

پہلا حادثہ: سب سے بڑا پہلا حادثہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ فرمایا یعنی یہ آفتاب بے نور ہو جائے گا۔ اس موجودہ روشن کرۂ آفتاب کی شعاعیں جو سارے عالم کو منور کرتی ہیں۔ لپیٹ کر رکھ دی جائیں گی یعنی یہ آفتاب بے نور ہو جائے گا جس کی وجہ سے سارا عالم تیرہ وتار ہو جائے گا۔ اور جو کام اس وقت سورج کر رہا ہے وہ نہ کر سکے گا۔ اور یہ ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے کرۂ زمین پر جو زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں اس کا مدار سورج پر ہے۔ اگر سورج ہی نہ ہو تو زمین پر کسی قسم کی زندگی ممکن نہیں۔ اس کا بے نور ہو جانا زندگی کے پورے نظام کے ختم ہو جانے کے برابر ہے۔

دوسرا حادثہ: وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ فرمایا گیا کہ یہ ستارے بھی جو آسمان کی زینت اور روشنی کی قندیلیں ہیں بے نور ہو کر جھڑ پڑیں گے اور ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ اس میں بھی اشارہ اسی طرف ہے کہ یہ نظام اپنی موجودہ شکل میں باقی نہ رہے گا بلکہ سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔

تیسرا حادثہ: وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ یعنی جب پہاڑ چلائے جائیں گے یعنی دنیا میں ان عظیم الشان بلند اور مضبوط پہاڑوں کا وجود جن کا اپنی جگہ سے ٹلنا انسان کے تصور میں نہیں آ سکتا قیامت میں جب توڑ پھوڑ کا عمل شروع ہوگا تو یہ پہاڑ بھی اپنے مقام سے ہٹا دیئے جائیں گے اور اکھڑ کر روئی کے گالوں کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھریں گے۔ اور اس زمین کی موجودہ شکل بدل کر کچھ سے کچھ ہو جائے گی۔

چوتھا حادثہ: وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ فرمایا یعنی جب کہ حاملہ اونٹنیاں جو بچہ دینے کے قریب ہوں یونہی بے کار اور بے مہار ماری ماری پھریں گی۔ کوئی ان کا پرسان حال نہ ہوگا۔ عربوں کا جو قرآن کے اولین مخاطب تھے ان کی زندگی میں اونٹ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ ان کے نزدیک اونٹ بڑا قیمتی اور کار آمد مال تھا۔ خصوصاً حاملہ اونٹنی جو بچہ دینے کے قریب ہو۔ اس کی بڑی قدر اور حفاظت کرتے تھے اور اس کی انتہائی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ روز قیامت کی ہولناکی کا تصور ذہن میں بٹھانے کے لئے یہاں یہ کہا گیا کہ وہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ لوگ دس ماہ کی گابھن اونٹنیوں کی بھی پروانہ کریں گے جو ماری ماری پھریں گی اور لوگ انتہائی بدحواسی کے عالم میں انہیں بھول جائیں گے۔ اور مخلوق میں نفسی نفسی پڑی ہوگی۔

پانچواں حادثہ: وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ اور جب وحشی جانور گھبراہٹ کے مارے سب جمع ہو جاویں گے یعنی اس روز انسان تو کیا وحشی جانوروں کے بھی ہوش وحواس بجانہ رہیں گے اور انتہائی اضطراب و اضطرار میں وحشی جانور تک ایک دوسرے کی دشمنیاں بھول بھال کر آپس میں گڈمڈ ہو جائیں گے۔ وحشی جانوروں کا خاصہ ہے کہ انسان سے دور بھاگتے ہیں اور جن کی آپس میں بھی ایک جنس غیر جنس سے گریز کرتی ہے مثلاً ہرن شیر سے اور بکری بھیڑیئے سے لیکن اس دن وہ بھی دہشت کے مارے گھبرا کر جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل نکل آئیں گے اور آبادی میں پناہ لینے کے لئے آ جمع ہوں گے اس کا نمونہ آج بھی کبھی کبھی دیکھنے میں آ جاتا ہے۔ جب کوئی شدید طغیانی یا سیلاب آئے یا جنگل میں زبردست آگ لگے یا شدید آندھی وطوفان اٹھے تو پانی میں سانپ اور انسان کو بہتے ہوئے دیکھا گیا ہے اور شیر اور جنگلی ہرن وغیرہ کو ایک جگہ دیکھا گیا ہے تو قیامت کی ہولناکی کا ایک اثر یہ بھی ہوگا کہ اس وقت کے حالات سے متاثر ہو کر جنگلی جانور اکٹھے ہو جائیں گے۔

چھٹا حادثہ: وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ اور جب سارے سمندر جوش مارنے لگیں گے۔ نظام کائنات کے درہم برہم ہونے کا جو ذکر اوپر کیا گیا شاید اسی کا اثر یہ ہوگا کہ سمندر بھی جوش کھانے لگیں اور اس وقت سمندروں کا پانی انتہائی جوش کے ساتھ ادھر ادھر بہہ نکلے اور اس صورت حال کے بعد نہ معلوم زمین کا کیا نقشہ ہو۔ الغرض جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو اس کے نتیجہ میں تمام کارخانہ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ نہ آسمان رہے گا نہ سورج اور ستارے رہیں گے۔ نہ پہاڑ نہ سمندر نہ انسان وحیوان دنیا اور تمام اہل دنیا سب کا خاتمہ ہو جائے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝٧ وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۝٨ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝٩ وَإِذَا الصُّحُفُ

اور جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جاویں گے اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاوے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی۔اور جب نامۂ اعمال

نُشِرَتْ ۝١٠ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝١١ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ۝١٢ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۝١٣ عَلِمَتْ

کھول دیئے جاویں گے۔اور جب آسمان کھل جاوے گا۔اور جب دوزخ دہکائی جاوے گی۔اور جب جنت نزدیک کر دی جاوے گی

نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۝١٤

ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو لے کر آیا ہے۔

وَإِذَا اور جب	النُّفُوسُ جانیں	زُوِّجَتْ جوڑے باندھے جائیں	وَإِذَا اور جب	الْمَوْءُدَةُ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی	سُئِلَتْ پوچھا جائے	بِأَيِّ کس	
ذَنْبٍ گناہ	قُتِلَتْ ماری گئی	وَإِذَا اور جب	الصُّحُفُ اعمال نامے	نُشِرَتْ کھولے جائیں	وَإِذَا اور جب	السَّمَاءُ آسمان	كُشِطَتْ کھال کھینچ لی جائے
وَإِذَا اور جب	الْجَحِيمُ جہنم	سُعِّرَتْ بھڑکائی جائے	وَإِذَا اور جب	الْجَنَّةُ جنت	أُزْلِفَتْ قریب لائی جائے	عَلِمَتْ جان لے گا	نَفْسٌ ہر شخص
مَّا جو کچھ	أَحْضَرَتْ وہ لایا						

دوسری بار صور پھونکنے کے بعد کے حادثات

گذشتہ آیات میں قیامت کے جو چھ حادثات بیان فرمائے گئے تھے تو وہ تھے کہ جو اول بار حضرت اسرافیلؑ کے صور پھونکنے سے واقع ہونگے۔اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو حضرت اسرافیل علیہ السلام دوبارہ صور پھونکیں گے جس کے اثر سے تمام اولین و آخرین مرے ہوئے پھر سے زندہ ہو جائیں گے اور سب میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے۔تو دوسری بار صور پھونکنے پر میدان حشر میں جو حادثات و واقعات پیش آئیں گے وہ ان آیات میں ظاہر فرمائے گئے ہیں۔

پہلا حادثہ

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ہوگا یعنی میدان حشر میں ہر ہر قسم کے لوگ چھانٹ کر الگ الگ گروہ کر دیئے جائیں گے۔اچھے اچھوں کے ساتھ ہوں گے اور برے بروں کے ساتھ۔اس طرح ہر نوع اور جنس کے لوگ علیحدہ علیحدہ کھڑے ہوں گے۔کافر الگ' مسلم الگ' پھر ان میں بھی ایک ایک طریقہ کے لوگ مثلاً مسلم میں نمازی اور غیر نمازی الگ۔متقی اور غیر متقی الگ۔گویا اس دنیا میں ہر قسم کا نیک یا بدعمل کرنے والا اپنے جیسے عمل کرنے والوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا اور عقائد اعمال و اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے الگ الگ جماعتیں بنا دی جائیں گی۔یہ گویا اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیشی کی تیاری ہوگی۔

دوسرا واقعہ

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ اس وقت ان لڑکیوں سے جنہیں زندہ زمین میں گاڑ دیا گیا تھا پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھیں؟ زمانہ جاہلیت کے عربوں میں رواج تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو وہ زمین میں گڑھا کھود کر زندہ دفن کر دیتے۔بعض تو افلاس اور پرورش کے اخراجات کے ڈر سے ایسا کرتے تھے اور بعض کو یہ عار تھی کہ اگر بیٹی زندہ رہی تو اس کی شادی کر کے کسی کو اپنا داماد بنانا پڑے گا۔یوں تو آخرت کی پوچھ گچھ زندگی کے تمام ہی کاموں کے بارہ میں ہوگی لیکن یہاں عربوں کے ایک انتہائی سنگ دلی اور بے رحمی کا فعل اور ایک غیر انسانی حرکت کا تذکرہ خاص طور پر فرمایا گیا جو انسانی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے یعنی لڑکیوں کا زندہ گاڑ دینا چنانچہ ان کے اس جرم کی طرف اشارہ فرمایا گیا کہ اس دن

ان لڑکیوں سے جنہیں زندہ درگور کر دیا گیا تھا پوچھا جائے گا کہ انہیں کس جرم کی سزا میں اس طرح قتل کیا گیا تھا؟ ظاہر ہے کہ لڑکیاں معصوم بے گناہ تھیں۔ نادانی اور جہالت کی وجہ سے انہیں زندہ دفن کر دیا گیا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ایسا کرنے والے کوئی عذر پیش نہ کر سکیں گے اور اس پوچھنے سے مقصود ان زندہ درگور کرنے والے ظالموں کا اظہار جرم مقصود ہوگا۔ یہاں ایک تاریخی بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایام جاہلیت میں جب کہ عربوں میں یہ قبیح رسم جاری تھی ان میں بعض ایسے سمجھ والے لوگ بھی تھے جو اس رسم کو برا سمجھتے تھے چنانچہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے ایک چچازاد بھائی مکہ میں جہاں سنتے کہ فلاں کے گھر لڑکی پیدا ہوئی اور وہ جیتی گاڑی جاوے گی تو جھپٹ کر وہاں پہنچتے اور کہتے کہ میں نے اس کو اپنی بیٹی بنا لیا اور جو کچھ اس کے کھانے پینے اور بیاہ شادی کا خرچ ہے وہ سب میرے ذمہ ہے تم کو کچھ اس کا بار نہیں اس طور سے انہوں نے بہت سی لڑکیاں بچا لیں اور اسی واسطے ان کو محی الاموات کہا جاتا تھا اور ان کے اس صالح طریقہ کی اتباع بعض اور عرب قبائل میں بھی کرتے تھے۔

جاہلیت کی یہ رسم بد یعنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینے کی اسلام نے بالکلیہ مٹائی اور شریعت اسلامیہ میں بچوں کو زندہ دفن کر دینا یا قتل کر دینا سخت گناہ کبیرہ اور ظلم عظیم ہے اور چار ماہ کے کسی حمل کو گرانا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ چوتھے مہینہ میں حمل میں روح پڑ جاتی ہے اور وہ زندہ انسان کے حکم میں ہوتا ہے۔ (معارف القرآن جلد ۸)

تیسرا حادثہ

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ فرمایا گیا۔ یعنی اوپر لڑکیوں کے زندہ درگور کر دینے میں تو صرف ایک بڑے جرم کی طرف اشارہ ہے ورنہ انسان نے اس زندگی میں جو کچھ کیا ہوگا ان میں سے ہر چھوٹے بڑے جرم کی پوچھ گچھ ہوگی اور ہر شخص کو وہاں وہی کچھ ملے گا جو اس نے یہاں دنیا میں کمایا ہوگا چنانچہ اس دن نامہ اعمال کھول دیئے جائیں گے تاکہ سب اپنے عمل دیکھ لیں۔

چوتھا حادثہ

وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ فرمایا یعنی جب کہ وہ آسمان جو دوسری بار صور پھونکنے کے بعد قائم ہوگا اس کو کھول دیا جائے گا۔ لفظی معنی وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ کے ہیں کہ جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے تو جیسے جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال اتار لیتے ہیں اور اس کے اندر کے اعضاء اور گوشت رگ وریشے ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح آسمان کے کھل جانے سے اوپر کی سب چیزیں نظر آنے لگیں گی اور ملائکہ نازل ہونے شروع ہوں گے۔ جو عدالت حشر کے کارندے ہوں گے۔

پانچواں حادثہ

وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ فرمایا یعنی جب جہنم اور زیادہ دہکائی جاوے گی۔ جہنم کی آگ جو دنیا کی آگ سے ستر حصے زیادہ گرم ہے اور حدیث میں تصریح آئی ہے کہ جہنم کی آگ کو ایک ہزار برس دہکایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی اور پھر اس کو ایک ہزار برس اور دہکایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی اور پھر ایک ہزار برس اور دہکایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی اور اب وہ سیاہ وتاریک ہے۔

جہنم جس وقت حاضر کی جائے گی تو اس کی یہ حالت ہوگی کہ اس میں سے آگ کے شعلے اور چنگاریاں بڑے بڑے محلوں کی مقدار میں اونٹوں کی قطار کے مانند پے در پے اٹھتی ہوں گی اور جہنم نہایت مہیب آوازوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور جن وانس اور بتوں کو اپنے لئے بطور غذا طلب کرتی ہوگی۔ جن کو لوگ سن کر لرز جائیں گے اور ڈر کے مارے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔ جہنم کی گرمی اور بدبو اس قدر ہوگی کہ ۷۰ سال کی مسافت تک پہنچے گی الامان والحفیظ۔

تو اس روز جہنم کے جوش وخروش کو دیکھ کر مجرموں کے تو بالخصوص حواس باختہ ہو جائیں گے۔

چھٹا حادثہ

میں فرمایا وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ اور جب جنت نزدیک کر دی جائے گی یعنی جس طرح اہل محشر کے لئے جہنم حاضر کی جاوے گی اسی طرح

جنت بھی حاضر کی جائے گی کہ جو تجلیات الٰہی سے آراستہ پیراستہ ہوگی تا کہ مومنین متقین کو اس کی رونق اور بہار دیکھنے سے عجیب مسرت وفرحت حاصل ہو اور کفار و مشرکین و بدکاروں کو حسرت ہو اور اس سلطنت جاودانی سے محروم رہنے پر ان کو اور زیادہ رنج والم ہو۔

سب کچھ سامنے آجائے گا

اخیر میں فرمایا عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ اس وقت ہر شخص کو پتہ لگ جائے گا کہ نیکی یا بدی کا کیا سرمایہ لے کر حاضر ہوا ہے۔ یعنی آج انسان آخرت وقیامت کی جن حقیقتوں کو ماننے سے انکار کر رہا ہے اس روز جب جہنم اور جنت کو اپنے سامنے دیکھے گا تو ساری حقیقت اس کے سامنے آجائے گی اور اس وقت اس کا دنیا میں سارا کرا دھرا اس کے سامنے ہوگا اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ اس زندگی کی مہلت میں جو کچھ اس نے کمایا تھا اسی سب کا نتیجہ اور جزا و سزا وہاں اس کو ملا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دنیا میں ایمان کامل اور اسلام صادق کے ساتھ زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں اور اپنے مومنین ومتقین بندوں کے ساتھ ہمارا حشر نشر فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارا ٹھکانہ آخرت میں جنت مقدر فرمائیں اور جہنم سے ہم کو بچائیں۔ آمین

یَا اللہ آپ نے نعمت پر نعمت عطا کی اس سے قوت آئی لیکن آپ کی دی ہوئی قوت کو میں نے آپ ہی کی نافرمانی میں خرچ کیا۔ کتنا برا کیا' آپ نے تو کھلایا پلایا اور میں نے آپ ہی کی مخالفت کی آپ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کیا' نادم ہوں برا کیا' اے اللہ! مجھے معاف فرما دے۔

یَا اللہ کتنی بار ایسا ہوا کہ میں نیکی کے ارادے سے چلا مگر راستے ہی میں گناہ کی طرف چلا گیا اور جہاں تیرا غضب نازل ہوتا وہاں نفس کو راضی کیا اور آپ کی ناراضگی کی پروا نہ کی۔ میں آپ کے غضب وعذاب کو بھی جانتا تھا مگر شہوت نے ایسا حجاب ڈال دیا یا کسی دوست نے ایسا ورغلایا کہ گناہ ہی اچھا معلوم ہوا۔ الٰہی! یہ سب کرتوت کر کے آیا ہوں اور اس امید میں آیا ہوں کہ آپ ضرور سب گناہ معاف فرما دیں گے' اب اس امیدوار کو ناامید نہ فرمانا' میرے سب گناہ معاف فرما دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾

تو میں قسم کھاتا ہوں ان ستاروں کی جو پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں چلتے رہتے ہیں جا چھپتے ہیں۔ اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے۔ اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾

کہ یہ قرآن کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا جو قوت والا ہے مالک عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے۔ وہاں اس کا کہنا مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ

اور یہ تمہارے ساتھ کے رہنے والے مجنون نہیں ہیں۔ اور انہوں نے اس فرشتہ کو صاف کنارہ پر دیکھا بھی ہے۔ اور یہ پیغمبر مخفی باتوں پر بخل کرنے والے بھی نہیں۔

بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے۔ تو تم لوگ کدھر کو چلے جا رہے ہو۔ بس یہ تو دنیا جہان والوں کیلئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

ایسے شخص کیلئے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے۔ اور تم بدوں خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ہو۔

فَلَآ اُقْسِمُ سو میں قسم کھاتا ہوں	بِالْخُنَّسِ پیچھے ہٹ جانیوالے	الْجَوَارِ سیدھے چلنے والے	الْكُنَّسِ چھپ جانے والے	وَالَّيْلِ اور رات	اِذَا جب			
عَسْعَسَ پھیل جائے	وَالصُّبْحِ اور صبح	اِذَا جب	تَنَفَّسَ دم بھرے	اِنَّهٗ بیشک یہ	لَقَوْلُ کلام	رَسُوْلٍ قاصد	كَرِيْمٍ عزت والا	ذِيْ قُوَّةٍ قوت والا
عِنْدَ نزدیک	ذِي الْعَرْشِ عرش کے مالک	مَكِيْنٍ بلند مرتبہ	مُطَاعٍ سب کا مانا ہوا	ثَمَّ اَمِيْنٍ وہاں کا امانتدار	وَمَا نہیں	صَاحِبُكُمْ تمہارا رفیق		
بِمَجْنُوْنٍ دیوانہ	وَلَقَدْ رَاٰهُ اور اس نے اسکو دیکھا ہے	بِالْاُفُقِ کنارہ پر	الْمُبِيْنِ کھلا	وَمَا هُوَ اور نہیں وہ	عَلَى الْغَيْبِ غیب پر	بِضَنِيْنٍ بخل کرنیوالا		
وَمَا هُوَ اور نہیں	بِقَوْلِ کہاہوا	شَيْطٰنٍ شیطان	رَجِيْمٍ مردود	فَاَيْنَ پھر کدھر	تَذْهَبُوْنَ تم جارہے ہو	اِنْ هُوَ نہیں وہ	اِلَّا مگر	ذِكْرٌ نصیحت
لِلْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کیلئے	لِمَنْ جو	شَآءَ چاہے	مِنْكُمْ تم سے	اَنْ کہ	يَّسْتَقِيْمَ وہ سیدھا چلے	وَمَا تَشَآءُوْنَ اور تم نہ چاہوگے		
اِلَّا مگر	اَنْ یہ کہ	يَّشَآءَ چاہے	اللّٰهُ اللہ	رَبُّ رب	الْعٰلَمِيْنَ تمام جہان			

سورۃ کا موضوع

گذشتہ آیات میں قیامت وآخرت کے متعلق متعدد حادثات وواقعات کا ذکر فرمایا گیا تھا جس سے یہ جتلانا مقصود تھا کہ قیامت وآخرت آنا یقینی ہے۔ قرآن کریم کے اس دعویٰ کے مقابلہ میں منکرین آخرت وقیامت کا یہ خیال تھا کہ یہ سب باتیں محض خیالی وہمی اور غلط ہیں۔ وہ کہتے کہ بھلا مر کر بھی کوئی زندہ ہوا ہے۔ کیسی قیامت اور کیسی آخرت اور کہاں کا حساب کتاب اور کیسی جزاوسزا؟ یہ سب باتیں غلط ہیں اور یہ رسول ہونے کا جو دعویٰ کرتے ہیں تو یا تو یہ دیوانے ہیں یا ان پر شیاطین کا کچھ اثر ہوگیا ہے۔ معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ ان آیات میں ان منکرین کے خیالات باطلہ کا رد فرماتے ہیں اور قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو ظاہر فرماتے ہیں۔

تین چیزوں کی قسمیں

قرآن کریم کا طریقہ ہے کہ کسی اہم بات کے لئے قسمیہ کلام سے

اسے بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کی قسم کھا کر قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو بیان فرمایا اور منکرین کے اقوال کی تردید فرمائی۔ یہاں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ پہلے خنس، جوار اور کنس کی۔ ان سے مراد وہ پانچ ستارے ہیں جن کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ ان کے نام زحل، مشتری، مریخ، زہرہ اور عطارد ہیں۔ ان ستاروں کی عجیب چال ہے۔ یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں اس لحاظ سے ان کو جوار کہتے ہیں کبھی الٹے چلتے ہیں۔ جدھر سے گئے تھے پھر لوٹ کر ادھر ہی آجاتے ہیں اس لحاظ سے ان کو خنس کہتے ہیں اور کبھی غائب ہو جاتے ہیں یا حرکت منقطع ہو جاتی ہے اس لحاظ سے ان کو کنس کہتے ہیں۔ تو خنس، جوار اور کنس ان ۵ ستاروں کی صفات ہیں اور پہلے ان کی قسم کھائی گئی۔ دوسری قسم وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ یعنی رات کی قسم کھائی گئی جب وہ تاریک ہو جاتی ہے۔ تیسری قسم کھائی گئی۔ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ یعنی صبح کی قسم جب وہ نمودار ہونے لگتی ہے اور ان تینوں قسموں کے بعد فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور ایک معزز فرشتہ یعنی جبرئیل علیہ السلام کی معرفت امین اور صادق پیغمبر یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا گیا ہے۔

حقانیت کے دلائل

جن چیزوں کی یہاں قسمیں کھائی گئی ہیں وہ دراصل بطور دلیل کے ہیں اس دعوے کے ثبوت میں کہ جو بات قسم کھا کر کہی گئی ہے۔ ستاروں کا اس طرح ہیر پھیر کر چلنا اور ان کی یہ کیفیات کہ کبھی سیدھے چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کبھی پیچھے ہٹتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کبھی نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سورج کے چھپنے کے بعد رات آجاتی ہے اور اس کی سیاہی پھیل جاتی ہے۔ پھر یہ صورت بھی باقی نہیں رہتی۔ صبح نمودار ہوتی ہے اور پھر روز روشن کا آغاز ہو جاتا ہے۔ تو ستاروں کی یہ گردشیں اور رات دن کا یہ الٹ پھیر کہ جس میں کبھی بال برابر فرق نہیں آتا اور جو بالکل ایک لگے بندھے اور منصوبے کے ماتحت قائم ہیں اس بات کا کھلا ثبوت ہیں اور اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ اس نظام کی ڈوری کسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے اور یہ رات دن کے روزانہ تصرف اس کی قدرت کاملہ کے روشن اور بین دلائل ہیں۔ تو وہ صاحب قدرت وعظمت اور مالک کون ومکان جب ایک بات قسم کھا کر کہے تو پھر اس میں شک وشبہ کی کیا گنجائش ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ان قسموں کی مناسبت آئندہ مضمون سے یہ ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، ٹھہرنا، لوٹنا، چھپ جانا ایک نمونہ ہے اگلے انبیاءؑ پر بار بار وحی آنے اور ایک مدت دراز تک اس کے نشان باقی رہنے پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہو جانے کا۔ اور رات کا آنا نمونہ ہے اس تاریک دور کا جو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت سے پہلے دنیا پر گزرا کہ کسی شخص کو حق وباطل کی تمیز نہ رہی تھی اور وحی کے آثار بالکل مٹ چکے تھے اس کے بعد صبح صادق کا ظاہر ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جہان میں تشریف لانا اور قرآن کا اترنا ہے کہ ہر چیز کو ہدایت کے نور سے روشن کر دیا گویا اگلے انبیاؤں کا نور ستاروں کی طرح تھا اور اس نور اعظم کو آفتاب درخشاں کہنا چاہئے۔

وحی لانے والے فرشتے کی صفات

ان تینوں قسموں کے بعد فرمایا گیا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور ایک معزز فرشتہ یعنی جبرئیل علیہ السلام کا لایا ہوا ہے۔ اب آگے حضرت جبرئیل علیہ السلام جو وحی کے لانے والے ہیں ان کی کچھ صفات بیان فرمائی گئی ہیں کہ وہ کریم یعنی عزت والے ہیں اور بڑی قوت والے ہیں یعنی حفظ وضبط اور بیان وحی کی قوت بھی کامل ہے اور جسمانی قوت کا بھی یہ عالم کہ قوم لوط کی بستیوں کو اپنے بازو پر اٹھا کر بلندی پر لے جا کر الٹ دیا اور قوم ثمود پر ایسی چیخ ماری کہ سب کے کلیجے پھٹ کر ہلاک ہو گئے۔ آن کی آن میں آسمان سے زمین پر آتے ہیں اور پلک جھپکنے میں زمین سے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہے۔ سب فرشتوں سے زیادہ بارگاہ خداوندی میں قرب اور رسائی حاصل ہے۔ آسمانوں کے فرشتے ان کی بات مانتے اور ان کا حکم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کے امین اور معتبر ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کی وحی کرنا چاہتے ہیں تو وحی کے ساتھ کلام فرماتے ہیں جس سے آسمانوں میں ایک سخت لرزہ پیدا ہو جاتا ہے جب آسمانوں والے اس کو سنتے ہیں تو بے ہوش

ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ پھر ہوش میں سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے اپنی وحی کے ساتھ کلام فرماتے ہیں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کی طرف سے گزرتے ہیں اور جس آسمان کی طرف سے گزرتے ہیں اس کے فرشتے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں۔ جبرئیل! ہمارے آقا و مالک نے کیا فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں جو کچھ فرمایا حق ہی ہے۔ وہ بزرگ و برتر ہے۔ پھر سب ملائکہ ویسے ہی کہتے ہیں کہ جیسے جبرئیل علیہ السلام وحی کے متعلق حکم خداوندی کے موافق کہتے ہیں (تفسیر مظہری) تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے امیر ہیں۔ نیز شب معراج کے واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملا اعلیٰ یعنی عالم ملائکہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اطاعت کی جاتی ہے۔ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جبرئیل علیہ السلام کے کہنے سے ملائکہ نے آسمانوں کے دروازہ کھول دیئے تھے اور جنت کے دربانوں نے جنت کے دروازے۔ تو یہ صفات حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بیان ہوئیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لایا کرتے تھے۔

حضور علیہ ﷺ نے حضرت جبرئیل کو بارہا دیکھا

اب آگے پیغمبر عربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتلایا جاتا ہے جن کے متعلق کفار مکہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ کبھی آپ کو دعوئے نبوت میں دیوانہ کہتے، کبھی آپ کی قیامت وآخرت کے متعلق باتوں کو جھوٹ اور غلط بتاتے۔ کبھی یہ الزام لگاتے کہ آپ جس کو وحی الٰہی کہتے ہیں وہ کسی ناپاک روح یا شیطان کے اثر سے ہے۔ کبھی آپ پر غیب کی خبریں سن کر کاہن ہونے کا الزام رکھتے۔ حق تعالیٰ ان تمام الزامات کے رد میں کفار مکہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ یہ رسول عربی دعوئے رسالت سے پہلے چالیس سال تک تمہارے درمیان رہے اور تم ان کے ساتھ رہے۔ اتنی طویل مدت تک ان کے تمام کھلے چھپے احوال کا تجربہ کیا کبھی ایک مرتبہ بھی ان کے جھوٹ فریب یا دیوانہ پن کی کوئی بات تم نے نہ دیکھی اور ہمیشہ ان کے صدق وامانت اور عقل و دانائی کے معترف رہے۔ کیا یہ وہی تمہارے رفیق نہیں ہیں جن کے تمام احوال کا تم پہلے سے تجربہ رکھتے ہو۔

اب بلاوجہ انہیں جھوٹا یا دیوانہ کیسے کہہ سکتے ہو۔ اس کے بعد ان منکرین کو یہ شبہ بھی تھا کہ مان لیا کہ آپ سچے بھی ہیں دیوانہ بھی نہیں۔ مگر ممکن ہے کہ جبرئیل فرشتہ سے آپ نے یہ کلام سنا نہ ہو اور جبرئیل کو دیکھا بھی نہ ہو کوئی اور شیطان ان سے آ کر کہہ جاتا ہو اور وہ اس کو جبرئیل علیہ السلام سمجھتے ہوں اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرشتہ کو یعنی جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں آسمان کے صاف کنارہ پر دیکھا بھی ہے اس لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ شاید دیکھنے یا پہچاننے میں کچھ اشتباہ ہو گیا ہوگا۔ وہ ان کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ سورۂ نجم ۲۷ ویں پارہ میں بھی فرمایا گیا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے افق اعلیٰ پر دیکھا یعنی آسمان کے بلند کنارہ پر اور یہاں افق مبین پر دیکھنا فرمایا یعنی آسمان کے صاف کنارہ پر۔ دونوں سے مراد ایک ہی ہے۔ الحاصل جب آپ پر حقیقت جبرئیلیہ منکشف ہوگئی اور کئی بار عالم شہود میں بھی آپ ان کو دیکھ چکے اور شب معراج میں بھی دیکھ چکے تو اب اشتباہ شبہ پیدا کرنا محض غلط اور احمق پن ہے۔

منکرین کے شبہات کا رد

اب ایک شبہ منکرین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ باقی رہ جاتا تھا کہ ممکن ہے یہ کاہن ہوں۔ عرب میں کاہن بھی غیب کی اور مخفی باتیں جنات سے سن کر بیان کیا کرتے تھے۔ اس الزام کو بھی رد فرمایا جاتا ہے اور اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ یعنی یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر قسم کی مخفی اور غیب کی خبریں جو وحی سے بتلائی جاتی ہیں دیتے ہیں۔ ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے یا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے۔ یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے۔ یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے یا قیامت وآخرت کے احوال سے۔ اور ان چیزوں کے بتلانے میں نہ بخل کرتے ہیں نہ اجرت مانگتے ہیں۔ نہ نذرانہ اور بخشش طلب کرتے ہیں جیسا کہ کاہنوں کی عادت تھی کہ رقم لے کر کوئی بات بتلاتے تھے اور وہ بھی ایک جزئی اور نامکمل بات جس میں سو جھوٹ ملا کر بیان کرتے اور اس میں بھی اس قدر بخیل کہ بغیر نذرانہ یا مٹھائی کے وصول کئے ایک حرف بھی زبان سے نہ نکالتے۔ پھر کاہن کا لقب آپ پر کیسے چسپاں ہو سکتا

ہے۔کہاں پیغمبر کی سیرت اور کہاں کاہنوں کی پوزیشن۔

اخیر میں وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ فرما کر اس بحث کو ختم فرمایا جاتا ہے یعنی یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے جیسا کہ یہ منکرین خیال کرتے ہیں۔ بھلا شیطان مردود ایسی نیکی اور پرہیز گاری کیوں سکھلانے لگا جس میں سراسر بنی آدم کا فائدہ ہو اور خود اس ملعون کی قباحت و مذمت ہو۔تم خود اس کلام میں غور کرو۔

قرآن مکمل دستورالعمل

آخیر میں منکرین نبوت اور منکرین قرآن کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جب تمہارے الزامات سب غلط ثابت ہوئے تو بجز صدق وحق کے اور کیا باقی رہا پھر اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر کدھر بہکے چلے جا رہے ہو کہ آپ کی نبوت کے منکر ہو رہے ہو اور قرآن کی حقانیت سے انحراف کر رہے ہو۔ اگر تم اس قرآن کے مضامین اور ہدایت پر غور کرو تو اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ یہ سارے جہان کے لئے ایک سچا نصیحت نامہ اور مکمل دستورالعمل ہے۔جس سے انسانوں کی دارین کی صلاح و فلاح وابستہ ہے۔ بالخصوص ان کے لئے جو سیدھا چلنا چاہیں۔ ہدایت اور روشنی کے طالب ہوں اور ضد و عناد اور کج روی اختیار نہ کریں۔ کیونکہ ایسے ہی لوگ اس نصیحت نامہ سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

توفیق اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ملتی ہے

سورۃ کے اخیر میں وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ فرما کر اس حقیقت کا اظہار فرمایا جاتا ہے کہ بندہ کا ارادہ مطلق العنان اور مستقل بالذات نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت اور تابع ہوتا ہے یعنی فی نفسہ تو قرآن نصیحت ہے لیکن اس کی تاثیر مشیت الٰہی پر موقوف ہے جو بعض لوگوں کے لئے متعلق ہوتی ہے اور بعض کے لئے کسی حکمت سے متعلق نہیں ہوتی۔تو جس کے لئے ہدایت اور سدھرنے کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے ہیں تو وہی اپنے سدھرنے کا بھی ارادہ کر سکتا ہے۔ یہ توفیق اس کی طرف سے ہے۔انسان بہرحال قضاء وقدر کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے لیکن صرف بات اتنی ہے کہ جو کچھ قضا وقدر اس سے کراتی ہے وہ اس انسان کے ارادہ اور اختیار سے کراتی ہے اور اسی ارادہ اور اختیار کے سبب بندہ ثواب و عقاب اور مدح وذم اور جزاء وسزا کا مستحق ہوتا ہے۔

خلاصہ

اس سورت کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں جو کہ ۱۴ آیات پر مشتمل ہے اس ہولناک کائناتی انقلاب کا ذکر ہے جسکے اثرات سے کائنات کی کوئی چیز بھی محفوظ نہیں رہے گی، سب کچھ بدل جائے گا، یہ سورج اور ستارے، پہاڑ اور سمندر ریت کے گھروندے ثابت ہوں گے اس دن ہر شخص کو پتہ چل جائے گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے اور اپنے دامن میں کیا لے کر آیا ہے، گناہ یا نیکیاں یا گناہ ہی گناہ اللہ کی پناہ!

دوسرے حصے میں جو کہ ۱۵ آیات پر مشتمل ہے، باری تعالیٰ نے تین قسمیں کھا کر قرآن کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و صداقت کو بیان فرمایا ہے اور ان دیوانوں کو بڑی محبت سے سمجھایا ہے جو اللہ کے نبی کو معاذ اللہ ''دیوانہ'' قرار دیتے تھے فرمایا گیا ''تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے'' وہ تو بندوں تک اللہ کا کلام پہنچانے والا سچا نبی ہے۔سورۃ اعراف اور سورۃ سبا میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ تم غور وفکر کرو گے تو تمہارے ضمیر کا یہی فیصلہ ہوگا کہ تمہارے سامنے شب و روز گزارنے والا یہ عظیم انسان دیوانہ نہیں یہ تو دیوانوں کو فرزانگی سکھانے کیلئے آیا ہے اور قرآن کے بارے میں فرمایا کہ ''شیطان مردود کا کلام نہیں ہے یہ تو اہل جہاں کیلئے نصیحت ہے مگر اس کیلئے جو سیدھی راہ پر چلنا چاہے اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک کہ رب العلمین نہ چاہے''۔

سورۃ التکویر کے خواص

۱-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو سورۃ التکویر پڑھے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی رسوائی سے اپنی پناہ میں رکھیں گے۔

۲- جو آدمی بارش برستے وقت سورۃ التکویر پڑھ کر دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

۳-جو آدمی عرق گلاب پر سورۃ التکویر پڑھے اور اس عرق کو اپنی آنکھوں پر لگائے تو اس کی نظر تیز ہوگی اور آنکھوں کی صحت برقرار رہے گی۔

۴- ایسا گھر جس میں جادو کیا گیا ہو اور معلوم نہ ہو کہ جادو کی چیزیں کہاں دفن ہیں تو اس گھر میں سورۃ التکویر پڑھنے سے اللہ تعالیٰ وہ جگہ ذہن میں ڈال دیں گے اور وہ اثر ختم ہو جائے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

36

سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہِیَ تِسْعَ عَشَرَۃَ اٰیَۃً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ﴿۱﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ﴿۲﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ﴿۳﴾ وَاِذَا الْقُبُوْرُ

جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے جب سب سمندر بہہ پڑیں گے اور جب قبریں اکھاڑ دی جاویں گی

بُعْثِرَتْ ۙ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ؕ﴿۵﴾

ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا۔

اِذَا جب	السَّمَآءُ آسمان	انْفَطَرَتْ پھٹ جائے	وَاِذَا اور جب	الْكَوَاكِبُ ستارے	انْتَثَرَتْ جھڑ پڑیں	وَاِذَا اور جب	الْبِحَارُ سمندر	فُجِّرَتْ ابل پڑیں
وَاِذَا اور جب	الْقُبُوْرُ قبریں	بُعْثِرَتْ کریدی جائیں	عَلِمَتْ جان لے	نَفْسٌ ہر شخص	مَا کیا	قَدَّمَتْ اس نے آگے بھیجا؟	وَاَخَّرَتْ اور پیچھے چھوڑا	

سورۃ کی وجہ تسمیہ، مرکزی مضمون

اس سورۃ کی ابتداء ہی اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ سے ہوئی ہے یعنی جب آسمان پھٹ جاوے گا۔ انفطار پھٹ جانے کو کہتے ہیں۔ اسی سے یہ نام ماخوذ ہے اور مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔

اس سورۃ کا بھی مرکزی مضمون مثل گذشتہ سورۂ تکویر کے قیامت و آخرت اور وہاں کی جزا و سزا ہی سے متعلق ہے اور یہ سورۃ بھی ان چند سورتوں میں سے ایک ہے جن میں قیامت میں پیش آنے والے حالات کا ایسا منظر پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا اگر غور کرے تو اسے ایسا محسوس ہوگا گویا وہ قیامت کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

اس دنیا میں انسان کی اصلاح کیلئے قیامت و آخرت پر ایمان لانے کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے اسی لئے قرآن کریم کثرت سے قیامت و آخرت کا ذکر کرتا ہے۔ تاکہ اس حقیقت کا یقین انسان کو پورا پورا آ جائے اس دن انسان نے زندگی میں جو کچھ کیا ہوگا اچھے برے اعمال سب اس کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے اور انہی کی جزا یا سزا اسے ملے گی۔ یہاں اس سورۃ میں بھی پہلے قیامت کے بعض حالات کی طرف اشارہ ہے اور پھر جتلایا گیا ہے کہ یہی وہ دن ہوگا جب ہر شخص کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں اس نے جو کچھ کیا تھا اس کا کیا انجام ہوا۔ پھر انسان کی غفلت پر اس کو تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ دنیا میں آپ ہی آپ نہیں آ گیا ہے بلکہ اس کا ایک پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہی اس کی پرورش کرتا ہے اور اس کے فرشتے اس کے پاس ہر وقت موجود رہتے ہیں اور اس کی زندگی کے ہر قول و فعل کا ایک تفصیلی ریکارڈ تیار کر رہے ہیں جو قیامت کے دن جانچا جائے گا اگر اس کے اعمال نامہ میں ایمان اور عمل صالح موجود ہے تو اس کا شمار نیکوں میں ہوگا اور وہ جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ جہاں وہ ہمیشہ آرام و آسائش کے ساتھ رہے گا اور جو ایمان اور عمل صالح سے خالی ہوں گے اور اپنے رب کی نافرمانی اور سرکشی میں زندگی گزاری ہوگی وہ بدکار شمار ہوں گے۔ اور جہنم ان کا ٹھکانا ہوگا جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ طرح طرح کے عذاب جھیلتے رہیں گے۔ اس وقت ہر ایک کا فیصلہ اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہوگا اور وہاں صرف اللہ ہی کا حکم چلے گا۔

جب نقشہ بدل جائیگا

ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ جب آسمان پھٹ جائے گا آسمان کے پھٹنے کا مضمون قرآن پاک کی متعدد آیات میں آیا ہے۔ یہاں اس سورۃ میں ارشاد ہے۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ جب کہ آسمان پھٹ جائے گا۔

۲۹ ویں پارہ سورۂ مزمل میں فرمایا السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ جس میں آسمان پھٹ جائے گا۔ ۲۷ ویں پارہ سورۂ رحمٰن میں فرمایا مقصد بیان یہ ہے کہ ایک روز ایسا آنے والا ہے کہ کائنات کا یہ نظم جو آج ہم دیکھ رہے ہیں یہ ختم

ہونے والا ہے۔ جب آسمان پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے گا تو یہ زمین بھی فنا اور ختم ہو جائے گی اور پورا نظام فلکی درہم برہم ہو جائے گا جیسا آگے فرمایا۔ وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ اور جب ستارے ٹوٹ کر جھڑ پڑیں گے۔ یعنی یہ سارا نظم جو ستاروں کا آج ہماری نظروں کے سامنے ہے سب ٹوٹ کر ختم ہو جائے گا۔ گویا اتنا بڑا انقلاب ہوگا جو کائنات کے پورے نظام کو الٹ پلٹ کر رکھ دے گا۔ اور اس انقلاب کا زمین پر بھی زبردست اثر پڑے گا۔ سمندروں کی شکل بھی جو اس وقت زمین کے تین حصہ پر حاوی ہے اور ایک چوتھائی حصہ کے قریب کھلا ہوا ہے جس میں تمام ممالک' جنگل' پہاڑ' میدان بیابان ریگستان وغیرہ واقع ہیں اس وقت بدل جائے گی۔ جیسا کہ فرمایا وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ اور جب سمندر بہہ نکلیں گے۔ یعنی جو ان کی حدود قائم ہیں اور ان کے مختلف حصے ایک دوسرے سے الگ ہیں سب گڈ مڈ ہو جائیں گے۔ اور رل مل جائیں گے یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ زمین کی خشکی پر جو زندگی کا ایک نقشہ قائم ہے وہ سب بگڑ جائے گا۔ اور کوئی باقی نہ رہے گا۔ اسی کا نام قیامت ہے اور جیسا کہ دوسرے مقامات پر بتایا گیا یہ کیفیت پہلا صور پھونکنے کے بعد پیدا ہو جائے گی۔ اور زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے گا گویا قیامت کی پہلی منزل ہوگی کہ سب کچھ درہم برہم ہو کر فنا ہو جائے گا۔ اس کے بعد اس کی دوسری منزل آئے گی اور پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا اس وقت تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ میں اسی طرف اشارہ ہے یعنی جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔

سب اپنے اعمال دیکھ لیں گے

ان قبروں سے مردے نکل کھڑے ہوں گے اور سب ایک میدان میں جمع کر دیئے جائیں گے اور یہی حشر کا میدان ہوگا۔ یہاں ہر شخص کے سامنے اس کی زندگی کے سارے کارنامے لائے جائیں گے اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ اس نے دنیا میں جو کچھ کیا تھا اس کا انجام کیا ہوا۔ اسی کی طرف عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ میں ارشاد فرمایا گیا کہ اس وقت ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا اور وہاں ان اعمال کا نتیجہ دیکھے گا کہ دنیا کی زندگی میں جو اچھے کام کئے تھے ان کا اسے کیا پھل ملا اور دنیا میں جو برائیاں کی تھیں ان کی وجہ سے اسے کیا عذاب دیکھنا پڑا۔

دعا کیجئے:

یَا اللہ اس وقت امت مسلمہ میں جو بدحالی اور بداعمالی پھیلتی جا رہی ہے اس کا سبب واحد یہی ہے کہ ہم آخرت کی۔ جزا و سزا کی طرف سے غافل ہو گئے۔

یَا اللہ ہمیں موت سے پہلے پہلے آخرت کی تیاری کرنے اور اس کی فکر کرنے کی توفیق عطا فرما۔

آمین

ان گناہوں کی بھی معافی چاہتا ہوں جن کی وجہ سے دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو گیا' روزی کی برکت اور خیر نہ رہی۔ ان گناہوں کو بھی معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿٦﴾ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾ فِىْٓ

اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے ایسے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے۔ جس نے تجھ کو بنایا پھر تیرے اعضا کو درست کیا پھر تجھ کو اعتدال پر بنایا۔

اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿٨﴾

جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دے دیا۔

يَاَيُّهَا اے	الْاِنْسَانُ انسان	مَا غَرَّكَ کس چیز نے تجھے دھوکہ دیا	بِرَبِّكَ اپنے رب سے	الْكَرِيْمِ کریم	الَّذِىْ جس نے	خَلَقَكَ تجھے پیدا کیا
فَسَوّٰكَ پھر تجھے ٹھیک کیا	فَعَدَلَكَ پھر برابر کیا	فِىْ میں	اَىِّ صُوْرَةٍ جس صورت	مَا شَآءَ چاہا	رَكَّبَكَ تجھے جوڑ دیا	

اے انسان! تجھے کس چیز نے ورغلا رکھا ہے

گذشتہ آیات میں قیامت کے بعض واقعات بیان فرمائے گئے تھے۔ انسانوں کو چاہیے تو یہ تھا کہ قیامت کے ان واقعات و حالات کو سن کر خواب غفلت سے بیدار ہوتے اور اپنے خالق و مالک کی نافرمانی سے بچتے اور اس کی اطاعت و بندگی بجالاتے۔

چہ جائیکہ قیامت و آخرت کا ہی انکار کرنا اور اس دن سے غفلت اور بے پروا ہو کر رہنا اور یہ سمجھ بیٹھنا کہ اس سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہوگی اور نہ کسی حساب کتاب سے واسطہ پڑے گا۔

یہاں ان آیات میں ایسے انسان کی غفلت پر سخت تنبیہ کی جاتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے بعض احسانات کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ ایسے رب کریم اور منعم و محسن کے احسان و انعام کی قدر و شکر گزاری کی بجائے انسان ایسا ناشکرا ہے کہ اپنے کریم رب سے غافل بلکہ اپنے محسن آقا سے تکبر اور غرور سے پیش آتا ہے۔

ان آیات میں حق تعالیٰ انسان کو خطاب فرما کر تنبیہ فرماتے ہیں کہ اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جو تو اس کی نافرمانی کر رہا ہے؟ کیا وہ رب کریم اس کا حق دار تھا کہ تو اپنے جہل و حماقت سے اس کے حکم پر مغرور ہو کر اس کی نافرمانیاں کرتا رہے؟ اور اس کے لطف و کرم کا جواب ناشکری و سرکشی سے دے؟ اس کا کرم دیکھ کر تو اور زیادہ شرمانا اور اس حلیم کے غصہ سے بہت زیادہ ڈرنا چاہئے تھا نہ کہ اس کے ساتھ غرور اور تکبر برتنا بڑی محرومی کی بات ہے اور اس کی اس مہربانی سے کہ وہ نافرمانی پر فوراً سزا نہیں دیتا اور مہلت پر مہلت دیئے چلا جا رہا ہے دھوکہ میں رہنا۔

اللہ تعالیٰ کی کریمی

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ میں غرور کو رب اور پھر کریم کے ساتھ متعلق کرنے میں صاف اشارہ ہے کہ اپنے رب یعنی پرورش کرنے والے سے غرور انسانیت کا مقتضا نہیں جس کی طرف انسان کو حاجت پڑتی رہتی ہے اور پھر اس کی پرورش بھی کریمانہ ہو۔ ہر ہر بات میں اور قدم قدم پر کرم و فضل کرتا ہو۔ ایسا انسان جو ایسا احسان فراموش ہو انسان ہی نہیں بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ اس کو اتنی عقل بھی نہیں کہ جس کا ہر محتاج ہو اسی سے بگاڑ لے اور اسی کے ساتھ غرور برتے اور اس کے آگے سر نیاز نہ جھکائے کیسی نالائقی ہے مگر لفظ کریم میں حق تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اے نالائق انسان تیری اکڑفون کا سبب ہمارا کرم ہے۔ اگر فوراً سزا دے دیا کریں یا اپنے کرم کو باز رکھیں اور حاجت روائی نہ کریں تو آن کی آن میں سارا غرور خاک میں مل جائے۔

خداوند قدس کا کرم بالائے کرم

آگے حق تعالیٰ اپنے رب کریم ہونے کی تفصیل سناتے ہیں تا کہ اس مغرور انسان کی آنکھیں کھلیں اور معلوم ہو کہ میں کس کے ساتھ غرور کر رہا ہوں اور کس رب کریم کی نافرمانی اور کس محسن آقا و مالک کے حکم کی خلاف ورزی پر جرأت کر رہا ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَكَ وہ کہ جس نے اے انسان تجھے پیدا کیا۔ عدم سے تیری ہستی کو وجود میں لایا۔ ایک وقت تھا کہ تیرا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا پھر تیری پیدائش کی ابتدا ہوئی اور کس طرح ہوئی؟ کہ اس میں نہ تیرے یا کسی اور کے ارادہ کو دخل تھا نہ کسی اور کے فیصلہ اور منصوبے کا ہاتھ تھا۔ نہ تیری طرف سے کوئی سوال، دعا اور طلب تھی۔ اس کریم نے محض اپنے کرم سے تجھ کو پیدا کیا۔ پھر پیدا بھی یونہی بیڈول نہیں کر دیا بلکہ فَسَوّٰىكَ تیرے اعضاء کو درست کیا اور اعضاء جسم میں تناسب رکھا اور تیرے بدن کو ٹھیک بنایا۔ اور سب جوڑ بند برابر مناسبت سے پیدا کئے کہ کان کی جگہ کان، آنکھ کی جگہ آنکھ، ناک کی جگہ ناک رکھی۔ پھر ہاتھ برابر ہاتھ کے اور پاؤں برابر پاؤں کے۔ اور کان برابر کان کے اور آنکھ برابر آنکھ کے۔ غرض کہ یہ اسی کا کرم ہے کہ ایک قطرۂ ناپاک سے تجھ کو ایسا سڈول خوبصورت اور کارآمد بنا کر پیدا کیا۔ آگے فرمایا فَعَدَلَكَ یعنی اے انسان پھر اس پیدائش میں تجھ کو اعتدال پر بنایا یعنی تیرے قویٰ اور مزاج میں گرمی سردی خشکی تری کو مناسب اعتدال کے ساتھ رکھا۔ جس عضو میں جس قدر گرمی درکار تھی اتنی ہی عطا کی۔ اور جس عضو کو جس قدر رطوبت درکار تھی اتنی ہی عطا فرمائی۔ پھر ہر ایک عضو میں مناسبت سے قوت ودیعت کی گئی۔

انسان...خدائی کاریگری کا مظہر

پھر آگے فرمایا جاتا ہے۔ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ پھر جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دے دیا۔ خواہ مرد کی خواہ عورت کی۔ پھر ان میں بھی ایک خاص نقشہ صورت، شکل، رنگ، روپ کا عنایت کیا۔ اے مغرور انسان! ان میں سے کوئی بات بھی تیرے اپنے اختیار کی نہیں۔ نہ تیرے سوال اور درخواست پر عطا ہوئی۔ یہ محض اسی کا کرم ہے کہ تجھ کو ایسی شکل وصورت اور حسن و جمال عطا کیا ورنہ اگر وہ چاہتا تو تجھے دوسری گھٹیا مخلوقات کی شکل وصورت میں ڈال دیتا اور دنیا میں اس کی مثالیں دیکھنے میں بھی آئی ہیں کہ ماں کے پیٹ سے بندر اور سانپ کے بچہ پیدا ہوئے تو باوجود اس قدرت کے محض اپنے فضل وارادہ سے انسانی صورت میں رکھا۔ یہ اس کا کتنا بڑا اکرم واحسان ہے۔ تو جس خدا کی یہ قدرت ہو اور جس محسن کے یہ احسانات ہوں اور جس منعم کے یہ انعامات ہوں کیا اس کے ساتھ انسان کو یہی معاملہ کرنا چاہئے کہ اسی کی نافرمانی کرے اسی سے سرکشی کرے اسی کی ناشکری کرے اور اسی کے جزاء وسزا کا انکار کرے اور بے لگام ہو کر حصول لذات وشہوات میں غرق رہے اور جانے کہ بس میں اس دنیا میں مزے اڑانے ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ نہ مرکر پھر جینا ہے نہ حساب ہے نہ کتاب ہے نہ اعمال کی جزا ہے نہ سزا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا پھر بھی یہ انتہائی کرم ہے کہ اس نے انسان کو یونہی اندھیرے میں نہیں چھوڑ رکھا بلکہ اس نے اپنے رسول اور اپنی کتاب بھیج کر صحیح صحیح صورتحال انسان کے سامنے رکھ دی اور ہر طرح اسے سمجھا دیا کہ یہ حقیقت کی طرف سے آنکھیں بند نہ کرے۔ اور غفلت کا شکار نہ ہو۔

دعا کیجئے

یَا اللہ آج اس زندگی میں ہم کو توفیق عطا فرما دیجئے کہ ہم آپ کی مرضی اور احکام پر چلنے والے ہوں اور اپنی خواہشات کے غلام نہ ہوں۔ نفس اور شیطان کے دھوکہ سے حق تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں اور دنیا میں ہر ظاہری و باطنی نعمت جو حق تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے وہ اے رب کریم آپ کو راضی کرنے میں ہم دل وجان سے لگانے والے ہوں۔ آمین۔

یَا اللہ جن گناہوں کے سبب لاغری آتی ہے اور نقاہت چھا جاتی ہے بروز قیامت حسرت وندامت ہوگی ان گناہوں کو بھی معاف فرما دے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ۝۹ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ

ہرگز نہیں بلکہ تم جزا وسزا کو جھٹلاتے ہو۔اور تم پر یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں۔جو تمہارے سب افعال

مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۙ۝۱۳ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۙ۝۱۴ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝۱۵

جانتے ہیں نیک لوگ بے شک آسائش میں ہوں گے۔اور بدکار بے شک دوزخ میں ہوں گے۔روز جزا کو اس میں داخل ہوں گے

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ۝۱۶ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۙ۝۱۷ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۸ يَوْمَ

اور اس سے باہر نہ ہوں گے۔اور تمہیں کچھ خبر ہے کہ وہ روزِ جزا کیسا ہے پھر تمہیں کچھ خبر ہے کہ وہ روزِ جزا کیسا ہے۔وہ ایسا دن ہے

لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝۱۹

جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کیلئے کچھ بس نہ چلے گا۔اور تمام تر حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی۔

كَلَّا ہرگز نہیں	بَلْ بلکہ	تُكَذِّبُوْنَ تم جھٹلاتے ہو	بِالدِّيْنِ جزا وسزا کا دن	وَاِنَّ اور بیشک	عَلَيْكُمْ تم پر	لَحٰفِظِيْنَ نگہبان
كِرَامًا عزت والے	كَاتِبِيْنَ لکھنے والے	يَعْلَمُوْنَ وہ جانتے ہیں	مَا تَفْعَلُوْنَ جو تم کرتے ہو	اِنَّ بیشک	الْاَبْرَارَ نیک لوگ	لَفِيْ میں
نَعِيْمٍ جنت	وَاِنَّ اور بیشک	الْفُجَّارَ گنہگار	لَفِيْ میں	جَحِيْمٍ جہنم	يَصْلَوْنَهَا ڈالے جائیں گے اس میں	يَوْمَ الدِّيْنِ روزِ جزاوسزا
وَمَا هُمْ اور وہ نہیں	عَنْهَا اس سے	بِغَآئِبِيْنَ غائب	وَمَآ اَدْرٰىكَ اور تمہیں کیا خبر	مَا کیا	يَوْمُ الدِّيْنِ روزِ جزا وسزا	ثُمَّ پھر / مَا کیا
اَدْرٰىكَ تمہیں خبر	مَا کیا	يَوْمُ الدِّيْنِ روز جزاوسزا	يَوْمَ جس دن	لَا تَمْلِكُ مالک نہ ہوگا	نَفْسٌ کوئی شخص	لِّنَفْسٍ کسی شخص کیلئے / شَيْئًا کچھ
وَالْاَمْرُ اور حکم	يَوْمَئِذٍ اس دن	لِلّٰهِ اللہ کیلئے				

تمہارے انکار کے باوجود

گذشتہ آیات میں غافل انسان کو اس کی غفلت پر تنبیہ کر کے بتلایا گیا تھا کہ عقل اور انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ محسن کے احسانات پر شکر گزاری اور اطاعت کی روش اختیار کی جائے لیکن بعض انسان ایسا ناشکرا ہے کہ وہ اپنے مالک وخالق کو بھولا ہوا ہے۔ایسے ہی ناشکرے انسانوں کو ان آیات میں خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے بنی آدم تم یوم آخرت کی جزا وسزا کا انکار کر رہے ہو اور شتر بے مہار کی طرح دنیا کے حصول لذات اور شہوات میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ بس ہم مزے اڑانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔نہ مر کر جینا ہے نہ حساب کتاب ہے نہ اعمال کی جزا وسزا ہے تو تمہارے بہکنے اور دھوکہ کھانے کی اور کوئی وجہ نہیں۔بات یہی ہے کہ تم انصاف اور فیصلہ کے دن پر یقین نہیں رکھتے ہو کہ جو چاہیں دنیا میں کرتے رہیں کوئی حساب اور باز پرس نہیں۔یہاں جو کچھ عمل ہم کرتے ہیں کون ان کو لکھتا اور محفوظ کرتا ہوگا۔بس مر گئے سب قصہ ختم ہوا۔تو سمجھ لو کہ انسان یہاں دنیا میں جو کچھ کر رہا ہے اس سب کا ریکارڈ محفوظ رکھا جا رہا ہے۔اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خفیہ کارندے یعنی فرشتے تعینات ہیں جو ہر آن دنیا میں انسان کہیں ہو اس کی نگرانی کرتے رہتے ہیں اور جو کچھ یہ انسان کرتا یا کہتا ہے وہ سب نوٹ کر لیا جاتا ہے اور یہ لکھنے والے بڑے معتبر اور عزت والے ہیں اور امانت و دیانت والے ہیں وہ نہ اپنی طرف سے کچھ بڑھاتے ہیں نہ گھٹاتے ہیں جو کچھ ہوتا ہے وہی لکھتے ہیں اور انسان کا کوئی عمل ان سے پوشیدہ نہیں۔جب سب عمل ایک ایک کر کے اس اہتمام سے لکھے جا رہے ہیں تو کیا یہ سب دفتر یونہی بے کار چھوڑ دیا

جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ یقیناً ہر شخص کے اعمال آخرت میں اس کے سامنے آئیں گے اور اس کا اچھا یا برا انجام اسے چکھنا پڑے گا۔

یہی انصاف کا تقاضا ہے اور ایسا ہونا ہی چاہئے اور ایسا ضرور ہو گا۔ اور اس کے لئے انتظامات ابھی سے کر لئے گئے ہیں۔

نیک و بد کا انجام

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس جزا و سزا کے لئے آخرت میں تمام انسان دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک ابرار' دوسرے فجار' ابرار تو وہ کہ جنہوں نے دنیا میں اپنے خالق و رازق اور سچے آقا و مالک کو پہچانا۔ اس کی اطاعت قبول کی۔ اس کے احکام کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کی۔ اور دنیا کی زندگی میں وہی کام کئے جو اللہ تعالیٰ کو پسند تھے۔ فجار وہ جنہوں نے اس معبود حقیقی کے خلاف بغاوت و سرکشی کی اور اس کے احکام سے منہ موڑا اور اس دنیا میں یا تو اپنی خواہشات کے غلام بنے رہے یا دوسرے گمراہوں کی مرضی پر چلتے رہے۔ یہ دونوں گروہ آخرت میں الگ الگ انجام سے دوچار ہوں گے۔ جیسا کہ فرمایا اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ بلاشبہ ابرار یعنی نیک لوگ بہشت کی نعمتوں میں ہوں گے اور فجار یعنی بدکار و نافرمان کافر یقیناً جہنم میں ہوں گے۔ پہلا گروہ یعنی ابرار جنت کی نعمتوں میں ہوگا اور جنت سے زیادہ اور کیا نعمت ہے جہاں کھانے اور پینے اور مکان و لباس اور عیش و آرام اور چین و راحت اور تمام لذائذ کے سب دل پسند سامان موجود ہیں اور اس پر حیات ابدی بھی ہے اور اس پر کوئی مرض و غم' موت' بڑھاپا' وغیرہ بھی نہیں اور سب سے بڑھ کر وہاں دیدار الٰہی بھی ہے جو جنت کی تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے یہ تو ٹھکانا اور انجام کار ابرار یعنی نیکوں کا ہوگا اور دوسرا گروہ فجار یعنی بدکار جو ایمان و عمل صالح دونوں نہیں رکھتے یا ان دونوں میں سے ایک نہیں رکھتے۔ اگر ایمان نہیں تو بھی فاجر اور ایمان ہے مگر عمل صالح نہیں بلکہ گناہوں پر اصرار چوری' زنا' شراب خواری' سود خواری' ترک صوم و صلوٰۃ و حج و زکوٰۃ ظلم و دغا دھوکہ اور فریب' ناچ' رنگ گانے بجانے میں مبتلا رہا تو بھی فاجر ہے۔ مگر اس درجہ کا نہیں کہ جس کے اندر ایمان ہی نہیں۔ کیوں کہ یہ کیسا ہی گنہگار سہی مگر ایمان کی بدولت آخرکار کبھی نہ کبھی اس کی نجات ہے اور جہنم سے چھٹکارا پا کر جنت میں پہنچ جائے گا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ انسانوں کی یہ تقسیم قیامت کے دن ہوگی اور وہ دن بدلہ کا دن ہوگا۔ ہر شخص کی کمائی اس کے سامنے ہوگی اور انصاف کے ساتھ یہ طے کر دیا جائے گا کہ کون کس بات کا مستحق ہے اور اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔

کوئی بچ نہ سکے گا

پھر وہ وہاں سے کسی طرح بھاگ نہ سکیں گے نہ ان کے بس میں ہوگا کہ وہاں سے چھٹکارا پا کر کہیں اور نکل جائیں۔ یہاں آیت میں فجار کے بارہ میں جو یہ فرمایا گیا وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ اور وہ اس جہنم سے غائب بھی نہ ہو سکیں گے۔ یعنی جس طرح دنیا کے جیل خانہ سے حیلہ بہانہ سے یا بھاگ کر قید خانہ سے نکل جاتے ہیں۔ یا قید خانہ کے حکام کو رشوت دے کر یا خوشامد و منت کر کے بچ جاتے ہیں۔ یا قید خانہ سے خلاصی کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ مجرم قیدی مر جائے اور مر کر چھوٹ جائے اور یا کسی تدبیر سے قید خانہ کی دیوار وغیرہ پھاند کر نکل بھاگے۔ یا نگہبانوں سے چھپ کر یا زبردستی کر کے نکل جائے تو یہ کوئی صورت بھی وہاں نہ ہوگی۔ ان سب باتوں کی نفی ایک جملہ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ میں فرما دی۔

روز جزاء کیا ہے؟

اس کے بعد اس روز جزا و سزا کی شدت کے اظہار کے لئے حق تعالیٰ خود ہی پوچھتے ہیں

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ

کہ اے انسان تو کیا جانے کہ کیا ہے جزا کا دن اور تمہیں کیا معلوم وہ جزا کا دن کیا ہے۔ یعنی تم کتنا ہی سوچو اور غور کرو پھر بھی اس ہولناک دن کی پوری کیفیت سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ بس مختصراً اتنا سمجھ لو۔ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ کہ اس دن جتنے رشتے ناطے اور دوستی آشنائی کے تعلق ہیں سب نیست و نابود ہو جائیں گے

سب نفسی نفسی پکارتے ہوں گے۔کوئی کسی کے لئے کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا۔اس دن حکم صرف اللہ ہی کا ہوگا اور کوئی بغیر حکم مالک الملک ذوالجلال والاکرام کے کسی کی سفارش نہ کر سکے گا۔کوئی اللہ تعالیٰ کی منشاء کے خلاف دم نہ مار سکے گا اور لب نہ ہلا سکے گا۔

خلاصہ

اس سورت میں پہلے تو ان تبدیلیوں کا ذکر ہے جو وقوعِ قیامت کے وقت نظام کائنات میں رونما ہوں گی پھر محبت آمیز انداز میں انسان سے شکوہ کیا گیا ہے کہ اے انسان تجھے آخر کس چیز نے اپنے پروردگار کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟ کہ اس کے احسانات کو بھلا کر تو معصیت اور ناشکرا پن پر اتر آیا ہے' اصل بات یہ ہے کہ تمہیں جزاء کے دن کا یقین نہیں ہے' حالانکہ وہ تو آ کر رہے گا اور کراماً کاتبین تمہاری زندگی کا کچا چٹھا تمہارے سامنے پیش کر دیں گے پھر تمہیں ابرار اور فجار دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے گا' ابرار' نعمتوں کی جگہ یعنی جنت میں جائیں گے اور فجار' عذاب کی جگہ یعنی دوزخ میں ہوں گے۔

سورۃ الانفطار کے خواص

۱.....قیدی اگر اس سورۃ کی تلاوت کرتا رہے تو اسے قید سے رہائی مل جائے گی۔

۲.....اگر کسی کو بخار ہو تو وہ پانی پر اس آیت کو پڑھ کر دم کرے اور اسی پانی سے غسل کر لے تو بخار جاتا رہے گا۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ...... مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ

اگر دشمن کو خوف زدہ کر کے بھگانا ہو تو مینڈھے کے چمڑے کا ایک ٹکڑا لے اور ایک ٹکڑا بوڑھی عورت کے کپڑے سے لے اور اس چمڑے اور کپڑے پر سو مرتبہ پڑھے اور ساتھ ہی ہر دفعہ دشمن کا نام اور اس کی ماں کا نام بھی لے۔

پھر چمڑے کو دشمن کے دروازے کی چوکھٹ کے نیچے دفن کرے اور کپڑے کو اس کے دروازے کے اوپر دفن کرے تو دشمن اس کا مقابلہ چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔

دعا کیجئے

یَااللّٰہُ اپنے ابرار بندوں کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمایئے اور انہی کے ساتھ اپنی جنت میں ہمارا ابدی ٹھکانا بنایئے۔

یَااللّٰہُ اس وقت عالم اسلام کو جس بدحالی سے واسطہ پڑ رہا ہے یہ ہمارے ہی شامت اعمال کا نتیجہ ہے اور اس کا علاج بجز آپ کی طرف جھکنے کے اور کچھ نہیں۔

یَااللّٰہُ ہم آپ ہی کے کرم و رحم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی سے توفیق حسن و ہدایت کے طالب ہیں۔

یا اللہ! امت مسلمہ پر رحم فرما دے اور دشمنان دین اسلام کے تسلط سے عالم اسلام کو بچا لے۔ آمین۔

یَااللّٰہُ بہت سے گناہ اس طرح کئے ہیں کہ میں جانتا تھا کہ آپ کے سامنے ہوں مگر خیال کیا تو بہ کر لوں گا' معافی چاہ لوں گا۔ الہ العالمین! گناہ کر لیا اور نفس و شیطان نے توبہ و استغفار سے باز رکھا' گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا رہا۔ الٰہی! میری اس جرأت پر نظر نہ فرمانا' اپنی شان کریمی کے صدقے مجھے معاف فرما دے میں توبہ کرتا ہوں' معافی چاہتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے معاف کر دے۔ آپ کے سوا اور کون معاف کرنے والا ہے۔

یَااللّٰہُ ایسا بھی ہوا کہ گناہ کر کے میں نے آپ سے حسن ظن رکھا کہ آپ عذاب نہ دیں گے' آپ معاف کر دیں گے اس وقت میرے نفس نے یہی پٹی پڑھائی کہ اللہ کا کرم و رحمت تو بہت وسیع ہے اور آپ پردہ ڈالتے رہے۔ بس میں سمجھا کہ جب وہ پردہ پوشی فرما رہے ہیں تو عذاب بھی نہ دیں گے۔ بس اسی خیال میں آ کر بہت سے گناہ کر لئے' اے اللہ! مجھے معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ سِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۖ ۝۲ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔ کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں پورا لے لیں۔ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔

يُخْسِرُوْنَ ۝۳ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝۴ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶

کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے۔ جس دن تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

وَيْلٌ خرابی	لِلْمُطَفِّفِيْنَ کمی کرنیوالوں کیلئے	الَّذِيْنَ وہ جو کہ	اِذَا اكْتَالُوْا جب ماپ کرلیں	عَلَى پر	النَّاسِ لوگ	يَسْتَوْفُوْنَ پورا بھرلیں	وَاِذَا اور جب
كَالُوْ ماپ کردیں	هُمْ وہ	اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یا تول کردیں	يُخْسِرُوْنَ گھٹا کردیں	اَلَا کیا نہیں	يَظُنُّ خیال کرتے	اُولٰٓئِكَ یہ لوگ	اَنَّهُمْ کہ وہ
مَّبْعُوْثُوْنَ اٹھائے جانے والے ہیں	لِيَوْمٍ ایک دن	عَظِيْمٍ بڑا	يَوْمَ دن	يَقُوْمُ کھڑے ہونگے	النَّاسُ لوگ	لِرَبِّ رب کے سامنے	الْعٰلَمِيْنَ تمام جہان

وجہ تسمیہ اور نزول کا زمانہ

اس سورۃ کی ابتداہی وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ سے ہوئی ہے یعنی بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے۔ مطففین کے معنی ہیں ناپ تول میں کمی کرنے والے۔ اسی نسبت سے اس کا نام المطففین یا تطفیف رکھا گیا ہے۔ اس سورۃ کے زمانہ نزول میں اختلاف ہے بعض نے اس کو مکی سورۃ کہا ہے اور بعض نے مدنی، لیکن اکثر محققین و مفسرین کے نزدیک یہ مکی سورۃ ہے اور وجہ اختلاف یہ لکھی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ مدینہ کے لوگ لین دین کے معاملات کے پیمانہ اور تول میں کمی بیشی کرتے ہیں تو سب سے اول جو آپ نے ایک مجلس میں ان کو قرآن سنایا تو اہل مدینہ کے حسب حال یہی سورۃ سنائی جس میں پیمانہ اور تول میں کمی کرنے کی سخت برائی فرمائی گئی ہے۔ اس سبب سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ سورۃ مدینہ میں نازل ہوئی ہے مگر سبحان اللہ کیا وعظ تھا کہ اس روز کے بعد سے اہل مدینہ سے بڑھ کر پورا تو لنے اور پیمانہ بھرنے میں کوئی نہ تھا۔ ان آیات کو سنتے ہی یک لخت سب نے یہ کام چھوڑ دیا۔ ایک روایت نزول کے متعلق یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمار ہے تھے تو راستہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی جب کہ بعض نے اسے خالص مکی دور کی سورۃ کہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سورۃ کا موضوع

اس سورۃ کا خاص مضمون بھی قیامت اور آخرت کا یقین اور وہاں کی جزاوسزا۔ بعض اعمال وحقوق العباد جو مقام کے مناسب تھے وہ بیان فرما کر بتلایا گیا کہ جو لوگ حقوق العباد تلف کرتے ہیں ان کے لئے سخت سزا ہے کیونکہ حقوق العباد کے متعلق زیادہ باز پرس ہوگی۔

دوسروں کی حق تلفی کرنے کی سزا

اب آیات زیر تفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو۔ اسلام دنیا میں جس قسم کے انسان بنانا چاہتا ہے اس کے لئے وہ دو بنیادیں فراہم کرتا ہے ان میں سے ایک کا تعلق خالق سے ہے اور دوسری کا تعلق مخلوق سے ہے۔ جو شخص خالق کے حقوق پہچانے اور ان کے تقاضے پورے کرے اور جو مخلوق کے ساتھ اپنے معاملات کو درست کرے اور بندوں کے حقوق کی حفاظت کرے اسلام کی نظر میں وہی کامیاب ہے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں بندوں ہی کے حقوق کی حفاظت اور لین دین میں انصاف کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ حقوق العباد میں دیدہ و دانستہ کمی زیادتی کرنا خصوصاً

لین دین میں زیادہ لینا اور کم دینا تول یا پیمانہ کے ذریعہ سے اس کو عربی میں تطفیف اور اس امر کے مرتکب کو مطفف کہتے ہیں۔ تو سورۃ کی ابتداء وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ سے فرمائی گئی۔ یعنی ناپ تول میں کمی کرنے والے اور حقوق العباد تلف کرنے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے چونکہ لفظ تطفیف کے لغوی معنی ناپ تول اور پیمائش و وزن میں خیانت و کمی کرنے کے ہیں اس لئے اکثر مفسرین نے یہاں معاملات کی عام خرابی کی طرف اشارہ کر کے اسی خصوصیت کو ظاہر کیا ہے لیکن بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ تطفیف وسیع المعنیٰ ہے۔ پیمائش اور تول کی خیانت کو بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ ہر قسم کی خیانت کرنے والے۔

جو لوگ مطفف ہیں اور ان سب کے لئے ویل یعنی خرابی ہے اور یہ خرابی دنیا کی بھی ہے اور آخرت کی بھی۔ دنیاوی خرابی یہ کہ مطفف کا لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہونا اس کے کاموں میں برکت نہ ہونا۔ مرض و وباء و دیگر دنیا کے شدائد و مصائب میں مبتلا ہونا۔ دنیا کی خرابیوں کی بابت حدیث میں ارشاد ہے کہ جس قوم میں خیانت کا غلبہ ہو گا اللہ تعالیٰ اس قوم کے دلوں میں دشمن کا خوف ڈال دیں گے اور جس قوم میں زنا کی کثرت ہو گی اس قوم میں اموات کی کثرت ہو گی اور جو جماعت ناپ تول میں کمی کرے گی اس کی روزی میں کمی ہو گی اور جو جماعت حق کے خلاف فیصلہ کرے گی اس میں آپس میں قتل کی کثرت ہو گی۔ اور جو لوگ بدعہدی میں مبتلا ہوں گے ان پر اللہ جل شانہ کسی دشمن کو مسلط فرمائیں گے۔ اور آخرت کی خرابی تو ظاہر ہے اس لئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے انصاف کا تقاضا یہ ہو گا کہ جس نے بھی جس کا حق مارا ہو وہ اسے دلا دیا جائے اور وہاں حقوق ادا کرنے کے لئے انسان کے پاس جو کچھ پونجی ہو گی وہ اس کی نیکیاں ہوں گی۔ اس وقت اس کا یہ قیمتی سرمایہ چھینا جائے گا اور اگر سرمایہ ناکافی ہوا تو پھر جس کا حق مارا ہو گا اس کی برائیاں اس پر لاد دی جائیں گی۔ اس وقت جب کہ انسان ایک ایک نیکی کا محتاج ہو گا اس سے بڑھ کر اور کیا خرابی اور بدنصیبی ہو گی۔ کہ اس وقت اس کی نیکیاں چھن جائیں اور اگر ان سے حقوق پورے نہ ہوں تو حق دار کی برائیاں اس پر لاد دی جائیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

حقوق تلف کرنے والوں کی حالت

آگے ایسے لوگوں کے بارہ میں فرمایا جاتا ہے کہ کیا ان کو گمان نہیں کہ قیامت کے دن حساب کے لئے ان کو اٹھایا جائے گا۔ یہاں آیت میں یقین کی بجائے ظن کو ذکر فرمایا گیا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس کو یوم آخرت میں حساب فہمی کا گمان بھی ہو گا وہ بھی ایسی حرکتیں نہیں کرے گا جو قیامت میں عذاب کا موجب ہوں۔ یقین رکھنے والا تو بدرجہ اولیٰ ایسی حرکتوں سے باز رہے گا۔

معلوم ہوا کہ معاملات میں خرابی اور لین دین میں بے انصافی کر کے دوسرے کے حقوق مار لینا یہ اس بات کی کھلی ہوئی پہچان ہے کہ یا تو اس شخص کو آخرت کی جواب دہی کا یقین ہی نہیں اور اسے یہ خیال ہی نہیں کہ ایک دن اللہ کے سامنے بھی حاضر ہونا ہے اور زندگی کے ایک ایک کام کی جواب دہی کرنا ہے یا پھر یہ عقیدہ اتنا کمزور ہے کہ زندگی پر عملاً اس کا کوئی اثر نہیں پڑ رہا۔ تو یہاں حق تعالیٰ ڈرا رہے ہیں کہ لوگوں کے حق مارنے والے کیا قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے جس دن یہ اس ذات پاک کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے جس پر نہ تو کوئی چھپی ہوئی بات پوشیدہ ہے نہ ظاہر بات اور وہ دن بھی نہایت ہولناک اور خطرناک ہو گا بڑی گھبراہٹ اور پریشانی والا دن ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے سورج اس قدر قریب ہو جائے گا کہ ایک یا دو نیزے کے برابر اونچا ہو گا اور سخت تیز ہو گا۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے مطابق اپنے پسینے میں غرق ہو گا۔ بعض کے ایڑیوں تک پسینہ ہو گا بعض کے گھٹنوں تک۔ بعض کی کمر تک۔ بعض کو ان کا پسینہ لگام بنا ہوا ہو گا۔ العیاذ باللہ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ

منقول ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر نے اس سورۃ کو نماز میں شروع کیا جب اس آیت پر پہنچے۔ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو کمال خوف سے رونے لگے یہاں تک کہ بے تاب ہو کر گر پڑے اور اس وقت کی نماز ادا نہ کر سکے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۷ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۸ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۹ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

ہرگز نہیں بدکار لوگوں کا نامۂ اعمال سجین میں رہے گا۔اور آپ کو معلوم ہے کہ سجین میں رکھا ہوا نامۂ اعمال کیا چیز ہے۔وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے۔اس روز

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۱۰ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۱۱ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۱۲

جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔جو کہ روز جزا کو جھٹلاتے ہیں۔اور اسکو تو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرنے والا مجرم ہو۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۱۳ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاویں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں۔ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۱۴ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۱۵ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۱۶

اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔ہرگز ایسا نہیں یہ لوگ اس روز اپنے رب سے روک دیئے جاویں گے۔پھر یہ دوزخ میں داخل ہوں گے۔

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۱۷

پھر کہا جاوے گا کہ یہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

كَلَّا ہرگز نہیں	اِنَّ بیشک	كِتٰبَ اعمال نامہ	الْفُجَّارِ بدکار	لَفِيْ البتہ میں	سِجِّيْنٍ سجین	وَمَا اور کیا	اَدْرٰىكَ خبر ہے تجھے	مَا سِجِّيْنٌ کیا ہے سجین
كِتٰبٌ ایک دفتر	مَّرْقُوْمٌ لکھا ہوا	وَيْلٌ خرابی	يَّوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے	الَّذِيْنَ جو لوگ	يُكَذِّبُوْنَ جھٹلاتے ہیں		
بِيَوْمِ الدِّيْنِ روزِ جزاوسزا	وَمَا يُكَذِّبُ اور نہیں جھٹلاتا	بِهٖ اس کو	اِلَّا مگر	كُلُّ ہر	مُعْتَدٍ حد سے بڑھ جانیوالا	اَثِيْمٍ گنہگار	اِذَا جب	تُتْلٰى پڑھی جائیں
عَلَيْهِ اس پر	اٰيٰتُنَا ہماری آیتیں	قَالَ کہے	اَسَاطِيْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِيْنَ پہلے	كَلَّا ہرگز نہیں	بَلْ بلکہ	رَانَ زنگ پکڑلیا ہے	عَلٰى پر
قُلُوْبِهِمْ اُن کے دل	مَّا جو	كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ وہ کماتے تھے	كَلَّا ہرگز نہیں	اِنَّهُمْ بیشک وہ	عَنْ سے	رَّبِّهِمْ اپنا رب	يَوْمَئِذٍ اس دن	
لَّمَحْجُوْبُوْنَ روک دیئے جائیں گے	ثُمَّ پھر	اِنَّهُمْ بیشک وہ	لَصَالُوا داخل ہونیوالے	الْجَحِيْمِ جہنم	ثُمَّ پھر	يُقَالُ کہا جائیگا	هٰذَا یہ	
الَّذِيْ وہ جو کہ	كُنْتُمْ تم تھے	بِهٖ اسکو	تُكَذِّبُوْنَ تم جھوٹ جانتے					

کافروں اور فاجروں کا اعمالنامہ

ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین نے جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ جو کچھ کرنا ہے کرلیں آگے کچھ ہونے والا نہیں۔مر کر خاک ہو جائیں گے۔قصہ ختم۔ان کا یہ خیال بالکل غلط اور بے بنیاد ہے ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا کہ ان کے گمان کے موافق کوئی پوچھ گچھ نہ ہو۔ضرور پوچھ گچھ ہونی ہے۔حساب کتاب ہونا ہے اور جزاوسزا ملنی ہے۔اور اسی لئے ہر شخص کا اعمالنامہ مرتب ہورہا ہے۔

جو لوگ کافر و فاجر ہیں ان کے اعمال نامے ایک مخصوص دفتر میں محفوظ کردیئے جاتے ہیں جس کا نام سجین ہے اب سجین کیا ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا گیا كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ یعنی وہ ایک نشانی لگے ہوئے دفتر کی جگہ ہے۔جس میں مجرموں کے نام ونشان اور اعمال کی کیفیت سب لکھی ہوئی ہے۔سجین جو سجن سے مشتق ہے۔جس کے معنی ہیں قید خانہ۔اس کی حقیقت اور تفصیلی نوعیت تو حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں لیکن احادیث اور اقوال صحابہؓ و تابعین میں

سجین کی تشریح یوں آئی ہے کہ سجین ایک دفتر ہے جس میں ہر ایک مجرم کے نام ونشان درج ہیں اور بندوں کے عمل لکھنے والے فرشتے جن کا ذکر اس سے پہلی سورۃ میں آ چکا ہے ان مجرم کفار وفجار کے مرنے اور عمل منقطع ہونے کے بعد ہر شخص کے عمل علیحدہ علیحدہ اس دفتر میں داخل کرتے ہیں۔ نیز کفار وفجار کی ارواح بھی مرنے کے بعد اسی سجین کے قید خانہ میں جاتی ہیں۔ جو جہنم کا ایک طبقہ ہے اور ساتویں زمین کے نیچے ہے جو نہایت تنگ وتاریک جگہ ہے جہاں درد وغم کے سوائے اور کچھ نہیں۔

تو سجین مجرموں کا قید خانہ عالم پستی میں ہے اور جیسا کہ جیل خانوں میں قیدیوں کے لئے دفتر رہا کرتا ہے اور جب کوئی قیدی آتا ہے تو اس کا نام ونشان وغیرہ سب دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے اسی طرح مجرموں کے اعمال نامہ محفوظ رکھنے اور ان کے نام ونشان مندرج ہونے اور ان کی روح قیامت تک رہنے کے لئے سجین ہے جو جہنم کا ابتدائی طبقہ ہے۔

آگے ان کے اعمال کی جزا کا بیان ہے کہ آج جو لوگ اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب کو جھٹلا رہے ہیں اور ان کی اطاعت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور آخرت کا انکار کر رہے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنی اس روش کا خمیازہ بھگتنا نہ پڑے گا تو ایسا ہرگز نہیں ان جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی اور وہ دن دور نہیں بس مرنے کی دیر ہے کہ منکرین سجین میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

منکرین کی جسارتیں

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو شخص روز جزا کا منکر ہے فی الحقیقت وہ اللہ کی ربوبیت، اس کی قدرت، اس کے عدل وحکمت سب کا منکر ہے اور جو ان چیزوں کا منکر ہو وہ جس قدر حد سے نکلنے والا اور گناہوں میں دلیر ہو تھوڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی ہدایات آتی ہیں تو وہ سن کر مزاق میں اڑا دیتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں کہ ایسی باتیں لوگ پہلے بھی کرتے آئے ہیں۔ وہی پرانی کہانیاں اور فرسودہ افسانے۔ ایسی کہانیاں بہت سنی ہیں ان میں کیا دھرا ہے۔ بھلا ہم ان نقلوں اور کہانیوں سے ڈرنے والے کہاں ہیں۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ انکار کرنے والے اور قرآن کو اگلوں کے قصے بتلانے والے اور گناہوں اور نافرمانیوں میں حد سے بڑھنے والے جو سمجھے ہوئے ہیں ویسا ہرگز نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات قرآنیہ تو ایسی ہی ہیں کہ ان میں کسی شک وشبہ کا موقع نہیں۔ اصل یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی کثرت سے اعمال بد کا زنگ چڑھ گیا ہے اس لئے صحیح حقیقت ان کے دل میں نہیں اترتی اور یہ ایسی باتیں بناتے ہیں۔

انجام سے غافل نہ رہو

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس انکار وتکذیب کے انجام سے وہ بے فکر نہ ہوں وہ وقت ضرور آنے والا ہے جب مومنین حق سبحانہ وتعالیٰ کے دیدار پرانوار کی دولت سے مشرف ہوں گے جو آخرت میں تمام جسمانی وروحانی لذات ونعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہوگی اور بدبخت مجرم محروم رکھے جائیں گے۔ پھر جب وہ ایسے ناپاک اور گندے ہیں تو ان کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا کہ وہ اسی لائق ہیں اور پھر ان کو مزید شرمندہ کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ وہ جہنم جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے اور جھٹلاتے تھے یہی تو ہے اب بھی یقین آیا کہ نبیوں کا فرمانا برحق تھا۔ اور اللہ کی کتاب میں دی ہوئی خبر بالکل سچ تھی۔

دعا کیجئے

یَا اللہُ ہمارے قلوب کو اپنی معرفت اور ذکر وفکر سے منور فرما۔ اور ہمیشہ ہم کو توبہ واستغفار سے اپنے قلوب کو صاف وشفاف رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

یَا اللہُ بہت سے گناہ بڑے تھے لیکن میں نے ان کو چھوٹا سمجھا اور محض اس خیال سے کہ کرلو دیکھا جائے گا میں کر گزرا۔ اب آئندہ ایسا نہ کروں گا آپ بچنے کی توفیق دیدینا اب میں معافی چاہتا ہوں ایسے سب گناہ بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ

ہرگز ایسا نہیں نیک لوگوں کا نامۂ عمل علیین میں رہے گا۔اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا نامۂ اعمال کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے۔جس کو

الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ إِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ

مقرب فرشتے دیکھتے ہیں نیک لوگ بڑی آسائش میں ہوں گے۔مسہریوں پر دیکھتے ہوں گے۔اے مخاطب تو اُن کے چہروں میں آسائش کی بشاشت پہچانے گا۔

نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۚ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ

اُن کو پینے کے لئے شراب خالص سر بمہر جس پر مُشک کی مہر ہوگی ملے گی۔اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہیے۔

الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور اس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی۔یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے۔

كَلَّا ہرگز نہیں	إِنَّ بیشک	كِتٰبَ اعمالنامہ	الْاَبْرَارِ نیک لوگ	لَفِيْ البتہ میں	عِلِّيِّيْنَ علیین	وَمَآ اور کیا	اَدْرٰىكَ تجھ خبر	مَا عِلِّيُّوْنَ کیا علیین
كِتٰبٌ ایک دفتر	مَّرْقُوْمٌ لکھا ہوا	يَّشْهَدُهٗ دیکھتے ہیں	الْمُقَرَّبُوْنَ نزدیک والے	إِنَّ بیشک	الْاَبْرَارَ نیک بندے	لَفِيْ نَعِيْمٍ البتہ نعمت آرام میں		
عَلَى پر	الْاَرَآئِكِ تخت	يَنْظُرُوْنَ دیکھتے ہوں گے	تَعْرِفُ تو پہچان لے گا	فِيْ میں	وُجُوْهِهِمْ ان کے چہرے	نَضْرَةَ تروتازگی	النَّعِيْمِ نعمت کی	
يُسْقَوْنَ اُنہیں پلائی جاتی ہے	مِنْ سے	رَّحِيْقٍ خالص شراب	مَّخْتُوْمٍ سربمہر	خِتٰمُهٗ اُس کی مُہر	مِسْكٌ مُشک	وَفِيْ اور میں	ذٰلِكَ اس	
فَلْيَتَنَافَسِ چاہیے رغبت کریں	الْمُتَنَافِسُوْنَ رغبت کرنیوالے	وَمِزَاجُهٗ اس کی آمیزش	مِنْ سے	تَسْنِيْمٍ تسنیم	عَيْنًا ایک چشمہ			
يَّشْرَبُ پیتے ہیں	بِهَا اس سے	الْمُقَرَّبُوْنَ مقرب						

نیک لوگوں کا نامۂ اعمال علیین میں ہے

ان آیات میں بتلایا گیا کہ ابرار یعنی نیک لوگوں کے نامۂ اعمال علیین میں ہوں گے۔ احادیث کی تشریح کے مطابق علیین ساتویں آسمان کے اوپر ہے جہاں ابرار کے اعمال نامے محفوظ دفتر میں رکھ دیئے جاتے ہیں اور جس کی نگرانی پر مقرب فرشتے مامور کئے گئے ہیں۔ اور مقربین کی ارواح اسی جگہ مقیم رہتی ہیں اور قبر سے بھی ان ارواح کا ایک گونہ تعلق قائم رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ جب ایمان دار نیک بندہ مرنے کو ہوتا ہے تو نورانی فرشتے اس کے روبرو آبیٹھتے ہیں اور اس مومن کے قریب ہو کر نہایت نرمی اور لطف سے کہتے ہیں لو چلو خدا کی رحمت و مغفرت اور باغ بہار اور عیش دل پسند کی طرف۔ تب اس کی روح فرحت ونشاط سے بدن سے نکل کر ان کے ساتھ ہو لیتی ہے اور وہ اس کو لے کر عالم بالا کی طرف جاتے ہیں اور راستہ میں جہاں ملائکہ ملتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ یہ کون معطر اور روشن روح ہے وہ ملائکہ جو لئے جارہے ہیں اس کا بڑی تعظیم سے نام بتلاتے ہیں یہاں تک کہ اس کو وہاں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی رسائی اس کی نورانیت وصفائی کی وجہ سے ہوتی ہے پھر کسی کو اول آسمان تک کسی کو دوسرے تک حتیٰ کہ کسی کو ساتویں آسمان تک پھر وہیں حکم خداوندی ہوتا ہے کہ میرے بندہ کا نام علیین کے دفتر میں لکھو تب وہ روح وہاں آتی ہے اور جو اس سے پہلے وہاں آئے ہیں ان سے بڑی خوشی کے ساتھ ملتے ہیں اور جس طرح سفر سے آنے والے سے مل کر خوش ہوتے ہیں اس سے زیادہ اُن کو خوشی

ہوتی ہے تب وہاں کی روحیں اپنے دنیاوی اقارب کا حال اس سے دریافت کرتی ہیں کہ فلاں کیسا ہے فلاں کا کیا حال ہے۔ پھر جو یہ بعض کی نسبت کہتا ہے کہ وہ مرگیا کیا تمہارے پاس نہیں آیا تب وہ کہتے ہیں کہ افسوس وہ تو ہادیہ میں گرایا گیا۔ یہاں تک تو عالم برزخ کا حال تھا جو مرنے کے بعد ابرار اور مقربین پر گزرتا ہے۔

نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے

آگے ان کے عالم آخرت کے متعلق بیان فرمایا جاتا ہے۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ بلاشبہ ابرار یعنی نیک لوگ بڑی آسائش اور آرام میں ہوں گے۔ قرآن پاک میں اہل ایمان صالحین کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے ایک تو اصحاب یمین اور ان سے بڑھ کر السابقون۔ پھر بعض جگہ اصحاب یمین کو ابرار اور سابقین کو مقربین سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اصحاب یمین اور ابرار ایک ہی جماعت کا نام ہے اور سابقین ومقربین دوسری جماعت کا نام ہے۔ اصحاب یمین اور ابرار جماعت میں صلحاء اور شہداء امت داخل ہیں اور سابقین اور مقربین میں حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام ہیں جن کو صدیقین سے تعبیر کیا جاتا ہے اس طرح اہل جنت چار قسم کے ہوگئے۔ نبیین، صدیقین، شہداء، والصالحین۔ تو یہاں بتلایا گیا کہ نیک لوگ نعیم یعنی نعمتوں میں ہوں گے۔ اب اس میں وہ تمام نعمتیں آگئیں کہ جن کو انسان کا دل چاہے۔ عمدہ مکان، باغ و بہار، نفیس کپڑے، حور وغلمان۔ ہر طرح کی سواریاں کھانے پینے کی دل پسند چیزیں، فرحت وسرور کے سب سامان کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کے کان نے سنا اور نہ کسی کے ذہن میں آئے۔ یہ سب لفظ نعیم میں شامل ہیں۔

دیدار الٰہی

آگے فرمایا عَلَى الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ مسہریوں یا تخت شاہی پر بیٹھے ہوئے نظارہ کیا کریں گے اور جنت کے عجائبات دیکھا کریں گے اور دیدار الٰہی سے آنکھیں شاد کریں گے اور جنت کے عیش و آرام سے ان کے چہرہ ایسے پر رونق اور تروتازہ ہوں گے کہ ہر ایک دیکھنے والا دیکھتے ہی پہچان جائے کہ یہ لوگ نہایت عیش و آرام میں ہیں۔ لکھا ہے کہ اہل جنت کا کوئی قرابت دار کافر ومشرک عذاب میں مبتلا نظر آئے گا تو ان کی محبت کا رشتہ اس سے بالکل منقطع ہو جائے گا اور ان کے عیش ونشاط میں ان قرابت دار کفار کے برے حال دیکھنے سے کوئی تغیر پیدا نہ ہوگا اور ان کے چہروں پر وہی شادمانی اور نعمتوں کے آثار اور تازگی نمایاں ہوگی اور چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کے نورانی چہرے جگمگا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ یہ شادمانی اور چہروں کی نورانیت وتازگی ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ آمین۔

شراب خالص پلائی جائے گی

آگے فرمایا گیا یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ یعنی ابرار اہل جنت کو شراب خالص پینے کو دی جائے گی جس میں نہ تلخی ہوگی نہ بدبو نہ نشہ ہوگا نہ خمار نہ دردسر ہوگا نہ بے ہوشی وبدحواسی بلکہ وہ ایک ایسی نادر شراب ہوگی جو ان باتوں سے پاک ہوگی۔ سربمہر ہوگی اور مشک کی مہر لگی ہوگی۔

آگے فرمایا گیا وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہیے۔ یعنی دنیا کی ناپاک شراب اس لائق نہیں کہ بھلے آدمی اس کی طرف رغبت کریں ہاں یہ جنتی شراب طہور ہے جس کے لئے لوگوں کو ٹوٹ پڑنا چاہئے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش ہونا چاہئے۔ یعنی لائق تحصیل یہ نعمتیں ہیں نہ کہ نعماء دنیا اور ان کی تحصیل کا طریق ایمان اور نیک اعمال ہیں پس اس میں کوشش کرنا چاہئے۔ آگے بتلایا گیا ومزاجہ من تسنیم اس شراب طہور کی آمیزش تسنیم کے پانی سے ہوگی۔ قاعدہ ہے کہ شراب میں پانی ملا کر پیتے ہیں تو اس شراب طہور کی آمیزش کے لئے تسنیم کا پانی ہوگا اور وہ تسنیم کیا ہے؟ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ یعنی ایک ایسا چشمہ ہے جس سے صرف مقرب بندے پئیں گے۔ یعنی مقربین جن کو قرآن میں سابقین بھی کہا گیا ہے جو انبیاء کرام اور اولیاء عظام ہوں گے ان کو تسنیم کا خالص پانی پینے کو ملے گا اور ابرار واصحاب الیمین میں مومنین صالحین ان کو اس تسنیم کا پانی ملا کر شراب طہور میں دیا جائے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾

جولوگ مجرم تھے وہ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے۔اور جب ان کے سامنے سے ہوکر گذرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے۔

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾

اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو دل لگیاں کرتے اور جب ان کو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی میں ہیں۔

وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى

حالانکہ یہ اُن پر نگرانی کرنے والے کرکے نہیں بھیجے گئے۔سو آج ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے۔

الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

مسہریوں پر دیکھ رہے ہوں گے۔واقعی کافروں کو ان کے کئے کا خوب بدلہ ملا۔

اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	اَجْرَمُوْا جرم کیا انہوں نے	كَانُوْا وہ تھے	مِنَ سے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو ایمان لائے	يَضْحَكُوْنَ ہنستے	وَاِذَا اور جب
مَرُّوْا گزرتے	بِهِمْ ان سے	يَتَغَامَزُوْنَ آنکھ مارتے	وَاِذَا اور جب	انْقَلَبُوْا وہ لوٹتے	اِلٰى طرف	اَهْلِهِمُ اپنے گھر والے	انْقَلَبُوْا لوٹتے
فَكِهِيْنَ ہنستے باتیں بناتے	وَاِذَا اور جب	رَاَوْهُمْ انہیں دیکھتے	قَالُوْا کہتے	اِنَّ بیشک	هٰٓؤُلَاۗءِ یہ لوگ	لَضَاۗلُّوْنَ گمراہ	وَمَآ اُرْسِلُوْا اورنہیں بھیجے گئے
عَلَيْهِمْ ان پر	حٰفِظِيْنَ نگہبان	فَالْيَوْمَ پس آج	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والے	مِنَ سے	الْكُفَّارِ کافر	يَضْحَكُوْنَ ہنستے ہیں	عَلٰى پر
الْاَرَاۗىِٕكِ تخت	يَنْظُرُوْنَ دیکھتے ہیں	هَلْ کیا	ثُوِّبَ بدلہ دیا گیا	الْكُفَّارُ کافر	مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ جو وہ کرتے تھے		

کافر و سرکش مومنوں پر ہنستے تھے

گذشتہ میں پہلے کفار و فجار کا ذکر ہوا تھا۔ پھر ان کے مقابلہ میں مومنین صالحین کا ذکر فرمایا گیا اب ان خاتمہ کی آیات میں نیک و بد ہر دو فریق کا مجموعہ حال مذکور ہے۔واضح رہے کہ یہ مکی سورۃ ہے جب کہ کفار قریش اور مشرکین مکہ اپنے غلبہ اور سرداری اور دنیوی سامان عیش وعشرت کے باعث نادار اور مفلس، کم مایہ اور بے حیثیت مومنین جیسے حضرت عمارؓ حضرت خبابؓ حضرت بلالؓ وغیرہ کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان پر آوازے کسے جاتے تھے اور معاذ اللہ ان غریب مسلمین کو باپ دادا کے دین کو چھوڑ دینے اور اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے گمراہ اور دین سے بھٹکا ہوا خیال کرتے تھے۔اور آخرت کی بات کے لئے دنیا کی لذتیں چھوڑ دینے پر ان حضرات صحابہ کرام کو کفار احمق بتلاتے کہ یہ کیسے بے عقل لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے کو جنت کے ادھار پر دنیا کے نقد مزوں سے محروم کر رکھا ہے۔ نافرمانوں کی ایک عادت بد یہاں ان آیات میں یہ بتلائی گئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ جو لوگ مجرم تھے وہ ایمان والوں سے تحقیراً ہنسا کرتے تھے۔اول تو کسی پر ہنسنا یوں بھی برا ہے۔اس کی دل شکنی کا باعث ہے اور یہ اخلاق اور مروت انسانی سے بعید ہے پھر خود مجرم ہوکر جو خدا کے مطیع ہیں ان پر ہنسنا یہ تو نہایت ہی فعل بد ہے کیوں کہ جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو ضرور اپنے کو بہتر اور دوسرے کو کمتر سمجھتا ہے اور یہ بھی ایک سخت عیب ہے۔ پھر جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو اپنے آپ کو اس حالت سے کہ جس پر ہنس رہا ہے محفوظ سمجھتا ہے اور یہ نہیں خیال کرتا کہ مجھ سے بھی کوئی بالادست ہے جو ممکن ہے مجھے اس سے بھی بدتر کر دے اور اس کو مجھ سے بہتر بنا

دے۔ تو ایسا شخص جو دوسرے کو کمتر جان کر ہنستا ہے حوادث دہر اور قدرت کے انقلابات سے غافل ہے اور یہ خدا تعالیٰ کو غصہ میں لانے والی بات ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی کسی پر طعن کرے گا خود اسی میں مبتلا ہوگا۔ اور بزرگوں نے فرمایا ہے جو کسی پر ہنسے گا وہ ہنسا جائے گا۔

کفار کی دوسری حرکت

آگے مجرموں کا دوسرا فعل بد یہ بیان فرمایا گیا وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ اور ایمان والے جب ان کافروں کے سامنے سے ہو کر گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے تھے۔ یہ بھی ایک کمینہ خصلت ہے اور اکثر نالائق طعن اور طنز کی راہ سے دوسروں کی طرف آنکھیں مارا کرتے ہیں اور منہ بنا کر اشارے کیا کرتے ہیں تو مشرکین مکہ ان خدا پرست صحابہ کے ساتھ یہی کیا کرتے تھے اور ان کی غرض اس سے ان کی تحقیر ہوتی تھی جو ان کی ظاہری شکستہ حالی پر اپنی ثروت و دولت کے زور میں ہنستے اور آنکھیں مارتے کہ لو یہ ہیں جنت کے وارث۔ حوروں کے شوہر جب ان کی دنیا میں یہ حالت ہے تو وہاں کیا ہوگا اور ہم جب یہاں دنیا میں عزت والے ہیں تو کیا وہاں ان سے بڑھ کر رتبہ نہ ملے گا۔ ان کو دیکھو جنہوں نے جنت کے ادھار پر دنیا کے نقد سے اپنے کو محروم کر رکھا ہے۔ اس طرح کفار خوش طبعی کرتے اور مسلمانوں پر پھبتیاں کستے۔

تیسری حرکت

آگے ان کفار کا تیسرا فعل بد بیان فرمایا جاتا ہے۔

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو وہاں بھی ایمان والوں کا تذکرہ کر کے دل لگیاں کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے غائبانہ اور حاضری ہر حالت میں ان کفار کا اہل ایمان کی تحقیر اور استہزاء کا مشغلہ رہتا تھا۔

چوتھی حرکت

آگے چوتھا فعل بد ان کفار کا بیان فرمایا گیا۔

وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ اور جب کفار اہل اسلام کو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں کہ خواہ مخواہ زہد و ریاضت کر کے اپنی جانیں کھپاتے اور ادھار لذتوں کو موجودہ لذتوں پر ترجیح دیتے ہیں اور لاحاصل مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ کیا یہ کھلی ہوئی غلطی نہیں کہ سب گھر بار عیش و آرام چھوڑ کر ایک شخص کے پیچھے ہو لئے اور اپنے آبائی دین کو بھی ترک کر بیٹھے اور ہر وقت نماز روزہ وعظ نصیحت ہی میں پھنسے رہتے ہیں۔ کھیل تماشہ تفریح ہنسی دل لگی ناچنا گانا حسینوں میں دل بہلانا سب کچھ چھوڑ دیا۔ بھلا دیکھو تو سہی جب دنیا میں بھی مزے چھوڑ بیٹھے تو اور کیا رکھا ہے جس کے لئے جینے کی تمنا کریں۔ ان وجوہات کی بناء پر کفار مکہ اہل اسلام کو کم عقل اور غلطی پر ہونے کا الزام لگاتے۔

جب آنکھیں کھلیں گی

آگے بتلایا جاتا ہے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ

یعنی ان کافروں اور مجرموں کو ان حرکات کا پتہ قیامت کے دن معلوم ہوگا جب کہ اہل ایمان ان کافروں پر ہنستے ہوں گے اور وہاں وہی لوگ جن کو آج دنیا میں احمق بنایا جاتا ہے۔ عقلمند ثابت ہوں گے آج جن پر ہنسا جا رہا ہے کل قیامت میں وہی ان ہنسنے والوں پر ہنس رہے ہوں گے۔ مسہریوں پر آرام سے بیٹھے اپنی خوشحالی اور کافروں کی بدحالی کا نظارہ کر رہے ہوں گے۔ اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے کہ جو لوگ ان پر ہنسا کرتے تھے ان کو اپنے کرتوتوں کی پوری پوری سزا مل گئی کہ طوق اور زنجیروں میں کسے ہوئے جہنم کے اندر آگ میں جلتے بھنتے ہوں گے۔ روایات میں ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان کچھ دریچے اور کھڑکیاں ہوں گی جب مومن اہل جنت اپنے دین کے دشمن کافروں کو دیکھنا چاہے گا تو کھڑیوں سے دوزخ کے اندر جھانکے گا اور کافروں کو عذاب ہوتا دکھائی دے گا تو مومن ان کفار پر ہنسیں گے۔

خلاصہ

اس سورت میں بھی بنیادی عقائد سے بحث کی گئی ہے'یوم القیامۃ کے احوال اور اھوال اس میں خاص طور پر مذکور ہیں لیکن اس کی ابتدائی آیات میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو''تطفیف'' جیسی اخلاقی کمزوری میں مبتلا ہیں۔''تطفیف'' کا معنی ہے ناپ تول میں کمی کرنا'ارشاد ہوتا ہے''بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں''بعض حضرات نے تطفیف کا دائرہ وسیع کر دیا ہے'امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تطفیف وزن اور کیل میں بھی ہوتی ہے عیب کے ظاہر کرنے اور چھپانے میں بھی 'انصاف کے لینے اور دینے میں بھی'جو شخص اپنے لیے تو پورا پورا انصاف چاہتا ہے مگر دوسروں کے ساتھ انصاف نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ''مطفف'' ہے۔یونہی جو شخص اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہ چیز پسند نہیں کرتا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے'اسی طرح جو شخص لوگوں کے عیب دیکھتا ہے مگر اپنے عیب نہیں دیکھتا'اسی طرح جو لوگوں سے اپنے حقوق مانگتا ہے لیکن ان کے حقوق ادا نہیں کرتا تو یہ سب لوگ اُس وعید کے مستحق ہیں

جو وعید یہاں''مطففین'' کیلئے بیان ہوئی ہے۔''مطففین'' کی مذمت کے بعد ان سیاہ دلوں اور بدکاروں کا انجام بتایا ہے جو اللہ کے نور کو بجھانے کیلئے سرتوڑ کوشش کرتے ہیں پھر ان کے مقابلے میں ان صلحاء اور ابرار کا تذکرہ ہے جنہیں آخرت میں دائمی نعمتیں میسر آئیں گی۔سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ یہ سیاہ دل'دنیا میں اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے لیکن قیامت کے دن معاملہ الٹ ہو جائے گا اور نیک لوگ ان بدکاروں کا مذاق اڑائیں گے۔

سورة التطفیف کی خواص

۱......جو آدمی اس سورۃ کی تلاوت کرتا رہے اللہ تعالیٰ اسے جنت کی شراب رحیق مختوم پلائیں گے۔

۲......اگر کسی سٹور کی ہوئی چیز کی حفاظت مقصود ہو تو اس سورۃ کو پڑھ کر اس چیز پر دم کر دیں'ان شاء اللہ آپ کا مال محفوظ رہے گا۔

فائدہ:۔لیکن یہ یاد رکھیں کہ جو لوگ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور ناجائز منافع خوری کے لئے غلہ اور دیگر اشیائے ضرورت کا سٹاک کرتے ہیں۔ان کے لئے کوئی فائدہ نہ ہوگا جو کام شرعاً ممنوع ہے اس کی حفاظت کے لئے شرعی چیزوں کا سہارا لینا الٹا گناہ ہے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس دنیا کی زندگی میں اپنی مرضیات کے موافق گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین۔

یَااللّٰہ میں آپ سے گناہ کی معافی چاہتا ہوں جس کی وجہ سے آپ کے غضب کے قریب ہو گیا ہوں یا کسی مخلوق کو گناہ کی طرف لے گیا یا ایسی خواہش دلائی ہو کہ وہ اطاعت وعبادت سے دور ہو گیا ہو۔

یَااللّٰہ میں نے عجب کیا ہو' ریا کاری کی ہو' کوئی آخرت کا عمل شہوت کی نیت سے کیا ہو' کینہ' حسد' تکبر' اسراف' کذب' غیبت' خیانت' چوری' اپنے اوپر اترانا' دوسرے کو ذلیل کرنا یا اس کو حقیر سمجھ کر یا حمیت وعصبیت میں آکر بے جا سخاوت' ظلم' لہو ولعب' چغلی یا اور کوئی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو جس کے سبب میں ہلاکت میں آگیا ہوں' الٰہی! مجھے معاف فرما دے۔

یَااللّٰہ غیر اللہ سے عقلی طور پر ڈر گیا ہوں' تیرے کسی ولی سے دشمنی کی ہو الٰہی! تیرے دشمنوں سے دوستی کی ہو اور تیرے دوستوں کو رسوا کیا ہو یا تیرے غضب میں آجانے کا کام کیا ہو تو الٰہی! مجھے معاف فرما دے' میری توبہ ہے۔

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   هِيَ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا

جب آسمان پھٹ جاوے گا۔ اور اپنے رب کا حکم سُن لے گا اور وہ اسی لائق ہے۔ اور جب زمین کھینچ کر بڑھا دی جاوے گی۔ اور اپنے اندر کی چیزوں کو باہر

وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾

اُگل دے گی اور خالی ہو جاوے گی۔ اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کام میں کوشش کر رہا ہے پھر اس سے جا ملے گا۔

اِذَا جب	السَّمَآءُ آسمان	انْشَقَّتْ پھٹ جائے گا	وَاَذِنَتْ اور سُن لے گا	لِرَبِّهَا اپنے رب کا	وَحُقَّتْ اور اسی لائق ہے	وَاِذَا اور جب	الْاَرْضُ زمین
مُدَّتْ پھیلا دی جائیگی	وَاَلْقَتْ اور نکال ڈالیگی	مَافِيْهَا جو اس میں	وَتَخَلَّتْ اور خالی ہو جائیگی	وَاَذِنَتْ اور سُن لیگا	لِرَبِّهَا اپنے رب کا	وَحُقَّتْ اور اسی لائق ہے	
يٰۤاَيُّهَا اے	الْاِنْسَانُ انسان	اِنَّكَ بیشک تو	كَادِحٌ تکلیف اٹھانے والا	اِلٰى طرف	رَبِّكَ اپنا رب	كَدْحًا خوب تکلیف	فَمُلٰقِيْهِ پھر اس کو ملنا ہے

وجہ تسمیہ، ترتیب

اس سورۃ کی ابتدا ہی اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ سے ہوئی ہے یعنی جب آسمان پھٹ جائے گا۔ انشقاق کے معنٰی ہیں پھٹ جانا۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام انشقاق ہوا۔ یہ بھی مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ یہ سورۃ بھی ان سورتوں میں سے ایک ہے جن کا اصل موضوع قیامت اور جزائے اعمال ہے۔

جب آسمان پھٹ جائے گا

اس سورۃ کی ابتداء بھی سابقہ سورۂ تکویر اور سورۂ انفطار کی طرح قیامت کے بعض واقعات کے بیان سے فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے والی نہیں۔ یہ آسمان اور زمین باوجود اس قدر شاندار مضبوط اور محکم نظر آنے کے اللہ عزوجل کے حکم کے تابع ہیں اور اس کے فرمان کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں جب تک وہ انہیں اس شکل میں قائم رکھنا چاہتا ہے یہ قائم ہیں۔ جس وقت اس کا حکم ہوا کہ ختم ہو جائیں یہ ختم ہو جائیں گے۔ یہ اس کے حکم کے خلاف نہیں چل سکتے چنانچہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ جب کہ آسمان پھٹ جائے گا اور یہ بات کچھ محال اور ناممکن نہیں اس لئے کہ واذنت لربها وہ اپنے رب کا حکم سن لے گا یعنی جو کچھ امر تکوینی اس کی نسبت صادر ہوگا اس کو وہ فوراً قبول کرے گا۔ ادھر خدا کا حکم ہوا ادھر آسمان کا انشقاق فوراً وقوع پذیر ہو جائے گا۔ اور آسمان پر وہی حالت طاری ہو جائے گی جو خدا چاہے گا آگے فرمایا۔ وحقت یعنی آسمان کو لائق بھی یہی ہے کہ فوراً تعمیل حکم کرے کیونکہ آسمان اپنے وجود اور بقا میں اسی قدرت والے خدا کا محتاج ہے تو اس آسمان کا وجود و عدم دونوں اس خدا کے آگے یکساں ہیں جب تک چاہے قائم رکھے اور جب چاہے نیست و نابود کر دے۔

اور جب زمین کھینچ دی جائے گی

آگے بتلایا گیا وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ اور جب زمین کھینچ کر بڑھا دی جائیگی۔ اور وہ اپنے اندر کی چیزوں کو باہر اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ یعنی اس دن زمین اس طرح کھینچ کر پھیلا دی جائے گی جس طرح چمڑا یا ربڑ کھینچا جاتا ہے۔ تب یہ زمین فراخ اور وسیع ہو جائے گی اور اس کی سطح بالکل ہموار ہوگی تا کہ سب

اولین وآخرین اس پر سماسکیں اوراس دن زمین کے اندر جس قدر مردے ہوں گے خدا کے حکم سے زمین ان کو باہر ڈال دے گی اوراس کا پیٹ مردوں سے بالکل خالی ہو جائے گا۔اور یہ سب کچھ وہ اپنے رب کے حکم سے کرے گی۔ وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَحُقَّتۡ اور وہ اپنے رب کا حکم سن لے گی اورزمین کو لائق بھی یہی ہے کہ وہ تعمیل حکم کرے کیوں کہ اس کا وجود اور عدم وجود بھی اسی خداوند ذوالجلال کے ہاتھ میں ہے۔

جزا کا دن

تو ان آیات کی ابتدالفظ اذا سے ہوئی ہے جس کے معنی ہیں جب یعنی جب ایسا اور ایسا ہو گا۔تو پھر کیا ہو گا؟ یہ بات یہاں بیان نہیں کی گئی لیکن اس کی تفصیل قرآن پاک میں جگہ جگہ بیان ہوئی ہے۔اور وہ یہ کہ جب ایسا ہو گا تو وہی جزا کا دن ہو گا۔اس دن انسانوں کو ان کے کاموں کا بدلہ ملے گا اوراس دن ہر شخص کا دنیا میں کیا دھرا سب سامنے آجائے گا۔

دعوت فکر

اس حقیقت کے اظہار کے بعد آگے تمام انسانوں کو براہ راست خطاب فرمایا جاتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰی رَبِّكَ كَدۡحًا فَمُلٰقِیۡهِ اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک یعنی مرنے کے وقت تک کام میں کوشش کر رہا ہے پھر تو قیامت میں اس سے جا ملے گا۔اس میں تمام انسانوں کی طرف خطاب ہے۔نیک ہو یا بد، مومن ہو یا کافر کہ تو جو دنیا میں سرگرمی کر رہا ہے اور ہر شخص کسی نہ کسی کام و جدوجہد میں لگا ہوا ہے اس کی قوتیں اور اس کی صلاحیتیں مختلف کاموں میں صرف ہو رہی ہیں۔کوئی نیکی اور حسنات میں محنت و مشقت اٹھاتا ہے کوئی بدی اور نافرمانی میں جان کھپاتا ہے۔کوئی اپنے رب کی اطاعت اوراس کو راضی رکھنے کی فکر و کوشش میں لگا ہوا ہے۔کوئی طلب دنیا اوراس کے لذات وشہوات کے حاصل کرنے میں سرگرداں ہے۔تو اے انسان تجھے یہ تیری کوشش اور عمل کا نیک و بد پھل ضرور ملنا ہے۔یونہی عبث نہیں چھوڑا جائے گا کہ مرکر خاک ہو گیا آگے کچھ نہیں۔یہ دنیا کی ساری محنتوں اور کوششوں کا بدلہ تجھے تیرے رب کے پاس سے مل کر رہے گا اوراسی غرض کے لئے تجھے اپنے حقیقی مالک اور آقا کے حضور پیش ہونا پڑے گا اور اچھے کاموں کا بدلہ بھی ملے گا اور برے کاموں کا بھی گویا اس میں کمال درجہ کی تنبیہ ہے کہ دنیا میں انسان جو بھی کرے آنکھ بند کر کے نہ کرے محض آبائی تقلید اور پابندی رسم ورواج میں اندھا بن کر نہ کرے بلکہ سوچ سمجھ کر کرے کہ کیا کر رہا ہے کیونکہ ایک روز یہی آج کا کرنا دھرنا سب سامنے آئیگا۔

فائدہ

یہاں ان آیات میں آسمان اور زمین دونوں کے متعلق وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَحُقَّتۡ جو فرمایا یعنی آسمان و زمین دونوں اپنے رب کے حکم پر کان دھریں گے اور یہی ان کے لئے زیبا بھی ہے تو اس حقیقت کے اظہار میں ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی مالکیت اوراس کے اقتدار کو سامنے لانا ہے اور انسان کو یہ بتانا ہے کہ جس خدا کی اطاعت سے اے غافل اور منکر انسان تو منہ موڑ رہا ہے اس کا حکم کس طرح اس پوری کائنات پر حاوی ہے اور دوسری طرف اس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کی ایک دلیل پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ آسمان و زمین اس لئے اس کے حکم پر کان دھرتے ہیں کہ وہ ان کا رب ہے۔ان کا آقا خالق اور مالک ہے اور ان کے وجود اور بقا کا مدار اسی کے حکم اور اسی کے رحم پر ہے۔پھر جب انسان بھی اس کائنات کا ایک جزو ہے اور اس کا رب بھی وہی اللہ ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اس کے احکام پر کان نہ دھرے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ قیامت وآخرت پر ایمان کے ساتھ ایسا یقین کامل ہم کو نصیب فرمائیں کہ اس دنیا میں ہم آخرت سے کسی لمحہ غافل نہ ہوں۔یا اللہ ہمیں اس دنیا میں اپنا فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھئے اور اسی حالت میں ہم کو موت نصیب فرمایئے۔اور انجام کی کامیابی اور کامرانی نصیب فرمایئے۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ﴿۷﴾ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ﴿۸﴾ وَّیَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾

تو جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا۔سو اس سے آسان حساب لیا جاوے گا۔اور وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ

اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا۔سو وہ موت کو پکارے گا۔اور جہنم میں داخل ہوگا۔یہ شخص اپنے متعلقین میں

فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ بَلٰۤی اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ﴿۱۵﴾

خوش خوش رہا کرتا تھا۔اُس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو لوٹنا نہیں ہے۔کیوں نہ ہوتا اس کا رب اس کو خوب دیکھتا تھا۔

فَاَمَّا پس	مَنْ جو	اُوْتِیَ دیا گیا	كِتٰبَهٗ اسکا اعمالنامہ	بِیَمِیْنِهٖ اسکے دائیں ہاتھ میں	فَسَوْفَ پس عنقریب	یُحَاسَبُ حساب لیا جائیگا	حِسَابًا حساب	یَّسِیْرًا آسان	
وَیَنْقَلِبُ اور لوٹیگا	اِلٰی طرف	اَهْلِهٖ اپنے اہل	مَسْرُوْرًا خوش خوش	وَاَمَّا اور وہ	مَنْ جو	اُوْتِیَ دیا گیا	كِتٰبَهٗ اسکا اعمالنامہ	وَرَآءَ پیچھے	ظَهْرِهٖ اس کی پشت
فَسَوْفَ پس عنقریب	یَدْعُوْا مانگے گا	ثُبُوْرًا موت	وَیَصْلٰی اور داخل ہوگا	سَعِیْرًا آگ	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھا	فِیْ میں	اَهْلِهٖ اپنے اہل	مَسْرُوْرًا خوش وخرم
اِنَّهٗ بیشک اس	ظَنَّ گمان کیا	اَنْ کہ	لَنْ یَّحُوْرَ ہرگز نہ لوٹیگا	بَلٰی کیوں نہیں	اِنَّ رَبَّهٗ بیشک اسکا رب	كَانَ تھا	بِهٖ اس کو	بَصِیْرًا دیکھنے والا	

خوش نصیب لوگ

گذشتہ آیات میں قیامت کے بعض حالات کو بیان فرما کر بتلایا گیا تھا کہ انسان جو کچھ دنیا میں کر رہا ہے اسے ان کاموں کا بدلہ آخرت میں ضرور مل کر رہے گا۔ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تمام انسان اپنے دنیا کے اعمال کے لحاظ سے آخرت میں دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ایک گروہ کامیاب اور خوش نصیب ہوگا دوسرا گروہ ناکام و نامراد ہوگا۔کامیاب اور خوش نصیب لوگوں کی یہ علامت ہوگی کہ میدان حشر میں ان کا اعمال نامہ ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔یہ داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جانا خیر و برکت کی نشانی ہوگی اور اس کے لئے بشارت ہوگی کہ یہ اہل خیر میں سے ہے اور اس کے بعد جھٹ پٹ اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے بعض نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے سنا اللھم حاسبنی حساباً یسیراً اے اللہ میرا حساب آسان فرما۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا آسان حساب یہ ہے کہ بندہ کے اعمال نامہ پر نظر ڈالی جائے اور اس سے درگزر کیا جائے یعنی کوئی پوچھ گچھ اور جرح نہ کی جائے۔ بات یہ ہے کہ جس کے حساب میں اس دن جرح کی جائے گی اے عائشہ اس کی خیر نہیں وہ ہلاک ہو جائے گا۔ بخاری و مسلم کی ایک صحیح حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں اللہ تعالیٰ ایمان والے اپنے بندے کو اپنی رحمت سے قریب کرے گا اور اس پر اپنا خاص پردہ ڈالے گا اور دوسروں سے اس کو پردہ میں کر لے گا پھر اس سے پوچھے گا کیا تو پہچانتا ہے فلاں گناہ' فلاں گناہ وہ کہے گا ہاں اے پروردگار مجھے یاد ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے سارے گناہوں کا اقرار کرا لے گا اور وہ بندہ اپنے جی میں خیال کرے گا کہ میں تو ہلاک ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کو چھپایا تھا اور آج میں ان کو بخشتا اور معافی دیتا ہوں پھر اس کو نیکیوں والا اعمال نامہ اس کے حوالہ کر دیا جائے گا یعنی اہل محشر کے سامنے صرف نیکیوں والا ہی اعمال نامہ آئے گا اور گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ پردہ ہی پردہ میں ختم کر دیں گے۔لیکن اہل کفر اور منافقین کا معاملہ یہ ہوگا کہ ان کے متعلق بر سر عام پکارا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اللہ پر جھوٹی

جھوٹی باتیں باندھیں یعنی غلط اور بے اصل خیالات کو اللہ کی طرف نسبت دے کر اپنا دین و مذہب بنایا خبردار اللہ کی لعنت ہے ایسے ظالموں پر۔غرض ان خوش نصیب لوگوں پر جن کے اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیئے گئے ہوں گے اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی عنایات ہوں گی اور وہ بدون بحث و مناقشہ کے سستے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ایسے خوش نصیب بندوں کو نہ سزا کا خوف پھر رہے گا نہ اللہ کے غصہ کا ڈر ہوگا۔ نہایت امن و اطمینان سے اپنے مومن دوست و احباب عزیز و اقارب اور مسلمان بھائیوں کے پاس خوشیاں مناتا ہوا آئے گا جو حشر میں اس کے حساب کتاب کی اطلاع کے واسطے منتظر کھڑے ہوں گے۔اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے ہمارا اعمال نامہ ہمارے داہنے ہاتھ میں دیا جانا مقدر فرمائیں اور ہماری بھی محشر میں پردہ پوشی فرمائیں اور ہمارا حساب آسان فرمائیں۔آمین۔

بدنصیب گروہ

دوسرا گروہ جو بدنصیب اور شقی ہوگا اور ان کے بدنصیبی کی نشانی اور علامت یہ ہوگی کہ ان کا اعمال نامہ ان کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا اور وہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا۔یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں اللہ کے باغی اور نافرمان رہے اور جنہوں نے اس دنیا ہی کی لذتوں کو اپنا مقصود بنالیا اور انہوں نے اپنا وقت غفلت میں گزارا یہ دنیا میں اپنے اہل وعیال اور اپنے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ ایسے مگن رہے کہ انہوں نے آخرت کی بالکل پروا نہ کی۔اور اس کا انکار کیا اور اسی انکار کی وجہ سے غفلت کا شکار رہے اور انجام سے بے پروا ہوکر زندگی گزارتے رہے۔ایسے لوگوں کو ان کے اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے۔فرشتے سامنے سے ان کی صورت دیکھنا پسند نہیں کریں گے گویا غایت کراہت کا اظہار کیا جائے گا اور ممکن ہے کہ پیچھے کو ہاتھ بندھے ہوئے ہوں اس لئے اعمال نامہ پشت کی طرف سے دینے کی نوبت آئے۔

الغرض جس بدبخت کو پیٹھ کی طرف سے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ عذاب کے ڈر سے موت کو پکارے گا اور ہائے ہائے کرے گا اور کہے گا کہ موت آجائے تو میں مرکر اس مصیبت سے بچ جاؤں۔مگر پھر وہاں موت کہاں وہ تو دہکتی ہوئی نار جہنم میں ڈالا جائے گا کہ پڑا وہیں جلا کرے۔اور وہ کیوں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا اس کا سبب بھی بیان فرمایا کہ دنیا میں آخرت سے بےفکر تھا۔اپنے گھر اور اہل وعیال میں مگن تھا۔شہوات ولذات کے گھوڑوں پر سوار تھا۔آخرت کی کچھ فکر نہ تھی بلکہ سرے سے قائل ہی نہ تھا۔رات دن طلب مال وزر میں مصروف ومنہمک رہا۔نہ حلال و حرام کی کچھ پروا کی نہ جائز و ناجائز کا خیال کیا۔بس شراب کباب' عیش وعشرت' زنا' ناچ گانا' تماشہ راگ رنگ میں مسرور تھا اور یہ بھی سمجھے ہوئے تھا کہ میں نے اللہ کے پاس جانا نہیں۔حساب دینا نہیں کوئی پوچھنے والا نہیں جو من چاہا کیا اور گناہ اور شرارتوں پر خوب دلیر رہا۔اس کو تو یہی خیال تھا کہ اسے لوٹ کر خدا کے پاس جانا ہی نہیں ہے۔لیکن اس کا یہ خیال غلط تھا اس کو لوٹ کر ضرور آنا تھا۔اور بلاشبہ اس کا رب اس سے باخبر تھا۔پیدائش سے موت تک برابر دیکھتا تھا۔ کہ اس کی روح کہاں سے آئی۔بدن کس طرح کس کس چیز سے بنا پھر دنیا میں اس نے کیا اعتقاد رکھا کیا عمل کیا دل میں کیا بات تھی زبان سے کیا نکلا اور ہاتھ پاؤں سے کیا کمایا اور موت کے بعد اس کی روح کہاں گئی اور بدن کے اجزاء بکھر کر کہاں کہاں پہنچے تو جو خدا اس انسان کے احوال سے اس قدر واقف ہو اور اس کی ہر جزئی اور کلی حالت کو نگاہ میں رکھتا ہو تو کیا گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس کو یونہی مہمل اور معطل چھوڑ دے گا۔نہیں بلکہ ضرور ہے کہ وہ اس کے اعمال پر ثمرات ونتائج مرتب کرے۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کے باغی اور ناشکرے اور فرمانبردار اور شکرگزار دونوں قسم کے لوگ بس زندگی گزار کر ختم ہو جائیں۔باغیوں کو کوئی سزا نہ ملے اور وہ بظاہر عیش وآرام کے ساتھ دنیا میں من مانی زندگی گزارتے رہیں اور وفاداروں کو کوئی انعام نہ ملے بلکہ بظاہر وہ تکلیف اور مصیبت میں رہیں۔یہ تو بڑی بے انصافی ہوگی۔انصاف کا تقاضا ہے کہ بدلہ کا ایک دن آئے اور سب کو بدلہ دیا جائے۔رحمت کا تقاضا ہے کہ فرمانبرداروں کو نعمت سے نوازا جائے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ مجرموں کو جرم کی سزا بھگتنا پڑے اور حکمت کا تقاضا ہے کہ یہ عالم بے مقصد نہ ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾

سو میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی۔ اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے۔ اور چاند کی جب وہ پورا ہو جاوے۔ کہ تم لوگوں کو ضرور ایک

فَمَا لَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے۔ سو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے۔ اور جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو نہیں جھکتے۔ بلکہ یہ کافر تکذیب

يُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يُوۡعُوۡنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

کرتے ہیں۔ اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔ سو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دیجئے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے

الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۲۵﴾

اور انہوں نے اچھے عمل کئے ان کیلئے ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں۔

فَلَآ اُقۡسِمُ سو میں قسم کھاتا ہوں	بِالشَّفَقِ شام کی سرخی	وَالَّيۡلِ اور رات	وَمَا اور جو	وَسَقَ سمٹ آتی ہے	وَالۡقَمَرِ اور چاند	اِذَا جب	اتَّسَقَ وہ مکمل ہو جائے
لَتَرۡكَبُنَّ تم کو ضرور چڑھنا ہے	طَبَقًا ایک درجہ	عَنۡ سے	طَبَقٍ درجہ	فَمَا سو کیا	لَهُمۡ انہیں	لَا يُؤۡمِنُوۡنَ وہ ایمان نہیں لائے	وَاِذَا اور جب
قُرِئَ پڑھا جاتا ہے	عَلَيۡهِمُ ان پر	الۡقُرۡاٰنُ قرآن	لَا يَسۡجُدُوۡنَ وہ سجدہ نہیں کرتے	بَلِ بلکہ	الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا جن لوگوں نے کفر کیا	يُكَذِّبُوۡنَ وہ جھٹلاتے ہیں	
وَاللّٰهُ اور اللہ	اَعۡلَمُ خوب جانتا ہے	بِمَا جو	يُوۡعُوۡنَ بھر رکھتے ہیں	فَبَشِّرۡهُمۡ سو انہیں خوشخبری سنا	بِعَذَابٍ عذاب کی	اَلِيۡمٍ دردناک	اِلَّا سوائے
الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا جو لوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوا اور انہوں نے کام کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	لَهُمۡ ان کیلئے	اَجۡرٌ اجر	غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ نہ ختم ہونیوالا		

ربط: گذشتہ آیات میں قیامت کے بعض واقعات اور جزا و سزا کا کچھ حال بیان کیا گیا تھا۔ اب منکرین قرآن کا یہ حال تھا کہ مر کر مٹی ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہونا ان کی سمجھ میں آتا تھا نہ مرنے کے بعد حساب کتاب اور جزا و سزا کے وہ قائل تھے اس لئے آگے ان آیات میں قسمیہ کلام کے ساتھ بطور اتمام حجت کے منکرین قرآن و قیامت سے فرمایا گیا کہ تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے۔

شفق کی قسم:

یہاں تین چیزوں کی قسم کھائی گئی اور دراصل یہ تینوں چیزیں جن کی قسم کھائی گئی یہ دلائل ہیں جو بصورت قسم بیان کئے گئے۔ پہلی قسم فَلَآ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ہے یعنی میں شفق کی قسم کھا کر کہتا ہوں شفق آفتاب غروب ہونے کے بعد جو سرخی ظاہر ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں تو یہاں مناسبت اور نکتہ اس کی قسم کھانے میں یہ ہے کہ جس طرح شفق سے رات شروع ہوتی ہے اسی طرح موت کے بعد سے عالم برزخ شروع ہوتا ہے اور دنیا سے تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں اور مرنے والے اور دنیا کے درمیان ایک پردہ اندھیری رات کی طرح حائل ہو جاتا ہے۔

رات کی قسم

اس لئے شفق کے بعد دوسری قسم رات کی کھائی اور فرمایا وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ یعنی قسم ہے رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے۔ دن کو اکثر انسان و حیوان باہر پھرا کرتے ہیں اپنے اپنے معاش اور کام کاج کی تلاش کرتے ہیں۔ رات کو اپنے اپنے ٹھکانوں پر آ جاتے ہیں اور سب آرام کرنے کے لئے سو جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے دنیا آباد تھی۔ اب رات میں ہر طرف سناٹا چھا جاتا

ہے اور موت کا نمونہ طاری ہو جاتا ہے اور ایسی شان ہوتی ہے جو موت کو یاد دلاتی ہے۔اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو سونے کے لئے لیٹتے تو ایسی دعائیں پڑھتے جن میں مرنے کی طرف اور خدا کے پاس جانے کی طرف اشارہ ہوتا تھا اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تعلیم فرماتے تھے۔ چنانچہ بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا قصد فرماتے تو داہنی کروٹ پر اپنا ہاتھ دائیں رخسارہ کے نیچے رکھ کر یہ دعا فرماتے۔ **اللھم باسمک اموت واحییٰ** اے اللہ میں تیرے ہی نام سے مرتا ہوں اور جیتا ہوں اور آپ جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ فرماتے۔ **الحمد للہ الذی احیانی بعد مااماتنی و الیہ النشور** سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مرنے کے بعد زندہ کر دیا اور اسی کے پاس سب کو جا کر جمع ہونا ہے۔ الغرض رات کی حالت دن سے بالکل مختلف ہوتی ہے اور عالم برزخ کی زندگی رات کی نیند کے مشابہ ہے مگر جس طرح دن کی روشنی کو قیام نہیں تھا اسی طرح رات کے اندھیرے کو بھی بقا نہیں یہاں جو حالت ہے وہ برابر بدل رہی ہے چنانچہ اندھیرا چھا جانے کے بعد جب پورا چاند نکل آتا ہے تو پھر اجالا ہو جاتا ہے یہ مشابہت ہے کہ موت کے بعد پھر ایک نئی زندگی عطا ہو گی اور عالم فنا کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

انسانی حالات کی تبدیلیاں

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ اور قسم ہے چاند کی جب پورا ہو جائے۔تو ان تینوں حالات کے قسم کھا کر فرمایا جاتا ہے۔ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے۔یعنی ایک منزل کے بعد دوسری منزل طے کرنی پڑے گی۔ پہلے ماں کے پیٹ میں رہنے کی ایک منزل تھی جب اس منزل کو طے کر کے دوسری منزل میں قدم رکھا یعنی بچے کی شکل میں پیدا ہو کر اس دنیا میں آیا پھر لڑکپن کی منزل کو طے کر کے جوانی کی منزل میں آیا۔ پھر اس منزل کو بھی طے کر کے بڑھاپے کی منزل میں آیا جس کے بعد موت آ جاتی ہے تو یہیں بس نہیں۔سلسلہ آگے بھی چلتا ہے اس کے بعد عالم برزخ ہے۔ پھر قیامت ہو گی۔ پھر دوبارہ زندگی حاصل ہو گی۔ پھر حشر ہو گا اور اعمال کی جزا و سزا عمل میں آئے گی۔اور اخیر میں جنت یا جہنم میں ٹھکانا ہو گا۔تو تغیرات عالم خصوصاً انسان کا تغیر و تبدل باآواز بلند پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ اے انسان تو کہیں سے آیا ہے اور بے اختیار مسافر کی طرح کہیں جا رہا ہے۔جو کسی کے روکنے سے نہیں رکتا۔

جو خدا یہ تمام تصرفات کر رہا ہے اور جس کی قدرت سے یہ ساری تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اس کے لئے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ دنیا کے اس نظام کو جب چاہے ختم کر دے اور پھر جب چاہے دوبارہ قائم کر دے۔

وہ اک سجدہ جسے تو سمجھتا ہے گراں

آگے فرمایا جاتا ہے کہ ان منکرین کو کیا ہو گیا کہ جو ان حقیقتوں کو تسلیم نہیں کرتے اور قرآن جو کہہ رہا ہے اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے اور آخرت کے لئے سامان کیوں نہیں کرتے۔کیا وجہ کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ان کی گردنیں اطاعت و فرمانبرداری کے لئے کیوں نہیں جھک جاتیں؟ اگر ان کی عقل خود بخود ان حالات کو دریافت نہیں کر سکتی ان کو تو لازم تھا کہ قرآن کے بیان سے فائدہ اٹھاتے لیکن اس کے برخلاف ان کا حال یہ ہے کہ قرآن کو سن کر بھی ذرا عاجزی اور تذلل کا اظہار نہیں کرتے۔حتیٰ کہ جب مسلمان خدا کی آیات سن کر سجدہ کرتے ہیں تو ان کو سجدہ کی توفیق نہیں ہوتی اور فقط اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی آیات سن کر عاجزی اور تذلل کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان قرآنی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور دلوں میں جو تکذیب و انکار اور بغض و عناد اور حق کی دشمنی بھری ہوئی ہے اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے

اخیر میں فرمایا گیا کہ ایسے بدبخت لوگوں کے لئے آخرت میں کسی قسم کی بھی خوشخبری نہیں۔ہاں ان کے لئے اگر کوئی خوشخبری ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

ایمان و عمل صالح پر بہترین انعام

رہے وہ لوگ جو خدا کی بھیجی ہوئی کتاب کو اور اس کے بھیجے ہوئے رسول کو سچا مانتے ہیں اور انہیں آخرت کا بھی یقین ہے اور وہ جس

کتاب پر ایمان لائے ہیں اس کے احکام پر چلتے ہیں اور انہوں نے جس رسول کی تصدیق کی ہے اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں بہترین انعام ہے۔ ایسا انعام جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ گو ان کا ایمان اور عمل ان کی عمر کے زمانہ تک محدود ہے مگر خدائے تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو ابدالآباد کے لئے نعمتیں عطا فرمائے گا۔ اللھم اجعلنامنھم آمین.

سجدہ تلاوت

ان آیات میں ایک آیت سجدہ بھی ہے جس کے پڑھنے اور سننے سے سجدۂ تلاوت لازم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دعا کے بعد تمام حاضرین اور سامعین ایک سجدۂ تلاوت ادا کرلیں۔ جو اس بات کی عملی نشانی ہو گی کہ یہ سجدہ کرنے والے وہ ہیں جو قرآن کی بیان کی ہوئی حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہیں اور اپنے معبود حقیقی کو سجدہ کر کے اپنی بندگی و عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ ان لوگوں سے الگ ہیں جو اس قرآن کو سن کر نہ اس کی حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ اس کے احکام پر کان دھرتے ہیں۔

خلاصہ

سورۂ انشقاق کی ابتدائی آیات میں ان کائناتی تبدیلیوں کا ذکر ہے جو قیامِ قیامت کے وقت رونما ہوں گی۔ پھر جب قیامت قائم ہو جائے گی تو حساب کے مرحلہ سے گزر کر انسان دو فریقوں میں تقسیم ہو جائیں گے، بعض وہ ہوں گے جن کا اعمال نامہ ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور بعض کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

اگلی آیات میں تین قسمیں کھا کر فرمایا گیا ”یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے“ یعنی قیامت کے دن تمہیں مختلف مصائب اور مراحل کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہر اگلا مرحلہ پہلے مرحلہ سے شدید تر ہوگا البتہ وہ لوگ ان مصائب اور مختلف عذابوں سے محفوظ رہیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے۔

سورۃ الانشقاق کے خواص

۱......جس عورت کو بچہ نہ ہوتا ہے تو یہ سورۃ لکھ کر اس کے گلے میں لٹکائی جائے تو اس کے بچے ہونے لگیں گے۔

۲......جس آدمی کو زہریلے جانور نے کاٹ لیا ہو اور شدید درد ہو تو اس پر سورۃ الانشقاق پڑھ کر دم کریں۔

۳......اس سورۃ کو لکھ کر گھر میں رکھنے سے کیڑے مکوڑوں اور دیگر حشرات الارض سے حفاظت رہے گی۔

دعا کیجئے

یَااللّٰہ اپنے فضل و کرم سے، ہمارا حشر و نشر اپنے مؤمنین صالحین بندوں کے ساتھ فرمایئے اور انہی کے ساتھ اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے ہم کو بھی نوازیں اور ہمارا آخری ٹھکانہ اپنی جنت میں بنائیں۔

یَااللّٰہ آخرت سے غفلت ہی ایسا مرض ہے کہ جو آپ کی نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس وقت، امت مسلمہ میں یہ مرض عام ہوتا جارہا ہے۔ الاماشآء اللہ یَااللّٰہ ہماری اس غفلت کو دور فرما۔

یَااللّٰہ جس گناہ کے صغیرہ ہونے سے عذاب آئے، جس گناہ کے کبیرہ ہونے سے عذاب زیادہ ہو جائے اور ان کے وبال میں ابتلا ہو جائے اور ان پر اصرار کرنے سے نعمت زائل ہو جائے ایسے سب گناہ میرے معاف کردیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدہ کئے ہوئے دن کی۔ اور حاضر ہونے والے کی اور اس کی جس میں حاضری ہوتی ہے۔

وَالسَّمَآءِ قسم آسمان کی	ذَاتِ الْبُرُوْجِ برجوں والا	وَالْيَوْمِ اور دن کی	الْمَوْعُوْدِ وعدہ کئے ہوئے	وَشَاهِدٍ اور حاضر ہونیوالا	وَمَشْهُوْدٍ اور جہاں حاضر ہوتے ہیں		

وجہ تسمیہ: اس سورۃ کی ابتداء ہی وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ سے ہوئی ہے۔ (قسم ہے برجوں والے آسمان کی) اسی لفظ بروج کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام بروج مقرر ہوا۔ یہ بھی مکی سورۃ ہے

شان نزول: شان نزول اس سورۃ کا بھی یہی ہے کہ مکہ معظمہ میں جب آفتاب نبوت طلوع ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دین عام لوگوں کو دینا شروع کی تو قریش مکہ کو یہ امر سخت ناگوار گزرا کیوں کہ دین اسلام کی دعوت ان کے قدیمی دین و دستور کے خلاف تھی۔ انہوں نے اپنے بتوں اور دیوتاؤں کی برائیاں سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنا شروع کیا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر دعوت اسلام قبول کر لیتے تھے ان پر بھی ظلم ڈھانا شروع کیا۔ مار پیٹ، سخت گوئی فحش کلامی تک ہی نوبت نہ رکھی بلکہ اس سے بھی گزر کر ظلم و تشدد میں حد سے تجاوز کرنے لگے۔ جلتی ہوئی ریت پر گرم دھوپ میں باندھ کر ڈال دینا اور پھر ملک عرب کی دھوپ الامان والحفیظ جہاں کہ ٹمپریچر ۱۲۰ ڈگری تک پہنچ جاتا ہے۔ اور پھر کوڑے برسانا، پتھروں سے مار مار کر خون میں نہلا دینا۔ دہکتے ہوئے آگ کے انگاروں پر لٹانا۔ پیٹ میں نیزہ گھونپ دینا۔ عورتوں کو بے ستر کر کے ذلیل کرنا اسلام میں سب سے پہلی شہادت حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہ خاتونؓ کی ہوئی۔ ابوجہل نے ان کی پیشاب گاہ میں نیزہ مار کر ان کو شہید کیا تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ الغرض بت پرست کفار مکہ نے اپنی بت پرستی اور مذہب کی حمایت میں کوئی ایسا ظلم و تشدد نہ چھوڑ ہوگا جو انہوں نے ابتدا میں مسلمانوں پر مکہ میں نہ کیا ہو۔ مظلوم غریب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر شکایت کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تسلی فرماتے کہ کچھ عرصہ صبر کرو۔ کفار کا زور ٹوٹ جائے گا اور یہ تمہارے آگے ذلیل و مغلوب ہو جائیں گے۔ یہ سن کر کفار مکہ اور بھی زیادہ تمسخر اور استہزاء کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ان کے ظلم و ستم پر متنبہ کرنے اور اہل اسلام کو تسلی دینے کی خاطر یہ سورۃ نازل فرمائی۔ اس سورۃ میں منکرین کے لئے سخت تنبیہ اور ان کو برے انجام سے ڈرایا گیا ہے اور ان کو دھمکی دی گئی ہے۔ جو اہل ایمان کو ستاتے ہیں ساتھ ہی مسلمانوں کو تسلی اور دلاسا دیا گیا ہے اور بتلایا گیا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھنے والے بندوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہیں اور ان کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں آخر کار وہ خود ہلاکت اور بربادی سے دوچار ہوتے ہیں اور اس کے لئے تاریخی شہادت کے طور پر "اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ" کا ذکر فرمایا۔

پہلی قسم: یہاں چار چیزوں کی قسم کھائی ہے اور وہ چاروں ہی چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت و سطوت پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام دنیا اس کے آگے مسخر ہے۔

پہلی قسم وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ہے یعنی قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔ اس کے لئے آسمان کے بارہ حصے مقرر کر لئے ہیں آسمان پر ستاروں کے اجتماع سے مختلف اشکال نمودار ہوتی ہیں اب آسمان کے مجوزہ ۱۲ حصوں میں سے ہر حصہ کی اسی شکل سے نام و ذکر کیا۔ مثلاً کہیں ستاروں کے ملنے سے بیل کی صورت پیدا ہوگئی تو برج ثور نام رکھ دیا۔ مچھلی کی صورت پیدا ہوگئی تو برج حوت نام رکھ دیا وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح سورج کے بعض برج میں رہنے سے دن رات برابر ہو جاتے ہیں اور بعض میں رہنے سے دن گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور بعض میں رہنے سے دن بڑھنے لگتا ہے۔ نزول قرآن سے پہلے بھی عرب آسمان

میں اس قسم کے برجوں کے قائل تھے جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے اشعار سے پتہ چلتا ہے۔ تو یہاں برجوں والے آسمان کی اس وجہ سے قسم کھائی ہے تا کہ اہل بصیرت پر روشن ہو جائے کہ کائنات کی کوئی شے اپنی ایک حالت پر قائم نہیں رہتی۔ ہر روز عالم کی اشیاء میں انقلابات وارد ہوتے رہتے ہیں کبھی گرمی ہے تو کبھی سردی۔ کبھی بہار ہے تو کبھی خزاں۔ کبھی دن بڑے ہیں تو کبھی رات چھوٹی ہیں۔ اسی طرح دنیا کے امور میں بھی انقلاب آتے ہیں۔ کبھی ظالموں اور جابروں کے غرور کو توڑ دیا جاتا ہے ان کے غرور و تکبر کو خاک میں ملا دیا جاتا ہے۔ یہ روزمرہ کے انقلابات ہیں جو دنیا میں جاری و ساری ہیں۔ تو اس اظہار سے جہاں کفار کو تنبیہ و تہدید ہے وہیں اہل ایمان کو تسلی اور بشارت ہے۔ آج جو اہل ایمان کمزور و ضعیف ہیں آگے یہی صاحب قوت و اقتدار ہوں گے اور کفار مکہ ان کے آگے ذلیل و رسوا ہوں گے اس طرح اہل اسلام کو اس میں تسلی بھی ہے اور بشارت بھی کہ چند روز کے مصائب سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں آخر فتح انہی کی ہوگی۔

دوسری قسم: وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ یعنی قسم ہے وعدہ کئے ہوئے دن کی۔ اس سے مراد یوم قیامت ہے کہ جس کا تمام انبیاء علیہم السلام کی معرفت سزا و جزا کے لئے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے تو اس وعدہ کے دن کی قسم کھانے سے اپنے وعدہ کا وثوق دلانا مقصود ہے جس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا کی ترقی۔ اقبال مندی اور اس کی جملہ شادمانی محدود ہے۔ اس کی بقاء کا وقت مقرر ہے پھر اس کی فنا کا بھی ایک دن موعود ہے۔ تو یہ قسم اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ قیامت ہو کر رہے گی اور اعمال کی جزا و سزا ضرور ملے گی۔ آج اگر خدا کے فرمانبردار، ایمان دار، نیک لوگ، مصیبتیں جھیلتے رہتے ہیں اور طرح طرح سے ستائے جاتے ہیں اور خدا کے باغی نافرمان بدکار دندناتے اور مزے اڑاتے پھرتے ہیں لیکن اس کائنات کا مالک بڑا منصف ہے اس نے وعدے کا ایک دن مقرر کر دیا ہے۔ جب وہ وعدہ کا دن آ جائے گا تو پھر سب کے ساتھ پورا انصاف کیا جائے گا فرمانبرداروں کو ان کی وفاداری کا بدلہ دیا جائے گا اور نافرمانوں کو ان کے کرتوتوں کی سزا دی جائے گی۔

تیسری قسم: وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ یعنی قسم ہے شاہد کی اور قسم ہے مشہود کی۔ اب شاہد سے کیا مراد ہے اور مشہود سے کیا مراد ہے؟ لغت میں شاہد کے معنی سامنے ہونے والے کے ہیں۔ اور پاس آنے والے کے اور گواہی دینے والے کے۔ مشہود کے معنی ہیں حاضر کیا گیا۔ چونکہ یہ الفاظ بھی بڑے وسیع المعنی ہیں اس لئے ان کی مراد میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ شاہد سے مراد لوگ ہیں جو قیامت کو حاضر ہوں گے اور مشہود سے مراد حالات قیامت ہیں جو مشاہدہ کئے جائیں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ شاہد روز جمعہ ہے اور مشہود یوم عرفہ۔ کیوں کہ جمعہ کا دن سب جگہ آ موجود ہوتا ہے اور عرفے کے دن حج میں سب لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ شاہد سے مراد خدا ہے اور مشہود سے بندے کہ وہ ان کے افعال و اعمال کا گواہ ہوگا۔ بعض نے کہا کہ شاہد پیغمبر ہیں اور مشہود ان کی امتیں ہیں۔ بعض نے کہا کہ شاہد ملائکہ حفظ اور کاتب اعمال ہیں اور مشہود ابنائے آدم۔ غرض اس قسم کے بہت سے اقوال ہیں مگر اکثر اکابر مفسرین نے شاہد سے مراد جمعہ کا دن اور مشہود سے مراد عرفہ کا دن لیا ہے۔ اس طرح وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ کا ترجمہ کیا گیا ہے قسم ہے حاضر ہونے والے دن کی اور اس دن کی جس میں حاضری ہوتی ہے تو یہاں شاہد یعنی یوم جمعہ کی قسم اس مناسبت سے کھائی گئی کہ اس روز عجیب انقلابات ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں۔ لکھا ہے کہ اسی روز تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ اسی روز آپ کو بہشت میں داخل کیا گیا پھر اسی روز شجر ممنوعہ کے کھانے سے جنت سے اتارے گئے۔ اسی روز آپ کی گریہ زاری اور آہ و بکا کی شنوائی درگاہ ایزدی میں ہوئی اور آپ کی توبہ قبول ہوئی۔ پھر اسی روز آپ کی وفات وقوع میں آئی تو گویا یوم جمعہ حضرت ابوالبشرؑ کی زندگی کی یاد دہانی کراتا ہے۔ جو جو انقلابات و تغیرات عظیمہ ان پر گزرے ان سب کو ہمارے پیش نظر رکھتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ اسی روز وہ واقعہ عظیمہ بھی پیش آنے والا ہے جس سے لوگوں کے دل ہل جائیں گے یعنی قیامت کی ابتداء جو نفخ صور سے ہوگی وہ بھی اسی روز پیش آنے والا ہے۔ اسی طرح مشہود جس سے مراد یوم عرفہ ہے یعنی ۹ ذی الحجہ یوم الحج جس روز اطراف عالم سے لوگ بقصد حج مقام عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ جو میدان حشر کا عین نمونہ ہوتا ہے نفسی نفسی کا عالم طاری ہوتا ہے۔ شاہ و گدا ایک رنگ میں نظر آتے ہیں۔ ساکنان حضور و قصور اور خاک نشینان صحرا سب ایک حال میں دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ کیا ہی عجیب انقلاب ہے تو ان چاروں قسموں کے بعد جس سے سورۃ کی ابتدا فرمائی گئی۔ آگے جواب قسم ہے کہ اصحاب الاخدود یعنی خندق والے ملعون ہوئے ہلاک کر دیئے گئے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۶ وَّهُمْ عَلٰى مَا

کہ خندق والے یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے جس وقت وہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔اور وہ جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے

يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ

تھے اُس کو دیکھ رہے تھے۔اور ان کافروں نے ان ایمان والوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست سزاوار حمد ہے۔

الْحَمِيْدِ ۝۸ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹

ایسا کہ اُسی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔

قُتِلَ ہلاک کر دیئے گئے	اَصْحٰبُ والے	الْاُخْدُوْدِ خندق (جمع)	النَّارِ آگ	ذَاتِ والی	الْوَقُوْدِ ایندھن	اِذْ هُمْ جب وہ	عَلَيْهَا اس پر
قُعُوْدٌ بیٹھے تھے	وَهُمْ اور وہ	عَلٰى پر	مَا جو	يَفْعَلُوْنَ وہ کرتے تھے	بِالْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں کیساتھ	شُهُوْدٌ دیکھتے	وَمَا نَقَمُوْا اور نہیں بدلہ لیا
مِنْهُمْ ان سے	اِلَّا مگر	اَنْ کہ	يُؤْمِنُوْا وہ ایمان لائے	بِاللّٰهِ اللہ پر	الْعَزِيْزِ غالب	الْحَمِيْدِ تعریفوں والا	الَّذِيْ وہ جو کہ	لَهٗ اس کے لے
مُلْكُ بادشاہت	السَّمٰوٰتِ آسمان (جمع)	وَالْاَرْضِ اورزمین	وَاللّٰهُ اوراللہ	عَلٰى پر	كُلِّ ہر	شَيْءٍ چیز	شَهِيْدٌ سامنے باخبر

خندقوں والے ہلاک ہوگئے

گذشتہ ابتدائی آیات میں قسمیہ کلام کے ساتھ سورۃ کی ابتدا فرمائی گئی تھی اور چار قسمیں کھائی گئی تھیں یعنی قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور قسم ہے وعدہ کئے ہوئے دن کی یعنی قیامت کے دن کی۔اور قسم ہے حاضر ہونے والے دن کی یعنی یوم جمعہ کی اور قسم ہے اس دن کی جس میں لوگوں کی حاضری ہوتی ہے یعنی یوم عرفہ کی۔ان چاروں چیزوں کی قسم کھا کر آگے ان آیات میں جواب قسم ہے کہ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ یعنی خندق والے جنہوں نے بڑی بڑی خندقیں کھود کر آگ سے بھریں اور بہت سے ایندھن ڈال کر ان کو دہکایا وہ مغضوب وملعون ہوئے۔ خد یا اخدود کے معنی گڑھے۔کھائی اور خندق کے ہیں۔

خندقوں والوں کا واقعہ

اب یہ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ کہ جنہوں نے خندق کھود کر آگ دہکائی تھی اور ایمان داروں کو ایمان لانے کے جرم میں آگ میں ڈالا تھا کون لوگ تھے۔اس سلسلہ میں مفسرین نے متعدد واقعات نقل کئے ہیں مگر صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند احمد اور سنن نسائی میں جو قصہ مذکور ہے وہ زیادہ مشہور ہے اور وہی یہاں نقل کیا جاتا ہے۔وہ یہ کہ حضرت صہیب رومیؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

جادو سیکھنے کے لئے ایک لڑکے کا بادشاہی انتخاب

گذشتہ زمانہ میں ایک کافر بادشاہ تھا اس کے دربار میں ایک جادوگر تھا۔ جب وہ جادوگر بہت بوڑھا ہو گیا تو ایک روز اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور موت کا وقت قریب ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ آپ ایک فہیم و سمجھدار لڑکا میرے حوالہ کر دیں تا کہ میں اس کو اپنا فن ساحری سکھا کر اپنی زندگی ہی میں کامل کر دوں چنانچہ بادشاہ نے ایک لڑکے کو اس کے سپرد کر دیا اور اس نے ساحر سے سحر کی تعلیم شروع کر دی۔

لڑکے کی راہب سے ملاقات

بادشاہ کے محل اور ساحر کے مکان کے درمیان ایک راہب یعنی حق پرست عیسائی عابد رہتا تھا اس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا دین دین حق تھا۔اور یہ راہب اسی پر قائم تھا اور عبادت گزار تھا۔ایک مرتبہ لڑکا اس راہب کے پاس چلا گیا اور اس کی باتوں اور اس کے طریقوں کو دیکھ کر

بہت مسرور ہوا اور اس کے پاس آنے جانے لگا۔ تو اب ساحر اور بادشاہ کے ہاں مقررہ وقت میں آمد ورفت میں تاخیر ہونے پر وہ لڑکے پر برافروختہ اور ناراض ہوئے۔ لڑکے نے راہب سے اس کی شکایت کی۔ راہب نے کہا کہ اس معاملہ کے مخفی رکھنے کی صرف یہ صورت ہے کہ جب بادشاہ باز پرس کرے تو یہ عذر کر دینا کہ ساحر کے ہاں دیر ہوگئی اور جب ساحر ناراض ہو تو یہ کہہ دینا کہ بادشاہ کے پاس تاخیر ہوگئی۔

راہب کے سچے ہونے کا ثبوت

غرض یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک یونہی جاری رہا کہ ایک مرتبہ لڑکے نے دیکھا کہ راہ میں ایک بہت ہیبت ناک اور عظیم الجثہ درندہ لوگوں کی راہ روکے ہوئے ہے اور کسی کو یہ جرات نہیں ہوتی کہ وہ اس کے سامنے سے گزر جائے۔ لڑکے نے سوچا کہ یہ بہترین وقت ہے اس بات کا کہ میں جانچ کروں آیا ساحر کا مذہب سچا ہے یا راہب کا دین۔ یہ سوچ کر اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہنے لگا خدایا اگر تیرے نزدیک ساحر کے مقابلہ میں راہب کا دین سچا ہے تو میرے اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک کر دے یہ کہہ کر اس نے جانور کو پتھر مارا۔ پتھر کا لگنا تھا کہ وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ لڑکا چل دیا اور راہب سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ راہب نے کہا مجھے ڈر ہے کہ تم آزمائش میں ڈالے جاؤ گے۔ دیکھو وہ وقت آئے تو میرا ذکر نہ کرنا۔

لڑکے کی کرامات

لوگوں نے لڑکے کی اس جرأت کو دیکھ کر چرچا کیا اور کہنے لگے کہ اس کو عجیب غریب علم آتا ہے۔ یہ سن کر اس کے پاس اندھے اور کوڑھی آنے لگے اور انہوں نے کہا کہ اپنے علم کے زور سے ہم کو اچھا کر دو وہ خدا کے فضل سے اچھا کر دیتا تھا۔ بادشاہ کا ایک درباری مصاحب نابینا ہو گیا تھا اس نے جو لڑکے کا چرچا سنا تو تحفہ تحائف کا بہت بڑا سامان لے کر اس کے پاس آیا اور تحفے پیش کرتے ہوئے بینا کر دینے کی درخواست کی۔ لڑکے نے جواب دیا میں کچھ نہیں ہوں اور نہ مجھ میں یہ طاقت ہے بلکہ شافی مطلق تو خدائے واحد ہے پس اگر تو ایمان لے آئے اور اس واحد یکتا کے سوا کسی کی پرستش نہ کرے تو میں ضرور تیری سفارش کے لئے دعا کروں گا۔ درباری یہ سن کر خدائے واحد پر ایمان لے آیا اور بت پرستی سے تائب ہو کر دین عیسوی جو اس وقت دین حق تھا اختیار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرمائی اور وہ بینا ہو گیا۔

لڑکے کے ایمان کی خبر بادشاہ تک پہنچ گئی

اگلے دن جب وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے نابینا کو بینا پایا۔ تب بادشاہ نے سوال کیا کہ اپنے بینا ہونے کی حقیقت بیان کر۔ اس نے جواب دیا میرے رب نے مجھ کو شفا بخش دی۔ کافر بادشاہ نے کہا تیرا رب تو میں ہوں۔ کیا میں نے تجھ کو اچھا کر دیا؟ درباری نے جواب دیا نہیں۔ تیرے اور میرے کل جہان کے پروردگار نے اچھا کر دیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آ کر کہا کیا میرے سوا بھی کوئی تیرا رب ہے؟۔ درباری نے کہا ہاں۔ اللہ تیرا اور میرا دونوں کا رب ہے۔ تب بادشاہ نے اس درباری کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا۔ آخر اس درباری نے لڑکے کا ماجرا کہہ سنایا۔

لڑکے کی آزمائش اور کامیابی

بادشاہ نے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو سحر کے ذریعہ سے اندھوں کو بینا اور مبروص و جذامی کو شفا دیتا ہے۔ لڑکے نے کہا مجھ میں یہ طاقت کہاں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ رب العالمین کے شفا دینے سے شفایاب ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کیا میرے علاوہ بھی تیرا اور کوئی رب ہے؟ لڑکے نے کہا وہ خدا جو واحد یکتا ہے۔ تیرا اور میرا دونوں کا رب ہے۔ تب بادشاہ نے اس لڑکے کو عذاب میں مبتلا کرنا شروع کر دیا۔ آخر اس نے راہب سے متعلق تمام واقعہ کہہ سنایا۔ تب بادشاہ نے راہب کو بلایا اور اس کو مجبور کیا کہ وہ دین حق سے پھر جائے۔ مگر راہب نے کسی طرح اس کو قبول نہیں کیا۔ تب بادشاہ نے راہب کے سر پر آرا چلوا دیا اور اس طرح اس کو شہید کر ڈالا۔

لڑکے کو قتل کرنے میں بادشاہ کی ناکامی

اب لڑکے سے کہا کہ تو راہب کے دین سے پھر جا۔ لڑکے نے بھی صاف انکار کر دیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر وہاں سے گرا دو کہ پاش پاش ہو جائے۔ جب سرکاری آدمی لڑکے کو پہاڑ پر لے کر چڑھے تو لڑکے نے دعا کی۔ الٰہی تو ان لوگوں کے مقابلہ میں

میرے لئے کافی ہو جا۔ چنانچہ اسی وقت پہاڑ زلزلہ میں آ گیا اور سرکاری آدمی گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سالم بچ کر بادشاہ کے سامنے حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے یہ دیکھا تو کہا کہ تیرے ساتھ والے کہاں گئے۔ لڑکے نے کہا خدا نے ان کے مقابلہ میں میری مدد کی۔ تب بادشاہ نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ اس کو لے جاؤ اور دریا میں لے جا کر غرق کر دو۔ سرکاری آدمی اس کو دریا کے بیچ میں لے کر پہنچے تو لڑکے نے پھر وہی دعا کی۔ خدایا ان سے مجھ کو نجات دے۔ فوراً ہی دریا میں جوش آیا اور وہ سب غرق ہو گئے اور لڑکا بچ گیا اور صحیح سلامت بادشاہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ بادشاہ نے پھر وہی سوال کیا اور لڑکے نے پھر وہی جواب دیا۔

لڑکے کی شہادت اور پوری قوم کا مسلمان ہونا

اب لڑکے نے کہا کہ اے بادشاہ اس طرح تو مجھ پر ہرگز کامیابی حاصل نہیں کر سکتا البتہ جو ترکیب میں بتاؤں اگر اس کو اختیار کرے تو بے شک تو مجھ کو قتل کر سکتا ہے۔ بادشاہ نے لڑکے سے وہ تدبیر دریافت کی۔ لڑکے نے کہا تو شہر کی تمام مخلوق کو بلند جگہ پر جمع کر جب سب جمع ہو جاویں تو اس وقت مجھ کو درخت پر لٹکا دینا اور میرے ترکش سے تیر لے کر اور یہ پڑھ کر میرے سینہ پر تیر مارنا۔

بسم الله رب الغلام اللہ کے نام پر جو اس لڑکے کا پروردگار ہے تب میں مر سکتا ہوں۔ بادشاہ نے لڑکے کے قول پر عمل کیا اور جب تمام شہر جمع ہو گیا تو لڑکے کو سولی پر لٹکا کر اور لڑکے کی بتائی ہوئی عبارت پڑھ کر اس کے تیر مارا اور لڑکا تیر کھا کر جاں بحق ہو گیا۔ مخلوق نے جو یہ دیکھا تو سب نے ایک دم با آواز بلند نعرہ لگایا۔ امنا برب الغلام. امنا برب الغلام ہم لڑکے کے پروردگار پر ایمان لے آئے اور سب نے دین عیسوی جو اس وقت دین حق تھا قبول کر لیا۔

قوم کو جلانے کے لئے خندقوں کا انتظام

بادشاہ پوری قوم کی یہ حالت دیکھ کر جامہ سے باہر ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ شہر کے ہر ایک محلّہ گلی کوچہ میں خندقیں کھودو اور ان میں خوب آگ دہکاؤ۔ پھر ہر محلّہ کے لوگوں کو جمع کرو اور ان سے کہو کہ اس دین سے باز آ جائیں۔ جو باز آ جائے اس کو چھوڑ دو اور جو انکار کرتا جائے اس کو دہکتی آگ میں ڈالتے جاؤ۔ لوگ جوق در جوق جمع ہوتے تھے اور دین حق سے باز نہ رہنے کا اقرار کرتے اور بخوشی دہکتی آگ میں ڈالے جاتے تھے اور اس جان گسل اور ہولناک نظارہ کو بادشاہ اور اس کے مصاحبین مسرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے کہ ایک عورت لائی گئی جس کی گود میں شیر خوار بچہ تھا۔ عورت بچہ کی محبت میں جھجکی۔ فوراً بچہ نے کہا اماں صبر سے کام لے اور بے خوف خندق میں کود جا اس لئے کہ بلاشبہ تو حق پر ہے اور یہ ظالم باطل پر ہیں۔

اس قصہ کا درس

علامہ ابن کثیرؒ نے بحیثیت ایک مؤرخ یہ ثابت کیا ہے کہ بلاشبہ اس نوعیت کے متعدد واقعات پیش آ چکے ہیں جو اپنے مفہوم، مراد اور مقصد کے لحاظ سے سب ہی اس سورۃ بروج کی آیات کے مصداق بن سکتے ہیں۔ اور تمام واقعات کا حاصل اگر تفصیلات اور جزئیات کو نظر انداز کر دیا جائے تو ایک ہی نکلتا ہے اور وہ یہ کہ حق پرست جماعت کے حصہ میں ابدی کامرانی اور سرمدی فوز و فلاح اور ظالم اور باطل پرست جماعت دنیا میں بھی خائب و خاسر ہے اور آخرت میں ابدی جہنم نصیب ہے۔ تو نزول قرآن کے وقت اہل عرب ان میں سے بعض یا کسی ایک واقعہ سے ضرور آگاہ ہوں گے۔ اس لئے کفار مکہ کو یہ آیات سنائی گئیں۔ جب کہ وہ مسلمانوں پر ہر طرح کے ظلم توڑ رہے تھے اور مکہ کے مشرکین سردار اپنی آنکھوں کے سامنے مظلوم مسلمانوں پر ظلم کرا رہے تھے۔ اگر انہوں نے اصحاب اخدود کے گذشتہ واقعات سے عبرت حاصل نہ کی اور اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو ان کو بھی ہلاکت و لعنت خداوندی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

کافروں کی سنگدلی

آگے انہی اصحاب اخدود کے متعلق بتلایا جاتا ہے۔ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ (یعنی جس وقت وہ لوگ اس آگ کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ ایمان داروں کے ساتھ ظلم و ستم کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے) یعنی وہ ظالم اور کافر بادشاہ اور اس کے وزیر و مشیر خندقوں کے آس پاس بیٹھے ہوئے نہایت سنگ دلی سے حق پرستوں اور ایمانداروں کے آگ میں ڈالے

جانے اور جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے اور بدبختوں کو ذرا رحم نہ آتا تھا۔

اہل ایمان کی آزمائش

آگے ارشاد ہوا وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ یعنی ان اہل ایمان حق پرستوں کا قصور اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ وہ کفر و شرک کی ظلمت سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لے آئے تھے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں اور جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ احوال سے باخبر ہے تو جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم پر کہ وہ کیوں اس اکیلے خدا کو مانتے ہیں آگ میں جلایا جائے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسا ظلم و ستم یونہی خالی چلا جائے اور خداوند قہار ظالموں کو سخت ترین سزا نہ دے۔ رہی یہ بات کہ وہ عزیز وحمید اور قہار و جبار اگر اپنے خاص بندوں کو کسی وقت ظالموں اور کافروں کے ہاتھ سے تکلیف بھی پہنچوا دے اور اس کا راز کسی کو معلوم نہ ہو سکے تو نہ ہو لیکن دراصل اس کی خاص مصلحت و حکمت ہی کی بناء پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ زمینوں اور آسمانوں اور کل مخلوقات کا مالک ہے اور ہر چیز پر حاضر ناظر ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ہر حال میں اسلام اور ایمان پر استقامت نصیب فرمائیں اور اسلام و ایمان کی برکت سے اپنی نصرت و اعانت کو ہمارے شامل حال رکھیں۔ روئے زمین پر اس وقت جہاں بھی کفار کو غلبہ ہے اور اہل اسلام پر ظالم مسلط ہیں یا اللہ اپنی قدرت سے ظالموں کے غلبہ کو دور فرما آمین۔

یَااللّٰہ جس گناہ کی وجہ سے نیکی زائل ہوگئی' گناہ پر گناہ بڑھے' تکالیف اتریں اور تیرے غضب کا باعث ہوں ان سب گناہوں کو معاف فرما دے۔

یَااللّٰہ گناہ تو صرف آپ ہی معاف کر سکتے ہیں۔ آپ نے بہت سے گناہ اپنے علم میں چھپا لئے ہیں آپ ان کو معاف کر دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ

جنہوں نے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو تکلیف پہنچائی پھر توبہ نہیں کی تو ان کیلئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کیلئے جلنے کا عذاب ہے

عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿۱۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿۱۱﴾

یہ بڑی کامیابی ہے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِينَ وہ جو	فَتَنُوا تکلیفیں دیں	الْمُؤْمِنِينَ مومن (جمع) مرد	وَالْمُؤْمِنَاتِ اور مومن عورتیں	ثُمَّ پھر	لَمْ يَتُوبُوا انہوں نے توبہ نہ کی	فَلَهُمْ تو ان کیلئے	
عَذَابُ عذاب	جَهَنَّمَ جہنم	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	عَذَابُ عذاب	الْحَرِيقِ جلنا	إِنَّ بیشک	الَّذِينَ آمَنُوا جو لوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوا اور انہوں نے عمل کئے	
الصَّالِحَاتِ اچھے	لَهُمْ ان کیلئے	جَنَّاتٌ باغات	تَجْرِي جاری ہیں	مِنْ سے	تَحْتِهَا انکے نیچے	الْأَنْهَارُ نہریں	ذَٰلِكَ یہ	الْفَوْزُ کامیابی	الْكَبِيرُ بڑی

خندق والوں کا انجام

گذشتہ آیات میں اصحاب الاخدود کا ذکر ہوا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ جن مومنین کو ظالموں نے آگ کی خندق میں ڈالا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو تو تکلیف سے اس طرح بچا دیا کہ آگ کے چھونے سے پہلے ہی ان کی ارواح قبض کر لی گئیں اس طرح گویا مردہ جسم آگ میں پڑے۔ پھر یہ آگ اتنی بھڑک اٹھی کہ خندق کی حدود سے نکل کر شہر میں پھیل گئی اور ان سب لوگوں کو جو ایمان والوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے اس آگ نے جلا دیا صرف بادشاہ بھاگ نکلا اور آگ سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو اس نے دریا میں ڈال دیا اور اس میں غرق ہو کر مرا۔ تو اس واقعہ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ کو سنا کر کفار مکہ کو جو غریب مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھا رہے تھے تنبیہ تھی کہ اگر تم ان حرکات سے باز نہ آئے تو تم بھی ملعون اور گرفتار عذاب ہو گے۔

اس کے بعد آگے حق تعالیٰ اپنا دائمی قانون سناتے ہیں کہ یہ کچھ اصحاب الاخدود ہی پر منحصر نہیں جو لوگ ایمان داروں کو اور حق پرستوں کو دین حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے جیسے کہ کفار مکہ اس وقت کر رہے تھے پھر اپنی ان نالائق حرکات سے تائب نہ ہوں گے تو ان سب کے لئے جہنم کا عذاب تیار ہے۔ جس میں بے شمار قسم کی تکلیفیں ہوں گی اور بڑی تکلیف آگ سے جلنے کی ہوگی جس میں جہنمی کا تن من سب گرفتار ہوگا۔ اسی لئے اس کو خاص طور پر وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ فرمایا۔ جہنم کی آگ اول تو دنیا کی آگ سے ۷۰ حصہ زیادہ گرم ہے اس لئے بسبب شدت گرمی آگ کے پہنچتے ہی جسم جل کر بھسم ہو جایا کریں گے اور پھر نئے جسم پیدا ہو جایا کریں گے یہاں تک کہ ایک گھڑی میں سات سو جسم بدلتے رہیں گے۔ جسم کے اصلی اجزاء برقرار رہیں گے گوشت پوست جل کر دوبارہ پیدا ہوتا رہے گا۔ العیاذ باللہ۔

اللھم احفظنا من غضبک و النار

توبہ کا دروازہ کھلا ہے

اس سزا کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ وہ ہیں جو توبہ نہیں کرتے اور اس لئے اس سزا کے مستحق ہوں گے۔ اگر ایسے لوگ بھی سچی توبہ کر لیں یعنی اپنی خطا کا اقرار کر لیں۔ اپنے کئے پر نادم ہوں اور آئندہ ایسی خطا نہ کرنے کا عزم کر لیں اور اپنے خطا کی معافی چاہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا کرم و احسان ہے کہ اس نے بڑے سے بڑے سرکش اور مجرم کے لئے بھی معافی کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

مومن صالح کا انعام

ظالم مجرموں کی سزا اوران کا انجام بیان کرنے کے ساتھ ہی حق تعالیٰ اپنے فرمانبردار اور وفادار بندوں کے انجام کا بھی ذکر فرماتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ جولوگ دنیا میں ایمان لے آئیں یعنی اللہ کی وحدانیت۔ اس کے رسولوں کی رسالت تسلیم کرلیں۔ اس کی کتاب کی حقانیت کو مان لیں اوراس کے موافق اپنا عقیدہ رکھیں اور ساتھ ہی اعمال صالحہ بجا لائیں۔ یعنی جن باتوں کے کرنے کا اللہ اوراس کے رسول حکم دیں ان کو بجالائیں اور جن باتوں اور کاموں کے کرنے کومنع کیاان سے بچنے اور باز رہنے کی کوشش کریں۔ تو ایسے فرمانبردار ایمان والے بندوں کے لئے آخرت میں آرام ہی آرام ہے۔ وہاں انہیں ایسے سدا بہار باغات میں رکھا جائے گا جن میں نہریں جاری ہوں گی اور جہاں ہر طرح کا لطف آرام انہیں میسر ہوگا۔ آرام و آسائش کا جو اونچے سے اونچا تصور کسی ذہن میں آ سکتا ہےاس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کرنعمتیں انہیں وہاں ملیں گی۔ اللھم اجعلنامنھم

عمل صالح کونسا ہے؟

وہی کام ''عمل صالح'' ہے جواللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اور صرف اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیا جائے ان دوشرطوں کے بغیر کوئی کام ''عمل صالح'' نہیں ہوسکتا۔ گو بظاہر دیکھنے میں وہ کیسا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ مثال کے طور پر دیکھ لیجئے نماز پڑھنا کتنا اچھا کام ہے لیکن اگر کوئی طلوع آفتاب کے وقت پڑھتا ہے تو وہ نماز پڑھنا ''عمل صالح'' نہیں بلکہ گناہ ہے۔ اسی طرح روزہ رکھنا کتنا اچھا عمل ہے مگر عید کے دن اگر کسی نے روزہ رکھا تو وہ عمل صالح نہیں بلکہ گناہ ہے۔

بڑی کامیابی

آگے فرمایا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ یعنی یہ ہے بڑی کامیابی کہ جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ابدی نعمتیں حاصل ہو جائیں نہ کہ دنیا کا عیش وآرام اور ملک و مال اور جاہ وجلال اور حشم وخدم جس کو اہل باطل نے کامیابی سمجھ رکھا ہے اگر دنیا میں کسی نے مال بے حساب اور ملک اور عمدہ مکان اور زر و جواہرات اور تمامی عیش کے سامان بہم بھی پہنچا لئے اول تو سب چیزوں کا بہم ہونا مشکل ایک نہ ایک حسرت وآرزو باقی ہی رہ جاتی ہے اوراگر کسی کوتمام چیزیں میسر بھی ہوگئیں تو پھر ان چیزوں کو دوام اور بقا نہیں کہیں دشمن کا کھٹکا کہیں نقصان اور کمی کا خوف۔

دعا کیجئے

یَااللہ ہمیں ہدایت وبصیرت عطا فرما کہ ہم اپنی زندگی کے اصل مقصد کو سمجھیں اور جانیں اور اس کے حصول لئے کوشاں رہیں۔ اور زندگی کے ہر لمحہ میں آپ کی رضا کے متلاشی رہیں۔

یَااللہ میں نے تیری مخلوق پر کسی قسم کا ظلم کیا یا تیرے دوستوں کے خلاف چلا۔ تیرے دشمنوں کی امداد کی ہو' اہل اطاعت کے مخالف' اہل معصیت سے جا ملا ہوں' ان کا ساتھ دیا ہو' الٰہی! ان گناہوں کو بھی معاف فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ إِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ

آپ کے رب کی دارو گیر بڑی سخت ہے۔ وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ پیدا کرے گا اور وہی بڑا بخشنے والا بڑی محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک

الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾ هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ

عظمت والا ہے۔ وہ جو چاہے سب کچھ کر گزرتا ہے۔ کیا آپ کو ان لشکروں کا قصہ پہنچا ہے۔ یعنی فرعون اور ثمود کا۔ بلکہ یہ کافر

كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

تکذیب میں ہیں۔ اور اللہ ان کو ادھر اُدھر سے گھیرے ہوئے ہے۔ بلکہ وہ ایک باعظمت قرآن ہے جو لوح محفوظ میں ہے۔

إِنَّ بیشک	بَطْشَ پکڑ	رَبِّكَ تمہارا رب	لَشَدِيْدٌ بڑی سخت	إِنَّهٗ بیشک وہ	هُوَ وہی	يُبْدِئُ پہلی بار پیدا کرتا ہے	وَيُعِيْدُ اور لوٹاتا ہے	وَهُوَ اور وہ	
الْغَفُوْرُ بخشنے والا	الْوَدُوْدُ محبت والا	ذُو الْعَرْشِ عرش والا	الْمَجِيْدُ بڑی بندگی والا	فَعَّالٌ کر ڈالنے والا	لِمَا جو	يُرِيْدُ وہ چاہے	هَلْ کیا	اَتٰكَ تجھ تک آئی (پہنچی)	
حَدِيْثُ بات	الْجُنُوْدِ لشکر	فِرْعَوْنَ فرعون	وَثَمُوْدَ اور ثمود	بَلِ بلکہ	الَّذِيْنَ وہ جو کہ	كَفَرُوْا انہوں نے کفر کیا	فِيْ میں	تَكْذِيْبٍ جھٹلانا	وَاللّٰهُ اور اللہ
مِنْ سے	وَّرَآئِهِمْ انکے ہر طرف	مُحِيْطٌ گھیرے ہوئے	بَلْ بلکہ	هُوَ وہ	قُرْاٰنٌ قرآن	مَّجِيْدٌ بڑی بزرگی والا	فِيْ میں	لَوْحٍ لوح	مَّحْفُوْظٍ محفوظ

مجرموں کیلئے سخت پکڑ

گذشتہ آیات میں دو مضمون بیان فرمائے گئے تھے ایک تو یہ کہ دنیا میں ایمان داروں اور حق پرستوں کو ستانے والے آخرت میں جہنم کا عذاب بھگتیں گے دوسرے یہ کہ ایماندار نیک کرداروں کے لئے آخرت میں جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔ اب آگے انہی دو مضمونوں کی مناسبت سے اور انہی دو مضمونوں کو مؤکد کرنے کے لئے حق تعالیٰ اپنی دو قسم کی صفات بیان فرماتے ہیں۔ پہلے مضمون کے لئے یعنی نافرمانوں اور سرکشوں کو سزا دینے کے لئے اپنی صفت جباری وقہاری کا اظہار فرمایا اور ارشاد ہوا۔ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ وہ جب تک چاہتا ہے مہلت اور ڈھیل دیتا ہے لیکن جب وہ پکڑنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اس کی پکڑ سے کوئی بچ نہیں سکتا اور جس کو پکڑتا ہے اس کو کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ دنیا میں بھی ذلیل و خوار کر دیتا ہے آخرت میں بھی مبتلائے عذاب کرتا ہے۔ نہ پھر کوئی تدبیر کام آتی ہے نہ کوئی حیلہ اور زور چلتا ہے۔ وہ دم بھر میں سلطنتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے بڑے بڑے مال و دولت و جاہ والوں کو مفلس بنا دیتا ہے اور سارے جاہ و اعزاز کو برباد کر دیتا ہے۔

آگے فرمایا إِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ بے شک پہلی مرتبہ بھی آدمی کو وہی پیدا کرتا ہے اور دوسری مرتبہ موت کے بعد بھی وہی پیدا کرے گا۔ پس مجرم اس دھوکہ میں نہ رہے کہ موت جب ہمارا نام و نشان مٹا دے گی پھر ہم کس طرح ہاتھ آئیں گے جزا و سزا کے لئے۔

توبہ کرنے والوں کیلئے مغفرت و رحمت

اس کے بعد دوسرے مضمون یعنی اہل ایمان خدا پرستوں کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ اس کے متعلق اپنی صفت بیان فرمائی وَهُوَ الْغَفُوْرُ کہ وہ بخش دینے والا بھی ہے۔ بندوں کے گناہوں سے توبہ و استغفار پر درگزر بھی کرتا ہے اور جو سرے سے نیکوکار ہیں ان کے لئے الْوَدُوْدُ ہے یعنی پیار اور محبت بھی کرنے والا ہے۔ اس کو اپنے بندوں سے ایسی محبت ہے کہ ماں کو اپنی اولاد سے بھی نہیں۔ یعنی باوجود صفت قہاری اور سخت گیری کے اس کی بخشش اور محبت کی بھی کوئی حد نہیں۔ وہ اپنے فرمانبردار بندوں کی خطائیں معاف کرتا ان کے عیوب چھپاتا اور طرح طرح کے لطف و کرم اور شفقت و عنایات سے نوازتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ کہ وہ عرش والا ہے جو عرش

تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے اور تمام خلائق کے اوپر ہے۔ وہ جس کام کا جب ارادہ کر لے کرنے پر قدرت رکھتا ہے یعنی اپنے علم وحکمت کے موافق جو کرنا چاہے کچھ دیر نہیں لگتی ۔ نہ کوئی روکنے ٹوکنے کا حق رکھتا ہے۔ امیر المومنین حضرت صدیق اکبرؓ سے ان کی اس بیماری میں جس میں آپ کا انتقال ہوتا ہے لوگ سوال کرتے ہیں کہ کسی طبیب نے بھی آپ کو دیکھا۔ فرمایا ہاں پوچھا پھر کیا جواب دیا۔

فرمایا کہ جواب دیا۔ انی فعال لما یرید.

فرعون وثمود کے قصوں سے عبرت پکڑو

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ

یعنی مثال کے طور پر فرعون ہی کو دیکھ لو۔ کیسا زبردست بادشاہ۔ کتنی طاقت والا اور اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بظاہر انتہائی کمزور اور بے سہارا لیکن انجام کیا ہوا؟ فرعون اپنے تمام سازوسامان اور لاؤلشکر سمیت ڈبو کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس کی طاقت۔ حکومت وسلطنت اس کے کچھ کام نہ آئی۔ اور حضرت موسیٰؑ اور آپ کی قوم کو نجات دی گئی اور انہیں سربلندی اور کامیابی نصیب ہوئی۔ اسی طرح ثمود یعنی صالح علیہ السلام کی قوم کا حال دیکھو کیسی ترقی یافتہ اور کیسی طاقت ور قوم اپنی طاقت کے گھمنڈ میں بالکل مست لیکن جب ان کی نافرمانیوں کی بدولت اللہ کی پکڑ کا وقت آ گیا تو نہ طاقت کام آئی اور نہ صنعتی کمال نے کچھ ساتھ دیا آن کی آن میں سب دھرا رہ گیا اور پوری بستی اس طرح اجڑ گئی جیسے وہاں کوئی رہتا ہی نہ تھا۔ ایک مدت تک ان پر انعام کا دروازہ کھلا رہا تھا اور ہر طرف سے طرح طرح کی نعمتیں ان کو پہنچتی تھیں پھر ان کے کفر وطغیان کی بدولت کیسا سخت انتقام لیا گیا۔

کافر سزا سے نہیں بچ سکتے

تو چاہیے تو یہ تھا کہ کفار ان قصوں سے عبرت پکڑتے اور سبق لیتے مگر یہ کفار ان قصوں سے بھی کچھ عبرت نہیں پکڑتے اور عذاب الٰہی سے ذرا نہیں ڈرتے اور الٹا ان قصوں اور قرآن کے جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں لیکن یہ حقیقت ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے اور انہیں یہ خیال ہی نہیں رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے بچ کر یہ کہیں نہیں جا سکتے۔ اس کی پکڑ سخت ہے اور اس کی پکڑ کے سامنے یہ انسان بالکل بے بس اور مجبور ہے باوجود اپنی اکڑفوں کے یہ انسان آئے دن طوفانوں' زلزلوں' قحطوں' بارشوں' سیلابوں' بیماریوں اور وباؤں وغیرہ کی شکلوں میں اپنی مجبوری کے تماشے دیکھتا رہتا ہے۔ ان واقعات سے اسے سبق لینا چاہئے تھا کہ یقیناً کوئی ہستی ایسی موجود ہے جو اسے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور جس کی پکڑ سے وہ نکل کر کہیں جا نہیں سکتا۔ تو منکرین جس انکار میں لگے ہوئے ہیں اس انکار تکذیب کی سزا ضرور بھگتنی ہے۔

قرآن خدائی حفاظت میں

آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین کا قرآن کو جھٹلانا اور اس کی تکذیب کرنا محض حماقت ہے۔ قرآن ایسی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو یا چند احمقوں کے جھٹلانے اور باطل بتلانے سے اس کی شان اور بزرگی کم ہو جائے۔ یہ کتاب تو اپنے درجے اور مقام کے لحاظ سے بہت بلند ہے۔ یہ لوح محفوظ میں ثبت ہے جہاں کسی معاند کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا اور جو شیاطین کی دسترس سے باہر ہے۔ اس میں نہ کوئی تبدیلی ممکن ہے اور نہ کسی قسم کا تغیر وتبدل ہو سکتا ہے۔

خلاصہ

اس سورت کی ابتداء میں اللہ نے تین قسمیں کھا کر فرمایا کہ ''خندقوں والے ہلاک کیے گئے'' صحیح مسلم میں ''خندقوں والے'' قصہ کی نسبت حمیر کے بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ ذونواس یہودی کی طرف کی گئی ہے جو مشرک تھا اور اس نے ایسے بیس ہزار افراد کو خندقوں میں ڈال کر زندہ جلا دیا تھا جو عیسائی بن گئے تھے اور انہوں نے خدا پرستی چھوڑ کر بت پرستی کرنے سے انکار کر دیا تھا، اسی طرح صحیح مسلم وغیرہ میں ساحر، راہب اور غلام کا قصہ بھی منقول ہے، جب ایک نوجوان لڑکے کی استقامت دیکھ کر ہزاروں لوگوں نے ایمان

قبول کرلیا اور بادشاہِ وقت کی دھمکیوں کے باوجود وہ ایمان سے باز نہ آئے تو ان سب کو خندقوں میں دہکتی ہوئی آگ کے حوالے کر دیا گیا۔ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ایسے کئی واقعات کا پتہ چلتا ہے جب مذہبی اور نظریاتی اختلافات کی بناء پر مخالفین نے ایک دوسرے کو زندہ جلا دیا، آج کی دنیا جسے اپنے مہذب اور ترقی یافتہ ہونے پر بڑا ناز ہے، وہ اس سے بھی زیادہ خطرناک بم مسلمانوں پر استعمال کر رہی ہے جو دیکھتے ہی دیکھتے پوری پوری بستی اور شہر کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں، افغانستان اور عراق میں جو آگ جلائی گئی کیا یہ آگ ذنو اس کی آگ سے کم درجہ کی تھی؟ جس کا نشانہ کلمہ پڑھنے والے نوجوانوں، بوڑھوں، بچوں، مردوں اور عورتوں کو بنایا گیا یہ آگ ہی تو ہے جو مسلمانوں پر برسائی جارہی ہے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ کیسے بیس ہزار افراد کو زندہ جلا دیا گیا۔

ایسے لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے کہ ''جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو ستایا پھر توبہ نہ کی تو ان کیلئے جہنم کا عذاب ہے اور جلنے کا عذاب ہے۔ سورت کے اختتام پر اللہ کی عظمت اور انتقام کی قدرت کا بیان ہے' اس کی پکڑ بڑی سخت ہے وہ جب کسی کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے تو اسے کوئی نہیں چھڑا سکتا۔ فرعون کا انجام اس دعویٰ کی دلیل اور اس پر گواہ ہے۔

سورۃ البروج کے خواص

۱......جس بچہ کا دودھ چھڑانا ہو تو یہ سورۃ لکھ کر اس کے گلے میں لٹکائیں۔ وہ بچہ آسانی سے دودھ چھوڑ دے گا۔

۲......رات کو بستر پر جا کر اس سورۃ کو پڑھ کر سوئیں تو رات بھر ہر قسم کی آفت سے حفاظت رہے گی۔ وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ

مسافر سفر پر روانہ ہوتے وقت اپنے گھر کے دروازہ میں کھڑے ہو کر یہ آیات پڑھ لے تو وہ خود اور اس کا ساز وسامان سب محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے

یَااللّٰہ اپنا وہ خوف وخشیت ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے کہ جو ہم آپ کی پکڑ سے ڈر کر ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے باز آجائیں اور آپ کے فرمانبردار بندے بن جائیں۔ آمین۔

یَااللّٰہ بعض گناہ ایسے بھی کئے ہیں کہ میں جانتا تھا کہ یہ گناہ کی بات ہے اور آپ میرے حال کو جانتے ہیں لیکن گناہ کو ہلکا خیال کیا اور تیری پکڑ کا خیال نہ کیا۔ اپنی رو میں کر گزرا الٰہی! ان کو بھی معاف فرما دیجئے

یَااللّٰہ دن کی روشنی میں تیرے بندوں سے چھپ کر گناہ کیا اور رات کے اندھیرے میں تیرا حکم توڑا یہ صرف میری نادانی ہی تھی کیونکہ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کے نزدیک ہر پوشیدہ ظاہر ہے۔ آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں آپ کے یہاں سوائے آپ کی رحمت کے نہ مال کام آئے گا نہ اولاد کام آئے گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ سَبْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝١ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝٢ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝٣ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝٤

قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے اور آپ کو معلوم ہے وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے۔ وہ روشن ستارہ ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی یاد رکھنے والا مقرر نہ ہو۔

وَالسَّمَآءِ قسم آسمان کی	وَالطَّارِقِ اور رات کو آنیوالے کی	وَمَآ اَدْرٰىكَ اور تم نے کیا سمجھا	مَا الطَّارِقُ کیا ہے طارق	النَّجْمُ ستارا	الثَّاقِبُ چمکتا ہوا	
اِنْ نہیں	كُلُّ کوئی	نَفْسٍ جان	لَّمَّا مگر	عَلَيْهَا اس پر	حَافِظٌ نگہبان	

وجہ تسمیہ، موضوع وغیرہ: سورۃ کی ابتدا ہی میں وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ فرمایا گیا ہے یعنی قسم ہے آسمان کی اور طارق کی۔ طارق کے معنی ہیں جو چیز رات کو نمودار ہو۔ مراد اس سے روشن ستارے ہیں اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام الطارق ہے۔ یہ بھی مکی سورۃ ہے۔ اس سورۃ میں بتلایا گیا کہ دنیا میں انسان جو کچھ کرتا ہے وہ لکھ لیا جاتا ہے اور جب وہ وقت آئے گا کہ قیامت قائم ہوگی تو اس کے سامنے اس کا اعمال نامہ پیش کر دیا جائے گا اور اگر اس کو قیامت میں شبہ ہو اور اس کی سمجھ میں نہ آئے کہ مرنے کے بعد انسان پھر دوبارہ کیسے زندہ کر کے کھڑا کر دیا جائے گا تو انسان اپنی پہلی پیدائش پر غور کرے کہ جس نے اسے ایک ناچیز قطرۂ منی سے انسان بنا کر پیدا کر دیا یقیناً اسی طرح وہ خالق اسے دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔

قیامت ضرور واقع ہوگی

یہاں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ آسمان کی اور طارق کی پھر خود ہی فرمایا کہ طارق ایک چمکتا ہوا تارا ہے۔ طارق کے معنی ہیں رات میں آنے والا۔ یہ تو یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہے کہ طارق سے کون سا تارا مراد ہے البتہ اتنی بات ظاہر ہے کہ روشن ستاروں میں سے یہ کوئی چمکدار ستارہ ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کائنات اور اپنی دوسری مخلوقات کی اکثر قسمیں کھائی ہیں۔ قرآن پاک کی بیشتر قسمیں دراصل اس معنی میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو کسی نہ کسی بات کی دلیل اور ثبوت کے طور پر پیش فرماتا ہے اور انسان کو ان چیزوں کے بارہ میں غور کرنے کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ جن کی قسم کھائی جاتی ہے یہی صورت یہاں بھی ہے اللہ تعالیٰ آسمان اور کائنات کی طرف اور کسی خاص چمک دار تارہ کی طرف انسان کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ کائنات کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کی حکمت اور اس کی قدرت کے بارہ میں انسان کے اندر یقین پیدا کرنے کا بڑا ہی کامیاب ذریعہ ہے اور اسی غور و فکر کے نتیجہ میں انسان اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ بلا مقصد اور بے نتیجہ نہیں بنایا گیا ہے بلکہ اس کا ایک مقصد ہے اور اس سب کا کوئی انجام ضرور ہونا ہے۔ یہی مقصد ہے جس کے لئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ انسان کو کائنات زمین و آسمان اور ان کی چیزوں کی طرف غور کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ تو جب اس کائنات کا ایک مقصد ہے تو انسان کا وجود بھی اسی کائنات کا ایک جزو ہے جو بے مقصد نہیں ہو سکتا کہ انسان یونہی دنیا میں بے مقصد پیدا ہو گیا ہو اور اس پر کوئی ذمہ داری نہ ہو۔ کوئی جواب دہی نہ ہو نعمتیں تو اسے بیشمار ملیں لیکن نعمتوں کا کوئی حساب نہ ہو کہ صحیح استعمال کیں یا غلط۔ عمل اور ارادے کی تو آزادی ہو لیکن یہ پوچھ گچھ نہ ہو کہ اس آزادی کا استعمال صحیح کیا یا بے جا۔ ٹھیک یا غلط۔ اسی حقیقت کو بتلانے اور انسان کی نظروں کے سامنے لانے کے لئے قسمیہ کلام کے بعد بطور جواب قسم فرمایا گیا کہ دنیا میں ہر ہر انسان کی باقاعدہ نگرانی ہو رہی ہے۔ جو کوئی جو کچھ نیک یا بد اچھا یا برا جائز یا ناجائز کر رہا ہے وہ سب محفوظ کیا جا رہا ہے اور سب کا باقاعدہ ایک ریکارڈ رکھا جا رہا ہے۔ اور یہ سارا انتظام اسی دن کے لئے کیا جا رہا ہے جب ہر ایک کو اپنے پیدا کرنے والے کے حضور حاضر ہونا پڑے گا اور اس کے سامنے زندگی کا پورا حساب پیش کرنا ہوگا۔ اور انجام و نتیجہ میں انعام و اکرام کا یا سزا و عذاب کا مستحق ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝۵ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝۶ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝۷

تو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔

اِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝۸ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝۹ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝۱۰

وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے۔ جس روز سب کی قلعی کھل جائے گی پھر انسان کو نہ تو خود قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا۔

فَلْيَنْظُرِ چاہیے کہ دیکھے	الْاِنْسَانُ انسان	مِمَّ کس چیز سے	خُلِقَ پیدا کیا گیا	خُلِقَ وہ پیدا کیا گیا	مِنْ سے	مَآءٍ پانی	دَافِقٍ اچھلتا ہوا	يَخْرُجُ نکلتا ہے	
مِنْ سے	بَيْنِ درمیان	الصُّلْبِ پیٹھ	وَالتَّرَآئِبِ اور سینہ	اِنَّهٗ بیشک وہ	عَلٰی پر	رَجْعِهٖ اسکو دوبارہ لوٹانا	لَقَادِرٌ قادر	يَوْمَ دن	تُبْلَى جانچے جائینگے
السَّرَآئِرُ راز	فَمَا تو نہ	لَهٗ اسکے لئے	مِنْ سے	قُوَّةٍ قوت	وَلَا اور نہ	نَاصِرٍ مددگار			

وجود انسانی قیام قیامت کی نشانی

ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ انسان کو اگر قیامت میں دوبارہ پیدا کئے جانے اور زندہ کر کے کھڑا کئے جانے میں شک وشبہ ہو تو اس کو چاہیے کہ یہ خود اپنی اول پیدائش میں غور وفکر کرے کہ یہ کس چیز سے اور کس طرح اول بار پیدا کیا گیا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی پیدائش کے بارے میں سوچنے اور غور کرنے کی طرف بار بار مختلف انداز میں توجہ دلائی ہے کیونکہ اس سے اللہ کی حکمت اور قدرت کا جو نمونہ سامنے آتا ہے وہ انتہائی حیرت میں ڈالنے والا ہے۔

دعوتِ فکر

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اور مادہ اس کی خلقت کا کہاں کہاں سے جمع کر کے لایا گیا ہے؟ پھر خود ہی حق تعالیٰ اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ وہ اچھلتے ہوئے ایک پانی سے پیدا ہوا ہے جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ یہاں پانی سے مراد منی ہے اور پشت وسینہ جو بدن کے دو طرفین ہیں اس سے مراد تمام بدن ہو سکتا ہے اور یہ اس لئے مراد لیا گیا کہ منی تمام بدن میں پیدا ہو کر پھر منفعل ہوتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلویؒ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ نطفہ یعنی منی یہ خلاصہ اور جوہر ہے خون کا۔ اور خون انسانی بدن میں غذا سے بنتا ہے اور غذا حاصل ہوتی ہے زمین سے اگنے والی چیزوں سے جیسے اناج، ساگ پات، ترکاری، پھل میوے وغیرہ یا غذا حیوانوں سے حاصل ہوتی ہے جیسے گوشت، دودھ چربی اور انڈا اور پھر دودھ سے گھی، مکھن، دہی، پنیر وغیرہ از روئے علم طب غذائے صالح کے معدہ میں جانے کے بعد جب ۲۷ گھنٹے گزرتے ہیں تو اس کھائی ہوئی غذا سے منی بنتی ہے۔

مادہ منوی دماغ سے نزول کرتا ہے اور ان رگوں میں سے جو دونوں کانوں کے پیچھے ہیں وہاں سے گزر کر نخاع یعنی حرام مغز میں آتا ہے۔ پھر مرد کا وہ مادہ پیٹھ کے منکوں کی راہ سے گزر کر گردوں میں آتا ہے وہاں سے خصیوں میں وہاں سے اعضائے تناسل کے نیچے کی رگ سے گزر کر رحم میں گرتا ہے۔

تو جس ذات کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ انسان کو پہلی بار پیدا کرتا ہے اور ایسے عجیب وغریب طریقہ سے پیدا کرتا ہے وہ یقیناً اس بات کی قدرت بھی رکھتا ہے کہ جب چاہے انسان کو اس کے مرنے کے بعد دوبارہ اس کو اس کی صورت کی طرف لوٹا دے۔ تو جس نے انسان کو پہلی بار پیدا کیا اسی انسان کو دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کر دینا اس قادر مطلق کے لئے کیا مشکل ہے۔ اِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ یقیناً یہ بات ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے انسان کو دوبارہ زندہ کرنا کچھ بھی

مشکل کام نہیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جو ہر اس شخص کی سمجھ میں آ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور کرے اور صحیح طریقہ پر عقل سے کام لے کر نتائج اخذ کرے۔ ان ہی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی خود انسان کی اپنی پیدائش بھی ہے۔

قیامت کے دن سب اعمال ظاہر ہو جائیں گے

آگے بتلایا جاتا ہے۔

یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ یعنی دوبارہ پیدا کرنا اس روز ہوگا جس روز سب کی قلعی کھل جاوے گی اور اس کی سب مخفی باتیں ظاہر ہو جاویں گی اور کل باتیں جو دلوں میں پوشیدہ رکھی ہوں گی یا چھپ کر کی ہوں گی ظاہر ہو جاویں گی۔ اور کسی جرم کا اخفا ممکن نہ ہوگا۔ دنیا میں تو لوگ جرم کر کے چھپا بھی لیتے ہیں یا انکاری ہو جاتے ہیں مگر وہاں پر ایسا نہ ہو سکے گا کیونکہ سب مخفی باتیں خواہ عقیدہ کی ہوں یا نیت کی سب ظاہر ہو جائیں گی پھر اس وقت انسان اپنے اعمال بد اور عقائد باطلہ اور نیت فاسدہ کی وجہ سے پچھتائے گا مگر لاحاصل اس وقت وہ نہ اپنی ہمت سے اور نہ کسی حمایتی کی مدد سے عذاب سے بچ سکے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنی قدرت سے ہم کو انسانی جامہ پہنایا اور اشرف المخلوقات ہونے کا شرف بخشا۔ اور پھر اسلام اور ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔

یَا اللّٰہُ جو گناہ عمر کو خراب کریں امید سے ناامید کر دیں۔ نیک اعمال کو برباد کر دیں الٰہی! ایسے گناہوں سے بچا کر رکھنا اگر کر لئے ہوں تو معاف فرمانا۔

یَا اللّٰہُ آپ نے قلب کو پاک کیا، میں نے گناہوں سے ناپاک کر لیا، آپ نے پردہ رکھا میں نے خود اس کو چاک کر دیا اپنے برے اخلاق کو مزین کیا اور نیک بنا رہا ایسے گناہ بھی معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾

قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے۔ اور زمین کی جو پھٹ جاتی ہے۔ کہ یہ قرآن ایک فیصلہ کر دینے والا کلام ہے اور کوئی لغو چیز نہیں ہے

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ اور میں بھی طرح طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں۔ تو آپ ان کافروں کو یونہی رہنے دیجئے انکو تھوڑے ہی دنوں رہنے دیجئے

وَالسَّمَآءِ قسم آسمان کے	ذَاتِ الرَّجْعِ بارش والا	وَالْاَرْضِ اور زمین کی	ذَاتِ الصَّدْعِ پھٹ جانے والی	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَقَوْلٌ کلام	فَصْلٌ فیصلہ کر دینے والا
وَمَا اور نہیں	هُوَ وہ	بِالْهَزْلِ بیہودہ بات	اِنَّهُمْ بیشک وہ	يَكِيْدُوْنَ تدبیر کرتے ہیں	كَيْدًا تدبیر	وَاَكِيْدُ اور میں تدبیر کرتا ہوں
كَيْدًا ایک تدبیر	فَمَهِّلِ پس ڈھیل دو	الْكٰفِرِيْنَ کافر	اَمْهِلْهُمْ ڈھیل دو انہیں	رُوَيْدًا تھوڑی		

قرآن کریم روحانی واخلاقی زندگی کا ضامن

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ یعنی قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے اور زمین کی جس میں سے نباتات اگتی ہے۔ تو قسم کھا کر فرمایا اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ یعنی قرآن کریم حق اور باطل میں فیصلہ کر دینے والا کلام ہے۔ اب یہاں جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے یعنی قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے اور زمین کی جو بیج نکلتے وقت پھٹ جاتی ہے اور جواب قسم کہ یہ قرآن ایک فیصلہ کر دینے والا کلام ہے اس میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح آسمان سے بارش ہوتی ہے اور عمدہ زمین کو سرسبزی اور شادابی سے مالا مال کرتی ہے اسی طرح قرآن کریم بھی آسمان سے نازل ہوتا ہے اور حق و باطل میں صاف صاف فیصلہ کر کے اپنی بہترین تعلیم اور زریں اصولوں سے صلاحیت اور قابلیت رکھنے والے انسانوں کو مالا مال کرتا ہے اور دین و دنیا میں کامیاب و بامراد بنا دیتا ہے۔ تو یہاں آیت میں اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ فرما کر یہ واضح فرما دیا کہ یہ قرآن تمہاری روحانی اور اخلاقی زندگی کا ضامن ہے۔ یہ ایک فیصلہ کن کلام ہے۔ غلط اور صحیح کو الگ الگ کر کے دکھاتا ہے۔ زندگی کی حقیقی کامیابی اور ناکامی کی راہیں کھول کھول کر بتاتا ہے اور اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب سنجیدہ حقیقتیں ہیں۔

آگے قرآن کی ایک دوسری حیثیت وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ فرما کر ظاہر کی گئی۔ یعنی قرآن کریم کوئی لغو اور معمولی چیز نہیں یہ کوئی ہنسی اور ٹھٹا نہیں۔ اس میں جو قیامت اور آخرت کی تفصیلات بتلائی جا رہی ہیں اسے دل لگی اور مذاق مت سمجھو۔ قرآن کی ہر بات بتلائی ہوئی اٹل ہے اور ہو کر رہے گی۔

مخالفین قرآن ہر دور میں ناکام

آگے بتلایا جاتا ہے اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا یعنی باوجود اثبات حق کے اور اس طرح کھول کھول کر بتا دینے کے پھر بھی جو لوگ قرآن کی دعوت پر کان نہیں رکھتے بلکہ اسے ناکام بنانے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں اور جوڑ توڑ میں لگے ہوئے ہیں اور چھپ چھپ کر ایسے داؤں اور گھات کی فکر میں ہیں کہ جن سے قرآن کی دعوت اور اس کے ماننے والوں کو ناکام بنا دیا جائے تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیریں ان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مضبوط اور کامیاب ہیں۔ یہ منکرین حقانیت کو جھٹلانے کی تدبیریں کر رہے ہیں لیکن خدا تعالیٰ بھی ان کو ذلیل و ناکام کرنے اور عذاب میں گرفتار کرنے کے لئے تدبیریں کر رہے ہیں۔ اور ان منکرین کی بربادی کے لئے مختلف سامان مہیا کر رہے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ خدا کی تدبیر غالب آئے گی اور ان کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں یہ ہرگز کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

تاخیر عذاب کی حکمت

سورۃ کے آخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے۔ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ تعالیٰ کی تدبیر کرنا آپ نے سن لیا تو آپ ان کافروں کی مخالفت سے نہ گھبرایئے اور ان کے جلدی مبتلائے عذاب ہونے کی خواہش نہ کیجئے بلکہ تھوڑے دنوں کے لئے ان کو انکے حال پر چھوڑ دیجئے اور مہلت دے دیجئے تا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اتمام حجت ہو جائے پھر دیکھئے کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ الحمدللہ دنیا نے دیکھ لیا کہ سرزمین عرب میں کفار مکہ کی ہر طرح کی کید وتدابیر کے باوجود اسلام کو غلبہ اور کفار کو تباہی وبربادی نصیب ہوئی۔

خلاصہ

اس سورت کی ابتدائی آیات میں اللہ نے آسمان کی اور رات کو چمکنے والے ستارے کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ہر انسان پر اللہ کی طرف سے نگہبان فرشتہ مقرر ہے'' حافظ'' کا معنی نگران بھی ہے اور محافظ بھی' یہاں دونوں معنی کیے جاسکتے ہیں' ہر انسان کے ساتھ ایسے فرشتے لگے ہوئے ہیں جو اس کے اعمال کی نگرانی کرتے ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے اس کی حفاظت بھی کرتے ہیں پھر انسان کی پہلی تخلیق سے اس کی دوسری زندگی پر استدلال کیا گیا ہے اگلی آیات میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب انسان عدالت الٰہیہ کے روبرو کھڑا ہوگا تو اس کے پوشیدہ راز ظاہر کر دئے جائیں گے۔ سورت کے اختتام پر قرآن کی صداقت اور اس کے قول فیصل ہونے پر قسم کھائی گئی ہے اور کفار کو وعید سنائی گئی ہے۔

سورۃ الطارق کے خواص

۱...... پینے والی دوائیوں پر اگر اس سورۃ کو پڑھ کر دم کر لیا جائے گا تو ان کی (جزوی) مضرتوں سے حفاظت ہو جائے گی۔

۲...... اگر کسی آدمی کو احتلام کی بیماری ہو تو وہ سونے سے پہلے اس سورۃ کو پڑھ لے، ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے ہمیں جس مقصد کیلئے پیدا فرمایا ہے اور دنیوی زندگی عطا فرمائی ہے اس میں اس مقصد کو خاطر خواہ پورا کرنے کے لئے توفیق عطا فرمائیں۔ اور اس دنیا میں ایسی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں کہ جو آخرت میں کامیابی وکامرانی نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سرتاپا قرآن پاک کا متبع بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

یَا اَللّٰہُ وہ گناہ جن کے ارتکاب سے آپ کے وعدوں سے محروم ہو جاؤں اور آپ کے غصہ وعذاب میں آ جاؤں۔ الٰہی! مجھ پر رحمت رکھنا اور ایسے سب گناہ معاف فرما دیں۔

یَا اَللّٰہُ ایسے گناہوں سے معافی چاہتا ہوں جس کی وجہ سے آپ کے ذکر سے غافل رہا ہوں اور آپ کی وعیدوں اور ڈرانے کی آیات سے لاپرواہ ہو گیا اور سرکشی کرتا رہا الٰہی! معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿١﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٢﴾ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿٣﴾ وَالَّذِيْ

آپ اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجئے۔ جس نے بنایا پھر ٹھیک بنایا اور جس نے تجویز کیا پھر راہ بتلائی اور جس نے

اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ﴿٤﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ﴿٥﴾

چارہ نکالا پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا۔

سَبِّحِ پاکیزگی بیان کر	اسْمَ نام	رَبِّكَ اپنا رب	الْاَعْلَى سب سے بلند	الَّذِيْ جس نے	خَلَقَ پیدا کیا	فَسَوّٰى پھر ٹھیک کیا	وَالَّذِيْ اور جس نے
قَدَّرَ اندازہ ٹھہرایا	فَهَدٰى پھر راہ دکھائی	وَالَّذِيْ اور جس نے	اَخْرَجَ نکالا	الْمَرْعٰى چارا	فَجَعَلَهٗ پھر اسے کر دیا	غُثَآءً خشک	اَحْوٰى سیاہ

وجہ تسمیہ اور شان نزول وغیرہ

اس سورۃ کی ابتدا ہی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى سے ہوئی ہے یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور جو مومن آپ کے ساتھ ہیں اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجئے۔ لفظ اعلیٰ جس کے معنیٰ ہیں سب سے اوپر۔ غالب سب سے برتر۔ عالی شان یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام اعلیٰ مقرر ہوا۔ یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکی ہے اور مکی دور کے ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں سے ہے سبب نزول اس سورۃ کا مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پے در پے قرآنی سورتیں نازل ہونا شروع ہوئیں اور غیب سے بیشمار علوم اور معارف کا فیضان شروع ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال گزرا کہ میں خود پڑھا لکھا نہیں ہوں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی چیز بھول جاؤں۔ اس لئے اس سورۃ میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کی تسلی فرمائی کہ آپ نہیں بھولیں گے اور آپ کو بھولنے کا خطرہ ہرگز نہ کرنا چاہئے اسی واسطے حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورۃ کو بہت محبوب رکھتے تھے اور وتر کی پہلی رکعت میں اور عیدین اور جمعہ میں اکثر پہلی رکعت میں یہ سورہ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں اس کے بعد والی سورۂ غاشیہ تلاوت فرماتے اور جمعہ والے دن اگر عید ہوتی تو عید میں اور جمعہ میں انہی دو سورتوں کو پڑھتے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو یعنی اس حکم کی تعمیل میں رکوع میں **سبحان ربی العظیم** کہا کرو۔ پھر جب آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى کا نزول ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے سجدہ میں رکھو یعنی اس کی تعمیل میں سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ** کہا کرو۔

موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۸۷ ویں سورۃ ہے مگر اس کا شمار بحساب نزول ۲۵ لکھا ہے۔ اس میں ۱۹ آیات ۷۲ کلمات اور ۲۹۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی پاکی کا حکم اور اس کے دلائل

سورۃ کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب سے ہوتی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور آپ کے متبعین مومنین اپنے عالی شان اور بزرگ برتر رب کے نام کی تسبیح و تقدیس بیان کریں۔ تسبیح کے معنیٰ ہیں خدائے تعالیٰ کو تمام عیوب و نقصانات سے پاک و مبرا و منزہ سمجھنا اور اس کی ذات و صفات اور افعال کو سب نقصانات سے بری اور پاک جان کر زبان سے اس کی پاکی بیان کرنا۔ سورۃ کی ابتدا ہی میں اللہ تعالیٰ نے لفظ سبح فرما

کر اپنے نام کی تسبیح وتقدیس کا جوحکم فرمایا تو ساتھ ہی آگے وجہ اور دلیل کے طور پر یہ بھی بیان فرما دیا کہ دراصل اس کائنات میں صرف ایک ہی ذات ایسی ہے جو تسبیح کی مستحق ہے اور اسی کے لئے تسبیح روا ہے۔ اور یہ تسبیح صرف انسان ہی کا وظیفہ نہیں بلکہ چرند پرند اور کائنات کا ہر ذرہ اسی کی تسبیح میں لگا ہوا ہے جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل پندرھویں پارہ میں ارشاد ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (اس کی پاکی تو ساتوں آسمانوں اور زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کر رہی ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو) تو معلوم ہوا کہ تمام کائنات میں صرف ایک ہی ذات ایسی ہے جو تسبیح کی مستحق ہے اور کائنات کا ہر ذرہ اسی کی تسبیح میں لگا ہوا بھی ہے۔ اب آگے دلیل کے طور پر بتایا جاتا ہے کہ کیوں وہی ایک ذات تسبیح کے لائق ہے۔

پہلی دلیل:۔ وہ ''رب'' ہے۔ پرورش کے سارے انتظامات وہی کر رہا ہے۔ نطفہ سے لے کر اخیر زندگی تک وہی انسانوں کا حقیقی مربی اور محسن ہے۔ اس لئے اس کی پاکی بیان ہونا چاہئے۔ تعریف اور شکر کا مستحق صرف وہی ہے اسی کے احکام کو بجالانے کے لئے انسان کو سرگرمی دکھانا چاہئے۔ اور اسی کی خوشنودی کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو بالکل اسی کے مرضی کے حوالہ کر دینا چاہئے۔

دوسری دلیل:۔ وہ اعلیٰ ہے سب سے بلند مرتبہ ہے۔ اس کی شان سب سے اونچی ہے وہ سب کا حاکم اور سب سے عالی شان ہے۔ کوئی دوسرا اس کے برابر نہیں۔ اس لئے تسبیح کا مستحق صرف وہی ہے۔ صرف وہی اس قابل ہے کہ بندہ اس کے حضور سر زمین پر رکھ دے۔ اور سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔

تیسری دلیل:۔ اَلَّذِيْ خَلَقَ کہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ ہر چیز کو وجود میں لانا صرف اسی کا کام ہے۔ پیدا کرنے میں نہ اس کا کوئی ساتھی ہے نہ مددگار۔ اسی لئے ہر چیز اسی کی تسبیح کر رہی ہے۔ انسان کو بھی لازم ہے کہ وہ بھی اپنے خالق کی پاکی بیان کرے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے سرگرم عمل رہے۔

چوتھی دلیل:۔ فَسَوّٰى کہ اس خالق کا یہی کرم واحسان نہیں ہے کہ اس نے صرف پیدا کر دیا بلکہ ہر چیز کو اور خود انسان کو ٹھیک ٹھیک اسی طرح بنایا جس طرح بنانا چاہیے تھا۔ یونہی پیدا کر کے بے ڈول نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کو ٹھیک اور درست بھی کیا۔ جس کے لئے جس عضو اور جس قوت اور صورت کی حاجت تھی وہی عطا کی۔ انسان سے لے کر حیوانات اور نباتات و جمادات بلکہ علویات تک جس میں چاند سورج اور ستارے تک شامل ہیں جس پر بھی نظر ڈالی جائے تو یہی اقرار کرنا پڑے گا کہ اس کی بناوٹ ایسی ہی ہونی چاہئے تھی۔ پرندوں کو پر دیئے درندوں کو ناخن اور کچلیاں عطا کیں۔ درختوں کو پوست کا لباس پہنایا۔ کسی چیز کو لے لو۔ ہر چیز انتہائی حکمت و دانائی کے ساتھ بنائی اور باعتبار خواص وصفات اور ان فائدوں کے جو اس چیز سے مقصود ہیں اس چیز کی پیدائش کو ایسا درجہ کمال تک پہنچایا اور ایسا مزاج و خواص عطا کیا کہ جس سے وہ منافع وفوائد اس پر مرتب ہوسکیں اور پھر انسان تو اللہ کی حکمت کا وہ نمونہ ہے کہ اس کی بناوٹ کی درستگی اور خوبیوں پر غور کرو تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ تو ایسے خالق کے سوا اور کون ہے کہ جس کی حمد وتعریف کی جائے۔

پانچویں دلیل:۔ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى میں فرمائی (جس نے اندازہ کیا اور راہ بتائی) یعنی جس رب کی تسبیح کرنے کی ہدایت دی جارہی ہے اس کا یہ کرم بھی کتنا بڑا ہے کہ اس نے سب کچھ پیدا کر کے کائنات کو اندھے بہرے اور بے ضابطہ قوانین فطرت کے حوالہ نہیں کر دیا بلکہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو نظام قائم ہے ایک پہلے سے مقرر کئے ہوئے انداز سے اور تجویز کے ماتحت ہو رہا ہے۔ ہر کام کا ایک منصوبہ اور مقصد ہے اور اس سب کی تدبیر وہ خود کر رہا ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے اور پھر اس نے اپنی ہر مخلوق کی رہنمائی کا بھی انتظام فرمایا۔ مثلاً انسان کو معاش کے اسباب حاصل کرنے کے علوم عطا کئے۔

ہر جاندار یہ جانتا ہے کہ اسے اپنی زندگی باقی رکھنے اور اپنی نسل کو بڑھانے کے لئے کیا کچھ کرنا ہے۔ پھر انسان اشرف المخلوقات کو تو

اور بھی واضح اور کھلے کھلے احکام کی ضرورت تھی۔ اس لئے انسانی ہدایت کے لئے فطری رہنمائی کے علاوہ وحی کا انتظام فرمایا۔ اپنے رسول بھیجے اور اپنی کتابیں نازل کیں اور انسان کی کامل رہنمائی کا انتظام فرمایا تو اسی خالق اور رب کی ذات قابل تسبیح ہوئی۔

چھٹی دلیل:۔ وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی یعنی جس نے چارہ نکالا پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے لئے اول نہایت سبز خوشنما گھاس چارا زمین سے پیدا کیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کو زرد کر کے خشک کر ڈالا اور پھر وہ کٹ کر ٹوٹ جاتی ہے اور سیاہی مائل کوڑے کرکٹ کی طرح ہو جاتی ہے تا کہ ایک مدت تک جانوروں کے لئے ذخیرہ کیا جا سکے اور خشک کھیتی کٹ کر کام میں آئے۔ تو یہاں یہ دلائل دے کر انسانوں کو غور و فکر کی دعوت دی کہ اگر تم ان باتوں پر غور کرو تو تمہارے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ تم اپنی زبان اور اپنے عمل سے اس خالق، رازق اور مالک کی تسبیح کرنے لگو تمہارا دل اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے جذبہ سے بھر جائے اور تمہاری زبان پر اس کی حمد و تعریف جاری ہو جائے۔

دعا کیجئے

یَااللہ اپنے انعامات واحسانات کا ہم کو شکر گزار بندہ بنا کر رکھئے اور اسی پر موت نصیب فرمائیے۔

یَااللہ ہمیں اپنے تسبیح خواں اور شکر گزار بندوں میں شامل رکھئے اور اپنے پاک نام کی تسبیح اور تقدیس کی دائمی توفیق زندگی کے آخری لمحہ تک نصیب فرمائیے۔

یَااللہ ہمیں اپنی ذات وصفات کی وہ معرفت نصیب فرما کہ ہم آپ کی ربوبیت و وحدانیت کا خاطر خواہ حق ادا کر سکیں اور آپ کے انعامات واحسانات کی شکر گزاری کے جذبات دل میں رکھتے ہوئے اس دنیا سے دار آخرت کی طرف کوچ کریں۔ آمین۔

یَااللہ تکالیف میں مبتلا ہو کر کبھی میں نے شرک کر لیا ہو یا آپ کی شان میں گستاخی کر لی ہو۔ آپ کے بندوں سے آپ کی شکایت کی ہو بجائے آپ کے در پر آنے کے بندوں پر حاجت اتاری ہو یا آپ کی مخلوق کے سامنے اس طرح مسکینی کا اظہار کیا ہو یا چاپلوسی کی ہو کہ جیسے حاجت روائی اسی کے قبضے میں ہے۔ الٰہ العالمین ایسے گناہوں کی بھی معافی عطا فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ۙ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا يَخْفٰى ؕ﴿۷﴾ وَ نُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۚ﴿۸﴾

ہم قرآن آپ کو پڑھا دیا کریں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔ مگر جس وقت اللہ کو منظور ہو وہ ہر ظاہر اور مخفی کو جانتا ہے۔ اور ہم اس آسان شریعت کیلئے آپکو سہولت دیں گے۔

سَنُقْرِئُكَ ہم جلد پڑھائیں گے آپ کو	فَلَا تَنْسٰۤى پھر نہ بھولیں گے آپ	اِلَّا مگر	مَا شَآءَ اللّٰهُ اللہ چاہے	اِنَّهٗ بیشک وہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	الْجَهْرَ ظاہر		
وَمَا اور جو	يَخْفٰى پوشیدہ	وَنُيَسِّرُكَ اور ہم آپکو سہولت دینگے	لِلْيُسْرٰى آسان طریقہ					

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ قرآن کریم کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے

گذشتہ ابتدائی آیات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطہ سے آپ کے متبعین کو اپنے عالی شان اور بالاتر پروردگار کی تسبیح وتقدیس کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو راہ ہدایت دکھلانے اور عتاب وعذاب الٰہی سے بچنے کی سبیل سے واقف بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

اسی سلسلہ میں سب سے آخری کتاب قرآن کریم نازل فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تبلیغ پر مامور فرمایا۔ آپ اس ذمہ داری کو جو آپ پر ڈالی گئی اور اس امانت کو جو آپ کے سپرد کی گئی اس کا بار بہت محسوس فرماتے اور یہ احساس آپ کو مجبور کرتا کہ آپ وحی کو جو آپ پر نازل ہوتی اچھی طرح یاد کر لینے اور اس کو پوری طرح ذہن نشین کر لینے کے لئے غیر معمولی توجہ سے کام لیں اور جلدی جلدی یاد کر لینے کی کوشش کریں۔ اس لئے آپ نزول وحی کے وقت اس کو دہراتے کہ کہیں کوئی بات یاد ہونے سے رہ نہ جائے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کوئی حرف یا جملہ بھول جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن پاک میں مخاطب فرما کر تسلی فرمائی۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو خطرہ آپ کے دل میں گزرتا ہے کہ آپ قرآن شریف میں سے کہیں کچھ بھول نہ جائیں اور اس طرح کہیں اس کی تبلیغ واشاعت میں فرق نہ آ جائے تو اس کے متعلق ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ ہم جتنا نازل کرتے جائیں گے اتنا آپ کو یاد کرا دیا کریں گے اور آپ اس سے کوئی حصہ نہیں بھولیں گے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ ہی کو بھلانا منظور ہو تو وہ جس قدر چاہے بھلا سکتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھانا اور فراموش کرا دینا سب قرین مصلحت ہوگا کیونکہ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى یعنی اللہ تعالیٰ ہر ظاہر اور مخفی بات کو جانتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے آپ کی امت میں بھی ہر جگہ بکثرت حفاظ موجود ہیں یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور عورتیں تک پورے قرآن کریم کی حافظ ہیں۔ اگر خدانخواستہ تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا کتابی شکل میں نہ رہے تو کچھ پروا نہیں ایک حافظ لڑکا پورا قرآن لکھوا سکتا ہے کہ ایک لفظ حرف اور زیر زبر کا فرق نہ آنے پائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فَلَا تَنْسٰۤى پس آپ نہیں بھولیں گے کی جو بشارت دی گئی تھی وہ بحمد اللہ اب تک جلوہ گر ہے۔ بھلا کوئی دوسری قوم تو اپنی کتاب کا ایک ہی حافظ دکھا دے۔ نہ کوئی وید کا حافظ سننے میں آیا نہ انجیل کا۔ نہ توریت کا نہ زبور کا۔ الغرض یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی گئی آپ قرآن کریم سے کوئی حصہ بھولیں گے نہیں۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت ومصلحت کی بناء پر آپ کے قلب مبارک یا ذہن سے کچھ بھلا دینا اور محو کر دینا چاہیں تو وہ اور بات ہے۔

دوسری بشارت کہ شریعت کے احکام فطری ہیں

آگے ایک دوسری بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جاتی ہے کہ جیسا ہم آپ کو قرآن کا یاد ہونا آسان کر دیں گے اسی طرح ہم اس آسان شریعت کے ہر حکم پر چلنے کے لئے آپ کو سہولت دیں گے یعنی سمجھنا بھی آسان ہوگا اور عمل بھی آسان ہوگا۔ اس طرح نجات کے راستہ کو آسان کر دیں گے کہ کوئی حقیقی مشکل اور محال بات پر عمل کا حکم نہ ہوگا جیسا کہ مذاہب باطلہ میں ہے کہ کوئی بتوں پر اپنی اولاد کی قربانی کو نجات کا سبب مانتا، کوئی عمر بھر بھوکا پیاسا رہ کر مرنے کو، کوئی لنگوٹی باندھ کر فقیر بننے اور بھیک مانگتے پھرنے کو نجات جانتا تھا۔ یہاں ونیسرک للیسریٰ اور ہم اس آسان شریعت کے لئے آپ کو سہولت دیں گے فرما کر شریعت کے آسان ہونے کی تصریح فرمادی اور اس امر کی طرف اشارہ فرمادیا کہ اسلام میں نجات کچھ مشکل امر نہیں اور وہ صرف خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری سے مل جاتی ہے۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے جیسا اس دین اور شریعت کو آسان رکھا ہے تو ہمارے لئے بھی اس پر چلنا آسان فرمادیں اور ہر حال میں ہم کو شریعت پر استقامت نصیب فرمادیں آمین۔

یَااللّٰہ ان معاصی کی مغفرت کا طلبگار ہوں کہ بوقت معصیت تیرے سوا کسی دوسرے کو پکارا ہو اور غیر اللہ سے امداد کی دعا کی ہو۔

یَااللّٰہ تیری عبادت میں جانی و مالی گناہ کا اختلاط کر لیا یا مال کی طمع میں شریعت کا خیال نہ کیا ہو یا کسی مخلوق کی اطاعت کی اور تیری نافرمانی کی' تیرے حکم کو ٹالا اور اس کے برخلاف مخلوق کے حکم کو سراہا ہو۔ محض دنیا کی خاطر ناجائز منت و سماجت کی ہو حالانکہ میں جانتا بھی ہوں کہ آپ کے سوا کوئی حاجت پورا کرنے والا نہیں۔ الٰہی! ان گناہوں کو بھی معاف فرمادے۔

یَااللّٰہ گناہ تو بڑا تھا مگر نفس نے معمولی سمجھا اور اس کے کرتے ہوئے نہ ڈرا نہ رکا۔ الٰہی! ان کی بھی معافی دیدے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿٩﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿١٠﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿١١﴾ الَّذِىْ

تو آپ نصیحت کیا کیجئے اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو وہی شخص نصیحت مانتا ہے جو ڈرتا ہے اور جو شخص بدنصیب ہو وہ اس سے گریز کرتا ہے۔ جو

يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿١٣﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿١٤﴾

بڑی آگ میں داخل ہوگا پھر نہ اس میں مرہی جاوے گا اور نہ جئے گا۔ بامراد ہوا جو شخص پاک ہوگیا۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾

اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتارہا۔ بلکہ تم اپنی دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے

اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾

یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔ یعنی ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں۔

فَذَكِّرْ پس سمجھادیں	اِنْ اگر	نَفَعَتِ نفع دے	الذِّكْرٰى سمجھانا	سَيَذَّكَّرُ جلد سمجھ جائیگا	مَنْ جو	يَّخْشٰى ڈرتا ہے	وَيَتَجَنَّبُهَا اور پہلو تہی کریگا اس سے	
الْاَشْقَى بدبخت	الَّذِىْ جو	يَصْلَى داخل ہوگا	النَّارَ آگ	الْكُبْرٰى بہت بڑی	ثُمَّ پھر	لَا يَمُوْتُ نہ مریگا وہ	فِيْهَا اس میں	وَلَا يَحْيٰى اور نہ جئے گا
قَدْ اَفْلَحَ یقیناً اس نے فلاح پائی	مَنْ جو	تَزَكّٰى پاک ہوا	وَذَكَرَ اور یاد کیا	اسْمَ نام	رَبِّهٖ اپنا رب	فَصَلّٰى پھر نماز پڑھی	بَلْ بلکہ	
تُؤْثِرُوْنَ بڑھاتے ہو ترجیح	الْحَيٰوةَ زندگی	الدُّنْيَا دنیا	وَالْاٰخِرَةُ اور آخرت	خَيْرٌ بہتر	وَّاَبْقٰى اور باقی رہنے والی	اِنَّ بیشک	هٰذَا وہ	
لَفِى میں	الصُّحُفِ الْاُوْلٰى پہلے صحیفے	صُحُفِ صحیفے	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ	وَمُوْسٰى اور موسیٰؑ				

دوسروں کو بھی فیض پہنچایئے

یہ سورۂ اعلیٰ کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی گئی تھی اور اطمینان دلایا گیا تھا کہ آپ کو قرآن کریم جتنا جتنا نازل ہوتا جائے گا یاد کرا دینا یہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے۔ آپ اپنے دل میں یہ خطرہ نہ لائیں کہ کہیں وحی الٰہی میں سے کچھ بھول نہ ہو جائے۔ پھر یہ بھی بشارت دی گئی تھی کہ جس طرح قرآن کا یاد رکھنا آپ کے لئے آسان ہوگا اسی طرح اس کا سمجھنا سمجھانا اور اس پر عمل کرنا بھی آسان ہوگا۔ نیز اس وقت دعوت حق کے کام میں جو مشکلات حائل ہو رہی ہیں وہ بھی آسان کر دی جائیں گی۔ اب آگے ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید خطاب فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر ایسے ایسے انعامات فرمائے تو آپ دوسروں کو بھی فیض پہنچایئے اور دوسروں کی بھی تکمیل فرمایئے۔ اور دوسروں کو بھی نصیحت کیا کیجئے اگر آپ یہ سمجھیں کہ نصیحت کرنا نفع دے گا اور آپ کے خیال میں مفید معلوم ہوتا ہو۔

تبلیغ اور تذکیر کا فرق

تبلیغ اور چیز ہے اور تذکیر اور چیز ہے۔ تبلیغ یعنی حکم کا پہنچا دینا یہ عام ہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے اور جو نہ مانے اس پر حجت تمام ہو جائے گی اور رہی تذکیر جس کے معنی ہیں یاد دلانا۔ سمجھانا، نصیحت کرنا یہ اس وقت لازم ہے جب مخاطب کی طرف سے اس کا قبول کرنا مظنون ہو۔ تو منصب وعظ و تذکیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر شخص کیلئے نہیں ہاں تبلیغ و انذار یعنی حکم الٰہی کا پہنچانا اور اللہ کے عذاب سے

ڈرانا تا کہ بندوں پر حجت قائم ہو اور عذر جہل و نادانی کا نہ رہے اتنا باعتبار ہر شخص کے ضرور لازم وفرض ہے اور اس کو عرف میں تذکیر و وعظ نہیں کہتے بلکہ دعوت وتبلیغ کہتے ہیں۔تو یہاں اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى تذکیر کے لئے شرط لگائی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم وقرائن سے جس کے لئے تذکیر مفید سمجھیں تو تذکیر فرمائیں ورنہ تبلیغ اور انذار تو سب ہی کے لئے ہے۔

نصیحت سے فائدہ اٹھانے والے

آگے فرمایا سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى نصیحت تو وہی شخص مانتا ہے جو ڈرتا ہے یعنی سمجھانے سے وہی سمجھتا ہے اور نصیحت سے وہی فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت خدا کا ڈر اور اپنے انجام کی فکر ہو۔واضح ہو کہ انسان تین قسم کے ہیں۔ایک وہ جو دار آخرت اور اعمال کی جزا وسزا کے یقین کے ساتھ قائل ہیں۔دوم وہ کہ جو نہ یقین کے ساتھ قائل ہیں نہ منکر ہیں بلکہ کبھی تردد اور کبھی شک میں پڑ جاتے ہیں۔یہ دونوں قسم کے لوگ نصیحت سے ڈر جاتے ہیں اول قسم کے لوگ تو خوب ہی ڈرتے ہیں اور قسم دوم کے بھی ڈر جاتے ہیں جب ان کے سامنے عذاب آخرت کی تصویر کھڑی کر دی جاتی ہے اور ان دونوں فریقوں کو سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى میں شامل کرلیا گیا ہے۔تیسرا فریق وہ ہے جو سخت معاند اور منکر آخرت ہے۔ایسا بدنصیب اور کم بخت تو نصیحت سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔ایسا بدبخت آخر کار جہنم کی آگ کا شکار ہوگا۔بدن کا گوشت پوست آگ میں خوب جلے گا۔مگر ارواح کی طرح ابدان بھی وہاں فنا نہ ہوں گے۔جل کر پھر نئے بدن پیدا ہو جایا کریں گے۔اور یہ زندگی موت سے بدتر ہوگی۔نہ موت ہی آئے گی۔کہ تکلیفوں کا خاتمہ کر دے اور نہ آرام کی زندگی ہی نصیب ہوگی۔بس ایسی زندگی ہوگی جس کے مقابلہ میں موت کی تمنا کرے گا۔العیاذ باللہ۔

کامیابی کیسے ملے گی؟

آگے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى فرمایا کہ بلاشبہ بامراد اور کامیاب ہوگیا جو پاک ہوگیا اب یہ پاکی عام ہے۔اول قسم کی پاکی نجاست ظاہرہ سے نیز ناپاک کپڑوں سے عام ہے کہ وہ حقیقتاً ناپاک ہوں کہ ان پر نجاست لگی ہو یا حکماً کہ مال حرام سے بنائے گئے ہوں یا نامشروع ہوں جیسا کہ مرد کے لئے ریشم یا زری گوٹا یا فساق وفجار کی وضع وتراش ہو پھر جسم کو حکمی نجاستوں سے بھی پاک کیا ہو جیسے جنابت سے غسل اور حدث اصغر سے وضو پھر جسم کے ساتھ روح کو بھی پاک کیا ہو یعنی دل روحانی نجاستوں کفر وشرک اور عقائد باطلہ سے پاک ہو اور عقائد حقہ دل پر نقش ہوں۔پھر برے اخلاق سے بھی پاک ہو جیسے زنا، چوری، جھوٹ، دغابازی، کینہ، حسد، حب شہوات فاسدہ وغیرہ سے پاکی حاصل کی ہو جس کے لئے توبہ ندامت استغفار اور آنکھوں کے آنسو اعلیٰ درجہ کے بمنزلہ صابون کے ہے۔پھر اتلاف حقوق کی نجاست سے بھی پاکی حاصل کرے۔حقوق اللہ ہوں جیسے فرائض و واجبات یا حقوق العباد ہوں۔الغرض جو شخص قرآن سن کر جملہ عقائد خبیثہ اور اخلاق شنیعہ اور افعال رذیلہ سے باز آ گیا اور اس کے ساتھ ہی وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا یعنی صوم وصلوٰۃ کا پابند رہا تو ایسا شخص بلاشبہ کامیاب اور بامراد ہو گا۔مگر منکرین کا تو یہ حال ہے کہ وہ قرآن سن کر اس پر عمل نہیں کرتے۔اس کے موافق عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ دنیا کی لذات فانیہ کو آخرت کی لذات باقیہ پر ترجیح دیتے ہیں۔حالانکہ آخرت دنیا سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے اس لئے منکرین کو خطاب ہوتا ہے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى کہ یہ کامیابی اور بھلائی جس کا اوپر ذکر ہوا تم کو کیسے حاصل ہو جب کہ تم کو آخرت کی فکر ہی نہیں بلکہ دنیا کی زندگی اور یہاں کے عیش وآرام کو اعتقاداً یا عملاً آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ دنیا حقیر و فانی اور آخرت اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے کیوں کہ باقی اور دائمی ہے۔پھر تعجب ہے کہ جو چیز ہر طرح افضل ہو اسے چھوڑ کر گھٹیا کو اختیار کیا جائے۔

قرآنی دعوت ابدی حقیقت ہے

اخیر میں سورہ ختم کرتے ہوئے ایک اور حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا کہ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى یعنی اس وقت قرآن کے مخاطب مکہ کے مشرکین اور عرب کے یہود

تھے۔ مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دینی پیشوا کہتے تھے اور یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کا دم بھرتے تھے۔ ان منکرین قرآن سے کہا جا رہا ہے کہ تم آخر اس بات پر غور کیوں نہیں کرتے کہ قرآن جو کچھ پیش کر رہا ہے کیا وہ کوئی انوکھی اور نئی بات ہے؟ یہی بات تو ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی اور اسی کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام دعوت دیتے تھے۔ دونوں پر جو آسمانی کتابیں اتری تھیں ان میں توحید ہی کی دعوت دی گئی تھی اور دونوں کی دعوت یہی تھی کہ انسان شرک کی گندگی سے اپنے کو پاک کرے۔ تنہا ایک آقا' مالک اور خالق کی بندگی اختیار کرے' اسی راہ پر چل کر وہ آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکتا ہے۔ اسی توحید اور آخرت کی طرف قرآن دعوت دے رہا ہے۔ پھر آخر یہ کونسی ایسی بات ہے جس کو مان لینے میں تم مچر مچر کر رہے ہو؟ اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ دنیا کی زندگی پر ریجھے ہوئے ہو اور فوری ملنے والے فائدوں سے تم ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ اور اس وقت تم یہ بھول رہے ہو کہ اصل زندگی یہ نہیں ہے بلکہ اصل زندگی اس کے بعد آنے والی ہے۔

خلاصہ

اس سورت میں تین اہم مضامین بیان

ابتدائی آیات میں اللہ کی ذات وصفات کے اعتبار سے اس کی تسبیح و تقدیس بیان کرنے کا حکم دیا گیا' اس نے انسان کو پیدا کیا' اسے پرکشش صورت سے نوازا اور سعادت وایمان کا راستہ دکھایا۔

یہ سورت قرآن کریم کا ذکر کرتی ہے اور اس کے حفظ کے آسان ہونے کی بشارت سناتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتی ہے کہ آپ نفوس کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی کیلئے قرآن کے ذریعے نصیحت کیجئے' جن کے دل میں خوفِ خدا ہوگا وہ ضرور نصیحت قبول کریں گے۔

سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو گناہوں کی آلائش سے پاک کرلے گا' اسے اچھے جذبات و خیالات سے سنوار لے گا' اپنے دل میں اللہ کی عظمت اور جلال پیدا کرلے گا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دے گا وہ کامیاب ہوگا' یہ وہ اصول ہے جو تمام صحیفوں اور شریعتوں میں بیان ہو چکا ہے۔

سورۃ الاعلیٰ کے خواص

۱......جس آدمی کو بواسیر کا مرض ہو وہ اس سورۃ کی تلاوت کرتا رہے، ان شاءاللہ صحت یاب ہو جائے گا۔

۲......جمعہ کے دن اس سورۃ کو لکھ کر گلے میں لٹکانے سے آدمی ہر قسم کی آفات سے محفوظ رہے گا۔

۳......حاملہ عورت کے پہلو پر پہلے مہینہ میں یہ سورۃ لکھی جائے تو اس حمل سے جو بچہ ہوگا۔ وہ اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کا مالک ہوگا۔

دعا کیجئے

جو کچھ اس سورۃ میں ہم نے پڑھا اور سنا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے دلوں میں جاں گزیں فرمائے اور اپنے تسبیح خواں بندوں میں ہم کو شامل فرمائیں۔ اور اپنے احکام کی ہم کو پوری پوری اطاعت نصیب فرمائیں۔ اور جو نصائح ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پہنچی ہیں ان پر ہم کو دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

یَااَللّٰہ آخری سانس تک جتنے گناہ ہو چکے ہوں گے سب بخش دیجئے۔ اول بھی' آخر کے بھی' بھولے سے کئے یا جان بوجھ کے کئے' خطا ہوگئی' قلیل و کثیر۔ صغیرہ و کبیرہ' باریک اور موٹے' پرانے اور نئے' پوشیدہ و ظاہر الٰہ العالمین! ان سب گناہوں کو بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ (۱) وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ (۲) عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (۳)

آپ کو اس محیط عام واقعہ کی کچھ خبر پہنچی ہے۔بہت سے چہرے اس روز ذلیل مصیبت جھیلتے خستہ ہوں گے۔

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (۴) تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ (۵) لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ

آتش سوزاں میں داخل ہوں گے۔کھولتے ہوئے چشمہ سے پانی پلائے جاویں گے۔ان کو بجز ایک خار دار جھاڑ کے اور کوئی کھانا

ضَرِيْعٍ (۶) لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ (۷)

نصیب نہ ہوگا۔جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک کو دفع کرے گا۔

هَلْ اَتٰىكَ کیا تمہارے پاس آئی	حَدِيْثُ بات	الْغَاشِيَةِ ڈھانپنے والی	وُجُوْهٌ کتنے منہ	يَوْمَئِذٍ اس دن	خَاشِعَةٌ ذلیل وعاجز	عَامِلَةٌ عمل کرنیوالے		
نَاصِبَةٌ مشقت اٹھانیوالے	تَصْلٰى داخل ہونگے	نَارًا آگ	حَامِيَةً دہکتی ہوئی	تُسْقٰى پلائے جائینگے	مِنْ سے	عَيْنٍ چشمہ	اٰنِيَةٍ کھولتا ہوا	لَيْسَ نہیں
لَهُمْ ان کیلئے	طَعَامٌ کھانا	اِلَّا مگر	مِنْ سے	ضَرِيْعٍ خاردار گھاس	لَا يُسْمِنُ نہ موٹا کریگی	وَلَا يُغْنِيْ اور نہ بے نیاز کریگی	مِنْ سے	جُوْعٍ بھوک

وجہ تسمیہ، زمانہ نزول اور موضوع وغیرہ

اس سورۃ کی ابتدا ایک سوالیہ جملہ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ سے ہوئی ہے کہ کیا آپ کو غاشیہ کی کچھ خبر پہنچی ہے۔غاشیہ قیامت کو کہتے ہیں کیونکہ غاشیہ کا مفہوم ہے چھپا جانے والی۔سب کو ڈھانپ لینے والی۔ایک ایسی چیز جس کی پکڑ سے کوئی بھی نہ بچ سکے۔تو اس لفظ غاشیہ کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ الغاشیہ مقرر ہوا۔یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے اس سورۃ کا مرکزی مضمون بھی یہی ہے کہ قیامت وآخرت ضرور ہوگی اور اس دنیا میں انسان نے جو کچھ کمایا ہوگا اچھا یا برا اس کی جزا وسزا اس کو وہاں ضرور ملنی ہے۔اس سورۃ میں پہلے قیامت کی ہولنا کی کا منظر ایک خاص انداز میں پیش کیا گیا ہے اور بتلایا گیا کہ جب قیامت کی ہولنا کی اچانک پیش آجائے گی۔کسی کو اتنی مہلت نہ ملے گی کہ وہ کسی طرح بھی اپنے کو اس مصیبت سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار کر سکے۔جب یہ گھڑی آجائے گی تو انجام کے اعتبار سے تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے

ایک گروہ ان انسانوں کا ہوگا جن کے حصہ میں ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جہاں کی مصیبتوں اور عذابوں کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ان اہل جہنم کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور کانٹے دار گھاس کھلائی جائے گی۔جس سے نہ بھوک دور ہوگی نہ جسم کو کوئی فائدہ حاصل ہوگا۔دوسرا گروہ وہ ہوگا کہ جو اس دن خوش وخرم ہوں گے۔ان کے چہرے خوشی اور بشاشت سے دمک رہے ہوں گے۔انہوں نے دنیا میں اللہ کی خوشنودی کے لئے جو کیا تھا اس کے نتائج دیکھ کر انہیں خوشی ہو رہی ہوگی اور انہیں وہاں جنت کے وہ انعامات اور عیش وآرام نصیب ہوگا جس کا اس وقت تصور بھی نہیں ہوسکتا۔اس کے بعد انسانوں کو توجہ دلائی گئی کہ وہ اللہ کی مخلوقات کو دیکھ کر اس کی قدرت وحکمت کا اندازہ کریں اور اس کی معرفت حاصل کر کے اس کی بندگی وطاعت اختیار کریں۔اخیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ ان منکرین کے انکار اور مخالفت پر غم نہ کریں۔آپ کا کام بندوں کو سیدھی راہ کی طرف دعوت دینا ہے وہ آپ کرر ہے ہیں اور کرتے رہیں۔ان کے انکار اور ان کی گمراہی کی ذمہ

داری آپ پر نہیں۔ وہ اپنے انجام کے خود ذمہ دار ہوں گے اور اپنے کئے کی سزا بھگتیں گے۔ ہر شخص کو آخر لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف آنا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے لیں گے۔

قیامت کا آنا یقینی ہے

سورۃ کی ابتدا ایک سوالیہ جملہ سے ہو رہی ہے۔ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ یعنی اے نبی کیا آپ کو قیامت کے حادثہ عظیمہ کے متعلق کچھ خبر ہے؟ ایسے سوالیہ جملے سے خطابت عرب کے عین اسلوب بیان کے مطابق ہے۔ اس طرز خطاب سے مقصود سامعین کے دل میں مزید اشتیاق و جستجو پیدا کرنا نیز موضوع خطاب کی اہمیت جتلانا ہے تاکہ آئندہ کلام کو سامع پوری توجہ اور حضور دل سے سنے۔ یعنی آپ کو تو خوب معلوم ہے لوگوں کو بھی اس کے متعلق بتا دیجئے کہ اس حادثہ کا اثر تمام عالم کو محیط ہوگا۔ کوئی فرد اس سے خالی نہ رہے گا۔ کیوں کہ ہر چیز کو ہر طرف سے قیامت ڈھانک لے گی اور دفعۃً آئے گی۔ تمام عالم پر قیامت کی دہشت طاری ہوگی۔

قیامت میں رسوا ہونیوالے لوگ

اب اس قیامت کے آجانے کے بعد جو عالم آخرت ظہور پذیر ہوگا اس کا حال بیان فرمایا جاتا ہے۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ بہت سے چہرے اس روز ذلیل و خوار ہونگے۔ ان کے چہروں پر ذلت نمایاں ہوگی۔ اب یہ کون لوگ ہوں گے؟ یہ وہ ہوں گے جو دنیا میں خدا کے آگے سر نہیں جھکاتے تھے۔ کبر و غرور اور نخوت و بڑائی میں سرشار رہتے تھے۔ اللہ کی فرض کردہ عبادت اور بندگی سے جان چراتے تھے۔ اللہ کے احکام کے مطیع بندوں کے تو رمضان کے روزہ کی وجہ سے لب خشک ہوتے تھے اور بھوک و پیاس کے آثار نمایاں تھے اور یہ بےفکرے آزاد تھے کہ خوب مجلسوں میں بیٹھ کر نعمتیں اڑاتے تھے اور روزہ داروں کا مذاق اڑایا کرتے تھے مجاہدین تو میدان جہاد میں نکل کر شدائد کا سامنا کرتے اور یہ گھروں میں بےفکر بیٹھ کر عیش کرتے تھے لیکن آخرت میں ان کی یہ حالت ہوگی کہ ان کے چہروں سے ذلت و خواری ٹپکے گی اور ان کا یہ حال ہوگا عَامِلَةٌ مشقت و مصیبت اٹھائیں گے۔ چونکہ دنیا میں احکام خداوندی کی پابندی کی مشقت برداشت نہیں کی اس لئے اس کی سزا میں یوم قیامت عمل کی مشقت میں پڑیں گے۔ کسی کو جہنم کے پہاڑ پر چڑھایا اور اتارا جائے گا۔ کوئی میدان قیامت میں دوڑا دوڑا پھرے گا کہ ہے آج کوئی جو میری دستگیری کرے اور مجھ کو اس بلا سے خلاصی دلائے۔ کسی کے ملائکہ زنجیریں اور ہتھکڑیاں ڈالے جہنم میں گھسیٹتے لئے جاتے ہوں گے اور گرزوں کی مار پڑتی ہوگی کسی کو جہنم میں اور کوئی سخت کام تجویز ہوگا جیسا کہ دنیا میں قیدیوں اور مجرموں کو مشقت میں ڈالا جاتا ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا نَاصِبَةٌ کہ تھکان ان کے چہروں پر نمایاں ہوگی۔ وہ خستہ حال اور درماندہ ہوں گے۔ اور دنیا میں کسی کی یہ حالت ہو تو دیکھنے والے کو رحم آجائے مگر وہاں ان پر کوئی رحم کرنے والا نہ ہوگا۔ اور ان کا یہ حال ہوگا۔ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً دہکتی آگ میں گرتے پڑتے ہوں گے اور آتش جہنم میں جلتے ہوں گے۔ اور یہی جہنم ان کا مکان ہوگا۔

جہنمیوں کا کھانا پینا

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ان کو کھولتے پانی کے چشمہ سے پانی پلایا جاوے گا وہ بھی جب کہ مدتوں پیاس کی سختی سے تڑپیں گے اور منت و سماجت کریں گے جس کے پیتے ہی منہ جھلس جائے گا اور آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر پڑیں گی۔ پھر فوراً درست ہو جائیں گی اور اسی طرح عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے۔ یہ تو رہی پانی کی حالت آگے ان کے کھانے کی حالت بتلائی جاتی ہے۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ

اول تو کھانا ہی نہیں ملے گا۔ سخت بھوک کا عذاب مدتوں برداشت کریں گے۔ یہ سزا ہوگی ان حرام و ناجائز لذات کی کہ جو بےفکری سے دنیا میں اڑاتے رہے اور خوب کھا کھا کر بدکاری کرتے رہے۔ بہت کچھ چیخنے چلانے پر جو کھانے کو ملے گا بھی تو ضریع ملے گا۔ ضریع ایک خاردار درخت ہے دوزخ میں جو نہایت تلخ، سخت بدبودار اور نہایت زہریلا اور اثر میں آگ سے بڑھ کر گرم۔ جب دوزخی بھوک کے عذاب سے چلائیں گے تو یہ چیز کھانے کو دی جائے گی۔ اب کھانے سے مقصود یا تو محض لذت حاصل کرنا ہوتا ہے یا بھوک کو رفع کرنا۔ یا بدن کو فربہ کرنا۔ ضریع کے کھانے سے یہ کوئی بات بھی حاصل نہ ہوگی۔ غرض کوئی لذیذ کھانا یا مرغوب میسر نہ ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾

بہت سے چہرے اس روز بارونق۔ اپنے کاموں کی بدولت خوش خوش ہوں گے۔ بہشت بریں میں ہوں گے جن میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے۔

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿١٣﴾ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿١٤﴾ وَّنَمَارِقُ

اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ اس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے۔ اور رکھے ہوئے آبخورے ہیں۔ اور برابر

مَصْفُوْفَةٌ ﴿١٥﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿١٦﴾

لگے ہوئے گدے ہیں اور سب طرف قالین پھیلے پڑے ہیں۔

وُجُوْهٌ کتنے منہ	يَّوْمَئِذٍ اس دن	نَّاعِمَةٌ تروتازہ	لِّسَعْيِهَا اپنی کوشش سے	رَاضِيَةٌ خوش خوش	فِيْ میں	جَنَّةٍ باغ	عَالِيَةٍ بلند	لَا تَسْمَعُ وہ نہ سنیں گے
فِيْهَا اس میں	لَاغِيَةً بیہودہ بکواس	فِيْهَا اس میں	عَيْنٌ چشمہ	جَارِيَةٌ بہتا ہوا	فِيْهَا اس میں	سُرُرٌ تخت	مَّرْفُوْعَةٌ اونچے اونچے	
وَّاَكْوَابٌ اور آبخورے	مَّوْضُوْعَةٌ چنے ہوئے	وَّنَمَارِقُ اور غالیچے	مَصْفُوْفَةٌ برابر بچھے ہوئے	وَّزَرَابِيُّ اور گدے	مَبْثُوْثَةٌ بکھرے ہوئے			

نیک بخت لوگ

گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ آخرت میں ایک گروہ مجرموں کا ہوگا۔ اب ان کے مقابل دوسرے گروہ کا حال ان آیات میں بیان فرماتا ہے کہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ یعنی نیک لوگ' ابرار صالحین مومنین جن کے چہرہ اس روز خوش وخرم' شاداں' بارونق اور تروتازہ ہوں گے۔ ان پر وہاں کی ہول اور سختی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے اعمال سے دنیا کی زندگی میں اللہ کی رضا کے لئے محنت و مشقت برداشت کی تھی۔ مثلاً روزوں میں روزہ کی بھوک و پیاس کی تکلیف اٹھاتے تھے۔ راہ حق میں کوشش و جہاد کے واسطے سختیاں برداشت کرتے تھے۔ نیز راتوں کی راحت و آرام کو اللہ کی بندگی کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ ہر طرح کے حقوق اللہ وحقوق العباد کی حتیٰ الامکان ادائیگی کرنے کی پراخلاص کوشش کرتے تھے۔

باغ و بہشت کے انعامات

ایسے بندوں کے لئے فرمایا گیا لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ یعنی اپنی دنیاوی کوششوں سے جو انہوں نے اللہ کی راہ میں کی تھیں خوش وخرم ہوں گے کہ اللہ نے ان کی کوششوں کو قبول فرمایا اور ان کا نیک ثمرہ نمودار ہوا اور وہ نیک ثمرہ یہ ہوگا۔ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ کہ وہ بہشت بریں میں ہوں گے خوش فضا عالیشان باغات میں ہوں گے ایسے باغات کہ جن کی نعمتوں اور مسرتوں کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔ وہ دنیا کے جیسے باغ نہیں کہ خزاں کو دسترس ہو ان کے آگے دنیا کے باغ ہیچ ہیں۔ وہاں کی ہر نعمت دائمی اور کوئی لذت و راحت فنا ہونے والی نہ ہوگی۔ تمام دوسری خوشیوں اور مسرتوں کے ساتھ ان کے لئے ایک بڑی مسرت کی بات یہ ہوگی۔ لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً یعنی اہل جنت' جنت میں کوئی ناگوار بات نہ سنیں گے۔ وہاں کوئی لغو اور بیہودہ بات ان کے کان میں نہ پڑے گی۔ نہ کوئی کسی کو برا بھلا کہے گا نہ وہاں کوئی خوف اور اندیشہ کی بات ہوگی۔ نہ کسی کے مرنے یا بیمار ہونے کی خبر ہوگی کہ عیش مکدر ہوجائے۔ نہ اپنی جوانی اور اس باغ و بہار کی فنا کی بات سننے میں آئے گی۔ الغرض کوئی رنج دہ بات کان میں نہ پڑے گی۔ بلکہ ہر طرف سے فرحت بخش باتیں سننے میں آئیں گی اور اس بہشت بریں میں کیا ہوگا۔ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ان باغوں میں نہریں و چشمے جاری ہوں گے جو وہاں کے لطف ونشاط کو دوبالا کریں گے۔

اور فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ یعنی ان جنت کے باغات میں بلند مرتبہ شاہانہ تخت ہوں گے جن پر بیٹھ کر جنت کا نظارہ کریں گے اور امیرانہ شاہانہ ٹھاٹھ سے اس پر بیٹھیں گے اور وہاں وَ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ یعنی نہایت خوش رنگ اور بیش بہا کوزے آبخورے گلاس اور پیالے نعمتوں سے بھرے ہوئے قرینے سے سامنے رکھے ہوں گے تاکہ جس چیز کی طرف رغبت ہو آسانی سے پی جا سکے۔ یہاں جنت کی نعمتوں میں سے جو اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ فرمایا یعنی پینے کے برتن جیسے آبخورے پیالے گلاس وغیرہ تو ان کی صفت میں لفظ مَّوْضُوْعَةٌ ارشاد فرمایا یعنی اپنی مقرر جگہ پر قرینے اور ٹھکانے سے رکھے ہوں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے آداب معاشرت کے ایک اہم بات کی طرف تلقین ہوتی ہے کہ ایسے کھانے پینے کے برتن اور سامان مقررہ جگہ پر قرینے سے رہنے چاہئیں۔ ادھر ادھر بے موقع ہو جانے سے ضرورت کے وقت اُن کو تلاش کرنا یہ ایذاء اور تکلیف کی چیز ہے۔ اس لئے وَ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ سے تلقین یہ ملی کہ ہر شخص کو اس کا اہتمام چاہئے کہ گھر میں ایسی استعمالی چیزیں جو گھر والوں کے کام میں آتی ہیں ان کی جگہ مقرر رہنی چاہئے اور استعمال کرنے کے بعد ان کو وہیں رکھنا چاہئے تاکہ دوسرے وقت اپنے کو یا دوسرے گھر والوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ اشارہ لفظ مَّوْضُوْعَةٌ سے نکلا کیوں کہ حق تعالیٰ نے اہل جنت کی راحت و آسائش کے سلسلہ میں اس کا ذکر فرمایا۔ آگے جنت کی راحتوں اور نعمتوں میں فرمایا وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ہوں گے یعنی پر تکلف گاؤ تکیہ لگے ہوں گے اور نہایت اعلیٰ درجہ کے گدے و مسندیں بچھے ہوں گے کہ اہل جنت جہاں چاہیں آرام سے لیٹیں، بیٹھیں اور وہاں وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ہوں گے یعنی نہایت بے بہا قالین بچھے ہوں گے کہ جہاں جی چاہے آرام کریں۔ یہ تو ان جنت کی نعمتوں میں سے چند کا ذکر ہے جنہیں معلوم ہو کر اس زندگی کی ایک جھلک سامنے آتی ہے۔ ورنہ کوئی نعمت ایسی نہیں جو وہاں موجود نہ ہو۔ نہ کوئی ایسی راحت و آسائش ہے جو وہاں نہ ملے بلکہ وہاں تو اس گروہ کو جو کچھ ملے گا اس کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو بھی اہل جنت میں شامل فرمائیں۔ اور جنت کی دائمی اور ابدی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ آخرت کی ذلت و رسوائیوں سے اپنی پناہ بخشیں اور آخرت میں ہمارے چہروں کو تر و تازہ بارونق اور خوش و خرم بنائیں۔

یَااللہ آج اس دنیا میں ہمیں اپنے اطاعت و فرمانبرداری کی وہ زندگی نصیب فرما دے کہ جو کل قیامت و آخرت میں ہمیں آپ کی رضا اور خوشنودی نصیب ہو اور آپ کی جنت عالیہ میں ہمارا دائمی ٹھکانا ہو۔ آمین۔

یَااللہ کسی آپ کے بندے یا بندی کا مال ناحق لیا ہو، کسی کی آبرو خراب کر دی ہو، اس کے جسم کے کسی حصہ پر مارا ہو۔ اس پر ظلم کیا ہو۔ انہوں نے مطالبہ حق کیا لیکن میں نے طاقت نہ ہونے کی وجہ سے نہ دیا ہو یا لاپروائی برتی ہو ان سے بھی معاف نہ کرا سکا ہوں آپ کے سب اختیار میں ہے میری معافی فرما دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ

تو کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کو کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے۔اور پہاڑوں کو کہ کس طرح

نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾

کھڑے کئے گئے ہیں۔اور زمین کو کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ کیا وہ نہیں دیکھتے؟	اِلٰی طرف	الْاِبِلِ اونٹ	کَیْفَ کیسے	خُلِقَتْ وہ پیدا کیا گیا	وَ اور	اِلٰی طرف	السَّمَآءِ آسمان	کَیْفَ کیسے	رُفِعَتْ بلند کیا گیا	
وَاِلٰی اور طرف	الْجِبَالِ پہاڑ (جمع)	کَیْفَ کیسے	نُصِبَتْ نصب کئے گئے	وَ اور	اِلٰی طرف	الْاَرْضِ زمین	کَیْفَ کیسے	سُطِحَتْ بچھائی گئی		

منکرین آخرت کو دعوتِ فکر

اب مشرکین عرب اور کفار مکہ جو قیامت و آخرت کے اول تو منکر ہی تھے پھر جنت کی نعمتوں اور عالم آخرت کی دائمی راحت، عیش ونشاط کا ذکر سنتے تو کفار مکہ تعجب کرتے اور آخرت کے عجیب غریب انتظامات ان کی سمجھ میں نہ آتے اس لئے انکار کرتے کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔اس لئے منکرین آخرت کو بتلایا جاتا ہے کہ اللہ رب العالمین کی قدرت کے سامنے سب کچھ ممکن ہے اور اس دنیا ہی میں اس کی قدرت کاملہ کے نمونہ موجود ہیں جن کی طرف اگر غور کیا جائے تو انسان کو اس حکیم و قادر کی قدرت عظیمہ کو مانے بغیر چارہ نہیں چنانچہ یہاں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنی قدرت کاملہ کے چار نمونوں کا ذکر فرمایا اور جن کی طرف منکرین کو غور و تامل کرنے کی دعوت دی گئی۔

اونٹ کی تخلیق میں غور کرنے کی دعوت

پہلا نمونہ اپنی قدرت کا فرمایا اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح عجیب طور پر پیدا کیا گیا ہے۔اب جدید عرب تو اونٹ سے بے نیاز ہوتا جارہا ہے مگر قدیم عرب کی معاش کا تو دارومدار اونٹ ہی تھا۔ان کے نزدیک اونٹ کی اہمیت اور قدر و قیمت بہت زیادہ تھی اور ہر وقت ان کے نظروں کے سامنے رہتا تھا۔تو اس کی خلقت، جسم کی بناوٹ، اس کی خصلت وغیرہ پر اگر انسان غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت اور اس کی قدرت کا عجیب وغریب نمونہ یہ جانور ہے۔مفسر علامہ شیخ عبدالحقؒ اپنی تفسیر حقانی میں لکھتے ہیں کہ اونٹ کی اول تو خلقت ہی عجیب وغریب ہے۔اس قدر اونچا مگر بٹھاؤ بیٹھ جائے۔قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہ میں تقسیم کردیا یعنی ہر پاؤں میں دو گھٹنے بنادیئے کہ وہ تہ کر کے بیٹھ جاتا ہے تو اس پر چڑھنا اترنا آسان ہوجاتا ہے (معارف القرآن) اور جانوروں پر کھڑا کر کے سوار ہوتے اور بوجھ لادتے ہیں مگر اس کو بٹھا کر اور پھر اپنا پورا بوجھ لے کر گردن کی لچک اور اس کے زور سے کھڑا ہو جاتا ہے۔یہ کسی جانور میں خوبی نہیں۔پھر باوجود اس قدر ڈیل ڈول کے اطاعت کا مادہ جس قدر اس میں ہے کسی دوسرے جانور میں نہیں۔سینکڑوں کی قطار کو ایک لڑکا مہار تھام کر جدھر چاہے لے جائے پھر باربردار ایسا کہ تمام گھربار اس پر لادلو گویا خشکی میں رواں کشتی ہے اور ریگستانی علاقوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ غلہ یا اور اشیاء لے جانے میں چھکڑا یا ریل گاڑی ہے۔پھر جلد چلنے اور اس پر آرام کے سامان ساتھ لے جانے میں گویا ڈاک گاڑی ہے جس کے لئے نہ سڑک کی ضرورت ہے نہ راستہ کا ہموار ہونا۔سانڈنی جو سواری کی اونٹنی یا اونٹ ہوتا ہے دن میں سو کوس تک جاسکتی ہے اس پر جفاکش اتنا کہ کیسی ہی دھوپ و گرمی ہو کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا۔پھر کم خوراک اتنا کہ تھوڑے سے چارہ میں گزر کر لیتا ہے جو بلند درختوں کے پتے اور کڑوے کسیلے اور کسی کے کھانے کے نہیں ہوتے یہ کھالیتا ہے اس پر کئی کئی روز تک پانی نہ ملے تو پرواہ نہیں۔سواری کا یہ آرام پھر دودھ میں یہ برکت کہ ایک گھر

کو کافی ہو اور پھر استسقاء وغیرہ امراض کے لئے دوا بھی ہے۔ اس کی پشم بھی کام آتی ہے جس سے کیسے کیسے نفیس کپڑے بنے جاتے ہیں۔ خصوصاً عرب کے لباس، کمبل اور جبے جو برسوں میلے نہیں ہوتے اور مدتوں چلتے ہیں اور خوبصورت بھی ہوتے ہیں۔ اس پر اس کا گوشت بھی حلال۔ گھر بھر کیا محلہ کو کافی ہو سکتا ہے۔ اس پر اس کی نسل میں برکت۔ سرزمین عرب میں ہر جگہ مل سکتا ہے اور خشک وگرم وریگستانی علاقوں کی معاش تو اسی پر موقوف تھی۔ یہ خصوصیات کسی اور جانور میں نہیں۔

آسمان کی رفعت میں غور کرو

دوسرا نمونہ قدرت خداوندی کا فرمایا گیا وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ یعنی آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اول تو بلندی اس قدر کہ جہاں پرندہ بھی اڑ کر نہیں جا سکتا پھر اس کی وسعت اور پھر بلا ظاہری ستون اور کھمبے کے قائم ہونا پھر آسمان کے ستارے اور چاند و سورج آفتاب کہ جو کرۂ زمین سے لاکھوں حصہ زیادہ بڑا ہے اگر نہ ہو تو دنیا والوں کی زندگی وبال ہو جائے۔ غرض کہ اس چاند سورج کے ذریعہ دنیا والوں کو گوناگوں نعمتوں سے مالا مال کیا ہے۔

پہاڑوں کے قیام میں غور کرو

تیسرا نمونہ قدرت خداوندی کا فرمایا وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ اور پہاڑوں کو دیکھو کہ کیسے کھڑے کر دیئے گئے اور گاڑ دیئے گئے۔ پہاڑ بھی قدرت خداوندی کا ایک عجیب نمونہ ہے اول تو باوجودے کہ وہ بھی زمین ہی کا ایک جزو ہے پھر بھی زمین سے کس طرح ممتاز ہے۔ پھر ان کی بلندی قابل حیرت ہے اور بلندی کے ساتھ عرض و طول بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ پھر ان کے رنگ مختلف ہیں۔ کوئی سیاہ ہے کوئی سرخ کوئی سرسبز ہے کوئی بنجر پھر ان پہاڑوں ہی میں سے یہ خوشگوار پانی کے دریا نکلے۔ پھر ان سے ملک شاداب ہوئے پھر بیش قیمت جڑی بوٹیاں اور گراں قدر دھاتیں ان میں موجود ہیں۔ اور بھی سینکڑوں فوائد ہیں جن کے ذکر کے لئے ایک دفتر چاہیے۔

زمین کی سطح میں غور کرو

چوتھا نمونہ اپنی قدرت کا فرمایا۔ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ اور زمین کو دیکھو کیسی بچھائی گئی۔ حالانکہ زمین کی شکل گول گیند کی طرح ہے اور گول چیز پر کوئی ٹھہر نہیں سکتا مگر اس قادر مطلق نے باوجود گول ہونے کے اس کو ایسا بچھایا کہ سینکڑوں کیا ہزاروں کوس تک ہموار جنگل اور میدان اور پہاڑ اور دریا رواں ہیں۔ لوگ کس کشادگی سے بس رہے ہیں سینکڑوں ہزاروں میلوں تک سڑکیں ہیں۔ بیشمار باغات، کھیتیاں ہیں اور کیسے کیسے وسیع شہر آباد ہیں۔ اور کیسی کیسی بلند شان عمارات ہیں جن میں کرہ زمین کی گولائی سے کوئی بھی حرج واقع نہیں ہوتا۔ یہ سب اس کی قدرت اور کاری گری ہے تو جو قادر حکیم اور منعم دنیا والوں کے لئے جن میں نیک و بد کافر و مومن سب ہی شریک ہیں ایسی چیزیں پیدا کر سکتا ہے تو کیا وہ آخرت میں اپنے نیک بندوں کے لئے طرح طرح کی جنت کی نعمتیں نہیں پیدا کر سکتا اور برے بندوں کے لئے طرح طرح کے عذاب جہنم نہیں پیدا کر سکتا؟ کیوں نہیں ضرور پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے لئے کوئی امر مشکل نہیں۔

ان چار چیزوں کے ذکر کرنے کی وجہ

یہاں ان چار نمونوں کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا کہ عرب قرآن کے مخاطبین اول تھے اور ایک عرب مسافر جب اونٹ پر سوار ہو کر جنگل بیابان، ریگستان کا سفر طے کرتا تھا تو اس سنسان اور وحشت خیز عالم میں اس کو آسمان، زمین اور اپنے اونٹ اور پہاڑوں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ اس لئے ان مخلوقات میں اللہ کی قدرت عظیمہ کو دیکھنے اور سمجھنے کی دعوت دی گئی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ان چار چیزوں کو بیان کرنے میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ان چاروں چیزوں سے جنت کی راحت کی شان اور جہنم کی تکلیف کا نمونہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اونٹ کے منافع پر غور کرو تو بہشت کی شان نمایاں ہے اگر اس کی مشقت اور بارکشی کو دیکھو تو جہنم کا نمونہ ہے۔ سرسبز پہاڑ جنت کے مشابہ ہیں تو گرم آتش فشاں پہاڑوں میں جہنم کی آگ کی چنگاریاں نظر آتی ہیں۔ آسمان کی فضا، چاند سورج کی روشنی اور عمدہ خوشگوار موسم جنت کا نمونہ ہے تو اندھیری راتیں۔ گرم لو کے دن جہنم کا نمونہ ہیں۔ زمین کی شاداب جگہیں اگر جنت یاد دلاتے ہیں تو خشک گرم بدبودار عمیق گڑھے دوزخ سے کم نہیں۔

گویا یہ سب چیزیں اس امر کی شاہد ہیں کہ بہشت اور دوزخ برحق ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ

تو آپ نصیحت کر دیا کیجئے آپ تو بس صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ اُن پر مسلط نہیں ہیں۔ ہاں مگر جو روگردانی کرے گا اور کفر کرے گا۔ تو خدا اسکو

اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

بڑی سزا دے گا۔ ہمارے ہی پاس اُن کا آنا ہوگا پھر ہمارا ہی کام ان سے حساب لینا ہے۔

فَذَكِّرْ پس سمجھاتے رہیں	إِنَّمَا صرف	أَنْتَ آپ	مُذَكِّرٌ سمجھانے والے	لَسْتَ نہیں آپ	عَلَيْهِمْ ان پر	بِمُصَيْطِرٍ داروغہ	إِلَّا مگر
مَنْ جو۔جس	تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ منہ موڑا اور کفر کیا	فَيُعَذِّبُهُ پھر اسے عذاب دیگا	اللَّهُ اللہ	الْعَذَابَ عذاب	الْأَكْبَرَ بہت بڑا	إِنَّ بیشک	
إِلَيْنَا ہماری طرف	إِيَابَهُمْ ان کا لوٹنا	ثُمَّ پھر	إِنَّ بیشک	عَلَيْنَا ہم پر	حِسَابَهُمْ ان کا حساب		

ہدایت اللہ کے اختیار میں

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ جب یہ منکرین باوجود قیام دلائل واضحہ غور نہیں کرتے اور آخرت پر ایمان لا کر وہاں کی فکر نہیں کرتے تو آپ بھی ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ صرف نصیحت کر دیا کیجئے کیونکہ آپ نصیحت کرنے اور سمجھانے اور بتلانے ہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اگر یہ آپ کی بات نہیں مانتے اور نہیں سمجھتے تو آپ ان پر کوئی داروغہ بنا کر مسلط نہیں کئے گئے ہیں کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں۔ اور ان کے دلوں کو بدل ڈالیں۔ اور زبردستی ان کو راہ راست پر لائیں۔ ان کی نافرمانی اور سرکشی کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی بھی ہے کیونکہ آپ جو قانون ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے وہ آپ پوری ہمدردی' بڑی دل سوزی اور پوری قوت کے ساتھ لوگوں کو پہنچاتے لیکن جو ضد وعناد میں ڈوبے ہوئے تھے اور نفس خواہشات کے بندے تھے وہ آپ کی بات کا اثر نہ لیتے اور اپنے کفر وشرک پر برابر جمے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت پر کمر بستہ رہتے۔ اس سے آپ کو طبعاً رنج ہوتا تھا اور آپ اس رنج میں گھلا کرتے کہ اللہ کے یہ بندے کیوں اپنے آپ کو عذاب الٰہی کا مستحق بنا رہے ہیں اور کیوں خرابی اور بربادی کے گڑھے میں گر رہے ہیں۔ آپ کا یہ غم وفکر کبھی کبھی اتنا بڑھ جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی آیتیں نازل ہوتیں جن میں یہ بتایا جاتا کہ آپ ان کے غم میں اپنی جان نہ گھلاویں۔ آپ کا کام سچی بات کا پہنچا دینا تھا سو آپ کر رہے ہیں۔ رہی یہ بات کہ یہ مانتے ہیں یا نہیں تو اس کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں جو بھی سرکشی اور نافرمانی کرے گا اور اللہ کی اطاعت و بندگی سے روگردانی کرے گا اور اس کی آیتوں کا انکار کرے گا اس کو خود خدائے تعالیٰ آخرت میں بڑی سخت سزا دے گا اور وہ اللہ کی سخت ترین پکڑ اور سزا سے بچ نہیں سکتا کیونکہ آخر ایک روز سب کو اس کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور اپنے افعال و اعمال کا حساب دینا ہے۔ غرض اے نبی آپ اپنا فرض ادا کئے جایئے اور ان کا مستقبل اللہ کے سپرد کیجئے۔

خلاصہ آیات

یہاں ان آیات میں ایک طرف تو انکار کرنے والوں کے لئے تنبیہ ہے کہ اگر تم اللہ کے رسول کا کہنا نہ مانو گے تو اس کی ذمہ داری خود تم پر ہوگی۔ رسول کا کام اور ان کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ وہ پیغام خداوندی پہنچا دیں اس کے بعد ماننا نہ ماننا یہ تمہارا کام ہے دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے کہ آپ ان کی گمراہی پر اتنا نہ کڑھیں کہ جان پر بننے لگے۔ آپ کی بات سے منہ موڑنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ انہیں سخت سزا دیں گے۔

ان آیات میں مومنین اور متبعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ایک سبق وہدایت ہے اور وہ یہ کہ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کو یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ منکرین کے انکار کے باوجود آپ دعوت وتبلیغ کا کام کرتے رہیے اور لوگوں کے انکار سے نہ مایوس ہوں اور نہ غمزدہ۔ تو جو لوگ امت میں دعوت وتبلیغ کا کام کریں انہیں لوگوں کی بے حسی یا اعراض کی وجہ سے کام چھوڑ کر بیٹھنے کا حق نہیں پہنچتا۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی مانتا تو ہے نہیں اس لئے دعوت وتبلیغ کیسے کریں؟

سورۃ کے خاتمہ پر پھر اس حقیقت کو سامنے رکھ دیا گیا ہے کہ انسانو تم سب کا آخری ٹھکانہ اللہ رب العالمین ہی کے پاس ہے۔ اور آخر کار تمام انسانوں کو اس دنیا سے لوٹ کر پھر اسی کے حضور جانا ہے۔ اپنے دنیا میں کیے دھرے کا پورا پورا حساب دینا ہوگا۔ آیا اللہ کی دی ہوئی زندگی نعمتوں اور صلاحیتوں کو اللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا یا ان کو اس منعم حقیقی کے احکام کی مخالفت میں خرچ کیا۔ یہی اس سورۃ کا خلاصہ اور اہم پیغام ہے کہ آخرت ضرور ہوگی اور ہر انسان کو وہاں وہی کچھ ملے گا جو اس نے دنیا کی زندگی میں کمایا ہوگا۔ آخرت ہی اصل فیصلے کا دن ہوگا جب کہ ہر انسان کو اصل کامیابی یا ناکامی سے دوچار ہونا پڑے گا الحمدللہ اب سورۃ غاشیہ کا بیان پورا ہو گیا۔

خلاصہ

قیامت کے ناموں میں سے ایک نام غاشیہ بھی ہے یعنی چھپا لینے والی قیامت کو ''غاشیہ'' اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی ہولناکیاں ساری مخلوق کو ڈھانپ لیں گی' یہ سورت بتاتی ہے کہ قیامت کے دن کچھ چہرے ذلیل ہوں گے' انہوں نے بڑی محنت کی ہوگی جس کی وجہ سے تھکے تھکے محسوس ہوں گے' علماء کہتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں بڑی عبادت و ریاضت کی ہوگی لیکن چونکہ ان کے عقائد صحیح نہیں تھے اس لیے یہ عبادت ان کے کسی کام نہیں آئے گی' یہ چہرے دہکتی ہوئی آگ کا ایندھن بنیں گے اور بعض چہرے تروتازہ اور پُر رونق ہوں گے' یہ وہ چہرے ہوں گے جنہوں نے دنیا میں صحیح رخ پر محنت کی ہوگی اور ان کے عقائد میں بھی باطل کی آمیزش نہیں ہوگی' ان کا مسکن بلند و بالا جنتیں ہوں گی۔

دوسرا اہم مضمون جو اس سورت میں بیان ہوا ہے وہ رب العالمین کی وحدانیت کے دلائل ہیں' ان میں سے اونٹ ہے جسے صحرائی جہاز بھی کہا جاتا ہے' طویل قد و قامت کے باوجود ایک بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ کر جہاں چاہے لے جاتا ہے' اس کے صبر کا یہ حال ہے کہ دس دس دن تک پیاس برداشت کر لیتا ہے' اس کی غذا بہت سادہ ہوتی ہے' ایسی جھاڑیوں سے پیٹ بھر لیتا ہے جنہیں کوئی بھی چوپایہ کھانا گوارا نہیں کرتا' ان دلائل میں بلند و بالا آسمان بھی ہے جو کسی ستون کے بغیر کھڑا ہے' زمین ہے جسے یوں بچھایا گیا ہے کہ اس پر چلنا بھی آسان اور کھیتی باڑی بھی آسان' پہاڑ ہیں جو زمین کو زلزلوں کی زد میں آنے سے بچاتے ہیں۔ منکرین توحید کو ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے بعد اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپکے ذمہ صرف نصیحت کر دینا ہے' آپ اپنی ذمہ داری ادا کر دیجئے پھر ان کا معاملہ اور حساب ہم پر چھوڑ دیجئے۔

سورۃ الغاشیۃ کے خواص

اگر کھانے کی کسی چیز سے کسی تکلیف کا اندیشہ ہو تو اس چیز پر پہلے سورۃ الغاشیۃ پڑھ لیں پھر کھائیں تو اس چیز کے کھانے سے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اس سورۃ کے پیغام کو ہمیں بھی دل میں بٹھا لینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس دنیا کی زندگی میں آخرت کی زندگی کو سنوارنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا میں اپنی رضا کے کاموں میں لگائے رکھیں تاکہ آخرت میں کامیابی نصیب ہو۔ اور ہم کو ہر طرح کی نافرمانی اور مخالفت احکام الٰہیہ سے بچالیں تاکہ آخرت میں ناکامی سے واسطہ نہ پڑے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْفَجْرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۚ﴿۴﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ؕ﴿۵﴾

قسم ہے فجر کی۔اور دس راتوں کی۔اور جفت اور طاق کی۔اور رات کی جب وہ چلنے لگے۔کیوں اس میں عقلمند کے واسطے کافی قسم بھی ہے؟

وَالْفَجْرِ قسم فجر کی	وَلَيَالٍ اور راتوں کی	عَشْرٍ دس	وَالشَّفْعِ اور جفت کی	وَالْوَتْرِ اور طاق کی	وَالَّيْلِ اور رات کی	اِذَا جب	يَسْرِ چلے	هَلْ کیا	فِيْ میں
ذٰلِكَ اس	قَسَمٌ قسم	لِّذِيْ حِجْرٍ ہر عقل مند کے نزدیک							

قیام قیامت پر پانچ قسمیں

یہاں سورتوں کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کی قسم کھائی ہے اوران پانچ چیزوں کو جن کی قسم کھائی ہے بطور دلائل وشواہد بیان کیا ہے۔اوران پانچوں قسموں کے بعد جواب قسم یہ ہے کہ قیامت ضرور آنے والی ہےاوراس کے منکروں کو قیامت کے دن ضرور سزا ہوگی۔

فجر کی قسم

چنانچہ پہلی قسم ہے۔ وَالْفَجْرِ قسم ہے فجر کے وقت کی فجر کے معنی صبح کے ہیں۔صبح کا وقت بھی قیامت کا ایک نمونہ ہے۔رات کو بالکل سناٹا ہوتا ہے۔انسان وحیوان سب پر نیند کا عالم طاری ہوتا ہے نہ کہیں شور و غوغا ہے نہ آفتاب کی روشنی۔ایسا معلوم ہوتا ہے گویا موت نے سب کو آدبایا ہے مگر ادھر صبح نمودار ہوئی ادھر سب کے سب خواب سے بیدار ہوئے۔ چرند پرند فکر معاش میں چلنا پھرنا اڑنا شروع کرتے ہیں۔ مسافر سفر کی تیاری میں لگتے ہیں۔کاروباری لوگ اپنے کاروبار کے لئے جاتے ہیں اس طرح ہر ایک صبح ہوتے ہی کسی نہ کسی کام میں مشغول ہو جاتا ہے۔الغرض صبح ہوتے ہی ایک شور قیامت برپا ہو جاتا ہےاور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے گئے ہیں۔

دس راتوں کی قسم

اس کے بعد دوسری قسم وَلَيَالٍ عَشْرٍ کھائی گئی یعنی قسم ہے دس راتوں کی۔جمہور مفسرین کے نزدیک ان دس راتوں سے ماہ ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں جن کو عالم بالا سے ایک خاص خصوصیت ہے ان میں اللہ کے بندے دور دراز مقامات سے خالصاً لوجہ اللہ ایک مقدس مقام پر جمع ہو کر عبادت ودعا میں مشغول ہوتے ہیں۔ایام حج میں اس طرح لوگوں کا جمع ہونا حشر کے دن کے اجتماع کو یاد دلاتا ہے کہ امیر غریب چھوٹے بڑے سب حالت احرام میں۔مرد ننگے سر، جسم پر صرف ایک چادر اوڑھے اور ایک تہ بند باندھے دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔تو گویا ان ایام حج کی راتوں میں مجمع حشر کا نمونہ ہے۔

جفت اور طاق کی قسم

تیسری اور چوتھی قسم وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ فرمائی گئی یعنی قسم ہے جفت کی اور طاق کی۔شفع جفت کو کہتے ہیں اور وتر طاق کو کہتے ہیں۔

شفع اور وتر کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ شفع یعنی جفت سے مراد ہے مخلوق جیسا کہ۔سورۂ نبا ۳۰ ویں پارہ میں ارشاد ہے۔ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا اور ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا اور وتر سے مراد خالق یکتا یا جیسا دوسری جگہ ارشاد ہے وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ یعنی ہر مخلوق کا مقابل اور ضد موجود ہے۔کفر وایمان۔ہدایت وگمراہی نیک بختی اور بدبختی رات اور دن آسمان اور زمین بر اور بحر سورج اور چاند جن وانس نر اور مادہ لیکن وتر اکیلا اللہ ہے۔ایک قول یہ ہے کہ مخلوق کے احوال کا باہمی تضاد شفع ہے جیسے زندگی اور موت' عزت وذلت' عاجزی اور قدرت ضعف اور قوت' علم اور جہالت' بینائی اور نابینائی' شنوائی اور بہرا پن۔ بولنا اور خاموشی' غنا اور فقر گویا اس اختلاف وتقابل سے اشارہ فرما

دیا کہ آدمی کو عیش و آرام یا مصیبت اور تنگی یا فراخی کی جو حالت پیش آئے مطمئن نہ ہو جائے اور یوں نہ سمجھے کہ اب اس کے خلاف دوسری حالت پیش نہ آئے گی۔ اسے یاد رکھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ خالق اضداد ہے۔ جس طرح وہ آفاق میں ایک ضد کے مقابل دوسری ضد کو لاتا ہے ایسا ہی انسانوں کے احوال و کوائف کو بھی اپنی حکمت و مصلحت کے موافق تبدیل کر دیتا ہے۔ اس میں دنیا اور اہل دنیا کے حادث و فانی ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں آ کر ایک روز یہاں سے جانا بھی ہے اور صفات خداوندی کا انفرادو تر ہے جیسے حیات ہے بغیر موت کے۔ عزت ہے بغیر ذلت کے۔ قدرت ہے بغیر عاجزی کے۔ ایک قول یہ ہے کہ نفس عدد جفت و طاق کی قسم کھائی گئی ہے کہ جس کی حساب اور گنتی کے لئے لوگوں کو ضرورت لازمی ہے۔ دنیا کی عمر یا خود انسان اور حیوان کی عمر ضرور کسی نہ کسی عدد پر منتہی ہوتی ہے اور وہ عدد طاق ہوگا یا جفت۔ ایک روایت میں ہے کہ نماز مراد ہے کوئی نماز جفت ہے کوئی طاق۔ ایک روایت میں ہے کہ دنیا کے دن و رات شفع ہیں اور قیامت کا دن وتر ہے جس کے بعد رات نہ ہوگی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جنت کے آٹھ درجات شفع ہیں اور دوزخ کے سات طبقات وتر ہیں گویا جنت اور دوزخ کی قسم کھائی گئی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ شفع یعنی جفت سے مراد ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے یعنی یوم نحر۔ اور طاق سے مراد اسی ماہ کی نویں تاریخ یعنی یوم عرفہ اور یہ دونوں حج کے موقعہ پر حشر و نشر کے دن کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

رات کی قسم

پانچویں قسم وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ فرمائی گئی یعنی قسم ہے رات کی جب وہ چلنے لگے یعنی گزرنے لگے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح رات کا اندھیرا گزر جانے کے بعد دن کا اجالا نکل آتا ہے اسی طرح روئے زمین کے خاتمہ کے بعد آخرت کا عالم شروع ہوگا اور اس حیات کے خاتمہ کے بعد ایک دوسری حیات شروع ہوگی۔

عقلمند کیلئے یہ ثبوت کافی ہے

الغرض ان پانچ قسموں کے ذریعہ اس دعوے کی دلیل پیش کی گئی ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا جس کے حکم سے ہر دن فجر نمودار ہوتی ہے اور جس کے انتظام کے تحت کچھ مخصوص دس راتیں آتی ہیں اور جس نے چند دنوں کو جفت اور طاق پیدا کیا اور جس کے حکم سے رات آتی جاتی ہے وہ اس بات کی بھی قدرت رکھتا ہے کہ انسان کو دوبارہ زندہ کرے اور اس سے اس کی پوری زندگی کا حساب لے اور اس کی جزا و سزا عطا کرے۔ ان چیزوں کی قسم کھانے کے بعد سوالیہ جملہ فرمایا۔ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ یعنی کیا اس میں اہل عقل کے لئے کافی قسم ہے؟ یعنی صاحب فہم و فراست کے لئے یہ قسم ضرور کافی ہے۔ بلکہ قسم کے بغیر ہی صاحب عقل ان پانچ چیزوں پر فکر و تامل کرنے سے سمجھ سکتا ہے کہ قیامت ضرور آنے والی ہے اور اعمال کی جزا و سزا ضرور ملنے والی ہے۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام و ایمان سے نوازا۔ اور کفر و شرک سے بچایا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو قیامت و آخرت پر ایمان کے ساتھ یقین کامل بھی نصیب فرمائیں کہ دنیا کا ہر لمحہ ہمارا آخرت کے فکر و تیاری میں گزرے اور وہاں کی سرخروئی اور کامیابی ہمیں نصیب ہو۔ آمین

یَا اللہ آپ نے اپنی حکمت سے دنیا میں جن بعض دنوں اور راتوں کو شرف و عزت بخشا ہے ہمیں ان ایام کی قدر شناسی اور ان کے حقوق کی بجا آوری کی توفیق نصیب فرمایئے۔

یَا اللہ کل حساب کے وقت مجھ سے حساب نہ لینا بلا حساب جن بندوں کو آپ جنت میں بھیجیں گے مجھے بھی معاف فرما کر ان کے ساتھ کر دینا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِیْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ﴿٨﴾

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کے قد و قامت ستون جیسے تھے۔ جن کی برابر شہروں میں کوئی شخص پیدا نہیں کیا گیا

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ﴿١١﴾

اور قوم ثمود کے ساتھ جو وادی القریٰ میں پتھروں کو تراشا کرتے تھے۔ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ۔ جنھوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا۔

فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾

اور ان میں بہت فساد مچا رکھا تھا۔ سو آپ کے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسایا بے شک آپ کا رب گھات میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	كَيْفَ کیسا	فَعَلَ معاملہ کیا	رَبُّكَ تمہارا رب	بِعَادٍ عاد کے ساتھ	اِرَمَ ارم	ذَاتِ الْعِمَادِ ستونوں والے	الَّتِیْ وہ جو	
لَمْ يُخْلَقْ نہیں پیدا کیا گیا	مِثْلُهَا اس جیسا	فِی میں	الْبِلَادِ شہر (جمع)	وَثَمُوْدَ اور ثمود	الَّذِيْنَ جنہوں نے	جَابُوا الصَّخْرَ کاٹے تراشے سخت پتھر		
بِالْوَادِ وادی میں	وَ اور	فِرْعَوْنَ فرعون	ذِی الْاَوْتَادِ میخوں والا	الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	طَغَوْا سرکشی کی	فِی الْبِلَادِ شہروں میں	فَاَكْثَرُوْا بہت کیا	فِيْهَا اس میں
الْفَسَادَ فساد	فَصَبَّ پس ڈالا	عَلَيْهِمْ ان پر	رَبُّكَ تمہارا رب	سَوْطَ کوڑا	عَذَابٍ عذاب	اِنَّ بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	لَبِالْمِرْصَادِ گھات میں

قوم عاد کا واقعہ

گذشتہ درس میں یہ ذکر ہوا تھا کہ اصل اور پوری جزا و سزا کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے۔ ان آیات میں بتایا جاتا ہے کہ جب کوئی جماعت یا قوم سرکشی اور تکذیب حق میں حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو اس کو دنیا میں بھی سزا دی جاتی ہے یہاں ان آیات میں تین قوموں کے مشہور واقعات یاد دلائے گئے ہیں جن پر دنیا ہی میں عذاب الٰہی نازل ہوا۔

پہلا واقعہ قوم عاد کا ہے۔ جس کو قوم ارم بھی کہتے ہیں۔ یہ ستونوں کی طرح بہت بلند قامت تھے۔ زور و قوت میں ان کے برابر دنیا میں کوئی قوم بھی پیدا نہیں کی گئی۔ دراصل عاد دو فرقوں کا نام ہے ایک کو عاد اولیٰ کہتے ہیں۔ یہ نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ انہی عاد اولیٰ کا نام عاد ارم بھی ہے کیونکہ ان کے جد اعلیٰ کا نام ارم تھا۔ اور دوسرے کو عاد اخریٰ کہتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو ملک یمن میں آباد ہو گئے تھے۔ یہاں پر صرف عاد ارم کا ذکر ہے ان کی طرف اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہود علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔ یہ قوم اپنے وقت کی ترقی یافتہ قوم تھی اور اپنے مادی وسائل کے لحاظ سے اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اس وقت ان کے مقابلہ کی کوئی دوسری قوم نہ تھی۔ دولت و ثروت کے گھمنڈ میں آ کر انہوں نے بدکاری اور عیاشی شروع کر دی اور ملک میں ظلم و ستم برپا کر دیا۔ پیغمبر وقت نے ان کو بہت کچھ سمجھایا اور انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر وہ اپنے افعال شنیعہ سے باز نہ آئے اور دن بدن معاصی کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ آخر عذاب الٰہی کا کوڑا ان پر ایسا برسا کہ وہ ہلاک و برباد ہو گئے۔ سلطنت بھی جاتی رہی۔ دولت و ثروت بھی چھن گئی اور بدبختی نے قدم جما لئے حتیٰ کہ وہ دنیا سے نیست و نابود ہو گئے۔

دوسرا واقعہ

دوسرا واقعہ قوم ثمود کا ہے جو اس کے بعد گذرا ہے۔ یہ قوم وادی القریٰ میں آباد تھی اور ان کی بستیاں شمال عرب میں مقام حجر سے لے کر وادی القریٰ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ لوگ پہاڑ تراش تراش کر ان کے اندر نہایت خوبصورت اور مستحکم مکانات بنایا کرتے تھے۔ نہایت عیش اور مزے کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بدکاری اور بت پرستی اس قوم میں بھی پھیلی۔ حضرت صالح علیہ السلام اللہ کے پیغمبر بن کر اس قوم کی طرف بھیجے گئے مگر انہوں نے اپنے پیغمبر کی بات نہ مانی۔ آخر

یکبارگی سب ہلاک کر دیئے گئے ان کے کھنڈرات اور آبادی کے آثار اب تک بھی علاقہ مذکورہ کے اندر ملتے ہیں۔

فرعون کا واقعہ

تیسرا واقعہ مصر کے مشہور بادشاہ فرعون کا ہے جس کی اصلاح و ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بھیجے گئے تھے۔ اس ظالم و جابر بادشاہ فرعون کو یہاں **ذی الاوتار** یعنی میخوں والا فرمایا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کو میخوں والا اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس فرعون کا قاعدہ تھا کہ جسے سزا دینی منظور ہوتی تو اس کے چاروں ہاتھ پاؤں میخوں سے باندھ کر سزا دیتا تو چونکہ فرعون نے اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی مخالفت کی اور اپنی سرکشی و گمراہی پر جما رہا بالآخر اس پر اللہ کا عذاب ٹوٹا اور وہ فرعون مع اپنے لاؤلشکر کے سمندر میں غرق کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ تو ان تینوں واقعات کو بالاجمال بیان فرمانے کے بعد ان سب کے مشترکہ اعمال اور افعال بد کا اجمالی ذکر فرمایا گیا کہ جن کی وجہ سے ان پر قہر الٰہی ٹوٹا۔ فرمایا کہ ان قوموں نے ملک میں سرکشی پھیلا رکھی تھی۔ نخوت و تکبر، عیاشی و بے حیائی سرکشی و نافرمانی کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ عدل و انصاف صداقت و پارسائی رحم دلی اور خوش اخلاقی ان کے پاس نہ رہی۔ اعتقادات بالکل گمراہانہ ہو گئے۔ مختصر یہ کہ حکومت و سلطنت میں ایک فساد عظیم برپا کر رکھا تھا۔ ان افعال بد کی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا اور ان کو ہلاک کر ڈالا۔ اس لئے سب کو خدائے تعالیٰ کے کوڑے سے ڈرنا چاہئے اور اس قسم کی حرکات قبیحہ سے باز رہنا چاہئے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات و حرکات و سکنات کو ہر وقت دیکھتا رہتا ہے کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں کہیں غضب الٰہی کی آگ مشتعل ہو گئی تو پھر بچاؤ کی صورت مشکل ہے۔

درس عبرت

یہاں کفار و منکرین کو سبق یہ دیا گیا ہے کہ اگر کچھ بھی عقل ہے تو ان واقعات سے سبق لینا چاہئے اور اللہ کے مقابلہ میں سرکشی کی روش چھوڑ دینا چاہئے اور یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس آقا اور مالک کی نظروں سے بچ کر کہیں چھپ نہیں سکتے اور ان کی تمام حرکتیں اس کی نظر میں ہیں۔ وقت آنے پر لازماً ان کی پکڑ کرے گا۔

پھر یہاں ان آیات میں جن نافرمان اور باغی تاریخی قوموں کا ذکر اجمالاً فرمایا گیا تو ان کے واقعات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ قوموں کی غلط روش کا برا انجام دیر یا سویر بہرحال سامنے آ کر رہتا ہے تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ افراد کے غلط کاموں کا انجام ان کے سامنے لازماً کیوں نہ آئے؟ عقل کا تقاضا ہے کہ ایسا ضرور ہونا چاہئے اور بھلوں کو بھلائی کا بدلہ اور بروں کو برائی کا بدلہ ضرور ملنا چاہئے۔ اب آج جو لوگ اللہ کا انکار کر رہے ہیں۔ اپنے حال یا قال سے اس کے احکام سے بغاوت برت رہے ہیں۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانیوں میں مست ہیں۔ اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں پر پلنے کے باوجود اس کے باغی بنے ہوئے ہیں۔ اللہ ہی کی دی ہوئی قوت کے نشہ میں آپے سے باہر ہو رہے ہیں اور ظلم و ستم اور جور و جفا پر کمربستہ رہتے ہیں تو انہیں یہ جان لینا چاہئے اور دنیا میں معذب قوموں کے واقعات سے سبق لینا چاہئے کہ وہ احکم الحاکمین۔ خداوند قدوس ذوالجلال والاکرام کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی غیبی آنکھ ان کو دیکھتی ہے گو وہ اس کو نہیں دیکھتے۔ لوگوں کی تمام حرکتیں اس آقا و مالک کی نظر میں ہیں اور وقت آنے پر وہ لازماً ان کی پکڑ فرمائے گا۔ کفر و معصیت سرکشی و نافرمانی کی سزا آخرت میں تو ملنا طے شدہ ہی ہے لیکن دنیا میں بھی ایسے لوگوں پر عذاب بھیج دیا جاتا ہے اگر ایک انسان اشرف المخلوقات ہو کر کچھ بھی عقل رکھتا ہے تو اسے خدا کے باغیوں کے انجام سے سبق لینا چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں سرکشی کی روش کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور اپنی گرفت اور پکڑ کا وہ خوف عطا فرمائیں کہ جو ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے باز آ جائیں اور اپنے آقا و مالک کے مطیع و فرماں بردار بندے بن کر زندگی گزاریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰٮهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ ؕ﴿۱۵﴾ وَاَمَّاۤ اِذَا

سو آدمی کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اُس کو اکرام انعام دیتا ہے۔تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھادی۔

مَا ابۡتَلٰٮهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ ۚ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَل لَّا تُكۡرِمُوۡنَ الۡيَتِيۡمَ ۙ﴿۱۷﴾

اور جب اس کو آزماتا ہے یعنی اُس کی روزی اُس پر تنگ کردیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹادی۔ ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو۔

وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ۙ﴿۱۸﴾ وَتَاۡكُلُوۡنَ التُّرَاثَ اَكۡلًا لَّـمًّا ۙ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ﴿۲۰﴾

اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے۔اور میراث کا مال سارا سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو۔

فَاَمَّا بس جو	الۡاِنۡسَانُ انسان	اِذَا جب	مَا ابۡتَلٰٮهُ اس کو آزمائے	رَبُّهٗ اس کا رب	فَاَكۡرَمَهٗ اس کو عزت دے	وَنَعَّمَهٗ اور اسے نعمت دے
فَيَقُوۡلُ تو وہ کہے	رَبِّىۡۤ میرا رب	اَكۡرَمَنِ مجھے عزت دی	وَاَمَّاۤ اِذَا اور جب	مَا ابۡتَلٰٮهُ اُسے آزمائے	فَقَدَرَ اندازہ سے دیتا ہے	عَلَيۡهِ اس پر
رِزۡقَهٗ اس کا رزق	فَيَقُوۡلُ تو وہ کہے	رَبِّىۡۤ میرا رب	اَهَانَنِ مجھے ذلیل کیا	كَلَّا ہرگز نہیں	بَل بلکہ	لَّا تُكۡرِمُوۡنَ عزت نہیں کرتے
الۡيَتِيۡمَ یتیم	وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ اور رغبت نہیں دیتے	عَلٰى پر	طَعَامِ کھانا	الۡمِسۡكِيۡنِ مسکین	وَتَاۡكُلُوۡنَ اور تم کھاتے ہو	التُّرَاثَ مال میراث
اَكۡلًا لَّـمًّا کھانا سمیٹ کر	وَتُحِبُّوۡنَ اور محبت کرتے ہو	الۡمَالَ مال	حُبًّا محبت	جَمًّا بہت		

انسان کی غلط فہمی

گذشتہ آیات میں تاریخ کے واقعات میں سے قوم عادؔ قوم ثمود اور فرعون کے واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ گویا اس میں تنبیہ تھی کفار مکہ اور عام انسانوں کے لئے کہ جو لوگ آج بھی سرکشی کررہے ہیں۔ انہیں یہ جان لینا چاہئے کہ وہ بھی اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہیں۔ اور انہیں جو مہلت مل رہی ہے اس سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ انہیں بالکل چھوٹ دے دی گئی ہے۔ یا ان پر کوئی نگران نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ایسے ہی غافل انسانوں کی ایک غلط فہمی کو ان آیات میں ظاہر فرما کر اس کی تردید فرمائی جاتی ہے تقریباً ہر زمانہ میں کم فہم اور ناسمجھ مالدار لوگوں کو یہ خیال رہا ہے کہ انہیں جو طاقت اور اقتدار مل گیا ہے اور ان کے پاس جو دولت اکٹھا ہوگئی ہے تو یہ ان کا اپنا حق ہے اور وہ اس کے مستحق ہیں اور کسی کو یہ بھی خیال ہوجاتا ہے کہ خدا مجھ سے راضی ہے اگر خدا راضی نہ ہوتا تو یہ ساری نعمتیں مجھے کیوں ملتیں۔ اس غلط عقیدہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ان لوگوں کو جن کے پاس مال دولت نہیں ہوتا حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے اور اسے غریبوں، یتیموں اور مسکینوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور اس کی دلچسپیاں اپنے ہی مال دولت سے بڑھتی جاتی ہیں وہ دونوں ہاتھوں سے مال سمیٹتا ہے۔ مردوں کی میراث بھی چاہئے اس کا حق ہو یا نہ ہو اور زندوں کی دولت بھی چاہئے جائز طریقے سے ہاتھ آئے یا ناجائز طریقے سے۔ ایسے انسان کے سامنے اصل سوال دنیا کے زیادہ سے زیادہ وسائل اور ذرائع پر قبضہ کرلینے کا ہے۔ اس کی نظروں سے یہ حقیقت اوجھل ہوگئی ہے کہ اس دنیا میں انسان جس حالت میں بھی ہے اس حالت میں اس کا امتحان ہورہا ہے یہاں اسے بہت سا مال دے کر بھی آزمایا جاتا ہے اور مشکلات میں ڈال کر بھی اس کی جانچ ہوتی ہے۔

دنیا اور دنیاوی ساز وسامان کی حقیقت

ایسے ہی غافل انسان کے بارہ میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ اس انسان کو مال دولت جاہ وجلال آرام و راحت عنایت فرماتا ہے تاکہ معلوم کرے کہ وہ ان نعمتوں کی شکر گزاری بھی کرتا ہے یا نہیں تو اس وقت وہ بطور فخر کہنے لگتا ہے کہ میں خدا کا مقبول ہوں وہ مجھ سے خوش ہے تب ہی تو میری اس قدر عزت افزائی کی ہے۔ وہ مجھ سے خوش نہ ہوتا تو مجھے کیوں اتنی نعمتوں سے

نوازتا لیکن اس کے برخلاف اگر اسے اس کا رب تنگ حالی میں مبتلا کرتا ہے اور مصائب و تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ اس کے صبر و استقلال اور رضائے بقضائے الٰہی کا معائنہ کرے تو شکایت کرتے ہوئے کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا اور دنیوی نعمتوں کو کم کر دیا گویا یہ کم فہم دنیا کو مقصود بالذات سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اس کا اکرام واعزاز حصول دولت و راحت دنیا پر منحصر جانتا ہے اور دنیوی فقر و فاقہ اور مال کی کمی کو اس کی ناراضگی پر محمول کرتا ہے تو اس انسان کا یہ خیال بالکل باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا عیش و آرام جاہ و جلال اور اسی طرح افلاس وفقر بیماری اور تکلیف اس کی آزمائش ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ بندہ فراخ دستی کی حالت میں کس قدر شکرگزار ثابت ہوتا ہے اور مصیبت کی حالت میں کیوں کر صبر کرتا ہے لہذا حصول دنیا یا عدم حصول دنیا پر اس کی رضامندی اور ناراضگی کو محمول کرنا جہالت اور کم فہمی ہے۔

اس لئے آگے فرمایا گیا کلا ہرگز ایسا نہیں یعنی ان لوگوں کا خیال غلط ہے کیونکہ نہ تو دنیا مقصود بالذات ہے اور نہ ہی اس کا ہونا نہ ہونا مقبولیت ومحرومیت کی دلیل ہے اور نہ ہی کوئی شخص اکرام واعزاز کے استحقاق کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

مال مفت دل بے رحم

پھر آگے ایسے انسانوں کو بصیغہ خطاب فرمایا کہ تم میں تو مذکورہ بالا باطل خیالات کے علاوہ اور بھی مذموم خصلتیں موجود ہیں جو موجب عذاب ہیں۔تم یتیم یعنی بن باپ کے نابالغ بچہ کی خاطر وعزت نہیں کرتے بلکہ الٹاان کی اہانت کرتے ہو۔ان پر ظلم وستم ڈھاتے ہو۔ان کا مال بے دریغ کھاتے ہو۔غریب و مساکین کو کھانا کھلانے اور ان کی امداد پر نہ تو خود آمادگی کا اظہار کرتے ہو اور نہ دوسروں ہی کو اس پر آمادہ کرتے ہو۔مردوں کا مال جو تمہیں بلا مشقت میراث میں ملتا ہے وہ خوب دل کھول کر کھاتے اور اڑاتے ہو۔مال مفت دل بے رحم اور اسی پر بس نہیں بلکہ تم مال کے اس قدر حریص ہو کہ دوسروں کا حق بھی کھا جاتے ہو۔تمہارے دل مال کی محبت سے بھرے ہیں۔حد درجہ کے لالچی اور حریص ہو۔حلال وحرام کی بھی پروانہیں کرتے۔بس مال ہاتھ آنا چاہئے خواہ کیسے ہی ناجائز طریق پر کیوں نہ ہو۔تو یہی وہ اعمال وافعال ہیں کہ جن کی وجہ سے پہلی قوموں پر عذاب نازل ہوا اس لئے مخاطبین قرآن کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم درس عبرت حاصل کرو اور ایسی حرکات سے باز آؤ۔اور اگر تم نے آنکھیں نہ کھولیں تو پھر تم کو بھی سزا ملے گی۔

یتیم کی کفالت کی فضیلت

ایام جاہلیت میں عرب میں یہ بھی ایک عیب تھا کہ یتیموں پر مہربانی نہ کرتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث صحیحہ میں یتیم کی خبر گیری اور اس کی کفالت کے بڑے فضائل ارشاد فرمائے ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کا وہ گھر سب سے اچھا ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اکرام اور بھلائی کی جاتی ہو۔اور مسلمانوں کا وہ گھر بدترین ہے جس میں یتیم سے اچھا سلوک نہ کیا جاتا ہو۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملا کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔

دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے

ان آیات سے معلوم ہوا کہ تمام گناہوں کی جڑ یہی محبت دنیا اور مال و دولت کا لالچ اور طمع ہے۔یہی حق تلفی کراتی ہے۔یہی جھوٹ بلواتی ہے۔یہی فریب و دھوکہ دہی کراتی ہے۔یہی خون کراتی ہے۔اور یہی بے شرم و بے حیا بنا دیتی ہے۔یہ کفار کی خصلتیں ہمیشہ سے رہی ہیں کہ مال کی اس قدر محبت اور پرستش کہ اسی کو مقصود زندگی ٹھہرا لے۔کفار اور ان جیسی مذموم خصلتیں رکھنے والے انسان کو یہاں حب مال پر تنبیہ ہے اور پھر ان بداعمالیوں کے ساتھ یہ بھی سمجھنا کہ کوئی ہم کو ان باتوں پر سزا دینے والا نہیں تو اس کے متعلق اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ ایسا ہرگز مت خیال کرنا اور ان سب کا پورا بدلہ آخرت میں دیا جائے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِاْيٓءَ يَوْمَئِذٍ

ہرگز ایسا نہیں جس وقت زمین کو توڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائیگا۔ اور آپ کا پروردگار اور جوق جوق فرشتے آویں گے۔ اور اُس روز جہنم کو لایا جاوے گا۔

بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿٢٤﴾

اس روز انسان کو سمجھ آوے گی اور اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا۔ کہے گا کاش میں اس زندگی کیلئے کوئی عمل آگے بھیج لیتا۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ أَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ أَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يٰٓأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾

پس اُس روز نہ تو خدا کے عذاب کی برابر کوئی عذاب دینے والا نکلے گا۔ اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا۔ اے اطمینان والی جان۔

ارْجِعِيْٓ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح کہ تو اُس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش۔ پھر تو میرے بندوں میں شامل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

كَلَّآ إِذَا ہرگز نہیں جب	دُكَّتِ پست کردی جائیگی	الْأَرْضُ زمین	دَكًّا دَكًّا کوٹ کوٹ کر	وَجَآءَ اور آئے گا	رَبُّكَ تمہارا رب	وَالْمَلَكُ اور آئیں فرشتے	
صَفًّا صَفًّا قطار در قطار	وَجِاْيٓءَ اور لائی جائے	يَوْمَئِذٍ اس دن	بِجَهَنَّمَ جہنم میں	يَوْمَئِذٍ اس دن	يَتَذَكَّرُ سوچے گا	الْإِنْسَانُ انسان	وَأَنّٰى اور کہاں
لَهُ اس کیلئے	الذِّكْرٰى سوچنا	يَقُوْلُ وہ کہے گا	يٰلَيْتَنِيْ اے کاش	قَدَّمْتُ میں نے پہلے بھیجا ہوتا	لِحَيَاتِيْ اپنی زندگی کیلئے	فَيَوْمَئِذٍ پس اس دن	
لَّا يُعَذِّبُ عذاب نہ دیگا	عَذَابَهٗٓ اس کا عذاب	أَحَدٌ کوئی	وَّلَا يُوْثِقُ اور نہ باندھ کر رکھے	وَثَاقَهٗٓ اس کا باندھنا	أَحَدٌ کوئی	يٰٓأَيَّتُهَا اے	
النَّفْسُ نفس روح	الْمُطْمَئِنَّةُ اطمینان والی	ارْجِعِيْٓ لوٹ چل	إِلٰى طرف	رَبِّكِ اپنے رب	رَاضِيَةً راضی	مَّرْضِيَّةً وہ تجھ سے راضی	
	فَادْخُلِيْ پس داخل ہو	فِيْ میں	عِبٰدِيْ میرے بندے	وَادْخُلِيْ اور داخل ہو	جَنَّتِيْ میری جنت		

قیامت کا ہولناک منظر

گذشتہ آیات میں انسان کی اس غلط روش کی طرف اشارہ فرمایا گیا تھا کہ جو مال دولت کے بے جا ہوس اور طمع سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس غلط روش پر انجام سے بے پروا ہو جانا۔ آخرت سے نڈر بن جانا اور اس گمان میں مست رہنا کہ ہمارے اعمال کا کون دیکھنے والا اور بدلہ لینے والا ہے۔ کون ہماری اس روش پر باز پرس کرنے والا ہے تو ایسے غافل اور گمراہ انسان کے خیالات کی تردید فرمائی جاتی ہے اور ان آیات میں فرمایا جاتا ہے۔ کلا یعنی اے غافل انسان تو ہرگز ایسا خیال نہ کر کہ کون نیک و بد کو دیکھ رہا ہے جو اس کا بدلہ دے گا۔ نہیں اس سب کا بدلہ ضرور ملے گا اور پورا پورا بدلہ کب ملے گا؟ قیامت و آخرت میں ملے گا جب کہ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا جس دن کہ زمین جو اس دنیا کا فرش ہے ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔ سب ٹیلہ پہاڑ بلندی پستی ہموار ہو کر زمین چٹیل میدان بن جائے گی۔ یہ پہلی مرتبہ کے صور پھونکنے کے وقت ہوگا کہ جس کے بعد تمام عالم فنا ہو جائے گا پھر کچھ مدت کے بعد جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے دوسرا جہان پیدا ہوگا اور مردے قبروں سے زندہ ہو کر نکلیں گے اور تمام اولین و آخرین میدان حشر میں جمع کر دیئے جائیں گے۔ جہاں کی گرمی، تپش اور مصیبت سے عاجز ہو کر درخواست کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا جو کچھ بھی ہو فیصلہ فرما دیں تا کہ اس محشر کے عذاب سے نجات ملے۔ چنانچہ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا یعنی آپ کا پروردگار بندوں کی عدالت کے لئے صفت جلال و قہر میں تجلی فرمائے گا اور فرشتے گروہ در

گروہ میدان حشر میں آویں گے۔ اور صف باندھ کر تعمیل ارشاد باری تعالیٰ کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا میدان حشر میں آنا جیسا کہ وَجَآءَ رَبُّكَ میں فرمایا متشابہات میں سے ہے یعنی حق تعالیٰ کا یہ آنا اسی شان سے ہوگا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے جس کی کیفیت ہم اس دنیا میں نہیں سمجھ سکتے اس لئے بلاتفتیش کیفیت اس پر ایمان رکھنا چاہئے۔ آگے ارشاد فرمایا گیا وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ اور اس روز جہنم کو بھی لوگوں کی نظروں کے سامنے موجود کیا جائے گا۔ لاکھوں فرشتے جہنم کو اس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے اس طرح لائیں گے کہ بڑی بڑی چنگاریاں اس پر اڑتی ہوں گی اور اس کے جوش وخروش کی ایک ہیبت ناک آواز لوگوں کے ہوش وحواس کو پریشان کرتی ہوگی اور ہر مجرم اپنا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لرز رہا ہوگا۔ اس وقت اصل حقیقت انسان پر واضح ہو جائے گی۔

جب غافل انسان کی آنکھیں کھلیں گی

يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ اس روز انسان یاد کرے گا جو اس نے دنیا میں کیا تھا۔ آج جو باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آتیں وہ سب اس دن سمجھ میں آجائیں گی۔ آج جن باتوں کا انکار کیا جارہا ہے وہ سب حقیقت بن کر اس دن آنکھوں کے سامنے آجائیں گی۔ اس روز اس کا نشہ اتر جائے گا۔ اور یہ سمجھ لے گا کہ جو کچھ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبوں نے خبر دی تھی وہ سب حق تھی اور ہم اپنی کم عقلی اور بدبختی سے ان باتوں کو مذاق میں اڑا دیتے تھے۔ اور اس دن کے لئے ایمان صادق اور اعمال صالحہ کا سرمایہ جمع کرنے کی بجائے دنیاوی لذات و شہوات میں مستغرق رہے ہیں اس پر ارشاد ہوتا ہے۔ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى اور اس دن سمجھ میں آنے کا کیا فائدہ؟ یعنی اس وقت کا سمجھنا کہ میں دنیا میں سخت غلطی اور غفلت میں تھا کس کام کا ہوگا۔ اس روز پچھتانا دانت پیسنا رونا اور سر پیٹنا کیا فائدہ دے گا۔ سوچنے اور سمجھنے کا موقع تو ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔ دارالعمل میں جو کام کرنا چاہئے تھا وہ دارالجزاء میں سودمند نہیں۔ وہ وقت بات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا نہ ہوگا بلکہ وہ وقت تو فصل کاٹنے کا ہوگا۔ انسان نے اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ بویا ہوگا اس کے مطابق فصل اس کے سامنے ہوگی اور وہ مجبور ہوگا کہ اپنے دنیا کے کرتوتوں کے مطابق پھل کھائے۔

حسرت بے ثمر

اس وقت اس کی آنکھیں کھلیں گی اور افسوس کے ساتھ ہاتھ ملے گا۔ اور کہے گا يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ کاش میں اس اخروی زندگی کیلئے کوئی عمل آگے بھیج لیتا۔ افسوس! میں نے دنیا کی زندگی میں وہ کام کئے ہوتے جو آج میرے کام آتے۔ کاش میں نے دنیا میں اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایات پر کان دھرا ہوتا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کا نقشہ بنایا ہوتا۔ ہائے افسوس میں تو یونہی خالی ہاتھ یہاں چلا آیا۔ کاش کہ ایمان اور عمل صالح کا ذخیرہ آگے روانہ کر دیتا جو آج یہاں کے لئے توشہ بنتا۔ ہائے میں بدنصیب تو جو کچھ کرتا رہا چند روزہ زندگانی کے لئے کرتا رہا۔ جو ایک خواب سا تھا۔ لیکن اس وقت اس افسوس اور پچھتانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اے اللہ اپنے کرم سے آج اس دنیا میں ہمیں دین کی فہم اور سمجھ عطا فرما دے اور قیامت میں ہم کو غفلت کے پچھتاوے سے بچا لے۔ آمین۔

احکم الحاکمین کی گرفت

یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر انتہائی کرم ہے کہ اس نے اس زندگی میں ہماری رہنمائی کے لئے پورا پورا انتظام فرما دیا ہے اور اس انجام کو کھول کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے جو مرتے ہی سامنے آنے والا ہے۔ اب اگر آج کسی کی سمجھ میں اللہ ورسول کی بات نہیں آتی۔ یا سمجھ میں تو آتی ہے مگر وہ اس کے مطابق زندگی کا رخ موڑنے کے لئے تیار نہیں ہے تو آج اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جو راہ چاہے اختیار کرے۔ لیکن جب قیامت میں پوری حقیقت سامنے آجائے گی اور قیامت میں کیا مرتے ہی بات سمجھ میں آجاوے گی اور تمنا کرے گا کہ اب اسے اگر دوبارہ دنیا کی زندگی کا موقع مل جائے تو اپنی زندگی میں بال برابر بھی اللہ کی ہدایت سے ہٹ کر قدم نہ رکھے لیکن اس وقت نہ اس بات کے سمجھنے کا کوئی فائدہ ہوگا اور نہ اس کا موقع ملے گا اس وقت تو اللہ کے جزا وسزا اور اس کے انعام واحسان یا اس کی پکڑ اور عذاب کا وقت ہوگا

اور اس کا عذاب وہ سخت عذاب ہوگا کہ اس کے برابر کوئی دوسرا عذاب ممکن نہ ہوگا اور اس کی پکڑ وہ سخت پکڑ ہوگی کہ اس جیسی کسی دوسری پکڑ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکے گا۔ الامان والحفیظ۔ اسی کو فرمایا جاتا ہے فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ پس اس روز نہ تو خدا کے عذاب کے برابر کوئی عذاب دینے والا نکلے گا اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا۔ یعنی ایسی سخت سزا اور قید کرے گا کہ دنیا میں کبھی کسی نے کسی کو نہ اتنی سخت سزا دی ہوگی نہ ایسی سخت قید کی ہو گی۔ الامان والحفیظ کیونکہ اول تو اس کا عذاب روحانی وجسمانی ہوگا دوم ایسا سخت ہوگا کہ ویسا دنیا میں ہو نہیں سکتا۔ سوم دنیا کے عذاب کی انتہا خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو موت ہے جس کے آنے پر چھٹکارا ہو جاتا ہے مگر وہاں موت بھی نہیں کہ چھٹکارا ہو جائے۔ پھر وہاں کی جیل سے نہ کوئی نکل سکتا ہے نہ لے دے کر کوئی راحت حاصل کر سکتا ہے۔ ہمیشہ کی قید پھر وہاں کی مار اور دکھ۔ سانپ اور بچھو زنجیر اور بیڑیاں' عذاب روحانی وجسمانی الامان والحفیظ ایسی قید اور کون کر سکتا ہے۔

مومنین صالحین کے انعامات

یہاں تک تو اہل محشر کے مجرموں اور ظالموں کا حال بیان ہوا جو ان پر قیامت میں طاری ہوگا اس کے بعد صالحین اور مومنین کا حال بیان فرمایا جاتا ہے کہ جنہوں نے دنیا میں زندگی اللہ تعالیٰ کے حکموں اور ہدایت کے موافق گزاری ہوگی۔ جنہوں نے زندگی میں ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو اپنے سامنے رکھا ہوگا۔ جنہوں نے اللہ کی خوشنودی کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی رضامندی کا کوئی خیال نہ کیا ہوگا تو ان کے ساتھ اس روز کیا معاملہ پیش آئے گا۔ ان کا کیسا اکرام و اعزاز کیا جائے گا۔ ان کو کیسی تسلی وتشفی کا خطاب سننا نصیب ہوگا ان کو کیسے راحت و آرام کی جگہ بھیجا جائے گا؟ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ یعنی ان سے محشر میں کہا جائے گا کہ اے نفس مطمئنہ تو اپنے پروردگار کے جوار رحمت کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش پھر ادھر چل کر تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

سبحان اللہ اللھم اجعلنامنھم اللہ تعالیٰ میدان حشر میں یہ خطاب ہم کو بھی سننا نصیب فرمائیں۔ آمین۔ اس خطاب میں پہلے ہی صالحین و مومنین کو يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ یعنی اے اطمینان والی جان فرما کر تسلی وتشفی فرما دی کہ اس خوف و ہراس کے وقت وہ اس لفظ نفس مطمئنہ کو سنتے ہی عذاب وعتاب کی دہشت سے مطمئن ہو جائیں گویا یہ خطاب کا پہلا ہی لفظ بطور خوشخبری کے سنایا جائے گا کہ تجھے اطمینان ہے تو دنیا میں جس محبوب حقیقی سے لو لگائے ہوئے تھا اب ہر قسم کے جھگڑوں سے یکسو ہو کر راضی وخوشی اس کے مقام قرب کی طرف چل اور اس کے مخصوص بندوں کے زمرہ میں شامل ہو اور اس کی عالیشان جنت میں جو ہمیشہ کے لئے عیش و آرام کا گھر ہے قیام کر جہاں تم کو ہر وہ چیز ملے گی جس کی تم خواہش کرو اور پھر وہاں کی نعمتیں ابدی ہیں کہ کبھی زائل نہ ہوں گی۔ کبھی کم نہ ہوں گی۔ کبھی چھینی نہیں جائیں گی۔ اللھم اجعلنامنھم امین

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو موت کے وقت بھی یہ بشارت سنائی جاتی ہے اور عارفین کا تجربہ تو یہ بتلاتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں بھی ایسے نفوس مطمئنہ اس طرح کی بشارت کا فی الجملہ حظ اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو بھی نفس مطمئنہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

نفس اَمَّارَہ... لَوَّامَہ... مُطْمَئِنَّہ کی تحقیق

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے نفس کی تین صفات ہیں۔ امارہ' لوامہ' مطمئنہ' امارہ کفار اور دنیا کی لذات وشہوات پر فریفتہ لوگوں کی صفت ہے اور یہ نفس امارہ ان کو بدکاری اور بدعملی پر بار بار حکم کرتا رہتا ہے اور وہ مانتے رہتے ہیں۔ نفس لوامہ یعنی ملامت کرنے والا جو اپنی برائیوں پر ملامت کرے۔ یہ عام مسلمانوں کی صفت ہے کہ ان میں حس و ادراک باقی ہے اور گناہ کو گناہ سمجھتے ہیں اور دل میں گناہ کر کے رنج و افسوس ہوتا ہے۔ نفس مطمئنہ یعنی اطمینان والا نفس۔ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور صالحین کے نفس کی حالت ہے کہ ان کو عبادت ومعرفت سے اطمینان وسکون نصیب ہو جاتا ہے۔ اور کاموں میں لگ کر ان کا دل بے قرار رہتا ہے اور ہر پھر کر اپنے مرکز اصلی ذکر الٰہی کی طرف آ رہتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمارے نفوس

4 امارہ ولوامہ کو بھی مطمئنہ بنا دے کہ ہم دنیا سے رخصت ہوتے وقت نفس مطمئنہ کے ساتھ رخصت ہوں۔

صالحین کی صحبت کا فائدہ

یہاں آخری دو آیات فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی یعنی نفس مطمئنہ کو مخاطب کر کے حق تعالیٰ جل شانہ کا یہ حکم کہ میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ ان سے متعلق مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ ان آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ کے مخلص اور صالح بندوں میں شامل ہونے کا حکم ہے۔ پھر اس کے بعد جنت میں داخل ہونے کا۔ اس میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جنت میں داخل ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے صالح و مخلص مومنین کے زمرہ میں شامل ہو۔ پھر ان سب کے ساتھ ہی جنت میں داخلہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو دنیا میں صالحین کی صحبت ومعیت اختیار کرتا ہے یہ علامت اس کی ہے کہ یہ بھی ان کے ساتھ جنت میں جائے گا۔ اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا۔ وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین اور مجھے اپنی رحمت سے داخل کرا اپنے نیک بندوں میں (سورۂ نمل) اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا توفنی مسلماً و الحقنی بالصٰلحین موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو صالحین یعنی نیک بندوں میں (سورۂ یوسف) تو معلوم ہوا کہ صحبت صالحین وہ نعمت کبریٰ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کی دعا سے مستغنی نہیں۔ (معارف القرآن)

خلاصہ

اس سورت کی ابتداء میں اس پر چار قسمیں کھائی گئی ہیں کہ کفار پر اللہ کا عذاب واقع ہو کر رہے گا' اس کے بعد سورۂ فجر میں تین مضامین نمایاں طور پر مذکور ہوئے ہیں۔

قوم عاد' ثمود اور فرعون جیسے متکبروں اور فسادیوں کے قصے اجمالی طور پر ذکر کیے گئے ہیں جو اپنی سرکشی اور جرائم کی وجہ سے اللہ کے عذاب کے مستحق ٹھہرے۔

اللہ کی سنت اور دستور یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں انسان کو خیر وشر' فقر وغنیٰ اور صحت وبیماری جیسی آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے' انسان کی طبیعت ایسی ہے کہ وہ اپنے رب کے فضل واحسان کا شکر ادا نہیں کرتا اور اللہ کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ نہیں کرتا وہ مال کی محبت میں بڑا حریص ہے' اس کا پیٹ بھرتا ہی نہیں۔

قیامت کے دن جو زلزلے اور ہولناک حالات پیش آئیں گے ان کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ انسان دو قسموں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ شقی لوگ اللہ کے غضب کے حقدار ہوں گے اور نفسِ مومن' جسے نفسِ مطمئنہ کہا گیا ہے اسے اپنے رب کی طرف لوٹنے اور جنت میں داخل ہونے کیلئے کہا جائے گا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو جس حال میں رکھیں اپنی مرضیات پر چلنے اور اپنے احکام بجالانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ! آپ نے جو مال دولت ہم کو اس دنیا میں عطا فرمایا ہے اس کے حقوق بجالانے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کے ذریعہ حاجتمندوں اور مسکینوں کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ہمیں دین کی سمجھ عطا فرما دیں کہ جو ہم اس دنیا میں ایمان اور اعمال صالحہ کا ذخیرہ جمع کر لیں اور اپنی آخرت کو سنوار لیں۔

یا اللہ ہمیں نفس مطمئنہ نصیب فرما اور آخرت میں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائیں اور انہی کے ساتھ اپنی جنت میں داخلہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿١﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿٢﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿٣﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے اور قسم ہے باپ کی اولاد کی۔ کہ ہم نے انسان

الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ﴿٤﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ﴿٥﴾ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ

کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اُس پر کسی کا بس نہ چلے گا۔ کہتا ہے کہ

مَالًا لُّبَدًا ﴿٦﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٧﴾

میں نے اتنا مال وافر خرچ کر ڈالا۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں۔

لَآ اُقْسِمُ نہیں، میں قسم کھاتا ہوں	بِهٰذَا اس	الْبَلَدِ شہر	وَاَنْتَ اور آپ	حِلٌّ اترے ہوئے	بِهٰذَا اس	الْبَلَدِ شہر	وَوَالِدٍ اور والد کی
وَمَا وَلَدَ اور اولاد	لَقَدْ خَلَقْنَا تحقیق ہم نے پیدا کیا	الْاِنْسَانَ انسان	فِیْ میں	كَبَدٍ مشقت	اَيَحْسَبُ کیا وہ گمان کرتا ہے	اَنْ کہ	
لَنْ يَّقْدِرَ ہرگز بس نہیں چلے گا	عَلَيْهِ اس پر	اَحَدٌ کسی	يَقُوْلُ وہ کہتا ہے	اَهْلَكْتُ خرچ کرڈالا	مَالًا مال	لُّبَدًا ڈھیروں	
اَيَحْسَبُ کیاوہ گمان کرتا ہے	اَنْ کہ	لَّمْ يَرَهٗ اس کونہیں دیکھا	اَحَدٌ کسی				

وجہ تسمیہ' مقام وشان نزول

اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں بلد کی قسم کھائی گئی ہے جس کے لفظی معنی شہر کے ہیں اور مراد شہر مکہ ہے اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام بلد مقرر ہوا یہ سورۃ بھی مکی ہے۔ اس سورۃ کے شان نزول کے سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی لکھی ہے کہ قریش میں ایک کافر اسید بن کلدہ نہایت قوی ہیکل اور زور آور پہلوان تھا اس کو اپنی طاقت اور توانائی پر بڑا ناز تھا اور اس کی طاقت کا یہ حال تھا کہ اپنے پاؤں سے گائے بیل کا چمڑہ دبا لیتا اور لوگوں سے کہتا کہ میرے پاؤں کے نیچے سے چمڑہ کھینچ کر باہر کرو۔ بہت سے لوگ مل کر زور آزمائی کرتے مگر چمڑہ کھینچنے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور اس کے پاؤں تلے سے نہ نکلتا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دعوت اسلام دی تو وہ کافر ایمان نہ لایا اور اس نے بہت سخت سست کلمات آپ کی شان میں استعمال کئے اور کہنے لگا کہ تم مجھے آتش دوزخ کے مؤکلوں سے کیا ڈرتے ہو۔ میرا بایاں ہاتھ ان سب کو سزا دینے کے لئے کافی ہے۔ میرے مقابلہ کی کون تاب لا سکتا ہے اور مجھ پر کون غالب آ سکتا ہے اور بہشت کی نعمتوں سے مجھے کیا پھسلاتے ہو۔ میں نے شادیوں اور خوشی کی تقریبات میں اتنا مال دولت خرچ کیا ہے کہ تمہاری بہشتی نعمتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اور تمہاری جنت کی قیمت تو میرے اس خرچ کئے ہوئے مال کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اس کی ان باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی اور بتایا کہ انسان کو اپنی قوت اور زور اور مال و دولت کی کثرت اور بڑائی پر مغرور و نازاں نہ ہونا چاہئے۔ اور اگر یہ انسان پیدائش سے لے کر موت تک کے واقعات و تغیرات پر غور کرے تو یہ خوب واضح ہو جاتا ہے کہ اسے کس قدر تکالیف اور شدائد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس سورۃ کا خاص مضمون بھی یہی ہے کہ اس زندگی کے بعد جو ایک اور ہمیشہ رہنے والی زندگی آنے والی ہے اس میں انسان کے تمام اعمال کی جانچ کی جائے گی۔ ہر شخص کے ساتھ انصاف ہوگا اور جس نے اس دنیا میں جیسی

گزاری ہوگی اسی کے لحاظ سے اسے اچھا یا برا بدلہ دیا جائے گا۔

شہر مکہ کی قسم اور فتح مکہ کی پیشین گوئی

ان آیات کی ابتداء بھی چند قسموں سے ہوئی ہے۔ پہلی قسم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ کہ ہم اس شہر مکہ کی قسم کھاتے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ شہر مکہ کی قسم اس لئے کھائی گئی کہ افضل الرسل خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر مکہ میں کفار کے ہاتھوں اس وقت طرح طرح کے مصائب اور اذیتیں جھیل رہے تھے۔ مگر آپ کو اس مقدس شہر میں لڑنے کی خدا تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ تھی اس لئے ساتھ ہی بطور جملہ معترضہ وَاَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرما دی کہ اگر چہ آج آپ کا احترام اس شہر کے جاہلوں میں نہیں ہے اور آپ کفار کے نرغہ میں ہیں اور ان کی طرف سے بلا دریغ آپ اور آپ کے متبعین پر ظلم وستم ڈھایا جا رہا ہے اور گو اس مقدس شہر میں قتال حرام ہے یہاں تک کہ اس میں شکار کھیلنے یا گھاس وغیرہ تک کاٹنے کا حکم نہیں مگر آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک بار آپ کو کفار سے لڑنے اور قتل وقتال کرنے کی اجازت دے دیں گے اور آپ اس وقت ان پر غالب آئیں گے۔ اور آپ اس شہر میں فاتحانہ داخل ہوں گے۔ چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ یہ پیشین گوئی ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر پوری ہوئی جب کہ فتح مکہ کے دن آپ کے لئے احکام حرم باقی نہ رہے اور آپ نے دشمنان دین پر غلبہ حاصل کیا اور اس مقام مقدس کی ابدی تطہیر وتقدیس کے لئے مجرموں کو سزا دینے کی بھی آپ کو اجازت ہوئی۔ اور یہ صرف ایک دن فتح مکہ کے روز حرم میں خون بہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز ہوا تھا۔ فتح مکہ کے دوسرے ہی دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا۔

(ترجمہ) ''اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے جس روز آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام ومحترم پیدا کیا پس وہ قیامت تک حرام ومحترم رہے گا۔ پس کسی شخص کے لئے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ مکہ میں کوئی خون بہائے اور نہ کسی کے لئے کسی درخت کا کاٹنا جائز ہے۔ مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا اور میرے لئے بھی صرف اسی ساعت اور اسی گھڑی کے لئے حلال کیا گیا۔ اہل مکہ کی نافرمانی پر اور ناراضی کی وجہ سے اور آگاہ ہو جاؤ کہ اس کی حرمت پھر ویسی ہی ہوگئی جیسا کہ پہلے تھی پس تم میں سے جو حاضر ہے وہ میرا یہ پیام ان لوگوں کو پہنچا دے کہ جو غائب ہیں۔ پس تم میں سے جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ میں قتال کیا تو تم اس سے یہ کہہ دینا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول کے لئے مکہ کو کچھ وقت کے لئے حلال کر دیا تھا اور تمہارے لئے حلال نہیں کیا۔''

الغرض یہاں پہلی قسم اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی کہ ہم اس شہر مکہ کی قسم کھاتے ہیں اور اس کے بعد بطور پیشین گوئی کے فرمایا کہ آپ کیلئے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے۔ یہ فتح مکہ کی طرف اشارہ تھا۔

نوع انسانیت کی قسم

آگے دوسری اور تیسری قسم فرمائی۔ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ کہ قسم ہے باپ کی اور اولاد کی۔ ساری اولاد کے باپ آدم علیہ السلام ہیں۔ اس لئے بعض مفسرین نے یہاں والد سے مراد حضرت آدم ابوالبشر علیہ السلام لئے ہیں اور اولاد سے مراد تمام بنی آدم لئے ہیں اور بعض مفسرین نے عام باپ اور اولاد مراد لئے ہیں۔

انسان کی ذمہ داریاں

ان قسموں کے بعد فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں مشقت اور مصیبت کے لئے بنایا ہے چنانچہ اس کی ساری عمر تکالیف حیرانی اور پریشانی میں گزرتی ہے۔ عمر بھر کہیں مرض میں کہیں رنج میں کہیں فکر میں اکثر اوقات مبتلا رہتا ہے۔ یہاں جن چیزوں کی قسم کھائی ہے اس کو جواب قسم سے خاص مناسبت ہے چنانچہ بلد یعنی شہر جس کی قسم پہلے کھائی گئی مجمع خلائق ہوتا ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی مشقت اور دھندے میں لگا ہوتا ہے اور انسانی دوڑ دھوپ اور رنج وغم کا ایک عجیب منظر ہوتا ہے۔ بالخصوص شہر مکہ میں تو بوقت نزول قرآن مشقت ومحنت ممتاز درجہ رکھتی تھی اول تو اس کی پہاڑی اور ریگستانی زمین کی وجہ سے مشقت جہاں

نہ سرسبز باغات تھے نہ کھیتی۔ نہ کنوؤں میں میٹھا پانی۔ نیز گرم جگہ جہاں بادسموم چلا کرتی اور جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو دین داروں اور اسلام اختیار کرنے والوں کی اور بھی مصیبت اور مشقت بڑھ گئی۔ آئے دن کا ظلم وستم مار پیٹ شروع ہوگیا تھا۔ دوسری قسم والد کی کھائی گئی جو اپنی اولاد کے لئے طرح طرح کی محنت و مشقت برداشت کرتا ہے۔ کبھی فکر معیشت اور تدبیر تربیت میں مبتلا ہوتا ہے تو کبھی بچوں کی بیماری اور موت کے صدمہ اٹھاتا ہے۔ پھر کسی کی اولاد نالائق اٹھی تو اس کا دکھ باپ ہی سے پوچھنا چاہئے۔ آپ دکھ اٹھا کر اولاد کو آرام پہنچانے کا حال ہر ایک صاحب اولاد پر ظاہر ہے۔ پھر صرف باپ ہی کو نہیں بچہ کو بھی دنیا میں مختلف مصائب اور آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نو ماہ شکم مادر میں محبوس رہنا اور رحم میں گندہ خون کھانا اور پھر تنگ راستہ سے نکل کر دنیا میں آنا۔ سردی گرمی بھوک پیاس کا دُکھ اٹھانا۔ پھر دانتوں کی تکلیف اور جسمانی حالت کمزور ہوئی تو صدہا تکالیف اور بیماریاں آدباتی ہیں۔ پھر جب ذرا سمجھ آئی تو مکتب و مدرسہ میں تعلیم وتربیت کی مصیبت۔ پھر جب جوان ہوا تو فکر معاش نے آ گھیرا۔ چند پیسوں کے لئے کوئی دن بھر دوکان یا کارخانہ میں مقید رہتا ہے۔ کوئی فوج میں نوکر ہو کر کیا کیا مصائب دیکھ کر سر کٹواتا ہے۔ رعیت ہے تو بادشاہ کی اطاعت بلکہ غلامی اور کاروبے گار و خراج وٹیکس کی مصیبت اور بادشاہ ہے تو اس کو جہاں داری اور حفظ سلطنت کی مصیبت۔ نوکر کو آقا کی اطاعت کی مشقت۔ آقا کو اپنے ملازمین کی نگہداشت کی مشقت' بیوی کو میاں کی اطاعت اور بچہ کشی کی مشقت' میاں کو بیوی کے جابے جا مصارف اور فرمائشات کے برداشت کرنے کی مشقت' ماں باپ کو اولاد کی پرورش اور بیماری میں ان کے درد غم کھانے کی مصیبت اولاد پر مادر و پدر کی خدمت و اطاعت کی مشقت پھر دوست احباب' ہم وطن و ہمسایوں کو خوش رکھنے کی مشقت' یہ تو جیتے جی دنیا کی مشقتیں تھیں پھر آگے نزع کی مشقت اور مفارقت مال واولاد کی مشقت' پھر تنگی قبر اور عذاب قبر' عالم برزخ وحشر ونشر کی مصیبت' پھر اگر شقی ازلی ہے تو جہنم ابدی کی مشقت اور مصیبت پر مصیبت ہے۔

ذمہ داریوں کا تقاضا

غرض کہ ہر طرف سے تکالیف ہی تکالیف نظر آتی ہیں کوئی ایک دو ہوں تو بیان بھی کی جائیں لہٰذا یہ سب چیزیں بتا رہی ہیں کہ انسان ہر وقت آلام وشدائد میں گھرا ہوا ہے۔ اور سدا کا دکھیا ہے۔ اسی کو فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ تو چاہیے تو اسے یہ تھا کہ عجز وانکساری اختیار کرتا اور مطیع وفرمانبردار رہتا مگر اس کی تو یہ حالت ہے کہ باوجود مصائب کا شکار ہونے کے پھر بھی غرور ونخوت سے باز نہیں آتا۔ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ اور سمجھتا ہے کہ اس پر کسی کا قابو نہیں چل سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اپنے آپ کو خارج سمجھتا ہے احکام خداوندی کے خلاف ورزی کرتا ہے اور يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال عیش وعشرت میں اڑا دیا۔ اور اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗ اَحَدٌ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں تو کیا اس کو معلوم نہیں کہ خدائے تعالیٰ اس کے ہر ہر فعل کو دیکھ رہا ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ قلوب کے خطرات ووساوس بھی اس کے علم میں ہیں۔ پھر کیسے کوئی اس کی سزا سے بچ سکتا ہے۔

یہاں ان آیات میں انسان کو اس پر متنبہ کیا گیا ہے کہ انسان کی دنیا میں جو یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں ہمیشہ راحت ہی راحت اور چین میں رہے۔ کسی تکلیف رنج ومشقت سے کبھی واسطہ نہ پڑے تو یہ انسان کا خیال خام ہے جو کبھی حاصل نہ ہوگا۔ جب حق تعالیٰ جو انسان کے پیدا کرنے والے ہیں وہ فرما رہے ہیں **لقد خلقنا الانسان فی کبد** کہ انسان اپنی فطرت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ اول عمر سے آخر تک محنتوں اور مشقتوں میں رہتا ہے۔ تو انسان کو چاہیے کہ مشقت کے لئے تیار رہے۔ اور جب دنیا میں محنت ومشقت اور کلفت پیش آنا ہی ہے تو عقلمند کا کام یہ ہے کہ محنت ومشقت اس چیز کے لئے کرے جو اس کے ہمیشہ کام آئے اور دائمی راحت کا سامان بنے اور وہ صرف ایمان اور طاعت حق میں منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دین کی سمجھ اور فہم عطا فرماویں۔ اور آخرت کی دائمی راحت کے لئے دنیا میں عارضی اور وقتی مشقت ومحنت برداشت کرنے کی قوت وصلاحیت عطا فرمائیں۔ آمین۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو انسان بنا کر پیدا فرمایا اور پھر انسان بنا کر ایمان اور اسلام کی دولت سے نوازا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾

کیا ہم نے اُس کو دو آنکھیں اور زبان اور دوہونٹ نہیں دیئے۔اور ہم نے اُس کو دونوں راستے بتلادیئے۔سو وہ شخص گھاٹی میں سے

وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا

ہوکر نہ نکلا۔اورآپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیاہے۔وہ کسی گردن کا چھڑا دینا ہے یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی

ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾

رشتہ داریتیم کو۔یاکسی خاک نشین محتاج کو۔

اَلَمْ کیانہیں	نَجْعَلْ ہم نے بنایا	لَهٗ اس کیلئے	عَيْنَيْنِ دوآنکھیں	وَلِسَانًا اور زبان	وَشَفَتَيْنِ اور دو ہونٹ	وَهَدَيْنٰهُ اور ہم نے اسے دکھائے				
النَّجْدَيْنِ دوراستے	فَلَا اقْتَحَمَ پس نہ داخل ہواوہ	الْعَقَبَةَ گھاٹی	وَمَا اور کیا	اَدْرٰكَ تم سمجھے	مَا کیا	الْعَقَبَةُ عقبہ	فَكُّ چھڑانا	رَقَبَةٍ گردنا سیر	اَوْ یا	
اِطْعٰمٌ کھاناکھلانا	فِيْ میں	يَوْمٍ دن	ذِيْ مَسْغَبَةٍ بھوک والے	يَّتِيْمًا یتیم	ذَا مَقْرَبَةٍ قرابت دار	اَوْ یا	مِسْكِيْنًا مسکین	ذَا مَتْرَبَةٍ خاک نشین		

انسان کی ناشکر گزاری

گذشتہ ابتدائی آیات میں بتلایا گیا تھا کہ انسان اگر غور کرے تو صاف سمجھ سکتا ہے کہ یہ انسان ہر وقت آلام وشدائد میں گھرا ہوا ہے۔ تو چاہیے تو اسے یہ تھا کہ عجز وانکساری اختیار کرتا۔ مطیع اور فرمانبردار رہتا مگر اس کے غرور اور پندار کی یہ حالت ہے کہ سمجھتا ہے کہ میں ہی سب کچھ ہوں۔ اور احکام خداوندی کے خلاف ورزی کرتا ہے۔ اسی سلسلے میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تو اس انسان پر بہت احسان کئے ہیں لیکن پھر بھی یہ احسان مند بندہ ہونے کے بجائے احکام خداوندی کے سامنے اکڑتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو دو آنکھیں دیں تاکہ انسان ان آنکھوں سے ہر طرف خدا کی نعمتوں کو دیکھے اور ان انتظامات کو دیکھے جو اس نے انسان کی پرورش کے لئے مہیا کر دیئے ہیں اس دیکھنے کے نتیجہ میں اسے اپنے رب کی صفات کو پہچاننا چاہیئے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اس کی توحید کا اقرار کرنا چاہیئے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں۔ اس میں ایک دوسرے پہلو سے بھی چند چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً ایک کافر اور ناشکرا انسان اپنے کمائے ہوئے مال وزر اور دھن دولت کو اپنے دنیاوی تحفظ واستحکام اور اپنے قیام ودوام کا سبب جانتا ہے اور قادر حقیقی کی قدرت کاملہ پر غور نہیں کرتا کہ مال حاصل کرنے کے آلات جن میں سے اعلیٰ چیزیں آنکھ اور وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ہیں یعنی زبان اور لب ہیں وہ تو اللہ ہی نے پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر یہ اندھا اپاہج ہوتا تو کیا کماتا۔ پھر ایک کافر انسان کا یہ سمجھنا کہ نہ مجھے کوئی دیکھ رہا ہے نہ میرے حالات اور اسرار پر کوئی واقف ہے یہ بھی غلط ہے۔ جس نے انسانوں کو دیکھنے کو آنکھیں دیں کیا وہ خود دیکھتا نہ ہوگا۔ یقیناً جو سب کو بینائی دے وہ سب سے بڑھ کر بینا ہونا چاہیئے۔ پھر صرف دو آنکھیں ہی نہیں پیدا کر دیں بلکہ زبان اور دو ہونٹ بھی پیدا کر دیئے کہ اگر خود کسی میں نیک وبد کام میں تمیز کرنے کی عقل نہیں تو اس زبان کے ذریعہ کسی صاحب فہم وفراست سے ہی پوچھ لے۔ غرض کہ انسان کو چاہیئے کہ ان اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو حصول سعادت کا آلہ بنائے اور کسی بری جگہ منعم حقیقی کی مرضی کے خلاف استعمال نہ کرے۔

انسان کی رہنمائی کا انتظام

پھر اللہ تعالیٰ نے ان اعضاء ہی کے پیدا کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ انسان کو نیکی اور بدی کے دونوں راستوں سے بھی آگاہ کر دیا۔ مضر اور مفید میں امتیاز کرنے کی قوت بھی عطا کر

دی تا کہ مضر سے اجتناب کرے اور نافع پر کاربند ہو۔ پھر اتنا ہی نہیں بلکہ انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجنے کا بھی انتظام فرمایا۔ اپنے رسولوں کو بھیجا۔ اپنی کتابیں نازل کیں جس میں انسانوں کو بتایا کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہ کرنا چاہئے۔ کون سے کام اچھے ہیں کون سے برے۔ کس بات سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور کس بات سے ناراض۔ ان سب باتوں کا مقتضا یہی تھا کہ انسان احکام الٰہی کے تابع ہوتا۔ محسن حقیقی کا شکر بجالاتا۔ اسراف سے باز آتا۔ اعمال صالحہ کرتا لیکن اس کافر انسان نے تو ایسا کرنے سے صریح انکار کر دیا۔ نیک و بد میں امتیاز کرنے کی قوت موجود ہونے کے باوجود دین کی گھاٹی میں نہ گھسا۔ اس کو تو دین حق کی پیروی پہاڑ کی طرح بوجھل معلوم ہوتی ہے۔ یہاں فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ میں دین کے کاموں کو گھاٹی یعنی دشوار گزار راستہ سے گزرنا اس لئے کہا گیا ہے کہ دین کے احکام پر چلنا نفس کو شاق گزرتا ہے کیونکہ وہ خواہشات نفسانی کے خلاف ہوتے ہیں اور برے راستہ پر چلنا آسان ہوتا ہے کیونکہ وہ خواہشات کے موافق ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اصلی اور حقیقی کامیابی کی منزل کی طرف چل رہے ہیں ان کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ آسان و ہموار راستہ پر ہی چلتے رہیں گے۔ نہیں بلکہ دین کے راستہ پر چلنے میں گھاٹیاں بھی آئیں گی۔ ناپسندیدہ حالات سے بھی دوچار ہونا پڑے گا۔ مشکلات سے بھی واسطہ پڑے گا اور جب تک دشواریوں کی ان گھاٹیوں کو پار نہیں کیا جاوے گا منزل مقصود کی طرف بڑھنا ممکن نہ ہوگا۔

دو اعلیٰ قسم کی نیکیاں

اس کے بعد یہ سوال آیت میں کیا گیا وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ یعنی کامیابی کی اس منزل کی طرف بڑھنے میں جس دین کی گھاٹی کو پار کرنا ضروری ہے وہ ہے کیا؟ آگے خود ہی اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ فَكُّ رَقَبَةٍ یعنی دین کی گھاٹی سے مراد کسی کی گردن کو طوق غلامی سے چھڑانا ہے۔ یا اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ یعنی فقر و فاقہ کی حالت میں کسی رشتہ دار یتیم یا کسی خاک نشین فقیر مسکین کو کھانا کھلا دینا ہے۔

گویا یہاں نیکی کی دو اعلیٰ اقسام بیان فرمائی گئیں۔ ایک فک رقبة یعنی گردن کا چھڑانا یہ الفاظ عام ہیں اور اس میں کئی صورتیں داخل ہیں۔ ایک غلام کا آزاد کر دینا یا اس کی قیمت مالک کو ادا کر کے غلام کو آزاد کرا دینا۔ عرب میں ایام جاہلیت میں غلاموں پر بڑی سختی ہوتی تھی ان کو جانوروں کی طرح رکھ کر سخت مشقت کے کام لیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس رسم غلامی میں بڑی اصلاح کی اول تو آزادی کی بڑی ترغیب دلائی اور جو کسی مسلمان کے پاس غلام رہ جاوے تو اس کے ایسے حقوق قائم کئے کہ پھر غلام کو غلامی میں آزادی ہے۔ کوئی تکلیف سخت باقی نہیں رہتی۔ دوسرے کسی نادار قرض دار کو قرضہ معاف کر کے خود آزادی دینا یا قرضہ ادا کر کے اس کی گردن کو اس سخت پھندے سے چھڑا دینا۔ تیسرے کوئی ظالم زبردستی اور ناحق کسی کو بیگار قید میں پکڑ لے اس کی خلاصی کرانا خواہ بقوت بازو خواہ مال دے کر۔ یہ سب صورتیں۔ فک رقبة یعنی گردن چھڑانے میں داخل ہیں۔

دوسری قسم نیکی کی اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ فرمایا یعنی فاقہ کے دن کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو کھانا کھلانا۔ یعنی احتیاج اور ضرورت کے وقت جیسا کہ ایام قحط ہوں یا کسی اور سبب سے غلہ نہ ملتا ہو ایسے وقت میں بھوکے کو کھانا کھلانا خواہ وہ کوئی ہو مگر یتیم کو کھانا کھلانا اور بھی بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس کا کوئی سرپرست نہیں۔ اور یتیموں میں بھی اہل قرابت اگر ہو تو اور زیادہ ثواب و نیکی ہے یا کسی فقیر حاجتمند کو کہ فقر و فاقہ نے اسے خاک نشین بنا دیا ہو تو دین کی گھاٹی سے گزرنا یہاں دو چیزوں کو بتلایا گیا ایک تو کسی کی گردن کو طوق غلامی سے چھڑانا۔ جس میں غلام آزاد کرنا یا کرانا قرض دار کا قرض ادا کر کے مصیبت قرض سے نجات دلانا۔ ظالم کے ظلم سے مظلوم کو چھڑانا یہ سب صورتیں شامل ہیں دوسرے احتیاج کے وقت کسی رشتہ دار یتیم یا کسی خاک نشین فاقہ زدہ محتاج کو کھانا کھلانا۔ یعنی اصلی اور حقیقی کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے لئے دین کی گھاٹی میں سے گزرنا لازمی ہے جس میں اہم گھاٹی یہ ہے کہ انسان

دوسرے انسانوں کی مصیبت کو دور کرے۔ بھوکوں کے لئے کھانے کا انتظام کرے بالخصوص اپنے قریبی رشتہ دار، لاوارث یتیم بچے اور ایسے خستہ حال مسکین جو دوسروں کی مدد کے محتاج ہوں۔

اسلام اور مسئلہ غلامی

یہاں ان آیات میں کسی کو غلامی سے آزاد کرنے یا کرا دینے کو نیکی کے اعلیٰ کاموں میں سے ایک کام بتایا گیا۔ معاندین اور مخالفین اسلام جو اسلام کے مسئلہ غلامی پر اعتراض کرتے ہیں وہ ذرا آنکھ کھول کر دیکھیں کہ اسلام میں مسئلہ غلامی کی حقیقت کیا ہے۔ اسلامی شریعت میں صرف ان جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت ہے جو نہ تو فدیہ دے کر آزاد ہو سکیں اور نہ جن کو قیدیوں کے تبادلے کے اصول کے تحت آزاد کرنے کی گنجائش نکل سکے۔ ایسے قیدیوں کو اسلامی حکومت جیل خانوں یا کیمپوں میں رکھ کر ان سے ظالمانہ بیگار لینے کے بدلہ انہیں اسلامی حکومت لشکریوں اور مسلم سوسائٹی کے خاندانوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ایسے غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ اور اس طرح یہ توقع کی جاتی ہے کہ یہ لوگ اسلامی ماحول میں رہ کر اسلام کو سمجھ سکیں گے اور وہ خوشی سے اسلام قبول کر کے مسلم سماج کا ایک جزو بن جائیں گے۔ ایسے قیدیوں یعنی غلاموں کو آزاد کرنا ایک بڑی نیکی کا کام بتایا گیا ہے۔ اور اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ ایسے غلاموں نے نہ صرف تخت و تاج پا کر حکومتیں کی ہیں بلکہ اپنے علم و فضل کی بدولت وہ مسلمانوں کی دینی پیشوائی کے اونچے مقام تک پہنچے ہیں۔

یہ سب باتیں ہی نہیں بلکہ واقعات ہیں۔ پھر اس صورت میں غلام علمی و تمدنی ترقی بھی کر سکتا ہے کیونکہ جب آقا و غلام میں اتحاد ہو جاتا ہے تو آقا خود چاہتا ہے کہ میرا غلام مہذب اور شائستہ ہو۔ وہ اس کو تعلیم بھی دلاتا ہے صنعت و حرفت بھی سکھلاتا ہے۔ چنانچہ اسلام میں صدہا علماء و زہاد و عباد ایسے ہوئے ہیں جو اصل میں غلام تھے۔ غلاموں کے طبقہ نے تمام علوم میں ترقی حاصل کی بلکہ غلاموں کو بعض دفعہ بادشاہت بھی نصیب ہوئی ہے۔

سلطان محمود غزنویؒ کا واقعہ

سلطان محمود غزنویؒ کو مخالفین بہت بدنام کرتے ہیں کہ انہوں نے تلوار سے اسلام پھیلایا مگر تاریخ میں ان کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ اس سے ان کی رحم دلی اور شفقت کا اندازہ ہو جائے گا اور یہ کہ غلاموں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا۔ ایک بار سلطان محمودؒ نے ہندوستان پر حملہ کیا اور بہت سے ہندو جنگ میں قید ہوئے جن کو وہ اپنے ساتھ غزنی لے گئے۔ ان میں ایک غلام بہت ہونہار و ہوشیار تھا اس کو آزاد کر کے سلطان نے ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم دی جب وہ تعلیم سے فارغ ہوا تو اس کو حکومت کے عہدے دیئے گئے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کو ایک صوبہ کا مالک بنا دیا۔ صوبہ کی حیثیت اس وقت وہ تھی جو آج کل کسی بڑے والی ریاست کی حیثیت ہوتی ہے۔ جس وقت سلطان نے اس کو تخت پر بٹھلایا اور تاج سر پر رکھا تو وہ غلام رونے لگا۔ سلطان نے فرمایا کہ یہ وقت خوشی کا ہے یا غم کا۔ اس نے عرض کیا جہاں پناہ اس وقت مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آیا پھر اپنی یہ قدر و منزلت دیکھ کر رونا آ گیا۔ حضور جس وقت میں ہندوستان میں بچہ تھا تو آپ کے حملہ کی خبر سن کر ہندو کانپتے تھے اور ان کی عورتیں اپنے بچوں کو آپ کا نام لے کر ایسا ڈرایا کرتی تھیں جیسے ہوا سے ڈرایا کرتی ہیں میری ماں بھی مجھے اسی طرح آپ کے نام سے ڈرایا کرتی تھی۔ تو میں سمجھتا تھا کہ نہ معلوم محمود کیسا جابر و ظالم ہوگا۔ حتیٰ کہ آپ نے خود ہمارے ملک پر حملہ کیا اور اس فوج سے آپ کا مقابلہ ہوا جس میں یہ غلام موجود تھا۔ اس وقت میں آپ کے نام سے بھی ڈرتا تھا۔ پھر میں آپ کے ہاتھوں قید ہوا تو میری جان ہی نکل گئی کہ بس اب خیر نہیں۔ مگر حضور نے دشمنوں کی روایات کے خلاف میرے ساتھ ایسا برتاؤ فرمایا کہ آج میرے سر پر تاج سلطنت رکھا جا رہا ہے۔ تو اس وقت مجھے یہ خیال کر کے رونا آ گیا کہ کاش آج میری ماں ہوتی تو میں اس سے کہتا کہ دیکھ یہ وہی محمود ہے جس کو تو ہوا بتلایا کرتی تھی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۞ اُولٰٓئِكَ

پھر اُن لوگوں میں سے نہ ہوا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو ترحم کی فہمائش کی۔ یہی لوگ

اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۞ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۞ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۞

داہنے ہاتھ والے ہیں۔اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہیں وہ لوگ بائیں والے ہیں۔اُن پر آگ محیط ہوگی جس کو بند کردیا جائے گا۔

ثُمَّ پھر	كَانَ ہو	مِنَ سے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو ایمان لائے	وَتَوَاصَوْا اور باہم نصیحت کی	بِالصَّبْرِ صبر کی	وَتَوَاصَوْا اور باہم نصیحت کی
بِالْمَرْحَمَةِ رحم کھانے کی	اُولٰٓئِكَ وہ یہی لوگ	اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ برکت والے (خوش نصیب)	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور جن لوگوں نے انکار کیا			
بِاٰيٰتِنَا ہماری آیات	هُمْ وہ	اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ نحوست والے (بدبخت)	عَلَيْهِمْ ان پر	نَارٌ آگ	مُّؤْصَدَةٌ مونڈی کی ہوئی	

قبولیت اعمال کی شرط

یہ سورۃ بلد کی آخری آیات ہیں گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے ان احسانات وانعامات کا ذکر فرمایا گیا تھا۔اور پھر خیر وشر دونوں کی راہیں بتلادیں اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان سب اعمال کے مقبول ہونے کی جن کا ذکر پہلے ہوا سب سے بڑی شرط ایمان ہے یہ سارے نیک کام اسی وقت نیکی شمار ہو سکتے ہیں جب انسان پہلے توحید کا اقرار کرے اور اللہ کے سارے رسولوں کو سچا جان کران پر بھی ایمان لائے۔گویا اس توحید اور رسالت کا اقرار کئے بغیر کوئی نیکی نیکی نہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ہر نیکی کے لئے ایمان شرط ہے ایمان کے بغیر کوئی نیکی مقبول نہیں۔ جہاں ایمان کی بنیاد نہ ہوگی وہاں نیکی اور تقویٰ کی عمارت بن ہی نہیں سکتی پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایمان لا کر ایمان ہی پر بس کر کے نہ بیٹھ رہے بلکہ ہر ایک قسم کی نیکی خود بھی کرے اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتا رہے۔

آگے ارشاد ہے۔ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ اور وہ ایک دوسرے کو باہم مہربانی' نرمی' رحم دلی اور حسن سلوک کی بھی نصیحت وتاکید کرتے رہے۔یتیموں پرشفقت چھوٹوں پر مہربانی' بے کسوں بیواؤں بے زبانوں کی چارہ سازی قوم اور ملک کے ساتھ بھلائی بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ بیماروں کی دوا کرنا۔ننگوں کو کپڑا پہنانا بھولوں کو راستہ بتلانا۔درماندوں کے کاموں میں مدد کرنا۔یہ سب صورتیں وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ میں شامل ہیں۔تو دراصل ایمان کے بعد تمام نیکیوں کی اصل دو ہی چیزیں ہیں ایک تعظیم لامر اللہ جو صبر سے متعلق ہے اس لئے اس کو مقدم کیا۔دوسرے شفقت بر خلق اللہ جس کو مرحمت سے تعبیر کیا۔

کامیاب اور ناکام کون؟

آگے بتلایا گیا کہ جو لوگ ان اوصاف حمیدہ سے موصوف ہیں یہی لوگ دراصل بڑے نصیب والے ہیں۔آخرت کی زندگی کی کامیابیاں ان ہی کے لئے ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کی حقیقی نعمتوں کا لطف اٹھائیں گے۔**اللھم جعلنا منھم** یہاں آیت میں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ فرمایا گیا جس کا ایک ترجمہ تو یہ ہے کہ وہ لوگ بڑے نصیب والے ہیں دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ یہی لوگ داہنے ہاتھ والے ہیں۔یعنی یہی وہ خوش نصیب ومبارک لوگ ہیں جن کو عرش عظیم کے دائیں جانب جگہ ملے گی اور یہ جگہ اہل سعادت کی ہے اور جن کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔جو اہل جنت میں سے ہونے کی نشانی ہے۔ان اہل کمال کے بعد ازلی بدبختوں کا حال بیان فرمایا جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ

اور جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی حقیقتوں کا انکار کرتے ہیں۔ نہ اللہ اور اس کے رسول اور کتاب پر ایمان لاتے ہیں نہ ان کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے ہیں تو یہ لوگ بڑے ہی بدقسمت ہیں۔ منحوس اور شامت زدہ ہیں جن کا

اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ جو جہنمی ہونے کی نشانی ہے اور جو عرش کے بائیں جانب کھڑے کئے جائیں گے جو مجرموں کے کھڑا ہونے کی جگہ ہوگی۔ انہیں اپنے کفر اور غلط روش کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا اور جہنم میں ڈال کر اس کے سب دروازے نکلنے کے بند کر دیئے جائیں گے۔

اللھم لاتجعلنا منھم.

خلاصہ

اس سورت کا موضوع انسان کی سعادت اور شقاوت ہے' سورت کی ابتداء میں اللہ نے تین قسمیں کھا کر فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے یعنی اس کی زندگی محنت ومشقت اور جفاکشی سے عبارت ہے' کبھی فقر و فاقہ' کبھی بیماری اور دکھ' کبھی حوادث اور آلام' پھر بڑھاپا اور موت' قبر کی تاریکی اور منکر نکیر کے سوالات' قیامت اور اس کی ہولناکیاں غرضیکہ ابتداء سے انتہاء تک مشقت ہی مشقت۔

اس کے بعد ان کفار کا تذکرہ ہے جنہیں اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا' وہ فخر و ریا کی نیت سے اموال خرچ کرتے تھے' ایسے لوگوں کو آنکھوں' ہونٹوں' زبان اور ہدایت جیسی نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں۔ پھر قیامت کے شدائد ومصائب کا تذکرہ ہے جن سے ایمان اور عمل صالح کے علاوہ کوئی چیز چھٹکارا نہیں دے سکتی' سورت کے اختتام پر انسانوں کو ''اونچی گھاٹی'' پر چڑھنے کا حکم دیا گیا ہے' اونچی گھاٹی سے مراد وہ اعمال ہیں جو نفس پر شاق گزرتے ہیں یعنی انسانوں کی گردنیں چھڑانا غلامی سے' قید و بند سے اور جہنم کی آگ سے یونہی یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا' اس کے ساتھ چند اور صفات کا ہونا بھی ضروری ہے یعنی ایمان باللہ' ایک دوسرے کو صبر کی اور آپس میں رحم کرنے کی وصیت۔

سورۃ البلد کے خواص

۱......بچہ جب پیدا ہو تو فوراً اس پر اس سورۃ کو پڑھ کر دم کرنے سے وہ بچہ ہر قسم کی مضرت رساں مخلوقات سے محفوظ ہو جائے گا۔

۲......وہ لوگ جو مالی مشکلات کا شکار ہوں اور اپنی گزران میں تنگ ہوں تو ان کے لیے یہ سورۃ کسی خزانہ سے کم نہیں ہے، صبح کی نماز سے پہلے اور بعد میں اس کی تلاوت کو اپنا معمول بنالیں، ان شاء اللہ کبھی ان کی جیب پیسوں سے خالی نہ ہوگی۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جس نے ہم کو انسان بنا کر پیدا کیا اور ہم کو ان گنت انعامات و احسانات سے نوازا۔ یا اللہ ہمیں اپنے شکر گزار اور احسان مند بندوں میں شامل فرمالیجئے اور ہم کو دوسروں کے ساتھ احسان کرنے کی توفیق عطا فرمایئے۔ اور وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمہ کا مصداق بنادیجئے۔

یَاَاللّٰہُ میں ہر اس گناہ کی معافی چاہتا ہوں جس کی لذت سے میں نے ساری رات کالی کر دی' اس کی فکر میں دماغ سوزی کرتا رہا' رات سیاہ کاری میں گزاری اور صبح نیک بن کر باہر آیا حالانکہ میرے دل میں بجائے نیکی کے وہی گناہ کی گندگی بھری رہی۔

یَاَاللّٰہُ تیری ناراضگی کا کوئی خوف ہی نہ کیا' میرا کیا حال ہوگا۔ الٰہی! مجھے اپنی مہربانی سے معاف فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ خَمْسَ عَشْرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کا نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿۱﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ﴿۴﴾ وَالسَّمَآءِ

قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی۔اور چاند کی جب سورج سے پیچھے آوے۔اور دن کی جبکہ وہ اس کو خوب روشن کردے۔اور رات کی جب وہ اس کو چھپالے۔اور آسمان

وَمَا بَنٰهَا ﴿۵﴾ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿۶﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴿۸﴾

کی اور اس کی جس نے اس کو بنایا اور زمین کی اور اس کی جس نے اس کو بچھایا۔اور جان کی اور اسکی جس نے اسکو درست بنایا۔پھر سمجھ دی اسکو بدی کی اور پرہیزگاری کی

وَالشَّمْسِ سورج کی قسم	وَضُحٰهَا اور اس کی روشنی	وَالْقَمَرِ اور چاند کی	اِذَا جب	تَلٰهَا اسکے پیچھے نکلے	وَالنَّهَارِ اور دن کی	اِذَا جب	جَلّٰهَا وہ روشن کردے	
وَالَّيْلِ اور رات کی	اِذَا جب	يَغْشٰهَا اسے ڈھانپ دے	وَالسَّمَآءِ اور آسمان کی	وَمَا اور جس	بَنٰهَا اُسے بنایا	وَالْاَرْضِ اور زمین کی	وَمَا اور جس	
طَحٰهَا اسے پھیلایا	وَنَفْسٍ اور نفس کی	وَمَا اور جس	سَوّٰهَا اسے درست کیا	فَاَلْهَمَهَا اسکے دل میں ڈالی	فُجُوْرَهَا اسکا گناہ	وَتَقْوٰهَا اور اسکی پرہیزگاری		

سورۃ کی وجہ تسمیہ، زمانۂ نزول اور موضوع

اس سورۃ کی ابتدا ہی وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا سے فرمائی گئی ہے یعنی قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی۔ چونکہ اس سورۃ کی ابتداء ہی لفظ والشمس یعنی آفتاب یا سورج سے ہوئی ہے۔اس لئے اس سورۃ کا نام ہی الشمس قرار پایا۔ یہ مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ یہ ایمان واسلام کے ابتدائی دور کی ایک سورۃ ہے جب کہ قریش اور اہل مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا انکار کر رہے تھے۔ اللہ کے رسول کی باتوں کو جھٹلاتے تھے اور جن حقیقتوں کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے تھے وہ انہیں سچا نہ جانتے تھے۔اس سورۃ میں اہل مکہ کو متنبہ کیا جارہا ہے اور گذشتہ واقعات میں سے قوم ثمود کے ایک مشہور واقعہ کی طرف جو اہل عرب میں مشہور تھا متوجہ کیا گیا کہ دیکھو اللہ کے رسول کی تکذیب اور اس سے سرکشی اور حق کے مقابلہ میں ڈھٹائی اختیار کرنے کی سزا اس سے پہلے قوم ثمود کو مل چکی ہے۔اس سے تمہیں سبق لینا چاہئے اگر تم اپنی روش سے باز نہ آئے تو پھر اس جیسا انجام تمہارا بھی ہوگا۔ یہی ہے خلاصہ مفہوم اس سورۃ کا اور اگرچہ یہ سورۃ مختصر ہے لیکن توحید اور آخرت کی پوری دعوت اور اس کو نہ ماننے کے نتائج پوری طرح اس میں سمیٹ دیئے گئے ہیں۔

سورج اور اس کی روشنی کی قسم

اس سورۃ کی ابتدا بھی قسموں سے ہوئی ہے۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے متعدد اشیاء کی قسم کھائی ہے۔

پہلی قسم ہے وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی۔اب یہاں ہر قسم میں جن امور کی طرف اشارہ ہے اس کو مفسرین نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ آفتاب اور اس کی روشنی وحرارت دنیوی حیاۃ کے لئے ضروری ہے۔سورج اور اس کی روشنی وگرمی کے بغیر نہ دنیا میں انسان وحیوان زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ نباتات نشوونما پاسکتے ہیں تو جس طرح دنیوی حیاۃ میں شمس یعنی آفتاب کے بغیر چارہ نہیں اسی طرح آفتاب نبوت کے بغیر ہدایت کی راہ نہیں ملتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت اور آپ کی روحانی روشنی وگرمی کے بغیر طالبان آخرت کے لئے چارہ نہیں۔

چاند کے طلوع ہونے کی قسم

دوسری قسم ہے وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (اور قسم ہے چاند کی) جب وہ سورج کے غروب ہونے کے بعد طلوع ہو۔ انسانی زندگی کے لئے چاند میں بھی متعدد فوائد رکھے گئے ہیں۔اس کی ٹھنڈی اور خوشگوار

روشنی سے پھلوں اور پھولوں میں رنگ خوشبو اور رس پڑتا ہے۔ سمندر میں مدوجزر پیدا ہوتا ہے۔ اور رات کی تاریکی میں چاند آفتاب کا نائب ہوتا ہے۔ اسی طرح آفتاب نبوت کے بعد نائبان اور جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ہیں جو بمنزلہ چاند کے ہیں اور جس طرح چاند کی روشنی نور آفتاب کا پرتو ہوتا ہے۔ اسی طرح نائبان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشنی بھی آپ ہی کا پرتو ہے۔

روشن دن کی قسم

تیسری قسم ہے وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا قسم ہے دن کی جب وہ آفتاب کو خوب روشن کر دے۔ دن میں لوگ کام کاج کرتے ہیں کیونکہ رات کی تاریکی جاتی رہتی ہے۔ اور اپنے لئے فائدہ حاصل کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ اچھے برے میں تمیز کرتے ہیں۔ اسی طرح دین محمدی کی معرفت اور روشنی میں حق و باطل اور خیر و شر میں امتیاز ہو سکتا ہے۔

تاریک رات کی قسم

چوتھی قسم ہے۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا قسم ہے رات کی جب وہ سورج کو چھپالے یعنی اس قدر تاریک ہو جائے کہ آفتاب کی روشنی کا کچھ اثر باقی نہ رہے۔ رات کو لوگ آرام کرتے ہیں اور دن کے مشاغل اور دنیاوی کاروبار چھوڑ کر راحت لیتے ہیں۔ اگر نفس انسانی کو یہ رات کا آرام نہ ملے تو انوار دائمیہ اس کو سست اور معطل کر دیں اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار بڑے عابد زاہد صحابی سے فرمایا تھا کہ رات کو سوؤ بھی اور تہجد کی نماز بھی پڑھو اور یہ بھی فرمایا تھا کہ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اس کو بھی راحت دو پھر اس سے کام لو۔

آسمان اور اسکے بنانیوالے کی قسم

پانچویں قسم ہے۔ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بنایا یعنی اس بنانے والے پر قربان جایئے جس کے حکم سے یہ رفیع الشان عمارت بنی۔ آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے۔ اور زمین کی نباتات کو ایک نئی زندگی بخشتی ہے ایسے ہی شریعت محمدی جو آسمان کی طرح انسان کے جمیع افعال واحوال عقائد و اعمال کو محیط ہے انسان کو کفر کی مردہ زندگی سے نکال کر حیات جاودانی کی راہ دکھاتی ہے۔

زمین اور اسکے بچھانے والے کی قسم

چھٹی قسم ہے وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا قسم ہے زمین کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بچھایا یعنی کیا کہنے اس ذات والا صفات کے جس نے عجیب پرحکمت زمین بنائی۔ جیسے زمین میں تخم ریزی کی جاتی ہے پھر جس قدر اس میں قابلیت ہوتی ہے اس قدر نباتات کی نشوونما ہوتی ہے۔ اسی طرح نفس انسانی کی استعداد کے موافق اس میں تخم معرفت نشوونما پاتا ہے۔

انسان اور اس کے خالق کی قسم

ساتویں قسم ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا یعنی جس نے ہر طرح اس کی صورت و شکل اور اعضاء و جوارح درست طور پر بنائے اور انسان کو بہترین شکل و صورت عطا کی۔ اگر انسان کے قوائد ظاہریہ و باطنیہ پر غور کیا جائے تو اس کی آراستگی حیرت انگیز ہے۔ اس نحیف سے خاکی پتلے میں کیا کچھ قوتیں قدرت نے ودیعت فرمائی ہیں پہلی چھ قسمیں جن چیزوں کی کھائی گئی ہیں اس نفس انسانی ہی کے لئے بنائی گئی ہیں۔ پھر یہی نہیں کہ انسان کو حواس ظاہری و باطنی دیئے اور اس کے ظاہری اعضاء کو درست کیا بلکہ اس کی روحانی درستی اور اصلاح کے لئے اس کو نیکی بدی اور بھلائی برائی کی پہچان بھی عطا کر دی گئی۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا نفوس حیوانیہ کی طرح یہ انسان نامکمل نہیں رکھا گیا کہ اپنی شقاوت و سعادت اخرویہ کو نہ جانتا ہو اور صرف کھانے پینے اور سونے اور شہوات کو پورا کرنے کا طریقہ جانتا ہو۔ انسان کو اول تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ بھلائی برائی میں فرق کرنے کی قدرت نے سمجھ دی پھر تفصیلی طور پر انبیاء و رسل کی زبانی خوب کھول کھول بتلا دیا کہ یہ راستہ بدی کا اور یہ راستہ نیکی و پرہیزگاری کا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝٩ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝١٠

یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس جان کو پاک کرلیا۔ اور نامراد ہا جس نے اُس کو دبا دیا۔

قَدْ اَفْلَحَ کامیاب ہوا	مَنْ جو	زَكّٰىهَا اس کو پاک کیا	وَ اور	قَدْ خَابَ تحقیق نامراد ہوا	مَنْ جو۔ جس	دَسّٰىهَا اسے خاک میں ملایا	

نفس کو سنوارنے والا کامیاب اور نہ سنوار نیوالا ناکام ہے

گذشتہ ابتدائی آیات میں چند مہتم بالشان چیزوں کی قسم کھا کر جواب قسم میں جو ارشاد فرمایا گیا وہ یہی دو آیات ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا

بلاشبہ وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اس نفس کو سنوارا اور بیشک وہ نامراد ہوا جس نے اسے خاک میں ملایا۔ ان دو آیتوں میں قرآنی دعوت کا خلاصہ انتہائی مختصر الفاظ میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ نفس کے سنوارنے کا کیا مطلب ہے جس کے نتیجہ میں فلاح یعنی کامیابی میسر آ سکتی ہے اور قرآن پاک کی زبان میں فلاح یا کامیابی کا کیا مطلب ہے؟ اسی طرح نفس کو خاک میں ملا دینے اور اس کے نتیجہ میں نامراد رہنے سے کیا مراد ہے؟

وہ کونسی کامیابی ہے جو تزکیۂ نفس پر میسر آتی ہے اور وہ کون سی نامرادی ہے اور ناکامی ہے جو نفس کو نہ سنوارنے پر پیش آنی لازمی ہے؟۔ ان سوالات کے جواب میں پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا یہ ہے کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ جو انسان میں خلقۃً رکھی گئی ہیں ان کو عقل کے تابع کرے اور عقل کو شریعت الٰہیہ کا تابعدار بنائے تاکہ روح وقلب دونوں تجلی الٰہی کی روشنی سے منور ہو جائیں۔ اور نفس کو خاک میں ملا چھوڑنے سے یہ مراد ہے کہ نفس کی باگ ڈور یکسر شہوت اور غضب کے ہاتھ میں دیدے عقل اور شرع سے کچھ سروکار نہ رکھے۔ گویا خواہش اور ہوا کا بندہ بن جائے۔ پہلی صورت میں نفس کو سنوارنے پر وعدہ اور بشارت ہے فلاح اور کامیابی کی اور دوسری صورت یعنی نفس سے غفلت برتنے اور اس کو نہ سنوارنے پر انسان کے لئے ناکامی ونامرادی بتلائی گئی۔

کامیابی کسے کہتے ہیں

اب یہ جاننا چاہئے کہ قرآن پاک کی زبان میں فلاح یا کامیابی کا مطلب کیا ہے؟ بعض کم فہم تو کامیابی کا مطلب یہی سمجھتے ہیں کہ انسان کو ایک لمبی عمر تک دنیا میں رہنا نصیب ہو۔ اس کی صحت اچھی رہے قوت بحال رہے۔ دنیوی اعتبار سے وہ خوب خوشحال ہو۔ مال بھی ہو اولاد بھی ہو۔ ہر طرح کا چین وآرام نصیب ہو لوگوں میں عزت کا مقام بھی حاصل ہو۔ غرض ہر اعتبار سے وہ شخص پھول پھل رہا ہو۔ کم فہم ایسے ہی شخص کو سمجھتے ہیں کہ وہ بڑا کامیاب ہے لیکن قرآن کریم میں ''کامیابی'' کا جو مفہوم جگہ جگہ پیش کیا گیا ہے اس کے اعتبار سے ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے۔ قرآن میں فلاح کا لفظ صرف دنیوی کامیابی کے محدود معنیٰ میں نہیں آیا ہے بلکہ اس سے مراد وہ ہمیشہ رہنے والی کامیابی ہے جس کے بعد کبھی کسی ناکامی یا خسارہ کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ دنیا میں چاہے کسی کو مال دولت ملا ہو یا نہ ملا ہو۔ دنیا میں اس کی حالت جیسی رہی ہو انتہا یہ ہے کہ چاہے اس نے اس زندگی میں کبھی چین وسکھ نہ پایا ہو لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ قرآن کے بتائے ہوئے کامیابی کے مفہوم کے اعتبار سے انتہائی کامیاب شخص ہو اور اس کے برخلاف ایک ایسا شخص جس نے یہاں دنیا میں ہر طرح چین ہی چین دیکھا ہو اور دنیوی اعتبار سے لوگ اسے کتنا ہی کامیاب کیوں نہ جانتے ہوں لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ انتہائی ناکام اور نامراد شخص ہوسکتا ہے۔

کامیاب ہونے والوں کی خصوصیات

اس سلسلہ میں مناسب ہوگا کہ فلاح پانے والوں کی کچھ خصوصیات اور علامات جو قرآن پاک نے جگہ جگہ بیان کی ہیں سامنے رکھی جائیں تاکہ انہیں دیکھ کر ہر شخص یہ کوشش کرسکتا ہے کہ اگر

وہ بھی اس گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے جن کے نفس کا تزکیہ ہو چکا ہو اور جو ناکامی اور نامرادی سے بچا ہوا ہو تو اسے اپنے اندر کیا صفات اور کس قسم کی خوبیاں پیدا کرنی ہوں گی۔ اس سلسلہ میں مختلف سورتوں کی چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

(۱) چوتھے پارہ سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۰۴ میں ارشاد ہے:۔

''تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں۔ بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔''

(۲) پھر اسی چوتھے پارہ سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۳۰ میں ارشاد ہے:۔

''اے ایمان والو! یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو۔ امید ہے کہ فلاح پاؤ گے''۔

(۳) پھر اسی چوتھے پارہ سورۂ آل عمران کی آخری آیت ۲۰۰ میں ارشاد ہے:۔

''اے ایمان والو خود صبر کرو۔ اور مقابلہ میں صبر کرتے رہو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

(۴) چھٹے پارہ سورۂ مائدہ میں آیت ۳۵ میں ارشاد ہے:۔

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد و جدو جہد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

(۵) ساتویں پارہ سورۂ مائدہ آیت ۱۰۰ میں ارشاد ہے:۔

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے گو تجھے ناپاک کی کثرت حیرت میں ڈالتی ہو۔ سو اے عقل والو اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

(۶) اسی ساتویں پارہ سورۂ مائدہ آیت ۹۰ میں ارشاد ہے:۔

''اے ایمان والو! شراب اور جوا بت اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی''۔

(۷) نویں پارہ سورۂ اعراف آیت ۱۵۷ میں ارشاد ہے:۔

''لہذا جو لوگ ان پر یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور دین قائم کرنے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے ان کی حمایت و نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی کریں جو ان کے ساتھ نازل کی گئی ہے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

(۸) دسویں پارہ سورۂ انفال آیت ۴۵ میں ارشاد ہے: ''اے ایمان والو جب (حق و باطل کی کشمکش کے میدان میں) کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

(۹) دسویں پارہ سورۂ توبہ آیت ۸۸-۸۹ میں ارشاد ہے:۔

''البتہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جو لوگ ان کی ہمراہی میں ایمان لا چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا اور انہی کے لئے ساری بھلائیاں ہیں۔ اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں یعنی فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔''

(۱۰) سترہویں پارہ سورۃ الحج آیت ۷۷ میں ارشاد ہے:۔

''اے ایمان والو رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور بھلائی کے کام کرتے رہو۔ امید ہے کہ اس طرح تم فلاح پاؤ گے''۔

(۱۱) اٹھارویں پارہ سورہ مومنون آیت ۱۱ میں ارشاد ہے:۔

''یقیناً فلاح پائی ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ جو لغویات سے دور رہتے ہیں جو زکوۃ کے طریقہ پر عامل ہوتے ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور اپنی باندیوں کے کہ ان پر وہ قابل ملامت نہیں البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہ زیادتی کرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یہی لوگ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

(۱۲) اٹھارویں پارہ سورۂ نور آیات ۵۱-۵۲ میں ارشاد ہے:۔

''ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں تا کہ رسول ان کے مقدمہ کا فیصلہ کریں تو وہ کہیں

کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں"۔

(۱۳) بائیسویں پارہ سورۂ احزاب آیت ۷۱ میں ارشاد ہے:۔

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا"۔

(۱۴) ۲۸ ویں پارہ سورۃ الجمعہ آیت ۱۰ میں ارشاد ہے:۔

"پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

(۱۵) ۲۸ ویں پارہ سورۂ تغابن آیت ۱۶ میں ارشاد ہے:۔

"سو اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے اور سنتے رہو اور اطاعت کرتے رہو اور اپنے حق میں بھلائی کیلئے خرچ کرتے ہو اور جو کوئی محفوظ رہا حرص نفسانی سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو دائمی اور سچی کامیابی کی راہ پر چلنا نصیب فرمائیں اور ناکامی و نامرادی کی راہ سے بچنا مقدر فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو عزم و ہمت نصیب فرمایئے کہ ہم دنیا میں اپنے نفس کا تزکیہ کرلیں۔ اور ان صفات کو اپنا لیں کہ جو آخرت کی کامیابی دلانے والی ہیں۔

یا اللہ اپنے کامیاب بندوں میں ہم کو بھی شامل فرما لیجئے اور جس فلاح و کامیابی کی قرآن کریم نے نشاندہی فرمائی ہے اسی کامیابی کو ہمارے لئے مقدر فرمایئے۔ آمین۔

یَااللّٰہ میں نے کتنی بار توبہ کی، قسمیں کھائیں، واسطے دیئے کہ اب یہ گناہ نہ کروں گا لیکن جب شیطان نے اس گناہ کی طرف دعوت دی، مجھے میرے نفس نے اس کو مزین کر کے سامنے کیا تو میں نے بے دھڑک اس گناہ کا ارتکاب کیا۔ افسوس مجھے لوگوں سے تو حیا آئی لیکن آپ سے کبھی حیا نہ کی کہ آپ ہر وقت دیکھنے اور خبر رکھنے والے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ سے کہاں چھپ سکتا ہوں نہ کوئی مکان، نہ اندھیرا، نہ کوئی حیلہ و تدبیر آپ سے اوجھل کر سکتا ہے۔ افسوس میری اس جرأت پر کہ جس کام کو آپ نے منع کیا تھا میں نے جان کے بھی مخالفت کی پھر بھی آپ نے پردہ فاش نہ کیا بلکہ اپنے بندوں میں اس طرح شامل رکھا کہ گویا میں بھی آپ کا فرمانبردار بندہ ہوں۔ ان گناہوں سے شرمندہ ہوں کہ ان کو سوائے آپ کے اور کوئی نہیں جانتا اگر آپ چاہتے گناہ کرنے کے بعد کوئی نشان چہرے پر لگا دیتے لیکن اے اللہ! تو نے نیکوں کا سا چہرہ بنائے رکھا، لوگوں کی نگاہ میں باعزت رہا۔ لوگ مجھے اپنے نزدیک اچھا ہی سمجھتے رہے ورنہ میں تو جیسا تھا آپ کے علم میں ہے، یہ محض آپ ہی کا فضل و کرم تھا۔ الٰہی! ایسے سب گناہ میرے بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾

قوم ثمود نے اپنی شرارت کے سبب تکذیب کی۔ جب کہ اس قوم میں جو سب سے زیادہ بدبخت تھا اٹھ کھڑا ہوا۔ تو ان لوگوں سے اللہ کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ کی اونٹنی سے اور اسکے پانی پینے سے خبردار رہنا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر اس کو عام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کو اس ہلاکت کے اخیر میں کسی خرابی کا اندیشہ نہیں ہوا۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	ثَمُوْدُ ثمود	بِطَغْوٰىهَا اپنی سرکشی	اِذِ جب	انْۢبَعَثَ اٹھ کھڑا ہوا	اَشْقٰىهَا اس کا بدبخت	فَقَالَ تو کہا	لَهُمْ ان سے	رَسُوْلُ رسول
اللّٰهِ اللہ	نَاقَةَ اللّٰهِ اللہ کی اونٹنی	وَسُقْيٰهَا اور اسکی پانی کی باری	فَكَذَّبُوْهُ پھر اس کو جھٹلایا	فَعَقَرُوْهَا پھر اسکی کونچیں کاٹ ڈالیں	فَدَمْدَمَ پھر ہلاکت ڈالی			
عَلَيْهِمْ ان پر	رَبُّهُمْ انکا رب	بِذَنْۢبِهِمْ انکے گناہ کے سبب	فَسَوّٰىهَا پھر انہیں برابر کردیا	وَلَا يَخَافُ اور وہ نہیں ڈرتا	عُقْبٰهَا ان کا انجام			

تفسیر وتشریح

گذشتہ آیات میں جو یہ فرمایا گیا تھا کہ جس نے اپنے نفس کی اصلاح کی اور اسے پاک صاف بنالیا وہ یقیناً مراد کو پہنچا کہ زندگی کے اصل مقصد کے حصول میں کامیاب ہو گیا لیکن جس نے اپنے نفس کی اصلاح نہ کی اور جو ہر انسانی کو خاک میں ملا دیا وہ یقیناً نامراد و ناکام ہوا۔ اب اس کے ثبوت میں عبرت دلانے کیلئے قوم ثمود کے مشہور تاریخی واقعہ کا ذکر ان آیات میں فرمایا جاتا ہے۔

قوم ثمود کے تذکرہ کی حکمت

عرب کے لوگ خوب جانتے تھے کہ قوم ثمود نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا۔ اور جب بدبخت قوم کی سرکشی اس حد تک بڑھ گئی کہ انہوں نے اس اونٹنی ہی کو مار ڈالا جسے اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کے طلب کردہ نشانی کے موافق بطور معجزہ پتھر کی چٹان سے پیدا کیا تھا تو پھر ان کی مہلت ختم ہوگئی اور اللہ کے غضب نے انہیں آ دبوچا اور پوری قوم ثمود کے سرکش و نافرمان ہلاک کر ڈالے گئے۔ پھر قوم ثمود کا یہ واقعہ مکہ کے کفار قریش کے حال سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ مثلاً جس طرح قوم ثمود نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا تھا اسی طرح کفار مکہ بھی اللہ کے آخری برگزیدہ رسول کو جھٹلا رہے تھے۔ جس طرح ثمود نے اپنے نبی کے قتل کی سازش کی تھی اسی طرح کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی تھی۔ اس طرح اگرچہ ان آیات میں ایک پچھلے واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن سننے والے یعنی مخاطبین اول اہل مکہ محسوس کر سکتے تھے کہ بات دراصل ان کی اپنی ہے مقصود اہل مکہ کو یہ بتلانا ہے کہ جن غلطیوں کی وجہ سے قوم ثمود پر عذاب آیا اس جیسی غلطیوں کی وجہ سے کفار قریش مکہ کی پکڑ نہ ہو جائے۔

بدبخت قوم کا ظلم اور ہلاکت

یہاں اس سورۃ میں قوم ثمود کے واقعہ کو مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور یہ کام انہوں نے اپنی طاقت وقوت اور زور وغلبہ کے گھمنڈ میں کیا تھا یہاں تک کہ اس قوم ثمود میں سے ایک بڑا بدبخت اس اونٹنی کو جو بطور معجزہ کے پیدا ہوئی تھی قتل کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا اور اس کے ساتھ اور لوگ بھی شریک ہوئے۔ جب صالح علیہ السلام کو قوم کا یہ بدارادہ معلوم ہوا تو آپ نے قوم کو تاکید فرمادیا کہ خبردار اللہ کی اونٹنی کو قتل نہ کرنا اور نہ اس کا پانی بند کرنا۔ یہاں آیت میں نَاقَةَ اللّٰهِ یعنی اللہ کی اونٹنی فرمایا گیا اور یہ اس لئے کہ یہ اونٹنی خدا کی طرف سے بطور معجزہ پیدا ہوئی تھی۔ یہ اضافت تشریفی ہے یعنی عزت دینے کے لئے جیسے خانہ کعبہ کو بیت اللہ کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کا گھر ورنہ خدائے پاک کا کوئی خاص گھر نہیں کہ جس میں وہ رہتا ہو۔ یوں تو دنیا بھر کی اونٹنیاں بلکہ کل چیزیں اللہ ہی کی ہیں مگر اس اونٹنی میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ اللہ کی طرف سے ایک نشانی تھی اس کی قدرت کاملہ کی اور ایک خاص طرز سے پیدا ہوئی تھی بطور معجزہ کے اس لئے اس کو نَاقَةَ اللّٰهِ (یعنی اللہ کی اونٹنی) فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے تاکید قوم سے فرمادیا تھا کہ اس اونٹنی کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ سخت دردناک عذاب میں پھنس جاؤ گے۔ لیکن

بد بخت قوم نے اس بات کو جھوٹ سمجھا اپنے پیغمبر کی تکذیب کی اور اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ آخر وہی ہوا جو حضرت صالح علیہ السلام نے کہا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل بد کی وجہ سے سب کو غارت کر کے زمین کے ساتھ برابر کر دیا یعنی خاک میں ملا دیا۔

اللہ تعالیٰ کی بے نیازی

اخیر میں فرمایا گیا وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا اور اللہ تعالیٰ کو اس ہلاکت کے اخیر میں کسی خرابی کا اندیشہ نہیں ہوا یعنی جیسے بادشاہان دنیا کو کسی بڑی قوم یا جماعت کی سزا دہی کے بعد احتمال ہوتا ہے کہ کہیں ملک میں شورش برپا نہ ہو جائے۔ یا انتظام ملکی میں خلل نہ پڑے۔ یا ملک میں عام بغاوت نہ ہو جائے کہ جس سے بادشاہ کی بدنامی ہو یا ذرائع آمدنی میں کمی آ جائے یا اس طرح کا کوئی اور اندیشہ ہو اور اسی لئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حکومتیں اپنی منشاء کے خلاف کتنی ہی ایسی باتیں برداشت کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ جنہیں لوگ کثرت سے اختیار کر لیتے ہیں۔ بہت بڑی تعداد کو سزا دینا مصلحت کے خلاف سمجھا جاتا ہے لیکن خدا کی ذات ان تمام کمزوریوں سے کہیں بالاتر ہے۔ نہ اس کے مقابلہ میں کسی بغاوت کا امکان ہے نہ اس کی حکومت انسانوں کی اطاعت اور سہارے کے بل پر قائم ہے۔ اس کی طرف سے اگر باغیوں کو ڈھیل بھی دی جاتی ہے تو وہ کسی خاص حکمت و مصلحت کے تحت دی جاتی ہے۔ کسی مجبوری اور بے بسی کی وجہ سے نہیں۔ الغرض آیت **ولا یخاف عقبھا** جس پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اس کی قدرت و حکمت کو ظاہر کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا نہایت بلند و صحیح تصور پیش کرتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں سرکشی اور اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کی دعوت سے انکار کے برے انجام سے ڈرانے کے لئے یہ سورہ باوجود مختصر ہونے کے انتہائی موثر ہے۔ اس میں وہ اصولی بات بتلائی گئی جو قرآنی دعوت کی جان ہے یعنی انسان کی اصل کامیابی یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو شرک و کفر اور اخلاقی گندگیوں سے پاک کرے جس نے اس میدان میں کامیابی حاصل کر لی وہی کامیاب و بامراد ہو گیا اور جو اس معاملہ میں ناکام رہا۔ اور اپنے نفس کو گندگیوں سے آلودہ کر لیا وہ انجام میں تباہ و نامراد رہا۔

خلاصہ

اس سورت کا اصل مقصود نیکیوں کی ترغیب اور معاصی سے بچاؤ اور تحذیر ہے۔ اس سورت کی ابتداء میں تکوینی مخلوقات میں سے سات ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے جو سب کی سب اللہ کی قدرت اور وحدانیت کے آثار ہیں یعنی سورج چاند دن رات' آسمان' زمین اور نفس انسانی' ان چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اگر انسان اپنے رب سے ڈرے اور اپنے نفس کا تزکیہ کرلے تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور اگر اس کی تربیت سے غفلت اختیار کرے اور اس کو گندگی میں پڑا رہنے دے تو ناکام ہو جاتا ہے۔

اللہ نے انسان کے اندر نیکی اور بدی دونوں کی صلاحیت رکھی ہے' اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ کونسی صلاحیت کو بروئے کار لاتا ہے' اس تفصیل کے بعد یہ سورت ہمارے سامنے مثال اور نمونہ کے طور پر قوم ثمود کا قصہ بیان کرتی ہے۔ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کیا بلکہ اسے معاصی کا عادی بنا دیا جس کی وجہ سے وہ ہلاکت کے مستحق ہو گئے۔

سورۃ الشّمس کے خواص

۱- جو آدمی کثرت کے ساتھ اس سورۃ کی قراءت کرے تو وہ ہر جگہ اور ہر میدان میں کامیاب و کامران ہوگا۔

۲- جو آدمی سورۃ الشّمس سے دم کیا ہوا یا سورۃ الشّمس لکھ کر اسے پانی سے دھو کر وہ پانی پیئے اگر اس پر گھبراہٹ اور خوف ہو تو وہ جاتا رہے گا۔

۳...... اگر دشمن کا گھر ویران کرنا مقصود ہو تو ایک ایسی ٹھیکری پر سورۃ الشّمس لکھے جسے غیر شادی شدہ آدمی نے بنایا ہو، پھر اس ٹھیکری کو کوٹ لے اور دشمن کے مکان میں بکھیر دے۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمارے نفوس کا بھی تزکیہ فرمادیں اور نفس کی گندگیوں سے ہمارے قلوب کو پاک فرمائیں اور نفس کی شرارتوں سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

41

سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِحْدٰى وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿١﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿٢﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ﴿٣﴾

قسم ہے رات کی جبکہ وہ چھپالے۔اور دن کی جب کہ وہ روشن ہوجاوے اور اُس کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿٤﴾

کہ بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں۔

وَالَّيْلِ رات کی قسم	اِذَا جب	يَغْشٰى وہ ڈھانک لے	وَالنَّهَارِ اور دن کی	اِذَا تَجَلّٰى جب وہ روشن ہو	وَمَا خَلَقَ اور جو اس نے پیدا کیا
الذَّكَرَ نر	وَالْاُنْثٰى اور مادہ	اِنَّ بیشک	سَعْيَكُمْ تمہاری کوشش	لَشَتّٰى مختلف	

وجہ تسمیہ ٔ زمانۂ نزول

اس سورۃ کی ابتداہی لفظ وَالَّيْلِ سے ہوئی ہے لیل کے معنی رات کے ہیں۔اس لئے علامت کے طور پر اس کوسورۃ الیل کہاجاتا ہے یہ بھی مکی سورۃ ہےاوراس کا نزول مکہ میں دعوت اسلام کے ابتدائی دور میں ہوا ہے۔

شان نزول دومختلف کردار

اس سورۃ کا مضمون اگر چہ عام ہے لیکن روایات کثیرہ شاہد ہیں کہ اس سورۃ کا نزول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور کفار مکہ میں امیہ بن خلف کے متعلق ہوا۔حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ سبب نزول اس سورۃ کا یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں دوشخص رئیسوں میں بڑے مالدار تھے۔ایک حضرت ابوبکر صدیق اور دوسرا امیہ بن خلف اوران دونوں کا معاملہ مال صرف کرنے میں مختلف تھا۔امیہ مال بہت رکھتا تھا اور متعدد غلاموں کو تربیت کر کے ہر ایک کوایک ایک کام سپرد کیا تھا۔کوئی کھیتی کا نگران تھا۔کوئی میووں کے باغ کا۔کوئی قیمتی کپڑوں کی تجارت پر تعینات تھا۔کوئی مواشی اور جانوروں پر مقرر تھا تاکہ دودھ دہی اور نسل کی خبرداری کرے۔اس تدبیر سے بہت مال جمع کیا تھا مگر باوجود ثروت و مالداری کے ایک کوڑی غریب وفقیر کونہیں دیتا تھا اور اگر کبھی کوئی غلام کسی محتاج کو کچھ دے دیتا تو اس پر خفا ہوتا اور اگر کوئی اس کم بخت کو بطور نصیحت کچھ سمجھاتا تھا کہ باوجود اس کثرت مال کے اللہ کی راہ پر محتاجوں اور مسکینوں کو کس واسطے نہیں دیتا اور آخرت کا ذخیرہ کیوں نہیں کرتا تو وہ بدبخت اس کے جواب میں کہتا کہ اول تو آخرت ہے کہاں اور اگر بالفرض ہوئی بھی تو اس قدر مال دولت اسباب اوراولاد میں نے جمع کیا ہے کہ مجھ کو کچھ احتیاج جنت کی نعمتوں کی نہیں ہے جن کی طمع اور لالچ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فقیروں اور محتاجوں کو دیتے ہیں اوراس سبب سے ان لوگوں کو اپنا گرویدہ کرتے ہیں۔مجھ کو کچھ پروانہیں۔اس کے غلاموں میں ایک حضرت بلالؓ بھی تھے جو پوشیدہ طور پر اسلام لے آئے تھے۔جب اس کو آپ کے اسلام لانے کی خبر پہنچی تو اس ملعون نے کہا کہ اس دین کو چھوڑ دے نہیں تو میں بری طرح سے پیش آؤں گا۔اور مارتے مارتے مار ہی ڈالوں گا۔حضرت بلالؓ نے کہا کہ میں تو اس دین سے اب پھر نہیں سکتا تیرا جو جی چاہے سو کر۔اس شقی ازلی نے اپنے دوسرے غلاموں کو حکم دیا کہ دن چڑھتے ان کے بدن میں ببول کے کانٹے چبھویا کرو اور جب آفتاب خوب گرم ہو تب دھوپ میں ان کو چت لٹا کر سر سے پیر تک ان پر گرم پتھر رکھ دیا کرو

تا کہ ہل نہ سکیں اور ان کے گرد آگ جلا دیا کرو اور جب شام ہو تو ہاتھ پیر باندھ کے اندھیرے مکان میں قید رکھو اور باری باری سے رات بھر کوڑے مارا کرو اور صبح تک یہ مار موقوف نہ کرو۔ اللہ! اللہ! اسی طرح سے کتنے دنوں تک حضرت بلال اس مصیبت میں گرفتار رہے۔ مگر اس پر بھی پکار پکار کر احد احد کہا کئے۔ یعنی معبود میرا ایک ہی ہے۔ ایک روز حضرت ابوبکر صدیق رات کے وقت اس طرف سے گزرے اور اس ملعون امیہ بن خلف کے مکان سے آواز آہ وزاری کی آپ کے کان میں پڑی۔ آپ نے پوچھا کہ اس گھر میں کیا ہوتا ہے اور یہ آواز کیسی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ بلال نامی ایک غلام ہے اس کو مارا جاتا ہے اور یہ آواز اس غلام کے رونے کی ہے۔ اے اللہ اپنے اس شیدائی اسلام اور عاشق رسول کے آنسوؤں اور آہ وبکا کے طفیل میں تو ہم کو بھی اسلام پر استقامت نصیب فرما اور اپنے سچے دین کی نہ مٹنے والی سچی محبت عطا فرما۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ معلوم ہو کر نہایت رنج وقلق ہوا اور صبح کے وقت اس کے گھر پر آپ پھر تشریف لے گئے اور اس مردود ظالم امیہ بن خلف کو نصیحت کرنا شروع کی کہ خدا سے ڈر اور اس غلام پر اتنا ظلم ناحق مت کر اس واسطے کہ اس نے سچے دین کو قبول کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی دوستی اور رضامندی کو اختیار کیا ہے تجھ کو چاہیے کہ اس غلام کو غنیمت جان اور اس کے ساتھ احسان کر کہ آخرت میں تیرے کام آوے گا۔ اس ملعون امیہ بن خلف نے کہا کہ آخرت ہے کہاں اور دین کہاں سے معلوم ہوا کہ سچا ہے۔ اور اگر بالفرض آخرت ہوئی بھی تو مجھ کو دنیا میں کس چیز کی کمی ہے کہ آخرت کی نعمتوں پر جو فقط وہم اور خیال ہے فریفتہ ہوں۔ میرے پاس دنیا میں بھی بہشت موجود ہے چنانچہ تم بھی جانتے ہو کہ کوئی ایسی چیز نہیں جو میرے کارخانہ میں کثرت سے موجود نہ ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق نے پھر اسے سمجھایا اور نصیحت کی کہ میرا کہا مان۔ اس بے چارے مسکین پر ظلم کرنے سے باز آ۔ اس بدبخت نے کہا کہ اگر تمہارا دل اس پر ترس کھاتا ہے تو تم بھی مالدار ہو اور آخرت کا اعتقاد رکھتے ہو۔ تم ہی ثواب کماؤ اور اس غلام کو مجھ سے خرید لو۔ حضرت ابوبکر صدیق نے جو اس بات کی آرزو دل میں رکھتے تھے۔ اس سے کہا کہ بہتر ہے جو تو طلب کرے میں دوں گا اور اس کو خریدوں گا۔ اس کافر نے کہا کہ اگر یونہی تمہیں منظور ہے اور تمہیں اس کے خریدنے کا بڑا شوق ہے تو اپنا غلام نسطاس رومی کہ وہ آپ کے غلاموں میں سب سے بڑی لیاقت اور قابلیت تجارت وغیرہ کی رکھتا تھا اور قریب دو ہزار دینار کے پونجی جمع کی تھی وہ مجھ کو دے دو اور اس غلام یعنی بلال کو مجھ سے لے لو۔ حضرت ابوبکر صدیق جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے جان تک دینے میں عذر نہ رکھتے تھے اس بات کو فوراً دل و جان سے قبول کیا بلکہ چالیس اوقیہ اور زیادہ کرنے کے اس کافر کو دیئے اور حضرت بلال کو قید خانہ سے باہر نکال کر اپنے ساتھ لے کر چلے۔ وہ کافر امیہ بن خلف آپ کو دیکھتا تھا اور ہنستا تھا اور اپنے مصاحبوں سے کہتا تھا کہ اس شخص نے باوجود اس عقل ودانائی کے اس معاملہ میں کس قدر دھوکہ کھایا ہے اور کتنا اپنا نقصان کیا اور ایسے غلام کو جو دو ہزار دینار کی پونجی بھی رکھتا تھا ایسے نکمے غلام کے عوض جو کسی کام کا نہیں ہے اور ایک کوڑی بھی پونجی نہیں رکھتا ہے دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے جو یہ بات سنی تو فرمایا کہ اس غلام کا مرتبہ یعنی حضرت بلال کا اس قدر میرے نزدیک ہے کہ اگر تمام یمن کی بادشاہت کے عوض میں تو بیچتا تو بھی میں بغیر لئے نہ چھوڑتا۔ پھر بلالؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے جا کر حاضر کیا اور تمام احوال جو گزرا تھا عرض کیا کہ اس طرح میں نے ان کو خرید کیا ہے اور آپ گواہ رہیے کہ اللہ کی رضامندی کے واسطے ان کو میں نے آزاد کیا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے بہت خوش ہوئے اور حضرت بلالؓ آزاد ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں رہنے لگے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ابتدائے اسلام سے جو مسلمانوں کی نہایت ضعیفی اور عاجزی کا وقت تھا اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصارف اور حاجتوں میں اور کافروں کے پنجے سے مسلمانوں

کو چھڑا لینے میں بے دریغ خرچ کیا اور متعدد غلام اور لونڈی قریش کے کہ جنہوں نے دین اسلام دل سے قبول کیا تھا اور ان کے مالک اس سبب سے ان کو ایذا دیتے تھے خرید خرید کر اللہ کی رضا مندی کے واسطے آزاد کر دیئے تھے۔ لکھا ہے کہ مسلمانوں پر تیرہ سال کے عرصہ میں آپ نے اپنی تمام دولت کو صرف کیا اور قریب چھ ہزار درہم کے باقی رہے تھے جو کچھ ہجرت کے سفر میں اور کچھ مسجد نبوی کی زمین کے خریدنے میں اور کچھ دوسرے نیک کاموں میں خرچ کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اپنی زبان فیض ترجمان سے اس کلمہ کو ارشاد فرمایا ہے کہ کسی کے مال سے مجھ کو اس قدر فائدہ نہیں پہنچا جس قدر ابوبکرؓ کے مال سے مجھ کو فائدہ ہوا۔

الحاصل جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تمام مال اسلام کی نصرت اور شوکت کی زیادتی میں اور مسلمانوں کی خلاصی اور ضعیف مسلمانوں کی مدد اور دستگیری میں صرف ہو چکا اور اللہ کی راہ میں بالکل فقیر اور محتاج ہو گئے تو ایک روز ایک کمبل کو کرتے کی طرح گلے میں ڈال کر اس کو کانٹوں سے گونتھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت ابوبکر صدیق تو بڑے مالدار اور تونگر تھے یہ کیا ہوا کہ فقیروں کے سے کپڑے پہنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے اپنا سب مال مجھ پر اور میرے واسطے خرچ کر ڈالا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ حق تعالیٰ نے ابوبکر کو سلام فرمایا ہے اور پوچھا ہے کہ کیا اس فقیری میں بھی مجھ سے راضی ہیں یا کچھ دل میں رنج و ملال ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس کلام کے سننے سے عجیب حالت اور کیفیت پیدا ہوئی اور اصحاب حال کے مانند بے خود ہو گئے اور اس کلمہ کو بار بار اپنی زبان پر لاتے رہے۔ انا عن ربی راض' انا عن ربی راض میں اپنے پروردگار سے راضی ہوں۔ میں اپنے پروردگار سے راضی ہوں۔ تو اگر چہ اس سورۃ کے الفاظ عام ہیں مگر محدثین و مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سورۃ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور امیہ بن خلف کے معاملات و حالات کا نقشہ کھینچ کر سعادت و شقاوت کے راستہ بتائے گئے ہیں۔

رات دن اور خالق کی قسم

اب ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ اس سورۃ کی ابتدا بھی قسموں سے ہوئی ہے۔ پہلی قسم فرمائی۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى یعنی قسم ہے رات کی جب کہ وہ چھا جائے یا آفتاب کے نور کو چھپا لے اور جہان کو تاریک کر دے۔ رات بھی اللہ کی قدرت کاملہ کی ایک نشانی ہے اس لئے اس کی قسم کھائی گئی۔ رات دنیا میں ایک انقلاب عظیم بھی ہے اور موت و حیات کا ایک پورا نمونہ ہے۔ رات کو بالکل سناٹا ہو جاتا ہے اور انسان و حیوان چرند و پرند سب آرام کرتے ہیں۔ لوگ باتیں کرتے کرتے سو جاتے ہیں اور سب مردوں کی طرح بے خبر لیٹے ہوتے ہیں۔ نہ اس وقت اپنے مال کی خبر ہوتی ہے نہ اولاد کی۔ نہ کسی کے نیک و بد کہنے کی۔ اس کے بعد دوسری قسم وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى فرمائی یعنی قسم ہے دن کی جب کہ وہ روشن ہو جائے رات کے مقابل دن بھی اس کے قدرت کاملہ کی دوسری نشانی ہے رات میں جو بے خبر پڑے سوتے تھے دن میں ہر ایک کسی نہ کسی امر کی دوڑ دھوپ میں لگا ہوتا ہے۔ پرند بھی چہچہانے لگے چرند جنگل کی طرف جانے لگے۔ کاروباری اپنے کار کی طرف چلنے لگے۔ گویا یہ حشر کا نمونہ ہے کہ سب سوتے سے جاگ اٹھے۔ تیسری قسم ہے وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى اور قسم ہے اس کی جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا۔ دنیا میں زندہ اجسام کی نسل کو باقی رکھنے اور اسے بڑھانے کیلئے خواہ انسانی ہو خواہ حیوانی خواہ اور مخلوق یہ بھی اس کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانی ہے کہ نر و مادہ کا ایک ہی مادہ ہے مگر قدرت خداوندی کسی کو نر بنا دیتی ہے اور کسی کو مادہ۔ اگر نر و مادہ نہ ہوتے یا سب مادہ ہوتے یا سب نر ہوتے تو کیا کیا مشکلات پیش آتیں۔ پھر نر و مادہ میں ایک مقناطیسی کشش ایسی رکھی ہے کہ جس نے ایک کو دوسرے کا فریفتہ کر دیا ہے۔

تمہاری کوششیں مختلف ہیں

تو یہاں تین قسم کھا کر آگے جواب قسم ارشاد ہے۔

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں یعنی جس طرح دنیا میں رات اور دن، نر و مادہ مختلف اور متضاد چیزیں پیدا کی گئی ہیں اے بنی آدم تمہارے اعمال اور اشغال اور کوششیں بھی مختلف اور متضاد ہیں۔ یعنی کسی کی کوشش رات کی طرح ظلمانی ہے کہ برے کام کرتا ہے اور کسی کی کوشش دن کی طرح نورانی ہے کہ اچھے کاموں میں سرگرم رہتا ہے۔ پھر کسی کی کوشش مردانہ ہے کہ سعادت کے مقامات طے کرنے کے درپے رہتا ہے اور کسی کی کوشش زنانہ ہے کہ لذائذ دنیا پر فریفتہ ہے۔ اور دنیا کی خسیس چیزوں پر مر رہا ہے کہ رات دن مال و زر کے جمع کرنے میں لگا ہوا ہے نہ اس کو دن میں چین نہ رات کو راحت۔ اور کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ایک روز مرنا ہے اور یہ ساری دنیا کی چیزیں یہیں چھوڑ جانا ہے۔ اور کوئی ہے کہ اس کی ہمت مردانہ کے نزدیک مال و زر تو کیا دنیا کی سلطنت بھی کوئی چیز نہیں وہ سمجھتا ہے کہ چند روز کا دنیا میں مہمان ہوں جہاں سدا رہنا ہے راحت و عزت تو وہاں کی ہے یہاں کیا عارضی زندگی ہے۔ راحت سے گزری تو کیا اور تکلیف سے گزری تو کیا۔ الغرض انسانوں کے اعمال و اشغال مختلف ہیں۔

دعا کیجئے

یَااللّٰہُ یہ شب و روز کا انقلاب ہمارے لئے بھی اپنی معرفت کا ذریعہ بنا دیجئے اور دن رات کی ہماری کوششیں اپنی مرضیات کے حصول میں صرف کرنے کی توفیق نصیب فرمائیے۔

یا اللہ یہ دنیا کی عارضی زندگی ہمیں اس طرح گزارنا نصیب فرمائیے کہ ہم ہمہ وقت موت اور آخرت کو پیش نظر رکھیں اور آخرت کی زندگی کو سنوارنے کی فکر میں لگے رہیں۔

یَااللّٰہُ ہمارے اکابر سلف مال و دولت کو آپ کے راستہ میں آپ کی خوشنودی اور رضا کے لئے خرچ کرنے کا نمونہ پیش کر گئے وہ تو انہی حضرت کا حصہ تھا۔

یَااللّٰہُ اس گناہ سے بھی معافی دے کہ میں نے مسلمانوں میں بغض و عداوت اور منافرت پھیلا دی ہو یا میرے گناہوں کے باعث مسلمانوں پر آفت و مصیبت آ گئی ہو یا میرے گناہ کی وجہ سے دشمنان اسلام کو ہنسنے کا موقع ملا ہو یا دوسروں کی میرے گناہ کی وجہ سے پردہ دری ہوئی ہو یا میرے گناہ کے باعث مخلوق پر بارش برسانے سے روک لی گئی ہو۔ الٰہی! میرے سب گناہ بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿۷﴾ وَاَمَّا

سو جس نے دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کو سچا سمجھا۔ تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سامان دیدیں گے۔

مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿۱۰﴾

اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات کو جھٹلایا۔تو ہم اس کو تکلیف کی چیز کیلئے سامان دے دیں گے۔

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ﴿۱۱﴾

اور اُس کا مال اس کے کچھ کام نہ آوے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا۔

فَاَمَّا سو جو	مَنْ جس	اَعْطٰى دیا	وَاتَّقٰى اور پرہیزگاری اختیار کی	وَصَدَّقَ اور سچ جانا	بِالْحُسْنٰى اچھی بات کو	فَسَنُيَسِّرُهٗ پس عنقریب اسے آسان کردیں گے	لِلْيُسْرٰى آسانی
وَاَمَّا اور جو	مَنْۢ بَخِلَ جس نے بخل کیا	وَاسْتَغْنٰى اور بے پرواہ رہا	وَكَذَّبَ اور جھٹلایا	بِالْحُسْنٰى اچھی بات کو	فَسَنُيَسِّرُهٗ پس عنقریب اسے آسان کردیں گے		
لِلْعُسْرٰى دشواری	وَمَا يُغْنِيْ اور نہ فائدہ دیگا	عَنْهُ اس کو	مَالُهٗ اس کا مال	اِذَا تَرَدّٰى جب نیچے گریگا وہ			

اچھے کردار کی خصوصیات اور انجام

دنیا میں انسان کی زندگی کا ایک رخ تو وہ ہے جس کی طرف اللہ کے رسول بلاتے ہیں اور جس کی رہنمائی اللہ کے احکام و رسول کی تعلیمات کرتی ہیں اور اس کے علاوہ بیشار رخ اور ہیں جن کی طرف لوگ اپنی اپنی خواہشات کی پیروی میں یا اپنے سرداروں لیڈروں کی رہنمائی میں چلتے رہتے ہیں لیکن انجام کے اعتبار سے ان دونوں قسم کی راہوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ پہلا گروہ وہ ہے جو کامیاب ہے اور جسے اپنی کوششوں کا اچھا پھل ملے گا اور دوسرا گروہ وہ ہے جو انجام کے لحاظ سے ناکام اور نامراد ہے اور جس کی تمام کوششیں ضائع ہو جائیں گی اور وہ آخرت میں برباد ہلاک اور جہنم میں ڈالا جائے گا۔

اب ان دونوں گروہوں کی ان آیات میں کچھ صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ پہلا گروہ جو انجام کے لحاظ سے کامیاب گروہ ہے اس کی پہلی صفت یہ فرمائی گئی۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى جس نے اللہ کی راہ میں مال دیا یعنی حتی المقدور سب طرح کے نیک کاموں میں خرچ کیا اور یہ خرچ کرنا زکوٰۃ وصدقات کو بھی شامل ہے۔ اور ہر قسم کی خیرات کو بھی۔ دوسری صفت فرمائی وَاتَّقٰى یعنی اللہ سے ڈرا اور برائیوں سے بچا اور پرہیزگاری اختیار کی۔ یعنی جانتے بوجھتے وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جن سے ان کا خالق و مالک ناخوش ہوتا ہو۔ یہ ہر وقت اس کی ناخوشی سے ڈرتے ہیں۔ اور ہر اس بات سے بچتے ہیں جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کی ہدایات ہر وقت ان کے سامنے رہتی ہیں۔ تیسری صفت فرمائی۔ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى اور اچھی بات کو سچا سمجھا۔ یعنی اس پیام اور تعلیم کو دل سے سچا مانتے ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں یعنی توحید کا اقرار رسالت محمدیؐ کی تصدیق۔ آخرت پر یقین۔ جزاوسزا جنت وجہنم پر ایمان اور ان تمام باتوں کو سچ جاننا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں۔

تو ان تینوں مذکورہ صفات کا خلاصہ یہی ہے کہ ایک طرف آدمی کا ایمان درست ہوا سے قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تمام باتوں کا پکا یقین ہو اور دوسری طرف اس کے اعمال و اخلاق درست ہوں اور اعمال واخلاق کا تعلق بندوں سے بھی ہے اور اللہ سے بھی اس طرح ان آیات میں بندوں کے ساتھ تعلق کی درستی اور ان کے حقوق واجبہ کی ادائیگی کی ہدایت بھی موجود ہے۔ اور ساتھ ہی حقوق اللہ کی ادائیگی کی ہدایت بھی موجود ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری اطاعت اور اس کی بندگی وعبادت میں سرگرمی اور اس کی ہر قسم کی نافرمانی سے پرہیز ہو اور یہی تقویٰ کی جان ہے تو جس گروہ جماعت یا شخص میں یہ تینوں صفات وخوبیاں موجود ہوں گی اس

کے بارہ میں فرمایا گیا فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ہم اس کے لئے راحت و آرام تک پہنچنا آسان کردیں گے یعنی اس کو دنیا میں نیک اور اچھے کاموں کی توفیق دیں گے اور ان سب عبادتوں کی توفیق دیں گے جو آخرت میں اس کے کام آویں تا کہ اس توفیق کے سبب سے اس پر عبادتوں کا کرنا آسان ہو جائے اور دل و جان سے اس میں مشغول رہے۔ اس واسطے کہ نیک کام کا خاصہ ہے کہ جو کوئی اس کو ہمیشہ کرتا ہے تو اس کے نفس میں ایک قوت نورانی پیدا ہوتی ہے کہ اس کے سبب سے اچھی راہ چلنا اور نیک بات کو اختیار کرنا اس پر آسان ہو جاتا ہے اور وہ ظاہر کی تکلیف بھی اس کے لئے آسان ہو جاتی ہے کیونکہ جب کسی چیز کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے پھر جب موت اس کی آتی ہے اور اس عالم سے جدا ہونے کا وقت پہنچتا ہے تو اس کو بڑی آسانی نصیب ہوتی ہے گویا دنیا کے جیل خانہ سے چھوٹتا ہے۔ اور پھر بعد مرنے کے بھی منکر نکیر کا جواب اور حشر ونشر کا ہول اور حساب کتاب کا خوف اور میزان کا اندیشہ اور پل صراط سے اترنے کی سختی سب اس پر آسان ہو جاتی ہے اور انجام کار وہ انتہائی آسانی اور راحت کے مقام پر پہنچا دیا جاوے گا جس کا نام جنت ہے یہ تو اس گروہ کا بیان ہوا جو انجام کے لحاظ سے کامیاب ہے اور جسے اپنی کوششوں کا اچھا پھل ملے گا۔

بُرے کردار کی خصوصیات اور انجام

اس کے برخلاف دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو انجام کے لحاظ سے سراسر ناکام و نامراد ہے۔ اور ان کی بھی تین ہی صفات بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے۔ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ اور جو بخل کرتا ہے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا یعنی وہ جو کچھ مال دولت کماتا اور حاصل کرتا ہے وہ صرف اپنے دست و بازو اپنے علم و ہنر اور ذاتی سوجھ بوجھ کا نتیجہ سمجھتا ہے اس لئے وہ اپنی کمائی کو یا تو ذاتی عیش و آرام پر اڑاتا ہے یا پھر جوڑ جوڑ کر رکھتا ہے ضرورتمندوں کی مدد کے لئے اور محتاج۔ غرباء وفقراء کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ دوسری صفت فرمائی وَاسْتَغْنٰى اور جس نے بے پروائی اختیار کی یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے پروائی اختیار کی۔ اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی پروا نہ کی۔ اسلام اور آخرت کی نعمتوں سے بے پروائی کی اور گناہوں اور برے کاموں کو بے پرواہو کر عمل میں لایا۔ تیسری صفت فرمائی وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى اور اچھی بات کو جھٹلایا یعنی اسلام کی باتوں اور اللہ کے وعدوں کو جھوٹا جانا اس طرح نہ وہ توحید کا قائل ہوا نہ رسالت محمدی کی تصدیق کی۔ نہ صفات حمیدہ کا طالب ہوا نہ دار آخرت اور وہاں کی جزا دسزا کو سچ مانا۔ گویا جو تعلیمات و ہدایات اللہ کے رسول نے دیں ان کو جھٹلاتا رہا۔ تو جس میں یہ تینوں صفات ہوں گی نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ اس کا ایمان درست ہوگا اور نہ عمل ٹھیک ہوگا۔ نہ بندوں کے حقوق پہچانے گا اور نہ ادا کرے گا نہ خدا کے حقوق۔ اس کا دل روز بروز تنگ اور سخت ہوتا چلا جائے گا۔ نیکی کی توفیق سلب ہوتی جائے گی۔ ایسے شخص کے لئے فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى فرمایا یعنی ہر عمل بدخواہ کیسا ہی سخت اور مشکل ہو آسان ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں بدی کا پورا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور بالآخر آہستہ آہستہ عذاب الٰہی کی انتہائی سختی کی جگہ یعنی جہنم میں پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا یعنی ایسا شخص جس میں مذکورہ تینوں صفات ہوں جب برباد و ہلاک ہو کر جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا تو اس وقت اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آسکے گا اور جس مال دولت پر گھمنڈ کر کے آخرت کی طرف سے بے پرواہو رہا تھا وہ ذرا بھی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے گا۔

اچھے اور برے کردار کی دو مثالی شخصیات

اگر چہ اس سورۃ کے الفاظ عام ہیں لیکن جیسا کہ گذشتہ درس میں سورت کے سبب نزول میں بتلایا گیا اس سورۃ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور مکہ کے کافر سردار امیہ بن خلف کے حالات و معاملات کا نقشہ کھینچ کر سعادت و شقاوت کے دو راستے بتائے گئے۔ پہلی تین صفات کمالیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیان کی گئیں اور دوسری تین صفات بد کافر امیہ بن خلف کی ظاہر کی گئیں جو جنگ بدر میں مارا گیا اور جس دولت کی وجہ سے وہ بے پرواہو گیا وہ مال و دولت اس کے کچھ کام نہ آسکا اور ہلاکت ابدی سے نہ بچا سکا۔

اعمال کا مدار توفیق خداوندی ہے

ان آیات فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی سے متعلق بخاری شریف کی ایک روایت ہے اور حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبرستان غرقد میں ایک جنازہ میں شریک تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ اس کا جنتی یا جہنمی مقام (پہلے سے) مقرر نہ کر دیا گیا ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر نوشتہ تقدیر پر اعتماد کیوں نہ کر لیا جائے؟ فرمایا عمل کئے جاؤ۔ ہر ایک کو اسی کام کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ پھر آپ نے یہی آیات تلاوت فرمائیں تو معلوم ہوا کہ اصل مدار اعمال کا توفیق خداوندی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ہر سعادت کی توفیق نصیب فرمائیں۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو دنیا میں مال و دولت عطا فرمایا ہے اسے اپنی رضا میں صرف کرنا ہمارے لئے آسان فرمائیں اور وہ اعمال جو آپ کی ناراضگی کا باعث ہوں ان کو ہمارے لئے محال بلکہ ناممکن بنا دیں۔ یا اللہ ہمیں وہ تقویٰ اور راستی عطا فرما کہ جو جنت کا راستہ ہمارے لئے آسان ہو جائے۔ آمین۔

یَااللّٰہ آپ کی ہدایت آ جانے کے بعد اور دین کی بات کا علم ہو جانے کے بعد بھی میں نے اپنے آپ کو غافل بنائے رکھا۔ آپ نے حکم دیا، یا منع کیا، کسی عمل کی رغبت دلائی، اپنی رضا و محبت کی طرف بلایا اور اپنے قریب کرنے کے لئے اعمال خیر کی دعوت دی۔ آپ نے سب کچھ انعام کیا لیکن میں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ الٰہی! میری ہر ایسی خطا کو معاف فرما دے۔
یَااللّٰہ جس گناہ کو کر کے میں بھول گیا ہوں لیکن آپ کے یہاں وہ لکھا ہوا ہے میں نے اس کو ہلکا سمجھا لیکن نافرمانی پھر نافرمانی ہے وہ آپ کے یہاں موجود پاؤں گا۔ میں نے بارہا علانیہ گناہ کیا آپ نے چھپا لیا، لوگوں نے دھیان نہ کیا اور ہر ایسا گناہ جس کو آپ نے اس لئے رکھ چھوڑا ہے کہ توبہ کرے گا تو معاف کریں گے الٰہی! میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں مجھے معاف فرما دیجئے اور میری توبہ قبول فرما لیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰی ﴿۱۴﴾

واقعی ہمارے ذمہ راہ کا بتلا دینا ہے اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا۔تو میں تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں

لَا یَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَی ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۱۶﴾ وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ

اس میں وہ ہی بد بخت داخل ہوگا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔ اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جاوے گا جو بڑا پرہیز گار ہے۔جو اپنا

مَالَهٗ یَتَزَكّٰی ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ

مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جاوے۔اور بجز اپنے عالی شان پروردگار کی رضاجوئی کے اس کے

رَبِّهِ الْاَعْلٰی ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ﴿۲۱﴾

ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ اس کا بدلہ اتارنا ہو۔اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جاوے گا۔

اِنَّ بیشک	عَلَیْنَا ہم پر ہمارا ذمہ	لَلْهُدٰی البتہ راہ دکھانا	وَاِنَّ اور بیشک	لَنَا ہمارے لئے	لَلْاٰخِرَةَ آخرت	وَالْاُوْلٰی اور دنیا
فَاَنْذَرْتُكُمْ پس میں تمہیں ڈراتا ہوں	نَارًا آگ	تَلَظّٰی بھڑکتی ہوئی	لَا یَصْلٰىهَا نہ داخل ہوگا اس میں	اِلَّا مگر	الْاَشْقَی انتہائی بدبخت	
الَّذِیْ كَذَّبَ جس نے جھٹلایا	وَتَوَلّٰی اور منہ موڑا	وَسَیُجَنَّبُهَا اور عنقریب اس سے بچالیا جائیگا	الْاَتْقَی بڑا پرہیزگار	الَّذِیْ جو	یُؤْتِیْ دیتا ہے	
مَالَهٗ اپنا مال	یَتَزَكّٰی پاک کرنے کو	وَمَا لِاَحَدٍ اور نہیں کسی کیلئے	عِنْدَهٗ اس پر	مِنْ سے	نِّعْمَةٍ نعمت احسان	تُجْزٰی بدلہ دی جائے
اِلَّا مگر	ابْتِغَآءَ چاہیے کہ	وَجْهِ رضا	رَبِّهِ اپنا رب	الْاَعْلٰی بلند وبرتر	وَلَسَوْفَ اور عنقریب	یَرْضٰی راضی ہوگا

ہر ایک کے لئے ہدایت کا راستہ کھلا ہے

گذشتہ آیات میں آخرت کی کامیابی اور ناکامی کے لحاظ سے دو اشخاص یا دو گروہ کا ذکر ہوا تھا اور ہر ایک کی تین صفات بیان فرمائی گئی تھیں۔اس طرح سعادت و شقاوت کے دو راستہ ظاہر فرمائے گئے تھے۔اب آگے اللہ تعالیٰ اپنی ایک اور نعمت و رحمت کا ذکر فرما رہے ہیں۔اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے۔اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور مہربانی سے بندوں کی رہنمائی کرنا اپنے ذمہ لیا ہے اور اسی غرض سے ان کو حواس خمسہ ظاہری و باطنی عطا کئے ہیں۔عقل و ادراک دیا ہے کہ ان سے نیک و بد میں امتیاز کریں۔پھر اللہ نے دنیا میں اپنے رسول بھیجے ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں جن میں اچھائی و برائی، ہدایت و ضلالت، راستی و کجی، نیک و بد کو صاف صاف بیان فرما دیا۔پھر رسولوں کے جانشین مثلاً علمائے ربانی، آئمہ حقانی، اولیاء کرام و بزرگان دین پیدا کئے۔پھر حوادث دہر، تغیرات عالم اور عبرت انگیز نشانات قائم کئے تاکہ انسان اپنی عقل وفہم سے کام لے کر اپنے اختیار اور ارادہ سے نیک راہ اختیار کریں اور بری راہ کو چھوڑ دیں۔اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کو مقتضی نہیں کہ کسی آدمی کو زبردستی نیک یا بد بننے پر مجبور کرے بلکہ نیک و بد دونوں راستے انسانوں کو بتا دیئے اور بھلائی و برائی کو خوب کھول کر بیان کر دیا اور اس پر چلنا ان کے اختیار کو ارادہ اور فہم و ادراک پر چھوڑ دیا۔اب جو شخص جو راہ اختیار کرے گا دنیا اور آخرت میں اس سے اسی کے موافق برتاؤ خداوندی ہوگا۔اگر ایسا نہ ہوتا تو نیک و بد اور نافرمان و مطیع میں کچھ فرق نہ رہتا اور انسان شجر و حجر کی طرح مجبور سمجھا جاتا۔

جیسا عمل ویسا انجام پیش آئے گا

اب جب کہ قدرت نے دونوں راستے انسانوں کے سامنے رکھ دیئے اور دونوں میں امتیاز کرنے کا مادہ بھی انسان میں پیدا کر دیا بلکہ اپنے انبیاء و

رسل اور کتب کے ذریعہ نیک و بد صاف صاف متعین کر دیا تو اس کے بعد جو جیسی راہ اختیار کرے گا ویسا ہی ثمرہ اس کو اللہ تعالیٰ دیں گے۔ کیونکہ دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے۔ وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰى اور ہمارے ہی قبضہ میں آخرت اور دنیا ہے۔ یعنی اس کائنات کا اصل اور حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے اور دنیا اور اس کا نظم بھی اسی کے انتظام اور حکم سے قائم ہے اور آخرت میں بھی اسی کا حکم چلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکام دنیا میں جاری کر دیئے ہیں ان کی خلاف ورزی کرنے والوں کو وہ آخرت میں سزا دیں گے اور ان پر عملدرآمد کرنے والوں کو جزا دیں گے۔

بد بخت اپنی بد عملی سے جہنم میں جائے گا

اس حقیقت کو صاف صاف بیان کر دینے کے بعد فرمایا۔ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى پس ہم تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکے ہیں کہ اس میں صرف وہی بد بخت داخل ہوگا جس نے دین حق کو جھٹلایا اور روگردانی کی یعنی جب اللہ تعالیٰ نے نیک و بد کی رہنمائی صاف صاف فرما دی تو انسان کے لئے اس بات کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی کہ وہ اپنی تباہی کے لئے کوئی عذر پیش کر سکے۔ اب اگر وہ ہلاکت و بربادی کے گڑھے میں گر کر تباہ و ہلاک ہوتا ہے تو اس کی ذمہ داری خود انسان پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے رسول اور کتاب کے ذریعہ صاف صاف بتا دیا کہ انسان اگر کفر و شرک عصیان و نافرمانی کی غلط راہ پر چلے گا تو اس کا انجام ایک شعلہ زن اور بھڑکتی ہوئی آگ کے سوا اور کچھ نہیں اور اس آگ میں وہی ڈالا جائے گا جو خود اپنی بدبختی سے اپنے آپ کو اس کا مستحق بنا لے گا۔ جو اپنی خواہشات میں اندھا ہو کر رسول ﷺ کی بات اور دین حق کو جھٹلائے گا اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑے گا۔ اور اپنی لگام اپنے نفس یا اپنے ہی دوسرے جیسے انسانوں کے ہاتھوں میں دے کر خود اپنی تباہی اور جہنم میں جانے کا انتظام کرے گا۔

خوش بخت و کامیاب شخص کی صفات

آگے ایسے بد بخت شخص کے مقابلہ میں اس نیک بخت شخص کو پیش کیا جا رہا ہے جو اس جہنم سے دور رکھا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى اور اس سے یعنی جہنم کی آگ سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے یعنی دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایات پر چلتا ہے اور ہر ہر قدم پر اللہ کی مرضی کے خلاف کاموں سے بچتا ہے اور اللہ کی ناخوشی سے ڈرتا ہے گویا ایسے نیک بخت لوگوں کی پہلی صفت تقویٰ ہوئی۔ دوسری صفت فرمائی گئی الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى جو اپنا مال اس غرض سے دیتا ہے کہ گناہوں سے پاک ہو جائے یعنی اللہ کے دیئے ہوئے رزق و مال میں سے وہ اللہ کے بندوں کو دیتا ہے اور اس طرح مال خرچ کرنے سے اس کی نیت اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ روحانی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے۔ اور یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ مال کا خرچ چاہے اپنی جائز ضروریات کی تکمیل کے لئے ہو یا اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے ہو یا اپنے اعزا و اقربا کی خبر گیری کے لئے ہو یا محتاجوں اور غریبوں کی امداد کے لئے ہو یا رفاہ عام کے کاموں کے لئے ہو یا دین کی اشاعت اور جہاد کے لئے ہو بہرحال اگر وہ خرچ اللہ تعالیٰ کے قوانین اور ہدایات کے مطابق ہو اور خالص اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے ہو تو اس سے نفس کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ آگے ارشاد ہے۔ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى یعنی مال کے وہ صرف اور خرچ جن کا مقصد اللہ کی خوشنودی کے علاوہ کچھ اور ہو۔ مثلاً لوگوں میں شہرت و نیک نامی حاصل کرنے کے لئے خرچ کیا۔ یا دوسروں پر احسان رکھنے یا دوسروں کا احسان چکانے کے لئے خرچ کیا یا دکھاوے کے لئے مال خرچ کیا کہ لوگوں سے واہ واہ چاہتے ہیں یا کسی عہدہ دار کی نظر کرم کی امید میں خرچ کیا یا قوم اور ملک میں نام آوری کی خاطر خرچ کیا یا اپنے کسی شخصی رجحان یا ذوق کی تسکین کی خاطر مال لٹایا تو ان تمام حالات میں چونکہ مقصد اللہ کی خوشنودی کے علاوہ کچھ اور ہے اس لئے اس پر اللہ سے کسی اجر کی امید نہ رکھنا چاہئے اور جب خالص رضائے مولیٰ کی طلب میں مال لٹا رہا ہے تو اس کے لئے وعدہ اور بشارت ہے۔ ولسوف یرضیٰ اور وہ عنقریب

خوش ہو جائے گا یعنی آخرت کی نعمتوں سے خوب مالا مال ہو کر بے انتہا مسرور و خوش ہوگا۔ تو اگر چہ اس سورۃ اور ان آیات کا مضمون عام ہے لیکن روایات کثیرہ شاہد ہیں کہ ان آخری آیات کا نزول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں ہوا اور یہ بہت بڑی دلیل آپ کی فضیلت و بزرگی کی ہے۔ یہ آخری کلمہ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى یہ شخص عنقریب خوش ہو جاوے گا یہ حضرت صدیق اکبرؓ کے لئے ایک عظیم خوش خبری اور اعزاز ہے کہ ان کو حق تعالیٰ جل و علیٰ نے دنیا ہی میں اپنی طرف سے راضی اور خوش کر دیئے جانے کی خوشخبری سنا دی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کے درجات عالیہ اور قرب خاص میں اور ترقی عطا فرمائیں اور آپ کے نام لیوا ہونے کے باعث اور آپ سے محبت کرنے کے باعث اللہ تعالیٰ ہماری بھی مغفرت فرماویں۔ آمین۔

خلاصہ

اس سورت کا موضوع انسانوں کے مختلف قسم کے اعمال اور جد و جہد ہے جب اعمال اور جہد و سعی کا رخ مختلف ہو تو اس کے نتائج بھی مختلف برآمد ہوتے ہیں' اس کی ابتدائی آیات میں تین قسمیں کھا کر فرمایا گیا ہے کہ اے انسانو! تمہاری سعی مختلف ہے کوئی متقی ہے اور کوئی شقی ہے' کوئی مومن ہے اور کوئی کافر' کوئی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور کوئی بخل کرتا ہے' کوئی اللہ سے ڈرنے والا ہے اور کسی نے بے نیازی اختیار کر رکھی ہے' کوئی بھلائی کی بات کی تصدیق کرتا ہے اور کوئی تکذیب کرتا ہے' انسانوں میں سے جو کوئی اپنے لیے جس قسم کی راہ کا انتخاب کرتا ہے' ہم اس راہ پر چلنا اس کیلئے آسان کر دیتے ہیں۔

سورت کے اختتام پر بتایا گیا کہ اہل ایمان کو رب تعالیٰ دوزخ کے عذاب سے بچالے گا اور اس کیلئے ایک مومن صالح کا قصہ بیان کیا ہے جو اپنا مال صرف رضاءِ الٰہی کی خاطر خرچ کرتا تھا' تمام تفاسیر میں ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جن کا مال جہاد کی تیاری' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے میں خرچ ہوتا تھا جو قبول اسلام کی وجہ سے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔

سورۃ اللیل کے خواص

۱- اگر کسی کو مرگی کا دورہ پڑ جائے تو اس سورۃ کو اس کے کان میں پڑھنے سے مرگی کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

۲- اگر کسی کو بخار ہو تو سورۃ اللیل پانی پر دم کر کے اس پانی کو پی لے، یا اسے لکھ کر اور پانی میں دھو کر پی لے۔ ان شاء اللہ بخار اتر جائے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر حال میں اپنی توفیق حسن کو ہمارے شامل حال رکھیں اور اپنے کرم و فضل سے ان تمام اعمال کو ہمارے لئے آسان و سہل فرماویں جو ان کی رضا کے باعث ہوں اور ان تمام اعمال کو دشوار اور محال بنادیں کہ جو ان کی ناراضگی کا باعث ہوں۔

یا اللہ آپ نے جو کچھ مال دولت ہم کو عطا فرمایا ہے اس کو اپنی راہ میں اپنی مرضیات کے لئے خرچ کرنے کی توفیق عطا فرماویں۔ یا اللہ اپنے کرم سے ہم کو عذاب جہنم سے بچا لیجئے اور اپنے فضل سے اپنی جنت میں بے حساب داخل ہونا نصیب فرمائیے۔ اور آخرت کی نعمتوں سے مالا مال فرمائیے۔ آمین۔

یَااللّٰہُ اس گناہ سے بھی معافی دے کہ میں نے مسلمانوں میں بغض و عداوت اور منافرت پھیلا دی ہو یا میرے گناہوں کے باعث مسلمانوں پر آفت و مصیبت آ گئی ہو یا میرے گناہ کی وجہ سے دشمنان اسلام کو ہنسنے کا موقع ملا ہو یا دوسروں کی میرے گناہ کی وجہ سے پردہ دری ہوئی ہو یا میرے گناہ کے باعث مخلوق پر بارش برسانے سے روک لی گئی ہو۔ الٰہی! میرے سب گناہ بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ

قسم ہے دن کی روشنی کی۔اور رات کو جب کہ وہ قرار پکڑے۔کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور آخرت آپ کیلئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے۔

الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾

اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دے گا سو آپ خوش ہو جاویں گے۔

وَالضُّحٰى قسم ہے دھوپ چڑھنے کی آفتاب	وَالَّيْلِ اور رات کی	اِذَا جب	سَجٰى چھا جائے	مَا وَدَّعَكَ آپ کو نہیں چھوڑا	رَبُّكَ آپ کا رب	وَمَا اور نہ		
قَلٰى بیزار ہوا	وَلَلْاٰخِرَةُ اور آخرت	خَيْرٌ بہتر	لَّكَ آپ کیلئے	مِنَ سے	الْاُوْلٰى پہلی	وَلَسَوْفَ اور عنقریب	يُعْطِيْكَ آپ کو عطا کریگا	رَبُّكَ آپ کا رب
فَتَرْضٰى پس آپ راضی ہوجائیں گے								

وجہ تسمیہ

اس سورۃ کی ابتدا ہی لفظ الضُّحٰی سے ہوئی ہے ضحیٰ کے معنی دن چڑھے کا وقت اور آفتاب بلند ہونے کا وقت ہے۔تو اس سورۃ کی ابتدا میں اول ضحیٰ کی قسم کھائی گئی ہے۔اسی واسطے اس سورۃ کا نام الضحیٰ مقرر رہوا۔یہ مکی سورۃ ہے اور اس کا نزول بالکل ابتدائی دور میں روایت کیا گیا ہے اس سورۃ کا خاص مضمون حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کیسے انعام و احسان فرمائے اور ساتھ ہی مزید انعامات کے وعدے ہیں۔

شان نزول

اس سورۃ کے سبب نزول کے سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ روایات صحیحہ میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام دیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ آئے یعنی وحی قرآنی بند رہی۔ مشرکین کہنے لگے کہ لیجئے محمد کو ان کے رب نے رخصت کر دیا۔اس کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔آگے حضرت علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یہ زمانہ فترۃ الوحی کا ہے۔جب سورۂ اقراء کی ابتدائی آیات نازل ہونے کے بعد ایک طویل مدت تک وحی رکی رہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اس فترۃ الوحی کے زمانہ میں سخت مغموم و مضطرب رہتے تھے تا آنکہ جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یآ یھا المدثر کا خطاب سنایا۔اغلب ہے کہ اس وقت مخالفوں نے اس طرح کی چہ میگوئیاں کی ہوں چنانچہ مفسر علامہ ابن کثیرؒ نے محمد بن اسحاق وغیرہ سے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ اس احتمال کی تاکید کرتے ہیں ممکن ہے اسی دوران میں وہ قصہ بھی پیش آیا ہو جو بعض احادیث صحیحہ میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی وجہ سے دو تین رات نہ اٹھ سکے تو ایک خبیث کافرہ عورت کہنے لگی اے محمد معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے (العیاذ اللہ) اور یہ طعن کرنے والی عورت ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی۔غرض ان سب خرافات کا جواب اس سورۃ الضحیٰ میں دیا گیا اور یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں کفار کی طعنہ زنی کا رد فرمایا گیا۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد بیان فرمائے اور آئندہ کے لئے تسلی اور قرب روز افزوں کا وعدہ اور بشارت سنائی گئی۔

پکی بات ہے کہ آپ کے رب نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا

گذشتہ سورتوں کی طرح اس سورۃ کی ابتدا بھی قسمیہ کلام سے

فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کھائی گئی۔ وَالضُّحٰی یعنی قسم ہے ضحیٰ کے وقت کی۔ ضحیٰ یعنی چاشت آفتاب بلند ہونے سے لے کر نصف النہار تک پہنچنے تک کا زمانہ ہے۔ یہ ضحیٰ کا وقت متعدد خصوصیتیں رکھتا ہے۔ایک یہ کہ روزی کی تلاش کا علم اور ہنر حاصل کرنے کا اکثر یہی وقت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ وقت فرض نماز سے تو خالی ہے اور نفلی عبادت کے لئے فراغت تیسرے یہ کہ اسی وقت ضحیٰ میں خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا چوتھے یہ کہ اسی وقت میں فرعون کے جادوگر موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر ایمان لائے اور سجدہ کیا۔ پس یہ وقت نور حق کے کمال ظاہر ہونے کا وقت ہے۔ پانچویں یہ کہ ضحیٰ کی نماز جس کی ادنیٰ چار رکعتیں اور اعلیٰ بارہ رکعتیں ہیں اور جس نماز کی بہت سی فضیلتیں حدیث شریف میں آئی ہیں۔ اسی وقت مقرر ہے۔علمائے ربانی اور اہل بصیرت نے فرمایا ہے کہ جو فقر وافلاس سے دور رہنا چاہے تو نماز ضحیٰ پڑھے اور اگر قبر کی تنگی اور وہاں کی اندھیری اور عذاب سے بچنا چاہے تو نماز تہجد پڑھا کرے۔ پہلی قسم یہاں ضحیٰ یعنی دھوپ چڑھتے وقت کی کھائی۔ آگے دوسری قسم کھائی گئی وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی اور قسم ہے رات کی جب وہ قرار پکڑے۔ یعنی اندھیرا چھا جائے۔تو یہاں دو چیزوں کی قسم کھائی ہے دن کی جب خوب روشن ہو جائے اور رات کی جب خوب اندھیرا ہو جائے اس کے بعد جواب قسم ہے۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ آپ سے دشمنی ہی کی ہے۔یعنی دشمنوں کے الزامات اور خیالات سب غلط ہیں۔اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب نہ آپ سے ناخوش اور ناراض اور بیزار ہوا اور نہ آپ کو رخصت کیا جیسا کہ یہ معاندین کفار ومشرکین کہتے ہیں۔ بلکہ جس طرح ظاہر میں وہ اپنی قدرت وحکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا ہے اور دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن کو لاتا ہے یہی کیفیت باطنی حالات کی ہے۔اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ کی خفگی اور ناراضگی کی دلیل نہیں اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا تو کچھ عرصہ نور وحی کے رکے رہنے سے یہ کیوں کر سمجھ لیا جائے کہ آج کل خدا اپنے منتخب کئے ہوئے پیغمبر سے خفا اور ناراض ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے وحی کا دروازہ بند کر دیا۔ الغرض معاندین کفار کے احمقانہ خیالات اور الزامات کی تردید میں صاف فرما دیا گیا کہ آپ کو آپ کے پروردگار نے نہ تو چھوڑا ہے اور نہ ہی آپ سے ناراض ہوا ہے۔ کچھ ایام کے لئے مصلحت خداوندی کی وجہ سے وحی کا آنا بند ہو گیا تھا نہ آپ کے کسی قصور کی وجہ سے اب پھر وحی الٰہی کا آفتاب جلوہ گر ہوگا۔ آپ کفار کی خرافات سے غمگین نہ ہوں آپ برابر نعمت وحی الٰہی سے مشرف ہوتے رہیں گے۔

آخرت کے انعامات دنیا سے کہیں زیادہ ہیں

اور یہ شرف وکرامت تو آپ کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے۔

وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰی اور آخرت آپ کیلئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے یعنی آخرت کی شان وشکوہ جب کہ آدم علیہ السلام اور ان کی تمام اولاد آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز واکرام سے بے شمار درجے بڑھ کر ہے۔ وہاں آپ کو اس دنیا سے کہیں زیادہ نعمتیں ملیں گی۔

آپ کو راضی کیا جائے گا

آگے ارشاد ہے وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی اور عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔یعنی ناراض اور بیزار ہو کر چھوڑ دینا تو کیسا ابھی تو آپ کا رب آپ کو دنیا وآخرت میں اس قدر دولتیں اور نعمتیں عطا فرمائے گا کہ آپ پوری طرح مطمئن اور راضی ہو جاویں گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا میں کبھی ہرگز راضی نہ ہوں گا جب تک کہ اپنی امت سے ایک ایک کو جنت میں داخل نہ کرالوں گا۔ غرض وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی کہ آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ایک بڑا وسیع وعدہ اور حق تعالیٰ کی طرف سے نہایت گراں بہا خلعت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

حق تعالیٰ کی جو بخششیں اور عنایتیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں آپ کی روح مبارک پیدا ہونے کی ابتدا سے بہشت میں داخل ہونے تک عطا ہوئی ہیں اور ہوں گی وہ بیان کرنے کی حد سے باہر ہیں تاہم علمائے مفسرین نے اس آیت وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی کے

معنیٰ ذہن نشین ہونے کے لئے کچھ خصوصیات جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے رکھی تھیں بیان فرمائی ہیں۔
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلویؒ اس آیت مذکورہ کے تحت لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خصوصیات جناب اقدس الٰہی سے حاصل ہوئی ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جس میں دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی شریک ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ نعمت سب سے بڑھ کر اور سب سے زیادہ دی گئی اور اس سبب سے تمام انبیاء و رسل سے آپ کو ممتاز فرمایا اور دوسری قسم خصوصیات کی وہ ہیں جو آپ ہی کو مخصوص ہیں۔

اس کے متعلق حدیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے چند چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں۔

(۱) میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی۔ مجھ سے پہلے انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے اور میں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

(۲) میں خاتم النبیین ہوں۔ میری ذات پر سلسلہ انبیاء ختم ہوا۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۳) مجھ کو جوامع الکلم عطا کئے گئے یعنی ایسے مختصر اور جامع کلمات کہ الفاظ تو تھوڑے ہوں اور معانی بے شمار ہوں جیسا کہ احادیث نبویہ کا مجموعہ اس کا شاہد ہے۔

(۴) مجھے رعب اور ہیبت کے ذریعہ فتح ونصرت عطا کی گئی۔ بلا اسباب ظاہری کے ایک مہینے کی مسافت تک میرے دشمن مجھ سے مرعوب اور خوف زدہ رہتے ہیں۔

(۵) تمام روئے زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور مطہر بنا دی گئی یعنی میری امت کو ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے خواہ مسجد ہو یا غیر مسجد اور میرے لئے پاک مٹی سے تیمم کا حکم نازل ہوا کہ مجھے ہر جگہ تیمم کی اجازت ہے اور میرے لئے مٹی کو پانی کی طرح پاک کرنے والی چیز بنا دیا گیا۔

(۶) مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا۔

(۷) میرے پیروکار تمام انبیاء ومرسلین کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے چنانچہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جنتیوں کی ۱۲۰ صفیں ہوں گی جن میں ۸۰ صفیں امت محمدیہ کی ہوں گی۔

(۸) مجھے شفاعت کبریٰ کا مرتبہ عطا کیا گیا کہ قیامت کے دن اولین اور آخرین میری طرف رجوع کریں گے۔ اور میں ان کے لئے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کروں گا۔

(۹) سب انبیاء ومرسلین سے پہلے میں اپنی امت کو پل صراط سے لے کر گزروں گا۔

(۱۰) سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہوں گا اور ابو بکرؓ اور عمرؓ میرے دائیں اور بائیں ہوں گے اور جنت میں ہر نبی کے لئے حوض ہوگی اور میری حوض سب سے زیادہ وسیع اور پر رونق ہوگی۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔

یَااَللّٰہُ میں ہر ان گناہوں سے معافی چاہتا ہوں جو آپ کی رحمت سے دور کر دیں اور عذاب میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہوں۔ عزت سے محروم کر دیں اور برائی کے لائق کر دیں۔ آپ کی نعمتوں کے زوال کا سبب ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝

کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانہ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتلایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنادیا

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

تو آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے۔ اور سائل کو مت جھڑکئے۔ اور اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔

اَلَمْ کیا نہیں	یَجِدْكَ آپ کو پایا	یَتِیْمًا یتیم	فَاٰوٰی پس ٹھکانہ دیا	وَوَجَدَكَ اور آپ کو پایا	ضَآلًّا بے خبر	فَهَدٰى تو ہدایت دی	وَوَجَدَكَ اور آپ کو پایا
عَآئِلًا مفلس	فَاَغْنٰى تو غنی کردیا	فَاَمَّا پس جو	الْیَتِیْمَ یتیم	فَلَا تَقْهَرْ تو قہر نہ کر	وَاَمَّا اور جو	السَّآئِلَ سوال کرنیوالا	فَلَا تَنْهَرْ تو نہ جھڑک
	وَاَمَّا اور جو	بِنِعْمَةِ نعمت	رَبِّكَ اپنا رب	فَحَدِّثْ سو بیان کر			

یتیمی میں عظمتوں کا تاج پہنایا

گذشتہ ابتدائی آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ ہم آپ کو اس قدر نعمتیں دیں گے اور آپ پر اس قدر عنایات کریں گے کہ آپ راضی اور خوش ہو جائیں گے۔ اسی کی تائید میں اب آگے ان آیات میں چند گذشتہ واقعات کا اجمالاً ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جن میں حق سبحانہ کی طرف سے کیسی کیسی عنایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئیں اور ان گذشتہ مواقع میں کیا کیا عطایا فرمائے گئے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہے اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانہ دیا۔ تفصیل اسکی یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب شکم مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ عین جوانی میں وفات پا گئے اور کوئی جائیداد یا مال نہ چھوڑا جس سے پس ماندوں کی پرورش ہوتی۔ حق تعالیٰ سبحانہ نے آپ پر یہ انعام کیا کہ آپ کے دادا عبدالمطلب کو آپ پر مہربان کردیا اور ان سے آپ کی پرورش کرائی۔ جب آپ کی عمر چھ سال کی تھی تو والدہ ماجدہ بھی دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ اب نہ والد ہیں نہ والدہ مگر اللہ تعالیٰ نے دادا عبدالمطلب کو آپ پر ایسا فریفتہ اور مہربان کر رکھا تھا کہ وہ آپ کے پیچھے اپنی حقیقی اولاد کو بھی بھول گئے۔ آٹھ سال کی عمر تک آپ اپنے دادا کی کفالت میں رہے۔ جب دادا عبدالمطلب بھی چل بسے تو آپ کی ظاہری تربیت و پرورش کی سعادت آپ کے بے حد شفیق چچا ابوطالب حضرت علیؓ کے والد کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے اپنی زندگی بھر آپ کی نصرت وحمایت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ الغرض یتیمی کا زمانہ تو اس طرح گزرا۔

نبوت وشریعت سے سرفراز فرمایا

جب آپ بالغ ہوئے اور جوانی کے دور میں داخل ہوئے تو عمر کا دوسرا حصہ شروع ہوا۔ قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم ورواج سے آپ سخت بیزار تھے۔ آپ شروع ہی سے رئیس الموحدین تھے۔ خدا پرستی اور مکارم اخلاق آپ کا شیوہ تھا۔ دیانت و امانت اور حسن اخلاق میں ساری قوم میں مشہور اور معروف تھے۔ آپ کے قلب مبارک میں خدائے واحد ذوالجلال کی عبادت و بندگی کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موج زن تھا۔ عشق الٰہی کی آگ سینہ مبارک میں بڑی تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس مکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا اندر ہی اندر جوش مارتا تھا۔ لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے آپ کے قلب مبارک کو تسکین ہوتی۔ اسی جوش طلب اور فرط محبت میں آپ بے قرار ہو کر غاروں اور پہاڑوں میں جا کر تنہائی میں اپنے مالک اور محبوب حقیقی کو یاد کرتے۔ اور حق تعالیٰ نے "غار حرا" میں فرشتہ کو وحی دے کر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ پر کھول دیں یعنی

دین حق نازل فرمایا آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور شریعت اسلامیہ عطا فرمائی گئی اسی کو فرمایا گیا۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلایا۔ اسی بات کو ۲۵ ویں پارہ سورۂ شوریٰ میں فرمایا گیا۔ ما كنت تدری ما الكتب ولا الايمان اور آپ کو قبل نبوت نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے۔ یعنی ایمان اور اعمال ایمانیہ کی یہ تفاصیل جو بذریعہ قرآن شریف آپ کو بتلائی گئیں یہ پہلے سے یعنی قبل نبوت آپ کو کہاں معلوم تھیں۔ آپ عبادت تو قبل نبوت بھی کرتے تھے مگر تعداد رکعات اور قوانین آداب کا علم تو اس وقت نہ تھا۔ آپ ہاتھ پاؤں دھولیا کرتے تھے مگر وضو و غسل کے شرعی آداب و طریقہ سے علم نہ تھا۔ آپ کے دل میں محبت الٰہی کا جذبہ تھا اور قلب میں آتش عشق الٰہی شعلہ زن تھی مگر آپ اس کی ترقی کے اسباب اور قوانین نبوت سے قبل نہ جانتے تھے۔ اسی حالت کو آیت میں ضلال سے تعبیر کیا گیا۔ لفظ ضلال کے معنی گمراہ کے بھی آتے ہیں اور ناواقف' بے خبری کے بھی۔ یہاں بے خبری ہی کے معنی مراد ہیں۔ یہاں تک تو عمر مبارک کے دوسرے دور کا بیان ہے۔

شان استغناء عطا فرمائی

آگے عمر مبارک کی تیسری حالت کا بیان ہے کہ

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا پھر غنی کر دیا۔ اور وہ اس طرح کہ حضرت خدیجہؓ کی تجارت میں آپ شریک ہو گئے اس میں نفع ملا۔ پھر حضرت خدیجہؓ نے آپ سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال و دولت آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ بڑی مالدار تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت تابعدار اور جاں نثار بھی تھیں۔ روسائے قریش ان سے نکاح کرنا چاہتے تھے مگر انہوں نے کسی کی طرف رغبت نہ کی۔ یہ تو تھا ظاہری غنا جو آپ کو عطا ہوا باقی آپ کے قلبی اور باطنی غنا کا تو کیا کہنا۔ کوئی بشر اس کا اندازہ کیا کر سکتا ہے اور اصل غنا تو یہی قلبی غنا ہے کیوں کہ جس کو غناء نفس حاصل نہ ہو وہ گو کیسا ہی مالدار ہو مگر حقیقت میں محتاج ہے کہ مارا مارا پھرتا ہے۔ دل میں ہمہ وقت بے قراری مال بڑھانے کی رہتی ہے۔ برخلاف غناء نفس کے کہ اس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے غرض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان انعامات و عنایات کے بیان فرمانے سے مراد یہی ہے کہ ابتداء ہی سے خدائے تعالیٰ آپ پر انعام و اکرام کرتا رہا ہے۔ ایسے ہی آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ تو جس پروردگار نے اس شان سے آپ کی تربیت فرمائی کیا وہ خفا ہو کر یونہی درمیان میں چھوڑ دے گا۔ استغفر الله

یتیم پر سختی نہ کیجئے

آگے تینوں زمانوں کے انعامات و احسانات کے شکریہ ادا کرنے کے لئے حق تعالیٰ تین حکم صادر فرماتے ہیں۔ ایک فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ پس آپ اس کے شکریہ میں یتیم پر سختی نہ کیجئے۔ مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ بظاہر تو یہاں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن سب کو حکم دیا جاتا ہے کہ یتیم پر قہر نہ کرنا اس میں یتیم کو زبانی جھڑکنا' سخت کلامی کرنا' بری نگاہ سے دیکھنا یا اس کو مارنا پیٹنا یا اس کے مال کی خیانت کرنا دغا فریب سے لے لینا یہ سب صورتیں قہر میں داخل ہیں بلکہ اسکے ساتھ ہمدردی نہ کرنا۔ اس کے حال وزار پر رحم نہ کھانا یہ بھی یتیم پر قہر ہے۔ عرب اس مرض میں مبتلا تھے۔ عرب میں اسلام سے پہلے جہالت سخت دلی کی کوئی حد نہ تھی خصوصاً یتیموں' بیواؤں اور ضعیفوں پر زیادتی کرنا اپنے ذرا سے نفع کیلئے ان کا نقصان کر دینا کوئی بات ہی نہ تھی۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بالخصوص یتیموں پر بڑے مہربان تھے۔ اور لوگوں کو بھی تاکید رحم کرنیکی فرماتے تھے کہ یتیم کی پرورش کرنے والا میرے ساتھ بہشت میں اس طرح سے رہیگا اور اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جس طرح ہاتھ کی ایک انگلی دوسری سے ملی ہوئی ہے۔ اسی طرح میرے ساتھ ہوگا۔

سائل کو نہ جھڑکئے

دوسرا حکم فرمایا وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ اور سائل کو مت جھڑکئے یعنی اگر سائل کے سوال پورا کرنے کی قدرت ہو تو پورا کر دیا جائے بشرطیکہ کسی امر ممنوع اور گناہ کا سوال نہ ہو ورنہ نرم الفاظ میں جواب دے دیا جائے تاکہ اس کی دل شکنی نہ ہو۔ یہاں بھی خطاب بظاہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر حکم عام ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور مروت کی تو کچھ انتہا نہ تھی سائل کو انکار کرنا تو آپ جانتے ہی نہ تھے۔ اگر خود اپنے پاس یا ازواج مطہرات کے گھر میں نہ ہوا تو قرض

لے کر دیا یا کسی سے فرمائش کر کے دلوا دیا یا کسی دوسرے وقت کا وعدہ فرما لیا۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ سائل سے مراد وہی سائل مراد ہیں جو واقعی حاجتمند اور ضرورتمند ہو کر سوال کرتے تھے نہ کہ وہ لوگ کہ جنہوں نے گداگری کو پیشہ ہی بنا لیا ہے۔ ہٹے کٹے صحیح تندرست ہیں۔ محنت مزدوری کر سکتے ہیں ایسے شخص کو تو سوال کرنا حرام ہے۔ حضرت عمرؓ نے تندرست سائل کو جو کمانے پر قادر تھا درے مارے ہیں۔

اللہ کی نعمتوں کو بیان کرتے رہیے

آگے تیسرا حکم ارشاد ہوا وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ اور اپنے رب کی نعمت کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔ نعمت کا لفظ عام ہے کوئی بھی نعمت ہو محسن ومنعم حقیقی کے احسانات کا تذکرہ شکرگزاری کی نیت سے کرنا شرعاً محمود ہے نہ کہ بقصد فخر ومباہات اعلان کرنا۔

تحدیث نعمت کی ایک صورت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نعمت سے نوازے تو لازم ہے کہ وہ ہیئت اور لباس وغیرہ سے اپنی فقیری نمایاں نہ کرے اور مسکین نمانہ بنے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صاحب خستہ حال بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے تمہیں نعمت دی ہے تو اپنی دی ہوئی نعمت کا نشان تمہارے اوپر دیکھنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ (بیان السبحان)

تو اگرچہ اس سورۃ میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض خصوصی نعمتوں کو یاد دلاکر جو ہدایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہیں تو وہ اپنے حکم میں عام ہیں۔ جو شخص بھی اپنے حالات پر غور کرے گا وہ یہ محسوس کرے گا کہ اللہ کی نعمتوں میں سے اسے بھی یقینی حصہ ملا ہے تو اس طرح سورۃ کے خاتمہ پر آخری ہدایات کا مخاطب ہر امتی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا احساس ہم کو بھی عطا فرمائیں اور ان پر شکرگزاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔

ہر سورۃ کے ختم پر تکبیر کہنا

علمائے مفسرین نے ایک حدیث مرفوع بروایت حاکم وبیہقی نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سورۃ الضحیٰ کے آخر تک ہر سورۃ کے ختم پر اللہ اکبر کہو اور حکمت اس میں بعض علماء نے یہ ذکر کی ہے کہ کچھ عرصہ وحی رکنے کے بعد جب یہ سورۃ الضحیٰ نازل ہوئی تو آپؐ نے خوش ہو کر اللہ اکبر فرمایا تھا اور پھر شاید مضمون کی مناسبت سے بقیہ سورتوں میں تکبیر فرمائی ہو۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ

اس سورت کا موضوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہے اور اس میں چار مضامین بیان ہوئے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی آپ سے ناراض ہوا ہے۔ آپ کے مخالفین اگر حسد اور دشمنی کی بناء پر ایسی باتیں کرتے ہیں تو قطعاً جھوٹ بولتے ہیں۔

آپ کو دو عظیم بشارتیں سنائی گئی ہیں پہلی یہ کہ آپ کا مستقبل حالِ موجود سے بہتر ہو گا یا یہ کہ آپ کی آخرت دنیا سے بہتر ہو گی اور یہ کہ اللہ آپ کو دنیا اور آخرت میں اتنا عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

پھر اللہ نے اپنے تین احسانات یاد دلائے ہیں' آپ یتیم تھے ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا' آپ دین سے بے خبر تھے ہم نے آپ کو اس کا راستہ دکھایا' آپ تنگدست تھے ہم نے آپ کو غنی کر دیا۔

ان تین نعمتوں کے مقابلے میں آپ کو تین وصیتوں کی صورت میں' گویا شکر کی تلقین کی گئی ہے یعنی یتیم پر سختی نہ کیجئے' سائل کو جھڑکیے نہیں اور اپنے رب کی نعمتوں کا تذکرہ کیا کریں۔

سورۃ الضحیٰ کی خاصیت

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اس مبارک سورۃ کی ایک مجرب خاصیت یہ ہے کہ گم ہوئی چیز کے واسطے اس سورۃ کو سات بار پڑھے اور شہادت کی انگلی کے سرے کو اپنے سر کے اردگرد پھراتا جاوے اور اس کے بعد اصبحت فی امان الله و امسیت فی جوار الله امسیت فی امان الله و اصبحت فی جوار الله پڑھ کر دستک دیوے تو گم شدہ چیز پھر مل جاوے۔

وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

4

سُوْرَۃُ الاِنْشِرَاحِ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَھِیَ ثَمَانِیْ اٰیٰتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ﴿۲﴾ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ ﴿۳﴾

کیا ہم نے آپکی خاطر آپکا سینہ کشادہ نہیں کردیا۔اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اُتار دیا۔جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ﴿۴﴾

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا۔

اَلَمْ کیا نہیں	نَشْرَحْ کھول دیا	لَکَ آپؐ کیلئے	صَدْرَکَ آپ کا سینہ	وَوَضَعْنَا اور ہم نے اتار دیا	عَنْکَ آپؐ سے	وِزْرَکَ آپؐ کا بوجھ	
الَّذِیْ جو۔جس	اَنْقَضَ توڑ دی	ظَھْرَکَ آپؐ کی پشت	وَرَفَعْنَا اور ہم نے بلند کیا	لَکَ آپ کیلئے	ذِکْرَکَ آپؐ کا ذکر		

وجہ تسمیہ

اس سورۃ کی ابتدا یوں ہوئی ہے اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ کیا ہم نے آپ کا سینہ آپ کیلئے نہیں کھول دیا۔تو علامت کے طور پر جن الفاظ سے یہ سورۃ شروع ہوئی ہے یعنی الم نشرح وہی اس کا نام مقرر ہوا۔یہ سورۃ بھی مکی ہے اور سورۃ الضحیٰ جس کا بیان گذشتہ درسوں میں ہوا اُس کے بعد ہی نازل ہوئی ہے اور گذشتہ سورۃ سے اس کا خاص تعلق بھی ہے۔

سورۃ کا موضوع

اس سورۃ میں بھی اور گذشتہ سورۃ الضحیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نعمتیں حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھیں اُن کا ذکر فرمایا گیا۔اب جو نعمتیں حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائی ہیں وہ دو قسم ہیں۔ایک ظاہری یعنی وہ نعمتیں جو آپ میں ظاہر میں پائی جاتی تھیں اور سب عام و خاص ان کو جانتے تھے اور دیکھتے تھے۔دوسری قسم کی باطنی نعمتیں تھیں کہ جو عوام بلکہ خواص کی نظر سے بھی پوشیدہ تھیں۔یعنی پہلی قسم آپؐ کے ظاہر سے تعلق رکھتی تھیں جو سورۃ الضحیٰ میں بیان فرمائی گئیں اور دوسری قسم جو آپؐ کے باطن سے تعلق رکھتی تھیں وہ اس سورہ الم نشرح میں بیان فرمائی گئیں اس لئے اس کا نزول بھی سورۃ الضحیٰ کے بعد میں بیان فرمایا گیا ہے۔

سببِ نزول

اس کے سبب نزول میں بعض مفسرین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خُلّت کا مرتبہ بخشا اور حضرت موسیٰؑ کو کلیم کی خِلعت سے نوازا اور حضرت داؤدؑ کو لوہا اور پہاڑوں کو تابع دار کر کے ممتاز کیا اور حضرت سلیمانؑ کو جنات و انسانوں پر سلطنت دے کر ہوا کو فرماں بردار کر کے سرفراز فرمایا۔میرے واسطے اے الہ العالمین آپ نے کیا چیز خاص کی؟ اس سوال کے جواب میں حق تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔اس طرح یہ سورۃ بھی مکی دور کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تین خصوصی انعامات

ان آیات میں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین کمالات وانعامات الٰہیہ کا ذکر فرمایا ہے جو حق تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائے۔سب سے اول شرح صدر۔اس کے لفظی معنی ہیں سینہ کھول دینا۔سینہ کشادہ کردینا۔یہ باطن میں نہایت بلند مرتبہ ہے۔اسی شرح صدر کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی نے بھی بارگاہ ایزدی میں التجا کی تھی رب اشرح لی صدری جیسا کہ سولھویں پارہ سورۂ طٰہٰ

میں بیان فرمایا گیا کہ اے میرے پروردگار میرا سینہ کشادہ کردے۔تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کبریٰ کیلئے یہ مرتبہ اور کمال ضروری تھا۔اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کمال کے حاصل ہونیکی اطلاع دی گئی اور اسکا اظہار اسطرح فرمایا گیا اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ علم وحلم سے کشادہ نہیں کردیا؟ یہ استفہام تقریری ہے یعنی ضرور ایسا کردیا۔علم بھی نہایت وسیع عطا فرمایا اور چونکہ تبلیغ احکام خداوندی میں طرح طرح کی تکالیف کا سامنا ہونا تھا اس لئے آپ کی طبیعت کو بھی نہایت متحمل اور بردبار بنادیا۔سینہ مبارک میں علوم ومعارف کے سمندر اتاردیئے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت اور احکام الٰہیہ کی تبلیغ کو بڑا وسیع حوصلہ دیا کہ بے شمار دشمنوں کی عداوت اور مخالفوں کی مزاحمت سے گھبرانے نہ پاویں۔یہ تو ہوا شرح صدر معنوی۔

شرح صدر جسمانی اور اس کے اسرار

شرح صدر حسی کا ذکر احادیث صحیحہ اور کتب سیر میں یوں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک فرشتوں نے چاک کر کے قلب مبارک کو نورانی طشت میں آب قدس سے دھویا۔ یہ شق صدر کا واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عمر شریف میں چار مرتبہ پیش آیا۔اول بار زمانہ طفولیت میں پیش آیا جب کہ آپ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی پرورش میں تھے اور ایک روز آپ جنگل میں تھے جب کہ آپ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل بکریاں چرانے جانے لگے تھے کہ دو فرشتے حضرت جبرائیل ومیکائیل سفید پوش انسانوں کی شکل میں ایک سونے کا طشت برف سے بھرا ہوا لے کر نمودار ہوئے اور آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے قلب مطہر کو نکالا۔ پھر قلب کو چاک کیا اور اس میں سے ایک یا دو ٹکڑے خون کے جمے ہوئے نکالے اور کہا یہ شیطان کا حصہ ہے پھر سینہ اور قلب کو اس طشت میں رکھ کر برف سے دھویا بعد ازاں قلب کو اپنی جگہ پر رکھ کر سینہ پر ٹانکے لگائے اور دونوں شانوں کے درمیان ایک مہر لگادی۔ یہ پہلی مرتبہ کا شق صدر جس میں قلب چاک کر کے جو ایک سیاہ نقطہ نکالا گیا وہ حقیقت میں گناہ اور معصیت کا مادہ تھا جس سے آپ کا قلب مطہر پاک کردیا گیا اور پھر قلب مبارک اس لئے دھویا گیا کہ مادہ معصیت کا کوئی نشان اور اثر بھی باقی نہ رہے اور برف سے اس لئے دھویا گیا کہ گناہوں کا مزاج گرم ہے اس لئے مادہ معصیت بجھانے کے لئے برف کا استعمال کیا گیا کہ حرارت عصیان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔دوسری بار شق صدر آپ کو دس سال کی عمر میں پیش آیا اور وہ اس لئے کیا گیا کہ قلب مبارک لہو ولعب سے پاک ہوجائے اس لئے کہ لہو ولعب خدا سے غافل بنادیتا ہے۔تیسری بار یہ واقعہ بعثت کے وقت پیش آیا اور اس وقت سینہ مبارک جو چاک کیا گیا وہ اس لئے کہ قلب مبارک اسرار وحی اور علوم الٰہیہ کا تحمل کرسکے۔چوتھی بار یہ واقعہ معراج کے وقت پیش آیا اور اس وقت سینہ مبارک اس لئے چاک کیا گیا تا کہ قلب مبارک ملکوت کی سیر اور تجلیات الٰہیہ اور آیات ربانیہ کے مشاہدہ اور خداوند ذوالجلال کی مناجات اور اس کے بے چوں وچگوں کلام کا تحمل کرسکے۔غرض یہ کہ بار بار شق صدر ہوا اور ہر مرتبہ کے شق صدر میں جداگانہ حکمت ہے اور مقصود یہ تھا کہ قلب مطہر کی طہارت و نورانیت انتہا کو پہنچ جائے۔غرض کہ پہلا انعام الٰہیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سورۃ میں بیان فرمایا گیا وہ شرح صدر تھا۔اور یہ اسی ''شرح صدر'' نے علوم کے سمندر اور معرفت الٰہیہ کے خزائن آپ کے قلب میں اتاردیئے۔

ذمہ داری کی تکمیل کا انعام

اس کے بعد دوسرے انعام الٰہیہ کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ اور ہم نے آپ پر سے آپ کا بوجھ اتاردیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔اب یہ بوجھ گرانبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا تھا جس کو اتاردیا گیا؟اس کی تشریح مفسرین نے کئی طرح کی ہے۔مگر بظاہر وہ بار صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ قبل نبوت آپ کو اپنی قوم کی بگڑی ہوئی حالت پر تاسف اور حسرت اور ان کی اصلاح کی فکر اس کا توڑ تو یوں ہوا کہ آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور آپ پر راہ ہدایت پوری تفصیلات کے ساتھ واضح کردی گئی اور آپ کے سپرد خلق کی رہنمائی

کر دی گئی۔ اور شریعت اسلامیہ سے نوازا گیا۔ اب بعد نبوت سب سے بڑی فکر آپ کو تبلیغ احکام الٰہیہ اور اس کے نتائج کی رہی لیکن قرآن کریم نے اس غم سے بھی آپ کو یہ کہہ کر سبکدوش کر دیا کہ آپ پر کسی کے ایمان لانے نہ لانے کی ذمہ داری نہیں۔ بس آپ کا کام تو احکام پہنچا دینا ہے۔ خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

عظمت وشان کی رفعت کا انعام

آگے تیسرے انعام الٰہیہ کا ذکر فرمایا گیا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کیا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ میرے ذکر کو کس طرح بلند کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے ذکر کو حق تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ کیا۔ اذان میں تکبیر میں التحیات میں خطبہ میں کلمہ طیبہ میں اور کلمہ شہادت میں اور تابع داری کے کام میں جیسے ارشاد ہے۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اور گناہ کی حرمت میں جیسے فرمایا۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا تو حق تعالیٰ نے عالم بالا و پست میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو وہ بلندی اور رفعت عطا فرمائی کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر چنانچہ دن رات میں پانچ وقت اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام مبارک بھی پکارا جاتا ہے۔ کلمہ جو ایمان کی بنیاد ہے اس کے اندر بھی آپ کا ذکر ہے چنانچہ جب کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ یعنی لآالٰہ الا اللہ کے ساتھ آپ کی رسالت کا بھی اقرار کرتا ہے اور محمد رسول اللّٰہ بھی لازماً کہتا ہے۔ اسی طرح خطبہ، نماز، تشہد اور اقامت وغیرہ میں جہاں حق سبحانہ کا ذکر ہے وہیں آپ کا بھی ذکر ہے۔ اس سے بڑھ کر رفعت شان اور بلندی مراتب اور کیا ہوسکتی ہے۔ پھر دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں کہ جہاں آپ کا نام لیوا اور عزت واحترام کے ساتھ آپ پر پروانہ وار نثار ہونے والے موجود نہ ہوں۔ زمین پر بے شمار انسان آپ پر درود وسلام بھیجتے رہیں گے۔ اور آسمان میں فرشتوں کی مجلسوں میں آپ کا ذکر خیر ہوتا رہے گا۔ عالم غیب میں بھی آپ سلطان ہیں کوئی جگہ اور محل نہیں جہاں آپ کا ذکر خیر نہ ہو۔ قبر میں بھی حشر میں بھی ملائکہ یہی پوچھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع تھا یا نافرمان آپ پر بھی ایمان لایا تھا یا نہیں۔ جنت کے دروازے اور عرش کے کنگروں پر بھی اسم گرامی مکتوب ہے۔ الغرض کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں آپ کا ذکر نہ ہو اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہوگی۔

اب چونکہ شہر مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آپ کے متبعین مومنین طرح طرح کی تکالیف اور شدائد میں گرفتا تھے اس لئے آگے ان کے ازالہ کا وعدہ بھی فرمایا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی راحت دی اور روحانی کلفت دور کر دی اس طرح دنیوی راحت میں بھی اللہ کے فضل وکرام کا امیدوار رہنا چاہئے۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہر لحہ اور ہر آن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات عالیہ میں مزید ترقی اور رفعت عطا فرما اور ہم کو شب وروز اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی توفیق نصیب فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿٧﴾

سو بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے تو آپ جب فارغ ہوجایا کریں تو محنت کیا کیجئے

وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿٨﴾

اور اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھیئے۔

فَاِنَّ پس بیشک	مَعَ ساتھ	الْعُسْرِ دشواری	يُسْرًا آسانی	اِنَّ بیشک	مَعَ الْعُسْرِ ساتھ دشواری	يُسْرًا آسانی	فَاِذَا پس جب
فَرَغْتَ آپ فارغ ہوں	فَانْصَبْ محنت کریں	وَاِلٰى اور طرف	رَبِّكَ اپنا رب	فَارْغَبْ رغبت کریں			

آسانی کا وعدہ اور اس کی تکمیل

گزشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین باطنی کمالات کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب چونکہ اسلام کے ابتدائی دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آپ کے متبعین اہل اسلام طرح طرح کی تکالیف اور شدائد میں گرفتار تھے۔ اس لئے آگے ان آیات میں ان دنیوی تکالیف کے ازالہ کا وعدہ بھی فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا سو بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ عنقریب آسانی ہونے والی ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی راحت دی اور روحانی کلفت دور کر دی تو اس دنیوی محنت رنج ومشکل میں بھی آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا امیدوار رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ بے شک موجودہ مشکلات کے بعد آسانی ہونے والی ہے اور چونکہ یہ مشکلات مختلف انواع کی تھیں اور تعداد میں بھی کثیر تھیں اس لئے مکرر بطور تاکید فرما دیا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ضرور موجودہ سختی کے بعد آسانی ہو کر رہے گی۔ اس لئے آپ اطمینان رکھیں چنانچہ کتب احادیث وسیر سے ثابت ہے کہ آخر کار تمام تکالیف کے بادل ایک ایک کر کے چھٹ گئے اور ہر ایک سختی اپنے بعد کئی کئی آسانیاں لے کر آئی۔ اب بھی اللہ کی عادت یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے آس توڑ کر اسی سے لو لگائے اسی کے فضل ورحمت کا امیدوار رہے تو ضرور حق تعالیٰ اس کے حق میں آسانی فرمائیں گے ایک طرح کی نہیں بلکہ کئی طرح کی۔

امت مسلمہ کیلئے عظیم سبق

ان دو آیات فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا میں امت مسلمہ کے لئے عظیم الشان درس عبرت ہے۔ عارضی مصائب وشدائد کی وجہ سے پریشان خاطر نہ ہونا چاہئے خدائے تعالیٰ کا دائمی وعدہ ہے کہ ہر تکلیف کے بعد راحت کا آنا یقینی ہے۔ ظلمت کے بعد نور۔ اور تاریکی کے بعد طلوع سحر ہوا کرتا ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بندہ مومن آسانیوں اور مشکلات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی تائید یا ناپسندی کا فیصلہ نہ کرے۔ دنیا کی زندگی میں اگر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت پھر گئی ہے اور اگر آسانیاں ہی آسانیاں میسر آجائیں تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ کی تائید اور پسندیدگی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید ہمیشہ حق کے ساتھ رہتی ہے۔ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ پوری سمجھ داری اور ہوش وفکر کے ساتھ حق اور ناحق کو پہچانے اور حق کا ساتھ دے۔ اور ناحق سے بچے اور علیحدہ رہے۔ راہ حق کے مسافر کو مشکلات کے مقابلہ میں کبھی مایوس نہ ہونا چاہئے راہ حق پر جمنے اور صبر کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کا پھل یہی ہے کہ دیر یا سویر اللہ کی مدد آتی ہے اور آسانیاں بھی ہوتی ہیں۔ اور اس کی شہادت اکثر وبیشتر اہل اللہ کی زندگی کے حالات دیتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ

اس موقع پر حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ جن کا

زمانہ حیات ۴۷۱ھ تا ۵۶۱ھ ہے مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ حضرت غوث اعظم وہ مشہور و معروف بزرگ ہستی ہیں جن کا احترام تمام دنیائے اسلام متواتر کرتی چلی آ رہی ہے مگر اب تھوڑے ہی ایسے ہوں گے کہ جو آپ کے زندگی مبارک کے طالب علمی کے دور سے اور زمانہ طالب علمی کے مصائب وشدائد سے واقف ہوں اور یہ زمانہ کچھ دو چار ماہ یا ایک آدھ سال کا نہیں پورے سات سالہ مدت کا زمانہ تھا۔ یعنی ۴۸۸ھ سے ۴۹۶ھ تک۔ اس سات سالہ مدت طالب علمی میں آپ نے بڑی بڑی تکالیف برداشت کیں۔ آپ حصول علم کے لئے ۱۷ سال کی عمر میں ایک یتیم کی حیثیت سے اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر دور دراز شہر بغداد میں پہنچتے ہیں جہاں نہ اپنا کوئی عزیز واقارب ہے اور نہ یگانہ اور رفیق۔ اس غریب الوطنی کے عالم میں وطن سے سینکڑوں میل دور آپ فاقہ کشی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ کوئی ظاہری وسیلہ اور سہارا تو تھا ہی نہیں اور نہ آپ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا سکتے تھے۔

جب بھوک بہت پریشان کرتی اور حالت غیر ہونے لگتی تو مجبوراً جنگل کی طرف نکل جاتے اور جو گھاس پات نظر آتی اسے کھا کر پیٹ کی آگ بجھاتے۔ برسوں آپ نے دریائے دجلہ کے کنارہ کی جڑی بوٹیوں اور پتوں پر زندگی بسر کی ہے۔ خود حضرت فرماتے ہیں کہ مجھ پر اس طالب علمانہ زندگی میں وہ مصائب گزرے کہ اگر پہاڑ پر بھی پڑتے تو پارہ پارہ ہو کر رہ جاتا۔ جب تکالیف اور مصائب کا ہجوم زیادہ ہو جاتا تو آپ زمین پر چت لیٹ جاتے اور قرآن کریم کی یہی آیات فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ورد زبان کرتے۔ بے شک مصائب و شدائد کے ساتھ سہولت اور آسانیاں بھی ہیں۔ اور بلاشبہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ چنانچہ اس کے ورد سے تمام افکار دور ہو جاتے اور طبیعت میں گونہ شگفتگی پیدا ہو جاتی۔ افسوس کہ ہم اب اپنے اکابر سلف صالحین کے کارنامۂ ان کے حالات زندگی ان کے مخصوص اوصاف و کمالات ان کی ریاضت اور مجاہدوں کے تفصیلی واقعات سے تو بے بہرہ اور لاعلم ہوتے جاتے ہیں کہ جن کے مطالعہ سے امت مسلمہ میں دینی بیداری اور جانی و مالی قربانی کے بلند جذبات پیدا ہوتے۔ دینی ترقی کا سبب اور دینی امور کی طرف رغبت پیدا ہوتی۔ اب تو ہماری نوجوان نسل کو افسانے ڈرامۂ ٹی وی ریڈیو سینما فلمیں وغیرہ جیسی تباہ کن چیزوں سے فرصت ہی نہیں۔ انہیں کیا خبر کہ ہمارے اسلاف کی زندگیاں ہمارے لئے کیا درس نصیحت ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ یہ مضمون۔

حق تعالیٰ کے ساتھ کمال محویت رکھنے کی تاکید

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی ایسی نعمتیں عطا کیں جن کا ذکر شروع سورۃ میں ہوا تو آپ جب رسالت کے کام مثلاً تبلیغ احکام وعظ ونصیحت اور تدابیر امور وغیرہ سے فارغ ہو جایا کریں تو شکر کے طور پر دوسری عبادات جو خاص آپ کی ذات سے متعلق ہیں ان میں مشغول ہو جایا کریں۔ آخری آیات فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ میں اسی طرف ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جب آپ خلق کے سمجھانے اور تبلیغ احکام کے پہنچانے سے فراغت پائیں تو خلوت میں اپنے رب کی طرف بلاواسطہ متوجہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق کو سمجھانا اور دین کو پہنچانا اور نصیحت کرنا آپ کی اعلیٰ ترین عبادت ہی تھی لیکن اس میں فی الجملہ مخلوق کا توسط ہوتا تھا اور مطلوب یہ تھا کہ بلاواسطہ بھی حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے تاکہ ہر کار و ہر شان اور ہر حال میں اسی محبوب حقیقی کی طرف نظر رہے۔ اسی کا شوق اور اسی کا جذبہ محبت آپ کے دل میں جوش زن رہے تاکہ کمال محویت حق تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہو۔

خلاصہ یہ کہ اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی کمالات اور باطنی انعامات کو بیان فرما کر تعلیم دی گئی کہ آپ جب نبوت کے فرائض یعنی تبلیغ و دعوت وغیرہ سے فراغت پایا کریں تو حق سبحانہ کی عبادت میں لگ جایا کریں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف توجہ فرمایا کریں۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس ارشاد ربانی فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ کا کیسا حق ادا فرمایا کہ رات کی تنہائی میں آپ اکثر نوافل میں مشغول رہتے اور کبھی اتنا لمبا قیام فرماتے کہ قدم مبارک ورم کر آتے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ نوافل پڑھا کرتے تھے کہ پاؤں

مبارک پر ورم آ جاتا تھا۔کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ جب آپ پر اگلی پچھلی سب خطاؤں کے معاف کی بشارت نازل ہو چکی ہے تو پھر آپ اس درجہ مشقت کیوں برداشت فرماتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا افلا اکون عبداً شکوراً یعنی جب حق تعالیٰ جل شانہٗ نے مجھ پر اتنے انعام فرمائے تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

دعوت اور تبلیغ کے ساتھ ذکرو دعا اور استغفار بھی ضروری ہے

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان آیات فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ اور خلق خدا کو راستہ دکھانا۔ان کی اصلاح وہدایت کی فکر یہ آپ کی سب سے بڑی عبادت تھی مگر یہ عبادت بواسطہ مخلوق ہے کہ ان کی اصلاح پر توجہ دیں اور اس کی تدبیر کریں۔ان آیات کا مقصود یہ ہے کہ صرف اس عبادت بالواسطہ پر آپ قناعت نہ کریں بلکہ جب اس سے فرصت ملے تو بلاواسطہ خلوت میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور نماز ذکر اللہ اور دعا واستغفار میں لگ جائیں کہ اصل مقصود جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ ذکر اللہ اور عبادت بلاواسطہ ہی ہے اور شاید اسی لئے پہلی قسم یعنی عبادت سے فراغت کا ذکر فرمایا کہ وہ کام ایک ضرورت کے لئے ہے اس سے فراغت ہو سکتی ہے اور دوسرا کام یعنی توجہ الی اللہ ایسی چیز ہے کہ اس سے فراغت مومن کو کبھی نہیں ہوسکتی بلکہ اپنی ساری عمر اور توانائی کو اس میں صرف کرنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علماء جو تعلیم وتبلیغ اور اصلاح خلق کا کام کرنے والے ہیں ان کو اس سے غفلت نہ ہونا چاہئے کہ ان کا کچھ وقت خلوت میں توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ کے لئے بھی مخصوص ہونا چاہئے جیسا کہ علمائے سلف کی سیرتیں اس پر شاہد ہیں۔اس کے بغیر تعلیم وتبلیغ بھی موثر نہیں ہوتی ان میں نور و برکت نہیں ہوتی۔ فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ میں لفظ فانصب نصب سے مشتق ہے جس کے اصلی معنی تعب اور تکان کے ہیں اس میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ عبادت اور ذکر اللہ اس حد تک جاری رکھا جائے کہ مشقت اور تکان محسوس ہونے لگے۔صرف نفس کی راحت اور خوشی ہی پر اس کا مدار نہ رہے اور کسی وظیفہ اور معمول کی پابندی خود ایک مشقت اور تعب ہے خواہ کام مختصر ہی ہو"۔(معارف القرآن جلد ۸)

خلاصہ

اس سورت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت آپ کی عظمت اور مقام کا بیان ہے۔اس سورت میں چار مضمون بیان ہوئے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کے تین احسانات۔شرح صدر یعنی اللہ نے آپ کے دل کو حکمت ونور سے بھر دیا اور ہر قسم کے گناہوں اور گندگی سے پاک کر دیا۔آپ سے اس بوجھ کو ہٹا دیا جس نے آپ کی کمر کو بوجھل کر رکھا تھا یعنی نبوت اور رسالت کا بوجھ اور اس کے واجبات اور ذمہ داریوں کی ادائیگی۔آپ کے ذکر کو بلند کر دیا کہ جہاں جہاں اللہ کا ذکر ہو ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر چاہے اذان ہو یا اقامت تشہد ہو یا خطبہ

اللہ نے مشکلات کو آسان کرنے اور پریشانیوں کو دور کرنے کا وعدہ فرمایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ تبلیغ ودعوت کی ذمہ داری ادا کرنے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنے کیلئے اس کی عبادت میں لگ جائیں اور اس میں اپنے آپ کو تھکا دیں۔سب کچھ کرنے کے بعد اللہ پر توکل کریں اور تمام معاملات میں اسی کی طرف رغبت کریں۔

سورۃ الانشرح کے خواص

۱-اگر کسی کا دل تنگی اور گھٹن میں ہو تو اس کے سینہ پر اس سورۃ کو پڑھ کر دم کیا جائے،انشاء اللہ تکلیف جاتی رہے گی۔

۲-اگر کسی کے دل میں درد ہو تو بھی اس آدمی کے سینہ پر دل کی جانب میں یہ سورۃ پڑھ کر دم کرنے سے راحت ہو جائے گی۔

۳-اگر کسی کو پتھری ہو یا مثانے میں کوئی اور تکلیف ہو تو یہ سورۃ پانی پر دم کر کے وہ پانی پیئے یا کاغذ میں لکھے اور پانی میں دھولے اور پھر وہ پانی پی جائے۔

وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

سُوْرَۃُ التِّیْنِ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَھِیَ ثَمَانِیْ اٰیٰتٍ

شروع کرتا ہواللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ﴿۲﴾ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ﴿۳﴾

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔اور طور سینین کی اور اِس امن والے شہر کی۔

وَالتِّیْنِ قسم ہے انجیر کی	وَالزَّیْتُوْنِ اور زیتون کی	وَطُوْرِ + سِیْنِیْنَ اور طور سینا کی	وَھٰذَا اور اس	الْبَلَدِ شہر	الْاَمِیْنِ امن والا	

سورۃ کی وجہ تسمیہ‘ زمانۂ نزول اور موضوع

اس سورۃ کی ابتدا ہی لفظ والتین سے ہوئی ہے۔تین عربی زبان میں انجیر کو کہتے ہیں۔اِسی سے سورۃ کا نام ماخوذ ہے۔یہ بھی مکی سورۃ ہے اور ابتدائی دور میں مکہ میں اس کا نزول بیان کیا گیا ہے۔

انجیر‘ زیتون‘ طور سینا اور شہر مکہ کی قسم

اس سورۃ کی ابتدا بھی گذشتہ چند سورتوں کی طرح قسمیہ کلام سے فرمائی گئی ہے۔یہاں سورۃ کی ابتدا میں چار چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے پہلی قسم فرمائی گئی وَالتِّیْنِ یعنی قسم ہے انجیر کی۔دوسری قسم ہے وَالزَّیْتُوْنِ قسم ہے زیتون کی وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ قسم ہے اس شہر امین کی ان چاروں قسموں میں طور سینا اور بلدا مین تو مفسرین کے نزدیک بالاتفاق دو متعین جگہ ہیں۔یعنی طور سینا وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف کلام باری تعالیٰ حاصل ہوا۔اور بلد امین یعنی محفوظ یا امانت دار شہر مکہ ہے جہاں سارے عالم کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی اور آخری امانت قرآن کریم اول اسی شہر میں اتاری گئی۔جاہلیت میں بھی یہ شہر امن کا شہر رہا ہے۔اسلام سے پہلے عرب میں باوجودیکہ ہر جگہ جنگ وجدل۔مار دھاڑ۔لوٹ کھسوٹ ہوتی رہتی تھی مگر مکہ میں کوئی اپنے دشمن کے درپے نہ ہوتا تھا۔اور اسلام میں بھی اس کی یہی حرمت تا قیامت باقی رہی۔مگر تین اور زیتون میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں تاہم اکثر علمائے محققین کا قول یہی ہے کہ تین سے انجیر کا پھل اور زیتون سے یہی زیتون کا پھل مراد ہے۔

انجیر کی خصوصیات وفوائد

اب سوال ہوتا ہے کہ ان دو پھلوں میں کیا شرف ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اُن کی قسم کھائی؟ اس کے جواب میں علماء نے لکھا ہے کہ انجیر کا پھل بھی عجیب اور خصوصیات کا حامل ہے کہ جس میں نہ گٹھلی نہ پوست۔پھر غذا بھی ہے۔دوا بھی ہے اور میوہ بھی ہے۔حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلویؒ نے انجیر کے بہت سے فوائد تحریر فرمائے ہیں۔منجملہ اُن فوائد کے لکھا ہے کہ انجیر کو اور میوؤں سے ایک خصوصیت ظاہر اور ایک خصوصیت باطنی ہے جو ظاہری خصوصیات ہیں وہ یہ ہیں کہ سریع الہضم۔اور ملین طبع ہے۔گندے اور سڑے ہوئے مواد کو بدن کے اندر سے پسینہ کی راہ نکال دیتا ہے اسی واسطے باوجود حرارت کے تپ کو مفید پڑتا ہے۔بلغم کو تحلیل کرتا ہے اور گردہ اور مثانہ کو ریگ سے پاک کر دیتا ہے۔بدن کو فربہ کرتا ہے اور مسام کو کھول دیتا ہے اور کبد (جگر) اور طحال (تلی) کے مسامات کھولتا ہے اور ورم کو تحلیل کرتا ہے۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ ظاہر و باطن میں ان چاروں چیزوں کو فضیلت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر و باطن کو بھی درست فرمادے اور ظاہر کے ساتھ باطن کی نورانیت ہم کو عطا فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝٤ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝٥ اِلَّا الَّذِيْنَ

کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے پھر ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے بھی پست تر کر دیتے۔ لیکن جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝٦ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝٧

ایمان لائے اوراچھے کام کئے تو ان کیلئے اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ پھر کون چیز تجھ کو قیامت کے

غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝٦ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝٧ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨

بارہ میں منکر بنارہی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہیں۔

لَقَدْ خَلَقْنَا البتہ ہم نے پیدا کیا	الْإِنْسَانَ انسان	فِيْ میں	اَحْسَنِ بہترین	تَقْوِيْمٍ سانچہ	ثُمَّ پھر	رَدَدْنٰهُ ہم نے اسے لوٹا دیا	اَسْفَلَ سب سے نیچا	
سٰفِلِيْنَ نیچوں والا	اِلَّا سوائے	الَّذِيْنَ جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اورعمل کئے	الصّٰلِحٰتِ نیک	فَلَهُمْ تو اُن کیلئے	اَجْرٌ اجر	غَيْرُ نہ
مَمْنُوْنٍ ختم ہونے والا	فَمَا يُكَذِّبُكَ پس کیوں تو جھٹلاتا ہے	بَعْدُ اسکے بعد	بِالدِّيْنِ دین (روز جزا)	اَلَيْسَ کیا نہیں	اللّٰهُ اللہ			
بِاَحْكَمِ سب سے بڑا حاکم	الْحٰكِمِيْنَ تمام حاکم							

چار قسموں اور انکے جواب کے درمیان مناسبت

گذشتہ ابتدائی آیات میں چار چیزوں کی قسم کھائی گئی تھی۔ انجیر' زیتون' طور سینا اور امن والے شہر کی۔ ان چار چیزوں کی قسم کھانے کے بعد فرمایا جاتا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک بہترین اور نہایت عمدہ حالت اور انداز پر پیدا کیا ہے۔ تو پہلی قسم جو انجیر کی کھائی گئی اُس سے مناسبت جواب قسم کو یہ ہے کہ جس طرح یہ پھل باوجود مختصر جسامت ہونے کے بے شمار فوائد کا مجموعہ ہے اِسی طرح وجود انسانی بھی جسم میں چھوٹا ہے لیکن مختلف قوتوں کا پُتلا ہے اور گونا گوں جذبات واسرار کا مخزن ہے۔ اسی طرح انسان مٹھی بھر ہڈیوں میں اللہ نے ایسی صلاحیت بھر دی ہے کہ جو پہاڑوں اور سمندروں کو مسخر کر سکتی ہے۔ دوسری قسم زیتون کی کھائی گئی۔ زیتون کا پھل بھی فوائد کا مجموعہ ہے اور جس طرح زیتون میں روغن موجود ہے اس طرح انسانی جسم میں روح پوشیدہ موجود ہے اور جس طرح زیتون کے تیل سے چراغ روشن کئے جاتے ہیں جو تاریکی میں اردگرد کی چیزوں کو منور کر دیتے ہیں اِسی طرح اگر روح انسانی کو پاک صاف کرایا جائے تو اس سے بہت سے ظلماتی قلوب منور ہو سکتے ہیں۔ تیسری قسم طور سینا کی کھائی گئی جو وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی بخشا گیا۔ توراۃ عطا کی گئی اور تجلیٔ الٰہی سے سرفراز فرمایا گیا۔ گویا طور سینا کو بطور شاہد پیش کیا گیا کہ دیکھو انسان میں کس قدر ترقی کا مادہ رکھا ہے اور اس میں کیسی کچھ قوتیں اور ظاہری و باطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کی ہیں کہ اگر یہ اپنی صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں سے گوئے سبقت لے جائے۔ سب سے اخیر میں الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ یعنی مکہ معظمہ کی قسم کھائی گئی جہاں سارے عالم کے سردار۔ اشرف الانبیاء والمرسلین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اللہ کی آخری امانت قرآن کریم ابتداً اسی شہر میں نازل کی گئی اور جہاں خانہ کعبہ کی تعمیر سے حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام جیسی اولوالعزم اور برگزیدہ ہستیوں کا تعلق وابستہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کا مرتبہ حاصل ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ کا لقب ملا کہ جنہوں نے قربانی کیلئے اپنے آپ کو حاضر کر دیا۔ تو یہ مکہ کی سرزمین اور کعبۂ مکرمہ اس امر پر شاہد ہیں کہ انسانی روح جوش محبت اور عشق الٰہی میں کہاں تک ترقی کر سکتی ہے۔

انسانی حسن

الغرض ان چاروں قسموں کے بعد فرمایا گیا لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ بے شک ہم نے انسان کی ساخت اچھی سے اچھی بنائی اور انسان کو بڑے عمدہ انداز اور شان میں پیدا کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ظاہری خوبصورتی بھی عطا کی اور باطنی محاسن سے بھی مالا مال کیا۔ یہ تو سب مانتے ہیں کہ تمام جانداروں میں انسان کو جو بہترین صلاحیتیں اور عقل وفہم کی قوتیں عطا کی گئی ہیں وہ کسی کو نہیں دی گئیں۔ اللہ نے اپنی اس مخلوق انسان کو انتہائی اعلیٰ درجہ کی صلاحیتوں سے نوازا ہے اور ان صلاحیتوں سے کام لینے کیلئے انسان کو بہترین ساخت اور انتہائی موزونیت کا جسم عطا کیا گیا ہے۔ انسان کے جسم اور اس کے اعضاء کی ظاہری خوبیاں اور کمالات کیا کیا ہیں؟ اس کی تفصیلات تو اتنی زیادہ ہیں کہ باوجود انسانی علم نے جواب تک ترقی کی ہے۔ اور انسان کے جسم اور اس کے اعضاء کی ساخت کے بارہ میں اسے اب تک جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہی اتنا زیادہ ہے کہ اگر اُسے کوئی قلم بند کرنا چاہے تو دفتر کے دفتر سیاہ کر دینے کے بعد بھی تشریح و تفصیل کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ موجودہ سائنسی ترقی نے جو انسانی جسم پر تحقیق اور ریسرچ جدید ترین آلات کی مدد سے کی ہے اور انسان کی آنکھ۔ کان۔ ناک۔ ہاتھ پیر۔ معدہ۔ دل۔ دماغ۔ جگر۔ گردہ۔ نس۔ پٹھے۔ اعصاب وغیرہ کی موزونیت اور ساخت پر جو کچھ انکشافات کئے ہیں وہ نہایت حیرت انگیز ہیں۔ تاہم اتنا کچھ جاننے کے بعد بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ ابھی تشریح کا حق ادا نہیں ہوا۔

عجیب واقعہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلوی نے امام شافعیؒ کے زمانہ کی ایک حکایت نقل کی ہے کہ امام شافعیؒ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا تھا کہ **ان لم تکونی احسن من القمر فانت طلاق**۔ اگر تو چاند سے اچھی نہ ہوگی تو تجھ کو میں نے طلاق دی۔ اسپر سب علماء اس وقت کے حیران ہوئے اور طلاق پڑنے کا حکم دیا جب یہ استفتاء امام شافعیؒ کے پاس پہنچا تو فرمایا طلاق واقع نہیں ہوئی اس واسطے کہ اسکی عورت انسان ہے اور انسان کیلئے حق جل وعلا نے فرمایا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا فرمایا ہے۔ اگر چاند کی صورت اس سے اچھی ہوتی تو احسن تقویم انسان کی تعریف میں کیوں فرماتا۔

معنوی انسان کی صلاحیتیں

اس بہترین ساخت کے جسم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین فطرت سے بھی نوازا ہے۔ اسے اچھائی برائی کی تمیز بخشی ہے۔ اسے اختیار اور ارادے کی آزادی عطا فرمائی ہے۔ اگر انسان نیکی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے تو اونچا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ دنیا میں ہر بچہ فطرت سلیمہ یعنی فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

گویا وہ نیکی کا مادہ لے کر دنیا میں آتا ہے اور گویا وہ نیکی ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اکیسویں پارہ سورۂ روم میں ارشاد ہے فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی فطرت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہیے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ساخت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کر سکے۔ تمام انسانوں کی فطرت اللہ نے ایسی ہی بنائی ہے لیکن گرد و پیش کے احوال اور ماحول کے خراب اثرات سے متاثر ہو کر فطرت الٰہیہ کو خراب اور ضائع کر دیتا ہے۔ جس کی اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی کہ اللہ نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے اس کو تم اپنے اختیار اور ارادے سے بدل کر خراب نہ کرو۔ اور احادیث صحیحہ میں بھی تصریح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعدہٗ ماں باپ اسے یہودی۔ نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو "حُنفاء" پیدا کیا پھر شیاطین نے پھسلا کر انہیں سیدھے راستہ سے بھٹکا دیا۔ غرض کہ انسان کے جسم کی ظاہری بناوٹ کو دیکھئے یا اس کے اندر رکھی ہوئی صلاحیتوں پر نظر کیجئے ہر اعتبار

سے غور کرنے کے بعد یہی ماننا پڑتا ہے کہ واقعی انسان کی ساخت اچھی سے اچھی بنائی گئی اور بہترین صلاحیتوں سے اسے نوازا گیا۔اور اسی کی طرف لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ میں اشارہ فرمایا گیا۔

انسانی ذمہ داریوں کی نزاکت

اب اس بہترین جسمانی ساخت اور اندرونی صلاحیتوں سے کام لینے کی انسانوں کیلئے دوصورتیں ممکن ہیں اور انسانوں کو یہ آزادی دی گئی ہے کہ وہ ان صورتوں میں سے جسے چاہے اپنے ارادہ سے اختیار کرے۔ وہ اگر چاہے تو نیکی اور بھلائی میں ترقی کر کے فرشتوں سے آگے نکل جائے اور کوئی مخلوق اس کی ہم سری نہ کر سکے اور چاہے تو برائی کی طرف بھی بڑھ سکتا ہے اور نیچے سے نیچے درجہ تک گر کر بدترین نمونہ پیش کر سکتا ہے۔اسی کو فرمایا گیا ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ پھر ہم نے اس کے اعمال بد کی وجہ سے اس کو نیچے کے درجہ میں پھینک دیا۔تو جس نے دنیا میں آکر اپنی فطری نیکی کی حفاظت نہ کی اور خدا کی دی ہوئی صلاحیتوں اور بہترین جسمانی ساخت کی قدر نہ کی اور اپنی قوتوں کو غلط راستوں پر لگایا جس کے نتیجہ میں وہ اتنا گرا کہ جانوروں کو بھی مات کر دیا۔اور انتہائی پستی تک گرتا چلا گیا۔البتہ انسانوں کے جس گروہ نے بھلائی کا رخ اختیار کیا۔خدا کی دی ہوئی عقل وفہم سے کام لے کر کائنات کے خالق اور مالک کو پہچانا اور اس کی بھیجی ہوئی ہدایات پر کان دھرا۔اُس کے احکام کے پیروی کی اور قانون الٰہی کے آگے قولاً اور فعلاً سرِ تسلیم خم رکھا اور وہ تمام کام کئے جو اُس کے آقا اور مالک کو پسند تھے اور ان تمام کاموں سے بچا جو آقا کو ناپسند تھے تو ایسے ہی لوگ اپنی اصلی فطرت پر قائم رہے اور یہی گروہ انسانیت کا اصل سرمایہ ہے اور انہی کے بارہ میں یہ اعلان کیا گیا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو اُن کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اپنی ایسی عنایات سے آخرت میں نوازے گا جن کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

انکار آخرت کی گنجائش نہیں

یہ بیان فرما کر اب اخیر میں ایسے منکر انسان سے جو نہ آخرت کو مانتا ہے نہ جزاوسزا کا قائل ہے خطاب ہوتا ہے فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ اے انسان! پھر کونسی چیز تجھ کو قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے یعنی اے انسان! ان دلائل و براہین کے ہوتے ہوئے وہ کونسی دلیل ہے جس کی بنا پر تو قیامت و آخرت کا انکار کر رہا ہے؟ غور تو کر کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور بہترین شکل وصورت۔ساخت و بناوٹ میں پیدا کیا اور اس میں یہ صلاحیت پیدا کی کہ اگر چاہے تو نیکی اور بھلائی میں ترقی کر کے فرشتوں سے آگے نکل جائے۔کوئی مخلوق اس کی ہم سری نہ کر سکے لیکن انسان خود اپنی بدتمیزی۔بدعملی اور کج روی سے ذلت اور ہلاک کے گڑھے میں گرتا اور اپنی پیدائشی بزرگی کو گنوا دیتا ہے۔کسی ایمان دار اور نیکوکار انسان کو اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ نیچے نہیں گراتا بلکہ اس کے تھوڑے عمل کا بے اندازہ صلہ مرحمت فرماتا ہے۔کیا ان حالات کے سننے کے بعد بھی کسی کا منہ ہے جو دین فطرت کے اصول اور جزا وسزا کے ایسے معقول قاعدوں کو جھٹلا سکے۔ہاں ایک ہی صورت انکار وتکذیب کی ہوسکتی ہے کہ دنیا کو یونہی ایک بے سرا کارخانہ فرض کر لیا جائے جس پر نہ کسی کی حکومت ہو نہ یہاں کوئی آئین وقانون جاری ہو۔نہ کسی بھلے بُرے پر کوئی گرفت کر سکے تو اس کا جواب یہ ہے اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں یعنی اس کی شہنشاہی کے سامنے دنیا کی سب حکومتیں ہیچ ہیں۔ جب یہاں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں اپنے وفاداروں کو انعام اور مجرموں کو سزا دیتی ہیں تو اس احکم الحاکمین کی سرکار سے یہ توقع کیوں نہ رکھی جائے۔عقل کی رو سے انصاف کا بھی یہ تقاضا ہے کہ اچھائی کا اچھا اور برائی کا برا بدلہ ملے تو پھر کیا وجہ ہے کہ انسان آخرت میں ملنے والی جزاوسزا کی خبر سن کر انکار کرے؟ عدل وانصاف خدا کی صفت ہے اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی یہ صفات ظاہر نہ ہوں؟ اور ایک ایسا وقت نہ آئے کہ جب وہ پورے حق وانصاف کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے۔

مسئلہ: حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی سورۃ التین پڑھے اور اس آیت پر پہنچے اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟ تو چاہیے کہ کہے بلى وانا على ذلک من الشاھدین۔یعنی بیشک اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ

کر حاکم ہے اور ہم اس پر گواہ ہیں مگر یہاں یہ مسئلہ سمجھ لیا جائے کہ اگر نماز میں امام سے یہ سورت سنے تو یہ جملہ بلی وانا علی ذالک من الشاهدین زبان سے نہ کہے صرف دل میں کہے اور بیرون نماز سنے تو زبان سے کہے یہ احناف کے نزدیک مسئلہ ہے اور دوسرے ائمہ ہر جگہ نماز میں سنے یا غیر نماز میں جواب زبان سے دینے کا حکم دیتے ہیں۔

خلاصہ

اس میں تین امور بیان ہوئے ہیں جن کا انسان سے اور اس کے عقیدے سے تعلق ہے: نوع انسانی کی تکریم' اس کی تکریم کے مختلف پہلو ہیں' یہاں ان میں سے ایک پہلو کا بیان ہے' وہ یہ کہ انسان کو بہت خوبصورت پیدا کیا گیا ہے' یہ خوبصورتی جسمانی اور ظاہری شکل کے اعتبار سے بھی ہے اور عقلی وروحانی کمالات کے اعتبار سے بھی۔

جب انسان انسانیت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اور ناشکرا پن کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اسے نیچوں سے بھی نیچے گرا دیا جاتا ہے' حیوانی اور شہوانی زندگی کو اپنا مقصد بنا کر وہ حیوانوں سے بھی زیادہ پستی میں جا گرتا ہے۔ البتہ ایمان وعمل صالح والے اس پستی سے بچے رہتے ہیں۔

وہ اللہ جو پانی کے ایک قطرے سے ایسا خوبصورت انسان پیدا کرسکتا ہے وہ انسان کو دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے' ویسے بھی دوبارہ پیدا کرنا اور حساب وجزا اس کے حاکم اور عادل ہونے کا تقاضا ہے۔

سورۃ التین کے خواص

۱..... اگر مسافر سفر میں کوئی خطرہ محسوس کرتا ہو تو اپنے ساتھ سورۃ التین رکھے۔ سفر سے لوٹنے تک وہ ہر قسم کے امن میں رہے گا۔

۲..... کھیتی اور باغ کے پھل پھول میں برکت اور حفاظت مطلوب ہو تو سفید شیشہ کے پاک برتن میں سورۃ التین لکھے اور اسے بارش کے پانی سے دھو کر کھیتی اور باغ میں چھڑکے، ان شاء اللہ کھیتی اور باغ خوب پھلے پھولے گا اور ہر قسم کی آفت سے محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہاء شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو انسان بنا کر پیدا فرمایا اور پھر اسلام وایمان کی دولت عطا فرمائی۔

یَااللہ ہمیں ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما اور قیامت وآخرت کے یقین کے ساتھ اس کی تیاری کی بھی توفیق عطا فرما۔ اور اُس انصاف اور جزا وسزا کے دن میں یا اللہ اپنی رحمت سے ہم کو نواز دیجئے اور اپنے اُن بندوں کے ساتھ ہم کو شامل فرما دیجئے کہ جن کو انعامات سے نوازا جائے گا۔ آمین

یَااللہ آپ نے نعمت پر نعمت عطا کی اس سے قوت آئی لیکن آپ کی دی ہوئی قوت کو میں نے آپ ہی کی نافرمانی میں خرچ کیا۔ کتنا برا کیا' آپ نے تو کھلایا پلایا اور میں نے آپ ہی کی مخالفت کی آپ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کیا' نادم ہوں برا کیا' اے اللہ! مجھے معاف فرما دے۔

یَااللہ کتنی بار ایسا ہوا کہ میں نیکی کے ارادے سے چلا مگر راستے ہی میں گناہ کی طرف چلا گیا اور جہاں تیرا غضب نازل ہوتا وہاں نفس کو راضی کیا اور آپ کی ناراضگی کی پروا نہ کی۔ میں آپ کے غضب وعذاب کو بھی جانتا تھا مگر شہوت نے ایسا حجاب ڈال دیا یا کسی دوست نے ایسا ورغلایا کہ گناہ ہی اچھا معلوم ہوا۔ الٰہی! یہ سب کرتوت کر کے آیا ہوں اور اس امید میں آیا ہوں کہ آپ ضرور سب گناہ معاف فرما دیں گے اب اس امیدوار کو ناامید نہ فرمانا' میرے سب گناہ معاف فرما دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾

اے پیغمبر آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپکا رب بڑا کریم ہے۔

الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾

جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو اُن چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

اِقْرَاْ آپ پڑھیے	بِاسْمِ نام سے	رَبِّكَ اپنا رب	الَّذِيْ جس نے	خَلَقَ پیدا کیا	خَلَقَ پیدا کیا	الْاِنْسَانَ انسان	مِنْ سے	عَلَقٍ جما ہوا خون
اِقْرَاْ پڑھیے	وَرَبُّكَ اور آپ کا رب	الْاَكْرَمُ بڑا کریم	الَّذِيْ وہ جس نے	عَلَّمَ سکھایا	بِالْقَلَمِ قلم سے	عَلَّمَ سکھایا		
الْاِنْسَانَ انسان	مَا لَمْ جو نہ	يَعْلَمْ وہ جانتا تھا						

وجہ تسمیہ: عَلَق جمے ہوئے خون کو کہتے ہیں۔ اس سورۃ کی دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اللہ نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ اسی سے سورۃ کا نام عَلَق ماخوذ ہے۔ اس سورۃ کو سورۂ اقراء بھی کہتے ہیں جس لفظ سے کہ اس سورۃ کی ابتدا ہوئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کا نزول

اس سورۃ کی یہ ابتدائی پانچ آیات زیر تفسیر اکثر و بیشتر مفسرین کے نزدیک سب آیتوں اور سورتوں سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ گویا قرآن پاک کی وحی کی ابتداء انہی آیات سے شروع ہوئی۔ انبیاء و مرسلین اگرچہ نبوت و رسالت سے پہلے نبی اور رسول نہیں ہوتے مگر ولی اور صدیق ضرور ہوتے ہیں اور ان کی ولایت ایسی کامل اور اتم ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑے ولی اور صدیق کی ولایت کو انکی ولایت سے وہ نسبت بھی نہیں ہوتی جو قطرہ کو دریا کے ساتھ یا ذرہ کو آفتاب کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابتدا ہی سے شرک اور بت پرستی اور تمام مراسم شرک سے بالکل پاک اور منزہ رہے۔

ابتدا ہی سے ان حضرات کے قلب مطہر توحید وتفرید۔خشیت و معرفت سے لبریز ہوتے ہیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ جو حضرات عنقریب کفر وشرک کے مٹانے کیلئے اور ہر فحشاء ومنکرات سے بچانے کیلئے اور خیر کی طرف دعوت دینے کیلئے منجانب اللہ مبعوث ہونے والے ہیں اور خدا کے مجتبٰی اور مصطفٰے برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ بننے والے ہیں وہ خود ہی معاذ اللہ منصب نبوت ورسالت کی سرفرازی سے پیشتر کفر وشرک کی نجاست میں ملوث اور فواحش ومنکرات کی گندگی سے آلودہ ہوں۔حاشا ثم حاشا۔مطلقاً ناممکن اور محال ہے۔

الغرض جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۴۰ سال ہوگئی تو آپ کو خلوت محبوب ہوگئی اور آپ غار حرا میں تشریف لے جاتے جو مکہ معظمہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے اور اب اس پہاڑ کا نام جبل نُور ہے۔اور آپ وہاں کئی کئی روز رو کر عبادت الٰہی میں تنہا مستغرق رہتے اور نبوت سے چھ ماہ پہلے سے آپ سچے اور واضح خواب دیکھنے لگے تھے۔کہ ایک دفعہ اچانک دوشنبہ کے دن۔ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ دوشنبہ کے دن ۱۷ رمضان المبارک غار حرا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور پہلی وحی یعنی اسی سورۃ اِقراء کی ابتدائی ۵ آیات لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرف بہ نبوت ہوگئے۔فرشتہ آپ کے سامنے آیا اور اُس نے کہا ’’اقراء‘‘یعنی پڑھیے۔آپ نے فرمایا ما انا بقاری ءِ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس جواب پر فرشتہ نے مجھے پکڑا اور سینہ سے لگا کر زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہونے لگی تو چھوڑ دیا اور پھر کہا ’’اقراء‘‘یعنی پڑھیئے۔میں نے وہی جملہ اب بھی کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں آپ فرماتے ہیں کہ اس جواب پر مجھے پھر اس نے پکڑا اور دوبارہ زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہونے لگی تو چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھیئے میں نے پھر وہی کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں تو اس نے اس دفعہ بھی پکڑا اور سہ بارہ زور سے دبایا پھر چھوڑ کر کہا

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آپ کو تین بار خوب زور سے سینہ سے لگا کر دبانا بغرض تقویت استعداد تھا کہ وحی بار گراں آسان ہوجائے۔الغرض یہ پانچ آیتیں وہ ہیں کہ جن سے وحی کی ابتدا ہوئی۔بقیہ آیات مکہ ہی میں کسی دوسرے موقع پر نازل ہوئی ہیں جو اس سورۃ میں شامل کردی گئیں۔

تلاوت سے پہلے تعوذ وتسمیہ کا حکم

جیسا کہ اوپر ان آیت کے شان نزول کے بارہ میں بتلایا گیا۔یہی وہ پانچ آیات ہیں جو بالکل پہلی وحی کی صورت میں اُس وقت اتریں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں عبادت خداوندی کیلئے تشریف فرما تھے کہ دفعتہً جبرئیل علیہ السلام یہ وحی لے کر آئے اور کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ سے مَا لَمْ يَعْلَمْ تک یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر جو قرآن نازل ہوا ہے یا آئندہ ہوا کرے گا وہ آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے یعنی جب پڑھنے لگیں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔کہہ لیا کریں۔بعض روایات میں اس سورۃ کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہونا بھی آیا ہے۔اور پھر بعد میں قرآن پاک کی دوسری آیت فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (سورہ نحل) میں اعوذ پڑھنے کا بھی حکم آیا اور ان دونوں امر سے مقصود توکل اور استعانت باللہ ہے۔

جسمانی تربیت

لفظ میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جس رب نے ولادت سے لے کر اس وقت تک آپ کی ایک عجیب اور نرالی شان سے تربیت فرمائی وہی اب بھی آپ کی کمال روحانی تربیت فرمائے گا اور نبوت کے تمام اعلیٰ درجات تک آپ کو پہنچائے گا۔اس کے بعد رب کی صفت بیان کی کہ وہ رب ایسا ہے الَّذِيْ خَلَقَ کہ جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور سب کی تربیت فرمائی بالخصوص خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کرکے آسمان ترقی پر پہنچا دیا۔انسانی جوہر یعنی نطفہ جب عورت کے رحم میں پہنچتا ہے تو اللہ کے حکم سے اس میں تغیر اور تبدل شروع ہوتا ہے وہی نطفہ کچھ دنوں بعد خون بستہ ہوجاتا ہے اور پھر کچھ دنوں بعد ترقی کرکے خون کا لوتھڑا بن جاتا

ہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس میں مختلف اجزا ہاتھ۔ پاؤں۔ سر۔ دل و دماغ پیدا ہوجاتے ہیں۔ پھر اسکے بعد اس میں جان ڈالی گئی پھر رحم کے اندر ہی غذا بھی مہیا کی۔ پھر جیتا جاگتا انسان ماں کے پیٹ سے باہر آیا تو خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ میں اللہ تعالیٰ اپنی شان ربوبیت کا اظہار فرمارہے ہیں کہ کس طرح ایک خون بستہ کو تغیر وتبدل دے کر اس انسان کو پیدا کیا اور پھر اس کے پیدا ہونے بعد ربوبیت کا یہ سامان فرمایا کہ ماں کے پستانوں میں دودھ پیدا کیا اور بچہ کو دودھ پینا اور چوسنا سکھایا۔ پھر جب بچہ کے جسم میں دوسری غذا کے لئے قابلیت پیدا ہوگئی اور دانت نکل آئے معدہ میں قوت آگئی تو دوسری غذائیں کھانے کی قابلیت اوران کے ہضم کرنے کا سامان بہم پہنچایا۔ تو ربوبیت کا یہ سلسلہ دنیاوی ترقی ہی پر ختم نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے عالم تک چلا جاتا ہے جس کو عالم روحانی کہتے ہیں۔

تعلیم وتبلیغ کے وسائل

اس کے بعد دوبارہ بغرض تاکید فرمایا اقراء آپ قرآن پڑھا کیجئے کیونکہ تبلیغ کا ذریعہ یہی قراءت قرآن ہے اور چوں کہ تبلیغ احکام خداوندی ایک اہم اور مشکل فریضہ ہے جس میں آپ کو غیبی امداد کی بھی ضرورت تھی اس لئے آگے تسلی کیلئے فرمایا وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ اور آپ کا رب بڑا کریم ہے اس لئے وہ آپ کے اس کام میں دستگیری فرمائے گا اور یہ اُس کریم کی کریمی ہی ہے کہ جو اس نے انسان کو قلم کے ذریعہ لکھنا پڑھنا سکھایا۔ تا کہ جو مطالب ذہن میں ہوں وہ کاغذ پر ثبت ہوسکیں۔ اس پر وہ خود بھی بھولی ہوئی بات کو یاد کرسکتا ہے اور آئندہ نسلوں کیلئے بھی وہ مضامین محفوظ ہوجاتے ہیں۔ قلم پر نہ صرف حکومت وسلطنت۔ تجارت۔ لین دین صنعت وحرفت ہی کا دارومدار ہے بلکہ علوم دینیہ اور کتاب اللہ کی حفاظت اور آئندہ نسلوں تک انکو پہنچانا اسی پر منحصر ہے لہٰذا تعلیم وتعلم کا اہم ذریعہ یہی قلم ہے۔ تو انسانوں کو قلم کے ذریعہ سے لکھنا لکھانا اور اس کا پڑھنا پڑھانا یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان وکرم ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ انسان کو اُن چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔ صدہا علوم سکھائے۔ دنیاوی انتظام کے قوانین سے واقف کاربنایا۔ مخلوقات کے ایسے ایسے اسرار وحکم پر متنبہ کیا جن کی بدولت ہزاروں حیرت انگیز ایجادات و اختراعات ظہور میں آئیں۔ الغرض تعلیم وتعلم صرف کتابت ہی میں منحصر نہیں دوسرے اسباب سے بھی تعلیم دی جاسکتی ہے۔ اس لئے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گو آپ ظاہراً لکھنا پڑھنا نہیں جانتے مگر جب اللہ نے آپ کو قراءت کا امر کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اور ذرائع سے آپ کو قراءت وحفظ علوم وحی پر قدرت عطا فرمائیں گے۔ ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تعلیم الٰہی کے دو طریقہ ہیں ایک تعلیم قلم یعنی کتابی تعلیم دوسرے تعلیم روحانی یالدنی جو وحی والہام کے ذریعہ سے انبیاء اور اولیائے کاملین کو ہوتی ہے۔

زندگی کا سب سے اہم کام

ان آیات کے تحت بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس پہلی وحی میں سب سے پہلے جس بات کا حکم دیا گیا ہے وہ اِقرا ہے یعنی ''پڑھو'' اس پہلے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ انسان کیلئے اس زندگی کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ صحیح علم حاصل کرے۔ وہ علم جو اُس کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے۔ کیونکہ پڑھنا ایک ایسا فعل ہے جس سے ایک شخص دوسرے کے خیالات کو جانتا ہے اور جو باتیں اُسے نہیں معلوم ہوتیں اُس فعل سے اُسے وہ باتیں معلوم ہوجاتی ہیں۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہمیں انسان بنا کر پیدا فرمایا اور پھر ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا۔ اور اسلام نصیب فرمایا اور قرآن پر ایمان عطا فرمایا اور اپنی بے شمار نعمتوں سے ہم کو نوازا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا حقیقی شکر گزار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ﴿۸﴾

سچ مچ بے شک آدمی حد سے نکل جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے۔ اے مخاطب تیرے رب کی طرف سب کا لوٹنا ہوگا۔

كَلَّا ہرگز نہیں	اِنَّ بیشک	الْاِنْسَانَ انسان	لَيَطْغٰى سرکشی کرتا ہے	اَنْ رَّاٰهُ اگر اپنے تئیں دیکھے	اسْتَغْنٰى بے پروا	اِنَّ بیشک	اِلٰى طرف	رَبِّكَ اپنا رب	الرُّجْعٰى لوٹنا ہے

قرآن کریم کی ترتیب نزولی

گذشتہ درس میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اس سورۃ اقراء کی ابتدائی ۵ آیات پہلی وحی کی صورت میں مکہ معظمہ میں غار حرا میں نازل ہوئی تھیں۔ مزید یہ آیات بعد میں مکہ ہی میں نازل ہوئیں اور اس سورۃ میں شامل کر دی گئیں۔

انسان کی ناشکری و سرکشی

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خلاقیت اور ربوبیت کا ذکر فرمایا تھا اور انسانوں پر اپنے احسانات جتلائے تھے۔ تو ان احسانات کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا مرہون منت ہوتا اور اس کا شکر گزار اور تابعدار اور فرمانبردار بندہ بنتا مگر انسان جس سے یہاں مراد کافر انسان ہے کیسا ناشکرا ہے کہ بجائے مرہون منت ہونے کے الٹی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور حد انسانیت سے تجاوز کر جاتا ہے اسی کو فرمایا گیا كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى سچ مچ بے شک انسان حد سے باہر نکل جاتا ہے یعنی اس انسان کی اصل تو اتنی ہے کہ جمے ہوئے خون سے بنا اور جاہل محض تھا۔ خدا نے علم دیا مگر وہ اپنی اصل حقیقت کو ذرا یاد نہیں رکھتا۔ دنیا کی زندگی اور مال دولت پر مغرور ہو کر سرکشی اختیار کرتا ہے۔

شان نزول

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیات میں اشارہ ابوجہل ملعون کی طرف ہے اور یہاں اِنَّ الْاِنْسَانَ سے مراد ابوجہل ہے۔ اور سبب نزول ان آیات کا یہ لکھا ہے کہ ایک بار ابوجہل نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا میں تم کو بارہا منع کر چکا ہوں۔ آپ نے اس کو جھڑک دیا تو کہنے لگا کہ مکہ میں سب سے بڑا مجمع میرے ساتھ ہے اور یہ بھی کہا کہ اگر اب کی بار نماز پڑھتے دیکھوں گا تو (نعوذ باللہ) آپ کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا۔ چنانچہ ایک بار وہ اسی قصد سے چلا مگر قریب جا کر رک گیا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ مجھ کو ایک خندق آگ کی حائل معلوم ہوئی اور اس میں کچھ پردار چیزیں نظر آئیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ فرشتے تھے اگر اور آگے آتا تو فرشتے اس کو بوٹی بوٹی کر کے نوچ ڈالتے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ ابوجہل کفر میں اور اللہ کے مقابل غرور میں حد سے بڑھ رہا ہے۔

انسان کی سرکشی کا سبب

اس کی وجہ یہ ہے اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى اس لئے کہ وہ اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے یعنی اپنے آپ کو منعم حقیقی کا دست نگر نہیں سمجھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے کسی کی پرواہی نہیں۔ اگر عام معنیٰ آیت کے لئے جائیں تو یہ ہوں گے کہ سرکش انسان اپنے آپ کو اس منعم کا محتاج نہیں سمجھتا اور خیال کرتا ہے کہ مجھے کیا پرواہ ہے۔ مجھ میں زور و قوت ہے میرے پاس مال دولت ہے۔ مجھے علم و ہنر حاصل ہے اور اگر اس چودھویں صدی کے سرکش دہریئے اور نیچری اور سائنسی انسان کو لیا جائے تو وہ تو علاوہ مال و اسباب جاہ و حشمت تخت و تاج، لشکر و خدم کے یہ بھی سمجھتا ہے کہ عناصر اربعہ یعنی آگ، پانی ہوا، مٹی۔ میرے خدمت گار ہیں۔ میں بجلی کی طاقت کو بس میں لا کر تار کے ذریعہ سے پل بھر میں سینکڑوں اور ہزاروں میل دور اپنا پیام بھیج سکتا ہوں میرا الہام بھی کچھ کم نہیں۔ کہربائی طاقتوں سے وہ حیرت انگیز کام کر سکتا ہوں جو کوئی اور نہیں کر سکتا۔ بھاپ کو بس میں کر کے کیسی کیسی مشین چلا سکتا ہوں۔ بھاپ کے زور سے ہزاروں من کھینچنے والی تیز رفتار ریل بنا سکتا ہوں۔ سمندر کے سفر کے لئے میں نے اپنے علم و عقل سے وہ سامان بہم پہنچائے کہ سمندر پر میری حکومت ہوگئی۔ اب میں دنیا کو چھوڑ کر چاند پر پہنچنے لگا ہوں۔ میں نے وہ دوربینیں ایجاد کی ہیں کہ لاکھوں کوس کے ستارے

میرے سامنے آ جاتے ہیں۔ میں نے معاش میں ایسی ایسی چیزیں ایجاد کی ہیں اور ایسے ایسے پرلطف مسکن بنانے جانتا ہوں کہ کوئی کیا بنائے گا۔ الغرض جن جن نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا یہ انسان انہی پر اکڑنے لگا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی وسرکشی کرنے لگا۔ کوئی زور وقوت پر کوئی حسن و جمال پر کوئی حسب ونسب پر کوئی مال وجاہ پر کوئی حکومت وسلطنت پر کوئی علم و ہنر پر کوئی اپنی ایجادات ومصنوعات پر کوئی اختراعات وتحقیقات پر یہاں یہ جتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا احسان مند اور شکرگزار اور فرمانبردار بندہ بنتا نہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا اور اس سے سرکشی برتتا اور اپنے کو منعم حقیقی کا محتاج اور دست نگر نہیں سمجھتا اور اس مالک حقیقی سے بے پروائی اور استغناء کا اظہار کرتا ہے۔ ایسے انسان سے مراد ابوجہل بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا شان نزول سے معلوم ہوا۔ مکہ کے کافر اور مشرک بھی ہو سکتے ہیں اور ہر زمانہ اور آج کل کے دہریے۔ کافر ومشرک، نیچری، فلسفی اور سائنس دان بھی ہو سکتے ہیں۔ اور یہ سرکشی اور ناشکرگزاری علیٰ قدر مراتب ہمیشہ سے انسان میں چلی آتی ہے۔

انسانی سرکشی کارد

اس اظہار کے بعد اس انسانی سرکشی کا رد فرمایا جاتا ہے اور آگے بتلایا جاتا ہے۔ اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی یعنی اے انسان تجھ کو اول بھی اللہ ہی نے پیدا کیا اور آخر بھی اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت اس تکبر اور احسان فراموشی کی حقیقت کھلے گی کیوں کہ موت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں۔ بڑے بڑے فلسفی حکیم و دانا اور سائنس دان بھی اپنی صحت و زندگی کی بقا کی کوئی تدبیر نہ کر سکے۔ آخر ایک روز یہ لمبے چوڑے دعوے کرنے والا سرکش انسان بھی اس دنیا سے چل دیتا ہے اور بے حس وحرکت ہوکر گر پڑتا ہے۔ اب اس کی روح اس عالم دنیا سے دوسرے عالم کو منتقل ہو جاتی ہے۔ اور وہاں اس کی روح اپنے کئے کا بدلہ پاتی ہے۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور حق تعالیٰ نے ہم پر جو بے انتہا احسانات فرمائے ہیں ان کی شکرگزاری کی توفیق عطا فرمائیں۔

یَااَللہُ میرے گناہوں کو آپ مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں، میں تو کر کے بھول بھی گیا ہوں مگر آپ کے علم میں سب ہیں۔ کل بروز قیامت آپ مجھ سے سوال کریں گے، سوائے اقرار کرنے کے اور کیا جواب دوں گا۔ اے اللہ! مواخذہ نہ فرمانا آج ہی وہ سب گناہ معاف فرمادیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی ﴿٩﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ﴿١٠﴾ اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰٓی ﴿١١﴾ 4

اے مخاطب بھلا اُس شخص کا حال تو بتلا جو ایک بندہ کو منع کرتا ہے۔ جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ اے مخاطب بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ﴿١٢﴾ اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿١٣﴾ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ﴿١٤﴾ کَلَّا لَئِنْ

یا وہ تقوٰی کی تعلیم دیتا ہو۔ اے مخاطب بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ شخص جھٹلاتا ہو اور روگردانی کرتا ہو۔ کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ ہرگز نہیں

لَّمْ یَنْتَہِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَۃِ ﴿١٥﴾ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ ﴿١٦﴾ فَلْیَدْعُ نَادِیَہٗ ﴿١٧﴾

اگر یہ شخص باز نہ آوے گا تو ہم پیشانی کے بال پکڑ کر جو کہ دروغ اور خطا میں آلودہ پیشانی ہے گھسیٹیں گے۔ سو یہ اپنے ہم جلسہ لوگوں کو بلالے۔

سَنَدْعُ الزَّبَانِیَۃَ ﴿١٨﴾ کَلَّا لَا تُطِعْہُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾ السجدة

ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے۔ ہرگز نہیں آپ اس کا کہنا نہ مانیے اور آپ نماز پڑھتے رہیے اور قرب حاصل کرتے رہیے۔

اَرَءَیْتَ کیا آپ نے دیکھا	الَّذِیْ وہ جو	یَنْھٰی روکتا ہے	عَبْدًا ایک بندہ	اِذَا جب	صَلّٰی وہ نماز پڑھے	اَرَءَیْتَ بھلا دیکھو	اِنْ اگر
کَانَ ہوتا	عَلَی پر	الْھُدٰی ہدایت	اَوْ اَمَرَ یا حکم دیتا	بِالتَّقْوٰی پرہیزگاری کا	اَرَءَیْتَ بھلا دیکھیں	اِنْ اگر	کَذَّبَ اس نے جھٹلایا
وَتَوَلّٰی اور منہ موڑا	اَلَمْ یَعْلَمْ کیا نہ جانا	بِاَنَّ کہ	اللّٰہَ اللہ	یَرٰی دیکھ رہا ہے	کَلَّا ہرگز نہیں	لَئِنْ اگر	لَمْ یَنْتَہِ نہ باز آیا
لَنَسْفَعًا ہم ضرور گھسیٹیں گے	بِالنَّاصِیَۃِ پیشانی کے بالوں سے	نَاصِیَۃٍ پیشانی	کَاذِبَۃٍ جھوٹی	خَاطِئَۃٍ گنہگار	فَلْیَدْعُ تو وہ بلالے		
نَادِیَہٗ اپنی مجلس	سَنَدْعُ ہم بلاتے ہیں	الزَّبَانِیَۃَ پیادے	کَلَّا نہیں نہیں	لَا تُطِعْہُ اسکی بات نہ مان	وَاسْجُدْ اور سجدہ کرتو	وَاقْتَرِبْ اور نزدیک ہو	

شان نزول: ان آیات میں ایسے سرکش و نافرمان کافر انسان کی سرکشی کی بعض مثالیں بیان فرمائی جاتی ہیں اور گو ان آیات کا مضمون عام ہے مگر ان آیات سے متعلق ایک خاص شان نزول اور واقعہ بھی متعلق ہے جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان کیا گیا اور وہ یہ کہ ایک بار ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبۃ اللہ میں نماز پڑھتے دیکھا اور کہنے لگا کہ میں تم کو بارہا اس سے منع کر چکا ہوں مگر تم اس سے باز نہیں آتے۔ مکہ میں سب سے بڑا مجمع میرے ساتھ ہے۔ اگر پھر کبھی نماز پڑھتے دیکھ لوں گا تو تمہاری گردن پر پاؤں رکھ کر توڑ ڈالوں گا (نعوذ باللہ) چنانچہ ایک بار اس قصد سے چلا مگر قریب جا کر رک گیا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ جب لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ مجھ کو آگے آگ کی ایک خندق حائل معلوم ہوئی اور اس میں کچھ پردار چیزیں نظر آئیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ اور آگے آتا تو فرشتے اس کے جسم کا گوشت نوچ کر پارہ پارہ کر ڈالتے۔ تو ان آیات میں اس ابوجہل کے واقعہ خاص کی طرف بھی اشارہ ہے اور عام مضمون بھی ہے۔

ایک سرکش انسان کا کردار

چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی وہ کیسا بدراہ آدمی ہے جو ہمارے بندہ کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے یعنی اس کی سرکشی اور تمرد کو تو دیکھو کہ خود کو تو اپنے رب کے سامنے جھکنے کی توفیق نہیں دوسرا بندہ اگر خدا کے سامنے سربسجود ہوتا ہے تو اسے بھی نہیں دیکھ سکتا اور نماز اور سجدہ سے منع کرتا ہے۔ تو اس کا یہ فعل نہایت قبیح اور قابل ملامت و سرزنش ہے اور عبادت سے روکنا کس درجہ شقاوت و خباثت کا ثبوت دینا ہے۔ خصوصاً ارء یت ان کان علی الھدیٰ او امر بالتقویٰ یعنی جبکہ وہ عابد بندہ ہدایت اور حق پر ہو اور دوسروں کو تقویٰ اور

پرہیز گاری کا حکم دیتا ہوتو ایسی حالت میں روکنے کا نتیجہ کتنا سخت برا ہو گا۔ تو یہاں بندہ سے اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہونا بالکل ظاہر ہے اور روکنے والے سے مراد ابوجہل سے لی گئی ہے۔

نماز سے روکنا ابوجہل کا کام ہے

اگر چہ یہ آیت اَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى اس لعین ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی لیکن اب بھی جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے روکے اور نماز سے منع کرے وہ بھی اس وعید اور برائی میں شامل ہے لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو مقتضائے شرعی کی وجہ سے نماز سے روکا جائے تو وہ اس وعید میں نہیں آتا۔ مثلاً کسی کو غصب کی زمین پر نماز پڑھنے سے منع کیا جائے یا مکروہ وقت میں نماز پڑھنے سے منع کیا جائے یا فرائض وسنن کے علاوہ زیادہ نوافل میں باندی غلام نوکر یا بیوی مصروف ہو کر کام کا حرج کرے تو بھی مالک یا شوہر روک سکتا ہے اور نماز سے ان قسموں کا روکنا اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ ان مواقع پر نماز سے روکنا کسی دوسری مصلحت کے واسطے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے تو یہ حقیقت میں نماز سے روکنا نہیں۔ یہاں جو وعید ہے وہ اسی روکنے پر ہے جو عبادت الٰہی اور رجوع الی اللہ کا مخالف بن کر روکے جیسا کہ ابوجہل کا فعل تھا۔

نماز سے روکنے والے کے لئے وعیدیں

ایسے بدبخت ملعون کے متعلق آگے بتلایا جاتا ہے۔ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى یعنی دیکھوتو سہی اس بدبخت نے ارشاد الٰہی کو یا دین حق کو یا پیغمبر داعی حق کو جو اس کی بہتری اور بھلائی کے لئے تھا ان کو بجائے تصدیق کرنے کے جھٹلایا اور سچی راہ چلنے سے منہ موڑ لیا تو کیا اس شخص کو خبر نہیں۔ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى کہ اللہ تعالیٰ اس ملعون کی سرکشی اور شرارتوں کو دیکھ رہا ہے آگے ارشاد ہے۔ کلا یعنی ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے اور اس کو وعید سنائی جاتی ہے۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ یعنی اگر اس کا یہ رویہ رہا اور وہ ان حرکات بد سے باز نہ آیا تو ہم اس کو جانوروں اور ذلیل قیدیوں کی طرح سر کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ جس سر پر یہ بالوں کی چوٹی ہے وہ جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے گویا اس کا جھوٹ اور گناہ بال بال میں سرایت کر گیا ہے۔

ابوجہل ذلت کی موت مارا گیا

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں بھی ابوجہل ذلت کی موت مارا گیا۔ جنگ بدر میں بری طرح زخمی ہو کر زمین پر گرا پڑا تھا لیکن جان ابھی باقی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ہے کوئی ابوجہل کی خبر لائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جا کر لاشوں میں تلاش کیا تو دیکھا کہ ابھی اس میں جان باقی ہے۔ ابن اسحاق اور حاکم کی روایت میں ہے کہ ابن مسعودؓ نے ابوجہل کی گردن پر پیر رکھ کر یہ کہا اے اللہ کے دشمن تجھے اللہ نے ذلیل اور رسوا کیا اور بعد ازاں اس کا سر کاٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر لا کر ڈال دیا اور یہ عرض کیا یہ سر ہے اللہ کے دشمن ابوجہل کا اور ایک روایت میں جو خود حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ میں ابوجہل کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابوجہل نے آنکھیں کھولیں اور کہا اے بکریوں کے چرانے والے تو بے شک بہت اونچے مقام پر چڑھ بیٹھا ہے میں نے کہا شکر اللہ کا کہ جس نے مجھ کو یہ قدرت دی۔ پھر ابوجہل نے پوچھا کس کو فتح اور غلبہ نصیب ہوا میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ پھر کہا کہ تیرا کیا ارادہ ہے۔ میں نے کہا تیرا سر قلم کرنے کا کہا اچھا یہ میری تلوار ہے اس سے میرا سر کاٹنا یہ بہت تیز ہے تیری مراد اور مدعا کو جلد پورا کرے گی اور دیکھو میرا سر شانوں کے پاس سے کاٹنا تاکہ دیکھنے والوں کی نظروں میں مہیب و ہیبت ناک معلوم ہو اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف واپس ہو تو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ میرے دل میں بہ نسبت گذشتہ کے آج کے دن تمہاری عداوت اور بغض کہیں زیادہ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بعد ازاں میں نے اس کا سر قلم کیا اور لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے اور اس کا

پیام پہنچایا۔ آپؐ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ یہ میری امت کا فرعون تھا جس کا شر اور فتنہ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے شر اور فتنہ سے کہیں بڑھ کر تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون نے مرتے وقت تو ایمان کا کلمہ پڑھا مگر اس امت کے فرعون نے مرتے وقت بھی کفر اور تکبر ہی کے کلمات کہے۔ اور ابوجہل کی تلوار حضرت ابن مسعودؓ کو عطا فرمائی۔ الغرض حضرت ابن مسعودؓ نے اس کے کان میں رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے لائے اور ایک گڑھے میں لا کر ڈال دیا۔ دنیا میں بھی اس کی پر ازنخوت جھوٹی اور خطا کار پیشانی کس ذلت سے میدان بدر میں گھسیٹی گئی باقی اصل وقت گھسیٹے جانے کا آخرت ہے جب جہنم کے فرشتے اس کو نہایت ذلت کے ساتھ جہنم رسید کریں گے۔ یہی وعید اس کو كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ میں سنائی گئی تھی کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کو چوٹی سے پکڑ کر جو دروغ اور خطا میں آلودہ ہے گھسیٹیں گے۔

عذاب الٰہی سے کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا

پھر ابوجہل ملعون نے ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نماز سے روکنا چاہا اور آپؐ نے سختی سے جواب دیا تو کہنے لگا کہ جانتے نہیں کہ مکہ میں سب سے بڑی مجلس میری ہے۔ اس کی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگے فرمایا گیا فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ پس وہ اپنے ہم مجلس اور اعوان و انصار کو بلائے۔ دیکھیں کون آ کر خدا کے مقابلہ میں اس کو بچاتا ہے۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے تا کہ اس کو پوری پوری سزا دیں جن کے مقابلہ کی کسی کو بھی طاقت نہیں۔ اور نہ وہ کسی کے ٹالے ٹل سکتے ہیں۔

سرکش کی پروانہ کریں عبادت میں لگے رہیں

اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے۔ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی اے نبی آپ اس نالائق کی ہرگز پروانہ کیجئے اور اس کی کسی بات پر کان نہ دھریئے۔ جہاں چاہیں شوق سے اللہ کی عبادت کریں اور نماز پڑھیں اور اس کی بارگاہ میں سجدے کر کے بیش از بیش خدا کا قرب حاصل کرتے رہیں۔ سجدہ افضل عبادت ہے اسی لئے اس میں تقرب بھی زیادہ ہے۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بندہ سب حالتوں سے زیادہ سجدہ میں اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہوتا ہے (رواہ مسلم) اسی لئے غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام ہو گیا بلکہ جو جھکنا سجدہ سے مشابہت رکھے اس کو بھی فقہاء نے حرام لکھا ہے۔

سجدۂ تلاوت

اس سورۃ کی آخری آیت پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا کرتے تھے۔ اور یہ قرآن کے مواقع سجود میں آخری موقع ہے۔ اس لئے سب قارئین و سامعین دعا کے بعد ایک سجدۂ تلاوت کر لیں۔

خلاصہ

اہل علم کہتے ہیں کہ سورۂ علق سے لے کر آخر تک جو چھوٹی چھوٹی سورتیں آئی ہیں ان میں قرآنی تعلیمات کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے اس سورت کی پہلی پانچ آیات سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں' اس سورت میں تین اہم مضامین بیان ہوئے ہیں:

انسان کی تخلیق میں اللہ کی حکمت' اس نے قراءت اور کتابت کے ذریعے سے انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔

مال و دولت کی وجہ سے اللہ کے حکموں کے سامنے سرکشی' اس کی نعمتوں کا انکار اور غفلت۔ انسان کے غرور اور سرکشی کی ایک اہم وجہ مال و دولت بھی ہے' جب پیٹ اور خزانہ بھرا ہوا ہو تو وہ نہ انسان کو انسان سمجھتا ہے اور نہ خدا کو معبود اور مسجود!

اس امت کے فرعون ابوجہل کا قصہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈراتا دھمکاتا تھا اور اللہ کی عبادت سے روکتا تھا اختتام پذیر ہوا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سورۃ القدر مکیۃ ۹۷ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هي خمس آيات

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾

بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے۔اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے۔شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

إِنَّا بیشک	أَنزَلْنَاهُ ہم نے یہ اتارا	فِي میں	لَيْلَةِ الْقَدْرِ لیلۃ القدر عزت والی رات	وَمَا اور کیا	أَدْرَاكَ آپ نے	مَا کیا	لَيْلَةُ الْقَدْرِ لیلۃ القدر
خَيْرٌ بہتر	مِّنْ سے	أَلْفِ شَهْرٍ ہزار مہینے					

وجہ تسمیہ اور سبب نزول

چونکہ اس سورۃ میں شب قدر کا ذکر فرمایا گیا ہے اسی بناء پر اس سورۃ کا نام القدر مقرر ہوا۔ قدر کے معنی تعظیم کے ہیں چونکہ اس شب میں عظمت اور شرف ہے اس لئے اس کو شب قدر کہتے ہیں۔اس سورۃ کے سبب نزول میں کئی روایات مروی ہیں بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی امتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت ہوئی ہیں اور آپ کی امت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں۔اگر وہ نیک اعمال میں ان کی برابری بھی کرنا چاہیں تو ناممکن ہے۔اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا تو اس کی تلافی میں یہ سورۃ نازل ہوئی اور یہ رات یعنی لیلۃ القدر مرحمت فرمائی گئی اور اس کی فضیلت اور بزرگی میں بتلایا گیا کہ ایک شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی ہزار مہینہ تک عبادت کرنے کا جو اجر وثواب ہوتا اس سے زیادہ ایک شب قدر میں عبادت کرنے کا اجر وثواب ہے اور اس زیادتی کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کتنا زیادہ ہے۔اسی طرح اگر کسی خوش نصیب کو زندگی میں دس راتیں بھی میسر ہوگئیں اور ان کو عبادت میں گزار دیا تو گویا ۸۳۳ برس چار ماہ سے بھی زیادہ زمانہ کامل عبادت میں گزار دیا۔سبب نزول بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ ایک ہزار مہینے تک اللہ کے راستہ میں عبادت کرتا رہا۔صحابہ کو اس پر رشک آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کس طرح ایسے شخص کے ثواب کو پہنچ سکیں گے کہ ہماری عمریں ۶۰، ۷۰ برس ہیں اس میں بھی ایک تہائی تو سونے میں جاتی ہے اور کچھ معاش کی تلاش میں اور دوسری حاجتوں میں صرف ہوتی ہے اور کچھ اس میں سے مرض اور سستی میں ضائع ہوتی ہے۔ پھر عبادت کے واسطے کیا باقی رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس بات کو سن کر کچھ دلگیر اور غمگین ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے دفع ملال کے لئے یہ سورۃ نازل فرمائی۔ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار حضرات انبیاء کا ذکر فرمایا کہ ۸۰،۸۰ برس تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے اور پل جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی اس پر صحابہ کرام کو حسرت ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر خدمت ہوئے اور سورۃ القدر سنائی اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں اور اس قسم کے اختلافات روایات کی اکثر وجہ یہ ہوئی ہے کہ ایک ہی زمانہ میں جب مختلف واقعات کے بعد کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی ہے تو سبب نزول کی ہر واقعہ کی طرف نسبت ہوسکتی ہے۔بہرحال سبب نزول جو کچھ بھی ہوا ہو لیکن امت محمدیہ کے لئے اللہ جل شانہ کا یہ بہت ہی بڑا انعام ہے اور یہ رات اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے۔ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ شب قدر حق تعالیٰ جل شانہ نے میری امت کو مرحمت فرمائی ہے۔پہلی امتوں کو نہیں ملی۔الغرض اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے انتہا عنایت کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کی فلاح وسعادت دارین کے لئے قرآن حکیم نازل کیا اور اس کو شب قدر میں نازل کیا جس کی یہ فضیلت وبرکت ہے کہ ایک لیلۃ القدر اجر وثواب میں ہزار مہینوں کی عبادت کے اجر وثواب سے بھی بہتر ہے اس شب میں حضرت جبرائیل

علیہ السلام اور فرشتوں کا دنیا میں نزول ہوتا ہے اور صبح ہونے تک یہ شب سراپا سلامتی و امن ہوتی ہے۔

عظمت قرآن

سورۃ کی ابتداء قرآن کریم کی تعظیم اور عظمت شان کے اظہار سے فرمائی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ بے شک ہم نے اسکو یعنی قرآن کو اتارا گویا ایک تو اظہار عظمت کیلئے اتارنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ جس قرآن کا چرچا ہو رہا ہے اور مکہ میں ہر خاص و عام میں غلغلہ مچا ہوا ہے اس کو کسی اور نے نہیں بلکہ حق تعالیٰ نے اتارا ہے اور اس کلام میں تاکید اور قوت پیدا کرنے کیلئے پہلے انا ذکر کردیا یعنی بے شک بلاشبہ ہم ہی نے اس کو اتارا۔ پھر قرآن کی مزید عظمت ظاہر کرنے کیلئے فرمایا فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ یعنی قرآن کا وقت نزول بھی عظیم الشان ہے یہ کسی ایسے وقت نازل نہیں کیا بلکہ اس کا نزول خاص وقت یعنی لیلۃ القدر میں ہوا۔

نزول قرآن کی تاریخ

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید باالاتفاق مورخین و محدثین و مفسرین قریب ۲۳ برس میں تھوڑا تھوڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے پھر یہ کس طرح صحیح ہوا کہ قرآن مجید کو ہم نے شب قدر میں نازل کیا ہے؟ اس کا جواب مفسرین نے لکھا ہے کہ انزال اور تنزیل میں فرق ہے۔ انزال کے معنیٰ ایک بار نازل کرنا ہے اور تنزیل کے معنیٰ تھوڑا تھوڑا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا ہے۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ تنزیل یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا یہ ۲۳ برس میں ہوا مگر اس آیت اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ میں انزال کا ذکر ہے نہ کہ تنزیل کا چنانچہ پورا قرآن شریف اسی ترتیب سے جو آج موجود ہے عرش بریں پر لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر یک دم نازل فرمایا گیا اور پھر وہاں سے حسب حاجت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بحکم الٰہی تھوڑا تھوڑا لاتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر کلام وحی کو اس کے اصلی موقع پر جمع کرا دیتے تھے۔ تو اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ سے مراد یہ ہوئی کہ پورا قرآن کریم "لوح محفوظ" سے آسمان دنیا پر شب قدر میں اتارا گیا۔

شب قدر کونسی رات ہے؟

اب یہ کہ شب قدر کونسی رات ہے؟ اس میں علمائے عظام کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ شب قدر سال میں ایک مرتبہ آتی ہے اور مہینہ کا کوئی تعین نہیں۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ ماہ رمضان میں یہ رات ہوتی ہے پھر اکثر اس پر متفق ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں بالخصوص طاق راتوں میں ہوتی ہے۔ بعض نے خاص رمضان کی ۲۷ ویں شب پر زور دیا ہے۔ احادیث بھی بکثرت اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ شب قدر رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے بہر حال یقین کے ساتھ شب قدر کے تعین میں بہت اختلاف ہے اور حکمت اس اختلاف میں یہی ہے کہ اس کا طالب سال بھر عبادت میں گزارے اور گناہوں سے بچے ورنہ کم از کم رمضان شریف اور خصوصاً اس کے اخیر عشرہ میں تو ضرور ہی کوشش کرے۔ الغرض قرآن پاک جو رہتی دنیا تک تمام انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو نازل کرنے کے لئے اسی بابرکت رات کو منتخب فرمایا۔

شب قدر کا مقام و مرتبہ

اب آگے حق سبحانہ تعالیٰ لیلۃ القدر کی فضیلت اور مراتب بیان فرماتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے۔ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی اس کا جواب مرحمت فرمایا جاتا ہے۔ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ یعنی شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اب اس رات کے ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا کیا معنی؟ مرشدنا حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ ہزار مہینہ تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے اس سے زیادہ شب قدر میں عبادت کرنے کا ثواب ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ اس رات میں نیکی کرنا ایسا ہے گویا ہزار مہینہ تک نیکی کرتا رہا بلکہ اس سے بھی زائد۔

یَا اللہ جو گناہ باعث تنگی رزق ہوں باعث مانع خیر و برکت ہوں باعث محرومی حلاوت عبادت ہوں سب معاف فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۛ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

اس رات میں فرشتے اور رُوح القدس اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر اُترتے ہیں۔ سراپا سلام ہے وہ شب طلوع فجر تک رہتی ہے۔

تَنَزَّلُ اُترتے ہیں	الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے	وَالرُّوْحُ اور روح	فِيْهَا اس میں	بِاِذْنِ حکم سے	رَبِّهِمْ ان کا رب	مِنْ سے	كُلِّ ہر	اَمْرٍ کام	سَلٰمٌ سلامتی
هِيَ وہ	حَتّٰى جب تک	مَطْلَعِ طلوع ہونا	الْفَجْرِ فجر						

شب قدر میں برکات کا نزول

گذشتہ ابتدائی آیات میں شب قدر کی فضیلت بیان فرمائی گئی کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی ہزار مہینے تک عبادت کرنے کا جتنا اجر وثواب ہے اس سے زیادہ اجر وثواب ایک شب قدر میں عبادت کرنے کا ہوتا ہے۔ اب آگے شب قدر کی دوسری فضیلتیں بیان فرمائیں جاتی ہیں اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ یعنی اس رات میں ملائکہ رحمت اور روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر زمین کی طرف اترتے ہیں تا کہ عظیم الشان خیر و برکت سے زمین والوں کو مستفیض کریں۔ اس طرح اس مبارک شب میں باطنی حیات اور روحانی خیر و برکت کا ایک خاص نزول ہوتا ہے۔ حدیث میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کی فوج کے ساتھ اترتے ہیں اس وقت جو شخص کھڑا یا بیٹھا اللہ کی یاد کر رہا ہوتا ہے اس کے لئے دعا رحمت کرتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سلامتی کی دعاء کرتے ہیں علامہ ابن کثیرؒ نے اس سورۃ کی تفسیر کے تحت بعض آثار صحابہ سے ایک بڑی لمبی روایت نقل کی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام لَيْلَةِ الْقَدْرِ میں سورج غروب ہوتے ہی سدرۃ المنتہیٰ کے تمام فرشتوں کو لے کر زمین پر اترتے ہیں۔ یہ کل کے کل فرشتے رافت ورحمت والے ہیں جن کے دلوں میں ہر ہر مومن کے لئے رحم کے جذبات موج زن ہیں۔ یہ ہر ہر جگہ پھیل جاتے ہیں اور مومن مردوں وعورتوں کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں البتہ گرجا گھر' مندر' آتشکدہ' بت خانہ جہاں خدا کے سوا اوروں کی پرستش ہوتی ہے وہاں تو یہ فرشتے نہیں جاتے اور ان جگہوں میں بھی جہاں گندی چیزیں ڈالی جاتی ہیں نہیں جاتے اور اس گھر میں بھی جہاں نشہ والا ہو یا نشہ والی چیز ہو یا جس گھر میں کوئی بت گڑا ہوا ہو یا جس گھر میں باجے گاجے گھنٹیاں ہوں یا کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ ہو وہاں تو یہ رحمت کے فرشتے جاتے نہیں۔ باقی جگہ جگہ پر گھوم جاتے ہیں اور ساری رات مومن مردوں اور عورتوں کے لئے دعائیں مانگنے میں گزارتے ہیں۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام مومنوں سے مصافحہ کرتے ہیں اور اس کی نشانی یہ ہے کہ رونگٹے جسم پر کھڑے ہو جائیں۔ دل نرم پڑ جائے اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں۔ اس وقت مومن کو سمجھ لینا چاہئے کہ میرا ہاتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے۔ غرض کہ صبح ہونے تک فرشتے اس طرح دنیا میں رہتے ہیں۔ پھر سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام عالم بالا پر چڑھتے ہیں اور بہت اونچے چڑھ کر اپنے پروں کو پھیلا دیتے ہیں بالخصوص دو سبز پروں کو جنہیں اس رات کے سوا وہ کبھی نہیں پھیلاتے۔ یہی وجہ ہے کہ سورج کی تیزی ماند پڑ جاتی ہے اور شعائیں جاتی رہتی ہیں۔ پھر ایک ایک فرشتہ کو پکارتے ہیں اور سب کے سب اوپر چڑھتے ہیں پس فرشتوں کا نور اور جبرئیل علیہ السلام کے پروں کا نور سورج کو ماند کر دیتا ہے۔

رحمت و برکت سے محروم رہنے والے گھر

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے فضائل رمضان میں شب قدر کے بیان میں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب غنیۃ الطالبین کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے سے اس شب قدر میں متفرق ہو جاتے ہیں اور کوئی گھر چھوٹا بڑا جنگل یا کشتی

ایسی نہیں ہوتی جس میں کوئی مومن ہو اور وہ فرشتے مصافحہ کرنے کے لئے وہاں نہ جاتے ہوں لیکن اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا حرام کاری کی وجہ سے جنبی یا تصویر ہو۔ اس کو نقل کر کے شیخ الحدیث صاحبؒ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے کتنے گھر ایسے ہیں جن میں خیالی زینت کی خاطر تصویریں لٹکائی جاتی ہیں اور اللہ کی اتنی بڑی نعمت ورحمت سے اپنے ہاتھوں اپنے کو محروم کرتے ہیں۔ تصویر لٹکانے والا کوئی ایک ہی ہوتا ہے مگر اس گھر میں رحمت کے فرشتوں کے داخل ہونے سے روکنے کا سبب بن کر سارے ہی گھر کو اپنے ساتھ محروم کرتا ہے۔ احقر کہتا ہے کہ افسوس اب تو اس قوم اور ملک ہی کی محرومی کی داستان اتنی طویل ہے کہ کس کس محرومی کو روکا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس ملک پر اس قوم پر رحم وکرم فرمائیں اور ہمارے اصلاح کی صورتیں غیب سے ظاہر فرمائیں۔

طلوع فجر تک رحمتوں اور برکتوں کا نزول رہتا ہے

آگے فرمایا جاتا ہے۔ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ یہ رات سراپا سلام ہے یعنی تمام رات ملائکہ کی طرف سے مومنین پر سلام ہوتا رہتا ہے کہ ایک فوج آتی ہے دوسری جاتی ہے یا یہ مراد ہے کہ یہ رات سراپا سلامتی ہے جس میں اللہ والے عجیب وغریب طمانیت چین وسکون اور لذت وحلاوت اپنی عبادت میں محسوس کرتے ہیں اور وہ رات ان ہی برکات کے ساتھ تمام رات طلوع فجر تک رہتی ہے یہ نہیں کہ رات کے کسی خاص حصہ میں یہ برکت ہو اور کسی حصہ میں نہ ہو بلکہ صبح ہونے تک ان برکات کا ظہور رہتا ہے سبحان اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی اس نعمت عظمیٰ کی قدر دانی کی توفیق بخشیں اور اس رات کی برکات زندگی میں بار بار نصیب فرمائیں۔ آمین۔

تمام پچھلے گناہ معاف

(۱) بخاری ومسلم کی صحیح حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے عبادت کے لئے کھڑا ہوا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

شب قدر کی علامات

ایک حدیث میں شب قدر کی کچھ علامات بیان کی گئی ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ اس رات کی منجملہ اور علامتوں کے یہ ہے کہ وہ رات کھلی ہوئی چمکدار ہوتی ہے صاف شفاف نہ زیادہ گرم نہ زیادہ ٹھنڈی بلکہ معتدل گویا اس میں (انوار کی کثرت کی وجہ سے) چاند کھلا ہوا ہے اس رات میں صبح تک آسمان کے ستارے شیاطین کو نہیں مارے جاتے۔ نیز اس کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے بعد کی صبح کو آفتاب بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے۔ ایسا کہ بالکل ہموار ٹکیہ کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ چودھویں رات کا چاند۔ اللہ جل شانہٗ نے اس دن کے آفتاب کے طلوع کے وقت شیطان کو اس کے ساتھ نکلنے سے روک دیا۔ بخلاف اور دنوں کے کہ طلوع آفتاب کے وقت شیطان کا اس جگہ ظہور ہوتا ہے۔

شب قدر کی دعا

حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے شب قدر کا پتہ چل جائے تو کیا دعا مانگوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہو **اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی** یعنی اے اللہ بے شک تو معاف کرنے والا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے کو پس معاف فرمادے مجھے بھی۔

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا فضل

ہم جیسے کم ہمتوں کے لئے ایک بڑے کام کا مسئلہ حدیث کی روشنی میں اس سورۃ کی تفسیر کے اخیر میں حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی پانی پتیؒ نے اپنی تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ جس نے شب قدر کی عشاء اور فجر کی نماز مسجد میں جماعت سے پڑھ لی اس کو شب قدر کا ثواب مل گیا اور جو اس سے زیادہ عبادت کرے اللہ اس کے ثواب میں اضافہ کردے گا۔ حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی اس نے گویا نصف شب کا قیام کیا اور جس نے جماعت کے ساتھ فجر کی نماز بھی پڑھی اس نے گویا پوری رات عبادت کی۔ (مسلم) یعنی با جماعت

عشاء کی نماز کے بعد باجماعت فجر کی نماز بھی پڑھی گئی تو گویا پوری رات نماز پڑھی۔ ہر نماز نصف شب کی عبادت کے قائم مقام ہوئی رات کی یہی دو فرض نمازیں ہیں ایک ابتدائی دوسری انتہائی۔

خلاصہ

اس سورت کی ابتداء میں انسانوں پر اللہ کے عظیم احسان کا ذکر ہے جو کہ کتاب مبین کو نازل کرنے کی صورت میں ہوا' اسی طرح اس سورت میں لیلۃ القدر کی فضیلت بیان ہوئی ہے' اس کی پہلی فضیلت یہ ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت کے برابر ہے' دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس رات میں غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک فرشتے امن و سلامتی اور رحمت و برکت کا پیغام لے کر نازل ہوتے رہتے ہیں۔

واضح رہے کہ لیلۃ القدر میں نزولِ قرآن کا معنٰی یہ ہے کہ اس رات میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی۔

سورۃ القدر کے خواص

ا......نظر کی تیزی، آنکھوں میں نور اور دل میں یقین کی پختگی کے لئے اس سورۃ کو لکھے اور پانی سے دھولے، پھر وہی پانی پیئے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے امت مسلمہ کو شب قدر جیسی بے بہا دولت عطا فرمائی۔ حق تعالیٰ ہمیں اس نعمت کی قدر دانی اور اس کی سچی شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زندگیوں میں شب قدر کی برکات و فضائل بار بار نصیب فرمائیں اور ہم میں سے کسی کو اس نعمت عظمیٰ سے محروم نہ فرمائیں۔ آمین۔

یَا اَللّٰہُ جس گناہ کی میں نے تعریف کی ہو یا کینہ کی طرح دل میں چھپایا ہو یا دل میں عزم مصمم کر لیا ہو کہ یہ گناہ کروں گا یا زبان سے اظہار بھی کر دیا ہو یا وہ گناہ جو میں نے اپنے قلم سے لکھا ہو یا اعضاء سے اس کا ارتکاب کر لیا ہو یا اپنے ساتھ دوسروں کو بھی اس گناہ کے کرنے پر آمادہ کر لیا ہو ایسے سب گناہوں کو معاف فرما دیجئے۔

یَا اَللّٰہُ میں نے گناہ رات کو بھی کیے دن کو بھی کیے۔ لیکن آپ نے اپنے حلم سے پردہ پوشی فرمائی کہ کسی مخلوق کو اس کا علم نہ ہونے دیا' میں نے آپ کی اس ستاری فرمانے کا کچھ خیال نہ کیا۔ میرے نفس نے اس گناہ کو پھر مزین کر کے پیش کیا اور گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے پھر کر گزرا۔ میں بار بار ایسا ہی کرتا رہا۔ اللہ العالمین! میرے اس حال کو خوب جانتے ہیں آئندہ ایسا نہ کروں گا آپ سے توفیق مانگتا ہوں میں توبہ کرتا ہوں معافی چاہتا ہوں۔ الٰہی! معاف فرما دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ

جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر تھے وہ باز آنے والے نہ تھے۔جب تک اُن کے پاس واضح دلیل نہ آتی۔

الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾ وَمَا تَفَرَّقَ

ایک اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنادے۔جن میں درست مضامین لکھے ہوں۔

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۴﴾ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا

اور جولوگ اہل کتاب تھے وہ اِس واضح دلیل کے آنے ہی کے بعد مختلف ہوگئے۔حالانکہ اُن لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت

اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴿۵﴾

کو اُسی کیلئے خالص رکھیں۔یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی طریقہ ہے اُن درست مضامین کا۔

لَمْ يَكُنْ وہ نہ تھے	الَّذِيْنَ وہ جو	كَفَرُوْا کفر کیا	مِنْ سے	اَهْلِ الْكِتٰبِ اہل کتاب	وَالْمُشْرِكِيْنَ اور مشرک (جمع)	مُنْفَكِّيْنَ باز آنیوالے	
حَتّٰى یہاں تک کہ	تَاْتِيَهُمُ آئے انکے پاس	الْبَيِّنَةُ کھلی دلیل	رَسُوْلٌ رسول	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے	يَتْلُوْا پڑھتا ہوا	صُحُفًا صحیفے	مُّطَهَّرَةً پاکیزہ
فِيْهَا اس میں	كُتُبٌ قَيِّمَةٌ لکھے ہوئے مضبوط	وَمَا اور نہ	تَفَرَّقَ فرقہ فرقہ ہوئے	الَّذِيْنَ + اُوْتُوا الْكِتٰبَ وہ جو کہ کتاب دیئے گئے + اہل کتاب			
اِلَّا مگر	مِنْ بَعْدِ اس کے بعد	مَا جَآءَتْهُمُ جب انکے پاس آگئی	الْبَيِّنَةُ کھلی دلیل	وَمَا اور نہ	اُمِرُوْا حکم دیا گیا	اِلَّا مگر	
لِيَعْبُدُوا یہ کہ عبادت کریں	اللّٰهَ اللہ	مُخْلِصِيْنَ خاص کرتے ہوئے	لَهُ اس کیلئے	الدِّيْنَ دین	حُنَفَآءَ یک رُخ	وَيُقِيْمُوا اور قائم کریں	
الصَّلٰوةَ نماز	وَيُؤْتُوا اور ادا کریں	الزَّكٰوةَ زکوٰۃ	وَذٰلِكَ اور یہ	دِيْنُ دین	الْقَيِّمَةِ نہایت مضبوط		

وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول وغیرہ

اس سورۃ کی پہلی آیت میں لفظ البینۃ آیا ہے جس کے معنیٰ ہیں کھلی ہوئی دلیل، روشن دلیل، جس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ جو بجائے خود رسالت کی ایک روشن اور واضح دلیل ہے۔ اسی لفظ الْبَيِّنَةُ کو سورۃ کا علامتی نام قرار دیا گیا۔ اس سورۃ کے مقام نزول کے متعلق بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ مکی سورۃ ہے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے اور بعض نے اسے مدنی قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ کا کچھ حصہ تو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوا اور کچھ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں۔ جمہور مفسرین نے اس کو مدنی سورۃ کی فہرست میں رکھا ہے۔

نور ہدایت کا طلوع

ظہور اسلام سے پہلے دنیا اتنی شدید جہالت اور ضلالت اور کفر و شرک میں مبتلا تھی کہ بغیر اس کے کہ ایک مصلح اعظم آئے اور اپنے ہمراہ ایک مکمل ہدایت نامہ لائے کوئی صورت لوگوں کی اصلاح کی نہ تھی۔ چنانچہ مشیت الٰہی نے دنیا والوں پر اپنی حجت کو واضح طور پر پورا کرنے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ

مبعوث فرمایا۔ اس سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اقوام دنیا کو دو ہی گروہ میں تقسیم کیا جا سکتا تھا ایک ''اہل کتاب'' دوسرے ''مشرکین'' اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ اگرچہ آسمانی ہدایت کے قائل تھے اور توحید و نبوت کے بنیادی خیالات سے واقف تھے۔ لیکن ایک عرصہ کے بگڑے ہوئے ماحول کے نتیجہ میں وہ بھی اپنے دین کی اصل تعلیمات سے بہت دور جا پڑے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سچے دین کی سیدھی اور صاف راہ سے بے خبر ہو چکے تھے۔ رہا دوسرا گروہ یعنی مشرکین کا تو وہ بت پرستی اور آتش پرستی وغیرہ میں مبتلا تھے۔ اور سرے سے کوئی آسمانی کتاب ان کے پاس نہ تھی۔ یہ گروہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارہ میں انتہائی غلط فہمیوں کا شکار تھا۔ ایسی حالت میں دنیا والوں کو دین کی صحیح حقیقت سے باخبر کرنے اور راہ ہدایت پر لانے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت تھی اور اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ ان کے پاس اللہ کا عظیم القدر رسول آئے اور کھلی ہوئی واضح دلیلوں کے ساتھ اپنی تعلیمات و ہدایات ان کے سامنے رکھے اور اپنی زبردست تعلیم و ہمت اور عزیمت سے دنیا کی کایا پلٹ کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دنیا سے کفر و شرک کے پھیلے ہوئے اندھیرے کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک واضح دلیل حضرت احمد مجتبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو اپنی ہدایت کا نور اپنے بندوں تک پہنچانے کے لئے منتخب فرمالیا اور آپ پر اپنی کتاب قرآن کریم نازل فرمائی جس میں نہایت عمدہ درست و راست اور صحیح مضامین صاف صاف انداز میں بیان فرمائے گئے۔

اہل کتاب کا تعصب

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ذی شان رسول آئے جن کی زندگی میں دنیا والوں کے لئے بہترین دستور العمل اور نور ہدایت ملتا ہے۔ جن کا حلم، حسن معاشرت، اخلاق کریمانہ جن کی صداقت دیانت و امانت جن کی سیرت و صورت غرض کہ آپ کی زندگی کی ہر ساعت اور ہر گھڑی حقانیت کی ایک روشن دلیل ہے اور جب آپ ایسی روشن اور عظیم الشان کتاب لائے جو مادی و روحانی ترقی کی شاہ راہ پر لا کر کھڑا کر دینے والی ہے تو ان اہل کتاب کو چاہیے تھا ایسے رسول اور ایسی کتاب کے آنے پر کسی شک وشبہ میں نہ رہتے اور ان پر ایمان لے آتے اور ان کی ہدایات کو قبول کرتے۔ اپنے اختلافات کو ختم کر کے سب ایک راستہ پر پڑ لیتے مگر ان اہل کتاب نے جو علم وفہم کے مدعی تھے اور آسمانی ہدایت کے بھی معتقد تھے وہ بھی دلیل واضح آنے کے بعد مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور انہوں نے دین حق سے اختلاف کیا اور جب اہل کتاب کا یہ حال ہے تو جاہل مشرکوں کا تو پوچھنا کیا ان کے پاس پہلے سے بھی کوئی علم سماوی نہ تھا حالانکہ ان اہل کتاب کو کتب سابقہ میں یہی حکم ہوا تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کیا کریں۔ کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ ٹھہرائیں۔ نیت بھی خالص اطاعت الٰہی کی ہو۔ ریا کاری ہرگز مقصود نہ ہو۔ ہر قسم کے باطل اور جھوٹ سے علیحدہ ہو کر خالص خدائے واحد کی بندگی کریں۔ یہ چیزیں ہر دین میں پسندیدہ رہی ہیں اور یہ پیغمبر اور قرآن بھی ان ہی امور کی تعلیم کرتے ہیں پھر ایسی پاکیزہ تعلیم سے کیوں وحشت کھاتے ہیں اور قرآن کو نہیں مانتے جس سے ان کی اپنی کتب کی بھی مخالفت لازم آتی ہے۔ قرآن چونکہ کتب سابقہ کی تصدیق و تائید کرتا ہے اس لئے وہ طریق ہدایت اور صراط مستقیم جو یہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اس کے مستحکم و درست ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ واضح دلائل کے بعد بھی جو نہ مانے تو پھر وہ لازماً مستوجب سزا ہے۔

حاصل یہ کہ ان اہل کتاب کو ایمان بالقرآن اور بالرسول لے آنا چاہئے تھا۔ چنانچہ جو ایمان لے آئے وہ کس جزا اور انعام وصلہ کے مستحق بنے اور جو ایمان نہ لائے اور کفر و شرک پر قائم رہے وہ کس سزا کے مستحق بنے۔ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔

دُعا کیجئے: یا اللہ دین حق میں اختلاف اور افتراق سے ہمیں کامل طور پر بچائیے اور دین حق اور صراط مستقیم پر پوری طرح استقامت نصیب فرمائیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَٰئِكَ

بے شک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ آتش دوزخ میں جاویں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگ

هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝

بدترین خلائق ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔

جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

اُن کا صلہ اُن کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

أَبَدًا ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝

اللہ تعالیٰ اُن سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے یہ اُس شخص کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

اِنَّ بیشک	الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	مِنْ سے	اَھْلِ الْکِتٰبِ اہل کتاب	وَالْمُشْرِکِیْنَ اور مشرکین	فِیْ میں	نَارِ آگ	جَھَنَّمَ جہنم	
خٰلِدِیْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِیْھَا اس میں	اُولٰٓئِکَ یہی لوگ	ھُمْ وہ	شَرُّ بدترین	الْبَرِیَّۃِ مخلوق	اِنَّ بیشک	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	
وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ نیک	اُولٰٓئِکَ یہی لوگ	ھُمْ وہ	خَیْرُ بہتر	الْبَرِیَّۃِ مخلوق	جَزَآؤُھُمْ ان کی جزا	عِنْدَ پاس	
رَبِّھِمْ انکا رب	جَنّٰتُ باغ	عَدْنٍ ہمیشہ رہنے والے	تَجْرِیْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِھَا ان کے نیچے سے	الْاَنْھٰرُ نہریں	خٰلِدِیْنَ ہمیشہ رہیں گے		
فِیْھَآ اس میں	اَبَدًا ہمیشہ ہمیشہ	رَضِیَ راضی ہوا	اللّٰہُ اللہ	عَنْھُمْ اُن سے	وَرَضُوْا اور وہ راضی	عَنْہُ اس سے	ذٰلِکَ یہ	لِمَنْ اس کیلئے جو
خَشِیَ ڈرے	رَبَّہٗ اپنا رب							

انکارِ حق کی سزا بھگتنی پڑے گی

گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی حقانیت بتلا کر فرمایا گیا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول بنا کر دنیا والوں کی طرف بھیجا گیا اور قرآن کریم آپؐ پر نازل فرمایا گیا۔

ان آیات میں پہلے یہی بتلایا گیا ہے کہ دین حق سے انکار کرنے والے خواہ اہل کتاب ہوں یا کفار مشرکین۔ جو کسی گروہ سے تعلق رکھتے ہوں اس انکار کی سزا یقیناً بھگتنا پڑے گی۔ اور ان کی سزا یہ ہوگی کہ آخرت میں ان کے لئے ہمیشہ رہنے والا آگ کا گھر' جسے جہنم کہتے ہیں ہوگا جس سے کبھی چھٹکارا نہیں۔ گویا آخرت میں کفر کی سزا دائمی جہنم کی آگ اور عذاب ہے۔ کیونکہ کفار و مشرکین دنیا میں جیتے جی ہمیشہ کفر پر قائم رہے اس لئے آخرت میں ان کی سزا بھی یہی ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ ہی کے لئے رہیں۔

غیر مسلم متعصبین کے اعتراض کا جواب

بعض غیر مسلم از روئے عناد و تعصب اسلام و قرآن پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کافر کو دائمی عذاب ایک طرح کا ظلم ہے۔ اس کے ہمارے علمائے محققین نے کئی نہایت کافی و شافی جواب دیئے ہیں۔

مرشدنا حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے اپنے مواعظ میں اس الزام اور شبہ کے نہایت مدلل جوابات بیان فرمائے ہیں۔ ایک جواب تو اپنے وعظ میں یہ فرمایا کہ کافر کو جو ابدی عذاب ہے اس میں کوئی ظلم نہیں کیونکہ کافر اللہ تعالیٰ کی ہر ہر صفت کے حقوق ضائع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات لامتناہی ہیں اور خود ہر صفت کے حقوق بھی غیر متناہی ہیں۔ تو چاہیے تو یہ تھا کہ ہر صفت کے انکار پر لامتناہی سزا ہوتی اور پھر

ہر صفت کے حقوق پر اسی طرح غیر متناہی سزا ہوتی۔ پھر زیادتی کہاں ہوئی۔ بلکہ ایک معنیٰ کے کمی ہے۔ بغاوت کی سزا قید دائمی ہی ہوتی ہے جس کا دوام حکام ظاہری کے اختیار میں ہے یعنی تاحیات وہ اپنے باغیوں کے لئے سزا مقرر کرتے ہیں اور جس قسم کا دوام احکم الحکمین کے اختیار میں ہے وہ اپنے باغیوں کے واسطے تجویز فرمائیں گے۔ اس میں ظلم وزیادتی کچھ بھی نہیں بلکہ عین عدل ہے۔ (مجادلات معدلت ۲)

بدترین مخلوق

الغرض یہاں بتلایا گیا کہ معاملہ کفر میں خواہ اہل کتاب ہوں۔ یا مشرکین بت پرست وآتش پرست یا دوسرے لوگ سب برابر ہیں۔ اوران کی سزا ہمیشہ کے لئے نار جہنم ہے۔ آگے ان کفار کے متعلق بتلایا گیا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ یعنی یہ لوگ اللہ کی نظر میں اس کی ساری مخلوقات میں بدترین مخلوق ہیں۔ یوں تو مخلوق ہونے کے اعتبار سے انسان کا درجہ بہت اونچا ہے لیکن اگر یہ انسان اس عقل وفہم اور سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی قوت سے کام نہ لے جو اس کو عطا کی گئی ہے اور اپنی آزادی اور اختیار کا غلط استعمال کر کے اللہ کے حکموں کو نہ مانے اور ان کے مقابلہ میں بغاوت' سرکشی اور انکار کی روش اختیار کرے اسی کا دیا ہوا کھائے اور اسی کے آگے اکڑے تو یقیناً اس کا مقام کیڑے مکوڑے اور بے سمجھ جانوروں سے بھی زیادہ نیچا ہونا چاہیے۔ ارے سور اور کتے بھی اپنے آقا و مالک کو پہچانتے ہیں اور اپنے آقاؤں کی نمک حرامی اور ان سے بے وفائی نہیں کرتے تو یہ کفار ان جانوروں سے بھی بدتر ہیں کہ عقل وفہم اور ادراک کے باوجود اپنے خالق' رازق اور مالک کی نافرمانی کرتے ہیں اور اس کے احکام کو نہیں مانتے۔

بہترین خلائق

یہ تو کفار انسانوں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا۔ اب رہے ان کے مقابلہ میں وہ لوگ جو اللہ کی دی ہوئی سمجھ بوجھ سے کام لیں اور احکام الٰہیہ پر ایمان لائیں اور رضائے الٰہی کے آگے سر تسلیم خم رکھیں اور جن باتوں کے ماننے اور کرنے کا مطالبہ ان سے کیا گیا ہے انہیں مانیں اور کریں اور جن باتوں کے نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے باز رہیں ان کے متعلق ارشاد فرمایا گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ یعنی یہ لوگ یقیناً بہترین مخلوقات ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اس آنے والی زندگی میں نعمتیں ہی نعمتیں ہیں۔ خدائے مہربان ان کو ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا بہترین صلہ عطا فرمائے گا۔ ان کو باغات عنایت ہوں گے جن میں وہ راحت ومسرت سے زندگی بسر کریں گے۔ ان باغات میں نہریں بھی جاری ہوں گی چونکہ وہ تازیست ایمان اور اعمال صالحہ پر قائم رہے اس لئے وہ بھی ان آخرت کے باغات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دنیا میں اطاعت وفرمانبرداری پر ان سے خوش ہوگا اور اپنے انعامات واکرامات سے اتنا نوازے گا کہ ان کی مسرت کی بھی انتہا نہ ہوگی۔ اخیر میں پھر یہ بتلا کر سورۃ کو ختم فرمایا گیا کہ یہ آخرت کا عیش وآرام اور یہ کامیابی اور مسرت اور یہ انعامات واکرامات انہیں کو عنایت ہوں گے جو دنیا میں اپنے پروردگار سے ڈرتا ہوگا۔ اپنے رب کی ناخوشی سے بچتا ہوگا اور اپنے رب سے ڈر کر کوئی کام ایسا نہ کرتا ہوگا کہ جو اس کے رب کو ناپسند ہو۔

خشیت الٰہیہ اور اس کے ثمرات

یہاں سورۃ کے اخیر میں جو ذٰلک لمن خشی ربہ فرمایا یعنی آخرت میں جنت کی ابدالآباد والی نعمتیں اور راحتیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اس شخص کیلئے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہو۔ تو اس جملہ سے معلوم ہوا کہ تمام کمالات دینی اور آخرت کی نعمتوں کا دارومدار خشیت اللہ پر ہے۔ اور خشیت اس خوف وڈر کو نہیں کہا جاتا جو کسی دشمن یا درندے' شیر وبھیڑیئے یا موذی جانور سانپ' بچھو سے طبعاً ہوتا ہے بلکہ خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جو کسی کی انتہائی عظمت وجلال و بزرگی و بڑائی کی وجہ سے پیدا ہو جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر کام ہر حال اور ہر آن میں اس کی خوشنودی اور رضا جوئی کی فکر کرتا ہے اور ناراضگی اور خفگی کے شبہ اور وہم وگمان سے بھی بچتا ہے۔ یہی خشیت وہ چیز ہے جو انسان کو حق تعالیٰ کا عبد کامل اور مقبول بنانے والی ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں بھی اپنا وہ خوف وخشیت عطا فرمائیں کہ ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے باز رہیں اور

مولائے کریم کی رضا جوئی کی ہمیشہ فکر میں رہیں۔آمین۔

سورۃ البینۃ کی فضیلت

یہ سورۃ اپنے مضامین کے اعتبار سے نہایت ہی بلند پایہ ہے اور اس سورۃ سے متعلق امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح مسلم شریف میں ایک باب یہ قائم کیا ہے ''افضل کا اپنے سے کم مرتبہ والے کے سامنے قرآن کریم پڑھنے کا استحباب'' اور اس باب میں ایک حدیث حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعبؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پڑھوں۔ حضرت ابی بن کعب نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔تو حضرت ابی بن کعبؓ یہ سن کر رونے لگے۔اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ سن کر حضرت ابی بن کعبؓ پر بے قراری کے ساتھ گریہ طاری ہو گیا اور زبان سے یہ کلمات نکلے۔ وقد ذکرت عند رب العلمین (اچھا میرا نام لیا گیا اور ذکر ہوا رب العالمین کی بارگاہ میں) اس روایت سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ حق تعالیٰ جل وعلیٰ کی بارگاہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محبوبیت اور مقبولیت کس درجہ تھی۔

خلاصہ

اس سورت میں تین امور سے بحث کی گئی ہے:

اہل کتاب کا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں موقف' یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا انتظار کر رہے تھے لیکن ان کا خیال یہ تھا کہ آخری نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا لیکن جب ایسا نہ ہوا تو انہوں نے آپ کی نبوت کو جھٹلا دیا' اس سورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بینہ اور واضح حجت اور دلیل قرار دیا گیا ہے۔ اس میں شک ہی کیا ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی خود ایک بہت بڑا معجزہ اور حق وصداقت کی واضح دلیل تھی' زنا' شراب نوشی' قتل وغارت گری' بت پرستی اور ڈاکہ زنی کے ماحول میں چالیس سال گذارے' کسی جنگل اور خلوت خانہ میں نہیں' گلی کوچوں اور سوسائٹی میں فعال کردار ادا کرتے ہوئے گذارے لیکن سیرت کے دامن پر نجاست کا کوئی خفیف ترین دھبہ بھی نہ تھا' کسی بدترین دشمن کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ آپ کے کردار پر انگلی اٹھا سکتا۔

یہ سورت دین وایمان کی بنیاد کی نشاندہی کرتی ہے اور وہ ہے اخلاص' کوئی عمل بغیر ایمان کے اور ایمان بغیر اخلاص کے معتبر نہیں' ہر نبی نے اپنی امت کو اس بنیاد کی دعوت دی۔

یہ سورت اشقیاء اور سعداء یعنی کافروں اور مؤمنوں دونوں کا انجام بیان کرتی ہے۔

سورۃ البینہ کے خواص

۱......اگر کسی کو یرقان کا مرض ہو تو سورۃ البینہ لکھ کر گلے میں پہنے۔ان شاء اللہ صحت ہو جائے گی۔

۲......اگر کسی کا جسم پورا متورم ہو جائے یا کوئی ایک حصہ پر ورم ہو تو سورۃ البینہ لکھ کر گلے میں پہنے،ان شاء اللہ ورم اتر جائے گی۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہم کو اس زندگی میں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما دے کہ آپ ہم سے راضی ہو جائیں اور اپنے کرم سے ہم کو اپنے ان بندوں میں شامل فرما لے کہ جو آخرت میں آپ کے انعامات واکرامات سے نوازے جائیں گے۔

اور آپ کی رضا کے مقام جنت میں جن کا ٹھکانہ ہوگا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿٢﴾ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ﴿٣﴾

جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جاوے گی۔ اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔اور آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿٥﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ

اُس روز زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی۔اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہوکر واپس ہوں گے

اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿٧﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ

تاکہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں۔سو جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔اور جو شخص

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿٨﴾

ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔

اِذَا جب	زُلْزِلَتِ ہلا ڈالی جائے	الْاَرْضُ زمین	زِلْزَالَهَا اس کا زلزلہ	وَاَخْرَجَتِ اور باہر نکال ڈالے	الْاَرْضُ زمین	اَثْقَالَهَا اپنے بوجھ	
وَقَالَ اور کہے گا	الْاِنْسَانُ انسان	مَالَهَا اسے کیا ہوگیا؟	يَوْمَئِذٍ اس دن	تُحَدِّثُ بیان کریگی	اَخْبَارَهَا اپنی خبریں حالات	بِاَنَّ کیونکہ	
رَبَّكَ تیرا رب	اَوْحٰى حکم بھیجا	لَهَا اسکو	يَوْمَئِذٍ اس دن	يَصْدُرُ باہر نکلیں گے	النَّاسُ لوگ	اَشْتَاتًا گروہ در گروہ	لِيُرَوْا تا کہ دکھائے
اَعْمَالَهُمْ انکے عمل (جمع)	فَمَنْ پس-جس	يَعْمَلْ کی ہوگی	مِثْقَالَ برابر	ذَرَّةٍ ایک ذرہ	خَيْرًا نیکی	يَرَهٗ اسکو دیکھے گا	وَمَنْ اور جس
يَعْمَلْ کی ہوگی	مِثْقَالَ برابر	ذَرَّةٍ ایک ذرہ	شَرًّا برائی	يَرَهٗ اس کو دیکھے گا			

وجہ تسمیہ اور زمانۂ نزول

اس سورۃ کی ابتداء اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا سے ہوئی ہے یعنی جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جاویگی۔اسی سے سورۃ کا نام زلزلت یا زلزال ہے۔جس میں قیامت کے دن میں زلزلہ عظیم واقع ہونے کی خبر ہے۔اس سورۃ کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

سورۃ کی فضیلت

ترمذی کی ایک حدیث میں حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا زُلْزِلَتِ نصف قرآن کے برابر ہے۔اور قل ھو اللہ احد ایک تہائی قرآن کے برابر ہے اور قل یآ ایھا الکفرون ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور ترمذی کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ اذازلزلت چوتھائی قرآن ہے۔امام جزریؒ نے لکھا ہے کہ چوتھائی قرآن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں چار چیزیں ہیں یعنی چار چیزوں کا بیان ہے۔زندگی‘موت‘حشر حساب اور اس سورۃ میں صرف حساب کا بیان ہے اور اس کو نصف قرآن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں احوال دنیا کا بھی بیان ہے اور احوال آخرت کا بھی اور اس سورۃ میں صرف احوال آخرت کا بیان ہے۔لہذا یہ سورۃ ایک حیثیت سے نصف قرآن ہے اور دوسری حیثیت سے چہارم قرآن‘ایک روایت میں ہے کہ منکرین قیامت پوچھتے تھے کہ قیامت آخر کب آئے گی۔

اس سوال کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اور ایک پہر رات گزری تھی کہ اس کا نزول ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کا انتظار نہ فرمایا اسی وقت گھر سے باہر تشریف لائے اور اس کی تعلیم فرمائی۔ ایک حدیث میں ہے کہ اس کی آخری آیات گویا پورے کلام اللہ کا خلاصہ اور تمام احکام شریعت کی جامع ہیں۔

قیامت کا زلزلہ

اس سورۃ میں قیامت کے تہلکہ خیز زلزلہ کا ذکر فرما کر آخرت میں ملنے والی جزاوسزا کا حال بتلایا گیا ہے۔ قیامت کی اصل حقیقت کیا ہوگی؟ اس کا ٹھیک ٹھیک سمجھ لینا تو اس لئے ممکن نہیں کہ اب تک انسانی تجربہ میں ایسا کوئی واقعہ آیا ہی نہیں ہے۔ جس کو مثال بنا کر وہ اس ہونے والے واقعہ کو سمجھ سکے۔ اس لئے اس واقعہ کو سمجھانے کے لئے ان باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے انسان واقف ہے چنانچہ قیامت کے کتنے ہی مناظر قرآن پاک میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک شکل وہ بھی ہے جسے ہم ایک شدید زلزلہ سے سمجھ سکتے ہیں۔ جس میں زمین اچانک ہلنے لگتی ہے اور اس کی وجہ سے طرح طرح کی تباہی آتی ہے۔ مکان گرتے ہیں۔ زمین پھٹ جاتی ہے پہاڑ گرنے لگتے ہیں اس سورۃ میں اسی شکل کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا جب زمین ایک سخت زلزلہ سے ہلا دی جائے گی یہ کیفیت پہلا صور پھونکنے کے وقت ہوگی۔ ہر جان دار ہلاک ہو جائے گا اور معلوم نہیں کب تک دنیا اسی حالت میں رہے گی۔ اس کے بعد پھر دوسری مرتبہ صور پھونکنے کا حکم ہوگا جب کہ تمام انسان زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ اسی کو فرمایا گیا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا اور زمین اپنا بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ یعنی زمین کے طبقات میں جس قدر بھی بوجھل چیزیں ہیں۔ مثلاً خزانے، سونے چاندی یا ہیرے جواہرات کی کانیں۔ اور مردے وغیرہ سب کچھ باہر نکل پڑے گا۔

انسان کی حیرت

اس وقت زندہ ہو کر کھڑا ہونے والا انسان متعجب اور متحیر ہو کر کہے گا۔ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا کہ زمین کو کیا ہو گیا؟ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں انسان سے کافر انسان مراد ہے چونکہ اس کو قبروں سے اٹھنے کی امید ہی نہ ہوگی اس لئے قبر سے اٹھنے کے وقت وہ یہ بات کہے گا اور مومن کہے گا یہ وہی ہے۔ جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا۔ اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔ الغرض زندہ ہونے والا انسان حیرت زدہ ہو کر کہے گا کہ اس زمین کو کیا ہو گیا کہ اس نے اپنے اندر کی تمام چیزیں یکدم باہر نکال پھینکیں۔

زمین سب حالات بیان کرے گی

آگے بتلایا گیا یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا اس روز زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی جو اس پر گزرے ہوں گے۔ یعنی بنی آدم نے جو برے بھلے کام اس کے اوپر کئے تھے سب ظاہر کر دے گی۔ مثلاً زمین کہے گی کہ فلاں شخص نے مجھ پر نماز پڑھی تھی فلاں نے چوری کی تھی۔ فلاں نے خون ناحق کیا تھا وغیر ذلک۔ گویا آج کل کی زبان میں یوں سمجھو کہ جس قدر اعمال زمین پر کئے جاتے ہیں زمین میں ان سب کے ریکارڈ موجود رہتے ہیں۔ اس طرح انسان کی تمام حرکتوں کا ایک مکمل ریکارڈ پیش کر دیا جائے گا۔

زمین کیسے بولے گی؟

رہی یہ بات کہ زمین یہ کام کس طرح کرے گی؟ تو اس کا جواب بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا میں دے دیا گیا۔ یعنی اس زمین کو اس کے رب کی طرف سے یہی حکم ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ کا اس کو یہ حکم ہوگا کہ وہ اپنی سرگزشت بیان کرے تو یقیناً ایسا کرے گی۔ جو اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق اور سب کچھ کر سکنے والا تسلیم کرتے ہیں انہیں تو اس میں کوئی اشکال پیدا ہی نہیں ہو سکتا مگر جو عقل کے پجاری ہیں وہ سمجھیں کہ انسان کی زبان جو گویائی کا آلہ ہے ایک گوشت کا ٹکڑا ہے خدا تعالیٰ نے اس میں قوت گویائی رکھ دی جس کے لئے چاہا اور جس کے لئے نہ چاہا وہ باوجود زبان کے گونگا رہا۔ اسی طرح اگر خدا چاہے تو یہی قوت گویائی انسان کے کسی دوسرے حصہ میں رکھ دے تو وہ بھی اسی طرح بولنے لگے۔ دیکھنے کی قوت آنکھ میں رکھ دی ہے۔ سونگھنے کی ناک میں اور ٹٹولنے کی تمام جسم میں۔ اگر وہ چاہے تو ایک قوت کو دوسری جگہ رکھ دے یا تمام بدن کو کل قوتوں کا محل بنا دے اور ہر جگہ سے دیکھنے سننے اور ٹٹولنے لگے۔ چنانچہ قیامت کے دن جسم انسانی کے سب اعضاء کو قوت گویائی عطا ہوگی۔ اسی طرح قیامت میں زمین کو بھی قوت گویائی عطا

ہوگی۔ یہ کوئی مشکل یا عجیب یا خلاف عقل بات نہیں اور اب آج کل کے سائنسی دور میں جب کہ ایسی ایسی اختراعات اور ایجادات ہو رہی ہیں جن کا امکان کچھ عرصہ قبل بالکل خلاف عقل سمجھا جاتا تھا مگر اب وہ بالکل معمولی باتیں خیال کی جاتی ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ عقل انسانی نے ان کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ لہٰذا کسی شے کا عدم مشاہدہ اس کے عدم وجود پر دلالت نہیں کر سکتا۔ آج کل کے سائنس دان یہ بات کہتے ہیں کہ انسان جو کچھ بولتا ہے اور وہ جو کچھ حرکات کرتا ہے اس کا اثر لہروں کی شکل میں فضا میں باقی رہتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہم کسی وقت ان لہروں کو پھر آواز کی شکل میں تبدیل کر لیں اور اپنے کانوں سے اسے سن سکیں۔

آگے اسی یوم قیامت کے بارہ میں بتلایا جاتا ہے۔ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ　اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال کے ثمرات کو دیکھ لیں یعنی اس روز لوگ مختلف حالات میں دربار عدالت خداوندی سے حساب و کتاب سے فارغ ہو کر لوٹیں گے۔ کوئی تو خوشی خوشی جنت کی راہ لیں گے اور ہمیشہ کے لئے آرام و راحت کے مزے لیں گے اور کوئی واصل جہنم ہوں گے تاکہ اپنے معاصی کی سزا بھگتیں۔

عمل کا ذرہ ذرہ سامنے آئے گا

اس حقیقت کو بیان کر دینے کے بعد آخر میں تنبیہ کے طور پر انسان کو یہ بات بتا دی گئی۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۞ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۞ سو جو شخص دنیا میں ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کو وہاں بچشم خود دیکھ لے گا۔ اور جو شخص ذرا برابر بھی بدی کرے گا وہ بھی اُس کو وہاں بچشم خود دیکھ لے گا یعنی اے انسان تو اس دھوکہ میں مت رہنا کہ تو اس دنیا میں جیسی چاہے من مانی زندگی گزار رے اس کا کوئی اثر تمہاری آئندہ زندگی پر نہیں پڑنا ایسا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے چھوٹے سے چھوٹے کام بھی تمہارے لئے اچھے یا برے نتیجوں کا سبب بنتے ہیں۔ ہر شخص کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اس کا کوئی کام اکارت نہیں جائے گا۔ ذرہ برابر نیکی کا پھل بھی اس کے سامنے آئے گا اور ذرہ برابر برائی کا نتیجہ بھی اسے بھگتنا پڑے گا۔

خلاصہ: یہ سورت دو مقاصد پر مشتمل ہے۔

اس میں اس زلزلے کی خبر دی گئی ہے جو قیامت سے پہلے واقع ہوگا اور سارے انسان اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور زمین انسان کے اعمال پر گواہی دے گی۔

لوگ حساب و کتاب کیلئے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے پھر ان کے اعمال کے مطابق انہیں دو قسموں میں تقسیم کیا جائے گا بعض شقی ہوں گے اور بعض سعید اور ان میں سے ہر ایک اپنے چھوٹے بڑے اعمال کی جزا دیکھ لے گا۔

سورۃ الزلزال کے خواص

۱......حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو اس سورۃ کو اپنی نماز میں سورۃ الزلزال کو کثرت سے پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے زمین کے خزانوں کو کھول دیں گے۔

۲......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو آدمی اپنی نمازوں میں سورۃ الزلزال کو کثرت سے پڑھے گا اس کو اللہ تعالیٰ ہر خوف سے امن عطا فرمائینگے۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ قیامت و آخرت پر ہم کو ایسا یقین کامل نصیب فرمائیں کہ جو ہم آخرت سے کبھی غافل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا کی زندگی میں ان تمام نیکیوں کی توفیق عطا فرمائیں کہ جو آخرت میں ہمارے کام آئیں۔ اور ان تمام برائیوں سے ہمیں بچالیں کہ جو آخرت میں پکڑ و سزا کا باعث ہوں۔ ہم سے جو برائیاں اب تک صادر ہو چکی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف کر دیں اور ہمارے اعمالنامہ سے ان کو محو فرما دیں تاکہ ہم کو انہیں قیامت میں دیکھنا نہ پڑے اور جو نیکیاں ہم سے اللہ کی توفیق و تائید سے ہو گئی ہیں ان کو تا قیامت ہمارے اعمال نامہ میں ثبت فرما دیں۔ اور آخرت میں باعث اجر و ثواب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿١﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿٢﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿٣﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿٤﴾

قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔ پھر صبح کے وقت تاخت وتاراج کرتے ہیں۔ پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿٥﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿٦﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿٧﴾ وَاِنَّهٗ

پھر اس وقت جماعت میں جا گھستے ہیں۔ بے شک آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر گزار ہے۔ اور اس کو خود بھی اِسکی خبر ہے۔ اور وہ

لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿٨﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ﴿٩﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿١٠﴾

مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے۔ کیا اُس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کئے جاویں گے جتنے مُردے قبروں میں ہیں۔ اور آشکارا ہو جاوے گا جو کچھ دلوں میں ہے۔

اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿١١﴾

بے شک ان کا پروردگار ان کے حال سے اُس روز پورا آگاہ ہے۔

وَالْعٰدِيٰتِ قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی	ضَبْحًا ہانپنے والے	فَالْمُوْرِيٰتِ چنگاریاں اڑانے والے	قَدْحًا سُم جھاڑ کر	فَالْمُغِيْرٰتِ غارت گری کرنیوالے					
صُبْحًا صبح کو	فَاَثَرْنَ پھر اڑائیں	بِهٖ اس سے	نَقْعًا گرد اڑاتے	فَوَسَطْنَ پھر جا گھسیں	بِهٖ اس وقت	جَمْعًا جماعت (فوج)	اِنَّ بیشک		
الْاِنْسَانَ انسان	لِرَبِّهٖ اپنے رب کا	لَكَنُوْدٌ ناشکرا	وَ اور	اِنَّهٗ بیشک وہ	عَلٰى پر	ذٰلِكَ اس	لَشَهِيْدٌ گواہ	وَاِنَّهٗ اور بیشک وہ	لِحُبِّ محبت میں
الْخَيْرِ مال ودولت	لَشَدِيْدٌ البتہ سخت	اَفَلَا پس کیا نہیں	يَعْلَمُ وہ جانتا	اِذَا جب	بُعْثِرَ اٹھائے جائینگے	مَا جو	فِي میں	الْقُبُوْرِ قبروں	
وَحُصِّلَ اور سامنے آجائے گا	مَا جو	فِي میں	الصُّدُوْرِ سینے دل	اِنَّ بیشک	رَبَّهُمْ انکا رب	بِهِمْ ان سے	يَوْمَئِذٍ اس دن	لَخَبِيْرٌ خوب باخبر	

وجہ تسمیہ، مقام نزول اور موضوع

اس سورۃ کی ابتداہی وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا سے ہوئی ہے۔ عدیت جمع ہے۔ عادیۃ کی جس کے معنیٰ ہیں تیز دوڑنے والے گھوڑے۔ چونکہ اس سورۃ میں عادیات یعنی جنگ کے تیز دوڑنے والے گھوڑے کی وفاداری اور جانثاری کا ذکر فرمایا گیا ہے اس لئے اسی لفظ عادیات کو سورۃ کا نام قرار دیا گیا۔ یہ سورۃ مکی ہے۔

مجاہدین کے گھوڑوں کی پانچ صفات کی قسمیں

اس سورۃ کی ابتداء بھی قسمیہ کلام سے فرمائی جاتی ہے۔ عرب چونکہ لڑائی اور جنگ کے دلدادہ تھے اس لئے عربوں کی زندگی میں نزول قرآن کے وقت گھوڑے کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اس لئے انہیں بات سمجھانے کے لئے جنگی گھوڑوں کی مثال سے کام لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے جانوروں میں ایسی خصلت رکھ دی ہے جو انسان کے لئے بھی پسندیدہ خصلت مانی جاتی ہے۔ تو یہاں گھوڑے کی پانچ صفات کا ذکر کیا گیا اور ان کی قسم کھائی گئی۔

پہلی صفت فرمائی وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں یعنی گھوڑا اپنے مالک کا کیسا وفادار خادم ہوتا ہے کہ اس کے اشارہ پر بے تحاشا دوڑتا ہے اور دوڑتے ہوئے ان کے پیٹوں سے ہانپنے کی آواز آتی ہے۔

دوسری صفت فرمائی۔ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا قسم ہے ان گھوڑوں کی جو

پتھروں پر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔ یعنی یہ گھوڑے اس قدر قوی اور تیز رو ہیں کہ جب پتھریلی زمین پر دوڑتے ہیں تو پتھروں پر ان کے ٹاپ اس زور سے پڑتے ہیں کہ ان سے آگ نکلتی ہے۔ گھوڑے کے سموں میں جو آہنی نعل لگے ہوتے ہیں تو پہاڑوں اور پتھریلی زمین میں دوڑنے سے ان کے نعل جو زمین میں لگتے ہیں تو شعلہ یا چنگاریاں نکلتی ہیں۔

تیسری صفت فرمائی فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا قسم ہے ان گھوڑوں کی کہ غارت کرتے ہیں صبح کے وقت۔ عرب میں اکثر عادت صبح کے وقت حملہ کرنے کی تھی۔ رات کو چل کر صبح ہی صبح جبکہ اعداء خواب غفلت میں پڑے ہوتے دفعۃً حملہ کرتے اور مال و اسباب ان کا لوٹ لیتے۔

چوتھی صفت فرمائی فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا قسم ہے ان گھوڑوں کی جو اس وقت غبار اڑاتے ہیں یعنی ایسی تیزی اور قوت سے دوڑنے والے کہ صبح کے وقت جب کہ رات کی سردی اور شبنم کی رطوبت سے گردوغبار دبا رہتا ہے۔ ان کی ٹاپوں سے اس وقت بھی گردوغبار اڑتا ہے اور وہ دشمنوں کی صفوں میں جا گھستے ہیں۔

پانچویں صفت فرمائی فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا قسم ہے ان گھوڑوں کی جو اس وقت دشمنوں کی جماعت میں جا گھستے ہیں۔ یعنی اس وقت بے خوف و خطر دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔

ناشکرا انسان اور اس کی صفات

ان پانچ قسموں کے بعد بطور جواب قسم جوبات فرمائی گئی وہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ہے (بے شک آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے) یہاں انسان سے مراد کافر انسان ہے جس کی توجہ ان گھوڑوں کی طرف دلائی جاتی ہے۔ جو اپنے مالک کے کس قدر مطیع ہوتے ہیں۔ خاص کر میدان جنگ میں تو اپنے آقا کی خاطر جان پر کھیل جاتے ہیں۔ اپنے مالک سوار کے اشارہ پر چلتا ہے۔ دوڑتا ہے ہانپتا ہوا۔ ٹاپیں مارتا اور غبار اڑاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔ تلواروں اور نیزوں اور برچھوں کے سامنے پڑ کر منہ نہیں پھیرتا بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ ایک گھوڑا جس کا مالک گھاس و چارہ اور تھوڑا سا دانہ پانی کھلاتا پلاتا ہے وہ اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے اور کس قدر فرض شناسی سے کام لیتا ہے مگر یہ کافر انسان جس کو اس کے مالک حقیقی نے بے شمار نعمتوں سے مالا مال کیا۔ جو اس مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی دن رات کھاتا پیتا ہے۔ جس کی راحت و آرام کے لئے طرح طرح کے سامان اس کے منعم و محسن حقیقی نے مہیا کئے۔ جس کو اس کے مالک حقیقی نے فہم و فراست علم و عقل اور نیک و بد میں تمیز کا مادہ عنایت فرمایا لیکن پھر بھی وہ اپنے مالک حقیقی کی اطاعت سے گریز کرتا ہے۔ اپنے فرض منصبی کو فراموش کئے ہوئے ہے۔ اپنے منعم حقیقی کی ناشکر گزاری کرتا ہے۔ بیشک یہ کافر انسان بڑا ناشکرا اور بڑا نالائق ہے۔ کہ ایک جانور گھوڑے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔ اس کی حالت تو حیوانوں سے بھی بدر جہا بدتر ہے۔

اسی کافر انسان کے متعلق آگے فرمایا گیا وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ اور اس کو خود بھی اس کی خبر ہے یعنی انسان خود اپنی ناشکری پر زبان حال سے گواہ ہے۔ اگر یہ اپنے ضمیر کی آواز کی طرف متوجہ ہو تو سن لے کہ اندر سے خود اس کا دل کہہ رہا ہے کہ تو بڑا ناشکرا ہے۔ ایسے ناشکرے انسان کی حالت آگے بتلائی گئی۔ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے یعنی لالچ، حرص و طمع، بخل و امساک نے جو اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اس کو اندھا بنا رکھا ہے۔ دنیا کے زر و مال کی محبت میں اس قدر غرق ہے کہ منعم حقیقی کو بھی فراموش کر بیٹھا اور نہیں سمجھتا کہ آگے چل کر اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔

قبر و حشر کو سامنے رکھو

سورۃ کے اخیر میں ایسے احسان فراموش اور ناشکر گزار انسان کو جتلایا گیا اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ یعنی وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ جب قیامت کے دن سب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور مردہ جسم قبروں سے نکل کر زندہ کھڑے کئے جاویں گے اور دونوں میں جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں سب کھول کر رکھ دی جائیں گی۔ اس وقت ان اعمال بد اور عقائد فاسدہ کی سزا دی جائے گی اس وقت دیکھیں یہ مال

کہاں تک کام دے گا اور نالائق ناشکرا انسان کہاں چھوٹ کر جائے گا اور ہر چند کہ اللہ کا علم ہر وقت بندے کے ظاہر و باطن پر محیط ہے اور بندہ کی ہر حرکت و سکون سے ہر وقت آگاہ ہے لیکن اس روز اس کا علم ہر شخص پر ظاہر ہو جائے گا اور کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے گی۔

خلاصہ

اس سورت میں تین اہم مضامین بیان ہوئے ہیں:

مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم کھا کر فرمایا گیا کہ انسان بڑا ناشکرا ہے اور اس کے ناشکرا ہونے پر خود اس کے اعمال گواہ ہیں۔ گھوڑا اپنے مالک کا وفادار ثابت ہوتا ہے، اسے خوش کرنے کیلئے تیروں کی بارش اور کوندتی تلواروں میں گھس جاتا ہے مگر ہائے رے انسان کہ یہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اپنے مالکِ حقیقی سے بے وفائی کرتا ہے۔

انسان کی فطرت اور طبیعت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے اس کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو دوسری تلاش کرتا ہے اور دوسری ہو تو تیسری تلاش کرتا ہے اور اس کے منہ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

انسان کو ان اعمال صالح پر برانگیختہ کیا گیا ہے جو اسے اس وقت فائدہ دیں گے جب اسے حساب و جزا کیلئے پیش کیا جائے گا اور بندوں کے سینوں میں جو راز ہیں، آشکارا کر دیئے جائیں گے۔

سورۃ العادیات کا خلاصہ

١...... جو آدمی اس سورۃ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا وہ ہر خوف سے محفوظ رہے گا۔

٢...... جو آدمی اس سورۃ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا اس کے لئے رزق آسان ہو جائے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو انسان بنایا اور پھر انسان بنا کر اسلام اور ایمان کی دولت سے نوازا۔

یا اللہ قیامت و آخرت کا یقین کامل ہی ہم کو معصیت اور گناہوں سے روک سکتا ہے آج ہم جو نافرمانی میں بے باک ہو گئے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ آخرت کی جزا و سزا کا خیال دل سے نکل گیا ہے۔ یا اللہ ہمیں آخرت کی ایسی یاد اور دھیان عطا فرما دے جو ہمیں آپ کا فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھے اور ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے۔ آمین۔

یَااَللّٰہُ میں نے عجب کیا ہو، ریاکاری کی ہو، کوئی آخرت کا عمل شہوت کی نیت سے کیا ہو، کینہ، حسد، تکبر، اسراف، کذب، غیبت، خیانت، چوری، اپنے اوپر اترانا، دوسرے کو ذلیل کرنا یا اس کو حقیر سمجھ کر یا حمیت و عصبیت میں آ کر بے جا سخاوت، ظلم، لہو و لعب، چغلی یا اور کوئی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو جس کے سبب میں ہلاکت میں آ گیا ہوں، الٰہی! مجھے معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْقَارِعَةُ ۝١ مَا الْقَارِعَةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝٣ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ

وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔کیسی ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔اور آپکو کچھ معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔جس روز آدمی پریشان پروانوں

الْمَبْثُوْثِ ۝٤ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝٥ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٦ فَهُوَ

کی طرح ہوجاویں گے۔اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہوجاویں گے۔پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا۔وہ تو

فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٨ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝٩ وَمَآ اَدْرٰكَ

خاطر خواہ آرام میں رہیں گے۔اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا۔اُس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔اور آپ کو کچھ معلوم ہے

مَا هِيَهْ ۝١٠ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝١١

کہ وہ کیا چیز ہے۔ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔

اَلْقَارِعَةُ کھڑکھڑانے والی	مَا الْقَارِعَةُ کیا ہے کھڑکھڑانے والی	وَمَا اور کیا	اَدْرٰكَ تم سمجھے	مَا الْقَارِعَةُ کیا ہے کھڑکھڑانے والی	يَوْمَ جس دن			
يَكُوْنُ ہوں گے	النَّاسُ لوگ	كَالْفَرَاشِ پروانوں کی طرح	الْمَبْثُوْثِ بکھرے ہوئے	وَتَكُوْنُ اور ہوں گے	الْجِبَالُ پہاڑ	كَالْعِهْنِ رنگین اُون کی مانند		
الْمَنْفُوْشِ دھنکی ہوئی	فَاَمَّا پس جو	مَنْ جو	ثَقُلَتْ بھاری ہوئے	مَوَازِيْنُهٗ اس کے وزن	فَهُوَ سو وہ	فِيْ میں	عِيْشَةٍ عیش و آرام	
رَّاضِيَةٍ پسندیدہ	وَاَمَّا اور جو	مَنْ جو	خَفَّتْ ہلکے ہوئے	مَوَازِيْنُهٗ ان کے وزن	فَاُمُّهٗ تو اس کا ٹھکانہ	هَاوِيَةٌ ہاویہ	وَمَآ اَدْرٰكَ اور تم کیا سمجھے	
مَا هِيَهْ کیا ہے وہ؟	نَارٌ آگ	حَامِيَةٌ دہکتی ہوئی						

وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول وغیرہ

اس سورۃ کی ابتداء ہی لفظ اَلْقَارِعَةُ سے ہوئی ہے۔قارعۃ کے معنٰی ہیں اچانک آ جانے والی مصیبت۔کھڑکھڑانے والا حادثہ۔ یہاں القارعۃ سے مراد حادثہ قیامت ہے چونکہ قیامت بھی اچانک اور ناگہاں آ جانے والی مصیبت اور حادثہ عظیم ہے اسی لئے اس کو القارعۃ کہا گیا۔اور اسی لفظ سے سورۃ کو موسوم کیا گیا۔یہ سورۃ بھی مکی ہے۔

تمہیں معلوم ہے قیامت کیا ہے؟

قرآن کریم کا ایک انداز بیان یہ بھی ہے کہ جب کسی بات پر زور دینا ہوتا ہے تو اسے پہلے سوالیہ انداز میں سامنے رکھا جاتا ہے اور پھر خود ہی جواب دے دیا جاتا ہے۔اس طرح ایک سادہ جملہ کے مقابلہ میں بات کہیں زیادہ موثر ہو جاتی ہے۔اور پڑھنے والے یا سننے والے کے ذہن پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔قیامت جو ایک انتہائی ہولناک وقت ہوگا اس کے بارہ میں ابتدائی تین آیات اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ میں یہی انداز بیان اختیار کیا گیا ہے۔وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔وہ کھڑکھڑانے والی چیز؟ وہ کھڑکھڑانے والی کیسی ہے اور آپ کو معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز مراد قیامت ہے جو قلوب کو سخت فزع اور گھبراہٹ سے اور کانوں کو نہایت ہولناک آوازوں سے کھڑکھڑا ڈالے گی۔مطلب یہ ہے کہ حادثہ قیامت کے اس ہولناک منظر کا کیا بیان ہو بس اس کے بعض آثار آگے بیان کر دیئے

جاتے ہیں جن سے اس کی سختی اور شدت کا قدرے اندازہ ہوسکتا ہے۔

میدان حشر کا ایک منظر

آگے قیامت میں میدان حشر کا ایک منظر بتلایا گیا یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ جس دن لوگ میدان حشر میں پریشان پروانوں کی طرح ہوجائیں گے۔یعنی جیسے برسات کے دنوں میں پتنگے اور کیڑے مکوڑے ڈھیر کے ڈھیر نکل پڑتے ہیں اور دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سارے میدان میں یہی بکھرے ہوئے ہیں۔بس اسی منظر سے ملتا جلتا وہ منظر ہوگا جب تمام انسان دوبارہ جی اٹھیں گے اور ہر طرف ان کے غول کے غول دکھائی دیں گے اور میدان حشر میں پروانوں اور پتنگوں کی طرح حیران و پریشان بکھرے پڑے ہوں گے۔بے قراری اور بے تابی میں ادھر ادھر مارے پھریں گے۔گویا پروانوں کے ساتھ تشبیہ ضعف' کثرت بے تابی اور حیرانی و پریشانی میں ہوئی۔

ایک دوسرا منظر

آگے قیامت کا ایک دوسرا منظر بیان فرمایا وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوجائیں گے۔یعنی پہاڑ اپنے وزن اور اپنی جسامت کے لحاظ سے انسانی ذہن پر اپنی عظمت اور ہیبت کا ایک اثر ڈالتے ہیں تو یہ بھاری بھرکم وجود بھی قیامت کی ٹوٹ پھوٹ کے اثر سے فضا میں اس طرح اڑتے پھریں گے جیسے دھنی ہوئی اون یا جیسے روئی کو دھنک کر ایک ایک پھاہا کر کے اڑا دیتا ہے۔اور رنگین اون سے اس لئے تشبیہ دی کہ دنیا میں مختلف رنگوں کے پہاڑ ہیں جیسے سنگ مرمر کے پہاڑ سفید ہوتے ہیں اور سنگ سرخ کے پہاڑ سرخ اور سنگ سیاہ کے پہاڑ سیاہ۔یہ پے در پے زلزلہ وغیرہ سے چورا چورا ہوکر فضا میں اڑتے پھریں گے۔انسانوں کو یقیناً قیامت کی ہولناکی اور شدت کا اندازہ اس منظر سے بھی ہوسکتا ہے۔

آخرت کی راحت وعذاب کا مدار

قیامت کی ہولناکی اور آخرت کے انجام کا ذکر جو بار بار قرآن میں آتا ہے اس کی غرض یہی ہے کہ انسان کسی وقت یہ نہ بھولنے پائے کہ اس دنیا کی زندگی کا ایک انجام بھی ہے۔اسے مرکر پھر ایک بار زندہ ہونا ہے اور پھر وہ زندگی ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔اور اس زندگی کی کامیابی کا مدار صرف اس بات پر ہے کہ انسان دنیا کی زندگی میں کیا کما کر ساتھ لے گیا۔یہی بات اخیر کی آیتوں میں دہرائی گئی ہے۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔یعنی جس نے دنیا کی زندگی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ گزاری ہوگی اور قانون خداوندی کو خضر راہ بنایا ہوگا تو پھر اس کی تول بھاری نکلے گی۔اول تو ایمان کی تول ہی وزن میں بھاری ہوگی پھر نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' صدقات' خیرات کی گراں باری ہوگی۔پھر شہوات ولذات سے صبر' اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت یہ حسنات کے پلے کو اور بھی بھاری بنادے گی۔نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے لوگ دل پسند زندگانی حیات جاودانی اور ہر طرح کامرانی میں ہوں گے۔یہ جملہ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ بڑا وسیع المعنی جملہ ہے۔آخرت کی تمام نعمتیں جنت اور اس کی راحتیں اور وہاں کی خوشی و سرور اور دیدار الٰہی کی نعمت من مانے عیش اور خاطر خواہ آرام سب عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ میں شامل ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو بھی ان بندوں میں شامل فرمالیں جن کو عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ نصیب ہوگا۔آمین۔

تو یہ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ یعنی من مانا عیش ان کے لئے ہوگا جن کے اعمال ایمان واخلاص کی وجہ سے وزنی ہوں گے اور جن کا نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا۔باقی رہے وہ جن کا ایمان کا پلہ ہلکا ہوگا۔جنہوں نے اپنی دنیاوی زندگی اپنی خواہشات میں اور لذات وشہوات میں گزاری ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے قوانین سے بغاوت اور نافرمانی کی ہوگی۔جو اپنے کفر و معاصی پر اڑے رہے اور دنیا پر فریفتہ رہے اور اسی عشق دنیا میں بڑی ثابت قدمی دکھلائی تو آخرت میں ان کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔ہاویہ کے لفظی معنی گڑھے کے ہیں یہاں مراد جہنم کا گڑھا ہے آگے ہاویہ کے متعلق بتلایا جاتا ہے۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِیَهْ نَارٌ حَامِیَةٌ اور اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ ہاویہ کیا چیز ہے۔وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔یعنی جو عذاب شدید اس طبقہ میں

ہے کچھ سمجھ میں نہیں آ سکتا بس اتنا سمجھ لو کہ وہ ایک آگ ہے نہایت گرم دہکتی ہوئی جس کے مقابلہ میں گویا دوسری آگ کو گرم کہنا نہ چاہئے۔ اللهم اعاذنا الله منها ۔اے اللہ آپ اپنے کرم وفضل سے اس ہاویہ کے قرب ہونے سے بھی ہم سب کو بچایئے گا۔

اس سورۃ میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

''وہ کھڑ کھڑانے والی چیز۔کیسی ہے وہ کھڑ کھڑانے والی چیز؟ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑ کھڑانے والی چیز مراد قیامت ہے۔جس روز آدمی پریشان پروانوں کی طرح ہو جاویں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جاویں گے پہاڑ اڑتے پھریں گے پھر وزن اعمال کے بعد جس شخص کا پلہ ایمان کا بھاری ہوگا یعنی وہ مومن ہوگا تو وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا۔یعنی ناجی ہوگا اور جس شخص کا پلہ ایمان کا ہلکا ہوگا یعنی وہ کافر ہوگا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ ہاویہ کیا چیز ہے وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔''

آخرت میں اعتقاد واعمال کے لحاظ سے تین گروہ

یہاں ان آیات فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا اور وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا ان میں مومن اور کافر کا بیان فرمایا گیا ہے۔اور دونوں کا انجام بھی بتلایا گیا ہے قیامت میں پہلے کافر و مومن میں امتیاز کر دیا جائے گا۔کافر تو ابدالآباد کے لئے واصل جہنم ہوں گے پھر مومنین کے حسنات وسیئات کا وزن کیا جائے گا۔اگر حسنات غالب ہوئے تو جنت اور اگر سیئات غالب ہوئے تو اس کا معاملہ مشیت الٰہی پر موقوف ہوگا۔یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو سزا کے لئے دوزخ میں داخل کر دیں گے اور پھر سزا کے بعد مغفرت ہو جائے گی۔یا چاہیں گے تو بغیر سزا گناہ بخش دیں گے اور جنت میں بھیج دیں گے۔اپنی مخصوص رحمت کے سبب یا بوجہ شفاعت۔

یہاں پر ایک تیسرے فریق کا ذکر نہیں کیا گیا اور وہ وہ ہوں گے جن کے نیکی اور بدی کا وزن برابر ہوگا۔یہ اعراف والوں میں سے ہوں گے اور بالآخر وہ بھی جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔اصحاب اعراف کا ذکر آٹھویں پارہ سورۂ اعراف میں بیان ہوا ہے۔

اعمال کا وزن ہوگا گنتی نہیں

ان آیات فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ کے تحت علمائے مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان آیات میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آخرت میں انسانوں کے اعمال وزن کئے جائیں گے اور تولے جائیں گے۔ان اعمال کا شمار اور گنتی نہیں کی جائے گی اور نصیحت وہدایت یہاں یہ فرمائی ہے کہ اعمال کا وزن بقدر اخلاص اور مطابقت سنت کے بڑھتا ہے۔چنانچہ جس مومن کے عمل میں اخلاص بھی کامل ہو اور سنت کی مطابقت بھی ہو تو اگرچہ اس کے اعمال تعداد وشمار میں کم ہوں لیکن ان کا وزن اس شخص کے اعمال سے بڑھ جائے گا جس نے تعداد میں نماز' روزے' صدقہ خیرات' حج عمرے وغیرہ تو بہت کئے مگر اخلاص میں کمی رہی یا سنت کی مطابقت میں کمی رہی۔تو معلوم ہوا کہ اعمال میں وزن پیدا کرنے والی دو چیزیں ہیں ایک اخلاص یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عمل کا ہونا اور دوسری چیز سنت کے موافق اور مطابق عمل کا ہونا۔اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے اعمال میں اخلاص اور سنت کی موافقت ومطابقت نصیب فرمائیں۔

خلاصہ

اس سورت میں قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا گیا ہے جب قیامت قائم ہوگی تو نظام کائنات میں بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہوں گی جو انسان کو حیران اور ششدر کر دیں گی۔سورت کے اختتام پر بتلایا گیا کہ قیامت کے دن انسان کے اعمال کا وزن ہوگا' کسی کی حسنات زیادہ ہوں گی اور کسی کی سیئات اور انہیں کے اعتبار سے انسان کے انجام کا تعین ہوگا۔

سورۃ القارعۃ کے خواص

١...جس آدمی کا روزگار تنگی کا شکار ہو تو وہ سورۃ القارعہ کو لکھ کر گلے میں پہنے،رزق فراخ ہو جائے گا۔

٢...جو آدمی روزانہ سورۃ القارعہ کی قرأت کا معمول رکھے وہ امن میں رہیگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

فخر کرنا تم کو غافل کئے رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ پھر ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴿۷﴾

ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لیتے۔ واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ پھر واللہ تم لوگ ضرور اُس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو کہ خود یقین ہے۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾

پھر اس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ ہوگی۔

أَلْهٰكُمْ تمہیں غفلت میں رکھا	التَّكَاثُرُ کثرت کی خواہش	حَتّٰى یہاں تک کہ	زُرْتُمُ تم نے زیارت کی	الْمَقَابِرَ قبریں	كَلَّا ہرگز نہیں	سَوْفَ عنقریب	
تَعْلَمُوْنَ تم جان لو گے	ثُمَّ پھر	كَلَّا ہرگز نہیں	سَوْفَ جلد	تَعْلَمُوْنَ تم جان لو گے	كَلَّا ہرگز نہیں	لَوْ تَعْلَمُوْنَ کاش تم جانتے	عِلْمَ الْيَقِيْنِ علم یقین
لَتَرَوُنَّ تم ضرور دیکھو گے	الْجَحِيْمَ جہنم	ثُمَّ پھر	لَتَرَوُنَّهَا ضرور اسے دیکھو گے	عَيْنَ الْيَقِيْنِ یقین کی آنکھ	ثُمَّ پھر	لَتُسْئَلُنَّ تم ضرور پوچھے جاؤ گے	
يَوْمَئِذٍ اس دن	عَنِ سے بابت	النَّعِيْمِ نعمتیں					

سورۃ کی وجہ تسمیہ اور فضیلت وغیرہ

اس سورۃ کی ابتدا ہی أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ سے ہوئی ہے۔ اسی سے سورۃ کا نام التکاثر ماخوذ ہے۔ اس سورۃ کی فضیلت ایک حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کسی میں طاقت نہیں کہ ہزار آیات روز پڑھ لیا کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہزار آیات روز کون پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا کیا تم میں سے کوئی روز أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ بھی نہیں پڑھ سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ تنہا اس سورۃ کی تلاوت گویا ایک ہزار آیات کی تلاوت کے برابر ہے۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔

شان نزول

اس سورۃ کے شان نزول کے سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث ومفسر دہلویؒ نے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ قریش کے قبائل بنی عبد مناف اور بنی سہم میں سے ہر قبیلہ نے کہا کہ ہم میں سردار اور عزت مند آدمی تم سے زیادہ ہیں اور ہماری تعداد بھی تم سے زیادہ ہے لہٰذا سرداری ہمارا حق ہے۔ گنتی کی تو بنی عبد مناف زیادہ نکلے۔ پھر کہنے لگے کہ اب ہم اپنے مردوں کو شمار کریں گے چنانچہ قبرستان میں جا کر مردوں کو شمار کیا تو بنی سہم کی تعداد بڑھ گئی کیونکہ دور جاہلیت میں ان کی تعداد زیادہ تھی۔ غرض اس بیہودہ تفاخر کی برائی پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس میں متنبہ کیا گیا کہ کثرت مال و دولت، جاہ وحشمت، عزت ومرتبت پر نازاں نہ ہونا چاہئے۔ یہ چیزیں قابل فخر نہیں۔

دنیاوی حرص ہلاکت ہے

اس سورۃ کا مضمون ہر اس شخص کے بارہ میں ٹھیک ہو سکتا ہے جو دنیا کی طلب میں سرگرداں ہو اور ہر آن اسی دھن میں لگا ہو کہ دنیا کا ساز وسامان عزت وجاہت، مال و دولت زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جائے چنانچہ سورۃ کی ابتداء اس طرح فرمائی گئی أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ تکاثر یعنی دنیوی ساز وسامان پر فخر کرنا تم کو آخرت

سے غافل کئے رکھتا ہے۔ یعنی مال واولاد کی کثرت اور دنیا کے ساز و سامان کی حرص آدمی کو غفلت میں پھنسائے رکھتی ہے۔ نہ اپنے مالک اور خالق کا دھیان آنے دیتی ہے نہ آخرت کی فکر۔ بس شب و روز یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال و دولت کی بہتات ہو اور میرا کنبہ قبیلہ اور جتھا سب سے غالب رہے۔ اور یہ پردۂ غفلت نہیں اٹھتا یہاں تک کہ آدمی کو موت آجاتی ہے۔ جب قبر میں پہنچتا ہے تو پتہ لگتا ہے کہ سخت غفلت اور بھول میں پڑا ہوا تھا۔ یہ دنیا کی چہل پہل محض چند روزہ تھی۔ موت کے بعد وہ سب سامان ہیچ بلکہ وبال جان تھے۔ مسلم و ترمذی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن الشخیرؓ سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ رہے تھے پھر فرمایا کہ ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال' تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا یا خیرات کر دی اور جاری کر دیا۔ اور دوسری روایت میں جاری کر دیا کے بجائے ذخیرہ کر لیا کے الفاظ ہیں۔

عنقریب حقیقت کھلنے والی ہے

سورۃ میں آگے فرمایا جاتا ہے کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ پھر ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جاوے گا۔ یعنی دیکھو بار بار تاکید کہا جاتا ہے کہ تمہارا یہ خیال صحیح نہیں کہ مال دولت و اولاد اور دنیوی ساز و سامان کی بہتات ہی کام آنے والی چیز ہے۔ عنقریب مرتے ہی اور قبر میں جاتے ہی تم معلوم کر لو گے کہ یہ زائل اور فانی دنیوی ساز و سامان ہرگز فخر و مباہات کے لائق نہ تھا۔ پھر سمجھ لو کہ تم کو قبر سے نکلتے ہی حشر میں معلوم ہو جاوے گا کہ آخرت ایسی چیز نہیں کہ جس سے انکار کیا جائے یا غفلت برتی جائے۔ اور تم کو بہت جلد حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ اصل زندگی اور عیش تو آخرت کا ہے اور دنیا اس زندگی کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ یہ حقیقت بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت کھل جاتی ہے لیکن قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد محشر میں سب کو پوری طرح کھل جائیگی۔

کاش تم یقین کر لیتے!

آگے فرمایا جاتا ہے۔ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لیتے یعنی پھر تم کو اے لوگو متوجہ کیا جاتا ہے کہ ہرگز یہ دنیا کے ساز و سامان اور چیزیں قابل فخر و توجہ کے اور آخرت قابل غفلت و انکار کے نہیں اگر تم یقینی طور پر دلائل صحیحہ سے اس بات کو جان لیتے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے سب سامان ہیچ ہیں تو ہرگز اس فخر و غفلت میں نہ پڑتے۔ اس غفلت و انکار کا نتیجہ دوزخ ہے وہ تم کو دیکھنا پڑے گا اول تو اس کا کچھ اثر مرنے کے بعد برزخ ہی میں نظر آجائے گا پھر آخرت میں تو پوری طرح دیکھ کر عین الیقین حاصل ہو جائے گا۔ اسی کو فرمایا گیا لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ پھر مکرر تاکید کے لئے کہا جاتا ہے کہ واللہ تم لوگ ضرور اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو کہ خود یقین ہے۔

کسب مال کی حدود

مگر یہاں ایک ضروری بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ بقدر حاجت ضروریات دنیا کا مال حاصل کرنے کی کوشش کرنا نہ کوئی بری بات ہے اور نہ اس کی مذمت ہے بلکہ عین ثواب اور داخل عبادت ہے اگر نیت اور عمل صحیح ہو اور بہت سے کار خیر اور آخرت کی سعادتیں حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ کسی دوسرے کا دست نگر رہنا' یا سوال کر کے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا یہ شریعت اسلامیہ میں نہایت ناپسندیدہ ہے ہاں حصول دنیا میں غرق ہو جانا آتش حرص کا ہر وقت شعلہ زن رہنا۔ بے کار اور لغو باتوں میں ہمہ تن مستغرق ہو جانا۔ سعادت اخرویہ سے بالکل غافل یا منکر رہنا یہ سرتاپا حماقت و جہالت ہے اور ایسی ہی دنیا طلبی کی مذمت کی گئی ہے اس لئے دنیا کے کاموں کی مشغولیت اور دنیا سے جو تمتع فکر آخرت کے تحت ہو اور آخرت کا راستہ اس سے کھوٹا نہ ہوتا ہو وہ مذموم اور ممنوع نہیں بلکہ وہ تو جنت تک پہنچنے کا زینہ ہے۔

نعمتوں کا جواب دینا ہوگا

آخیر میں فرمایا جاتا ہے۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ

پھر اس دن تم سے ساری نعمتوں کی پوچھ ہوگی۔ یعنی آج جن نعمتوں پر پھولے ہوئے ہو اور ان کے ازدیاد کی حرص میں لگے ہوئے ہو آخرت سے غافل اور مالک حقیقی کے ناشکرے بنے ہوئے ہو قیامت میں ان نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ جو نعمتیں ظاہری و باطنی' جسمانی وروحانی دنیا میں عطا کی گئی تھیں ان کا حق تم نے کیا ادا کیا اور منعم حقیقی کو کہاں تک خوش رکھنے کی سعی کی۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسی نعمتوں میں ہم ہیں جو کی روٹی وہ بھی آدھی بھوک ملتی ہے۔ پیٹ بھر کر نہیں ملتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ ان سے فرمائیں کیا تم جوتہ نہیں پہنتے (جو گرمی کی تکلیف سے بچاتا ہے) ٹھنڈا پانی نہیں پیتے۔ یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہیں۔

عجیب واقعہ

اس آیت کی تفسیر کے تحت حضرت علامہ عبدالحق دہلویؒ نے اپنی تفسیر حقانی میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ کوئی مفلس شخص افلاس اور غربت سے تنگ آ کر خدا تعالیٰ کا شاکی ہوا اور سفر کو گیا وہاں ایک جگہ اس کو اس قدر مال و زر حاصل ہوا کہ تین خچر لاد کر گھر کی طرف واپس چلا۔ راستہ میں کہیں پانی نہ ملا اور گرمی سے ہلاکت کی نوبت پہنچی تب ایک شخص نمودار ہوا جس کے پاس ٹھنڈا پانی تھا۔ اس سے پانی کا سوال کیا۔ اس نے کہا کہ ایک خچر مال کا دے تو دیتا ہوں۔ ناچار ہو کر دینا پڑا ورنہ پیاس سے موت سامنے نظر آتی تھی۔ پانی پی کر جان بچائی اور دو خچر لے کر چلا۔ اب بھوک لگی اور سخت بے تابی ہوئی۔ ہلاکت کی نوبت آ گئی۔ تب ایک شخص ملا جس کے پاس کھانا تھا۔ اس سے سوال کیا اس نے کہا کہ اگر ان دو خچروں میں سے ایک دے تو دیتا ہوں ورنہ بھوک سے مرے گا اور دونوں خچر یہیں رہ جائیں گے۔ مجبوراً ایک خچر دے کر روٹی لی اور پیٹ بھر کر کھایا۔ آگے چل کر اس کے پیٹ میں پاخانہ پیشاب بند ہو جانے سے شدت کا درد ہوا کہ ہلاکت کی نوبت آ گئی۔ ایک شخص طبیب نمودار ہوا اور اس نے کہا کہ یہ خچر مجھے دے تو ابھی آرام ہوتا ہے۔ آخر جان عزیز تھی وہ بھی دے دیا تو درد سے نجات ملی۔ تب ہاتف غیب سے آواز آئی کہ روٹی اور ٹھنڈا پانی اور درد سے سلامتی اس قدر مال دے کر لی ہے۔ اس سے پہلے تجھے خدا ہمیشہ مفت دیتا رہا اس پر بھی تو اس کا شاکی ہوا۔ یہ کیا انصاف ہے؟ وہ شخص بہت رویا اور تائب ہوا۔

خلاصہ

اس سورت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو صرف دنیا کی زندگی کو اپنا مقصد بنا لیتے ہیں اور دنیا کا ایندھن جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں' ان کے انہماک کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ انہیں دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے لیکن پھر اچانک موت آ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور انہیں قصر سے قبر کی طرف منتقل ہونا پڑتا ہے' ان لوگوں کو ڈرایا گیا کہ قیامت کے دن تمام اعمال کے بارے میں سوال ہوگا۔ پھر تم جہنم کو ضرور دیکھو گے اور تم سے اللہ کی نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ امن' صحت' فراغت' اکل وشرب' مسکن' علم اور مال و دولت جیسی نعمتوں کو کہاں استعمال کیا؟

خواص سورۃ التکاثر

۱- اگر کسی آدمی کو سر درد ہو، یا آدھے سر میں درد ہوتا ہو تو اس پر عصر کی نماز کے بعد یہ سورۃ پڑھ کر دم کیا جائے، ان شاء اللہ درد ختم ہو جائیگا۔

۲- جو آدمی بارش کا پانی اس سورۃ کو پڑھتے ہوئے جمع کرے اور پھر اس پانی کو کسی مشروب میں ملا لے تو اس مشروب کی افادیت اور نفع بہت بڑھ جائے گا۔

۳- جو آدمی روزانہ اس سورۃ کی تلاوت کا معمول رکھے وہ خوشحال ہو جائے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا

قسم ہے زمانہ کی کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے

بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

وَالْعَصْرِ قسم زمانہ کی	اِنَّ بیشک	الْاِنْسَانَ انسان	لَفِيْ میں	خُسْرٍ خسارہ	اِلَّا سوائے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	وَ اور
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے عمل کئے نیک	وَتَوَاصَوْا اور انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی	بِالْحَقِّ حق کی	وَتَوَاصَوْا اور وصیت کی	بِالصَّبْرِ صبر کی			

وجہ تسمیہ اور زمانۂ نزول وغیرہ

اس سورۃ کی ابتدا ہی وَالْعَصْرِ سے فرمائی گئی ہے یعنی قسم ہے زمانے کی۔ ''عصر'' عربی زبان میں زمانہ کو کہتے ہیں۔ اسی سے سورۃ کا نام العصر ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ مکی ہے۔

شان نزول

اس سورۃ کے شان نزول کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ ابوالاسد ایک کافر تھا اور زمانہ جاہلیت میں وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دوست تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لے آئے تو یہ ابوالاسد کافران سے کہنے لگا کہ اے ابوبکر تمہاری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے۔ تم نے تو اپنی ہوشیاری اور ذکاوت سے تجارت میں بہتیرا مال پیدا کیا اور کبھی تم نے نقصان نہیں اٹھایا۔ اب یکلخت ایسے گھاٹے میں پڑے کہ آبائی دین چھوڑ کر لات وعزیٰ کی عبادت سے محروم اور ان کی شفاعت سے مایوس ہو گئے۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ اے بے وقوف جو اللہ اور اللہ کے رسول کا تابعدار بنتا ہے اور دین حق کو قبول کرتا ہے وہ کبھی نقصان میں نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں حضرت صدیقؓ کے کلام کا حسن ظاہر فرمایا اور اس کافر کے خیال باطل کی بدلائل وشواہد تردید فرمائی اور قسمیہ کلام کے ساتھ اس سورۃ میں فرمایا گیا کہ انسان آخر میں ٹوٹا اور خسارہ اٹھائے گا سوائے ان لوگوں کے کہ جو زندگی میں ایمان لائے اور عمل صالح کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

سورۃ العصر کا مقام ومرتبہ

فی الحقیقت یہ اگرچہ ایک چھوٹی سی سورۃ ہے لیکن سارے دین و حکمت کا خلاصہ ہے۔ اس سورۃ کے بارہ میں امام شافعیؒ کا قول مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر قرآن کریم میں سے صرف یہی سورۃ نازل کر دی جاتی تو سمجھدار بندوں کی ہدایت کے لئے کافی تھی۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین کا دستور تھا کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے تو جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورۃ سنایا کرتے تھے۔ ایک پڑھتا تو دوسرا سنتا پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے سلف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

عصر کی قسم

اس سورۃ کی ابتداء بھی قسمیہ کلام سے فرمائی گئی ہے اور حق تعالیٰ شانہ نے عصر کی قسم کھائی۔ وَالْعَصْرِ عصر زمانہ کو کہتے ہیں یعنی قسم ہے زمانہ کی کہ جس میں انسان کی عمر بھی داخل ہے۔ دوسرے معنیٰ مفسرین نے والعصر سے مراد یہ لئے ہیں کہ قسم ہے نماز عصر کے وقت کی کہ جو

کاروباری دنیا میں خاص مشغولیت اور شرعی نقطہ نظر سے نہایت فضیلت کا وقت ہے۔ حتیٰ کہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کی نماز عصر فوت ہوگئی گویا اس کا سب گھر بار لٹ گیا۔ تیسری مراد یہاں والعصر سے بعض مفسرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کو لیا ہے یعنی قسم ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کی جس میں رسالت عظمیٰ اور خلافت کبریٰ کا نور اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمکا۔ لیکن مشہور پہلا قول ہی ہے یعنی حق تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھائی کہ جس میں رنج وخسران واقع ہوتا ہے۔

انسان نقصان میں ہے

بطور جواب قسم کے فرمایا۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے اور اس سے بڑھ کر ٹوٹا اور خسارہ کیا ہوگا کہ برف بیچنے والے دکان دار کی طرح ہر لحظہ اور ہر گھڑی اس کی عمر عزیز دم بدم کم ہوتی جارہی ہے اور جو لمحہ گزر اوہ پھر کبھی واپس نہیں آتا۔ اگر اس کی عمر رواروی میں کوئی ایسا کام نہ کر لیا جس سے یہ عمر رفتہ ٹھکانے لگ جائے بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لئے کارآمد بن جائے تو پھر خسارہ اور نقصان کی کوئی انتہا نہیں۔ انسان گذشتہ کے حالات و تاریخ کو دیکھے اور خود اپنی زندگی کے واقعات پر غور کرے تو ادنیٰ غور و فکر سے ثابت ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے انجام بینی سے کام نہ لیا اور مستقبل سے بے پروا ہو کر محض خالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخر کس طرح ناکام و نامراد بلکہ تباہ و برباد ہو کر رہے۔ انسان کو چاہیے کہ وقت کی قدر پہچانے اور اس عمر عزیز کے لمحات کو یونہی غفلت یا شرارت یا لہو ولعب میں نہ گنوائے۔ اگر غفلت اور نسیان میں گزار دیئے گئے تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لئے کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا۔

فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں فرمایا جاتا ہے۔ یعنی انسان کو خسارہ اور نقصان سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے اگر یہ چار باتیں دنیا میں اختیار نہ کیں تو ہرگز ہرگز خسارہ سے نہیں بچ سکتا اور اگر یہ چار اوصاف اختیار کر لئے تو پھر خسارہ نام کو بھی نہیں۔ اور وہ چار باتیں یہ ہیں۔

ایک اٰمَنُوْا دوسرے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ تیسرے وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ چوتھے وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یعنی اول خدا اور رسول پر ایمان لائے۔

جن کا عقیدہ درست ہو

یعنی اس کے تمام عقیدے درست ہوں۔ خدا تعالیٰ کے بارہ میں اس کی ذات وصفات کے بارہ میں۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کے بارہ میں۔ اللہ کی کتاب کے بارہ میں۔ آخرت ملائکہ تقدیر قبر حشر نشر جنت دوزخ وغیرہ وغیرہ کے بارہ میں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے ان پر پورا یقین اور اعتماد رکھے۔

عمل صالح ہو

دوسری بات یہ کہ ایمان و یقین کا اثر محض ان کے قلب و دماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں ظاہر ہو اور اس کی زندگی اس کے ایمان قلبی کا آئینہ ہو اور اللہ و رسول کے احکام اور اوامر پر عمل پیرا ہو اور منہیات سے مجتنب ہو۔ ہر وہ کام جو شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہو اس پر عامل ہو اور اس عمل سے مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خوشنودی کے سوا کچھ اور نہ ہو۔ یہی وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہے۔

اجتماعی صلاح و فلاح کا درد ہو

تیسرے تواصی بالحق کی صفت یعنی محض اپنی انفرادی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے اور اسے کافی نہ سمجھے کہ وہ خود سیدھے راستہ پر آ گیا ہے بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے اور اپنے کو اس بات کا ذمہ دار سمجھے کہ اسے دوسرے لوگوں کو بھی حق کی تلقین کرنا ہے اور انہیں سیدھے راستہ پر لانے کی کوشش کرتے رہنا ہے۔ گویا ایک مسلمان کے فرائض میں یہ بھی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ تواصی بالحق یعنی حق پر قائم رہنے کی تاکید وسیع المعنی الفاظ ہیں۔ تواصی بالحق دین پر قائم رہنے کو بھی شامل ہے۔ راست بازی اور نفع خلائق کی ہدایت کو بھی شامل ہے۔ پھر دین میں عبادات

سے لے کر اعتقادات صحیحہ اور اخلاق کریمانہ اور خیرات وصدقات کی تعلیمات کو بھی شامل ہے۔ بنائے مساجد ومدارس اور اسلام کے قیام و استحکام تبلیغ و اشاعت اور اعلائے کلمۃ الحق کی بابت تدابیر اور عمدہ تصانیف اور تعلیم علوم وغیرہ سب تواصی بالحق میں شامل ہیں۔

صبر واستقامت کا پیکر ہو

چوتھے تواصی بالصبر کی صفت ہے یعنی حق کی راہ چلنے میں چاہے جتنی مشکلات پیش آئیں انہیں خود بھی برداشت کرے اور دوسروں کو بھی تاکید ونصیحت کرتا رہے۔ کہ دیکھو سچائی اور دین حق کی راہ میں اگرچہ کیسی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن تمہیں کسی حال میں سچائی اور دین حق کا دامن نہ چھوڑنا چاہئے پوری ہمت کے ساتھ مشکلات کا مقابلہ کرتے رہو اور حق پر قائم رہو۔ تواصی بالصبر کا لفظ بھی بڑا جامع المعنیٰ ہے اس میں مخالفوں کی ایذا اور بدگوئی کی برداشت بھی صبر ہے۔ نفس بد کا مقابلہ اور پھر مقابلہ میں ثابت قدمی بھی صبر ہے میں مشقتوں کی برداشت بھی صبر ہے مصائب ارضی وسماوی پر ی صبر ہے۔ خلاف طبع امور کا تحمل کرنا اور پورے استقامت ا بھی صبر ہے۔ نیکی کے راستہ پر جمے رہنا اور راہ حق سے قدم نہ ڈ ی صبر ہے۔ اسی طرح جملہ اخلاق میں نفسانی خواہش روکنے میر ن قدمی بھی صبر ہے۔ اسی طرح صف جنگ میں دشمنان دین کا مقا ہ مقابلہ میں استقلال وثابت قدمی بھی صبر ہے۔
غرض اس سورۂ مبارکہ میں چار چیزوں کی تعلیم ہے
(۱) ایمان (۲) عمل صالح (۳) تواصی بالحق (۴) تواصی بالصبر
یہ چار خوبیاں جن کا ذکر چھوٹے چھوٹے لفظوں میں اس سورۃ میں کیا گیا ہے اپنے معنیٰ اور تفصیل کے لحاظ سے اتنی بڑی خوبیاں ہیں کہ اس کے بعد کسی اور خوبی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ

سورۂ عصر مکی ہے اس میں ۳ آیات ہیں یہ مختصری سورت اسلام کے عظیم اصولوں اور انسانی زندگی کے دستور کی وضاحت کرتی ہے اس سورت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر لوگ صرف اس سورت میں تدبر کرلیں تو یہ سورت ان کی نجات کیلئے کافی ہوسکتی ہے اس سورت کی ابتدا میں اللہ نے زمانے کی قسم کھا کر فرمایا کہ سارے کے سارے انسان خسارے میں ہیں چاہے وہ مادی اور ظاہری اسباب سے مالا مال کیوں نہ ہوں البتہ جو چار صفات سے متصف ہوں گے وہ خسارے سے بچ جائیں گے یعنی ایمان، عمل صالح، ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین۔

سورۃ العصر کے خواص

۱- جسے بخار ہو اس پر سورۃ العصر پڑھ کر دم کیا جائے اللہ تعالیٰ کے فضل سے تندرست ہو جائے گا۔

۲- چار ٹکڑوں میں سے ہر ایک پر سورۃ العصر لکھ کر جس مکان کے چاروں کونوں میں لٹکا دیا جائے تو وہ مکان چاروں طرف سے آنے والی آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو زندگی کی مہلت اور عمر کی نعمت عطا فرما رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نعمت کا قدرداں بنائیں اور ہم کو ایمان حقیقی کے ساتھ عمل صالح کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعُ اٰيٰتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝١ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝٢ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝٣

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کیلئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور رُو در رُو طعنہ دینے والا ہو جو مال جمع کرتا ہو اور اسکو بار بار گنتا ہو۔ وہ خیال کر رہا ہے کہ اُس کا مال اُس کے پاس سدا رہے گا۔

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۝٤ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝٥ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝٦ الَّتِىْ تَطَّلِعُ

ہرگز نہیں واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جاویگا جسمیں جو کچھ پڑے وہ اسکو توڑ پھوڑ دے۔ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے۔ وہ اللہ کی آگ ہے جو سلگائی گئی ہے۔ جو

عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝٧ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝٨ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝٩

دلوں تک جا پہنچے گی۔ وہ ان پر بند کر دی جاوے گی۔ بڑے لمبے لمبے ستونوں میں۔

وَيْلٌ خرابی	لِكُلِّ واسطے ہر	هُمَزَةٍ طعنہ زن	لُمَزَةٍ عیب جو	الَّذِىْ جس۔ جو	جَمَعَ جمع کیا	مَالًا مال	وَعَدَّدَهٗ اسے گن گن کر رکھا	يَحْسَبُ وہ گمان کرتا ہے	
اَنَّ کہ	مَالَهٗ اس کا مال	اَخْلَدَهٗ اسے ہمیشہ رکھے گا	كَلَّا ہرگز نہیں	لَيُنْۢبَذَنَّ ضرور ڈالا جائے گا	فِىْ میں	الْحُطَمَةِ "حطمہ"	وَمَا اور کیا	اَدْرٰىكَ تم سمجھے	
مَا الْحُطَمَةُ "حطمہ" کیا ہے؟	نَارُ اللّٰهِ اللہ کی آگ	الْمُوْقَدَةُ بھڑکائی ہوئی	الَّتِىْ جو کہ	تَطَّلِعُ جا پہنچے وہ	عَلَى پر	الْاَفْـِٕدَةِ دل (جمع)			
	اِنَّهَا بیشک وہ	عَلَيْهِمْ اُن پر	مُؤْصَدَةٌ بند کی ہوئی	فِىْ میں	عَمَدٍ ستون	مُمَدَّدَةٍ لمبے لمبے			

وجہ تسمیہ، زمانۂ نزول

اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں ہمزۃ کا لفظ آیا ہے۔ اس لئے یہی لفظ ھمزۃ سورۃ کا نام مقرر رہا۔ یہ سورۃ مکی ہے۔

شانِ نزول

اس سورۃ کے شان نزول کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ بعض کفار مکہ مثلاً خنس بن شریق امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ ہر ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی بدگوئی کیا کرتے۔ طعنہ زن رہتے اور عیب نکالا کرتے۔ یہ سورۃ انہی کفار کو متنبہ کرنے کے لئے نازل ہوئی۔

انسانی حقوق کی اہمیت

واضح ہو کہ ظلم وگناہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہیں جیسے اللہ کی عبادت نہ کرنا اس کے مقرر کردہ فرائض نہ بجالانا۔ اس کے منع کردہ گناہوں کا مرتکب ہونا۔ دوسرے وہ جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہیں جیسے کسی کا حق ادا نہ کرنا یا بلاوجہ کسی کو تکلیف و ایذا پہنچانا۔ کسی کی آبروریزی کرنا۔ کسی کے دل کو رنج پہنچانا خصوصاً خاصان خدا کی دل آزاری کرنا۔ یہ دوسرے قسم کے گناہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں ایسے سخت ہیں کہ اگر ان کا مرتکب صاحب حق سے معاف نہ کرائے تو محض توبہ و استغفار سے بھی معاف نہیں ہوتے۔ حقوق العباد میں سے ایک غیبت اور بدگوئی اور طعنہ زنی بھی ہے۔ قرآن کریم نے غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے اور حدیث میں اس کو زنا سے سخت بیان فرمایا ہے۔

غیبت و بدگوئی کی برائی

مکہ کے قریش کافر غیبت و بدگوئی کی بلا میں سخت مبتلا تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی کیا کرتے اور غریب ایمان

داروں پر طعن و تشنیع کرتے ان کی نماز و عبادات کی نقلیں کر کے لوگوں کو ہنسایا کرتے اور نفرت دلایا کرتے۔ اس سورۃ میں ان کے اس فعل شنیع کی سخت مذمت فرمائی گئی اور اس کے مرتکب کے لئے المناک عذاب کی وعید سنائی گئی۔ چنانچہ ارشاد ہے وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ بڑی خرابی ہے دین و دنیا میں ہر ایسے شخص کیلئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور روبرو طعنہ دینے والا ہو کیونکہ غیبت کرنے والا مضحکہ اور تمسخر اڑانے والا اور طعن و تشنیع کرنے والا دنیا میں تو اپنے اخلاق رذیلہ کی وجہ سے لوگوں کی نظروں میں ذلیل رہتا ہے۔ عزت و آبرو سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور لوگوں کی عداوت مول لیتا ہے اور آخرت میں نار جہنم کی دردناک سزا بھگتنی ہوگی۔

یہاں سورۃ میں کفار کی جس خصلت کا ذکر ہو رہا ہے نہایت افسوس کا مقام ہے کہ آج کل مسلمانوں میں یہ عادت کثرت سے رواج پا گئی ہے۔ معاملہ فہمی، صلح جوئی، تواصیہ حق، تحمل و بردباری، نصیحت و خیر خواہی، ایثار و ہمدردی کا خیال مٹتا جا رہا ہے اسی وجہ سے مسلمانوں کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ اور اسلام کی مجموعی قوت کو ایک صدمہ عظیم پہنچ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس امت مسلمہ کی اصلاح کی صورتیں غیب سے ظاہر فرماویں آمین۔

ایک ہمارے بزرگان دین اور سلف صالحین وہ بھی تھے کہ عمر بھر کسی کی غیبت نہیں کی۔ امام بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت میں مجھ سے غیبت کی بابت مواخذہ نہ ہوگا۔ میں نے کسی کی غیبت عمر بھر میں نہیں کی۔ جب کہ آج غیبت مسلمانوں کا اوڑھنا بچھونا اور محبوب مشغلہ بنا ہوا ہے۔ الا ماشآء اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کو اپنی تعلیم میں سخت ترین گناہ قرار دیا ہے اور بہتان کا درجہ تو اس غیبت سے بھی آگے ہے۔ ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اے لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں نہیں اترا ہے مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑا کرو کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں ذلیل کر دے گا۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن نہ طعنہ باز ہے نہ لعنت کرنے والا ہے۔ نہ فحش بکنے والا ہے۔ نہ بے حیائی کرنے والا ہے (رواہ الترمذی)

یعنی ایمان دار کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ لوگوں کو برا کہے، فحش بکے، گالیاں دیا کرے، ننگا لچا بن جائے کہ جو منہ میں آئے بک دیا کرے۔ اللہ تعالیٰ اس عیب جوئی طعنہ زنی اور بدگوئی جیسی کافرانہ خصلتوں سے ہماری زبانوں اور قلوب کو پاک رکھیں آمین۔

غیبت و بدگوئی کا مرض کیوں لگتا ہے

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس خبیث عادت یعنی طعنہ زنی، عیب جوئی، بدگوئی کا سبب کبر و تعلّی ہوتا ہے کہ جو اپنے آپ کو اس سے کہ جس کی بدگوئی کرتا ہے اچھا اور برتر سمجھتا ہے اور اس کبر و غرور اور تعلّی کا بڑا سبب مال و دولت ہے کہ جس کا نشہ انسان کو اندھا کر دیتا ہے اور جس مال و دولت کو مارے حرص کے انسان ہر طرف سے سمیٹتا اور مارے بخل کے گن گن کر رکھتا ہے کہ کوئی پیسہ کہیں خرچ نہ ہو جائے یا نکل کر بھاگ نہ جائے۔ اکثر بخیل مالداروں کی یہی حالت ہوتی ہے کہ بار بار روپیہ شمار کرتے اور حساب نکالتے رہتے ہیں۔ اسی میں ان کو مزہ آتا ہے۔ اور جس بخیل مال دار سے پوچھا جائے کہ یہ مال دولت کس لئے جمع کیا ہے تو یہی کہے گا کہ وقت پر کام آئے گا اسی کی طرف اشارہ ہے۔ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ جو غایت حرص سے مال جمع کرتا ہے اور غایت محبت و فرحت سے اس کو بار بار گنتا ہے اور خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا یعنی اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ مال کبھی اس سے جدا نہ ہوگا بلکہ ہمیشہ اس کو آفات ارضی و سماوی سے بچاتا رہے گا۔ اس کی تردید میں فرمایا جاتا ہے۔ کلا یہ خیال محض غلط ہے اور ایک سراسر باطل خیال ہے۔ ارے مال تو قبر تک بھی ساتھ نہ جائے گا۔ آگے تو کیا کام آتا سب دولت یونہی پڑی رہ جائے گی۔ زمانہ کے واقعات و حادثات پکار پکار کر نادان انسان کو بتا رہے ہیں کہ دولت ہمیشہ نہیں رہتی۔ مال دار اپنی موت کو ٹال نہیں سکتا۔ سب کو ایک دن خالی ہاتھ

اس دنیا سے کوچ کرنا پڑے گا۔ ادھر آنکھیں بند ہوئیں ادھر جھٹ دوسروں نے دولت پر آ کر قبضہ جمایا۔ پھر دولت آج ایک کے پاس ہے تو کل دوسرے گھر ہوگی یہ تو ہوا دنیا کا حال۔

آخرت میں ان اعمال بد کی سزا

اب رہا آخرت کا معاملہ تو جب دنیا میں دولت اڑے وقت میں کام نہ آئی تو آخرت میں کیسے افعال شنیعہ کی سزا سے بچا سکتی ہے۔ لہذا ایسا شخص لَيُنۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ضرور وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ دے۔ یعنی وہ شخص جہنم رسید کیا جائے گا آگے اس جہنم کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ توڑ پھوڑ دینے والی آگ کیسی ہے۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ وہ اللہ کی آگ ہے جو اللہ کے حکم سے سلگائی گئی ہے کہ جو بدن کو لگتے ہی دلوں تک جا پہنچے گی۔ یعنی وہ آگ بندوں کی نہیں اللہ کی سلگائی ہوئی ہے اس کی سوزش بدن کو لگتے ہی فوراً دلوں تک نفوذ کر جائے گی۔ اور باوجود یکہ جسم جان، روح وقلب سب جلیں گے۔ اس پر بھی مرنے نہ پائیں گے۔ دوزخی تمنا کرے گا کہ کاش موت آ کر اس کے عذاب کا خاتمہ کر دے مگر اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کی آگ ہزار برس دھونکی گئی یہاں تک کہ سرخ ہوگئی پھر ہزار برس دھونکی گئی تا آنکہ سفید ہوگئی۔ پھر ہزار برس دھونکی گئی حتیٰ کہ وہ سیاہ ہو گئی۔ اب وہ سیاہ اندھیری ہے۔ اعاذنا اللہ منہا

عذاب جہنم کی سختی

اخیر میں اس عذاب جہنم کی کیفیت کو اس طرح بتلایا گیا کہ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ یعنی کفار کو دوزخ میں ڈال کر دروازے بند کر دیئے جائیں گے کوئی راستہ نکلنے کا نہ رہے گا۔ ہمیشہ اس میں پڑے جلتے رہیں گے اور آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کے مانند بلند ہوں گے جو انہیں چاروں طرف سے مقید کر لیں گے کسی کی کیا مجال کہ آگ سے باہر آ جائے۔

خلاصہ

اس سورت میں انسان کی تین بیماریوں کی نشاندہی کی گئی ہے، پہلی بیماری ہے پس پشت کسی کے عیب بیان کرنا، اسے غیبت کہتے ہیں اور غیبت بدترین گناہ ہے۔

دوسری بیماری ہے کسی کو اس کے سامنے اس کے حسب ونسب، دین و مذہب اور شکل وصورت کا طعنہ دینا، اس کا مذاق اڑانا، یہ منافقین کی عادت تھی، وہ غریب مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے، یوں ہی یہود و نصاریٰ دین حق کا مذاق اڑاتے ہیں۔

تیسری بیماری ہے حب دنیا جس میں مبتلا ہو کر انسان حقوق اللہ بھی بھول جاتا ہے اور حقوق العباد بھی بھول جاتا ہے اور اس کے دل میں اللہ کی محبت کیلئے کوئی جگہ نہیں رہتی۔ بقول حضرت میاں نور محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے

بھر رہا ہے دل میں حُبّ جاہ و مال
کب سماوے اس میں حُبّ ذوالجلال

سورت کے اختتام پر ان اشقیاء کا انجام بتلایا گیا ہے جو ان بیماریوں میں مبتلا ہوں گے۔

سورۃ الھمزہ کے خواص

مالی پریشانی اور رزق کی تنگی کے شکار لوگ اگر روزانہ نفل نماز پڑھ کر اس کے بعد سورۃ الھمزہ کا معمول رکھیں تو ان کی یہ پریشانی دور ہو جائے گی۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے قلوب کو جملہ اخلاق مذمومہ سے پاک فرماویں اور جملہ صفات محمودہ سے مزین ومنور فرماویں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو غیبت، بہتان، طعنہ زنی، بدگوئی، عیب جوئی جیسی کافرانہ خصلتوں سے بالکل دور رکھیں اور گذشتہ زندگی میں جو ہم سے ایسی تقصیرات ہو چکی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرماویں۔ اور ان کے تدارک کی اس زندگی میں توفیق مرحمت فرماویں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّاَرْسَلَ

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا۔ کیا اُنکی تدبیر کو سرتاپا غلط نہیں کردیا۔ اور اُن پر

عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵

غول کے غول پرندے بھیجے۔ جو اُن لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے بھوسہ کی طرح کردیا۔

اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	کَیْفَ کیسا	فَعَلَ کیا	رَبُّكَ تمہارا رب	بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ہاتھی والوں کیساتھ	اَلَمْ کیا نہیں	يَجْعَلْ کردیا اس نے	
كَيْدَهُمْ اُن کا داؤ	فِيْ تَضْلِيْلٍ گمراہی میں بے کار	وَّاَرْسَلَ اور بھیجے	عَلَيْهِمْ اُن پر	طَيْرًا پرندے	اَبَابِيْلَ جھنڈ کے جھنڈ	تَرْمِيْهِمْ پھینکتے تھے	
بِحِجَارَةٍ کنکریاں	مِّنْ سے	سِجِّيْلٍ سنگ گل	فَجَعَلَهُمْ پس ان کو کردیا	كَعَصْفٍ بھوسہ کی طرح	مَّاْكُوْلٍ کھائے ہوئے		

وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول

اس سورۃ کا نام سورۂ فیل۔ فیل عربی میں ہاتھی کو کہتے ہیں۔ یہ سورۃ مکی ہے۔

اصحاب فیل کا واقعہ

اس سورۃ میں ایک خاص واقعہ اصحاب فیل کا بیان فرمایا گیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ سے ۵۰ یا ۵۵ روز قبل سرزمین عرب میں پیش آیا جو کتب سیرت اور تاریخ عرب میں مشہور و معروف ہے۔ یہ واقعہ اصحاب فیل جن خصوصیات کا حامل تھا ان کے پیش نظر یہ عرب کے لئے عموماً اور اہل حجاز کے خصوصاً نہایت عجیب اور حیرت انگیز تھا اور اس لئے اہل عرب کبھی اس واقعہ کو فراموش نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کا نام ہی عام الفیل یعنی ہاتھیوں والا سال رکھ دیا تھا اور یہی عام الفیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا سال ہے۔ یہ واقعہ اصحاب فیل کا ماہ محرم کے اخیر میں پیش آیا تھا اور آپ کی ولادت شریفہ ربیع الاول میں ہوئی۔

یمن میں نقلی کعبہ کی تعبیر

عیسائی بادشاہ حبشہ کی طرف سے ''یمن'' میں ایک حاکم ابرہہ نامی بحیثیت گورنر یا صوبے دار تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ تمام عرب کے لوگ حج بیت اللہ کے لئے مکہ جاتے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں تو اس نے یہ چاہا کہ عیسائی مذہب کے نام پر ایک عالی شان عمارت بناؤں جو نہایت مکلّف اور مرصع ہو تاکہ عرب کے لوگ سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اس مصنوعی پرتکلف عبادت گاہ کا طواف کرنے لگیں چنانچہ یمن کے دارالسلطنت مقام صنعا میں اس نے ایک کنیسہ یعنی گرجا بنوایا اور اس کا نام قلیس رکھا اور اس کے درودیوار کو زروجواہر سے مرصع اور مزین کیا اور گرداگرد اس کے مکانات بہت عمدہ مسافروں کے واسطے تیار کئے اور اپنے تمام ملکوں میں حکم کردیا کہ سب اس گھر کے طواف کے واسطے حاضر ہوا کریں۔ عربوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے زمانہ سے کعبہ کا حج کرنے کا دستور چلا آتا تھا۔

نقلی تعمیر کی توہین اور ابرہہ کی قسم

ابرہہ نے عربوں کو اس عبادت سے روکا اور حکم دیا کہ نئے کنیسہ کا حج کیا کریں جو اھلیان عرب خصوصاً قریش مکہ کو نہایت ناگوار گزرا اور انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ اس پر ابرہہ سخت غصہ میں ہوا۔ اسی اثناء میں عرب قبیلہ بنی کنانہ کا ایک شخص ملک یمن میں گیا اور اس نے کنیسہ کی خدمت کی درخواست کی۔ اسے اس کنیسہ کا جاروب کش مقرر کیا گیا۔ ایک دن اس نے اس کنیسہ کے اندر رفع حاجت کی

اور اس کو جابجا گندا کر دیا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔ جب ابرہہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ مکہ کے رہنے والے نے ایسا کیا ہے تو وہ آگ بگولہ ہو گیا۔ اور اس آگ کو مشتعل کرنے کا ایک اور سبب یہ بھی ہوا کہ اس کنیسہ میں کسی وجہ سے آگ لگ گئی اور وہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ اس سے لوگوں کی نظروں میں اس کی رفعت بالکل جاتی رہی۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ آگ بھی مکہ کے عربوں نے ہی لگائی ہے۔

اب تو ابرہہ کے غصہ کی کوئی حد باقی نہ رہی اور اس نے غصہ میں آ کر قسم کھائی کہ خانہ کعبہ کو منہدم اور مسمار کر کے سانس لوں گا۔

حضرت عبدالمطلب سے مذاکرات

اس نے ایک لشکر عظیم تیار کیا اور اس لشکر کے ہمراہ بڑے بڑے ہاتھی بھی تھے اور سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا۔ جو نہایت قد و قامت والا تھا جو سب سے آگے چلا کرتا تھا۔ ابرہہ یہ لشکر عظیم لے کر مکہ پر فوج کشی کے لئے خانہ کعبہ کے انہدام کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ راستہ میں جس عرب قبیلہ نے مزاحمت کی اس کو تہ تیغ کیا۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کے قریب جا پہنچا اور ابرہہ کا لشکر وادی محسر میں جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان میں ہے فروکش ہوا۔ اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب قریش مکہ کے سردار تھے اور خانہ کعبہ کے متولی اعظم تھے۔ یہ حال دیکھ کر قریش اور دیگر قبائل عرب نے آپس میں مشورہ کیا کہ ابرہہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟ مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ ہم میں طاقت مدافعت نہیں ہے اس لئے ہم کو مکہ چھوڑ کر قریب کے پہاڑوں پر چلے جانا چاہئے۔ ابھی یہ لوگ مکہ ہی میں تھے کہ ابرہہ کی جانب سے ایک سفیر پہنچا اور دریافت کیا کہ مکہ کا سردار کون ہے؟ لوگوں نے عبدالمطلب بن ہاشم کی طرف اشارہ کیا۔ ایلچی نے کہا کہ میں ابرہہ کی جانب سے آیا ہوں۔ ہمارے بادشاہ کا یہ حکم ہے کہ تم تک یہ پیغام پہنچا دوں کہ ہمارا ارادہ تم لوگوں کو نقصان پہنچانے کا نہیں ہے۔ ہم تو صرف اس گھر کو ڈھانے کے لئے آئے ہیں پس اگر تمہارا ارادہ مقابلہ اور مدافعت کا ہو تو تم جانو اور اگر تم ہمارے اس ارادہ میں حائل نہ ہو تو ہمارا بادشاہ تم سے ملاقات کا خواہشمند ہے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا ہمارا قطعاً ارادہ نہیں کہ ہم تمہارے بادشاہ سے جنگ کریں اور نہ ہم میں یہ طاقت ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے اور اس کے برگزیدہ نبی ابراہیمؑ کی یادگار۔ پس اگر اللہ اس کی حفاظت کرنا چاہے گا تو وہ کر سکتا ہے اور اگر اس کو اس کی حفاظت مقصود نہیں ہے تو ہم مدافعت کے قابل قطعاً نہیں ہیں غرض اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب ابرہہ کے لشکر میں پہنچے اور ابرہہ کے سامنے پیش ہوئے۔ عبدالمطلب بہت بارعب، وجیہ و شکیل انسان تھے۔ ابرہہ نے دیکھا تو ان کے ساتھ عزت سے پیش آیا اور ان سے بات چیت شروع ہوئی۔ دوران گفتگو عبدالمطلب نے شکایت کی کہ آپ کے ایک سردار نے میرے اونٹ گرفتار کر لئے ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ ان کو میرے حوالہ کر دیجئے۔ ابرہہ نے یہ سن کر کہا کہ عبدالمطلب میں تو تم کو بہت فہیم و عقیل سمجھتا تھا لیکن تمہارے اس سوال پر سخت متعجب ہوں۔ تم کو معلوم ہے کہ میں کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں جو تمہاری نگاہ میں سب سے زیادہ باعظمت اور مقدس ہے لیکن تم نے اس کے متعلق ایک جملہ بھی نہیں کہا اور ایسی چھوٹی اور حقیر بات کا ذکر کر رہے ہو۔ عبدالمطلب نے جواب دیا۔ جناب یہ اونٹ چونکہ میری ملکیت ہیں اس لئے میں نے ان کے متعلق درخواست پیش کی۔ اور کعبہ میرا گھر نہیں۔ خدا کا مقدس گھر ہے وہ آپ اس کا محافظ ہے۔ میں کون ہوں جو اس کے لئے سفارش کروں۔

ابرہہ کی سرکشی اور حضرت عبدالمطلب کی دعا

ابرہہ کہنے لگا کہ اب اس کو میرے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا "آپ جانیں اور رب البیت جانیں"۔ یہاں پہنچ کر سلسلہ گفتگو ختم ہو گیا۔ ابرہہ نے اپنے لشکروں کو حکم دیا کہ عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیئے جائیں۔ عبدالمطلب نے واپس آ کر قریش اور دوسرے قبائل عرب کو جمع کیا اور ان کو تمام گفتگو سنا کر یہ مشورہ دیا کہ اب ہم سب کو قریب کی کسی پہاڑی پر پناہ گزین ہو جانا چاہئے تا کہ اس منظر کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ سکیں جب اہل مکہ پہاڑی پر جانے لگے تو عبدالمطلب کی قیادت میں کعبۃ اللہ میں حاضر ہوئے اور اس کی زنجیر پکڑ کر درگاہ الٰہی میں یہ دعا کی۔

"خدایا ہم اس بارہ میں غمگین نہیں ہیں کہ جب ہم اپنی متاع کی حفاظت کر سکتے ہیں تو اپنی متاع کعبہ کی تجھ کو بھی ضرور حفاظت کرنی ہے اور تیری تدبیر پر نہ صلیب کی طاقت غالب آ سکتی ہے اور نہ اہل صلیب کی کوئی تدبیر۔ ہاں اگر تو ہی یہ چاہتا ہے کہ ان کو اپنے مقدس گھر کو خراب کرنے دے تو پھر ہم کون، جو تیرا جی چاہے تو کر۔"

اس کے بعد عبدالمطلب اور تمام قریش مکہ کو خالی کر کے قریب کے پہاڑوں پر چلے گئے اور گھاٹیوں میں پناہ گزین ہو کر حالات کا انتظار کرنے لگے۔

ابرہہ کے لشکر کی پیش قدمی اور تباہی

اگلے دن صبح کو ابرہہ نے اپنا لشکر مکہ کی جانب بڑھایا اگلی قطاروں میں ہاتھی تھے اور ان کے پیچھے لشکر جرار ابرہہ نے فوج کو حکم دیا کہ وہ مکہ کی جانب بڑھے جب وہ مکہ کے قریب پہنچی ہے تو ہاتھیوں کی قطار میں سے سب سے پہلے اس ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا جس پر ابرہہ سوار تھا۔ فیلبان اگرچہ اس کے آنکس پر آنکس لگا رہا تھا اور زبانی ڈپٹ رہا تھا مگر وہ کسی طرح آگے بڑھنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ لیکن جب اس کو یمن کی جانب چلاتے تھے تو وہ تیزی کے ساتھ چلنے لگتا تھا۔ اسی کشمکش کے دوران شہر جدہ کی طرف سے جو سمندر کے کنارہ واقع ہے سبز اور زرد رنگ کے پرندے کبوتر سے کچھ چھوٹے غول کے غول نمودار ہوئے اور لشکر کے سر پر فضا میں چھا گئے۔ اور ان کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی مسور اور چنے کے برابر کنکریاں تھیں جو دفعۃً لشکر پر برسنے لگیں خدا کی قدرت سے وہ پتھر کی کنکریاں بندوق کی گولی سے زیادہ کام آتی تھیں۔ جس کے لگتی ایک طرف سے بدن میں گھس کر دوسری طرف سے نکل جاتی اور فوراً ہی بدن گلنے اور سڑنے لگتا۔ بہت سے لشکری تو وہیں ہلاک ہوئے جو بھاگے وہ دوسری بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مرے نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑی دیر میں سارا لشکر زیروزبر ہو کر رہ گیا۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب پرندوں کی سنگ ساری سے ابرہہ کا لشکر برباد ہو گیا تو اس میں سے بعض آدمی جو بدحالی کے ساتھ فرار ہو کر یمن پہنچے تھے ان میں سے ابرہہ بھی خود اس حالت میں پہنچا کہ اس کے تمام اعضاء گل سڑ کر گر چکے تھے اور وہ صرف ایک گوشت کا لوتھڑا نظر آتا تھا۔ بالآخر اس کا سینہ پھٹ پڑا اور دل باہر نکل آیا اور اس طرح ختم ہوا۔ غرض سب کے سب عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہو گئے۔

واقعۂ فیل بزبان قرآن

اسی واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس سورۃ میں مجملاً یوں بیان فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ اے پیغمبر کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا تھا۔ یعنی ہاتھی والوں کے ساتھ آپ کے رب نے جو معاملہ کیا وہ ضرور آپ کو معلوم ہوگا کیونکہ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے صرف ۵۰ یا ۵۵ روز پیشتر ہوا تھا اور غایت شہرت سے عرب کے بچہ بچہ کی زبان پر تھا آگے ارشاد ہے۔ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِىْ تَضْلِيْلٍ کیا خدا نے ان کی تدبیر کو جو انہوں نے خانہ کعبہ کے منہدم کرنے کے بارہ میں کی تھی یکسر بے سود ثابت نہیں کر دیا؟ یعنی آپ کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے ان کو ان کے ناپاک ارادہ اور قصد میں ناکام رکھا اور ان کے سب داؤ پیچ غلط کر دیئے جو کعبہ کی تباہی کے فکر میں آئے تھے۔ وہ خود ہی تباہ و برباد ہو گئے اور ان کی ہلاکت اس طرح عمل میں آئی۔ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیجے جو ان پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے اور جس کو وہ پتھری لگتی تھی۔ ہلاک ہو جاتا تھا۔ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ گویا ان کو ایسا پامال کر دیا جیسے کھایا ہوا بھوسہ ہوتا ہے۔ یعنی جیسے گائے بیل وغیرہ بھوسہ و چارہ کھا کر چھوڑ دیتے ہیں جو بچا کھچا ادھر ادھر پامال و پراگندہ گرا پڑا ہوتا ہے ایسے ہی پراگندہ، منتشر اور پامال اصحاب فیل ہو گئے۔

خلاصہ: اس سورت میں وہ مشہور قصہ بیان ہوا ہے جو اصحاب فیل کے قصہ کے نام سے مشہور ہے، جب صنعاء کے گورنر ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر کعبہ پر چڑھائی کی تھی، اس کے ساتھ کم و بیش ساٹھ ہزار جنگجو تھے، قریش اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے، اللہ نے چھوٹے چھوٹے پرندے کنکریاں دے کر بھیج دیئے، ان کنکریوں نے جدید بموں کی طرح تباہی مچا دی، یہ واقعہ اسی سال پیش آیا جس سال حضور اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی اور یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ عنقریب کعبہ کا حقیقی محافظ پیدا ہونے والا ہے۔

سورۃ الفیل کے خواص

۱...... جنگی حالات میں دشمن سے جنگ کے دوران اگر سورۃ الفیل کی تلاوت کی جائے تو دشمن شکست کھا جائے گا۔

۲...... اگر کسی کو دشمن کا سامنا ہو تو اس کے سامنے آتے ہی اس پر سورۃ الفیل پڑھ دے تو اس کا دشمن ناکام و رسوا ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۚ﴿۲﴾ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا

قریش عادی ہو گئے ہیں۔یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے عادی ہو گئے ہیں۔تو اُن کو چاہیے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں۔

الْبَيْتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا۔اور خوف سے اُن کو امن دیا۔

لِاِيْلٰفِ مانوس کرنے کے سبب	قُرَيْشٍ قریش	اٖلٰفِهِمْ ان کا مانوس کرنا	رِحْلَةَ سفر	الشِّتَآءِ سردی	وَالصَّيْفِ اور گرمی
فَلْيَعْبُدُوْا پس چاہیے وہ عبادت کریں	رَبَّ رب	هٰذَا اس	الْبَيْتِ گھر	الَّذِيْ جو۔جس	اَطْعَمَهُمْ انہیں کھانا دیا
مِّنْ سے	جُوْعٍ بھوک	وَّاٰمَنَهُمْ اورانہیں امن دیا	مِّنْ سے میں	خَوْفٍ خوف	

وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول

اس سورۃ میں قبیلہ قریش کا ذکر فرمایا گیا ہے جو کہ مکہ معظمہ میں آباد تھے اور جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔اور ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی قبیلہ میں سے تھے۔اور بیت اللہ کی اور چاہ زم زم کی خدمت ہمیشہ سے اسی قبیلہ قریش کے سپرد تھی۔ اس لئے اس سورۃ کا نام قریش مقرر ہوا۔ یہ سورۃ مکی ہے۔

قریش پر خصوصی انعامات

اس سورۃ میں حق تعالیٰ قریش کو اپنا احسان یاد دلاتے ہیں کہ عرب قبائل کے باہم بات بات پر جنگ وجدل اور معمولی معمولی معاملہ پر حرب وضرب کے باوجود حرم مکہ میں تم کس طرح مامون اور محفوظ ہو اور نہ صرف یہ بلکہ خانہ کعبہ سے متعلق ہونے کی وجہ سے حرم سے باہر بھی دوسرے ملکوں میں عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہو اور سردی و گرمی میں اپنے محبوب تجارتی سفروں میں شام و یمن تک بے خوف وخطر آتے جاتے ہو اور کوئی آنکھ اٹھا کر بھی تمہاری جانب نہیں دیکھتا تو اے قریش تم خدا کے اس احسان کے شکر گزار نہیں ہوتے اور حرم و کعبہ کی حقیقی عظمت کو سر بلند کرنے کے لئے خدا کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جس صداقت کی طرف بلاتے ہیں اس پر لبیک کہنے کو تیار کیوں نہیں ہوتے؟ بلکہ الٹا ان کی مخالفت کرتے ہو۔تم کو یہ بات ہرگز زیبا نہیں دیتی۔تم کو تو یہ چاہیے تھا کہ اس گھر کے پروردگار کی سچی پرستش کرتے جس نے تمہارے لئے مکہ میں سامان رزق پہنچایا اور تم کو خوف وخطر سے مامون ومحفوظ کر دیا۔

تجارتی تحفظ وامن عامہ

اس سورۃ قریش میں اسی مضمون کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ قریش عادی ہو گئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے عادی ہو گئے ہیں یعنی قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کی غرض سے دو سفر کیا کرتے تھے۔ جاڑوں میں یمن کی طرف اور گرمیوں میں شام کی طرف اور لوگ ان کو اہل حرم اور خادم کعبہ سمجھ کر نہایت عزت واحترام سے دیکھتے ان کی خدمت کرتے اور ان کو تجارت میں خاطر خواہ نفع ہوتا۔ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ تو ان کو چاہیے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا۔ یعنی اس گھر کے طفیل تم کو روزی دی اور امن چین دیا۔ حرم کے باہر چاروں طرف

لوٹ کھسوٹ چوری ڈکیتی جنگ و جدال کا بازار گرم رہتا لیکن کعبہ کے ادب سے حرم میں کوئی چوری ڈکیتی جنگ وجدل نہ کرتا تو یہ انعام قریش کو یاد دلا کر تنبیہ کی جاتی ہے کہ وہ اس گھر والے کی بندگی کیوں نہیں کرتے اور اس کے رسول کو کیوں ستاتے ہیں؟ کیا یہ انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی نہیں؟ اگر دوسری باتیں نہیں سمجھ سکتے تو ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا سمجھنا تو مشکل نہیں۔ اس طرح اس سورۃ میں قریش کے اندر شکر کے جذبہ کو پیدا کیا گیا ہے اور انسان جب یہ اچھی طرح محسوس کرلے کہ واقعی اس پر اللہ کے کتنے بڑے بڑے احسان وانعام ہیں تو پھر وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری کے لئے آمادہ ہوگا۔

نعمت کے حصول پر شکر کرو نہ کہ فخر

اس سورۃ قریش کے تحت مرشدنا حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ نے مسائل سلوک میں لکھا ہے کہ اس سورۃ سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو امر دینی کے سبب مال یا جاہ نصیب ہو جیسا کہ قریش کو بواسطہ تعلق بیت اللہ کے تھا جس کا اس سورۃ میں ذکر ہے تو اس کا حق یہ ہے کہ بجائے تفاخر اور دعوئے استحقاق کے خدا تعالیٰ کا شکر اور اطاعت کا زیادہ اہتمام کرے۔

سورۂ قریش کی خاصیت

اس سورۃ کے متعلق بزرگان دین نے بیان کیا ہے کہ دشمن وغیرہ کا خوف ہو تو یہ سورۃ پڑھنے سے برائی سے امن مل جاتا ہے۔ امام جزریؒ اور علمائے محققین نے لکھا ہے کہ یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے اور حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر مظہری میں اس سورۃ کے متعلق لکھا ہے کہ میرے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ ہر مصیبت کے دفع کے لئے تمام خوفناک واقعات میں یہ سورۃ پڑھا کروں۔ میں نے اس کا بارہا تجربہ کیا اور صحیح پایا۔

خلاصہ

اس سورت میں اللہ نے اپنے دو بڑے احسانات بیان فرمائے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ بلا خوف وخطر گرمیوں میں شام کی طرف اور سردیوں میں یمن کی طرف تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور یہ تجارتی سفران کا بہت بڑا ذریعۂ معاش تھے۔ دوسرا احسان یہ کہ انہیں بلد حرام میں امن؛ اطمینان اور تحفظ کی نعمت حاصل تھی۔ یہ دو نعمتیں ذکر فرما کر انہیں سمجھایا گیا ہے کہ خود فریبی؛ خود پسندی اور قوم پرستی سے باز آ جاؤ اور بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔

سورۃ قریش کے خواص

۱..... کھانے کے بارے میں اس کی کمی کا خوف ہو تو اس پر سورۃ قریش پڑھ کر دم کردیں۔ ان شاء اللہ کھانا کم نہیں ہوگا۔ (شادیوں وغیرہ کے اجتماعات کے موقع پر اس طرح کا اندیشہ ہوتا ہے)

۲..... اگر کسی کے گردوں میں درد ہو تو اس پر سورۃ قریش پڑھ کر دم کیا جائے یا کھانے پر دم کر کے وہ کھانا اسے کھلایا جائے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے جو دینی و دنیوی نعمتیں ہم کو عطا فرما رکھی ہیں۔ اس پر ہم کو شکر کی توفیق بھی عطا فرما دیں۔ اور دین دنیا کا امن چین؛ سکون ہم کو نصیب فرمائیں۔ بیت اللہ کی زیارت اور وہاں کے عبادت اور بندگی کا شرف اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ اور اپنے اس گھر کا عزوشرف اور بلند فرمائیں۔ اور وہاں حاضر ہونے والے اور اس گھر کی عزت کرنے والوں کو بھی عزت اور بزرگی عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ سو وہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور محتاج کو کھانا دینے کی

الْمِسْكِيْنِ ۝۳ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵ الَّذِيْنَ

ترغیب نہیں دیتا۔ سو ایسے نمازیوں کیلئے بڑی خرابی ہے۔ جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں۔ جو ایسے ہیں

هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝۶ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷

کہ ریا کاری کرتے ہیں۔ اور زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے۔

اَرَءَيْتَ کیا تم نے دیکھا	الَّذِيْ وہ جو	يُكَذِّبُ جھٹلاتا ہے	بِالدِّيْنِ روز جزا وسزا	فَذٰلِكَ یہی ہے وہ	الَّذِيْ وہ جو	يَدُعُّ دھکے دیتا ہے	الْيَتِيْمَ یتیم	وَلَا اور نہیں
يَحُضُّ رغبت دلاتا	عَلٰى پر	طَعَامِ کھانا	الْمِسْكِيْنِ مسکین	فَوَيْلٌ پس خرابی	لِّلْمُصَلِّيْنَ نمازیوں کیلئے	الَّذِيْنَ جو کہ	هُمْ وہ	عَنْ سے
صَلَاتِهِمْ اپنی نماز	سَاهُوْنَ غافل (جمع)	الَّذِيْنَ جو کہ	هُمْ وہ	يُرَآءُوْنَ دکھاوا کرتے ہیں	وَيَمْنَعُوْنَ روکتے ہیں نہیں دیتے	الْمَاعُوْنَ عام ضرورت کی چیز		

شانِ نزول

اس سورۃ کے سبب نزول کے سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث و مفسر دہلویؒ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ ابوجہل مردود کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی مالدار بیمار ہوتا تو اس کے پاس آکر بیٹھتا اور کہتا کہ اپنے یتیموں کو میرے سپرد کردے اور ان کا حصہ میرے پاس امانت رکھ دے کہ میں خبرگیری اور خدمت گزاری ان کی بخوبی کروں گا اور دوسرے وارث ایسا نہ کرسکیں گے۔ بالآخر جب ان کا مال اپنے قبضہ میں کرلیتا تو یتیموں کو اپنے دروازے سے ہانک دیتا پھر وہ بے چارے ننگے بھوکے دربدر گلی کوچوں میں روتے مارے مارے پھرتے۔ اسی طرح ایک یتیم ننگے سر ذلت کا مارا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اس ملعون ابوجہل کے خلاف فریاد کرنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس یتیم کی رعایت کے واسطے اس ملعون کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو پرسش قیامت سے ڈرایا۔ اس ملعون نے آپ کی وعظ و نصیحت کے مقابلہ میں یوم جزا کو جھٹلانا اور انکار کرنا شروع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہو کر دولت خانہ پر تشریف لائے اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔ بعض مفسرین نے کچھ اور مشرکین کے نام لئے ہیں کہ ان کے متعلق یہ سورۃ نازل ہوئی بہرحال سبب خاص نزول کا کچھ ہو لیکن اس سورۃ سے مقصود یتیموں محتاجوں بے کس اور بے سہارا لوگوں کی امداد و اعانت پر ابھارنا' انسانیت کی ہمدردی اور غم خواری کا صحیح جذبہ پیدا کرنا اور ارکان دین میں نماز یعنی خدا کی اطاعت و بندگی اور زکوٰۃ و صدقات وغیرہ کی ادائیگی کی تاکید ہے۔ دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پاس داری کی تعلیم اور اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ جس راہ کی طرف یہ رسولؐ بلا رہے ہیں وہی انسانیت کی فلاح اور دین و دنیا کی صلاح کی راہ ہے۔

اس کے لئے اس سورۃ میں جو اسلوب بیان اختیار کیا گیا ہے وہ یہ کہ یہاں بتلایا گیا کہ جو یتیم کی ہمدردی اور غم خواری تو درکنار اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بداخلاقی سے پیش آتا ہے اور جو غریب محتاج مسکین کی نہ خود خبر لے اور نہ دوسرں کو اس کی ترغیب دے وہ بھی کوئی انسان

ہے۔ وہ تو جانور سے بھی بدتر ہے۔ بھلا ایسے شخص کو دین سے کیا واسطہ اور اللہ سے کیا لگاؤ۔ وہ کیا جانے کہ نماز یعنی اللہ کی بندگی کس سے مناجات ہے اور اس سے مقصود کیا ہے اور کس قدر اہتمام کے لائق ہے۔ اور ایک نماز ہی کیا ایسے شخص کے دوسرے اعمال بھی ریاکاری اور نمود و نمائش سے ہوتے ہیں۔ گویا اس کا مقصد خالق سے قطع نظر اور صرف مخلوق کو دکھانا سنانا مدنظر ہو تو ایسا شخص زکوٰۃ و خیرات وغیرہ تو کیا ادا کرتا معمولی روزمرہ کے برتنے کی چیز بھی کسی کو مانگنے پر نہیں دیتا۔ دراصل ایسا شخص اللہ کے دین اور روز جزا پر کوئی اعتقاد نہیں رکھتا یعنی اگر آخرت کا خوف ہوتا اور وہاں کی جزا وسزا کا ڈر ہوتا تو ایسی حرکتیں نہ کرتا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اس طرح تلف نہ کرتا۔ اس طرح اس سورۃ میں دراصل کفار و مشرکین و منافقین کے بعض اعمال قبیحہ اور بعض خصائل خبیثہ کا ذکر فرما کر ان پر عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

اب اگر یہ افعال کسی مسلمان سے سرزد ہوں جو آخرت و روز جزا کی تکذیب تو نہیں کرتا پھر بھی یہ افعال و اعمال شرعاً مذموم اور سخت گناہ ہیں اور اگر کفر و تکذیب کے نتیجہ میں یہ افعال بد سرزد ہوں تو ان کا وبال دائمی جہنم ہے۔

آخرت پر ایمان ضروری ہے

سب سے اول اور اہم بات جو انسان کے لئے ضروری ہے وہ اعتقاد کو درست کرنا ہے۔ خاص کر اس امر کو بالیقین تسلیم کر لینا ہے کہ انسان کے تمام نیک و بد اعمال جو وہ دنیا میں کرتا ہے ان کی جزا وسزا بالآخر ضرور ملنی ہے اور یہ جزا وسزا اور ثواب و عذاب پوری طرح ایک دوسرے عالم میں جا کر ملے گا جہاں انسان کو دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کیا جائے گا۔ اور دربار خداوندی میں لے جا کر حاضر کر دیا جائے گا یہی اعتقاد تمام حکمت نظریہ اور عملیہ اور تہذیب و اخلاق کی جڑ ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہ ہو تو انسان کو بدکاری میں دل کھول کر حصہ لینے جور و تشدد کا بازار گرم کرنے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو تلف کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اعمال حسنہ، حسن سلوک، حسن معاملہ، حسن اخلاق اور حسن معاشرت پر کوئی چیز محرک ہو سکتی ہے لہذا یوم الدین یعنی یوم جزا وسزا پر اعتقاد تمام نیکیوں اور بھلائیوں کی اصل اصول ہے۔ اسی کی طرف سورۃ کے ابتداء میں اشارہ فرمایا گیا۔ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو جزا وسزا کے دن کو جھٹلاتا ہے۔ یعنی اس جگہ روز جزا کی تکذیب سے نہایت موثر طرز بیان کے ساتھ منع کیا گیا ہے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس دن کا انکار کرتے ہیں۔ انہیں ایسا نہ کرنا چاہئے بلکہ اس امر کی تصدیق کرنی عین مقتضائے عقل ہے۔

آخرت کے انکار کا نتیجہ ظلم ہے

آگے ارشاد ہوتا ہے۔ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ کہ روز جزا وسزا کے منکر کا یہ حال ہے کہ وہ نہایت سنگدلی سے یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین محتاجوں کو خود کھانا کھلانا تو درکنار دوسروں کو بھی کھانا دینے کی رغبت نہیں دلاتا۔ یعنی یتیم کی ہمدردی اور غم خواری تو درکنار اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بداخلاقی کے ساتھ پیش آتا ہے اور غریب مسکین محتاج کی نہ خود خبر لے نہ دوسروں کو ان کی خبر گیری پر ترغیب دے۔ ظاہر ہے کہ یتیموں اور محتاجوں کی خبر لینا اور ان کے حال پر شفقت اور رحم کھانا دنیا کے ہر مذہب و ملت کی تعلیم میں شامل ہے۔ اور ان مکارم اخلاق میں سے ہے جن کی خوبی پر تمام عقلاء اتفاق رکھتے ہیں۔ پھر جو شخص ان ابتدائی اخلاق سے بھی عاری ہو اور بندگان خدا پر رحم نہ کرتا ہو اور اس کی ذات سے کسی کو کچھ فائدہ نہ پہنچتا ہو تو وہ بھی کوئی انسان ہے اور وہ اس قسم کے افعال شنیعہ کا مرتکب اس لئے بے دھڑک ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں اس کے ان اعمال کی جزا وسزا ملنے والی نہیں۔

نماز اور زکوٰۃ سے غافلوں کا انجام

یہ تو بیان ہوا مکذب بالدین کا بندوں کے حقوق سے متعلق یعنی جب یتیم کی پروا نہ کرنا اور غریب مسکین کی خبر گیری نہ کرنا ضعف دین اور تکذیب دین کی علامت ہے اور موجب ذم اور زجر ہے تو پھر حقوق اللہ یعنی نماز کی طرف سے غافل ہونا جو دین کا ستون ہے اور ایک ایسا عمل

ہے کہ جو اسلام اور کفر میں فرق کرنے والا ہے اور ریا اور دکھاوٹ کرنا جو شرک کی ایک شاخ ہے اور اس زکوٰۃ کو روکے رکھنا جو اسلام کا پل ہے بدرجہ اولیٰ جب ذم اور مستحق تنبیہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ اوصاف بھی تباہی اور عذاب شدید کے موجب ہیں۔ تو جب کہ تکذیب جزا و سزا اور اس کے اثر سے بندوں کا حق ضائع کرنا برا اور قابل مذمت ہے تو خالق کا حق ضائع کرنا تو اور بھی زیادہ برا ہوا چنانچہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ سو اس سے ثابت ہوا کہ ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں یعنی ترک کر دیتے ہیں اور جو ایسے ہیں کہ ریا کاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے۔ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ کی تفسیر میں اکثر صحابہ و تابعین سے روایت ہے کہ ماعون زکوٰۃ ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ معمولی برتنے کی چیز مثلاً ڈول رسی' کلہاڑی' پھاوڑا' ہنڈیا' دیگچی' نمک' پانی آگ' سوئی تاگہ وغیرہ جن کے دے دینے کا دنیا میں عام رواج ہے وہ مانگنے والے سے اس کو بھی روکتے ہیں اور ایسی روزمرہ کے ضرورت کی چیز بھی اگر کوئی مانگنے آئے تو دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ بخل کی انتہا ہے کہ وہ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کو بھی اپنے سے جدا نہیں کر سکتا تو زکوٰۃ اور خیرات میں وہ خوش دلی کے ساتھ اپنا مال کیا خرچ کرے گا۔

نماز سے غفلت کے درجات

اب یہاں فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ جو فرمایا تو حضرت عطا بن دینارؒ جو ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ فرمان باری تعالیٰ میں عَنْ صَلَاتِهِمْ ہے یعنی جو نمازوں سے غفلت کرتے ہیں فی صلاتھم نہیں فرمایا یعنی یہ نہیں فرمایا کہ جو نمازوں میں غفلت برتتے ہیں۔ اب نماز سے غفلت کے مختلف درجے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً نماز پڑھنے میں وقت کا لحاظ نہ کرے۔ آخری وقت میں ہمیشہ نماز پڑھے اور انتہا یہ کہ نماز قضا ہی کر دے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے۔ یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے جب وہ غروب ہونے کے قریب پہنچے اور شیطان اپنی سینگ اس میں ملا لے تو یہ کھڑا ہو اور مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مار لے۔ جس میں خدا کا ذکر بہت ہی کم کرے۔ تو یہاں ایک تو وعید سنائی گئی نماز یعنی عبادت خداوندی سے غفلت کرنے اور اس کے ترک کرنے پر۔ دوسرے وعید سنائی گئی يُرَآءُوْنَ یعنی جو ریا کاری کرتے ہیں۔ ریا کاری یعنی لوگوں کو دکھلانے کے لئے کوئی عمل کرنا یہ بھی ایک بڑی اہم ذہنی اور قلبی خرابی ہے۔ جب کسی کے دل و دماغ میں یہ مرض گھر کر لیتا ہے تو اس کا وہ عمل اگرچہ وہ کیسا ہی بظاہر نیکی کا ہو اس کے حق میں نہ صرف نیکی اور بھلائی کا عمل نہیں رہتا بلکہ الٹا نقصان دہ اور مضر ہو جاتا ہے۔ اسلام میں نیکی اور عبادت کا تصور یہ ہے کہ جو کچھ کیا جائے خلوص نیت کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔ لوگوں کے نمائش یا دکھانے کیلئے یا اپنی عزت اور شہرت بڑھانے کے لئے یا اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لئے یا اپنی سرداری اور لیڈری چمکانے کے لئے یا عوام سے اپنی داد و تعریف کرانے کے لئے کیسا ہی نیکی کا کام ہو اسلام کی نظر میں اس کا کوئی مقام نہیں۔ ریا یا دکھلاوے کو اسلام نے کس درجہ ناپسند کیا ہے اس کا اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من صلیٰ یرآی فقد اشرک جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ تو اس سورۃ میں ریا کاری کو بھی کفار و منافقین کے افعال قبیحہ میں ذکر فرمایا گویا مومن کی شان سے یہ بعید ہے اور کوئی منکر کافر ہی اس مرض میں گرفتار رہ سکتا ہے۔

خلاصہ

اس سورت میں اختصار کے ساتھ انسانوں کے دو گروہوں کا ذکر ہے۔

وہ کافر جو قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے' یتیموں کے حقوق دبا لیتے ہیں اور ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرتے ہیں' غرباء اور مساکین کو نہ خود کھلاتے ہیں اور نہ دوسروں کو ترغیب دیتے ہیں گویا کہ نہ تو اللہ کے ساتھ ان کا معاملہ صحیح ہے اور نہ اللہ کے بندوں کے ساتھ۔

دوسرا گروہ منافقین کا ہے ان کی تین صفاتِ قبیحہ یہاں بیان کی گئی ہیں: پہلی یہ کہ وہ نماز سے غافل ہیں، یہ غفلت دو اعتبار سے ہوسکتی ہے ایک یہ کہ نماز ادا ہی نہ کی جائے۔ دوسری یہ کہ نماز تو پڑھی جائے مگر نہ وقت کی پابندی کا لحاظ ہو اور نہ خشوع وخضوع ہو۔ دوسری صفات یہ کہ وہ دکھاوے کیلئے اعمال کرتے ہیں۔ تیسری صفت یہ کہ وہ ایسے بخیل ہیں کہ عام ضرورت کی چیز دینے سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔

سورۃ الماعون کے خواص

۱- جو آدمی کسی برتن پر اس سورۃ کو پڑھ کر دم کر دے وہ برتن ٹوٹنے سے محفوظ رہے گا۔

۲- جو آدمی (صبح کو) کسی سے بات کرنے سے پہلے اس سورۃ کی تلاوت کو روزانہ کا معمول بنالے تو اس کی دعا قبول ہوگی۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ہر طرح کے حقوق العباد اور حقوق اللہ کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور ظاہر میں اور باطن میں ہم کو شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آخرت کا یقین کامل ہم کو نصیب فرمائیں اور ہمہ وقت وہاں کی تیاری کی فکر عطا فرمائیں۔ یا اللہ بخل و ریا جیسی کافرانہ ومشرکانہ خصلتوں سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیئے اور اپنی خوشنودی کے لئے ہم کو جملہ اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمایئے۔ آمین۔

یَا اَللّٰہُ جس گناہ کی طرف میرے پیر چلے ہوں، میرے ہاتھ بڑھے ہوں، میری نگاہوں نے ایسا ویسا دیکھا ہو، زبان سے گناہ ہوئے ہوں، آپ کا رزق بے جا برباد کر دیا ہو لیکن آپ نے باوجود اس کے اپنا رزق مجھ سے نہیں روکا اور عطا کیا۔ میں نے پھر اس عطا کو تیری نافرمانی میں لگایا اس کے باوجود میں نے زیادہ رزق مانگا، آپ نے زیادہ دیا، میں نے گناہ علی الاعلان کیا لیکن آپ نے رسوا نہ ہونے دیا۔ میں گناہ پر اصرار کرتا رہا آپ برابر حلم فرماتے رہے۔ پس اے اکرم الاکرمین! میرے سب گناہ معاف فرما دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝٣

بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔ سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے۔ بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

اِنَّآ بیشک ہم	اَعْطَيْنٰكَ ہم نے آپ کو عطا کیا	الْكَوْثَرَ کوثر	فَصَلِّ پس نماز پڑھ	لِرَبِّكَ اپنے رب کیلئے	وَانْحَرْ اور قربانی دے	اِنَّ بیشک	
شَانِئَكَ آپ کا دشمن	هُوَ وہ	الْاَبْتَرُ دُم کٹا - نامراد - بے نسل					

وجہ تسمیہ اور زمانۂ نزول

سورۃ کی ابتداء اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ سے فرمائی گئی۔

سبب نزول

سبب نزول اس سورۃ کا یہ لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرزند تھے قاسم اور عبداللہ جن کے لقب طیب اور طاہر تھے۔ دونوں صاحبزادوں کا ایک کے بعد ایک مکہ میں انتقال ہو گیا۔ تو مشرکین مکہ میں سے عاص بن وائل سہمی نے اور اس کے ساتھ دوسرے مشرکین نے یہ کہا کہ آپ کی نسل منقطع ہو گئی۔ پس آپ نعوذ باللہ ابتر یعنی بے نام ونشان ہیں۔ ابتر کے معنٰی ہیں کٹا ہوا۔ عرب میں ابتر اس شخص کو کہتے تھے جس کے بعد اس کی نسل کا سلسلہ ختم ہو چکا ہو اور وہ بے اولاد ہو۔ مطلب مشرکین کا یہ تھا کہ آپ کے بعد آپ کا دین بھی جاتا رہے گا۔ اس کو قائم اور برقرار رکھنے والا کوئی نہ ہو گا گویا یہ دین کا چرچا چند روزہ ہے پھر یہ سب بکھیڑے پاک ہو جاویں گے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے یہ سورۃ نازل ہوئی۔ جس میں پہلے آپ کو بشارت دی گئی کہ اللہ نے اپنے رسول کو کوثر عطا فرمائی ہے اس لفظ کوثر میں دین ودنیا کی خیر کثیر اور آخرت کا حوض کوثر سب داخل ہیں۔ خیر دنیا میں بقاء دین ترقی اسلام۔ دشمن پر فتح وغلبہ اور قیامت تک آپ کے نام کی شہرت وعزت وغیرہ سب داخل ہیں اور خیر آخرت میں مراتب قرب ودرجات عالیۂ حوض کوثر کی عطا' شفاعت کا مرتبۂ مقام محمود کی عطا وغیرہ سب داخل ہیں اس طرح تسلی آپ کو یہ دی گئی کہ اگر اولاد نرینہ فوت ہونے پر مخالفین طعن وتشنیع دیتے ہیں تو آپ اس پر غم نہ کیجئے۔ آپ کے رب نے آپ کو تمام دین ودنیا کی بھلائیوں اور نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس تسلی اور بشارت کے بعد ہدایت آنحضرت کو دی جاتی ہے کہ ان نعمتوں کے شکر میں آپ اپنی جان اور مال سے اللہ کی عبادت میں لگ جائیں۔ اور پھر اس کے بعد مزید تسلی کے لئے ایک پیشین گوئی فرمائی گئی کہ بفضلہ تعالیٰ آپ ابتر یعنی بے نام ونشان نہیں رہیں گے۔ بلکہ بالیقین اور بلاشک وآپ کا دشمن جو آج آپ پر ہنس رہا ہے اور طعنہ دے رہا ہے وہی بے نام ونشان ہو گا اور کوئی اس کا نام لیوا نہ رہے گا۔ یہ ہے خلاصہ ومفہوم اس سورۃ کا۔

کوثر کیا ہے؟

اس سورۃ میں تین آیات ہیں اور ہر آیت میں ایک مستقل مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلی آیت ہے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے۔ لفظ کوثر جس کے معنی خیر کثیر کے ہیں بڑا وسیع المعنی لفظ ہے صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث ہے۔ حضرت ابوبشرؒ نے حضرت سعید بن جبیرؒ سے انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ کوثر کے معنی وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔ حضرت ابوبشرؒ کہتے ہیں میں نے حضرت سعید بن جبیر سے کہا کہ لوگوں کا گمان تو یہ ہے کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو جنت میں ہے۔ حضرت ابوسعیدؒ نے جواب دیا ہاں وہ جنت والی نہر بھی تو اسی خیر کثیر ہی میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔ تو اس

خیر کثیر کے تحت بہت سے امور کا ذکر کیا جا سکتا ہے اسی لئے مفسرین نے ہر ایک کو جدا جدا بھی مراد لیا ہے جس کا ذکر امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں بڑے شرح وبسط سے نقل کیا ہے خلاصہ جس کا یہ ہے:۔

(۱) کوثر سے مراد وہ حوض کوثر ہے جس کی بابت بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ قیامت کے دن جب کہ بے انتہا گرمی اور پیاس ہوگی اور کسی کو پانی نہ ملے گا العطش العطش لوگ پکاریں گے اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حوض عطا فرمائیں گے جس کی لمبائی اور چوڑائی سینکڑوں کوس کی ہوگی۔ اس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا، دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا۔ جو ایک بار پیئے گا پھر اس کو پیاس نہ لگے گی۔ جو سعید ہیں اس سے فیضیاب ہوں گے اور شقی محروم کئے جائیں گے۔ بخاری ومسلم کی صحیح حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے حوض کی مسافت ایک مہینہ کی ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حوض کوثر مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس قدر طویل وعریض ہے کہ اس کی ایک جانب سے دوسری جانب تک ایک مہینہ کی مسافت ہے) اور اس کے زاویے یعنی گوشے بالکل برابر ہیں۔ (اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ وہ مربع ہے اس کا طول وعرض یکساں ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہے۔ اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں۔ جو اس کا پانی پیئے گا وہ کبھی پیاس میں مبتلا نہیں ہوگا۔ یا ارحم الراحمین تو ہم گنہگاروں کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے سیراب ہونا نصیب فرمایئے گا۔ آمین۔

بدعتی و گمراہ لوگ جام کوثر سے محروم ہوں گے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ابتدائی انتظامات کے لئے حوض پر تم سے پہلے پہنچوں گا اور تم میں سے کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے پھر ان کو میرے سامنے سے ہٹا دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا اے پروردگار یہ تو میری امت کے لوگ ہیں تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں جو نئی نئی باتیں نکالیں آپ اسے نہیں جانتے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے ساتھ والوں میں سے کچھ لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے یہاں تک کہ جب میں ان کو پہچان لوں گا تو انہیں مجھ سے ایک طرف ہٹا دیا جائے گا۔ اس پر میں عرض کروں گا کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ تو جواب میں ارشاد ہوگا کہ آپ کے بعد انہوں نے دین میں جو بگاڑ پیدا کیا اس کا آپ کو علم نہیں ہے۔

اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا کہ یہ لوگ میری امت کے ہیں تو ارشاد ہوگا کہ آپ کے بعد جو کچھ ان لوگوں نے دین میں رخنے ڈالے آپ اسے نہیں جانتے تو اس وقت میں کہوں گا کہ وہ لوگ دور ہوں جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے ساتھ والوں کی ایک مختصر سی جماعت آئے گی پھر ان کو حوض سے دور ہٹا دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا کہ اے اللہ یہ تو میرے ساتھی ہیں تو ارشاد ہوگا کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے جو دین میں کرتوت کئے آپ کو ان کا علم نہیں وہ الٹے پاؤں دین سے پھر گئے تھے۔

الغرض ان احادیث کا خاص سبق ہمارے لئے یہ ہے کہ اگر ہم حوض کوثر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے آرزو مند ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے شاد وسیراب ہونا چاہتے ہیں تو مضبوطی سے اس دین متین پر قائم رہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے لائے تھے۔ اور اپنی طرف سے کوئی ایجاد یا رد وبدل نہ کریں۔

نہر کوثر

بعض نے کوثر سے وہ جنت کی نہر مراد لی ہے جو آپ کو شب معراج میں دکھائی گئی تھی جس کا بخاری کی ایک صحیح حدیث میں اس طرح ذکر ہے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اثناء میں (یعنی شب معراج میں) کہ میں جنت میں چلا جا رہا تھا میرا گزر ایک عجیب وغریب نہر پر ہوا۔ اس کے دونوں جانب موتیوں سے تیار کئے ہوئے قبے تھے۔ میں نے جبرئیل

علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا ہے جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ یہ وہ کوثر ہے کہ جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمایا ہے میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی جو اس کی تہہ میں تھی وہ نہایت مہکنے والی مشک کی طرح خوشبودار تھی۔ بعض علماء نے حوض کوثر کا حشر کے میدان میں ہونا اور نہر کوثر کا جنت میں ہونے کو یوں تطبیق دی ہے کہ اصل نہر کوثر تو جنت میں ہوگی۔ اور اسی کا پانی میدان حشر میں لاکر حوض کوثر میں جمع کر دیا جائے گا۔ اور دونوں کو کوثر ہی کہتے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اولاد میں برکت

بعض نے کوثر سے مراد اولاد کی کثرت لی ہے۔ سو اولاد دو قسم کی ہوتی ہے۔ جسمانی اور روحانی۔ بحمد اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی دختری اولاد بھی بکثرت ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور روحانی اولاد جو آپ کے تمام امتی ہیں ان سے دنیا پٹی پڑی ہے اور ایک وقت وہ بھی آنے والا ہے کہ تمام دنیا میں آپ ہی کی ذریت ہوگی۔ اور تمام قومیں اور مذاہب والے یا تو مٹ جائیں گے یا اسلام لے آئیں گے اور روئے زمین پر اسلام کے سوا اور کوئی مذہب نہ ہوگا۔

علماء و اولیاء کی کثرت

بعض نے کہا کوثر سے جس کے لفظی معنیٰ خیر کثیر کے ہیں مراد ہیں اولیاء اور علماء و صلحاء اور اہل کمال جو اس امت میں گزرے۔ یا موجود ہیں یا آئندہ ہوں گے جو بمنزلہ انبیاء بنی اسرائیل کے ہیں اور کسی دوسری امت کو نصیب نہیں ہوئے۔

نبوت عظمیٰ

بعض نے کوثر سے مراد نبوت عظمیٰ لی ہے جو اعلیٰ درجہ کی خیر کثیر ہے اور جو بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی کیونکہ کوئی بھی بجز آپ کے تمام دنیا کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا اور نہ کسی پر سلسلہ نبوت بجز آپ کے تمام و ختم ہوا۔

قرآن کریم اور اس کے علوم و فیوض وغیرہ

بعض نے کہا مراد قرآن کریم ہے سو یہ بھی خیر کثیر ہے جس کے برکات کا کچھ شمار نہیں۔

بعض نے کہا کوثر سے مراد دین اسلام ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ دارین کے حسنات و برکات اسی پر موقوف ہیں۔

بعض نے کہا مراد وہ فضائل و کمالات روحانیہ ہیں جو آپ کو حاصل ہوئے۔

بعض نے کہا آپ کی رفعت ذکر مراد ہے کہ آپ کی یاد نیک نامی اور محبت و عقیدت کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گی۔ دنیا کے گوشہ گوشہ میں آپ کا شہرہ ہوگا آپ کے ساتھ دیوانہ وار محبت اور اعتقاد رکھنے والے اور آپ کی ذات والا صفات پر پروانہ وار قربان ہونے والے تا قیامت موجود ہوں گے۔

بعض نے کہا کوثر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم ہیں جن کی نسبت آپ نے فرمایا کہ مجھے اولین و آخرین کے علوم دیئے گئے۔

بعض نے کہا کوثر سے مراد آپ کے خلق عظیم ہیں۔

بعض نے کہا کوثر سے مراد مقام محمود ہے جو آخرت میں آپ کو دیا جائیگا جس کو دیکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام حسرت کریں گے۔ مقام محمود وہ خاص الخاص مرتبہ اور عزت و امتیاز اور محمودیت و مقبولیت عامہ کا وہ بلند مقام ہے جس پر فائز ہونے والی ہستی ہر ایک کی نگاہ میں محمود و محترم اور سب اس کے ثنا خواں اور شکر گزار ہوں گے۔ اور اس مقام کے عطا کا وعدہ حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا۔ عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

الغرض عطیہ کوثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے اور اس کے تحت میں دنیا اور عقبیٰ کی ساری نعمتیں اور سارے انعامات الٰہیہ آجاتے ہیں تو تسلی اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دی گئی کہ اگر آپ کے ایک یا دو فرزندوں کا انتقال ہو گیا اور مخالفین نے خوش ہو کر آپ کو معاذ اللہ ''ابتر'' کہا یعنی جس کے پیچھے کوئی نام لینے والا نہ رہے تو آپ ہرگز کسی کا غم نہ کیجئے۔ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے وہ خیر کثیر عنایت فرمایا ہے جو ابدالآباد تک آپ کا نام روشن کرے گا۔

انعامات کا شکر عبادت و قربانی سے ادا کرو

آگے دوسری آیت میں ارشاد ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سو اس

کے شکریہ میں آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے۔ یعنی اتنے بڑے انعامات جو آپ کو عطا کئے گئے تو اس احسان کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہیے تو آپ کو چاہئے کہ آپ اپنی روح، جسم اور مال سے برابر اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیں۔ بدنی اور روحی عبادت میں سب سے بڑی چیز نماز ہے۔ اور مالی عبادت میں قربانی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے کیونکہ قربانی کی اصل حقیقت جان کا قربان کرنا تھا۔ جانور کی قربانی کو بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے جان کی قربانی کے قائم مقام کر دیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قصہ سے ظاہر ہے گویا اس میں مشرکین پر تعریض ہوئی کہ یہ کفار تو غیر اللہ کی پرستش کرتے اور بتوں کے نام پر قربانی دیتے ہیں۔ بغاوت و سرکشی انہوں نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔ آپؐ ہر وقت اپنے رب کی عبادت کریں۔ اسی کی نماز پڑھیں اسی کے نام کی قربانی کریں۔

اسلام کے دشمن بے نام ونشان ہوں گے

تیسری آیت میں فرمایا گیا اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان رہے گا اس میں ایک پیشین گوئی فرمائی جس میں بھی ایک طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے اور یہ پیشین گوئی اس وقت کی گئی تھی جس کا مخالفین تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ حرف بحرف پوری ہو کر رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور آپ کی توہین کرنے والے کفار و مشرکین عرب حرف غلط کی طرح دنیا سے مٹ گئے اور کوئی ان کا نام لیوا نہیں اور ان کا نہ نام رہا نہ نشان۔ نہ آج بھلائی کے ساتھ انہیں کوئی یاد کرنے والا ہے۔ تو مشرکین مکہ میں سے عاص بن وائل سہمی نے جیسا کہ سبب نزول میں بیان ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں کے انتقال پر کہا تھا کہ آپ کی نسل قطع ہوگئی اور آپ معاذ اللہ ابتر یعنی بے نشان ہیں۔ تو حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیا کہ دراصل وہی بے نام ونشان رہے گا اور اس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ قرآن پاک کی یہ پیشین گوئی مشرکین مکہ کے حق میں کس طرح پوری ہوئی۔

گستاخ رسول ہر خیر سے خالی ہے

اس آیت اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔ مرشدنا حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل السلوک میں لکھا ہے کہ اس میں دلالت ہے کہ آپ کا ہر مخالف ہر خیر سے منقطع ہے نہ اس کی حیات میں برکت ہے کہ زاد آخرت اس سے جمع کرے نہ اس کے قلب میں خیر ہے کہ حق بات کو سمجھے یا اس میں حق تعالیٰ کی محبت و معرفت پیدا ہو۔ نہ اس کے اعمال میں برکت ہے کہ توفیق یا اخلاص ہو اور یہی حالت ہوتی ہے آپؐ کے ورثہ کے مخالف کی جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص میرے ولی سے عداوت کرے میں اس کو اشتہار جنگ دیتا ہوں یا اللہ اپنے فضل سے ہم کو اپنے محبوب و مقبول بندوں سے محبت و انسیت اور دلی تعلق عطا فرمایئے اور ان کی مخالفت اور عداوت سے بچایئے۔ آمین۔

خلاصہ

اس سورت میں تین مقاصد بیان ہوئے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا فضل واحسان کہ اس نے آپ کو کوثر عطا کی' کوثر جنت کی وہ نہر ہے جہاں قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو جام بھر کر پلائیں گے چونکہ کوثر کا معنی خیر کثیر ہے اس لیے نبوت' کتاب' حکمت' علم' حق شفاعت' مقام محمود' معجزات اور قرآن کریم کو بھی کوثر قرار دیا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ کوثر جیسی عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کیلئے آپ نماز کی پابندی فرمائیں اور اللہ کے لیے قربانی دیں۔

آپ کو یہ بشارت سنائی گئی کہ آپ کے دشمن ذلیل وخوار ہوں گے اور ان کا نام ونشان مٹ جائے گا چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

سورۃ الکوثر کے خواص

۱-..خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے جمعہ کی رات کو سونے سے پہلے باوضو ہو کر سورۃ الکوثر کو سو دفعہ پڑھے اور سو مرتبہ درود شریف بھی پڑھے اور باوضو ہی سو جائے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔

۲-جو آدمی سورۃ الکوثر کو لکھ کر اپنے گلے میں باندھے تو وہ امن میں رہیگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ سِتُّ اٰيٰتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱﴾ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۳﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو۔

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴿۴﴾ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۵﴾ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿۶﴾

اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا۔اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کروگے تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔

قُلْ کہہ دیجئے	يٰٓاَيُّهَا اے	الْكٰفِرُوْنَ کافرو	لَآ اَعْبُدُ میں عبادت نہیں کرتا	مَا تَعْبُدُوْنَ جس کی تم عبادت کرتے ہو	وَلَآ اور نہ	اَنْتُمْ تم
عٰبِدُوْنَ عبادت کرنیوالے	مَآ اَعْبُدُ جسکی میں عبادت کرتا ہوں	وَلَآ اور نہ	اَنَا عَابِدٌ میں عبادت کرنیوالا	مَا عَبَدْتُّمْ جسکی تم عبادت کرتے ہو	وَلَآ اَنْتُمْ اور نہ تم	
عٰبِدُوْنَ عبادت کرنیوالے	مَآ اَعْبُدُ جسکی میں عبادت کرتا ہوں	لَكُمْ تمہارے لئے	دِيْنُكُمْ تمہارا دین	وَلِيَ اور میرے لئے	دِيْنِ میرا دین	

وجہ تسمیہ اور زمانۂ نزول

اس سورۃ میں پہلی ہی آیت قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ہے۔اسی سے سورۃ کا نام کافرون ہے۔یہ سورۃ مکی ہے۔

سورۃ کے فضائل وخصوصیات

اس سورۃ کی فضیلت میں ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔یعنی ثواب میں۔ایک حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز فجر کی سنتوں میں پڑھنے کے لئے دوسورتیں بہتر ہیں۔سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص یعنی قل ھو اللہ احد متعدد صحابہ کرام سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی سنتوں میں اور نماز مغرب کی سنتوں میں بکثرت یہی دوسورتیں یعنی پہلی رکعت میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے سنا ہے۔ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث ہے۔حضرت فروہ بن نوفل کا بیان ہے کہ میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ مجھے کوئی ایسی چیز بتادیجئے کہ میں بستر پر جاتے وقت یعنی سونے سے پہلے پڑھ لیا کروں۔آپ نے فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھ لیا کرو۔یہ شرک سے بیزاری کا اظہار ہے۔یعنی اس کو پڑھ کر سوؤ گے تو شرک سے پاک ہوکر سوؤ گے اور اگر سونے ہی کی حالت میں موت آگئی تو توحید پر مروگے۔حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوشحال اور بامراد رہو اور تمہارا سامان زیادہ ہوجائے۔انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک میں ایسا چاہتا ہوں۔آپ نے فرمایا کہ آخر قرآن کی پانچ سورتیں یعنی سورۂ کافرون، سورۂ نصر، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھا کرو اور ہر سورۃ کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرو۔حضرت جبیر فرماتے ہیں کہ اس وقت میرا یہ حال تھا کہ سفر میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے بالمقابل قلیل الزاد اور خستہ حال تھا۔جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم پر عمل کیا میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا۔اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بچھو نے کاٹ لیا تو آپ نے پانی اور نمک منگایا اور یہ پانی کاٹنے کی جگہ پر لگاتے جاتے تھے۔اور

قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھتے جاتے تھے۔ یہ تو مختصراً اس سورۃ کے فضائل اور خواص کا ذکر ہوا۔

شانِ نزول

(۱) ایک روایت یہ ہے کہ کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں تو اگلے سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی کہ آپ ان کافروں کے دین سے اپنی پوری بیزاری کا اعلان فرمادیں۔

(۲) ایک روایت یہ ہے کہ روساء کفار مکہ نے آپ سے عرض کیا کہ آیئے ہم اور آپ اس پر صلح کرلیں کہ آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کیجئے اور آپ کے معبود کی ہم عبادت کیا کریں۔ جس میں ہم اور آپ طریق دین میں شریک رہیں۔ جونسا طریقہ ٹھیک ہوگا اس سے سب کو کچھ کچھ حصہ مل جاوے گا۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔

(۳) ایک روایت یہ ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اول تو یہ دعوت دی اور مصالحت کے لئے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ تم مکہ میں سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے اور جس عورت سے تم چاہو گے تمہارا نکاح بھی کردیں گے۔ لیکن ہمارے معبودوں کو برا کہنا ترک کردیں۔ اور اگر آپ یہ نہیں مانتے تو پھر ایسا کریں کہ ایک سال تم ہمارے معبودوں کی بندگی کرو اور ایک سال ہم تمہارے معبود کی بندگی کریں۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔

شانِ نزول میں جو متعدد واقعات بیان ہوئے ہیں تو ان میں کوئی تضاد نہیں ہوسکتا ہے کہ سب ہی واقعات پیش آئے ہوں اور ان سب کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔

اصول اسلام میں کافروں سے سمجھوتہ ہرگز نہیں ہوسکتا

یہاں اس سورۃ میں اسلام کی صحیح حیثیت کا اعلان کردیا گیا اور اہل کفر کو ہمیشہ کے لئے مایوس کردیا گیا کہ وہ ایسی کوئی امید نہ رکھیں کہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتوں میں آکر ان کی کسی خواہش کے مطابق اپنی دعوت میں کوئی تبدیلی کرلیں گے۔ چنانچہ اس سورۃ میں حق تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر حکم دیا جاتا ہے۔ قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کافروں سے صاف کہہ دیجئے لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ یعنی اے کافرو میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہو سکتا۔ نہ تو فی الحال اور نہ آئندہ کبھی مستقبل میں۔ خدائے واحد کے سوا جو معبود تم نے بنا رکھے ہیں میں فی الحال ان کو نہیں پوج رہا اور نہ تم اس احد وصمد خدا کو بلا شرکت غیرے پوجتے ہو جس کی میں عبادت و بندگی کرتا ہوں۔ اور آئندہ کے لئے وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ یعنی آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کو کبھی پوجنے والا نہیں اور نہ تم میرے معبود واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں موحد ہو کر شرک نہیں کرسکتا۔ نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دیئے جاسکتے۔ نہ اب اور نہ آئندہ یعنی توحید اور شرک کبھی متحد نہیں ہوسکتے اور ان میں کبھی کوئی مصالحت نہیں ہوسکتی۔ آگے توحید اور شرک کا انجام ارشاد ہے۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔ یعنی تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔ جو دین قیم اللہ نے مجھے مرحمت فرمایا ہے اس پر ہم نہایت خوش ہیں اور تم نے اپنے لئے بدبختی سے جو روش پسند کی ہے وہ تمہیں مبارک رہے۔ ہر فریق کو اس کی راہ اور روش کا نتیجہ مل کر رہے گا۔ میرا فرض تبلیغ دین ہے اگر تمہیں اپنی بہتری منظور ہو تو اس ہدایت کو قبول کرو۔ ورنہ تم جانو تمہارا کام۔ تمہیں اپنے کئے کی خود سزا بھگتنی پڑے گی۔ میں تو نہایت پختگی سے اپنی بات پر قائم ہوں۔

الغرض اس سورۃ میں کفار کی طرف سے پیش کی ہوئی مصالحت کی صورتوں کو بالکلیہ رد کرکے اعلان براءت کیا گیا۔

کفار سے مصالحت کی حدود کا تعین

یہاں ایک خیال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ خود قرآن کریم میں دسویں پارہ سورۂ انفال میں ارشاد خداوندی ہے۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لها یعنی کفار اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جایئے یعنی معاہدہ صلح کرلیجئے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے

مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو یہود مدینہ سے آپ کا معاہدہ صلح مشہور و معروف ہے۔ اس اشکال کے جواب میں بعض مفسرین نے یہ جواب دیا کہ اس سورۃ کافرون کو منسوخ کہہ دیا اور منسوخ کہنے کی بڑی وجہ آیت لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ کو قرار دیا کیونکہ بظاہر یہ احکام جہاد کے منافی ہے کہ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔ مگر اس اشکال کے دفع کرنے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر میں جو تحقیق لکھی ہے۔ وہ یہ ہے فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اس سورۃ میں لَكُمْ دِينُكُمْ کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کو کفر کی اجازت یا کفر پر برقرار رکھنے کی ضمانت دے دی گئی بلکہ اس کا حاصل وہی ہے جو قرآن کریم کے ارشاد لنآ اعمالنا ولکم اعمالکم (پ۲رکوع۹) کا حاصل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھگتو گے۔ اس لئے راجح اور صحیح جمہور مفسرین کے نزدیک یہی ہے کہ یہ سورۃ منسوخ نہیں۔ جس قسم کی مصالحت سورۃ کافرون کے نزول کا سبب بنی وہ جیسے اس وقت حرام تھی آج بھی حرام ہے اور جس صورت کی اجازت آیت مذکورہ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم میں آئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدہ یہود سے عملاً ظاہر ہوئی وہ جیسے اس وقت جائز تھی آج بھی جائز ہے۔ بات صرف موقع اور محل کو سمجھنے اور شرائط صلح کو دیکھنے کی ہے جس کا فیصلہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمادیا ہے۔ جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کے ساتھ ایک استثنا کا ارشاد ہے اور وہ یہ ہے۔ الا صلحاً احل حراماً او حرم حلالا یعنی ہر صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس کی رو سے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو۔ اب غور کیجئے کہ کفار مکہ نے صلح کی جو صورتیں پیش کی تھیں ان سب میں کفر و اسلام کی حدود میں التباس یقینی ہے اور بعض صورتوں میں تو اصول اسلام کے خلاف شرک کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ ایسی صلح سے سورۃ کافرون نے اعلان براءت کر دیا اور دوسری جگہ جس صلح کو جائز قرار دیا اور معاہدہ یہود (یا صلح حدیبیہ سے) اس کی عملی صورت معلوم ہوئی اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں اصول اسلام کا خلاف کیا گیا ہو۔ یا کفر و اسلام کی حدود آپس میں ملتبس ہوئی ہوں اسلام سے زیادہ کوئی مذہب رواداری۔ حسن سلوک، صلح و مصالحت کا داعی نہیں مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے۔ خدا کے قانون اور اصول دین یا ضروریات دین میں کسی صلح یا مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں۔" (معارف القرآن جلد ۸)

خلاصہ

یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی کہ آؤ! "کچھ لو اور کچھ دو" کی بنیاد پر ہم آپس میں مصالحت کر لیں، ایک سال آپ ہمارے خداؤں کی عبادت کر لیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کر لیا کریں گے، اس سورت نے ایمان و کفر، موحدین اور مشرکین کے درمیان حدِ فاصل قائم کر دی اور بتا دیا کہ توحید اور شرک دو متصادم نظام ہیں، دونوں میں مصالحت کی کوئی صورت نہیں، یوں کفار کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا اور ہمیشہ کیلئے واضح کر دیا کہ ایمان میں کفر کی ملاوٹ نہیں ہو سکتی۔

سورۃ الکافرون کے خواص

۱...... جو آدمی طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے اوقات میں سورۃ الکافرون کی تلاوت کا معمول رکھے وہ شرک سے محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی توحید خالص، دین کامل اور اسلام صادق نصیب فرمائیں اور مرتے دم تک اس پر قائم رکھیں۔

یا اللہ ہم میں وہ ایمانی قوت اور جوش و حرارت پیدا فرما دے کہ ہم باطل اور اعدائے دین سے کبھی مرعوب نہ ہوں۔

اور دین کے معاملہ میں ان سے کسی ناپاک اور گندی صلح پر کبھی راضی نہ ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ

جب خدا کی مدد اور فتح آپہنچے۔اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں۔تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید

بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

کیجئے اور آپ اس سے مغفرت کی درخواست کیجئے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اِذَا جب	جَآءَ آجائے	نَصْرُ اللّٰهِ اللہ کی مدد	الْفَتْحُ فتح	وَرَاَيْتَ اور آپ دیکھیں	النَّاسَ لوگ	يَدْخُلُوْنَ داخل ہورہے ہیں	فِيْ میں	دِيْنِ اللّٰهِ اللہ کا دین	
اَفْوَاجًا فوج درفوج	فَسَبِّحْ پس پاکی بیان کریں	بِحَمْدِ تعریف کے ساتھ	رَبِّكَ اپنا رب	وَاسْتَغْفِرْهُ اور بخشش طلب کیجئے اس سے	اِنَّهٗ بیشک وہ				
كَانَ ہے	تَوَّابًا بڑا توبہ قبول کرنے والا								

وجہ تسمیہ اور زمانۂ نزول

اس سورۃ کی ابتداء اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ سے فرمائی گئی۔اسی سے سورۃ کا نام النصر مقرر ہوا۔اکثر محدثین ومفسرین کا قول یہی ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ جو رمضان ۸ ہجری میں واقع ہوئی ہے اس سے قبل ہے اور اس سورۃ میں جس فتح کا ذکر فرمایا گیا ہے اس سے فتح مکہ مراد ہے۔

بہرحال یہ مدینہ کے آخری دور کی ایک سورت ہے۔بقول اکثر مفسرین ومحدثین اس میں جس فتح کا اشارہ دیا جاتا ہے وہ فتح مکہ کی طرف ہے جو ہجرت کے آٹھویں سال رمضان کے مہینہ میں حاصل ہوئی اور جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔

سورۃ کی خصوصیات وفضائل

احادیث میں اس سورۃ کی تفسیر یہ آئی ہے کہ اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ہے۔امام احمدؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے میری وفات کی اطلاع دی گئی ہے۔اس سورۃ کی فضیلت میں امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے۔کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ (ثواب میں) چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔امام مسلمؒ نے حضرت عائشہؓ کا قول نقل کیا ہے (کہ اس سورۃ کے نزول کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ زیادہ پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے میرے رب نے اطلاع دی تھی کہ عنقریب تم اپنی امت کے اندر ایک نشانی دیکھو گے جب تم وہ علامت دیکھو تو **سبحان اللہ و بحمد استغفر اللہ واتوب الیہ** بہت پڑھنا چنانچہ میں نے وہ نشانی دیکھ لی۔وہ نشانی ہے۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا مفسر بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اس سورۃ سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ بتارہی ہے کہ دعوت پوری ہوگئی اور دین کامل ہوگیا مزید یہ کہ استغفار کا حکم بتارہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آگیا ہے۔

فتح مکہ کا وعدہ اور اس کی تکمیل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکی زندگی کے تیرہ سال تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین اہل اسلام کے لئے انتہائی سخت تھے جس کے نتیجہ میں اہل ایمان کو اپنا وطن مکہ اپنا کاروبار اور جائیداد وغیرہ سب چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی اور مدینہ میں پناہ لینی پڑی۔یہاں بھی سات آٹھ سال کی مدت میں چین وسکون مسلمانوں کو نصیب

نہ ہوا۔ چاروں طرف سے مخالفین اسلام اور اعدائے دین کے حملوں اور آئے دن ان کی وجہ سے طرح طرح کی پریشانیوں کا مقابلہ ہی کرتے رہنا پڑا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق اب وہ وقت قریب آ گیا جب اسلام کو عرب کی تمام طاقتوں پر غلبہ اور شوکت نصیب ہونا تھا اور مسلمان جس مکہ سے ستا ستا کر ہجرت پر مجبور کئے گئے تھے اسی مکہ میں انہیں فاتح کی حیثیت سے داخل ہونا تھا۔

اسلامی تاریخ میں یہ نہایت اہم واقعہ ہے اور اسی کا نام فتح مکہ ہے۔ جو رمضان المبارک ۸ ہجری میں واقع ہوئی۔ اس سورۃ میں اسی فتح کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت سنائی گئی کہ عنقریب ایک دن ایسا آنے والا ہے جبکہ ملت اسلامیہ کو غلبہ اور شوکت نصیب ہوگا۔ کفر کی تاریکیوں کا خاتمہ ہو جائے گا کفار کے مرکزی شہر مکہ پر اسلام کا پرچم لہرائے گا۔ بت پرستی کا خاتمہ اور اس کے حامی سب زیر وزبر ہو جائیں گے اور عرب کے عام لوگ جوق در جوق دین اسلام قبول کر لیں گے۔ اس بشارت سے قبل اگرچہ عرب کے بہت سے قبائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اسلام قبول کر چکے تھے لیکن کفار مکہ ابھی تک بت پرستی پر قائم تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر تلے ہوئے تھے گویا کہ یہ شہر مکہ کفار کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بہت سے عرب کے لوگ اسلام لانے کے لئے فتح مکہ کے منتظر تھے اور یہ بڑی فیصلہ کن چیز تھی کہ مکہ معظمہ فتح ہو جائے۔

چنانچہ جب قریش مکہ نے صلح نامہ حدیبیہ جو ۶ ہجری میں ہوا تھا اس کی عہد شکنی کی اور بالآخر حدیبیہ کا صلح نامہ ٹوٹ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی پوری تیاری شروع کر دی اور ۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو دس ہزار صحابہ کرام کی جمعیت کے ساتھ آپ مدینہ منورہ سے مکہ پر چڑھائی کے قصد سے روانہ ہوئے۔ کفار مکہ کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور آپ سے امن کی درخواست کی جو آپ نے قبول فرمائی اور ۲۰ رمضان یوم جمعہ ۸ ہجری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور طواف خانہ کعبہ فرمایا۔ اس وقت تک کعبہ کے گرد ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے جو آپ کے حکم سے توڑ دیئے گئے اور خانہ کعبہ کو ان بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا گیا۔ فتح مکہ کے بعد عام طور سے عرب اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا اور جو قریش مکہ کی شوکت کے ڈر سے اسلام اختیار کرنے میں توقف اور فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے وہ سب کے سب فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے باقی ماندہ عرب کی ہمت نہ رہی کہ اب اسلام کے مقابلہ میں کھڑے ہوں اس طرح مکہ معظمہ کی فتح اہل اسلام کے لئے ایک بڑی فیصلہ کن چیز تھی۔ اس سورۃ میں اسی فتح کی بشارت دی گئی۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار کے غلبہ سے گھبرائیے نہیں۔ عنقریب ہی خدائے تعالیٰ آپ کی اور آپ کے متبعین کی مدد فرمائے گا اور والفتح یعنی آپ کو کفار پر ایک عظیم الشان فتح حاصل ہوگی جس کے بعد کفار کی کمر ہمت ٹوٹ جائے گی اور مخالفت کی تاب نہ لاسکیں گے اور اس فتح و نصرت کا نتیجہ یہ ہوگا ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا یعنی لوگ گروہ در گروہ آپ کے دین میں داخل ہوں گے۔ اہل اسلام کو ملک عرب میں غلبہ اور شوکت نصیب ہوگا۔ چنانچہ الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔ فتح مکہ کے بعد کفار کا زور ٹوٹ گیا۔ ان کا مرکز ختم ہو گیا۔ اور ان کا شیرازہ بکھر گیا لوگ اسلام کی حقانیت کے قائل ہو گئے اور قبائل کے قبائل اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کرنے لگے۔ معجم طبرانی میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ وہ ہے کہ جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور یہ سورۃ نصر تلاوت فرمائی (سیرت المصطفیٰ حصہ سوم ص ۱۷۱)

تکمیل دین اور سفر آخرت کی تیاری

یہاں تک تو فتح و نصرت کا ذکر تھا۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص پیغام ہے کہ جب آپ یہ فتح حاصل ہو چکے اور لوگ اس کثرت سے دین اسلام کو قبول کرنے لگیں جو مقصد آپ کی بعثت سے تھا وہ پورا ہوا تو آپ سمجھ لیں کہ آپ کا مقصد رسالت پورا ہو چکا اور دین کی تکمیل ہو گئی اور اب سفر آخرت قریب ہے۔ اس لئے آپ اس وقت ہمہ تن ہماری طرف متوجہ ہو جائیں اور اس سفر کی تیاری میں مصروف ہو جائیں۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اور پہلے سے بھی زیادہ کثرت سے اللہ کے ذکر اس کی تسبیح و تحمید میں لگ جائیں اور فتوحات و کامیابیوں پر اس کا شکر ادا کریں۔ وَاسْتَغْفِرْهُ اپنے لئے اور امت کے لئے ہر وقت

مغفرت اور بخشش کی درخواست کرتے رہیں۔ انہ کان تواباً بے شک آپ کا پروردگار تو بہت ہی معاف کرنے والا ہے۔

کثرت استغفار ضروری ہے

انسان جس میں اولیاء اور انبیاء بھی شامل ہیں اللہ کی عبادت میں کتنی بھی کوشش کیوں نہ کریں پھر بھی کما حقہ یعنی حسب شان خداوندی ادا کرنے میں اپنے کو قاصر ہی سمجھتے ہیں۔ اس لئے کمال عبودیت کے باوجود بھی اپنے عجز کا اعتراف کرنا اور اپنے کو عبادت کا حق ادا کرنے میں قصور وار سمجھنا اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں ہر روز ستر بار سے زیادہ خدائے تعالیٰ سے طلب مغفرت کرتا ہوں۔ اور آپ اپنی امت کے لئے بھی مغفرت اور بخشش کی درخواست کیا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی وجہ

یہاں ایک مختصر مگر نہایت جامع تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار فرمانے کے بارہ میں حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کاندھلوی خاتم مثنوی نے اپنے رسالہ شیم الحبیب میں تحریر فرمائی ہے۔ یہ رسالہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اپنی تصنیف نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب میں نقل فرمایا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث میں آتا ہے کہ آپ دن بھر میں ستر بار یا سو بار استغفار فرماتے تھے تو یہ یا تو تعلیم امت کے لئے تھا یا خود امت کے لئے مغفرت طلب کرنا مقصود تھا یا یہ وجہ تھی کہ آپ دریائے قرب و عرفان میں مستغرق تھے اور لحہ بہ لحہ ترقی فرماتے رہتے تھے کیونکہ تجلیات متجدد ہوتی رہتی ہیں اور تجلی حسب استعداد محل تجلی کے ہوتی ہے اور آپ کی استعداد برابر متزائد ہوتی جاتی تھی۔ پس جب مرتبہ مابعد کو عالی دیکھتے تھے تو اپنے کو مرتبہ ماقبل کے اعتبار سے تقصیر کی طرف منسوب فرماتے تھے۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ حسنات الابرار سیات المقربین یعنی نیکوں کے حسنات مقربین کی سیئات ہوتی ہیں۔

الغرض اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے "اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب خدا کی مدد اور مکہ کی فتح مع اپنے آثار کے آپہنچے یعنی واقع ہو جائے اور آثار جو اس پر متفرع ہونے والے ہیں کہ آپ لوگوں کو اللہ کے دین یعنی اسلام میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں تو اس وقت سمجھئے کہ مقصود دنیا میں رہنے کا اور بعثت کا کہ تکمیل دین ہے ختم ہوا اور اس وجہ سے سفر آخرت کا قریب ہے۔ پس اس کے لئے تیاری کیجئے اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس سے مغفرت کی درخواست کیجئے کہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے"۔

بڑھاپے کی عمر کا وظیفہ

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ کے تعمیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے ہر وقت یہی دعا پڑھتے تھے۔ سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ و اتوب الیہ اور فرماتے تھے کہ مجھے اس کا حکم کیا گیا ہے۔ بزرگان دین نے اسی بناء پر روایت لکھی ہے کہ جب موت قریب محسوس ہو تو تسبیح و استغفار کی کثرت چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کو یاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

خلاصہ

یہ سورت فتح مکہ کی طرف اشارہ کرتی ہے، یہ سورت ۱۰ھ میں نازل ہوئی، اس کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ۷۰ ایام زندہ رہے، جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: "مجھے میری موت کی اطلاع دی گئی ہے" اس لیے کہ حضور کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا تھا، جب آپ نے دعوت کا آغاز کیا تھا تو اسے قبول کرنے والے اکا دکا تھے لیکن اب لوگ جماعت در جماعت اور قبیلہ در قبیلہ دین اسلام میں داخل ہو رہے تھے، اس لیے آپ کو حکم دیا گیا کہ ان فتوحات اور نعمتوں پر اللہ کا شکر اور اسکی تسبیح اور عظمت بیان کریں۔

سورۃ النصر کے خواص

۱- جنگ میں دشمن کے خلاف فتح حاصل کرنے کے لئے اپنے کسی ہتھیار پر سورۃ النصر کو نقش کر لیا جائے تو فتح حاصل ہوگی۔

۲- جو لوگ جال کے ساتھ مچھلی کا شکار کرتے ہوں اگر وہ کسی دھات پر سورۃ النصر نقش کر کے اس دھات کی ٹکڑی کو اپنے جال میں باندھ لیں تو جب جال کو شکار کے لئے پانی میں ڈالیں گے اس میں فوج در فوج مچھلیاں پھنسیں گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَۃُ اللَّھَبِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ خَمْسُ اٰیٰتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ ۞۱ مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ۞۲ سَیَصْلٰی نَارًا

ابو لہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہوجائے۔نہ اُس کا مال اُس کے کام آیا اور نہ اُس کی کمائی۔وہ عنقریب ایک شعلہ زن

ذَاتَ لَھَبٍ ۞۳ وَّامْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ ۞۴ فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۞۵

آگ میں داخل ہوگا وہ بھی اور اُس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے۔ اُس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی۔

تَبَّتْ ٹوٹ گئے	یَدَا دونوں ہاتھ	اَبِیْ لَھَبٍ ابولہب	وَّتَبَّ اور وہ ہلاک ہوا	مَا نہ	اَغْنٰی کام آیا	عَنْہُ اس کے	مَالُہٗ اس کا مال	وَمَا اور جو	کَسَبَ اس نے کمایا
سَیَصْلٰی عنقریب داخل ہوگا	نَارًا آگ	ذَاتَ لَھَبٍ شعلے مارتی	وَّامْرَاَتُہٗ اور اس کی بیوی	حَمَّالَۃَ لادنے والی	الْحَطَبِ لکڑی	فِیْ میں			
جِیْدِھَا اس کی گردن	حَبْلٌ رسی	مِّنْ سے	مَّسَدٍ کھجور						

وجہ تسمیہ اور زمانۂ نزول

اس سورۃ کی پہلی آیت تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ ہے۔اس لئے نشانی کے طور پر سورۃ کا نام اللھب مقرر ہوا۔یہ سورۃ مکی ہے۔

سبب نزول

سبب نزول اس سورۃ کا احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت وانذر عشیرتک الاقربین پ۱۹ (سورۂ شعراء) نازل ہوئی یعنی اپنے قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیے تو آپ نے مکہ کے کوہ صفا پر چڑھ کر تمام قبائل قریش کے نام لے کر پکارا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم کو اس امر کی خبر دوں کہ پہاڑ کے دوسری طرف دشمن موجود ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کو سچ مانو گے؟ سب نے کہا کہ بے شک ہم یقیناً آپ کی بات کا اعتبار کریں گے۔ آپ ہم سب میں سے بڑھ کر سچے ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت پیش کی اور فرمایا کہ لوگو میں تمہارے لئے ایک آنے والے سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ تم نجات کا راستہ اختیار کرلو اور اپنے بچنے کی تدبیر کرلو۔ میں کھلم کھلا تم کو خبردار کرنے والا ہوں۔ ابولہب یہ سن کر آگ بگولہ ہوگیا اور انتہائی مخالفانہ انداز میں ہاتھ جھٹک کر کہنے لگا (نعوذ باللہ' نعوذ باللہ) تبالک سائر الیوم الھذا دعوتنا تو برباد ہو جائے کیا ہم کو اسی بات کے لئے جمع کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا عفو اور ہمہ تن حلم تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا مگر غیرت الٰہیہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایسے الفاظ کیوں برداشت کرسکتی تھی اور فوراً یہ پوری سورۃ نازل ہوئی جس میں خود ابولہب کے الفاظ اسی پر لوٹا دیئے گئے اور اس کے حسرت ناک انجام کا اعلان بھی بطور پیشین گوئی کے فرما دیا گیا۔ ابولہب کی ایک بیوی تھی اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عداوت تھی۔ خود جنگل جاتی' کانٹے اکٹھا کرتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں بچھا دیتی تاکہ اندھیرے میں آپ کے کانٹے چبھیں اور آپ کو اذیت اور تکلیف ہو۔ تو اس سورۃ میں دونوں کا انجام بتلا کر ان کی مذمت فرمائی گئی اور ان ہی دونوں کی تباہی و بربادی کی پیشینگوئی فرمائی گئی

جس سے مخالفین رسول کو متنبہ کیا گیا کہ مرد ہو یا عورت ۔ اپنا ہو یا بیگانہ۔ بڑا ہو یا چھوٹا۔ جو حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخرکار ذلیل وتباہ و برباد ہو کر رہے گا۔ یہ ہے خلاصہ مفہوم اس سورۃ کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی

جس طرح کہ تصدیق اور جان نثاری اور صداقت و محبت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے اول رہے اسی طرح تکذیب اور ایذا اور استہزاء' بغض و عداوت رسول میں ابولہب سب سے آگے تھا۔ یہ عبدالمطلب کا بیٹا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سوتیلا چچا تھا۔ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ لات' منات' اور عزیٰ یہ تین مشہور مشرکین عرب کی دیویاں تھیں جن کی پرستش وہ کرتے تھے۔ اور ان کے بت بنا رکھے تھے اسی نسبت سے اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ اور چونکہ اس کا چہرہ سرخ رنگ کا خوبصورت تھا تو اس کے چہرہ کی سرخی اور چمک کی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب ہوگئی تھی کیونکہ لہب آگ کے شعلہ کو کہتے ہیں۔ عبدالمطلب چونکہ اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے سردار تھے ان کی وفات کے بعد ان کی سرداری ان کے بیٹوں ابوطالب اور ابولہب کو ملی۔ ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہیں تھی لیکن ابولہب خوب دولت اور پیسہ والا آدمی تھا لیکن اپنے کفر وشقاوت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن ہوگیا تھا جب آپ کسی مجمع میں پیغام حق سناتے یہ بدبخت پتھر پھینکتا حتیٰ کہ آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے اور زبان سے کہتا کہ لوگو! ان کی بات مت سنو۔ کبھی کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے ان چیزوں کا وعدہ کرتے ہیں جو مرنے کے بعد ملیں گی۔ ہم کو تو وہ چیزیں ہوتی نظر نہیں آتیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں سے خطاب کر کے کہتا (معاذ اللہ معاذ اللہ) تم دونوں ٹوٹ جاؤ کہ میں تمہارے اندر اس میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا جو محمد بیان کرتے ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) ابولہب چونکہ بہت مالدار تھا اس لئے جب اس کو اللہ سے ڈرایا جاتا تو یہ کہتا کہ اگر میرے بھتیجے کی بات حق ہے تو قیامت کے دن مال اور اولاد کا فدیہ دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ اس کی بیوی ام جمیل کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ضد اور دشمنی تھی۔ شب کے وقت آپ کے راستہ میں کانٹے ڈال دیا کرتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو طلاق دلوانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یعنی حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے سرفراز ہونے سے قبل ہی ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے منسوب ہو چکی تھیں۔ عتبہ بن ابی لہب کا نکاح حضرت رقیہؓ سے ہوا تھا اور عتیبہ بن ابی الہب کا نکاح حضرت ام کلثوم سے ہوا تھا۔ اور صرف نکاح دونوں صاحبزادیوں کا ہوا تھا رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد تبلیغ اسلام فرمائی اور بت پرستی اور شرک کی سخت مذمت فرمائی تو ابولہب اور اس کی بیوی عداوت میں تو پیش پیش ہی تھے اسی جذبہ کے ماتحت ابولہب نے اپنے ان دونوں بیٹوں سے کہا کہ اگر میری رضامندی چاہتے ہو تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق دیدو تاکہ آپ کو ان کے طلاق دیئے جانے سے صدمہ ہو۔ بڑا بیٹا جس کا نام عتبہ تھا یہ بات سن کر اس وقت چپ رہا مگر دوسرا بیٹا عتیبہ کمال بے حیائی سے اسی وقت اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آکر بولا کہ میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی اور کچھ دوسری نالائق نالائق باتیں بھی بکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا کہ خدایا اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرما دے۔ آخر کو اس کو شام کے سفر میں ایک شیر نے پھاڑ کھایا۔ الغرض ابولہب کے دونوں بیٹوں نے اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں رخصتی سے پہلے ہی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دے دی۔ (سیرت المصطفیٰ حصہ سوم)

بالآخر یہ دونوں صاحبزادیاں طلاق کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنیؓ کے نکاح میں آئیں اور اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ ذی النورین کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے صحابہ کرام میں سے صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ایسے صحابی ہیں کہ جن کی زوجیت میں یکے بعد دیگرے پیغمبر کی دو صاحبزادیاں

آ ئیں۔اس طرح حقیقت میں اس واقعہ طلاق میں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان رحمت پنہاں تھی جو حضرت عثمانؓ کے حصہ میں آئی تھی۔

سماجی مقاطعہ کروانا

الغرض عربوں میں ایام جاہلیت میں اگرچہ جہالت اور ضلالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی مگر پھر بھی اپنے قبیلہ کی حمایت اور رشتہ داری کا پاس و لحاظ کرنا یہ اس وقت عربوں کی خصوصیت رہی ہے چنانچہ آپ کے چچا ابوطالب نے محض رشتہ داری کے تعلق سے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی کی یہاں تک کہ تمام قبائل قریش نے متفقہ طور پر تحریری معاہدہ لکھا (یہ ہجرت نبوی سے ۶ سال قبل کا واقعہ ہے) کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور بنی ہاشم اور ان کے تمام حامیوں سے یکلخت تمام تعلقات قطع کردیئے جائیں کہ نہ کوئی شخص بنی ہاشم سے نکاح کرے نہ ان سے میل جول رکھے نہ ان کے ساتھ خرید وفروخت کرے، جب تک کہ بنو ہاشم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لئے ہمارے حوالے نہ کردیں۔ابو طالب نے مجبور ہو کر ایک گھاٹی میں پناہ لی اور بنو ہاشم اور بنو مطلب مومن اور کافر سب نے آپ کا ساتھ دیا۔مسلمانوں نے دین کی وجہ سے اور کافروں نے خاندانی اور نسبی تعلق کی وجہ سے لیکن بنو ہاشم میں سے ابولہب قریش مکہ کا شریک رہا۔اور محصور ہونے والوں نے اس گھاٹی میں جس کا نام شعب ابی طالب ہوا تین سال مسلسل سخت تکالیف کے ساتھ گزارے اور انتہائی فقر و فاقہ سے بسر کئے حتیٰ کہ باہر کا اگر کوئی تجارتی قافلہ مکہ آتا تو ابولہب اٹھتا اور یہ اعلان کرتا پھرتا کہ کوئی تاجر اصحاب محمد کو کوئی چیز عام نرخوں پر نہ فروخت کرے بلکہ ان سے کئی گنا زیادہ قیمت لے اور اس طرح اگر کوئی نقصان یا خسارہ ہو تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔باہر کا قافلہ آیا ہوا دیکھ کر صحابہ کچھ خریدنے کو آتے مگر نرخ کی گرانی کا یہ عالم دیکھ کر خالی ہاتھ واپس ہو جاتے۔ہجرت سے تین سال قبل یعنی ۱۰ ہجری نبوی میں یہ ظالمانہ عہد نامہ ختم ہوا۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم

اللہ اکبر! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا خلق عظیم فرمایا تھا۔ایک طرف تو ابولہب اور اس کے گھرانے کی دشمنی اور عداوت کا حال اوپر ذکر ہوا اب دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم اور کرم وعنایت کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ آپ کے بھتیجے ابولہب کے بیٹے کہاں ہیں۔کہیں نظر نہیں پڑتے۔ابولہب کے دو بیٹے تھے جو فتح مکہ کے وقت تک کفر پر قائم تھے۔حضرت عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ بظاہر کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔آپ نے فرمایا ان کو ڈھونڈھ کر لاؤ۔تلاش ہوئی اور کھوج لگانے پر یہ دونوں عرفات کے میدان میں چھپے ہوئے ملے۔حضرت عباس دونوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ نے ان دونوں پر اسلام پیش کیا۔انہوں نے فوراً اسلام قبول کیا۔اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی نے فرمایا میں نے اپنے چچا کے ان دونوں بیٹوں کو اپنے پروردگار سے مانگا تھا اللہ نے مجھ کو یہ دونوں عطا فرمائے۔اللہ اکبر! ذرا غور تو کیجئے ابولہب کے گھرانے کی تکالیف کا جو آپ کو دی گئیں اور آپ کا دشمنوں سے یہ کرم وعنایت کا معاملہ

ام جمیل کی دشمنی وعداوت

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب ابولہب کی بیوی ام جمیل کو خبر ہوئی کہ میرے اور میرے شوہر کے بارہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی تو ایک پتھر لے کر آپ کو مارنے کے لئے چلی۔اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ام جمیل جس وقت وہاں پہنچی تو حق تعالیٰ نے اس کی آنکھ پر ایسا پردہ ڈالا کہ اس کو صرف حضرت ابوبکرؓ نظر آتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دکھائی نہ دیتے تھے۔ام جمیل نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ تمہارے ساتھی کہاں ہیں مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ میری مذمت اور ہجو کرتے ہیں۔خدا کی قسم اگر اس وقت ان کو پاتی تو اس پتھر سے مارتی۔ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ام جمیل کو آپ کی طرف آتے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ ام جمیل سامنے سے آ رہی ہے۔مجھے آپ کا ڈر ہے۔حضورؐ نے فرمایا انها لن ترانی (وہ مجھے ہرگز نہ دیکھے گی)

جب ام جمیل چلی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس کے جانے تک ایک فرشتہ مجھ کو چھپائے رہا۔ الغرض یہ داستان تو بہت طویل ہے۔

دشمنان رسول پاک کا انجام

اب ان دونوں یعنی ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کا انجام ملاحظہ ہو۔ غزوۂ بدر جو رمضان المبارک ۲ ہجری میں واقع ہوا اور جس میں قریش مکہ کے بڑے بڑے کافر سردار اور متمول لوگ شریک تھے۔ سب ایک ایک کر کے قتل یا قید ہوئے مگر ابولہب اس جنگ میں اپنی جان کے خوف سے شریک نہ ہوا تھا اور اپنی بجائے جنگ میں کسی دوسرے کو بھیجا تھا۔ اس واقعہ بدر کے سات روز بعد ابولہب کے مکہ میں طاعون کا زہریلا دانہ نمودار ہوا۔ گھر والوں نے اس اندیشہ سے کہ اس کی بیماری ہم کو نہ لگ جائے اس کو الگ ڈال دیا اور وہیں مر گیا۔ اور تین روز تک لاش یونہی پڑی رہی کسی نے ہاتھ نہ لگایا۔ جب لاش سڑنے لگی تو اس وقت چند حبشی مزدوروں کو بلا کر ان سے لاش دبوائی۔ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے دھکیل کر لاش کو اس گڑھے میں ڈال دیا اور مٹی اور پتھروں سے اس گڑھے کو بھر دیا۔ یہ تو دنیا میں ذلت ورسوائی اس کو نصیب ہوئی۔ اور آخرت کی رسوائی کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

ابولہب کی بیوی کا حشر

اس کی بیوی ام جمیل جو خود جنگل جاتی اور کانٹے اکٹھا کر کے گٹھڑ بنا کر لاتی اور رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اور مسجد حرام کے راستہ میں بچھا دیتی تاکہ وہ کانٹے آپ کو چبھیں اور آپ کو تکلیف پہنچے۔ اس بدبخت کی موت اس طرح واقع ہوئی کہ سر پر کانٹوں اور لکڑیوں کا گٹھا تھا۔ راہ میں تھک گئی تو گٹھے کو پتھر سے ٹکا کر خود ستانے لگی۔ جب پھر چلنے کا ارادہ کیا تو اسی رسی کا جس سے گٹھڑ بندھا تھا پھندا گردن میں پڑ گیا اور گٹھا پیٹھ کی طرف جا لٹکا جس کے بوجھ سے وہ پھندا پھانسی بن گیا اور گلا ایسا گھٹا کہ یہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گئی۔

ابولہب اور اس کی بیوی کا انجام

یہی ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کا ذکر اس سورۃ میں فرمایا گیا ہے اور جو الفاظ ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کئے تھے یعنی تبالک کہا تھا یعنی معاذ اللہ تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ تو خود اسی کے الفاظ کو اس پر لوٹا دیا گیا اور اس کے حسرت ناک انجام کا اعلان بطور پیشین گوئی فرما دیا گیا۔ چنانچہ یہ سورۃ نازل ہوئی اور ارشاد ہوا تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔ یعنی یہ ابولہب جو ہاتھ جھٹک جھٹک کر باتیں بناتا ہے اور اپنی قوت بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس پیغمبر اور معصوم رسول کی طرف دست درازی کرتا ہے تو سمجھ لے کہ خود اسی کے ہاتھ ٹوٹ چکے۔ اس کی سب کوششیں حق کے دبانے کی برباد ہو چکیں۔ اس کی سرداری ہمیشہ کے لئے مٹ گئی۔ اس کا زور ٹوٹ گیا اور وہ خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ گیا۔ گویا یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے اور کفار کی آگاہی کے لئے یہ پیشین گوئی فرمائی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین حق کے خلاف ابولہب کی جملہ تدابیر بالآخر ناکام ہوں گی اور خود ابولہب تباہ و برباد ہوگا۔ جس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی اگرچہ اس وقت ابولہب کی شرارتیں بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ اور اس کی مخالفت بہت سخت معلوم ہو رہی تھی مگر اس سورۃ میں خبر دی گئی کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے۔ ہاتھ ٹوٹ جانا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب ہے زور ختم ہو جانا یعنی وہ وقت آنے والا ہے کہ جب ابولہب کا سارا زور ٹوٹ جائے گا اور اس کی طاقت سب ختم ہو جائے گی۔ یہ پیشینگوئی جملہ کفار و مسلمین سب کی آنکھوں کے سامنے نزول سورۃ کے کچھ عرصہ بعد پوری ہوئی اور سب نے ابولہب کی تباہی کو دیکھ لیا۔ آگے ارشاد فرمایا مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ نہ اس کا مال اس کے کام آیا نہ اس کی کمائی یعنی مال دولت عزت و جاہت' حسب و نسب کوئی چیز اس کو دنیا میں ہلاکت سے نہ بچا سکی اور نہ آخرت ہی میں اس کی وجہ سے عذاب الٰہی سے بچ سکے گا۔ جب ابولہب کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو جواباً کہتا کہ اگر سچ مچ قیامت و آخرت ہونے والی ہے تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے ان کو فدیہ میں دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ اسکے جواب میں آیت میں فرمایا گیا کہ نہ اس کا مال اس کے کچھ کام آئے گا اور نہ اس کی اولاد۔ دھن دولت' یہ گویا دوسری پیشینگوئی فرمائی گئی

کہ ابولہب کا مال واولاد اسے کچھ نفع نہ دے گا۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی بھی اسی طرح پوری ہوئی یہ تو ابولہب سے متعلق دنیا کی خبر دی گئی۔ آگے آخرت سے متعلق خبر دی گئی سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَاَتُهٗ عنقریب وہ ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی یعنی مرنے کے بعد فوراً ہی جہنم کی شعلہ زن آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور نہ صرف وہ بلکہ اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ آگ میں جھونک دی جائے گی کیونکہ اس کے دل میں بھی اللہ کے رسول کے خلاف عداوت وبغض کی آگ بھری ہوئی تھی اور اس نالائق عورت نے یہ شیوہ اختیار کررکھا تھا کہ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ جو جنگل سے خاردار لکڑیاں لادکر لاتی ہے اور رات کو آپ کے راستہ میں بچھا دیتی تاکہ آپ کو تکلیف پہنچے اس ایذا رسانی کے بدلہ میں قیامت کے دن فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ اس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی پڑی ہوگی یعنی اس کے گلے میں جہنم کے طوق وزنجیر پڑے ہوں گے اور عذاب کے فرشتے اس کو گھسیٹتے پھریں گے۔ یہ آخرت کے متعلق خبر دی گئی۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کا انتقام خود لیتا ہے

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اس سورۃ کے تحت مسائل السلوک میں لکھا ہے کہ اس سورۃ میں دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبولین کے لئے جو نبی ہوں انتقام لیتا ہے اسی طرح اپنے مقبولین کے لئے جو ولی ہوں انتقام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقبولین سے محبت و تعلق عطا فرمائیں اور ان کی مخالفت اور ایذا دہی سے بچائیں آمین۔

خلاصہ

یہ سورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا مگر بدترین دشمن ابو لہب اور اس کی بیوی ام جمیل کا انجام بتلاتی ہے اس شخص کو اپنے مال اور اولاد پر بڑا غرور تھا لیکن مال واولاد اسے اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔ یہ دونوں میاں بیوی ذلت آمیز اور عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے۔

سورۃ اللھب کے خواص

ایسا درد جو بڑھتا ہی جارہا ہو تو اس سے نجات کے لئے درد کی جگہ پر سورۃ اللھب لکھیں درد کم ہوتا ہوتا بالکل ختم ہوجائے گا۔

دعا کیجئے

یا اللہ دین واسلام کے مخالفین اور اعداء کو جیسے پہلے آپ نے زیروزبر فرمایا اور ان کی قوتوں کو پاش پاش فرمایا اور ان کی ساری تدبیروں اور کوششوں کو لاحاصل بنایا اسی طرح اے قدرت والے رب اب بھی اعدائے دین کو ذلیل وخوار فرمادے۔ ان کی مخالفانہ کوششوں کو نیست ونابود فرمادے۔ ان کی اعیارانہ چالوں کو ملیامیٹ فرمادے اور دین ودنیا دونوں جہاں میں ان کو ناکامی اور نامرادی نصیب فرمادے۔

یا اللہ اسلام ومسلمین کو عزت وغلبہ نصیب فرما۔ اور دین پر ہم کو ہر حال میں استقامت عطا فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پکا وسچا امتی بنا کر زندہ رہنا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔ آمین

یَا اللہُ بہت سے گناہ آپ کی مخلوق سے چھپا کر کرلئے لیکن آپ سے کہاں چھپا سکتا تھا۔ الٰہی! میں اپنا عذر پیش کرتا ہوں اور آپ سے معافی چاہتا ہوں معافی چاہنے کے بعد بھی گناہ ہوجائے تو اس کی بھی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿١﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿٢﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿٣﴾

آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اُس کے اولاد نہیں۔اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿٤﴾

اور نہ کوئی اُس کے برابر کا ہے۔

قُلْ کہہ دیجئے	هُوَ وہ	اَللّٰهُ اللہ	اَحَدٌ ایک	اَللّٰهُ اللہ	الصَّمَدُ بے نیاز	لَمْ يَلِدْ نہ اس نے جنا	وَ اور	لَمْ يُوْلَدْ نہ وہ جنا گیا	وَلَمْ اور نہیں
يَكُنْ ہے	لَهٗ اس کا	كُفُوًا ہمسر	اَحَدٌ کوئی						

وجہ تسمیہ

اس سورۃ میں اگرچہ لفظ اخلاص نہیں آیا ہے مگر اس میں توحید باری تعالیٰ کو ہر قسم کے شرک سے خالص کر کے بیان کیا گیا ہے اس وجہ سے اس سورۃ کا نام ''اخلاص'' رکھا گیا۔ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنا سب کچھ اللہ کے لئے خالص کر دے۔ یعنی بندہ اگر اپنے اللہ سے محبت کرے تو سچائی کے ساتھ کرے اور پھر اس محبت پر جمارہے۔ وہ اس کی اطاعت و بندگی کرے تو سچے دل سے کرے اور ہمیشہ ہر حال میں کرتا رہے۔ وہ اس کی عظمت اور بڑائی کا اعتراف کرے تو خلوص کے ساتھ کرے۔ وہ اس کو اپنا خالق، رازق، مالک تسلیم کرے تو خالص اسی پر وہ اپنا سہارا بنائے صرف اسی کو یہ مقام دے۔ وہ بھروسہ کرے تو صرف اسی کی ذات پاک کو۔ غرض یہ کہ وہ اپنا سب کچھ اس کی ذات کو جانے اور پھر اسی پر جم جائے اسی کا نام اخلاص ہے۔

سورۃ کی فضیلت واہمیت

یہ سورۂ اخلاص ایک مختصر سی سورۃ ہے تھوڑے سے الفاظ ہیں مگر مطلب اور معنی کے لحاظ سے بہت وسیع ہے۔ اسے ایسا سمجھنا چاہئے کہ جیسے انسانی جسم میں آنکھ کی پتلی جو اگرچہ بہت چھوٹی ہے لیکن اس کی بدولت سارا عالم روشن معلوم ہوتا ہے یہ نہ ہو تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اس سورۃ میں توحید کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ اسی سے سارا دین روشن ہے۔ اسی لئے اس سورۃ کی فضیلت احادیث میں بہت آئی ہے کیونکہ توحید اور حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات پاک کے متعلق جو عقائد رکھنے چاہئیں اور جس کو ایمان کی بنیاد سمجھنا چاہئے وہ سب اس سورۃ میں مذکور ہیں۔

احادیث میں امام بخاریؒ وغیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ سورۃ تہائی قرآن کے برابر ہے یعنی جس نے یہ سورۃ پڑھی اس نے ثواب تہائی قرآن پڑھنے کا حاصل کیا اور تہائی کے برابر ہونے کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ مضامین قرآن تین قسم کے ہیں۔ ایک توحید وصفات باری تعالیٰ دوسرے بندوں کے اعمال وافعال کی کیفیت، تیسرے قیامت وآخرت اور وہاں کے حالات تو ان تین مضامین میں سے اس سورۃ میں توحید وصفات باری تعالیٰ کا نہایت جامع ذکر ہے۔

حضرت ابو درداءؓ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کیا تم ہر رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ سکتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہر شب میں ایک تہائی قرآن کیسے پڑھا جا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے یعنی ثواب میں ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک فوجی دستہ کے ساتھ ایک صاحب کو کہیں بھیجا۔ یہ ساتھیوں کو ہمیشہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سے نماز پڑھاتے رہے جب وہ لوگ واپس آئے تو انہوں نے حضورؐ سے اس کا ذکر کیا ارشاد فرمایا ان سے پوچھو ایسا کیوں کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ (سراسر) رحمٰن کے اوصاف ہیں اس لئے میں اس کو پڑھنا پسند کرتا ہوں اور اس سورۃ سے محبت رکھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو اطلاع دے دو کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔

سبب نزول اور زمانۂ نزول

اس سورۃ کے شانِ نزول کے متعلق روایت ہے کہ مشرکین مکہ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کی تو برائی کرتے ہیں۔ آپ اپنے رب کے تو اوصاف بیان کریں۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس میں حق تعالیٰ نے اپنی صفات بیان فرمائیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورۃ مکی ہے اور اس کا زمانہ نزول مکی دور کا ابتدائی زمانہ لکھا ہے۔ اس طرح ترتیب قرآنی کے موافق اس سورۃ کا شمار ۱۱۲ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۱۰ لکھا ہے یعنی ۹ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں۔ اور ۱۰۴ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس سورۃ میں ۴ آیات ۱۷ کلمات اور ۴۹ حروف ہیں۔ اس سورۃ میں ہر طرح کے شرک یعنی بت پرستی، عیسائیت یہودیت مجوسیت وغیرہ سب کی تردید کر کے خالص توحید کا سبق دیا گیا ہے کہ اللہ ایک ہے وہ صمد ہے وہ اولاد ماں باپ اور شریکوں سے پاک ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

توحید الٰہی

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کیسا ہے اور کیا اس کی صفات ہیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ ایک ہے جس کی ذات میں کسی قسم کے تعدد و تکثر اور دوئی کی گنجائش نہیں۔ نہ اس کا کوئی مقابل و مشابہ اس میں اس وقت کے مجوس کے عقیدہ کا رد ہو گیا جو کہتے کہ خالق دو ہیں۔ خیر کا خالق ''یزدان'' اور شر کا ''اہرمن''

نیز ہنود بت پرستوں کے عقائد کی بھی تردید ہو گئی جو ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو خدائی میں حصہ دار ٹھہراتے ہیں۔

اللہ الصمد

آگے فرمایا اَللّٰهُ الصَّمَدُ اللہ بے نیاز ہے لفظ صمد کا اردو میں ترجمہ بے نیاز کیا گیا ہے۔ لیکن مفسرین نے صمد کی تفسیر کئی طرح کی ہے اور چونکہ یہ لفظ صمد عرف عرب میں بہت سے معانی میں مشتمل ہے اس لئے مفسرین میں سے حسب ذیل ہر ایک نے ایک ایک معنیٰ اختیار کیا ہے۔

(۱) ایک مراد صمد سے یہ کہ اللہ جمیع اشیاء کا جاننے والا ہے کیونکہ حاجت روائی کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے۔

(۲) دوسرے معنیٰ صمد کے سردار کے ہیں جو سب سے اعلیٰ سردار ہو۔

(۳) تیسرے صمد جمیع اشیاء کے خالق کو کہتے ہیں۔

(۴) چوتھے صمد اس کو کہتے ہیں جو ہر کام میں مقصود اصلی ہو اور اسکی طرف فریاد لے جاتے ہوں۔

پانچویں یہ کہ صمد وہ ہے کہ جو چاہے کرے۔

(۶) چھٹے صمد فرد کامل اور بزرگ کو کہتے ہیں۔

(۷) ساتوں معنیٰ صمد کے بے نیاز ہیں کہ جس کو کسی کی کسی بات میں کوئی حاجت نہ ہو اور سب سے بے پرواہ ہو اور اس کے سب محتاج ہوں۔

(۸) آٹھویں یہ کہ جس کے اوپر اور کوئی بالا دست نہ ہو۔

(۹) نویں یہ کہ صمد وہ ہے جو نہ کھاوے نہ پیوے۔

(۱۰) دسویں صمد وہ ہے کہ جو خلق کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے۔ فنا نہ ہو جائے۔

(۱۱) گیارہویں صمد وہ کہ جس کو کبھی زوال نہ ہو۔ جیسا تھا ویسا ہمیشہ ہی رہے۔

(۱۲) بارہویں صمد وہ کہ جو کبھی نہ مرے اور نہ کوئی اس کا وارث بنے۔

(۱۳) تیرہویں صمد وہ کہ جو نہ کبھی سوئے نہ بھولے۔

(۱۴) چودھویں صمد وہ جو اور کوئی اس کے صفات سے موصوف نہ ہو۔

(۱۵) پندرہویں صمد بے عیب کو کہتے ہیں۔

(۱۶) سولہویں صمد وہ کہ جس پر کوئی آفت نہ آئے۔

(۱۷) سترہویں صمد بے عیب کو کہتے ہیں۔
وہ جو اپنے جمیع صفات اور افعال میں کامل ہو۔
(۱۸) اٹھارویں وہ جو غالب رہے مغلوب نہ ہو۔
(۱۹) انیسویں صمد وہ جس کی کیفیت دریافت کرنے سے مخلوق ناامید ہوگئی ہو۔
(۲۰) بیسویں صمد وہ ہے کہ جو کسی کو نظر نہ آسکے۔
(۲۱) اکیسویں صمد وہ جو نہ کسی کو جنے نہ کسی نے اس کو جنا ہو۔
(۲۲) بائیسویں صمد وہ بڑا کہ جس کے اوپر کوئی بڑا نہ ہو۔
(۲۳) تیئسویں صمد وہ ہے جو زیادتی اور نقصان سے پاک ہو۔

یہود ونصاریٰ اور مشرکین کی تردید

آگے ارشاد ہے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ اس کے اولاد نہیں۔ نہ وہ کس کی اولاد ہے اس میں ان مشرکین اور یہود و نصاریٰ کا رد ہوا جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے (معاذ اللہ) اور یہود کا جو حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا اور نصاریٰ جو حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ کہتے۔ نیز جو لوگ حضرت مسیحؑ کو یا کسی بشر کو خدا مانتے ہیں ان کی تردید کر دی گئی۔ یعنی خدا کی شان یہ ہے کہ نہ اس کو کسی نے جنا ہو اور نہ اس نے کسی کو جنا ہو۔

جس کے برابر کوئی نہیں

آگے ارشاد ہے وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے یعنی اس کا کوئی مثل نہیں نہ ذات میں نہ وجود وصفات میں نہ اس کے علم وقدرت میں۔ اس جملہ میں ان اقوام کا رد ہو گیا جو اللہ کی کسی صفت میں کسی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض گستاخ تو خدا سے بڑھ کر بعض صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں مثلاً یہود کی کتابیں اگر دیکھی جائیں تو ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوب علیہ السلام سے ہو رہی تھی اور یعقوب علیہ السلام خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ ایک حدیث قدسی ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدم کا بیٹا مجھے جھوٹا قرار دیتا ہے حالانکہ اس کے لئے یہ جائز نہیں اور مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ یہ اس کے لئے درست نہیں۔ میری تکذیب تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے خدا نے مجھے جیسا پہلے پیدا کیا ایسا دوبارہ پیدا نہیں کرے گا حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے میرے لئے سہل نہیں تھا۔ اور گالی یہ دینا ہے کہ وہ کہتا ہے خدا نے اپنے لئے اولاد اختیار کی ہے حالانکہ میں واحد ہوں۔ صمد ہوں نہ والد ہوں نہ مولود ہوں نہ کوئی میرا مثل ہے۔

قرآن پاک کی لفظی ومعنوی خوبیاں اس کی فصاحت و بلاغت کے کمالات، اس کے حسن انشاء کا بے مثل ہونا۔ اس کے اسلوب بیان کی بے نظیری۔ اس کے معجزانہ بیان کی دل آویزی اور دل ربائی۔ اس کے لفظ لفظ میں جو عجائبات و نکات پنہاں ہیں۔ ان کو جاننا اور سمجھنا حقیقت میں کچھ انہیں کا حصہ ہے جن کو اللہ نے ظاہری علم اور عربی زبان میں مہارت کے ساتھ باطنی نور بھی عطا فرمایا ہے۔

اسرار ومعارف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں اس سورۃ کی تفسیر اور تشریح کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ "اس سورۃ میں اللّٰهُ اَحَدٌ کہنے کے بعد اَللّٰهُ الصَّمَدُ اور بعد والے جملہ یعنی لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اللہ احد کے اندر ان مابعد کے جملوں کے تمام معانی موجود ہیں۔ ہاں ان جملوں کو مزید تاکید کی طرح قرار دیا جا سکتا ہے لیکن جس طرح عام کے بعد خاص کو خاص کی اہمیت بتانے کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ احد کے بعد باقی جملوں کو ذکر کیا تاکہ قوت کے ساتھ تنزیہ خداوندی کا اظہار ہو جائے اور جو لوگ توحید کے منکر تھے اور اللہ کی اولاد قرار دیئے تھے اور خدا ہی کو تنہا مقصود نہیں جانتے تھے بلکہ مقصودیت میں دوسروں کو خدا کا شریک بناتے تھے ان کی تردید واضح اور صریحی طور پر ہو جائے اسی لئے اَللّٰهُ الصَّمَدُ اور اس کے بعد والے جملہ میں حرف عطف ذکر نہیں کیا اور اللہ الصمد میں لفظ اللہ دوبارہ ذکر کیا اس بات پر متنبہ کرنے کے لئے کہ جو صمدیت سے متصف نہ ہو وہ معبودیت کا مستحق نہیں۔ انسان کا مقصود صرف

باری تعالیٰ ہونا چاہئے۔اللہ کے علاوہ کوئی چیز مقصود نہیں ہونا چاہئے اسی لئے صوفیہ کرام نے لآالٰہ الااللہ کے معنی لامقصود الا اللہ کہا ہے اور صراحت کی ہے کہ انسان کا جو اصلی مقصود ہے وہی اس کا معبود ہے کیونکہ عبادت کے معنی ہیں معبود کے سامنے انتہائی عاجزی اور فروتنی ظاہر کرنا اور انسان اپنے مقصود کے لئے انتہائی فروتنی اور انکساری کرتا ہے پس جس کے لئے انتہائی فروتنی کی جائے یعنی جو مقصود ہو وہی معبود ہوگا۔صوفیہ لآالٰہ الااللہ کا ذکر کرتے وقت غیر اللہ کی مقصودیت کی نفی کرتے ہیں اور ہر طرح کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کے مقصود ہونے کا خیال بھی ان کے دلوں سے دور ہو جائے۔

خلاصہ

یہ سورت اسلام کے بنیادی عقیدہ یعنی توحید سے بحث کرتی ہے۔ توحید کی تین قسمیں ہیں: توحیدِ ربوبیت یعنی ہر چیز کا خالق، مالک اور رازق اللہ ہے، اس کا اقرار کافر بھی کرتے ہیں۔توحید الوہیت یعنی بندہ جو بھی عبادت کرے خواہ دعا ہو یا نذر و قربانی تو وہ صرف اللہ کیلئے کرے۔مشرکین غیر اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے اگر چہ اس سے ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا تھا مگر ظاہر ہے کہ یہ شرک ہی تھا۔توحیدِ ذات اور اسماء و صفات۔توحید کی یہ تیسری قسم ایسی ہے کہ انسان نے اکثر اس میں ٹھوکر کھائی ہے، وہ غیر اللہ کیلئے بھی وہی علم، وہی قدرت، وہی تصرف اور وہی سمع و بصر ثابت کر دیتا ہے جو حقیقت میں صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے۔غور کیا جائے تو سورتِ اخلاص میں زیادہ زور توحید کی اسی قسم پر ہے۔

سورۃ الاخلاص کے خواص

۱......سورۃ الاخلاص ثواب میں تہائی قرآن کے برابر ہے۔

۲......جو آدمی اس سورۃ کو اخلاص کے ساتھ پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دیتے ہیں۔

۳...... جو آدمی قبرستان کے قریب سے گزرتے ہوئے گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب اس قبرستان کی اموات کو کرے تو اس قبرستان کے مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملتا ہے۔

۴......اپنے دل میں اخلاص پیدا کرنے کے لئے سورۃ اخلاص کو پڑھنا اور اس میں غور کرنا مفید ہے۔

دعا کیجئے

یَااللہ بے شک آپ احد ہیں۔صمد ہیں لم یلد ولم یولد ہیں ولم یکن لہ کفواً احد ہیں۔اے اللہ جس طرح آپ اپنی ذات میں یکتا ہیں اسی طرح آپ اپنی صفات میں بھی یکتا ہیں۔اے اللہ آپ ہر طرح سے کسی کی شرکت سے پاک و منزہ ہیں۔اے اللہ کوئی آپ کا مثل و ہمسر نہیں۔نہ ذات میں نہ وجود میں نہ صفات میں نہ علم و قدرت میں۔اے اللہ اپنی ذات پاک کی ہم کو صحیح معرفت اور توحید کی حقیقت نصیب فرما۔اور اسی پر زندہ رہنا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔اے اللہ اس سورۂ مبارکہ کے انوار و برکات سے ہمارے قلوب کو منور فرما۔اور شب و روز اس کے ورد کی ہمیں توفیق فرما۔آمین۔

یَااللہ جس گناہ کی طرف میرے پیر چلے ہوں، میرے ہاتھ بڑھے ہوں، میری نگاہوں نے ایسا ویسا دیکھا ہو، زبان سے گناہ ہوئے ہوں، آپ کا رزق بے جا برباد کر دیا ہو لیکن آپ نے باوجود اس کے اپنا رزق مجھ سے نہیں روکا اور عطا کیا۔میں نے پھر اس عطا کو تیری نافرمانی میں لگایا اس کے باوجود میں نے زیادہ رزق مانگا، آپ نے زیادہ دیا، میں نے گناہ علی الاعلان کیا لیکن آپ نے رسوا نہ ہونے دیا۔میں گناہ پر اصرار کرتا رہا آپ برابر حلم فرماتے رہے۔پس اے اکرم الاکرمین! میرے سب گناہ معاف فرما دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿١﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿٢﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿٣﴾

آپ کہیے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں۔تمام مخلوقات کے شر سے۔ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آجاوے۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿٤﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾

اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

قُلْ کہہ دیجئے	اَعُوْذُ میں پناہ میں آتا ہوں	بِرَبِّ رب کی	الْفَلَقِ صبح	مِنْ سے	شَرِّ شر	مَا خَلَقَ جو اس نے پیدا کیا	وَمِنْ اور سے		
شَرِّ شر	غَاسِقٍ اندھیرا	اِذَا جب	وَقَبَ چھا جائے	وَ اور	مِنْ سے	شَرِّ شر	النَّفّٰثٰتِ پھونکیں مارنے والیاں	فِي میں	الْعُقَدِ گرہیں
وَ اور	مِنْ شَرِّ شر سے	حَاسِدٍ حسد کرنے والا	اِذَا جب	حَسَدَ وہ حسد کرے					

وجہ تسمیہ

اس سورۃ کی پہلی ہی آیت قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ میں لفظ فلق آیا ہے۔اسی سے سورۃ کا نام ماخوذ ہے۔فلق کے معنی پھاڑ کر یا چیر کر نکالنے کے ہیں۔ یہاں فلق سے مراد صبح ہے کیونکہ رات کی ظلمت پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔قرآن پاک کی یہ سورۃ الفلق اور اگلی سورۃ الناس آخری دو سورتیں ہیں اور ان دونوں سورتوں کو معوذتین بھی کہتے ہیں یعنی وہ دو سورتیں جن میں استعاذہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ استعاذہ عربی زبان میں پناہ لینے حفاظت میں آنے کو کہتے ہیں۔اسی سے لفظ اعوذ نکلا ہے جس کے مطلب ہوئے کہ میں حفاظت میں آتا ہوں۔میں پناہ لیتا ہوں۔

اخلاص واستعاذہ میں ربط

گذشتہ سورۂ اخلاص میں عقائد توحید کو بیان فرمایا گیا تھا اور اخلاص کی تعلیم دی گئی تھی کہ بندہ سب کچھ اپنا اللہ کے لئے خالص کر دے۔ بندگی ہو تو اس کی۔اطاعت ہو تو اس کی محبت ہو تو اس سے۔ خوف ہو تو اس کا غرض کہ زندگی کے ہر حال میں اور دین و دنیا کے ہر معاملہ میں بندے کی نظر ہو تو اللہ پر۔ بندہ امید لگائے تو اس سے۔اسی سے مانگے اور اسی کو اپنا آخری سہارا سمجھے۔اب ان دو آخری سورتوں میں یعنی خاتمہ قرآن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ذریعہ سے تمام امت مسلمہ کو استعاذہ کی تعلیم دی ہے۔یعنی ہر ایک قسم کے شر سے جو توحید اور عقائد حقہ میں فرق یا رخنہ ڈالنے والے شر ہیں ان سے استعاذہ اور تمام معاملات میں اور سب امور میں حق سبحانہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کرنے کا اور اس کی حفاظت اور پناہ میں آجانے کا حکم ہوا ہے۔اول سورۃ یعنی اس سورہ فلق میں مضرات اور شرور دنیویہ سے اور اگلی سورۃ الناس میں مضرات اور شرور دینیہ سے استعاذہ ہے اور یہی حاصل ہے دونوں سورتوں کا۔

انسان کا تعلق جب اللہ تعالیٰ سے کمزور ہو جاتا ہے یا انسان اس بارہ میں غلط روش اور باطل عقائد اختیار کر لیتا ہے تو وہ اللہ کے سوا دوسروں کی پناہ لیتا ہے اور مصیبتوں اور آفتوں۔شرور اور فتن سے بچنے کے لئے وہ دوسروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے مگر ایک مومن اور مسلم جس کا ایمان یہ ہے کہ جو کچھ آتا ہے اللہ کی طرف سے آتا ہے اس کی منشاء اور ارادے کے بغیر یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ اگر نفع پہنچانا

چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اگر اس کے حکم سے کوئی مصیبت آئے تو سوائے اس کے کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ اس ایمان و یقین کا تقاضا یہ ہے کہ مومن ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈتا ہے وہ صرف اس کی حفاظت کو کافی سمجھتا ہے اور ہر مصیبت کے وقت اس کا سہارا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہوتی ہے۔ خواہ یہ مصیبت دنیوی ہو یا آخرت کی۔ آخرت میں اللہ کے عذاب۔ اس کی گرفت اور پکڑ سے بچانے کے لئے کوئی سہارا اس کے سوا ممکن نہیں۔ اس لئے خواہ دنیا کا معاملہ ہو یا دین و آخرت کا۔ مومن ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ اور اس کی حفاظت کا طالب ہوتا ہے۔ ہرحال میں اسی مالک الملک ذوالجلال والاکرام کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی کی پناہ ڈھونڈتا ہے۔ اسی کی حفاظت میں اپنے آپ کو دے دینا چاہتا ہے اسی سے تعلق جوڑتا ہے اسی کے قدموں میں خود کو ڈال دیتا ہے۔ اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ اسی کے آگے گڑگڑاتا ہے اسی کی عظمت اور بڑائی کو دل میں جگہ دیتا ہے۔ اور صرف اسی سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہے اور اسی سے امید اور سہارا رکھتا ہے یہ سب کیفیات استعاذہ میں آجاتی ہے جو ان دونوں سورتوں میں یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس میں بہترین اور جامع الفاظ میں تعلیم فرمائی گئی ہے۔

معوذتین کی اہمیت وفضائل

ان دونوں سورتوں کی اسی اہمیت اور ان کے مضامین کی اسی وسعت کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان سورتوں کی مختلف فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔

ان سورتوں کے فضائل کے سلسلہ میں متعدد احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وارد ہوئی ہیں۔

(۱) حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ مقامات جحفہ اور ابواء کے درمیان ہم کو تیز تند ہوا اور تاریکی نے گھیر لیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ پڑھ کر پناہ مانگنی شروع کی اور مجھے فرمایا عقبہ پناہ مانگو اور ان دونوں سورتوں کے ذریعہ سے کہ پناہ مانگنے کے معاملہ میں یہ دونوں سورتیں سب سے بہتر ہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن خبیبؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک بارش کی رات میں جو نہایت تاریک تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ پس ہم نے آپ کو پالیا۔ آپ نے ہم کو دیکھ کر فرمایا پڑھو۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا پڑھو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ صبح و شام تین تین بار کافی ہوں گی تجھ کو ہر چیز سے یعنی ہر بلا کو دفع کریں گی۔ (مشکوٰۃ)

(۳) حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا میں پناہ حاصل کرنے کے لئے سورۂ ہود اور سورۂ یوسف کو پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے بہتر خدا کے نزدیک اس معاملہ میں کوئی چیز نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ)

ان تمام احادیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ان سورتوں کا صبح و شام اور دن ورات میں پڑھتے رہنا کتنا ضروری اور فائدہ مند ہے۔ بالخصوص جب کوئی زحمت میں مبتلا ہو تو اس وقت ان کا ورد کرنا نہایت مفید ہے لیکن شرط یہ ہے کہ انہیں سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور ذہن میں ان سورتوں کے مضمون کو متحضر رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کے ورد کی توفیق نصیب فرمائیں۔

شانِ نزول

ایک یہودی اور اس کی بیٹیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دشمنی میں سحر کر دیا تھا جس سے آپ کو مرض کی سی حالت عارض ہوگئی۔ آپ نے حق تعالیٰ سے دعا کی اس پر جبرئیل امین یہ دونوں سورتیں لے کر حاضر ہوئے جن میں ایک کی پانچ آیتیں اور ایک کی چھ آیتیں۔ مجموعہ گیارہ آیتیں ہیں اور آپ کو وحی سے اس سحر کا موقع بھی معلوم کرا دیا گیا چنانچہ وہاں سے مختلف چیزیں نکلیں جن میں سحر کیا گیا تھا۔ اور اس میں ایک تانت کا ٹکڑا بھی تھا جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں حضرت جبرئیل علیہ السلام سورتیں پڑھنے لگے ایک ایک آیت پر ایک ایک گرہ کھلتی گئی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل شفا ہوگئی۔

زمانۂ نزول

اس مذکورہ واقعہ کی وجہ سے بعض مفسرین نے ان دونوں سورتوں کو

مدنی کہا ہے۔ مگر بعض مفسرین نے ان سورتوں کو مکی بتلایا ہے اور ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں ان کو شمار فرمایا ہے۔ اور اس اختلاف کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ابتداءً نزول تو ان سورتوں کا مکہ معظمہ ہی میں ہوا ہو لیکن اس خاص موقع پر جو اوپر ذکر ہوا یعنی دفع سحر کے لئے بطور علاج حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ سورتیں پڑھی ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے ورد کی تلقین بحکم خداوندی فرمائی ہو۔ اور مفسرین کے نزدیک ایک سوال کے جواب میں یا کسی خاص موقع اور احوال میں کسی آیت یا سورۃ کا پڑھ دینا بھی نازل ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس طرح بعض مفسرین نے ان کو مدنی سورۃ قرار دیا ہے۔ الغرض جن مفسرین نے ان سورتوں کو مکی کہا ہے اس لحاظ سے یہ سورۂ فلق اگرچہ ترتیب میں اس کا شمار ۱۱۳ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۶ لکھا ہے۔ اس سورۃ میں ۵ آیات ۲۳ کلمات اور ۷۳ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

صبح کے مالک اور خالق کی پناہ میں آؤ

حاصل اس سورۃ کا یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی وساطت سے دیگر مومنین و مومنات کو حکم ہے استعاذہ کا مختلف شرور سے اور تمام امور اور جملہ احوال میں حق تعالیٰ پر توکل کرنے کا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہئے کہ میں رب فلق یعنی صبح کے مالک کی اپنا لیتا ہوں۔ اب یوں تو تمام چیزوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن یہاں رب فلق یعنی صبح کے مالک کا ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر قسم کی تاریکی کو دور کرکے وہی نور نکالنے والا ہے فلق کے لغوی معنی ہیں پھاڑنا اسی نسبت سے صبح کو بھی فلق کہتے ہیں کیونکہ جب رات کی سیاہی پھٹتی ہے تو دن کی روشنی ظاہر ہوتی ہے بلکہ فلق کے لفظ سے تمام ہی مخلوقات مراد لی جاسکتی ہے کیونکہ ہر چیز کی پیدائش میں کسی نہ کسی طرح پھٹنے کا عمل موجود ہے۔ دانہ بیج یا گٹھلی پھٹتی ہے تو زمین سے نباتات اگتی ہے۔ اسی طرح ہر جاندار حیوان ہو یا انسان، انڈے کے پھٹنے یا رحم کے اندر مختلف جھلیوں اور پردوں کے پھٹنے سے پیدائش ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں رب فلق کہہ کر یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ جس ذات کی پناہ لینے کی تعلیم دی جارہی ہے وہ وہ ذات ہے کہ جس کے حکم سے رات و دن ہو رہے ہیں اور رات و دن اس پورے نظام عالم کی ایک بہت نمایاں علامت ہے تو گویا اس ذات کی پناہ لینے کو کہا جارہا ہے جو اس پورے نظام کی مالک ہے اور جس کے حکم سے یہ پوری کائنات اور اس کا نظام قائم ہے۔ تو جو ذات ایسی ہو کہ اس کے قبضہ میں سب کچھ ہو اور جو سب کا پیدا کرنے والا ہو اس کی پناہ لے لینے کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ اس زمین اور آسمان کی کوئی چیز بھی اپنے طور پر کسی کو کوئی نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتی ہو؟ اس طرح ایک چھوٹا سا جملہ رب فلق کہہ کر یہ بتایا گیا کہ سب کی طرف سے نظریں ہٹا کر اپنے کو صرف اللہ کی پناہ میں دے دیں۔

تمام مخلوقات کے شر سے پناہ مانگو

تفسیر اس آیت کی یوں ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار و معاندین آپ کو ہر ممکن طریقہ سے ایذا پہنچانے کے درپے ہیں آپ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ آپ کو جسمانی تکالیف پہنچاتے ہیں۔ آپ کو قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ آپ پر جادو کرتے ہیں۔ غرض کہ ہر ممکن طریقہ سے آپ کو اعلائے کلمۃ اللہ سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے آپ اپنی حفاظت کے لئے مالک ارض و سماء سے یوں کہا کریں کہ اے رب فلق تو ہی تاریکی کے عالم کو دور کرکے اجالا کرنے والا ہے۔ تو ہی کفر وعصیان کی ظلمتوں کو معدوم کرکے رشد و ہدایت کی روشنی سے عالم کو منور کرنے والا ہے۔ تو ہی دشمنان دین اور شیاطین جن وانس کی مکاریوں اور ایذا رسانیوں سے حفاظت کرنے والا ہے۔ اس لئے اے قادر مطلق مجھے جمیع مخلوقات کے شر سے تو ہی محفوظ رکھ۔ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ میں ہر ایسی مخلوق جس میں کوئی بدی ہو اس کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں۔ یہاں اس سورۃ میں جن چیزوں کی شر یا برائی سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ لینے کی تلقین فرمائی گئی ان میں سے سب سے پہلے ''شر ما خلق'' کا ذکر فرمایا گیا اور یہ ایک ایسا فقرہ ہے کہ اس میں

تمام چیزیں شامل ہیں کیونکہ اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے تو اس سے باہر کسی چیز کا امکان ہی نہیں۔ اس طرح شَرِّ مَا خَلَقَ میں حیوانوں کے شر' انسانوں کے شر' جنات کے شر' کیڑے مکوڑے اور دوسری اذیت دینے والی چیزوں کے شر' آندھی' بجلی' پانی' آگ و ہوا کے شر اور اسی طرح تمام بیماریاں آفات و حادثات آسمانی ہوں یا زمینی سب اس میں شامل ہیں اور سب کے شر سے اللہ کی پناہ لینے کی ضرورت ہے۔

اندھیری رات کے شر سے پناہ مانگو

اب آگے بمناسبت مقام چند مخصوص چیزوں کا نام لیا گیا ہے جن کے شر سے پناہ لینے کی ہدایت فرمائی گئی چنانچہ فرمایا وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات چھا جائے۔ غاسق اندھیری رات کو کہتے ہیں جب اندھیری رات اچھی طرح پھیل جاتی ہے تو اس کا شر بھی بڑھ جاتا ہے۔ رات کے شر کا تصور ہر زمانے اور ہر مقام کے لحاظ سے الگ الگ ہو سکتا ہے چور' ڈاکو' قاتل عموماً اندھیری رات ہی میں نکلتے ہیں۔ جنگلی جانور اور موذی درندے جیسے شیر' چیتا' تیندوا' بھیڑیا وغیرہ رات میں اکثر اذیت پہنچاتے ہیں۔ جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق متعدد بیماریوں کے کیڑے اندھیرے ہی میں پرورش پاتے ہیں اور آفتاب کی روشنی میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ حشرات الارض سانپ بچھو ان کے خطرات رات ہی میں بڑھ جاتے ہیں۔ اور تکلیف دہ کیڑوں مکوڑوں کھٹمل' مچھر' پسو وغیرہ کے رات ہی میں ستانے کا تجربہ تو قریب قریب ہر شخص کو ہے۔ پھر جنات وخبائث جن کا مادہ ظلماتی ہے اور نور سے جن کو نفرت ہے وہ رات ہی میں نکلتے ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جب رات آئے بچوں کو گھر سے باہر نہ نکلنے دو۔ اس واسطے کہ اس وقت شیطان کا لشکر پھیلتا ہے۔ جادوگروں اور طلسم والوں کی قوت کا وقت بھی رات ہی ہے اس لئے کہ آفتاب کے قاہرہ کے سبب سے ان کے عمل دن کو تاثیر کم کرتے ہیں پھر اصحاب فسق و فجور کا گناہوں میں مشغول ہونے کا وقت بھی رات ہی ہے۔ الغرض رات کی ممکن شر انگیزیوں سے پناہ جوئی بشری زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔

جادوگروں سے پناہ مانگو

یہاں سورۃ میں تین اہم چیزوں کے شر سے پناہ لینے کی ہدایت فرمائی گئی۔ پہلی چیز اندھیری رات جب کہ خوب پھیل جائے جس کا بیان اوپر وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ میں ہوا۔ دوسری چیز آگے فرمائی وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ (اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے) النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ سے وہ عورتیں یا وہ جماعتیں یا وہ نفوس مراد ہیں جو ساحرانہ عمل کرنے کے وقت کسی تانت یا رسی یا بال وغیرہ میں کچھ منتر وغیرہ پڑھ کر اور پھونک مار کر گرہ لگایا کرتے ہیں۔ تو ایسے جادو کرنے والے مرد اور جادو کرنے والی عورتوں کے شر سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ لینے کی ہدایت فرمائی گئی۔

جادو کی دو قسمیں اور ان کا شرعی حکم

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں سحر (جادو) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سحر حرام۔ اور محاورات (یعنی اصطلاح میں اکثر اسی پر سحر کا اطلاق ہوتا ہے۔ دوسرے سحر حلال جیسے عملیات اور عزائم اور تعویذ وغیرہ کہ لغۃً یہ بھی سحر کی قسم میں داخل ہے۔ اور ان کو سحر حلال کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تعویذ و عزائم (عملیات) وغیرہ مطلقاً جائز نہیں بلکہ اس میں بھی تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر اس میں اسماء الٰہی سے استعانات (مدد حاصل کرنا ہو) اور مقصود بھی جائز ہو تو جائز ہے اور اگر مقصود ناجائز ہو تو حرام ہے۔

اور اگر شیاطین سے استعانت (مدد حاصل کرنا) ہو تو مطلقاً حرام ہے۔ خواہ مقصود اچھا ہو یا برا۔ بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ جب مقصود اچھا ہو تو شیاطین کے نام سے بھی استعانت (مدد حاصل کرنا) جائز ہے یہ بالکل غلط ہے۔ خوب سمجھ لو۔ (التبلیغ)

حاسدوں کے حسد سے پناہ مانگو

تیسری چیز جس کے شر سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی وہ وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ہے (اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے) حسد دل کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ایک شخص دوسرے کے پاس اللہ کی کسی نعمت کو دیکھے تو اس کا دل جلے

اور کڑھے اور یہ چاہے کہ یہ نعمت اس سے ضائع ہو جائے۔ چھن جائے اور جاتی رہے۔ اور اس کے بدلہ مجھے مل جائے اور اس کے لئے حیلے اور تدابیر عمل میں لائے شریعت اسلامیہ میں حسد بالکل ناجائز گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔ ہاں دوسرے کی نعمت دیکھ کر اپنے لئے بھی آرزو کرنا کہ مجھے بھی ایسی نعمت یا اس سے زائد عطا ہو جو فلاں کو عطا ہوئی ہے تو یہ حسد میں داخل نہیں اور اس کو شریعت میں غبطہ کہتے ہیں۔ غبطہ جائز ہے حسد کی یہ بیماری دل کی بدترین بیماریوں میں سے ہے اور حاسد کے اندر جب حسد کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ دوسرے کی بربادی کے لئے اپنی خرابی و بربادی کی بھی پروانہیں کرتا اس لئے یہ شر بہت ہی بڑا شر ہے۔ حکماء نے لکھا ہے کہ یہ مرض حسد وہ جہاں سوز ہے کہ جس کی آگ میں پہلے حاسد خود جلتا ہے پہلا گناہ جو آسمانوں کے اوپر ہوا ہے وہ ابلیس کا حسد حضرت آدم علیہ السلام سے تھا جس کے نتیجہ میں اپنے آپ بھی برباد ہوا اور حضرت آدمؑ کو بھی مبتلائے مصیبت کر ہی چھوڑا۔ اور زمین پر جو پہلا گناہ ہوا وہ حضرت آدمؑ کی اولاد قابیل کا حسد اپنے بھائی ہابیل سے تھا کہ اپنی عقبیٰ بھی بربادی اور بھائی مظلوم کو بھی قتل کیا۔ تو اکثر مفسرین کے نزدیک **من شر حاسد اذا حسد** کا مطلب یہ ہے کہ حاسد جب اپنی قلبی کیفیت کو ضبط نہ کر سکے اور عملی طور پر حسد کا اظہار کرنے لگے تو اس کی بدی اور اس کے حسد کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے تاکہ وہ قادر مطلق اس کی مضرت کے اسباب سے محفوظ رکھے اور اللہ ہی سے اس طرح استغاثہ اور فریاد کرے کہ جب اس نے ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے تو وہ ہمیں ان لوگوں کے شر سے بھی محفوظ رکھے جو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دیکھ کر جلتے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچانے کے درپے ہوتے ہیں۔ یہاں آیت وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا حسد کی صفت بد سے دل کو محفوظ رکھے کہ یہ دل میں پیدا نہ ہونے پائے ورنہ پھر سعادت سے محرومی ہو جاتی ہے۔ یہود مدینہ باوجودے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق سمجھتے تھے مگر حسد کی آگ میں جل مرے اور سعادت سے محروم رہ گئے۔

خلاصہ: اس سورت میں اللہ نے اپنی ایک صفت بیان فرما کر چار چیزوں کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ مخلوق کے شر سے۔ اندھیرے کے شر سے (عام طور پر چور، شیاطین، جنات، حشرات اور ساحر اندھیرے ہی میں اپنا کام دکھاتے ہیں)۔ پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے جو کہ جادو اور ٹونے کرتی ہیں۔ یہ کام اگرچہ مرد بھی کرتے ہیں لیکن عورتیں تعویذ گنڈے میں ہمیشہ پیش پیش دکھائی دیتی ہیں اس لیے قرآن نے عورتوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ حاسد کے شر سے۔

سورۃ الفلق کے خواص

۱......رزق کی آسانی کے لئے سورۂ فلق کو روزانہ پڑھنا مفید ہے۔

۲......مخلوقات کے شر اور حسد سے بچنے کے لئے سورۂ فلق کو روزانہ پڑھیں ان شاء اللہ حفاظت ہوگی۔

جادو کی کاٹ کیلئے معوذتین کا عمل

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

۱- **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** تین تین بار پانی پر دم کر کے مریض کو پلاویں اور زیادہ پانی پر دم کر کے اس پانی میں نہلا دیں اور یہ دعا چالیس روز تک روزمرہ چینی کی تشتری پر لکھ کر پلایا کریں۔ یَاحَیُّ حِیْنَ لَا حَیَّ فِی دَیْمُوْمَۃِ مُلْکِہٖ وَبَقَائِہٖ یَاحَیُّ انشاء اللہ تعالیٰ جادو کا اثر جاتا رہے گا اور یہ دعا ہر اس بیمار کے لئے بھی بہت مفید ہے۔ جس کو حکیموں نے جواب دیدیا ہے۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہمیں ہر حال میں اپنی ذات پاک پر توکل اور بھروسہ کرنے کی نعمت و دولت عطا فرما۔ اور اپنے متوکل بندوں کی جیسے آپ مدد و نصرت اور حفاظت فرماتے ہیں ہماری بھی مدد و حفاظت فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

47

سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۝

آپ کہیئے کہ میں آدمیوں کے مالک آدمیوں کے بادشاہ آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے

الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ خواہ وہ جن ہو یا آدمی۔

قُلْ کہہ دیجئے	اَعُوْذُ میں پناہ میں آتا ہوں	بِرَبِّ رب کی	النَّاسِ لوگ	مَلِكِ بادشاہ	النَّاسِ لوگ	اِلٰهِ معبود	النَّاسِ لوگ	مِنْ سے
شَرِّ شر	الْوَسْوَاسِ وسوسہ ڈالنے والے	الْخَنَّاسِ چھپ کر حملہ کرنیوالے	الَّذِيْ جو	يُوَسْوِسُ وسوسہ ڈالتا ہے	فِيْ میں			
صُدُوْرِ سینے (دل)	النَّاسِ لوگ	مِنَ سے	الْجِنَّةِ جن (جمع)	وَالنَّاسِ اور انسان				

سورۂ فلق اور سورۂ الناس کے مضامین کا ربط

جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان کیا گیا یہ آخری دو سورتیں قرآن پاک کی یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ معوذتین کہلاتی ہیں۔ یعنی وہ دو سورتیں جن میں استعاذہ کی تعلیم دی گئی ہے چنانچہ گذشتہ سورۂ فلق میں مضرات اور شرور دنیویہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی اور اس سورۃ میں مضرات اور شرور دینیہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہنے کی ہدایت دی جاتی ہے کیونکہ نعمتیں دو ہی طرح کی ہیں ایک دنیوی یا مادی نعمتیں جسے مال دولت' اولاد' منصب و اقتدار 'حکومت سلطنت وغیرہ۔ دوسرے دینی یا معنوی جسے ایمان' اسلام' اخلاق حسنہ وغیرہ۔ تو گذشتہ سورۂ فلق میں جن چیزوں کے شر سے اللہ کی پناہ لینے کی تعلیم دی گئی تھی وہ سب خارج میں پائی جاتی تھیں مثلاً کسی دوسرے کا ظلم' کسی چیز سے پہنچنے والی تکلیف جادو یا حسد وغیرہ لیکن اس سورۃ میں جس چیز سے پناہ لینے کی تعلیم دی جارہی ہے وہ وہ شر ہیں کہ جو خاص انسان کے قلب پر پہنچتے اور اثر کرتے ہیں یعنی شیطانی خیالات اور وساوس جو قلب پر اثر کر کے ایمان کو زائل یا ناقص کر دیتے ہیں اور جب قوت ایمانی جاتی رہی تو پھر آدمی دین کا رہا اور نہ دنیا کا۔

اپنے رب مالک اور معبود کی پناہ میں آؤ

اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے تمام مومنین کو حکم ہے کہ شیطانی خیالات و وساوس سے ہر وقت اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہیئے کہ میں انسانوں کے رب انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی تین صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ وہ تمام انسانوں کا رب ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ تمام انسانوں کا مالک اور بادشاہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ تمام انسانوں کا الٰہ یعنی معبود ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت اور بادشاہت اور معبودیت تمام مخلوقات کو شامل ہے لیکن ان صفات کا جیسا کامل ظہور انسانوں میں ہوا کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہوا اسی لئے ''رب'' اور ملک اور الٰہ کی اضافت انسان ہی کی طرف کی گئی۔ نیز شیطانی خیالات اور وساوس میں مبتلا ہونا بجز انسان کے دوسری مخلوقات کی شان بھی نہیں۔ اس

لئے حکم ہوتا ہے کہ جو بھی پناہ اور بچاؤ کا طالب ہو وہ اس پاک اور برتر صفات والے خدا کی پناہ میں آ جائے جو تمام انسانوں کا پالنے اور پرورش کرنے والا ہے۔ جو تمام انسانوں کا حقیقی مالک اور شہنشاہ بھی ہے اور جو معبود حقیقی اور لائق عبادت و بندگی بھی ہے۔ یہاں ان تین صفات کے ذکر سے یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ بندہ صرف اللہ کی پناہ لے جو ان صفات کا مالک ہے اور کوئی دوسری ہستی ان صفات کی مالک نہیں اس لئے اللہ کے سوا کوئی دوسری ذات پناہ طلب کرنے کے لائق نہیں۔

شیطان کی وسوسہ اندازی سے پناہ مانگو

اب آگے اس سورۃ میں جس چیز کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی جاتی ہے اس کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ یعنی مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے شیطان کے شر سے وسواس اسے کہتے ہیں جو وسوسہ ڈالے اور وسوسہ دل میں آنے والے برے خیال کو کہتے ہیں۔ شیطان کا کام یہی ہے کہ وہ انسان کے دل میں برے خیالات ڈالا کرتا ہے۔ اور انسان کی نظروں سے غائب رہ کر انسان کو بہکاتا پھسلاتا ہے۔ اس شیطان کی صفت یہاں خناس فرمائی گئی یعنی وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والا یعنی چور اور داؤ گھات والا قزاق ہے جیسا چوروں بدمعاشوں اور قزاقوں کی عادت ہوتی ہے کہ کام کیا اور سٹک گئے۔ ایسے ہی شیطان ہے کہ خرمن ایمان میں چنگاری ڈالی اور چل دیا۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شیطان ابن آدم کے دل پر چنگل مارے ہوئے ہے۔ جہاں انسان بھولا اور غفلت کی اس نے وسوسہ ڈالنے شروع کئے اور جہاں اس نے ذکر اللہ کیا اور یہ پیچھے ہٹا خناس کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ شیطان برائی سکھاتا ہے اور جہاں انسان نے اس کی مان لی پھر ہٹ جاتا ہے۔ آگے اور توضیح فرمائی جاتی ہے کہ وہ وسواس کیا کرتا ہے۔ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ، بدخطرات اور ناپاک خیالات ڈالا کرتا ہے۔ اگر کوئی نیک کام کرنے لگے تو قسم قسم کے شبہات اس کے دل میں پیدا کرتا ہے اور اس کار خیر سے ہر ممکن طریقہ سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے اندر شیطان خون کی طرح رگ و ریشہ میں پھرتا ہے۔ مگر یہ بھی ذہن نشین ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ اختیار تو دیا ہے کہ وہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈال سکے لیکن اسے یہ اختیار نہیں کہ وہ جبراً انسان سے کوئی غلط کام بھی کرا لے۔ دل میں وسوسہ آنے کے بعد بندے کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو اس خیال کے مطابق برائی میں مبتلا ہو جائے اور چاہے تو وسوسہ کو رد کر دے اور برائی سے بچ جائے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں محض دل میں وسوسہ آنے پر کوئی گرفت نہیں۔ ہاں اس وسوسہ کے مطابق عمل کرنے پر گرفت ہوگی۔ الغرض ابلیس اور اس کی ذریت کو قلوب بنی آدم تک اس طرح رسائی ہے کہ وہ طرح طرح کے وسوسے دل میں ڈالا کرتا ہے۔

وسوسہ اندازی انسان بھی کرتے ہیں

آگے فرمایا جاتا ہے مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ خواہ وہ جن ہو یا آدمی یعنی شیطان جنات میں بھی ہیں اور انسانوں میں بھی۔ اللہ تعالیٰ دونوں سے یعنی شیاطین الجن اور شیاطین الانس سے ہم کو ہر آن اپنی پناہ میں رکھیں۔ یعنی کچھ ابلیس اور اس کی ذریت پر ہی موقوف نہیں انسانوں میں بھی ایسے ہیں کہ جو ایمان یا نیک کام میں یا کار خیر میں وسوسہ اور شبہ ڈال کر چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا دیا کرتے ہیں کبھی اپنی سحر بیانی سے کبھی ملمع کار تقاریر سے کبھی مشفق و مہربان کی صورت میں کبھی مصلح و ہمدرد قوم کی شکل میں کبھی لیڈر و رہنما کے لباس میں اور کبھی فقیری کے لباس میں غرضکہ نہ معلوم کتنے بہروپ بدل کر انسانی شیطان وہ وہ کام کرتے ہیں کہ شیطان بھی ان پر رشک کھاتا ہے اور ان انسانی شیطانوں کا بھی ہر وقت اور ہر زمانہ میں ظہور رہا ہے۔ اور خصوصاً اس آزادی کے دور میں تو ان انسانی خناسوں کی خوب بن آئی ہے۔ جو چاہیں کریں۔ جو چاہیں کہیں انہیں کوئی پوچھنے اور روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ اسلام اور شعائر اسلام کی توہین کرتے ہیں۔ احکام شریعت پر قہقہہ اڑاتے ہیں۔ شیدائیان مغرب اور عاشقان یہودیت ونصرانیت اسلام کے لباس میں لوگوں کو الحاد و زندقہ کی دعوت دیتے

ہیں۔ یہ انسانی خناس عام بدکاری کے ایسے اسباب پیدا کر رہے ہیں کہ ایمان کا تھامنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ ہاتھ میں انگارے کا تھامنا۔ سینکڑوں تباہ کن رسم ورواج پیدا کر کے قانون شریعت کو درہم برہم کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ شراب خواری' زنا کاری' برہنہ تصاویر' طرح طرح کے لہو ولعب۔ گاجے باجے' تھیٹر سینما ایسے جاری ہو رہے ہیں کہ جن سے کوئی شہر خالی نہ ہوگا۔ سود اور اس کے معاملات کی ایسی وبا پھیلی کہ جس سے کوئی تجارت یا کوئی معاملہ نہ بچ سکے۔ ابلیس لعین بھی ان انسان نما شیاطین کی سیہ کاریوں کو دیکھ کر حیران وششدر رہ جاتا ہوگا کہ شاگرد رشید تو ایسے نکلے کہ استاد سے بھی کئی گناہ سبقت لے گئے۔ اب تو شیطان بھی بفراغت آرام کرتا ہوگا کہ اس کے چیلے چانٹوں نے کچھ کمی نہیں چھوڑی کہ جو اس کو تکلیف گوارا کرنی پڑے۔ الغرض انسانی خناس ہو یا جناتی خناس سب کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس پرفتن دور میں ہمارے دین وایمان کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

ایک اہم نکتہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلویؒ نے ان دونوں سورتوں یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے تفسیر کے سلسلہ میں ایک عجیب اور نہایت لطیف نکتہ یہ لکھا ہے کہ سورۃ فلق میں اللہ تعالیٰ کی ایک ہی صفت سے یعنی جو رب فلق ہے تین چیزوں کی برائی سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ ایک تاریکی کے شر سے' دوسرے سحر کے شر سے' تیسرے حاسد کے حسد کے شر سے۔ اور سورۃ الناس میں ایک ہی چیز کی برائی سے یعنی شیطان کے وسوسہ سے حق تعالیٰ کی تین صفتوں سے جو رب الناس ہے ملک الناس ہے اور الٰہ الناس ہے پناہ مانگنے کا حکم ہوا ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ دین کی حفاظت مقدم اور زیادہ ضروری ہے۔ جان اور بدن کی حفاظت سے۔ اس واسطے کہ وسواس شیطانی دین کا خراب کرنے والا ہے اور وہ تینوں چیزیں یعنی تاریکی' سحر' اور حسد جان وبدن کو ضرر پہنچانے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی جان سے زیادہ اپنے دین وایمان کو بچانے کی توفیق وہمت عطا فرمائیں۔

قرآن کریم کی ابتداء واختتام میں ربط وتوافق

اب اخیر میں ایک عجیب لطیفہ جس کو حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے یہاں خاتمہ پر بتغیر الفاظ نقل کیا جاتا ہے حضرتؒ لکھتے ہیں کہ اس سورۃ میں جس سے قرآن کا حسن آغاز وانجام بھی ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ خاتمہ قرآن پر اس سورۃ کے اور ابتدائے قرآن میں سورۂ فاتحہ کے مضامین میں غایت درجہ کا تقارب ہے اور دونوں سے توحید متحقق ہے چنانچہ یہاں سورۃ الناس میں رَبِّ النَّاسِ ہے اس کی مناسبت سے سورۂ فاتحہ میں رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے۔ یہاں مَلِكِ النَّاسِ ہے اس کی مناسبت سے سورۂ فاتحہ میں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے اور یہاں اِلٰهِ النَّاسِ ہے اس کی مناسبت سے سورۂ فاتحہ میں ایاک نعبد ہے اور یہاں استعاذہ کی تعلیم ہے اس کے مناسب وہاں سورۂ فاتحہ میں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہے۔ اور یہاں مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ہے اس کے مناسب سورۂ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ہے اور ایک نکتہ مفسرین نے ابتداء واختتام قرآن کی مناسبت میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابتدائے قرآن کی اللہ تعالیٰ کے وصف ربوبیت سے تھی اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فرمایا تھا۔ اور اختتام وصف الوہیت پر ہوا اور الٰه الناس فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ربوبیت کی حق شناسی یہی ہے کہ اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کیا جاوے اور اسی کی شکرگزاری کے ساتھ عبادت واطاعت میں عمر گزار دی جائے۔

خلاصہ

یہ معوذتین میں سے دوسری سورت ہے اور ان دونوں سورتوں کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کے بارے میں فرمایا:

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج ایسی دوسورتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان کی کوئی مثال نہیں' یعنی اللہ کی پناہ مانگنے میں یہ دونوں سورتیں بے مثال ہیں۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دوسورتوں سے کوئی شخص بھی مستغنی نہیں' یہ جسمانی اور روحانی آفات دور کرنے میں بے حد مؤثر ہیں۔

قرآن کے آخر میں ان دوسورتوں کے لانے اور سورۂ فاتحہ سے شروع کرنے میں بڑی گہری مناسبت ہے' سورۂ فاتحہ میں بھی اللہ کی مدد مانگی گئی تھی اور ان دونوں سورتوں میں بھی یہی مضمون ہے۔ گویا کہ اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ بندے کو ابتدا سے انتہاء تک اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے اور اس سے مدد مانگتے رہنا چاہیے۔

سورۂ ناس میں اللہ کی تین صفات مذکور ہیں: ربوبیت' مالکیت اور الٰہیت۔ یہ تین صفات ذکر فرما کر ایک چیز کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ہے وسوسہ ڈالنے والے کا شر۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وسوسہ کتنی خطرناک اور مہلک بیماری ہے' وسوسہ شیطان بھی ڈالتا ہے اور انسان بھی' آج کا سارا مغربی میڈیا مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کے حوالے سے وسوسہ اندازی میں مصروف ہے اور وسوسے کی بیماری بہت عام ہو چکی ہے' اس لیے کثرت کے ساتھ ان دوسورتوں کو وردزبان بنانے کی ضرورت ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ لیا جائے کہ سورۂ فلق میں ایک صفت ذکر فرما کر چار آفات سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا تھا اور یہاں چار صفات ذکر فرما کر ایک آفت کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے کہ پہلی سورت میں نفس اور بدن کی سلامتی مطلوب ہے جبکہ دوسری سورت میں دین کے ضرر سے بچنا اور اس کی سلامتی مطلوب ہے اور دین کا چھوٹے سے چھوٹا نقصان دنیا کے بڑے سے بڑے نقصان سے زیادہ خطرناک ہے۔

اگر ہم نے قرآن سے سچا تعلق قائم کیے رکھا اور اسے پڑھنے' سمجھنے' اس پر عمل کرنے اور اس کے سارے حقوق کی ادائیگی کی کوشش کرتے رہے تو ان شاءاللہ ہمارا اور ہماری آنے والی نسلوں کا دین وایمان محفوظ رہے گا۔

سورۃ الناس کے خواص

۱...... جو آدمی سورۃ الناس کی تلاوت کو اپنا معمول بنائے وہ امن و سلامتی میں رہے گا۔

۲...... جس آدمی کو یا جانور وغیرہ کو نظر بد کا اثر ہو تو سورۃ الناس پڑھ کر اس پر دم کریں اللہ کے فضل سے درست ہو جائے گا۔

۳...... مریض پر سورۂ ناس کا دم کرنے سے افاقہ ہوتا ہے۔

۴...... جو آدمی نزع کے عالم میں ہو اس پر سورۂ ناس پڑھنے سے اس کی موت آسان ہو جاتی ہے۔

۵...... جنوں اور انسانوں کے شر سے اور وہم ووسواس سے محفوظ رہنے کے لئے سوتے وقت سورۂ ناس پڑھ کر سوئے۔

۶...... بچوں کو جنوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لئے سورۃ الناس کو لکھ کر ان کے گلے میں لٹکانا مفید ہے۔

۷...... جس آدمی کو بادشاہ یا افسر وغیرہ کے ظلم کا خوف ہو وہ اس کے پاس داخل ہوتے وقت سورۃ الناس پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ ان کے شر کے لئے اسے کافی ہو جائے گا اور یہ امن وامان میں رہے گا۔

دعا کیجئے

یَااللّٰہُ اس پُرفتن دور میں ہم کو قرآن کو سینہ سے لگائے رکھنے اور اسکا سچا خادم اور متبع ہو کر زندہ رہنے اور اسی پر موت آجانے کی سعادت مقدر فرما۔

یَااللّٰہُ آپ ہی ہمارے دین وایمان کی حفاظت فرمایئے اور تمام شرور وفتن ظاہری و باطنی سے عموماً اور شیاطین الجن والانس کے خطرات ووساوس سے خصوصاً ہم کو اپنی پناہ نصیب فرما دیجئے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ